السیرۃ النبویہ

جلد اوّل

مصنّف

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ ذوالفقار علی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور، کراچی، پاکستان

نام کتاب	السیرۃ النبویہ (جلد اول)
مصنف	علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ ذوالفقار علی، فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ
زیر نگرانی	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	فروری 2014ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST61

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37247350-فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411 فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

عرض ناشر

کسی عارف نے کہا ہے: جو شخص اپنے دل میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع جلانے کا متمنی ہو، آفتاب نبوت کے فیضان سے اپنے دل کی دنیا روشن کرنے کا خواہاں ہو، اگر وہ دو باتوں پر عمل پیرا ہو جائے تو رب تعالیٰ اسے یہ گوہر ضرور عطا فرما دیتا ہے۔

سیرت نبویہ کا مطالعہ کرے۔

کثرت درود شریف کا ورد کرے۔

ادارہ ضیاء القرآن کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ سیرت رسول پر نئے سے نیا کام آپ کی خدمت میں فراہم کرے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں عشق رسول ﷺ کی دولت عطا فرمائے۔ اسی حسین سلسلے کی ایک کڑی "السیرۃ النبویہ" ہے جو احمد بن زینی دحلان کی لاجواب اور ایمان افروز کاوش ہے۔ یہ تصنیف لطیف تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے اردو قالب میں ڈھالنے کی سعادت علامہ ذوالفقار علی ساقی صاحب کے حصے میں آئی۔ انہوں نے کتاب کے ترجمہ میں بھرپور کوشش کی ہے کہ عشق و محبت میں ڈوبی اس تحریر کی وہ چاشنی برقرار رہے جو اس تصنیف کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ترجمہ انتہائی آسان، سہل اور رواں ہے۔ ہم اسے قارئین کی سہولت کے پیش نظر دو جلدوں میں پیش کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ علامہ ساقی صاحب کی یہ کاوش اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ ادارہ ضیاء القرآن اور اس کے مخلص کارکنان کی جدوجہد بھی اپنی بارگاہ میں قبول کرے۔ آئندہ بھی اپنی ملت کی خدمت میں محبت و عشق کے ایسے ارمغان پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

ایک تعارف

سیرت کا مادۂ اشتقاق س، ی، ر ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا معنی ہے: طریقہ، ہیئت، راستہ۔ چنانچہ عربی زبان کی مشہور لغت ''المنجد'' میں اس کا معنی ''السيرة: الهيئة، الطريقة المذهب'' ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا اطلاق آدمی کے کردار پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ ''المنجد'' میں ہے ''سيرة الرجل صحيفة أعماله كيفية أسلوبه بين الناس'' کسی انسان کے قصے کو بھی سیرت کہا جاتا ہے۔ اہل عرب اس طرح کہتے ہیں: ''القصة فيقولون سيرة أي قصته (المنجد)

اردو زبان کی لغت فیروز اللغات میں سیرت کے یہ معانی ہیں: عادت، طریقہ، ہیئت اخلاق۔

اس لغوی وضاحت سے معلوم ہوا کہ سیرت سے مراد کسی انسان کا کردار اور اس کا زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ سیرت النبی سے مراد نبی کریم ﷺ کا اخلاق، کردار اور آپ کی حیات طیبہ کا مطالعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے چیدہ چیدہ احوال خود قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ اور لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة (تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے) فرما کر حضور ﷺ کی پوری سیرت طیبہ کو بیان فرما دیا۔

یوں سیرت نگاری کا آغاز خود قرآن سے ہوتا ہے۔ بہت سی آیات بینات میں نبی کریم ﷺ کی پیاری اداؤں کا بیان ہے۔ فرمایا: وما رميت إذ رميت ولكن الله رمى۔ اسی طرح بہت سی آیات کریمہ میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف بیان کر کے آپ کے لیے مختلف القابات ذکر کئے گئے ہیں جو آپ کی سیرت طیبہ کے کسی نہ کسی پہلو کی عکاسی کرتے ہیں۔

قرآن پاک کی طرح صحابہ کرام سے بھی نبی کریم ﷺ کی زندگی کے بے شمار واقعات، آپ کا اخلاق، کردار اور زندگی گزارنے کا طریقہ مروی ہے جو حقیقت میں سیرت نبوی کا مآخذ بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے انسانِ کامل بنایا اس لیے آپ ہی کی تقلید میں انسانیت کی بھلائی ہے۔ اس لیے علمائے اسلام نے اس موضوع پر خصوصی توجہ دی اور ''سیرت النبی'' ایک عنوان نہ رہا بلکہ ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا۔ ہر دور میں علمائے کرام نے اس موضوع پر مستند کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

تیرہویں صدی ہجری میں حضرت علامہ احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ''السيرة النبويه'' کے نام سے ایک جامع کتاب تحریر فرمائی جسے اسلوب، اختصار اور جامعیت کی بنا پر بہت بلند مقام حاصل ہوا۔ علامہ مذکور نے اس وقت تک لکھی جانے والی سیرت النبی کی مختلف کتب کا مطالعہ کیا اور ایک ایسی کتاب تصنیف فرمائی جس میں سیرت طیبہ کے متعلق اہم ترین مواد جمع فرمایا گویا اپنے مطالعہ کا خلاصہ انہوں نے اس کتاب میں تحریر فرما دیا۔

اس کتاب کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں کتب احادیث سے استفادہ کیا گیا اور مستند

احادیث کی روشنی میں سیرت طیبہ لکھی ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد کا آغاز ان فضائل سے ہوتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے قبل مختلف انبیائے کرام علیہم السلام نے بیان فرمائے اور غزوۂ بدر کے حالات تک ہے۔ دوسری جلد غزوۂ بنی سلیم سے لے کر غزوۂ تبوک کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجے جانے تک ہے اور تیسری جلد حجۃ الوداع سے لے کر وصال نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوب کر اسے تحریر کیا ہے۔ ایک طرف محبت بھرا انداز ہے تو دوسری طرف تحقیق کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا۔ یہ کتاب چونکہ عربی میں تھی اس لیے اردو کتب کا مطالعہ کرنے والے اس کی افادیت سے محروم تھے۔ ہمارے نہایت ہی قابل قدر اور مخلص دوست حضرت علامہ مولانا ذوالفقار علی ساقی صاحب نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنا کر اردو دان حضرات کے لیے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔ برادر محترم ذوالفقار علی ساقی صاحب دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سے فارغ التحصیل ہیں اور تقریباً پندرہ سال سے یہیں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، محنت سنجیدگی اور دیانت داری کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھانا ان کی خصوصیت ہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ ہاسٹل کے انچارج ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اپنی اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ بنیادی طور پر ان کا مضمون انگلش ہے۔ لیکن عربی کتب کے مطالعہ کے ساتھ خاص شغف رکھتے ہیں اور ایک درجن سے زائد عربی اور فارسی کتب کا اردو ترجمہ کر چکے ہیں۔ جن میں مؤطا امام مالک، کیمیائے سعادت، کتاب الاذکار، حکایات صوفیا نہایت اہم ہیں۔ علامہ احمد بن زینی دحلان کی کتاب ''السیرۃ النبویہ'' کا ترجمہ کر کے انہوں نے سیرت النبی کے مطالعہ کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کے لیے سیرت کے ایک نہایت عمدہ اور سہل مآخذ تک رسائی کو ممکن بنا دیا ہے۔

اپنے قارئین کی سہولت اور آسانی کے لیے ادارہ ضیاء القرآن اس ترجمہ کو دو جلدوں میں پیش کر رہا ہے۔ پہلی جلد حالات قبل نبوت سے لے کر صلح حدیبیہ تک ہے اور دوسری جلد صلح حدیبیہ سے لے کر وصال نبوی تک ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس عمل صالح پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ نیز دین متین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بابر حسین بابر

دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف

کچھ مصنف کے بارے میں

''السیرۃ النبویہ'' کے مصنف حضرت سید احمد بن زینی دحلان ہیں۔ جو انیسویں صدی کے شروع میں مکہ معظمہ کے قریب پیدا ہوئے۔ 1288ھ/ 1871ء سے اپنے آبائی شہر میں مذہب شافعی کے مفتی اور شیخ العلماء کے منصب پر فائز رہے۔ جب شریف اعظم عون الرفیق ترکی کے نائب عثمان پاشا سے کسی مخالفت کی بنا پر مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ چلے گئے تو حضرت احمد بن زینی دحلان نے بھی ان کی تقلید کی۔ لیکن اس کے بعد جلد ہی سفر کی تھکن سے 1304ھ/ 1886-1887ء میں انتقال کر گئے۔ اپنی زندگی کے آخری برسوں میں حضرت زینی دحلان نے ایک مصنف کے اعتبار سے بہت سرگرمی دکھائی۔ انہوں نے نہ صرف ان روایتی اسلامی علوم کو اپنی تحریر کا موضوع بنایا جن کا مطالعہ ان کے زمانہ میں مکہ معظمہ میں کیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض وقتی طور پر زیر بحث مسائل پر بھی متعدد رسائل لکھے اور مکہ معظمہ میں انیسویں صدی میں تاریخ نویسی کے واحد نمائندہ بن گئے۔ روایتی موضوعات پر ان کی تصانیف ''شرح الاجرمیہ''، ''السیرۃ الدحلانیہ'' یا ''السیرۃ الزینیہ'' اور ''الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ'' بہت مقبول اور مشہور ہیں۔

عشق و محبت سے معمور تصنیف ''السیرۃ الدحلانیہ'' کا ترجمہ کرنے کی سعادت راقم الحروف کو میسر آئی۔

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف میں صرف سیرت رقم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور معجزات کے لیے علیحدہ علیحدہ باب باندھے ہیں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا دوبالا ہو۔

جہاں بھی دو یا دو سے زیادہ روایات کا تضاد نظر آیا حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی انتہائی خوبصورت تطبیق بھی کی ہے۔

انہوں نے سیرت ابن ہشام، المواہب اللدنیہ، الروض الانف اور شرح زرقانی جیسی مستند کتب سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت کے طفیل مجھے یہ سعادت میسر آئی کہ میں نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ یہ ترجمہ انتہائی آسان ہو تا کہ عام قاری بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس کے ساتھ عشق و محبت کی وہ چاشنی بھی برقرار رہے جو اس عظیم تصنیف کا خاصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول کرلے اور اسے میرے لیے توشہ آخرت بنائے۔

میں صاحبزادہ والا تبار الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب کا انتہائی ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے اس کتاب کی نہایت احسن انداز میں طباعت فرمائی اور ملت اسلامیہ کی خدمت بطور ارمغانِ محبت پیش فرمایا۔

انتہائی ناشکری ہوگی اگر میں علم و عمل کے پیکر اور خلوص و وفا کے مجسمہ حضرت مولانا الاستاذ ملک محمد بوستان صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی مشفقانہ سرپرستی میں مجھے اس عظیم تصنیف کا ترجمہ کرنے کی سعادت میسر آئی۔ جزاھم اللہ خیر الجزاء

ذوالفقار علی ساقی

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف

شان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بزبان انبیاء علیہم السلام

حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت کی وجہ

کئی اسناد سے روایت ہے۔ جب اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست اقدس سے تخلیق فرمایا تو انہیں الہام فرمایا۔ انہوں نے عرض کی "مولا! تو نے میری کنیت ابو محمد کیوں رکھی ہے؟" اللہ رب العزت نے فرمایا: "آدم! اپنا سر بلند کرو" انہوں نے سر اقدس بلند کیا تو عرش کے پایوں پر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک دیکھا۔ عرض کی "مولا! یہ کیسا نور ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ تمہاری اولاد میں سے ایک محترم و مکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نور ہے۔ جن کا نام نامی آسمان پر احمد اور زمین میں محمد ہوگا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نہ تمہیں پیدا کرتا نہ ہی آسمان و زمین کی تخلیق کرتا"۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام نے عرش پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرقوم دیکھا۔ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا "اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں تخلیق نہ کرتا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کی برکت

حضرت آدم علیہ السلام نے عرش کے پائے، جنت کے محلات، کمروں، حور عین کے سینوں پر، شجرہ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، حجابات کے اطراف پر اور ملائکہ کی آنکھوں کے مابین حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ لکھا ہوا دیکھا یعنی ہر جگہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی "خالق کائنات! یہ محمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا "یہ تمہارے وہ فرزند ارجمند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں تمہیں تخلیق نہ کرتا"۔ انہوں نے عرض کی "مولا! اس مبارک فرزند کے طفیل اس باپ پر رحم فرما" صدائے ربانی آئی "اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لے کر سارے اہل آسمان اور اہل زمین کی سفارش کرتے تو ہم تمہاری سفارش قبول کر لیتے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے عرض کی "مولا! میں تجھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آدم! تم نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا۔ حالانکہ میں نے ابھی تک انہیں تخلیق نہیں کیا"۔ انہوں نے عرض کی "پروردگار! جب تو نے مجھے اپنے دست اقدس سے تخلیق کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی۔ میں نے سر اٹھایا۔ میں نے عرش معلیٰ کے پایوں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا۔ میں جان گیا کہ تو نے اپنے نام نامی کے ساتھ اسی ذات والا کے اسم گرامی کو ملایا ہے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آدم! تم نے سچ کہا ہے۔ وہ ذات مجھے ساری مخلوق سے زیادہ

پیاری ہے۔ تم نے مجھ سے اس کے طفیل سوال کیا ہے۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے۔ اگر محمد مصطفیٰ ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا"۔

شیخ اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی "خود بھی محمد عربی ﷺ پر ایمان لاؤ۔ اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لے آئیں۔ اگر محمد عربی نہ ہوتے تو میں نہ حضرت آدم کو پیدا فرماتا نہ جنت اور آگ کو وجود عطا کرتا۔ میں نے پانی پر اپنا عرش تخلیق کیا وہ لرزنے لگا۔ میں نے اس پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا تو وہ پرسکون ہو گیا"۔

دیلمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میرے پاس حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آئے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے 'اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت پیدا نہ کرتا۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آگ پیدا نہ کرتا'"۔

ابن سبع نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا "آپ کے لئے میں نے "بطحاء کو پھیلایا ہے، موج کو حرکت دی ہے، آسمان کو رفعت بخشی ہے، ثواب اور عذاب بنایا ہے"۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "یہ سعادت آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور نبی یا فرشتے کو حاصل نہیں"۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَ مَا عَجَبٌ اِكْرَامِ اَلْفٍ لِوَاحِدٍ لِعَيْنٍ تَفَدّٰى اَلْفُ عَيْنٍ وَ تُكْرَمُ

کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک ذات والا کے لئے ایک ہزار کا احترام کیا جائے۔ وہ چشم مازاغ جس پر ہزار آنکھیں فدا ہوں اور جسے عزت و احترام نصیب ہو۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

وَ كَانَ لَدَى الْفِرْدَوْسِ فِىْ زَمَنِ الصِّبَا وَ اَثْوَابُ شَمْلَ الْاُنْسِ مُحْكَمَةُ السدى

يُشَاهِدُ فِىْ عَدْنٍ ضِيَاءً مُشَعْشَعًا

حضرت آدم علیہ السلام روح و جسم کے ارتباط کے بعد ابتداء میں فردوس اعلیٰ میں تھے۔ آپ کو رب تعالیٰ کا بہت زیادہ قرب حاصل تھا۔ انہوں نے جنت عدن میں منتشر نور دیکھا۔

يَزِيْدُ عَلَى الْاَنْوَارِ فِى الضَّوْءِ مِنَ الْهُدٰى فَقَالَ اِلٰهِىْ مَا الضِّيَاءُ الَّذِىْ اَرٰى

جُنُوْدُ السَّمَاءِ تَغْشُوْا اِلَيْهِ تَرَدُّدًا

یہ مبارک نور اپنی نورانیت اور ہدایت میں سب سے بڑھ کر تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی "مولا! یہ کیسی ضیاء ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ آسمان کے جنود نور کے حصول کے لئے بار بار اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں"۔

فَقَالَ نَبِىٌّ خَيْرُ مَنْ وَطِئَ الثَّرٰى وَ اَفْضَلُ مَنْ فِى الْخَيْرِ رَاحَ اَوِ اغْتَدٰى

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ ایسے نبی کریم ﷺ ہیں۔ جو بے مثل و بے نظیر ہیں۔ اور ان سے افضل ہیں جو صبح و شام بھلائی

میں آتے جاتے ہیں"۔

تَخَيَّرْتُهُ مِنْ قَبْلِ خَلْقِكَ سَيِّدًا　وَ اَنْبَتُّهُ قَبْلَ النَّبِيِّيْنَ سُؤدَدًا

آدم! میں نے تمہاری تخلیق سے قبل انہیں سردار بنایا اور سارے انبیاء سے قبل سیادت کا تاج ان کے سر پر سجایا۔

وَ اَعْدَدْتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا　مُطَاعًا اِذَا مَا الْغَيْرُ حَادَ وَ حِيْدًا

میں نے انہیں روز حشر کے لیے شافع اور مطاع بنایا ہے جبکہ اغیار جدا اور الگ ہو جائیں گے۔

فَيَشْفَعُ فِي اِنْقَاذِ كُلِّ مُوَحِّدٍ　وَ يُدْخِلُهُ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُخَلَّدًا

آپ ہر موحد کی نجات کے لئے شفاعت فرمائیں گے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ جنات عدن میں داخل کریں گے۔

وَ اِنَّ لَهُ اَسْمَاءَ سَمَّيْتُهُ بِهَا　وَلٰكِنَّنِي اَحْبَبْتُ مِنْهَا مُحَمَّدًا

اور ان کے لئے ایسے عالی شان اسماء ہیں جو میں نے ہی رکھے ہیں۔ لیکن میں نے ان اسماء میں سے "محمد" نام پسند کر لیا۔

فَقَالَ اِلٰهِي امْنُنْ عَلَيَّ بِتَوْبَةٍ　تَكُوْنُ عَلٰى غُسْلِ الْخَطِيْئَةِ مُسْعِدًا

حضرت آدم نے عرض کی "مولا! مجھ پر ایسی توبہ کے ساتھ احسان فرما جو لغزش کے ختم ہو جانے پر مددگار ہو۔

بِحُرْمَةِ هٰذَا الْاِسْمِ وَالزُّلْفَةِ الَّتِي　خُصِّصْتَ بِهَا دُوْنَ الْخَلِيْقَةِ اَحْمَدًا

اس اسم اور اس قرب کے طفیل جس سے تو نے ساری مخلوق کو چھوڑ کر احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختص کیا ہے۔

اَقِلْنِي عِثَارِي يَا اِلٰهِي فَاِنَّ لِي　عَدُوًّا لَعِيْنًا جَارَ فِي الْقَصْدِ وَاعْتَدٰى

مولا! میری لغزش معاف فرما۔ میرا ایک لعین دشمن ہے اس نے قصد میں ظلم و تعدی سے کام لیا۔

فَتَابَ عَلَيْهِ رَبُّهُ وَ حَمَاهُ مِنْ　جِنَايَةٍ مَا اَخْطَاهُ لَا مُتَعَمِّدًا

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نظر کرم فرمائی اور وہ لغزش معاف کر دی جو جان بوجھ کر نہ کی تھی۔

حضرت حواء علیہا السلام کا حق مہر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء علیہا السلام کو پیدا کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو انہیں دیکھ کر سکون حاصل کیا۔ ان کی طرف میلان ہوا۔ ان کی طرف دست محبت بڑھایا تو ملائکہ نے کہا "آدم! رک جائیں" حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا "کیا رب تعالیٰ نے اسے میرے لئے پیدا نہیں کیا؟ ملائکہ نے عرض کی "حتیٰ کہ آپ ان کا حق مہر ادا کر لیں" حضرت آدم علیہ السلام نے استفسار فرمایا "ان کا حق مہر کیا ہے؟" فرشتوں نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تین بار درود شریف پڑھو" دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے حق مہر ادا کرنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے بارگاہ ربوبیت میں عرض کی "مولا! ان کا حق مہر کیا ہے" رب تعالیٰ نے فرمایا "میرے محبوب محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس بار درود شریف پڑھو"۔

عزت وکرامت

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "آپ کا رب تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے۔ اگر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے تو میں نے آپ کو اپنا حبیب بنایا ہے۔ میں نے کوئی ایسی مخلوق تخلیق نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ معزز ہو۔ میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اس لئے بنایا ہے تاکہ انہیں بتاؤں کہ میرے حضور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وکرامت اور مقام ومنصب کیا ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا تخلیق نہ کرتا"۔

عارف باللہ سیدی علی وفی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنا احسن قول کہا ہے۔

سَكَنَ الْفُؤَادُ فَعِشْ هَنِيْئًا يَا جَسَدُ ذَاكَ النَّعِيْمُ هُوَ الْمُقِيْمُ اِلَى الْاَبَدِ

دل پرسکون ہو گیا اے جسم! تو عمدہ طریقہ سے زندگی بسر کر۔ یہ نعمت کبریٰ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

اَصْبَحْتَ فِيْ كَنَفِ الْحَبِيْبِ وَ مَنْ يَكُنْ جَارَ الْكَرِيْمِ فَعَيْشُهٗ عَيْشُ الرَّغَدِ

تو محبوب کے پہلو میں سکونت پذیر ہو گیا۔ جس کا ہمسایہ کریم ہو تو اسے طویل زندگی نصیب ہوتی ہے۔

عِشْ فِيْ اَمَانِ اللهِ تَحْتَ لِوَائِهٖ لَا خَوْفَ فِيْ هٰذَا الْجَنَابِ وَلَا نَكِدِ

اللہ تعالیٰ کی امان میں آپ کے جھنڈے کے نیچے زندگی بسر کر۔ اس بارگاہ والا میں نہ تو خوف ہے اور نہ ہی زندگی کی سختیوں کا ڈر ہے۔

لَا تَخْتَشِیْ فَقْرًا وَ عِنْدَكَ بَيْتُ مِنْ كُلِّ الْمُنٰى لِكُلِّ مَنْ اَيَادِيْهِ مَدَدَ

تجھے مفقود ہونے کا کوئی خوف نہیں تمہارے پاس اس ذات کا گھر ہے جس کی نعمتوں کی وجہ سے تمہاری ساری آرزوئیں پوری ہو جائیں گی۔

رَبُّ الْجَمَالِ وَ مُرْسِلُ الْجَدْوٰى وَ مَنْ هُوَ فِى الْمَحَاسِنِ كُلِّهَا فَرْدُ اَحَدِ

وہ بہت زیادہ خوبصورت، عطیات عطا کرنے والے ہیں۔ وہ سارے محاسن میں یکتائے روزگار ہیں۔

قُطْبُ النُّهٰى غَوْثُ الْعَوَالِمِ كُلِّهَا اَعْلٰى عَلٰى صَارَ اَحْمَدَ مِنْ حَمِدِ

وہ عقول کے قطب ہیں سارے عالموں کے غوث ہیں۔ وہ بلند مرتبت ہیں اور تعریف کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ تعریف کرنے والے ہیں۔

رُوْحُ الْوُجُوْدِ حَيَاةُ مَنْ هُوَ وَاجِدٌ لَوْلَاهُ مَا تَمَّ الْوُجُوْدُ لِمَنْ وُجِدِ

وہ وجود کی روح ہیں۔ سارے موجودات کی زندگی ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو وجود والوں کا وجود مکمل نہ ہو سکتا۔

عِیْسٰی وَ آدَمُ وَالصُّدُوْرُ حَبِیْعُهُمْ　هُمْ اَعْیُنٌ هُوَ نُوْرُهَا لَمَّا وَرَدَ

حضرت عیسیٰ، حضرت آدم اور دیگر سارے انبیاء علیہم السلام وہ آنکھیں ہیں اور آپ ان کی آنکھوں کا نور بن کر آئے۔

لَوْ اَبْصَرَ الشَّیْطَانُ طَلْعَةَ نُوْرِهٖ　فِیْ وَجْهِ آدَمَ كَانَ اَوَّلُ مَنْ سَجَدَ

اگر ابلیس آپ کے نور کی چمک چہرۂ آدم میں دیکھ لیتا تو وہ سب سے پہلے سجدہ ریز ہو جاتا۔

اَوْلَوْ اَرٰی النَّمْرُوْدُ نُوْرَ جَمَالِهٖ　عَبَدَ الْجَلِیْلَ مَعَ الْخَلِیْلِ وَلَا عَنَدَ

یا نمرود آپ کے جمال کا نور دیکھ لیتا تو وہ حضرت خلیل کے ساتھ رب جلیل کی عبادت کرتا اور دشمنی نہ کرتا۔

لٰكِنَّ جَمَالَ اللّٰهِ جَلَّ فَلَا یُرٰی　اِلَّا بِتَخْصِیْصٍ مِنَ اللّٰهِ الصَّمَدِ

لیکن اللہ تعالیٰ کا جمال بہت عظیم ہے جس کا دیدار رب تعالیٰ کی طرف سے توفیق سے ہی ہو سکتا ہے۔

فَاَبْشِرْ بِمَنْ سَكَنَ الْجَوَانِحَ مِنْكَ　یَا اَنَا قَدْ مَلَاْتَ مِنَ الْمُنٰی عَیْنًا وَ یَدًا

تجھے اس ذات کی وجہ سے بشارت ہو جس سے تمہارے سینے میں راحت نصیب ہوئی۔ تمہارے ہاتھ اور آنکھیں انعامات سے بھر گئے۔

عَیْنُ الْوَفَا مَعْنَی الصَّفَا سِرُّ النَّدٰی　نُوْرُ الْهُدٰی رُوْحُ النُّهٰی وَجَسَدُ الرُّشْدِ

آپ وفاء کی آنکھ، صفا کا معنی، سخاوت کا راز، ہدایت کا نور، عقل کی روح اور ہدایت کا جسم ہیں۔

هُوَ الصَّلَاةُ مِنَ السَّلَامِ الْمُرْتَضٰی　الْجَامِعُ الْمَخْصُوْصُ مَا دَامَ الْاَبَدِ

آپ کی ذات والا پر درود و سلام ہو۔ آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مخصوص اوصاف کے جامع ہیں۔

ملائکہ کا سجدہ درحقیقت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کی طلعت زیبا میں سورج کی طرح چمکتا تھا۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ ابلیس اپنی تیرہ بختی کی وجہ سے اس مبارک نور کو نہ دیکھ سکا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو ان کا قبلہ اس نور مبارک کی طرف تھا۔ حقیقت میں مسجود لہ ذات رب تعالیٰ کی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام قبلہ کی طرح تھے مقصد اعظم وہ نور تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کی مبارک جبین میں ضوفشاں تھا۔

سید لولاک کا نسب پاک

جب حضرت حواء علیہا السلام کے صدف بطن میں حضرت شیث علیہ السلام قرار پذیر ہوئے تو وہ نور مبارک بھی ان کی طرف منتقل ہو گیا۔ جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ نور مقدس ان کی طلعت مبارکہ میں جگمگانے لگا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے وصی تھے۔ انہوں نے انہیں وصیت کی تھی کہ وہ اس نور کا امین پاکیزہ خواتین کو ہی بنائیں۔ پھر یہ وصیت نسل در نسل منتقل ہوتی

رہی حتیٰ کہ یہ مبارک نور آپ کے جد امجد حضرت عبد المطلب کے پاس پھر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ پھر حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اس کی امین بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نسب پاک کو بدکاری سے محفوظ رکھا۔ امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جاہلیت کی کسی قذارت کی وجہ سے میں پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ میں نکاح اسلام یعنی صحیح عقد نکاح کے ذریعہ ہی عالم رنگ و بو میں آیا ہوں''۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے فرمایا ''میں نے زمین کے مشارق اور مغارب کو چھان مارا۔ میں نے کوئی شخص محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور کوئی قبیلہ بنو ہاشم سے افضل نہیں دیکھا''۔

الشفاء الشریف میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت میں سے کھا لیا تو انہوں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی ''مولا! محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے طفیل مجھے معاف فرما۔ میری توبہ قبول فرما'' رب تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان کی لغزش معاف کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی یہی تاویل ہے۔

فَتَلَقَّىٰٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (البقرۃ:37)

''پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی''۔

دوسری روایت کے مطابق وہ پاکیزہ کلمات یہ تھے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف)

''اے ہمارے پروردگار ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشش فرمائے تو ہمارے لئے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے''۔ (جمال القرآن)۔

ایک اور روایت کے مطابق وہ کلمات مقدسہ یہ تھے ''اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ بِحَمْدِكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ'' (مولا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ تیری ہی تعریف ہے۔ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ مجھے معاف کر دے۔ تو معاف کرنے والوں میں سے بہترین ہے)۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ کلمات یہ تھے ''اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ'' بعض علماء کرام نے فرمایا ہے ''ممکن ہے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ ساری التجائیں کی ہوں''۔

کثیر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت نوح علیہ السلام کی پشت مبارک میں اس وقت موجود تھے جب وہ کشتی پر سوار ہوئے تھے آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پشت انور میں بھی تھے انہوں نے ہی آپ کے لئے یہ دعا مانگی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ

''اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک برگزیدہ رسول انہیں میں سے۔ تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں بے شک تو ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اپنے محترم باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کی بشارت ہوں"۔ (البقرہ: 129)

آباؤاجداد

کعب

یہ عروبہ کے روز قبیلہ قریش کو جمع کرتے تھے۔ انہوں نے اسے یوم الجمعہ کا نام دیا تھا۔ وہ اس دن کی تعظیم بجالاتے۔ قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے بتاتے۔ وہ بتاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ وہ قریش کو آپ کی اتباع کرنے کا حکم دیتے وہ قریش مکہ کو بتاتے "تمہارے حرم پاک کے لئے ایک عظیم خبر ظاہر ہوگی۔ عنقریب اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگا"۔ وہ انہیں اشعار سناتے۔ جن کا آخری شعر یہ ہے۔

عَلَى غَفْلَةٍ يَأْتِي النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ فَيُخْبِرُ اَخْبَارًا صَدُوْقٌ خَبِيْرُهَا

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جلوہ افروز ہوں گے جب لوگ غافل ہوں گے۔ وہ ایسی خبریں بتائیں گے جن سے آگاہ کرنے والا سچا ہوگا۔

وہ یہ شعر بھی پڑھتے تھے۔

يَالَيْتَنِي شَاهِدٌ فَحْوَاءُ دَعْوَاتَهٗ حِيْنَ الْعَشِيْرَةُ تَبْغِي الْحَقَّ خُذْلَانًا

اے کاش! میں اس وقت موجود ہوتا جبکہ قبیلہ حق کو نامراد کرنے کے لئے مصروف عمل ہوگا۔

وہ اس روز جو خطبہ ارشاد فرماتے اس میں کہتے "اما بعد! غور سے سنو اور خوب سمجھو اور جان لو کہ رات کی تاریکی چھا جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ زمین پنگھوڑا ہے۔ آسمان عمارت ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں۔ ستارے علامات ہیں۔ بعد میں آنے والے پہلے آنے والوں کی طرح ہیں۔ صلہ رحمی کیا کرو۔ اپنے سسرال کی حفاظت کیا کرو۔ اپنے اموال میں اضافہ کرتے رہو۔ دار آخرت تمہارے سامنے ہے اور گمان اس کے علاوہ ہے جو کچھ تم کہتے ہو"۔

ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین 560 یا 520 سال کا فرق ہے۔ اہل عرب نے اپنی تاریخ کا آغاز اس کے وصال کے دن سے کیا حتی کہ عام الفیل کے بعد وہ اس سے تاریخ کا آغاز کرنے لگے۔ پھر حضرت عبد المطلب کے وصال سے تاریخ کا آغاز کیا۔ پھر اسلام میں تاریخ کا آغاز ہجرت سے ہوا۔

کنانہ بن خزیمہ

یہ بہت بڑے شیخ تھے۔ ان کے علم و فضل کی وجہ سے اہل عرب ان کے پاس آتے تھے۔ یہ لوگوں سے کہتے تھے "مکہ مکرمہ سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ ان کا نام نامی احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوگا۔ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ،

نیکی، احسان اور مکارم اخلاق کی طرف دعوت دیں گے، تم ان کی اتباع کرنا۔ تمہارے شرف اور عزت میں اضافہ ہوگا۔ جو حیات آفریں پیغام لے کر وہ آئیں گے اسے ہرگز نہ جھٹلانا، کیونکہ وہ سراپا حق ہوگا"۔

الیاس

یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کے جد امجد الیاس حج کے ایام میں اپنی صلب میں سے تلبیہ سنتے تھے۔ اہل عرب کے ہاں ان کا بڑا مقام تھا۔ لوگ انہیں سید العشیرہ کہتے تھے۔ ان کے بغیر کسی امر کا فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ یہ سب سے پہلے قربانی کے جانور لے کر بیت اللہ کی طرف گئے۔ حدیث میں ہے "الیاس کو برے نام سے یاد نہ کیا کرو۔ وہ مومن تھے" یہ اپنی قوم میں لقمان حکیم کی مانند تھے۔ روایت ہے "ربیعہ اور مضر کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو یہ دونوں مومن تھے" ایک اور روایت میں ہے "مضر کو برے الفاظ کے ساتھ یاد نہ کیا کرو۔ یہ دین اسماعیل علیہ السلام پر تھے"۔ ان کی حکمت آموز باتوں میں ہے "جو خیر بوتا ہے وہ خوشی کی فصل کاٹتا ہے۔ جو برائی کو بوتا ہے وہ ندامت کی فصل کاٹتا ہے" روایت ہے کہ خزیمہ، مدرکہ اور نزار میں سے ہر ایک کی آنکھوں کے مابین حضور ﷺ کا نور مبارک چمکتا تھا۔

نزار

جب نزار کی ولادت ہوئی تو ان کے والد نے ان کی آنکھوں کے مابین حضور ﷺ کا نور مبارک تاباں دیکھا تو بہت زیادہ خوش ہوئے۔ بہت سے اونٹ ذبح کئے اور لوگوں کو کھلائے۔ پھر کہا "یہ ساری سخاوت و فیاضی اس مبارک نومولود کے مقابلہ میں کم ہے" اسی لئے ان کا نام نزار پڑ گیا۔ یہ حسن و جمال اور عقل و دانائی میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے فائق تھے۔

معد بن عدنان

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بخت نصر کو عرب پر مسلط فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاء علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ معد بن عدنان کو سوار کر لیں تا کہ انہیں کوئی گزند نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں ان کی صلب سے نبی کریم ﷺ کا ظہور کروں گا۔ ان پر سلسلۂ رسالت و نبوت ختم کروں گا" حضرت ارمیاء علیہ السلام نے اسی طرح کیا۔ انہیں اپنے ہمراہ سرزمین شام کی طرف لے گئے۔ یہ بنو اسرائیل کے ساتھ ہی پروان چڑھے۔ بخت نصر مرا اور یہ فتنہ ختم ہوا تو وہ واپس آ گئے۔

سب سے پہلے عدنان نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا۔ عدنان "العدن" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی "اِمامۃ" ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے ملائکہ مقرر کر رکھے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں اور جنات کی نظریں ان پر تھیں۔ وہ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا "اگر ہم نے اس بچے کو چھوڑ دیا اور یہ بڑا ہو گیا تو اس کی صلب سے ایسے شخص کا ظہور ہوگا جو لوگوں کا سردار بنے گا" رب تعالیٰ نے ملائکہ کو ان کی حفاظت پر مامور کر دیا۔

ابو جعفر نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے "عدنان، معد، ربیعہ، خزیمہ اور اسد ملت ابراہیمی پر تھے۔ ان کا تذکرہ صرف بھلائی کے ساتھ کرو"۔

مضر

انہیں مضر اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے دل ان کے شیدائی بن جاتے تھے۔ جو بھی انہیں دیکھتا وہ ان کا گرویدہ ہو جاتا۔ کیونکہ ان کے چہرے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک درخشاں رہتا تھا۔ ان کی عقل و دانش سے بھرپور باتوں میں سے چند یہ ہیں۔ ❶ بہترین بھلائی وہ ہے جسے جلدی کیا جائے۔ ❷ اپنے نفوس کو ناپسندیدہ امور کا عادی بناؤ، انہیں ان کی خواہشات سے پھیر دو۔ ❸ صلاح اور فساد کے مابین اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے جتنا دودھ دینے والے جانور کو دوبارہ دوہنے میں ہوتا ہے۔

حدی خوانی کا آغاز سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اونٹ سے گر پڑے۔ وہ عنفوان شباب پر تھے۔ ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا وہ کہنے لگے 'یایداہ! یایداہ! ہائے میرا ہاتھ، ہائے میرا ہاتھ! اونٹ چراگاہ سے آ کر ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ جب صحتمند ہو گئے تو حدی خوانی کا آغاز کیا۔ ان کی آواز بہت دلکش تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ان کے غلام کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ درد کی وجہ سے وہ چیخ اٹھا۔ اونٹ اس کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس سے حدی خوانی کا آغاز ہو گیا۔ اس مضر کو مضر الحمراء کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اور اس کے بھائی ربیعہ نے اپنے والد نزار کا مال تقسیم کیا تو مضر نے سونا لے لیا۔ اس لئے اسے مضر الحمراء کہا جانے لگا۔ ربیعہ نے گھوڑا لے لیا تو اسے ربیعہ الخیل کہا جانے لگا۔ مضر کی قبر روحاء میں ہے۔

معد کو اس لئے معد کہا جاتا تھا کیونکہ وہ جنگ کے دھنی تھے۔ اکثر بنی اسرائیل پر غارت گری کرتے رہتے تھے۔ وہ جس کے ساتھ بھی نبرد آزما ہوتے فتح اور کامرانی ان کے قدم چومتی۔ اس کی وجہ وہ نور مبارک تھا جو ان کی پیشانی پر چمکتا رہتا تھا۔

خزیمہ "خزمہ" کی تصغیر ہے۔ انہیں اس نام سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک جمع تھا۔

مدرکہ کو اس لئے اس نام سے یاد کیا جاتا تھا کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کی وجہ سے ساری عزت و فخر کو حاصل کر لیا تھا۔ ان میں یہ نور مبارک عیاں اور ظاہر تھا۔

نضر

ان کے چہرے کی شادابی، جمال و زیبائی اور حسن کی وجہ سے نضر کہا جاتا تھا۔ ان کے بارے ایک فحش روایت بیان کی جاتی ہے کہ ان کی والدہ برہ بنت اد بن طابخہ سے ان کے باپ کنانہ نے اپنے والد خزیمہ کی وفات کے بعد اس سے شادی کر لی تھی جس سے نضر پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ جاہلیت میں اہل عرب کا رواج تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کا بڑا بیٹا اس کی زوجہ کا مالک بن جاتا۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ (النساء:22)

"اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ دادا مگر جو ہو چکا (اس سے پہلے سو وہ معاف ہے)"۔

(جمال القرآن)

مگر یہ فحش خطاء ہے۔ ابوعثمان الجاحظ لکھتے ہیں "خزیمہ کے انتقال کے بعد کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ مگر وہ جلد ہی مرگئی اس سے نہ بیٹا پیدا ہوا نہ ہی بیٹی۔ پھر انہوں نے اس کے بھائی کی بیٹی سے نکاح کر لیا۔ اس کا نام برہ بنت مر بن اد بن طابخہ تھا۔ اس سے نضر پیدا ہوئے۔ جب لوگوں نے سنا کہ کنانہ نے اپنے باپ کی بیوہ کو زوجیت میں لے لیا ہے تو بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کیونکہ دونوں بیویوں کے نام ایک جیسے تھے اور نسب بھی قریب تھا۔ اہل علم ونسب میں سے ہمارے مشائخ کا یہی موقف ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں کہ آپ کے نسب پاک میں ناپسندیدہ نکاح کا داغ لگائیں۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابتداء سے لے کر انتہاء تک میں اسلامی نکاح کے مطابق ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا رہا"۔ جس شخص نے اس موقف کے علاوہ اور نقطۂ نظر اپنایا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ اس حدیث پاک میں شک کیا۔ ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک کو ہر قسم کے عیوب سے پاک رکھا"۔

علامہ دمیری نے جاحظ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے "اس کے اس بیان سے مجھے جاحظ کی کامیابی کی امید نظر آتی ہے کہ اس کی خطاؤں سے پردہ پوشی کی جائے"۔ حافظ شامی لکھتے ہیں "یہ حق بیانی ان نفائس میں سے ہے جن کی طرف قصد کیا جاتا ہے۔ اس سے سینوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ ان کا غیض وغضب ختم ہوتا ہے۔ شک ختم ہو جاتا ہے اور اس کا شر بجھ جاتا ہے"۔

عدنان تک نسب پاک

علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عدنان تک ہی نسب پاک بیان فرماتے تھے۔ اس سے آگے بیان نہیں فرماتے تھے۔ آپ فرماتے "اس سے آگے نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک کتنے آباء ہیں ان کے ناموں میں بھی اختلاف ہے اور ان کے تلفظ میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مابین تیس آباء ہیں جن سے کوئی آگاہ نہیں"۔ بعض نے اس سے کم اور بعض نے زیادہ تعداد بتائی ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں کسی کو نہیں جانتا جو معد بن عدنان کے بعد نسب پاک کو جانتا ہو"۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ اس شخص کے متعلق آپ کیا گمان کرتے ہیں جو نسب پاک کو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا ہے تو وہ اسے ناپسند فرماتے۔ وہ انکار کرتے ہوئے فرماتے "اسے اس امر کی کس نے خبر دی ہے؟ جو نسب پاک بیان کرنا چاہے اسے عدنان بن اد تک ہی بیان کرنا چاہئے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرنا چاہئے"۔ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عدنان کا نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام تک جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب پاک یہ ہے۔

(جان عالم فداہ روحی) محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن نضر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ کسی شاعر نے

کیا خوب کہا ہے۔

وَ نَسْبَۃٌ عِزٌ ھَاشِمٍ مِنْ اُصُوْلِھَا　　وَ مَحْتَدُھَا الْمَرْضِیُّ اَکْرَمُ مُحْتَدِ

سَمَتْ رُتْبَۃً عَلْیَاءً اَعْظَمَ بِقَدْرِھَا　　وَ لَمْ تَسْمُ اِلَّا بِالنَّبِیِّ مُحَمَّدِ

حضرت ہاشم کا سارا نسب عزت وتکریم کا نسب ہے جس کی اصل پسندیدہ اور معزز ہے۔ یہ نسب پاک اپنی قدرو مکان میں بلند مرتبہ ہو گیا اور یہ رفعت انہیں محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نصیب ہوئی۔

ایک اور شاعر نے کتنی حسین بات عمدہ پیرایہ میں کی ہے۔

قَالُوْا اَبُو الصَّقْرِ مِنْ شَیْبَانَ قُلْتُ لَھُمْ　　کَلَّا لَعَمْرِی وَلٰکِنْ مِنْہُ شَیْبَانُ

وَ کَمْ اَبٍ قَدْ عَلَا بِابْنٍ ذُرَی شَرَفٍ　　کَمَا عَلَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ عَدْنَانُ

لوگوں نے کہا "ابوصقر بنوشیبان سے ہے" میں نے انہیں کہا "ہرگز نہیں! مجھے اپنی زندگانی کی قسم! بلکہ بنوشیبان اس سے ہیں"۔ کتنے ہی باپ اپنے بیٹے کی وجہ سے شرف کی رفعتوں تک پہنچے جس طرح حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عدنان کو رفعت و بلندی نصیب ہوئی۔

علامہ ماوردی نے اپنی تصنیف لطیف اعلام النبوۃ میں لکھا ہے "جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک میں غور وفکر کیا تو مجھے اس نسب پاک کی طہارت کا یقین ہو گیا۔ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پاک میں ایک شخص بھی ردی نہیں۔ بلکہ سارے قائد اور سردار تھے۔ نسب پاک کی طہارت اور پاکیزگی نبوت کی شروط میں سے ہے"۔

فہر

ان کا نام قریش تھا۔ قریش کے سارے قبائل انہی پر جمع ہوتے تھے۔ ان کے اوپر کے قبائل کو کنانی کہا جاتا تھا۔ انہیں قریش اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ضرورتمندوں کی حاجتوں کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔ پھر ان کی مدد اپنے مال سے کرتے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے فرزند حج کے ایام میں حاجیوں کی ضروریات تلاش کرتے پھر انہیں پورا کرتے تھے۔

کلاب

ان کا نام حکیم تھا۔ انہیں کلاب اس لئے کہتے تھے کیونکہ یہ کتوں سے شکار کرنے کے دلدادہ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ "المکالبۃ" سے مشتق ہے یعنی وہ دشمن کے لئے تنگی پیدا کر دیتے تھے۔ ایک اعرابی سے پوچھا گیا "تم اپنے بیٹوں کے برے نام مثلاً کلب، ذئب وغیرہ کیوں رکھتے ہو؟ اپنے غلاموں کے نام عمدہ مثلاً رزق، مرزوق اور رباح کیوں رکھتے ہو؟ اس اعرابی نے کہا "ہم اپنے بیٹوں کے نام اپنے دشمنوں کے لئے رکھتے ہیں اور اپنے غلاموں کے نام اپنے لئے رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے فرزند ہمارے دشمنوں کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اور ان کے سینوں پر تیر مارتے ہیں"۔

قصی

ان کا نام زید یا یزید تھا انہیں "مُجمِّع" بھی کہا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے قریش کے متفرق قبائل کو یکجا کر دیا تھا۔ شاعر نے کہا

اَبُوكُمْ قُصَىٌّ كَانَ يُدْعٰى مُجَمِّعًا ‏ بِهٖ جَمَّعَ اللهُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِهْرِ

تمہارے باپ قصی ہیں جنہیں مجمع کہا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فہر کے متفرق قبائل کو جمع کر دیا۔

یہ شعر اس قصیدے کا ہے جس میں حذافہ بن غانم نے حضور ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کی تعریف کی ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے ایک مصیبت سے نجات دی تھی۔ جذام کے ایک کارواں نے حذافہ کو باندھ رکھا تھا ان کا دعویٰ تھا کہ اس نے ان کے ایک شخص کو مکہ مکرمہ میں قتل کر دیا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے مال بطور فدیہ دیا اور اسے آزاد کرا لیا۔ اس وقت ابولہب بھی حضرت عبدالمطلب کے ساتھ تھا۔ اس نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا

بَنُو شَيْبَةَ الْحَمْدِ الَّذِي كَانَ وَجْهُهٗ ‏ يُضِيْئُ ظَلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

یہ شیبۃ الحمد کے فرزند ہیں جن کا چہرہ ماہ تمام کی طرح تاریک رات کو روشن کر دیتا ہے۔

قصی کی حکمت آموز باتوں میں سے کچھ باتیں درج ذیل ہیں۔

1۔ جس نے کسی کمینہ خصلت انسان کا احترام کیا وہ اس کی کمینگی میں شریک ہو گیا۔

2۔ جو کسی بری چیز کو عمدہ سمجھتا ہے اسے اس بری چیز کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

3۔ عزت واحترام سے جس کی اصلاح نہیں ہوتی۔ ذلت ورسوائی اس کی اصلاح کر دیتی ہے۔

4۔ جس نے اپنے حق سے زائد طلب کیا وہ محرومی کا مستحق ہو گیا۔

5۔ حسد کرنے والا پوشیدہ دشمن ہے۔

جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے فرزندوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا "شراب سے بچو، یہ جسموں کو تو درست کرتی ہے لیکن ذہنوں کو خراب کر دیتی ہے"۔

قصی نے بنوخزاعہ کی ایک خاتون حبی بنت خلیل الخزاعی سے شادی کر لی۔ ان کے ہاں عبد مناف پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ کی تولیت بنوخزاعہ کے سپرد تھی۔ یہ تولیت خلیل خزاعی تک پہنچی۔ اس نے اپنی بیٹی قصی کی زوجہ کو وصیت کی۔ اس نے کہا "میں نہ تو بیت اللہ کا دروازہ کھول سکتی ہوں۔ نہ ہی اسے بند کر سکتی ہوں"۔ اس نے یہ چابی ابوغبسان الخزاعی کے سپرد کی۔ قصی نے ابو غبسان سے بیت اللہ اور مکہ مکرمہ کے معاملات ایک مشکیزۂ شراب کے عوض خرید لئے۔ پھر اسے کچھ اونٹ اور کپڑے بھی دے دیئے۔ بنوخزاعہ نے قصی کے ساتھ جھگڑا شروع کر دیا۔ قصی نے قریش اور بنو کنانہ کو مدد کے لئے پکارا۔ انہوں نے اس کی صدا پر لبیک کہا۔ منیٰ کے ایام میں بہت زیادہ قتل عام ہوا۔ فریقین کے بہت سے لوگ زخمی اور قتل ہوئے۔ البتہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی تعداد زیادہ تھی۔ پھر فریقین نے صلح کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے اتفاق کیا کہ ان کے مابین اہل عرب میں سے ایک

شخص فیصلہ کرے گا۔ انہوں نے یعمر بن عوف کو اپنا ثالث تسلیم کرلیا۔ یہ ایک دانا شخص تھا اس نے فریقین سے کہا ''کل مجھے بیت اللہ کے صحن میں ملو''۔ جب فریقین اس مقدس گھر کے سامنے جمع ہو گئے۔ یعمر نے کہا ''فریقین کے مابین ہونے والی خونریزی کو میں قدموں کے نیچے روندھتا ہوں۔ کسی فریق کا دوسرے فریق پر کوئی خون بہا نہیں''۔ اس نے قصی کے لئے کعبہ مقدسہ کی تولیت کا فیصلہ کیا۔

بنو خزاعہ نے بنو جرہم سے بیت اللہ کی تولیت چھین لی تھی۔ نابت بن اسماعیل علیہ السلام کے بعد مضاض بن عمرو بیت اللہ کا والی بنا کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بنو جرہم میں ہوئی تھی۔ اس طرح ان کی اولاد میں سے مضاض بن عمرو جرہمی نے نابت کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت حاصل کرلی۔ بنو جرہم طویل مدت اس منصب پر فائز رہے۔ بنو اسماعیل نے ان سے رشتہ داری اور تعظیم کی وجہ سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں کیا تھا۔ پھر بنو جرہم نے مکہ مکرمہ میں سرکشی شروع کردی۔ وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے اجنبی شخص پر ظلم کرتے۔ کعبہ مقدسہ کے اموال ہڑپ کرنے لگے۔ بنو خزاعہ نے ان کے ساتھ جنگ کرنے اور انہیں مکہ مکرمہ سے باہر نکالنے کا فیصلہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ نے بنو جرہم پر ایک لغف کے مشابہ کیڑا مسلط کردیا ایک ہی رات میں ان کے اسی بوڑھے چل بسے۔ دوسری روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان پر نکسیر مسلط فرما دی۔ ان کی اکثریت فنا کے گھاٹ اتر گئی۔ بقیہ بنو جرہم عمرو بن حارث جرہمی کے ہمراہ یمن کی طرف چلے گئے۔ یہ ان کا آخری شخص تھا جو مکہ مکرمہ کے معاملات کا والی بنا۔ مکہ مکرمہ سے جدائی اور فراق بنو جرہم پر بڑا گراں گزرا۔ عمرو بن حارث نے روانگی کے وقت کچھ اشعار کہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُوْنِ اِلَى الصَّفَا اَنِيْسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرُ

گویا کہ اس روز وادی حجون سے لے کر کوہ صفا تک ہمارا کوئی انیس نہیں تھا۔ اور مکہ مکرمہ میں داستان سرائی کرنے والے نے کبھی قصہ گوئی نہیں کی تھی۔

وَ كُنَّا وُلَاةَ الْبَيْتِ بَعْدَ نَابِتٍ نَطُوْفُ بِذَاكَ الْبَيْتِ وَالْخَيْرُ ظَاهِرُ

نابت کے بعد بیت اللہ کے متولی ہم ہی بنے ہم اس بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ یہ خبر عام ہے۔

بَلٰى نَحْنُ كُنَّا اَهْلَهٗ فَاَبَادَنَا صُرُوْفُ اللَّيَالِيْ وَ الدُّهُوْرُ الْبَوَاتِرُ

بلاشبہ ہم ہی مکہ مکرمہ کے باسی تھے۔ ہمیں گردش شب و روز اور زمانے کی شمشیر براں نے کاٹ کر رکھ دیا۔

پھر یہ امر بنو خزاعہ میں ہی رہا حتیٰ کہ قصی نے ان کی ایک خاتون سے شادی کرلی۔ بنو خزاعہ سے کعبہ مقدسہ اور مکہ مکرمہ کی تولیت چھین لی۔ اور کعبہ مقدسہ کی تولیت قصی کے ہاتھ آگئی۔ سقایہ، رفادہ، حجابہ، ندوہ، لواء اور قیادت انہی کے پاس تھی۔ قصی کی اولاد میں سے عبدالدار سب سے بڑا تھا۔ قصی اس سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ لیکن عبد مناف ان سب سے ذو شرف تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے باپ کی موجودگی میں ہی سارے شرف حاصل کر لئے تھے۔ اس کی سخاوت کی وجہ سے لوگ اسے فیاض کہتے تھے۔ لیکن قصی نے یہ سارے مناصب اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کو دے دیئے۔ اپنے بیٹے سے کہا ''میرے نور نظر میں تمہیں تمہارے بھائیوں سے پیچھے نہیں رہنے دوں گا۔ اگر انہوں نے تجھ سے شرف پالیا ہے تو ان میں سے ایک شخص

بھی کعبہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکے گا حتیٰ کہ تو ان کے لئے دروازہ کھول دے۔ قریش کے لئے کوئی جھنڈا نہیں باندھا جائیگا حتیٰ کہ تو ان کے لئے جھنڈا باندھ دے۔ مکہ مکرمہ کا کوئی شخص تیرے برتن کے بغیر پانی نہیں پی سکے گا۔ ایام حج میں کوئی حاجی تیرے کھانے کے علاوہ کھانا نہیں کھا سکے گا۔ قریش کے سارے امور تیرے گھر میں ہی طے ہوں گے۔ جنگ میں تیرے علاوہ اور کوئی قائد نہ بنے گا''۔

جب عبدالدار اور عبد مناف مر گئے تو ان کے بیٹوں میں اختلاف رونما ہو گئے۔ بنو عبد مناف (ہاشم، مطلب، عبد شمس اور نوفل) نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے چچا زادوں میں سے یہ مناصب چھین لیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بنو عبد مناف نے خوشبو سے لبریز پیالہ نکالا خانہ کعبہ کے پاس مسجد حرام میں انہوں نے اپنے حلیفوں کے ساتھ اس میں ہاتھ ڈالے۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ سارے لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے قسمیں بھی اٹھائیں اسی لئے انہیں ''مطیبین'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بنو عبد مناف، بنو زہرہ، بنو اسد بن عبد العزیٰ، بنو تیم، بنو حارث تھے۔ مطیبون پانچ قبائل تھے۔ بنو عبدالدار نے بھی اپنے حلیفوں کے ساتھ عہد کر لیا۔ ان سے مراد بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح اور بنو عدی بن کعب ہیں۔ انہوں نے عہد کیا کہ وہ ایک دوسرے کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ایک دوسرے کو کسی کے سپرد نہیں کریں گے۔ انہوں نے خون سے بھرا ہوا پیالہ باہر نکالا۔ انہوں نے کہا ''جس نے اس خون سے لبریز پیالہ میں ہاتھ ڈال لیا اس کا خون ان کے ہاتھ سے لگ گیا تو وہ ہم میں سے ہے''۔ اسی لئے انہیں 'لعقۃ الدم' کہا جانے لگا۔ پھر فریقین میں باہم اس شرط پر صلح ہو گئی کہ رفادہ، قیادہ اور سقایہ کے مناصب بنو عبد مناف کے لئے ہوں گے جبکہ حجابہ اور لواء بنو عبدالدار کے لئے ہوں گے۔ دار الندوہ اس کے مابین مشترک ہوگا۔ دوسری روایت کے مطابق دار الندوہ بنو عبدالدار کے پاس ہی رہا۔ حتیٰ کہ ان میں سے کسی نے حکیم بن حزام کے ہاتھوں ایک مشکیزہ شراب کے عوض فروخت کر دیا۔ پھر انہوں نے اسلام کے عہد زریں میں اسے ایک لاکھ دراہم میں فروخت کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا ''کیا تم اپنے آباء کی عزت و کرامت فروخت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ''بخدا! اب تقویٰ کے علاوہ ساری عزتیں ختم ہو گئیں ہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے اسے زمانہ جاہلیت میں ایک مشکیزہ شراب کے عوض لیا تھا۔ اب میں نے اسے ایک لاکھ دراہم میں فروخت کیا ہے۔ اب میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے یہ ساری رقم راہ خدا میں دے دی ہے۔ اب بتائیں خسارے کا سودا کس کا تھا''۔

دار الندوہ قریش کے لئے تھا۔ وہ اس میں مشاورت کے لئے جمع ہوتے تھے۔ اس میں صرف وہی داخل ہو سکتے تھا جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہوتی تھی۔ جب کوئی بچی بالغ ہو جاتی تو اسے دار الندوہ میں داخل کیا جاتا۔ بنو عبدالدار میں سے کوئی ایک اس کی اوڑھنی پھاڑ دیتا۔ اسے نئی اوڑھنی دیتا جس سے وہ پردہ کرتی۔ نکاح کی ہر تقریب دار الندوہ میں ہوتی۔ جنگ کا جھنڈا دار الندوہ میں ہی باندھا جاتا تھا۔

قیادہ

یہ تجارتی کارواں کی قیادت کرتا تھا۔ یہ زمام قیادت عبد مناف پھر عبد شمس پھر اس کے بیٹے امیہ پھر اس کے بیٹے حرب پھر

ابوسفیان کے پاس آئی۔ غزوات میں لوگوں کی قیادت بھی ابوسفیان کے سپرد ہی تھی۔ غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب میں مشرکین کی زمام قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں ہی تھی۔ غزوۂ بدر کے روز مشرکین کی قیادت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کر رہا تھا۔ یہ ابوسفیان کا چچازاد تھا۔ اور ابوسفیان سے بڑا تھا۔ ابوسفیان تجارتی کارواں کے ساتھ تھا اور اس وقت مکہ مکرمہ میں موجود ہی نہیں تھا۔

افادہ

اس سے مراد ایام حج میں حاجیوں کو کھلانا تھا۔ حتیٰ کہ وہ چلے جاتے قریش قصی کے زمانہ سے ہی اپنے اپنے اموال سے خراج نکال کر قصی کو دیتے۔ وہ اس سے کھانا خریدتے اور اس سے ان حاجیوں کو کھلاتے جن کے پاس زادراہ یا گنجائش نہ ہوتی قصی کے بعد عبد مناف پھر ہاشم پھر عبدالمطلب پھر ابوطالب پھر ان کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں، پھر خلفاء راشدین کے عہد زریں میں بھی اسی طرح ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ مصر اور بغداد سے خلافت ختم ہو گئی۔

سقایہ

یہ منصب عبد مناف پھر ہاشم پھر مطلب کے سپرد ہوا۔ جب حضرت عبدالمطلب جوان ہوئے تو ان کے چچا مطلب نے سقایہ کا منصب انہیں سونپ دیا۔ مطلب کے مرنے کے بعد ان کے بھائی نوفل نے ان پر حملہ کیا اور ان سے برتن وغیرہ چھیننے کی کوشش کی۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم سے مدد طلب کی لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا "ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے مابین دخل اندازی نہیں کر سکتے"۔ حضرت عبدالمطلب نے مدینہ طیبہ میں اپنے ننھال کو خط لکھا۔ اس میں اس ظلم کا تذکرہ کیا جو ان کے چچا نوفل نے ان پر کیا تھا۔ جب ان کے ماموں ابوسعد بن عدی النجار نے وہ خط پڑھا تو زار زار رونے لگے۔ وہ اسی سوار لے کر مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچے۔ یہ ابطح کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ عبدالمطلب نے ان سے وہیں ملاقات کی۔ انہوں نے ابوسعد سے کہا "ماموں! نیچے اتریں" ابوسعد نے کہا "نہیں بخدا! حتیٰ کہ میں نوفل سے ملاقات کر لوں"۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "میں نے اسے حجر میں دیکھا ہے وہ قریش کے بزرگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے"۔ ابوسعد بیت اللہ کے پاس آئے۔ سرداران قریش کے پاس کھڑے ہو گئے۔ نوفل کھڑا ہو گیا اس نے کہا "ابوسعد! صبح بخیر! ابوسعد نے کہا "تیرے لئے صبح بخیر کوئی نہیں"۔ اس نے اپنی تلوار سونت لی۔ اور کہا "مجھے اس پاکیزہ عمارت کی قسم! اگر تو نے میرے بھانجے کا سامان واپس نہ کیا تو میں یہ تلوار تیرے پیٹ میں اتار دوں گا"۔ نوفل نے کہا "میں ابھی انہیں یہ اشیاء لوٹا دیتا ہوں"۔ اس نے اسی محفل میں سرداران قریش کو گواہ بنا کر وہ چیزیں واپس کر دیں۔ پھر ابوسعد حضرت عبدالمطلب کے ہاں تین روز تک ٹھہرے رہے۔ پھر عمرہ کیا اور مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ پھر بنو نوفل اور بنو عبد شمس بنو ہاشم کے خلاف حلیف بن گئے جبکہ بنو ہاشم اور بنو خزاعہ بنو نوفل کے خلاف ایک دوسرے کے حلیف بن گئے۔ بنو خزاعہ نے کہا "ہم حضرت عبدالمطلب کی مدد کرنے کے زیادہ مستحق ہیں"۔ انہوں نے کہا "عبد مناف کی ماں حبی بنت خلیل کا تعلق بنو خزاعہ کے ساتھ ہی تھا۔ آؤ ہم تمہارے حلیف بنتے ہیں"۔ وہ دارالندوہ میں داخل ہوئے۔ اور باہم معاہدہ کر لیا۔ انہوں نے یہ معاہدہ

کچھ یوں لکھا۔

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ!

یہ وہ شرائط ہیں جن پر بنو ہاشم اور بنو خزاعہ نے آپس میں معاہدہ کیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی نصرت اور ہمدردی کریں گے۔ جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا، جب تک سورج کوہ شبیر پر چمکتا رہے گا، جب تک جنگل میں اونٹ چرتے رہیں گے، جب تک کوہ اخشبان قائم ہے اور جب تک لوگ بیت اللہ کا عمرہ کرتے رہیں گے"۔

ابو طالب نے اپنی زندگی میں ہی یہ منصب (سقایہ) اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابو طالب پانی میں کھجوریں اور کشمش ملاتے تھے۔ جس طرح ان کے والد گرامی کرتے تھے۔ اتفاق سے انہیں کئی سال تک قحط سالی نے آلیا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دس ہزار دراہم آئندہ سال تک کے لئے ادھار لئے۔ جناب ابو طالب نے انہیں حاجیوں پر خرچ کر دیا۔ آئندہ سال خواجہ ابوطالب کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا "مجھے آئندہ سال تک کے لئے چودہ ہزار دراہم دو۔ آئندہ سال میں تمہیں تمہاری ساری رقم واپس کر دوں گا"۔ حضرت عباس نے کہا "میں یہ رقم اس شرط پر دوں گا کہ اگر تم مجھے یہ رقم ادا نہ کر سکے تو پھر یہ منصب سقایہ میرے حوالے کر دو گے"۔ خواجہ ابو طالب نے یہ شرط قبول کر لی۔ دوسرا سال آیا تو خواجہ ابوطالب کے پاس کچھ بھی نہ تھا جس سے وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کر سکیں۔ انہوں نے سقایہ کا منصب ان کے سپرد کر دیا۔ پہلے یہ منصب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر ان کے فرزند دلبند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔

حجابہ کا منصب بنو عبدالدار کے پاس تھا۔ حتیٰ کہ اسلام کا آفتاب جہانتاب طلوع ہو گیا مکہ معظمہ جس روز فتح ہوا اس روز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ منصب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگا۔ آپ نے کلید کعبہ انہیں دینے کا ارادہ کیا۔ تاکہ سقایہ کے ساتھ ساتھ انہیں حجابہ بھی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا (النساء:58)

"بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں"۔ (جمال القرآن)

آپ نے کلید کعبہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی۔ ان کے بعد یہ منصب ان کے بھائی شیبہ کے پاس چلا گیا پھر یہ بنو شیبہ کے پاس ہی رہا۔ یہ قریش کے علمبردار بھی تھے۔ قریش کی جنگوں میں علم یہی اٹھاتے تھے۔ اسی لئے غزوہ احد میں یکے بعد دیگرے ان کے کئی افراد تہ تیغ ہو گئے۔

عبد مناف بن قصی

ان کا نام مغیرہ تھا۔ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے لوگ انہیں قمر البطحاء کہتے تھے۔ قدیم زمانہ میں ایک پتھر ملا جس پر یہ عبارت کندہ تھی "میں مغیرہ بن قصی ہوں۔ میں قریش کو رب تعالیٰ سے ڈرنے اور صلہ رحمی کرنے کی وصیت کرتا ہوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پاک ان کے چہرے پر تاباں ہوتا تھا۔ ان کے پاس نزار کا جھنڈا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قوس ہوتی تھی ان

کے بارے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

كَانَتْ قُرَيْشٌ بَيْضَةً فَتَفَلَّقَتْ فَالْمُحُّ خَالِصُهُ لِعَبْدِ مُنَافِ

قریش ایک انڈہ (کی مانند) تھے۔ جو پھٹ گیا۔ اس کی خالص زردی عبد مناف کے حصہ میں آئی۔

ہاشم

ان کا نام نامی ''عمرو'' تھا۔ انہیں عمرو العلا ان کے بلند منصب کی وجہ سے کہا جاتا تھا۔ یہ اور ان کا بھائی عبد شمس جڑواں تھے۔ ہاشم کے پاؤں کی انگلی عبد الشمس کے چہرے کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ جسے علیحدہ کیا گیا تو خون کے چند قطرے ٹپکے۔ لوگوں نے کہا ''عنقریب ان کے مابین خونریزی ہوگی''۔ ان کی اولاد کے مابین خون ریزی ہوتی رہی حتیٰ کہ 133ھ میں بنو عباس اور بنو امیہ کے مابین یہ خونریزی انتہائی شدت اختیار کر گئی۔ پہلی عداوت ہاشم اور ان کے بھتیجے امیہ بن عبد شمس کے مابین رونما ہوئی۔ حضرت ہاشم اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد اپنی قوم کے سردار بنے تو امیہ کو ان کی سیادت ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس کے اندر حسد کے آلاؤ روشن ہو گئے۔ اس نے بتکلف ہاشم کی طرح بننے کی کوشش کی مگر سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ قریش نے اسے عار دلائی۔ انہوں نے کہا ''کیا تو ہاشم کی مشابہت اختیار کرتا تھا''۔ پھر امیہ نے حضرت ہاشم کو منافرت (حسب ونسب میں مقابلہ) کے لئے چیلنج کیا۔ ہاشم نے اپنی عمر اور قدر و منزلت کی وجہ سے انکار کر دیا۔ مگر قریش نے انہیں مجبور کیا۔ ہاشم نے بنو امیہ سے کہا ''میں تیرے ساتھ اس شرط پر منافرت کرتا ہوں کو جو بازی ہار گیا وہ مکہ مکرمہ میں سیاہ آنکھوں والی پچاس اونٹنیاں ذبح کرے گا۔ اور مکہ معظمہ سے دس سال تک جلاوطن رہے گا''۔ امیہ نے یہ بات قبول کر لی۔ انہوں نے اپنے مابین خزاعہ کے کاہن کو ثالث مقرر کیا۔ وہ عسفان کے مقام پر تھا۔ یہ دونوں اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ کاہن کے پاس گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا مسئلہ بیان کرتے اس کاہن نے کہا ''مجھے تاباں چاند کی قسم! درخشاں تارے کی قسم! برسنے والے بادل کی قسم اور فضا میں پرفشا ہونے والے پرندوں کی قسم! نشیب و فراز کی قسم! ہاشم مفاخر میں آگے نکل گیا ہے''۔

حضرت ہاشم جیت گئے۔ وہ مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ اونٹ ذبح کئے۔ لوگوں کو کھانا کھلایا۔ امیہ شام کی طرف چلا گیا۔ دس سال تک وہیں رہا۔ یہ پہلی عداوت کی آگ تھی جو ہاشم اور امیہ کے مابین بھڑکی پھر نسل در نسل ان کی اولاد میں بھڑکتی ہی گئی۔ حضرت ہاشم اور ان کے بھائی شمس، مطلب اور نوفل کو سونے کے پیالے کہا جاتا تھا۔ انہیں ان کے کرم، فخر اور اہل عرب پر سیادت کی وجہ سے ''مجیرون'' بھی کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ شدید قحط سالی کی وجہ سے قریش کو سخت تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت ہاشم شام کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں سے آٹا اور کیک خریدے۔ ایام حج میں مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ انہوں نے روٹی اور کیک کے ٹکڑے کئے اور اونٹ ذبح کئے۔ ان ٹکڑوں کو گوشت میں ملا کر اس سے ثرید تیار کی۔ لوگوں کو کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر شکم ہو گئے۔ اسی لئے انہیں ہاشم کہا جانے لگا۔ انہیں ابو البطحاء اور سید البطحاء جیسے دلنواز القابات سے پکارا جاتا تھا۔ تنگ دستی اور خوشحالی کے ایام میں ان کا دستر خوان بچھا ہی رہتا تھا۔

حضرت امام سہل "الصعلوکی" نے کہا ہے حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان عالی شان "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیگر خواتین پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو سارے کھانوں پر فضیلت ہے"۔ میں ثرید سے مراد وہ ثرید ہے جو حضرت ہاشم تیار کرتے تھے۔ جس کا فائدہ ہر خرد وکلاں کو ہوتا تھا۔ اس کی بھلائی ہر چھوٹے بڑے کو نصیب ہوتی تھی۔ اور اس کا تذکرہ ابھی تک باقی ہے۔ لیکن ابن صلاح نے کہا ہے "بہتر ہے کہ اس حدیث طیبہ کو اپنے عموم پر برقرار رکھا جائے۔ اس میں ثرید کی دیگر کھانوں پر فضیلت آشکارا کرنا مقصود ہے۔ کسی شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے

عَمْرُو الْعَلَا هَشَمَ الثَّرِيْدَ لِقَوْمِهِ ۔۔۔ وَرِجَالُ مَكَّةَ مُرْمِلُوْنَ عِجَافِ

بلند مرتبت عمرو نے اپنی قوم کے لئے ثرید تیار کی۔ وہ قوم جس کا مسکن مکہ مکرمہ تھا۔ جسے فاقہ کشی نے آلیا تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے

عَمْرُو الْعَلَا ذُوالنَّدٰى مَنْ لَا يُسَابِقُهُ ۔۔۔ مَرُّالسَّحَابِ وَلَا رِيْحٌ تُجَارِيْهِ

عمرہ العلاء (ہاشم) ایسے فیاض ہیں کہ گزرتا ہوا بادل اور چلتی ہوئی ہوا ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے۔

اَجْفَانُهُ كَالْجَوَابِي لِلْوُفُوْدِ اِذَا ۔۔۔ لَبَّوْا بِمَكَّةَ نَادَاهُمْ مُنَادِيْهِ

ان کے پیالے ڈولوں کی طرح ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں جب لوگ لبیک کی صدائیں لگاتے تو ان کے سامنے یہ رکھ دیئے جاتے تھے ایک منادی انہیں کہتا

اَمْحَلُوْا اَخْصَبُوْا مِنْهَا وَ قَدْ مُلِئَتْ ۔۔۔ قُوْتًا لِحَاضِرِهٖ مِنْهُمْ وَ بَادِيْهِ

قحط زدہ لوگو! یہ کھانا کھا کر شاداب ہو جاؤ۔ وہ پیالے شہری اور دیہاتی کے لئے کھانے سے لبریز ہوتے تھے۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے

قُلْ لِلَّذِيْ طَلَبَ السَّمَاحَةَ وَالنَّدٰى ۔۔۔ هَلَّا مَرَرْتَ بِاٰلِ عَبْدِ مُنَافِ

اس شخص سے کہو جو فیاضی اور سخاوت کا طلب گار ہے کہ کیا تو آل عبد مناف کے پاس سے نہیں گزرا۔

الرَّائِشُوْنَ وَلَيْسَ يُوْجَدُ رَائِشٌ ۔۔۔ وَالْقَائِلُوْنَ هَلُمَّ لِلْاَضْيَافِ

وہ اس وقت کھلاتے ہیں جب اور کھلانے والا نہیں ہوتا۔ جو مہمانوں کو کہتے ہیں "ادھر آؤ"

ایک صحابی رسول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے باب بنی شیبہ کے پاس حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔ ایک شخص یہ اشعار پڑھتا ہوا وہاں سے گزرا۔

يَا اَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُحَوِّلُ رَحْلَهُ ۔۔۔ اَلَا نَزَلْتَ بِاٰلِ عَبْدِ الدَّارِ

ارے وہ شخص جس نے اپنا کجاوہ الٹا کیا ہوا ہے کیا تو عبد الدار کی اولاد کے ہاں فروکش نہیں ہوا۔

هَبِلَتْكَ اُمُّكَ لَوْ نَزَلْتَ بِرَحْلِهِمْ ۔۔۔ مَنَعُوْكَ مِنْ عُدْمٍ وَ مِنْ اِقْتَارِ

تیری ماں تجھے روئے اگر تو ان کے پاس فروکش ہوتا تو وہ تجھے افلاس اور تنگدستی سے بچا لیتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کی اور فرمایا ''کیا شاعر نے اسی طرح کہا ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''نہیں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے''۔ شاعر نے تو اس طرح کہا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمُحَوِّلُ رِحْلَهُ　　أَلَا نَزَلْتَ بِآلِ عَبْدِ مُنَافِ

ارے وہ شخص جو اپنے کجاوے کو الٹا کئے ہے کیا تو آل عبد مناف کے صحن میں نہیں اترا۔

هَبَلَتْكَ أُمُّكَ لَوْنَزَلْتَ بِرِحْلِهِمْ　　مَنَعُوكَ مِنْ عَدَمٍ وَ مِنْ اِقْرَافِ

تیری ماں تجھ پر روئے اگر تو ان کے پاس فروکش ہوتا تو تجھے غربت و افلاس سے بچا لیتے۔

الْخَالِطِيْنَ غَنِيَّهُمْ بِفَقِيْرِهِمْ　　حَتّٰى يَعُوْدَ فَقِيْرُهُمْ كَالْكَافِي

وہ اپنے غنی کو اپنے فقیر کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کا فقیر لوٹتا ہے تو وہ بھی کفایت کرنے والا بن جاتا ہے۔

یہ اشعار سن کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ پھر فرمایا ''میں نے راویوں کو یہ اشعار اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے''۔

''المواہب'' اور اس کی شروح میں ہے ''حضرت ہاشم کے چہرہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک چمکتا رہتا تھا۔ اس کی نورانیت ہمہ وقت پھیلتی رہتی تھی۔ جو یہودی عالم بھی انہیں دیکھتا وہ فوراً ان کے ہاتھ چوم لیتا، وہ جس چیز کے پاس سے گزرتے وہ چیز جھک جاتی۔ قبائل عرب اور علمائے یہود اپنی لڑکیاں لے کر ان کے پاس آتے تاکہ وہ ان سے شادی کر لیں۔ حتیٰ کہ ہرقل ملک الروم نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا ''میری ایک ایسی نور نظر ہے کہ آج تک عورتوں نے اتنی حسین بچی جنم نہیں دی۔ اس کا چہرہ بہت دلکش ہے۔ تم میرے پاس آؤ تاکہ میں اس کی تم سے شادی کر دوں۔ مجھے تمہاری جود و کرم کی داستانیں پہنچی ہیں''۔

درحقیقت ہرقل وہ نور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء حاصل کرنا چاہتا تھا جس کا ذکر خیر انجیل میں موجود تھا۔ مگر ہاشم نے انکار کر دیا۔

ہاشم مسافروں کی مدد کرتے۔ حقدار کا حق ادا کر کے خائف کو پناہ دیتے۔ جب ذوالحجہ کا چاند نظر آتا تو ہاشم صبح سویرے اٹھتے۔ کعبہ کے ساتھ ٹیک لگا کر قریش سے یوں گویا ہوتے ''اے گروہ قریش! تم عرب کے سردار ہو۔ تمہارے چہرے بہت حسین ہیں تم عقل و دانائی کے مالک ہو۔ نسب میں سب سے زیادہ بلند ہو۔ عرب کے سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اے معشر قریش! تم اللہ تعالیٰ کے گھر کے پڑوسی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا نگران بنایا ہے۔ دیگر اولاد اسماعیل (علیہ السلام) کو چھوڑ کر تمہیں اس کے پڑوس کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنے والے آ رہے ہیں۔ وہ اس گھر کی تعظیم بجا لانے کے لئے آ رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں۔ وہ سارے مہمانوں سے معزز ہیں۔ تم اس کے گھر کے زائرین اور اس کے مہمانوں کی تعظیم بجا لاؤ۔ مجھے اس پاکیزہ عمارت کے رب کی قسم! اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا کہ میں یہ سارے اخراجات برداشت کر سکتا تو میں تمہاری طرف سے بھی کافی ہو جاتا۔ میں اپنے مال میں سے طیب اور حلال مال نکالنے لگا ہوں۔ جس سے نہ قطع رحمی کی گئی ہے۔ جسے نہ ظلم سے لیا گیا ہے۔ جس میں نہ حرام کا عمل دخل ہے۔ جو تم میں سے اس طرح کرنا چاہے وہ ضرور اس طرح کرے۔ میں تمہیں اس پاکیزہ گھر کی حرمت کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک زائرین بیت اللہ کے لئے اور اس کے مہمانوں کے لیے پاکیزہ مال ہی نکالے جسے نہ ظلم کرتے ہوئے لیا گیا ہو جس میں نہ قطع رحمی کی گئی

ہو۔ جسے نہ غصب کیا گیا ہو"۔

قریش مکہ انتہائی کوشش کرتے وہ اپنے پاکیزہ اموال نکالتے وہ انہیں دار الندوہ میں رکھ دیتے۔

خواجہ ابو طالب نے حضور اکرم ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے یہ اشعار بھی کہے تھے۔

اِذَا اجْتَمَعَتْ یَوْمًا قُرَیْشٌ لِمَفْخَرٍ . فَعَبْدُ مُنَافٍ سِرُّهَا وَصَمِیْمُهَا

اگر کسی روز قریش فخر کے لئے جمع ہوں تو عبد مناف ان کے عمدہ اور خالص شخص ہوں گے۔

وَاِنْ حُصِّلَتْ اَنْسَابُ عَبْدِ مُنَافِهَا فَفِی هَاشِمٍ اَشْرَافُهَا وَ قَدِیْمُهَا

اگر عبد مناف کا نسب جمع ہو جائے تو ہاشم میں بھی اس کے اشراف اور سردار ہوں گے۔

وَاِنْ فَخَرَتْ یَوْمًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا هُوَ الْمُصْطَفٰی مِنْ سِرِّهَا وَ کَرِیْمِهَا

اگر قریش کسی روز فخر کریں تو محمد عربی ﷺ ہی اس کے عمدہ اور خالص افراد میں سے چیدہ ہوں گے۔

عبد المطلب

یہ قریش کے حلیم اور حکیم شخص تھے۔ ان کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ انہوں نے خود پر شراب حرام کر رکھی تھی۔ یہ سب سے پہلے غار حراء میں خلوت گزیں ہوئے۔ ماہ رمضان آتا تو یہ کوہ حراء پر چڑھ جاتے۔ مساکین کو کھانا کھلاتے۔ خلوت گزینی کا مقصد لوگوں سے تخلیہ تھا تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کی عظمت میں غور و فکر کر سکیں۔ ان کا دستر خوان پہاڑوں کی چوٹیوں پر پرندوں اور وحشی جانوروں کے لئے بچھا رہتا تھا۔ اسی لئے انہیں "مطعم الطیر" کہا جاتا تھا۔ انہیں "الفیاض" بھی کہا جاتا تھا۔ ان کے سر میں چند سفید بال تھے۔ اسی لئے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا گیا۔ شاید انہیں "الحمد" کی طرف اس لئے مضاف کیا گیا کہ لوگ ان کی عظمت، بڑائی اور تعریف کریں گے۔ رب تعالیٰ نے یہ بات سچ کر دکھائی لوگوں نے ان کی بہت زیادہ تعریف کی۔ قریش مصائب کے وقت ان کے ہاں ہی پناہ گزیں ہوتے تھے۔ سارے امور میں ان کے ملجا و ماوی یہی تھے۔ کمالات سنیہ اور خصائل حمیدہ کے اعتبار سے ان کے سردار ہی تھے۔ انہوں نے ایک سو چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ انہیں عبد المطلب کیوں کہا جاتا تھا؟ ایک قول یہ ہے کہ جب ان کے والد ہاشم کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بھائی مطلب سے کہا "یثرب سے اپنے غلام (شیبہ) کو لے آنا" دوسرے قول کے مطابق ہاشم نے مدینہ طیبہ میں بنو عدی بن نجار کے ہاں شادی کی تھی۔ وہیں شیبۃ الحمد کی ولادت ہوئی ہاشم کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ اپنی والدہ کے پاس تھے۔ ایک شخص بچوں کے پاس سے گزرا جو تیر اندازی کر رہے تھے۔ ان میں ایک ایسا من موہنا بچہ بھی تھا کہ اس کا تیر جب بھی نشانے پر لگتا تو وہ کہتا "میں بطحاء کے سردار کا فرزند ہوں"۔ اس شخص نے اس بچے سے پوچھا "تمہارا تعلق کس کے ساتھ ہے؟" اس نے کہا "میں شیبۃ الحمد بن ہاشم بن عبد مناف ہوں"۔ وہ شخص مکہ مکرمہ پہنچا۔ اس نے مطلب کو حجر میں بیٹھے ہوئے پایا۔ اس نے یہ سارا واقعہ اسے سنایا۔ مطلب مدینہ طیبہ گئے شیبہ کو ان کی شکل و صورت سے پہچان لیا جو ہاشم سے بہت ملتی تھی۔ انہیں دیکھ کر مطلب کی آنکھوں سے چھم چھم موتی گرنے لگے۔ انہیں اپنے سینے سے لگایا اور کہا "بھتیجے! میں تمہارا چچا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اپنی

قوم کے پاس لے جاؤں"۔ مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھائی۔ شیبہ کو اوپر بٹھایا اور مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ رات تک ان کی والدہ کو اس واقعہ کی خبر نہ ہو سکی۔ رات کے وقت وہ انہیں بلانے گئی تو انہیں بتایا گیا کہ ان کا چچا انہیں لے کر چلا گیا ہے۔

دوسرے قول کے مطابق مطلب نے شیبہ کی امی سے اجازت لی۔ انہوں نے کہا "شیبہ دوسری قوم میں اجنبی ہے۔ ہم اہل بیت ہیں۔ "ہم اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اس کی قوم، قبیلہ اور شہر دوسری جگہ قیام کرنے سے بہتر ہے"۔ ان کی والدہ نے اجازت دے دی۔ مطلب نے شیبہ کو اپنے پیچھے بٹھایا۔ یمانی حلہ زیب بدن کرایا۔ جب انہیں لے کر مکہ مکرمہ پہنچے تو قریش نے کہا "یہ مطلب کا غلام ہے" ایک اور قول کے مطابق شیبہ کے بالوں میں دھوپ اثر کر گئی تھی۔ قریش نے کہا "یہ مطلب کا غلام ہے" مطلب نے انہیں کہا "تمہارے لئے ہلاکت! یہ میرا بھتیجا ہے جو ہاشم کا فرزند ہے"۔

تیسرے قول کے مطابق انہیں عبدالمطلب اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ یہ یتیم تھے اور انہوں نے مطلب کی کفالت میں پرورش پائی تھی وہ یتیم کو اس شخص کا عبد کہتے تھے جس کی وہ زیر کفالت ہوتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اعلیٰ صفات پر نشوونما پائی۔ مطلب کی وفات کے بعد یہ اپنی قوم کے سردار بن گئے۔ یہ اپنی اولاد کو ظلم و بغاوت ترک کرنے کا حکم دیتے تھے۔ انہیں مکارم اخلاق پر ابھارتے تھے۔ انہیں گھٹیا امور سے روکتے تھے۔ یہ فرماتے تھے "ظالم اس دنیا سے نہیں جاتا حتیٰ کہ رب تعالیٰ اس سے انتقام لے لیتا ہے۔ اسے سزا مل جاتی ہے حتیٰ کہ سرزمین شام میں ایک ظالم شخص مر گیا جسے ظلم کی سزا نہیں ملی تھی۔ اس شخص کے بارے میں حضرت عبدالمطلب کو بتایا گیا انہوں نے غور و فکر کر کے کہا "دار دنیا کے علاوہ بھی ایک دار ہے۔ جہاں محسن کو اس کے احسان کی جزاء دی جائے گی۔ برے کو اس کی برائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ ظالم کو لازماً اس کے ظلم کی سزا ملتی ہے اگر اسے دنیا میں سزا نہیں ملتی تو یہی سزا اس کے لئے آخرت میں مل کر رہتی ہے"۔

حضرت عبدالمطلب سے بہت سی ایسی باتیں روایت ہیں جو بعد میں قرآن پاک اور احادیث مطہرہ میں بیان ہوئیں۔ مثلاً نذر کو پورا کرنا، محارم سے نکاح کرنے کی ممانعت، چور کا ہاتھ کاٹنا، بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت۔ شراب اور بدکاری کی حرمت، بیت اللہ کا عریاں طواف کرنے کی ممانعت"۔ اس روایت کو امام حلبی نے اپنی سیرت میں ابن جوزی سے روایت کیا ہے جبکہ "المواہب" اور اس کی شروح میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب سے مشک اذفر کی خوشبو آتی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرہ پر دمکتا رہتا تھا۔ انہی کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

عَلَا شَيْبَةُ الْحَمْدِ الَّذِي كَانَ وَجْهُهُ　يُضِيئُ ظَلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

وہ شیبۃ الحمد رفعتوں پر فائز ہو گئے جن کا چہرہ ماہ تمام کی طرح رات کی تاریکی کو روشن کر دیتا تھا۔

- جب قریش کو قحط سالی آلیتی تو وہ حضرت عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ انہیں لے کر کوہ ثبیر کی طرف جاتے اللہ تعالیٰ ان پر ابر کرم نازل فرما دیتا۔ جب قریش مکہ نے یہ خوب تجربہ کر لیا کہ رب تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کی برکت سے حضرت عبدالمطلب کے ہاتھوں ان کی ضروریات کو پورا کرتا ہے اور وہ جاہلیت کی ساری بری رسوم اور رواج سے دور ہیں تو حضرت عبدالمطلب ان کے لئے رب تعالیٰ کے حضور رحمت کی بارش کی دعا مانگتے۔ رب تعالیٰ ان پر سحاب کرم برسا دیتا۔ حضور

ﷺ بھی اپنے معصوم بچپن میں حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ باران رحمت کی التجاء کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے طفیل ان پر بارش ہوتی تھی۔ انہوں نے ابو طالب کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی ابر کرم کے لئے دعا کے لئے حضور ﷺ کو اپنے ساتھ لے جایا کریں۔

جب ہاتھی والے (ابرہہ اور اس کا لشکر) مکہ مکرمہ آئے تو وہ حضرت عبدالمطلب کی دعا سے ہلاکت کے گڑھے میں گرے۔ اس روز انہوں نے یہ دعا مانگی تھی۔

لَاھُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ یَمْنَعُ رِحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ

وَانْصُرْ عَلٰی آلِ الصَّلِیْبِ وَ عَابِدِیْهِ الْیَوْمَ آلَكَ

مولا! بندہ بھی اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ صلیب کے پجاریوں اور اس کے ماننے والوں کے خلاف آج اپنے عبادت گزاروں کی مدد فرما۔

انہوں نے کہا "اے معشر قریش! ابرہہ اس مقدس گھر کو نہیں گرا سکتا۔ کیونکہ اس پاکیزہ گھر کا ایک رب ہے جو اس کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے"۔

جب حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اور انہیں بچانے کے لئے قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت عبدالمطلب نے عرض کی "مولا! تو مالک ہے۔ محمود ہے۔ تو میرا رب مالک اور معبود ہے۔ نیا اور پرانا مال تیری بارگاہ سے ہی ملتا ہے"۔

زمانہ جاہلیت میں حرب بن امیہ ان کا دوست تھا۔ حضرت عبدالمطلب کے جوار میں ایک یہودی رہتا تھا۔ تہامہ کے بازار میں اس یہودی اور حرب کے مابین کسی سودا پر جھگڑا ہو گیا۔ حرب نے اس پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب حضرت عبدالمطلب کو اس ستم کا علم ہوا تو انہوں نے حرب کی سنگت ختم کر دی حتیٰ کہ اس سے ایک سو اونٹ بطور دیت لئے اور اس یہودی کے چچا زاد کو دیئے۔ پھر حرب کو اپنا رفیق بنا لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حرب جب بھی کسی گھاٹی یا تنگ وادی میں چلتا تو قریش کے سارے رؤساء اس کے پیچھے ہوتے تھے۔ کوئی اس سے آگے نکلنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ حرب نے کسی گھاٹی میں ایک تمیمی کے ساتھ سفر کیا۔ تمیمی اس سے آگے نکل گیا۔ حرب نے کہا "میں حرب بن امیہ ہوں"۔ مگر اس تمیمی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ وہ اس کے آگے نکل گیا۔ حرب نے کہا "میری اور تیری ملاقات مکہ مکرمہ میں ہو گی"۔ وہ تمیمی مدت دراز تک رکا رہا۔ پھر اس نے مکہ مکرمہ میں جانے کا ارادہ کیا اس نے کہا "مجھے حرب بن امیہ کے خلاف کون پناہ دے گا؟ اسے کہا گیا "عبدالمطلب بن ہاشم"۔ تمیمی رات کے وقت زبیر بن عبدالمطلب کے دروازے پر آیا۔ دستک دی۔ زبیر نے اپنے بھائی غیداق سے کہا "اس وقت ہمارے پاس یا تو کوئی پناہ لینے آیا ہے یا کسی ضرورت کے لئے یا کچھ کھانے پینے آیا ہے وہ جو بھی ارادہ لے کر آیا ہے۔ ہم نے اسے پورا کر دیا ہے"۔ زبیر باہر نکلے تو وہ شخص یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

لَاقَیْتُ حَرْبًا فِی الثَّنِیَّةِ مُقْبِلًا وَالصُّبْحُ اَبْلَجُ ضَوْءُهٗ لِلْبَارِیْ

میں نے آتے وقت ثنیہ میں حرب سے ملاقات کی۔ صبح خوب روشن تھی اس کی روشنی خالق کے لئے تھی۔

فَدَعَا بِصَوتٍ واكْتَنَىٰ لِيَرُوْعَنِي وَدَعَا بِدَعْوَتِهِ يُرِيْدُ فَخَارِي

اس شخص نے مجھے آواز دی۔ وہ مجھے مرعوب کرنے کے لئے چھپ گیا اور اس نے میرے فخر کا ارادہ کرتے ہوئے مجھے پکارا۔

فَتَرَكْتُهُ كَالْكَلْبِ يَنْبَحُ وَحْدَهُ وَأَتَيْتُ أَهْلَ مَعَالِمٍ وَ فَخَارِ

میں نے اسے اس کتے کی مانند چھوڑ دیا جو تنہا بھونکتا ہے۔ میں فخر والوں اور خوبیوں والے لوگوں کے پاس آیا۔

لَيْثًا هِزَبْرًا يُسْتَجَارُ بِقُرْبِهِ رَحْبَ الْمَنَازِلِ مُكْرِمًا لِلْجَارِ

وہ قوی شیر ہے جس کے قرب میں پناہ طلب کی جاتی ہے۔ وہ اپنے پڑوس کی عزت کی خاطر اپنے گھر کو وسیع رکھتا ہے۔

وَلَقَدْ حَلَفْتُ بِمَكَّةَ وَبِزَمْزَمٍ وَالْبَيْتِ ذِي الْأَحْجَارِ وَالْأَسْتَارِ

میں نے مکہ مکرمہ، زمزم اور پتھروں اور پردوں والے گھر کے پاس قسم اٹھائی کہ

إِنَّ الزُّبَيْرَ لَمَانِعِي مِنْ خَوْفِهِ مَا كَبَّرَ الْحُجَّاجُ فِي الْأَمْصَارِ

حضرت زبیر مجھے اس کے خوف سے روک دیں گے جب تک حجاج شہروں میں تکبیر کہتے رہیں گے۔

زبیر نے تمیمی سے کہا "آگے بڑھو۔ ہم جسے پناہ دے دیں اس سے آگے نہیں بڑھتے" وہ تمیمی آگے بڑھا۔ مسجد حرام میں داخل ہو گیا۔ حرب نے اسے دیکھا تو اسے طمانچہ دے مارا۔ زبیر تلوار لے کر اس پر حملہ آور ہو گئے۔ حرب بھاگ نکلا حتیٰ کہ وہ حضرت عبدالمطلب کے گھر داخل ہو گیا۔ اس نے کہا "مجھے زبیر سے پناہ دو"۔ حضرت عبدالمطلب نے اس پر وہ پیالہ اوندھا کر دیا جس میں ہاشم لوگوں کو کھلاتے تھے۔ حرب کچھ دیر اس پیالے کے نیچے ہی رہا۔ پھر اس سے حضرت عبدالمطلب نے کہا "باہر نکل آ" اس نے کہا "میں کیسے باہر نکلوں۔ جبکہ تمہارے سات بیٹے اپنی تلواریں لے کر دروازہ پر جمع ہیں"۔ حضرت عبدالمطلب نے اس پر اپنی چادر ڈال دی۔ حرب باہر نکلا۔ فرزندان ارجمند کو علم ہو گیا کہ عبدالمطلب نے حرب کو پناہ دی ہے۔ وہ چلے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ حضرت امیر معاویہ کے پاس عرب کے وفود بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسی باتیں کر رہے تھے جن میں فخر تھا۔ انہوں نے حرب بن امیہ کا تذکرہ بھی کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس پر کس نے اپنا پیالہ اوندھا کیا تھا اور اپنی چادر ڈال کر کس نے اسے اپنی پناہ میں لیا تھا"۔ یہ سن کر حضرت امیر معاویہ خاموش ہو گئے۔

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنے معصوم بچپن میں ہی تھے کہ حضرت عبدالمطلب آپ کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ فرماتے "میرے اس نور نظر کی شان بہت عظیم ہوگی" اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی ولادت باسعادت سے قبل کاہنوں اور راہبوں سے آپ کے بارے بہت سی باتیں سنتے تھے آپ کی ولادت مبارکہ کے بعد بھی ان سے بہت سی باتیں سنتے تھے۔

حضرت عبدالمطلب کا قریش میں بہت بڑا مقام تھا۔ قریش ان کے لئے خانہ کعبہ کے ساتھ قالین بچھا دیتے تھے۔ ان کے اردگرد قریش کے رؤساء جمع ہوتے اور بیٹھا کرتے تھے۔ اس قالین پر بیٹھنے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ اس پر قدم رکھنے کی جسارت بھی کوئی نہ کرسکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معصوم بچپن تھا۔ آپ لوگوں میں سے گزرتے۔ آگے تشریف لے آتے اور اپنے دادا جان کے پہلو میں بیٹھ جاتے۔ کبھی کبھی دادا جان سے پہلے بھی تشریف لے آتے اور اس قالین پر بیٹھ جاتے جب کوئی چچا وہاں سے اٹھانے کی کوشش کرتا تو حضرت عبدالمطلب فرماتے "انہیں چھوڑ دو۔ ان کی شان بڑی رفیع ہے"۔ پھر آپ کو اپنے ساتھ بٹھا لیتے اور آپ کی کمر مبارک پر ہاتھ پھیرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹوں سے کہتے "میرے اس نور نظر کو بیٹھنے دو مجھے امید ہے کہ یہ شرف وقدر کے اس بلند مقام پر فائز ہوگا جس پر نہ ان سے قبل اور نہ ان کے بعد کوئی عربی فائز ہوا ہوگا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اپنے والد گرامی کو فرماتے سنا کہ حجر میں حضرت عبدالمطلب کے لئے ایک قالین بچھایا جاتا ہے جس پر صرف حضرت عبدالمطلب ہی بیٹھتے تھے کسی اور کو اس پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ حرب بن امیہ اور دیگر عظماء قریش اس قالین کے اردگرد بیٹھتے تھے۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کا معصوم بچپن تھا۔ آپ اس قالین پر تشریف فرما ہوگئے۔ ایک شخص نے آپ کو کھینچ کر نیچے اتارنے کی کوشش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ بار ہوگئے۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا "میرا بیٹا کیوں رو رہا ہے؟" لوگوں نے کہا "یہ قالین پر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ مگر لوگ انہیں روکتے ہیں"۔ عبدالمطلب نے کہا "میرے نور نظر کو اس پر بیٹھنے دو۔ مجھے امید ہے کہ یہ شرف کے اس منصب رفیع پر فائز ہوگا جس پر اس سے قبل اور نہ ہی اس کے بعد کوئی عربی فائز ہوا ہوگا"۔ اس کے بعد کسی نے آپ کو قالین پر بیٹھنے سے نہیں روکا خواہ عبدالمطلب وہاں ہوتے یا موجود نہ ہوتے۔ "السیرۃ الحلبیہ" میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے جد امجد کو بادشاہوں کے لباس اور اشراف کی بزرگی کے ساتھ اٹھایا جائے گا"۔

چشمہ زمزم کی کھدائی

حضرت عبدالمطلب کو رب تعالیٰ نے جن سرفرازیوں سے نوازا ان میں سے ایک چشمہ زمزم کی کھدائی ہے۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ارہاصات میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے "عمرو بن حرث الجرہمی کی قوم جرہم نے جب حرم پاک میں نئے نئے واقعات رونما کرنا شروع کئے تو اسے ان پر عذاب کے نازل ہونے کا خدشہ لاحق ہوا۔ اس نے اپنا نفیس مال لیا۔ یہ سونے کے دو ہرنوں، تلواروں، زرہوں اور حجر رکن پر مشتمل تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حجر مقام بھی اس میں شامل تھا۔ اس نے یہ سارا سامان زمزم کے کنوئیں میں پھینکا۔ پھر کنوئیں کو اچھی طرح بھر دیا۔ اپنی قوم سمیت یمن کی طرف بھاگ گیا۔ مدت مدید تک زمزم کا چشمہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہا۔ حتیٰ کہ حضرت عبدالمطلب کو ایک خواب دکھا کر اس حقیقت سے پردے اٹھا دیئے گئے۔ انہوں نے خواب میں ایسی نشانیاں دیکھیں جو چشمہ زمزم پر واضح دلالت کر رہی تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "میں حجر میں سویا ہوا تھا کہ

ایک آنے والا خواب میں آیا۔ اس نے کہا "طیبہ کو کھودو" میں نے پوچھا "طیبہ کیا ہے؟" اس نے کچھ نہ بتایا وہ چلا گیا۔ دوسرے روز میں اسی جگہ سو گیا۔ آنے والا میرے خواب میں آیا۔ اس نے کہا "برہ کو کھودو" میں نے پوچھا "برہ کیا ہے؟" وہ کچھ بتائے بغیر پھر چلا گیا۔ تیسرے روز میں اسی جگہ پھر سو گیا۔ وہ سہ بار میرے خواب میں آیا۔ اس نے کہا "مضنونہ کو کھودو؟" میں نے کہا "مضنونہ کیا ہے؟" وہ چلا گیا۔ میں چوتھے روز بھی اسی جگہ سو گیا۔ وہ ہی خواب میں آیا۔ اس نے کہا "زمزم کو کھودو" میں نے پوچھا "زمزم کیا ہے؟" اس نے کہا "وہ مبارک چشمہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ کبھی اس کی مذمت نہیں کی جائیگی۔ حاجیوں کے بڑے بڑے گروہ اس سے سیراب ہوں گے۔ وہ لید اور خون کے مابین اس جگہ ہے جہاں سیاہ کوا اپنی چونچ سے کرید رہا ہے۔ اس کے قریب ہی چیونٹیوں کا بل بھی ہے۔ یہ مقام اساف اور نائلہ (دو بتوں) کے مابین ہے"۔ انہوں نے گوبر اور خون کے مابین ایک کوے کو کریدتے ہوئے دیکھا۔ حضرت عبدالمطلب سے کہا گیا کہ "بَرَّة" کو کھودو۔ اس کے کثیر منافع اور مبارک پانی کی وسعت کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ یہ اسم اس پر صحیح طور پر صادق آتا ہے کیونکہ یہ پاکباز افراد کے لئے رواں ہوا تھا۔ اور عصیاں شعار اس سے دور رہے۔ اس کو "مضنونہ" بھی کہا گیا کیونکہ اسے غیر مسلم کو دینے میں بخل سے کام لیا گیا ہے اور منافق اس سے سیر نہیں ہو سکتا۔ مرفوع حدیث مبارک ہے "جو آب زمزم پیئے اسے چاہئے کہ وہ خوب سیر ہو کر پیئے۔ یہ ہمارے اور منافقین کے مابین فرق کرتا ہے کیونکہ منافقین اسے سیر شکم ہو کر نہیں پی سکتے"۔ (دارقطنی)

زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالمطلب سے کہا گیا "مضنونہ کو کھودو" یعنی سارے جہان کو چھوڑ کر یہ سعادت صرف تمہیں عنایت کی گئی ہے جب حضرت عبدالمطلب کے لئے آب زمزم کی شان بیان کر دی گئی۔ اس کی جگہ تک ان کی راہ نمائی کر دی گئی تو انہوں نے جان لیا کہ یہ خواب سچا ہے۔ وہ اپنے کدال لے کر آ گئے۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا حارث بھی تھا۔ اس وقت ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ لگاتار تین ایام تک وہ جگہ کھودتے رہے۔ جب انہیں کنوئیں کی منڈیر نظر آئی تو انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ انہوں نے فرمایا "یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دست اقدس سے بنایا گیا کنواں ہے" اب قریش بھی اٹھ کر ان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا "یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کا کنواں ہے۔ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ اس میں ہمیں بھی شامل کرلو"۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا "میں اس طرح نہیں کروں گا۔ اس سعادت کے ساتھ تمہیں چھوڑ کر صرف مجھے سرفراز کیا گیا ہے یہ سعادت عظمیٰ صرف مجھے عنایت کی گئی ہے" قریش نے کہا "ہمارے ساتھ انصاف کرو ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم اس کے متعلق آپ سے جھگڑا کریں گے"۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا "میرے اور اپنے مابین جسے چاہو حاکم مقرر کرلو۔ ہم اس سے فیصلہ کرا لیتے ہیں"۔ قریش نے کہا "سعد بن ہذیم کی کاہنہ ہمارے مابین فیصلہ کرے گی"۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "ٹھیک ہے" یہ کاہنہ شام کے اشراف میں سے تھی۔

حضرت عبدالمطلب اور بنو عبد مناف کے کچھ افراد اس مقصد کے لئے عازم سفر ہوئے۔ ہر ہر قبیلہ کے کچھ افراد عازم سفر ہوئے۔ جب وہ حجاز اور شام کے مابین بے آب و گیاہ میدان میں پہنچے تو حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کو پیاس نے

آلیا انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ انہوں نے اپنے ہمراہ دیگر قبائل قریش سے پانی مانگا۔ مگر انہوں نے پانی دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''ہم اس چٹیل میدان میں ہیں۔ ہمیں بھی خدشہ ہے کہ تمہاری طرح ہمیں بھی سخت پیاس آلے گی''۔

جب حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم کا رویہ دیکھا اور اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق خطرہ محسوس کیا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے رائے لی۔ ان کے رفیقان راہ نے عرض کی ''ہم تو آپ کی رائے کے تابع ہیں۔ ہمیں جو چاہیں حکم دیں۔ ہم عمل پیرا ہوں گے''۔ انہوں نے انہیں حکم دیا۔ انہوں نے اپنی اپنی قبریں کھود لیں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا ''جو مر جائے اس کے ساتھی اسے اس کی قبر میں دفن کر دیں حتیٰ کہ آخری شخص رہ جائے۔ اس ایک شخص کا ضائع ہونا پورے کارواں کے ضائع ہونے سے آسان ہے''۔ پھر وہ بیٹھ کر پیاسے مرجانے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر حضرت عبدالمطلب نے کہا ''بخدا! خود کو موت کے سامنے اس طرح پھینک دینا کمزوری ہے۔ ہم زمین میں عازم سفر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی جگہ سے ہمیں پانی عطا فرما دے گا'' وہ اپنے کجاوے پر سوار ہو گئے۔ جب انہوں نے اپنی اونٹنی کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے شیریں پانی کا چشمہ رواں ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے تکبیر کہی۔ نیچے اترے۔ پانی پیا۔ اپنے برتن بھی پانی سے بھر لیے۔ پھر قبائل قریش کو بلایا اور فرمایا ''پانی کی طرف آؤ۔ رب تعالیٰ نے ہمیں سیراب کیا ہے''۔ انہوں نے بھی جی بھر کر پانی پیا۔ انہوں نے کہا ''عبدالمطلب! اللہ کی قسم! رب تعالیٰ نے تمہارے حق میں فیصلہ کر دیا ہے۔ اب ہم آپ سے زمزم کے متعلق کبھی بھی جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات والا نے تمہیں اس بے آب و گیاہ میدان میں یہ شیریں پانی پلایا ہے۔ اسی نے تمہیں آب زمزم سے سیراب کیا ہے۔ آپ اپنے چشمہ کی طرف لوٹ چلیں'' حضرت عبدالمطلب واپس لوٹ آئے۔ دیگر قبائل قریش بھی واپس آ گئے۔ وہ کاہنہ کے پاس نہ گئے۔ وہ حضرت عبدالمطلب اور آب زمزم کے درمیان سے ہٹ گئے۔ پھر عدی بن نوفل بن عبد مناف نے یہ کہہ کر حضرت عبدالمطلب کو اذیت دی۔ ''اے عبدالمطلب! تم ہم میں سے بلند مرتبت بننا چاہتے ہو۔ حالانکہ تم اکیلے ہو۔ تمہارا کوئی بچہ نہیں'' حضرت عبدالمطلب نے اسے فرمایا ''ابو القلۃ! تو مجھے عار دلاتا ہے۔ بخدا! اگر رب تعالیٰ نے مجھے دس بچے عطا کئے تو میں ان میں سے ایک کو کعبہ معظمہ کے پاس ذبح کروں گا''۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں اور ان کے فرزند کو قریش نے طیش دلائی ان کے ساتھ جھگڑا اور قتال کیا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ صرف ایک فرزند حارث تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی بیٹا نہ تھا۔ انہوں نے نذر مانی ''اگر ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے اور ان کے دست و بازو بنے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ مقدسہ کے پاس ذبح کریں گے'' اسی سال حضرت عبدالمطلب اور ان کے نور نظر نے چشمہ زمزم کی کھدائی کی۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں ''انہوں نے چیونٹیوں کا بل بھی پالیا۔ اسی جگہ اساف اور نائلہ کے مابین کوئے کو بھی زمین کریدتے دیکھ لیا۔ ان دونوں بتوں کے پاس ہی قریش اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ وہ کدال لے آئے۔ اس جگہ کھدائی شروع کر دی۔ قریش نے کہا ''ہم تمہیں اس جگہ سے نہیں کھودنے دیں گے۔ جہاں ہمارے بت ہیں جن کے پاس ہم اپنے جانور ذبح کرتے ہیں''۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے سے فرمایا ''مجھے کدال پکڑاؤ تاکہ میں یہ جگہ کھود ڈالوں۔ بخدا! میں وہ کام ضرور

کروں گا جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے" جب قریش نے دیکھا کہ عبدالمطلب اس کام سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تو وہ اپنی ضد سے باز آ گئے۔ حضرت عبدالمطلب نے تھوڑا سا ہی کھودا تھا کہ کنوئیں کی دیواریں نظر آ گئیں۔ انہوں نے بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ مزید کھدائی کی تو انہیں سونے کے دو ہرن۔ تلواریں، اور وہ زرہیں بھی مل گئیں جنہیں جرہم دفن کر کے چلے گئے تھے۔ قریش نے کہا "اس سامان میں ہمارا بھی حصہ ہے" حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "نہیں! لیکن ہم ایسے امر کی طرف جاتے ہیں جو ہمارے اور تمہارے مابین انصاف کر دے گا۔ ہم اس سامان پر قرعہ اندازی کر لیتے ہیں" قریش نے پوچھا "وہ کیسے؟" حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "میں دو تیر کعبہ معظمہ کے لئے، دو تیر اپنے لئے اور دو تیر تمہارے لئے مقرر کرتا ہوں جس کے دو تیر جس چیز پر نکل آئے وہ اس کی ہوگی۔ جس کے تیر نہ نکلے اس کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا"۔ قریش نے کہا "تم نے انصاف کیا ہے" انہوں نے دو زرد تیر خانہ کعبہ کے لئے، دو سیاہ تیر اپنے لئے اور دو سرخ تیر قریش کے لئے مختص کئے۔ دو زرد تیر دو ہرنوں پر خانہ کعبہ کے لئے نکلے دو سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں پر حضرت عبدالمطلب کے لئے۔ قریش کے دو تیر کے لئے کچھ بھی نہ نکلا۔ حضرت عبدالمطلب نے تلواروں سے خانہ کعبہ کا دروازہ بنایا۔ خانہ کعبہ کا دوسرا دروازہ سونے کا بنایا۔ یہ سب سے پہلا سونا تھا جو خانہ کعبہ پر چڑھایا گیا۔ زمزم کی کھدائی مکمل ہو گئی۔ حضرت عبدالمطلب نے منصب سقایہ سنبھال لیا۔ یہ منصب آپ کے لئے باعث فخر و عزت تھا۔ سارے قریش اور عرب کو چھوڑ کر آپ کو اس سے سرفراز کیا گیا تھا۔ امام زہری نے فرمایا "انہوں نے چشمہ زمزم پر ایک حوض بنا لیا۔ اسی سے لوگوں کو پلاتے تھے۔ رات کے وقت از روئے حسد وہ حوض خراب کر دیا جاتا۔ جب ان پر یہ بات گراں گزری تو انہیں خواب میں کہا گیا "یوں کہو" میں اسے غسل کرنے کے لئے حلال نہیں کرتا۔ یہ پینے کے لئے حلال اور شفاء ہے"۔ وقت صبح انہوں نے اسی طرح کہا۔ حاسد اپنی مرض میں ہی مر گیا۔ زمزم اہل عرب کے سارے کنوئیں سے سبقت لے گیا۔ لوگ اس کی طرف اُمڈ کر آنے لگے کیونکہ یہ مسجد حرام میں تھا۔ دیگر پانیوں پر اسے کئی گوناں گوں فضیلت حاصل تھی۔ حاجی بھی اس پانی کو نوش کرتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے بہت سے اونٹ تھے وہ انہیں ایام حج میں جمع کرتے ان کا دودھ آب زمزم میں ملاتے۔ کشمش خرید کر اسے زمزم میں ملاتے اور اسے حاجیوں کو پلاتے۔ تاکہ کشمش کی سختی دور ہو جائے کیونکہ اس وقت کشمش بہت سخت ہوتی تھی۔

حضرت عبدالمطلب کے وصال کے بعد سقایہ کا منصب ابو طالب کو ملا۔ پھر یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا۔ ان کا طائف میں انگوروں کا باغ تھا۔ وہ اس کی کشمش لے آتے۔ ایام حج میں حاجیوں کو کشمش آب زمزم میں ملا کر پلاتے۔ جب حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو پہلے سقایہ کا منصب حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے واپس لے لیا پھر انہیں واپس کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب کی نذر

چشمۂ زمزم کی کھدائی کو تیس برس گزر چکے تھے۔ اب حضرت عبدالمطلب کے دس فرزند تھے۔ سارے کے سارے تنومند اور جوان تھے ان کے نام یہ ہیں۔ (1) حارث (2) زبیر (3) حجل (4) ضرار (5) مقوم (6) ابولہب (7) حضرت عباس رضی اللہ عنہ (8)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ۹ ابو طالب ۱۰ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ ان جواں سال فرزندوں کو دیکھ کر حضرت عبدالمطلب کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی۔ ایک رات حضرت عبدالمطلب کعبہ معظمہ کے پاس سوئے تھے۔ انہوں نے خواب میں کسی کو یوں کہتے ہوئے سنا ''عبدالمطلب! اس گھر کے مالک کے لئے اپنی نذر پوری کرو'' عبدالمطلب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ایک مینڈھے کو ذبح کرنے اور فقراء کو کھلانے کا حکم دیا۔ پھر سوئے تو خواب میں کہا گیا ''اس سے بڑی قربانی پیش کرو'' وہ بیدار ہوئے تو بیل کو راہ خدا میں ذبح کر دیا۔ پھر سوئے تو خواب میں کہا گیا ''اس سے بھی بڑی قربانی پیش کرو'' وہ بیدار ہوئے اونٹ ذبح کیا اور مساکین کو کھلا دیا۔ پھر سوئے تو کہا گیا ''اس سے بھی بڑی قربانی پیش کرو'' انہوں نے پوچھا ''اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی ہے؟'' انہیں کہا گیا ''اپنے بیٹوں میں سے ایک کو ذبح کرو جو تم نے نذر مانی تھی'' یہ سن کر بہت زیادہ رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اپنی اولاد جمع کی اور انہیں اپنی نذر کے متعلق بتایا۔ اور انہیں یہ نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا ''ہم آپ کے اطاعت شعار ہیں۔ ہم میں سے جسے چاہو ذبح کر دو'' انہوں نے فرمایا ''تم میں سے ہر ایک ایک تیر لے لے۔ اس پر اپنا نام لکھ لے۔ پھر اسے میرے پاس لے آئے'' فرزندان نے اسی طرح کیا حضرت عبدالمطلب نے ان سے تیر لئے اور ہبل کے پاس لے گئے۔ ہبل کعبہ کے مرکز میں ایک بہت بڑا بت تھا۔ اہل عرب اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے پاس قرعہ اندازی کرتے تھے۔ اس کا ایک نگران تھا جو قرعہ اندازی کرتا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے وہ تیر اس نگران کو دیئے اور خود یہ دعا مانگنے لگے ''مولا! میں نے نذر مانی تھی کہ میں اپنی اولاد میں سے ایک بچہ ذبح کروں گا۔ اب میں ان کے مابین قرعہ اندازی کر رہا ہوں۔ جس کے نام چاہے قرعہ نکال دے''۔ نگران ہبل نے قرعہ ڈالا۔ قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت عبدالمطلب کو ساری اولاد سے زیادہ پیارے تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنے فرزند دلبند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما۔ چھری لی اور اساف اور نائلہ کے پاس آ گئے (اساف اور نائلہ کعبہ معظمہ کے پاس دو بت تھے۔ ان کے پاس اہل عرب اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے۔ دراصل یہ ایک مرد اور ایک عورت تھی۔ مرد اساف بن یعلی اور عورت کا نام نائلہ بنت زید تھا۔ اساف سرزمین یمن میں نائلہ سے عشق کرتا تھا۔ یہ دونوں حج کرنے آئے۔ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ لوگوں کی غفلت اور خلوت سے فائدہ اٹھا کر اس جگہ بدکاری کی۔ ان دونوں کو مسخ کر دیا گیا۔ ان کے جسم پتھر ہو گئے۔ پھر انہیں چشمہ زمزم کے پاس رکھ دیا گیا تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں۔ جب کافی مدت گزر گئی تو دیگر بتوں کے ساتھ ان کی بھی پوجا ہونے لگی۔) جب حضرت عبدالمطلب اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے اس جگہ آئے۔ تو سرداران قریش اٹھ کر ان کی طرف گئے۔ ان سے کہا ''عبدالمطلب! کیا کرنے لگے ہو۔ بخدا! ہم تمہیں فرزند ذبح نہیں کرنے دیں گے۔ حتیٰ کہ ہم اس امر میں معذور ہو جائیں۔ اگر تم نے یوں کر دیا تو ہر شخص اپنا فرزند لاتا رہے گا۔ اور اسے ذبح کرتا رہے گا۔ لوگوں کی بقاء کو خطرہ لگ جائے گا۔ مغیرہ بن عبداللہ نے کہا ''بخدا! ہم اسے ہرگز ذبح نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ ہم معذور ہو جائیں (کوئی چارۂ کار نہ رہے) اگر ہمیں اپنے اموال بھی ان پر نثار کرنے پڑے تو ضرور کر دیں گے'' سرداران مکہ نے حضرت عبدالمطلب سے کہا ''انہیں فلانہ کاہنہ کے پاس لے جاؤ۔ شاید وہ کسی ایسے کام کا تمہیں حکم دے جس میں کچھ آسائش ہو''۔ حضرت عبدالمطلب خیبر میں اس

کاہنہ سے ملے۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی داستان اسے سنائی۔ اس نے کہا ''اب چلے جاؤ حتیٰ کہ میرا تابع جن آ جائے اور اس سے اس کے متعلق پوچھ لوں''۔ حضرت عبدالمطلب باہر نکل آئے۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ وقت صبح دوبارہ اس کے پاس گئے۔ کاہنہ نے کہا ''تمہارے بارے میرے پاس خبر آ چکی ہے۔ تمہارے ہاں ایک شخص کی دیت کیا ہے؟ سرداران قریش نے کہا ''دس اونٹ'' کاہنہ نے کہا ''اپنے شہر لوٹ جاؤ''۔ اپنے فرزند دلبند اور دس اونٹوں کے مابین قرعہ اندازی کر لینا۔ اگر قرعہ تمہارے نور نظر کے نام کا نکلے تو دس اونٹ زیادہ کر لینا حتیٰ کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو جائے۔ سرداران قریش واپس آ گئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور دس اونٹوں کو قرعہ اندازی کے لئے قریب کیا گیا۔ حضرت عبدالمطلب دعا میں مصروف ہو گئے۔ قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام پر نکلا۔ دس اونٹوں کا اضافہ کرتے گئے ہر بار قرعہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام کا ہی نکلتا حتیٰ کہ اونٹوں کی تعداد ایک سو ہو گئی۔ اب قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا۔ قریش مکہ اور حاضرین نے کہا ''عبدالمطلب! تمہارا رب تعالیٰ راضی ہو گیا ہے'' انہوں نے کہا ''ابھی نہیں! حتیٰ کہ میں تین بار قرعہ اندازی کر لوں''۔ دوبارہ قرعہ اندازی ہوئی حضرت عبدالمطلب دعا کرنے لگے۔ قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا اسی طرح تیسری بار قرعہ اندازی کی گئی حضرت عبدالمطلب دعا میں مصروف ہو گئے۔ قرعہ اب بھی اونٹوں کے نام کا نکلا۔ ایک سو اونٹ ذبح کر دیئے گئے۔ ان کا گوشت چھوڑ دیا گیا۔ کسی انسان پرندے اور درندے کو نہ روکا گیا۔ اسی لئے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''میں ذوذبیحوں کا فرزند دلبند ہوں'' حاکم نے مستدرک میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم بارگاہ رسالت مآب میں تھے۔ ایک اعرابی حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کی ''اے ابن الذبیحین! شہر خشک ہو گئے۔ پانی ختم ہو گئے۔ مال برباد ہو گیا۔ عیال ضائع ہو گئے۔ ہمیں اپنی بارگاہ سے کچھ عطا فرمائیں'' یہ سن کر حضور تبسم کناں ہوئے۔ اور اعرابی کا انکار نہ فرمایا۔ ''ذبیحین'' سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہستیاں ہیں۔

یہ حدیث پاک اس امر پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور یہ قربانی مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی نہ کہ شام میں۔ انہی کی شان والا کو عیاں کرنے کے لئے یوم عید الاضحیٰ کو قربانی واجب کی گئی۔ جس طرح کہ صفا اور مروہ کے مابین سعی اور رمی جمار کو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے برقرار رکھا گیا یہ بھی دونوں مکہ مکرمہ میں تھے۔ جبکہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ شام میں تھیں۔ اگر یہ قربانی شام میں ہوتی جس طرح اہل کتاب گمان کرتے ہیں تو قربانیاں شام میں ہوتیں نہ کہ مکہ مکرمہ میں۔ قرآن پاک کا ظاہر بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذبیح کو حلیم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (الصافات)

''پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا''۔ (جمال القرآن)

اس سے بڑھ کر کون حلیم ہو سکتا ہے جو اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا آپ بھی قربانی کے لئے پیش کر دے۔ جبکہ اس کی عمر اس وقت صرف آٹھ سال یا تیرہ سال ہو۔ جبکہ رب تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو علیم کی صفت

سے متصف فرمایا ہے۔

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (الحجر)

''ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا''۔ (جمال القرآن)

وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ (الذاریات)

''اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی''۔ (جمال القرآن)

قرآن پاک میں ذبح کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الصافات)

اس سے بھی یہی عیاں ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہ ایک بشری عادت ہے کہ والدین کو بڑی اولاد سب سے پیاری ہوتی ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے فرزند دلبند کی التجاء کی۔ رب تعالیٰ نے انہیں من موہنا فرزند عطا فرمادیا۔ تو حضرت خلیل علیہ السلام اپنے اس فرزند دلبند سے محبت کرنے لگے۔ رب تعالیٰ نے انہیں اپنا محبوب ذبح کرنے کا حکم دیا جب وہ ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محبت فرزند کی محبت سے زیادہ مقام رکھتی تھی۔ اس وقت ان کی خلت مشارکت کے سارے شوائب سے خالص ہوگئی۔ ذبح میں کوئی مصلحت باقی نہ رہی کیونکہ مصلحت تو صرف عزم اور نفس کو آمادہ کرنے کا نام ہے۔ مقصود حاصل ہوگیا۔ امر منسوخ ہوگیا۔ ذبح فدا ہوگیا۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

إِنَّ الذَّبِيْحَ فُدِيْتُ إِسْمَاعِيْلُ نَطَقَ الْكِتَابُ بِذَاكَ وَالتَّنْزِيْلُ
شَرَفٌ بِهِ خَصَّ الْإِلٰهُ نَبِيَّنَا وَ أَبَانَهُ التَّفْسِيْرُ وَالتَّأْوِيْلُ

حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ذبیح تھے۔ مینڈھا انہی پر ہی فدا کیا گیا تھا۔ کتاب اور تنزیل اسی کے متعلق ہی بتاتے ہیں۔ یہ وہ شرف ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مختص فرمایا ہے۔ تفسیر اور تاویل اسی امر کو عیاں کرتے ہیں۔

معافی ابن زکریا نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عالم سے پوچھا۔ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا ''حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو کس فرزند دلبند کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا'' اس عالم نے کہا ''امیر المومنین! یہودی جانتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ لیکن وہ تم سے حسد کرتے ہیں کہ ذبیح تمہارا باپ ہو۔ اسی لئے وہ انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں کی تعداد

بعض علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاؤں کی تعداد بارہ تھی۔ انہوں نے دس سے زائد الغیداق، قثم اور عبدالکعبہ کا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح چچاؤں کی تعداد تیرہ بن گئی۔ ان کا قول ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ذبح کے

واقعہ کے بعد پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبدالمطلب کے دس فرزند تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ غیداق، حجل ہی تھا۔ مقوم کا نام ہی عبدالکعبہ تھا۔ اور قثم نامی فرزند کوئی نہ تھا تو پھر اور دسویں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ایک خاتون کی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پیش کش

جب اونٹوں کو ذبح کر کے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے ساتھ واپس تشریف لائے تو بنو اسد بن عبدالعزی کی ایک خاتون کے پاس سے گزرے۔ جب اس خاتون نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا وہاں نور مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تابانیاں نظر آئیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ قریش کے سارے جوانوں سے زیادہ باجمال اور خوبرو تھے۔ اس عورت نے کہا "عبداللہ رضی اللہ عنہ میں تمہیں یہ ایک سو اونٹ دے دیتی ہوں اسی وقت میرے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا کرو" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کو یہ جواب دیا۔

أَمَّا الْحَرَامُ فَالْحِمَامُ دُوْنَهٗ وَ الْحِلُّ لَا حِلَّ فَأَسْتَبِيْنَهٗ

يَحْمِي الْكَرِيْمُ عِرْضَهٗ وَ دِيْنَهٗ فَكَيْفَ بِالْأَمْرِ الَّذِيْ تَبْغِيْنَهٗ

رہا حرام تو اس سے تو موت بہتر ہے اور حلال تو میں اس میں حلال واضح طور پر نہیں دیکھ رہا۔ کریم ہمیشہ اپنی عزت اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔ میں ایسی بات کو کیسے قبول کر سکتا ہوں جو تم چاہتی ہو۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت یہ اشعار پڑھے۔

لَقَدْ حَكَمَ الْبُدَا دُوْنَ فِيْ كُلِّ بَلْدَةٍ بِأَنَّ لَنَا فَضْلًا عَلٰى سَادَةِ الْأَرْضِ

وَأَنَّ أَبِيْ ذُوالْمَجْدِ السُّوْدَدِ الَّذِيْ نَشَأْ بِهِمَا مَا بَيْنَ نَشْرٍ اِلٰى خَفْضِ

ہر شہر کے قبائل نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ زمین کے سرداروں پر ہمیں فضیلت حاصل ہے۔ میرے والد محترم ایسی بزرگی اور سیادت والے ہیں کہ وہ اس نشیب و فراز میں عظمت اور فضیلت کے ساتھ ہی جوان ہوئے ہیں۔

ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "جب حضرت عبدالمطلب اونٹوں کو ذبح کر کے اپنے والد گرامی کے ہمراہ واپس آئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک کاہنہ کے پاس سے گزرے۔ اس کا نام فاطمہ بنت مر خشعمیہ تھا۔ اس نے سابقہ کتب پڑھ رکھی تھی۔ یہ ساری خواتین سے زیادہ حسین اور پاکباز تھی۔ اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرۂ مبارک پر نور نبوت دیکھا تو اپنا آپ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اس عورت نے یہ اشعار پڑھے۔

اِنِّيْ رَاَيْتُ مُخِيْلَةً نَشَأَتْ فَتَلَأْلَأَتْ بِحَنَاتِمِ الْقَطْرِ

فَلَمَأْتُهَا نُوْرًا يُضِيْءُ بِهٖ مَا حَوْلَهٗ كَاِضَاءَةِ الْفَجْرِ

وَ رَاَيْتُ سُقْيَاهَا حَيَا بَلَدٍ وَقَعَتْ بِهٖ وَ عِمَارَةَ الْقَفْرِ

وَ رَاَيْتُهٗ شَرَفًا اَبُوْءُ بِهٖ مَا كُلُّ قَادِحٍ زَنْدِهٖ يُوْرِيْ

لِلّٰهِ مَا زُهْرِيَّةٌ سَلَبَتْ مِنْكَ الَّذِيْ اَسْتَلَبَتْ وَ مَا تَدْرِيْ

میں نے برسنے والا بادل دیکھا۔ وہ بڑھا اور بارش سے بھرپور ہونے کی وجہ سے چمکنے لگا۔ میں نے ایک ایسا نور دیکھا جس نے اپنے اردگرد کو صبح کی مانند ضوفشاں کر دیا تھا۔ میں نے اس کی سیرابی کو دیکھا۔ اس نے شہروں اور چٹیل میدانوں کو حیات نو عطا کر دی۔ اس سے بے آب و گیاہ میدان آباد ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی قدر و قیمت کو لوٹا دیا گیا ہے۔ ہر چقماق مارنے والے کی آگ روشن نہیں ہوتی۔ اللہ کی قسم! جو تیرے پاس امانت تھی وہ زہریہ نے لے لی ہے اور تجھے علم بھی نہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے وظیفۂ زوجیت ادا کیا اس وقت بنو مخزوم اور بنو عبد مناف کی دو سو عورتوں نے شادی نہ کرنے کی قسم اٹھائی۔ اس غم و اندوہ میں انہوں نے شادی نہ کی۔ اس رات قریش کی ہر عورت مریضہ بن گئی۔

اصحاب فیل کا قصہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل ارہاصات میں سے اصحاب فیصل کا قصۂ عبرت ناک بھی ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی دعا کے طفیل ان پر عذاب الیم نازل ہوا۔ اس داستان عبرت ناک میں قریش کے لئے تالیف قلبی بھی تھی۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باعث ہزار سعادت اور بعثت مبارکہ کے لئے تمہید بھی تھا۔ ابرہہ نے ہاتھی کے سائس کو حکم دیا کہ وہ اپنے سب سے بڑے ہاتھی کو اس کے سامنے لے آئے تاکہ وہ حضرت عبدالمطلب کو مرعوب کر سکے۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب وہ اونٹ لینے گئے تھے جنہیں ابرہہ کے سپاہی پکڑ کر لے گئے تھے۔ جب ہاتھی نے حضرت عبدالمطلب کو دیکھا تو وہ اس طرح بیٹھ گیا جس طرح ہاتھی بیٹھتا ہے۔ سجدہ ریز ہو کر نیچے گر پڑا۔ اس سے قبل ابرہہ نے اپنی قوم کا ایک شخص اہل مکہ کی طرف بھیجا تھا تاکہ ان کے دل مرعوب ہو جائیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو دیکھا تو وہ نیچے جھک گیا۔ اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔ وہ اس طرح آواز نکالتا تھا جس طرح بیل ذبح ہوتے وقت آواز نکالتا ہے اسے افاقہ ہوا تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو سجدہ کیا اس نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ قریش کے سچے سردار ہیں"۔ اس قاصد سے ابرہہ نے کہا تھا "اس شہر کے سردار کی جستجو کرو۔ پھر اسے کہو 'بادشاہ کہتا ہے میں تم سے جنگ کی غرض سے نہیں آیا میں تو اس گھر کو گرانے آیا ہوں۔ اگر تم مجھ سے تعرض نہ کرو تو مجھے تمہارے خون بہانے کی بالکل غرض نہیں ہے۔ اگر اس کا ارادہ جنگ نہ کرنے کا ہو تو اسے میرے پاس لے آؤ"۔ قاصد مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ اس مقدس شہر کے سردار کے متعلق پوچھا۔ لوگوں نے اسے حضرت عبدالمطلب کے متعلق بتایا۔ جب اس نے حضرت عبدالمطلب سے ملاقات کی تو اس پر غشی طاری ہو گئی۔ ہوش آنے کے بعد ابرہہ کا پیغام دیا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "بخدا! ہم ابرہہ سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ نہ ہی ہم میں یہ طاقت ہے۔ یہ بیت اللہ الحرام ہے۔ یہ اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے۔ اگر وہ اسے روک دے تو یہ اس کا گھر اور حرم ہے۔ اگر اس کے راستے سے ہٹ جائے تو پھر ہم اسے دور نہیں ہٹا سکتے"۔ پھر اس کے ساتھ ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ابرہہ کے قاصد نے اس سے اجازت طلب کی۔ اور کہا "شاہ والا! یہ قریش کے سردار ہیں۔ آپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں، یہ مکہ مکرمہ کے معزز سردار ہیں۔ یہ میدانوں اور پہاڑوں میں لوگوں کو کھلاتے ہیں"۔ ابرہہ نے

انہیں اجازت دی۔ حضرت عبدالمطلب انتہائی زیبا، باجمال، حسین اور عظیم شخص تھے۔ ابرہہ بھی آپ کی عزت وتکریم کا قائل ہوگیا۔ اس نے آپ کی تعظیم کی۔ اس نے انہیں اپنے تخت پر بٹھانا پسند نہ کیا تاکہ اہل حبشہ یہ نہ دیکھ لیں کہ مکہ مکرمہ کا سردار اس کے ساتھ اس کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ اپنے تخت سے نیچے اترا۔ اپنی قالین پر بیٹھ گیا اور حضرت عبدالمطلب کو بھی اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ پھر اپنے ترجمان سے کہا "ان سے پوچھو کہ ان کی ضرورت کیا ہے؟" حضرت عبدالمطلب نے اسے فرمایا "میری ضرورت یہ ہے کہ بادشاہ میرے دوسو اونٹ واپس کر دے"۔ ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہا "اسے کہو کہ جب میں نے انہیں دیکھا تو میں بہت متعجب ہوا۔ اب میری دلچسپی کم ہونے لگی ہے۔ تم مجھ سے دوسو اونٹوں کے بارے تو بات چیت کرنے آئے ہو۔ لیکن اس کو چھوڑ رہے ہو جو تمہارے آباء کا اور تمہارا دین ہے۔ میں اسے گرانے آیا ہوں۔ کیا تم اس کے متعلق مجھ سے گفتگو نہیں کرو گے؟ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "میں ان اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ عنقریب اسے روک دے گا"۔ ابرہہ نے کہا "وہ مجھے نہیں روک سکتا" حضرت عبدالمطلب نے کہا "تو جانے یا وہ جانے" ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کے قلادے پہنائے۔ ان کا اشعار کیا اور بیت اللہ میں قربان کرنے کے لئے وقف کر دیا انہیں حرم پاک میں پھیلا دیا۔ قریش کے پاس گئے اور انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ پھر ان سب کو بیت اللہ میں لا کر دعا مانگی۔ پھر انہیں مکہ مکرمہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ انہیں پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں میں چلے جانے کا حکم دیا۔ تاکہ حبشہ کی فوج کے ساتھ معرکہ آزمائی کی نوبت نہ آئے۔ پھر اہل حبشہ آئے۔ وہ حرم پاک میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے ابابیل بھیجے۔ انہوں نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے یہ واقعہ اپنی کتاب حکیم میں بیان کیا ہے۔ یہ داستان عبرت انگیز کا شمار بھی آپ کے ارہاصات میں ہوتا ہے۔ صحیح روایت کے مطابق اصحاب فیل کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے رونما ہوا۔ اسی سال آپ جہان رنگ و بو میں رونق افروز ہوئے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرہ پر محو گردش تھا۔ حالانکہ وہ نور مبارک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پشت مبارک بلکہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے صدف بطن میں جلوہ فرما ہو چکا تھا۔ محققین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت وہ نور مبارک حضرت عبدالمطلب سے منتقل ہو چکا تھا۔ مگر ان کے چہرہ پر محو گردش تھا۔ وہ ضرورت کے وقت ان کے پاس آجاتا تھا جیسا کہ اس واقعہ سے عیاں ہے۔

حضرت عبدالمطلب کے خواب

ابونعیم نے حضرت ابوبکر بن عبداللہ بن ابی خیثم سے وہ اپنے والد اور ان کے جد امجد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا "میں نے خواجہ ابوطالب کو عبدالمطلب سے روایت کرتے سنا۔ انہوں نے کہا "اسی اثناء میں کہ میں حجر میں سویا ہوا تھا۔ میں نے ایک خواب دیکھا جس نے مجھے پریشان کر دیا۔ میں بہت افسردہ تھا۔ میں قریش کی کاہنہ کے پاس گیا۔ میں نے اسے کہا "میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے کہ گویا کہ میری پشت سے ایک درخت نکلا ہے۔ جس کی شاخیں آسمان تک پہنچ گئیں ہیں۔ اس کی شاخیں مشرق و مغرب میں پھیل گئی ہیں۔ میں نے اس نور سے بڑھ کر درخشاں اور تاباں نور کہیں نہیں

دیکھا۔ اس کا نور سورج کی روشنی سے ستر گنا زیادہ تھا۔ میں نے دیکھا کہ عرب و عجم اس درخت کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ ہر لمحہ اس کی عظمت، بلندی اور نورانیت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک ساعت کے لئے یہ چھپ جاتا۔ ایک ساعت کے لئے ظاہر ہو جاتا۔ میں نے بعض قریش کو دیکھا وہ اس کی شاخوں کے ساتھ لٹکے ہوئے تھے۔ بعض قریش اسے کاٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب وہ اس درخت کے قریب گئے تو میں نے ایک جوان دیکھا آج تک میں نے اتنا حسین جوان نہیں دیکھا اس سے خوشبو آ رہی تھی۔ اتنی عمدہ خوشبو آج تک میں نے نہیں سونگھی۔ اس جوان نے ان کی پشتیں توڑ دیں ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ میں نے اپنا ہاتھ بلند کیا تا کہ اس درخت کو پکڑ لوں۔ مگر میں اسے نہیں پکڑ سکا۔ میں نے کہا "یہ کس کے نصیب میں ہے؟" انہوں نے کہا "یہ ان فرخندہ فال لوگوں کی قسمت میں ہے جو اس کی شاخوں کے ساتھ معلق ہیں۔ وہ آپ سے سبقت لے گئے ہیں"۔ میں گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کاہنہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کہا "اگر تمہارا خواب سچا ہے تو پھر تمہاری صلب مبارک سے ایک ایسا شخص پیدا ہو گا جو مشرق و مغرب کا مالک بنے گا۔ لوگ اس کا دین اختیار کریں گے" عبدالمطلب ابو طالب سے یہ خواب بیان کرتے اور فرماتے "شاید وہ مبارک مولود تم ہی ہو"۔ خواجہ ابو طالب حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد بھی یہ خواب بیان کرتے تھے۔ وہ فرماتے "اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ درخت ابو القاسم امین ﷺ ہیں۔ ان سے پوچھا جاتا "آپ پر ایمان کیوں نہیں لاتے" وہ کہتے "مجھے گالی اور عار کا اندیشہ ہے"۔

حضرت ابو علی قیروانی نے "کتاب البستان" میں لکھا ہے "حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ چاندی کی زنجیر ان کی پشت سے نکلی ہے۔ اس کا ایک کنارہ آسمان پر دوسرا زمین پر تیسرا مشرق کی طرف اور چوتھا مغرب کی طرف ہے، پھر وہ زنجیر ایک درخت میں بدل گئی۔ جس کے ہر ہر پتہ پر نور تھا۔ اہل مشرق و مغرب اس کے ساتھ معلق تھے۔ انہوں نے یہ خواب کاہنہ سے بیان کیا۔ کاہنہ نے کہا "آپ کی پشت سے ایک ایسا مبارک بچہ پیدا ہو گا۔ مشرق و مغرب والے جس کی اتباع کریں گے۔ اہل آسمان اور اہل زمین جس کی تعریف کریں گے"۔

نسب پاک کی طہارت

صحیح احادیث میں ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "رب تعالیٰ مجھے ہمیشہ پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل کرتا رہا"۔ بعض مفسرین نے رب تعالیٰ کے اس فرمان کو اسی روایت پر محمول کیا ہے۔

الَّذِیْ یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء)

"جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا"۔ (جمال القرآن)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور سید الانبیاء حبیب کبریا ﷺ نے فرمایا "میں بنو آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث کیا گیا ہوں۔ قرن بہ قرن زمانہ تبدیل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ میں اس زمانہ میں آیا جس میں آیا"۔

السیرۃ الحلبیہ میں ہے "خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے اجداد عظام میں سے حضرت آدم سے لے کر مرہ بن کعب تک کے ایمان کی تو احادیث اور اسلاف کے اقوال میں وضاحت موجود ہے۔ مرہ اور عبدالمطلب کے مابین صرف چار اجداد باقی رہ جاتے ہیں جن کے متعلق مجھے کوئی روایت نہیں ملی۔ حضرت عبدالمطلب کے بارے تین اقوال ہیں۔ (1) ان تک دعوت نہیں پہنچی کیونکہ ان کے وصال کے وقت حضور ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی۔ (2) وہ ملت ابراہیمی پر تھے۔ انہوں نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی تھی۔ (3) آپ ﷺ کی بعثت کے بعد رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئے پھر ان کا انتقال ہو گیا۔

بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان "میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا" میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے لے کر آپ کے سارے آباء و اجداد میں سے کوئی بھی کافر نہ تھا۔ کیونکہ کافر کو پاکیزہ نہیں کہا جا سکتا"۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

لَمْ تَزَلْ فِي ضَمَائِرِ الْكَوْنِ تُخْتَارُ لَكَ الْأُمَّهَاتُ وَالْآبَاءُ

کائنات کے رازوں میں آپ کے لئے امہات اور آباء کا انتخاب ہوتا رہا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب سے میں صلب آدم سے نکلا ہوں مجھے کسی باغی عورت نے جنم نہیں دیا۔ میں نسل در نسل امم میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ میرا ظہور رب کے دو افضل قبائل بنو ہاشم اور بنو زہرہ میں سے ہوا"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرا ظہور ہمیشہ نکاح سے ہی ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کریمین تک کسی وقت بھی بدکاری سے میرا ظہور نہیں ہوا۔ زمانہ جاہلیت کی بدکاری میں سے مجھے کوئی شی نہیں پہنچی۔ مجھے ہمیشہ نکاح اسلام نے ہی جنم دیا"۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا حسن و جمال

جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے نور مبارک کو آپ کے جد امجد سے منتقل کرنا چاہا تو انہوں نے فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم سے شادی کر لی۔ ان سے جناب ابو طالب اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نور مبارک حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سے قبل بھی کئی شادیاں کیں تھیں۔ سب سے پہلے انہوں نے قیلۃ بنت جندب سے شادی کی۔ ان کا نام صفیہ بنت جندب بھی بتایا جاتا ہے۔ یہ حارث کی والدہ تھیں۔ ان کے ساتھ شادی کرنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب بلوغت کے بعد ایک روز حجر میں سوئے ہوئے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو انہیں سرمہ اور تیل لگا ہوا تھا۔ دلربا اور دلکش حلہ زیب تن کر رکھا تھا۔ وہ ششدر رہ گئے۔ انہیں علم نہ تھا کہ یہ آراستگی کس نے کی ہے۔ انہوں نے اپنے چچا مطلب کا ہاتھ پکڑا۔ قریش کی کاہنہ کے پاس گئے۔ سارا واقعہ اسے سنایا۔ اس نے کہا "آسمان کے رب نے اذن دے دیا ہے کہ یہ لڑکا اب شادی کر لے"۔ انہوں نے قیلۃ بنت جندب سے شادی کر لی۔ ان کے ہاں حارث پیدا ہوئے۔ جب فاطمہ بنت عمرو المخزومیہ سے شادی کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نور مبارک ان کی طرف منتقل ہو

گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خلق اور خُلق کے اعتبار سے سارے قریش سے زیادہ خوبصورت تھے۔ حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک جبین اطہر سے عیاں تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ نور مبارک طلعت زیبا میں تاباں ستارے کی طرح نظر آتا تھا۔ المواہب کی شرح میں ہے "قریش میں آپ کا نور مبارک جگمگاتا تھا۔ آپ سارے قریش سے حسین تھے۔ قریش کی خواتین ان کے دام محبت میں اسیر تھیں قریب تھا کہ ان کا طائر عقل پرواز کر جاتا"۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کی خواتین سے اسی آزمائش میں پڑے تھے جس آزمائش میں حضرت یوسف صدیق علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی کی وجہ سے مبتلاء ہوئے تھے۔ رب تعالیٰ نے سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کو راہ راست پر ہی رکھا۔ سب سے پہلے اپنے سب سے زیادہ پسندیدہ نام سے موسوم فرمایا۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذبیح بھی تھے۔ عفت و پاکیزگی، فیاضی و سخاوت اور فضل و کرم فطرت ثانیہ تھا۔ عمر مبارک اٹھارہ سال ہوئی تو اپنے والد گرامی کے ساتھ گئے تاکہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح فرمائیں۔ بہت سی خواتین کے پاس سے گزرے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنا آپ انہیں پیش کیا مگر وہ اپنی عفت و دیانت کی وجہ سے انکار کرتے رہے۔ حضرت عبدالمطلب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے چچا وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن قصی کے پاس گئے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ وہب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے چچا نہ تھے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے عقد زوجیت میں آگئیں۔ وہ حسب و نسب کے اعتبار سے سارے قریش سے افضل تھیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے وظیفہ زوجیت ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ان کے صدف بطن میں چلا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدات مطہرات

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکا گھوڑا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ساتھ دوڑایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھوڑا آگے نکل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں عواتک کا نور نظر ہوں۔ یہ گھوڑا سمندر ہے"۔ ایک غزوہ میں حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نبی برحق ہوں اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند دلبند ہوں" ایک اور روایت میں ہے "میں بنو سلیم میں سے عواتک کا نور چشم ہوں"۔

دراصل خوشبودار یا پاکیزہ کو عاتکہ کہا جاتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احد کے روز فرمایا "میں "الفواطم" کا نور چشم ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عواتک جدات کتنی تھیں اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض نے یہ تعداد کم اور بعض نے زیادہ بیان کی ہے۔

ابن عساکر نے لکھا ہے کہ آپ کی جدات میں سے چودہ عواتک ہیں۔ بعض نے یہ تعداد گیارہ بتائی ہے۔ ان میں سے سب سے پہلی لوی بن غالب کی والدہ تھیں۔ بنو سلیم میں سے عواتک میں سے عاتکہ بنت ہلال عبد مناف کی والدہ، عاتکہ بنت الاوقص ہاشم کی والدہ اور عاتکہ بنت مرہ بن ہلال وہب کی والدہ تھیں۔ ایک اور قول کے مطابق بنو سلیم کی عواتک سے مراد وہ تین خواتین ہیں جن میں سے ہر ایک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا شیر پلانے کی سعادت حاصل کی۔

آپ کی جدات مطہرات میں سے "الفواطم" کی تعداد دس یا پانچ یا چھ یا آٹھ بتائی جاتی۔ ان میں فاطمہ ام عبداللہ اور فاطمہ ام قصی بھی شامل ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق آپ نے اپنے نسب پاک میں موجود فواطم کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ عمومیت کا تذکرہ کیا جن میں فاطمہ ام اسد بن ہاشم، فاطمہ بنت اسد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ اور ان کی والدہ فاطمہ، یہ ان فواطم کے علاوہ ہیں جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ریشم کا ٹکڑا عطا فرمایا اور فرمایا "یہ ان تینوں فواطم میں تقسیم کر دو"۔ وہ جگر گوشۂ رسول فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، فاطمہ بنت حمزہ اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ کی فواطم جدات میں سے ام عمرو بن عائذ، فاطمہ بنت عبداللہ بن رزام، فاطمہ بنت حارث اور فاطمہ بنت نصر بن عوف، عبد مناف کی نانی بھی شامل ہیں۔

بنو زہرہ میں شادی کرنے کا سبب

حضرت عبدالمطلب نے بنو زہرہ کو اس مقصد کے لئے اس لئے منتخب فرمایا کیونکہ ایک دفعہ وہ یمن تشریف لے گئے ایک یہودی عالم کے ہاں ٹھہرے۔ اس نے پوچھا "کس قبیلہ سے تعلق ہے؟" حضرت عبدالمطلب نے کہا "بنو ہاشم سے" یہودی عالم نے کہا "پھر مجھے کچھ اعضاء دیکھنے کی اجازت دو"۔ انہوں نے فرمایا "ضرور! شرم گاہ کے علاوہ"۔ اس یہودی عالم نے ان کی ناک میں ایک طرف پھر دوسری طرف دیکھا۔ پھر فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت اور دوسرے میں نبوت ہے۔ یہ دونوں چیزیں تمہیں بنو زہرہ سے ملیں گی۔ پتہ ہے کیسے؟ میں نے کہا "میں نہیں جانتا" اس عالم نے کہا "کیا بنو زہرہ میں سے تمہاری کوئی بیوی ہے؟" میں نے کہا "آج تک تو نہیں" اس عالم نے کہا "اگر ان میں شادی کر سکتے ہو تو ضرور کرو"۔ حضرت عبدالمطلب نے ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف سے خود شادی کر لی۔ ان سے حضرت حمزہ، حضرت صفیہ اور (ایک قول کے مطابق) حضرت عباس رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے کر دی۔

اس کا ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہب کی چچی سودہ بنت زہرہ کاہنہ تھی۔ جب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی تو ان کے والد نے ان کے جسم اطہر پر سیاہ نشان دیکھا۔ اہل عرب ایسی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ان کے والد نے انہیں دفن کرنے کا حکم دیا۔ انہیں دفن کرنے کے لئے حجون کی طرف بھیجا۔ جب ان کے لئے گڑھا کھودا گیا اور انہیں دفن کرنے کا ارادہ کیا گیا تو اس شخص نے غیبی آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا "اس بچی کو زندہ درگور نہ کرو۔ اسے جنگل کی طرف چھوڑ دو"۔ اس شخص نے توجہ کی لیکن اسے کوئی شخص نظر نہ آیا۔ اس نے دوبارہ ہاتف غیبی کو یہی کہتے ہوئے سنا۔ وہ اس فرخندہ فال بچی کو اس کے والد کے پاس واپس لے گیا۔ جو کچھ سنا تھا اس نے والد کو بتایا۔ اس نے کہا "اس نور نظر کی بڑی شان ہوگی" اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ قریش کی کاہنہ نے ایک دن بنو زہرہ سے کہا "یا تو تم میں کوئی "نذیرہ" (ڈرانے والی) ہوگی یا نذیر (ڈرانے والے) کو جنم دینے والی ہوگی۔ وہ نذیر بڑی عظمت و شان والا ہوگا"۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جو کاہن حضرت عبدالمطلب سے یمن میں ملا تھا۔ اس نے کہا تھا "میں آپ کی ناک میں نبوت و سلطنت دیکھتا ہوں۔ میں انہیں دو منافوں عبد مناف بن قصی اور

عبد مناف بن زہرہ میں دیکھتا ہوں"۔

حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال پر ملال

جب حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے صدف شکم میں جلوہ افروز ہو گئے تو بہت سے خوارق العادات امور رونما ہوئے۔ یہ واقعات حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارہاص تھے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو حمل مبارک کی گرانی محسوس نہ ہوئی۔ ان کے خواب میں ایک آنے والا آیا۔ ان سے کہا "اس امت کے سردار اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے صدف بطن میں رونق افروز ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک والدہ ماجدہ کے صدف بطن میں تھے کہ والد ماجد کا وصال ہو گیا۔ ان کا انتقال مدینہ طیبہ میں ہوا۔ وہ قریش کے تجارتی کارواں کے ساتھ واپس آرہے تھے۔ جب مدینہ طیبہ سے گزرے تو حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بنوعدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ وہ حضرت عبدالمطلب کے ماموں تھے وہ ان کے پاس ایک ماہ تک علیل رہے۔ حضرت عبدالمطلب نے ان کے بھائی حارث یا زبیر کو بھیجا لیکن ان کے پہنچنے سے قبل ہی ان کا مدینہ طیبہ میں وصال ہو گیا تھا۔ اسی جگہ مدفون ہوئے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر نامدار کا مرثیہ اس طرح کہا

عَفَا جَانِبَ الْبَطْحَاءِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ   وَ جَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَائِمِ

دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَأَجَابَهَا   وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمِ

عَشِيَّةَ رَاحُوْا يَحْمِلُوْنَ سَرِيْرَهُ   تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحُمِ

فَإِنْ تَكُ غَالَتْهُ الْمَنُوْنُ وَ رَيْبُهَا   فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيْرَ التَّرَاحُمِ

بطحاء کی سمت آل ہاشم میں سے وہ شخص ایک سمت فروکش ہو گیا۔ اس نے اپنی قبر اس جگہ بنائی جو اسی کے اہل خانہ کے مساکن سے دور ہے۔ اموات نے اسے بلایا تو اس نے انہیں لبیک کہا۔ اموات نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا فرزند بھی نہ چھوڑا۔ دن کے آخری وقت میں لوگ ان کا جنازہ لے کر نکلے۔ اس کے ساتھی بھیڑ بنا کر باری باری اس کا جنازہ اٹھاتے رہے۔ اگرچہ حوادثات زمانہ نے انہیں اچانک آلیا ہے لیکن وہ بہت زیادہ عطا کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کرنے والا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ملائکہ عرض گزار ہوئے "ہمارے معبود برحق! ہمارے آقا! تیرا نبی دوجہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) یتیم ہو گیا ہے۔ ان کے سر سے سایہ پدری اٹھ گیا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا "میں اس کی حفاظت کرنے والا اور اس کی نصرت کرنے والا ہوں" دوسری روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں اس کا مددگار، محافظ، نگہبان، پروردگار، معاون، رازق اور کفایت کرنے والا ہوں۔ تم سب اس کی ذات والا پر درود پاک پڑھو اور اس کے نام نامی سے برکت حاصل کرو"۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا "حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم پیدا کرنے میں کیا حکمت کارفرما ہے؟ انہوں نے فرمایا "تا کہ ان پر مخلوق کا حق نہ رہے" یعنی ایسا حق جو بلوغت کے بعد ثابت ہو۔ کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال تھی۔ تا کہ علم ہو سکے کہ معزز وہ ہوتا ہے جسے رب تعالیٰ عزت دے نیز یہ کہ آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت آباء واجداد، جدات مطہرات اور مال کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ ایک حکمت یہ بھی کارفرما تھی تاکہ آپ فقراء اور یتامی پر رحم کریں۔

مبارک حمل کی برکت

جب حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت قریب آیا تو ایک آنے والا حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے خواب میں آیا۔ انہیں کہا "جب ان کی ولادت مبارکہ ہو تو انہیں ہر حاسد کے شر سے خدائے یکتا کی پناہ میں دے دینا اور ان کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ روحی وابی وامی) رکھنا۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک حمل صدف شکم حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا میں جلوہ افروز ہوا تو اس رات قریش کے ہر جانور نے گفتگو کی"۔ ہر جانور نے کہا "رب کعبہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے صدف بطن میں قرار پذیر ہو گئے ہیں۔ شاہان عالم میں سے ہر ہر بادشاہ کا تخت صبح کے وقت اوندھا ہوگیا تھا"۔ اس طرح کی روایت اپنی رائے سے بیان نہیں ہو سکتی۔ حمل مبارک کی ایک علامت وہ بھی ہے کہ وہ نور تاباں جو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طلعت زیبا پر نظر آتا تھا وہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی طرف منتقل ہو گیا۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس رات کی صبح کو ساری دنیا کے بت اوندھے گر پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت بھی اسی طرح ہوا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں اپنے بارے بتائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا، اپنے محترم بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور جب میں اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مطہر میں رونق افروز ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ گویا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس سے سرزمین شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے ہیں"۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے ولادت مبارکہ کے وقت بھی ایسا ہی نور دیکھا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ جو نور حمل مبارک کے وقت دیکھا تھا وہ خواب میں تھا اور جو ولادت باعث ہزار سعادت کے وقت دیکھا تھا وہ عالم بیداری میں تھا۔ جس سال حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حمل مبارک قرار پذیر ہوا اسے سنۃ الفتح والابتہاج کہا جاتا ہے۔ اس سے قبل قریش کو سخت قحط سالی اور تنگدستی کا سامنا تھا۔ اس حمل مبارک کے طفیل زمین سرسبز شاداب ہوگئی۔ درخت ثمر آور ہو گئے اور ابر کرم برسا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتکریم کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس سال ساری خواتین کو فرزند عطا کیے جائیں۔

ولادت مبارکہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختون پیدا ہوئے۔ چشم مازاغ میں سرمہ لگا ہوا تھا۔ پاک صاف! جسم اقدس پر کوئی گندگی نہ تھی۔ ایک شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے۔

وَ فِي الرَّسُوْلِ مَخْتُوْنٌ لَعَمْرُكَ خِلْقَةً ثَمَانٌ وَ تِسْعٌ طَيِّبُوْنَ اَكَارِمُ

وَ هُمْ زَكَرِيَّا شِيْثُ اِدْرِيْسُ يُوْسُفُ وَ حِنْظِلَةُ عِيْسٰى وَ مُوْسٰى وَ آدَمُ

وَ نُوْحٌ شُعَيْبٌ سَامُ لُوْطٌ وَ صَالِحٌ سُلَيْمَانُ يَحْيٰى هُوْدُ يٰسِيْنَ خَاتِمٌ

رسل عظام میں سے بہت سے انبیاء مختون پیدا ہوئے۔ وہ پاکیزہ فطرت اور کریم طبع پیدا ہی مختون ہوئے تھے وہ حضرات زکریا، شیث، ادریس، یوسف، حنظلہ، عیسیٰ، موسیٰ، آدم، نوح، شعیب، سام، لوط، صالح، سلیمان، یحییٰ، ھود، یاسین اور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ کے جدامجد نے آپ کا ختنہ کرایا۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے۔ اہل عرب کی عادت کے مطابق حضرت عبدالمطلب نے آپ کے ختنے کی تکمیل کی۔ جب سرور کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ اپنی سبابہ انگلی مبارک سے اشارہ فرمارہے تھے۔ گویا کہ آپ اس کے ساتھ تسبیح خوانی کررہے تھے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب آپ ﷺ میرے بطن اقدس سے باہر تشریف لائے میں نے آپ کی زیارت کی تو آپ ﷺ سجدہ ریز تھے۔ دو مبارک انگلیاں اوپر اٹھا رکھی تھیں۔ گویا کہ آپ آہ وفغاں اور گریہ وزاری فرمارہے تھے"۔ دوسری روایت میں ہے "نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی ہوئی تھی"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی مٹھی کو مٹی سے بھر لیا۔ جب یہ بات بنولہب کے ایک شخص کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا "اگر یہ بات سچ ہے تو یہ مولود مبارک ساری زمین پر غالب آجائے گا"۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جب میری والدہ ماجدہ نے مجھے جنم دیا تو انہوں نے ایک نور دیکھا جس سے ان کے لئے بصریٰ کے محلات روشن ہوگئے۔ دوسری روایت میں ہے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو ان کے ساتھ ایک نور نکلا جس سے مشرق ومغرب روشن ہوگئے۔ ان کے لئے شام کے محلات اور بازار روشن ہوگئے حتیٰ کہ انہوں نے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں دیکھیں۔ جب سپہ سالار اعظم حضور ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت اقدس میں ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض کی۔

اَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَ ضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

جب آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساری زمین جگمگا اٹھی اور آپ کے نور مبارک سے آفاق روشن ہوگئے۔

فَنَحْنُ فِي ذَالِكَ الضِّيَاءِ وَ فِي النُّوْرِ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

ہم اس روشن اجالے اور تاباں نور کی نورانیت میں ہدایت کی راہیں طے کررہے ہیں۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدۂ ہمزیہ میں لکھا ہے۔

وَ تَرَاءَتْ قُصُوْرُ قَيْصَرَ بِالرُّوْمِ يَرَاهَا مَنْ دَارُهُ الْبَطْحَاءُ

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے روم میں قیصر کے محلات دیکھ لئے۔ انہوں نے یہ محلات بطحاء میں موجود گھر سے دیکھے تھے۔

"المواھب" میں ہے "وقت ولادت اس نور مبارک کے ظہور سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نور لے کر آئیں

گے جس سے ساری زمین کے لوگوں کو دولت ہدایت نصیب ہو گی۔ اور شرک کی تاریکی کافور ہو جائے گی جیسے کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (المائدہ)

"بے شک لایا ہے تشریف تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی۔ دکھاتا ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ انہیں جو پیروی کرتے ہیں ان کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے انہیں تاریکیوں سے اجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انہیں راہ راست"۔ (جمال القرآن)

امام سہیلی نے روایت کیا ہے کہ جب صاحب جوامع الکلم نے گفتگو فرمائی تو یوں فرمایا "جَلَالُ رَبِّی الرَّفِیْعُ"۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یوں تسبیح خوانی کی "اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا" حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اس رات (فجر کے قریب) حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں حاضر تھی۔ مجھے سارے کمرہ میں نور ہی نور نظر آیا۔ میں ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مجھے قریب ہوتے ہوئے دکھائی دیے حتیٰ کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ ابھی مجھ پر گر پڑیں گے"۔

بعض مفسرین کرام نے کہا ہے کہ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے اس رات کی قسم اٹھائی جس میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى (الضحیٰ)

"قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے"۔ (جمال القرآن)

بعض مفسرین نے کہا ہے اس سے مراد شب معراج کی قسم ہے۔

حضرت شفاء، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امی جان نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بابرکت ہوئی تو آپ میرے ہاتھوں پر جلوہ افروز ہوئے"۔ میں نے آپ کو سنا۔ آپ یوں فرما رہے تھے "اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے" امام بوصیری نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

شَمَّتَتْهُ الْاَمْلَاكُ اِذْ وَضَعَتْهُ وَ شَفَتْنَا بِقَوْلِهَا الشِّفَاءُ

جب آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی تو فرشتوں نے آپ کو چھینک کا جواب دیا اور حضرت شفاء نے اپنی بات سے ہمیں شفا دی۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے "شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آئی آپ نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور ملائکہ نے آپ کو جواب دیا" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے آپ نے ولادت کے وقت یوں فرمایا تھا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا" حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت قریب آیا تو میں نے کچھ خواتین دیکھیں جو کھجور کی طرح لمبی لمبی تھیں۔ گویا کہ عبد مناف کی خواتین ہوں۔ میں نے آج تک اتنے تابندہ چہرے نہیں دیکھے تھے جتنے

روشن ان کے چہرے تھے۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھیں۔ ان میں سے ایک خاتون آگے بڑھی۔ میں نے اس کے ساتھ ٹیک لگائی۔ مجھے درد نے آلیا۔ ان میں سے ایک خاتون آگے بڑھی۔ مجھے شربت پیش کیا جو دودھ سے زیادہ سفید اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ وہ شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ اس نے کہا ''یہ نوش جان کرلو'' میں نے وہ شربت پی لیا۔ پھر اس نے میرے صدف شکم پر اپنا ہاتھ پھیرا اور کہا ''بسم اللہ! اللہ تعالیٰ کے حکم سے باہر رونق افروز ہوں''۔ ان بلند اقبال خواتین نے مجھے کہا ''ہم آسیہ زوجۂ فرعون، مریم بنت عمران ہیں اور یہ حورعین ہیں''۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے ''شاید یہ خواتین حضرت شفاء رضی اللہ عنہا کی موجودگی سے پہلے تھیں'' شائد حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی اس لئے تھی کیونکہ انہیں جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آنے کا شرف نصیب ہونا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی یہ شرف سرمدی نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان خواتین کو بچالیا تھا کہ کوئی ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا نہ کرسکا۔

روایت ہے کہ جب حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کو فرعون کے پاس بھیجا گیا تو رب تعالیٰ نے فرعون کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ روک دیا۔ پھر وہ کبھی بھی ان سے حق زوجیت ادا نہ کرسکا وہ صرف ان کی زیارت کرتا تھا۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے تین جھنڈے دیکھے۔ ایک جھنڈا مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا خانہ کعبہ کی چھت پر لگایا گیا تھا''۔ ولادت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پیالہ رکھا گیا مگر وہ پیالہ خود بخود دو حصوں میں منقسم ہوگیا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب ان کے ہاں رات کے وقت بچہ پیدا ہوتا تو وہ صبح تک اسے برتن کے نیچے رکھتے۔ وہ اسے نہ دیکھتے تھے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو آپ کو پتھر کی ہنڈیوں کے نیچے رکھا گیا۔ وقت صبح انہوں نے دیکھا کہ وہ ہنڈیاں دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی۔ چشمان مقدس آسمان کی طرف تھیں۔ مبارک انگوٹھا چوس رہے تھے اس سے دودھ نکل رہا تھا۔

ولادت مبارکہ کے بعد آپ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کی طرف پیغام بھیجا گیا۔ وہ اس رات بیت اللہ الحرام کے طواف میں مصروف تھے۔ پیغام لانے والی نے کہا ''ابوالحارث! آپ کے ہاں ایک مولود پیدا ہوا ہے جن کے متعلق عجیب و غریب امور رونما ہوئے ہیں''۔ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب گھبرا گئے۔ فرمایا ''کیا بچہ تندرست نہیں ہے؟ لونڈی نے کہا ''بچہ تندرست ہے لیکن وہ فوراً سجدہ ریز ہوگیا۔ پھر اس نے اپنا سر اور انگلی آسمان کی طرف اٹھائی'' حضرت عبدالمطلب نے اپنے من موہنے پوتے کی زیارت کی۔ انہیں لے کر آئے اور خانہ کعبہ کے اندر چلے گئے۔ رب تعالیٰ سے دعا کی پھر باہر نکل آئے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور ابلیس نے ستاروں کو گرتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر سے کہا ''آج رات وہ ہستی پیدا ہوگئی ہے جو ہمارے امر کو فاسد کردے گا''۔ اس کے لشکر نے اسے کہا ''کاش! تو جائے اور اسے چھو کر بگاڑ دے''۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے ابلیس لعین کو ٹانگ مار کر عدن میں پھینک دیا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شیاطین کو آسمانوں پر جانے کی اجازت تھی۔ انہیں روکا نہیں جاتا تھا وہ ان میں داخل ہو کر خبریں لے آتے تھے کہ عنقریب زمین پر یہ امور ظاہر ہوں گے پھر وہ کاہنوں کو بتا دیتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو انہیں تین آسمانوں سے روک دیا گیا۔ حضرت وہب کی روایت کے مطابق انہیں چار آسمانوں سے روک دیا گیا۔ جب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو انہیں سارے آسمانوں سے روک دیا گیا۔ آسمانوں کو شہاب ثاقب سے محفوظ کر دیا گیا جو بھی اب چوری چھپکے سننے کی کوشش کرتا ہے اسے شہاب ثاقب مارا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے وقت اس شہاب باری میں تیزی آگئی۔

طلوع نجم احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

علمائے یہود اور راہبوں نے اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر دے دی تھی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میری عمر سات یا آٹھ سال تھی۔ جو دیکھتا یا سنتا تھا خوب ذہن نشین رہتا تھا۔ ایک صبح ایک یہودی بلند جگہ پر کھڑا ہو کر چلایا "اے گروہ یہود! یہودی اس کے پاس جمع ہو گئے۔ میں سن رہا تھا"۔ یہودیوں نے اس سے پوچھا "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے کہا "احمد مجتبیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی ولادت باسعادت ہو گئی ہے"۔ اس کی بعض قدیمی کتب میں اس ستارے کا طلوع ہونا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی نشانی تھی۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے تورات میں پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت کے بارے بتا دیا تھا۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ فلاں ستارہ جو تمہارے ہاں معروف ہے جس کا یہ نام ہے۔ جب وہ حرکت کرے اور اپنی جگہ سے چلنے لگے وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا وقت ہو گا۔ علمائے بنی اسرائیل نسل در نسل اس بات سے آگاہ تھے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ آپ اس شخص سے روایت کرتی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت وہاں موجود تھا۔ انہوں نے فرمایا "ایک یہودی مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھا۔ جس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے تو اس نے قریش کی محفل میں پوچھا "کیا آج تمہارے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے"۔ قریش نے کہا "بخدا! ہم نہیں جانتے"۔ یہودی نے کہا "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اسے خوب ذہن نشین کر لو۔ آج رات اس آخری امت کے نبی پیدا ہو گئے ہیں۔ گروہ قریش! ان کا تعلق تم سے ہو گا ان کے کندھے پر نشان ہو گا جس میں لگاتار بال اگے ہوں گے یعنی خاتم النبوۃ"۔

یہودی کی یہ بات سن کر سارے اہل محفل تعجب کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنے اپنے گھر پہنچے ہر شخص نے اپنے اہل خانہ کو یہ بات بتائی۔ انہوں نے بتایا اس رات حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک فرزند تولد ہوا ہے جس کا نام نامی "محمد" (فداہ روحی وابی وامی) رکھا گیا ہے۔ وہ لوگ پھر اس یہودی کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا "آج رات جو بچہ پیدا ہوا ہے، ہم اسے جان گئے ہیں"۔ یہودی نے کہا "مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ تا کہ اس کی زیارت کر سکوں"۔ لوگ اسے حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان سے کہا "ہمیں ذرا اپنا نور نظر تو دکھانا" انہوں نے آپ

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کمر مبارک سے کپڑا ہٹایا اس نے مہر نبوت دیکھی تو وہ بے ہوش کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا تو اسے قریش نے پوچھا ''تجھے کیا ہوا تھا'' اس نے کہا ''بخدا! آج بنی اسرائیل سے نبوت ختم ہوگئی۔ اے معشر قریش خوش ہو جاؤ۔ اس مولود مبارک کی وجہ سے مشرق و مغرب میں تمہاری سلطنت کا ڈنکا بجے گا''۔

امام واقدی سے روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام یوسف تھا۔ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ابھی قریش میں سے کسی کو بھی اس واقعہ کا علم نہ تھا اس یہودی نے کہا ''اے گروہ قریش! تمہاری طرف آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے'' وہ قریش کی محافل میں گھومنے لگا۔ اسے کچھ علم نہیں ہو رہا تھا حتیٰ کہ وہ حضرت عبدالمطلب کی مجلس میں آیا۔ یہی سوال کیا۔ اسے بتایا گیا ''حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے'' اس نے کہا ''مجھے تورات کی قسم! وہ نبی ہے''۔

مرالظہر ان کے مقام پر اہل شام میں سے ایک راہب رہتا تھا۔ جس کا نام عیص تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کثیر علم سے نوازا تھا۔ وہ اپنے گرجا میں ہی رہتا تھا۔ وہ مکہ مکرمہ جاتا۔ لوگوں سے ملاقات کرتا۔ انہیں بتاتا ''اہل مکہ! وقت آ گیا ہے کہ اب تم میں وہ مبارک بچہ پیدا ہو جس کے لئے سارے اہل عرب جھک جائیں گے۔ جو عجم کا مالک بن جائے گا جس نے ان کا زمانہ پا لیا اور ان کی اتباع کر لی تو اس نے بھلائی پالی جس نے انہیں پالیا مگر ان کی مخالفت کی تو وہ بھلائی نہ پاسکا''۔ مکہ مکرمہ میں جو بچہ بھی پیدا ہوتا وہ راہب اس کے متعلق پوچھتا۔ وہ کہتا ''ابھی تک وہ مبارک بچہ پیدا نہیں ہوا''۔ جس صبح حضور ﷺ اس عالم شش جہات میں جلوہ گر ہوئے تو حضرت عبدالمطلب عیص کے پاس آئے۔ اس کے گرجا کے نیچے کھڑے ہو کر اسے آواز دی۔ اس نے پوچھا ''کون ہو؟'' انہوں نے فرمایا ''میں عبدالمطلب ہوں'' عیص نے کہا ''تم ہی اس مبارک بچے کے دادا ہو۔ آج وہ مبارک بچہ پیدا ہو گیا ہے جس کے بارے میں گفتگو کرتا تھا۔ آج رات ان کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ انہیں درد ہوگا۔ وہ تین روز تک دودھ نہیں نوش کر سکیں گے۔ پھر انہیں صحت نصیب ہوگی۔ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ کسی کو نہیں بتانا۔ اتنا حسد کسی اور سے نہیں کیا جائے گا جتنا ان پر کیا جائے گا۔ اتنی بغاوت کسی اور سے نہیں کی جائے گی جتنی ان سے کی جائے گی۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا ''ان کی عمر کتنی ہوگی؟'' اس راہب نے کہا ''اگر ان کی عمر زیادہ طویل بھی ہوئی تو ستر سال سے زائد اس جہان فانی میں نہیں رہیں گے۔ وہ اس عشرہ کے کسی طاق سال میں وصال کر جائیں گے۔ ان کی امت کے اکثر لوگوں کی عمریں اتنی ہی ہوں گی''۔

بت اوندھے گر پڑے

حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت بت اوندھے گر پڑے تھے۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حمل مبارک کے وقت بھی بت اوندھے گر پڑے تھے۔ حضرت عبدالمطلب سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں خانہ کعبہ میں تھا۔ میں نے بتوں کو دیکھا وہ اپنی اپنی جگہوں سے نیچے گر پڑے تھے۔ وہ سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ میں نے کعبہ معظمہ کی دیوار سے کسی کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا ''وہ مصطفیٰ اور مختار (ﷺ) پیدا ہو گئے ہیں جن کے دست اقدس سے کفار ہلاک ہوں گے۔ وہ خانہ

کعبہ کو بتوں کی پوجا سے پاک کر دیں گے۔ وہ ملک اور علام کی عبادت کا حکم دیں گے۔

''السیرۃ النبویہ'' میں ہے کہ قریش کے بعض افراد جن میں ورقہ بن نوفل، زید بن عمرو اور عبیداللہ بن جحش بھی تھے۔ وہ ایک بت کے پاس جمع ہوتے تھے۔ جس رات حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی وہ اس شب اس کے پاس جمع تھے۔ انہوں نے اسے چہرے کے بل گرے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے اسے عجیب سمجھا۔ انہوں نے اسے پکڑا اور سیدھا کر دیا۔ وہ پھر اسی طرح گر پڑا۔ انہوں نے اسے سیدھا کیا تو وہ تیسری بار اسی طرح گر پڑا۔ انہوں نے کہا ''یہ کسی عجیب امر کی وجہ سے گرا ہے'' ان میں سے کسی نے ایسے اشعار کہے جن میں بت کی اس حرکت پر تعجب کیا گیا تھا اور اس سے اس کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ انہوں نے بت کے پیٹ سے کسی کو باآواز بلند یوں کہتے ہوئے سنا۔

تُرِدِّی لِمَوْلُوْدٍ اَنَارَتْ بِنُوْرِهٖ جَمِیْعُ فِجَاجِ الْاَرْضِ بِالشَّرْقِ وَالْغَرْبِ

ہم اس بچے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے ہیں۔ جس کے نور مبارک سے زمین کے شرق و غرب کے سارے کنارے روشن ہو گئے۔

کعبہ معظمہ حضور ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جھومنے لگا۔ وہ لگاتار تین شب و روز تک پرسکون نہ ہوا۔ یہ پہلی علامت تھی جسے قریش نے حضور اکرم ﷺ کی ولادت کے وقت دیکھا تھا۔ ایوان کسریٰ میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس میں دراڑیں پڑ گئیں حالانکہ یہ عمارت انتہائی مستحکم بنیادوں پر تعمیر کی گئی تھی۔ اس میں ہتھوڑوں سے بھی کوئی کام نہیں لیا گیا تھا۔ اس میں ایک آواز بلند ہوئی اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ یہ واقعہ اس وجہ سے رونما نہیں ہوا تھا کہ اس عمارت میں کوئی خلل تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ یہ میرے نبی مکرم ﷺ کی نبوت کی نشانی بن جائے جو سطح زمین پر برقرار رہے۔ روایت ہے جب ہارون الرشید نے ایوان کسریٰ کو گرانے کا ارادہ کیا تو اسے یحییٰ بن خالد برمکی نے کہا ''امیر المومنین! اس عمارت کو نہ گرائیں یہ اسلام کی نشانی ہے'' اس رات فارس کے آتش کدہ کی آگ بجھ گئی۔ حالانکہ اس کو جلانے والے خدام ہمہ وقت وہاں موجود رہتے تھے۔ فارس سے ایک شخص نے کسریٰ کو لکھا ''اس رات آتش کدے بجھ گئے تھے حالانکہ اس سے پہلے ایک ہزار سال سے یہ آتش کدے مسلسل شعلہ زن تھے''۔ اس رات جب سید الانبیاء ﷺ اس کائنات میں جلوہ افروز ہوئے۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو گیا اس کی وسعتوں کے باوجود اس کی کیفیت یہ تھی کہ اس میں پانی کا نشان تک نہ تھا۔ اس کے عامل نے کسریٰ کی طرف یہ بات بھی لکھی۔ امام بوصیری نے قصیدہ ہمزیہ میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَ تَدَاعٰی اِیْوَانُ کِسْرٰی وَ لَوْلَا اٰیَۃٌ مِنْكَ مَا تَدَاعٰی الْبِنَاءُ

ایوان کسریٰ پھٹ گیا اگر آپ کا یہ معجزہ نہ ہوتا تو اس عمارت میں کبھی بھی شگاف پیدا نہ ہوتا۔

وَ غَدَا کُلُّ بَیْتِ نَارٍ وَ فِیْهِ کُرْبَۃٌ مِنْ خُمُوْدِهَا وَ بَلَاءُ

مجوسیوں کے سارے گھروں میں آگ بجھ گئی اور آگ کا بجھنا ان کے لئے مصیبت اور تکلیف بن گیا۔

وَ عُیُوْنٌ لِلْفُرْسِ غَارَتْ فَهَلْ کَانَ لِنِیْرَانِهِمْ بِهَا اطْفَاءُ

اہل فارس کی آنکھیں پھٹ گئیں کہ کیا اس کی وجہ سے ان کی آگ بجھ سکتی ہے۔

کسریٰ کا خواب

قاضی کبیر یا آگ کے خدام کے نگران اور رئیس الاحکام مؤبذان نے اپنے خواب میں دیکھا کہ سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانکے جا رہے ہیں۔ انہوں نے دجلہ عبور کر لیا ہے اور شہروں میں بکھر گئے ہیں۔ ایوان کسریٰ کے لرزنے اور اس کے کنگرے گرنے سے کسریٰ بذات خود بڑا پریشان تھا۔ صبح کے وقت اس نے صبر کیا اور اس امر کی وجہ سے کسی بے قراری کا اظہار نہ کیا۔ پھر اس نے سوچا کہ وہ اپنے جری اور بہادر لوگوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں رکھ سکتا۔ اس نے سارے شجاع اور بہادر جمع کئے۔ اپنا تاج پہنا۔ اپنے تخت پر بیٹھا۔ پھر ان کی طرف پیغام بھیجا۔ جب وہ سارے اکٹھے ہو گئے تو ان سے پوچھا ''کیا تمہیں کچھ علم ہے کہ میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' انہوں نے کہا ''نہیں! جب تک شاہ وقت خود نہ بتا دیں'' بادشاہ اسی حالت پر تھا کہ اسے ایک خط ملا۔ جس میں آتش کدہ کی آگ کے بجھ جانے کا علم تھا۔ اسے ایلیا کے بادشاہ کا بھی خط ملا۔ جس نے اس رات بحیرہ ساوہ کے خشک ہو جانے کے متعلق لکھا تھا۔ اسے شام کے بادشاہ کا بھی خط ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس رات وادی ساوہ منقطع ہو گئی تھی۔ طبریہ کے بادشاہ کے خط نے تو اس پر غم کا پہاڑ گرا دیا۔ پھر بادشاہ نے ان بہادروں کو بتایا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ ایوان کسریٰ کس طرح لرز اٹھا تھا۔ کس طرح اس کے کنگرے گرے تھے۔ مؤبذان نے کہا ''میں نے بھی اس رات یہ خواب دیکھا تھا'' پھر اس نے بھی وہ خواب بتا دیا۔ کسریٰ نے پوچھا ''مؤبذان! یہ سب کچھ کس لئے ہے؟'' اس نے کہا ''عرب میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔ آپ حیرہ کے عامل کی طرف پیغام بھیجیں۔ وہ اپنے علماء میں سے کسی شخص کو تمہارے پاس بھیج دے۔ انہیں ایسے واقعات کا علم ہوتا ہے''۔ اس وقت کسریٰ نے یہ خط لکھا۔

ملک الملوک کسریٰ سے نعمان بن منذر کی طرف!

اما بعد! ''میری طرف کوئی عالم آدمی بھیجو۔ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں''۔

اس نے کسریٰ کی طرف عبدالمسیح کو بھیجا۔ یہ عمر رسیدہ شخص تھا۔ اس کی عمر 150 سال تھی۔ جب یہ کسریٰ کے پاس پہنچا تو کسریٰ نے پوچھا ''کیا تجھے علم ہے کہ میں تم سے کیا پوچھنا چاہتا ہوں''۔ اس نے کہا ''بادشاہ جو چاہے پوچھ لے۔ اگر میں جانتا ہوا تو بادشاہ کو بتا دوں گا۔ ورنہ اس شخص کے متعلق بتاؤں گا جو اسے جانتا ہو گا''۔ کسریٰ نے اسے سارے واقعات بتائے۔ عبدالمسیح نے کہا ''ان کا علم میرے ماموں کے پاس ہے۔ جو شام کے بلند مقامات پر بسیرا رکھتا ہے۔ اس کا نام سطیح ہے''۔ سطیح اس وقت موت کے قریب تھا۔ اس وقت اس کی عمر تین سو سال کے لگ بھگ تھی۔ دوسرے قول کے مطابق سات سو سال تھی۔ وہ ایک پھینکا گیا جسم تھا اس کے اعضاء نہ تھے۔ وہ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ جب وہ ناراض ہوتا تھا تو پھونکیں مارتا تھا اور بیٹھ جاتا تھا۔ اس کا چہرہ اس کی گردن میں تھا۔ اس کا نہ سر تھا نہ گردن تھی۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس کے سر کے علاوہ اور کوئی ہڈی نہ تھی۔ دوسری روایت کے مطابق اس کی نہ ہڈی تھی نہ پٹھے۔ سوائے کھوپڑی اور ہتھیلیوں کے۔ اس کی صرف زبان حرکت کرتی تھی۔ سطیح کی ایک چارپائی تھی۔ جب اسے کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تو یوں ٹانگیں لپیٹ لیتا جس طرح کپڑا لپیٹا

جاتا ہے۔ اسے اس کی چارپائی پر رکھا جاتا اور جس جگہ لے جانا ہوتا اسے لے جایا جاتا۔ جب وہ کسی مخفی بات کے بارے گفتگو کرنے لگتا تو وہ اس طرح حرکت کرتا جس طرح دودھ سے بھرا ہوا مشکیزہ ہلایا جاتا ہے تاکہ اس کا مکھن نکل آئے وہ پھونکیں مارتا۔ اور جس چیز کے متعلق پوچھا جاتا اس کے متعلق بتانے لگتا۔ اس کا سر اتنا نرم تھا کہ جب اسے چھوا جاتا تو اس پر چھونے کے اثرات باقی رہتے۔

عبدالمسیح نے سطیح کو سلام کیا۔ اس سے گفتگو کی۔ سطیح نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ عبدالمسیح نے وہ مشہور اشعار پڑھے جن کی ابتداء اس مصرعہ سے ہوتی ہے۔

أَصَمُّ أَمْ يَسْمَعُ غِطْرِيفُ الْيَمَنِ ''کیا وہ بہرہ ہو گیا ہے یا صرف رئیس یمن کی بات سنتا ہے'' جب سطیح نے عبدالمسیح کے یہ اشعار سنے تو اس نے سر اٹھایا اور کہا ''عبدالمسیح تیز رفتار اونٹنی پر سطیح کے پاس آیا ہے۔ وہ اس وقت قریب الموت ہے۔ تمہیں شاہ ساسان نے بھیجا ہے کیونکہ ایوان کسریٰ لرز اٹھا ہے۔ آتش کدۂ فارس بجھ گیا ہے اور مؤبذان نے اسے بتایا ہے کہ قوی اونٹ خالص عربی گھوڑوں کو دھکیل رہے ہیں۔ وہ دریائے دجلہ عبور کر چکے ہیں اور ملک فارس میں پھیل چکے ہیں۔ سطیح نے کہا: ''اے عبدالمسیح! جب تلاوت عام اور ظاہر ہو گی۔ بحیرہ ساوہ خشک ہو جائے گا۔ صاحب عصا ظاہر ہو گا تو سمجھ لیجئے شام سطیح کا نہ ہو گا، ان گرنے والے کنگروں کی تعداد کے برابر ان کے بادشاہ ہوں گے''۔ جو واقعہ رونما ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا'' پھر سطیح اسی لمحے مر گیا۔

امام طبری نے روایت کیا ہے کہ پرویز بن ہرمز کو خواب آیا۔ اسے کہا گیا ''جو کچھ تمہارے پاس ہے اس صاحب عصا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دے دو'' وہ اس خواب کے بعد گھبرایا ہوا ہی رہا۔ حتیٰ کہ نعمان نے اسے لکھا کہ تہامہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ظہور ہو چکا ہے۔

سطیح مر گیا تو عبدالمسیح اس کے پاس سے اٹھا وہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

شَمِّرْ فَإِنَّكَ مَا حَيِيتَ فِي الْعَزْمِ سَمِيرٌ ۔ وَ لَا يَفْزِعَنَّكَ تَفْرِيقٌ وَ تَغْيِيرٌ

وَالْخَيْرُ وَالشَّرُّ مَقْرُونَانِ فِي قَرَنٍ ۔ وَالْخَيْرُ مُتَّبَعٌ وَالشَّرُّ مَحْذُورٌ

عازم سفر ہو جا۔ بلاشبہ تو اپنے عزم کو کر گزرنے والا چست انسان ہے۔ یہ تفریق و تغییر تجھے روک نہ دے۔ خیر و شر ایک زمانہ میں باندھے گئے ہیں خیر کی اتباع کی جائے گی جبکہ شر کو رد کر دیا جائے گا۔

جب عبدالمسیح کسریٰ کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ سطیح نے کیا کہا تھا۔ کسریٰ نے کہا ''ابھی ہم میں چودہ بادشاہ ہوں گے'' ان میں سے بعض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بادشاہ بنے۔ ان کی بادشاہت کی مدت 3146 سال ہے۔

سابور ذوالاکتاف

بنو ساسان کے بادشاہوں میں ایک سابور ذوالاکتاف بھی تھا۔ یہ سرزمین عرب پر حملہ آور ہوتا۔ اور اہل عرب کے کندھے

اکھیڑ کر رکھ دیتا۔ جب یہ ظالم بادشاہ بنوتمیم کی زمین سے گزرا تو وہ اس کے خوف سے بھاگ گئے۔ وہ عمرو بن تمیم کو وہیں چھوڑ گئے۔ اس وقت اس کی عمر تین سو سال تھی۔ کبرسنی کی وجہ سے وہ چلنے پر قادر نہ تھا۔ اس کو ایک ٹوکری میں رکھ کر خیمہ کے اندر لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب سابور نے اس کے ساتھ گفتگو کی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا عمدہ رائے والا اور صاحب عقل و دانش تھا۔ اس نے کہا "اے شاہ ذیشان! تو عربوں کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہا ہے؟" سابور نے کہا "اس ظلم و ستم کی وجہ یہ ہے کہ یہ اہل عرب یہ گمان کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں ان میں سے ایک نبی مبعوث ہوں گے۔ پھر یہ ملک اہل عرب کے قبضہ میں چلا جائے گا" یہ سن کر اس بوڑھے تمیمی نے کہا "بادشاہوں کی بردباری اور عقل سلیم کہاں چلی گئی۔ اگر اہل عرب کا یہ قول جھوٹا ہے تو پھر تجھے کوئی اندیشہ نہیں۔ اگر ان کی یہ بات سچ ثابت ہوئی اگر اس وقت انہوں نے تجھے پابند سلاسل کر لیا اور تیرا ان پر کوئی احسان ہوا تو وہ تجھے ضرور اس کا بدلہ دیں گے۔ بلکہ اس اولاد کی وجہ سے وہ تیری اولاد کی بھی حفاظت کریں گے" سابور واپس چلا گیا اور اہل عرب سے تعرض نہ کیا۔

کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامت یہ تھی کہ میں نے آپ کو پنگھوڑے میں دیکھا آپ چاند کے ساتھ محو گفتگو تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ آپ جس طرف اشارہ فرماتے چاند ادھر ہی جھک جاتا تھا"۔ حضور سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اس سے مصروف گفتگو ہوتا وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ وہ مجھے رونے سے روکتا تھا میں اس کی آواز اس وقت بھی سنتا تھا جب وہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا"۔ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھولا جھولاتے تھے۔

نام گرامی

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا۔ کسی کہنے والی نے کہا "جب یہ عالم شش جہات میں آ جائیں تو ان کا نام نامی "محمد" (فداہ روحی وابی وامی) رکھنا" حضرت امام ابوجعفر محمد الباقر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی صدف شکم میں تھے تو حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں کہا گیا "اس مبارک مولود کا نام "احمد" رکھیں"۔ ان دونوں خوابوں میں کوئی تضاد نہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کو یہ خواب بتایا۔ دوسرے قول کے مطابق ان پر یہ اسم گرامی الہام کیا گیا۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی مانع نہیں۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" علیہ الصلوٰۃ والسلام رکھا تو ان سے عرض کی گئی "اس مبارک بچے کا نام آپ نے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رکھا۔ حالانکہ یہ نہ تو آپ کے آباء میں سے کسی کا نام ہے نہ ہی آپ کی قوم میں سے کسی کا نام ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں امید کرتا ہوں کہ آسمانوں اور زمین میں ان کی تعریف کی جائے گی"۔ رب تعالیٰ نے ان کی یہ بات سچ کر دکھائی۔

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لوگوں میں یہ عمدہ عادت بن گئی ہے کہ جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر خیر سنتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے لئے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ قیام مستحسن ہے۔ کیونکہ اس میں حضور شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے اس امت مرحومہ کے بہت سے جید علماء کرام یہ عمل کرتے ہیں۔ امام حلبی نے "السیرۃ الحلبیہ" میں لکھا ہے "بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کے زمانہ کے بہت سے علماء کرام جمع ہوجاتے۔ وہ امام صرصری کی یہ نعت مبارکہ پڑھتے۔

قَلِيْلٌ لِمَدْحِ الْمُصْطَفَى الْخَطُّ بِالذَّهَبِ عَلَى وَرَقٍ مَنْ خَطَّ اَحْسَنَ مِنْ كُتُبِ

اس شخص کے کاغذ پر جو عمدہ کتابت کرتا ہے سونے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف لکھنا بھی کم ہے۔

وَاَنْ تَنْهَضَ الْاَشْرَافُ عِنْدَ سِمَاعِهِ قِيَامًا صُفُوْفًا اَوْ جِثِيًّا عَلَى الرُّكَبِ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف سن کر سرداروں کو صفوں میں کھڑا ہوجانا چاہئے یا گھٹنوں کے بل جھک جانا چاہئے۔

اس نعت پاک کے وقت امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی قیام کرتے۔ حاضرین محفل بھی کھڑے ہوجاتے۔ اس محفل سے بہت زیادہ محبت حاصل ہوتی۔ یہ ایک مستحسن فعل ہے۔

حضرت علامہ امام ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ جو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "ہمارے زمانے کی اچھی ایجادوں میں وہ افعال ہیں جو ہر سال میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر کئے جاتے ہیں۔ یعنی صدقات بھلائی کے کام خوشی اور زینت کا اظہار! اس میں فقراء پر احسان کرنے کے علاوہ اس بات کا شعور بھی ملتا ہے کہ میلاد منانے والے کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور تعظیم موجود ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے اس احسان کا شکر یہ ادا کررہا ہے جو اس نے رحمۃ للعالمین کو پیدا فرما کر ہم پر کیا ہے"۔

حضرت علامہ سخاوی فرماتے ہیں "قرون ثلاثہ کے بعد دنیا کے کونے کونے اور مختلف ممالک میں بسنے والے تمام اہل اسلام ہمیشہ سے ربیع الاول کے مہینہ میں میلاد کی یاد مناتے ہیں۔ اس موقعہ پر وہ سارے نیک کام کرتے ہیں جو نیکی، خوشی اور محبت کا مظہر ہوتے ہیں۔ وہ صدقات وخیرات کی تمام ممکنہ صورتیں بروئے کار لاتے ہیں، میلاد کے چرچے کرتے ہیں، جن کی برکات بہرحال ان پر ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاصیت یہ ہے یہ منانے والا پورا سال امان میں رہتا ہے۔ اس میں اسے جلد مقصود و مدعا حاصل ہونے کی بشارت حاصل ہوتی ہے۔ سب سے پہلے اسے شہنشاہ المظفر ابوسعید صاحب اربل نے منایا۔ حافظ ابن دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہ کے لئے ایک تصنیف لطیف لکھی جس کا نام التنویر فی مولد البشیر النذیر رکھا۔ بادشاہ نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ یہ بادشاہ ربیع الاول میں محفل میلاد کراتا تھا۔ یہ بہت بڑی محفل ہوتی تھی جس میں لوگوں کا بہت اژدھام ہوتا تھا۔ یہ بادشاہ دانا، زیرک، عادل، مرد میدان اور جری تھا۔ اس نے 630ھ میں وفات پائی جبکہ اس نے شہر "عکہ" کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس کا ظاہر اور باطن بہت پسندیدہ تھا۔

سبط ابن جوزی نے "مرآۃ الزمان" میں لکھا ہے "مجھے اس شخص نے بتایا جو اس بادشاہ کی ایک محفل میلاد میں حاضر ہوا تھا

کہ اس نے بھونی ہوئی بکریوں کے پانچ ہزار سر دس ہزار مرغیوں کے سر فیرنی کے ایک لاکھ سکورے اور حلوے کے تیس ہزار طشت دیکھے۔ محفل میلاد میں علماء اور صوفیاء بھی شرکت کرتے تھے۔ بادشاہ انہیں خلعتیں عطا کرتا تھا وہ محفل میلاد میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے میلاد النبی کو سنت مطہرہ سے ثابت کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو پایا کہ وہ یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو انہوں نے عرض کی "اس روز فرعون غرق ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اس سے نجات پائی تھی۔ ہم شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھتے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریبی ہیں"۔

حضرت حافظ شمس الدین بن ناصر دمشقی نے لکھا ہے "یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا تو سوموار کے روز اب بھی اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے" پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے

اِذَا كَانَ هٰذَا كَافِرًا جَاءَ ذَمُّهٗ وَ تَبَّتْ يَدَاهُ فِي الْجَحِيْمِ مُخَلَّدَا

جب ابولہب جیسا کافر جس کا دائمی ٹھکانہ جہنم ہے اور جس کی مذمت میں قرآن مجید کی سورۃ تَبَّتْ یَدَا نازل ہوئی۔

اَتٰی اَنَّهٗ فِيْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ دَائِماً يُخَفَّفُ عَنْهُ بِالسُّرُوْرِ بِاَحْمَدَ

باوجود اس کے جب سوموار کا دن آتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ہمیشہ اس کے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔

فَمَا الظَّنُّ بِالْعَبْدِ الَّذِيْ طُوْلُ عُمْرِهٖ بِاَحْمَدَ مَسْرُوْرًا وَ مَاتَ مُوَحِّدَا

کیا خیال ہے اس بندے کے بارے جس نے تمام عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں جشن منانے میں گزاری اور توحید کی حالت میں اسے موت آئی۔

رضاعت

حضرت حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ نے اپنا شیر مبارک پلایا۔ پھر ابولہب کی لونڈی ثویبہ اسلمیہ نے یہ سعادت سرمدی حاصل کی۔ اسی لونڈی کو ابولہب نے اس وقت آزاد کر دیا تھا جب اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر دی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس ثویبہ نے بعثت کو پایا اسلام قبول کیا یا نہیں۔

یہ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس کے لئے اپنے قبیلہ کے علاوہ دوسرے قبیلہ میں اسے دودھ پلانے والی عورت تلاش کرتے۔ تاکہ ایک تو ان کے بچے کی بہترین پرورش ہو سکے اور دوسرا وہ فصیح و بلیغ بن سکے۔

قبیلہ بنو سعد کی خواتین مکہ مکرمہ میں آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ساری خواتین نے بچے حاصل کر لئے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں۔

''ہم میں سے ہر عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کئے گئے مگر جب اسے معلوم ہوتا کہ آپ یتیم ہیں تو وہ انکار کر دیتی''۔ جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لینے کا عزم کر لیا تو میں نے اپنے خاوند سے کہا ''بخدا! مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں اپنی ساتھیوں میں شیر خوار بچہ لئے بغیر جاؤں۔ بخدا! میں اس بچے کے پاس جاتی ہوں اور اسے حاصل کر لیتی ہوں''۔ خاوند نے کہا ''کوئی حرج نہیں۔ وہی بچہ لے آؤ ممکن ہے رب تعالیٰ اسے ہمارے لئے بابرکت بنا دے'' میں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل کر لیا''۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''حضرت عبدالمطلب نے میرا استقبال کیا۔ انہوں نے پوچھا ''تم کون ہو''' میں نے کہا ''بنو سعد میں سے ایک عورت'' انہوں نے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے کہا ''حلیمہ'' انہوں نے فرمایا ''واہ! واہ! سعد اور حلم! یہ دو ایسی خصلتیں ہیں جن میں زمانے بھر کی بھلائی اور ابدی عزت ہے''۔ حلیمہ! میرے پاس ایک یتیم بچہ ہے۔ میں نے اسے بنو سعد کی خواتین کو پیش کیا۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''یتیم کے پاس کیا بھلائی ہو سکتی ہے ہم تو بچوں کے باپوں سے عزت و کرامت کی خواہاں ہوتی ہیں۔ کیا تم اس یتیم کو دودھ پلاؤ گی شاید کہ تمہیں اس کے ذریعے ابدی سعادت نصیب ہو جائے'' میں نے عرض کی ''کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے شوہر سے مشاورت کر لوں'' انہوں نے فرمایا ''ضرور!'' میں اپنے خاوند کے پاس گئی۔ ساری بات بیان کی۔ رب تعالیٰ نے اس کے دل کو فرحت و انبساط کے ساتھ بھر دیا۔ اس نے کہا ''حلیمہ! وہ بچہ ضرور حاصل کرو'' میں حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہو گئی میں نے انہیں اپنا منتظر پایا۔ میں نے کہا ''وہ مبارک بچہ میرے پاس لے آئیں'' ان کا چہرہ مسرت و شادمانی سے کھل اٹھا۔ انہوں نے مجھے حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے کمرہ میں داخل کر دیا۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے مجھے خوش آمدید مرحبا کہا۔ مجھے اس کمرہ میں داخل کر دیا جس میں جان عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز تھے۔ وہ صوف کے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا ان کے نیچے سبز ریشم تھا۔ آپ گدی کے بل اس پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشک اذفر کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ حسن و جمال کی تجلیات اس قدر فزوں تھیں کہ میں نے جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اپنا ہاتھ آپ کے سینہ پاک پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ چشمان مقدس کو کھولا۔ ان سے نور نکل کر آسمان کی رفعتوں میں داخل ہو گیا۔ میں یہ دلکش و دلربا منظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے چشمان مقدس کے مابین بوسہ دیا۔ اور آپ کو اٹھا لیا۔ ابتداء میں آپ کو صرف اس لئے حاصل کیا کیونکہ مجھے اور کوئی بچہ ملا نہ تھا''۔ شرح زرقانی میں ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کے حجرہ مقدسہ میں گئیں انہوں نے ہاتف غیبی کو یوں کہتے ہوئے سنا

إِنَّ ابْنَ آمِنَةَ الْأَمِيْنَ مُحَمَّدًا　خَيْرُ الْأَنَامِ وَ خِيْرَةُ الْأَخْيَارِ

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو امین ہیں سارے انسانوں سے بہترین اور سارے

پاکبازوں سے عمدہ ہیں۔

مَا اِنَّ لَهٗ غَيْرُ الْحَلِيْمَةِ مُرْضِعٌ ۔ نِعْمَ الْاَمِيْنَةُ هِيَ عَلَى الْاَبْرَارِ

ان کے لئے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور کوئی دایہ نہیں ہے وہ پاکباز پر بہترین امینہ ہیں۔

مَامُوْنَةٌ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَاحِشٍ ۔ وَ نَقِيَّةُ الْاَثْوَابِ وَالْاَوْزَارِ

وہ ہر فحش عیب سے محفوظ ہیں۔ ان کے کپڑے اور اوزار (تہہ بند) پاک ہیں۔

لَا تَسْلِمَنَّهٗ اِلٰى سِوَاهَا اَنَّهٗ ۔ اَمْرٌ وَّ حُكْمٌ جَاءَ مِنْ جَبَّارٍ

آپ اسے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہ کرو یہ وہ حکم اور امر ہے جو جبار کی طرف سے ہے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا دایاں پستان پیش کیا۔ آپ نے اس میں سے جی بھر کر دودھ نوش کیا۔ پھر میں نے بایاں پستان پیش کیا تو آپ نے انکار فرما دیا۔ بعد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی کیفیت رہی"۔ علماء کرام نے فرمایا ہے "اللہ رب العزت نے آپ پر الہام فرمایا تھا کہ رضاعت میں آپ کا ایک اور شریک بھی ہے آپ نے عدل فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ایک پستان سے دودھ نہیں آتا تھا۔ انہوں نے اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک میں رکھا تو وہ دودھ سے لبریز ہو گیا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "آپ کے رضاعی بھائی نے بھی آپ کے ہمراہ شیر نوش کیا۔ حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا۔ وہ سو گیا۔ ہم اس سے قبل اس کی بھوک کی وجہ سے رات بھر سو نہیں سکتے تھے۔ میرا خاوند اٹھ کر اپنی اونٹنی کی طرف گیا۔ تو اس کی کھیری دودھ سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے اس کا دودھ نکالا۔ میں نے اور اس نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا۔ وہ رات ہم نے بہترین انداز میں گزاری۔ وقت صبح میرے خاوند نے مجھے کہا "اللہ کی قسم! حلیمہ! ہمیں ایک مبارک بچہ ملا ہے" میں نے کہا "بخدا! مجھے بھی یہی امید ہے"۔ پھر ہم عازم سفر ہو گئے"۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں اپنی گدھی پر سوار ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اپنے ہمراہ سوار کر لیا۔ بخدا! وہ گدھی سارے کارواں سے آگے نکل گئی۔ ان کی سواریاں اس کا مقابلہ بھلا کب کر سکتیں تھیں۔ حتیٰ کہ میری ساتھی خواتین نے مجھے کہا "بنت ابی ذؤیب! ہم پر ذرا نرمی کرو۔ کیا یہ وہی گدھی نہیں جس پر تم آتی دفعہ سوار تھی۔ جو کسی لمحہ تمہیں بلند اور کسی لمحہ پست کر دیتی تھی"۔ میں نے انہیں کہا "ہاں! یہ وہی گدھی ہے" انہوں نے کہا "بخدا! اب تو اس کی شان نرالی ہے"۔ میں نے اپنی گدھی کو ہی بولتے سنا وہ کہہ رہی تھی "بخدا! میری شان بڑی نرالی ہے۔ میری شان کو رفعت و عظمت نصیب ہوئی ہے۔ مجھے رب تعالیٰ نے حیات نو عطا کی ہے۔ کمزوری کے بعد مجھے قوت عطا کی ہے۔ اے بنو سعد کی خواتین! تم پر افسوس! تم پر غفلت کے پردے پڑے رہے۔ تمہیں کچھ علم ہے کہ آج میری پشت پر کون سوار ہے؟ آج میری پشت پر خیر النبیین و سید المرسلین سوار ہیں۔ وہ اولین و آخرین سے بہترین ہیں وہ رب العالمین کے حبیب ہیں"۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے جانے لگیں تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی اس گدھی نے کعبہ مقدسہ کی طرف منہ کر کے تین بار سجدہ کیا۔ آسمان کی طرف اپنا سر اٹھایا پھر آگے بڑھ گئی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ہم بنو سعد کے گھروں تک پہنچے۔ بخدا! میں کسی زمین کو نہیں جانتی جو اس سے زیادہ قحط زدہ ہو۔ جب شام کو ہماری بکریاں گھر واپس آتیں تو ان کی کھیریاں دودھ سے لبریز ہوتی تھیں۔ ہم دودھ نکالتے اور سیر ہو کر پیتے"۔ دوسری روایت میں ہے "دوسرے لوگوں کو اپنے جانوروں کی کھیریوں میں دودھ کا قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہنے لگے "اس جگہ بکریاں چرایا کرو۔ جہاں حلیمہ سعدیہ کی بکریاں چرتی ہیں"۔ ان لوگوں کی بکریاں بھوکی ہوتیں تھیں ان کی کھیریوں میں دودھ کا قطرہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ ہماری بکریاں جب شام کو واپس آتیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوتے تھے۔ ان کی کھیریاں بھی دودھ سے لبریز ہوتی تھیں۔ ان خیر و برکات میں اضافہ ہوتا رہا حتیٰ کہ دو سال گزر گئے۔ میں نے دودھ چھڑایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نشوونما پا رہے تھے کہ کوئی اور بچہ اس طرح نشوونما نہیں پا رہا تھا۔ دو سال میں ہی آپ قوی اور توانا بچوں کی طرح ہو گئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عمر دو ماہ ہوئی تو آپ ہر سمت لڑھک سکتے تھے۔ تین ماہ کی عمر مبارک میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکتے تھے۔ چار ماہ کی عمر مبارک میں دیوار کو پکڑ کر چل سکتے تھے۔ پانچ ماہ کی عمر مبارک میں پوری طرح چل سکتے تھے۔ آٹھ ماہ کی عمر مبارک میں اس طرح گفتگو فرما سکتے تھے کہ سننے والا سمجھ جاتا تھا۔ نو ماہ کی عمر مبارک میں فصیح گفتگو فرما سکتے تھے۔ دس ماہ کی عمر مبارک میں بچوں کے ساتھ تیر اندازی کرتے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تھے۔ بکریاں ہمارے پاس سے گزریں۔ ان میں سے ایک بکری ہماری طرف آئی۔ اس نے آپ کو سجدہ کیا اور سر اقدس کا بوسہ لیا۔ پھر وہ دیگر بکریوں کے ساتھ جا کر مل گئی"۔ انہوں نے فرمایا "ہر روز آفتاب کے نور کی طرح کا نور آپ پر اترتا تھا پھر وہ ختم ہو جاتا تھا"۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے رضاعت کے واقعات کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے۔

وَ بَدَتْ فِي رِضَاعِهٖ مُعْجِزَاتٌ لَيْسَ فِيْهَا عَنِ الْعُيُوْنِ خَفَاءُ

آپ کی رضاعت مبارکہ میں بہت سے معجزات رونما ہوئے جن سے آنکھوں میں کوئی خفا نہیں ہے۔

اِذْ اَبَتْهُ لِيُتْمِهٖ مُرْضِعَاتٌ قُلْنَ مَا فِي الْيَتِيْمِ عَنَّا غِنَاءُ

آپ کی یتیمی کی وجہ سے دایوں نے آپ کو لینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہمیں یتیم سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

فَاَتَتْهُ مِنْ آلِ سَعْدٍ فَتَاةٌ قَدْ اَبَتْهَا لِفَقْرِهَا الرُّضَعَاءُ

آل سعد میں سے ایک خاتون آئی اس کے فقر کی وجہ سے شیر خوار بچوں نے بھی اس کا انکار کر دیا تھا۔

اَرْضَعَتْهُ لِبَانَهَا فَسَقَتْهَا وَ بَنِيْهَا اَلْبَانَهُنَّ الشَّاءُ

بکریاں اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دودھ پلاتی تھیں انہیں سیراب کرتی تھیں۔

أَصْبَحَتْ شُوَّلاً عِجَافًا وَ أَمْسَتْ　مَا بِهَا شَائِلٌ وَلَا عَجْفَاءُ

وہ بکریاں بھی دودھ کے بغیر اور کمزور ہوگئیں۔ پھر ان کے پاس نہ تو دودھ کے بغیر اور نہ ہی کمزور بکری رہی۔

أَخْصَبَ الْعَيْشُ عِنْدَهَا بَعْدَ مَحْلٍ　إِذْ غَدَا لِلنَّبِيِّ مِنْهَا غِذَاءُ

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا شیر مبارک نوش فرمایا تو ان کی زندگی میں شادابی لوٹ آئی۔

يَا لَهَا مِنَّةٌ لَقَدْ ضُوعِفَ الْأَجْرُ　عَلَيْهَا مِنْ جِنْسِهَا وَالْجَزَاءُ

اے وہ عظیم خاتون جس کا احسان ہے۔ اس پر اجر واحسان کئی گناہ کر دیا گیا۔

وَإِذَا سَخَّرَ الْإِلٰهُ أُنَاسًا　لِسَعِيدٍ فَإِنَّهُمْ سُعَدَاءُ

جب اس سعادت مند ذات کے لئے رب تعالیٰ نے لوگوں کو مسخر فرمایا وہ سب سے زیادہ سعادت مند تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شیر مبارک چھڑایا گیا تو سب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام فرمائی "اللهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَ سُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَّ أَصِيْلًا" جب اپنی والدہ ماجدہ کے صدف شکم سے باہر تشریف لائے اس وقت بھی اسی طرح تسبیح خوانی کی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک رات یوں حمد سرائی کی "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ قُدُّوْسًا قُدُّوْسًا نَامَتِ الْعُيُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی چیز کو بِسْمِ اللهِ پڑھے بغیر مس نہ فرماتے تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ "جب آپ ہمارے گھر جلوہ افروز ہوئے تو بنو سعد کے ہر گھر سے مشک اذفر کی خوشبو آتی تھی۔ آپ کی محبت اور عقیدت لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئی۔ اگر کسی کے جسم میں کوئی مرض لگ جاتا تو وہ آپ کا دست اقدس پکڑ کر اس جگہ لگا تا تو وہ فوراً رب تعالیٰ کے حکم سے شفاء یاب ہو جاتا۔ اگر کسی کی بکری یا اونٹ بیمار ہو جاتا اسے بھی آپ کے دست اقدس لگانے سے صحت نصیب ہو جاتی"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "دو سال بہت جلد گزر گئے۔ ہم آپ کو لے کر آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہماری حد درجہ خواہش تھی کہ آپ ہمارے پاس ہی قیام فرما رہیں۔ ہم کو آپ سے بہت سی برکات حاصل ہو رہی تھیں۔ ہم نے اس خواہش کے متعلق آپ کی والدہ ماجدہ سے گفتگو کی۔ میں نے ان سے عرض کی "کاش! آپ اس نور نظر کو ابھی میرے پاس ہی رہنے دیں تا کہ یہ زیادہ تومند اور تندرست ہو جائیں"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ ہم نے عرض کی "ہم مزید ایک سال کے لئے انہیں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں وباء پھیلی ہوئی ہے"۔ ہم آپ رضی اللہ عنہا سے اصرار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے لخت جگر کو کچھ عرصہ کے لئے دوبارہ ہمارے حوالے کر دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "میرے نور نظر کو لے کر فوراً واپس چلی جاؤ۔ مجھے مکہ کی وباء سے خوف آ رہا ہے"۔ ہم آپ کو واپس لے آئے۔

شق صدر

جب ہم آپ کو دوبارہ اپنے گھر لے آئے۔ ابھی دو یا تین ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رضاعی بھائی

دوڑتا ہوا آیا۔ وہ مجھے اور میرے خاوند کو کہنے لگا "میرے اس قریشی بھائی کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا ہے۔ انہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے ہیں۔ انہوں نے میرے کریم بھائی کو لٹایا ان کے پیٹ کو چاک کیا اور شکم مبارک میں اپنے ہاتھ داخل کر دیئے"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں اور اس کا باپ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے تھے۔ آپ کا رنگ متغیر تھا۔ یہ رنگ کا متغیر ہونا پیٹ مبارک کے چاک ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ملائکہ کو دیکھنے کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ آپ کا شکم مبارک درد کے بغیر چاک کیا گیا تھا۔ میں نے اور میرے خاوند نے آپ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ہم نے پوچھا "نور نظر! آپ کو کیا ہوا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو ایسے آدمی آئے جنہوں نے سفید لباس پہن رکھے تھے۔ "ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا" کیا یہ وہی ہیں؟" دوسرے نے کہا "ہاں" وہ دونوں جلدی جلدی میری طرف آئے۔ انہوں نے مجھے پکڑا۔ زمین پر لٹایا۔ میرے شکم کو چاک کیا اس میں انہوں نے کوئی چیز تلاش کی۔ پھر اس مطلوبہ چیز کو انہوں نے ڈھونڈ لیا۔ انہوں نے وہ چیز پکڑی اور اسے نکال کر باہر پھینک دیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ہم آپ کو لے کر اپنے گھر آ گئے۔ میرے خاوند نے مجھے کہا "مجھے خوف ہے کہ اس بچے کو کوئی تکلیف ہوئی ہے۔ اس سے قبل کہ وہ تکلیف ظاہر ہو۔ اسے اس کی والدہ کے پاس واپس لوٹا آؤ۔ اور اس امانت سے سبکدوش ہو جاؤ"۔ دوسری روایت میں ہے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ میرے خاوند نے مجھے کہا "میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ تم انہیں ان کی والدہ ماجدہ کے پاس لے جاؤ۔ تاکہ وہ ان کا علاج وغیرہ کرائیں۔ اللہ کی قسم! انہیں جو تکلیف پہنچی ہے وہ فلاں کی اولاد کی طرف سے پہنچی ہے۔ کیونکہ اس یمن طالع کو دیکھ کر وہ حسد کرتے ہیں"۔ ہم آپ کو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چار سال یا پانچ سال یا دو سال اور کچھ ماہ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے آتے بچوں کو کھیل و کود میں مصروف دیکھتے۔ مگر آپ ہمیشہ کھیل اور کود سے کنارہ کش رہتے۔ ایک دن آپ نے مجھے فرمایا "امی جان! میں اپنے بہن بھائیوں کو دن کے وقت نہیں دیکھتا۔ آپ کے ایک رضاعی بھائی اور دو رضاعی بہنیں تھیں۔ (ان کے نام عبداللہ، انیسہ اور شیماء تھے) حضرت حلیمہ سعدیہ نے کہا "میری جان آپ پر نثار! وہ سارا دن ہماری بھیڑیں چراتے ہیں۔ شام کو گھر واپس آ جاتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "مجھے بھی ان کے ساتھ بھیجا کریں" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح خوشی کے ساتھ ان کے ساتھ جاتے۔ شام شاداں اور فرحاں واپس آ جاتے۔ ایک دن آپ اپنی بہنوں اور بھائی کے ساتھ بھیڑیں چرانے گئے۔ دوپہر کے وقت آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا۔ اس کے چہرے سے پسینے کے قطرات بہہ رہے تھے۔ اس نے کہا "امی جان! ابو جان! میرے بھائی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ڈھونڈو۔ جب تم انہیں تلاش کر لو گے تو وہ یقیناً عالم بالا کو کوچ کر چکے ہوں گے"۔ میں نے پوچھا "کیا معاملہ ہے؟" اس نے کہا "ہم وہاں کھڑے تھے اچانک ایک شخص آیا۔ اس نے ہمارے وسط سے ہمارے بھائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اٹھایا اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ ہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو ناف تک شق کیا۔ اس کے بعد

مجھے معلوم نہیں کہ ان کے ساتھ کیا کیا گیا"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا "پھر میں اور میرا خاوند دوڑتے دوڑتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ہم نے دیکھا کہ آپ پہاڑ کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ آپ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ آپ مسکرا رہے ہیں۔ میں آپ پر جھکی۔ چشمان اقدس کے مابین بوسہ دیا۔ میں نے عرض کی "میری جان آپ پر نثار! کس چیز نے آپ کو خوفزدہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "امی جان! میں بالکل خیریت سے ہوں۔ میں کھڑا تھا میرے پاس تین آدمی آئے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا۔ دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا۔ انہوں نے مجھے پکڑا اور پہاڑ کی چوٹی پر لے آئے۔ ان کی کوشش بڑی تعجب خیز تھی۔ انہوں نے مجھے زمین پر لٹایا میرے پیٹ کو ناف تک شق کیا میں ان کی طرف دیکھتا رہا مجھے نہ تکلیف محسوس ہوئی نہ درد......"

ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس لائیں تو آپ مکہ مکرمہ کی وادیوں میں گم ہو گئے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں اس رات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آئی۔ لیکن جب میں وادی مکہ میں آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گم ہو گئے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کہاں ہیں؟ حضرت عبدالمطلب کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ ان کا بیٹا انہیں لوٹا دے۔ اس وقت انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

يَا رَبِّ رُدَّ وَلَدِي مُحَمَّدًا أُرْدُدْهُ رَبِّي وَاصْطَنِعْ عِنْدِي يَدًا

اے میرے مولا! میرے نور نظر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دے۔ پروردگار! انہیں واپس لوٹا کر مجھ پر احسان کر"۔

آسمان سے صدائے غیبی آئی "اے لوگو! نہ چلاؤ۔ بلاشبہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بھی ایک پروردگار ہے۔ وہ انہیں نہ رسوا کرے گا نہ ضائع"۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا "وہ کہاں ہوں گے؟ صدا آئی "وہ وادی تہامہ میں دائیں طرف درخت کے پاس ہیں"۔ حضرت عبدالمطلب اس جانب تشریف لے گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک درخت کے نیچے دیکھا۔ آپ درخت کی شاخ کو کھینچ رہے تھے۔ آپ کے جد امجد نے پوچھا "آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا "میں (جان عالم) محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں"۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "میں آپ کا دادا ہوں۔ میری جان آپ پر فدا! انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آغوش میں لے لیا اور زار زار رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھوڑے کے آگے سوار کیا اور مکہ لے آئے۔ حضرت عبدالمطلب نے اس خوشی میں بکریوں اور بھیڑوں کو ذبح کیا۔ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (الضحیٰ)

"اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا"۔ (جمال القرآن)

کو اسی واقعہ پر محمول کیا ہے۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا واقعہ دو دفعہ پیش آیا۔ آپ دوسری بار بھی گم ہو گئے ایک آدمی (ابوجہل) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ اس نے آپ کو اونٹ پر اپنے آگے سوار کیا اور آپ کے جد امجد کے پاس لے آیا۔ اس شخص نے حضرت عبدالمطلب سے کہا "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بیٹے کے ساتھ

کیا واقعہ پیش آیا؟" حضرت عبدالمطلب کے استفسار پر اس شخص نے کہا "جب میں نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور حضور ﷺ کو اپنے پیچھے سوار کیا تو اونٹنی نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ جب میں نے آپ کو اپنے آگے سوار کیا تو وہ اونٹنی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب میں حضور ﷺ کو لے کر مکہ مکرمہ میں ان کی امی جان کے پاس آئی تو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے مجھے پوچھا "حلیمہ! تو میرے لخت جگر کو اتنی جلدی کیوں واپس لے آئی ہے۔ جبکہ تو انہیں اپنے ساتھ لے جانے پر بڑی حریص تھی۔ تو تو انہیں اپنے پاس زیادہ سے زیادہ مدت رکھنا چاہتی تھی"۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے عرض کی "اللہ تعالیٰ نے مدت مقررہ کو پورا کر دیا۔ میرے ذمہ جو حق تھا میں نے اسے ادا کر دیا ہے۔ اب مجھے مختلف خدشات کا اندیشہ ہے۔ اس لئے اب میں اس امانت کو واپس کرنے آئی ہوں۔ آپ بھی حقیقت میں یہی پسند کرتی ہیں"۔ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "سچ سچ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا مسئلہ پیش آیا ہے" وہ مجھ سے برابر اصرار کرتی رہیں حتیٰ کہ میں نے انہیں ساری صورتحال بتا دی۔ انہوں نے فرمایا "کیا تمہیں میرے نور نظر کے بارے شیطان کا خوف ہے؟ میں نے کہا "ہاں!" انہوں نے فرمایا "ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! شیطان ان کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتا"۔ میرے اس بچے کی شان نرالی ہے، حلیمہ! کیا میں اپنے بچے کے بارے کچھ بتاؤں؟ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "ضرور بتائیں" حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب حضور ﷺ میرے صدف بطن میں جلوہ افروز ہوئے تو میرے اندر سے ایک نور خارج ہوا۔ جس کے اجالے میں مجھے شام کے محلات نظر آئے۔ جب مجھے حمل قرار پایا تو عام عورتوں کی طرح مجھے اس کا کچھ بوجھ محسوس نہ ہوا۔ نہ ہی کسی اور تکلیف کا احساس ہوا۔ وقت ولادت انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے۔ سر اقدس آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا۔ اب انہیں میرے پاس ہی رہنے دو۔ میں خود ان کی خبر گیری کروں گی"۔

علامات نبوت

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میرے پاس سے یہودیوں کی ایک جماعت کا گزر ہوا۔ میں نے ان سے کہا "کیا میں تمہیں اس بیٹے کی نرالی شان کے بارے نہ بتاؤں"۔ اس کی والدہ ماجدہ کو حمل مبارک کیسے قرار پایا۔ ان کی ولادت مبارکہ کس شان سے ہوئی؟ ان کی والدہ ماجدہ نے ان کی ولادت باسعادت کے وقت کس طرح کے عجیب مناظر دیکھے۔ میں نے وہ تمام باتیں ان یہودیوں کو سنا دیں جو میں نے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ سے سنیں تھیں اور جنہیں میں نے خود اپنی نگاہ سے دیکھا تھا۔ وہ یہودی ایک دوسرے سے کہنے لگے "اس بچے کو قتل کر دو" پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا "کیا یہ یتیم ہے؟ میں نے کہا "نہیں! میں اس کی ماں اور یہ اس کے باپ ہیں"۔ انہوں نے کہا "اگر یہ یتیم ہوتا تو اسے ضرور قتل کر دیتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا ساری علامات نبوت کی نشانیاں ہیں"۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں آپ ﷺ کو بازار عکاظ لے گئی۔ ایک کاہن نے وہاں آپ کی زیارت کی۔ اس نے باآواز بلند صدا لگائی "اے اہل عکاظ! اس بچے کو قتل کر دو۔ اس کے لئے ایک عظیم الشان مملکت ہوگی"۔ میں آپ ﷺ کو اسی وقت لے آئی تو رب تعالیٰ نے آپ کو نجات عطا کی"۔

''الوفا'' میں سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''جب عکاظ کا میلہ لگا تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک عراف (قیافہ شناس) کے پاس لے گئیں اس کا تعلق بنو ہذیل کے ساتھ تھا۔ لوگ اسے اپنے بچے دکھا رہے تھے۔ جب اس نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس کی طرف دیکھا تو وہ چیخ کر کہنے لگا ''اے قبیلہ ہذیل! اے قوم قریش! اس کی یہ چیخ و پکار سن کر لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس تیرہ بخت عراف نے کہا ''اس بچے کو قتل کر دو'' حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا وہاں سے خاموشی کے ساتھ آپ کو لے کر نکل آئیں۔ لوگوں نے پوچھا ''وہ کون سا بچہ ہے جسے تہ تیغ کرنا ہے؟'' عراف نے کہا ''یہ بچہ ہے'' لیکن انہوں نے وہاں کسی بچے کو نہ دیکھا۔ لوگوں نے پوچھا ''وہ بچہ کہاں ہے؟'' اس نے کہا ''میں نے ابھی جو بچہ دیکھا ہے''۔ میں نے اس میں ایسی علامات کو دیکھا ہے جن کی وجہ سے وہ تمہارے دین کے لوگوں کو ضرور قتل کرے گا وہ تمہارے معبودان باطلہ کو ضرور لخت لخت کرے گا۔ اس کا تم پر ضرور غلبہ ہوگا''۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تلاش کیا مگر وہ آپ کو ڈھونڈ نہ سکے''۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''اس کے بعد میں آپ کو ذوالمجاز (یہ دور جاہلیت کا ایک بازار تھا۔ اور عرفات سے ایک فرسخ دور تھا) کے میلہ میں لے آئی۔ اس میلہ میں ایک نجومی تھا۔ لوگ اسے اپنے بچے دکھاتے تھے۔ جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ مہر نبوت کو دیکھا۔ چشمان مقدس کی سرخی دیکھی تو وہ چیخ اٹھا ''اے اہل عرب! اس بچے کو قتل کر دو۔ یہ تمہارے ہم مذہبوں کو قتل کر دے گا۔ یہ تمہارے بتوں کو پاش پاش کر دے گا۔ اس کا معاملہ تم پر غالب ہو کر رہے گا۔ یہ صرف آسمان سے ایک حکم کا منتظر ہے'' اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غصے کا اظہار کیا تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اس کی عقل زائل ہو گئی اور وہ مر گیا۔

سیرت شامیہ میں ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آ رہی تھیں اس وقت حبشہ کے کچھ عیسائیوں نے آپ کو دیکھا انہوں نے آپ کو چومنا شروع کر دیا۔ جب انہوں نے آپ کے کندھوں کے مابین مہر نبوت دیکھی اور آپ کی چشمان مقدس میں سرخی دیکھی تو انہوں نے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ''کیا اس بچے کی آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے؟ انہوں نے فرمایا ''ان کی چشمان مقدس میں کوئی تکلیف نہیں۔ یہ سرخی ہمیشہ ان کی آنکھوں میں رہتی ہے''۔ انہوں نے کہا ''ہم اس کے معاملہ سے آشنا ہیں'' لیکن حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا۔ وہ آپ کو لے کر حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس مکہ مکرمہ میں آ گئیں۔

شق صدر کی ایک اور روایت

شق صدر کے متعلق بہت سی روایات منقول ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہم اسی حالت پر تھے کہ سارا قبیلہ وہیں آ گیا۔ میری رضاعی امی سارے قبیلے کے آگے آگے تھیں۔ وہ باآواز بلند پکار رہی تھیں۔ ہائے کمزور! وہ ملائکہ مجھ پر جھکے انہوں نے مجھے اپنے سینوں کے ساتھ لگایا۔ انہوں نے میرے سر کو اور میری آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور کہا ''تم کتنے عمدہ ہو'' پھر میری رضاعی امی جان نے کہا ''ہائے اکلوتے! وہ ملائکہ پھر مجھ پر جھکے۔ مجھے اپنے سینوں کے ساتھ لگایا۔ میرے سر اور آنکھوں کے مابین بوسہ دیا اور کہا ''تم کتنے اچھے اکلوتے ہو! آپ تنہا نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور اہل زمین میں سے مؤمنین آپ کے ساتھ ہیں''۔ پھر میری رضاعی امی جان نے کہا ''ہائے یتیم! تم اپنے ساتھیوں میں کمزور تھے۔

اسی لئے تمہیں قتل کر دیا گیا" وہ ملائکہ مجھ پر جھکے۔ انہوں نے مجھے اپنے سینوں کے ساتھ ملایا میرے سر اور آنکھوں کے مابین بوسہ دیا اور کہا "آپ کتنے اچھے یتیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کی کتنی عزت و توقیر ہے۔ اگر آپ کو علم ہوتا کہ رب تعالیٰ کس بھلائی کا آپ کے ساتھ ارادہ کئے ہوئے ہے تو آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں"۔ قبیلہ کے لوگ وادی کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ جب میری رضاعی امی جان نے مجھے دیکھا تو کہا "اس کے بعد میں آپ کو زندہ ہی دیکھوں گی"۔ وہ آئیں مجھ پر جھک گئیں۔ مجھے اپنے سینہ سے لگا لیا۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں رضاعی امی جان کی گود میں تھا انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔ جبکہ میرا ہاتھ ملائکہ کے ہاتھوں میں تھا۔ مگر لوگ انہیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ بعض لوگ کہنے لگے "اس بچے کو جنون لاحق ہو گیا ہے۔ اسے کاہن کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ اسے دیکھے اور اس کا علاج کرے"۔ میں نے کہا "مجھے کوئی جنوں لاحق نہیں ہے میرے اعضاء سلامت ہیں۔ میرا دل صحیح ہے۔ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے" میرے رضاعی باپ نے کہا "کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اس کی گفتگو صحیح ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرے بچے کو کوئی تکلیف نہیں ہے"۔ انہوں نے اتفاق کر لیا کہ وہ مجھے کاہن کے پاس ضرور لے کر جائیں گے۔ جب وہ کاہن کے پاس گئے اور ساری داستان بیان کی تو اس نے کہا "تم خاموش ہو جاؤ۔ میں اس بچے سے یہ واقعہ سنوں گا۔ وہ اپنے معاملہ کو تم سے زیادہ جانتا ہے" اس نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ سننے کے بعد وہ مجھ پر جھپٹا۔ مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔ پھر بلند آواز سے بولا "اے اہل عرب! اے اہل عرب! اس شر کی وجہ سے جو قریب آ گیا ہے اس بچے کو قتل کر دو۔ لات و عزیٰ کی قسم! اگر تم نے اسے چھوڑ دیا اور یہ جوان ہو گیا تو یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا۔ تمہیں اور تمہارے آباء کو احمق کہے گا۔ یہ تمہارے امر کی مخالفت کرے گا۔ یہ ایسا دین لے کر آئے گا جس کے بارے تم نے سن بھی نہیں رکھا ہو گا"۔ میری رضاعی امی جان نے مجھے تیزی سے اس کی گود سے نکال لیا۔ انہوں نے کہا "میرے اس بچے کو کوئی جنون نہیں۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ کاہن اس طرح کرے گا تو میں آپ کو اس کے پاس نہ لے کر آتی۔ میں انہیں بخیر و عافیت ان کے اہل خانہ کے سپرد کروں گی"۔ پھر میں ملائکہ کی وجہ سے گھبرا گیا۔ میرے سینے سے لے کر ناف تک اس شق کا اثر باقی رہا"۔ شائد یہ اثرات اس لئے باقی رہے تاکہ وجود شق پر دلالت ہوتی رہے۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وَاَتَتْ جَدَّهٗ وَ قَدْ فَصَلَتْهُ ٭ وَ بِهَا مِنْ فِصَالِهِ الْبُرَحَاءُ

انہوں نے آپ کا دودھ چھڑایا اور آپ کو جد امجد کے پاس لے آئیں انہیں دودھ چھڑانے سے شدید اذیت برداشت کرنا پڑی۔

اِذَا اَحَاطَتْ بِهِ مَلَائِكَةُ اللهِ ٭ فَظَنَّتْ بِاَنَّهُمْ قُرَنَاءُ

جب فرشتوں نے آپ کا گھیراؤ کر لیا اور حضرت حلیمہ نے سمجھا کہ وہ شیاطین تھے۔

وَرَاَى وَجْدَهَا بِهٖ وَ مِنَ الْوَجْدِ ٭ لَهِيْبٌ تُصْلٰى بِهِ الْاَحْشَاءُ

انہوں نے ان کی آپ کے ساتھ محبت ملاحظہ کر لی اور محبت کی وجہ سے ایک شعلہ تھا جس سے سینہ جل رہا تھا۔

فَارَقْتُهُ كُرْهًا وَكَانَ لَدَيْهَا ثَاوِيًا لَا يُهَلُّ مِنْهُ الثُّوَاءُ

انہوں نے مجبوراً آپ کو جدا کر دیا حالانکہ آپ ان کے پاس ہی تشریف فرما تھے۔ آپ کی تشریف فرما ہونے سے انہیں کوئی ملال نہ تھا۔

شُقَّ عَنْ قَلْبِهِ وَأُخْرِجَ مِنْهُ مُضْغَةٌ عِنْدَ غَسْلِهِ سَوْدَاءُ

آپ کا قلب انور شق کیا گیا اور اسے دھوتے وقت گوشت کا سیاہ ٹکڑا باہر نکال دیا گیا۔

خَتَمَتْهُ يُمْنَى الْأَمِيْنِ وَقَدْ أُوْدِعَ مَا لَمْ يُذَعْ لَهُ أَنْبَاءُ

حضرت جبرائیل امین کے دائیں دست اقدس نے مہر لگا دی اور انہیں وہ کچھ عطا کیا گیا جس کی کسی کو خبر نہ ہو سکی۔

صَانَ أَسْرَارَهُ الْخِتَامُ فَلَا الْفَضُّ مُسِلِمٌ بِهِ وَلَا الْإِفْضَاءُ

اس مہر نے آپ کے رازوں کو محفوظ کر دیا نہ ہی وہ مہر ٹوٹ سکتی تھی اور نہ ہی یہ خبر پھیل سکتی تھی۔

شق صدر کتنی بار ہوا؟

حضور امام الانبیاء ﷺ کا شق صدر کئی بار ہوا۔ پہلی بار حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ہوا۔ تا کہ آپ اکمل حالات اور اتم صفات پر پروان چڑھ سکیں۔ دوسری بار شق صدر ہوا تو اس وقت عمر مبارک دس یا بارہ سال تھی۔ مسند امام احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ آپ نے نبوت کے امر میں سے سب سے پہلے کس چیز کا مشاہدہ کیا؟ حضور سید کائنات ﷺ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا ''تم نے یہ سوال کیا ہے۔ میں صحراء میں تھا۔ میری عمر بیس سال اور کچھ ماہ تھی۔ اچانک میں نے اپنے اوپر آواز سنی ایک شخص کہہ رہا تھا'' کیا یہ وہی ہیں؟'' میں نے ایسے خوبصورت چہرے دیکھے کہ اس سے پہلے اتنے حسین چہرے نہیں دیکھے تھے۔ اتنے سفید کپڑے دیکھے کہ ان سے قبل اتنے سفید کپڑے نہیں دیکھے تھے۔ وہ چلتے ہوئے میرے پاس آئے۔ ان میں سے ہر ایک نے میرا ایک ایک بازو پکڑ لیا لیکن مجھے لمس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ''انہیں لٹا دو'' انہوں نے مجھے مشقت کے بغیر نیچے لٹا دیا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ''ان کا سینہ اقدس شق کرو'' انہوں نے میرا سینہ چاک کیا۔ مجھے نہ خون نظر آیا نہ درد محسوس ہوا۔ اس نے اسے کہا ''اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو'' اس نے لوتھڑے کی مانند کوئی چیز باہر نکال دی۔ اسے پھینک دیا۔ پھر اس نے کہا ''اس میں رأفت و رحمت بھر دو''۔ اس نے چاندی نما کوئی چیز داخل کر دی۔ پھر میری دائیں پاؤں کی انگلی پر مارا اور کہا ''انھیں اپنے رب کے حضور سر تسلیم خم کریں''۔ میں واپس آ گیا۔ میں چھوٹے پر شفقت اور بڑے پر رحم کرتا تھا''۔

صحیح یہ ہے کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک دس سال تھی۔ بیس سال کی عمر کا قول راویوں کی لغزش ہے۔ تیسری بار ابتدائے وحی میں سینہ اقدس شق ہوا۔ جبکہ چوتھی بار معراج کے وقت سینہ اقدس چاک کیا گیا۔ جب دوسری بار سینہ اقدس چاک کیا گیا اس وقت عمر مبارک دس سال تھی۔

''السیرۃ الشامیۃ'' میں ہے'' یہ مکلف بنانے کی عمر کے قریب ترعمر ہوتی ہے۔ آپ کا سینہ اقدس شق کیا گیا اور اسے پاک کیا گیا تا کہ آپ ان اشیاء میں سے کسی چیز میں مشغول نہ ہوں جس کی وجہ سے عیب لگایا جاتا ہے''۔ تیسری بار شق صدر کے متعلق امام ابن حجر لکھتے ہیں ''اس میں زیادہ کرامت کی حکمت ہے۔ تا کہ آپ قوی قلب کے ساتھ وہ حاصل کر لیں جو کچھ وحی کیا جائے۔ چوتھی بار شق صدر میں حکمت بھی عزت واکرام میں زیادتی مقصود تھا۔ تا کہ آپ حریم قدس میں اچھی طرح مناجات کر سکیں۔

بادل سایہ فگن

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے واپس لے کر آئیں تو وہ آپ کو کسی ایسی جگہ نہ جانے دیتیں جو دور ہوتی۔ ایک دن وقت دوپہر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلیں۔ آپ کو آپ کی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ پایا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوری دیتی ہوئی کہتی تھیں۔

هٰذَا اَخٌ لِّيْ لَمْ تَلِدْهُ اُمِّيْ وَ لَيْسَ مِنْ نَسْلِ اَبِيْ وَ عَمِّيْ
فَاَنْمِهِ اللّٰهُمَّ فِيْمَنْ تُنْمِيْ

یہ میرے کریم بھائی ہیں جن کو نہ تو میری امی نے جنم دیا ہے نہ ہی یہ میرے باپ اور چچا کی نسل سے ہیں۔ مولا! ان بچوں کے مابین انہیں بھی پروان چڑھا جنہیں تو پروان چڑھائے۔

حضرت شیماء رضی اللہ عنہا یہ اشعار گنگنا کر بھی آپ کو لوریاں دیتی تھیں۔

يَا رَبَّنَا اَبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا حَتّٰى اَرَاهُ يَافِعًا وَ اَمْرَدًا
ثُمَّ اَرَاهُ سَيِّدًا مُسَوَّدًا وَاَكْبِتْ اَعَادِيْهِ مَعًا وَالْحُسَّدَا
وَ اَعْطِهِ عِزًّا يَدُوْمُ اَبَدًا

اے میرے رب! میرے بھائی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لئے سلامت رکھ حتیٰ کہ ہم آپ کو جوان اور گھبرو دیکھیں۔ حتیٰ کہ ہم آپ کو اپنی قوم کا ایسا سردار دیکھیں سب جن کی اطاعت کر رہے ہوں۔ اے میرے مولا! ان کے دشمنوں اور حاسدوں کو ذلیل ورسوا فرما اور انہیں وہ عزت عطا فرما جو تا ابد باقی رہے۔

علامہ ازدی نے فرمایا ہے'' اس معصوم بچی کی التجائیں رب تعالیٰ نے کس احسن انداز سے قبول فرمائیں''۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے کہا'' اس شدید گرمی میں انہیں لے کر باہر آگئی ہو'' آپ کی رضاعی بہن نے کہا'' میرے کریم بھائی کو گرمی نہیں لگتی۔ ایک بادل کا ٹکڑا ان پر سایہ فگن رہتا ہے۔ جب یہ ٹھہرتے ہیں تو وہ بھی ٹھہر جاتا ہے جب یہ چلتے ہیں تو وہ بھی چلنے لگتا ہے'' حضرت حلیمہ سعدیہ نے فرمایا'' میری لخت جگر! سچ کہہ رہی ہو''۔ اس نے کہا'' ہاں'' حضرت حلیمہ سعدیہ نے کہا'' میں اس شر سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں جس کے بارے ہمیں اپنے نور نظر پر اندیشہ ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بعض اوقات حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بادل کا ایک ٹکڑا دیکھتیں جو آپ پر سایہ کناں ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو وہ بھی چلنے لگتا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ، بارگاہ رسالت مآب میں

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح فرمالیا تو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور تنگدستی کے بارے بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انہوں نے کچھ بکریاں اور کچھ اونٹ عطا کیے۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے چالیس بکریاں اور اونٹ عطا فرمائے۔ جب غزوۂ حنین کے روز حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک پھیلا دی وہ اس پر بیٹھیں" ایک اور روایت کے مطابق ان کا شوہر اور بیٹا بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپ نے ان سب کے لئے اپنی ردائے پاک بچھائی انہیں اس پر بٹھایا۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "پھر حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی عنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے بھی ان کے لئے اپنی چادر بچھادی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں تو انہوں نے بھی ان کے لئے اپنی چادر بچھادی"۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے "انہیں طویل عمر نصیب ہوئی" حضرت ابوالطفیل سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ جعرانہ کے مقام پر جلوہ افروز تھے۔ حنین سے واپس تشریف لاچکے تھے۔ میں نوجوان تھا۔ ایک خاتون آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو اپنی چادر بچھادی"۔ پوچھا گیا "یہ خاتون کون ہے؟" لوگوں نے بتایا "یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی امی جان ہیں" دوسری روایت میں ہے "ایک خاتون نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کا اذن طلب کیا جب حاضر خدمت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "امی، امی" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردائے پاک بچھادی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔

حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح الہمزیہ میں لکھا ہے "حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی سعادت مندی یہ ہے کہ انہیں، ان کے خاوند اور اولاد کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔ جس نے ان کے اسلام کا انکار کیا ہے اس کا موقف درست نہیں بلکہ انہوں نے دولت اسلام سمیٹی، ہجرت کی، مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ بقیع میں دفن ہوئیں ان کی قبر انور معروف ہے لوگ اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں"۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے کہ ان کی لخت جگر اور حضور سیاح لامکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا غزوہ حنین کے قیدیوں میں تھیں، جب مسلمانوں نے انہیں گرفتار کیا تو انہوں نے کہا "میں تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن ہوں۔ جب وہ بارگاہ رسالت مآب میں آئیں تو انہوں نے عرض کی "میں آپ کی رضاعی بہن ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کی کیا علامت ہے؟" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ایک دفعہ میں آپ کو اٹھائے ہوئے تھی کہ آپ نے اپنے دندان مبارک سے میری کمر پر کاٹ لیا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس علامت سے پہچان لیا۔ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اپنی ردائے پاک ان کے لئے بچھادی۔ اس پر انہیں بٹھایا۔ چشمان مقدس سے آنسوؤں کے موتی گرنے لگے"۔ المواہب کے مصنف کے موقف کے مطابق یہ دو متفرق واقعات ہیں۔ ہر دو واقعات میں آپ کھڑے ہوئے اور اپنی

چادر مبارک بچھادی۔ ایک دفعہ آپ کی رضاعی امی جان اور ایک دفعہ رضاعی بہن حاضر خدمت ہوئی تھیں۔ بعض علماء کو وہم ہوا ہے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی امی کا خدمت عالیہ میں حاضر ہونے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آپ کی رضاعی بہن تھیں۔ مگر پہلا نقطہ نظر درست ہے۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے ''غزوۂ حنین کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی امی جان حاضر خدمت ہوئی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔ اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھادی جس پر وہ بیٹھ گئیں۔ انہوں نے آپ سے روایت بھی کی۔ پھر ان سے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے روایت کی۔ پھر حضرت شیماء غزوۂ حنین میں قیدیوں کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں''۔

حافظ مغلطائی نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے اسلام کے متعلق ایک تالیف بھی رقم کی ہے جس میں انہوں نے انکار کرنے والے کا رد کیا ہے۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال پر ملال

جب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چار سال یا پانچ سال یا چھ سال یا اس سے زائد ہوئی (متفرق اقوال ہیں) تو والدہ ماجدہ کی آغوش محبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہو گئی۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سراپا رأفت و رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آپ کے جد امجد کے ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں مدینہ طیبہ گئیں تاکہ ان سے ملاقات کریں۔ حضرت ام ایمن برکۃ الحبشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما ہونے کے بعد بھی ان واقعات کی یادیں تازہ فرماتے تھے جو اس وقت رونما ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس جگہ میری والدہ ماجدہ مجھے لے کر قیام فرما ہوئیں میں نے بنو عدی بن نجار کے تالاب میں تیراکی سیکھی۔ یہودی قوم مختلف اوقات میں میرے پاس آتی اور میری زیارت کرتی'' حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے ان میں سے ایک یہودی کو اس طرح کہتے سنا ''یہ اس امت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ ان کا دار ہجرت ہے''۔ پھر حضرت سیدہ طاہرہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہوئیں۔

ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک یہودی شخص نے مجھے دیکھا۔ وہ مجھے مختلف انداز سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے پوچھا ''بچے! تمہارا نام کیا ہے؟'' میں نے کہا ''احمد (مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' اس نے میری کمر کو دیکھا۔ پھر اس نے کہا ''یہ اس امت کے نبی ہوں گے'' پھر وہ اپنے بھائیوں کے پاس چلا گیا''۔ انہیں بتایا۔ انہوں نے میری والدہ ماجدہ کو بتایا۔ انہیں میرے بارے خدشہ دامن گیر ہوا وہ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوئیں''۔ جب ''الابواء'' کے مقام پر پہنچیں وہیں ان کا وصال ہو گیا اور وہیں وہ مدفون ہوئیں۔ دوسرے قول کے مطابق وہ ''الحجون'' میں دفن ہوئیں ان دونوں اقوال کو اس طرح

جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے انہیں "الابواء" کے مقام پر دفن کیا گیا پھر انہیں "الحجون" کے مقام پر دفن کر دیا گیا۔ ابواء مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے مابین ایک جگہ کا نام ہے۔ اس وقت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک بیس سال کے لگ بھگ تھی۔

حضرت ابونعیم نے "دلائل النبوۃ" میں حضرت اسماء بنت رہم سے اور وہ اپنی والدہ سے روایت کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا "میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے وصال پر ملال کے وقت ان کے پاس موجود تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پانچ سال تھی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امی جان کے سر کی طرف کھڑے تھے۔ والدہ ماجدہ نے اپنی آخری نظر اپنے لخت جگر کے حسین چہرے پر ڈالی اور کہا

بَارَكَ فِيْكَ اللهُ مِنْ غُلَامٍ يَا ابْنَ الَّذِيْ مِنْ حَوْمَةِ الْحِمَامِ

میرے فرزند دلبند اللہ تعالیٰ آپ کو بابرکت کرے۔ اے اس ذات والا کے نور نظر!

نَجَا بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْعَلَّامِ فُوْدِيَ غَدَاةَ الضَّرْبِ بِالسِّهَامِ

جسے ملک علام کی مدد سے موت کے ہجوم سے نجات ملی۔ کل تیروں سے قرعہ کر کے انہیں بچا لیا گیا۔

بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلٍ سَوَّامٍ اِنْ صَحَّ مَا اَبْصَرْتُ فِي الْمَنَامِ

جنہیں ایک سو مضبوط اونٹ ذبح کر کے بچا لیا گیا۔ اگر وہ صحیح ہے جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔

فَاَنْتَ مَبْعُوْثٌ اِلَى الْاَنَامِ تُبْعَثُ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَامِ

آپ کو سارے نوع انسانی کی طرف مبعوث کیا جائے گا۔ اور حل اور حرم میں آپ کی بعثت ہو گی۔

تُبْعَثُ فِي التَّحْقِيْقِ وَالْاِسْلَامِ دِيْنُ اَبِيْكَ الْبَرِّ اِبْرَهَامِ

آپ کو حق اور اسلام یعنی آپ کے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین کے ساتھ مبعوث کیا جائے گا۔

فَاللهُ اَنْهَاكَ عَنِ الْاَصْنَامِ اَنْ لَا تُوَالِيْهَا مَعَ الْاَقْوَامِ

میں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر آپ کو بتوں سے روکتی ہوں کہ آپ دیگر اقوام کے ساتھ مل کر ان سے دوستی نہ کریں۔

پھر حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ہر زندہ نے موت کو چکھنا ہے ہر نئی چیز نے پرانا ہونا ہے ہر بڑی چیز فنا کے گھاٹ اترے گی۔ میں تو وصال کر رہی ہوں لیکن میرا ذکر تا ابد باقی رہے گا کیونکہ میں نے ایک پاکباز فرزند جنم دیا ہے"۔

جنات کی نوحہ گری

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ نے فرمایا "ہم جنات کو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا پر نوحہ گری کرتے سنتے تھے"۔ ان کے اشعار میں سے ہمیں یہ اشعار یاد رہ گئے۔

نَبْكِي الْفَتَاةَ الْبَرَّةَ الْاَمِيْنَةَ ذَاتَ الْجَمَالِ الْعِفَّةِ الرَّزِيْنَهْ

ہم اس محترم خاتون پر گریہ بار ہیں جو محسنہ، مطیعہ اور امینہ تھیں۔ جو باجمال، پاکباز اور روقار والی تھیں۔

زَوْجَةُ عَبْدِ اللهِ وَالْقَرِيْنَةْ اُمُّ نَبِيِّ اللهِ ذِي السَّكِيْنَهْ

وہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اور ساتھی تھیں وہ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مطمئن اور پرسکون والدہ ماجدہ ہیں۔

وَ صَاحِبُ الْمِنْبَرِ بِالْمَدِيْنَة　صَارَتْ لَدٰى حُفْرَتِهَا رَهِيْنَه

وہ مدینہ طیبہ میں منبر پر جلوہ افروز ہوں گے۔ حضرت آمنہ اپنی قبر انور میں مدفون ہیں۔

لَوْ فُوْدِيَتْ لَفُوْدِيَتْ ثَمِيْنَه　وَلِلْمَنَايَا شَفْرَةٌ سَنِيْنَه

اگر ان کا فدیہ ادا کیا جائے تو ان کا فدیہ بڑا گراں ہوگا۔ اموات کے پاس تیز چھری ہے۔

لَا تَبْقِ ظَعَّانًا وَلَا ظَعِيْنَه　اِلَّا اَتَتْ وَقَطَّعَتْ وَتِيْنَه

یہ اموات ہر مرد و عورت کے پاس آتی ہیں اور اس کی شہ رگ کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔

اَمَا حَلَلْتِ اَيُّهَا الْحَزِيْنَه　عَنِ الَّذِىْ ذُو الْعَرْشِ يُعْلِىْ دِيْنَه

اے غمزدہ! یہ موت آپ کو اس ذات کی طرف سے آئی جو عرش کا مالک ہے اور جو حضور کے دین کو غالب کرے گی۔

فَكُلُّنَا وَالِهَةٌ حَزِيْنَه　نَبْكِيْكَ لِلْعُطْلَةِ اَوْ لِلزِّيْنَةِ

اَوْ لِلضَّعِيْفَاتِ وَ لِلْمِسْكِيْنَةِ

ہم سب غمزدہ اور افسردہ ہیں۔ ہم آپ کی اس جدائی اور فراق پر گریہ بار ہیں۔ ہم کمزور اور مسکین عورتوں پر آہ و فغاں کرتے ہیں۔

حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا ایمان

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المواہب میں یہ اشعار لکھنے کے بعد علامہ جلال الدین سیوطی کا یہ قول ذکر کیا ہے "ان اشعار سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا موحدہ تھیں۔ انہوں نے دین ابراہیمی کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی تذکرہ کیا ہے کہ ان کے فرزند دلبند کو رب تعالیٰ دین اسلام کے ساتھ مبعوث فرمائیں گے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتوں کی پرستش اور ان کی دوستی سے منع کیا ہے"۔ کیا توحید اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ توحید اللہ تعالیٰ کی الٰہیت اور اس بات کا اعتراف ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بتوں اور دیگر معبودان باطلہ سے برأت اور اظہار بیزاری کا نام ہے۔ کفر سے برأت کے لئے اس قدر توحید کافی ہے۔ بعثت سے قبل زمانہ جاہلیت میں اس قدر توحید کافی ہے۔ یہ گمان بھی غلط ہے کہ زمانہ جاہلیت میں سارے لوگ کافر تھے۔ بلکہ بعض افراد نے ان بتوں سے بیزاری کا اظہار کر کے توحید الٰہی کا دم بھرا تھا۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ ایسے بلند اقبال لوگوں میں سے تھیں جن لوگوں نے بتوں سے بیزاری ظاہر کر کے توحید الٰہی کا دم بھرا تھا ان کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اہل کتاب اور کاہنوں سے سنا تھا "ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے جو حرم پاک سے مبعوث ہوں گے۔ ان کی صفات یہ یہ ہوں گی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات کے متعلق دیگر افراد سے زیادہ سنا ہوگا۔ انہوں نے تو اس نور مبارک کا بھی مشاہدہ کر لیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت نکلا تھا۔ جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے تھے حتیٰ کہ انہوں نے وہ محلات دیکھ لئے۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ

رضی اللہ عنہا شق صدر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس لے کر آئیں۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے کہا "کیا تمہیں ان کے متعلق شیطان کا خدشہ ہے؟ قسم بخدا! ہرگز نہیں۔ شیطان ان کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ میرے اس لخت جگر کی شان بہت بلند ہوگی"۔ جس سال حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا اس سال وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ لے کر گئیں۔ انہوں نے یہودیوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گفتگو سنی۔ انہوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دی۔ پھر وہ آپ کو مدینہ طیبہ سے لے کر عازم سفر ہوگئیں۔

جہاں تک حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کا تعلق ہے تو ہم پہلے ان کے ایسے کلمات اور اشعار نقل کر چکے ہیں جو ان کی توحید اور رب تعالیٰ کو معبود برحق ماننے پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ اشعار گزر چکے تھے جو انہوں نے اس وقت کہے تھے جب ایک خاتون نے انہیں اپنا آپ پیش کیا تھا۔

اَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُوْنَهُ ....

حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ عفت و پاکدامنی کا پیکر تھے۔ خواتین ان کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہوئیں لیکن وہ ان سے کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک ان کے چہرہ پر ستارے کی طرح جگمگاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا "میں پاکیزہ افراد کی پشتوں سے پاکیزہ خواتین کی رحموں میں منتقل ہوتا رہا"۔ کافر کو پاکیزہ نہیں کہا جاسکتا اس حدیث پاک میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء اور امہات کفر سے پاک تھیں۔ "المواہب" میں ہے "یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے وصال کے بعد ایمان لائیں۔ طبرانی اور ابن شاہین نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افسردہ اور غمزدہ حالت میں الحجون میں نزول اجلال فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم گریہ کناں تھے۔ پھر آپ وہیں اتنی دیر قیام پذیر رہے۔ جتنا رب تعالیٰ نے چاہا پھر مسرور و شاداں واپس تشریف لائے۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے فرمایا "میں نے اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کی۔ اس نے میری والدہ ماجدہ کو زندہ کیا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر انہیں قبر انور میں لوٹا دیا گیا"۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا۔ وہ آپ پر ایمان لائے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرمادی۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں "اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اس کی رحمت اور قدرت سے کوئی چیز ناممکن نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عزت و کرامت کے اس مقام رفیع پر فائز ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو فضل و کرم چاہے آپ کے ساتھ مختص کردے اور اپنی مرضی کے مطابق آپ پر انعام و اکرام کا ابر کرم برسادے"۔

بعض علماء کرام نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین نجات یافتہ ہیں۔ وہ اہل نار میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ جنت کی ابدی بہاروں میں آرام فرما ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "میرا رجحان اس طرف ہے کہ اللہ رب

العزت نے حضور ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا۔ حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے''۔ آئمہ کرام اور حفاظ الحدیث نے اسی روایت سے استدلال کیا ہے جس کا تذکرہ ابھی اوپر ہوا ہے۔ بعض علماء نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن یہ مؤقف درست نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے مردود نہیں ہے اور فضائل میں ضعیف روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدمشقی نے کیا خوب کہا ہے۔

حَبَّ اللهُ النبیَّ مَزِیْدَ فَضْلٍ　عَلٰی فَضْلٍ وَ کَانَ بِہٖ رَؤُوْفًا

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ وہ آپ پر فضل پر فضل کرتا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ رؤف ہے۔

فَاَحْیَا اُمَّہٗ وَ کَذَا اَبَاہُ　لِاِیْمَانٍ بِہٖ فَضْلاً مُنِیْفًا

اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ ماجدہ کو اسی طرح والد گرامی کو زندہ فرمایا تا کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں۔ یہ آپ پر رب تعالیٰ کا فضل و کرم بہت زیادہ ہے۔

فَسَلِّمْ فَالْقَدِیْمُ بِہٖ قَدِیْرٌ　وَاِنْ کَانَ الْحَدِیْثُ بِہٖ ضَعِیْفًا

اس کو تسلیم کرلے وہ قدیم ذات اس پر قادر ہے۔ اگرچہ اس کے متعلق حدیث کمزور ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور فخر آدم ﷺ نے فرمایا ''جب سے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے میرا ظہور ہوا ہے تو نسل در نسل میں منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ میرا ظہور عرب کے دو افضل قبیلوں بنو ہاشم اور بنو زہرۃ میں سے ہوا''۔

علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں حضور ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کرنے والی روایت کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے ''آئمہ کرام نے اس روایت کو ان روایات کا ناسخ بنایا ہے جو اس کی مخالف ہیں۔ انہوں نے بیان کیا ہے یہ روایت ان روایات سے متاخر ہے۔ لہٰذا ان کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے''۔

علامہ ابن حجر نے شرح الہمزیہ میں تحریر کیا ہے ''وہ روایت ضعیف نہیں بلکہ کئی حفاظ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس میں طعن کے بارے التفات نہیں کیا ہے''۔ بعض آئمہ نے یہ اشعار بھی کہے ہیں۔

اَیْقَنْتُ اَنَّ اَبَا النَّبِیِّ وَ اُمَّہٗ　اَحْیَاھُمَا الرَّبُّ الْکَرِیْمُ الْبَارِیْ

مجھے یقین ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کریمین کو رب کریم باری تعالیٰ نے زندہ فرمایا۔

حَتّٰی لَہٗ شَہِدَا لِصِدْقِ رِسَالَۃٍ　سَلِّمْ فَتِلْکَ کَرَامَۃُ الْمُخْتَارِ

حتیٰ کہ انہوں نے حضور ﷺ کی رسالت کی صداقت کی گواہی دی۔ یہ بات مان لے۔ یہ حضور ﷺ کی عزت اور کرامت کی وجہ سے ہے۔

ھٰذَا الْحَدِیْثُ وَ مَنْ یَقُوْلُ بِضُعْفِہٖ　فَھُوَ الضَّعِیْفُ عَنِ الْحَقِیْقَۃِ عَارِ

یہ روایت ہے جو اس روایت کے ضعف کا انکار کرے دراصل وہ خود کمزور ہے اور حقیقت سے آشنا نہیں۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے "جو بات میرے لئے عیاں ہے۔وہ یہ ہے کہ آئمہ نے اس روایت پر اعتقاد میں عمل کرنے کو صحیح قرار دیا ہے۔اگرچہ یہ روایت مرتبہ میں کمزور ہے"۔

علامہ تلمسانی نے لکھا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا اسلام لانا صحیح سند سے مروی ہے۔اس طرح آپ کے والد ماجد کا اسلام لانا بھی صحیح روایت سے ثابت ہے۔یہ دونوں اپنے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔یہ صرف اور صرف آپ کی عزت وکرامت کی وجہ سے تھا"۔

عنقریب اس بات کا بھی تذکرہ ہوگا کہ رب تعالیٰ نے آپ کے دست اقدس پر پانچ افراد کو زندہ کیا۔ان میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین بھی شامل ہیں۔امام قرطبی نے "التذکرہ" میں لکھا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور خصائص میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا ہے۔آپ کے والدین کریمین کا زندہ کرنا بھی آپ کی فضیلت اور کرامت کی وجہ سے ہے۔نہ تو اجماع امت اس بات کو رد کرتا ہے نہ ہی قرآن مجید۔نہ ہی ان کا زندہ کیا جانا اور ایمان لانا عقلاً اور شرعاً ممتنع ہے۔قرآن پاک میں بنو اسرائیل کے قتیل کا زندہ ہو جانے کا تذکرہ ہے۔پھر اس نے اپنے قاتل کے بارے خبر دی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مردے زندہ کرتے تھے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے بھی کئی مردوں کو زندہ کیا۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "حضور امام انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کی بیٹی کو زندہ کیا جس نے کہا تھا "میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ آپ میری بیٹی کو زندہ کر دیں"۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی قبر کی طرف تشریف لے گئے۔اسے آواز دی تو اس نے کہا "لبیک وسعدیک" ایک اور روایت ہے کہ ایک انصاری جوان کا انتقال ہو گیا۔اس کی نابینا اور بوڑھی ماں نے اپنی ہجرت کا واسطہ دیا تو رب تعالیٰ نے اس کے نور نظر کو زندہ فرما دیا جب حضرت زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں یوں کہتے سنا "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" اس روایت کو ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب "مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ" میں لکھا ہے۔ابن الضحاک نے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری کا وصال ہو گیا جب انہیں غسل دے کر ان کی چارپائی اٹھائی گئی تو انہوں نے کہا "محمد رسول اللہ"۔

ان روایات کا تذکرہ کر کے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "جب یہ امر ثابت ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے زندہ ہو جانے اور ایمان لانے میں کون سی بات ممتنع ہے۔اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وفضیلت میں اضافہ ہے۔وہ علماء کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے کا موقف رکھتے ہیں۔ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا وصال بعثت سے قبل زمانہ فترت میں ہوا۔جس میں جہالت عام تھی۔اس زمانہ میں کوئی شخص بھی نہ تھا جو صحیح طرح دین متین کی تبلیغ کرتا۔ان دونوں کا وصال بھی نوعمری میں ہو گیا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد ماجد کی وصال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔اور والدہ ماجدہ کی وصال کے وقت ان کی عمر تقریباً بیس سال کے لگ بھگ تھی۔اس عمر میں مطلوب کی جستجو ممکن نہیں ہوتی۔جسے دین متین کی دعوت نہ پہنچی ہو اور وہ مر گیا ہو اس کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ نجات یافتہ ہے اسے عذاب نہیں دیا جائیگا۔وہ جنت کی ابدی بہاروں میں لطف اندوز ہوگا۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''۔ (جمال القرآن)

آئمہ اشاعرہ اور شافعیہ فقہاء کا یہ موقف ہے ''جس شخص کا انتقال ہو گیا لیکن اسے دین متین کی دعوت نہ پہنچی وہ نجات یافتہ ہے وہ جنت میں جائے گا'' امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں ''یہ وہ نقطۂ نظر ہے جس فقہ میں شوافع اور اصول میں اشاعرہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے''۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الام اور المختصر'' میں ان کی وضاحت کی ہے۔ اس کے سارے پیروکاروں نے انہی کی اتباع کی ہے۔ کسی سے اختلاف منقول نہیں ہے۔ انہوں نے کئی آیات طیبہ سے استدلال کیا ہے۔ مثلاً

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''۔ (جمال القرآن)

یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جو فقہ کی کتب میں مرقوم ہے۔ یہ ان اصولی قواعد کی فروع میں سے ایک فرع ہے اشاعرہ کے نزدیک جن پر اتفاق ہے۔ وہ قاعدہ یہ ہے ''منعم کا شکر ادا کرنا سننے سے واجب ہوتا ہے نہ کہ عقل کے ساتھ'' ان کا مرجع ایک کلامیہ قاعدہ ہے یہ کہ تحسین و تقبیح عقلی ہیں اور ان کا انکار بھی۔ اشاعرہ میں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اب اس مسئلہ کو کہ جسے دعوت نہ پہنچی ہو اسے دوسرے اصولی قاعدہ کی طرف لے کر جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ غافل مکلف نہیں ہوتا۔ یہ بات اصول میں درست ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝ (الانعام)

''یہ اس لئے کہ نہیں آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں''۔ (جمال القرآن)

جس کو دین متین کی دعوت نہ پہنچی ہو اس کے متعلق علماء کی عبارات مختلف ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ نجات یافتہ ہیں۔ امام سبکی نے اس موقف کو اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اہل فترت کی طرح ہیں۔ بعض نے انہیں مسلمان کہا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''تحقیق یہ ہے کہ انہیں معنی مسلم میں کیا جائے گا''۔ بعض علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے یہی موقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے وضاحت کی ہے کہ انہیں دین پہنچا ہی نہیں''۔ امام سیوطی نے لکھا ہے ''ہمارے شیخ، شیخ الاسلام شرف الدین المناوی کا موقف یہی تھا۔ جب ان سے یہ مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اسی طرح جواب دیتے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اہل فترت کے متعلق احادیث وارد ہیں کہ انہیں روک کر آزمایا جائے گا ان میں سے جو اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا جو نافرمانی کرے گا وہ آگ میں جائے گا''۔ ایسی روایات بہت سی ہیں۔ ان کے معانی بھی قریب قریب ہیں۔ ان میں صحیح صرف تین ہیں۔

1۔ حضرت اسود بن سریع اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چار افراد روز حشر دلیل پکڑیں گے۔ ❶ وہ بہرہ جو سن نہ سکتا ہو۔ ❷ احمق شخص۔ ❸ بوڑھا عمر رسیدہ۔ ❹ وہ شخص جو زمانہ فترت میں مرا۔

اس روایت کو امام احمد، ابن راہویہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔ جو شخص فترہ میں مرا ہو گا وہ کہے گا ''مولا! میرے پاس تیری طرف سے رسول آیا ہی نہیں'' اللہ تعالیٰ ان سے عہد لے گا کہ کیا وہ اس کی اطاعت کریں گے؟ وہ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ۔ جو آگ میں داخل ہو جائے گا۔ آگ اس کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جائے گی جو آگ میں داخل نہیں ہو گا۔ اسے گھسیٹ کر آگ کی طرف لے جایا جائے گا''۔

2۔ دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے مگر وہ مرفوع روایت کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس طرح کی بات اپنی طرف سے نہیں کہی جا سکتی۔ اس روایت کو امام عبدالرزاق، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔

3۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے اس روایت کو امام بزار اور امام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ امام حاکم نے اسے صحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کے متعلق گمان یہی ہے کہ ان سب کا وصال زمانہ فترت میں ہوا کہ وہ اس امتحان کے وقت اطاعت کریں گے۔ تاکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مقدس کو ٹھنڈک نصیب ہو''۔ علامہ قاضی عیاض نے ان روایات کے متعلق فرمایا ہے جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کے پاس آئے اور زار و زار گریہ فرمایا کہ چشمان مقدس سے آنسو کے موتی گرے یہ اس لئے نہ تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ عذاب میں مبتلا تھیں بلکہ اس افسوس پر تھا کہ وہ آپ کے عہد ہمایوں کو نہ پاسکیں اور آپ پر ایمان نہ لاسکیں۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس رونے پر رحم فرمایا اور آپ کی والدہ ماجدہ کو زندہ فرمایا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں''۔ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت کس قدر لطیف ہے۔ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک گریہ صرف اس لئے تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کو اس امت مرحومہ میں داخل ہونے کا شرف نصیب نہ ہو سکا۔ یہ رونا اس لئے نہ تھا کہ ان کا انتقال دین حنیف پر نہیں ہوا۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔ جیسا کہ زید بن عمرو اس جیسے دوسرے لوگ۔ بلکہ سارے انبیاء علیہم السلام کے آباء کافر نہ تھے۔ اس کی وجہ مقام نبوت کی شرافت و عزت ہے۔ اسی طرح ان کی مائیں بھی کافر نہ تھیں۔ آزر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔ بلکہ ان کا چچا تھا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء)

''(اور دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں کے گھروں کا''۔ (جمال القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ (التوبہ: 28)

''مشرکین تو نیرے ناپاک ہیں''۔ (جمال القرآن)

''اس سے یہی لازم آتا ہے کہ آپ کے آباء میں سے کوئی بھی مشرک نہ تھا''۔

بہت سے آئمہ محققین نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کو پسند فرمایا ہے۔ ان میں علامہ محقق السنوسی اور تلمسانی کا شمار بھی ہوتا ہے۔ ان دونوں نے فرمایا ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مشرک نہ تھے بلکہ مسلمان تھے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ یہ پاکیزگی رب تعالیٰ پر ایمان لانے سے ہی ہو سکتی ہے۔ جو باتیں مؤرخین نے نقل کی ہیں وہ ان کے حیاء اور ادب کی قلت کی وجہ سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے آباء کے بارے یہی مؤقف لازم ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان کی تائید میں کئی دلائل دیئے ہیں۔ انہوں نے اس کے متعلق کئی رسائل رقم کئے ہیں۔ ''فَجزَاہُ اللہ خَیْرًا وَ شَکَرَ سَعْیَہٗ''

ان دلائل میں سے ایک روایت وہ ہے جسے امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں بنو آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث ہوا ہوں۔ زمانہ بہ زمانہ عہد تبدیل ہوتا رہا حتیٰ کہ مجھے اس زمانہ میں مبعوث کیا گیا جس میں (میں نے آنا) تھا''۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ یہ زمین سات یا اس سے زائد مسلمانوں سے خالی نہیں رہی جن کے طفیل اللہ تعالیٰ اہل زمین سے مصائب دور کرتا رہا۔ امام عبدالرزاق اور ابن منذر نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''روئے زمین پر سات یا اس سے زائد مسلمان رہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو زمین اور اہل زمین ساری وادیٔ ہلاکت میں گر پڑتے''۔

امام احمد نے ''الزہد'' میں صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''یہ زمین حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سات مسلمانوں سے خالی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل اہل زمین کے مصائب دور کرتا رہا''۔ اگر ان دونوں روایات کو ملایا جائے تو وہ درست معلوم ہوتا ہے جو امام رازی نے فرمایا ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد کرام میں سے ہر ایک کو ان کے زمانہ میں مذکورہ سات افراد میں شامل کیا جائے تو ہمارا مدعیٰ یہی ہے۔ اگر وہ ان کے علاوہ ہوں تو پھر یا تو وہ دین ابراہیمی پر ہوں گے۔ یہ ہمارا مدعیٰ ہے یا شرک پر ہوں گے۔ اس طرح دو امور میں سے ایک امر لازم آئے گا۔ یا تو کوئی اور ان سے بہتر ہو گا یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ صحیح حدیث کے مخالف ہے یا وہ اپنے شرک پر ہوتے ہوئے بہترین ہوں گے یہ اجماع سے باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرہ: 221)

''اور بے شک مومن غلام بہتر ہیں، آزاد مشرک سے''۔ (جمال القرآن)

اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے آباء توحید پر تھے۔ تاکہ وہ اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں میں شامل ہو سکیں۔ پھر انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک آپ کے آباء کے ایمان کے بارے بہت سے

دلائل دیئے ہیں۔ پھر فرمایا ''بخاری وغیرہ میں احادیث اور علماء کرام کے فرامین سے یہ بات ثابت ہے کہ اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر دین ابراہیم پر تھے۔ کسی نے کفر نہیں کیا حتیٰ کہ عمرو بن عامر الخزاعی آ گیا۔ اسے عمرو بن لحی بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس نے بتوں کی پوجا کی۔ دین ابراہیمی کو تبدیل کیا۔ اس کا عہد کنانہ کے عہد کے قریب تھا۔ پھر انہوں نے وہ دلائل ذکر کئے ہیں کہ عدنان، معد، ربیعہ، مضر، خزیمہ، اسد، الیاس اور کعب ملت ابراہیمی پر تھے۔ پھر کہا ''جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد کرام حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر کعب اور مرہ تک کے ایمان کی صراحت موجود ہے البتہ آزر اس سے مستثنیٰ ہے۔ آزر کے بارے اختلاف ہے۔ اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اگر چچا ہو تو وہ آپ کے اجداد سے خارج ہے۔ اس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ کا سلسلۂ نسب ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک اور صاف ہے۔

حافظ ابن ناصر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

تَنَقَّلَ اَحْمَدُ نُوْرًا عَظِيْمًا تَلَأْلَأَ فِيْ جِبَاهِ السَّاجِدِيْنَا

تَنَقَّلَ فِيْهِمْ قَرْنًا فَقَرْنًا اِلٰى اَنْ جَاءَ خَيْرُ الْمُرْسَلِيْنَا

حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم نور کی شکل میں منتقل ہوتے رہے۔ وہ ساجدین کی پیشانیوں میں چمکتے رہے۔ وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ خیر المرسلین بن کر اس عالم گیتی میں رونق افروز ہو گئے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''حضرت عبدالمطلب تک دعوت حق پہنچی نہیں۔ بہت سے دلائل موجود ہیں کہ حضرت عبدالمطلب دین حنیف اور توحید پر تھے۔ حضرت ابن سید الناس نے ذکر کیا ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ لیکن یہ بات نہ کسی صحیح نہ ہی ضعیف حدیث میں مذکور ہے۔ اکثر علماء کا مؤقف ہے کہ انہیں دعوت نہیں پہنچی تھی۔ یا وہ دین حنیف پر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے جد امجد کو بادشاہوں اور اشراف کے لباس میں اٹھایا جائے گا''۔ ان کے لئے ان بشارتوں کی وجہ سے جو انہوں نے علمائے یہود اور کاہنوں سے سنی تھیں۔ اسی طرح خوابوں اور اشارات سے یہ امر واضح ہو چکا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں آخری زمانہ میں جن کے ظہور کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض علماء کرام نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ ابن حجر نے ''اصابۃ'' میں اور ابن سکن نے لکھا ہے کیونکہ ان سے روایت ہے کہ انہوں نے ذکر کیا کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوں گے۔ اسی طرح ان علماء نے بحیرا راہب کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ محققین علماء کے نزدیک صحبت ثابت نہیں کیونکہ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت شرط ہے۔ حضرت عبدالمطلب سے بہت سی ایسی روایات منقول ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو پہچان لیا تھا۔ ان روایات میں سے بعض یہ ہیں۔

بنو مدلج قیافہ شناسی میں معروف تھے۔ وہ علامات اور نشانیوں سے اندازہ لگا لیتے تھے۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا ''ان کی خوب حفاظت کرو۔ ان کے قدم مبارک سے بڑھ کر ہم کسی اور شخص کا قدم نہیں پاتے جو

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قدم مبارک کے مشابہ ہو جو مقام ابراہیمی پر ہے"۔

حضرت عبدالمطلب حجر میں سوئے ہوئے تھے۔ ان کے پاس عیسائیوں کا بڑا پادری بیٹھا ہوا تھا۔ اس پادری نے بتایا "ہم ایک نبی تقی کے اوصاف اپنی کتب میں پاتے ہیں۔ اس شہر مکہ کو ان کی جائے ولادت بننے کا شرف ملے گا۔ ان کے اوصاف یہ یہ ہیں۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ اس نے آپ کو دیکھا۔ آپ کی آنکھوں میں دیکھا۔ کمر انور اور قدم مبارک کو دیکھا تو وہ پکار اٹھا "یہ وہی ہیں"۔ یہ تمہارے کیا لگتے ہیں؟ حضرت عبدالمطلب نے کہا "یہ میرے بیٹے ہیں" اس پادری نے کہا "ہمارے علم کے مطابق ان کے والد گرامی کو بحیات نہیں ہونا چاہئے"۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "یہ میرے پوتے ہیں۔ ابھی یہ اپنی والدہ کے صدف بطن میں ہی تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا"۔ اس پادری نے کہا "تم نے سچ بولا ہے" حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹوں سے کہا "اپنے اس بھتیجے کی خوب حفاظت کرنا۔ کیا تم سن نہیں رہے کہ ان کے متعلق کیا کہا جا رہا ہے؟"

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیکھ بھال اور نگرانی میرے ذمہ تھی۔ ایک دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غافل ہو گئی۔ مجھے اس وقت معلوم ہوا جب حضرت عبدالمطلب میرے سر پر کھڑے یوں کہہ رہے تھے "برکۃ!" میں نے عرض کی "لبیک!" انہوں نے فرمایا "جانتی ہو مجھے یہ نور نظر کہاں سے ملا ہے؟" میں نے عرض کی "نہیں" انہوں نے فرمایا "یہ مجھے بیری کے درخت کے پاس بچوں کے ساتھ نظر آئے ہیں۔ میرے اس لخت جگر سے غافل نہ ہوا کرو۔ اہل کتاب کا گمان ہے کہ یہ اس امت مرحومہ کے نبی ہیں۔ میں ان سے اس کے متعلق امن میں نہیں ہوں"۔

جب بھی حضرت عبدالمطلب کھانا کھانے لگتے تو فرماتے "میرے نور نظر کو میرے پاس لے کر آؤ" آپ کو اپنے پہلو میں بیٹھا لیتے۔ بعض اوقات اپنی ران پر بٹھا لیتے۔ عمدہ ترین کھانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کرتے"۔ حضرت رقیقہ بنت ابی صیفی بن ہاشم بن عبد مناف سے روایت ہے۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور مرتبہ صحابیت پر فائز ہوئیں۔ انہوں نے کہا "قریش کو کئی سال قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے اموال ختم ہو گئے۔ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے ہی والے تھے"۔ میں نے خواب میں کسی کو کہتے ہوئے سنا "اے گروہ قریش! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں مبعوث ہونے ہی والے ہیں۔ ان کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ تم پر شادابی اور ابر رحمت کا دور آنے والا ہے۔ تم اپنے میں سے ایک ایسا شخص تلاش کرو جو نسب میں سب سے بلند ہو۔ طویل اور بڑے جسم والا ہو۔ اس کی رنگت سفید ہو۔ اس کی آبروئیں ملی ہوئی ہوں۔ اس کی پلکوں کے بال لمبے ہوں۔ اس کے رخساروں پر بال نہ ہوں۔ اس کی ناک نرم و نازک ہو۔ وہ شخص بھی باہر نکلے۔ اس کی ساری اولاد باہر نکلے۔ ہر ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص باہر نکلے۔ وہ صاف ستھرے ہوں۔ خوشبو لگائیں۔ پھر حجر اسود کو بوسہ دیں۔ پھر کوہ ابی قبیس پر چڑھیں یہ شخص ان سے آگے بڑھے۔ یہ ابر رحمت کی التجا کرے۔ دوسرے لوگ اس کی دعا پر آمین کہیں۔ پھر تم پر باران رحمت نازل کی جائے گی"۔ حضرت رقیقہ نے صبح کے وقت یہ خواب قریش مکہ کو سنایا۔ انہوں نے غور و فکر کیا۔ انہوں نے یہ سارے اوصاف حضرت عبدالمطلب میں پائے۔ سارے قریش ان کے پاس جمع ہو گئے۔ ہر ہر قبیلہ

سے ایک ایک شخص نکلا۔ انہوں نے اسی طرح کیا جس طرح حضرت رقیقہ سے کہا گیا تھا۔ پھر وہ کوہ ابی قبیس پر چڑھ گئے۔ ان کے ہمراہ حضور ﷺ کی ذات والا بھی تھی۔ آپ ابھی معصوم بچپن میں تھے۔ حضرت عبدالمطلب آگے بڑھے۔ انہوں نے عرض کی "مولا! یہ سارے تیرے بندے اور بندیاں ہیں۔ تیری بندیوں کے بیٹے ہیں۔ تو دیکھ رہا ہے کہ ہمیں کیسے زہرہ گداز حالات کا سامنا ہے۔ مسلسل کئی سالوں سے قحط سالی کا سامنا ہے۔ گائے، اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے ناپید ہو گئے اب جانوں کے لالے پڑ گئے ہیں۔ ہم سے یہ قحط سالی ختم فرما۔ ہم پر ابر رحمت اور شادابی نازل فرما"۔ اس پرسوز دعا کے بعد فوراً وادیاں پانی سے بہنے لگیں۔ قریش کے سرداروں نے کہا "ابوالبطحاء! آپ کو مبارک ہو۔ آپ کی وجہ سے اہل بطحاء کو حیات نو نصیب ہوئی"۔ حضرت رقیقہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کے متعلق یہ اشعار کہے۔

بِشَيْبَةِ الْحَمْدِ اَسْقَى اللهُ بَلْدَتَنَا وَقَدْ عَدِمْنَا الْحَيَا وَ اجْلَوَّذَ الْمَطَرُ

حضرت عبدالمطلب کے طفیل رب تعالیٰ نے ہم پر ابر کرم نازل کیا۔ حالانکہ ہم بارش سے محروم تھے اور سحاب رحمت منقطع تھا۔

فَجَاءَ بِالْمَاءِ جَوْنِيٌّ لَهُ سُبُلٌ وَانَ فَعَاشَتْ بِهِ الْاَنْعَامُ وَالشَّجَرُ

جونی جگہ کی ساری راہیں پانی سے بہہ پڑیں۔ اس کی وجہ سے جانوروں اور درختوں کو حیات نو نصیب ہوئی۔

سَيْلٌ مِنَ اللهِ الميونِ طَائِرَهٗ وَ خَيْرُ مَنْ بَشَّرَتْ حَقَّابَهٗ مُضَرُ

یہ سیل رواں اس ذات کے صدقے رب تعالیٰ کی طرف سے تھا جس کی فال بہت نیک تھی اور مضر کو جن کی بشارت دی گئی یہ ان میں سے بہترین تھا۔

مُبَارَكُ الْاِسْمِ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِهِ مَا فِى الْاَنَامِ لَهٗ عَدْلٌ وَلَا خَطَرٌ

ان کا اسم گرامی مبارک ہے۔ ان کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے لوگوں میں ان کی شبیہ اور مثیل نہیں۔

جب مکہ مکرمہ میں ابر رحمت ہو گیا تو قیس اور مضر کے علاقوں میں باران رحمت نہ ہوئی۔ ان کے سردار جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا "ہمیں سخت قحط سالی اور خشک سالی کا سامنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے لوگوں پر حضرت عبدالمطلب کے طفیل بارش نازل کی ہے۔ تم بھی انہی کے پاس چلو شاید تمہارے بارے ان کی التجاء رب تعالیٰ سن لے"۔ وہ مکہ مکرمہ آئے۔ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام عرض کیا۔ انہوں نے انہیں کہا "یہ چہرے سرخ رو ہوں" ان کا خطیب اٹھا۔ اس نے کہا "ہمیں کئی سالوں سے لگاتار قحط سالی کا سامنا ہے۔ ہمیں آپ کے اثر و رسوخ کا علم ہوا ہے۔ آپ کے اس واقعہ کی خبر ملی ہے۔ جس ذات کے پاس پہلے سفارش کی تھی۔ اسی کے ہاں اب بھی سفارش کرو۔ کہ وہ تمہارے طفیل ہمارے ہاں ابر رحمت بھیجے۔ حضرت عبدالمطلب نے فرمایا "ضرور! کیوں نہیں۔ کل صبح مجھے میدان عرفات میں ملنا"۔ وقت صبح حضرت عبدالمطلب میدان عرفات کی طرف گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی اولاد اور دیگر لوگ بھی تھے۔ حضور ﷺ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ آپ ابھی اپنے معصوم بچپن میں تھے۔ حضرت عبدالمطلب کے لئے کرسی لگا دی گئی۔ وہ اس پر جلوہ نما ہوئے۔ حضور ﷺ کو اپنی آغوش میں بٹھا لیا۔ حضرت عبدالمطلب اٹھے اور یہ دعا کی "اے چمکتی بجلی کے رب! کڑکتے بادل کے پروردگار! اے سارے

لوگوں کے رب! اے مشکل آسان کرنے والے! یہ قیس اور مضر کے قبائل کے لوگ ہیں۔ جو لوگوں میں سے بہترین ہیں ان کے سر گرد آلود ہیں۔ ان کی پشتیں ٹیڑھی ہو چکی ہیں۔ یہ تیری بارگاہ میں اپنی کمزوری اور نفوس اور اموال کے چلے جانے کا شکوہ کرتے ہیں۔ مولا! ان کے لئے موسلا دھار اور لگاتار بارش بھیج۔ تاکہ ان کی زمین سرسبز و شاداب ہو جائے۔ ان کے نقصان کا ازالہ ہو جائے"۔

ابھی حضرت عبدالمطلب کی دعا پوری نہیں ہوئی تھی کہ بادل اٹھا اور گرج چمک کے ساتھ آگے بڑھا۔ وہ قیس اور مضر کی زمینوں کی طرف بڑھا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "اے قیس اور مضر کے قبائل! واپس لوٹ چلو تمہیں سیراب کیا جا چکا ہے"۔ جب وہ واپس پہنچے تو ان کے علاقہ میں باران رحمت نازل ہو چکی تھی۔ علامہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی عمر مبارک سات سال ہوئی تو آپ کو آشوب چشم ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں سارے علاج کرائے گئے لیکن افاقہ نہ ہوا۔ حضرت عبدالمطلب سے عرض کی گئی "عکاظ کے گرد و نواح میں ایک راہب ہے جو آنکھوں کا علاج کرتا ہے" حضرت عبدالمطلب سوار ہو کر اس تک پہنچے اس کا گرجا بند تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اسے آواز دی۔ مگر اس نے جواب نہ دیا۔ اسی اثناء میں اس کا گرجا لرزنے لگا۔ اسے خطرہ لاحق ہوا کہ یہ ابھی اس پر گر جائے گا۔ راہب جلدی جلدی باہر نکلا۔ اس نے کہا "عبدالمطلب! یہ مبارک بچہ اس امت مرحومہ کا نبی ہے۔ اگر میں تمہاری طرف نہ نکلتا تو یہ گرجا مجھ پر گر پڑتا۔ اسے واپس لے جاؤ۔ اس کی خوب حفاظت کرو۔ اہل کتاب اسے شہید نہ کر دیں"۔ پھر اس نے آپ کا علاج کیا۔

دوسری روایت میں ہے "اس راہب نے ایک صحیفہ نکالا۔ وہ کبھی حضور اکرم ﷺ کی طرف اور کبھی اس صحیفہ کی طرف دیکھتا۔ پھر اس نے کہا "اللہ کی قسم! یہ خاتم النبیین ہیں" پھر اس نے کہا "عبدالمطلب کیا انہیں آشوب چشم ہے؟ انہوں نے فرمایا "ہاں!" اس راہب نے کہا "ان کی دواء ان کے پاس ہی ہے ان کا لعاب دہن لے کر انہی کی چشمان مقدس پر لگاؤ"۔ حضرت عبدالمطلب نے اس طرح کیا تو حضور ﷺ اسی وقت صحت یاب ہو گئے۔ پھر راہب نے کہا "اے عبدالمطلب! قسم بخدا! میں اس ذات والا کی رب تعالیٰ کو قسم دیتا ہوں۔ وہ مریضوں کو شفاء یاب کرتا ہے اور لوگوں کی آشوب چشم کو ختم کر دیتا ہے" حضرت عبدالمطلب کے مناقب پہلے گزر چکے ہیں۔ جن سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ موحد تھے مثلاً انہوں نے اپنے بیٹوں کو اخلاق عالیہ کا حکم دے رکھا تھا۔ وہ غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے تھے۔ وہ مساکین کو کھلاتے تھے۔ حتیٰ کہ پرندے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانور بھی ان کے دسترخوان سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ انہوں نے چور کا ہاتھ کاٹنے اور نذر پوری کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ خود پر شراب حرام کر رکھی تھی۔ انہوں نے بدکاری اور محارم سے نکاح کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ انہوں نے بچیوں کو زندہ درگور کرنے اور عریاں طواف کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ ان کا یہ فرمان کتنا عالی شان ہے "بخدا! اس دار کے علاوہ ایک اور دار (آخرت) بھی ہے جس میں احسان کرنے والے کو اس کے احسان کا اور برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ دیا جائے گا"۔ جب اصحاب فیل خانہ کعبہ پر حملہ آور ہونے لگے تھے تو انہوں نے ہی یہ دعا مانگی تھی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ يَمْنَعُ رَحْلَهٗ فَامْنَعْ رِحَالَكَ

وَ انْصُرْ عَلٰی آلِ الصَّلِیْبِ وَ عَابِدِیْهِ الْیَوْمَ آلَكْ

مولا ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ صلیب کے پوجاریوں اور پرستاروں کے خلاف بیت اللہ کے مجاوروں کی نصرت فرما۔

جب انہوں نے حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا اور قرعہ اندازی کی گئی تو انہوں نے یہ دعا مانگی تھی "تو بادشاہ اور قابل ستائش ہے۔ نیا مال اور پرانا مال تیری بارگاہ سے ہی ملتا ہے"۔ کیا اس کے علاوہ اور بھی کوئی توحید ہے۔ قسم بخدا! ہرگز نہیں۔ جہاں تک شریعت مطہرۃ کی فروع کا تعلق ہے تو بالاجماع ان کا انحصار بعثت پر ہے۔ اس سے قبل کسی کو اس کا مکلف نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے لئے ظل کعبہ میں ایک قالین بچھائی جاتی تھی۔ اس پر ان کے علاوہ کسی اور کو بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ قریش کے سردار اس کے اردگرد بیٹھتے تھے۔ حضرت عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لاتے اور اپنے ساتھ بٹھا لیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض چچاؤں نے آپ کو روکا تو حضرت عبدالمطلب نے کہا "میرے فرزند دلبند کو اس جگہ بٹھا دو۔ یہ بڑی سلطنت کا مالک بنے گا۔ اس کی شان بڑی رفیع ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ یہ شرف وعظمت کی ان رفعتوں پر آشیاں بند ہوگا جن پر اس سے قبل کوئی عربی نہ پہنچا ہوگا۔ نہ بعد میں پہنچے گا"۔ جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چارپائی کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ چشمان مقدس سے آنسوؤں کے گوہر ہائے تابدار گر رہے تھے۔

علامہ ابونعیم نے "الحلیۃ" میں اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب سیف بن ذی یزن الحمیری کو اللہ تعالیٰ نے یمن پر غلبہ عطا فرمایا۔ اور اس نے اہل حبشہ پر فتح حاصل کر لی تو اس نے اہل حبشہ کو یمن سے جلاوطن کر دیا۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، ولادت باسعادت کے دو سال بعد رونما ہوا۔ عرب قبائل کے شعراء اور سرداروں کے کئی وفد سیف کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرنے کے لئے یمن حاضر ہوئے۔ ان میں قریش مکہ کا بھی ایک وفد تھا جن میں عبدالمطلب بن ہاشم، امیہ بن عبدشمس، عبداللہ بن جدعان، خویلد بن عبدالعزی اور وہب بن مناف بن زہرہ وغیرھم اکابر قریش شامل تھے۔ یہ وفد صنعاء پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ سیف غمدان نامی محل میں سکونت پذیر ہے۔ انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ انہیں اذن باریابی مل گیا۔ جب یہ سیف کے دربار میں پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ وہاں ایک جشن کا سماں تھا۔ عنبر و مشک کی خوشبو فضا کو معطر کر رہی تھی۔ صفائی کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ بادشاہ کے دائیں بائیں مختلف ممالک کے بادشاہ، شہزادے اور رؤساء کا ایک جمگھٹا تھا۔ عبدالمطلب اس کے قریب پہنچے اور گفتگو کی اجازت طلب کی۔ سیف نے کہا "اگر تمہیں بادشاہوں کے دربار میں لب کشائی کا سلیقہ آتا ہے تو ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں"۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "اے بادشاہ والا! اللہ تعالیٰ نے تمہیں عمدہ منصب پر فائز کیا ہے۔ تم حسب ونسب کے اعتبار سے قابل رشک ہو۔ تم سارے عرب کے سردار ہو۔ اس کی وہ بہار ہو۔ جس سے سارا عرب سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔ تمہارے بزرگ ہمارے لئے بہترین سلف تھے اور تم ان کے بہترین خلف ہو۔ جس کا جانشین تمہارے جیسا ہو وہ فنا نہیں ہوتا۔ جس کے آباء واجداد تمہارے آباؤ اجداد کی طرح ہوں وہ گمنام نہیں ہوتے۔ اے شاہ والا! ہم اللہ تعالیٰ کے حرم کے رہنے والے ہیں۔ اس کے گھر کے خادم ہیں۔ ہم تمہاری خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرنے

کے لئے آئے ہیں"۔ سیف نے کہا "اے گفتگو کرنے والے! ذرا اپنا تعارف تو کراؤ" حضرت عبدالمطلب نے کہا "میں عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہوں"۔ بادشاہ نے کہا "پھر تو تم ہمارے بھانجے ہو"۔ انہوں نے فرمایا "بلاشبہ" بادشاہ نے انہیں اپنے قریب بٹھایا۔ پھر ان کی طرف اور قوم قریش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا "مرحبا! خوش آمدید! تمہارے لئے یہاں اونٹنی بھی ہے اور کجاوہ بھی۔ خیمہ زن ہونے کے لئے کشادہ میدان بھی ہے اور ایسا بادشاہ بھی ہے جو عظیم شان رکھتا ہے۔ اس کی سخاوت کی کوئی حد نہیں۔ میں نے تمہاری گفتگو سنی ہے اور تمہاری قریبی رشتہ داری کو پہچان لیا ہے۔ جب تک تم یہاں اقامت گزیں رہو گے ہر طرح سے تمہاری عزت و تکریم کی جائے گی۔ جب تم سفر کرو گے تو تمہیں انعامات سے نوازا جائے گا۔ اب تم مہمان خانے میں تشریف لے چلو۔ وہاں تمہاری ہر طرح کی مہمان نوازی کی جائے گی"۔

وہ ایک مہینہ تک وہیں ٹھہرے رہے۔ وہ نہ انہیں واپس جانے کی اجازت دیتا اور نہ ہی ملاقات کا موقع دیتا۔ پھر اچانک ایک روز اس نے حضرت عبدالمطلب کو علیحدگی میں بلایا۔ جب آپ اس کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے آپ کو ایک خاص مقام عطا کیا اور خلوت میں کچھ باتیں کیں۔ اس نے کہا "میں اپنا ایک راز تمہارے سامنے بیان کرنے لگا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم اسے پوشیدہ رکھو گے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ اسے ظاہر کرنے کی اجازت دے دے۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے۔ جس کو ہم سب لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ اس کو ہم نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ کسی غیر کو اس پر آگاہ نہیں ہونے دیتے۔ اس میں تمہارے لئے ایک خاص فضیلت لکھی ہوئی ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "خدا تمہیں خوش رکھے اور نیکی کی توفیق دے۔ وہ کیا بات ہے؟ بادشاہ نے کہا "تہامہ میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے کندھوں کے مابین ایک نشان ہوگا۔ وہ سارے عرب کا سردار ہوگا۔ اس کے ذریعے تمہیں بھی روز قیامت تک سارے عرب کی قیادت نصیب ہوگی"۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا "اگر بادشاہ سلامت اجازت دیں تو میں درخواست کروں گا کہ اب بشارت کو تفصیل سے بیان کریں تاکہ میری خوشی میں اضافہ ہو جائے" بادشاہ نے کہا "اس بچے کی پیدائش کا زمانہ آ گیا ہے یا وہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس کا نام نامی احمد ہے۔ اس کے دونوں کندھوں کے مابین ایک نشان ہے۔ اس کے والد ماجد اور والدہ مطہرہ کا انتقال ہو چکا ہو گا۔ اس کا دادا اور چچا اس کی کفالت کریں گے۔ وہ خداوند رحمٰن کی عبادت کرے گا۔ وہ شیطان کو ٹھکرا دے گا۔ آگ کو بجھا دے گا۔ وہ بتوں کو توڑ دے گا۔ اس کی بات فیصلہ کن ہوگی۔ اس کا حکم سراپا انصاف ہوگا وہ نیکی کا حکم دے گا۔ برے کاموں سے روکے گا"۔

حضرت عبدالمطلب نے کہا "اے بادشاہ! تمہارا ہمسایہ ہمیشہ باعزت رہے تم ہمیشہ سعادت مند رہو۔ تمہاری عمر دراز ہو۔ اور تمہاری حکومت ہمیشہ رہے۔ کیا تم اس کی مزید وضاحت کرو گے؟" سیف نے کہا "اس غلاف والے گھر کی قسم! عبدالمطلب! تم ہی اس مبارک بچے کے دادا ہو۔ اس میں ذرا جھوٹ نہیں"۔ حضرت عبدالمطلب سجدہ میں گر پڑے۔ بادشاہ نے کہا "سر اٹھایئے۔ تمہارا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تم نے اس چیز کو محسوس کر لیا۔ جس کا ذکر میں نے تمہارے سامنے کیا"۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا "اے شاہ والا! بے شک میرا ایک بیٹا تھا۔ جس پر میں فریفتہ تھا۔ میں نے اس کی شادی ایک عفت مآب

خاتون سے کی۔ جس کا نام حضرت آمنہ بنت وہب تھا۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام میں نے "محمد" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رکھا ہے۔ اس کا والد اور والدہ انتقال کر چکے ہیں۔ میں اور اس کا چچا اس کی کفالت کرتے ہیں۔ اس کے کندھوں کے مابین ایک نشان ہے۔ اس میں وہ تمام علامتیں موجود ہیں۔ جن کا تم نے ذکر کیا ہے"۔ سیف نے کہا "اپنے اس مبارک بچے کی حفاظت کرو۔ یہود سے محتاط رہا کرو۔ کیونکہ وہ اس کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہود کو ان پر کبھی بھی غالب نہیں ہونے دے گا۔ جو باتیں میں نے تمہارے ساتھ کیں ہیں۔ ان کے بارے اپنے ساتھیوں کو آگاہ نہ کرنا۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ حسد نہ کرنا شروع کر دیں۔ اگر مجھے یہ علم نہ ہوتا کہ عنقریب میں اس کی بعثت سے قبل اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں گا تو میں اپنے گھڑسوار دستوں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ یہاں سے ترک سکونت کر کے یثرب کو اپنا دارالسلطنت بناتا۔ کیونکہ میری کتاب میں لکھا ہے۔ "یثرب میں ان کے دین متین کو استحکام نصیب ہوگا۔ وہاں کے لوگ ان کے انصار ہوں گے"۔

اس کے بعد سیف بن ذی یزن نے قریش کے وفد کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ ہر ایک کو سو سو اونٹ، دس دس غلام، دس دس کنیزیں، دس رطل چاندی، دس رطل سونا اور عنبر کا بھرا ہوا ایک برتن دیا۔ حضرت عبدالمطلب کو ہر چیز دس دس گنا زیادہ دی۔ اس نے رخصت کرتے وقت کہا "آئندہ سال آنا اور مجھے اس سعید بچے کے حالات سے آگاہ کرنا" مگر سال ختم ہونے سے پہلے ہی سیف بن ذی یزن وفات پا گیا۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ جب روانہ ہوئے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اے گروہ قریش! بادشاہ نے تم سے دس گنا زیادہ جو انعامات مجھے دیئے ہیں۔ تم اس پر رشک نہ کرنا۔ کیوں کہ بہرحال یہ ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں۔ لیکن اگر رشک کرنا ہے تو اس چیز پر کرو جو ہمیشہ رہنے والی ہے" انہوں نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "کچھ عرصہ بعد اس کا اعلان کیا جائے گا"۔

امام زرقانی نے "شرح المواہب" میں لکھا ہے "امام فخر الدین رازی نے اس آیت طیبہ کی تفسیر میں لکھا ہے وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء) اور (دیکھتا رہتا ہے جب) چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا (جمال القرآن) اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام میں منتقل ہونا ہے۔ یہ آیت طیبہ کی وجوہ میں سے ایک وجہ ہے صرف اس ایک وجہ میں حصر مراد نہیں۔ مگر یہ وجہ قبولیت کے اعتبار سے الاولیٰ ہے۔

ابن سعد، امام بزار، امام طبرانی اور امام ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کا فرمان روایت کیا ہے وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء) اور (دیکھتا رہتا ہے جب) چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا (جمال القرآن) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتے رہے حتیٰ کہ میں نے آپ کا ظہور نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صورت میں کر دیا۔ اس آیت طیبہ کی تفسیر تَقَلُّبَكَ سے مراد آپ کا اصلاب انبیاء میں منتقل ہونا ہے۔ اگرچہ ذرائع کے ساتھ ہی ہو۔ اس آیت طیبہ کو اعم پر بھی محمول کیا گیا ہے۔ یعنی اس سے مراد نمازی ہیں جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ذریت میں رہے۔ ابن منذر نے حضرت ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان سے مراد یہ ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ (ابراہیم:40)

''میرے رب! بنادے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی''۔ (جمال القرآن)

کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں کچھ لوگ فطرت سلیمہ پر رہے۔ وہ رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ (الزخرف:28)

''اور آپ نے بنادیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں''۔ (جمال القرآن)

اس سے مراد کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں باقی رہا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت اور توحید وہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں باقی رہی۔

علامہ شہاب ابن حجر الہیتمی نے لکھا ہے ''اہل کتاب اور اہل تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ نہ تھا۔ یہ ان کا چچا تھا''۔ اہل عرب چچا کو بھی ''ابا'' کہتے تھے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازی نے بیان کیا ہے۔ بلکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ (البقرۃ:133)

''اور خدا آپ کے آباء (بزرگوں) ابراہیم و اسماعیل کا''۔

حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔

کئی اسناد سے حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد، حضرت ابن جریج اور حضرت سدی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔ ان کے والد کا نام تارخ تھا۔ ابن منذر کی تاریخ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ آزر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کا چچا تھا۔

امام زرقانی لکھتے ہیں ''اس وضاحت سے عیاں ہوتا ہے کہ بعض مورخین نے تارخ کو دادا بتایا ہے وہ غلط ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس سے اس شخص نے خطاء کی ہے جس نے آزر کو حضرت خلیل اللہ کا چچا کہا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یوں کہنے والا اہل تشیع کا نقطۂ نظر کا تابع ہے۔ یہ موقف کتاب اور سنت کے مخالف ہے۔ نیز انہوں نے یہ گمان بھی کیا ہے کہ مفسرین کا اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد کافر تھا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے''۔ اس پوری تفصیل کا تذکرہ یہاں کرنا مناسب نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے۔ ایسے شخص کا نقطۂ نظر درست نہیں ہے۔ بلکہ خطاء پر مبنی ہے اور اس قول کو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہ تھا بلکہ تارخ تھا اہل تشیع کا موقف کہنا درست نہیں۔ کیونکہ اسلاف عظام سے یہی روایت منقول ہے کہ آزر آپ کا چچا تھا۔ امام رازی نے بھی یہی لکھا ہے۔ حافظ السنۃ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اس میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے۔ امام رازی نے اس آیت طیبہ سے یہی استدلال کیا ہے۔

وہ روایات جو بعض اہل فترت کے عذاب کے بارے ہیں اور ان کی نجات کے معارض ہیں۔ ان کے علمائے کرام نے

کئی جوابات ارشاد فرمائے ہیں مثلاً یہ کہ یہ اخبار احاد ہیں۔ یہ نص قطعی کے مقابلہ میں نہیں آسکتیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ (بنی اسرائیل)

''اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو''۔

ان میں اکثر روایات ضعیف ہیں۔ اگر انہیں صحیح مانا جائے پھر بھی ان کی تاویل کرنا پڑے گی یا انہیں منسوخ ماننا پڑے گا۔ وہ روایات جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے منافی ہیں انہیں احتمالات پر محمول کیا جائے گا۔

معارض روایات میں سے ایک وہ روایت بھی ہے جسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''ایک اعرابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا ''میرا باپ صلہ رحمی کرتا تھا۔ اب وہ کہاں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آگ میں'' اس نے کہا ''آپ کے والد گرامی کہاں ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرو اسے آگ کی بشارت دو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی کو کتنا حسین جواب دیا۔ آپ نے اپنے جواب کو سائل کی عادت پر محمول کیا۔ آپ نے خدشہ محسوس فرمایا کہ اگر اعرابی کو وضاحت سے جواب دیا تو کہیں وہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور اس کا دل مضطرب نہ ہو جائے۔ آپ نے اسے ایسا جواب مرحمت فرمایا جس میں توریہ اور ابہام تھا۔ اس اعرابی کے لئے حقیقت حال کی وضاحت نہ کی۔ نہ ہی مقام میں اپنے والد گرامی اور اس کے باپ کا فرق بیان کیا کیونکہ اس اعرابی کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا۔ کیونکہ یہ بات نفوس کی فطرت میں شامل ہے کہ یہ کسی اور کو بلند مقام دینا پسند نہیں کرتے۔ اہل عرب تو بڑے سخت اور سنگدل تھے، آپ نے اسے مبہم جواب دیا تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔

روایت کے انہی الفاظ پر اعتماد کا تعین ہو گیا۔ دیگر روایات کے الفاظ پر انہیں مقدم کیا جائے گا۔ جو مورخین نے بالمعنی روایات کیں ہیں۔ جیسا کہ امام مسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا باپ کہاں ہے؟'' آپ نے فرمایا ''آگ میں'' جب کچھ آگے چلا گیا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا ''میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں'' یہ روایت منکر ہے اس کے بارے علماء کرام نے بہت سی گفتگو کی ہے۔ امام زرقانی نے شرح المواہب میں ان کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ سب سے احسن بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ راویوں نے اس میں تصرف کیا ہے۔ اس لئے ان کی روایات میں اختلاف ہو گیا۔ البتہ صحیح روایت پہلی ہی ہے یہ انتہائی محکم ہے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام لفظ فرمایا تھا۔ اعرابی نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے ایک ایسا امر دیکھا جس کی تعمیل لازمی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اگر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول روایت پر سارے راویوں کا اتفاق فرض بھی کر لیا جائے تو پھر بھی وہ قرآنی دلائل اور ان دلائل کے منافی ہے جو اہل فترت کے بارے وارد ہیں۔ اصول یہ ہے کہ جب صحیح حدیث دیگر دلائل کے معارض آجائے تو پھر اس کی تاویل واجب ہو جاتی ہے اور ان دلائل کو ان سے مقدم کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ امر عیاں ہے کہ اہل فترت کو آزمالینے سے قبل ان کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل کے باپ کے بارے کیسے فرما دیا کہ وہ اہل نار میں سے ہے؟ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا

ہے کہ یہ روا ہے کہ آزمائش کے وقت اس سے نافرمانی ہو جائے۔ حضور ﷺ پر یہ بات وحی کر دی گئی ہو اور آپ نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ وہ جہنمی ہے۔ یا یہ حدیث اہل فترت کے متعلق احادیث سے متقدم ہو اور ان سے منسوخ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس شخص نے زمانہ بعثت پایا ہو۔ اسے بعثت کے متعلق علم ہو گیا ہو۔ مگر وہ کفر پر ہی ڈٹا رہا ہو اور اس پر مرا ہو۔ ایسے کافر کے لئے تو کوئی عذر نہیں ہے۔ امام زرقانی نے لکھا ہے "اس تیرے جواب میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔ کیونکہ اگر صورت حال اس طرح ہوتی تو پھر سائل کو اپنے باپ کے متعلق اس طرح سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ دونوں میں فرق عیاں ہے کیونکہ اگر سائل کے باپ کو بعثت کا زمانہ نصیب ہوا ہو تو حضور ﷺ کے والد گرامی کو تو یہ مبارک عہد نصیب نہیں ہوا تھا"۔ مگر اس اعتراض کا بھی جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اعرابی نے یہ وہم کیا ہو کہ آپ کی بعثت کی خبر پہنچنا کافی نہ ہو بلکہ حضور ﷺ کی زیارت کا اعتبار ہو۔ اس لحاظ سے سائل کا یوں سوال کرنا اجنبی نہیں۔ کیونکہ اس وقت اسے دین کی سوجھ بوجھ نہ تھی۔ دین پوری طرح اس کے اندر داخل نہ ہوا تھا۔ بعض راویوں سے منقول ہے کہ یہ سوال اس اعرابی نے اپنی ماں کے متعلق کیا تھا۔ اس طرح ان دونوں کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ ایک اس نے اپنی ماں کے متعلق اور دوسری بار اپنے باپ کے متعلق سوال کیا تھا۔

امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی امی جان کے لئے مغفرت طلب کروں۔ مگر اس نے مجھے اجازت نہ دی۔ پھر میں نے یہ اجازت مانگی کہ ان کی قبر کی زیارت کروں۔ اس نے مجھے اجازت دے دی۔ تم بھی قبور کی زیارت کیا کرو۔ یہ آخرت کی یاد دلاتیں ہیں"۔

اس حدیث پاک کا جواب اس طرح دیا گیا ہے (جیسا کہ امام زرقانی نے لکھا ہے) کہ حضور ﷺ کو والدہ مطہرہ کے لئے مغفرت طلب کرنے کی اجازت نہ ملنے سے ان کا کفر لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حضور ﷺ کو اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنے سے روک دیا گیا جس پر قرض ہوتا۔ حالانکہ وہ شخص مسلمانوں سے ہوتا اس کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کی دعائے مغفرت درا جابت پر فوراً قبول ہو جاتی۔ آپ جس بلند اقبال کے لئے مغفرت طلب فرماتے اسے آپ کی اس دعا کے طفیل جنت میں مقام مل جاتا۔ مقروض کو اس مقام سے روک دیا جاتا۔ حتیٰ کہ اس کا قرض ادا ہو جاتا۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ دین حنیف پر ہونے کے باوجود برزخ میں ہوں۔ کفر کے علاوہ کسی اور امر کی وجہ سے انہیں جنت سے روک دیا گیا ہو۔ وہ امر اس بات کا متقاضی ہو کہ آپ کو یہ اذن نہ ملا ہو۔ بعد میں آپ کو یہ اذن عطا کر دیا گیا ہو۔

البتہ یہ روایت "میری والدہ ماجدہ تم دونوں کی ماں کے ساتھ ہے" سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ اس سے آپ کی والدہ مکرمہ کا اہل نار سے ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ معیت سے مراد ان کا دار برزخ ہونا مراد ہو۔ یا اس سے کچھ اور مراد ہو۔ جسے آپ نے ان کی تسکین خاطر کے لئے ابہام اور توریہ کے طور پر فرمایا ہو۔ سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ یہ فرمان عالی شان آپ نے اس وقت فرمایا جب تک آپ ﷺ پر وحی نہیں آئی تھی کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ جس طرح کہ آپ ﷺ نے تبع کے بارے فرمایا تھا "میں نہیں جانتا کہ تبع لعین ہے یا کہ نہیں"۔ اس روایت کو امام حاکم اور امام ابن شاہین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب تبع کے متعلق آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "تبع کو

برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو اس نے اسلام قبول کر لیا تھا"۔ اسے ابن شاہین نے ناسخ و منسوخ میں حضرت سہل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ گویا کہ پہلے آپ پر اپنی والدہ ماجدہ کے متعلق کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ آپ کو ان کے ان اشعار کے بارے خبر نہ تھی جو انہوں نے اپنے وصال پر ملال کے وقت کہے تھے۔ اس وقت آپ نے اہل جاہلیت کے قاعدہ کے مطابق فرمایا کہ وہ بھی ان دونوں کی ماں کے ہمراہ ہیں۔ پھر آپ پر یہ وحی نازل کر دی کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا موحدہ ہوں۔ مگر ان تک بعثت اور مرکز اٹھنے کی کیفیت نہ پہنچی ہو۔ یہ ایک بہت بڑی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا ہو حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری شریعت مطہرہ پر ایمان لے آئیں۔ اسی لئے ان کا زندہ کرنا حجۃ الوداع تک مؤخر کیا گیا۔ حتیٰ کہ شریعت بیضاء مکمل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کر دی۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ (المائدہ:3)۔

"آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین"۔

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو زندہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ ان سارے امور پر ایمان لے آئیں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا۔ یہ ایک نفیس اور بلیغ جواب ہے۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان پہلے گزر چکا ہے کہ وہ روایات جن میں یہ ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کے پاس گریہ بار ہوئے۔ ان روایات کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گریہ اس لئے نہیں تھا کہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کو عذاب ہو رہا تھا بلکہ اس افسوس پر تھا جو وہ آپ کی بعثت کا عہد ہمایوں نہ پا سکیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے پر رحم آیا۔ اس نے آپ کی والدہ مکرمہ کو زندہ فرمایا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔

وہ احادیث جو نجات کے معارض ہیں ان میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جسے امام حاکم نے روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی طرف اشارہ فرمایا۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان قبروں کے پاس تشریف لے گئے۔ ان میں سے ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے کافی دیر مناجات کیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے۔ ہم بھی آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں بلایا پھر ہمیں بلا لیا۔ پھر فرمایا "تم کیوں رو رہے تھے؟" ہم نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس قبر کے پاس میں بیٹھا ہوا تھا وہ حضرت سیدہ آمنہ کی قبر تھی۔ میں نے رب تعالیٰ سے ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی۔ اس نے مجھے یہ اجازت دے دی۔ میں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اجازت نہ دی۔ اس نے مجھ پر یہ آیت طیبہ نازل کی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی (التوبہ:113)

"درست نہیں ہے نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ

مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں''۔

مجھے اسی رقت وشفقت نے آلیا جو ایک بچے کو اپنی ماں کے لئے ہوتی ہے۔

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ اسے ابن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ اس میں ابوایوب بن ہانی ہے جو ضعیف ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''اسی علت کی وجہ سے اس کی صحت میں جرح وقدح کی گئی ہے''۔ امام حاکم نے اگر چہ اسے صحیح قرار دیا ہے مگر اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ان احادیث کے معارض ہے جن میں یہ تذکرہ ہے کہ یہ آیت طیبہ جناب ابوطالب کے بارے نازل ہوئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾ (البقرہ)

''بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو (اے حبیب) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے باز پرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق''۔

یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق نازل ہوئی۔ ''مگر یہ قول باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ آیت طیبہ یہود ونصاریٰ کے بارے نازل ہوئی تھی۔ ابوحیان نے ''بحر'' میں لکھا ہے ان آیات کا سیاق وسباق اور لواحق اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔'' دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خواجہ ابوطالب کے بارے نازل ہوئی۔ اس آیت طیبہ پر عنقریب مزید گفتگو ہوگی۔

اگر تم یہ کہو کہ بعض اہل فترۃ کے عذاب کے بارے صحیح احادیث مروی ہیں۔ جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا۔ وہ اپنی آنتیں آگ میں گھسیٹ رہا تھا''۔ اسی طرح امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے ڈنڈے والے کو آگ میں دیکھا۔ یہ وہ بدنصیب شخص تھا جو اپنے ٹیڑھے سرے والے ڈنڈے کے ساتھ حاجیوں کی چوریاں کرتا تھا''۔ اگر کوئی اسے دیکھ لیتا تو وہ کہتا ''یہ چیز میرے ڈنڈے کے ساتھ اٹک گئی تھی''۔ اگر وہ شخص غافل ہوتا تو وہ یہ چیزیں لے اڑتا۔ اس اعتراض کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ اخبار احاد ہیں جو ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ یہ دلائل قطعیۃ کے مقابل میں نہیں آسکتیں کہ انہیں عذاب نہ دیا جارہا ہو۔ یہ مؤقف آیات قرآنیہ سے ماخوذ ہے۔

آیات قرآنیہ کو ان روایات سے مقدم کیا جائے گا۔ اگر چہ وہ صحیح بھی ہوں۔

(2) ان روایات میں صرف ان افراد کا تذکرہ ہے جن کے عذاب کا ذکر ان روایات میں ہے۔ دوسرے افراد کو ان پر قیاس نہیں کیا جائیگا۔ اس لئے یہ دلیل قطعی کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس سبب سے آگاہ ہے جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا ہوئے۔ اگر چہ ہم اس سبب سے آگاہ نہیں ہیں۔

(3) مذکورہ احادیث میں ان افراد کے عذاب کا تذکرہ ہے جنہوں نے اہل فترہ میں سے تغیر وتبدل کیا جیسے کہ عمرو بن لحی۔ وہ

خود بھی گمراہ ہوئے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ جس کی وجہ سے انہیں معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ جس طرح کہ بتوں کی پوجا اور شریعتوں کو تبدیل کرنا۔

اہل فترت کی اقسام

علماء کرام نے اہل فترت کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

پہلی قسم

اس قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت سے توحید کو پالیا اور اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اسی بصیرت نے انہیں غیر اللہ کی عبادت سے روک دیا۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ میں داخل نہیں ہوئے تھے جیسے قس بن ساعدہ ایادی۔ یہ زمانہ جاہلیت میں بعثت پر ایمان لے آیا تھا۔ اس نے عقل کے ذریعے رب تعالیٰ کو جان لیا تھا۔ یہ کہا کرتا تھا ''عنقریب اس طرف سے حق ظاہر ہو جائے گا''۔ یہ مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کرتا۔ لوگ اس سے پوچھتے ''اس حق سے کیا مراد ہے؟'' وہ کہتا ''اس سے مراد وہ عظیم ہستی ہے جو لوی بن غالب کی اولاد میں سے ہوگی۔ وہ ذات پاک تمہیں کلمۂ اخلاص ابدی زندگی اور غیر زوال پذیر نعمتوں کی طرف بلائے گی۔ اگر وہ تمہیں دعوت حق دیں تو ضرور قبول کر لینا اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو ان کی طرف سب سے پہلے دوڑ کر جانے والا میں ہوتا''۔

السمعری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ قس پہ رحم فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ اسے تنہا ایک امت بنا کر مبعوث کرے گا''۔ عنقریب اس کے متعلق مزید تفصیلات بیان ہوں گی۔

اسی طرح زید بن عمرو بن نفیل بھی ہے۔ یہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا چچا تھا یہ بھی ان افراد میں سے تھا جنہوں نے توحید کی جستجو کی۔ بتوں کو چھوڑ دیا شرک سے اجتناب کیا۔ یہ بعثت سے پہلے مر گیا یہ کہا کرتا تھا ''میں نے اپنی قوم کی مخالفت کی ہے۔ میں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی ملت کی پیروی کی ہے۔ یہ دونوں بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ میں بنو اسماعیل میں سے ایک نبی کا منتظر ہوں۔ جنہیں مبعوث کیا جائے گا۔ میرا گمان نہیں کہ میں اس کا عہد ہمایوں پا سکوں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں۔ ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی برحق ہیں''۔ اس نے حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے کہا ''اگر تمہیں طویل زندگی نصیب ہو تو اس نبی پاک ﷺ کو میرا سلام پہنچانا''۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب میں نے حضور ﷺ کو اس کے متعلق بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے''۔ پھر فرمایا ''میں نے اسے جنت میں دیکھا وہ دامن گھسیٹ رہا تھا''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اسی قسم میں سے ہیں۔ جو افعال قبیحہ زمانہ جاہلیت میں کئے جاتے تھے وہ ان میں سے ایک کام بھی نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ اسی لئے بعض محققین نے کہا ہے ''حضرت ابوبکر اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کو صدیق کے لقب سے ملقب کیا جائیگا۔ ان دونوں کے متعلق ''کرم اللہ وجہہ الکریم'' کہا

جائیگا''۔لیکن صدیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے اور ''کرم اللہ وجہہ الکریم'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہو گیا۔ ان دونوں پاکیزہ فطرت ہستیوں نے کبھی بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔

اس قسم میں بعض افراد وہ بھی ہیں۔ جو آپ کی شریعت مطہرہ میں داخل ہو گئے تھے جیسا کہ تبع اور اس کی قوم اہل نجران اور ورقہ بن نوفل۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ ابھی دین نصرانیہ منسوخ نہیں ہوا تھا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے''اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین پہلی قسم میں سے ہوں۔ یعنی زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ کے ہمراہ ہوں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین اس مقام کے زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دوسری قسم

دوسری قسم ان اہل فترت کی ہے جنہوں نے دین میں تغیر و تبدل کیا۔ شرک کیا توحید کو ترک کر دیا۔ اپنے لئے شریعت بنا لی۔ اپنی طرف سے حلال اور حرام قائم کیا۔ اکثر اہل عرب اس قسم میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ عمرو بن لحی۔ سب سے پہلے اس نے اہل عرب کے لئے بتوں کی پوجا کا طریقہ رائج کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا۔ ابن اسحاق نے اس کا سبب کچھ یوں تحریر کیا ہے۔

''عمرو بن لحی شام کی طرف گیا وہاں عمالقہ کی حکومت تھی۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ عمرو نے ان سے ایک بت مانگا۔ اسے مکہ مکرمہ میں لا کر خانہ کعبہ کے پاس نصب کر دیا۔ اسے ہبل کہا جاتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک جن اس کے تابع تھا جسے ابوثمامہ کہا جاتا تھا۔ ایک رات وہ جن اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا ''ابوثمامہ کو جواب دو''۔ اس نے کہا ''تجھے تہامہ سے لبیک اور بلا ملامت داخل ہو جا''۔ اس نے کہا ''جدہ کی طرف جا تو وہاں معبودوں کو پالے گا۔ انہیں حاصل کر لینا۔ کسی سے نہ ڈرنا۔ ان کی عبادت کی دعوت دینا لوگ اس پر لبیک کہیں گے''۔ اس نے وہاں وہ بت پالئے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں پرستش ہوتی تھی۔ وہ انہیں اٹھا کر مکہ مکرمہ میں لے آیا۔ لوگوں کو ان کی پوجا کی دعوت دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی رواج پا گئی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں یہ تلبیہ تھا۔ ''اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ'' جب عمرو بن لحی کا زمانہ آیا اسی اثناء میں کہ وہ یہ تلبیہ پڑھ رہا تھا تو شیطان ایک بزرگ کی شکل میں اس کے سامنے آیا اور عمرو کے ساتھ تلبیہ کہنے لگا۔ عمرو نے جب کہا ''لبیک لا شریک لک'' تو شیطان نے کہا ''اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَلَکَ'' عمرو کو یہ تلبیہ بڑا عجیب لگا۔ اس نے پوچھا ''یہ کیسا تلبیہ ہے؟'' ابلیس نے کہا ''یوں کہہ دو'' تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ'' اس طرح کہنے سے کوئی حرج نہیں۔ عمرو نے اسی طرح کہا۔ پھر اہل عرب بھی یہی تلبیہ پڑھنے لگے۔ عمرو نے اہل عرب کے لئے احکام شریعت بنائے اس نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کا رواج ڈالا۔ جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی۔ آخری بچہ نر ہوتا تو وہ اس کے کان چیر دیتے۔ اسے کھلا چھوڑ دیتے۔ نہ اس پر سواری کرتے۔ نہ اس کا دودھ نکالتے۔ نہ اسے کسی حوض سے روکا جاتا۔ نہ چراگاہ سے منع کیا جاتا وہ اسے بحیرہ کہتے تھے۔ اہل عرب میں سے ایک شخص کہتا ''اگر میں مرض سے شفاء یاب ہو گیا یا سفر سے بخیر واپس آ گیا تو میری اونٹنی سائبہ بن جائے گی''۔ وہ اسے بھی بحیرہ کی طرح بنا دیتے جس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھانا حرام ہوتا۔ اگر بکری مادہ بچہ جنتی تو یہ ان کے لئے

ہوتا اور اگر وہ نر بچہ جنم دیتی تو وہ ان کے معبودان باطلہ کے لئے ہوتا۔ اگر وہ بیک وقت نر اور مادہ بچہ جنم دیتی تو مادہ کو اس کے ساتھ جنم لینے والے نر کے ساتھ ملا دیا جاتا۔ اسے معبودان باطلہ کے لئے ذبح نہ کیا جاتا۔ اگر کسی سانڈ سے لگاتار دس بچے جنوائے جاتے تو اہل عرب اس پر سوار ہونا حرام سمجھتے۔ اسے نہ چراگاہ سے اور نہ ہی حوض سے روکا جاتا۔ وہ کہتے ''اب اس پر سوار ہونا درست نہیں'' یہ ساری اقسام وہ اپنے بتوں کے لئے وقف کر دیتے۔ اہل عرب نے اور بھی بہت سے امور میں عمرو کی اتباع کر لی تھی جیسا کہ جنات کی عبادت کرنا۔ ملائکہ کی پرستش کرنا۔ ان کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بنالینا وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے اپنے بتوں کے لئے عمارات اور پردے بنا رکھے تھے۔ وہ ان کے متعلق خانہ کعبہ کی نقلیں اتارتے تھے جیسا کہ لات، عزیٰ اور مناۃ کے بت۔

تیسری قسم

اس قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے نہ شرک کیا نہ واحدانیت اختیار کی۔ وہ نہ تو کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے۔ نہ اپنے لئے کوئی شریعت بنائی نہ دین اختراع کیا۔ بلکہ ساری زندگی غفلت میں گزار دی۔ زمانہ جاہلیت میں ایسے لوگ بھی تھے۔

جب اہل فترت کو مذکورہ بالا تین اقسام میں تقسیم کیا گیا تو عذاب کو صرف دوسری قسم پر محمول کیا جائے گا۔ اس عذاب کی وجہ ان کا کفر اختیار کرنا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے کئی خبیث باتیں اختراع کر لیں تھیں۔ رب تعالیٰ نے اس قسم کو کفار اور مشرکین کہا ہے۔ ہم قرآن پاک میں پاتے ہیں کہ وہ جب بھی ان میں سے کسی ایک کی حکایت بیان کرتا ہے تو ان کے بارے کفر اور شرک کا فیصلہ کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المائدہ)

''نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں''۔

قرآن پاک نے انہیں احمق کہا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں انہوں نے اپنے آباء کی تقلید کی تھی۔ ان میں سے اکثریت کی یہی حالت تھی البتہ بہت قلیل تعداد اس سے مستثنیٰ تھی وہ اس سے دور رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا تھا۔ ان کا شمار پہلی قسم میں ہوتا ہے۔

حقیقت میں اہل فترت تیسری قسم ہی ہے بالاتفاق انہیں عذاب نہیں ہوگا۔ جب تجھے یہ بات معلوم ہوگئی ہے تو پھر یہ بھی جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین یا تو پہلی قسم میں سے ہوں گے جیسا کہ ان کے اشعار اور اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں یا ان کا شمار تیسری قسم میں ہوگا۔ ان کے زمانہ کے تاخر کی وجہ سے انہیں کوئی دعوت نہ پہنچی تھی۔ انبیاء سابقین اور ان کے مابین بہت زیادہ بعد تھا۔ وہ اس زمانہ جاہلیت میں تھے جس میں جہالت از شرق تا غرب پھیلی ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں

ایسی ہستی مفقود تھی جو شرائع کی پہچان رکھتی ہو اور دعوت حق کو صحیح طرح پہنچانتی ہو۔ البتہ اہل کتاب کے علماء کی قلیل سی تعداد موجود تھی جو زمین کے اکناف واطراف میں پھیلی ہوئی تھی جیسا کہ شام وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین نے نہ تو مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی اور طرف سفر کیا۔ نہ ہی انہیں طویل زندگی نصیب ہوئی کہ وہ مطلوب (دین) کے متعلق جستجو کرتے بالخصوص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ پردہ نشین تھیں۔ وہ گھر سے باہر نہ نکلتیں تھیں نہ مردوں کے ساتھ جمع ہوتی تھیں نہ ہی انہیں کوئی فرد ملا جو انہیں بتاتا۔ عصر حاضر میں جبکہ دین اسلام مشرق ومغرب میں پھیل چکا ہے خواتین کی اکثریت احکام شرعیہ سے ناواقف ہے کیونکہ انہیں فقہاء کے ساتھ بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا تو پھر تمہارا اس فترت اور جاہلیت کے زمانہ کے متعلق کیا گمان ہے جس میں مرد بھی ایسے امور سے ناآشنا تھے اس دور میں خواتین کی حالت کیا ہوگی۔ اس لئے جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو مکہ مکرمہ کے لوگوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا۔

أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل)

''کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر (ایسا نہیں ہوسکتا) فرمایئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کے بجائے) فرشتے جو اس پہ چلتے (اور اس میں) سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لئے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر''۔

اگر انہیں رسل عظام کی بعثت کا علم ہوتا تو وہ اسے عجیب نہ سمجھتے۔ ان کا گمان یہی تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام انہی امور کے ساتھ مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے پاس ایسا کوئی شخص نہ تھا جو انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام شریعت کما حقہ پہنچاتے کیونکہ وہ شریعت مٹ چکی تھی۔ کوئی بھی ایک ایسا شخص نہ تھا جو اس کے احکام جانتا ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان اہل عرب کے مابین تین ہزار سال سے زیادہ عرصہ تھا۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے۔ جیسا کہ قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو۔ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان میں سے ہر ایک، ایک امت بن کر اٹھے گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے لئے مغفرت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ دونوں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی شریعت پر تھے''۔ یہ درجہ رب تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ جب یہ کیفیت ان دونوں کے لئے جائز ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام اور امہات فخام کے لئے اس کے جواز میں کون سی رکاوٹ باقی ہے؟

کیا قس بن ساعدہ، زید بن عمرو اور ورقہ بن نوفل کو صحابیت کا شرف نصیب ہوا تھا یا نہیں۔ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ انہیں یہ شرف نصیب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی بعثت سے قبل جمع ہوئے تھے۔ وہ آپ کے ظہور سے قبل آپ پر بالغیب ایمان لائے تھے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے مابین انہیں زندہ کیا جائے گا۔ البتہ عثمان حویرث، تبع اور اس کی قوم اور اہل

نجران کا فیصلہ ان لوگوں کے فیصلے کی مانند ہوگا جو دین میں داخل تو ہوئے لیکن ان میں سے ایک بھی اس اسلام کو نہ پا سکا جو ہر دین کا ناسخ تھا۔ تبع نے تو اسلام بالکل نہ پایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق نزول وحی سے قبل فرمایا تھا "میں نہیں جانتا کہ تبع لعین ہے یا نہیں" جب اس کے متعلق آپ پر وحی نازل ہوئی تو فرمایا "تبع کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو اس نے اسلام قبول کر لیا تھا" یعنی اس نے رب تعالیٰ کی توحید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل ہی آپ کی صداقت کی گواہی دے دی تھی۔

ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "تبع اس وقت نہ مرا جب تک اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی گواہی نہ دی۔ کیونکہ مدینہ منورہ کے یہودی اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتایا کرتے تھے"۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا مسئلہ اجماعی ہے۔ بلکہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو دیگر مختلف فیہ مسائل کا ہے۔ البتہ میں نے ان علماء کے اقوال کو اختیار کیا ہے جو ان کی نجات کا موقف اپنائے ہوئے ہیں کیونکہ اس رفیع مقام کے مناسب یہی ہے۔ اور اسی میں احتیاط بھی ہے۔ ایسا امر ذکر کرنے سے محتاط رہنا چاہئے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے کیونکہ یہ عرف ہے کہ جب کسی شخص کے والد کو اس وصف سے یاد کیا جائے جس میں اس کی تنقیص شان ہو تو اس سے اس کے بیٹے کو اذیت ہوتی ہے۔ حضرت ابن مندہ وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت سبیعہ بنت ابی لہب رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم" لوگ کہتے ہیں "تو اس شخص کی بیٹی ہے جو آگ کا ایندھن ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی حالت میں اٹھے اور فرمایا "ان لوگوں کا کیا بنے گا جو مجھے میرے رشتہ داروں کے بارے اذیت دیتے ہیں۔ جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی"۔

امام طبرانی، امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مردوں کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو اس طرح کہ زندوں کو اذیت دو" اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا کفر ہے۔ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے گا۔ اگر وہ توبہ نہ کرے۔

مالکیہ کے نزدیک اگر اس نے توبہ کر لی پھر بھی اسے قتل کر دیا جائیگا۔ جب کسی شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق پوچھا جائے تو اسے کہنا چاہئے کہ وہ نجات یافتہ ہیں اور جنت میں ہیں یا تو اس لئے کہ انہیں زندہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ جس طرح کہ حضرت امام سہیلی، امام قرطبی اور ناصر الدین المنیر وغیرہ نے صراحت کی ہے۔ یا اس لئے کہ وہ زمانہ فترت میں بعثت سے پہلے وفات پا گئے۔ اس لئے وہ عذاب میں مبتلا نہیں ہیں۔ جس طرح الابی نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ یا اس لئے کہ وہ دین حنیف پر تھے وہ موحد تھے۔ اور وہ مشرک نہیں تھے جیسا کہ امام سنوسی اور امام تلمسانی نے وضاحت کی ہے۔ یہ محققین کے اقوال کا خلاصہ ہے۔ جو ان کے اقوال کے مخالف قول کرے اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ علامہ طحطاوی نے متاخرین علماء حنفیہ سے درالمختار کے کتاب النکاح کے حاشیہ میں محققین کے سارے اقوال لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ حنفیہ میں سے محققین علماء کرام کا یہی عقیدہ ہے۔ جو ان کی مخالفت کرے گا۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ علامہ

زرقانی نے شرح المواہب میں لکھا ہے کہ قاضی ابوبکر ابن عربی سے پوچھا گیا کہ اس شخص کے بارے کیا حکم ہے جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین آگ میں ہیں۔ انہوں نے کہا "وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے ملعون ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

(الاحزاب)

"بے شک جو لوگ ایذاء پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب"۔

اس سے بڑھ کر اذیت ناک اور کوئی بات نہیں کہ یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی آگ میں ہیں۔

ابن عساکر اور ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ شام کے کاتبوں میں سے ایک شخص نے شام کے اضلاع میں سے ایک ضلع پر ایسا شخص بطور عامل مقرر کیا جس کے باپ پر بدکاری کی تہمت لگائی گئی تھی یہ خبر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی تو انہوں نے اس شخص سے پوچھا "تمہیں کس چیز نے اس امر پر ابھارا کہ مسلمانوں کے ضلع پر ایسا شخص بطور عامل مقرر کرے جس کے باپ پر بدکاری کی تہمت لگائی گئی ہے"۔ اس نے کہا "اللہ تعالیٰ امیر المومنین کی اصلاح کرے اگر اس شخص کا باپ اس طرح ہے تو پھر کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد بھی تو مشرک تھے (نعوذ باللہ منہ) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے درد بھری آہ نکالی۔ پھر کچھ خاموش رہے۔ پھر فرمایا "کیا میں اس تیرہ بخت کی زبان کاٹ دوں۔ کیا اس سیاہ قسمت کی ٹانگیں کاٹ دوں یا اس کی گردن اڑادوں"۔ پھر اسے فرمایا "جب تک میں زندہ ہوں مجھ سے کلام نہ کرنا" اس کو اس منصب سے ہٹا دیا۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا ایمان ثابت کرنے کی بہت ہی سعی جمیل فرمائی ہے رب تعالیٰ انہیں اس فعل صالح کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ اس موضوع پر ان کی چھ تالیفات ہیں۔ ان میں سے ایک تصنیف کا نام "مسالك الحنفاء فی نجاة آباء المصطفیٰ" ہے۔ انہوں نے اپنی عظیم تصنیف میں لکھا ہے "مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں اس مسئلہ کے متعلق کچھ اشعار کہوں۔ اور اپنی اس عظیم تصنیف کو انہی پر اختتام پذیر کروں"۔ میں نے اشعار کہے

اِنَّ الَّذِی بَعَثَ النَّبِیَّ مُحَمَّدًا اَنْجٰی بِهِ الثَّقَلَیْنَ مِمَّا یَجْحَفُ

بلاشبہ وہ ذات جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا اس نے آپ کے طفیل ثقلین کو اس چیز سے نجات دی جو انہیں برباد دے سکتی تھی۔

وَ لِاُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ حُكْمٌ شَائِعٌ اَبْدَاهُ اَهْلُ الْعِلْمِ فِیْمَا صَنَّفُوْا

آپ کے والدین کریمین کے لئے ایک حکم مشہور ہے۔ اہل علم نے اپنی تصانیف میں اس کا اظہار کیا ہے۔

فَجَمَاعَةٌ اَجْرَوْهُمَا مَجْرٰی الَّذِیْ لَمْ یَاْتِیْهِ خَیْرُ الدُّعَاةِ الْمُسْعِفِ

ایک گروہ نے آپ کے والدین کریمین کو اس گروہ میں شمار کیا ہے جنہیں قریبی داعیین کی خبر نہیں پہنچی۔

وَ الْحُكْمُ فِیْمَنْ لَمْ یَجِئْهُ دَعْوَةٌ اَنْ لَا عَذَابَ عَلَیْهِ حُكْمٌ مُؤْلَفٌ

اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ایسے لوگوں کے بارے جنہیں دعوت حق نہ پہنچی ہو یہ ہے کہ ان پر کوئی عذاب نہیں۔

فَبِذَاكَ قَالَ الشَّافِعِيَّةُ كُلُّهُمْ وَالْأَشْعَرِيَّةُ مَا بِهِمْ مُتَوَقِّفُ

یہ مؤقف سارے شوافع اور اشعریہ کا ہے۔ ان میں سے ایک بھی توقف کرنے والا نہیں۔

وَ بِسُوْرَةِ الْإِسْرَاءِ فِيْهِ حُجَّةٌ وَ بِنَحْوِذَا فِي الذِّكْرِ آىٍ تُعْرَفُ

سورۃ الاسراء میں اس کے بارے ایک دلیل موجود ہے جو ذکری میں "ذا" کی مانند معروف ہے۔

وَ لِبَعْضِ أَهْلِ الْفِقْهِ فِي تَعْلِيْلِهِ مَعْنًى أَرَقُّ مِنَ النَّسِيْمِ وَأَلْطَفُ

بعض اہل فقہ نے اس کی تعلیل میں کہا ہے کہ اس کا معنی ہے ہوا سے زیادہ رقیق اور لطیف۔

وَ نَحَا الْإِمَامُ الْفَخْرُ رَازِي الْوَرٰى مَنْحًى بِهِ لِلسَّامِعِيْنَ تَشَنُّفُ

اس مسئلہ میں امام رازی کا موقف وہ ہے جس میں سامعین کیلئے اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔

اِذْهُمْ عَلَى الْفِطْرِ الَّذِي وُلِدُوا وَلَمْ يَظْهَرْ عِنَادٌ مِنْهُمْ وَ تَخَلُّفُ

آپ کے والدین کریمین اسی فطرت پر رہے جس پر ان کی ولادت ہوئی ان سے کسی عناد یا اختلاف کا اظہار نہ ہوا۔

قَالَ الْأُولٰى وَلَدُوْا النَّبِيَّ الْمُصْطَفٰى كُلٌّ عَلَى التَّوْحِيْدِ اِذْ يَتَحَنَّفُ

پہلے گروہ نے کہا ہے کہ جو حضور اکرم ﷺ کے مبارک نور کے امین رہے وہ سارے توحید پر تھے اور ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے تھے

مِنْ آدَمَ لِأَبِيْهِ عَبْدِاللّٰهِ مَا فِيْهِمْ أَخُوْ شِرْكٍ وَلَا يَسْتَنْكِفُ

حضرت آدم سے لے کر حضرت عبداللہ تک ایک شخص بھی نہ تو مشرک تھا اور نہ ہی خدا کی بندگی کو عار سمجھنے والا تھا۔

فَالْمُشْرِكُوْنَ كَمَا بِسُوْرَةِ التَّوْبَةِ نَجَسٌ وَ كُلُّهُمْ بِطُهْرٍ يُوْصَفُ

سورت توبہ میں تذکرہ ہے کہ مشرک سارے کے سارے ناپاک ہیں جبکہ آپ کے آباء واجداد تو پاکیزہ اور مطہر تھے۔

وَ بِسُوْرَةِ الشُّعَرَاءِ فِيْهِ تَقَلُّبُ فِي السَّاجِدِيْنَ فَكُلُّهُمْ مُتَحَنِّفُ

سورۃ الشعراء میں تقلبك فی الساجدین کے الفاظ بھی ہیں آپ کے سارے آباء باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف یک سو تھے۔

هذا كلام الشيخ فخر الدين في اسراره هبطت عليه الذرف

یہ امام رازی کا کلام ہے جو انہوں نے "الاسرار" میں تحریر کیا ہے ان پر رب تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں۔

فجزاه رب العرش خير جزائه و حباه جنات النعيم تزخرف

رب العرش انہیں بہترین جزائے خیر دے۔ وہ انہیں جنات النعیم میں جگہ دے اور انہیں آراستہ کرے۔

فلقة تدين في زمن الجاهلية فرقة دين الهدىٰ و تحنفوا

زمانہ جاہلیت میں ایک گروہ نے ہدایت کا دین اختیار کر لیا تھا اور باطل سے منہ موڑ لیا تھا۔

زید بن عمرو ابن نوفل هكذا الصديق ما شرك عليه يعكف

جیسا کہ زید بن عمرو، ابن نوفل اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے تو شرک کیا ہی نہیں تھا۔

قد فسر السبکی بذاك مقالة لا شعری وما سواه مزیف

امام سبکی نے یہ بات اشعری کے لئے تفصیل سے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی موقف درست نہیں ہے۔

إذ لم تزل عين الرضا منه على الصديق و هو بطول عمر احنف

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رضا کی آنکھ ہمہ وقت رہی۔ وہ ساری زندگی ہی باطل سے روگرداں رہے۔

عادت اليه صحبة الهادى فما في الجاهلية لضلالة يعرف

انہیں ہادی کی رفاقت نصیب رہی وہ زمانہ جاہلیت میں بھی گمراہی کے قریب نہ گئے۔

فلامه و ابوه احرى سيما ورأت من الايات مالا يوصف

آپ کی والدہ اور والد اس امر کے زیادہ مستحق ہیں آپ کی والدہ ماجدہ نے ایسی نشانیاں دیکھیں جنہیں کما حقہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

وجماعة ذهبوا الى احيائه ابويه حتى آمناه تحرفوا

ایک گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کے والدین کو زندہ فرمایا حتیٰ کہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ ان علماء کا نظریہ بھی غلط نہیں۔

وروى ابن شاهين حديثا مسندا فى ذاك لكن الحديث مضعف

حضرت ابن شاہین نے اس کے بارے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ لیکن وہ روایت ضعیف ہے۔

هذه مسالك لو تفرد بعضها لكفى فكيف بها اذا تتالف

یہ مسالک ہیں۔ اگرچہ بعض بعض جدا ہیں۔ یہ کفایت کرتے ہیں۔ اس وقت ان کی کیفیت کیا ہوگی جب یہ اکٹھے ہو جائیں گے۔

و بحسب من لا ير تضيها صمته ادبا ولكن اين من هو منصف

یہ مؤقف اس شخص کے نظریہ کے موافق ہے جو از روئے ادب اپنی شہرت پسند نہیں کرتا لیکن وہ کہاں ہے جو منصف ہے؟

صلى الله على النبى محمد ماجدد الدين الحنف محنف

اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت تک درود و سلام بھیجتا رہے جب تک علماء دین حنیف کی تجدید کرتے ہیں۔

و على صحابته الكرام واله و فى رضاه يدوم ولا يتوقف

آپ کے صحابہ پر اور آل پر بھی درود و سلام سے اور انہیں ایسی رضا نصیب ہو جو دائمی اور ابدی ہے۔

حضرت عبدالمطلب کا وصال اور جناب ابو طالب کو وصیت

حضور اکرم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے وصال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت حضرت عبدالمطلب نے کی۔ حضرت عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر از حد شفیق تھے۔ وہ اتنی شفقت اپنے کسی بیٹے پر بھی نہیں کرتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریب رکھتے۔ لحہ بھر کے لئے نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ خلوت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بٹھاتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد کا وصال ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال تھی۔ سیرت نگاروں نے آپ کی عمر مبارک اس سے کم و بیش بھی لکھی ہے۔ حضرت عبدالمطلب کی وقت وصال عمر 140 سال یا 110 سال یا اس سے کم بتائی جاتی ہے انہیں ''حجون'' میں ان کے جد امجد قصی کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سگے چچا خواجہ ابو طالب کو وصیت کی۔ جناب ابو طالب نے زمانہ جاہلیت میں بھی شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ صحیح روایت کے مطابق ان کا نام عبد مناف تھا۔ رافضیوں کا گمان ہے کہ ان کا نام عمران تھا۔ اس آیت طیبہ میں وہ عمران سے مراد ان کی ذات ہی لیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان پر''۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''یہ ان کی بہت بڑی خطاء ہے۔ انہوں نے یہ قول کرنے سے پہلے قرآن حکیم میں غور و فکر نہیں کیا۔ اس فرمان کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (آل عمران:35)

''اے میرے رب! میں نذر مانتی ہوں تیرے لئے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے''۔

جب حضرت عبدالمطلب نے جناب ابو طالب کو یہ وصیت کی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر شدید محبت کرنے لگے کہ اپنی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی اتنی محبت نہیں کرتے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے۔ عمدہ کھانا آپ کو دیتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جناب ابو طالب اور جناب زبیر نے اس بات کے لئے قرعہ اندازی کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کون کرے گا۔ قرعہ خواجہ ابو طالب کے نام نکلا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جناب ابو طالب کا انتخاب کیا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ جناب ابو طالب جناب عبدالمطلب کے ساتھ مل کر آپ کی کفالت کرتے تھے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے بعد جناب زبیر نے پھر جناب ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ مگر محققین نے اس قول کو رد کر دیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کی وفات حسرت آیات کے بعد آپ کے دادا اور چچا کی کفالت کا تذکرہ سابقہ کتب میں بھی تھا۔ یہ بھی آپ کی نبوت کی علامات میں سے تھا۔ سیف بن ذی یزن نے کہا تھا'' آپ کے والدین کریمین وصال کر

جائیں گے آپ کے جدامجد اور چچا آپ کی کفالت کریں گے"۔

جب حضرت عبدالمطلب کا وصال ہوا تو لوگوں نے ان کی وفات پر بہت زیادہ آہ و بکا کی۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جتنی آہ و بکا حضرت عبدالمطلب کے وصال پر ہوئی اتنی گریہ وزاری کسی اور کی موت پر نہیں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی چار پائی کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ چشمان مقدس سے آنسو کے موتی گر رہے تھے۔ عمر مبارک آٹھ برس تھی۔ حضرت عبدالمطلب کے انتقال کی وجہ سے مکہ مکرمہ کا بازار کئی دن بندرہا۔ ان کی لخت جگر امیمہ اپنے والد گرامی کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتی ہیں۔

أَعَيْنَيَّ جُودَا بِدَمْعٍ دِرَرْ عَلَى طَيِّبِ الْخِيمِ وَ الْمُعْتَصَرْ

اے میری آنکھوں! پاکباز اور پیکر جود وسخا پر موتیوں جیسے آنسوؤں کی سخاوت کرو۔

عَلَى مَاجِدِ الْجَدِّ وَارِي الزِّنَادِ جَمِيلِ الْمُحَيَّا عَظِيمِ الْخَطَرِ

اے میری آنکھوں! اس شخص پر گریہ باری کرو جو صاحب فضیلت، لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے والا حسین وجمیل اور بڑے رتبے والا ہے۔

عَلَى شَيْبَةِ الْحَمْدِ ذِي الْمَكْرُمَاتِ وَ ذِي الْمَجْدِ وَالْعِزِّ وَ الْمُفْتَخَرْ

اس شیبہ پر جو فضیلتوں والا عزتوں والا، باعظمت اور قابل فخر ہے۔

وَذِي الْحِلْمِ وَالْفَضْلِ وَالنَّائِبَاتِ كَثِيرِ الْمَكَارِمِ جَمِّ الْفَجَرْ

وہ جو مصائب میں بردبار اور فضل وکرم کرنے والا ہے جو عمدہ اخلاق والا اور جود وسخا کرنے والا ہے۔

جناب ابوطالب کے گھر برکات

جناب ابوطالب کثیر العیال اور قلیل المال تھے۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کھانا کھاتے تو وہ سیر نہ ہوتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تو وہ سارے سیر شکم ہو جاتے۔ جب جناب ابوطالب اپنی اولاد کو کچھ کھلانے لگتے تو انہیں کہتے "ٹھہر جاؤ۔ حتیٰ کہ میرا فرزند دلبند آجائے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ ان کا کھانا بچ جاتا، جب دودھ ہوتا تو سب سے پہلے حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوش جاں فرماتے پھر وہ پیالہ جناب ابوطالب اپنی اولاد کو دے دیتے۔ وہ اس سے دودھ پیتے تو سارے اس سے سیر ہو جاتے۔ حالانکہ اس میں صرف اتنا دودھ ہوتا تھا جسے ایک شخص بآسانی پی سکتا تھا"۔ جناب ابوطالب پکار اٹھتے "آپ بڑے بابرکت ہیں" جناب ابوطالب صبح صبح اپنے بچوں کے پاس کوئی چیز لے کر جاتے جسے وہ کھاتے وہ بیٹھ جاتے اور شور کرتے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا دست اقدس روک لیتے۔ کرم وحیاء نفس کی پاکیزگی اور دل کی قناعت کی وجہ سے آپ شور نہ کرتے۔ جب جناب ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھانا علیحدہ کر دیتے۔ پہلی روایت اس روایت کے منافی نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ امر اس کھانے کے ساتھ ہو جو صبح بطور ناشتہ کھایا جاتا ہے۔ یہ دوپہر اور شام کے کھانے کے علاوہ ہو۔ وہ کھانا تو آپ ان کے ساتھ ہی تناول فرماتے تھے۔ عام بچے بیدار ہوتے تو ان کے بال بکھرے ہوئے ہوتے۔ آنکھیں چپکی ہوئی ہوتیں۔

چہرے زردی مائل کملائے ہوئے ہوتے۔ لیکن صبح جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوتے تو چہرہ انور ہشاش بشاش ہوتا۔ آنکھیں سرگیں ہوتیں۔ موئے مبارک یوں ہوتے کہ گویا کہ کسی نے تیل لگا کر کنگھی کر دی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر لطف و کرم تھا۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی بھوک یا پیاس کی شکایت کی ہو۔ نہ تو معصوم بچپن میں نہ ہی بڑھے ہو کر۔ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشمۂ زمزم پر تشریف لے جاتے۔ آب زمزم پیتے، جب ہم کھانا پیش کرتے تو فرماتے "میں سیر شکم ہوں" بعض اوقات میں ہی اس طرح ہوتا تھا۔ اس لئے یہ روایت سابقہ روایات کے منافی نہیں۔ جناب ابو طالب کے لئے ایک تکیہ ہوتا تھا جس پر وہ تشریف رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آتے تو اس پر تشریف فرما ہو جاتے۔ جناب ابو طالب کہتے "میرے اس مبارک بھتیجے کو شرف عظیم نصیب ہوگا"۔ جناب ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ وہ اپنی اولاد میں سے کسی سے اتنا شدید پیار نہ کرتے تھے۔ آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے۔ جب بھی باہر جاتے تو آپ کو ساتھ لے کر جاتے تھے۔

باران رحمت کا نزول

ابن عساکر نے حلہمۃ بن عرفطہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "میں مکہ مکرمہ گیا۔ اہل مکہ قحط سالی کا شکار تھے۔ خشک سالی نے ان کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ اہل مکہ میں سے ایک نے کہا "لات وعزیٰ کی طرف چلو" کسی نے کہا "مناۃ کی طرف چلو"۔ ایک خوبصورت، باجمال اور عمدہ رائے والے شخص نے کہا "تم کہاں بھٹکے پھر رہے ہو۔ تم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل باقی ہے" لوگوں نے کہا "شاید تمہاری مراد خواجہ ابو طالب ہیں"۔ اس بزرگ نے کہا "ہاں" وہ سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی ان کے ہمراہ اٹھا۔ ہم نے جناب ابو طالب کے دروازے پر دستک دی۔ وہ باہر نکلے تو سارے افراد ان کے پاس آ گئے۔ انہوں نے عرض کی "ابو طالب! وادی قحط کا شکار ہو گئی ہے۔ اہل وعیال بھوکے مرنے لگے ہیں۔ آئیں ہمارے لئے ابر کرم کی دعا کریں"۔ حضرت ابو طالب باہر نکلے اس کے ہمراہ ایک دلربا اور من موہنا بچہ بھی تھا۔ یوں لگتا تھا کہ مہر منیر ابھی بادلوں کی اوٹ سے باہر نکلا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد آپ کے ہم عمر بچے بھی تھے۔ جناب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑا اور پشت انور خانہ کعبہ کے ساتھ لگا دی آپ نے ایک متضرع اور آہ وزاری کرنے والے انسان کی مانند مبارک انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ پھر ہر طرف سے بادل امڈ کر آیا۔ بکثرت بارش ہوئی۔ ساری وادیاں پانی سے لبریز ہو گئیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی اور قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تو حضرت ابو طالب نے کئی اشعار کہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس برکت کا بھی تذکرہ کیا۔

وَ أَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى وَ عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

وہ نور افشاں ذات جس کے رخ زیبا کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کا سرپرست اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔

يَلُوْذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ فَهُمْ عِنْدَهٗ فِيْ رَحْمَةٍ وَ فَوَاضِلِ

بنو ہاشم کے کنگال لوگ ان کے ہاں پناہ لیتے ہیں اور وہ ان کی رحمت اور فضل کے سایہ میں ہیں۔

ابر کرم کی ان جولانیوں کا مشاہدہ حضرت ابو طالب نے بچشم خود کیا تھا۔ انہوں نے یہ اشعار اس مشاہدہ کے بعد کہے تھے۔ انہوں نے یہ دلکش منظر ایک دفعہ پہلے بھی دیکھا تھا۔ خطابی نے ایک روایت لکھی ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی زندگی میں قریش کو لگاتار کئی سالوں سے قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اور قریش مکہ کوہ ابی قبیس پر کھڑے ہو گئے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھالیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نوخیز جوان تھے۔ پھر دعا مانگی تو اس وقت ابر کرم کا نزول شروع ہو گیا۔ یہ دلربا اور دلفریب منظر بھی جناب ابو طالب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مذکورہ بالا اشعار ان کے ایک طویل قصیدہ کے ہیں۔ جس میں تقریباً اسی اشعار ہیں۔ صحیح روایت کے مطابق یہ قصیدہ جناب ابو طالب نے ہی کہا تھا۔ جبکہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ حضرت عبدالمطلب نے کہا تھا۔ امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ خشک سالی کی شکایت کی۔ اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے روائے پاک پیچھے گھسٹ رہی تھی۔ منبر مبارک پر جلوہ افروز ہوئے دونوں دست اقدس آسمان کی طرف بلند کر دیئے۔ ابھی دست حق نما نیچے نہیں کئے تھے آسمان سے موسلادھار بارش برسنے لگی۔ پھر وہی لوگ زیادہ بارش کی وجہ سے غرق ہو جانے کے خطرہ سے چیختے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم ریز ہوئے حتی کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو اس معجزہ نمائی کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں"۔ ہمیں ان کا وہ شعر کون سنائے گا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "شاید آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے"۔

وَ اَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ....

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول یہ روایت اس امر کی صراحت کر رہی ہے کہ یہ اشعار حضرت ابو طالب کے ہیں ان کے قصیدہ کے بعض اشعار یہ ہیں۔

وَ لَمَّا رَاَيْتُ الْقَوْمَ لَا وُدَّ فِيْهِمْ　　وَ قَدْ قَطَعُوْا كُلَّ الْعُرٰى وَالْوَسَائِلُ

جب میں نے دیکھا کہ قوم کی باہمی محبت والفت ختم ہو گئی ہے اور انہوں نے ہر رشتہ، ناطہ توڑ لیا ہے۔

وَ قَدْ صَارَحُوْا بِالْعَدَاوَةِ وَ الْاَذٰى　　وَ قَدْ طَاوَعُوْا اَمْرَ الْعَدُوِّ الْمُزَايِلِ

انہوں نے ہم سے عداوت اور دشمنی کی اور علیحدہ ہو جانے والے دشمن کا حکم بجالائے۔

وَ قَدْ حَالَفُوْا قَوْمًا عَلَيْنَا اَظِنَّةً　　يَعَضُّوْنَ غَيْظًا خَلْفَنَا بِالْاَنَامِلِ

انہوں نے ان لوگوں سے معاہدے کئے جو ہم پر غلط الزامات لگاتے تھے جو ہماری عدم موجودگی میں شدت غضب کی وجہ سے انگلیاں کاٹتے تھے۔

صَبَرْتُ لَهُمْ نَفْسِيْ بِسَمْرَاءَ سَمْحَةٍ　　وَ اَبْيَضَ عَضْبٍ مِنْ تُرَاثِ الْمَقَاوِلِ

میں لچکدار نیزے اور اس تلوار کو ہاتھ میں لے کر مقابلے کے لئے نکل آیا جو ہمیں بادشاہوں سے وراثت میں ملی تھی۔

أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مِنْ كُلِّ طَاعِنٍ عَلَيْنَا بِسُوْءٍ أَوْ مُلِحٍّ بِبَاطِلِ

میں اللہ تعالیٰ کی ہر اس شخص سے پناہ لیتا ہوں۔ جو ہم پر برے الزام لگاتا ہو اور باطل پر مصر ہو۔

وَ مِنْ كَاشِحٍ يَسْعٰى لَنَا بِمَعِيْبَةٍ وَ مِنْ مُلْحِقٍ فِي الدِّيْنِ مَا لَمْ نُحَاوِلِ

میں ایسے کینہ پرور شخص سے پناہ مانگتا ہوں جو ہم پر ہر عیب لگانے کی سعی کرتا ہے اور ہم کو ایسے دین کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے جس کا ہم ارادہ نہیں رکھتے۔

وَ ثَوْرٍ وَ مَنْ أَرْسٰى ثَبِيْرًا مَكَانَهٗ وَرَاقٍ لِيَرْقٰى فِي حِرَاءَ وَ نَازِلِ

کوہ ثبیر اور اس ذات بے ہمتا کی پناہ جس نے کوہ ثبیر کو اس کی جگہ پر نصب کیا کوہ حراء پر چڑھنے اور اترنے والے کی قسم!

وَ بِالْبَيْتِ وَ حَقِّ الْبَيْتِ مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ وَ بِاللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِغَافِلِ

بیت اللہ اور بیت اللہ کے حقوق کی پناہ جو مکہ کی وادی میں ہے اور اللہ رب العزت کی پناہ وہ ذات جو لمحہ بھر کے لئے بھی کسی سے غافل نہیں رہتی۔

كَذَبْتُمْ وَ بَيْتِ اللّٰهِ نَتْرُكُ مَكَّةَ وَ نَظْعَنُ اِلَّا اَمْرُكُمْ فِي بَلَابِلِ

بیت اللہ کی قسم! تم نے یہ بات کر کے جھوٹ بولا ہے کہ ہم مکہ مکرمہ کو چھوڑ دیں گے اور کہیں اور عازم سفر ہو جائیں گے یہ طرف تمہارے تصورات کی رنگینی ہے۔

كَذَبْتُمْ وَ بَيْتِ اللّٰهِ نُبْزٰى مُحَمَّدًا وَ لَمَّا نُطَاعِنْ دُوْنَهٗ وَ نُنَاضِلِ

اللہ کے محترم گھر کی قسم تمہاری یہ بات بھی جھوٹی ہے کہ ہم محمد عربی ﷺ کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں گے حالانکہ ہم نے ابھی تک ان کے تحفظ کے لئے نہ تو نیزہ بازی کی ہے نہ ہی تیر اندازی کی ہے۔

وَ نُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَ نَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

تمہاری یہ بات بھی صداقت پر مبنی نہیں کہ ہم انہیں تمہارے حوالے کر دیں گے۔ حتیٰ کہ ہم ان کے اردگرد اپنی جانوں کے نذرانے پیش کریں گے اور اپنی اولاد اور بیویوں کو بھی بھول جائیں گے۔

فَعَبْدَ مَنَافٍ اَنْتُمْ خَيْرُ قَوْمِكُمْ فَلَا تُشْرِكُوْا فِي اَمْرِكُمْ كُلَّ وَاغِلِ

اے بنو عبد مناف تم اپنی قوم میں سے بہترین ہو تم اپنے معاملہ میں ہر گراں فروش کو شامل نہ کیا کرو۔

لَعَمْرِي لَقَدْ كُلِّفْتُ وَجْدًا بِاَحْمَدَ وَاِخْوَتِهٖ دَأْبَ الْمُحِبِّ الْمُوَاصِلِ

مجھے اپنی عمر کی قسم! میں اسی طرح احمد مجتبیٰ ﷺ اور ان کے بھائیوں کی محبت میں گرفتار ہوں جس طرح دائمی محب کسی کی محبت کا اسیر ہوتا ہے۔

فَمَنْ مِثْلُهٗ فِي النَّاسِ اَيُّ مُؤَمَّلٍ اِذَا قَاسَهُ الْحُكَّامُ عِنْدَ التَّفَاضُلِ

لوگوں میں سے آپ کی مثل کون ہے کس سے امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں جب فضائل میں زیادتی کرنے والوں نے

فیصلہ کیا انہیں آپ سے برتر نظر نہ آیا۔

حَلِیْمٌ رَشِیْدٌ عَادِلٌ غَیْرُ طَائِشٍ　　یُوَالِی اِلٰهًا لَیْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ

وہ بردبار، ہدایت یافتہ عادل ہیں۔ جلد باز نہیں ہیں وہ ایسے معبود سے محبت کرتے ہیں جو ان سے غافل نہیں ہے۔

فَوَاللّٰهِ لَوْلَا اَنْ اَجِیْ ءَ بِسُبَّةٍ　　تُجَرُّ عَلٰی اَشْیَاخِنَا فِی الْمَحَافِلِ

اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری وجہ سے ہمارے بزرگوں کی محافل کو برا بھلا کہا جائے گا۔

لَكُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰی كُلِّ حَالَةٍ　　مِنَ الدَّهْرِ جِدًّا غَیْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ

تو پھر ہم آپ کی ہر حالت میں اتباع کرتے اور یہ بات از روئے مذاق نہیں ہے۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ　　لَدَیْنَا وَلَا یُعْنٰی بِقَوْلِ الْاَبَاطِلِ

یہ سب جانتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی اپنے نور نظر کی تکذیب کرنے والا نہیں۔ اور جھوٹوں کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

فَاَصْبَحَ فِیْنَا اَحْمَدُ فِیْ اَرُوْمَةٍ　　تُقَصِّرُ عَنْهُ سَوْرَةُ الْمُتَطَاوِلِ

احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں ایسے والدین کے ہاں جلوہ افروز ہوئے کہ ظلم کرنے والے کے ہاتھ ان کی شان کم کرنے سے قاصر ہیں۔

حَدِبْتُ بِنَفْسِیْ دُوْنَهُ وَ حَمَیْتُهُ　　وَ دَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرَا وَالْكَلَاكِلِ

میں نے اپنے نفس کو انتہائی دکھ میں ڈالا ہے۔ میں نے آپ کی بھرپور حمایت کی ہے اپنی پشت اور سینے سے آپ کا دفاع کیا ہے۔

امام عبدالواحد السفاقسی نے شرح البخاری میں لکھا ہے کہ خواجہ ابوطالب کے یہ اشعار اس امر پر واضح دلالت کر رہے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو قبل از بعثت بھی جانتے تھے کیونکہ بحیرا راہب نے انہیں آپ کی شان والا سے آگاہ کیا تھا۔ انہوں نے خود بھی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال مبارکہ کا مشاہدہ کیا تھا۔ مثلاً آپ کے معصوم بچپن میں ابر کرم کا نزول وغیرہ۔ بہت سی روایات میں اس بات کا تذکرہ ملتا ہے کہ خواجہ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے آگاہ تھے اہل تشیع نے انہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے انہیں مسلمان کہا ہے۔ علی بن حمزہ بصری رافضی نے خواجہ ابوطالب کے اشعار جمع کئے ہیں پھر کہا ہے کہ وہ اسلام لے آئے تھے۔ فرقہ حشویہ کا موقف یہ تھا کہ ان کی وفات حالت کفر پر ہوئی۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ وہ روایات جو جناب ابوطالب کے اسلام لانے پر دلالت کرتی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں ان سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل السنۃ کے مذاہب اربعہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جناب ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے۔ قرآن پاک کی آیات طیبہ اور احادیث اسی امر پر دلالت کرتی ہیں۔ اگرچہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی تصدیق قلبی حاصل تھی۔ مگر انقیاد ظاہری کے بغیر وہ سودمند نہیں۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب خواجہ ابو طالب پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "محترم چچا! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں۔ اس پاکیزہ کلمہ کی وجہ سے میری آپ کے لئے شفاعت کرنا حلال ہو جائے گی"۔ دوسری روایت میں ہے "میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی گواہی دوں گا"۔ جب جناب ابو طالب نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ایمان لانے کے کتنے حریص ہیں تو انہوں نے کہا "میرے محترم بھتیجے! اگر مجھے قریش کی اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں نے یہ کلمہ موت کے خوف سے پڑھا ہے۔ میں اسے ضرور پڑھتا۔ میں یہ کلمہ صرف اور صرف آپ کو خوش کرنے کے لئے پڑھتا"۔

امام بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے روایت کیا ہے "جب جناب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس نے ان کی طرف دیکھا وہ اپنے ہونٹوں کو ہلا رہے تھے۔ انہوں نے کان لگا کر سنا پھر کہا "اے میرے محترم بھتیجے! بخدا! میرے بھائی نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا۔ حضرت عباس نے اس کلمہ طیبہ کی وضاحت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے نہ کی۔ کیونکہ اس وقت تک انہوں نے خود اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے وہ کلمہ نہیں سنا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے کہا "جناب ابو طالب نے موت کے وقت اسلام قبول کر لیا تھا"۔ اسی روایت سے رافضیوں نے ان کے اسلام کا استدلال کیا ہے مگر دیگر نقطۂ نظر رکھنے والے علماء نے کہا ہے کہ حضرت عباس کی یہ گواہی قبول نہیں کیونکہ اس وقت وہ خود بھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ امام بخاری اور دیگر محدثین نے صحیح احادیث روایت کیں ہیں کہ خواجہ ابو طالب کی وفات کفر پر ہوئی تھی۔

امام بخاری نے حضرت سعید بن مسیب اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب جناب ابو طالب کے وصال کا وقت قریب آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیۃ المخزومی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چچا جان! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیں میں اس کی وجہ سے بارگاہ ربوبیت میں تمہاری شفاعت کروں گا" ابو جہل اور عبد اللہ نے کہا "ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کی ملت سے لوٹ جاؤ گے" یہ دونوں یہ باتیں دہراتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے کہہ دیا کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہیں۔ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں تمہارے لئے رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک کہ وہ مجھے اس سے روک نہ دے" اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى (التوبۃ:113)

"درست نہیں نبی کے لئے اور نہ ایمان والوں کے لئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں"۔

جناب ابو طالب کا یہ قول "وہ ملت عبد المطلب پر ہیں"۔ اس مؤقف کے منافی نہیں جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ محققین علماء کرام کا مؤقف یہی ہے کہ حضرت عبد المطلب کو دولت ایمان نصیب ہو گئی تھی۔ جناب ابو طالب نے قریش کے سامنے ان کی ظاہری حالت کا تذکرہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت عبد المطلب کا عذر بھی تھا کہ انہوں نے زمانۂ بعثت کو نہیں پایا تھا۔

اس امر کا تفصیلی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو جناب ابو طالب کے متعلق مخاطب کر کے فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص: 56)

''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں، البتہ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے''۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور سید دو عالم ﷺ سے عرض کی ''جناب ابو طالب آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ آپ کی نصرت کرتے تھے آپ کے لئے لوگوں سے ناراض ہوتے تھے۔ کیا انہیں یہ امور فائدہ دیں گے؟ حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں! میں نے انہیں آگ کی گہرائیوں میں پایا۔ میں انہیں نکال کر آگ کی سطح پر لے آیا''۔ دوسری روایت میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے درک اسفل میں ہوتے''۔ امام زرقانی نے لکھا ہے ''اگر وہ گواہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس موجود ہوتی تو وہ اس کے متعلق حضور ﷺ سے نہ پوچھتے۔ کیونکہ وہ جناب ابو طالب کی حالت سے آگاہ ہوتے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ روایت ضعیف ہے'' حافظ ابن حجر نے لکھا ہے ''اگر حضرت عباس سے منقول اس روایت کی سند صحیح ہوتی تو وہ اس حدیث کے معارض ہوتی جو اس سے اصح ہے۔ حالانکہ اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے''۔ امام ابو داؤد، امام نسائی، ابن جارود اور ابن خزیمہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''جب خواجہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو میں نے حضور ﷺ کو ان کی وفات کے بارے بتایا۔ آپ گریہ بار ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''جاؤ۔ انہیں غسل دو، کفن دو اور دفن کر دو۔ رب تعالیٰ انہیں معاف کرے اور ان پر رحم کرے'' یہ اس آیت طیبہ کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ...... (التوبہ: 113)

ایک اور روایت میں ہے جب ابو طالب کا انتقال ہو گیا تو میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ آپ کے عمر رسیدہ چچا کا انتقال ہو گیا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''جاؤ۔ انہیں دفن کر دو''۔ میں نے کہا ''ان کی وفات حالت شرک پر ہوئی ہے'' آپ نے فرمایا ''جاؤ۔ انہیں دفن کر دو''۔ جب میں انہیں دفن کر کے آپ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''غسل کر لو''۔ امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے کہ اہل آتش میں سے سب سے ہلکا عذاب ابو طالب کا ہے''۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جناب ابو طالب کی وفات کے وقت فرمایا ''شاید روز قیامت انہیں میری شفاعت فائدہ دے۔ وہ آگ کی سطح پر آجائیں گے۔ آگ ان کے ٹخنوں تک ہوگی۔ جس سے ان کا دماغ پگھل رہا ہوگا'' امام بیہقی نے کہا ہے ''یہ روایت رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی شان

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ (المدثر)

میں سے تخصیص کرتی ہے۔ یہ حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ اپنے چچا کے لئے شفاعت کریں گے۔ اس روایت سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ شافع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب مبارک کی خاطر بعض کافروں کے عذاب میں تخفیف فرمائے گا''۔ امام سہیلی نے لکھا ہے ''جناب ابو طالب ہر اعتبار سے حضور ﷺ کے نگران اور مددگار رہتے، مگر ان

کے قدم ملت قریش پر تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے وقت وفات کہا کہ وہ اسی ملت پر ہیں۔ ان کے قدموں کو عذاب میں مبتلاء کیا گیا کیونکہ انہوں نے انہی کو ملت قریش پر ثابت کیا تھا۔ یہ جزاء میں بھی مشاکلت پائی گئی۔ رب تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم فرمائے"۔

علامہ ترانی نے جناب ابوطالب کے اس شعر کے متعلق لکھا ہے۔

لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ ابْنَنَا لَا مُکَذَّبٌ لَدَیْنَا وَلَا یُعْنٰی بِقَوْلِ الْاَ بَاطِلِ

اس شعر میں زبان سے انہوں نے صراحت بھی کی دل سے اعتقاد بھی رکھا مگر انہوں نے اقرار نہیں کیا تھا۔ وہ کہتے تھے "میں جانتا ہوں کہ جو کچھ میرا (محترم) بھتیجا کہتا ہے وہ حق ہے اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مجھے قریش کی خواتین عار دلائیں گی تو میں ضرور ان کی اتباع کر لیتا"۔ اسی طرح جب قریش ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ عمارہ بن ولید کو لے کر ان کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے انہیں کہا "اسے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلے میں لے لو۔ وہ تمہارا بیٹا بن جائے گا۔ ہمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عطا کر دو ہم انہیں شہید کر دیتے ہیں"، انہوں نے جواب میں کہا "اے گروہ قریش! تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں تمہارا بیٹا لوں تاکہ اسے پالوں اور پوسوں اور تمہیں اپنا فرزند دوں تاکہ تم انہیں شہید کر دو"۔ پھر انہوں نے یہ اشعار کہے۔

وَاللہِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰی اُوَسَّدَ فِی التُّرَابِ دَفِیْنَا

اللہ کی قسم! یہ سارے مل کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک کہ مجھے مٹی میں دفن نہ کر دیا جائے۔

فَاصْدَعْ بِاَمْرِكَ مَا عَلَیْكَ غَضَاضَةٌ وَابْشِرْ بِذَاكَ وَ قَرَّ مِنْكَ عُیُوْنَا

آپ اپنا کام کرتے رہیں آپ کو کسی نقصان کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا آپ خوش ہو جائیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

دَعَوْتَنِیْ وَ عَلِمْتُ اَنَّكَ نَاصِحِیْ وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَ كُنْتَ ثَمَّ اَمِیْنَا

آپ نے مجھے بھی دعوت دی۔ میرا گمان ہے کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں۔ آپ نے سچ فرمایا پھر آپ تو امین بھی ہیں۔

لَوْلَا الْمَسَبَّةُ اَوْ حِذَارِ مَلَامَةٌ لَوَجَدْتَنِیْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِیْنًا

اگر میرا دین چھوڑنا عار یا ملامت نہ ہوتا تو آپ اس کے بارے واضح فیاضی پاتے۔

روایت ہے کہ جب جناب ابوطالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو رؤسائے قریش ان کے پاس جمع ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا اور قریش مکہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "بلاشبہ عمر اور حمزہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر پھیلنے لگا ہے۔ آؤ ہم خواجہ ابوطالب کے پاس جاتے ہیں۔ وہ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے مابین کچھ دے کر اور کچھ لے کر صلح کرا دیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر اس بزرگ کا انتقال ہو گیا اور ہم سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچ گئی تو اہل عرب ہمیں عار دلائیں گے۔ وہ کہیں گے "تم نے انہیں چھوڑے رکھا۔ حتیٰ کہ جب ان کے چچا جان کا انتقال ہو گیا تو تم انہیں تکالیف دینے لگے"۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ،

ابوجہل، امیہ بن خلف اور ابوسفیان بن حرب دیگر اور سردار جناب ابوطالب کے پاس گئے اور انہیں اپنے آنے کا مدعا بیان کیا۔ جناب ابوطالب نے حضور سید کائنات ﷺ کی طرف پیغام بھیجا۔ جب آپ تشریف لے آئے تو آپ کو قریش مکہ کی آمد کا مقصد عرض کیا۔ جناب ابوطالب نے کہا "اے میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم کے سردار ہیں۔ یہ آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تاکہ کچھ لے کر اور کچھ دے کر صلح کرلیں"۔ آپ کی قوم کے سردار جو کچھ مانگیں آپ انہیں عطا فرمادیں۔ انہوں نے انصاف کی بات کی ہے کہ آپ ان کے بتوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں اور وہ آپ کی اور آپ کے رب کی دعوت پر لبیک کہیں گے"۔ حضور داعی اعظم ﷺ نے فرمایا "تمہارا کیا خیال ہے کہ تم جو کچھ مانگو میں تمہیں عطا کردوں کیا تم مجھے صرف ایک کلمہ دے دو گے۔ جس سے تم سارے عرب کے مالک بن جاؤ گے اور سارا عجم بھی تمہارا دین اختیار کرلے گا"۔

ابوجہل نے کہا "ہم ایسے دس کلمات کہنے کے لئے تیار ہیں وہ کون سا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لو اور ان معبودان باطلہ کی پوجا چھوڑ دو"۔ قریش مکہ نے از روئے تعجب تالیاں بجائیں اور کہا "اے محمد عربی! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ان سارے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا جائے۔ آپ کا یہ امر بڑا عجیب ہے"۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بینات نازل کیں۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۝ (ص)

ایک اور روایت میں ہے کہ سرداران قریش نے کہا "کیا ہماری ساری حاجات ایک خدا پوری کرسکتا ہے؟ اس کلمہ کے علاوہ ہم سے کسی اور چیز کا تقاضا کریں"۔ ابوطالب نے کہا "میرے بھتیجے! اس کلمہ کے علاوہ اور کوئی کلمہ ہے۔ آپ کی قوم نے اسے پسند نہیں کیا ہے" آپ نے فرمایا "چچا جان! میں اس کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں کہتا"۔ پھر فرمایا "اگر تم سورج لاکر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو میں پھر بھی تم سے اس کلمہ کے علاوہ کسی اور کلمہ کا تقاضا نہیں کروں گا"۔ سرداران مکہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "بخدا! یہ شخص تمہیں وہ کچھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے جس کا تم ارادہ کئے ہو۔ واپس چلو۔ اپنے دین پر ثابت قدم رہو حتیٰ کہ رب تعالیٰ تمہارے اور ان کے مابین فیصلہ کردے" وہ اٹھنے لگے تو انہوں نے کہا "بخدا! ہم آپ کو اور آپ کے اس معبود کو صرف برا بھلا کہیں گے جو آپ کو یہ حکم دیتا ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا "ہمارے معبودان کو برا بھلا نہ کہا کریں ورنہ ہم آپ کے اس معبود کو برا بھلا کہیں گے جو آپ کو یہ حکم دیتا ہے"۔

اس وقت خواجہ ابوطالب نے کہا "میرے بھتیجے! میں نے دیکھا ہے۔ آپ نے قریش مکہ سے کسی مشکل امر کا سوال تو نہیں کیا" جب جناب ابوطالب نے یہ بات کی تو حضور ﷺ نے سمجھا کہ شاید جناب ابوطالب اب اسلام لے آئیں۔ آپ نے فرمایا "چچا جان! آپ یہ پاکیزہ کلمہ پڑھ لیں۔ اس کے ذریعہ روز حشر آپ کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے گی"۔ جب انہوں نے حضور سید دو عالم ﷺ کا یہ اصرار دیکھا تو کہا "اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے بعد آپ کو اور آپ کے چچازادوں کو عار دلائی جائے گی اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے خوف سے پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کردیتا۔ مگر میں بزرگوں کی ملت پر ہی مرتا ہوں"۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (القصص:55)

''بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جناب ابو طالب نے انتقال کے وقت کہا ''اے گروہ بنی ہاشم! تم محمد عربی ﷺ کی تصدیق کرلو۔ ان کی اطاعت کرلو۔ فلاح و کامرانی تمہارے قدم چوم لے گی''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''چچا جان! تم بنو ہاشم کو تو نصیحت کررہے ہو مگر اپنے آپ کو نصیحت نہیں کرتے''۔ جناب ابو طالب نے پوچھا ''اے میرے بھتیجے! آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ آپ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں میں بارگاہ صمدیت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا''۔ انہوں نے عرض کی ''اے میرے بھتیجے! میں جانتا ہوں کہ آپ سچے ہیں۔ لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ کہا جائے......''

ایک دفعہ قریش مکہ جناب ابو طالب کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے انہیں وصیت کرتے ہوئے کہا ''اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں سے منتخب کرلیا ہے تم سارے عرب کا دل ہو۔ اچھی طرح جان لو کہ تم نے تمام اچھی صفات اپنے اندر جمع کرلیں ہیں۔ شرف و عزت کے سارے مدارج تم نے پالئے ہیں۔ انہی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے تمہیں دوسری قوموں پر برتری حاصل ہے۔ میں تمہیں اس مکان (بیت اللہ الحرام) کی تعظیم کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس پر تمہاری معاش کا دارومدار ہے۔ اسی سے تمہارا دبدبہ قائم ہے۔ قریبی رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا، قطع رحمی سے باز رہنا۔ کیونکہ صلہ رحمی سے زندگی طویل ہوتی ہے اور دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بغاوت و سرکشی کو ترک کردینا۔ اسی وجہ سے پہلی اقوام ہلاک ہوئیں۔ جو دعوت دے اس کی دعوت قبول کرنا۔ سائل کو خالی نہ لوٹانا۔ کیونکہ اس میں زندگی اور موت کی عزت ہے۔ سچ بولنا، امانت میں خیانت نہ کرنا۔ ان خوبیوں کی وجہ سے خواص کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے اور عوام کے دلوں میں عزت جاگزیں ہوتی ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ سارے قبیلے میں وہ امین کے لقب سے ملقب ہیں۔ سارے اہل عرب انہیں ''الصدیق'' کہتے ہیں۔ جن خصائل حمیدہ کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے وہ سارے ان میں موجود ہیں۔ وہ ان تمام کے جامع ہیں۔ قسم بخدا! میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے مفلسوں اور ناداروں نے دور دراز کے علاقوں کے مکینوں نے، کمزور اور ضعیف لوگوں نے ان کی دعوت قبول کرلی ہے۔ انہوں نے ان کے دین کی تعظیم کی ہے۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بن گئے ہیں اور قریش کے سردار پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کے محلات غیر آباد ہو گئے ہیں۔ عرب کے سارے لوگ ان سے دلی محبت کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے اپنے دلوں کو ان کی محبت و عقیدت کے لئے مخصوص کرلیا ہے اور اپنی زمام قیادت ان کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اے قریش مکہ! اپنے باپ کے بیٹے کے مددگار اور دوست بن جاؤ۔ جنگوں میں ان کے حامی اور ناصر بن جاؤ۔ خدا کی قسم! جو شخص ان کی راہ پر چلے گا ہدایت پائے گا۔ جو ان کے دین کو قبول کرے گا وہ نیک بخت ہوگا۔ اگر میری زندگی میں گنجائش ہوتی اور میری موت میں تاخیر ہوتی تو میں ساری جنگوں میں ان کی مدد کرتا اور مصائب و آلام سے ان کا دفاع کرتا'' پھر ان کی روح عالم بالا کو پرواز کرگئی۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ذرا غور کرو اور عبرت حاصل کرو کہ جناب ابوطالب نے جو کچھ اپنی سچی فراست سے کہا تھا وہ حرف بحرف سچ ثابت ہوا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے متعلق قہار کی تقدیر سبقت لے گئی۔ اس میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔ اس طبعی محبت کی وجہ سے بھی بعض اہل آتش کے عذاب میں تخفیف ہوگی جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔

اس بحث کا لب لباب یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ تمام ظاہری نصوص شرعیہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خواجہ ابوطالب کا انتقال کفر پر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تو ان کے پاس تھی لیکن نہ تو انہوں نے سر اطاعت خم کیا اور نہ ہی اسلام لائے۔ صرف تصدیق نے نفع نہ دیا۔ جہاں تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا تعلق ہے کہ خواجہ ابوطالب نے وفات کے وقت کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا تو یہ روایت ضعیف ہے۔ یہ مذکورہ بالا نصوص کے مقابل میں نہیں آسکتی۔

اہل تشیع نے اس حدیث اور جناب ابوطالب کے بہت سے اشعار سے استنباط کرتے ہوئے ان کے اسلام کا موقف اختیار کیا ہے البتہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مؤقف اس نقطۂ نظر کے برعکس ہے۔ امام الشیخ السحیمی نے "جوہرۃ التوحید" کی شرح میں امام شعرانی اور امام سبکی اور بہت سے علماء کرام سے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بعض اہل کشف کے نزدیک ثابت ہے ان کے نزدیک جناب ابوطالب کا مسلمان ہونا ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری شریعت کے مطابق ان کے اسلام کو مبہم رکھا تاکہ ان صحابہ کرام کی تالیف قلبی ہو سکے جن کے آباء کافر تھے اگر جناب ابوطالب کی نجات کی صراحت کر دی جاتی جبکہ صحابہ کرام کے آباء کا کفر اور ان کا عذاب عیاں تھا تو ان کے دل نفرت کرنے لگتے۔ ان کے دلوں میں غصہ بھر جاتا جیسا کہ اس کی مثل پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "میرا باپ کہاں ہے؟" اگر ان کے لئے جناب ابوطالب کے اسلام کو ظاہر کر دیا جاتا تو وہ آپ سے عداوت شروع کر دیتے اور ان کے ساتھ قتال کرتے۔

جب جناب ابوطالب کا دفاع اور حمایت اظہر من الشمس ہے تو رب تعالیٰ نے ان کا ظاہری حال صحابہ کرام علیہم الرضوان کے آباء کی طرح رکھا اور باطن میں انہیں نجات عطا فرما دی۔ کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ نصرت کی۔ آپ کی حمایت اور دفاع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی" مگر یہ قول بعض اہل حقیقت کے نزدیک ظاہری شریعت کے مخالف ہے۔ عوام الناس میں اس قسم کی گفتگو نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ اس کے متعلق زیادہ غور وفکر نہیں کرنا چاہئے۔ یہ معاملہ رب دو جہاں کے سپرد کر دینا چاہئے۔ بندے کے لئے سلامتی کی راہ یہی ہے۔ "السیرۃ الحلبیہ" میں "الہدی النبوی از ابن قیم" سے منقول ہے کہ احکم الحاکمین کی حکمت میں سے ہے کہ جناب ابوطالب اپنے دین پر باقی رہے۔ اس میں وہ مصلحتیں ہیں جو اس کے لئے عیاں ہوتی ہیں جو غور وفکر کرتا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقرباء اور چچازادوں کے تاخیر اسلام میں حکمت ہے۔ جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اگر جناب ابوطالب اسلام لے آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اور بنو عم اسلام لانے میں جلدی کرتے تو کہا جاتا "یہ قوم خود میں سے ایک شخص پر فخر کرنے کا ارادہ رکھتی ہے"۔ لوگ ان سے تعصب رکھتے۔ جب دور دراز کے لوگوں نے اسلام لانے میں جلدی کی اور آپ کی محبت میں آکر دوسرے لوگوں سے قتال کیا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ جہاد کیا۔ اسے علم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچی بصیرت اور ثابت یقین پر ہیں۔

جب خواجہ ابو طالب کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ کو قریش کی طرف سے ایسی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا جن کی جرأت وہ ان کی زندگی میں نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ قریش کے ایک احمق نے حضور ﷺ کے سر اقدس پر مٹی پھینک دی۔ حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ سر اقدس پر مٹی پڑی تھی۔ ایک نور نظر آگے بڑھیں۔ وہ آپ کے سر اقدس سے مٹی ہٹاتی جاتیں۔ اور زار و زار روتی جاتیں۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا ''نور نظر! نہ رو۔ نہ رو! رب تعالیٰ تمہارے والد گرامی کا دفاع کرنے والا ہے''۔ حضور ﷺ فرماتے تھے ''میں نے قریش سے کسی ناپسندیدہ امر کا مشاہدہ نہ کیا حتیٰ کہ ابو طالب وفات پا گئے''۔ ان کی وفات کے بعد قریش آپ ﷺ کو اذیتیں دینے کے درپے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہاری وفات کو میں نے کتنی جلدی محسوس کر لیا ہے''۔ جب ابولہب تک یہ بات پہنچی تو وہ کچھ دن آپ کی نصرت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے عرض کی ''محمد مصطفیٰ ﷺ! جو چاہیں کریں۔ جناب ابو طالب کی زندگی میں جو کچھ آپ کرتے تھے کرتے رہیں۔ لات و عزیٰ کی قسم! قریش مکہ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے حتیٰ کہ میں مر جاؤں''۔ ابن عیطلہ نے حضور ﷺ کو برا بھلا کہا۔ ابولہب نے اس پر حملہ کر دیا وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ وہ چیخ رہا تھا ''ابو عتبہ (ابولہب) صابی ہو گیا ہے'' قریش مکہ ابولہب کے پاس آئے۔ انہوں نے پوچھا ''کیا تو نے عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دیا ہے؟ اس نے کہا ''میں نے تو نہیں چھوڑا'' دوسرے الفاظ میں ہے کہ قریش مکہ نے اس سے پوچھا ''کیا تو صابی ہو گیا ہے؟'' اس نے کہا ''میں نے عبدالمطلب کے دین کو نہیں چھوڑا۔ لیکن اپنے بھتیجے کی حمایت کر رہا ہوں کہ ان پر ظلم نہ ہو حتیٰ کہ وہ اپنا کام پایہ تکمیل تک پہنچا دیں''۔ قریش مکہ نے کہا ''تم نے اچھا کیا ہے۔ یہ کام بہت زیبا ہے تو نے صلہ رحمی کی ہے'' کچھ دن اسی طرح گزر گئے۔ قریش کا کوئی شخص حضور ﷺ سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ وہ ابولہب سے ڈرتے تھے۔ حتیٰ کہ ابو جہل اور عقبہ بن ابی معیط ابولہب کے پاس آئے۔ انہوں نے اسے کہا ''ذرا اپنے بھتیجے سے پوچھو کہ تمہارا باپ کہاں ہے وہ گمان کرتا ہے کہ وہ آگ میں ہے'' ابولہب نے حضور ﷺ سے پوچھا ''عبدالمطلب کا ٹھکانہ کہاں ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنی قوم کے ساتھ'' ابولہب، ابو جہل اور عقبہ کے پاس گیا۔ اس نے کہا ''میں نے ان سے پوچھا ہے۔ انہوں نے کہا ہے ''وہ اپنی قوم کے ہمراہ ہیں'' ان دونوں نے کہا ''ان کا گمان ہے کہ وہ آگ میں ہے'' ابولہب نے پوچھا ''محمد عربی (ﷺ) کیا عبدالمطلب آگ میں ہیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں!'' دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''جو بھی غیر اللہ کی عبادت کرتا ہوا مرا وہ آگ میں ہے''۔ ابولہب نے یہ سن کر حضور ﷺ کی نصرت اور حمایت کو چھوڑ دیا۔ حضرت عبدالمطلب کے بارے پہلے کافی تذکرہ ہو چکا ہے کہ ان کا وصال فترت میں ہوا یا وہ موحد تھے۔ حضور ﷺ نے ابولہب کو کتنا عمدہ جواب دیا۔ کیونکہ وہ یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کا وہی دین ہے جس دین پر حضرت عبدالمطلب کا وصال ہوا۔ اگر حضور ﷺ اہل فترت اور دیگر لوگوں کے مابین فرق ان کے لئے عیاں کر دیتے تو قریش کے کفر و عناد میں زیادتی کا سبب بنتا۔ وہ بتوں کی پرستش پر برقرار رہتے جبکہ حضور ﷺ کا ارادہ یہ تھا کہ انہیں بتوں کی پوجا سے نفرت دلائی جائے، اس مقام کے مناسب یہی بات تھی کہ حضور ﷺ عام کلام فرماتے اور ہر اس شخص کے عذاب کا اعلان فرماتے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ ان کے مابین نہ تو فرق فرماتے اور نہ ہی اہل فترت اور دیگر

لوگوں کے مابین فرق فرماتے۔ کیونکہ اس طرح انہیں بتوں کی پوجا سے زیادہ نفرت پر ابھارا جا سکتا تھا۔ جو شخص حضور ﷺ کے اس جواب کی زیبائی میں غور و فکر کرتا ہے۔ اس پر یہ راز آشکار ہو جاتا ہے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا "ہاں" ایک اور روایت میں ہے "وہ غیر اللہ کی عبادت پر مرے وہ آگ میں ہیں" ایک اور روایت میں ہے "جو شخص اس دین پر مرے گا جس پر عبدالمطلب کی وفات ہوئی......" ان روایات میں راویوں نے تصرف کیا ہے۔ "حضور ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بات صراحتاً نہیں فرمائی تھی کہ حضرت عبدالمطلب آگ میں ہیں"۔ حضور اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ اس طرح تھی۔ آپ ہر انسان کو اس کے حسب حال ارشاد فرماتے تھے۔ جو جواب اس کے عقل اور فہم کے مناسب ہوتا تھا جو شخص سابق حدیث "اَیْنَ اَبِیْ" والی روایت میں غور و فکر کرے گا اس کے لئے یہ بات عیاں ہو جائے گی۔ اس جیسی مثالیں سمجھنا اس کے لئے مشکل نہیں رہیں گی۔ حضور ﷺ سارے عالمین سے زیادہ دانا اور عقلمند تھے۔ ہر شخص کو اس کے حسب حال مخاطب کرتے تھے۔ جناب ابو طالب کی وفات 10ھ نبوت کو ہوئی تھی۔

ارہاصات

حضور ﷺ کے معصوم بچپن میں آپ کے دست اقدس سے بہت سے واقعات کا ظہور ہوا جنہیں ارہاصات کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ذوالحجاز کے مقام پر جناب ابو طالب کے ساتھ تھے۔ ذوالحجاز عرفۃ سے ایک فرسخ کے مقام پر ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کا بازار تھا۔ جناب ابو طالب کو بہت سخت پیاس لگی۔ انہوں نے حضور ﷺ سے اس پیاس کا شکوہ کیا۔ انہوں نے کہا "اے میرے بھتیجے! مجھے سخت پیاس لگی ہے"۔ حضور ﷺ نے اپنی مبارک ایڑھی زمین پر یا چٹان پر ماری۔ زبان اقدس سے کچھ کہا"۔ جناب ابو طالب نے فرمایا "مجھے ایک ایسا شفاف اور شیریں پانی ملا کہ میں نے اس سے قبل اس طرح کا پانی نہ دیکھا تھا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "پانی پئیں"۔ میں نے پانی پیا۔ خوب سیر ہو گیا حضور ﷺ نے اسی جگہ مبارک ایڑی ماری تو وہ زمین یا چٹان پہلے کی طرح ہو گئی۔

حضور ﷺ نے یمن کی طرف سفر فرمایا۔ اس وقت عمر مبارک دس سال تھی۔ آپ کے چچا زبیر اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔ اہل کارواں ایک ایسی وادی سے گزرے۔ جس میں ایک اونٹ تھا جو ہر گزرنے والے کو مارتا تھا۔ جب اس اونٹ نے آپ کی زیارت کی تو وہ فوراً زمین پر بیٹھ گیا اور اپنے سینے سے زمین رگڑنے لگا۔ حضور ﷺ اپنے اونٹ سے نیچے اتر آئے۔ اس اونٹ پر سوار ہو گئے حتیٰ کہ وہ وادی عبور کر لی، پھر اسے چھوڑ دیا۔ واپسی پر کارواں ایک ایسی وادی سے گزرا جو پانی سے بھری ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میرے پیچھے پیچھے آؤ" حضور ﷺ اس وادی میں گھس گئے سارا قافلہ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے تھا۔ رب تعالیٰ نے پانی کو خشک فرما دیا۔ جب اہل کارواں مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے لوگوں کو اس واقعہ کے متعلق بتایا۔ لوگوں نے کہا "اس بچے کی شان بڑی رفیع ہو گی"۔

ایک قیافہ شناس

السیرۃ الشامیۃ میں ہے کہ بنولہب کا ایک شخص قیافہ شناس تھا۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں آتا تو قریش اپنے بچے لے کر اس کے پاس جاتے۔ وہ انہیں دیکھ کر ان کے مستقبل کے متعلق پیش گوئی کیا کرتا تھا۔ جناب ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے پاس لے کر آئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے معصوم بچپن میں تھے۔ اس نے آپ کو دیکھا۔ پھر وہ دوسرے بچوں میں مصروف ہو گیا۔ جب وہ فارغ ہوا تو اس نے کہا "میرے پاس وہی من موہنا بچہ لے کر آؤ۔ تمہارے لئے بربادی! میرے پاس وہی بچہ لے کر آؤ۔ جسے میں نے ابھی ابھی دیکھا ہے۔ بخدا! وہ بچہ بڑی شان کا مالک ہے"۔ جب خواجہ ابو طالب نے اس کا یہ حرص دیکھا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھپا دیا۔

سفر شام

جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بارہ سال ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق سترہ سال ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان نے شام کی طرف سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ فرط محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ چمٹ گئے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عم محترم کی اونٹنی کی زمام پکڑ لی۔ فرمایا "محترم چچا جان! مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ میرے والد محترم بحیات نہیں۔ میری امی جان بھی وصال فرما چکی ہیں"۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ لیا۔ آپ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ یہ کارواں ایک پادری کے ہاں فروکش ہوا۔ اس پادری نے پوچھا "اس بچہ کا تمہارے ساتھ کیا تعلق ہے؟" خواجہ ابو طالب نے کہا "یہ میرا فرزند دلبند ہے" پادری نے کہا "یہ تمہارا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اس کے والد گرامی قدر کو زندہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس میں نبوت کی ساری علامات پائی جاتی ہیں۔ ان علامات میں سے ایک علامت یہ بھی ہے یعنی قدیمی کتب میں ہے کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی انتقال کر جائیں گے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے صدف بطن میں ہوں گے۔ آپ کے معصوم بچپن میں آپ کی امی جان بھی وصال فرما جائیں گی"۔ جناب ابو طالب نے گرجا کے مکین سے پوچھا "نبی کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا "وہ ہستی پاک نبی ہوتی ہے جن کے پاس آسمان سے غیب کی خبریں آتی ہیں۔ اور وہ خبریں اہل زمین کو بتاتے ہیں"۔ ابو طالب نے کہا "اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے" پادری نے کہا "انہیں یہودیوں سے بچاؤ"۔ جناب ابو طالب وہاں سے روانہ ہوئے۔

ایک اور راہب کے ہاں فروکش ہوئے۔ اس راہب نے پوچھا "اس بچے کا تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے"۔ انہوں نے کہا "یہ میرے نور نظر ہیں"۔ راہب نے کہا "اس مبارک بچے کے باپ کو زندہ نہیں ہونا چاہئے"۔ جناب ابو طالب نے پوچھا "کیوں؟" راہب نے کہا "کیونکہ ان کا چہرۂ انور نبی کا چہرہ اور ان کے چشمان مقدس ایک نبی کی آنکھیں ہیں" یعنی یہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو اس امت اخیرہ کے لئے مبعوث ہوں گے کیونکہ ان کی یہ علامات قدیمی کتب میں موجود ہیں۔

جناب ابو طالب نے کہا "سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" پھر جناب ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے مخاطب ہو کر کہا "اے میرے بھتیجے! کیا آپ سن رہے ہیں کہ یہ راہب کیا کہہ رہا ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "محترم چچا جان! انکار نہ کریں، رب تعالیٰ کو قدرت کاملہ حاصل ہے"۔

جب یہ کارواں بصریٰ پہنچا تو وہاں ایک راہب کا بسیرا تھا۔ اس کا نام جرجیس یا برجیس تھا۔ وہ اپنے گرجا میں رہتا تھا۔ وہ نصرانیت کے علم کا ماہر تھا۔ وہ علم اسے نسل در نسل حاصل ہوا تھا۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصیوں سے علم حاصل کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق بحیرا یہودی علماء میں سے تھا۔ اس نے حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ سے قبل ایک صدا سنی تھی۔ جس میں کہا گیا تھا "اہل زمین میں بہترین تین افراد ہیں (1) رباب بن براء (2) بحیرا (3) ایک اور ہستی جو ابھی تک عالم رنگ و بو میں جلوہ نما نہیں ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "وہ نبی منتظر ہیں" قریش کے کارواں اکثر بحیرا راہب کے پاس سے گزرتے تھے۔ یہ ان سے بات تک نہ کرتا تھا۔ اس سال اس نے اس قافلہ کے لئے کھانا تیار کیا یہ اپنے گرجا کی چھت پر تھا۔ اس نے اس کارواں میں حضور ﷺ کو آتے ہوئے دیکھا۔ سارے کارواں میں سے صرف آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بادل سایہ فگن تھے۔ جب وہ کارواں ایک درخت کے نیچے اترا تو اس نے اس بادل کو دیکھا وہ درخت پر سایہ فگن تھا۔ درخت کی شاخیں حضور ﷺ پر جھک گئیں تھیں۔ کارواں کے دوسرے لوگ حضور ﷺ سے پہلے اس درخت کے سایہ کے نیچے پہنچ چکے تھے۔ جب حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہو گئے تو درخت کا سایہ خود بخود ان پر جھک گیا۔ پھر راہب نے اس کارواں کی طرف یہ پیغام بھیجا "اے گروہ قریش! میں نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے میری خواہش ہے کہ تم سارے تمہارے چھوٹے بڑے، تمہارے غلام اور آزاد اس کھانے میں شرکت کریں"۔ قریش میں سے ایک شخص نے کہا "اے بحیرا! آج تمہاری عجیب شان آشکارا ہو رہی ہے۔ ہم پہلے بھی اس راستہ سے گزرتے رہتے تھے تم پہلے تو اس طرح ہمارے لئے کھانا تیار نہیں کرتے تھے۔ آج تمہاری نرالی کیفیت ہے"۔

بحیرا نے کہا "تو نے سچ کہا ہے۔ حقیقت اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے، لیکن تم مہمان ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری عزت افزائی کروں۔ تمہارے لئے کھانا پکاؤں جسے تم سب کھاؤ"۔ سارے قریش اس کے پاس جمع ہو گئے۔ لیکن حضور ﷺ ساری قوم میں سے کم عمر ہونے کی وجہ سے درخت کے نیچے ہی ٹھہر گئے تھے۔ جب بحیرا نے قریش کے ان افراد کو دیکھا تو اسے ان میں سے کسی میں بھی نبوت کی وہ علامات نظر نہ آئیں جو اس کے پاس مرقوم تھیں۔ نہ کسی کے سر پر بادل سایہ کناں تھا۔ اس نے بادل کو دیکھا وہ حضور ﷺ پر سایہ فگن تھا۔ اس نے کہا "اے قوم قریش! تم میں سے کوئی میرے کھانے سے پیچھے تو نہیں رہ گیا" قریش نے کہا "ہم میں سے کوئی بھی تمہارے کھانے سے پیچھے نہیں رہا۔ سارے افراد آگئے ہیں سوائے اس نوجوان کے جو ہم سب میں سے کم عمر ہے"۔ بحیرا نے کہا "اس طرح نہ کرو۔ اسے بھی بلاؤ۔ وہ بھی تمہارے ساتھ کھانے میں شرکت کرے۔ یہ کتنی بری بات ہے کہ تم سب تو کھانے میں شرکت کرنے کے لئے آگئے ہو۔ مگر ایک شخص پیچھے رہ گیا ہے میرا خیال ہے کہ اس کا تعلق تمہارے ساتھ ہی ہے"۔ قریش مکہ نے کہا "اللہ کی قسم! اس کا نسب پاک ہم سب سے عمدہ ہے۔ وہ اس شخص (ابو طالب) کا بھتیجا ہے۔ وہ جناب عبد المطلب کی اولاد میں سے ہے"۔ حضور ﷺ کے چچا حارث بن

عبدالمطلب جلدی سے اٹھ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے آئے۔ اور دیگر افراد کے ساتھ بٹھا دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ شخص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے گئے تھے وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ کیونکہ وہ بھی اس وقت قافلہ قریش کے ہمراہ تھے۔ مگر یہ روایت درست نہیں کیونکہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عمر میں چھوٹے تھے۔ پہلی روایت ہی درست ہے۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے سایہ سے نکل کر راہب کے گرجا کی طرف جا رہے تھے تو اسی اثناء میں بھی بادل آپ کے سر اقدس پر سایہ فگن تھا۔ جب بحیرا نے یہ منظر دیکھا تو عالم استعجاب میں آپ کو دیکھنے لگا۔ آپ کے اعضاء مبارکہ میں سے ہر ہر عضو کا بغور مشاہدہ کرنے لگا۔ اس ہر وصف کو بنظر غائر دیکھنے لگا جو اس کے پاس مکتوب تھا۔ جب قوم قریش کھانے سے فارغ ہوگئی اور جانے لگی تو بحیرا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے عرض کی "میں آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں جو آپ سے پوچھوں آپ اس کا مجھے صحیح جواب مرحمت فرمائیں"۔ بحیرا نے اس طرح اس لئے کہا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو اس طرح قسمیں اٹھاتے سنا تھا۔ "الشفاء" میں ہے کہ بحیرا نے اس طرح کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لات و عزیٰ کی قسم اٹھا کر مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ بخدا! مجھے جتنا ان معبودان باطلہ سے بغض ہے کسی اور سے نہیں"۔ بحیرا نے کہا "میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں آپ سے پوچھوں آپ اس کا صحیح جواب ارشاد فرمائیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پوچھو!" بحیرا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند اور اس کی ہیئت کے متعلق سوالات کئے۔ کچھ اور امور کے متعلق پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے یہ جوابات اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے بالکل موافق تھے جو نبی آخر الزمان کے شمائل حمیدہ اس کے پاس مرقوم تھے۔ پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر انور سے کپڑا ہٹایا تو وہاں مہر نبوت موجود تھی۔ وہ بالکل اسی طرح تھی جس طرح اس نے پڑھا تھا۔ وہ مہر نبوت کو چومنے لگا۔ قریش نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس راہب کے ہاں قدر و منزلت پا گئے ہیں"۔ جب راہب فارغ ہوا تو اس نے آپ کے چچا جناب ابوطالب کی طرف توجہ کی۔ اس نے پوچھا "اس بچے کا آپ کے ساتھ کیا تعلق ہے؟" جناب ابوطالب نے کہا "یہ میرا لخت جگر ہے"۔ راہب نے کہا "یہ تمہارے فرزند دلبند نہیں ہیں"۔ اس من موہنے بچے کے والد گرامی کو زندہ نہیں ہونا چاہئے"۔ جناب ابوطالب نے کہا "یہ میرا بھتیجا ہے"۔ راہب نے پوچھا "ان کے والد گرامی کو کیا ہوا؟ جناب ابوطالب نے کہا "ان کا انتقال ہو گیا جبکہ یہ ابھی شکم مادر میں تھے"۔ راہب نے کہا "تم نے سچ کہا ہے"۔ پھر اس نے پوچھا "ان کی امی جان کو کیا ہوا؟" جناب ابوطالب نے کہا "ابھی ابھی ان کا وصال ہوا ہے"۔ راہب نے کہا "آپ نے سچ کہا ہے اپنے اس بھتیجے کو لے کر اپنے شہر لوٹ جائیں"۔ ان کے متعلق یہود سے محتاط رہنا۔ اگر انہوں نے انہیں دیکھ لیا اور وہ علامات جان گئے جو میں نے دیکھ لی ہیں تو وہ انہیں شر پہنچائیں گے۔ تمہارے اس بھتیجے کی شان بڑی رفیع ہوگی۔ ہم ان کا تذکرہ اپنی کتب میں پاتے ہیں۔ وہ تذکرہ ہمارے آباء نے روایت کیا ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ انہیں لے کر اپنے شہر لوٹ جاؤ"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب خواجہ ابوطالب نے کہا "یہ میرا بھتیجا ہے" تو بحیرا نے کہا "کیا آپ کو اس سے محبت ہے"

انہوں نے فرمایا "از حد محبت ہے" بحیرا نے کہا "بخدا! اگر آپ انہیں شام لے گئے اور شام کے اندر داخل کر دیا تو وہاں کے یہودی آپ کو شہید کر دیں گے"۔ جناب ابو طالب حضور سید المرسلین ﷺ کو واپس مکہ معظمہ لے آئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جناب ابو طالب نے کہا "راہب! اگر یہ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو تو یہ رب تعالیٰ کی نگہبانی میں ہیں"۔ جناب ابو طالب نے حضور ﷺ کو واپس بھیج دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جناب ابو طالب حضور ﷺ کو خود لے کر مکہ مکرمہ میں واپس آ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بحیرا نے کہا "یہ عالمین کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کرے گا"۔ قریش کے بزرگوں نے پوچھا "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ بحیرا نے کہا "جب تم گھاٹی میں اتر رہے تھے تو ہر پتھر اور درخت سجدہ ریز تھا۔ شجر و حجر صرف نبی کو سجدہ کرتے ہیں۔ بادل صرف ان پر سایہ کناں تھا۔ میں نے انہیں اس مہر نبوت سے بھی پہچان لیا ہے جو کندھے کی ہڈی کے نیچے ہے"۔

ایک روایت میں ہے کہ سات رومی حضور ﷺ کو پہچان گئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ بحیرا نے انہیں واپس لوٹا دیا۔ بحیرا نے انہیں کہا "مجھے اس امر کے متعلق بتاؤ جس کا رب تعالیٰ نے فیصلہ کر لیا ہو۔ کیا لوگوں میں سے کوئی اسے واپس پھیر سکتا ہے"۔ رومیوں نے جواب دیا "نہیں" انہوں نے اس بات پر بحیرا کی بیعت کی کہ وہ حضور ﷺ کو نہ شہید کریں گے، نہ گرفتار کریں گے نہ اذیت دیں گے"۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہما کے ہمراہ واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ زیادتی خطاء ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے۔ اس سفر میں حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام کی حیثیت سے اس کارواں میں شامل تھے۔ اس طرح سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی بعض اقارب کے ساتھ اس قافلہ میں شریک تھے۔ یہ دونوں حضور ﷺ کے ہمراہ واپس آ گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب کاروان قریش سرزمین شام میں بصری کے بازار میں فروکش ہوا۔ تو اس جگہ ایک بیری کا درخت تھا۔ حضور اکرم ﷺ اس کے سایہ میں جلوہ افروز ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک راہب کے پاس گئے اس راہب کو بحیرا کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اس سے کچھ پوچھا۔ راہب نے پوچھا "اس بیری کے درخت کے نیچے کون رونق افروز ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (ﷺ) ہیں"۔ اس راہب نے کہا "بخدا! وہ اس امت کے نبی کریم ﷺ ہیں"۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے بعد محمد عربی ﷺ اس کے سایہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضرت روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا "میرے بعد اس درخت کے نیچے محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے علاوہ اور کوئی کھڑا نہ ہوگا"۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "شاید یہ سفر جس میں جناب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ تھے کوئی اور سفر تھا۔ یہ وہ سفر تھا جس میں حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ یہ راہب بحیرا نہیں تھا بلکہ نسطورا تھا"۔ یہ روایت بعض راویوں پر مشتبہ ہو گئی۔

بحیرا، نسطورا اور ان لوگوں کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی کہ کیا ان کا شمار صحابہ میں ہوگا یا نہیں۔ حق بات یہ ہے کہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت نہ پائی اسے صحابہ کرام میں شمار

نہیں کیا جائے گا۔ یہ بحیرا راہب اس بحیرا کے علاوہ ہے جو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے آئے۔ وہ صحابی ہیں۔ انہوں نے شراب پینے کی تحذیر کے متعلق ایک حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

عصمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے عیوب اور گندگیوں سے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعتبار سے سب سے احسن بن گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فواحش اور اخلاق رذیلہ میں سب سے زیادہ بچنے والے تھے۔ جو لوگوں کو میل آلود کر دیتے ہیں۔ آپ مروت کے اعتبار سے قوم سے بلند اور میل میلاپ کے اعتبار سے کریم تھے۔ آپ پڑوس کے اعتبار سے بہترین اور حلم کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ امین اور صادق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حلم، صبر، شکر، عدل، زہد، تواضع، عفت، جود، سخاوت، شجاعت، حیاء اور مروت جیسے اخلاق عالیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع فرما دیئے تھے۔ اس لئے قوم آپ کو الامین کے لقب سے یاد کرتی تھی۔ السیرۃ الحلبیہ میں ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضور امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں قریش کے بچوں میں موجود تھا۔ ہم پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک نے کپڑے اتارے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے کپڑوں پر پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ میں بھی بچوں کے ہمراہ اسی طرح آنے جانے لگا کہ اچانک کسی نے مکا مارا، جس کا درد مجھے نہ ہوا۔ اس نے مجھے کہا "اپنا ازار بند باندھ لیں۔ میں نے ازار بند لیا اور اسے باندھ لیا۔ پھر پتھر اٹھا کر لانے لگا۔ اپنے ساتھیوں میں سے صرف میں نے ہی ازار بند باندھا ہوا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا واقعہ اس وقت بھی پیش آیا جبکہ جناب ابو طالب زمزم کے کنویں کو درست کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معصوم بچپن میں تھے، آپ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے آپ نے اپنا ازار بند لیا اور اسی پر پتھر اٹھا کر لانے لگے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو جناب ابو طالب نے پوچھا "تو آپ نے فرمایا" ایک آنے والا میرے پاس آیا۔ اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے مجھے کہا "اپنا ازار بند باندھ لو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم گاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ اس طرح کا ایک واقعہ اس وقت بھی رونما ہوا جب قریش مکہ خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جن قبیح افعال میں لوگ زمانہ جاہلیت میں مبتلا تھے ان میں سے میں نے کسی فعل کا ارادہ نہیں کیا سوائے دو بار کے۔ دونوں بار رب تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مجھ پر نزول وحی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ایک دفعہ میرے ساتھ ایک جوان تھا۔ ہم مکہ مکرمہ کی بلند جگہ پر بکریاں چرا رہے تھے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے مکہ مکرمہ کے ایک جوان سے کہا۔ جبکہ ہم اپنے اہل خانہ کی بکریاں چرا رہے تھے۔ میں نے اسے کہا "تم میری بکریوں کی نگرانی کرو۔ حتیٰ کہ میں اس رات مکہ مکرمہ میں جا کر قصہ گوئی سن سکوں۔ جس طرح کہ دیگر جوان ان قصوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں"۔ اس جوان نے ہامی بھر لی۔ میں وہاں سے نکلا مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے گھر کے پاس آیا تو مجھے وہاں سے دف، مزامیر اور گانے کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" مجھے بتایا گیا کہ فلاں مرد نے فلانہ عورت سے شادی کی ہے۔ یہ آواز اسی کی خوشی کی وجہ

سے آرہی ہے۔ میں وہ آوازیں سننے بیٹھ گیا اچانک مجھ پر نیند غالب آگئی۔ میں وہیں سو گیا۔ مجھے دھوپ نے بیدار کیا میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹ گیا اور اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ ایک اور رات بھی اس طرح کا واقعہ پیش آیا''۔

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ''قریش زمانہ جاہلیت میں بوانہ کے پاس عید مناتے تھے۔ بوانہ وہ بت تھا قریش مکہ جس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کی تعظیم بجالاتے۔ اس کے لئے جانور ذبح کرتے اور اس کے پاس قسمیں اٹھاتے تھے۔ قریش مکہ ہر سال میں ایک رات اس کے پاس اعتکاف کرتے تھے۔ جناب ابو طالب اپنی قوم کے ہمراہ اس کے پاس آتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہاں جانے کے لئے کہا، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ام ایمن فرماتی ہیں ''میں نے دیکھا کہ جناب ابو طالب آپ پر سخت ناراض ہوئے''۔ خواتین نے کہا ''اے محمد عربی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیشہ ہمارے بتوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ان کی وجہ سے آپ کو کسی اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ عید میں شرکت کرتے ہیں نہ ہی ان کے لئے کچھ جمع کرتے ہیں''۔ وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ پھر آپ مرعوب اور گھبرا کر واپس تشریف لے آئے۔ خواتین قریش نے پوچھا ''آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا ''مجھے خطرہ ہے کہ کہیں شیطان مجھے مس نہ کر دے''۔ ان خواتین نے عرض کی ''رب تعالیٰ آپ کو اس آزمائش میں مبتلا نہیں کرے گا''۔ آپ ہر قسم کے اخلاق حمیدہ اور شمائل پاکیزہ سے آراستہ ہیں۔ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب بھی میں ان بتوں کے پاس گیا تو اچانک ایک طویل اور سفید شخص نمودار ہوا۔ وہ میرے پیچھے زور سے کہتا ''محمد عربی (فداہ روحی) بتوں کو ہاتھ تک بھی نہ لگانا'' حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''آپ نے کبھی بھی اس عید میں شرکت نہ کی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا تاج آپ کے سر پر سجا دیا''۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے ''میں نے زید بن عمرو کو سنا جب بھی کوئی جانور غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا تو وہ اس پر عیب لگاتا''۔ وہ قریش مکہ سے کہتا ''بکری کو رب تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ زمین سے چارہ پیدا کرتا ہے۔ پھر تم اسے غیر اللہ کے لئے ذبح کر دیتے ہو''۔ میں نے کبھی بھی اس چیز کو چکھا بھی نہیں جسے بتوں پر ذبح کیا گیا ہو حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا تاج زرنگار میرے سر پر سجا دیا''۔ اس روایت میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ سبب اصلی یہی تھا کہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہلیت کی ہر برائی سے محفوظ کر دیا تھا۔ یہ زید بن عمرو زمانہ فترت میں دین ابراہیمی پر تھا۔ اس نے نہ تو یہودیت اختیار کی نہ ہی نصرانیت۔ اس نے بتوں اور ان جانوروں سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی جنہیں بتوں پر ذبح کیا جاتا تھا۔ یہ بچیوں کو زندہ درگور کرنے سے روکتا تھا۔ جب کوئی شخص اگر اپنی بچی کو زندہ درگور کرنے لگتا تو یہ اس بچی کو اس کے باپ سے لے لیتا اور اس کی کفالت کرتا۔ جب یہ کعبہ مقدسہ میں داخل ہوتا تو کہتا ''لَبَّيْكَ حَقًّا تَعَبُّدًا وَرِقًّا عُذْتُ بِمَا عَاذَ بِهِ اِبْرَاهِيْمُ'' یہ صرف خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے سجدہ ریز ہوتا اس کے لخت جگر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم زید اسی طرح تھا جس طرح کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس کے متعلق سنا۔ آپ اس کے لئے

مغفرت طلب کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں!" آپ نے اس کے لئے مغفرت طلب کی اور فرمایا "وہ روز حشر اکیلا ایک امت کی صورت میں اٹھے گا"۔ زید بن عمرو ان چار افراد میں سے ایک تھا جنہوں نے بتوں، مردار اور بتوں پر ذبح کئے گئے جانوروں کو چھوڑ دیا تھا۔ حتیٰ کہ قریش مکہ کے لئے ایک دن ایسا بھی ہوتا تھا جس میں وہ اپنے ایک بت کے پاس جا کر عید مناتے تھے۔ وہ اس کے پاس اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ اس کے پاس اعتکاف بیٹھتے تھے۔ اور اس دن اس کا طواف کرتے تھے۔ یہ چاروں حضرات ایک دوسرے سے کہتے تھے "تم جانتے ہو کہ تمہاری قوم کسی چیز پر نہیں ہے۔ انہوں نے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے دین کو تبدیل کر دیا ہے۔ وہ ایسے پتھر کے اردگرد محو طواف ہیں جو نہ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے نہ نقصان دے سکتا ہے نہ ہی نفع پہنچا سکتا ہے"۔ پھر وہ متفرق شہروں میں بکھر گئے۔ وہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے دین کی جستجو کرنے لگے۔ یہ چار افراد درج ذیل تھے۔ ❶ زید بن عمرو ❷ ورقہ بن نوفل ❸ عبید اللہ بن جحش ❹ عثمان بن حویرث۔ زید بن عمرو خطاب کا بھتیجا تھا۔ اس نے بعثت کو نہیں پایا۔ اسی طرح ورقہ بن نوفل نے بھی بعثت کو نہیں پایا۔ صحیح قول یہی ہے۔ عثمان بن حویرث نے بھی بعثت نہ پائی۔ یہ ملک الروم قیصر کے پاس گیا اور نصرانیت اختیار کر لی۔ عبید اللہ بن جحش نے بعثت پائی۔ اسلام قبول کیا حبشہ کی طرف ہجرت کی، وہاں نصرانیت اختیار کر لی۔ اس نصرانیت پر مرا۔ یہ حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ بنت سفیان رضی اللہ عنہا کا خاوند تھا۔ اس کے بعد ام المؤمنین حضور ﷺ کے حبالہ عقد میں آ گئیں۔ زید بن عمرو قریش سے کہا کرتا تھا "مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں زید بن عمرو کی جان ہے کہ میرے علاوہ تم میں سے کوئی بھی دین ابراہیمی پر نہیں"۔ اس کے چچا خطاب نے اسے مکہ مکرمہ سے نکال دیا۔ یہ حراء میں سکونت پذیر ہو گیا۔ لوگ اسے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیتے تاکہ یہ ان کا دین نہ خراب کر دے۔ پھر یہ دین حنیف کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ علماء یہود اور راہبوں سے اس دین کے متعلق پوچھتا حتیٰ کہ یہ موصل پہنچ گیا۔ پھر شام کی طرف نکل گیا۔ وہ ایک راہب کے پاس پہنچا جو نصرانیت کا سب سے بڑا عالم تھا۔ اس سے دین حنیف کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا "تم ایسے دین کے متلاشی ہو کہ آج ایک شخص بھی اس دین حنیف کی طرف راہ نمائی کرنے والا نہیں۔ وہ وقت آ گیا ہے کہ تمہارے شہر سے ایک نبی کریم ﷺ کا ظہور ہو گا وہ دین حنیف کے ساتھ مبعوث ہو گا۔ ان کے ساتھ مل جانا۔ ان کی بعثت کا زمانہ یہی ہے"۔ زید بن عمرو جلدی جلدی عازم سفر ہوا۔ وہ مکہ مکرمہ کا ارادہ کئے ہوئے تھا۔ جب وہ لخم کے شہروں تک آیا تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ جبل حراء کے دامن میں دفن کر دیا۔ روایت ہے کہ اس نے عامر بن ربیعہ سے کہا "میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو اولاد اسماعیل میں سے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ میں ان کے عہد مبارک کو نہیں پا سکوں گا۔ میں ان کا دین اختیار کرتا ہوں۔ ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی برحق ہوں گے۔ اگر تمہیں طویل زندگی نصیب ہو تم ان کی زیارت سے بہرہ مند ہو جاؤ تو میری طرف سے انہیں سلام پیش کرنا"۔ حضرت عامر نے فرمایا "جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے حضور اکرم ﷺ کو زید کا سلام پیش کیا۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا اور اس کے لئے عمدہ جذبات کا اظہار فرمایا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ نے فرمایا "میں جنت میں داخل

ہوا میں نے زید بن عمرو کے لئے دو عظیم درخت دیکھے"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی "کیا آپ نے کبھی کسی بت کی پوجا کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں" آپ سے پوچھا گیا "کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟" آپ نے فرمایا "نہیں" میں لگاتار یہی سمجھتا رہا ہوں کہ جن عقائد پر قریش مکہ ہیں وہ سراپا کفر ہیں۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ کتاب اور ایمان کی طرف دعوت کیسے دوں"۔ دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب سے میں پروان چڑھا ہوں تو مجھے ہمیشہ سے بتوں اور اشعار سے نفرت رہی ہے"۔

گلہ بانی

حضور امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے گلہ بانی بھی فرمائی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منیر میں رحمت و رأفت کے جذبات زیادہ ہو سکیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا علم و عرفان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو بھی مبعوث نہیں کیا مگر وہ گلہ بانی کرتا تھا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ بھی بکریاں چراتے رہے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں! میں بھی قراریط پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا تھا"۔

قراریط درہم اور دینار کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے جس سے حوائج حقیرہ خریدی جا سکیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس جگہ قراریط سے مراد مکہ مکرمہ کی ایک جگہ ہے۔ دوسری روایت میں "بالقراریط باجیاء" کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ پہلی روایت میں اجرت جبکہ دوسری روایت میں جگہ کا تذکرہ ہے۔ بکریوں کو چرانا دیگر سارے جانوروں کو چرانے سے مشکل امر ہے۔ اس سے دل میں لطف اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وصف جب مخلوق کی نگہبانی کی طرف منتقل ہوتا ہے تو چرواہے سے ظلم و ستم کے جذبات پہلے ہی ختم ہوتے ہیں۔ اس کی جگہ عدل گستری کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ بارگاہ رسالت پناہ میں اونٹوں کے مالکوں اور بکریوں کے مالکوں کے مابین فخر کا مقابلہ ہونے لگا۔ اونٹوں کے مالکوں نے خود کو زیادہ قابل فخر سمجھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو وہ گلہ بانی کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے تو وہ بھی گلہ بانی کرتے تھے میں مبعوث ہوا تو میں بھی گلہ بانی کرتا تھا میں اجیاء پر اپنے خاندان کی بکریاں چراتا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بکریاں سراپا برکت ہیں۔ جبکہ اونٹ اپنے مالک کے لئے باعث عزت ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کے بارے میں فرمایا "ان میں ہماری معیشت، ان کی صوف ہمارے لئے عمدہ لباس اور ان کے بال ہمارے لئے چادریں ہیں"۔ ایک اور روایت میں ہے "ان کا موٹاپا ہماری معیشت اور ان کا صوف ہمارے لئے عمدہ لباس ہے" ایک اور روایت میں ہے "اونٹوں کے مالکوں میں فخر و تکبر اور بکریوں کے مالکوں میں سکینت اور وقار ہوتا ہے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم درخت اراک کا پھل چننے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "درخت اراک کا سیاہ سیاہ پھل چنو۔ یہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ میں بھی یہ پھل چنتا تھا

جب میں بکریاں چراتا تھا''۔ ہم عرض پیرا ہوئے'' یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ بکریاں بھی چراتے تھے''۔ آپ نے کہا''ہاں! ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں''۔ کسی شخص کو یہ عار نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضور ﷺ گلہ بانی کرتے تھے۔ کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں کمال ہے۔ ایک امر نبی کے لئے تو کمال ہو سکتا ہے لیکن کسی دوسرے شخص کے لئے وہ کمال نہیں ہوتا جس طرح کہ حضور ﷺ کا ''امی'' ہونا آپ کے لئے کمال ہے۔

حرب الفجار

حضور ﷺ اس جنگ کے وقت بھی موجود تھے۔ اس وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک چودہ سال تھی۔ حضور ﷺ فرماتے تھے''میں نے اپنے چچاؤں کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کی۔ میں نے ان کی طرف سے تیر اندازی کی۔ میرا اس جنگ میں شرکت نہ کرنا مجھے زیادہ پسندیدہ تھا''۔ دوسرے قول کے مطابق آپ ﷺ نے تیر اندازی نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے تھے۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ عکاظ کے بازار میں بدر بن معشر الغفاری کے لئے ایک جگہ متعین تھی جہاں وہ بیٹھا کرتا تھا۔ وہ اس محفل میں بیٹھ کر لوگوں پر فخر کرتا تھا۔ ایک روز وہ اس جگہ ٹانگ پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس نے کہا''میں سارے عرب سے معزز ہوں۔ جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مجھ سے معزز ہے وہ میری اس ٹانگ پر اپنی تلوار مار دے۔ ایک شخص نے جھپٹ کر اس کی ٹانگ پر تلوار ماری اور اس کے گھٹنے کو جدا کر دیا۔ دوسرے قول کے مطابق اس نے اسے صرف زخمی کیا تھا۔ اس وجہ سے چار روز تک لگاتار جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ میں جناب ابو طالب نے بھی شرکت کی۔ حضور ﷺ ان کے ہمراہ تھے۔ جب آپ میدان جنگ میں تشریف لے آتے تو بنو ہوازن کو شکست ہو جاتی اور اگر آپ تشریف نہ لاتے تو کنانہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑتا۔ بنو کنانہ نے کہا'' آپ ضرور تشریف لایا کریں حضور ﷺ تشریف لے آتے''۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اس جنگ میں ابو براء ملاعب الاسنہ کو نیزہ مارا۔ وہ بنو قیس کا سردار اور ان کا علمبردار تھا۔ اس جنگ کو حرب الفجار اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ اس جنگ میں اہل عرب نے سرکشی کی تھی۔ کیونکہ یہ جنگ حرمت والے مہینے میں لڑی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی جنگوں کو حرب الفجار کہا جاتا ہے۔ کل ایسی چار جنگیں ہیں۔ اس حرب الفجار کے تیسرے روز امیہ بن عبد شمس اور حرب نے خود کو زنجیروں میں جکڑ لیا تاکہ وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہ کریں۔ اس لئے انہیں عقابس کہا جانے لگا۔ پھر انہوں نے آئندہ سال عکاظ کے مقام پر جنگ آزما ہونے کا وعدہ کیا اور جدا ہو گئے۔ آئندہ سال فریقین حسب وعدہ میدان جنگ میں اترے قریش اور کنانہ کی زمام قیادت عبداللہ بن جدعان التیمی کے ہاتھ میں تھی۔ دوسرے قول کے مطابق قائد حرب بن امیہ تھا۔ کیونکہ یہ اس وقت قریش اور کنانہ کا سردار تھا۔ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس یتیم تھا اور حرب کی کفالت میں تھا۔ یہ اس کا چچازاد تھا۔ حرب اس سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ اسے اپنے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ عتبہ اس کی اجازت کے بغیر ہی میدان جنگ میں چلا گیا۔ اسے اس وقت معلوم ہوا جب یہ دونوں فریقوں کے مابین کھڑے ہو کر یہ اعلان کر رہا تھا''اے گروہ مضر! تم کیوں برباد ہو رہے ہو؟ بنو ہوازن نے اسے کہا'' تو ہمیں کس چیز کی طرف بلاتا ہے'' عتبہ نے کہا''اس بات پر صلح کی طرف کہ ہم تمہیں تمہارے مقتولوں کی دیت دے دیتے ہیں

اور اپنے مقتولوں کی دیت تمہیں معاف کرتے ہیں"۔ قریش اور کنانہ نے ہوازن کا قتل عام کیا تھا۔ ہوازن نے پوچھا "وہ کیسے؟" عتبہ نے کہا "ہم تمہارے پاس کوئی چیز بطور رہن رکھیں گے حتیٰ کہ ہم تمہارے مقتولوں کی دیت ادا کر دیں" ہوازن نے پوچھا "اس کی ذمہ داری کون اٹھائے گا؟" عتبہ نے کہا "میں" ہوازن نے پوچھا "تم کون ہو؟" عتبہ نے کہا "میں عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ہوں" ہوازن، قریش اور کنانہ اس بات پر راضی ہو گئے۔ انہوں نے اپنے چالیس افراد ہوازن کے سپرد کیے جن میں حکیم بن حزام جیسی شخصیت بھی تھی۔ یہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ جب بنو ہوازن نے چالیس افراد اپنے ہاں بطور رہن دیکھے تو انہوں نے بھی اپنے مقتولوں کا خون معاف کر دیا اور ان افراد کو چھوڑ دیا۔ اس طرح حرب الفجار ختم ہو گئی۔ عتبہ بن ربیعہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کا باپ تھا یہ غزوہ بدر میں واصل جہنم ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ اور جناب ابو طالب کے علاوہ کوئی شخص مال کے بغیر سردار نہ بنا۔ یہ دونوں مال کے بغیر سردار بنے۔

حلف الفضول

اس معاہدہ کا شمار عرب کے معزز ترین معاہدوں میں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت رونما ہوا تھا جب قریش مکہ حرب الفجار سے واپس آئے تھے۔ وہ ہستی جس نے سب سے پہلے اس معاہدہ کی دعوت دی وہ زبیر بن عبد المطلب تھے۔ بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو اسد نے ان کی اس صدا پر لبیک کہا۔ یہ معاہدہ عبد اللہ بن جدعان تیمی کے گھر ہوا تھا۔ بنو تیم اس کی حمایت میں یکجان تھے۔ یہ ہر روز اپنے گھر میں ایک اونٹ ذبح کرتا تھا۔ پھر اس کا منادی یہ اعلان کرتا تھا "جو گوشت اور چربی لینے کا خواہاں ہو وہ ابن جدعان کے گھر کا رخ کرے یہ فالودہ بنا کر قریش کو کھلاتا تھا۔ اس سے قبل یہ کھجور ستو کھلاتا اور دودھ پلاتا تھا۔ امیہ بن ابی الصلت بنو عبد المدان کے پاس سے گزرا۔ اس نے ان کا کھانا دیکھا۔ اس میں گندم کا آٹا، شہد اور پنیر تھا۔ امیہ نے کہا

وَلَقَدْ رَاَیْتُ الْفَاعِلِیْنَ وَ فِعْلَهُمْ ‏ وَرَاَیْتُ اَكْرَمَهُمْ بَنِی الدَّیَانِ

میں نے کارناموں کو سرانجام دینے والوں کو بھی دیکھا ہے اور ان کے کارناموں کا بھی مشاہدہ کیا ہے میں نے دیکھا ہے کہ بنو دیان سب سے زیادہ معزز ہیں۔

اَلْبُرُّ یُلْبَكُ بِالشِّهَادِ طَعَامُهُمْ ‏ لَا مَا یُعَلِّلُنَا بَنُو جُدْعَانَ

ان کے کھانا میں شہد ملایا جاتا ہے وہ کھانا اس طرح نہیں جس طرح بنو جدعان ہمیں پلاتے ہیں۔

امیہ کے یہ اشعار عبد اللہ بن جدعان تک پہنچ گئے۔ اس نے ایک کارواں بصریٰ شام کی طرف بھیجا وہ وہاں سے گندم، شہد اور پنیر لے کر آئے۔ پھر عبد اللہ کے منادی نے اعلان کیا "عبد اللہ بن جدعان کے پیالے کی طرف آ جاؤ" پھر امیہ بن ابی صلت نے ابن جدعان کی تعریف میں کہا

أَ أَذْكُرُ حَاجَتِي أَمْ قَدْ كَفَانِي ‏ حَيَاؤُكَ اِنَّ شِيْمَتَكَ الثَّنَاءُ

کیا میں تمہارے پاس اپنی ضرورت بیان کروں یا تمہارا حیا ہی مجھے کافی ہے۔ کیونکہ عمدہ تعریف تمہاری رگ و پے میں بسا ہے۔

كَرِيمٌ لَا يُغَيِّرُهُ صَبَاحٌ عَنِ الْخُلُقِ الْجَمِيلِ وَ لَا مَسَاءُ

کریم شخص کو نہ تو صبح خلق جمیل سے روک سکتی ہے اور نہ ہی شام اسے باز رکھ سکتی ہے۔

يُبَارِي الرِّيحَ مَكْرُمَةً وجُودًا إِذَا مَا الضَّبُّ أَحْجَرَهُ الشِّتَاءُ

وہ جود و سخا میں ہوا سے بھی بڑھ کر ہے جب موسم گرما گوہ کو بھی بل کے اندر جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔

یہ عبداللہ بہت زیادہ شرف وقدر کا مالک تھا۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں بھی اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی۔ اس سے قبل یہ شراب کا رسیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک رات یہ نشہ میں مخمور تھا۔ اس نے چاند کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ تاکہ اسے پکڑ لے۔ اس کی یہ حرکت دیکھ کر اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ جب اس کی حالت درست ہوئی تو اس کے ساتھیوں نے اسے بتایا پھر اس نے یہ عہد کر لیا کہ وہ آج کے بعد شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اس طرح عثمان بن مظعون الجمحی نے بھی زمانہ جاہلیت میں خود پر شراب حرام کر رکھی تھی۔ اس نے کہا ''میں وہ چیز ہر گز نہیں پیوں گا جس سے میری عقل زائل ہو جائے اور مجھ پر ایسا شخص ہنسنے لگے جو مجھ سے کم درجہ ہو''۔

جب قریش نے حلف الفضول کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن جدعان نے ان کے لئے کھانا تیار کروایا۔ ''قریش مکہ نے رب تعالیٰ کے نام اقدس پر یہ پختہ اور محکم وعدہ اور عہد کیا کہ وہ مظلوم کی اعانت کریں گے حتیٰ کہ وہ اس کا حق دلائیں گے جب تک کہ سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا''۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی ''ابن جدعان کھانا کھلاتا تھا۔ مہمان نوازی کرتا تھا۔ بھلائی کے کام کرتا تھا۔ کیا روز حشر اسے یہ امور فائدہ دیں گے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''نہیں! کیونکہ اس نے ایک روز بھی یہ عرض نہیں کی ''مولا! روز حشر میرے گناہ معاف کر دے''۔ (مسلم شریف) یعنی وہ مسلمان نہ تھا۔ کیونکہ ایسی بات کسی مسلمان سے ہی نکل سکتی ہے۔ عبداللہ کی کنیت ابو زہیر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ بدر کے اسیروں کے متعلق فرمایا ''اگر ابو زہیر زندہ ہوتا وہ یہ قیدی مانگتا تو میں اسے عطا کر دیتا''۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان کا پیالہ اتنا بڑا تھا کہ ایک سوار اپنے اونٹ پر چڑھ کر اس میں سے کھا سکتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو جہل ابن جدعان کے دستر خوان پر جمع ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم بچپن میں تھے۔ ابو جہل بھی کم سن ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو جہل کو نیچے گرا دیا اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں دوپہر کے وقت عبداللہ بن جدعان کے پیالہ کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا''۔

عبداللہ بن جدعان ابتداء میں ایک مفلس شخص تھا۔ لیکن وہ بہت شرارتی اور ہوشیار تھا۔ وہ ہمیشہ برے کاموں میں مشغول رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا باپ اور اس کی قوم اس سے تنگ آ گئے۔ اس نے اپنے قبیلے کو ناراض کر دیا اس کے باپ نے بھی اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیا۔ اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنے بیٹے کو کبھی بھی پناہ نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ اس کی وجہ سے قرضہ کے بوجھ کے نیچے دب چکا تھا۔ عبداللہ حیران و ششدر مکہ معظمہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل گیا۔ وہاں موت کی تمنا کرنے لگا۔ اچانک اسے غار میں ایک شگاف نظر آیا اس نے گمان کیا کہ شاید وہاں سانپ ہے۔ وہ شگاف کے اندر چلا گیا۔ اس نے

اچانک وہاں بہت بڑا ناگ دیکھا۔ اس کی دونوں آنکھیں چراغوں کی طرح روشن تھیں۔ سانپ نے عبداللہ پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ اپنا دفاع کرنے کے لئے ایک طرف ہٹ گیا وہ اس پر حملے کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اسے گمان غالب ہو گیا کہ یہ سانپ مصنوعی ہے۔ اس نے اسے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ وہ سانپ سونے کا تھا اس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں۔ اس نے وہ آنکھیں توڑ دیں پھر وہ اس غار کے اندر چلا گیا۔ اس نے وہاں بادشاہوں کی لاشیں دیکھیں۔ اس نے اس جگہ بہت سا سونا، چاندی، جواہرات، یاقوت اور زبرجد دیکھا۔ اس نے وہاں سے اتنا کچھ حاصل کیا جتنا کچھ حاصل کر سکا۔ پھر اس غار پر نشان لگا دیا۔ پھر آہستہ آہستہ وہاں سے دیگر اشیاء منتقل کرنے لگا اس نے وہاں ایک تختی دیکھی جس پر لکھا تھا "میں نفیلہ بن جرہم بن قحطان بن ہود نبی اللہ علیہ السلام ہوں۔ میں پانچ سو سال تک زندہ رہا۔ میں نے دولت، بزرگی اور سلطنت کے حصول کے لئے نشیب و فراز چھان مارے۔ مگر یہ سب کچھ مجھے موت سے نہ بچا سکے"۔ پھر عبداللہ نے اپنے باپ کی طرف وہ رقم بھیج دی جو اس نے اس کی مختلف دیتوں میں ادا کی تھی۔ اس نے اپنے سارے قبیلے کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ وہ خود بھی اس خزانہ سے خرچ کرنے لگا۔ لوگوں کو بھی کھلانے لگا۔ وہ نیکی کے کام کرنے لگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قریش نے اس شرط پر یہ معاہدہ کیا کہ وہ کسی سے ظلماً چھینی ہوئی چیز مالک کو واپس کریں گے اور ظالم مظلوم کی طرف دست تعدی نہیں بڑھا سکے گا۔ جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا۔ اور جب تک حراء اور ثبیر اپنی جگہ پر قائم رہیں گے۔ یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ اس معاہدہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے آپ فرماتے تھے "میں اس معاہدہ کے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا۔ اگرچہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں۔ اگر اسلام میں اس طرح کا معاہدہ کرنے کی طرف بلایا جائے تو میں ضرور اس قسم کا معاہدہ کروں گا"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اس وقت وہیں جلوہ افروز تھا جب عبداللہ بن جدعان کے گھر حلف الفضول ہو رہا تھا۔ میں اسے ختم کرنے کے عوض سرخ اونٹ لینا بھی پسند نہیں کروں گا۔ اگر مجھے اسلام میں اس طرح کا معاہدہ کرنے کے لئے کہا جائے تو میں ضرور معاہدہ کروں گا"۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف المطیبین میں بھی شرکت کی۔ مگر یہ مؤقف درست نہیں کیونکہ یہ معاہدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم رنگ و بو میں جلوہ افروز ہونے سے قبل طے پایا تھا۔ یہ معاہدہ بنو عبد مناف بن قصی یعنی بنو ہاشم، بنو عبد شمس، بنو مطلب، بنو نوفل، بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تیم، بنو حارث کے مابین ہوا تھا۔ انہیں مطیبون کہا جاتا تھا۔ ان کے ساتھ ان کے چچازاد بنو عبد الدار بن قصی بھی تھے۔ بنو مخزوم، بنو سہم، بنو جمح اور بنو عدی ان کے حلیف تھے۔ انہیں احلاف کہا جاتا تھا۔

حلف الفضول کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ زبید کا ایک شخص مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے پاس کچھ سامان تھا جسے عاصی بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ یہ مکہ مکرمہ کا سردار تھا۔ اس نے اس کی قیمت روک لی۔ اس شخص نے بنو عبد الدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم، بنو عدی سے مدد طلب کی۔ مگر انہوں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ الٹا اسے جھڑک دیا۔ یہ شخص طلوع آفتاب کے وقت کوہ ابی قبیس پر چڑھ گیا قریش مکہ اپنی اپنی مجالس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے باآواز بلند یہ اشعار پڑھے۔

یَا آلَ فِهْرٍ لِمَظْلُوْمٍ بِضَاعَتُهُ بِبَطْنِ مَكَّةَ نَائِي الدَّارِ وَالنَّفَرِ

اے فہر کی اولاد! اس مظلوم کی فریاد سنو جس کا مال و متاع شہر مکہ میں ظلماً چھین لیا گیا ہے وہ غریب الدیار ہے وہ اپنے وطن سے دور اپنے مددگاروں سے دور ہے۔

وَ مُحْرِمٍ اَشْعَثَ لَمْ يَقْضِ عُمْرَتَهُ بِالرِّجَالِ بَيْنَ الْحِجْرِ وَالْحَجَرِ

وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا اے مکہ کے رئیسو! مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے مابین ظلم کیا گیا ہے۔

اِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ كَرَامَتُهُ وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الْفَاجِرِ الْغَدَرِ

عزت و حرمت تو اس کی ہے جس کی شرافت کامل ہو۔ جو فاجر اور دھوکہ باز ہو اس کے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں۔

یہ دردناک اشعار سن کر زبیر بن عبد المطلب، عبد اللہ بن جدعان اور دیگر رؤساء اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک قول کے مطابق حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہما بھی اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے معاہدہ کیا کہ وہ ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرتے ہوئے ید واحد ہوں گے۔ حتیٰ کہ وہ مظلوم کا حق ادا کر دے پھر یہ سارے عاصی بن وائل کے پاس گئے۔ اس سے اس زبیدی شخص کا سامان چھینا اور اس کے حوالے کر دیا۔

امام سہیلی نے اس معاہدہ کا ایک اور سبب بھی تحریر کیا ہے وہ یہ کہ خثعم کا ایک شخص عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ہمراہ اس کی بیٹی تھی۔ جو بہت خوبرو تھی۔ نبیہ بن حجاج نے اس بچی کو اغواء کر کے اسے غائب کر دیا۔ اس خثعمی نے کہا "اس ظالم کے خلاف میری مدد کون کرے گا؟" اسے بتایا گیا کہ وہ حلف الفضول کے پاس جائے۔ وہ کعبہ مشرفہ کے پاس کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے صدا لگائی "اے حلف الفضول والو!" اس کی درد بھری آواز سن کر وہ جوان ہر سمت سے اس خثعمی کے پاس آنے لگے۔ انہوں نے اپنی تلواریں سونت رکھی تھیں۔ وہ پکار رہے تھے "اے فلاں! تجھے کیا ہوا ہے؟ تیرے پاس مدد آ چکی ہے" اس شخص نے کہا "نبیہ نے میری بیٹی مجھ سے چھین لی ہے" وہ جوان اس شخص کے پاس گئے۔ انہوں نے دروازہ پر دستک دی نبیہ باہر آیا تو حلف الفضول والوں نے کہا "تو اس لڑکی کو لے آ ورنہ تو جانتا ہے کہ ہم کون ہیں اور ہمارا معاہدہ کیا ہے؟" نبیہ نے کہا "یہ رات وہ لڑکی میرے پاس رہنے دو کل میں تمہیں لوٹا دوں گا"۔ جوانوں نے کہا "نہیں! اللہ کی قسم! یہ اس طرح ممکن نہیں جس طرح حاملہ اونٹنی سے دودھ نہیں نکالا جا سکتا" اس نے اسی وقت وہ لڑکی ان کے حوالے کر دی۔

حافظ دمیاطی کی سیرت نبویہ میں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ولید بن عتبہ کے مابین مال کے متعلق جھگڑا ہو گیا۔ وہ مال حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں تجھے رب تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میرا حق پورا پورا ادا کر دے ورنہ میں شمشیر بے نیام لوں گا۔ مسجد نبوی میں کھڑا ہو جاؤں گا اور حلف الفضول والوں کو پکاروں گا"۔ بہت سے لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اس پکار پر لبیک کہا۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس وقت یہ بھی مدینہ طیبہ میں ہی موجود تھے۔ جب ولید تک یہ خبر پہنچی تو اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پورا پورا حق ادا کر دیا۔

سفر شام

حضور سیاح لامکان ﷺ دوسری بار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف تجارت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ اس وقت عمر مبارک پچیس سال تھی۔ اس سفر کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے چچا جان جناب ابو طالب نے آپ سے عرض کی "میرے محترم بھتیجے! میں ایک ایسا شخص ہوں جس کا دامن مال و ثروت سے خالی ہے۔ زمانے کی سختیاں ہم پر شدید ہو گئیں ہیں۔ ہمیں قحط سالی کا سامنا ہے۔ ہمارے پاس نہ سرمایہ ہے نہ تجارت کا سامان۔ یہ آپ کی قوم کا کارواں ہے جو شام کی طرف جا رہا ہے۔ خدیجہ آپ کی قوم کے لوگوں کو تجارت کی غرض سے بھیجتی ہیں۔ وہ لوگ ان کے مال میں تجارت کرتے ہیں۔ اور منافع حاصل کرتے ہیں۔ کاش! آپ بھی خدیجہ کے پاس جائیں وہ آپ کی طہارت اور پاکیزگی نفس کی وجہ سے آپ کو دیگر لوگوں پر ترجیح دیں گی۔ میں اگرچہ ناپسند کرتا ہوں کہ آپ شام تشریف لے جائیں۔ مجھے آپ کے متعلق یہودیوں سے خطرہ ہے۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "شاید اس ضمن میں خدیجہ خود مجھ سے رابطہ کریں" جناب ابو طالب نے کہا "مجھے خدشہ ہے کہ وہ امور تجارت کسی اور شخص کے سپرد کر دیں گی۔ پھر آپ ایسے امر کی جستجو میں ہوں گے جو آپ سے دور جا چکا ہوگا"۔ اسی بات پر دونوں ہستیاں ایک دوسرے سے جدا ہو گئیں۔ یہ باتیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تک پہنچ گئیں۔ وہ اس سے قبل بھی حضور سید کائنات ﷺ کی راست بازی، امانت اور اخلاق کریمانہ سے آشنا تھیں۔ انہوں نے فرمایا "میں نہیں جانتی تھی کہ وہ خود اس امر کے خواہاں ہیں"۔ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا "میں آپ کی صداقت، امانت اور اخلاق عالیہ سے خوب آگاہ ہوں۔ آپ میرا سامان لے کر شام تشریف لے جائیں میں آپ کو اس نفع سے دوگنا نفع دوں گی جو آپ کی قوم کے کسی اور فرد کو دیتی ہوں"۔ حضور ﷺ نے یہ بات اپنے چچا جان کو بتائی۔ انہوں نے کہا "یہ وہ رزق ہے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عنایت کیا ہے"۔

حضور ختمی مرتبت ﷺ عازم سفر ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا غلام میسرہ تھا۔ وقت روانگی انہوں نے میسرہ سے کہا "نہ تو حضور ﷺ کی کسی رائے کی مخالفت کرنا نہ حکم کی نافرمانی کرنا" حضور ﷺ کے چچے اس کارواں کو الوداع کہنے کے لئے گئے۔ آپ ﷺ یونہی عازم سفر ہوئے تو بادل آپ پر سایہ فگن ہو گیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بہت شرف و قدر والی خاتون تھیں۔ بہت زیادہ ثروت مند تھیں وہ سامان جو بغرض تجارت شام بھیجا کرتی تھیں وہ قریش کے سارے سامان کے برابر ہوتا تھا۔ وہ اجرت پر لوگوں کو لے لیتیں اور بطور مضاربت ان کے ساتھ معاملات کرتیں۔ قریش ایک تجارت پیشہ قوم تھی۔ جو تاجر نہ ہوتا ان کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ حضور ﷺ کارواں کے ساتھ عازم سفر ہوئے حتیٰ کہ بصریٰ کے بازار میں جلوہ افروز ہوئے۔ حضور ﷺ نسطورا راہب کے گرجا کے پاس ایک درخت کے نیچے جلوہ نما ہوئے۔ نسطور میسرہ کا واقف تھا۔ اس نے اسے دیکھا اور کہا "میسرہ! یہ پاکباز ہستی کون ہے جو اس درخت کے نیچے جلوہ فگن ہے" اس نے کہا "اہل حرم میں سے قریش کے ایک فرد ہیں" راہب نے اس سے کہا "حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے بعد اس درخت کے نیچے ایک نبی کریم ﷺ نے ہی نزول اجلال فرمایا ہے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب راہب نے آپ ﷺ میں وہ ساری علامات دیکھ لیں جو اس کی کتب قدیمہ میں موجود تھیں اور آپ کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں جس طرح کہ چشمان مقدس کی سرخی وغیرہ تو اس نے آپ کے سر اقدس اور قدمین شریفین کے بوسے لیے۔ اس نے کہا "میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ ہستی پاکباز ہیں جس کا ذکر خیر رب تعالیٰ نے تورات میں کیا ہے"۔ جب اس نے ختم نبوت کی زیارت کی تو اسے بھی بوسے دینے لگا"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نسطورا نے عرض کی "اے محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میں نے آپ میں وہ ساری علامات دیکھ لیں ہیں جو آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور ہماری کتب قدیمہ میں جن کا تذکرہ ہے۔ مگر ابھی ایک نشانی باقی ہے ذرا اپنے شانہ اقدس سے کپڑا اٹھائیں"۔ حضور اکرم شفیع معظم ﷺ نے شانہ مبارک سے کپڑا اٹھایا تو وہاں مہر نبوت تاباں تھی۔ نسطورا اسے چومنے لگا۔ اس نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم وہی نبی امی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے دی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میرے بعد اس مبارک درخت کے نیچے نبی امی، ہاشمی، عربی، مکی، صاحب حوض وشفاعت ولواء حمد ہی جلوہ افروز ہوں گے"۔

حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے مبارک دور سے لے کر حضور ﷺ کے عہد ہمایوں تک اس درخت کا باقی رہنا ممکنات میں سے ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا باقی رہنا معجزہ ہو۔ یا یہ زیتون کا درخت ہو۔ زیتون کے درخت کی عمر تین ہزار سال تک ہوسکتی ہے۔ کوئی مانع نہیں کہ رب تعالیٰ نے مخلوق کو اس درخت کے نیچے قیام کرنے سے روک رکھا ہو۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ اس کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ اس کے نیچے جلوہ نما ہوئے تو اس کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا ہو۔ وہ کسی اور کے لئے نہ جھکا ہو"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نسطورا نے میسرہ سے پوچھا "کیا ان کی چشمان مقدس میں سرخی ہے"۔ میسرہ نے کہا "ہاں! وہ سرخی تو چشم مازاغ سے کبھی جدا نہیں ہوتی"۔ یہ سن کر نسطورا نے کہا "یہ وہی ہیں، وہی ہیں، وہی ہیں۔ یہ آخری نبی ہیں۔ ہائے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ اعلان نبوت فرمائیں گے"۔ میسرہ نے نسطورا کی یہ بات ذہن میں بٹھالی۔ حضور ﷺ بصریٰ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ آپ سامان تجارت فروخت کرنے لگے۔ سودا بازی میں آپ کا ایک شخص سے اختلاف ہو گیا۔ اس شخص نے کہا "آپ لات وعزیٰ کی قسم اٹھائیں" حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے کبھی ان کی قسم نہیں اٹھائی" اس شخص نے کہا "آپ کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم ہے"۔ پھر وہ شخص میسرہ کو ایک طرف لے گیا۔ اس نے کہا "یہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ہمارے علماء آپ کے اوصاف حمیدہ اپنی کتاب میں لکھے ہوئے پاتے ہیں"۔ میسرہ نے یہ بات بھی اپنے ذہن میں بٹھالی۔ پھر یہ کارواں واپس لوٹ آیا۔ میسرہ دھوپ میں دو فرشتے دیکھتا تھا جو حضور ﷺ کے اوپر سایہ فگن ہوتے تھے۔ جب یہ قافلہ مکہ مکرمہ واپس لوٹا تو دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اپنے چوبارے پر کھڑی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے اور دو فرشتے آپ پر سایہ کناں تھے۔ یہ روایت ابونعیم نے لکھی ہے۔ دیگر محدثین نے یہ اضافہ کیا ہے "انہوں نے یہ

دلربا منظر دیگر خواتین کو بھی دکھایا۔جسے دیکھ کر وہ درطۂ حیرت میں ڈوب گئیں حضور ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔انہیں دوگنا نفع کے متعلق بتایا۔وہ بہت زیادہ مسرور ہوئیں۔جب میسرہ ان کے پاس آیا تو اس نے بھی ان تعجب خیز امور کا تذکرہ کیا جو اس نے مشاہدہ کئے تھے۔اس نے نسطورا راہب کی بات اور اس شخص کی بات بھی گوش گزار کی جس نے آپ کے ساتھ سودا کیا تھا اور بیع میں مخالفت ہوگئی تھی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو پہلے سے دوگنا نفع ہوا تھا۔انہوں نے حضور ﷺ کو طے شدہ حصہ سے دوگنا پیش کیا۔دوسری روایت میں ہے "انہوں نے اپنا سامان فروخت کیا اور اتنا نفع حاصل کیا کہ اس سے قبل انہیں نفع نہیں ہوا تھا" حتیٰ کہ میسرہ نے عرض کی "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! میں نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لئے چالیس سے زیادہ تجارتی سفر کئے ہیں۔میں نے آج سے زیادہ نفع کبھی نہیں دیکھا۔یہ آپ کی برکات ہیں"۔بصریٰ پہنچنے سے قبل حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے دو اونٹ تھک گئے۔میسرہ ان کے ہمراہ پیچھے رہ گیا۔حضور ﷺ کارواں کے آگے آگے تھے۔میسرہ کو اپنے بارے اور اپنے اونٹوں کے متعلق خطرہ محسوس ہونے لگا۔وہ بھاگتا بھاگتا حضور ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوگیا۔ساری صورت حال عرض کی۔حضور ﷺ ان دو اونٹوں کے پاس تشریف لے آئے۔ان کے خفوں پر اپنا دست شفا بخش رکھا انہیں دم فرمایا۔آپ کی برکت سے وہ سارے قافلہ سے آگے نکل گئے۔وہ مسرت وشادمانی سے آوازیں نکال رہے تھے۔اللہ تعالیٰ نے میسرہ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت ڈال دی۔گویا کہ وہ آپ کا غلام تھا۔جب آپ مرالظہران پہنچے۔حضور ﷺ نے میسرہ کو آگے آگے جانے کا حکم دیا۔تاکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو نفع کے متعلق بتائے اور انہیں مژدہ حاصل ہو۔میسرہ نے وہ ملائکہ دیکھے جو حضور ﷺ پر سایہ فگن تھے۔اس امر میں ملائکہ کو دیکھ لینے کے جواز پر دلیل ہے۔حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا تھا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المنقذ من الضلالہ" میں لکھا ہے کہ صوفیائے کرام عالم بیداری میں ملائکہ کو دیکھتے ہیں کیونکہ ان کے دل اور نفوس پاک اور صاف ہو چکے ہوتے ہیں۔وہ علائق دنیوی سے منقطع ہو چکے ہوتے ہیں۔جاہ ومال کی محبت سے ان کے دل خالی ہو چکے ہوتے ہیں۔وہ علم دائمی اور عمل مسلسل سے رب تعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں"۔یہ قول امام حلبی نے نقل کیا ہے۔انہوں نے یہ بھی لکھا ہے حضور ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لئے دو سفر جرش (یمن) کی طرف بھی کئے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے لئے کئی سفر کئے تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے عقد زواج

اس سفر کے دو ماہ اور بیس دن کے بعد حضور خاتم النبیین ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد نکاح فرمالیا۔حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو زمانہ جاہلیت اور عہد اسلام میں "الطاہرہ" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔یہ نام ان کی عفت اور پاکیزگی کی وجہ سے رکھا گیا تھا۔انہیں سیدہ نساء قریش کہا جاتا تھا۔اس سے قبل ان کا نکاح ابوہالہ بناش بن زرارہ التمیمی سے ہوا تھا۔یہ زمانہ جاہلیت میں مرگیا تھا۔حضرت ہند رضی اللہ عنہ اس کے فرزند دلبند تھے۔یہ درجہ صحابیت پر فائز تھے۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان

سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے "مجھے میرے ماموں نے بیان کیا ہے" کیونکہ یہ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے والدہ ماجدہ کی طرف سے بھائی تھے۔ جنگ جمل میں یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس خاوند سے ان کا ایک اور بیٹا بھی ہوا جس کا نام ہالہ تھا۔ ابو ہالہ کے مرنے کے بعد انہوں نے عتیق بن عابد سے نکاح کر لیا۔ اس سے ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی۔ جس کا نام ہند تھا حضرت ہند رضی اللہ عنہا بھی شرف اسلام سے مشرف ہوئیں۔ صحابیت کا مرتبہ علیا پایا۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عتیق بن بناش سے قبل ان سے نکاح کیا تھا۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد نکاح کیا اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ انہوں نے خود ہی اپنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ انہوں نے عرض کی "میرے چچازاد! میں آپ کی قرابت، قوم میں آپ کی فضیلت، امانت، آپ کے حسن خلق اور صداقت کی وجہ سے آپ میں میلان اور رغبت رکھتی ہوں"۔

حضرت نفیسہ بنت منیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایک ممتاز، دانا، بہادر اور شریف النفس عورت تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے بھی ان کے ساتھ عزت و کرامت کا ارادہ کر لیا تھا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا قریش میں سے بہترین نسب اور سب سے زیادہ شرف کی مالک تھیں۔ سب سے زیادہ مال و دولت ان کے پاس ہی تھا۔ قوم قریش کے سارے مرد ان کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ اگر وہ اس بات پر قدرت رکھتے۔ کئی افراد نے اس امر کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ اس امر کے لئے مال و دولت بھی خرچ کی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر شام سے واپس تشریف لا چکے تھے۔ میں نے عرض کی "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے پاس کچھ نہیں جس سے میں شادی کروں" میں نے عرض کی "اگر میں اس کی ذمہ داری اٹھا لوں۔ آپ کو مال، جمال اور شرف کی طرف دعوت دوں تو کیا آپ میری درخواست قبول کر لیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ کون ہے؟" میں نے عرض کی "خدیجہ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ میرے لئے کیسے ممکن ہے؟" میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور انہیں ساری باتیں عرض کیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ فلاں وقت میرے پاس آئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ ان کا نکاح کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے چچاؤں کو ساری بات بتا دی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنا آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیوں پیش کیا؟ اس کا ایک سبب تو وہ واقعات تھے جو ان کے غلام میسرہ نے انہیں بتائے تھے۔ دوسرا انہوں نے خود بھی کئی علامات دیکھ لیں تھیں انہوں نے یہ ساری باتیں ورقہ بن نوفل کو بتائیں۔ ورقہ نے کہا "خدیجہ! اگر یہ باتیں سچ ہیں تو پھر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امت کے نبی ہیں۔ مجھے علم ہے کہ وہ اس امت کے نبی ہوں گے۔ وہ نبی منتظر ہیں یہ ان کا زمانہ ہے"۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ قریش کی خواتین کے لئے ایک عید ہوتی تھی۔ جس میں وہ ایک جگہ جمع ہوتی تھیں۔ وہ عید کے روز جمع تھیں۔ ایک یہودی ان کے پاس آیا۔ اس نے کہا "قریش کی خواتین! عنقریب تم میں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے تم

میں سے جوان کی زوجہ بننے کی استطاعت رکھتی ہو تو وہ ضرور ایسا کر گزرے" قریش کی خواتین نے یہ سنا تو اس یہودی کو پتھر مارنے لگیں۔ مگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس یہودی کی بات کو بگوش ہوش سنا۔ دیگر خواتین کی طرح یہودی کو پتھر نہ مارے بلکہ اس کی بات دل میں بٹھالی۔

جب میسرہ نے علامات دیکھیں اور انہیں بتائیں اور انہوں نے خود بھی بہت سی نشانیاں دیکھی تھیں۔ انہوں نے کہا "جو کچھ یہودی نے کہا تھا اگر وہ سچ ہے تو یہ اس امت کے نبی ہیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات اپنے چچاؤں کو بتائی تو وہ بہت مسرور ہوئے۔ جناب ابو طالب اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد کے پاس آئے۔ دوسرے قول کے مطابق ان کے چچا عمرو بن اسد کے پاس آئے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس اونٹنیاں بطور حق مہر دیں۔ دوسرے قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی بطور حق مہر دی۔ تیسرے قول کے مطابق چار سو دینار دیئے۔ اس موقع پر مضر کے رؤساء جمع تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جناب ابو طالب نے خطبہ دیتے ہوئے کہا۔

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کھیتی سے، معد کی نسل سے اور مضر کی اصل سے پیدا فرمایا۔ ہمیں اپنے گھر کا نگران بنایا اور اپنے حرم کا منتظم بنایا۔ ہمارے لئے ایسا گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے۔ حرم کو امن گاہ بنایا۔ ہمیں لوگوں کا حکمران بنایا۔ یہ میرے بھتیجے محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی) ہیں۔ شرف، قدر، فضیلت اور عقل میں ان کا بڑے سے بڑے شخص سے مقابلہ کیا جائے تو ان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ اگرچہ مال ان کے پاس قلیل ہے۔ مال تو ڈھل جانے والا سایہ اور ختم ہو جانے والا امر ہے۔ یہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن کی قرابت سے تم خوب آگاہ ہو۔ انہوں نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے۔ ان کے لئے اتنا حق مہر مقرر کیا ہے۔ بخدا! مستقبل میں ان کی شان وشوکت بڑی رفیع ہوگی"۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل نے خطبہ دیتے ہوئے کہا "سب تعریفیں رب تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس طرح بنایا ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے۔ ہمیں وہی فضیلتیں بخشی ہیں جو آپ نے شمار کیں ہیں۔ ہم سارے عرب کے سردار اور ان کے راہنما ہیں۔ بلاشبہ تم ان اوصاف سے متصف ہو۔ قبیلہ تمہاری فضیلت کا انکار نہیں کرتا۔ ایک شخص بھی تمہارے فخر اور شرف کو رد نہیں کرتا۔ ہم تمہارے ساتھ تعلق استوار کرنے کے بڑے شائق ہیں۔" "اے گروہ قریش! تم گواہ رہو میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی) سے کر دیا ہے"۔ پھر وہ خاموش ہو گئے۔ جناب ابو طالب نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ حضرت خدیجہ کا چچا بھی اس معاملہ میں شرکت کرے"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے چچا نے کہا "اے معشر قریش! گواہ رہو۔ میں نے محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی) کا نکاح حضرت خدیجۃ بنت خویلد سے کر دیا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نکاح قبول کیا اور سرداران قریش کو اس پر گواہ مقرر کیا۔ محققین سیرت نگاروں کا موقف یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچا نے ان کا نکاح کیا تھا۔ جبکہ ان کا والد حرب الفجار سے پہلے مر چکا تھا۔ روایت ہے کہ جب عقد نکاح مکمل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر

جانے کے لئے نکلے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''اے محمد عربی! آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ جائیں۔ ایک یا دو اونٹ ذبح کریں اور لوگوں کو کھانا کھلائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ یہ پہلا ولیمہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈیوں کو حکم دیا کہ وہ محو رقص ہوں اور دف بجائیں۔ انہوں نے آپ سے عرض کی ''اپنے چچا سے کہیں کہ وہ آپ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ ذبح کریں اور لوگوں کو کھلائیں پھر آپ ادھر آ جانا اور اپنے اہل خانہ کیساتھ کھانا''۔ آپ نے لوگوں کو کھلایا۔ خود حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز ہو گئے۔ انہی کے ہاں ٹھہرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی چشمان مقدس کو ٹھنڈا کیا۔ جناب ابو طالب کو بڑی راحت اور فرحت نصیب ہوئی۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی یوں ستائش کی ''ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہم سے دکھ دور کر دیا اور ہمارے غم ختم کر دیئے''۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شادی مبارک سے قبل ایک روز حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے انہوں نے آپ کا دست حق نما تھاما۔ اپنے سینہ پر رکھا پھر کہا ''میرے والدین آپ پر فدا! میں نے یہ عمل کسی اور مقصد کے لئے نہیں کیا۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جو عنقریب مبعوث ہوں گے۔ اگر آپ ہی وہ نبی ہوئے تو میرا حق اور مقام و منزل جان لینا اور اس رب تعالیٰ سے میرے لئے دعا کرنا جو آپ کو مبعوث کرے گا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بخدا! اگر میں وہی ذات والا ہوا تو تم نے مجھ پر وہ نیکی کی ہے جسے میں کبھی بھی فراموش نہیں کروں گا۔ اگر میرے علاوہ کوئی اور نبی ہوا تو رب تعالیٰ تمہاری اس نیکی کو کبھی ضائع نہیں کریگا'' صاحب الہمزیہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

وَرَأَتْهُ خَدِيْجَةُ وَالتُّقٰى وَالزُّهْدُ فِيْهِ سَجِيَّةٌ وَالْحَيَاءُ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کی زیارت کی تو تقویٰ، زہد اور حیاء آپ کی فطرت ثانیہ تھا۔

وَ اَتَاهَا اَنَّ الْغَمَامَةَ وَالسَّرْحَ اَظَلَّتْهُ مِنْهُمَا اَفْيَاءُ

انہیں یہ خبر ملی آپ پر بادل، بڑے درخت اور سایہ آپ پر سایہ فگن رہتے ہیں۔

وَ احادیث ان وعد رسول اللہ بالبعث حان منہ الوفاء

اور یہ روایات بھی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بعثت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آن پہنچا ہے۔

فَدَعَتْهُ الی الزواج وَمَا احسن ما یبلغ المنی الاذکیاء

تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف شادی کا پیغام بھیجا۔ عمدہ آرزوؤں کا یوں پورا ہونا کتنا عمدہ ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ بادل نزول وحی سے قبل آپ پر سایہ فگن ہوتے تھے۔ پھر یہ منقطع ہو گئے تھے۔

تعمیر کعبہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک عمر پچیس برس تھی تو قریش مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ اس تعمیر کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیلاب خانہ کعبہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے خانہ کعبہ کی دیواروں کو نقصان پہنچایا۔ اس سے پہلے بھی اس کی دیواروں کو نقصان

پہنچ چکا تھا۔ اس کا ایک اور سبب بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت نے دھونی دینے کے لئے آگ جلائی۔ ایک شرارہ باب کعبہ تک پہنچ گیا۔ اس نے دیواروں کو جلا دیا۔ جب تعمیر کعبہ کرتے کرتے حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو قریش باہم لڑنے لگے۔ انہوں نے کہا "ہمارا فیصلہ وہ شخص کرے گا جو اس گلی میں سے سب سے پہلے نکلے گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مابین یہ فیصلہ کیا کہ وہ حجر اسود کو ایک کپڑے میں رکھ لیں۔ پھر اس کپڑے کو ہر قبیلے کا ایک ایک فرد پکڑ لے۔" دوسری روایت میں ہے کہ قریش مکہ نے کہا "جو شخص باب بنی شیبہ میں سے سب سے پہلے داخل ہوگا وہ ہمارا فیصلہ کرے گا۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے"۔ قریش مکہ نے آپ کو بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کپڑا لانے کا حکم دیا حجر اسود کو اس کے وسط میں رکھا۔ قریش کے قبائل میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ کپڑے کا ایک ایک کونہ پکڑ لے۔ انہوں نے حجر اسود کو بلند کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے پکڑ کر اسے اس کی جگہ پر نصب کر دیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ وہ شخص جس نے کہا تھا کہ ہم اس شخص کو اپنا ثالث بنائیں گے جو سب سے پہلے اس دروازہ سے داخل ہوگا وہ ابو امیہ مخزومی تھا۔ یہ ولید بن مغیرہ کا بھائی تھا۔ اس کا نام خذیفہ تھا۔ یہ قریش میں سے عمر رسیدہ تھا۔ یہ حضرت ام سلمی اور عبداللہ بن ابی امیہ کا باپ تھا۔ یہ قریش کے فیاض لوگوں میں سے ایک تھا۔ یہ "زاد الراکب" کے لقب سے ملقب تھا۔ کیونکہ جب یہ سفر کرتا تھا تو اس کے رفیقان راہ اپنے ہمراہ زاد راہ نہیں لیتے تھے بلکہ ان سب کے زاد راہ کا بندوبست یہی کرتا تھا۔ یہ اپنی قوم کے دین پر مرا۔ اس نے اسلام نہ پایا۔ جب ابو امیہ مرا تو جناب ابو طالب نے اس کا مرثیہ لکھا۔ ابو طالب نے اس کا مرثیہ لکھتے ہوئے یہ اشعار بھی لکھے۔

أَلَا هَلَكَ الْمَاجِدُ الرَّافِدُ وَ كُلُّ قُرَيْشٍ لَهُ حَاسِدُ

وَ مَنْ هُوَ عِصْمَةُ أَيْتَامِنَا وَ غَيْثٌ إِذَا فَقَدَ الرَّاعِدُ

ارے! وہ بزرگ اور عطیات دینے والا ہلاک ہو گیا سارے قریش اس سے حسد کرتے تھے۔

وہ ہمارے یتیموں کی پناہ گاہ ہوتا تھا۔ اور جب بارش نہ ہوتی تو وہ ہمارے لئے بارش ہوتا تھا۔

امام سہیلی نے لکھا ہے "اس وقت ابلیس بھی شیخ نجدی کی شکل میں قریش مکہ کے ساتھ تھا۔ وہ بلند آواز سے چیخا "اے گروہ قریش! حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب کرنا تمہارا سب سے بڑا شرف ہے۔ کیا تم راضی ہو گئے ہو کہ یہ شرف تمہارے عمر رسیدہ لوگوں کو چھوڑ کر ایک نوجوان کو مل جائے" قریب تھا کہ قریش کے مابین اس وجہ سے شر کی آگ بھڑک اٹھتی۔ مگر وہ خاموش ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعمیر کعبہ میں بھرپور شرکت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجیاد سے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔ قریش مکہ نے اپنے ازار بند اپنے اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ پتھر لا رہے تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "اپنا ازار بند اپنی مقدس گردن پر رکھ لیں۔ یہ آپ کو پتھروں سے بچالے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح کیا تو آپ زمین پر گر پڑے۔ نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ آواز آئی "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم اپنی شرم گاہ ڈھانپ لیں۔ اس کے بعد آپ کی شرم گاہ کسی نے نہ دیکھی" (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم گاہ کبھی کسی نے نہ دیکھی تھی۔ اس سے مراد شرم گاہ سے اوپر اور نیچے

وہ جگہ ہے جہاں ازار بند باندھا جاتا ہے) قریش مکہ کی بنائی ہوئی یہ عمارت برقرار رہی حتیٰ کہ اسے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے قواعد ابراہیمی پر تعمیر کیا۔ پھر حجاج نے انہیں شہید کر دیا اور دوبارہ خانہ کعبہ کو قریش کی بنیادوں پر تعمیر کر دیا۔ خانہ کعبہ آج تک اسی ہیئت پر برقرار ہے۔

فائدہ

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کر لیا گیا تو انہوں نے سخت قتال کیا۔ لوگ بھی ان کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ پھر لوگوں پر معاملہ شدید ہو گیا۔ وہ لوٹ آئے۔ انہوں نے حجاج سے اپنے لئے عہد لے لیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صرف عبداللہ بن صفوان بن امیہ رہ گئے۔ انہوں نے ان کے ساتھ مل کر سخت لڑائی لڑی۔ حضرت عبداللہ نے انہیں بھی جانے کی اجازت دے دی۔ انہیں بھی حجاج کے ساتھ معاہدہ کر لینے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا انہوں نے کہا "میں اپنے دین پر لڑ رہا ہوں"۔ پھر وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے خانہ کعبہ کو پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ نے بھی وقت شہادت خانہ کعبہ کو پکڑا ہوا تھا۔ شہادت کے وقت ان کے جسم پر تلوار اور نیزے کے نوے سے زائد زخم تھے (رضی اللہ عنہ)۔

بشارات

اس باب میں ان بشارات کا ذکر خیر ہوگا جو علمائے یہود، عیسائیوں کے راہبوں، اہل عرب کے کاہنوں، جنات وغیرہ کی زبانوں، ھواتف، بعض وحشی جانوروں اور بعض درختوں سے سنی گئیں۔ اس امر کا بھی تفصیلی تذکرہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت شیاطین کو آسمانی باتیں سننے سے روک دیا گیا۔ کثرت سے ستارے ٹوٹنے لگے۔ نیز یہ بھی بتائیں گے کہ کتب قدیمہ میں کس طرح آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔ نباتات اور پتھروں پر کس طرح آپ ﷺ کا نام نامی مکتوب ہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کا وقت قریب آیا تو علمائے یہود، راہب اور کاہن آپ ﷺ کے متعلق بشارات دینے لگے۔ علماء یہود اور راہب یہ بشارات اس لئے دیتے تھے کیونکہ ان کی کتب میں آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے عہد ہمایوں کے اوصاف مرقوم تھے۔ کاہنوں کے پاس جنات ایسی خبریں لے کر آتے تھے جنہیں وہ چوری چھپکے سن لیتے تھے کیونکہ انہیں ابھی پوری طرح روکا نہیں گیا تھا۔ اس طرح کاہنوں کو بعض امور کا علم ہو جاتا تھا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث کر دیا۔ وہ امور اسی طرح وقوع پذیر ہوئے جس طرح وہ بتاتے تھے۔ اس بات میں اس امر کی صراحت بھی موجود ہے کہ آپ ﷺ کے وجود مسعود سے قبل بھی ملائکہ آپ کا تذکرہ آسمانوں پر کرتے تھے۔

بنو عبد الاشہل کے یہودی کی بشارت

حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ جو اصحاب بدر میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں "ہمارا پڑوسی ایک یہودی تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ بنو عبد الاشہل سے تھا۔ وہ قیامت، موت کے بعد جی اٹھنے، حساب، میزان، جنت اور دوزخ کا ذکر کرتا تھا"۔ لوگ اسے کہا کرتے تھے "اے فلاں! تیرے لئے ہلاکت ہو! کیا یہ ممکن ہے کہ لوگوں کے مرنے کے بعد انہیں اٹھا کر ایسے دار کی طرف لے جایا جائے جس میں باغات ہوں۔ جس میں آگ ہو۔ تاکہ انہیں ان کے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے؟" اس نے کہا "ہاں!" لوگوں نے اس سے پوچھا "اس بات کی علامت کیا ہے؟" اس نے کہا "اس کی سب سے بڑی علامت وہ نبی مکرم ﷺ ہیں جو ان شہروں کی طرف مبعوث ہوں گے"۔ اس نے اپنے ہاتھ سے یمن اور مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا "اس نبی مکرم ﷺ کی زیارت کون کرے گا؟" اس نے میری طرف دیکھا میں اس گروہ میں سب سے زیادہ کم عمر تھا۔ اس نے کہا "اگر اس بچے کو زندگی ملی تو یہ ان کے عہد ہمایوں کو پالے گا"۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "شب و روز اسی طرح گزرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔ وہ یہودی ابھی تک زندہ تھا۔ ہم آپ پر ایمان لے آئے جبکہ اس یہودی نے بغاوت اور حسد کی وجہ سے آپ کا انکار کر دیا۔ ہم نے اسے کہا "اے یہودی! تیرے لئے ہلاکت ہو۔ کیا تو ہمیں ایک نبی کے بارے نہیں بتاتا تھا؟ اس نے کہا "میں تمہیں بتاتا تو تھا لیکن یہ وہ نہیں جن کے متعلق میں تمہیں بتاتا تھا"۔

حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کو بشارت

حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اپنی قوم کے معبودان باطلہ کی عبادت کو ترک کر دیا تھا۔ مجھے تیاء کے باشندوں میں سے ایک شخص ملا وہ اہل کتاب میں سے تھا میں نے اسے کہا "میں اس قوم سے تعلق رکھتا ہوں جو بت پرست ہے۔ اس میں سے ایک شخص کو تو اس حالت میں دیکھے گا کہ اس کے پاس کوئی معبود نہیں ہوگا۔ وہ باہر نکلے گا تو چار پتھر لے آئے گا۔ ان میں سے تین سے استنجاء کرے گا اور ایک کو اپنا خدا بنا لے گا۔ وہ اس کی پوجا شروع کر دے گا۔ پھر وہ روانگی سے قبل اس سے خوبصورت پتھر پالے وہ پہلے پتھر کو چھوڑ کر دوسرے کی عبادت شروع کر دے گا۔ جب وہ کسی اور جگہ فروکش ہوگا تو کسی اور خوبصورت پتھر کو دیکھ کر وہ پہلے کو چھوڑ کر اس کی پرستش شروع کر دے گا۔ میں اسے باطل معبود سمجھتا ہوں۔ وہ نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ میری راہ نمائی کسی بہتری کی طرف کرو" اس شخص نے کہا "مکہ مکرمہ سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہوگا جو معبودان باطلہ کے علاوہ معبود برحق کی عبادت کی طرف بلائے گا۔ جب تم ان کی زیارت کرو تو فوراً ان کی اتباع کر لینا۔ وہ افضل دین لے کر تشریف لائیں گے"۔ اس شخص نے مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کیا میں مکہ معظمہ آیا۔ میں نے پوچھا "کیا کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ مجھے بتایا گیا "نہیں" میں دوسری بار مکہ مکرمہ آیا۔ میں نے یہی سوال کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک شخص کا ظہور ہوا ہے جو اپنی قوم کے معبودان باطلہ کے علاوہ معبود برحق کی طرف دعوت دیتا ہے"۔ میں نے اپنی سواری اسی جگہ باندھی اور مکہ مکرمہ میں آ کر اس ذات کے بارے پوچھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مخفی جگہ میں تشریف فرما تھے۔ قریش آپ کو سخت اذیتیں دے رہے تھے۔ میں جستجو کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی "آپ کون ہیں؟" آپ نے فرمایا "میں نبی ہوں"۔ میں نے عرض کی "آپ کو کس نے نبی بنایا ہے؟" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے" میں نے عرض کی "اس نے آپ کو کس چیز کے ساتھ مبعوث کیا ہے؟" آپ نے فرمایا "اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسی ذات وحدہ لاشریک کی پوجا کروں۔ بتوں کو توڑ دوں۔ صلہ رحمی کروں اور مسافروں کو پناہ دوں"۔ میں نے عرض کی "آپ جس حیات آفریں پیغام کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں میں اس پر ایمان لا چکا ہوں۔ میں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ کیا میں آپ کے ساتھ رک جاؤں یا اپنے اہل خانہ میں واپس چلا جاؤں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "کیا تم لوگوں کی مجھ سے عداوت دیکھ نہیں رہے ہو تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے تم اپنے اہل خانہ میں چلے جاؤ۔ جب سنو کہ میں ہجرت کر کے کسی اور جگہ جا چکا ہوں تو میرے پاس آ جانا"۔ میں اپنے گھر رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ نے مجھے پہچان لیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "ہاں! تم وہی سلمی ہو جو میرے پاس مکہ مکرمہ میں آئے تھے"۔

حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ کی بشارت

حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے بعض افراد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ کی رحمت اور

ہدایت کے علاوہ جس چیز نے ہمیں اسلام کی طرف بلایا وہ وہ خبریں تھیں جو ہم علمائے یہود سے سنتے تھے۔ ہم مشرک اور بت پرست تھے۔ ہمارے پڑوس میں اہل کتاب کا بسیرا تھا۔ ان کے پاس ایسا علم تھا جو ہمارے پاس نہ تھا۔ ان کے اور ہمارے درمیان جنگیں ہوتی رہتی تھیں جب انہیں کسی اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ ہم سے کہتے "ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے جو تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کرے گا"۔ ہم ان سے اکثر یہ بات سنتے رہتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔ ہم نے وہ چیز فوراً پہچان لی جس سے اہل کتاب ہمیں ڈراتے تھے۔ ہم نے جلدی کی۔ ان پر ایمان لے آئے، مگر وہ اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (البقرہ)

"تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے۔ سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر"۔

ابن الہیبان کی بشارت

بنو قریظہ کے ایک بزرگ کہتے ہیں "سرزمین شام کا ایک یہودی تھا۔ اس کا نام ابن الہیبان تھا"۔ وہ ظہور اسلام سے دو سال قبل ہمارے پاس آیا۔ وہ ہمارے ہاں اقامت گزیں ہوا۔ اللہ کی قسم! میں نے ابھی تک کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو پانچ وقت کی نماز اتنی عاجزی اور انکساری سے پڑھتا ہو جتنی عاجزی اور انکساری سے وہ نماز پڑھتا تھا۔ جب بارش رک جاتی تو ہم اس سے کہتے "ابن الہیبان! ہمارے لئے بارش کی دعا کرو"۔ وہ کہتا "نہیں! بخدا میں اس وقت تک تمہارے لئے بارش کی دعا نہیں کروں گا جب تک تم میرے سامنے صدقہ نہیں کرو گے"۔ ہم اس سے پوچھتے "ہم کتنا صدقہ دیں؟" وہ کہتا "ایک صاع کھجور یا دو مد جو صدقہ کرو"۔ ہم صدقہ کرتے۔ پھر وہ ہمارے ساتھ پتھروں والی زمین کی طرف نکلتا اور ہمارے لئے بارش کی دعا کرتا۔ اللہ کی قسم! ابھی تک وہ اپنی جگہ پر ہی ہوتا کہ بادل آ جاتے اور خوب بارش ہوتی۔ یہ واقعہ کئی مرتبہ رونما ہوا۔ پھر اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا وقت مرگ اب قریب ہے۔ اس نے کہا "اے گروہ یہود! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں سرسبز و شاداب درختوں والی زمین سے نکل کر بھوک اور تنگی کی زمین کی طرف کیوں آیا ہوں؟ ہم نے کہا "تو ہی اس کا سبب جانتا ہے" اس نے کہا "میں اس زمین پر اس لئے آیا ہوں کیونکہ مجھے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی امید ہے۔ ان کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ شہر خوباں ان کی ہجرت گاہ ہو گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ میری زندگی میں ہی مبعوث ہوں گے۔ میں ان کی اتباع کر لوں گا اب تمہیں وہ زمانہ میسر ہے۔ اے قوم یہود! اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے کبھی نہیں بڑھنا۔ بلاشبہ انہیں جہاد کرنے پر مفتوح قوم کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنانے کی اجازت ہو گی"۔ جب اللہ رب العزت نے حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ نے بنی قریظہ کا محاصرہ کیا تو بنو قریظہ کے کچھ جوانوں نے کہا "بنو قریظہ! اللہ کی قسم! یہ وہی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ بلاشبہ یہ انہی صفات سے متصف ہیں"۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر

ہو گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اموال، اولاد اور خون محفوظ ہو گئے۔

یہودیوں کے ایک جید عالم کی بشارت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے یمن گیا۔ اس قافلہ میں ابو سفیان بھی موجود تھا۔ اس نے اپنے بیٹے حنظلہ کا خط موصول کیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وادی بطحاء میں یہ اعلان کر دیا ہے "میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اس کی طرف بلاتا ہوں"۔ اہل یمن کی مجالس میں یہ بات پھیل گئی۔ ہمارے پاس یہودیوں کا ایک جید عالم آیا۔ اس نے کہا "مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم میں اس شخص کا چچا موجود ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے"۔ میں نے کہا "ہاں! میں ان کا چچا ہوں" اس نے کہا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے بھتیجے پر جوانی کا خمار تو نہیں ہے؟ میں نے کہا "نہیں! اللہ کی قسم! نہ انہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہے نہ ہی انہوں نے کبھی خیانت کی ہے۔ قریش تو انہیں "امین" کے دلنواز لقب سے پکارتے ہیں"۔ اس یہودی نے مجھ سے پوچھا "کیا وہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے ہیں؟" میں "ہاں" کہنا ہی چاہتا تھا کہ میں ابو سفیان سے ڈر گیا کہ وہ مجھ پر جھوٹ بولنے کی تہمت لگائے گا۔ وہ میری بات کو رد کر دے گا۔ میں نے کہا "نہیں! وہ نہیں لکھ سکتے"۔ یہ سن کر وہ یہودی فوراً دوڑ پڑا۔ اس نے اپنی چادر بھی وہیں چھوڑ دی۔ وہ کہتا جا رہا تھا "یہودی برباد ہو گئے۔ یہودی برباد ہو گئے"۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب ہم گھر واپس آئے تو ابو سفیان نے کہا "ابو الفضل! یہودی آپ کے بھتیجے سے خوفزدہ ہیں"۔ میں نے اسے کہا "لگتا ہے تو نے اسلام قبول کر لیا ہے"۔ اس نے کہا "میں اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کداء میں گھوڑے نہیں دیکھ لوں گا"۔ میں نے کہا "ابو سفیان! تو کیا کہہ رہا ہے؟" ابو سفیان نے کہا "یہ بات تو ویسے ہی میرے منہ سے نکل گئی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ ان کے گھوڑے میدان کداء میں ضرور آئیں گے"۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کیا تو اس وقت ابو سفیان نے کداء میں گھوڑے دیکھے۔ میں نے کہا "ابو سفیان! اپنی اس بات کو یاد کرو جو تم نے اس وقت کی تھی"۔ انہوں نے کہا "میں اس بات کو یاد کر رہا ہوں"۔

امیہ بن ابی صلت کی بشارت

امیہ بن ابی صلت نے ابو سفیان سے کہا "میں کتاب میں ایسے نبی کے اوصاف پاتا ہوں جو ہمارے ان شہروں میں مبعوث ہوں گے۔ میرا گمان تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں گا۔ میں اس کے متعلق باتیں بھی کرتا رہا۔ پھر مجھ پر عیاں ہوا کہ وہ بنو عبد مناف میں سے ہوں گے۔ میں نے غور و فکر کیا تو مجھے عتبہ بن ربیعہ کے علاوہ اور کوئی شخص ایسے اوصاف سے متصف نظر نہ آیا۔ مگر اس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس پر وحی نہیں آئی تھی۔ میں جان گیا کہ وہ نبی اس کے علاوہ کوئی اور ہے" ابو سفیان نے کہا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں نے امیہ کو بتایا"۔ اس نے کہا "اگر وہ حق پر ہیں تو ان کی اتباع کر لو"۔ میں نے پوچھا "تو ان کی پیروی کیوں نہیں کرتا؟ اس نے کہا "مجھے ثقیف کی عورتوں سے شرم آتی ہے۔ میں انہیں بتاتا تھا

کہ میں ہی وہ نبی ہوں۔ اب میں بنو عبد مناف میں سے ایک نوجوان کی اتباع کرلوں"۔

ایک راہب کی بشارت

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں "میں سوق بصریٰ میں موجود تھا۔ وہاں کے ایک گرجا گھر کے راہب نے کہا "ان لوگوں سے پوچھو کہ کیا ان میں سے کسی کا تعلق مکہ مکرمہ سے ہے؟ میں نے کہا "ہاں! میں مکہ معظمہ کا ہی رہنے والا ہوں"۔ اس نے مجھ سے پوچھا "کیا وہاں احمد (مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہو گیا ہے؟ میں نے پوچھا "کون احمد؟" اس نے کہا "بن عبداللہ بن عبدالمطلب۔ اس ماہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ وہ آخر الانبیاء ہوں گے ان کا ظہور مکہ مکرمہ سے ہوگا۔ کھجوروں والی زمین ان کی ہجرت گاہ ہوگی۔ اے طلحہ! ان کی دعوت پر لبیک کہنے میں سب سے سبقت لے جانا"۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اس راہب کی بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں مکہ معظمہ واپس آیا تو میں نے یہ واقعہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ آپ کو سنایا۔ اسے سن کر آپ نے مسرت کا اظہار کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا۔ نوفل بن عدویہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور انہیں ایک ہی رسی میں جکڑ دیا اس لئے انہیں قرینین کہا جاتا ہے۔

ایک اور راہب کا مژدۂ جانفزا

حضرت سعید بن عاص بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب میرے والد غزوۂ بدر میں قتل ہوئے تو میں اس وقت اپنے چچا کے پاس تھا۔ اس کا نام ابان بن سعید تھا وہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برے الفاظ سے یاد کرتا تھا ایک دفعہ وہ بغرض تجارت شام گیا۔ ایک سال وہیں ٹھہرا رہا۔ اس کے بعد وہ واپس آیا۔ اس کا سب سے پہلا سوال یہ تھا "مجھے محمد (مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء) کے بارے بتاؤ" میرے چچا عبداللہ بن سعید نے کہا "اللہ کی قسم! وہ پہلے سے زیادہ معزز ہیں۔ وہ پہلے سے زیادہ بلند مرتبہ ہیں"۔ یہ سن کر میرا چچا خاموش رہا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برے الفاظ سے یاد نہ کیا۔ پھر اس نے کھانا تیار کروایا۔ اسے بنو امیہ کے رؤساء کے پاس بھیج دیا، اس نے ان سرداروں کو بتایا "میں فلاں قریہ میں تھا۔ میں نے وہاں ایک راہب دیکھا۔ اس کا نام بکاء تھا۔ چالیس سال گزر گئے لیکن وہ اپنے گرجا سے باہر نہیں نکلا۔ ایک دن وہ اپنے گرجا سے باہر نکلا لوگ اسے دیکھنے کے لئے باہر نکلے۔ میں بھی اس کے پاس گیا۔ میں نے اسے کہا "مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے" اس نے مجھ سے پوچھا "تیرا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟" میں نے کہا "میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں۔ وہاں ایک ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث کیا ہے"۔ راہب نے پوچھا "اس کا اسم مبارک کیا ہے؟ میں نے کہا "اس کا نام نامی محمد (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم) ہے"۔ اس نے پوچھا "اس کے ظہور کو کتنا عرصہ گزر گیا ہے؟" میں نے کہا "بیس سال" اس نے کہا "کیا میں تجھے اس شخص کا حلیہ نہ بتاؤں؟ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا مبارک بیان کردیا" اس نے مبارک حلیہ بیان کرنے میں ذرہ بھر بھی غلطی نہ کی۔ پھر اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا "اللہ کی قسم! وہ اس امت کا نبی ہے۔

اللہ کی قسم! اس کا غلبہ اور تسلط ضرور ہوگا" پھر وہ اپنے گرجا میں داخل ہو گیا۔ اس نے مجھے کہا "حضور اکرم ﷺ کو میرا اسلام پیش کرنا" اس وقت صلح حدیبیہ کا زمانہ تھا۔

جن کے قدموں کا دھون ہے آب حیات

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "اسلام قبول کرنے سے پہلے میں ملک شام گیا۔ اس وقت حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ قیصر روم نے ہماری طرف پیغام بھیجا۔ ہم اس کے دربار میں گئے۔ ہمارے ساتھ امیہ بن ابی الصلت ثقفی بھی تھا۔ قیصر روم نے ہم سے پوچھا "تمہارا تعلق عرب کے کس قبیلہ سے ہے؟ اور جو شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ تمہارا رشتہ کیا ہے؟ میں نے کہا "وہ شخص میرا چچازاد ہے۔ پانچویں پشت میں ہمارا نسب مل جاتا ہے" قیصر نے کہا "جو کچھ میں تمہیں دکھاؤں اور جو اس کے بارے تم سے سوال کروں تو کیا تم مجھے سچ سچ جواب دو گے؟" ہم نے کہا "اے شاہ ذیشان! ہم آپ سے سچ بولیں گے۔ جھوٹ نہیں بولیں گے"۔ بادشاہ نے پوچھا "کیا تم نے اس کے پیغام برحق کو رد کر دیا ہے یا قبول کر لیا ہے؟" ہم نے کہا "ہم نے اس کے پیغام کو رد کر دیا ہے اس کے ساتھ عداوت کی ہے۔ لیکن ہم آپ کے ساتھ سچ بولیں گے"۔ بادشاہ نے کہا "مجھے اپنے معبودوں کی قسم دو کہ میں تم سے جو سوالات کروں گا تم ان کا صحیح جواب دو گے۔ اور جو کچھ میں تمہارے سامنے پیش کروں گا تم اس کے متعلق مجھے صحیح بتاؤ گے"۔ ہم نے بادشاہ کیلئے وعدے کیے، قسمیں اٹھائیں۔ اس نے ہم سے حضور ﷺ کے متعلق اور آپ کی دعوت کے متعلق بہت سے سوالات کیے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ اپنے محل کے کنیسہ میں آیا۔ اسے کھولنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے محل کے کنیسہ میں داخل ہو گیا ہم بھی اس کے ساتھ داخل ہو گئے۔ وہ ایک پردہ کے پاس آیا اسے اٹھانے کا حکم دیا وہاں ایک شخص کی تصویر تھی۔ قیصر روم نے پوچھا "کیا تم اس تصویر کو جانتے ہو کہ یہ کس کی ہے؟" ہم نے کہا "نہیں! ہم اس تصویر کو نہیں جانتے"۔ اس نے کہا "یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تصویر ہے"۔ پھر وہ مختلف کمروں میں جاتا رہا اور مختلف انبیاء کی تصاویر دکھاتا رہا۔ وہ ہر تصویر کے پاس جا کر کہتا "کیا یہ تمہارے صاحب (ﷺ) کی تصویر ہے؟ ہم کہتے "نہیں" یہ ان کی تصویر نہیں" حتیٰ کہ اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور محمد عربی ﷺ کی تصویر سے پردہ اٹھایا، اس نے ہم سے پوچھا "کیا تم اس ذات والا کو جانتے ہو؟" ہم نے کہا "جی ہاں! یہ تو ہمارے صاحب کی تصویر ہے"۔ اس نے کہا "کیا تم جانتے ہو کہ یہ تصویر ادھر کب سے ہے؟" ہم نے کہا "نہیں" اس نے کہا "ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے یہ تصویر ہمارے گرجا میں موجود ہے۔ بلاشبہ تمہارا وہ صاحب نبی مرسل (ﷺ) ہے تم اس کی پیروی کرو۔ کاش! میں ان کے پاس ہوتا اور ان کے قدموں کا دھون پیتا"۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی پیش آیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصویر دیکھی جو پہلی تصویر کی ایڑی کو پکڑے ہوئے تھی۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تصویر دیکھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی پکڑے ہوئے تھی۔ راہب نے پوچھا "کیا تم اس کو جانتے ہو جس نے اس ہستی پاک کی ایڑی کو پکڑ رکھا ہے؟ ہم نے کہا

''وہ ابوبکر صدیق ہیں'' اس نے پوچھا'' کیا تم اس ذات کو جانتے ہو جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی کو پکڑ رکھا ہے؟'' ہم نے کہا'' وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں'' اس راہب نے کہا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور یہ ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں''۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عشق انگیز داستان

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنی داستان عشق یوں بیان کرتے ہیں'' میں ایران کے شہر اصفہان کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ کسان تھا۔ وہ مجھ سے بہت شدید محبت کرتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ مجھے گھر میں اس طرح قید کر دیتا جس طرح کسی دوشیزہ کو گھر میں محبوس کر دیا جاتا ہے۔ میں مجوسیت میں کمال حاصل کرتا رہا حتیٰ کہ آگ کو جلانا میرا فریضہ بن گیا۔ میں اس کام میں اس طرح منہمک تھا کہ مجھے کسی کے معاملہ کا کوئی علم نہ تھا۔ میرے باپ کی ایک جاگیر تھی اس میں کچھ مزدور کام کرتے تھے۔ ایک دن میرے باپ نے مجھے بلایا اور کہا'' اے میرے نور نظر! میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ اپنی جائیداد کی طرف توجہ دے سکوں۔ لیکن میں اپنی جاگیر کے تازہ حالات سے آگہی چاہتا ہوں۔ تم جاگیر پر جاؤ اور مزدوروں کو احکامات جاری کرو۔ لیکن یاد رکھو۔ وہاں سے جلد واپس آ جانا۔ دیر نہ کرنا۔ اگر تم نے دیر کر دی تو تم مجھے تمام معاملات سے روک دو گے۔ میں اپنے گھر سے نکلا۔ اپنی جاگیر کی طرف جانے لگا۔ میرا گزر نصاریٰ کے گرجا کے پاس سے ہوا میں نے ان کی آوازیں سنیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا'' یہ کیسی آوازیں ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا'' اس گھر میں عیسائی نماز پڑھ رہے ہیں''۔ میں انہیں دیکھنے کے لئے گرجا میں داخل ہو گیا۔ ان کی حرکات وسکنات دیکھ کر میں بہت متعجب ہوا۔ اللہ کی قسم! میں غروب آفتاب تک ان کے پاس بیٹھا رہا۔ میری تلاش میں میرے باپ نے آدمی ادھر ادھر دوڑائے۔ میں شام کے وقت گھر لوٹا۔ میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے جاگیر پر نہ جا سکا۔ میرے باپ نے مجھ سے پوچھا'' تو کہاں تھا؟ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ دیر نہیں کرنا'' میں نے کہا'' والد گرامی! میں ایک قوم کے پاس سے گزرا۔ اسے نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ مجھے ان کی نمازوں اور دعاؤں نے تعجب میں ڈال دیا۔ میں یہ دیکھنے کے لئے ان کے پاس بیٹھ گیا کہ وہ کیا کرتے ہیں''۔ میرے باپ نے مجھے کہا'' فرزند دلبند! تمہارا اور تمہارے آباء کا دین ان کے دین سے کہیں بہتر ہے''۔ میں نے کہا'' نہیں! اللہ کی قسم! ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ وہ صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی سے دعا کرتے ہیں۔ اسی کے لئے نماز ادا کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس آگ کی پوجا کرتے ہیں جسے ہم اپنے ہاتھ سے روشن کرتے ہیں۔ جب ہم اس آگ کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ بجھ جاتی ہے''۔ میرا باپ مجھ سے خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

میں نے نصاریٰ کی طرف پیغام بھیجا کہ جس دین پر تم ہو اس کی اصل کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا'' اس کی اصل شام میں ہے'' میں نے انہیں پیغام بھیجا'' جب شام سے کوئی قافلہ آئے تو مجھے آگاہ کر دینا''۔ انہوں نے کہا'' جب شام سے کوئی قافلہ آئے گا تو ہم تمہیں بتا دیں گے''۔ کچھ مدت بعد شام کا ایک تجارتی کارواں ہمارے شہر آیا۔ عیسائیوں نے میری طرف پیغام بھیجا کہ ہمارے پاس ایک تجارتی کارواں آیا ہے، میں نے انہیں یہ پیغام بھیجا'' جب تمہارا قافلہ اپنے سارے امور

سرانجام دے لے اور یہاں سے جانے کا ارادہ کرے تو مجھے بتا دینا" انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم اس وقت تمہیں بتا دیں گے"۔

جب اس کارواں نے اپنے سارے امور سرانجام دے دیئے اور انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے میری طرف پیغام بھیجا۔ میں نے اپنی بیڑیاں توڑ ڈالیں اور اس قافلہ کیساتھ مل گیا۔ میں ان کے ساتھ سفر پر رواں دواں رہا حتیٰ کہ ملک شام آ گیا۔ میں نے ان سے پوچھا "عیسائیت کے علماء میں سب سے افضل کون ہے؟ انہوں نے کہا "الاسقف" تمام علماء سے افضل ہے وہ اس گرجا گھر کا امام ہے"۔ میں اسقف کے پاس آ گیا۔ میں نے اسے کہا "میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ اس گرجا گھر میں رہوں اور تمہارے ساتھ اس میں رب تعالیٰ کی عبادت کروں۔ تم سے بھلائی اور نیکی کے امور سیکھوں" اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اسقف برا انسان تھا۔ وہ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا تھا۔ لیکن وہ خود ان کے صدقات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ جب لوگ اپنے صدقات ان کے پاس جمع کراتے تو وہ ان تمام کو خزانہ بنا کر ایک جگہ جمع کر دیتا۔ مساکین کو کچھ نہ دیتا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بہت غصہ آیا۔ بالآخر وہ مر گیا۔ لوگ اسے دفنانے کے لئے آئے تو میں نے انہیں کہا "یہ پادری بہت برا آدمی تھا۔ وہ تمہیں صدقات کا حکم دیتا تھا۔ لیکن وہ ان صدقات میں خود دلچسپی لیتا تھا۔ جب تم اپنے صدقات اس کے پاس جمع کرا دیتے تھے تو وہ انہیں ایک جگہ جمع کرتا جاتا تھا۔ وہ انہیں غرباء اور مساکین میں تقسیم نہیں کرتا تھا"۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا "تیرے پاس اس الزام کی نشانی کیا ہے؟" میں نے کہا "میں تمہارے سامنے اس کے سارے خزانے رکھ دیتا ہوں"۔ میں نے سونے اور چاندی سے لبریز سات گھڑے ان کے سامنے رکھ دیئے جب انہوں نے اتنی کثیر دولت دیکھی تو انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! ہم اس کو کبھی بھی دفن نہیں کریں گے۔ انہوں نے اس پادری کی لاش کو ایک درخت کے ساتھ لٹکا دیا اور اسے پتھر مارنے لگے۔

"الفتوحات المکیہ" میں ہے کہ ساری ملتوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ دنیا میں مطلوب زہد ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ہر عاقل کے نزدیک دنیا سے فراغ پسندیدہ ہے۔ اسے اپنے بارے دنیا سے خدشہ ہوتا ہے اس دنیا سے خطرہ ہوتا ہے جس کے متعلق رب تعالیٰ نے ہمیں اپنے اس فرمان سے ڈرایا ہے۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن: 15)

"بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں"۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ راہبوں کے اصولوں میں سے ہے کہ وہ کل کے لئے خوراک بھی جمع نہیں کرتے نہ وہ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا "میں نے ایک شخص دیکھا۔ اس نے راہب سے کہا" ذرا میرا یہ دینار دیکھنا کہ اسے کس بادشاہ نے بنایا ہے" وہ راہب اتنی بات پر بھی راضی نہ ہوا۔ اس نے کہا "ہمارے نزدیک دینار کو دیکھنا بھی منع ہے"۔ انہوں نے فرمایا "میں نے ایک بار راہبوں کو دیکھا وہ ایک شخص کو کھینچ کر اپنے کنیسہ سے باہر نکال رہے تھے۔ وہ اسے کہہ رہے تھے "کیا تو چاہتا ہے کہ راہب ہم سے ناراض ہو جائیں"۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا "اس نے نصف درہم اپنے کندھے پر باندھ رکھا ہے" میں نے پوچھا "کیا نصف درہم باندھنا مذموم ہے؟" انہوں نے کہا "ہاں!

ہمارے نزدیک، تمہارے نزدیک اور تمہارے نبی کریم ﷺ کے نزدیک یہ مذموم ہے''۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنی عشق و محبت سے معمور داستان بیان کرتے ہوئے فرمایا ''انہوں نے اس کی جگہ ایک اور شخص کو نامزد کر دیا۔ اللہ کی قسم! نیا پادری ایک عظیم انسان تھا وہ انتہائی عاجزی سے پانچ نمازیں ادا کرتا تھا۔ وہ انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہوتا۔ وہ دنیا سے بالکل کنارہ کش تھا۔ وہ لیل و نہار رب تعالیٰ کی عبادت میں کوشاں رہتا تھا۔ میں اس کے ساتھ اسی طرح زندگی گزارتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ میں نے اسے کہا ''جناب محترم! آپ کی وفات کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اب آپ مجھے کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ کس آدمی کی طرف میری راہ نمائی کرتے ہیں؟'' اس پادری نے مجھے کہا ''اے میرے بچے! میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو عمدہ اوصاف سے متصف ہے۔ وہ موصل میں رہتا ہے۔ میری وفات کے بعد اس کے پاس چلے جانا'' جب وہ پادری مر گیا تو میں موصل چلا آیا۔ میں اس کے بتائے ہوئے پادری کے پاس آیا۔ وہ اپنی صفات میں پہلے پادری کا ہم مثل تھا۔ وہ بھی تارک الدنیا اور عجز و انکساری کا پیکر تھا۔ میں نے اسے کہا ''فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ میں آپ کے پاس رہوں''۔ اس نے مجھے کہا ''میرے بیٹے! تم میرے پاس ٹھہر سکتے ہو''۔ میں اس کے بعد اس کے ہاں اقامت گزیں رہا۔ حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا۔ میں نے اسے کہا ''فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس آنے کے لئے کہا تھا۔ اب آپ بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ رہے ہیں اب آپ مجھے کس شخص کے پاس جانے کی وصیت کریں گے؟ اس نے بوقت مرگ کہا ''بخدا! میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو ہماری طرح عمدہ اوصاف سے آراستہ ہے وہ نصیبین میں مقیم ہے۔ تم اسی کے پاس چلے جاؤ'' جب اسے دفن کر دیا گیا تو میں نصیبین میں اس پادری کے پاس چلا گیا۔ میں نے اسے کہا ''فلاں پادری نے مجھے فلاں کے پاس جانے کی وصیت کی تھی۔ اب اس نے مجھے تمہارے پاس حاضر ہونے کی وصیت کی ہے''۔ اس نے مجھے اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ وہ بھی عمدہ اوصاف اور اچھے اخلاق کا مالک تھا۔ میں اسی کے پاس سکونت پذیر رہا۔ حتیٰ کہ اس کی وفات کا وقت قریب آ گیا۔ میں نے اسے کہا ''فلاں پادری نے فلاں کے پاس اور فلاں نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیت کی تھی۔ اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کا حکم دیتے ہیں؟'' اس نے کہا ''اے میرے نورِ نظر! میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں جو ان صفات سے متصف ہے۔ وہ سرزمین روم میں عموریہ کے مقام پر مقیم ہے'' اس کو دفنانے کے بعد میں عموریہ میں اس پادری کے پاس چلا آیا۔ میں نے اسے بھی عمدہ اخلاق سے متصف دیکھا۔ میں اس کے پاس ٹھہر گیا۔ میں کچھ کام بھی کرنے لگا۔ حتیٰ کہ میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں جمع ہو گئیں۔ پھر اس کی وفات کا وقت بھی قریب آ گیا۔ وقت وفات میں نے اسے کہا ''اے فلاں! فلاں پادری نے مجھے فلاں کے پاس، فلاں نے مجھے فلاں کے پاس اور فلاں پادری نے مجھے آپ کے پاس آنے کی وصیت کی تھی۔ اب آپ کی موت کا وقت قریب ہے اب آپ مجھے کس کے پاس جانے کا حکم دیتے ہیں؟'' اس پادری نے کہا ''اے میرے بیٹے! اللہ کی قسم! اب میں کسی بھی ایک ایسے شخص کو نہیں جانتا جو ان عمدہ اوصاف سے متصف ہو جن سے ہم مزین تھے۔ جس کی طرف جانے کا میں تمہیں حکم دوں۔ لیکن ایک نبی مکرم ﷺ کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے

وہ سرزمین حرم سے مبعوث ہوں گے۔ دو پہاڑوں کی درمیانی جگہ ان کی ہجرت گاہ ہوگی۔ ان میں علامات واضح ہوں گی۔ ان کے شانوں کے مابین مہر نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ کھالیں گے۔ لیکن صدقہ نہیں کھائیں گے۔ ان کے ظہور کا وقت بالکل قریب ہے۔ اگر تم اس مقدس سرزمین تک جاسکتے ہو تو ضرور جاؤ''۔ پھر ہم نے اسے دفن کر دیا۔

اس کلام سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ افراد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے ان کی تعداد چار تھی۔ امام سہیلی نے ان کی تعداد تیس بتائی ہے دوسرے قول کے مطابق ایسے لوگوں کی تعداد چوبیس تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہاں سے بنو کلب کا ایک قافلہ گزرا''۔ میں نے ان سے کہا ''اگر تم مجھے عرب تک لے چلو تو میں اس کے بدلہ یہ گائیں اور بکریاں تمہیں دے دوں گا''۔ انہوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ میں نے اپنی ساری گائیں اور بکریاں ان کے حوالے کیں۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیا۔ جب وہ وادی القریٰ میں پہنچے تو انہوں نے مجھ پر ظلم کیا۔ انہوں نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اللہ کی قسم! جب میں نے کھجوروں والی سرزمین کو دیکھا تو میں نے کہا ''کاش! یہ وہی زمین ہو جسے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت گاہ بننے کا شرف ملے گا''۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ اس شخص نے مجھے بنو قریظہ کے ایک شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ وہ یہودی مجھے مدینہ طیبہ لے آیا۔ یہ مبارک زمین دیکھتے ہی مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی سرزمین ہے جس کے متعلق مجھے پادری نے بتایا تھا میں اپنے مالک کا غلام بن کر وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں مبعوث کیا۔ کیونکہ میں غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس لئے مجھے آپ کے بارے کسی نے کچھ نہیں بتایا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر قباء تشریف لے آئے۔ اس وقت میں اپنے مالک کے باغ میں کام کر رہا تھا۔ اللہ کی قسم! میں اس کے باغ میں کام کر رہا تھا جب میرے مالک کا چچازاد بھائی آیا۔ اس نے کہا ''اے فلاں! اللہ تعالیٰ بنو قیلہ کو تباہ کرے اب وہ قباء میں اس شخص کے ارد گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے۔ اللہ کی قسم! یونہی میں نے یہ بات سنی تو مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی۔ مجھے یہ گمان ہوا کہ میں کہیں اپنے مالک کے اوپر ہی نہ گر جاؤں میں کھجور کے درخت سے یہ کہتا ہوا اترا ''تم کیا بات کر رہے ہو؟'' میرے مالک نے مجھے ایک زوردار مکا رسید کیا اس نے کہا ''تجھے اس بات سے کیا واسطہ! تم اپنا کام کرو''۔ میں نے کہا ''مجھے اس خبر سے کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن میں نے ایک بات سنی ہے۔ میں نے چاہا کہ اس کے متعلق تصدیق کرلوں''۔

جب شام ہوئی تو میرے پاس کھانے کی کوئی چیز تھی۔ میں قباء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ سے عرض کی ''مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نیک شخص ہیں۔ آپ کے ساتھی غریب ہیں میرے پاس صدقہ کا کچھ کھانا ہے میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں۔ لیجئے! اسے تناول فرمالیجئے''۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس کھانے سے روک لیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا ''اسے کھالو'' مگر آپ نے اسے خود تناول نہ فرمایا۔ میں نے دل میں کہا کہ آپ کے متعلق مجھے جو نشانیاں بتائی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک نشانی تو پوری ہوگئی کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے۔

کچھ روز بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ چند روز بعد میں اور کوئی چیز لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی "میں نے دیکھا ہے کہ آپ صدقہ نہیں کھاتے میں یہ چیز بطور ہدیہ لے کر آیا ہوں۔ یہ صدقہ نہیں ہے"۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے اسے تناول فرمایا۔ میں نے دل میں سوچا دو نشانیاں پوری ہو گئیں ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ کسی جنازہ میں شرکت کر رہے تھے۔ میں پیچھے مڑ تا کہ مبارک شانوں کے مابین مہر نبوت کی زیارت کر لوں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں پیچھے سے گھوم کر آیا ہوں تو آپ نے اپنی کمر انور سے چادر اٹھا دی آپ کے شانوں کے مابین مہر نبوت کو میں نے دیکھ لیا۔ یہ بالکل اسی طرح تھی جس طرح مجھے اس راہب نے بتایا تھا، میں جذبات سے بے قابو ہو کر گر پڑا۔ میں عالم وارفتگی میں آپ کو بوسے دے رہا تھا۔ میں رو رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سلمان! آگے آؤ"۔ میں آپ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے پسند فرمایا کہ میں اپنی عشق انگیز داستان صحابہ کرام کو سناؤں۔ میں نے اپنی داستان ان کے گوش گزار کی۔

"شواہد النبوۃ" میں ہے کہ جب حضرت سلیمان بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زبان نہیں جانتے تھے۔ ایک یہودی تاجر کو بطور ترجمان لایا گیا۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں سے آگاہ تھا۔ حضرت سلمان نے فارسی زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ انہوں نے یہودیوں کی مذمت کی۔ جس کی وجہ سے اس ترجمان کو غصہ آ گیا۔ اس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی گفتگو کا غلط ترجمہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "سلمان آپ پر دشنام طرازی کر رہا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ فارسی ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اذیت دے" اسی وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے۔ انہوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی گفتگو کا صحیح ترجمہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ترجمہ اس یہودی کو بتا دیا۔ یہودی نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سے فارسی جانتے تھے تو مجھے بلانے کی کیا ضرورت تھی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں پہلے فارسی نہیں جانتا تھا۔ مجھے تو یہ زبان ابھی ابھی جبرائیل نے سکھائی ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ دیکھ کر اس یہودی نے عرض کی "اے محمد عربی! اس سے قبل میں آپ پر تہمت لگایا کرتا تھا لیکن اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ! پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے فرمایا "سلمان کو عربی سکھا دو"۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی "آپ سلمان کو حکم فرمائیں کہ وہ آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنا منہ کھول لیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا لعاب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے منہ میں ڈالا۔ انہوں نے اسی وقت فصیح زبان میں گفتگو شروع کر دی۔

جو کچھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا تھا بعض روایات میں یہ صراحت موجود ہے کہ انہوں نے وہ چیز اپنے مالک سے مانگی تھی۔ جو اس نے انہیں دے دی تھی۔ وہ اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ اس میں کوئی مشکل امر نہیں کیونکہ اس وقت وہ مملوک تھے ان کی ملکیت میں کچھ بھی نہ تھا۔

پھر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دولت اسلام سمیٹ لی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک صف میں شامل ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے سلمان! اپنے مالک سے مکاتبت کر لو" وہ فرماتے ہیں "میں نے اپنے مالک سے اس شرط پر مکاتبت کر لی کہ میں اسے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر دوں گا اس کے ساتھ ساتھ میں اسے چالیس اوقیہ سونا دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے بھائی کی مدد کرو" صحابہ کرام نے مجھے کھجوروں کے پودے دیئے۔ کسی نے دس اور کسی نے بیس پودے عنایت کئے۔ مجھے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان کے لئے گڑھے کھودو۔ جب گڑھے کھودنے سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا" میں خود اپنے دست اقدس سے ان میں وہ پودے رکھوں گا" میں نے ان کے لئے گڑھے کھودے۔ صحابہ کرام نے میری اعانت کی۔ جب میں فارغ ہو گیا تو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ آپ میرے ساتھ تشریف لے گئے۔ ہم آپ کو پودے پیش کرنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دست حق نما سے انہیں ایک ایک گڑھے میں رکھنے لگے۔ بخدا! وہ سارے کے سارے پودے لگ گئے ایک پودا بھی خشک نہ ہوا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک پودے کے علاوہ وہ سارے پودے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے لگائے وہ ایک پودا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا۔ اس ایک پودے کے علاوہ باقی سارے پودے لگ گئے۔ یہ سوکھنے لگا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "اسے کس نے لگایا تھا؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اکھیڑا پھر اسے اپنے دست شفاء بخش سے لگایا تو وہ فوراً ہرا ہو گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ پودا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا۔ علامہ حلبی فرماتے ہیں "ممکن ہے ان دونوں حضرات نے یہ پودا یکے بعد دیگرے لگایا ہو یا دونوں نے مل کر اسے لگایا ہو"۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ابھی مجھ پر چالیس اوقیہ سونا تھا۔ ایک روز فاختہ یا مرغی کے انڈے کے برابر سونا بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سلمان! یہ سونا لو اور اس سے اپنا زر مکاتبت ادا کر لو"۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اتنی کثیر رقم چھوٹے سے انڈے سے کیسے ادا ہو گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے لے لو، یہ قلیل نہیں ہے"۔ آپ نے اسے اپنی زبان حق ترجمان لگائی پھر فرمایا "اسے لے لو۔ اللہ تعالیٰ اس سے تمہارا سارا قرضہ اتار دے گا"۔ میں اس کا وزن کر کے اس یہودی کو زر مکاتبت ادا کرنے لگا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست اقدس میں سلمان کی جان ہے میں نے سارا زر مکاتبت ادا کر دیا۔ لیکن ابھی تک میرے پاس اتنا سونا باقی ہے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا تھا۔

صاحب الہمزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی طرف اشارہ کیا

وَ وَفَّى قَدْرُ بَيْضَةٍ مِنْ نُضَارٍ دَيْنَ سَلْمَانَ حِيْنَ حَانَ الْوَفَاءُ

جب حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قرض کی ادائیگی کا وقت قریب آیا تو ایک انڈے جتنا سونا کافی ہو گیا۔

كَانَ يُدْعٰى قِنًّا فَاُعْتِقَ لَمَّا اَيْنَعَتْ مِنْ نَخِيْلِهِ الْاَقْنَاءُ

انہیں غلام کہا جاتا تھا۔ انہیں آزادی نصیب ہوئی۔ جبکہ ان کی کھجوروں پر کھجوریں پک گئیں۔

اَفَلَا تَعۡذُرُوۡنَ سَلۡمَانَ لَنَا اِنۡ عَرَتۡهُ مِنۡ ذِكۡرِهٖ الۡعَرۡوَاءُ

کیا تم سلمان کو اس وقت معذور نہیں سمجھو گے جب انہیں اس ذکر کی وجہ سے بخار کی کپکپی آلیتی ہو۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے غزوۂ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرکت کی سعادت حاصل کی۔ پھر سارے غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں بھی شرکت کی۔ اس وقت وہ مکاتب تھے۔ آزادی کے بعد غزوۂ خندق میں بھی شرکت کی۔ ایک اور قول کے مطابق وہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں غلامی کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔ بعض روایات میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی یہ حکایت کمی و بیشی کے ساتھ منقول ہے۔ جو روایت میں نے ذکر کی ہے یہ سب روایات سے صحیح ہے۔ امام حلبی لکھتے ہیں "بعض علمائے کرام نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ 250 سال زندہ رہے۔ وہ ایک جید عالم، زاہد، فاضل اور تارک الدنیا تھے۔ انہیں ہر سال بیت المال سے پانچ ہزار دراہم ملتے تھے مگر وہ انہیں صدقہ کر دیتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ ان کی صرف ایک چادر تھی جس کا نصف نیچے بچھا لیتے اور نصف اوپر اوڑھ لیتے تھے۔

ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ وہ مدائن گیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حوض پر کام کر رہے تھے۔ میں نے انہیں کہا "آپ حوض پر کام کر رہے ہیں۔ حالانکہ آپ امیر ہیں۔ اس سے آپ کو رزق مل سکتا ہے"۔ انہوں نے فرمایا "میں اپنے ہاتھ سے کما کر کھانا چاہتا ہوں"۔ وہ اکثر اوقات گوشت خریدتے۔ اسے پکاتے، پھر مجذوموں کو بلاتے اور ان کے ساتھ کھاتے۔

حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی خبر

وہ بشارات جو کاہنوں کی زبانوں سے سنی گئیں وہ بھی ان گنت ہیں۔ ان میں سے بہت سی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے وقت اور شیر خوارگی کے وقت سنی گئیں۔ ان میں سے ایک بشارت حضرت عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا "بخدا! میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل ہی جانتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ ان سے عرض کی گئی "وہ کیسے؟" انہوں نے فرمایا "ہمیں کسی ناگزیر امر کی وجہ سے کسی کاہن کے پاس جانا پڑا۔ اس کاہن نے کہا "میں برجوں والے آسمان کی قسم کھاتا ہوں۔ مجھے راستوں والی زمین کی قسم، گرد و غبار والی ہوا کی قسم!، موجزن سمندروں کی قسم!، راستے والے پہاڑوں کی قسم! یہ شور و غوغا ایک اہم کام کی وجہ سے ہے" لوگوں نے پوچھا "وہ اہم معاملہ کیا ہے؟" اس نے کہا "اس سے مراد کتاب ناطق اور چیرنے والی تلوار کے ساتھ نبی صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہے"۔ لوگوں نے اس سے پوچھا "ایسے نبی صادق کا ظہور کہاں ہوگا؟ وہ کس چیز کی طرف دعوت دیں گے؟" اس نے کہا "امن و آشتی کے ساتھ ان کا ظہور ہوگا۔ وہ فلاح و کامیابی کی طرف دعوت دیں گے۔ وہ جوئے کے تیروں کو باطل قرار دیں گے۔ وہ شراب نوشی، خونریزی اور دوسرے قبیح امور سے منع فرمائیں گے"۔ لوگوں نے اس سے پوچھا "ایسے عظیم الشان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کی نسل سے ہوں گے؟" کاہن نے جواب دیا "وہ ایک معزز بزرگ کی نسل سے ہوں گے۔ وہ عظیم بزرگ زمزم کے کنوئیں کی کھدائی کریں

گے۔ وہ منڈلانے والے پرندوں اور بھوکے درندوں کو کھلانے والے ہوں گے"۔

قس بن ساعدہ ایادی کی بشارت

یہ وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے کہا تھا "مدعی کے ذمہ گواہ اور منکر پر قسم ہے"۔ اس نے سب سے پہلے خطبہ دیتے وقت عصا، کمان یا تلوار کے ساتھ ٹیک لگائی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "عبد القیس کا وفد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کون ہے جو قس بن ساعدہ ایادی کو جانتا ہے؟" انہوں نے عرض کی "ہم میں سے ہر ایک اسے جانتا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار فرمایا "اس نے کیا کہا؟" انہوں نے عرض کی "وہ ہلاک ہو گیا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں اسے بھولا نہیں۔ وہ عکاظ کے میلا میں تھا۔ وہ سرخ اونٹ پر سوار تھا"۔ اس نے لوگوں سے کہا "اے لوگو! غور سے سنو اور یاد رکھو۔ جس نے زندگی پائی وہ مر گیا۔ جو مرا وہ فنا ہو گیا۔ آنے والی چیز آ کر رہے گی۔ بلاشبہ آسمان پر خبر ہے۔ بلاشک زمین میں عبرت ہے۔ بچھونا بچھا دیا گیا ہے۔ چھت قائم کر دی گئی ہے۔ قس ایسی قسم اٹھاتا ہے جس میں وہ نہ گناہ گار ہونے والا ہے اور نہ ہی اسے توڑنے والا ہے۔ رب تعالیٰ کا ایک ایسا دین بھی ہے جو اسے اس دین سے محبوب ہے جو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ میں لوگوں کو کیوں اس طرح دیکھتا ہوں کہ وہ جاتے ہیں مگر واپس نہیں لوٹتے۔ وہ اس مقام پر راضی ہو گئے ہیں۔ وہ وہیں اقامت گزیں ہو گئے ہیں۔ کیا انہیں وہیں ٹھہرا لیا گیا ہے کہ وہ سو گئے ہیں"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کے وہ اشعار مجھے کون سنائے گا" انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے یہ اشعار سنائے۔

فِي الذَّاهِبِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ مِنَ الْقُرُوْنِ لَنَا بَصَائِرُ

ہم سے پہلے جانے والوں میں ہمارے لئے کئی بصیرت افروز باتیں ہیں۔

لَمَّا رَاَيْتُ مَوَارِدًا لِلْمَوْتِ لَيْسَ بِهَا مَصَادِرُ

جب میں دیکھتا ہوں کہ موت کے آنے کی تو کئی راہیں ہیں لیکن اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

وَرَاَيْتُ الْقَوْمَ نَحْوَهَا تَسْعٰى الْاَصَاغِرُ وَالْاَكَابِرُ

میں دیکھتا ہوں کہ میری قوم کے چھوٹے بڑے اسی کی طرف رواں دواں ہیں۔

لَا يَرْجِعُ الْمَاضِيْ اِلَيَّ وَلَا مِنَ الْبَاقِيْنَ غَابِرُ

نہ ہی گزرنے والا میری طرف آنے والا ہے۔ نہ ہی باقی لوگوں میں سے کوئی واپس آنے والا ہے۔

اَيْقَنْتُ اَنِّيْ لَا مَحَالَةَ حَيْثُ صَارَ الْقَوْمُ صَائِرُ

میں نے یقین کر لیا کہ مجھے بھی یقیناً اس طرف جانا ہے جس طرف میری قوم گئی ہے۔

دوسری روایت میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جارود بن عبد اللہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ انجیل میں پائے ہیں۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے آپ

کی بشارت دی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔ انہوں نے بھی اور ان کی ساری قوم نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وجہ سے حضور ﷺ بہت زیادہ خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جارود!" کیا وفد عبدالقیس میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو ہمیں قس کے بارے بتائے؟ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم سب اسے جانتے ہیں۔ اپنی قوم میں سے میں ہی وہ شخص ہوں جو اس کے پیچھے جاتا اور اس کی خبر لے کر آتا۔ وہ عرب کے فرزندوں میں سے ایک ہے۔ اس کی عمر سات سو سال یا نو سو سال ہوئی۔ اہل عرب میں سے سب سے پہلے اس نے بتوں کی پوجا ترک کی۔ سب سے پہلے "امابعد! اسی نے کہا۔ سب سے پہلے اس نے من فلان الی فلان" لکھا۔ گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس رب کی قسم اٹھا رہا ہے جو اس کا پروردگار ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ کتاب اپنی مدت تک ضرور پہنچے گی۔ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا پورا پورا اجر دیا جائے گا"۔ پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھنے شروع کئے۔

هَاجَ لِلْقَلْبِ مِنْ هَوَاهُ ادِّكَارُ وَلَيَالٍ خَلَا لَهُنَّ نَهَارُ

دل اس کی محبت میں شعلہ زن ہے جس کا عشق سراپا آتش ہے وہ ایسا ہے کہ گویا تاریک راتوں میں دن نکل آیا ہے۔

وَ جِبَالٌ شَوَامِخٌ رَاسِيَاتٌ وَ عُيُونٌ مِيَاهُهُنَّ غِزَارُ

وہ بلند بالا اور ایستادہ پہاڑ ہیں اور ایسے سرچشمے ہیں جن کا پانی شیریں ہے۔

وَ نُجُوْمٌ تَلُوْحُ فِي ظُلَمِ اللَّيْلِ تَرَاهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ تُدَارُ

ایسے ستارے ہیں جو رات کی ظلمت میں چمکتے ہیں۔ تو انہیں ہر روز محو گردش دیکھے گا۔

وَالَّذِي قَدْ ذَكَرْتُ عَلَى اللّٰهِ نُفُوسًا لَهَا هُدًى وَاعْتِبَارُ

جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے یہ سب کچھ اللہ رب العزت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ یہ ایسے نفوس کی راہ نمائی کرتے ہیں جن کے لئے ہدایت اور عبرت ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اے جارود! ذرا توقف کرو۔ میں اسے بھولا تو نہیں۔ وہ عکاظ کے بازار میں خاکستری اونٹ پر سوار تھا۔ وہ خوبصورت کلام میں محو گفتگو تھا۔ شاید ہی مجھے اس کے کلام میں سے کچھ یاد ہو"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے کچھ یاد ہے۔ میں بھی اس روز عکاظ کے بازار میں موجود تھا"۔ اس نے اپنے خطبہ میں کہا

"اے لوگو! غور سے سنو اور یاد رکھو۔ اگر یاد کر لو تو اس سے نفع اٹھاؤ۔ جس نے زندگی پائی اس نے مرنا ہے۔ جو مر گیا وہ فنا ہو گیا۔ جو کچھ آنے والا ہے وہ آ کر رہے گا۔ بارش اور نباتات کی قسم! رزق اور خوراک کی قسم! آباء اور امہات کی قسم! زندہ اور مردوں کی قسم! مجتمع اور متفرق کی قسم! آیات بعد آیات کی قسم! راستے والی زمین کی قسم! موجزن سمندروں کی قسم! میں لوگوں کو اس طرح کیوں دیکھتا ہوں کہ وہ جاتے ہیں لیکن واپس نہیں آتے۔ کیا انہیں وہیں ٹھہرا لیا گیا ہے اور وہ ٹھہر گئے ہیں یا انہیں چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ سو گئے ہیں۔ قس وہ قسم اٹھاتا ہے جس میں نہ وہ گناہگار ہے اور جسے نہ وہ توڑنے والا ہے۔ بلاشبہ

رب کے لئے ایک ایسا دین ہے جو اسے تمہارے اس دین سے زیادہ محبوب ہے۔ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ ان کے ظہور کی بابرکت گھڑیاں تم پر سایہ فگن ہونے والی ہیں۔ بشارت ہے اس شخص کے لئے جو ان پر ایمان لایا اور اسے ہدایت نصیب ہو گئی۔ ہلاکت ہے۔ اس شخص کے لئے جس نے ان کی مخالفت کی اور ان کی نافرمانی کی۔ غافل لوگوں کے لئے ہلاکت ہے۔ گزشتہ نافرمان امتوں اور اقوام کے لئے ہلاکت ہے۔ اے گروہ ایاد! آباؤ اجداد کہاں ہیں؟ مریض اور عیادت کرنے والے کہاں ہیں؟ فرعون اور شداد کہاں ہیں؟ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے بلند و بالا عمارات تعمیر کیں تھیں''۔

جنہوں نے خوبصورت اشیاء اور زیست کی آسائش کی ہر چیز بنائی۔ مال کہاں ہے؟ اولاد کہاں ہے؟ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے سرکشی اور بغاوت کی۔ جنہوں نے مال جمع کیا اور اسے گنا۔ جس تیرہ بخت نے کہا تھا ''میں تمہارا بلند و برتر رب ہوں۔ کیا وہ لوگ تم سے زیادہ مال و دولت والے نہ تھے۔ کیا ان کی عمریں تمہاری عمروں سے طویل نہ تھیں۔ کیا ان کی آرزوئیں تم سے طویل نہ تھیں۔ زمین نے انہیں اپنے سینے سے پیس دیا۔ مصائب کی کثرت نے انہیں چیر دیا۔ وہ ہیں ان کی بوسیدہ ہڈیاں۔ وہ دیکھو ان کے خالی گھر ہیں۔ اب بھیڑیوں نے ان کے گھروں کو آباد کر رکھا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو یکتا اور معبود برحق ہے۔ نہ ہی اس کا کوئی باپ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے''۔ پھر انہوں نے وہ اشعار پڑھے جو پہلے گزر چکے ہیں۔

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے ''بلاشبہ صعب ذوالقرنین! جن و انس کا بادشاہ، جن و انس کو رسواء کرنے والا! دو ہزار سال عمر پانے والا! پھر لحہ بھر میں موت کے گھاٹ اتر گیا''۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا ''عنقریب اس طرف سے تمہارے پاس حق آ جائے گا''۔ اس نے مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے پوچھا ''اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' اس نے کہا ''وہ دعوت لے کر آنے والے ایسے ہوں گے کہ ان کی ابروئیں آپس میں ملی ہوئی نہ ہوں گی۔ ان کی آنکھیں بہت زیادہ سفید اور بہت زیادہ سیاہ ہوں گی۔ ان کا تعلق قبیلہ لوئی بن غالب سے ہوگا۔ وہ تمہیں اخلاص کے کلمہ کی طرف دعوت دیں گے۔ وہ تمہیں ہمیشہ کی زندگی اور دائمی نعمتوں کی طرف بلائیں گے۔ جب وہ تمہیں بلائیں تو ان کی دعوت پر لبیک کہنا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان کی بعثت تک زندہ رہوں گا تو میں سب سے پہلا شخص ہوتا جو ان کی طرف بھاگ کر جاتا''۔

یہ قصہ متفرق اسناد سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ جس طرح کہ حافظ ابن کثیر اور ابن حجر علیہما الرحمۃ نے کہا ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو باطل کہا ہے ان کے اس قول کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ پھر بعض اسناد اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قس کا کلام یاد تھا بعض میں ہے کہ آپ کو فراموش ہو چکا تھا۔ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ فراموش ہو چکا ہو جب اسے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی نے پڑھا ہو تو آپ کو یاد آ گیا ہو۔ اس وفد کے بارے متفرق روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ عبدالقیس کا وفد کئی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہر بار آپ نے قس کو یاد کیا۔ حدیث مبارک میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ قس پر رحم کرے وہ حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام کے دین پر تھا''۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قس نے حواریوں کو پایا اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھا۔ یہ

اشعار بھی اسی کے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَخْلُقِ الْخَلْقَ عَبَثْ　　وَ اَرْسَلَ فِیْنَا اَحْمَدَ خَیْرَ نَبِیٍّ قَدْ بُعِثْ

صَلّٰی عَلَیْهِ اللّٰهُ مَا حَجَّ لَهٗ رَکْبٌ وَحَثْ

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ اس نے ہم میں احمد مجتبیٰ کو مبعوث کیا۔ وہ ایک بہترین نبی ہیں جنہیں مبعوث کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک درود بھیجتا رہے جب تک کارواں اس کے لئے حج کرتے ہیں جب تک حج کے لئے ابھارا جاتا ہے۔

حضرت جارود رضی اللہ عنہ اسلام میں بہت مضبوط اور محکم تھے۔ انہوں نے ردت کا زمانہ پایا۔ جب ان کی قوم مرتد ہو گئی تو انہوں نے اسے حق کی طرف بلایا انہوں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے رسول ہیں"۔ جس نے یہ گواہی نہ دی اسے کافر سمجھا۔ اس کے بہت سے اشعار ہیں جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

شهدت بان الله حق و سامحت　　بنات فؤادی بالشهادةِ والنَّهضِ

فَابلِغْ رَسُوْلَ الله عنی رسالة　　بانی حنیف حیث کنت من الارض

میں نے گواہی دی ہے کہ ذات خداوند حق ہے میرے دل نے بھی میرے ساتھ اس شہادت میں موافقت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری طرف سے پیغام دو کہ میں جہاں کہیں بھی رہوں میں دین حنیف پر ہوں۔

انہوں نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی اور 21ھ کو میدان نہاوند میں جام شہادت نوش کر گئے۔

نافع جرشی کی بشارت

جرش حمیر کا ایک قبیلہ تھا۔ ان کے شہر کا نام بھی یہی تھا۔ زمانہ جاہلیت میں ان کا ایک کاہن تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر عرب میں پھیلنے لگا تو وہ اپنے کاہن کے پاس گئے پہاڑ کے دامن میں جمع ہو گئے۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ ان کے پاس آیا وہ اپنی کمان کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ تا دیر آسمان کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے کہا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر عزت و کرامت کا تاج سجا دیا ہے۔ اس نے انہیں چن لیا ہے۔ ان کے قلب انور کو پاک کر دیا ہے اور انہیں تم میں قوت عطا فرمائی ہے"۔

تبع الحمیری مدینہ منورہ میں

انصار کے آباؤ اجداد نے تبع الحمیری سے یہودیوں کی تکالیف اور اذیتوں کی شکایت کی۔ تبع الحمیری یمن کا بادشاہ تھا۔ اس نے یہودیوں کو ہلاک کرنے اور یثرب کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ یمن سے یثرب آیا۔ یہودیوں کا عمر رسیدہ عالم اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا "اے وہ شاہ ذی مرتبت! جسے کوئی خوفزدہ نہیں کر سکتا۔ جسے کوئی غصہ اور غضب راہ ہدایت سے منحرف نہیں کر سکتا۔ نہ ہی اس کا حلم کم ہو سکتا ہے۔ نہ اسے اور نہ ہی اس کی تلوار کو توڑا جا سکتا ہے۔ یہ مبارک شہر اس نبی مکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دین ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوں گے"۔ تبع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ وہ واپس گیا۔ خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ اور اپنے ایمان اور جذبات کا اظہار ان اشعار میں کیا۔

شَهِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِئِ النَّسَمِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس اللہ کے رسول ہیں جو تمام روحوں کو پیدا کرنے والا ہے۔

وَلَوْمُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِهٖ لَكُنْتُ وَزِيْرًا لَّهٗ وَ ابْنَ عَمّ

اگر میری زندگی نے وفا کی اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد ہمایوں پالیا تو میں آپ کا وزیر بنوں گا۔ اور چچازاد بھائی کی طرح ہر موقع پر مدد کروں گا۔

وَ جَاهَدْتُ بِالسَّيْفِ اَعْدَائَهٗ وَ فَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهٖ كُلَّ هَمّ

میں تلوار کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ اقدس میں جو فکر و اندیشہ ہوگا اسے ختم کروں گا۔

لَهٗ اُمَّةٌ سُمِّيَتْ فِی الزَّبُوْرِ وَ اُمَّتُهٗ فِيْهِ خَيْرُ الْاُمَمِ

آپ کی امت مرحومہ کا ذکر خیر زبور میں کیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ کی امت خیر الامم ہے۔

وَ يَاْتِیْ بَعْدَهُمْ رَجُلٌ عَظِيْمٌ نَبِیٌّ لَا يُرَخِّصُ فِی الْحَرَامِ

ان کے بعد ایک عظیم شخص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے انہیں حرم کعبہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

يُسَمّٰی اَحْمَدَ يَا لَيْتَ اَنِّیْ اُعَمَّرُ بَعْدَ مَبْعَثِهٖ بِعَامٍ

ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ کاش! میں ان کی بعثت کے ایک سال بعد تک زندہ رہ سکوں۔

وہ جید عالم جس نے تبع کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا۔ اس کا نام شامول تھا۔ دوسری روایت میں ہے اس نے تبع سے کہا "اے بادشاہ! یہ مبارک شہر ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہوگا۔ ان کی جائے ولادت مکہ مکرمہ ہوگی۔ ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ اے شاہ ذی مرتبت! جس مقام پر آج آپ اقامت گزیں ہیں اسی مقام پر ان کے ساتھیوں اور ان کے دشمنوں کے مابین جنگ ہوگی۔ جس میں بہت سے لوگ قتل ہوں گے"۔ تبع نے پوچھا "ان کے ساتھ جنگ کون کرے گا؟ حالانکہ وہ نبی ہوں گے"۔ شامول نے کہا "ان کی قوم ہی ان کے ساتھ جنگ کرے گی"۔ بادشاہ نے کہا "ان کی مرقد انور کہاں ہوگی؟" اس عالم نے جواب دیا "ان کا روضہ اطہر اس شہر میں ہوگا"۔ بادشاہ نے پوچھا "ان کے اور ان کے دشمنوں کے مابین جنگ ہوگی تو فتح کس کو حاصل ہوگی؟" اس عالم یہودیت نے جواب دیا "کبھی ان کو فتح حاصل ہوگی اور کبھی ان کے دشمنوں کو۔ بالآخر رب تعالیٰ انہیں اتنا غلبہ عطا کرے گا کہ پھر ان کے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت کوئی نہیں کر سکے گا"۔ پھر بادشاہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ پوچھے۔ اس عالم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوصاف، خوبیاں اور محاسن اس بادشاہ کو بتائے۔

جب شامول نے بادشاہ کو تمام گفتگو سنائی تو اس وقت اس کے دربار میں اس کے علماء بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا ''ہم اس شہر کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ شاید ہم اس نبی مکرم ﷺ کے عہد سعید کو پالیں یا ہماری اولاد ان کے زریں عہد کو پالینے کی سعادت حاصل کرلے۔ بادشاہ نے ان علماء میں سے ہر ایک کو بہت سی رقم اور ایک ایک لونڈی عطا کی۔ وہ مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ بادشاہ نے حضور اکرم ﷺ کے لئے ایک گھر تعمیر کروایا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ گھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جہاں حضور ﷺ نے ہجرت کے وقت قیام فرمایا تھا۔ بادشاہ نے حضور ﷺ کے لئے ایک عریضہ لکھوایا۔ اسے اپنے علماء کو دیا۔ انہوں نے نسل در نسل اس خط کو اپنی حفاظت میں رکھا حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی لوگوں نے وہ خط آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔

تاریخ المدینہ ''الوفاء'' از سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے مرقوم ہے عنقریب اس واقعہ کی مزید تفصیلات بیان کی جائیں گی۔

کعب بن لوئی کی بشارت

حضور ﷺ کے جدامجد کعب بن لوئی روز جمعہ لوگوں کو خطبہ دیتے تھے۔ وہ اپنے خطبہ میں حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ کی بشارت دیتے۔ انہوں نے ایک دفعہ فرمایا ''امابعد! غور سے سنو اور خوب جان لو کہ رات کی ظلمت کافور ہونے والی ہے۔ دن کا اجالا پھیلنے والا ہے۔ زمین ایک گہوارہ اور آسمان ایک عمارت ہے۔ پہاڑ میخیں ہیں۔ ستارے علامات ہیں پہلے بعد میں آنے والوں کی طرح ہیں...... اپنے حرم کی توقیر میں اضافہ کرو۔ اس کی تعظیم کرو۔ عنقریب اس کے لئے عظیم خبر آئے گی۔ اسی سرزمین سے ایک عظیم نبی ﷺ کا ظہور ہوگا۔

پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

نَهَارٌ وَ لَيْلٌ كُلُّ يَوْمٍ بِحَادِثٍ　　سَوَاءٌ عَلَيْنَا لَيْلُهَا وَ نَهَارُهَا

ہر روز شب و روز ہمارے پاس ایک نیا واقعہ لے کر آتے ہیں۔ اب اس کے دن اور رات ہمارے لئے برابر ہو چکے ہیں۔

مُنَوَّبَانِ بِالْاَحْدَاثِ حِيْنَ تَنَاوَبَا　　وَ بِالنِّعَمِ الضَّافِي عَلَيْنَا سُرُوْرُهَا

جب دن اور رات ہمارے پاس یکے بعد دیگرے آتے ہیں تو حادثات کو بھی ساتھ لئے ہوتے ہیں۔ اور بے شمار خوشی والی نعمتیں ان کے ساتھ ہوتی ہیں۔

عَلٰى غَفْلَةٍ يَاْتِي النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ　　فَيُخْبِرُ اَخْبَارًا صَدُوْقٌ خَبِيْرُهَا

زمانہ غفلت میں تھا جب حضور ﷺ تشریف لائے۔ اور ایسی خبروں کے بارے بتایا جن کو بتانے والا سچا تھا۔

ایک کاہنہ کی بشارت

سفیان بن مجاشع التمیمی سے روایت ہے۔ اس نے اپنی قوم کے مقتولین کی دیتوں کو اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔ ایک دن اس

سلسلہ میں وہ اپنی قوم سے تعاون کی درخواست لے کر اس کے پاس آیا۔ جب وہ تمیم کے قبیلہ کے پاس سے گزرا تو اس قبیلہ کے لوگ ایک کاہنہ کے اردگرد جمع تھے۔ وہ کہہ رہی تھی "جس نے اس کے ساتھ پیار کیا وہ معزز ہے۔ جس نے اس کے ساتھ دشمنی کی وہ ذلیل ہے۔ جس نے اس کے ساتھ دوستی کی وہ محفوظ ہو گیا جس نے اس کے ساتھ عداوت کی وہ رسوا ہوا"۔

سفیان نے کہا "اے کاہنہ! تو کس کا تذکرہ کر رہی ہے؟ کاہنہ نے جواب دیا "میں اس ذات مقدس کا ذکر خیر کر رہی ہوں جو حل و حرم کی مالک ہے۔ وہ صاحب علم و ہدایت ہے۔ وہ حلیم اور سخت پکڑ والا ہے۔ وہ جنگ اور سلامتی والا ہے۔ جو سرداروں کا سردار ہے۔ وہ آفتابوں کو سدھانے والا ہے۔ وہ تنگی مٹانے والا ہے۔ وہ ہر ہلاک ہونے والے کو بچانے والا ہے"۔ سفیان نے پوچھا "اے کاہنہ! تجھے اللہ کی قسم! بتا وہ کون ہے؟" اس نے جواب دیا "وہ نبی مؤید ہیں۔ ان کی بعثت کا وقت قریب ہے۔ وہ سرخ اور کالے تمام لوگوں کی طرف بھیجے جائیں گے۔ وہ ایسی کتاب لے کر تشریف لائیں گے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکے گا۔ ان کا نام نامی "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا"۔ پھر سفیان نے پوچھا "کیا عربی ہوں گے یا عجمی؟" کاہنہ نے جواب دیا "رفعتوں والے آسمان کی قسم! گونا گوں درختوں کی قسم! وہ معد بن عدنان کے قبیلے سے ہوں گے"۔ اے سفیان! "اب تجھے مزید سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تجھے مزید سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب تیرے لئے یہی کافی ہے"۔ اس کے بعد سفیان نے کاہنہ سے کوئی سوال نہ کیا اس کے ہاں ایک بچے کی ولادت ہوئی۔ اس نے اس امید پر اس کا نام "محمد" رکھا کہ شاید یہی وہ نبی ہو جس کا ذکر کاہنہ نے کیا تھا۔ سیف بن ذی یزن کی داستان پہلے گزر چکی ہے اس نے کس طرح حضرت عبدالمطلب سے بات چیت کی تھی اور کس طرح انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیف نے حضرت عبدالمطلب سے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تمہارے ایک ہاتھ میں سلطنت اور دوسرے میں نبوت ہے" اس نبوت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور سلطنت سے خلافت عباسیہ مراد ہے۔

زید بن عمرو کی بشارت

زید بن عمرو جزیرہ میں ایک راہب سے ملا۔ اس نے اس سے دین ابراہیمی کے متعلق سوال کیا۔ اس راہب نے کہا "میں سارے علماء اور راہبوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ گمراہ ہیں۔ تو نے مجھ سے دین الٰہی کے متعلق سوال کیا ہے۔ اس دین متین کا ظہور تیری سرزمین سے ہی ہوگا۔ وہاں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوگا تو واپس لوٹ جا اور ان کی تصدیق کر"۔ زید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چچا! ساری قوم تمہارے ساتھ بغض کیوں رکھتی ہے؟" اس نے کہا "بخدا! میری ان کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ گمراہ ہیں۔ میں دین حنیف کی جستجو میں نکلا ہوں"۔ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس راہب کی بات بتائی۔ اس کو علم نہ تھا کہ وہ نبی موعود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ذات والا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بشارت

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل میں نے

یمن کی طرف سفر کیا میں عسکلان الحمیری کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا۔ وہ ایک عظیم بزرگ تھا۔ میں جب بھی یمن آتا تھا۔ اس کے ہاں ضرور قیام کرتا تھا"۔ اس نے ایک مرتبہ مجھ سے مکہ مکرمہ، کعبہ مشرفہ اور آب زمزم کے متعلق سوال کیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا "کیا ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جس نے تمہارے دین کی مخالفت کی ہو"۔ پھر میں حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اس کے ہاں ٹھہرا۔ اب وہ ضعیف ہو چکا تھا۔ اس کی قوت بصارت بھی جواب دے چکی تھی۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اسے میرے متعلق بتایا۔ اس نے پگڑی پہنی اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھے کہا "اے قبیلہ قریش کے فرد! اپنا نسب بیان کرو" میں نے کہا "میں عبدالرحمن بن عوف بن حارث بن زہرہ"۔ اس نے کہا "اے زہرہ کے بھائی! اتنا ہی کافی ہے۔ کیا میں تجھے وہ بشارت نہ دوں جو تیرے لئے تجارت سے بہتر ہو"۔ میں نے اسے کہا "آپ مجھے ایسی خوشخبری ضرور دیں"۔ اس نے کہا "میں تمہیں ضرور بتاتا ہوں اور تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ماہ میں تیری قوم میں سے ایک نبی ﷺ مبعوث کیا ہے۔ اس نے انہیں منتخب اور برگزیدہ بنا لیا ہے۔ رب تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب نازل کی ہے۔ ان کے لئے ان گنت ثواب مقرر کیا ہے۔ وہ بت پرستی سے روکیں گے۔ اسلام کی طرف دعوت دیں گے۔ وہ خود بھی حق پر عمل پیرا ہوں گے۔ وہ حق کا حکم دیں گے۔ وہ خود بھی باطل سے کنارہ کش ہوں گے اور باطل سے روگردانی کا حکم بھی دیں گے"۔ میں نے پوچھا "ایسے عظیم الشان نبی ﷺ کا تعلق کس قبیلہ سے ہوگا؟" وہ کہنے لگا "وہ غلطی اور خطا نہیں کریں گے نہ ہی ان کے لئے ہلاکت ہوگی۔ ان کا تعلق بنو ہاشم سے ہوگا"۔ اے عبدالرحمن! تم ان کے ماموں ہو۔ اس واقعہ کو مخفی رکھو۔ جلدی جلدی واپس جاؤ۔ جا کر ان کے معاون اور مددگار بن جاؤ۔ مندرجہ ذیل اشعار ان کی بارگاہ میں پیش کرنا۔

أَشْهَدُ بِاللهِ ذِي الْمَعَالِ وَفَالِقِ اللَّيْلِ وَالصَّبَاحِ

میں خدائے بزرگ و برتر کی قسم اٹھاتا ہوں۔ وہ معبود برحق جو رات کو اجالے میں اور دن کو ظلمت میں تبدیل کرنے والا ہے۔

أَنَّكَ ذوالسِّرِّ مِنْ قُرَيْشٍ يَا ابْنَ الْمُفَدّٰى مِنَ الذِّبَاحِ

اے اس شخص کے نور نظر جس کے ذبح ہونے کا فدیہ ادا کیا گیا تھا آپ قریش میں سے صاحب اسرار شخص ہیں۔

أُرْسِلْتَ تَدْعُوْا إِلٰى يَقِيْنٍ يُرْشِدُ لِلْحَقِّ وَالْفَلَاحِ

آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ یقین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جو حق اور کامرانی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

أَشْهَدُ بِاللهِ رَبِّ مُوْسٰى أَنَّكَ أُرْسِلْتَ بِالْبَطَاحِ

میں اس معبود برحق کی گواہی دیتا ہوں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروردگار ہے کہ آپ وادی بطحاء میں مبعوث ہوئے ہیں۔

فَكُنْ شَفِيْعِيْ إِلٰى مَلِيْكٍ يَدْعُوا الْبَرَايَا إِلَى الْفَلَاحِ

بارگاہ لم یزل میں میری شفاعت فرمائیں۔ اس دعوت کے طفیل جس میں لوگوں کے لئے فلاح کا پیغام ہے۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے یہ اشعار یاد کر لئے۔ میں واپس آ گیا۔ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو میں نے

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ میں نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔" انہوں نے کہا "اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا ہے۔ ان کی بارگاہ والا میں جاؤ"۔ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر آیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا تو آپ مسکرانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارا چہرہ مجھے بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔ میں تمہارے لئے بھلائی کی امید کرتا ہوں۔ تمہارے پیچھے کیا ہے؟" میں نے کہا "یہ ایک امانت ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بھیجنے والے نے تمہیں ایک خط کے ساتھ بھیجا ہے۔ لاؤ وہ خط مجھے دو"۔ میں نے آپ کو سارے واقعہ کی خبر دی۔ میں نے آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا "حمیر کا بھائی مومن ہے۔ وہ میری تصدیق کرنے والا ہے۔ اس نے میری جو صفات حمیدہ بیان کیں ہیں وہ سب سچ ہیں"۔

مخیریق یہودی کی بشارت

مخیریق مدینہ طیبہ کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس کے پاس بہت سا مال تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتا تھا۔ مگر اس پر اپنے دین کی محبت غالب تھی۔ جب غزوۂ احد رونما ہوا یہ ہفتہ کا روز تھا۔ مخیریق نے کہا "اے گروہ یہود! بلاشبہ تم جانتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت کرنا تم پر لازم ہے"۔ یہودیوں نے کہا "آج ہفتہ ہے" مخیریق نے کہا "اب تمہارے لئے ہفتہ کی کوئی حیثیت نہیں"۔ پھر اس نے اپنے ہتھیار لئے اور باہر نکل آیا۔ وہ احد کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ساتھ آ کر مل گیا اس نے اپنی قوم کو وصیت کی "اگر میں مر جاؤں تو میرا سارا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دینا وہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں"۔ پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور جہاد کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مال کو صدقہ فرما دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے "مخیریق یہودیوں میں سے بہترین تھا"۔

حضرت کعب الاحبار کی خبر

حضرت کعب رضی اللہ عنہ اہل یہود کے جید عالم تھے۔ انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلام قبول کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت 32ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے اوصاف کا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے وہ اوصاف حمیدہ سابقہ الہامی کتب سے یاد کر رکھے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اوصاف کے متعلق پوچھا جو تورات میں موجود ہیں۔ انہوں نے کہا "تورات میں ہے کہ وہ لوگوں کے سردار اور اولاد آدم میں سے چیدہ ہوں گے۔ وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ وہ فاران کے پہاڑوں اور وادی المقدس کی قرظ اگنے کی جگہ سے ظہور فرمائیں گے۔ وہ وہاں توحید اور حق کا اظہار کریں گے پھر مدینہ طیبہ تشریف لے جائیں گے۔ وہاں ان کے ساتھ جنگیں ہوں گی۔ وہاں ان کے بہت سے معجزات کا ظہور ہو گا۔ اس جگہ ان کا وصال ہو گا۔ اس جگہ ان کا روضہ مبارک ہو گا"۔

ضغاطر کی خبر

ضغاطر روم کا بہت بڑا پادری تھا۔ اس نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اسلام قبول کیا۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں "جب روم کے رؤساء اور عظماء ہرقل کے پاس سے چلے گئے تو اس نے مجھے اپنی خلوت میں بلایا اور اپنے ایک عظیم پادری کے پاس پیغام بھیج کر حضور ﷺ کے بارے پوچھا۔ اس پادری نے کہا "یہ وہی عظیم الشان نبی ہیں۔ جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ انہی کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی۔ میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ان کی اتباع کرنے میں فخر محسوس کرتا ہوں"۔ قیصر نے کہا "اگر میں ایسا کروں گا تو یہ ملک مجھ سے چھین لیا جائے گا"۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس پادری نے مجھے کہا "میرا یہ عریضہ اس نبی مکرم ﷺ کے پاس لے جاؤ۔ میری طرف سے انہیں سلام عرض کرنا اور عرض کرنا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں"۔ پھر اس نے اپنے کپڑے اتار کر سفید کپڑے پہن لیے۔ گرجا سے باہر نکلا۔ اس نے اہل روم کو اسلام کی دعوت دی۔ حق کی شہادت دی۔ لوگوں نے اس پر اتنے تیر برسائے کہ وہ شہید ہو گیا۔ جب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ہرقل کے پاس واپس آئے تو اس نے انہیں کہا "میں نہ کہتا تھا کہ ہم اپنی جانوں کے بارے ان لوگوں سے کتنا ڈرتے ہیں۔ انہوں نے ضغاطر کو بھی شہید کر دیا ہے حالانکہ وہ اس کی عزت مجھ سے زیادہ کرتے تھے"۔

یہودی علماء اور کاہنوں کی بشارات حد و شمار سے ماوراء ہیں۔ جس نے انکار کیا ہے اس نے صرف حسد اور بغاوت کرتے ہوئے ہی انکار کیا ہے۔

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کا تعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوم سے تھا۔ وہ زمانہ جاہلیت میں کاہن بھی تھے اور شاعر بھی۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہم میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس سے ایک شخص کا گزر ہوا۔ آپ سے عرض کی گئی "اے امیر المؤمنین! کیا آپ اس شخص کو جانتے ہیں" آپ نے استفسار فرمایا "یہ شخص کون ہے؟" آپ رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ یہ حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ وہ شخص ہیں جن کے پاس ان کا ایک تابع جن آتا تھا۔ اس جن نے انہیں حضور ﷺ کے ظہور اقدس کی بشارت دی تھی۔

اس سے قبل ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھا "اے لوگو! کیا تم میں سواد بن قارب موجود ہیں؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ جب دوسرے سال حج کا مہینہ آیا اور لوگ دور دراز سے بیت اللہ کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو آپ نے پھر فرمایا "اے لوگو! کیا تم میں سواد بن قارب موجود ہیں؟ ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا عجیب ہے"۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم اسی کیفیت میں تھے کہ حضرت سواد رضی اللہ عنہ بارگاہ فاروقی میں حاضر ہو گئے۔ لوگوں نے عرض کی "امیر المؤمنین! یہ سواد بن قارب ہیں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا "کیا آپ سواد بن قارب ہیں؟ انہوں نے کہا "ہاں! میں ہی سواد بن قارب ہوں"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیا جن حضور ﷺ کے ظہور قدسی کی بشارت لے کر تمہارے پاس آیا تھا؟ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے کہا "ہاں! میرے پاس ایک جن یہ خوشخبری لے کر آیا تھا کہ حضور ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیا آپ کاہن تھے؟" حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سوال سن کر حضرت سواد کو غصہ آیا۔ انہوں نے کہا "امیر المومنین! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کسی شخص نے اس طرح میرا استقبال نہیں کیا"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سبحان اللہ! ہم تو اس سے بھی عظیم گناہ یعنی شرک میں مبتلا تھے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "مولا! ہم کو معاف فرما۔ ہم زمانہ جاہلیت میں اس سے بھی عظیم گناہ میں مبتلاء تھے۔ ہم بتوں اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام جیسی نعمتوں سے سرفراز فرمایا"۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ سے مزاح کیا۔ انہوں نے کہا "اے سواد! تمہاری کہانت کا کیا بنا؟ یہ سن کر حضرت سواد کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا "میں اور آپ اس سے بڑے گناہ یعنی شرک اور مردار کھانے میں مبتلاء تھے۔ کیا آپ مجھے اس امر کے ساتھ عار دلاتے ہیں جس سے میں توبہ کر چکا ہوں"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "مولا! ہمیں معاف فرما" پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سواد رضی اللہ عنہ سے فرمایا "سواد! اپنے اسلام لانے کا واقعہ تو بیان کریں کہ آپ کس طرح اسلام لائے؟" حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے اپنی داستان یوں شروع کر دی۔

"امیر المومنین! ایک رات میں نیند اور بیداری کے مابین تھا۔ میرے پاس میرا جن آیا۔ اس نے مجھے ٹانگ ماری اور کہا "سواد! اٹھو اور میری گفتگو غور سے سنو۔ اگر عقل اور دانش کے مالک ہو تو اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ بلاشبہ قبیلہ لوی بن غالب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں"۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے

عَجِبْتُ لِلْجِنِّ وَطِلَّابِهَا وَ شَدِّهَا الْعِيْسَ بِأَقْتَابِهَا

مجھے جنات اور ان کی جستجو پر تعجب ہوا اور ان کا اونٹنیوں کو پالانوں کے ساتھ باندھنے پر تعجب ہوا۔

تَهْوِي إِلَى مَكَّةَ تَبْتَغِي الْهُدٰى مَا صَادِقُ الْجِنِّ كَكَذَّابِهَا

وہ مکہ مکرمہ میں فروکش ہوتے ہیں اور ہدایت کی جستجو کرتے ہیں جنات میں سے سچا ان کے جھوٹے کی طرح نہیں ہے۔

فَارْحَلْ إِلَى الصَّفْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ لَيْسَ قُدَّامَاهَا كَأَذْنَابِهَا

خاندان ہاشم کے برگزیدہ شخص کی طرف چلو۔ اس کے عظیم لوگ اس کے معمولی لوگوں کی طرح نہیں ہیں۔

میں نے اس جن سے کہا "مجھے سونے دو" میں نے وہ ساری شب اونگھتے ہوئے گزار دی۔ میں اپنی چارپائی سے نہ اٹھا۔ دوسری شب وہ جن پھر میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے ٹانگ ماری اور کہا "سواد! اٹھو میری بات غور سے سنو اور اگر عقل و دانش رکھتے ہو تو اسے سمجھو۔ قبیلہ لوی بن غالب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے وہ اللہ کی طرف اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں"۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

عَجِبْتُ لِلْجِنِّ وَ تَخْبَارِهَا وَ شَدِّهَا الْعِيْسَ بِأَكْوَارِهَا

مجھے جنات اور ان کے ایک دوسرے کو خبردار کرنے پر تعجب ہوا۔ ان کا اونٹوں کو ان کے کجاوؤں کے ساتھ باندھنے پر تعجب ہوا۔

تَهْوِیْ اِلٰی مَکَّةَ تَبْتَغِی الْهُدٰی　مَا مُؤْمِنُ الْجِنِّ کَکُفَّارِهَا

وہ مکہ مکرمہ کی جانب جاتے ہیں۔ وہ ہدایت کے خواہاں ہیں۔ مؤمن جنات کفار جنات کی طرح نہیں ہیں۔

فَارْحَلْ اِلَی الصَّفْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ　بَیْنَ رَوَابِیْهَا وَاَحْجَارِهَا

بنو ہاشم کے پاکباز شخص کی طرف سفر کرو۔ جو اس کے پتھروں اور چٹانوں کے مابین سکونت پذیر ہیں۔

میں نے اس جن سے کہا ''مجھے چھوڑ دو۔ میں سونا چاہتا ہوں''۔ دوسری رات بھی میں نے اسی طرح اونگھتے ہوئے گزار دی۔ میں جن کی اس بشارت کی وجہ سے عازم سفر نہ ہوا۔ تیسری رات وہ جن سہ بارہ میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے ٹانگ ماری اور کہا ''اے سواد بن قارب! اٹھو اور میری گفتگو دھیان سے سنو۔ اگر تم عقلمند ہو تو میری بات کو سمجھو بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور قبیلہ لوی بن غالب میں ہو چکا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ وہ اس کی عبادت کی طرف بلا رہے ہیں''۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

عَجِبْتُ لِلْجِنِّ وَ تَحْسَاسِهَا　وَشَدِّهَا الْعِیْسَ بِاَحْلَاسِهَا

مجھے جنات اور ان کی جستجو پر تعجب ہوا۔ اونٹوں کو کجاووں کے ساتھ باندھنے پر تعجب ہوا۔

تَهْوِیْ اِلٰی مَکَّةَ تَبْتَغِی الْهُدٰی　مَا خَیْرُ الْجِنِّ کَاَنْجَاسِهَا

وہ مکہ مکرمہ کی طرف جاتے ہیں اور ہدایت طلب کرتے ہیں۔ اچھے جن برے جنوں کی طرح نہیں ہیں۔

فَارْحَلْ اِلَی الصَّفْوَةِ مِنْ هَاشِمٍ　وَاسْمُ بِعَیْنَیْكَ اِلٰی رَاْسِهَا

تم بنو ہاشم کے برگزیدہ شخص کی طرف سفر کرو اور اپنی آنکھیں ان کے سردار کی طرف بلند کرو۔

میں جن کا یہ پیغام سن کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ رب تعالیٰ نے میرا دل تقویٰ کے لئے چن لیا ہے۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ آیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد حلقہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر مبارک مجھ پر پڑی تو آپ نے فرمایا ''اے سواد بن قارب! ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہیں کون یہاں لے کر آیا ہے''۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف میں چند اشعار لکھے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں''۔ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی۔ میں نے یہ اشعار بطور ہدیہ عقیدت پیش کئے۔

اَتَانِیْ رَئِیِّ بَعْدَ لَیْلٍ وَ هَجْعَةٍ　وَلَمْ یَكُ فِیْمَا قَدْ بَلَوْتُ بِکَاذِبِ

رات کے وقت نیند کے بعد میرے پاس میرا جن آیا۔ میں نے اس جن کو کئی بار آزمایا تھا وہ جھوٹا نہیں تھا۔

ثَلَاثُ لَیَالٍ قَوْلُهٗ کُلَّ لَیْلَةٍ　اَتَاكَ رَسُوْلٌ مِنْ لُؤَیِّ بْنِ غَالِبٍ

تین راتیں برابر وہ جن میرے پاس آتا رہا اور کہتا رہا کہ قبیلہ لوی بن غالب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا چکے ہیں۔

فَشَمَّرْتُ عَنْ ذَیْلِ الْاِزَارِ وَوَسَّطَتْ　بِیَ الذِّعْلَبُ الْوَجْنَاءُ بَیْنَ السَّبَاسِبِ

میں نے اپنے ازار کا پہلو اٹھا لیا اور مجھے تیز رفتار اونٹنی بیابان کے درمیان لے گئی۔

فَاَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهٗ وَاَنَّكَ مَاْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ ہر قسم کے علم غیب کے امین ہیں۔

وَاَنَّكَ اَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً اِلَى اللّٰهِ يَابْنَ الْاَكْرَمِيْنَ الْاَطَايِبِ

آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کے اعتبار سے سارے انبیاء کرام سے قریب تر ہیں۔ اے معزز ترین اور پاکیزہ ترین افراد کے نور نظر۔

فَمُرْ بِمَا يَاْتِيْكَ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ وَاِنْ كَانَ فِيْمَا جَاءَ شَيْبُ الذَّوَائِبِ

اے خیر الانبیاء! اس پیغام کا ہمیں حکم دیجئے جو آپ کے پاس آیا ہے۔ اگرچہ وہ پیغام اپنی شدت کے لحاظ سے بالوں کو سفید کرنے والا ہو۔

وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْشَفَاعَةٍ سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ ابْنِ قَارِبِ

اس دن میری شفاعت فرمائیں جس روز آپ کے علاوہ کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا اور آپ کے علاوہ سواد کی کفالت کرنے والا اور کوئی نہیں ہوگا۔

میرا یہ کلام سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت زیادہ خوش ہوئے۔ ان کے چہروں پر فرح و سرور کے آثار نمایاں تھے۔ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک نظر آئے۔ آپ نے فرمایا "سواد! تو دنیا اور آخرت میں کامیابی پا گیا"۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ حضرت سواد رضی اللہ عنہ سے جدا نہ ہوتے تھے"۔ انہوں نے فرمایا "سواد! میں تم سے یہ حدیث سننے کا بڑا مشتاق تھا۔ کیا اب بھی وہ جن آپ کے پاس آتا ہے؟" انہوں نے کہا "جب سے میں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا ہے اس وقت سے وہ جن میرے پاس نہیں آتا۔ قرآن پاک جنات کا بہترین عوض ہے"۔ یہ واقعہ اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں حاضر نہ تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم کے مرتد ہو جانے کا خطرہ دامن گیر ہوا تو انہوں نے اپنی قوم کو خطبہ دیتے ہوئے کہا "اے گروہ دوس! کسی قوم کی سعادت مندی اس میں ہوتی کہ وہ کسی دوسری قوم سے عبرت حاصل کرے، اس کی بدبختی یہ ہوتی ہے کہ وہ صرف اپنے آپ سے ہی عبرت حاصل کرے، جسے تجربات نفع نہیں دیتے وہ اس کے لئے نقصان کا باعث بن جاتے ہیں جس کو حق نہیں سما سکتا اسے باطل کب سما سکتا ہے۔ آج تم اس کے ساتھ فرمانبرداری کرو جس کے ساتھ کل میں نے ان کی فرمانبرداری کی تھی۔ اہل بلاء کے لئے بس یہی روا ہے کہ وہ اہل عافیت میں سے سب سے زیادہ عافیت کو یاد کرنے والے بن جائیں۔ میں نہیں جانتا شاید یہ لوگوں کے لئے گردش دوراں ہو۔ اگر اس طرح نہیں تو پھر سلامتی ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے پسند کرتا ہے تم بھی اسے پسند کرو"۔

ان کی قوم نے ان کی اطاعت کر لی۔

اسی طرح مدینہ طیبہ کی ایک کاہنہ تھی۔ اس کا نام خطیمہ تھا۔ اس کے تابع ایک جن تھا ایک دن وہ جن اس کے پاس آیا۔ وہ اس کی دیوار پر بیٹھ گیا۔ اس عورت نے کہا" تو اندر کیوں نہیں آتا۔ تاکہ ہم بیٹھ کر باتیں کریں"۔ اس جن نے کہا" مکہ مکرمہ میں ایک عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بدکاری کو حرام قرار دیا ہے"۔ یہ پہلی خبر تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مدینہ طیبہ میں پھیلی۔

حضرت عباس بن مرداس کی بشارت

حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا" ان کے باپ کا ایک بت تھا اس کا نام ضمار تھا۔ وہ اس کی پوجا کیا کرتا تھا۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے لخت جگر عباس سے کہا" فرزند دلبند! ضمار کی پرستش کیا کرو۔ یہ تمہیں نفع دے گا۔ اس کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا"۔ اس کی وفات کے بعد عباس اس بت کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ ایک دن انہوں نے سنا بت کے پیٹ سے آواز آ رہی تھی کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا۔

قُلْ لِلْقَبَائِلِ مِنْ سُلَيْمٍ كُلِّهَا   أَوْدٰى ضِمَارٌ وَ عَاشَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ

إِنَّ الَّذِي وَرِثَ النُّبُوَّةَ وَ الْهُدٰى   بَعْدَ ابْنِ مَرْيَمَ مِنْ قُرَيْشٍ مُهْتَدِي

أَوْدٰى ضِمَارٌ وَ كَانَ يُعْبَدُ مُدَّةً   قَبْلَ الْكِتَابِ إِلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

ان تمام قبائل سے کہو جن کا تعلق سلیم سے ہے کہ ضمار ہلاک ہو گیا اور اہل مسجد نے زندگی پالی۔

بے شک وہ ذات والا جو حضرت روح اللہ علیہ السلام کے بعد نبوت اور ہدایت کا وارث بنی اس کا تعلق قریش سے ہے۔

وہ ہدایت یافتہ ہے ضمار ہلاک ہو گیا۔ حالانکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول کتاب سے پہلے طویل مدت اس کی عبادت کی جاتی رہی۔

یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے" ضمار" کو نذر آتش کر دیا اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ دوپہر کے وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں تھے۔ ان کے پاس ایک شخص آیا۔ وہ سفید شتر مرغ پر تھا۔ اس نے سفید ہی لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا" اے عباس! کیا تو نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ اس کے چوکیدار تھک گئے ہیں۔ جنگ نے اپنے لوگوں کو خاکستر بنا دیا ہے اور گھوڑوں نے اپنے سواروں کو گرا دیا ہے بے شک وہ ذات کریمانہ جس کی نیکی اور تقویٰ کا نزول ہوا ہے قصویٰ نامی اونٹنی پر تشریف فرما ہے"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں" میں اس شخص کی یہ گفتگو سن کر گھبرا گیا۔ میں اپنے بت کے پاس آیا۔ ہم اسے ضمار کہتے تھے۔ ہم اس کی پوجا کرتے تھے۔ ہم اس کے پیٹ سے گفتگو کرتے تھے۔ میں نے اس بت کے اردگرد جھاڑو دیا۔ اس پر ہاتھ پھیرا۔ اچانک مجھے اس کے پیٹ سے کسی شخص کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ (پھر انہوں نے مذکورہ بالا اشعار پڑھے) اس واقعہ کے بعد میں اپنی قوم بنو حارثہ کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو مجھے سرور دو

جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا۔ آپ نے تبسم فرمایا اور فرمایا "عباس! تمہارے اسلام لانے کی داستان کیا ہے؟ میں نے آپ کو سارا واقعہ عرض کیا"۔ آپ نے فرمایا "تو نے سچ کہا ہے۔ اس کے بعد میں نے اور میری ساری قوم نے اسلام قبول کرلیا"۔

مازن بن قصریہ رضی اللہ عنہ کی داستان

حضرت مازن بن قصریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں عمان کے قریب ایک بت کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس کا نام بادر تھا۔ ہم نے ایک دن اس کے سامنے ذبیحہ رکھا۔ ہم نے سنا اس کے پیٹ سے آواز آرہی تھی۔

يَا مَازِنُ اِسْمَعْ تَسُرّ ظُهُوْرَ خَيْرٍ بَشَرٍ

اے مازن سنو اور خوش ہو جاؤ خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔

بُعِثَ نَبِيٌّ مِنْ مُضَرَ يُدِيْنُ دِيْنَ اللهِ بِرْ

قبیلہ مضر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔ وہ لوگوں کو رب تعالیٰ کے پاکیزہ دین کی تبلیغ کریں گے۔

فَدَعْ نُحِيْتًا مِنْ حَجَرٍ تَسْلَمْ مِنْ - حَرِّ سَقَرْ

پتھر کے بت کو چھوڑ دو تم جہنم کی گرمی سے محفوظ رہو گے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "یہ سن کر میں اس بت سے ڈر گیا۔ لیکن اس سے ابھی تک مسلسل صدا آرہی تھی۔

اَقْبِلْ اِلَيَّ مُسْتَبِقًا لَا تَجْهَلْ هٰذَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ جَاءَ بِحَقٍّ مُنْزَلٍ

میری طرف آؤ، آؤ میری بات سنو جاہل نہ بنو یہ نبی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو سچا کلام لے کر تشریف لائے ہیں۔

آمِنْ بِهِ كَيْ تَعْدِلَ عَنْ حَرِّ نَارٍ تَشْعَلُ وَقُوْدُهَا بِالْجَنْدَلِ

آپ پر ایمان لے آتا کہ تو مشتعل آگ کی گرمی سے بچ سکے جس کا ایندھن چٹانیں ہوں گی۔

میں نے کہا "یہ بڑا تعجب خیز واقعہ ہے۔ یقیناً اس سے میری بھلائی ہی مقصود ہے" انہوں نے کہا "ہم ابھی اسی کیفیت میں تھے کہ حجاز مقدس سے ایک شخص ہمارے پاس آیا۔ ہم نے اسے کہا "اپنے علاقہ کی کوئی خبر سناؤ" اس نے کہا "حجاز مقدس میں ایک ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جن کا نام نامی احمد ہے۔ ان کے پاس جو بھی جاتا ہے وہ اسے یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت پر لبیک کہو" میں نے کہا "یہ خبر تو میں نے پہلے بھی سنی ہے" میں اپنے بت کے پاس گیا۔ اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ رب تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا۔ میں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس وقت میں نے یہ اشعار پڑھے۔

كَسَرْتُ بَادِرًا جُذَاذًا وَكَانَ لَنَا رَبًّا نُطِيْفُ بِهِ حِيْنًا بِالضَّلَالِ

میں نے بادر کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ ہمارا رب تھا۔ ہم گمراہی کے ساتھ اس کا طواف کرتے تھے۔

بِالْهَاشِمِيِّ هُدِيْنَا مِنْ ضَلَالَتِنَا وَلَمْ يَكُنْ دِيْنُهُ شَيْئًا عَلَى بَالِ

بنو ہاشم کی وجہ سے ہمیں گمراہی سے ہدایت ملی ان کے دین میں کوئی شے وبال نہیں ہے۔

يَا رَاكِبًا بَلِّغَنْ عَمْرًا وَ اِخْوَتَهَا اَنِّي لِمَا قَالَ رَبِّي بَادِرٌ قَالِي

اے سوار! یہ بات عمرو اور اس کے بھائیوں تک پہنچا دے کہ اس نے جب کہا کہ میرا رب بادر ہے تو میں اس سے ناراض ہوں۔

حضرت مازن نے فرمایا "میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں گانے کا شوقین ہوں۔ شراب نوشی میری عادت ہے۔ میں بدکار عورتوں کا دلدادہ ہوں۔ یعنی وہ عورتیں جو ناز و ادا سے چلتی ہیں جب ہم پر کچھ سال قحط سالی کا دور دورہ رہا تو وہ عورتیں سارا مال لے کر بھاگ گئیں۔ وہ اہل و عیال کو کمزور کر گئیں۔ یارسول اللہ! میرا کوئی بچہ نہیں۔ آپ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ مجھے ان ساری برائیوں سے دور رکھے۔ وہ مجھے حیاء عطا فرمائے۔ مجھے اولاد نرینہ عطا فرمائے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! اس کے گانے کے شوق کو قرآن پاک پڑھنے کے شوق میں تبدیل فرما۔ اس کے حرام کو حلال میں تبدیل فرما، شراب کے بدلے اس کو ایسی سیرابی عطا فرما جس میں کوئی گناہ نہ ہو، اس کی بدکاری کو عفت میں تبدیل فرما۔ اسے شرم و حیاء عطا فرما۔ اسے لخت جگر عطا فرما"۔ حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میری ساری بری عادات ختم کر دیں۔ میں نے قرآن پاک کا کچھ حصہ یاد کر لیا۔ میں نے کئی حج کئے۔ میرا گاؤں اور اس کا ارد گرد شاداب ہو گیا۔ میں نے چار آزاد اور نیک خواتین سے شادی کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد نرینہ بھی عطا فرمائی"۔ پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

اِلَيْكَ رَسُوْلَ اللهِ خَبَّتْ مَطِيَّتِي تَجُوْبُ الْفَيَافِي مِنْ عُمَانَ اِلَى الْعَرَجِ

یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہی کی جانب میری اونٹنی شوق سے سفر کرتی ہے۔ وہ عمان سے عرج تک کے جنگلات کو عبور کرتی ہے۔

لِتَشْفَعَ لِي يَاخَيْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصٰى فَيَغْفِرُ لِي ذَنْبِي وَاَرْجِعُ بِالْفَلَجِ

تاکہ آپ میرے لئے شفاعت فرمائیں اے کائنات کے بہترین انسان! میرے گناہ معاف ہو جائیں اور میں

اِلٰى مَعْشَرٍ خَالَفْتُ فِي اللهِ دِيْنَهُمْ وَلَا رَأْيُهُمْ رَأْيِي وَ نَهْجُهُمْ نَهْجِي

معشر کی طرف کامیابی سے لوٹوں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے دین کی مخالفت کی۔ نہ ان کی رائے میری رائے ہے۔ نہ ان کا طریقہ میرا طریقہ ہے۔

وَكُنْتُ آمِرًا بِالْعَهْرِ وَالْخَمْرِ مُوْلَعًا شَبَابِي حَتّٰى آذَنَ الْجِسْمَ بِالنَّهْجِ

میں وہ شخص تھا جو بدکاری اور شراب کا دلدادہ تھا۔ لیکن انہوں نے میرے جسم کو راہ راست سے آگاہ کر دیا۔

فَبَدَّلَنِي بِالْخَمْرِ خَوْفًا وَّ خَشْيَةً وَ بِالْعَهْرِ اِحْصَانًا فَحَصَّنَ لِي فَرْجِي

اللہ تعالیٰ نے میری شراب نوشی کو خوف اور ڈر میں تبدیل کر دیا اور مجھے بدکاری سے محفوظ کر دیا۔ میری شرم گاہ کی حفاظت کر دی۔

فَاَصْبَحَتْ هَمِّيْ فِي الْجِهَادِ وَنِيَّتِيْ فَلِلّٰهِ مَا صَوْمِيْ وَلِلّٰهِ مَا حَجِّيْ

بس اب میرا ارادہ اور میری نیت صرف جہاد کرنے کی ہے۔ میرا روزہ اور میرا حج بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب میں اپنی قوم کے پاس آیا تو اس نے مجھ پر بڑی سختی کی۔ اس نے مجھے گالیاں دیں۔ مجھے ملامت کی۔ انہوں نے اپنے شاعر کو میری ہجو کرنے کا حکم دیا۔ اس نے میری ہجو کی۔ میں نے اس شاعر سے کہا "اگر تو نے میری ہجو کی ہے تو اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ میں بذات خود اپنے نفس کی ہجو کرتا ہوں"۔ میں نے اپنی قوم سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ میں نے اپنے لئے مسجد تعمیر کر لی۔ جس میں میں عبادت کیا کرتا تھا۔ جو مظلوم بھی اس مسجد میں آتا اس میں تین روز نماز ادا کرتا پھر اپنے ظالم کے لئے دعا کرتا تو اس کی دعا ضرور قبول ہوتی اگر کوئی مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ اس میں کھڑے ہو کر دعا مانگتا تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرما دیتا۔ پھر میری قوم میرے پاس آئی اور مجھے اپنے قبیلے میں جانے کے لئے کہا۔ اس طرح میری ساری قوم دولت اسلام سے مالا مال ہو گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم ایک روز قریش کے ایک قبیلہ میں تھے انہیں آل ذریح کہا جاتا تھا۔ انہوں نے ایک بچھڑا ذبح کیا۔ قصاب اس کا چمڑا اتار رہا تھا کہ ہم نے بچھڑے کے پیٹ سے یہ آواز سنی "اے آل ذریح! فلاح و کامرانی کا امر آن پہنچا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے۔ وہ فصیح زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں"۔

ایک انصاری صحابی کو بشارت

ایک انصاری صحابی بیان کرتے ہیں "میرا اونٹ گم ہو گیا۔ میں اس کی تلاش میں اپنے گھر سے نکلا۔ اس کی تلاش میں ساری رات گزر گئی۔ صبح طلوع ہونے کے قریب ہو گئی۔ مجھے ایک ندا دینے والے نے ندا دی۔

يَا اَيُّهَا الرَّاقِدُ فِي اللَّيْلِ الْاَحَمِّ قَدْ بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا بِالْحَرَمِ

اے تاریک رات میں جاگنے والے! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حرم میں مبعوث کر دیا ہے۔

مِنْ هَاشِمٍ اَهْلِ الْوَفَاءِ وَالْكَرَمِ يَجْلُوْ دُجُنَّاتِ اللَّيَالِيْ وَالْبُهَمِ

ان کا تعلق قبیلہ ہاشم سے ہے وہ ہاشم جو اہل وفا اور اہل کرم میں سے ہے۔ وہ ظلمتوں اور رات کی تاریکیوں کو نور عطا کر دیں گے۔

یہ اشعار سن کر میں نے دائیں بائیں دیکھا۔ لیکن مجھے کوئی شخص نظر نہ آیا۔ میں نے یہ اشعار پڑھنا شروع کئے۔

يَا اَيُّهَا الْهَاتِفُ فِيْ دَاجِي الظُّلَمِ اَهْلًا وَ سَهْلًا بِكَ مِنْ طَيْفٍ اَلَمّ

اے رات کی تاریکی میں آواز لگانے والے تجھے خوش آمدید ہو۔

بَيِّنْ هَدَاكَ اللّٰهُ فِيْ لَحْنِ الْكَلِمِ مَنْ ذَا الَّذِيْ تَدْعُوْا اِلَيْهِ يُغْتَنَمْ

اللہ تجھے ہدایت دے تو واضح الفاظ میں بتا کہ وہ کون ہیں جن کی طرف تو دعوت دیتا ہے اور جنہیں غنیمت سمجھا جاتا ہے۔

میں نے یہ اشعار پڑھے تو اس نے گلا صاف کیا اور وہ یوں کہنے لگا "نور کا ظہور ہو چکا ہے۔ جھوٹ باطل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث کیا ہے۔ وہ درخشاں تاج والے اور خوبصورت آنکھوں والے ہیں۔ وہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ محمد عربی ﷺ کی ذات والا ہے جو ہر کالے اور سرخ کے نبی ہیں۔ وہ ہر شہری اور دیہاتی کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں"۔ پھر اس نے یہ اشعار گنگنانا شروع کئے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ یَخْلُقِ الْخَلْقَ عَبَثْ   اَرْسَلَ فِیْنَا اَحْمَدَ خَیْرَ النَّبِیِّ قَدْ بُعِثْ
عَلَیْهِ صَلَّی اللّٰهُ مَا حَجَّ لَهٗ رَكْبٌ وَحَثَّ

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں احمد مجتبیٰ ﷺ کو مبعوث کیا۔ آپ سارے انبیاء کرام میں سے بہترین ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اس وقت تک درود وسلام بھیجے۔ جب تک قافلے حج کرتے رہیں اور حج کی ادائیگی پر برانگیختہ کیا جاتا رہے۔

صاحب الہمزیہ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

وَ تَغَنَّتْ بِمَدْحِهِ الْجِنُّ حَتّٰی   اَطْرَبَ الْاِنْسَ مِنْهُ ذَاكَ الْغِنَاءُ

جنات آپ کی تعریف میں نغمہ سنج ہوئے حتیٰ کہ اس نغمہ ریزی نے انسانوں کو بھی خوشی سے معمور کر دیا۔

وہ انصاری صحابی کہتے ہیں "وقت صبح میں نے ایک خوبصورت اونٹ دیکھا۔ میں نے اس کی نکیل پکڑ لی۔ اس پر سوار ہو گیا۔ جب وہ تھک گیا تو میں ایک شاداب باغ میں فروکش ہو گیا۔ وہاں میں نے قس بن ساعدہ کو دیکھا۔ وہ ایک درخت کے سایہ میں تھا اس کے ہاتھ میں اراک کی شاخ تھی۔ اس سے زمین کریدر ہا تھا وہ کہہ رہا تھا۔

یَا نَاعِیَ الْمَوْتِ وَالْمَلْحُوْدُ فِیْ جَدَثٍ   عَلَیْهِمْ مِنْ بَقَایَا بَزِّهِمْ خِرَقٌ

اے موت کی صدا دینے والے! جبکہ مردے قبر میں پڑے ہیں۔ ان کے اوپر بقیہ کپڑے بھی پھٹ چکے ہیں۔

دَعْهُمْ فَاِنَّ لَهُمْ یَوْمًا یُصَاحُ بِهِمْ   فَهُمْ اِذَا انْتَبَهُوْا مِنْ نَوْمِهِمْ فَرِقُوْا

تو انہیں آواز دے۔ ایک روز انہیں پکارا جائے گا جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوں گے تو وہ جدا جدا ہوں گے۔

حَتّٰی یَعُوْدُوْا كَحَالٍ غَیْرَ حَالِهِمْ   خَلْقًا جَدِیْدًا كَمَا مِنْ قَبْلِهٖ خُلِقُوْا

حتیٰ کہ ان کا پہلا حال تبدیل ہو جائے گا۔ ان کی نئی تخلیق ہو گی جس طرح کہ انہیں پہلے تخلیق کیا گیا۔

مِنْهُمْ عُرَاةٌ وَ مِنْهُمْ فِیْ ثِیَابِهِمْ   مِنْهَا الْجَدِیْدُ وَ مِنْهَا الْمِنْهَجُ الْخَلَقُ

ان میں سے بعض عریاں اور بعض کپڑے پہنے ہوں گے بعض جدید اور بعض بوسیدہ کپڑے پہنے ہوں گے۔

راوی کہتے ہیں "میں اس کے قریب ہوا۔ اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے سلام کیا۔ وہاں مجھے ایک رواں چشمہ نظر آیا۔ وہ دو قبروں کے مابین ایک مسجد تھی۔ وہاں دو شیر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے چشمہ پر پہنچ گیا۔ دوسرے نے پانی کے لئے پہلے کا تعاقب کیا۔ قس نے اسے شاخ سے مارا اور کہا "تیری ماں تجھ پر روئے۔ پہلے اسے پینے دو جو پہلے آیا

ہے''۔ وہ شیر چلا گیا۔ پھر پہلے شیر کے بعد وہ پانی پینے آ گیا۔ میں نے اسے پوچھا "یہ قبریں کن کی ہیں؟" اس نے کہا "یہ قبریں میرے دو بھائیوں کی ہیں۔ وہ اس جگہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ ان میں سے ایک کا نام سمعون اور دوسرے کا نام سمعان تھا۔ انہیں موت نے آ لیا تو میں نے ان کی قبریں اسی جگہ بنا دیں۔ میں نے ان کی قبروں کے مابین بسیرا کر رکھا ہے حتیٰ کہ مجھے موت آ جائے۔ پھر اس نے ان قبروں کو دیکھا اور یہ اشعار پڑھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ قس پر رحم کرے مجھے امید ہے کہ روز حشر رب تعالیٰ اسے پوری امت کی طرح اٹھائے گا''۔ جب قس مر گیا تو ان دو قبروں کے پاس اس کی قبر بھی بنائی گئی۔ یہ قبریں بستی ال روحین میں ہے۔ یہ بستی حلب کے مضافات میں ہے۔ ان قبروں پر عمارت بنا دی گئی ہے لوگ ان کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ ان کے لئے جائیداد وقف ہے۔ ان کے لئے خدام مقرر ہیں۔

امام واقدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خثعم کی ایک قوم کا ایک بت تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھتے تھے۔ اس کے پاس فیصلے کرتے تھے۔ وہ ایک روز اپنے بت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک انہوں نے ایک صدا سنی۔ ہاتف یہ پڑھ رہا تھا۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ ذُوُ الْاَجْسَامِ وَ مُسْنِدُوْا الْحُكْمَ اِلَى الْاَصْنَامِ

اے وہ لوگو! جو جسموں والے ہو جو حکم کو بتوں کی طرف منسوب کرتے ہو۔

اَمَا تَرَوْنَ مَا اَرٰى اَمَامِيْ مِنْ سَاطِعٍ يَجْلُوْهُ فِي الظَّلَامِ

کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ وہ نور جو تاریک ظلمتوں کو روشنی دے رہا ہے۔

ذَاكَ نَبِيٌّ سَيِّدُ الْاَنَامِ مِنْ هَاشِمٍ فِي ذِرْوَةِ السَّنَامِ

وہ نبی محترم ہیں جو سارے لوگوں کے سردار ہیں۔ ان کا تعلق بنو ہاشم کے ساتھ ہے جو کوہان کی چوٹی ہیں۔

مُسْتَعْلِنٌ بِالْبَلَدِ الْحَرَامِ جَاءَ بِهَدْمِ الْكُفْرِ بِالْاِسْلَامِ

وہ مکہ مکرمہ میں اسلام کا اعلان کرنے والے ہیں وہ کفر کو مٹانے اور اسلام کے ساتھ تشریف لائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کچھ دیر رک گئے حتیٰ کہ انہوں نے یہ اشعار یاد کر لئے۔ پھر وہ جدا جدا ہو گئے۔ ابھی اس واقعہ کو تین روز ہی گزرے تھے کہ انہیں خبر مل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قدسی مکہ مکرمہ میں ہو چکا ہے۔

حضرت زمیل رضی اللہ عنہ کو بشارت

حضرت زمیل بن عمرو العذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں "بنو عذرہ کا ایک بت تھا۔ اس کا نام خمام تھا۔ بنو عذرہ اس کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ وہ بت قبیلہ ہند بن حرام میں موجود تھا۔ اس کی خدمت پر ایک شخص مامور تھا۔ اس کا نام طارق تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ہم نے اس میں سے ایک آواز سنی۔ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا "اے بنو ہند بن حرام! حق ظاہر ہو گیا ہے۔ خمام ہلاک ہو گیا ہے اسلام نے ہمارے شرک کا خاتمہ

کر دیا ہے"۔ حضرت زمیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم اس صدا سے گھبرا گئے۔ کچھ دن گزرے تو اس میں سے دوبارہ آواز آئی۔ کوئی پکار رہا تھا "اے طارق! اے طارق! نبی صادق مبعوث ہو گئے ہیں۔ ان پر وحی ناطق کا نزول ہوا ہے۔ تہامہ کی سرزمین میں ان کا ظہور ہوا ہے۔ ان کے مددگاروں کے لئے سلامتی ہے۔ ان کے دشمنوں کے لئے شرمندگی اور ندامت ہے۔ اب میں تمہیں روز حشر تک الوداع کہتا ہوں"۔ اس کے بعد وہ بت منہ کے بل گر پڑا۔ حضرت زمیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے ایک سواری خریدی اور اپنی قوم کے چند افراد لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کی بارگاہ میں پہنچ کر عرض کی۔

اِلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَعْمَلْتُ نَصَّهَا ۔۔۔ اُکَلِّفُهَا حَزْنًا وَ غَوْرًا مِنَ الرَّقْلِ

لِاَنْصُرَ خَیْرَ النَّاسِ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ۔۔۔ وَ اَعْقِدُ حَبْلًا مِنْ حِبَالِكَ فِیْ حَبْلِیْ

وَاَشْهَدُ اَنَّ اللهَ لَا شَیْءَ غَیْرُهٗ ۔۔۔ اُدِیْنُ لَهٗ مَا اَثْقَلَتْ قَدَمِیْ نَعْلِیْ

یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ کی بارگاہ والا میں حاضر ہوا ہوں۔ میں نے آپ کے لئے ہی اپنی اونٹنی کو تکلیف دی ہے۔ اسے ریت کے ٹیلوں پر چلایا ہے۔

لِاَنْصُرَ خَیْرَ النَّاسِ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ۔۔۔ وَ اَعْقِدُ حَبْلًا مِنْ حِبَالِكَ فِیْ حَبْلِیْ

تاکہ میں تمام لوگوں میں سے بہترین ہستی کی مدد کروں اور آپ کی رسیوں میں سے ایک رسی کو اپنی رسی کے ساتھ باندھ لوں۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ اللهَ لَا شَیْءَ غَیْرُهٗ ۔۔۔ اُدِیْنُ لَهٗ مَا اَثْقَلَتْ قَدَمِیْ نَعْلِیْ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی چیز (باقی) نہیں۔ میں آپ کے دین متین کو اس وقت تک اختیار کرتا ہوں جب تک میرے جوتے میرے پاؤں کو بوجھل نہ کر دیں"۔

حضرت تمیم داری کو بشارت

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو رقیہ تھی۔ ان کی صرف ایک ہی بیٹی تھی اس کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ تھی۔ انہی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا قصہ روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے تمیم داری نے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔" "روایۃ الکبار عن الصغار" کے اعتبار سے یہ روایت سب سے عظیم ہے۔ اسی طرح "بڑوں کی چھوٹوں سے روایت" کے زمرہ میں وہ روایت بھی آتی ہے جس میں تذکرہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنی نور نظر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ فرمایا "کیا آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا سنی ہے جو آپ ہمیں سکھاتے تھے"۔ آپ نے فرمایا "حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام یہ دعا اپنے صحابہ کو سکھاتے تھے۔ وہ فرماتے تھے "اگر تم میں سے کسی ایک پر قرض کا پہاڑ بھی ہو تو رب تعالیٰ اسے ادا فرما دے گا"۔ ام المومنین نے کہا "ہاں! آپ نے یہ دعا سکھائی تھی "اَللّٰهُمَّ فَارِجَ الْهَمِّ کَاشِفَ الْغَمِّ، مُجِیْبَ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّیْنَ، رَحْمَانَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ رَحِیْمَهُمَا اَنْتَ تَرْحَمُنِیْ فَارْحَمْنِیْ بِرَحْمَةٍ تُغْنِیْنِیْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھ پر قرض تھا جو مجھے ناپسند تھا۔ میں نے یہ دعا مانگی۔ تھوڑی مدت میں میرا سارا قرضہ ادا ہو گیا"۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اس وقت شام میں تھا۔ میں کسی ضرورت کے لئے اس شہر سے باہر نکلا۔ شہر سے باہر ہی رات کی تاریکی چھا گئی۔ میں نے کہا "میں اس وادی کے عظیم جن کی پناہ میں ہوں" جب میں نے وہاں لیٹ کر سونے کا ارادہ کیا تو ایک ندا دینے والے نے یوں ندا دی "اللہ رب العزت کی پناہ حاصل کرو۔ جنات اللہ تعالیٰ کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دے سکتے"۔ میں نے اس ہاتف غیبی سے کہا "تیرا اس قول سے مقصد کیا ہے؟ اس نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔ ہم نے مقام "الحجون" میں آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لی ہے۔ اب جنات کا مکر و فریب ختم ہو گیا ہے۔ اب انہیں آگ کے انگاروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جاؤ۔ اور مشرف بہ اسلام ہو جاؤ"۔ صبح کے وقت میں نے راہب کو تمام صورت حال بتائی۔ تمام واقعہ سن کر راہب نے کہا "انہوں نے تمہارے ساتھ سچ بولا ہے۔ ہم اپنی کتب میں بھی ان کا تذکرہ پاتے ہیں۔ ایک حرم (مکہ مکرمہ) سے ان کا ظہور ہو گا۔ دوسرا حرم (مدینہ طیبہ) ان کی ہجرت گاہ ہو گا۔ وہ سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے بہترین ہیں۔ ان سے آگے کبھی نہ بڑھنا" حضرت تمیم فرماتے ہیں "میں مکہ معظمہ آیا۔ اس وقت آپ پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے۔ میں آپ کی ذات والا پر ایمان لے آیا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت تمیم رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے 9ھ کو اسلام قبول کیا تھا۔

رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ حاصل کرو

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو تمیم کے ایک شخص نے اپنے اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے اس نے کہا "ایک رات میں ریت کے ایک ٹیلے کے پاس سے گزر رہا تھا کہ مجھ پر نیند غالب آ گئی۔ میں اپنی سواری سے نیچے اترا۔ اپنی سواری کو ایک طرف باندھا۔ اور سونے کا ارادہ کیا۔ سونے سے پہلے میں نے کہا "میں اس وادی کے عظیم جن کی پناہ حاصل کرتا ہوں"۔ میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ وہ یہ میری اونٹنی کے حلق میں مارنا چاہتا تھا۔ میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہو گیا۔ میں نے دائیں بائیں دیکھا لیکن مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے کہا "یہ میرا خواب ہے"۔ میں پھر سو گیا۔ میں نے خواب میں سابقہ منظر ہی دیکھا۔ میں خوفزدہ ہو کر بیدار ہو گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ میری اونٹنی پر لرزہ طاری تھا۔ لیکن میں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ میں پھر سو گیا۔ میں نے خواب میں وہی ہیبت ناک منظر دیکھا۔ میں اس مہیب خواب کو دیکھ کر جاگ گیا۔ میں نے دیکھا میری اونٹنی کانپ رہی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا تو مجھے اس طرح کا نوجوان نظر آیا جس طرح کا نوجوان میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی نیزہ تھا۔ ایک بوڑھے شخص نے اس نوجوان کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسے میری اونٹنی سے دور ہٹا رہا تھا۔ وہ دونوں اس پر جھگڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں وہاں تین جنگلی بیل آ گئے اس بزرگ نے اس نوجوان سے کہا "جاؤ اور جا کر ان بیلوں میں سے جسے چاہو اسے اس اونٹنی کے عوض کے طور پر لے لو"۔ یہ سن کر وہ نوجوان کھڑا ہو گیا۔ ان بیلوں میں سے ایک بیل کو پکڑ کر وہاں سے چلا گیا۔ پھر وہ بزرگ میری طرف متوجہ ہوا۔ اس نے کہا "اے نوجوان! جب کسی وادی میں قیام ہو اور اس وادی سے خطرہ ہو تو یوں کہا کرو "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ رَبِّ مُحَمَّدٍ

مِنْ هَوْلِ هٰذَا الْوَادِی'' میں اس وادی کے خطرات سے محمد عربی ﷺ کے رب کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔ کسی بھی جن سے پناہ حاصل نہ کیا کرو۔ اب جنات کے معاملات باطل ہو چکے ہیں''۔ میں نے اس بزرگ سے پوچھا ''یہ محمد ﷺ کون ہیں؟'' اس نے کہا ''وہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ وہ نہ شرقی ہیں نہ غربی''۔ میں نے پوچھا ''ان کا مسکن کہاں ہے؟'' اس بزرگ نے کہا ''وہ کھجوروں والی سرزمین یثرب میں تشریف فرما ہیں''۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوا۔ حتیٰ کہ میں مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ آپ نے میرے ساتھ رونما ہونے والا واقعہ مجھ سے پہلے ہی سنا دیا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں نے آپ ﷺ کی اس دعوت پر لبیک کہا۔

حضور ﷺ کے ایک صحابی بیان کرتے ہیں ''میں اپنے ایک اونٹ کی جستجو میں گھر سے نکلا۔ جب میں نے اسے تلاش کر لیا تو میں نے سونے کا ارادہ کیا''۔ ہمارا دستور یہ تھا کہ جب ہم کسی وادی میں قیام کرتے تو کہتے ''ہم اس وادی کے عظیم جن کی پناہ حاصل کرتے ہیں''۔ میں نے اپنے اونٹ کے ساتھ ٹیک لگائی اور کہا ''میں اس وادی کے عظیم جن کی پناہ لیتا ہوں''۔ جب میں نے یوں کہا تو مجھے غیبی آواز سنائی دی۔

عُذْ یَا فَتٰی بِاللّٰهِ ذِی الْجَلَالِ وَالْمَجْدِ وَالنَّعْمَاءِ وَالْاَفْضَالِ

اے نوجوان اللہ رب العزت کی پناہ حاصل کرو۔ وہ جو بزرگی والا اور فضل و کرم کرنے والا ہے۔

وَ مُنْزِلِ الْحَرَامِ وَ الْحَلَالِ وَاقْرَءْ آیَاتٍ مِنَ الْاَنْفَالِ

وہی حرام اور حلال کو نازل کرنے والا ہے۔ سورۃ الانفال کی آیات بینات تلاوت کرو۔

وَ وَحِّدِ اللّٰهَ وَلَا تُبَالِ قَدْ صَارَ کَیْدُ الْجِنِّ فِیْ سَفَالِ

تم اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرلو کسی کی پرواہ نہ کرو جنات کی تدبیر ناکام ہو چکی ہے۔

میں نے اس صداء دینے والے سے کہا:

یَا اَیُّهَا الْهَاتِفُ مَا تَقُوْلُ اَرُشْدٌ عِنْدَكَ اَمْ تَضْلِیْلُ

اے غیبی صدا دینے والے تو کیا کہہ رہا ہے کیا تیرے پاس ہدایت ہے یا گمراہی۔

اس نے جواب میں کہا

جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ذُو الْخَیْرَاتِ بِیَثْرِبَ یَدْعُوْا اِلَی النَّجَاةِ

خیرات اور بھلائی والے رسول مکرم ﷺ یثرب میں تشریف لا چکے ہیں وہ نجات کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔

جَآءَ بِیٰسٓ وَ حَامِیْمَاتٍ وَ سُوَرٍ بَعْدَ مُفَصَّلَاتٍ

وہ سورۂ یٰسین اور حم سے شروع ہونے والی سورتیں لے کر آئے ہیں۔ مفصلات کے بعد بھی کئی سورتیں آپ کے پاس ہیں۔

مُحَرِّمَاتٍ وَ مُحَلِّلَاتٍ یَاْمُرُنَا بِالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ

وہ سورتیں حلال اور حرام کرنے والی ہیں۔ وہ ہمیں نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں۔

وَ يَزَعُ النَّاسَ عَنِ الْهَنَاتِ قَدْ كُنَّ فِي الْإِسْلَامِ مُنْكَرَاتِ

وہ لوگوں کو بدکاریوں سے دور فرمائیں گے۔ ساری بدکاریاں اسلام میں برائیاں ہیں۔

میں نے اسے کہا "اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو میرے یہ اونٹ اہل خانہ تک پہنچا دے تو میں ابھی ان کی بارگاہ میں جا کر اسلام قبول کر لیتا ہوں"۔ اس نے کہا "یہ ذمہ داری میں اٹھاتا ہوں۔ آپ کے اونٹ آپ کے گھر تک پہنچ جائیں گے"۔ میں اپنے ایک اونٹ پر سوار ہوا۔ مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا۔ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ نماز جمعہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ جب میں اپنے اونٹ کو بٹھا رہا تھا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تیرے لئے حکم ہے کہ تو جلدی جلدی مسجد نبوی میں داخل ہو جا"۔ جب میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا "جس بوڑھے نے تیرے اونٹوں کو تیرے گھر تک پہنچانے کی ذمہ داری اٹھائی تھی اس نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی فرمایا "اب بزرگ نے اپنی امانت صحیح طریقہ سے ادا کر دی ہے"۔

اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لوگوں کو اس عادت سے بھی آگاہ فرما دیا۔ جسے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل اپنا رکھا تھا۔ لوگوں کی عادت یہ تھی کہ جب وہ کسی ہولناک جگہ سے گزرتے تو وہ کہتے "ہم اس وادی کے بے وقوفوں کے شر سے اس وادی کے سردار کی پناہ حاصل کرتے ہیں"۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ (الجن)

"اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی۔ پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو"۔

حضرت وائل بن حجر الحضرمی رضی اللہ عنہ کو بشارت

ان کی کنیت ابو ہنیدہ تھی۔ ان کا باپ وقت کا بادشاہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں "ہم وفد کی صورت میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میرے آنے سے قبل ہی میری آمد کی خبر دے دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "تمہارے پاس وائل بن حجر دور دراز کے علاقے یعنی حضر موت سے آ رہا ہے اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کا حصول ہے۔ وہ بادشاہ کے بیٹوں میں سے ہے"۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جس شخص سے بھی ملتا وہ مجھے یہی کہتا "تمہاری آمد سے تین روز پہلے ہی ہمارے آقا علیہ السلام نے تمہارے بارے میں ہمیں بتا دیا تھا"۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خوش آمدید کہا۔ مجھے اپنے قریب کیا۔ میرے لئے اپنی چادر بچھائی۔ مجھے اس پر بٹھایا۔ پھر یہ دعا مانگی "مولا! وائل بن حجر کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد میں برکت فرما"۔ پھر آپ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ مجھے اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا "اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہیں۔ یہ تمہارے پاس دور دراز سے آئے ہیں۔ ان کا تعلق حضر موت سے ہے یہ اسلام کی طرف بہت زیادہ راغب ہیں"۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب میں اپنی عظیم سلطنت میں موجود تھا تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ظہور کی خبر ملی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے میں نے اس سلطنت و بادشاہی کو خیر آباد کہا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو ترجیح دی"۔ آپ نے فرمایا "تم نے سچ کہا ہے"۔ آپ ﷺ نے دوبارہ دعا فرمائی "میرے مولا! وائل بن حجر کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد میں برکت فرما"۔ حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں "ہم بارگاہ رسالت مآب میں اس لئے وفد کی صورت میں حاضر ہوئے کہ عقیق کے مقام پر ایک بت تھا۔ میں دوپہر کے وقت وہاں سویا ہوا تھا۔ میں نے اس کمرہ میں عجیب آواز سنی جہاں وہ بت نصب کیا ہوا تھا۔ میں اس بت کے پاس آیا۔ میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ میں نے کسی صدا لگانے والے کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہا تھا

وَاعَجَبًا لِوَائِلِ ابْنِ حَجَرٍ يَخَالُ يَدْرِي وَ هُوَ لَيْسَ يَدْرِي

وائل بن حجر پر تعجب ہے وہ خیال کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے حالانکہ وہ جانتا نہیں ہے۔

مَاذَا يُرَجِّي مَنْ نُحِيتَ مِنْ صَخَرٍ لَيْسَ بِذِي نَفْعٍ وَلَا ذِي ضَرٍّ

اسے کیا ہے وہ ایک گھڑے ہوئے بت سے امید کرتا ہے وہ نہ نفع دینے والا ہے نہ نقصان پہنچانے والا ہے۔

لَوْكَانَ ذَا حِجَرٍ اَطَاعَ اَمْرِي

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ اگر وہ عقل والا ہوتا تو میرے حکم کی اطاعت کرتا میں نے کہا "اے صدا لگانے والے! میں تیری بات بڑے غور سے سن رہا ہوں۔ تو مجھے کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ اس ہاتف غیبی نے صدا دی

اِرْحَلْ اِلٰى يَثْرِبَ ذَاتَ نَخْلٍ يُدَيِّنُ دِيْنَ الصَّائِمِ وَالْمُصَلِّي

مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ خَيْرِ الرُّسُلِ

تو یثرب جا۔ وہ کھجوروں والی زمین ہے تو نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے کا دین اختیار کر۔ حضرت محمد ﷺ کا دین جو تمام رسل عظام میں سے بہترین ہیں۔

پھر وہ بت منہ کے بل گر پڑا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ میں اس کے پاس گیا۔ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر جلدی جلدی سفر کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا۔

بھیڑیے کی بشارت

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چرواہا جزیرہ میں جانور چرا رہا تھا۔ ایک بھیڑیا اس کی ایک بکری پر حملہ آور ہوا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیے کے مابین حائل ہو گیا۔ بھیڑیا اپنی دم کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے کہا "کیا تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں۔ تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہوتا ہے جسے رب تعالیٰ میری طرف لے کر آیا ہے"۔ اس چرواہے نے کہا "تعجب ہے کہ ایک بھیڑیا انسانوں کی طرح گفتگو کر رہا ہے"۔ بھیڑیے نے کہا "میں تجھے اس سے بھی تعجب خیز خبر کے متعلق نہ بتاؤں۔ دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین حضور ﷺ جلوہ افروز ہو چکے ہیں"۔ دوسری روایت میں ہے "آپ یثرب میں جلوہ گری فرما چکے ہیں۔ لوگوں کو گزشتہ لوگوں کی داستانیں سنا رہے ہیں"۔ ایک اور روایت میں ہے "وہ تمہیں ماضی اور مستقبل کے

سارے حالات بتائیں گے" وہ چرواہا بکریاں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آیا۔ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوگیا اور بھیڑیے کی باتیں گوش گزار کیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اس چرواہے نے سچ کہا ہے۔ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ درندے انسانوں کی طرح باتیں کریں گے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ آدمی کے جوتے کا تسمہ اور اس کے ڈنڈے کا سرا اس سے باتیں کرے گا۔ اسے بتائے گا کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ نے کیا کیا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کیا جائے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور اعرابی سے فرمایا "انہیں بھیڑیے کی داستان سنا"۔ اس نے ساری حکایت گوش گزار کی۔ روایت ہے کہ یہ چرواہا یہودی تھا۔ بھیڑیے نے اسے کہا "تیرا عمل مجھ سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ تو بکریوں پر کھڑا ہے اور اس عظیم الشان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن سے زیادہ شان وقدر والا نبی آج تک نہیں آیا۔ ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ اہل جنت ان کے صحابہ کرام کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ اس وادی میں ان کے اور ان کے دشمنوں کے مابین ہونے والے معرکہ کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا لشکر بن گئے ہیں"۔ چرواہے نے کہا "میری بکریوں کی حفاظت کون کرے گا"۔ بھیڑیے نے کہا "میں تمہارے آنے تک ان کی حفاظت کروں گا۔ اس نے اپنی بکریاں اس کے سپرد کیں اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوگیا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تو اپنی بکریوں کی طرف لوٹ جا۔ تم انہیں پوری کی پوری پاؤ گے"۔ اس نے دیکھا کہ اس کی بکریاں اسی طرح صحیح وسالم تھیں جس طرح وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس نے بھیڑیے کے لئے ایک بکری ذبح کردی۔

دیں گواہی شجر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے عرض کی گئی "کیا آپ نے اسلام سے قبل اسلام کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھی؟ انہوں نے فرمایا "ہاں! زمانہ جاہلیت میں میں ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا، اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی مجھ پر جھکی حتیٰ کہ وہ میرے سر تک آگئی۔ میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ میں کہنے لگا "یہ کیا ہے؟" میں نے درخت سے صدا سنی "یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کا ظہور فلاں وقت ہوگا۔ آپ پر ایمان لاکر تم سارے لوگوں سے زیادہ سعادت مند بن جاؤ"۔

کہانت کا اختتام

بہت سی روایات ایسی ہیں جن میں ستارے ٹوٹنے اور جنات کو آسمانی گفتگو سننے سے روک دینے کا تذکرہ ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے "جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اور بعثت مبارکہ کا وقت قریب آیا تو شیطانوں کو خفیہ گفتگو سننے سے روک دیا گیا۔ وہ مقامات جہاں بیٹھ کر وہ گفتگو سنتے تھے ان کے مابین حجابات حائل کر دیئے گئے۔ اگر وہ سماعت کرنے کی کوشش کرتے تو انہیں شہاب مارے جاتے۔ اس انقلاب سے جنات کو یقین ہو گیا کہ یہ کسی اہم واقعہ کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ (الجن)

"اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے۔ لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔ اور نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے؟) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرما لیا ہے"۔

(جمال القرآن)

جب جنات نے قرآن پاک سنا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ اس کتاب محترم کی وجہ سے انہیں آسمان پر جانے سے روک دیا گیا ہے تاکہ آسمانی وحی کسی اور چیز کے ساتھ ملتبس نہ ہو سکے تاکہ یہ نہ سمجھیں یہ سب کچھ کہانت کی وجہ سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا معاملہ پایۂ تکمیل تک پہنچ چکا تھا۔ حکمت کا تقاضا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ اور بعد از وصال آسمانوں کی حفاظت کی جائے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آج کے بعد کہانت نہیں"۔

بنو ثقیف کا خوف

جب شہاب باری شروع ہوئی تو سب سے پہلے خوفزدہ ہونے والے قبیلے کا نام ثقیف تھا۔ جب انہوں نے اس شدت سے شہابوں کا برسنا دیکھا تو وہ عمرو بن امیہ کے پاس آئے۔ عمرو ایک عاقل اور دانا شخص تھا۔ انہوں نے اس سے کہا "کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمانوں پر ستارے کس طرح ٹوٹنے لگے ہیں؟" اس نے کہا "ہاں!" میں نے ملاحظہ کیا ہے۔ ذرا غور سے دیکھو۔ اگر وہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں جن سے بحر و بر میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے جن سے گرمی اور سردی میں اوقات معلوم کئے جاتے ہیں اور جو لوگوں کی معیشت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر یہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں تو قسم بخدا! دنیا کی بربادی کا وقت آ گیا ہے۔ دنیا کی تباہی کا لمحہ آن پہنچا ہے لیکن ٹوٹنے والے ستارے کوئی اور ہیں تو پھر دنیا کو کوئی خطرہ نہیں۔ یہ ستارے اس اہم امر کی وجہ سے ٹوٹ رہے ہیں جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی بہتری کے لئے کیا ہے"۔

یوں نہ کہا جائے کہ اس سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت بھی شیاطین پر شہاب باری ہوئی تھی کیونکہ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بہت زیادہ شہاب مارے گئے۔ جو سارے نشانے پر لگے۔ ایک بھی خطا نہ گیا۔ اسی لئے بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جب حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت قریب آیا تو اتنے زیادہ ستارے ٹوٹے کہ اتنے ستارے پہلے نہیں ٹوٹے تھے۔ لوگ عبد یالیل بن عمرو الثقفی کے پاس آئے۔ یہ نابینا تھا۔ لوگوں نے کہا "لوگ گھبرا اٹھے ہیں۔ انہوں نے اپنے غلام آزاد کر دیے ہیں۔ اپنے جانور کھلے چھوڑ دیے ہیں"۔ عبد یالیل نے انہیں کہا "جلدی نہ کرو۔ ذرا دیکھو اگر وہ ستارے ٹوٹ رہے ہیں۔ جو معروف ہیں۔ جن سے بحر و بر میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور جن سے گرمی و سردی میں اوقات معلوم کئے جاتے ہیں تو پھر لوگوں کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے۔ اگر ٹوٹنے والے ستارے غیر معروف ہیں تو ان کا سبب کوئی اہم واقعہ ہے"۔ لوگوں نے کہا "یہ کسی اہم واقعہ کی وجہ سے ہی ٹوٹ رہے ہیں"۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے سن لیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ کچھ مدت کے بعد ابو سفیان بن حرب طائف آیا۔ اس نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی مرسل ہیں"۔

پہلے قول گزرا ہے ذرا دیکھو کہ اگر یہ ستارے ایسے ہیں جو لوگوں کی زندگیوں میں اہم کردار ادا کرتے ہیں.........؟

اس امر کی تائید اس حدیث پاک سے بھی ہوتی ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ستارے آسمان کے لئے امن کا باعث ہیں۔ جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو اہل آسمان پر وہ آجائے گا جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے امن کا باعث ہوں۔ جب میرا وصال ہو گیا تو ان کے لئے بھی وہ کچھ آجائے گا جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میری امت کے لئے باعث امن ہیں۔ جب وہ تشریف لے گئے تو مری امت کے لئے وہ کچھ آجائے گا جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے"۔

بنو ثقیف نے ایک دفعہ عمرو بن امیہ اور دوسری دفعہ عبد یالیل سے پوچھا۔ یہ دونوں اندھے تھے۔ ممکن ہے یہ واقعہ ایک دفعہ ہی رونما ہوا ہو اور اس شخص کے نام میں اختلاف ہو گیا ہو جس سے بنو ثقیف نے پوچھا ہو بعض نے اس کا نام عمرو بن امیہ اور بعض نے عبد یالیل کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو شیطان کو شہاب مار کر آسمانی خبر سننے سے روک دیا گیا۔

خطر بن مالک کی کہانت

حضرت لہیب (یا لہب) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میں نے کہانت کا تذکرہ کیا"۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم پہلے لوگ ہیں جنہیں آسمانوں کی حفاظت، شیطانوں کو زجر و توبیخ اور ستاروں کے ٹوٹنے کے متعلق علم ہوا۔ اس کی حقیقت کے انکشاف کے لئے ہم اپنے کاہن خطر بن مالک کے پاس جمع ہوئے۔ اس وقت وہ بہت عمر رسیدہ تھا۔ اس کی عمر 280 سال تھی۔ وہ تمام کاہنوں سے زیادہ عالم تھا۔ ہم نے اسے کہا "اے خطر! کیا تمہیں معلوم

ہے کہ یہ ستارے کیوں ٹوٹتے ہیں؟ ہم تو ان کی وجہ سے مضطرب ہیں۔ ہمیں اپنے انجام کا خطرہ ہے" خطر نے کہا "وقت سحر میرے پاس آنا۔ میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا کہ کیا اس سے بھلائی مقصود ہے یا نقصان۔ اس سے امن مقصود ہے یا تباہی"۔ اس دن ہم اسے وہیں چھوڑ کر چلے آئے۔ دوسرے دن وقت سحر اس کے پاس آئے۔ ہم نے دیکھا وہ اپنے قدموں پر کھڑا تھا۔ وہ آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔ ہم نے اسے آواز دی "اے خطر! اے خطر! اس نے ہمیں خاموش رہنے کا ارشاہ کیا۔ اسی اثناء میں آسمان سے ایک بہت بڑا ستارہ ٹوٹا"۔ کاہن چلایا "اسے ملنے والی سزا مل چکی ہے۔ اس سزا نے اس کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس کا عذاب اسے جلد پہنچ چکا ہے۔ شہاب نے اسے جلا دیا ہے۔ اس کے جواب نے اسے مضطرب کر دیا ہے ہائے ہلاکت! اس کی حالت کیا ہوگئی۔ غم واندوہ نے اسے نڈھال کر دیا۔ اس کی تباہی لوٹ آئی ہے اس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ اس کی کیفیت بدل چکی ہے"۔ پھر اس نے کہا

"اے بنو قحطان! میں تمہیں سچی اور مبنی برصداقت بات بتاتا ہوں۔ میں خانہ کعبہ، اس کے ارکان اور اس مقدس شہر کی قسم اٹھاتا ہوں جو اپنے مقیموں کو امن دینے والا ہے۔ سرکش جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے۔ یہ تمام حفاظت ایک عظیم الشان رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوئی ہے۔ وہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم تنزیل اور قرآن پاک کے ساتھ مبعوث ہوں گے۔ وہ ہدایت اور فیصلہ کرنے والی کتاب کے ساتھ تشریف لائیں گے۔ ان کی تشریف آوری سے بتوں کی عبادت کا خاتمہ ہو جائے گا"۔

حضرت لہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم نے کہا: اے خطر! تمہارے لئے ہلاکت ہو، تم ایک عظیم امر کا ذکر کر رہے ہو۔ تم اس کے متعلق اپنی قوم کو کیا مشورہ دیتے ہو؟" اس نے کہا "میں اپنی قوم کو وہی مشورہ دیتا ہوں جو اپنے لئے بہتر سمجھتا ہوں وہ یہ کہ وہ اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں جو تمام نوع انسانی سے بہترین ہیں۔ ان کی دلیل سورج کی شعاع کی مانند درخشاں ہوگی۔ وہ مکہ دار حمس میں مبعوث ہوں گے۔ وہ ایسی محکم کتاب کے ساتھ مبعوث ہوں گے جس میں التباس کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا"۔

ہم نے اسے کہا "اے خطر! اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کس قبیلہ سے ہوگا؟ اس نے کہا "زندگی اور حیات کی قسم! وہ قبیلہ قریش میں سے ہوں گے۔ ان کی بردباری میں غصہ نہ ہوگا۔ ان کی تخلیق میں کوئی عیب نہیں ہوگا۔ وہ ایک لشکر میں تشریف فرما ہوں گے۔ وہ لشکر آل قحطان اور آل ایش پر مشتمل ہوگا"۔ میں نے خطر سے پوچھا "قریش کے کس خاندان کے ساتھ ان کا تعلق ہوگا؟" اس نے کہا "ارکان والے گھر کی قسم! حجر اسود اور آب زمزم کی قسم! وہ ہاشم کے معزز خاندان سے ہوں گے۔ وہ غزوات کے ساتھ مبعوث ہوں گے ہر ظالم کو تہ تیغ کر دیں گے"۔ پھر اس نے کہا "یہ وہ گفتگو ہے جو مجھے جنات کے سردار نے بتائی تھی۔ پھر اس نے کہا "حق آ گیا اور غالب ہو گیا۔ جنات ہر قسم کی خبریں حاصل کرنے سے روک دیئے گئے"۔ پھر وہ پرسکون ہو گیا اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ تین روز بعد اس کو افاقہ ہوا۔ اس نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سن کر فرمایا "اس نے نبوت کی مانند گفتگو کی ہے وہ قیامت کے روز تنہا ایک امت کی مانند اٹھے گا"۔

شہاب باری کی وجہ

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ چند انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت مآب میں حاضر تھے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم بارگاہ نبوت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک ستارہ ٹوٹا اس کا نور آشکارا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''بعثت سے قبل اس ٹوٹنے والے ستارے کے متعلق تم کیا کہتے تھے؟ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جب ہم ستارہ ٹوٹتے دیکھتے تو ہم کہتے ''کوئی بادشاہ مرا ہے۔ کوئی بچہ پیدا ہوا ہے''۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حقیقت اس طرح نہیں۔ بلکہ جب اللہ رب العزت اپنی مخلوق کے بارے کوئی فیصلہ فرماتا تو اسے حاملین عرش سنتے۔ وہ فوراً تسبیح خواں ہو جاتے۔ ان کی یہ تسبیح سن کر وہ فرشتے بھی تسبیح خوانی کرنے لگتے جو ان کے نیچے ہوتے۔ پھر وہ فرشتے تسبیح خوانی کرتے جو ان سے نیچے ہوتے۔ یہ تسبیح نیچے آتی رہتی حتیٰ کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتی۔ وہ آسمان دنیا کے ملائکہ تسبیح کرنے لگے۔ پھر ملائکہ ایک دوسرے سے پوچھتے ''تم یہ تسبیح خوانی کیوں کر رہے ہو؟ وہ کہتے ''اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے'' یہ بات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پہنچتی حتیٰ کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتی۔ شیاطین جھپٹ کر اسے سننے کی کوشش کرتے۔ پھر وہ بات لے کر کاہنوں تک پہنچ جاتے۔ بعض باتیں سچ ہو جاتیں اور بعض جھوٹی ہوتیں''۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے ''جب رب تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ فرماتا تو فرشتے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے پر مارتے جس طرح چٹان پر زنجیر گرتی ہے، جب ان کے دلوں پر رعب کی کیفیت دور ہوتی تو وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ''تمہارے پروردگار نے کیا کہا ہے؟'' وہ کہتے ''جو کچھ اس نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ وہ العلی الکبیر ہے یہ شیاطین چوری چھپے اس بات کو سن لیتے۔ اکثر اوقات شہاب ایسے شیاطین کو آلیتا جو اسے جلا کر خاکستر کر دیتا''۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالیشان ''وہ ستارے جو زمانہ جاہلیت میں ٹوٹتے تھے'' اس امر کی وضاحت کر رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے مابین زمانہ فترت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے پہلے ستارے آسمان کی حفاظت کے لئے ٹوٹتے تھے۔ یہ روایت اس روایت سے معارض ہے جس میں تذکرہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لینے کے بعد ستارے نہیں ٹوٹے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ پھر شہاب باری شروع ہوئی۔ جب قریش نے یہ امر دیکھا جو انہوں نے پہلے نہیں دیکھا تھا تو وہ عبد یالیل کے پاس گئے۔ اس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو شیاطین کو آسمانی خبروں سے روک دیا گیا۔ ان پر شہاب پھینکے گئے۔ انہوں نے یہ باتیں ابلیس کو بتائیں۔ اس نے کہا ''شاید ارض مقدسہ میں کوئی نبی مبعوث ہوا ہے''۔ کیونکہ یہ انبیائے کرام کی سرزمین تھی۔ شیاطین ارض مقدسہ کی طرف گئے۔ پھر واپس آئے۔ انہوں نے کہا ''وہاں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا''۔ ابلیس اس امر کی جستجو میں مکہ مکرمہ پہنچا اس نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار حراء میں رونق افروز تھے۔ حضرت جبرائیل امین آپ کے پاس موجود تھے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب شیاطین نے ابلیس کو بتایا کہ انہیں آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا ہے تو اس نے کہا ''کسی واقعہ کی وجہ سے یوں ہوا ہے۔ ہر طرف کی مٹی میرے پاس لے کر آؤ''۔

شیاطین ہر سمت کی مٹی لے کر اس کے پاس پہنچے وہ اسے سونگھنے لگا۔ جب اس نے مکہ مکرمہ کی مٹی کو سونگھا تو اس نے کہا ''اسی طرف کوئی واقعہ رونما ہوا ہے''۔ شیاطین مکہ مکرمہ کی طرف گئے۔ وہاں حضور اکرم ﷺ مبعوث ہو چکے تھے''۔ اس روایت کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی ولادت مبارکہ اور بعثت مبارکہ سے قبل یہ شہاب باری بہت کم تھی۔ ولادت مبارکہ کے وقت یہ بطور ارہاص اور تخویف کے لئے تھی۔ بعثت مبارکہ کے وقت یہ زیادہ ہو گئی۔ ہر طرف سے ہونے لگی جب لوگوں نے اتنی کثیر شہاب باری دیکھی تو وہ گھبرا اٹھے۔ حضرت ابی بن کعب اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہی مراد ہے۔ اس سے قبل یہ معہود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد پاک سے یہی مراد لیا ہے۔

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ (الجن)

''لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں''۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد کسی شہاب کا نشانہ خطاء نہ جاتا تھا۔ کوئی شیطان مرجاتا کسی کا چہرہ جل جاتا۔ کوئی عقل کھو بیٹھتا۔ وہ صحراؤں میں لوگوں کو گمراہ کرنے لگتا۔ اسی لئے اہل عرب گھبرا گئے۔ کیونکہ اس سے قبل یہ شہاب باری نہ تو ہر طرف سے تھی۔ نہ اتنی کثیر تھی اور کبھی کبھی نشانہ خطاء بھی جاتا تھا۔ شیطان واپس آجاتا۔ وہ چوری چھپے سن لیتا پھر یہ بات اپنے کاہن تک پہنچا دیتا۔ حضور کریم ﷺ کی بعثت سے قبل کہانت بالکل ختم نہ ہوئی تھی۔ بلکہ بعثت تک برقرار رہی، بعثت کے وقت سے بالکل منقطع ہو گئی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا ''آج کہانت اختتام پذیر ہے''۔ بعثت سے قبل ایک جانب سے شہاب باری ہوتی تھی جبکہ بعثت کے بعد ہر جانب سے شہاب برسائے جانے لگے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان عالیشان سے اشارہ کیا ہے۔

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ (الصافات)

''نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔ ان کو بھگانے کے لئے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے''۔ (جمال القرآن)

گھبراہٹ کا سبب بھی یہی تھا۔ جب کہانت ختم ہو گئی۔ جنات خبریں پہنچانا رک گئے تو اہل عرب نے کہا ''اہل آسمان ہلاک ہو گئے۔ اونٹ والا ہر روز ایک اونٹ ذبح کرنے لگا۔ گائیں والا ہر روز ایک گائے ذبح کرنے لگا۔ بکریوں کا مالک ہر روز ایک بکری ذبح کرنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے اموال برباد کرنے لگے''۔ اس لئے بنو ثقیف کے کاہن نے کہا تھا ''اے لوگو! اپنے اموال برباد نہ کرو۔ اہل آسمان ہلاک نہیں ہوئے، کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مشہور ستارے اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ شمس و قمر اسی طرح ہیں''۔ محققین فرماتے ہیں ''جو شہاب مارا جاتا ہے وہ ستارے سے اخذ کیا گیا آگ کا شعلہ ہوتا ہے۔ ستارہ اسی طرح رہتا ہے''۔ صاحب ہمزیہ نے اپنے ان اشعار میں اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

بعث اللہ عن مبعثہ الشھب حراساً وضاق عنھا الفضاء

اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے وقت شہاب ثاقب پھینکے جو حفاظت کیلئے مارے گئے تھے۔ ان سے یہ فضاء بھی تنگ ہو گئی۔

تطرد الجن عن مقاعد للسمع　كما تطرد الذئاب الرعاءُ

بیٹھ کر سننے والی جگہوں سے جنات کو اس طرح دھتکار دیا گیا جس طرح چرواہا بھیڑیوں کو دھتکار دیتا ہے۔

فَمَحَتْ آية الكهانة آيات　من الوحى مالهن اِفْحَاءُ

اللہ تعالیٰ کی آیات نے کہانت کی نشانی کو مٹا دیا۔ مگر وہ آیات بینات نہ مٹ سکیں۔

فائدہ

چھٹی صدی کے آخری سال بہت زیادہ ستارے ٹوٹے۔ وہ ہر طرف ٹڈیوں کی مانند اڑنے لگے۔ فجر تک یہی صورت حال رہی۔ مخلوق خدا گھبرا اٹھی۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کرنے لگے۔ صرف حضور اکرم ﷺ کے ظہور اقدس کے وقت ہی یوں ہوا تھا۔ امام حلبی "السیرۃ الحلبیہ" میں لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ تیسری صدی کے اکتالیسویں سال بھی اس طرح ہوا تھا۔ ستارے آسمان سے گزرنے لگے۔ اکثر رات ستارے ٹڈیوں کی طرح گرتے رہے۔ یہ امر عجیب تھا، پہلے اس طرح کا امر نہیں دیکھا گیا تھا۔ اسی طرح 300ھ میں بھی بہت سے ستارے مشرق کی طرف ٹوٹتے نظر آئے۔

کتب قدیمہ میں ذکر پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

حضور ﷺ کا اسم مبارک، اوصاف حمیدہ اور آپ کی امت مرحومہ کے اوصاف حمیدہ کتب قدیمہ مثلاً تورات اور انجیل وغیرہما میں موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ (الشعراء)

"اور اس کا ذکر خیر پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے"۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ میں لکھا ہے۔

وَ فِي كُلِّ كُتُبِ الله نَعْتُكَ　تداق يقص علينا ملة بعد ملة

آپ کی تعریف اللہ تعالیٰ کی ساری کتب میں موجود ہے ایک نسل کے بعد دوسری نسل ہمیں یہ اوصاف بتاتی رہی۔

ایک اور شاعر نے لکھا ہے۔

و من قبل مبعثه جاءت مبشرة　بِهٖ زبور و تورات و انجيل

آپ کی بعثت سے قبل زبور، تورات اور انجیل آپ کی بشارت لے کر آئیں۔

تورات میں آپ ﷺ کا اسم گرامی "احمد" مذکور ہے۔ اہل آسمان واہل زمین آپ ﷺ کی ستائش کریں گے۔ اس آیت طیبہ کے شان نزول میں بیان کیا جاتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرۃ:30)

"اور کون روگردانی کر سکتا ہے دین ابراہیم سے بجز اس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو"۔

کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اپنے دو بھتیجوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا "تم دونوں اس حقیقت سے آگاہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے "میں اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے ایک عظیم الشان نبی مبعوث کروں گا۔ ان کا نام نامی احمد ہوگا۔ جو ان پر ایمان لے آیا وہ رشد و ہدایت پا گیا۔ جو ان پر ایمان نہ لایا وہ ملعون ہے"۔ یہ سن کر سلمہ نے اسلام قبول کر لیا اور مہاجر نے انکار کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل کی۔

تورات میں آپ کا اسم گرامی "حمیاطا" بھی مذکور ہے۔ اس کا معنی ہے حرم پاک کو حرام امور سے بچانے والے۔ اس طرح آپ کے یہ اسماء گرامیہ مذکور ہیں "وقدومیا (اول، سابق) واحید یا ارید (اپنی امت کو آتش جہنم سے بچانے والے) طاب طاب (پاکیزہ) محمد حبیب الرحمن، وہاں الضحوک (پاکیزہ نفس) کے ساتھ وصف بیان کیا گیا ہے۔ اسی کتاب مقدس میں ہے۔

"محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہوں گے۔ طابۃ میں ہجرت فرمائیں گے۔ شام ان کا ملک ہوگا" انجیل میں آپ کا اسم گرامی "المنجمنا" ہے۔ سریانی زبان میں اس کا ترجمہ محمد (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ حضرت سہیل مولی خثمہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں یتیم تھا۔ اپنے چچا کی زیر کفالت تھا۔ میں نے انجیل پکڑی اور اسے پڑھنے لگا حتی کہ میں ایک ایک ورق سے گزرا۔ جسے دوسرے ورق کے ساتھ جوڑا گیا تھا میں نے اسے کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل حمیدہ مرقوم تھے۔ میرا چچا میرے پاس آیا۔ جب اس نے وہ ورقہ دیکھا تو مجھے مارنے لگا۔ اس نے مجھے کہا "تو نے یہ ورقہ کیوں کھولا؟ اور اسے کیوں پڑھا؟ میں نے کہا "اس میں احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف مکتوب ہیں" اس نے کہا "ابھی تک یہ نبی مبعوث نہیں ہوئے"۔

انجیل میں آپ کا اسم گرامی "خبط" بھی مذکور ہے۔ اس کا معنی ہے حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اوصاف حمیدہ بھی مذکور ہیں "ان کے پاس عصا مبارک ہوگا وہ گدھے اور اونٹ پر سوار ہوں گے" انجیل میں ہے "اگر تم نے میری دعوت پر لبیک کہا اور میری وصیت یاد رکھی تو میں اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کروں گا کہ وہ تمہیں بارقلیط دے گا۔ بارقلیط تمہارے پاس اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک میں نہ گیا۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو دنیا کو اس کی خطاء پر جھڑکیں گے۔ وہ اپنی طرف سے بات نہیں کریں گے۔ بلکہ وہ جو کچھ سنیں گے۔ وہی بولیں گے۔ وہ ان لوگوں کے پاس حق کے ساتھ آئیں گے اور لوگوں کو غیب کی خبریں دیں گے"۔ ان اوصاف سے متصف ہو کر آنے والی ذات والا اور غیب کی خبریں دینے والی ہستی گرامی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی ہے"۔

حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے کہا "مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اوصاف بتائیں جو تورات میں موجود ہیں"۔ انہوں نے کہا "ہاں! بخدا! تورات میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً یہ آیت طیبہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ (الاحزاب)

''اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا''۔

تو میرا بندہ (خاص) اور رسول معظم ہے۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ تند خو اور غضبناک نہیں ہوں گے آپ بازاروں میں شور نہیں کریں گے۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے۔ بلکہ درگزر فرمائیں گے۔ معاف فرما دیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اس وقت تک وصال نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ ان کے ذریعے ٹیڑھی ملت سیدھی نہ ہو جائے۔ یعنی وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی نہ دے لے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اندھی آنکھوں کو بصارت عطا فرمائے گا۔ بہرے کانوں کو قوت سماعت دے گا۔ ان کے ذریعے وہ بند دلوں کو کھول دے گا''۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''پھر میں حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انہوں نے بھی مجھے یہی کچھ بتایا۔ ایک حرف کی بھی غلطی نہ کی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں منقول ہے ''انہیں سارے خزانوں کی چابیاں عطا کر دی جائیں گی۔ ان کے طفیل نابینا آنکھیں دیکھنے لگیں گی۔ بہرے کان سننے لگیں گے۔ ٹیڑھی ملت ان کے طفیل سیدھی ہو جائے گی۔ ان کا حلم جہالت سے سبقت لے جائے گا ان پر جاہل کی شدت ان کے حلم میں اضافہ ہی کرے گی۔

ایک یہودی عالم کہتا ہے ''میں نے مذکورہ بالا اوصاف کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے اوصاف کو جان لیا۔ میں ان پر بھی آگہی چاہتا تھا۔ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ وہ آپ سے کچھ مانگنے آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں اس وقت کچھ نہ تھا جو اسے عطا کرتے۔ میں نے کہا ''آپ یہ دینار لے لیں۔ اس مفلس کو عطا کر دیں۔ آپ مجھے فلاں دن اپنی کھجوریں عطا کر دیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ میں مدت مقررہ سے دو یا تین روز قبل ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے آپ کی چادر اور قمیص کے دامن کو پکڑا۔ غصیلی نظروں سے آپ کی طرف دیکھا۔ پھر کہا ''محمد (فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ مجھے میرا حق نہیں دیں گے؟ بنو عبدالمطلب! تم ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہو''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا ''اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! تو میرے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کا سلوک کر رہا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، چہرہ انور پر سکون، تبسم اور محبت کے جذبات عیاں تھے۔ فرمایا ''اے عمر! میں اور یہ تمہاری طرف سے کسی اور رویہ کے خواہاں تھے وہ کہ تم مجھے حسن ادا اور اسے حسن طلب کا کہتے''۔ جاؤ اس کا حق اسے پورا پورا دو۔ جو اسے ڈرایا ہے اس کے عوض اسے بیس صاع کھجوریں زائد دو''۔ وہ یہودی فوراً اسلام لے آیا۔

تورات میں ہے ''یہ سلطنت واقتدار یہودیوں کے پاس رہے گا حتیٰ کہ وہ ہستیٔ پاک تشریف لے آئے گی ہم جس کے منتظر ہیں''۔ یہ ذات والا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ تورات میں ہے ''میں عنقریب ان کے بھائیوں میں سے تمہاری مثل ایک نبی مبعوث کروں گا۔ میں اپنا کلام ان کے دہن مبارک میں ڈال دوں گا۔ جو شخص ان کے احکام پر عمل پیرا نہ ہوگا میں اس سے انتقام لوں گا''۔ ''ان کے بھائیوں میں سے'' مذکورہ بالا کلمات نصاریٰ کا رد کرتے ہیں جن کا گمان ہے کہ تورات میں مذکور نبی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام ان کے بھائیوں میں سے نہیں۔ بلکہ انہی میں سے ہیں۔ کیونکہ

وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اسی طرح یہود کا بھی رد ہو جاتا ہے۔ جن کا گمان ہے کہ تورات میں مذکور اس نبی سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی ذات ہے"۔ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔

الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ (الاعراف: 157)

"جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں"۔

وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ یوں پاتے تھے "آپ نیکی کا حکم دیں گے۔ آپ صلہ رحمی کریں گے۔ برائی سے روکیں گے۔ پاکیزہ اشیاء ان کے لئے حرام کریں گے اس سے مراد وہ چربی ہے جو بنی اسرائیل پر حرام تھی۔ نیز اس سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی ہیں جنہیں زمانہ جاہلیت میں حرام سمجھا جاتا تھا۔ وہ ان پر خبائث کو حرام فرمائیں گے۔ جنہیں زمانہ جاہلیت میں حلال سمجھا جاتا تھا مثلاً مردار، خون اور خنزیر کا گوشت۔ آپ ان کا بوجھ ان سے دور کریں گے مثلاً ہفتہ کے روز کام کا کرنا حرام ہونا، مقتول کی دیت قبول نہ کرنا۔ اور کپڑے کا وہ حصہ کاٹ دینا جہاں پیشاب لگ جائے"۔

حضرت نعمان السبائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (یہ یمن کے یہودیوں کے علماء میں سے تھے۔) انہوں نے کہا "جب میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ سے چند امور کے متعلق پوچھا۔ پھر میں عرض گزار ہوا۔ "میرا باپ ایک ورق کو مہر لگا کر رکھتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اسے اس وقت تک یہودیوں کو پڑھ کر نہ سنانا حتیٰ کہ تم سن لو کہ یثرب سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے جب ان کے متعلق سن لو تو یہ ورق کھول کر پڑھ لینا"۔ جب میں نے آپ کا ذکر خیر سنا۔ تو میں نے وہ ورق کھولا۔ وہاں آپ کے وہی اوصاف حمیدہ لکھے ہوئے تھے جو میں ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل دیکھ رہا ہوں۔ اس میں یہ بھی ذکر تھا کہ آپ کس چیز کو حلال اور کس چیز کو حرام کریں گے۔ اس میں یہ بھی ذکر مبارک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے بہترین ہیں۔ آپ کی امت مرحومہ تمام امم سے بہترین ہے۔ آپ کا اسم گرامی "احمد" ہے۔ آپ کی امت مرحومہ حمد کرنے والی ہے۔ وہ ظاہر اور پوشیدگی میں رب تعالیٰ کی حمد بیان کرے گی۔ وہ خون بہا کر رب تعالیٰ کا قرب حاصل کریں گے۔ ان کے سینے انجیل ہوں گے۔ وہ جس معرکہ میں ہوں گے جبرائیل امین علیہ السلام ان کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اس طرح رحم کرے گا جس طرح پرندہ اپنے چوزوں پر رحم کرتا ہے"۔ پھر میرے والد نے مجھے کہا "جب تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنو تو ان کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو جاؤ۔ ان پر ایمان لے آؤ اور ان کی تصدیق کرو"۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مژدہ جانفزا سے بہرہ ور ہوں۔ ایک دن حضرت نعمان بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے نعمان! وہی حیرت افزاء واقعہ بیان کرو" حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے از اول تا آخر ساری داستان گوش گزار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ آپ نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو اسود العنسی نے شہید کر دیا تھا۔ اس نے ان کا عضو عضو علیحدہ کیا۔ وہ یہی نعرہ لگاتے رہے "محمد (جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ تو جھوٹا اور رب تعالیٰ پر بہتان لگانے والا ہے"۔ پھر اس نے انہیں آگ میں پھینک دیا۔ آگ ان پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی جس طرح حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے

لئے بنی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ذات جسے اسود نے آگ میں پھینکا تھا اور آگ اس کا بال بھی بیکا نہ کر سکی تھی وہ حضرت ذویب بن کلیب یا ابن وہب کی ذات تھی۔ جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب کرام کو بتایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے ہماری امت میں ایک ایسا شخص پیدا کیا جس پر آگ اسی طرح ٹھنڈی ہو گئی تھی جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر ہوئی تھی۔

تورات میں حضور اکرم ﷺ کی امت مرحومہ کے اوصاف بھی مذکور ہیں۔ مثلاً یہ کہ مساجد میں ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی مانند ہو گی۔ دوسری روایت میں ہے کہ رات کے وقت آسمان کی فضا میں ان کی آواز مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ہو گی۔ وہ رات کے راہب اور دن کے شیر ہوں گے۔ جب وہ کسی نیکی کا صرف ارادہ کریں گے اسے عملی جامہ پہنا نہ سکیں گے تو ان کے لئے ایک نیکی لکھ دی جائے گی۔ اگر وہ نیکی کر دیں گے تو ان کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ جب وہ کسی برائی کا ارادہ کریں گے مگر وہ اسے نہ کریں گے تو ان کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی اگر وہ برائی کر دیں گے تو ان کے نامۂ اعمال میں صرف ایک برائی لکھی جائے گی۔ وہ نیکی کا حکم دیں گے۔ برائی سے روکیں گے۔ وہ سابقہ کتب پر بھی ایمان لائیں گے اور آخری کتاب قرآن حکیم پر بھی ایمان رکھیں گے۔

امام احمد وغیرہ نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے کہا "اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایسی امت بھیجوں گا اگر انہیں ایسی چیز ملے گی جسے وہ پسند کریں گے تو وہ میری حمد اور شکر ادا کریں گے۔ اگر انہیں کسی ایسی چیز کا سامنا کرنا پڑے گا جو انہیں ناپسند ہو گی تو وہ صبر کریں گے اور حصول ثواب کی امید رکھیں گے۔ ان کے پاس کامل علم اور حلم نہ ہو گا"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں انہیں اپنا علم اور علم عطا کر دوں گا"۔

بعض علماء کرام نے ذکر کیا ہے کہ یہ امت آخری امت ہے۔ حلم اور علم لوگوں میں تقسیم کیا گیا تو اس امت کے حصہ میں کم آیا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے مابین تمہارے اخلاق تقسیم فرمائے۔ اس امت کے حصہ میں بہت قلیل حصہ آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی عمریں بھی کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا علم اور حلم عطا فرما دیا ہے"۔

تورات میں ان کا وصف یوں مرقوم ہے "وہ صفوۃ الرحمن ہیں" انجیل میں ہے "وہ علماء، حلماء، ابرار اور متقی ہیں گویا کہ وہ از روئے فقہ انبیاء ہیں۔ دارقطنی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا "تم نے تورات میں میرا ذکر کس طرح پایا؟" انہوں نے کہا "خلیفہ گویا کہ وہ لوہے کا سینگ ہوں گے۔ وہ شدید امیر ہوں گے۔ رب تعالیٰ کے بارے کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ پھر ان کے بعد وہ ہستی خلیفہ بنے گی جسے ظالم شہید کر دیں گے۔ پھر آزمائش کا دور شروع ہو جائے گا"۔

صحف شعیا علیہ السلام میں ہے۔ "آپ ﷺ کا نام رکن المتوضعین ہے" اس میں ہے "میں نبی امی ﷺ کو مبعوث کروں گا۔ ان کے ذریعے میں بہرے کانوں، بند دلوں اور اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا۔ وہ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ طیبہ کو ان

کی ہجرت گاہ بننے کی سعادت ابدی ملے گی۔ ان کا ملک شام ہوگا۔ وہ اہل ایمان پر رحیم ہوں گے۔ وہ بوجھ اٹھانے والے جانور کے لئے بھی گریہ فرمائیں گے۔ وہ بیوہ عورتوں کی آغوشوں میں یتیم بچوں کے لئے آنسو بہائیں گے۔ اگر وہ چراغ کے پاس سے گزریں گے تو چراغ ان کے وقار کی وجہ سے نہ بجھے گا۔ اگر وہ خشک لکڑی پر چلیں گے تو ان کے قدمین شریفین کی چاپ سنائی نہ دے گی"۔

حضرت شعیاء علیہ السلام حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بعد اور حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام سے پہلے تشریف لائے۔ انہوں نے بنو اسرائیل کو ظلم وستم سے منع کیا تو انہوں نے ان کی تلاش شروع کر دی تاکہ انہیں شہید کر دیں۔ یہ ان سے بھاگ نکلے۔ ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ درخت پھٹ گیا تو یہ اس کے اندر تشریف لے گئے۔ شیطان نے ان کے کپڑے کو پکڑا اور اسے لوگوں کے لئے ظاہر کر دیا۔ جب بنو اسرائیل نے انہیں اس طرح دیکھا تو وہ آری لے کر آئے اور اس کے ساتھ وہ درخت چیر دیا۔ یہ بھی اس کے ساتھ ہی شہید ہو گئے۔ ان کا شمار ان رسل عظام میں ہوتا ہے جن کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں ہے۔

وَقَفَّيْنَا مِنۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرہ: 87)۔

"اور ہم نے پے درپے ان کے پیچھے پیغمبر بھیجے"۔

ان سے مراد سات رسل عظام علیہم السلام ہیں۔ یہ ان میں سے تیسرے تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی۔ جب بیت المقدس نے ان سے شکایت کی کہ لوگوں نے اسے خراب کر دیا ہے اور لوگ اس میں مردار پھینکتے ہیں تو انہوں نے اسے کہا "خوش ہو جا۔ تیرے پاس دراز گوش پر سوار ہونے والے تشریف لائیں گے یعنی حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام اور ان کے بعد اونٹ پر سواری کرنے والے تیرے پاس تشریف لائیں گے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا۔ شاید یہ آپ کی اغلب عادت مبارکہ کے اعتبار سے ہے کہ آپ اونٹ پر سوار ہوں گے۔ یہ اس بات کے مخالف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے اور اونٹ دونوں پر سواری کی۔ زبور شریف میں آپ کا اسم گرامی "حاط حاط" الفلاح جس کے ذریعے رب تعالیٰ باطل کو مٹا دے گا "فارق" یعنی حق اور باطل کے مابین فرق کرنے والا فارقلیط اور بارقلیط کا معنی یہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مخفی اشیاء کو جاننے والا۔

صاحب الدرالمنظم نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "عمر! جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں وہی ذات بابرکات ہوں جس کا ذکر رب تعالیٰ نے تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے، انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیا۔ زبور میں وہ ذکر خیر حضرت داؤد کے لئے کیا گیا۔ میں یہ بات از روئے فخر نہیں کہہ رہا بلکہ بطور تحدیث نعمت کہہ رہا ہوں۔ عمر! کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟ تورات میں میرا نام مبارک "احید" ہے۔ انجیل میں "بارقلیط" ہے۔ زبور میں "حناط" صحف ابراہیمی میں طاب طاب ہے۔ زبور میں ہے "میں وہ رب تعالیٰ ہوں جو وحدہ لا شریک ہے۔ میں معبود برحق ہوں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میرے رسول ہیں"۔ آپ کا وہاں یہ وصف بھی لکھا گیا ہے "آپ

ﷺ اس ضعیف کو قوت عطا فرمائیں گے جس کا کوئی حامی وناصر نہ ہوگا۔ آپ مسکینوں پر رحم فرمائیں گے۔ ہمہ وقت آپ پر برکات کا نزول ہوتا رہے گا۔ تا ابد آپ کا ذکر خیر باقی رہے گا۔ وہ جبار ہوں گے''۔ زبور میں ہے ''اے جبار! اپنی شمشیر حمائل کریں''۔ اگر کہا جائے کہ رب تعالیٰ نے تو فرمایا ہے۔

وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ (ق:45)

''اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں''۔

تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ پہلے جبار سے مراد وہ ذات ہوگی جو مخلوق کو حق کے قریب کردے۔ دوسرے جبار کا معنی متکبر ہوگا۔

زبور میں ہے۔ ''اے داؤد! تمہارے بعد ایک نبی کریم ﷺ تشریف لائیں گے۔ ان کے اسم گرامی احمد اور محمد ہوں گے۔ میں ان پر کبھی ناراض نہ ہوں گا وہ کبھی میری نافرمانی نہیں کریں گے۔ میں نے ان کے طفیل ان کے اگلے اور پچھلوں کے گناہ معاف کر دیئے ہیں ان کی امت مرحومہ ہوگی۔ وہ روز محشر اس طرح آئیں گے کہ ان کا نور انبیاء کرام کے نور کی مثل ہوگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ صیہون سے اکلیل محمود کو غلبہ عطا کرے گا۔ صیہون مکہ مکرمہ کا نام ہے۔ اکلیل امام اور رئیس کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد محمد عربی ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ صحف شیث علیہ السلام میں آپ کا ذکر خیر ''اخوناخ'' سے ہے۔ اس کا معنی ہے ''صحیح الاسلام'' بعض الہامی کتب میں ہے ''میں ان پڑھوں میں اپنا رسول کریم ﷺ مبعوث کروں گا۔ میں انہیں ہر خوبی عطا فرماؤں گا۔ میں انہیں ہر خلق کریم سے نوازوں گا۔ میں حکمت کو ان کی گفتگو اور صدق و وفاء کو ان کی طبیعت بنادوں گا۔ عفو و درگزر کو ان کا خلق، حق کو ان کی شریعت اور عدل کو ان کی سیرت بنادوں گا۔ اسلام کو ان کی ملت بنادوں گا۔ میں ان کے ذریعے گمنامی سے رفعت اور گمراہی سے ہدایت عطا فرمادوں گا۔ میں ان کے طفیل متفرق قلوب کو جمع اور مختلف خواہشات کو اکٹھا کردوں گا۔ میں ان کی امت کو بہترین امت بناؤں گا''۔

قلم قدرت کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت اور رسالت کا اعلان

بہت سے پتھروں، نباتات اور حیوانات پر آپ ﷺ کا اسم گرامی قلم قدرت کے ذریعے مکتوب ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے فرمایا ''حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی آسمان سے اتری تھی۔ ان کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا ''اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدِیْ وَ رَسُوْلِیْ'' انہوں نے یہ نقش اپنی انگوٹھی میں لگالیا۔ ان کی سلطنت کا انتظام وانصرام اس سے چلتا تھا''۔ اس طرح یہ روایت اوپر مذکور روایت سے بالمعنی مشابہت رکھتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے یا وظیفہ زوجیت ادا کرنے لگتے تھے تو وہ انگوٹھی اتار لیتے تھے۔

ایک قدیمی پتھر ملا جس پر یہ عبارت کندہ تھی ''محمد تقی مصلح وسید وامین'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں

نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا "مجھے حضور اکرم ﷺ کے فضائل بتائیں"۔ انہوں نے فرمایا "ہاں! اے امیر المومنین! میں نے پڑھا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو ایک پتھر ملا جس میں چار لائنوں میں یہ لکھا ہوا تھا۔ پہلی سطر میں لکھا ہوا تھا "اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِیْ" دوسری سطر میں یہ عبارت مرقوم تھی "اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ طُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَاتَّبَعَہٗ" تیسری سطر میں یہ عبارت مکتوب تھی "اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا الْحَرَمُ لِیْ وَالْکَعْبَۃُ بَیْتِیْ مَنْ دَخَلَ بَیْتِیْ اٰمِنَ مِنْ عَذَابِیْ" امام حلبی نے لکھا ہے کہ چوتھی سطر میں خوب غور و فکر کرنا چاہیے۔

ایک شخص سے روایت ہے کہ 454ھ میں خراسان میں شدید آندھی چلی۔ وہ عاد کی آندھی کی طرح کی آندھی تھی۔ اس سے پہاڑ بھی اکھڑ گئے۔ جانور بھاگ گئے۔ لوگوں نے گمان کیا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے۔ انہوں نے بارگاہ ربوبیت میں آہ و زاری کی۔ انہوں نے غور سے دیکھا تو ایک عظیم نور آسمان سے نازل ہوا۔ وہ ایک پہاڑ پر اترا۔ انہوں نے جانوروں کو دیکھا تو وہ اس پہاڑ کی طرف جا رہے تھے جس پر وہ نور اترا تھا۔ وہ لوگ بھی جانوروں کے ساتھ اس سمت جانے لگے۔ انہوں نے وہاں ایک پتھر دیکھا جس کا طول ایک ذراع اور عرض تین انگلیوں کے برابر تھا۔ وہاں تین سطور میں یہ عبارت کندہ تھی۔ پہلی سطر میں لکھا ہوا تھا۔ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَاعْبُدُوْنَ" دوسری میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ الْقُرَشِیْ" اور تیسری میں یہ عبارت مرقوم تھی "اِحْذَرُوْا وَقْعَۃَ الْمَغْرِبِ اِنَّھَا تَکُوْنُ مِنْ سَبْعَۃٍ اَوْ تِسْعَۃٍ الْقِیَامَۃِ قَدْ اَزِفَتْ"

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا "میں آسمانوں میں گھوما۔ میں نے آسمانوں میں ہر جگہ اسم محمد ﷺ لکھا ہوا تھا۔ میں نے جنت کے ہر محل اور کمرہ میں اسم محمد ﷺ دیکھا۔ میں نے آپ کا اسم مبارک حور عین کے گلوں اور جنت کے درختوں کے پتوں پر، طوبیٰ کے درخت پر، سدرۃ المنتہیٰ پر، حجابات پر اور ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا دیکھا" روایت ہے کہ وہ پہلی عبارت جسے قلم کے ذریعے لوح محفوظ پر رقم کیا گیا یہ تھی "بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلِیْ مَنْ اَسْتَسْلَمَ لِقَضَائِیْ وَصَبَرَ عَلٰی بَلَائِیْ وَشَکَرَ عَلٰی نَعْمَائِیْ وَرَضِیَ بِحُکْمِیْ کَتَبْتُہٗ صِدِّیْقًا وَبَعَثْتُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَعَ الصِّدِّیْقِیْنَ"۔

میں معبود برحق ہوں۔ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ جس نے میری تقدیر پر سر تسلیم خم کیا۔ میرے مصائب پر صبر کیا۔ میری نعمت کا شکر ادا کیا۔ میرے حکم پر رضامندی ظاہر کی۔ میں اسے صدیق لکھوں گا اور بروز حشر اسے صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا"۔ دوسری روایت کے مطابق لوح محفوظ کے سینہ پر یہ لکھا ہوا ہے۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دِیْنُہُ الْاِسْلَامُ مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ فَمَنْ اٰمَنَ بِھٰذَا اُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ" میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ محمد عربی ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں جو شخص آپ پر ایمان لائے گا۔ میں اسے جنت میں داخل کروں گا۔ ایک اور روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ دے تو اس نے عرش کے پائے پر سب سے پہلے کلمہ طیبہ لکھا۔

علامہ جلال الدین سیوطی خصائص الکبریٰ میں لکھتے ہیں "حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کا اسم

مبارک رب تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ عرش عظیم پر لکھا ہوا ہے"۔ اسی کتاب مستطاب میں ہے "اللہ تعالیٰ نے فرمایا" میں نے عرش پیدا کیا تو اس میں ارتعاش اور اضطراب پیدا ہوا۔ میں نے اس پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ سارے ملکوت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی مکتوب ہے۔

حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم مجھے عزت وجلال کی قسم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ زمین تخلیق کرتا نہ آسمان۔ نہ اس منبر کو بلند کرتا نہ اس زمین کو بچھاتا" دوسری روایت میں ہے "میں نہ آسمان، نہ زمین، نہ طول اور عرض کو تخلیق کرتا"۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَوْلَا مَا كَانَ مَلَكٌ وَلَا فَلَكٌ كَلَّا وَ لَا بَانَ تحریم و تحلیل

آپ نہ ہوتے تو کوئی فرشتہ نہ ہوتا۔ آسمان نہ ہوتا اور نہ ہی حرام وحلال عیاں ہوتا۔

ایک شخص نے بیان کیا "میں ہندوستان گیا۔ میں ایک جھاڑی میں گر پڑا۔ میں نے وہاں ایک پودا دیکھا۔ اس کے پتے سرخ تھے۔ ان پر سفید رنگ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا تھا"۔ ایک اور شخص سے روایت ہے اس نے کہا "میں نے جزیرہ میں ایک بہت بڑا درخت دیکھا۔ اس کے پتے بڑے بڑے تھے۔ اس سے عمدہ خوشبو آ رہی تھی ان پر قدرتی طور پر سرخ وسفید رنگ میں تین سطریں لکھی ہوئی تھیں پہلی سطر میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوسری میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور تیسری سطر میں "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" لکھا ہوا تھا"۔ ایک اور شخص سے روایت ہے۔ اس نے کہا "میں ہندوستان کے شہروں میں گیا۔ میں نے ایک بستی میں ایک درخت دیکھا جس کے پھول بڑے بڑے کالی رنگت والے اور خوشبودار تھے۔ ان پر سفید رنگ سے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ عُمَرُ الْفَارُوْقُ میں نے اس معاملہ میں شک کیا۔ میں نے کہا "یہ اتفاق ہے۔ میں نے دوسرا پھول دیکھا۔ میں نے وہاں بھی یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی۔ اس بستی میں بہت سے ایسے پودے تھے حالانکہ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔

ابن مرزوق نے قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں ایک راوی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا "ایک دفعہ ہم دوران سفر بحرالہند کے گہرے پانی میں تھے کہ ہمیں شدید آندھی نے آلیا۔ ہم کچھ دیر کے لئے ایک جزیرے میں ٹھہرے۔ ہم نے وہاں ایک سرخ پھول دیکھا۔ اس کی خوشبو بڑی عمدہ تھی۔ اس پر زرد رنگ سے لکھا ہوا تھا "بَرَآءَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِلٰى جَنّٰتِ النَّعِيْمِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

ایک اور راوی کہتے ہیں "میں نے ہندوستان میں ایک درخت دیکھا۔ جس کا پھل اخروٹ کی طرح کا تھا۔ اس پر دو چھلکے تھے۔ جب ان چھلکوں کو توڑا جاتا تو ان میں سے سبز رنگ کا ایک لپٹا ہوا پتا نکلتا۔ جس پر سبز رنگت کے واضح خط میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا ہوتا"۔ وہ لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ جب باران رحمت رک جاتی تو وہ اس کے وسیلے سے بارگاہ ایزدی میں دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی بارش نازل کر دیتا۔

الحافظ السلفی نے بعض راویوں سے نقل کیا ہے کہ ہندوستان کے ایک شہر میں ایک درخت ہے۔ اس کے پتے سبز ہیں۔

اس کے ہر پتے پر گہرے سبز رنگ میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ اس شہر کے ساکنین صنم پرست تھے۔ وہ یہ درخت کاٹتے اور اس کے آثار مٹانے کی کوشش کرتے۔ لیکن وہ درخت تھوڑے ہی وقت میں پہلے کی طرح ہو جاتا۔ وہ مشرک اس درخت کی جڑوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالتے لیکن سیسے کی اطراف سے چار شاخیں نکل آتیں ہر شاخ پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہوتا۔ وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرنے لگے۔ جب ان کے مریض لاعلاج ہو جاتے تو انہیں اس درخت کے وسیلے سے شفاء ملتی وہ اس درخت کے پتوں کو زعفران کے ساتھ ملا کر عمدہ خوشبو حاصل کرتے۔

807ھ یا 809ھ میں انگور کا ایک ایسا دانہ پایا گیا جس پر کالے رنگ میں خوبصورت خط کے ساتھ "محمد" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا ہوا تھا۔ ایک اور راوی کہتے ہیں "اس نے ایک مچھلی شکار کی جس کے دائیں پہلو پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور بائیں پہلو پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ جب میں نے مچھلی کی یہ کیفیت دیکھی تو اس کا احترام کرتے ہوئے اسے واپس پانی میں پھینک دیا"۔

ایک اور راوی کہتے ہیں "میں بحر الغرب میں سفر کر رہا تھا میرے ساتھ ایک بچہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں مچھلیاں پکڑنے کا کانٹا تھا اس نے وہ کانٹا سمندر میں پھینک دیا اس نے اس کانٹے کے ذریعے ایک چھوٹی سی سفید مچھلی پکڑی جب ہم نے وہ مچھلی دیکھی تو اس کے ایک کان کے نیچے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسرے کان کے نیچے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ ہم نے وہ مچھلی دوبارہ سمندر میں پھینک دی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک دفعہ ہم بارگاہ رسالت مآب میں حاضر تھے اچانک ایک پرندہ آیا۔ اس کی چونچ میں سبز رنگ کا موتی تھا۔ اس نے وہ موتی پھینک دیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ موتی اٹھالیا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس میں سبز رنگ کا کیڑا تھا۔ جس پر زرد رنگ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔

ایک راوی فرماتے ہیں "طبرستان میں ایک قوم تھی۔ جو لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ کا اقرار تو کرتی تھی لیکن رسالت محمدیہ کا انکار کرتی تھی۔ ایک دن شدید گرمی تھی۔ آسمان پر انتہائی سفید رنگ کا بادل ظاہر ہوا۔ وہ بادل پھیلتا گیا۔ اس نے سارے آفاق کو گھیر لیا۔ وہ بادل آسمان اور ان کے شہر کے مابین حائل ہو گیا جب زوال کا وقت ہوا تو آسمان پر واضح خط میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ظاہر ہوا۔ عصر تک یہ کلمہ طیبہ آسمان پر لکھا رہا یہ معجزہ دیکھ کر فتنہ بازوں نے توبہ کی۔ اور شہر کے اکثر یہود ونصاریٰ نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "اللہ تعالیٰ کے فرمان كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا (الکہف: 82) اس کے نیچے ان دونوں کے لئے خزانہ تھا"۔ کی تفسیر میں مجھے علم ہوا ہے کہ وہ خزانہ سونے کی ایک تختی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق وہ سنگ مرمر کی تختی تھی۔ اس پر یہ عبارت کندہ تھی "تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین کرتا تھا پھر بھی خوش ہوتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب وکتاب پر یقین رکھتا ہے پھر بھی غافل رہتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو قضا وقدر پر یقین رکھتا ہے پھر بھی غمگین ہوتا ہے تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا اور اہل دنیا کے انقلاب کو دیکھتا ہے پھر بھی اس پر مطمئن ہو جاتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

امام بیہقی وغیرہ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ وہ کنز جس کا تذکرہ رب تعالیٰ نے اپنی کتاب حکیم میں فرمایا ہے وہ سونے کی تختی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر بھی تھکتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو آگ کو یاد کرتا ہے پھر بھی ہنستا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب و کتاب کو یاد کرتا ہے پھر بھی غافل رہتا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دوسری روایت میں یوں مرقوم تھا "لا الہ الا انا محمد عبدی و رسولی"۔

امام حلبی لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے انہوں نے جو پہلے ذکر فرمایا وہ اس تختی کی ایک طرف جو دوسری بار ذکر کیا وہ تختی کی دوسری طرف لکھا ہو۔ بعض راویوں نے زیادہ اور بعض نے کم بیان کیا ہے۔ بعض نے روایت بالمعنیٰ کی ہے۔ ان بچوں کے باپ کے تقویٰ کی وجہ سے ان کے خزانے کی حفاظت کی گئی۔ یہ صالح شخص ان کا نوواں دادا تھا۔ حضرت محمد بن منکدر نے روایت ہے کہ رب تعالیٰ صالح شخص کی اولاد اس کی اولاد کی اولاد اور اس جگہ کی حفاظت کرتا ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے۔ اس کا اردگرد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور امان میں ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ہارون الرشید نے ایک علوی کو شہید کرنے کا ارادہ کیا جب علوی اس کے پاس آیا تو اس نے اس کی تعظیم کی اور اسے چھوڑ دیا۔ اس شخص سے پوچھا گیا "اس نے تجھے کیوں بلایا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے تجھے اس سے نجات عطا کردی"۔ اس علوی نے کہا "میں نے عرض کی تھی "اے مولائے کریم! جس نے دو بچوں کے خزانے کی حفاظت ان کے باپ کے تقویٰ کی وجہ سے کی تھی میرے آباء کے تقویٰ کی وجہ سے میری حفاظت کر"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ خاتم النبیین" ایک راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے خراسان میں ایک بچہ دیکھا جس کے ایک پہلو میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے پر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔

ایک شخص کہتا ہے "974ھ میں میری بکری نے بچہ دیا اس کا رنگ کالا تھا۔ لیکن اس کی پیشانی پر ایک سفید گول داغ تھا جس کے وسط میں عمدہ خط کے ساتھ "محمد" (فداہ روحی۔ جان عالم) لکھا ہوا تھا۔ اسی طرح ایک شخص بیان کرتا ہے "میں نے افریقہ کے شہر میں ایک شخص کو دیکھا جس کی دائیں آنکھ کی سفیدی میں سرخ رنگوں کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا تھا۔ علامہ شعرانی فرماتے ہیں "میں اپنی کتاب کا یہی باب رقم کر رہا تھا تو میں نے نبوت مصطفوی کی علامات میں سے ایک عجیب علامت دیکھی۔ وہ یہ کہ ایک شخص نے اپنا بکرا ذبح کیا۔ اسے بھون کر کھالیا وہ اس کا سر میرے پاس لے کر آیا۔ میں نے اس کا سر دیکھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ و دین الحق یھدی بہ من یشاء مَن یشاء" علامہ شعرانی فرماتے ہیں "اس تکرار کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی چیز سے غافل نہیں ہوتا"۔ میں کہتا ہوں "شاید اس تکرار سے ہدایت کی بلند و بالا شان سے انسان کو آشنا کرنا مقصود ہے کہ ہدایت کا رتبہ کتنا ارفع ہے۔ نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی گمراہی اور ضلالت سے بچانے والا ہے۔

امام زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں ہشام بن عبدالملک کے پاس جا رہا تھا۔ جب میں بلقاء پہنچا تو میں

نے ایک پتھر دیکھا جس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں اسے ایک بزرگ کے پاس لے گیا تا کہ وہ اسے پڑھے۔ اس نے کہا "امر عجیب ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! جَاءَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِيْنٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" اسے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے لکھا ہے۔

بعثت مبارکہ سے قبل شجر وحجر کا سلام پیش کرنا

حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھ پر سلام پڑھتا تھا۔ اب بھی میں اسے جانتا ہوں"۔ ایک قول کے مطابق یہ حجر اسود اور دوسرے قول کے مطابق یہ مکہ معظمہ کی اس گلی میں تھا جسے زقاق حجر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا وقت قریب آیا تو آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو کافی دور جاتے۔ آپ گھاٹیوں اور وادیوں کے دامنوں کی طرف تشریف لے جاتے۔ آپ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ یوں سلام عرض کرتا "الصلاۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰه" آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں التفات فرماتے تو کوئی نظر نہ آتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَمْ يَبْقَ مِنْ حَجَرٍ صَلْبٍ وَ لَا شَجَرٌ اِلَّا وَسَلَّمَ بَلْ هَنَّاهُ مَا وَهَبَا

ہر سخت پتھر اور درخت آپ کے حضور سلام پیش کرتا بلکہ جو کچھ آپ کو عطا کیا گیا اس پر مبارک دیتا۔

قصیدۃ الہمزیہ میں ہے۔

وَالْجَمَادَاتُ افصحت بالذِی اخرس عنه لاحد الفصحاء

بلکہ جمادات نے بھی اس ذات کے بارے فصیح وبلیغ گفتگو کی جس سے بڑے بڑے فصحاء کو روک دیا گیا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ ہم مکہ معظمہ کے گردونواح کی طرف نکلے۔ آپ جب پہاڑ یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ یوں سلام پیش کرتا "السلام علیك یا رسول اللّٰه"۔

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَ مَا مَرَرْتَ بِالْاَحْجَارِ اِلَّا وسلمت علیك بنطق شاهد قبل بعثة

آپ بعثت سے قبل جب بھی پتھروں کے پاس سے گزرتے تو وہ واضح انداز میں آپ کو سلام عرض کرتے۔

امام سبکی فرماتے ہیں "ممکن ہے کہ پتھروں کا یوں محو گفتگو ہونا حیات اور علم کی وجہ سے ہو۔ یا یہ صرف آواز ہو جو حیات کے ساتھ متصل نہ ہو۔ ہر اعتبار سے یہ علامات نبوت میں سے ہے"۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اکثر عقلاء بلکہ سارے فلسفی یہ مؤقف اپنائے ہوئے ہیں کہ جمادات عقل ودانش کی صلاحیتوں سے عاری ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نقطہ نظر درست نہیں۔ بلکہ ہمارا مؤقف تو یہ ہے کہ حیات کا سر سارے عالم میں رواں ہے۔ روایت ہے کہ رطب ویابس میں

سے ہر چیز مؤذن کی آواز سنتی ہے اور اس کے لئے گواہی دے گی۔ گواہی تو علم کے ساتھ ہی ہوتی ہے"۔ انہوں نے اس موضوع پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی نگاہوں کو جمادات کی حیات سے روک دیا ہے۔ مگر چند لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ مثلاً ہم اور ہم جیسے دیگر افراد۔ اس کے متعلق ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ان کی حیات سے حجاب اٹھا دیا ہے۔ ہمیں ان کی تسبیح اور گفتگو سنا دی ہے۔ اسی طرح کوہ طور پر جب ربانی تجلی پڑی تو بھی پھٹ گیا اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی معرفت سے آگاہ تھا۔ اگر وہ عظمت الہیہ سے آگاہ نہ ہوتا تو یوں پارہ پارہ نہ ہوتا۔

بعثت مبارکہ

ابن اسحاق کہتے ہیں "جب حضور اکرم شفیع معظم ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہوئی تو رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین اور سارے جہانوں کے لئے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ جو نبی بھی آپ ﷺ سے پہلے گزرا۔ رب تعالیٰ نے اس سے عہد لیا کہ وہ آپ ﷺ کی ذات والا پر ایمان لائے گا۔ آپ ﷺ کی تصدیق کرے گا اور آپ کے مخالفین کے خلاف آپ ﷺ کی مدد کریگا۔ وہ یہ عہد ہر اس شخص تک پہنچائے گا جو اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی امم درحقیقت حضور نبی کریم ﷺ کی ہی امت ہیں۔

جب رب تعالیٰ نے آپ کے سر اقدس پر سچی عزتوں کا تاج سجانا چاہا اور اپنے بندوں کے لئے مجسم رحمت بنا کر بھیجنا چاہا تو سب سے پہلے سچے خوابوں سے آغاز ہوا۔ آپ ﷺ جو خواب بھی دیکھتے اس کی تعبیر صبح کے اجالے کی مانند سامنے آجاتی۔ اس میں کسی کو بالکل شک نہ ہوتا جس طرح کسی کو صبح کے نور اور اجالے میں کوئی شک نہیں ہوتا۔ دوسری روایت میں ہے "آپ جس چیز کو خواب میں ملاحظہ فرماتے اسے عالم بیداری میں بھی ضرور دیکھتے۔ سچے خوابوں سے آغاز اس لئے کیا گیا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام رسالت کا پیغام لے کر آپ کے پاس اچانک نہ آئیں کہ قویٰ بشریہ اسے برداشت ہی نہ کرسکیں۔ کیونکہ قویٰ بشریہ فرشتے کو دیکھنے کے متحمل نہیں ہوسکتے اگرچہ وہ اس صورت میں نہ ہو جس میں رب تعالیٰ نے اسے تخلیق کیا ہے۔ قویٰ بشریہ نہ تو فرشتے کی آواز سن سکتے ہیں نہ اس کا پیغام (رسالت) برداشت کرسکتے ہیں۔ یہ سچے خواب آپ ﷺ سے انس کا اظہار کرنے کے لئے تھے۔ یہ ہم پر رب تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہم ملائکہ کو اس صورت میں نہیں دیکھ سکتے جس میں انہیں تخلیق کیا گیا ہے کیونکہ انہیں حسین ترین شکل میں تخلیق کیا گیا ہے کیونکہ اگر ہم دیکھ لیتے تو ان کی حسین صورتوں کی وجہ سے ہماری ارواح پرواز کر جاتیں ہماری آنکھیں چندھا جاتی۔ حضرت علقمہ بن قیس سے روایت ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو سب سے پہلے سچے خواب دکھائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے قلوب مبارک پرسکون ہو جاتے ہیں۔ پھر عالم بیداری میں ان پر وحی کا نزول ہوتا ہے کیونکہ انبیائے کرام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ وہ سچے اور حق ہوتے ہیں۔ وہ پریشان خیالات اور شیطان کی طرف سے تخیل نہیں ہوتے۔ کیونکہ شیطان کو ان پر تسلط نہیں۔ کیونکہ ان کے دل سراپا نور ہوتے ہیں جو کچھ وہ خواب میں دیکھتے ہیں

اس کا حکم عالم بیداری جیسا ہوتا ہے۔ وہ عالم امثال کی جو صورت بھی اختیار کریں وہ حق ہوتی ہے۔ اسی لئے روایت ہے ''ہم گروہ انبیاء علیہم السلام ایسے بلند اقبال ہیں کہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں لیکن ہمارے دل نہیں سوتے''۔

سچے خوابوں کا یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ پھر عالم بیداری میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔ بخاری شریف میں ہے۔ ''پاکباز شخص کا سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے''۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرما رہے۔ مدینہ طیبہ میں دس سال اقامت گزیں رہے تیئس سال آپ پر عالم بیداری میں وحی آتی رہی۔ نیند میں وحی کی مدت چھ ماہ تھی۔ خواب کی مدت نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء بن گیا۔ اس وقت حدیث طیب کا معنی یہ ہوگا ''میرا خواب آنے کی مدت میری نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ لیکن خواب سے مراد مطلق خواب اور نبوت سے مطلق نبوت مراد ہے۔ آپ کا کوئی مخصوص خواب مراد نہیں ہے۔ اس حدیث مبارک کے بارے میں بہت سی روایات ہیں۔ لیکن سب سے اصح وہی روایت ہے جس میں چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء کا تذکرہ ہے۔ بعض نے دیگر روایات کو لوگوں کے خوابوں کے مراتب کی تقویت پر محمول کیا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایسے خواب نبوت کے پچاس اجزاء میں سے۔ بعض میں ہے انچاس اجزاء میں سے اور بعض میں ہے کہ چھہتر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

حضرت عمرو بن شرحبیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں یا محمد! یا محمد! کی صدائیں سنتا ہوں''۔ دوسری روایت میں ہے ''میں ایک نور دیکھتا ہوں اور آواز سنتا ہوں۔ بخدا! مجھے اس معاملہ کے بارے خدشہ ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بخدا! مجھے جتنی نفرت ان بتوں اور کاہنوں سے ہے اتنی نفرت کسی اور چیز سے نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں کہیں کاہن نہ بن جاؤں''۔ یعنی مجھے آواز دینے والا تابع جن نہ ہو۔ کیونکہ بتوں کے اندر جنات داخل ہو جاتے ہیں۔ بتوں کے نگرانوں کو آوازیں دیتے تھے۔ کاہن کے پاس جنات آسمانی خبریں لے کر آتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کہیں مجھے مرض جنون نہ لاحق ہو جائے''۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''ہرگز نہیں! چچا زاد! اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اس طرح نہیں کرے گا۔ بخدا! آپ امانت ادا کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں''۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ عرض گزار ہوئیں۔ ''آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔ شیطان آپ پر تسلط حاصل نہیں کر سکتا''۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اخلاق عالیہ اور صفات سنیہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ ایسے اوصاف جلیلہ کے حامل شخص کو صرف بھلائی کی جزاء ملتی ہے''۔ علامہ ماوردی نے حضرت امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تین سال رکھا۔ آپ ان کی حس کو سنتے تھے لیکن ان کا وجود نظر نہ آتا تھا۔ وہ آپ کو ایک چیز کے بعد دوسری چیز سکھاتے البتہ قرآن پاک کا تذکرہ نہ کرتے۔ یہ اس مدت میں نبوت کی بشارت تھی۔ اور آپ کو وحی الٰہی کے لئے تیار کرنا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پندرہ سال تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی کبھی آواز سنائی دیتی تھی

لیکن وجود نظر نہیں آتا تھا۔ سات سال تک آپ ﷺ کو نور نظر آتا رہا۔ بائیس سال کی مدت میں سے چھ ماہ وہ مدت ہے جس میں نبوت کی بشارت سنائی گئی۔

خلوت گزینی

اس کے بعد رب تعالیٰ نے آپ میں خلوت سے محبت پیدا فرمادی۔ امام بوصیری نے قصیدہ ہمزیہ میں لکھا ہے۔

أَلِفَ النسكَ وَالعِبَادَةَ وَ الْخَلْوَةَ طِفْلًا هٰكَذَا النُّجَبَاءُ

آپ نے بچپن سے ہی عبادت، ریاضت اور خلوت سے محبت کی۔ کریم ایسے ہی ہوتے ہیں۔

واذا حلت الهداية قلبا نشطت في العبادة الاعضاء

جب ہدایت دل میں جاگزیں ہوگئی تو اعضاء کو عبادت میں لطف آیا۔

"طفلاً" سے مراد وہ وقت ہے جب حضور اکرم ﷺ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جلوہ گر تھے۔ انہوں نے فرمایا "جب آپ پروان چڑھے تو آپ بچوں کے پاس جاتے بچے کھیل رہے ہوتے۔ مگر آپ ان سے کنارہ کش ہی رہتے"۔ جب وہ وقت ہمایوں آیا جس میں رب تعالیٰ نے رسالت کا تاج زریں آپ کے سر اقدس پر سجانا چاہا تو خلوت گزینی سے محبت میں اضافہ ہوگیا۔ کیونکہ خلوت سے دل کی فراغت اور مخلوق سے انقطاع حاصل ہوتا ہے۔ دل دنیا کی مصروفیات سے فارغ ہوکر ذکر الٰہی میں مصروف ہوجاتا ہے۔ دل صاف ہوجاتا ہے۔ معرفت کے انوار اس پر ضوفشاں ہوجاتے ہیں۔ حضور ﷺ کو خلوت گزینی سے بڑھ کر اور کوئی چیز محبوب نہ تھی۔ آپ شبستان حراء میں خلوت نشین ہوتے تھے۔ کئی کئی راتیں آپ وہیں مصروف عبادت رہتے تھے۔ آپ کبھی تین راتیں کبھی سات راتیں کبھی نو راتیں اور کبھی پورا ماہ (رمضان المبارک) خلوت نشین رہتے۔ آپ کے پاس جتنا زاد اور توشہ ہوتا اس قدر خلوت گزیں رہتے۔ جب زاد اور سامان ختم ہوجاتا تو مکہ مکرمہ واپس آجاتے پھر زاد اور سامان لے کر تشریف لے جاتے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو کیک اور زیتون کا تیل بطور زاد پیش کرتیں۔ کیونکہ زیتون ایک مبارک درخت ہے جبکہ کیک کافی مدت تک صحیح رہ سکتا ہے۔ جبکہ دودھ اور گوشت جلد خراب ہوجاتے ہیں۔ قریش میں سے سب سے پہلے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ غار حراء میں خلوت نشین ہوئے جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو وہ حراء پر چڑھ جاتے اور مساکین کو کھانا کھلاتے۔ پھر دیگر افراد مثلاً ورقہ بن نوفل اور ابوامیہ بن مغیرہ نے بھی ان کی اتباع کی۔

علامہ سراج بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح میں لکھا ہے "ایسی احادیث طیبہ نہیں ہیں جن سے ہم آگاہ ہوسکیں کہ اس وقت حضور ﷺ کی عبادت کرنے کی کیفیت کیا تھی۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس وقت جو مسکین آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں آتا آپ اسے کھانا کھلاتے تھے۔ کیونکہ اس جگہ قریش کی عمومی عادت یہی تھی کہ وہ شخص مساکین کو کھلاتا تھا جو یہاں خلوت گزیں ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں سے انقطاع بھی نصیب ہوتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عبادت صرف غور و فکر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں سے قطع تعلق بھی رہتے بالخصوص جبکہ وہ باطل پر تھے۔ کیونکہ خلوت سے دل کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ خلوت خالص اور عمدہ ہوتی ہے۔ غور و فکر اس عمل کے ساتھ مختص نہیں۔ البتہ اس میں کیا ہوا غور و فکر

مکمل اور اتم ہوتا ہے کیونکہ مشغولیت نہیں ہوتی۔ ایک اور قول یہ ہے کہ یہ عبادت صرف ذکر تھا۔ بعض نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔ بعض نے لکھا کہ حضور ﷺ اس وقت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق مصروف عبادت رہتے تھے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے "اس وقت حضور ﷺ شریعت ابراہیمی کے مطابق عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ پر پیغام رسالت آ گیا"۔

ولیٔ کامل کے لئے واجب ہوتا ہے کہ وہ شریعت مطہرہ پر عمل کرے۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں ایسی آنکھ کھل جائے جس سے وہ سمجھ سکے۔ اس پر قرآن پاک کے معانی الہام کئے جائیں اور اس کا شمار محدثین میں ہونے لگے۔ پھر وہ مخلوق کی راہ نمائی کے مرتبہ پر فائز ہو سکے۔ حضور ﷺ اپنی خلوت گزینی کی مدت پوری فرما لیتے تو کاشانۂ اقدس میں تشریف لانے سے قبل بیت اللہ میں جاتے اس کا طواف کرتے۔ پھر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے جاتے۔

نزول وحی

جب وہ ماہ مبارک آیا جس میں آپ کے سر اقدس پر عزت و کرامت کا تاج سجایا جانا تھا۔ وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔ دوسرے قول کے مطابق وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ حضور ﷺ حسب معمول غار حراء میں تشریف لے گئے۔ حتیٰ کہ وہ مبارک شب آ گئی جس میں رب تعالیٰ نے آپ کو رسالت سے معزز فرمایا۔ اس نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔ رمضان مبارک کی ستائیسویں رات تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ربیع الاول کی آٹھویں رات تھی۔ تیسرے قول کے مطابق رجب کی تیسویں رات تھی۔ ہفتہ یا اتوار کی رات حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کے خواب میں آئے۔ پھر سوموار کے روز وحی لے کر آ گئے۔ انہوں نے کہا "اِقْرَأْ" "آپ پڑھیں آپ نے فرمایا "میں پڑھنے والا نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "میں ایک چٹائی پر سو رہا تھا"۔ انہوں نے مجھے اس چٹائی سمیت بھینچا۔ حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ وقت وصال آ گیا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ پھر کہا "اِقْرَأْ" آپ پڑھیں۔ میں نے پوچھا "میں کیا پڑھوں؟ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں نے کچھ نہیں پڑھا۔ بخدا! میں کسی ایسی چیز کو نہیں جانتا جسے میں پڑھوں"۔ انہوں نے کہا "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے تین بار اسی طرح کیا۔ پھر کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق)

"آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے اس نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا"۔

حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے یہ آیات بینات پڑھیں۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام چلے گئے۔ یہ آیات مبارکہ میرے دل میں قرار پذیر ہو چکی تھیں۔ گویا کہ میرے دل میں لکھی جا چکی تھیں۔ حضور ﷺ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے یہ سارا معاملہ انہیں بتایا۔ اور فرمایا "مجھے اپنے بارے اندیشہ ہے"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "کَلَّا، ہرگز

نہیں! رب تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی رسوا نہیں کرے گا"۔ حافظ شامی رقمطراز ہیں "یہ بات لطائف میں سے ہے کہ اس کلمہ "کَلَّا" سے سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے یہی گفتگو فرمائی۔ اس کے بعد یہ سورۃ الاقراء میں نازل ہوا۔ یہ کلمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبان اقدس پر اتفاقاً رواں ہو گیا۔ کیونکہ اس کا نزول بعد میں ہوا"۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ پر نزول وحی سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو افق میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے" (جان عالم) محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں جبرائیل ہوں" حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سارا معاملہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں اور وہ سارا واقعہ انہیں سنایا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تھا۔ ورقہ نے کہا" قدوس! قدوس! قدوس! مجھے اس ذات والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ اے خدیجہ! اگر آپ سچ فرما رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وہی ناموس اکبر آیا ہے جو حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام پر آیا کرتا تھا یعنی جبرائیل امین وہ اس امت کے نبی ہیں، انہیں عرض کرو کہ وہ ثابت قدم رہیں"۔ دوسری روایت کے مطابق ورقہ نے کہا "ایسی زمین پر جبرائیل امین کو کیوں یاد کیا جاتا ہے جہاں بتوں کی پوجا کی جاتی ہے۔ جبرائیل تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسل عظام کے مابین امین ہیں۔ اے خدیجہ! اگر آپ سچ کہہ رہی ہیں تو وہ اس امت کے نبی ہیں"۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں واپس آگئیں اور آپ کو ورقہ کی بات بتائی۔ ایک روایت کے مطابق اس کے بعد ورقہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ ورقہ نے کہا "محترم بھتیجے! مجھے بتائیں آپ نے کیا دیکھا ہے؟ کیا سنا ہے؟" جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا تو ورقہ نے کہا" مجھے اس ذات والا کی قسم! جس کے تصرف میں میری جان ہے آپ اس امت کے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وہی ناموس اکبر آیا ہے جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر آتا تھا۔ بخدا! آپ کی تکذیب کی جائے گی۔ آپ کو اذیت دی جائے گی۔ آپ کے ساتھ جنگ کی جائے گی۔ آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا جائے گا۔ اگر میں نے وہ دن پالیا تو میں ضرور بالضرور آپ کی نصرت کروں گا"۔ پھر ورقہ نے آپ کا سر اقدس اپنے قریب کیا۔ سر اقدس کو درمیان سے چوم لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں لوٹ آئے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانہ اقدس میں جلوہ افروز نہیں تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کہا "اے عتیق! محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ورقہ کے پاس لے جائیں"۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس پکڑا اور عرض کی "میرے ساتھ ورقہ کے پاس چلیں" وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ورقہ سے فرمایا "جب میں تنہا ہوتا ہوں تو میں 'یا محمد' (صلی اللہ علیک وسلم) کی صدا سنتا ہوں میں بھاگ کر آجاتا ہوں"۔ ورقہ نے کہا" آپ یوں نہ کریں۔ اب اگر وہ آواز آپ تک آئے تو ٹھہر جائیں حتیٰ کہ آپ سن لیں کہ وہ کیا کہتی ہے۔ پھر میرے پاس آجائیں"۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل امین کو نہیں دیکھا تھا۔ نہ وہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تھے۔ ان دونوں

روایتوں میں تناقض نہیں۔ ورقہ کے اس سوال کو اس وقت پر محمول کیا جائے گا جبکہ ابھی تک حضور اکرم ﷺ نے جبرائیل امین علیہ السلام کو دیکھا نہیں تھا۔ جو مطاف میں سوال کیا تھا وہ اس وقت تھا جب حضور ﷺ نے حضرت جبرائیل کی آواز سن لی تھی۔ اور انہیں دیکھ لیا تھا مگر ان کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تیسری بار سوال اس وقت تھا جب جبرائیل امین علیہ السلام عالم بیداری میں وحی لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کو لے کر ورقہ کے پاس گئیں۔ ہر راوی نے ایک ہی چیز پر اقتصار کیا ہے۔

اِقْرَاْ کی آیت طیبہ "براعۃ الاستھلال" پر مشتمل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کلام کی ابتداء متکلم کے حال کے مناسب ہو۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کرے کہ کلام کس لئے کیا گیا ہے۔ یہ کلام پڑھنے کے حکم پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے مبارک اسم سے پڑھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے "الاتقان" میں لکھا ہے۔ "اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ آیت طیبہ اس بات کی مستحق ہے کہ اسے "عنوان القرآن" کہا جائے۔ کیونکہ کتاب کا عنوان وہ ہوا ہے جو اس کے مقاصد کو مختصر عبارت کے ساتھ بیان کر دے"۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حضور اکرم ﷺ کو تین دفعہ بھینچا۔ اس سے مبالغہ مقصود تھا۔ قاضی شریح نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے "کسی استاذ کو کسی بچے کو قرآن پاک پڑھاتے وقت تین ضربوں سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے"۔ امام سہیلی رقمطراز ہیں "تین دفعہ بھینچنے میں تین شدائد کی طرف اشارہ تھا۔ اس کے بعد آپ کو آسائش مل جانا تھی۔ پہلی آزمائش بنو ہاشم کا شعب ابی طالب میں جانا۔ دوسری آزمائش قریش مکہ کا آپ کو شہید کرنے پر اتفاق کرنا اور تیسری آزمائش حضور ﷺ کو سب سے محبوب شہر مکہ معظمہ سے نکالا جانا ہے"۔ نزول وحی سے قبل حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام دونوں حضور ﷺ کے پاس آئے اور شق صدر کیا۔

حضور ﷺ نے ان آیات بینات کی تلاوت فرمائی۔ مبارک شانوں اور گردن مبارک کے مابین لرزہ طاری ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق قلب اطہر پر لرزہ طاری تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے آئے۔ فرمایا "مجھے چادر اوڑھ دو۔ مجھے چادر اوڑھ دو"۔ انہوں نے چادر مبارک اوڑھ دی۔ جب ہراس دور ہوا تو سارا واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو سنایا اور فرمایا "مجھے اپنے بارے ڈر لگ رہا ہے"۔ دوسری روایت میں ہے "مجھے اپنی عقل کے بارے ڈر لگ رہا ہے"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "ہرگز نہیں! آپ کو مژدہ ہو۔ اللہ رب العزت آپ کو کبھی بھی بے آبرو نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچ آپ کا وطیرہ ہے آپ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ضرورت مندوں کو عنایت کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کی وجہ سے کسی پر مصیبت آجائے تو اس کی دستگیری کرتے ہیں"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضور اکرم ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ان سے کہا "ذرا اپنے بھتیجے کی گفتگو سنو"۔ ورقہ نے عرض کی "میرے محترم بھتیجے! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا سب کچھ انہیں بتایا۔ سارا واقعہ سن کر ورقہ نے کہا "یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر آتا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا اور آپ کی بھرپور مدد

کرتا۔ کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس مقدس شہر سے نکال دے گی"۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھے اس پاکیزہ شہر سے نکال دے گی"۔ ورقہ نے کہا "جو پاکباز ہستی بھی یہ حیات پرور پیغام لے کر آئی اس کے ساتھ عداوت کی گئی"۔ روایت ہے کہ جب کسی نبی کو اس کی قوم نے جھٹلایا تو وہ ان کے سامنے مکہ مکرمہ آ گیا۔ وہ تادم واپسیں رب تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہا۔ ایک اور روایت کے مطابق ورقہ نے عرض کی "اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ دن پالیا تو میں آپ ﷺ کی شدید نصرت کروں گا"۔ ایک اور روایت ہے کہ ورقہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کہا "بلاشبہ! تمہارا چچازاد سچا ہے۔ اور یہ نبوت کی ابتداء ہے"۔

خَشِیتُ عَلٰی نَفسِی کا مفہوم

حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "مجھے اپنے بارے اندیشہ ہے" اس کا معنی یہ نہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو رب تعالیٰ کی عطا کردہ نبوت میں شک تھا۔ بلکہ حضور ﷺ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس امر عظیم کی ذمہ داریوں کو آپ پوری طرح انجام نہ دے سکیں اور وحی کے اس بار گراں کے متحمل نہ ہو سکیں۔ نبوت کا بار گراں اولوالعزم رسل عظام علیہم السلام کے علاوہ اور کوئی اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں "علماء کرام کا اس خشیت کے بارے اختلاف ہے۔ علماء نے اس کے متعلق تقریباً بارہ اقوال کئے ہیں لیکن سب سے صحیح اور شک وارتیاب سے بالاتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد یا موت یا مرض یا دائمی مرض ہے"۔
حافظ اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "یہ خشیت اس علم ضروری کے حصول تک تھی کہ کیا یہ فرشتہ بارگاہ ربوبیت سے آتا ہے۔ جب یہ علم حاصل ہو گیا تو پھر اس قسم کی خشیت بھی باقی نہ رہی"۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ورقہ کے پاس جانے سے قبل حضور ﷺ کو عداس کے پاس لے گئیں۔ یہ نینویٰ کا باشندہ تھا اور نصرانی تھا۔ انہوں نے کہا "عداس! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتی ہوں کیا تمہارے پاس جبرائیل کے بارے علم ہے؟ یہ نام مکہ مکرمہ بلکہ پورے عرب میں معروف نہ تھا۔ عداس نے کہا "قدوس! قدوس! اس بت پرستوں کی زمین پر جبرائیل کو کیوں یاد کیا جاتا ہے"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "مجھے ان کے متعلق بتاؤ"۔ عداس نے کہا "وہ رب تعالیٰ کے امین ہیں جو اس کا پیغام لے کر اس کے انبیاء کرام کے پاس آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر وہی وحی لے کر آتے تھے"۔ یہ عداس راہب تھا۔ یہ عمر رسیدہ شخص تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی پلکیں اس کی آنکھوں پر گر چکی تھیں۔ یہ وہ عداس نہیں جو عتبہ بن ربیعہ کا غلام تھا۔ جو طائف میں حضور اکرم ﷺ سے ملا تھا۔ اس نے آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا تھا۔

روایت ہے کہ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عداس کے ہاں تشریف لے گئیں تو انہوں نے فرمایا "انعم صباحا یا عداس!" عداس نے کہا "یہ کلام تو قریش کی خواتین کی سردار خدیجۃ کا ہے"۔ انہوں نے فرمایا "ہاں! میں خدیجہ ہی ہوں"۔ عداس نے کہا "میرے قریب ہو جائیں۔ مجھے اونچا سنائی دیتا ہے"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اس کے قریب ہو کر سارا

واقعہ سنایا۔

روایت ہے کہ جب انہوں نے عداس کو سارا واقعہ سنایا تو عداس نے کہا "اے خدیجہ! بعض اوقات شیطان بندے سے تعرض کرتا ہے وہ اسے بعض امور دکھاتا ہے۔ میری یہ کتاب لے جاؤ۔ اسے اپنے صاحب کے پاس لے جاؤ۔ اگر انہیں جنون لاحق ہوا تو یہ مرض ختم ہو جائے گا۔ اگر یہ امر اللہ رب العزت کی طرف سے ہوا تو پھر انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا"۔ وہ کتاب لے کر چلی گئیں۔ جب اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہوئیں تو وہاں حضور اکرم ﷺ حضرت جبرائیل امین کے ساتھ تھے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کو یہ آیات بینات پڑھا رہے تھے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِاَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝ (القلم)

"ن قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور یقیناً آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے"۔

جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ان کی قرأت سنی تو بہت زیادہ مسرور ہوئیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ سے عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! میرے ساتھ عداس کے پاس چلیں۔ جب عداس نے آپ کی زیارت کی تو اس نے آپ کی کمر مبارک سے کپڑا اٹھایا تو دونوں شانوں کے مابین مہر نبوت تاباں تھی۔ جب عداس نے اس کی زیارت کی تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے کہا "قدوس! قدوس! بخدا آپ وہی نبی کریم ﷺ ہیں جن کی بشارت حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہما السلام نے دی تھی"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ورقہ کے پاس جانے سے بعد میں رونما ہوا تھا۔ کیونکہ سورۃ اقراء سورۃ نون سے پہلے نازل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وحی کی ابتداء میں ورقہ، عداس اور ایسے لوگوں کے پاس جاتی رہیں جنہیں کتاب کا علم تھا کیونکہ وہ حضور اکرم ﷺ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے اس معاملہ کو پوری طرح پہچان لینا چاہتی تھیں۔ تاکہ آپ ﷺ کے قلب اطہر کو تقویت نصیب ہو۔ اور حق پر آپ کی اعانت ہو سکے وہ حضور اکرم ﷺ کتنی بہترین وزیر تھیں رضی اللہ عنہا"۔

ابن دحیہ نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے متعلق بتایا۔ انہوں نے اس سے قبل یہ نام نہیں سنا تھا۔ انہوں نے بحیرا راہب کی طرف لکھا بلکہ دوسرے قول کے مطابق خود سفر کر کے وہاں تشریف لے گئیں اور اس سے حضرت جبرائیل کے متعلق پوچھا "اس نے کہا "قدوس، قدوس! اے سیدہ نساء قریش! آپ نے یہ نام کہاں سے سن لیا؟" انہوں نے فرمایا "میرے شوہر نامدار اور چچا زاد نے مجھے بتایا ہے کہ یہ جبرائیل ان کے پاس آتے ہیں"۔ بحیرا نے کہا "یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام علیہم السلام کے مابین اللہ تعالیٰ کے سفیر ہیں شیطان نہ تو ان کی شکل میں

متشکل ہو جانے کی قدرت رکھتا ہے نہ ان کا نام رکھ سکتا ہے"۔

امام واحدی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صداء سنی "یا محمد" (فداک روحی وابی وامی صلی اللہ علیک وسلم) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لبیک! اس آواز نے کہا" یوں کہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ آپ نے اس طرح پڑھا پھر اس نے کہا "آمین" کہیں تو آپ نے امین کہی"۔ یہ روایت امام وکیع اور امام ابن ابی شیبہ نے لکھی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اور سارا واقعہ سنایا۔ اس نے کہا" آپ کو بشارت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے بارے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے بشارت دی تھی۔ آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کی مثل پر ہیں۔ آپ نبی مرسل ہیں۔ آپ کو عنقریب جہاد کا حکم دیا جائے گا۔ اگر مجھے وہ وقت دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ کے ساتھ مل کر جہاد کروں گا"۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ کا نزول ہوا۔ "کشاف" میں ہے اکثر مفسرین کا موقف یہی ہے۔

بعض مفسرین نے اسے بعید سمجھا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہو کہ یہ اس کلام مقدس میں سے ہے جو پہلے نازل ہوا۔ نہ یہ کہ یہ سورت مطلق سب سے پہلے نازل ہوئی۔ البتہ یہ جو روایت ہے کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تو یہ اس کے شرف کی وجہ سے ہے اس کا دوبارہ نزول تھا۔ بہت سی آیات مواقع کے اعتبار سے کئی بار نازل ہوئیں۔ نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی۔ نہ یہ بات منقول ہے نہ ہی معروف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کبھی سورۃ الفاتحہ کے بغیر نماز پڑھی ہو۔ امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ اسلام میں کوئی نماز سورۃ الفاتحہ کے بغیر پڑھی گئی ہو۔ صحیح مؤقف یہ ہے یہ سورت مبارکہ ابتداء اسلام میں نازل ہوئی۔ لیکن سب سے پہلے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ...... نازل ہوئی۔ حدیث پاک ہے کہ اگر سورۃ الفاتحہ کو میزان کے ایک پلڑے میں اور بقیہ قرآن مجید دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو سورۃ الفاتحہ بقیہ قرآن پاک پر سات بار فضیلت لے جائے گی۔ دوسری حدیث طیب میں ہے کہ فاتحۃ الکتاب ہر مرض سے شفاء ہے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فاتحۃ الکتاب قرآن پاک کے ثلث کے برابر ہے۔

ورقہ بن نوفل

پھر جلد ہی ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو گیا۔ سبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "یہ آخری شخص تھا جو زمانہ فترت میں مرا۔ اس نے آپ کی نبوت کو پا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مبارکہ کی اس نے تصدیق کی لیکن یہ رسالت کو نہ پاسکا۔ محققین کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ اسے صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے رسالت کو نہیں پایا تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں نے قس (ورقہ) کو جنت میں پایا اس نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا"۔ دوسری روایت میں ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" میں نے اسے جنت کے باغات میں دیکھا اس نے سندس کے کپڑے زیب تن کر رکھے تھے"۔ ایک اور روایت میں ہے" ورقہ کو برا بھلا نہ کہا کرو میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے یا اسے دو جنتوں میں دیکھا ہے

کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا۔ اس نے میری تصدیق کی"۔ ابن کثیر نے ورقہ کے اسلام کا یقینی قول کیا ہے۔ بعض ائمہ نے اسے راجح قول کہا ہے کیونکہ اس نے دعوت الی اللہ (رسالت) کو پالیا تھا۔ روایت ہے کہ بعثت کے چوتھے سال اس کا انتقال ہوا۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان "وہ مجھ پر ایمان لایا۔ اس نے میری تصدیق کی" بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ورقہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، انہیں تکلیف دی جا رہی تھی"۔ یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ وہ دعوت کے زمانہ تک زندہ رہا اس وقت بعض لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

روایت ہے کہ وحی کی ابتداء میں ورقہ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے کہا "آپ اس جگہ جائیں جس جگہ حضور اکرم ﷺ کو وہ چیز دکھائی دیتی ہے۔ جب وہ اسے دیکھیں تو آپ اپنی چادر اتار دینا۔ اگر وہ فرشتہ ہوا تو محمد عربی ﷺ اس وقت نہیں دیکھ سکیں گے۔ ایک دن حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس میں تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کر رکھی تھی کہ کیا آپ اپنے اس صاحب کے بارے اس وقت بتا سکیں گے جب وہ آپ کے پاس آئے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو دیکھا تو فرمایا "خدیجہ! جبرائیل میرے پاس آ گئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں"۔ انہوں نے عرض کی "چچازاد! اٹھیں اور میری ران پر تشریف لے آئیں" حضور اکرم ﷺ ان کی ران پر تشریف فرما ہو گئے"۔ انہوں نے عرض کی "کیا اب آپ انہیں دیکھ رہے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ہاں" حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "اب آپ میری آغوش میں آ جائیں" حضور ﷺ ان کی گود میں چلے گئے۔ انہوں نے عرض کی "کیا آپ اب انہیں دیکھ رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں" حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر کی چادر اتار دی۔ حضور ﷺ ان کی آغوش میں جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے پوچھا "کیا آپ اب انہیں دیکھ رہے ہیں"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "نہیں" حضرت خدیجہ عرض گزار ہوئیں "اے میرے چچازاد! ثابت قدم رہیں۔ آپ کو بشارت ہو بخدا! یہ آنے والا فرشتہ ہے۔ یہ شیطان نہیں ہے"۔ صاحب ہمزیہ نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَ اَتَاہُ فِیْ بَیْتِہَا جِبْرَائِیْلُ وَلِذِی اللُّبِّ فِی الْاُمُوْرِ ارْتِیَاءُ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر حضرت جبرائیل امین آتے اہل دانش امور میں غور و فکر کرتے ہیں۔

فَاَمَاطَتْ عنها الخمار لِتَدْرِی اَھُوَا الوَحْیُ ام هو الاغماء

انہوں نے اپنا دوپٹہ نیچے رکھ دیا تا کہ وہ جان سکیں کہ یہ وحی ہے یا مرض ہے۔

فاختفی عند کشفها الراس جبرا ئیل فما عاد او اعید الغطاء

جب انہوں نے اپنا سر اقدس ننگا کیا تو حضرت جبرائیل امین مخفی ہو گئے۔ وہ اس وقت پوشیدہ ہو گئے یا پردہ تن دیا گیا۔

فاستبانت خدیجة انه الکنز الذی حاولته والکیمیاء

اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو علم ہو گیا کہ وہ خزانہ ہے اور کیمیاء ہے جو انہیں نصیب ہوا ہے۔

فترۃ الوحی

پھر کچھ مدت کے لئے نزول وحی کا سلسلہ رک گیا۔ تا کہ وہ ہراس ختم ہو جائے جس کا حضور ﷺ پہلی دفعہ نزول وحی کے وقت سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور شوق و محبت میں جولانی پیدا ہو جائے۔ اس سلسلہ کے رک جانے کی وجہ سے آپ بہت زیادہ غمزدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ نے کئی دفعہ چاہا کہ پہاڑ کی چوٹی سے خود کو گرا لیں۔ آپ ﷺ جب بھی اس مقصد کے لئے پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے جاتے تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اچانک ظاہر ہوتے۔ وہ عرض کرتے یا محمد! صلی اللہ علیک وسلم آپ اللہ رب العزت کے سچے رسول ہیں" یہ سن کر آپ کے قلب انور کو سکون ملتا نفس کو قرار آتا اور آپ واپس تشریف لے آتے۔

فتح الباری میں ہے کہ فترۃ الوحی کی مدت تین سال تھی۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مدت اڑھائی سال بتائی۔ بعض نے صرف پندرہ روز لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی متفرق اقوال ہیں۔ اس مدت میں حضور ﷺ غار حراء میں اسی طرح تشریف لے جاتے رہے جس طرح نزول وحی سے پہلے تشریف لے جاتے تھے۔ تا کہ فرشتے سے ملاقات ہو جائے اور نزول وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے۔ حضرت یحییٰ بن بکیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ فترۃ الوحی کے بعد نزول وحی کا سلسلہ کب شروع ہوا؟ انہوں نے فرمایا "میں وہی کچھ بیان کروں گا جو ہمیں حضور اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔ آپ نے فرمایا "میں غار حراء میں خلوت نشین تھا۔ جب خلوت گزینی کے دن گزر گئے میں نیچے اترا تو مجھے آواز سنائی دی۔ میں نے دائیں دیکھا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ بائیں دیکھا۔ مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ میں نے اپنے پیچھے دیکھا تو پھر بھی کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو میں نے آسمان اور زمین کے مابین کچھ دیکھا"۔ دوسری روایت میں ہے "اچانک مجھے وہ فرشتہ نظر آیا جو غار حراء میں میرے پاس آیا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مجھے ہراس نے آ لیا۔ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا۔ میں نے کہا "مجھے چادر اوڑھ دو۔ مجھے چادر اوڑھ دو۔ مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو"۔ اس وقت ان آیات طیبات کا نزول ہوا۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (المدثر)

"اے چادر لپیٹنے والے۔ اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے"۔

آپ بہت زیادہ مسرور ہوئے۔ آپ کو جس طرح نذرات (ڈرانے) کے ساتھ مبعوث کیا گیا تھا اس طرح بشارت کے ساتھ بھی مبعوث کیا گیا تھا۔ کیونکہ بشارت اس کے لئے ہوتی ہے جو ایمان لے آئے۔ اس سے قبل کہ تو کوئی ایمان لایا ہی نہیں تھا۔ یہ آیات اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ آپ کی نبوت آپ کی رسالت سے مقدم تھی۔ نبوت کا اظہار "اقراء" کے نزول کے ساتھ اور رسالت کا اظہار يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے ساتھ ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے یہ دونوں باہم متصل تھیں "اقراء" کے نزول کے ساتھ ہی آپ کی نبوت و رسالت کا آغاز ہو گیا مگر دعوت کا اظہار يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کے ساتھ ہوا۔

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ چادر اوڑھنا اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے تھا جو نزول وحی کے فوراً بعد محسوس ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرشتہ جب حضور ﷺ پر وحی لے کر آتا روح انسانی اسے حاصل

کرتی تو حرارت عزیزیہ مشتعل ہو جاتی۔ چہرۂ انور متغیر ہو جاتا۔ حرارت کے غلبہ کی سطح بدن پر رطوبات منتقل ہوتے، اسی سے پسینہ آنے لگتا۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی، مزاج ہمایوں پرسکون ہو جاتا جسم اطہر باہر سے ہوا قبول کرتا تو مزاج ٹھنڈا ہو جاتا آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا اور آپ پر چادر ڈال دی جاتی"۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "یہ اہل عرب کی عادت ہے کہ جب وہ لطف ومحبت کا اظہار کرنا چاہتے تو مخاطب کو ایسے اسم سے پکارتے جو اس کی اس حالت پر دلالت کرتا"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی لطف وکرم کا اظہار کیا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی علم ہوتا ہے جو انسان کا سب سے اہم مطلوب ہوتا ہے۔ اسی لطف وکرم کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شدائد کا مقابلہ کرنا آسان ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اسی طرح لطف ومحبت کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم وجہہ الکریم سو رہے تھے۔ جبین اطہر پر مٹی لگی ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوتراب! اٹھو" اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کسی سفر میں سو گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اے نومان (سونے والے) اٹھو"۔

وحی کے مراتب اور اس کی اقسام

اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کے لئے وحی کے سارے مراتب اور اس کی ساری انواع جمع فرمادیں تھیں۔ وہ مراتب وحی درج ذیل ہیں۔

پہلا مرتبہ۔ سچے خواب

حضور ﷺ جو بھی خواب ملاحظہ فرماتے۔ اس کی تعبیر صبح کے اجالے کی مانند سامنے آجاتی۔ امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جس شب حضور ﷺ کے سر اقدس پر نبوت و رسالت کا تاج سجانا تھا اس شب حضرت جبرائیل امین حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ کو بھینچا اور خواب میں سورۃ ''اقراء'' کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ پھر عالم بیداری میں حاضر ہوئے اور اسی طرح کیا۔ بلکہ روایت ہے جو چیز بھی آپ کے پاس عالم بیداری میں آتی اسے پہلے آپ کو خواب میں ضرور دکھایا جاتا۔ علامہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حضور ﷺ اور دیگر سارے انبیاء کرام علیہم السلام پر جب وحی کا نزول ہوتا تو آپ کمر کے بل لیٹ جاتے تھے۔ انہوں نے اس کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''اس کا سبب یہ ہے کہ وارد الٰہیہ جو کہ وصف قیومیہ سے متصف ہے جب ان کے پاس آتا تو وہ روح انسانی کو اس کی تدبیر سے روک دیتا۔ جسم کے لئے ایسی چیز برقرار نہ رہتی جو اس کے قیام و قعود کی حفاظت کرتی۔ جسم اپنی اصل کی طرف لوٹ آتا وہ اصل زمین پر لیٹنا ہے''۔

دوسرا مرتبہ

فرشتہ آپ کے قلب انور میں کوئی چیز ڈال دیتا۔ مگر وہ نظر نہ آتا۔ اللہ تعالیٰ آپ میں علم ضروری پیدا فرمادیتا جس سے آپ جان لیتے کہ یہ وحی ہے صرف الہام نہیں ہے۔

تیسرا مرتبہ

فرشتہ شکل انسانی میں آپ ﷺ کے پاس آتا۔ وہ آپ ﷺ سے مخاطب ہوتا حتیٰ کہ وہ جو کچھ کہتا آپ کو یاد ہوجاتا یہ بات ثابت ہے کہ فرشتہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتا تھا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ایک وجیہ اور شکیل انسان تھے۔ جب تجارت کے لئے آتے تو خواتین گھروں سے باہر نکل کر انہیں دیکھتیں۔ علامہ سراج بلقینی نے لکھا ہے ''جائز ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اپنی پہلی شکل میں آتے ہوں مگر جب وہ سمٹتے تو وہ آدمی کی شکل میں آجاتے۔ جس طرح کہ روئی کو پھیلانے کے بعد جمع کیا جائے''۔ یہ بات تقریب الی الفہم کے لئے ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین اس شکل میں اس لیے ظہور کرتے تاکہ اسے انس پیدا ہوسکے جس سے وہ مخاطب ہوں۔ ظاہر ہے زائد مقدار نہ زائل ہوتی تھی نہ فناء۔ بلکہ

دیکھنے والے سے مخفی ہو جاتی تھی۔ علامہ قونوی نے لکھا ہے "یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص ملکی قوت بخشی ہو جس میں وہ تصرف کرتے ہوں روح ان کے اصلی جسم میں برقرار رہتی ہو۔ اس کی تدبیر کرتی ہو مگر اس کا اثر دوسرے جسم کے ساتھ بھی متصل ہو جاتا ہو۔ وہ دوسرا جسم بھی اس کے اثر سے زندہ ہو جاتا ہو۔ فرشتے کا جسم اصلی اپنی حالت پر باقی رہتا ہو۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل رونما نہ ہوتا ہو۔ وہ فرشتہ عالم الامثال میں سے ایک اور صورت کو قائم کر دیتا۔ اس کی روح بیک وقت ان دونوں اجسام میں تصرف کرتی۔ کہا جاتا ہے" ابدال کو ابدال اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں وہ دوسری صورت میں ہوتے ہیں جو اصلی صورت کے مشابہ ہوتی ہے۔ صوفیاء نے عالم اجساد اور عالم ارواح کے مابین ایک اور عالم ثابت کیا ہے جسے عالم الامثال کہا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا ہے" یہ عالم اجسام سے زیادہ لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے۔ اس بنیاد پر وہ کہتے ہیں ارواح مختلف اجسام میں متشکل ہو جاتی ہیں اور ان کا ظہور مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ (مریم)

"پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں"۔

یہ جواب کہ حضرت جبرائیل امین کا حجم حضرت دحیہ کے جسم کے برابر ہو جاتا پھر وہ پہلی ہیئت پر آتا تکلف ہی ہے۔ جو کچھ صوفیائے کرام نے فرمایا ہے وہ احسن ہے۔

چوتھا مرتبہ

گھنٹی کے بجنے کی سی آواز سنائی دیتی۔ اس آواز کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ وحی لے کر آنے والے فرشتے کی آواز ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فرشتے کے پروں کی آواز ہوتی ہے۔ یہ آواز پہلے اس لئے سنائی دیتی تھی تاکہ کان وحی سننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ وحی کی یہ قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہائی شدید ہوتی تھی۔ کیونکہ اس میں آپ کا ورود طبائع بشریہ سے اوضاع ملکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ آپ پر اس طرح وحی کی جاتی جس طرح ملائکہ کی طرف وحی کی جاتی۔ دوسری بات یہ ہے گھنٹی نما آواز سے سمجھنا آدمی کے کلام سے سمجھنے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ وحی کی ساری اقسام شدید ہوتیں۔ مگر یہ قسم سب سے زیادہ شدید ہوتی۔

فائدہ

یہ شدت درجات کی رفعت اور قربت کی زیادتی کے اعتبار سے زیادہ ہوتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کی اس شدت کا علاج کراتے تھے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے" یہ نزول وحی اس لئے شدید ہوتا ہے تاکہ آپ کے قلب انور کی توجہ ایک طرف ہو سکے جو کچھ وہ سنے اسے اچھی طرح یاد کر لے۔ یہ نہ کہا جائے کہ گھنٹی کی آواز مذموم ہوتی ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے۔ پھر وحی کو اس کے ساتھ مشابہت کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ اس آواز کی دو جہتیں ہیں۔ ① قوت کی جہت۔ تشبیہ اس اعتبار سے ہو گی۔ ② بجنے کی جہت۔ اس جہت سے نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ مشبہ

اور مشبہ بہ میں تشبیہ ساری صفات میں مساوی لازم نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی ایک وصف میں ان کا اشتراک کافی ہوتا ہے۔ کیونکہ وحی مشکل مسائل میں سے ہے جس کی حقیقت سے نقاب نہیں اٹھایا جاسکتا۔ اس لئے اس کے لئے مثال دی گئی۔ اس کو اس آواز سے تشبیہ دی گئی ہے جو صرف سنائی دیتی ہے اس سے کچھ سمجھا نہیں جاتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وحی دل پر جلال کی ہیئت اور بجلی کی تیزی کی طرح آتی ہے۔ خطاب کی ہیئت دل کو آلیتی ہے۔ جب نزول وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو حضور ﷺ کو وحی یاد ہو چکی ہوتی۔ وحی کی یہ قسم ملائکہ کی طرف وحی کرنے سے مشابہت رکھتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اس کے سامنے سر تسلیم ختم کرتے ہوئے اپنے پر مارتے ہیں گویا کہ وہ کسی چٹان پر زنجیر گری ہو۔ جب ان کے دل پر سکون ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں۔

مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳﴾ (سبا)

''کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے وہ کہتے ہیں اس نے حق فرمایا اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے''۔

امام احمد اور امام حاکم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کے پاس سے شہد کی مکھیوں کی سی آواز آتی۔ یہ آواز آپ کے صحابہ کرام کی نسبت سے تھی۔ اس لئے حافظ نے لکھا ہے کہ اس روایت کے منافی نہیں جس میں گھنٹی نما آواز کا ذکر ہے کیونکہ مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز حاضرین کے اعتبار سے ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تشبیہ دی۔ جبکہ گھنٹی کی آواز کی طرح کی آواز آپ ﷺ کی نسبت سے ہوتی تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ آواز اس وقت سنائی دیتی تھی جب فرشتہ شکل انسانی میں حاضر خدمت ہوتا تھا۔ وحی کی یہ قسم بہت شدید ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ شدید سردی کے دن بھی جبین اطہر پر پسینے کے قطرات آجاتے تھے۔ جب آپ ﷺ کسی اونٹنی پر سوار ہوتے تو وہ بھی زمین کے ساتھ لگ جاتی۔ ایک دفعہ نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی اس وقت آپ کی مبارک ران حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی۔ انہیں یوں لگ رہا تھا کہ گویا کہ ان کی ران ٹوٹ رہی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ چہرہ انور کی رنگت تبدیل ہو جاتی اور چشمان مقدس بند ہو جاتیں۔ منہ مبارک سے آواز نکلتی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ پر شدید سورت نازل ہوتی تو اس سورت کی شدت کے اعتبار سے کرب آپ کو آلیتا۔ اگر سورت مبارکہ نرم ہوتی تو اس قدر آپ کو نرمی آلیتی۔

پانچواں مرتبہ

آپ ﷺ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کو اس شکل میں دیکھتے جس میں رب تعالیٰ نے انہیں تخلیق کیا ہے۔ ان کے چھ سو پر ہوتے۔ ہر پر آسمان کے افق کو ڈھانپ لیتا، حتیٰ کہ آسمان سے کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اس طرح وہ آپ پر جو رب تعالیٰ چاہتا وحی نازل کرتے۔ اس طرح وحی کا نزول صرف دو بار ہوا تھا۔ ایک بار جب حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ افق میں مجھے اپنی

اصل شکل دکھائیں۔ یہ امر بعثت کے اوائل فترۃ الوحی کے بعد رونما ہوا تھا۔❷ دوسرا شب معراج کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس حضور ﷺ نے جبرائیل امین کو دیکھا تھا۔

چھٹا مرتبہ

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اوپر آپ ﷺ پر جو وحی فرمائی۔ مثلاً نماز کی فرضیت وغیرہ آپ ﷺ نے اس ذات والا کا کلام ازلی سنا جو نہ حرف نہ ہی صورت پر مشتمل تھا۔ یہ ہم کلامی کسی واسطہ کے بغیر ہی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ نے اس ذات مقدسہ کا دیدار بھی کیا تھا۔

ساتواں مرتبہ

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر بلا واسطہ وحی کی۔ رویت کے بعد کلام ازلی سنایا جس طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے کلام ازلی سنا تھا۔ بعض علماء کرام نے وحی کی آٹھویں قسم بھی لکھی ہے وہ یہ کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام حضرت جبرائیل علیہ السلام کے آنے سے قبل لگاتار تین سال آپ کے ساتھ رہے پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام وحی لے کر آ گئے۔ بعض علماء کرام نے اس مرتبہ کے بارے نزاع کیا ہے۔ بعض علمائے کرام نے نواں مرتبہ بھی لکھا ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے رب تعالیٰ آپ کے قلب منیر میں ڈال دیتا۔ احکام میں اجتہاد کے وقت آپ کی زبان اقدس پر رواں ہو جاتا۔ اس میں فرشتے کا واسطہ درمیان میں نہیں ہوتا تھا۔ بعض علماء کرام نے دسواں مرتبہ بھی لکھا ہے وہ یہ کہ حضرت جبرائیل امین حضرت دحیہ کلبی کے علاوہ کسی اور انسان کی شکل میں حاضر خدمت ہوتے۔ جیسا کہ وہ حدیث مبارک جس میں اسلام، ایمان اور احسان کا تذکرہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ مرتبہ تیسرے مرتبہ میں شامل ہے کیونکہ کسی انسان کی صورت میں متشکل ہونا ہے۔ اگرچہ غالب اور اکثر حضرت جبرائیل امین حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت زیبا میں آتے تھے۔ لیکن یہ اس امر کے منافی نہیں کہ وہ کسی اور انسان کی شکل میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوں۔ اس حدیث پاک میں ہے کہ وہ ایسے انسان کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے جس نے انتہائی سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ سر کے بال بہت زیادہ سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے آثار نہ تھے صحابہ کرام میں سے کوئی اسے جانتا نہ تھا حالانکہ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں معروف تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے وحی کی مزید اقسام شمار کیں ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے چھیالیس اقسام شمار کیں ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح انہی اقسام کی طرف لوٹتی ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔

روایت ہے کہ بعثت کے آغاز میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ ان کی شکل بہت خوبصورت تھی۔ ان سے عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ وہ مکہ مکرمہ کی بلند جگہ پر تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ کوہ حرا پر تھے۔ انہوں نے عرض کی "اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور آپ سے کہتا ہے" آپ جن وانس کی طرف میرے رسول ہیں۔ آپ انہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی طرف دعوت دیں"۔ پھر انہوں نے اپنی ٹانگ

زمین پر ماری۔ زمین سے پانی کا چشمہ رواں ہو گیا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اس پانی سے وضو کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ملاحظہ فرما رہے تھے۔ تاکہ وہ آپ کو بتائیں کہ نماز کے لئے وضو کس طرح کیا جاتا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضوء کیا۔ پھر حضرت جبرائیل نے خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آسمان کی طرف چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل خانہ کی طرف چلے گئے۔ آپ جس پتھر، ڈھیلے یا درخت کے پاس سے گزرتے تو وہ یوں سلام پیش کرتا ''السلام علیک یا رسول اللہ!'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے انہیں اس واقعہ کی خبر دی۔ جسے سن کر وہ فرحت وانبساط سے بے ہوش ہو گئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ انہیں چشمہ پر لے آئے۔ خود وضوء فرمایا تاکہ وہ آپ کو وضوء کرتے دیکھیں۔ پھر آپ نے انہیں وضوء کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے انہیں اس طرح نماز پڑھائی جس طرح حضرت جبرائیل امین نے آپ کو نماز پڑھائی تھی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب انہوں نے ان سارے امور کا مشاہدہ کیا تو انہوں نے کہا ''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔ پھر انہوں نے وضوء کیا اور نماز پڑھی۔ یہ پہلی فرض نماز تھی۔ یہ دو رکعتیں صبح اور دو رکعتیں رات کے وقت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ (المؤمن)

''اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت''۔

پھر یہ صبح وشام کی دو دو رکعتیں پنجگانہ نماز سے منسوخ ہو گئیں۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ آیت وضو مدنیہ ہے کیونکہ احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت طیبہ کے نزول سے قبل ہی حضرت جبرائیل امین سے وضوء سیکھ لیا ہو پھر یہ طریقہ اپنے صحابہ کرام کو سکھا دیا ہو۔ پھر اس کی تفصیل کے لئے آیت طیبہ نازل ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے ''پانچ نمازوں کی فرضیت کے ساتھ وضو فرض ہوا۔ ہجرت سے قبل وضوء کرنا سنت یا مستحب تھا۔ جبکہ وضوء کی تفصیل کے لئے آیت طیبہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستیاں

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

المواہب اللدنیہ میں ہے کہ سب سے پہلے جو پاکیزہ ہستی اللہ تعالیٰ پر ایمان لائی۔ اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی وہ صدیقۃ النساء حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ حضور داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرتی تھیں "آپ کو مژدۂ جانفزا ہو۔ بخدا! رب تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا"۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اوصاف حمیدہ دیکھ کر یہ استدلال کرتی تھیں۔ مثلاً مہمان نوازی اور کمزوروں کا بوجھ اٹھانا وغیرہ۔ انہیں علم تھا کہ جو پاکیزہ ذات ایسے شمائل سنیہ سے متصف ہو وہ کبھی رسوا نہیں ہوتی"۔ یہ انؓ کے علم کا کمال تھا۔ ابن اسحاق تحریر کرتے ہیں "حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے ہر معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس اعانت کی وجہ سے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بوجھ کو ہلکا فرمایا۔ جب کفار کے جھٹلانے اور ان کی تکذیب کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی غمزدہ ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ہی تسلی اور اطمینان کا سبب بناتا۔ وہ آپ سے ثابت قدم رہنے کے لئے عرض کرتیں۔ آپ کا بوجھ ہلکا کرتیں آپ کی تصدیق کرتیں۔ اور لوگوں کی اذیتیں برداشت کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تائید کرتیں۔ اس اولیت اور حسن معروف کی جزاء بھی رب تعالیٰ نے انہیں عطا کی۔ اس نے حضرت جبرائیل امین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں رونق افروز تھے۔ حضرت جبرائیل عرض پیرا ہوئے "یارسول اللہ! حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ان کے پروردگار اور میری طرف سے سلام بھیجیں انہیں جنت میں ایسے محل کی بشارت دیں جو موتیوں کا بنا ہو گا جس میں نہ شور ہو گا نہ ہی کوفت"۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "وہ ذات والا تو خود سراپا سلام ہے۔ سلامتی اس کی بارگاہ والا سے ملتی ہے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام پر سلامتی ہو یارسول اللہ علیک السلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ" ان کے اس جواب سے ان کے علم و دانش کی کرنیں نور فشاں ہیں۔ انہوں نے ہر ذات کو اس کے مقام و منصب کے مطابق سلام کا جواب عرض کیا۔ امام سہیلی نے اس جگہ عجیب نقطہ مستنبط کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اسلام کی دعوت دی جسے انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔ انہوں نے نہ تو کسی قسم کا شور کیا اور نہ ہی اس دعوت کے متعلق کوئی شبہ پیدا ہونے دیا۔ بلکہ سارے شکوک و شبہات کو زائل کر دیا ہر وحشت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ موانست کی۔ ہر مصیبت میں آپ کو تسلی دی۔ ہر مشکل گھڑی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے مال کے ساتھ مدد کی۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایسے محل کی بشارت دی جو انہی صفات کے ساتھ متصف ہو گا"۔

بارگاہ ربوبیت سے ان کے لئے سلام آنا صرف ان کی خصوصیت ہے۔ وہ اس امر میں بھی ممتاز ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کبھی بھی برا سلوک نہ کیا اور نہ ہی کبھی ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب تک وہ بقید حیات رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری شادی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے صدف بطن سے حضرت قاسم، حضرت عبد اللہ (ان کے لقب طاہر اور طیب تھے) حضرت

زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور سیدۃ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم وعنھن عطا فرمائے۔

ان امن الناس برمولائے ما

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بعثت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گہرے دوستانہ مراسم رکھتے تھے۔ وہ اکثر عشاء کے بعد آپ کے کاشانۂ اقدس میں آتے اور تادیر گفتگو ہوتی رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا "میں اور ابوبکر اس امر پر دونوں ہم مرتبہ تھے۔ میں ان سے سبقت لے گیا۔ انہوں نے میری اتباع کر لی۔ اگر وہ سبقت لے جاتے تو میں ان کی اتباع کر لیتا"۔ اس حدیث مبارک میں یہ اشارہ ہے کہ یہ دونوں فرخندہ فال ہستیاں فطرت کے اعتبار سے ہی توحید پر پیدا ہوئی تھیں۔ اس لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی۔

امام طبرانی نے ثقہ افراد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم قسم اٹھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام "صدیق" آسمان سے نازل کیا۔ اسلام سے قبل ان کا نام عبد الکعبہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ دوسری روایت کے مطابق ان کا نام عبداللہ تھا لیکن عتیق کے نام سے معروف تھے۔ روایت ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ انہیں بیت اللہ لے گئیں اور عرض کی "مولا! یہ موت سے بچ گیا ہے"۔ کیونکہ ان کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ ایک اور قول یہ ہے کہ انہیں "عتیق" اس لئے کہا جاتا تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آتش جہنم سے آزادی کی بشارت دی تھی۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ان کے نسب میں ایسی کوئی چیز نہ تھی جس کی وجہ سے ان پر عیب لگایا جاتا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہر بھلائی میں آگے آگے رہتے تھے۔ اسلام قبول کرنے میں سب سے سبقت لے گئے اس لئے انہیں عتیق کہتے تھے۔ ان کی کنیت ابوبکر تھی۔ کیونکہ یہ ہر عمدہ فعل میں سبقت لے جاتے تھے۔ امام زرقانی نے لکھا ہے "مجھے علم نہیں ہو سکا کہ یہ کنیت انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی یا کسی اور نے" جب یہ مشرف باسلام ہوئے تو انہوں نے اپنے نفس اور مال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا"۔ انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے استدلال کیا۔

إِذَا تَذَكَّرْتَ شَجْوًا مِنْ أَخِي ثِقَةٍ　فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَابَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

جب تم اپنے بھائی کے غم واندوہ کو یاد کرنے لگے تو اپنے بھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یاد کر لیا کرو کہ انہوں نے کون کون سی تکالیف برداشت کیں۔

خَيْرَ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَأَعْدَلَهَا　بَعْدَ النَّبِيِّ وَأَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ تمام مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ عادل تھے جو ذمہ داری انہوں نے اٹھائی اسے پورا کرنے میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔

وَالثَّانِيَ التَّالِيَ الْمَحْمُودَ مَشْهَدُهُ　وَأَوَّلَ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

وہ دوسرے اور فرمانبردار ہیں۔ ان کا مشہد قابل ستائش ہے وہ لوگوں میں سے سب سے پہلے ہیں جنہوں نے رسل عظام علیہم السلام کی تصدیق کی۔

''الثانی'' سے ثانی فی الغار مراد ہے اس میں اللہ رب العزت کے اس فرمان عالی شان کیطرف اشارہ ہے۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (التوبہ:40)

''آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے''۔

''التالی'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے والے، اپنی جان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا کرنے والے۔ اطاعت الٰہیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں اپنے اہل خانہ اور اقتدار و سرداری کو خیر آباد کہنے والے اور اپنی ذات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فدا کرنے والے تھے۔ اس لفظ میں ان گنت اوصاف حمیدہ سموئے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابوبکر مجھ پر اپنی رفاقت اور اپنے مال کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں'' آپ نے فرمایا ''ابوبکر کے علاوہ کسی اور کا مجھ پر کوئی احسان نہیں انہوں نے اپنے مال اور اپنے نفس کے ساتھ میرے ساتھ ہمدردی کی'' آپ نے فرمایا ''ابوبکر صدیق کا ہم پر سب سے زیادہ احسان ہے۔ انہوں نے اپنی نور نظر میرے عقد نکاح میں دی اور اپنے مال سے میرے ساتھ ہمدردی کی''۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''اللہ رب العزت نے اس آیت طیبہ (اِلَّا تَنْصُرُوْهُ) میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سارے اہل زمین پر عتاب فرمایا ہے۔ غار ثور کی اس رفاقت کا اجر و ثواب حوض پر رفاقت کی صورت میں دیا گیا۔ جس طرح کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث مبارک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم حوض کوثر پر بھی میرا رفیق اور غار ثور میں بھی میرے رفیق ہو''۔ کتنی عمدہ جزاء ہے۔

''المحمود مَشْهدہ'' سے مراد ممدوح ہے۔ یعنی وہ لوگوں کے نزدیک بڑے قابل ستائش تھے کیونکہ وہ اپنی قوم سے بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ وہ قریش میں سے سب سے زیادہ علم نسب کے ماہر تھے۔ ایک ثروت مند تاجر تھے۔

''السیرۃ الحلبیۃ'' میں ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثروت و دولت اور اخلاق کریمانہ کے اعتبار سے سارے قریش سے فائق تھے۔ وہ قریش کے رؤساء میں سے تھے۔ قریش مشاورت کے لئے ان کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔ وہ بڑے عفیف، رئیس، معزز و مکرم اور سخی تھے۔ قوم کی محبت میں مال و دولت نچھاور کرتے تھے۔ علم تعبیر رؤیا اور علم انساب کے ماہر تھے۔ اس طرح حضرت عقیل بن ابی طالب بھی اس علم میں مہارت رکھتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے خیر و شر کو جانتے تھے مگر اس کی برائیاں ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ قوم سے از حد محبت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صاحب خلق اور پاکباز تھے۔ قریش کے افراد ان کے پاس آتے ان کے علم، تجارت اور حسن مجالست سے مستفید ہوتے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی۔ تو آپ کی زیادہ اعانت اور نصرت کی۔ اپنے قابل اعتماد دوستوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔ بہت سے فضلاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ورقہ، علمائے یہود، راہبوں اور کاہنوں سے بہت سی بشارات سن رکھی تھیں۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے ظہور کی توقع تھی۔ حتیٰ کہ انہوں نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ روایت ہے کہ ایک روز حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حکیم بن حزام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حکیم کی لونڈی آئی۔ اس نے کہا "تمہاری پھوپھو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آج گمان کر رہی ہیں کہ ان کے شوہر نامدار حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی طرح نبی مرسل ہیں۔ حضرت صدیق اکبر وہاں سے چپکے سے اٹھ آئے۔ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس ضمن میں عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نزول وحی کا سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے" انہوں نے عرض کی "میرے ماں اور باپ آپ پر فدا! آپ نے سچ کہا ہے۔ آپ سراپا سچائی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز وحی الٰہی کے مطابق انہیں صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی سرخ چادر اوڑھ کر ان کے پاس گئیں اور کہا "ابن ابی قحافہ! ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے آپ کو ہدایت عطا فرمائی"۔ اس آیت طیبہ

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (الزمر:33)

"اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچ کی تصدیق کی"۔

کی تفسیر میں ہے کہ جو سچائی کے ساتھ تشریف لائے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا ہے اور جس نے تصدیق کی وہ حضرت ابوبکر صدیق کی پاکباز ہستی تھی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے جسے بھی اسلام کی دعوت دی تو اس کا پاؤں پھسلا۔ وہ تشویش میں مبتلا ہوا۔ وہ غور و فکر کرنے لگا۔ سوائے ابوبکر کے۔ انہوں نے نہ تو تردد کیا اور نہ ہی وہ جھجکے"۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں "یہ صرف توفیق الٰہی تھی۔ انہوں نے بعثت نبویہ سے قبل ایک خواب دیکھا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ چاند مکہ مکرمہ میں اتر آیا ہے۔ پھر وہ مکہ مکرمہ کے سارے گھروں میں منقسم ہو گیا ہے۔ اس کا ایک ایک ٹکڑا ہر ہر گھر میں داخل ہو گیا ہے۔ پھر سارے ٹکڑے جمع ہو کر آپ کی گود میں آ گئے ہیں۔ انہوں نے کئی علماء سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ علماء نے کہا "نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ آپ ان کی اتباع کریں گے۔ اس کی وجہ سے آپ سارے لوگوں سے زیادہ سعادت مند ہوں گے"۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو دعوت دی تو آپ نے کسی تردد یا توقف کا اظہار نہ کیا۔

ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یمن تشریف لے گئے انہوں نے خود فرمایا "میں ایک بزرگ کے ہاں فروکش ہوا۔ اس نے کئی کتب پڑھ رکھی تھی۔ وہ بڑا عالم تھا۔ اس نے مجھے کہا "میرا گمان ہے کہ آپ اہل حرم میں سے ہیں"۔ اس بزرگ نے کہا "اب میرے لئے آپ میں صرف ایک علامت دیکھنا رہ گئی ہے"۔ میں نے کہا "وہ کیسی علامت ہے؟" اس نے کہا "ذرا اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھائیں"۔ میں نے کہا "جب تک آپ اس کی وجہ بیان نہیں کریں گے میں پیٹ سے کپڑا نہیں اٹھاؤں گا"۔ اس بزرگ نے

کہا ''میں صحیح اور سچے علم میں پاتا ہوں کہ حرم کعبہ میں ایک نبی کریم ﷺ مبعوث ہوں گے۔ ایک جوان اور ایک بوڑھا شخص ان کی معاونت کریں گے۔ جہاں تک اس جوان کا تعلق ہے۔ وہ سختیوں میں گھسنے والا اور مشکلات کا دفاع کرنے والا ہوگا وہ عمر رسیدہ شخص سفید رنگ والا اور کمزور ہوگا۔ اس کے پیٹ پر تل کا نشان ہوگا۔ اس کی بائیں ران پر نشانی ہوگی۔ اب آپ کو کیا ہوتا ہے کہ اگر آپ وہ چیز مجھے دکھائیں جس کی میں التجاء کر رہا ہوں۔ کیونکہ بقیہ ساری علامات آپ میں موجود ہیں''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا۔ اس نے میری ناف کے اوپر سیاہ تل دیکھا۔ اس نے کہا ''بخدا! تم وہی ہو۔ رب کعبہ کی قسم! میں اس نبی کریم ﷺ کے معاملہ میں آپ کو وصیت کرنا چاہتا ہوں''۔ میں نے پوچھا ''وہ کیا؟'' اس نے کہا ''راہ ہدایت میں پھسلنے سے بچنا۔ صراط مستقیم کو لازم پکڑنا۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ آپ کو عطا کرے اور بخشے اسے سبک حال فرمائے''۔ میں نے یمن میں اپنے معاملات نمٹائے اور پھر اس بزرگ کو الوداع کرنے کے لئے کہا۔ اس نے کہا ''کیا آپ میرے کچھ اشعار بارگاہ رسالت مآب میں لے جائیں گے۔ میں نے کہا ''ہاں!'' اس نے کچھ اشعار لکھ کر مجھے دیئے۔ میں مکہ مکرمہ پہنچا حضور اکرم ﷺ مبعوث ہو چکے تھے۔ میرے پاس سرداران قریش آئے۔ میں نے انہیں کہا ''کیا کوئی نیا معاملہ رونما ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ''بہت بڑا معاملہ! یتیم ابی طالب (ﷺ) گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ اگر آپ سفر میں نہ ہوتے تو ہم ان کا انتظار نہ کرتے۔ اب معاملہ آپ کے سپرد ہے''۔ میں عمدہ ترین چیز پر لوٹا۔ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گیا۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ میں نے عرض کی ''محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے اپنے اہل کی منازل پر اعتراض کر دیا ہے۔ اپنے آباء کا دین ترک کر دیا ہے'' آپ نے فرمایا ''میں تمہاری طرف اور سارے لوگوں کی طرف اللہ کا رسول معظم، ﷺ بن کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ''۔ میں نے عرض کی ''اس کی دلیل کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''وہ بزرگ جو تمہیں یمن میں ملا تھا۔ وہی اس کی دلیل ہے''۔ میں نے عرض کی ''میں تو یمن میں کئی بزرگوں سے ملا ہوں''۔ آپ نے فرمایا ''جس بزرگ نے وہ اشعار تمہارے سپرد کئے تھے''۔ میں نے عرض کی ''میرے محبوب! یہ سب کچھ آپ کو کس نے بتایا ہے''۔ آپ نے فرمایا ''اس عظیم فرشتے نے جو مجھ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس آتا تھا''۔ میں نے عرض کی، اپنا دست اقدس آگے بڑھائیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ صلی اللہ علیک وسلم۔ میں واپس آ گیا۔ حضور اکرم میرے اسلام لانے سے بہت خوش تھے''۔

دوسری روایت میں ہے ''میں واپس آ گیا دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین اور کوئی ایسا شخص نہ تھا جو میرے اسلام پر مجھ سے بڑھ کر فرحاں وشاداں ہوتا۔ نہ ہی اور کوئی حضور ﷺ سے زیادہ میرے اسلام پر مسرور تھا''۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''اس روایت اور اس سے ماقبل روایت کو جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے معاملہ کی خبر اس وقت ملی جب وہ حکیم بن حزام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ یمن کی طرف ان کا سفر بعثت سے قبل تھا۔ پھر وہ اس وقت واپس تشریف لائے جبکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مشرف باسلام ہو چکی تھی۔ وہ واپس آ کر سرداران قریش سے ملے۔ پھر حکیم بن حزام کے گھر گئے تو وہاں سے لونڈی سے بھی یہ مژدہ سن لیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور دولت اسلام سے

سرفراز ہو گئے۔ اسلام قبول کر کے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار بھی کر دیا۔ لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کی طرف بلایا۔

''السیرۃ الحلبیہ'' میں ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا تھا۔ ان کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا ''نِعْمَ الْقَادِرُ اللهِ'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا ''كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا يَا عُمَرُ'' حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا ''اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ مُخْلِصًا'' حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا ''اَلْمُلْكُ لِلّٰهِ'' حضرت ابو عبیدہ کی انگوٹھی پر یہ عبارت مرقوم تھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ''۔

المواہب اور اس کی شرح میں ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی ''اے امیر المؤمنین! مہاجرین اور انصار نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کیسے کر لی۔ حالانکہ آپ نے سب سے پہلے اسلام قبول کر لیا۔ اور مناقب میں بھی آپ ان سے بالاتر ہیں''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ''تیرے لئے ہلاکت! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چار چیزوں میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ وہ اسلام پھیلانے، ہجرت کرنے، غار میں حضور ﷺ کی مصاحبت اختیار کرنے اور نماز پڑھنے میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ میں اس وقت شعب ابی طالب میں تھا۔ وہ اپنے اسلام کا برملا اظہار کر رہے تھے جبکہ میں اپنے دین کو مخفی رکھ رہا تھا۔ قریش مجھے چھوٹا سمجھتے تھے لیکن ان کی وہ پوری عزت و توقیر کرتے تھے بخدا! اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا مقصد ترک کر دیتے تو اسلام مشرق و مغرب تک نہ پہنچتا۔ لوگ طالوت کی پنڈلی کی طرح تھے۔ تیرے لئے ہلاکت ہو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مذمت کی جبکہ اس ذات والا نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح کی۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (التوبہ:40)

''اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی تو (کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکالا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے۔ جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو۔ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین اس پر''۔

آپ کا یہ فرمان اس امر پر بھی دلالت کرتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ان فرخندہ فال ہستیوں میں سے تھے جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام پھیلانے میں ان سے سبقت لے گئے۔ ان دونوں ہستیوں نے اسلام قبول کرنے میں جلدی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے کاشانہ اقدس میں ہی تھے۔ ممکن ہے انہوں نے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا ہو یا انہوں نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دولت اسلام پائی ہو۔ اسی طرح یہ سعادت ازلی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں بھی آئی۔ یہ حضور ﷺ کے غلام تھے۔ یہ بھی سابقین میں سے تھے۔ اس طرح حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا شمار بھی سابقین میں ہوتا ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے دولت اسلام سمیٹی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اس نعمت ابدی سے سرفراز ہوئے۔ بعض میں ہے کہ یہ بلند اقبالی سب سے پہلے حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آئی۔ بعض میں ہے کہ یہ دولت سرمدی سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے دامن میں آئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی بعض روایات میں ملتا ہے۔ حافظ ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام لانے والی ذات کا قول مطلق نہ کیا جائے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ بالغ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے یہ سعادت ابدی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ بچوں میں سے یہ نعمت کبریٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلے نصیب ہوئی۔ خواتین میں سب سے پہلے یہ لازوال نعمت حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سمیٹی۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے نور اسلام سے اپنا سینہ منور کیا اور غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اس ثروت سرمدی کو سمیٹا"۔ امام طبری نے لکھا ہے "ان تمام روایات کی تصدیق اور تطبیق کرنا بہتر ہے۔ یوں کہا جائے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے مطلق سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس امر پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی مرد اور عورت ان سے سبقت نہ لے جا سکا۔ بچوں میں سے سب پہلے یہ سعادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ملی۔ وہ ابھی نابالغ تھے وہ اپنا اسلام پوشیدہ رکھتے تھے۔ سب سے پہلے عربی بالغ شخص جس نے اسلام قبول کیا وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے یہ سعادت ابدی پائی"۔

ابن مندہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی۔ وہ تجارتی کارواں کے ساتھ شام جانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے بحیرا راہب کا کلام اس وقت سن لیا تھا جب اس نے کہا تھا "اس درخت کے نیچے کون سی ہستی رونق افروز ہے۔؟" قریش نے کہا تھا "وہ محمد بن عبداللہ (فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں"۔ راہب نے کہا "یہ اس امت کے نبی ہیں"۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں یقین داخل ہو گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیرا کے زمانہ میں ہی ایمان لا چکے تھے۔ اس ایمان سے مراد ایمان کا لغوی معنی ہے۔ یعنی انہیں آپ کی صداقت کا یقین ہو گیا تھا۔ ان کے دل میں یہ چیز قرار پذیر ہو گئی تھی۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی توقع تھی۔ اس لئے یہ اس امر کے منافی نہیں کہ وہ پہلے مسلمان ہیں یا دوسرے یا تیسرے۔ امام حلبی نے السیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے کہ بعثت کے وقت دختران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھیں۔ یہ سمجھنا بعید از قیاس ہے کہ انہوں نے ایمان لانے میں تاخیر کی ہو۔ بلکہ وہ سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئیں تھیں۔ بلکہ انہوں نے تو کبھی شرک کیا ہی نہ تھا۔ اس لئے اول المومنین میں ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کرام سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ سب سے پہلے سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ۔ ان کی نوران نظر، حضرت زید اور ان کی زوجہ محترمہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

حضرت خاتون جنت سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا بعثت کے بعد عالم شش جہات میں آئیں۔ ابن اسحاق نے روایت کیا ہے

۔ جب حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ ہوئی تو حضور ﷺ کی لخت جگروں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابوالعاص تھے۔ یہ قریش میں بہت مقام رکھتے تھے۔ قریش نے ان سے کہا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھوڑ دیں اور قریش کی سب سے زیادہ خوبصورت عورت سے شادی کریں۔ مگر انہوں نے انکار کردیا۔ حضور ﷺ زمانۂ جاہلیت میں بھی جاہلانہ امور سے اجتناب فرماتے تھے۔ پھر بھی آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح ابوالعاص سے، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے کردیا۔ کیونکہ اس وقت مسلمان عورت کا نکاح کافر سے کرنا حرام نہ تھا حتی کہ یہ آیت طیبہ نازل ہوگئی۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (البقرہ: 221)

''اور نہ نکاح کرو یا کرو (اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ (الممتحنہ: 10)

''تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو''۔

ابولہب کے دونوں بیٹوں نے حضور ﷺ کی نوران چشم کو حق زوجیت ادا کرنے سے قبل ہی طلاق دے دی تھی پھر یہ یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں آئیں۔ ابوالعاص نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ ہجرت کی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں رہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں نے جس کے ساتھ بھی اسلام کے متعلق گفتگو کی اسے تشویش ہوئی سوائے ابوبکر صدیق کے۔ میں نے ان سے جس چیز کے متعلق بھی بات کی انہوں نے اسے فوراً قبول کرلیا۔ پھر اس پر ثابت قدم رہے۔ اس لئے یہ رائے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے دانا تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''میرے پاس حضرت جبرائیل آئے انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ابوبکر سے مشورہ کرلیا کریں''۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے بارے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران: 159)

''اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے وزیر کی طرح تھے۔ حضور ﷺ ان سے سارے امور کے بارے مشورہ کرتے تھے۔ روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے چار وزراء کے ساتھ میری مدد کی ہے۔ دو، حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل اہل آسمان میں سے اور دو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اہل زمین میں سے ہیں''۔ صحیح حدیث مبارک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خطا کا صدور ہو۔

ورقہ بن نوفل پر تفصیلی گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ انہیں وہ شخص قرار دیا ہے جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ ان کا وصال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر

ہوا۔ بعض نے انہیں اہل فترۃ میں شمار کیا ہے۔ جہاں تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو ان کے اسلام لانے کا واقعہ عنقریب لکھا جائے گا۔ ہجرت حبشہ اولیٰ کے بعد دوسرے قول کے مطابق ہجرت حبشہ ثانیہ کے بعد وہ مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔ حضرت حمزہ اسد اللہ واسد رسولہ رضی اللہ عنہ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب قریش مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دیتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ بعض سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ متفرق اقوال میں تطبیق پہلے گزر چکی ہے کہ بچوں میں سے سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اور بالغ آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سب سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حوض کوثر پر آئیں گے اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اسلام قبول کیا''۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نور نظر سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو فرمایا ''سیدہ! میں نے آپ کا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو دنیا اور آخرت میں سردار ہے۔ میرے صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے پاس سب سے زیادہ علم ہے اور یہ سب سے زیادہ حلیم ہیں''۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ابھی نابالغ بچے تھے ان کی عمر مبارک اس وقت آٹھ سال تھی۔ نزول وحی سے قبل یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت میں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کھانا کھلاتے تھے اور ان کے امور کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ایک دفعہ قریش کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جناب ابو طالب کثیر العیال تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا ''تمہارے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں۔ لوگوں کو سخت قحط سالی کا سامنا ہے۔ آؤ! ہم ان کے پاس چلیں اور ان کی اولاد کا بوجھ بانٹ لیں ایک کو تم اپنی نگرانی میں لے لو۔ ایک کو میں اپنی کفالت میں لے لیتا ہوں''۔ یہ دونوں جناب ابو طالب کے پاس آئے اور کہا ''ہم چاہتے ہیں کہ آپ پر آپ کی اولاد کا بوجھ کم کریں۔ حتیٰ کہ قحط سالی کا یہ سخت دور ختم ہو جائے''۔ خواجہ ابو طالب نے انہیں کہا ''عقیل اور طالب کو چھوڑ کر بقیہ میں سے جسے چاہو لے جاؤ''۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کاشانہ نبوی میں آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام بھی خود ہی رکھا تھا۔ کئی دن اپنے لعاب دہن انہیں بطور خوراک عطا فرمایا تھا۔ وہ آپ کی زبان حق ترجمان چوستے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت علی کی ولادت ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام ''علی'' رکھا۔ اپنا مبارک لعاب ان کے منہ میں ڈالا۔ پھر اپنی زبان وحی ترجمان بھی ان کے منہ میں ڈال دی۔ وہ اسے چوستے رہے حتیٰ کہ سو گئے''۔ انہوں نے فرمایا ''دوسرے روز ہم نے حضرت علی کے لئے دایا تلاش کی مگر انہوں نے کسی بھی دایا کا دودھ قبول نہ کیا۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا۔ انہوں نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈال دی۔ حضرت علی پرسکون نیند سو گئے۔ پھر جب تک رب تعالیٰ نے چاہا یہی معمول رہا''۔ ان کی والدہ ماجدہ سے روایت ہے کہ ابھی حضرت علی المرتضیٰ صدف شکم میں تھے کہ انہوں نے ہبل کو سجدہ کرنا چاہا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ شکم مادر میں بے چین ہو گئے۔ اور والدہ ماجدہ

کو معبود باطل کو سجدہ کرنے سے روک دیا"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کے اور ان کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ میں دس سال کا فرق تھا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ میں بھی دس سال کا فرق تھا۔ حضرت عقیل اور طالب کی عمر میں بھی یہی فرق تھا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی سے دس سال بڑا تھا۔ طالب سب سے بڑا تھا۔ پھر حضرت عقیل، پھر حضرت جعفر اور پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے تھے۔ طالب کے علاوہ سب دولت اسلام سے مشرف ہو گئے۔ طالب کو جنات اٹھا کر لے گئے تھے ان کے اسلام کے متعلق علم نہیں ہو سکا۔ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میں آپ سے ایک محبت تو اس لئے کرتا ہوں کہ آپ میرے اہل قرابت میں سے ہیں۔ اور دوسری محبت اس لئے کرتا ہوں کہ میں جانتا ہوں کہ میرے چچا آپ سے پیار کرتے ہیں"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دونوں نماز ادا فرما رہے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جو اس نے اپنے لئے منتخب کیا ہے۔ اس نے رسل عظام علیہم السلام کو اسی دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں تمہیں اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں تمہیں لات وعزیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔" حضرت علی نے عرض کی "اس امر کے متعلق میں نے آج سے پہلے نہیں سنا۔ میں کسی امر کے متعلق فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ اپنے والد گرامی سے مشاورت کر لوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ناپسند فرمایا کہ آپ کا راز افشا ہو جائے۔ جب تک آپ کو اعلانیہ دعوت دینے کی اجازت نہ مل جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اگر اسلام قبول نہیں کرتا تو پھر میرا یہ راز پوشیدہ رکھنا"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رات بسر کی۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔ صبح بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اسلام قبول کر لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو نماز ادا کرتے ہوئے یہ دوسرا دن تھا۔ سیرۃ الدمیاطی کے مطابق یہ منگل کا دن تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سوموار کے روز نماز ادا کی تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے خوف سے اپنا اسلام چھپاتے حتیٰ کہ جب انہیں ان کے اسلام کا علم ہو گیا تو انہوں نے ثابت قدم رہنے کا حکم دیا اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔

''اسد الغابہ'' میں ہے کہ جناب ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف تھے۔ انہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا "اپنے چچا زاد کے پہلو میں نماز پڑھو"۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف نماز پڑھنا شروع کر دی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اسلام سے تھوڑی مدت کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بلوغت سے قبل ہی اسلام کی نعمت کبریٰ حاصل کر لی تھی۔ اس وقت ان کی عمر مبارک آٹھ یا دس سال تھی۔ حضرت علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ اشعار لکھے۔

محمد النبی اخی و صھری　　و حمزۃ سید الشھداء عمی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بھائی اور میرے سسر ہیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ میرے چچا ہیں۔

و جعفر الذی یضحی و یمسی　　یطیر مع الملائکۃ ابن امی

اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو صبح وشام ملائکہ کے ساتھ محو پرواز ہیں وہ میرے بھائی ہیں۔

و بنت محمد سکنی و عرسی　　مشوب لحمھا بدمی و لحمی

جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر میرے نکاح میں ہیں۔ جن کا وجود میرے خون اور وجود سے جوان ہوا۔

و سبطا احمد ابنای منھا　　فمن منکم لہ سھم کسھمی

میرے دونوں نور نظر احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبط ہیں۔ تم میں سے وہ کون ہے جس کا حصہ میرے حصہ کی طرح ہو۔

سبقتکم الی الاسلام طرا　　صغرا ما بلغت اوان حلمی

میں نے تم سب سے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی۔ میں نے اس وقت اسلام قبول کیا کہ میں ابھی بالغ بھی نہیں ہوا تھا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہر محب کو یہ اشعار زبانی یاد ہونے چاہئے۔ تاکہ ان کے اسلام میں مفاخر کو جان سکے۔ مازنی اور زمخشری کا خیال ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان دو اشعار کے علاوہ اور کوئی شعر نہیں کہا۔

تلکم قریش تمنانی لتقتلنی　　فلا و ربك و بروا و لا ظفروا

وہ قریش ہیں جنہوں نے تمنا کی ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں۔ تمہارے رب کی قسم وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب اور فتح مند نہیں ہو سکیں گے۔

فان ھلکت فرھن دمی لھم　　بذات و دقین لا یعفو لھا اثر

اگر میں شہید ہو گیا تو میرا خون ان کے لئے ایک عظیم مصیبت کے سپرد ہے تلوار کا جو ہر انہیں معاف نہ کرے گا۔

قاموس میں ہے کہ امام زرقانی نے لکھا ہے کہ مازنی اور زمخشری کا یہ قول درست نہیں غزوۂ خیبر میں حضرت علی المرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ عنہ نے مرحب کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ　　کلیث غابات کریہ المنظرہ

او فیھم بالصاع کیل السندرہ

میں وہ ذات پاک ہوں کہ میری والدہ ماجدہ نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں کافروں کے سروں پر تلوار مارتا ہوں۔ میں انہیں پورا پورا بدلہ دیتا ہوں میں جنگلات کا بادشاہ ہوں۔

زبیر بن بکار نے مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

لا یستوی من یعمر المساجد یداب فیھا قائما و قاعدا

و من یری عن التراب حائدا

وہ شخص جو مٹی سے کنارہ کش رہے وہ اس شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے جو مساجد تعمیر کرتا ہے پھر اس میں قیام اور قعود کرتے ہوئے تھک جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی شرک کا صدور نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر کفالت تھے۔ آپ کی اولاد کی مانند تھے۔ سارے امور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔ حدیث مبارک میں ہے "تین افراد نے کبھی بھی کفر نہیں کیا" (1) آل یٰسین کا مومن (2) حضرت علی بن ابی طالب اور (3) حضرت آسیہ زوجہ فرعون۔ ایک اور روایت میں ہے اسلام میں سبقت لے جانے والے تین ہیں۔ انہوں نے لمحہ بھر کے لئے بھی کفر نہیں کیا۔ (1) حزقیل، آل فرعون کا مؤمن (2) حبیب النجار صاحب یٰسین (3) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ ان کے کفر نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح تھے۔ جب جناب ابو طالب کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز کی ادائیگی کا علم ہوا تو انہوں نے ان سے پوچھا "لخت جگر! یہ کون سا دین ہے جو تو نے اختیار کر رکھا ہے؟" انہوں نے کہا "والد گرامی! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں۔ میں نے ان کے دلنشین پیغام کی تصدیق کر دی ہے اور میں بھی ان کے ساتھ اسلام میں داخل ہو گیا ہوں اور میں نے ان کی اتباع کر لی ہے"۔ جناب ابو طالب نے کہا "وہ تمہیں بھلائی کی طرف ہی دعوت دیں گے۔ ان کا دامن کرم مضبوطی سے تھام لو"۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "جب نماز کا وقت قریب آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں کی طرف تشریف لے جاتے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اپنی قوم سے چھپتے ہوئے آپ کے ہمراہ ہو جاتے۔ وہاں مل کر نماز ادا کرتے۔ شام کے وقت واپس آ جاتے۔ ایک روز جناب ابو طالب اچانک وہاں پہنچ گئے۔ اور دونوں کو نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگے "میرے بھتیجے! یہ کیا دین ہے جسے تم نے اختیار کر رکھا ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اے محترم چچا! یہ اللہ کا دین ہے۔ اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا دین ہے۔ یہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔ محترم چچا! آپ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ میں آپ کو نصیحت کروں اور ہدایت کی دعوت دوں۔ آپ سب لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ میری اس دعوت کو قبول کریں اور اس سلسلہ میں میری مدد کریں"۔ جناب ابو طالب نے کہا "میں اپنے آباء کے دین کو چھوڑ نہیں سکتا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا "آپ کے حیات آفرین پیغام میں کوئی حرج نہیں"۔

یہ کلمات ان سے اس وقت نکلے تھے جب انہوں نے اپنے لخت جگر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو اس طرح نہیں کہا تھا "اپنے چچا زاد کے پہلو میں جا کر نماز پڑھو"۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بائیں طرف نماز پڑھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب

جناب ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز ادا کرتے دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں سمت تھے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسکرائے، وہ منبر پر رونق افروز تھے۔ اس تبسم کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا ''مجھے ابو طالب یاد آ گئے تھے جب نماز فرض ہوئی تو انہوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا۔ انہوں نے پوچھا ''یہ کیسا عمل ہے؟'' جب ہم نے انہیں بتایا تو انہوں نے کہا ''یہ ایک عمدہ فعل ہے لیکن میں اسے کبھی نہیں کروں گا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ میری جڑ مجھ پر غالب آ جائے''۔ اب مجھے ان کی بات یاد آ گئی تو میں ہنسنے لگا''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل پر میں نے ایک علیحدہ تالیف بھی تحریر کی ہے۔
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل الکلبی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے عقد نکاح فرمایا تو انہوں نے انہیں آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ انہوں نے انہیں اپنے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد سے خریدا تھا۔ ان کی پھوپھو نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے لئے ایک ظریف عربی غلام خرید کر لائیں۔ جب وہ عکاظ کے بازار میں گئے تو انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فروخت ہوتے دیکھا۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ یہ اپنے ننھیال طئے میں تھے کہ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔
امام سہیلی رقمطراز ہیں ''ان کی والدہ ماجدہ انہیں لے کر اپنے میکے جا رہی تھی تو اسے گھڑسواروں نے آلیا۔ انہوں نے ان سے بچہ چھین لیا اور انہیں فروخت کر دیا۔ حکیم نے انہیں خرید لیا۔ دوسرے قول کے مطابق حکیم نے انہیں حباشہ کے بازار سے چار سو دراہم سے خریدا تھا۔ یا چھ سو دراہم ادا کئے تھے۔ جب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں دیکھا تو انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ پسند آ گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے عقد نکاح کیا تو حضرت زید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پسند آ گئے۔ آپ نے انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے طلب فرما لیا۔ انہوں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے نزول وحی سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا۔
دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لئے خریدا تھا۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا ''بطحاء میں میں نے ایک غلام دیکھا ہے جسے فروخت کیا جا رہا تھا۔ اگر میرے پاس رقم ہوتی تو میں اسے خرید لیتا''۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''اس کی قیمت کیا ہے؟'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سات سو دراہم'' انہوں نے عرض کی ''یہ سات سو دراہم لے لیں اور وہ غلام خرید لیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں خرید کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئے۔ پھر فرمایا ''اگر یہ غلام میرا ہوتا تو میں اسے آزاد کر دیتا''۔ انہوں نے عرض کی ''یہ آپ ہی کا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔
ابو عبیدہ لکھتے ہیں ''ان کا نام زید نہیں تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنا بیٹا بنایا تو ان کا نام زید رکھا۔ یہ آپ کے جد امجد قصی کا نام تھا۔ پھر حضرت زید جناب ابو طالب کے اونٹ لے کر شام کی طرف گئے۔ اپنی قوم کی سرزمین پر سے گزرے تو ان کے چچا نے انہیں پہچان لیا۔ وہ ان کے پاس آیا۔ اور پوچھا ''بچے! تیرا تعلق کن کے ساتھ ہے''۔ حضرت زید نے کہا ''میں اہل

مکہ میں سے ہوں'' چچا نے پوچھا'' کیا تیرا تعلق مکہ کے باشندوں کے ساتھ ہی ہے؟ انہوں نے کہا'' نہیں'' چچا نے پوچھا'' کیا آزاد ہو یا غلام'' حضرت زید نے کہا'' میں غلام ہوں'' چچا نے پوچھا'' عربی ہو یا عجمی'' حضرت زید نے کہا'' عربی ہوں'' چچا: کس قبیلہ سے ہو؟ حضرت زید: بنوکلب سے'' چچا: بنوکلب کے کس خاندان سے تعلق ہے؟'' حضرت زید: بنوعبدود سے'' چچا: کس کے فرزند ہو؟ حضرت زید: حارثہ بن شرحبیل کے'' چچا: تمہیں کہاں سے اٹھایا گیا؟ حضرت زید: ننھیال سے''۔ چچا: تمہارے ننھیال کون ہیں، حضرت زید: بنوطئے۔ چچا: تمہاری والدہ کا کیا نام ہے؟ حضرت زید: سعدی۔ چچا نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنے سینے سے لگالیا اور کہا'' حارثہ کا نور نظر! پھر ان کے والد کو بلایا۔ کہا: اے حارثہ! یہ تمہارا فرزند دلبند ہے۔ حارثہ آیا تو اس نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس نے پوچھا'' تمہارے مالک تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' وہ مجھے اہل خانہ اور اولاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں''۔ ان کے ساتھ ان کے والد، چچا اور بھائی بھی آگئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی قوم کے افراد حج کرنے آئے۔ انہوں نے حضرت زید کو دیکھا تو پہچان لیا۔ وہ واپس گئے تو انہوں نے ان کے باپ کو بتایا۔ اس کے بعد ان کا باپ اور چچا مکہ مکرمہ آئے۔ امام حلبی لکھتے ہیں'' ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے ان لوگوں نے انہیں بتایا ہو۔ پھر ان کی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی ہو۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تلاش میں آئے تاکہ ان کا فدیہ ادا کریں۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید کو اختیار دیا کہ چاہیں تو آپ کے پاس رہیں۔ چاہیں تو اپنے اہل خانہ کے پاس چلے جائیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں رہنا پسند کیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب ان کا باپ اور چچا ان کی جستجو میں آئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ مسجد حرام میں ہیں۔ وہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ عرض گزار ہوئے'' اے عبدالمطلب کے لخت جگر! اے ہاشم کے فرزند دلبند! اے اپنی قوم کے سردار کے نور نظر! تم اللہ تعالیٰ کے حرم والے اور اس کے پڑوسی ہو۔ آپ قیدیوں کو رہائی دلاتے ہیں۔ بھوکوں کو سیر کرتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اپنے نور نظر کے لئے آئے ہیں۔ ہمارا بیٹا آپ کے پاس ہے۔ آپ ہم پر احسان کریں ہم فدیہ دیتے ہیں آپ اسے آزاد کردیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا'' کس کے بارے کہہ رہے ہو؟'' انہوں نے عرض کی'' زید بن حارثہ کے بارے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا'' کیا اس کے علاوہ بھی کچھ کام ہے''۔ انہوں نے کہا'' نہیں'' آپ نے فرمایا'' زید کو بلاؤ اسے اختیار دو۔ اگر اس نے تمہیں اختیار کرلیا تو وہ فدیہ کے بغیر ہی تمہارے سپرد۔ اگر اس نے مجھے اختیار کیا تو بخدا! میں اس کے عوض فدیہ لینے کے لئے تیار نہیں جس نے مجھے اختیار کیا ہوگا''۔ انہوں نے کہا'' آپ نے انصاف کی بات کی ہے۔ احسان فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا''۔ فرمایا '' کیا انہیں جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کی'' ہاں! یہ میرے والد اور یہ میرے چچا ہیں'' انہوں نے اپنے بھائی کا نام اس کی کم عمری کی وجہ سے نہ لیا۔ یا اسے بھی ان دونوں کے ساتھ مخاطب کرلیا''۔ امام سہیلی تحریر کرتے ہیں'' جب حضرت زید بارگاہ

رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا "یہ کون ہیں؟" انہوں نے عرض کی "یہ میرے والد حارثہ بن شراحبیل اور یہ میرے چچا کعب ہیں"۔ آپ نے فرمایا "تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو ان کے ساتھ جا سکتے ہو۔ اور اگر چاہو تو میرے ساتھ رہ سکتے ہو"۔ انہوں نے عرض کی "میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں رہوں گا"۔ ان کے والد نے انہیں کہا "زید! کیا تو اپنے والد، والدہ، شہر اور قوم کو چھوڑ کر غلامی اختیار کرتا ہے؟ انہوں نے کہا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس ہستی پر میں یہ سب کچھ قربان کر رہا ہوں وہ کتنی دلربا اور دلکش ہے۔ میں ان سے کبھی بھی جدا نہیں ہوں گا"۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور قریش کی مجلس میں تشریف لے گئے اور فرمایا "اے سرداران قریش! گواہ رہو۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ جو میرا وارث بھی ہے اور موروث بھی"۔ یہ حیران کن منظر دیکھ کر حارثہ کا دل کھل اٹھا۔ وہ واپس چلے گئے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنایا اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی شخص دوسرے سے معاہدہ کرتا تو وہ یوں کہتا "دمی دمك، هدمی هدمك و ثأری ثارك و حربی حربك و سلمی سلمك ترثنی و ارثك تطلب بی و اطلب بك و تعقل عنی و اعقل عنك" ایک حلیف کو دوسرے حلیف کے میراث کا چھٹا حصہ ملتا۔ جب اسلام کا آفتاب جہانتاب طلوع ہوا تو میراث کے احکام سے یہ امر منسوخ ہو گیا۔

"اسد الغابہ" میں ہے کہ حارثہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسرا قول ہے کہ علامہ منذری کے علاوہ کسی اور نے اس کا اسلام ثابت نہیں کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنا لیا تو انہیں "زید بن محمد" کہا جانے لگا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام مبارک قرآن پاک میں موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا (الاحزاب:37)۔

"پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش"۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اللہ رب العزت کے اس فرمان

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (الانبیاء:106)

"جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے طومار میں کاغذ"۔

میں "سجل" ایک شخص کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لکھا کرتا تھا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام قرآن مجید میں کیوں ذکر کیا گیا۔ اس کی حکمت تحریر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں "جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (الاحزاب:5)۔

"بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے"۔

تو حضرت زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ لوگوں نے انہیں زید بن محمد (رضی اللہ عنہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہنا چھوڑ دیا۔ جب ان سے یہ شرف چھین لیا گیا تو رب تعالیٰ نے ان کا نام قرآن میں ذکر کر دیا۔ کسی اور صحابی کا نام قرآن پاک میں نہیں ہے۔ عورتوں میں سے صرف حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا اسم مبارک قرآن پاک میں مذکور ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بھائی کا نام جبلہ تھا۔ انہوں نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ یہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔ حضرت جبلہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا "آپ بڑے ہیں یا حضرت زید" انہوں نے جواب دیا "حضرت زید مجھ سے بڑے ہیں البتہ میں ان سے پہلے پیدا ہوا ہوں"۔

وہ فرخندہ فال خواتین جنہیں سب سے پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا شرف ابدی ملا وہ درج ذیل ہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے یہ سعادت ازلی حاصل کی۔ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ یہ سبابہ بنت حارث تھیں۔ یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر، ام جمیل فاطمہ بنت خطاب، حضرت عمر فاروق کی ہمشیرہ محترمہ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہن نے سب سے پہلے یہ شرف حاصل کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مساعی جمیلہ سے حلقہ بگوش اسلام ہونے والی ہستیاں

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو دیگر افراد کو بھی اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف دعوت دینے لگے۔ بہت سے افراد ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ افراد یہ ہیں۔

(1) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں "مجھے میری خالہ سعدی بنت کریز رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے وہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع پر ابھارتی رہیں۔ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ گہرے مراسم رکھتا تھا۔ ایک دن میں ان کے پاس آیا۔ میں نے انہیں تنہا پایا۔ میں متفکر تھا۔ انہوں نے مجھے اس تفکر کے متعلق پوچھا۔ میں نے انہیں اپنی خالہ کی بات بتادی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے اسلام کی ترغیب دی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ آپ کے کپڑے اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرگوشی کی۔ آپ وہیں تشریف فرما ہو گئے۔ پھر میری طرف توجہ کی اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کی دعوت پر لبیک کہو۔ وہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ میں تمہاری طرف اور اس کی ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر آیا ہوں"۔ میں نے یہ اثر آفریں گفتگو سنی تو میں نے بے اختیار پڑھ لیا اشھد ان لا الہ الا اللہ و انک رسول اللہ۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر بلند اختر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ وہ ساری خواتین سے باجمال تھیں۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی بہت حسین تھے۔ وہ پہلے ہی چاہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نور نظر ان کے حبالہ عقد میں آجائیں۔ وہ خود فرماتے تھے "میں خانہ کعبہ کے صحن میں موجود تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نور نظر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے کر دیا ہے۔ اس وقت مجھے حسرت نے آلیا۔ کہ میں اس سے سبقت کیوں نہیں لے گیا۔ میں اپنے گھر گیا۔ میں نے وہاں اپنی خالہ سعدی بنت کریز کو پایا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں...... پھر جلد ہی عتبہ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑ دیا۔ تو مجھے ان کے ساتھ نکاح کرنے کی

سعادت نصیب ہوگئی"۔ جب ان کا وصال ہوگیا تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی دوسری نور نظر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا"۔ دنیا کی تاریخ میں ان کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں جس کے حبالہ عقد میں ایک نبی کی دو نور ان نظر آئیں ہوں۔ یہ سعادت عظمیٰ صرف اور صرف آپ کو حاصل ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہر شب وتروں میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "ہر نبی کا جنت میں کوئی نہ کوئی رفیق ہوتا ہے۔ جنت میں میرے رفیق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں"۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے چچا حکم بن ابی العاص نے انہیں پکڑا اور ان کے کندھے باندھ دیئے۔ اس نے کہا "محمد عربی ﷺ کو چھوڑ کر اپنے آباء کا دین اختیار کرو۔ بخدا! میں تمہیں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا حتیٰ کہ تم یہ دین چھوڑ دو"۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! میں اس دین حق کو نہ کبھی چھوڑوں گا اور نہ ہی اس سے انحراف کروں گا"۔ جب حکم نے حق میں آپ کا یہ استحکام وثبات دیکھا تو اس نے آپ کو چھوڑ دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ آپ کو دھویں سے تکلیف دیتا تھا تاکہ آپ راہ راست سے واپس آجائیں۔ مگر آپ نے کفر وشرک کی ظلمتوں میں واپس آنا پسند نہ کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دھویں سے تکلیف دی جاتی تھی تاکہ وہ آفتاب اسلام سے منہ موڑ لیں۔ ممکن ہے یہ دونوں حضرات اس قسم کی اذیت برداشت کرتے ہوں۔

(2) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مساعی جمیلہ سے حضرت زبیر بن عوام بن خویلد بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ دوسرے قول کے مطابق تیرہ سال تھی۔ ان کا چچا انہیں دھوئیں سے اذیت دیتا تھا وہ کہتا "بت پرستی کی طرف لوٹ آؤ"۔ مگر یہ گرج دار آواز میں کہتے "میں کفر کی طرف کبھی نہیں آؤں گا"۔

(3) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دعوت حق پر لبیک کہا۔ اسلام لانے سے قبل ان کا نام عبدالکعبہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ یہ فرماتے ہیں "امیہ بن خلف میرا دوست تھا۔ اس نے ایک روز مجھے کہا "کیا تو نے وہ نام چھوڑ دیا ہے جو تیرا تیرے والدین نے رکھا تھا"۔ میں نے کہا "ہاں!" اس نے کہا "میں کسی رحمان کو تو نہیں جانتا۔ لیکن میں تجھے عبدالالہ سے پکاروں گا"۔ وہ مجھے اسی نام سے پکارتا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے۔ وہ فرماتے "میں نے کئی بار یمن کی طرف سفر کیا۔ میں جب بھی وہاں جاتا تو عسکلان بن عواکن کے ہاں فروکش ہوتا۔ وہ مجھ سے پوچھتا "کیا تم میں کسی ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جس کا ذکر بلند ہوا ہو۔ کیا کسی شخص نے تمہارے دین کی مخالفت کی ہے"۔ میں کہتا "نہیں" حتیٰ کہ وہ سال آگیا جس میں حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ ہوئی۔ مجھے حضور ﷺ کی بعثت کا کوئی علم نہ تھا میں یمن گیا۔ اور اس شخص کے ہاں ٹھہرا...... جب میں مکہ مکرمہ میں واپس آیا تو میں حضرت ابوبکر صدیق سے ملا اور انہیں یہ بات بتائی۔ انہوں نے فرمایا "محمد مصطفیٰ

ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے" جب میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس میں پہنچا تو حضور ﷺ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ آپ نے فرمایا "میں ایک خلیق چہرہ دیکھ رہا ہوں مجھے اس کے لئے بھلائی کی امید ہے۔ تمہارے پاس کیا ہے" میں نے عرض کی "امانت" آپ ﷺ نے فرمایا "ایک بھیجنے والے نے تمہیں ایک خط کے ساتھ بھیجا ہے وہ نکالو" میں نے سارا واقعہ گوش گزار کیا اور اسلام کی نعمت کبریٰ حاصل کر لی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "حمیر کا بھائی مجھ پر ایمان لایا۔ اس نے میری تصدیق کی"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے سنا حضور سید المرسلین ﷺ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے "تم اہل آسمان میں بھی امین ہو اور اہل زمین میں بھی امین ہو"۔ ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ انہیں صادق، صالح و پاکباز کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔

(4) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر لبیک کہا اور عشرہ مبشرہ کے مبارک گروہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ ترغیب دی برانگیختہ کیا۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور اسلام کے متعلق پوچھا۔ حضور ﷺ نے انہیں دین متین کے متعلق بتایا تو یہ مشرف باسلام ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر مبارک انیس سال تھی۔ ان کا تعلق بنو زہرہ سے تھا۔ اس لئے حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرما کر کہا "یہ میرے ماموں ہیں ایک شخص کو اپنے ماموں کا خیال رکھنا چاہئے" امام سہیلی نے لکھا ہے "یہ حضور اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے چچا تھے"۔ ان کی والدہ نے ان کے اسلام کو سخت ناپسند کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے حسن سلوک کرتے تھے۔ والدہ نے انہیں کہا "کیا تمہارا گمان نہیں کہ تمہارا دین تمہیں صلہ رحمی اور والدین سے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا "ہاں!" والدہ نے کہا "اللہ کی قسم! میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی حتیٰ کہ تم اس دین کے ساتھ کفر کرو جسے محمد عربی ﷺ لے کر آئے ہیں اور اساف و نائلہ کو مس کرو"۔ اس قسم کے دوران لوگ ان کی والدہ ماجدہ کا منہ کھولتے تھے اور اس میں کھانا اور پانی ڈال دیتے تھے۔ مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہی کے متعلق اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (لقمان)

"اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے، شکم میں اٹھائے رکھا ہے اسے اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے (اس لئے ہم نے حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخرکار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اس کو جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ نے ایک دن اور ایک رات نہ کھایا۔ اس کی کمر ٹیڑھی ہو گئی۔ دوسرا دن بھی

گزر گیا اس نے کچھ نہ کھایا پیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں نے کہا "امی! جانتی ہو! اللہ کی قسم! اگر تمہاری ایک سو جانیں بھی ہوں۔ جو ایک ایک کر کے نکلتی رہیں میں پھر بھی محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین حق کو نہیں چھوڑوں گا۔ خواہ تم کھاؤ یا نہ کھاؤ"۔ جب اس نے یہ ثبات دیکھا تو اس نے کھا لیا۔

اسباب للبلاذری میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میری امی کو خبر ہوگئی کہ میں نے نماز عصر پڑھی ہے۔ میں اس کے پاس آیا تو وہ دروازہ پر کھڑی تھی۔ وہ باآواز بلند چلائی "میرے یا اس کے قبیلہ میں سے کوئی ایسا مددگار ہے جو سعد کے خلاف میری مدد کرے میں اسے قید کر دوں۔ پھر دروازہ بند کر دوں حتیٰ کہ یہ مر جائے یا اس نئے دین کو چھوڑ دے" یہ سن کر میں واپس آ گیا۔ میں نے کہا "میں تمہارے قریب تک نہ آؤں گا۔ نہ تمہارے گھر کے پاس آؤں گا" میں نے اس وقت ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ پھر امی نے میری طرف یہ پیغام بھیجا "اپنے گھر واپس آ جاؤ۔ لوگوں کے مہمان نہ بنو اور نہ ہمیں عار دلاؤ"۔ میں اپنے گھر آ گیا۔ ایک دفعہ وہ مجھے خوش ہو کر ملتی اور دوسری دفعہ اذیت دیتی۔ وہ میرے بھائی عامر کو عار دلاتی اور کہتی "یہ مرد پاکباز اپنا دین ترک نہیں کرے گا نہ ہی ہماری پیروی کرے گا"۔ جب عامر نے اسلام قبول کر لیا تو انہوں نے اس سے بہت سی اذیتیں برداشت کیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ایک دن میں گھر آیا۔ لوگ میری امی اور میرے بھائی عامر کے ارد گرد جمع تھے۔ میں نے پوچھا "یہ اجتماع کیسا ہے؟" لوگوں نے مجھے بتایا "یہ تمہاری امی ہے۔ اس نے عامر کو پکڑ رکھا ہے۔ یہ رب تعالیٰ سے عہد کر رہی ہے کہ نہ وہ کھجور کے سایہ میں بیٹھے گی۔ نہ ہی کھائے اور پیئے گی حتیٰ کہ یہ اپنے دین کو ترک کر دے" میں نے اسے کہا "بخدا! امی! نہ سایہ حاصل کرو۔ نہ کھاؤ۔ نہ پیو حتیٰ کہ جہنم تمہارا ٹھکانہ بن جائے"۔

(4) حضرت طلحہ بن عبید اللہ التیمی رضی اللہ عنہ

ان کا شمار بھی عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ انہیں اسلام کی دعوت دی۔ رب تعالیٰ کی طرف بلایا۔ جب انہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا تو یہ انہیں لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ ان کی عجیب داستان تھی۔ یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ انہوں نے فرمایا "میں بصریٰ کے بازار میں گیا۔ ایک راہب اپنے گرجا میں تھا۔ اس نے کہا "اس کارواں سے پوچھو کہ کیا اس میں اہل حرم میں سے کوئی ہے؟ میں نے کہا "ہاں! میں اہل حرم میں سے ہوں"۔ اس نے پوچھا "کیا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے"۔ میں نے پوچھا "کون احمد؟" اس نے کہا "عبد اللہ بن عبد المطلب کے فرزند دلبند۔ اس ماہ ان کا ظہور ہوگا۔ وہ آخری نبی ہوں گے۔ ان کا ظہور حرم سے ہو گا۔ وہ کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ ان پر ایمان لانے میں کوئی تم سے سبقت نہ لے جائے"۔ میرے دل میں یہ بات جاگزیں ہو گئی۔ میں جلدی جلدی عازم سفر ہوا۔ مکہ مکرمہ پہنچا۔ میں نے پوچھا "کیا کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے؟" لوگوں نے مجھے بتایا "ہاں! محمد بن عبد اللہ الامین (فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کو رب تعالیٰ کی طرف بلا رہے ہیں۔ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے ان کی اتباع کر لی ہے"۔ میں باہر نکلا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہیں راہب کی بات بتائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں گئے اور سارا قصہ عرض کیا جسے سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ مسرور

ہوئے اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تو نوفل بن العدویہ نے انہیں پکڑا (اسے قریش کا شیر کہا جاتا تھا) اور انہیں ایک رسی میں باندھ دیا تاکہ یہ اپنے دین حق سے برگشتہ ہو جائیں۔ بنو تیم نے بھی اسے منع نہ کیا۔ اسی لئے ان دونوں حضرات کو "القرینین" کہا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے "مولا ہمیں ابن عدویہ کے شر سے بچا"۔

طلحہ ایک اور شخص کا نام بھی تھا۔ اس کے باپ کا نام بھی عبید اللہ اور اس کا قبیلہ بھی یہی تھا۔ پہلے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے جبکہ دوسرے شخص کا یہ مقام نہیں۔ اس کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (الاحزاب:53)

"اور تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی"۔

اس نے کہا تھا "اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں (حضرت) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرلوں گا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا تھا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری چچازاد عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں پھر ہم سے ہی ان کا پردہ کراتے ہیں۔ اگر ان کا وصال ہو گیا تو میں ان کے بعد (حضرت) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرلوں گا"۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

علامہ سیوطی فرماتے تھے "مجھے اس روایت کی صحت میں سخت تردد تھا۔ کیونکہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا تھا۔ ان کا مقام و منصب بہت بلند تھا۔ ان سے ایسی بات کیسے نکل سکتی تھی۔ حتیٰ کہ میں نے دیکھا یہ کوئی اور شخص تھا جس کا نام، جس کے باپ کا نام اور قبیلے کا نام یہی تھا۔

لب لباب یہ ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے۔ انہیں طلحہ الفیاض اور طلحۃ الجواد بھی کہا جاتا تھا۔ ان عشرہ مبشرہ میں سے پانچ یہ حضرات ہیں۔ حضرت عثمان غنی، حضرت طلحۃ الفیاض، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کپڑے کا کاروبار کرتے تھے جبکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ گوشت فروخت کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تیر بناتے تھے۔ پھر خواتین و حضرات جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔

وہ خواتین و حضرات جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کے خورشید تاباں سے اجالا پایا وہ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل العدوی، ان کی زوجہ محترمہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا یہ دوسری عظیم خاتون تھیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ وہ تیسری

خاتون جنہوں نے نور اسلام پایا وہ حضرت ام فضل لبابہ بنت حارث تھیں۔ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا شمار بھی ان خواتین میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے دعوت حق پر لبیک کہا۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت کے بعد ہوئی۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کا شمار بھی سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش کیا۔ اسی طرح حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے بھی نور اسلام سے اپنا سینہ منور کیا۔ یہ حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے۔ ان کی وفات کے بعد وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ اس وقت نو افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے دس افراد پیغام ہدایت قبول کر چکے تھے۔ ان بلند اقبال ہستیوں میں حضرت عثمان بن مظعون الجمحی ان کے برادر محترم قدامہ، حضرت عبداللہ اور حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کا قبول حق

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار بھی ان خوش قسمت افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے صدائے حق پر لبیک کہا۔ وہ اپنے اسلام کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں ''میں آل عقبہ بن ابی معیط کے ریوڑ میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا ''کیا تمہارے پاس ایسی پٹھ ہے جس کے ساتھ نر نے جفتی نہ کی ہو''۔ میں نے عرض کی ''ہاں! میں نے ایسی پٹھ پیش کی جس کی کھیری نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کھیری کی جگہ پر دست اقدس پھیرا۔ تو وہ فوراً دودھ سے لبالب بھر گئی۔ میں نے ایک برتن بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نکالا۔ پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر مجھے پلایا پھر خود نوش جان فرمایا۔ پھر کھیری سے فرمایا ''سکڑ جا وہ پہلے کی طرح سکڑ گئی''۔ امام سبکی نے اپنے قصیدہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

و رب عناقٍ مانزا الفحل فوتها مسحت علیها بالیمین فدرت

کئی ایسی بکریاں تھیں جن کے ساتھ نر نے جفتی نہیں کی تھی لیکن جب آپ کا دست اقدس انہیں لگ گیا تو وہ دودھ اتار آئیں۔

جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ روشن معجزہ دیکھا تو فوراً اسلام قبول کر لیا۔ عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے تعلیم دیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس ان کے سر پر رکھا اور فرمایا ''تم ایک تعلیم یافتہ جوان ہو''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ وہ اکثر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر رہتے تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے آگے چلتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل فرماتے تو یہ پردہ تن کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت فرما ہوتے تھے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کو بیدار کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانے لگتے تو آپ کو نعلین مبارک پیش کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے تو نعلین مبارک اپنی بغل کے نیچے رکھ لیتے تھے۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں صاحب ستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے معروف تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جنت کا مژدہ جانفزا سنایا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اپنی امت مرحومہ کیلئے وہی کچھ پسند کرتا ہوں جو اس کے لئے ابن ام عبد

پسند کرتے ہیں۔ اور اس بات پر اس سے ناراض ہوتا ہوں جس پر ابن ام عبد ناراض ہوتے ہیں"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ان کا نام جندب بن عبادہ تھا۔ یہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل بھی میں نماز پڑھتا تھا۔ میں اسی طرف منہ کر لیتا جس طرف رب تعالیٰ چاہتا تھا۔ مجھے خبر ملی کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ وہ نبی (کریم) ہے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا "اس شخص کے پاس جاؤ اس سے گفتگو کرو پھر مجھے اس کے متعلق بتاؤ" جب میرا بھائی انیس واپس آیا تو میں نے پوچھا "تمہارے پاس کیسی خبر ہے؟" اس نے کہا "بخدا! میں ایسے شخص کی زیارت سے بہرہ ور ہوا ہوں جو بھلائی کا حکم دیتا ہے، برائی سے منع کرتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مبعوث کیا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے"۔ میں نے پوچھا "لوگ اس پاکباز ہستی کے متعلق کیا کہتے ہیں؟" اس نے کہا "لوگ انہیں کاہن، شاعر اور ساحر کہتے ہیں۔ لیکن اللہ کی قسم وہ سچے اور لوگ جھوٹے ہیں"۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا "میرے اہل وعیال کا خیال رکھنا۔ میں خود وہاں جاتا ہوں"۔ اس نے ہامی بھری اور کہا "اہل مکہ سے محتاط رہنا"۔ میں نے اپنا توشہ دان اور عصا لیا۔ عازم سفر ہوا اور مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان نہ تھی۔ میں کسی سے آپ کے متعلق پوچھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں تین شب و روز تک مسجد حرام میں ٹھہرا رہا۔ آب زمزم کے علاوہ کچھ پاس نہ تھا۔ میں وہی نوش جان کرتا رہا حتیٰ کہ میں موٹا ہو گیا۔ پیٹ کی شکنیں ختم ہو گئیں مجھے بھوک کا احساس تک نہ تھا۔ ایک رات کوئی انسان بھی محو طواف نہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے طواف کیا۔ پھر نماز پڑھی۔ جب آپ نے اپنی نماز مکمل کی تو میں بھی حاضر خدمت ہو گیا۔ میں نے عرض کی "السلام علیک یارسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے سچے رسول ہیں"۔ میں نے مسرت وانبساط کے آثار حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر دیکھ لئے۔ آپ نے یہ استفسار فرمایا "کون ہو؟" میں نے عرض کی "قبیلہ غفار کا ایک شخص ہوں" فرمایا "کب آئے ہو؟" میں نے عرض کی "میں تین شب و روز سے ادھر ہی ہوں" فرمایا "کھانا کون دیتا تھا؟" عرض کی "صرف آب زمزم پیتا تھا۔ اس کی وجہ سے موٹا ہو گیا ہوں حتیٰ کہ پیٹ کی شکنیں ختم ہو گئیں ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ مبارک پانی ہے یہ کھانے کے قائم مقام بھی ہو جاتا ہے۔ بیماریوں سے شفاء یاب بھی کرتا ہے۔ آب زمزم اس مقصد کے لئے ہو جاتا ہے جس کے لئے اسے پیا جائے اگر اسے حصول شفاء کے لئے پیو گے تو رب تعالیٰ تمہیں شفاء یاب کرے گا اگر سیر شکم ہونے کے لئے پیو گے تو رب تعالیٰ تمہیں سیر شکم فرمائے گا۔ اگر سیراب ہونے کے لئے پیو گے تو رب تعالیٰ تمہاری پیاس بجھا دے گا۔ یہ حضرت جبرائیل امین کا چشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو سیراب کیا۔ اسے سیر شکم ہو کر پینا نفاق سے نجات دلاتا ہے۔ ہمارے اور منافقین کے مابین نشانی یہ ہے کہ منافق اسے سیر شکم ہو کر نہیں پی سکتے"۔

روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں سلام عرض کیا تھا "السلام علیک یارسول اللہ" انہوں نے اس بات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی کہ راہ خدا میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ

ہوگا۔ وہ حق بات ہی کہیں گے خواہ وہ کتنی تلخ ہوگی۔ اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جن پر آسمان سایہ فگن ہے اور جن کو زمین نے اٹھایا ہوا ہے۔ حضرت ابوذر ان میں سے بڑھ کر سچے ہیں''۔ دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا ''ابوذر زمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کے ساتھ چلتے ہیں'' ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ابوذر میری امت کے زاہد ہیں۔ وہ میری امت میں سے سب سے زیادہ سچے ہیں''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ شام چلے گئے۔ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک وہیں رہے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے شکوہ کیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں وہاں سے بلا کر ربذہ میں سکونت پذیر کر دیا۔ وہ تادم وصال وہیں رہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے سخت اور درشت لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں پوچھا ''اس شہر مکہ میں آپ کیوں آئے ہیں؟ انہوں نے کہا ''اگر آپ میرا راز مخفی رکھیں تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں''۔ دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا ''اگر آپ میرے ساتھ عہد کریں کہ آپ میری راہ نمائی کریں گے تو میں آپ کو بتاتا ہوں''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے انہیں بتایا۔ انہوں نے میری راہ نمائی کی اور مجھے بارگاہ رسالت مآب تک پہنچا دیا اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تین روز تک حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ضیافت کی۔ وہ نہ ان سے کچھ پوچھتے۔ نہ ہی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ انہیں کچھ بتاتے۔ تیسرے روز جناب شیر خدا نے ان سے پوچھا ''آپ اس شہر میں کیوں آئے ہیں؟'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا ''اگر آپ میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ میری بات کو مخفی رکھیں گے تو میں آپ کو بتا دیتا ہوں''۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے خبر ملی ہے کہ اس شہر میں ایک ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے۔ میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تاکہ وہ ان سے بات چیت کریں۔ وہ واپس گیا تو مجھے اس کے بتانے پر تشفی نہیں ہوئی۔ میں نے چاہا کہ میں خود ان سے ملاقات کروں''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ میرے پیچھے پیچھے آجائیں۔ جس جگہ میں داخل ہو جاؤں وہیں اندر چلے جائیں۔ اگر میں نے کسی کو دیکھا جس سے آپ کو خطرہ ہوا تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا گویا کہ میں اپنے تسمے درست کر رہا ہوں۔ یا گویا کہ میں لوٹے سے پانی ڈال رہا ہوں۔ آپ آگے گزر جائیں''۔ حضرت علی روانہ ہوئے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ حتیٰ کہ وہ کاشانۂ نبوی میں داخل ہو گئے۔ میں بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گیا۔ میں نے عرض کی ''آپ ﷺ مجھ پر اسلام پیش کریں''۔ آپ نے اسلام کی تعلیمات دلنشین انداز میں پیش کیں تو میں فوراً مشرف باسلام ہو گیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آج رات کا کھانا مجھے تیار کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں''۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''حضور ﷺ روانہ ہوئے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولا آپ نے کھانا پیش کیا۔ میں نے اس دن پہلی مرتبہ طائف کا زبیب (خشک

میوہ) کھایا"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ضیافت کرنا۔ اس روایت کے منافی نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ کاشانہ نبوی میں حاضر ہونے اور طواف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملاقات ہونے والی روایتوں میں تطبیق ممکن ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے ہوں۔ پھر مطاف میں ملاقات کا شرف حاصل کیا ہو۔ دوسری بار قبول اسلام سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے شہادتین پر ثابت قدم رہنے کے لئے بیعت کی ہو۔ تین دن مطاف میں ہجوم ہونے کی وجہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہ کر سکے۔ ورنہ یہ ناممکن ہے کہ تین روز گزر جاتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کے طواف کے لئے تشریف نہ لاتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے وقت ان سے ملاقات کی تھی۔ آپ کا گمان تھا کہ یہ مسافر ہیں اس شہر کے مکین نہیں ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "یہ معاملہ پوشیدہ رکھو۔ اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ انہیں بتاؤ کہ وہ میرے پاس آ جائیں۔ جب تمہیں ہمارے غلبہ کی خبر مل جائے تو ہمارے پاس آ جانا"۔ انہوں نے فرمایا "میں نے عرض کی" مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں ان مشرکین کے سامنے ضرور اعلان حق کروں گا"۔ میں نے پانچویں نمبر پر اسلام قبول کیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں چوتھا شخص تھا جس نے یہ سعادت کبریٰ حاصل کی تھی"۔ ممکن اس سے مراد ہو کہ اعرابیوں میں سے میں نے پانچویں یا چوتھے نمبر پر اسلام کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس لئے یہ اس روایت کے منافی نہیں کہ اس وقت پانچ سے زائد ہستیاں دولت اسلام سے مالا مال ہو چکی تھیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب قریش مسجد میں جمع ہو گئے تو میں نے با آواز بلند کہا "اشھد ان محمد رسول اللہ" انہوں نے کہا "اس صابی کو مزہ چکھا دو" اہل وادی مجھ پر ڈھیلے اور ہڈیاں لے کر ٹوٹ پڑے۔ حتیٰ کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت عباس مجھ پر جھکے۔ انہوں نے قریش سے کہا "تمہارے لئے ہلاکت! کیا تمہیں علم نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا ایک شخص ہے اور تمہارا تجارتی راستہ وہیں سے گزرتا ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں آب زمزم کے پاس آیا اور خون صاف کیا۔ دوسرے روز میں نے یہی صدائے حق بلند کی۔ انہوں نے اسی طرح مجھے زدوکوب کیا۔ مجھے حضرت عباس نے آلیا اور نجات دلائی۔

میں اپنے بھائی انیس کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا "تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا "میں اسلام قبول کر چکا ہوں۔ میں نے اس ہستی پاک کی تصدیق کر دی ہے"۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے کہا "میں بھی اس عظیم سعادت سے بہرہ مند ہو چکا ہوں۔ ہم اپنی والدہ ماجدہ کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ہم اپنے قبیلہ غفار کے پاس پہنچے ان کے نصف لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے کہا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ گر ہوں گے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے"۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف فرما ہو گئے تو دوسرے لوگوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا "میں کھجوروں والی سرزمین کی طرف ہجرت کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یثرب ہے۔ کیا تم اپنی قوم کو دین حق کی تبلیغ کرو گے۔ ممکن ہے رب تعالیٰ تمہارے ذریعے انہیں نفع دے اور ان کے ذریعے تمہیں اجر سے نوازے"۔

روایت ہے کہ ایک دن وہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے تھے۔ وہ حج یا عمرہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ لوگوں نے انہیں

گھیر لیا۔ انہوں نے ان سے فرمایا "اگر تم میں سے کوئی سفر کرنے کا ارادہ کرے تو کیا وہ زاد راہ تیار نہیں کرتا"۔ لوگوں نے کہا "کیوں نہیں!" انہوں نے فرمایا "قیامت کا سفر بہت دور کا سفر ہے۔ ایسا زاد راہ تیار کرو جو وہاں کام آسکے"۔ لوگوں نے پوچھا "کیسا زاد راہ تیار کریں"۔ انہوں نے فرمایا "بڑے بڑے امور کے لئے حج کرو۔ روز حشر کے لئے سخت گرمی کے دن میں روزے رکھو۔ قبور کی وحشت کے لئے رات کی تاریکی میں نماز پڑھو"۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کا قبول حق

انہوں نے اپنے بھائیوں میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان کی لخت جگر حضرت ام خالد کا یہ قول "سب سے پہلے میرے والد گرامی نے اسلام قبول کیا" اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے خواب میں آگ دیکھی۔ اس کی تیزی اور شعلہ فشانی دیکھی۔ یہ ایک ہولناک منظر تھا۔ انہوں نے خود کو دیکھا کہ وہ آگ کے کنارے پر کھڑے تھے۔ ان کا باپ انہیں اس آگ میں پھینکنا چاہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دامن سے پکڑ کر اس آگ میں گرنے سے روک رہے تھے۔ حضرت خالد گھبرا کر بیدار ہو گئے۔ انہیں علم ہو گیا کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہدایت بخش کے ذریعے ہی آگ سے نجات نصیب ہو گی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ ان کی اتباع کر لو"۔ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟" حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں رب تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز یہ گواہی دو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ تم ایسے پتھروں کی پوجا ترک کرو جو نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں"۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ یہ اثر آفرین کلام سن کر فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

"الوفاء" از سید سمہودی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل ایک روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ انہوں نے کہا "میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ مکہ مکرمہ میں تاریکی پوری طرح چھا گئی ہے۔ حتیٰ کہ انسان کو اپنی ہتھیلی بھی نظر نہیں آتی۔ اسی کیفیت میں چشمۂ زمزم سے ایک نور کا ظہور ہوا۔ وہ آسمان کی طرف بڑھنے لگا۔ اس سے بیت اللہ روشن ہو گیا وہ نور مبارک سارے مکہ مکرمہ میں پھیل گیا۔ پھر وہ یثرب (مدینہ طیبہ) کی طرف منتقل ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں نے اسے وہاں کے نخلستانوں کی کھجوروں میں دیکھا۔ میں اس خواب کو دیکھ کر بیدار ہو گیا۔ میں نے عمرو بن سعید اپنے بھائی کو یہ خواب بتایا وہ صائب الرائے تھا۔ اس نے کہا "بھائی اس امر کا ظہور بنو عبدالمطلب میں ہو گا۔ کیونکہ نور انہی کے چشمہ زمزم سے ظاہر ہوا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد انہوں نے یہ خواب حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے خالد! میں ہی وہ نور ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ جب ان کا باپ ابو احیحہ سعید کو علم ہوا۔ یہ سعید عظماء قریش میں سے تھا۔ جب عمامہ باندھتا تھا تو کوئی قریشی اس کی تعظیم کرتے ہوئے

عمامہ نہیں باندھتا تھا۔ اس کے بارے ایک شاعر نے کہا ہے۔

اَبَا اُحَیْحَۃَ مَنْ یَعْتَمَّ عِمَّتَہٗ   یَوْمًا وَاِنْ کَانَ ذَامَالٍ وَ ذَا عَدَدَا

ابواحیحہ جس روز عمامہ باندھے اس روز عمامہ باندھنے کی جرأت کون کرسکتا تھا خواہ کوئی کثیر المال اور کثیر العیال ہوتا۔

جب اسے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خبر ملی تو اس نے ان کی تلاش میں لوگوں کو روانہ کیا۔ انہیں خوب جھڑکا۔ پھر اس ڈنڈے کے ساتھ مارنا شروع کر دیا جو اس کے ہاتھ میں تھا حتیٰ کہ وہ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔ اس نے کہا "کیا تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی اتباع کرتا ہے۔ حالانکہ تجھے علم ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کی مخالفت کی ہے۔ وہ ہمارے معبود کے عیوب نکالتے ہیں۔ وہ ہمارے گزشتہ آباء کو برا بھلا کہتے ہیں"۔ حضرت خالد پکار کر کہتے "بخدا! میں نے اس حیات بخش پیغام کی پیروی کر لی ہے جو وہ لے کر آئے ہیں"۔ یہ سن کر ان کے باپ کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ اس نے کہا "احمق! جہاں چاہتا ہے چلا جا۔ بخدا میں تمہارا رزق روک دوں گا"۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر تو نے میرا رزق بند کر دیا تو رب العزت مجھے رزق عطا فرمائے گا جس سے میں زندگی گزار لوں گا"۔ اس نے اپنے اس نور نظر کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا "تم میں سے کوئی اس کے ساتھ بات تک نہ کرے"۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہتے۔ آپ کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔ مکہ مکرمہ کے گرد و نواح میں اپنے باپ سے چھپے رہتے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سب سے پہلے حضرت خالد رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ ان کا باپ ایک دفعہ بیمار ہوا۔ اس نے کہا "اگر رب تعالیٰ نے مجھے اس مرض سے شفاء دی تو میں ابن ابی کبشہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خدا کی مکہ مکرمہ میں ہرگز عبادت نہیں کروں گا"۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی "مولا! اسے شفاء یاب نہ کر"۔ وہ اس مرض سے مر گیا۔

یہی حضرت خالد رضی اللہ عنہ وہ پاکباز ہستی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھی۔ ان کے بھائی حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک نور دیکھا جو چشمۂ زمزم سے بلند ہوا۔ جس سے مدینہ طیبہ کے نخلستان روشن ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے وہاں کھجوریں بھی دیکھ لیں۔ انہوں نے اپنا خواب بیان کیا تو ان سے کہا گیا "یہ بنو عبد المطلب کا چشمہ ہے۔ یہ نور انہی میں سے ضوفشاں ہو گا۔ یہی ان کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ خواب ان کے بھائی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔ یہی خواب ان کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ بعض راویوں نے اسے خلط ملط کر دیا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ ایک دفعہ یہ خواب حضرت خالد نے اور دوسری دفعہ ان کے بھائی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے دیکھا ہو۔ بنو سعید میں سے حضرت ابان بن سعید اور حضرت حکم بن سعید رضی اللہ عنہما کو اسلام قبول کرنے کی سعادت ازلی نصیب ہوئی۔ حضرت حکم بن سعید کا نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے "عبد اللہ" رکھا تھا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا باپ کسریٰ کا گورنر تھا۔ اہل روم نے اس پہ شب خون مارا۔ اس وقت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بچے

تھے۔ انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے اہل روم میں پرورش پائی۔ پھر اہل عرب نے انہیں خرید لیا۔ اور انہیں عکاظ کے بازار میں لے آئے۔ ان سے عبداللہ بن جدعان نے خرید لیا۔ جب حضور تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ حضرت عمار نے پوچھا "صہیب! کہاں کا ارادہ ہے؟" انہوں نے کہا "میں محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ میں ان کا کلام مقدس اور دعوت کاملہ کے بارے جاننا چاہتا ہوں"۔ حضرت عمار نے کہا "میرا ارادہ بھی یہی ہے"۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ یہ دونوں بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام پیش کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت کی۔ انہوں نے کلمۂ حق پڑھ لیا۔ پھر شام تک بارگاہ رسالت مآب میں حاضر رہے۔ پھر چھپتے چھپاتے باہر نکل آئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا "سارا دن کہاں رہے ہو" انہوں نے انہیں اپنے اسلام کے متعلق بتایا۔ انہیں اسلام کی تعلیمات مقدسہ پیش کیں انہیں قرآن پاک سنایا جو ابھی ابھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یاد کر کے آئے تھے۔ انہوں نے یہ حقیقت افزاء کلام سنا تو فوراً دعوت حق پر لبیک کہا۔ اس وقت تیس سے زائد فرخندہ فال ہستیاں دامن اسلام سے وابستہ ہو چکی تھیں۔

حصین والد عمران رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ان کے فرزند دلبند حضرت عمران رضی اللہ عنہ ان سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ قریش ان کے پاس آئے۔ قریش ان کی بہت زیادہ تکریم کرتے تھے۔ انہوں نے ان سے کہا "ہماری طرف سے اس شخص سے گفتگو کرو۔ وہ ہمارے معبودوں کو برے الفاظ سے پکارتا ہے"۔ قریش بھی ان کے ساتھ آئے۔ حتیٰ کہ وہ کاشانہ نبوی کے در اقدس کے پاس بیٹھ گئے۔ حصین اندر چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا "شیخ کے لئے جگہ کشادہ کرو"۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ وہیں موجود تھے۔ حصین نے کہا "ہمیں آپ سے کیسی خبریں مل رہی ہیں۔ آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "حصین! کتنے معبودوں کی پوجا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا "سات خدا زمین پر اور ایک آسمان پر ہے جن کی میں پرستش کرتا ہوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "جب نقصان پہنچتا ہے تو کس خدا کو بلاتے ہو"۔ انہوں نے کہا "اس خدا کو جو آسمان پر ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "جب مالی ہلاکت ہو جائے تو کس خدا کو پکارتے ہو؟" انہوں نے کہا "اسی کو جو آسمان پر ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہاری دعائیں تو ایک خدا قبول کرتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ دیگر معبودان باطلہ کو شریک ٹھہراتے ہو۔ اے حصین! کیا ایسے شرک پر راضی ہو؟ اسلام لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے"۔ حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان کے لخت جگر حضرت عمران فوراً ان کی طرف گئے اور ان کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مقدس سے موتی ٹپکنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے عمران کے سلوک پر رونا آ گیا۔ جب حصین حالت کفر میں یہاں آئے تو عمران نے نہ تو اٹھ کر ان کا استقبال کیا نہ ہی ان کی طرف توجہ کی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو یہ ان کے ہاتھ پاؤں اور سر چومنے لگے۔ یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر

میری چشمان مقدس سے آنسو کے گوہر ہائے آبدار گرنے لگے"۔ جب حضرت حصین رضی اللہ عنہ جانے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "انہیں ان کے گھر تک چھوڑ آؤ"۔ جب انہوں نے دہلیز مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء کو عبور کیا تو قریش نے ان کے چہرے پر انوار و تجلیات دیکھیں تو انہوں نے کہا "یہ تو صابی ہو گیا ہے" وہ منتشر ہو گئے۔

ہادئ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی قوم کو دعوت اسلام دینا

جب مرد و خواتین میں سے لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ حق کا اعلان باآواز بلند کریں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت باآواز بلند کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (الحجر)

"سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے"۔

یہ بات مشرکین پر بڑی شاق گزری۔ اس سے قبل وہ نہ تو آپ سے دور بھاگتے تھے۔ نہ آپ کے پیغام دلنشین کا رد کرتے تھے۔ بلکہ امام زہری کے مطابق جو کچھ آپ فرماتے تھے وہ اس کا انکار نہ کرتے تھے۔ جب آپ ان کی مجالس کے پاس سے گزرتے تو وہ یوں کہتے "یہ ابن عبد المطلب ہیں جو آسمان کی باتیں بتاتے ہیں" وہ اسی امر پر برقرار رہے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے معبودان باطلہ کا ذکر کیا اور ان کے عیوب نکالے۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ مشرکین سے فرمایا "تم نے اپنے باپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے دین متین کو بگاڑ دیا ہے"۔ انہوں نے کہا "ہم ان معبودان باطلہ کے سامنے اس لئے سجدہ ریز ہوتے ہیں تاکہ ان سے ہمیں قرب خداوندی نصیب ہو سکے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس بات پر راضی نہ ہوئے اور ان پر عیب لگایا بعثت مبارکہ کا چوتھا یا پانچواں سال تھا۔ مشرکین مکہ نے آپ کی مخالفت اور عداوت پر اتفاق کر لیا۔ البتہ جس کو رب تعالیٰ نے بچا لیا وہ بچ گیا۔ مگر ایسے فرخندہ فال لوگ بہت قلیل تھے۔ جناب ابو طالب نے آپ پر بہت شفقت کی۔ وہ آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے مابین کھڑے ہو گئے۔ امر شدت اختیار کرتا گیا لوگ آپ کے ساتھ اور صحابہ کرام کے ساتھ عداوت کا اظہار کرنے لگے۔ مشرکین مسلمانوں کو پکڑتے اور تکالیف کے شکنجے میں کس دیتے۔ انہیں دین متین سے برگشتہ کرنے کی ازحد کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت جناب ابو طالب اور بنو ہاشم کے ذریعے فرمائی۔ البتہ ابولہب ان سے مستثنیٰ تھا۔ بنو مطلب بھی بنو ہاشم کے ساتھ تھے جبکہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں سب سے آگے آگے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں "جب نماز کا وقت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں کی طرف تشریف لے جاتے۔ وہ اپنی قوم سے چھپ کر نماز ادا کر لیتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ مکرمہ کی کسی گھاٹی میں مصروف نماز تھے کہ اچانک مشرکین کی ایک جماعت نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس ادائے بندگی پر عیب لگانا شروع کئے۔ وہ اسے عجیب سمجھنے لگے۔ حتیٰ کہ نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک مشرک کے سر پر اونٹ کا جبڑا دے مارا جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا۔ یہ پہلا

خون تھا جسے مسلمانوں نے رضائے الٰہی کے لئے بہایا۔

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مشرکین کے مابین عداوت شدت اختیار کرتی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دارارقم میں رونق افروز ہو گئے۔ آج کل اسے دار الخیز ران کہا جاتا ہے۔ کیونکہ منصور نے یہ مبارک گھر خریدا اور اسے اپنے بیٹے مہدی عباسی کو ہبہ کر دیا۔ مہدی نے وہ مقدس گھر اپنے لونڈی خیزران کو دے دیا۔ یہ اس کی ام ولد تھی۔ موسیٰ، ہادی اور ہارون الرشید اس سے پیدا ہوئے تھے۔ خیزران نے اسے مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا۔ خیزران نے اپنے خاوند مہدی اور وہ اپنے باپ منصور سے روایت کرتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "جو تقویٰ شعار بنتا ہے رب تعالیٰ اس کے سارے مقاصد پورے فرما دیتا ہے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم دارارقم میں جلوہ افروز رہے۔ اس جگہ نماز ادا فرماتے رہے اور اس جگہ رب تعالیٰ کی عبادت میں محو رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر میں کتنی مدت جلوہ فرما رہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ مدت چار سال لکھی ہے۔ بعض نے لکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک ماہ اس گھر میں تشریف فرما رہے اس وقت اہل ایمان کی تعداد انتالیس تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ اسد اللہ و رسولہ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد مسلمان دارارقم سے باہر نکلے۔

جب سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت طیبہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿﴾ (الشعراء)

"اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو"۔

نازل ہوئی۔ یہ کام آسان نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوچ و بچار میں مستغرق ہو گئے۔ آپ پورا ایک ماہ اپنے کاشانہ اقدس میں گوشہ نشین ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں نے سمجھا کہ شاید آپ علیل ہیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے آئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "میں مریض نہیں ہوں بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿﴾ (الشعراء)

"اور ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو"۔

میرا ارادہ ہے کہ میں بنو عبد المطلب کو دعوت حق دوں"۔ پھوپھیوں نے کہا "بنو عبد المطلب کو ضرور دعوت الی اللہ دیں۔ لیکن ابولہب کو نہ بلائیں۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت بالکل پسند نہیں ہے"۔ پھر پھوپھیاں آپ کے کاشانہ اقدس سے چلی گئیں۔ صبح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد المطلب کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہو گئے۔ ان میں ابولہب بھی موجود تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ پر نزول وحی ہوا ہے"۔ آپ نے انہیں حیات آفرین پیغام سنایا تو یہ پیغام ابدی ابولہب کو بالکل پسند نہ آیا۔ اس نے کہا "تمہارے لئے ہلاکت! (نعوذ باللہ منہ) کیا تم نے ہمیں اس لئے یہاں جمع کیا تھا؟ اس نے پتھر اٹھایا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مارے۔ اس نے کہا "آج تک اتنا شر انگیز پیغام کوئی نہیں لے کر آیا جتنا فتنہ انگیز پیغام

تم اپنے چچازادوں اور قوم کے پاس لے کر آئے ہو"۔ حضور ﷺ خاموش رہے۔ اس محفل میں گفتگو نہ فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابولہب نے کہا "یہ آپ کے چچے ہیں۔ یہ چچازاد بھائی ہیں۔ جو کچھ آپ کہنا چاہتے ہیں ان سے کہیں۔ صباءت کو ترک کردیں۔ آپ کی قوم میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ سارے عرب کا مقابلہ کر سکے۔ بہتر تو یہ ہے کہ جو کام آپ نے شروع کیا ہے آپ کے قبیلے والے اور آپ کے قریبی رشتہ دار آپ کو اس سے روک دیں۔ یہ ان کے لئے آسان ہے بجائے اس کے کہ قریش کے سارے خاندان آپ کے خلاف متحدہ ہو کر مقابلہ کے لئے کھڑے ہو جائیں اور عرب کے سارے لوگ ان کی تائید کر رہے ہوں۔ میرے بھتیجے! کوئی آدمی ایسا فتنہ وفساد کا پیغام لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا جس فتنہ وفساد کا پیغام لے کر آپ آئے ہیں"۔ جب ابولہب نے حضور ﷺ کا پیغام ازلی سنا تو اس نے کہا "آپ کے لئے ہلاکت! کیا آپ نے ہمیں اس لئے جمع کیا تھا"۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ (اللہب)

"ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہوگیا"۔

جب ابولہب نے یہ آیت طیبہ سنی تو اس نے کہا "جو کچھ محمد عربی (ﷺ) کہہ رہے ہیں اگر وہ سچ ہے تو میں اپنا مال اور اولاد بطور فدیہ دے دوں گا"۔ اس وقت بقیہ سورت نازل ہوئی۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲ (اللہب)

"کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور داعی اعظم ﷺ نے قریش کو بلایا۔ جب ان کے خاص و عام جمع ہو گئے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اے بنو کعب بن لوئ! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو مرۃ بن کعب! خود کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو ہاشم اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد شمس اپنے آپ کو بچاؤ۔ اے بنو عبد مناف اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو زہرہ! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد المطلب خود کو آگ سے بچاؤ۔ اے (میری لخت جگر) فاطمہ! خود کو آگ سے بچائیں۔ اے صفیہ! اے محمد عربی ﷺ کی پھوپھو! اپنے آپ کو آگ سے بچائیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جب تک تم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نہ کہہ دو اس وقت تک نہ میں تمہیں دنیا میں فائدہ دے سکتا ہوں نہ ہی آخرت میں"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس روایت میں خاتون جنت حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا تذکرہ راویوں کے خلط ملط کرنے کی وجہ سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "مگر یہ کہ تم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو" بلکہ ان کا ذکر خیر ایک اور روایت میں ہے حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنی ازواج مطہرات اور نوران نظر رضی اللہ عنہن کو جمع فرمایا اور انہیں پاکیزہ اعمال پر برانگیختہ کرتے ہوئے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا"۔

مذکورہ بالا واقعہ کو کچھ دن گزر گئے تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا امر پورا کرنے کے لئے

غرض کی۔ حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ قریش مکہ کو جمع کیا۔ انہیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "کارواں کا پیش رو اپنے اہل کارواں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ بفرض محال اگر میں دوسرے لوگوں سے جھوٹ بولوں بھی تو بخدا! تم سے ہرگز جھوٹی بات نہیں کر سکتا۔ اگر میں بفرض محال ساری دنیا کو دھوکہ دے دوں تو تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتا۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں میں تمہاری طرف بالخصوص اور دیگر لوگوں کی طرف بالعموم رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ بخدا! تم اسی طرح مرو گے جس طرح تم سو جاتے ہو۔ پھر اسی طرح تمہیں اٹھایا جائے گا جس طرح تم نیند سے بیدار ہوتے ہو۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہوگا اس کا حساب و کتاب ہوگا۔ اچھے اعمال کی اچھی جزاء اور برے کاموں کی بری سزا ملے گی۔ پھر یا ابدی جنت یا ابدی جہنم۔ اے بنو عبدالمطلب میں کسی جوان کو نہیں دیکھتا جو اس پیغام سے افضل پیغام لے کر آیا ہو جو میں تمہاری طرف لے کر آیا ہوں۔ بخدا! میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی کامرانی لے کر آیا ہوں"۔

دیگر افراد نے تو نرم و نازک گفتگو کی۔ البتہ ابولہب نے درشتگی سے جواب دیا۔ اس نے کہا "بنو عبدالمطلب! بخدا! یہ چیز باعث رسوائی ہے۔ ان کا ہاتھ پکڑ لو۔ انہیں اس امر سے روک دو۔ قبل ازیں کہ کسی اور کا ہاتھ انہیں پکڑ لے۔ اس وقت اگر تم انہیں ان کے سپرد کر دو گے تو تم رسوا ہو جاؤ گے اور اگر تم ان کا دفاع کرو گے تو تمہارے سر قلم کر دیئے جائیں گے"۔ حضرت ام زبیر صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا "بھائی! کیا تمہیں اپنے بھتیجے کو یوں رسوا کرنا زیبا دیتا ہے۔ بخدا! علماء لگاتار یہ بشارتیں دیتے آئے ہیں کہ بنو عبدالمطلب سے ایک نبی کا ظہور ہوگا۔ بخدا! یہ وہی نبی مکرم ﷺ ہیں"۔ ابولہب نے کہا "بخدا! یہ سب کچھ باطل ہے۔ یہ جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ یہ پردہ نشین عورتوں کی باتیں ہیں۔ جب قریش کے قبائل تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ دیگر سارے عرب نے بھی ان کا ساتھ دیا تو ان کا مقابلہ کرنے کی سکت کس میں ہوگی؟ اس وقت ہمارے پاس سوائے ہلاکت کے کچھ نہ ہوگا"۔

اس وقت خواجہ ابو طالب نے جواب دیا "بخدا! جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے ہم ان کا دفاع ضرور کرتے رہیں گے"۔

پھر حضور اکرم، مبلغ اعظم ﷺ کوہ صفا پر جلوہ افروز ہوئے۔ سارے قریش کو بلایا۔ پھر فرمایا "اگر میں تمہیں کہوں کہ ایک لشکر جرار اس دامن کوہ سے نکل کر تم پر غارت گری کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے جھوٹا سمجھو گے؟ سارے حاضرین نے کہا "ہرگز نہیں! بخدا! ہم نے دیکھا ہے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اے گروہ قریش! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ میں تمہیں شدید عذاب سے واضح ڈرانے والا ہوں"۔

دوسری روایت میں ہے "میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن دیکھ لیا۔ وہ اپنے اہل و عیال کو آگاہ کرنے کے لئے جلدی جلدی بھاگ نکلا۔ وہ بلند آواز سے پکارنے لگا "اے لوگو! ارے لوگو! دشمن تمہارے پاس پہنچ چکا ہے میں تمہیں واضح ڈرانے والا ہوں"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کوہ صفا یا کوہ ابی قبیس یا کسی اور پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے باواز بلند پکارا

''اے لوگو! اے لوگو! ۔لوگوں نے پوچھا ''یہ بآواز بلند کون پکار رہا ہے؟'' کسی نے کہا ''یہ تو محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں''۔لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''جو شخص خود نہ آسکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ایک اور روایت میں ہے آپ نے یوں صدا دی ''اے عبد مناف! میں عذاب سے ڈرانے والا ہوں'' ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو جناب ابو طالب کے گھر جمع کیا۔وہ تعداد میں چالیس تھے۔ایک اور روایت کے مطابق پینتالیس مرد اور دو عورتیں تھیں۔آپ نے ان کے لئے کھانا تیار کرایا۔کھانے میں بکری کا گوشت۔ایک مد گندم اور ایک صاع دودھ تھا۔آپ نے وہ پیالہ ان کے سامنے رکھا اور فرمایا ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ'' انہوں نے جی بھر کر کھایا اور سیر شکم ہو کر پیا۔دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دس دس کی ٹولیاں آتے جاؤ اور کھاتے جاؤ''۔کھانے کے بعد انہیں دودھ عطا کیا گیا۔روایت ہے کہ وہ گوشت اور دودھ صرف اتنا تھا جسے ایک آدمی ایک ہی دفعہ کھا اور پی سکتا تھا۔جب انہوں نے تھوڑا سا دودھ اور گوشت دیکھا کہ اتنے کثیر لوگوں کے لئے کافی ہو گیا ہے تو وہ مبہوت ہو گئے۔جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا تو ابولہب نے یہ کہہ کر شور مچا دیا ''تمہارے اس صاحب نے تو بہت بڑا جادو کر دیا ہے'' دوسری روایت میں ہے اس نے کہا ''محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے'' ایک اور روایت میں ہے اس نے کہا ''ہم نے آج تک اس طرح کا جادو نہیں دیکھا''۔لوگ چلے گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیغام حق نہ سنا سکے۔دوسرے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''علی! اس طرح کھانا اور دودھ تیار کرو جس طرح کل کیا تھا''۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اسی طرح کھانا اور دودھ تیار کیا۔پھر قریش کو جمع کیا۔انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا پیا''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بنو عبد المطلب! میں سارے لوگوں کی طرف بالعموم اور تمہاری طرف بالخصوص بھیجا گیا ہوں۔آپ نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی۔

وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء)

''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو''۔

میں تمہیں ان دو کلموں کی طرف دعوت دیتا ہوں جو زبان پر بڑے ہلکے اور میزان میں بڑے بھاری ہیں۔وہ یہ گواہی دینا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں''۔میری اس دعوت پر لبیک کون کہے گا اور اس پر میری معاونت کون کرے گا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم'' میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ساری قوم مہر بلب رہی۔آپ نے فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' آپ نے دوسری بار یہی ارشاد پاک دہرایا۔ساری قوم خاموش رہی۔حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض پیرا ہوئے ''یا رسول اللہ! میں''۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔آپ نے تیسری بار یہی فرمان سنایا کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اٹھے اور عرض گزار ہوئے ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ''میں'' آپ نے انہیں فرمایا ''بیٹھ جاؤ۔تم میرے بھائی ہو''۔

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے ''بعض اہل ضلال نے اس روایت میں ایسے اضافات کئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔وہ سارے اضافے باطل ہیں۔مثلاً یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو میری اس دعوت پر لبیک کہے گا وہ میرا بھائی، میرا وزیر،

میرا وارث اور میرے بعد میرا خلیفہ ہوگا" یہ سن کر حضرت علی اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوسری روایت میں یہ اضافے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تم بیٹھ جاؤ۔ تم میرے بھائی، وزیر، وصی، وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ ہو"۔ یہ سارے اضافے کذاب اوران رافضیوں کی افتراء پردازی ہے جو اہل السنۃ پر طعن اور خلفائے راشدین کی خلافت پہ اعتراض کرتے ہیں"۔

ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ کھانا تیار کریں۔ پھر مجھے حکم دیا کہ میں بنو عبد المطلب کو بلاؤں۔ میں نے چالیس افراد کو بلایا۔ ممکن ہے اس طرح کا واقعہ کئی بار رونما ہوا ہو۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ نے انہیں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر کھانا کھلایا ہو۔ ایک دفعہ خواجۂ ابو طالب کے گھر قریش کو کھانا عنایت کیا ہو۔ شاید ایک دفعہ پہلے انہیں جمع کیا ہو۔ پھر دوبارہ انہیں اس طرح جمع کیا ہو کیونکہ آپ اس بات پر بڑے حریص تھے کہ قریش آپ کی اس دعوت حقہ پر لبیک کہیں۔ جب آپ نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی تو انہوں نے نہ تو حضور ﷺ کی دعوت کو رد کیا اور نہ ہی قبول کیا۔ کفار قریش نے آپ کے کسی فرمان کا انکار نہ کیا۔ آپ جب ان کی محافل میں سے گزرتے تو وہ کہتے "عبد المطلب کے یہ فرزند دلبند تمہارے ساتھ آسمان کی باتیں کرتے ہیں"۔ ان کا یہی طریقہ کار رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کے عیوب نکالے۔ انہیں نادان کہا۔ ان کے آباء کو گمراہ کہا تو انہوں نے اسے عجیب سمجھا اور سارے آپ کی عداوت اور مخالفت پر متفق ہو گئے۔

قریش کے وفود

سرداران قریش وفد کی صورت میں جناب ابو طالب کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا "ابو طالب! تمہارا یہ بھتیجا (فداہ روحی) ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے دین کے عیب نکالتا ہے۔ ہماری عقلوں کو بے وقوف کہتا ہے۔ ہمیں کم عقل کہتا ہے یا تو اسے سمجھالو یا پھر اس کے اور ہمارے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ تمہارا دین بھی وہی ہے جو ہمارا ہے۔" جناب ابو طالب نے ان سے نرم لہجہ میں گفتگو کی اور انہیں خوبصورت انداز سے ٹال دیا۔ سرداران قریش اٹھ کر چلے گئے۔ حضور ﷺ دین حق کے غلبہ کے لئے کوشش کرتے رہے۔ آپ اس ذات والا کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔ کوئی چیز بھی آپ کو تبلیغ دین حق سے نہ روک سکی۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ يَدْعُو اِلَى اللهِ وَ فِي الْكُفْرِ نَجْدَةٌ وَّاِبَاءُ

اُمَمٌ اُشْرِبَتْ قُلُوْبُهُمُ الْكُفْرَ فَدَاءُ الضَّلَالِ فِيهِمْ عَيَاءُ

پھر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جبکہ کفر میں شدت اور انکار تھا۔ وہ ایسی اقوام تھیں جن کے دل کفر سے شرابور ہو چکے تھے۔ ان کی گمراہی لاعلاج مرض تھی۔

پھر حضور ﷺ اور مشرکین مکہ کے مابین عداوت ومخالفت بڑھتی گئی۔ حتیٰ کہ لوگ ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ ان کے سینے عداوت اور کینہ سے لبریز ہو گئے۔ قریش مکہ اکثر حضور اکرم ﷺ کا تذکرہ کرتے رہتے۔

ایک بار پھر سرداران قریش کا وفد جناب ابو طالب کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا "ابو طالب! آپ عمر، شرف اور مقام و

منزلت میں ہم سے بالاتر ہیں۔ ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ اپنے بھتیجے (فداہ روحی) کو روک لیں۔ مگر آپ نے اسے منع نہ کیا۔ بخدا! ہم اس پر صبر نہیں کر سکتے جو ہمارے آباء کو برا بھلا کہے۔ ہماری عقلوں کو نادان کہے۔ ہمارے معبودان باطلہ کے عیوب نکالے یا تو آپ اسے روکیں یا ہم خود ہی ان سے نمٹ لیں گے۔ دوسری صورت میں آپ کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ دونوں گروہوں میں سے ایک نیست و نابود ہو جائے"۔ ایسی نازیبا باتیں کر کے سرداران قریش لوٹ گئے۔ جناب ابو طالب پر اپنی قوم کا یہ فراق اور عداوت بڑی شاق گزری۔ وہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش مکہ کے حوالے کر سکتے تھے اور نہ ہی انہیں آپ کو یوں چھوڑنا پسند تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور کہا "اے میرے بھتیجے! ابھی ابھی آپ کی قوم میرے پاس آئی تھی۔ انہوں نے اس طرح تکلیف دہ گفتگو کی ہے۔ آپ مجھ پر بھی رحم کریں۔ اپنی ذات پر بھی ترس کریں۔ مجھ پر ایسا بار گراں نہ ڈالیں جسے اٹھانے کی سکت مجھ میں نہ ہو"۔ جناب ابو طالب کی یہ گفتگو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گمان ہوا کہ شاید وہ آپ کو چھوڑ دیں گے یا آپ کو دشمن کے حوالے کر دیں گے۔ وہ آپ کی نصرت و اعانت سے معذرت کا اظہار کریں گے"۔ پھر پیکر جرأت استقامت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اے عم محترم! اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھ دیں تاکہ میں تبلیغ دین سے دست کش ہو جاؤں تو میں پھر بھی اسے نہیں چھوڑوں گا۔ حتیٰ کہ یا تو اللہ تعالیٰ اس دین متین کو غالب کر دے یا میں اس کی راہ میں شہادت سے سرخرو ہو جاؤں"۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ بار ہو گئے۔ چشمان مقدس سے آنسوؤں کے گوہر ہائے تابدار ٹپکنے لگے۔ آپ اٹھ کر جانے لگے۔ ابھی جانے کا قصد ہی فرمایا تھا کہ جناب ابو طالب نے کہا "میرے بھتیجے (فداہ روحی) میرے پاس تشریف لائیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا کے قریب ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی "میرے بھتیجے! آپ جیسے پسند کریں تبلیغ کریں۔ اللہ کی قسم میں کبھی بھی آپ کو کسی کے سپرد نہیں کروں گا۔ پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم حتی اوسد فی التراب دفینا

بخدا! یہ لوگ آپ تک کبھی بھی نہ پہنچ سکیں گے حتیٰ کہ مجھے زمین میں دفن کر دیا جائے۔

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ وابشر و قر بذاک منک عیونا

آپ جو چاہیں کریں آپ کو کوئی اندیشہ نہیں۔ آپ خوش ہو جائیں اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

ودعوتنی و زعمت انک ناصحی و لقد صدقت کنت ثم امینا

آپ نے مجھے بھی دعوت دی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے خلوص کا اظہار کیا ہے آپ سچے اور امین بھی ہیں۔

و عرضت دینا لامحالۃ انہ من خیر ادیان البریۃ دینا

آپ نے ایسا دین پیش کیا ہے جو دنیا کے سارے ادیان سے بہترین ہے۔

لولا الملامۃ او حذاری مسبۃ لوجدتنی سمحاً بذاک مُبِیْنًا

اگر میرا اپنا دین چھوڑنا میرے لئے عار اور ملامت نہ ہوتی تو آپ مجھے پاتے کہ میں اس دین کو اختیار کرنے میں

جلدی کرتا۔

حضور ﷺ نے شمس وقمر کا ذکر فرمایا۔ سورج کو دائیں دست اقدس کے ساتھ اور چاند کو بائیں دست اقدس کے ساتھ مختص فرمایا۔ اس میں موجود حکمت بڑی عیاں ہے۔ کیونکہ سورج نیر اعظم ہے۔ دایاں دست اقدس اسی کے مناسب تھا۔ جبکہ چاند میں داغ پائے جاتے ہیں۔ لہذا بایاں دست اقدس اس کے مناسب تھا۔ حضور ﷺ نے شمس وقمر کو مخصوص فرمایا کیونکہ آپ کے حیات آفرین پیغام کی انہی کے ساتھ ضرب المثل بیان کی گئی ہے۔ ارشاد پاک ہے

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ (التوبہ:32)

"(یہ لوگ) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے"۔

جب کفار قریش کو یقین ہو گیا کہ جناب ابو طالب نہ تو حضور اکرم ﷺ کو چھوڑیں گے اور نہ ہی آپ ﷺ کو ان کے سپرد کریں گے تو وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ان کے پاس لے گئے۔ انہوں نے یہ التجاء کی "اے ابو طالب! یہ عمارۃ بن ولید ہے۔ یہ قریش کے سارے جوانوں سے قوی اور صاحب جمال ہے۔ اسے اپنا بیٹا بنالیں۔ یہ تمہارا معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ یہ اپنا بھتیجا ہمارے حوالے کر دیں۔ اس نے ہی تمہارے اور ہمارے آباء کے دین کی مخالفت کی ہے۔ اس نے ہی تمہاری قوم میں تفرقہ ڈالا ہے۔ اسے عقل و دانش سے عاری کہا ہے۔ ہم اسے قتل کر دیں گے (نعوذ باللہ منہ) اس طرح ایک آدمی کے بدلہ تمہیں ایک آدمی مل جائے گا"۔ قریش مکہ کی یہ ہرزہ سرائی سن کر جناب ابو طالب نے کہا "تم میرے ساتھ کتنا برا سودا کر رہے ہو۔ تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو تا کہ میں اسے تمہارے لئے پروان چڑھاؤں اور اپنا نور نظر تمہیں اس لئے دے دوں تا کہ تم اسے قتل کر دو۔ قسم بخدا! ایسا نہیں ہو سکتا کیا تم نے ایسی اونٹنی دیکھی ہے جو کسی اور کے بچے پر شفقت کر رہی ہو"۔

مطعم بن عدی نے کہا "ابو طالب! اللہ کی قسم! تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کر دیا ہے۔ اس نے تمہیں اس امر سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ تم قریش کی کوئی بات قبول نہیں کرو گے"۔ جناب ابو طالب نے مطعم سے فرمایا "بخدا! انہوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لیکن تو نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تو مجھے ضرور ذلیل و رسوا کرے گا۔ میرے خلاف میری قوم کی مدد کرے گا۔ جو تیری منشاء ہو کر"۔

یہی عمارہ بن ولید سرزمین حبشہ میں حالت کفر میں مرا۔ اس پر جادو کر دیا گیا تھا۔ یہ جنگلی جانوروں کے ساتھ جنگلوں میں رہتا تھا۔ مطعم بن عدی بھی حالت کفر میں مرا۔ جب جناب ابو طالب نے قریش مکہ کی بات نہ مانی تو معاملہ شدت اختیار کر گیا۔ جب انہوں نے حالات کی نزاکت کو دیکھا تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کو حضور ﷺ کے دفاع اور تحفظ کی طرف بلایا۔ ابولہب کے علاوہ تمام نے ان کی اس صدا پر لبیک کہا۔ یہ علی الاعلان حضور ﷺ اور دیگر اہل ایمان کو اذیت دیتا تھا۔

قریش مکہ کا ہادیٔ اعظم ﷺ کے ساتھ ہولناک سلوک

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "ایک دن میں مسجد حرام میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو جہل آیا اس نے کہا

"مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر میں نے محمد (عربی ﷺ) کو سجدہ کی حالت میں دیکھ لیا تو ان کی (مبارک) گردن کو ضرور روندھ ڈالوں گا"۔ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور ابوجہل کی بات بتائی۔ حضور ﷺ غصہ کی حالت میں باہر تشریف لے آئے۔ مسجد میں جلوہ افروز ہوئے۔ اور سورۃ الاقراء پڑھنے لگے۔ ساری سورۃ مبارکہ ختم کر لینے کے بعد آپ نے سجدہ کیا۔ کسی انسان نے ابوجہل سے کہا "ابوالحکم! محمد (عربی ﷺ) سجدہ ریز ہو چکے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کی سمت بڑھا پھر الٹے پاؤں بھاگ گیا۔ جب اس کے متعلق اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا "کیا جو کچھ میں نے دیکھا تم نے نہیں دیکھا؟ میں نے ان کے اور اپنے مابین آگ کی خندق دیکھی"۔ عنقریب آئے گا کہ

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝ (العلق)

"(اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے"۔

ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی۔

ایک دن ابوجہل نے قریش سے کہا "تم دیکھ رہے ہو کہ محمد (عربی ﷺ) تمہارے دین کے عیب نکال رہے ہیں۔ تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ تمہیں عقل و دانش سے عاری کہہ رہے ہیں۔ تمہارے آباء کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ میں رب تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ میں کل اتنا پتھر لاؤں گا جسے میں بمشکل اٹھا سکا۔ پھر ان کا انتظار کروں گا جب وہ سجدہ ریز ہوں گے تو اس کے ساتھ ان کے سر (اقدس) کو کچل ڈالوں گا (نعوذ باللہ منہ) پھر چاہو تو مجھے بنو عبد مناف کے سپرد کر دینا۔ یا میری حفاظت کرنا۔ اس کے بعد بنو عبد مناف جو چاہیں سلوک کریں"۔ قریش مکہ نے کہا "بخدا! ہم تمہیں کسی کے سپرد نہیں کریں گے تم جو چاہو کرو"۔ وقت صبح ابوجہل نے بہت بڑا پتھر اٹھایا۔ پھر حضور ﷺ کا انتظار کرنے بیٹھ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نماز صبح کے لئے حسب معمول تشریف لائے۔ آپ رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین نماز پڑھتے تھے۔ قریش اپنی اپنی محافل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ منتظر تھے کہ ابوجہل کیا کرتا ہے؟ جب حضور ﷺ بارگاہ ربوبیت میں سجدہ ریز ہوئے تو ابوجہل نے وہ پتھر اٹھا لیا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی سمت بڑھنے لگا۔ جب آپ کے قریب پہنچا تو گھبرا کر پیچھے بھاگنے لگا۔ اس کا رنگ انتہائی زرد ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ اس پتھر پر خشک ہو چکے تھے۔ قریش مکہ بمشکل پتھر اس کے ہاتھوں سے چھڑا سکے۔ قریش کے افراد ابوجہل کے پاس گئے۔ انہوں نے پوچھا "ابوالحکم! تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا "جب میں اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے حضور ﷺ کی طرف بڑھا۔ جب ان کے قریب ہوا تو میرے سامنے ایک نر اونٹ آ گیا۔ میں نے اتنا جسیم و ضخیم اونٹ آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مجھے مار ڈالنا چاہا"۔ جب اس بات کا تذکرہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "حضرت جبرائیل امین تھے اگر وہ میرے قریب آتا تو وہ اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے"۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وَ ابوجهل اذ راى عنق الفحل اليه كانه العنقاء

ابوجہل نے دیکھا کہ گویا کہ نر اونٹ کی گردن اسے روندھ رہی ہے۔ گویا کہ یہ اس کے لئے ہلاکت ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ ابوجہل نے کہا "میں نے ان کے اور اپنے مابین آگ کی خندق دیکھی"، ممکن ہے اس نے دو چیزیں دیکھی ہوں۔ مندرجہ ذیل دو آیتوں کے بارے کہا گیا۔

اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ (یٰسین)

"ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کی گردنوں میں طوق پس وہ ان کی تھوڑی تک پہنچے ہوئے ہیں اس لئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک اور دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے"۔

کہ پہلی آیت طیبہ ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ جب اس نے پتھر اٹھایا تا کہ اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس کچل دے تو اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ چپک گئے۔ پتھر اس کے ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو انہوں نے بڑی مشکل سے وہ پتھر اس کے ہاتھ سے جدا کیا۔

دوسری آیت طیبہ اس وقت نازل ہوئی جب ابوجہل نے کہا "میں یہ پتھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینک دوں گا"۔ جب وہ اپنے اس مذموم مقصد کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب گیا تو اس کی نظر بند ہوگئی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز مبارک تو سنتا تھا مگر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ساری بات بتائی۔

حکم بن ابی العاص کی بیٹی نے اسے کہا "بنوامیہ! میں نے ایسی قوم نہیں دیکھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بری رائے رکھتی ہو۔ پھر ان کے معاملہ میں اتنی عاجز آ گئی ہو"۔ ابن ابی العاص نے کہا "میری نور نظر! ہمیں ملامت نہ کر۔ میں صرف ایک واقعہ بتاتا ہوں۔ جسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایک رات ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکر و فریب کرنے کی کوشش کی۔ جب ہم نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ ہم آپ کے پیچھے سے آئے۔ ہم نے ایک آواز سنی۔ ہم نے گمان کیا کہ تہامہ کا پہاڑ ہمارے اوپر گرنے لگا ہے۔ وہ پہاڑ ہمارے اوپر معلق رہا حتیٰ کہ آپ نے نماز مکمل کی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ پھر دوسری رات ہم نے اپنے مذموم مقصد کی تکمیل چاہی۔ جب ہم اٹھ کر آپ کے پاس گئے تو ہم نے دیکھا کہ کوہ صفاء اور کوہ مروہ ایک دوسرے کے ساتھ مل چکے تھے جو ان کے ہمارے مابین حائل تھے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل آپ کے پاس آیا۔ اس نے کہا "کیا میں نے آپ کو اس چیز سے منع نہیں کیا"۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝ (العلق)

"(اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ چکے تو ابوجہل نے سخت لہجے میں کہا "آپ خوب جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ ساتھیوں والا اور کوئی نہیں"۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی

فَلۡيَدۡعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدۡعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ (العلق)

''پس وہ بلالے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر ابوجہل اپنے ساتھیوں کو بلاتا تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ اس تیرہ بخت نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا'' آپ جانتے ہیں کہ میں اہل بطحاء میں سب سے زیادہ سطوت والا ہوں۔ میں معزز اور کریم ہوں'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ﴿۴۹﴾ (الدخان)

جب سورت تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ کا نزول ہوا تو ابولہب کی بیوی ام جمیل آئی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اسے ام قبیح کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس کا نام عوزاء تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کا نام اروی بنت حرب تھا۔ اس کے ہاتھ میں بہت بڑا پتھر تھا۔ یہ پتھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکنا چاہتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب انہوں نے ام جمیل کو دیکھا تو انہوں نے عرض کی'' یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ ایک فحش گو عورت ہے۔ آپ اٹھ کر چلے جائیں تاکہ آپ کو اذیت نہ دے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی''۔ ام جمیل آئی۔ اس نے کہا'' ابوبکر! تمہارے ساتھی نے میری ہجو بیان کی ہے''۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا'' تمہارا ساتھی میرے متعلق اشعار کیوں کہتا ہے؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' بخدا! وہ شعر نہیں کہتے''۔ دوسری روایت میں ہے'' مجھے اس کعبہ معظمہ کی قسم انہوں نے تمہاری ہجو بیان نہیں کی۔ بخدا! میرا ساتھی شاعر نہیں ہے''۔ ام جمیل نے کہا'' بخدا! تم میرے نزدیک سچے ہو''۔ پھر وہ لوٹ گئی۔ وہ کہہ رہی تھی'' قریش جانتے ہیں کہ میں سردار کی بیٹی ہوں۔ جس کا باپ عبد مناف ہو کوئی اس کی مذمت کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' میں نے عرض کی'' یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا تھا؟'' آپ نے فرمایا'' ایک فرشتے نے مجھے اپنے پروں سے چھپا رکھا تھا''۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا'' ابوبکر! اس سے پوچھو کیا میرے پاس تمہیں اور کوئی نظر آرہا ہے؟'' جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا'' کیا تم میرے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ مجھے تو تمہارے ساتھ اور کوئی شخص نظر نہیں آرہا''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب ام جمیل آئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں بہت بڑا پتھر تھا۔ جب وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑی ہوئی تو رب تعالیٰ نے اس کی بصارت چھین لی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا۔ اس نے صرف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ اس نے جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کی اور پوچھا'' تمہارا ساتھی کہاں ہے؟'' انہوں نے پوچھا'' تو ان کے ساتھ کیا کرے گی؟'' اس نے کہا'' مجھے خبر ملی ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے۔ میں یہ پتھر اس کے چہرے پر ماروں گی''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' تیرے لئے ہلاکت ہو وہ شاعر نہیں ہیں''۔ ام جمیل نے کہا'' ابن خطاب! میں آپ سے بات نہیں کر رہی''۔ وہ آپ کی سخت طبیعت سے آگاہ تھی۔ وہ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کر کے بولی "ستاروں کی قسم! محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر ہیں۔ میں بھی شاعرہ ہوں۔ جس طرح انہوں نے میری ہجو کی ہے۔ میں بھی ان کی ہجو کروں گی"۔ پھر وہ واپس آگئی۔ بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی گئی "کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں تھا؟ آپ نے فرمایا "وہ مجھے دیکھ نہیں سکتی تھی کیونکہ میرے اور اس کے مابین پردہ تن دیا گیا تھا"۔ آپ نے قرآن مجید کی تلاوت کی تھی۔ اس کی وجہ سے رب تعالیٰ نے آپ کو اس کے شر سے بچالیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝

"اور (اے محبوب!) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے"۔ (بنی اسرائیل)

ایک اور روایت میں ہے ام جمیل آئی۔ اس کے ہاتھ میں دو پتھر تھے۔ وہ یوں کہہ رہی تھی "ہم مذمم کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے دین کے ساتھ ہم بغض رکھتے ہیں۔ ہم اس کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں"۔ اس نے کہا "وہ کہاں ہے جس نے میری ہجو کی ہے۔ میرے خاوند کی ہجو کی ہے۔ بخدا! اگر میں نے انہیں دیکھ لیا تو یہ دونوں پتھر دے ماروں گی"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ام جمیل! اللہ کی قسم! انہوں نے نہ تیری ہجو بیان کی ہے نہ تیرے خاوند کی"۔ اس نے کہا "ابو بکر! بخدا! آپ جھوٹے نہیں۔ لوگ اس طرح کہتے ہیں"۔ پھر وہ چلی گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں تھا؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اور اس کے مابین حضرت جبرائیل امین رضی اللہ عنہ حائل ہو گئے تھے"۔ شائد ام جمیل کئی بار آئی ہو۔ لہٰذا ان روایات میں اختلاف نہیں۔ جس طرح حمد سے "محمد" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح مذمت سے "مذمم" کہا جاتا ہے۔ مذمم اسے کہا جاتا ہے جس کی یکے بعد دیگرے مذمت کی جائے۔ جس طرح کہ محمد اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کی بار بار ستائش کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے قریش کی بری باتیں کس طرح مجھ سے پھیر دی ہیں۔ وہ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں جبکہ میں تو محمد (فداہ روحی وابی وامی) ہوں"۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ "الدر المنثور" میں لکھتے ہیں "وہ بارگاہ رسالت مآب میں آئی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گروہ میں تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے میری مذمت کیوں کی ہے؟ آپ نے فرمایا "بخدا! میں نے تیری ہجو نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے"۔ اس نے کہا "کیا آپ نے مجھے لکڑیاں اٹھائے ہوئے دیکھا ہے یا آپ نے میری گردن میں کھجور کی چھال کی رسی دیکھی ہے"۔ اس کے اس قول سے ان مفسرین کے موقف کی تائید ہوتی ہے جنہوں نے کہا ہے "حمالۃ الحطب" سے مراد چغلی کھانا ہے۔ یہ لوگوں کی چغلیاں کھاتی تھی۔ یہ اپنے خاوند اور دیگر لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر ابھارتی تھی۔ "حبل" سے مراد آگ کی رسی ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "مسند النار" سے مراد لوہے کی زنجیر ہے۔ جس کی لمبائی ستر گز ہو گی"۔ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَ اعدّت حمالۃ الحطب الفھر و جاءت کانھا الوَرقاء

ابولہب کی بیوی نے ہاتھ میں ایک پتھر لیا اور وہ کبوتری کی طرح آپ کی طرف آئی۔

یوم جاءت تقول انی مثلی من احمد یقال الھجاءُ

وہ غضبناک ہو کر آئی۔ اس نے کہا کیا میری طرح کی عورت کے لئے احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے ہجو آتی ہے۔

و تولت وَ مَا رَاَتۡہُ و من این تری الشمس مقلۃ لحمیاء

وہ واپس چلی گئی۔ اس نے آپ کو نہ دیکھا۔ اندھا اور نابینا سورج کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔

''حمالۃ الحطب'' کا دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ تیرہ بخت عورت کانٹے اور لکڑیاں جمع کرتی رہتی۔ پھر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں پھینک دیتی۔ ممکن ہے اس میں یہ سارے برے وصف پائے جاتے ہوں۔

روایت ہے کہ جب ام جمیل کو اس سورت کے متعلق علم ہوا تو یہ اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس آئی (بشرطیکہ یہ اروی بنت حرب ہو) یہ اس کے گھر میں داخل ہوئی۔ یہ غصے سے آتش پا تھی۔ اس نے اسے کہا ''اے بہادر! تیرے لئے بربادی! کیا یہ بات تجھے طیش نہیں دلاتی کہ محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میری ہجو بیان کی ہے''۔ اس نے کہا ''میں عنقریب انہیں تمہاری طرف سے کافی ہو جاؤں گا''۔ اس نے تلوار لی۔ باہر نکلا۔ پھر جلدی لوٹ آیا۔ اس نے پوچھا ''کیا تو نے محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کام تمام کر دیا ہے'' ابوسفیان نے کہا ''میری بہن! کیا یہ بات تجھے خوش کرتی ہے کہ تیرے بھائی کا سر کسی اژدھا کے منہ میں ہو''۔ ام جمیل نے کہا ''نہیں! بخدا!'' ابوسفیان نے کہا ''پھر اس طرح ہو جانے لگا تھا''۔ یعنی اس نے اژدھا دیکھا۔ اگر ابوسفیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جاتا تو وہ سانپ اس کا سر نگل جاتا''۔

جب اس سورت کا نزول ہوا تو ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا ''اگر تو نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نور نظر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق نہ دی تو میرا تیرا تعلق ختم''۔ عتبہ کا عقد نکاح حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا لیکن ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ عتیبہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ ان کی رخصتی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ ابتدائے اسلام میں مشرک کا نکاح مسلمان خاتون سے جائز تھا۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے حرام کر دیا۔

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (البقرہ: 221)

''اور نہ نکاح کر دیا کرو (اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں''۔

فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ (الممتحنۃ: 10)

''تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو''۔

عتیبہ شام جانے لگا تھا۔ اس نے کہا ''بخدا! میں ضرور محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤں گا۔ میں ضرور انہیں ان کے رب کے متعلق اذیت دوں گا''۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ اس نے کہا ''محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیک وسلم) وہ ''النجم'' کا انکار کرتا ہے''۔ دوسری روایت میں ہے۔ اس نے کہا ''وہ النجم اذا ھوی۔ دنی فتدلیٰ'' کا انکار کرتا ہے پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے تاباں کی طرف تھوکنے کی جسارت کی اور آپ کی نور نظر کو طلاق دے دی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بددعا کی ''مولا! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما دے''۔ جناب ابوطالب بھی وہیں موجود تھے۔ وہ اس بددعا کی وجہ

سے غمگین ہو گئے۔ اپنا سر جھکا لیا۔ پھر کہا "میرے محترم بھتیجے! آپ نے یہ بددعا کیوں کی؟" پھر عتیبہ اور اس کا باپ ایک کارواں کے ساتھ شام کی طرف نکلے۔ وہ ایک جگہ ٹھہرے۔ گرجا کے راہب نے انہیں دیکھا۔ ان سے کہا "یہ درندوں والی زمین ہے"۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم میرے نسب اور میرے حق سے خوب آشنا ہو"۔ اہل کارواں نے کہا "ہاں ابولہب!" اس نے کہا "اے گروہ قریش! آج رات میری مدد کرو مجھے اپنے بیٹے کے متعلق محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بددعا کا خطرہ ہے۔ تم اپنا سامان ایک گرجا کے پاس جمع کرو۔ اس پر میرے بیٹے کا بستر بچھا دو۔ پھر اس کے اردگرد اپنے بستر لگا دو"۔ اہل قافلہ نے اسی طرح کیا پھر انہوں نے اپنے اردگرد اپنے اونٹ بٹھا دیئے۔ تمام اشیاء عتیبہ کے اردگرد رکھ دیں۔ شیر آیا۔ وہ ان کے چہرے سونگھتا گیا۔ اس نے عتیبہ پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق شیر نے اس کا سر کچل دیا۔ ایک اور روایت میں ہے "اس نے اپنی دم ٹیڑھی کی۔ عتیبہ کو اپنی دم کے ساتھ ایک ضرب لگائی۔ اسے ایک خراش لگی وہ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے "کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ محمد (مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سارے لوگوں سے زیادہ سچے ہیں"۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔ اس کے باپ نے کہا "مجھے علم تھا کہ یہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بددعا سے نجات نہیں پا سکے گا"۔ شیر کو کتا بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں مسجد حرام میں موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ کسی نے اپنا اونٹ وہاں ذبح کیا تھا۔ اس کی اوجڑی ادھر ہی پڑی ہوئی تھی۔ ابوجہل نے کہا "ایسا کون شخص ہے جو اس غلاظت کے پاس جائے اور اسے اٹھا کر محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فداہ روحی وابی وامی) پر پھینک دے"۔ دوسری روایت کے مطابق اس سیاہ قسمت نے کہا "کیا تم اسے دیکھ نہیں رہے۔ کون ہے جو فلاں ذبح کیے ہوئے اونٹ کے پاس جائے گا اس کا گوبر، خون اور اوجڑی لے کر آئے گا۔ پھر وہ توقف کرے گا حتیٰ کہ جب وہ (حضور پیکر رعنائی ودلبری) سجدہ ریز ہوں گے تو یہ گندگی ان کے کندھوں پر رکھ دے گا"۔ ایک اور روایت کے مطابق اس بدبخت نے کہا "فلاں شخص کے اونٹ کی اوجڑی کون لے کر آئے گا جسے ذبح کیے ہوئے دو یا تین دن گزر چکے ہیں۔ پھر جب وہ (حضور سراپا لطافت) سجدہ ریز ہوں تو ان کے کندھوں پر رکھے گا"۔ قوم قریش کا بدبخت ترین شخص عقبہ بن ابی معیط اٹھا۔ وہ اوجڑی اٹھا لایا اور حضور پیکر نظافت جب سجدہ ریز ہوئے تو اس نے وہ آپ پر پھینک دی۔ یہ دیکھ کر مشرکین مکہ ہنسنے لگے۔ وہ زیادہ ہنسنے کی وجہ سے ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اگر مجھ میں قوت ہوتی تو میں اس اوجڑی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر مبارک سے دور پھینک دیتا۔ کوئی شخص حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ اس نے آپ کو اس اندوہناک واقعہ کی خبر دی۔ وہ تشریف لائیں۔ اتنی دیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ ربوبیت میں ہی سجدہ ریز رہے۔ حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے وہ اوجڑی دور پھینک دی۔ وہ مشرکین مکہ کو برا بھلا کہنے لگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے۔ میں نے سنا آپ یہ بددعا کر رہے تھے "مولا! مضر پر اپنا عذاب سخت فرما۔ ان پر اس طرح کی قحط سالی طاری فرما جس طرح

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آیا تھا۔ مولا! ابوالحکم بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، عقبہ بن ابی معیط، عمارہ بن ولید اور امیہ بن خلف کو اپنے عذاب کے شکنجے میں کس دے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز ادا فرمائی تو فرمایا "اللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْش" پھر آپ نے مذکورہ بالا افراد کے نام لئے۔ ایک اور روایت میں ہے "جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نماز پوری فرمائی تو ہاتھ مبارک بلند فرمائے اور ان کے لئے بددعا کی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی دعا مانگتے تھے تین بار دعا مانگتے تھے۔ آپ یوں عرض گزار ہوئے۔ "اللّٰھُمَّ علیك بقریش۔ اللّٰھُمَّ علیك بقریش" جب قریش مکہ نے آپ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی فوراً کافور ہوگئی اور وہ آپ کی اس بددعا سے ڈرنے لگے۔ پھر آپ نے اس طرح عرض کی "اللھم علیك بابی جھل ابن ھشام" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! میں نے دیکھا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن سیاہ بختوں کے نام لئے تھے وہ غزوۂ بدر میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ پھر انہیں ایک گڑھے میں پھینک دیا گیا"۔

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی اکثرت کی یہ حالت ہوئی۔ کیونکہ عمارہ بن ولید حبشہ کی زمین میں کافر، مجنون اور مسحور ہو کر مرا۔ عقبہ بن ابی ولید کو غزوۂ بدر کے روز گرفتار کر لیا گیا۔ اسے عرق الظبیہ میں قتل کر دیا گیا۔ امیہ بن خلف بھی غزوۂ بدر کے روز واصل جہنم ہوا۔ مگر اسے اس گڑھے میں نہیں پھینکا گیا۔ بلکہ اسی جگہ اس پر مٹی پھینک دی گئی۔ کیونکہ اس کی لاش سوجھ چکی تھی۔ ممکن ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا نماز میں یا نماز سے فارغ ہونے کے بعد مانگی ہو۔ اللہ رب العزت نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ مشرکین مکہ کو قحط سالی نے آلیا۔ وہ مردار، چمڑے، ہڈیاں اور گندگی کھانے پر مجبور ہوگئے۔ وہ یہ چیزیں آگ پر بھونتے اور انہیں ہڑپ کر جاتے۔ ایک شخص کی حالت یوں ہو جاتی کہ اسے بھوک کی وجہ سے اپنے اور آسمان کے مابین دھواں نظر آتا۔ سرداران مکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ انہوں نے عرض کی "محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ گمان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ کو پیکر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کی قوم ہلاکت کے گڑھے میں گرنے لگی ہے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں"۔ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ ان پر ابر کرم برسا۔ سات روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔ لوگوں نے زیادہ بارش کا شکوہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! ہمارے اردگرد برسا۔ ہم پر نہ برسا"۔ بادل پھٹ گیا۔

روایت ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا "مولا! ہم سے یہ عذاب دور فرما۔ ہم ایمان لے آئیں گے"۔ جب عذاب دور کر دیا گیا تو وہ پھر اپنے کرتوتوں میں منہمک ہوگئے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ معجزہ ہجرت کے بعد رونما ہوا تھا۔ ایک ماہ تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول رہا جب بھی آپ نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اقدس اٹھاتے تو "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" کے بعد یہ دعا مانگتے "مولا! حضرت ولید بن ولید، حضرت سلمہ بن ہشام، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ معظمہ کے کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔ مولا! مضر پر اپنا عذاب سخت فرما ان پر اس طرح کا قحط طاری فرما جس طرح کا قحط حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں آیا تھا"۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد یہ دعا

مانگتے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے۔ "ابو سفیان کی داستان سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے بعد رونما ہوا تھا۔ یا شدید قحط دوبار طاری ہوا ہو۔ ایک بار ہجرت سے قبل دوسری بار ہجرت کے بعد۔ کیونکہ دونوں روایتیں صحیح ہیں۔

بخاری شریف میں ہے "جب قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس طرح کے قحط کے لئے دعا کی جس طرح کا قحط حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آیا تھا۔ سات سال بیت گئے۔ آسمان سے ایک بوند بھی نہ ٹپکی"۔ امام بخاری ہی کی روایت ہے "جب قریش مکہ نے اسلام لانے میں سستی کا مظاہرہ کیا تو آپ نے یہ دعا مانگی" ان پر اس طرح سات سال تک قحط طاری فرما جس طرح حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں قحط آیا تھا"۔ قریش مکہ کو قحط سالی اور تنگ دستی نے آلیا۔ حتیٰ کہ کیفیت یہ ہوگئی کہ ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اسے آسمان کے مابین بھوک کی وجہ سے کوئی دھواں نما چیز دکھائی دیتی۔

اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ (الدخان)

"بس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں۔ جو چھا جائیگا لوگوں پر یہ دردناک عذاب ہوگا"۔

ابو سفیان بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مضر کے لئے دعا کریں وہ ہلاک ہوگئے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی۔ جب خوشحالی کا دور دورہ ان پر آیا تو وہ اپنی پہلی حالت پر آگئے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ ۚ إِنَّا مُنتَقِمُونَ ﴿١٦﴾ (الدخان)

"جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے"۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محو طواف تھے۔ آپ کے دست اقدس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا۔ حجر میں تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط، ابو جہل بن ہشام اور امیہ بن خلف۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصروف طواف تھے۔ جب آپ ان افراد کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے نازیبا باتیں کیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا۔ ناگواری کے اثرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے عیاں تھے۔ میں قریب گیا۔ میں نے آپ کو وسط میں کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درمیان تھے۔ آپ کی مبارک انگلیاں میری انگلیوں میں تھیں۔ ہم اس کیفیت میں مصروف طواف تھے۔ جب آپ ان مشرکین کے سامنے سے گزرے تو ابو جہل نے کہا "بخدا! جب تک سمندر جھاگ کو تر کرتا رہے گا ہم آپ سے مصالحت نہیں کریں گے۔ جب تک آپ منع کرتے رہیں گے کہ ہم ان معبودان (باطلہ) کی پرستش کرتے رہیں گے جن کی پوجا ہمارے آباء کرتے تھے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں بھی اپنے موقف پر قائم ہوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طواف میں مصروف ہوگئے۔ مشرکین نے تیسرے چکر میں بھی آپ سے نازیبا

باتیں کیں۔ جب آپ چوتھا چکر لگا رہے تھے تو یہ مشرکین اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابو جہل جھپٹ کر آپ کے کپڑے کا دامن پکڑنا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے سینہ پر مارا وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دور ہٹایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ بن ابی معیط کو دور کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا "تم اس خواب غفلت سے نہیں جاگو گے حتیٰ کہ تم پر اس کا عذاب نازل ہو جائے"۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ کی قسم! آپ کا یہ فرمان سن کر ان میں سے ہر شخص پر لرزہ طاری ہو گیا"۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت بری قوم ہو"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ ہم بھی آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ جب آپ در اقدس تک پہنچے تو ہماری طرف رخ زیبا کیا اور فرمایا "تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا اپنے کلمہ حق کو مکمل کرے گا۔ وہ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرور مدد کرے گا۔ تم جلد دیکھو گے یہ مشرکین تمہارے ہاتھوں ذبح ہو رہے ہوں گے"۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اگرچہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کی۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں۔ اس لئے حضرت ذوالنورین مدینہ منورہ میں ٹھہر گئے تھے۔ مگر انہیں اہل بدر میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اتباع میں تھے۔

عقبہ بن ابی معیط نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کو اس طرح روندھا کہ قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مقدس باہر نکل آتیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط حجرہ میں داخل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں نماز ادا فرما رہے تھے۔ اس نے آپ کی گردن مبارک میں کپڑا ڈالا اور زور سے کھینچا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پاس ہی موجود تھے۔ اس نے عقبہ کے کندھے پکڑے اور اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا۔ انہوں نے کہا "کیا تم اس ہستیٔ پاک کو قتل کرنے کا ارادہ کئے ہو جو یہ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نشانیاں لے کر آیا ہے"۔

امام بخاری نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا "مجھے اس شدید اذیت کے متعلق بتائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی طرف سے ملی"۔ انہوں نے فرمایا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے صحن میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اچانک عقبہ بن ابی معیط وہاں آیا اس نے اپنا کپڑا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک گردن میں ڈالا اور کپڑے کو بل دینے لگا۔ پھر زور سے کھینچا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے۔ انہوں نے عقبہ کو کندھوں سے پکڑا اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہٹایا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے قریش کو اتنی عداوت کسی سے کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی عداوت وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رکھتے تھے۔ میں ایک روز ان کے پاس موجود تھا۔ ان کے سردار اور رؤساء حطیم میں جمع تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا "ہم نے کسی چیز پر کبھی اتنا صبر نہیں کیا جتنا صبر اس شخص پر کیا ہے۔ اس نے ہمیں بے وقوف کہا۔ ہمارے آباء کو برا بھلا کہا۔ ہمارے دین میں عیوب نکالے۔ ہماری جمعیت منتشر کی۔ ہمارے معبودان کو برا بھلا کہا اور ہم نے اس پر بڑا صبر کیا"۔ قریش مکہ یہی گفتگو کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں جلوہ افروز ہو گئے۔

آپ تشریف لائے۔ حجر اسود کو استلام کیا پھر محو طواف ہو گئے۔ جب آپ ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے وہی نازیبا کلمات کہے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ہم نے روئے تاباں پر ناگواری کے اثرات دیکھ لئے۔ دوسرے چکر میں بھی انہوں نے اسی طرح کے بکواسات کئے۔ ہم نے رخ انور پر ناپسندیدگی کے جذبات مشاہدہ کر لئے۔ جب تیسرے چکر میں حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو ذرا توقف فرمایا اور فرمایا "اے گروہ قریش! کیا غور سے سن رہے ہو۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں تمہارے لئے موت کا پیغام لے کر آیا ہوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جلال نبوت دیکھ کر ان پر لرزہ طاری ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک شخص کے سر پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ کہنے لگے "ابوالقاسم! آپ تشریف لے چلیں۔ اللہ کی قسم! آپ جاہل نہیں ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے۔ دوسری صبح سرداران قریش حطیم میں جمع تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "تمہیں کچھ علم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تم نے کیا کہا اور آپ نے کیا جواب دیا۔ حتیٰ کہ جب انہوں نے وہ بات کی جسے تم سخت ناپسند کرتے تھے تو تم نے انہیں چھوڑ دیا"۔ وہ اسی قسم کی گفتگو میں مصروف تھے کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ سارے مشرکین یکبار آپ پر حملہ آور ہو گئے۔ انہوں نے آپ کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ کہنے لگے "وہ تم ہی ہو نا جو ہمیں اور ہمارے معبودوں کو اس طرح اس طرح کہتے ہو"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں! میں ہی اس طرح کہتا ہوں" ان میں سے ایک بدقسمت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک کو پکڑا۔ یہ رقت انگیز منظر دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ وہ رو رہے تھے۔ انہوں نے کہا "بدبختو! کیا ایسی ذات کو شہید کرنے کے درپے ہو جو یہ کہتی ہے کہ میرا رب اللہ ہے"۔ مشرکین نے آپ کو چھوڑ دیا۔ مگر ان کے دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رعب و جلال سے لبریز تھے۔ پھر مشرکین مکہ چلے گئے۔

ایک اور روایت میں ہے "مشرکین نے کہا" کیا وہ آپ ہی نہیں ہو جو ہمارے معبودوں کو اس طرح اس طرح کہتے ہیں؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" وہ سارے آپ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک شخص دوڑتے دوڑتے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ ان سے عرض کی "اپنے صاحب کی خبر لیجئے"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تیزی سے باہر نکلے۔ مسجد حرام میں تشریف لائے۔ لوگوں کو دیکھا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد جمع تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا "تمہارے لئے بربادی! کیا ایسی ذات پاک کو شہید کرنے کا عزم کئے ہو جو کہتی ہے کہ میرا رب میرا اللہ ہے اور تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائی ہے"۔ مشرکین مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیا وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مارنے لگے۔ ان کی لخت جگر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مشرکین مکہ حضور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ وہ آپ کے سر اقدس اور مبارک داڑھی کو کھینچنے لگے۔ آپ کے اکثر گیسوئے پاک گر گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے وہ اٹھے۔ انہوں نے کہا "کیا تم ایسی پاکباز ذات کو شہید کرنے کی جسارت کر رہے ہو جو یہ کہتی ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! انہیں چھوڑ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے تصرف میں میری جان ہے۔ میں ان کے لئے ذبح کا پیغام لے کر آیا ہوں"۔ مشرکین مکہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت سیدہ نساء العالمین، خاتون جنت رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "قریش ایک روز حطیم میں جمع تھے۔ انہوں نے کہا "جب محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس سے گزریں گے تو ہم میں سے ہر ایک ان پر اپنی تلوار کا وار کر کے انہیں قتل کر دیں گے"۔ میں نے مشرکین کی یہ بات سن لی۔ میں روتے روتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں نے عرض کی "میں نے قریش مکہ کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ حجر میں معاہدہ کر رہے ہیں اور لات و عزیٰ، منات، اساف اور نائلہ کی قسمیں اٹھا رہے ہیں کہ جب وہ آپ کو دیکھیں گے تو آپ پر اپنی تلوار سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری نور نظر نہ رو! خاموش ہو جا! پھر آپ نے وضوء فرمایا۔ مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ مشرکین نے اپنے سر اٹھائے۔ پھر انہیں جھکا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشت بھر خاک لی اور اسے مشرکین کی طرف پھینک دیا اور ساتھ فرمایا "چہرے برباد ہو گئے"۔ وہ خاک جس جس آدمی کے سر پر پڑی وہ میدان بدر میں واصل جہنم ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوس میں ابولہب، حکم بن ابی العاص، امیہ اور عقبہ بن ابی معیط کے گھر تھے۔ یہ اپنے گھروں کی گندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں پھینک دیتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ گندگی اٹھاتے۔ باہر لاتے۔ اپنے در اقدس پر کھڑے ہو جاتے اور فرماتے "بنو عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے؟ پھر وہ گندگی باہر پھینک دیتے۔ ان میں سے حکم کے علاوہ کسی اور کو اسلام لانا نصیب نہ ہوا۔ اس کے اسلام میں تردد تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے طائف کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ان اذیتوں سے آپ کی شان میں کمی نہیں ہوئی تھی بلکہ رفعت شان میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ یہی امر آپ کی عظیم قدر و منزلت، علو مرتبت اور درگاہ ربانیہ میں آپ کے بلند مقام کی دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انبیائے کرام علیہم السلام کی آزمائش سارے لوگوں سے زیادہ شدید ہوتی ہے"۔ یہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنن میں سے ایک سنت ہے"۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے۔

لاتخل جانب النبی مضامًا حین مسته منهم الاسواء

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف تاریکی کا خیال تک بھی نہ کرنا جب آپ کو دشمنوں کی طرف سے اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

کل امر ناب النبیین فَالشِّدَّةُ فِیْهِ محمودة والرَّخاءُ

ہر وہ امر جس میں انبیاء کرام نائب ہوتے ہیں اس میں شدت قابل تعریف اور وسعت کا باعث ہوتی ہے۔

لویمس النضار هون من النار لما اختبر للنضار الصلاء

اگر سونے کو آگ چھو لے۔ جب حقیقت حال واضح ہوتی ہے تو سونا بالکل خالص ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام کے لئے بہت سی اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار ارقم میں جلوہ افروز ہوئے۔ تا کہ وہاں سکون و اطمینان سے رب تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ اس وقت اہل ایمان کی تعداد اڑتیس تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ مسجد میں جا کر عبادت کی جائے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! ابھی ہماری تعداد کم ہے"۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے

ہوئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعوت دی۔ یہ سب سے پہلے خطیب تھے جنہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بلایا۔ مشرکین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے۔ وہ مسلمانوں پر بھی جھپٹ پڑے وہ انہیں مارنے لگے۔ انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے پاؤں کے نیچے روندھ ڈالا۔ عتبہ بن ربیعہ اپنے جوتے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے منہ مبارک پر مارنے لگا۔ حتیٰ کہ ان کے چہرے پر ان کی ناک بھی نظر نہ آتی تھی۔ بنو تیم دوڑتے دوڑتے آئے۔ مشرکین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بنو تیم نے انہیں اٹھایا اور ان کے گھر لے آئے۔ کسی کو بھی ان کے وصال میں شک نہ تھا۔ بنو تیم واپس مسجد حرام میں آئے۔ انہوں نے کہا "بخدا! اگر ابوبکر وفات پا گئے تو ہم عتبہ کو ضرور قتل کر دیں گے"۔ بنو تیم دوبارہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ابو قحافہ اور بنو تیم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلاتے رہے۔ وہ انہیں کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ دن کے آخری پہر میں انہوں نے بولنا شروع کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ جملہ کہا "حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے"۔ یہ سن کر بنو تیم آپ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بار بار یہی فقرہ دہراتے تھے۔ ان کی امی نے کہا "بخدا! مجھے تمہارے ساتھی کا کوئی علم نہیں"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ حضرت ام جمیل بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے پاس جائیں اور ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھیں۔ حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا اسلام لا چکی تھیں اور اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کہا "ابوبکر محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق پوچھ رہے ہیں"۔ حضرت ام جمیل نے فرمایا "میں کسی محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور کسی ابوبکر کو نہیں جانتی البتہ اگر تم پسند کرو تو تمہارے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوں"۔ انہوں نے کہا "ضرور! حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں۔ ان کی حالت دیکھ کر زار زار رونے لگیں۔ انہوں نے کہا "آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ اتنا سنگدلانہ سلوک کیا ہے۔ رب تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟" حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا "آپ کی امی سن رہی ہے"۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا "آپ ان کی پرواہ نہ کریں۔ یہ ہمارا راز افشا نہیں کریں گی"۔ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں رونق افروز ہیں؟" حضرت ام جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار ارقم میں جلوہ گر ہیں"۔ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! میں اس وقت تک نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا۔ حتیٰ کہ میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا میں حاضر ہو جاؤں"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امی جان نے کہا "ہم نے انتظار کیا۔ جب لوگ قدرے پر سکون ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ ٹیک لگا کر چلتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑی رقت اور گدازی پیدا ہو گئی۔ آپ ان پر جھک کر ان کے بوسے لینے لگے اس طرح دیگر مسلمان بھی ان پر جھکے اور ان کے بوسے لینے لگے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے والدین آپ پر نثار! مجھے اب کوئی تکلیف نہیں سوائے ان ضربوں کے جو لوگوں نے میرے چہرے پر ماری تھیں۔ یہ میری امی جان ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں

آتش جہنم سے نجات عطا کر دے"۔ حضور ﷺ نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

علامہ زمخشری نے اپنی کتاب "خصائص العشرۃ" میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اور قریش کو اپنے اسلام کے بارے میں بتایا۔ مگر یہ نقطۂ نظر بعید از قیاس ہے"۔

اس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی بڑی سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع تھے۔ انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! قریش نے حضور اکرم ﷺ سے باآواز بلند قرآن پاک نہیں سنا۔ تم میں سے کون ہے جو ابھی انہیں باآواز بلند قرآن پاک سنائے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ سعادت میں حاصل کروں گا"۔ صحابہ کرام نے فرمایا "ہمیں آپ کے متعلق خطرہ ہے۔ ایسا شخص انہیں قرآن پاک سنائے جس کا قبیلہ مشرکین مکہ سے اس کا دفاع کرے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم مجھے چھوڑ دو۔ عنقریب رب تعالیٰ ان سے میرا دفاع کرے گا"۔

طلوع آفتاب کے وقت وہ مقام ابراہیمی کے پاس کھڑے ہو گئے۔ قریش مکہ اپنی اپنی مجالس میں براجمان تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند یوں تلاوت شروع کی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اَلرَّحۡمٰنُ ۙ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ (الرحمٰن)

وہ لگاتار تلاوت کرتے رہے۔ مشرکین مکہ نے پوچھا "ابن ام عبد کو کیا ہوا ہے؟" کسی نے بتایا "یہ اس پیغام حق کی تلاوت کر رہے ہیں جو محمد عربی ﷺ پر نازل ہوا ہے"۔ مشرکین مکہ دوڑ کر آئے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے۔ وہ اپنی تلاوت میں مصروف رہے۔ انہوں نے سورۃ الرحمٰن کا اکثر حصہ تلاوت کیا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس لوٹ آئے۔ قریش کی ضربوں سے ان کے چہرے سے خون نکل رہا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا "ہمیں آپ کے بارے یہی خدشہ تھا"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! یہ دشمنان خدا میرے نزدیک جتنے آج ذلیل ہوئے ہیں پہلے اتنے ذلیل نہ تھے۔ اگر تم پسند کرو تو میں کل بھی اسی طرح باآواز بلند تلاوت کروں"۔ مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں روک دیا۔

اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ تلاوت قرآن حکیم میں مشغول ہوتے تو مشرکین مکہ کی ایک جماعت آپ کے دائیں اور دوسری بائیں طرف کھڑی ہو جاتی وہ تالیاں اور سیٹیاں بجاتے۔ بلند آواز سے اشعار پڑھتے وہ کہتے "اس قرآن کو نہ سنا کرو۔ بلکہ شور و غل مچایا کرو"۔ جو قرآن مجید سننا چاہتا۔ وہ پوشیدہ آتا اور مخفی طریقے سے قرآن پاک سنتا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ابن اسحاق نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح لکھا ہے۔ "مجھے بنو اسلم کے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ابو جہل حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت آپ ﷺ کوہ صفا یا الحجون کے پاس تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ سے اذیت دہ گفتگو کی۔ دوسرے قول کے مطابق اس نے آپ کے سر اقدس پر مٹی پھینکی"۔ آپ پر گندگی ڈالی اور آپ کی مبارک گردن اپنی ٹانگ سے روندھ ڈالی۔ حضور ﷺ نے اس سے بات تک نہ کی۔ وہاں عبداللہ بن جدعان کی لونڈی

اپنے گھر میں تھی۔ وہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر ابو جہل قریش کی مجالس کی طرف چلا گیا۔ وہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تلوار لٹکائے شکار سے واپس آ گئے۔ ان کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی وہ شکار سے واپس آتے تو سب سے پہلے بیت اللہ کا طواف کرتے پھر اپنے گھر تشریف لے جاتے۔ وہ اس لونڈی کے پاس سے گزرے۔ اس نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔ اس نے انہیں کہا "ابو عمارہ! کاش! آپ اس بہیمانہ سلوک کا مشاہدہ کر لیتے جو ابھی ابھی ابو جہل نے آپ کے بھتیجے کے ساتھ کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ تشریف فرما تھے۔ ابو جہل نے انہیں اذیت دی۔ اور انہیں برا بھلا کہا اور انتہائی ناپسندیدہ سلوک کیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بات تک نہ کی"۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت حمزہ کو یہ واقعہ ان کی بہن حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا کی لونڈی نے بتایا تھا۔ اس لونڈی نے عرض کی "ابو جہل نے ان کے سر اقدس پر مٹی ڈالی۔ ان پر گندگی پھینکی اور اپنی ٹانگ سے ان کی گردن روندھ ڈالی"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "یہ تو جو کچھ کہہ رہی ہے کیا تو نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا"۔ لونڈی نے کہا "ہاں"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ واپس آئے۔ تو ان کے پیچھے پیچھے دو عورتیں آ رہی تھیں۔ ایک نے دوسری سے کہا "اگر یہ جان لیتے کہ ابو جہل نے ان کے بھتیجے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو یہ اس طرح نہ چلتے"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اس نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟" اس عورت نے کہا "ابو جہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح کا سلوک کیا ہے"۔ ممکن ہے یہ واقعہ ان دونوں لونڈیوں اور ان دونوں عورتوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بتایا ہو۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غصے سے سرخ ہو گئے۔ وہ مسجد حرام میں گئے۔ ابو جہل اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سیدھے اس کی طرف گئے اس کے اوپر کھڑے ہو گئے۔ اپنی کمان بلند کی اور اس کے سر پر دے ماری۔ اسے شدید زخمی کر دیا۔ پھر فرمایا "تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتا ہے۔ حالانکہ میں بھی انہی کے دین پر ہوں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی کچھ میں کہتا ہوں۔ اب اگر استطاعت ہے تو مجھ سے بدلہ لے لو"۔ ایک اور روایت ہے کہ اسد اللہ واسد رسولہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ابو جہل کے سر پر کھڑے ہوئے۔ اپنی کمان اس پر تان لی۔ وہ آہ وزاری کرنے لگا۔ اس نے کہا "انہوں نے ہماری عقلوں کو نادان کہا۔ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا۔ ہمارے آباء کی مخالفت کی"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم سے بڑھ کر نادان کون ہو سکتا ہے تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے سچے رسول ہیں"۔ ابو جہل کے قبیلہ کے افراد ابو جہل کی مدد کے لئے اٹھے۔ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کہا "ہمیں لگتا ہے تو بھی صابی ہو گیا ہے"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے اس دین حق سے کون روک سکتا ہے؟ اب میرے لئے یہ امر عیاں ہو چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ بخدا! میں یہ دین متین نہیں چھوڑوں گا اگر تم سچے ہو تو مجھے اس سے روک لو"۔ ابو جہل نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا "ابو عمارہ کو چھوڑ دو۔ بخدا! میں نے ہی ان کے بھتیجے کو ستایا تھا"۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام پر باقی تھے۔ جب گھر آئے تو شیطان نے وسوسہ سازی شروع کر دی۔ انہوں نے خود سے کہا "تم قریش کے سردار ہو۔ تم نے اس صابی کی پیروی کر لی ہے۔ اپنے آباء کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے لئے تو موت

بہتر ہے"۔ پھر انہوں نے کہا "مولا! اگر یہ پیغام سچا ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں ڈال دے۔ ورنہ میرے لئے کوئی سبیل پیدا فرما دے"۔ انہوں نے وہ رات بڑے قلق اور اضطراب میں گزاری۔ شیطانی وسوسے بھی پورے جوبن پر تھے۔ وقت صبح حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے آپ سے عرض کی "میرے بھتیجے! میں ایسے معاملہ میں گر گیا ہوں کہ باہر نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی۔ میں نہیں جانتا کہ اس پر قائم رہنا ہدایت ہے یا گمراہی ہے"۔ حضور ﷺ نے ان پر خصوصی توجہ فرمائی۔ انہیں تبلیغ و وعظ کیا۔ ڈرایا، بشارت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان ڈال دیا۔ انہوں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ میرے محترم بھتیجے آپ اپنے دین کا اظہار کریں۔ بخدا! مجھے پسند نہیں کہ مجھے ہر وہ چیز دی جائے جس پر آسمان سایہ فگن ہے اور میں اپنے پہلے دین کی طرف لوٹوں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت طیبہ اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام:122)

"کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے"۔

پہلی ذات سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ دوسرے شخص سے مراد ابوجہل ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ کو بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے سارے جوانوں سے معزز اور قوی تھے۔ وہ بہت خود دار اور ذہین تھے۔ اسی لئے قریش مکہ آپ کو اذیت دینے سے رک گئے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستانے لگے بالخصوص وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے مشق ستم کا زیادہ نشانہ بنتے جو بے یار و مددگار تھے۔ جب قبیلہ کا کوئی فرد مشرف باسلام ہو جاتا وہ سارا قبیلہ اسے طرح طرح کی تکالیف مثلاً قید و بند کی صعوبتوں۔ بھوک اور پیاس کی اذیتوں اور مارنے کی تکالیف میں مبتلا کر دیتا۔ حتیٰ کہ ایک شخص کو ان سے اس قدر زدوکوب ہوتا کہ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ ابوجہل لوگوں کو اس امر پر ابھارتا تھا۔ جب وہ سنتا کہ فلاں شخص نے اسلام قبول کر لیا ہے جو شرف و قدر اور طاقت والا ہوتا تو یہ بدبخت اس کے پاس جاتا اس کو جھڑکتا۔ اسے کہتا "میں تیری رائے کو مغلوب کر دوں گا۔ تیرا اشرف کم کر دوں گا"۔ اگر وہ تاجر ہوتا تو یہ کہتا "میں تیری تجارت میں مندہ پیدا کر دوں گا، تیرا مال برباد کر دوں گا"۔ اگر وہ مسلمان کمزور ہوتا تو انہیں مارتا حتیٰ کہ کئی لوگ اس کی وجہ سے دین حق کو چھوڑ کر دوبارہ شرک کی دلدل میں پھنس گئے۔ مثلاً حارث بن ربیعہ، ابوالقیس بن ولید، علی بن امیہ، عاص بن منبہ۔ یہ سارے غزوۂ بدر میں حالت کفر میں مارے گئے۔ بعض بلند اقبال ہستیاں اپنے دین حق پر ثابت قدم رہیں مثلاً حضرت سیدنا بلال، حضرت سیدنا عمار، حضرت سیدنا خباب رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بعثت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا۔ یہ روایت بھی ہے ایک اور روایت میں چھٹے سال کا ذکر ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد یہ اشعار کہے۔

حَمِدْتُ اللهَ حِيْنَ هَدٰى فُؤَادِيْ　　اِلَى الْاِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْحَنِيْفِ

میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جب اس نے میرے دل کو ہدایت دی اسلام قبول کرنے کے لئے جو دین حنیف ہے۔

لِدِيْنٍ جَاءَ مِنْ رَبٍّ عَزِيْزٍ خَبِيْرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيْفِ

وہ دین جو رب کریم کی طرف سے آیا ہے جو عزت والا ہے جو اپنے بندوں کے حالات سے باخبر اور ان کے ساتھ لطف و احسان کرنے والا ہے۔

اِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهُ عَلَيْنَا تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِي اللُّبِّ الْحَصِيْفِ

جب اس کے پیغام کی ہم پر تلاوت کی جاتی ہے تو ہر عقل مند اور زیرک انسان کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

رَسَائِلُ جَاءَ اَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا بِآيَاتٍ مُبَيِّنَةِ الْحُرُوْفِ

یہ ایسے پیغامات ہیں جو احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ ایسی آیات کے ساتھ جن کے حروف روشن ہیں۔

اَحْمَدُ مُصْطَفًى فِيْنَا مُطَاعٌ فَلَا تَغْشُوْهُ بِالْقَوْلِ الضَّعِيْفِ

احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں جن کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے۔ کوئی کمزور قول اور عقل و فہم سے گری ہوئی بات ان کا گھیراؤ نہیں کرتی۔

فَلَا وَاللّٰهِ نُسْلِمُهُ لِقَوْمٍ وَ لَمَّا نَقْضِ فِيْهِمْ بِالسُّيُوْفِ

اللہ رب العزت کی قسم! ہم انہیں دشمن کے حوالے ہرگز نہیں کریں گے اور ہم نے ابھی تک ان کے درمیان تلواروں سے فیصلہ نہیں کیا۔

وَ نَتْرُكُ مِنْهُمْ قَتْلٰى بِقَاعٍ عَلَيْهَا الطَّيْرُ كَالْوِرْدِ الْعَكُوْفِ

ہم ان کے مقتولوں کو ہموار زمین پر پھینک دیں گے۔ ان پر ایسے پرندے آئیں گے جو چکر لگانے والے لشکر کی مانند ہوں گے۔

وَ قَدْ خُبِّرْتُ مَا صَنَعَتْ ثَقِيْفٌ بِهٖ جَزَى الْقَبَائِلَ مِنْ ثَقِيْفِ

جو سنگدلانہ سلوک بنو ثقیف نے آپ کے ساتھ کیا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہو گیا ہے۔

اِلٰهُ النَّاسِ شَرَّ جَزَاءِ قَوْمٍ وَلَا اَسْقَاهُمُ صَوْبَ الْخَرِيْفِ

اللہ تعالیٰ بنو ثقیف کے ان قبائل کو بری سزا دے اور موسم خریف کی بارش سے انہیں محروم کر دے۔

بارگاہ رسالت مآب میں وفد قریش

جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نور اسلام کا اجالا پا لیا۔ مشرکین مکہ نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، ابوالبختری، اسود بن مطلب، زمعہ، ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور نبیہ اور منبہ پسران حجاج جمع ہوئے۔ پھر جناب ابو طالب کے گھر آئے۔ انہوں نے کہا "آپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلائیں۔ انہیں کہیں کہ وہ شکایات دور کریں۔ اور ہمیں ایسے امر کی طرف بلائیں جس میں الفت و صلاح ہو"۔ حضور

اکرم ﷺ وہاں تشریف لائے۔ جناب ابوطالب نے کہا "میرے بھتیجے! یہ آپ کی قوم کے سرداران ہیں۔ ان کی شکایات کا ازالہ فرمائیں اور ان کی تالیف قلبی فرمائیں"۔ سرداران قریش نے کہا "محمد عربی ﷺ! ہم اہل عرب میں سے کسی شخص کو نہیں جانتے جس نے اپنی قوم کو اس قدر اذیت میں ڈالا ہو جس قدر آپ نے ہمیں تکلیف دی ہے۔ آپ نے ہمارے آباء کو برا بھلا کہا ہے۔ ہمارے دین کے عیب نکالے ہیں۔ ہماری عقلوں کو نادان کہا ہے۔ ہمارے معبودان کو برا بھلا کہا ہے۔ ان تمام امور سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے تو ہم آپ کے لئے اتنا مال و دولت جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سے زیادہ ثروت مند ہو جائیں گے۔ اگر ان امور سے آپ کا مدعا شرف و سیادت کا حصول ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا دیتے ہیں۔ ہم کسی امر کا فیصلہ آپ کے بغیر نہیں کریں گے۔ اگر بادشاہی مطلوب ہے تو ہم آپ کو بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ اگر کوئی جن آپ کے پاس آتا ہے تو ہم آپ کے علاج کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں حتیٰ کہ ہم معذور سمجھے جائیں"۔

حضور اکرم مبلغ اعظم ﷺ نے فرمایا "ان امور میں سے کوئی امر بھی میرا مقصد نہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھ پر اپنی کتاب حکیم نازل کی ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے بشیر اور نذیر بنوں۔ میں نے تمہیں اپنے رب عظیم کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ تمہارے لئے خلوص کا مظاہرہ کر دیا ہے اگر تم میرے اس روح پرور پیغام کو قبول کر لو تو تمہاری دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ اگر تم نے اسے رد کر دیا تو میں صبر کروں گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ میرے اور تمہارے مابین فیصلہ کر دے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ ایک روز قریش کے رؤساء جمع ہوئے۔ انہوں نے کہا "تم ایسے شخص کو تلاش کرو جو جادو، کہانت اور شعر کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہو۔ وہ شخص اس آدمی کے پاس جائے جس نے ہماری جمعیت کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارے امر کو متفرق کر دیا ہے۔ ہمارے دین کے عیب نکالے ہیں۔ وہ اس سے بات چیت کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں"۔ سرداران نے کہا "اس مقصد کے لئے موزوں ترین شخص عتبہ بن ربیعہ ہی ہے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک روز عتبہ قریش کی محفل میں بیٹھا ہوا تھا۔ حضور ﷺ مسجد حرام میں تنہا تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا "اے گروہ قریش! کیا میں محمد (عربی فداہ روحی وابی وامی ﷺ) کے پاس نہ جاؤں۔ ان سے بات چیت کروں۔ ان پر چند امور پیش کروں۔ شاید وہ بعض کو قبول کر لیں۔ ہم وہ امور ان کے سپرد کر دیں گے اور وہ اس دین کی تبلیغ سے رک جائیں گے"۔ قریش نے کہا "ضرور! عتبہ اٹھا اور حضور اکرم ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا "میرے بھتیجے! ہم میں جو مقام رفیع آپ کو نصیب ہے۔ آپ اس سے آشنا ہیں۔ آپ حسب و نسب میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ آپ نے اپنی قوم کو ایک عظیم امر میں مبتلا کر دیا ہے۔ جس سے ان کی جمعیت بکھر گئی ہے۔ آپ نے ان کی عقول کو نادان کہا ہے۔ ان کے معبودان کے عیب نکالے ہیں ان کے گزشتہ آباء کو کافر کہا ہے۔ آپ نے پورے عرب میں ہمیں شرمندہ کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ یہ خبر عام ہو گئی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر اور کاہن ہے۔ آپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم باہم ٹکرا کر موت کے گھاٹ اتر جائیں۔ غور سے سنیں۔ میں چند امور آپ کو پیش کرنے لگا ہوں آپ ان میں غور و فکر کر لیں۔ شاید آپ ان میں سے بعض کو قبول کر لیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا

''ابوولید! کہو میں سن رہا ہوں''۔ اس نے کہا ''میرے بھتیجے! اگر اس سے آپ کا مدعا مال و دولت کا حصول ہے تو ہم آپ کے لئے اتنے اموال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ سارے عرب سے مالدار بن جائیں گے۔ اگر اس سے مقصود شرف و سیادت ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ آپ کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے۔ اگر سلطنت و اقتدار مدعا ہے تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر یہ کسی جن کا اثر ہے جو آپ کو یہ سب کچھ سکھاتا ہے اور جسے آپ خود دور نہیں کر سکتے تو ہم آپ کا علاج کرتے ہیں۔ اپنے اموال اس مقصد کے لئے خرچ کرتے ہیں حتیٰ کہ آپ اس سے شفایاب ہو جائیں''۔ حضور اکرم ﷺ عتبہ کی ساری باتیں سنتے رہے۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ نے فرمایا ''ابوالولید! کیا فارغ ہو گئے ہو؟'' اس نے عرض کی ''ہاں! آپ نے فرمایا اب مجھ سے سنو'' عتبہ نے کہا ''میں سن رہا ہوں'' آپ ﷺ نے قرآن پاک کی تلاوت شروع فرمائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ، حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ (حم السجدہ)

''حا۔ میم۔ اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم (خدا) کی طرف سے''۔

پھر عتبہ نے آپ کو روک دیا۔ اس نے صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ آپ نے آیت سجدہ تک تلاوت فرمائی۔ پھر سجدہ کیا اور فرمایا ''ابوالولید! تو نے پیغام حق سن لیا ہے اب تو جانے یا وہ''۔ عتبہ قوم قریش کی طرف واپس نہ گیا۔ بلکہ اپنے گھر چلا گیا۔ قریش نے سمجھا کہ شاید اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ وہ اس کے پاس گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عتبہ سرداران قریش کے پاس گیا۔ ابوجہل نے اسے دیکھا تو کہا ''عتبہ تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جس چہرے کے ساتھ یہاں سے گیا تھا''۔ پھر انہوں نے پوچھا ''کیا خبر ہے؟'' عتبہ نے کہا ''میں نے محمد عربی ﷺ کے سامنے یہ امور پیش کئے۔ میں نے ان سے ایسا حیات آفرین پیغام سنا جو نہ شعر ہے نہ جادو اور نہ ہی کہانت ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر عذاب نازل ہو گا۔ تم میری بات مانو۔ انہیں چھوڑ دو۔ اگر کسی اور نے ان کا کام تمام کر دیا تو وہ تمہاری طرف سے بھی انہیں کافی ہو گیا۔ اگر وہ غالب آ گئے تو ان کی سلطنت تمہاری سلطنت ہو گی۔ ان کی عزت تمہاری ہی عزت ہو گی''۔ دوسری روایت میں ہے۔ عتبہ نے کہا ''بخدا! میں نے ان سے عظیم شان والا کلام سنا ہے۔ اگر اہل عرب نے ان کا خاتمہ کر دیا تو وہ انہیں تمہاری طرف سے کافی ہو گئے۔ اگر انہوں نے اہل عرب پر غلبہ پا لیا تو ان کا ملک تمہارا ملک اور ان کی عزت تمہاری عزت ہو گی۔ اس وقت تم سارے لوگوں سے زیادہ سعادت افروز ہوں گے''، سرداران قریش نے کہا ''عتبہ! اس کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا''۔ عتبہ نے کہا ''یہی میری رائے ہے۔ آگے تم اپنی مرضی کرو''۔ ایک روایت میں ہے کہ جب قریش نے اصرار کیا تو عتبہ نے لات و عزیٰ کی قسم اٹھائی کہ وہ کبھی بھی محمد عربی ﷺ سے بات نہ کرے گا''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب عتبہ حضور اکرم ﷺ کے پاس سے اٹھا۔ تو قریش سے دور چلا گیا۔ ان کے پاس نہ گیا۔ ابوجہل نے کہا ''اے گروہ قریش! میرا خیال ہے کہ عتبہ بھی صابی ہو گیا ہے۔ ان کے کلام کا جادو اس پر بھی چل گیا ہے آؤ ہم اس کے پاس چلتے ہیں''۔ وہ عتبہ کے پاس آئے۔ ابوجہل نے کہا ''عتبہ! ہم اس لئے تمہارے پاس آئے ہیں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ تو بھی صابی ہو گیا ہے۔ انہیں سارا واقعہ سناؤ''۔ عتبہ نے کہا ''مجھے اس ذات والا کی قسم جس

نے یہ عمارت (خانہ کعبہ) نصب کی ہے۔ جو کچھ انہوں نے کہا میں اس میں سے کچھ نہیں سمجھا۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے تمہیں عاد اور ثمود جیسے عذاب سے ڈرایا ہے۔ میں نے انہیں روک دیا۔ انہیں صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ میں جانتا ہوں کہ جب وہ کچھ کہتے ہیں تو وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے"۔ قریش نے کہا "تیرے لئے ہلاکت! ایک شخص تیرے سامنے عربی میں بات کر رہا تھا اور تجھے علم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہا تھا"۔ عتبہ نے کہا "بخدا! وہ کلام شعر نہیں ..." سرداران قریش نے کہا "ابو الولید! اس کا جادو تم پر بھی چل گیا ہے"۔ عتبہ نے کہا "یہ میری رائے ہے۔ اب جو تمہاری مرضی ہے وہ کرو"۔

ممکن ہے کہ ایک دفعہ سارے سرداران قریش حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے ہوں اور آپ کو مذکورہ بالا امور پیش کئے ہوں اور ایک دفعہ انہوں نے صرف عتبہ کو آپ کی خدمت عالیہ میں بھیجا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب رؤسائے قریش نے سابقہ امور حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کئے تو انہوں نے مزید کہا "اگر آپ یہ امور قبول نہیں کرتے جنہیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے تو پھر آپ ﷺ خوب جانتے ہیں کہ ہمارا شہر سارے لوگوں کے شہروں سے زیادہ تنگ ہے۔ ہم سب سے زیادہ قلیل المال ہیں۔ ہماری زندگی سب سے زیادہ شدید ہے۔ آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو ہٹا دے۔ جنہوں نے ہمارے شہر کو تنگ کر دیا ہے۔ وہ ہمارے شہر کو وسیع کرے۔ شام و عراق کی طرح یہاں بھی نہریں رواں کر دے۔ وہ ہمارے آباء کو زندہ کرے۔ بالخصوص قصی کو ضرور زندہ کیا جائے۔ وہ ایک راست باز بزرگ تھے۔ ہم اس سے پوچھیں گے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ سچ یا جھوٹ۔ اور اپنے رب تعالیٰ سے کہیں کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجے جو آپ کی تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے باغات، محلات اور سونے اور چاندی کے خزانے بنا دے جن کی وجہ سے آپ بازار جانے سے مستغنی ہو جائیں۔ روزی کمانے سے رک جائیں۔ اگر آپ یہ نہیں کر سکتے تو وہ ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے جیسا کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ اگر آپ کا رب چاہے تو وہ اس طرح کر سکتا ہے ہم صرف اور صرف اسی صورت میں ایمان لائیں گے"۔ ان کے یہ سارے بکواسات سن کر حضور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ ایک اور مرتبہ قریش نے آپ سے کہا "آپ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں، اپنے دین کو ترک کر دیں۔ ہم آپ کی دنیا اور آخرت کی ضروریات کی کفالت کریں گے"۔ ایک دفعہ انہوں نے کہا "آپ ایک سال ہمارے معبودان (باطلہ) لات و عزیٰ کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے رب تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ اس طرح آپ اور ہم ایک امر پر اتفاق کر لیں گے۔ اگر وہ معبودان بہتر ہوئے جن کی ہم پوجا کرتے ہیں تو آپ کو ان میں سے حصہ مل جائے گا اور اگر وہ رب بہتر ہوا جس کی آپ عبادت کرتے ہیں تو ہمیں اس سے حصہ مل جائے گا"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے اس امر کے متعلق وحی کا انتظار ہے۔ اس وقت یہ سورت طیبہ نازل ہوئی۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْكَٰفِرُونَ ۝ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝ وَلَآ أَنتُمْ عَٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝ وَلَآ أَنَا۠ عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝ وَلَآ أَنتُمْ عَٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝ (الکافرون)

''آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین''۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مشرکین مکہ نے آپ سے کہا ''آپ ایک دن ہمارے معبودوں کی ہمارے ساتھ عبادت کر لیں تو ہم دس دن آپ کے ساتھ آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اگر آپ ہمارے ساتھ ہمارے معبودوں کی ایک ماہ عبادت کریں تو ہم آپ کے ساتھ آپ کے معبود کی ایک سال تک عبادت کریں گے۔ اس وقت یہ سورت طیبہ نازل ہوئی۔ یعنی جن معبودان باطلہ کی تم پوجا کرتے ہو میں ایک دن بھی ان کی پوجا نہیں کروں گا۔ نہ ہی جس معبود برحق کی میں عبادت کرتا ہوں تم دس دن اس کی عبادت کرو گے۔ نہ میں ان معبودوان باطلہ کی ایک ماہ تک عبادت کروں گا جن کی پرستش تم کرتے ہو۔ نہ ہی تم اس معبود برحق کی ایک سال عبادت کرو گے جس کی عبادت میں کرتا ہوں''۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح عبارت محذوف ہے۔ انہوں نے ان زنادقہ کا رد کیا ہے جنہوں نے قرآن پاک پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر امرء القیس یوں کہے۔

''قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرٰى حبيب و منزل''

وہ بالترتیب دو تین بار اس طرح کہے تو کیا یہ تکرار عیب نہیں ہوگا۔ قرآن پاک میں یہ تکرار کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے مذکورہ بالا جواب ارشاد فرمایا۔ ''لکم دینکم ولی دین'' یہ آیت قتال اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے منسوخ ہے۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَأْمُرُوْٓنِّيْٓ أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (الزمر)

''آپ فرمائیے! اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔ اور بے شک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے''۔

جب مشرکین مکہ نے قرآن پاک میں بتوں کی پوجا کی مذمت اور سخت وعید سنی تو انہوں نے کہا ''آپ یہ قرآن پاک بدل دیں''۔ رب تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے کہا۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ ۝ (الحاقہ)

''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا''۔

مَا يَكُوْنُ لِيْٓ أَنْ أُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ (یونس:15)

''مجھے اختیار نہیں کہ رد و بدل کروں اس میں اپنی مرضی سے''۔

ایک روز حضور ﷺ ایک محفل میں تشریف فرما تھے وہاں سرداران قریش مثلاً ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا ''میں جو پیغام حق لے کر آیا ہوں کیا وہ عمدہ نہیں ہے؟ انہوں نے کہا ''ہاں!'' دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا ''جو کچھ میں کہتا ہوں کیا اس میں کوئی حرج ہے؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد تھے۔ یہ نابینا تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اس وقت سرداران قریش کے ساتھ مشغول تھے۔ آپ نے ان کی طرف سے مؤانست دیکھی آپ کو ان کے اسلام کی امید ہوئی۔ حضرت ابن ام مکتوم نے عرض کی ''جو علم رب تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے وہ مجھے بھی سکھائیں'' انہوں نے اپنی بات کا بہت زیادہ تکرار کیا۔ آپ پر ان کی یہ بات گراں گزری آپ نے ان سے اعراض فرمایا اور ان سے بات نہ کی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو لانے والے شخص کی طرف اشارہ کیا کہ انہیں ذرا روکے حتیٰ کہ آپ اپنی گفتگو سے فارغ ہو جائیں، اس شخص نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ مگر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے انہیں پرے دھکیل دیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ (عبس)

''چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا''۔

اس کے بعد جب بھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ فرماتے ''اس شخص کو خوش آمدید جس کے بارے رب تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا ہے''۔ آپ ﷺ اپنی ردائے پاک ان کے لئے بچھا دیتے۔ قریش مکہ اپنی طرف سے بہت مطالبات گھڑ لیتے تھے۔ پھر انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہ ان کی سرکشی اور عناد کی علامت تھی۔ حضور ﷺ کی بہت شدید آرزو تھی کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور پھر ان کے اسلام کی وجہ سے لوگ بھی اسلام لے آئیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتے تھے کہ جو کچھ قریش مکہ مانگتے ہیں وہ انہیں عطا کر دے۔ ان کے مطالبات پورے کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ اگر ایسی علامات ظاہر بھی ہو جائیں قریش مکہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (انعام: 111)

''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ''۔

اللہ تعالیٰ کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ جب سابقہ انبیائے کرام سے ان کی اقوام معجزات کا مطالبہ کرتی تھیں تو وہ ان کے لئے ان کے مطلوبہ معجزات کو ظاہر کر دیتا تھا۔ مگر وہ اقوام پھر بھی دین حق کو قبول نہ کرتی تھی۔ رب تعالیٰ ان پر ایسا عذاب بھیجتا جو

انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت شان اور شرف وقدر کی وجہ سے اس پر ایسا عذاب مسلط نہیں ہوگا جو اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکے۔ رب تعالیٰ نے ان مشرکین مکہ پر رحم کھاتے اور ان پر شفقت کرتے ہوئے ان معجزات کو موخر کر دیا تاکہ ان پر ایسا عذاب نہ آجائے جو ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:59)

''اور نہیں روکا ہمیں اس امر سے کہ ہم بھیجیں (کفار کی تجویز کردہ) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے''۔

یعنی گزشتہ اقوام ایسے عذاب میں مبتلا ہو گئیں جس نے انہیں جڑ سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اگر ان معجزات کا ظہور ہوا اہل مکہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں بھی عذاب کے شکنجے میں اس طرح کس دیا جائے گا جس طرح سابقہ اقوام کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا۔ پھر ان میں سے بعض کو رب تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی سعادت ازلی بخشی اور بعض اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ ان کے مطلوبہ بعض معجزات کا ظہور بھی ہوا جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا۔ ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ مطالبات شروع کر دیئے کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ یہ پہاڑ یہاں سے ہٹا دے جنہوں نے ہمارے شہروں کی وسعتوں کو کم کر دیا ہے۔ وہ ہمارے شہر کو فراخ کر دے۔ اس میں شام اور عراق کی طرف نہروں کا جال بچھا دے۔ وہ ہمارے گزشتہ آباء کو زندہ کر دے۔ ان میں سے قصی بن کلاب کو ضرور زندہ کرے۔ وہ ایک سچا بزرگ تھا ہم اس سے پوچھیں گے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حق ہے یا باطل''۔

دوسری روایت میں ہے ''اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر دی اور آپ نے ہمارے مطالبات پورے کر دیئے تو ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے۔ ہمیں رب تعالیٰ کے ہاں آپ کی رفعت اور بلند منزلت کا علم بھی ہو جائے گا کہ اس نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے جس طرح کہ آپ کہتے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اس مقصد کے لئے مبعوث نہیں ہوا۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی مقصد لے کر آیا ہوں جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے''۔ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے آپ سے کہا ''آپ اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتہ بھیجے جو اس امر کی تصدیق کرے جو آپ کہتے ہیں آپ پر ایسے فرشتے کیوں نہیں اترتے جو ہمیں بتاتے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے۔ اس وقت ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے''۔ ایک اور مشرک نے کہا ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کو ہمارے سامنے لے آئیں۔ آپ اس ذات سے التجاء کریں کہ وہ آپ کے لئے باغات بنا دے۔ محلات بنا دے اور سونے اور چاندی کے خزانے بنا دے جو آپ کو معیشت کی تنگ و دو سے مستغنی کر دے۔ ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ بازار جاتے ہیں اور روزی تلاش کرتے ہیں۔ جس طرح کہ ہم کرتے ہیں۔ آپ کو لازماً ہم سے ممتاز ہونا چاہیے حتیٰ کہ ہم آپ کی فضیلت کو جان جائیں۔ آپ کے مقام کو پہچان جائیں کہ آپ اس کے رسول برحق ہیں''۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس طرح کھاتے ہیں جس طرح ہم کھاتے ہیں۔ وہ بازاروں میں چلتے ہیں۔ اسی طرح

روزی تلاش کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں۔ وہ نبوت میں ہم سے ممتاز کیسے ہو سکتے ہیں"۔ جب مشرکین مکہ نے مذکورہ بالا مطالبات کئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "میں اپنے رب تعالیٰ سے یہ التجائیں ہرگز نہیں کروں گا"۔

روایت ہے کہ مشرکین نے ان مطالبات میں سے اکثر کا اظہار اس وقت کیا جس وقت حضور ﷺ ان کی طرف پوری طرح توجہ فرما تھے۔ جس وقت حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ مشرکین نے اپنی پہلی نرمی کو سختی میں بدل دیا۔ اس وقت حضور ﷺ ان سے مایوس ہو گئے اور غمناک اور حزیں ہو کر وہاں سے تشریف لے گئے۔ کیونکہ مشرکین نے ہدایت کے دروازے بند کر رکھے تھے۔

عبد اللہ بن امیہ المخزومی بھی حضور ﷺ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتا تھا۔ یہ آپ کا پھوپھی زاد تھا۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی تھا۔ اس کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد المطلب تھا۔ یہ سارے لوگوں سے بڑھ کر سید الانبیاء ﷺ کو ستایا کرتا تھا۔ پھر اسے دولت اسلام نصیب ہوئی۔ فتح مکہ کے روز انہوں نے اسلام قبول کیا اور غزوۂ طائف میں ان کے سر پر شہادت کا زرنگار تاج سجا دیا گیا۔ اسلام سے قبل انہوں نے حضور ﷺ سے کہا "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ کی قوم نے آپ پر بہت سے امور پیش کئے مگر آپ نے انہیں قبول نہ کیا۔ پھر انہوں نے بہت سے مطالبات پیش کئے تاکہ رب تعالیٰ کے ہاں آپ کے مقام و منصب کا علم ہو سکے۔ تاکہ وہ آپ کی تصدیق اور اتباع کریں۔ مگر آپ نے اس طرح بھی نہ کیا۔ پھر انہوں نے اس عذاب کے نزول کا مطالبہ کیا جس سے آپ انہیں ڈراتے تھے۔ مگر آپ نے ان کے لئے یہ بددعا بھی نہ کی۔ بخدا! ہم آپ پر کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ آپ آسمان کی طرف سیڑھی لگا دیں پھر اس پر چڑھیں۔ میں آپ کی طرف دیکھتا رہوں۔ آپ ایک کتاب لے کر آئیں جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں جو یہ گواہی دیں کہ آپ سچے ہیں۔ قسم بخدا! اگر آپ نے یہ مطالبات پورے کر بھی دیئے میرا گمان نہیں کہ میں پھر بھی ایمان لے آؤں"۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاسراء میں ان مشرکین کے سارے مطالبات کا ذکر فرمایا ہے مثلاً

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝۹۰ (بنی اسرائیل)

"اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ"۔

ان آیات طیبات میں یہ اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں اختیار دیا کہ وہ جو کچھ طلب کرتے یا تو وہ ذات اقدس انہیں عطا کر دے۔ اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر سابقہ اقوام کی طرح ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی یا ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے۔ شاید کہ وہ توبہ کر لیں اور حریم ناز کی طرف لوٹ آئیں۔ حضور ﷺ نے دوسرا اختیار پسند فرمایا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ اگر ان معجزات کا اظہار کر بھی دیا جائے پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر انہیں عذاب کی چکی میں پیس دیا جائے گا۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (الانفال:25)

''اور ڈرتے رہو۔ اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا۔ صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں ان مشرکین کی بہت سی باتوں کا ذکر کیا۔ پھر ان کے لئے ہر ہر شبہ کا جواب بھی دیا اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (الفرقان)

''اور کفار بولے کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے ساتھ مل کر (لوگوں کو) ڈراتا۔ یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ یا (کم از کم) اس کا ایک باغ ہی ہوتا کھایا کرتا اس (کی آمدنی) سے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ جواب مرحمت فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانبیاء:7)

''اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف پس (اے منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے''۔

جب ان مشرکین نے یہ امر عظیم سمجھا کہ کوئی بشر بھی رسول ہو سکتا ہے تو انہوں نے کہا ''رب تعالیٰ کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے''۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ (النحل)

''اور ہم نے نہیں بھیجا۔ آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں کو ہم وحی بھیجتے ہیں ان کی طرف۔ پس دریافت کر لو اہل علم سے اگر تم خود نہیں جانتے۔ (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا''۔

مزید ارشاد فرمایا:

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (یونس:2)

''کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو رد کر دیا کہ وہ ملائکہ کو دیکھیں۔ کیونکہ وہ ملائکہ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اگر کسی فرشتے کو بشری لباس میں بھیجا جاتا تو یہ امر ان پر ملتبس ہو جاتا۔ اگر وہ اپنی صورت پر باقی رہتا تو انہیں عذاب دے کر جڑ سے اکھیڑ پھینکا جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ آسمان سے اس طرح کتاب نازل کرتا کہ وہ اس کا مشاہدہ کر رہے ہوتے جیسا کہ انہوں نے مطالبہ کیا تھا تو وہ کہتے کہ یہ جادو ہے یا کہتے ''ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ہے''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ

مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾ (الانعام)

''اور اگر ہم اتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انہیں اور اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وہ اب ہیں''۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿١٥﴾ (الحجر)

''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں۔ بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جس پر جادو کر دیا گیا ہو''۔

ارشاد پاک ہے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿١١١﴾ (الانعام)

''اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ۔ لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں''۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ

''اور اگر کوئی ایسا قرآن اترتا جس کے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مردوں سے اس کے ذریعے بات کی جا سکتی (یہ قدرت سے بعید نہ تھا) بلکہ سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں''۔ (الرعد: 31)

جب مشرکین مکہ نے یہ مطالبہ کر دیا کہ ایسی کتاب اتاری جائے جس میں ان سے خطاب ہو اس میں ان کے اور ان کے آباء کے نام ہوں۔ تو رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ (المدثر)

''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں۔ جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں''۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام: 124)

''اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو''۔

اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ (الفرقان: 8)

"یا (ایسا کیوں نہ ہوا) کہ اتارا جاتا اس کی طرف خزانہ"۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ يَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ (الفرقان)

"بڑی (خیرو) برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لئے بہتر اس سے (یعنی ایسے) باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں اور بنا دے آپ کے لئے بڑے بڑے محلات"۔

جب انہوں نے اس بات کو عجیب سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد نکاح بھی فرمایا اور آپ کی اولاد اطہار بھی ہے تو رب تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد: 38)

"اور بے شک ہم نے بھیجے کئی رسول آپ سے پہلے اور بنائیں ان کے لئے بیویاں اور اولاد"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک شبہ بھی باقی نہ رہنے دیا جس سے وہ استدلال کرتے۔ جب بھی وہ کسی شبہ کو دلیل سمجھ کر بیان کرتے اللہ تعالیٰ اس کا عمدہ ترین رد کر دیتا۔ جب انہوں نے کہا کہ ان پر یکبار کتاب کیوں نہ اتاری گئی تو رب تعالیٰ نے فرمایا۔

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ (الفرقان)

"اس طرح اس لئے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور اسی لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے اور نہیں پیش کریں گے آپ پر کوئی اعتراض مگر ہم لائیں گے آپ کے پاس اس کا صحیح جواب اور عمدہ تفسیر (جو اعتراض کو رد کر دے گی)"۔

جب انہوں نے آسمان سے عذاب کا مطالبہ کیا تو رب تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ (الطور)

"اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہ در تہ۔ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے"۔

ایک دفعہ مشرکین مکہ نے کہا "ہمیں علم ہوا ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک سکھاتا ہے وہ یمامہ کا باشندہ ہے۔ اس کا نام رحمان ہے۔ بخدا! ہم رحمان پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ وہ رحمان سے مراد مسیلمہ کذاب یا یمامہ میں یہود کی کاہنہ مراد لیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ (الرعد)

"فرمایئے وہی میرا پروردگار ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ اسی پر ہی میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اس کی جناب میں رجوع کیے ہوں"۔

جب انہوں نے رب تعالیٰ کے دیدار کا مطالبہ کر دیا تو رب تعالیٰ نے ان کا ردیوں فرمایا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۲۲﴾ (الفرقان)

"اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو۔ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انہوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی۔ جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لئے اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے"۔

حضرت محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ سرداران قریش نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھائیں کہ اگر رب تعالیٰ نے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرنے کے لئے اٹھے۔ اسی وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا "اگر آپ پسند فرماتے ہیں تو ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جاتا ہے مگر جس قوم نے بھی کسی معجزہ پر اصرار کیا۔ پھر اس معجزہ کے ظہور کے بعد وہ ایمان نہ لائی تو مجھے اسے عذاب میں مبتلاء کرنے کا حکم دے دیا گیا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا رب تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور وہ فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں تو کوہ صفاء کو سونے کا بنا دیا جاتا ہے لیکن اگر مشرکین پھر بھی ایمان نہ لائے تو میں انہیں اس طرح کے عذاب میں مبتلا کر دوں گا کہ ایسا عذاب پہلے کسی اور کو نہ دیا گیا ہوگا۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو کوہ صفاء کو ان کے لئے سونے کا نہیں بنایا جاتا۔ مگر ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دیا جاتا ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں انہیں چھوڑ دیتا ہوں حتیٰ کہ ان میں سے توبہ کرنے والا توبہ کر لے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا "مولا! توبہ کا دروازہ کھلا رکھ"۔ حضرت رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رکھنے کے لئے التجا کی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ مشرکین کا یہ سوال ان کی جہالت پر مبنی تھا۔ کیونکہ رسل عظام علیہم السلام کو بھیجنے کی حکمت ان سے مخفی تھی۔ یہ تو مخلوق کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ تو رسل عظام کی تصدیق کر کے مخلوق کا اللہ کی عبادت میں مشغول ہونا ہوتا ہے تاکہ انہیں غور و فکر اور استدلال سے ایمان نصیب ہو۔ جو اس پر عمل پیرا ہو اسے ثواب ملے جو اس سے اعراض کرے اسے سزا ملے۔ اگر پردہ اٹھا دیا جائے تو علم ضروری حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر رسل عظام کو مبعوث کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ایمان بالغیب ختم ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مشرکین نے یہ مطالبات رشد و ہدایت کے حصول کے لئے نہیں کئے تھے۔ انہوں نے تو از روئے استہزاء اور مذاق یہ مطالبات کئے تھے۔ ان سارے مطالبات سے بڑھ کر معجزہ ان کے سامنے تھا لیکن وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ یعنی یہ کتاب زندہ جو غیب کی خبروں اور گزشتہ اقوام کی سرگزشتوں پر مشتمل ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾ (الاعراف:203)

"اور (اے محبوب) جب آپ نہیں لاتے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کیوں نہ بنا لیا تم نے خود اسے۔ فرمائیے میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کے لئے جو ایمان لاتی ہے"۔

بہت سی ایسی ایسی آیات طیبات ہیں جن کے بعد رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً (الشعراء:8)

"بے شک اس میں (ان کے لئے قدرت الٰہی کی) نشانی ہے"۔

جیسا کہ سورۃ الانعام سورۃ نحل اور سورۃ الشعراء۔ پھر فرمایا:

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾ (الشعراء)

"کیا نہیں تھی ان (مشرکین مکہ) کے لئے آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء"۔

بلاشبہ وہ جانتے تھے کہ ان کے پاس جو ذات والا یہ حیات آفرین اور روح پرور پیغام لے کر آئی ہے اس نے نہ تو کہیں سے پڑھا اور نہ لکھنا سیکھا۔ نہ ہی کہیں سے تعلیم حاصل کی۔ نہ ہی اس مقصد کے لئے کہیں سفر کیا۔ انہوں نے اعلان نبوت بھی چالیس سال بعد فرمایا۔ ان کا رد کرتے ہوئے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ (یونس)

"میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی داستان بیان کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٤٤﴾ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ (القصص)

"اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت) کا حکم بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے۔ لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (یکے بعد دیگرے) اور کافی لمبا عرصہ گزر گیا ان پر۔ (اور انہوں نے عہد خداوندی بھلا دیا) اور آپ (اس وقت) طور کے کنارہ پر بھی نہ تھے جب ہم نے

(موسیٰ کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا)"۔

حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں فرمایا:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝

"اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ) کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے"۔ (آل عمران)

حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی داستان احسن القصص میں فرمایا:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ (یوسف)

"اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر رہے تھے"۔

حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں فرمایا

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ۝ إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ (ص)

"مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

پھر ملاء اعلیٰ کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ (البقرہ:30)

"اور یاد کرو جب فرمایا تھا تمہارے رب نے فرشتوں سے"۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ۝ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ۝ (العنکبوت)

"اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل بلکہ وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنہیں علم دیا گیا اور ظالموں کے بغیر ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا"۔

مشرکین مکہ سابقہ انبیائے کرام یا سابقہ امم میں سے جس کی داستان بھی سنتے تو اس کے بارے یہود اور نصاریٰ کے علماء سے پوچھتے۔ وہ داستان بالکل اسی طرح پاتے جس طرح انہیں وہ علماء بیان کرتے۔ ذرہ بھر بھی فرق نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝ (النساء)

"اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر"۔

گروہ نہ کثیر اختلاف پاتے نہ ہی قلیل۔ ابوجہل کہتا تھا "ہم نے اور بنوعبدالمطلب نے شرف میں مقابلہ کیا جب ہم بالکل ہم مرتبہ ہو گئے تو بنوعبدالمطلب نے کہا "ہم میں ایک نبی کا ظہور ہوا ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے" اللہ کی قسم! ہم نہ تو اس پر راضی ہوں گے نہ ہی کبھی اس کی اتباع کریں گے۔ سوائے اس کے کہ ہم پر بھی اسی طرح وحی آئے جس طرح اس کے پاس وحی آتی ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ (الانعام: 124)

"اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو"۔

لب لباب یہ ہے کہ اس دلآویز پیغام کی وجہ سے ان کی عقلیں دنگ تھیں۔ ان میں سے بعض کے دلوں پر رب تعالیٰ نے مہر لگا دی تھی۔ انہوں نے کہا "یہ جادو کہانت اور پہلے لوگوں کے افسانے ہیں"۔ کسی نے کہا: "اسے کوئی بشر سکھاتا ہے"۔ اس سے مراد وہ عبدالنبی حضرمی لیتے تھے جو عیسائی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہدایت کی امید رکھتے ہوئے اسی کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ عبدالنبی کی زبان عجمی تھی۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (النحل)

"اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے"۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

عجبا للکفار زاد و اضلالا بالذی فیه للعقول اهتداء

کفار پر تعجب ہے اس چیز کی وجہ سے ان کی گمراہی میں اضافہ ہوا جس میں عقول کے لئے ہدایت ہے۔

والذی یسألون منه کتاب منزل قد اتاهم وارتقاء

وہ ذات جس سے وہ کتاب اور ارتقاء مانگتے تھے اسی کی طرف سے کتاب نازل ہوئی۔

او لم یکفهم من الله ذکر فیه للناس رحمة و شفاء

کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ذکر کافی نہیں جو لوگوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے۔

اعجز الانس آیة منه والجن فهلا تاتی به البلغاء

ایک آیت نے ان کے جن و انس کو عاجز کر دیا ان کے بلغاء بھی ایسا کلام نہ لا سکے۔

کل یوم تهدی الی سامعیه معجزات من لفظه القراء

ہر روز قراء اس کے سننے والوں کے لئے اس کے الفاظ کے معجزات پیش کرتے ہیں۔

تنتهی بِهِ المسامع والافو اه فهو الحلو والحُلْوَاءُ

اس سے کانوں اور منہ کو شیرینی نصیب ہوتی ہے یہ خود بھی شیریں اور میٹھا ہے۔

رق لفظا وراق معنی فجاءت فِی حلا و حلیها الحسناء

یہ الفاظ کے اعتبار سے لطیف اور معنی کے اعتبار سے صاف ہے۔ اس کی صفات جمیلہ اور زیورات میں حسن و جمال ہے۔

وَارَتْنَا فِیْهِ غَوَامِض فصل رقة من زلالة و صفاء

اس کے شیریں پانی کی صفائی اور شفافی نے اس میں ہمیں فضل کی پوشیدہ چیزیں دکھائیں۔

انما تجتلی الوجوه اِذا ما جلیت عن مرآتها الاصداء

ان کے چہرے اس وقت عیاں ہوتے ہیں جب دل کے آئینے میل کچیل سے پاک صاف ہوجاتے ہیں۔

سور منه اشبهت صوراً منا و مثل النظار النظراء

اس کی سورتیں ہماری صور کے مشابہ ہیں یہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

والا قاویل عندهم کالتما ثِیْل فلا یوهمنك الخطباء

اقاویل ان کی نظروں میں تماثیل کی طرح ہیں خطباء تمہیں وہم میں نہ ڈال دیں۔

کم ابانت آیاته من علوم عن حروف ابان عنهما الهجاء

اس کی آیات بینات کتنے علوم کو عیاں کر رہی ہیں۔ حروف سے ان کا جوڑ اور ملاپ آشکارا ہو رہا ہے۔

فَهِیَ کالحب والنوی اعجب الزراع منها سنابك و زکاء

یہ دانہ اور گٹھلی کی طرح ہے جس کے خوشے اور نمو کسان کو تعجب میں ڈال دیتی ہے۔

فَاَطَا لُوْا فیه التردد والریب فقالوا سحر و قالوا افتراء

کفار نے اس میں بہت زیادہ شک اور تردد کیا انہوں نے اسے جادو کہا۔ انہوں نے اسے جھوٹ کہا۔

وَاذا البینات لم تغن شیئا فالتماس الهدیٰ بهن عناء

جب واضح دلائل کسی چیز کا فائدہ نہ دیں تو ان سے ہدایت کی جستجو تھکاوٹ کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

وَ اِذَا ضلت العقول علی علم فماذا تقوله الفصحاء

جب علم کے باوجود عقلیں گمراہ ہوجائیں تو نصیحت کرنے والے اسے کیا کہیں۔

ایک دن ولید بن مغیرہ نے کہا "کیا قرآن مجید محمد (عربی فداہ روحی وابی وامی ﷺ) پر نازل ہوتا ہے اور مجھے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ میں قریش کا سردار اور رئیس ہوں۔ اسی طرح ابو مسعود الثقفی کو بھی نظر انداز کر دیا گیا حالانکہ ہم دونوں دو عظیم شہروں مکہ مکرمہ اور طائف کے سردار ہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (الزخرف)

''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو دو شہروں میں بڑا ہے۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں اور آپ کے رب کی رحمت (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں''۔

ایک مشرک نے کہا ''اہل مکہ میں سے ولید بن مغیرہ اور اہل طائف میں عروہ بن مسعود الثقفی رسالت کے سب سے زیادہ مستحق تھے''۔

نضر بن حارث، عقبہ بن ابی معیط اور علمائے یہود

پھر کفار قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ، علماء یہود کے پاس بھیجا۔ انہوں نے کہا ''تم دونوں ان کے علماء کے پاس جاؤ ان سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھو۔ ان کے سامنے ان کے اوصاف بیان کرو۔ انہیں ان کا کلام سناؤ۔ وہ اہل کتاب ہیں۔ ان کے پاس وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے''۔ یہ دونوں روانہ ہوئے۔ مدینہ منورہ پہنچے علمائے یہود سے سوالات کئے۔ ان دونوں نے کہا ''ہم تمہارے پاس اس معاملہ کے لئے آئے ہیں جو ہمارے ہاں ظہور پذیر ہوا ہے۔ ہمارے ایک یتیم جوان نے عظیم قول کر دیا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے''۔ علمائے یہود نے کہا ''ہمیں ان کے اوصاف بتاؤ''۔ جب ان دونوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کئے تو انہوں نے پوچھا ''تم میں سے کیسے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے''۔ ان دونوں نے کہا ''گھٹیا لوگوں نے'' یہ سن کر ایک عالم مسکرایا۔ اس نے کہا ''یہ تو وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے اوصاف ہم اپنی کتب میں پاتے ہیں۔ ہم وہاں یہ بھی پاتے ہیں کہ ان کی قوم ان سے شدید عداوت کرے گی''۔ پھر علمائے یہود نے ان سے کہا ''ان سے تین چیزوں کے متعلق پوچھو۔ اگر انہوں نے دو چیزوں کا جواب دے دیا اور ایک کے متعلق خاموش رہے تو نبی مرسل ہیں اگر وہ جوابات نہ دے سکے پھر ہم ان کے متعلق کچھ اور کہیں گے۔ (1) ان سے ان جوانوں کے متعلق پوچھو جو پہلے زمانہ میں کہیں چلے گئے تھے۔ ان کی داستان بڑی عجیب ہے۔ (2) ان سے اس سیاح شخص کے متعلق پوچھو جو زمین کے مشارق و مغارب تک پہنچا۔ (3) ان سے روح کی حقیقت کے متعلق پوچھو کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اگر انہوں نے پہلے دو امور کے متعلق بتا دیا اور تیسرے امر کے متعلق خاموش رہے تو وہ نبی برحق ہوں گے۔ تم ان کی پیروی کر لینا''۔ نضر اور عقبہ قریش کے پاس آ گئے۔ انہوں نے کہا ''ہم ایسی چیز لے کر آئے ہیں جو ہمارے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین فیصلہ کر دے گی''۔ پھر وہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور ان تینوں اشیاء کے متعلق پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں کل تمہیں ان کے متعلق بتا دوں گا''۔ آپ نے ''ان شاء اللہ'' نہ کہا۔

مشرکین مکہ لوٹ گئے۔ پندرہ روز گزر گئے یا تین ایام بیت گئے۔ وحی کا نزول نہ ہوا۔ قریش باتیں بنانے لگے۔ انہوں نے کہا ''محمد عربی ﷺ کا رب ان کے ساتھ ناراض ہو گیا ہے۔ اس نے انہیں چھوڑ دیا ہے''۔ ابولہب کی بیوی نے کہا'' میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے صاحب نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ وہ تم سے ناراض ہو گیا ہے''۔ حضور ﷺ پر یہ امر بڑا گراں گزرا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام سورۃ الکہف لے کر آئے۔ اس میں اصحاب کہف کی داستان تھی۔ ذوالقرنین کا قصہ تھا۔ اور سورۃ الاسراء میں آخری سوال کا جواب نازل ہوا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل: 85)

''یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق۔ (انہیں) بتائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے''۔

اہل کتاب کی کتابوں میں بھی یہی مرقوم تھا کہ روح امر الٰہی ہے اس کا علم رب تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کے متعلق نہیں بتایا۔ روایت ہے کہ جب تاجدار حرمین ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو یہودیوں نے آپ ﷺ سے روح کے متعلق سوال کیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اس کا نزول دوبارہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ سے فرمایا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (الکہف)

''ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل مگر (یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے۔ اور یاد کرا پنے رب کو جب تو بھول جائے''۔

قریش مکہ نے جو طعنہ زنی کی تھی کہ آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا۔ اس نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کے جواب میں سورۃ الضحیٰ نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرحت وشادمانی سے نعرہ تکبیر بلند کیا جب حضور ﷺ نے ان کے سوالات کے جوابات مرحمت فرمادیئے تو قریش مکہ کی سرکشی اور کفر میں اور اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ کو جادوگر اور کاہن کہا۔

زبیدی کا قصہ

السیرۃ الحلبیہ میں ہے'' حضور اکرم ﷺ مسجد حرام میں جلوہ افروز تھے۔ آپ کے غلام بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ زبید کا ایک شخص قریش کی مختلف محافل میں جا رہا تھا۔ ہر مجلس میں جا کر وہ کہتا'' اے گروہ قریش! تمہارے پاس کوئی اپنا ذخیرہ لے کر کیسے آیا کرے گا؟ کوئی سامان تمہارے پاس کیسے بیچے گا؟ تمہارے ہاں کوئی تاجر کیسے خیمہ زن ہو گا؟ تم حرم کا پاس بھی نہیں کرتے۔ جو حرم میں داخل ہوا اس پر بھی ظلم کرتے ہو''۔ وہ قریش کی مختلف محافل میں جاتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ اس محفل میں جا بیٹھا جہاں حضور ﷺ کا جمال جہاں افروز ضوفشاں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حاضر خدمت تھے۔ حضور ﷺ نے اس کی فریاد سنی اور فرمایا'' تم پر کس نے ظلم کیا؟'' اس نے عرض کی'' وہ تین خوبصورت اونٹ لے کر آیا۔ ابو جہل نے ان کی اصل قیمت کی تہائی قیمت لگائی۔ اب اس کے رعب کی وجہ سے کوئی اور شخص زیادہ قیمت دینے کے لئے تیار نہیں۔ اس نے

میرے سامان کی قیمت گرادی ہے اس نے مجھ پر ظلم وتعدی کیا ہے"۔ سرور سروراں ﷺ نے پوچھا "تیرے اونٹ کہاں ہیں؟" اس نے عرض کی "جزورۃ" کے مقام پر" حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے۔ اس کے اونٹ دیکھے۔ وہ واقعی خوبصورت اور حسین تھے۔ حضور سید عالم ﷺ نے اس شخص کا حق دے کر اسے راضی کیا اور اس سے وہ اونٹ خرید لئے۔ پھر اس قیمت میں دو اونٹ فروخت کر دیئے پھر تیسرا اونٹ فروخت کیا تو اس کی قیمت بنو عبدالمطلب کی بیوگان میں تقسیم کر دی۔ ابوجہل بازار کے ایک گوشے میں بیٹھا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ بات کرنے کی بھی سکت نہ تھی۔ حضور ﷺ کی ہیبت سے مرعوب تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ابوجہل سے کہا "عمرو! اس طرح پھر کسی اور شخص سے نہ کرنا جس طرح کا فعل اس زبیدی کے ساتھ کیا ہے ورنہ تیری خیر نہیں"۔ وہ کہہ رہا تھا "محمد عربی (ﷺ) میں ہرگز دوبارہ اس طرح نہیں کروں گا۔ میں ہرگز اس طرح نہیں کروں گا"۔

حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لے گئے۔ امیہ بن خلف ابوجہل کے پاس آیا۔ اس نے کہا "آج تو محمد عربی (ﷺ) کے ہاتھوں ذلیل ہو گیا ہے۔ یا تو تو ان کی اتباع کرنا چاہتا ہے یا تو ان سے مرعوب ہو گیا تھا"۔ ابوجہل نے اس سے کہا "میں کبھی بھی ان کی اتباع نہیں کروں گا۔ جو میرا ردعمل تو نے مشاہدہ کیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ایک شخص ان کے دائیں طرف دوسرا بائیں طرف دیکھا۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے جو انہوں نے میری طرف تان رکھے تھے۔ اگر میں حضور ﷺ کی مخالفت کرتا تو وہ نیزے مجھ میں گھونپ دیتے"۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا۔ وہ اس یتیم کا مال ہڑپ کر گیا اور اسے دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ کفار قریش نے اس یتیم کو از روئے مذاق حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور بطور استہزاء اسے کہا "یہ صاحب تجھے ابوجہل سے تمہارا مال واپس لے دیں گے"۔ حضور یتیموں کے رکھوالے ان کے مددگار یتیم کے ساتھ ابوجہل کے پاس گئے۔ اس نے اس کا مال واپس کر دیا۔ جب ابوجہل سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا "حضور ﷺ کے دائیں بائیں دو نیزے تھے۔ مجھے ان سے خوف لگنے لگا اگر میں اس یتیم کو وہ مال نہ دیتا تو وہ نیزے میرے جگر میں دھنس جاتے"۔

اراشی کا واقعہ

اراشی کا واقعہ اس قصہ سے بھی عجیب تر ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابوجہل نے ایک اراشی شخص سے اونٹ خریدے۔ وہ ان کی قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ قریش مکہ نے بطور مذاق اسے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ ان کا خیال تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ ابوجہل سے یہ رقم نہیں دلوا سکتے۔ اس سے قبل وہ اراشی قریش کی مختلف مجالس میں جا کر یہ اعلان کر چکا تھا "اے گروہ قریش! ابوجہل کے خلاف میری مدد کون کرے گا میں غریب اور بے یار و مددگار شخص ہوں۔ مسافر ہوں۔ اس نے میرے حق پر قبضہ کر لیا ہے"۔ قریش مکہ نے کہا "کیا تمہیں وہ شخص (حضور ﷺ کی طرف اشارہ کیا) نظر آرہا ہے۔ ان کے پاس جاؤ وہی تمہاری مدد کریں گے"۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سارا قصہ درد عرض کیا۔ اس نے عرض کی "حضور! ابوجہل نے میرا حق مار لیا ہے۔ میں غریب الوطن اور بے سہارا ہوں۔ میں نے اس قوم سے پوچھا کہ

کون مجھے اس کم بخت سے حق دلوائیگا تو انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے مجھے میرا حق دلوائیں''۔ حضور اکرم ﷺ اس شخص کے ساتھ ابوجہل کے پاس گئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ اس نے پوچھا ''کون؟'' فرمایا ''محمد (جان عالم ﷺ)'' ابوجہل باہر نکلا۔ اس کا رنگ متغیر تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کا حق دو'' ابوجہل نے کہا ''ضرور۔ ابھی ابھی اس کا حق ادا کرتا ہوں''۔ وہ اندر گیا اور اس شخص کا مال لا کر اس کے سپرد کیا۔ پھر وہ حقدار شخص آیا۔ ان لوگوں کے پاس پہنچا جنہوں نے از روئے استہزاء اسے حضور سید کائنات ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ اس نے بآواز بلند کہا ''اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ بخدا! انہوں نے میرا حق دلوایا ہے''۔ ان مشرکین نے حضور ﷺ کے پیچھے ایک شخص بھی بھیجا تھا۔ اسے کہا ''ذرا غور سے دیکھنا حضور ﷺ کیا کرتے ہیں؟'' وہ شخص واپس آیا تو قریش مکہ نے پوچھا ''تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا ''میں نے تعجب خیز منظر دیکھا بخدا! جونہی حضور ﷺ نے ابوجہل کے دروازے پر دستک دی تو وہ مرعوب و مرہوب باہر نکلا گویا کہ وہ ایک بے جان جثہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''اس شخص کا حق ادا کرو''۔ اس نے عرض کی ''آپ یہیں ٹھہریں'' وہ اندر گیا۔ ''اس کا حق اسی وقت ادا کر دیا''۔ قریش مکہ نے ابوجہل سے کہا ''تو نے اس طرح کیوں کیا؟ اس نے کہا ''تمہارے لئے بربادی! جونہی انہوں نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں نے ان کی آواز سنی تو میں مرعوب ہو گیا۔ میں ان کے لئے باہر نکلا تو میں نے اپنے سر پر نر اونٹ دیکھا۔ اس سے بڑا اونٹ میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اگر میں لیت و لعل سے کام لیتا تو وہ اونٹ مجھے ہڑپ کر جاتا''۔

حضرت امام بوصیری نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

واقتضاہ النبی دین الاراشی وقد ساء بیعہ والشراء

حضور ﷺ نے ابوجہل سے اراشی کا قرض مانگا۔ اس کی خرید و فروخت بری ہو گئی تھی۔

ورای مصطفی اتاہ بما لم ینج منہ دون الوفاء النجاء

اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ اس کے پاس اس چیز کے ساتھ تشریف لائے ہیں کہ ادائیگی کے بغیر اس کے لئے نجات ممکن نہیں۔

ھو ما قد راٰہ من قبل لکن ما علی مثلہ یعد الخطاء

یہ چیز اس نے پہلے بھی دیکھی تھی۔ اس طرح کے عمل کو خطاء نہیں سمجھا جا سکتا۔

مستہزئین

ابوجہل حضور کریم ﷺ کے بڑے دشمنوں میں سے ایک تھا۔ وہ ان سیاہ بختوں میں سے ایک تھا جو حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ انہی کے متعلق رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿ (الحجر)

''ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے''۔

یہ تیرہ بخت حضور اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتا۔ یہ ناک اور منہ چڑاتا۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑاتا۔ جب حضور اکرم ﷺ کو اس کی اس نازیبا حرکت کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا "تو اسی طرح ہو جا" وہ اسی طرح ہو گیا حتیٰ کہ موت نے اسے آلیا۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے "وہ مستہزئین جن کے متعلق اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل کی ہے وہ پانچ تھے۔ ❶ ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ❷ امام بغوی نے لکھا ہے کہ ان کا قائد عاصی بن وائل السہمی تھا ❸ حارث بن قیس بن عدی السہمی، یہ عاصی کا چچازاد تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں قریش کے سرداروں میں سے تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنے کفر پر باقی رہا حتیٰ کہ مر گیا۔ ❹ اسود بن عبد یغوث بن وھب بن زہرہ۔ یہ حضور ﷺ کے ماموں کا بیٹا تھا۔ ❺ اسود بن مطلب بن عبدالعزیٰ۔ علامہ ابن عبدالبر نے ان میں ابوجہل کو شمار نہیں کیا اگرچہ وہ بھی مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ مگر وہ اس آیت طیبہ سے مقصود نہیں۔ کیونکہ وہ غزوۂ بدر میں حالت کفر میں مرا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق مستہزئین کی تعداد آٹھ تھی۔ اس روایت میں ابولہب، عقبہ بن ابی معیط اور حکم بن عاص بن امیہ کا اضافہ ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے مالک بن طلاطلہ کا اضافہ کیا ہے۔

عقبہ بن ابی معیط بھی حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ یہ اپنے گھر کی گندگی حضور ﷺ کے در اقدس کے سامنے پھینکا کرتا تھا۔ حضور رحمت مجسم ﷺ نے فرمایا "میں دو شریر ہمسائیوں ابولہب اور عقبہ کے درمیان تھا۔ یہ گندگی اٹھا کر لاتے اور اسے میرے گھر کے دروازے پر پھینک دیتے"۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کے روئے تاباں کی طرف تھوکنے کی جسارت کی تھی۔ یہ تھوک اس کے اپنے ہی چہرے پر گرا وہ برص بن گیا۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے کہ حضور کریم ﷺ اکثر عقبہ کے پاس بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ عقبہ کسی سفر سے واپس آیا۔ اس نے روساء قریش کی دعوت کی۔ اس نے حضور اکرم ﷺ کو بھی کھانے کی دعوت دی۔ جب اس نے حضور ﷺ کے قریب کھانا کیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا "میں اس وقت تک تیرا کھانا نہ کھاؤں گا جب تک تو یہ گواہی نہ دے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ عقبہ نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ۔ حضور ﷺ نے اس کا کھانا تناول فرمایا۔ لوگ کھا کر چلے گئے۔ عقبہ ابی بن خلف کا دوست تھا۔ لوگوں نے ابی کو عقبہ کی یہ بات بتائی۔ ابی عقبہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا "عقبہ تو صابی ہو گیا ہے" اس نے کہا "بخدا! میں صابی نہیں ہوا۔ لیکن میرے گھر ایک شریف شخص آیا۔ اس نے اس وقت تک کھانے سے انکار کر دیا جب تک میں گواہی دوں۔ مجھے شرم آئی کہ وہ بن کھائے میرے گھر سے چلا گئے۔ میں نے گواہی دے دی۔ میں نے دل سے وہ کلمہ نہیں پڑھا تھا"۔ ابی نے اسے کہا "مجھ پر تیرا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔ کہ تو محمد (عربی فداہ روحی وابی وامی ﷺ) سے ملاقات کرے۔ تو انہیں روندھ ڈالے ان کے چہرے پر تھوکے اور ان آنکھوں پر تھپڑ مارے"۔ عقبہ نے ابی سے یہ وعدہ کیا۔ جب اس نے حضور ﷺ سے ملاقات کی تو آپ کے چہرۂ انور کی طرف تھوکنے کی جسارت کی۔

حضرت ضحاک نے فرمایا ہے کہ جب اس نے تھوک پھینکا تو یہ تھوک حضور ﷺ کے چہرہ انور کی طرف نہ گیا بلکہ وہ آگ کا انگارہ بن کر عقبہ کے چہرے پر گرا۔ اور اس کا چہرہ جلا دیا۔ یہ داغ موت تک اس کے چہرے پر رہا۔ اسی کے متعلق اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ﴿٢٩﴾

''اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی ہی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے''۔ (الفرقان)

اسی طرح حکم بن ابی العاص بھی آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ ایک دن حضور سید عالم ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ آپ کی نقل اتار رہا تھا۔ وہ منہ اور ناک چڑھا رہا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف توجہ فرمائی اور کہا ''اسی طرح ہو جا'' وہ اسی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ایک ماہ تک بے ہوش رہا۔ پھر وہ تادم مرگ اسی طرح منہ چڑھاتا رہا۔ اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے اسلام میں تردد تھا۔ یہ منافقین کے پاس بیٹھتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باتیں منافقین تک پہنچاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ حضور ﷺ کے حجرہ مقدسہ کے پاس آیا اس وقت آپ ایک زوجہ محترمہ کے پاس تھے۔ آپ ایک عصا لے کر اس کی طرف نکلے۔ پھر اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت تک وہیں رہا۔ انہوں نے اسے مدینہ طیبہ واپس بلا لیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پاس اس کی سفارش کی تھی۔ آپ نے اسے واپس بلا لینے کا وعدہ کیا تھا۔

حضور ﷺ نے مرض وصال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان اشیاء سے انہیں آگاہ فرمایا جو ان کے لئے رونما ہوں گی۔ آپ نے انہیں فرمایا ''یہ تمہیں ایک قمیص پہنائیں گے۔ پھر یہ چاہیں گے کہ تم اسے اتار دو۔ مگر اسے ہرگز نہ اتارنا حتیٰ کہ تم میرے ساتھ حوض پر ملاقات کر لو''۔ اس سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان سے اس آزمائش کا بھی ذکر کیا جس کا انہیں سامنا کرنا پڑا تھا۔ آپ نے انہیں صبر کا حکم دیا۔ اسی وقت حضور ﷺ سے انہوں نے عرض کی کہ جب انہیں خلافت ملے تو وہ اپنے چچا حکم کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ حضور ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے حکم کے بارے بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں وہ گرہ ہرگز نہیں کھولوں گا جسے حضور ﷺ نے باندھا ہو''۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے بھی حکم کے بارے

بات کی۔ مگر انہوں نے بھی اسی طرح جواب دیا جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حکم کو مدینہ طیبہ بلا لیا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سفارش کی تھی۔ آپ نے اسے واپس بلا لینے کا وعدہ فرمایا تھا"۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے وقوع پذیر ہونے والی آزمائش کی بنیاد اس وقت پڑی تھی جب حکم مدینہ طیبہ واپس آیا تھا۔ اس کا آغاز مروان بن حکم سے ہوا تھا۔ پاک ہے وہ ذات والا جس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے کوئی اس سے اس کے متعلق پوچھ نہیں سکتا۔ اس لئے شرح الشفاء میں کسی نے لکھا ہے۔

فلیت عثمان لم یحکم بعودته   رضی بما حکم الصدیق فی الحکم

کاش! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حکم کے واپس آنے کا فیصلہ نہ کرتے۔ اور اس کے بارے اس فیصلہ پر راضی رہتے جو سیدنا صدیق اکبر نے کیا تھا۔

علامہ شہاب الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے "اگر یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت طلب کی تھی تو پھر یہ بات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں طعن و تشنیع کا باعث نہیں بنتی۔ جیسا کہ اہل تشیع کا گمان ہے اس کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بھی علم تھا کہ حکم نے توبہ کر لی تھی اور اس کی نیت میں اخلاص آچکا تھا۔ حکم کا واپس بلا لینا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا۔ امور اجتہادیہ میں اعتراض کی گنجائش نہیں ہوتی۔

حضرت ہند بن خدیجہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم کے پاس سے گزرے اس نے آنکھ سے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے یہ بددعا مانگی "مولا! اس پر لرزہ طاری فرما دے" وہ اس کپکپی کی وجہ سے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حکم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی آواز پہچان لی۔ آپ نے فرمایا "اسے اجازت دے دو۔ رب تعالیٰ اس پر لعنت کرے"۔ ان کی صلب سے صرف دو اہل ایمان پیدا ہوں گے۔ باقی سب مکر و فریب کے دھنی ہوں گے۔ انہیں دنیا دے دی جائے گی۔ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں حکم کے ہاں جو بچہ بھی پیدا ہوتا اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جاتا۔ جب مروان پیدا ہوا تو اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ ملعون بن ملعون ہے" اس اعتبار سے بعض نے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے بشرطیکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ اسے آپ کے پاس لایا گیا ہو مگر آپ نے اسے داخل ہونے کی اجازت مرحمت نہ کی ہو۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ مروان طائف میں ہی پیدا ہوا تھا۔ اس وقت اس کا باپ وہاں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہیں کی۔ اس لئے یہ صحابی نہیں ہے۔ اس لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "مروان بن حکم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہیں کی"۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے مروان سے فرمایا "تیرے باپ کے بارے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾ (القلم)

''اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹے) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی۔ جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے''۔

انہوں نے اسے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا۔ آپ تیرے باپ اور دادا کے متعلق فرمارہے تھے۔ ''وہ قرآن پاک میں شجرہ ملعونہ ہیں''۔ مروان نو ماہ تک مسند اقتدار پر رہا۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یزید بن معاویہ کی بیعت سے روکا تو ان سے کہا ''تم وہی ہو نا جس کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَآ أَتَعِدَانِنِيْٓ أَنْ أُخْرَجَ (الاحقاف:17)

''اور جس نے کہا اپنے والدین کو افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا''۔

یہ بات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! مروان نے جھوٹ بولا ہے'' پھر انہوں نے مروان سے کہا ''مروان! میں گواہی دیتی ہوں کہ تمہارے باپ پر اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی۔ اس وقت تم اس کی صلب میں تھے''۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''عنقریب تمہارے پاس ایک لعین شخص آئے گا''۔ اس فرمان کے بعد حکم ان کے پاس آ گیا''۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے کہ حکم بن ابی العاص کا وہیں سے گزر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی صلب میں جو بچہ ہے اس کی وجہ سے میری امت کو نقصان اٹھانا پڑے گا''۔

حضرت عمران بن جابر الجعفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ''بنو امیہ کے لئے ہلاکت! آپ نے تین بار اس طرح فرمایا۔ بنو امیہ میں سے چودہ افراد خلافت کے امور کے والی بنے۔ سب سے پہلے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے امور خلافت سنبھالے۔ سب سے آخر میں مروان بن محمد امور مملکت کا والی بنا۔ ان کی سلطنت کی مدت بیاسی سال بنتی ہے۔ یہ مدت ایک ہزار ماہ ہے۔ وہ احادیث طیبہ جو بنو امیہ کی مذمت میں ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ شرف بیعت سے مشرف ہیں۔ اور ان کے فضائل میں بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔ ان سے کسی قسم کا ظلم صادر نہیں ہوا۔ ظلم و تعدی کا آغاز بعد میں ہوا تھا۔

اس لئے حضرت علامہ قاضی عیاض نے ''شفاء'' میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت اور بنو امیہ کی ملوکیت کی خبر دی تھی۔ ان دونوں حالتوں کی تعبیر میں بڑا فرق ہے کیونکہ ملوکیت سے مراد غلبہ کے ساتھ سلطنت ہے جبکہ خلافت اہل حق کی بیعت سے ہوتی ہے۔ ولایت ان دونوں سے اعم ہے۔ یہ ان دونوں کو شامل ہے۔ یہ امارت اور خلافت کی نیابت دونوں کو شامل ہے۔ حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ کو وصیت کی ''جب تم امور مملکت کے والی بنو تو عدل اور نرمی سے کام لینا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ''جب خلافت کے والی بنو تو احسان کرنا''۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان سنا میں خلافت میں طمع کرتا رہا''۔

امام بیہقی نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے خلافت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان نے ابھارا "معاویہ! جب امور مملکت کے والی بنو تو احسان کرنا"۔ روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دوات لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "معاویہ! اگر امور سلطنت کے والی بنو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور عدل کرنا" حضرت امیر معاویہ انتہائی حلیم، صابر اور متحمل مزاج تھے۔ حتیٰ کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات بھی سنی تو اس نے بھی انہیں نفع دیا"۔ البتہ ان کے بعد کے بنو امیہ کے متعلق بہت سی روایات وارد ہیں۔

امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "جب بنو ابو العاص کی تعداد چالیس یا تیس ہو جائے گی تو وہ رب تعالیٰ کے دین میں خیانت کریں گے۔ رب تعالیٰ کے مال کو وراثت بنائیں گے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عنقریب اس امت مرحومہ میں ایک شخص ہوگا جسے ولید کہا جائے گا وہ میری امت کے لئے فرعون سے زیادہ شریر ہوگا جتنا کہ وہ اپنی امت کے لئے تھا"۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پہلے لوگ اس سے مراد ولید بن عبد الملک سمجھتے تھے۔ پھر انہوں نے کہا "اس سے مراد اس کا بھتیجا ولید بن یزید عبد الملک تھا جو اس امت کے لئے فتنوں کے دروازوں کی چابی تھا۔ یہ بڑا بے حیاء، احمق اور شراب میں دھت رہنے والا شخص تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے خواب میں بنو امیہ کو اپنے منبر پر دیکھا آپ کو یہ بات ناگوار گزری۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی خاطر کے لئے سورۃ الکوثر اور سورۃ القدر نازل کی۔ کیونکہ بنو امیہ کا دور اقتدار ایک ہزار ماہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سال اس امت کو ایک ایسی رات عطا فرما دی جو ان کی ساری مملکت کے اقتدار کے برابر ہے اس کے علاوہ بے شمار اور ان گنت عجائب عطا فرمائے۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ایک فرزند تھا جس کا نام خبیب تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے ایک سو کوڑے مارے کیونکہ اس نے ولید بن عبد الملک کے بارے کچھ کہا تھا۔ حضرت خبیب ان کوڑوں کی وجہ سے مر گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے حضرت خبیب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی۔ آپ نے فرمایا "جب بنو حکم کی تعداد تیس یا چالیس ہو جائے گی۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو غلام، اللہ کے مال کو وراثت اور دین الٰہی میں خیانت کریں گے"۔ جب ولید نے یہ بات سنی تو اس نے اپنے چچا زاد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا کہ وہ خبیب کو ایک سو کوڑے ماریں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مدینہ منورہ کے گورنر تھے"۔ انہوں نے حضرت خبیب کو ایک سو کوڑے مارے پھر ٹھنڈے پانی کا گھڑا منگوایا اور سرد دن میں ان کے اوپر انڈیلا اور انہیں قید کر دیا۔ جب ان کا درد شدید ہو گیا تو انہیں قید سے نکالا اور اپنے اس عمل پر ندامت کا اظہار کیا۔ جب حضرت خبیب کا وصال ہو گیا اور یہ خبر حضرت عمر بن عبد العزیز تک پہنچی تو زمین پر گر پڑے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور مدینہ طیبہ کی گورنری سے استعفیٰ دے دیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جب کہا جاتا کہ آپ کو بشارت ہو تو وہ کہتے "مجھے کیسے بشارت ہو جبکہ خبیب میرا راستہ روکے کھڑے ہوں گے"۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک شخص سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا "میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ ان کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان کے پاس مروان بن حکم گیا۔ اس نے ان سے اپنی ضرورت بیان کی۔ اس نے کہا "امیر المؤمنین! میری ضرورت پوری کر دیں۔ مجھ پر بہت زیادہ بوجھ ہے۔ میں دس افراد کا باپ، دس کا چچا اور دس کا بھائی ہوں"۔ جب مروان چلا گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا "اے ابن عباس! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب بنو حکم کی تعداد تیس تک پہنچ جائے گی تو وہ رب تعالیٰ کے مال کو وراثت بنالیں گے اور کتاب الٰہی میں خیانت کریں گے۔ اور جب ان کی تعداد 499 ہو جائے گی تو وہ کھجور کے لقمہ سے بھی جلد برباد ہو جائیں گے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "ہاں! پھر مروان نے اپنی ضرورت کا ذکر کیا۔ اس نے اپنا بیٹا عبد الملک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور اس نے اپنی ضرورت ان سے بیان کی۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا "ابن عباس! میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ کیا اور فرمایا "یہ چار جابر انسانوں کا باپ ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "ہاں! اس کی اولاد میں سے چار شخص امور مملکت کے والی بنے۔ ولید، سلیمان، ہشام اور یزید بن عبد الملک"؟۔ اس روایت میں یہ کوئی دلیل نہیں کہ عبد الملک صحابی تھا کیونکہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے وجود سے قبل یہ بات فرمائی ہو۔ اور یہ نبوت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی نشانی ہو۔

عاص بن وائل السہمی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتا تھا۔ یہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ جبکہ عاص کفر پر مرا تھا۔ یہ کہا کرتا تھا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود کو بھی اور اپنے ساتھیوں کو بھی فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد انہیں زندہ کیا جائے گا۔ بخدا! ہمیں تو صرف زمانہ، گردش ایام اور حوادث ہلاک کرتے ہیں"۔ یہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے بھی مذاق کرتا تھا۔ یہ مکہ مکرمہ میں آہن گر تھے۔ تلواریں بناتے تھے۔ انہوں نے عاص کے لئے تلواریں خریدیں اور ان کی قیمت مانگنے کے لئے عاص کے پاس آئے۔ اس نے کہا "خباب! کیا محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) گمان نہیں کرتے کہ جنت میں سونے، چاندی، کپڑے، خدام اور اولاد میں سے ایسی چیزیں ہوں گی اہل جنت جن کی خواہش کریں گے"۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں" اس نے کہا "مجھے روز قیامت تک مہلت دو۔ حتیٰ کہ میں دار آخرت میں پہنچ جاؤں۔ میں وہاں تمہارا حق ادا کر دوں گا۔ بخدا! تم اور تمہارا اصحاب رب تعالیٰ کے ہاں زیادہ پاکباز نہیں ہو۔ نہ ہی ہم سے زیادہ حصہ دار ہو"۔ دوسری روایت میں ہے کہ عاص ان سے کہتا "میں تمہیں کچھ نہ دوں گا حتیٰ کہ تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر دو" وہ فرماتے "بخدا! میں ہرگز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کروں گا حتیٰ کہ ان کا پروردگار تمہیں مار ڈالے پھر تمہیں زندہ کرے"۔ عاص نے کہا "آپ مجھے چھوڑ دیں حتیٰ کہ میں مروں پھر زندہ کیا جاؤں۔ وہاں مجھے مال اور اولاد دی جائے گی۔ وہاں میں آپ کا قرض چکا دوں گا"۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ

عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

''کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمٰن سے کوئی وعدہ؟ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس لئے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا''۔ (مریم)

اسی طرح اسود بن یغوث بھی مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا ماموں زاد تھا۔ یہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتا ''تمہارے پاس زمین کے ایسے شہنشاہ آرہے ہیں جو کسریٰ اور قیصر کے وارث بنیں گے''۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کپڑے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ سے کہتا ''محمد عربی! (ﷺ) آج آسمان سے کیا پیغام اترا ہے؟''

اسود بن مطلب کا شمار بھی ایسے ہی مذاق اڑانے والوں میں ہوتا ہے۔ یہ اور اس کے ساتھی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ یہ انہیں دیکھ کر سیٹیاں بجاتے تھے۔ اسی طرح ولید بن مغیرہ بھی حضور ﷺ کا مذاق اڑاتا تھا۔ یہ حضرت خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ کا باپ اور ابوجہل کا چچا تھا۔ یہ سرداران قریش میں سے تھا۔ یہ بڑا آسودہ حال تھا۔ یہ ایام منیٰ میں لوگوں کو حلوہ کھلاتا تھا۔ یہ آگ جلانے سے منع کرتا تھا تاکہ ان ایام میں کسی اور کی آگ نہ جلے یہ حاجیوں پر بہت زیادہ خرچ کرتا تھا۔ اہل عرب اس کی بہت زیادہ تعریف کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ اور طائف کے مابین اس کے باغات تھے۔ ان میں ایک ایسا باغ بھی تھا جس کا نفع موسم گرما اور موسم سرما میں جاری رہتا تھا۔ پھر اسے مصائب اور آفات نے آگھیرا۔ اس کا سارا مال برباد ہو گیا۔ اب اس کا تذکرہ ایام حج میں کوئی نہ کرتا تھا۔ یہ قریش میں سے فصیح ترین شخص تھا۔ اسے ''ریحانۃ قریش'' کہا جاتا تھا۔ اسے شرف وسیادت اور جاہ وریاست کی وجہ سے ''وحید'' کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا اس کے متعلق ارشاد مبارک ہے۔

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۝ (المدثر)

''آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے''۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے ''نہیں بلکہ یہ کفر، خبث اور عناد میں یکتا تھا۔ یہ حضور ﷺ پر جادوگری کا الزام لگاتا تھا حالانکہ یہ خود اعتراف کرتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ جادوگر نہیں ہیں۔ جب ساری آراء اور مشورے اس پر تنگ ہو گئے تو اس نے کہا ''آپ کو جادوگر کہنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ آپ سے زیادہ نفرت کریں گے''۔ اس کی قوم نے بھی اس کی اتباع کی۔

ابن اسحاق، امام بیہقی اور امام حاکم نے جید سند سے روایت کیا ہے کہ ایام حج میں قریش کا ایک گروہ ولید کے پاس جمع ہوا۔ یہ ان سے عمر رسیدہ تھا۔ اس نے ان سے کہا ''اے گروہ قریش! ایام حج قریب آچکے ہیں۔ عنقریب عرب کے وفود

تمہارے پاس آئیں گے۔ انہوں نے تمہارے اس صاحب کے بارے سن رکھا ہوگا"۔ تم ان کے بارے اپنی ایک رائے قائم کرلو۔ باہم اختلاف نہ کرنا اس طرح ایک دوسرے کی تکذیب کرنے لگو گے"۔ قریش نے کہا "تم ہی ہمارے لئے ایک رائے قائم کرو۔ ہم سب کو وہی بتائیں گے"۔ ولید نے کہا: "بلکہ تم کہو۔ میں سنتا ہوں"۔ قریش نے کہا "ہم کہیں گے کہ یہ کاہن ہیں"۔ ولید نے کہا "بخدا! وہ کاہن نہیں ہیں۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے ان میں نہ تو کاہنوں جیسا زمزمہ ہے اور نہ ہی ان جیسا سجعہ ہے"۔ قریش مکہ نے کہا "ہم کہیں گے کہ یہ مجنون ہیں"۔ ولید نے اس سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کہا "نہیں وہ مجنون نہیں ہیں۔ ہم سودائی سے خوب آشنا ہیں نہ تو ان کی آواز سودائیوں جیسی ہے اور نہ ہی وہاں شیطانی وسوسہ کا عمل دخل ہے"۔ یہ سن کر قریش نے ایک اور رائے کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا "ہم کہیں گے کہ یہ شاعر ہیں" ولید نے کہا "وہ شاعر بھی نہیں ہیں ہم اشعار کی ساری اقسام رجز، ہزج، قریض اور مبسوط سے آگاہ ہیں۔ یہ شاعر بھی نہیں ہیں"۔ قریش مکہ نے ولید کی تردید سن کر کہا "ہم کہیں گے کہ یہ جادوگر ہیں"۔ ولید نے کہا "یہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ ہم جادوگروں اور ان کی ساحری سے آشنا ہیں۔ ان جیسی جھاڑ پھونک اور گرہیں باندھنا نہیں ہے"۔ عاجز آکر قریش مکہ نے کہا "اے ابو عبد شمس! اب تم ہی بتاؤ"۔ ولید نے کہا "اللہ کی قسم! ان کے کلام میں مٹھاس ہے۔ اس کی جڑیں مستحکم اور اس کی شاخیں ثمر آور ہیں۔ قسم بخدا! ان نازیبا امور میں سے جس امر کو بھی تم ان کی طرف منسوب کرو گے اس کا جھوٹ عیاں ہو جائے گا۔ تم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یہ بتا سکتے ہو کہ یہ جادوگر ہیں۔ یہ ایسا جادو لے کر آئے ہیں جس سے یہ آدمی کو اس کے باپ سے، آدمی کو اس کے بھائی سے آدمی کو اس کے بھائی اور قبیلے سے جدا کر دیتے ہیں"۔ قریش مکہ یہ رائے سن کر وہاں سے چلے گئے جب حج کا زمانہ آیا تو یہ مختلف راستوں پر بیٹھ گئے۔ جو شخص وہاں سے گزرتا۔ یہ اسے نبی کریم ﷺ سے ڈراتے۔ اس سے آپ کا تذکرہ کرتے اس طرح حضور اکرم ﷺ کا ذکر خیر سارے عرب میں پھیل گیا۔ بلکہ سارے آفاق میں پھیل گیا۔ قریش کے مکر و فریب کا وبال الٹا ان پر ہی پڑا۔ حتیٰ کہ انصار نے اسلام قبول کرلیا اور حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی۔ نجران کے بیس افراد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان تمام نے اسلام قبول کرلیا۔ جب یہ بات ابوجہل نے سنی تو اس نے انہیں برا بھلا کہا تو انہوں نے جواب میں کہا "تمہیں سلام!" انہی کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ (القصص: 55)

"اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو منہ پھیر لیتے ہیں"۔

حضرت علامہ زرقانی نے اس ولید پر اپنا تبصرہ یوں رقم کیا ہے "ذرا اس لعین کو دیکھو اس کے نفس کو کس طرح حق کا یقین ہو گیا تھا مگر اس کے غرور و تکبر نے اسے اس کے برعکس ابھارا۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کی مذمت بیان کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ (القلم)

"اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی۔ جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ سخت منع کرنے والا بھلائی سے۔ حد سے بڑھا ہوا۔ بڑا بدکار ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ (المدثر)

''آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے۔ اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر بھی پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ اور پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو۔ جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا''۔

اسی طرح ابو جہل بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتا تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے در اقدس پر کوڑا پھینکا کرتا تھا ایک دن اس کے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ یہ کوڑا پھینکنے لگا تھا۔ انہوں نے وہ کوڑا لیا اور اسے اس کے سر پر انڈیل دیا۔ ابو جہل وہ کوڑا جھاڑتا جاتا اور کہتا جاتا ''صابی، احمق'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کی ابتداء میں مختلف لوگوں کے پاس تشریف لے جاتے۔ آپ فرماتے ''اے لوگو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ صرف اس کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ابو جہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے ہوتا۔ وہ کہتا ''اے لوگو! یہ شخص تمہیں حکم دے رہا ہے کہ تم اپنے آباء کا دین چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لئے باعث عار ہے''۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''ذرا دیکھو راہ خدا میں یہ کتنی بڑی آزمائش ہے۔ اگر ابو جہل قریبی رشتہ دار نہ ہوتا تو اور بات تھی۔ کیونکہ اہل عرب کہتے تھے ''کسی شخص کی قوم اسے سب سے زیادہ جانتی ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جتنا مجھے ستایا گیا اتنا کسی اور کو نہ ستایا گیا'' کیونکہ آپ کو اپنی قوم کی طرف سے بڑی بڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے آپ کو شدید اذیت دی۔ جادوگری، شاعری، کہانت اور جنوں جیسے الزامات لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں براہین قاطعہ کے ساتھ سارے امور کا رد کیا بعض بدبخت آپ کے سر اقدس پر مٹی پھینک دیتے پھر در اقدس پر خون ڈال دیتے۔ بعض کمر انور پر اوجڑی پھینکتے۔ جب اذیت اور استہزاء آخری حد تک پہنچ گیا تو حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محو طواف تھے۔ انہوں نے عرض کی ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے لئے کافی ہو جاؤں''۔ جب ولید بن مغیرہ، وہاں سے گزرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرائیل نے پوچھا ''آپ نے اسے کیسا پایا ہے؟ آپ نے فرمایا ''یہ رب تعالیٰ کا سب سے برا بندہ ہے''۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کی پنڈلی کی

طرف اشارہ کیا اور کہا "میں اس کے لئے کافی ہوگیا ہوں" ولید ایک شخص کے پاس سے گزرا وہ اپنے تیر کا پر درست کر رہا تھا۔ تیر کا پھل اس کے ازار سے اٹک گیا جس سے اس کی ٹانگ پر خراش آئی۔ وہ از روئے تکبر پھل نکالنے کے لئے نیچے نہ جھکا جس نے اس کی ایڑی کی رگ کاٹ دی۔ وہ اسی سے کفر کی حالت میں مر گیا۔

پھر عاص بن وائل سہمی کا وہیں سے گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم یہ کیسا شخص ہے؟" آپ نے فرمایا "یہ بہت برا آدمی ہے" حضرت جبرائیل امین نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا۔ ساتھ ہی عرض کی "میں آپ کی طرف سے اسے کافی ہوگیا ہوں"۔ وہ سیر کرنے کے لئے باہر نکلا ایک گھاٹی میں اترا۔ اس کے پاؤں کے تلوے میں کانٹا چبھ گیا اس کی ٹانگ سوجھ کر چکی کی طرح ہوگی۔ دوسری روایت کے مطابق وہ اونٹ کی گردن کی طرح ہوگئی۔ وہ اس سے واصل جہنم ہوا۔

پھر حارث بن قیس سہمی کا وہیں سے گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "آپ اسے کیسا شخص پاتے ہیں؟" آپ نے فرمایا "یہ بہت برا آدمی ہے"۔ حضرت جبرائیل امین نے اس کے بطن کی طرف اشارہ کیا اور کہا "میں اسے کافی ہوگیا ہوں"۔ دوسری روایت ہے کہ انہوں نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا تو وہ پیپ سے بھر گیا۔ جس کی وجہ سے وہ وہیں واصل جہنم ہوا۔ دوسرا قول ہے کہ اس نے نمک آلود مچھلی کھائی۔ وہ اس پر پانی پیتا رہا حتیٰ کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور یہ مر گیا۔

پھر اسود بن عبد یغوث کا وہیں سے گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل امین نے پوچھا "حضور! یہ کیسا شخص ہے؟" آپ نے فرمایا "بہت برا آدمی ہے"۔ حضرت جبرائیل امین نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا اور کہا "میں اسے کافی ہوگیا ہوں"۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت سیدنا جبرائیل امین نے اس کی طرف اس وقت اشارہ کیا جب وہ درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ اپنا سر درخت سے ٹکراتا رہا۔ اپنا چہرہ کانٹوں پر مارتا رہا حتیٰ کہ کفر پر مر گیا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ اسے استسقی کی مرض لاحق ہوئی تو یہ مر گیا۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اس کے سر پر پھوڑے نکل آئے۔ تو یہ انہی سے مر گیا۔

امام زرقانی نے لکھا ہے "ممکن ہے اس نے اس وجہ سے اپنا سر درخت سے ٹکرا دیا ہو" ایک اور قول یہ ہے کہ یہ اپنے اہل خانہ سے عازم سفر ہوا اسے باد سموم نے آلیا۔ اس کی شکل حبشیوں جیسی ہوگئی۔ یہ اپنے اہل خانہ کے پاس آیا۔ مگر انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ انہوں نے اسے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا۔ یہ واپس لوٹ گیا۔ مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں گھومتا رہا۔ حتیٰ کہ پیاسا مر گیا۔ یہ سارے احتمالات بعید از امکان نہیں ہیں۔

پھر اسود بن مطلب کا وہاں سے گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے پوچھا "حضور! یہ کیسا آدمی ہے" آپ نے فرمایا "بہت برا" انہوں نے اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا اور عرض کی "میں اسے کافی ہوگیا ہوں"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق انہوں نے اس کی طرف ایک سبز پتہ پھینکا۔ یہ اس طرح اندھا ہوگیا جس طرح بصیرت کا اندھا تھا۔ یہ حسن وقبیح میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔ اس نے اپنا سر دیوار کے ساتھ دے مارا۔ حتیٰ کہ ہلاک ہو

گیا۔ یہ کہہ رہا تھا "مجھے محمد عربی ﷺ کے رب نے قتل کر دیا ہے"۔ دوسری روایت میں ہے "یہ اپنے بیٹے کے استقبال کے لئے نکلا جو شام سے آیا تھا۔ جب اس نے کچھ راستہ طے کر لیا تو یہ کسی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گیا۔ حضرت جبرائیل امین اس درخت کے پتے اس کے چہرے اور آنکھوں پر مارنے لگے حتیٰ کہ یہ اندھا ہو گیا۔ یہ اپنے غلام سے مدد مانگنے لگا۔ اس کے غلام نے اسے کہا "تجھے کوئی کچھ بھی نہیں کر رہا" دوسرے قول کے مطابق حضرت جبرائیل امین نے اسے کانٹے دار شاخ ماری جس سے اس کی آنکھوں کے ڈھیلے بہہ پڑے۔ یہ پوچھنے لگا "میری آنکھوں پر خار دار شاخ کس نے ماری ہے؟ ساتھیوں نے کہا "ہمیں تو کوئی شخص نظر نہیں آ رہا"۔ ایک اور قول یہ ہے کہ یہ درخت کے پاس آیا۔ اور اس کے تنے سے اپنا سر ٹکرانے لگا حتیٰ کہ اس کی آنکھیں نکل گئیں۔ یہ کہا کرتا تھا "محمد عربی ﷺ نے میرے لئے اندھے پن کی بددعا کی جو قبول ہو گئی ہے"۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ابوجہل ایک پھوڑے کی وجہ سے واصل جہنم ہوا اور عقبہ کو اس وقت تہ تیغ کر دیا گیا جب حضور شفیع المذنبین ﷺ غزوۂ بدر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔

مذکورہ بالا پانچ مشہور مذاق اڑانے والے ہیں جن کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ (الحجر)

"ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے"۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَ كفاه المستهزئين و كم ساء نبيا من قومه استهزاء

اللہ تعالیٰ آپ کی طرف سے مذاق کرنے والوں کو کافی ہو گیا۔ حضور کو اپنی قوم کی طرف سے کتنے برے استہزاء کا سامنا کرنا پڑا۔

خمسة كلهم اصيبوا بداء والردى من جنوده الادواء

ان پانچوں کو کوئی نہ کوئی مرض لاحق ہو گیا۔ ہلاکت ان کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے لشکروں میں سے ہے۔

فدهى الاسود بن عبد يغوث ان سقاه كأس الردى استسقاء

اسود بن عبد یغوث کو ہلاکت پہنچی استسقاء مرض نے اسے ہلاکت کا پیالا پلایا۔

و اصاب الوليد خدشة سهم قصرت عنها الحية الرقطاء

ولید کو تیر کی خراش لگی تو سیاہ و سفید داغوں والا سانپ بھی اس جیسی اذیت سے عاجز آ گیا۔

وقضت شوكة على بهجة العاص فَلِلّٰهِ النَّقْمَةَ الشَّوكاء

عاص کی روح کے خلاف ایک کانٹے نے فیصلہ کر دیا۔ سخت انتقام اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔

و على الحرث القيوح و قد سال بها راسه و ساء الوعاء

حارث پر پیپ مسلط ہو گئی۔ اس کے سر سے پیپ بہنے لگی۔ برتن بھی خراب ہو گیا۔

خمسة طهرت بقطعهم الارض فكف الاذى بهم شلاء

پانچوں کے مرنے سے زمین ان سے پاک ہوگئی جس سے اذیت کا ہاتھ شل ہوگیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ پانچ افراد ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے۔ اگرچہ مستہزئین ان پانچ افراد تک محدود نہ تھے۔ منبہ اور نبیہ پسران حجاج کا شمار بھی ایسے ہی سیاہ بختوں میں ہوتا ہے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ یہ حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے تو کہتے "اللہ تعالیٰ کو آپ کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں ملا جسے وہ مبعوث کرتا" جو آپ سے زیادہ عمر رسیدہ اور ثروت مند ہوتا۔ اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے پاس ایک فرشتہ لائیں جو آپ کے لئے گواہی دے اور آپ کے ساتھ رہے"۔ جب ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہوتا تو یہ کہتے "وہ ایک سکھائے ہوئے مجنون ہیں۔ جو کچھ یہ لے کر آتے ہیں وہ انہیں اہل کتاب سکھاتے ہیں"۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ابن المحدث کی "السیرۃ" سے منقول ہے کہ جس نے سورۃ الھمزہ پڑھی رب تعالیٰ اسے دس نیکیاں عطا کرے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ مذاق کرنے والوں کی تعداد اتنی ہی تھی۔ ایک دن ابوجہل نے مذاق کرتے ہوئے کہا "اے گروہ قریش! محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وہ فرشتے جو تمہیں آگ میں پھینکیں گے اور تمہیں وہیں روکے رکھیں گے ان کی تعداد انیس ہے۔ تمہاری تعداد تمام لوگوں سے زیادہ ہے کیا تم میں سے ایک سو افراد ان میں سے ایک فرشتے کو بھی نہیں روک سکیں گے؟ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک قریشی شخص بہت زیادہ زور آور اور قوی تھا۔ اس کی قوت کا عالم یہ تھا کہ وہ گائے کی جلد پر کھڑا ہوتا تھا۔ دس افراد اسے نیچے اتارنے کے لئے کھینچتے تھے اس کے قدموں کے نیچے جلد پھٹ جاتی تھی مگر یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا تھا۔ اس نے ابوجہل سے کہا "سترہ فرشتوں کو میں کافی ہو جاؤں گا۔ باقی دو کو تم سنبھال لینا"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زور آزمائی کی دعوت دی اس نے کہا "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اسے زمین پر پٹخ دیا۔ مگر اسے دولت ایمان نصیب نہ ہوئی"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ابوجہل نے قریش سے کہا "دس فرشتوں کو تو میں کافی ہو جاؤں گا نو کو تم پکڑ لینا"۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا (المدثر: 31)

"اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا"۔

یعنی کسی کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ان فرشتوں کی تعداد انیس کیوں ہے؟ اس تعداد سے رب تعالیٰ کا ارادہ کیا ہے؟ کیونکہ اس حکمت کا علم صرف رب تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ ان ملائکہ کے اوصاف کچھ یوں بیان کئے گئے ہیں کہ ان کی آنکھیں چندھیا دینے والی بجلی کی طرح ہیں۔ ان کے جبڑے سینگوں کی طرح ہیں۔ اور ان کے کندھے ایک سال کی مسافت جتنے چوڑے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے ایک کندھے سے لے کر دوسرے کندھے تک کی مسافت اور مشرق تا مغرب جتنی

ہے۔ایک فرشتے میں ثقلین (جن وانس) کی قوت جتنی طاقت ہے۔ان میں جذبہ رحم نہیں ہے۔

امام عتبی نے عیون الاخبار میں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کی انگلیاں اہل جہنم کی تعداد کے برابر پیدا کیں ہیں۔ ہر اہل آتش کو فرشتہ اپنی ایک انگلی سے عذاب دے گا۔اگر فرشتہ وہ انگلی آسمان پر رکھ دے تو وہ آسمان پگھل جائے۔یہ انیس فرشتے سردار ہیں۔ان میں سے ہر ایک کے ماتحت اتنے فرشتے ہیں جن کی تعداد صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ارشاد ربانی ہے

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (المدثر:31)

''اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کسی شخص کو آتش جہنم میں جانے کا حکم ہوگا تو ایک لاکھ فرشتے جلدی سے اس کی طرف بڑھیں گے۔بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی تعداد (19) انیس ہے۔جہنم کے ان فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہے۔جس نے تسمیہ پڑھا جبکہ وہ مومن ہوا تو رب تعالیٰ ہر حرف کے بدلے ایک فرشتے سے اسے نجات عطا کرے گا۔

ایک دن ابوجہل نے قریش مکہ سے کہا ''اے قریش! محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں شجرۃ الزقوم سے ڈراتے ہیں۔ساتھ ہی کہتے ہیں کہ وہ آگ میں ایک درخت ہے۔حالانکہ آگ درخت کو کھا جاتی ہے۔زقوم سے مراد کھجور اور مکھن ہے'' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾ (الصّٰفّٰت:64)

''یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں''۔

یعنی یہ درخت جہنم کے وسط میں اگا ہے۔جہنم اس پر غلبہ نہیں پا سکتی۔کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ جو ذات والا ایسی مخلوق پیدا کر سکتی ہے جو آگ میں زندگی بسر کرے اور اس سے لطف اندوز ہو۔وہ آگ میں درخت پیدا کرنے پر زیادہ قادر ہے۔وہ آگ سے اس کی حفاظت بھی کر سکتی ہے۔

ابن سلام نے لکھا ہے ''یہ درخت آگ سے اس طرح تروتازہ ہو جاتا ہے جس طرح دنیا کا درخت بارش سے سرسبز و شاداب ہو جاتا ہے۔اس درخت کا پھل تلخ ہوتا ہے''۔

امام ترمذی اور امام نسائی، امام بیہقی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے (امام نسائی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شجرۃ زقوم کا اگر ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر جائے، تو ساری دنیا کی زندگی مکدر ہو جائے ان کی حالت کیا ہوگی جو اسے کھائیں گے''۔

اس طرح ابوجہل نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) یا تو ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو یا ہم وہ امور اس معبود کی طرف منسوب کریں گے جس کی آپ عبادت کرتے ہیں''۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام:108)

''اور تم نہ برا بھلا کہو انہیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا (ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی برا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور اللہ رب العزت کی طرف دعوت دینے لگے۔

''الدر المنثور'' میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''یہ آیت طیبہ

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ (الحجر)

''ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے''۔

اس گروہ مشرکین کے بارے نازل ہوئی جن کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے۔ وہ آپ کے پیچھے آنکھوں سے اشارے کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے ''یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ نبی ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جبرائیل امین تھے انہوں نے اپنی مبارک انگلی سے ان کے جسموں کی طرف اشارے کئے جس کی وجہ سے وہ سارے زخمی ہو گئے اور ان کے جسموں سے بدبو آنے لگی۔ کسی کو اس کے قریب آنے کی سکت نہ تھی حتیٰ کہ سارے مر گئے۔

''السیرۃ الحلبیہ'' میں ہے ''ان دونوں روایتوں کو کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے؟'' پھر جواب دیا ''ممکن ہے کہ یہ گروہ پہلے گروہ سے علیحدہ ہو''۔ یہ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ اور اس آیت طیبہ کا نزول دوبارہ ہوا ہو۔

اس طرح نضر بن حارث بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے۔ قوم قریش سے محو گفتگو ہوتے اور انہیں عذاب سے ڈراتے تو آپ کے بعد یہ اسی محفل میں چلا جاتا۔ قوم قریش سے کہتا ''آؤ! بخدا! میرے پاس ان سے اچھی باتیں ہیں''۔ پھر یہ انہیں ایران کے بادشاہوں کی داستانیں سناتا۔ یہ کہتا ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو صرف پہلے لوگوں کے افسانے لے کر آئے ہیں''۔ اسی نے یہی کہا تھا ''میں بھی اس طرح نازل کروں گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے''۔ یہ حیرہ گیا۔ وہ عجمیوں کی داستانیں خرید کر لے آیا۔ یہ ان ہی داستانوں کو بیان کرتا تھا۔ یہ کہتا تھا ''یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان آیات کی طرح ہی ہیں جو عاد اور ثمود کے بارے ہیں''۔ اس کی وجہ سے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ (لقمان،6)

''اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصد حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا''۔

یہ بھی نضر کے بارے نازل ہوئی کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر پہلے لوگوں کی داستانیں سناتے تو یہ نضر کہتا ''اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا کلام پیش کر سکتے ہیں۔ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہی ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل)

''(بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن

کی مثل تو ہر گز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگر چہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔

ابو جہل، ولید بن مغیرہ اور بنو مخزوم کے کچھ لوگوں نے حضور ﷺ کو شہید کرنے کا عزم کیا۔ حضور ﷺ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے انہوں نے آپ کی قرأت سن لی۔ انہوں نے ولید کو بھیجا تا کہ وہ آپ کو شہید کر دے۔ وہ آیا حتیٰ کہ اس جگہ پہنچ گیا جس جگہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ وہ آپ کی قرأت تو سن رہا تھا مگر آپ کا جسم مبارک اس کو نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ان لوگوں کے پاس گیا۔ انہیں بتایا۔ وہ حضور ﷺ کے پاس آئے۔ جب انہوں نے آپ کی قرأت سنی تو وہ آواز مبارک کی سمت گئے تو آواز مبارک ان کے پیچھے سے آنے لگی۔ وہ اس سمت بڑھے تو آواز مبارک ان کے آگے سے آنے لگی۔ وہ اسی طرح کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خائب و خاسر لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ (یٰسین)

"اور ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے"۔

نضر بن حارث نے حضور ﷺ کو ثنیۃ الحجون کے نیچے تنہا دیکھا۔ اس نے کہا "آج مجھے سنہری موقع ملا ہے میں آج دھوکے سے انہیں شہید کر سکتا ہوں" وہ اس مذموم مقصد کے لئے حضور ﷺ کے قریب گیا۔ اس نے سیاہ اجسام دیکھے وہ اپنے منہ کھول کر اپنے دانت اس کے سر پر مارنے لگے۔ یہ ڈر کر ایڑیوں کے بل لوٹ آیا۔ یہ ابو جہل سے ملا اور اسے یہ واقعہ سنایا۔ اس نے کہا "یہی ان کی جادوگری ہے" جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء: 98)

"(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے"۔

أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ (الانبیاء)

"تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ (سوچو) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں اور (جھوٹے خدا اور ان کے پجاری) سب اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

تو کفار قریش پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ انہوں نے عبد اللہ بن زبعری سے کہا "محمد عربی (ﷺ) کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے معبودان (باطلہ) جہنم کا ایندھن بنیں گے"۔ اس نے کہا "میں تمہاری جانب سے محمد عربی ﷺ سے بات کرتا ہوں"۔ اس نے کہا "محمد (مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء) یہ بات ہمارے معبدوں کے ساتھ خاص ہے یا کہ ہر اس چیز کے ساتھ جس کی رب تعالیٰ کے علاوہ پوجا کی جاتی ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "جس کی بھی رب تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے اس کے ساتھ یہ خاص ہے"۔ عبد اللہ بن زبعری نے کہا "مجھے اس مبارک عمارت کی قسم! کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کی جاتی ہے۔ اس طرح حضرت عزیر اور فرشتوں کی عبادت کی گئی۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ اور یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کی۔ بنو ملیح نے ملائکہ کو پوجا" یہ سن کر کفار خوشی و مسرت سے چیخنے لگے۔ حضور ﷺ نے ابن

زبعری سے فرمایا "تو اپنی قوم کی زبان سے بھی کتنا ناآشنا ہے تجھے اتنا علم نہیں کہ "ما" غیر ذو العقول کے لئے آتا ہے" پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء)

"بلاشبہ وہ لوگ جن کیلئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھیں جائیں گے"۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت شارع علیہ السلام کی طرف سے نحویین کے اس قول کے لئے نص ہے کہ "ما" غیر ذو العقول کے لئے آتا ہے۔

قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذاق کرتے ہوئے آپ سے انشقاق قمر کا مطالبہ کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غیر معینہ نشانی کا مطالبہ کیا ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے معین نشانی کا مطالبہ کیا تھا کہ آپ چاند کو دو حصوں میں منقسم کر کے دکھائیں ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ پہلے انہوں نے غیر معین نشانی کا مطالبہ کیا پھر اسے انشقاق قمر کے ساتھ مختص کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین مکہ اکٹھے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا "اگر آپ سچے ہیں تو ہمارے لئے چاند کو دو ٹکڑے کر دیں۔ ایک ٹکڑا کوہ ابی قبیس پر جبکہ دوسرا ٹکڑا کوہ قعیقعان پر گرے۔ چاند کی چودہ تاریخ تھی ماہ تمام آسمان پر جگمگا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "اگر میں نے اس معجزہ کا اظہار کر دیا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے"۔ مشرکین نے کہا "ہاں!" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ سے اس معجزہ کے ظہور کے لئے التجا کی۔ چاند دو حصوں میں تقسیم ہو کر نیچے گر پڑا۔ اس کا نصف کوہ ابی قبیس پر اور نصف کوہ قعیقعان پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "دیکھو دیکھو"۔

ایک اور روایت میں ہے "چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ کوہ صفا پر اور دوسرا حصہ کوہ مروہ پر گرا تھا۔ وہ نماز عصر اور نماز مغرب تک اسی طرح رہا۔ پھر یہ غائب ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ غروب کے بعد واپس لوٹ گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چاند دو بار شق ہو۔ (یعنی چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا) اس وقت قریش مکہ نے کہا "محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے"۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا "اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم پر جادو کر دیا ہے تو ان کا یہ جادو ساری روئے زمین پر تو نہیں چل سکتا۔ اس شخص سے پوچھو جو کسی دوسرے شہر سے آیا ہو"۔ انہوں نے اطراف واکناف سے آنے والے لوگوں سے چاند کے متعلق پوچھا کہ کیا انہوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے بتایا "انہوں نے یہ منظر دیکھا ہے" اس وقت انہوں نے کہا

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر)

"یہ بڑا زبردست جادو ہے"۔

یہ کلام صراحۃً اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ انشقاق قمر کا واقعہ ساری روئے زمین پر ہوا تھا۔ یہ اہل مکہ کے ساتھ خاص نہ

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان سے اس معجزہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر)

"قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے"۔

رکانہ بن عبد یزید کی زور آزمائی

بعثت نبویہ کی ابتداء میں رکانہ پہلوان نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زور آزمائی کی تھی۔ انہوں نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں انہوں نے مدینہ منورہ میں وصال کیا۔ یہ بہت بہادر اور جری تھے۔ جسم انتہائی قوی اور مضبوط تھا پہلوانی میں بہت مصروف تھے۔ کوئی شخص انہیں پچھاڑ نہیں سکتا تھا نہ ہی ان کے پہلو زمین پر لگا سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اسلام لانے سے قبل رکانہ ایک وادی میں بکریاں چرا رہا تھا۔ یہ سارے لوگوں سے زیادہ قوی اور بہادر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے اور اس وادی کی طرف رخ انور کیا۔ آپ نے رکانہ سے ملاقات کی۔ وہاں آپ اور رکانہ کے علاوہ تیسرا شخص موجود نہ تھا۔ رکانہ نے آپ سے کہا "آپ ہی ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اور اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اگر میرے اور آپ کے مابین صلۂ رحمی کا تعلق نہ ہوتا تو میں آپ کو شہید کر دیتا۔ لیکن اب اپنے خدا کو بلاؤ۔ وہ آپ کو مجھ سے نجات دے۔ میں آپ کو ایک امر کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ آپ میرے ساتھ قوت آزمائی کریں۔ آپ اپنے خدا کو بلا لیں۔ میں لات وعزیٰ کو پکار لیتا ہوں۔ اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ کو دس بکریاں دوں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پکڑا اور زمین پر پٹخ دیا۔ رکانہ نے کہا "آپ نے مجھے مغلوب نہیں کیا۔ بلکہ آپ کے معبود نے مجھے پچھاڑا ہے۔ لات وعزیٰ نے مجھے ذلیل ورسواء کر دیا ہے۔ آپ سے پہلے میرا پہلو کسی نے زمین پر نہ لگایا تھا۔ آئیں۔ دوبارہ زور آزمائی کریں اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ کو مزید دس بکریاں دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ اسے پکڑا۔ زمین پر دے مارا۔ رکانہ نے تیسری بار زور آزمائی کرنے کے لئے کہا۔ آپ نے اسے تیسری بار بھی زمین پر پٹخ دیا۔ اس نے کہا "آپ اپنی پسند کی تیس بکریاں لے لیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرا ارادہ یہ نہیں۔ میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو آتش جہنم سے بچ جاؤ گے"۔ رکانہ نے کہا "میں اس وقت تک اسلام قبول نہیں کروں گا جب تک آپ مجھے کوئی نشانی نہ دکھائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر میں نے تمہیں نشانی دکھادی تو اسلام لے آؤ گے؟ اس نے کہا "ہاں!" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی سمرہ کا درخت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے حکم سے آجا"۔ وہ درخت دو حصوں میں منقسم ہوا ایک حصہ چلتے چلتے آیا اور حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رکانہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ رکانہ نے کہا "آپ نے مجھے ایک عظیم امر دکھایا ہے۔ اب اسے حکم دیں کہ یہ واپس چلا جائے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "کیا پھر تو اسلام لے آئے گا؟" اس نے کہا "ہاں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے حکم دیا۔ وہ درخت واپس چلا گیا اپنے تنے اور شاخوں سمیت دوسرے درخت سے مل گیا۔ اب آپ نے

اسے فرمایا "اسلام لے آ" اس نے کہا "مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے اسلام قبول کر لیا تو مکہ مکرمہ کی عورتیں اور بچے کہیں گے کہ میں نے آپ کے رعب کی وجہ سے آپ کی دعوت قبول کی ہے۔ لیکن آپ یہ بکریاں لے جائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے چلے گئے۔ راستہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ سے ملے۔ انہوں نے عرض کی "آپ اس وادی میں گئے تھے حالانکہ وہاں پہلوان رکانہ موجود ہے"۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ سنایا۔ جسے سن کر انہوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

کمزور مسلمانوں پر روح فرسا مظالم

المواہب اور اس کی شرح میں ہے ''حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دار ارقم میں مخفی رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ (الحجر:94)

''سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا''۔

اس کے بعد حضور اکرم مبلغ اعظم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسلام کی طرف اعلانیہ دعوت دینے کا آغاز کیا۔ یہ بعثت کا تیسرا سال تھا۔ تین سالوں تک حضور ﷺ اسلام کا پیغام خفیہ پہنچاتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اعلانیہ تبلیغ کا حکم دیا۔ آپ نے اپنی قوم کو بار بار دین حق کی دعوت دی۔ اسے تاکید فرمائی اور دلیل کے اظہار میں سعی بلیغ فرمائی۔ حتیٰ کہ مشرکین کو یوں لگا کہ ان براہین اور دلائل کی وجہ سے ان کے دل پھٹ جائیں گے۔ وہ ان کا رد کرنے سے عاجز تھے۔ مگر قوم نے نہ تو آپ سے تعلق توڑا اور نہ ہی ان دلائل کا رد کیا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جو کچھ آپ فرماتے مشرکین اس کا انکار نہ کرتے تھے۔ جب آپ ان کی مجالس میں سے گزرتے تو وہ کہتے ''یہ عبدالمطلب کے فرزند دلبند ہیں جو آسمانی باتیں بتاتے ہیں''۔ ان کا وطیرہ یہی رہا حتیٰ کہ حضور ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کا تذکرہ کیا ان کے عیب نکالے۔ آپ مسجد حرام میں جاتے تو لوگوں کو بتوں کے سامنے سجدہ ریز دیکھتے تو آپ انہیں منع فرماتے۔ ان سے فرماتے ''تم نے دین ابراہیمی کو بگاڑ دیا ہے''۔ مشرکین کہتے ''ہم انہیں اس لئے سجدہ کرتے ہیں تاکہ ان کی وجہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جائے''۔ حضور ﷺ ان کی اس بے تکی دلیل پر راضی نہ ہوتے۔ اور ان کے ان کرتوں کے عیوب نکالتے۔ قریش مکہ نے آپ کی مخالفت پر اتفاق کر لیا وہ آپ کی عداوت پر اکٹھے ہو گئے۔ سوائے ان چند حضرات کے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ جناب ابو طالب آپ ﷺ پر انتہائی شفقت فرماتے۔ وہ آپ کا بھرپور دفاع کرتے۔ اہل اسلام اور مشرکین کے مابین معاملہ شدت اختیار کرتا گیا۔ وہ ایک دوسرے کو مارنے لگے وہ ایک دوسرے سے عداوت کا اظہار کرنے لگا۔ قریش نے باہم مشاورت کی کہ ان میں سے جو اسلام لے آئے اسے اتنی اذیت دی جائے کہ وہ اسلام کو چھوڑ دے۔ یہ سب کچھ ابو جہل کی انگیخت پر ہوا تھا۔ جب وہ کسی ایسے شخص کے بارے سنتا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے جو صاحب شرف و قدر ہوتا تو یہ اسے ملامت کرتا۔ اسے کہتا ''تو نے اپنے باپ کا دین چھوڑ دیا ہے۔ وہ تجھ سے بہتر تھا۔ ہم تیری عقل کو نادان کہیں گے۔ تیری رائے کو کمزور کر دیں گے اور تیرا شرف کم کر دیں گے''۔ اگر وہ تاجر ہوتا تو ابو جہل اس طرح کہتا ''ہم تیری تجارت میں کساد بازاری پیدا کر دیں گے تیرا مال برباد کر دیں گے''۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

جن بلند اقبال ہستیوں کو دین الٰہی قبول کرنے کی پاداش میں اذیتیں دی گئیں اور وہ ثابت قدم رہے۔ ان میں سے ایک حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں۔ انہیں آگ کے ساتھ اذیت دی جاتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے جبکہ انہیں تکالیف کے شکنجے میں کسا جا رہا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سر پر دست اقدس پھیرتے اور فرماتے "آگ! عمار پر اسی طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی تھی"۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی کمر سے کپڑا اٹھایا گیا تو ان کی کمر پر برص نما سفید داغ دیکھے گئے۔ شاید یہ داغ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا سے پہلے کے تھے۔

حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت عمار ان کے والد گرامی حضرت یاسر، امی جان حضرت سمیہ اور بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم رضوانا کاملاً کو راہ خدا میں ستایا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے "آل یاسر صبر کرو۔ آل یاسر صبر کرو"۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اس اذیت میں شہید ہو گئے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل کے حوالے کر دیا گیا یہ ابوحذیفہ بن مغیرہ ابوجہل کے چچا کی لونڈی تھیں۔ ابوجہل انہیں شدید اذیت دیتا۔ تاکہ انہیں دین حق سے برگشتہ کر دے۔ وہ جب ان سے کچھ پوچھتا تو یہ اسے کوئی جواب نہ دیتیں۔ پھر اس تیرہ بخت نے ان کی شرم گاہ پر نیزہ مارا اور انہیں شہید کر دیا۔ ابوجہل انہیں کہا کرتا تھا "تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس لئے ایمان لائی ہے کہ کیونکہ تو ان سے عشق کرتی ہے۔ تو ان کے حسن و جمال کے سحر میں گرفتار ہے" کہا جاتا ہے کہ یہ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ تھیں۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ابوجہل حضرت عمار بن یاسر اور ان کی والدہ ماجدہ کو تکالیف دیا کرتا تھا۔ اس نے گرم دن میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے لئے لوہے کی زرہ بنا رکھی تھی۔ انہی کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ (العنکبوت)

"کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا"۔

روایت ہے کہ جب اذیت اور تکلیف حد سے گزر گئی تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکلیف اور اذیت بہت زیادہ ہو گئی ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوالیقظان! صبر کرو"۔ پھر آپ نے یہ دعا کی "مولا! آل عمار میں سے کسی کو بھی آگ سے اذیت نہ دی جائے"۔ ان کی والدہ ماجدہ نے ساتویں نمبر پر اسلام لانے کی سعادت حاصل کی۔ جب یہ شہید ہوئیں تو ان کی عمر بہت زیادہ تھی۔

روایت ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی کمر پر سوئی کی طرح کے نشانات تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا "یہ اس اذیت کے نشانات ہیں جو قریش مکہ مجھے تپتی ہوئی چٹان پر لٹا کر دیا کرتے تھے"۔ روایت ہے کہ جب ان کے والدین کریمین شہید ہو گئے تو اذیت کے وقت ان کی زبان سے کلمہ کفر نکل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ "عمارہ نے کفر کا اظہار کیا ہے" آپ نے فرمایا "ہرگز نہیں۔ ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکا ہے"۔ ان کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل:106)

''جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس سے مواخذہ نہ ہوگا) لیکن وہ (بدنصیب) کھل جائے کفر کے ساتھ (جس کا سینہ) تو ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے''۔

انہیں اتنی اذیت دی جاتی تھی کہ انہیں علم نہ ہوتا تھا کہ ان کی زبان سے کیسے الفاظ نکل رہے ہوتے تھے۔ پھر رنج والم کے یہ بادل چھٹ گئے۔ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت تک زندہ رہے اور جنگ صفین میں شہید ہو گئے۔ ان کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ

بخاری شریف میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ خانہ کعبہ کے سایہ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے مشرکین سے بہت سی اذیتوں کا سامنا کیا تھا''۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ رب تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا نہیں کرتے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ فرمایا ''تم میں سے پہلے لوگوں کی کیفیت یہ تھی کہ ان میں سے کسی ایک کو لوہے کی کنگھی کے ساتھ چیر دیا جاتا۔ اس کے پٹھوں اور ہڈیوں سے گوشت اکھڑ جاتا مگر بھی وہ دین حق کو نہ چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین متین کو ضرور غالب کرے گا۔ حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے چل کر حضر موت تک جائے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا خوف نہ ہوگا۔ وہ بھیڑیے کو اپنی بھیڑوں کا نگہبان مقرر کرے گا''۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے یہی روایت ہے۔ وہ اپنی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''ایک دن میرے لئے آگ جلائی گئی۔ میری پشت کو اس پر رکھ دیا گیا۔ میری پشت کی چربی نے ہی وہ آگ ٹھنڈی کی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ آہن گر تھے۔ زمانہ جاہلیت میں انہیں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ پھر ایک عورت ام انمار نے انہیں خرید لیا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی آقا انہیں اذیت دینے لگی۔ وہ لوہا لیتی اسے آگ میں تاپتی۔ پھر اسے حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیتی''۔ انہوں نے رسالت مآب میں یہ عرض کیا تو آپ نے یہ دعا مانگی ''مولا! خباب کی مدد کر'' ان کی آقا کے سر میں تکلیف ہو گئی۔ وہ کتوں کے ساتھ بھونکا کرتی تھی۔ اسے کہا جاتا ''داغ لگا'' وہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے کہتی۔ وہ لوہا لیتے اور اس کے ساتھ اس کا سر داغتے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بھی کسی ایسے غلام کے پاس سے گزرتے جسے اذیت دی جا رہی ہوتی تو وہ اسے خرید کر آزاد کر دیتے۔ ایسے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک سیدنا بلال رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حمامہ رضی اللہ عنہا، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ابو فکیہہ، حضرت لبینہ، حضرت نہدیہ، ان کی نور نظر اور حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہم وعنہن کو خرید کر آزاد فرمایا۔

حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ امیہ بن خلف حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ایک دن اور ایک رات بھوکا رکھتا۔ جب دوپہر خوب گرم ہو جاتی تو انہیں گرم ریت پر پھینک دیتا۔ ریت کی حرارت کا عالم یہ ہوتا کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا رکھا جاتا تو اسے بھی بھون لیا جاتا۔ پھر وہ بہت بھاری پتھر لانے کا حکم دیتا۔ وہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سینۂ اقدس پر رکھ دیا جاتا پھر یہ کہتا "بلال! تمہارے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا حتیٰ کہ مر جاؤ یا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے لات و عزیٰ کی عبادت کرنے لگو"۔ مگر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ انکار کر دیتے۔ دوسری روایت کے مطابق سیدنا بلال رضی اللہ عنہ عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو عبداللہ بن جدعان اپنے غلاموں کو لے کر مکہ مکرمہ سے باہر چلا گیا تا کہ اس کے غلام اسلام قبول نہ کر لیں۔ اس نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں ہی رہنے دیا یہ ابن جدعان کی بکریاں چراتے تھے یہ اپنا اسلام مخفی رکھے ہوئے تھے۔ ایک روز ان بتوں کے پاس آئے جو خانہ کعبہ کے ارد گرد رکھے ہوئے تھے وہ ان پر تھوکنے لگے اور وہ کہتے جا رہے تھے "جس نے تمہاری عبادت کی وہ نقصان اور گھاٹے میں رہا"۔ قریش کو ان کے اسلام کا علم ہو گیا۔ انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے ہاں ان کی شکایت کی۔ انہوں نے عبداللہ بن جدعان سے کہا "کیا تو صابی ہو گیا ہے؟" اس نے کہا "مجھ پر یہ الزام کیوں لگایا جا رہا ہے؟" قریش نے کہا "تمہارے سیاہ فام غلام نے اس طرح کیا ہے"۔ ابن جدعان نے قریش کو ایک سو اونٹ دیئے۔ انہوں نے انہیں بتوں کے لئے ذبح کر دیا۔ ابن جدعان نے قریش کو حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر پورا اختیار دے دیا کہ وہ انہیں اذیت پہنچائیں۔ ممکن ہے ابن جدعان کے بعد آپ امیہ کی ملکیت میں آئے ہوں اور وہ آپ کو اذیتیں دیتا رہتا ہو۔ ورقہ بن نوفل حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ "احد احد" کے نعرے الاپ رہے تھے۔ ورقہ نے کہا "ہاں! بلال۔ احد، احد" پھر ورقہ بن نوفل نے امیہ سے کہا "بخدا! اگر تم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو میں ان کی قبر انور کو رحمت الٰہیہ کی آماجگاہ بنا دوں گا"۔

روایت ہے کہ جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کو خریدا تو انہیں پتھر کے نیچے لٹا کر اذیت دی جا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے انہیں ایسی اذیتوں کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ قریش مکہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو لڑکوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ وہ انہیں رسی سے باندھ لیتے انہیں مکہ مکرمہ کی گھاٹیوں میں گھماتے رہتے تھے مگر وہ احد احد کے نعرے لگاتے رہتے تھے۔ وہ اذیت کی تلخی کو ایمان کی حلاوت کے ساتھ ملاتے تھے۔ انہوں نے اپنے وصال کے وقت بھی اسی طرح کیا۔ ان کے وصال کے وقت ان کی اہلیہ نے کہا "واکرباہ ہائے مصیبت!" انہوں نے فرمایا "واطرباہ مژدہ جانفزا!" میں صبح اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وفا کیش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کروں گا"۔ انہوں نے موت کی تلخی کو وصال کی حلاوت کے ساتھ ملایا۔ ابو محمد شقراطی نے کیا خوب کہا ہے۔

لاقی بلال لاءً من امیہ قد　　احلہ الصبر فیھا اکرم النزل

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ سے اذیت کا سامنا کیا۔ اس کے بارے صبر نے انہیں معزز مقام پر فائز کیا۔

اذا اجهدواه بضنك الاسر دهو على شدائد الازل ثبت الاز لم يزل

جب شدت کی تنگی کے ساتھ انہوں نے انہیں تھکا دیا لیکن وہ ان مصائب پر انتہائی محکم تھے وہ ذرہ بھر بھی نہ ہٹے۔

القوہ بطحا برمضاء البطاح و قد عالوا علیه صخور اجمة الثقل

وہ بطاح مکہ کی ریت پر انہیں چہرہ کے بل لٹا دیتے اور ان پر پتھروں کا بوجھ رکھ دیتے۔

فوحد الله اخلاصا و قد ظهرت بظهره كندوب الطل في الطل

مگر انہوں نے اخلاص کے ساتھ اللہ کی توحید بیان کی ان کی پشت پر اس طرح نشانات پڑ جاتے جس طرح بلند جگہ پر ہلکی بارش کے نشانات ہوتے ہیں۔

ان قد ظهر ولى الله من و بر قد قد قلب عدوة الله من قبل

اگر اللہ تعالیٰ کے ولی کی کمر پر سے کپڑا پھٹ گیا ہے تو اللہ کے دشمن کا دل آگ سے پھٹ گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دشمن امیہ غزوۂ بدر کے روز واصل جہنم ہوا۔ اس روز یہ حالت کفر پر مرا۔ تلوار اس کے دل تک پہنچ گئی۔ اس روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے قیدی بنا رکھا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں ان دونوں کے مابین دوستی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اسے زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے امیہ کو دیکھ لیا۔ انہوں نے بآواز بلند پکارا ''اے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار! یہ کفر کا سرغنہ امیہ بن خلف ہے۔ اگر یہ بچ گیا تو میں نہیں بچ سکوں گا''۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''انصار سرعت کے ساتھ امیہ کی طرف بڑھے۔ جب مجھے یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ انصار ہمیں آلیں گے۔ تو میں نے امیہ کے بیٹے علی کو ان کے سامنے کر دیا تاکہ وہ اس میں مشغول ہو جائیں۔ انہوں نے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا پھر وہ ہمارے پیچھے بھاگنے لگے۔ امیہ ایک جسیم شخص تھا۔ میں نے اسے کہا ''بیٹھ جاؤ''۔ وہ بیٹھ گیا۔ میں نے خود کو اس کے اوپر گرا لیا۔'' مگر انہوں نے اسے تلواروں سے مار مار کر قیمہ بنا دیا''۔ اس سے یہی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ نصرت صبر کے ساتھ ہے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے صبر کیا تو امیہ ان کے ہاتھوں ہی مقتول ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ (الصافات)

''اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے''۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت سے اشعار کہہ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بشارت دی۔ ان میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔

هنيئاء ذاك الرحمان خَيْرًا لَقَدْ اُدْرِكْتُ ثَاْرَكَ يا بلال

اے بلال! اللہ تعالیٰ آپ کی بھلائی میں اضافہ کرے۔ آپ کا بدلہ لے لیا گیا ہے۔

حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو قحافہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا ''آپ کمزور کمزور غلام خرید کر آزاد کر رہے ہیں کاش! آپ طاقتور اور تنومند غلام خرید کر آزاد کرتے جو آپ کی حفاظت کرتے

اور ضرورت کے وقت آپ کے کام آتے"۔ انہوں نے عرض کی "والد گرامی! میں انہیں رضائے الٰہی کے لئے خرید کر آزاد کرتا ہوں"۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ (اللیل)

"پھر جس نے (راہ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا"۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت انہیں اذیت دی جا رہی تھی۔ ان کے سینے پر بہت بڑا پتھر رکھا ہوا تھا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے کہا "کیا تو اس مسکین کے بارے رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا"۔ امیہ نے کہا "اسے تم نے ہی خراب کیا ہے۔ اسے اس اذیت سے تم ہی بچا لو"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میرے پاس ایک سیاہ فام غلام ہے جو بلال سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔ جو تمہارے ہی دین پر ہے۔ میں وہ غلام تجھے بلال رضی اللہ عنہ کے عوض دیتا ہوں" امیہ نے کہا "ٹھیک ہے" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا غلام امیہ کو دیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لے کر آزاد کر دیا۔

تفسیر بغوی میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا "امیہ! کیا سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فروخت کرتے ہو؟ اس نے کہا "ہاں!" میں قسطاس، دس ہزار دینار غلاموں اور لونڈیوں کے عوض فروخت کر دوں گا۔ قسطاس مشرک تھا اور اسلام کا منکر تھا۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کا امیہ سے سودا کیا تو امیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں ابو بکر سے ایسی چال چلوں گا جو کسی نے کسی کے ساتھ نہیں چلی ہو گی"۔ پھر وہ ہنسا۔ اس نے کہا "مجھے اپنا غلام قسطاس دے دیں" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں نے قسطاس تجھے دے دیا تو اس کے عوض بلال مجھے دے دے گا"۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے قسطاط تجھے دے دیا" یہ سن کر امیہ ہنسا۔ اس نے کہا "بخدا! میں اس وقت تک بلال نہ دوں گا جب تک آپ مجھے قسطاس کی عورت بھی اس کے ساتھ نہیں دے دیتے"۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اگر میں قسطاس اور اس کی بیوی تجھے دے دوں تو کیا تو بلال مجھے دے دے گا"۔ امیہ نے کہا "ہاں!" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے تجھے قسطاس اور اس کی بیوی دے دی" یہ سن کر امیہ ہنسا۔ اس نے کہا "نہیں بخدا! میں اس وقت تک بلال آپ کو نہ دوں گا جب تک آپ مجھے قسطاس کی بیوی کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی بھی نہ دیں"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں نے قسطاس، اس کی بیوی اور بیٹی تجھے دے دی تو کیا تو بلال مجھے دے دے گا؟" اس نے کہا "ہاں!" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے یہ تینوں تجھے دے دیئے"۔ یہ سن کر امیہ پھر ہنسا۔ اس نے کہا "نہیں بخدا! اس وقت تک نہیں جب تک آپ مجھے دو سو دینار بھی ساتھ دیں"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تو انسان ہے تجھے جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی"۔ امیہ نے کہا "مجھے لات و عزیٰ کی قسم! اگر آپ مجھے یہ چیزیں دے دیں تو میں بلال آپ کو دے دوں گا"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں یہ ساری چیزیں تجھے دیتا ہوں"۔ اس نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا انہوں نے انہیں آزاد کر دیا۔

ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے حضرت بلال کو سات اوقیہ چاندی اور دوسری روایت کے مطابق ایک رطل سونے کے عوض انہوں نے حضرت بلال کو خریدا۔ اس کے علاوہ بھی متفرق روایات ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ ان کے مالک نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "اگر آپ اس بلال کے عوض صرف ایک اوقیہ چاندی دیتے ہم پھر بھی آپ کو دے دیتے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر تو ان کے عوض ایک سو اوقیہ چاندی بھی مانگتا تو میں وہ بھی تجھے دے دیتا"۔ مشرکین نے کہا "ابوبکر نے کسی احسان کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بینات نازل کیں۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۫ۖ﴿۱۲﴾ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿۱۳﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۚ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ (الیل)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے بھی شریک کر لینا" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بلال کو آزاد کر دیا ہے"۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا تو انہوں نے کہا "اگر آپ نے مجھے اپنے لئے خریدا ہے تو مجھے اپنے پاس رکھ لیں اور اگر مجھے اللہ تعالیٰ کے لئے خریدا ہے تو مجھے اس کے لئے آزاد کر دیں"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں آزاد کر دیا۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں بلال کو خرید لیتا"۔ حضرت عباس گئے حضرت بلال کو خریدا اور انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ ان تمام روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے امیہ کو ترغیب دلائی کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فروخت کر دے۔ جب امیہ نے اپنی رضا کا اظہار کیا تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا تو انہوں نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور بھی کئی غلام خریدے اور انہیں حصول رضائے الٰہی کے آزاد کر دیا۔ انہی ہستیوں میں سے ایک حضرت حمامہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں یہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی فرخندہ فال غلاموں میں سے تھے۔ انہیں راہ خدا میں اتنی اذیت دی جاتی کہ انہیں علم نہیں ہوتا تھا کہ ان کی زبان سے کیا نکل رہا ہوتا تھا یہ بنو تیم کے ایک شخص کے غلام تھے۔ حضرت فکیہہ رضی اللہ عنہ بھی انہی غلاموں میں سے تھے جنہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رضائے الٰہی کے لئے آزاد کیا۔ انہوں نے اس وقت اسلام قبول کیا جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے صفوان نے انہیں پکڑ رکھا تھا۔ اس

نے انہیں زنجیریں پہنا رکھی تھیں۔ سخت دوپہر کے وقت وہ انہیں لے کر باہر نکلا انہیں تپتی ریت پر لٹایا۔ بہت بھاری پتھر ان کے پیٹ پر رکھ دیا۔ شدت تکلیف سے انہوں نے اپنی زبان باہر نکال رکھی تھی۔ صفوان کے چچا ابی بن خلف نے کہا "اس کی اذیت میں اضافہ کرتے جاؤ۔ حتیٰ کہ محمد (عربی) صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آئیں اور اسے اپنے جادو سے نجات دلائیں"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید ااور آزاد کر دیا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ام عنیس رضی اللہ عنہا کو بھی خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ انہیں بھی سخت اذیتیں دی جاتی تھیں۔ یہ بنو زہرہ کی لونڈی تھیں۔ اسود بن عبد یغوث انہیں سخت تکالیف دیتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی نور نظر حضرت لطیفہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی بہن یا امی کو خرید کر آزاد فرما دیا تھا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں۔ وہ قبول اسلام سے قبل انہیں بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو وہ انہیں سخت اذیتیں دے رہے تھے۔ انہوں نے انہیں اتنا مارا کہ خود ہی تھک گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بھی خرید ااور آزاد کر دیا۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں۔ قبول اسلام سے قبل وہ انہیں بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ قریش کی ایک جماعت بھی حضرت عمر فاروق کے ساتھ انہیں اذیتیں دیتے تھے۔ مگر یہ بلند حوصلہ خاتون اسلام کا نعرہ ہی الاپتی رہتی تھیں ابوجہل کہا کرتا تھا "کیا تم ان غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تعجب نہیں کرتے۔ اگر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی بھلائی کے ساتھ مبعوث ہوتے تو یہ ہم سے کبھی بھی سبقت نہ لے جاتے۔ دیکھو نا کیا زنیرہ رشد و ہدایت کے حصول میں ہم سے سبقت لے گئی ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ﴿١١﴾ (الاحقاف)

"اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف۔ اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ (اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے"۔

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا کو اتنا ستایا گیا۔ اتنی اذیتیں دی گئیں کہ ان کی بینائی جاتی رہی۔ مشرکین مکہ نے کہا "لات و عزیٰ نے اس کی بصارت چھین لی ہے"۔ ابوجہل ان کے پاس آیا۔ اس نے حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا سے کہا "لات و عزیٰ نے تمہیں یہ سزا دی ہے"۔ کفار قریش نے بھی ابوجہل کی سی بات کی۔ حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "بخدا! حقیقت اس طرح نہیں ہے۔ لات و عزیٰ کو تو یہ بھی علم نہیں کہ ان کی پرستش کون کر رہا ہے؟ یہ تو ایک سماوی امر ہے۔ میرا رب تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ میری بصارت لوٹا دے"۔ اسی رات کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت لوٹا دی۔ قریش نے کہا "یہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو ہے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید ااور آزاد کر دیا۔ اس طرح کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو قریش مکہ لوہے کی زرہیں پہناتے اور انہیں دھوپ میں پھینک دیتے تھے تاکہ دھوپ ان پر گہرا اثر کرے۔

حضور اکرم رحمت عالم ﷺ اپنے چچا ابو طالب، معجزات ظاہرہ اور بینات قاہرہ کی وجہ سے کافی حد تک مشرکین مکہ کی اذیتوں سے محفوظ تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو بچا رکھا تھا جیسا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کا ایک نر اونٹ کی صورت میں آنا کہ وہ ابو جہل کو مار ڈالیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی سخت اور شدید اذیتوں سے بچا رکھا تھا۔ پھر بھی انہیں بعض اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا عنقریب یہ تذکرہ ہوگا کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر یہ ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن کمزور مسلمان مشرکین کی طرف سے طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلاء تھے۔

ہجرت حبشہ

پھر حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے "ہجرت حبشہ کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ مشرکین مکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت اذیتیں دے رہے تھے۔ کمزور اور ناتواں مسلمان ان اذیتوں کو روک نہیں سکتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا "کاش کہ تم سرزمین حبشہ کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ برسر اقتدار ہے جس کے ہوتے ہوئے وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ یہ سچائی کی زمین ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان ہلاکت خیز مصائب سے نکلنے کے لئے تمہارے لئے کوئی سبیل پیدا فرما دے"۔ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تاکہ دشمن انہیں فتنہ و مصائب میں مبتلاء کر کے انہیں دین الٰہی سے برگشتہ نہ کر دے۔ یہ اسلام کی پہلی ہجرت تھی۔ اس وقت رجب کا مہینہ تھا اور نبوت کا پانچواں سال تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تنہا اور بعض نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کی۔ وہ ہستی جس نے اپنی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ بنت النبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کیساتھ ہجرت کی۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی۔ وہاں ان کے ہاں حضرت محمد بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی اس طرح حضرت عامر بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت لیلیٰ عدویہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہجرت کی۔ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے بھی ہجرت کی ان کا نام برکتہ تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی نور نظر کی خدمت کی سعادت ازلی حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی۔

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اپنے اہل خانہ کے بغیر ہجرت کی وہ درج ذیل ہیں۔ "حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت سبرۃ بن ابی رہم، حضرت حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔ یہ مکہ مکرمہ سے چپکے سے عازم سفر ہوئے۔ پھر نصف دینار پر کشتی اجرت پر لی۔ قریش مکہ ان کے تعاقب میں نکلے۔ وہ سمندر تک پہنچے۔ اس وقت مسلمان کشتی پر سوار ہو چکے تھے۔ وہ کسی ایک مسلمان کو بھی نہ پکڑ سکے۔

وہ ذات جس نے سب سے پہلے اپنی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ہستی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جس نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان ذوالنورین ہیں"۔ کافی

مدت تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق خبر نہ ملی۔ ایک عورت حاضر خدمت ہوئی۔ اس نے عرض کی "میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو دراز گوش پر سوار کر رکھا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی "اللہ تعالیٰ ان کا سفر بخیر و عافیت انجام تک پہنچائے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بہت باجمال تھیں۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی بہت خوبصورت تھے۔ اسی لئے عورتیں ان کی شان میں یہ شعر پڑھا کرتی تھیں۔

اَحْسَنُ شَيْئٍ قَدْ يُرٰى اِنْسَانٌ رُقَيَّةُ وَ بَعْلُهَا عُثْمَانُ

وہ حسین ترین شے جسے ایک انسان نے دیکھا ہے وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر نامدار حضرت عثمان ہیں۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کام کے لئے ایک شخص کو حضرت عثمان غنی اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ کھانا لے کر گیا تھا۔ وہ کافی عرصہ بعد بارگاہ رسالت مآب میں واپس آیا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم وہاں اتنا عرصہ کیوں رہے؟" اس نے عرض کی "ضرور" آپ نے فرمایا "تم حضرت عثمان غنی اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کو دیکھتے رہے اور تعجب کرتے رہے"۔ اس شخص نے عرض کی "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے آپ نے سچ فرمایا ہے"۔ یہ واقعہ آیۃ حجاب کے نزول سے قبل کا ہے۔ روایت ہے کہ بعض حبشی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے تھے جس سے آپ کو اذیت ہوتی تھی۔ انہوں نے ان کے لئے بددعا کی تو وہ سارے ہلاک ہو گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جمال و زیبائی میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے حضرت جبرائیل امین نے کہا "اگر آپ روئے زمین پر حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی شبیہ دیکھنا چاہتے ہیں تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیں"۔

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جنت میں ہر نبی کا کوئی نہ کوئی رفیق ہو گا۔ وہاں میرے رفیق حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہوں گے"۔ جب مسلمان حبشہ پہنچے تو نجاشی ان کے ساتھ عزت و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ مسلمان امن و آشتی سے وہاں رہنے لگے۔ مسلمانوں نے کہا "اہل حبشہ نے ہمارے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا۔ ہم بڑے سکون کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ وہ نہ تو ہمیں اذیت دیتے۔ نہ ہی ہم ان سے کوئی اذیت ناک بات سنتے"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حبشہ کی طرف ہجرت

جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو بقیہ مسلمانوں پر مکہ معظمہ میں اذیت و تکلیف کی آندھی سخت ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ عازم سفر ہو کر برک الغماد تک پہنچ گئے۔ برک الغماد مکہ مکرمہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر یمن کی طرف ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں انہیں بنو قارہ کا سردار ابن الدغنہ ملا۔ یہ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا "ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟" انہوں نے فرمایا "مجھے میری قوم نے شہر مکہ سے نکال دیا ہے۔ میں زمین میں گھوم کر اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتا ہوں"۔ ابن دغنہ نے کہا "ابوبکر! آپ جیسی ذات کو نہ تو نکالا جا سکتا ہے نہ وہ خود نکل سکتی ہے۔ آپ محتاجوں کی مدد کرتے ہیں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ

اٹھاتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کے امور میں مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔ اپنے شہر لوٹ جائیں اور اپنے شہر میں ہی اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کریں"۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ ان کے ہمراہ ابن دغنہ بھی تھا۔ وہ سرداران قریش کے پاس گیا۔ اس نے کہا "ابوبکر جیسی ذات کو نہ تو شہر سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔ نہ ہی وہ خود نکل سکتے ہیں کیا تم ایسے شخص کو باہر نکالتے ہو۔ جو کمزوروں کی مدد کرتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے اور حق کے امور پر مدد کرتا ہے"۔ قریش مکہ نے ان میں سے کسی وصف کا بھی انکار نہ کیا انہوں نے ابن دغنہ کی پناہ قبول کر لی۔ انہوں نے کہا "ابوبکر سے کہیں کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔ وہ اپنے گھر میں ہی نماز ادا کریں۔ وہاں جو چاہیں پڑھیں۔ وہ ہمیں اذیت نہ دیں۔ نہ ہی اعلانیہ قرآن پاک کی تلاوت کریں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہماری خواتین اور ہمارے بیٹوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ امور بتائے۔ اور انہی پر انہیں پناہ دی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں ہی اپنے رب کی عبادت کرنے لگے۔ کافی مدت تک وہ باآواز بلند قرأت نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی تھی۔ وہ اسی مسجد میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ مشرکین مکہ کی خواتین اور بچے آپ کے پاس بھیڑ بنالیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قرأت اور گریہ وزاری پر تعجب کرتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب بھی قرأت کرتے تھے تو بہت زیادہ گریہ زاری کرتے تھے ان کی مبارک آنکھوں سے قطرات رکتے ہی نہ تھے۔ مشرکین مکہ پر یہ امر بہت گراں گزرا۔ انہوں نے ابن دغنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے کہا "ہم نے حضرت ابوبکر کے بارے تمہاری پناہ اس شرط پر قبول کی تھی کہ وہ اپنے گھر میں رب تعالیٰ کی عبادت کریں گے۔ انہوں نے اپنے گھر میں مسجد بنالی ہے وہاں وہ بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں اور بلند آواز سے ہی نماز پڑھتے ہیں۔ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ ہماری خواتین اور بچوں کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔ تم انہیں منع کرو۔ اگر وہ پسند کریں کہ وہ تنہا اپنے گھر میں رب تعالیٰ کی عبادت کریں تو بہتر ورنہ انہیں اپنی پناہ لوٹا دو۔ ہمیں یہ بات سخت ناپسند ہے کہ وہ آپ کو دھوکہ دیں"۔ ابن دغنہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اس نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کو کس شرط پر پناہ دی تھی۔ یا تو ان شرائط پر عمل پیرا ہوں یا میری پناہ اور ذمہ داری واپس کر دیں۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ عرب سنیں کہ میں نے اس شخص سے دھوکہ کیا ہے جسے میں نے پناہ دی تھی"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں تیری پناہ واپس کرتا ہوں۔ میں رب تعالیٰ کی پناہ پر ہی راضی ہوں"۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص غور وفکر کرے گا اس کے لئے بہت سے امور عیاں ہوں گے۔ ابن دغنہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو انہی صفات سے یاد کیا جو اوصاف حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نزول وحی کی ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کئے تھے۔ یہ اوصاف حمیدہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بڑی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ وہ ایسے شمائل حمیدہ سے متصف تھے۔ جو کمال اور انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اور ابوبکر صدیق مقابلہ کے دو گھوڑوں کی طرح تھے۔ میں نبوت کی طرف آگے نکل گیا انہوں نے میری پیروی کی۔ اگر وہ مجھ سے

آگے نکل جاتے تو میں ان کی پیروی کر لیتا"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ، سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی تخلیق ایک ہی مٹی سے ہوئی۔

مہاجرین حبشہ کی واپسی

بعثت کا پانچواں سال تھا۔ ماہ شوال تھا۔ بہت سے مہاجرین حبشہ مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ کیونکہ انہیں یہ خبر پہنچی تھی کہ سارے کفار قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس خبر کے پھیلنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے قریش کی موجودگی میں سورۃ والنجم پڑھی اس کے آخر میں سجدہ کیا۔ آپ نے سجدہ کیا تو ایک شخص کے علاوہ سارے مشرکین مکہ نے سجدہ کیا۔ وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔ اس نے مٹھی بھر خاک لی اور اسے اپنی پیشانی پر رکھ لیا۔ اس نے از روئے تکبر سجدہ نہ کیا۔ اس نے کہا "مجھے یہی کافی ہے"۔ صحیح روایت کے مطابق مشرکین کے اس سجدہ کا سبب یہ تھا کہ انہیں وہم ہوا تھا کہ حضور ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا تھا۔ جب انہوں نے یہ سنا۔

اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿۲۰﴾ (النجم)

ایک اور قول یہ ہے کہ اس آیت طیبہ

أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ﴿۲۰﴾ (النجم)

"(اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات وعزیٰ کے بارے میں اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے"۔

کے بعد شیطان نے مشرکین کے کانوں میں یہ قول ڈال دیا تھا۔

تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى۔

بعض محدثین اور مفسرین نے ان کلمات کا اثبات کیا ہے اور بعض نے ان کی نفی کی ہے۔ انہوں نے کہا "یہ جھوٹ ہے۔ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے"۔ انہوں نے ان روایات پر طعن کیا ہے جن میں یہ تذکرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ مشرکین مکہ نے اس لئے سجدہ کیا تھا کہ انہیں وہم ہوا تھا کہ حضور ﷺ نے ان کے معبودان باطلہ کی مدح کی ہے، جن محدثین اور مفسرین نے اس روایت کا اثبات کیا ہے انہوں نے اس میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے۔ محققین نے اس شرط پر اس روایت کو تسلیم کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ شیطان کا کلام ہے جو اس نے مشرکین کے کانوں کی طرف پھینکا تھا تاکہ وہ انہیں فتنہ میں مبتلا کر دے۔ مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی یہ کلام نہیں سنا تھا۔ اللہ رب العزت کے اس فرمان عالیشان سے یہی مراد ہے۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰىٓ أَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيٓ أُمْنِيَّتِهِ (الحج: 52)

"اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوک)"۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک کافر نے حضور ﷺ کی قرأت کے دوران یہ کلمات کہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی قرأت کے

وقت مشرکین بہت زیادہ شور و غل مچاتے تھے۔ وہ اس خدشہ سے بہت زیادہ غل مچاتے تھے کہ کہیں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سماعت نہ کرلیں۔ یہ سب کچھ شیطان کی ترغیب کی وجہ سے ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (حم السجدۃ)

''اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آجاؤ''۔

جب امر خوب واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ (الحج:52) جب سرزمین حبشہ پر اہل مکہ کے اسلام کی خبر پہنچی تو وہاں پر مقیم مسلمان بہت خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا ''اہل مکہ کے مسلمان اب اذیتوں سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ وہ جلدی جلدی حبشہ سے عازم سفر ہوئے۔ جب وہ مکہ مکرمہ سے ایک دن کی مسافت پر تھے تو وہ بنو کنانہ کے ایک کارواں سے ملے۔ ان سے قریش کے متعلق سنا انہوں نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے معبودان کو بھلائی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ گروہ قریش اسلام لے آیا ہے۔ پھر آپ معبودان باطلہ کو برا بھلا کہنے لگے تو انہوں نے بھی دوبارہ عداوت و نفرت کا اظہار کر دیا۔ ہم نے اس حالت میں قریش مکہ کو چھوڑا ہے''۔ مسلمانوں نے واپس حبشہ جانے کے لئے مشاورت کی۔ پھر انہوں نے کہا ''ہم مکہ مکرمہ پہنچ چکے ہیں۔ ہم اس شہر مبارک میں داخل ہوتے ہیں۔ ہم وہاں قریش کا سلوک دیکھتے ہیں۔ اپنے اہل خانہ سے ملاقات کرتے ہیں پھر ہم واپس چلے جائیں گے''۔ مسلمان شہر مکہ میں داخل ہو گئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ سارے اہل ایمان کسی نہ کسی کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ وہ کسی کی پناہ کے بغیر ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ پھر جلدی جلدی حبشہ کی طرف لوٹ گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون کی حیرت افزاء داستان

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ کمزور مسلمان مشرکین کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں۔ وہ کسی کی پناہ میں نہیں ہیں جو ان کا دفاع کرتا۔ جبکہ وہ خود امن سے ہیں۔ کوئی انہیں اذیت نہیں دیتا تو انہوں نے ولید کی پناہ لوٹا دی۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے رب تعالیٰ کی پناہ ہی کافی ہے''۔ اسی اثناء میں کہ وہ قریش کی محافل میں سے کسی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے اور لبید بن ربیعہ (اسلام لانے سے قبل) وفد کی صورت میں قریش کے پاس آیا۔ اس نے اپنا یہ شعر پڑھا

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلُ۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تو نے سچ کہا ہے'' پھر لبید نے کہا

وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلُ۔ ہر نعمت یقیناً مٹنے والی ہے۔

حضرت عثمان نے فرمایا ''تو نے جھوٹ بولا ہے۔ جنت کی نعمتوں کو زوال نہیں ہے''۔ لبید نے کہا ''اے گروہ قریش! تمہارے ہم نشین کو کب سے اذیت دی جانے لگی ہے؟'' ان میں سے ایک شخص اٹھا۔ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارا۔

جس سے ان کی آنکھ سبز ہو گئی۔ ولید نے انہیں اس کی پناہ واپس کرنے پر ملامت کی اور کہا "تم ایک محفوظ پناہ میں تھے"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میری دوسری آنکھ بھی منتظر ہے کہ اسے راہ خدا میں اس طرح کی تکلیف کب پہنچتی ہے"۔ ولید نے کہا "اب بھی میری پناہ میں آجاؤ" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں! مجھے رب تعالیٰ کی پناہ کی کافی ہے"۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی پناہ

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے فرزند دلبند تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ یہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے۔ ان کے وصال کے بعد وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آئیں۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام برہ بنت عبدالمطلب تھا۔ حضرت ابوسلمہ جناب ابو طالب کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ بنومخزوم کے بعض افراد جناب ابو طالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا "ابو طالب! تم نے اپنے بھتیجے کو ہم سے محفوظ کر لیا ہے۔ اب تم نے ہمارے صاحب کو بھی پناہ دے دی ہے۔ اب وہ تمہاری پناہ میں محفوظ ہے"۔ بنومخزوم حضرت ابو سلمہ کو اذیتیں دینا چاہتے تھے"۔ جناب ابو طالب نے کہا "ابوسلمہ نے مجھ سے پناہ طلب کی۔ وہ میرا بھانجا ہے اگر میں اپنے بھانجے کا دفاع نہیں کر سکتا تو پھر اپنے بھتیجے کا بھی دفاع نہیں کر سکتا"۔ ابولہب جناب ابو طالب کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "اے گروہ قریش! تم لگاتار اس بوڑھے شخص کو تکالیف دیتے رہے ہو۔ اب تم نے رکنا ہو گا ورنہ میں ہر جگہ ان کی اعانت کروں گا حتیٰ کہ وہ وہ مقصد حاصل کر لیں جو ان کا ارادہ ہے"۔ قریش مکہ نے کہا "ابوعتبہ! جو کام تمہیں ناپسندیدہ ہو گا وہ ہم نہیں کریں گے"۔ انہوں نے اس خدشے سے وہ پناہ جائز قرار دی کہ کہیں ابولہب بھی ابو طالب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہ کرنے لگے۔ کیونکہ ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں قریش کے ساتھ ساتھ تھا۔ ابولہب قریش کا مددگار اور ناصر تھا۔ انہیں یہ خدشہ دامن گیر ہو گیا کہ کہیں یہ ان میں سے نکل نہ جائے۔ جب اس واقعہ میں ابولہب نے ابو طالب کا ساتھ دیا تو ابو طالب نے سوچا کہ شاید ابولہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرنے لگے۔ انہوں نے بعض اشعار کہے۔ جن میں ابولہب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت پر ابھارا۔ مگر ابولہب پر بدبختی چھائی رہی۔

جب حبشہ سے آنے والے مہاجرین پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ قریش مکہ نے اسلام قبول نہیں کیا تو وہ حبشہ واپس چلے گئے۔ اس ہجرت کو ہجرت حبشہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

اہل ایمان کی اکثریت حبشہ ہجرت کر گئی۔ دوسری بار تراسی (83) مرد اور بارہ خواتین نے ہجرت کی۔ مرد حضرات میں سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس کے ساتھ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت عبداللہ بن مسعود، عبیداللہ بن جحش نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کی۔ عبیداللہ بن جحش نے وہاں نصرانیت اختیار کر لی۔ یہ نصرانیت پر ہی مرا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں آگئیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے خواب میں کسی کو دیکھا اس نے مجھے کہا "ام المؤمنین!" میں یہ سن کر گھبرا گئی میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے شرف زوجیت عطا فرمائیں

گے"۔ پھر آپ نے مجھے یہ شرف ابدی عطا فرما دیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں یمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کی خبر ملی۔ وہ اپنے ساتھ پچاس افراد لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے کے لئے عازم سفر ہوئے۔ کشتی نے انہیں حبشہ کے ساحل پر پھینک دیا۔ انہوں نے وہاں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے انہیں وہیں مقیم ہو جانے کے لئے کہا وہ وہیں ٹھہر گئے۔ پھر فتح خیبر کے وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔

اہل مکہ کی سفارت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نجاشی کے پاس بڑے سکون اور اطمینان سے رہ رہے تھے۔ وہ ایک عمدہ پڑوسی ثابت ہوا تھا۔ قریش مکہ نے مہاجرین حبشہ کے پیچھے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو بھیجا۔ البتہ محققین علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس سفر میں عبداللہ بن ابی ربیعہ عمرو کے ساتھ نہ تھا۔ بلکہ وہ کسی دوسرے سفر میں اس کے ہمراہ تھا۔ یہ سفر انہوں نے غزوۂ بدر کے بعد کیا تھا اس سفر میں عمرو کے ساتھ عمارہ بن ولید تھا۔ یہ وہی عمارۃ تھا جسے قریش نے جناب ابو طالب کو پیش کیا تھا تا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے سپرد کر دیں۔ وہ آپ کو شہید کر دیں۔

قریش مکہ نے عمرو اور عمارہ کے ہاتھوں نجاشی کے لئے بہت سے تحائف بھیجے۔ جن میں ایک عمدہ گھوڑا اور ریشمی جبہ بھی شامل تھا۔ انہوں نے حبشہ کے سرداران اور عظماء کے لئے بھی تحائف بھیجے۔ تا کہ وہ اس کے مقصد و مدعا کے لئے ان کی مدد کریں تا کہ وہ مسلمانوں کو واپس لوٹا دیں۔ عمرو اور عمارہ نجاشی کے پاس پہنچے۔ سب سے پہلے اسے سجدہ کیا۔ ایک نجاشی کے دائیں طرف دوسرا بائیں طرف بیٹھ گیا۔ دوسری روایت کے مطابق عمرو نجاشی کے ساتھ اس کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے ان کے تحائف قبول کر لئے۔ ان دونوں نے نجاشی سے کہا "ہمارے کچھ چچا زاد آپ کی زمین پر فروکش ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اور ہمارے معبودان باطلہ کو چھوڑ دیا ہے۔ وہ تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ ہی تم اس سے آشنا ہو۔ ہمیں سرداران قریش نے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ انہیں واپس کر دیں"۔ نجاشی نے پوچھا "وہ کہاں ہیں؟" انہوں نے بتایا "وہ آپ کی سلطنت میں ہیں"۔ نجاشی نے اہل ایمان کی جستجو میں اپنے آدمی روانہ کئے۔ حبشہ کے سرداروں نے کہا "وہ لوگ ان کے سپرد کر دیں۔ یہ ان کے حالات سب سے بہتر جاننے والے ہیں"۔ نجاشی نے کہا "بخدا! ہرگز نہیں حتیٰ کہ میں انہیں جان لوں کہ وہ کون ہیں؟" عمرو نے کہا "وہ آپ کو سجدہ نہیں کریں گے۔ نہ ہی آپ کو اس طرح سلام کریں گے جس طرح لوگ آپ کو سلام کرتے ہیں"۔ جب مسلمان نجاشی کے پاس پہنچے تو حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آج میں تمہارا خطیب ہوں"۔

ایک اور روایت میں ہے "مسلمانوں کے پاس نجاشی کا قاصد پہنچا۔ اس نے نجاشی کا پیغام دیا۔ سارے مسلمان جمع ہو گئے"۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "جب تم نجاشی کے پاس جاؤ گے تو تم اسے کیا کہو گے؟" حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آج میں تمہارا خطیب ہوں گا۔ ہم نجاشی کو وہی کچھ کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کا حکم ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے دیا ہے۔ چاہے جو کچھ بھی ہو جائے''۔ نجاشی نے اپنے پادری بلا رکھے تھے۔ انہیں اپنے صحیفے کھولنے کا حکم دے رکھا تھا۔ جب حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم تشریف لائے تو انہوں نے بآواز بلند کہا ''جعفر دروازہ پر ہے۔ وہ اجازت طلب کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا گروہ (حزب اللہ) ہے''۔ نجاشی نے کہا ''اللہ تعالیٰ کی امان اور اس کے ذمہ کے ساتھ داخل ہو جاؤ''۔ حضرت جعفر طیار اور دیگر صحابہ کرام نجاشی کے دربار میں داخل ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا ''مجھے سجدہ نہ کرنا'' عمرو نے عمارہ سے کہا ''کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ مسلمان کس طرح خود کو ''حزب اللہ'' کہہ رہے ہیں اور بادشاہ نے انہیں کیا جواب دیا ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عمرو نے نجاشی سے کہا ''شاہ والا! کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ یہ مسلمان کتنے متکبر ہیں۔ انہوں نے آپ کو سجدہ بھی نہیں کیا''۔ نجاشی نے کہا ''تم نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا مجھے اس طرح سلام کیوں نہیں دیا جس طرح دیگر لوگ مجھے سلام دیتے ہیں''۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم صرف اور صرف اللہ رب العزت کو سجدہ کرتے ہیں''۔ نجاشی نے پوچھا ''وہ کیوں؟'' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیونکہ رب تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث کیا ہے۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہ کریں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اہل جنت کا سلام ''السلام علیکم'' کہنا ہے۔ انہوں نے ہمیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے''۔ عمرو نے کہا ''نجاشی! یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے مخالفت کرتے ہیں۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں کہتے''۔ نجاشی نے کہا ''تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے متعلق کیا کہتے ہو؟'' حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم ان کے متعلق اسی طرح کہتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم پاکباز رضی اللہ عنہا کی طرف پھینکا تھا''۔ نجاشی نے کہا ''اے گروہ حبشہ! اے راہبو! جو کچھ تم کہتے ہو انہوں نے اس پر اضافہ نہیں کیا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں وہ وہی ذات والا ہیں جن کی بشارت انجیل میں دی گئی ہے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نجاشی نے اپنے پاس موجود راہبوں اور پادریوں سے کہا ''میں تمہیں اس رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی کیا تم کسی ایسے نبی کو پاتے ہو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کے مابین مبعوث ہوں گے۔ ان کے اوصاف حمیدہ وہی ہوں گے جو انہوں نے بیان کئے ہیں؟'' پادریوں اور راہبوں نے کہا ''ہاں! اللہ کی قسم! حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے ان کی بشارت دی تھی''۔ انہوں نے کہا ''جو ان پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا۔ جس نے ان کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا''۔ اس وقت نجاشی نے کہا ''بخدا! اگر مجھ پر یہ سلطنت کا بوجھ نہ ہوتا تو میں ان کی اتباع کرتا۔ ان کے نعلین پاک اٹھانے کی سعادت حاصل کرتا اور ان کے دست اقدس دھوتا''۔ نجاشی نے مسلمانوں سے کہا ''میری زمین پر جہاں چاہو رہو۔ امن و آشتی سے رہو''۔ اس نے مسلمانوں کے رزق کا انتظام کرنے کا بھی حکم دیا۔ اس نے کہا ''جس نے اس محترم گروہ کی طرف اذیت آمیز نظر سے دیکھا۔ اس نے میری نافرمانی کی''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس نے مسلمانوں سے کہا ''چلے جاؤ۔ تم امن سے رہو۔ جس نے تمہیں گالی دی میں اسے بھی جرمانہ کروں گا''۔ اس نے یہ بات تین بار کہی۔ اس نے عمرو اور عمارہ کے تحائف واپس کرنے کا حکم دیا۔ ان کے تحائف واپس

لوٹا دیئے گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نجاشی نے کہا "میں یہ پسند نہیں کرتا کہ مجھے سونے کا پہاڑ دیا جائے اور کوئی شخص تم میں سے کسی شخص کو تکلیف دے۔ ان کے تحائف واپس کر دو۔ مجھے ان تحائف کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! رب تعالیٰ نے اس وقت مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی جب اس نے میرا ملک مجھے واپس کیا تھا۔ کہ اب میں رشوت لینے لگوں۔ اس نے میرے بارے اس وقت لوگوں کی اطاعت نہیں کی تھی کہ اب میں اس کے متعلق لوگوں کی پیروی کرنے لگوں"۔

نجاشی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کو سارے عیسائیوں سے زیادہ جانتا تھا۔ قیصر علماء نصاریٰ کو ان کے پاس بھیجا کرتا تھا تاکہ وہ ان سے علم حاصل کریں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نجاشی کے اس قول کا سبب بیان فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا "نجاشی کا باپ حبشہ کا بادشاہ تھا۔ نجاشی اپنے چچا کے زیر کفالت پروان چڑھتا رہا۔ یہ بڑا ذہین فطین تھا۔ اس کے چچا کے بارہ بیٹے تھے۔ مگر ان میں سے ایک بھی سلطنت کے امور سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔ جب اہل حبشہ نے نجاشی کی نجابت دیکھی تو انہیں یہ خدشہ دامن گیر ہوا کہ اگر یہ ان کا بادشاہ بن گیا وہ انہیں اپنے باپ کے بدلہ میں قتل کر دے گا۔ انہوں نے اس کے چچا کو مشورہ دیا کہ وہ اسے بھی قتل کر دے۔ مگر اس نے انکار کر دیا اس نے نجاشی کو باہر نکالا اور اسے فروخت کر دیا۔ اسی رات کو عشاء کے وقت اس کے چچا پر بجلی گری جس نے اسے جلا کر رکھ دیا۔ جب اہل حبشہ نے دیکھا کہ نجاشی کے علاوہ اور کوئی امور سلطنت نہیں چلا سکتا تو وہ گئے اور نجاشی کو خرید کر واپس لے آئے۔ اس کے لئے تاج بنوایا اور اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ وہ ان میں انتہائی عمدہ انداز میں سلطنت چلانے لگا۔

دوسری روایت کے مطابق نجاشی کو ایک عربی شخص نے خرید لیا۔ وہ اسے اپنے شہر لے گیا۔ نجاشی کافی مدت اسی کے ہاں رہا۔ پھر جب اہل حبشہ کو امور سلطنت میں تنگی کا سامنا ہوا تو وہ نجاشی کی جستجو میں نکلے اور اس کے مالک سے خرید کر اسے واپس لے آئے۔ عنقریب غزوۂ بدر میں یہ تذکرہ آئے گا کہ اس نے پیغام بھیجا اور مسلمانوں کو اپنے دربار میں طلب کیا مسلمان اس کے پاس آئے تو اس نے موٹے کپڑے پہن رکھے تھے۔ مٹی اور راکھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے اس سے پوچھا "شاہ والا نژادا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا "ہم انجیل میں پاتے ہیں کہ جب رب تعالیٰ کسی بندے پر نعمت کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرے۔ اللہ رب العزت نے ہم پر اور تم پر بہت بڑی نعمت کی ہے۔ وہ نعمت کبریٰ یہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فلاں وادی میں اپنے دشمن کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے ہیں۔ اس وادی کو "الاراک" کہا جاتا ہے۔ میں وہاں اپنے مالک بنو ضمرہ کے ایک شخص کی بکریاں چراتا تھا۔ اس وادی میں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت کی ہے اور آپ کے دین متین کی نصرت کی ہے"۔

امام سہیلی نے لکھا ہے "جب نجاشی کو قرآن پاک سنایا جاتا تو وہ رونے لگتا حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی"۔ اس سے یہ امر آشکار ہوتا ہے کہ نجاشی عرب کے شہروں میں کافی دیر ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ اس نے عربی سیکھی اس لئے وہ قرآن پاک کے معانی سمجھ لیتا تھا"۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب ہم سرزمین حبشہ میں فروکش ہوئے تو ہمیں بہترین

پڑوس مل گیا۔ وہاں ہمارا دین حق محفوظ تھا۔ ہم بڑے سکون سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ نہ کوئی ہمیں اذیت دیتا تھا اور نہ ہی ہم ناپسندیدہ بات سنتے تھے۔ جب قریش تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے باہم مشاورت کی کہ وہ دو زیرک انسان نجاشی کے پاس بھیجیں۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کی سوغاتوں میں سے کچھ تحائف بھی نجاشی کے لئے بھیجے۔ سب سے تعجب خیز چیز چمڑے کا ساز و سامان تھا۔ انہوں نے چمڑے کا بہت سا سامان بھیجا۔ ہر ہر پادری کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ بھیجا۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک گھوڑا اور ریشمی جبہ بھی بادشاہ کے لئے بھیجا۔ ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ ان دو تحائف کے ساتھ ساتھ چمڑے کا ساز و سامان بھی ہو۔ بعض سامان انہوں نے مختلف پادریوں میں تقسیم کر دیا ہوتا کہ وہ ان کے معاون و مددگار ثابت ہوں وہ گھوڑا اور جبہ بادشاہ کے لئے مختص ہو"۔

قریش نے عمرو اور عمارہ کو نجاشی کی طرف بھیجا تا کہ بادشاہ ان کی بات غور سے سنے۔ اور اس کے درباری بھی اسے ایسا مشورہ دیں جو قریش کے حق میں ہو۔ کیونکہ انہوں نے درباریوں کو تحائف دیئے تو انہوں نے انہیں کہا "جب ہم ان مسلمانوں کے متعلق بادشاہ سے بات چیت کریں تو تم اسے مشورہ دینا کہ وہ انہیں ان کی بات سنے بغیر ہی ہمارے سپرد کر دے"۔ دوسری روایت کے مطابق قریش نے عمرو اور عمارہ سے کہا تھا "نجاشی سے مسلمانوں کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے درباریوں کو تحائف دے دینا۔ پھر نجاشی کے پاس جانا اسے تحائف پیش کرنا اور اسے کہنا کہ وہ مسلمانوں سے بات کئے بغیر انہیں تمہارے حوالے کر دے"۔

عمرو اور عمارہ نجاشی کے پاس گئے۔ اس سے کہا "اے شاہ والا! ہمارے چند نادان لوگ صابی بن کر آپ کے شہر میں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ انہوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے تمہارا دین بھی اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے۔ جس سے نہ ہم آگاہ ہیں نہ ہی تم آشنا ہو"۔ ہم میں ایک کذاب شخص (نعوذ باللہ) نے ظہور کیا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ ہمارے نادانوں نے ہی اس کی پیروی کی ہے۔ ہمیں ان کی قوم کے سرداروں، ان کے آباء اور چچاؤں نے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ انہیں ان کے پاس لوٹا دیں۔ وہ ان سے خوب آگاہ ہیں"۔ نجاشی کے پادریوں نے اسے کہا "شاہ والا نژاد! ان لوگوں نے سچ کہا ہے۔ ان کی قوم ان سے آگاہ ہے۔ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیں تا کہ وہ انہیں لے کر اپنی قوم کے پاس لے جائیں"۔ یہ سن کر نجاشی کو غصہ آیا اس نے کہا "اللہ کی قسم! اس طرح نہیں ہو سکتا۔ میں مسلمانوں کو ان کے سپرد ہرگز نہیں کروں گا۔ انہوں نے میرا پڑوس اختیار کیا۔ وہ میرے شہر فروکش ہوئے۔ انہوں نے مجھے دیگر بادشاہوں پر ترجیح دی۔ میں پہلے انہیں بلاؤں گا۔ ان سے پوچھوں گا کہ یہ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ اگر معاملہ اسی طرح ہوا جس طرح انہوں نے کہا ہے تو میں انہیں ان کے سپرد کر دوں گا۔ ورنہ ان کا بھرپور دفاع کروں گا۔ اور ان کے ساتھ عمدہ سلوک کرتا رہوں گا"۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر نجاشی نے ہمارے پاس پیغام بھیجا۔ ہمیں بلایا۔ جب ہم اس کے دربار میں داخل ہوئے تو ہم نے نجاشی کو سلام کیا۔ نجاشی کے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا "تم بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے"۔ ہم نے

کہا "ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے"۔ نجاشی نے کہا "وہ کون سا دین ہے جس کو تم نے اپنی قوم سے علیحدہ اختیار کر رکھا ہے۔ تم میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے نہ ہی کسی اور بادشاہ کا دین اختیار کیا ہے؟" ہم نے کہا "بادشاہ سلامت! ہم ایک جاہل قوم تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ہم مردار کھاتے تھے۔ فواحش کرتے تھے۔ قطع رحمی کرتے تھے۔ قوی کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اس بری حالت پر تھے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ جس طرح کہ اس نے پہلے رسل عظام بھیجے۔ ہم اس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب، صدق، امانت اور عفت سے خوب آگاہ ہیں۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تا کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ اسے یکتا تسلیم کریں۔ ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہمارے آباء واجداد کرتے تھے۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا ہم خدائے یکتا کی عبادت کریں۔ انہوں نے ہمیں نماز کا حکم دیا۔ زکوٰۃ کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں روزے رکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں فواحش، جھوٹ، یتیم کا مال کھانے اور پاکباز عورت پر بہتان لگانے سے منع کیا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی۔ ان پر ایمان لائے اور ان کے حیات بخش پیغام کی اتباع کی۔ ہماری قوم نے ہم سے عداوت کی تا کہ وہ ہمیں بتوں کی عبادت کی طرف لوٹا دیں۔ اور خبائث کو حلال سمجھیں۔ مشرکین نے ہم پر جور وستم کے پہاڑ ڈھائے۔ ہمارے لئے دائرہ زندگی کو تنگ کر دیا۔ انہوں نے ہمارے اور ہمارے دین کے مابین رکاوٹیں ڈالیں۔ ہم آپ کے وطن میں آگئے۔ دیگر بادشاہوں پر آپ کو ترجیح دی۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کے پاس ہم پر کسی کو ظلم کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اے شاہ والاشان!

نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے کہا "کیا ان کے روح پرور پیغام میں سے آپ کے پاس کچھ کلام ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں" نجاشی نے کہا "وہ مجھے پڑھ کر سنائیں"۔ میں نے سورۃ کھیعص کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔ کیونکہ ان میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام اور حضرت مریم عذراء رضی اللہ عنہا کا قصہ موجود ہے۔ کلام الٰہی سن کر نجاشی گریہ بار ہوگیا۔ حتیٰ کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی۔ اس کے پادری بھی رونے لگے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم سنائی۔ یہ دلنشین کلام سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو چھم چھم گرنے لگے نجاشی نے کہا "جعفر! یہ دلآویز کلام اور سناؤ" انہوں نے سورۃ الکہف سنائی۔ نجاشی نے کہا "اللہ کی قسم! یہ کلام مجید تو اسی طرح کا ہے جس طرح کا کلام حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ یہ دونوں کلام ایک ہی چراغ سے نکلے ہیں"۔ ایک اور روایت میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی جگہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا ذکر خیر ہے۔ دوسری روایت میں ہے نجاشی نے کہا "یہ ذکر خیر انجیل میں موجود ذکر سے اس تنکے کے برابر بھی زائد نہیں ہے"۔ وہ تنکا اس کے ہاتھ میں تھا جو اس نے زمین سے اٹھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نجاشی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ (المائدہ:83)

"اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا "ان دونوں (عمرو اور عمارہ) سے پوچھیں "کیا ہم

غلام ہیں یا آزاد؟ اگر ہم غلام ہیں تو ہمیں اپنے آقاؤں کے سپرد کردیں"۔ عمرو نے کہا "آپ آزاد ہیں" حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان دونوں سے پوچھیں کیا ہم نے کسی کا ناحق خون بہایا ہے۔ جو ہم سے قصاص لیا جارہا ہے۔ کیا ہم نے کسی سے قرض لیا ہے کہ اس کی ادائیگی ہم پر باقی ہے"۔ عمرو نے کہا "نہیں" نجاشی نے عمرو اور عمارہ سے پوچھا "کیا تمہارا ان پر کچھ قرض ہے؟ انہوں نے کہا "نہیں" نجاشی نے کہا "پھر تم دونوں چلے جاؤ۔ بخدا! میں ان مسلمانوں کو تمہارے سپرد کبھی نہیں کروں گا۔ خواہ تم مجھے سونے کا پہاڑ دو"۔ دوسرے روز عمرو نجاشی کے پاس گیا۔ اس نے کہا "یہ مسلمان حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے متعلق بہت بڑا قول کہتے ہیں۔ یہ انہیں اللہ کا بندہ کہتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں کہتے" دوسری روایت میں ہے کہ عمرو نے نجاشی سے کہا "اے شاہ والا! یہ مسلمان اپنی کتاب میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں"۔ نجاشی نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نجاشی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بات کی تھی۔ یہ عجیب حصر ہے۔ ذرا غور کرو۔ ممکن ہے مسلمان کئی بار نجاشی کے دربار میں گئے ہوں۔ ایک دفعہ اس نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے اور دوسری بار اس نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی ہو۔

الطبرانی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن عاص نے عمارہ بن ولید کے ساتھ مکروفریب کیا۔ یہ فریب اس عداوت کی وجہ سے تھا جو ان کے مابین اس سفر میں رونما ہوئی تھی۔ عمرو بن عاص کے ہمراہ اس کی بیوی بھی تھی۔ عمرو کوتاہ قد اور بدصورت تھا جبکہ عمارہ حسین وشکیل تھا۔ اس کی بیوی عمارہ کے دام عشق میں گرفتار ہوگئی۔ یہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے۔ عمارہ نے عمرو سے کہا "اپنی بیوی سے کہو کہ وہ میرے ساتھ قیلولہ کرے"۔ عمرو نے اسے کہا "کیا تجھے شرم نہیں آتی" عمارہ نے عمرو کو پکڑا اور اسے سمندر میں پھینک دیا۔ عمرو تیرنے لگا۔ اس نے اہل سفینہ کو پکارا۔ عمارہ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دیا۔ حتیٰ کہ اس نے اسے کشتی پر سوار کرلیا۔ عمرو نے عداوت اپنے دل میں مخفی رکھی۔ عمارہ کے لئے اسے ظاہر نہ ہونے دیا۔ بلکہ اس نے اپنی بیوی سے کہا "اپنے چچازاد عمارہ کے ساتھ قیلولہ کرو تاکہ اس کا دل خوش ہوجائے"۔ یہ دونوں سرزمین حبشہ پہنچے۔ عمرو نے عمارہ کے ساتھ فریب کیا۔ اس نے کہا "تو ایک حسین جوان ہے عورتیں جمال پسند کرتی ہیں۔ تو خود کو نجاشی کی بیوی کے سامنے پیش کردے تاکہ وہ نجاشی کے پاس ہماری سفارش کرے"۔ عمارہ نے اسی طرح کیا۔ وہ بار بار نجاشی کی بیوی کے سامنے جاتا رہا حتیٰ کہ اس نے عمارہ کو عطر پیش کیا۔ ایک دن عمارہ نجاشی کی بیوی کے پاس چلا گیا جب عمرو کو ساری صورت حال کا یقین ہوگیا تو وہ نجاشی کے پاس گیا اور سارا واقعہ اسے سنایا اس نے کہا "میرا یہ ساتھی عورتوں کا دلدادہ ہے۔ یہ تیری اہلیہ کا بھی ارادہ کئے ہوئے ہے وہ اب بھی تمہاری اہلیہ کے پاس ہے"۔ نجاشی نے ایک شخص کو اپنی اہلیہ کے پاس بھیجا۔ عمارہ اس کی زوجہ کے پاس تھا۔ نجاشی نے کہا "اگر یہ میرا پڑوسی نہ ہوتا تو میں اسے قتل کردیتا۔ لیکن اس کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا جو قتل سے بھی بدتر ہوگا"۔ نجاشی نے جادوگر منگوایا۔ جادوگر نے اس کی شرم گاہ پر پھونک ماری۔ جس کی وجہ سے وہ چہرے کے بل اڑنے لگا اس کی عقل زائل ہوگئی۔ حتیٰ کہ وہ پہاڑوں پر جنگلی جانوروں کے ساتھ جاکر مل گیا۔ وہ انہی پہاڑوں پر ہی مرگیا۔ عمرو بن عاص نے

ان اشعار میں عمارہ بن ولید کو مخاطب کر کے کہا۔

إذا المرء لم يترك طعاما يحبه ولم ينه قلبا غاويا حيث يمما

تعض وطرا منه و غادر سبته إذا ذكرت امثالها تملأ الفما

جب ایک شخص اپنا پسندیدہ کھانا ترک نہ کرے اور گمراہ دل کو اس کے عزائم سے باز نہ رکھے۔ جب اس کی ہر مراد پوری کرے وہ اسے بطور عار چھوڑ دیتا ہے جب تو اس طرح کی مثالیں یاد کرے گا تو منہ ان سے بھر جائے گا۔

عمارہ جنگلی جانوروں کے ساتھ ہی رہا حتیٰ کہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مر گیا۔ عمارہ کے چچازاد حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی کہ وہ عمارہ کی جستجو کے لئے جائیں شاید وہ انہیں مل جائے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دیدی۔ وہ سرزمین حبشہ چلے گئے۔ انہوں نے عمارہ کو بہت زیادہ تلاش کیا۔ حتیٰ کہ انہیں بتایا گیا "وہ جنگلی جانوروں کے ساتھ پہاڑوں پر ہے۔ وہ ان کے ساتھ ہی آتا جاتا ہے" حضرت عبداللہ اس پہاڑ پر پہنچے۔ انہوں نے عمارہ کو پکڑ لیا۔ عمارہ نے کہا "مجھے فوراً چھوڑ دو ورنہ میں مر جاؤں گا"۔ انہوں نے اسے نہ چھوڑا تو وہ اسی وقت مر گیا۔

عنقریب یہ تذکرہ آئے گا کہ غزوۂ بدر کے بعد قریش مکہ نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ عبداللہ کا نام بحیرا تھا۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ ابو ربیعہ ہی ابو عبداللہ ہیں۔ انہیں ذوالرمحین بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی اور ابو جہل کی والدہ ایک ہی تھی۔ یہ ابو جہل کی ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ قریش مکہ نے انہیں حبشہ اس لئے بھیجا تا کہ وہ مہاجرین حبشہ کو مکہ مکرمہ لے آئیں اور قریش مقتولین بدر کے عوض انہیں مار ڈالیں۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ قریش نے حبشہ کی ہجرت اولیٰ کے وقت عمرو، عبداللہ اور عمارہ کو حبشہ بھیجا۔ مگر صحیح مؤقف یہ ہے کہ عمرو اور عمارہ کو دوسری ہجرت کے بعد حبشہ بھیجا گیا اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو عمرو کے ساتھ غزوۂ بدر کے بعد وہاں بھیجا گیا۔ ممکن ہے عبداللہ کو قریش نے دوبارہ حبشہ بھیجا ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کے دامن کرم میں

ہجرت حبشہ اولیٰ اور ثانیہ کے متعلق تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان اسلام قبول کیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ اولیٰ کے بعد اسلام قبول کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس وقت بعثت کا پانچواں سال تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین روز بعد اسلام قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مبارک ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے پسندیدہ تر شخص کے ذریعہ اسلام کو قبولیت فرما"۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد انتالیس تھی۔ حضرت عمر فاروق نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اپنے اسلام لانے کا واقعہ سنیئے۔

''مجھے یہ خبر ملی کہ میری بہن فاطمہ بنت خطاب اور اس کا خاوند سعید بن زید اسلام قبول کر چکے ہیں۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے شدید دشمن تھا۔ موسم گرما کی گرم دوپہر تھی۔ میں مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے قریش کا ایک شخص ملا۔ اس نے مجھے کہا ''کہاں کا ارادہ ہے؟ تمہارا گمان ہے کہ تم اپنے دین پر بڑے محکم ہو۔ مگر دین اسلام تمہارے گھر میں داخل ہو چکا ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' اس شخص نے کہا ''تمہاری بہن صابی ہو چکی ہے'' میں غصہ کی حالت میں لوٹا۔ جب ایک یا دو شخص اسلام قبول کر لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کسی دولتمند مسلمان کے ساتھ ملا دیتے۔ وہ اس کے ساتھ ہی رہتے اور اس کے ساتھ ہی کھاتے پیتے۔ آپ نے میرے بہنوئی کے ساتھ بھی دو شخص ملا دیئے تھے۔ میں ان کے دروازہ پر آیا دستک دی۔ پوچھا گیا ''کون؟ میں نے کہا ''خطاب کا بیٹا! دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں صحیفہ تھا جسے پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے میری آواز سنی تو وہ جلدی سے چھپ گئے۔ وہ صحیفہ بھی بھول گئے۔ خاتون خانہ آئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا۔ میں اندر داخل ہوا۔ میں نے کہا ''اے اپنی جان کی دشمن! مجھے خبر ملی ہے کہ تو صابی ہو گئی ہے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بہنوئی پر جھپٹے۔ ان کی داڑھی پکڑی اور انہیں زمین پر دے مارا۔ اس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ ہمشیرہ اپنے خاوند کو چھڑانے کے لئے آئی تو انہیں اتنی زور سے تھپڑ مارا کہ ان کا چہرہ زخمی ہو گیا۔ وہاں سے خون بہنے لگا وہ رونے لگیں۔ انہوں نے غصہ سے کہا ''اللہ کے دشمن! مجھے اس لئے مارتے ہو کہ میں نے رب تعالیٰ کو یکتا تسلیم کیا ہے۔ ابن خطاب! تمہارے نہ چاہتے ہوئے بھی ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے خون دیکھا تو مجھے ندامت محسوس ہوئی۔ میں غصہ کی حالت میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔ گھر کے کونے میں صحیفہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا ''یہ کتاب کیسی ہے؟ مجھے دو میں اسے پڑھوں'' حضرت عمر فاروق پڑھے لکھے انسان تھے''۔ ان کی بہن نے کہا ''میں یہ کتاب تمہیں ہرگز نہیں دوں گی۔ تم اسے پڑھنے کے قابل نہیں ہو۔ تم نہ تو جنابت سے غسل کرتے ہو اور نہ پاکیزگی حاصل کرتے ہو۔ قرآن پاک صرف پاکیزہ افراد ہی چھو سکتے ہیں''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں لگاتار اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے مجھے وہ صحیفہ دے دیا''۔

ایک اور روایت میں ہے۔ میں نے کہا ''مجھے یہ صحیفہ پکڑاؤ۔ میں اسے پڑھوں۔ حضرت عمر فاروق پڑھے لکھے انسان تھے''۔ حضرت فاطمہ نے فرمایا ''میں تمہیں یہ صحیفہ کبھی نہیں دوں گی''۔ حضرت عمر فاروق نے کہا ''میرے دل میں بھی اسلام کی صداقت بیٹھ گئی ہے۔ مجھے یہ صحیفہ پکڑاؤ تاکہ میں اسے دیکھوں۔ میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ خیانت نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ تم اسے جہاں چاہو لے جانا''۔ بہن نے کہا ''تم ناپاک ہو۔ غسل کرو یا وضو کرو۔ اس کتاب زندہ کو صرف پاکیزہ افراد ہی چھوتے ہیں''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر نکلے تاکہ غسل کریں۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا کیا تم کتاب الٰہی ایک کافر کو دے رہی ہو؟ انہوں نے کہا ''ہاں! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو ہدایت عطا فرمائے گا''۔ حضرت خباب دوبارہ کمرہ میں چلے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے۔ بہن نے انہیں صحیفہ

دیا۔ اس میں لکھا تھا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب میں نے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھا تو میں لرز اٹھا۔ صحیفہ میرے ہاتھ سے گر پڑا۔ میں غور و فکر کرنے لگا۔ یہ اسماء مبارکہ کس سے مشتق ہیں۔ پھر میں نے خود کو سنبھالا۔ میں نے صحیفہ پکڑا وہاں لکھا تھا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الحشر:1)

"اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے"۔

میں غور و فکر کرنے لگا حتیٰ کہ میں اس آیت طیبہ تک پہنچ گیا۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (الحدید)

اس وقت میں نے پڑھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

ایک اور روایت میں ہے "انہوں نے وہ صحیفہ باہر نکالا وہاں لکھا تھا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ میں نے کہا "یہ تو طیب و طاہر اسماء ہیں۔ پھر لکھا تھا۔

طٰهٰ ۝ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ (طٰہٰ)

مجھے یہ آیاتِ طیبات بہت عظیم لگیں۔ میں نے کہا "اس سے ہی قریش بھاگتے ہیں"۔ پھر میں اس آیت طیبہ پر پہنچا۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝ (طٰہٰ)

"ہرگز نہ روکے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو ایمان نہیں رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی، ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے"۔

تو میں نے حق کی گواہی دے دی۔

دوسری روایت کے مطابق سورۂ طٰہٰ کے ساتھ سورۃ تکویر بھی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس آیت طیبہ پر پہنچ کر حق کی گواہی دی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ (التکویر)

"(تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے"۔

ان دونوں روایات کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ یہ دونوں یا تینوں سورتیں ایک یا دو صحیفوں میں تھیں۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں پڑھا مذکورہ دونوں آیتوں کے بعد شہادۃ الحق پڑھی۔ جب اس آیت طیبہ تک پہنچے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝ (طٰہٰ)

تو انہوں نے فرمایا "جو یہ کہے اسے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اقدس تک میری راہ نمائی کرو"۔ حضرت سعید، حضرت خباب اور تیسرا شخص رضی اللہ عنہم باہر نکل آئے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ انہیں قرآن پڑھاتے تھے۔ تیسرے شخص کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ انہوں نے کہا "خطاب کے فرزند! خوش ہو جاؤ۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوموار کے روز یہ دعا مانگی تھی۔" مولا! عمر یا عمرو کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو چکی ہے۔ تمہیں بشارت ہو"۔ جب انہیں میری صداقت کا یقین ہو گیا تو میں نے انہیں کہا "مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقامت گاہ کے بارے بتائیں"۔ انہوں نے کہا "آپ کوہ صفاء کے دامن میں ہیں" میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ دار ارقم میں جلوہ افروز تھے۔ آپ دیگر مسلمانوں کے ہمراہ وہاں خفیہ تبلیغ فرماتے تھے۔ میں نے دروازہ پر دستک دی۔ پوچھا گیا "کون ہو؟" میں نے کہا "عمر بن خطاب!" صحابہ کرام جانتے تھے کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتنا شدید دشمن تھا انہیں میرے اسلام کا علم نہ تھا۔ ان میں سے کوئی بھی میرے لئے دروازے کھولنے کی جرأت نہ کر سکا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دروازہ کھول دو اگر رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہو گا تو وہ اسے ہدایت دے دے گا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جب قوم کا یہ خوف دیکھا تو انہوں نے فرمایا "اس کے لئے دروازہ کھول دو۔ اگر رب تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہو تو وہ اسلام لے آئے گا۔ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کر لے گا اگر اس کا ارادہ کچھ اور ہوا تو اسے تہ تیغ کرنا ہمارے لئے بہت آسان ہے"۔ انہوں نے دروازہ کھولا۔ میں اندر داخل ہوا دو افراد نے میرے بازو پکڑ لئے۔ حضرت حمزہ نے دائیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے بائیں طرف سے پکڑ لیا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے چھوڑ دو"۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے کپڑے کا دامن پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کے صحن میں استقبال کیا آپ نے ان کے کپڑے کا دامن اور تلوار کا حمائل پکڑا۔ اور زور سے حرکت دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت سے لرزنے لگے۔ حضرت عمر فاروق نے اپنا آپ سنبھالا تو آپ نے فرمایا "عمر! کیا اس وقت تک ایمان نہیں لاؤ گے جب تک اس طرح عذاب نہ اترے گا جس طرح کا عذاب ولید بن مغیرہ کے لئے اترا ہے"۔ شائد آپ نے یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اسلام پر ثابت قدم کرنے کے لئے فرمائی تھی۔ آپ نے اپنی طبعی محبت ان کے دل میں ڈال دی تھی۔ اور شیطانی وسوسہ ان سے دور کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ شیطان ان سے دور بھاگ گیا۔ دین حق کے بارے وہ کفار پر شدت اختیار کر گئے۔

ایک اور روایت میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "عمر! کس لئے آئے ہو؟ بخدا! میں دیکھتا ہوں کہ تم اس وقت

تک نہیں باز آؤ گے حتیٰ کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم اور پیغام حق پر ایمان لانے کے لئے حاضر ہوا ہوں"۔ حضور داعیٔ اعظم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کپڑے کو پکڑا اور خوب جھنجھوڑا پھر کہا "عمر بن خطاب! اسلام قبول کر لو۔ مولا! اس کے دل کو ہدایت نصیب فرما۔ مولا! عمر کو ہدایت دے۔ مولا! عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو عزت نصیب فرما۔ مولا! عمر کے سینہ سے کینہ نکال دے اسے ایمان سے تبدیل فرما دے"۔ میں نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ یہ شہادت حق سن کر حضور مبلغ اعظم ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد سارے مسلمانوں نے یکبار نعرہ تکبیر کہا جس سے مکہ مکرمہ کی گلیاں گونج اٹھیں"۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کے گھر ہی حق کی شہادت دی تھی۔ اس وقت وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

کیونکہ احتمال ہے کہ انہوں نے بار بار یہ شہادت دی ہو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب بھی کوئی شخص حلقۂ اسلام میں آتا وہ اپنا اسلام چھپا لیتا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ ہم زندہ رہیں یا وصال کر جائیں"۔ آپ نے فرمایا "ہاں! مجھے ان ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے تم ہی حق پر ہو۔ خواہ تم زندہ رہو یا وفات پا جاؤ"۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم پھر یہ پوشیدگی کیوں ہے۔ ہم اپنے دین کو کیوں مخفی رکھیں۔ جبکہ ہم حق پر ہیں۔ مشرکین باطل پر ہیں"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "عمر! ہم قلیل ہیں۔ جن اذیت ناک حالات سے ہمیں گزرنا پڑ رہا ہے وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کی "مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے کوئی بھی ایسی محفل نہیں جس میں میں حالت کفر میں بیٹھا کرتا تھا۔ اب میں وہاں حالت ایمان میں وہاں ضرور بیٹھوں گا"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے چاہا کہ میں اپنے ایمان کا اعلان کر دوں۔ مجھے بھی اسی اہانت اور مار کا سامنا کرنا پڑے جس کا سامنا دیگر اہل ایمان کر رہے تھے۔ میں اپنے ماموں ابوجہل کے پاس گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں"۔

دوسری روایت میں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب میں نے اسلام قبول کر لیا تو میں نے اس شخص کو یاد کیا جو اہل مکہ میں سے سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کا دشمن ہو۔ حتیٰ کہ میں اس کے پاس جاؤں اور اسے بتاؤں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ مجھے ابوجہل یاد آیا۔ میں اس کے پاس گیا۔ دروازہ پر دستک دی"۔ اس نے پوچھا "کون؟" میں نے کہا "عمر بن خطاب! وہ باہر نکلا اس نے مجھے خوش آمدید کہا"۔ اس نے کہا "میرے بھانجے! اھلاً وسھلاً! کس لئے آئے ہو"۔ میں نے کہا "میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تجھے بتاؤں"۔ دوسری روایت میں ہے "تاکہ تجھے بشارت دوں"۔ ابوجہل نے کہا "میرے بھانجے! وہ کیا ہے؟" میں نے کہا "میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم محمد عربی ﷺ پر اور ان کے دلآویز کلام پر ایمان لے آیا ہوں"۔ ابوجہل نے میرے چہرے پر دروازہ مارا"۔ ابوجہل نے کہا "اللہ تعالیٰ تجھے اور جو تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے"۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لگاتار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے رہے کہ اہل ایمان دار ارقم سے نکل کر مسجد حرام میں آئیں۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ موافقت کر لی۔ اہل ایمان دو صفیں بنا کر نکلے۔ ایک صف کے آگے حضرت عمر فاروق اور دوسری صف کے آگے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ قریش نے انہیں دیکھا۔ انہیں اتنی اذیت ہوئی کہ اتنی اذیت پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

دوسری روایت میں ہے کہ مسلمان دو صفیں بنا کر نکلے۔ ان کی آواز اس طرح آ رہی تھی جس طرح چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کو "الفاروق" رضی اللہ عنہ کا لقب عطا فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق اور باطل میں فرق فرمایا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا ہم غالب ہی رہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب میں نے اسلام قبول کیا میں باہر نکلا میں ایسے شخص کے پاس پہنچا جس سے کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی"۔ میں نے اسے کہا "میں مسلمان ہو گیا ہوں"۔ اس نے بآواز بلند کہا "ارے! خطاب کا فرزند صابی ہو گیا ہے"۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے پوچھا "قریش میں سے سب سے زیادہ باتیں تیزی سے کون پھیلاتا ہے؟" انہیں بتایا گیا کہ جمیل بن حبیب۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے نکلا۔ میری عمر اتنی تھی کہ میں جو کچھ دیکھتا تھا اسے یاد رکھ سکتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جمیل بن حبیب کے پاس گئے۔ انہوں نے فرمایا "اے جمیل کیا تو جانتا ہے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اختیار کر لیا ہے"۔ بخدا! جمیل اسی وقت اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے اٹھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ میں اپنے والد گرامی کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ مسجد حرام کے دروازہ پر پہنچا۔ وہ بآواز بلند چلایا "اے گروہ قریش! قریش خانہ کعبہ کے ارد گرد اپنی اپنی محافل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا "ابن خطاب صابی ہو گیا ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پیچھے سے فرما رہے تھے "تو جھوٹ بول رہا ہے۔ بلکہ میں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں نے یہ گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں" لوگ اسے مارتے رہے۔ میں انہیں مارتا رہا۔ حتیٰ کہ میرے ماموں نے کہا "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے بتایا "یہ خطاب کا بیٹا ہے" وہ پتھر پر کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دے دی"۔ میرے ماموں کے رعب کی وجہ سے لوگ مجھ سے دور چلے گئے"۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کا نام حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ تھا۔ ہاشم اور ہشام (ابوجہل کا باپ) دونوں بھائی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی والدہ ابوجہل کی چچا زاد تھی۔ یہ مجازی طور پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا۔ کیونکہ والدہ کا خاندان بچے کا ننھیال ہوتا ہے۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے کہ عتبہ بن ربیعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر جھپٹا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے زمین پر پٹخ دیا۔ اسے مارنے لگے۔ اپنی دو انگلیاں اس کی آنکھوں کے درمیان دھنسا دیں۔ عتبہ چلانے لگا مگر کسی کو اس کے قریب آنے

کی جرأت نہ تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے پسلی سے پکڑ رکھا تھا۔ ابن اسحاق کے نزدیک عاص بن وائل سہمی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی۔ ممکن ہے عاص اور ابو جہل دونوں نے انہیں پناہ دی ہو۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اسی اثناء میں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں متفکر بیٹھے ہوئے تھے۔ عاص بن وائل آیا۔ اس نے یمنی حلہ اور ایسی قمیص پہن رکھی تھی جسے ریشم کے ساتھ سیا گیا تھا۔ اس نے پوچھا ''کیا ہوا ہے؟'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تیری قوم کا گمان ہے کہ وہ عنقریب مجھے قتل کر دے گی کیونکہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے''۔ عاص نے کہا ''کسی کو میلی نظر سے بھی تمہاری طرف دیکھنے کی جرأت نہیں''۔ عاص باہر نکلا۔ وہ لوگوں سے ملا۔ لوگوں کا کثیر اژدہام تھا۔ وادی لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' لوگوں نے بتایا ''ہم ابن خطاب کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ صابی ہو گیا ہے''۔ عاص نے کہا ''ادھر منہ بھی نہ کرنا'' لوگ واپس آ گئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عاص کی پناہ واپس کر دی۔ انہوں نے فرمایا ''میں مارتا رہا۔ مار کھاتا رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا''۔

دوسری روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میں معبودان باطلہ کے پاس تھا۔ ایک شخص بچھڑا لے کر آیا۔ اس نے بچھڑا ذبح کیا۔ کوئی چیخنے والا باآواز بلند چلایا ''اے جلیح! کامرانی کا امر! ایک فصیح شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ رہا ہے'' ہم نے جلد ہی یقین کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد تھی''۔

ابو نعیم نے ''الدلائل'' میں حضرت طلحہ، حضرت عائشہ سے اور وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا ''جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل (شہید) کرے گا میں اسے ایک سو سرخ یا سیاہ اونٹ یا ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا''۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابو جہل نے کہا ''اے گروہ قریش! محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے معبودان باطلہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ تمہاری عقلوں کو نادان کہتے ہیں۔ تمہارے گزشتہ آباء کو جہنمی کہتے ہیں۔ جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے گا۔ میں اسے ایک ہزار سرخ یا سیاہ اونٹ یا ایک ہزار اوقیہ چاندی دوں گا۔ عمر نے کہا ''یہ کارنامہ میں سرانجام دوں گا''۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ یہ معاہدہ کر لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے کہا ''میں نے اسے کہا ''اے ابو الحکم! کیا ضمانت صحیح ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں!'' میں تلوار حمائل کئے اور ترکش لٹکائے باہر نکلا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عزم کئے ہوئے تھا۔ میں ایک بچھڑے کے پاس سے گزرا۔ لوگ اسے ذبح کرنا چاہتے تھے۔ میں اسے دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ بچھڑے کے پیٹ سے کسی چلانے والے کی آواز آئی ''اے آل ذریح یا امر نجیح! رجل یصیح! بلسان فصیح، یدعوالی شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ ان محمد رسول اللہ!'' میں نے دل میں کہا ''اس امر کا ارادہ تو میں نے کر رکھا ہے''۔ پھر میں ایک بت کے پاس سے گزرا۔ اس کے پیٹ سے یہ غیبی صدا سنائی دی۔

یا ایھا الناس ذو الاجسام ما انتم ۔ وَ طائش الاحلام

اے لوگو! اے اجسام والے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کیا تمہاری عقل زائل ہو گئی ہے۔

مسندوا الحکم الی الاصنام اصبحتم کراتع الانعام

تم فیصلہ بتوں کی طرف منسوب کرتے ہو تم چرنے والے جانوروں کی طرح ہو گئے ہو۔

اما ترون ما اری امامی من ساطع یجلو دجی الظلام

کیا تم وہ کچھ نہیں دیکھتے جو میں اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ یعنی وہ پھیلنے والا نور جو تاریکیوں کو کافور کر رہا ہے۔

قد لاح للناظرین من تھام و قد بدا للناظر الشامی

تھامہ سے اہل نظر کے لئے معاملہ عیاں ہو چکا ہے دیکھنے والے کے لئے تلوار بے نیام ظاہر ہوئی ہے۔

محمد ذوالبر والاکرام اکرمہ الرحمان من امام

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پاکباز اور معزز ہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب زندہ سے انہیں عزت بخشی ہے۔

قد جاء بعد الشرك بالإسلام یامر بالصلاۃ والصیام

شرک ہو رہا تھا وہ اسلام کا اجالا لے کر آئے۔ وہ نماز اور روزہ کا حکم دیتے ہیں۔

والبر والصلات للارحام و یزجر الناس عن الآثام

وہ پاکبازی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے ڈانٹتے ہیں۔

فبادروا اسبقا إلى الاسلام بلا فتور و بلا احجام

اسلام کی طرف جلدی کرنے میں پہل کرو۔ بغیر پیچھے رہنے اور بغیر انکار کئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! میں تو اسی ذات کو تہ تیغ کرنے کا ارادہ کئے ہوں"۔ پھر میں "الضمار" کے پاس سے گزرا۔ اس کے پیٹ سے یہ آواز آئی۔

اودی الضمار کان یعبد مرۃ قبل الکتاب و قبل بعث محمد

ضمار ہلاک ہو گیا حالانکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول کتاب سے پہلے مدت مدید تک اس کی عبادت کی جاتی رہی۔

ان الذی ورث النبوۃ والھدی بعد ابن مریم من قریش مھتدی

وہ ہستی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت اور ہدایت کے وارث بنے وہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

سیقول من عبدالضمار و مثلہ لیت الضمار و مثلہ لم یعبد

عنقریب وہ شخص جس نے ضمار کی عبادت کی ہو گی وہ بھی اور اس کے مثل دوسرے کہیں گے کہ کاش ضمار اور دیگر معبودوں کی عبادت نہ کی جاتی۔

ابشر ابا حفص بدین صادق یھدی الیك و بالکتاب المرشد

اے ابو حفص! آپ کو سچے دین کی بشارت ہو۔ جو آپ کی طرف آیا ہے اور آپ کو کتاب مرشد کی بھی بشارت ہے۔

واصبر ابا حفص فانك آمر یاتیك عز غیر عز بنی عدی

ابوحفص صبر سے کام لینا۔ آپ ایسے امر کا حکم دینے والے ہیں جس کی وجہ سے بنوعدی کی عزت کے علاوہ تمہیں عزت نصیب ہوگی۔

لا تعجلن فانت ناصر دینه حقا یقینا باللسان و بالید

آپ جلدی نہ کریں آپ حضور کے دین کی نصرت کریں گے۔ یہ بات حق اور یقینی ہے آپ زبان اور ہاتھ کے ساتھ ان کی مدد کریں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! مجھے یقین ہو گیا کہ اس ہاتف کا مخاطب میں ہی ہوں"۔ مجھے حضرت نعیم بن عبداللہ النحام رضی اللہ عنہ ملے وہ اپنی قوم سے ڈر کر اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟" میں نے کہا "میں اس صابی کا ارادہ کئے ہوں جس نے قریش کے امر کو منتشر کر دیا ہے۔ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا "عمر! تیرا کیا خیال ہے بنوعبد مناف تجھے زمین پر چلنے کے لئے چھوڑ دیں گے"۔ انہوں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔ پھر انہیں دوسری طرف مصروف کرنے کے لئے کہا "کیا تم اپنے اہل خانہ کے پاس نہیں جاتے اور ان کا معاملہ سیدھا نہیں کرتے"۔ انہوں نے ان کے بہنوئی اور بہن کے اسلام کا تذکرہ کیا۔ حضرت عمر فاروق ان کی طرف چلے گئے......

دوسرے قول کے مطابق حضرت عمر فاروق کو راستے میں ملنے والے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرت عمر فاروق سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے پوچھا "عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟" عمر نے کہا "میں محمد عربی (جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کرنے جا رہا ہوں"۔ حضرت سعد نے فرمایا "تم اس سے چھوٹے اور حقیر ہو۔ تم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا عزم رکھتے ہو تو کیا عبد مناف تمہیں زمین پر چلنے کے لئے چھوڑ دیں گے"۔ حضرت عمر نے انہیں کہا "لگتا ہے کہ تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ میں تم سے آغاز کرتا ہوں۔ پہلے تمہیں تہ تیغ کرتا ہوں"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں"۔ حضرت سعد نے اپنی اور حضرت عمر نے اپنی تلوار سونت لی۔ وہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہوئے قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے۔ حضرت سعد نے عمر سے کہا "تم یہ رویہ اپنی بہن اور بہنوئی سے اختیار کیوں نہیں کرتے۔ عمر نے پوچھا "کیا وہ دونوں بھی صابی ہو گئے ہیں؟" حضرت سعد نے فرمایا "ہاں! وہ یہ کہہ عمر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی اور سمت پھیرنا چاہتے تھے"۔ عمر نے انہیں چھوڑا اور اپنی بہن کی طرف چلے گئے...... ممکن ہے راستہ میں ان دونوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی ہو۔

ایک اور روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے طواف کا ارادہ تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضرت عمر نے کہا "کاش! آج رات میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سن لوں اور سنوں کہ وہ کیا پڑھتے ہیں"۔ انہوں نے کہا "اگر میں نے سامنے سے آکر قرأت سننے کا ارادہ کیا تو آپ خاموش ہو جائیں گے۔ میں حجر اسود کی طرف سے آیا۔ بیت اللہ کے پردے میں چھپ گیا پھر چلتا گیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ میں نے آپ کی قرأت سنی۔ سن کر دل میں رقت پیدا ہو گئی۔ میں رونے لگا۔ اسلام میرے اندر

داخل ہو گیا۔ میں ٹھہرا رہا۔ حتیٰ کہ آپ نے نماز مکمل کی۔ میں آپ کے پیچھے ہو گیا۔ آپ نے پیچھے توجہ فرمائی تو مجھے دیکھا۔ آپ نے سمجھا کہ میں شاید اس لئے آپ کے تعاقب میں ہوں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دوں۔ آپ نے مجھے شدت سے جھڑکا پھر فرمایا "اس وقت کس لئے آئے ہو"۔ میں نے عرض کی "میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے روح افزاء پیغام پر ایمان لانے کے لئے آیا ہوں"۔ آپ نے رب تعالیٰ کی تعریف کی۔ پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے"۔ آپ نے میرے سینے پر اپنا دست اقدس پھیرا میرے لئے ثابت قدمی کی دعا کی"۔ پھر میں واپس آ گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت اس طرح ہے۔ انہوں نے فرمایا "اسلام قبول کرنے سے قبل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعرض کی نیت سے، باہر نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ مجھ سے پہلے مسجد میں تشریف لے جا چکے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ سورۃ الحاقہ کی تلاوت فرمانے لگے۔ میں قرآنی تالیف پر غور و فکر کرنے لگا۔ میں نے کہا "یہ شاعر ہیں" آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ (الحاقہ)

"اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم ایمان لائے ہو"۔

میں نے کہا "یہ تو کاہن ہیں۔ جو میرے دل کی بات جان گئے ہیں"۔ آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الحاقہ)

"اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو"۔

اس کے بعد اسلام میری رگ رگ میں سرایت کر گیا۔

ایک روز حضرت عمر اور ابوجہل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کی نیت سے گھر سے نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ آپ اپنے کاشانہ اقدس میں مصروف نماز تھے۔ رات کا وقت تھا۔ ان دونوں نے آپ کی قرآت سنی۔ آپ سورۃ الحاقہ تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ (الحاقہ)

"پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے۔ رہے عاد، تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی"۔

ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "جلدی جلدی بھاگ نکلو ہم پر عذاب نازل نہ ہو جائے"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام کا تقاضا کرنے کے اسباب کثیر بھی تھے اور بار بار رونما ہوتے تھے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے اسلام کو ان کے دل میں متمکن کر دیا۔ اس پر ثابت قدم فرمایا حتیٰ کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین متین کی نصرت کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت جبرائیل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''اہل آسمان نے حضرت عمر کے اسلام پر خوشیاں منائی ہیں''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ دین کو غالب فرمایا اور ان کے ذریعے کمزوروں کی مدد فرمائی''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ''عمر کا اسلام عزت، ان کی ہجرت نصرت، ان کی امارت رحمت تھی۔ بخدا! ہم بیت اللہ کے اردگرد طواف کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق نے اسلام قبول کرلیا''۔

روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا تو عرض پیرا ہوئے ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس دین حق کو مخفی نہیں رہنا چاہئے۔ اپنا دین متین ظاہر فرمائیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم سے باہر تشریف لائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے آگے آگے تھے۔ شمشیر برآں ہاتھ میں تھی۔ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ورد کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ''اگر تم میں سے کسی نے حرکت کی تو میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا''

شعب ابی طالب

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام لانے سے جو عزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوئی تھی اس کا مشاہدہ کیا مہاجرین حبشہ کو جو عزت وہاں نصیب ہوئی تھی اسے دیکھا اور نور اسلام کو قبائل میں پھیلتے ہوئے دیکھا تو قریش مکہ نے اتفاق کرلیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کردیں۔ انہوں نے کہا ''انہوں نے ہمارے بچوں اور خواتین کو بگاڑ دیا ہے''۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے علاوہ کوئی اور شخص شہید کردے۔ اس طرح تم ہمیں بھی راحت پہنچاؤ اور اپنے آپ کو بھی سکون دو''۔ قریش کی اس مشاورت کی خبر جناب ابوطالب تک پہنچ گئی۔ انہوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا اور انہیں شعب ابی طالب میں داخل ہوجانے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس گھاٹی میں تشریف لے گئے۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور دفاع کیا۔ ان قبائل کے مؤمن و کافر ہر دو نے جناب ابوطالب کی آواز پر لبیک کہا۔ انہوں نے اہل عرب کی عادت حمیت کی وجہ سے ساتھ دیا۔ مگر بنو عبد شمس اور بنو نوفل نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ اس لئے خواجہ ابوطالب نے اپنے قصیدہ میں لکھا۔

جزی اللہ عنا عبد شمس ونوفلا عقوبۃ شر عاجلا غیر آجل

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو شر کی جلدی سزا دے۔ دیر نہ کرے۔

دوسرے قصیدہ میں لکھا۔

جزی اللہ عنا عبد شمس و نوفلا و تیما و مخزوما عقوقا و مَأْثَمَا

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے عبد شمس، نوفل، تیم اور مخزوم کو نافرمانی اور گناہ کی سزا دے۔

جب قریش نے یہ صورت حال دیکھی تو وہ مشاورت کے لئے جمع ہوئے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ وہ ایک عہد نامہ تحریر کریں جس میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاہدہ کریں کہ وہ نہ ان میں شادیاں کریں گے۔ نہ ہی ان سے کچھ خریدیں

گے نہ انہیں کوئی چیز فروخت کریں گے۔ نہ ہی کبھی ان سے صلح کریں گے نہ ہی ان کے لئے رقت پیدا ہوگی۔ حتیٰ کہ وہ حضور ﷺ کو قتل کے لئے پیش کر دیں۔ اور ان کے اور قریش کے درمیان سے ہٹ جائیں"۔ منصور بن عکرمہ نے یہ عہد نامہ لکھا۔ اس کے ہاتھ شل ہو گئے۔ وہ کفر پر مرا۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ عہد نامہ بغیض بن ہاشم بن عامر بن ہاشم نے لکھا۔ اس کے ہاتھ مفلوج ہو گئے یہ اپنے نام کی طرح بغیض تھا۔ یہ بھی حالت کفر پر مرا۔ ایک اور قول کے مطابق یہ عہد نامہ نضر بن حارث نے لکھا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے بددعا کی تو اس کی بعض انگلیاں مفلوج ہو گئیں۔ یہ غزوہ بدر میں کفر پر قتل ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق ہشام بن عمرو نے یہ صحیفہ لکھا پھر اس نے یہ معاہدہ توڑنے کی کوشش کی۔ اس نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ تالیف قلبی کرتے ہوئے حضور ﷺ نے اسے مال غنیمت میں سے حصہ دیا تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق طلحہ بن ابی طلحہ عبدری نے یا منصور بن عبد شرحبیل نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ ممکن ہے ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک نسخہ لکھا ہو۔ ہر ہر گروہ نے ایک ایک نسخہ لیا ہو۔ قریش مکہ نے صحیفہ کو خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ اس وقت محرم الحرام کا مہینہ تھا اور بعثت کا ساتواں سال تھا۔ قریش کا یہ اجتماع، معاہدہ اور معاہدہ کی کتابت بنو کنانہ کی وادی میں ہوئی تھی۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب جناب ابوطالب کے پاس گئے اور ان کے ہمراہ شعب ابی طالب میں داخل ہو گئے۔ مگر ابولہب نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ یہ قریش کے ساتھ رہا۔ دو سال یا تین سال اسی اذیت ناک حالت میں گزر گئے۔ امام المغازی موسیٰ بن عقبہ نے تین سال کا قول یقین کے ساتھ کیا ہے۔ حتیٰ کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لئے زندگی کا دائرہ تنگ ہو کر رہ گیا۔ مخفی طریقہ سے ہی کوئی چیز ان تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ صرف ایام حج میں ہی باہر نکلتے تھے۔ ان ایام میں قریش انہیں منع نہیں کرتے تھے۔

صحیح البخاری میں ہے کہ یہ لوگ شعب ابی طالب میں انتہائی مجبور ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ وہ درختوں کے پتے کھانے لگے۔ امام سہیلی رقمطراز ہیں "اگر بیرون ملک سے کوئی تجارتی کارواں وہاں آجاتا۔ مسلمان ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے وہاں پہنچ جاتے تو ابولہب ان قافلہ والوں سے کہتا "تم انہیں اتنے مہنگے دام بتاؤ کہ وہ کوئی چیز نہ خرید سکیں"۔ وہ ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دیتا کہ تم یہ فکر نہ کرنا کہ اگر تم نے بہت زیادہ قیمت مانگی تو اسے کوئی خریدے گا ہی نہیں۔ اور تمہیں خسارہ ہوگا۔ میں یہ خسارہ پورا کروں گا"۔ شعب ابی طالب کے مکین بھوک سے بلکتے بچوں کو چھوڑ کر سامان خریدنے جاتے تو قافلہ والے پانچ یا دس گناہ زیادہ قیمت طلب کرتے۔ جسے ادا کرنے کی سکت ان میں نہ ہوتی تھی۔ بے چارے خالی ہاتھ واپس آجاتے تھے۔ ان کے پاس ایسی کوئی چیز نہ ہوتی تھی جس سے وہ اپنے بلکتے بچوں کو بہلا سکیں۔ وہ تجار ابولہب کے پاس جاتے وہ ان کے طعام اور لباس وغیرہ میں بہت زیادہ نفع دلاتا"۔

جب حضور ﷺ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ہمراہ شعب ابی طالب میں تشریف فرما ہو گئے تو آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں موجود دیگر مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ ہشام بن عمرو عامری شعب ابی طالب کے مکینوں کے ساتھ بہت زیادہ صلہ رحمی کرتا تھا۔ بعد میں اسے اسلام لانے کی سعادت سرمدی نصیب ہوئی۔ اس نے یہ ظالمانہ

معاہدہ توڑنے میں بھی انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ اس کی صلہ رحمی یہ تھی کہ اس نے تین اونٹ غلے سے بھرے اور انہیں شعب ابی طالب میں داخل کر دیا۔ جب قریش کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ اس کے پاس گئے اور اس امر کے متعلق بات چیت کی۔ اس کے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کوئی ایسا عمل نہیں کرے گا جس میں قریش کی مخالفت ہوگی۔ یہ سن کر قریش مکہ لوٹ گئے۔ دوسری رات بھی اس نے ایک یا دو اونٹ شعب ابی طالب میں بھیج دیئے یہ دیکھ کر قریش غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان نے قریش سے کہا "اسے چھوڑ دو۔ یہ ایسا شخص ہے جو اپنے اہل کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے میں اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں اگر ہم بھی اس جیسا کردار ادا کریں تو ہمارے لئے یہی بہتر ہے"۔

اس طرح حکیم بن حزام بھی شعب ابی طالب میں غلہ بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ابوجہل انہیں ملا۔ ان کے ہمراہ ان کا غلام تھا۔ جس نے غلہ اٹھایا ہوا تھا۔ وہ یہ غلہ اپنی پھوپھو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تک پہنچانا چاہتے تھے۔ ابوجہل نے حکیم سے کہا "تم بنوہاشم کے لئے کھانا لے کر جا رہے ہو۔ لہٰذا! نہ ہی تم اور نہ ہی تمہارا یہ غلہ ان تک پہنچ سکے گا۔ حتیٰ کہ میں تمہیں مکہ معظمہ میں رسوا کر دوں گا"۔ ابوالبختری وہاں آیا اس نے ابوجہل سے کہا "تو نے اسے اور اس کا غلہ کیوں روک رکھا ہے؟" ابوجہل نے کہا "یہ بنوہاشم کے لئے کھانا لے کر جا رہا ہے"۔ ابوالبختری نے کہا "یہ اس کی پھوپھو کا کھانا تھا جو اس کے پاس تھا کیا تو ان کا اپنا غلہ بھی نہیں جانے دے گا۔ اس کے راستہ سے ہٹ جا"۔ ابوجہل نے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ ابوالبختری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی لی اور ابوجہل کو دے ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ پھر اسے برے طریقے سے روند ڈالا۔ اب ابوجہل حکیم کے راستہ سے ہٹ گیا۔ ابوالبختری غزوۂ بدر میں حالت کفر پر مرا تھا۔

جناب ابوطالب جتنی مدت شعب ابی طالب میں رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے "آپ اپنے بستر پر تشریف لے جائیں"۔ جب لوگ سو جاتے تو وہ اپنے کسی بیٹے، بھائی یا چچا زاد کو حکم دیتے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے بستر پر آرام فرما ہو جاتے۔ یہ نگرانی و نگہبانی امور عادیہ کے اعتبار سے تھی۔ ورنہ آپ قتل ہو جانے سے محفوظ و معصوم تھے۔ شعب ابی طالب میں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہوئی۔

پھر اللہ رب العزت نے اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کی کہ دیمک نے اس عہد نامہ کی قطع رحمی اور ظلم پر مبنی ساری شقوں کو چٹ کر دیا ہے۔ اس نے صرف لفظ "اللہ" کو چھوڑا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ دیمک نے معاہدہ کی ہر وہ جگہ کھا دی جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لکھا تھا۔ شرک اور قطع رحمی کی شقیں نہ کھائیں۔ امام حلبی لکھتے ہیں "پہلی روایت دوسری روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ قریش مکہ نے کئی نسخے لکھے ہوں۔ بعض نسخوں میں دیمک نے اللہ تعالیٰ کے نام گرامی کے علاوہ ساری شقیں کھا لیں ہوں۔ تاکہ رب تعالیٰ کا نام ان کے ظلم کے ساتھ باقی نہ رہے۔ اور بعض نسخوں میں صرف اللہ تعالیٰ کا نام کھایا ہو تا کہ وہ ظالمانہ معاہدہ میں نہ رہے"۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اپنے چچا ابوطالب کو بتائی۔ انہوں نے پوچھا "میرے محترم بھتیجے! کیا یہ بات آپ کو آپ کے رب نے بتائی ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" انہوں نے کہا "مجھے ستاروں کی قسم! آپ نے میرے ساتھ کبھی جھوٹ نہیں بولا"۔ وہ بنوہاشم اور بنو

مطلب کے چیدہ چیدہ افراد لے کر مسجد حرام میں گئے۔ قریش کو ان کا آنا بڑا عجیب لگا۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ مصائب کی سختی سے گھبرا کر باہر نکل آئے ہیں۔ تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے سپرد کریں۔ خواجہ ابو طالب نے کہا "اے معشر قریش! ہمارے اور تمہارے مابین ایسے امور بھی ہیں جن کا تذکرہ اس صحیفہ میں نہیں کیا گیا۔ وہ صحیفہ لے کر آؤ شاید ہمارے اور تمہارے مابین صلح کا کوئی راستہ نکل آئے"۔ جناب ابو طالب نے اس خدشہ کے پیش نظر یہ بات کی کہ کہیں وہ صحیفہ لانے سے قبل ہی اسے دیکھ نہ لیں۔ وہ صحیفہ لے کر آئے۔ انہیں ذرہ بھر بھی شک نہ رہا تھا کہ جناب ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے سپرد کر دیں گے۔ وہ صحیفہ انہوں نے اپنے سامنے رکھا۔ انہوں نے صحیفہ کھولنے سے قبل جناب ابو طالب سے کہا "اب تمہارے لئے وہ وقت آگیا ہے کہ اس چیز سے باز آجاؤ جو تم نے اپنے لئے اور ہمارے لئے گھڑی ہے"۔ جناب ابو طالب نے کہا "میں تمہارے پاس ایک ایسا امر لے کر آیا ہوں جو ہمارے اور تمہارے درمیان انصاف کر دے گا۔ میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے صحیفہ پر دیمک مسلط کر دی ہے اس نے وہاں سے اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک کھالیا ہے اور تمہاری ظلم وفریب سے لبریز شقیں باقی رہنے دیں ہیں"۔

دوسری روایت میں ہے "وہ تمہاری ظالمانہ اور مکر وفریب سے بھرپور شقیں چٹ کر گئیں ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑا ہے۔ اگر وہ سچے ہوئے تو تم بھی اس ظالمانہ کارروائی سے باز آجاؤ۔ بخدا! ہم انہیں کسی بھی صورت میں تمہارے حوالے نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہمارا آخری شخص بھی مر جائے۔ اگر انہوں نے جھوٹ بولا تو پھر ہم انہیں تمہارے سپرد کر دیں گے۔ پھر تم چاہو تو انہیں قتل کر دینا یا زندہ رہنے دینا"۔ قریش نے کہا "ہم اس امر پر راضی ہیں"۔ انہوں نے وہ صحیفہ کھولا۔ وہ اسی طرح تھا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش مکہ نے کہا "یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے" اس سے ان کے کفر وسرکشی میں اضافہ ہوا۔ جناب ابو طالب نے ان سے کہا "اب معاملہ اس طرح عیاں ہو چکا ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اب تم نے ہمیں کس لئے روک رکھا ہے ہمیں کیوں محبوس کر رکھا ہے۔ یہ امر اب آشکارا ہو چکا ہے کہ ظلم اور قطع رحم کرنے والے تم ہی ہو"۔ پھر جناب ابو طالب اور ان کے ساتھی غلاف کعبہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی "مولا! جو ہم پر ظلم کرے اس کے خلاف ہماری مدد فرما۔ جو ہمارے ساتھ قطع رحمی کرے اس کے خلاف ہماری اعانت فرما" پھر وہ ان کے ساتھ شعب ابی طالب کی طرف لوٹ گئے۔

اس وقت قریش میں سے ایک گروہ نے اس معاہدہ کو توڑنے کا عزم کر دیا۔ وہ ہشام بن عمرو، زہیر بن ابی امیہ المخزومی، مطعم بن عدی، ابوالبختری بن ہشام اور زمعہ بن اسود تھے۔ ہشام، زہیر کے پاس گیا بعد میں ان دونوں کو دولت اسلام نصیب ہوئی۔ اس نے کہا "زہیر! کیا تو اس بات پر راضی ہے کہ تو کھائے، کپڑے پہنے اور عورتوں سے شادی کرے۔ جبکہ تیرے ننھیال اس تکلیف دہ حالت میں ہوں جسے تو دیکھ رہا ہے"۔ اس نے کہا "ہشام! میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں ایک شخص ہوں۔ اگر میرے ساتھ ایک اور شخص ہوتا تو میں یہ ظالمانہ معاہدہ توڑ دیتا"۔ ہشام نے کہا "میں تیرے ساتھ ہوں" زہیر نے کہا "کسی تیسرے شخص کو تلاش کرو"۔ یہ دونوں مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ اس سے کہا "کیا تو اس امر پر راضی ہے کہ بنو عبد مناف

میں سے ایک قبیلہ ہلاک ہو جائے اور تو اسے دیکھ رہا ہو"۔ مطعم نے کہا "میں اکیلا ہوں۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟" ان دونوں نے کہا "ہم تیرے ساتھ ہیں"۔ اس نے کہا "چوتھا شخص بھی تلاش کرو"۔ وہ ابوالبختری کے پاس گئے۔ اس نے کہا "پانچواں فرد تلاش کرو"۔ یہ زمعہ بن اسود کے پاس گئے"۔ ان سب نے اس ظالمانہ دستاویز کو ختم کرنے پر اتفاق کر لیا۔ رات کے وقت یہ سب مکہ مکرمہ کی بلند جگہ پر بیٹھے۔ انہوں نے اس عہد نامہ کو ختم کرنے کا باہم معاہدہ کر لیا۔ نیز یہ عہد کیا کہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب سے باہر نکال کر دم لیں گے۔ زہیر نے انہیں کہا "میں تم میں سے سب سے پہلے آغاز کروں گا۔ سب سے پہلے میں گفتگو کروں گا"۔ وقت صبح یہ سب قریش کی محافل میں گئے زہیر وہاں پہنچا۔ اس نے حلہ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے اہل مکہ! ہم کھانا کھاتے ہیں، کپڑے پہنتے ہیں جبکہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہلاکت کے منہ میں گر رہے ہیں وہ نہ کچھ خرید سکتے ہیں نہ فروخت کر سکتے ہیں۔ بخدا! میں اس وقت تک نہ بیٹھوں گا۔ جب تک میں اس ظالمانہ معاہدہ کو چیر نہ دوں"۔ ابوجہل نے کہا "تو نے جھوٹ بولا ہے۔ بخدا! وہ عہد نامہ شق نہیں ہوگا"۔ زمعہ بن اسود نے کہا "بخدا! تو سب سے زیادہ جھوٹا ہے ہم تو اس معاہدہ پر راضی ہی نہ تھے"۔ ابوالبختری نے کہا "زمعہ نے سچ کہا ہے"۔ مطعم بن عدی نے کہا "تم دونوں نے سچ کہا ہے باقی سب جھوٹ بول رہے ہیں"۔ ہم اس معاہدہ سے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں برأت کا اظہار کرتے ہیں"۔ ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کہا۔ ابوجہل نے کہا "یہ وہ امر ہے جس کا فیصلہ رات کو ہوا ہے"۔ ان کے مابین یہ معاملہ سنجیدگی اختیار کر گیا۔ بہت زیادہ قیل و قال ہوا۔ مطعم بن عدی صحیفہ کی طرف گیا اور اسے شق کر دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ پانچوں افراد اٹھے، ان کے ہمراہ پوری جماعت تھی۔ انہوں نے ہتھیار سجائے۔ پھر وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے پھر کہا کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں آ جائیں انہوں نے اسی طرح کیا۔ ان پانچوں افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سچی خبر کے بعد یہ تگ و دو کی کہ دیمک نے اس عہد نامہ کو چٹ کر دیا ہے۔ بعثت کے نویں سال یہ صحیفہ چاک کیا گیا اس صورت میں شعب ابی طالب میں رہنے کی مدت دو سال ہوگی۔ یا یہ معاہدہ بعثت کے دسویں سال شق کیا گیا۔ اس صورت میں شعب ابی طالب میں رہنے کی مدت تین سال ہوگی۔ صاحب ہمزیہ نے ان لوگوں کی شان میں یہ اشعار لکھے ہیں۔

فدیت خمسة الصحیفه بالخمسة اِنْ کَانَ لِلکِرَامِ فِدَاء

صحیفہ کے پانچ افراد کا ان پانچ افراد سے فدیہ ادا کر دیا گیا۔ بلاشبہ کریم لوگوں کا ہی فدیہ ادا کیا جاتا ہے۔

فتیة بیتوا علی فعل خیر حمد الصبح امرۃ والمساء

وہ ایسے جوان تھے جنہوں نے عمدہ فعل پر رات بسر کی۔ صبح و شام نے ان کے اس امر کی تعریف کی۔

یا لامر اتاہ بعد هشام زمعه انه الفتی الاتاء

تعجب! ہشام کے بعد زمعہ آیا وہ کثیر فعل سرانجام دینے والا جوان تھا۔

و زهیر و مطعم بن عدی ابوالبحتری من حیث شاء

زہیر، مطعم بن عدی اور ابوالبختری اس طرح آئے جس طرح انہوں نے چاہا۔

نقضوا مبرم الصحیفة إذ شدرت علیهم من العداء الانداء

انہوں نے محکم صحیفہ کو پارہ پارہ کر دیا جب بہت سے دشمنوں نے ان پر شدت اختیار کر لی۔

اذکرتنا باکلها اکل منسأة سلیمان الارضة الخرساء

انہوں نے کہا کہ اس صحیفہ کو دیمک نے اس طرح کھا دیا ہے جس طرح اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا عصا کھایا تھا۔

وبها اخبر النبی و کم اخرج خباء له الغیوب خباء

اس خبر کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آپ نے بہت سی غیب کی خبریں دیں جو سچ ثابت ہوئیں۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ ان پانچ افراد میں سے حضرت ہشام بن عمرو اور حضرت زہیر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہما کو اسلام لانے کی سعادت میسر آئی۔ مطعم بن عدی مکہ مکرمہ حالت کفر پر مرا۔ ابوالبختری اور زمعۃ بن اسود غزوۂ بدر کے روز مقتول ہوئے۔ پاک ہے وہ ذات بے ہمتا! جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔

عام الحزن

جب بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب سے باہر آئے تو جناب ابو طالب وفات پا گئے۔ بعثت کے نویں یا دسویں سال رمضان المبارک میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی وفات کے تین یا پانچ روز بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی وصال فرما ہو گئیں۔ حضرت امام بوصیری لکھتے ہیں۔

و قضی عمه ابو طالب والدهر و فیه السراء والضراء

آپ کے چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس زمانہ میں خوشی اور غمی یکے بعد دیگرے آتی ہیں۔

ثم ماتت خدیجة ذالك العام و نالت من احمد المناء

پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تمنا پالی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ نزع کے عالم میں تھیں۔ آپ نے فرمایا ''آپ اس حالت میں ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں بھلائی رکھی ہوئی ہے''۔ امام الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کے انگور کھلائے۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو ''الحجون'' میں دفن کیا گیا دفن کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں خود تشریف لے گئے۔ اپنے دست اقدس سے انہیں قبر میں اتارا۔ اس وقت حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک پینسٹھ برس تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات حسرت آیات کا گہرا غم و دکھ ہوا۔ اس لئے اس سال کو عام الحزن کہا جاتا ہے۔

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ حضرت

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال کی وجہ سے پریشان ہیں؟" آپ نے فرمایا "ہاں! ام العیال! اس گھر کے مالک کی قسم!"
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پچیس برس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بسر کرنے کی سعادت کبریٰ حاصل کی۔ اسی سال ماہ شوال میں آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح فرمایا۔ اور ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا فرمایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی عقد نکاح فرمایا۔ مگر ہجرت کے بعد ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا فرمایا۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے "ماہ رمضان المبارک میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا۔ ان کے وصال کے کچھ ایام بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حبالۂ عقد میں آئیں۔ آپ سے قبل یہ اپنے چچا زاد سکران کی زوجیت میں تھیں۔ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ہجرت حبشہ ثانیہ کی۔ پھر مکہ مکرمہ واپس آئے تو ان کا انتقال ہو گیا۔ جب عدت گزر گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زوجیت کا شرف ابدی بخشا۔ انکا حق مہر چار سو درہم تھا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی گردن روندھ ڈالی۔ انہوں نے یہ خواب اپنے خاوند کو بتایا۔ انہوں نے کہا "اگر تمہارا یہ خواب سچا ہے تو پھر میرا وصال ہو جائے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے حبالۂ عقد فرمالیں گے"۔ انہوں نے ایک اور رات یہ خواب دیکھا کہ وہ لیٹی ہوئی تھیں اور چاند ٹوٹ کر ان کے اوپر گر پڑا تھا۔ انہوں نے یہ خواب بھی اپنے خاوند کو بتایا۔ ان کے شوہر نے کہا "اب جلد ہی میرا وصال ہو جائے گا"۔ اسی روز وہ عالم بالا کو سدھار گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا تو میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ شادی نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا "کس کے ساتھ؟ میں نے عرض کی "آپ چاہیں تو کنواری عورت کے ساتھ چاہیں تو شادی شدہ عورت کے ساتھ" آپ نے فرمایا "باکرہ کون سی عورت ہے؟ میں نے عرض کی "حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تھا۔ آپ کے لئے ان کی تصویر جنت سے لائی گئی تھی"۔ آپ اس خواب پر تعجب کرتے تھے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بہت کم سن تھیں۔ آپ نے فرمایا "اگر یہ امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر ہو کر رہے گا"۔ حتیٰ کہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کی جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا "ثیبہ کون سی عورت ہے؟" انہوں نے عرض کی "حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔ وہ آپ پر ایمان لا چکی ہیں اور آپ کی اتباع کر چکی ہیں"۔ آپ نے انہیں فرمایا "جاؤ ان دونوں کو میری طرف سے پیغام نکاح دو"۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی"۔ میں نے ان سے کہا "اگر اللہ تعالیٰ آپ کے پاس خیر و برکت لے آئے تو؟" انہوں نے پوچھا "وہ خیر و برکت کیا ہے؟" میں نے کہا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام نکاح دے کر بھیجا ہے"۔ انہوں نے کہا "میری بھی تمنا ہے۔ میرے باپ کے پاس جاؤ اور اس سے یہ تذکرہ کرو"۔ ان کا والد بہت عمر رسیدہ شخص تھا۔ وہ اپنی قوم کے دین پر تھا۔ اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ میں اس کے پاس گئی اور اسے جاہلیت کا سلام کیا۔ اس نے پوچھا "کون ہو؟" میں نے کہا "خولہ بنت حکیم" اس نے کہا "کس طرح آنا ہوا؟" میں نے کہا "مجھے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت سودہ کے لئے پیغام نکاح دے کر بھیجا ہے"۔ اس نے کہا "وہ ایک کریم گھرانہ ہے۔ تمہاری سہیلی نے کیا جواب دیا ہے؟" میں نے کہا "انہیں یہ پسند ہے" اس نے مجھے کہا "اپنی سہیلی کو بلاؤ" میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ ان کے باپ نے کہا "نور نظر! اس عورت کا گمان ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں پیغام نکاح بھیجا ہے وہ ایک کریم خاندان ہے کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تمہارا نکاح ان سے کر دوں؟" انہوں نے کہا "ہاں" اس نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلاؤ"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ اور اس نے اپنی نور نظر کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔ حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا بھائی اس وقت وہاں موجود نہ تھا۔ جب اسے اس واقعہ کی خبر ملی تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔ جب اسے اسلام کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی تو وہ کہا کرتے تھے "میں نے بڑا احمقانہ کام کیا تھا جب میں نے اپنے سر پر مٹی ڈالی تھی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح فرمایا تھا"۔

پھر حضرت خولہ رضی اللہ عنہا حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں۔ حضرت ام رومان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حضرت خولہ نے کہا "اے ام رومان! اگر اللہ تعالیٰ آپ کے گھر میں خیر و برکت داخل کر دے تو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا تا کہ میں تمہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے پیغام نکاح دوں"۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آلینے دو" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ میں نے کہا "اگر اللہ تعالیٰ آپ کے گھر میں خیر و برکت داخل کرنے کا ارادہ کرے تو آپ کیا کریں گے؟" انہوں نے فرمایا "تمہاری مراد کیا ہے؟" انہوں نے کہا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حضرت عائشہ کے لئے پیغام نکاح دے کر آپ کے پاس بھیجا ہے"۔ انہوں نے فرمایا "کیا ان کے لئے ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یہ ان کے بھائی کی لخت جگر ہے؟" میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ آپ سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا "ان کے پاس جاؤ۔ اور انہیں کہو "میں آپ کا اور آپ میرے بھائی اسلام میں ہیں۔ آپ کی لخت جگر میرے لئے جائز ہے"۔ میں نے یہ بات سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بتائی۔ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا "مطعم بن عدی نے ہماری نور نظر کا رشتہ اپنے بیٹے جبیر کیلئے مانگا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ بخدا! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی وعدہ کے خلاف کوئی کام نہیں کیا"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھے اور مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ اس وقت ان کے پاس اس کی بیوی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا "اس بچی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جس کا رشتہ تم نے اپنے بیٹے جبیر کے لئے طلب کیا تھا۔ اور مطعم نے اپنی بیوی کی طرف توجہ کی اور کہا "اس معاملہ میں تو کیا کہتی ہے؟" اس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور کہا "اگر ہم نے اس نوجوان کا نکاح آپ کے ہاں کر دیا تو شاید آپ اسے بھی صابی بنا دیں وہ بھی وہی دین اختیار کر لے جو آپ نے اختیار کر رکھا ہے"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مطعم سے پوچھا "تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا "میرا بھی وہی موقف ہے جو میری بیوی کا ہے" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب اس وعدہ کے متعلق ان کے ذہن میں کوئی تردد نہ تھا۔ وہ واپس آئے۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں کہ میرے پاس تشریف لے آئیں"۔ آپ رونق افروز ہوئے تو

انہوں نے اپنی نور نظر کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اس وقت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک چھ یا سات سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وظیفۂ زوجیت مکہ مکرمہ میں ہی ادا کیا جبکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وظیفۂ زوجیت مدینہ طیبہ میں جا کر ادا کیا۔ اس وقت ان کی عمر مبارک نو سال تھی۔

قریش مکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انسانیت سوز سلوک

جناب ابو طالب نے اپنی وفات کے وقت قریش کو جمع کیا انہیں ایک خطبہ دیا۔ جس میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ابھارا۔ انہوں نے کہا "جب تک تم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنتے رہو گے اور ان کے حکم کی اتباع کرتے رہو گے اس وقت تک تم بھلائی اور خیر پر رہو گے۔ ان کی اطاعت بجالاؤ گے تو ہدایت پا جاؤ گے"۔ مگر قریش مکہ نے ابو طالب کی بات قبول نہ کی۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو قریش کی اذیتیں آپ پر شدت اختیار کر گئیں۔ آپ نے ان سے ایسی تکالیف برداشت کی جن کی وہ جناب ابو طالب کی زندگی میں جرأت نہ کر سکے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے۔ سر اقدس پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ آپ کی ایک نور نظر آگے بڑھیں سر اقدس سے مٹی جھاڑتی جاتیں اور زار و زار روتی جاتیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نور نظر! نہ رو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے والد گرامی کا محافظ ہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "میں نے قریش کی طرف سے کسی شدید اذیت کا سامنا نہ کیا حتیٰ کہ جناب ابو طالب اس دنیا سے چلے گئے"۔ جب قریش نے جناب ابو طالب کو دیکھا کہ وہ دار فانی کو الوداع کہہ گئے ہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہو گئے۔ آپ نے فرمایا "عم محترم! میں نے آپ کا چلے جانا کتنی جلدی محسوس کر لیا ہے"۔ جب ابولہب تک آپ کا یہ فرمان پہنچا تو وہ کچھ ایام کے لئے آپ کی نصرت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "(جان عالم) محمد (عربی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا جو ارادہ ہے آپ وہ کریں۔ آپ وہ کام کریں جو جناب ابو طالب کی زندگی میں کرتے تھے۔ لات و عزیٰ کی قسم! قریش آپ تک نہ آ سکیں گے حتیٰ کہ میں مر جاؤں"۔ پھر دشمنان خدا ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط اور دیگر سرداران قریش ابولہب کو اکساتے رہے حتیٰ کہ وہ اس ارادہ سے رک گیا۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ترک کر دی۔ پہلے کی طرح عداوت شروع کر دی۔ جب قریش مکہ نے آپ سے عداوت و قطع تعلقی اور آپ کو مکہ مکرمہ سے باہر نکالنے پر اتفاق کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے آپ از حد غمگین اور کبیدہ خاطر تھے۔ خصوصاً ابولہب اس کی بیوی ام قبیح کی عداوت، ہجو اور تکذیب سے انتہائی غمزدہ تھے۔

حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "خواجہ ابو طالب کی وفات کے بعد میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ قریش آپ کو پکڑ کر کھینچ رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے "کیا آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے کئی معبودوں کو ایک معبود بنا دیا ہے"۔ بخدا! ہم میں سے سوائے حضرت ابوبکر کے کسی کو بھی آپ کے قریب جانے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ کسی کو ہٹاتے اور کسی کو مارتے آگے بڑھے۔ وہ کہہ رہے تھے "کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے"۔

سفر طائف

بعثت کے دسویں سال حضور اکرم مبلغ اعظم ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ طائف میں قبیلہ ثقیف آباد تھا۔ آپ اس لئے وہاں تشریف لے گئے کہ شاید وہ اسلام قبول کر لیں اور اسلام کی اشاعت میں آپ کے دست و بازو بنیں۔ اور آپ کی قوم کی مخالفت میں آپ کے لئے سد سکندری ثابت ہوں۔

''السیرۃ الحلبیہ'' میں ہے کہ جب قریش کی اذیتیں اور تکالیف آپ کے خاطر عاطر پر گراں گزریں تو آپ طائف تشریف لے گئے۔ طائف پہنچ کر آپ بنو ثقیف کے تین سرداروں کے پاس گئے وہ تین بھائی تھے۔ ان میں سے ایک عبد یالیل تھا۔ اس کا نام کنانہ تھا۔ اس کا اسلام لانا معلوم نہیں، دوسرے بھائی کو عبد کلال کہا جاتا تھا، اس کا نام مسعود تھا۔ اس کا اسلام بھی معلوم نہیں۔ تیسرے بھائی کا نام حبیب تھا۔ امام ذہبی نے فرمایا ہے کہ اس کی صحابیت میں بھی تردد ہے۔ یہ تینوں عمر بن عمیر بن عوف ثقفی کی اولاد تھے۔ حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انؐ کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ انہیں پیغام حق سنایا ان میں سے ایک نے کہا ''اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں غلاف کعبہ کو چاک کر دوں گا''۔ دوسرے نے کہا ''کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں ملا جسے وہ رسول بنا کر بھیجتا''۔ تیسرے نے کہا ''میں آپ سے بات تک نہیں کروں گا۔ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جس طرح کہ آپ کہہ رہے ہیں تو آپ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں۔ اگر (نعوذ باللہ) آپ جھوٹے ہیں تو مجھے پھر بھی آپ سے بات نہیں کرنا چاہیے''۔ حضور اکرم ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ان کی بھلائی سے مایوس ہو چکے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا ''جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے اسے مخفی رکھنا''۔ آپ نے یہ ناپسند فرمایا کہ اہل طائف کا یہ رویہ قریش تک پہنچے اور ان کی اذیتیں شدت اختیار کر جائیں۔ ان تینوں سرداروں نے کہا ''آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں اور جہاں چاہیں چلے جائیں''۔ انہوں نے اپنے شہر کے اوباش اور احمق آپ پر مسلط کر دیئے۔ وہ آپ پر دشنام طرازی کرتے، شور کرتے۔ حتیٰ کہ لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے رستے پر دو صفیں بنالیں جب آپ ان کی صفوں میں سے گزرتے آپ جس قدم مبارک کو زمین پر رکھتے ظالم لوگ اس پر پتھروں کی بارش کر دیتے حتیٰ کہ قدمین شریفین سے خون مبارک بہنے لگا۔ ایک اور روایت کے مطابق نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ جب پتھر آپ کو لگتا آپ زمین پر بیٹھ جاتے۔ وہ لوگ آگے بڑھتے۔ آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھاتے۔ جب آپ چلتے تو پتھروں کی بارش کر دیتے پھر قہقہے لگاتے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ سے حضور ﷺ کا دفاع کرتے۔ حتیٰ کہ ان کے سر پر بھی کئی زخم آئے۔ طائف کے اوباش اور بدمعاش چلے گئے۔ حضور اکرم رحمت مجسم ﷺ کے قدمین شریفین سے خون مبارک رواں تھا۔ آپ ﷺ ایک باغ کی طرف تشریف لے گئے اور انگور کی بیل کے نیچے آرام فرما ہو گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان سرداران ثقیف نے اپنے احمقوں کو ابھارا وہ حضور ﷺ پر شور و غل مچانے لگتے آپ کو دشنام طرازی کرنے لگے۔ لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ آپ عتبہ اور

شیبہ کے باغ کی طرف آگئے۔ جب آپ باغ کے اندر چلے گئے تو وہ نادان واپس چلے گئے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''کیا آپ پر غزوہ احد کے دن سے بھی زیادہ شدید دن گزرا ہے''۔ آپ نے فرمایا ''میں نے تمہاری قوم سے بڑی اذیتیں برداشت کیں۔ مگر عقبہ کا روز مجھ پر سب سے زیادہ شدید گزرا''۔ عقبہ سے مراد وہ مخصوص مقام ہے جس جگہ آپ نے عبد یالیل سے ملاقات کی تھی۔ اس سے مراد عقبہ منیٰ نہیں۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ''میں نے عبد یالیل کو دعوت حق دی۔ مگر اس نے اس پر لبیک نہ کہا۔ میں واپسی عازم سفر ہوا۔ میں انتہائی غمزدہ اور مغموم تھا۔ میں قرن الثعالب پہنچا تو میں نے اپنا سر اٹھایا۔ تو مجھے بادل نظر آیا جو مجھ پر سایہ فگن تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں جبرائیل امین نظر آئے۔ انہوں نے مجھے آواز دی۔ ''اللہ تعالیٰ نے بنو ثقیف کے تلخ جوابات اور انکار حق سن لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اسے جو چاہیں حکم دیں''۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے پہاڑوں کے فرشتوں نے آواز دی۔ اس نے مجھے سلام کیا پھر کہا ''محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کے اذیت ناک جوابات اور پیغام حق کی تردید سن لی ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی بارگاہ میں بھیجا ہے۔ اگر آپ مجھے حکم دیں تو میں انہیں ان دو پہاڑوں کے مابین پیس کر رکھ دوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں! بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو اس وحدہ لاشریک ذات کی عبادت کریں گے'' اس واقعہ سے آپ کا حلم، درگزر، شفقت، عفو اور کرم کا آفتاب جہانتاب عیاں ہو رہا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا رب آپ کو سلام کہتا ہے۔ اس نے پہاڑوں کا فرشتہ میرے ساتھ بھیجا ہے۔ اس نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کرے''۔ اس فرشتے نے عرض کی ''اگر آپ حکم فرمائیں تو میں ان پر یہ پہاڑ گرا دوں۔ اگر پسند فرمائیں تو میں زمین میں دھنسا دوں''۔ آپ نے فرمایا ''پہاڑوں کے فرشتے! مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے افراد پیدا کرے گا جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی صدائے دلنواز بلند کریں گے''۔ اس فرشتے نے عرض کی ''آپ اسی طرح رؤف اور رحیم ہیں جس طرح کہ آپ کے رب نے آپ کے یہ نام رکھے ہیں''۔ حضرت امام بوصیری نے اس عفو و درگزر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

جهلت قومه عليه فاغضى واخو الحلم دابه الاغضاء

آپ کی قوم نے آپ کے بارے جہالت سے کام لیا مگر آپ نے صبر کیا۔ صاحب حلم کا طریقہ صبر ہی ہوتا ہے۔

وسع العالمين علما و حلما فهو بحر لم تعيه الاعباء

آپ علم اور حلم کے اعتبار سے سارے جہانوں سے وسیع ہیں آپ ایسے سمندر ہیں جسے بوجھ تھکا نہیں سکتے۔

حضرت عداس رضی اللہ عنہ کی بلند اقبالی

طائف کے اوباشوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبور کر دیا کہ آپ عتبہ اور شیبہ کے باغ کی طرف چلیں۔ قدمین شریفین سے خون مبارک رواں تھا۔ جب انہوں نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو انہیں ترس نے آلیا۔ کیونکہ وہ ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے بیٹے تھے۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کے ہمراہ انگور کا ایک گچھا آپ کی خدمت میں بھیجا۔ عداس نے وہ گچھا ایک طشت میں رکھا۔ عتبہ اور شیبہ نے عداس سے کہا "یہ انگور اس ذات (والا) کے پاس لے جاؤ اور انہیں کہو کہ وہ ان میں سے کھا لیں" عداس نے اپنے آقاؤں کے حکم کی تعمیل کی۔ جب حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کے لئے دست اقدس طشت کی طرف بڑھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھی۔ پھر انگور تناول فرمایا۔ عداس آپ کے روئے انور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "بخدا! کھاتے وقت یہ کلام پڑھنا اس علاقے کے لوگوں کی عادت تو نہیں"۔ آپ نے فرمایا "تمہارا تعلق کس علاقہ سے ہے اور تمہارا دین کیا ہے؟" اس نے عرض کی "میں نصرانی ہوں اور میرا تعلق نینویٰ سے ہے"۔ حضور شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "مرد پاکباز حضرت یونس بن متی علیہ السلام کی بستی"۔ عداس نے کہا "آپ حضرت یونس علیہ السلام کو کیسے جانتے ہیں؟" بخدا! جب میں نینویٰ سے نکلا اس وقت حضرت یونس علیہ السلام کو دس افراد بھی نہیں جانتے تھے۔ آپ انہیں کیسے جانتے ہیں؟ آپ ان پڑھ ملت میں امی ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ میرے بھائی ہیں وہ بھی نبی تھے اور میں نبی ہوں" عداس جھکا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس، پاؤں مبارک اور سر اقدس چومنے لگا۔ وہ مشرف باسلام ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عداس نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں" ربیعہ کے دونوں بیٹے عداس کو دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "اس نے تمہارا غلام خراب کر دیا ہے"۔ جب عداس ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا "تیرے لئے ہلاکت! تو اس شخص کے ہاتھ، پاؤں اور سر کیوں چوم رہا تھا"۔ حضرت عداس نے کہا "روئے زمین کی کوئی چیز ان سے بہتر نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے ایسی چیز بتائی ہے جسے صرف ایک نبی ہی بتا سکتا ہے"۔ ان دونوں نے کہا "تیرے لئے بربادی! وہ شخص تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کر دے۔ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے"۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت عداس رضی اللہ عنہ نے اپنے آقاؤں کو میدان بدر کی طرف جاتے دیکھا اور انہوں نے انہیں ساتھ چلنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا "کیا تم اس شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہو جس کی زیارت میں نے تمہارے باغ میں کی تھی۔ بخدا! ان کے ساتھ تو پہاڑ بھی مقابلہ نہیں کر سکتے"۔ ان دونوں نے کہا "عداس! اس کی زبان کا جادو تم پر چل گیا ہے"۔ "الاصابہ" میں ہے کہ یہ کہا گیا ہے کہ عداس میدان بدر میں قتل ہو گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ قتل نہیں ہوئے تھے بلکہ واپس آ گئے مکہ مکرمہ میں ان کا وصال ہوا۔ انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا تھا۔ جبکہ عتبہ اور شیبہ میدان بدر میں حالت کفر میں جہنم واصل ہوئے۔

روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انگور کی بیل کے نیچے آرام فرما ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ دعا مانگی جو "دعائے

طائف'' کے نام سے معروف ہے۔ آپ ﷺ یوں عرض گزار ہوئے ''مولا! میں اپنی طاقت کی ناتوانی اور قوت عمل کی کمی اور لوگوں کی نگاہوں میں اپنی بے بسی کا شکوہ تیری بارگاہ میں کرتا ہوں۔ اے اللہ تو ارحم الراحمین ہے۔ تو کمزوروں کا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے کیا تو مجھے ایسے بعید دشمن کے حوالے کرتا ہے جو میرے ساتھ ترش روی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ یا کسی قریبی دوست کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو پھر مجھے ان تکالیف کی ذرا پروا نہیں۔ پھر بھی تیری طرف سے عافیت میرے لئے زیادہ دلکش ہے۔ میں تیری ذات کے نور کے طفیل میں تیری پناہ مانگتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں۔ جس سے دنیا اور آخرت کے کام سنور جاتے ہیں کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے۔ یا مجھ پر اپنا غضب نازل کرے۔ میں تیری رضا کا طلب گار رہوں گا حتیٰ کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ تیری ذات کے بغیر نہ میرے پاس کوئی طاقت ہے نہ قوت''۔

امام الطبرانی نے ''کتاب الدعاء'' میں حضرت عبداللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب جناب ابو طالب کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ پیادہ ہی طائف کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے اہل طائف کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے معقول جواب نہ دیا۔ آپ درخت کے سایہ کے نیچے تشریف لائے دو رکعتیں پڑھیں پھر یہ پرسوز دعا مانگی''۔

نصیبین کے جنات

جب حضور ہادی عالم ﷺ ''نخلہ'' تشریف فرما ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے سات جنات کو آپ کی طرف پھیر دیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی قرأت مبارکہ سن لی۔ آپ رات کے وقت کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت طیبہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (الاحقاف، 29)۔

پھر یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن: 1)

''آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے''۔

ایک اور قول کے مطابق یہ جنات دوبار آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے تھے۔ ایک دفعہ قُلْ اُوْحِیَ کے نزول سے پہلے اور ایک دفعہ اس آیت طیبہ کے نزول کے بعد۔ آپ مقام نخلہ میں نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ نے قُلْ اُوْحِیَ تلاوت فرمائی۔ دوسری روایت کے مطابق سورۃ الرحمان تلاوت فرمائی۔ تیسرے قول کے مطابق پہلی رکعت میں سورۃ الرحمان اور دوسری میں قُلْ اُوْحِیَ تلاوت فرمائی۔ آپ نے اس مقام پر کئی روز قیام فرمایا۔ پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ عرض پیرا ہوئے ''آپ ان کے پاس کیسے جائیں گے۔ حالانکہ انہوں نے آپ کو باہر نکال دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''زید! اللہ تعالیٰ اس تکلیف دہ اور اذیت ناک صورت حال سے باہر نکلنے کی سبیل ضرور پیدا فرمائے گا۔ وہ اپنے دین حق کو ضرور غالب فرمائے گا۔ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا''۔ پھر آپ حراء کی طرف تشریف لے

گئے۔ وہاں آپ کو عبداللہ بن الاریقط ملا۔ آپ نے اسے اخنس بن شریق الثقفی کی طرف بھیجا تا کہ وہ آپ کو پناہ دے اس نے معذرت کر دی۔ اس نے کہا "میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ نہیں دیتا"۔ اس نے عذر خواہی کے لئے یہ بہانہ کیا تھا۔ ورنہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہ جانتے کہ حلیف پناہ نہیں دے سکتا تو آپ عبداللہ کو اس کے پاس نہ بھیجتے۔ پھر آپ نے سہیل بن عمرو العامری کی طرف پیغام بھیجا کیونکہ اس کا دادا عامر بن لوئی کعب بن لوئی کا بھائی تھا۔ کعب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد میں سے تھے۔ سہیل نے معذرت کرتے ہوئے کہا "بنو عامر بنو کعب کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطعم بن عدی کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے فرمایا "میں تیری پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں"۔ اس نے لبیک کہتے ہوئے کہا "تشریف لے آئیں"۔ مطعم بن عدی نے ہتھیار سجائے۔ اپنی سواری پر سوار ہوا۔ اس نے بلند آواز سے کہا "اے گروہ قریش! میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی ہے۔ انہیں کوئی تکلیف دینے کی جرأت نہ کرے"۔ پھر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ تشریف لے آئیں"۔ حضور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لائے۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹوں نے بھی آپ کے ساتھ طواف کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ رات مطعم کے ہاں بسر فرمائی۔ وقت صبح مطعم باہر نکلا۔ اس نے اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار سجا رکھے تھے۔ اس کے چھ یا سات بیٹے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "آپ طواف فرمائیں"۔ ان میں چار افراد ارکان بیت اللہ کے پاس کھڑے رہے۔ خود مطعم اور اس کے بقیہ بیٹے مطاف میں رہے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف مکمل کیا۔ ابو سفیان مطعم کے پاس آیا۔ اس نے کہا "کیا ان کو پناہ دی ہے یا ان کی اتباع کر لی ہے؟ مطعم نے کہا "میں نے انہیں پناہ دی ہے"۔ ابو سفیان نے کہا "پھر تیری یہ پناہ توڑی نہیں جائے گی۔ ہم نے اسے پناہ دی جسے تو نے پناہ دی"۔ پھر ابو سفیان مطعم کے پاس بیٹھا رہا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف مکمل کر لیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافر کی پناہ اور امان میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حکیم اور قادر ذات کی حکمت مخفی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی فاجر کے ذریعے اس دین کی نصرت فرما دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے "ایسی قوم کے ذریعے وہ دین متین کی مدد فرماتا ہے جن کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس سیاق و سباق سے یہ امر بھی آشکارا ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طائف تشریف لے جانے اور وہاں کے مکینوں کو دعوت حق دینے کی وجہ سے اہل مکہ نے یہ اتفاق کر لیا تھا وہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ مطعم کے اس عمدہ فعل کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق فرمایا تھا "اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا۔ وہ مجھ سے ان قیدیوں کے متعلق بات کرتا تو میں انہیں چھوڑ دیتا۔

"اسد الغابہ" میں ہے کہ مطعم بن عدی کے لخت جگر حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین اسلام قبول کر لیا۔ وہ حالت کفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بدر کے قیدیوں کے بارے بات چیت کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "اگر تمہارا باپ زندہ ہوتا وہ ہمارے پاس آ کر ان قیدیوں کے بارے سفارش کرتا تو ہم اس کی یہ سفارش ضرور قبول کر لیتے"۔ کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ آپ کے اخلاق کریمانہ میں

سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصرت اور فتح کے وقت مطعم کے اس فعل کو یاد فرمایا۔ آپ نے اس کا وہ قول یاد نہ کیا جو اس نے معراج کی صبح کو کہا تھا۔ کیونکہ آپ برائی کی جزاء برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ معاف اور درگزر فرما دیتے تھے۔ نوے سال سے زائد کی عمر میں مطعم نے وفات پائی۔ غزوہ بدر سے کچھ عرصہ پہلے یہ مرا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کا مرثیہ اس طرح کہا۔

أياعين فابكى سيد القوم واسفحى بدمع و ان انزفته فاسبكى الدما

اے میری آنکھ قوم کے سردار پر گریہ بار ہو۔ اور آنسوؤں کی خوب سخاوت کر۔ اگر تیرے آنسو ختم ہو چکے ہیں تو خون بہا۔

وَابْكِي عَظِيمَ الْمَشْعَرَيْنِ كِلَيْهِمَا عَلَى النَّاسِ مَعْرُوْفًا لَهُ مَا تَكَلَّمَا

دو قبیلوں کے سردار پر آہ وزاری کر۔ اس وقت تک اس کے احسانات لوگوں پر ہیں جب تک وہ کلام کرتے رہیں گے۔

فلو كان مَجْدٌ يُخْلِدُ الدَّهْرَ وَاحِدًا مِنَ النَّاسِ اَبْقَى مَجْدُهُ الْيَوْمَ مُطْعِمَا

اگر کسی کو بزرگی مداومت عطا کر سکتی تو آج مطعم کو اس کی عظمت ضرور بقاء عطا کر دیتی۔

اَجَرْتَ رَسُوْلَ اللهِ مِنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا عَبِيْدَكَ مَا لَبّٰى مُهِلٌّ وَاَحْرَمَا

تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی جب تک کوئی حاجی لبیک کہتا رہے گا یا کوئی احرام باندھتا رہے گا وہ سب تمہارے احسانات کے بندے رہیں گے۔

فَلَوْ سُئِلَتْ عَنْهُ مَعَدٌّ بِاَسْرِهَا وَ قَحْطَانُ اَوْ بَاقِي بَقِيَّةِ جُرْهُمَا

اگر بنو معد، قحطان اور جرہم کے بقیہ افراد سے مطعم کے متعلق پوچھا جائے۔

لَقَالُوْا هُوَ الْمُوْفِي بِخُفْرَةِ جَارِهٖ وَ ذِمَّتِهٖ يَوْمًا اِذَا مَا تَذَمَّمَا

تو وہ سب کہیں گے کہ وہ اپنے پناہ گزیں سے وفا کرنے والا اور اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے جبکہ وہ عہد کرے۔

مطعم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو عمدہ سلوک کیا تھا حضرت حسان نے یہ مرثیہ کہہ کر اس کا بدلہ چکا دیا۔ مطعم حالت کفر پر مرا تھا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اس کا مرثیہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مرثیہ میں موت کے بعد مرنے والے کے محاسن بیان کرنے ہوتے ہیں۔ بلاشک وشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کا یہ سلوک اقوی محاسن میں سے ہے۔ لہٰذا اس کا تذکرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت طفیل بن عمرو دوسی اپنی قوم میں شریف، معزز اور غزل گو شاعر تھے۔ وہ مکہ مکرمہ میں آئے۔ سرداران قریش ان کی خدمت میں آئے۔ انہوں نے کہا "ابو الطفیل" (سردار انہیں ان کی کنیت سے بلاتے تھے۔ از روئے تعظیم انہیں ان کے نام سے نہیں پکارتے تھے۔) آپ ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ ایک شخص کا ظہور ہم میں سے ہوا ہے۔ اس کا معاملہ شدت اختیار کر گیا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت منتشر کر دی ہے۔ ہمارا معاملہ انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کی بات جادو کا اثر رکھتی

ہے جو ایک آدمی اور اس کے بیٹے، ایک آدمی اور اس کے بھائی، ایک آدمی اور اس کی زوجہ میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہمیں آپ کے متعلق اور آپ کی قوم کے بارے خدشہ ہے۔ آپ اس شخص سے نہ گفتگو کریں اور نہ ہی اس کی بات سنیں"۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! قریش مکہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے عزم کرلیا کہ میں نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنوں گا اور نہ ہی آپ سے بات کروں گا۔ جب میں مسجد حرام میں جاتا تو اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا تاکہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ ایک بار میں مسجد حرام میں گیا۔ حضور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ میں آپ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حق سنا ہی دیا۔ میں نے ایک دلآویز کلام سنا۔ میں نے خود سے کہا "میں ایک ایسا شخص ہوں کہ مجھ سے عمدہ یا برا کلام مخفی نہیں رہ سکتا۔ مجھے کیا رکاوٹ ہے کہ اگر میں اس شخص کی بات سن لوں کہ یہ کیا کہتا ہے۔ اگر یہ پیغام عمدہ ہوا تو میں اسے قبول کرلوں گا۔ اگر قبیح ہوا تو اسے ترک کر دوں گا۔ میں ٹھہرا رہا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ میں نے عرض کی "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ کی قوم نے مجھے یوں یوں کہا ہے حتیٰ کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ آپ کی بات نہ سن سکوں۔ آپ اپنا پیغام مجھ پر پیش کریں"۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی جب حضرت طفیل نے کلام الٰہی سنا تو وہ پکار اٹھے "آج تک میں نے اس قدر حسین کلام نہیں سنا۔ میں نے آج تک اس طرح کا معاملہ نہیں دیکھا جو اس طرح عدل پر مبنی ہو۔ میں نے اسلام قبول کرلیا"۔ میں نے عرض کی "میں ایک ایسا شخص ہوں جس کی قوم اس کی اطاعت کرتی ہے۔ میں ان کے پاس جاتا ہوں انہیں اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ وہ اسلام قبول کرلیں"۔ آپ نے یہ دعا فرمائی "مولا! ان کے لئے نشانی بنا دے"۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں عازم سفر ہوا جب میں اس گھاٹی پر پہنچا جو ہمارے چشمہ کے اوپر تھی۔ تاریک رات تھی۔ میری آنکھوں کے مابین ایک نور ضوفشاں ہو گیا وہ چراغ کی مانند تھا"۔ میں نے عرض کی "یہ نور میرے چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ منتقل ہو جائے"۔ کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ سمجھنے لگے گی۔ وہ نور میرے عصا کے کنارے پر منتقل ہو گیا۔ میری قوم کے لوگ اس نور کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک قندیل کی طرح تھا"۔ اس لئے حضرت طفیل رضی اللہ عنہ "ذوالنور" کے نام سے معروف ہو گئے۔ امام سبکی نے اپنے قصیدہ تائیہ میں اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَ فِي بَهْجَةِ الدَّوْسِي ثُمَّ بِسَوْطِهِ جُعِلَتْ ضِيَاءٌ مِثْلُ شَمْسٍ مُضِيئَةٍ

حضرت طفیل کے چہرہ پر پھر ان کے عصا پر نور ضوفشاں ہو گیا۔ وہ خورشید تاباں کی طرح نور فشاں بن گیا۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اپنے باپ کے پاس گیا" میں نے کہا "والد محترم مجھ سے دور ہو جائیں۔ میرا اور آپ کا تعلق ختم" انہوں نے کہا "لخت جگر! کیوں؟" میں نے کہا "میں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین حق کی اتباع کرلی ہے"۔ انہوں نے کہا "فرزند دلبند! میرا دین وہی ہے جو تمہارا دین ہے"۔ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر میں اپنی زوجہ کے پاس آیا۔ میں نے اسے کہا "مجھ سے دور ہو جا۔ میرا اور تیرا تعلق ختم۔ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرلی ہے"۔ اس فرخندہ فال خاتون نے کہا "میرا دین وہی ہے جو آپ کا دین ہے"۔ انہوں نے بھی

اسلام قبول کرلیا۔ میں نے دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ مگر انہوں نے کسی رغبت کا مظاہرہ نہ کیا۔ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوگیا میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم دوس نے مجھ پر غلبہ پالیا ہے۔ دوس پر بدکاری کی خواہش غالب آگئی ہے۔ ان کے لئے بددعا کریں''۔ آپ نے یہ دعا فرمائی۔ ''مولا! دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انہیں لے آ''۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اپنی قوم کے پاس آگیا۔ انہیں اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف بلاتا رہا۔ حتیٰ کہ حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق بھی گزر گئے میں اپنی قوم کے اہل ایمان کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ اس وقت حضور ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ میرے ہمراہ دوس کے ستر یا اسی گھر تھے۔ ان میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے دیگر مسلمانوں کے ہمراہ ہمیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا''۔

دوسرے قول کے مطابق آپ نے حبشہ سے آنے والے مہاجرین اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا تھا جس نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ یہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ اشعریوں نے یمن سے ہجرت کی۔ یہ مدینہ طیبہ آنے کے خواہش مند تھے مگر ہوا نے انہیں حبشہ کے ساحل پر پھینک دیا۔

اسراء اور معراج

اسراء میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ نص قرآن سے ثابت ہے جس کی تفصیلات مختلف احادیث طیبہ میں موجود ہیں۔ جنہیں تقریباً تیس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ روایات کے اسی اختلاف کی بناء پر بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اسراء کئی بار ہوا۔ آپ نے تین یا اس سے زائد بار یہ سفر فرمایا ایک دفعہ جسد اطہر اور روح مبارک کے ساتھ سفر فرمایا۔ جبکہ باقی سفر عالم نیند میں فرمائے۔ آپ عالم بیداری میں جس چیز کا بھی مشاہدہ فرماتے پہلے اس کو خواب میں ضرور دیکھتے۔ لہٰذا بعض ایسے سفر خواب میں پیش آئے بعض معراج سے قبل اور کچھ بعد میں پیش آئے۔ آپ کو جسد اطہر اور روح مبارک کے ساتھ معراج بعثت مبارکہ کے گیارہویں سال ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق ہجرت کے ایک سال قبل معراج ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ربیع الاول کے مہینہ میں۔ دوسرے قول کے مطابق رمضان المبارک میں اور تیسرے قول کے مطابق رجب میں آپ کو معراج ہوئی۔ تیسرا قول سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اسی پر لوگوں کا عمل ہے سوموار کی مبارک رات تھی۔ جس طرح کہ آپ کی ولادت مبارکہ، ہجرت اور وصال سوموار کے روز ہوئے۔ دوسرے قول کے مطابق جمعۃ المبارک کی رات تھی۔ بیت المقدس تک کا سفر اسراء اور آسمانوں تک کا سفر معراج کہلاتا ہے۔ تاکہ رب تعالیٰ آپ کو ملکوت کے عجائب دکھائے۔ ارشاد ربانی ہے

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا (بنی اسرائیل: 1)

''تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں''۔

ورنہ اللہ رب العزت تو زمان ومکان سے منزہ ہے۔ اس مبارک شب میں حضور ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کیا۔

اس نے اپنے بندۂ خاص پر وحی کی جو وحی کی۔ آپ ﷺ پر پانچ نمازیں فرض کیں۔ آپ ﷺ کے لئے سارے انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع کیا۔ آپ نے بیت المقدس میں نماز پڑھائی پھر آسمانوں کی سمت تشریف لے گئے۔ پھر اسی رات واپس مکہ مکرمہ میں تشریف لے آئے۔ صبح کے وقت آپ نے لوگوں کو اس سیر کے متعلق بتایا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی۔ اہل ایمان نے بھی آپ کی تصدیق کر دی۔ کفار نے حسب سابق آپ ﷺ کو جھٹلایا۔ انہوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ مسجد اقصیٰ کے اوصاف بیان کریں۔ آپ نے اس کے اوصاف بیان فرمائے۔ انہوں نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی چند چیزوں کے متعلق پوچھا۔ وہ اشیاء آپ کے سامنے پیش کر دی گئیں آپ انہیں دیکھ کر ان کے اوصاف بیان کرنے لگے۔ ان کے لئے ایک ایک دروازہ شمار کرنے لگے جو ان کے علم کے ساتھ مطابقت رکھتا تھا۔ کفار نے آپ سے اپنے کارواں کے متعلق پوچھا۔ آپ نے انہیں اس کارواں اور اس کے آنے کے وقت کے متعلق بتا دیا پھر اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ یہ سارے واقعات مشہور اور کتب میں مسطور ہیں۔ ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس موضوع پر ایک کتاب تالیف کی ہے۔

''السیرۃ الحلبیہ'' میں ہے کہ جب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے بیت المقدس کی ''صخرہ'' کے ساتھ براق باندھنے کا ارادہ کیا تو وہ پتھر ان کے لئے نرم ہو گیا۔ وہ آٹے کی طرح ہو گیا۔ انہوں نے اس میں سوراخ کر کے براق باندھ دیا۔ امام ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الموطا'' کی شرح میں لکھا ہے کہ بیت المقدس کی یہ چٹان اللہ تعالیٰ کے عجائب میں سے ہے۔ یہ چٹان مسجد اقصیٰ کے وسط میں ایستادہ ہے۔ یہ ہر سمت سے زمین سے بلند ہے۔ اس کو زمین پر گرنے سے اس چیز نے روک رکھا ہے جس نے آسمانوں کو تھام رکھا ہے۔ اس کی چوٹی پر جنوب کی سمت حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک قدم کا نشان ہے۔ جب آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے، دوسری سمت ان ملائکہ کی انگلیوں کے نشانات ہیں جنہوں نے اسے تھام رکھا تھا۔ اس چٹان کے نیچے کھلی فضا ہے۔ یہ آسمان اور زمین کے درمیان معلق ہے۔ میں اس کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے اس کے نیچے جانے کی جرأت نہ کر سکا کیونکہ مجھے خطرہ تھا کہ یہ میرے گناہوں کی وجہ سے مجھ پر گر پڑے گی۔ اس کے مدتوں بعد میں اس کے نیچے داخل ہوا تو میں نے عجیب امر ملاحظہ کیا۔ یہ ہر سمت سے زمین سے جدا تھی اس کا کچھ حصہ بھی زمین کے ساتھ متصل نہ تھا۔ البتہ بعض حصہ کا فاصلہ دوسرے سے زیادہ تھا۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ اس رات مکہ مکرمہ میں واپس لوٹ آئے۔ اپنے اس سفر کے متعلق حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ حضور ﷺ نے قریش مکہ کے پاس جانے اور انہیں اپنی اس سیر کے متعلق بتانے کا ارادہ کیا کیونکہ آپ اس چیز کو چھپاتے نہیں تھے جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ آشکارا ہوتی اور وہ امر آپ کی رفعت شان اور علو مرتبت کی دلیل ہوتا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کی چادر کا دامن پکڑ لیا۔ انہوں نے عرض کی ''چچا زاد! میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ آپ قریش کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ نہ کریں۔ ورنہ آپ کی تصدیق کرنے والے بھی آپ کو جھٹلا دیں گے''۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی ''میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دیتی ہوں کہ

آپ قریش کے پاس نہ جائیں۔ وہ آپ کی تکذیب کریں گے آپ کے فرمان حق کو جھٹلائیں گے۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ آپ پر حملہ آور ہو جائیں گے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک پر دست اقدس مارا اور ان کے ہاتھ سے اسے چھوڑا لیا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے آپ کے قلب انور کے پاس ایک نور دیکھا قریب تھا کہ میری آنکھیں چندھیا جاتیں۔ میں فوراً سجدہ ریز ہو گئی۔ جب میں نے سر بلند کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا چکے تھے۔ میں نے اپنی لونڈی نبعہ سے کہا (یہ حبشیہ تھیں اور اس کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے) ذرا دیکھنا کہ حضور نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کیا کہتے ہیں؟ جب وہ واپس لوٹی تو اس نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے اس گروہ کے پاس تشریف لے گئے جو حطیم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان میں ابوجہل اور مطعم بن عدی بھی تھا۔ آپ نے انہیں اپنی لامکاں کی سیاحت کے بارے بتایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ ایک طرف رونق افروز ہو گئے۔ آپ کو علم تھا کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں گے۔ آپ نے یہ بھی ناپسند فرمایا کہ آپ اس چیز کو مخفی رکھیں جو رب تعالیٰ کی قدرت اور آپ کی بلند مرتبت کی دلیل ہو۔ آپ غمزدہ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا۔ وہ آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ازروئے مذاق کہا "کیا کچھ نیا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں! آج رات مجھے سیر کرائی گئی ہے"۔ اس نے کہا "کہاں تک؟" آپ نے جواب دیا "بیت المقدس تک" ابوجہل نے کہا "پھر آپ وقت صبح ہمارے سامنے آ گئے" آپ نے فرمایا "ہاں" اس نے کہا "اگر میں آپ کی قوم کو بلاؤں تو کیا آپ اس کو یہ بات بتائیں گے جو مجھے ابھی ابھی بتائی ہے"۔ آپ نے فرمایا "ہاں!" ابوجہل نے پکارا "بنوکعب بن لوئی" لوگ اپنی اپنی مجالس سے اٹھ کر ان دونوں کی سمت آنے لگے وہ آ کر بیٹھ گئے۔ اس نے کہا "جو واقعہ مجھ سے بیان کیا ہے وہی اپنی قوم سے بھی بیان کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے آج رات سیر کرائی گئی" انہوں نے سوال کیا "کہاں تک؟" آپ نے فرمایا "مسجد اقصیٰ تک۔ میرے لئے انبیائے کرام کے گروہ کو جمع کیا گیا ان میں حضرات ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام بھی موجود تھے۔ میں نے انہیں امامت کرائی اور ان کے ساتھ گفتگو کی" ابوجہل نے ازروئے مذاق کہا "ان کا حلیہ بیان کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عیسیٰ علیہ السلام میانہ قد سے طویل اور طویل کم تھے۔ ان پر سرخی غالب تھی گویا کہ ان کی مبارک داڑھی سے گوہر ہائے آبدار گر رہے ہیں"۔ دوسری روایت میں ہے "گویا کہ وہ ابھی ابھی حمام سے نکلے تھے"۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا جسم بھاری گندم گوں اور طویل تھا۔ گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے تھے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلق اور خلق میں میرے مشابہ تھے"۔

دوسری روایت میں ہے "میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جو ان سے بڑھ کر تمہارے صاحب سے مشابہت رکھتا ہو"۔ قریش یہ سن کر شور و غوغا کرنے لگے۔ انہوں نے اس سیاحت کو عظیم سمجھا۔ بعض تالیاں بجانے لگے بعض نے ازروئے تعجب اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ مطعم بن عدی نے کہا "آج سے قبل آپ کا معاملہ اتنا عظیم نہ تھا جتنا کہ یہ امر عظیم ہے۔ آپ سچ نہیں بول رہے۔ ہم ایک ماہ تک اپنے اونٹوں کے جگر پگھلا دیتے ہیں۔ تب جا کر بیت المقدس آتا ہے۔ پھر واپس آنے میں بھی ایک ماہ

لگتا ہے۔ آپ کا گمان ہے کہ آپ ایک رات میں وہاں سے ہو کر آبھی گئے ہیں۔ لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا۔ یہ واقعہ کبھی بھی رونما نہیں ہو سکتا"۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مطعم! تو نے اپنے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کتنی بری بات کی ہے۔ ناپسندیدہ امر کے ساتھ آپ کا استقبال کیا تو نے تو ان کی تکذیب کی ہے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں"۔ ایک اور روایت میں ہے "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو اس وقت بعض اہل اسلام کے پاؤں بھی ڈگمگا گئے"۔ "المواہب" میں ہے "صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی اور سارے اہل ایمان نے بھی آپ کی تصدیق کی"۔ البتہ ان کے اس قول میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے الا یہ کہ وہ ایسے شخص مرادلیں جو ایمان پر ثابت قدم ہوں" ایک اور روایت کے مطابق مشرکین بھاگ کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے ان سے کہا "تمہارا صاحب کہتا ہے کہ اسے آج رات بیت المقدس کی سیر کرائی گئی" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیا انہوں نے یہ فرمایا ہے" مشرکین نے کہا "ہاں" انہوں نے کہا "اگر انہوں نے اس طرح فرمایا ہے تو انہوں نے سچ کہا ہے" مشرکین نے پوچھا "کیا آپ ان کی اس بات میں تصدیق کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے قبل واپس تشریف لے آئے"۔ انہوں نے فرمایا "ہاں! میں تو ان کی ان خبروں کی بھی تصدیق کرتا ہوں جو اس سے بھی دور سے آتی ہیں۔ میں صبح وشام ان کی آسمانی خبروں کی تصدیق کرتا ہوں"۔ مطعم نے کہا "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے لئے بیت المقدس کا محل وقوع بیان کریں" اس سے اس نے آپ کی تکذیب کا ارادہ کیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کے اس ارادہ سے آگاہ ہو گئے۔ نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے لئے بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔ میں وہاں گیا تھا"۔ اس سے آپ کا ارادہ تھا کہ آپ کی قوم کے خلاف دلیل قائم ہو جائے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بیت المقدس کی صورت اور مثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لے آئے۔ آپ فرمانے لگے "اس کا فلاں دروازہ اس طرح ہے۔ فلاں دروازہ اس طرح ہے" حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض کرتے جاتے "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں" حتیٰ کہ آپ نے مسجد اقصیٰ کے سارے اوصاف بیان کر دیئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور سیاح لامکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب قریش نے مجھے جھٹلایا اور مجھ سے ان اشیاء کے بارے پوچھا جن کا تعلق مسجد اقصیٰ کے ساتھ تھا جو مجھے اس وقت مستحضر نہ تھیں۔ انہوں نے پوچھا "مسجد کے کتنے دروازے تھے؟ میں اتنا غمزدہ ہوا کہ پہلے کبھی اتنا غمگین نہیں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس عیاں کر دیا"۔ دوسری روایت کے مطابق "اس کی صورت میرے سامنے آگئی۔ میں اس کی طرف دیکھ کر قریش مکہ کو بتانے لگا" وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی بیت المقدس تشریف نہیں لے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اسی طرح بتانے لگے جس طرح آپ جانتے تھے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی ہر ہر بات کی تصدیق کرتے جا رہے تھے۔ جب آپ فارغ ہوئے۔ تو قریش مکہ نے کہا "ولید بن مغیرہ نے سچ کہا ہے" یعنی آپ جادوگر ہیں۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل:60)

"اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے"۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی لونڈی حضرت نبعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "اس روز میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا۔ آپ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمار ہے تھے "ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام "الصدیق" رکھا ہے"۔ اس لئے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے تھے "اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کا نام "الصدیق" آسمان سے نازل کیا ہے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب سیاح لامکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار قریش کو اسراء کے متعلق بتایا اور مسجد اقصیٰ کے اوصاف بیان فرما دیئے تو انہوں نے کہا "اس کی کیا علامت ہے کہ آپ کا یہ فرمان سچا ہے۔ ہم نے پہلے تو ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ کیا آپ نے راستہ میں ایسی چیز دیکھی ہے جو آپ کی صداقت پر دلالت کرے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ آپ نے بیت المقدس کے اوصاف اس شخص سے سن کر بتا دیئے ہوں جو وہاں گیا ہو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کی علامت یہ ہے کہ میں بنوفلاں کے کارواں کے پاس سے گزرا۔ وہ فلاں وادی میں تھا۔ براق سے ڈر کر ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا۔ میں نے انہیں اس اونٹ کے متعلق بتایا۔ میں اس وقت شام کی طرف جارہا تھا جب میں واپس آیا۔ میں فلاں مقام پر تھا تو میں بنوفلاں کے کارواں کے پاس سے گزرا۔ وہ اہل قافلہ سو رہے تھے۔ ان کے ایک برتن میں پانی تھا۔ انہوں نے اسے کسی چیز سے ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے اس کا ڈھکنا اٹھایا۔ اس میں سے پانی پیا۔ پھر اسے اسی طرح ڈھانپ دیا"۔ ایک اور روایت میں ہے "براق کا پاؤں پھسلا۔ ان کا وہ پیالہ اوندھا ہو گیا جس میں وہ پانی تھا۔ پھر میں فلاں کارواں کے پاس سے گزرا۔ ان کے اونٹ براق کی وجہ سے بدک گئے"۔ دوسری روایت میں ہے "پھر میں فلاں جگہ فلاں کارواں کے پاس سے گزرا۔ اس کارواں میں ایک ایسا اونٹ بھی تھا جس پر دو بورے تھے۔ ایک سیاہ بورا جبکہ دوسرا بورا سفید تھا۔ جب میں اس کارواں کے پاس سے گزرا تو ان کے اونٹ بدک گئے۔ ایک سوار گر پڑا اور اس کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا فلاں شخص کو میں نے بتایا تو وہ اس اونٹ کو جا کر لے آیا۔ میں نے اہل کارواں کو سلام کیا تو ان میں سے بعض نے کہا "یہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدائے دلنواز ہے"۔ جب وہ کارواں پہنچے تو مشرکین نے ان سے یہ سوالات پوچھے تو انہوں نے سب کی تصدیق کر دی۔ یہ سن کر قریش نے کہا "ولید بن مغیرہ نے سچ ہی کہا ہے" پھر کفار قریش نے پوچھا "بنوفلاں کا کارواں کب پہنچے گا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ فلاں روز پہنچ جائیگا۔ اس کارواں کے آگے آگے ایک جوان اونٹ ہوگا۔ جس پر گندمی رنگ کا کمبل اور دو بورے ہوں گے"۔ جب مقررہ دن آیا تو قریش بلند جگہ جا کر اس کارواں کا انتظار کرنے لگے۔ سورج ڈوبنے کے قریب ہو گیا مگر ابھی تک وہ کارواں نہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لئے دست اقدس بلند کئے۔ رب تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا۔ حتیٰ کہ کارواں آ گیا۔ امام سبکی نے کیا خوب لکھا ہے۔

و شمس الضحی طاعتك عند مغيبها فما غَرَبَتْ بَلْ وافَقَتْكَ بِوَقْفَة

- چاشت کے آفتاب نے بھی وقت غروب آپ کی اطاعت کی۔ وہ غروب نہ ہوا بلکہ ٹھہر کر آپ کی موافقت کی۔

وہ اہل ایمان جن کا ایمان کامل تھا جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ جبکہ باغیوں اور اہل کفر کی سرکشی اور بغاوت میں اضافہ ہوا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل: 60)

''اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو ملکوت کے ان عجائب کے متعلق نہ بتایا جن کا آپ مشاہدہ کر کے آئے تھے۔ اسراء اور معراج کے موضوع پر میں نے ایک الگ تالیف رقم کی ہے۔ امام بوصیری نے فرمایا ہے۔

فطوی الارض سائرا والسموا ت العلی فوقها له اسراء

آپ نے اس رات ساری زمین اور آسمان طے کئے اور آسمانوں پر آپ نے سیر بھی کی۔

فصف الليلة التی کان للمختار فیها علی البراق استواء

اس شب کا وصف تو بیان کرو۔ جس میں نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم براق پر رونق افروز ہوئے تھے۔

و ترقی الی قاب قوسین و تلك السیادة والقعساء

پھر آپ اس پر قاب قوسین کی طرف تشریف لے گئے یہ ایک ابدی سیادت ہے۔

رتب تسقط الامانی حسری دونها ماورا هن وراء

یہ ایسے مراتب ہیں جو انسان کی خواہشات کو حسرتوں سے لبریز کر دیتے ہیں۔ ان سے پرے جو مراتب ہیں وہ عقل نارسا سے اور بھی دور ہیں۔

مختلف قبائل کو تبلیغ اسلام

بعثت کے آغاز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی خفیہ انداز سے تبلیغ کی۔ بعثت کے چوتھے سال آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع فرمائی۔ دس سال اسلام کی تبلیغ اس طرح فرمائی کہ آپ ہر سال ایام حج میں منیٰ اور موقف میں تشریف لے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر قبیلہ کے متعلق پوچھتے۔ آپ عرب کے مشہور بازاروں میں بھی تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جاتے مثلاً عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز۔ اہل عرب جب حج کا ارادہ کرتے تو شوال کا مہینہ عکاظ میں بسر کرتے پھر مجنہ کے بازار میں چلے جاتے وہاں بیس دن قیام کرتے پھر ذوالمجاز چلے جاتے۔ وہاں ایام حج بسر کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کو اپنا آپ پیش کرتے۔ انہیں اس امر کی طرف دعوت دیتے کہ وہ آپ کا دفاع کریں حتیٰ کہ آپ اپنے رب کا پیغام پہنچا دیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موقف میں لوگوں کو اپنا آپ پیش کرتے۔ فرماتے ''کون سی قوم میرا دفاع کرے گی۔ قریش نے تو مجھے روک دیا ہے کہ میں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچاؤں''۔ ایک صحابی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہجرت سے قبل میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ منیٰ میں مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم صرف اس کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ'' آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''اے لوگو! یہ شخص تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے آباء کا دین چھوڑ دو'' میں نے اس شخص کے متعلق پوچھا۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ آپ کا چچا ابولہب ہے'' دوسری روایت میں ہے ''میں نے سوق المجاز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ تبلیغ کے لئے متفرق قبائل کے پاس تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے'' اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے۔'' آپ کے پیچھے پیچھے ایک شخص تھا جس کی دو مینڈھیاں تھیں وہ آپ کو پتھر مار رہا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے مبارک ٹخنے خون آلود ہو گئے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا ''اے لوگو! اس کی بات نہ سننا۔ یہ کذاب ہے'' (نعوذ باللہ منہ)۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ جناب عبدالمطلب کے فرزند ارجمند ہیں۔ میں نے ابولہب کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ آپ کا چچا عبدالعزیٰ ہے۔

''السیرۃ الشامیۃ'' میں ایک صحابی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ''میں نوجوان تھا۔ میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ میں موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہل عرب کے خیموں میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بنو فلاں! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے علاوہ سارے معبودان باطلہ کو چھوڑ دو۔ مجھ پر ایمان لے آؤ۔ میری تصدیق کرو۔ میرا دفاع کرو حتیٰ کہ میں وہ روح پرور پیغام خداوندی پہنچا دوں جس کے ساتھ میں مبعوث ہوا ہوں''۔ آپ کے پیچھے پیچھے ایک بھینگا آدمی تھا۔ جس نے اپنے بالوں کی دو مینڈھیاں بنا رکھی تھیں۔ اس نے عدنی حلہ پہن رکھا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس فرمان سے فارغ

ہوئے تو اس شخص نے کہا "بنو فلاں! یہ شخص تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم لات و عزیٰ کی بندگی کا پٹہ اپنے گلے سے اتار پھینکو اور اس بدعت و گمراہی کو قبول کر لو جسے یہ لے کر آیا ہے۔ نہ اس کی اطاعت کرنا اور نہ ہی اس کی بات سننا" میں نے اپنے باپ سے پوچھا "یہ شخص کون ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے ہے اور آپ کے فرمان حق ترجمان کی تردید کرتا جا رہا ہے" باپ نے کہا "یہ آپ کا چچا عبد العزیٰ بن عبد المطلب یعنی ابولہب ہے"۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا آپ بنو کندہ، بنو کلب، بنو حنیفہ اور بنو عامر بن صعصعہ پر پیش کیا۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا "آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم آپ کے معاملہ پر آپ کی بیعت کر لیں پھر رب تعالیٰ آپ کو مخالفین پر غلبہ عطا فرما دے تو کیا آپ کے بعد معاملہ ہمارے سپرد ہو گا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ جہاں چاہے گا اسے رکھے گا"۔ اس شخص نے کہا "ہم آپ کے لئے سارے عرب کے ساتھ جنگ کریں۔ اپنے حلقوم ان کے تیروں کے سامنے رکھیں۔ جب رب تعالیٰ فتح مندی دے دے تو معاملۂ خلافت کسی اور کے پاس چلا جائے۔ ہمیں آپ کے معاملہ کی کوئی ضرورت نہیں"۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ جب بنو عامر اپنے گھروں کو واپس آئے۔ ان میں ایک عمر رسیدہ شخص تھا جو اپنی کہنہ سالی کی وجہ سے حج میں شرکت نہ کر سکا۔ جب بنو عامر اس کے پاس گئے تو اس نے ان سے متفرق سوالات کئے۔ انہوں نے کہا "قریش میں سے بنو عبد المطلب میں سے ایک جوان ہمارے پاس آیا۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ نبی ہے اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اس کا دفاع کریں۔ اس کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوں اور اسے اپنے شہروں کی طرف لے جائیں" یہ سن کر اس بوڑھے نے اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔ اس نے کہا "بنو عامر! کیا اس نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے؟ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں فلاں کی جاں ہے۔ بنو اسماعیل میں سے کسی ایک نے بھی نبوت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ حق ہے۔ اس وقت تمہاری عقل کہاں چرنے گئی تھی؟"

امام واقدی نے روایت کیا ہے کہ حضور داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو عبس، بنو سلیم، بنو محارب، بنو فزارہ، بنو مرہ، بنو نصر اور بنو عذرہ الحضارمہ کے ہاں بھی تشریف لے گئے۔ مگر انہوں نے آپ کی تبلیغ کا سخت جواب دیا۔ انہوں نے کہا "آپ کا خاندان اور قبیلہ دیگر لوگوں سے زیادہ آپ سے آگاہ ہیں۔ انہوں نے آپ کی اتباع نہیں کی"۔ بنو حنیفہ نے سب سے تلخ ترین جواب دیا۔ اس سے مراد اہل یمامہ ہیں۔ مسیلمہ کذاب کی قوم یہی تھی۔ اس لئے حدیث مبارک میں ہے کہ قبائل میں سے شریر ترین بنو حنیفہ ہیں۔ یہ قبیلہ اپنی ماں حنیفہ کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ اس کے پاؤں میں ٹیڑھا پن تھا اس لئے اسے حنیفہ کہا جاتا تھا۔ اس طرح بنو ثقیف نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلخ جواب دیا۔ اسی لئے روایت میں ہے کہ اہل عرب کے قبائل میں بنو حنیفہ اور بنو ثقیف شریر ترین قبائل ہیں۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرب کی مجالس میں سے ایک مجلس کے پاس گئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے گئے انہوں نے سلام کیا۔ پوچھا: کس قوم کے ساتھ تعلق ہے؟ انہوں نے کہا "بنو ربیعہ کے ساتھ" حضرت ابوبکر صدیق علم نسب میں ماہر تھے۔ انہوں نے فرمایا "کس ربیعہ کے ساتھ تعلق ہے؟ اس کے ھامۃ کے ساتھ یا لھازمہ کے ساتھ" انہوں نے کہا "اس کے ھامۃ العظمیٰ کے ساتھ تعلق ہے" انہوں نے پوچھا "تمہارا تعلق

کس حصہ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے کہا "ہمارا تعلق بڑے حصہ کے ساتھ ہے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیا تم میں کوئی قیمتی چیزوں کی نگہداشت کرنے والا ہے؟ یا پڑوس کی رکھوالی کرنے والا ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں" حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا "کیا تم میں بادشاہوں کو قتل کرنے والا اور ان سے مملکت چھین لینے والا ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا "کیا تم میں سفید کنپٹیوں والا صاحب عمامہ ہے؟" انہوں نے کہا "نہیں" سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا "تم ذہل الاکبر (بڑے حصہ) سے تعلق نہیں رکھتے تمہارا تعلق ذہل الاصغر کے ساتھ ہے" اس وقت ایک نوخیز جوان اٹھا۔ اس نے ان سے کہا "اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے سائل سے اسی طرح سوال کریں۔ جس طرح انہوں نے ہم سے سوالات کئے ہیں۔ اے فلاں! آپ نے ہم سے متفرق سوالات کئے ہیں۔ ہم نے سب کے جوابات عرض کر دیئے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق: "میں قوم قریش سے ہوں" نوجوان: واہ! واہ! اہل شرف اور اہل ریاست والے۔ قریش کے کس قبیلہ سے تعلق ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق: تیم بن مرہ سے" نوجوان نے کہا "اب آپ نے تیر انداز کو تیر اندازی کا درست موقعہ فراہم کر دیا ہے۔ کیا تم میں سے ہی وہ قصی تھا جس نے جمعیت کی شیرازہ بندی کی جسے مجمع کہا جاتا تھا"۔ حضرت ابوبکر صدیق: نہیں" اس نوجوان نے کہا "کیا تم میں سے وہ ہاشم تھا جو اپنی قوم کے لئے ثرید بناتا تھا"۔ حضرت ابوبکر صدیق: نہیں۔ نوجوان: کیا اس شیبۃ الحمد عبدالمطلب کا تعلق تمہارے ساتھ ہے جو آسمان کے پرندوں کو بھی کھلاتا تھا جس کا چہرہ تاریک رات میں ماہ تمام کی مانند ضوفشاں تھا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں" انہوں نے اپنی اونٹنی کی نکیل تھامی اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی جسے سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ اس وقت حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "لگتا ہے کہ آپ عرب کے ذہین لوگوں کے پاس گئے تھے"۔ انہوں نے کہا "ہاں! ابوالحسن! ہر مصیبت کے اوپر ایک مصیبت ہوتی ہے۔ آزمائش کا تعلق گفتگو کے ساتھ ہے" جب اعرابی نے قصی، ہاشم اور عبدالمطلب کا ذکر کیا تو اس نے کہا "تمہارا قبیلہ ان اشراف پر مشتمل نہیں جس طرح کہ ہمارا قبیلہ ان سرداروں پر مشتمل نہیں۔ ایک کے بدلہ میں ایک"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو شیبان بن ثعلبہ کی ایک جماعت سے ملے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے سوال کیا۔ ان سے پوچھا "کس قوم کے ساتھ تعلق ہے؟ انہوں نے عرض کی "شیبان بن ثعلبہ کے ساتھ" پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! یہ اپنی قوم کے سردار ہیں۔ ان میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنی بن حارثہ اور نعمان بن شریک جیسے سردار موجود ہیں" مفروق حسن و جمال اور فصاحت و بلاغت میں سب سے فائق تھا۔ اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں۔ جو اس کے سینے پر لٹک رہی تھیں۔ یہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے قریب تھا۔ انہوں نے ان سے پوچھا "تمہاری تعداد کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی "ہماری تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ ایک ہزار کبھی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے"۔ حضرت ابوبکر صدیق! تمہارے تحفظ کا انداز کیا ہے؟ انہوں نے کہا "کوشش کرنا ہمارا کام ہے پھر

ہر ایک کی قسمت اس کے ساتھ ہوتی ہے" حضرت صدیق اکبر: تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے مابین جنگ کیسے ہوتی ہے؟ مفروق نے کہا" حالت جنگ میں اگر ہم ناراض ہوں تو ہم شدید ہوتے ہیں۔ ہم عمدہ گھوڑوں کو اولاد پر ترجیح دیتے ہیں ہتھیاروں کو اونٹوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ نصرت اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کبھی ہمیں غلبہ ہوتا ہے اور کبھی ہم مغلوب ہو جاتے ہیں۔ شاید آپ کا تعلق قریش کے ساتھ ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق: کیا تمہیں خبر ملی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول معظم مبعوث ہو چکے ہیں۔ وہ رسول محترم یہ ہستی والا ہیں"۔ مفروق نے کہا" ہم نے ان کے متعلق سنا ہے۔ قریشی بھائی! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ آگے تشریف لائے اور فرمایا" میں اس بات کی شہادت کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں تم مجھے پناہ دو۔ میری مدد کرو۔ قریش نے اللہ تعالیٰ کے امر کے خلاف مدد کی ہے۔ انہوں نے اس کے رسول کو جھٹلایا ہے وہ باطل کی وجہ سے حق سے مستغنی ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے"۔ مفروق نے پوچھا" قریشی بھائی! آپ کس کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ان آیات طیبات کی تلاوت فرمائی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانعام)

" آپ فرمائیے! آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمہارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے۔ ہم رزق دیتے ہیں تمہیں بھی۔ اور انہیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے۔ جو ظاہر ہوں ان سے اور جو چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام قرار دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے جن کا تا کہ تم (حقیقت کو) سمجھو"۔

مفروق نے اثر آفرین کلام سن کر کہا" قریشی بھائی! آپ عمدہ اوصاف اور اچھے خصائل کی طرف دعوت دیتے ہیں! بخدا آپ کو جھٹلانے والی قوم بڑی احمق ہے۔ آپ کے خلاف مدد کرنے والے بے وقوف ہیں۔ مفروق اپنی گفتگو میں ہانی بن قبیصہ کو بھی شریک کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا" یہ ہانی ہیں یہ ہمارے بزرگ ہیں۔ یہ ہمارے دین کے علمبردار ہیں"۔ ہانی نے کہا" قریشی بھائی میں نے آپ کی گفتگو سنی ہے۔ میرے خیال میں ایک ہی ملاقات میں ہمارا اپنے دین کو ترک کرنا اور آپ کے دین کو اختیار کرنا ایک لغزش ہوگی۔ ہم نے ابھی تک انجام میں غور و فکر نہیں کیا۔ جلد بازی میں ہمیشہ خطا ہوتی ہے۔ ہم اپنے پیچھے ایک قوم چھوڑ آئے ہیں۔ ہم اس کے بغیر کوئی معاہدہ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ آپ ابھی چلے جائیں۔ ہم بھی چلے جاتے ہیں۔ آپ بھی غور و فکر کر لیں ہم بھی تدبر و تفکر کر لیتے ہیں"۔ ہانی کی خواہش تھی کہ مثنیٰ بھی ان کی گفتگو میں شرکت کریں انہوں نے کہا" یہ مثنیٰ بن حارثہ ہیں۔ یہ ہمارے بزرگ اور سپہ سالار ہیں"۔ مثنیٰ نے کہا" اے میرے قریشی بھائی! ہم نے آپ کی

گفتگو سن لی ہے۔ ہانی کا جواب بالکل درست ہے۔ ایک محفل میں اپنا دین ترک کر دینا دانشمندی نہیں۔ ہم دو پانیوں یمامہ اور سماوہ کے مابین ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "وہ دو پانی کون سے ہیں؟ انہوں نے کہا "ایک طرف کسریٰ کی نہریں جبکہ دوسری طرف عرب کے پانی ہیں۔ جہاں تک انہار کسریٰ کے صاحب کا تعلق ہے تو اس کا گناہ قابل معافی نہیں۔ اس کا عذر قبول نہیں۔ جہاں تک اہل عرب کے پانیوں کا تعلق ہے تو ان کے گناہ قابل معافی اور ان کے عذر مقبول ہیں۔ ہم ایک معاہدہ کے پابند ہیں جو ہم سے کسریٰ نے لیا تھا کہ ہم کسی نئے واقعہ کا ظہور نہیں کریں گے اور نہ ہی ہم کسی نئے واقعہ کو ظاہر کرنے والے کو پناہ دیں گے۔ میری رائے کے مطابق وہ امر جس کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں وہ بادشاہوں کو ناپسند ہے۔ اگر آپ پسند کریں کہ ہم پناہ دیں اور اہل عرب کے پانیوں سے آپ کا تحفظ کریں تو ہم حاضر ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے غلط جواب نہیں دیا۔ تم نے سچ بولا ہے بے شک دین الہٰی کی نصرت وہی کر سکتا ہے جو اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر لے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر کچھ ہی مدت بعد اللہ تعالیٰ تمہیں ان کی زمین اور اموال کا مالک بنا دے اور ان کی خواتین تمہارے قبضہ میں ہو جائیں تو کیا تم اللہ تعالیٰ کی تقدیس و تسبیح بیان کرو گے؟ نعمان بن شریک نے کہا "ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے"۔ پھر مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾ (الاحزاب)

"ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوشخبری بنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف ان کے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا"۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر تشریف لے گئے۔

علامہ حلبی نے لکھا ہے "میں مذکورہ بالا افراد میں سے کسی ایک کے اسلام سے بھی آگاہ نہیں ہوں۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی صحابی ہیں۔ وہ اپنی قوم کے شہ سوار، سردار اور قابل اطاعت تھے شاید یہ وہی مثنیٰ ہوں، ہانی بن قبیصہ نے ان کے متعلق کہا تھا "یہ ہمارے شہ سوار ہیں" میں نے بعض سیرت نگاروں کو دیکھا ہے انہوں نے نعمان بن شریک کو بھی صحابہ میں شمار کیا ہے۔

"اسد الغابہ" میں ہے "مفروق بن عمرو کا شمار صحابہ کرام میں ہوتا ہے"۔ انہوں نے ابو نعیم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ مجھے مفروق کے اسلام کا علم نہیں۔

جب بکر بن وائل کے قبائل حج کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "ان کے پاس جاؤ اور مجھے ان کے سامنے پیش کرو" وہ ان کے قبائل کے پاس گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق انہیں بتایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "تمہاری تعداد کتنی ہے؟" انہوں نے عرض کی "ہم ان گنت ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے دفاع کا انداز کیسا ہے؟ انہوں نے کہا "ہمارا دفاع کچھ بھی نہیں۔ ہم ایران کے پڑوس میں ہیں۔ ہم نہ تو ان پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ نہ ہی ان کے خلاف کسی کو پناہ دیتے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم خود پر رب تعالیٰ کو حکم بناؤ گے۔

اگر اس ذات کریمانہ نے تمہیں باقی رکھا اگر تم ان کے گھر میں فروکش ہو گئے اور تم نے ان کی عورتوں سے نکاح کر لیا اور ان کے بچوں کو غلام بنا لیا تو تم رب تعالیٰ کی تینتیس بار تسبیح کرو گے"۔ انہوں نے پوچھا "آپ کون ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں" پھر ان قبائل کے پاس سے ابولہب گزرا۔ انہوں نے پوچھا "کیا تو اس شخص کو جانتا ہے؟ اس نے کہا "ہاں" انہوں نے بتایا کہ انہیں کس طرح انہوں نے اسلام کی طرف دعوت دی ہے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ ابولہب نے انہیں کہا "اس کی آواز پر لبیک نہ کہنا۔ یہ مجنون ہے" انہوں نے کہا "ہمیں اس وقت اس کا علم ہو گیا تھا جب اس نے ہمارے سامنے ایران کا معاملہ بیان کیا"۔

دوسری روایت کے مطابق جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے عرض کی "آپ ٹھہر جائیں حتیٰ کہ ہمارے بزرگ حارثہ آ جائیں" جب حارثہ آیا تو اس نے کہا "ہمارے اور فارس کے مابین جنگ ہو رہی ہے۔ جب ان کی اور ہماری عداوت ختم ہو جائے گی تو ہم واپس آ جائیں گے اور آپ کے اس پیغام میں غور و فکر کریں گے"۔ جب یہ فارس کے ساتھ جنگ آزما ہوئے تو ان کے بزرگ نے کہا "اس ہستی کا کیا نام تھا جس نے تمہیں دعوت دی تھی" انہوں نے بتایا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)" اس نے کہا "آج تمہاری عزت کے پاسبان وہی ہیں" انہیں فارس پر فتح نصیب ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انہوں نے میرا نام لیا تو انہیں فتح نصیب ہو گئی"۔ حضور اکرم شفیع معظم، مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایام حج میں لوگوں کو تبلیغ فرماتے رہے۔ اپنی ذات والا انہیں پیش کرتے رہے۔ مگر قبائل میں سے کسی نے بھی آپ کو قبول نہ کیا وہ کہتے "کسی شخص کی قوم اس سے سب سے زیادہ آگاہ ہوتی ہے۔ کیا وہ شخص ہماری اصلاح کر سکتا ہے جس نے اپنی قوم کو فساد میں مبتلا کر دیا ہو"۔

انصار کی بلند اقبالی

ابن اسحاق لکھتے ہیں "جب اللہ تعالیٰ نے اپنا دین غالب کرنے کا ارادہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر عزت کا تاج سجانا چاہا اور اپنا وعدہ پورا کرنا چاہا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایام حج میں تبلیغ کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ مستدرک الحاکم میں ہے "ماہ رجب تھا۔ آپ مختلف قبائل کو اپنا آپ پیش کر رہے تھے۔ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کرتے تھے۔ اسی اثناء میں کہ آپ عقبہ کے پاس تھے۔ اس عقبہ کے پاس جمرۃ ہے جسے جمرۃ العقبہ کہا جاتا ہے۔ جو شخص مکہ مکرمہ سے آئے تو یہ گھاٹی اس کے بائیں سمت آتی ہے۔ آج کل اس جگہ ایک مسجد بنا دی گئی ہے جسے مسجد بیعتہ کہتے ہیں۔ اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو خزرج کے ایک گروہ نے ملاقات کی۔ کیونکہ اوس اور خزرج بھی دیگر قبائل کی طرح حج کرتے تھے۔ اس جگہ انصار کے چھ یا آٹھ افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ فرخندہ فال افراد درج ذیل تھے۔ حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن حارثہ بن رفاعہ، انہیں ابن عفراء بھی کہا جاتا تھا، رافع بن مالک بن عجلان، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبداللہ، عبادہ بن صامت، ابوالہیثم بن تیہان"۔

بعض سیرت نگاروں نے حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت ابوالہیثم بن تیہان کا تذکرہ ان افراد میں نہیں کیا۔ حضور

اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا "تم کون ہو؟" انہوں نے عرض کی "ہمارا تعلق بنوخزرج کے ساتھ ہے" آپ نے فرمایا "کیا تم بیٹھ نہیں جاتے۔ میں چند باتیں تم سے کرنا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے عرض کی "ضرور! آپ کون ہیں؟" آپ نے انہیں اپنا نسب بیان کیا اور اپنے متعلق بتایا۔ وہ بیٹھ گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں اس حالت میں پایا کہ وہ اپنے سروں کا حلق کروا رہے تھے۔ پھر آپ نے انہیں اسلام کی طرف بلایا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ انہوں نے آپ کی دعوت حق کو قبول کر لیا۔ قرآن مجید کی تاثیر ان کے دلوں میں اترتی چلی گئی۔ حضور ﷺ انہیں لے کر لوگوں سے دور چلے گئے تاکہ انہیں کوئی دیکھ نہ لے۔ ان کی خبر قریش تک پہنچ گئی۔ آپ انہیں لے کر گھاٹی کے نیچے تشریف لے گئے۔ آج اس جگہ مسجد البیعتہ ایستادہ ہے۔

قدرت الٰہیہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں اوس اور خزرج کے ساتھ یہودیوں کا بسیرا تھا۔ یہودی اہل کتاب تھے۔ جبکہ اوس اور خزرج بت پرست تھے۔ جب ان کے مابین عداوت کے شعلے بڑھکتے تو یہودی ان سے کہتے "ایک نبی کریم ﷺ عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ ہم ان کی اتباع کریں گے اور ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے"۔ یہودی آپ کے اوصاف بھی بیان کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ نے ان سے بات چیت کی۔ انہوں نے آپ میں وہ اوصاف حمیدہ دیکھے جو وہ یہود سے سنا کرتے تھے۔ انہوں نے وہ سارے شمائل آپ میں پا لئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "آپ کی اتباع کرنے میں جلدی کرو۔ یہود تم سے سبقت نہ لے جائیں"۔

دوسری روایت میں ہے "جب انہوں نے آپ کا دلنشین کلام سنا تو انہیں دولت یقین نصیب ہوئی۔ ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا۔ انہوں نے وہ اوصاف دیکھ لئے جو آپ کے متعلق سنا کرتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ صدق و وفاء کی علامات آپ پر تاباں تھیں۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "اے قوم! بخدا! تم نے جان لیا ہے کہ یہ وہی نبی کریم ﷺ ہیں جن سے یہود تمہیں ڈراتے تھے۔ یہودی تم سے سبقت نہ لے جائیں"۔ انہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ آپ کی تصدیق کی۔ اور اسلام قبول کر لینے کے شرف ابدی سے نوازے گئے۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا "تم میری حفاظت کرو حتیٰ کہ میں اپنے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچا دوں"۔ وہ عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم اپنے پیچھے اپنی قوم (اوس اور خزرج) چھوڑ آئے ہیں۔ ان کے مابین دشمنی اور عداوت ہے۔ اگر رب تعالیٰ نے آپ کی برکت سے انہیں جمع کر دیا تو کوئی شخص ہمیں آپ سے معزز نہ رہے گا"۔

اوس اور خزرج کے مابین عداوت کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اوس اور خزرج دونوں سگے بھائی تھے۔ ان کے مابین عداوت بھڑک اٹھی۔ یہ جنگ ایک سو بیس سال تک ہوتی رہی۔ ایک اور روایت میں ہے۔ ان افراد نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی "ہمارے مابین جنگ بعاث ہو چکی ہے"۔ اس جنگ میں فریقین کے سردار کام آئے۔ اور ان کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی "اگر آپ ہمارے پاس آ گئے ہم اسی طرح منتشر رہے تو ہمارا آپ پر اجتماع نہیں ہو سکے گا۔ آپ ہمیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ ہم اپنے قبائل کے پاس جائیں شاید رب تعالیٰ ہماری اصلاح فرما دے اور ہم آپ کی دعوت حق کی

طرف بلائیں۔ امید ہے کہ رب تعالیٰ انہیں اکٹھا کر دے گا۔ اگر وہ ایک پر جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ کی اتباع کر لی پھر ہمیں آپ سے عزیز کوئی نہ ہو گا۔ آئندہ سال آپ سے پھر ملاقات ہو گی"۔

بیعت عقبہ ثانیہ

یہ بلند اقبال افراد مدینہ منورہ لوٹ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات پر رضامندی کا اظہار فرمایا۔ یہ انصار کے اسلام کی ابتداء تھی۔ جب یہ مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک پھیل گیا۔ انصار کے گھر گھر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہونے لگا۔ آئندہ سال انصار کے بارہ افراد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت ازلی حاصل کی۔ اسے عقبہ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان میں وہ پانچ افراد شامل تھے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ حضرات ابو امامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن عفراء، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر، عقبہ بن عامر۔ دیگر سات افراد یہ تھے۔ معاذ بن حارث، ذکوان بن عبد قیس، عبادہ بن صامت، ابو عبدالرحمٰن یزید بن ثعلبہ، ابوالہیثم بن تیہان، عویم بن ساعدہ، عباس بن نضلہ رضی اللہ عنہم۔ یہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ انہوں نے بھی ہجرت کی۔ یہ انصاری مہاجر تھے۔ غزوۂ احد میں انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ روایت ہے کہ جب بیعت عقبہ ثانیہ میں وہ صحابہ کرام جمع ہوئے۔ تو مذکور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے قوم! تم ہر سرخ اور سیاہ سے جنگ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم تھام رہے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ جب جنگ تمہیں لاغر کر دے تو تم انہیں دشمن کے سپرد کر دو گے تو ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔ اگر تم جنگ کی مصیبتوں پر صبر کر سکتے ہو تو ان کا دامن کرم تھام لو"۔ بعض انصار نے کہا "بخدا! حضرت عباس نے یہ بات صرف اس عہد کو مستحکم کرنے کے لئے کی تھی"۔ مذکور بالا طالع ارجمند افراد کا تعلق خزرج سے تھا۔ مگر حضرات ہیثم بن تیہان اور عویم بن ساعدہ کا تعلق اوس سے تھا۔ ان سب نے دولت اسلام سمیٹ لی۔ حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کر لی۔ جس طرح کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے بھی عقبہ کی بیعت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہم بارہ افراد تھے ہم نے ان امور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی کہ ہم رب تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، ہم چوری نہیں کریں گے۔ ہم بدکاری نہیں کریں گے۔ نہ ہی اپنی اولاد کو قتل کریں گے نہ ہی ایسا بہتان لگائیں گے جسے ہم نے اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کے سامنے گھڑا ہو گا۔ بھلائی کے امور میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ تنگی اور فراخی میں آپ کا فرمان بغور سنیں گے اور سر اطاعت خم کریں گے۔ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے۔ اور رب تعالیٰ کے بارے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہیں کریں گے"۔

اس بیعت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم نے وفاء کی تو تمہیں جنت ملے گی۔ اگر کسی نے ان شرائط میں سے کسی کو پورا نہ کیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے تو اسے عذاب دے۔ چاہے تو اسے معاف کر دے"۔

اس وقت جہاد فرض نہ تھا۔ اس لئے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ نہ کیا۔ نہ ہی جہاد پر ان صحابہ کرام سے بیعت

لی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بیعت عقبہ ثانیہ پناہ اور نصرت اور ان امور کے لئے تھی جو ان کے متعلق تھے۔ بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ بیعت عام الفتح کو بھی ہوئی تھی۔ ممکن ہے اس طرح کی بیعت کئی بار رونما ہوئی ہو۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے جس سے تم اپنی خواتین اور بچوں کا دفاع کرتے ہو"۔ انصار نے اس شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی۔ نیز یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام ان کے ہاں جلوہ افروز ہوں گے۔ جب انصار واپس اپنے شہر خوباں لوٹ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کا نام عمرو یا عبداللہ تھا۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ تھا۔ یہ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا۔ یہ انصار کو قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو پہلے بھیجا جب انہوں نے آپ کے پاس معاذ بن عفراء اور رافع بن مالک رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ انصار نے عرض کی "آپ ہمارے پاس ایک ایسا شخص بھیج دیں جو ہمیں دین متین سکھائے اور لوگوں کو کتاب الٰہی کی طرف دعوت دے"۔

ایک اور روایت میں ہے "انہوں نے تحریری طور پر یہ گزارش کی"۔ ممکن ہے انہوں نے دونوں طرح گزارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہیں وہاں مقری کہا جاتا تھا اس کے بعد حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں فروکش ہوئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اوس اور خزرج کو امامت کرواتے تھے۔ کیونکہ پہلے ان کے مابین عداوت تھی۔ وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو امامت کرائے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے انہیں جمعہ پڑھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ کے لئے مکہ مکرمہ میں نماز جمعہ کا اہتمام مشکل تھا۔ لہٰذا آپ نے مدینہ منورہ میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا حکم دے دیا۔ پہلے چالیس افراد نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ مشہور یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے انہیں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ پڑھائی۔ اس روایت میں کوئی مخالفت نہیں۔ کیونکہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ہی فروکش تھے۔ وہ ان کے اس امر میں معاون تھے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے لئے نماز جمعہ پڑھانا ممکن نہ ہوتا۔ خطیب اور امام حضرت مصعب رضی اللہ عنہ ہی تھے اس لئے نماز جمعہ کی ادائیگی کی نسبت کبھی ان کی طرف اور کبھی حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی گئی۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے نماز جمعہ کی ادائیگی صرف اپنے اجتہاد سے شروع کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم نہیں دیا تھا۔ مگر یہ خطاء ہے جو کہ مردود ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ مکتوب گرامی لکھوایا۔

"امابعد! اس دن میں غور و فکر کرو جو ہفتہ کے ساتھ ملا ہوا ہے ہفتہ کو یہودی زبور پڑھتے ہیں۔ اس معین دن اپنے مرد اور خواتین جمع کرو۔ جب سورج نصف سے ڈھل جائے تو دو رکعتیں پڑھ کر رب تعالیٰ کا قرب حاصل کیا کرو"۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے انصار کو زوال کے وقت جمعہ پڑھایا۔ حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کو رشک ارم بنانے کے لئے تشریف لے آئے۔ بہت سی مخلوق نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ پہلے ان کا رویہ سخت تھا قریب تھا کہ وہ انہیں شہید کر دیتے۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں ان کے ذریعے ہدایت دی۔

حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر کا قبول اسلام

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر باہر آئے وہ بنو عبد الاشہل اور بنو ظفر کے پاس جانا چاہتے تھے۔ حضرت سعد بن معاذ حضرت اسعد بن زرارہ کے خالہ زاد تھے۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو بنو ظفر کے ایک باغ میں لے گئے۔ یہ دونوں بئر مرق پر تشریف لائے۔ مسلمان ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ حضرت سعد اور حضرت اسید بنو عبد الاشہل کے سرداروں میں سے تھے۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب انہوں نے حضرت مصعب کے متعلق سنا تو سعد نے اسید سے کہا "تیرا باپ تجھے روئے۔ ان دونوں کے پاس جاؤ۔ جو ہماری حویلی میں آئے ہیں تاکہ وہ ہمارے کمزور لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔ انہیں خوب ڈانٹو۔ انہیں منع کرو کہ وہ دوبارہ اس طرف آنے کی جرأت نہ کریں۔ اگر اسعد میرے رشتہ دار نہ ہوتے تو میں انہیں کافی ہو جاتا۔ وہ میرے خالہ زاد ہیں۔ میں ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا" حضرت اسید نے اپنا نیزہ لیا اور حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما کی طرف چل پڑے۔ جب حضرت اسعد نے انہیں آتے دیکھا تو انہوں نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا "آپ کے پاس قوم کا سردار آ رہا ہے۔ اس سے ذات باری تعالیٰ کے متعلق سچ کہنا" حضرت مصعب نے فرمایا "اگر وہ بیٹھ گیا تو میں اس سے بات کروں گا"۔ حضرت اسید ان کے پاس آئے اور انہیں سب وشتم کرنے لگے۔ انہوں نے کہا "کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو تاکہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بناؤ۔ اگر تمہیں اپنی جانوں کی ضرورت ہے تو فوراً یہاں سے چلے جاؤ"۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ذرا بیٹھیں۔ چند باتیں تو سنیں۔ اگر کچھ پسند آئے تو قبول کر لینا اگر پسند نہ آئے تو اسے رد کر دینا"۔ حضرت اسید نے کہا "آپ نے انصاف کی بات کی ہے" پھر اپنا برچھا زمین میں گاڑھا اور ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے انہیں اسلام کی تعلیم دی۔ قرآن پاک سنایا۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت اسید کی گفتگو سے پہلے ہی ہم نے ان کے چہرے پر اسلام کا اجالا دیکھ لیا تھا"۔ پھر انہوں نے فرمایا "یہ کلام کتنے حسن و جمال والا ہے۔ جب تم اس دین میں داخل ہونا چاہو تو کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا "غسل کرو، پاکیزگی حاصل کرو، اپنے کپڑے صاف کرو، حق کی گواہی دو پھر نماز ادا کرو" حضرت اسید اٹھے، غسل کیا، پاکیزہ کپڑے زیب تن کئے، دو رکعت نماز ادا کی پھر حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما سے کہا "میرے پیچھے ایک ایسا شخص ہے اگر اس نے تمہاری اتباع کر لی تو پھر اس کی قوم میں سے کوئی ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ میں اسے عنقریب تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اس کا نام سعد بن معاذ ہے" پھر وہ حضرت سعد اور ان کی قوم کے پاس آئے۔ وہ اپنی محفل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب حضرت سعد نے حضرت اسید کو دیکھا تو انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! اسید کا چہرہ وہ نہیں جو یہاں سے لے کر گیا تھا"۔ جب حضرت اسید ان کے پاس آئے تو حضرت

سعد نے پوچھا "تم نے کیا بنایا ہے؟" انہوں نے کہا "میں نے ان دونوں سے گفتگو کی ہے مجھے کوئی خطرہ نظر نہیں آیا۔ میں نے ان دونوں کو منع کر دیا ہے انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو تم پسند کرو گے"۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنو حارثہ حضرت اسعد کو قتل کرنے کے لئے چلے گئے ہیں۔ انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ آپ کا خالہ زاد ہے وہ انہیں قتل کر کے آپ کو اذیت دینا چاہتے ہیں"۔ یہ سن کر حضرت سعد جلدی جلدی کھڑے ہو گئے۔ وہ حضرت اسید رضی اللہ عنہ کی بات سن کر انتہائی غصے میں تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ میں برچھا لیا اور کہا "قسم بخدا! تم نے مجھے کوئی فائدہ نہیں دیا"۔ پھر وہ حضرت اسعد اور حضرت مصعب کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے انہیں دیکھا۔ وہ انتہائی مطمئن اور پر سکون تھے حضرت سعد فوراً سمجھ گئے کہ حضرت اسید کا ارادہ ہے کہ میں بھی ان دونوں کی گفتگو سنوں۔ وہ انہیں سب وشتم کرتے ہوئے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پھر حضرت اسعد کو مخاطب کر کے کہنے لگے "ابو امامہ! اگر میرے اور تمہارے مابین قربت نہ ہوتی تو تم پھر اس کا ارادہ کبھی نہ کر سکتے۔ کیا تم ہمارے گھر میں ہی ہم پر وہ چیز مسلط کرنا چاہتے ہو جسے ہم پسند نہیں کرتے"۔ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی بتا دیا تھا "مصعب! آپ کے پاس وہ سردار آ رہا ہے جسے اس کی قوم کا پورا پورا تعاون حاصل ہے۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم کے دو افراد بھی پیچھے نہیں رہیں گے"۔ حضرت مصعب نے حضرت سعد سے کہا "کیا آپ بیٹھ کر ہماری گفتگو نہیں سنیں گے۔ اگر وہ بات تمہیں پسند آئے اور تمہارا میلان اس جانب ہو تو اسے قبول کر لینا۔ اگر تمہیں پسند نہ آئے تو اسے ترک کر دینا"۔ حضرت سعد نے فرمایا "تم نے سچ کہا ہے" انہوں نے اپنا برچھا ایک طرف گاڑھا اور بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب نے ان پر اسلام پیش کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت کی۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں "ہم نے پہلے ہی ان کے رونق افزاء چہرے سے ان کے ایمان کا اندازہ لگا لیا تھا"۔ حضرت سعد نے پوچھا "جب تم اسلام قبول کرتے ہو اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو تم کیا کرتے ہو؟" انہوں نے کہا "آپ غسل کریں، پاکیزگی حاصل کریں، صاف لباس پہنیں، حق کی گواہی دیں پھر دو رکعت نماز ادا کریں"۔ حضرت سعد اٹھے غسل کیا، صاف کپڑے پہنے، حق کی گواہی دی پھر دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر اپنا برچھا لے کر اپنی قوم کی طرف آنے لگے۔ ان کے ہمراہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ان کی قوم نے انہیں آتے دیکھا تو کہنے لگے "اللہ کی قسم! سعد تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہے جس چہرے کے ساتھ وہ یہاں سے گئے تھے"۔ حضرت سعد اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا "اے بنو عبد الاشہل! تم میں میری حیثیت کیا ہے؟" انہوں نے کہا "تم ہمارے سردار، رائے کے اعتبار سے افضل اور عقل کے اعتبار سے دانا ہو"۔ حضرت سعد نے فرمایا "تمہارے مردوں اور عورتوں سے میرے لئے گفتگو کرنا اس وقت تک حرام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ"۔ حضرت اسعد اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہما نے فرمایا "قسم بخدا! شام تک بنو عبد اشہل کے تمام مرد و خواتین اسلام قبول کر چکے تھے" مگر اصیرم نے اسلام قبول نہ کیا۔ ان کا نام عمرو بن ثابت تھا۔ انہوں نے غزوۂ احد کے روز تک اسلام مؤخر کیا۔ اس روز اسلام قبول کیا اور مرتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ انہوں نے ایک سجدہ بھی نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ اہل جنت میں سے ہیں"۔

پھر حضرت مصعب رضی اللہ عنہ حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کے گھر لوٹ آئے۔ انہی کے پاس ٹھہر کر لوگوں کو اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف دعوت دینے لگے۔ اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ دامن اسلام کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اوس کی ایک جماعت نے اسلام قبول نہ کیا کیونکہ ان میں ابو قیس صیفی بن اسد تھا۔ یہ ان کا شاعر تھا۔ یہ اس کی بات سنتے تھے اور اس کی اطاعت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سچی بات کرتا تھا۔ جاہلیت میں اس نے رہبانیت اختیار کر رکھی تھی۔ یہ کھردرے کپڑے پہنتا تھا اور جنابت سے غسل کرتا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں مسجد بنا رکھی تھی۔ اس نے کہا "میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے معبود کی عبادت کرتا ہوں۔ میرے پاس حائضہ اور جنبی نہ آئے۔ اس نے اسلام قبول نہ کیا حتیٰ کہ حضور اکرم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق گزر گئے۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ یہ عمر رسیدہ تھے۔ ان کے اسلام کی تاخیر کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے اور انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا تو انہیں عبداللہ بن ابی ملا۔ اس نے انہیں اسلام سے متنفر کر دیا۔ ابو قیس نے کہا "میں سارے لوگوں سے آخر میں اسلام قبول کروں گا۔ جب یہ قریب الموت ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف پیغام بھیجا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دو۔ میں اس کے ساتھ درگاہ ربوبیت میں تمہاری شفاعت کروں گا"۔ انہوں نے یہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ پھر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حجاج کے ساتھ مکہ مکرمہ آ گئے۔ اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تابانیوں کے بارے بتایا جسے سن کر آپ بہت مسرور ہوئے۔

بیعت عقبہ ثانیہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "ہم اپنی قوم کے مشرک حاجیوں کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ ہم نے مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ پھر حج کے لئے چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ گھاٹی میں ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔ اس گھاٹی میں آج کل ایک مسجد بنا دی گئی ہے جسے مسجد بیعۃ اور مسجد عقبہ کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ رات کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ وہ سوئے ہوئے کو بیدار نہ کریں۔ غائب کا انتظار نہ کریں"۔ جب ہم حج سے فارغ ہوئے تو وہ رات آ گئی جس کا وعدہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ ہم اپنا معاملہ اپنے مشرک ساتھیوں سے مخفی رکھ رہے تھے۔ ان مشرکین میں ابو جابر عبداللہ بن حرام بھی تھے۔ وہ ہمارے سرداروں میں سے ایک تھے۔ ہم نے ان سے بات چیت کی۔ انہیں کہا "ابو جابر! تم ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہو، ہمارے اشراف میں سے ایک ہو۔ ہمیں خطرہ ہے کہ اگر تم اپنے شرک پر ہی برقرار رہے تو تم کل آگ کا ایندھن بن جاؤ گے"۔ پھر ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ہم نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئے گئے وعدہ کے متعلق بتا دیا۔ وہ بھی عقبہ میں ہمارے ساتھ حاضر ہوئے۔ ہم نے وہ رات اپنی قوم کے ساتھ اپنی اقامت گاہ پر ہی بسر کی۔ جب رات کا ثلث گزر گیا تو ہم اپنے خیموں سے باہر نکل آئے رات پر سکون ہو چکی تھی۔ ہم ایک ایک دو دو افراد چھپ کر نکلتے رہے۔ حتیٰ کہ ہم عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہو گئے۔ ہمارا یہ کارواں 73 مرد اور 2 عورتوں پر مشتمل ہو گیا۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ آپ تشریف لے آئے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ انصار سے قبل ہی وہاں تشریف لا چکے تھے۔ آپ ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ انصار سے قبل وہاں تشریف لے گئے ہوں اور ان کا انتظار کرتے رہے ہوں۔ مگر انصار حاضر نہ ہوئے ہوں تو آپ واپس تشریف لے گئے ہوں۔ پھر جب انصار آ گئے ہوں تو آپ دوبارہ تشریف لے آئے ہوں۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے۔ وہ اس وقت اپنی قوم کے دین پر ہی تھے۔ انہوں نے پسند کیا کہ وہ اپنے محترم بھتیجے کے اس معاملہ میں شرکت کریں اور اس عہد کو پختہ کر دیں۔ یہ روایت اس روایت کے مخالف نہیں جس میں تذکرہ ہے کہ آپ کے ہمراہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کیونکہ حضرت عباس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو گھاٹی کے ایک رستہ پر بطور نگران کھڑا کیا تھا۔ دوسرے رستہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بطور نگران مقرر کیا تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ انصار کی بیعت کے لئے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ جب انصار بیٹھ گئے تو سب سے پہلے گفتگو کا آغاز حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کیا۔ انہوں نے کہا ''اے گروہ خزرج! محمد عربی ﷺ ہم میں کس حیثیت کے مالک ہیں تم خوب جانتے ہو۔ ہم نے ان کا تحفظ بھرپور کیا ہے۔ ہمارے اس تحفظ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آپ کے متعلق رائے میں ہم سے متفق نہ تھے۔ یہ اپنی قوم کے معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ یہ تمہارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ وہ تم سے ہی ملنا چاہتے ہیں۔ اگر تم محسوس کرتے ہو کہ تم ان سے کئے گئے عہد کو نبھا سکو گے۔ مخالفین سے آپ کا تحفظ کر سکو گے تو پھر یہ بار گراں تمہیں مبارک ہو۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ تم انہیں ہجرت کے بعد دشمن کے سپرد کر دو گے اور انہیں رسواء کرو گے تو پھر ابھی سے ہی انہیں چھوڑ دو۔ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں محفوظ و مکرم ہیں''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''بخدا! اگر ہمارے دلوں میں اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا جو ہماری زبانوں پر ہے تو ہم وہی کہہ دیتے۔ بلکہ ہم تو صدق اور وفاء کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم اپنی جانیں حضور ﷺ پر قربان کرنا چاہتے ہیں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے فرمایا ''محمد عربی ﷺ ساری دنیا کو چھوڑ کر تمہارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔ اگر تم قوت و شوکت کے مالک ہو، جنگ کے دھنی ہو۔ سارے عرب کے ساتھ جنگ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہو تو اپنی رائے پر غور و فکر کر لو۔ آپس میں مشورہ کر لو۔ سارا عرب یکجا ہو کر تم پر حملہ آور ہو گا''۔

جب حضرت عباس نے اپنی گفتگو مکمل کر لی تو انصار نے عرض کی ''ہم نے آپ کی بات سن لی ہے۔ یا رسول اللہ! اب آپ ارشاد فرمائیں آپ اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے کیا چاہتے ہیں؟'' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میرے رب تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور میرے لئے یہ ہے کہ تم میرا اس چیز سے تحفظ کرو جس سے تم اپنی جانوں اور بیٹوں سے تحفظ کرتے ہو''۔ حضرت ابن رواحہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! پھر ہمارے لئے کیا ہو گا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر تمہارے لئے جنت ہو گی''۔ انہوں نے کہا ''یہ بڑا سود مند سودا ہے۔ ہم یہ سودا نہ ختم کریں گے نہ ہی کسی کو ختم کرنے کے لئے کہیں گے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ محو گفتگو ہوئے۔ قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔

انہیں اسلام کی ترغیب دی۔ آپ نے فرمایا "میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم ہر اس چیز سے میرا تحفظ کرو گے جس سے تم اپنی خواتین اور اولاد کا دفاع کرتے ہو"۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب انصار نے کہا "ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں" تو آپ ﷺ نے فرمایا "تم اس شرط پر میری بیعت کرو کہ تم ہر حالت میں میرا فرمان غور سے سنو گے پھر اس پر عمل پیرا ہو جاؤ گے تنگی اور خوش حالی میں میرا دفاع کرو گے۔ نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے۔ نیز یہ کہ راہ خدا میں تمہیں کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ ہوگا۔ تم میری مدد کرو گے۔ میرا دفاع کرو گے۔ جب تم میرا دفاع ہر اس چیز سے کرو گے جس سے تم اپنی جانو، بیویوں اور بیٹوں کا دفاع کرتے ہو تو تمہارے لئے جنت ہوگی"۔

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست ہدایت بخش تھام لیا اور عرض کی "اللہ کی قسم! ہم ہر اس چیز سے آپ کا دفاع کریں گے جس سے اپنی خواتین اور جانوں کا دفاع کرتے ہیں۔ بخدا! ہم جنگی امور کے ماہر ہیں ہمارے پاس اسلحہ کی فراوانی ہے۔ ہم نسل در نسل اس کے وارث بنتے آرہے ہیں"۔ حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے عرض کی "ہم مال کی مصیبت اور سرداروں کے قتل کے وقت آپ کو ہی ترجیح دیں گے"۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اپنی آواز آہستہ رکھو۔ ہم پر جاسوس مقرر ہیں"۔ حضرت ابوالہیثم نے عرض کی "یارسول اللہ! ہمارے اور یہود کے مابین معاہدے ہیں۔ ہم انہیں توڑ دیں گے۔ کیا ایسا تو نہ ہوگا کہ جب ہم یہ کام کر دیں پھر رب تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرما دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس آجائیں"۔ حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے اور فرمایا "تمہاری پناہ میری پناہ اور تمہاری حرمت میری حرمت ہوگی۔ میں تم سے اور تم مجھ سے ہو۔ میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم جنگ کرو گے اور اس کے ساتھ صلح کروں گا جس سے تم صلح کرو گے"۔

اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم پر اللہ تعالیٰ کا ذمہ تمہارے ذمہ کے ساتھ ہے۔ جس طرح کہ تم نے ذکر کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا عہد تمہارے عہد کے ساتھ اس حرمت والے مہینہ میں اور حرمت والے شہر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا دست اقدس تمہارے ہاتھوں کے اوپر ہے تم ضرور! ضرور آپ کی نصرت کرو گے۔ آپ کو ضرور تقویت دو گے"۔ انصار نے عرض کی "ضرور" پھر حضرت عباس نے یہ دعا مانگی "مولا! تو سب کچھ دیکھنے والا اور سننے والا ہے میرے محترم بھتیجے نے انصار کیساتھ اپنی حفاظت اور نگہبانی کا عہد لیا ہے۔ اے اللہ! میرے بھتیجے کا گواہ بن جا"۔

بارہ نقیب

آپ نے فرمایا "میرے لئے بارہ نقیب مقرر کرو۔ جو اپنی قوم کا اس وقت فیصلہ کریں گے جب ان میں اختلاف رونما ہو گا" انہوں نے نو نقیب خزرج میں سے اور تین نقیب اوس میں سے مقرر کئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا "حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے بنو اسرائیل میں سے بارہ نقیب مقرر کئے۔ اگر میں کسی کو چھوڑ کر کسی اور کو نقیب مقرر کروں تو کسی کے دل میں کوئی وسوسہ نہ آئے۔ یہ نقیب حضرت جبرائیل امین مقرر کر رہے ہیں" یعنی وہ وہاں موجود تھے اور انہوں نے نقیب مقرر فرمائے۔ یہ نقیب درج ذیل تھے "حضرات سعد بن عبادہ، اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، سعد بن خیثمہ، منذر بن عمرو، عبداللہ بن رواحہ، براء بن معرور، ابوالہیثم بن تیہان، اسید بن حضیر، عبداللہ بن عمرو، عبادہ بن صامت اور رافع

بن مالک رضی اللہ عنہم۔ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص بطور نقیب مقرر کیا گیا۔ پھر آپ نے فرمایا "یہ نقباء ہیں۔ تم اپنے لوگوں پر اسی طرح کفیل ہو جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کفالت کرتے تھے۔ میں مہاجرین پر کفیل ہوں"۔

دوسرے قول کے مطابق جس ذات نے گفتگو کی اور اس عہد کو پختہ کیا وہ حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت تھی۔ انہوں نے فرمایا "اے بنوخزرج! کیا تم جانتے ہو کہ اس ہستی والا کی بیعت کس چیز پر کر رہے ہو؟ تم اس امر پر بیعت کر رہے ہو سارے سرخ اور کالے لوگوں سے جنگ کرو گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت مدینہ کے بعد جہاد کا اذن ملا۔ اس سے قبل آپ کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے، اذیتوں پر صبر کرنے اور جاہل سے درگزر کرنے کا حکم تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اس عہد کو محکم کیا۔ وہ انصار میں سے سب سے چھوٹے تھے۔ ان اقوال میں کوئی مخالفت نہیں۔ کیونکہ ان سرداروں میں سے ہر سردار نے ایسی بات کی جس سے بیعت کو تقویت ملتی تھی۔ پھر سب نے اتفاق کر لیا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر ہم نے وفاء کی تو ہمیں کیا ملے گا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت" انصار نے عرض کی "آپ اپنا دست ہدایت بخش آگے بڑھائیں۔ ہم راضی ہیں" وہ آپ کی بیعت سے شرف یاب ہوئے، سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے بیعت کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت اسعد بن زرارہ نے اور تیسرے قول کے مطابق حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے یہ سعادت کبریٰ حاصل کی۔ پھر دیگر ستر خوش نصیب افراد اور دو خواتین نے یہ شرف حاصل کیا۔ آپ نے بغیر مصافحہ کے ان خواتین کو بیعت فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواتین سے مصافحہ نہیں کرتے تھے۔ آپ ان سے عہد لیتے تھے۔ جب وہ اقرار کر لیتیں تو آپ ان سے فرماتے "جاؤ میں نے تمہیں بیعت کر لیا ہے" یہ بیعت درحقیقت عرب و عجم کے خلاف اعلان جنگ تھا۔ مذکورہ بالا تین افراد نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی۔ ان سے قبل کسی نے آپ کی بیعت نہ کی۔ اس صورت میں ان کی اولیت حقیقی اور اضافی ہوگی۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں انہی امور پر آپ کی بیعت کرتا ہوں جن امور پر بنو اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی بیعت کی تھی"۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں ان امور پر آپ کی بیعت کرتا ہوں جن پر حواریوں نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی بیعت کی تھی"۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں اللہ رب العزت اور آپ کی اس امر پر بیعت کرتا ہوں کہ میں اپنے عہد کو پورا کروں گا۔ ہمیشہ سچ بولوں گا اور آپ کی نصرت کروں گا"۔ حضرت نعمان بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں اللہ تعالیٰ کے امر میں پیش قدمی پر بیعت کرتا ہوں۔ میں اس میں قریب و بعید کے ساتھ رافت و رحمت سے پیش نہیں آؤں گا"۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ راہ خدا میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کروں گا"۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں اللہ تعالیٰ اور آپ کی بیعت اس شرط پر کرتا ہوں کہ میں کبھی بھی آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی جھوٹ بولوں گا"۔

شیطان اور بیعت عقبہ

جب بیعت عقبہ ثالثہ مکمل ہوئی تو شیطان عقبہ کی چوٹی سے باآواز بلند چلایا۔ اس نے کہا ''اے اہل حباحب! کیا تمہیں مذمم اور صابیوں کے بارے علم ہے کہ وہ تمہارے خلاف جنگ لڑنے کے لئے جمع ہو چکے ہیں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ عقبہ کا شیطان ہے یہ ازب کا بیٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن سن لے۔ قسم بخدا! میں تیرے لئے ضرور فارغ ہوں گا''۔ یہ سن کر وہ شیطان بھاگ گیا۔ حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا ''اپنی اپنی اقامت گاہوں میں چلے جاؤ'' دوسری روایت کے مطابق جب عقبہ میں انصار آپ کی بیعت کر چکے تو پہاڑ کی چوٹی پر شیطان نے باآواز بلند پکارا ''اے گروہ قریش! یہ بنو اوس اور بنو خزرج ہیں۔ انہوں نے تمہارے خلاف جنگ کرنے کا عہد کر لیا ہے'' یہ آواز سن کر انصار گھبرا گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''یہ آواز تمہیں پریشان نہ کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابلیس کی آواز ہے۔ اسے ان میں سے کوئی بھی نہیں سن رہا جن سے تم خدشہ محسوس کر رہے ہو۔ ازب اور ابلیس کی آواز جمع ہو جانے میں کوئی مانع نہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ کے دشمن ابلیس سے مراد عقبہ کا شیطان ہی ہو۔ کیونکہ وہ بھی ابلیسوں میں سے تھا اور دونوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہوں۔ اس بیعت کے وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بھی حاضر ہوئے تھے۔ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب انصار بیعت سے فارغ ہو گئے تو میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! میں ایک شخص کو دیکھ رہا ہوں جس نے سفید کپڑے پہن رکھے ہیں۔ وہ آپ کے دائیں طرف کھڑا ہے'' حضور نے پوچھا ''کیا تم اسے دیکھ رہے ہو؟ میں نے عرض کی ''ہاں'' آپ نے فرمایا ''وہ جبرائیل امین ہیں''۔

بیعت عقبہ کے متعلق قریش کو خبر

دوسری روایت میں ہے کہ اس آواز کو قریش وغیرہ سب نے سن لیا؟؟ کتاب الشریعۃ'' میں ہے کہ جب شیطان نے یہ صدا لگائی تو اس نے منبہ بن حجاج کی آواز میں پکارا۔ عمرو بن عاص نے کہا ''ہمارے پاس ابوجہل آیا۔ پھر میں اور ابوجہل عقبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور اسے منبہ بن حجاج کی آواز کے بارے بتایا۔ مگر اسے اس طرح گھبراہٹ نہ ہوئی جس طرح ہم گھبرائے تھے۔ اس نے کہا'' کیا منبہ بذات خود تمہارے پاس آیا ہے اور اس نے تمہیں اس واقعہ کی خبر دی ہے'' ہم نے کہا ''شاید وہ ابلیس کذاب ہو'' ابوجہل اور عمرو بن عاص کے اس آواز کو سننے اور آپ کے اس فرمان میں کوئی اختلاف نہیں ''یہ آواز ان لوگوں نے نہیں سنی جن سے تم خطرہ محسوس کر رہے ہو''۔ کیونکہ ان دونوں کے سن لینے سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ پھر یہ خبر عام پھیل گئی۔ قریش کے سردار اور چیدہ چیدہ افراد آ گئے وہ انصار کی گھاٹی میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے کہا ''اے گروہ اوس اور خزرج! ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تم ہمارے صاحب کے پاس آئے ہو تا کہ انہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤ، اور تم نے ہمارے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے ان کی بیعت بھی کر لی ہے۔ بخدا! ہمیں اس سے بڑھ کر اور کوئی بات پسندیدہ نہیں کہ ہمارے اور تمہارے مابین جنگ ہو''۔ اوس اور خزرج کے مشرکین قسمیں اٹھانے لگے کہ اس طرح کا واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ ان میں سے ہر ایک قریش سے کہتا ''میری قوم

اتنا عظیم واقعہ مجھ سے کیسے چھپا سکتی تھی۔ اگر میں یثرب میں بھی ہوتا تو میری قوم اس طرح کا واقعہ ظاہر کرنے سے قبل مجھ سے ضرور مشورہ کر لیتی''۔ ان مشرکین نے سچ ہی کہا تھا کیونکہ انہیں اس بیعت کا علم نہ تھا۔ بہت سے لوگ منیٰ میں گئے قریش نے انصار کے اس واقعہ کے متعلق جستجو کی تو انہوں نے اسے سچ پایا۔ پھر انہوں نے انصار کا تعاقب کیا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی اسیری اور نجات

قریش نے انصار کا تعاقب کیا تو انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت منذر بن عمرو کو پا لیا۔ انہوں نے حضرت سعد کو گرفتار کر لیا اور اذیت دی۔ البتہ حضرت منذر رضی اللہ عنہ بھاگ گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا تو انہوں نے میرے ہاتھ میری گردن کے ساتھ باندھ دیئے۔ وہ میرے چہرے پر مارتے رہے اور مجھے کھینچتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے مجھے مکہ مکرمہ میں داخل کر دیا۔ وہ مجھے ایک شخص کے پاس لے گئے وہ ابوالبختری بن ہشام تھا۔ وہ حالت کفر میں مرا۔ اس نے کہا ''کیا تمہارے مابین اور قریش کے کسی فرد کے مابین پناہ اور عہد نہیں'' میں نے کہا ''کیوں نہیں! میں جبیر بن مطعم کو پناہ دیتا تھا اور میرے شہروں میں جو اس پر ظلم کرتا تھا میں اسے روکتا تھا۔ اس طرح میں حارث بن حرب کو بھی پناہ دیتا تھا۔ اس شخص نے کہا ''ان دونوں افراد کو باآواز بلند پکارو'' میں نے اسی طرح کیا۔ وہ شخص ان دونوں کے پاس گیا۔ اس نے کہا ''بنو خزرج میں سے ایک شخص کی ابطح میں پٹائی ہو رہی ہے۔ وہ باآواز بلند تمہارا نام پکار رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا ''وہ مضروب کون ہے؟'' اس نے بتایا ''وہ سعد بن عبادہ ہیں'' وہ دونوں آئے اور انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس ستم پیشہ لوگوں سے نجات دی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اسی اثناء میں کہ مشرک قوم مجھے مار رہی تھی۔ ایک خوبصورت، وجیہ اور وضیء شخص ان کے پاس آیا۔ میں نے دل میں کہا ''اگر اس قوم میں سے کسی کے پاس بھلائی ہو سکتی ہے تو وہ یہ شخص ہے'' جب وہ میرے پاس پہنچا تو اس نے ہاتھ اٹھایا اور مجھے زوردار تھپڑ رسید کیا۔ میں نے کہا ''بخدا! اس کے بعد ان میں کوئی بھلائی نہیں ہے''۔ یہ شخص سہیل بن عمرو تھا۔ بعد میں اسے اسلام لانے کی توفیق ارزانی ہوئی۔

حضرت عمرو بن جموح اور ان کا بت

انصار رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ گئے تو انہوں نے اسلام کا کھل کر اظہار کیا۔ اس بیعت سے قبل ہی اسلام ان میں پھیل چکا تھا۔ حضرت عمرو بنو سلمہ کے سرداروں میں سے تھے۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کے لخت جگر حضرت معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ دولت ایمان سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ عمرو کے گھر میں لکڑی کا بت تھا۔ اسے ''مناۃ'' کہا جاتا تھا۔ کیونکہ اس کے قریب جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ عمرو اس کی بہت تعظیم بجالاتے تھے۔ ان کی قوم کے وہ جوان جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا جس طرح کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت معاذ بن عمرو وغیرہ۔ رات کے وقت اس بت کے پاس جاتے۔ وہ بت عمرو کے گھر سے نکالتے۔ اسے کسی کنویں میں اوندھا لٹکا دیتے۔ صبح ہوتی تو عمرو کہتے ''تمہارے لئے ہلاکت! رات کے وقت ''مناۃ'' پر ستم کس نے کیا ہے؟ پھر وہ اس کی جستجو میں نکل جاتے۔ اسے تلاش کر لیتے اسے دھو کر لے آتے۔ دوسری رات ان

صحابہ کرام نے "مناۃ" کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ عمرو نے اسے تلاش کیا۔ اسے دھویا خوشبو لگائی۔ پھر ایک تلوار لے کر اس کے گلے میں لٹکا دی۔ پھر کہا "میں نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کرتا ہے؟ اگر تجھ میں ذرا بھی بھلائی ہے تو یہ تلوار تیرے پاس ہے جو تیرے قریب آئے اس کا کچومر نکال کر رکھ دے۔ رات کے وقت یہ بلند اقبال صحابہ کرام اسی بت کے پاس گئے۔ تلوار اس کے گلے سے اتاری۔ پھر ایک مردہ کتا لیا۔ اسے اس بت کے گلے کے ساتھ باندھا۔ پھر اسے بنو سلمہ کے کنوؤں میں سے ایک کنویں کے اندر لٹکا دیا۔ وقت صبح عمرو نے اسے تلاش کیا مگر نہ پایا۔ تلاش بسیار کے بعد اسے اس کنویں میں پایا جب اسے اس رسوا کن حالت میں دیکھا تو ان کی عقل لوٹ آئی اور اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ انہوں نے بہت سے اشعار کہے جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

واللہ لو کنت الھالم تکن انت و کلب وسط بئر فی قرن

بخدا! اگر تو معبود ہوتا تو تیری لاش کتے کے ساتھ بندھی ہوئی کنویں سے نہ ملتی۔

مکہ مکرمہ سے مسلمانوں کو ہجرت کرنے کا حکم

حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ جب قریش کو علم ہوا کہ حضور ﷺ نے ایک ایسی قوم کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے جو جنگ کی رمزوں سے خوب آگاہ ہے تو انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ایسی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر دیا جن میں پہلے نہ ڈالا تھا اذیتوں اور مصیبتوں کی آندھی سخت ہو گئی۔ وہ بعض مسلمانوں کو دین کے بارے فتنہ میں مبتلا کرنے لگے بعض کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کرنے لگے۔ بعض کو مکہ مکرمہ چھوڑ جانے پر مجبور کرنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امر کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ چند ایام بیت گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت نہ فرمائی پھر فرمایا "میں نے تمہاری ہجرت گاہ دیکھی ہے۔ میں نے دو سنگلاخ چٹانوں میں کھجوروں والی زمین کا مشاہدہ کیا ہے۔ میں اگر بلند پہاڑ دیکھ لوں۔ جہاں کھجوروں والی سرزمین ہو تو میں کہوں گا کہ وہ مبارک سرزمین ہے" پھر حضور ﷺ شاداں و فرحاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "مجھے تمہاری ہجرت گاہ سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ وہ زمین یثرب کی ہے"۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ نے فرمایا "جو ہجرت کا ارادہ رکھتا ہو وہ مدینہ طیبہ چلا جائے" صحابہ کرام گروہ در گروہ اس مبارک سرزمین کی طرف جانے لگے"۔

دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ میں نے مکہ مکرمہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کی ہے جہاں نخلستان ہیں۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ تہامہ یا ہجر کی زمین ہے۔ مگر وہ تو سرزمین یثرب ہے"۔ شاید آپ ﷺ حضرت جبرائیل امین کی اس عرض کو بھول گئے تھے جب آپ نے طیبہ میں دو رکعتیں ادا فرمائیں تو انہوں نے عرض کی "آپ نے طیبہ میں نماز پڑھی ہے۔ یہی آپ کی ہجرت گاہ ہے"۔

آپ نے ہجرت سے قبل مہاجرین صحابہ کرام کے مابین بھی رشتہ اخوت قائم فرما دیا تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق، حضرت حمزہ اور حضرت زید بن حارثہ، حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت ابن مسعود، حضرت عبادہ بن حارث اور حضرت سیدنا بلال، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو عبادہ اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہ، حضرت سعید بن زید اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم کو باہم بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔ پھر فرمایا "کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ میں آپ کا بھائی بن جاؤں" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! میں راضی ہوں" آپ نے فرمایا "آپ دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں"۔

ابن تیمیہ نے مہاجرین کے مابین اس مؤاخات کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ رشتہ اخوت مہاجرین اور انصار کے مابین قائم ہوا تھا۔ مہاجرین صحابی کو مہاجر صحابی کے ساتھ رشتہ اخوت میں پرونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ مواخات ایک

دوسرے کے ساتھ رفق اور نرمی پیدا کرنے کے لئے تھی"۔ حافظ ابن حجر نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ نص کا قیاس سے رد ہے۔ مہاجرین کو باہم بھائی بھائی بنانے میں حکمت یہ تھی کہ ان میں سے بعض بعض سے مال اور قبیلہ کے اعتبار سے مضبوط تھے۔ آپ نے اعلیٰ کا ادنیٰ کے ساتھ رشتۂ اخوت قائم کر دیا تا کہ ادنیٰ اعلیٰ کے ساتھ سربلند ہو جائے۔ آپ نے اس مواخات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا کیونکہ بعثت سے قبل اور بعد میں آپ کے کاشانۂ اقدس کے امور وہی بجا لاتے تھے۔ صحیح میں ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نور نظر میری بھتیجی ہے" اس کا سبب یہی مواخات ہی تھا۔

حضرت ابو سلمہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے سب سے قبل مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد تھا۔ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی اور پھوپھو زاد تھے۔ جب یہ حبشہ سے مکہ مکرمہ آئے تو اہل مکہ نے انہیں اذیتوں میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب انہیں انصار کے اسلام کی خبر ملی تو یہ مدینہ طیبہ چلے گئے۔ جب انہوں نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم کیا تو اپنا اونٹ تیار کیا۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنا نور نظر سوار کیا۔ یہ نور چشم ان کی گود میں تھا۔ یہ اس اونٹ کو ہانکتے ہوئے نکلے۔ انہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قوم نے دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا "ابو سلمہ! تم اپنے نفس کے بارے تو ہم پر غالب آ گئے ہو ہم اپنی اس عورت کو تمہارے ساتھ کیوں چھوڑ دیں۔ جو تمہارے ساتھ شہروں میں گھومتی رہے"۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ سے چھین لی۔ پھر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی قوم کے لوگ آ گئے۔ انہوں نے کہا "ہمارا بیٹا ام سلمہ کے پاس ہے۔ انہوں نے ابو سلمہ سے ام سلمہ چھین لی ہے۔ ہم ام سلمہ سے اس کا بیٹا چھین لیتے ہیں"۔ پھر وہ باہم جھگڑنے لگے۔ اس کشمکش میں اس بچے کا ہاتھ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ لوگ ان کا نور نظر بھی چھین کر لے گئے۔ اس طرح حضرت ابو سلمہ، حضرت ام سلمہ اور ان کے نور نظر کے مابین جدائی ڈال دی گئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہر صبح الابطح کی طرف نکل جاتیں۔ روتی رہتیں حتیٰ کہ ایک سال گزر گیا۔ ان کے چچا زادوں میں سے ایک شخص وہاں سے گزرا۔ اسے ان پر ترس آیا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا "کیا تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا۔ تم نے اس کے خاوند اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈال دی ہے"۔ ان کی قوم نے کہا "اپنے خاوند کے پاس چلی جاؤ"۔ جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی قوم تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی ان کا نور نظر واپس کر دیا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اپنا بچہ اپنی گود میں لیا۔ اور مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ان کے ہمراہ کوئی نہ تھا۔ جب وہ تنعیم پہنچیں تو وہ عثمان بن طلحہ سے ملیں۔ اس وقت یہ مشرک تھے۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ جب وہ قباء پہنچے تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا "یہ تمہارے شوہر نامدار ہیں"۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں "میں نے کوئی ایسا رفیق راہ نہیں دیکھا جو عثمان بن طلحہ سے شریف ہو۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا "کہاں کا ارادہ ہے؟" میں نے کہا "اپنے خاوند کے پاس جانے کا" انہوں نے پوچھا "کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟" میں نے کہا "نہیں! اللہ تعالیٰ اور میرے بچے کے علاوہ

میرے ساتھ اور کوئی نہیں"۔ پھر انہوں نے کہا "میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا"۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ میرے ساتھ چلنے لگے۔ جب ہم کسی جگہ فروکش ہوتے وہ اونٹ بٹھاتے پھر ہٹ کر دور کھڑے ہو جاتے۔ جب میں نیچے اتر جاتی تو وہ آتے اور اونٹ کو پکڑ لیتے۔ اسے لے کر دور چلے جاتے۔ اسے کسی درخت کے ساتھ باندھتے پھر کسی دوسرے درخت کے نیچے جا کر خود لیٹ جاتے۔ جب روانگی کا وقت قریب آتا تو وہ اونٹ کے پاس جاتے۔ اس پر کجاوہ رکھتے۔ وہ آگے لے کر آتے پھر دور ہٹ کر کھڑے ہو جاتے پھر مجھے کہتے "سوار ہو جاؤ"۔ جب میں اونٹ پر سوار ہو جاتی۔ تو وہ اس کی نکیل پکڑ لیتے اور اسے ہانکنے لگتے"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ بعض نے لکھا ہے کہ سب سے قبل یہ سعادت عظمیٰ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے حاصل کی۔ ان دونوں اقوال کو جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے سب سے قبل اپنی طبیعت کے مطابق مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی جبکہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق سب سے پہلے ہجرت کی۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے بنو مخزوم میں سے سب سے پہلے ہجرت کی۔ اس لئے بنو مخزوم کے علاوہ ان کے لئے اولیت کی نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ خواتین میں سب سے پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سعادت حاصل کی۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت لیلیٰ بنت ابی حیثمہ نے اور تیسرے قول کے مطابق حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا نے یہ سعادت حاصل کی۔ پھر حضرت بلال، حضرت عمار اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم نے یہ سعادت حاصل کی۔ پھر صحابہ کرام گروہ در گروہ ہجرت کرنے لگے۔ انصار انہیں اپنے اپنے گھر ٹھہرانے لگے۔ ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے لگے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہجرت

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ نے بیس سواروں کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت ہشام بن عاص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ ہجرت کریں گے۔ انہوں نے ایک جگہ کا تعین کیا۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم نے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے انہیں ہجرت سے روک دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں مہاجرین میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے اعلانیہ ہجرت کی ہو سوائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے۔ جب انہوں نے ہجرت کا عزم کیا تو اپنی تلوار حمائل کی۔ اپنی کمان لٹکائی اپنے سامنے تیر سجائے۔ اپنے پہلو میں نیزہ لٹکایا کعبہ مشرفہ کی طرف گئے۔ قریش صحن مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر آئے۔ دو رکعتیں نماز پڑھی پھر مجالس قریش میں سے ہر ہر مجلس میں گئے۔ انہوں نے کہا "چہرے برباد ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ صرف ان چہروں کو خاک آلود کرے۔ جو چاہتا ہو کہ ان کی ماں اس پر روئے۔ اس کے بچے یتیم ہو جائیں، اس کی زوجہ بیوہ ہو جائے۔ وہ اس وادی سے پرے مجھ سے ملاقات کرے"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کسی کو ان کے پیچھے جانے کی جرأت نہ ہوئی پھر وہ مدینہ منورہ کی طرف عازم سفر ہو گئے"۔

شرح زرقانی میں ہے کہ حضرت زید بن خطاب نے بھی اپنے بھائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی۔ یہ

حضرت عمر فاروق سے بڑے تھے۔ ان سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی تھی۔ انہوں نے جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کیا۔ مسلمانوں کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ ہجرت کا بارہواں سال تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے "میرا بھائی دونوں بھلائیوں میں مجھ سے سبقت لے گیا۔ انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کیا اور مجھ سے پہلے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے"۔ ان کی شہادت پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غمزدہ ہوئے۔

حضرت سعید بن زید اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی۔ انہوں نے حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر کے ہاں قیام فرمایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت فارعہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہجرت کی۔ حضرت فارعہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ عبیداللہ نے حبشہ میں نصرانیت اختیار کر لی، پھر یہ حبشہ میں ہی مرا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ میں ہی دیگر مسلمانوں کے ہمراہ قیام فرما رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے ساتویں سال انہیں پیغام نکاح بھیجا۔ انہوں نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا۔ یہ ان کے سب سے قریبی رشتہ دار تھے۔ انہوں نے حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت نجاشی رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کر دیا۔ پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ تشریف لے آئیں۔ یہ امہات المؤمنین کے زمرہ میں شامل ہو گئیں۔

ابوجہل اور اس کا بھائی حارث بن ہشام مدینہ طیبہ آئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی تھے۔ آپ نے ابھی تک ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ ابوجہل اور اس کے بھائی نے حضرت عیاش بن ربیعہ سے گفتگو کی۔ یہ ان کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ یہ اپنی ماں کی اولاد میں سے سب سے چھوٹے تھے۔ انہوں نے ان سے کہا "تمہاری ماں نے نذر مانی ہے کہ وہ اپنا سر نہیں دھوئے گی۔ اپنے سر میں کنگھی نہیں کرے گی۔ وہ دھوپ سے سایہ میں نہ جائے گی حتیٰ کہ وہ تمہیں دیکھ لے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ نہ کھائے گی نہ پیئے گی اور نہ ہی گھر میں داخل ہو گی حتیٰ کہ تم اس کے پاس لوٹ چلو۔ تمہیں اسے اپنی اولاد میں سے سب سے زیادہ پیار ہے۔ تم نے دین بھی وہ اختیار کیا ہے جو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اپنی ماں کے پاس لوٹ چلو۔ اپنے رب تعالیٰ کی اسی طرح عبادت کرتے رہنا جس طرح مدینہ طیبہ میں کر رہے ہو"۔ یہ سن کر حضرت عیاش کے دل میں رقت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے ان دونوں کی تصدیق کر دی۔ انہوں نے ان سے پختہ عہد لیا کہ وہ ان کے ساتھ برا سلوک نہیں کریں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "یہ تمہیں دین حق سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے بچو۔ بخدا! جب تمہاری ماں کو جوئیں اذیت دینے لگیں تو وہ ضرور کنگھی کر لے گی۔ جب مکہ مکرمہ کی گرمی دھکنے لگے گی تو وہ ضرور سایہ حاصل کر لے گی"۔ حضرت عیاش رضی اللہ عنہ نے کہا "میں اپنی ماں کی دلجوئی بھی کروں گا اور اپنا وہ سامان بھی لے آؤں گا جو وہاں موجود ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا "میرا نصف مال لے لو اور ان کے ساتھ نہ جاؤ"۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق نے انہیں فرمایا "اگر تم نے عزم کر لیا ہے تو میری یہ اونٹنی لے جاؤ۔ یہ تیز رفتار ہے

تمہیں مشکل اوقات میں بچائے گی۔ اس کی پشت سے نیچے نہ اترنا۔ اگر ان کی طرف سے کوئی شک گزرے تو اس پر سوار ہو کر بچ نکلنا"۔ مگر حضرت عیاش نے انکار کر دیا۔ وہ ان دونوں کے ساتھ مکہ مکرمہ کے لئے عازم سفر ہو گئے۔ جب وہ مدینہ طیبہ سے نکلے تو ان دونوں نے حضرت عیاش کو شدت سے باندھ دیا۔ انہیں ایک سو کوڑے مارے یا ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک سو کوڑے مارے اور انہیں قیدی بنا کر دوپہر کے وقت مکہ معظمہ لے گئے۔ انہوں نے کہا "اے اہل مکہ! اپنے ان بے وقوفوں کے ساتھ اسی طرح کرو جس طرح ہم نے اپنے بے وقوفوں کے ساتھ کیا ہے"۔ حضرت عیاش کو مکہ مکرمہ لا کر انہیں دھوپ میں پھینک دیا گیا ان کی ماں نے قسم اٹھائی کہ وہ انہیں نہیں چھوڑے گی حتیٰ کہ وہ اس دین سے برگشتہ ہو جائیں۔ پھر انہیں ہشام بن عاص کے ہمراہ محبوس کر دیا گیا۔ ان دونوں کو ایک ہی زنجیر پہنائی گئی۔

حضور نبی رحمت ﷺ ہجرت کے بعد ان حضرات کے لئے صبح کی دعائے قنوت میں دعا مانگتے تھے۔ آپ اس طرح عرض کرتے "مولا! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما۔ عیاش بن ربیعہ اور ہشام بن عاص اور مکہ مکرمہ کے دیگر ان مسلمانوں کو نجات عطا فرما جن کے پاس کوئی حیلہ نہیں نہ ہی وہ راستہ سے آگاہ ہیں"۔ حضرت ولید بن ولید حضرت خالد کے بھائی تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں مشرکین کے ساتھ تھے۔ یہ بھی قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ ان کے بھائی خالد اور ہشام نے ان کا فدیہ ادا کیا اور انہیں مکہ مکرمہ لے گئے۔ پھر حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور ہجرت کا ارادہ کیا۔ مگر اہل خانہ نے انہیں محبوس کر دیا۔ انہیں کہا گیا "تم نے ادائیگی فدیہ سے پہلے اسلام کیوں قبول نہ کر لیا"۔ انہوں نے فرمایا "میں نے چھپ کر آسانی کو ناپسند کیا"۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں نجات عطا کی یہ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ پھر مکہ معظمہ آئے۔ اور حضرت عیاش اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کو خلاصی عطا کی۔ ان کے اس کارنامہ سے حضور ﷺ بہت مسرور ہوئے اور سجدۂ تشکر ادا کیا۔

حضرت سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کی ہجرت

یہ مدینہ طیبہ میں مہاجرین کو امامت کراتے تھے۔ ان مہاجرین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ کیونکہ انہیں بہت زیادہ قرآن پاک حفظ تھا۔ حضور ﷺ ان کی قرأت سماعت فرماتے۔ پھر فرماتے "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں۔ جس نے میری امت میں ایسا شخص پیدا کیا ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی بہت زیادہ تعریف کرتے تھے۔ وصال کے وقت انہوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا "اگر سالم مولی ابی حذیفہ زندہ ہوتے تو میں خلافت کے لئے یہ مجلس شوریٰ نہ بناتا"۔ حضرت ابن عبدالبر نے لکھا ہے "اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے بارے ان کی رائے لے لیتے کہ کسے خلیفہ بنائیں۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں منصب شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی میراث ورثاء کی طرف بھیجی۔ مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے میراث کو بیت المال میں داخل کر دیا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد ہجرت کی۔ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے

کہا ''تم ایک مفلس اور کنگال شخص کی حیثیت سے ہمارے پاس آئے۔ ہمارے ہاں ہی تمہارے پاس مال کی فراوانی ہوئی۔ پھر تم اپنا مال بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔ بخدا! اس طرح نہیں ہوسکتا''۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا ''کیا اگر میں تمہیں اپنا مال دے دوں تو تم میرے راستہ سے ہٹ جاؤ گے؟'' انہوں نے کہا ''ہاں'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اپنا سارا مال تمہارے سپرد کرتا ہوں'' جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صہیب نے نفع بخش سودا کیا ہے''۔ خصائص کبریٰ میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے تو میں بھی اس ابدی سعادت میں شامل ہونا چاہتا تھا مگر قریش کے جوانوں نے مجھے روک دیا۔ انہوں نے مجھے کہا ''جب تم ہمارے پاس آئے تو تم غریب اور قلاش تھے۔ ہمارے ہاں ہی تمہیں مال کی یہ کثرت نصیب ہوئی ہے۔ تم اپنی ذات اور اپنا مال دونوں لے جانا چاہتے ہو۔ اس طرح کبھی نہیں ہوسکتا''۔ میں نے انہیں کہا ''اگر میں تمہیں اتنے اوقیہ سونا دوں''۔ دوسری روایت کے مطابق ''اپنے مال کا ثلث دوں'' ایک اور روایت میں ہے ''اگر میں تمہیں اپنا مال دے دوں تو کیا تم میرے راستہ سے ہٹ جاؤ گے'' انہوں نے کہا ''ہاں'' میں نے انہیں کہا ''دروازے کی دہلیز کھودو وہاں کئی اوقیہ سونا موجود ہے'' پھر میں عازم سفر ہو کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا ''ابویحییٰ! تم نے سودمند سودا کیا ہے'' آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! مجھ سے قبل کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ یقیناً جبرائیل امین علیہ السلام نے ہی آپ کو بتایا ہے''۔

ابونعیم نے ''الحلیۃ'' میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ انہوں نے اپنی تلوار ترکش اور کمان لی۔ قریش کے کچھ جوانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ یہ اپنی سواری سے نیچے اترے۔ اپنے ترکش سے تیر نکالے اور کہا ''اے گروہ قریش! تم خوب جانتے ہو کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ بخدا! تم مجھ تک نہ پہنچ سکو گے حتیٰ کہ میں اپنے ترکش کے سارے تیر تم پر برسا دوں گا۔ پھر میں شمشیر زنی کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ پھر جو چاہو میرے ساتھ کر لینا۔ اور اگر تم پسند کرو تو میں تمہاری راہ نمائی اپنے اس مال کی طرف کرتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں موجود ہے اور تم میرے راستہ سے ہٹ جاؤ''۔ نوجوانان قریش نے کہا ''ہماری راہ نمائی مال کی طرف کرو'' ایک اور روایت میں ہے۔ قریش کے جوانوں نے کہا ''ہمیں اپنے مال کے متعلق بتائیں ہم آپ کے رستہ سے ہٹ جائیں گے''۔ حضرت صہیب نے ان سے پختہ عہد لیا اور انہیں اپنے مال کے بارے بتا دیا۔ بعض مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ اہل شرک نے حضرت صہیب کو پکڑ لیا اور انہیں اذیتیں دیں۔ انہوں نے ان سے کہا ''میں عمر رسیدہ شخص ہوں۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں دے سکتا۔ میرا تعلق تمہارے قبیلہ کے ساتھ نہیں۔ کیا تم میرا مال لے لیتے ہو۔ مجھے اور میرے دین کو چھوڑ دیتے ہو۔ تم میرے لئے میری سواری اور زادِ راہ چھوڑ دو'' مشرکین نے اسی طرح کیا۔ انہی کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (البقرۃ:207)

''اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو بیچ ڈالتا ہے اپنی جان (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے''۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے اس آیت طیبہ کی بشارت دی جو میرے متعلق نازل ہوئی''۔ ایک اور روایت میں ہے ''میرے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور چند دیگر صحابہ کرام نے ملاقات کی۔ انہوں نے فرمایا ''ابو یحییٰ! تمہارا سودا بڑا نفع بخش ثابت ہوا''۔ میں نے انہیں کہا ''تمہارا سودا بھی سود مند ثابت ہوا کیا تم مجھے اس معاملہ سے آگاہ نہیں کرو گے؟'' انہوں نے فرمایا ''تمہارے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی ہے'' حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا تعلق اہل روم کے ساتھ تھا۔ گھڑ سواروں نے دجلہ یا فرات پر شب خون مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ کمسن تھے، پھر ان سے بنو کلب نے انہیں خرید لیا، وہ انہیں مکہ مکرمہ لے آئے۔ عبداللہ بن جدعان نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ کافی مدت مکہ مکرمہ میں رہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی تو انہوں نے دولت اسلام سمیٹ لی۔ انہوں نے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک دن ہی اسلام قبول کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے قبل بھی مجھے آپ کی رفاقت کا شرف سرمدی حاصل رہا''۔ یہ بہت زیادہ مزاح کرتے تھے۔ امام طبرانی نے معجم الکبیر میں لکھا ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھجوریں اور روٹی پڑی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قریب ہو جاؤ اور کھاؤ''۔ میں کھجوریں کھانے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم کھاتے ہو حالانکہ تمہیں آشوب چشم ہے'' میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! میں دوسری آنکھ سے کھا رہا ہوں'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ عاشقین صادقین میں سے تھے۔ انہیں پل بھر قرار نہ آتا تھا۔ رات کو بالکل نہ سوتے تھے۔ وہ فرماتے ''جب صہیب آگ کو یاد کرتا ہے تو اس کی نیند اڑ جاتی ہے۔ جب وہ جنت یاد کرتا ہے تو اسے اس کا شوق آلیتا ہے۔ جب وہ رب تعالیٰ کا ذکر پاک کرتا ہے تو اس کا ذوق طویل ہو جاتا ہے'' ان کے کھجوریں کھانے کے واقعہ کو بعض راویوں نے ایک اور طرح بھی روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا وہ ککڑی اور کھجوریں کھا رہے تھے۔ ان کی ایک آنکھ کو آشوب تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا ''کیا آپ کھجوریں کھا رہے ہیں حالانکہ آپ کو آشوب چشم ہے'' انہوں نے عرض کی ''میں اپنی صحیح آنکھ کے گوشہ سے دیکھ کر کھا رہا ہوں'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مبارکہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ہجرت کا اذن عطا فرما دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گروہ در گروہ ہجرت کرنے لگے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کر گئے تو کمزور مسلمانوں پر مشرکین کی اذیتیں شدت اختیار کر گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے اذن کا انتظار کرنے لگے۔ صحابہ کرام میں سے یا تو حضرت سیدنا صدیق اکبر یا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما باقی تھے۔ یا وہ کمزور

مسلمان رہ گئے تھے جو قریش مکہ کے ہاں محبوس تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کتنی ہی بار بارگاہ رسالت مآب میں ہجرت کی اجازت کے حصول کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے فرمایا "جلدی نہ کرو شاید رب تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیق راہ بنا دے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امید تھی کہ راہ رفیق سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہی ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کی امید کو پورا کر دیا"۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ٹھہر جاؤ۔ شاید مجھے بھی ہجرت کا اذن مل جائے"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! کیا آپ کو امید ہے؟" آپ نے فرمایا "ہاں" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود کو روک لیا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف ابدی حاصل کریں انہوں نے سفر کے لئے دو اونٹنیاں بھی تیار کیں۔

قریش کی باہم مشاورت

قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی ہجرت دیکھی تو قریش مکہ کو علم ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ایسے افراد بن گئے ہیں جو ان میں سے نہیں۔ وہ افراد شمشیر و سناں کے بھی ماہر ہیں اور ان کے پاس اسلحہ کے بھی انبار ہیں تو انہیں خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے ان کے پاس نہ چلے جائیں اور ان کے ساتھ مل کر آپ پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ قریش مشاورت کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے۔ یہ گھر قصی بن کلاب نے بنایا تھا۔

امام حلبی نے لکھا ہے "دارالندوہ" حجر کی سمت مقام الحنفی کے پاس تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد حرام میں کھلتا تھا۔ یہ گھر مشاورت کے لئے بنایا گیا تھا۔ قریش کا ہر فیصلہ اسی گھر میں ہوتا تھا۔ اس گھر میں غیر قریشی شخص چالیس سال سے کم عمر تک داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ البتہ انہوں نے ابوجہل کو بھی داخل کر لیا۔ حتیٰ کہ ابھی اس کی داڑھی بھی مکمل نہیں آئی تھی۔ ان کا یہ اکٹھ ہفتہ کے روز ہوا تھا۔ اسی لئے ہفتہ کو مکر و فریب کا دن کہا جاتا ہے۔ قریش دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے تاکہ باہم مشورہ کریں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کیا کرنا ہے۔ ایک سو کے لگ بھگ افراد وہاں جمع ہوئے۔ دوسری روایت میں پندرہ افراد کا ذکر ہے۔ اہل قریش اس دن کو یوم الزحمۃ کہتے تھے۔ کیونکہ اس میں بنو عبد شمس، بنو نوفل، بنو عبدالدار، بنو اسد، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو حارث، بنو کعب، بنو تیم اور بنو عدی وغیرہم میں سے چیدہ چیدہ افراد جمع ہوئے تھے۔ اہل رائے و دانش میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔

ابلیس بھی شیخ نجدی کی صورت میں آ گیا۔ وہ دارالندوہ کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک جلیل شخص کی صورت میں متشکل تھا۔ اس نے موٹی سی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق ریشم کی دو چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ قریش نے پوچھا "کس کے ساتھ تعلق ہے؟" اس نے کہا "نجد سے۔ میں نے سن لیا ہے کہ تم کس مقصد کے لئے جمع ہوئے ہو۔ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ تمہاری رائے سن سکوں۔ اور تمہیں کوئی صائب یا صحیح مشورہ دے سکوں"۔ قریش نے کہا "آ جا" ابلیس اندر چلا گیا۔ ابلیس شیخ نجدی کی شکل میں اس لئے آیا تھا کیونکہ قریش مکہ نے طے کر رکھا تھا کہ اہل تہامہ میں سے کوئی شخص تمہارے مشورہ

میں شامل نہ ہو۔ کیونکہ ان کی ہمدردیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ اس لئے وہ شیخ نجدی کی صورت میں آیا تھا اور ایسی ہیئت بنا کر آیا تھا جو قریش کو عظیم لگے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معاملہ تمہارے سامنے عیاں ہے۔ بخدا! ہم امن میں نہیں کہ وہ شخص اپنے پیروکاروں کو جمع کر کے ہم پر حملہ آور ہو جائے۔ تم اس کے متعلق ایک رائے قائم کرلو۔ ان میں سے ایک شخص (ابوالبختری بن ہشام) نے کہا "اسے زنجیروں میں قید کردو۔ قید خانہ کا دروازہ بند کردو پھر حالات کا انتظار کرو۔ حتیٰ کہ اس کا معاملہ بھی اسی طرح ہو جائے جس طرح اس سے قبل اسیر شعراء کا ہوا تھا"۔ یہ سن کر شیخ نجدی نے کہا "یہ رائے درست نہیں۔ بخدا! اگر تم اسے محبوس کرو گے تو اس کا معاملہ اس مقفل دروازے سے نکل کر اس کے صحابہ تک پہنچ جائے گا۔ بلاشبہ وہ تم پر جھپٹ پڑیں گے اور اسے تمہارے ہاتھوں سے چھین کر لے جائیں گے۔ پھر وہ اکٹھے ہو کر تم پر حملہ آور ہوں گے۔ اور تم پر غلبہ پالیں گے۔ یہ رائے صائب نہیں تم کسی اور رائے کی جستجو کرو"۔

ابوالاسود ربیعہ بن عمرو عامری نے کہا "ہم انہیں یہاں سے جلاوطن کر دیں گے۔ ہم کوئی پرواہ نہیں کریں گے کہ وہ کہاں جاتے ہیں" شیخ نجدی نے کہا "بخدا! یہ رائے بھی درست نہیں کہ تم ان کی گفتگو کی عمدگی اور ان کی باتوں کی حلاوت نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح دلوں پر غالب آجاتی ہیں۔ اس کا پیغام کس طرح دلوں کو گرویدہ بنالیتا ہے۔ بخدا! اگر تم نے یوں کیا تو میں اس سے امن میں نہیں ہوں کہ وہ عرب کے کسی قبیلہ کے پاس جائے گا وہ اپنے کلام کی شیرینی کی وجہ سے انہیں اپنا بنالے گا۔ وہ لوگ اس کی اتباع کرلیں گے وہ ان لوگوں کو لے کر تم پر حملہ آور ہو جائے گا اور تمہیں روندھ ڈالے گا۔ معاملہ تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے گا پھر وہ تمہارے ساتھ حسب منشاء سلوک کرے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور رائے دو"۔ ابوجہل نے کہا "بخدا! میرے پاس ایک رائے ہے۔ مجھے یقین ہے تم اسے ضرور پسند کرو گے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم ہر قبیلہ سے ایک تنومند اور طاقتور جوان لو۔ پھر ان میں سے ہر ایک کو شمشیر براں تھما دو۔ پھر وہ جوان محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جائیں۔ ان پر ایک شخص کی طرح حملہ آور ہو جائیں اور انہیں قتل کر دیں۔ ہم ان سے نجات پالیں گے۔ ان کا خون تمام قبائل میں تقسیم ہو جائے گا۔ بنو عبد مناف اپنی قوم سے جنگ نہیں کرسکیں گے ہم انہیں اذیت دے دیں گے"۔ شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ نے کہا "صائب رائے یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رائے نہیں" قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے پر اتفاق کیا اور اپنی محفل برخاست کردی۔ ایک قول کے مطابق ابوجہل کی وہ رائے جسے ابلیس نے درست کہا تھا وہ یہ تھی کہ پانچ مختلف قبائل میں سے پانچ افراد کو تلواریں دی جائیں وہ آپ پر یکبار حملہ آور ہو جائیں۔ شاید قریش نے ابوجہل کے اس قول کو عجیب سمجھا ہو کہ ہر ایک قبیلہ سے ایک ایک جوان کو تلوار دی جائے۔ کیونکہ بیس افراد ایک شخص پر یکبار حملہ آور نہیں ہو سکتے۔ ابوجہل نے کہا "پانچ افراد کو تلواریں دی جائیں"۔

پھر حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "آج شب آپ اس بستر مبارک پر آرام فرمانہ ہوں جس پر پہلے استراحت فرما ہوتے ہیں"۔ رات پڑی تو جوانان قریش آپ کے در اقدس پر جمع ہو گئے۔ وہ آپ کی نگرانی کرنے لگے حتیٰ کہ آپ سو جائیں وہ آپ پر حملہ آور ہو جائیں۔ ان کی تعداد ایک سو تھی۔

حافظ دمیاطی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے "قریش مکہ کے جوان آپ کے در اقدس پر جمع ہوئے۔ وہ دروازہ کے سوراخ سے دیکھتے رہے۔ وہ آپ کی نگرانی کرتے رہے۔ وہ آپ کو رات کے وقت شہید کرنا چاہتے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے در اقدس کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ وہ مسلح تھے۔ وہ طلوع فجر کے منتظر تھے۔ تاکہ وہ آپ کو اجالے میں قتل کریں تاکہ بنو ہاشم بھی دیکھ لیں اور آپ کا خون سارے قبائل میں تقسیم ہو جائے۔ وہ کسی سے انتقام نہ لے سکیں۔

حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ وہ آپ کے بستر پر سو گئے۔ انہوں نے آپ کی چادر مبارک اوڑھ لی۔ کیونکہ آپ نے انہیں فرمایا تھا "میری یہ سبز چادر اوڑھ لو اور اس میں سو جاؤ۔ تمہیں کسی ایسی چیز کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو تمہیں ناپسند ہو"۔ حضور اکرم ﷺ اس ردائے پاک میں استراحت فرما ہوتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اپنی جان پیش کی۔ انہوں نے اپنی جان پیش کر کے حضور ﷺ کا بچاؤ کیا۔ کیونکہ انہوں نے حضور کے اس فرمان حق ترجمان سے قبل ہی آپ کا حکم مان لیا تھا "تمہیں کسی ناپسندیدہ چیز کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا"۔ اسی فدا کاری اور جانثاری کا تذکرہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ان اشعار میں کیا ہے۔

وَقَيْتُ بِنَفْسِي خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الثَّرىٰ ... وَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَ بِالْحِجْرِ

رَسُوْلَ اللهِ خَافَ اَنْ يَّمْكُرُوْا بِهٖ ... وَ نَجَّاهُ ذُوالطَّوْلِ الْاِلٰهُ مِنَ الْمَكْرِ

وَ بَاتَ رَسُوْلُ اللهِ فِي الْغَارِ آمِنًا ... مُوَقًّى وَ فِي حِفْظِ الْاِلٰهِ وَ فِي سِتْرٍ

وَبِتُّ اُرَاعِيْهِمْ وَمَا يَتَّهِمُوْنَنِيْ ... وَقَدْ وَطَّنْتُ نَفْسِيْ عَلَى الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ

میں نے اپنی جان سے اس ہستی والا کو بچایا جو ہر اس ذات سے بہتر ہے جس نے مٹی روندھی اور جس نے بیت اللہ اور حجر کا طواف کیا۔ یعنی رسول اللہ کو بچایا۔ آپ کو خدشہ تھا کہ قریش مکہ آپ کے خلاف سازش نہ کریں۔ طاقتور معبود برحق نے آپ کو ان کے مکر و فریب سے بچا لیا۔ حضور ﷺ نے حالت امن میں غار میں رات بسر کی۔ آپ کا دفاع کیا گیا آپ معبود برحق کی حفاظت اور پردہ میں تھے۔ میں نے انہیں خوفزدہ کرتے ہوئے رات گزاری۔ انہوں نے مجھ پر تہمت نہ لگائی۔ میں نے اپنے نفس کو قتل اور قید پر راغب کر لیا تھا۔

اس نگران قوم میں حکم بن ابی العاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، ابوالبختری اور ابو جہل شامل تھے۔ ابو جہل نے کہا "محمد عربی گمان کرتے ہیں کہ اگر تم ان کی اتباع کرلو تو تم عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے۔ جب تمہیں موت کے بعد زندہ کیا جائے گا تو تمہیں اردن کے باغات کی طرح کے باغات دیئے جائیں گے۔ اگر تم نے ان کی اتباع نہ کی تو تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ جب تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا تو تمہیں آگ میں جلایا جائے گا" حضور ﷺ نے ابو جہل کی بات سن لی۔ آپ در اقدس سے ان کی طرف نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بصارت چھین لی۔ ان میں سے ایک بھی حضور ﷺ کو نہ دیکھ سکا۔ حضور ﷺ کے دست اقدس میں مٹی تھی آپ نے ان کے سروں پر پھینکی۔ آپ ان آیات بینات کی تلاوت فرماتے ہوئے کاشانہ اقدس سے باہر نکل آئے۔

یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ﴿۳﴾ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ﴿۴﴾ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۵﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ﴿۸﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۹﴾ (یٰسین)

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حتیٰ کہ آپ غار ثور میں تشریف لے گئے۔ اس میں جلوہ افروز ہو گئے۔ جوانان قریش اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آنے والا ان کے پاس آیا۔ ایک قول کے مطابق یہ شیخ نجدی کی شکل میں ابلیس تھا۔ اس نے پوچھا "تم یہاں کس کے منتظر ہو؟" جوانان قریش نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے" اس نے کہا "اللہ تعالیٰ تمہیں رسوا کرے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو یہاں سے چلے گئے ہیں۔ انہوں نے تم میں سے ہر ایک کے سر پر مٹی بھی پھینکی ہے" ان میں سے ہر جوان نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ مٹی سے اٹا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بستر پر دیکھا تو وہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ محو استراحت تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے پاک اوڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "بخدا! یہ محمد عربی ہیں۔ ان پر ان کی چادر موجود ہے" امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قریش باہم اختلاف کرتے رہے وہ مشورہ کرتے رہے کہ اس بستر پر موجود شخص پر پہلے کون حملے کرے گا اور اسے باندھے گا؟ امام سہیلی رقمطراز ہیں۔

"وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے آئے تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح حملہ آور ہونا چاہا تو گھر سے ایک خاتون چلائی، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "واللہ! سارا عرب ہمیں گالیاں دے گا کہ ہم نے چچازاد بہنوں کے لئے دیواریں پھلانگیں ہیں اور ہم نے ردائے حرمت کو چاک چاک کیا ہے"

دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ دیوار پھلانگنا ان کے لئے آسان تھا۔ مگر انہیں عار اور ندامت نے آلیا۔ یہ آپ کی حفاظت کا ظاہری مانع تھا۔ مگر حقیقت میں رب تعالیٰ کی حفاظت وحمایت مانع تھی تا کہ وہ ان قریش کو رسواء کرے اور ان کے عجز کا اظہار ہو جائے۔

قریش کے جوان در اقدس پر ٹھہرے رہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر ان کی نگرانی کرتے رہے۔ تا کہ آپ صبح سویرے اٹھیں تو آپ سے وہ کر گزریں جس پر انہوں نے اتفاق کیا تھا۔ وقت صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے حضرت علی اٹھے۔ جوانان قریش نے پوچھا "تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" انہوں نے فرمایا "مجھے تو علم نہیں" اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سچ کر دکھایا جو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا "تمہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا"۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان جوانوں نے دیواریں پھلانگیں اور تلواریں لہراتے ہوئے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہچان لیا۔ انہوں نے پوچھا "تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" انہوں نے فرمایا "میں نہیں جانتا" ایک اور قول کے مطابق انہوں نے حضرت علی کو باہر نکلنے کے لئے کہا۔ آپ کو مارا اور مسجد میں لے گئے۔ ساعت بھر کے لئے آپ کو محبوس کیا۔ پھر آپ کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے

کہا "اس شخص نے ہم سے سچ ہی کہا ہے کہ محمد عربی یہاں سے چلے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واقعہ ہجرت کے متعلق نعمت کو یاد دلاتے ہوئے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا (الانفال:30)

"اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ ارشاد فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّي مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل)

"دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جائے اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آئے اور عطا فرما اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو"۔

مدینہ طیبہ ہجرت فرما ہونے کی حکمت

آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف اس لئے ہجرت فرمائی تا کہ آپ کی وجہ سے زمانوں مکانوں اور لوگوں کو شرف نصیب ہو۔ نہ کہ آپ کو ان کی وجہ سے شرف ملے۔ اگر آپ مکہ مکرمہ میں ہی رہتے تو کسی کو وہم ہو سکتا تھا کہ آپ کو اس کی وجہ سے شرف نصیب ہوا ہے۔ کیونکہ اس شہر کو حضرت خلیل اور حضرت ذبیح علیہما السلام کی وجہ سے شرف ابدی مل چکا تھا۔ آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا۔ جب آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو آپ کے قدمین شریفین کی وجہ سے اسے شرف سرمدی نصیب ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس بات پر اجماع ہے کہ زمین کا وہ ٹکڑا جو آپ کے اعضاء مبارکہ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ وہ ساری روئے زمین سے بلکہ کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہے۔ بلکہ علامہ تاج السبکی نے ابن عقیل الحنبلی سے روایت کیا ہے کہ وہ عرش سے بھی افضل ہے۔ حضرت سید سمہودی لکھتے ہیں "اس مبارک جگہ پر نازل ہونے والی رحمتوں کا فیضان ساری امت کو محیط ہے۔ آپ کے درجات میں دائمی ترقی کی وجہ سے یہ رحمتیں بھی غیر متناہی ہیں۔ یہ مقام خیرات و برکات کا منبع ہے"۔

ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ بارہ ربیع الاول آپ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے۔ بعثت کے بعد آپ نے تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا حضرت صرمہ بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

ثوى فى قريش بضع عشرة حجة يذكر لويلقى صديقا مواتيا

آپ قریش میں دس اور کچھ سال تشریف فرما رہے۔ آپ تذکرہ کرتے۔ کاش موافقت کرنے والا دوست مل جاتا۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بلند اقبالی

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ سے عرض کی کہ آپ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر عازم سفر ہوں۔ امام حاکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے پوچھا

''میرے ساتھ ہجرت کون کرے گا؟'' انہوں نے عرض کی ''ابوبکر صدیق'' حضور ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے سفر کے متعلق بتایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر کے آئیں جو آپ کے پاس بطور ودیعت رکھی گئی تھیں۔ امام ابن اسحاق نے لکھا ہے ''اہل مکہ میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جسے اپنی کسی قیمتی چیز کے متعلق خطرہ ہوتا۔ مگر وہ اپنی چیز حضور اکرم ﷺ کے پاس رکھ دیتا۔ کیونکہ وہ آپ کے صدق اور امانت سے خوب آگاہ تھے''۔

امام بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اسی اثناء میں کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ کسی کہنے والے نے کہا ''یہ حضور ﷺ تشریف لائے ہیں''۔ آپ اپنا سر اقدس ڈھانپے ہوئے تھے۔

امام طبرانی نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور ﷺ کا مکہ مکرمہ میں معمول یہ تھا کہ آپ صبح وشام دوبار ہمارے گھر تشریف لاتے تھے۔ مگر ہجرت سے قبل آپ دوپہر کے وقت ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں نے عرض کی ''والد گرامی! حضور اکرم ﷺ تشریف لائے ہیں'' والد گرامی نے فرمایا ''میرے والدین آپ پر فدا! بخدا! آپ اس وقت کسی ضروری کام کے لئے تشریف لائے ہیں''۔ حضور ﷺ تشریف لائے۔ اجازت مانگی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ اندر تشریف لے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چارپائی سے دوسری طرف ہو گئے۔ حضور ﷺ اس پر تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''جو بھی تمہارے پاس ہے اسے اٹھا دو'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! یہ آپ کے اہل خانہ ہی ہیں۔ میرے والدین آپ پر فدا!''

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ سے عقد نکاح ہو چکا تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان کا شمار بھی آپ کے اہل میں ہوتا ہے۔ ان کے بارے کوئی خدشہ نہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت سیدنا صدیق اکبر کی گزارش اس طرح تھی جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے کہتا ہے ''میرا گھر تمہارا گھر اور میرے اہل تمہارے اہل ہیں میں اور تم ایک ہی چیز کی مانند ہیں''۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''مجھے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم مل چکا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! کیا رفاقت کا شرف نصیب ہوگا؟ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ رو رہے تھے۔ میں گمان نہیں کرتی تھی کہ کوئی شخص فرط مسرت سے بھی رو سکتا ہے''۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میرے والدین آپ پر نثار! میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں اسے قیمتاً لوں گا'' دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں ایسے اونٹ پر سوار نہیں ہوں گا جو میرا نہیں'' وہ عرض گزار ہوئے ''یہ آپ کا ہی ہے'' آپ نے فرمایا ''نہیں! میں اسے قیمت سے آپ سے خریدوں گا۔ میں نے اتنے دراہم میں یہ اونٹنی لے لی ہے''۔

جب سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ کو ہجرت کی امید ہے۔ اس وقت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

دو اونٹنیاں خرید کر اجرت پر دے رکھی تھیں۔ حضور ﷺ نے اونٹنی اس لئے خریدی تا کہ آپ کی رب تعالیٰ کی طرف ہجرت اپنے نفس اور مال کے ساتھ اس میں رغبت کرتے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت اپنی پوری فضیلت اور کمال کے ساتھ ہو اور یہ ہجرت اتم احوال پر ہو۔ ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی محبت میں کثیر مال خرچ کیا۔

ابن حبان نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے۔ حضرت زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو انہوں نے نہ دینار چھوڑا نہ ہی درہم" صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "لوگوں میں سے ایک شخص بھی نہیں جس نے اپنے نفس اور اپنے مال کے اعتبار سے مجھ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر احسان کیا ہو"۔ امام ترمذی نے مرفوع روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "ہم پر کسی نے احسان نہیں کیا مگر ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ سوائے ابوبکر کے۔ ان کا ہم پر ایسا احسان ہے جس کا بدلہ رب تعالیٰ روز حشر چکائے گا" ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہم پر سب سے زیادہ احسان کیا۔ انہوں نے اپنی نور چشم کو میرے حبالہ عقد میں دیا۔ مال کے اعتبار سے سارے مسلمانوں سے بہتر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنے مال سے حضرت بلال کو آزاد کیا اور مجھے دار ہجرت لے کر آئے"۔ یعنی سفر ہجرت میں میری خدمت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے جلدی جلدی سامان سفر تیار کیا۔ سامان سفر کو ایک توشہ دان میں رکھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمر بند میں سے ایک حصہ کاٹا اور اس سے توشہ دان کا منہ باندھ دیا۔ دوسری روایت کے مطابق توشہ دان کے دوسرے حصہ سے مشکیزہ کا منہ باندھ دیا۔ اسی لئے انہیں ذات النطاقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت ام المؤمنینؓ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "پھر حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور کی طرف چلے گئے۔ وہاں تین راتیں پوشیدہ رہے۔ جب حضور اکرم مکہ مکرمہ سے نکلے۔ آپ نے الحزورہ کے مقام پر بیت اللہ کی طرف دیکھا تو فرمایا "بخدا! تو مجھے رب تعالیٰ کی ساری زمین سے پیارا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اس کی ساری زمین سے پیارا ہے۔ اگر تیرے باسی مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں کبھی نہ نکلتا (امام احمد، امام ترمذی)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تو کتنا پاکیزہ شہر ہے۔ تو مجھے کتنا محبوب ہے۔ اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں اور سکونت اختیار نہ کرتا"۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ ہجرت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے باہر نکلے آپ نے یہ دعا مانگی۔ "الحمد للہ الذی خلقنی و لم اک شیئًا۔ اللھم اعنی علی ھول الدنیا و بوائق الدھر و مصائب اللیالی والایام۔ اللھم اصحبنی فی سفری و اخلفنی فی اھلی و بارک فیما رزقتنی و لک فذللنی و علی صالح خلقی فقومنی و الیک رب فحببنی والی الناس

فیلا تکلنی انت رب المستضعفین وانت ربی اعوذ بوجهك الكريم الذى اشرقت له السموات والارض و كشفت به الظلمات و صلح علیه امر الاولین و الآخرین من ان یحل بی غضبك او ینزل علی سخطك اعوذ بك من زوال نعمتك و فجاۃ نقمتك و تحول عافیتك و جمیع سخطك۔ لك العتبی عندی حیثما استطعت و لا حول ولا قوۃ الا بك''

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ کے علاوہ کسی اور کو اس سفر کا علم نہ ہو سکا۔ اسی طرح حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس سفر کا علم تھا کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاشانہ صدیقہ کی پچھلی جانب سے باہر نکلے۔ رات کا وقت تھا۔ ایک روایت کے مطابق راستہ میں انہیں ابوجہل ملا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت چھین لی۔ حتیٰ کہ یہ دونوں حضرات قدسی اس کے پاس سے گزر گئے۔ جب قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مفقود پایا تو انہوں نے مکہ مکرمہ کے نشیب و فراز میں آپ کو تلاش کیا۔ انہوں نے قیافہ شناس کو بلایا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے دو افراد اس مقصد کے لئے بلائے۔ ان میں سے ایک غار ثور کی سمت گیا۔ اس نے وہاں قدموں کے نشانات پالئے۔ وہ ان کے پیچھے چلتا چلتا غار ثور تک پہنچ گیا۔ وہاں ایک درخت تھا اس نے وہاں بیٹھ کر پیشاب کیا پھر اس نے کہا ''اس جگہ قدموں کے نشانات ختم ہو گئے ہیں۔ مجھے علم نہیں کہ وہ دائیں بائیں یا پہاڑ پر چلے گئے ہیں۔

دوسری روایت کے مطابق قیافہ شناس نے کہا ''یہ تو ابن ابی قحافہ (سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) کے قدموں کے نشانات ہیں۔ مگر دوسرے قدموں کے نشانات سے میں آگاہ نہیں کہ وہ کس کے قدموں کے نشانات ہیں۔ مگر یہ قدم مقام ابراہیمی پر موجود قدموں کے نشانات سے بہت مشابہت رکھتے ہیں''۔ قریش نے کہا ''اس سے پرے کچھ بھی نہیں'' حضور اکرم کا مکہ مکرمہ سے نکل جانا قریش پر گراں گزرا۔

وہ گھبرا گئے۔ انہوں نے اس شخص کے لئے ایک سو اونٹ انعام مقرر کیا جو آپ کو شہید کر دے یا اسیر بنا کر لے آئے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

ویح قوم جفوا نبیا بارض الفته ضبابها والظباء

وسلوہ و حن جزع الیه و قلوہ و ودہ الغرباء

اخرجوہ منها و آواہ غار و حمته حمامه ورقاء

و کفته بنسجها عنکبوت ما کفته الحمامة الحصداء

اس قوم کے لئے ہلاکت! اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمین سے نکالا جس کے گوہ اور ہرن آپ سے محبت کرتے تھے۔ قریش نے آپ کو بھلایا۔ حالانکہ کھجور کا تنا آپ کے فراق میں رویا۔ انہوں نے آپ کو ناراض کر دیا حالانکہ اجنبی لوگوں نے آپ سے محبت کی۔ انہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا۔ آپ غار میں تشریف لے گئے۔ خاکستری فاختہ نے آپ کی حفاظت کی۔ مکڑے نے جالا تن کر آپ کی حفاظت کی۔ جس طرح کہ کثیر پروں والی فاختہ نے آپ کی حفاظت کی۔

غار ثور

جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار کے اندر تشریف لے گئے تو رب تعالیٰ نے غار کے دروازہ پر ام غیلان کا درخت اگا دیا۔ اس درخت کو "الراءۃ" کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کی قامت کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے ریشے نکلتے ہیں جو روئی کی طرح نرم و نازک ہوتے ہیں۔ اس درخت نے کفار کو غار کے اندر دیکھنے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مکڑے کو حکم دیا اس نے غار کے دہانے پر جالا تن دیا۔ رب تعالیٰ نے دو جنگلی کبوتر بھیج دیئے۔ انہوں نے غار کے دروازہ پر گھونسلا بنا لیا۔ ان تمام اشیاء کی مدد سے مشرکین غار کے اندر جانے سے رک گئے۔ حرم شریف کے سارے کبوتر ان دو کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ یہ انہیں جزاء ملی ہے کہ تاحشر ان کی نسل کو وہاں بسیرا کرنے کی اجازت مل گئی۔ کوئی شخص ان سے تعرض نہیں کرتا۔ ضرب المثل بھی ہے "حرم کے کبوتر سے زیادہ محفوظ"

پھر جوانان قریش، اپنے ڈنڈے، لاٹھیاں اور تلواریں لے کر ہر وادی میں پھیل گئے۔ ان میں سے بعض غار میں دیکھنے لگے۔ انہوں نے وہاں دو کبوتر دیکھے۔ جنہوں نے غار کے منہ پر گھونسلا بنا رکھا تھا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ جب ساتھیوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا "ہم نے وہاں دو جنگلی کبوتر دیکھے ہیں۔ ہم نے جان لیا ہے کہ اس غار کے اندر کوئی نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ بات سماعت فرمائی اور آپ نے جان لیا کہ رب تعالیٰ نے دشمنوں کو دور کر دیا ہے۔ ایک اور مشرک نے کہا "غار کے اندر چلے جاؤ"۔ لیکن امیہ بن خلف نے کہا "تمہیں غار کے اندر جانے کی ضرورت نہیں اس میں ایک جالا لٹک رہا ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا ہے" پھر وہ آیا اور غار کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی "یہ شخص ادھر ہی منہ کئے ہے یہ ہمیں دیکھ لے گا"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہرگز نہیں! تین ملائکہ نے ہمیں اپنے پروں میں چھپا رکھا ہے۔ اگر وہ ہمیں دیکھ لیتا تو اس طرح پیشاب نہ کرتا"۔ دوسرے قول کے مطابق قیافہ شناس نے وہاں بیٹھ کر پیشاب کیا۔

ایک اور روایت کے مطابق قریش مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر تلاش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ اس پہاڑ تک جا پہنچے جس کے غار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز تھے۔

روایت ہے کہ دو کبوتروں نے دہانے کی نچلی جانب انڈے دے دیئے۔ غار پر مکڑے نے جالا تن دیا۔ قریش مکہ نے کہا "اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار کے اندر داخل ہو جاتے تو یہ انڈے ٹوٹ جاتے اور مکڑے کا جالا بھی ٹوٹ جاتا۔ قوم قریش کا جنود کے ساتھ مقابلہ کرنے کے اعتبار سے یہ زیادہ بلیغ ہے۔ ذرا بصارت کی نگاہ سے دیکھو کہ کس طرح درخت نے مطلوب (دو جہاں) پر سایہ کر دیا۔ طالب کس طرح گمراہ ہوا ٹکرا آ گیا۔ اس نے غار کا دہانہ بند کر دیا۔ دہانہ پر جالا تن دیا۔ حتیٰ کہ قیافہ شناس بھی اندھا ہو گیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

والعنکبوت اجادت حوك حلتها   فما تخال خلال النسج من خلل

مکڑے نے اپنے جالے کو بہت اچھی طرح بنایا۔ اس جالے کے بننے میں کسی خلل کا خیال تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ایک اور روایت کے مطابق مکہ مکرمہ کے کبوتر نے فتح مکہ کے روز آپ ﷺ پر سایہ کیا۔ آپ نے اس کے لئے برکت کی دعا کی۔ اور مکڑے کو مارنے سے روک دیا۔ آپ نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے"۔ امام دیلمی نے مسند الفردوس مسلسل بمحبۃ العنکبوت کی روایت لکھی ہے۔ اس روایت میں ہے "مجھے میرے والد صاحب نے بتایا جبکہ میں بھی مکڑے سے پیار کرتا ہوں"۔ پھر اس میں ہے "مجھے فلاں نے روایت کی جبکہ میں بھی مکڑے سے محبت کرتا ہوں"۔ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس وقت سے ہمیشہ مکڑے سے پیار کرتا رہا جب سے میں نے حضور ﷺ کو اس کے ساتھ پیار کرتے ہوئے دیکھا"۔ آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ مکڑے کو ہماری طرف سے بہترین جزائے خیر دے۔ ابوبکر! اس نے اس وقت غار ثور کے دھانہ پر جالا تن دیا تھا جب میں اور تم غار ثور کے اندر موجود تھے۔ حتیٰ کہ قریش نہ ہمیں دیکھ سکے نہ ہم تک پہنچ سکے"۔ یہ جو روایت میں ہے "مکڑا شیطان ہے جسے رب تعالیٰ نے مسخ کر دیا تھا اس کو قتل کر دو" یہ ضعیف حدیث ہے۔ البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "اپنے گھروں کو مکڑے کے جالوں سے صاف رکھو۔ اگر یہ گھر میں موجود ہوں تو فقر و غربت کا سامنا کرنا پڑتا ہے"۔ ابن نقیب نے کتنی عمدہ بات کی ہے۔

ودود القزان نسجت حريرا　يجمل لبسه فی كل شيئ
فان العنكبوت اجل منها　بما نسجت علی راس النبی

ریشم کے کیڑے نے ریشم بنائی۔ جس کے پہننے نے ہر چیز کو خوبصورتی عطا کر دی۔ لیکن مکڑے جو چیز حضور ﷺ کے سر اقدس پر تنی وہ اس ریشم سے بھی جلیل القدر تھی۔

روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگی "مولا! ان کی آنکھیں نابینا کر دے" انہیں حضور اکرم ﷺ کے متعلق علم نہ ہو سکا۔ وہ غار سے دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اقسمت بالقمر المنشق ان له　من قلبه نسبة مبرورة القسم
و ما حوی الغار من خير و كرم　و كل طرف و من الكفار عنه عمی
فالصدق فی الغار والصديق لم يرما　و هم يقولون ما بالغار من آدم
ظنوا الحمام و ظنوا العنكبوت علی　خير البرية لم تنسج و لم تحم
وقاية الله اغنت عن مضاعفة　من الدروع و عن عال من الاطم

میں چاک ہونے والے قمر کی قسم اٹھاتا ہوں۔ کیونکہ اس شق کو آپ کے قلب انور کے ساتھ بھی نسبت ہے۔ یہ قسم بہت پاکیزہ ہے اور وہ غار جس خیر و بھلائی اور کرم سے لبریز تھا۔ اس غار کی ہر ہر سمت کو دیکھنے سے کفار نابینا تھے۔ حضور سراپا صدق و امانت ﷺ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار میں رونق افروز تھے۔ کفار نے یہی کہا کہ غار میں کوئی نہیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ یہ کبوتر اور مکڑا حضور خیر البریہ ﷺ کی نہ حفاظت کرتے ہیں نہ ہی آپ پر جالا بن سکتے۔ اللہ رب العزت کی حفاظت مضبوط زرہوں اور بلند و بالا قلعوں سے مستغنی ہے۔

روایت ہے مشرکین جب غار کے دھانہ کے پاس سے گزرے تو وہاں سے دو کبوتر اڑے۔ انہوں نے ان کے انڈے دیکھے۔ مکڑے کا جالا دیکھا۔ انہوں نے کہا "اگر یہاں کوئی موجود ہوتا تو یہاں یہ کبوتر موجود نہ ہوتے" جب حضور اکرم ﷺ نے ان کی باتیں سماعت فرمائیں تو آپ جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کبوتر کے ذریعہ بچا لیا ہے اور مکڑے کے ذریعے مشرکین کے مکروفریب کو دور کر دیا ہے۔ مشرکین کو علم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے جس کے لئے چاہے مسخر کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ چاہے اپنے بندۂ خاص کی حفاظت کر سکتا ہے۔ وہ اپنے بندہ کو زرہوں اور قلعوں سے مستغنی کر سکتا ہے۔ امام بوصیری نے اپنے لامیہ قصیدہ میں کیا خوب لکھا ہے۔

الی متی انت باللذات مشغول　　وانت عن کل ماقدمت مسئول

واغیر تا حین اضحی الغار و ھو بہ　　کمثل قلبی معمور و ما ھول

کانما المصطفی فیہ و صاحبہ　　الصدیق لیثان قد آوا ھما غیل

وجلل الغار نسج العنکبوت علی　　و ھن فیا حبذا نسج و تجلیل

عنایۃ ضل کید المشرکین بھا　　وما مکایدھم الا الا ضالیل

ان ینظرون فھم لا یبصرونھما　　کان ابصارھم من یغھا حول

تو کب تک ان فانی لذتوں میں مشغول رہے گا۔ تو نے جو کچھ بھی پہلے بھیج دیا ہے اس کے متعلق تجھ سے باز پرس ہوگی۔ تعجب! جب آپ غار ثور میں تشریف لے گئے تو وہ میرے دل کی طرح آباد اور معمور ہو گیا۔ گویا کہ حضور ﷺ اور آپ کے یار غار حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو شیر تھے جو اس کچھار میں رونق افروز تھے۔ کمزوری کے باوجود مکڑے کے جالے نے غار کو چھپا دیا۔ وہ کتنا عمدہ پردہ تھا کتنا اچھا جالا تھا۔ یہ عنایت ربانی ہے کہ مشرکین کا مکروفریب تار تار ہو گیا۔ ان کے یہ فریب گمراہیوں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھے۔ جب وہ دیکھ رہے تھے لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ گویا کہ کجی کی وجہ سے ان کی نگاہیں بھینگی ہوئی تھیں۔

صحیح البخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب ہم غار میں تھے تو میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی" دوسری روایت میں ہے "میں نے سر اٹھایا تو میں نے قریش مکہ کے قدم دیکھ لئے۔ میں نے بارگاہ رسالت مآب میں عرض کی "اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو وہ ہمیں ضرور دیکھ لے گا" حضور اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا "ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا رب تعالیٰ ہے" یعنی اپنی ذات والا کو ان دو کے ساتھ ملا کر تین کی تعداد پوری کر دی۔ اس سے مراد معنوی معیت ہے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبۃ:40)

"بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

بعض اہل سیرت نے لکھا ہے کہ جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنی عرض کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر وہ یہاں سے آگئے تو ہم ادھر سے نکل جائیں گے'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غار کی دوسری طرف دیکھا تو دوسری طرف سے بھی اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ سمندر اس کے دھانے کے ساتھ متصل تھا اور اس کے ساتھ ایک کشتی بندھی ہوئی تھی''۔ رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ نہ ہی یہ آپ کے کثیر معجزات کی نسبت سے بعید از قیاس ہے۔ اگرچہ سیرت نگاروں نے اس روایت کو متصل سند کے ساتھ نقل نہیں کیا۔ لیکن ائمہ پر حسن ظن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ صرف قوی روایت تحریر کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین کی طرف دیکھا۔ ان سے خون مبارک نکل رہا تھا۔ یہ رقت آمیز منظر دیکھ کر وہ رونے لگے۔ یہ خون مبارک پہاڑ کی خشونت کی وجہ سے نکل آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعلین مبارک بھی نہیں پہنے ہوئے تھے۔ آپ اپنی مبارک انگلیوں کے بل چلتے رہے تا کہ پاؤں مبارک کے نشانات زمین پر نہ لگیں۔ ایک اور قول یہ بھی ہے کہ وہ غار تک جانے والا راستہ بھول گئے۔ جس کی وجہ سے زیادہ فاصلہ طے کرنا پڑا۔ بعض روایات میں ہے کہ شدت محبت کی وجہ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تھا۔ روایت ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں چلنے لگتے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق پوچھا تو عرض کی ''جب قریش مکہ کی جستجو یاد آتی ہے تو آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں۔ جب یاد آتا ہے کہ کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے، دائیں یا بائیں چلنے لگتا ہوں۔ میں آپ کے متعلق دشمن کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہاری آرزو ہے کہ دشمن میرے بدلے تمہیں شہید کر دے'' انہوں نے عرض کی ''ہاں! مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے'' اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی راتوں میں سے ایک رات ہر اس چیز سے بہتر ہے جو عمر اور آل عمر کو عطا کی گئی''۔ یعنی ہجرت کی یہ رات۔

جب یہ دو فرخندہ فال ہستیاں غار تک پہنچیں تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ٹھہر جائیں۔ حتیٰ کہ میں غار آپ کے لئے صاف کر دوں'' وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل غار میں داخل ہوئے۔ تا کہ اپنی جان قربان کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان بچائیں۔ انہیں خدشہ تھا کہ غار میں کوئی کیڑا وغیرہ نہ ہو۔ روایت ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے آپ غار کے اندر تشریف نہ لے جائیں حتیٰ کہ میں آپ سے قبل اس میں داخل ہو جاؤں۔ اگر اس میں کوئی چیز ہو تو وہ آپ سے قبل مجھ پر حملہ آور ہو''۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار کے اندر تشریف لے گئے۔ اپنے ہاتھ سے تلاش کرنے لگے۔ اگر کوئی سوراخ دیکھتے تو اسے اپنے کپڑے سے بند کر دیتے حتیٰ کہ اپنے کپڑے سے سارے سوراخ بند کر دیئے۔ ایک بل باقی رہ گیا۔ اس پر اپنی ایڑھی رکھ دی۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے اپنی دونوں ٹانگیں اس پر رکھ دیں تا کہ اس سے ایسی چیز نہ نکلے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دے کیونکہ مشہور یہی

تھا کہ یہ غار اذیت ناک جانوروں کا مسکن تھا۔ غار کو صاف کرنے کے بعد عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اندر تشریف لے آئیں۔ میں نے اسے صاف کر دیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ اندر تشریف لے آئے۔ اپنا سر اقدس سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آغوش میں رکھا اور محو استراحت ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بقیہ سوراخوں پر اپنی دونوں ٹانگیں رکھی تھیں۔ ایک سوراخ سے ایک سانپ نے ان کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ مگر انہوں نے حرکت تک نہ کی تا کہ حضور اکرم ﷺ بیدار نہ ہو جائیں۔

ایک روایت کے مطابق اژدھا اور سانپ انہیں کاٹنے لگے ان کے درد کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آنسو نیچے گرنے لگے۔ یہ آنسو حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور پر گرے تو آپ بیدار ہو گئے۔ فرمایا "ابوبکر! کیا ہوا ہے؟ عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے" حضور ﷺ نے اس جگہ اپنا لعاب دہن لگایا تو سارا درد ختم ہو گیا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ وقت صبح حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سوجھن کا اثر دیکھا تو اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے عرض کی "یہ سانپ کے ڈنگ مارنے کی وجہ سے ہے" آپ نے فرمایا "تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" انہوں نے عرض کی "میں نے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا"۔ حضور اکرم ﷺ نے اس جگہ لعاب دہن لگایا تو ساری سوجھن ختم ہو گئی۔

ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا "آپ کا کپڑا کہاں ہے؟ انہوں نے جو کچھ کیا تھا عرض کر دیا۔ حضور ﷺ نے دست اقدس بلند کر کے یہ دعا مانگی "مولا! ابوبکر کو جنت میں میرے ساتھ میرا درجہ عطا فرما" اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی فرمائی "ہم نے آپ کی یہ دعا قبول کر لی ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو آپ نے میری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا تو آپ نے میری اعانت کی۔ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو آپ مجھ پر ایمان لے آئے۔ اور میری تنہائی میں میرے ساتھ موانست کی"۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ہمارے شیخ الشبر املسی نے کہا ہے کہ یہ کپڑا ان کپڑوں کے علاوہ تھا جن کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا جسد اطہر ڈھانپ رکھا تھا۔ کیونکہ یہ روایت کہیں بھی نہیں ملتی کہ آپ نے غار میں آنے والے افراد مثلاً اپنے لخت جگر یا حضرت ابن فہیرہ سے کوئی کپڑا مانگا ہو"۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں داخل ہوئے تو ان کے ہاتھ پر کوئی چیز لگی تو اس سے خون جاری ہو گیا۔ انہوں نے اس خون مبارک کو ہاتھ لگایا اور کہا

هل انت الا اصبع دميت و فی سبيل الله ما لقيت

یہ شعر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ شعر اس وقت پڑھا جب آپ کو پتھر لگا اور انگشت مبارک سے خون بہنے لگا۔ آپ کے لئے شعر کہنا ممتنع تھا۔ شعر پڑھنا ممتنع نہ تھا۔ پھر یہ شعر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً

حضرات ابن رواحہ، ولید بن ولید اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہم نے پڑھا۔

روایت ہے کہ جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قیافہ شناس کو دیکھا تو ان کا غم بڑھ گیا اور وہ رونے لگے۔ انہیں خوف، خدشہ اور حزن نے آلیا۔ یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے خدشہ کی وجہ سے تھا۔ انہوں نے کہا "اگر میں شہید ہو گیا تو میں تو صرف ایک شخص ہی ہوں۔ میری شہادت کی وجہ سے امت ہلاک نہ ہو گی۔ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے اور دین ختم ہو جانے کے ساتھ امت بھی ہلاک ہو جائے گی"۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40)

"کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

یعنی اعانت اور نصرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں معنوی معیت مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے معیت حسیہ محال ہے۔ اس سے صرف علم مراد نہیں کیونکہ وہ تو ہر موجود چیز کو حاصل ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ۔ (الحدید:4)

"وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو"۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (التوبہ:40)

"پھر نازل کی اللہ نے اپنی تسکین ان پر"۔

سکینہ سے مراد "امن" ہے۔ یعنی اس سے مراد نفس کی وہ حالت ہے جس کے ہوتے ہوئے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے کیونکہ وہ ناپسندیدہ امر سے امن میں ہوتا ہے "علیہ" میں ضمیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے۔ امام بیضاوی لکھتے ہیں "یہ قول ظاہر ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ اَيَّدَهٗ میں ضمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا سے مراد ملائکہ ہیں یعنی تاکہ وہ آپ کی حفاظت کریں اور مشرکین کے چہرے آپ سے پھیر دیں۔ ذرا دیکھو اور بصیرت کی نظر سے حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ دیکھو اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر آپ کی شفقت کی بے کرانیاں دیکھو۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غم و حزن کا علم ہوا تو آپ نے یہ بشارت دے کر ان کے دل کو تقویت دی۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40)

"غمگین مت ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے"۔

"ثانی اثنین" کی سعادت سارے صحابہ کرام کے علاوہ صرف حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہے۔ آپ اسلام لانے اور نفس اور عمر کو نثار کرنے میں ثانی ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ اپنے نفس سے کیا تو گویا کہ انہوں نے اپنے نفس اور عمر مبارک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے مٹا ڈالا۔ جب انہوں نے اپنے مال اور نفس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

دفاع کیا۔

توشہروں کے منبروں پر سے واعظ یہ اعلان کرنے لگے۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (التوبہ:40)

"آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار ثور میں تھے"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے یہی شرف کافی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کیا ابوبکر کے متعلق بھی کچھ اشعار کہے ہیں"۔ انہوں نے عرض کی "ہاں!" آپ نے فرمایا "سناؤ۔ میں سن رہا ہوں" حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھے۔

و ثانی اثنین فی الغار المنیف و قد   طاف العدوبه اذ صاعد الجبلا

و کان حب رسول الله قد علموا   من الخلائق لم یعدل به بدلا

بلند و بالا غار میں دو میں سے دوسرے جب دشمن ان کے اردگرد محو طواف تھے۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھ آئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب تھے لوگ جانتے ہیں کہ کوئی شخص بھی ان کا ہم پایہ نہیں ہے۔

یہ سن کر حضور صلی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا "حسان! تم نے سچ کہا ہے۔ وہ اسی طرح ہیں جس طرح تم نے کہا ہے"۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے کہا "تم میں سے کون سورۃ التوبہ پڑھے گا؟ ایک صحابی نے کہا "میں" جب وہ اس آیت طیبہ تک پہنچے۔

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ (التوبہ:40)

"جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ غمگین مت ہو"۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ہی آپ کا ساتھی تھا" حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھا۔ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ آپ نے فرمایا "ابودرداء! کیا تم اس ہستی کے آگے آگے چل رہے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے افضل ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے تصرف میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے انبیاء اور مرسلین کے بعد سورج کسی چیز پر طلوع اور غروب نہیں ہوا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا "میرے پاس جبرائیل امین آئے انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشاورت کیا کریں"۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر سے محبت کرنا میری امت پر واجب ہے"۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے اس فرمان

كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ (الشعراء)

"ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا"۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فرمان

إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبہ:40)

"یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

میں غور وفکر کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "مسند الیہ" "اللہ" کو مقدم کیا تو قلب انور کے ساتھ اتنا شدید تعلق تھا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تعلق ختم نہ ہوتا تھا یا اس لئے وہ بندوں کا محبوب ہے اور اس سے لذت وگدازی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی ضرورت کے لئے اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ یا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے ہوئے اس کے نام مبارک کو مقدم کیا کیونکہ یہ ساری صفات کمال کی اصل ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے معیت کو صرف اپنی ذات اقدس کے لئے مختص کیا اور اس میں اپنے پیروکاروں کو شامل نہ کیا۔ انہوں نے فرمایا

إِنَّ مَعِيَ رَبِّي (الشعراء:62)

"بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے"۔

جبکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معیت خاصہ میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شامل فرمایا۔ آپ نے "ان اللہ معی" نہیں فرمایا بلکہ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فرمایا۔ کیونکہ آپ نے اپنے نور مبارک سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی اور انہوں نے اس معیت کا راز سمجھ لیا۔ اسی لئے سکینہ کا راز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ کیونکہ اس مدد کے بغیر اس تجلی اور مشاہدہ کو برداشت کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ان فرمانوں میں فرق یہ ہے کہ "رب" تربیۃ سے مشتق ہے۔ یہ نشوونما اور اصلاح کے معانی کو شامل ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ "اللہ" ذکر فرمایا یہ لفظ جلالت ہے۔ یہ مبارک اسم ساری صفات کمال کو جامع ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے یار غار کے ساتھ تین راتیں غار میں ٹھہرے رہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بھی رات ان کے ہمراہ ہی بسر کرتے تھے۔ وہ ایک ذہین فطین نوجوان تھے۔ وہ وقت سحر مکہ مکرمہ پہنچ جاتے۔ وقت صبح قریش کے پاس ہوتے گویا کہ انہوں نے رات مکہ مکرمہ میں ہی بسر کی تھی۔ کیونکہ وہ اندھیرے میں ہی غار ثور سے لوٹ آتے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق جو بھی نازیبا امر سنتے۔ اسے یاد کر لیتے اور جب تاریکی چھا جاتی تو وہ غار ثور میں آجاتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ان کی بکریاں چراتے تھے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جاتا تو وہ بکریاں لے کر غار ثور کے پاس آجاتے۔ یہ حضرات قدسیہ بکریوں کا دودھ نکالتے اور نوش جان فرماتے پھر وہ صبح صبح اپنی

بکریاں لے کر دیگر چرواہوں کے ساتھ مل جاتے۔ وہ تین راتوں میں سے ہر رات اسی طرح کرتے رہے مگر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ امین اور قابل اعتماد تھے ان کا اسلام بہت عمدہ تھا۔ انہیں راہ خدا میں اذیتیں دی جاتی تھیں۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بئر معونہ کے واقعہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ سے ان کے پاس آتیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے کھانا تیار کرتیں۔ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہونے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو راستہ بتانے کے لئے اجرت پر اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا تھا۔ یہ کفار قریش کے مذہب پر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لئے تابع فرمان کر دیا۔ تاکہ اس کا معاملہ ظاہر ہو کر رہے۔ عبداللہ کے اسلام کا کسی کو علم نہیں۔ انہوں نے اپنی اونٹنیاں اسی کے سپرد کیں اور تین راتوں کے بعد اسے غار ثور کے پاس آنے کا حکم دیا۔ تیسری شب کی صبح کو وہ اونٹنیاں لے کر حاضر خدمت ہو گیا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق "جب شور و غل تھم گیا تو عبداللہ بن اریقط اونٹنیاں لے کر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی اس رفاقت میں شامل تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتے تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ انہوں نے سمندر کے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔ دوسری روایت کے مطابق ابن اریقط انہیں مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں لے کر چلا۔ پھر چلتا ہوا ساحل سمندر تک پہنچ گیا۔ پھر عسفان کے نشیبی علاقہ سے گزرتا ہوا شاہراہ پر آ گیا۔ جب کوئی شخص سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتا "یہ کون ہیں" تو وہ فرماتے "یہ وہ پاکیزہ ذات ہے جو مجھے راستہ دکھاتی ہے"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ تجارتی سفر کرتے تھے اور لوگوں کے ہاں معروف تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کم سفر کئے تھے۔ جو شخص بھی ان سے پوچھتا اور وہ اسے وہی جواب دیتے۔ روایت ہے کہ حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میری طرف سے لوگوں کو جواب دو۔ کیونکہ کسی نبی کے لئے جھوٹ بولنا روا نہیں۔ خواہ وہ توریہ کی صورت میں ہو"۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس طرح جواب دیتے جس طرح کہ اوپر تذکرہ ہو چکا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ یہ مبارک کارواں ایک چٹان کے پاس سے گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں استراحت فرما ہو گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک چرواہا دیکھا۔ اس کے ہمراہ بکریاں تھیں۔ اسے دودھ دوہنے کے لئے کہا۔ اس نے دودھ نکالا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ دودھ ٹھنڈا کیا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ کو پیش کر دیا۔ پھر سعادت اور برکتوں سے لبریز کارواں آگے روانہ ہو گیا۔

حضرت ام معبد کی سرفرازیاں

پھر یہ مقدس قافلہ قدید کے مقام سے گزرا۔ اسی جگہ حضرت ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کا خیمہ تھا۔ ان کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ ایک پاکیزہ فطرت، عفت مآب، توانا اور طاقتور خاتون

تھیں۔ انہوں نے خیمہ لگا رکھا تھا۔ یہ ہر گزرنے والے مسافر کو کھلاتی اور پلاتی تھیں۔ ان کی قوم قحط سالی کا شکار تھی ان پاکیزہ کیش کارواں نے ان سے دودھ یا گوشت یا کھجور طلب کی تاکہ قیمتہً خرید لیں۔ مگر اس وقت حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے عرض کی "بخدا! اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو بطور ضیافت آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ کے ایک کونہ میں ایک بکری ملاحظہ کی۔ جو کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ چرنے بھی نہ جا سکتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معبد سے پوچھا "کیا اس کی کھیری میں دودھ ہے؟ انہوں نے عرض کی "یہ اس امر سے عاجز ہے" آپ نے فرمایا "کیا تم اجازت دیتی ہو کہ ہم اس کا دودھ نکال لیں"۔ وہ عرض گزار ہوئیں "ضرور میرے والدین آپ پر نثار! اگر آپ کو اس کی کھیری میں دودھ نظر آتا ہے تو ضرور دودھ لیں" آپ نے بکری پاس بلوائی۔ اس کی کھیری پر دست عطار کھا۔ اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو وہ دودھ اتار آئی۔ اس کی کھیری دودھ سے لبالب بھر گئیں۔ آپ نے برتن طلب فرمایا۔ جسے حاضر خدمت کر دیا گیا۔ آپ نے اس میں دودھ نکالا۔ سب سے پہلے حضرت ام معبد کو پلایا۔ پھر دیگر رفیقان راہ کو پلایا حتیٰ کہ سارے سیراب ہو گئے۔ سب سے آخر میں خود دودھ نوش فرمایا اور فرمایا "قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے" پھر دوسری بار اسی برتن میں دودھ نکالا اور دوسری مرتبہ سب کو پلایا۔ پھر تیسری بار دودھ نکالا تو وہ ام معبد کے خاندان کے لئے وہیں چھوڑ دیا۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ برتن اٹھا لو۔ یہ ابو معبد کے لئے ہے" پھر سوار ہو کر آگے عازم سفر ہو گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ام معبد نے یہ حیرت انگیز معجزہ دیکھا تو اپنے پڑوسیوں سے ایک بکری لی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و اکرام کی خاطر اسے ذبح کر دیا۔ اس نے اس میں ایک اور معجزہ دیکھا۔ وہ معجزہ یہ تھا کہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیقان راہ نے کھایا اپنے توشہ دان بھر لئے۔ پھر بھی اکثر گوشت ام معبد کے پاس ہی رہا۔ وہ مبارک بکری جس کی کھیری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نکالا تھا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہی۔ جب یہ فرخندہ فال مسافر چلے گئے تو ابو معبد گھر آیا۔ اس کا نام اکثم بن ابی الجون الخزاعی تھا۔ یہ بعد میں دولت اسلام سے سرفراز ہو گیا تھا۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں "اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی مروی ہے" یہ بکریوں کو ہانکتے ہوئے گھر آیا۔ جب برتن دودھ سے لبریز دیکھے تو تعجب کیا۔ کہا "ام معبد! یہ کیا ہے؟ یہ دودھ کی فراوانی کہاں سے ہے۔ حالانکہ گھر میں کوئی شیر دار جانور نہیں" اس فرخندہ فال خاتون نے کہا "یہاں سے ایک مبارک شخص گزرا ہے۔ اس کے خدوخال یہ یہ تھے۔ انہوں نے اس بکری کو دیکھا تو اسے بلا لیا"۔ پھر اس سے ساری محبت آمیز داستان بیان کی"۔ ابو معبد نے کہا "ام معبد! ذرا اسی ہستیِ پاک کا حلیہ تو بیان کرو" حضرت ام معبد نے یوں گوہر افشانی کی "میں نے ایک ایسے شخص کی زیارت کی ہے جس کا حسن نمایاں تھا۔ اس کا چہرہ ملیح تھا۔ تخلیق کی ساخت بہت خوبصورت تھی۔ نہ رنگت کی سفیدی اسے معیوب بنا رہی تھی۔ نہ گردن اور سر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین، بہت خوبرو، آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لانبی تھیں، سیاہ چشم، سرگیں، دونوں ابرو باریک اور باہم ملے ہوئے تھے، سر کے گیسوئے پاک بہت زیادہ کالے تھے۔ گردن طویل تھی۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ جب خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پرنور اور بارونق ہوتا۔ گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے

موتی جڑ رہے ہوتے۔ گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی نہ بیہودہ ہوتی۔ جب محو تکلم ہوتے تو سارے لوگوں سے بلند آواز ہوتے۔ دور سے دیکھنے پر سب لوگوں سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے۔ قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔ قد میانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے مابین ایک ایسی شاخ کی مانند تھے جو سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو فوراً اس کی تعمیل کرتے۔ اگر آپ انہیں حکم دیتے تو فوراً اسے بجالاتے۔ سب کے مخدوم سب کے محترم۔ نہ وہ ترش رو تھے نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی"۔

پیکر جمال کی زیبائی کا یہ تذکرہ جمیل سن کر ابو معبد بول اٹھے "بخدا! یہ تو وہی ذات بابرکات ہیں قریش جن کی جستجو میں مارے مارے پھر رہے ہیں۔ اگر میں ان کی زیارت سے بہرہ یاب ہو جاتا تو ضرور ان کی اتباع کرتا"۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا "میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ان کی رفاقت اختیار کروں۔ اگر مجھے کوئی چارۂ کار نظر آیا تو میں اس طرح کر گزروں گا"۔ قریش حضور سید عالم ﷺ کو تلاش کرتے کرتے حضرت ام معبد تک پہنچ گئے۔ ان سے حضور اکرم ﷺ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا "مجھے تو ایسی ذات کا کچھ پتہ نہیں۔ البتہ میرے گھر وہ ہستی تشریف لائی جس نے ہماری پٹھ کا دودھ نکال لیا تھا۔ قریش نے ان سے کہا "ہماری مراد وہی ہیں"۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی تھی۔ سید السمہودی نے لکھا ہے "حضرت ام معبد اور ان کے شوہر کو اسلام لانے اور ہجرت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی"۔ خلاصہ الوفاء میں ہے "حضرت ابو معبد اس مبارک کارواں کے پیچھے پیچھے عازم سفر ہوئے۔ تاکہ دولت اسلام سمیٹ لیں۔ "بطن مریم" میں انہوں نے حضور ﷺ سے ملاقات کی سعادت حاصل کر لی۔ بیعت سے مشرف ہو کر واپس آ گئے۔

شرح السنۃ از امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے "حضرت ام معبد اور ان کے شوہر نے ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔ ان کے بھائی حضرت جیش رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ فتح مکہ کے روز ان کے سر پر شہادت کا تاج زرنگار سجا۔ اس علاقے کے لوگ اس دن سے تاریخ کا تعین کرتے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ وہاں جلوہ افروز ہوئے۔ وہ اس دن کو "یوم نزول الرجل المبارک" کہتے تھے۔

امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم ﷺ کا امر ہم پر مخفی ہو گیا تو قریش کے چند افراد ہمارے پاس آئے۔ ان میں ابو جہل بھی تھا۔ میں باہر نکلی تو ابو جہل نے کہا "ابو بکر کی نور نظر! تمہارے والد کہاں ہیں؟" میں نے کہا "بخدا! مجھے تو کچھ علم نہیں"۔ ابو جہل ایک خبیث اور فاحش شخص تھا۔ اس نے میرے رخسار پر اتنی طاقت سے تھپڑ مارا کہ میری بالی دور جا گری۔ پھر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ جب ہمیں یہ علم نہ ہو سکا کہ حضور ﷺ کس سمت تشریف لے گئے ہیں تو تین یا پانچ راتوں کے بعد ایک شخص مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں آیا۔ اہل مکہ اس کی آواز تو سن سکتے ہیں مگر اسے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق وہ جن تھا۔ ایک اور قول کے مطابق وہ ہاتف تھا۔

وہ کوہ ابی قبیس پر چڑھ کر یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہٖ رفیقین حلا خیمتی ام معبد

اللہ تعالیٰ جو لوگوں کا پروردگار ہے وہ ان دو ساتھیوں کو بہترین جزائے خیر دے جو ام معبد کے خیمہ میں رونق افروز ہوئے ہیں۔

ھما نزلا بالبر ثم ترحلا فافلح من امسی رفیق محمد

انہوں نے وہاں ہدایت کے ساتھ قیام کیا۔ پھر وہ روانہ ہو گئے جو بھی حضور ﷺ کا ساتھی بن گیا وہ کامیاب ہو گیا۔

فیا لقصی مازوی اللہ عنکم بہ من فعال لا تجاری و سودد

قصی پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے لاثانی جود و کرم اور سیادت کو تم سے جدا نہیں کیا۔

لیھن بنی لعب مکان فتاتھم و مقعدھا للمؤمنین بمرصد

بنو کعب کو مبارک ہو کہ ان کی خواتین کی نشست و برخاست کے پناہ گاہ مؤمنین ہیں۔

سلوا اختکم عن شاتھا و انائھا فانکم ان تسألوا الشاۃ تشھد

اپنی بہن سے اس کے برتن اور بکری کے متعلق سوال کرو اگر بکری سے سوال کرو گے تو وہ بھی گواہی دے گی۔

دعاھا بشاۃٍ حائل فتحلبت لہ بصریح فرۃ مزبد الشاۃ

آپ نے اس کی بکری بلائی پھر آپ کے لئے اس کی کھیری میں مکھن آمیز دودھ نکالا گیا۔

فغا درھا رھنا لدیھا الحالب یرددھا فی مصدر ثم مورد

آپ نے اس کی بکری کو مالک کے لئے باقی رکھا وہ اپنی بکریوں کو کبھی چراگاہ پر اور کبھی گھر لے کر جاتا تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جب ہم نے ہاتف غیبی کی یہ صدا سنی تو ہم جان گئے کہ آپ کس سمت کا ارادہ کئے ہوئے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری پر رحم کرے انہوں نے کتنی عمدہ بات کی ہے۔

و تغنت بمدحہ الجن حتی اطرب الانس منہ و ذالک الغناء

جنات نے بھی آپ کی تعریف کی حتیٰ کہ اس ستائش نے انسانوں کو بھی خوشی پر برانگیختہ کر دیا۔

جب اہل مدینہ میں سے انصار تک مذکورہ بالا اشعار پہنچے تو حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ اشعار کہے۔

لقد خاب قوم زال عنھم نبیھم و قدس من یسری الیہ و یغتدی

وہ قوم خسارے میں ہو گئی جس کے شہر سے نبی مکرم ﷺ تشریف لے گئے۔ جس قوم کے پاس آپ تشریف لے گئے وہ پاکیزہ بن گئی۔

ترحل عن قوم فضلت عقولھم و حل علی قوم بنور مجدد

آپ ایسی قوم سے سفر فرما ہوئے جن کی عقلیں گمراہ ہو چکی تھیں اور آپ ایک تاباں نور کے ساتھ دوسری قوم میں تشریف

لے گئے۔

هداهم به بعد الضلالة ربهم و ارشدهم من يتبع الحق يرشد

آپ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انہیں راہ رشد و ہدایت دکھائی جو حق کی اتباع کرتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

و هل يستوى ضلال قوم لتسفهوا عمى و هداة يهتدون بمهتد

کیا اس قوم کے گمراہ برابر ہو سکتے ہیں جو جان بوجھ کر بے وقوف بنے رہے اور اپنے ہادی حق پر ہر قسم کی تہمت لگاتے رہے۔

و قد نزلت منه على اهل يثرب ركاب هدى حلت عليهم باسعد

آپ کے طفیل اہل یثرب کو ہدایت نصیب ہوئی اور ساری سعادتیں ان کا مقدر بن گئیں۔

نبى يرى مالا يرى الناس حوله و يتلو كتاب الله فى كل مشهد

وہ ایسے نبی مکرم ہیں جو ان چیزوں کا مشاہدہ فرماتے ہیں جنہیں لوگ نہیں دیکھ سکتے وہ ہر جگہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔

وان قال فى قوم مقالة غائب فتصديقها فى اليوم او فى ضحى غد

اگر آج وہ کوئی غیب کی بات کہہ دیتے ہیں تو وہ آج ہی یا کل وقت چاشت ضرور رونما ہو جاتی ہے۔

ليهن ابابكر سعادة جده بصحبته من يسعد الله يسعد

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مبارک ہو در حقیقت جسے اللہ تعالیٰ سعادت مند کرتا ہے وہ ہی سعید ہوتا ہے۔

سراقہ بن مالک

جب یہ مبارک کارواں حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے خیمہ کو برکتوں اور سعادتوں کی آماجگاہ بنا کر آگے روانہ ہوا تو راستہ میں سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی نے تعرض کیا۔ یہ سراقہ اس وقت ایمان لے آئے جب حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ مدلج بن مرہ بن عبد مناۃ بن کنانہ کی نسبت سے انہیں مدلجی کہا جاتا تھا۔ یہ کنانی حجازی تھے۔ امام بخاری نے ان سے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے۔

"ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے۔ انہوں نے اس شخص کے لئے انعام مقرر کیا تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرے یا شہید کرے۔ میں بنو مدلج کی ایک محفل میں بیٹھا ہوا تھا وہاں ایک شخص آیا۔ وہ ہمارے پاس کھڑا ہو گیا۔ ہم وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا "سراقہ! میں نے ساحل سمندر پر ایک مختصر سا کارواں دیکھا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہیں"۔ حضرت سراقہ نے کہا "میں جان گیا کہ وہ وہی کارواں تھا۔ لیکن میں نے اس شخص سے کہا "وہ کارواں ان لوگوں پر مشتمل نہیں۔ بلکہ میں نے فلاں فلاں شخص کو دیکھا ہے جو ہمارے سامنے یہاں سے روانہ ہوئے ہیں"۔ میں کچھ دیر وہیں ٹھہرا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔ میں نے اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ وہ میرا گھوڑا فلاں جگہ لے جائے۔ اسے وہیں روک کے رکھے۔ میں نے اپنا نیزہ لیا اور اپنے گھر کے پچھلے حصہ سے باہر نکل

گیا"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سراقہ نے ہمارا تعاقب کیا۔ ہم چٹیل سرزمین پر تھے" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ تعاقب کرنے والا ہے جو ہمارے ساتھ ملنے ہی والا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غم نہ کرو۔ رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں یا پیچھے توجہ نہیں فرما رہے تھے۔ جبکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کثرت سے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھ رہے تھے۔ جب وہ سوار ہمارے قریب ہو گیا۔ ہمارے اور اس کے درمیان دو یا تین نیزوں کا فاصلہ رہ گیا تو میں عرض پیرا ہوا "یہ شخص تو ہمارے قریب تر آ گیا ہے"۔ میں رونے لگا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں اپنے نفس کے لئے نہیں رو رہا۔ یہ گریہ جان عالم! آپ کے لئے ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! ہماری طرف سے اسے جس طرح چاہتا ہے کافی ہو جا"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! اسے پکڑ لے" فوراً اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں گھٹنوں تک دھنس گئے۔ دوسری روایت میں پیٹ تک دھنس جانے کا بھی تذکرہ ہے۔ اس شخص (سراقہ) نے امان طلب کی۔ ایک اور روایت کے مطابق وہ اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اس نے تیروں سے فال نکالی وہ تیر نکلا جسے وہ ناپسند کرتا تھا۔ وہ دوسری بار گھوڑے پر سوار ہوا۔ وہ ہمارے قریب پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت مبارکہ سن لی۔ اس کے گھوڑے کے اگلے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نیچے گر پڑا۔ اس نے اسے چھوڑا۔ تیروں سے فال نکالی۔ وہی تیر نکلا جو اسے پسند نہ تھا۔ اس نے "امان" کی صدا لگائی۔ اس نے کہا "میرا ارادہ تو تھا کہ میں انہیں قریش کے سپرد کروں گا اور ایک سو اونٹ انعام لوں گا"۔ بعض تفاسیر میں ہے "سراقہ نے سات بار رب تعالیٰ سے عہد کیا پھر ہر بار عہد توڑ دیا۔ وہ جب بھی عہد توڑتا اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سراقہ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو پکار اٹھا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھ سے آپ کو کون بچائے گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے الجبار، الواحد، القہار بچا لے گا" اس وقت حضرت جبرائیل حاضر خدمت ہوئے۔ عرض کی "حضور! اللہ تعالیٰ نے زمین کو آپ کی اطاعت گزار بنا دیا ہے۔ آپ اسے جو حکم دیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے زمین! اسے پکڑ لے" زمین نے اس کے گھوڑے کی ٹانگوں کو گھٹنوں تک پکڑ لیا۔ سراقہ نے گھوڑا آگے چلایا مگر اس نے حرکت تک نہ کی۔ اس نے کہا "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم امان! اگر آپ نے مجھے نجات عطا فرما دی تو آپ کی نصرت و اعانت کروں گا۔ عداوت نہیں کروں گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے زمین! اس کا گھوڑا چھوڑ دے" زمین نے اسے چھوڑ دیا۔ جب سراقہ مایوس ہو گیا۔ اس نے وہ معجزہ دیکھ لیا تو عرض گزار ہوا "میں سراقہ ہوں مجھے مہلت عطا فرمائیں۔ میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ بخدا! آپ کو میری طرف سے کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ نے میرے لئے بددعا کی۔ اب میرے لئے دعا فرمائیں"۔

دوسری روایت میں ہے۔ اس نے عرض کی "محمد عربی! صلی اللہ علیہ وسلم میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ سب کچھ آپ کی بددعا کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اب رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے۔ اب میں دیگر لوگوں کو بھی آپ سے دور رکھوں گا۔ اور آپ کو کوئی نقصان نہیں دوں گا"۔ دوسری روایت میں ہے "میں تمہارے لئے فائدہ کا سبب بنوں گا نقصان نہیں دوں

گا۔ شاید میری قوم میری وجہ سے پریشان ہوگئی ہو۔ اب میں واپس جاؤں گا اور انہیں آپ سے دور لے جاؤں گا"۔

حضرت سراقہ نے فرمایا "یہ دونوں ہستیاں اسی جگہ رک گئیں اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس تکلیف دہ صورت حال سے نجات دے" حضرت سراقہ نے کہا "میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ جب مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا تو مجھے یقین ہو گیا کہ عنقریب آپ کا امر غالب آجائے گا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "لوگ کتنے حریص ہیں کہ وہ آپ پر غلبہ پالیں اور اس مقصد کے لئے وہ کتنا مال خرچ کر رہے ہیں"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ حضرت سراقہ نے ان کے ساتھ یہ عہد کیا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی کسی کو ان کے متعلق بتائے گا اور تین روز تک یہ امر مخفی رکھے گا۔

سراقہ نے کہا "میں نے ان پاکباز ہستیوں کو زاد راہ پیش کیا۔ سامان حاضر خدمت کیا مگر انہوں نے کچھ بھی قبول نہ کیا"۔ ایک اور روایت میں ہے "میں نے عرض کی "یہ میرا ترکش ہے اس سے تیر لے لیں۔ آپ میرے اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے پاس سے گزریں گے۔ ان سے اپنی ضرورت کے مطابق لے لیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے تمہارے اونٹوں کی کوئی ضرورت نہیں" آپ نے ان کے لئے دعا مانگی "ایک اور روایت میں ہے "میں نے آپ کو زادراہ اور سامان سفر پیش کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سراقہ! اگر تجھے دین اسلام میں رغبت نہیں تو پھر مجھے تیرے اونٹوں اور بکریوں میں کوئی رغبت نہیں"۔

ایک اور روایت میں ہے "سراقہ نے کہا "انہوں نے مجھ سے اس کے علاوہ کچھ نہ کہا" ہمارا معاملہ مخفی رکھنا"۔ میں نے آپ سے التجاء کی کہ آپ مجھے امن نامہ لکھ دیں"۔ آپ نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔ "انہوں نے چمڑے کے ٹکڑے پر مجھے امان نامہ لکھ دیا"۔ ایک اور روایت میں ہے "مجھے یقین ہو گیا تھا کہ آپ کا معاملہ عنقریب غالب آجائے گا۔ آپ لوگوں کی گردنوں کے مالک بن جائیں گے۔ آپ نے میرے ساتھ وعدہ کیا۔ جب بھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ آپ میری عزت افزائی فرمائیں گے" آپ نے حضرت عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تو انہوں نے امان نامہ لکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سراقہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے جو چاہیں حکم دیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسی جگہ ٹھہر جاؤ اور کسی کو ہماری سمت نہ آنے دینا۔ دن کے ابتدائی حصہ میں آپ کو شہید کرنے کی نیت سے آنے والا سراقہ اب آپ کی نگہبانی کرنے لگا۔ جب سراقہ قوم کے پاس آیا تو اس نے کہا "میں نے سارے رستے چھان مارے ہیں۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا"۔ یہ سن کر قوم واپس آگئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ سے فرمایا "تمہاری کیفیت اس وقت کیا ہو گی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے"۔ سراقہ نے عرض کی "کسریٰ بن ہرمز کے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں" سراقہ نے یہ سن کر تعجب کا اظہار کیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کسریٰ کے کنگن، تاج اور منطقہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سراقہ کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ وعدہ سن رکھا تھا۔ انہوں نے سراقہ کو بلایا اور یہ کنگن انہیں پہنا دیئے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ کا اظہار ہو سکے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اپنے ہاتھ بلند کرو" انہوں نے کہا

''اللہ اکبر! ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں۔ جس نے یہ کنگن کسریٰ بن ہرمز سے چھینے اور بنو مدلج کے ایک اعرابی سراقہ بن مالک کو پہنا دیئے'' حضرت عمر فاروق نے باآواز بلند یہ حمد بیان کی۔ پھر یہ چیزیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیں۔ کسریٰ کے سامان میں سے ایک قالین بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس کی لمبائی بھی ساٹھ ذراع اور چوڑائی بھی ساٹھ ذراع تھی۔ اس پر مختلف رنگوں میں موتی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہ قالین ان کے ایوان میں بچھائی جاتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس قالین کو ٹکڑوں میں منقسم کیا۔ اور وہ ٹکڑے مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ ایک ٹکڑا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں بھی آیا۔ انہوں نے اسے پچاس دیناروں میں فروخت کر دیا۔

المختصر سراقہ نے وہ امان نامہ لیا اور اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا۔ سراقہ کہتے ہیں ''مجھے اس واقعہ میں سے کچھ بھی یاد نہ رہا حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے بھی فارغ ہو گئے۔ میں آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے نکلا۔ میرے پاس میرا امان نامہ بھی تھا۔ میں نے جعرانہ کے مقام پر آپ سے ملاقات کی۔ میں آپ کے قریب گیا۔ اور اس نوشتے سمیت اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ آپ کا نوشتہ ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آج وفاء اور نیکی کا دن ہے'' اسے میرے قریب کرو'' میں آپ کے قریب گیا اور دولت اسلام سے سرفراز ہو گیا''۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت سراقہ عرض گزار ہوئے ''یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری قوم کے ساتھ صلح کر لیں۔ اگر آپ کی قوم نے اسلام قبول کر لیا تو یہ بھی اسلام لے آئیں گے۔ ورنہ میں ضرور ایمان لے آؤں گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔ ''اس کے ساتھ جاؤ اور جو یہ چاہتا ہے وہ کرو'' حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کی قوم کے ساتھ اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر قریش اسلام لے آئے تو وہ بھی اسلام لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ (النساء:90)

''مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے''۔

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے ''جب سراقہ کے اس واقعہ کی خبر ابوجہل تک پہنچی تو اس نے انہیں ملامت کی''۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب سراقہ مکہ مکرمہ پہنچے تو ان کے اردگرد اہل مکہ جمع ہو گئے۔ سراقہ نے انکار کر دیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ ابوجہل لگاتار اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ سراقہ نے اعتراف کر لیا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا حتیٰ کہ ابوجہل نے انہیں ملامت کی سراقہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے۔

ابا حکم واللات لو کنت شاھداً ۔ لا مر جوادی اذ تسیخ قوائمہ

اے ابوجہل کاش تو اس حیرت افزاء منظر کو دیکھ لیتا جب میرے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے۔

علمت و لم تشکک بان محمداً ۔ رسول ببرھان فمن ذا یقاومہ

تو تو جان لیتا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جو واضح برہان کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔

علیك بکف القوم عنی فاننی ازی امرہ یوما ستبدو معالمہ

آپ کا مقابلہ کون کرسکتا ہے تجھ پر لازم ہے کہ تو اپنی قوم کو ان سے روک لے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن آپ کا غلبہ ہو جائے گا۔

حضرت سراقہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک شاعر نے کہا ہے۔

غرت سراقہ الطماع فساخ بہ جوادہٗ فانشنی للصلح مطلبا

سراقہ کو لالچ نے آلیا۔ اس کا گھوڑا اس لئے زمین میں دھنس گیا۔ پھر وہ صلح کرنے پر راضی ہو گیا۔

حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے۔

فاقتفی اثرہ سراقہ فاستھوتہ فی الارض صافن جرداء

سراقہ نے آپ کا تعاقب کیا اور اس کا عمدہ اور چھوٹے بالوں والا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔

ثم ناداہ بعد ما سمعت الخسف و قد ینجد الغریق النداء

گھوڑے کے دھنسنے کے بعد اس نے آپ کو آواز دی۔ کبھی کبھی غرق ہونے والے کی مدد آواز بھی کر دیتی ہے۔

ایک خوش قسمت چرواہا

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستہ میں ایک غلام کے پاس سے گزرے جو بکریاں چرا رہا تھا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے دودھ طلب فرمایا تو اس نے کہا ''میرے پاس کوئی شیر دار بکری نہیں۔ البتہ ایک بھیڑ کی پٹھی ہے جو سال کی ابتداء میں باردار ہوئی۔ اور اب اس کے تھنوں میں دودھ نہیں۔ آپ نے فرمایا ''اسے لے آؤ''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ٹانگیں باندھیں۔ اس کی کھیری پر دست حق نما پھیرا اور دعا مانگی حتیٰ کہ وہ دودھ اتار آئی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے برتن پیش کیا۔ آپ نے اس میں دودھ نکالا۔ پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پلایا۔ پھر دودھ دوہا تو اس چرواہے کو پلایا پھر دودھ نکالا تو خود نوش جاں کیا۔ چرواہے نے پوچھا ''خدارا بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ بخدا! میں نے آج تک آپ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا''۔ آپ نے فرمایا ''تمہارا کیا خیال ہے کہ تم مخفی رکھو گے اگر میں تمہیں بتا دوں'' اس نے عرض کی ''ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ تعالیٰ کا رسول (محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں''۔ اس نے عرض کی ''قریش تو آپ کو صابی کہتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، جو پیغام حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ جو معجزہ فانی آپ نے فرمائی ہے وہ اور کوئی نہیں کرسکتا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج تو تم میں یہ طاقت نہیں۔ جب تمہیں یہ خبر مل جائے کہ ہمارا غلبہ ہو چکا ہے تو ہمارے پاس آجانا''۔

راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمان تجار کا ایک کارواں ملا جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سفید لباس پیش کیا۔ اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے بھی آپ سے ملاقات کی اور آپ کو اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لباس پیش کئے۔

امام بیہقی نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت تحریر کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب قریش نے حضور ﷺ کی گرفتاری کے لئے ایک سو اونٹ بطور انعام مقرر کئے تو مجھے لالچ نے آلیا۔ میں نے بنو سہم سے ستر شہ سوار اپنے ساتھ لئے اور حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کی "بریدہ" حضور ﷺ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا "ہمارا معاملہ ٹھنڈا ہو گیا ہے اور راستہ پر امن ہو گیا"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تمہارا تعلق کس قبیلے کے ساتھ ہے"۔ میں نے عرض کی "بنو اسلم کے ساتھ" آپ نے فرمایا "ہم سلامتی پا گئے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "کس خاندان سے ہو؟" میں نے عرض کی "بنو سہم سے" آپ ﷺ نے فرمایا "ابو بکر تمہارا تیر نکل آیا ہے"۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "آپ کون ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "میں محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی وابی وامی) اللہ تعالیٰ کا رسول (مکرم) ہوں"۔ حضرت بریدہ نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ حضرت بریدہ اور ان کے سارے ساتھی مشرف باسلام ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف ستائش بیان کی "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے بنو سہم کو برضائے ورغبت اسلام قبول کرنے کی دعوت دی"۔ وقت صبح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ جھنڈے کے بغیر مدینہ طیبہ داخل نہ ہوں" انہوں نے اپنا عمامہ کھولا۔ اسے نیزہ کے ساتھ باندھا۔ اور حضور ﷺ کے آگے آگے چلنے لگے۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ شان وشوکت سے مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے۔

جب اہل مدینہ طیبہ نے یہ سنا کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ تو وہ ہر صبح "الحرۃ" کی طرف آتے۔ حتیٰ کہ دوپہر کی دھوپ شدت اختیار کر جاتی۔ وہ تین روز تک اسی طرح ہر دن "الحرۃ" آتے۔ یہ تین ایام وہ تھے جو حضور ﷺ نے غار ثور میں گزارے تھے۔ ایک دن مدینہ طیبہ کے اہل ایمان نے طویل انتظار کیا۔ جب دوپہر کی گرمی شدت اختیار کر گئی تو وہ واپس آ گئے۔ ایک یہودی شخص کسی اپنے کام کے لئے ایک پہاڑی پر چڑھا۔ اس نے حضور اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو دیکھ لیا۔ انہوں نے سفید لباس پہنے ہوئے تھے جو حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما نے راستہ میں پیش کئے تھے۔ جب یہودی نے اس کارواں کو دیکھا تو اس نے بے ساختہ پکارا "اے گروہ عرب! (یا اے بنو قیلہ) وہ ذات قدس جلوہ فرما ہو چکی ہے جس کے تم کئی روز سے منتظر تھے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب یہ مقدس کارواں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو آپ ﷺ نے صحرا نشینوں میں سے ایک شخص حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجا۔ ان دونوں امور میں کسی قسم کا تناقض نہیں۔ یہ اعلان سن کر اہل مدینہ اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکے۔ انہوں نے "الحرۃ" کے پاس حضور اکرم ﷺ کا استقبال کیا۔ حضور ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کھجور کے درخت کے نیچے آرام فرما تھے۔ اہل مدینہ نے حضور ﷺ سے عرض کی امن وآشتی سے آپ اس شہر خوباں میں داخل ہو جائیں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ تقریباً پانچ سو انصار نے آپ کا استقبال کیا۔ ان سب نے یہی عرض کیا کہ آپ اس شہر مبارک میں امن واطمینان کے ساتھ جلوہ گر ہو جائیں"۔ آپ دائیں

طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے قباء میں بنو عمرو بن عوف کے گھر نزول اجلال فرمایا۔ اس روز 12 ربیع الاول اور سوموار دن تھا۔ آپ حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے۔ کیونکہ یہ بنو عمرو بن عوف کے بزرگ تھے۔ ابھی تک کلثوم بن ہدم نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بعد میں یہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ غزوۂ بدر سے کچھ دن پہلے ان کا وصال ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر رونق افروز ہوئے تو انہوں نے اپنے خادم کو آواز دی "یا نجیح" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "ابوبکر! آپ کامیاب ہو چکے ہیں۔ آپ حضرت سعد بن ابن خیثمہ کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے اور لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے اہل خانہ ان کے پاس نہ تھے۔ یہ ابھی تک کنوارے تھے۔ اسی لئے ان کے گھر کو منزل العزاب کہا جاتا تھا۔ اس طرح ان دونوں حضرات کے اقوال کو جمع کرنا ممکن ہے جس میں سے ایک کا موقف ہے کہ آپ نے حضرت کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا۔ جبکہ دوسرے کا نظریہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے گھر جلوہ نما ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب بن اساف یا حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کے گھر قیام فرمایا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے تھے تو آپ نے حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا تھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہریں حتیٰ کہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں۔ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ الابطح میں کھڑے ہوئے۔ انہوں نے یہ اعلان فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جس کی امانت ہو وہ آئے اور اپنی امانت لے جائے" جب انہوں نے اپنا یہ کام مکمل کر لیا اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ بھی مل گیا۔ جس میں آپ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ مدینہ طیبہ آ جائیں۔ انہوں نے اپنی سواریاں خرید لیں۔ حضرت فواطم، حضرت ام ایمن، ان کے فرزند حضرت ایمن اور کمزور اہل ایمان ان کے ساتھ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قباء تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے گھر ہی قیام فرمایا۔ راستہ میں حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو عازم سفر ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے پاؤں خون آلود ہو گئے۔ جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے انہیں گلے لگا لیا۔ اور ان کے پاؤں دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی گرنے لگے۔ آپ نے ان کے قدموں پر اپنا لعاب دہن لگایا ان کا سارا درد کافور ہو گیا۔ اس کے بعد انہیں یہ شکایت کبھی نہ ہوئی۔ حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس سواری کا جانور موجود تھا۔ پھر آپ نے سفر پیادہ طے کیا تا کہ اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائے۔

اہل مدینہ طیبہ کا عدیم المثال استقبال

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے تو اہل مدینہ کے دل فرحت و انبساط سے کھل اٹھے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اہل مدینہ کو کبھی بھی اتنا مسرور نہیں دیکھا جتنا وہ اس روز مسرور و شادماں ہوئے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جلوہ افروز ہوئے تھے"۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ کی ہر چیز نور فشاں ہو گئی۔ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر چڑھ گئیں"۔ حضرت

...منین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو وہاں کی ...اتین، بچے اور لونڈیاں یہ پڑھ پڑھ کر آپ کا استقبال کرنے لگیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

ثنیات الوداع سے ہم پر ماہ تمام طلوع ہوا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا دعوت دیتا رہے اس وقت تک اس ...ذات کریمانہ کا شکر واجب ہے۔ اے وہ ذات اقدس! جو ہم میں جلوہ افروز ہوئی ہے۔ آپ ایسے امر کے ساتھ تشریف فرما ...ہوئے ہیں جس کی اتباع کی جاتی ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ...بال سفید تھے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک ان سے زیادہ تھی۔ جن حضرات نے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نہیں کی تھی ...وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف جانے لگے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بتانا ...چاہتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دھوپ آگئی تو جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اپنی مبارک چادر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...پر سایہ کرنے لگے۔ اس طرح صحابہ کرام کو علم ہو گیا کہ مخدوم کون ہے اور خادم کون ہے"۔ یہ روایت ان روایات کے منافی ...نہیں ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل سایہ فگن رہتے تھے کیونکہ بعثت سے قبل بادل آپ پر سایہ کناں رہتے ...تھے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے لئے بطور ارہاص تھا۔ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کسی صحابی سے ایسی کوئی روایت ...منقول نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوموار، منگل، بدھ اور جمعرات قباء میں قیام فرمایا۔ دوسرے قول کے مطابق آپ اس سے زائد روز ...تک وہیں قیام فرما رہے۔ آپ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا ...فرمائی۔ اس مسجد کے متعلق آیت طیبہ نازل ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔ دونوں مساجد کی ...فضیلت میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ بعض علماء کرام نے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ان ہر دو مساجد کی بنیاد ...تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

امام طبرانی نے حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں ...جلوہ افروز ہوئے تو میں آپ کی زیارت سے بہرہ مند ہوئی۔ آپ نے مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔ میں نے آپ کو دیکھا۔ آپ نے ...پتھر اٹھایا۔ ایک صحابی آپ کے پاس گئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا! یہ ...مجھے دیں میں اٹھا لیتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا "نہیں! حتیٰ کہ میں اس مسجد کی بنیاد رکھ لوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ ...نے مسجد قباء بنانے کا ارادہ کیا تو فرمایا "اے اہل قباء! میرے پاس "الحرۃ" کے پتھر لے کر آؤ"۔ آپ کے پاس بہت سے

پتھر جمع کر دیئے گئے۔ آپ نے قبلہ کی طرف خط کھینچا۔ پھر ایک پتھر پکڑا اور اسے قبلہ کی سمت رکھ دیا۔ پھر فرمایا ''ابوبکر! پتھر اور اسے میرے پتھر کے ساتھ رکھ دو''۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''عمر! ایک پتھر لو اور اسے حضرت ابوبکر صد کے پتھر کے ساتھ رکھ دو''۔ پھر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''عثمان غنی! ایک پتھر لو اور اسے حضرت عمر فارو رضی اللہ عنہ کے پتھر کے ساتھ رکھ دو''۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہ آپ نے خلافت کی ترتیب کی طرف اشارہ کیا تھا۔ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت بھی اسی طرح کیا تھا۔ جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو آپ ہر ہفتہ کے روز مسجد قباء میں تشریف لاتے تھے۔ کبھی پیادہ اور کبھی سوار ہو کر وہاں تشریف لاتے تھے۔ پھر اس میں نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے اچھی طرح وضوء کیا پھر مسجد قباء میں آیا۔ اور اس میں نماز ادا کی اس کے لئے ایک عمرہ کا ثواب ہے''۔ اسی مسجد کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تھی۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا (توبہ:108)

''اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو''۔ (جمال القرآن)

اہل قباء نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طہارت کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا ''وہ کون سی طہارت ہے جس کی بناء پر رب تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی ہے'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سارے مرد و خواتین پیشاب کرنے کے بعد پتھروں سے استنجاء کر کے شرم گاہ کو پانی سے دھوتے ہیں''۔ دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے عرض کی ''ہم ساری رات حالت جنابت میں نہیں سوتے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناقہ مبارکہ پر سوار ہوئے۔ قباء سے روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہمراہ تھے۔ بعض پیادہ اور بعض سوار تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اونٹنی کی نکیل تھامنے کے لئے چھینا چھپٹی کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں داخل ہو گئے۔ خدام اور بچے یوں کہہ رہے تھے اللہ اکبر! جاء رسول اللہ! اللہ سب سے بڑا ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی مسرت و شادمانی میں حبشی اپنے نیزوں سے کرتب دکھا رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قباء سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو بنو عمرو بن عوف نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ ہم سے ناراض ہو کر تشریف لے جا رہے ہیں یا کسی ایسے شہر کا قصد ہے جو ہمارے شہر سے بہتر ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے ایسی بستی کا حکم دیا گیا ہے جو دیگر شہروں پر غالب آجائے گی۔ اس ناقہ مبارکہ کا رسہ چھوڑ دو۔ مسجد بنی سالم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ اگر کوئی شخص مسجد قباء کی طرف جائے تو اس کے دائیں طرف وادی کے دامن میں ایک مسجد ہے جسے مسجد جمعہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے ہمراہ صحابہ کرام نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ پہلا جمعۃ المبارک تھا جو اسلام میں پڑھا گیا۔ اس مبارک روز میں آپ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا ''جو اپنا چہرہ آگ سے کھجور کا ٹکڑا دے کر بچا سکتا ہو تو وہ ضرور بچائے۔ جو اتنی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ پاکیزہ بات سے ہی آتش جہنم سے بچ جائے۔ ایک نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ والسلام

رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!" نماز جمعہ ادا کرنیکے بعد آپ اپنی مبارک اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ انصار کے گھروں میں سے جس گھر کے پاس سے بھی گزرتے تو وہ آپ سے عرض کرتے "آپ یہیں تشریف رکھیں" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم۔ ہمارے پاس قوت اور دفاع کی طاقت موجود ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے "اس کا راستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دے دیا گیا ہے" اس حکم میں ایک حکمت بالغہ مخفی تھی۔ تاکہ کسی صحابی کے ہاں آپ کا جلوہ افروز ہونا آپ کا معجزہ بن جائے۔ جو نفوس کے راحت کا سامان بنے۔ ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ منافسۃ کا جذبہ ختم ہو جائے۔ اور اس امر کے متعلق کسی کے دل میں کچھ شک اور تردد نہ رہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو سالم بن عوف کے گھر کے پاس سے گزرے تو ان میں سے حضرت عتبان بن مالک حضرت نوفل بن عبداللہ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم عزت واکرام کے ساتھ ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوں۔ ہمارے پاس طاقت، سطوت اور دفاع کا ہر سامان موجود ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ ہماری تعداد کثیر، تیاری درست اور اسلحہ کے انبار ہیں۔ ہم لوگوں کے حلیف ہیں"۔ آپ نے انہیں دعائے خیر دی۔ آپ نے فرمایا "اس اونٹنی کا رستہ چھوڑ دو۔ اسے حکم دیا گیا ہے"۔ چہرۂ والضحیٰ پر تبسم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے "اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے"۔ اونٹنی مبارکہ آگے رواں رہی۔ حتیٰ کہ وہ بنو بیاضہ کے گھروں کے پاس سے گزری۔ بنو بیاضہ میں سے حضرت زیاد بن لبید، حضرت فروہ بن عمرو آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے دیگر صحابہ کرام کی طرح عرض کی۔ آپ نے وہی جواب دیا جو پہلے ارشاد فرما چکے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ساعدہ کے گھروں کے پاس سے گزرے تو ان میں سے حضرت سعد بن عبادہ، حضرت منذر بن عمر اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے یہی گزارش کی۔ آپ نے وہی جواب ارشاد فرمایا۔ اونٹنی آگے بڑھنے لگی۔ جب وہ بنو نجار کے پاس سے گزری تو بنو عدی بن نجار نے اس طرح عرض کی۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننھال ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثیر تعداد مضبوط دفاع اور قرابت کے ہمراہ عزت واحترام کی طرف تشریف لے آئیں۔ حضور! ہمیں چھوڑ کر کسی اور کے پاس نہ جائیں۔ ہماری قرابت داری کی وجہ سے کوئی دوسرا ہم سے زیادہ آپ کا مستحق نہیں ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہی جواب ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامورہ ہے۔ ناقہ مبارکہ آگے روانہ ہو گئی حتیٰ کہ وہ مسجد نبوی کی جگہ یا اس کے دروازہ کی جگہ یا منبر مبارک کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ بنو مالک بن نجار کا گھر پاس ہی تھا۔ یہ جگہ سہل اور سہیل کی تھی۔ جہاں لوگ اپنی کھجوریں خشک کرتے تھے۔ وہ ناقہ مبارکہ اٹھی حتیٰ کہ وہ حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے دروازہ کے سامنے بیٹھ گئی۔ یہ بھی بنو مالک بن نجار سے تھے۔ اونٹنی اٹھی۔ اور دوبارہ اسی جگہ جا کر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "اونٹنی نے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ آپ کی حیات طیبہ بھی یہی بسر ہوگی اور آپ کا روضہ مبارک بھی اس جگہ بنے گا۔ اونٹنی نے اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ پھر منہ کھولے بغیر ہی آواز نکالنے لگی۔ آپ نیچے تشریف لے آئے اور فرمایا "یہی منزل ہے۔ ان شاء اللہ! حضرت ابو ایوب نے آپ کے اذن سے آپ کا سامان اٹھایا اور اپنے گھر لے گئے۔ بنو نجار کا گھر انصار کے گھروں میں سے افضل اور بہترین تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے ننھال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ شرف ابدی بخشا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی کے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ناقہ مبارکہ اس جگہ پہلے بیٹھی۔ صحابہ کرام حاضر ہوئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! اس جگہ قیام ہو گا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے چھوڑ دو" وہ اونٹنی اٹھی حتیٰ کہ وہ منبر کے پاس بیٹھ گئی۔ آپ اس کے نیچے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار بار اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی۔

رَّبِّ اَنۡزِلۡنِیۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَکًا وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡمُنۡزِلِیۡنَ ﴿۲۹﴾ (المومنون)

"اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے"۔ (جمال القرآن)

آپ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو فرمایا "بخدا! یہی منزل ہوگی" حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا گھر سارے گھروں سے قریب ہے۔ مجھے اذن مرحمت فرمائیں کہ میں آپ کا سامان اپنے گھر لے جاؤں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔ اونٹنی بیٹھ گئی۔ جب حضرت ابو ایوب انصاری نے سامان اپنے گھر منتقل کر لیا۔ آپ نے فرمایا "آدمی اپنے سامان کے ساتھ ہوتا ہے"۔ پھر حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے مبارک اونٹنی کی نکیل پکڑ لی۔

حضرت ابو ایوب خالد رضی اللہ عنہ کی بلند اقبالی

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ گر ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ گھر کی دوسری منزل میں تھے"۔ دوسری روایت میں ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ میں اور حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا دوسری منزل پر تھے۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرا باپ اور میری ماں آپ پر فدا! مجھے یہ بات از حد ناپسند ہے کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ کا مسکن نیچے ہو۔ مجھے یہ پسند ہے کہ آپ بلند مسکن میں اور ہم آپ کے نیچے رہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابو ایوب! ہمارے لئے اور ہمارے اہل بیت کے لئے اسی میں سہولت ہے کہ ہم گھر کے نچلے حصہ میں رہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے نچلے حصہ میں جبکہ ہم اوپر والے حصہ میں تھے۔ جب میں اور حضرت ام ایوب رضی اللہ عنہا خلوت میں ہوئے تو میں نے انہیں کہا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ گھر کی اوپر کی منزل میں رہیں آپ پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ آپ پر نزول وحی ہوتا ہے" اس رات نہ میں اور نہ ہی ام ایوب آرام سے سو سکے بلکہ ساری رات سوچ و بچار کرتے گزر گئی۔ دوسری روایت میں ہے "ہم ساری رات جاگتے رہے"۔ ہم نے کہا "ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر چل رہے ہیں"۔ ہم نے ایک طرف ہو کر ساری رات گزار دی۔ ہمارا ایک گھڑا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ میں اور ام ایوب ساری شب وہ پانی اپنے لحاف سے جذب کرتے

رہے تاکہ پانی کے قطرات آپ ﷺ پر نہ گریں۔ اور آپ ﷺ کو اذیت نہ دیں۔ وقت صبح میں نے حضور ﷺ سے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ آج رات میں اور ام ایوب تو سو بھی نہیں سکے"۔ آپ نے فرمایا "ابوایوب! کیوں؟" میں نے عرض کی "آپ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ اوپر تشریف فرما ہوں۔ آپ پر ملائکہ اور وحی کا نزول ہوتا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "نچلی منزل میں ہمارے لئے زیادہ سہولت ہے"۔ میں نے عرض کی "مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس چھت پر کبھی نہیں چڑھ سکتا جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہوں" ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ برابر عرض کرتے رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ دوسری منزل پر اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نیچے آ گئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور ﷺ کے لئے کھانا تیار کرتے تھے۔ جب کھانے کے برتن واپس آتے تو بقیہ کھانا ہم کھا لیتے تھے۔ ہماری کوشش ہوتی تھی کہ ہم اس جگہ سے کھائیں جہاں حضور اکرم ﷺ کے دست شفا بخش لگے ہوں۔ تاکہ برکت نصیب ہو سکے۔ ایک دفعہ ہم نے رات کا کھانا بھیجا۔ ہم نے اس میں پیاز یا لہسن ڈالا ہوا تھا۔ آپ نے کھانا واپس کر دیا۔ ہم نے اس میں آپ کے دست اقدس کے نشانات نہ دیکھے۔ میں گھبرا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ عرض پیرا ہوا۔ آپ نے فرمایا "مجھے اس میں اس درخت کی بو آئی ہے۔ میں وہ ذات ہوں جس کے ساتھ سرگوشی (وحی) کی جاتی ہے۔ تم اسے کھالو"۔ ہم نے وہ کھانا کھا لیا۔ پھر کھانے میں پیاز اور لہسن نہیں ڈالا۔

یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں تذکرہ ہے کہ کھانا حضرت ابوایوب کے گھر کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھروں سے آتا تھا۔ روایت ہے کہ ہر شب حضور ﷺ کے در اقدس پر تین یا چار افراد کھانا لے کر حاضر ہوتے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما کا پیالہ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پیالہ کا کھانا تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن کے پاس بھی جاتا تھا۔ سب سے پہلا کھانے کا پیالہ جو آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا اس میں گندم کی روٹی کی ثرید گھی اور دودھ تھا۔ یہ پیالہ حضرت زید بن ثابت لے کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! یہ پیالہ امی جان نے آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان کے ہاں برکت ڈالے"۔

تبع اور شہر مدینہ طیبہ

ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا گھر وہ کاشانہ اقدس تھا جسے تبع حمیری نے حضور ﷺ کے لئے تعمیر کیا تھا۔ جب وہ مکہ مکرمہ سے واپسی پر مدینہ طیبہ سے گزرا۔ اس نے اس شہر خوباں میں چار سو عالم بھی چھوڑے تھے۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ تبع مکہ مکرمہ آیا۔ اس نے خانہ کعبہ کو غلاف چڑھایا۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوا۔ اس کے پاس ایک لاکھ تیس ہزار شہ سوار تھے۔ ایک لاکھ تیرہ ہزار پیادہ فوجی تھے۔ جب یہ مدینہ طیبہ اترا تو اس کے علماء اور حکماء میں سے چار سو افراد نے یہ اتفاق کر لیا۔ اس امر پر بیعت کر لی کہ وہ اس شہر مبارک سے نہیں نکلیں گے۔ تبع نے ان سے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا "اس کعبۂ مقدسہ اور اس مبارک شہر کا شرف اس ذات والا کے ساتھ وابستہ ہے جن کا نام نامی

''محمد'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا۔ تبع نے وہیں اقامت اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس نے چار سو گھر بنوائے۔ ہر عالم اور حکیم کے لئے ایک گھر تعمیر کیا۔ ہر ہر شخص کے لئے ایک ایک لونڈی خریدی۔ اسے آزاد کر کے اس کا نکاح اس شخص سے کر دیا۔ انہیں بہت زیادہ انعام واکرام سے نوازا اور انہیں حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور قدسی تک وہیں رہیں۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام کا تذکرہ کیا اس نے کچھ اشعار بھی لکھے۔ جن میں سے بعض اشعار درج ذیل ہیں۔

شهدت علی احمد انه رسول من الله باری النسم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحوں کو تخلیق کرنے والے کی طرف سے رسول برحق ہیں۔

فلو مد عمری الی عمره لکنت وزیراله و ابن عم

اگر میں آپ کی تشریف آوری تک زندہ رہا تو میں آپ کا وزیر اور چچازاد بن جاؤں گا۔

اس نے سونے کے ساتھ اس پر مہر لگائی۔ اسے ان کے سردار کے حوالے کیا اور اسے کہا کہ وہ یہ مکتوب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کردے۔ بشرطیکہ اسے آپ کا عہد ہمایوں پالینا نصیب ہو جائے۔ ورنہ وہ یہ مکتوب اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حوالے کرتا جائے حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور اقدس ہو جائے۔ اس مکتوب میں مرقوم تھا۔

''وہ آپ پر ایمان لایا ہے۔ آپ کے دین حق کی تصدیق کی ہے'' تبع مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوا۔ وہ ہند میں مر گیا۔ اس کی موت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت میں ایک ہزار سال کی مدت ہے (شرح زرقانی)۔

کاشانہ اقدس جو تبع نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تعمیر کرایا تھا وہ مختلف لوگوں کے پاس سے ہوتا ہوا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ وہ اس عالم کی اولاد میں سے تھے جسے وہ خط دیا گیا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا تو انہوں نے یہ خط ابولیلیٰ کو دے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابولیلیٰ کو دیکھا تو فرمایا ''تو ابولیلیٰ ہے اور تیرے پاس تبع الاول کا خط ہے''۔ ابولیلیٰ حیران و ششدر رہ گئے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے پوچھا ''آپ کون ہیں؟ آپ کے چہرے پر مجھے جادو کے اثرات دکھائی نہیں دے رہے'' انہوں نے گمان کیا کہ شاید آپ جادوگر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ وہ خط نکالو''۔ جب آپ نے وہ خط سنا تو فرمایا ''مرحبا بتبع الاخ الصالح'' آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''وہ اہل مدینہ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی وہ انہی چار سو علماء اور حکماء کی اولاد میں سے تھے۔ اوس اور خزرج ان کی اولاد میں سے ہی تھے''۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہی کاشانہ اقدس میں جلوہ گر ہوئے تھے کسی اور کے گھر میں نہیں ٹھہرے تھے۔

مدینہ طیبہ کی بچیوں کا عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''مجھے آج بھی وہ مبارک دن یاد ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر خوباں

میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ میں نے اتنا روشن اور اتنا حسین دن کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بنونجار کی بچیاں دف لے کر باہر نکل آئیں وہ دف بجا کر یہ اشعار پڑھنے لگیں۔

نحن جوار من بنی نجار یا حبذا محمد من جار

ہم بنونجار کی بچیاں ہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کتنے عمدہ ہمسائے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا ''بچیو! کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کی ''ہاں! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم'' آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے میرا دل بھی تم سے محبت کرتا ہے''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''بخدا! میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں''۔ آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ بچے اور بچیاں مدینہ طیبہ کی گلیوں میں یہ کہتے ہوئے بکھر گئے ''جاء محمد، جاء رسول اللہ اللہ اکبر جاء محمد رسول اللہ''

روایت ہے کہ جب ناقہ مبارکہ بنونجار کے محلہ میں بیٹھ گئی تو بنوسلمہ میں سے، حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ پاکباز مسلمانوں میں سے تھے۔ وہ ناقہ مبارکہ کو مارنے لگے تاکہ وہ وہاں سے اٹھ کر بنوسلمہ کے محلے میں بیٹھے۔ مگر اونٹنی نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بنونجار، پھر بنوعبدالاشہل، پھر بنوحارث، پھر بنوساعدہ انصار کے بہترین گھروں میں سے ہیں۔ انصار کا ہر ہر گھر خیر و برکت سے بھرپور ہے''۔ جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تک یہ فرمان فیض ترجمان پہنچا۔ ان کا تعلق بنوساعدہ کے ساتھ تھا۔ تو انہوں نے اپنے دل میں کچھ پایا۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رتبہ میں ہمیں سب سے آخر میں کر دیا ہے۔ میرے گدھے پر زین کس کر میرے پاس لاؤ۔ تاکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر بات کروں'' ان کے بھانجے حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ جاننے والے ہیں؟ کیا آپ کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ کا خاندان چوتھے نمبر پر ہے'' یہ سن کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں''۔ انہوں نے گدھے سے زین اتار لینے کا حکم دیا۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت سہیل نے ان سے کہا ''بیٹھ جائیں۔ کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا شمار ان خاندانوں میں کیا ہے جن کا آپ نے نام لیا ہے اور ان سے زیادہ آپ نے نام نہیں لئے''۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ والا میں اس مقصد کے لئے نہ آئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر سات ماہ تک قیام فرما رہے حتیٰ کہ مسجد نبوی اور بعض حجرات مقدسہ تعمیر ہو گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنوعمرو بن عوف کی طرف سے مدینہ طیبہ کی طرف منتقل ہوئے اور مہاجرین بھی آپ کے ساتھ ہی منتقل ہوئے تو انصار مہاجرین کے بارے منافسہ کرنے لگے کہ مہاجرین ان کے ہاں فروکش ہوں۔ حتیٰ کہ انہوں نے قرعہ اندازی کی۔ مہاجرین انصار کے گھروں اور ان کے اموال میں رہنے لگے۔

مدینہ طیبہ کا بخار

جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار نے آلیا۔ امام نسائی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ آئے تو اس سرزمین پر سب سے زیادہ وبائیں آتی تھیں۔ صحابہ کرام کو بھی امراض اور وباؤں نے آلیا۔ مگر حضور اکرم ﷺ ان سے محفوظ رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت بلال اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم کو بخار ہو گیا۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے اجازت طلب کی تاکہ وہ ان کی عیادت کر آئیں۔ یہ پردے کے احکام کے نزول سے پہلے کی بات ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔ یہ تینوں ایک ہی گھر میں تھے۔ میں نے عرض کی "والد گرامی! آپ کا کیا حال ہے؟ بلال! آپ کا کیا حال ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اس حالت میں پوچھا جاتا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ تو وہ فرماتے

كل امرئ مصبح في اهله والموت ادنى من شراك نعله

ہر شخص اپنے اہل خانہ میں صبح کرتا ہے۔ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی اس کے قریب تر ہوتی ہے۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ میرے والد گرامی بخار کی شدت میں یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ پھر میں عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئی۔ میں نے پوچھا "کیا حال ہے؟" انہوں نے یہ اشعار پڑھے

لقد وجدت الموت قبل ذوقه ان الجبان حتفه من فوقه

میں نے موت کو چکھنے سے پہلے ہی اسے پالیا۔ بزدل کی موت اوپر سے آتی ہے۔

كل امرئ مجاهد بطوقه كالثور يحمى انفه بروقه

ہر شخص اپنے طوق کے ساتھ اس طرح کوشش کرنے والا ہے جس طرح بیل اپنے سینگ کے ساتھ اپنی ناک بچاتا ہے۔

میں نے کہا "بخدا! انہیں بھی علم نہیں کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو تیز بخار آلیتا تو وہ یہ اشعار پڑھتے۔

الا ليت شعري هل ابيتن ليلة بواد و حولها اذ خر و جليل

و هل اردن يوما مياه مجنة و هل يبدون لي شامة و طفيل

کاش مجھے علم ہو جائے کہ میں کبھی اس وادی میں رات بسر کر سکوں گا میرے ارد گرد اذخر (گھاس) اور جلیل (بوٹی) ہوگی کیا ہم کبھی مجنہ کے پانیوں پر فروکش ہو سکیں گے۔ کیا کبھی میرے لئے شامہ اور طفیل ظاہر ہو سکیں گے۔

مولا! عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت فرما۔ انہوں نے ہمیں اپنی وطن سے نکال کر وباؤں والی زمین کی طرف بھیج دیا ہے۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ میں نے ساری صورت حال عرض کی۔ میں عرض گزار ہوئی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بخار کی شدت کی وجہ سے انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں"۔ حضور سید عالم ﷺ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ دعا مانگی "مولا! ہمیں مدینہ طیبہ بھی اسی طرح محبوب بنا دے جس

طرح ہمیں مکہ مکرمہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے۔ مولا! ہمارے صاع اور مد میں برکت ڈال۔ ہمارے لئے اسے صحت افزاء بنا دے۔ اس کا بخار جحفہ کی طرف منتقل کر دے"۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اس شہر مبارک کی ہوا، مٹی، سکونت خوش گوار ہو گئی۔ حتیٰ کہ جو اس خنک شہر میں اقامت اختیار کرتا تو اسے اس کی مبارک مٹی اور دیواروں سے خوشبو آتی۔ یہ خوشبو کسی اور شہر سے نہیں آتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لئے یہ دعا کئی بار مانگی تھی۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ظاہر ہے کہ آپ کی دعائے مبارک پہلی بار ہی درِ اجابت پر قبول ہو گئی تھی۔ آپ نے مزید برکات کے حصول کے لئے بار بار دعائیں مانگیں تھیں۔ کیل میں آپ کی یہ دعا پوری طرح عیاں ہو کر ظاہر ہوئی۔ مدینہ طیبہ کا ایک مدا تنی کفایت کر جاتا تھا کہ کسی اور شہر کا مدا تنی کفایت نہیں کرتا تھا۔ یہ اس شخص کے لئے ایک امر محسوس تھا جو وہاں سکونت اختیار کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ اس کے بعد جحفہ وبائی زمین بن گئی۔ جو شخص بھی جحفہ کا پانی پی لیتا اسے بخار ہو جاتا۔ جو پرندہ اس کے اوپر سے گزر جاتا اسے بخار ہو جاتا وہ وہیں گر جاتا۔ مدینہ طیبہ سے بخار کی شدت، وباء اور کثرت جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی۔ اور جو رہ گئی وہ اتنی قلیل تھی کہ وہ کسی شمار میں نہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول کر لی۔ مدینہ طیبہ کی محبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی "مولا مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت نصیب فرما"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف اجابت عطا فرمایا۔ ابولؤلؤ المجوسی کے ہاتھوں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ اس کا نام فیروز تھا۔ یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو گنبد خضریٰ میں مدفن نصیب ہوا۔

حضرت اصیل غفاری کی روایت میں ہے وہ مکہ مکرمہ سے آئے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان سے پوچھا "اصیل! آپ نے مکہ مکرمہ کو کس حالت پر چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا "میں نے اسے اس حالت پر چھوڑا کہ اس کے ندی نالے سفید تھے۔ اس کی گھاس بڑھ چکی تھی۔ اس کا اذخر شاداب ہو چکا تھا اس کا سلم خوش گوار تھا" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مقدس میں آنسو آ گئے۔ آپ نے فرمایا "اصیل! تم نے ہماری آتش شوق کو بڑھا دیا ہے۔ دلوں کو چھوڑ دو تاکہ انہیں ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ نماز ادا فرما لیتے جس جگہ نماز کا وقت ہو جاتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا "بنو نجار! مجھ سے اپنے باغ کا سودا کر لو" انہوں نے عرض کی "ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے ہی مانگیں گے"۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور دس دیناروں سے وہ جگہ خرید لی۔ آپ نے وہ رقم حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے ادا کی۔ اس جگہ کا بعض حصہ حضرت ابوامامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی مسجد پر مشتمل تھا۔ حضرت ابوامامہ اس جگہ اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھاتے تھے۔ بعض حصہ رافع بن عمرو کے دو یتیموں سہل اور سہیل کی ملکیت میں تھا۔ یہ یتیم حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت تھے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی زیر کفالت

تھے۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان دونوں حضرات کی کفالت میں تھے۔ اس جگہ کھجوریں خشک کی جاتی تھیں۔ بعض جگہ پر کھجوریں تھیں اور بعض جگہ پر کھنڈرات تھے۔ اور بعض جگہ میں قبور تھیں۔ اس طرح ان تمام روایات کو جمع کرنا ممکن ہے جن میں سے بعض میں ہے کہ وہ جگہ مربد تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ جگہ نخلستان تھی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جگہ حضرت اسعد بن زرارہ کی مسجد تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔ قبور کو اکھیڑ دیا گیا۔ ہڈیاں کسی اور جگہ دفن کر دی گئیں غیر ہموار جگہ کو ہموار کر دیا گیا۔ کھجوروں کو کاٹ دیا گیا ان سے مسجد کے ستون بنائے گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اینٹیں بنانے کا حکم دیا۔ اینٹیں بنائیں گئیں۔ مسجد کی دیواریں تعمیر ہوگئیں۔ ستون کھجور کے تنے اور چھت کھجور کے پتوں کا ڈالا گیا۔

محمد بن حسن المخزومی وغیرہ نے حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی تعمیر فرمانے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا ''میرے لئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے عریش کی طرح کا عریش اور ان کے سائبان کی طرح کا سائبان بنادو'' صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی ''حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا سائبان کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا ''جب آپ کھڑے ہوتے تھے تو سر اقدس اس کے چھت کو چھوتا تھا'' پھر مسجد نبوی کا چھت بھی اس طرح رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا عصا، آپ کی قامت اور آپ کا قبہ سات سات زراع کے تھے۔ یہ ایک مکمل تشبیہ ہے کیونکہ مسجد نبوی کا چھت بھی سات زراع تھا۔ امام بیہقی نے خادم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو سب سے پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا۔ پھر اسی پتھر کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا۔ پھر اس کے ساتھ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا۔ پھر اس کے ساتھ سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا۔ پھر اس کے ساتھ حضرت سیدنا مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا۔ اس واقعہ میں ان کی خلافت کی ترتیب کی طرف اشارہ تھا بلکہ بعض راویات میں تو یہ صراحت موجود ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے''۔ امام ابوزرعہ نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں کوئی بأس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ''یہ میرے بعد امر کے والی ہوں گے'' البتہ یہ روایت جو مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے اپنے وصال کے وقت کسی معین شخص کو مسند خلافت پر بٹھانے کے لئے نص بیان نہیں کی۔ یہ اس امر کے منافی نہیں ہے کہ آپ کے بعد خلافت انہی حضرات قدسیہ کی اسی ترتیب سے ہوگی۔ ہمارا یہ کہنا کہ آپ نے خلافت کے بارے نص بیان نہیں کی آپ کے اس فرمان کے منافی نہیں ''الخلفاء بعدی'' کیونکہ یہ نص نہیں کیونکہ ممکن ہے اس سے مراد علم وارشاد میں خلافت ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ کے مطابق یہ حضرات قدسیہ اسی طرح مسند خلافت پر تشریف فرما ہوئے۔

اس کے بعد سارے مسلمان اینٹیں لانے لگے۔ سارے اہل اسلام اس مبارک کام میں مشغول ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعمیر مسجد میں مصروف تھے۔ سارے مسلمان ایک ایک اینٹ اٹھا کر لا رہے تھے جبکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دو دو اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ ایک اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جبکہ ایک اینٹ اپنی طرف سے اٹھا رہے تھے۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمار اس طرح اینٹیں کیوں نہیں اٹھاتے جس طرح تمہارے ساتھی اٹھا رہے ہیں؟" انہوں نے عرض کی "میں رب تعالیٰ سے زیادہ اجر و ثواب کا متمنی ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کمر سے مٹی صاف کی اور انہیں فرمایا "سارے لوگوں کے لئے ایک اجر جبکہ تمہارے لئے دوگنا اجر ہے۔ دنیا میں تمہاری آخری خوراک دودھ ہوگا اور تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا"۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

الطبرانی نے "الکبیر" میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابو سنان الدوَلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آخری وقت میں دیکھا انہوں نے غلام کو مشروب لانے کے لئے کہا۔ غلام ان کے لئے دودھ سے لبریز پیالہ لے آیا۔ انہوں نے اس سے نوش فرمایا پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ آج میں اپنے محبوب کریم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاکباز گروہ سے ملاقات کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری آخری خوراک دودھ ہوگا۔ بخدا! اگر انہوں نے ہمیں شکست دے کر ہمیں سعفات ہجر تک پہنچا دیا تو پھر بھی ہمیں یقین ہوگا کہ ہم حق پر اور وہ باطل پر ہیں" پھر انہوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ وہ جام شہادت نوش کر گئے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس صحابہ کرام کے ساتھ اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول پڑھ رہے تھے۔

هذا الحمال لا حمال خيبر هذا ابر ربنا و اطهر

یہ وفاکش مزدور خیبر کے مزدوروں کی طرح نہیں ہیں۔ مولا! یہ ان سے زیادہ پاکباز اور صالحین ہیں۔

اسی طرح آپ حضرت عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی پڑھ رہے تھے۔

اللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اجر الآخرة فارحم الانصار والمهاجرة

مولا! اجر تو آخرت کا اجر ہی ہے انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

شعر میں اصل لَاهُمَّ ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ شعر کسی انصاری خاتون کا ہے۔ اس کے بعد یہ شعر ہے۔

و عافهم من حر نار ساعرة فانها لكافر و كافرة

انہیں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ سے نجات عطا فرما۔ یہ آگ کافر مرد اور کافر عورت کے لئے ہے۔

ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک نیچے رکھ دی۔ آپ کام میں مصروف ہو گئے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی چادریں نیچے رکھ دیں اور وہ بھی مصروف کام ہو گئے۔ ان کی زبانوں پر یہ شعر تھا۔

لئن قعدنا والنبي يعمل ذاك اذن العمل المضل

اگر ہم بیٹھے رہیں اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کام کاج میں مصروف رہیں تو یہ ایک ہمارا ناشائستہ فعل ہوگا۔

امام بیہقی نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ جب مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب نے مل کر کام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اینٹیں اٹھائیں۔ حتیٰ کہ آپ کے سینہ اقدس پر مٹی لگ گئی حضرت عثمان بن مظعون

رضی اللہ عنہ ایک نفیس اور ظریف انسان تھے۔ وہ اینٹیں اٹھا لیتے۔ اسے اپنے کپڑے سے دور رکھتے۔ جب وہ اینٹ نیچے رکھتے تو اپنی آستین جھاڑ لیتے اور اپنے کپڑوں کی طرف دیکھتے۔ اگر کپڑوں پر گرد و غبار لگی ہوتی تو اسے جھاڑ لیتے۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا اور انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

لا یستوی من یعمر المساجدا　　یدأب فیها قائما و قاعدا

وَ من یری عن التراب حائدا

وہ شخص جو مساجد کو آباد کرتا ہے اس میں قیام و قعود کرتا ہے اور وہ شخص جو گرد و غبار سے بچتا ہوا نظر آتا ہے وہ کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔

یہ اشعار انہوں نے از روئے ظرافت اور تفنن طبع کہے تھے۔ جس طرح کہ مل کر کام کرنے والے کرتے ہیں۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن نہ تھا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار سن لئے۔ انہیں علم نہ تھا کہ اس سے مراد کون ہے۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پاس سے گزرے۔ انہوں نے کہا ''یا ابن سمیۃ! میں جانتا ہوں کہ حضرت علی المرتضٰی کی مراد کون ہے؟ ان کے پاس لوہے کی سلاخ تھی۔ انہوں نے کہا ''رک جاؤ ورنہ یہ میں تمہارے چہرے پر دے ماروں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن لی۔ آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو گئے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ عنقریب تمہارے بارے میں قرآن پاک نازل ہوگا''۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لوں گا'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے ساتھیوں اور مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں اور انہیں کیا ہو گیا ہے'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خود ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں جبکہ وہ مجھ سے دو دو اینٹیں اٹھوا رہے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور انہیں مسجد میں گھمانے لگے۔ آپ نے ان کی گدی کے بالوں سے پکڑ رکھا تھا۔ آپ نے فرمایا ''اے ابن سمیۃ! یہ تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ بلکہ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی کا قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا۔

حجرات مقدسہ

مسجد نبوی کے ساتھ ہی حجرات مقدسہ تعمیر کئے گئے۔ ان کی دیواریں اینٹوں کی اور چھتیں کھجور کے پتوں کی تھیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں قریب البلوغ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرات مقدسہ میں داخل ہوتا تھا۔ میں ان کی چھتوں کو اپنے ہاتھوں سے چھو سکتا تھا۔

امام واقدی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مسجد کے قریب کئی مکانات تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس زوجہ محترمہ کے ساتھ نکاح فرماتے۔ وہ اپنا گھر ان کے لئے خالی کر دیتے۔ حتیٰ کہ انہوں نے سارے گھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کر دیئے۔

کچھ روز بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا۔ وہ حضرت فاطمہ الزہراء، حضرت ام کلثوم، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہن و عنہم کو لے کر آ گئے۔ حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پہلے سے اپنے شوہر نامدار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آ چکی تھیں۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابو العاص بن ربیعہ کے پاس تھیں۔ جب وہ غزوۂ بدر میں اسیر بن کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر احسان فرمایا تو انہوں نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا۔ اس کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی طرف خط بھیجا کہ وہ اس کے ساتھ حضرت ام رومان، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہن کو بھیج دیں۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما اپنے رفیقان راہ کیساتھ اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر اپنے اہل خانہ کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ ہم اکٹھے ہی مدینہ طیبہ پہنچے۔ ہم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار بھی وہیں قیام فرما ہوئے"۔ اس وقت مسجد نبوی اور حجرات مقدسہ تعمیر ہو رہے تھے۔ ان میں سے ایک حجرہ مبارکہ میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تشریف فرما ہو گئیں اور حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس ہی قیام فرما ہوئے تھے۔ اس وقت تک آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وظیفۂ زوجیت ادا نہیں کیا تھا۔

مؤاخات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کو پانچ ماہ گزر گئے تو آپ نے مہاجرین و انصار کو رشتہ اخوت میں پرو دیا۔ امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے۔

"اس اخوت کا مقصد یہ تھا تا کہ مہاجرین کی اجنبیت دور ہو سکے۔ اہل و عیال کی جدائی اور فراق برداشت کرنا آسان ہو سکے۔ اور مہاجرین و انصار ایک دوسرے کے کام آسکیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور اجنبیت ختم ہو گئی تو وراثت کے قوانین سے مؤاخات منسوخ ہو گئی۔ سارے اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات:10)

"بے شک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں"۔ (جمال القرآن)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوے مہاجرین اور انصار کو رشتہ اخوت میں پرو دیا۔ جن میں پینتالیس مہاجرین اور پینتالیس انصار شامل تھے۔ ان کے مابین یہ مؤاخات حق، باہمی ہمدردی اور وراثت پر تھی۔ انصار نے اس مؤاخات کے لئے بہت سی قربانیاں دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے لئے ایک معاہدہ تحریر کرایا۔ بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودیوں کو بھی اس میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ ان کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور اذیت نہ دینے پر صلح کر لی۔ یعنی وہ آپ کے ساتھ نہ جنگ کریں گے۔ نہ آپ کو اذیت دیں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف کسی کی اعانت کریں گے۔ اور اگر کسی دشمن نے حملہ کر دیا تو

وہ آپ کی مدد کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کرلیا اور انہیں ان کے دین اور اموال پر برقرار رکھا۔

مہاجرین اور انصار میں مؤاخات حضرت ابو طلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ کے گھر رونما ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ کو رشتۂ اخوت میں پرو دیا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سسر تھے۔ کیونکہ ان کی نور نظر آپ کی زوجیت میں تھیں۔ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن رویم خثعمی رضی اللہ عنہ کو بھائی بھائی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت اسید بن حضیر کو، حضرت ابو عبیدہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع کو بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا ''عبدالرحمٰن! میں سارے انصار سے زیادہ مالدار ہوں۔ میں وہ مال آپ میں تقسیم کر دوں گا۔ میرے پاس دو بیویاں ہیں میں ان میں سے ایک کو طلاق دے دوں گا۔ جب اس کی عدت گزر جائے گی تو تم اس سے شادی کر لینا''۔ حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہارے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے''۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو''۔ انہوں نے خرید و فروخت کی۔ حتیٰ کہ وہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ مالدار ہو گئے۔ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے پہلے سال ہی وصال فرما گئے۔ جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ غمزدہ ہوئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقیب تھے۔ ان کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے نقیب نہ بنایا۔ جب بنو نجار نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ان کی جگہ ہمارا ایک نقیب مقرر فرما دیں جو ہمارے امور کی نگرانی کرے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا ''تم ہمارے ننھال ہو۔ اور میں ہی تمہارا نقیب ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نقیب بنانا پسند نہ فرمایا۔ بنو نجار کے لئے یہ بات کتنے فخر کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے نقیب تھے۔ جب ہجرت کو نو ماہ گزر گئے تو ماہ شوال میں آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔

اذان

جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو وہ کسی اعلان کے بغیر ہی نماز کے وقت جمع ہو جاتے تھے۔ جب نماز کا وقت وہ کسی نشانی سے معلوم کر لیتے تو صحابہ کرام نماز کے لئے جمع ہو جاتے۔ نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ اعلان کرتے ''الصلوٰۃ جامعۃ'' پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی ایسی چیز کے متعلق مشاورت کی جس سے نماز کے اوقات معلوم ہو سکیں۔ بعض نے کہا ''ہم اس طرح کا ناقوس بنا لیتے ہیں جس طرح کا ناقوس نصاریٰ کا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ''یہودیوں کی طرح بوق بنا لیتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ایک ایسا شخص بھیجا کرو جو نماز کے وقت نماز کا اعلان کیا کرے''۔ بعض نے کہا ''ہم نماز کے وقت آگ جلا کر بلند کیا کریں جسے دیکھ کر لوگ نماز کے لئے آجایا کریں۔ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو ناقوس اٹھائے ہوئے تھا۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے اس شخص سے کہا'' اے عبداللہ! کیا تو ناقوس بیچے گا؟'' اس نے پوچھا ''تم اسے لے کر کیا کرو گے؟'' میں نے کہا ''ہم اس کے ذریعے نماز کا اعلان کریں گے''۔ اس شخص نے کہا ''کیا میں تمہاری راہ نمائی اس امر کی طرف نہ کروں جو اس سے بہتر ہو؟'' میں نے کہا ''ضرور'' اس نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور کہا ''اللہ

اکبر، اللہ اکبر..........'' وہ وقت صبح بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے اور اپنا خواب عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا'' یہ ایک سچا خواب ہے۔ ان شاء اللہ! یہ کلمات طیبات بلال کو سکھا دو۔ وہ تم سے بلند آواز ہیں''۔ میں اٹھا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وہ کلمات سکھانے لگا۔ انہوں نے اذان دی۔ یہ صدائے دلنواز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی سن لی۔ وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے۔ انہوں نے عرض کی'' مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے خواب میں یہی منظر دیکھا ہے۔ بلکہ روایت ہے کہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی خواب دیکھا تھا۔ پھر وحی الٰہی سے بھی اس کی تائید ہو گئی۔ آپ ﷺ نے وحی الٰہی پر اعتماد کیا تھا۔ اور یہ خواب اسی کا سبب تھے۔

یہود دشمنی

حضور ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما ہوئے تو وہاں اسلام کو غلبہ اور قوت نصیب ہوئی۔ یہودی علماء حضور اکرم ﷺ سے عداوت اور دشمنی کرنے لگے۔ یہ عداوت صرف اور صرف سرکشی اور حسد کی وجہ سے تھی کہ اللہ رب العزت نے اس عظیم امر کے لئے عرب کو کیوں مختص فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (آل عمران:118)

'' ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وہ اس سے بھی بڑا ہے''۔ (جمال القرآن)

یہودی علماء میں سے حیی، ابو یاسر، سلام بن مشکم، کنانہ بن ربیع، کعب بن اشرف، عبداللہ بن صوریا، ابن صلوبا اور مخیریق سب سے پیش پیش تھے۔ بعد میں مخیریق کو شرف اسلام نصیب ہوا۔ یہ درجہ صحابیت پر فائز ہوئے۔ ان کے سات باغات تھے۔ انہوں نے سارے باغات کے بارے حضور ﷺ کو وصیت لکھ دی۔ جب اذان اور حضور ﷺ کی شہادت کا اعلان ہوا تو یہود کی یہ دشمنی دو چند ہو گئی۔

حیی بن اخطب کی عداوت

یہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا'' میں اپنے باپ اور چچا کی سب سے عزیز بیٹی تھی۔ یہ دونوں یہود کے علماء میں سے تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو علمائے یہود آپ کے پاس گئے۔ پھر عشاء کے وقت واپس آ گئے۔ میں نے اپنے چچا کو سنا۔ وہ میرے والد سے کہہ رہا تھا '' یہ وہ وہی ذات پاک ہیں'' اس نے کہا'' ہاں!'' چچا نے پوچھا'' کیا تو نے اسے خوب دیکھا ہے اور پہچانا ہے؟ اس نے کہا '' ہاں'' میرے باپ نے پوچھا'' تمہارے دل میں اس کے متعلق کیسے جذبات ہیں؟ چچا نے کہا'' بخدا! میں جب تک زندہ رہوں گا ان سے عداوت ہی کرتا رہوں گا''۔

دوسری روایت کے مطابق ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا'' جب حضور اکرم ﷺ مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو میرا چچا

آپ کے پاس گیا۔ آپ کی باتیں سنیں۔ آپ سے گفتگو کی۔ پھر اپنی قوم کے پاس واپس آ گیا۔ اس نے کہا "اے میری قوم! تم میری اطاعت کرلو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے پاس وہ ذات والا لے آیا ہے جس کے تم منتظر تھے۔ تم ان کی اتباع کرو۔ مخالفت نہ کرو"۔ پھر میرا باپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا۔ اس نے آپ کی باتیں سنیں۔ پھر اپنی قوم کے پاس آیا۔ اس نے کہا "میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں بخدا! میں جب تک زندہ رہوں گا اس سے دشمنی ہی کرتا رہوں گا" اس کے بھائی ابو یاسر نے کہا "اس معاملہ میں میری اطاعت کرلو۔ پھر جس معاملہ میں چاہو میری مخالفت کر لینا۔ ہم برباد نہیں ہوں گے"۔ اس نے کہا "بخدا! میں تیری اطاعت ہرگز نہیں کروں گا" پھر ابو یاسر نے اپنے بھائی حیی کی موافقت کر لی"۔ یہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت رکھتے تھے۔ یہ بھرپور کوشش کرتے تھے کہ لوگ اسلام کے چشمۂ صافی سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرہ:109)

"دل سے چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو ان کے دلوں میں ہے (یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے ان پر حق"۔ (جمال القرآن)

لبید بن الاعصم کی جادوگری

لبید نے کنگھی اور بال لے کر جادو کیا۔ اس نے یہ چیزیں اپنے یہودی غلام کو دیں۔ یہ یہودی غلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرتا تھا۔ اس نے (شمع) موم بتی یا آٹے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل مبارک کی صورت بنائی۔ اس میں گیارہ گرہیں لگائیں اور اسے ذرک کے کنویں میں پھینک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے امور میں جن کا تعلق وحی کے ساتھ نہ تھا یوں محسوس ہوتا کہ آپ نے وہ کام کرلیا ہے حالانکہ وہ کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا۔ جیسا کہ کھانا پینا اور وظیفۂ زوجیت۔ ایک سال، یا چھ ماہ یا چالیس روز گزر گئے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس جادو، اس کے مقام کے متعلق بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا۔ اس کنویں کا رنگ یوں ہو چکا تھا گویا کہ اس میں مہندی ملائی گئی ہو۔ انہوں نے وہ چیزیں کنویں سے نکالیں۔ جب بھی کوئی گرہ کھولی جاتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہلکا پن محسوس کرتے۔ حتیٰ کہ آپ بالکل صحیح انداز میں کھڑے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۃ الفلق اور سورۃ الناس نازل کی۔ ان دونوں سورتوں کی گیارہ آیات ہیں۔ جب ایک آیت طیبہ پڑھی جاتی ایک گرہ کھل جاتی۔ حضرت جبرائیل امین نے یہ پڑھ کر آپ کو دم کیا "بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ وَاللهُ يَشْفِيكَ مِنْ كُلِّ دَاءٍ يُؤْذِيكَ" میں اللہ تعالیٰ کے مبارک اسم کے ساتھ آپ کو دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر اس مرض سے شفا یاب کر دے گا جو آپ کو اذیت دیتی ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لبید کو حاضر کیا۔ اس نے اعتراف گناہ کیا۔ مگر آپ نے درگزر سے کام لیا۔ اس نے یہ عذر پیش کیا کہ

دیناروں کی محبت نے اسے اس کام پر ابھارا تھا۔ حضور ﷺ سے عرض کی گئی "کاش کہ آپ ﷺ اسے تہ تیغ کر دیتے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھے عافیت بخشی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا شدید ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے عافیت عطا فرمائی ہے۔ مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں لوگوں میں شر پھیلاؤں"۔

حضور سید عالم ﷺ کا وسیلہ جلیلہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ سے قبل یہود آپ ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اوس اور خزرج پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے "عنقریب ایک عظیم الشان نبی مبعوث ہوں گے۔ ان کے اوصاف حمیدہ یہ یہ ہوں گے۔ ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے"۔ جب اسلام کا نور تاباں مدینہ طیبہ پہنچ گیا تو حضرت معاذ بن جبل اور حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا "اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اسلام قبول کرو۔ تم حضور ﷺ کے اسم گرامی کے وسیلہ سے ہمارے خلاف دعائیں مانگتے تھے۔ ہم کفر و شرک کی ظلمتوں میں تھے۔ تم ہمیں بتاتے تھے کہ عنقریب نبی آخر الزمان ﷺ مبعوث ہوں گے"۔ تم ہمیں آپ کے شمائل سنیہ بھی بتاتے تھے" سلام بن مشکم نے کہا "یہ ایسی کوئی چیز لے کر نہیں آئے جسے ہم جانتے ہوں اور جس کا ہم تم سے تذکرہ کرتے ہوں"۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

> وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (البقرہ)

> "اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو ان کے پاس تھی اور وہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے۔ کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی، جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے جاننے سے، سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر"۔ (جمال القرآن)

مالک بن صلت یہودی علماء میں سے تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ سے بغض رکھتا تھا۔ یہ یہودیوں پر پیغام حق ملتبس کر دیتا تھا اور ان سے بہت سا مال بٹور لیتا تھا۔ ایک دن حضور ﷺ کے پاس آیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا "میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تورات نازل کی کہ کیا تو تورات میں پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ "جرمین" سے بغض رکھتا ہے تو ہی جرمین ہے۔ تو اس مال سے موٹا ہوا ہے جو تجھے یہودی دیتے ہیں"۔ یہ سن کر اس یہودی کو بہت غصہ آیا۔ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ کی اور کہا "اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا"۔ اس نے حضور سید الانبیاء، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور ان کے پیغام حق کا انکار کیا۔ یہود نے اسے کہا "یہ تیری طرف سے ہمیں کیسا پیغام پہنچا ہے؟ اس نے کہا "انہوں نے مجھے طیش دلائی اور میں نے یہ بات کر دی"۔ یہودیوں نے اس سے اقتدار چھین لیا۔ اس کی جگہ کعب بن اشرف کو اپنا رئیس

بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سیاہ قسمت کے بارے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى (الانعام:91)

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا۔ اس کی قدر پہچاننے کا۔ جب کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے کسی آدمی پر کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پوچھیں کس نے اتاری تھی وہ کتاب جسے لے کر آئے تھے موسیٰ''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ بھی نازل کی۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (سورۃ البقرہ:89)

''تو جب تشریف فرما ہوا ان کے پاس وہ نبی جسے وہ جانتے تھے تو انکار کر دیا اس کے ماننے سے''۔ (جمال القرآن)

روایت ہے کہ بنوقریظہ، بنونضیر وغیرہما کے یہودی جب بنواسد، بنوغطفان اور بنوجہینہ وغیرہم سے جنگ کرتے تو یہ دعا مانگتے ''مولا! ہم تجھ سے اس نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے مدد کی التجاء کرتے ہیں جن کا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو انہیں آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا۔ تو ہماری مدد فرما''۔ دوسری روایت میں دعا کے الفاظ یہ ہیں ''مولا! اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما جنہیں تو آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا۔ جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں کہ وہ انہیں عذاب دیں گے اور انہیں قتل کریں گے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خیبر کے یہودی بنوغطفان کے ساتھ جنگ آزما ہوتے تھے۔ یہ جب بھی ان کیساتھ معرکہ آزما ہوتے تو یہودیوں کو خاک چاٹنی پڑتی۔ ایک روز انہوں نے یہ دعا مانگی ''مولا! ہم تجھ سے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے التجا کرتے ہیں جنہیں تو آخری زمانہ میں مبعوث کرے گا تو ہماری نصرت فرما''۔ ان کی مدد کر دی گئی۔ پھر جب بھی یہودی بنوغطفان کے ساتھ نبرد آزما ہوتے وہ یہی دعا مانگتے تو بنوغطفان کو شکست ہو جاتی۔

انصار کے مابین آتش جنگ بھڑکانے کی سعی

شاس بن قیس یہودی علماء میں سے سب سے زیادہ حریص تھا کہ لوگ اسلام کے چشمہ صافی سے دور بھاگ جائیں۔ یہ مسلمانوں سے شدید حسد کرتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں پر شدت سے طعن کرتا تھا۔ ایک روز یہ اوس اور خزرج کے قبائل کے پاس سے گزرا۔ وہ باہم شیر وشکر ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ یہ ان کے باہمی الفت اور محبت کو دیکھ کر آتش پا ہو گیا۔ اس نے کہا ''بنوقیلہ ایک جگہ جمع ہو چکے ہیں۔ بخدا! جب یہ ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں تو ہمیں قرار نصیب نہیں ہوتا''۔ اس نے ایک یہودی نوجوان سے کہا ''ان کے پاس جا۔ ان میں بیٹھ جا۔ یوم بعاث کا ذکر چھیڑ دے اور اس جنگ کے متعلق اشعار پڑھ''۔ اس نوجوان نے اسی طرح کیا اس وقت ایک قبیلہ نے کہا ''ہمارے شاعر نے اس طرح کہا تھا''۔ دوسرے نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا ''ہمارے شاعر نے اس طرح کہا تھا''۔ وہ باہم جھگڑنے لگے۔ انہوں نے جنگ کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا ''اے اوس قبیلہ کے لوگو! اے خزرج قبیلہ کے لوگو! پھر وہ جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہتھیار سجا لئے تھے اور قتال کے لئے جنگ بندی کر لی تھی۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین کے ہمراہ ان کی طرف تشریف لے

گئے۔ آپ نے فرمایا "اے مسلمانوں کے گروہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جاہلیت کی پکار! کیا تم جاہلیت کی پکار کے ساتھ یوں جنگ کرنے لگے ہو۔ جبکہ ابھی میں تمہارے سامنے ہوں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی ہے اور زمانۂ جاہلیت کا امر تم سے دور کر دیا ہے۔ اس نے تمہیں کفر سے بچا لیا ہے اور تمہارے دلوں کو باہم جوڑ دیا ہے"۔ اس وقت اوس اور خزرج کو احساس ہو گیا کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ دشمن کا مکروفریب ہے۔ وہ رونے لگے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس کے بارے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (آل عمران: 99)

"اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اسے جو ایمان لا چکا۔ تم چاہتے ہو کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو"۔ (جمال القرآن)

اللہ تعالیٰ نے انصار کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (آل عمران)

"اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے ایک گروہ کا اہل کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہو گا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمہیں تمہارے ایمان قبول کرنے کے بعد کافروں میں۔ اور یہ ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگے حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اسے سیدھی راہ تک۔ اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اس سے ڈرنے کا اور (خبردار) نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر اور جدا جدا نہ ہونا اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت (جو اس نے) تم پر فرمائی جب کہ تم تھے (آپس میں) دشمن۔ پس اس نے الفت پیدا کر دی تمہارے دلوں میں۔ تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی اور تم (کھڑے) تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر۔ تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو"۔ (جمال القرآن)

روح کے متعلق سوال

یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے

فرمایا "میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ میں رواں دواں تھا۔ آپ ﷺ کے پاس شاخ خرما تھی۔ آپ ﷺ یہودیوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "ان سے کوئی بات نہ پوچھنا ورنہ تمہیں ناپسندیدہ جواب سننا پڑے گا" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا "ورنہ تمہیں وہ ایک ایسا جواب مرحمت فرمائیں گے جو تمہارے لئے دلیل ہوگی کہ وہ نبی امی ﷺ ہیں۔ تم ان کی نبوت کا انکار کرتے ہو"۔ وہ اٹھ کر حضور ﷺ کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا "ابوالقاسم! روح کیا ہے؟ ہمیں روح کے متعلق بتائیں"۔ آپ خاموش ہو گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں سمجھا کہ نزول وحی ہو رہا ہے"۔ آپ نے فرمایا

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ (بنی اسرائیل:85)

"یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے روح کی حقیقت کے متعلق۔ (انہیں) بتایئے روح میرے رب کے حکم سے ہے"۔ (جمال القرآن)

یہودیوں نے کہا "ہم اپنی کتاب تورات میں اسی طرح پاتے ہیں" پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب قریش مکہ نے آپ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق پوچھا تھا۔ ممکن ہے کہ اس آیت طیبہ کا نزول دوبارہ ہوا ہو۔ جب یہودیوں نے آپ سے روح کے متعلق سوال کیا تو حضور ﷺ خاموش ہو گئے۔ آپ منتظر تھے کہ کیا اس جواب کے علاوہ کسی اور جواب کا نزول ہوتا ہے جو آپ نے قریش مکہ کو مرحمت فرمایا تھا یا پہلے جواب کا نزول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعینہا پہلی آیت طیبہ نازل کی۔ آپ نے اسی آیت طیبہ کو تلاوت فرمایا یہودیوں نے کہا "ہم اپنی کتاب تورات میں اسی طرح پاتے ہیں"۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی نو آیات

ایک دفعہ دو یہودی حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق پوچھا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ (بنی اسرائیل:101)

"اور ہم نے عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن نشانیاں"۔ (جمال القرآن)

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "وہ نو نشانیاں یہ ہیں تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بدکاری نہ کرو۔ اس نفس کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، مگر حق کے ساتھ۔ چوری نہ کرو۔ بری شخص کو سلطان کے پاس نہ لے جاؤ۔ سود نہ کھاؤ۔ پاکباز عورت پر بہتان نہ لگاؤ۔ اے یہود! تمہارے لئے یہ خاص حکم ہے کہ ہفتہ کے متعلق سرکشی نہ کرو"۔ ان دونوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک چومے اور کہا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں"۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا "پھر تم اسلام قبول کیوں نہیں کر لیتے؟" انہوں نے کہا "ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہودی ہمیں جان سے مار ڈالیں گے"۔ نو آیات کی یہ تفسیر اس تفسیر کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اس

سے مراد نو معجزات ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ وہ نو معجزات یہ ہیں "عصا مبارک، ید بیضاء، قحط، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون"۔ وہ نشانیاں تکلیف، توحید، اس کے اصول اور امر دین کی طرف رجوع پر دلالت کرتی ہیں۔ جبکہ یہ آیات حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔ کوئی مانع نہیں کہ ان سے حسیہ اور معنویہ، ظاہر یہ اور باطنیہ آیات مراد ہوں۔

سب سے بڑی شہادت

اس آیت طیبہ

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران)

"شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی کہ) بے شک نہیں کوئی خدا سوائے اس کے اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے۔ اور اہل علم نے (ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل و انصاف کو نہیں کوئی معبود سوائے اس کے (جو) عزت والا حکمت والا ہے بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے"۔ (جمال القرآن)

کے نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ سرزمین شام سے دو علماء مدینہ طیبہ آئے۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بارے علم نہ تھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا "یہ شہر اس شہر سے کتنی مشابہت رکھتا ہے جہاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہو گا۔ انہیں بتایا گیا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر اس مبارک شہر میں جلوہ گر ہو چکے ہیں۔ آپ اسی شہر خنک میں رونق افروز ہیں۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے پوچھا "کیا آپ محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں"۔ آپ نے فرمایا "ہاں" انہوں نے کہا "ہم آپ سے ایک مسئلہ پوچھتے ہیں۔ اگر آپ نے ہمیں بتا دیا تو ہم اسلام لے آئیں گے"۔ آپ نے فرمایا "پوچھ لو" انہوں نے عرض کی "ہمیں اس سب سے بڑی شہادت کے بارے بتائیں جو کتاب الٰہی میں موجود ہے"۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ آپ نے یہ آیت مبارکہ انہیں پڑھ کر سنائی وہ دونوں ایمان لے آئے۔

سورۃ اخلاص کا نزول

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ آپ کے پاس حاضر ہوا۔ انہوں نے کہا "ہمیں بتائیں کہ آپ کا رب کس چیز سے بنا ہوا ہے؟" یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید غصہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "آپ اس معاملے کو آسان لیجئے" اس وقت اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاخلاص نازل کی۔ جس میں ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ جلال اور کمال کی صفات میں یکتا ہے۔ وہ جسم سے منزہ ہے۔ واجب الوجود لذاتہ ہے۔ یعنی اس کی ذات ہی اس کے وجود کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ غیر سے مستغنی ہے۔ باقی سارے اس کے محتاج ہیں۔

ایک اور قول کے مطابق جب نجران کے وفد نے تثلیث کے بارے گفتگو کی اور مسلمانوں سے مناظرہ کیا تو مسلمانوں نے ان سے پوچھا "کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھاتے تھے؟" انہوں نے کہا "وہ کھانا نہیں کھاتے تھے" اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے بطلان کے لئے سورۃ الاخلاص نازل کی۔ کیونکہ "الصمد" وہ ہوتا ہے جس کا پیٹ نہ ہو اور وہ کھانے کا محتاج نہ ہو۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاتقان" میں لکھا ہے "سورۃ الاخلاص کا نزول کئی بار ہوا۔ یہ ایک دفعہ مکہ مکرمہ کے مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا "ہمیں اپنے رب کے اوصاف بتائیں" ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن سلام کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔ جب انہوں نے کہا "محمد عربی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کا نسب بیان کریں" اور ایک دفعہ یہ مدینہ طیبہ میں اہل کتاب کے جواب میں نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام کی گواہی

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہود کے جید علماء میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا نام "حصین" تھا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ حضرت یوسف الصدیق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان عالی شان میں ان کی تعریف کی ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۢ بَنِیٓ إِسۡرَٰٓءِیلَ عَلَىٰ مِثۡلِهِۦ فَـَٔامَنَ وَٱسۡتَكۡبَرۡتُمۡ (الاحقاف:10)

"حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا"۔

(جمال القرآن)

ان کا تعلق بنو قینقاع کے یہودیوں سے تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے دن مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تھے۔ آپ حضرت ابوایوب انصاری کے گھر تشریف فرما تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے آپ کا یہ فرمان فیض ترجمان سنا "اے لوگو! اسلام پھیلاؤ، صلہ رحمی کرو، کھانا کھلاؤ، رات کو نماز پڑھو جبکہ لوگ سوئے ہوں، تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لوگ جلدی جلدی آپ کی زیارت کے لئے گئے۔ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ کے روئے تاباں کی زیارت کی تو میں پکار اٹھا "یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا"۔ کیونکہ آپ کی صورت مبارک اور ہیئت پاکیزہ کو دیکھ کر ہی اہل دانش اندازہ کر لیتے ہیں کہ یہ جھوٹے نہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں "میں نے سنا آپ فرما رہے تھے۔ "اے لوگو! سلام پھیلاؤ......"

اس وقت میں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں"۔ آپ پیغام حق لے کر تشریف لائے ہیں۔ پھر میں اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں اپنا اسلام یہود سے چھپاتا تھا۔ پھر میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر آیا۔ میں نے آپ سے عرض کی "یہودی جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار اور سردار کا فرزند ہوں۔ ان میں

سے سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا نور نظر ہوں۔ یا رسول اللہ! یہود کے آنے سے پہلے آپ مجھے چھپا دیں۔ آپ انہیں بلائیں اور اس سے قبل کہ انہیں میرے اسلام کا علم ہو ان سے میرے متعلق پوچھیں۔ یہود ایک جھوٹی قوم ہے۔ اگر انہیں میرے اسلام کے بارے علم ہو گیا تو یہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ آپ ان سے پختہ عہد لے لیں کہ اگر میں نے آپ کی اتباع کر لی اور آپ پر ایمان لے آیا تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور آپ کی کتاب زندہ پر ایمان لے آئیں گے"۔ حضور ﷺ نے یہود کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ آپ کے پاس آئے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا "اے گروہ یہود! تمہارے لئے ہلاکت! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ اور سچا پیغام لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ اسلام لے آؤ"۔ یہود نے کہا "ہم نہیں جانتے" آپ نے انہیں تین بار یہی فرمایا اور انہوں نے تین بار یہی جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ابن سلام تم میں سے کیسا شخص ہے؟" انہوں نے کہا "وہ ہمارا سردار، ہمارے سردار کا فرزند ہے وہ سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے۔ وہ ہم میں سے بہترین اور بہترین شخصیت کا نور نظر ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ یہ گواہی دے دے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور اس کتاب پر ایمان لے آئے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ یہودیوں نے کہا "ہاں" حضور فخر موجودات ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ آپ نے فرمایا "ابن سلام! باہر آ جاؤ"۔ وہ باہر آئے۔ آپ نے فرمایا "عبداللہ بن سلام! کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ میرا ذکر جمیل تورات اور انجیل میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے عہد لیا تھا کہ تم مجھ پر ایمان لاؤ گے۔ اور تم میری اتباع کرو گے"۔ حضرت ابن سلام نے عرض کی "ہاں! اے گروہ یہود! تمہارے لئے بربادی ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں تم خوب جانتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اور وہ حق کا پیغام لے کر آئے ہیں"۔

دوسری روایت میں ہے "تم خوب جانتے ہو کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں تم تورات میں آپ کا اسم مبارک اور اوصاف جلیلہ پاتے ہو"۔ یہودیوں نے کہا "تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تم ہم سب سے برے اور سب سے برے کی اولاد ہو"۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے یہی اندیشہ تھا۔ میں نے آپ سے عرض نہیں کی تھی کہ یہود ایک مکار اور جھوٹی قوم ہے"۔ حضور ﷺ نے یہودیوں کو باہر نکال دیا۔ میں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل کیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۠ (سورۃ الاحقاف)

"فرمائیے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو (اس کا انجام کیا ہوگا) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو"۔ (جمال القرآن)

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ (آل عمران:113)

''اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں''۔
(جمال القرآن)

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ (سورۃ الرعد)

''اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ لوگ (بطور گواہ کافی ہیں) جن کے پاس کتاب کا علم ہے''۔ (جمال القرآن)

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ (القصص)

''جن کو ہم نے عطا فرمائی کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے۔ ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ''۔ (جمال القرآن)

اَوَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ (سورۃ الشعراء)

''کیا نہیں تھی ان (مشرکین مکہ) کے لئے آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء''۔
(جمال القرآن)

خصائص الکبریٰ میں امام سیوطی نے ابن عساکر سے روایت تحریر کی ہے کہ حضرت ابن سلام نے مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ یہ ہجرت نبویہ سے پہلے کی بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ''کیا تم ابن سلام اہل یثرب کے عالم ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''ہاں!'' آپ نے فرمایا ''میں تمہیں اس ذات والا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کی کیا تورات میں میرے اوصاف موجود ہیں؟'' انہوں نے عرض کی ''آپ اپنے رب کا نسب بیان کریں'' آپ نے توقف فرمایا۔ حضرت جبرائیل امین سورۃ الاخلاص لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ ابن سلام نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ آپ کو اور آپ کے دین متین کو سارے ادیان پر غلبہ عطا کرے گا۔ میں تورات میں آپ کا وصف اس طرح پاتا ہوں ''اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں...... یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابن سلام نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا مگر اپنا اسلام مخفی رکھا تھا۔ البتہ اس روایت کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ جو انہوں نے یہ فرمایا ''جب میں نے آپ کا چہرہ والضحیٰ دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کسی کذاب کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کس طرح آپ کے اوصاف اور اسم مبارک جان لیا اور دوسری بار اسلام کیوں قبول کیا؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے دوسری بار مدینہ طیبہ میں یہود پر حجت قائم کرنے کے لئے اسلام قبول کیا۔

حضرت میمون بن یامین کی گواہی

میمون بن یامین بھی یہودیت کے سردار تھے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا تھا جس طرح کا واقعہ حضرت ابن سلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت میمون حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ یہود کی طرف پیغام بھیجیں۔ مجھے ان کا ثالث بنائیں وہ میری طرف لوٹ آئیں گے''۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اندر داخل کر کے چھپا دیا۔ یہود کی طرف پیغام بھیجا۔ یہود آئے تو آپ نے فرمایا ''ایک ایسا شخص اختیار کر لو جو ہمارے اور تمہارے مابین ثالث بن جائے'' یہودیوں نے کہا ''ہم میمون بن یامین پر راضی ہیں''۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا ''باہر نکل آؤ''۔ وہ باہر نکلے اور کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں'' مگر انہوں نے ان کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا حضرت امام بوصیری نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

عرفواہ و انکروہ ظلما کتمہ الشھادۃ الشھداء

انہوں نے آپ کو پہچانا اور آپ کا انکار کر دیا اور ظلم کرتے ہوئے گواہوں نے گواہی چھپا دی۔

او نور الالہ تطفئہ الافواہ و ھو الذی بہ یستضاء

کیا رب تعالیٰ کے نور کو منہ بجھا سکتے ہیں حالانکہ اسی ذات سے ہی نور کی التجاء کی جاتی ہے۔

کیف یھدی الا لہ منھم قلوبا حشوھا من حبیبہ البغضاء

اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو کیسے ہدایت دے گا۔ جو اس کے حبیب لبیب ﷺ سے بغض کی وجہ سے سخت ہو گئے ہوں۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَہۡدِکُمۡ (البقرہ:40)

''اے اولاد یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو کیا میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کئے ہوئے) وعدہ کو''۔ (جمال القرآن)

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء سے فرمایا ''میرا وہ وعدہ پورا کرو جو میں نے تم سے اپنے نبی مکرم ﷺ کے متعلق لیا کہ تم ان کی تصدیق کرو۔ ان کی اتباع کرو۔ میں وہ وعدہ پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے۔ میں تمہارے بوجھ اور اغلال ختم کر دوں گا۔ تم سب سے پہلے کفر کرنے والے نہ بنو تمہارے پاس وہ علم ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ تم اس حق کو نہ چھپاؤ کہ تم میرے رسول مکرم ﷺ کو جانتے ہو۔ ان کے حیات آفرین پیغام سے آگاہ ہو۔ تم اس کتاب میں آپ ﷺ کا ذکر خیر پاتے ہو۔ جو تمہارے پاس موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے اسلام کے متعلق ایک اور روایت بھی بیان کی جاتی ہے۔ اس میں قدرے تفصیل مذکور ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک شخص میرے پاس آیا۔ اس نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق مجھے بتایا۔ میں کھجور کی چوٹی پر کچھ کام کر رہا تھا۔ میری پھوپھی نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب میں نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کے متعلق سنا تو میں نے باواز بلند تکبیر کہی۔ میری پھوپھی نے مجھے کہا ''اگر تم حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے متعلق سنتے تو اس سے زیادہ بلند آواز میں تکبیر

نہ کہتے"، میں نے کہا" پھوپھو! وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بھائی ہی ہیں۔ وہ انہی کے دین پر ہیں۔ وہ انہی کی طرح کا روح پرور پیغام لے کر آئے ہیں"۔ انہوں نے کہا" میرے بھتیجے! کیا وہ وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے متعلق ہم کہا کرتے تھے کہ وہ قرب قیامت تشریف لائیں گے"۔ میں نے کہا" ہاں!" میں آپ کے اوصاف حمیدہ اور اسم گرامی جانتا تھا۔ میں مہر بلب رہا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی "میں آپ سے تین امور کے متعلق پوچھنے لگا ہوں۔ جنہیں صرف ایک سچا نبی ہی جان سکتا ہے۔ (1) قیامت کی ابتداء کیسے ہوگی۔ (2) اہل جنت سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ (3) بچہ اپنی ماں یا باپ سے مشابہت کیوں رکھتا ہے؟ حضور مجسم علم و حکمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" مجھے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے ابھی ابھی ان سوالات کے جوابات بتا دیئے ہیں"۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کی "وہ تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔ کیونکہ وہ ہلاکت اور خسف لے کر آئے تھے۔ یا اس لئے کہ یہودیوں کے راز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" قیامت کا آغاز ایک آگ سے ہوگا جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کر دے گی۔ سب سے پہلا کھانا جو جنتیوں کو دیا جائے گا وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہوگا۔ یہ کھانا انتہائی لذیذ ہوگا۔ اگر آدمی کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

علمائے یہود کے سوالات

علمائے یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے سوالات کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جوابات مرحمت فرما دیئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سوال کرتے ہوئے کہا" ہمیں نبی کی علامت کے متعلق بتائیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" نبی کی آنکھیں سو جاتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا"۔ یہودیوں نے پوچھا" تورات کے نزول سے قبل حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے کون سے کھانا خود پر حرام کر رکھا تھا؟" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" میں اس ذات بابرکات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر تورات نازل کی۔ کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی ذات والا ہے۔ وہ ایک دفعہ شدید بیمار ہو گئے۔ علالت طوالت اختیار کر گئی۔ انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں شفا دی تو وہ اپنا پسندیدہ مشروب اور پسندیدہ کھانا خود پر حرام کر لیں گے"۔ گوشت میں سے سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور مشروبات میں سے سب سے زیادہ اونٹوں کا دودھ پسند تھا۔ انہوں نے عرض کی "مولا! میں یہ دونوں اشیاء خود پر حرام کرتا ہوں"۔

دوسرے قول کے مطابق حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی مرض میں مبتلاء تھے۔ جب وہ اونٹوں کا گوشت یا دودھ استعمال فرماتے تو یہ مرض شدت اختیار کر جاتا۔ اس آیت طیبہ

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ (آل عمران:93)

"سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لئے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر"۔

(جمال القرآن)

کے نزول کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے کہا "آپ کیسے کہتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں۔ حالانکہ آپ اونٹوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کا دودھ پیتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھیں۔ حتیٰ کہ اس کی انتہاء ہم پر ہوئی۔ ہم آپ سے اور دیگر افراد سے زیادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے یہ آیت طیبہ نازل کی کہ یہ اشیاء حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آپ پر خود حرام کر رکھی تھیں وہ حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہما السلام کے بعد میں آئے تھے۔ یہ چیزیں ان دونوں پر حرام کیسے ہو سکتی تھیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٣﴾ (آل عمران)

"آپ فرماؤ لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو"۔ (جمال القرآن)

روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے علمائے یہود میں سے ایک شخص سے کہا "کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ اس نے کہا "نہیں" آپ نے فرمایا "کیا تو تورات پڑھتا ہے؟" اس نے کہا "ہاں!" آپ نے فرمایا "انجیل پڑھتا ہے؟" اس نے کہا "ہاں" آپ نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھا "کیا تو تورات اور انجیل میں میرا ذکر خیر پاتا ہے؟" اس نے کہا "ہم آپ کا ذکر جمیل پاتے ہیں۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور ہجرت گاہ کا تذکرہ پاتے ہیں۔ جب آپ کا ظہور ہوا تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ شاید آپ ہی وہ ہوں۔ ہم نے غور و فکر کیا تو محسوس ہوا کہ آپ وہ نہیں ہیں"۔ آپ نے فرمایا "وہ کیوں؟" اس نے کہا "وہاں مرقوم ہے کہ آپ کے ساتھ ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جن پر حساب اور عتاب نہ ہوگا۔ آپ کے ہمراہ تو قلیل تعداد میں لوگ ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں وہی ہوں۔ اور میری امت کے لوگ ستر ہزار اور ستر ہزار سے زائد ہوں گے"۔ ایک اور یہودی نے آپ سے پوچھا "یہ رعد اور برق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا "رعد اس فرشتے کی آواز ہے جو بادل پر موکل ہے جبکہ برق آگ کا تازیانہ ہے جس سے بادل کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

اس آیت طیبہ

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا (البقرہ:106)

"جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کر دیتے ہیں"۔ (جمال القرآن)

کے نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہود "النسخ" کا انکار کرتے تھے۔ وہ کہتے "کیا تم محمد عربی ﷺ کو نہیں دیکھتے وہ اپنے صحابہ کو کسی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں۔ پھر انہیں اس سے روک دیتے ہیں۔ ایک دن انہیں ایک بات کہتے ہیں۔ دوسرے دن اسی سے رجوع کر لیتے ہیں؟

انہوں نے بکواس کرتے ہوئے کہا "اس شخص کا مطمع نظر تو صرف عورتیں اور نکاح ہے۔ اگر یہ نبی ہوتے جس طرح کہ یہ گمان کرتے ہیں تو نبوت انہیں خواتین کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ دیتی۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد:38)

''اور بے شک ہم نے بھیجے کئی رسول آپ سے پہلے اور بنائیں ان کے لئے بیویاں اور اولاد''۔ (جمال القرآن)

محصن بدکار کی سزا

روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک سو ازواج اور نو سو لونڈیاں تھیں۔ یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس محصن کے متعلق پوچھا جس نے کسی محصنہ سے بدکاری کی ہو۔ کیونکہ خیبر کے ایک شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے بدکاری کی تھی۔ اہل خیبر نے انہیں ان کے شرف کی وجہ سے انہیں سنگسار نہ کرنا چاہا۔ انہوں نے اپنا وفد بنو قریظہ کی طرف بھیجا تا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھیں۔ اس وفد نے بنو قریظہ سے کہا ''جس شخص کا یثرب میں ظہور ہوا ہے۔ اس کی کتاب میں رجم کی سزا موجود نہیں۔ بلکہ جلاوطنی ہے۔ تم ان سے اس کے متعلق پوچھو۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے آپ کا فرمان قبول نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علماء سے فرمایا ''میں تمہیں اس ذات والا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کی کہ کیا تم تورات میں پاتے نہیں کہ جو مرد یا عورت شادی شدہ ہو اور وہ بدکاری کرے تو اس پر رجم ہے''۔ علمائے یہود نے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم نے جھوٹ بولا ہے''۔ اس کتاب یعنی تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ تم تورات لے کر آؤ اور اسے پڑھو''۔ وہ تورات لے کر آئے علمائے یہود میں سے ایک عالم نے آیہ رجم پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت ابن سلام نے اسے فرمایا ''اس جگہ سے ہاتھ اٹھا لو'' اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے آیہ رجم موجود تھی۔

بعض روایات میں ہے۔ کعب بن اشرف، سعید بن عمرو اور مالک بن صلت وغیرہ بیت مدارس میں جمع ہوئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔ اس وقت ایک یہودی شادی شدہ مرد نے ایک یہودن شادی شدہ عورت سے بدکاری کی تھی۔ ان علماء نے کہا ''اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کوڑے مارنے کا حکم دیا تو ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے۔ اور ان کا یہ فتویٰ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سمجھیں گے''۔ ہم کہیں گے ''تیرے انبیاء میں سے ایک نبی نے یہ فتویٰ دیا ہے'' اگر انہوں نے رجم کا حکم دیا تو ہم ان کی مخالفت کریں گے۔ کیونکہ ہم نے تورات کی مخالفت کر دی ہے'' آپ کی مخالفت کرنا ہمارے لئے کون سے مشکل کام ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی کہ ان میں سے ایک شادی شدہ مرد نے شادی شدہ عورت سے بدکاری کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''تم تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''ہم وہاں پاتے ہیں کہ ہم ان کے چہرے کالے کریں اور انہیں گدھوں پر اس حال میں سوار کریں کہ ان کے منہ ان کی پشتوں کی طرف ہوں اور انہیں گھمائیں۔ پھر انہیں کھجور کی چھال کے کوڑے ماریں جس پر تار کول ملا ہوا ہو''۔

حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا ''تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ لے آؤ تورات اور اسے کھولو''۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ آیہ رجم پر رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کی آیات پڑھ دیں۔ حضرت عبداللہ بن

سلام نے اسے کہا "اپنا ہاتھ اٹھا" اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔ انہوں نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے سچ فرمایا ہے۔ تورات میں رجم کی آیت موجود ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب یہ یہودی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے تو انہوں نے کہا "ابوالقاسم! محصن مرد اور محصنہ عورت اگر بدکاری کریں تو ان کی سزا کے بارے آپ کا کیا خیال ہے؟" حضور سید عالم ﷺ نے ان سے پوچھا "تورات میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟" انہوں نے کہا "تورات کو چھوڑیں۔ آپ اپنا حکم بتائیں"۔ آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ مگر یہودیوں نے انکار کر دیا۔ حضور سید کائنات ﷺ نے ان کے ساتھ بات تک نہ کی حتیٰ کہ آپ بیت المدارس تشریف لے آئے۔ اس کے دروازہ میں کھڑے ہو گئے۔ فرمایا "اے گروہ یہود! خود میں سے سب سے زیادہ عالم کو میری طرف بھیجو"۔ انہوں نے عبداللہ بن صوریا، ابن یاسر بن اخطب اور وہب بن یہود کو باہر نکالا۔ انہوں نے کہا "یہ ہمارے علماء ہیں" حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں اس رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ تم اس محصن کے بارے تورات میں کیا حکم پاتے ہو جس نے بدکاری کی"۔ انہوں نے کہا "اس کا چہرہ کالا کر دیا جائے گا اور اسے علیحدہ کر دیا جائے گا"۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تم نے جھوٹ بولا ہے تورات میں آیہ رجم موجود ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان سے یہ سوال کیا تو ایک جوان کے علاوہ سب نے یہی جواب دیا۔ وہ مہر بلب رہا۔ حضور اکرم ﷺ نے اصرار فرمایا تو اس نے کہا "بخدا! آپ نے بہت اصرار کیا ہے ہم تورات میں رجم کی آیت پاتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بدکاری کرنے والا بڑا معزز ہے جسے رجم نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ عمل قبیح کسی کم مرتبہ شخص سے صادر ہوتا تو ہم اسے ضرور رجم کرتے"۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے تورات کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے" یہ جوان عبداللہ بن صوریا تھا۔ روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے انہیں رجم کا حکم دیا اور اہل یہود نے انکار کر دیا تو حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "یا رسول اللہ! اپنے اور ان کے مابین عبداللہ بن صوریا کو بطور ثالث مقرر فرمائیں"۔ حضرت جبرائیل امین نے اس کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ حضور داعئ اعظم ﷺ نے یہود سے فرمایا "کیا تم اس جوان کو جانتے ہو جو ابھی تک بے ریش ہے۔ اس کی رنگت سفید ہے۔ جو ایک آنکھ سے محروم ہے جس کا مسکن فدک ہے اور اسے ابن صوریا کہا جاتا ہے" یہود نے کہا "ہاں! وہ روئے زمین پر تورات کا سب سے بڑا عالم ہے" وہ اس کی ثالثی پر رضامند ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا "میں تمہیں اس رب تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ سمندر شق کیا۔ تمہارے اوپر کوہ طور بلند فرمایا۔ تمہیں نجات بخشی اور فرعون کو ہلاک کیا۔ تم پر بادل سے سایہ کیا۔ من او سلویٰ تم پر اتارا۔ اس نے تم پر ایسی کتاب نازل کی جس میں حلال اور حرام کا تذکرہ ہے۔ کیا تم اس میں یہ حکم پاتے ہو کہ محصن مرد اگر بدکاری کرے تو اس کی سزا رجم ہے"۔ اس جوان نے کہا "ہاں" یہود کے احمق اس پر ٹوٹ پڑے۔ اس نے کہا "مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے اس کی تکذیب کی تو ہم پر عذاب نازل ہو جائے گا"۔

دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کا آپ نے واسطہ دیا ہے اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ اگر میں نے جھوٹ بولا تو تورات جلا دے گی تو میں آپ کے سامنے یہ اعتراف نہ کرتا۔ محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم آپ پر نازل ہونے والی کتاب حکیم میں یہ حکم کس طرح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''جب چار عادل شخص یہ گواہی دیں کہ زانی نے زانیہ کی شرم گاہ میں آلہ تناسل اس طرح داخل کر دیا تھا جس طرح سرچو سرمہ دانی میں داخل ہوتا ہے تو اس پر حد واجب ہو جاتی ہے'' ابن صوریا نے کہا ''مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔ اللہ تعالیٰ نے تورات میں اسی طرح حکم نازل فرمایا ہے۔

ان متفرق روایات کو جمع کرنا کس طرح ممکن ہے؟ اس سوال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اس طرح کا واقعہ کئی بار رونما ہوا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ ایسا واقعہ ایک ہی دفعہ رونما ہوا تھا تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہود بارگاہ رسالت میں کئی بار حاضر ہوئے اور آپ کے اور یہودی علماء کے مابین مختلف محافل میں مختلف گفتگو ہوتی رہی۔ بعض راویوں نے کسی ایک مجلس کی گفتگو اور بعض نے دوسری مجلس کی گفتگو روایت کر دی۔ اس طرح عبارتوں میں بھی اختلاف ہو گیا۔ جو کسی کو یاد رہ گیا اس نے وہی روایت کر دیا۔ بعض نے لفظاً اور بعض نے معناً روایت کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ابن صوریا نے حضور ﷺ سے بعض ان امور کے متعلق سوالات کیے۔ جنہیں وہ آپ کی نبوت کی علامت سمجھتا تھا۔ آپ نے ان سب کے جوابات مرحمت فرما دیئے۔ جب اس کے ہاں آپ کی نبوت و رسالت حق ثابت ہو گئی تو اس نے کہا ''اشهد ان لا اله الا الله و اشهد انك رسول الله النبی الامی'' اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابن صوریا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ امام سہیلی اور ایک جماعت نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔

الحافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''میں کسی ایک بھی ایسی صحیح روایت سے آگاہ نہیں جس سے عبد اللہ بن صوریا کا اسلام ثابت ہوتا ہو'' جب رجم کا حکم متحقق ہو گیا تو حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ''گواہ لے کر آؤ'' چار گواہ حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے اسی طرح گواہی دی جس طرح اوپر تذکرہ ہوا ہے۔ آپ نے ان کے متعلق حکم دیا تو انہیں مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس رجم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''میں نے مرد کو دیکھا وہ عورت پر جھک رہا تھا۔ تاکہ اسے پتھروں سے بچائے''۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ (سورۃ المائدۃ: 44)

''بے شک اتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے''۔ (جمال القرآن)

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (سورۃ المائدہ)

''اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اتارا اللہ نے تو وہی لوگ ظالم ہیں''۔ (جمال القرآن)

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ (سورۃ المائدہ)

''تو وہی لوگ کافر ہیں''۔ (جمال القرآن)

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ (المائدہ)

"تو وہی لوگ فاسق ہیں"۔ (جمال القرآن)

عمرو بن میمون نے کہا ہے "میں نے بنو آدم کے علاوہ زمانہ جاہلیت میں جانوروں میں بھی رجم دیکھا ہے۔ میں یمن میں اپنے اہل خانہ کے لئے بکریاں چرا رہا تھا۔ ایک بندر آیا۔ اس کے ساتھ بندریا تھی۔ بندر نے اس کا ہاتھ تھاما اور سو گیا۔ کچھ دیر بعد ایک اور بندر آیا جو اس بندر سے چھوٹا تھا۔ اس نے بندریا کو اشارہ کیا۔ اس نے بندر کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور اس بندر کے ساتھ ہو گئی۔ پھر واپس آ گئی۔ یہ بندر گھبرا کر اٹھ بیٹا۔ اس نے بندریا کو سونگھا اور بلند آواز سے چیخ ماری۔ بہت سے بندر اکٹھے ہو گئے۔ یہ بندر چیخنے لگا اور اس بندریا کی طرف اشارے کرنے لگا وہ بندریا دائیں بائیں جانے لگی۔ وہ دوسرے بندر کو بھی لے آئے۔ انہوں نے ایک گھڑا کھودا اور ان دونوں کو رجم کر دیا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ انہیں پتھر مارے"۔

بعض علماء نے اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر یہ روایت درست ہے تو وہ جنات میں سے تھے کیونکہ صرف جن و انس مکلف ہیں" علماء یہود حضور اکرم ﷺ کی وہ صفات بیان کرنے سے گریز کرتے تھے جو تورات میں تھیں۔ تا کہ ان کا خرچہ نہ بند ہو جائے۔ کیونکہ یہ ان کی عوام کے ذمہ تھا کہ تورات کے علماء کو نفقہ دیں۔ انہیں خدشہ دامن گیر ہوا کہ اگر ان کی عوام ایمان لے آئی تو ان کا نفقہ بند ہو جائے گا۔ وہ اہل ایمان سے کہتے تھے "ان درویش صفت مہاجرین پر خرچ نہ کرو۔ ہمیں تمہارے متعلق تنگ دستی کا خدشہ ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ (النساء)

"جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں جو عطا فرمایا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (و کرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کیلئے ذلیل کرنے والا عذاب"۔ (جمال القرآن)

ان کی کتب میں تھا کہ حضور رحمت عالم ﷺ کی چشمان مبارک سرگیں اور قامت مبارکہ درمیانی ہو گی۔ گیسوئے پاک گھنگریالے ہوں گے۔ آپ کا چہرہ بہت خوبصورت ہو گا۔ مگر انہوں نے یہ فرمان الٰہی تبدیل کر دیا انہوں نے کہا "ہم پاتے ہیں کہ آپ طویل القامت ہوں گے۔ آپ کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی۔ بال سیدھے ہوں گے"۔ انہوں نے یہ بات اپنے پیروکاروں کو بتائی۔ انہوں نے کہا "یہ اس نبی کے اوصاف ہیں جو آخری زمانہ میں مبعوث ہوں گے"۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (سورۃ البقرہ: 174)

"بے شک وہ لوگ چھپاتے ہیں جو اللہ نے نازل کیا"۔ (جمال القرآن)

یہود جب حضور ﷺ سے بات چیت کرتے تو کہتے "رعنا سمعك واسمع غير مسمع" پھر مذاق اڑاتے۔ کیونکہ یہ یہود کی زبان میں ایک قبیح گالی تھی۔ جب مسلمانوں نے یہ کلمات سنے تو انہوں نے گمان کیا کہ شاید اہل کتاب ان کلمات سے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم کرتے ہیں۔ مسلمان حضور اکرم ﷺ کے لئے بھی یہی کلمات استعمال کرنے لگے۔ ایک روز

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ یہود کی اس سازش کو سمجھ گئے۔ اس وقت یہودی ہنس رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا ''اے اللہ تعالیٰ کے دشمنو! اگر اس محفل کے بعد تم میں سے کسی شخص کی زبان سے ایسے کلمات سنے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا''۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

یَاۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا (سورۃ البقرہ:104)

''اے ایمان والو! (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو ''راعنا'' بلکہ کہو ''انظرنا''۔ (جمال القرآن)

ایک روایت میں ہے کہ جب یہود نے دیکھا کہ صحابہ کرام بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوتے اور آپ ان سے ارشاد فرماتے تو وہ عرض کرتے یا رسول اللہ رَاعِنَا ہماری طرف نظر کرم فرمائیں تا کہ ہم آپ کا فرمان سمجھ سکیں'۔ یہ ایک عبرانی لفظ تھا۔ جس کے ساتھ یہودی گالی دیتے تھے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کو یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے سنا تو وہ بھی یہ لفظ استعمال کرنے لگے۔ مگر نیت فاسد تھی۔ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہود سے یہی لفظ سنا تو انہوں نے کہا'' خدا تعالیٰ کے دشمنو! تم پر لعنت! مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ اگر میں نے تم میں سے کسی شخص کو حضور جان عالم کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے سنا تو اس کی گردن اڑا دوں گا''۔ یہود نے کہا'' کیا تم یہ لفظ استعمال نہیں کرتے'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

یہود کی ایک جماعت اپنے بچے لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی'' محمد عربی! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے ان بچوں پر کوئی گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا'' نہیں'' انہوں نے کہا'' اس ذات کی قسم جس کی آپ قسم اٹھاتے ہیں۔ ہم بھی ان بچوں کی طرح ہیں۔ ہم جو گناہ دن کے وقت کرتے ہیں وہ رات کے وقت ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ جو گناہ ہم سے رات کے وقت صادر ہوتا ہے وہ دن کے وقت ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء:49)

'' کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو پاکباز بتاتے ہیں اپنے آپ کو''۔ (جمال القرآن)

یہودی علماء میں سے ابن صوریا (اسلام لانے سے قبل) شاس بن قیس اور کعب بن اسد نے کہا'' ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے ہیں۔ شاید انہیں فتنہ میں مبتلا کر سکیں'' وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی'' محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے علماء ہیں۔ ان کے اشراف ہیں۔ اگر ہم نے آپ کی اتباع کر لی تو سارے یہودی آپ کے پیروکار بن جائیں گے۔ ہمارے اور ہماری قوم کے مابین جھگڑا ہے۔ ہم آپ کو ثالث بناتے ہیں اگر آپ نے ہمارے حق میں فیصلہ کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے'' مگر آپ نے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (المائدہ:49)

''اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں

ان کی خواہشات کی"۔ (جمال القرآن)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک یہودی سوداگر تھا۔ اس نے اذان سنی۔ جب مؤذن نے یہ کلمات طیبات کہے "اشھد ان محمد رسول اللہ" اس نے کہا "اللہ تعالیٰ جھوٹے کو رسواء کرے" دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "اللہ تعالیٰ جھوٹے کو جلا دے" اس کی ملازمہ آگ لے کر آئی۔ وہ اور اس کے اہل خانہ سو رہے تھے۔ ایک شرارہ گر پڑا اس نے سارا گھر جلا دیا۔ وہ شخص اور اس کے اہل خانہ جل گئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرہ:245)

"کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن"۔ (جمال القرآن)

تو حیی بن اخطب نے کہا "ہمارا رب ہم سے قرض مانگتا ہے۔ فقیر ہی غنی سے کچھ مانگتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ (آل عمران:181)

"بے شک سنا اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں"۔ (جمال القرآن)

اس آیت طیبہ کے نزول کے بارے ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المدارس میں تشریف لے گئے۔ اور فنحاص بن عازوراء سے کہا "اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ اسلام لے آ۔ تو خوب جانتا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ اس نے کہا "ابو بکر! اللہ تعالیٰ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ ہمارا محتاج ہے"۔ یہ گستاخی سن کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا اور فنحاص کے چہرہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ فرمایا "اگر وہ معاہدہ نہ ہوتا جو ہمارے اور تمہارے مابین ہے تو میں تیری گردن اڑا دیتا"۔ فنحاص نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شکایت کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی گستاخی کا ذکر کیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اس کا شان نزول اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر کو فنحاص کی طرف اپنا نامہ گرامی دے کر بھیجا۔ یہ بنو قینقاع کے یہودیوں کا سردار تھا اور حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بعد اس کا مرتبہ تھا۔ آپ نے اس نامہ گرامی میں اسے اسلام لانے، نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور رب تعالیٰ کو قرض حسنہ دینے کا حکم دیا۔ جب فنحاص نے نامہ گرامی پڑھا تو اس نے کہا "تمہارا رب محتاج ہو گیا ہے۔ ہم عنقریب اس کی مدد کریں گے"۔

ایک اور روایت میں ہے۔ اس نے کہا "ابو بکر! تم گمان کرتے ہو کہ ہمارا رب ہم سے اموال بطور قرض لیتا ہے۔ صرف فقیر ہی غنی سے قرض لیتا ہے۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر یہ سچ ہے تو اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں"۔ اس کی یہ گستاخی سن کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فنحاص کے چہرہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ آپ نے اسے فرمایا "میرا ارادہ تھا کہ تمہارا سر جسم سے جدا کر دیتا۔ تمہاری گردن زنی سے مجھے یہ امر روکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا نامہ گرامی دے کر بھیجا ہے" فنحاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم نے

اس کو تھپڑ کیوں مارا'' انہوں نے عرض کی'' یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس نے ایک عظیم قول کیا۔ اس تیرہ بخت نے گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور یہ غنی ہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے لئے غصہ آ گیا''۔ فنحاص نے کہا'' بخدا! میں نے اس طرح نہیں کہا'' اس وقت یہ آیت طیبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے لئے نازل ہوئی۔ بعض یہودیوں نے اپنے بعض علماء سے کہا'' ہم کہتے ہیں'' اللہ تعالیٰ فقیر ہے ہم غنی ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے اموال بطور قرض لیتا ہے'' اس عالم نے کہا'' اگر وہ اپنی ذات کے لئے قرض لیتا ہے تو وہ فقیر ہے۔ اگر وہ تمہارا فقراء کے لئے قرض مانگتا ہے۔ پھر اس پر تمہیں بدلہ دیتا ہے تو وہ غنی حمید ہے''۔

منافقین

یہود کی ایک جماعت کے ساتھ اوس اور خزرج کے منافق بھی مل گئے تھے۔ یہ اپنے آباء کے دین پر ہی تھے۔ مگر انہوں نے قتل کے خوف سے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ کیونکہ وہاں اسلام کا غلبہ ہو چکا تھا اور ان کی قوم اس دین متین پر جمع ہو چکی تھی۔ خفیہ طور پر ان کی ہمدردیاں یہود کے ساتھ تھیں۔ ظاہری طور پر مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ یہ منافق تھے۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہمایوں میں منافقین کی تعداد تین سو تھی۔ ان میں سے ایک جلاس بن سوید بن صامت تھا۔ ایک دن اس نے کہا'' اگر یہ شخص سچا ہے تو پھر ہم گدھے سے بھی زیادہ شریر ہیں''۔ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بکواس سن لی۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ یتیم تھے۔ جلاس کی کفالت میں تھے۔ یہ غریب تھے۔ جلاس ہی ان پر احسان کرتا تھا۔ ایک رات جلاس آیا۔ اپنے بستر پر لیٹ گیا اس نے کہا'' جو کچھ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔ اگر وہ سچ ہے تو ہم گدھے سے بھی برے ہیں''۔ حضرت عمیر نے اس سے فرمایا'' جلاس! تو مجھے سارے لوگوں سے پسندیدہ ہے۔ تیرے احسانات سارے لوگوں سے زیادہ ہیں۔ تو نے ایسی بات کی ہے۔ اگر وہ کسی کو بتاؤں تو تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔ اگر میں اس پر خاموش رہوں تو میں اپنا دین برباد کر دوں گا۔ ان میں سے پہلی بات دوسری پر مجھ پر آسان تر ہے''۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے اور جلاس کی یہ گستاخی گوش گزار کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاس کی طرف پیغام بھیجا۔ مگر جلاس نے کہا'' بخدا! عمیر نے میری طرف جھوٹ منسوب کیا ہے۔ میں نے یہ بات نہیں کی''۔ حضرت عمیر نے اسے فرمایا'' تو نے یہ بات کی ہے۔ تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لے۔ ورنہ اس امر کے متعلق قرآن پاک نازل ہو جائے گا''۔ جلاس نے منبر پاک کے پاس قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کی۔ اس نے کہا'' مولا! جھوٹے کی تکذیب اور سچے کی تصدیق اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کر دے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' آمین'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ (التوبہ:74)

جلاس نے اعتراف کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توبہ قبول کر لی۔ اس نے اپنی توبہ کو عمدہ کیا۔ اس نے اپنی وہ بھلائی نہ روکی جو حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرتا تھا''۔

منافقین میں سے ایک منافق نبتل بن حارث بھی تھا۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو شیطان کو دیکھنا چاہے وہ

نبتل بن حارث کو دیکھ لے"۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں بیٹھا کرتا تھا۔ پھر آپ کی بات چیت منافقین تک پہنچاتا تھا۔ یہ منافقین سے کہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کانوں کے کچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ (سورۃ التوبہ: 61)

"اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو (اپنی بدزبانی سے) اذیت دیتے ہیں نبی (کریم) کو اور کہتے ہیں وہ کانوں کا کچا ہے فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا"۔ (جمال القرآن)

حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کے پاس ایک ایسا شخص بیٹھا ہے۔ اس کا حلیہ اس طرح ہے۔ وہ آپ کی باتیں لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ اس کا جگر گدھے کے جگر سے زیادہ غلیظ ہے۔ وہ آپ کی باتیں منافقین تک پہنچاتا ہے"۔

عبداللہ بن ابی منافقین کا سردار تھا۔ یہ اپنے نفاق میں مشہور تھا۔ اس لئے کسی سیرت نگار نے بھی اسے صحابہ میں شمار نہیں کیا۔ یہ مدینہ طیبہ کے اشراف میں سے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اس کے لئے تاج بنایا جارہا تھا۔ اس میں موتی ٹانکے جارہے تھے۔ تاکہ اسے مملکت کا والی بنایا جاسکے۔ آل قحطان کے انصار اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ کیونکہ عرب میں سے صرف قحطان ہی تاج پہنتے تھے۔ اس کے تاج کا صرف ایک نگ باقی رہ گیا تھا جو سمعون یہودی کے پاس تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ قباء سے مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوتے وقت آپ نے تالیف قلبی کرتے ہوئے عبداللہ کے ہاں قیام کا ارادہ کیا۔ ابن ابی کپڑے میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں جلوہ افروز ہونے لگے ہیں تو اس سیاہ بخت نے کہا "ان کے ہاں قیام کریں جنہوں نے آپ کو بلایا ہے"۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! اس کی بات کا برا نہ منائیں۔ جب آپ ہمارے پاس تشریف لائے تو بنوخزرج اسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ یہاں تشریف لے آئے تو اس نے وہی رویہ اختیار کیا جس کا آپ نے مشاہدہ فرمایا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے معاف کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دن کسی نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کاش! آپ کسی روز تالیف قلبی کرتے ہوئے ابن ابی کے ہاں تشریف لے چلیں۔ تاکہ اس کے دیگر ساتھیوں کو اسلام لانے کا یہ چیز سبب بن سکے اور ان کے نفاق کا اختتام ہوسکے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کی طرف تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ جب حضور اکرم اس کے ہاں تشریف فرما ہوئے تو اس نے کہا "مجھ سے دور ہو جائیں۔ مجھے آپ کے گدھے کی بو سے اذیت ہو رہی ہے"۔ ایک انصاری صحابی نے کہا "بخدا! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دراز گوش کی خوشبو تمہاری بو سے بہت عمدہ ہے"۔ یہ سن کر ابن ابی کی قوم کے ایک شخص کو غصہ آگیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے۔ ان کے مابین کھجور کے ڈنڈوں، ہاتھوں اور جوتوں سے لڑائی ہونے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا (الحجرات: 9)

"اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو"۔ (جمال القرآن)

بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ ابن ابی کے پاس سے گزرے اس نے کہا ''ابن ابی کبشہ نے ہمیں ان شہروں میں بہت اذیت دی ہے'' اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ گستاخی سن لی۔ اس نے اجازت مانگی کہ وہ اپنے باپ کا سر آپ کی خدمت میں پیش کریں'' آپ نے فرمایا ''ہرگز نہیں! بلکہ اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو'' عبداللہ بن ابی بہت خوبصورت تھا۔ جسم بھی بھاری بھر کم تھا۔ فصیح بھی تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ (المنافقون: 4)

''اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے''۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراز گوش پر سوار ہوئے۔ اس پر پالان تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار فرمایا۔ آپ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ غزوۂ بدر سے قبل کا واقعہ ہے۔ آپ ایک محفل کے پاس سے گزرے اس میں ابن ابی بھی تھا۔ یہ اس کے اظہار اسلام سے قبل کی بات ہے۔ اس محفل میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہودی بھی تھے۔ مسلمانوں میں حضرت عبداللہ رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دراز گوش کے چلنے سے غبار اڑا تو ابن ابی نے چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ پھر کہا ''ہمیں گرد آلود نہ کرو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل محفل کو سلام کیا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ انہیں قرآن پاک سنایا۔ ابن ابی نے کہا ''اے انسان! جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں یہ عمدہ نہیں۔ اگر یہ حق ہے بھی تو ہمیں ہماری محفل میں سنا کر ہمیں اذیت نہ دیں۔ اپنی قیام گاہ کی طرف جائیں جو آپ کے پاس آئے اسے یہ کلام سنائیں''۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے ''ہاں! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم اس کی وجہ سے ہی پردے میں رہے۔ ہمیں آپ کا کلام از حد پسندیدہ ہے''۔ مسلمان، مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے حتیٰ کہ قریب تھا کہ قتل عام شروع ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں لگاتار پرسکون کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ سارے خاموش ہو گئے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دراز گوش پر سوار ہوئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! آپ نے سماعت نہیں فرمایا کہ ابن ابی نے کیا کہا۔ یا رسول اللہ! اس سے درگزر فرمائیں۔ اس کی اصلاح فرمائیں۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ پر کتاب حکیم نازل کی۔ جب آپ تشریف لائے تو اس علاقہ کے لوگ اسے تاج پہنانے کا ارادہ کر چکے تھے۔ جب اس نے حق کو رد کیا تو اس کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اس لئے اس نے یہ رویہ اختیار کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے درگزر فرمایا۔

ابن ابی منافقین کا سردار تھا۔ اس کے باپ کا نام ابی اور ماں کا نام سلول تھا۔ یا دادی کا نام سلول تھا۔ وہ روایت بھی اس کے نفاق پر دلالت کرتی ہے جسے امام ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن ابی ایک روز اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باہر نکلا۔ راستہ میں اسے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ملے۔ ابن ابی نے ساتھیوں سے کہا ''ذرا دیکھنا میں ان بے وقوفوں کو کیسے لوٹاتا ہوں'' اس نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما۔ اس نے کہا ''صدیق کو خوش آمدید! بنو تیم کے سردار، شیخ الاسلام، ثانی فی الغار، اپنا مال اور جان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نثار کرنے والے!'' پھر اس نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما۔ اس

نے کہا "بنو عدی کے سردار الفاروق کو مرحبا! جو دین الٰہی میں بہت قوی ہیں۔ جنہوں نے حضور ﷺ کے لئے اپنا مال اور جان نثار کی"۔ پھر اس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔ کہا "اے حضور اکرم ﷺ کے چچازاد، آپ کے داماد! اور بنو ہاشم کے سردار آپ کو خوش آمدید! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "عبداللہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور منافقت نہ کرو۔ منافقین ساری مخلوق الٰہی سے زیادہ شریر ہیں"۔ عبداللہ نے ان سے کہا "ابوالحسن! ذرا ٹھہریں۔ کیا آپ مجھے اس طرح کہہ رہے ہیں۔ بخدا! ہمارا ایمان تمہارے ایمان کی طرح اور ہماری تصدیق تمہاری تصدیق کی طرح ہے" پھر یہ جدا ہو گئے۔ ابن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم نے دیکھا میں نے کیا کیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی تعریف کی"۔ مسلمان حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور سارا واقعہ عرض کیا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ (البقرہ:14)

"اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں"۔ (جمال القرآن)

اس سیاہ قسمت نے کہا تھا۔

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (سورۃ المنافقون:8)

"اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو"۔ (جمال القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ساتھ جواب ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (المنافقون:8)

"حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کیلئے، اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کیلئے ہے"۔ (جمال القرآن)

مختصر یہ کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں منافقین اور یہودیوں سے بہت سی اذیتیں برداشت کیں۔ مگر یہ اہل مکہ کی طرف سے ملنے والی اذیتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ آپ مدینہ طیبہ میں پہلے روز سے ہی غلبہ، دفاع اور قوت کے ساتھ تھے۔ یہود نے آپ کے ساتھ جھگڑنے اور بے جا سوال کر کے آپ کو اذیت دی۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى (آل عمران:111)

"(کچھ) نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے"۔ (جمال القرآن)

یہودیوں کے اکثر سوالات کے جوابات حضرت جبرائیل امین لے کر حاضر خدمت ہوجاتے۔ پہلے پہلے آپ منافقین اور یہود کی اذیتوں پر صبر فرماتے رہے۔ جب اسلام کو تقویت ملی تو آپ کو جہاد کا اذن مل گیا۔ مکہ مکرمہ میں آپ کو ان اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا پھر رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (المومن:51)

"بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی"۔ (جمال القرآن)

غزوات

2 ہجری ماہ صفر کی 12 تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جہاد کا اذن دے دیا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہاد کے اذن کے بارے یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ﴿۳۹﴾ (الحج)

''اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بناء پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے''۔ (جمال القرآن)

اس روایت کو امام نسائی نے صحیح سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ امام احمد، امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''انہوں نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اپنے شہر سے باہر نکال دیا ہے۔ اب وہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''یہ پہلی آیت طیبہ ہے جو جہاد کے متعلق نازل ہوئی۔ دوسری روایت کے مطابق سب سے پہلے یہ آیت طیبہ اتری جس میں جہاد کا اذن تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرہ:190)

''لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں''۔ (جمال القرآن)

ایک اور روایت کے مطابق اس ضمن میں یہ آیت طیبہ اتری۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (التوبہ:111)

''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے''۔ (جمال القرآن)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حالت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے کہ انہیں پیٹا گیا ہوتا۔ وہ زخمی ہوتے۔ حضور ﷺ انہیں صبر کرنے کا حکم دیتے۔ آپ فرماتے ''صبر کرو، مجھے ابھی جہاد کا حکم نہیں ملا'' حتیٰ کہ آپ نے ہجرت فرمائی تو رب تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دے دیا۔ جہاد کے حکم میں تاخیر میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ جب تک مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے تو وہاں مشرکین کی تعداد زیادہ تھی۔ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو وہاں اذن جہاد دے دیتا۔ جبکہ ان کی تعداد قلیل تھی تو وہ ان پر شاق گزرتا۔ جب اہل شرک نے بغاوت کی۔ حضور ﷺ کو باہر نکالا اور آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور ﷺ مدینہ طیبہ میں قرار پذیر ہو گئے آپ کے پاس مہاجرین اور انصار جمع ہو گئے وہ آپ کی نصرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینہ طیبہ دارالسلام بن گیا تو رب تعالیٰ نے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن دے دیا۔ حضور ﷺ نے مختلف سرایا بھیجے۔ خود بھی جہاد

کے لئے تشریف لے گئے۔ جس جنگ میں حضور ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی اسے محدثین اور اہل سیر غزوہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جس جنگ میں آپ نے بنفس نفیس شرکت نہ کی بلکہ اپنے صحابہ کرام کو بھیجا اسے سریہ اور بعث کہتے ہیں۔ البتہ بعض سرایا کو بھی غزوہ کہا جاتا ہے جیسا کہ غزوۂ موتہ، غزوۂ ذات السلاسل۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لگاتار دشمن سے جہاد فرماتے رہے حتیٰ کہ لوگ دین متین میں گروہ در گروہ داخل ہو گئے۔ فتح مکہ کے بعد لوگ اطراف و اکناف سے سر تسلیم خم کئے حاضر خدمت ہو گئے وہ غزوات جن میں آپ نے بنفس نفیس شرکت کی ان کی تعداد 29 ہے ان کے اسماء مبارکہ یہ ہیں۔

غزوۂ ودان، غزوۂ بواط، غزوہ العشیرہ، غزوہ صفوان (اسے غزوہ بدر الاولیٰ بھی کہا جاتا ہے)، غزوہ بدر الکبریٰ، غزوہ بنی سلیم، غزوہ بنی قینقاع، غزوہ السویق، غزوہ قرا قرۃ الکدر، غزوہ غطفان (اسے غزوہ ذی امر بھی کہتے ہیں)، غزوہ بحران، غزوۂ احد، غزوہ حمراء الاسد، غزوہ بنی نضیر، غزوہ ذات الرقاع (اسے غزوۃ عارب اور غزوہ بنی ثعلبہ بھی کہا جاتا ہے)، غزوہ بدر الآخیرہ (اسے غزوہ بدر الموعد بھی کہا جاتا ہے)، غزوہ دومۃ الجندل، غزوہ بنی مصطلق (اسے غزوۃ المرسیع بھی کہا جاتا ہے)، غزوہ خندق، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی لحیان، غزوہ الحدیبیہ، غزوہ ذی قرد، غزوہ خیبر، غزوہ وادی القریٰ، غزوہ عمرۃ القضاء، غزوہ فتح مکہ، غزوہ حنین والطائف، غزوہ تبوک۔

البتہ وہ سرایا جن میں آپ نے اپنے صحابہ کرام کو جہاد کے لئے بھیجا ان کی تعداد تینتالیس ہے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی تعداد ستر سے بھی زیادہ ہے۔ ان سب کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب آ رہی ہے۔ علامہ الحلبی نے ''السیرۃ'' میں لکھا ہے۔

''اس امر میں کوئی اخفاء نہیں کہ آپ دس سال سے کچھ زائد عرصہ مکہ مکرمہ میں قیام فرما رہے۔ آپ جنگ کے بغیر ہی اہل مکہ کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ مکہ مکرمہ میں اہل مکہ اور مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی اذیتوں پر صبر کرتے رہے۔ صحابہ کرام بھی دامن صبر تھامے رہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ابھی یہی حکم تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ (النساء: 81)

''پس رخ (انور) موڑ لیجئے ان سے''۔

وَاصْبِرْ (الکہف: 28)۔

''اور روکے رکھیے''۔ (جمال القرآن)

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نصرت اور فتح کا وعدہ کیا۔ جب آپ کے پیروکاروں کی تعداد کثیر ہو گئی وہ آپ کی محبت کو اپنے آباء، اولاد اور بیویوں کی محبت پر ترجیح دیتے تھے۔ اہل شرک کفر و تکذیب پر ہی مصر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا اذن مرحمت فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (النساء: 77)

''کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز اور ادا کرو

زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا جہاد تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے ڈرا جاتا ہے جیسے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ"۔ (جمال القرآن)

اس آیت طیبہ کی تفسیر میں روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جن میں حضرات عبدالرحمٰن بن عوف، مقداد بن اسود، قدامہ بن مظعون اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل تھے یہ مشرکین سے بہت زیادہ اذیتیں برداشت کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! جب ہم مشرک تھے تو ہم عزت کے ساتھ رہتے تھے۔ جب ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہ مشرکین ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن مرحمت فرما دیں"۔ آپ نے ان سے فرمایا "ان سے اپنے ہاتھ روک لو مجھے ان کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن نہیں ملا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت فرما ہوئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تو بعض پر شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل کی۔

صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں اور ہجرت کے بعد اذن قتال ملنے سے قبل انتہائی محتاط تھے۔ کیونکہ سارا عرب ان کے بالمقابل کھڑا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مسلمانوں کو تھکا دیا۔ مسلمان اسلحہ میں ہی صبح وشام کرتے تھے۔ وہ کہتے "تم دیکھتے ہو ہم کس طرح شب و روز بسر کرتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا کوئی خوف نہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا (النور:55)

"وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے۔ اور مستحکم کر دے گا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں۔ کسی کو میرا شریک نہیں بناتے"۔ (جمال القرآن)

پھر جہاد کا اذن دے دیا گیا۔ مگر حرمت والے مہینے میں اجازت نہ تھی۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ:5)

"پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں"۔ (جمال القرآن)

پھر اللہ تعالیٰ نے مطلق حکم دے دیا۔ ارشاد فرمایا

قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً (سورۃ التوبہ:36)

"جنگ کرو تمام مشرکوں سے"۔ (جمال القرآن)

پھر کفار کے ساتھ آپ کا امر تین اقسام میں منقسم ہو گیا۔ (1) جنگ کرنے والے کفار۔ جب یہ اپنے شہروں میں ہوں تو ہر سال علی الکفایہ ان کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے۔ (2) اہل عہد۔ مگر جزیہ کی ادائیگی کا معاہدہ نہ ہوتا۔ آپ نے ان کے ساتھ

اس شرط پر صلح کی کہ وہ آپ کے ساتھ نہ تو جنگ کریں گے اور نہ ہی آپ کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے۔ وہ اپنے کفر پر ہی رہیں گے۔ ان کے خون اور اموال محفوظ رہیں گے۔ (۳) اہل ذمہ۔ ان کیساتھ جزیہ ادا کرنے پر معاہدہ ہوا تھا۔ بعض علماء نے ایک اور قسم کا اضافہ کیا ہے کہ جو اپنا بچاؤ کرتا ہوا اسلام میں داخل ہوا۔ یہ منافق تھے۔ ان کے متعلق آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ ان کے ظاہر کو قبول کرلیں اور ان کے باطن کو رب تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ آپ ان سے اعراض ہی فرماتے تھے۔ سوائے ان امور کے جن کا تعلق شریعت اسلامیہ کے ساتھ ہوتا۔ آپ نے قریش کے تجارتی قافلہ کے ساتھ تعرض کرنے سے ابتداء کی تاکہ اس طرح جہاد کا آغاز ہو سکے۔ اور صحابہ کرام کے قلوب جہاد پر آہستہ آہستہ تقویت پکڑتے جائیں اور اس سے حاصل کردہ مال سے تقویت حاصل کریں۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ میں بھیجا۔ یہ سریہ رمضان المبارک یا ربیع الاول 2ھ میں ہوا تھا۔ آپ نے تیس مہاجرین صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ قریش کے اس قافلہ سے تعرض کریں جو شام سے مکہ مکرمہ جارہا تھا۔ تاکہ اسے اس کے مقصد سے روک دیں۔ اس قافلہ میں ابوجہل تھا۔ سواروں کی تعداد تین سو تھی۔ دوسرے قول کے مطابق ایک سو بتیس تھی۔ جب صحابہ کرام ''العیص'' تک پہنچے تو وہاں اس قافلہ کو جالیا۔ فریقین جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ صف بندی ہوگئی۔ پھر مجدی بن عمرو الجہنی نے فریقین میں صلح کرادی۔ صحابہ کرام واپس آگئے اور قتال کی نوبت نہ آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مجدی کے متعلق فرمایا ''وہ میمون النقیبہ، مبارک الامر یا رشید الامر ہے''۔ جب اس مجدی کا وفد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کپڑے عطا فرمائے۔ اس مجدی کے اسلام کے بارے کسی کو خبر نہیں۔ نہ ہی کسی سیرت نگار نے اسے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ البتہ اس صلح میں اس نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس واقعہ میں مسلمانوں کی تعداد قلیل تھی۔ کفار تعداد میں زیادہ تھے۔ یہ مسلمانوں اور کفار کی پہلی جنگ تھی اس میں کافروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یہ صلح حال کی ستر پوشی اور اہل اسلام کی شوکت کی بقاء کے لئے تھی۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجدی کے بارے فرمایا ''وہ میمون النقیبہ، مبارک الامر یا رشید الامر'' ہے۔ اس سریہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف مہاجر صحابہ کرام کو بھیجا کسی ایک بھی انصاری صحابی کو نہ بھیجا۔ بلکہ غزوۂ بدر تک کسی بھی جنگی مہم میں انہیں نہ بھیجا۔ کیونکہ انہوں نے بیعت کرتے وقت عرض کی تھی کہ وہ اپنے شہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کریں گے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ شہر سے باہر نکل کر بھی آپ کے ہمراہ جنگ آزما ہوں گے حتی کہ وہ بتدریج اسی امر پر عمل پیرا ہو گئے۔ اس پر راضی ہو گئے اور ان کے نفوس اسی پر خوش ہو گئے اور مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر بھی انہوں نے آپ کے ہمراہ جنگ کی۔ ایک اور قول کے مطابق اس سریہ میں انصار کی ایک جماعت بھی شامل تھی۔

سریہ حضرت عبیدہ بن الحرث بن المطلب

یہ سریہ ماہ شوال کو بطن رابغ کی طرف پیش آیا۔ اس وقت ہجرت کو آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ اس سریہ میں ستر یا اسی مہاجرین نے شرکت کی۔ ان میں ایک بھی انصاری صحابی نہ تھے۔ یہ ابوسفیان سے ملے یا مکرز بن حفص یا عکرمہ بن ابی جہل سے ملے۔ مشرکین تعداد میں دو سو تھے۔ باہم قتال کی نوبت نہ آئی۔ البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر پھینکا یہ اسلام میں

پھینکا گیا پہلا تیر تھا۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے ترکش کھولا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آگے نکل گئے اور ترکش میں موجود سارے تیر چلا دیئے۔ ان کے ترکش میں بیس تیر تھے۔ ہر تیر نے کسی انسان یا سواری کو زخمی کیا پھر مسلمان واپس آ گئے۔ مسلمانوں کی قوت و شوکت کا اظہار ہو گیا۔ حضرت مقداد بن عمرو اور حضرت عتبہ بن غزوان مشرکین سے نکل کر مسلمانوں کی طرف آ گئے یہ مسلمان تھے۔ اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا تک پہنچنے کے لئے نکلے تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو رمضان المبارک میں بھیجا گیا۔ اس وقت ہجرت کو سات ماہ ہونے کو تھے۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو شوال میں بھیجا گیا۔ اس وقت ہجرت کو آٹھ ماہ ہونے والے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں حضرات کا جھنڈا ایک ساتھ ہی باندھا۔ مگر کسی امر کی وجہ سے حضرت عبیدہ کی مہم ماہ شوال تک مؤخر ہو گئی۔

سریہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

یہ سریہ الخرار کی طرف تھا۔ یہ حجاز کی ایک وادی تھی جو جحفہ کی طرف جاتی تھی۔ یہ مہم ذوالقعدہ میں رونما ہوئی۔ ہجرت نبوی کو تقریباً نو ماہ ہونے کو تھے۔ اس مہم میں مہاجرین کے بیس شہ سوار شامل تھے۔ انہوں نے قریش کے قافلہ کے ساتھ تعرض کیا۔ یہ ان کے تعاقب میں نکلے اور پانچویں صبح الخرار جا پہنچے۔ انہیں علم ہوا کہ قریش کا قافلہ کل ہی وہاں سے گزرا تھا۔ مسلمان واپس آ گئے اور جنگ کی نوبت نہ آئی۔ وہ پہلا غزوہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی وہ غزوۂ ودان تھا۔

غزوۂ ودان

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ غزوات کے علم میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات اس طرح سیکھتے تھے جس طرح قرآن پاک کی سورتیں سیکھتے تھے"۔ حضرت اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمیں والد گرامی غزوات اور سرایا کا علم سکھاتے تھے۔ ساتھ ہی فرماتے "نور نظر! یہ تمہارے آباء کا شرف ہے۔ ان کا ذکر ضائع مت کرو۔ وہ پہلا غزوہ جس میں آپ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی وہ غزوۂ ودان ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے اسے غزوۂ ودان اور بعض نے اسے غزوہ الابراء کہا ہے کیونکہ یہ دونوں مقامات وادی الفرع میں قریب قریب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تو صفر کے بارہ روز گزر چکے تھے۔ ہجرت کو ایک سال ہونے کو تھا۔ آپ قریش اور بنو ضمرہ کا قصد کئے ہوئے تھے۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف قریش کے قافلہ کے قصد سے عازم سفر ہوئے۔ جب آپ نے بنو ضمرہ سے ملاقات کی تو ان کے ساتھ صلح کر لی۔ آپ ستر شہ سواروں کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ یہ صحابہ سارے مہاجرین ہی تھے ان میں سے ایک بھی انصاری نہ تھا۔ آپ کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی قافلہ آگے نکل گیا۔ آپ کے اور بنو ضمرہ کے مابین صلح ہو گئی۔ اس صلح کی شرائط یہ تھیں "بنو ضمرہ آپ کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ آپ کے خلاف لشکر کشی نہیں کریں گے نہ ہی آپ کے خلاف کسی دشمن کی مدد کریں گے اور اگر ان کے ساتھ جو جنگ کریگا تو آپ ان کی اعانت فرمائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی انہیں نصرت کے لئے بلائیں

گے اور وہ آپ کے جواب میں لبیک کہیں گے"۔

آپ نے ان کے سردار مخشی بن عمرو ضمری کے ساتھ معاہدہ کیا اور یہ معاہدہ طے پایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"یہ عہد نامہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو ضمرہ کے لئے ہے۔ ان کے اموال اور ان کی جانیں محفوظ ہوں گی۔ اگر کسی نے ان پر حملہ کر دیا تو ان کی نصرت کی جائے گی۔ بشرطیکہ وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ یہ معاہدہ اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا۔ حضور ﷺ جب بھی انہیں نصرت کے لئے بلائیں گے تو وہ آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے"۔

آپ کا جھنڈا سفید تھا۔ علمبردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر عامل بنایا۔ پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ اس مہم میں آپ کے پندرہ روز صرف ہوئے یہ آپ کا پہلا غزوہ تھا۔

غزوہ بواط

بواط جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ "ینبع" کے قریب ہے۔ آپ اس غزوہ کے لئے ربیع الاول یا ربیع الآخر میں تشریف لے گئے۔ ہجرت مدینہ کو 13 ماہ گزر چکے تھے۔ آپ کے ہمراہ دو سو مہاجر صحابہ کرام تھے۔ آپ قافلہ قریش کے قصد سے تشریف لے گئے۔ یہ قافلہ دو ہزار افراد اور پانچ سو اونٹوں پر مشتمل تھا۔ اس میں امیہ بن خلف سمیت قریش کے ایک سو افراد شامل تھے۔ آپ دشمن سے نبرد آزما نہ ہو سکے۔ آپ واپس تشریف لے آئے اس غزوہ میں آپ کے علمبردار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے حضرت سعد بن معاذ کو مدینہ طیبہ پر اپنا عامل مقرر کیا۔

غزوۃ العشیرۃ

عشیرہ بنو مدلج کے ایک چشمہ کا نام تھا یہ جگہ اسی طرف منسوب ہوتی تھی۔ آپ جمادی الاولی یا جمادی الاخری میں اس غزوہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ہجرت مدینہ کو سولہ ماہ گزر چکے تھے۔ آپ کے ہمراہ ایک سو یا دو سو مہاجر مجاہدین تھے۔ ان کے ہمراہ تیس اونٹ تھے۔ آپ قریش کے اس قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے جو مکہ مکرمہ سے شام کے لئے عازم سفر ہوا تھا۔ قریش نے اس کارواں کے لئے اپنے اموال جمع کئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کارواں میں پانچ ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ اس قافلہ کا قائد ابو سفیان تھا۔ اس کے ہمراہ ستائیس یا انتیس افراد تھے۔ ان میں مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن عاص بھی شامل تھے۔ مگر آپ کے پہنچنے سے قبل وہ کارواں نکل چکا تھا۔ یہ وہی کارواں تھا جس کی واپسی غزوۂ بدر کا سبب بنی۔ اس غزوۂ میں آپ کے علمبردار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے آپ نے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد المخزومی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا عامل مقرر کیا۔ اس غزوہ میں آپ نے بنو مدلج بن کنانہ اور بنو ضمرہ کے حلیفوں کے ساتھ صلح کی۔

امام واقدی نے لکھا ہے "ان تینوں غزوات میں حضور ﷺ قریش کے مختلف کارواں کے تعاقب میں نکلے تھے جو شام

کی طرف جارہے تھے یا وہاں سے آرہے تھے۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر بھی رونما ہوا تھا۔ اس طرح غزوۂ بدر سے قبل آپ نے جو سرایا بھیجے تھے ان کا بھی یہ مدعا تھا"۔ پھر آپ واپس تشریف لے آئے اور قافلہ نہ مل سکا۔

غزوۂ بدر الاولیٰ

امام ابن اسحاق لکھتے ہیں "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ العشیرۃ سے واپس تشریف لائے آپ چند دن ہی مدینہ طیبہ قیام فرما رہے کہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا۔ یہ قریش کے رؤسا میں سے تھا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور درجۂ صحابیت پر فائز ہوئے۔ انہیں ایک سریہ کا امیر بھی بنایا گیا۔ فتح مکہ کے روز ان کے سر پر شہادت کا تاج سجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عازم سفر ہو کر سفوان پہنچ گئے۔ یہ بدر کی طرف ہی ایک جگہ کا نام تھا۔ مگر کرز بن جابر بچ نکلا۔ اس غزوہ کو بدر الاولیٰ کہا جاتا ہے۔ آپ واپس تشریف لے آئے اس غزوۂ میں آپ کے علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ پر اپنا عامل مقرر فرمایا۔

سریہ امیر المؤمنین عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

ان کا شمار سابقون الاولون صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تم پر ایسا شخص امیر کرنے لگا ہوں جو بھوک اور پیاس پر تم سب سے زیادہ صابر ہوگا"۔ آپ نے ہم پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا اور انہیں امیر المؤمنین کے لقب سے نوازا۔ اسلام میں سب سے پہلے انہیں ہی امیر المؤمنین کہا گیا۔ یہ قول اس قول کے منافی نہیں کہ سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کہا گیا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلفاء میں سے سب سے پہلے انہیں امیر المؤمنین کہا گیا۔ یہ سریہ ماہ رجب میں رونما ہوا۔ ہجرت کو تقریباً سترہ ماہ گزر چکے تھے۔ حضرت عبداللہ بن جحش کے ہمراہ اسی یا بارہ مجاہدین تھے۔ یہ نخلہ کی طرف گئے یہ جگہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے مابین ہے۔ دو دو سوار کو ایک ایک اونٹ بطور سواری ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب گرامی لکھ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ اسے نہ دیکھیں حتیٰ کہ دو دن کی مسافت طے کر لیں۔ پھر اسے پڑھیں اور جو کچھ اس میں مکتوب ہو اس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ اور صحابہ میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کریں"۔ جب وہ دو دن چلے تو مکتوب گرامی کھول کر پڑھا۔ اس میں مرقوم تھا۔

"جب تم یہ خط پڑھو تو آگے روانہ ہو جاؤ حتیٰ کہ نخلہ فروکش ہو جاؤ۔ یہ مکہ اور طائف کے مابین ایک مقام ہے۔ وہاں قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ہمیں اس سے آگاہ کرو"۔

انہوں نے خط مبارک پڑھا اور سر تسلیم خم کر دیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو اس خط کے متعلق بتایا اور انہیں بتایا کہ وہ کسی کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہیں کریں گے۔ مگر ان میں سے ایک صحابی بھی پیچھے نہ رہے وہ حجاز کے راستے چلنے لگے۔ جب نجران

پہنچے تو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اس کی جستجو میں پیچھے رہ گئے۔ حضرت عبداللہ اور ان کے ساتھی آگے نکل گئے۔ وہ نخلہ فروکش ہوئے۔ قریش کے کارواں کا انتظار کرتے رہے۔ ان کا کارواں ان کے پاس سے گزرا وہ کشمش، چمڑے اور دیگر سامان تجارت اٹھائے ہوئے تھے۔ اس قافلہ میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ، نوفل بن عبداللہ اور حکم بن کیسان شامل تھے۔ یہ ان مجاہدین کے قریب ہی فروکش ہوئے۔ یہ مجاہدین کو دیکھ کر ڈر گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایسا عمل کیا جس سے ان کا خوف دور ہو گیا۔ ان کے بعض دوستوں نے اپنے سر منڈوا لئے اور ان کے قریب تر ہو گئے۔ جب قریش کے افراد نے مسلمانوں کو اس حالت میں دیکھا تو وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے کہا "یہ تو عمرہ کرنے آئے ہیں" انہوں نے اپنے جانور چرنے کے لئے چھوڑ دیئے اور خود کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے۔ مسلمانوں نے باہم مشاورت کی اور کہا "ہم رجب کے آخری دن میں ہیں یا شعبان کے پہلے دن میں۔ انہیں اس روز کے متعلق شک ہوا کہ کیا وہ ماہ حرام میں سے ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا "اگر ہم نے انہیں قتل کر دیا تو ہم حرمت کی رداء کو چاک کریں گے اور اگر ہم نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ حرم مکہ میں داخل ہو جائیں گے۔ اور ہم انہیں کچھ نہ کر سکیں گے۔ پھر انہوں نے خود کو ان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی۔ اور ان کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ انہوں نے عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن واقد رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اسے قتل کر دیا۔ مسلمانوں نے عثمان بن عبداللہ المخزومی اور حکم بن کیسان کو قیدی بنا لیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے قافلہ ہانک لیا۔ یہ اسلام میں پہلا مال غنیمت تھا۔ یہ پہلا قتل تھا جو نصرت اسلام کے لئے ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے اس مال غنیمت میں سے خمس نکالا۔ بقیہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ ان کا اجتہاد تھا۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے یہ سارا مال بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے بعد اسے تقسیم کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کرام سے فرمایا "میں نے ماہ حرام میں تمہیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا" یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت پشیمان ہوئے۔ انہوں نے گمان کیا کہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی ان صحابہ کرام پر عتاب کیا۔ قریش باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ حرام میں خونریزی کرتے ہیں اور مال لیتے ہیں" یہودیوں نے اس واقعہ سے آپ کے خلاف فال پکڑی۔ عمرو بن حضرمی کو حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔ یہودیوں نے کہا (عمرو سے) "عمرت الحرب" اور واقد سے "وقدت الحرب" رب تعالیٰ نے یہ بدفالی ان یہودیوں نے نصیب میں ہی لکھ دی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: 217)

"وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے آپ فرمایئے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے۔ لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں

بسنے والوں کو اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں۔ اللہ کے نزدیک اور فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے"۔
(جمال القرآن)

یہ آیت طیبات اس عمل کی تائید میں ہیں جو کچھ اس سریہ میں ہوا تھا۔ اس سریہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تعدون قتلا فی الحرام عظیمة واعظم منه لو یری الرشد راشد

تم ماہ حرام میں قتل کو بڑا گناہ شمار کر رہے ہو۔ حالانکہ اگر کوئی ہدایت یافتہ راہ ہدایت کو دیکھے تو اس سے بھی بڑے گناہ

صدود کم عما یقول محمد و کفر به والله راءٍ و شاهد

یہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے تمہاری مخالفت اور آپ سے کفر۔ اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ اس کا گواہ ہے۔

واخراجکم من مسجد الله اهله لئلا یری لِلّٰهِ فی البیت ساجد

اور تمہارا اللہ کی مسجد سے اس میں بسنے والوں کو نکال دینا۔ تا کہ بیت اللہ میں اللہ کے حضور سجدہ کرنے والا کوئی نظر نہ آئے۔

فانا وان عیر تمونا بقتله وارجف بالاسلام باغ و حاسد

اگرچہ تم نے ہمیں قتل کی عار دلائی اور سرکش اور حسد کرنے والوں نے اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا۔

سقینا من ابن الحضرمی رماحنا بنخلة لما او قد الحرب واقد

لیکن ہم نے وادیٔ نخلہ میں ابن حضرمی کے خون سے اپنے نیزوں کو سیراب کیا جب واقد نے جنگ بھڑکائی۔

دما وابنُ عبدالله عثمان بیننا ینازعه غل من القید عاقد

عثمان بن عبداللہ ہمارے پاس ہے۔ تسمے کے خون آلود طوق نے اسے جکڑ رکھا ہے۔

قریش نے اپنے دو قیدیوں عثمان بن عبداللہ مخزومی اور حکم بن کیسان کا فدیہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہم ان کا فدیہ اس وقت تک قبول نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہمارے ساتھی (حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان) واپس نہ آجائیں۔ اگر تم نے انہیں شہید کر دیا ہے تو ہم تمہارے ان ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیں گے" چند روز کے بعد یہ دونوں حضرات سعد بن وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما واپس آگئے۔ حضرت حکم بن کیسان نے تو اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی قیام فرما رہے حتیٰ کہ بئر معونہ کے روز جام شہادت نوش کیا البتہ عثمان مکہ مکرمہ چلا گیا اور وہاں حالت کفر میں مرا۔

مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ (الاعراف: 186)

"جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے"۔ (جمال القرآن)

اسی سال رجب میں خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا۔ وہ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ شعبان المعظم میں رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ پھر صدقہ فطر واجب ہوا۔ اسی ماہ میں مال کی زکوٰۃ فرض ہوئی۔ دوسرے قول کے مطابق 9ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی۔ ایک اور قول کے مطابق ہجرت سے قبل زکوٰۃ فرض ہوئی۔

غزوہ بدر الکبریٰ

اہمیت

اس غزوہ کو غزوہ بدر العظمیٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت طیبہ میں اسے یوم الفرقان کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا يَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ (انفال: 41)

''اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر''۔

(جمال القرآن)

کیونکہ اس روز اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے مابین فرق کر دیا۔ اسے یوم البطشۃ الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰى ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ۝ (الدخان)

''پوری شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے''۔ (جمال القرآن)

اسی روز اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت نصیب فرمائی۔ اہل اسلام کو تقویت بخشی۔ کفر کو رسوا کیا مسلمانوں کی قلت اور دشمن کی کثرت کے باوجود دشمن کو ذلیل کیا۔ یہ اسلام کے ساتھ عنایت ربانی کی واضح دلیل ہے۔ اگرچہ دشمن غرق آہن تھا۔ اس کی تعداد کثیر تھی۔ گھوڑے نشان زدہ تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو عزت و تکریم بخشی۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سرخرو فرمایا۔ شیطان اور اس کے گروہ کو رسواء کر دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا:

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ (آل عمران: 123)

''بے شک مدد کی تھی تمہاری اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں حالانکہ تم بالکل کمزور تھے''۔ (جمال القرآن)

لب لباب یہ ہے کہ اس غزوہ کا شمار اسلام کے عظیم ترین غزوات میں ہوتا ہے اسی سے اسلام کا غلبہ ہوا۔ اس کے وقوع کے بعد اسلام کا نور آفاق میں پھیل گیا۔ اس کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو ذلیل کر دیا اور مسلمانوں کے سروں پر سچی عزتوں کا تاج سجایا اور ان کا شمار ابرار میں ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمایا:

''جو چاہو کرو۔ میں نے تمہارے لئے جنت لازم قرار دے دی ہے۔ یا تمہارے گناہ معاف کر دیئے ہیں''۔

مسلمانوں کی روانگی

رمضان المبارک کے بارہ دن گزر چکے تھے۔ ہجرت کو انیس ماہ ہونے کو تھے۔ ہفتہ کے روز مسلمان عازم سفر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں انصار بھی عازم سفر ہوئے۔ اس سے قبل کسی غزوہ میں وہ آپ کے ہمراہ روانہ نہیں ہوئے تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے خوش بخت صحابہ کرام کی تعداد 313 یا 314 یا 315 تھی۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قافلہ کے تعرض سے عازم سفر ہوئے جس کے تعاقب میں آپ پہلے روانہ ہوئے تھے حتیٰ کہ جب آپ العشیرہ پہنچے تو وہ کارواں آگے جا چکا تھا۔ آپ اس کارواں کا انتظار فرماتے رہے کہ شام سے واپس آئے۔ اس کی واپسی پر آپ نے مسلمانوں کو دعوت دی۔ فرمایا "یہ اہل قریش کا قافلہ ہے جس میں کثیر اموال ہیں۔ اس کی طرف نکلو۔ شاید رب تعالیٰ تمہیں وہ بطور مال غنیمت عطا فرما دے"۔ صحابہ کرام نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا۔ بعض صحابہ کرام پیچھے رہے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر تہمت نہیں لگائی۔ بلکہ آپ نے فرمایا "جس کی سواری اس کے پاس موجود ہے وہ ہمارے ہمراہ ہو جائے"۔ جس کی سواری اس سے دور تھی آپ نے اس کا انتظار نہ کیا۔ ابوسفیان کو ایک شخص ملا۔ اس نے اسے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے شام جاتی دفعہ بھی تمہارے ساتھ تعرض کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور اب بھی آپ تمہارے قافلہ کی واپسی کے منتظر ہیں" جب ابوسفیان واپس آیا اور اس کا کارواں سرزمین حجاز کے قریب پہنچا تو وہ مختلف خبروں کی ٹوہ میں لگ گیا۔ جو قافلہ بھی اسے ملتا وہ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھتا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت خوفزدہ تھا۔ اس نے اس کارواں سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام سمیت تمہارے لئے اور تمہارے کارواں کے لئے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر اسے خوف اور ڈر نے آلیا۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس مثقال دیئے تاکہ وہ مکہ مکرمہ جائے۔ وہ اپنے اونٹ کے کان اور ناک کاٹ دے۔ اپنا کجاوہ الٹا کر دے۔ اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے پھاڑ دے جب وہ مکہ مکرمہ پہنچ جائے اور قریش اس کے پاس آجائیں تو وہ انہیں بتائے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے صحابہ نے اس کارواں پر چڑھائی کر دی ہے" اس کارواں میں سارے قریش کے اموال تھے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ خویطب بن عبدالعزی کے علاوہ ہر قریشی مرد اور قریشی عورت کی اس میں ایک مثقال یا اس سے زائد کی سرمایہ کاری تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کارواں میں پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ ان کا قائد ابوسفیان تھا۔ اس کے ہمراہ مخرمہ بن نوفل اور عمرو بن العاص بھی تھے۔ اس کارواں میں 29 یا 27 افراد تھے۔ ضمضم جلدی سے عازم سفر ہوا۔

عاتکہ کا خواب

عاتکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت عبدالمطلب کی نور نظر تھیں۔ ان کے اسلام لانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ انہوں نے ایک خواب دیکھا جس نے انہیں خوفزدہ کر دیا۔ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عباس کو بلایا اور انہیں کہا "بھائی! میں نے آج رات ایک خوفزدہ کرنے والا خواب دیکھا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ آپ کی قوم کو مصیبت اور شر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو

کچھ میں بیان کرنے لگی ہوں۔ اسے مخفی رکھنا" ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے کہا "میں اس وقت تک آپ سے خواب بیان نہیں کروں گی حتیٰ کہ آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ وہ خواب کسی سے بیان نہیں کریں گے۔ اگر کفار قریش نے یہ خواب سن لیا تو وہ ہمیں اذیت دیں گے اور ہمیں ان سے غیر پسندیدہ گفتگو سننا پڑے گی"۔ جب حضرت عباس نے یہ وعدہ کیا تو انہوں نے کہا "میں نے ایک سوار دیکھا ہے جو اونٹ پر سوار تھا۔ وہ الابطح پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے باآواز بلند کہا "اے دھوکا اور بے وفائی کرنے والو! تین ایام کے بعد اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو" میں نے دیکھا لوگ اس سوار کے اردگرد جمع تھے۔ پھر وہ سوار مسجد حرام میں داخل ہوا۔ کچھ اس کے اردگرد اور کچھ اس کے پیچھے تھے۔ پھر میں نے اسی اونٹ کو دیکھا وہ خانہ کعبہ کے چھت پر تھا۔ وہ اسی طرح چیخا۔ پھر میں نے اسی اونٹ کو کوہ ابی قبیس کی چوٹی پر دیکھا وہ اسی طرح چلایا۔ پھر اس نے ایک چٹان کو دیکھا اور اسے لڑھکا دیا وہ چٹان نیچے آنے لگی۔ پہاڑ کے نیچے پہنچ کر وہ ٹوٹ گئی مکہ مکرمہ کے ہر ہر گھر میں اس کا ایک ایک ٹکڑا گرا"۔

حضرت عباس نے کہا "بخدا! یہ تو ایک عظیم خواب ہے۔ تم اسے مخفی رکھو۔ کسی کو اس کے متعلق نہ بتانا" پھر حضرت عباس باہر آئے وہ ولید بن عتبہ سے ملے۔ یہ ان کا دوست تھا۔ اس نے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اس سے اسے مخفی رکھنے کو کہا۔ ولید نے اس کا تذکرہ اپنے باپ سے کر دیا۔ اس نے دیگر لوگوں کو اس کے متعلق بتا دیا۔ اس طرح یہ خبر پھیل گئی۔ حضرت عباس نے کہا "میں صبح سویرے طواف کرنے کی نیت سے گیا۔ ابوجہل قریش کے ایک گروہ میں بیٹھ کر عاتکہ کے خواب کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جب ابوجہل نے مجھے دیکھا تو اس نے کہا "ابوالفضل! طواف سے فارغ ہو کر ہمارے پاس آنا"۔ میں طواف سے فارغ ہو کر اس کے پاس گیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ ابوجہل نے کہا "بنو عبدالمطلب! تم میں یہ نبیہ کب سے پیدا ہو گئی ہے" میں نے پوچھا "کیا ہوا؟" اس نے کہا "وہ خواب جو عاتکہ نے دیکھا ہے"۔ میں نے کہا "اس نے کیا دیکھا ہے؟" اس نے کہا "بنو عبدالمطلب! کیا تم اس بات پر راضی نہ تھے کہ تمہارے مرد ہی نبوت کا دعویٰ کرتے حتیٰ کہ تمہاری خواتین نے بھی نبوت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "بنو ہاشم! کیا مردوں کے جھوٹ پر راضی نہ ہوئے حتیٰ کہ تمہاری عورتیں بھی جھوٹ بولنے لگیں"۔ پھر ابوجہل نے کہا "عاتکہ نے اپنے خواب کے متعلق گمان کیا ہے کہ اس شخص نے کہا "تین روز کے اندر اندر نکلو۔ ہم تین روز تک انتظار کریں گے۔ اگر یہ حق ہوا تو ٹھیک اور اگر تین دن گزر گئے اور اس خواب میں سے کچھ بھی نمودار نہ ہوا تو ہم تمہارے خلاف نوشتہ لکھیں گے کہ تم سارے عرب سے زیادہ جھوٹے ہو"۔ حضرت عباس نے کہا "مجھے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا"۔ میں نے اس خواب کا انکار کرتے ہوئے کہا "عاتکہ نے کوئی خواب نہیں دیکھا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے ابوجہل سے کہا "اے بزدل! جھوٹ تمہارا اور تمہارے اہل خانہ کا وطیرہ ہے"۔ دیگر اہل محفل نے کہا "ابوالفضل! آپ نہ جاہل ہیں اور نہ ہی فحش گو ہیں"۔ پھر حضرت عباس کو عاتکہ کی طرف سے بہت سی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جب ان کی خواب کا تذکرہ پھیل گیا۔ حضرت عباس نے فرمایا "جب شام ہوئی تو بنو عبدالمطلب کی ہر خاتون میرے پاس آئی۔ اس نے مجھے کہا "تم نے اس فاسق اور خبیث کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ تمہارے مردوں کے

متعلق جو چاہے بکتا رہے۔ پھر وہ خواتین کی ناموس پر حملے کرنے لگا اور تم یہ سب کچھ سنتے رہے۔ یہ سب کچھ سن کر بھی تمہاری غیرت مشتعل نہ ہوئی"۔ میں نے ان سے کہا "تم اس خبیث کے ساتھ تعرض نہ کرو۔ اگر اس نے دوبارہ اس طرح کی حرکت کی تو میں اسے تہ تیغ کر دوں گا"۔ عاتکہ کے خواب کو تین روز گزر چکے تھے۔ میں سخت غصہ میں تھا۔ میں مسجد میں داخل ہوا۔ مجھے ابوجہل خبیث نظر آ گیا۔ میں اس کی سمت بڑھنے لگا۔ میں اس سے تعرض چاہتا تھا تا کہ اس کی بعض بکواسات کا جواب دوں۔ اچانک وہ مسجد کے دروازہ کی طرف دوڑ پڑا۔ میں نے دل میں کہا "اس لعین کو کیا ہوا ہے۔ کیا یہ میرے خوف سے ڈر کر دوڑ رہا ہے۔ اس نے وہ آواز سن لی تھی جسے میں نہیں سن سکا تھا۔ ضمضم الغفاری وادی کے دامن میں اپنے اونٹ پر کھڑا تھا۔ اس نے اس کا ناک اور کان کاٹ دیئے تھے۔ اپنا کجاوہ الٹا کر دیا تھا۔ اپنی قمیص پھاڑ دی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا "اے گروہ قریش! اللطیمہ اللطیمہ! یعنی اس کارواں کی خبر لو جو خوشبو اور ریشم اٹھائے ہوئے تھا۔ جس میں تمہارے اموال تھے جس کا قائد ابوسفیان تھا۔ محمد عربی اور ان کے صحابہ نے اس کارواں پر ہلہ بول دیا ہے۔ مجھے امید نہیں کہ تم اس کارواں کو پا سکو"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "اگر محمد عربی نے اس پر حملہ کر دیا تو پھر تم کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکو گے مدد! مدد!۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر اس امر نے مجھے بھی اور ابوجہل کو بھی مصروف کر دیا لوگ جلدی جلدی تیاری کرنے لگے۔ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے تھے بالخصوص عاتکہ کے خواب نے انہیں بہت زیادہ ڈرا دیا تھا"۔

اہل مکہ کی تیاری

روایت ہے کہ قریش مکہ نے کہا "کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کاروان ابن حضرمی کے قافلہ کی طرح ہوگا۔ بخدا! اس کا نتیجہ انہیں معلوم ہو جائے گا"۔ قریش مکہ کا ہر شخص یا تو بذات خود اس جنگ میں شرکت کرنے جا رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور شخص کو بھیج رہا تھا۔ ان کے طاقتور نے کمزور کی مدد کی۔ قریش کے سردار لوگوں کو عازم سفر ہونے پر ابھارنے لگے۔ سہیل بن عمرو نے کہا "کیا تم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل یثرب میں سے ان کے ساتھیوں کو اسی طرح چھوڑ دو گے کہ وہ تمہارے اموال لوٹتے رہیں۔ تم میں سے جسے مال کی ضرورت ہے اس کے لئے میرا مال حاضر ہے جسے قوت کی ضرورت ہے تو میری قوت حاضر ہے"۔ سرداران قریش میں سے صرف ابولہب ہی پیچھے رہا تھا۔ اسے عاتکہ کے خواب سے اندیشہ تھا۔ وہ کہتا تھا "عاتکہ کا خواب سچا ہے" اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا۔ اس نے اس کے چار سو دراہم دینے تھے۔ ابولہب نے اس کا قرضہ معاف کر دیا۔ اس نے اسے کہا "جنگ کے لئے جاؤ، میری دیت تم لے لینا" یہ ہشام اسی غزوہ میں واصل جہنم ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا تھا۔

امیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا۔ یہ جسیم وثقیل عمر رسیدہ شخص تھا۔ یہ اپنی قوم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ عقبہ بن ابی معیط انگیٹھی لے کر اس کے پاس آیا۔ جس میں بخور جل رہا تھا۔ اس نے وہ انگیٹھی اس کے سامنے رکھی اور کہا "ابوعلی! اس کی خوشبو لو۔ کیونکہ تم عورتوں میں سے ہو"۔ امیہ نے اسے کہا "اللہ تعالیٰ تجھے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اسے برباد کرے"۔ عقبہ نادان تھا۔ ابوجہل نے ہی اسے اس طرح کرنے پر ابھارا تھا۔ ابوجہل امیہ بن خلف کے پاس آیا۔ اس نے اسے کہا "ابو

صفوان! جب لوگوں نے دیکھا کہ تو پیچھے رہ گیا ہے تو تو اس وادی کا سردار ہے تو وہ بھی تمہارے ساتھ پیچھے رہ جائیں گے۔ ایک دن یا دو دن ہمارے ساتھ چلو پھر واپس آ جانا'' اس کے پیچھے رہ جانے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ وہ عمرہ کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے امیہ کے ہاں قیام فرمایا۔ امیہ جب بھی تجارت کی غرض سے شام جاتا تو مدینہ طیبہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں ہی قیام کرتا۔ حضرت سعد نے امیہ سے کہا ''میرے لئے کوئی مناسب وقت دیکھ تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کر سکوں''۔ امیہ نے کہا ''دوپہر کے وقت'' اسی اثناء میں کہ حضرت سعد محو طواف تھے کہ ابو جہل وہاں آ گیا۔ اس نے کہا ''یہ طواف کرنے والا کون ہے'' حضرت سعد نے فرمایا ''میں سعد بن معاذ ہوں'' ابو جہل نے کہا ''تم امن کے ساتھ مصروف طواف ہو۔ حالانکہ تم نے محمد عربی اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے۔ بخدا! اگر تم ابو صفوان کے ہمراہ نہ ہوتے تو تم اپنے اہل خانہ کے پاس صحیح وسالم نہ پہنچ سکتے''۔ یہ دونوں لڑنے لگے۔ حضرت سعد کی آواز بلند ہوئی۔ امیہ نے حضرت سعد سے کہا ''اپنی آواز کو ابو الحکم کی آواز سے بلند نہ کرو۔ وہ اس وادی کے لوگوں کا سردار ہے''۔ وہ انہیں خاموش کرانے لگا۔ حضرت سعد نے امیہ سے کہا ''مجھ سے دور ہو جا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ تجھے قتل کر دیں گے'' امیہ نے پوچھا ''مجھے'' انہوں نے کہا ''ہاں'' امیہ نے پوچھا ''مکہ مکرمہ میں'' حضرت سعد نے جواب دیا ''میں نہیں جانتا'' امیہ نے کہا ''بخدا! محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا'' قریب تھا کہ وہ ڈر اور خوف کی وجہ سے اپنے کپڑوں میں ہی پیشاب کر دیتا''۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آیا۔ اس نے اسے کہا ''کیا تو نہیں جانتی کہ مجھے میرے مدنی بھائی نے کیا کہا ہے؟ اس نے پوچھا ''اس نے کیا کہا ہے؟'' امیہ نے کہا ''اس کا گمان ہے کہ اس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا وہ مجھے قتل کر دیں گے'' اس عورت نے کہا ''بخدا! محمد عربی نے کبھی جھوٹ نہیں بولا''۔

جب ابو سفیان کا قاصد آیا اور امیہ نے جنگ کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو اس کی عورت نے اسے کہا ''کیا تجھے علم نہیں کہ تجھے اس مدنی بھائی نے کیا کہا تھا''۔ امیہ نے کہا ''میں نہیں جاؤں گا''۔ جب امیہ نے نہ جانے کا عزم مصمم کر لیا بلکہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھائی کہ وہ ہرگز نہیں جائے گا۔ وہ مکہ سے باہر نہیں نکلے گا۔ تو عقبہ بن ابی معیط اس کے پاس آ گیا۔ پھر وہ اس نیت سے عازم سفر ہوا کہ وہ کچھ دنوں بعد واپس آ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان عالی شان کا معنی یہ ہے کہ آپ اس کے قتل کا سبب بنیں گے۔ ورنہ آپ نے صرف اس کے بھائی ابی بن خلف کو قتل کیا۔ اس لئے ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے امیہ سے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی تجھے قتل کر دیں گے'' بعض اہل مکہ نے تیروں سے فال گری کی۔ وہ تیر نکلے جنہیں وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام نے فال پکڑی۔ جب وہ تیر نکلا جس پر لکھا تھا ''یہ عمل نہ کر'' تو انہوں نے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کے پاس ابو جہل آیا اور انہیں عازم سفر ہونے پر ابھارا۔ عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث نے ان کی مدد کی۔

روایت ہے کہ وہ عداس جس نے طائف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کیا تھا اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی تھی اس نے اپنے دونوں سردار عتبہ اور شیبہ سے کہا ''میرے والدین تم پر نثار!

تم اپنی قتل گاہوں کی طرف ہانکے جا رہے ہو' انہوں نے نہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر ابو جہل ان سے برابر اصرار کرتا رہا حتی کہ وہ اس نیت سے عازم سفر ہوئے کہ وہ واپس آ جائیں گے۔

روانگی

جب مشرکین مکہ تیاری سے فارغ ہوئے۔ دو یا تین روز تیاری میں بسر ہوئے۔ انہوں نے روانگی پر اتفاق کر لیا۔ ان کی تعداد 950 تھی۔ یا ایک ہزار تھی۔ ایک سو گھوڑے تھے۔ ان پر ایک سو زرہیں تھیں۔ یہ ان کے علاوہ تھیں جو پیادہ لوگوں نے پہن رکھی تھیں۔ مشرکین کا علمبردار سائب بن یزید تھا۔ پھر یہ دولت اسلام سے سرفراز ہوا۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نسب میں پانچویں باپ ہیں۔ یہ تیزی کے ساتھ روانہ ہوئے ان کے ہمراہ لونڈیاں تھیں۔ جو دف بجا بجا کر مسلمانوں کی ہجو کر رہی تھیں۔ یہ روانگی کے وقت انتہائی تکبر اور غرور کے نشے میں مخمور تھے۔ جیسے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝
(الانفال)

''جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لئے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے''۔ (جمال القرآن)

اس لشکر کو کھلانے والے بارہ افراد تھے۔ ان میں سے ہر ایک ہر روز دس اونٹ ذبح کرتا تھا۔ ان کے بارے رب دو جہاں نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ (الانفال:36)

''بے شک کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تا کہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کریں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لئے باعث حسرت و افسوس۔ پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے''۔

لشکر کو کھلانے والے بارہ افراد درج ذیل تھے۔ ابو جہل، عتبہ، شیبہ، حکیم بن حزام، عباس بن عبد المطلب، ابو البختری، زمعہ بن اسود، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، نبیہ، منبہ، ابنا حجاج۔ دوسری روایت کے مطابق یہ آیت طیبہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس لشکر کی تیاری میں رقم خرچ کی تھی۔ جنہوں نے غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی تھی۔ ممکن ہے ان دونوں قسم کے افراد کے بارے اس کا نزول ہوا ہو۔

ابلیس، سراقہ کی شکل میں

جب کفار کے لشکر نے مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا۔ قریش اور کنانہ کے مابین عداوت تھی۔ کیونکہ قریش نے کنانہ کا ایک بوڑھا قتل کر دیا تھا۔ قریش کا ایک خوبرو جوان کنانہ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

پھر مقتول کے بھائی نے کنانہ کے سردار پر غلبہ پالیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی تلوار لا کر خانہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ آویزاں کر دی۔ وقت صبح قریش نے عامر کی تلوار دیکھ لی اور اسے پہچان لیا۔ انہیں اس کے قاتل کا بھی علم ہو گیا۔ قریب تھا کہ کنانہ کا یہ خوف انہیں عازم سفر ہونے سے روک دیتا۔ انہیں خوف تھا کہ بنو کنانہ ان کے بعد مکہ مکرمہ پر دھاوا نہ بول دیں۔ ابلیس لعین سراقہ بن مالک المدلجی کی شکل میں ان کے پاس آیا۔ یہ بنو کنانہ کے سرداروں میں سے تھا۔ اس نے قریش سے کہا ''میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہیں اپنے پیچھے کنانہ کی طرف سے کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا''۔ ابلیس ان کے ہمراہ عازم سفر ہوا۔ اس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ بنو کنانہ ان کی نصرت کے لئے آ رہے ہیں۔ شیطان نے ان کے لئے یہ امر حسین اور آسان کر کے پیش کیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ

(الانفال: 48)

''اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال اور انہیں کہا کہ کوئی غالب نہیں آ سکتا''۔

ابوسفیان کا قافلہ

جب ضمضم مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہو گیا تو ابوسفیان انتہائی محتاط ہو گیا۔ اس نے ساحل کا راستہ اختیار کیا۔ سرعت رفتاری سے چلا حتیٰ کہ وہ مسلمانوں سے دور نکل گیا۔ جب اسے اپنی حفاظت کا یقین ہو گیا تو اس نے قریش کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں واپس آ جانے کے لئے کہا۔ اس وقت قریش مقام جحفہ پر خیمہ زن تھے۔ مگر ابوجہل نے انہیں روک دیا اس نے کہا ''بخدا'' ہم واپس نہیں جائیں گے حتیٰ کہ ہم میدان بدر میں پہنچیں گے۔ وہاں تین روز تک ٹھہریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے کھانا کھائیں گے۔ شراب پئیں گے۔ لونڈیاں آلات موسیقی سے ہمارے دل بہلائیں گی۔ اہل عرب ہمارے بارے سنیں گے۔ وہ ہماری اس لشکر کشی کے متعلق سنیں تو ان کے دلوں میں ہماری دھاک بیٹھ جائے گی۔ اسی ریا کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اشارہ کیا ہے۔

خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ (الانفال: 47)

''جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کو دکھلاوے کے لئے''۔

جب ابوسفیان نے ابوجہل کی یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا ''یہ نحوست اور بدبختی ہے'' کیونکہ قوم قریش اپنے اموال بچانے کے لئے نکلی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال بچا دیئے تھے۔ ابوجہل کی یہ بات سن کر قریش میں سے بنو زہرہ واپس آ گئے۔ ان کی تعداد ایک سو یا تین سو تھی۔ اس لئے کہا جاتا تھا ''بنو زہرہ میں سے ایک شخص بھی غزوہ بدر میں قتل نہیں ہوا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق اس غزوہ میں ان کے دو افراد کام آئے تھے۔ بنو زہرہ کا قائد اخنس بن شریق الثقفی تھا۔ یہ ان کا حلیف تھا۔ اس نے انہیں کہا ''اے بنو زہرہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اموال بچا لئے ہیں۔ اس نے تمہارے صاحب مخرمہ بن نوفل کو نجات دی ہے۔ تم اس کی اور اس کے مال کی حفاظت کے لئے عازم سفر ہوئے تھے۔ واپس لوٹ چلو۔ تمہیں کسی مقصد کے بغیر عازم

سفر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابو جہل جو کچھ کہتا ہے اسے کہنے دو"۔ ابو جہل نے اسے کہا تھا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ہم انہیں الامین کہا کرتے تھے۔ لیکن بنو عبدالمطلب میں سقایہ، رفادہ اور مشورہ تھا۔ پھر اگر نبوت بھی ان کی آگئی تو ہمارے لئے کیا بچے گا۔ جبکہ ہم ان کے ساتھ دو دوڑنے والے گھوڑوں کی مانند تھے"۔ اخنس بنو زہرہ کو لے کر واپس آ گیا۔ اخنس نے اسلام قبول کیا تھا یا نہیں۔ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی تالیف قلبی کرتے ہوئے عطا فرمایا تھا۔ پھر انہوں نے اسلام عمدہ کیا۔

دوسرے قول کے مطابق یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اسلام کا اظہار کیا اس نے کہا "رب تعالیٰ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں" پھر یہ بھاگ گیا۔ پھر یہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کی کھیتی جلا دی۔ اسی کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (البقرہ)

"اور اے (سننے والے) لوگوں سے وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ حق کا سخت ترین دشمن ہے اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے تو سر توڑ کوشش کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کر دے اور تباہ کر دے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اور اللہ تعالیٰ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (میاں) خدا سے ڈرو تو اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے"۔

امام حلبی نے "الاصابۃ" کے حوالے سے لکھا ہے "اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہو۔ پھر مرتد ہو گیا ہو۔ پھر اسلام لے آیا ہو" پھر بنو ہاشم نے واپس آجانے کا عزم کیا تو ابو جہل نے ان کے ساتھ شدید سلوک کیا۔ اس نے قریش سے کہا "یہ گروہ ہم سے جدا نہ ہونے پائے۔ حتیٰ کہ ہم واپس آ جائیں" وہ مسلسل عازم سفر رہے۔ حتیٰ کہ وہ "عدوۃ القصویٰ" پانی کے قریب خیمہ زن ہو گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی روانگی

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم سفر ہونے لگے تو آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر الاوسی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا عامل مقرر کیا۔ نماز پڑھانے کے فرائض حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو قباء اور اہل عالیہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا۔ تاکہ انہیں منافقین کی طرف سے کسی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ نے سفید جھنڈا باندھا۔ اسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ آپ کے آگے آگے دو سیاہ پرچم تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرا حضرت سعد بن معاذ یا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ مدینہ طیبہ سے ایک میل مسافت طے کر لینے

کے بعد آپ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا۔ اور چھوٹے بچوں کو واپس لوٹا دیا۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ بدری صحابہ کرام کی تعداد تین سو تیرہ یا تین سو چودہ یا تین سو پندرہ تھی۔ مسلمانوں کے ہمراہ ستر اونٹ تھے۔ جن پر وہ باری باری سوار ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کے پاس دو گھوڑے تھے۔ ایک گھوڑا حضرت مرثد اور دوسرا گھوڑا حضرت مقداد یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے پاس پانچ گھوڑے تھے۔ ان میں سے دو گھوڑے حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اور ایک گھوڑا حضرت مرثد، ایک گھوڑا حضرت زبیر اور ایک گھوڑا حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کے پاس تھا۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ قریش کے لشکر کی تعداد 950 یا 1000 تھی۔ ایک سو گھوڑے اور ان پر ایک سو زرہیں تھیں۔ ان کے علاوہ زرہ پوش پیادہ بھی تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو شمار کیا تو آپ بہت مسرور ہوئے۔ آپ نے فرمایا "طالوت کے ان ساتھیوں کی تعداد بھی یہی تھی جنہوں نے ان کے ساتھ نہر عبور کی تھی"۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانگی کا عزم فرمایا تو اپنی زرہ زیب تن فرمائی "العضب" شمشیر براں حمائل کی۔ جب اپنے صحابہ کرام کو ملاحظہ فرمایا تو یہ دعا فرمائی "مولا! یہ پیادہ ہیں انہیں سواری عطا فرما۔ یہ عریاں ہیں انہیں کپڑے عطا فرما۔ یہ بھوکے ہیں انہیں سیر فرما۔ یہ تنگ دست ہیں انہیں فراخ رزق عطا فرما"۔ صحابہ کرام میں سے جو بھی واپس آیا اس کے پاس ایک یا دو اونٹ تھے۔ عریاں جسم کو کپڑے مل گئے۔ انہیں قریش کے زاد راہ سے کھانا مل گیا۔ انہیں قیدیوں کے فدیے ملے جن سے وہ غنی بن گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم سفر ہو کر "الروحاء" تک پہنچے۔ یہ مدینہ منورہ سے چالیس میل دور ایک کنویں کا نام تھا۔ اس جگہ آپ کو لشکر کفار کی روانگی کی خبر ملی۔ وہ اپنے قافلہ کے دفاع کے لئے عازم سفر ہوئے تھے۔ آپ نے دو شخص بھیجے تھے تاکہ وہ ابوسفیان کے قافلہ کے بارے میں معلومات لیں۔ وہ دونوں مقام بدر تک پہنچے۔ انہوں نے پانی کے قریب ایک ٹیلے کے پاس پڑاؤ کیا وہ پانی پلانے لگے۔ انہوں نے دو لونڈیوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ ایک دوسرے سے کہہ رہی تھی "اگر کارواں کل یا پرسوں پہنچ گیا تو میں ان کی خدمت کر کے تمہارا قرض ادا کر دوں گی"۔ یہ دونوں صحابی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور جو کچھ سنا تھا عرض کیا۔

باہم مشاورت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشاورت کی کہ کیا قافلہ کا تعاقب کیا جائے یا کفار قریش کے ساتھ جنگ کی جائے جو کارواں کے دفاع کے لئے نکلے ہیں۔ یعنی آپ نے صحابہ کرام کو اختیار دیا کہ یا تو وہ کارواں کے لئے آگے چلیں یا کفار قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو قریش کی روانگی کے بارے بتایا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا تجارتی کارواں یا قافلہ قریش! قافلہ کے ساتھ تعرض کرنا صحابہ کرام کو زیادہ پسندیدہ تھا۔ تاکہ اس سے جو مال ملے اس سے وہ گھوڑے اور اسلحہ خرید سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الانفال)

''اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں میں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کو حق کر دے اپنے ارشادات سے اور کاٹ دے کافروں کی جڑ''۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے ہوئے فرمایا ''قوم قریش تیز رفتاری سے آرہی ہے۔ تمہارا کیا مشورہ ہے۔ کیا تمہیں قافلہ اس لشکر سے زیادہ پسندیدہ ہے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''ہاں!'' یعنی ہمیں قافلہ دشمن سے ملاقات کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔ ایک گروہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! آپ نے ہمیں اس جنگ کے بارے پہلے بتایا ہوتا تاکہ ہم بھرپور تیاری کر کے آتے۔ ہم تو صرف قافلہ قریش کے لئے نکلے ہیں''۔ ایک اور روایت میں ہے انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! آپ قافلہ کا تعاقب کریں دشمن کو چھوڑ دیں۔ یہ سن کر آپ کے چہرۂ انور کی رنگت متغیر ہو گئی۔ ابو ایوب نے کہا ہے کہ یہ آیت طیبہ اسی کے متعلق نازل ہوئی۔

كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ ۙ (الانفال)

''جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا''۔

ابو نعیم نے ''الدلائل'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اہل مکہ کا کارواں شام سے آیا۔ حضور ﷺ اس کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے۔ یہ خبر اہل مکہ تک پہنچ گئی۔ وہ تیزی سے قافلہ کی طرف نکلے۔ قافلہ مسلمانوں سے آگے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا۔ کارواں کا مل جانا صحابہ کو زیادہ پسندیدہ اور آسان تر تھا۔ اس سے زیادہ مال غنیمت ملنے کی توقع تھی۔ ایک اور روایت میں ہے ''حضور سپہ سالار اعظم ﷺ نے لوگوں سے مشاورت کی۔ مہاجرین نے بڑی عمدہ گفتگو کی۔ پھر آپ نے مشورہ مانگا تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے بہت عمدہ گفتگو کی۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے انہوں نے بھی انتہائی زیبا گفتگو کی۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ قریش ہیں۔ ان کی عزت ہے جب سے وہ معزز ہوئے ہیں وہ ذلیل نہیں ہوئے۔ جب سے انہوں نے کفر کیا ہے وہ اسلام نہیں لائے۔ بخدا! وہ آپ سے ضرور جہاد کریں گے آپ ان کے لئے خوب تیاری کر لیں''۔

پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھے۔ وہ عرض پیرا ہوئے ''یا رسول اللہ! آپ وہ کچھ کر گزریئے جو رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کو اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کہا تھا۔

فَاذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ ۝ (المائدۃ)

''پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے''۔

بلکہ آپ بھی تشریف لے چلیں۔ آپ کا رب بھی۔ اور جہاد کریں۔ ہم آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے''۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے اور پیچھے جہاد کریں گے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد (حبشہ کا ایک شہر) تک لے چلیں تو ہم ضرور آپ کے ہمراہ چلیں گے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔ حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے دیکھا کہ یہ کلمات سن کر آپ کا روئے تاباں خوشی سے کھل اٹھا"۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب ہم مدینہ طیبہ میں تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا "مجھے ابوسفیان کے کارواں کے بارے بتایا گیا ہے۔ کیا تم اس کی طرف جاؤ گے شاید اللہ تعالیٰ وہ ہمیں بطور مال غنیمت عطا فرما دے اور ہمیں سلامتی بھی عطا فرمائے"۔ ہم نے کہا "ضرور! ہم عازم سفر ہوئے۔ جب ہم ایک دن یا دو دن کی مسافت طے کر چکے تو آپ نے فرمایا "کفار مکہ کو ہمارے بارے علم ہو گیا ہے۔ اب قتال کی تیاری کرو" ہم نے عرض کی "بخدا! ہمارے پاس تو اس قوم کے ساتھ لڑائی کرنے کی طاقت نہیں"۔ آپ نے اپنا فرمان دوبارہ سنایا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی "ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے کہا تھا۔

اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ)

"ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے"۔

بلکہ ہم کہیں گے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد کریں گے۔ حضرت ابو ایوب نے فرمایا "ہم گروہ انصار نے تمنا کی کہ کاش ان جذبات کا اظہار ہم نے کیا ہوتا۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾ (انفال)

"جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا "اے لوگو! مجھے مشورہ دو! آپ انصار کا ارادہ فرمائے ہوئے تھے۔ کیونکہ جب انہوں نے عقبہ کے مقام پر بیعت کی تھی تو انہوں نے عرض کی تھی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم آپ کی نصرت سے عہدہ برآ ہیں حتیٰ کہ آپ ہمارے شہر پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے ہاں رونق افروز ہوں گے تو آپ کی نصرت ہمارے ذمہ ہے ہم ہر اس چیز سے آپ کا دفاع کریں گے جس سے ہم اپنی جانوں، اولاد اور خواتین کا دفاع کرتے ہیں۔ آپ کو خدشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار آپ کی ہمیشہ نصرت کے وجوب کو نہ سمجھیں اور وہ صرف اس وقت نصرت کرنا واجب سمجھیں جب کوئی دشمن اچانک مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو۔ اور اس وقت نصرت کرنا لازم نہ سمجھیں جب آپ سفر کر کے دشمن کی طرف جائیں۔ آپ نے یہ فرمایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یہ اوس بلکہ سارے انصار کے سردار تھے۔ امام زرقانی نے لکھا ہے "یہ انصار میں اس مقام و منصب پر تھے جس پر مہاجرین میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی تھی" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بخدا! گویا آپ ہمارا ارادہ فرما رہے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" انہوں نے عرض کی

''یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی اور ہم نے یہ گواہی دی کہ آپ جو پیغام حیات بخش لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے آپ کی ہر بات سننے اور اطاعت بجانے پر آپ سے عہد اور معاہدے کئے۔ یا رسول اللہ! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ آپ کر گزریئے'' دوسری روایت کے مطابق وہ عرض پیرا ہوئے ''شاید آپ کو یہ خدشہ ہے کہ انصار آپ کی مدد صرف ان کے شہروں میں ہی کریں گے۔ میں سارے انصار کی طرف سے عرض کر رہا ہوں اور ان کی طرف سے جواب دے رہا ہوں شاید آپ کسی اور امر کے لئے عازم سفر ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے کوئی اور امر پیدا کر دیا ہے۔ آپ جو چاہیں کریں۔ جس سے چاہیں رشتہ منقطع کریں۔ جس سے چاہیں رشتہ جوڑیں۔ جس سے چاہیں صلح کر لیں۔ جس سے چاہیں عداوت رکھیں۔ ہمارے اموال میں سے جو چاہیں لے لیں۔ جو چاہیں ہمیں عطا فرما دیں۔ ہم سے جو آپ لیں گے وہ ہمیں اس سے پیارا لگے گا جو آپ چھوڑیں گے۔ آپ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس پر عمل پیرا ہوں گے۔ اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی لے جائیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اگر آپ ہمیں اس سمندر کے کنارے لے چلیں۔ پھر ہمیں کود جانے کا حکم دیں تو ہم سارے سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے۔ ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ دشمن سے ملاقات کرنا ہمیں ناپسند نہیں۔ ہم جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں۔ ملاقات کے وقت سچ کا اظہار کرتے ہیں۔ شاید رب تعالیٰ ہماری طرف سے ایسے اعمال کا اظہار کرائے کہ آپ کی چشمان مقدس کو ٹھنڈک نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ آپ عازم سفر ہو جائیں''۔

ابن مردویہ کی روایت میں ہے ''ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے مصروف جہاد ہوں گے۔ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں گے جنہوں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو کہا تھا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (المائدہ)

''پس جاؤ تم اور تمہارا رب اور دونوں لڑو (ان سے) ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے''۔

بلکہ آپ بھی تشریف لے چلیں اور آپ کا رب بھی۔ ہم بھی آپ کی پیروی کریں گے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''محفوظ موقف یہ ہے کہ یہ بات حضرت مقداد نے عرض کی تھی۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہی بات کی جو پہلے مرقوم ہو چکی ہے۔ امام مسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا جیسے جذبات کا اظہار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات، جان کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنی اپنی رائے عرض کی۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! شاید آپ ہمارا ارادہ فرما رہے ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم اس میں چھلانگیں لگا دیں گے۔ اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے جگر پگھلا ڈالیں تو ہم اسی طرح کر ڈالیں گے''۔

''المواہب'' میں ہے ''یہ عرض تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مشہور ہے''۔

حضرت حافظ ابن الحجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ نے ان سے دو بار مشورہ لیا ہو۔ ایک دفعہ قافلہ قریش کے آتے وقت۔ اس وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ عرض کی ہو اور دوسری بار قافلہ کے نکل جانے کے بعد آپ نے مشاورت کی ہو تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ گزارش کی ہو...... الطبرانی کی روایت کے مطابق حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے وقت اسی طرح کے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی یا نہیں۔ اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے"۔

امام زرقانی لکھتے ہیں "حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے لئے تیاری کر رکھی تھی۔ وہ انصار کے گھروں میں جاتے اور انہیں خروج پر ابھارتے۔ لیکن عازم سفر ہونے سے قبل سانپ نے انہیں ڈس لیا۔ وہ مدینہ منورہ میں ہی رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگرچہ حضرت سعد نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی۔ لیکن وہ اس کے لئے حریص تھے" پھر آپ نے ان کے لئے اسی طرح حصہ نکالا جس طرح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے لئے حصہ نکالا تھا۔ وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی عیادت کے لئے پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ بیمار تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے بھی حصہ نکالا۔ ان دونوں حضرات کو بدری صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا ہے اگرچہ انہوں نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی۔

نزول اجلال

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا "اللہ کا نام لے کر آگے روانہ ہو جاؤ۔ تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ یا قافلۂ قریش یا لشکر قریش۔ یعنی اگر کارواں آگے نکل گیا ہے تو دوسرا گروہ ضرور شکست خوردہ ہوگا۔ کیونکہ رب تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ آپ نے اپنے اس فرمان عالی شان سے اس طرف اشارہ فرمایا "بخدا! گویا کہ میں اب بھی قوم قریش کے گرنے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں"۔ جب آپ میدان بدر میں پہنچے تو آپ نے صحابہ کرام کو کفار کی قتل گاہیں دکھائیں۔

امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں غزوۂ بدر میں قتل ہونے والوں کی قتل گاہیں دکھائیں۔ آپ نے فرمایا "کل فلاں اس جگہ قتل ہوگا ان شاء اللہ! آپ نے زمین پر اپنا دست اقدس رکھا اور فرمایا "یہاں یہاں فلاں فلاں قتل ہوگا۔ کوئی مقتول اس جگہ سے ذرہ بھر بھی آگے پیچھے نہ ہوا جہاں آپ نے اشارہ فرمایا تھا۔

پھر آپ نے مقام بدر کے قریب نزول فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو مختلف خبریں لانے کے لئے بھیجا۔ وہ قریش کے ایک کارواں کے پاس پہنچے۔ اس کے پاس نبیہ اور منیہ کا غلام اور بنو عاص کا غلام تھا۔ وہ انہیں لے کر لشکر اسلامی میں آگئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان سے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے سمجھا کہ شاید ابوسفیان کے قافلہ کے غلام ہیں۔ انہوں نے کہا "ہم قریش کے لئے پانی لانے کی خدمت پر مامور ہیں۔ انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا تھا"۔ صحابہ کرام نے انہیں مارا۔ جب انہیں شدید مار پڑی تو

انہوں نے کہا ''ہمارا تعلق ابوسفیان کے قافلہ کے ساتھ ہے''۔ صحابہ کرام نے انہیں چھوڑ دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ''جب ان غلاموں نے سچ بولا تو تم نے انہیں مارا۔ جب انہوں نے جھوٹ بولا تو تم نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے سچ ہی کہا تھا کہ ان کا تعلق قریش کے ساتھ ہے''۔ پھر آپ نے ان سے فرمایا ''مجھے قریش کے بارے بتاؤ'' ان غلاموں نے کہا ''قریش ریت کے اس ٹیلے کے پیچھے ہیں''۔

حضور جان کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''وہ تعداد میں کتنے ہیں؟'' غلاموں نے عرض کی ''بہت زیادہ۔ وہ تعداد میں کثیر اور ان کی گرفت مضبوط ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''ان کی تعداد کیا ہے؟'' غلاموں نے عرض کی ''ہمیں معلوم نہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟'' انہوں نے عرض کی ''ایک دن نو اور ایک دن دس'' آپ نے فرمایا ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا ''سرداروں میں سے کون کون لشکر کفار میں شامل ہے'' انہوں نے عرض کی ''عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوالبختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نوفل بن خویلد، زمعہ بن اسود، ابوجہل، نضر بن حارث اور سہیل بن عمرو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کی طرف توجہ فرما ہو کر فرمایا ''مکہ مکرمہ نے اپنے جگر کے پارے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں''۔

قریش نے عدوۃ القصوی دور کے کنارے کو اپنی خیمہ گاہ بنایا تھا۔ جبکہ مسلمان ایک سرخ ٹیلے پر فروکش ہوئے تھے جس میں پاؤں اور جانوروں کے کھر دھنس جاتے تھے۔ مشرکین مکہ نے جلدی کی اور بدر کے سارے گڑھوں پر قبضہ کر لیا۔ درمیان میں بڑا سا کنواں کھودا اور سارا پانی اسی گڑھے میں جمع کر لیا تا کہ وہ خود بھی اس سے پانی پئیں اور اپنے جانوروں کو بھی پلائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب بھی ڈال دیا تھا جب شدت خوف کی وجہ سے ان کے گھوڑے ہنہناتے تو وہ ان کے چہروں پر مارتے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر امن اور نیند طاری فرما دی تھی۔ نیند اس قدر شدید تھی کہ مسلمان اسے روک نہیں سکتے تھے۔ مسلمانوں نے اس حالت میں صبح کی کہ ان میں بعض محدث اور بعض جنبی تھے۔ کیونکہ جب وہ سوئے تو ان میں سے اکثریت کو احتلام ہو گیا۔ انہیں پیاس لگی ہوئی تھی وہ پانی تک نہیں پہنچ سکتے تھے کیونکہ مشرکین پانی تک پہلے پہنچ چکے تھے۔ شیطان نے بعض کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا ''تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم حق پر ہو۔ تم میں اللہ تعالیٰ کا نبی (کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے دوست ہو۔ حالانکہ مشرکین پانی پر غالب آ چکے ہیں تم پیاسے ہو۔ تم محدث اور جنبی ہو۔ دشمن صرف یہ انتظار کر رہا ہے کہ پیاس تمہاری گردن توڑ کر رکھ دے۔ تمہارے اعضاء کمزور کر دے اور وہ تمہارے بارے جیسے چاہیں فیصلہ کریں''۔

اللہ رب العزت نے بارش بھیجی اس سے وادی بہہ پڑی۔ مسلمانوں نے جی بھر کر پانی پیا۔ وادی کے کنارے پر مسلمانوں نے حوض بنا لئے۔ غسل کیا۔ وضو کیا اور اپنے جانوروں کو پانی پلایا۔ اپنے مشکیزے بھر لئے۔ بارش سے گرد و غبار بیٹھ گیا۔ ریت جم کر پختہ ہو گئی حتیٰ کہ اس پر قدم اور کھر جمنے لگے۔ مسلمانوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین کا مکر دور کر دیا۔ مسلمانوں کے نفوس خوش ہو گئے۔ اس بارش سے مشرکین کو نقصان ہوا کیونکہ ان کی طرف زمین نرم تھی۔

اس طرح کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا۔ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (الانفال)

''اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے۔ تاکہ باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدموں کو''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اس رات خوب بارش برسی۔ ہم درختوں کے نیچے چلے گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات اپنے رب تعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ ساری رات وہاں نماز پڑھتے رہے اور اپنے سجدوں میں ''یاحی یاقیوم'' کا ورد کرتے رہے۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی''۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مسلمانوں کو غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے روز نیند آ گئی تھی۔ یہ ان کے اطمینان قلبی کی علامت تھی۔ غزوۂ بدر میں جنگ سے قبل رات کے وقت صحابہ کرام خوب سوئے تھے۔ جبکہ غزوۂ احد میں انہیں قتال کے وقت اونگھ آ گئی تھی''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جنگ کی صفوں میں اونگھ آ جانا ایمان کی علامت ہے۔ جبکہ نماز میں اونگھ آ جانا نفاق کی علامت ہے'' کیونکہ جہاد کی صفوں میں اونگھ آ جانا دل کے ثبات کی علامت ہے۔ جبکہ نماز میں نیند آ جانا نماز کے لئے عدم اہتمام پر دلالت ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''فجر طلوع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے آواز دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم درختوں کے نیچے سے آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ آپ نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اپنے خطبہ میں جہاد پر ابھارا۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا ''امابعد! میں تمہیں اس چیز پر ابھارتا ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابھارا ہے''۔ پھر فرمایا ''مشکل کی گھڑی میں صبر ایسی شئی ہے جس سے رب تعالیٰ اندوہ ختم کر دیتا ہے اور اس سے وہ غم کو مٹا دیتا ہے''۔

ابن اسحاق رقمطراز ہیں ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی طرف جانے میں جلدی کی۔ حتیٰ کہ بدر کے سب سے قریبی چشمہ پر قبضہ فرمایا اور اسی جگہ نزول اجلال فرمایا۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! کیا اس جگہ اترنے کا حکم آپ کو رب تعالیٰ نے دیا ہے جس سے تقدیم و تاخیر ممکن نہیں یا یہ رائے، جنگ اور چال ہے'' آپ نے فرمایا ''بلکہ یہ رائے، جنگ اور چال ہے''۔ انہوں نے عرض کی ''فروکش ہونے کے لئے یہ جگہ مناسب نہیں۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ اٹھیں۔ حتیٰ کہ قوم مشرک کے قریبی کنویں کے پاس تشریف لے چلیں۔ ہم اس کنویں پر قبضہ کر لیں گے۔ بقیہ سارے کنویں بند کر دیں گے۔ پھر وہاں ایک حوض بنا لیں گے جسے ہم پانی سے بھر دیں گے جس سے ہم پانی پئیں گے۔ لیکن دشمن کو پانی نصیب نہ ہو سکے گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہاری رائے بہت صائب ہے''۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت جبرائیل امین آئے اور عرض کی ''درست رائے وہی ہے جس کی طرف حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ

کرام سمیت اٹھے اور دشمن قوم کے قریبی کنویں کے پاس فروکش ہو گئے پھر ایک کنواں کو کھودنے کا حکم دیا۔ کنواں کھودا گیا اس پر ایک حوض بنایا گیا۔ اسے پانی سے بھر دیا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق مسلمان اٹھ کر اپنے دشمن کی طرف گئے اور پانی کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کنویں کو ختم کر دیا جو دشمن کی طرف تھا۔ کفار کو پیاس لگنے لگی۔ نصرت الٰہی آ گئی۔ یہ اقدام حضرت حباب رضی اللہ عنہ کے اشارہ کے بعد کیا گیا۔

ایک خواب

قریش کے ہمراہ ایک شخص تھا۔ جس کا نام جہم بن صلت تھا۔ یہ بنو مطلب بن عبد مناف میں سے تھا۔ اسے غزوۂ خیبر کے سال دولت اسلام سمیت لینے کا شرف نصیب ہوا۔ جب مشرکین میدان بدر میں فروکش ہو گئے تو اسے نیند آ گئی پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "کیا تم نے وہ گھڑ سوار دیکھا ہے جو مجھ پر کھڑا تھا"۔ ساتھیوں نے کہا "نہیں!" اس نے کہا "میرے سر پر ایک سوار کھڑا تھا۔ اس نے کہا "ابو جہل، عتبہ، شیبہ، زمعہ، ابوالبختری، امیہ بن خلف، فلاں فلاں قتل ہو گئے۔ اس نے ان سارے سرداروں کے نام لئے جو غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہوئے۔ پھر اس نے کہا "سہیل بن عمرو، فلاں، فلاں کو قیدی بنا لیا گیا" اس نے ان سارے لوگوں کو شمار کیا جنہیں اس غزوۂ میں اسیر بنایا گیا۔ پھر میں نے اس سوار کو دیکھا۔ اس نے اپنے اونٹ کو ضرب لگائی اور اسے لشکر گاہ میں بھیج دیا۔ لشکر گاہ کے ہر ہر خیمہ کو اس کا خون لگ گیا"۔ یہ خواب سن کر اس کے ساتھیوں نے کہا "یہ شیطان نے تمہارے ساتھ کھیل کھیلا ہے"۔ جب اس خواب کا تذکرہ لشکر کفار میں پھیلا اور ابو جہل نے اس کے متعلق سنا تو اس نے کہا "تم بنو ہاشم کے جھوٹ کے ساتھ ساتھ بنو مطلب کے جھوٹ کو بھی لے آئے ہو۔ تم کل دیکھو گے کہ قتل کون ہوتا ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق ابو جہل نے کہا "یہ بنو مطلب کا دوسرا نبی ہے۔ اسے کل علم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہے ہم یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے صحابہ؟"

جب قریش مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے تو سب سے پہلے ابو جہل نے ان کے لئے اونٹ ذبح کئے۔ اس نے مر الظہر ان کے مقام پر دس اونٹ ذبح کئے۔ ان اونٹوں میں سے ایک اونٹ نحر ہو جانے کے بعد اٹھا اور ساری لشکر گاہ کا چکر لگایا۔ اس کا خون سارے خیموں کو لگ گیا۔ اس جگہ سے بنو عدی واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے اس سے فال پکڑی اور واپس آ گئے۔

عریش مبارک

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس جگہ جلوہ افروز ہو گئے جہاں حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا تھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے عریش نہ بنا دیں جہاں آپ تشریف فرما رہیں ہم آپ کے پاس آپ کی سواری چھوڑ جائیں گے۔ پھر ہم دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہو جائیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح اور غلبہ نصیب فرمایا تو ہمیں پسند بھی یہی ہے۔ اگر نتیجہ اس کے برعکس ہوا تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو جائیں اور مدینہ طیبہ تشریف لے جائیں۔ ہماری پیچھے ایسی قوم ہے ہم جس سے زیادہ آپ سے محبت نہیں کرتے۔ اگر آپ نے دشمن کے ساتھ جنگ کی تو ان میں سے

ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے آپ کا تحفظ فرمائے گا۔ وہ آپ کے ساتھ خلوص کا مظاہرہ کریں گے اور آپ کے ساتھ جہاد کریں گے" یہ سن کر حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور فرمایا "سعد! رب تعالیٰ عمدہ فیصلہ فرمائے گا" پھر ایک بلند ٹیلے پر آپ کے لئے عریش بنا دیا گیا۔ اس میں آپ تشریف فرما ہو گئے اور آپ کے پاس حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے بتاؤ۔ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی "آپ" انہوں نے فرمایا "سب سے بہادر ترین ذات سیدنا ابوبکر کی ہے"۔

جس روز غزوۂ بدر رونما ہوا اس دن ہم نے حضور اکرم ﷺ کے لئے عریش بنایا۔ ہم نے کہا "حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کون رہے گا؟ تا کہ کوئی مشرک آپ پر حملہ نہ کر سکے"۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ بخدا! ہم میں سے سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی آگے نہ بڑھا۔ وہ تلوار سونتے حضور ﷺ کے سر پر کھڑے تھے۔ جو بھی آپ پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس پر حملہ کر دیتے۔

روایت ہے کہ جب گھمسان کی جنگ شروع ہوئی تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی انصار کی ایک جماعت کے ساتھ عریش کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اس روز ثابت قدم رہے جس روز حضور ﷺ کا وصال ہوا تھا اور انہوں نے اہل ردۃ کے ساتھ جہاد کیا۔ عریش خیمہ نما تھا۔ جس میں سرور دو جہاں ﷺ تشریف فرما تھے۔ السید السمہودی لکھتے ہیں "آپ کا عریش اسی جگہ تھا جہاں مسجد بدر ہے۔ یہ مسجد کھجوروں کے پاس معروف ہے۔ چشمہ اسی کے قریب ہے۔

مسلمانوں کی قوت کا اندازہ

وقت صبح حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرمائیں۔ قریش آپ کے پیچھے تھے۔ حضور اکرم ﷺ یوں دعا گو ہوئے۔

"مولا! یہ قریش ہیں۔ یہ تیرے ساتھ لڑنے اور تیرے رسول (مکرم) ﷺ کو جھٹلانے کے لئے آ گئے ہیں۔ مولا! وہ نصرت فرما جس کا تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے"۔

جب قریش مطمئن ہو گئے تو انہوں نے عمیر بن وہب الجمحی کو بھیجا۔ بعد میں اس عمیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش نے اسے کہا "ہمیں مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگا کر بتاؤ"۔ اس نے اپنے گھوڑے پر مسلمانوں کی لشکر گاہ کا چکر لگایا۔ پھر قریش کے پاس لوٹ گیا۔ اس نے کہا "مسلمانوں کا لشکر کم و بیش تین سو افراد پر مشتمل ہے لیکن تم مجھے مہلت دو۔ تا کہ میں دیکھوں کہ ان کے کچھ افراد کمین گاہوں میں نہ بیٹھے ہوں یا انہوں نے اپنی مدد کے لئے کچھ افراد چھپا نہ رکھے ہوں"۔ وہ وادی میں دور تک گیا۔ وہ کفار کی طرف واپس آیا اس نے ان سے کہا "میں نے اور کچھ نہیں دیکھا۔ لیکن اے گروہ قریش! میں نے ایسی اونٹنیاں دیکھی ہیں جن پر موتیں سوار ہیں۔ یثرب کے اونٹ اپنے اوپر یقینی موت اٹھائے ہوئے ہیں۔ میں نے ایسی قوم دیکھی ہے جس کے پاس بچاؤ کا کوئی سامان نہیں اور ان کی تلواروں کے علاوہ ان کی کوئی پناہ گاہ نہیں۔ کیا تم انہیں دیکھتے نہیں ہو۔ کہ وہ

گونگے بنے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی بات نہیں کر رہے۔ وہ زہریلے سانپوں کی طرح پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ بخدا! میں یہ دیکھ رہا ہوں۔ ان میں سے ایک شخص بھی قتل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ تم میں سے ایک شخص مقتول نہ ہو جائے گا۔ اگر انہوں نے اپنی گنتی کے مطابق تمہارے آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا تو اس کے بعد زندگی میں کیا لطف باقی رہے گا۔ میں نے اپنی رائے تمہیں بتا دی ہے۔ اب تم جس طرح مناسب سمجھتے ہو کرو"۔

جب حکیم بن حزام نے یہ بات سنی تو وہ لوگوں میں گھوما۔ وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا "ابوالولید! تم قریش میں سے عمر رسیدہ، سردار اور قابل اتباع سمجھے جاتے ہو۔ کیا تم ایسا کارنامہ کرنے کے لئے تیار ہو کہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یاد کیا جائے؟ اس نے پوچھا "وہ کون سا عمل ہے؟ حکیم نے کہا "لوگوں کو لے کر واپس چلے جاؤ"۔ دوسری روایت کے مطابق حکیم نے عتبہ سے کہا "تم لوگوں کے درمیان چلو۔ اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کے خون کا بوجھ اٹھا لو (جسے حضرت واقد بن عبداللہ نے نخلہ کے مقام پر واصل جہنم کیا تھا) اور محمد عربی ﷺ کو اس قافلہ سے جو سامان ملا تھا۔ اس کا بوجھ بھی اٹھا لو" عتبہ نے کہا "ٹھیک ہے۔ میں نے اس طرح کر دیا ہے وہ میرا حلیف ہے۔ مجھ پر اس کی دیت بھی ہے اور اس کے مال کا جو زیاں ہوا ہے وہ بھی میں ہی برداشت کروں گا۔ اے حکیم! تو نے کتنی اچھی بات کی ہے اور کتنی اچھی بات کی طرف دعوت دی ہے؟ عتبہ اپنے سرخ اونٹ پر سوار ہو گیا اور قریش کی صفوں میں گھس گیا۔ اس نے کہا "اے میری قوم! میری اطاعت کر لو۔ ابن حضرمی اور اس مال کے علاوہ تمہارا کوئی مطالبہ نہیں جو اس سے چھینا گیا تھا۔ میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ میں تمہیں ان چہروں کا واسطہ دیتا ہوں۔ جو چراغوں کی طرح ضوفشاں ہیں (یعنی قریش کے چہرے) کہ تم ان کو ان چہروں کی مانند سمجھو جو سانپ کی آنکھوں کی طرح ہیں (یعنی انصار کے چہرے) حضور ﷺ نے اسے کفار قوم میں دیکھا۔ یہ اپنے اونٹ پر سوار تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اگر اس قوم میں سے کسی شخص کے پاس بھلائی ہے تو اس سرخ اونٹ والے کے پاس ہے۔ اگر کفار اس کی بات مان لیں تو فائدے میں رہیں گے"۔

امام ابن اسحاق نے رقم کیا ہے کہ عتبہ نے کہا "اے گروہ قریش! تم محمد عربی (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کر کے کیا کرو گے۔ اگر تم انہیں قتل کرو گے تو وہ سب تمہارے قریبی رشتہ دار ہی ہیں۔ پھر تم زندگی میں ایک دوسرے کا منہ تک دیکھنا گوارا نہ کرو گے۔ کسی نے کسی کا بھائی قتل کیا ہو گا۔ کسی کا بیٹا اور کسی کا چچا تہ تیغ کیا ہو گا۔ یا اس کے قبیلہ کا کوئی فرد موت کے گھاٹ اتارا گیا ہو گا۔ تم واپس لوٹ چلو۔ محمد عربی ﷺ اور دیگر عرب کے درمیان سے ہٹ جاؤ۔ اگر کسی اور نے بڑھ کر ان کا کام تمام کر دیا تو یہی تمہارا مقصد ہے اور اگر نتیجہ اس کے برعکس ہوا تو ان کو ملتے ہوئے تمہیں کسی ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اے میری قوم! آج کی یہ بزدلی مجھ پر آنے دو۔ کہہ دو عتبہ بزدل ہے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ عتبہ بزدل نہیں ہے" پھر عتبہ نے حکیم سے کہا "ابن حنظلیہ (ابوجہل) کے پاس جاؤ اور اسے اس امر کے بارے بتا"۔ حکیم نے کہا "میں ابوجہل کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنی زرہ تھیلے سے نکال کر اسے صحیح کر رہا تھا۔ میں نے اسے کہا "ابوالحکم! مجھے عتبہ نے تمہارے پاس اس مقصد کے لئے بھیجا ہے"۔ یہ سن کر ابوجہل نے کہا "عتبہ کا سانس پھول گیا ہے" پھر ابوجہل عتبہ کے پاس

آیا۔ اس نے کہا "اگر یہ بات تیرے علاوہ کسی اور نے کی ہوتی تو میں اسے زور سے پکڑ لیتا۔ بخدا! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے حتیٰ کہ رب تعالیٰ ہمارے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین فیصلہ کر دے"۔

دوسری روایت کے مطابق حکیم یہ پیغام لے کر ابو جہل کے پاس گیا۔ اس نے اسے بتایا تو اس نے کہا "بخدا! عتبہ اس طرح کی بات نہ کرتا۔ بخدا! اس نے دیکھا ہے کہ محمد عربی اور ان کے ساتھی ایک اونٹ کا نوالہ ہیں۔ ان میں اس کا بیٹا ابو حذیفہ ہے۔ اس لئے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے"۔ حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ابو جہل نے عتبہ کی رائے کو لوگوں میں خراب کر دیا۔ اس نے عمرو بن حضرمی کے بھائی کی طرف پیغام بھیجا۔ اسے کہا "یہ تیرا حلیف ہے۔ یہ لوگوں کو واپس لے جانا چاہتا ہے۔ یہ تیرے بھائی کا خون رائیگاں کرنا چاہتا ہے۔ اٹھ اور اپنے بھائی کے قتل کا واسطہ دے" عامر اٹھا اس نے پیچھے سے اپنی چادر اٹھادی۔ اپنے سر پر مٹی ڈالی۔ اور بآواز بلند پکارنے لگا "واعمراہ"، واعمراہ! یہ سن کر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ ابلیس لعین مشرکین کے ہمراہ رہا۔ وہ سراقہ کی شکل میں تھا۔ وہ ان سے کہہ رہا تھا "آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ میں تمہارا نگہبان ہوں"۔

آغاز جنگ

اسود مخزومی صفوں سے باہر آیا۔ یہ بدخو اور شریر انسان تھا۔ اس نے کہا "میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے کہ میں مسلمانوں کے حوض سے ضرور پانی پیوں گا یا اسے گرا دوں گا یا مجھے موت آلے گی"۔ جب یہ حوض کی طرف بڑھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور حوض تک پہنچنے سے پہلے ہی اسے جالیا۔ انہوں نے ضرب کاری لگائی اور اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دی۔ وہاں سے خون بہنے لگا۔ پھر وہ اس نیت سے حوض کی سمت بڑھا کہ وہ اپنی قسم پوری کر لے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے تلوار کا وار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس اسود کے باپ کا نام عبد الاسد مخزومی تھا۔ یہ حضرت عبداللہ بن عبد الاسد المخزومی کا بھائی تھا۔ اسود پہلا مقتول تھا جو غزوۂ بدر میں سب سے پہلے قتل ہوا۔ یہ سب سے پہلے روز حشر اپنا نامۂ اعمال اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے گا۔ جبکہ اس کے بھائی حضرت عبداللہ بن عبد الاسد المخزومی رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اپنا نامۂ اعمال اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑیں گے۔ اس امر کا تذکرہ متعدد احادیث طیبہ میں ہے۔

پھر عتبہ بن ربیعہ نے اپنے سر کے لئے خود تلاش کیا۔ اس کا سر اتنا بڑا تھا کہ لشکر کفار میں کسی کا خود بھی اسے پورا نہ آسکا۔ اس نے اپنے سر پر چادر لپیٹ لی۔ پھر اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر صفوں سے باہر نکلا اور مبارزت کی دعوت دی۔ انصار میں سے تین افراد حضرات عوف، معاذ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم میدان کارزار میں نکلے۔ عتبہ اور اس کے ساتھیوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا "ہمارا تعلق انصار کے ساتھ ہے" انہوں نے کہا "تم ایک معزز مدمقابل ہو لیکن ہم اپنی قوم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے بآواز بلند کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہماری قوم میں سے ہمارے مدمقابل بھیجو"۔ آپ نے انصاری صحابہ کرام کو واپس بلالیا۔ پھر فرمایا "عبیدہ! اٹھو۔ حمزہ! اٹھو، علی! اٹھو۔ جب یہ حضرات قدسیہ اٹھ کر کفار کے سامنے گئے تو انہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے اپنے اپنے نام لئے۔ حضرت عبیدہ نے فرمایا "میں

عبیدہ ہوں'' حضرت حمزہ نے فرمایا ''میں حمزہ ہوں'' حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا ''میں علی ہوں'' انہوں نے کہا ''اب ٹھیک ہے۔ معزز مدمقابل! حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ عمر میں بقیہ دونوں حضرات سے بڑھ کر تھے۔ انہوں نے عتبہ کو جالیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو جالیا۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کی طرف اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ شیبہ کی طرف جھپٹے۔ جبکہ اس بات پر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مدمقابل ولید ہی تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ولید کو جہنم واصل کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور شیبہ میں باہم شمشیر زنی ہوتی رہی۔ ہر ایک نے دوسرے کو تھکا دیا۔ حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما نے پلٹ کر شیبہ پر حملہ کر کے اسے موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر صحابہ کرام کے پاس لے گئے۔ ان کے گھٹنے پر زخم آیا۔ واپسی پر مقام صفراء پر ان کا وصال ہو گیا۔ ان کی قبر انور صفراء اور حمراء کے مابین معروف ہے۔

صحابہ کرام حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر بارگاہ رسالت پناہ میں لے گئے۔ اس وقت ان کی پنڈلی سے گودا باہر نکل رہا تھا۔ صحابہ کرام نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرف لٹا دیا۔ آپ نے اپنا قدم مبارک آگے بڑھایا تو انہوں نے قدم مبارک پر اپنا رخسار رکھ دیا۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا میں شہید ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں! تم شہید ہو''۔ انہوں نے عرض کی ''کاش! اس وقت جناب ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ جان لیتے کہ ہم ان کے اس شعر کے زیادہ مستحق ہیں۔

و نسلمه حتى نصرع حوله و نذهل عن ابنائنا والحلائل

تمہارا گمان ہے کہ ہم آپ کو قریش کے سپرد کر دیں گے، نہیں! حتیٰ کہ ہم تو آپ کے اردگرد پچھاڑے جائیں اور ہم اپنی اولاد اور خواتین کو بھول جائیں۔

فان يقطعوا رجلى فانى مسلم ارجى به عيشا من الله عاليا

والبسنى الرحمان من فضل منه لباسا من الاسلام غطى المساويا

اگر ان مشرکین نے میری ٹانگ کاٹ دی ہے تو میں مسلمان ہوں۔ مجھے رب تعالیٰ سے گراں قدر زندگی کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اسلام کا ایسا لباس عطا کیا ہے جس نے ساری خطاؤں کو ڈھانپ دیا ہے۔

اس واقعہ سے حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت آشکارا ہو رہی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ (الحج:19)

''یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں''۔

ان افراد کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے غزوۂ بدر میں جنگ آزمائی کی تھی۔ پھر انہوں نے اوپر مذکور چھ افراد کا تذکرہ کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں وہ سب سے پہلا شخص ہوں گا جو روز حشر رحمان رب تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا۔ یہ آیت طیبہ ہمارے بارے ہی نازل ہوئی ہے''۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کارفرما تھی کہ اس نے قتال سے قبل مسلمانوں کو مشرکین کی نگاہوں میں کم دکھایا۔ تاکہ وہ آگے بڑھیں۔ جب جنگ شروع ہوگئی تو کفار کو مسلمان کثیر نظر آنے لگے تاکہ ان پر رعب طاری ہو جائے۔ اور انہیں کمزوری آلے۔ قتال کے وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نظروں میں مشرکین کو کم کر دکھایا۔ تاکہ ان کی جرأت و شجاعت میں اضافہ ہو جائے۔ اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مشرکین غزوۂ بدر کے روز ہماری نگاہوں میں کم نظر آئے۔ حتیٰ کہ میں نے ایک شخص سے کہا "کیا ان کی تعداد ستر کے قریب ہے؟" اس نے کہا "میرے خیال میں ان کی تعداد ایک سو کے قریب ہے"۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ (الانفال:44)

"اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں"۔

پھر فرمایا:

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (آل عمران:13)

"بے شک تھا تمہارے لئے (عبرت کا) نشان (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان انہیں) اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے"۔

روایت ہے کہ قباب بن اشیم اس روز مشرکین کے ہمراہ تھے۔ پھر انہیں دولت اسلام سمیٹ لینے کی سعادت ملی۔ انہوں نے اس روز دل میں کہا تھا "اگر مکہ مکرمہ کی عورتیں باہر نکل آئیں تو وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کو واپس لوٹا دیں گے"۔ ان ہی سے روایت ہے "جب غزوۂ خندق کے بعد میں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عرض کی"۔ صحابہ کرام نے فرمایا "آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ اس مسجد میں ہیں"۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں صحابہ کرام میں سے آپ کو پہچان نہ سکا۔ میں نے آپ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "قباب! تم وہی ہو نا جس نے غزوۂ بدر کے روز اس طرح کہا تھا "اگر قریش کی خواتین باہر نکل آئیں تو وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو واپس لوٹا سکتی ہیں"۔ حضرت قباب نے کہا "مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ یہ فقرہ نہ تو میری زبان پر آیا تھا نہ ہی میرے لبوں پر آیا تھا۔ اور نہ ہی کسی نے مجھ سے یہ سنا تھا۔ یہ تو صرف میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ جو پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے"۔

آپ کا حضرت قباب کی اس بات سے آگاہ ہو جانا آپ کا معجزہ ہے۔

حضرت سواد کا عشق انگیز واقعہ

امام ابن اسحاق نے تحریر کیا ہے کہ جب عتبہ، شیبہ اور ولید موت کی وادی میں چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر

تشریف لائے۔ تاکہ صفیں درست فرمائیں۔ آپ کے دست اقدس میں ایک تیر تھا جس پر پھل اور پر نہ تھا۔ آپ حضرت سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ یہ بنو نجار کے حلیف تھے یہ صفوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ تیر ان کے پیٹ پر لگایا اور فرمایا ''سواد! صف میں سیدھے ہو جاؤ''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! آپ نے مجھے تکلیف دی ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق اور عدل کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بطن اقدس سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا ''قصاص لے لو''۔ ''حضرت سواد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بطن مبارک کے ساتھ چمٹ گئے اور اس کے بوسے لینے لگے'' آپ نے فرمایا ''سواد! کس چیز نے تمہیں اس عمل پر برانگیختہ کیا؟'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! معرکہ حق و باطل سامنے ہے۔ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس آخری وقت میں میری جلد آپ کی مبارک جلد کے ساتھ مس ہو جائے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے دعائے خیر کی۔

جب صفیں سیدھی ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر دشمن تمہاری طرف بڑھنے لگے تو اسے تیر پھینک کر دور کر دو۔ زیادہ دور سے تیر اندازی نہ کرو کیونکہ دور سے تیر اندازی کرنے سے نشانہ غالباً خطا جاتا ہے۔ اس وقت تلواریں نہ سونتو جب تک وہ تمہارے بالکل قریب نہ آ جائیں''۔ آپ نے صحابہ کرام کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ انہیں جہاد اور صبر پر ابھارا۔ پھر عریش میں تشریف لے آئے۔ فریقین ایک دوسرے کی سمت بڑھے۔ قریش میں سے بعض لوگ آگے بڑھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوض کی طرف آنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہیں چھوڑ دو''۔ جس نے بھی اس حوض سے پانی پیا وہ اسی روز مقتول ہوا۔ سوائے حکیم بن حزام کے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ وہ جب قسم اٹھاتے تو اس طرح قسم اٹھاتے ''نہیں! مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے مجھے غزوۂ بدر کے روز نجات دی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک مشرکین پر حملہ نہ کریں حتیٰ کہ آپ حکم دے دیں'' آپ کو نیند کی اونگھ نے آ لیا۔ آپ جاگے۔ رب تعالیٰ نے مشرکین کو آپ کی نگاہوں میں کم کر دکھایا تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو بتایا یہ ان کی ثابت قدمی کے لئے تھا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عریش کے دروازہ پر اپنی تلوار سونتے کھڑے تھے۔ ان کے ہمراہ انصار کی ایک جماعت تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عریش میں جلوہ افروز تھے اور کوئی اندر موجود نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے۔ کہ وہ اپنا نصرت کا وعدہ پورا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (الانفال: 7)

''اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ تعالیٰ نے ایک کا ان دو گروہوں میں سے کہ وہ تمہارے لئے ہے''۔

جب لوگوں میں صف بندی ہو گئی تو قطبہ بن عامر نے مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین ایک پتھر پھینکا۔ اس نے کہا ''میں راہ فرار اختیار نہیں کروں گا حتیٰ کہ یہ پتھر بھی راہ فرار اختیار کر لے''۔

غزوۂ بدر میں پہلا شہید

حضرت مجع رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ یہ مسلمانوں کی لشکر گاہ سے باہر نکلے۔ عامر بن حضرمی نے انہیں

تیر مار کر شہید کر دیا۔ حضرت مجع رضی اللہ عنہ اس غزوہ کے پہلے شہید تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجع سید الشہداء ہیں"، یعنی غزوۂ بدر کے شہداء کے سردار ہیں۔ پھر حضرت عمرو بن صمام نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ انصار کے پہلے شہید تھے۔ پھر حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کی والدہ ماجدہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں۔ یہ غزوۂ بدر سے بعد کی بات ہے۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھو تھیں۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے حارثہ کے بارے بتائیں۔ اگر وہ جنت میں ہے تو اس پر کبھی نہیں روؤں گی۔ صرف غم واندوہ کا اظہار کروں گی۔ اگر وہ آگ میں ہے تو میں جب تک زندہ ہوں اس پر روتی رہوں گی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام حارثہ! جنت ایک نہیں، بلکہ کئی جنتیں ہیں۔ اور حارثہ فردوس اعلیٰ میں ہے" وہ واپس آ گئیں۔ وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں "واہ، واہ! حارثہ! دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا جنت صرف ایک ہے؟ نہیں! جنتیں بہت سی ہیں۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے حارثہ فردوس اعلیٰ میں ہے"۔ پھر آپ نے پانی بھرا برتن منگوایا۔ اس میں اپنا دست اقدس ڈالا اور کلی کی۔ پھر ام حارثہ کو پکڑا دیا آب حیات کو وہ نوش جاں کر گئیں۔ پھر انہوں نے وہ برتن اپنی نور نظر کو پکڑا دیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پانی پیا۔ آپ نے انہیں بقیہ پانی پہلوؤں پر چھڑکنے کا حکم دیا۔ پھر وہ واپس آ گئیں۔ مدینہ طیبہ کی کوئی خاتون ان سے زیادہ خوش وخرم نہ تھی۔

اس حارثہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجاء کی تھی کہ آپ ان کے لئے شہادت کی التجاء کریں۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حارثہ سے پوچھا "حارثہ! تم نے صبح کیسے کی؟" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے حق کے ساتھ رب تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے صبح کی" آپ نے فرمایا "دیکھو! تم کیا کہہ رہے ہو۔ ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے"۔ وہ عرض کناں ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ میں رات کو بیدار رہا۔ دن کے وقت روزہ رکھا۔ اب گویا کہ میں عرش الٰہی کو عیاں دیکھ رہا ہوں۔ گویا کہ میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ ایک دوسرے کی زیارت کر رہے ہیں۔ میں اہل آتش کو دیکھ رہا ہوں وہ آگ میں جمع ہو رہے ہیں" آپ نے فرمایا "تمہیں نور بصیرت عطا کر دیا گیا ہے۔ اسے لازم پکڑے رکھو تم ایک پاکباز انسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان تمہارے دل میں بو دیا ہے" انہوں نے عرض کی "میرے لئے شہادت کی دعا کریں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے شہادت کی دعا کی۔

جب عتبہ، شیبہ اور ولید قتل ہوئے تو ابو جہل نے کہا "ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے کوئی عزیٰ نہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے کہا "اللہ تعالیٰ ہمارا مولا ہے اور تمہارا مولا کوئی نہیں ہمارے شہداء جنت میں جبکہ تمہارے مقتول آگ کے حوالے ہیں" عنقریب یہ تذکرہ آئے گا کہ ابو سفیان نے بعینہ یہی الفاظ غزوۂ احد میں بھی کہے تھے اور اسے اسی طرح جواب دیا گیا تھا۔

پرسوز دعائیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کو واسطہ دینے لگے کہ وہ وعدہ پورا کرے جو اس نے آپ کے ساتھ کیا تھا۔ حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے روز اپنے عریش میں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ اگر یہ گروہ ہلاک کر دیا گیا تو پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی" دوسری روایت کے مطابق آپ نے عرض کی "اگر اہل ایمان کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی" ایک اور روایت کے مطابق آپ نے عرض کی "اگر اہل شرک اس گروہ پر غالب آگئے تو شرک غالب آجائے گا اور تیرے لئے تیرا دین قائم نہ رہ سکے گا" کیونکہ آپ کو علم تھا کہ آپ آخری نبی ہیں اگر آپ اور آپ کے صحابہ شہید ہو گئے تو اس شریعت مطہرۃ کے مطابق عبادت کرنے والا کوئی نہ بچے گا" ایک اور روایت کے مطابق آپ نے عرض کی "مولا! مجھے چھوڑ نہ دینا۔ نہ ہی مجھے رسوا کرنا۔ میں تجھے وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے"۔

آپ لگا تار اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگتے رہے۔ آپ قبلہ رو اور ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ مبارک شانوں سے ردائے پاک گر گئی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چادر مبارک اٹھائی اور آپ کے مبارک کندھوں پر رکھ دی۔ پھر آپ کے پیچھے سے آپ کے ساتھ چمٹ گئے عرض کی "یا نبی اللہ! آپ نے رب تعالیٰ کو واسطہ دینے میں حد کر دی ہے۔ وہ عنقریب اپنا وعدہ پورا کر دے گا۔ وہ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔ اور آپ کے روئے پاک کو تابانیاں بخشے گا" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس طرح اس لئے عرض کیا تھا۔ کیونکہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اصرار پر تھکاوٹ گراں گزر رہی تھی کیونکہ وہ نرم دل تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کرتے تھے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ اس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقام رجا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف پر فائز تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ دونوں مقام فضیلت میں برابر ہیں۔

امام سہیلی لکھتے ہیں "بعض علماء کرام لکھتے ہیں کہ مقام خوف تقاضا کرتا تھا کہ ممکن ہے کہ اس روز نصرت نہ آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ نصرت کا وعدہ تو کیا تھا۔ لیکن یہ وعدہ اس واقعہ کے ساتھ مختص نہ تھا بلکہ مجمل تھا۔ اگر اس کا مؤخر ہونا فرض کر لیا جائے تو یہ اس امر کے منافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ عطا کر دیا ہو جس کا آپ سے وعدہ کیا ہو۔ البتہ پہلا مؤقف زیادہ مناسب ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے کسی کو اس قدر اصرار کرتے اور واسطہ دیتے نہیں سنا تھا جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے روز اصرار کیا اور واسطہ دیا"۔

امام نسائی اور امام حاکم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "غزوۂ بدر کے روز میں نے کچھ دیر قتال کیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال معلوم کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز تھے اور سجدہ میں "یا حی اور یا قیوم" کا ورد کر رہے تھے۔ میں واپس آیا اور برسر پیکار رہا۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو اسی حالت پر پایا۔ میں نے چار دفعہ اسی طرح کیا"۔ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ بدر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ آپ کو کثیر نظر آئے۔ مسلمانوں کی طرف دیکھا تو وہ قلیل نظر آئے۔ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار سونتے آپ کی دائیں سمت کھڑے تھے۔ جو بھی آپ پر حملہ کرنے کی جسارت کرتا وہ اس پر جھپٹ پڑتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدے میں یہ دعا مانگ رہے تھے "مولا! مجھے چھوڑ نہ جانا۔ مولا!

مجھے رسوا نہ کرنا۔ مولا! میں تجھے وہ وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے''۔

صحیح میں ہے کہ غزوۂ بدر کے روز حضور ﷺ عریش میں تھے۔ آپ کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضور ﷺ کو اونگھ آ گئی پھر تبسم ریز اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ابوبکر! آپ کو بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے پاس آ گئی ہے۔ یہ جبرائیل امین ہیں۔ ان کے پاؤں پر گرد و غبار ہے'' آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو خوش کرنے کے لئے یہ مژدۂ جانفزا سنایا۔ جب قتال کا آغاز ہوا۔ حضور ﷺ اور مسلمان دعا کرنے میں مشغول ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ (الانفال: 9)

''یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو سن لی اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں''۔

یعنی یکے بعد دیگرے لگاتار فرشتے آ رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے روز اپنے نبی کریم ﷺ کی ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ مدد کی۔ پانچ سو فرشتے حضرت جبرائیل امین اور پانچ سو فرشتے حضرت میکائیل کی قیادت میں تھے۔ اسی طرح روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین ہزار ملائکہ کے ساتھ آپ کی نصرت کی۔ ایک ہزار جبرائیل امین کے ساتھ، ایک ہزار حضرت میکائیل کے ساتھ اور ایک ہزار حضرت اسرافیل کے ساتھ تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ نصرت کا وعدہ کیا۔ پھر اس وعدہ میں دو ہزار ملائکہ کا اضافہ کر دیا گیا۔ ایک اور قول ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے تین ہزار ملائکہ سے پھر پانچ ہزار ملائکہ کے ساتھ آپ کی نصرت فرمائی۔ ارشاد ربانی ہے۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ﴿١٢٤﴾

''جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے کیا یہ تمہیں کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا رب تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں''۔ (آل عمران)

یعنی ایک ہزار حضرت جبرائیل کے ساتھ۔ ایک ہزار حضرت میکائیل کے ساتھ اور ایک ہزار حضرت اسرافیل کے ساتھ تھے۔ ارشاد ربانی ہے۔

بَلَىٰ ۚ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ (آل عمران)

''ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور (اگر) آ دھمکیں تم پر تیزی سے۔ اس وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار نشان والے فرشتوں سے''۔

ایک قول کے مطابق غزوۂ بدر کے روز ایک ہزار، اور غزوۂ احد میں تین ہزار ملائکہ کے ساتھ آپ کی نصرت کی گئی۔ پھر

پانچ ہزار کا وعدہ پورا کر دیا گیا بشرطیکہ مسلمان صبر کریں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ فرشتے انسانوں کی شکلوں میں تھے۔ ایک فرشتہ انسانی شکل میں صف کے آگے چلتا وہ کہتا "تمہیں مژدہ ہو! اللہ تعالیٰ مشرکین پر تمہاری مدد کر رہا ہے" مسلمان گمان کرتے کہ یہ انسان ان میں سے ہی کوئی ایک ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ فرشتے مسلمانوں سے کہتے "ثابت قدم رہو۔ بلاشبہ تمہارا دشمن قلیل ہے اور ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا (الانفال:44)

"اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل"۔

حتیٰ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ کھڑے شخص سے پوچھا "تمہارے خیال کے مطابق ان کی تعداد ستر ہے؟ اس نے کہا "مجھے تو ان کی تعداد ایک سو کے لگ بھگ لگتی ہے"۔

امام بیہقی نے حضرت حکیم بن حزام سے روایت کیا ہے "غزوۂ بدر کے روز آسمان سے چیونٹیوں کی طرح کی کوئی چیز گری اس نے افق کو گھیر لیا۔ وادی اس چیز سے لبریز ہو گئی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اس چیز کے ساتھ ہی آپ کی تائید کی گئی ہے۔ یہی ملائکہ تھے"۔ حسن سند کے ساتھ حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے مشرکین کی شکست سے قبل دیکھا۔ اس وقت لوگ باہم نبرد آزما تھے۔ میں نے سیاہ ٹڈیوں کی مانند کوئی چیز دیکھی جو پھیلتی گئی۔ حتیٰ کہ اس نے وادی کو بھر دیا۔ مجھے اس میں ذرہ بھر شک نہ رہا کہ وہ ملائکہ تھے۔ اور قوم قریش کو انہی کی وجہ سے شکست ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ملت بیضاء کے شرف وقدر کی وجہ سے ملائکہ نازل ہوئے۔ ورنہ حضرت جبرائیل جیسا ایک فرشتہ بھی اتنی قوت رکھتا تھا کہ وہ اپنے پر کے ایک حصہ سے کفار کو ملیامیٹ کر دے۔ جس طرح کہ انہوں نے قوم لوط کے ساتھ کیا تھا۔ قوم صالح کو ایک چیخ کے ساتھ برباد کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل قریہ کی ہلاکت کے بارے فرمایا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ (یٰسین)

"اور نہ اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی، نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھے ہوئے کوئلے بن گئے"۔

آسمان سے اتنا زیادہ لشکر اتارنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے لئے تھا۔ دیگر انبیاء کرام میں سے کسی نبی کو بھی اس شرف کے ساتھ مختص نہیں کیا گیا۔ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے اہل ایمان کے بعض افعال میں شرکت کی تھی۔ تاکہ وہ فعل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی طرف ہی منسوب ہو۔ اور دشمن یہ جان کر ڈر جائے کہ ملائکہ بھی ان کے ساتھ قتال کر رہے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (الانفال:12)

"سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر"۔

روایت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان ملائکہ کے مابین حائل نہ ہوتا جو غزوۂ بدر کے روز اترے تھے تو اہل زمین ان کی گرج اور آواز کی شدت سے مرجاتے۔ مرسل روایت میں ہے "ابلیس کو اتنا رسوا اور ذلیل کبھی نہیں دیکھا گیا جتنا وہ عرفہ کے روز رسوا ہوتا ہے مگر غزوۂ بدر کے روز بھی اسے اسی طرح ذلیل و رسواء دیکھا گیا۔ روایت ہے کہ ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا۔ شیطانوں کا ایک گروہ اس کے ساتھ تھا یعنی مشرک جنات بنو مدلج کے افراد کی اشکال میں اس کے ہمراہ تھے۔ ابلیس مشرکین سے کہہ رہا تھا۔

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ (الانفال:48)

"اور (انہیں) کہتا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں تمہارا"۔

پہلے گزر چکا ہے کہ ابلیس نے ان مشرکین سے اس وقت بھی یہی کہا تھا جب عازم سفر ہوتے وقت انہیں بنو کنانہ کی طرف سے خطرہ دامن گیر ہوا تھا۔ اس وقت یہ تنہا تھا۔ ممکن ہے اس کے دیگر ساتھی بعد میں اس کے ساتھ مل گئے ہوں۔ جب ابلیس لعین نے حضرت جبرائیل امین اور دیگر ملائکہ کو دیکھا۔ اس وقت اس کا ہاتھ حارث بن ہشام مخزومی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا اور الٹے پاؤں بھاگ گیا۔ اس کا لشکر اس کے پیچھے پیچھے تھا حارث نے کہا "سراقہ! تیرا تو گمان تھا کہ تو ہمیں پناہ دیئے ہوئے تھا۔ اس نے کہا

إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (الانفال)

"میں بری الذمہ ہوں تم سے میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے"۔

حارث اس کے ساتھ چمٹ گیا۔ اس نے کہا "بخدا! مجھے تو یثرب کی چمگادڑوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آرہا"۔ ابلیس نے اس کے سینے پر مارا، جس کی وجہ سے حارث نیچے گر پڑا اور ابلیس اس کے سامنے بھاگ گیا۔ حارث کہتے ہیں "مجھے اسلام لانے کے بعد علم ہوا کہ وہ ابلیس تھا"۔

امام سہیلی رقمطراز ہیں "جب قریش کے بقیہ افراد بھاگ کر مکہ مکرمہ میں چلے گئے تو انہوں نے سراقہ کو مکہ مکرمہ میں پایا۔ انہوں نے اسے کہا "سراقہ! تو نے صفیں چیریں اور ہمیں شکست ہوگئی"۔ سراقہ نے کہا "بخدا! مجھے تمہارے کسی معاملہ کا علم نہیں۔ نہ ہی میں وہاں موجود تھا"۔ اہل مکہ نے اس کی تصدیق نہ کی۔ حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئے اور شیطان لعین کے متعلق نازل ہونے والا کلام الٰہی سن لیا۔ اس وقت انہیں علم ہوگیا کہ وہ ابلیس لعین تھا۔ روایت ہے کہ جب اس نے حارث کے سینے پر ضرب لگائی تو یہ آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ سمندر میں جا گرا اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ اور کہا "مولا! تیرا وہ وعدہ جو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مولا! میں تجھ سے اس مہلت کا سوال کرتا ہوں۔ یعنی تو نے کہا تھا

إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ (الاعراف)

"بے شک تو مہلت دیئے ہوئے میں سے ہے"۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے۔

سرنا و ساروا الی بدر لحینهم لو یعلمون یقین العلم ما ساروا

و لا هم بغرور ثم اسلمهم ان الخبیث لمن والاه غدار

ہم بھی اور قریش مکہ بھی میدان بدر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اگر انہیں اپنے انجام کا یقینی علم ہوتا تو وہ سفر پر روانہ نہ ہوتے۔ ابلیس نے دھوکہ سے قریش کی راہ نمائی کی۔ پھر انہیں سپرد کر دیا یہ خبیث ہر اس شخص سے دھوکہ کرتا ہے جس سے پیار کرتا ہے۔

جب ابلیس الٹے پاؤں پلٹ گیا تو ابوجہل نے کہا "اے گروہ قریش! سراقہ کی بزدلی تمہیں پست ہمت نہ کر دے۔ اس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کر رکھا تھا۔ عتبہ، شیبہ اور ولید کا قتل تمہیں بے حوصلہ نہ کر دے۔ انہوں نے جلدی کی تھی۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ نہ لیں۔ انہیں قتل نہ کرو۔ بلکہ انہیں ہاتھوں سے پکڑ لو"۔

ایک روایت کے مطابق مسلمانوں کے ہمراہ ستر مسلمان جنات تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے قتال کیا تھا۔ بلکہ صرف مدد کرنے پر مامور تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا محمد! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں حتیٰ کہ آپ راضی ہو جائیں"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے باہر تشریف لائے۔ مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا۔ آپ نے فرمایا "مجھے اس ذات والا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ آج جو مسلمان بھی صبر کرتے ہوئے اجر و ثواب کے حصول کی امید کرتے ہوئے حملہ کرتے ہوئے نہ کہ پیٹھ پھیرتے ہوئے جہاد کرے گا اور شہید ہو جائے گا رب تعالیٰ اسے جنت عطا فرمائے گا۔ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ اس وقت کھجوریں کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا "بخ! بخ! میرے اور میرے جنت میں داخلہ کے درمیان صرف اتنا امر ہے کہ یہ مجھے قتل کر دیں" پھر کھجوریں اپنے ہاتھ سے پھینک دیں۔ اپنی تلوار لی۔ اور قوم مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے لگے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

"اور دوڑو بخشش کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لئے"۔ (آل عمران)

یہ سن کر حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "بخ! بخ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے تعجب کا اظہار کیوں کیا"۔ انہوں نے کہا "یہ امید کرتے ہوئے کہ میں بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤں"۔ انہوں نے کھجوریں لیں اور انہیں جلدی جلدی چبانے لگے۔ انہوں نے کہا "بخدا! اگر میں اتنی دیر میں بھی زندہ رہا حتیٰ کہ میں یہ کھجوریں کھا لوں تو یہ ایک طویل زندگی

ہو گی۔ انہوں نے وہ کھجوریں پھینک دیں اور یہ کہتے ہوئے میدان کارزار میں کود پڑے۔

رکضا الی اللہ بغیر زاد　الا التقی و عمل المعاد

والصبر فی اللہ علی الجہاد　و کل زاد عرضۃ النفاد

غیر التقی و البر والرشاد

اے میرے نفس! اللہ تعالیٰ کی طرف بغیر کسی زادراہ کے تیزی سے بڑھو۔ صرف تقویٰ، آخرت کے لئے نیک عمل اور جہاد میں صبر بہترین زادراہ ہے۔ ہر قسم کا زادراہ ختم ہونے والا ہے۔ بجز تقویٰ، نیکی اور راست روی کے۔

پھر لگاتار برسرِ پیکار رہے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر گئے۔

مشت خاک

پھر حضور ﷺ نے مٹھی بھر سنگریزے لئے۔ دوسری روایت کے مطابق مٹھی بھر مٹی لی۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''مجھے مٹی پکڑاؤ'' پھر قریش کی طرف رخ انور کیا اور فرمایا ''چہرے برباد ہو جائیں۔ مولا! ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور ان کے قدم اکھیڑ دے'' پھر وہ مشت خاک مشرکین کی طرف پھینک دی۔ ہر مشرک کی آنکھیں اس مٹی سے بھر گئیں۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے منہ اور ناک بھی خاک سے بھر گئے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کدھر جائیں۔ انہیں شکست ہو گئی۔ مسلمان ان کا تعاقب کرنے لگے۔ کسی کو تہ تیغ کر رہے تھے اور کسی کو قیدی بنا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال:17)

''اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی''۔

اسی طرح کا معجزہ غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں بھی رونما ہوا۔ اس طرح متفرق روایات جمع کرنا ممکن ہو گیا۔ اس روز حضور ﷺ اور اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس قتال کیا۔ پہلے یہ عریش میں مصروف دعا تھے۔ پھر مصروف جہاد ہو گئے۔ جب آپ عریش سے باہر تشریف لائے تو فرمایا

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ (القمر)

''عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے''۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ جب مشرکین کو شکست ہو گئی تو حضور ﷺ شمشیر براں لے کر ان کے تعاقب میں نکلے۔ آپ مذکورہ بالا آیت طیبہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جب لشکر کفار کو غزوۂ بدر میں عبرتناک شکست ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو میں نے سوچا ''اس سے مراد کون سا لشکر ہے؟ جب میدان بدر میں قریش کو شکست ہوئی۔ میں نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا۔ آپ تلوار سونت کر مشرکین کے تعاقب میں تھے۔ آپ یہ آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔ یہ آیت طیبہ غزوۂ بدر کے بارے تھی'' (الطبرانی فی الاوسط)

امام بوصیری نے اس مشت خاک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ورمی بالحصی فاقصد جیشا مالعصا عندہ وما الالقاء

آپ نے وہ سنگریزے پھینکے اور اسے لشکر تک پہنچادیا۔ نہ تو عصا آپ کے پاس تھا نہ ہی پھینکنا آپ کی طرف سے تھا۔

آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''جس نے جس کافر کو واصل کیا اس کا سامان اسی کو ملے گا۔ جس نے کسی کو قیدی بنالیا تو وہ اسے ہی ملے گا'' جب صحابہ کرام مشرکین کو قید کرنے لگے تو حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے۔ آپ نے فرمایا ''سعد! شاید تمہیں مسلمانوں کا یہ طریقہ پسند نہیں آیا؟'' انہوں نے عرض کی ''ہاں! یارسول اللہ! یہ پہلا واقعہ ہے جس میں رب تعالیٰ نے اہل شرک کو مبتلا کیا ہے۔ انہیں کثرت اور شدت سے قتل کرنا مجھے ان کے زندہ رکھنے سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔

حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی آزمائش

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''میں بنو ہاشم کے افراد کو جانتا ہوں۔ انہیں اس سفر پر مجبور کیا گیا ہے۔ انہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ تم میں سے جو بنو ہاشم میں سے کسی فرد کو پالے تو اسے قتل نہ کرے بلکہ قیدی بنالے۔ آپ نے فرمایا ''جو ابوالبختری بن ہشام کو ملے تو اسے قتل نہ کرے۔ جو عباس بن عبدالمطلب سے ملے تو انہیں بھی قتل نہ کرے'' حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا ہم اپنے آباء، بیٹوں، بھائیوں اور قبیلہ کو تہ تیغ کریں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ اگر میں نے انہیں پالیا تو انہیں ضرور تہ تیغ کروں گا'' انہوں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کیونکہ ان کا باپ عتبہ، چچا شیبہ اور بھائی ولید پہلے دعوت مبازرت میں موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ ان کا قبیلہ بنو عبد شمس تھا ان میں سے بھی ایک جماعت تہ تیغ ہو چکی تھی۔ حضرت ابوحذیفہ کی یہ بات حضور اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ابو حفص! کیا حضور اکرم ﷺ کے چچا کے چہرہ پر تلوار کا وار کیا جائے گا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! یہ پہلا دن تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے ابوحفص کی کنیت سے یاد فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ مجھے اجازت دیں میں ابوحذیفہ کا سرتن سے جدا کردوں۔ بخدا! وہ منافق ہوگیا ہے'' حضور ﷺ نے انکار فرمایا۔ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ''بخدا! اس روز میری زبان سے جو کلمہ نکل گیا مجھے اس کی وجہ سے اپنے انجام کے بارے میں خطرہ رہا۔ مجھے ہمہ وقت اس کے متعلق اندیشہ رہتا شاید میری شہادت اس کا کفارہ بن جائے'' یہ یمامہ کے روز مسیلمہ کذاب کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس معرکۂ حق و باطل میں 450 صحابہ کرام یا 600 صحابہ کرام نے شہادت کا تاج زریں پہنا۔

حضرت مجذر ابوالبختری سے ملے۔ اس سے کہا ''حضور ﷺ نے ہمیں تیرے قتل سے منع فرمایا ہے'' اس نے پوچھا ''میرے اس دوست کے بارے کیا حکم ہے؟'' اس کے ہمراہ اس کا رفیق راہ تھا۔ جو مکہ مکرمہ سے اس کے ساتھ ہی عازم سفر ہوا تھا۔ اسے جنادہ بن ملیحہ کہا جاتا تھا۔ حضرت مجذر نے کہا ''بخدا! ہم تیرے ساتھی کو نہیں چھوڑیں گے۔ حضور ﷺ نے ہمیں

صرف تیرے بارے حکم دیا ہے" ابوالبختری نے کہا "ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اور یہ اکٹھے ہی مریں گے۔ مکہ معظمہ کی خواتین باتیں نہ بناتی رہیں کہ میں نے زندگی کا لالچ کرتے ہوئے اپنے دوست کو چھوڑ دیا تھا"۔ ابوالبختری نے حضرت مجذر کے ساتھ لڑائی شروع کر دی۔ انہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ! مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی کہ ابوالبختری کو قیدی بنالوں اور اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ وہ صرف قتال کرنے پر مصر تھا۔ میں نے اسے قتل کر دیا"۔

غزوۂ بدر میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے دشمنوں کی طرف سے شرکت کی تھی۔ اسلام قبول کرنے سے قبل ان کا نام عبدالکعبہ یا عبدالعزیٰ تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ یہ قریش میں سے بہادر ترین شخص تھے سب سے بہترین تیر انداز تھے۔ یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے سب سے بڑے تھے یہ مزاح بھی کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنے والد گرامی سے کہا "غزوۂ بدر میں آپ کئی بار میرے نشانے کی زد میں آئے۔ مگر میں نے آپ سے اعراض ہی کیا"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر تم ایک بار ہی میرے نشانہ پر آجاتے تو میں ہرگز اعراض نہ کرتا" یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے روز دعوت مبارزت دی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کی دعوت مبارزت کے جواب میں آنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! ہمیں اپنے آپ سے لطف اندوز ہونے دو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ تم میرے کانوں اور آنکھوں کی جگہ ہو" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (الانفال:24)

"اے ایمان والو لبیک کہو اللہ اور (اس کے) رسول کی پکار پر جب وہ رسول بلائے تمہیں اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اسی عبدالرحمٰن نے غزوۂ احد میں دعوت مبارزت دی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کے جواب کے لئے اٹھے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیٹھ جاؤ۔ ہمیں اپنے آپ سے لطف اندوز ہونے دو۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ تم میری سماعت اور بصارت کی جگہ ہو" اس وقت مذکور بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔ ممکن ہے یہ آیت طیبہ کئی بار نازل ہوئی ہو۔ بعض سیرت نگاروں نے دوسری بار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اٹھنا بعید از قیاس قرار دیا ہے کیونکہ غزوۂ بدر میں یہ آیت طیبہ نازل ہو چکی تھی۔ شاید غزوۂ احد کے ذکر میں بعض راویوں کو اشتباہ لازم آیا ہو۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نازیبا کلمات سے یاد کرتے تھے۔ ایک دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہ کلمات سن لئے۔ انہوں نے ابوقحافہ کو ایک تھپڑ مارا۔ جس سے وہ نیچے گر پڑے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "دوبارہ اس طرح نہ کرنا" انہوں نے عرض کی

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں انہیں قتل کر دیتا''۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما صلح حدیبیہ کے دورانیہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ مدنیہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ 53ھ میں وصال کیا۔ مکہ مکرمہ سے چھ میل دوران کا وصال ہوا۔ لوگوں نے انہیں اٹھا کر مکہ مکرمہ پہنچایا۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ آئیں۔ ان کی قبر پر تشریف لے گئیں اور ان کے لئے دعائے خیر کی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے شروع میں وصال فرمایا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور خلیفہ کے بارے علم نہیں کہ وہ اپنے باپ کی زندگی میں مسند خلافت پر بیٹھا ہو۔ غزوۂ بدر میں ہی حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا۔ یہ مشرک تھا اور قتل کے ارادہ سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سمت بڑھا تھا۔ حضرت ابوعبیدہ بھاگ گئے تاکہ ان کا باپ واپس چلا جائے لیکن وہ واپس نہ گیا۔ حضرت ابوعبیدہ نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلۃ: 22)

''تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں''۔

امیہ بن خلف کا قتل

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں امیہ بن خلف سے ملا۔ وہ زمانہ جاہلیت میں میرا دوست تھا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا علی بھی تھا۔ یہ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ میرے پاس زرہیں تھیں۔ جنہیں میں نے مشرک قوم سے چھینا تھا۔ میں انہیں اٹھائے ہوئے تھا۔ جب امیہ نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے میرے پہلے نام ''عبد عمرو'' سے پکارا۔ میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے مجھے عبدالالہ کے نام سے پکارا تو میں نے اسے جواب دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام عبدالرحمن رکھا تو اس امیہ نے مجھے کہا ''کیا تم نے وہ نام چھوڑ دیا ہے جو تمہارے والد نے رکھا تھا'' میں نے کہا ''ہاں'' اس نے کہا ''میں رحمان کو تو نہیں جانتا۔ لیکن میں تمہیں ''عبدالالہ'' سے بلایا کروں گا'' اس نے مجھے اسی نام سے پکار کر کہا ''کیا تمہیں مجھے گرفتار کرنے میں رغبت نہیں۔ میں تمہارے لئے ان زرہوں سے بہتر ہوں جو تمہارے پاس ہیں'' میں نے کہا ''ہاں!'' میں نے وہ زرہیں پھینک دیں اور امیہ اور علی کا ہاتھ پکڑ لیا اس نے کہا ''میں نے آج جتنا عبرت ناک دن نہیں دیکھا'' پھر مجھے کہا ''عبدالالہ! وہ ذات کون ہے جس نے اپنے سینے پر شتر مرغ کا پر سجا رکھا ہے''۔ میں نے کہا ''وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں'' اس نے کہا ''انہوں نے ہی آج ہماری درگت بنائی ہے'' میں ان دونوں کو لے کر جا

رہا تھا کہ اچانک حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہمیں دیکھ لیا۔ یہی امیہ انہیں مکہ مکرمہ میں اذیتیں دیتا تھا تاکہ یہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا "انصار! یہ کفر کا سرغنہ امیہ ہے۔ اگر یہ نجات پا گیا تو میں نہیں بچ سکوں گا"۔ میں نے کہا "بلال! میرے قیدیوں سے اس طرح کر رہے ہو" مگر انہوں نے بار بار کہا "اگر امیہ بچ گیا تو میں نہیں بچ سکوں گا" انہوں نے باآواز بلند کہا "اے اللہ تعالیٰ کے انصار! یہ کفر کا سرغنہ امیہ ہے۔ اگر وہ بچ گیا تو میں نہیں بچ سکوں گا"۔ صحابہ کرام نے ہمارا گھیراؤ کر لیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے نیام سے تلوار نکالی اور علی بن امیہ کی ٹانگ پر ماردی"۔ یہ ضرب کاری علی کے لگی تو وہ زمین پر گر پڑا۔ امیہ نے اتنی بلند چیخ ماری کہ میں نے آج تک اس جیسی چیخ نہیں سنی تھی"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انصار کو باآواز بلند پکارا تو مجھے خدشہ دامن گیر ہوا کہ انصار ہمیں آملیں گے۔ میں نے امیہ کا بیٹا آگے کر دیا تاکہ انصار اس کے ساتھ مشغول ہو جائیں۔ انہوں نے اسے تہ تیغ کر دیا اور ہمیں آملے امیہ بھاری بھر کم انسان تھا۔ میں نے اسے کہا "نیچے بیٹھ جا" وہ نیچے بیٹھ گیا میں نے اپنا آپ اس پر گرا دیا۔ تاکہ اس کا دفاع کر سکوں۔ انہوں نے تلواروں سے اسے میرے نیچے سے نکال لیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان میں سے کسی کی تلوار میرے پاؤں پر بھی لگی۔ حضرات معاذ بن عفراء، خارجہ بن زید، حبیب بن اساف رضی اللہ عنہم نے حضرت بلال کے ساتھ مل کر امیہ کو واصل جہنم کیا"

ابن اسحاق لکھتے ہیں "امیہ کے بیٹے علی کو حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حبیب بن اساف نے جہنم کی وادی میں دھکیلا"۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت بلال پر رحم کرے۔ میری زرہیں بھی چلی گئیں اور میرے قیدیوں کی وجہ سے بھی مجھے اذیت ملی۔ مجھے نہ زرہیں نہ ہی قیدی مل سکے" جب امیہ واصل جہنم ہو گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مبارک دی"۔ مبارکباد کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

هنيا زادك الرحمان خيراً فقد ادركت ثارك يا بلال

اے بلال! آپ کو مبارک باد! اللہ تعالیٰ آپ کی بھلائی میں اضافہ کرے۔ آپ نے اپنا بدلہ لے لیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نوفل بن خویلد کو کون جانتا ہے؟" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں نے اسے قتل کر دیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی اور فرمایا "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جن نے میری دعا قبول کی" جب فریقین کی صفیں درست کی جارہی تھیں تو اسی نوفل نے باآواز بلند کہا تھا "قریش! آج رفعت و بلندی کا دن ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی "مولا! میری طرف سے نوفل بن خویلد کو کافی ہو جا"۔

ابوجہل کا قتل

امام مسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں غزوہ بدر میں مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ میرے دونوں طرف انصار کے نوخیز جوان تھے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا" چچا! کیا آپ ابوجہل کو جانتے ہیں؟" میں نے کہا" ہاں!" تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا" مجھے علم ہوا

ہے کہ وہ میرے آقا و مولا ﷺ کو نازیبا کلمات سے یاد کرتا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میرا جسم اس کے جسم سے جدا نہ ہوگا حتیٰ کہ ہم میں سے پہلے مرنے والا مر جائے''۔ دوسرے نوجوان نے بھی مجھے اسی طرح سرگوشی کی۔ مجھے ان کی اس بات پر تعجب ہوا جلد ہی مجھے ابو جہل نظر آ گیا۔ وہ لوگوں میں گھوم رہا تھا۔ میں نے ان نوخیز جوانوں سے کہا ''یہ ہے وہ شخص جس کے متعلق تم پوچھ رہے تھے''۔ وہ تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے حتیٰ کہ اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا (موت کے قریب کر دیا)۔ عنقریب آئے گا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کیا تھا۔ پھر یہ نوجوان حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ابو جہل کے قتل کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا ''تم میں سے کس نے اسے تہ تیغ کیا ہے؟ دونوں نے کہا ''میں نے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟'' وہ عرض پیرا ہوئے ''نہیں'' حضور ﷺ نے ان دونوں کی تلواریں دیکھیں اور فرمایا ''تم دونوں نے اسے واصل جہنم کیا ہے'' اس کا سامان سوائے تلوار کے انہیں عطا کر دیا۔ تلوار حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی۔

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب فریقین برسرپیکار ہو گئے تو ابو جہل یہ رجز پڑھتے ہوئے آیا۔

ما تنقم الحرب العوان منی بازل عامین حدیث سنی

لمثل هذا ولدتنی امی

یہ شدید جنگ مجھ سے کیا انتقام لے سکتی ہے۔ میں نوجوان اور توانا اونٹ ہوں۔ جو پورے عالم شباب پر ہے۔ میری ماں نے مجھے ایسی ہی جنگوں کے لئے جنم دیا ہے۔

اللہ رب العزت نے ابو جہل کو ذلت و رسوائی کا مزہ چکھایا اور اسے بری طرح قتل کیا۔ اس امر کو اس کے لئے حسرت بنا دیا۔ حدیث مبارک میں ہے ''اللہ تعالیٰ نے ابو جہل کو قتل کر دیا ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا''۔ جب جنگ ختم ہوئی مشرکین کو عبرتناک شکست ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ابو جہل کو مقتولوں میں تلاش کیا جائے'' آپ نے فرمایا ''اگر تمہیں ابو جہل کو تلاش کرنے میں کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے تو اس کے جسم سے کپڑا ہٹانا اور اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان دیکھ لینا۔ ایک روز میں اور ابو جہل عبداللہ بن جدعان کے دستر خوان پر اکٹھے ہو گئے۔ وہاں بہت زیادہ بھیڑ تھی۔ ہم دونوں اس وقت بچے تھے۔ میں عمر میں اس سے زیادہ تھا میں نے اسے دھکا دیا۔ وہ گھٹنے کے بل گر پڑا۔ اس کا ایک گھٹنا زخمی ہو گیا۔ اس کا نشان ابھی تک باقی ہے''۔ بعض سیرت نگاروں کے اس قول سے یہی مراد ہے ''حضور ﷺ نے ابو جہل کے ساتھ زور آزمائی کی تو اسے پچھاڑ دیا''۔ صحابہ کرام مقتولوں میں ابو جہل کو تلاش کرنے لگے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے ابو جہل کو دیکھا اس میں آخری رمق باقی تھی۔ میں اسے پہچان گیا۔ میں نے اپنی ٹانگ اس کی گردن پر رکھ دی۔ پھر اسے کہا ''اے اللہ تعالیٰ کے دشمن! رب تعالیٰ نے تجھے رسوا کیا ہے'' ابو جہل نے کہا ''اس نے کس طرح مجھے رسوا کیا ہے؟ کیا اس شخص کے لئے عار ہے جسے تم نے قتل کر دیا ہو'' دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''تم نے قوم کے سردار کو قتل کر دیا ہے تو اس میں میرے لئے کیا عار ہے'' پھر اس نے کہا ''کاش! ان کسانوں

(انصار) کے علاوہ کوئی اور قوم مجھے قتل کرتی"۔ پھر اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا" آج نصرت اور کامیابی کس کے حصہ میں آئی؟" انہوں نے کہا" اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے"۔ پھر اس نے پوچھا" وہ طویل اجسام والے کون تھے جو ہمیں قتل کر رہے تھے یا قیدی بنا رہے تھے"۔ انہوں نے فرمایا" وہ فرشتے تھے" ابوجہل نے کہا" ہم پر وہی غالب آئے ہیں۔ تم نہیں"۔ یہ اس کے کفر اور سرکشی کی انتہاء ہے۔ کہ اس کے لئے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی۔ پھر بھی وہ رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لایا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی گردن پر چڑھ گئے۔ اس کے سینے پر چڑھے تاکہ اس کا سر کاٹ لیں۔ اس نے کہا" ارے بکریاں چرانے والے! تم مشکل گھاٹی پر چڑھے ہو"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں نے اس کا سر کاٹنے کے لئے تلوار چلائی مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوئی۔ اس نے میرے چہرے کی طرف تھوکا اور کہا" یہ میری تلوار لو اور میری گردن جڑ سے کاٹ ڈالو" اس نے یہ اس لئے کہا تاکہ مرنے کے بعد اس کی گردن طویل نظر آئے"۔ پھر اس نے کہا" محمد عربی (فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہنا میں ساری زندگی ان سے عداوت کرتا رہا۔ آج ان کی دشمنی شدید ترین ہے"۔ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کا سر کاٹا اور حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور ابوجہل کی یہ بات عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جس طرح دربار خداوندی میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ اسی طرح میری امت دیگر امم سے زیادہ معزز ہے۔ اسی طرح اس امت کا فرعون بھی دیگر امتوں کے فرعونوں سے شدید اور غلیظ ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا فرعون جب غرق ہونے لگا تو اس نے کہا" میں ایمان لایا کہ اس ہستی کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے"۔ مگر اس امت کے فرعون کی موت کے وقت اس کی عداوت اور کفر میں اضافہ ہی ہوا"۔

دوسری روایت میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں نے ابوجہل کا سر بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ میں نے عرض کی" یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ابوجہل کا سر ہے" آپ نے تین بار اس طرح کہا" اللہ الذی لا الہ غیرہ" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔" یعنی اس رب تعالیٰ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں"۔ میں نے عرض کی" ہاں! اس رب تعالیٰ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں"۔ پھر میں نے ابوجہل کا سر آپ کے سامنے پھینک دیا۔ آپ نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے پانچ بار سجدہ کیا۔ یا دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر رب تعالیٰ کی اس طرح حمد و ثناء بیان کی" ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اسلام کو عزت بخشی۔ اہل اسلام کو عزت دی اللہ اکبر! ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندۂ (خاص) کی نصرت کی اور تنہا گروہوں کو شکست سے دوچار کیا"۔

ابوجہل نے حضرت ابن مسعود کی طرف تھوکا اور کہا" میری تلوار لے لو" کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ جب انصار نے اسے تہ تیغ کیا تو مذبوح جانور کی طرح اس میں حرکت باقی رہ گئی تھی۔ انصار اسے چھوڑ گئے۔ پھر اس کی روح واپس آ گئی حتیٰ کہ اس نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مذکورہ بالا گفتگو کی۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا"۔

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ابوجہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا" میں تمہیں قتل کر دوں گا"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا" بخدا! میں نے نیند میں دیکھا ہے کہ میں نے سخت کڑوا اندرائن پکڑا ہے اور اسے تیرے دونوں کندھوں

کے مابین رکھ دیا۔ میں نے خود کو دیکھا کہ میں تیرے کندھوں پر ضربیں لگا رہا ہوں۔ اگر میرا یہ خواب سچا ہے تو پھر میں تیری گردن روندھ ڈالوں گا۔ میں تجھے اس طرح ذبح کر دوں گا جس طرح بکری ذبح کی جاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ابوجہل کو قتل کرنے میں ان کے خواب کی بھی تصدیق ہے۔ روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کو اس حالت میں پایا کہ وہ عرق آہن تھا وہ اوندھا پڑا تھا۔ وہ حرکت نہیں کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اس کی گدی سے زرہ اٹھائی اور وہاں تلوار کی ضرب کاری لگائی"۔

امام الطبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں ابوجہل تک پہنچا وہ بچھاڑا ہوا پڑا تھا۔ اس نے خود پہن رکھا تھا اس کے پاس عمدہ تلوار تھی۔ میری تلوار اتنی اچھی نہ تھی۔ میں اس کے بال نوچنے لگا۔ مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب مکہ مکرمہ میں وہ میرے بال نوچتا تھا۔ میں نے اس کی تلوار لی۔ اس نے اپنا سر اٹھایا اس نے پوچھا "شکست کسے ہوئی ہے"۔

میں نے اس سے تلوار چھین لی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو اسے کوئی زخم نہیں لگا تھا۔ اس کی گردن، ہاتھوں اور کندھوں پر جل جانے کے نشانات تھے۔ اس پر مجھے کوئی زخم نظر نہ آیا۔" یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں ہے کہ ابن جموح نے اس کی ٹانگ کاٹی تھی اور ابن عفراء نے اس پر ضرب کاری لگائی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور آپ کو ان نشانات کے بارے بتایا۔ آپ نے فرمایا "وہ ملائکہ کی ضربوں کے نشانات تھے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم اپنے سامنے کسی مشرک کو پڑا ہوا دیکھتے۔ ہم اسے دیکھتے تو اس کا ناک اکھڑا ہوتا۔ اس کے چہرہ پھٹا ہوتا جس طرح کہ کسی کو کوڑوں سے مارا جاتا ہے۔ وہ جگہ سبز ہو چکی ہوتی۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے غزوۂ بدر میں دیکھا کہ اگر ہم میں سے کوئی اپنی تلوار سے کسی مشرک کی طرف اشارہ کرتا تو اس کے وہاں پہنچنے سے قبل ہی اس کا سر تن سے جدا ہو کر گر پڑتا"۔ روایت ہے کہ ملائکہ کو علم نہ تھا کہ انسانوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے اس فرمان کے ساتھ سکھایا۔

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ (الانفال)

"سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر"۔

صحابہ کرام کالے نشان سے پہچان لیتے تھے کہ ان کے مقتول کون سے تھے اور ملائکہ نے کن کو قتل کیا تھا۔ کیونکہ ملائکہ کے مقتولین پر سیاہ نشانات تھے۔ بعض روایات میں سبز نشانات بتایا گیا ہے۔ ان روایات میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ زیادہ سبز ہونے کی وجہ سے بعض اوقات انہیں سیاہ کہہ دیا گیا ہے۔ یہ نشانات مشرکین کے اس وقت پڑتے تھے جب ملائکہ ان کے سر ہاتھ جدا کر دیتے تھے۔ روایت ہے کہ ملائکہ کی بعض ضربیں کفار کے کندھوں، چہروں اور ناکوں پر تھیں۔ اکثر ضربیں گردنوں اور پوروں پر تھیں۔ بعض مفسرین نے اعناق کی تفسیر سروں سے کی ہے۔ گردنوں پر ضرب بعض اوقات انہیں جدا کر دیتی اور بعض اوقات جدا نہ کرتی۔ دونوں حالتوں میں سیاہ نشان ضرور ہوتا۔ تاکہ پہچان ہو سکے کہ یہ ملائکہ کی ضرب سے مرا ہے۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین بدر پر کھڑے ہوئے۔ ابو جہل کو تلاش کیا۔ آپ نے اسے نہ پایا۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! مجھے اس امت کے فرعون سے عاجز نہ کرنا" مختلف صحابہ کرام اس کی لاش کی تلاش میں گئے۔ حتیٰ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے پالیا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارے لئے ابو جہل کو کون تلاش کرے گا؟" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی تلاش میں نکلے۔ انہوں نے اسے اس حالت میں پایا کہ حضرت ابن عفراء رضی اللہ عنہ کی ضرب نے اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے ابو جہل کی داڑھی پکڑی اور کہا "تو ابو جہل ہے" جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل کے قتل کی بشارت دی تو عقیل نے ان سے کہا (عقیل بن ابی طالب نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدی تھے) "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے اسے کب قتل کیا ہے؟" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "اے اللہ کے دشمن! تو کذاب اور گناہ گار ہے۔ بخدا! میں نے ابو جہل کو قتل کر دیا ہے" عقیل نے پوچھا "اس کی علامت کیا ہے؟" میں نے کہا "اس کی ران پر اس طرح دائرہ ہے جس طرح اونٹ کے بال کاٹنے سے دائرہ بن جاتا ہے" عقیل نے کہا "ہاں! بخدا! وہ زخم کا نشان ہے"۔ یہ نشان اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل کے قتل کے بارے بتانا اور اس کا سر لے کر حاضر خدمت ہونے میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے انہوں نے آپ کو اس کے قتل کے متعلق بتایا ہو پھر اس لعین کا سر لے کر حاضر خدمت ہو گئے ہوں۔ عقیل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جھٹلایا۔ شاید یہ تکذیب ابو جہل کے قتل کی اصل میں ہو۔ اس کا اعتقاد ہو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ زندہ ہے۔ یا تکذیب اس بارے ہو کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے قاتل نہیں۔ اور اسے ان کے علاوہ دیگر انصار نے تہ تیغ کیا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا سر اپنے سامنے پھینکا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلنے لگے۔ حتیٰ کہ ابو جہل کی لاش کے پاس کھڑے ہو گئے۔ پھر اس طرح رب تعالیٰ کی تعریف کی "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے تجھے (اے اللہ کے دشمن) رسوا کیا ہے۔ یہ اس امت کا فرعون اور کفر کا سرغنہ تھا" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابو جہل کی تلوار عطا فرمائی۔ وہ تلوار چھوٹی اور عریض تھی اس پر چاندی کی گرہیں تھیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر امت کا فرعون ہوتا تھا۔ اس امت کا فرعون ابو جہل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کر دیا"

ایک اور روایت میں ہے کہ اسے ابن عفراء (ابن جموح) نے تہ تیغ کیا اسے ملائکہ نے قتل کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔ حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے ابو جہل کو دیکھا۔ اس کے ارد گرد لوگ تھے۔ وہ کہہ رہے تھے "ابو الحکم! اس کی طرف نہ جاؤ" میں نے ان کی آواز سنی۔ اس سمت بڑھا۔ اور ابو جہل پر حملہ بول دیا۔ اس پر ضرب لگائی اور اس کی نصف پنڈلی کاٹ کر رکھ دی۔ بخدا! مجھے یوں لگا جس طرح گٹھلی توڑنے والے پتھر کے نیچے گٹھلی ٹوٹتی ہے۔ عکرمہ نے میرے بازو پر وار کیا اور میرا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ وہ جلد کے ساتھ میرے جسم کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ وہ

میرے جہاد میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ جب اس نے مجھے اذیت دی تو میں نے اس پر اپنا پاؤں رکھا اور زور لگا کر اپنے بازو سے جدا کر دیا۔ میں وہ ہاتھ لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس پر لعاب دہن لگایا اور میرے بازو کے ساتھ جوڑ دیا وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔" حضرت ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک بحیات رہے۔ وہ صحیح وسالم تھے۔ ان کی ضرب کے بعد حضرت معوذ آئے۔ اور ابوجہل کے کاری ضرب لگائی اسے نیچے پچھاڑ دیا۔ اس طرح کہ اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا اس طرح ساری روایات کو جمع کرنا ممکن ہو گیا۔ جن میں سے بعض میں ہے کہ ابوجہل کو حضرت ابن جموح نے، بعض میں ہے کہ اس لعین کو ابن عفراء اور بعض میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا تھا۔ یہ حضرت معوذ لگاتار داد شجاعت دیتے رہے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر گئے۔

بعض روایات میں ہے کہ ابن جموح، معاذ اور معوذ نے ابوجہل کو قتل کیا۔ شاید حضرت معاذ نے حضرت معوذ کی اعانت کی اور اس کام میں ان کے ساتھ شمولیت کی۔ حدیث مبارک میں ہے "اللہ تعالیٰ عفراء کے دونوں بیٹوں پر رحم کرے۔ وہ اس امت کے فرعون کو قتل کرنے میں شریک تھے" آپ سے عرض کی گئی "یا رسول اللہ! ان کے ساتھ اور کس نے اسے جہنم واصل کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ملائکہ نے" عفراء ان کی والدہ کا نام تھا۔ جبکہ باپ کا نام حارث تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاذ بن عمرو ابن جموح ان کی والدہ کی طرف سے بھائی تھا۔ یہ دونوں حارث سے تھے۔ عمرو بن جموح نے عفراء سے شادی کر لی۔ لہذا ابن جموح کے بارے یوں کہنا صحیح ہے کہ وہ عفراء کا بیٹا ہے۔ اس طرح روایات میں کوئی تضاد نہ رہا۔ اس لئے سید کائنات ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عفراء کے بیٹوں پر رحم فرمائے۔ انہوں نے اس امت کے فرعون اور کفر کے سرغنہ کے قتل میں شرکت کی"۔ ابوجہل حضور ﷺ سے سخت عداوت اور حسد رکھتا تھا۔ آپ نے جتنی اذیتیں ابوجہل کی طرف سے برداشت کیں کسی اور کی طرف سے اتنی تکالیف نہ جھیلیں۔ یہ حضور ﷺ کا ہم عمر ہی تھا۔ بعثت سے قبل باہمی مصاحبت بہت زیادہ تھی۔ حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے تو ابوجہل سب لوگوں سے بڑھ کر آپ سے حسد اور عداوت کرنے لگا وہ اسی طرح رہا حتیٰ کہ غزوۂ بدر کے روز واصل جہنم ہوا۔ اس روز کو یوم البطشۃ الکبریٰ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ابوجہل لوگوں کو جنگ پر ابھارتا تھا۔ جب یہ مکہ مکرمہ سے نکلنے لگا تو اس نے اور قریش کے دیگر سرداروں نے خانہ کعبہ کے پردوں کو پکڑا اور یہ دعا مانگی "مولا! دو گروہوں سے جو اعلیٰ ہے، دو لشکروں سے جو معزز ہے اور دو گروہوں سے جو مکرم ہے اور دو دینوں میں سے جو افضل ہے۔ اس کی نصرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنۡ تَسۡتَفۡتِحُوۡا فَقَدۡ جَآءَکُمُ الۡفَتۡحُ (الانفال:19)

"(اے کفار) اگر تم فیصلہ کے طلب گار تھے تو (لو) آ گیا تمہارے پاس فیصلہ"۔

جب غزوۂ بدر کے روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو ابوجہل نے کہا "مولا! ہم میں سے جو زیادہ قطع رحمی کرنے والا ہے۔ اسے کل ہلاک کر دے جو تیرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہے اس کی نصرت فرما"۔ اس وقت مذکورہ بالا

آیت طیبہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت کے مطابق ابوجہل نے غزوۂ بدر کے روز کہا ''مولا! دو دینوں میں سے جو تجھے پسندیدہ ہے اور جس پر تو راضی ہے اس کی مدد کر۔ دو دینوں میں سے جو بہترین ہے اس کی نصرت فرما۔ مولا! ہمارا دین پرانا ہے۔ محمد عربی ﷺ کا دین نیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ یہ دعا اس کے خلاف تھی۔ اس کے حق میں نہ تھی۔ تاکہ رب تعالیٰ حق کو حق کر دکھائے اور باطل کو باطل کر دے۔ خواہ مجرم اسے ناپسند کریں۔ اس کا سر پہلا سر ہے جسے اسلام میں اٹھایا گیا۔

فرشتے

غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے ملائکہ نے سفید عمامے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے پیچھے لٹکا رکھا تھا۔ جبکہ حضرت جبرائیل امین کا عمامہ زرد تھا یا وہ سرخ تھا۔ ایک اور قول کے مطابق بعض ملائکہ کے عمامے زرد بعض کے سفید، بعض کے کالے اور بعض کے سرخ تھے۔ اس طرح ساری روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا ''غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے ملائکہ کے عمامے زرد، سرخ، کالے اور سفید تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے کندھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا''۔ اس روز حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے زرد عمامہ پہن رکھا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''بعض ملائکہ اترے ہیں۔ ان کے عماموں کا رنگ حضرت زبیر کے عمامہ کی مانند ہے'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس روز شدید قتال کیا۔ حتیٰ کہ ایک شخص ان کے اس زخم میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ جو ان کی کمر پر تھا۔ اس روز انصار کا شعار ''احد احد'' تھا جبکہ مہاجرین کا شعار ''یَا مَنْصُوْرُ اَمِتْ'' تھا۔ دوسری روایت کے مطابق مہاجرین کا شعار بھی ''احد احد'' ہی تھا۔ ملائکہ کے گھوڑے ابلق اور نشان زدہ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی رنگت سرخ اور سفید تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''بنو غفار کے ایک شخص نے مجھے بیان کیا ہے۔'' میں اور میرا چچا زاد جنگ کا منظر دیکھنے کے لئے آئے۔ حتیٰ کہ ہم ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ہم اس وقت حالت شرک پر تھے۔ ہم منتظر تھے کہ فتح کس کے نصیب میں آتی ہے اور ہم بھی مال غنیمت حاصل کرنے والوں کے ساتھ مال غنیمت حاصل کریں۔ ہم اسی مقام پر تھے کہ اچانک ایک بادل آیا اس میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے کسی کہنے والے کو سنا ''خیزوم! آگے بڑھو'' میرے چچا زاد کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اس جگہ مر گیا۔ قریب تھا کہ میں بھی مر جاتا'' خیزوم حضرت جبرائیل امین کے گھوڑے کا نام تھا۔ مرسل روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل امین سے پوچھا ''ملائکہ میں سے کس نے یوم بدر کو ''اَقْدِمْ خَيْزُوْمُ'' کہا تھا۔ انہوں نے عرض کی ''میں سارے اہل آسمان کو نہیں جانتا''۔

ابن کثیر نے لکھا ہے ''یہ اثر اس شخص کے قول کو رد کرتا ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ خیزوم حضرت جبرائیل امین کے گھوڑے کا نام تھا۔ یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ کسی اور فرشتے کے حضرت جبرائیل امین نے گھوڑے کو کہا ہو ''اَقْدِمْ خَيْزُوْمُ'' مگر حضرت جبرائیل امین بھی اس فرشتے کو نہ جانتے ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے ''ہم نے ایک بادل دیکھا۔ ہم نے اس میں افراد اور ہتھیاروں کی آواز سنی۔ ہم نے ان میں سے کسی کی آواز سنی۔ وہ اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا ''خیزوم! آگے بڑھو'' یہ

بادل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں سمت اتر گیا۔ پھر اور بادل آیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب اتر گیا یہ منظر دیکھ کر میرا چچازاد مر گیا۔ میں بھی مرنے کے قریب تھا لیکن میں بچ گیا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا۔ یہ واقعہ عرض کیا اور اسلام قبول کر لیا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "وہ بادل جس نے بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں سایہ کیا تھا غزوۂ بدر کے روز اس میں فرشتے آئے تھے"۔ انہی سے روایت ہے کہ ایک مسلمان شخص ایک مشرک کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ مشرک اس کے آگے آگے بھاگ رہا تھا۔ اچانک اس نے کوڑے کی آواز سنی۔ "اَقْدِمْ یَا حَیْزُوْمُ" کی آواز سنی۔ اچانک مسلمان نے مشرک کو دیکھا تو وہ نیچے گرا پڑا تھا۔ ہم نے اسے دیکھا کہ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ پھٹا ہوا تھا۔ گویا کہ اس پر کوڑے کی ضرب لگی تھی۔ وہ جگہ سیاہی مائل سبز ہو چکی تھی۔ وہ انصاری صحابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا "تم نے سچ کہا ہے کہ وہ آسمانی مدد تھی"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "غزوۂ بدر کے روز تیز ہوا چلی۔ میں نے اس قدر تیز ہوا نہیں دیکھی تھی۔ پھر دوسری بار پھر تیسری بار تیز ہوا چلی۔ پہلی دفعہ حضرت جبرائیل تھے جو ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اترے۔ دوسری بار حضرت میکائیل تھے جو ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف اترے۔ تیسری بار حضرت اسرافیل تھے جو ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف اترے"۔

حضرت امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو افراد دیکھے۔ انہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اس قدر سفید آدمی نہ اس سے پہلے نہ ہی بعد میں دیکھے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں شدت سے قتال کر رہے تھے"۔ ان سے مراد حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔

بعض معجزات

حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ اس کے ساتھ جہاد کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لکڑی عطا فرمائی اور فرمایا "عکاشہ اسی کے ساتھ جہاد کرو" جب انہوں نے وہ لکڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے لی اور اسے لہرایا تو وہ تلوار بن گئی۔ وہ تلوار طویل اور انتہائی سفید تھی۔ انہوں نے اس کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہو گئی۔ اس تلوار کو "العون" کہا جاتا تھا۔ یہ تلوار حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہی۔ انہوں نے اس کے ساتھ سارے غزوات میں شرکت کی۔ جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد ہمایوں میں انہوں نے اہل ردۃ کے ساتھ جہاد کیا تو وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ شہادت کے وقت بھی یہ تلوار ان کے پاس تھی۔ پھر یہ ان کی اولاد میں نسل در نسل آتی رہی۔ عنقریب تذکرہ ہوگا کہ غزوۂ احد میں حضرت عبداللہ بن جحش کے لئے اس طرح کا معجزہ رونما ہوا تھا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے کہ وہ حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح حضرت سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے دست اقدس میں کھجور کی شاخ تھی۔ آپ نے وہی انہیں عطا فرمادی آپ نے فرمایا ''اسی کے ساتھ شمشیر زنی کرو''۔ وہ شاخ خرما ایک عمدہ تلوار بن گئی وہ ان ہی کے پاس رہی۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو تلوار کی ضرب لگی تو ان کا ایک حصہ علیحدہ ہو گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حصہ پر لعاب دہن لگایا اور اسے باندھ دیا وہ بالکل درست ہو گیا۔ حضرت رفاعہ بن مالک رضی اللہ عنہ کے تیر لگا تو ان کی آنکھ زخمی ہو گئی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگایا اور اس کے لئے دعا کی تو وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔

مشرکین کی لاشیں

پھر حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مشرکین کی لاشیں جمع کر کے ایک گڑھے میں پھینک دی جائیں۔ صحابہ کرام نے ان کی لاشیں اس گڑھے میں پھینک دیں البتہ امیہ بن خلف کی لاش اس کی زرہ میں ہی پھول چکی تھی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے حرکت دی تو اس کے اعضاء علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ انہوں نے اس جگہ پر ہی اس پر پتھر اور مٹی پھینک دی۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں ''حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی لاشیں گڑھے میں پھینکیں۔ انہیں دفن نہ کیا۔ آپ نے ناپسند فرمایا کہ ان مشرکین کی لاشوں کی وجہ سے صحابہ کرام تکلیف میں پڑیں۔ انہیں گھسیٹ کر اس گھڑے میں پھینکنا آسان تھا۔ اس میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ حربی کو دفن کرنا واجب نہیں''۔

جب حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ عتبہ کو اس گڑھے میں پھینکا گیا تو ان کی رنگت متغیر ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً سمجھ گئے۔ آپ نے فرمایا ''ابو حذیفہ! شاید تمہارے دل میں اپنے باپ کے متعلق کوئی گمان گزر رہا ہے''۔ انہوں نے عرض کی ''نہیں! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا باپ صائب الرائے حلیم اور صاحب فضل تھا۔ مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ کفر پر مرا ہے تو اس کی وجہ سے میں غمزدہ ہو گیا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دعائے خیر سے نوازا۔

روایت ہے کہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کو دعوت مبارزت دے کر تہ تیغ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب اس نے مبارزت طلب کی۔ مگر حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا''۔ جب مشرکین کی لاشوں کو اس گڑھے میں پھینکے ہوئے تین روز گزر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گڑھے کے پاس تشریف لائے۔ اس کے کنارے پر کھڑے ہو کر مشرکین کے نام لے کر فرمانے لگے ''یا فلاں بن فلاں! یا فلاں بن فلاں! کیا تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (معظم) صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کو سچا پایا ہے۔ میں نے تو اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو سچ پایا ہے''۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے ان کے نام لے کر فرمایا ''اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف، اے ابو جہل بن ہشام! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن خلف کا نام لیا۔ حالانکہ وہ اس گڑھے میں نہ تھا۔ کیونکہ وہ اس گڑھے کے قریب ہی تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے ان سے فرمایا ''تم اپنے نبی کے لئے کتنا برا قبیلہ تھے۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی تم نے مجھے شہر سے نکالا جبکہ دوسرے لوگوں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ جنگ کی جبکہ دوسرے لوگوں نے میری نصرت کی''۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان اجسام سے کیسے مخاطب ہیں حالانکہ ان میں ارواح نہیں ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں جو کچھ ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ تو نہیں سن رہے۔ لیکن وہ جواب دینے پر قادر نہیں ہیں''۔ ایک اور روایت میں ہے ''وہ اسی طرح سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے''۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کو زندہ کیا حتیٰ کہ انہوں نے حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنا یہ ان کے لئے زجر و توبیخ اور ندامت و حسرت کے لئے تھا''۔ ان کے زندہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی ارواح کا ان کے اجسام کے ساتھ تعلق شدید ہو گیا تھا حتیٰ کہ وہ دنیا میں زندوں کی مانند ہو گئے۔ کیونکہ روح کا جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے۔ وہ اسی تعلق کے واسطہ سے آنے والے کو جانتی ہے۔ اس کے ساتھ انس کرتی ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتی ہے اس سے میت اس طرح زندہ نہیں ہوتی جس طرح وہ دنیا میں زندہ تھی۔ انبیائے کرام، شہداء اور صالحین میں تو یہ تعلق اس طرح شدید ہوتا ہے کہ وہ اس طرح ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں زندہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تردید نہیں کرتا۔

اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کو اس طرح نہیں سنا سکتے کہ وہ دعوت حق کو قبول کر لیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

سماع موتی کلام الخلق قاطبة جاءت به عندنا الآثار فی الکتب

سارے لوگوں کا مؤقف یہی ہے کہ مردے سنتے ہیں۔ ہمارے پاس اس نظریہ کے بارے بہت سے دلائل ہیں جو کتب میں مذکور ہیں۔

وایة النفی معنا ها سماع هدی لا یقبلون ولا یصغون للادب

آیت طیبہ میں ہدایت کے سننے کی نفی ہے کہ نہ کفار ہدایت کی بات کو غور سے سنتے ہیں اور نہ اسے قبول کرتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مشرکین کو اس وقت اس طرح پکارا جب ابھی گڑھے میں نہیں پھینکا گیا تھا۔ ممکن ہے آپ نے انہیں کئی بار پکارا ہو۔ ایک دفعہ انہیں گڑھے میں پھینکنے سے قبل اور دوسری بار انہیں وہاں پھینکنے کے بعد۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے صرف چار کے نام لئے۔ بقیہ بیس کے نام نہ لئے کیونکہ مذکور چاروں کا شمار بڑے روسائے قریش میں ہوتا تھا۔ اس گڑھے میں پھینکے جانے والے بقیہ مشرکین بنو عبد مناف میں سے چھ تھے۔ (1) عبیدہ (2) عاص (3) حنظلہ بن ابی سفیان (4) ولید بن عتبہ (5) حارث بن عامر (6) طعیمہ بن عدی۔ سارے قریش میں سے ایسے چودہ مشرکین تھے جنہیں اس گڑھے میں پھینکا گیا۔ نوفل بن عبد، زمعہ، عقیل بن اسد، عاص بن ہشام، ابو قیس بن ولید، نبیہ، منبہ، علی بن امیہ، عمرو بن عثمان، مسعود بن ابی امیہ، قیس بن فاکہ، اسود بن عبد الاسد، ابو العاص بن قیس، امیہ بن رفاعہ، اگر ان بیس کو ان چار کے ساتھ ملایا جائے تو یہ تعداد چوبیس بن جاتی ہے۔ حضرت علامہ ابن جابر اندلسی نے غزوۂ بدر کے بارے کیا خوب اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے بعض اشعار یہ ہیں۔

بدا یوم بدر وھوکا لبدر حولہ کواکب فی افق المواکب تنجلی

آپ وہ ماہ تمام ہیں جس کے اردگرد ستارے ہوں۔ آپ غزوۂ بدر کے روز عازم سفر ہوئے اور جماعت کے افق پر جلوہ افروز ہوئے۔

و جبرائیل فی جند الملائك دونہ فلم تغن اعداد العدو المخذل

حضرت جبرائیل امین بھی ملائکہ کے لشکر کے ساتھ حاضر ہو گئے شکست خوردہ دشمن کی کثرت نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا۔

رمی بالحصی فی اوجہ القوم رمیۃ فشردھم مثل النعام بمجھل

آپ نے مشرک قوم کی طرف سنگریزے پھینکے اور بدکے ہوئے شتر مرغ کی طرح انہیں منتشر کر دیا۔

و جاء لھم بالمشرفی فسلموا فجادلہ بالنفس کل مجندل

آپ نے تلوار کے ساتھ ان کے ساتھ جنگ کی۔ انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور پچھاڑے ہوئے نے آپ کے لئے اپنے نفس کی سخاوت کی۔

عبیدۃ سل عنھم و حمزۃ و استمع حدیثھم فی ذالك الیوم من علی

حضرت عبیدہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے متعلق پوچھو اور اس مبارک دن کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غور سے سنو۔

ھموا عتبوا بالسیف عتبہ اذا غدا فذاق الولید الموت لیس لہ ولی

جب عتبہ نے سرکشی کی تو ان صحابہ کرام نے تلوار کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ ولید کو بھی موت چکھا دی۔ اس کا سرپرست کوئی نہ تھا۔

و شیبہ لما شاب خوفا تبادرت الیہ العوالی بالخضاب المعجل

شیبہ جب خوف سے بوڑھا ہو گیا نیزوں نے جلد خضاب لگانے کے لئے اس کی طرف جلدی کی۔

وجاء ابوجھل محقق جھلہ غداۃ تردی بالردی عن تذلل

ابوجہل آیا۔ اس کی جہالت سچ ثابت ہوئی اور وہ ذلت ورسوائی سے برباد ہو گیا۔

واضحی قلیبا فی القلیب و قومہ یؤمونہ فیہ الی شر منھل

وہ اور اس کی قوم گڑھے میں اوندھے گرے وہ وہاں سب سے بڑے گھاٹ کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔

و جاء خیر الانام موبخا ففتح من اسماعھم کل مقفل

حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جھڑکنے کے لئے تشریف لائے اور ان کے کانوں کے سارے قفل کھول دیئے۔

واخبر ما انتم باسمع منھم و لکنھم لا یھتدون لمقول

آپ نے فرمایا ''صحابہ! تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں۔ مگر انہیں جواب دینے پر قدرت نہیں''

سلا عنھم یوم السلا اذا تضاحکو فعاد بکاء عاجلا لم یؤجل

آپ نے اس روز کے بدلے کفار سے آرام پایا۔ جب انہوں نے آپ پر اونٹ کی اوجھڑی پھینکی تھی۔ آپ نے جلدی ان کا رونا واپس کر دیا اور آپ خوفزدہ نہ تھے۔

الم یعلموا علم الیقین بصدقه ولکنهم لا یرجعون لمعقل

کیا انہیں آپ کی صداقت کا یقینی علم نہ تھا لیکن وہ اپنی عقل کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔

فیا خیر خلق الله جاهك ملجئ و حبك ذخری فی الحساب و موئل

اے ساری مخلوق سے بہترین ذات والا! آپ کا بلند مقام ہماری پناہ ہے اور آپ کی محبت حساب و پناہ میں ہمارا ذخیرہ ہے۔

علیك صلاة یشمل الآل عرفها و اصحابك الاخیار اهل التفضل

آپ پر ایسا درود پاک ہے جس کی خوشبو آپ کی اولاد اطہار اور اہل تفضل واحسان صحابہ کرام کو محیط ہے۔

علامہ ابن مرزوق نے لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک دفعہ میدان بدر سے گزرے۔ انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جسے عذاب دیا جا رہا تھا۔ وہ درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ جب حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے تو اس نے آواز دی ''عبد اللہ!'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''مجھے علم نہیں کہ وہ میرا نام جانتا تھا یا اس نے مجھے اس طرح کہا جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی کو بلاتا ہے۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے کہا ''مجھے پانی پلاؤ'' میں نے اسے پانی پلانے کا ارادہ کیا تو مجھے اس سیاہ شخص نے کہا جو اسے عذاب دینے پر مامور تھا ''اسے پانی نہ پلاؤ۔ یہ ان مشرکین میں سے ہے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان بدر میں قتل کیا تھا'' امام زرقانی لکھتے ہیں ''یہ ابو جہل تھا۔ اس روایت کو طبرانی اور ابن ابی الدنیا وغیرہما نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن مندہ کی روایت میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''اسی اثناء میں کہ میں میدان بدر میں سے گزر رہا تھا۔ اچانک ایک گڑھے سے ایک شخص نکلا۔ اس کی گردن میں زنجیر تھی۔ اس نے مجھے آواز دی ''عبد اللہ! مجھے پانی پلاؤ'' میں نہیں جانتا کہ وہ میرے نام سے آگاہ تھا یا اس نے مجھے اس طرح بلایا تھا جس طرح ایک آدمی دوسرے کو بلاتا ہے۔ اس گڑھے سے ایک اور شخص باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ اس نے مجھے صدا دی ''عبد اللہ! اسے پانی نہ پلانا۔ یہ کافر ہے'' پھر اس نے اس کے کوڑا مارا اور اسے اسی گڑھے میں لے گیا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کے بارے بتایا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا ''کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی: ہاں!'' آپ نے فرمایا ''وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ابو جہل تھا۔ روز حشر تک اسے اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا'' ابن ابی دنیا نے امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ''میں میدان بدر سے گزرا۔ میں نے ایک شخص دیکھا وہ زمین سے نکلا۔ دوسرے شخص نے اسے گرز سے مارا حتیٰ کہ وہ زمین کے اندر چلا گیا وہ دوبارہ نکلا تو اس نے اسی طرح دوبارہ اسے مارا۔ پھر اسی طرح کئی بار ہوا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ ابو جہل تھا۔ روز حشر تک اسے اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا''۔ اس مبارک غزوہ میں ستر مشرکین تہ تیغ ہوئے۔ ستر ہی قیدی بنے۔ ان ستر مقتولوں میں سے چوبیس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

قیدی

قیدیوں میں سے افضل حضرت عباس تھے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے چچا تھے۔ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ بعد میں ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔ قریش کے ان قیدیوں میں سے ان فرخندہ بخت افراد کو اسلام لانے کی سعادت ملی۔ ابوالعاص بن ربیع۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی نور نظر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے۔ فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ قبل اسلام لے آئے۔ حضور ﷺ نے ان کی بہت تعریف فرمائی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا انہیں واپس لوٹا دی۔ ابوعزیز زرارہ بن عمیر۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے یہ فدیہ دینے کے بعد اسلام لے آئے۔ سائب بن عبید۔ انہوں نے بھی فدیہ دینے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ عدی بن خبار، سائب بن جیش، ابو وداعہ سہمی، سہیل بن عمرو عامری۔ انہوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کر لیا۔ خالد بن ہشام مخزومی عبداللہ بن سائب، مطلب بن حنطب، عبداللہ بن ابی بن خلف انہوں نے بھی فتح مکہ کے روز اسلام قبول کر لیا تھا۔ جنگ جمل میں جام شہادت نوش کیا۔ عبداللہ بن زمعہ، وہب بن عمر جمحی، قیس بن سائب مخزومی، قسطاس امیہ بن خلف کا غلام، ولید بن ولید۔

"المواہب" میں ہے کہ مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر وہ اپنا اسلام چھپاتے رہے۔ وہ مسلمانوں کی اس فتح پر بہت خوش وخرم تھے۔ جب تک یہ مکہ مکرمہ میں رہے حضور جان عالم ﷺ انہیں ایسے رازوں سے آگاہ فرماتے رہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے جب آپ نے خود کو قبائل پر پیش کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ قبائل کو آپ ﷺ کی نصرت پر ابھارتے تھے۔ جس طرح کہ وہ انصار کی بیعت العقبہ کے وقت موجود تھے۔ یہ سارے امور ان کے اسلام پر دلالت کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ہی انہیں مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا تھا۔ تا کہ وہ قریش کے راز آپ تک پہنچاتے رہیں۔ جب مشرکین مکہ جنگ کے لئے عازم سفر ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے ان سے پیچھے رہنا ممکن نہ رہا۔ اسی لئے حضور ﷺ نے غزوۂ بدر کے روز فرمایا تھا "تم میں سے جو عباس سے ملاقات کرے تو انہیں قتل نہ کرے وہ مجبور ہو کر آئے ہیں" حضور ﷺ کا ان سے فدیہ طلب کرنا اس مؤقف کے منافی نہیں ہے۔ ان کا ظاہری عمل تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے آئے تھے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ وہ مجبور ہو کر آئے ہوں۔ حضور سید کائنات ﷺ نے ان کی ظاہری حالت کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا تا کہ صحابہ کرام کے قلوب کو تسکین ملے۔ کیونکہ آپ نے ان کے آباء، بیٹوں اور قبائل سے فدیہ لیا تھا"۔

روایت ہے کہ قریش حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مقروض تھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تو قریش ان کا قرض ادا کرنے سے انکار کر دیں گے۔ وہ حضور ﷺ کے اذن سے اپنا اسلام مخفی رکھتے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ نرمی کرتے ہوئے اور ان کے مال کے ضیاع کے خدشہ سے صحابہ کرام کو بھی ان کے اسلام کے متعلق نہ بتایا۔ ان کا اسلام مخفی رکھنے میں یہ حکمت تھی کہ وہ قریش کی خبریں آپ تک پہنچاتے رہیں۔ اسی لئے جب فتح مکہ کے روز اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا۔ یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ انہوں نے اپنا اسلام مخفی رکھا

اور غزوہ بدر کے بعد اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے اہل مکہ کے لئے فتح مکہ تک اپنا اسلام مخفی رکھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کثرت سے ہجرت کی اجازت مانگتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لکھا ''تمہارا مکہ مکرمہ میں قیام کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے'' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی اجازت آپ سے طلب کی تو آپ نے فرمایا ''چچا جان! اسی جگہ ٹھہرے رہیں جس جگہ آپ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ پر ہجرت اسی طرح ختم فرما دے گا جس طرح اس نے مجھ پر نبوت ختم کی'' پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ انہوں نے مہاجرین میں سے سب سے آخر میں ہجرت کی۔ انہوں نے ابواء کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس سفر کے بارے علم نہ تھا۔ وہ آپ کے ساتھ واپس آ گئے۔

حضرت کعب بن عمرو انصاری سلمی رضی اللہ عنہ نے آپ کو گرفتار کیا۔ ان کی کنیت ابو یسر تھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی ''ابو یسر نے آپ کو کیسے گرفتار کر لیا حالانکہ وہ پست قد ہیں۔ اگر آپ چاہتے تو انہیں اپنے ہاتھ میں دبوچ سکتے تھے'' انہوں نے فرمایا ''جب میں نے ان کے ساتھ ملاقات کی تو وہ مجھے الخندمہ الاشم (مکہ مکرمہ کا بہت بڑا پہاڑ) نظر آئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی حضرت عباس کو قیدی بنا کر لے آئے۔ حضرت عباس نے کہا ''بخدا! مجھے اس شخص نے قید نہیں کیا۔ مجھے تو اس شخص نے گرفتار کیا ہے۔ جس کے سر سے دونوں طرف سے بال گر چکے تھے۔ وہ سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھا۔ وہ ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔ میں نے بعد میں اسے کہیں نہ دیکھا'' انصاری نے عرض کی ''یارسول اللہ! انہیں میں نے ہی گرفتار کیا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خاموش ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معزز فرشتہ کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے'' دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تم نے انہیں کیسے گرفتار کیا؟'' انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے ایک معزز فرشتے کے ذریعے میری مدد کی تھی''۔ گرفتار کر لینے کے بعد صحابہ کرام نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رسیاں کس دیں۔ جس طرح انہوں نے دیگر قیدیوں کی رسیاں کسی تھیں۔ حضرت عباس کراہنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کراہنے کی آواز سن لی۔ جس کی وجہ سے آپ سو نہ سکے۔ آپ سے عرض کی گئی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کس لئے سو نہ سکے؟'' آپ نے فرمایا ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی وجہ سے'' ایک شخص اٹھا اور اس نے وہ رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک طویل شخص تھے۔ ان سے فدیہ لے لینے اور ان کے اظہار اسلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قمیص پہنانا چاہی مگر صحابہ کرام کو ایسی قمیص دستیاب نہ ہو سکی جو انہیں پوری آ جاتی۔ عبداللہ بن ابی نے اپنی قمیص دے دی۔ اسی لئے جب ابن ابی مرا یہ منافقین کا سردار تھا تو اس کے نور نظر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ انہوں نے آپ سے قمیص طلب کی تا کہ اس میں اپنے باپ کو کفن دے سکیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے انہیں اپنی قمیص عطا فرما دی۔ اس سے دیگر منافقین کی تالیف قلبی بھی مقصود تھی۔ اور اس قمیص کا بدلہ چکانا بھی مقصود تھا جو ابن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر چار سو اوقیہ چاندی فدیہ لاگو کیا۔ ایک اور روایت میں ایک سو اوقیہ اور ایک اور

روایت میں چالیس اوقیہ سونے کا ذکر ہے۔ آپ نے ان سے عقیل بن ابی طالب کا فدیہ اسی اوقیہ چاندی اور نوفل بن حارث کا اتنا فدیہ بھی ان سے ہی لیا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''عباس! اپنا، اپنے بھتیجوں عقیل اور نوفل کا اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کرو''۔ انہوں نے اپنا فدیہ ایک سو اوقیہ چاندی اور عقیل، نوفل اور عتبہ کا چالیس اوقیہ چاندی فدیہ ادا کیا۔ انہوں رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''حضور! آپ نے تو مجھے غریب کر دیا ہے۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ اب میں لوگوں سے سوال کرتا رہوں گا''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''وہ مال کہاں ہے جو تم نے اپنی زوجہ ام الفضل کو عطا کیا تھا۔ اور اسے کہا تھا ''اگر میں اس معرکہ میں کام آ جاؤں تو یہ فضل، عبداللہ اور قثم کے لئے ہے۔ فضل کے لئے اتنا اور عبداللہ کے لئے اتنا ہے'' یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''بخدا! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس مال کو یا میں جانتا تھا یا ام الفضل میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور آپ اللہ کے بندۂ (خاص) اور رسول (مکرم) ہیں''۔ ایک اور روایت میں ہے انہوں نے حضور سید عالم ﷺ سے عرض کی ''آپ نے مجھے قریش میں سے سب سے زیادہ غریب کر دیا ہے'' آپ نے ان سے فرمایا ''آپ قریش میں سے سب سے زیادہ غریب کیسے ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ نے ام الفضل کو سونے کی گولیاں دی تھیں۔ تم نے اسے کہا تھا ''اگر میں قتل ہو جاؤں تو میں تمہارے لئے اتنا کچھ چھوڑے جا رہا ہوں جو تمہیں مستغنی کر دے گا'' دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''وہ مال کہاں ہیں جو آپ نے اور ام فضل نے دفن کیا تھا''۔ علم کی یہ وسعتیں دیکھ کر انہوں نے عرض کی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس سے آگاہ کیا ہے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کلمہ شہادت پڑھا۔ یہ روایت اس مؤقف کے منافی نہیں کہ وہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ اپنا اسلام مخفی رکھے ہوئے تھے اور حضور اکرم ﷺ جانتے تھے۔ بعض روایات سے بھی اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''ہم سے فدیہ کیوں لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم مسلمان تھے'' دوسری روایت میں ہے ''میں مسلمان تھا لیکن قوم قریش نے مجھے مجبور کیا'' حضور ﷺ نے فرمایا ''جو کچھ تم کہہ رہے ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اگر تم سچے ہوئے تو رب تعالیٰ اس کی جزاء تمہیں عطا فرمادے گا لیکن تمہارا ظاہری معاملہ یہی ہے کہ تم ہمارے خلاف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ (الانفال:70)

''اے نبی (کریم) آپ فرمایئے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور)''۔

جب یہ آیت طیبہ نازل ہوئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی ''میری خواہش ہے کہ آپ اس مال سے دوگنا مجھ سے لیتے جس قدر آپ نے لیا تھا''۔

اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ انہیں عظیم مال عطا کیا حتیٰ کہ ان کے پاس ایک سو غلام ہو گئے۔ ہر غلام کے پاس مال تھا جس سے وہ تجارت کرتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے "مجھے درگاہ خداوندی سے مغفرت و بخشش کی بھی امید ہے"۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے صرف عقیل کا فدیہ عطا کیا نوفل کا فدیہ ادا نہ کیا۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا زاد نوفل حارث سے فرمایا "نوفل! اپنا فدیہ ادا کرو" اس نے عرض کی "میرے پاس کچھ بھی نہیں جس سے اپنا فدیہ ادا کروں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے مال سے یا اپنے نیزوں سے فدیہ ادا کرو" حضرت حارث نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا کہ مکہ مکرمہ میں میرے نیزے ہیں" انہوں نے اپنا فدیہ ادا کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا فدیہ ادا نہ کیا۔

نضر بن حارث العبدری بھی ان قیدیوں میں شامل تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ عداوت رکھتا تھا۔ یہ قرآن پاک کو اساطیر الاولین (پہلے لوگوں کے افسانے) کہا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا "اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا کلام کہہ لیں" یہ قید میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ نضر نے اپنے ایک قیدی ساتھی سے کہا "بخدا! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل کر دیں گے۔ آپ مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جن میں موت ہے" اس قیدی نے کہا "بخدا! تو یہ اس لئے کہہ رہا ہے کیونکہ تو ان سے مرعوب ہے" پھر نضر سے حضرت مصعب بن عمیر البدری رضی اللہ عنہ نے کہا "مصعب! تم میرے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو۔ اپنے صاحب سے کہو کہ وہ مجھے بھی میرے قیدی ساتھیوں کی طرح کر دیں۔ بخدا! وہ مجھے قتل کر دیں گے" حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تو اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے وہ کچھ کہا کرتا تھا جو کہا کرتا تھا"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو انہوں نے نضر کا سرتن سے جدا کر دیا۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس نضر کا ایک بھائی تھا۔ اسے بھی نضر ہی کہا جاتا تھا۔ اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی تالیف قلبی کی تھی۔

جب اس نضر کی گردن زدنی ہوئی اور اس کی موت کی خبر اس کی بہن قتیلہ تک پہنچی۔ ایک اور قول کے مطابق یہ اس کی نور نظر تھی۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے نضر کا یہ مرثیہ کہا۔

یا راکبا ان الاثیل مظنة　　من صبح خامسة وانت موفق

اے سوار مقام اثیل کے متعلق مجھے پانچویں روز کی صبح سے بدگمانی ہے اور تو بڑے ٹھیک وقت پر آیا ہے۔

ابلغ بها میتا بان تحیة　　ماان تزال بها النجائب تخفق

وہاں کی ایک میت کو پیغام پہنچا دینا کہ اسے سلام ہو جب تک عمدہ اونٹنیاں وہاں تیزی سے آتی جاتی رہیں۔

منی الیك و عبرة مسفوحة　　جادت بوا کفها واخری تخنق

اسے میری طرف سے سلام دینا۔ آنکھوں سے آنسو موسلا دھار بارش کی طرح رواں ہیں اور انہیں سخت کینہ بھی ہے۔

هل یسمعنی النضر ان نادیته　　ام کیف یسمع میت لاینطق

اگر میں پکاروں تو کیا نضر میری پکار سنے گا یا وہ مردہ کیسے سن سکتا ہے جو بول نہیں سکتا۔

أمحمد ولانت نجل نجيبة   فى قومها والفحل فحل معرق

اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) اے اپنی قوم کی شریف عورت کی بہترین اولاد اور شریف تو وہی ہوتا ہے جو نسلاً شریف ہو۔

ما كان ضرك لو مننت و ربما   من الفتى و هو المغيظ المحنق

اگر آپ احسان کرتے اور اسے چھوڑ دیتے تو آپ کا کیا نقصان ہوتا اور ایسا بہت کم ہوا ہے کہ نوجوان ایسی حالت میں احسان کرے جبکہ وہ غصہ سے بھرا کینہ ور ہو۔

او كنت قابل فدية فلينفق   باعزما يغلو به ما ينفق

یا آپ فدیہ قبول کر لیتے تو مصارف جتنے زیادہ سے زیادہ دشوار ترین ہوتے وہ ضرور خرچ کئے جاتے۔

فالنضر اقرب من اسرت قرابة   واحقهم ان كان عتق يعتق

کیونکہ نضر ان تمام لوگوں سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے جن کو آپ نے اسیر کیا اور ان سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اگر آزادی ممکن ہو تو آزاد کر دیا جائے۔

ظلت سيوف بنى ابيه تنوشه   لِلّٰه ارحام هناك تشقق

اس کے بھائیوں کی تلواریں اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتی رہیں۔ ہائے خدایا! وہاں قرابتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے رہے۔

صبرا يقاد الى المنية متعبا   رسف المقيد وهوعان موثق

اسے موت کی جانب اس حالت میں کھینچا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہیں۔ وہ تھکا ماندہ ہے بیڑیوں میں مشکل سے پاؤں اٹھا رہا ہے اور زنجیروں میں ہے۔

ایک اور روایت میں ''أمحمد'' والا شعر اس طرح ہے۔

أمحمد يا خير ضنء كريمة   فى قومها والفحل فحل معرق

اے محمد عربی! اے اپنی قوم کی کریم عورت کی بہترین اولاد! شریف تو وہی ہوتا ہے جو نسلاً شریف ہو۔

جب سرور کائنات رحمت عالم ﷺ نے یہ اشعار سنے تو آپ گریہ بار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ''اگر نضر کو قتل کرنے سے پہلے اس عورت کے یہ اشعار مجھ تک پہنچ جاتے تو اس پر احسان کرتا''۔

ان قیدیوں میں عقبہ بن ابی معیط بھی تھا۔ یہ بھی حضور ﷺ کا شدید دشمن تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑانے والوں میں سے تھا۔ عرق الظبیۃ کے مقام پر آپ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی۔ جب یہ لایا گیا تو اس نے کہا ''محمد عربی! ﷺ بچی کا وارث کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا ''آگ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عقبہ کو قتل کرنے کے لئے لایا گیا تو اس نے بآواز بلند کہا ''اے گروہ قریش! مجھے تمہارے سامنے کس لئے قتل کیا جا رہا ہے؟'' آپ

ﷺ نے فرمایا "تیرے کفر اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر تیری جرأت کرنے کی وجہ سے" دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا "کیونکہ تو نے میرے چہرہ انور کی طرف تھوک پھینکنے کی جسارت کی تھی" پہلے گزر چکا ہے کہ یہ عقبہ حضور ﷺ کے ساتھ کثرت سے بیٹھتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے ضیافت کی حضور ﷺ کو بھی اس ضیافت پر دعوت دی۔ آپ نے اس کا کھانا کھانے سے انکار فرما دیا حتیٰ کہ وہ کلمہ طیبہ پڑھ لے۔ اس نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ ابی بن خلف اس کا دوست تھا۔ اس نے اسے عتاب کیا اور کہا "عقبہ! کیا تو صابی ہو گیا ہے" عقبہ نے کہا "مگر انہوں نے میرا کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ میرے گھر میں تھے۔ مجھے ان سے حیاء آئی میں نے کلمہ پڑھ لیا۔ میں نے وہ کلمہ دل سے نہیں پڑھا تھا"۔ ابی نے اس سے کہا "مجھ پر تیرا چہرہ اس وقت تک دیکھنا حرام ہے حتیٰ کہ تو محمد عربی (ﷺ) سے ملاقات کر کے ان کی گردن روندھ ڈالے۔ ان کے چہرہ انور پر تھوک پھینکے اور ان کی آنکھ پھوڑ دے (نعوذ باللہ منہ) اس نے دیکھا کہ حضور ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے۔ اس بد بخت نے اسی طرح کیا جب اس نے آپ کی طرف تھوک پھینکنے کی ناپاک جسارت کی تو وہ تھوک اس کی طرف لوٹ آیا۔ اس سے اس کا چہرہ جل گیا۔ پھر مرنے تک اس کے چہرہ پر اس کا اثر باقی رہا۔ اس کم بخت نے حضور ﷺ کے اوپر اونٹ کی اوجھڑی پھینکنے کی جرأت کی تھی۔ جبکہ آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے۔ یہ انتہائی نادان اور فاجر تھا۔ اسی کے متعلق یہ آیت طیبہ اتری۔

يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۞ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ۞ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي (الفرقان)

"اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول (مکرم) کی معیت میں (نجات) کا راستہ۔ ہائے افسوس کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔ واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد"۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اس سے مکہ مکرمہ میں فرمایا تھا "میں نے جب بھی مکہ مکرمہ سے باہر تجھ سے ملاقات کی میں تیرا سرتن سے جدا کر دوں گا"۔

ایک اور روایت کے مطابق عقبہ نے کہا "مجھے آپ کے سامنے کیوں تہ تیغ کیا جا رہا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "تیرے فسق و فجور، کفر اور ذات خداوندی سے کفر کرنے کی وجہ سے" ایک روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے اسے فرمایا "تیرا تعلق قریش سے نہیں۔ تو تو اہل صفوریہ میں سے ایک یہودی ہے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے باپ کا دادا امیہ شام کی طرف گیا۔ اس نے ایک یہودی عورت سے بدکاری کی۔ جس کا خاوند صفوریہ سے تھا۔ اس سے ذکوان پیدا ہوا۔ یہ یہودی کے بستر پر پیدا ہوا۔ ابو معیط کا باپ یہی تھا۔ جاہلیت کے فیصلہ کے مطابق اس نے اسے اپنے خاندان کے ساتھ ملا دیا۔ عقبہ کو کس نے واصل جہنم کیا۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑائی۔ یہی روایت صحیح ہے۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کیا تھا۔ ممکن ہے ان دونوں حضرات نے

اسے موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ ایک روایت کے مطابق اسے قتل کرنے کے بعد درخت کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔

ابن قتیبہ نے روایت کیا ہے کہ طعیمہ بن عدی جو مطعم بن عدی کا بھائی تھا۔ وہ بھی اسیران بدر میں سے تھا۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی گردن اڑانے کا بھی حکم دیا تھا۔ جس طرح کہ نضر اور عقبہ کا سرتن سے جدا کر دیا گیا تھا۔ البتہ اہل سیرو مغازی کے نزدیک صحیح مؤقف یہ ہے کہ طعیمہ بن عدی غزوۂ احد میں مارا گیا تھا۔ اس طعیمہ کے قتل کی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔

اسیران بدر کے بارے مشاورت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے متعلق صحابہ کرام سے مشاورت کی۔ آپ نے فرمایا ''ان قیدیوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مشاورت کی کہ ان قیدیوں کو قتل کرنے یا ان سے فدیہ لینے میں سے کون سے امر زیادہ مناسب ہے''۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کے خاندان اور آپ کی قوم کے افراد ہیں''۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی ''وہ آپ کے چچازاد، اہل خاندان اور بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرمائی ہے۔ ان کے خلاف آپ کی نصرت فرمائی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کی جان بخش دیں۔ اور ان سے فدیہ لے لیں۔ ہم ان سے جو فدیہ لیں گے وہ ہمارے لئے کفار کے خلاف طاقت بن جائے گا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ کے طفیل ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔ وہ ہمارے دست وبازو بن جائیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابن خطاب! تمہاری کیا رائے ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے آپ کو جھٹلایا۔ آپ کو مکہ مکرمہ سے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ آپ کے ساتھ جنگ کی۔ میری رائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے برعکس ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ میرا قریبی رشتہ دار میرے حوالے کریں۔ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ وہ اس کی گردن اڑا دیں۔ عباس کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کریں۔ وہ ان کی گردن اڑا دیں تاکہ یہ جان لیں کہ ہمارے دلوں میں کفار کے لئے رحم کے جذبات نہیں ہیں۔ یہ ان کے سردار، سرغنہ اور قائد ہیں''۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''ایسی وادی تلاش کر و جس میں بہت سی لکڑیاں ہوں۔ میں اس میں آگ لگا کر مشرکین کو اس میں پھینک دیتا ہوں''۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمر فاروق یوں عرض گزار ہوئے تو آپ نے ان سے اعراض فرمایا۔ پھر اپنا فرمان دہرایا۔ فرمایا ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان مشرکین پر تسلط عطا فرمایا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان مشرکین کی گردنیں اڑا دیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔ تینوں بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح عرض کی۔ آپ ہر بار ان سے اعراض فرماتے رہے۔ آپ تو مشرکین کے ساتھ اس وقت بھی رحمت ورأفت سے پیش آتے رہے جب وہ آپ کو اذیت دیتے تھے۔ اب تو آپ کو ان پر قدرت حاصل تھی۔ پھر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے۔ عرض گزار ہوئے ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میری رائے یہ ہے کہ آپ ان

مشرکین سے درگزر فرمائیں۔ ان سے فدیہ قبول فرمالیں"۔ یہ مشورہ سن کر آپ کا غم وحزن جاتا رہا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کوئی مشورہ بھی منقول نہیں۔ علامہ زرقانی رقمطراز ہیں "جب شیخان سے اختلاف کی وجہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور متغیر دیکھا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ یا آپ کے لئے کوئی مصلحت ظاہر نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ اس کا تذکرہ کرتے۔ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میرے لئے ایسی وادی تلاش کرو جو لکڑیوں سے بھرپور ہو۔ میں مشرکین کو اس میں دھکیل کر آگ لگا دیتا ہوں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن لی۔ انہوں نے ان سے کہا "تم نے صلہ رحمی قطع کر دی" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا "تمہاری ماں تم پر روئے" آپ کاشانہ اقدس کے اندر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے فرمایا "بعض لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ بہت نرم کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ دودھ سے بھی نرم ہوتے ہیں بعض لوگوں کے دل وہ سخت کر دیتا ہے وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں"۔ پھر آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا "ابوبکر! ملائکہ میں تمہاری مثال میکائیل ہیں۔ وہ رحمت لے کر نازل ہوتے ہیں۔ انبیاء میں سے تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے درگاہ ربانیہ میں عرض کی۔

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (ابراہیم)

"پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے"۔

عمر فاروق! ملائکہ میں تمہاری مثال حضرت جبرائیل امین ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر عذاب، شدت اور انتقام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ انبیاء میں سے تمہاری مثال حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ (نوح)

"اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا"۔

اسی طرح انبیائے کرام میں تمہاری مثال حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے عرض کی

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ (یونس: 88)

"اے ہمارے رب برباد کر دے ان کے مالوں کو"۔

اگر تم دونوں کسی ایک رائے پر متفق ہو جاتے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرتا"۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کیا۔ آپ نے فرمایا "ان میں سے کوئی بھی فدیہ کے بغیر رہا نہ ہو۔ یا ان کی گردن اڑا دی جائے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! سوائے سہیل بن بیضاء کے۔ میں نے اسے سنا وہ اسلام کا تذکرہ کر رہا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ مجھے خدشہ دامن گیر ہوا کہ ابھی مجھ پر پتھروں کی بارش ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ آپ نے فرمادیا "سوائے سہیل بن بیضاء کے" اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ

الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۞ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۞ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖؗ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۞ (الانفال)

''نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطا اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا بڑی سزا سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی حلال (اور) پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گریہ بار تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے بتائیں کہ آپ اور آپ کے یہ صاحب کس لئے گریہ کناں ہیں۔ اگر مجھے رونا آیا تو میں رووں گا۔ ورنہ تمہارے رونے کی وجہ سے رونے والوں جیسا منہ بناؤں گا'' آپ نے فرمایا ''قیدیوں پر فدیہ لاگو کرنے کی وجہ سے میں رو رہا ہوں''۔ ایک اور روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا ''قریب تھا کہ ہم پر اس وجہ سے عذاب عظیم نازل ہو جاتا جو ہم نے عمر بن خطاب سے اختلاف کیا تھا۔ اگر عذاب نازل ہو جاتا تو عمر کے علاوہ اور کوئی نہ بچتا''۔ دوسری روایت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے۔ کیونکہ انہوں نے بھی مشرکین کو قتل کرنا قید کرنے سے زیادہ پسند کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن رواحہ کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے مشرکین کو آگ میں جلانے کا اشارہ دیا تھا۔ مگر شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ان آیات بینات میں اس امر کی دلیل ہے کہ انبیائے کرام کے لئے اجتہاد کرنا جائز تھا۔ کیونکہ جو فعل وحی الٰہی سے صادر ہوتا ہے اس پر عتاب نہیں ہوتا۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مَا كَانَ لِنَبِیٍّ سے مراد ہے کہ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے علاوہ...... البتہ آپ کو اختیار ہے کہ آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں یا ان سے فدیہ لے لیں''۔ اعمش نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ میں ہے کہ اگر پہلے سے طے شدہ نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر میں سے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا'' حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ''تمہیں کیا علم شاید اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمایا ہو'' جو چاہو کرو'' اس آیت طیبہ میں سب سے عمدہ بات یہ کی گئی ہے کہ اس میں خلاف اولیٰ کے عتاب پر سرزنش کی گئی ہے۔ انہیں قتل کرنا بہتر تھا۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ امر رونما ہو کر رہے گا۔ تمہیں دونوں امور میں اختیار ہے۔ اس نے اس جائز فعل پر تمہارا مواخذہ نہیں کیا جو تمہارے مقدر میں تھا۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل یہ تمہارے مقدر میں لکھ دیا تھا۔ اس آیت طیبہ میں کفار کے لئے تخویف، شدید وعید اور اسلام کے لئے ان میں ترغیب مقصود ہے۔ نیز اہل ایمان کو کفار کو قتل کرنے پر برانگیختہ کرنا ہے۔ اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید ہے یہ مقام ان مقامات میں سے ایک ہے جن میں قرآن پاک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق اترا۔ ایسے مقامات تیس سے زائد ہیں۔ میں نے ان کے لئے علیحدہ تالیف رقم کی ہے۔

امام حاکم نے صحیح سند سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت جبرائیل امین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "اپنے صحابہ کرام کو اختیار دیں چاہیں تو مشرکین کو قتل کریں۔ چاہیں تو ان سے فدیہ لے لیں۔ دوسری صورت میں آئندہ سال ان میں سے اتنے ہی صحابہ شہید ہوں گے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "ہم فدیہ لے لیتے ہیں اور ہم میں سے بعض کے سروں پر آئندہ سال شہادت کا تاج سج جائے گا"۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "ہم ان سے فدیہ لے لیتے ہیں۔ آئندہ سال ہم میں سے ستر خوش نصیب جنت میں داخل ہو جائیں گے" آپ نے قیدیوں سے فدیہ لے لیا۔ جب قیدیوں سے فدیہ لینا طے پا گیا تو آپ نے ان قیدیوں کو متفرق صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا تاکہ وہ انہیں مدینہ طیبہ لے چلیں حتیٰ کہ ان کا خاندان ان کا فدیہ بھیج دے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد یہ قیدی صحابہ کرام میں تقسیم فرمائے تھے۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے۔

"ابو عزیز بن عمیر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے"۔ انہوں نے کہا "میرے بھائی میرے پاس سے گزرے۔ ایک انصاری صحابی مجھے گرفتار کر رہے تھے"۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا "اسے مضبوطی سے کس دو۔ اس کی ماں بڑی مالدار عورت ہے۔ شاید وہ تمہیں گراں بہا فدیہ دے کر اسے چھڑا لے" انہوں نے کہا "جب صحابہ کرام میدان بدر سے واپس آئے تو میں ایک انصاری گروہ میں تھا۔ جب صبح و شام کھانے کا وقت آتا تو وہ مجھے روٹی دیتے اور خود کھجوریں کھا لیتے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ہمارے بارے خاص حکم دیا تھا"۔ جب ان کے بھائی نے انصاری صحابی سے کہا "اس کی رسیاں خوب کسنا تو انہوں نے کہا "بھائی! اسے تمہارا یہ حکم میرے متعلق ہے؟" پھر ان کی ماں نے چار ہزار درہم بطور فدیہ بھیجے پھر حضرت ابو عزیز رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

قریش نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ قیدیوں کا فدیہ جلدی نہ بھیجیں تاکہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے ساتھی زیادہ فدیہ طلب نہ کریں۔ لیکن مطلب بن ابی وداعۃ السہمی نے ان کے اس فیصلہ کی طرف توجہ نہ دی۔ رات کے وقت خفیہ عازم سفر ہوا مدینہ طیبہ پہنچا اور اپنے باپ کا فدیہ چار ہزار درہم پیش کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو وداعۃ کو قیدی دیکھا تو فرمایا "مکہ مکرمہ میں اس کا ایک دانا تاجر بیٹا ہے گویا کہ وہ تمہارے پاس آ رہا ہے تاکہ اپنے باپ کا فدیہ ادا کرے" مطلب آیا اور اپنے باپ کا فدیہ ادا کر دیا یہ سب سے پہلا قیدی تھا جس کا فدیہ ادا کیا گیا۔ ابو وداعہ کا نام حارث تھا۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض سیرت نگاروں نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ پھر دیگر قریش نے بھی اپنے اپنے قیدیوں کے فدیے بھیج دیئے۔ ان کے فدیے ان کے اموال کے حساب سے تھے۔ بعض کا فدیہ چار ہزار بعض کا تین ہزار بعض کا دو ہزار اور بعض کا ایک ہزار درہم تھا۔ جو شخص اپنا فدیہ ادا نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ لکھ سکتا تھا۔ مدینہ منورہ کے دس بچے اس کے سپرد کئے گئے تاکہ وہ انہیں کتابت سکھائے۔ جب اس نے انہیں کتابت سکھا دی تو یہی اس کا فدیہ بن گیا۔ جبیر بن مطعم حاضر خدمت ہوئے۔ ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے بدر کے قیدیوں کے بارے گفتگو کی۔ آپ نے انہیں فرمایا "اگر تمہارا عمر رسیدہ باپ زندہ ہوتا۔ ان قیدیوں کے بارے بات چیت کرتا تو ہم ضرور اسے فائدہ دیتے" کیونکہ مطعم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت

پناہ دی تھی جب آپ طائف سے واپس تشریف لائے تھے۔ اس نے معاشرتی مقاطع کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے ہی مر گیا۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ابو العاص بن ربیع بھی قیدیوں میں تھے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ یہ ان کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے فرزند تھے۔ یہ ہالہ حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ابو العاص ان کی کنیت تھی۔ نام لقیط یا مقسم یا ہشیم تھا۔ یہ اپنی کنیت سے ہی مشہور تھے۔ ان کا باپ ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف تھا۔ جب حضرت ابو العاص قید ہوئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار بطور فدیہ بھیجا۔ یہ ہار حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ جب ان کا عقد نکاح ہوا تو انہوں نے یہ ہار انہیں عطا فرما دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "اگر پسند کرو تو زینب کا ہار واپس کر دو اور ابو العاص کو آزاد کر دو" صحابہ کرام نے اس طرح کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے دیں گے۔ اس وقت تک مسلمان خاتون کا کافر مرد کے ساتھ نکاح حرام نہیں ہوا تھا۔ یہ بعد میں حرام ہوا۔ کیونکہ شرعی احکام تدریجاً نازل ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ کے اہل خانہ اور نوران نظر نے اسلام قبول کر لیا۔ لیکن ابو العاص نے اسلام قبول نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق نہ کی۔ کفار مکہ ابو العاص کو ترغیب دیتے تھے۔ وہ انہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے لئے کہتے۔ وہ انہیں کہتے "ہم قریش کی جس عورت سے تم چاہو گے تمہاری شادی کر دیں گے" مگر ابو العاص نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا "بخدا! میں اپنی زوجہ کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ مجھے ان کے بدلے قریش کی کوئی خوبصورت عورت ملے"۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو العاص کو اچھے الفاظ سے یاد فرماتے تھے۔ جب ابو العاص مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے اپنی اہلیہ محترمہ کو مدینہ طیبہ جانے کی اجازت دے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک اور انصاری صحابی کو اس مقصد کے لئے بھیج دیا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا تھا "تم مکہ مکرمہ کی فلاں جگہ ٹھہر جانا حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تمہارے پاس سے گزریں تو انہیں مدینہ طیبہ لے آنا" جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہونے کا ارادہ کیا تو ان کے ساتھ کنانہ بن ربیع بھی نکلا۔ یہ ابو العاص کا بھائی تھا۔ اس نے اپنا اونٹ ان کے سامنے کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں۔ اس نے اپنا ترکش اور کمان لی۔ پھر دن کے وقت انہیں لے کر عازم سفر ہو گیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہودج میں تھیں شکم اطہر میں بچہ تھا۔ قریش کے افراد کو ان کے سفر کے بارے علم ہو گیا۔ وہ ان کے تعاقب میں نکلے۔ انہیں ذوطوی کے مقام پر جا لیا۔ سب سے پہلے ہبار بن اسود حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرف گیا۔ اس نے اونٹ کے پہلو میں نیزہ مارا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نیچے گر پڑی اور حمل ضائع ہو گیا۔ پھر کنانہ بن ربیع نے اونٹ بٹھایا اپنا ترکش لیا۔ کمان سنبھالی اور کہا "بخدا! تم میں سے جو شخص بھی میرے قریب آئے گا میں تیر مار دوں گا۔ ابو سفیان قریش کے چند افراد کے ہمراہ اس کے پاس آیا اور کہا "ہم سے تیر روکو تا کہ ہم تم سے بات کر سکیں" پھر اس نے کہا "تمہارا یہ فعل درست نہیں۔ تم اعلانیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر عازم سفر ہوئے ہو۔ لوگوں نے اسے اپنی ذلت

سمجھا ہے۔ اسے اپنی کمزوری اور ناتوانی سمجھا ہے۔ تمہاری زندگی کی قسم! ہمیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن تم اسے لے کر واپس آجاؤ۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو پوشیدہ طور پر انہیں لے کر عازم سفر ہو جانا اور انہیں ان کے والد محترم تک پہنچا آنا"۔ کنانہ نے اس طرح کیا جب کچھ دن گزر گئے تو رات کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر نکلا اور حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کے حوالے کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کیا تم مکہ مکرمہ نہیں جاتے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لے کر نہیں آجاتے"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ضرور" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ میری مبارک انگوٹھی لے جاؤ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دے دینا" حضرت زید رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔ وہ جستجو کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں ایک چرواہا ملا۔ انہوں نے پوچھا "کس کی بکریاں چراتے ہو؟" اس نے کہا "ابوالعاص کی" انہوں نے پوچھا "یہ بکریاں کس کی ہیں؟" چرواہے نے کہا "حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی" حضرت زید رضی اللہ عنہ نے چرواہے سے گفتگو کی۔ پھر فرمایا "کیا اگر میں تمہیں کچھ عطا کروں اور وہ حضرت زینب کو دے دو تو کسی کو اس چیز کے بارے بتاؤ گے تو نہیں" اس نے کہا "تم وہ چیز مجھے دے دو۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا" حضرت زید رضی اللہ عنہ نے وہ مبارک انگوٹھی اسے دے دی۔ چرواہا وہ انگوٹھی حضرت زینب کے پاس لے گیا۔ وہ انہیں پیش کر دی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وہ انگوٹھی پہچان لی۔ انہوں نے فرمایا "یہ انگوٹھی تمہیں کس نے دی ہے؟" اس نے عرض کی "ایک شخص نے" انہوں نے فرمایا "تم نے وہ شخص کہاں چھوڑا ہے؟" چرواہے نے کہا "فلاں جگہ" حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر سکون ہو گئیں۔ وہ رات کے وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئیں۔ وہ انہیں مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس وقت غزوۂ بدر کو ایک ماہ گزر چکا تھا۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں ہے کہ ان کے ساتھ کنانہ بھی عازم سفر ہوا۔ اور اس نے انہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ عازم سفر ہوتے وقت کنانہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی ہو۔ پھر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاح اول پر ہی انہیں لوٹا دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے ان کا دوبارہ نکاح کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت امامۃ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اپنی کمر پر اٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔ جب یہ جوان ہوئیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد ان سے نکاح فرما لیا۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے فرمایا "مجھے خدشہ ہے کہ میرے وصال کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمہیں پیغام نکاح دیں گے۔ اگر تمہیں ضرورت ہے تو میں نے تمہارے لئے مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبد المطلب کو پسند کیا ہے" جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اور حضرت امامۃ رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پیغام نکاح بھیجا۔ ایک لاکھ دینار حق مہر دینا چاہا۔ حضرت امامۃ رضی اللہ عنہا نے حضرت مغیرہ بن نوفل کی طرف پیغام بھیجا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ اگر تمہیں اس امر کی احتیاج ہے تو رابطہ کرو" حضرت مغیرہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے ان کا رشتہ مانگا اور انہوں نے ان کا نکاح حضرت مغیرہ سے کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق ان کے والد کی وصیت کے

مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔

قیدیوں میں عمرو بن ابی سفیان بن حرب بھی تھا۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا۔ اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا۔ ابوسفیان سے کہا گیا "اپنے بیٹے عمرو کا فدیہ ادا کرو" اس نے کہا "کیا علی میرا خون اور میرا مال جمع کرلے گا؟" حنظلہ کو انہوں نے قتل کر دیا اور عمرو کا فدیہ میں ادا کروں۔ اسے ان کے پاس ہی رہنے دو۔ وہ جب تک چاہیں اسے اپنے پاس ٹھہرا رکھیں"۔ ابوسفیان مکہ مکرمہ میں ہی تھا کہ حضرت سعد بن نعمان وفد کی صورت میں عمرہ کرنے آئے۔ ابوسفیان نے ان پر حملہ کر دیا اور انہیں ان کے بیٹے کے بدلے محبوس کر دیا۔ بنو عمرو بن عوف بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور آپ کو حضرت سعد بن نعمان رضی اللہ عنہ کے بارے بتایا۔ انہوں نے آپ سے التجاء کی کہ آپ عمرو بن ابی سفیان انہیں عطا کریں۔ تاکہ وہ اس کے بدلے اپنے ساتھی کو قید سے نجات دلائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا وہ عمرو کو ابوسفیان کے پاس لے گئے۔ اس نے حضرت سعد کو آزاد کر دیا۔ اس عمرو کے متعلق کسی نے نہیں بتایا کہ اس نے اسلام قبول کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرک پر ہی مرا۔

ان قیدیوں میں سہیل بن عمرو العامری بھی تھا۔ یہ قریش کے سرداروں اور ان کے فصحاء اور بلغاء میں سے تھا۔ یہ قریش کے سامنے تقریریں کرتا تھا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارتا تھا۔ جب یہ قیدی بن کر آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی "آپ مجھے اجازت دیں میں سہیل کے دانت توڑ دوں۔ یہ اپنی زبان باہر نکالتا رہے مگر گفتگو نہ کر سکے"۔ کیونکہ سہیل کا اوپر والا ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔ ایسے شخص کے دانت اگر نکال دیئے جائیں تو وہ گفتگو نہیں کر سکتا۔ یہ آپ کے خلاف کبھی بھی تقریر نہیں کر سکے گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اس کا مثلہ نہیں کروں گا ورنہ رب تعالیٰ میرا مثلہ کر دے گا۔ اگر میں نبی ہوں ممکن ہے عنقریب یہ ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ تم اس کی مذمت نہ کرو" پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ حضرت سہیل ایمان لے آئے۔ اپنا اسلام عمدہ کیا۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں سے ہونے لگا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اکثر اہل مکہ نے اسلام سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو یہی حضرت سہیل رضی اللہ عنہ انہیں تقریر کرنے کے لئے اٹھے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی۔ ایسی تقریر کی کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو ثابت قدم کر دیا۔ انہوں نے بالکل اسی طرح کی تقریر کی جس طرح کی تقریر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس روز مدینہ طیبہ میں کی تھی۔ جس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر میں فرمایا "اے لوگو! جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے اسے موت نہیں۔ کیا تمہیں علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

اس نے فرمایا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ

وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ (آل عمران)

''اور نہیں محمد ﷺ مگر (اللہ کے) رسول۔ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے الٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو''۔

بخدا! میں جانتا ہوں کہ دین حق سورج کے مشرق و مغرب تک پہنچے گا۔ تم اپنے رب پر توکل کرو۔ اللہ تعالیٰ کا دین متین قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین حق کی نصرت فرمانے والا ہے۔ وہ اپنے دین کو تقویت بخشنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے میں سے بہترین (سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) پر جمع کر دیا ہے۔ اس سے دین اسلام کی قوت میں اضافہ ہو گا۔ ہم نے جس کو مرتد ہوتے ہوئے دیکھا اس کا سر قلم کر دیں گے'' لوگ واپس لوٹ آئے اور وہ اس امر سے رک گئے جس کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کا اس جگہ کھڑا ہو کر تقریر کرنا آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ آپ نے کئی سال قبل اس کی خبر دے دی تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ایک روز یہ اس جگہ کھڑا ہو گا کہ تم اس کی مذمت نہیں کرو گے''۔ جب یہی سہیل قیدی بنے تو مکرز بن حفص ان کا فدیہ ادا کرنے آئے۔ جب فدیہ کا تقرر ہو گیا اور صحابہ کرام نے اسے فدیہ ادا کرنے کے لئے کہا تو اس نے کہا ''میرے پاس اس جگہ تو کچھ بھی نہیں تم مجھے سہیل کی جگہ رکھ لو اور اسے آزاد کر دو۔ حتیٰ کہ یہ اپنا فدیہ تمہارے پاس بھیج دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سہیل کو آزاد کر دیا اور مکرز کو اس کی جگہ گرفتار کر لیا حتیٰ کہ سہیل فدیہ لے کر آ گئے۔

قیدیوں میں ولید بن ولید بھی تھے۔ یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ہشام اور خالد نے ان کا فدیہ ادا کیا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ جب لوگوں نے اس کے متعلق عتاب کیا تو انہوں نے کہا ''مجھے سخت ناپسند تھا کہ میرے بارے میں یہ گمان کیا جاتا کہ میں نے قید سے تنگ آ کر اسلام قبول کر لیا ہے''۔ جب انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ہشام اور خالد نے انہیں محبوس کر دیا۔ حضور ﷺ ان کے لئے قنوت میں دعا مانگتے تھے۔ ''مولا! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما'' پھر انہیں نجات مل گئی اور یہ عمرۃ القضاء میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل گئے۔

وہب بن عمیر جمحی بھی قیدیوں میں سے تھے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہیں حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے قیدی بنایا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں قیدیوں کے ہمراہ رہے۔ ان کا باپ عمیر قریش کے شیاطین میں سے تھا۔ یہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو اذیتیں دیتا تھا۔ ایک دن عمیر صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ دونوں حجر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ قریش کی اس مصیبت کا تذکرہ کر رہے تھے جو انہیں غزوۂ بدر میں پہنچی۔ صفوان نے کہا ''بخدا! ان کے بعد زندگی میں کوئی بھلائی نہیں رہی''۔ کیونکہ صفوان کا باپ امیہ اور بھائی علی اس روز مارے گئے تھے۔ عمیر نے اسے کہا ''تو نے سچ کہا ہے۔ بخدا! اگر مجھ پر وہ قرض نہ ہوتا جسے میں ابھی تک ادا نہیں کر سکا اور میرے اہل و عیال نہ ہوتے جن کے بارے خدشہ مجھے دامن گیر ہے تو میں محمد (عربی ﷺ) کے پاس جا کر انہیں ختم کر دیتا (نعوذ باللہ منہ) میرا معقول بہانہ بھی ہے۔

میرا بیٹا ان کے ہاتھوں گرفتار ہے" صفوان نے یہ موقعہ غنیمت سمجھا۔ اس نے کہا "تیرا قرضہ مجھ پر رہا۔ میں اسے ادا کر دوں گا۔ تیرے اہل خانہ میرے اہل خانہ کے ساتھ رہیں گے۔ میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہمدردی کرتا رہوں گا"۔ عمیر نے کہا "میرا یہ معاملہ مخفی رکھنا"۔ انہوں نے باہم وعدہ کیا۔ عمیر نے اپنی تلوار لی۔ اسے زہر میں بجھایا اور عازم سفر ہو کر مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ اسی اثناء میں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ یوم بدر کے بارے مصروف گفتگو تھے۔ جب عمیر نے مسجد نبوی کے دروازہ پر اپنی اونٹنی بٹھائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے گردن کے ساتھ تلوار حمائل کر رکھی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن! یہ کتا! عمیر بن وہب! بخدا! یہ کوئی شر لے کر ہی آیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی "یا نبی اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا دشمن عمیر بن وہب ہے۔ یہ اپنی تلوار حمائل کئے آیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے میرے پاس لے آؤ" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے۔ اس کی تلوار کے پرتلہ سے اسے پکڑا۔ وہاں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا "تم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آجاؤ۔ آپ کے پاس بیٹھ جاؤ۔ اس خبیث سے امن نہیں"۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے بارگاہ رسالت مآب میں لے گئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار کے پرتلہ سے پکڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا "عمر! اسے چھوڑ دو"۔ عمیر! میرے قریب آجا" عمیر آپ کے قریب گیا اس نے کہا "انعموا صباحاً" یہ زمانہ جاہلیت کا سلام تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے سلام سے نوازا ہے جو تمہارے اس سلام سے بہتر ہے۔ "السلام علیکم" کہنا اہل جنت کا سلام ہے۔ عمیر! کس لئے آیا ہے؟ اس نے عرض کی "میں اس قیدی کے لئے آیا ہوں جو تمہارے ہاتھوں گرفتار ہے تم اس پر احسان کرو" آپ نے فرمایا "اس تلوار کا کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا "اللہ تعالیٰ تلواروں کو رسوا کرے۔ کیا انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ دیا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سچ سچ بتاؤ کس مقصد کے لئے آئے ہو؟" اس نے کہا "صرف اس مقصد کے لئے آیا ہوں" آپ نے فرمایا "تو اور صفوان حجر میں بیٹھے۔ پھر تم نے بدر کے مقتولین کے بارے گفتگو کی۔ تو نے کہا "اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا۔ میرے اہل وعیال نہ ہوتے تو میں محمد (عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیتا۔ صفوان نے تیرے قرض اور اہل وعیال کا بوجھ اٹھایا حتی کہ تو مجھے قتل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے اس ارادہ کے مابین حائل ہے"۔ عمیر نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم تو ویسے ہی اسے جھٹلاتے رہے۔ جو آپ کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے اور جو آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ ہم اس کی تکذیب کرتے رہے۔ اس امر کو یا میں جانتا تھا یا صفوان۔ مجھے یقین ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس خبر سے آگاہ فرمایا ہے۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی اور مجھے ادھر لے آیا"۔ پھر انہوں نے حق کی گواہی دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے بھائی کو دین سکھاؤ۔ اسے قرآن پاک سکھاؤ۔ اس کا قیدی اس کے لئے آزاد کر دو"۔ صحابہ کرام نے اسی طرح کیا، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کے لخت جگر نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمیر نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں شدید اذیتیں دے کر نور خدا کو بجھانا چاہتا تھا۔ میں اسے ستاتا تھا جو اس دین کے ساتھ وابستہ ہو جاتا تھا۔ مجھے پسند ہے کہ آپ مجھے اذن دیں۔

میں مکہ مکرمہ جاؤں۔ اہل مکہ کو اس چشمہ صافی کی طرف دعوت دوں۔ شاید رب تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرما دے۔ ورنہ میں انہیں ان کے دین کے متعلق انہیں اسی طرح اذیتیں دوں گا۔ جس طرح میں آپ کے صحابہ کو ان کے دین کی وجہ سے اذیتیں دیتا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اذن دے دیا۔ وہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ جب حضرت عمیر مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے تھے اس وقت سے صفوان اہل مکہ سے کہہ رہا تھا" اس واقعہ کی وجہ سے خوش ہو جاؤ جو عنقریب رونما ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ سے تم یوم بدر کو بھول جاؤ گے" یہی صفوان ہر کارواں سے عمیر کے متعلق پوچھتا تھا۔ ایک سوار آیا اس نے اسے حضرت عمیر کے اسلام کے متعلق بتایا۔ صفوان نے قسم اٹھائی کہ وہ کبھی بھی حضرت عمیر سے گفتگو نہیں کرے گا۔ نہ اسے فائدہ دے گا اور نہ ہی اس کے ساتھ ہمدردی کرے گا۔ جب حضرت عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آئے وہ پہلے اپنے گھر گئے صفوان کے پاس نہ گئے۔ اسلام کا اظہار کیا۔ اسلام کی طرف دعوت دی۔ یہ بات صفوان تک پہنچ گئی۔ اس نے کہا" مجھے اس وقت علم ہو گیا تھا جب وہ سیدھا میرے پاس نہ آیا کہ وہ صابی ہو گیا ہے میں اس کے ساتھ کبھی بھی کلام نہ کروں گا۔ نہ اسے اور نہ ہی اس کے اہل خانہ کو فائدہ دوں گا"۔ پھر حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے باآواز بلند کہا" صفوان! تو ہمارے سرداروں میں سے ایک سردار ہے۔ ہم جوان پتھروں کی عبادت کرتے اور ان کے لئے ذبح کرتے تھے کیا یہ دین ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بندے اور رسول ہیں"۔ صفوان نے جواب میں بات تک نہ کی۔ یہی حضرت عمیر رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے روز صفوان کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ طلب کی تھی پھر یہ صفوان بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت تقسیم فرمایا اور بکریوں سے لبریز وادی صفوان کو عطا کر دی۔ صفوان نے کہا" میں گواہی دیتا ہوں کہ بادشاہ خوشدلی سے اس قدر سخاوت نہیں کرتے انبیائے کرام ہی اس طرح سخاوت کے دریا بہا سکتے ہیں اشھد ان لا الہ الا اللہ و انک رسول اللہ! انہوں نے اپنا اسلام عمدہ کیا۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہونے لگا۔ انہیں سید البطحاء کہا جاتا تھا۔ یہ قریش کے فصحاء میں سے تھے۔

حضور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مشرکین کو فدیہ کے بغیر آزاد کر دیا۔ ان میں سے ایک ابو عزہ عمرو الجمحی شاعر بھی تھا۔ یہ اپنے شعروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت دیتا تھا۔ اس نے عرض کی" یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں تنگ دست ہوں میری اولاد کثیر ہے۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر احسان فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے عرض کی" میری پانچ بیٹیاں ہیں۔ ان کے لئے مجھ پر رحم فرمائیں" آپ نے اس پر احسان فرماتے ہوئے اسے آزاد کر دیا۔ اس سے عہد لیا کہ وہ آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا جب یہ مکہ معظمہ پہنچا تو اس نے کہا" میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا ہے" یہ دوبارہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کو اذیت دینے لگا۔ غزوہ احد میں یہ مشرکین کے ساتھ نکلا۔ یہ مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا۔ یہ غزوہ احد میں بھی گرفتار ہو گیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی" مجھے آزاد کر دیں مجھے چھوڑ دیں۔ میں توبہ کرتا ہوں" آپ نے فرمایا "مؤمن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا"۔ اس کی گردن اڑا دی گئی۔ اس کا سر اٹھا کر مدینہ طیبہ لایا گیا۔ اس کے متعلق

یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ (الانفال:71)

''اور اگر آپ سے دھوکہ بازی کی (تو حیران کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اس لئے) تو اللہ نے قابو دے دیا تمہیں ان پر''۔

اہل مدینہ کو مژدہ جانفزا

جب حضور ﷺ مشرکین کی لاشوں کو گڑھے میں پھینکنے سے فارغ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اہل عالیہ (مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ) کی طرف اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اہل سافلہ کی طرف اس شاندار فتح کی بشارت دے کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی ''القصواء'' یا ''العضباء'' پر سوار کیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اہل عالیہ میں یہ صدا لگانے لگے ''اے گروہ انصار! حضور ﷺ کی سلامتی تمہیں مبارک ہو۔ مشرکین کا قتل اور ان کا قیدی بن جانا مبارک ہو''۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ نے اہل سافلہ میں ندا دی۔ انہوں نے کہا ''فلاں قتل ہو گیا۔ فلاں قیدی بن گیا''۔ اللہ تعالیٰ کا دشمن کعب بن اشرف ان دونوں کو جھٹلانے لگا۔ اس نے کہا ''اگر محمد عربی ﷺ نے انہیں تہ تیغ کر دیا ہے تو زمین کا اندرونی حصہ اس کے ظاہر سے بہتر ہے''۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''فتح کی خبر اس وقت مدینہ طیبہ پہنچی جب ہم لخت جگر مصطفیٰ ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر انور پر مٹی ڈال رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ وقت وصال ان کی عمر بیس برس تھی۔ ان کے بعد حضور جان عالم ﷺ نے اپنی دوسری نور نظر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ جب ان کا بھی وصال ہو گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''عثمان کا نکاح کرا دو۔ اگر میری اور (غیر شادی شدہ) بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی ان سے کر دیتا۔ میں نے وحی الٰہی کے مطابق ان کا نکاح کیا تھا''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''اگر میرے پاس چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیتا حتیٰ کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہتی''۔

علامہ حلبی نے لکھا ہے ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھی۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ خوشخبری لے کر آئے تو ایک منافق نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تمہارے ساتھی اس طرح متفرق ہوئے ہیں کہ اب وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکیں گے۔ محمد عربی ﷺ شہید ہو چکے ہیں۔ ان کے صحابہ مغلوب ہو چکے ہیں۔ یہ ان کی اونٹنی ہے جس پر زید بن حارثہ سوار ہیں۔ رعب کی وجہ سے نہ جانے وہ کیا کہہ رہے ہیں''۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے اس منافق کی اس بکواس کا علم ہوا۔ میں اپنے والد گرامی قدر کے پاس آیا۔ جب وہ تنہا ہو گئے تو میں نے اس منافق کی اس بات کے بارے پوچھا۔ میں نے عرض کی ''جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا وہ سچ ہے؟ انہوں نے فرمایا ''نور نظر! اللہ کی قسم! وہ سچ ہے جو کچھ میں کہہ رہا ہوں''۔ یہ سن کر میرے دل کو تقویت نصیب ہوئی۔ میں اس منافق کے پاس گیا میں نے کہا ''تو حضور سید الانبیاء

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے غلط افواہ پھیلا رہا تھا۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم تجھے آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ پھر تیری گردن اڑادی جائے گی"۔ اس منافق نے کہا "میں نے لوگوں کو یوں کہتے ہوئے سنا ہے"۔

مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ نمائی

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ جب "الصفراء" گھاٹی سے باہر نکلے تو آپ نے مال غنیمت تقسیم کیا۔ آپ کے منادی نے یہ اعلان کیا "جس نے جسے قتل کیا ہو اس کا سامان اسے ملے گا۔ جس نے جس کو گرفتار کیا وہ قیدی اسی کا ہو گا۔ آپ نے غزوۂ بدر کے دوران بھی اسی طرح فرمایا تھا تاکہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی جاسکے۔ آپ نے ان صحابہ کرام کے لئے بھی حصہ نکالا جو آپ کے حکم سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لئے پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں اہل بدر میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگرچہ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آپ نے ان کے لئے مال غنیمت میں سے حصہ بھی نکالا۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی ایسے افراد میں تھے جو اس غزوہ میں شرکت نہ کرسکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی افراد میں سے تھے۔ آپ نے انہیں اہل قباء اور اہل عالیہ پر نائب مقرر فرمایا تھا۔ ان حضرات میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کو آپ نے دشمن کی خبر لینے اور جاسوسی کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ اس وقت واپس آئے جب یہ معرکۂ حق و باطل ختم ہو چکا تھا۔ وہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما تھے۔ حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ عنہ نے بھی اس غزوہ میں شرکت نہ کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بنو عمرو بن عوف پر امیر مقرر کیا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو صحابہ کرام آپ سے ملاقات کرنے اور شاندار فتح کی مبارکباد دینے کے لئے باہر نکل آئے۔ انہوں نے آپ سے ملاقات کی۔ جب آپ مدینہ طیبہ داخل ہوئے تو بچیوں نے یہ اشعار پڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

ہم پر ثنیۃ الوداع سے ماہ چہاردہم طلوع ہوا۔

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داعی

ہم پر اس وقت تک اس نعمت کبریٰ کا شکر ادا کرنا واجب ہے جب تک رب تعالیٰ کی طرف سے بلانے والے دعوت دیتا رہے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملاقات کی اور عرض کی "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جس نے آپ کو فتح اور ظفرمندی عطا فرمائی اور آپ کی چشمان مقدس کو ٹھنڈک عطا فرمائی"۔

اہل مکہ کو خبر

حیسمان بن ایاس الخزاعی نے سب سے پہلے اہل مکہ کو قریش کی اس مصیبت کی خبر سنائی۔ وہ مکہ مکرمہ آیا اور جو حالات

دیکھ کر آیا تھا وہ بیان کرنے لگا اس نے کہا "عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ فلاں اور فلاں سارے قتل ہو گئے۔ فلاں فلاں قیدی بن گئے صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا "بخدا! اس کی عقل کام نہیں کر رہی۔ اس سے میرے متعلق پوچھو" لوگوں نے اس سے صفوان کے متعلق پوچھا" لوگوں نے کہا "صفوان بن امیہ کے ساتھ کیا ہوا؟" اس نے کہا "وہ حجر میں بیٹھا ہوا ہے" بخدا! میں نے اس کا باپ اور بھائی قتل ہوتے دیکھے ہیں۔ پھر سفیان بن حارث آئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد تھے۔ یہ آپ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ یہ پہلے مشرک تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بہت زیادہ عداوت رکھتے تھے۔ پھر اسلام لے آئے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کی۔ انہوں نے اس وقت ابواء کے مقام پر آپ سے ملاقات کی جب آپ فتح مکہ کے لئے آرہے تھے۔ جب ابوسفیان بن حارث اہل مکہ کے پاس آئے تو ابولہب نے ان سے قریش کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا "میرے قریب آجا۔ میرے پاس بڑی اندوہناک خبر ہے۔ بخدا! جب ہم مسلمانوں سے ملے تو وہ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ انہوں نے جیسے چاہا ہمیں قتل کیا۔ جیسے چاہا ہمیں قیدی بنایا۔ لیکن میں لوگوں پر ملامت نہیں کرتا۔ ہم نے سفید مرد دیکھے جو آسمان اور زمین کے مابین ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ بخدا! ان کا مقابلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ پھر انہوں نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے فرمایا "میں نے ابولہب سے کہا" وہ ملائکہ تھے" ابولہب نے یہ سن کر ہاتھ اٹھایا اور میرے چہرے پر زور سے تھپڑ مارا۔ میں اس کے ساتھ لڑنے لگا۔ اس نے مجھے پکڑا اور مجھے زمین پر پٹخ دیا۔ پھر مجھ پر بیٹھ کر مجھے مارنے لگا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام فضل اٹھیں۔ ان کا نام لبابہ بنت حارث ہلالیہ تھا۔ یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ ان کا شمار اولین اہل ایمان میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک لکڑی لی اور ابولہب کے سر پر دے ماری۔ اسے زخمی کر دیا۔ انہوں نے اسے کہا" کیا تو انہیں کمزور سمجھ رہا ہے کہ ان کا مالک ادھر موجود نہیں" حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ابولہب ذلیل ورسواہو کر چلا گیا"۔ پھر اس واقعہ کے بعد وہ سات دن ہی زندہ رہ سکا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک پھنسی پیدا کر دی۔ اہل عرب اس پھنسی سے بدفالی لیتے تھے۔ وہ کہتے کہ یہ متعدی ہو جاتی ہے ابولہب کی بیوی اور اس کے بیٹے اس سے پہلو تہی کرنے لگے حتیٰ کہ وہ موت کے گھاٹ اتر گیا۔ مرنے کے بعد تین روز تک وہ اس طرح پڑا رہا کہ کوئی اس کے قریب تک نہ جاتا تھا۔ جب اس کے اہل خانہ کو خدشہ ہوا کہ لوگ اس کی وجہ سے اسے برا بھلا کہیں گے تو انہوں نے اس کے لئے ایک گھڑا کھودا۔ اس میں ابولہب کو پھینک کر اوپر پتھر پھینک دیئے۔ ابولہب کی اولاد میں سے حضرت عتبہ اور حضرت معتب کو فتح مکہ کے روز اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ان کی بہن حضرت درہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ انہیں بھی صحابیت کا درجہ نصیب ہوا۔ البتہ عتیبہ حالت کفر میں مر گیا۔ اس نے جب لخت جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو طلاق دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بددعا کی تو شام کے راستہ میں ایک شیر نے اسے چیر پھاڑ دیا۔ آپ نے اس کے لئے یہ بددعا کی "مولا! اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما"۔ جب اہل مکہ کو مشرکین کے قتل

اور قید ہو جانے کی تحقیق ہوئی تو انہوں نے اپنے مقتولوں پر بہت زیادہ نوحہ کیا۔ وہ ایک ماہ تک نوحہ کرتے رہے۔ عورتوں نے اپنے بال اکھیڑ پھینکے۔ ایک مقتول کی سواری یا گھوڑا لایا جاتا اسے پردوں سے ڈھانپ دیا جاتا اور عورتیں اس کے ارد گرد نوحہ کرتیں۔ وہ گلیوں میں نکل جاتیں۔ پھر مشرکین کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اس طرح نوحہ خوانی نہ کریں۔ اگر محمد عربی ﷺ اور ان کے ساتھیوں تک یہ خبر پہنچ گئی تو تم پر ہنسیں گے۔ اپنے مقتولوں پر نہ روؤ۔ حتیٰ کہ ہم مسلمانوں سے بدلہ لے لیں۔ اور ہمیں ان مقتولوں سے صبر نصیب ہو سکے۔

نجاشی کا عمل

جب نجاشی تک حضور ﷺ کی فتح و کامرانی کی خبر پہنچی تو وہ بہت زیادہ خوش ہوا۔ اس نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اور ان کے ساتھیوں کو بلایا۔ جب وہ اس کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے اسے پایا کہ وہ مٹی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے۔ صحابہ کرام نے پوچھا "شاہ والا! آپ نے یہ حلیہ کیوں بنا رکھا ہے؟" بادشاہ نے ان سے کہا "میں تمہیں ایسی خبر سنانے لگا ہوں جو تمہیں خوش کر دے گی۔ تمہاری سرزمین کی طرف سے میرے پاس میرا ایک جاسوس آیا ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے دین کی مدد کی ہے۔ اس نے ان کے فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے بہت سے مشرکین کے نام لئے۔ میدان بدر میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ اس میدان میں بہت سے اراک کے درخت ہیں۔ میں وہاں اپنے آقا کی بکریاں چراتا تھا۔ میرے مالک کا تعلق بنوضمرہ سے تھا۔" حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "شاہ ذی شان! آپ مٹی پر کیوں بیٹھے ہیں۔ اور یہ بوسیدہ کپڑے کیوں پہن رکھے ہیں؟" بادشاہ نے کہا "میں نے اس حیات آفرین پیغام میں پایا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ جب وہ اپنے بندوں پر نعمت کرے تو وہ اس کے لئے عاجزی کا اظہار کریں"۔ دوسری روایت کے مطابق بادشاہ نے کہا "جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نعمت ہوتی تو ان کی تواضع میں اضافہ ہو جاتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی یہ نصرت فرمائی تو میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اس تواضع کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مشرکین کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا ہے"۔

مشرکین مکہ نے کہا "ہم ان مسلمانوں سے اپنا بدلہ لے سکتے ہیں جو سرزمین حبشہ میں ہیں۔ ہم نجاشی کے پاس جاتے ہیں تاکہ وہ وہاں موجود مسلمانوں کو ہمارے حوالے کر دے اور ہم اپنے مقتولین کے عوض انہیں قتل کر ڈالیں"۔ قریش نے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو حبشہ بھیجا۔ (بعد میں یہ دونوں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے) تاکہ نجاشی مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دے۔ قریش نے ان کے ہمراہ نجاشی اور اس کے درباریوں کے لئے تحائف بھی بھیجے۔ مگر یہ دونوں حبشہ سے خائب و خاسر واپس لوٹ آئے۔ یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تیسری بار بھی حبشہ گئے تھے یہ واقعہ عنقریب آئے گا۔ وہاں ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بیان ہوگا۔

شہدائے بدر

حضور ﷺ مؤید و منصور مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ اس شاندار فتح نے آپ کے سارے دشمن لرزہ براندام ہو گئے۔ بہت سے اہل مدینہ مشرف باسلام ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی بھی ظاہراً اسلام میں داخل ہو گیا۔ یہودیوں نے کہا ''آپ وہی نبی مکرم ﷺ ہیں جن کا تذکرہ ہم تورات میں پاتے ہیں'' بہت سے یہودی دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے باقی اپنے کفر پر ہی ڈٹے رہے۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ (الاعراف:186)

''جسے گمراہ کر دے اللہ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے''۔

غزوۂ بدر میں چودہ خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا گیا۔ ان میں چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔ انصار میں سے چھ کا تعلق بنو خزرج سے اور دو کا تعلق اوس کے ساتھ تھا۔ مہاجرین شہداء میں سے حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ عتبہ بن ربیعہ کے ساتھ مقابلہ کرتے وقت ان کی ٹانگ کٹ گئی تھی۔ انہوں نے صفراء کے مقام پر وصال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ حضرت مجع رضی اللہ عنہ کے سر پر بھی اسی روز شہادت کا تاج سجا۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی جام شہادت نوش کیا تھا۔ اس امت بیضاء کے شہداء میں سے روز حشر سب سے پہلے انہیں ہی پکارا جائے گا۔ انہوں نے عامر بن حضرمی کا تیر لگنے کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی روز شہادت کی قبائے رنگین زیب بدن کی۔ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمیر رضی اللہ عنہ کو کمسن ہونے کی وجہ سے واپس لوٹانا چاہا تو یہ رونے لگے۔ حضور ﷺ نے انہیں روتے ہوئے دیکھا تو انہیں اذن عطا فرما دیا۔ وقت شہادت ان کی عمر سولہ برس تھی۔ اسی طرح حضرت صفوان بن بیضاء الفہری، حضرت ذوالشمالین عمیر (یا حارث) اور ایک روایت کے مطابق عمرو بن عبد عمرو اللیثی خزاعی نے بھی اسی روز جام شہادت نوش کیا تھا۔ خزرجی انصاری صحابہ کرام میں سے حضرت عوف بن عفراء، حضرت حارث بن سراقہ، حضرت یزید بن حارث، حضرت رافع بن معلّٰی، حضرت عمیر بن حمام نے اور اوس انصاری صحابہ کرام میں سے حضرت سعد بن خثیمہ اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم اجمعین نے جام شہادت نوش کیا۔ میدان بدر کو ان سب کی آخری آرام گاہ کا شرف بننے کی شہادت ازلی نصیب ہوئی لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو مقام صفراء یا روحاء میں دفن کیا گیا۔ کیونکہ ان کا وصال بعد میں ہوا۔

امام طبرانی نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ خوش نصیب جنہوں نے غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش کیا اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو جنت میں سبز پرندوں میں رکھا۔ وہ جنت میں سیر کرتے رہتے ہیں۔ وہ جنت میں محو سیر تھے کہ رب تعالیٰ نے انہیں اوپر سے دیکھا۔ اس نے فرمایا ''اے میرے بندو! تم کیا چاہتے ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''مولا! اس نعمت سے بالا بھی کوئی نعمت ہے؟'' اس نے پھر فرمایا ''تم کیا چاہتے ہو؟'' چوتھی بار رب تعالیٰ نے اسی طرح فرمایا تو انہوں نے عرض کی ''ہماری ارواح کو ہمارے اجسام میں لوٹا دے۔ ہمیں اسی طرح شہید کر دیا جائے جس طرح ہم

پہلے شہید ہوئے تھے"۔

"المواہب" میں ہے۔ان صحابہ کرام کے سروں پر شہادت کا تاج زرنگار سج گیا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر قدح نہیں ہو سکتی جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔کہ انہیں قریش پر فتح اور کامیابی حاصل ہوگی۔اس نے ارشاد فرمایا

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَیْنِ (الانفال:7)

"اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان دو گروہوں سے"۔

کیونکہ اس نے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ان میں سے کسی کے سر پر شہادت کا تاج نہیں سجایا جائے گا۔اس لئے یہ وعدہ ان کی شہادت کے منافی نہیں۔وعدہ پورا ہو گیا۔وہ اس وعدہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر غالب آ گئے۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے۔اس نے اپنے وعدہ کے مطابق اہل ایمان کی مدد کی۔الحمد للہ علی ذالک۔

میدان بدر میں فتح ونصرت کی علامت

اس غزوہ میں ستر مشرکین واصل جہنم ہوئے۔ستر مشرکین ہی قیدی بنے۔امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

"المواہب" اور اس کی شرح میں ہے کہ ابن مرزوق نے "البردۃ" کی شرح میں لکھا ہے "عرصہ طویل گزر جانے کے باوجود غزوۂ بدر کی نشانیاں ابھی تک باقی ہیں۔میں نے کئی حجاج کرام سے سنا ہے کہ جب وہ میدان بدر سے گزرے تو انہوں نے اس طرح طبل کی آواز سنی جس طرح بادشاہوں کے لئے طبل بجایا جاتا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اہل ایمان کی نصرت کی علامت ہے۔بعض اوقات میں نے ان لوگوں کا انکار کر دیا اور بعض اوقات اس کی تاویل کی کہ وہ سخت زمین ہے۔ممکن ہے وہاں جانوروں کے سموں سے اس طرح آواز آتی ہو جس طرح طبل بجایا جاتا ہے۔ان حاجیوں نے مجھے بتایا کہ وہ جگہ نرم ہے۔سخت نہیں ہے وہاں اکثر اونٹ چلتے ہیں۔اونٹوں کے چلنے سے زمین میں آواز پیدا نہیں ہوتی" "پھر جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام فرمایا۔میں اس نور فشاں زمین تک پہنچا۔میں اپنی سواری سے نیچے اتر آیا۔میرے ہاتھ میں ام غیلان کا عصا تھا۔میں یہ خبر بھول چکا تھا جو میں حاجیوں سے سنا کرتا تھا۔وہ مجھے بالکل یاد نہ تھی۔میرے ہمراہ صرف ایک خادم تھا۔اس نے مجھے کہا "کیا تم طبل کی آواز سن رہے ہو؟" جب میں نے یہ سنا تو مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔مجھے وہ خبر یاد آ گئی جو حاجی مجھے بتاتے تھے۔ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔میں نے طبل کی آواز سنی۔میں فرح وہیبت سے مدہوش سا تھا۔مجھے ذرا شک گزرا میں نے کہا "شاید ہوا میرے اس عصا سے ٹکرا رہی ہو جو میرے ہاتھ میں تھا۔میں زمین پر بیٹھ گیا یا مضبوطی سے کھڑا ہو گیا یا میں نے یہ سب کچھ کیا۔میں نے حقیقی طور پر طبل کی آواز سنی۔مجھے کوئی شک نہ رہا کہ وہ طبل کی آواز تھی۔یہ آواز یمن کی طرف سے آ رہی تھی۔جبکہ ہم مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے۔ہم میدان بدر میں ہی فروکش ہو گئے۔میں اس روز اس طبل کی آواز یکے بعد دیگرے سنتا رہا۔میں نے تجربہ کیا کہ وہ آواز سارے لوگ نہیں سن سکتے"۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ تاریخ الخمیس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "جب میں 936ھ میں میدان بدر میں اترا۔میں

نے بدھ کے روز نماز فجر ادا کی۔ ماہ شعبان کے ابتدائی ایام تھے۔ ہم نے وہاں ایک روز قیام کیا۔ میں نے اس طبل کی آواز سنی۔ وہ آواز ایک بلند و بالا ٹیلے سے آ رہی تھی۔ وہ ٹیلہ بدر کے شمال کی طرف تھا۔ میں اس ٹیلے کے نیچے اترا میں نے ٹیلے کے دامن میں بڑے طبل کی آواز سنی۔ بلاشبہ وہ طبل ہی کی آواز تھی۔ وہ آواز کئی بار آئی۔ دیگر لوگوں نے بھی وہ آواز اسی طرح سنی جس طرح میں نے سنی تھی۔ کبھی یہ آواز ہمارے پیچھے سے آنے لگتی۔ پھر رک جاتی کبھی یہ آواز ہمارے پیچھے سے آنے لگتی کبھی یہ آواز ہمارے سامنے اور کبھی ہمارے شمال کی سمت سے آنے لگتی۔ وہ وقت بھی بڑا خوش گوار تھا۔ جس میں تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔

اہل بدر کی فضیلت

اہل بدر کی فضیلت میں بہت سی روایات اور آثار ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل بدر کو کیسے سمجھتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا ''تمام مسلمانوں سے افضل'' حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی ''غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے فرشتے بھی اسی طرح ہیں'' ایک اور روایت میں ہے ''غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے ملائکہ ان ملائکہ سے افضل ہیں جو پیچھے رہ گئے تھے''۔

امام طبرانی نے جید سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو اپنا دیدار کرایا اور فرمایا ''جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے یا تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے''۔ یعنی تمہاری سابقہ اور آئندہ لغزشوں کو معاف کر دیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فرمان اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے ان صحابہ کرام کو مستقبل میں گناہوں سے محفوظ کر دیا تھا۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ان سے کسی نازیبا امر کا صدور ہو گیا تو فوراً وہ در توبہ پر جھک گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا یا ایسی چیز پائی گئی جس سے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی ہو گئی۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ گناہوں کو ان کے لئے مباح کر دیا گیا یا انہیں گناہوں پر انہیں ابھارا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل بدر کی بہت زیادہ تکریم کرتے تھے۔ اور انہیں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ روایت ہے کہ بدری صحابہ کرام کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی۔ آپ ایک جگہ تشریف فرما تھے جگہ تنگ تھی۔ آپ کے ہمراہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت تھی۔ بدری صحابہ کرام سلام عرض کرنے کے بعد کھڑے رہے۔ تاکہ دوسرے صحابہ کرام ان کے لئے جگہ بنائیں۔ مگر صحابہ کرام بیٹھے رہے۔ بدری صحابہ کرام کا اس طرح کھڑا رہنا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا شاق گزرا۔ آپ نے بیٹھے ہوئے صحابہ کرام میں سے جو اہل بدر میں سے نہ تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا ''اے فلاں! اٹھو۔ اے فلاں اٹھو'' آپ نے اس شخص کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھ لئے تھے جسے آپ نے کھڑا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنے بھائی کے لئے محفل میں جگہ بنائی'' اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا (المجادلہ: 11)

''اے ایمان والو جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کرو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ

تمہارے لئے کشادہ فرمائے گا جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہوا کرو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو"۔

بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدری صحابہ کرام کے لئے اٹھنے لگے اور انہیں جگہ دینے لگے۔

بہت سے علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ شہداء بدر کے مبارک ناموں کو پڑھنا اور ان کے وسیلہ سے دعا مانگنا انہیں لکھنا اٹھانا اور گھروں میں لٹکانا حفاظت، نصرت، فتح اور دشمن کے مکر وفریب اور ظالموں کے ظلم سے سلامتی کا ذریعہ ہے۔ ان اسماء مبارکہ کے بہت سے فوائد اور خواص ہیں۔ میں نے اہل بدر کے مناقب کے ساتھ ساتھ شہدائے بدر کے اسماء کے خواص پر علیحدہ تالیف رقم کی ہے۔ اسی طرح غزوۂ بدر پر ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں یہی تفصیل کافی ہے"۔

غزوۂ بنی سُلیم

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ میں صرف سات راتیں قیام فرما رہے۔ پھر آپ بنو سلیم کے ساتھ جہاد کرنے کے ارادہ سے تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ نمازوں کی امامت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔

جس غزوہ میں بھی سپہ سالار اعظم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا اس میں صرف نمازوں کی امامت ہی ان کے سپرد کی کیونکہ وہ نابینا تھے اور نابینا کا فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ اس امر کے متعلق اور بھی اقوال ہیں۔

تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک جھنڈا سفید رنگ کا تھا۔ علَم اٹھانے کی سعادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حاصل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو سلیم کے چشموں میں سے ایک چشمہ تک پہنچے جسے "الکدر" کہا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تین دن قیام فرما رہے۔ پھر مدینہ منورہ واپس آگئے۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے کی نوبت نہ آئی۔ بنو سلیم بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے ان کے مویشی اسی جگہ ہی تھے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر قبضہ کر لیا۔ انہیں مدینہ طیبہ لے آئے "صرار" کے مقام پر انہیں تقسیم فرمایا (صرار مدینہ طیبہ سے تین میل دور ایک جگہ کا نام ہے) ان مویشیوں میں پانچ سو اونٹ بھی تھے۔ اس مہم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پندرہ روز صرف ہوئے۔

غزوۂ بنی قینقاع

بنو قینقاع کی عہد شکنی

بنو قینقاع یہودیوں کا مشہور قبیلہ تھا۔ ان کے گھر "عالیہ" کی سمت بطحان کے پاس تھے۔ یہ قبیلہ یہودیوں کے سارے قبائل سے بہادر تھا۔ یہ سنارے تھے۔ یہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن ابی کے حلیف تھے۔

جب غزوہ بدر رُونما ہوا تو انہوں نے بغاوت وحسد کا اظہار کیا۔ انہوں نے عہد شکنی کی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کریں گے نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خلاف دشمن کی مدد کریں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہیں گے۔ آپ ﷺ کے مخالف کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔ ایک قول کے مطابق ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ حضور ﷺ کی اس وقت مدد کریں گے جب آپ کسی دشمن سے نبرد آزما ہوں گے۔ بنوقینقاع نے سب سے پہلے اس معاہدہ کو توڑا کیونکہ ان کے سینوں میں سرور کائنات ﷺ کے ساتھ دشمنی و عداوت کے شعلے سب سے زیادہ تھے۔

ان کی عہد شکنی اور دھوکہ دہی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقام بدر میں سکونت پذیر ایک انصاری صحابی کی زوجہ بنوقینقاع کے بازار میں آئیں۔ وہ ایک برتن فروخت کرنا چاہتی تھیں۔ وہ ان کے ایک سنارے کے پاس گئیں وہاں یہودیوں کے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس خاتون محترمہ کو چہرے سے نقاب ہٹانے کے لیے کہا مگر اس عظیم خاتون نے انکار کر دیا۔ سنار اس خاتون کے کپڑے کی ایک طرف گیا۔ کپڑے کی ایک سمت کو اس خاتون کی پشت کے ساتھ باندھ دیا۔ دوسری روایت کے مطابق اسے کانٹے کے ساتھ باندھ دیا۔ مگر اس خاتون کو علم نہ ہو سکا۔ جب وہ اٹھ کر جانے لگی تو اس کی شرم گاہ ننگی ہو گئی۔ یہودی ہنسنے لگے۔ وہ خاتون یہودیوں کی اس کارستانی پر چیخ پڑی۔ وہاں ایک غیرت مند مسلمان بھی تھا اس نے سنارے پر حملہ آور ہو کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہودیوں نے اس باغیرت مسلمان پر حملہ کر دیا اور اسے شہید کر دیا۔ اہل اسلام نے مسلمانوں سے یہودیوں کے خلاف مدد طلب کی۔ یہودیوں کی ان نازیبا حرکات پر مسلمانوں کو سخت غصہ آیا۔ مسلمان ہر سمت سے آنے لگے۔ اس واقعہ کی خبر نبی مکرم ﷺ تک بھی پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہم نے انہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت اس لیے تو نہیں دی''۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ پہلے ان کے حلیف تھے۔ پھر انہوں نے بھی ان سے برأت کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے فرمایا ''میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول معظم ﷺ کے ساتھ دوستی لگاتا ہوں۔ ان کفار کی دوستی سے میں برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ مگر عبداللہ بن ابی ان یہودیوں کے ساتھ چمٹا رہا۔ اس نے اس طرح برأت کا اظہار نہ کیا۔ جس طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آیات قرآنیہ نازل ہوئیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (المائدہ)

''اے ایمان والو! نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو (اپنا) دوست (اور مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے دوست بنالیا انہیں تم میں سے سو وہ انہیں میں سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو۔ سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے۔ وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ (تمہیں) دے دے فتح کامل یا (ظاہر کردے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انہوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں نادم، اور اس وقت کہیں گے ایمان والے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں اٹھائیں تھیں اللہ کی سخت سے سخت کہ وہ یقیناً تمہارے ساتھ ہیں۔ اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وہ (سراسر) نقصان اٹھانے والے۔ اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے اپنے دین سے (تو اس کی بد نصیبی) سو عنقریب لے آئے گا اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے۔ ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ (محض) اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اسے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ تمہارا مددگار تو صرف اللہ اور اس کا رسول (پاک) ہے اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وہ بارگاہ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا اللہ تعالیٰ کو اور رسول کریم ﷺ کو اور ایمان والوں کو (تو وہ اللہ تعالیٰ کے گروہ سے ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے''۔

تاجدار عرب و عجم ﷺ نے ان یہودیوں کو جمع فرمایا اور انہیں فرمایا ''اے گروہ یہود! اللہ رب العزت سے ڈرو کہ وہ کہیں تم پر ایسا عذاب نازل نہ کردے جس طرح کا عذاب اس نے قریش پر نازل کیا۔ اسلام قبول کر لو تم خوب جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہوں۔ یہ بات تم اپنی کتاب میں بھی پاتے ہو۔ تمہارا رب تعالیٰ کے ساتھ یہ عہد بھی ہے'' یہودیوں نے کہا: محمد عربی ﷺ! آپ ہمیں اپنی قوم قریش کی مانند سمجھتے ہیں مگر یہ بات آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ آپ نے ایسی قوم کے ساتھ معرکہ آزمائی کی ہے جو فن حرب سے ناآشنا تھی۔ آپ نے ان پر فتح حاصل کرلی۔ بخدا! اگر ہم نے آپ کے ساتھ جنگ کی تو آپ جان لیں گے کہ ہم کتنے بہادر ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے۔ یہودیوں نے کہا ''آپ کو ابھی تک ہم جیسی قوم سے واسطہ ہی نہیں پڑا''۔ کیونکہ بنی قینقاع سارے یہودیوں سے شجاع تھے ان کے پاس مال و دولت کے بھی انبار تھے۔ سرکشی اور بغاوت میں بھی سب سے آگے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کے متعلق یہ قرآنی آیات نازل کیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ

فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾ (آل عمران)

''(اے میرے رسول) فرمادو ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ بیشک تھا تمہارے لیے عبرت کا نشان (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں اور دوسرا کافر تھا۔ دیکھ رہے تھے (مسلمان) انہیں اپنے سے دوچند (اپنی آنکھوں سے) اور اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے۔ یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ والوں کے لیے۔

پھر یہودی اپنے قلعوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ پندرہ روز تک ان کا سخت محاصرہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف شوال کو ان کی طرف تشریف لے گئے۔ ذوالقعدہ کا چاند نمودار ہونے تک وہیں جلوہ افروز رہے۔ اسلام کا جھنڈا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اللہ رب العزت نے یہودیوں کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چار سو یہودی زرہ کے بغیر تھے جبکہ تین سو نے زرہیں پہن رکھی تھیں۔ انہوں نے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ ان کے رستہ سے ہٹ جائیں۔ انہیں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیں ان کی عورتیں اور بچے ان کے پاس ہی رہیں۔ جبکہ اموال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی ہوں گے جن میں ان کا اسلحہ بھی شامل تھا۔ وہ کھجوروں کے باغات اور اپنی زمینیں بھی دینے کے لیے تیار تھے۔ انہی شرائط پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ صلح کر لی۔ ان کے اموال کا خمس نکالا گیا۔ چار حصے مومن مجاہدین کے لیے رکھے گئے۔ پانچواں حصہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مختص ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ بنو قینقاع کے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر راضی ہو گئے۔ آپ نے ان کے کندھے باندھنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قتل کا ارادہ فرمائے ہوئے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے ان کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کی۔ اس نے اصرار کرتے ہوئے عرض کی ''محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میرے موالی پر احسان فرمائیں'' آپ نے اس سے اعراض فرمایا۔ عبداللہ بن ابی نے پیچھے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ میں ہاتھ ڈال لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تیرے لیے ہلاکت! مجھے چھوڑ دے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت غصے میں ہو گئے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام نے غصہ کی سرخی آپ کے چہرۂ انور پر دیکھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تیرے لیے ہلاکت! مجھے چھوڑ دے'' اس نے کہا ''بخدا! میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ آپ میرے موالی پر احسان فرما دیں۔ ان میں سے چار سو زرہ کے بغیر اور تین سو زرہ پوش ہیں۔ وہ ہر سرخ اور سیاہ سے میرا دفاع کرتے ہیں۔ مگر آپ ایک دن میں ان سب کی گردنیں اڑا دیں گے۔ اللہ کی قسم! میں ایسا انسان ہوں جو گردشِ زمانہ سے ڈرتا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ ان کے ہمراہ منافق پر بھی لعنت کرے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہودیوں کو قتل نہ کیا۔ آپ نے ابن ابی سے فرمایا: انہیں لے لے۔ اللہ تمہارے لیے ان میں برکت نہ

ڈالے" یہ ارشاد ربانی اسی واقعہ کے متعلق ہے:

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ

"سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق) کا مرض ہے کہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یہود و نصاریٰ کی طرف کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے"۔ (المائدہ:52)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ جلاوطنی کا کام حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوا۔ آپ نے انہیں تین دن کی مہلت دی۔ انہوں نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ وہ انہیں تین روز سے زیادہ مہلت دیں۔ مگر انہوں نے فرمایا "نہیں! ایک لحہ کی بھی مزید مہلت نہیں" وہ یہودی شام کی بستی اذرعات کی طرف چلے گئے۔ ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ سارے ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیرے لیے ان میں برکت نہ ڈالے"۔

یہ بھی روایت ہے کہ یہودیوں کی جلاوطنی سے قبل ابن ابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں حاضر ہوا تاکہ ان کی جلاوطنی کو روکے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ اقدس کے اندر تشریف لے گئے۔ اس نے اندر جانے کی کوشش کی تو صحابہ کرام نے اسے روک دیا۔ اس نے اپنا چہرہ دیوار پر دے مارا۔ اسے زخمی کر لیا پھر غصہ کی حالت میں واپس لوٹ گیا۔ بنو قینقاع نے کہا "ہم اس شہر میں نہیں ٹھہر سکتے جس میں ابوالحباب (ابن ابی) کے ساتھ ایسا سنگدلانہ سلوک کیا جائے۔ اس کی مدد نہ کی جائے" انہوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی۔

بعض روایات کے مطابق یہود کو جلاوطن کرنے کی مہم حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ ممکن ہے اس امر میں حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما دونوں شریک ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کے گھروں میں بہت سا اسلحہ پایا۔ کیونکہ یہ سارے یہودیوں سے زیادہ ثروت مند اور فن حرب سے آشنا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اسلحہ سے تین کمانیں لیں۔ ایک کو "الکتوم" کہا جاتا تھا کیونکہ جب اس سے تیراندازی کی جاتی تھی تو اس سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ دوسری کمان کو "الروحاء" جبکہ تیسری کمان کو "البیضاء" کہا جاتا تھا۔ آپ نے دو زرہیں لیں جن میں سے ایک کو "السغدیہ" دوسری کو "فضہ" کہا جاتا تھا۔ "السغدیہ" کے بارے روایت ہے کہ یہی وہ زرہ تھی جسے حضرت داؤد علیہ السلام نے اس وقت زیب بدن کر رکھا تھا جب انہوں نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نیزے اور تین تلواریں بھی لیں۔ ایک زرہ حضرت محمد بن مسلمہ کو دوسری حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کو عنایت فرمائی۔ باقی مال و دولت اور اسلحہ صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا۔

ابوعفک یہودی کا قتل

"المواہب" میں ابوعفک کے قتل کا تذکرہ غزوۂ بنوقینقاع سے پہلے ہے۔ انہوں نے لکھا ہے "حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ ماہ شوال میں ابوعفک کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے گئے۔ ابوعفک ایک عمر رسیدہ یہودی تھا اس کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ وہ لوگوں کو حضور شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پر ابھارتا تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اشعار بھی کہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا "اس خبیث کو کون واصل جہنم کرے گا؟ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں نے نذر مانی ہوئی ہے کہ میں ابوعفک کو جہنم رسید کروں گا یا خود شہید ہو جاؤں گا" وہ موقعہ کی تاڑ میں رہے۔ ایک گرم رات تھی۔ ابوعفک اپنے گھر کے صحن میں سویا ہوا تھا۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے علم ہو گیا۔ وہ اس کے پاس آئے۔ اس کے جگر پر اپنی تلوار رکھی۔ پھر اس پر وزن ڈالا حتیٰ کہ اسے اس کے جسم میں داخل کر دیا۔ اللہ کا دشمن ابوعفک چیخ پڑا۔ کفر و تمرد میں اس کے ساتھی دوڑ کر اس کے پاس گئے۔ وہ اسے اندر لے گئے مگر وہ مر گیا۔ انہوں نے قبر کھود کر اسے دفن کر دیا۔ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے اور ابوعفک کی موت کا مژدۂ جانفزاء سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعائے خیر سے نوازا۔

غزوۂ سویق

ابوسفیان کی نذر

جب میدانِ بدر میں کفارِ قریش کو عبرت ناک ہزیمت اٹھانی پڑی تو ابوسفیان نے قسم اٹھائی کہ وہ نہ عورت کو ہاتھ لگائے گا اور نہ ہی خوشبو لگائے گا حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے لے۔ وہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے دو سو سواروں کو لے کر نکلا۔ وہ مدینہ طیبہ سے ایک برید (12 میل) دور ٹھہرا۔ پھر یہودیوں کے قبیلہ بنونضیر کے پاس آیا۔ بنونضیر کے رئیس حیی بن اخطب کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ رات کا وقت تھا۔ اس کے دروازہ پر دستک دی۔ اس نے خوف کی وجہ سے دروازہ نہ کھولا۔ ابوسفیان واپس آ گیا۔ بنونضیر کے سردار سلام بن مشکم کے پاس گیا۔ سلام بن مشکم یہودیوں کے مالی امور کا نگران تھا۔ یہودی اپنے مشکل حالات کے لیے مال و دولت اسی کے پاس جمع کرتے تھے۔ ابوسفیان نے اس سے اجازت طلب کی۔ اس نے ابوسفیان کو اجازت دے دی۔ اس کی خوب ضیافت کی۔ پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ قریش کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں بھیجے۔ انہوں نے نخلستان کو جلا دیا۔ نخلستان میں معبد بن عمرو اور انصار کے ایک حلیف کو پایا تو انہیں قتل کر دیا۔ پھر واپسی کی راہ لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کرنا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جانکاہ حادثہ کا علم ہوا تو آپ مہاجرین و انصار میں سے دو سو مجاہدین لے کر ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے۔ جب آپ اس غزوہ کے لیے روانہ ہوئے تو ذوالحجہ کے پانچ دن گزر چکے تھے۔ حضرت بشیر بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی چھپ چھپ کر بھاگتے جا رہے تھے۔ وہ ستو کی بوریاں پھینکتے جا رہے تھے۔ ان کا زادِ راہ ستو ہی تھا۔ مسلمان وہ بوریاں اٹھاتے جا رہے تھے۔ مشرکینِ مکہ جان بچا کر بھاگ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ ایام اس مہم میں صرف ہوئے۔ ابوسفیان نے اپنی اس مہم کے بعد سمجھا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر دی ہے۔

ایک مسئلہ کی وضاحت

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ ابوسفیان نے نذر مانی کی وہ غسل جنابت نہیں کرے گا حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لے لے۔ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کفار جنابت سے غسل کیا کرتے تھے۔ اسی لیے علامہ امیری نے لکھا ہے "وضو کی آیت میں غسل کا تذکرہ نہ ہونے میں یہی حکمت کارفرما ہے کیونکہ جنابت سے غسل اسلام سے قبل بھی معروف تھا۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین کی باقی ماندہ چیزوں میں سے تھا۔ اس کا تعلق پرانی شریعتوں کے ساتھ تھا" بعض علماء نے فرمایا ہے: "کفار زمانہ جاہلیت میں جنابت سے غسل کیا کرتے تھے۔ اپنے مردوں کو غسل دیتے تھے۔ مردوں کو کفن دیتے تھے۔ ان کی نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ ان کی نماز جنازہ یہ تھی کہ مردہ کا ولی کھڑا ہو جاتا تھا۔ مردے کو چارپائی پر رکھا جاتا۔ ولی مردہ کے محاسن بیان کرتا۔ اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا۔ پھر کہتا "اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے" پھر اسے دفن کر دیا جاتا"۔

علامہ امیری کے اس قول سے ملتا جلتا قول امام سہیلی نے بھی کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے "غسل جنابت زمانہ جاہلیت میں بھی معمول تھا۔ یہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے دین کے باقی ماندہ امور میں سے تھا۔ جس طرح کہ حج اور نکاح ان میں باقی تھے۔ حدث اکبر کفار مکہ میں معروف تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا" وہ اس فرمان کی شرح کے محتاج نہ تھے جبکہ حدث اصغر ان کے ہاں قبل از اسلام معروف نہ تھا اس لیے انہیں یوں نہیں کہا گیا: وَاِنْ کُنْتُمْ مُحْدِثِیْنَ فَتَوَضَّئُوْا" بلکہ انہیں "فَاغْسِلُوْا" کہا گیا۔

دیگر علماء نے اس امر کی تردید کی ہے کہ کفار میں غسل جنابت کا کوئی ثبوت نہیں۔ انہوں کہا ہے "ابوسفیان نے کہا ہے کہ وہ خوشبو اور عورت کو مس نہیں کرے گا اس سے اس کی مراد خواتین سے لطف اندوز نہ ہونا تھا۔ بعض راویوں نے ابوسفیان کے اس قول کو بدل کر یوں بیان کیا ہے کہ وہ جنابت سے غسل نہیں کرے گا کیونکہ یہ لفظ اہل اسلام کے نزدیک عورتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بولا جاتا تھا۔ ابوسفیان نے جو قصد کیا تھا اس کی مراد پوری ہوگئی۔ حقیقتِ حال رب العزت ہی جانتا ہے۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقدِ نکاح

حضرت سیدہ نساء العالمین کی فضیلت

آپ رضی اللہ عنہا لخت جگر مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ آپ بانوئے تاجدار ہل اتی ہیں۔ آپ زہراء اور بتول ہیں۔ آپ دنیا کی ساری خواتین حتیٰ کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے بھی افضل ہیں۔ المقریزی، الزرکشی، السیوطی نے اپنی کتب شرح نقایہ اور شرح جمع الجوامع میں واضح دلائل کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عیاں کی ہے۔ ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ یہ امت مرحومہ دیگر امم سے افضل ہے۔ صحیح موقف کے مطابق حضرت مریم رضی اللہ عنہا نبیہ نہ تھیں بلکہ اجماع ہے کہ عورت کبھی بھی نبیہ نہیں بنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مریم اپنے زمانہ کی خواتین میں سے افضل تھیں جبکہ جگر گوشۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کی خواتین سے افضل ہیں۔ (ترمذی)

حضور ﷺ نے فرمایا ''میری نور چشم! کیا آپ راضی نہیں ہیں کہ آپ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں'' انہوں نے عرض کی ''والد گرامی! مریم کہاں گئیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ اپنے زمانہ کی خواتین کی سردار تھیں (ابن عبدالبر) طبرانی نے اس سند سے روایت کیا ہے جو شیخین کی شرط پر ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے علاوہ اور کسی شخصیت کو کبھی نہیں دیکھا جو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے افضل ہو''۔

شادی مبارک

آپ رضی اللہ عنہا کی 2 ہجری کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی۔ سعادتوں اور برکتوں سے لبریز یہ مبارک نکاح، صفر یا محرم یا رجب یا رمضان المبارک میں ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک 15 سال پانچ ماہ یا پندرہ سال ساڑھے چھ ماہ تھی۔ حضرت جگر گوشۂ مصطفیٰ رضی اللہ عنہا کے وصال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں کی۔

- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کے لیے حاضر ہوئے۔ مگر حضور ﷺ خاموش رہے۔ کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا ''حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے بارے فیصلۂ ربانی کا انتظار کریں'' دونوں حضرات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مبارک طلب کرنے کا مشورہ دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' آپ نے اس امر کی طرف میری توجہ مبذول کی ہے جس سے میں غافل نہیں تھا'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں فرحت وانبساط سے چادر گھسیٹتے ہوئے چلا۔ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کا مبارک رشتہ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا '' کیا تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کی ''میرے پاس صرف میرا گھوڑا اور زرہ ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''گھوڑے کے بغیر تو کوئی چارۂ کار نہیں۔ البتہ زرہ فروخت کردو'' میں نے وہ زرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فروخت کردی۔ انہوں نے اس کی قیمت 480 دراہم دی'' علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو واپس کردی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ زرہ اور دراہم لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ والا میں حاضر ہوگئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت سی دعاؤں سے نوازا''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دراہم لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اپنی مبارک آغوش میں رکھا۔ پھر ان سے مٹھی بھر دراہم لیے اور فرمایا: بلال! ان سے ہمارے لیے خوشبو خریدو''۔ پھر حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے لیے سامانِ جہیز تیار کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے بان کی چارپائی اور چمڑے کا گدا تیار کیا، جس میں کھجور کے پتے تھے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''جب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا تمہارے کاشانہ اقدس میں جلوہ افروز ہوں تو کچھ نہ کرنا حتیٰ کہ میں آجاؤں'' حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کاشانہ اقدس صاف کیا۔ آپ ﷺ نے نماز عشاء ادا کی۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ کاشانہ مرتضوی میں بھیج دیا۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کاشانہ اقدس کے ایک کونہ میں جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

دوسرے کونہ میں بیٹھ گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوئے فرمایا: کیا میرے بھائی موجود ہیں؟ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا عرض کناں ہوئیں "وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی ہیں؟ حالانکہ آپ نے ان کے ساتھ اپنی نورِ نظر کی شادی کر دی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ منصب و منزلت میں میرے بھائی کی طرح ہیں۔ یہ چیز مجھے روکتی نہیں کہ میں اپنی لختِ جگر کی شادی ان سے کر دوں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے آئے۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا سے فرمایا "پیالہ میں پانی لے کر آؤ" حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا شرم وحیاء کا پیکر بن کر پیالہ کی طرف گئیں۔ اس میں پانی لے کر حاضرِ خدمت ہوئیں۔ آپ نے پیالہ پکڑا اس سے پانی لیا۔ منہ مبارک میں ڈالا، اس میں لعاب دہن ملایا، پھر وہ پانی پیالہ میں ڈال دیا۔ پھر حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا سے فرمایا "آگے آؤ" وہ آگے آئیں تو ان کے سینۂ اقدس اور سر پر وہ پانی چھڑکا اور یہ دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

"مولا! میں اپنی نورِ نظر اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو کمر مبارک اپنی طرف کرنے کا حکم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کندھوں کے مابین پانی چھڑکا پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "پانی لاؤ" انہوں نے فرمایا "میں جانتا تھا کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟ میں اٹھا۔ پیالہ پانی سے لبریز کیا اور اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ پکڑا اس میں لعاب مبارک ملایا۔ پھر اسے میرے سر اور سینہ پر چھڑک دیا۔ پھر مجھے فرمایا "کمر مبارک میری طرف کرو" پھر پانی میرے شانوں کے درمیان چھڑکا۔ پھر وہی دعا مانگی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ پھر انہیں فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اور اس کی برکت کے ساتھ اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس چلے جائیں"۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن میں وضو فرمایا۔ وہ پانی حضرت فاطمۃ الزہراء اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے اوپر انڈیل دیا اور یہ دعا مانگی:

"مولا! ان دونوں میں اور ان دونوں کی اولاد میں برکت فرما"۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے "شبلیھما" کا لفظ استعمال کیا "شبل" شیر کے بچے کو کہتے ہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستقبل سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ہاں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی ولادت مبارک ہو گی۔ آپ نے ان دونوں کے لیے "شبلین" کا لفظ استعمال فرمایا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوایا۔ اس میں لعاب دہن ملایا۔ پھر اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مبارک جبین پر چھڑکا۔ ان کے کندھوں کے درمیان چھڑکا۔ انہیں سورۃ الاخلاص اور سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھ کر دم کیا"۔

مذکورہ بالا ساری روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سارے افعال سرانجام دیے ہوں۔ جبکہ بعض راویوں نے بعض روایات پر ہی اقتصار کر لیا ہو۔

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کرنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کا رشتہ طلب کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں اپنی لختِ جگر کی شادی تم سے کردوں''۔

طبرانی نے ثقہ راویوں سے یہ روایت مرفوعاً نقل کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ رب العزت نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کردوں''۔

حضرت انس سے روایت ہے ''پھر آپ نے کچھ ایام کے بعد مجھے یاد فرمایا: مجھے فرمایا ''حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمان بن عوف اور کچھ انصار رضی اللہ عنہم کو بلاؤ۔ جب یہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدُ بِنِعْمَتِهٖ، اَلْمَعْبُوْدُ بِقُدْرَتِهٖ، الْمُطَاعُ بِسُلْطَانِهٖ، اَلْمَرْهُوْبُ مِنْ عَذَابِهٖ وَسَطْوَتِهٖ، اَلنَّافِذُ اَمْرُهٗ فِیْ سَمَائِهٖ وَاَرْضِهٖ، اَلَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهٖ وَمَیَّزَهُمْ بِاَحْكَامِهٖ وَاَعَزَّهُمْ بِدِیْنِهٖ وَاَكْرَمَهُمْ بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ اسْمُهٗ وَتَعَالَتْ عَظَمَتُهٗ وَجَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا وَاَمْرًا مُفْتَرَضًا وَشَجَّ بِهِ الْاَرْحَامَ وَاَلْزَمَ بِهِ الْاَنَامَ، فَقَالَ عَزَّ مَنْ قَالَ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا فَاَمْرُ اللّٰهِ یَجْرِیْ اِلٰی قَضَائِهٖ وَقَضَاؤُهٗ یَجْرِیْ اِلٰی قَدْرِهٖ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قَدَرٌ وَلِكُلِّ قَدَرٍ اَجَلٌ وَلِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ رب العزت نے مجھے حکم دیا ہے کہ اپنی لختِ جگر فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عقدِ نکاح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کروں۔ گواہ رہو۔ میں نے چار سو مثقال چاندی حق مہر پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دیا ہے۔ اگر علی اس پر راضی ہوں''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کا ایک طشت منگوایا۔ پھر فرمایا ''چلے جاؤ'' ہم چلے آئے۔ اتنے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت ہوگئے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکرائے۔ پھر فرمایا ''مجھے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں چار سو مثقال چاندی حق مہر پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کردوں۔ کیا آپ راضی ہیں؟ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں راضی ہوں'' پھر آپ نے فرمایا:

''تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں۔ اس نعمت اور احسانات پر اس کا شکر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ یہ ایک ایسی شہادت ہے جو اس ذات کریمانہ تک پہنچے گی اور اسے راضی کردے گی۔ اس اللہ رب العزت کے لیے ساری تعریفیں ہیں جسے موت نہیں۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ روحی وابی وامی) ہیں جنہوں نے اپنی نورِ چشم کا عقد نکاح چار سو مثقال چاندی حق مہر پر کر دیا ہے۔ اسے غور سے سنو جو کچھ وہ کہتے ہیں گواہ بن جاؤ''۔ صحابہ کرام عرض کناں ہوئے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کیا ارشاد فرمارہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''گواہ رہو میں نے ان کا

عقد نکاح کر دیا ہے'' (ابن عساکر)۔

پھر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

جَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَهُمَا وَعَزَّ جَدَّكُمَا وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَاَخْرَجَ مِنْكُمَا كَثِيْرًا طَيِّبًا

''اللہ رب العزت تمہارے متفرق امور جمع کرے۔ تمہاری کوشش کو سعادت مند کرے۔ تم دونوں میں برکت ڈالے۔ تم سے بہت زیادہ اور طیب (اولاد اطہار) پیدا کرے''۔

حضرت ابوالحسن بن شاذان سے روایت ہے۔ جب حضور ﷺ نے حضرت علی کرم وجہہ الکریم کا عقد نکاح کیا تو آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ یوں دعا گو ہوئے:

جَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَهُمَا وَجَعَلَ نَسْلَهُمَا مَفَاتِيْحَ الرَّحْمَةِ وَمَعَادِنَ الْحِكْمَةِ وَاَمْنَ الْاُمَّةِ

''اللہ رب العزت ان کے پراگندہ امور کو جمع کرے۔ ان کی نسل پاک کو رحمت کی چابیاں، حکمت کے معادن اور امت کے لیے امن بنائے''۔

جب شیر خدا، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نبی کریم ﷺ نے تبسم ریز ہوتے ہوئے فرمایا ''مجھے رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنی لخت جگر فاطمۃ رضی اللہ عنہا کا عقد نکاح تم سے کروں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چار سو مثقال چاندی حق مہر پر تمہارا عقد نکاح کر دوں'' حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اس پر راضی ہوں'' پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔ جب سجدہ سے سر اٹھایا تو نبی محترم ﷺ نے فرمایا:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمَا وَبَارَكَ فِيْكُمَا وَاَعَزَّ جَدَّكُمَا وَاَخْرَجَ مِنْكُمَا الْكَثِيْرَ الطَّيِّبَ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! اللہ رب العزت نے ان دونوں پاکیزہ ہستیوں سے کثیر اور اطیب اولاد پیدا کی تھی''۔

طبرانی اور خطیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ رب العزت نے کبھی بھی کوئی نبی مبعوث نہیں کیا مگر اس کی اولاد اسی کی صلب میں رکھی۔ البتہ میں اس سے مستثنیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میری اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مبارک صلب میں رکھی''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں آپ کا عقد نکاح اس امر پر محمول ہوگا کہ حضور ﷺ آپ کے وکیل تھے یا یہ کہ حضور ﷺ نے عقد نکاح کا ارادہ نہیں فرمایا تھا بلکہ اس کا اظہار فرمایا تھا۔ پھر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حاضر خدمت ہو گئے تو عقد نکاح کیا۔ یا یہ کہ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی تخصیص ہے کیونکہ آپ اہل ایمان کی جانوں کے ان سے بڑھ کر حق دار ہیں۔ آپ کے لیے روا ہے کہ آپ جس کے لیے چاہیں جس سے چاہیں نکاح کر دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نان جو، کھجور اور حسیس سے دعوت ولیمہ کیا (حسیس وہ کھانا ہوتا تھا جس میں کھجوروں کو گھی کے ساتھ

ملا دیا جاتا تھا پھر انہیں اچھی طرح ملایا جاتا تھا) ایک اور روایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ولیمہ کے لیے ایک بکری پیش کی اور انصار کی ایک جماعت نے جو کا آٹا پیش کیا۔

حضرت سیدہ نساء العالمین کا جہیز

حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کے جہیز میں درج ذیل اشیاء شامل تھیں۔

(۱) ایک بستر جس میں اون بھری ہوئی تھی، (۲) ایک مشکیزہ، (۳) ایک چمڑے کا تکیہ، جس میں کھجور کے پتے تھے، (۴) ایک بنی ہوئی چار پائی۔ رات کے وقت یہی چار پائی استعمال میں آتی تھی۔ اوپر بکرے کے چمڑے کی چادر ہوتی تھی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے لیے ایک چادر ہوتی تھی۔ جب وہ اسے طولاً اوڑھتے تھے تو ان کی مبارک کمروں پر وہ نہیں ہوتی تھی جب اسے عرضاً استعمال کرتے تھے تو ان کے سروں پر چادر نہیں آتی تھی۔

روایت ہے کہ رخصتی کے تین دن بعد تک سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف نہ لے گئے۔ جبکہ چوتھے روز صبح صبح آپ ان کے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما ایک لحاف میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسی حالت میں لیٹے رہو" آپ ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے پھر اپنے قدمین شریفین اور مبارک پنڈلیاں ان دونوں کے درمیان داخل کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قدم مبارک پکڑا اور اسے اپنے سینہ سے لگایا تا کہ اس کو گرم کریں۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا مبارک قدم پکڑا اسے اپنے سینہ پر رکھ دیا تا کہ اسے گرم کریں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے اور میرے چچا زاد کے لیے چمڑے کی ایک چٹائی ہی ہے۔ ہم اسی پر سوتے ہیں۔ اسی پر ہی کھانا تناول کرتے ہیں۔ دن کے وقت اسی کے ساتھ مدافعت کرتے ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نور چشم! صبر کریں۔ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اپنی زوجہ محترمہ کے ہمراہ اس طرح رہے کہ ان کے پاس صرف ایک ہی اونی چادر تھی"۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زیادہ چکی چلانے کی وجہ سے ہاتھوں میں پڑنے والے زخموں کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قیدی پیش کیے گئے۔ حضرت سیدہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ساری بات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتائی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ام المومنین نے حضرت سیدہ کی ساری بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار کی۔ حضرت سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ جبکہ ہم اپنے بستروں میں لیٹ چکے تھے۔ میں اٹھنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! "اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے مابین ہی جلوہ افروز ہو گئے حتیٰ کہ میں نے آپ کے پاؤں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر چیز نہ بتادوں جس کا تم نے سوال کیا ہے؟ ہم نے گزارش کی "ضرور" آپ نے فرمایا: وہ ایسے

کلمات ہیں جنہیں حضرت جبرائیل امین نے مجھے سکھایا ہے۔ جب تم رات کے وقت اپنے بستر پر جانے لگو تو تینتیس بار اللہ اکبر، تینتیس بار سبحان اللہ اور تینتیس بار الحمدللہ پڑھ لیا کرو۔ یہ کلمات تمہارے خادم سے بہتر ہیں"۔

حضرت سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا کے وصال تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی نہیں فرمائی۔ جب انہوں نے جویریہ بنت ابی جہل کو پیغام نکاح دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا "بنو ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں۔ میں انہیں ہرگز یہ اجازت نہیں دوں گا۔ میں انہیں ہرگز اذن نہیں دوں گا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی ارادہ ہے تو وہ یہ صورت ہے کہ وہ میری لخت جگر کو طلاق دے دیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں۔ میری بیٹی تو میری لخت جگر ہے جو چیز انہیں مضطرب کرتی ہے وہ مجھے بھی بے چین کر دیتی ہے۔ جو چیز انہیں اذیت دیتی ہے وہ مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔ اللہ کی قسم! نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نور نظر اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام نکاح رد کر دیا۔ حضرت ابوداؤد نے لکھا ہے "حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دوسرا نکاح کرنا رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: 7)

"جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ"۔

بعض علماء کرام نے یہ امر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر نوران نظر کے ساتھ بھی خاص کیا ہے۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ صرف حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ہی خصوصیت ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث طیبہ ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا "حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں جتنی احادیث بیان کی گئی ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں اتنی احادیث طیبہ بیان نہیں کی گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خارجی اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ آپ کے دشمن تھے۔ ان کے جواب میں ہر صحابی نے وہ حدیث بیان کر دی جو اسے یاد تھی اور جس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت آشکارہ ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کسی صحابی کے بارے اتنی آیات قرآنیہ نازل نہیں ہوئیں جتنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں۔ آپ کی شان میں تین سو آیات طیبہ نازل ہوئیں"۔ حضرت ابن عباس سے ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے جو کچھ بھی تفسیر میں سے سیکھا ہے میں نے وہ سب کچھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہی سیکھا ہے"۔

میں نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ پر ایک علیحدہ تالیف لکھوں۔ واللہ اعلم

سریہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ

گستاخ رسول کا عبرت ناک انجام

اسی سریہ میں ایک یہودی کعب بن اشرف لعنۃ اللہ علیہ کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا۔ جس وقت یہ سریہ ظہور پذیر ہوا تو ربیع

الاول کے چودہ ایام گزر چکے تھے۔ ہجرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچیس ماہ ہونے کو تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو چار صحابہ کے ساتھ بھیجا تا کہ وہ کعب بن اشرف یہودی کو جہنم واصل کریں۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق کعب بن اشرف یہودیوں کا حلیف تھا۔ اس کا باپ بنونبہان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے جاہلیت میں کسی شخص کو قتل کر ڈالا۔ وہ مدینہ طیبہ آ گیا بنو نضیر کا حلیف بن گیا۔ ان میں صاحب شرف ہو گیا۔ عقیلہ بنت ابی الحقیق سے شادی کر لی۔ اسی سے کعب پیدا ہوا۔ کعب ایک طویل اور جسیم شخص تھا۔ اس کا پیٹ اور سر بہت بڑا تھا۔ یہ قادر الکلام عربی تھا۔ یہ اپنے مال کی فراوانی کی وجہ سے حجاز کے یہودیوں کا سردار بن گیا۔ یہ علمائے یہود کو عطیات دیتا تھا۔ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو بنو قینقاع اور بنو قریظہ کے علماء کعب بن اشرف کے پاس آئے تا کہ وہ انہیں عطیات عطا کرے۔ کعب نے ان سے پوچھا: اس شخص کے بارے تمہارے پاس کیا خبر ہے؟ علماء نے کہا ''وہ ایسی ذات بابرکات ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ ہم نے ساری علامات ان میں پائی ہیں'' کعب نے ان سے کہا ''تم بہت سی بھلائی سے محروم کر دیے گئے ہو۔ تم اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جاؤ، میرے مال میں اور بھی بہت سے حقوق ہیں'' علماء خائب و خاسر واپس آ گئے۔ پھر اس کے پاس گئے۔ اسے کہا ''ہم نے اس شخص کے بارے جو کچھ تمہیں پہلے بتایا تھا وہ ہم نے جلدی میں کہہ دیا تھا۔ جب ہم نے اپنے دیگر علماء سے پوچھا تو ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہوا یہ وہ شخص نہیں جن کے ہم منتظر تھے'' یہ سن کر کعب ان سے راضی ہو گیا۔ ان کے ساتھ صلہ رحمی کی اور ان میں سے ہر ایک کو کچھ مال دیا۔

یہ تیرہ بخت اپنے اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کرتا تھا اور مشرکین قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے پر ابھارتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ کو لوگوں کے ساتھ تالیف قلبی کا حکم دیا گیا تھا۔ ان کی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے:

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِيْرًا ۗ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (آل عمران)

''اور یقیناً تم سنو گے ان سے جنہیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا اذیت دینے والی بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے''۔

جب آپ مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو وہاں کے باشندے مختلف قبائل میں منقسم تھے۔ ان کے احوال اور عقائد مختلف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کلمۂ اسلام پر جمع کر کے ان کی اصلاح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مشرکین اور یہودی مسلمانوں کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ مگر مسلمان صبر کا دامن تھامے ہوئے تھے۔ کعب بن اشرف سارے لوگوں سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اذیتیں دیتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کر رکھا تھا کہ یہودی آپ کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے۔ مگر یہودیوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثار صحابہ کرام کو دشنام طرازی کرتے تھے۔

کعب کی عداوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار فتح اور کفار کی ہولناک شکست کی بشارت سنانے کے لیے صحابہ کرام مدینہ منورہ پہنچے تو اسی کعب نے کہا "کیا یہ سب کچھ سچ ہے۔ کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو تہ تیغ کر دیا ہے جن لوگوں کے یہ نام لے رہے ہیں۔ وہ تو بہت صاحب شرف اور لوگوں کے بادشاہ تھے۔ اللہ کی قسم! اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو تہ تیغ کر دیا ہے تو پھر زمین کا شکم ہمارے لیے اس کی پشت سے بہتر ہے"۔

جب اسے اس خبر کا یقین ہو گیا اور قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا تو یہ ذلیل و رسوا ہو گیا۔ وہ قریش مکہ کی طرف گیا۔ وہ ان کے مقتولین پر آہ و بکا کر رہا تھا۔ وہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ لڑنے پر ابھار رہا تھا۔ یہ مکہ مکرمہ میں مطلب بن ابی وداعہ سہمی کے ہاں ٹھہرا۔ اس کے پاس اس کی بیوی عاتکہ بنت اسید بن ابی العیص بھی تھی۔ اس نے اس کی بڑی تکریم کی۔ یہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا۔ یہ ہجو یہ اشعار پڑھتا تھا۔ یہ خبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہوں نے مطلب اور اس کی زوجہ کی ہجو بیان کی (بعد میں ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا) جب عاتکہ تک یہ اشعار پہنچے تو اس نے کعب کا کجاوہ باہر پھینک دیا۔ اس نے کہا: ہمارا اور اس یہودی کا کیا تعلق؟ وہ اس کے گھر سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک قوم سے دوسری قوم کے پاس جاتا رہا۔ وہ اسی طرح کرتا رہا جس طرح اس نے عاتکہ کے ہاں کیا تھا۔ اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ انہوں نے ان لوگوں کی ہجو بیان کی۔ ان لوگوں نے کعب کے ساتھ وہی سلوک کیا جو عاتکہ نے کیا تھا۔ پھر وہ مدینہ طیبہ واپس آ گیا۔ وہ اپنی غزلوں میں عفت مآب مسلمان خواتین کا ذکر کرتا۔ وہ برائی کے ساتھ عصمت شعار خواتین کا ذکر کرتا۔ جب اس نے اس اذیت سے باز آنے سے انکار کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہمیں کعب بن اشرف سے کون نجات دلائے گا۔ اسے کون کیفر کردار تک پہنچائے گا؟ وہ اعلانیہ ہماری ہجو اور عداوت بیان کرتا ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کے مشرکین کے پاس گیا۔ اس نے انہیں ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر جمع کیا"۔

دوسری روایت میں ہے "اس سیاہ بخت نے خانہ کعبہ کے پردوں کے پاس قریش کے ہمراہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا معاہدہ کیا۔ جب کعب ابھی مکہ مکرمہ میں ہی تھا اس وقت ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی کارستانیوں سے آگاہ فرما دیا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا "یہ بات مجھے رب تعالیٰ نے بتائی ہے" پھر یہ آیات طیبات تلاوت کیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ۝ (النساء)

"کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے۔ وہ اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہیں پائے

گا تو اس کا کوئی مددگار"۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دشمن (کعب) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان کی ہجو کرتے ہوئے اٹھا۔ یہ اہل ایمان کے دشمنوں کی مدح کرتا تھا۔ انہیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ترغیب دلاتا تھا۔ اس بدبخت نے اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ قریش کے پاس گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف قوت طلب کی۔ ابوسفیان اور دیگر مشرکین نے کہا "تمہارے نزدیک ہمارا دین پسندیدہ ہے یا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کا دین؟ تیری رائے میں کون سا دین زیادہ ہدایت یافتہ اور حق کے زیادہ قریب ہے؟ کعب نے کہا "تمہارا دین زیادہ ہدایت یافتہ اور افضل ہے" اس وقت اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیات نازل کیں۔ حضرت عروہ نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ آیات کعب بن اشرف کے بارے نازل ہوئیں ہیں۔ امام احمد کی نقل کردہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کعب مکہ مکرمہ آیا تو قریش مکہ نے اسے کہا: تم اس بدمزاج اور قوم سے قطع تعلق کرنے والے کو نہیں دیکھتے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے جبکہ ہم حاجیوں کے خدام اور بیت اللہ کے نگران اور حاجیوں کو پانی پلانے والے ہیں" کعب نے کہا: تم ان سے بہتر ہو"۔ انہی دشمنان خدا کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (سورۃ الکوثر) اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا۔۔۔ الخ۔ (النساء:52)

امام ابن اسحاق نے تحریر کیا کہ جب کعب قریش کے پاس گیا تو اس کے ہمراہ درج ذیل افراد بھی تھے۔
حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، ابورافع، ربیع، عمارہ اور ھوذہ۔ جب یہ مکہ معظمہ پہنچے تو قریش نے کہا "یہ یہود کے علماء ہیں سابقہ کتب کے علماء ہیں۔ ان سے پوچھو کہ کیا تمہارا دین بہتر ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین عمدہ ہے؟ قریش مکہ نے ان سے یہی سوال کیا۔ انہوں نے کہا "تمہارا دین بہتر ہے تم ان سے اور ان کے پیروکاروں سے بہتر ہو" اس وقت ان آیات بینات کا نزول ہوا۔ علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ بیضاوی نے اسی لیے فرمایا ہے کہ یہ آیات کعب، اور یہودیوں کے اس گروہ کے متعلق نازل ہوئیں جو مکہ مکرمہ کی طرف گئے تھے۔ امام بیضاوی نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ان علمائے یہود نے قریش مکہ کو مطمئن کرنے کے لیے کفار کے معبودان باطلہ کو سجدہ بھی کیا تھا۔

کعب بن اشرف کی عداوت اور معاہدہ توڑنے کے بارے ایک اور واقعہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ کعب نے کھانا تیار کرایا اور یہودیوں کی ایک جماعت سے اتفاق کر لیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت ولیمہ پر بلا رہا ہے۔ جب آپ آجائیں تو آپ کو شہید کر دینا" پھر اس نے آپ کو دعوت دی۔ آپ بعض صحابہ کرام کے ساتھ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کے تشریف فرما ہو جانے کے بعد حضرت جبرائیل امین نے ان کی مخفی سازش سے آپ کو آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت جبرائیل امین آپ کو پردوں سے پردہ کیے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے آپ کو غائب پایا تو وہ بھی منتشر ہو گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کعب کو قتل کرنے کے لیے کون اپنے آپ کو پیش کرے گا" کیونکہ اس قتل کے اسباب متفرق تھے۔ اس لیے ان تمام کو جمع کرنا ممکن ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کعب کو کون واصل جہنم کرے گا تو

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یہ ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں" دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے عرض کی "وہ اسے کیفر کردار تک پہنچائیں گے" آپ نے فرمایا "اگر تم میں طاقت ہے تو یہ کام کر گزرو" پھر فرمایا: اگر یہ کام کرنا ہے تو عجلت سے کام نہ لینا حتیٰ کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرلو" انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا "کعب کے پاس جاؤ اس کے پاس تنگدستی کی شکایت کرو اور اسے کہو کہ وہ تمہیں کچھ غلہ ادھار دے دے" حضرت محمد بن مسلمہ تین روز تک ٹھہرے رہے۔ وہ نہ کچھ کھاتے تھے، نہ پیتے تھے۔ وہ صرف اتنا کھاتے اور پیتے تھے جس سے روح اور جسم کا رشتہ قائم رہ سکے۔ اس چیز کا تذکرہ بارگاہ نبوت میں کیا گیا۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور فرمایا "تم نے کھانا پینا کیوں ترک کر دیا ہے؟" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں نے ایک وعدہ آپ سے کیا ہے۔ نہ جانے اسے پورا کرسکوں یا کہ نہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ذمہ صرف کوشش کرنا ہے" پھر حضرت ابن مسلمہ حضرات ابونائلہ، عباد بن بشر، حرث بن اوس اور ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہم کے پاس گئے۔ ان سے اس وعدہ کا تذکرہ کیا جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا۔ انہوں نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ انہوں نے کہا: ہم سب مل کر اسے واصل جہنم کریں گے" پھر یہ سب بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ عرض کناں ہوئے "یارسول اللہ! اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم کعب سے خلاف واقعہ گفتگو کریں تاکہ ہم اسے قتل کرسکیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے لیے ایسی بات کرنا روا ہے جس کے علاوہ تمہارے لیے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ آپ نے ان کے لیے جھوٹ بولنا مباح قرار دیا کیونکہ یہ جنگ کی دھوکہ دہی سے ہے۔ گویا کہ انہوں نے یہ اجازت طلب کی تھی۔ کیونکہ انہیں گمان تھا کہ آپ انہیں یوں کرنے سے روک دیں گے۔ کیونکہ کعب مسلمانوں کو قتل کرنے پر ابھارتا تھا۔ اس کے قتل میں مسلمانوں کے لیے نجات تھی۔ اس لیے آپ نے اسے قتل کرنے کے لیے حضرت ابن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں کو ایسی کلام کرنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے اپنی زبانوں سے اپنا دفاع کیا حالانکہ ان کے دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھے۔ اگر یہ عذر نہ ہوتا تو اس طرح کا تعرض کرنا کفر تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے مباح قرار دیا یہ آپ کا مقام و منصب ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور کہا "اس شخص (حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہم سے صدقہ کا سوال کیا ہے۔ ہمارے پاس تو اتنا کچھ بھی نہیں جسے ہم کھا سکیں"۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا" ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے صدقہ مانگا ہے، ہمارے پاس مال نہیں جسے ہم صدقہ کرسکیں۔ انہوں نے ہمیں تھکا دیا ہے۔ میں تمہارے ہاں غلہ ادھار مانگنے آیا ہوں" کعب نے کہا" بخدا! تم اس شخص سے ضرور اکتا جاؤ گے"۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے اس شخص کی پیروی کرلی ہے۔ ہم اسے چھوڑنا نہیں چاہتے حتیٰ کہ ہم دیکھ لیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ تم ہمیں ایک یا دو وسق غلہ دے دو یا ہمیں کچھ کھانا ادھار دے دو" کعب نے کہا: تمہارا کھانا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا" ہم نے سارا کھانا اس شخص پر اور اس کے صحابہ پر خرچ کر دیا ہے" کعب نے کہا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس باطل کو پہچان سکو جسے تم نے اپنا رکھا ہے" پھر اس نے کچھ غلہ ادھار دینے کی

حامی بھر لی۔ کعب نے کہا "اپنی عورتیں بطور رہن میرے پاس رکھو" انہوں نے کہا "ہم اپنی خواتین تمہارے ہاں کیسے بطور رہن رکھیں۔ جبکہ تم سارے عرب سے زیادہ حسین ہو۔ ہم تم سے امن میں نہیں۔ کون سی عورت تمہارا حسن و جمال دیکھ کر امن میں رہ سکتی ہے؟ حضرت ابن مسلمہ کا اسے یوں جواب دینا از روئے مذاق تھا۔ اگرچہ کعب خوبصورت بھی تھا۔ کعب نے کہا: اپنے بیٹے میرے پاس بطور رہن رکھو" حضرت ابن مسلمہ نے کہا: ہم اپنے بیٹے تمہارے ہاں بطور رہن کیسے رکھیں جب انہیں کوئی اذیت پہنچی تو انہیں کہا جائے گا کہ انہیں ایک یا دو وسق غلہ کے عوض بطور رہن رکھا گیا تھا۔ یہ بات ہمارے لیے باعث عار ہے۔ ہم تمہارے پاس اپنا اسلحہ بطور رہن رکھتے ہیں۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ ہمیں اس کی کتنی ضرورت ہے؟ کعب نے کہا: بالکل درست ہے۔ حضرت ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے کی تا کہ اس کے پاس ان کا اسلحہ لے کر آنا اسے ناگوار نہ گزرے" کعب نے حضرت ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ وعدہ کر لیا۔ پھر حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس گئے انہوں نے اسے کہا: کعب! تیرے لیے ہلاکت! میں ایک ضروری کام کے لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں ضروری کام تمہیں بیان کرنے لگا ہوں تم اسے مخفی رکھنا" کعب نے کہا: ضرور! حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہمارے پاس آنا گویا کہ مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔ سارا عرب ہمارا دشمن بن گیا ہے۔ وہ سارے ایک کمان سے تیر اندازی کر رہے ہیں۔ ہمارے راستے منقطع ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اہل و عیال بھوک سے مرنے لگے ہیں۔ جانیں تھک گئیں ہیں ہم بھی تھک گئے ہیں۔ ہمارے اہل و عیال بھی چکنا چور ہو گئے ہیں۔ کعب نے کہا: میں اشرف کا فرزند ہوں۔ ابن سلامہ! میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ عنقریب معاملہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح میں جانتا ہوں" حضرت ابو نائلہ نے کہا: میری تمنا ہے کہ تم ہمارے ہاں غلہ فروخت کرو۔ ہم کچھ چیز تمہارے ہاں بطور رہن رکھتے ہیں۔ ہم تمہیں اعتماد کرنے کے لیے کہتے ہیں، نیز احسان بجالانے کے لیے کہتے ہیں۔ میرے بعض ساتھیوں کی بھی یہی رائے ہے جو میری ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو بھی تمہارے پاس لے آؤں۔ تم ان کے پاس غلہ فروخت کرو۔ ان پر احسان کرو۔ ہم اسلحہ بطور رہن تمہارے پاس رکھ دیں گے کیونکہ اس میں زیادہ وفائے عہد ہے" کعب نے بھی کہا: اسلحہ بطور رہن رکھنے میں وعدہ کی زیادہ پاسداری ہے" حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کعب کے رضاعی بھائی تھے۔ جبکہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس کے رضاعی بھتیجے تھے۔ حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابو نائلہ کعب کے پاس آئے۔ ان کے ہمراہ حضرت عباد بن بشر، حضرت حرث بن اوس اور حضرت ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ ان سب کا تعلق اوس سے تھا۔ جب یہ صحابہ کرام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع الغرقد تک الوداع کہنے کے لیے آئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے مبارک نام سے روانہ ہو جاؤ۔ مولا! ان کی مدد فرما" پھر آپ اپنے کاشانہ اقدس میں لوٹ آئے۔ یہ رات کا وقت تھا۔ چاندنی رات تھی۔ یہ صحابہ کرام روانہ ہوئے حتیٰ کہ کعب کے حلقہ تک پہنچے۔ کعب کی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ پہلے حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اسے آواز دی۔ پھر دیگر صحابہ کرام نے اسے پکارا۔ کعب نے ان کی آواز پہچان لی۔ وہ جھٹ سے اٹھا، اس کی دلہن نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے کہا: تم ایک جنگ جو انسان ہو۔ جنگ آزما لوگ اس وقت یوں نہیں جاتے" کعب نے اسے کہا: یہ ابو نائلہ ہیں۔ اگر وہ مجھے سوئے

ہوئے پاتے تو مجھے اس طرح بیدار نہ کرتے" اس کی بیوی نے کہا: بخدا! مجھے اس آواز میں شر نظر آ رہا ہے" دوسری روایت میں ہے۔ اس عورت نے کہا "میں ایسی آواز سنتی ہوں گویا کہ اس میں سے خون ٹپک رہا ہے" کعب نے کہا: یہ میرا رضاعی بھتیجا محمد بن مسلمہ اور رضاعی بھائی ابونائلہ ہیں۔ اگر کریم کو رات کے وقت بلایا جائے تو وہ ضرور جواب دیتا ہے" وہ نیچے اترا۔ صحابہ کرام نے اس کے ہمراہ کچھ دیر گفتگو کی، پھر انہوں نے کہا "ابن اشرف! کیا تم ہمارے ساتھ شعب العجوز تک چلتے ہو، ہم بقیہ رات وہیں گفتگو کریں گے؟ کعب نے کہا: اگر تم پسند کرو" وہ سب چلنے لگے۔ وہ کچھ دیر چلے، پھر حضرت ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سر میں ہاتھ ڈالا، پھر اپنا ہاتھ سونگھا اور کہا "میں نے آج تک اتنا خوشبو آور عطر نہیں سونگھا" پھر وہ کچھ دیر چلے حضرت ابونائلہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا، حتیٰ کہ کعب مطمئن ہو گیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اسی طرح کیا، اس کے بالوں کو زور سے پکڑ لیا اور کہا: اللہ کے دشمن کی گردن اڑا دو"۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: جب کعب آئے گا تو میں اس کے بالوں سے پکڑوں گا۔ جب تم دیکھ لو کہ میں نے اس کے بالوں کو خوب پکڑ لیا ہے تو اس کی گردن اڑا دینا" کعب ان کے پاس آیا اس سے عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ حضرت ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آج تک اتنی عمدہ خوشبو نہیں سونگھی۔ کعب نے کہا: میرے پاس عرب کی ساری عورتوں سے زیادہ عطر استعمال کرنے والی اور سب سے زیادہ حسین عورت ہے" حضرت ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں تمہارا سر سونگھ لوں" کعب نے کہا: بالکل! انہوں نے اس کا سر سونگھا، پھر اس کے ساتھیوں نے بھی سونگھا" ممکن ہے حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابونائلہ دونوں نے اس کا سر سونگھا ہو۔ کعب مشک وعنبر کی خوشبو لگاتا تھا۔ وہ یہ خوشبو کنپٹیوں تک لگاتا تھا۔ جب حضرت ابونائلہ یا حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نے اسے زور سے پکڑ لیا تو صحابہ کرام اس پر تلواروں سے حملہ آور ہو گئے۔ اللہ کے دشمن نے زوردار چیخ ماری، اس کی بیوی دو دفعہ چلائی۔ اے آل قریظہ، اے آل قریظہ! ہر قلعہ کے اوپر آگ روشن کر دی گئی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھی، اس پر زور ڈالا تو وہ نیچے سے نکل گئی۔ اللہ کا دشمن گر پڑا۔ انہوں نے اس کا سر جدا کیا۔ اسے توبرے میں رکھا۔ یہودی ہر طرف سے جمع ہو گئے۔ صحابہ کرام نے غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ جب وہ بقیع الغرقد تک پہنچے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے۔ جب صحابہ کرام کی تکبیر سماعت فرمائی تو آپ نے بھی تکبیر کہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ کعب کو جہنم واصل کر دیا گیا ہے۔ پھر وہ صحابہ کرام بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے اور کعب کے قتل کا مژدہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ چہرے کامران ہوں" انہوں نے عرض کی "آپ کا روئے تاباں بھی سرخرو ہو" انہوں نے کعب کا سر آپ کے سامنے پھینک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قتل پر رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حرث بن اوس رضی اللہ عنہ کو تلوار کی دھار لگی۔ جس سے ان کا سر یا ٹانگ زخمی ہو گئی۔ حتیٰ کہ وہاں سے خون بہنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے زخم پر لعاب دہن لگایا جس کے بعد انہیں اذیت نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن کے قتل ہو جانے کے بعد یہودی ڈرنے لگے۔ مدینہ طیبہ کے ہر یہودی کو اپنے بارے خدشہ تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ وقت صبح حضور ﷺ نے فرمایا "تم جس یہودی پر قابو پالو اسے واصل جہنم کر دو" یہ سن کر یہودی خوف کھانے لگے۔ انہیں اس واقعہ کے بارے گفتگو کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ان کے ساتھ بھی اسی طرح نہ ہو جس طرح کعب کے ساتھ ہوا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے "اس واقعہ کے بعد یہودی خوفزدہ ہو گئے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "ہمارا سردار قتل کر دیا گیا ہے" حضور ﷺ نے ان کے سامنے کعب کے کرتوت بیان کیے۔ انہیں بتایا کہ وہ کس طرح آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو ابھارتا تھا اور مسلمانوں کو کیسی اذیتیں دیتا تھا۔ یہ سن کو یہودی ڈر گئے۔ وہ بات تک نہ کر سکے۔ پھر حضور ﷺ نے انہیں صلح کرنے کی طرف دعوت دی وہ معاہدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لکھا۔ اسی واقعہ کے متعلق حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ نے اشعار لکھے ہیں:

صَرَخْتُ بِهٖ فَلَمْ يُعْرِضْ لِصَوْتِیْ ۔۔۔ وَوَافٰی طَالِعاً مِنْ رَأْسِ خَدْرِ

فَعُدْتُ لَهٗ فَقَالَ مَنِ الْمُنَادِیْ ۔۔۔ فَقُلْتُ اَخُوْكَ عُبَادُبْنُ بِشْرِ

وَهٰذَا دِرْعُنَا رِهْنًا فَخُذْهَا ۔۔۔ لِشَهْرٍ وَفٰی اَوْ نِصْفُ شَهْرِ

فَقَالَ مَعَاشِرٌ سَغِبُوْا اَوْ جَاعُوا ۔۔۔ وَمَا عَدَمُوا الْغِنٰی مِنْ غَيْرِ فَقْرِ

فَاَقْبَلَ نَحْوَنَا يَهْوِیْ سَرِيْعًا ۔۔۔ وَقَالَ لَنَا لَقَدْ جِئْتُمْ لِاَمْرِ

وَفِیْ اَيْمَانِنَا بِيْضٌ حِدَادٌ ۔۔۔ مُجَرَّبَةٌ بِهَا الْكُفَّارَ نَفْرِیْ

فَعَانَقَهٗ ابْنُ مَسْلَمَهٗ الْمُرَادِیْ ۔۔۔ بِهٖ الْكُفَّارُ كَاللَّيْثِ الْهِزَبْرِ

وَشَدَّ بِسَيْفِهٖ صَلْتًا عَلَيْهِ ۔۔۔ فَقَطَّرَهٗ اَبُوْعَبْسِ بْنِ جَبْرِ

وَكَانَ اللّٰهُ سَادِسَنَا فَاَبْنَا ۔۔۔ بِاَنْعَمِ نِعْمَتِهٖ وَاَعَزِّ نَصْرِ

وَجَاءَ بِرَأْسِهٖ نَفَرٌ كِرَامٌ ۔۔۔ هُمْ نَاهِيْكَ مِنْ صِدْقٍ وَبِرِّ

"میں نے اسے پکارا۔ اس نے میری آواز سے اعراض نہ کیا، وہ پردہ کی آڑ سے باہر جھانکنے لگا۔ میں نے دوبارہ آواز دی تو اس نے کہا: آواز دینے والا کون ہے؟، میں نے کہا: تیرا بھائی عباد بن بشر ہے۔ یہ ہماری زرہیں ہیں انہیں بطور رہن رکھ لو، یہ رہن پورے ایک ماہ کے لیے یا نصف ماہ کے لیے ہے میں نے کہا یہ ؟ ایسے قبائل ہیں جو بھوک اور قحط سالی میں مبتلاء ہیں، انہوں نے فقر کے بغیر غنی کو گم نہیں کیا۔ وہ جلدی سے اتر کر ہماری طرف آ گیا، اس نے کہا تم میرے پاس کسی ناگزیر امر کے لیے آئے ہو۔ ہمارے ہاتھوں میں سفید تیز دھار والی تلواریں تھی، جنہیں کفار پر آزمایا گیا تھا وہ غالب تھیں۔ حضرت ابن مسلمہ نے اس کے ساتھ معانقہ کیا، ان کی وجہ سے کفار کو ہلاک کر دیا گیا وہ جری شیر تھے۔ انہوں نے اس تلوار کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا جو انہوں نے سونت رکھی تھی، حضرت ابو عبس نے بھی اس پر ہلہ بول دیا۔ اللہ رب العزت نے اپنی بہت زیادہ نعمت اور غالب نصرت کے

ساتھ ہمیں سرخرو کیا۔ معزز لوگ اس خبیث کا سر لے کر آئے وہ صدق اور پاکبازی میں تمہارے لیے کافی ہیں"۔

کعب کا اس طرح عبرت ناک انجام تک پہنچنا اور قتل ہو جانا غیر قانونی ہرگز نہیں تھا کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدہ کو توڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو بیان کی اور آپ کو برے الفاظ سے یاد کیا۔ حالانکہ اس نے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہیں کرے گا۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کی مدد کرنے لگا بلکہ انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے ہر قسم کا تعاون پیش کیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے رقم کیا "حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو میں کسی امان کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ کعب کے ساتھ خرید و فروخت جیسے معاملات پر گفتگو کی۔ اس کے پاس حالات کی سنگینی کی شکایت کی۔ ان کی گفتگو میں کسی عہد یا امان کا ذکر نہیں۔ نہ کسی کے لیے یہ روا ہے کہ وہ یہ کہے کہ کعب کو دھوکا سے قتل کیا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے یہی بات کی تو آپ نے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ یہ دھوکا اور دغا تو اس وقت ہوتا جب امان موجود ہوتی۔ کعب نے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ اور ان کے رفقاء نے بھی اسے کوئی امان نہیں دی تھی۔ بلکہ کعب ان کے ساتھ مانوس ہو گیا۔ انہوں نے کسی عہد اور امان کے بغیر اس سے نجات پائی۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: کعب محارب تھا۔ امام بخاری نے اس کا ذکر اس عنوان کے تحت کیا ہے "الفتك باهل الحرب والكذب فی الحرب"۔

غزوۂ غطفان

اس مبارک غزوہ کو غزوہ ذی امر بھی کہا جاتا ہے۔ اسے غزوۂ انمار کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ نجد کے گرد و نواح کا علاقہ ہے۔ جب یہ غزوہ رونما ہوا تو ربیع الاول کے بارہ روز گزر چکے تھے۔ ہجرت کو پچیس ماہ بیت چکے تھے۔

سبب

اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب ایک جگہ اکٹھے ہو رہے تھے، وہ مسلمانوں پر شب خون مارنا چاہتے تھے۔ دعثور بن حرب المحاربی نے ان قبائل کو جمع کیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے اس کا نام غورث بن حرث لکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 450 مجاہدین لے کر ان کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق سنا تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گئے۔ ان میں سے ایک شخص مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا، جسے حبار بن حیان کہا جاتا تھا، اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ اس نے دشمنوں کے حالات بتاتے ہوئے عرض کی "وہ آپ سے معرکہ آزما نہیں ہوں گے۔ جب انہوں نے آپ کی آمد کے متعلق سنا تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے ہیں۔ میں آپ کے ہمراہ جانے کی سعادت حاصل کرتا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے اسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تاکہ آپ

اسے احکام شریعت سے آگاہ کریں۔ وہ شخص حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو خفیہ راستے سے اپنے لوگوں کے پاس لے گیا۔ مسلمان ایک چشمہ پر پہنچے جسے ذوامر کہا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے لشکر سمیت وہیں پڑاؤ کیا۔ وہاں بہت زیادہ بارش برسی۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے کپڑے گیلے ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اپنے ملبوسات مبارکہ اتارے اور انہیں خشک ہونے کے لیے درخت پر لٹکا دیا اسی درخت کے نیچے خود بھی استراحت فرما ہو گئے۔ یہ جگہ مشرکین کے قریب ہی تھی۔ وہ پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں سے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ مسلمان اپنے امور میں مصروف تھے۔

عجیب معجزہ نمائی

مشرکین نے اپنے سردار اور شجاع شخص دعثور سے کہا "محمد عربی ﷺ تنہا ہیں۔ فوراً جا کر انہیں شہید کر دو" وہ شمشیر بے نیام لے کر آیا۔ وہ حضور ﷺ کے سر اقدس پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: آج مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ۔ حضرت جبرائیل امین نے اس کے سینہ پر مارا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ وہ خود بھی پشت کے بل نیچے گر پڑا۔ اس کی شمشیر براں حضور نبی مکرم ﷺ نے پکڑ لی۔ اسے فرمایا: مجھ سے تجھے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول مکرم ہیں" نبی اکرم ﷺ نے اس کی تلوار واپس کر دی۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا۔ انہیں اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف بلانے لگا۔ اس نے انہیں بتایا "اس نے ایک طویل شخص دیکھا جس نے اس کے سینہ پر مکا مارا۔ جس کی وجہ سے وہ پشت کے بل گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ فرشتہ ہے۔ میں نے دولت اسلام سمیٹ لی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں۔ میں ان کے خلاف لشکر کشی نہیں کروں گا" اس کے سبب رب تعالیٰ نے بہت سی مخلوق کو ہدایت عطا فرمائی۔ یہ آیات طیبات اس وقت نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (المائدہ: 11)

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی۔ پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ تعالیٰ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے"۔

دوسری روایت کے مطابق یہ آیات طیبات بنونضیر کے بارے اس وقت نازل ہوئیں جب انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ فریب کرنے کی کوشش کی۔ ایک قول کے مطابق یہ آیات کفار مکہ کے بارے اس وقت نازل ہوئیں جب وہ اور مسلمان عسفان کے مقام پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ مسلمانوں نے صلاۃ الخوف ادا کی تھی۔ امام قشیری نے لکھا ہے "بعض اوقات ایک قصہ کے بارے کسی آیت کا نزول ہوتا پھر کسی دوسرے موقع پر بھی وہی آیت نازل کی جاتی"۔

پھر حضور ﷺ مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی نوبت نہ آئی۔ اس غزوہ میں گیارہ روز صرف ہوئے۔

غزوۂ بحران

بحران ''الفرع'' کے گرد ونواح میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اس غزوۂ کو غزوۂ بنی سُلیم بھی کہا جاتا ہے۔ حضور سپہ سالار اعظم ﷺ تین سو مجاہدین لے کر بنو سلیم کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ ﷺ تک یہ اطلاع پہنچی تھی کہ بنو سلیم کا انبوہ کثیر بحران کے مقام پر جمع ہو رہا ہے۔ آپ تیز رفتاری کے ساتھ ان تک پہنچ گئے۔ ان تک پہنچنے سے قبل آپ کو ایک شخص ملا۔ اس نے بتایا کہ وہ لوگ منتشر ہو گئے ہیں۔ آپ نے اس شخص کو روک لیا۔ جب آپ بنو سلیم تک پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ بنو سلیم بکھر چکے تھے۔ آپ ﷺ واپس لوٹ آئے۔ معرکہ آزمائی کی نوبت نہ آئی۔ آپ نے اس شخص کو آزاد کر دیا۔ اس مہم میں دس روز صرف ہوئے۔

اسی سال حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد نکاح ہوا کیونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہو چکا تھا۔ ان کا وصال اس روز ہوا جب دو شخص بدر کی شاندار فتح کی بشارت لے کر آئے تھے۔ اسی سال شعبان کے ماہ مبارک میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کاشانہ نبوی میں داخل ہوئیں۔ حضرت خنیس بن خذافہ رضی اللہ عنہ ان کے پہلے خاوند تھے۔ جن کے سر پر غزوۂ بدر کے روز تاج شہادت سجایا گیا تھا۔ اسی سال رمضان المبارک میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ام المومنین بننے کا شرف نصیب ہوا۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

''القردہ'' نجد کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس سریہ کا سبب یہ ہے کہ قریش اس راستہ سے ڈر گئے جس پر وہ ملک شام جایا کرتے تھے۔ جب واقعہ بدر رونما ہوا تو انہیں کئی خدشات نے گھیر لیا۔ انہوں نے تجارت کے لیے عراق کا رستہ اختیار کیا۔ ایک تجارتی کارواں عازم سفر ہوا۔ جس میں ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ اور حویطب بن عبدالعزیٰ شامل تھے۔ ان کے ہمراہ بہت سی چاندی تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ ایک سو مجاہدین بھیجے۔ اسی چشمہ پر ان کی ملاقات اسی کارواں کے ساتھ ہو گئی۔ کارواں میں موجود لوگ بھاگ گئے۔ سامان سمیت اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے۔ مسلمان سامان سمیت اونٹ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لے کر آئے۔ حضور ﷺ نے اس مال غنیمت کا خمس نکالا۔ خمس کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ یہ سریہ 3ھ جمادی الآخر میں رونما ہوا۔

غزوۂ اُحد

کفار قریش کی تیاری

اُحد مدینہ طیبہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے۔ یہ غزوہ ماہ شوال 3ھ بروز ہفتہ کو رونما ہوا تھا۔ شوال کے گیارہ دن گزر چکے تھے۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ جب قریش مکہ کو میدان بدر میں ضرب کاری لگی تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان بن

امیہ اور دیگر اشراف قریش ابوسفیان کے پاس گئے۔ ان کے علاوہ ہر وہ شخص ابوسفیان کے پاس گیا جس کا اس تجارتی کارواں میں حصہ تھا جو غزوۂ بدر کا سبب بنا تھا۔ یہ کارواں ابھی تک دار الندوہ میں اسی طرح پڑا تھا۔ اس کا نفع تقسیم نہیں کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے ابوسفیان سے کہا "محمد عربی نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے عمدہ لوگوں کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ اسی مال سے ان کے خلاف مدد لو۔ ان کے خلاف جنگ کرو۔ شاید ہم اپنے اس زخم کاری کا ان سے بدلہ لے سکیں۔ شاید ہمارے نفسوں کو تسکین نصیب ہو سکے۔ اس کارواں کے نفع سے ایک لشکر جرار تیار کر کے محمد عربی پر حملہ آور ہو جاؤ"۔

ابوسفیان نے کہا: میں پہلے اس پکار پر لبیک کہتا ہوں۔ بنو عبد مناف میرے ہمراہ ہیں۔ وہ اپنے مال کا نفع اس کام کے لیے مختص کر دیتے ہیں" اس کاروان کے تجارتی سامان کا اصل سرمایہ مالکوں کو واپس کر دیا گیا۔ اصل سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ جبکہ نفع کو مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کے لیے مختص کر دیا گیا۔ ایک دینار پر ایک دینار نفع ہوا تھا۔ قریش مکہ نے بھرپور انداز سے تیاری شروع کر دی۔ کنانہ اور تہامہ کے قبائل نے بھی ان کے ساتھ مکمل تعاون کیا۔ صفوان بن امیہ نے ابوعزہ انجحی سے کہا: ابوعزہ! تو ایک شاعر ہے۔ اپنی زبان کے ساتھ ہماری مدد کر۔ تیرا میرے ذمہ یہ وعدہ رہا کہ اگر تو جنگ سے بسلامت واپس آ گیا تو میں تجھے غنی کر دوں گا۔ اگر تو قتل ہو گیا تو تیری بیٹیوں کو اپنی بیٹیوں کے ساتھ ملالوں گا۔ تنگی اور آسانی میں انہیں ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جیسے میری اپنی بیٹیوں کو سامنا کرنا پڑے گا"۔

ابوعزہ نے کہا: محمد عربی ﷺ نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں مجھے آزاد فرمایا ہے۔ مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ میں ان کے خلاف کسی کی مدد نہیں کروں گا۔ صفوان نے کہا: تو صرف اپنی زبان کے ساتھ ہماری مدد کر" ابوعزہ اور مسافع اپنے اشعار کے ساتھ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دلانے لگے۔ کیا مسافع نے اسلام قبول کر لیا تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابوعزہ کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو ابوعزہ کی گردن اڑا دی گئی۔

جبیر بن مطعم نے حبشی غلام "وحشی" کو بلایا۔ یہ وحشی نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس کا نشانہ کم ہی خطا جاتا تھا۔ جبیر بن مطعم نے اسے کہا "لوگوں کے ساتھ عازم سفر ہو جاؤ، اگر تم نے میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلہ میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو" کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے روز طعیمہ کو واصل جہنم کیا تھا۔ ایک قول کے مطابق اس کے سردار طعیمہ کی بیٹی نے کہا: اگر تو نے میرے باپ کے بدلہ میں حضرت محمد عربی یا حضرت علی یا حضرت حمزہ کو شہید کر دیا تو تم آزاد ہو کیونکہ پوری قوم میں ان کے علاوہ مجھے اور کوئی کفو نظر نہیں آتا"۔

لشکر قریش کی روانگی

قریش کا لشکر جرار اپنے سورماؤں، آلات موسیقی، شراب اور لونڈیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ قریش کی خواتین میں سے پندرہ عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ عازم سفر ہوئیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ، ابوسفیان کی بیوی، ام حکیم بنت طارق، عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی، فاطمہ بنت ولید، حرث بن ہشام کی زوجہ، ربطہ بنت منبہ السہمیہ، عمرو بن عاص کی زوجہ شامل تھیں۔ ان کے

علاوہ اور بھی بہت سی خواتین تھیں جو مقتولین بدر پر نوحہ کناں تھیں۔ وہ لشکر کو قتال پر ابھار رہی تھیں۔ وہ انہیں شکست نہ کھانے اور راہ فرار اختیار نہ کرنے پر ابھار رہی تھیں۔ جب یہ لشکر مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا تو شوال کے پانچ ایام گزر چکے تھے۔

حضرت عباس کا مکتوب

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خط لکھا۔ اس میں لشکر قریش اور ان کی روانگی کے متعلق لکھا۔ قریش نے حضرت عباس کو بھی روانگی کے لیے کہا تھا۔ مگر انہوں نے معذرت کر لی تھی۔ انہوں نے ان کی کسی قسم کی مالی مدد بھی نہیں کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خط پہنچا تو آپ قباء میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بنو غفار میں سے ایک شخص کو یہ خط دے کر بھیجا۔ اسے اس شرط پر اجرت دی کہ وہ شب و روز سفر کر کے تین دن میں مدینہ طیبہ جائے گا۔ جب یہ مکتوب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کی مہر شق کی اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انہوں نے آپ کو پڑھ کر سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''وہ اس خط کو مخفی رکھیں''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور انہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خط کے بارے بتایا۔ آپ نے فرمایا ''بخدا! مجھے امید ہے کہ بہتر ہوگا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی حکم فرمایا ''اس خط کو مخفی رکھیں''۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے انہیں کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی ابھی کیا کہا ہے؟'' حضرت سعد نے فرمایا ''ام محمد! تجھے اس خبر سے کیا سروکار؟'' ان کی زوجہ نے کہا ''جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے کہا ہے، میں نے وہ سن لیا ہے'' پھر انہوں نے ساری بات سنادی جسے سن کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اس کے معاملہ کے بارے عرض کرتے ہوئے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اندیشہ ہے کہ یہ خبر پھیل جائے گی۔ آپ سمجھیں گے کہ شاید میں نے پھیلائی ہے۔ حالانکہ آپ نے مجھے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنی زوجہ سے درگزر کرو''۔

لشکر قریش روانہ ہوا۔ وہ تعداد میں تین ہزار تھے۔ ان میں دو سو گھوڑے تھے۔ سات سو زرہ پوش تھے۔ ان میں سے وہ احابیش بھی شامل تھے جنہوں نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔ یہ بنو مصطلق اور بنو لھون بن خزیمہ تھے۔ یہ حبیش (مکہ مکرمہ کے زیریں علاقہ کا پہاڑ) کے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ قریش کے ساتھ ہیں۔ جب تک رات تاریک رہے گی۔ دن روشن رہے گا۔ جب تک کوہ حبیش اپنی جگہ پر برقرار رہے گا۔ اس پہاڑ کی وجہ سے انہیں 'احابی' بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں اجتماع کی وجہ سے احابیش کہا جاتا ہے۔

قریش کے ہمراہ ابو عامر بھی نکلا۔ اس کے ہمراہ اوس کے ستر گھڑسوار تھے۔ ابو عامر راہب پہلے مدینہ منورہ میں تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا منکر تھا۔ اس سے قبل یہ راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مبعوث کیے جانے والے نبی کا منتظر ہے۔ لوگوں سے اس نبی مکرم کے محامد و مکارم بیان کرتا تھا۔ یہ لوگوں سے کہتا تھا کہ اس نبی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی۔ انصار کے لیے آپ کے اوصاف حمیدہ

عیاں ہو گئے اور انہوں نے آپ کی پیروی کر لی تو ابو عامر آپ ﷺ سے حسد کرنے لگا۔ اس نے آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ اس کا اوس میں وہی مقام تھا جو خزرج میں ابن ابی کا تھا۔ ان دونوں نے حضور ﷺ سے حسد کیا۔ مگر عبداللہ بن ابی ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو گیا، مگر ابو عامر مدینہ طیبہ سے حالت کفر میں نکل گیا۔ حضور ﷺ نے اس کے لیے یہ بددعا کی "یہ تنہا اور دھتکارا ہوا مرے گا"۔ اللہ رب العزت نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ حضور ﷺ نے اسے راہب کی جگہ فاسق کہا۔ اسی ابو عامر کے فرزند ارجمند حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ غزوۂ اُحد میں انہیں قبائے شہادت نصیب ہوئی۔ غسیل ملائکہ یہی حنظلہ ہیں۔ ابو عامر فاسق حالت کفر میں تنہائی اور بے کسی کی موت مرا۔ یہ روم میں مرا تھا۔ آپ ﷺ کی بددعا قبول ہوئی تھی۔ جب آپ ﷺ نے مکہ فتح فرمایا تو یہ روم کی طرف بھاگ گیا۔

قریش مکہ بھرپور تیاری کرنے کے بعد روانہ ہوئے۔ ابوسفیان ان کا قائد تھا۔ وہ انہیں لے کر چلا۔ حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ کے سامنے کوہ اُحد کی وادی میں فروکش ہوئے۔ جب قریش مکہ کا لشکر کوہ اُحد کی وادی میں پہنچا تو بدھ کا دن اور شوال کی بارہ تاریخ تھی۔ وہ وہاں بدھ، جمعرات اور جمعہ تین ایام ٹھہرے رہے۔ حضور ﷺ ہفتہ کی صبح کو اس وادی میں جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت نصف شوال گزر چکا تھا۔ جو صحابہ کرام غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کر سکے تھے انہیں حد درجہ افسوس تھا۔

حضور ﷺ کا مبارک خواب

مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہونے سے قبل حضور ﷺ نے ایک خواب دیکھا۔ یہ جمعہ کی رات تھی۔ وقت صبح آپ نے فرمایا "بخدا! میں نے عمدہ خواب دیکھا ہے۔ میں نے ذبح ہوتی ہوئی گائے دیکھی ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ میری تلوار میں دندانے پڑ گئے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں ڈال دیا ہے۔ میں نے خود کو دیکھا ہے کہ گویا کہ میں مینڈھے کے پیچھے ہوں"۔ جہاں تک گائے کا تعلق ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میرے صحابہ کرام میں سے بعض کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا جائے گا۔ تلوار کی دھار میں دندانے دیکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص شہید ہو گا۔ مضبوط زرہ کی تعبیر میں نے مدینہ طیبہ سے کی ہے۔ میں نے مینڈھے کی تعبیر یہ کی ہے کہ میں لشکر کے سردار کا قتل کروں گا"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کا خواب سچ کر دکھایا۔ آپ کے اہل بیت میں سے جس فرخندہ فال شخص کے سر پر شہادت کا تاج سجا وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے طلحہ بن عثمان العبدری کو قتل کیا۔ یہ مشرکین کا علمبردار تھا۔ یہ لشکر کا قائد اور ان کا سردار تھا۔

حضرت عروہ بن زبیر اور ایک گروہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شمشیر مبارک کی دھار کو دندانے لگنے کی تعبیر آپ کے روئے تاباں کا زخمی ہونا ہے۔ دشمن نے آپ ﷺ کے چہرۂ والضحیٰ پر ضرب لگائی، رخسار مبارک پر چوٹ لگی۔ دانت مبارک شہید ہو گئے اور نچلے ہونٹ پر بھی زخم آیا۔ پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہو اگر مشرکین مدینہ منورہ کے اندر گھس آئے تو ہم ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ گھروں کی چھتوں پر سے تیر اندازی کریں گے" دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مناسب سمجھو تو مدینہ طیبہ میں ہی ٹھہرے رہو۔ وہ جہاں بھی ہوں گے تم

انہیں دعوت جنگ دے لو گے۔ اگر انہوں نے قیام کیا تو یہ قیام ان کے لیے اذیت ناک بن جائے گا۔ اگر وہ مدینہ طیبہ کے اندر داخل ہو گئے تو ہم ان کے ساتھ مقابلہ کریں گے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشاورت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشاورت کے لیے عبد اللہ بن ابی کی طرف بھی پیغام بھیجا۔ مقصود تالیف قلب تھا۔ اس سے قبل اس سے کبھی بھی مشاورت نہیں کی گئی تھی۔ عبد اللہ بن ابی کی رائے وہی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے تھی۔ ان لوگوں نے عرض کی جو غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کر سکے تھے اور انہیں شرکت نہ کرنے پر از حد افسوس تھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم تو اس دن کے منتظر تھے۔ ہمیں لے کر دشمن کی طرف تشریف لے چلیں۔ وہ ہمیں بزدل نہیں پائیں گے''۔

ابن ابی نے عرض کی ''یا رسول اللہ! مدینہ طیبہ میں ہی جلوہ افروز رہیں دشمن کی طرف نہ نکلیں۔ بخدا! ہم کبھی بھی دشمن کی طرف نکل کر نہیں گئے مگر ہمیں نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ ہم نے جب اندر رہ کر دفاع کیا ہے ہم نے دشمن کو رسوا کیا ہے۔ یا رسول اللہ! انہیں چھوڑ دیں اگر وہ وہیں ٹھہرے رہے تو ان کا ٹھہرنا کتنا تکلیف دہ ہوگا۔ اگر وہ مدینہ منورہ کے اندر داخل ہو گئے تو مردان کے سامنے آ کر ان سے لڑیں گے جبکہ عورتیں اور بچے چھتوں سے ان پر پتھر پھینکیں گے۔ وہ اسی طرح خائب وخاسر واپس لوٹ جائیں گے جس طرح آئے ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر دل چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت نعمان بن مالک اور انصار کے ایک گروہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں خدشہ ہے کہ دشمن سمجھے گا کہ ہم بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مدینہ طیبہ سے باہر نہیں نکلے۔ وہ اسے اپنی جیت سمجھیں گے''۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے مزید عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے۔ میں کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا حتیٰ کہ میں مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر دشمن سے معرکہ آزما ہو جاؤں''۔ حضرت نعمان نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں جنت سے محروم نہ فرمائیں۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میں ضرور جنت میں داخل ہوں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ذرا رکو! حضرت نعمان نے عرض کی ''میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوں'' دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے عرض کی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ میں جنگ کے روز راہ فرار اختیار نہیں کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم نے سچ کہا ہے'' اس روز ان کے سر پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ آپ نے ان صحابہ کرام کی رائے کی موافقت کی۔ اگرچہ ابتدا میں اسے ناپسند فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ جس امر کا فیصلہ کر لے وہ ہو کر رہتا ہے۔

سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُحد کی طرف روانگی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو نماز جمعہ پڑھائی۔ انہیں وعظ ونصیحت کی۔ کوشش اور اجتہاد کا حکم دیا۔ ان کے ساتھ وعدہ

کیا کہ نصرت الٰہیہ انہی کے ساتھ ہے بشرطیکہ انہوں نے صبر کا دامن پکڑے رکھا۔ آپ نے صحابہ کرام کو دشمن کے ساتھ جنگ آزما ہونے کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ حکم سن کر صحابہ کرام بہت زیادہ مسرور ہوئے، کیونکہ دنیا اور اس کی زیب و زینت ان کا مقصد حیات نہ تھا۔ یہ فیصلہ سن کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کا شوق ان کے دلوں میں انگڑائیاں لینے لگا۔ جنات النعیم کی طرف جلدی جانے کی تمنا بیدار ہوگئی۔ پھر آپ نے نماز عصر پڑھائی۔ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ بلند محلوں کے لوگ بھی پہنچ چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس کے اندر گئے۔ آپ کے ہمراہ دنیا، برزخ، موقف، حوض اور جنت کے دو ساتھی بھی تھے۔ انہوں نے عمامہ شریف، کپڑے اور تلوار حمائل کرنے میں آپ کی اعانت کی۔ صحابہ کرام باہر صف باندھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر تشریف لانے کے منتظر تھے۔ صحابہ کرام نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما سے کہا "تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبور کیا ہے کہ آپ جنگ کے لیے باہر نکلیں۔ معاملہ آپ کی طرف ہی لوٹا دو" حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اوس کے سردار تھے۔ ان کا انصار میں مقام و منصب وہی تھا جو مہاجرین میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا"۔

امام زرقانی نے تحریر کیا ہے "حضرت سعد انصار میں سے افضل تھے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زرہ مبارک پہنے ہوئے تھے، تلوار حمائل کیے ہوئے تھے۔ باہر نکل کر جنگ کرنے کے حامیوں کو ندامت محسوس ہوئی۔ انہوں نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنا ہمارے لیے کسی طرح بھی روا نہ تھا۔ آپ جیسے پسند فرمائیں کریں" دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے عرض کی "اگر آپ پسند فرمائیں تو مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر ہی دشمن سے مقابلہ کریں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ایک نبی جب اسلحہ زیب بدن کرلے تو اس کے لیے روا نہیں کہ اسے اتارے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے مابین فیصلہ کردے"۔

آپ نے حضرت ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ اوس کا جھنڈا باندھا، وہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خزرج کا جھنڈا باندھا تو وہ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ یا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ پھر پوچھا "مشرکین کا علمبردار کون ہے؟" عرض کی گئی "طلحہ بن ابی طلحہ العبدری" آپ نے فرمایا "ہم وفاء کرنے کے ان سے زیادہ مستحق ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لیا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ قصی نے القیادہ، اللواء، الحجابہ، السقایہ، الرقادہ اور دار الندوہ سب کچھ اپنے بیٹے عبد الدار کو دیا تھا۔ عبد الدار کی موت کے بعد بنو عبد الدار اور بنو عبد مناف میں اختلاف ہوگیا۔ پھر انہوں نے اتفاق کرلیا کہ لواء، حجابہ اور ندوہ بنو عبد الدار کے پاس رہیں گے جبکہ قیادہ، سقایہ اور رقادہ بنو عبد مناف کے پاس رہیں گے۔ یہ واقعہ پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہم وفاء کرنے کے زیادہ مستحق ہیں"۔

شرح زرقانی میں ہے "جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو آپ نے اسلام کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ لشکر اسلامی میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے "السکب" گھوڑے پر سوار تھے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ پیدل روانہ ہوئے۔ حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما آپ کے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔

ان دونوں کے بارے ہی مکہ مکرمہ میں ہاتف غیبی نے کہا تھا:

فَاِنْ يُسْلِمِ السَّعْدَانِ يُصْبِحْ مُحَمَّدٌ بِمَكَّةَ لَا يَخْشٰى خِلَافَ الْمُخَالِفِ

اگر سعدان یعنی حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کرلیا تو محمد عربی مکہ مکرمہ میں اس طرح ہو جائیں گے کہ انہیں کسی مخالف کی مخالفت کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

یہ دونوں حضرات زرہ پہنے ہوئے تھے۔ لشکر میں بعض کمسن بچے بھی تھے جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوسعید خدری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت نافع بن خدیج، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم۔ آپ نے انہیں واپس بھیج دیا۔ پھر حضرت رافع بن خدیج کو اجازت مرحمت فرمادی۔ جب انہیں اذن جہاد مل گیا تو حضرت سمرہ بن جندب نے اپنے سوتیلے باپ سے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رافع کو اجازت مرحمت فرمادی ہے۔ جبکہ مجھے اجازت نہیں ملی حالانکہ میں کشتی میں انہیں پچھاڑ سکتا ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے انہیں کشتی لڑنے کا حکم دیا۔ حضرت سمرہ نے حضرت رافع کو پچھاڑ دیا۔ آپ نے انہیں بھی اجازت عطا فرمادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کے ساتھ یہودیوں کی ایک جماعت دیکھی۔ آپ نے پوچھا: کیا انہوں نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ آپ سے گزارش کی گئی ''نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ''انہیں واپس لوٹ جانے کا حکم دو'' ہم مشرکین سے مشرکین کے خلاف مدد نہیں مانگتے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک ہزار افراد تھے۔ پھر عبداللہ بن ابی اور اس کے تین سو منافقین ساتھی جدا ہو گئے۔ مسلمانوں کی تعداد سات سورہ گئی۔ مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب عبداللہ بن ابی واپس جانے لگا تو اس نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری مخالفت کی ہے۔ انہوں نے بچوں اور ایسے لوگوں کی رائے اختیار کی ہے جن کی کوئی رائے ہی نہیں۔ ہم اپنے آپ کو کیوں قتل کریں۔ لوگو! لوٹ چلو'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عمرو نے انہیں کہا ''میں تمہیں اللہ رب العزت کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اپنی قوم اور اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوا نہ کرو، جبکہ دشمن سامنے موجود ہے'' منافقین نے کہا ''اگر ہمیں جنگ کا طریقہ آتا تو ہم ضرور ان کی اتباع کرتے'' جب منافقین نے انکار کیا تو مسلمانوں نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے مستغنی کر دے گا''۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے فرمایا ''جب ابن ابی اور اس کے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہو گئے تو مسلمانوں میں سے دو گروہوں کے پاؤں ڈگمگائے۔ انہوں نے بزدلی کے اظہار کا ارادہ کیا۔ وہ دو قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے'' صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے بارے نازل ہوئی۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (آل عمران:122)

''جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا''۔

انہوں نے کہا: کاش! یہ آیت نازل نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا دفاع کرنے والا تھا۔ حضرت حافظ ابن حجر نے رقم کیا ہے ''اگرچہ اس آیت کریمہ کے ظاہر میں ان دونوں قبائل کے لیے عتاب نظر

آتا ہے۔ مگر اس کی ابتداء میں عتاب ہے جبکہ آخری حصہ میں ان کے لیے شرف ہے"۔

حضرت ابن اسحاق نے لکھا ہے وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کا معنی ہے کہ جو انہوں نے پست ہمتی کا اظہار کیا جبکہ اللہ تعالیٰ اسے دور کرنے والا تھا کیونکہ وہ شیطانی وسوسہ تھا۔ یہ ان کی دینی کمزوری نہیں تھی"۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سید انس وجان صلی اللہ علیہ وسلم کوہ اُحد کی طرف تشریف لے گئے اور منافقین آپ کا ساتھ چھوڑ کر واپس آ گئے تو آپ کے صحابہ کرام دو فریقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ ہم ان کے ساتھ جنگ کریں گے۔ دوسرے فریق کا موقف تھا کہ ہم ان کے ساتھ جہاد نہیں کریں گے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا (النساء:88)

"سو کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے تم دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں بوجہ ان کرتوتوں کے جو انہوں نے کیے ہیں"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے روانہ ہوئے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے کنارے کی طرف گھاٹی میں فروکش ہو گئے۔ کوہ اُحد کو پس پشت رکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز صبح پڑھائی۔ احد کے دامن میں مسلمانوں نے صف بندی کی۔ مشرکین نے "سبخہ" کے مقام پر صفیں بنالیں۔ مشرکین کے گھڑسوار دستہ کے میمنہ پر خالد بن ولید مقرر تھے۔ میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ پیادہ دستوں کی کمان صفوان بن امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ کمان عمرو بن عاص کے ہاتھ میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ خالد بن ولید کے سامنے آ جائیں۔ مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے تھے۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ہمراہ پچاس گھوڑے تھے یہ موقف درست نہیں۔

تیرانداز دستہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو تیرانداز دستے کا امیر مقرر کیا۔ اس روز انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ دستہ پچاس افراد پر مشتمل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستہ کو بلند ٹیلے پر مقرر فرمایا اور فرمایا "ہمارے پیچھے سے ہمارا دفاع کرو۔ دشمن ہمارے پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکے۔ ان پر تیراندازی شروع کر دینا۔ جس جگہ تیر گر رہے ہوں اس جگہ گھوڑے نہیں آتے۔ جب تک تم اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو گے ہمیں غلبہ حاصل رہے گا۔ مولا! میں تجھے ان پر گواہ بناتا ہوں"۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہمیں پرندے اُچک رہے ہیں تو پھر بھی اپنی جگہ سے ہٹنا نہیں حتیٰ کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیج دوں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا ہے تو پھر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنا خواہ ہم ان کے مقتولوں کو پاؤں تلے روندھ رہے ہوں" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہم شہید ہو رہے ہیں پھر بھی ہماری مدد کے لیے نہیں آنا اور اگر تم دیکھو کہ ہم مال غنیمت جمع کر رہے ہیں تو پھر بھی ہمارے ساتھ شرکت نہ کرنا۔ مولا! میں ان پر تجھے گواہ بناتا ہوں"۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی شمشیر زنی

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شمشیر قاطع نکالی اور فرمایا ''اس شمشیر براں کا حق کون ادا کرے گا؟ اس پر یہ شعر رقم تھا:

فِي الْجُبْنِ عَارٌ وَفِي الْإِقْدَامِ مَكْرَمَةٌ وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا يَنْجُو مِنَ الْقَدَرِ

''بزدلی میں ندامت ہے، پیش قدمی میں عزت ہے اور بزدلی کے ساتھ آدمی تقدیر سے نجات نہیں پا سکتا''۔

کئی صحابہ کرام اٹھے۔ ہاتھ آگے بڑھائے۔ ان میں سے ہر صحابی عرض کناں تھا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ تلوار حاصل کرنے کی سعادت میں حاصل کروں گا'' ان صحابہ کرام میں حضرات ابوبکر، عمر فاروق، علی المرتضیٰ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی کو بھی تلوار عنایت نہ کی۔ حتیٰ کہ حضرت ابودجانہ سماک ابن اوس انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ گزارش کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس تلوار کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے دشمن پر اتنا چلایا جائے کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! یہ تلوار میں لوں گا'' آپ نے فرمایا ''شاید جب میں تمہیں یہ شمشیر بے نیام عطا کر دوں تو تم دشمنوں کی صفوں کے پیچھے شمشیر زنی کرو'' انہوں نے عرض کی ''نہیں! یا رسول اللہ!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تلوار عنایت فرما دی۔ حضرت ابودجانہ شجاع انسان تھے، جنگ کے وقت اترا کر چلتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب انہیں یہ تعجب خیز چال چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''یہ ایسی چال ہے جس سے رب تعالیٰ نفرت کرتا ہے مگر ایسی جگہ اس سے مستثنیٰ ہے''۔

اس واقعہ میں یہ دلیل نہیں کہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام سے زیادہ بہادر تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تلوار عنایت نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی۔ شاید وحی الٰہی کی بناء پر ہو تا کہ انصار کی فضیلت وشان عیاں ہو کہ آپ نے ان میں سے ایک شخص کو یہ تلوار عطا فرمائی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب تاجدار عرب وعجم نے وہ تلوار مجھے عطا نہ فرمائی اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دے دی تو میں نے کہا ''بخدا! میں دیکھوں گا کہ ابودجانہ آج اس کے ساتھ شجاعت وجرأت کے کیسے کارنامے رقم کرتے ہیں'' میں ان کے تعاقب میں رہا۔ انہوں نے اپنی سرخ پٹی نکالی جس کی ایک طرف ''نَصْرٌ مِنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ'' اور اس کی دوسری طرف ''اَلْجَبَانَةُ فِي الْحَرْبِ عَارٌ وَمَنْ فَرَّ لَمْ يَنْجُ مِنَ النَّارِ'' لکھا ہوا تھا، انہوں نے وہ پٹی اپنے سر پر باندھی۔ انصار نے فرمایا ''انہوں نے ''عصابۃ الموت'' کو نکال لیا ہے'' وہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے:

أَنَا الَّذِي عَاهَدَنِي خَلِيلِي وَنَحْنُ بِالسَّفْحِ لَدَى النَّخِيلِ

أَلَّا أَقُومَ الدَّهْرَ فِي الْكَيُّولِ أَضْرِبُ بِسَيْفِ اللّٰهِ وَالرَّسُولِ

''میں وہی ذات ہوں جس کے ساتھ میرے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت وعدہ کیا تھا جب ہم کھجوروں کے پاس دامن کوہ میں تھے کہ میں کبھی بھی آخری صفوں میں جنگ نہیں کروں گا۔ میں اللہ رب العزت اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے ساتھ شمشیر زنی کرتا رہوں گا''۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ جس دشمن کا سامنا کرتے اسے تہ تیغ کر دیتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ مشرکین کی کھوپڑیاں چیرتے جارہے تھے"۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مشرکین میں سے ایک شخص تھا وہ ہمارے جس زخمی کو بھی دیکھتا اسے شہید کر دیتا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اور وہ شخص ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔ میں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ انہیں ایک دوسرے کے قریب کردے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ باہم شمشیر زنی ہونے لگی۔ مشرک نے حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ پر وار کیا جسے انہوں نے اپنی ڈھال سے روک دیا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اسے شمشیر قاطع کی ایسی ضرب لگائی کہ اسے جہنم واصل کر دیا۔ پھر میں نے انہیں دیکھا انہوں نے ہند بنت عتبہ کے سر پر تلوار لہرائی۔ پھر تلوار کا رخ موڑ لیا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ایک انسان دیکھا جو لوگوں کو جنگ کی ترغیب دے رہا تھا۔ میں نے اس کا ارادہ کیا جب اس پر تلوار کا وار کرنے لگا تو اس نے "ہائے ہلاکت" کہا، میں نے جان لیا کہ وہ عورت ہے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شمشیر کی شان و فضیلت اس سے برتر سمجھی کہ اس سے کسی عورت کو قتل کروں" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: تلوارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنے کے بعد وہ میدان جنگ میں اتر آئے۔ میں نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ جس کے پاس سے گزرتے اسے پاش پاش کر دیتے۔ اس سے مشرکین کے سروں کو چیرتے جارہے تھے۔ جب وہ کند ہو جاتی تو پتھر سے اسے تیز کر لیتے۔ پھر اس سے دشمن پر وار کرنے لگتے۔ گویا کہ وہ درانتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ پہاڑ کے دامن تک پہنچ گئے۔ وہاں مشرکین کی خواتین بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ بھی تھی۔ وہ گا کر مشرکین کو ابھار رہی تھیں۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ اس پر حملہ آور ہو گئے۔ اس نے "ہائے ہلاکت" پکارا۔ مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آیا۔ انہوں نے تلوار نیچے کرلی۔ میں نے انہیں کہا "آپ کی شمشیر زنی کی ہر ادا مجھے نرالی لگی۔ مگر آپ نے عورت کو قتل نہیں کیا" انہوں نے فرمایا "مجھے یہ بات ناگوار گزری کہ میں ایسی عورت پر اس تلوار سے وار کروں جس کا حامی و ناصر کوئی نہ ہو"۔

ابو عامر فاسق سب سے پہلے میدان جنگ میں کودا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "فاسق" فرمایا ہے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اس نے آپ سے حسد کیا اور آپ کا انکار کر دیا، یہ مکہ مکرمہ کی طرف چلا گیا۔ یہ قریش سے وعدہ کرتا تھا کہ اگر اس نے اپنی قوم سے ملاقات کرلی تو اس میں سے دو افراد بھی نہیں رہیں گے جو مسلمانوں کے ہمراہ لڑیں یہ اپنے ساتھیوں سمیت لشکر قریش سے باہر نکلا اس نے بآواز بلند کہا "یا معشر اوس! میں ابو عامر ہوں" اوس نے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے بامراد نہ کرے" جب ابو عامر نے اپنی قوم کا یہ رویہ دیکھا تو کہا "اب میرے بعد میری قوم کو شر نے آلیا ہے" اس نے مسلمانوں کے ساتھ سخت جنگ کی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے اس پر اور اس کے ساتھیوں پر پتھروں کی بارش کر دی حتیٰ کہ وہ واپس لشکر کفار میں آ گئے۔

مشرک خواتین کا جوش و ولولہ

مشرک خواتین دف بجا کر گانے لگیں۔ وہ کفر کے سورماؤں کو جنگ پر ابھار رہی تھیں۔ وہ انہیں غزوۂ بدر کے مقتولوں کو یاد کرا رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں:

وَيْهًا بَنِي عَبْدِ الدَّارِ وَيْهًا حُمَاةَ الْأَدْبَارِ ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

''واہ! اے عبد الدار کے بیٹو! واہ! اے پشتوں کی حفاظت کرنے والو! ہر کاٹنے والی تیز تلوار کے ساتھ دشمن پر ضرب کاری لگاتے چلو''۔

وہ یہ اشعار بھی پڑھ رہی تھیں:

نَحْنُ بَنَاتِ الطَّارِقِ نَمْشِي عَلَى النَّمَارِقِ

الدُّرُّ فِي الْمَخَانِقِ وَالْمِسْكُ فِي الْمَفَارِقِ

مَشْيَ الْقَطَا الْبَوَارِقِ اِنْ تُقْبِلُوْا نُعَانِقُ

نُفَرِّشُ النَّمَارِقَ اَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقُ

فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقُ

''ہم معزز لوگوں کی بیٹیاں ہیں، ہم نرم اور گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔ موتی ہمارے گلوں میں ہیں، اور کستوری ہماری مانگوں میں ہے۔ قطا پرندہ بجلیوں پر چلا، اگر آگے بڑھو گے تو ہم تمہارے ساتھ معانقہ کریں گی۔ ہم تمہارے لیے نرم قالین بچھائیں گی، اگر تم نے پیٹھ پھیری تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان خواتین کے یہ اشعار اور ان کی ترغیب ملاحظہ فرماتے تو یہ دعا مانگتے:

اَللّٰهُمَّ بِكَ اَجُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَفِيْكَ اُقَاتِلُ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

''اے اللہ! میں تیری قوت کے ساتھ ہی دشمن پر حملہ بولتا ہوں۔ تیری قوت کے ساتھ ہی ان پر حملہ کرتا ہوں، تیری رضا کے لیے ان پر حملہ کرتا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''۔

صف بندی ہو رہی تھی تو ابوسفیان نے آواز لگائی ''اوس اور خزرج کے گروہ! ہمارے اور ہمارے چچا زادوں کے سامنے سے ہٹ جاؤ، ہم تم سے تعرض نہیں کریں گے'' اس کا رویہ دیکھ کر انصار نے اُسے انتہائی برے الفاظ سے یاد کیا۔

مبارزت

مشرکین کی صفوں میں سے ایک شخص باہر نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ مگر اس کے مقابلہ کے لیے کوئی نہ نکلا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اٹھ کر اس کی طرف گئے۔ وہ جھپٹ کر اس کے اونٹ پر ہی سوار ہو گئے۔ وہیں اس کے ساتھ معرکہ آزما ہو گئے۔ وہ دونوں اونٹ پر ہی لڑنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو پہلے زمین پر گر پڑے گا وہ قتل ہو جائے گا'' مشرک پہلے نیچے گر پڑا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس پر گر پڑے اور اسے ذبح کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بہت تعریف فرمائی۔ آپ نے فرمایا ''ہر نبی کا حواری ہوتا ہے، میرا حواری زبیر ہے۔ اگر حضرت زبیر اس کی مبارزت کا جواب دینے کے لیے نہ نکلتے تو میں خود اس کے مقابلہ کے لیے نکلتا کیونکہ اس کے ساتھ مقابلہ کے لیے کوئی بھی نہیں نکل رہا تھا''۔

مشرکین کی صفوں میں سے ایک اور شخص باہر نکلا، یہ مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ تھا، اس نے کئی بار مقابلہ کی دعوت دی

مگر مسلمانوں میں سے کوئی بھی اس کی طرف نہ گیا۔ اس نے کہا: اصحاب محمد! تمہیں گمان ہے کہ تمہاری تلواروں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم کی آگ میں بھیجے گا۔ جبکہ ہماری تلواروں کی وجہ سے تمہیں جنت عطا کرے گا۔ کیا تم میں سے کوئی ہے جو اپنی تلوار سے مجھے جہنم میں یا میں اپنی تلوار سے اسے جنت میں داخل کردوں۔ لات وعزیٰ کی قسم! اگر یہ بات تمہارے ہاں حق ہوتی تو تم میں سے کوئی ضرور میرے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نکلتا"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ باہم شمشیر زنی ہونے لگی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر تلوار ماری اور اس کی ٹانگ کاٹ کر رکھ دی، وہ زمین پر گر پڑا۔ اس کی شرم گاہ عریاں ہوگئی۔ اس نے کہا: چچازاد! میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیتا ہوں"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ اس کا سرتن سے جدا نہ کیا۔ آپ کے ساتھیوں نے کہا: علی المرتضیٰ! آپ نے اس کا سرتن سے جدا کیوں نہ کیا؟ انہوں نے فرمایا "اس نے میرے سامنے اپنی شرم گاہ کر دی اور صلہ رحمی کا سوال کیا تو مجھے اس پر ترس آ گیا۔ مجھے علم ہوگیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اسے موت کے گھاٹ اتار دے گا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا "آپ نے اس کا سرتن سے جدا کیوں نہ کیا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "اس نے مجھے رب تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جاؤ اسے قتل کرو" وہ واپس آئے، اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔

مشرکین کا جھنڈا طلحہ کے بھائی عثمان ابن ابی طلحہ نے اٹھایا۔ یہی عثمان ابوشیبہ ہے جس کی اولاد کو بنوشیبہ کہا جاتا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس پر حملہ آور ہوئے۔ اس کا ہاتھ اور کندھا کمر تک کاٹ کر رکھ دیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ واپس لوٹے، وہ کہہ رہے تھے "اَنَا ابْنُ سَاقِي الْحَجِيْجِ" میں حاجیوں کو پانی پلانے والے عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اب مشرکین کا علم عثمان کے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر یہ جھنڈا مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر مشرکین کا جھنڈا اخو مسافع حارث بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت عاصم نے تیر مار کر اسے بھی جہنم واصل کر دیا۔ ان دونوں کی ماں بھی ان کے ہمراہ تھی۔ اس کا نام سعدانہ تھا۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کو جب بھی تیر لگا تو وہ اپنی ماں کے پاس آیا۔ اپنا سر اس کی گود میں رکھا۔ اس نے پوچھا: بیٹا! تمہیں تیر کس نے مارا ہے۔ وہ کہتا: ایسے شخص نے مجھے تیر مارا ہے جو تیر مارتے وقت کہتا تھا "لو! میں ابن ابی افلح ہوں" ان کی ماں نے نذر مانی کہ اگر اسے حضرت عاصم کا سر مل گیا تو وہ اس میں شراب پیئے گی۔ اس نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر لے کر آنے والوں کو ایک سو اونٹ انعام دینے کا وعدہ کیا۔ اب جھنڈا کلاب بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ اب جھنڈا جلاس بن طلحہ نے اٹھالیا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اسے موت کی وادی میں پہنچا دیا۔ مسافع، کلاب، جلاس اور حرث، طلحہ بن ابی طلحہ کے بیٹے تھے۔ یہ سارے اپنے باپ اور چچاؤں کی طرح مارے گئے۔ پھر یہ جھنڈا ارطاہ بن شرحبیل نے اٹھالیا۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا چچازاد تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کیا۔ پھر مشرکین کا علم ابو زید بن عمرو نے اٹھالیا۔

قزمان نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر جھنڈا شرحبیل بن ہاشم نے اٹھالیا۔ اسے بھی قزمان نے موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ پھر یہ جھنڈا ان کے حبشی غلام صواب نے اٹھالیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص نے اسے مار دیا تھا۔ پھر وہ جھنڈا پڑا رہا۔ حتیٰ کہ وہ جھنڈا عمرہ بنت علقمہ نے اٹھا لیا۔ اس نے اسے قریش کے لیے اٹھالیا۔ مشرکین اس کے اردگرد جنگ کرنے لگے۔ جنگ سے قبل ابوسفیان نے کہا تھا "اے بنو عبدالدار! غزوۂ بدر کے روز تم نے ہمارا جھنڈا چھوڑ دیا تھا جو نقصان ہمیں برداشت کرنا پڑا۔ تم نے وہ دیکھ لیا۔ فتح و شکست کا انحصار جھنڈے پر ہوتا ہے۔ جب جھنڈا گر پڑے تو شکست کو رد کا نہیں جا سکتا۔ یا تو علمبرداری کا حق ادا کر دو۔ یا اسے ہمارے لیے چھوڑ دو۔ ہم اسے تمہاری طرف سے کافی ہو جائیں گے"۔ انہوں نے ابوسفیان سے وعدہ کرتے ہوئے کہا "ہم اپنا جھنڈا تمہارے حوالے کر دیتے ہیں۔ جب کل ہم نبرد آزما ہوں گے تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ ہم کیسے کارنامے سرانجام دیتے ہیں" ابوسفیان یہی سننا چاہتا تھا۔ جب مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ واصل جہنم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو بشارت دی کہ لشکر کا مینڈھا یہی تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خواب میں دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نے تعبیر یہ کی ہے کہ میں اس لشکر کے مینڈھے کو ذبح کروں گا وہ یہی تھا"۔

اتنے زیادہ علمبرداروں کی موت کے بعد مشرکین کا لشکر بکھر گیا۔ مسلمان تیزی سے شمشیر زنی کرنے لگے حتیٰ کہ مشرکین اپنی جگہ سے ہٹنے لگے۔ اس روز مسلمانوں کا شعار "اَمِتْ اَمِتْ" تھا اس کا معنی "ان پر موت طاری کر" تھا۔ اس سے نصرت واعانت جیسا شگون بھی مراد تھا۔ اسی کے ساتھ مسلمان ایک دوسرے کو پہچان بھی لیتے تھے۔ کفار کا شعار یاللعزیٰ تھا۔ یہ وہ درخت تھا جس کی کفار پوجا پاٹ کرتے تھے۔ ان کا شعار یاللهبل بھی تھا۔ یہ خانہ کعبہ کے اندر بت تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر دعوت مبارزت کے لیے باہر نکلے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار لہراتے ہوئے ان سے مقابلہ کرنے کے لیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی تلوار نیام میں کرلو۔ اپنی جگہ لوٹ جاؤ۔ ہمیں خود سے لطف اندوز ہو لینے دو" اسی عبدالرحمٰن نے غزوۂ بدر کے روز بھی دعوت مبارزت دی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب لوگ مرتد ہو گئے تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تلوار لہراتے ہوئے اہل عرب کے مرتدین کے ساتھ قتال کرنے نکلے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی زمام پکڑلی اور فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ میں آپ کو اسی طرح کہتا ہوں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو احد کے روز فرمایا تھا "اپنی تلوار نیام میں کرلیں اپنے آپ کی وجہ سے ہمیں تکلیف نہ دیں۔ مدینہ طیبہ لوٹ چلیں، بخدا! اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو اسلام کا کوئی نظام باقی نہ رہے گا" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ لشکر روانہ ہو گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر کے ساتھ تھے۔

تیر اندازوں کی لغزش

ابتداء میں تین بار مشرکین کے گھڑ سوار دستوں نے اس ٹیلے کے راستہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ مگر مسلمانوں کے تیر انہیں وہیں روک دیتے۔ دیگر مسلمان مشرکین پر حملہ آور ہو گئے، وہ انہیں تہ تیغ کرنے لگے۔ جب جنگ کی

بھٹی خوب گرم ہوگئی، ہند اپنی ساتھی خواتین کے ساتھ اٹھی۔ دف لیے اور مردوں کے پیچھے وہ اشعار پڑھنے لگیں جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ پھر اللہ رب العزت نے مسلمانوں پر اپنی نصرت نازل کی۔ وہ کفار کا قتل عام کرنے لگے جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ (آل عمران:152)

''اور بیشک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جبکہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے''۔

حتیٰ کہ کفار شکست سے دوچار ہو گئے۔ کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ انہیں کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کی عورتیں ''ہائے ہلاکت'' پکار رہی تھیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! میں ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھیوں کی عریاں پنڈلیوں کی پازیبیں گویا کہ اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ جب کہ وہ بھاگ رہی تھیں۔ مسلمانوں نے کفار کا تعاقب کیا۔ انہیں بھگا دیا۔ مسلمان ان کا مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ جنگ سے غافل ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا ''مال غنیمت حاصل کرو تمہارے ساتھی مشرکین پر غالب آ چکے ہیں۔ اب تم کس کے انتظار میں ہو''۔ حضرت عبداللہ نے ان سے فرمایا ''کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فراموش کر چکے ہو کہ اس جگہ سے حرکت نہیں کرنا'' مگر حضرت عبداللہ کے ساتھیوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''بخدا! ہم ضرور صحابہ کرام کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت جمع کریں گے۔ اب مشرکین کو شکست ہو چکی ہے۔ اب یہاں ٹھہرنے کا کوئی مقصد نہیں'' جب یہ تیر انداز مسلمانوں کے ساتھ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے تو مشرکین پلٹ کر ان پر حملہ آور ہو گئے۔ گویا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کی سزا تھی۔ خالد بن ولید نے وہ ٹیلہ دیکھا، اب وہ تیر اندازوں سے خالی تھا۔ چند تیر انداز ہی وہیں تھے۔ انہوں نے اپنے گھڑسوار دستہ کا رخ ٹیلے کی طرف کر دیا۔ عکرمہ بن ابی جہل بھی ان کے پیچھے آ گئے۔ انہوں نے بقیہ تیر اندازوں پر حملہ کر دیا۔ ان کی تعداد دس سے بھی کم تھی۔ انہیں شہید کر دیا۔ انہوں نے تیر اندازوں کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر کو بھی شہید کر دیا۔ مسلمانوں میں ہزیمت کے اثرات عیاں ہونے لگے۔

حضرت ابن حجر نے لکھا ہے ''اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل پیرا نہ ہونے کی سزا تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (الانفال:25)

''اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہو گیا تو) نہ پہنچے گا صرف انہی کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے''۔

اسی لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ (آل عمران)

''اور بیشک سچ کر دکھایا تم سے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ، جبکہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے، اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے دکھایا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔ بعض تم میں طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں طلبگار ہیں آخرت کے۔ پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمہیں اور بیشک اس نے معاف فرمایا تم کو اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر۔ یاد رکھو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے کسی کو اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں بلا رہے تھے پیچھے سے پس اللہ تعالیٰ نے پہنچایا تمہیں غم کے بدلے غم''۔

اللہ رب العزت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نے ان کی لغزش معاف فرما دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ۔۔ الخ (آل عمران:152)

ابلیس لعین مسلمانوں سے کہنے لگا ''اللہ کے بندو! میں تمہیں دوسری سمت (دور کی سمت) سے بچنے کے لیے کہتا ہوں۔ ان کے قریبی ان کے دور والوں کے ساتھ لڑنے لگے۔ دونوں گروہ باہم مختلط ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کی پہچان نہ کر سکے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی اس جگہ سے ایک بالشت بھر بھی آگے پیچھے نہ ہوئے۔ جس جگہ آپ مشرکین کی ہزیمت کے وقت تھے۔ جیسا کہ امام زرقانی نے وضاحت کی ہے۔ اس بھگدڑ میں مسلمان کفار کو نہ پہچان سکے۔ وہ اپنا شعار بھی بھول گئے۔ وہ شعار ''اَمِتْ اَمِتْ'' تھا۔ یہی ان کی باہمی پہچان کا ذریعہ تھا۔ مسلمان ایک دوسرے کو شہید کرنے لگے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یمان اسی غلط فہمی میں شہید ہو گئے۔ ان کے فرزند نے کہا ''اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے'' انہوں نے اپنے والد گرامی کی دیت بھی نہ لی۔ مشرکین نے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ مشرکین اپنے شعار، یا للعزیٰ، یا للھبل، پکارنے لگے۔ وہ مسلمانوں کو شہید کرنے لگے، وہ خود امن میں تھے۔ مسلمان ہر اعتبار سے علیحدہ ہو چکے تھے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس روز جرأت و بہادری کے کئی کارنامے رقم کیے۔ آپ نے شرک کے 31 سورماؤں کو تہ تیغ کیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے دو تلواروں سے شمشیر زنی کر رہے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تلواریں چلا رہے تھے۔ وہ فرما رہے تھے ''میں اللہ کا شیر ہوں'' سباع بن عبد العزیٰ الخزاعی دعوت مبارزت پکارتے ہوئے نکلا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ انہوں نے کہا ''اے ختنہ کرنے والی عورت کے بچے میری طرف آ۔ کیونکہ اس کی ماں انخش کے والد شریق کی لونڈی تھی۔ وہ مکہ مکرمہ میں ختنے کیا کرتی تھی۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ''کیا تو اللہ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جنگ کرتا ہے اور ان کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے'' پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس پر اس شدت کے ساتھ حملہ کیا کہ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ آخری مقتول تھا جسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی زرہ حاصل کرنے کے لیے نیچے جھکے، جبیر بن مطعم کے غلام وحشی کا بیان ہے ''ان کے پیٹ پر سے زرہ ہٹی۔ میں نے اپنا نیزہ لہرایا، جب مجھے تسلی ہو گئی تو میں نے نیزہ دے مارا۔ وہ نیزہ آپ کی ناف کے نیچے اندر گھس گیا۔ آپ میری طرف بڑھے، پھر نیچے

گر پڑے حتیٰ کہ آپ کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ میں آپ کے پاس آیا، اپنا نیزہ اٹھایا، پھر لشکر کی ایک سمت ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصود نہ تھا۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں طعیمہ بن عدی کو واصل جہنم کیا تھا۔ طعیمہ کی بیٹی نے وحشی سے کہا تھا ''اگر تو نے محمد عربی، حضرت حمزہ یا حضرت علی کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو''۔

دوسری روایت میں ہے کہ وحشی نے کہا ''مجھے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا ''اگر تو نے میرے چچا کے عوض حضرت حمزہ کو قتل کر دیا تو آزاد ہو'' ان دونوں روایات میں تضاد نہیں، ممکن ہے کہ طعیمہ کی بیٹی اور جبیر بن مطعم دونوں نے یہ بات کی ہو''۔

بعض روایات میں ہے کہ وحشی نے کہا: میں غزوۂ احد کے روز نکلا، جنگ وجدال میرا مدعا نہیں تھا، میں صرف حضرت حمزہ کو شہید کرنا چاہتا تھا'' یہ وحشی حبشی چھوٹا نیزہ پھینکنے میں بڑا ماہر تھا۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور مسیلمہ کذاب کو اسی نیزہ کے ساتھ جہنم واصل کیا۔ وہ کہتے تھے ''مجھے امید ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا کفارہ مسیلمہ کذاب کو قتل کرنا ہو جائے گا'' یہ اس بات کے منافی نہیں کہ مسیلمہ کو حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم یا حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہما نے موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ ممکن ہے کہ وحشی نے اپنا نیزہ پھینکا ہو۔ پھر ان دونوں نے تلوار کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا ہو۔ اس وقت مسیلمہ کی عمر 51 برس تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ اُحد کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے شدید قتال کیا۔ یہ مجاہدین اسلام کے علمبردار تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے شہادت کا تاج زیب سر کر لیا۔ ان کی شکل کا ایک فرشتہ آیا۔ اس نے جھنڈا اٹھا لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ شاید ان کی شہادت کے ظاہر اور عیاں ہونے سے قبل یہ جھنڈا فرشتے نے اٹھایا ہو۔ جب شہادت کی خبر عام پھیل گئی تو یہ جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن قمئہ نے شہید کیا تھا۔ اس نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گمان کیا تھا کیونکہ ہتھیار سجانے کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملتے جلتے تھے۔ ابن قمئہ نے یہ بُری خبر اڑا دی ''محمد عربی شہید ہو گئے ہیں''۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ احد کے روز اسلام کا جھنڈا اٹھایا ہوا تھا۔ ان کا دایاں بازو کٹ گیا، انہوں نے دوسرے ہاتھ میں جھنڈا پکڑ لیا، وہ یہ آیت کریمہ تلاوت کر رہے تھے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

''اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول، گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول''۔

جب بایاں بازو کٹ گیا تو علم اسلام کو سینے سے لگا لیا۔ وہ اسی آیت کریمہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ حضرت محمد بن شرحبیل نے کہا'' یہ آیت کریمہ اس روز نازل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ جب انہوں نے سنا کہ محمد عربی کو شہید کر دیا گیا ہے تو رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ ان کی زبان پر رواں کر دی''۔

ایک روایت یہ ہے کہ یہ خبر پھیلانے والا "جانِ عالم شہید ہو گئے" ابن قمہ نہیں بلکہ ابلیس تھا۔ وہ حضرت جعال بن سراقہ ضمری رضی اللہ عنہ کی شکل میں متشکل ہو گیا۔ یہ ایک پاکباز شخص تھے۔ انہوں نے ابتداء ہی سے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے انہیں شعور بھی نہ ہوا۔ بعض مسلمان مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے۔ دیگر مسلمان منتشر ہو گئے۔ وہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے "اس روز مسلمانوں کے تین گروہ بن گئے تھے۔ ایک گروہ بھاگ کر مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہ جنگ ختم ہونے کے بعد واپس آئے۔ ان کی تعداد بہت قلیل تھی۔ انہی کے بارے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (آل عمران:155)

"بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم میں سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے وہ دونوں لشکر تو پھسلا دیا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے۔ اور بیشک (اب) معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں"۔

صحابہ کرام کا ایک گروہ کہ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کے بارے سنا تو وہ متحیر ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک کا مدعا یہی تھا کہ اتنا جہاد کرے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائے۔ صحابہ کرام کی اکثریت کا تعلق اسی گروہ کے ساتھ تھا۔ تیسرا گروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم تھا۔ جب دوسرے گروہ کو علم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیات ہیں تو وہ بھی اس تیسرے گروہ کے ساتھ آکر مل گئے۔

بعض صحابہ کرام حضرت جعال بن سراقہ رضی اللہ عنہ پر جھپٹے تاکہ انہیں قتل کر دیں۔ مگر انہوں نے اس قول سے برأت کا اظہار کر دیا جسے شیطان نے بآواز بلند کہا تھا۔ وہ انہی کی شکل میں متشکل تھا۔ حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ جب یہ آواز آئی تو حضرت جعال ان کے ساتھ ان کے پہلو میں تھے۔

موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعض صحابہ کرام نہ دیکھ سکے۔ وہ آپس میں مختلط ہو گئے اور انہوں نے بلند آواز سے پکارنے والے کو سنا تو بعض منافقین نے کہا "اگر اس امر میں ہمارا کچھ عمل دخل ہوتا تو ہمیں یہاں اس طرح قتل نہ کیا جاتا"۔ کچھ منافقین نے کہا "اگر وہ نبی ہوتے تو اس طرح قتل نہ ہوتے۔ اپنے پہلے دین پر لوٹ چلو" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ـــــ الخ (آل عمران:144)

ان منافقین میں سے ایک شخص نے کہا "کاش! ہمارا کوئی قاصد عبد اللہ بن ابی کے پاس جائے، وہ ہمارے لیے ابوسفیان سے پناہ طلب کرے۔ اے قوم! محمد عربی شہید ہو چکے ہیں۔ تم اپنی قوم کے پاس لوٹ چلو تاکہ وہ تمہیں پناہ دے۔ اس سے قبل کہ کفار تمہارے پاس آکر تمہیں قتل کر ڈالیں وہ گھروں میں داخل ہو جائیں گے"۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے قوم! اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ان کا رب تو قتل نہیں ہوا۔ جس چیز پر آپ نے جان قربان کر دی ہے اسی پر تم بھی جان نچھاور کر دو''۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی گواہی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دی۔ صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس بات سے اتفاق کر لیا۔ یہ وہی مجسمہ صدق اور پیکر یقین اہل ایمان تھے۔ جن کے دلوں میں ایمان جاگزیں ہو چکا تھا۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے پاس آئے۔ انہوں نے فرمایا ''اگر جانِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو پھر تم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اسی مقصد پر جان نثار کر دو جس پر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان وار دی ہے'' پھر وہ دشمن کے ساتھ معرکہ آزما ہو گئے حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم نے اس روز حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تلوار کے ستر نشانات دیکھے تھے۔ ان کی بہن کے علاوہ کوئی اور انہیں پہچان نہ سکا۔ ان کی بہن نے انہیں انگلیوں کے پوروں سے پہچان لیا۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میرے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے روز شرکت نہ کر سکے، انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکا اگر اللہ تعالیٰ نے میری ملاقات دشمن سے کرا دی تو اللہ تعالیٰ انہیں دکھائے گا کہ میں کیسے کارنامے رقم کرتا ہوں'' جب غزوۂ احد کا دن آیا اور مسلمانوں کو اس آفت کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے گزارش کی ''مولا! صحابہ کرام نے جو کچھ کیا ہے میں تیری بارگاہ میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں۔ جو کچھ ان مشرکین نے کیا ہے میں اس سے برأت کا اظہار کرتا ہوں''۔ پھر وہ آگے بڑھے انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا ''سعد! جنت! بخدا! میں جنت کی خوشبو پہاڑ سے پرے سونگھ رہا ہوں''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جو کچھ انہوں نے کہا میں اس کی توصیف کرنے کی طاقت نہیں رکھتا'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم نے ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم دیکھے۔ ہم نے انہیں اس حالت میں پایا کہ وہ شہید ہو چکے تھے۔ ان کا مثلہ کیا گیا تھا۔ ان کی محترمہ بہن نے انہیں انگلیوں کے پوروں سے پہچان لیا''۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں شرکت نہیں کی تھی۔ انہوں نے یہ بات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سنی تھی۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی بات کی طرح کی گفتگو حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ نے بھی کی تھی۔ انہوں نے فرمایا ''اے معشر انصار! محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے، اسے موت نہیں۔ اپنے دین کی طرف سے جہاد کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح وظفر مندی عطا کرے گا۔ وہی تمہارا حامی وناصر ہے''۔ انصار کا ایک گروہ اٹھ کر ان کے پاس گیا، انہوں نے ان کے ساتھ مل کر خالد بن ولید، عمرو بن عاص، عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ خالد بن ولید نے ان پر نیزہ کے

ساتھ حملہ کیا اور انہیں شہید کر دیا۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے انصاری صحابہ کرام شہید ہو گئے۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثابت قدمی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نازک وقت میں انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے نہ تو راہِ فرار اور نہ ہی ہزیمت اختیار کی۔ آپ اپنی جگہ سے بالشت بھر بھی نہ ہٹے۔ ابن سعد نے لکھا ہے "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی کمان سے تیر برساتے رہے حتیٰ کہ کمان ٹوٹ گئی۔ پھر آپ دشمن پر پتھر برسانے لگے آپ مشرک قوم کے سب سے زیادہ قریب تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "جب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہو جاتی تھی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا دفاع کیا کرتے تھے" یعنی آپ ساری قوم کے آگے دشمن کے سامنے ہوتے تھے۔ صحابہ کرام آپ کے پیچھے ہوتے تھے" امام بیہقی نے حضرت مقداد بن اسود سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالشت بھر بھی آگے پیچھے نہ ہوئے۔ آپ دشمن کے بالکل سامنے تھے۔ صحابہ کرام کا گروہ کبھی آپ کے پاس آ جاتا اور کبھی منتشر ہو جاتا۔ میں نے کئی دفعہ آپ کی زیارت کی۔ آپ اپنی کمان سے تیر پھینک رہے تھے۔ پھر پتھر مارنے لگے حتیٰ کہ دشمن آپ سے دور چلا گیا"۔

ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "جب احد کے روز لوگ علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو میں نے شہداء میں دیکھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا۔ میں نے کہا "اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راہِ فرار تو اختیار نہیں کر سکتے۔ آپ مجھے شہداء میں بھی نظر نہیں آئے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے اس کی وجہ سے رب تعالیٰ ہم پر ناراض ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اوپر اٹھا لیا ہے۔ اب میرے لیے بھلائی یہی ہے کہ میں جہاد کروں حتیٰ کہ شہید ہو جاؤں" میں نے اپنی تلوار کا نیام پھاڑ دیا مشرک قوم پر حملہ آور ہو گیا۔ انہوں نے مجھے راستہ دے دیا۔ اچانک میں نے ان کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لی۔ آپ ان کے ساتھ معرکہ آزما تھے"۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حاکم نے مستدرک میں امام مسلم کی شرائط پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب غزوۂ احد کے روز مسلمانوں کو اس آفت کا سامنا کرنا پڑا تو میں نے کہا "میں اپنے نفس کو مصروف پیکار رکھوں گا حتیٰ کہ یا تو میں شہید ہو جاؤں یا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر لوں" میں اسی حالت میں تھا حتیٰ کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون تھا۔ مشرکین اس کی طرف آئے، حتیٰ کہ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس ذات نے اپنے دست اقدس میں کنکریاں لیں۔ پھر انہیں دشمن کی طرف پھینک دیا، وہ اپنے پچھلے پاؤں واپس لوٹ گئے۔ حتیٰ کہ وہ پہاڑ کے پاس آ گئے۔ اس ذاتِ اقدس نے کئی بار یہی عمل دہرایا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھا۔ اس کے اور میرے درمیان حضرت مقداد رضی اللہ عنہ تھے۔ میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے اس ذات کے بارے پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ

نے کہا ''سعد! یہ حضور ﷺ ہیں جو آپ کو یاد فرما رہے ہیں'' میں نے پوچھا: آپ کہاں ﷺ ہیں؟ انہوں نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ میں کھڑا ہو گیا، گویا کہ مجھے کسی اذیت کا سامنا کرنا ہی نہیں پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ میں تیر اندازی کرنے لگا۔ میں نے دعا مانگی ''مولا! یہ تیرا تیر ہے اسے اپنے دشمن تک پہنچا دے'' حضور ﷺ نے دعا کی ''مولا! سعد کی دعا قبول کر لے۔ اس کی تیر اندازی درست فرما۔ اس کی دعائیں قبول فرما'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ انہوں نے فرمایا ''جب میرے ترکش سے تیر ختم ہو گئے تو حضور ﷺ نے مجھے اپنے ترکش سے تیر عطا فرمائے۔ حتیٰ کہ لوگ آپ سے دور چلے گئے''۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے خود کو دیکھا حضور ﷺ مجھے تیر عطا کر رہے تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے ''میرے والدین کریمین آپ پر فدا! تیر اندازی کرو'' حتیٰ کہ آپ نے مجھے ایک تیر عطا فرمایا جس کا پر نہ تھا۔ آپ نے فرمایا ''اسے بھی دشمن پر برسا دو'' روایت ہے کہ اس روز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار تیر پھینکے، ہر بار حضور ﷺ انہیں فرماتے ''تیر پھینکو! میرے والدین کریمین تم پر فدا ہوں'' آپ نے یہ کلمات ایک ہزار دفعہ فرمائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے متعلق نہیں سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہو ''فِدَاكَ اَبِي وَاُمِّي'' یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے غزوۂ خندق کے روز انہی کلمات سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی سعادت اندوز کیا تھا۔ حضور ﷺ بعد میں بھی فخر کرتے تھے۔ فرماتے تھے ''یہ میرے ماموں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ کوئی شخص مجھے ان کی طرح کا ماموں تو دکھائے''۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو زہرہ سے تھا۔ حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی بنو زہرہ سے ہی تھا۔ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوتے تو حضور ﷺ فرماتے ''میں صبیح، ملیح، فصیح کو کیوں نہیں دیکھ رہا''۔

اس مشکل وقت میں آپ کے ساتھ چودہ افراد ثابت قدم رہے۔ سات کا تعلق مہاجرین صحابہ کرام کے ساتھ تھا۔ ان میں حضرات ابوبکر، عمر فاروق، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد، طلحہ، زبیر اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم تھے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہے۔

فتح الباری میں ہے ''صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اس روز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہے۔ بعض راویوں نے آپ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ حضرت مصعب بن عمیر کے بعد علمبردار آپ ہی تھے۔ اس لیے یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ آپ بھی ثابت قدم رہے۔ سات انصاری صحابہ کرام یہ تھے۔ حضرات ابو دجانہ، حباب بن منذر، عاصم بن ثابت، حرث بن صمہ، سہل بن حنیف، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم۔ بعض نے حضرت سعد بن عبادہ کا اور بعض نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس روز آپ کے سامنے تیس صحابہ کرام ثابت قدم رہے۔ سب یہ کہہ رہے تھے ''میرا چہرہ حضور ﷺ کے چہرۂ اقدس پر قربان، میری جان حضور ﷺ کی جان پر نثار، آپ پر سلام، آپ ہمیشہ سلامت رہیں''۔

امام حاکم کے نزدیک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہے۔ ان روایات میں اختلاف نہیں کیونکہ احادیث کا اختلاف

احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے، کیونکہ یہ حضرات جدا جدا مصروف جہاد تھے۔ جب پیٹھ پھیری جس نے پیٹھ پھیری اور شیطان نے صدا لگائی تو ہر کوئی اپنے آپ میں مصروف ہو گیا، پھر جب انہیں حضور ﷺ کے بارے علم ہوا تو سب آپ کی طرف لوٹ آئے، پھر دوبارہ مصروف قتال ہو گئے۔

بعض سیرت نگاروں نے حضرات جابر بن عبداللہ، عمار اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا ذکر بھی ان صحابہ کرام میں کیا ہے جو ثابت قدم رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قریش میں سے صرف دو اور سات انصاری صحابہ کرام ثابت قدم رہے۔ شاید یہ تعداد حالات کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف اوقات میں ہو۔

جب صحابہ کرام منتشر ہو گئے تو حضور ﷺ انہیں یوں پکارنے لگے "فلاں! میری طرف آؤ، فلاں! میری طرف آؤ۔ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ تیر ہر سمت سے آپ کی طرف آ رہے تھے، مگر اللہ رب العزت انہیں دوسری طرف پھیر رہا تھا۔ اللہ رب العزت نے اپنے اس فرمان کے ساتھ اسی طرح اشارہ کیا ہے:

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ (آل عمران: 153)

"یاد کرو جب تم دور بھاگے جا رہے تھے اور مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے کسی کو اور رسول کریم تمہیں بلا رہے تھے پیچھے سے"۔

بعض روایات میں ہے کہ اسی روز آپ ﷺ نے فرمایا "اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ"۔ میں نبی برحق ہوں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا فرزند دلبند ہوں۔ میں عواتک کا لخت جگر ہوں۔

امام حلبی نے لکھا ہے "صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ حنین کے روز اس طرح فرمایا تھا، اگرچہ تعدد سے مانع کوئی چیز نہیں۔

اسی روز حضرت ابوطلحہ، زید بن سہیل انصاری رضی اللہ عنہ بھی ثابت قدم رہے تھے۔ یہ اپنی ڈھال سے حضور ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ یہ ایک ماہر تیر انداز تھے۔ حضور ﷺ نے اپنا ترکش ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے کہا "میری جان آپ کی جان پر فدا، میرا چہرہ آپ کے چہرۂ اقدس پر نثار، وہ لگاتار تیر اندازی کرتے رہے۔ ایک شخص ترکش لے کر گزرا۔ اس میں تیر تھے۔ آپ نے اسے فرمایا "اسے ابوطلحہ کے سامنے رکھ دو"۔

انہوں نے اسی روز دو یا تین کمانیں توڑیں تھیں۔ حضور ﷺ مشرک قوم کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ تاکہ دیکھیں کہ تیر کہاں گرتے ہیں؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا! آپ جھانک کر نہ دیکھیں آپ کو دشمن کا تیر نہ لگ جائے۔ میری گردن آپ کی گردن پر فدا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنا سینہ آگے کر کے حضور ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ حضور ﷺ لگاتار تیر اندازی فرما رہے تھے، حتیٰ کہ کمان کا سرا ٹوٹ گیا۔ دوسری روایت کے مطابق کمان کا وتر (تیر پھینکنے کی جگہ) ٹوٹ گیا۔ آپ کے ہاتھ میں بالشت بھر ٹکڑا رہ گیا۔ آپ نے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ سے کمان لی، تاکہ اس کا وتر لگائیں۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! وتر اس تک نہیں پہنچتا" آپ نے فرمایا "اسے کھینچو یہ پہنچ جائے

گا" حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں وتر کو کھینچتا رہا حتیٰ کہ وہ کمان تک پہنچ گیا۔ میں نے اس سے ایک دو لپیٹیں بھی دیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین کے سب سے زیادہ قریب تھے"۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بھی ایک ماہر تیر انداز تھے۔ یہ بھی اس روز حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر موت پر بیعت کی تھی۔ وہ آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے، حتیٰ کہ لوگ آپ سے دور چلے گئے۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے تیر اندازی کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے "انہیں تیر پکڑاؤ"۔

حضرت ام عمارہ نسیبہ رضی اللہ عنہا بھی اس روز ثابت قدم رہیں۔ یہ حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ وہ فرماتی تھیں "میں غزوۂ احد کے روز نکلی تاکہ میں دیکھوں کہ لوگوں نے کیا کیا ہے۔ میرے پاس مشکیزہ تھا۔ میں اس سے زخمیوں کو پانی پلا رہی تھی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ ہوا مسلمانوں کے حق میں چل رہی تھی۔ جب مسلمانوں پر آفت پڑی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ میں آپ کے سامنے جنگ کرنے لگی۔ میں تلوار سے آپ کا دفاع کر رہی تھی۔ میں کمان سے تیر پھینک رہی تھی، حتیٰ کہ مجھے زخم کاری آ گیا"۔ روایت ہے کہ ان کے شانہ پر گہرا زخم تھا۔ جس کا نشان کافی گہرا تھا۔ ان سے پوچھا گیا کہ یہ زخم کس نے لگایا؟ انہوں نے فرمایا: ابن قمۂ نے۔ جب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور چلے گئے تو ابن قمۂ آیا وہ کہہ رہا تھا "میری راہ نمائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کرو۔ اگر وہ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا"۔ میں اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما اس کے سامنے آ گئے۔ اس نے مجھے یہ ضرب لگائی میں نے بھی اس پر کئی وار کیے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے دشمن نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا احد کے روز نکلیں۔ ان کے ہمراہ ان کے خاوند حضرت زید بن عاصم اور نوران نظر حضرات حبیب اور عبداللہ بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے" حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! دعا فرمائیں وہ ہمیں جنت میں آپ کی رفاقت عطا فرمائے" آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! انہیں جنت میں میرا رفیق بنا دے" اس وقت حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "اب مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ مجھے دنیا میں کس مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا کے بارے فرمایا "میں نے جب بھی اپنے دائیں یا بائیں دیکھا تو میں نے حضرت نسیبہ کو اپنے سامنے جہاد کرتے ہی دیکھا۔ انہیں اس روز نیزہ، تلوار اور تیر کے بارہ زخم لگے تھے۔ یہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ہونے والی جنگ میں بھی شریک تھیں۔ ان کے فرزند حضرت عبداللہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کی طرح مسیلمہ کو قتل کرنے میں شریک تھے۔ حضرت نسیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے "میں نے یمامہ کے دن جہاد کیا۔ میرا ہاتھ کٹ گیا۔ میں مسیلمہ کو قتل کرنا چاہتی تھی۔ مگر میرے لیے کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ حتیٰ کہ میں نے خبیث کو مقتول دیکھا۔ میرا فرزند اس کے کپڑوں کے ساتھ اپنی تلوار صاف کر رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا "کیا تم نے اسے قتل کیا ہے؟" اس نے کہا "ہاں" میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے نیزہ پھینکنے کے بعد اس پر تلوار کا وار کیا تھا۔ روایت ہے کہ مسیلمہ کو قتل کرنے میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

اطمینان اور تسلی کی اونگھ

حضرت کعب بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اس روز خود کو چودہ صحابہ کرام میں پایا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں حاضر خدمت تھے۔ ہم سب کو اونگھ نے آلیا، کیونکہ اونگھتا وہی ہے جو مطمئن ہو۔ ہم میں سے ہر ایک خراٹے لے رہا تھا۔ ڈھالیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ میں نے حضرت بشر بن البراء رضی اللہ عنہ کی تلوار دیکھی وہ ان کے ہاتھ سے گر پڑی، مگر انہیں علم تک نہ ہوا" غزوۂ بدر میں پہلے گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام کو قتال کی رات اونگھ نے آلیا تھا۔ روایت ہے کہ صف جہاد میں اونگھ کا آجانا ایمان ہے، جبکہ نماز میں اونگھ کا آنا شیطان کی طرف سے ہے۔

مسلمانوں کا ایک گروہ انتشار کا شکار ہو چکا تھا۔ ان میں سے بعض مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ان سے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ملیں۔ وہ ان کے چہروں پر مٹی پھینکنے لگیں۔ انہوں نے انہیں کہا "یہ سوت ہے اسے کاتو، مجھے اپنی تلوار دو" بعض مسلمان مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ پھر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ام ایمن نے ان سے کیسے ملاقات کر لی حالانکہ ان کے بارے روایت ہے کہ وہ مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ حباب بن فرقد نے تیر مارا وہ حضرت ام ایمن کے لگا۔ وہ زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ ان کا کپڑا اٹھ گیا، یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا دشمن ہنسنے لگا۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑی گراں گزری۔ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بغیر پر کے تیر دیا اور فرمایا: اسے پھینکو" وہ سیدھا اللہ کے دشمن کے جا لگا۔ جس سے اس کی شرم گاہ ننگی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے مبارک دندان نظر آنے لگے۔ پھر فرمایا "حضرت سعد نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بدلہ لے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا قبول کرے" دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! سعد کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرما" جب بھی وہ تجھ سے دعا مانگیں" حضرت سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے مدینہ طیبہ اور لشکر اسلامی میں ہونے میں کوئی منافات نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس وقت مجاہدین سے نکل کر مدینہ طیبہ آ گئیں ہوں"۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اس روز جرأت و بہادری کی کئی داستانیں رقم کیں۔ انہوں نے اپنی ذات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ڈھال بنا رکھا تھا۔ سارے تیر ان کی پشت پر لگ رہے تھے۔ وہ آپ پر جھکے ہوئے تھے، حتیٰ کہ ان کی پشت پر تیر بہت زیادہ ہو گئے۔ اس روز حضرت عمارہ بن زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ نے بھی انتہائی جرأت کا مظاہرہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ انہیں کاری زخم آ گیا جو ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک قدم آگے بڑھایا، انہوں نے قدم مبارک پر رخسار رکھ دیا، یوں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

اس روز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی جرأت بھی دیدنی تھی۔ حتیٰ کہ ابن قمئہ نے انہیں شہید کر دیا۔ اس نے گمان کیا کہ شاید یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ وہ مشرکین کے پاس گیا اور اس نے کہا "میں نے محمد عربی کو شہید کر دیا ہے" اور ایک روایت کے مطابق حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا قاتل امیہ بن خلف کا بھائی تھا۔ یہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذیتیں دیا کرتا تھا۔

ابی بن خلف کا قتل

روایت ہے کہ روزِ احد ابی بن خلف حضور ﷺ کی طرف گیا۔ وہ کہہ رہا تھا "محمد عربی کہاں ہیں؟ اگر وہ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا" حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے سامنے گئے تو اس نے آپ کو شہید کر دیا۔ صحابہ کرام اس کے سامنے آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا "اس کا رستہ چھوڑ دو" حضور ﷺ نے اس کی طرف توجہ کی اور فرمایا "کذاب! اب بھاگ کر کہاں جاتا ہے"۔ حضور ﷺ نے حضرت حرث بن صمہ یا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما سے نیزہ لیا اور ابی کی طرف پھینک دیا، جس سے اس کی گردن پر ہلکی سی خراش آئی۔ اس خراش سے خون بھی نہ نکلا۔ وہ واپس پلٹا، وہ یہ کہہ رہا تھا "بخدا! مجھے حضور نے قتل کر دیا ہے" اسے کہا گیا: بخدا! تیرا دل ختم ہو گیا ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اسے کہا گیا: کیا تیری عقل گم ہو گئی ہے؟ اگر یہ خراش ہم میں سے کسی کی آنکھ کو بھی لگتی تو اسے نقصان نہ ہوتا" اس نے کہا: مجھے لات و عزیٰ کی قسم! اگر یہ ضرب ذوالمجاز کے لوگوں کو لگائی جاتی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اگر یہ ضرب ربیعہ اور مضر کے قبائل کو لگائی جاتی یا اگر روئے زمین کے سارے لوگوں کو لگائی جاتی تو سارے مرجاتے"۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں مجھے فرمایا تھا "میں تجھے قتل کر دوں گا" بخدا! اگر اپنا لعاب دہن مجھ پر پھینک دیتے تو میں پھر بھی مرجاتا" یہی ابی مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ سے کہتا تھا "محمد عربی! (فداہ روحی!) میرے پاس ایک گھوڑا ہے، میں اسے روزانہ بارہ مُد مکئی کھلاتا ہوں۔ میں اس پر بیٹھ کر آپ کو شہید کروں گا" حضور ﷺ نے اسے فرمایا "ان شاء اللہ! میں تجھے قتل کروں گا" اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کے فرمان کو سچ کر دکھایا۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ابی بن خلف نے جب غزوۂ بدر کے قیدیوں کا فدیہ ادا کیا تو اس نے کہا "بخدا! میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ میں ہر روز اسے بارہ مُد مکئی کھلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر محمد عربی کو شہید کروں گا۔ یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا "میں اسے قتل کروں گا، ان شاء اللہ"۔ ان روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ حضور ﷺ اور ابی نے یہ بات کئی بار دہرائی ہوگی۔ آپ ﷺ نے اس کی ہنسلی کی ہڈی ملاحظہ کی۔ آپ نے اس جگہ نیزہ مارا جس نے اس کی ایک پسلی توڑ کر رکھ دی۔ دوسری روایت کے مطابق اس سیاہ قسمت کو آپ کا نیزہ لگا تو وہ کئی بار چکر کھا کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ وہ اس بیل کی طرح ڈکارنے لگا جسے ذبح کیا جا رہا ہو۔ جب آپ نے چھوٹا نیزہ لیا تو بڑے جوش سے جھری، حتیٰ کہ آپ ﷺ کے ارد گرد موجود صحابہ کرام آپ ﷺ سے دور ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے ابی کی طرف رخ انور کیا اور اس کی گردن پر نیزہ مار دیا۔ ان امور میں باہم کوئی مخالفت نہیں کہ اسے آپ کے نیزہ سے خراش آئی ہو اور آپ نے اس نیزہ کے ساتھ شدید جھر جھری لی ہو۔ ممکن ہے کہ نیزہ سے اسے صرف خراش آنا یہ صرف ظاہری اعتبار سے ہو اور اس نیزہ کا درد باطن میں بہت شدید ہو۔ یہ عذاب کے اعتبار سے شدید ہوتا کہ یہ آپ کا معجزہ بن جائے۔ اس کا اپنے گھوڑے پر کئی بار چکر کھا کر نیچے گرنے سے اس ضرب کی شدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس کا بیل کی طرح ڈکارنا بھی اس شدت کی

دلیل ہے۔ گردن پر نیزہ لگنے سے پسلی کا ٹوٹ جانا بھی معجزات میں سے ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بغل کے نیچے نیزہ مارا۔ اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ ممکن ہے کہ نیزہ ہنسلی کی ہڈی سے بغل تک نکل گیا ہو۔ حتیٰ کہ اس نے اس کی پسلی کی ہڈی کو توڑ کر رکھ دیا۔ ابی بن خلف کے علاوہ اس سے پہلے یا بعد میں آپ کے دست اقدس سے اور کوئی قتل نہیں ہوا۔ جب مشرکین مکہ واپس آ رہے تھے تو یہ بد بخت سرف کے مقام پر مر گیا۔ یہ مقام اس کے لیے بڑا مناسب تھا۔ کیونکہ وہ مسرف تھا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ وادی رابغ میں مرا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں بطن رابغ میں عازم سفر تھا۔ رات پر سکون ہو چکی تھی۔ اچانک بھڑکتی ہوئی آگ مجھے نظر آئی۔ میں اس کی طرف گیا تو مجھے ایک شخص نظر آیا۔ وہ اس آگ سے نکل رہا تھا، اس نے زنجیر پہنی ہوئی تھی۔ وہ اسے کھینچتا جا رہا تھا اور پیاس، پیاس پکار رہا تھا۔ اس نے مجھے صدا دی ''عبداللہ!'' مجھے علم نہیں کہ اس نے میرا نام جان لیا تھا۔ یا اس طرح مجھے پکارا تھا جس طرح ایک اجنبی کسی دوسرے اجنبی کو پکارتا ہے۔ میں نے اس کی طرف توجہ کی، اس نے مجھے پانی پلانے کے لیے کہا۔ میں نے اسے پانی پلانے کا ارادہ کیا تو مجھے اس کو عذاب دینے والے شخص نے کہا ''اسے پانی نہیں پلانا'' اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے۔ یہ ابی بن خلف لعنۃ اللہ ہے''۔ (بیہقی)

حدیث طیبہ سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ جس شخص کو کسی نبی نے قتل کیا یا اس زمانہ کے نبی کے حکم سے قتل کیا گیا ہو اسے اس وقت سے لے کر نفخ صور تک عذاب دیا جاتا ہے۔ سب سے شدید عذاب اسے ملتا ہے جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو'' دوسری روایت میں ہے ''اس شخص پر رب تعالیٰ کا غصہ بڑا سخت ہوتا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہو''۔ اہل آتش کے لیے ہلاکت ہو کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شفقت اور لطف کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ انہیں کسی عظیم امر کی وجہ سے ہی کسی شخص کو قتل کرنا پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لطف، رفق اور بندوں پر شفقت کے اعتبار سے سب سے اکمل تھے۔

پہلے بھی یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بدر کے مقام سے گزرے۔ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جسے عذاب دیا جا رہا تھا۔ وہ کراہ رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا: اس نے صدا لگائی ''اے عبداللہ!'' میں نے اس کی طرف توجہ کی تو اس نے مجھے کہا ''مجھے پانی پلاؤ'' میں اسے پانی پلانا ہی چاہتا تھا تو مجھے اس سیاہ شخص جو اسے عذاب دینے پر مامور تھا نے کہا ''عبداللہ! اسے پانی نہیں پلانا۔ یہ وہ مشرک ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی آپ کے صحابہ کرام) نے قتل کیا ہے'' (طبرانی فی الاوسط) ممکن ہے کہ یہ واقعہ کئی بار ظہور پذیر ہوا ہو بلکہ امام جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں اس طرح کے کئی واقعات ذکر کیے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جو شخص مقام بدر میں حضرت ابن عمر کو نظر آیا تھا۔ وہ ابو جہل تھا۔ اسے قیامت تک اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں

ابو عامر فاسق نے اس لشکر گاہ میں جگہ جگہ گڑھے کھود رکھے تھے۔ وہ اسے جنگی چال سمجھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے۔ آپ کے گھٹنوں پر خراشیں آئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست اقدس پکڑ لیا۔

حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اوپر اٹھایا تو آپ اس گڑھے سے باہر نکل آئے۔ اس گڑھے میں گرنے کا سبب یہ تھا کہ ابن قمۂ لعنۃ اللہ نے آپ پر تلوار کا وار کیا۔ اس وار نے اس کے علاوہ اور کوئی اثر نہ کیا کہ تلوار آپ کے شانہ اقدس پر بوجھل پڑی۔ جس سے آپ کو ایک ماہ یا اس سے زائد مدت تک تکلیف محسوس ہوتی رہی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ نے آپ پر پتھر پھینکا جس سے آپ کے سامنے والے دو اوپر اور دو نیچے کے دانت زخمی ہو گئے۔ آپ کا نچلا لب مبارک زخمی ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ کے لیے بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وہ دعا قبول فرمائی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو قتل کر دیا۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب میں نے عتبہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ سنگدلانہ سلوک دیکھا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عتبہ کہاں گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرف اشارہ کیا۔ میں اسی سمت بڑھا۔ اسے جا لیا۔ تلوار کی ایک ہی ضرب سے اس کا سر جدا کر دیا۔ میں گھوڑے سے نیچے اترا، میں نے اس کا سر گھوڑا اور تلوار لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سب کچھ پیش کر دیا۔ آپ نے مجھے فرمایا "اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو"۔

ابن مندہ نے جو یہ لکھا ہے کہ عتبہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ زمعہ کی لونڈی کے بیٹے نے کہا کہ وہ عتبہ کا بیٹا ہے۔ مگر اس میں عتبہ کے اسلام کی کوئی دلیل نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ عہد اس کے کفر میں ہوا اور زمعہ کی لونڈی اس سے حاملہ ہوئی ہو۔ ابن مندہ کے اس قول کا ابونعیم نے شدت سے رد کیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابن مسیب کے اس فرمان سے رد کیا ہے کہ جب عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کر دیے اور آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی "مولا! ایک سال بھی نہ گزرنے پائے کہ یہ حالت کفر میں مر جائے" ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ یہ حالت کفر میں مر گیا۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن مندہ کا عتبہ کو صحابہ میں شمار کرنا ان کی غلطی ہے۔ آثار میں ایسی کوئی روایت نہیں جو اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہو۔ بلکہ اس بات کی صراحت مذکور ہے کہ وہ کفر پر مرا تھا۔ اسے صحابہ میں شمار کرنا درست نہیں۔

امام ابن اسحاق نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب میرے بھائی عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ سنگدلانہ سلوک کیا تو اسے قتل کرنے سے زیادہ کسی اور کو قتل کرنا مجھے عزیز نہ تھا۔ اس کے بارے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کافی ہو گیا "اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب ہو جس نے اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کو زخمی کیا۔ یہ روایت بھی صحیح ہے کہ عتبہ کی نسل سے جو بچہ بھی پیدا ہوتا جب وہ بلوغت کی حد تک پہنچتا تو اس کے منہ سے بو آنے لگتی اور اس کے دو اوپر کے اور دو نیچے کے سامنے والے دانت ٹوٹ جاتے۔ یہ بات اس کی نسل میں معروف تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ عبداللہ ابن قمۂ نے آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ عبداللہ بن شہاب زہری امام زہری کے دادا نے غزوہ احد کے روز کفار کی طرف سے شرکت کی۔ انہوں نے آپ کی طلعتِ زیبا کو زخمی کیا تھا پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ جبکہ ابن قمۂ نے آپ کے رخسار مبارک کو زخمی کیا تھا۔ آپ کے خود کے دو حلقے آپ کے رخسار مبارک میں پھنس

گئے۔ چہرۂ انور پر خون بہنے لگا۔ مشرکین نے آپ ﷺ پر پتھر مارے۔ جس سے آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو سہارا دے کر سیدھا کھڑا کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت طلحہ کا ہاتھ دیکھا، وہ شل تھا۔ اسی ہاتھ کے ساتھ انہوں نے غزوۂ احد کے روز حضور ﷺ کا دفاع کیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو 35 یا 39 زخم آئے تھے۔ ان کی دو انگلیاں بھی مفلوج ہو گئی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب بھی غزوۂ احد کا ذکر فرماتے تو فرماتے "وہ سارا دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا"۔

امام نسائی اور امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مشرکین حضور ﷺ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ نے فرمایا: ان کا مقابلہ کون کرے گا؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں" ان کے ساتھ اور بھی انصاری صحابہ تھے۔ جو شہید ہو گئے۔ حضرت طلحہ نے شدید قتال کیا حتیٰ کہ ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور ﷺ نے فرمایا "اگر تم بسم اللہ کہتے تو ملائکہ تمہیں اٹھا لیتے، لوگ تمہاری طرف دیکھ رہے ہوتے حتیٰ کہ تم آسمان کی فضا میں داخل ہو جاتے"۔

حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ نے خود کی دو کڑیاں نکالنے کی کوشش کی جو آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں تھیں۔ انہوں نے دانتوں سے وہ کڑیاں نکالنے کی کوشش کی۔ اسی سعی میں ان کے سامنے کے دو دانت بھی نکل گئے۔ بعض صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت گر گئے تو حضرت ابو عبیدہ اھتم (سامنے کے دو دانت جڑ سے نکلے ہوئے ہونا) ہو گئے۔ اور کوئی اھتم آپ سے بڑھ کر حسین نظر نہیں آتا تھا۔ یہ ھتم آپ کے چہرے کے حسن میں اضافہ ہی کرتا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ انور سے خود کی کڑیاں نکالی تھیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ یہ سعادت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاصل کی تھی۔ ممکن ہے ان تینوں حضرات نے یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی ہو۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ کے زخم پر منہ رکھ کر خون مبارک چوسا۔ پھر اسے نگل گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جس کا خون میرے خون مبارک سے مل گیا اسے آگ نہیں چھو سکتی"۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا "جو اہل جنت میں سے ایک شخص کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس مالک بن سنان کو دیکھ لے۔ یہ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "جسے پسند ہو کہ وہ ایسے شخص کی زیارت کرے جسے آتش جہنم نہ چھو سکے وہ مالک بن سنان کو دیکھ لے"۔

جب ابن قمۂ نے حضور ﷺ پر تیر مارا تو اس نے کہا "یہ لو! میں ابن قمۂ ہوں" حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل و رسوا کرے" آپ اپنے چہرۂ انور سے خون مبارک صاف کرنے لگے" اللہ تعالیٰ نے ابن قمۂ پر ایک جنگلی مینڈھا مسلط کر دیا۔ اس نے سینگ مار مار کر ابن قمۂ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تا کہ اس کی رسوائی، تکلیف اور عذاب میں اضافہ ہو۔ حضور ﷺ اپنے روئے تاباں سے خون مبارک صاف کرنے لگے۔ آپ فرما رہے تھے "وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے

اپنے نبی مکرم ﷺ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا حالانکہ وہ انہیں ان کے رب تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ (آل عمران)

''نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل چاہے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے اور چاہے تو عذاب دے انہیں پس بیشک وہ ظالم ہیں''۔

امام اوزاعی نے لکھا ہے ''جب غزوۂ احد کے روز آپ ﷺ زخمی ہو گئے تو آپ ﷺ نے کوئی چیز لی اور اس سے اپنا خون مبارک جذب کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر خون مبارک نیچے زمین پر گر پڑا تو ان کفار پر آسمان سے عذاب نازل ہو جائے گا۔ پھر یہ دعا مانگی ''مولا! میری قوم کو معاف کر دے یہ جانتی نہیں'' آپ ﷺ نے کفار کی طرف سے معذرت پیش کی۔ آپ ﷺ نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ و زاری کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دے حتیٰ کہ وہ یا ان کی اولاد میں کوئی ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس امید کو پورا کر دیا۔ آپ ﷺ کی دعا یہ تھی کہ مشرکین شرک سے توبہ کر لیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے شرک کو معاف کرنے کی دعا نہ کی۔ کیونکہ ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ (النساء:48)

''بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ''۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (توبہ:113)

''درست نہیں ہے نبی کیلئے اور نہ ایمان والوں کیلئے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے''۔

حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضور ﷺ کے روئے تاباں پر تلوار کی ستر ضربیں لگیں۔ مگر رب تعالیٰ نے آپ کو سب سے بچا لیا۔ ان ضربوں سے مشرکین کی مراد بر نہ آئی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضور ﷺ کا روئے تاباں کیسے زخمی ہو گیا آپ کے دندان مبارک کیسے ٹوٹ گئے حالانکہ رب غفور نے آپ سے فرمایا:

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ:67) ''اور اللہ بچائے گا آپ کو لوگوں کے شر سے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت طیبہ بعد میں نازل ہوئی۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ آیت مبارکہ پہلے نازل ہو چکی تھی تو اس سے مراد قتل سے تحفظ ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں ''اس امر میں کوئی اخفاء نہیں ہے کہ ہر نبی کا اس کی تبلیغ و ارشاد پر اتنا اجر ہوتا ہے جتنا اسے مخالفین کی طرف سے مشقت اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں اس کی ہدایت کا اجر و ثواب بھی ملتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر کسی اور نبی کے اطاعت گزار امتی بھی نہیں اور نہ ہی اتنے کثیر کسی اور نبی کے مخالفین ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے بھی آپ اجر و ثواب میں سب سے بڑھ کر ہیں''۔

مژدہ باد! جانِ عالم خیریت سے ہیں

اس بھگدڑ اور شیطانی صدا کے بعد سب سے پہلے آپ کو پہچاننے والی شخصیت حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ ان تینوں میں سے ایک ہیں جن کا ذکر اس آیت طیبہ میں کیا گیا ہے:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا...... الخ (توبہ: 118)

حضرت کعب نے فرمایا "میں نے جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی چشمانِ مقدس سے پہچانا جو خود کے نیچے تاباں اور درخشاں تھیں۔ میں نے باآواز بلند پکارا "اے مسلمانوں کے گروہ! تمہیں بشارت ہو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہیں"۔ بعض صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: "جب ابلیس لعین نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ہمیں کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ یہ حق ہے۔ ہماری یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعدین، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے درمیان سے جلوہ افروز ہوئے۔ جب آپ آگے بڑھے تو ہم نے آپ کو آپ کے مبارک شانوں سے پہچان لیا۔ ہمارے سرور وانبساط کی کوئی حد نہ رہی گویا کہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچی ہی نہیں تھی۔ جب صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ اٹھ کر گھاٹی کی طرف چلے گئے۔ ان صحابہ کرام میں حضرات ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، حرث بن صمہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے"۔

خصائص عشرہ میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے روز ثابت قدم رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر موت کی بیعت کی۔ رافضیوں کا یہ بکواس کرنا کہ غزوہ احد کے روز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سارے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے درست نہیں۔ بلکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اور بھی صحابہ کرام تھے۔

عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کا قتل

عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اپنے ابلق گھوڑے پر سوار ہو کر آیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آ رہا تھا۔ وہ گھاٹی کی سمت بڑھ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "اگر آپ بچ گئے تو میں نہیں بچ سکوں گا" حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ عثمان کا گھوڑا پھسل کر ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں جا گرا جنہیں ابو عامر نے کھودا تھا۔ حضرت حرث بن صمہ رضی اللہ عنہ چل کر عثمان بن عبداللہ کی طرف گئے۔ کچھ دیر باہم شمشیر زنی ہوتی رہی۔ پھر حضرت حرث رضی اللہ عنہ نے اس کی ٹانگوں پر ضرب کاری لگائی۔ جس کی وجہ سے وہ بیٹھ گیا۔ حضرت حرث نے آگے بڑھ کر اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کی زرہ اور خود حاصل کر لیا۔ حضور تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے اسے ہلاک کیا" اس کے بعد عبید بن ابو جابر عامری دوڑتا ہوا آیا۔ حضرت حرث رضی اللہ عنہ نے اس کے کندھے پر وار کیا جس سے وہ زخمی ہو گیا اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے جانے لگے۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اسے تلوار سے ذبح کر دیا۔ پھر وہ آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ساتھ مل گئے۔

چٹان پر جلوہ نمائی

پھر آپ ﷺ نے اس چٹان پر چڑھنے کی سعی فرمائی جو اس گھاٹی میں تھی۔ مگر آپ اس چٹان پر نہ چڑھ سکے۔ کیونکہ آپ کے سر اقدس اور چہرۂ انور سے بہت سا خون مبارک نکل چکا تھا۔ آپ نے دو زرہیں بھی پہن رکھی تھیں۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے۔ آپ ان کے اوپر چڑھ کر چٹان پر چڑھ گئے اور فرمایا ''آج طلحہ نے خود پر جنت لازم کر لی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ کے ساتھ کتنا حسین سلوک کیا ہے'' روایت ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں لنگڑا پن تھا۔ انہوں نے جب حضور ﷺ کو اٹھایا تو آرام سے بالکل سیدھے ہو کر چلے تا کہ حضور ﷺ کو تکلیف نہ ہو اس کے بعد ان کا وہ لنگڑا پن بالکل ختم ہو گیا۔ پھر کبھی یہ تکلیف عود کر نہ آئی۔

حضور ﷺ کو سخت پیاس لگی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے تا کہ اس سے حضور ﷺ کے زخموں کو دھوئیں۔ حضور ﷺ نے وہ پانی نوش نہ فرمایا کیونکہ زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے اس میں بو پیدا ہو چکی تھی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ پانی کی جستجو میں نکلے۔ مگر انہیں پانی نہ ملا۔ پھر دور تک گئے اور میٹھا پانی لے کر آئے۔ حضور ﷺ نے وہ پانی نوش فرمایا اور ان کے لیے دعائے خیر کی۔

عفت مآب خواتین

مدینہ منورہ کی عصمت شعار خواتین آ گئیں۔ ان کے ہمراہ خاتون جنت حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب وہ حضور ﷺ سے ملیں تو حضور ﷺ نے انہیں گلے لگا لیا۔ وہ آپ ﷺ کے زخم دھونے لگیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خون مبارک دھونے کے لیے پانی ڈال رہے تھے کہ خون زیادہ بہنے لگا۔ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے جب یہ منظر دیکھا تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے آگ میں جلایا، حتیٰ کہ وہ راکھ بن گئی۔ وہ راکھ لی اور اسے زخم پر رکھ دیا جس سے خون مبارک رک گیا۔

حضور ﷺ گھاٹی میں تھے کہ قریش کا ایک گروہ پہاڑ پر چڑھ آیا۔ ان میں خالد بن ولید بھی تھے۔ حضور ﷺ نے دعا مانگی ''مولا! انہیں ہم پر غالب نہیں آنا چاہیے۔ مولا! ہمارے پاس کوئی قوت نہیں مگر تیرے ساتھ ہی'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کی ایک جماعت لے کر ان کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ وہ سارے پہاڑ سے نیچے اتر گئے۔ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ (آل عمران)

''اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو''۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اس گروہِ قریش کو واپس لوٹاؤ'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا۔ میں نے اسے ایک شخص پر چلا دیا۔ وہ تیر نشانہ پر لگا وہ مر گیا۔ میں نے دوسرا تیر نکالا وہ بعینہٖ وہی تیر تھا جو میں پہلے چلا چکا تھا۔ میں نے اسے دوسرے شخص پر چلا دیا۔ میں نے

دوسرے شخص کو بھی مار ڈالا۔ میں نے ایک اور تیر نکالا، یہ بعینہٖ وہی تیر تھا جو میں چلا چکا تھا۔ میں نے اسے چلا کر ایک اور شخص کو مار ڈالا۔ میں نے چوتھا تیر نکالا، وہ بعینہٖ وہی تیر تھا جیسے میں نے پہلے چلایا تھا اس طرح میں نے ایک اور مشرک کو موت کے گھاٹ اتار دیا"۔

وہ چٹان سے نیچے اتر گئے۔ میں نے کہا "یہ مبارک تیر ہے" وہ میرے پاس میرے ترکش میں ہی رہتا تھا۔ میرے ترکش سے جدا نہیں ہوتا تھا" پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: غزوۂ احد کے روز میں تیر اندازی کر رہا تھا۔ ایک حسین سفید چہرے والا آدمی مجھے وہی تیر لا کر دے رہا تھا حتیٰ کہ جنگ کے بعد میں نے اسے نہ دیکھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ فرشتہ تھا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز نماز ظہر بیٹھ کر ادا فرمائی تھی۔ دیگر مسلمان آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ دوسری روایت کے مطابق ان صحابہ کرام نے بیٹھ کر نماز پڑھی جو زخمی تھے۔ اس روز حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تلوار، نیزہ اور تیر کے ستر سے زائد زخم آئے تھے۔ ان کی انگلی یا پورا بھی کٹ گیا۔

امام بخاری نے حضرت قیس بن ابی حازم سے روایت لکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ دیکھا جس کے ساتھ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا تھا، وہ شل تھا" حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اتنا خون نکلا کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آ گئے۔ ان کے چہرہ پر پانی چھڑکا حتیٰ کہ انہیں افاقہ ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آپ خیریت سے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی مجھے بھیجا ہے" حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا "الحمد للہ! ساری تکالیف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قلیل ہیں" اس روز حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بیس سے زائد زخم آئے۔ ان کے چہرہ پر بھی زخم آیا تھا۔ حضرت کعب بن مالک کو سترہ زخم آئے تھے۔

حضرت اصیرم بن عبد الاشہل کی شہادت

اس روز انہیں بھی قبائے شہادت نصیب ہوئی۔ یہ اسلام کے منکر تھے۔ بنو عبد اللہ الاشہل کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ احد کے لیے روانہ ہوئے تو یہ بھی مدینہ طیبہ آئے۔ اپنی قوم کے متعلق پوچھا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ میدان احد میں ہے۔ اسلام کی حقانیت ان کے لیے عیاں ہو گئی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اپنی تلوار، نیزہ اور خود لیا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ حتیٰ کہ لوگوں میں گھس گئے۔ بھرپور جہاد کیا حتیٰ کہ انہیں کئی کاری زخم آئے۔

جب بنو عبد الاشہل میدانِ جہاد میں اپنے شہداء کی تلاش میں تھے انہیں حضرت اصیرم بھی نظر آ گئے۔ انہوں نے ان سے پوچھا: تمہیں کون سی چیز یہاں لے کر آئی ہے۔ اپنی قوم کی نصرت یا اسلام میں رغبت" انہوں نے فرمایا "اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہوں۔ پھر میں میدانِ جہاد میں آیا اور مجھے یہ کاری زخم لگے" پھر یہ ان کے ہاتھوں میں داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انہوں نے اس بات کا تذکرہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اصیرم جنتی ہے" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے "مجھے اس شخص کے بارے بتاؤ جس نے

ایک نماز بھی نہیں پڑھی مگر جنت میں داخل ہو گیا" وہ حضرت اصیرم رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ

یہ ابو عامر فاسق کے فرزند دلبند تھے۔ ابو عامر کو ابن صیفی بھی کہا جاتا تھا۔ یہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ ابو عامر مدینہ طیبہ سے نکلا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری چاہتا تھا۔ یہ کفار قریش کے پاس آیا اور غزوۂ احد میں ان کی طرف سے لڑا۔ اس کے لخت جگر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر دیں۔ مگر آپ نے منع فرمایا تھا۔ آپ نے ابو عامر کے لیے بددعا کی کہ وہ تنہائی اور بے کسی کے عالم میں مرے" اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت عطا کیا۔ فتح مکہ کے بعد یہ شام کی طرف نکل گیا وہاں بے کسی اور تنہائی میں مر گیا۔

امام سبکی نے یہ شعر لکھا ہے:

وَمَاتَ ابْنُ صَيفِي عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي ذَكَرْتُ وَحِيدًا بَعْدَ طَرْدٍ وَ غُرْبَةٍ

"ابن صیفی اسی طرح مرا جس طرح میں نے ذکر کیا تھا، وہ دھتکار دیئے اور جلاوطنی کے بعد تنہائی کے عالم میں مرا"۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان کے گھوڑے کو مارا، وہ زمین پر گر پڑا۔ وہ چیخا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس کے اوپر چڑھ گئے۔ وہ اسے ذبح کرنا چاہتے تھے۔ انہیں شداد بن اسود نے دیکھا۔ اس نے ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے صاحب (حنظلہ) کو ملائکہ غسل دے رہے ہیں"۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نے ملائکہ دیکھے، وہ آسمان اور زمین کے درمیان بارش کے پانی کے ساتھ چاندی کے برتنوں سے حنظلہ کو غسل دے رہے تھے۔ میں نے ان کی زوجہ محترمہ (جمیلہ بنت عبد اللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کی بیٹی تھیں۔ یہ پکی سچی مومنہ تھیں) سے پوچھا تو انہوں نے کہا "یہ جنبی حالت میں روانہ ہو گئے تھے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسی لیے ملائکہ نے انہیں غسل دیا تھا"۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اسی رات کو بطور شب زفاف بسر کیا تھا۔ جس رات کی صبح کو غزوۂ احد رونما ہوا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگ لی تھی۔ جب انہوں نے نماز صبح ادا کی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ ان کی زوجہ محترمہ ان کے ساتھ چمٹ گئیں۔ انہوں نے ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا کر لیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نکلنے کا اعلان کر دیا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ جلدی کی وجہ سے غسل بھی نہ کر سکے"۔

دوسری روایت میں ہے۔ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کو لبیک کہا تو یہ حالت جنابت میں تھے۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے اپنی ایک طرف دھولی تھی پھر باہر نکل آئے۔ دوسری سمت نہ دھو سکے۔ اسی لیے ملائکہ نے انہیں غسل دیا۔ روایت میں ہے کہ انہیں تلاش کیا گیا تو صحابہ کرام نے دیکھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرات گر رہے تھے۔ حالانکہ ان کے قریب پانی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان کی تصدیق کے لیے ہی تھا۔

اس رات ان کی زوجہ محترمہ نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان پھٹ گیا ہے۔ حضرت حنظلہ اندر چلے گئے ہیں۔ پھر آسمان مل گیا ہے۔ جب وہ غزوۂ احد کے لیے جانے لگے تو انہوں نے اپنی قوم کے چار افراد اس بات پر گواہ بنا لیے کہ انہوں نے ان کے ساتھ شب زفاف بسر کر لی ہے۔ انہیں خدشہ تھا کہ یہ کہیں شہید نہ ہو جائیں اور بچے کے نسب میں جھگڑا نہ ہونے لگے۔ حضرت جمیلہ نے فرمایا "میں نے آسمان کو دیکھا کہ وہ پھٹ گیا ہے اور حضرت حنظلہ اندر چلے گئے ہیں۔ پھر آسمان مل گیا ہے" حضرت حنظلہ کے ہاں حضرت عبد اللہ بن حنظلہ پیدا ہوئے یہ وہی عبد اللہ ہیں جنہیں اہل مدینہ نے اس وقت اپنا ولی بنایا تھا اور ان کی بیعت کی تھی جب انہوں نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑی تھی۔ واقعۃ الحرہ رونما ہونے کا سبب یہی تھا۔

جب کفار نے شہدائے احد کا مثلہ کیا تو انہوں نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ نہیں کیا تھا کیونکہ ان کا باپ ابو عامر ان کے ساتھ تھا۔ روایت ہے کہ جب حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کفار مکہ نے شہداء کا کس طرح مثلہ کر دیا تھا۔ تو انہوں نے بھی مشرکین کے مردوں کا مثلہ کرنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قریش اہل امانت ہیں جس نے ان کے ساتھ عداوت رکھتے ہوئے گڑھے کھودے اللہ تعالیٰ ان میں اسے ہی گرا دے گا۔ اگر تمہاری زندگی نے وفاء کی تو تم عنقریب دیکھو گے کہ ان کے اعمال کے ساتھ تمہارے عمل کو اور ان کے افعال کے ساتھ تمہارے فعل کو بھی حقیر سمجھا جائے گا۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ قریش تکبر کرنے لگیں گے تو میں انہیں بتا دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کیلئے کیا اجر و ثواب ہے"۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "بخدا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہی غصہ آیا تھا" آپ نے فرمایا "تم نے سچ کہا ہے۔ یہ اپنے نبی (محترم صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے بری قوم تھی" روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے لیے بددعا کرنے کا ارادہ فرمایا، یا ان کے لیے کئی بار بددعا کی یا لگاتار بددعا کرنا چاہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران: 128) (نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی دخل)

اس کے بعد آپ نے ان کے لیے بددعا نہ کی۔ آپ نے فرمایا "اگر میں ان پر فتحیاب ہو گیا تو میں ان کے چالیس افراد کا مثلہ کروں گا" اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾ (النحل)

"اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم (ان کی ستم رانیوں) پر صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے"۔

آپ نے فرمایا "اب میں حصول ثواب کے لیے صبر کروں گا"۔

مشرکین کا ایک شخص آیا۔ وہ غرق آہن تھا۔ اس نے کہا "میں ابن عویف ہوں" حضرت رشید الفارسی الانصاری نے شمشیر مار کر اس کا کندھا زخمی کر دیا۔ انہوں نے کہا "یہ لو! میں فارسی غلام ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور سماعت فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "تم نے یوں کیوں نہ کہا" "یہ لو! میں انصاری غلام ہوں" اس ضرب کے ساتھ اس مشرک کا کام تمام

ہو گیا تھا۔ پھر اس مقتول کا بھائی کتے کی طرح دوڑتا ہوا آیا، وہ کہہ رہا تھا "میں ابن عویف ہوں" حضرت رشید نے اس کے سر پر ضرب کاری لگائی۔ اس نے خود پہن رکھا تھا۔ انہوں نے اس کا سر چیر کر رکھ دیا۔ انہوں نے فرمایا "یہ لو! میں انصاری غلام ہوں" یہ سن کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا پڑے اور فرمایا "ابوعبداللہ! تم نے عمدہ فعل سرانجام دیا ہے" حالانکہ اس دن ان کا کوئی بچہ نہ تھا۔ لیکن پھر بھی سرور کائنات نے انہیں "ابوعبداللہ" کی کنیت سے پکارا۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں بہت زیادہ لنگڑا پن تھا۔ ان کے چار جوان بیٹے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شرکت کیا کرتے تھے۔ جب غزوۂ احد کا دن آیا تو انہوں نے اپنے والد گرامی کو روکنے کی سعی کی۔ انہوں نے عرض کی "والد گرامی مرتبت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور کر دیا ہے" وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ عرض کی "میرے فرزندوں نے مجھے روک دیا ہے کہ میں آپ کے ہمراہ نہ نکلوں۔ بخدا! میں چاہتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پن سے جنت کو روندھ ڈالوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ نے آپ کو معذور کر دیا ہے۔ آپ پر جہاد فرض نہیں ہے" انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا "اگر تم مجھے میدان وغا میں جانے سے نہ روکو تو تمہیں کیا ہو جاتا ہے۔ شاید رب تعالیٰ مجھے منصبِ شہادت پر فائز کر دے" انہوں نے اپنے ہتھیار لیے۔ باہر نکلے۔ قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا مانگی "مولا! مجھے جامِ شہادت عطا فرما۔ اور مجھے اپنے اہل خانہ کی طرف خائب و خاسر نہ لوٹا" اسی غزوہ میں وہ شہید ہو گئے۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے کہ تم میں ایسے افراد موجود ہیں اگر وہ رب تعالیٰ پر قسم اٹھالیں تو وہ انہیں ضرور اس قسم سے بری کر دے۔ ان میں سے ایک حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ میں نے انہیں دیکھا وہ اپنے لنگڑے پن سے جنت روندھ رہے تھے"۔

روایت ہے کہ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں راہ خدا میں جہاد کروں پھر میں شہید ہو جاؤں تو کیا میں جنت میں جاؤں گا تو میری یہ ٹانگ درست ہو گی" آپ نے فرمایا "گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں تم اس صحیح ٹانگ کے ساتھ جنت میں چل رہے ہو" ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ پہلے اپنی لنگڑی ٹانگ کے ساتھ جنت کو روندھ ڈالیں گے۔ پھر ان کی یہ ٹانگ درست کر دی جائے گی۔

متفرق معجزات

غزوۂ احد کے بعد حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ کو زخم آیا۔ وہ ان کے رخسار پر بہہ پڑی۔ انہوں نے اسے اپنے ہاتھ پر رکھا اور اسے بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "اگر چاہو تو صبر کرو تمہارے لیے جنت ہے۔ اگر پسند کرو تو میں اسے لوٹا دیتا ہوں۔ میں رب تعالیٰ سے دعا مانگوں گا۔ تم اس میں سے کچھ بھی مفقود نہ پاؤ گے"۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاشبہ جنت ایک جمیل جزاء ہے اور جلیل عطا ہے مگر میں ایسا شخص ہوں جو عورتوں سے

محبت کرتا ہے مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے کانا کہیں گی۔ وہ مجھے دور ہٹا دیں گی، بلکہ آپ میری آنکھ لوٹا دیں اور میرے لیے رب تعالیٰ سے جنت کا سوال بھی کریں" آپ نے فرمایا "قتادہ! میں اسی طرح کرتا ہوں" دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے عرض کی "میری ایک بیوی ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں، مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر مجھ سے نفرت کرنے لگے گی" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھ اپنے دست اقدس میں رکھی۔ پھر اسے اس کی جگہ میں لگا دیا" پھر یہ دعا مانگی "مولا! اسے جمال عطا فرما" طبرانی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اپنے چہرے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور سے تیر ہٹا رہا تھا۔ آخر میں ایک تیر میری آنکھ پر لگ گیا جس کی وجہ سے میری آنکھ کا ڈھیلا نیچے گر پڑا۔ میں نے اسے ہاتھ پر رکھا اور دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ جب آپ نے اسے میرے ہاتھ میں دیکھا تو آپ کی چشمانِ مقدس سے آنسو بہنے لگے۔ آپ نے دعا مانگی "مولا! قتادہ کو بچا لے۔ جس طرح اس نے تیرے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کا دفاع کیا ہے" آپ نے وہ ڈھیلا آنکھ کی جگہ پر رکھ دیا۔ آپ نے دعا مانگی "مولا! اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے حسین اور تیز بین بنا دے" اگر ان کی دوسری آنکھ کو آشوب ہو جاتا تو یہ آنکھ اس سے محفوظ رہتی تھی"۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھیں بہہ پڑی تھیں، مگر یہ راویوں کا تصرف ہے۔ بلکہ حضرت دارقطنی نے فرمایا ہے کہ اس روایت میں عمار بن نصر منفرد ہو گئے۔ امام نووی نے لکھا ہے راویوں نے غلطی کی ہے۔ ان کی صرف ایک آنکھ زخمی ہوئی تھی۔ اصمعی نے ابو معشر سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی نسل کا ایک شخص آیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟ اس نے یہ اشعار پڑھے:

أَنَا ابْنُ الَّذِی سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَیْنُهٗ　　فَرُدَّتْ بِکَفِّ الْمُصْطَفٰی أَیُّمَا رَدِّ

فَعَادَتْ　کَمَا کَانَتْ　لِأَوَّلِ　أَمْرِهَا　　فَیَاحُسْنَ مَا عَیْنٍ وَیَاحُسْنَ مَا خَدِّ

"میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس کے رخسار پر اس کا ڈھیلا بہہ پڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس نے اسے عمدہ طریقے سے اسی جگہ لوٹا دیا۔ یہ ڈھیلا پہلے کی طرح ہو گیا وہ آنکھ کتنی حسین تھی وہ رخسار کتنا خوبصورت تھا"۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ شعر پڑھا:

تِلْكَ الْمَكَارِمُ لَا قَعْبَانِ مِنْ لَبَنٍ　　شِیْبَا بِمَاءٍ فَعَادَ اَبْعُدَ اَبْوَالًا

"وہ خوبیاں ایسی نہ تھیں کہ دودھ کے دو بڑے پیالے ہوں جن میں پانی ملا ہوا ہو پھر بعد میں پیشابوں کی شکل اختیار کر لیں"۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "توسل کرنے والوں کو اسی طرح توسل کرنا چاہیے" انہوں نے اس شخص کے ساتھ صلہ رحمی کی اور اسے عمدہ انعام دیا۔

حضرت ابورہم الغفاری رضی اللہ عنہ کی گردن میں تیر لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں لعاب دہن لگایا تو زخم بالکل مندمل ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں جا کر تلوار بن گئی۔ انہوں نے اسی تلوار کے ساتھ جہاد کیا۔ حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ ابوالحکم بن الحسن بن شریق نے انہیں شہید کیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابوحکم کا سر قلم کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ اس تلوار کو ''عرجون'' کہا جاتا تھا۔ یہ نسل در نسل ان کی ملکیت میں آتی رہی، حتیٰ کہ اسے معتصم بن رشید کے زمانہ میں بغداد میں دوسو دیناروں کے عوض فروخت کر دیا گیا۔ اسی طرح کا معجزہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ غزدۂ بدر میں بھی رونما ہوا تھا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کو ''عون'' اور حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار کو ''عرجون'' کہا جاتا ہے۔

شہدائے احد کا مثلہ

مشرک مرد و خواتین مسلمانوں کے شہداء کا مثلہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ ان کے کان، ناک اور شرم گاہیں کاٹ رہے تھے۔ ان کے پیٹ چیر رہے تھے۔ ان کا گمان تھا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اکابر صحابہ کرام کو شہید کر دیا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے وصال فرما جانے کے بعد وحشی ان کے پاس آیا، اس نے اپنا نیزہ اٹھالیا، حضرت حمزہ کا کلیجہ نکالا اور اسے ہند بنت عتبہ کے پاس لے گیا۔ اس سے کہا: یہ تمہارے باپ کے قاتل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ ہے'' وہ کلیجہ لے کر اسے چبانے لگی۔ مگر اسے نگل نہ سکی۔ اس نے اسے پھینک دیا۔ اس نے اپنے کپڑے اور زیورات وحشی کو دے دیے اور مکہ مکرمہ جا کر دس دینار دینے کا وعدہ کیا۔ روایت ہے کہ عورتیں ہند کے ساتھ نکلیں، وہ مسلمانوں کے شہداء کا مثلہ کرنے لگیں۔ وہ ان کے کان اور ناک کاٹ کر ان کے ہار بنانے لگیں۔ ہند نے نذر مانی تھی کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ کھائے گی۔ کیونکہ انہوں نے اس کے باپ کو قتل کیا تھا۔ وحشی نے ان کے دل کا ٹکڑا نکالا، اس نے وہ ٹکڑا چبایا، مگر اسے نگل نہ سکی۔ ہند نے وہ پارہ وہاں پھینک دیا۔

مشرکین کی واپسی

جب ابوسفیان نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑی پر چڑھا۔ پھر باآواز بلند چلایا ''تیروں سے فال لینا بہت عمدہ رہا بلاشبہ جنگ ڈول کی مانند ہے۔ حنظلہ کے بدلے حنظلہ، یوم احد روز بدر کے بدلے۔ ہبل تیری شان بلند ہو'' اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ابوسفیان مکہ مکرمہ سے نکلنے لگا تو اس نے ایک تیر پر ''نعم'' دوسرے پر ''لا'' لکھا۔ پھر ہبل بت کے قریب قرعہ اندازی کی۔ نعم والا تیر نکل آیا۔ وہ احد کی طرف روانہ ہو گیا اس لیے اس نے کہا تھا'' ہبل کی شان بلند ہو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا'' ابوسفیان کو جواب دو۔ اسے یوں کہو'' اللہ اعلی واجل'' اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' ہم اور تم برابر نہیں ہیں'' ہمارے شہداء جنت میں جبکہ تمہارے مقتول جہنم میں ہیں'' ابوسفیان نے کہا ''ہمارے لیے عزیٰ ہے۔ تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' اسے یوں کہو'' اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے جبکہ تمہارا مددگار کوئی نہیں''۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ہند بنت عتبہ بلند ٹیلے پر چڑھ گئی اس نے باآواز بلند یہ اشعار پڑھے:

نَحْنُ جَزَيْنَا كم بِيَوْمِ بَدْرٍ وَالْحَرْبُ بَعْدَ الْحَرْبِ ذَاتُ سُعْرِ

''اے مسلمانو! ہم نے یوم بدر کا بدلہ چکا دیا ہے۔ جنگ کے بعد جنگ آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکتی ہے۔

مَاكَانَ نَحْنُ عُتْبَةَ لِي مِنْ صَبْرٍ وَلَا أَخِي وَعَمِّي وَبِكْرِي

مجھے اپنے باپ عتبہ، بھائی ولید اور چچا شیبہ اور اپنے بیٹے حنظلہ سے صبر نہیں آتا تھا۔

شَفَيْتُ نَفْسِي وَقَضَيْتُ نَذْرِي شَفَيْتَ وَحْشِيُّ غَلِيلَ صَدْرِي

میں نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا اور اپنی نذر پوری کر لی۔ اے وحشی! تو نے میرے سینے کی جلن ٹھنڈی کر دی۔

فَشُكْرُ وَحْشِيٍّ عَلَيَّ عُمْرِي حَتَّى تَرِمَّ أَعْظُمِي فِي قَبْرِي

مجھ پر ساری زندگی وحشی کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔ حتیٰ کہ قبر میں میری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں''۔

حضرت ہند بنت اثاثہ کے اشعار

خُزِيتِ فِي بَدْرٍ وَبَعْدَ بَدْرٍ يَابِنْتَ وَقَّاعٍ عَظِيمِ الْكُفْرِ

اے انتہائی گھٹیا اور پرلے درجے کے کافر کی بیٹی! تو بدر میں رسواء ہوئی اور غزوۂ بدر کے بعد بھی۔

صَبَّحَكِ اللهُ غَدَاةَ الْفَجْرِ الْهَا شِمِيِّينَ الطِّوَالِ الزُّهْرِ

اللہ تعالیٰ علی الصبح دراز قد اور خوش اخلاق ہاشمیوں کو تیرے پاس لے آیا۔

بكل قطاع حسام يفرى حمزة ليثى وعلى صقرى

میرے شیر حضرت حمزہ اور میرے شاہین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما تیز کاٹنے والی تلوار کے ساتھ تمہارے سوقلم کر رہے تھے۔

اذا ترام شيب وابوك عذرى فخضبا منه صواحى النحر

جب شیبہ اور تیرے باپ عتبہ نے میرے ساتھ بدعہدی کا ارادہ کیا تو ان دونوں نے ان کے سینوں کے کھوکھلے اطراف کو لہولہان کر دیا۔

ونذرك السوفشه نذر

اور تیرا بری نذر ماننا کتنی بری نذر ہے

امام زرقانی تحریر کرتے ہیں کہ حافظ ابو الربیع نے ''الاکتفاء'' میں لکھا ہے ''ہند کا یہ قول اس وقت کا ہے جب کفر اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ انتقام اس میں اضطراب پیدا کر رہا تھا۔ غم اسے جلا رہا تھا۔ شیطان اسے گفتگو پر مجبور کر رہا تھا۔ پھر رب تعالیٰ نے اسے اسلام اور اپنی عبادت کی طرف نور ہدایت عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آتش جہنم سے بچانے اور دارالاسلام میں داخل کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے حالات درست ہو گئے۔ اس کے اقوال تبدیل ہو گئے۔ حتیٰ کہ اسی ہند نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پہلے سارے خیموں میں سے آپ کا خیمہ مجھے سب سے زیادہ مبغوض تھا۔ مگر آج آپ کا خیمہ مجھے

سارے خیموں سے بڑھ کر محبوب ہے" حضرت ہند اور حضرت ابوسفیان نے عام الفتح کو اسلام قبول کیا۔ حضرت ابوسفیان نے غزوۂ طائف میں شرکت کی۔ ان کی آنکھ کو نقصان پہنچا۔ وہ آنکھ کا ڈھیلا لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "اگر پسند کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر آنکھ عطا فرما دیتا ہے، اگر اس سے بھی بہتر آنکھ جنت میں لینا چاہتے ہو تو اسے پھینک دو" انہوں نے عرض کی "جنت میں اس سے بہتر آنکھ" انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یرموک میں شرکت کی۔ یہ لوگوں کو قتال پر ابھارتے تھے۔ یوں کہتے تھے "اللہ اکبر" اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرو، وہ تمہاری مدد کرے گا" پھر ان کی دوسری آنکھ کو بھی نقصان پہنچا۔ حضرت ابوسفیان نے 31ھ یا 34ھ میں وصال فرمایا۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پہلے مجبوری کے عالم میں اسلام میں داخل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلب فرمائی، حتیٰ کہ ان کا سینہ اسلام کے لیے کھل گیا۔ انہوں نے اور ان کی زوجہ ھند نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا "اب تمہارے یہ اقوال "انعمت فعال، اعل ھبل" کہاں ہیں؟ انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا "اللہ تعالیٰ نے ہم سے جاہلیت کا امر ختم کر دیا ہے اور ہمیں اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ حضرت ابوسفیان یا کسی اور صحابی کے بارے طعن آمیز گفتگو کرنے والے کی بات نہ سنو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اصحاب اور میرے سسرال کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرو"۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہیں۔

خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل بھی غزوۂ احد کے روز لشکر قریش کے ساتھ آئے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی سب سے زیادہ شدید تھی۔ پھر انہوں نے دولت اسلام سمیٹ لی اور اپنے اسلام کو بہت عمدہ کیا۔ حتیٰ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی کفار پر سونتی ہوئی تلوار بن گئے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ جب مصحف کھولتے تو چیخ پڑتے اور کہتے "یہ رب العالمین کا کلام ہے"۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا بِرَسُوْلِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ابوسفیان نے غزوۂ احد کے دن کہا "جنگ ڈول کی طرح ہے" دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا "ایک دن ہمارے حق میں، ایک دن ہمارے خلاف ہوتا ہے کسی دن ہمیں مسرت اور کسی دن ہمیں دکھ نصیب ہوتا ہے"۔ ارشاد ربانی ہے:

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ

"اگر لگی ہے تمہیں چوٹ تو (بدر میں) لگ چکی ہے (تمہارے دشمن) قوم کو بھی ایسی چوٹ اور ہم یہ (ہار جیت) کے دن پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں"۔ (آل عمران:140)

پھر ابوسفیان نے کہا "تم دیکھو گے کہ کفار نے شہداء کا مثلہ کر دیا ہے۔ میں نے نہ تو اس کا حکم دیا تھا۔ نہ ہی اس سے مجھے اذیت ہوئی" دوسری روایت میں ہے "بخدا! نہ میں اس پر راضی تھا نہ ہی ناراض۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا تھا۔ نہ ہی منع کیا تھا۔ اسے نہ پسند کیا تھا نہ ہی ناپسند۔ اس سے نہ میں خوش ہوا ہوں نہ ہی غمناک"۔

روایت ہے کہ احابیش کا سردار ابوسفیان کے پاس سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ ابوسفیان حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جبڑے پر

نیزے کی آنی سے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "نافرمان نے اپنی مخالفت کا مزہ چکھا ہے۔ اپنی قوم کے دین کو ترک کرنے کا مزہ چکھا ہے"، حلیس نے کہا "بنو کنانہ! دیکھو نا یہ قریش کا سردار اپنے چچازاد کے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ ابوسفیان نے کہا "میرا یہ عمل ایک لغزش ہے۔ اسے مخفی رکھو" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو جواب دیا تو ابوسفیان نے کہا "عمر! ادھر آؤ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمر! جاؤ دیکھو وہ کیا کہتا ہے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے پاس آئے، اس نے کہا: عمر! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں؟ حضرت عمر فاروق نے کہا: بخدا! نہیں۔ آپ اب بھی تیری گفتگو سماعت فرما رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: تم ابن قمۂ سے زیادہ سچے اور پاکباز ہو" ابن قمۂ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اس نے انہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے ہوئے کہا تھا: میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا ہے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلانے سے قبل ابوسفیان نے آواز دی تھی "کیا اس قوم میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں؟ اس نے تین بار ہی صدا دی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دینے سے منع کر دیا تھا۔ پھر اس نے کہا "کیا اس قوم میں ابن ابی قحافہ موجود ہیں؟ پھر اس نے پوچھا: کیا قوم میں عمر موجود ہیں؟ پھر ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں کی طرف توجہ کی اور کہا "یہ سارے قتل ہو گئے ہیں، تم انہیں کافی ہو گئے ہو۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود کو نہ روک سکے۔ انہوں نے کہا "اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا۔ جن کو تو نے آواز دی ہے، وہ سب زندہ ہیں، وہ چیز ابھی زندۂ جاوید ہے جو تجھے اذیت دیتی ہے" پھر ابوسفیان نے کہا "آئندہ سال ہماری اور تمہاری جنگ کی جگہ مقام بدر ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے یوں جواب دو "بالکل! آئندہ ہماری اور تمہاری ملاقات کی جگہ بدر ہے"۔

مشرکین کی روانگی

پھر مشرکین کی قوم روانہ ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو بھیجا، ان سے فرمایا "مشرک قوم کے تعاقب میں نکلو، ذرا دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا ارادہ کیا ہے؟ اگر وہ گھوڑوں کو لے کر چلے اور اونٹوں پر سوار ہوئے تو وہ مکہ مکرمہ کا ارادہ کیے ہوں گے۔ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اونٹوں کو ویسے لے کر چلے تو وہ مدینہ طیبہ پر یلغار کا ارادہ کیے ہوں گے۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ منورہ کا ارادہ کیا تو میں ضرور ان کا تعاقب کروں گا اور انہیں مقابلہ کی دعوت دوں گا" حضرت علی المرتضیٰ یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا "میں مشرکین کے تعاقب میں نکلا تاکہ دیکھوں کہ وہ کیا کرتے ہیں، وہ گھوڑوں کو لے چلے اور اونٹوں پر سوار ہوئے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا۔ پہلے انہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا اراہ کیا لیکن صفوان نے انہیں اس طرح کرنے سے منع کر دیا۔

شہدائے احد کی خبر گیری

مشرک قوم کے چلے جانے کے بعد مسلمان اپنے شہداء کی خبر گیری کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت سعد بن

ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر کون لے کر آئے گا۔ کیا وہ زندہ ہیں یا شہید ہو گئے ہیں؟ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ نیزے ان میں گھونپے جا رہے تھے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے لیے ان کی خبر گیری کر کے آتا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر سعد بن ربیع کو دیکھو تو میری طرف سے انہیں سلام کہو۔ اس کے بعد انہیں کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے فرما رہے ہیں کہ کیا حال ہے؟ حضرت ابی نے انہیں تلاش کیا۔ انہوں نے انہیں زخمی حالت میں پایا، ان پر نزع کا عالم تھا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں تم کو دیکھوں کیا تم بحیات ہو کہ شہید ہو گئے ہو" انہوں نے فرمایا "مجھے نیزہ کے بارہ زخم آئے ہیں۔ انہوں نے میرا کام کر دیا ہے۔ میری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام پیش کرنا۔ پھر عرض کرنا" سعد بن ربیع کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزائے خیر دے جو اس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو"۔ اپنی قوم کو بھی میری طرف سے سلام پیش کرنا۔ پھر کہنا کہ سعد بن ربیع تم سے کہتا ہے کہ اگر جانِ جاں کو کوئی اذیت پہنچی اور تم میں آنکھ جھپکنے کی قوت بھی ہوئی تو درگاہِ ایزدی میں تمہارا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا" اس کے بعد ان کا وصال ہو گیا۔ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور شہادت کی خبر دی۔ دوسری روایت میں ہے۔ حضرت سعد بن ربیع نے فرمایا "میری قوم کو میرا اسلام دینا اور انہیں کہنا: تمہیں سعد بن ربیع کہتا ہے کہ عقبہ کی شب جو عہد تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا اس کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرنا۔ بخدا! بارگاہ ربوبیت میں تمہارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ انہوں نے حالتِ حیات اور حالتِ شہادت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خلوص کا اظہار کیا"۔

سید الشہداء کی لاش پاک کی تلاش

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے انہیں ان چٹانوں کے پاس دیکھا تھا۔ وہ یہ فرما رہے تھے "میں اللہ تعالیٰ کا شیر ہوں۔ اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیر ہوں۔ مولا! میں تیری بارگاہ میں برأت کا اظہار کرتا ہوں جو کچھ ابوسفیان اور اس کے ساتھی لے کر آئے ہیں۔ میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں جو صحابہ کرام نے کیا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے انہیں وادی کے دامن میں دیکھا۔ آپ کا پیٹ مبارک شق کر دیا گیا تھا۔ آپ کا مثلہ کیا گیا تھا، آپ کے کان اور ناک کاٹ دیئے گئے تھے۔ یہ منظر اتنا دردانگیز تھا کہ کسی اور چیز سے آپ کے قلب انور کو اتنی اذیت نہ ہوئی جتنی اذیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مبارک لاش کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ آپ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا "اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ بہت زیادہ نیکیاں کرنے والے تھے۔ بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ بخدا! اب میں ان مشرکین کے ستر افراد کا مثلہ کروں گا" صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کہا: اگر کسی دن ہمیں ان مشرکین پر فتح ہوئی تو ہم ان کے مردوں کا اس طرح مثلہ کریں گے کہ عرب میں سے کسی نے اس طرح کا مثلہ نہ کیا ہوگا" اس وقت ان آیات بینات کا نزول ہوا:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ (نحل)

''اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم ان کی ستم (رانیوں پر) صبر کرو تو یہ صبر ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے اور آپ صبر فرمایئے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ غمزدہ ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر فرمایا۔ مثلہ کرنے سے روک دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا'' بعض علماء نے فرمایا'' یہ آیت طیبہ مکی ہے۔ امام حلبی نے تحریر کیا ہے ''ممکن ہے کہ اس کا نزول کئی بار ہوا ہو''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم نے اتنا شدت سے گریہ بار کبھی نہ دیکھا تھا جتنا زیادہ آپ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ بار ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قبلہ کی طرف کیا۔ پھر نماز جنازہ کے لیے قیام فرما ہوئے۔ آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے حتیٰ کہ ہچکی بندھ گئی۔ آپ پر غشی طاری ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا'' اے اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم کے چچا! اے اللہ تعالیٰ کے رسول معظم کے شیر، اے حمزہ! اے نیک امور بجالانے والے! اے مصائب دور کرنے والے! اے حمزہ! اے چہرۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تکالیف دور کرنے والے! جب آپ نے یہ محاسن ومحامد بیان کیے تو آپ آہ و بکا نہیں کر رہے تھے۔ یہ تو مرنے والے کے محاسن بیان کرنا ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کے بین نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ مخصوص انداز ہوتا ہے اور اس کے ساتھ آہ و بکا بھی ہوتی ہے یہ تو مرنے والے کے محاسن اور خوبیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یہ اس وقت مکروہ ہے جب کہ از راہ تکبر وتفاخر ہو اور مرنے والے میں اس طرح کی کوئی خوبی یا وصف نہ پایا جاتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حضرت جبرائیل امین میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ساتوں آسمانوں کے مکینوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیر ہیں''۔

حضرت صفیہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کا غم واندوہ

حضور شفیع مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا تھا کہ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ حضرت زبیر کی والدہ ماجدہ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک نہ دیکھنے دیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی'' امی جان! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ واپس چلی جائیں'' انہوں نے حضرت زبیر رضی اللہ کے سینہ پر مکا مارا اور کہا'' کیوں؟ مجھے یہ خبر مل چکی ہے کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہے۔ میں اس پر صبر کروں گی اور اجر وثواب کی امید رکھوں گی'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ساری صورت حال بتادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' ان کا راستہ چھوڑ دو'' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور مغفرت کی دعا کی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما سے ملیں۔ ان سے پوچھا'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے کیا کیا گیا؟ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مبارک لاش دکھادی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا'' مجھے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی عقل زائل ہوجانے کا خدشہ ہے'' آپ نے اپنا دستِ اقدس ان کے سینہ پر رکھا اور ان کے لیے دعا کی۔'' انہوں نے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ

راجِعُونَ پڑھا اور رونے لگیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا تو انہوں نے فرمایا "میں واپس نہیں جاؤں گی حتیٰ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرلوں" جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئیں تو عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میری ماں کا لخت جگر حمزہ کہاں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ دیگر شہداء میں ہے" انہوں نے عرض کی "میں اسے دیکھے بنا واپس نہ جاؤں گی" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ انہیں منع کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو" جب انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھی تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ جب وہ روتیں ان کے رونے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمانِ مقدس سے بھی گہر ہائے آبدار گرنے لگتے۔

شہدائے اُحد کی تکفین وتدفین

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مبارک سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پاک کو ڈھانپ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا "کیا کفن ہے؟ ایک انصاری صحابی نے اپنی چادر پیش کی۔ دوسرے انصاری صحابی نے بھی اپنی چادر پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے جابر! یہ چادر تمہارے باپ کے لیے جبکہ یہ چادر میرے محترم چچا کے لیے ہے" ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت حمزہ کے لیے دو کپڑے اپنے ساتھ لے کر آئیں تھیں۔ ایک کپڑا حضرت حمزہ کے لیے جبکہ دوسرا کسی انصاری شہید کے لیے مخصوص کیا گیا۔ شاید وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ہی ہوں" ایک اور روایت کے مطابق حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دھاری دار چادر سے کفن دیا گیا۔ جب اسے کھینچ کر ان کے سر کو ڈھانپا جاتا تو مبارک پاؤں ننگے ہو جاتے۔ جب پاؤں مبارک ڈھانپے جاتے تو سر اقدس عریاں ہو جاتا۔ صحابہ کرام نے ان کے سر کے اوپر وہ چادر کردی جبکہ پاؤں مبارک پر اذخر گھاس ڈال دی۔ یا حرمل ڈال دیا"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احد کے روز حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے سر اقدس پر تاج شہادت سجایا گیا۔ انہیں دو چادروں سے کفن دیا گیا۔ اگر ان کا سر اقدس ڈھانپا جاتا تو پاؤں مبارک ننگے ہو جاتے اگر پاؤں مبارک پر چادر کی جاتی تو سر ننگا ہو جاتا" دوسری روایت میں ہے کہ جب وہ شہید ہوئے تو ان کے پاس صرف ایک دھاری دار چادر تھی جس سے جب سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں مبارک عریاں ہو جاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان کا سر اقدس ڈھانپ دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو" اسلام لانے سے قبل حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں انتہائی خوبرو جوان تھے۔ عمدہ لباس زیب تن کرتے تھے۔ بہترین خوشبو استعمال کرتے تھے۔ جب اسلام قبول کیا تو ساری عیش وعشرت ترک کردی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک دن روزہ رکھا ہوا تھا۔ انہیں کھانا پیش کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا "حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، وہ مجھ سے بہتر تھے۔ ایک چادر کے علاوہ اور کوئی کپڑا دستیاب نہ ہو سکا۔ جس میں انہیں کفن دیا جاتا۔ اگر ان کا سر انور ڈھانپا جاتا تو پاؤں مبارک عریاں ہو جاتے۔ اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر اقدس ننگا ہو جاتا۔ اب ہمارے لیے دنیا میں کتنی آسائش پیدا ہو گئی ہے۔ اس میں کس قدر نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اس دنیا میں ہی ہماری

نیکیوں کی جزاء ہمیں دے دی گئی ہے" پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ انہوں نے کھانا چھوڑ دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "اس روز کپڑے قلیل ہو گئے۔ شہدائے احد کثیر ہو گئے۔ ایک، دو، یا تین شہداء کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا۔ پھر انہیں ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے فرمایا "اگر مجھے صفیہ اور دیگر خواتین کی آہ و بکا کا اندیشہ نہ ہوتا۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ حضرت صفیہ غمزدہ ہوں گی اور میرے بعد سنت قائم ہو جائے گی تو ہم حمزہ کو چھوڑ دیتے۔ انہیں دفن نہ کرتے حتیٰ کہ پرندوں اور درندوں کے پیٹوں سے ان کا حشر ہوتا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہیں درندے کھا جاتے۔ روز حشر ان کے پیٹوں سے ہی ان کا حشر ہوتا، تاکہ غضب الٰہی کی شدت کا اظہار اس شخص کے لیے ہو جاتا جس نے ان کے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی۔ آپ نے چار تکبیریں کہیں، پھر دوسرے شہداء لائے گئے، انہیں یکے بعد دیگرے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھا گیا۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہر ایک کی نماز جنازہ ادا کی جاتی۔ پھر اسے اٹھا لیا جاتا، حتیٰ کہ آپ نے بہتر صحابہ کرام کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ آپ نے شہداء کو غسل نہ دیا(1)۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا نہ کی۔ صحیح بخاری میں یہ روایت مذکور ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہدائے اُحد کو دفن کرنے کا حکم دیا، ان پر نہ نماز جنازہ پڑھی نہ ہی انہیں غسل دیا گیا" یہ روایت ان روایات سے زیادہ اثبت ہے جن میں نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے"۔ یا پھر یہ کہ "الصلوٰۃ" دعا کے معنی میں ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو بھی اسی معنی پر محمول کرتے ہیں" آپ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھ سال بعد شہدائے احد کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ جس طرح کہ آپ میت پر دعائے خیر فرماتے تھے" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی گویا کہ آپ زندہ اور مرنے والوں کو الوداع فرما رہے تھے۔ آپ کے وصال کا وقت قریب تھا۔ آپ نے انہیں الوداعی سلام کیا تھا۔ امام سہیلی نے لکھا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نہیں کہ آپ نے غزوات میں شہید ہونے والے کسی صحابی کی نماز جنازہ پڑھی ہو۔ صرف یہ شہدائے احد کے بارے ایک روایت ہے۔ اسی طرح آپ کے بعد آئمہ میں سے بھی کسی نے شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ البتہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے روایت ہے کہ وہ حالت جنابت میں تھے۔ ملائکہ نے انہیں غسل دیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا بھی مثلہ کیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنے لیے یہ دعا مانگی تھی۔ غزوۂ احد سے ایک روز قبل انہوں نے عرض کی تھی "مولا! کل میری ملاقات ایسے شخص سے کرانا جو بہت بہادر ہو وہ مجھے شہید کر دے، پھر میری ناک کاٹ دے، پھر میرے کان کاٹ دے۔ جب میں تجھ سے ملاقات کروں تو تو پوچھے "عبد اللہ! تیرے ناک اور کانوں کو کیوں کاٹ دیا گیا؟ میں کہوں "تیرے اور تیرے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے" اللہ تعالیٰ فرمائے "تو نے سچ کہا ہے"۔

1۔ احناف کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے "عن عقبہ بن عامر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوما وصلی علی اہل احد صلوٰتہ علی المیت"۔ حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے اور شہدائے احد کی نماز جنازہ پڑھی۔
(صحیح البخاری: جلد: 1 ص: 179)

یہ موت کی وہ تمنا نہیں جس سے منع کیا گیا ہے۔ ایسی موت کی تمنا کرنے سے روکا گیا ہے جو اس نقصان کی وجہ سے ہو جس کا سامنا اس شخص کو کرنا پڑ رہا ہو۔ یہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار غزوہ احد کے روز ٹوٹ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی، وہ شاخ خرما ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ انہیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان کے ماموں تھے۔ کیونکہ ام عبداللہ امیمہ بنت عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن جحش کو ابوالحکم بن شریق الثقفی نے شہید کیا تھا۔ اسی روز ابوالحکم بھی مارا گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے موت کی وادی میں دھکیلا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عبداللہ بن عمرو اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔ کیونکہ ان کے درمیان دوستی تھی'' حضرت عبداللہ بن عمرو حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے والد گرامی قدر تھے۔ جبکہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بہن سے ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر زخم آیا تھا۔ ان کا ہاتھ ان کے چہرے پر تھا۔ ان کے چہرے سے ہاتھ ہٹایا گیا تو وہاں سے خون پھوٹ نکلا۔ ہاتھ اسی جگہ لوٹایا گیا تو خون رک گیا۔ حضرت عبداللہ اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہما کی قبر انور کو سیلاب نے نقصان دیا، قبر انور کھودی گئی تو انہیں اسی طرح تر و تازہ پایا گیا گویا کہ ان کا وصال کل ہی ہوا ہو۔ ان میں کچھ بھی تغیر رونما نہ ہوا تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ان کے جسم سے ہٹایا گیا۔ پھر چھوڑا گیا تو وہ اپنی جگہ پر دوبارہ چلا گیا۔ یہ واقعہ غزوہ احد سے چھیالیس سال بعد کا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہدائے احد کے مقبرہ کے درمیان سے نہر نکالنا چاہی اور انہوں نے شہداء کو منتقل کرنے کا حکم دیا تو ہم شہداء احد کے پاس آئے۔ ہم نے انہیں نکالا تو وہ تر و تازہ تھے۔ ان کے اعضاء اطراف میں مڑ جاتے تھے۔ اس وقت غزوہ احد کو تقریباً چالیس سال گزر چکے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مبارک قدم پر کدال لگ گئی، وہاں سے خون نکلنے لگا۔ ان کی قبور سے مشک جیسی خوشبو آتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت غزوہ احد کو پچاس برس گزر چکے تھے۔ مدینہ طیبہ کی زمین شوریدہ اور دلدلی تھی۔ جس میں میت ایک رات میں متغیر ہو جاتی تھی۔ شہدائے احد کے اجسام میں کوئی تغیر و تبدل نہیں آیا۔ کیونکہ زمین کسی معرکہ میں شہید ہونے والے لوگوں کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ جس طرح کہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام مطہرہ کو نہیں کھاتی۔ بعض راویوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ زمین قاری قرآن، باعمل عالم اور مؤذن کے اجسام نہیں کھاتی۔ طبرانی کی وہ حدیث مبارک بھی اسی کی تائید کرتی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اجر و ثواب کی نیت سے اذان دینے والا مؤذن خون میں لتھڑے ہوئے شخص کی طرح ہے۔ وہ اس شہید کی طرح ہے جسے قبر میں کیڑا نہیں کھاتا'' شیخ التتائی المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے:

لم تاكل الارض جسما للنبی ولا لعالم وشهيد قتل معترك
ولا لقاری قرآن ومحتسب اذا انه لا له مجری الفلك

''زمین نبی مکرم علیہ السلام کے جسم اطہر کو نہیں کھاتی نہ ہی عالم اور نہ ہی معرکہ میں شہید ہونے والے کے جسم کو کھاتی ہے۔ نہ ہی

قاریٔ قرآن اور مؤذن کے اجسام کو کھاتی ہے جب کہ وہ فلک کو رواں کرنے والے معبود برحق کی رضا کے لیے اذان دے"۔

حضرت خارجہ بن زید اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا، کیونکہ یہ ان کے بھتیجے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ کو نیزوں نے آلیا، انہیں دس سے زائد زخم آئے۔ صفوان بن امیہ ان کے پاس سے گزرا۔ اس نے انہیں پہچان لیا، اس نے انہیں شہید کر دیا۔ اس نے کہا "اب میرے دل کو شفاء نصیب ہوئی ہے جب کہ میں نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے افضل صحابہ (کرام) کو تہ تیغ کیا ہے۔ میں نے حضرات خارجہ بن زید، اوس بن ارقم اور ابو نوفل (رضی اللہ عنہم) کو شہید کیا ہے"۔ اسی صفوان نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ لوگ اپنے اپنے شہداء کو اٹھا کر مدینہ طیبہ لے گئے تھے تاکہ انہیں مدینہ طیبہ میں دفن کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منادی ان کے پاس گیا، وہ کہہ رہا تھا "شہداء کو ان کی قتل گاہوں کی طرف واپس لے چلو" منادی نے ایک شخص کو پایا جسے دفن نہیں کیا گیا تھا، اسے واپس لوٹا دیا گیا، جسے دفن کر دیا گیا تھا اسے وہیں رہنے دیا گیا۔

شانِ شہداء احد

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد کے شہداء کے بارے فرمایا "میں ان پر گواہ ہوں۔ جس زخمی کو کوئی بھی راہِ خدا میں زخم لگایا گیا روز حشر اللہ تعالیٰ اسے اس طرح اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون رواں ہوگا۔ اس کا رنگ خون کی مانند ہوگا جبکہ خوشبو مشک کی سی ہوگی"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب غزوۂ احد میں تمہارے بھائیوں کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں رکھا۔ وہ جنت کی نہروں پر جاتے ہیں۔ وہ جنت کے پھل کھاتے ہیں۔ سونے کی ان قندیلوں میں ان کا بسیرا ہے جو عرش الٰہی کے سایہ میں معلق ہیں۔ جب انہوں نے عمدہ کھانا اور بہترین مشروب دیکھا، خوبصورت مسکن دیکھا تو انہوں نے کہا "کاش ہمارے بھائی جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کتنا عمدہ سلوک کیا ہے۔ تاکہ وہ جہاد سے روگرداں نہ ہوتے، جنگ سے پیٹھ نہ پھیرتے" اللہ رب العزت نے فرمایا "میں تمہاری جانب سے انہیں یہ پیغام پہنچا دیتا ہوں" اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان آیات بینات کا نزول کیا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾

"اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے اللہ کی راہ میں وہ مُردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، اور رزق دیے جاتے ہیں۔ شاد ہیں ان نعمتوں سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آملے ان سے۔ ان سے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہیں۔ خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور اس پر کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا"۔ (آل عمران)

حضور نبی مکرم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اللہ رب العزت نے تمہارے والد گرامی کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا۔ اس نے فرمایا "مجھ سے مانگو میں تمہیں عطا کروں گا" انہوں نے عرض کی "تو مجھے دنیا میں بھیج دے۔ اپنے رستہ میں دوبارہ شہید ہونے کی توفیق عطا فرما" اللہ رب العزت نے فرمایا "یہ بات طے ہے کہ شہداء دنیا میں واپس نہیں جائیں گے" انہوں نے عرض کی "مولا! میرے پیچھے رہ جانے والوں کو میری طرف سے پیغام دے دے" اللہ تعالیٰ نے ان آیات طیبات کا نزول فرمایا جو اوپر مذکور ہوئیں ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میرے والد گرامی شہید ہو گئے تو میں رونے لگا۔ ان کے چہرہ سے کپڑا اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا۔ صحابہ کرام مجھے روکنے لگے۔ حضور ﷺ نے مجھے منع نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا "خواہ ان پر روؤ یا رونا بند کردو۔ ملائکہ ان پر اپنے پروں سے سایہ کناں تھے حتیٰ کہ وہ چلے گئے ہیں"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ وہ بعد میں میدان احد میں پہنچے تھے۔ حضرت بشیر بن عفرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "غزوۂ احد کے روز میرے والد گرامی شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ میرے پاس سے گزرے۔ میں رو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ عائشہ تمہاری ماں اور میں تمہارا باپ بن جاؤں" حضور ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ اس کا خاوند، بھائی، والد اور بیٹا غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ جب اسے ان کی شہادت کی خبر ملی تو اس نے پوچھا: حضور ﷺ کیسے ہیں؟ صحابہ کرام نے کہا "الحمد للہ! آپ خیر و عافیت سے ہیں۔ ام فلاں! آپ اس طرح ہیں جس طرح تم پسند کرتی ہو" اس نے کہا "مجھے آپ کی زیارت کراؤ" جب اس نے آپ کی زیارت کی تو وہ فوراً پکار اٹھی "آپ کی زیارت سے بہرہ مند ہو جانے کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے" ایک اور روایت میں ہے کہ وہ عورت اپنے بھائی، خاوند، بیٹے اور باپ کے پاس سے گزری۔ وہ سب شہید پڑے تھے۔ وہ جب بھی کسی شہید کے متعلق پوچھتی وہ کہتی: یہ کون ہے؟ اسے کہا گیا، یہ تمہارا بھائی ہے، خاوند، بیٹا اور والد گرامی ہیں"۔ اس نے کوئی آہ و فغاں نہ کی بلکہ وہ کہنے لگی "یا رسول! میرے والدین آپ پر فدا! جب آپ سلامت ہیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں"۔

ملائکہ کی حاضری

اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا میدانِ احد میں ملائکہ نے قتال کیا تھا یا نہیں۔ حضرت مجاہد نے کہا ہے "ملائکہ حاضر ہوئے تھے۔ مگر انہوں نے قتال نہیں کیا تھا، انہوں نے صرف غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا" حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "میں نے غزوۂ احد کے دن حضور ﷺ کے دائیں بائیں دو اشخاص دیکھے، جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ شدید قتال کر رہے تھے۔ ہم نے انہیں نہ پہلے دیکھا تھا نہ ہی بعد میں۔ وہ حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل تھے" امام بیہقی نے لکھا ہے "ان روایات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ملائکہ نے غزوۂ احد کے روز مسلمانوں کی طرف سے قتال نہ کیا ہو، بلکہ صرف حضور ﷺ کی طرف سے ہی قتال کیا ہو۔ لیکن حضرت حرث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے گھاٹی میں مجھ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے استفسار فرمایا، میں نے عرض کی "میں نے

انہیں پہاڑ کے دامن میں دیکھا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "ملائکہ ان کے ساتھ مل کر قتال کر رہے ہیں" حضرت حرث رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف واپس آیا ان کے سامنے مقتول پڑے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: کیا ان سب کو آپ نے تہ تیغ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا "اس اس کو تو میں نے قتل کیا ہے، مگر دیگر مقتولوں کو ایسی ذاتوں نے قتل کیا ہے جنہیں میں نے نہیں دیکھا" میں نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ نے سچ فرمایا ہے" بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس روز ملائکہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف سے قتال کیا تھا۔ جبکہ غزوۂ بدر میں سارے مسلمانوں کی طرف سے جہاد کیا تھا۔ پہلے یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ حضرت معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ان کی شکل کے فرشتہ نے وہ جھنڈا اٹھالیا۔ روایت ہے کہ جب فرشتہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کی شکل میں متشکل ہو گیا اور علم اسلام تھاما تو حضور ﷺ نے فرمایا "مصعب! آگے بڑھو! فرشتے نے آپ کی طرف توجہ کی اور عرض کی "میں مصعب نہیں ہوں" حضور ﷺ سمجھ گئے کہ یہ فرشتہ ہے۔

روایت ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب حضور ﷺ سے یہ سنا "مصعب آگے بڑھو" تو انہوں نے عرض کی "کیا مصعب شہید نہیں ہو گئے؟" آپ نے فرمایا "ہاں! ایک فرشتہ اس کی جگہ آ گیا ہے۔ اس کا نام بھی مصعب ہے" اس کے بعد حضور ﷺ نے جھنڈا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ دوسری روایت میں حضرت ابوروم رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے کچھ وقت کے لیے جھنڈا اٹھایا ہو۔

مدینہ طیبہ کی طرف واپسی

جب حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ سارے صحابہ کرام میدان احد سے باہر نکل آئے۔ وہ آپ کے اردگرد تھے۔ ان میں سے اکثریت زخمیوں کی تھی۔ آپ کے ہمراہ چودہ صحابیات بھی تھیں۔ آپ نے انہیں فرمایا "صف بندی کر لو حتیٰ کہ میں رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کروں" مردوں نے آپ کے پیچھے صفیں بنالیں، مردوں کے پیچھے خواتین نے صفیں بنالیں۔ آپ نے یوں حمد و ثناء کے گہر ہائے آبدار لوٹائے "پروردگار! ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ مولا! جسے تو کشادہ کرے، اس کو کوئی قبض کرنے والا نہیں۔ اور جسے تو تنگ کرے اسے کشادہ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو گمراہ کر دے۔ اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں جسے تو ہدایت دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں۔ جسے تو روک لے وہ کوئی دے نہیں سکتا اور جو تو عطا فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے تو دور کر دے اسے کوئی قریب کرنے والا کوئی نہیں اور جسے تو قریب کر دے اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔۔۔۔۔۔ الخ۔

پھر آپ ﷺ مدینہ طیبہ کی طرف توجہ فرما ہوئے۔ راستہ میں آپ ﷺ کو ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن اور آپ کی پھوپھی زادہ حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ملیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "حصول ثواب کے لیے صبر کرو" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! کس کے سر پر شہادت کا تاج سجا" آپ نے فرمایا "تمہارے ماموں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سر پر" انہوں نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ اللہ تعالیٰ انہیں مغفرت عطا کرے۔ انہیں شہادت مبارک ہو" پھر آپ نے فرمایا "حصول ثواب کے لیے صبر کرو" انہوں نے عرض کی "قبائے شہادت کسے نصیب ہوئی" آپ نے فرمایا "تمہارے

بھائی عبداللہ بن جحش کو' انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ انہیں شہادت کی مبارک باد دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''حصول اجر وثواب کے لیے صبر کرو' انہوں نے عرض کی ''کس نے جام شہادت نوش کیا؟ آپ نے فرمایا ''تمہارے خاوند مصعب بن عمیر نے'' حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا چلانے لگیں ''ہائے غم واندوہ!'' جب حضرت حمنہ کی اپنے خاوند کی شہادت کی خبر سن کر آہ وبکا آپ نے سماعت فرمائی اور ان کے بھائی اور ماموں کی شہادت پر ان کی ثابت قدمی ملاحظہ کی تو فرمایا ''عورت کے دل میں اس کے خاوند کا خاص مقام ہوتا ہے'' آپ نے ان سے پوچھا ''تم نے اس قدر غم واندوہ کا اظہار کیوں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''مجھے ان کے فرزندوں کی یتیمی یاد آ گئی تھی۔ آپ میرا مواخذہ نہ فرمائیں'' آپ نے حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعائے خیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ان پر شفیق بنا دے'' حضرت حمنہ رضی اللہ عنہا نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا۔ وہ ان کی اولاد سے سارے لوگوں سے بڑھ کر صلہ رحمی کرتے تھے۔ ان کے ہاں محمد بن طلحہ پیدا ہوئے۔

مدینہ طیبہ میں جلوہ افروزی

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضور ﷺ کی طرف دوڑتی ہوئی آئیں۔ حضور ﷺ ابھی تک اپنے گھوڑے پر ہی تشریف فرما تھے۔ ان کے فرزند دلبند گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! امی جان! آپ ﷺ نے فرمایا ''انہیں خوش آمدید! آپ ﷺ ان کے لیے رک گئے۔ جب وہ قریب ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے فرزند ارجمند حضرت عمرو بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تعزیت کی۔ انہوں نے عرض کی ''آپ کو صحیح و سالم دیکھ کر یہ مصیبت قلیل لگنے لگی ہے'' آپ ﷺ نے حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''ام سعد! خوش ہو جاؤ، اپنے اہل خانہ کو بشارت دو کہ ان کے شہداء جنت میں اکٹھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کے بارے شفاعت کی ہے'' حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! ہم راضی ہیں۔ اس مژدۂ جانفزاء کے بعد ان پر کون روئے گا؟ پھر عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! جو پیچھے رہ گئے ہیں ان کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ''مولا! ان کے دلوں کے حزن کو دور فرما۔ ان کی مصیبت پر انہیں اجر عطا فرما۔ انہیں بہترین جانشین بنا''۔

حضور ﷺ نے سماعت فرمایا کہ انصار کی عصمت شعار خواتین اپنے شوہروں، بیٹوں اور بھائیوں پر آہ وفغاں کر رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا ''حمزہ پر رونے والا کوئی نہیں'' آپ کی مازاغ کے کحل والی سرگیں آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ شاید حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور لخت جگر مدینہ میں نہ تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی اور اپنی قوم کی خواتین کو حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کے کاشانہ اقدس میں جائیں اور مغرب سے لے کر عشاء تک حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر گریہ وزاری کریں۔ اسی طرح حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اپنی اور اپنی قوم کی پاکیزہ خواتین کو حکم دیا کہ وہ حضور ﷺ کے کاشانہ اقدس میں جائیں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر روئیں۔ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو گھوڑے سے نیچے اتارا۔ آپ ان کے ساتھ ہی ٹیک لگائے کاشانہ اقدس میں داخل ہو گئے۔

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان مغرب دی۔ جب حضور ﷺ نماز مغرب ادا فرمالینے کے لیے کاشانہ اقدس سے باہر

تشریف لائے تو آہ و بکا ء سماعت فرمائی۔ استفسار فرمایا: یہ کیا ہے؟ آپ سے عرض کی گئی "انصار کی خواتین حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر آہ و بکا کر رہی ہیں" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کی اولاد سے راضی ہو" خواتین کو اپنے اپنے گھروں میں جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

دوسری روایت کے مطابق آپ رات کا تہائی حصہ گزارنے کے بعد عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے باہر تشریف لائے۔ شفق غائب ہوتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان عشاء دے دی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادائیگی نماز کے لیے تشریف نہ لائے۔ جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نماز! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے۔ باہر تشریف لائے۔ خواتین انصار ابھی تک مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس ہی تھیں۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رو رہی تھیں۔

ان روایات میں اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے جب آپ نماز مغرب کے بعد واپس آئے تو خواتین کا ایک گروہ گریہ وزاری کر رہا ہو اور اب گریہ وزاری کرنے والا گروہ دوسرا طائفہ ہو" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "اب تم واپس چلی جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ تم نے خوب اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انصار پر رحم کرے۔ ہمدردی کرنا ان کی فطرت میں شامل ہے" اس کے بعد انصار کی عفت مآب خواتین کسی بھی میت پر آہ و زاری کرنے سے قبل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر آہ و فغاں کرتی تھیں۔ پہلے ان پر روتیں۔ پھر اپنے مرنے والے پر روتیں۔ اوس اور خزرج کے جوانوں نے وہ رات کاشانہ اقدس کے دروازہ پر پہرہ دیتے ہوئے گزاری کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر قریش واپس مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ آئے۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواتینِ انصار کو نوحہ کرنے سے روک دیا تھا۔ انصار نے آپ کی خدمت میں گزارش کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تک خبر پہنچی ہے کہ آپ نے نوحہ کرنے سے روک دیا ہے۔ اس نوحہ کے ساتھ ہی ہم اپنے مردوں پر روتے ہیں اور کچھ راحت پاتے ہیں۔ ہمیں اس میں کچھ اجازت مرحمت فرمائیں" آپ نے فرمایا "اگر وہ کرنا ہی چاہتی ہیں تو پھر وہ تھپڑ نہ ماریں، رخسار نہ پیٹیں، بال نہ نوچیں اور گریبان چاک نہ کریں"۔

غزوۂ احد میں شہید ہونے والے شہداء کی تعداد 72 ہے۔ جس میں سے چار مہاجر صحابہ کرام تھے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہ۔

دوسری روایت کے مطابق شہداء کی تعداد 80 تھی، جن میں انصار کی تعداد 74 تھی۔ مہاجرین کی تعداد 6 تھی۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے "شاید پانچویں شہید حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے غلام حضرت سعد ہوں۔ اور چھٹے حضرت ثقیف بن عمر، بنو عبد شمس کے حلیف ہوں۔ مشرکین کے مقتولوں کی تعداد 23 بیان کی جاتی ہے۔ مگر یہ تعداد محل نظر ہے۔ روایت ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اکتیس مشرکین کو واصل جہنم کیا تھا، شاید مشرکین نے بعض مقتولوں کو دفن کر دیا ہو، یا انہیں اٹھا کر لے گئے ہوں۔

منافقین کی مسرت وخوشی

جب منافقین نے مسلمانوں کی یہ آہ وبکا سنی تو انہوں نے عداوت کا اظہار کر دیا۔ منافقین اور یہود بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ انہوں نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو تخت وتاج کے طلب گار ہیں۔ کسی نبی کو کبھی بھی ایسے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ انہیں خود بھی زخم آئے، ان کے اصحاب کو بھی زخم آئے اور شہید ہوئے۔ منافقوں نے کہا ''اگر یہ شہید ہونے والے ہمارے پاس ہوتے تو وہ اس طرح قتل نہ ہوتے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسے منافقین کو تہ تیغ کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''وہ یہ گواہی دیتے ہیں مگر تلوار کے خوف سے دیتے ہیں۔ اب ان کا معاملہ عیاں ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کینہ عیاں کر دیا ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو اس طرح کی گواہی دے مجھے اس کے قتل سے روک دیا گیا ہے'' عبداللہ بن ابی اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو جھڑکنے لگا۔ وہ بھی اس غزوہ میں زخمی ہوئے تھے۔ اس کے فرزند نے کہا ''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے کیا ہے وہ بہتر ہے'' عبداللہ بن ابی کی عادت تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو یہ اٹھتا اور کہتا ''لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے سامنے جلوہ افروز ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت وتکریم عطا کی ہے۔ ان کی مدد اور اعانت کرو۔ ان کی بات غور سے سنو اور اطاعت بجالاؤ'' پھر یہ بیٹھ جاتا۔ غزوۂ احد کے بعد بھی اس نے اسی طرح کرنا چاہا۔ جب یہ اٹھا تو مسلمانوں نے اسے کپڑوں سے پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا ''اللہ کے دشمن! بیٹھ جا۔ تو یہ بات کرنے کا اہل نہیں۔ اب تیرا کردار طشت از بام ہو چکا ہے۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے مسجد سے نکل گیا۔ وہ کہہ رہا تھا ''گویا کہ میں نے بری بات کی ہے'' بعض انصاری صحابہ کرام نے اسے کہا ''بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واپس جاؤ تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے لیے مغفرت طلب کریں'' اس سیاہ قسمت نے کہا ''بخدا! میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں''۔

زہرہ گداز حالات میں مضمر حکمتیں

اللہ رب العزت نے سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کا تذکرہ کیا ہے:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (آل عمران: 121)

''اور یاد کرواے محبوب جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے اور میدان اُحد میں بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لیے''۔

اللہ رب العزت نے اس حکمت کا تذکرہ کیا کہ مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی تو انہیں کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ کی مخالفت کے برے انجام سے ڈرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیر انداز دستہ کو ٹیلے پر متعین فرمایا۔ پھر انہیں حکم دیا کہ وہ اس جگہ سے نہ ہٹیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ عَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران)

''اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جبکہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمہیں اور بے شک اس نے معاف کر دیا تم کو اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر''۔

اس غزوہ میں دوسری یہ حکمت کارفرما تھی کہ عادتِ الٰہی یہ ہے کہ وہ اپنے رسل عظام کو آزماتا ہے۔ بالآخر فتح اور کامیابی ان کا مقدر ہی ٹھہرتی ہے۔ اگر ہمیشہ ان کی ہی نصرت کی جاتی تو مسلمانوں میں وہ لوگ بھی شامل ہو جاتے جو ان سے نہیں ہوتے۔ اور سچے اور جھوٹے کی تمیز نہ ہو سکتی۔

وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''تاکہ آزمائے اللہ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا تھا) اور صاف کر دے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا۔ اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کے رازوں کا''۔ (آل عمران)

اگر ہمیشہ انبیائے عظام علیہم السلام کو ہی غلبہ نصیب ہوتا تو ان کی بعثت کا مقصود پورا نہ ہوتا۔ حکمت یہ دونوں امور جمع ہونے کا تقاضا کرتی ہے تاکہ کھوٹے اور کھرے کی پہچان ہو سکے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ

''نہیں ہے اللہ کی شان کے چھوڑ رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے''۔ (آل عمران: 179)

منافقین کا نفاق اہل ایمان پر مخفی اور مستور تھا، جب یہ واقعہ رونما ہوا تو منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ جس طرح کہ وہ ذلیل و رسوا ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا ''اگر ہم جنگ کی رموز سے آشنا ہوتے تو ہم ضرور تمہاری پیروی کرتے'' جو کچھ منافقین اپنے دلوں میں چھپائے ہوتے تھے اور جو کچھ ان کی زبانوں پر تھا اور جسے وہ مسلمانوں سے مخفی رکھتے تھے۔ وہ سب کچھ ظاہر ہو گیا۔ مسلمانوں کو علم ہو گیا کہ ان کے دشمن ان کے گھروں میں ہی ہیں۔ وہ ان کیلئے بھی تیاری کرنے لگے اور ان سے بچاؤ کرنے لگے۔

ان زہرہ گداز حالات میں یہ حکمت بھی مضمر تھی کہ بعض مقامات پر نصرت کی تاخیر نفس کے تکبر و تفاخر اور بغاوت و سرکشی کو توڑتی ہے۔ جب اہل ایمان کو آزمایا گیا تو انہوں نے صبر کیا۔ منافقین نے جزع و فزع کا اظہار کیا۔ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے دار الکرامۃ میں اہل ایمان کے لیے ایسے مناصب اور منازل مقرر کر رکھے ہیں جن پر وہ صرف اپنے اعمال کی بناء پر فائز نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ابتلاء اور محن کے اسباب پیدا فرما دیے۔ تاکہ مسلمان ان بلند مقامات پر فائز ہو جائیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

''کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں۔ حالانکہ کہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنھوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو''۔ (آل عمران)

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے۔ ''کیا تم نے گمان کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور کرامت وعزت کے مقام پر فائز ہو جاؤ گے حالانکہ میں نے تمہیں تکلیف سے آزمایا نہیں۔ مشکل حالات میں تمہیں ڈالا ہی نہیں۔ حتیٰ کہ میں ایمان میں تمہاری صداقت کو دیکھ لوں اور ان مصائب پر تمہارا صبر دیکھ لوں''۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شہادت اولیاء کے بلند ترین مراتب میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں عزت واکرام کے ساتھ اس کی طرف لے گیا۔ ان میں سے بعض کے سروں پر شہادت کا تاج زرنگار سجایا۔ صحابہ کرام دشمن سے آمنا سامنا ہونے سے قبل اس کی تمنا بھی کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ (آل عمران)

''اور تم آرزو کرتے تھے موت کی اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو۔ پس اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم (آنکھوں سے) مشاہدہ کر رہے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُھَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ (آل عمران)

''اگر لگی تمہیں چوٹ تو (بدر میں) لگ چکی ہے (تمہاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی اور یہ (ہار جیت) کے دن ہم پھراتے رہتے ہیں ان لوگوں میں۔ اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مجھے اس ذات بابرکات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر ایسے مرد نہ ہوتے جس کے نفوس مجھ سے پیچھے رہ جانا پسند نہ کرتے نہ ہی میں ایسی سواری پاتا جس پر انہیں سوار کرتا تو میں کسی بھی ایسی جنگ میں پیچھے نہ رہتا جو فی سبیل اللہ ہوتی۔ مجھے اس ذات بے ہمتا کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میری تمنا ہے کہ مجھے راہ خدا میں شہید کیا جائے، پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر شہید کر دیا جائے، پھر زندہ کیا جائے، پھر شہید کیا جائے، پھر زندہ کیا جائے''۔

ان حالات میں ایک مضمر حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا۔ ان کے لیے ایسے اسباب بنائے جس سے وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے۔ انہوں نے یہ عقیدہ بنا لیا کہ انہیں مسلمانوں پر نصرت و فتح یابی نصیب ہوئی۔ جس سے ان کے کفر و تمرد اور سرکشی و بغاوت میں اضافہ ہو گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو پہلے سے زیادہ ستانے لگے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو صیقل زدہ کر دیا۔ اور کافروں کو مٹا کر رکھ دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ (آل عمران)

''اور اس لیے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو''۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ غلبہ مسلمانوں کے خلاف ہو تو اس کا مقصود شہادت، تمیز اور صیقل کرنا ہوتا ہے۔ اگر کافروں کے خلاف ہو تو انہیں مٹانا اور ان کے آثار کو ختم کرنا ہوتا ہے''۔

ایک مخفی حکمت یہ بھی ہے کہ جب انبیائے عظام کو بعض دنیوی عوارض مثلاً زخم، تکالیف یا امراض پہنچتی ہیں تو اس سے ایک تو ان کے اجر و ثواب میں اضافہ مقصود ہوتا ہے۔ دوسرا ان کے پیروکاروں کے لیے سنت قائم کرنا مدعا ہوتا ہے تاکہ وہ بھی مصائب و آلام کی سیاہ آندھی میں صبر کا دامن نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (آل عمران)

''گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے) قاعدے پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ کیسا انجام ہوا (دعوت حق کو) جھٹلانے والوں کا۔ یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے اور نہ (تو) ہمت ہارو نہ غم کرو اور تم ہی سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ (آل عمران)

''اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ بہت سے اللہ والوں نے سو نہ ہمت ہاری انہوں نے بوجہ ان تکلیفوں کے جو پہنچیں انہیں اللہ کی راہ میں، اور نہ کمزور ہوئے اور نہ انہوں نے ہار مانی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے تکلیفوں میں صبر کرنے والوں سے۔ اور نہیں تھی ان کی گفتگو بغیر اس کے کہ کہا انہوں نے: اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں کیں ہم نے اپنے کام میں اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح دے ہم کو قوم

کفار پر"۔

امام ابن اسحاق نے تحریر کیا ہے "اللہ رب العزت نے غزوۂ احد کی شان میں سورۂ آل عمران کی ساٹھ آیات نازل کیں۔
حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے عرض کی "مجھے غزوۂ احد کے بارے بتائیں" انہوں نے فرمایا "سورت آل عمران کی ایک سو بیس آیات پڑھ لیں ساری داستانِ عشق و محبت انہیں میں بیان کی گئی ہے"۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (آل عمران)

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

غزوہ حمراء الاسد

حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور ایک مقام کا نام ہے۔ اگر ذوالحلیفہ کا قصد کیا جائے تو یہ بائیں سمت آتا ہے۔ یہ غزوہ، غزوۂ احد کے دوسرے روز ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس کا مقصد دشمن کا تعاقب اور اس کی جستجو تھا۔ غزوۂ احد ہفتہ کے روز رونما ہوا تھا۔ شوال کے سولہ دن بیت چکے تھے۔ ہجرت کو 32 ماہ گزرنے کو تھے۔ امام واقدی نے لکھا ہے "دشمن کی کثرت کے خوف سے انصار جوان ساری شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اقدس کا پہرہ دیتے رہے۔ جب فجر طلوع ہوئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان صبح دی تو حضرت عبداللہ بن عمرو اور مزنی بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ مزنی نے عرض کی کہ وہ ملل سے اپنے اہل خانہ کے پاس سے آیا ہے۔ قریش کا لشکر وہاں خیمہ زن ہے۔ اس نے انہیں یوں کہتے ہوئے سنا ہے "تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم نے ان کی طاقت وقوت کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر تم نے انہیں اسی طرح چھوڑ دیا ہے۔ انہیں تباہ نہیں کیا۔ ابھی ان کی کلیدی شخصیات باقی ہیں۔ وہ تمہارے لیے لوگوں کو جمع کریں گے۔ واپس چلو، بقیہ افراد کو بھی جڑ سے اکھیڑ پھینکو"۔ ان کی اس رائے سے صفوان بن امیہ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا: اس طرح نہ کرو۔ ان مسلمانوں کو سخت غصہ آیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ بقیہ افراد کو بھی تمہارے خلاف جمع کرلیں گے، واپس لوٹ چلو، تمہیں فتح نصیب ہوگئی ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر تم واپس لوٹے تو تمہارے مقدر میں صرف شکست ہوگی"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "صفوان نے انہیں سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ حالانکہ وہ خود ہدایت یافتہ نہیں ہے۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! ان کیلئے پتھروں پر نشانات لگائے جا چکے تھے، اگر وہ واپس لوٹ کر آتے تو وہ گزشتہ کل کی طرح ہو جاتے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما سے مشاورت کی اور انہیں مزنی کی بات بتائی، ان دونوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! دشمن کا تعاقب کریں تاکہ وہ ہماری اولاد پر حملہ آور نہ ہو جائے"۔ جب آپ نے نماز صبح پڑھائی صحابہ کرام زخموں سے چور چور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ خروج کا اعلان کریں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یوں ندا دی "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دشمن کا تعاقب کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ

ہمارے ساتھ صرف وہی نکلے جس نے کل غزوۂ احد میں شرکت کی ہو" آپ کا مقصود دشمن کے لیے طاقت وشوکت کا اظہار کرنا تھا۔ تاکہ صحابہ کرام کا زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود جہاد کے لیے نکلنے سے دشمن اندازہ لگائے کہ ان میں انتہائی درجہ کی قوت ہے۔ وہ ایمان میں راسخ ہیں۔ اور اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کرتے ہیں۔ اس سے آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ غزوۂ احد میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام کی عظمت کو آشکارا کیا جائے اور تاکہ منافقین مسلمانوں کے ہمراہ نہ آسکیں۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب مشرکین چلے گئے تو آپ کو اندیشہ ہوا کہ وہ کہیں لوٹ کر نہ آجائیں۔ آپ نے فرمایا "ان کے تعاقب میں کون نکلے گا؟ ستر صحابہ کرام نے لبیک کہا۔ ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرات عمر، عثمان، علی، عمار، طلحہ، سعد، ابن عوف، ابوعبیدہ، حذیفہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی صدا پر لبیک کہا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں "اہل مغازی کے ہاں مشہور یہی ہے کہ جن صحابہ کرام نے غزوۂ احد میں شرکت کی۔ وہ سارے کے سارے غزوہ حمراء الاسد کے لیے نکلے۔ ان کی تعداد سات سو تھی جن میں سے ستر منصب شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔

علامہ شامی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے "ظاہر بات یہی ہے کہ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اہل مغازی کے اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ ام المومنین کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ ان ستر افراد نے دیگر لوگوں سے پہلے لبیک کہا پھر بقیہ نے بھی شرکت کی۔ آپ دشمن کو بھگانے کے لیے نکلے تھے۔ جبکہ آپ کو اطلاع ملی کہ مشرکین واپس آنا چاہتے ہیں تو آپ انہیں ڈرانے کے لیے عازم سفر ہوئے تاکہ وہ واپس نہ آسکیں۔ نیز یہ کہ جب انہیں آپ کے تعاقب کی خبر ملی تو وہ مسلمانوں کی قوت وشوکت کا کچھ اندازہ کر سکیں۔ انہیں علم ہو جائے کہ انہیں لگنے والے زخموں نے انہیں کمزور نہیں کیا۔ وہ اپنے زخموں کی مرہم پٹی میں مشغول نہیں ہوئے۔ حالانکہ صحابہ کرام کے ہمراہ ایسے بلند اقبال افراد بھی تھے جنہیں ستر سے زائد زخم آئے تھے۔

ابن سعد نے لکھا ہے "حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ آپ زخمی تھے۔ آپ نے تین افراد دشمن کے پیچھے بھیجے۔ ان میں سے دو مشرکین کے ساتھ حمراء الاسد کے مقام پر جا ملے۔ انہوں نے مشرکین کو سنا۔ وہ شور وغل مچا رہے تھے وہ واپسی کا مشورہ دے رہے تھے۔ صفوان انہیں روک رہا تھا۔ انہوں نے دو افراد دیکھے تو انہیں قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ راستہ بتانے والے تھے۔ حتیٰ کہ آپ حمراء الاسد کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ آپ نے وہاں دو اشخاص مقتول پائے تو انہیں دفن کر دیا۔

امام نسائی اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب مشرکین میدان احد میں واپس لوٹے تو انہوں نے کہا "نہ تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تم نے شہید کیا ہے نہ ہی دوشیزاؤں کو گرفتار کیا ہے۔ تم نے کتنا برا کیا ہے۔ واپس لوٹ چلو" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات سن لی۔ آپ نے صدائے جہاد بلند فرمائی تو مسلمانوں نے آپ کی اس مبارک آواز پر لبیک کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں لے کر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ حمراء الاسد یا بئر ابی عتبہ تک پہنچ

گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بینات نازل کیں۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۚ (آل عمران)

''جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں گہرا زخم۔ ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجرِ عظیم ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ زخمی تھے۔ آپ کے روئے تاباں پر خود کی کڑیوں کے زخم تھے۔ دندان مبارک شہید ہو چکے تھے۔ لب مبارک زخمی تھا، مبارک گھٹنوں پر خراشیں آئی تھیں۔ پھر بھی آپ عازم سفر ہو گئے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا ''طلحہ! تمہارے ہتھیار کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کی ''قریب ہی ہیں'' وہ گئے اور اپنے ہتھیار لے آئے۔ انہیں ستر سے زائد زخم آئے تھے۔ ایک زخم سینے پر بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ''طلحہ! تمہارے گمان کے مطابق مشرکین کہاں ہوں گے؟ انہوں نے عرض کی ''سیالہ'' کے مقام پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرا گمان بھی یہی ہے'' اب وہ اس طرح کا حملہ ہم پر نہیں کر سکیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ فتح فرما دے گا'' آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ابن خطاب! اب قوم قریش ہم پر اس طرح حملہ نہ کر سکے گی حتیٰ کہ ہم حجر اسود کو چوم لیں گے'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حمراء الاسد تک پہنچے وہاں آپ نے سوموار، منگل اور بدھ کے روز قیام فرمایا۔ ان راتوں میں مسلمان پانچ سو مقامات پر آگ جلاتے تھے، وہ آگ دور دراز سے نظر آتی تھی۔ لشکر اسلام اور اس آگ کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ اس غزوہ میں علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمراء الاسد کے مقام پر معبد بن ابی معبد الخزاعی سے ملاقات کی۔ وہ اس وقت مشرک تھا۔ بعد میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ بنو خزاعہ مسلمانوں کے رازداں تھے۔ ان کے مسلمان اور کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خلوص کا اظہار کرتے تھے۔ وہ سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔ معبد بن ابی معبد نے عرض کی ''محمد عربی! (صلی اللہ علیک وسلم) بخدا! جو تکلیف آپ کو اور آپ کے صحابہ کرام کو پہنچی ہے وہ ہم پر بڑی گراں گزری ہے۔ ہماری تمنا تھی کہ رب تعالیٰ آپ کو رفعتیں عطا فرماتا اور یہ مصیبت کسی اور پر آتی'' پھر وہ چلا وہ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں سے ملا۔ وہ ''الروحا'' کے مقام پر تھے۔ انہوں نے واپس جانے پر اتفاق کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا ''میدان احد میں ہم نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بڑے بڑے سرداروں کو شہید کیا ہے۔ پھر ہم انہیں جڑ سے اکھیڑے بغیر ہی واپس آ گئے ہیں۔ اب ہم ان پر دوبارہ حملہ کریں گے اور ان سے فارغ ہو جائیں گے''۔ جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا تو اس سے پوچھا ''پیچھے کی خبر کیا ہے؟ اس نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے صحابہ کو لے کر تمہارے تعاقب میں نکل آئے ہیں۔ میں نے آج تک اتنا بڑا لشکر جرار نہیں دیکھا۔ وہ غصے کی وجہ سے تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس روز جو صحابہ کرام پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ مل گئے

ہیں۔ انہیں اپنے کیے پر ندامت ہے۔ وہ اتنے غیظ و غضب میں ہیں کہ میں نے آج تک اتنا غصہ نہیں دیکھا۔ ابوسفیان: اب تمہاری کیا رائے ہے؟ معبد: ابوسفیان! ان کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھنے سے قبل کوچ کر جاؤ۔ ابوسفیان نے کہا: ہم نے تو ارادہ کر لیا تھا کہ ہم ان پر دوبارہ حملہ آور ہو کر انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکیں گے۔ معبد نے کہا: میں تمہیں یہ غلطی کرنے سے روکتا ہوں" قریش مکہ رعب و دبدبہ سے بھر گئے۔ وہ مکہ مکرمہ واپس لوٹ آئے"۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا۔ وہ مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوسفیان نے تمہارے ساتھیوں کو شہید کیا تھا۔ اب رب تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا ہے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو لے کر مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ صحابہ کرام کو کسی اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ آپ جمعۃ المبارک کو مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے۔ اس مہم میں آپ کے پانچ ایام صرف ہوئے۔ واپسی پر آپ نے معاویہ بن مغیرہ کو گرفتار کر لیا۔ یہ عبدالملک بن مروان کا دادا تھا۔ آپ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔

اس داستان کا لب لباب یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ میدان احد سے واپس آئے تو معاویہ بن مغیرہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آیا اور دستک دی۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں حضرت عثمان کا چچا زاد ہوں" انہوں نے فرمایا: وہ تو یہاں موجود نہیں" معاویہ نے کہا "ان کی طرف پیغام بھیجو۔ میرے پاس ان کے اونٹ کی قیمت ہے۔ میں نے ان سے اونٹ خریدا تھا" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے اسے دیکھا تو فرمایا "تو نے مجھے بھی ہلاک اور خود کو بھی برباد کر دیا ہے" معاویہ نے کہا: چچازاد! مجھ پر رحم کرنے کا آپ سے بڑھ کر اور کوئی مستحق نہیں" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے گھر میں داخل کر لیا اور ایک گوشے میں چھپا دیا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے کے لیے گھر سے باہر نکلے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "معاویہ مدینہ طیبہ میں ہے۔ اسے تلاش کرو" صحابہ کرام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر آئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو علم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا تو انہوں نے صحابہ کرام کو اس کونے کی طرف اشارہ کیا جہاں معاویہ چھپا ہوا تھا۔ صحابہ کرام نے اسے باہر نکالا۔ اور اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں آپ کی خدمت میں اس کے لیے امان لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپ اسے میرے لیے امان عطا فرمائیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے امان عطا فرما دی۔ اسے تین دن کی مہلت دی اور فرمایا "اگر وہ تین ایام کے بعد ادھر پایا گیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا" آپ حمراء الاسد کی طرف تشریف لے گئے۔ معاویہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات اکٹھا کرنے میں مصروف رہا۔ تاکہ قریش مکہ کو ان سے آگاہ کرے۔ چوتھے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔ معاویہ دوڑتے ہوئے باہر نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم معاویہ کو فلاں جگہ پاؤ گے اسے قتل کر دو" حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما نے اسے اسی جگہ پایا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ انہوں نے اسے تہ تیغ کر دیا۔ دوسری روایت کے مطابق وہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں لے کر آئے۔ آپ نے اس

کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسے تہ تیغ کر دیا"۔

سیرت ابن ہشام میں ہے آپ ﷺ نے ابوعزہ عمرو بن عبداللہ الجمحی کو گرفتار کر لیا۔ اسے غزوۂ بدر میں بھی گرفتار کیا تھا۔ پھر اس کی بچیوں کی وجہ سے فدیہ کے بغیر ہی اسے آزاد کر دیا تھا، یہ شاعر تھا یہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی ہجو کرتا تھا۔ لوگوں کو جنگ پر ابھارتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اب وہ دوبارہ ایسے گندے امور میں مشغول نہیں ہوگا۔ جب حضور ﷺ نے اس پر احسان فرمایا، اسے چھوڑ دیا تو یہ مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔ اپنے عہد کی پاسداری نہ کی۔ وہ دوبارہ ہجو میں مصروف ہوگیا۔ غزوۂ احد کے روز یہ مشرکین کے ہمراہ نکلا، یہ اپنی حالت پر ہی تھا جب مشرک قوم نے حمراء الاسد میں قیام کیا تو یہ ان کے ساتھ ہی خیمہ زن ہوا۔ پھر مشرکین آگے روانہ ہو گئے۔ اسے سوتا ہوا چھوڑ گئے۔ مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ حضور ﷺ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کے متعلق بتایا تھا جب آپ نے ابوعزہ کو گرفتار کر لیا تو اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے معاف فرمائیں، مجھ پر احسان فرمائیں۔ مجھے میری بیٹیوں کے لیے چھوڑ دیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مجھ سے دوبارہ یہ فعل صادر نہیں ہوگا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم نہیں! اب تجھے معافی نہیں مل سکتی کہ تو اپنے ہاتھ اپنے رخساروں پر رکھ کر مکہ مکرمہ میں جا کر کہے "میں نے دو دفعہ محمد عربی (ﷺ) کو دھوکہ دیا ہے" دوسری روایت میں ہے "تو اپنی داڑھی کو مس کرے اور حجر میں بیٹھ کر کہے "میں نے محمد عربی (ﷺ) کو دھوکہ دیا ہے" دوسرے الفاظ یہ ہیں "میں نے محمد عربی (ﷺ) پر دوبار جادو کیا ہے۔ ایک مومن کو ایک بل سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔ زبیر! اس کی گردن اڑا دو۔ دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا "عاصم بن ثابت" انہوں نے کہا "میں نے اس کی گردن اڑا دی" اس کے متعلق قرآن پاک کی یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾ (انفال)

"اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیران کیوں ہو) انہوں نے تو دھوکہ کیا ہے اللہ سے پہلے ہی (اسی لیے) تو اللہ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے"۔

اسے قتل کر کے اس کا سر نیزے پر اٹھا کر مدینہ طیبہ لایا گیا۔ یہ پہلا سر تھا جسے نیزہ پر اٹھا کر مدینہ طیبہ لایا گیا، اس میں کوئی مخالفت نہیں کہ پہلا سر کعب بن اشرف کا لایا گیا تھا"۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان "مؤمن کو ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جا سکتا" کا مفہوم یہ ہے کہ مرد مؤمن کو انتہائی احتیاط کرنا چاہیے' ایسی نادر و نایاب ضرب المثل آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنی گئی۔

اسی سال حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ہجرت کا تیسرا سال تھا۔ نصف رمضان المبارک گزر چکا تھا۔ اسی سال غزوۂ اُحد کے بعد شوال میں شراب حرام کر دی گئی۔

سریہ ابی سلمہ

ہجرت مصطفی ﷺ کو 35 ماہ گزر چکے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کو "قطن" کی طرف بھیجا۔ یہ فید کی ایک طرف ایک پہاڑ کا نام ہے۔ فید نجد میں بنو اسلم کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت

ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو 150 مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ مجاہدین میں حضرت ابو عبیدہ، حضرت سعد، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت ابو نائلہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

یہ لشکر طلیحہ اور سلمہ کی جستجو میں نکلا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ یہ دونوں اپنے لوگوں اور حلیفوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے پر اکسا رہے ہیں۔ قیس بن حرث نے انہیں روکا۔ مگر انہوں نے اس کی بات نہ مانی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو سلمہ کو طلب فرمایا۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ انہیں حکم دیا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ بنو اسد بن خزیمہ کی سرزمین میں جاؤ اور ان پر حملہ آور ہو جاؤ" حضرت ابو سلمہ تیزی سے عازم سفر ہوئے۔ وہ "قطن" کے قریب پہنچے انہوں نے ایک چراگاہ پر حملہ کر دیا۔ اس میں ان کے چرواہے تھے۔ انہوں نے تین غلام پکڑ لیے۔ باقی بھاگ گئے۔ دوسری روایت میں ہے "بنو اسد گھروں کو خالی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو بہت سے اونٹ اور بکریاں بطور مال غنیمت ملیں۔ مگر جنگ کی نوبت نہ آئی۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابو سلمہ نے مجاہدین کے تین گروہ بنا لیے۔ ایک گروہ ان کے ساتھ رہا دوسرے دو نے گرد و نواح میں حملہ کر دیا۔ مگر وہ بھی صحیح و سالم واپس آ گئے۔ بہت سی بکریاں اور مویشی بطور مال غنیمت ملے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ انہیں لے کر مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غلام ولید بن زید الطائی کو عطا کیا۔ وہ اس سفر میں راہ نما تھا۔ پھر خمس نکالا، بقیہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ ہر مجاہد کو سات اونٹ اور کچھ بکریاں حصہ میں آئیں۔ اس مہم میں دس روز صرف ہوئے۔

سریہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اکیلے ہی ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ سوموار کا روز تھا، محرم الحرام کے پانچ روز گزر چکے تھے۔ ہجرت کو 35 ماہ گزر چکے تھے۔ آپ نے انہیں سفیان بن خالد کو قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ "عرنہ" کے مقام پر تھا۔ یہ جگہ عرفہ کے قریب ہی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ وہ آپ سے جنگ کرنے کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس کے پاس جاؤ اور اسے قتل کر دو" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے لیے اس کا حلیہ بیان کریں حتیٰ کہ میں اسے پہچان لوں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب تم اسے دیکھو گے تو خوفزدہ ہو جاؤ گے۔ تم کپکپی محسوس کرو گے۔ تمہیں شیطان یاد آ جائے گا" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں لوگوں سے ڈرتا نہیں تھا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں تو کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرا" آپ نے فرمایا "اس کے اور تمہارے مابین علامت یہی ہے"۔

میں نے کچھ عرض کرنے کی اجازت مانگی تو فرمایا "کہو" میں نے عرض کی "میں خود کو بنو خزاعہ کی طرف منسوب کروں گا" میں نے تلوار لی اور سفر پر روانہ ہو گیا۔ میں خود کو بنو خزاعہ کا ایک فرد ظاہر کر رہا تھا۔ جب میں "عرنہ" پہنچا تو میں نے اس سے ملاقات کی۔ اس کے پیچھے پیچھے احابیش تھے۔ میں اسے دیکھ کر مرعوب ہو گیا۔ میں اسے پہچان گیا۔ میں نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے" جب میں نے اسے دیکھا تو عصر کا وقت تھا، میں نے نماز عصر پڑھی۔ میں چلا، اسے سر سے اشارہ کیا، پھر اس کے قریب ہو گیا۔ اس نے پوچھا "تمہارا تعلق کن لوگوں کے ساتھ ہے؟ میں نے کہا: بنو خزاعہ

سے "میں نے سنا ہے کہ تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لیے لشکر جمع کر رہے ہو۔ میں آیا ہوں تا کہ تمہارے ساتھ مل جاؤں" اس نے کہا "ہاں! میں ان کے لیے لشکر جمع کرنے میں مصروف ہوں" میں اس کے ہمراہ چلا۔ میں اس سے گفتگو کرنے لگا۔ اسے میری باتیں بڑی شیریں لگیں۔ میں نے اسے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجیب دین نکالا ہے۔ اپنے آباء کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو نادان کہا ہے۔ اس نے کہا "وہ مجھ جیسے شخص سے کبھی ملے ہی نہیں" پھر میں اس کے ہمراہ چلنے لگا۔ وہ اپنے عصا کے ساتھ ٹیک لگا کر چل رہا تھا حتیٰ کہ وہ اپنے خیمہ تک پہنچ گیا۔ اس کے ساتھی جدا ہو کر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ پہلے وہ اس کے اردگرد سرگرداں تھے۔ اس نے مجھے کہا "خزاعہ کے بھائی! میں اس کے قریب ہو گیا۔ اس نے کہا "بیٹھ جاؤ" میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جب وہ سو گیا تو میں اس پر حملہ آور ہوا اور اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا"۔

دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اس کے ساتھ چلتا رہا، جب میرے لیے ممکن ہوا، میں نے اس پر تلوار کا حملہ کیا۔ اسے مار ڈالا۔ اس کا سر لیا۔ پھر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ ایک غار میں داخل ہو گیا۔ ایک گروہ میری جستجو میں روانہ ہوا۔ میں غار میں چھپا ہوا تھا۔ مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔ ان کے ہمراہ ایک شخص آیا۔ اس کے پاس بہت بڑا برتن تھا۔ اس نے جوتے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ میں مخفی تھا۔ اس نے اپنا برتن اور جوتے رکھے۔ اور غار کے منہ میں بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "غار میں کوئی نہیں" وہ واپس آ گئے۔ میں غار سے باہر نکلا۔ میں نے وہ پیا، جو کچھ اس برتن میں تھا۔ میں نے وہ جوتے پہنے، مجھے کسی نے نہ دیکھا۔ پھر انہوں نے اپنے اس ساتھی کو دیکھا مگر وہ انہیں نظر نہ آیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس آ گیا۔ میں رات کو چلتا تھا، دن کو چھپا رہتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ متلاشی مجھے ڈھونڈ نہ لیں، حتیٰ کہ میں مدینہ طیبہ آ گیا۔ میں نے مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا "چہرے کامیاب ہوں" میں نے عرض کی "یارسول اللہ! آپ بھی سرخ رو ہوں"۔ میں نے اس کا سر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اور ساری داستان گوش گزار کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عصا مجھے عنایت فرمایا اور فرمایا "اس لاٹھی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ لاٹھی والے جنت میں کم ہی ہوں گے" وہ عصا ان کے پاس ہی رہا۔ حتیٰ کہ ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ یہ عصا ان کے کفن میں رکھ دیا جائے" اہل خانہ نے اسی طرح کیا۔

وہ اٹھارہ روز مدینہ طیبہ سے غائب رہے۔ ہفتہ کے روز واپس آ گئے۔ محرم الحرام کے سات روز باقی تھے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے پہلے ہی سفیان بن خالد کے قتل اور حضرت عبداللہ کی کامیابی کے بارے صحابہ کرام کو بتا دیا تھا۔

واقعہ رجیع

اسے سریہ حضرت عاصم بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے میں سبقت کی تھی۔ حضرت حسن بن سفیان سے روایت ہے کہ لیلۃ عقبہ یا لیلہ بدر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: تم جہاد کیسے کرتے ہو؟ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے تیر اور کمان

لیے اور عرض کی "جب دشمن دوسو گز سے قریب ہوں تو تیر اندازی کرنی چاہیے۔ جب اور قریب ہوں تو نیزہ باری کرنا چاہیے۔ حتیٰ کہ نیزے ٹوٹ جائیں۔ جب نیزے شکستہ ہو جاتے ہیں تو ہم انہیں رکھ دیتے ہیں۔ تلواریں پکڑ لیتے ہیں پھر شمشیر زنی ہوتی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنگ اسی طرح آتی ہے۔ جو قتال کرنا چاہے وہ حضرت عاصم کی طرح قتال کرے"۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے لیلۃ عقبہ، بدر اور احد میں شرکت کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ انہیں ماہ صفر میں روانہ کیا گیا۔ ہجرت کو 38 ماہ گزر چکے تھے۔ رجیع ہذیل بن ملائکہ کے چشمہ کا نام ہے۔ جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے مابین تھا۔ اسی چشمہ کے قریب ہی یہ دردناک سانحہ رونما ہوا تھا۔ اس لیے اسے واقعہ رجیع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سبب

سفیان بن خالد کے قتل کے بعد بنولحیان عضل اور قارہ کے پاس گئے۔ یہ بنوہدن کے دو قبائل تھے۔ انہوں نے ان کے لیے اونٹ مقرر کیے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں کہ وہ ان کی طرف اپنے چند صحابہ کرام بھیجیں۔ سات افراد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ وہ اسلام کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم میں اسلام کو پذیرائی نصیب ہو رہی ہے۔ ہمارے پاس اپنے صحابہ کرام میں سے کچھ صحابہ بھیجیں۔ وہ دین کے احکام ہمیں سکھائیں، ہمیں قرآن مجید پڑھائیں۔ اور ہمیں شریعت اسلامیہ سے آگاہ کریں"۔ ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں جاسوس بھیجیں تاکہ آپ کے پاس قریش کی خبریں لے کر آئیں۔ جب یہ افراد حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے ایسے افراد کا مطالبہ کیا جو انہیں دین کی سوجھ بوجھ عطا کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں امور کے لیے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے ساتھ بھیجا۔ ان صحابہ کرام کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت عاصم بن ثابت، حضرت خبیب بن عدی، حضرت زید بن دثنہ، حضرت عبداللہ بن طارق، حضرت خالد بن بکیر، حضرت معتب بن عبید۔ بعض سیرت نگاروں نے حضرت مغیث بن عوف کا اضافہ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق امارت کے فرائض حضرت مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔ یہ صحابہ کرام روانہ ہوئے۔ جب مقام رجیع پر پہنچے تو ان افراد نے بنوہذیل کو پکارا تاکہ وہ ان صحابہ کرام کو شہید کرنے میں ان کی مدد کریں۔ صحابہ کرام اپنے خیموں میں آرام فرما تھے۔ صرف وہی صحابہ باہر تھے جو ان کی نگہبانی کر رہے تھے۔ اچانک دوسو افراد شمشیر بکف ان پر حملہ آور ہو گئے۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اپنی تلواریں باہر نکالیں تاکہ ان دھوکہ بازوں سے جنگ کریں۔ ان غداروں نے کہا "بخدا! ہم تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتے، تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد اور میثاق ہے۔ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے" انہوں نے یہ بات اس لیے کی کیونکہ وہ ان صحابہ کرام کو قریش کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ ان کے عوض رقم بٹوریں۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ قریش کو اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز پسندیدہ نہیں کہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کو ان کے پاس لایا جائے۔ وہ اسے قتل کریں اور اس کا مثلہ کریں اور بدر اور احد کے مقتولوں کا بدلہ لیں۔ صحابہ کرام نے مشرکین کا عہد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت مرثد، حضرت خالد اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہم نے فرمایا "بخدا! ہم

کسی مشرک کا عہد قبول نہیں کریں گے" انہوں نے جہاد کیا، حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔ حضرت زید، حضرت خبیب اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم پہاڑ سے اتر آئے خود کو ان کے سپرد کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے "جب یہ لوگ رجیع کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ عجوہ کھجوریں کھائیں تو ان کے گٹھلیاں زمین پر پھینکیں۔ یہ لوگ رات کو چلتے تھے، دن کو چھپ جاتے تھے۔ کیونکہ قریش اور ھذیل کی طرف سے صحابہ کرام کو خطرہ تھا، کیونکہ ایک تو ان کا علاقہ قریب تھا، دوسرا یہ کہ غزوۂ احد کو رونما ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ نیز سفیان بن خالد بھی ابھی ابھی قتل ہوا تھا۔ بنو ہذیل کی ایک عورت آئی، وہ بکریاں چرا رہی تھی۔ اس نے وہ گٹھلیاں، دیکھیں ان گٹھلیوں کے چھوٹے پن نے اسے تعجب میں ڈال دیا۔ اس نے کہا "یہ تو یثرب کی کھجوریں ہیں۔ اس نے بلند آواز سے اپنی قوم کو پکارا، اس نے کہا "دشمن کی طرف سے کچھ لوگ تمہارے پاس پہنچ چکے ہیں"۔ وہ لوگ ان کی جستجو میں آئے، ان کے نشانات کا تعاقب کیا، انہوں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ میں چھپ چکے تھے۔ انہوں نے ان کا گھیراؤ کر لیا۔ انہوں نے کہا "تمہارے لیے عہد و میثاق ہے۔ اگر تم نیچے اتر آؤ تو ہم تم میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہیں کریں گے"۔ ان کے اس عہد کی بناء پر حضرت خبیب بن عدی، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق نیچے اتر آئے۔ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے قوم! میں دشمن کے عہد کی وجہ سے نیچے نہیں اتروں گا" پھر انہوں نے دعا کی "مولا! ہمارے متعلق اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دے" اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی روز اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کے بارے آگاہ کر دیا تھا۔ جب انہوں نے پہاڑ کے نیچے اترنے سے انکار کر دیا تو کفار نے ان پر تیر اندازی کی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے بھی ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ ترکش خالی ہو گیا۔ ان کے پاس سات تیر تھے۔ ہر تیر کے ساتھ انہوں نے ایک عظیم مشرک کو واصل جہنم کیا۔ پھر نیزہ بازی شروع کر دی۔ حتیٰ کہ ان کا نیزہ ٹوٹ گیا، پھر اپنی شمشیر براں سونت لی۔ انہوں نے عرض کی "مولا! میں نے دن کے آغاز میں تیرے دین کی حفاظت کی ہے۔ دن کے آخری حصہ میں میری جسم کی حفاظت فرمانا" یعنی مشرکین قتل کے بعد ان کا مثلہ نہ کر سکیں" مشرکین نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ انہوں نے رسیاں لیں اور حضرت خبیب بن عدی، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق کو ان کے ساتھ باندھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ تمہارا پہلا دھوکہ ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ ان شہداء میں میرے لیے عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے انہیں کھینچا، انہیں ساتھ چلنے پر مجبور کیا، مگر انہوں نے لگاتار انکار کیا۔ مشرکین نے انہیں بھی شہید کر دیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابن طارق رضی اللہ عنہ مشرکین کے ہمراہ چلے، جب وہ مر الظہر ان تک پہنچے تو انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکالا۔ اپنی تلوار لی اور مشرک قوم سے دور چلے گئے۔ مشرکین نے پتھر مار کر انہیں شہید کر دیا۔ وہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو لے کر مکہ مکرمہ گئے اور انہیں فروخت کر دیا۔ جامع اور زہیر نے بنو ہذیل کے دو قیدیوں کے عوض انہیں مکہ مکرمہ میں فروخت کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سیاہ فام لونڈی کے عوض فروخت کیا۔ انہیں بنو حارث بن عمر بن نوفل نے خرید لیا کیونکہ انہوں نے غزوۂ بدر کے روز عامر بن نوفل کو واصل جہنم کیا تھا۔ انہیں عقبہ اور

ابوسیروعہ اور مجیر بن ابواھاب نے خریدا تھا۔ بعد میں ان تینوں نے اسلام قبول کرلیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی۔ صفوان بن امیہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو خرید لیا۔ اس نے اپنے باپ امیہ کے بدلہ میں حضرت زید کو شہید کر دیا۔ ان دونوں حضرات کو ذوالقعدہ میں خریدا گیا تھا۔ انہیں قید میں رکھا گیا، حتیٰ کہ اشہر حرام گزر گئے۔ مشرکین مکہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اسی طرح حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہاں اسیر رہے۔ حتیٰ کہ اشہر حرام گزر گئے۔ پھر مشرکین نے ان کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ مشرکین نے پہلے ان کی قید میں سختی کی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کریم لوگ اپنے قیدی سے اس طرح کا سلوک نہیں کرتے" پھر وہ آپ سے حسن سلوک کرنے لگے۔ انہیں ایک عورت کے ہاں پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اس عورت کا نام ماویہ تھا، جو حجیر کی لونڈی تھی۔ اس کے ہمراہ اس کا خاوند موہب بھی تھا۔ یہ آل نوفل کا غلام تھا بعد میں ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ابن سعد نے حضرت موہب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "مجھے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "موہب! میرے ساتھ تین باتوں کا عہد کرو۔ مجھے میٹھا پانی پلانا۔ مجھے وہ چیز کھلانے سے بچانا جسے بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ جب یہ مشرکین مجھے قتل کرنے لگیں تو مجھے بتا دینا"۔

حضرت ماویہ نے فرمایا "حضرت خبیب رضی اللہ عنہ وقت تہجد قرآن پاک پڑھتے تھے۔ جب خواتین قرآن پاک سنتی تو وہ رونے لگتیں اور ان کے لیے رقت پیدا ہو جاتی۔ میں نے عرض کی "کیا کوئی حاجت ہے؟ انہوں نے فرمایا "نہیں! سوائے اس کے کوئی حاجت نہیں کہ مجھے میٹھا پانی پلانا۔ مجھے وہ کچھ ہرگز نہ کھلانا جسے بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور مشرکین جب مجھے قتل کرنے لگیں تو مجھے بتا دینا۔ جب مشرک انہیں قتل کرنے لگے تو میں نے انہیں بتا دیا۔ انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور زینب بنت حرث سے استرا مانگا، تاکہ زیر ناف بال صاف کریں۔ تاکہ شہادت کے وقت یہ ظاہر نہ ہوں، حضرت زینب بنت حرث اپنے چھوٹے سے بچے سے غافل ہو گئیں وہ بچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے اسے اپنی ران پر بٹھا لیا جبکہ استرا خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ اس عورت کو خدشہ لاحق ہوا کہ شاید وہ بچے کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سوچ کر وہ گھبرا گئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا تمہیں خطرہ ہے کہ میں اس بچہ کو قتل کر دوں گا۔ میں اس طرح نہیں کروں گا ان شاء اللہ! میں دھوکہ نہیں دوں گا"۔ زینب کہتی ہے "اللہ کی قسم! میں نے کوئی قیدی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔ بخدا! میں نے انہیں دیکھا۔ وہ آدمی کے سر کے برابر انگور کھا رہے تھے۔ حالانکہ انہیں لوہے کی زنجیریں پہنائی گئیں تھی۔ مکہ مکرمہ میں انگوروں کا موسم بھی نہ تھا"۔ حضرت ماویہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے، انہوں نے فرمایا "مجھے علم نہیں کہ اس زمین میں اس وقت انگور کا ایک دانہ بھی ہو۔ مگر رب تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو بطور رزق انگور عطا فرمایا"۔

المواہب میں ہے "یہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی کرامت ہے۔ کفار کے لیے ایک نشانی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہے" پھر قریش مکہ حضرت خبیب کو لے کر حرم سے باہر نکل گئے تاکہ انہیں حرم سے باہر شہید کریں۔ حضرت خبیب نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں" انہوں نے انہیں چھوڑا۔ انہوں نے دو رکعتیں

پڑھیں، موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے "انہوں نے مسجد تنعیم کی جگہ نماز ادا کی۔ یہ مدینہ طیبہ کی طرف مکہ مکرمہ سے تین میل دور ہے" نماز پڑھنے کے بعد حضرت خبیب ان کے پاس واپس آ گئے۔ انہوں نے کہا: اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ تم کہو گے کہ میں نے موت کے خوف سے نماز کو لمبا کر دیا ہے تو میں اور نماز پڑھتا" دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں دو سجدے اور کر لیتا" پھر انہوں نے یہ دعا مانگی "مولا! انہیں شمار کر لے، ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ اور جدا جدا قتل کر" ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہا۔

روایت ہے جب انہیں تختۂ دار پر لے جایا گیا تو انہوں نے قبلہ رو ہو کر یہ بددعا کی۔ ان کی بددعا سے ڈر کر ایک شخص زمین کے ساتھ چمٹ گیا۔ ایک سال بعد اس شخص کے علاوہ کوئی بھی باقی نہ بچا۔ جو زمین کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ وہ شخص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن اسحاق نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا تو میں اپنے والد گرامی کے ساتھ تھا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے بددعا کی تو اس بددعا کے خوف سے میرے والد مجھے زمین کے ساتھ چمٹانے لگے۔ لوگ کہتے تھے "اگر کسی شخص کے لیے بددعا کی جائے اور وہ شخص پہلو کے بل لیٹ جائے تو اس پر اس بددعا کا اثر نہیں ہوتا" علامہ زرقانی نے لکھا ہے "حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی بددعا اس شخص کو لگی جس کے متعلق رب تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ حالت کفر میں مرے گا۔ البتہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے نہ تو اسے لعنت کی اور نہ ہی اپنی بددعا میں اس کا ارادہ کیا" ان کی یہ بددعا در اجابت پر قبول ہو گئی۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد ان مشرکین سے جو بھی مرا وہ تنہائی کی حالت میں مرا۔ وہ کسی اجتماع یا لشکر کے بغیر ہی قتل ہو گئے" دوسری روایت میں ہے، انہوں نے عرض کی "مولا! مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک میرا پیغام پہنچا دے۔ آپ کو میرا اسلام پہنچا دے" حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور آپ کو ان صحابہ کرام کے بارے بتایا۔ ابن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا "اے خبیب وعلیک السلام! انہیں قریش نے قتل کر دیا ہے" اس وقت حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

ولست ابالی حین اقتل مسلما ۔۔۔ علی ای جنب کان فی اللہ مضجعی

اگر مجھے مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کیا گیا تو مجھے اس کی ذرہ پرواہ نہیں۔ جب میری لاش صلیب سے گرے گی تو کس پہلو میں گرے گی۔

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء ۔۔۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

یہ اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہے کہ اگر وہ مہربانی فرمائے تو میرے جسم کے کٹے اعضاء پر اپنی برکتیں نازل کر دے۔

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا ۔۔۔ وما ازصدالاحزاب لی عند مصرعی

کفار کے سارے گروہ میرے اردگرد جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے اپنے سارے قبائل کو یہاں اکٹھا کر لیا ہے۔

الی اللہ اشکو غربتی ثم کربتی ۔۔۔ یبارک علی اوصال شلو ممزع

میں اپنی غریب الوطنی اور مصیبت کا شکوہ صرف اللہ کی جناب میں کرتا ہوں۔ اور صلیب سے جب میری نعش نیچے گر پڑے گی اور اس کے ساتھ یہ جتھے جو سلوک کریں گے اس کا معاملہ میں اپنے رب تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں لکھا ہے "روایت ہے کہ قریش مکہ نے ان لوگوں کو طلب کیا جن کے آباء اور اقرباء غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس افراد جمع ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے اور جنگی ہتھیار تھے۔ قریش نے ان لوگوں سے کہا "اس شخص نے تمہارے آباء کو قتل کیا تھا انہیں نیزے مار مار کر چھلنی کر دو" حضرت خبیب نے صلیب پر حرکت کی اور قبلہ رو ہو گئے۔ انہوں نے کہا "ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے قبلہ رو کر دیا ہے" مشرکینِ قریش ان کا چہرہ قبلہ سے نہ پھیر سکے۔ ابن اسحاق نے مذکورہ بالا اشعار کے علاوہ یہ اشعار بھی لکھے ہیں:

لقد جمع الاحزاب حولی والبوا قبائلهم واستجمعوا کل مجمع

کفار کے سارے گروہ میرے اردگرد جمع ہیں، انہوں نے اپنے سارے قبائل کو یہاں اکٹھا کر لیا ہے وہ سب کے سب یہاں جمع ہو گئے ہیں۔

وکلهم مبدی العداوة جاهد علی لانی فی وثاق بمضیع

اور وہ سب کے سب میرے ساتھ دشمنی ظاہر کرنے والے اور اس میں مجھ پر پوری کوشش کرنے والے ہیں۔ کیونکہ میں ہی ایک ہوں جو رسی سے باندھا ہوا ہوں۔

وقد جمعوا ابناء هم ونساء هم وقربت من جذع طویل مُمَنَّع

انہوں نے اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بھی یہاں جمع کر لیا ہے اور پھانسی دینے کے لیے انہوں نے مجھے ایک لمبے مضبوط تنے کے قریب لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

وقد خیرونی الکفر والموت دونهم وقد هملت عینای من غیر مجزع

اور انہوں نے مجھے کفر اختیار کرنے کے لیے کہا ہے۔ حالانکہ اس کے سامنے موت ہے اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔

ومابی حذار الموت انی لمیت ولکن حذاری حجم نار ملفع

لیکن یہ جزع و فزع نہیں بلکہ خشیت الٰہی کے آنسو ہیں۔ اور مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں۔ میں تو مرنے والا ہوں، لیکن مجھے لپیٹ میں لے لینے والے کو جہنم کی آگ کے شعلوں کا خوف ہے۔

ولست لمبد لعدو تخشعا ولا جزعا انی الی الله مرجعی

میں دشمن کے سامنے جزع و فزع کا اظہار نہیں کروں گا۔ مجھے گھبراہٹ کیوں ہو میں تو اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جا رہا ہوں۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے "موت کے وقت اس طرح کے اشعار کہنے سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی قوت نفس اور ان کی دینی قوت آشکارا ہوتی ہے"۔ دوسری روایت میں ہے "ابوسروعہ اٹھ کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی طرف گیا اور انہیں شہید کر دیا۔ ابوسروعہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے "میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا تھا کیونکہ میں

بچہ تھا بلکہ ابو میسرہ العبدری نے نیزہ لیا اور اسے میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا۔ انہیں نیزا مارا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے" حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہر اس مسلمان کے لیے نماز پڑھنا سنت بنائی جسے شہید کیا جا رہا ہو۔ کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات ظاہری میں شہادت سے قبل نماز پڑھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے فعل کو مستحسن قرار دیا تھا اور اپنے صحابہ کرام کو آگاہ فرمایا تھا۔ آدمی کا آخری عمل نماز ہونا ایک اچھا فعل ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب مشرکین مکہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے انہیں نیزے کی ہلکی سی ضرب لگائی، انہوں نے پوچھا "کیا تم پسند کرتے ہو کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہاری جگہ ہوں؟ انہوں نے فرمایا "نہیں" اللہ کی قسم! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ان کے قدمین شریفین میں کانٹا بھی چبھے"۔ حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کے بارے بھی اسی طرح کی روایت ہے اور ان سے بھی اسی طرح کا جواب منقول ہے۔ حضرت ابوسفیان سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے کسی آدمی کو کسی دوسرے کے ساتھ اس طرح محبت کرتے نہیں دیکھا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ آپ سے محبت کرتے ہیں" حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد قریش مکہ نے کافی مدت انہیں صلیب پر ہی رکھا۔ جوانوں کا ایک گروہ ان کی نعش کی نگرانی پر متعین تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ دوسری روایت میں حضرت عمرو بن امیہ الضمری کا ذکر ہے۔ وہ اس جگہ آئے جہاں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ صلیب پر لٹکے ہوئے تھے۔ چالیس روز گزرنے کے بعد بھی ان کے جسم میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے گھوڑے پر سوار کیا اور عازم سفر ہو گئے۔ کفار نے ان کا تعاقب کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مبارک لاش کو نیچے پھینک دیا۔ اسے زمین نگل گئی۔ حضرت عمرو بن امیہ الضمری نے حضرت خبیب کی لاش پاک کو صلیب سے اُتارا تھا۔

امام احمد نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تنہا ہی قریش کی طرف بھیجا۔ میں حضرت خبیب کی صلیب کے پاس آیا، تاکہ انہیں نیچے اتاروں۔ میں رات کے وقت صلیب پر چڑھا۔ میں نے رسا کاٹا اور انہیں نیچے گرایا۔ میں نے اپنے پیچھے آواز سنی۔ میں نے توجہ کی تو پھر مجھے حضرت خبیب نظر نہیں آئے۔ گویا کہ زمین انہیں نگل گئی۔ آج تک مجھے ان کی کوئی نشانی نظر نہیں آئی"۔

ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہو پھر حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو بھیجا ہو۔ انہوں نے جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نیچے اتارا تو یہ دونوں حضرات بھی وہاں موجود تھے۔ حضرت زبیر نے انہیں گھوڑے پر سوار کرا لیا۔

قریش مکہ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی تلاش میں بعض افراد روانہ کیے۔ تاکہ وہ ان کے جسد اطہر کا کوئی حصہ لے کر آئیں جس سے ان کے قتل کی تصدیق ہو سکے۔ کیونکہ انہوں نے غزوۂ بدر میں ان کے ایک عظیم سردار کو قتل کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ شاید یہ عظیم سردار عقبہ بن ابی معیط تھا جسے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔

ابن اسحاق کے قول کے مطابق بدر سے واپسی پر حضرت عاصم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس کو واصل جہنم کیا تھا۔

دوسری روایت کے مطابق اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مارا تھا۔ شاید ان دونوں حضرات نے اسے موت کی وادی میں پھینکا ہو۔ کیونکہ یہ واقعہ ان دونوں کی طرف منسوب ہے۔ دوسری روایت میں ہے "جب حضرت عاصم شہید ہو گئے تو بنو ہذیل نے ان کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تاکہ اسے سلافہ بنت سعد کے ہاتھوں فروخت کر دیں۔ یہ مسافع اور جلاس کی ماں تھی۔ غزوہ احد کے روز ان دونوں کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔ اسی سلافہ نے نذر مانی تھی کہ اگر اس نے حضرت عاصم کا سر حاصل کر لیا تو اسے پیالہ بنا کر اس میں شراب پیئے گی۔ اس نے ان کا سر لانے والے کے لیے ایک سو اونٹ انعام مقرر کیا تھا۔ مگر شہد کی مکھیوں نے بنو ہذیل کو روک دیا، وہ حضرت عاصم کا سر نہ کاٹ سکے۔ شہد کی مکھیاں سائبان کی طرح ان کے پاس آ گئیں۔ وہ ان کی حفاظت کرنے لگیں۔ وہ ان کا سر نہ کاٹ سکے۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے "وہ ان کے گوشت کا کوئی حصہ نہ کاٹ سکے" ایک اور روایت میں ہے "اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیاں بھیج دیں، جو سر کاٹنے والے کو کاٹ لیتیں۔ وہ مشرکین اور سر کے مابین حائل ہو گئیں۔ انہوں نے کہا "ابھی چھوڑ دو رات کے وقت مکھیاں چلی جائیں گی تو ہم ان کا سر کاٹ لیں گے۔ رات کے وقت اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیجا۔ وہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش بہا کر لے گیا" دوسری روایت کے مطابق سیل رواں نے ان کی مبارک لاش اٹھائی اور جنت میں پہنچا دی۔ پچاس مشرکین کو آتش جہنم کے سپرد کر دیا" یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں سے ان کا تحفظ کیا تاکہ مشرکین ان کا مثلہ نہ کر سکیں۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے ان کی لاش مبارک لے کر اسے دفن کر دیا۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے رب تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ کوئی مشرک انہیں ہاتھ نہ لگائے گا اور نہ ہی وہ کسی مشرک کو ہاتھ لگائیں گے" اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وعدہ پورا کر دیا انہیں اپنے رب تعالیٰ کی رحمت پر پورا وثوق تھا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کسی مشرک کو مس نہیں کریں گے۔ اس سے مصافحہ وغیرہ نہیں کریں گے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک جب ان کی خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ عبد مؤمن کی اس کے وصال کے بعد اسی طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح وہ اس کی زندگی میں اس کا تحفظ کرتا ہے" اس میں یہ بھی حکمت مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عبد مؤمن کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس کی زندگی میں اور اس کے وصال کے بعد اس کے سر پر عزتوں کا تاج سجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی کہ کوئی مشرک ان کے گوشت کو ہاتھ نہ لگا سکے۔ انہوں نے دعا مانگی تھی "مولا! دن کے آغاز میں میں نے تیرے دین کی حفاظت کی ہے۔ دن کے آخری حصہ میں میرے جسم کو مشرکین سے محفوظ فرما"۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ان کے قتل سے نہ روکا تاکہ ان کے سر اقدس پر شہادت کا تاج سجائے، مگر ان کے جسم کا تحفظ فرمایا تاکہ ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

بئر معونہ کا خونچکاں واقعہ

اس واقعہ کو سریہ منذر بن عمرو الخزرجی رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر رضی اللہ عنہ کو اہل بئر معونہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ انہیں اسلام کی طرف بلائیں۔ بئر معونہ بنو ھذیل کی بستیوں کے پاس ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ جگہ مکہ اور عسفان

کے مابین ہے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ جگہ سرزمین بنو عامر اور حرہ بنی سلیم کے پاس ہے۔ یہ دونوں مقامات اس کے قریب ہیں۔ مگر حرہ بنی سلیم اس کے زیادہ قریب ہے۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ جگہ بنو ہذیل کی طرف منسوب ہے۔ وہ مکہ اور عسفان کے پاس ہی ہو۔ اور بنو عامر کی زمینوں اور بنو سلیم کی چٹان کے پاس ہو" یہ سریہ ماہ صفر میں پیش آیا تھا۔ ہجرت کو چھتیس ماہ گزر چکے تھے۔ غزوۂ احد کو بھی چار ماہ بیت چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت منذر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت مطلب سلمی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ راستے میں ان کی اعانت کریں۔ یہ سریہ رعل اور ذکوان کی طرف تھا۔ یہ قبائل اس جگہ فروکش تھے۔ بنو سلیم کی ایک وادی رعل کی طرف جبکہ دوسری وادی ذکوان کی طرف تھی۔ اس سریہ کو سریۃ القراء کے نام کے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

ابن اسحاق نے اس سریہ کا سبب یہ لکھا ہے کہ عامر بن مالک بن جعفر عامری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اس کے اسلام اور اس کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ذہبی نے فرمایا "صحیح قول یہ ہے کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا"۔ یہ ملاعب الاسنہ کے لقب سے معروف تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا، اس نے نہ تو اسلام قبول کیا اور نہ ہی اس سے روگرداں ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے دو گھوڑے اور دو چادریں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں مشرک کا تحفہ قبول نہیں کرتا" آپ نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے کہا "اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں آپ کے اس معاملہ کو عمدہ اور اچھا سمجھتا ہوں۔ میری قوم میرے پیچھے ہے، اگر آپ میرے ہمراہ اپنے کچھ صحابہ کرام بھیجیں تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے امر کی اتباع کریں گے۔ اگر انہوں نے آپ کی پیروی کی تو آپ کے دین متین کو تقویت نصیب ہوگی" دوسری روایت میں ہے اس نے کہا "اگر آپ کسی صحابی کو میری قوم کی طرف بھیجیں، میں انہیں اسلام کی طرف دعوت دوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی اس دعوت پر لبیک کہیں گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "مجھے صحابہ کرام کے متعلق اہل نجد سے خطرہ ہے" ابو براء نے کہا "میں انہیں پناہ دیتا ہوں آپ بغیر کسی اندیشہ کے صحابہ کرام کو بھیج دیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت منذر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ ستر قراء صحابہ کرام تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی۔ حضرت قتادہ نے فرمایا ہے کہ یہ صحابہ کرام دن کو لکڑیاں جمع کرتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "یہ اہل صفہ کے لیے کھانا خریدتے تھے اور انہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرات مقدسہ کے پاس لاتے تھے۔ یہ رات کے وقت کلام مجید پڑھتے تھے۔ ساری شب بیدار رہتے تھے" صحابہ کرام روانہ ہوئے۔ جب یہ بئر معونہ تک پہنچے تو انہوں نے حضرت حرام بن ملحان (حضرت ام سلیم کے بھائی اور حضرت انس بن مالک کے ماموں تھے) کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ یہ ابو براء کا بھتیجا تھا۔ یہ حالت کفر میں مرا۔ یہ وہ عامر بن طفیل اسلمی نہیں جنہیں اسلام لانے کی توفیق ارزانی ہوئی۔ جب حضرت حرام بن ملحان عامر بن طفیل کے پاس پہنچے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرامی نامہ کو دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ بلکہ اتنی سرکشی و بغاوت کی کہ اس قاصد کو ہی شہید کر دیا۔

طبری کی روایت کے مطابق حضرت حرام باہر تشریف لائے، انہوں نے فرمایا "اہل بئر معونہ! میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

تمہاری طرف قاصد ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ" ان میں سے ایک بدقسمت اٹھا۔ اس نے آپ کے پہلو میں نیزہ مارا جو آپ کی دوسری جانب نکل گیا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت صرام ان سے مصروف گفتگو ہو گئے۔ انہوں نے ایک شخص کو اشارہ کیا وہ آپ کے پیچھے سے آیا اور آپ کو نیزہ مار دیا۔ انہوں نے فرمایا "اللّٰهُ أَكْبَرُ! فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ" "اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا ہوں"۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق عامر بن طفیل نے ہی یہ نیزہ مارا تھا۔ حضرت صرام رضی اللہ عنہ اسی نیزہ سے شہید ہو گئے۔ آپ کا بہت زیادہ خون نکل گیا۔ دشمنوں نے گمان کیا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت ضحاک بن سفیان الکلابی رضی اللہ عنہ جنہیں اسلام لے آنے کی سعادت ازلی نصیب ہوئی تھی، مگر وہ اپنا اسلام پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے کہا "اگر یہ صحیح بھی ہو جائے تو یہ ایک بہترین چرواہا بن سکتا ہے" اس نے انہیں اپنے ساتھ ملایا اور خوب علاج معالجہ کیا۔ میں نے اسے یوں کہتے ہوئے سنا:

انا عامر ترجو المودة بيننا وهل عامرالا عدو مداهن

اذا ما رجعنا ثم لم يك وقعة باسيافنا فى عامر او نطاعن

"ابو عامر! کیا ہمارے مابین محبت کی امید کرتے ہو عامر تو صرف ایک چالباز دشمن ہے۔ جب ہم واپس جائیں اور بنو عامر اور ہمارے مابین شمشیر زنی نہ ہوئی یا نیزہ بازی نہ ہوئی تو پھر تو کوئی بات ہی نہ ہوئی"۔

بدبخت قوم ان پر بھی جھپٹ پڑی اور انہیں بھی شہید کر دیا۔ پھر عامر بن طفیل نے بقیہ صحابہ کرام کو شہید کرنے کے لیے بنو عامر کو للکارا۔ مگر انہوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا "ہم ابو براء کی پناہ اور ذمہ کو نہیں توڑیں گے کیونکہ اس نے ان کو پناہ دی ہے" عامر نے بنو سلیم، عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کو پکارا تو انہوں نے اسکی مدد کرنے کی حامی بھر لی۔ یہ سب لوگ باہر نکل آئے اور صحابہ کرام کا گھیراؤ کر لیا۔ جب صحابہ کرام نے انہیں دیکھا تو انہوں نے بھی تلواریں نکال لیں۔ ان کے ساتھ معرکہ آزما ہو گئے۔ حتیٰ کہ سارے صحابہ کرام شہید ہو گئے، صرف حضرت کعب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بچے۔ دشمن نے انہیں چھوڑ دیا۔ ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ وہ بحیات رہے۔ حتیٰ کہ غزوۂ خندق کے روز شہید ہو گئے۔ حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ بھی بچ گئے تھے۔ پہلے انہیں قیدی بنایا گیا، پھر انہیں چھوڑ دیا گیا۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری صحابی حضرت منذر بن محمد رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے اونٹ چرا رہے تھے۔ انہیں کچھ علم نہ تھا کہ ان کے ساتھیوں کے ساتھ کشت و خون کی کیسی ہولی کھیلی گئی۔ مگر انہوں نے ان کی قیام گاہ پر پرندے منڈلاتے ہوئے دیکھے۔ ان دونوں نے کہا "بخدا! یہ پرندے بلاوجہ نہیں منڈلا رہے"۔ وہ دونوں دیکھنے کے لیے آئے۔ انہوں نے ساتھیوں کو خون میں لت پت دیکھا۔ انہیں شہید کرنے والے گھڑ سوار وہیں کھڑے تھے۔ انصاری صحابی نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا "تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ ہم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں اور اس غم انگیز داستان سے آگاہ کریں" انصاری صحابی نے کہا "میں تو خود کو اس جگہ سے جدا نہیں کرنا

چاہتا جہاں حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا ہے" پھر انہوں نے قتال کیا حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو انہوں نے قیدی بنالیا۔ پھر عامر بن طفیل نے انہیں حاصل کر لیا۔ پھر ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر انہیں آزاد کر دیا۔ اس کا گمان تھا کہ اس کی ماں نے یہ نذر مان رکھی تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس رات یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے اسی شب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کو سارے واقعہ سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا "اس خون چکاں واقعہ کا سبب ابو براء ہے۔ اس نے ہی انہیں اپنی پناہ دی تھی۔ مجھے تو پہلے ہی خدشہ اور اندیشہ تھا" یہ بات براء تک پہنچ گئی، وہ بعد میں اس خون ریز واقعہ کے دکھ میں مر گیا تھا، جو اس کے بھتیجے عامر بن طفیل کے ہاتھوں رونما ہوا تھا۔ اس کے معاً بعد عامر بن طفیل بھی حالت کفر میں مرا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابو براء کے بیٹوں کو عامر بن طفیل کے خلاف ابھارتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

ألا من مبلغ عنی ربیعا بما قد احدث الحدثان بعدی

ارے کون ہے جو میری طرف سے ربیع کو یہ سندیسہ پہنچادے کہ میرے بعد تم نے کیسے واقعات کا اظہار کیا ہے۔

ابوک ابوالفعال ابوبراء وخالك ماجد حَكَمُ بن سَعْدِ

تمہارا والد ابو براء ہے جو بڑا جنگجو ہے جبکہ تمہارا ماموں حکم بن سعد ہے جو شرف وقدر کا مالک ہے۔

بنی ام البنین الم یرعکم وانتم من ذوائب اهل نجد

اے ام بنین کے بیٹو! کیا پھر بھی تمہیں اس بات کا خیال نہ آیا حالانکہ تم اہل نجد کے چوٹی کے افراد میں شامل ہو"۔

جب ربیعہ تک یہ اشعار پہنچے تو وہ درگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا میں عامر کو تلوار یا نیزہ سے قتل کر دوں تو میرے باپ سے یہ داغ دور ہو سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" ربیعہ واپس آیا، اس نے عامر کو تلوار ماری اور اسے موت کے قریب کر دیا۔ عامر کی قوم نے ربیعہ پر ہلہ بول دیا۔ قوم نے عامر سے کہا "کیا قصاص لے لیں؟" اس نے کہا "میں نے اسے معاف کر دیا ہے"۔

وہ بلند اقبال صحابہ کرام جنہیں بئر معونہ کے مقام پر شہادت نصیب ہوئی ان میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ ان کا جسم اطہر نہ ملا، ملائکہ نے انہیں دفن کر دیا تھا۔ جب انہیں شہید کر دیا گیا تو انہوں نے حضرت عمرو ابن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ یہ ان کے ہاتھوں اسیر تھے۔ عامر بن طفیل نے ان سے پوچھا: یہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ عامر نے کہا: میں نے انہیں دیکھا انہیں شہادت کے بعد آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، حتیٰ کہ میں نے انہیں زمین وآسمان کے مابین دیکھا، پھر انہیں زمین پر رکھ دیا گیا" اس سے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کو عیاں کرنا اور کفار کو ڈرانا دھمکانا مقصود تھا۔

ابن اسحاقؒ نے حضرت عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عامر بن طفیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا تو اس نے عرض کی "وہ شخص کون تھا جسے جب شہید کیا گیا تو اسے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، پھر انہیں نیچے اتار دیا گیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا ''وہ عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بنو کلاب کے جس شخص نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اس کا نام جبار بن سلمی تھا۔ اس نے نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا۔ جب انہیں نیزہ لگا تو انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا'' اس شخص نے کہا ''میں نے دل میں سوچا یہ کیسی کامیابی ہے؟ میں حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''وہ جنت کے ساتھ کامیاب ہوئے'' میں نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی یہ سعادت مندی دیکھ کر اسلام قبول کر لیا۔

امام بیہقی نے لکھا ہے ''ممکن ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو پہلے اٹھا لیا گیا ہو۔ پھر رکھ دیا گیا ہو پھر ان کا جسد اطہر مفقود ہو گیا ہو'' حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موصولاً یہ روایت بھی مروی ہے۔ اس میں ہے ''میں نے انہیں دیکھا کہ شہید ہو جانے کے بعد انہیں آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا، حتیٰ کہ میں نے انہیں زمین اور آسمان کے درمیان دیکھا'' اس روایت میں یہ ذکر نہیں کہ پھر انہیں زمین پر رکھ دیا گیا۔

ابن سعد نے مرفوعاً روایت کیا ہے ''ملائکہ نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے جسم اطہر کو چھپا لیا، پھر انہیں علیین میں بھیج دیا'' امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے ''آسمان میں ان کے چھپ جانے کی روایات کافی ہیں اور مختلف طرق سے ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ حضرت جبار بن سلمی نے جو یہ فرمایا ہے کہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے شہید کیا تھا ممکن ہے یہ علی سبیل التجوز ہو کیونکہ عامر بن طفیل قوم کا سردار تھا یہ بالاجماع حالت کفر میں مرا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنا غمزدہ کبھی نہیں دیکھا جتنا آپ بئر معونہ کے حادثہ پر غمناک ہوئے تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو قتال کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ وہ تو مبلغ دین بن کر گئے تھے۔ اہل عرب کی یہ پرانی عادت تھی کہ وہ پیغام پہنچانے والے کو قتل نہیں کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قبائل کے لیے ایک مہینہ تک بددعا کی جنہوں نے صحابہ کرام کو بئر معونہ کے مقام پر شہید کیا تھا''۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے چالیس روز تک رعل، ذکوان اور عصیہ کے قبائل کے لیے بددعا کی'' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضرت جبرائیل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا ''ان شہداء نے اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کر لی، وہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے رب سے راضی ہو گئے'' ایک اور روایت میں ہے ''ہم پڑھا کرتے تھے ''بلغوا قومنا انا قد لقینا ربنا فرضی عنا ورضینا عنہ'' پھر یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ بلکہ یہ نظم قرآن کی طرح اسی معجز نظام میں نازل ہوئی۔

اس روایت میں بنو لحیان کا ذکر ہے۔ اس واقعہ میں ان کو بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ اصحاب الرجیع کے واقعہ میں شامل تھے۔ کیونکہ ان دونوں واقعات کی خبر ایک ہی رات میں نبی دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب قبائل کا ذکر اپنی بددعا میں فرمایا۔

امام بخاری نے ان دونوں واقعات کا ذکر ایک جگہ اکٹھا ہی کیا ہے۔ جس سے بعض علماء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ ایک ہی قصہ

ہے حالانکہ حقیقت اس طرح نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "جب اہل بئر معونہ نے ان صحابہ کرام کو شہید کر دیا تو بخار حضور ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا "رعل، ذکوان اور عصیہ کی طرف چلے جاؤ، انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی نافرمانی کی ہے" بخار نے انہیں آلیا، ان کے سات سو آدمی مار دیے۔ ایک صحابیؓ رسول کے عوض دس افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان دونوں واقعات (اہل رجیع اور اہل بئر معونہ) کے بارے نہ بتایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے کثیر واقعات کے متعلق آپ ﷺ کو پہلے ہی آگاہ فرما دیا تھا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان صحابہ کرام کے سروں پر شہادت کا تاج سجایا جائے گا۔

غزوہ بنی النضیر

بنو نضیر حضور ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کرتے ہیں

بنو نضیر یہودیوں کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ یہ اہل عرب کے ساتھ ہی سکونت رکھتا تھا۔ اہل سیر کا اختلاف ہے کہ یہ غزوہ کب رونما ہوا تھا۔ ایک گروہ جن میں امام بخاری اور امام زہری بھی شامل ہیں کے مطابق یہ غزوہ، غزوۂ بدر کے بعد اور اُحد سے پہلے ظہور پذیر ہوا تھا۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ غزوہ بئر معونہ کے واقعہ کے بعد ہوا تھا۔ محقق حفاظ نے حضرت ابن اسحاق کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ ان کے مطابق یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے سال ماہ ربیع میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ابھی گزرا ہے کہ عامر بن طفیل نے جب صحابہ کرام کو بئر معونہ کے مقام پر شہید کیا تو حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو چھوڑ دیا اس نے اپنی ماں کی نذر کو پورا کرنے کے لیے انہیں آزاد کر دیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ انہوں نے مقام قرقرہ میں بنو عامر کے دو افراد دیکھے۔

ایک اور روایت کے مطابق ان دونوں کا تعلق بنو سلیم کے ساتھ تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سایہ میں فروکش ہو گئے۔ ان دونوں کا حضور ﷺ کے ساتھ معاہدہ تھا مگر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ تھا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے فرمایا "تمہارا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہے؟ انہوں نے کہا "بنو عامر کے ساتھ" حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ سو گئے۔ پھر انہیں قتل کر دیا انہوں نے گمان کیا کہ شاید انہوں نے ان شہداء کا بدلہ لے لیا ہے جنہیں بئر معونہ کے مقام پر قتل کر دیا گیا تھا۔ جب حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "تم نے جن دو افراد کو قتل کیا ہے میں ان کی دیت عطا کروں گا" پھر آپ ﷺ بنو نضیر کی طرف تشریف لے گئے تاکہ ان دو افراد کی دیت میں بنو نضیر سے معاونت لیں جنہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا کیونکہ بنو نضیر اور بنو عامر کے مابین معاہدہ تھا تاکہ ان کے حلیفوں کی وجہ سے دیت دینے میں آسانی رہے" بنو نضیر نے کہا "ہاں! ابو القاسم! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم آپ کی مدد کریں گے جس طرح آپ پسند فرمائیں گے۔ آپ ہمارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ بیٹھیں کھانا کھائیں۔ آپ کی ضرورت پوری کی جائے گی۔ ہم اٹھتے ہیں اور مشاورت کرتے ہیں" پھر وہ مشورہ کرنے کے لیے خلوت میں چلے گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا "تم

پھر کبھی یہ موقع حاصل نہیں کر سکو گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس صرف دس صحابہ کرام ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھروں کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا "اس گھر کی چھت پر کون چڑھے گا اور آپ پر بڑا سا پتھر پھینک دے گا تاکہ آپ شہید ہو جائیں اور ہم آپ سے نجات پالیں"۔ عمرو بن جحاش بن کعب نے یہ ہامی بھرلی، اس نے کہا "یہ کام میں کروں گا" وہ اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چھت پر چڑھ گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ ایک بہت بڑی چکی لے کر آیا تاکہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھینک دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ ان صحابہ کرام میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

ایک اور روایت میں ہے "جب یہودیوں نے دیکھا کہ آپ کے ہمراہ چند صحابہ کرام ہیں تو انہوں نے کہا "ہم آپ کو شہید کر دیتے ہیں۔ آپ کے صحابہ کرام کو قیدی بنا کر مکہ مکرمہ لے جاتے ہیں۔ وہاں انہیں قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیں گے" سلام بن مشکم نے یہودیوں سے کہا "اس طرح نہ کرو، اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے اس ارادہ سے آگاہ فرما دے گا۔ یہ اس معاہدہ کو بھی توڑنا ہے جو ہمارے اور ان کے مابین ہے" ایک اور روایت کے مطابق سلام نے انہیں کہا "اے میری قوم! اس بار میری اطاعت کرلو پھر ساری زندگی خلاف ورزی کرتے رہنا بخدا! اگر ہم نے اس مذموم منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا تو ہم نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا۔ یہ اس معاہدہ کو توڑنا ہے جو ہمارے اور آپ کے مابین ہے"۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے "حضرت جبرائیل امین یہودی قوم کی سازش کی خبر لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے گویا کہ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جا رہے ہوں۔ آپ کو خطرہ تھا کہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو اذیت دیں گے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کی محفل میں چھوڑا اور جلدی جلدی مدینہ تشریف لے آئے۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو نہ پایا تو آپ کی جستجو میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ حیی بن اخطب نے صحابہ کرام سے کہا "ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جلدی کی ہے۔ ہم تو آپ کی ضرورت کو پورا کرنا چاہتے تھے اور آپ کی مہمان نوازی کرنا چاہتے تھے"۔ یہودیوں کو اپنے کرتوت پر ندامت ہوئی۔ اس سازش کا سردار حیی تھا۔ یہ بنو نضیر کا سردار تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ جب بنو نضیر نے آپ پر پتھر پھینکنے کا ارادہ کیا تو ایک یہودی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے آیا۔ اس نے کہا: کیا ارادہ ہے؟ یہودیوں نے اپنی سازش کا ذکر کیا تو اس شخص نے پوچھا "محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں؟ یہودیوں نے کہا: اس دیوار کے نیچے ہیں۔ اس شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا ہے آپ تو مدینہ طیبہ میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ سن کر یہودی شرمندہ ہوئے، انہوں نے کہا "کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہماری اس سازش سے آگاہ کر دیا ہے؟"۔

ایک اور روایت کے مطابق کنانہ بن صویراء نے انہیں کہا "کیا تم جانتے ہو کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اٹھ کر کیوں تشریف لے گئے ہیں؟ یہودیوں نے کہا "اللہ کی قسم! ہم بھی نہیں جانتے اور تم بھی" کنانہ نے کہا "اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس

سازش کی خبر حضور اکرم (ﷺ) کو دے دی ہے۔ اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں'' لیکن یہودیوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جب صحابہ کرام حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے عرض کی ''آپ اٹھ کر چلے بھی آئے اور ہمیں علم تک نہ تھا'' حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو یہودیوں کے دھوکہ اور فریب سے آگاہ کیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے کہا: یہ آیت کریمہ اسی واقعہ کے بارے نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ (المائدہ)

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ تعالیٰ نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا کرنا چاہیے ایمان والوں کو''۔

دوسری روایت کے مطابق یہ آیات طیبہ اس اعرابی کے بارے نازل ہوئیں جس نے حضور ﷺ پر تلوار سونتی، جب آپ ﷺ درخت کے نیچے آرام فرما تھے۔ وہ آپ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔ مگر آپ ﷺ بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا: محمد عربی! آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا ''اللہ'' تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور ﷺ نے وہ تلوار پکڑی اور فرمایا ''تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے عرض کی ''آپ بہترین تلوار پکڑنے والے بن جائیں'' آپ نے اس سے درگزر فرمایا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور انہیں اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف بلایا۔ اس نے کہا ''میں تمہارے پاس اس ذات کریمانہ کی طرف سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہترین ہے'' اس آیت کریمہ کے نزول کے اور بھی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔ ممکن ہے اس کا نزول کئی بار ہوا ہو۔

حضور ﷺ کا محاصرہ

حضور ﷺ نے بنو نضیر کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کرنے کا حکم دیا۔ پھر صحابہ کرام کو لے کر بنو نضیر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے علمبردار تھے۔ مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ بنو نضیر اور مدینہ طیبہ کے مابین دو میل کی مسافت تھی۔ بنو نضیر کا مسکن قباء کی طرف تھا۔ آپ نے وہیں نزول اجلال فرمایا۔ چھ راتیں ان کا محاصرہ کیا۔ ایک روایت میں پندرہ روز اور دوسری روایت میں تقریباً بیس روز کا ذکر ہے۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ آپ نے ان کی عجوہ نامی کھجوریں کاٹنا شروع کیں۔ دوسری کھجوروں کو لینہ کہا جاتا تھا۔ ان کھجور کا کاٹنا یہودیوں کے لیے بڑا اذیت ناک تھا کیونکہ یہ ان کا عمدہ مال تھیں۔ جب عجوہ کھجوریں کٹنے لگیں تو یہودی عورتوں نے اپنے گریبان چاک کر دیے، رخسار پیٹ ڈالے، ہائے ہلاکت پکارنے لگیں ان کی اور کھجوریں بھی کاٹی گئیں۔ انہوں نے آواز دی ''محمد عربی! آپ تو فساد سے منع کرتے ہیں۔ فساد کرنے والے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ پھر یہ کھجوریں کیوں کاٹ رہے ہیں۔ انہیں کیوں جلا رہے ہیں۔ کیا یہ فساد ہے یا اصلاح ہے؟ یہ گفتگو سن کر بعض صحابہ کرام کو بھی اندیشہ لاحق ہوا کہ شاید ان کا یہ

فعل فساد نہ ہو۔ بعض مسلمانوں نے کہا "ہم ان کھجوروں کو اس لیے کاٹتے ہیں تاکہ انہیں آتش پا کریں تاکہ دین کا دبدبہ ان کے دلوں میں بیٹھ جائے" بعض صحابہ کرام درخت کاٹنے سے رک گئے۔ انہوں نے اس نبی دو جہاں ﷺ کا حکم نہیں سنا تھا جو اپنی خواہش سے بولتے بھی نہ تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ شاید کاٹنے والوں کا اپنا اجتہاد ہو۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل کیں:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىِٕمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (الحشر)

"جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو یہ دونوں باتیں اللہ کے اذن سے تھیں۔ تاکہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو"۔

لینہ سے مراد وہ کھجور ہے جو عجوہ کے علاوہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ لینہ کھجوروں میں سے بہترین ہے۔ مدینہ طیبہ میں کھجوروں کی ایک سو بیس اقسام پیدا ہوتی ہیں۔ سید سمہودی نے لکھا ہے "وہاں ایک سو تیس سے زائد کھجوروں کی اقسام پیدا ہوتی ہیں"۔ بنو نضیر کا مسکن بویرہ کے قریب ہی تھا۔ مسجد قباء کے مغرب کی سمت یہ مشہور جگہ تھی۔

عبداللہ بن ابی کا کردار

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب بنو نضیر نے نکلنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین نے ان کی طرف پیغام بھیجا "اپنی جگہ پر ہی ٹھہرو، رُک جاؤ اللہ کی قسم! ہم تمہیں ان کے سپرد نہیں کریں گے۔ اگر تم نے جنگ کی تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ اگر تمہیں جلاوطن کر دیا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ جلاوطن ہو جائیں گے" انہوں نے انتظار کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا انہوں نے یہودیوں کی مدد نہ کی، اسی کے بارے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بینات نازل کیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَىِٕنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَىِٕنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَىِٕنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۙ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (الحشر)

"کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا، جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ سن لو اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلے گے ان کے ساتھ اور اگر ان کے ساتھ جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور (اگر جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی"۔

جب یہ محاصرہ شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی "آپ انہیں جلاوطن کر دیں۔ ان کا خون نہ

بہائیں'' ان کی یہ جلاوطنی رب تعالیٰ کی طرف سے ان پر عذاب تھا۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ جب یہودیوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ دھوکہ دہی کی کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سازش سے آگاہ کر دیا تو آپ جلدی سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہود کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ میرے ساتھ اس میں بسیرا نہ کرو۔ تم نے دھوکہ دہی کا ارادہ کیا جو کیا۔ میں نے تمہیں دس روز کی مہلت دی ہے۔ اس کے بعد تم میں سے جو یہاں نظر آ گیا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ یہودی کچھ دن ٹھہرے رہے تا کہ تیاری کر لیں۔ عبداللہ بن ابی نے ان کی طرف پیغام بھیجا'' تم اپنے شہروں سے نہ نکلو۔ اپنے اپنے قلعوں میں ٹھہرے رہو۔ میرے ہمراہ اہل عرب کے دو ہزار شہ سوار ہیں۔ وہ تمہارے قلعوں میں داخل ہو جائیں گے اس سے قبل کہ کوئی چیز تم تک پہنچے ان میں سے آخری شخص قتل ہو جائے گا''۔ بنو قریظہ اور بنو غطفان تمہاری مدد کریں گے۔ عبداللہ بن ابی کے اس قول میں حیی بن اخطب نے لالچ کیا۔ اس نے حضور ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا'' ہم اپنے شہروں سے نہیں نکلیں گے آپ جو چاہیں کر لیں''۔ بنو نضیر کے ایک سردار ابن مشکم نے حیی کو یہ جواب دینے سے روکا۔ اس نے کہا'' حیی! تمہیں تمہارے نفس نے دھوکہ دیا ہے۔ بخدا! ابن ابی کی بات جھوٹی ہے وہ تمہیں ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے حتیٰ کہ تم محمد عربی (ﷺ) سے جنگ کر لو۔ خود اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ وہ تمہیں چھوڑ دے گا'' مگر حیی نے انکار کر دیا۔

جب حیی نے حضور ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا'' ہم نہیں نکلیں گے'' تو حضور ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ کی تکبیر کے جواب میں مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ آپ نے فرمایا'' اب یہود سے جنگ ہوگی'' حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے۔ بنو نضیر کا مسکن قریب ہی تھا۔ اس لیے صحابہ کرام پیدل ہی تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ گدھے پر سوار تھے۔ آپ نے بنو نضیر کے قریب جا کر نماز عصر ادا فرمائی۔ بنو نضیر نے حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ اپنے قلعوں کے اوپر چڑھ گئے۔ ان کے پاس تیر اور پتھر تھے۔ بنو قریظہ نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے بنو نضیر کی کوئی مدد نہ کی۔ ابن ابی نے بھی ان کی کوئی مدد نہ کی، اس طرح بنو غطفان اور دیگر حلیف قبائل نے ان کی کوئی مدد نہ کی۔ سلام بن مشکم نے حیی سے کہا'' تیرا ستیاناس! اب وہ مدد کہاں ہے جو تو گمان کرتا تھا'' حیی نے کہا'' جو بربادی ہماری تقدیر میں لکھی ہے اس سے راہ فرار نہیں''۔

حضور ﷺ کے لیے ایک قبہ نما خیمہ بھیجا گیا۔ اس پر بالوں سے بنی ہوئیں چادریں ڈال دی گئیں تھیں۔ یہ قبہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔ صحابہ کرام نے یہ قبہ بنو خطمہ کی مسجد کے پاس رکھ دیا۔ آپ ﷺ اس میں تشریف فرما ہو گئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت

عزوک یہودی ایک ماہر تیر انداز تھا۔ اس نے تیر پھینکا جو اس قبہ کے قریب جا کر گرا۔ اس قبہ کو مسجد الفتح کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ اب وہ تیر کی پہنچ سے دور ہو گیا۔ عشاء کے وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے '' یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہمیں نظر نہیں آ رہے'' آپ نے فرمایا'' انہیں چھوڑ دو وہ تمہارے ہی

کسی کام گئے ہیں'' تھوڑی دیر کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ عزوک یہودی کا سر لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ عزوک اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کمین گاہ میں چھپا بیٹھا تھا تاکہ مسلمانوں کو نقصان دے۔ عزوک ایک جری اور ماہر تیر انداز تھا۔ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت ابودجانہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما جیسے بہادر اور شجاع دس مجاہدین کو ان کے تعاقب میں بھیجا۔ انہوں نے ان یہودیوں کو جالیا۔ ان کے سر جدا کر کے کنویں میں پھینک دیے۔

جلاوطنی

یہودی ہر طرف سے مدد سے مایوس ہو گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا ''ہم آپ کے شہروں سے نکل جاتے ہیں'' آپ نے فرمایا ''اب تمہاری یہ بات قبول نہیں'' پھر آپ نے انہیں فرمایا ''ان شہروں سے نکل جاؤ، تمہارے خون محفوظ ہیں، تم اتنا سامان اٹھا کر جا سکتے ہو جو ایک اونٹ اٹھا سکتا ہے۔ مگر تم اسلحہ اور زرہ وغیرہ نہیں لے جا سکتے'' یہودیوں نے آپ کے اس فیصلہ پر اتفاق کر لیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر برباد کر رہے تھے۔ تاکہ کار آمد اشیاء اپنے ساتھ لے جا سکیں۔ باقی گھروں کو مسلمان برباد کر رہے تھے۔ بنو نضیر اپنے گھروں کو اندر سے جبکہ مسلمان انہیں باہر سے ویران کر رہے تھے تاکہ یہ یہودیوں کے لیے عذاب اور رسوائی بن جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہودی اپنے گھروں کو اس لیے برباد کر رہے تھے تاکہ ان کے بعد مسلمان ان میں سکونت اختیار نہ کر سکیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝

''اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی''۔ (الحشر)

یعنی مصلحت ان کی جلاوطنی میں ہی تھی۔ ورنہ مسلمانوں کو ان کا خون بہانے کی اجازت مل جاتی، ان یہودیوں کے حلیف لوٹ آتے اور ان کی مدد کرتے۔ یہودیوں کی جلاوطنی کے امور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سپرد ہوئے۔ یہودیوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کر لیا۔ انہوں نے زربفت دیباج اور ریشم کے قیمتی ملبوسات زیب تن کر رکھے تھے۔ سرخ اور سبز ریشمی چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ وہ لوگوں کے سامنے اپنی دولت و ثروت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''وہ یہودی اپنی خواتین، بچوں اور اموال کے ساتھ جلاوطن ہو گئے۔ دف اور مزامیر ان کے ساتھ تھے، گانے گانے والیاں ان کے پیچھے تھیں۔ ان میں سے صرف یامین بن عمیر اور ابوسعد بن وہب رضی اللہ عنہما کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ انہوں نے اپنے اموال محفوظ کر لیے۔ آل یامین کے ایک شخص نے مجھے بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یامین رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے چچازاد سے مجھے کیسے سلوک کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس نے میرے متعلق کیا ارادہ کیا'' حضرت یامین رضی اللہ عنہ نے بنو قیس میں سے ایک شخص کو دس دینار اور پانچ وسق کھجوریں دیں تاکہ وہ عمرو بن حجاش کو قتل کر دے'' اس شخص نے اسے قتل کر دیا۔

یہودیوں نے اپنا سارا سامان سات اونٹوں پر لادھا، ان میں سے اکثریت خیبر چلی گئی، ان میں حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع شامل تھے۔ یہ خیبر میں ہی ٹھہرے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوۂ خیبر میں ہلاک کر دیا۔ بعض یہودی اذرعات اور ریحاء کی طرف چلے گئے۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں نے کہا "اے محمد عربی! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم کہاں جائیں؟ آپ نے فرمایا "حشر کی طرف" یعنی سرزمین شام کی طرف۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حشر سے مراد جلاوطنی ہے۔ اول حشر جلاوطنی ہے۔ حشر ثانی اس آگ کا ظہور ہے جو قعر عدن سے نکلے گی۔ لوگ موقف میں جمع ہو جائیں گے، وہ آگ ان کے ساتھ رات بسر کرے گی۔ جہاں وہ رات بسر کریں گے، جہاں وہ قیلولہ کریں گے یہ بھی ان کے ساتھ اسی جگہ دوپہر گزارے گی۔ جو شخص پیچھے رہ جائے گا یہ اسے ہڑپ کر جائے گی۔

ان یہودیوں کی جلاوطنی پر منافقین بڑے غمزدہ ہوئے۔ کیونکہ یہودی ان کے بھائی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بقیہ اموال، زرہوں اور اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔ آپ نے وہاں پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں پائیں۔ بنونضیر کے اموال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مختص تھے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے ان یہودیوں پر نہ تو گھوڑوں سے نہ ہی پیادہ حملہ کیا تھا نہ ہی یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام امور ان اموال سے ہی پورے ہوتے تھے۔ ان میں سے آپ اپنے اہل خانہ کے لیے رکھتے۔ آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنوعبدالمطلب کے لیے جو اور کھجوروں وغیرہ سے ایک سال کی خوراک رکھ لیتے تھے۔ جو کچھ باقی بچتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے جہاد کی تیاری میں صرف فرما دیتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مؤقف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اموال سے خمس نکالا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی نقطۂ نظر ہے۔ آپ نے وہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیے تا کہ انصار پر ان کا بوجھ کم ہو سکے۔ اگرچہ انصار مہاجرین کی خدمت اپنے لیے سعادت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: 9) اور وہ ان کو ترجیح دیتے ہیں اپنے آپ پر اگرچہ ان کو اس چیز کی شدید حاجت ہو۔

انصار رضی اللہ عنہم نے مہاجرین کو اپنے اموال اور گھروں میں شامل کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مابین مؤاخات کا رشتہ قائم کر دیا۔ ہر مہاجر اپنے اس انصاری بھائی کے ساتھ اس کے گھر میں چلا گیا۔ انصاری صحابی نے مہاجر بھائی کی ذمہ داری اٹھا لی۔ پھر باہم مقابلہ ہونے لگا حتیٰ کہ نوبت قرعہ اندازی تک آ گئی، جس انصاری صحابی کے نام قرعہ نکل آتا وہ اپنے مہاجر بھائی کو اپنے ساتھ لے جاتا۔ ان کی باہم ہمدردی اور مؤاخات انتہائی بلندی تک پہنچ گئی۔

صحیح بخاری میں ہے "حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا " آئیں میں اپنا مال تم میں اور خود میں نصف نصف تقسیم کر لیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ انہیں دیکھ لو۔ جو تمہیں پسند آئے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت گزر جائے تو اس سے نکاح کر لینا"۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ

تمہارے لیے تمہارے اہل خانہ اور تمہارے اموال میں برکت ڈالے۔ انہوں نے فرمایا ''صرف مجھے بازار کا راستہ دکھاؤ'' وہ خرید وفروخت کرنے لگے حتیٰ کہ وہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ثروت مند ہو گئے۔

حاکم نے حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہمارے لیے قرعہ اندازی میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا نام نکلا۔ وہ تادم وصال میرے گھر میں ہی رہے'' انہوں نے فرمایا ''مہاجرین انصار کے گھروں اور اموال میں ہی رہے۔ جب بنو نضیر کا مال غنیمت ملا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور فرمایا ''میرے لیے اپنی قوم کو جمع کرو'' حضرت ثابت نے عرض کی: بنو خزرج کو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سارے انصار کو'' انہوں نے سارے انصار کو بلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی، پھر انصار کے ان احسانات کا تذکرہ فرمایا جو انہوں نے مہاجرین پر کیے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔ ان پر اپنے اموال خرچ کیے تھے۔ اپنی ضروریات کے باوجود ان کی ذاتوں کو ترجیح دی تھی۔ ان تمام امور کا تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا ''اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال غنیمت تم میں برابر برابر تقسیم کر دیتا ہوں۔ مہاجرین اسی طرح بدستور تمہارے گھروں اور اموال میں ٹھہرے رہیں گے۔ اگر تم پسند کرو تو میں یہ مال غنیمت انہیں عطا کر دیتا ہوں وہ تمہارے گھروں سے نکل جائیں گے'' حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیں وہ اسی طرح ہمارے گھروں میں تشریف فرما رہیں جس طرح کہ پہلے ہیں'' سارے انصار نے بیک زبان عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم راضی ہیں۔ آپ یہ اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ''پروردگار! انصار اور انصار کی اولاد پر رحم فرما''۔

دوسری روایت میں ہے ''اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما'' آپ نے یہ مال فئے مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ انصار کو اس میں سے کچھ بھی عطا نہ فرمایا۔ صرف حضرت ابو دجانہ اور حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ان کی ضرورت کے مطابق عطا فرمایا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ابن ابی حقیق کی تلوار عطا فرمائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا ''تمہارے مہاجرین بھائیوں کے پاس مال ودولت نہیں ہے۔ اگر تم پسند کرو تو میں یہ اموال تمہارے مابین اور تمہارے مہاجر بھائیوں کے مابین تقسیم کر دیتا ہوں۔ اگر پسند کرو تو یہ اموال صرف مہاجرین بھائیوں میں تقسیم کر دیتا ہوں'' انہوں نے عرض کی ''یہ اموال مہاجرین میں ہی تقسیم فرما دیں ہمارے اموال بھی ان میں اپنی منشاء کے مطابق تقسیم کر دیں۔ اس وقت ہی آیت طیبہ نازل ہوئی:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:9)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ بخدا! ہماری مثال وہی ہے جسے غنوی نے یوں ذکر کیا ہے:

جزى الله عنا جعفرا حين ازلفت ... بنا نعلنا في الواطئين فزلت

ابوا ان يملونا ولو امنا ... تلاقت الذي يلقون منا لملت

ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ جعفر کو جزا دے جب چلنے والوں میں ہمارا پاؤں پھسلا اور وہ پھسل گیا۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ہم سے اکتا جائیں۔ اگر ہماری ماں بھی ہماری طرف سے ان مصائب کا سامنا کرتی جن کا سامنا انہوں نے کیا تو وہ بھی اکتا جاتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کے باغات کے نیچے زمینوں کو زیر کاشت لاتے تھے۔ اس سے اپنے اہل خانہ کے لیے اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ایک سال کا غلہ جمع فرما لیتے تھے۔ جو باقی بچ جاتا اسے اسلحہ خریدنے میں استعمال فرما لیتے۔

ابن اسحاق نے فرمایا "سورۂ حشر ساری کی ساری بنونضیر کے متعلق نازل ہوئی۔ بخاری شریف میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی "سورۂ حشر" انہوں نے فرمایا "اسے سورۃ النضیر کہو" علامہ داؤدی نے لکھا ہے "گویا کہ انہوں نے اس سورت کو اس نام سے یاد کرنا مکروہ سمجھا تا کہ اس سے روز حشر کا گمان نہ ہو یا اس کے اجمال کی وجہ سے اسے غیر معلوم کی طرف منسوب کرنا مکروہ سمجھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "سورۃ الحشر بنونضیر کے متعلق نازل ہوئی۔ اس میں اس عذاب کا ذکر ہے جو یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا"۔

صاحب الہمزیہ نے اپنے بعض اشعار میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے:

خدعوا بالمنافقين وهل ينفق الا على السفية الشقاء

وفتهم وما انتهت عنه تومر فابيد الا مار النهاء

منافقین نے بنونضیر کو دھوکہ دیا اور کیا بدبختی بے وقوف کے علاوہ کسی اور پر نہیں آتی ہے اس نے انہیں روکا مگر قوم نضیر اس سے نہ رکی۔ بہت زیادہ حکم دینے والے بہت زیادہ روکنے والے برباد ہو گئے۔

اسلموا هم لاول الحشر لا ميعادهم صادق ولا الايلاء

سكن الرعب والخراب قلوبا وبيوتا منهم نعاها الجلاء

اول حشر کے لیے منافقین کے بنونضیر کو سپرد کر دیا۔ منافقین کا نہ تو کوئی سچا وعدہ تھا نہ سچی قسم تھی۔ رعب اور بربادی نے دلوں میں سکونت حاصل کر لی اور گھروں میں جلاوطنی نے موت کا اعلان کر دیا۔

غزوۂ ذات الرقاع

وجہ تسمیہ

اس مبارک غزوہ کو غزوۂ محارب، غزوۂ بنی ثعلبہ، غزوۂ بنی انمار اور غزوۂ صلوۃ الخوف بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں عجیب وغریب امور رونما ہوئے تھے۔ یہ غزوہ کب رونما ہوا اور اسے ذات الرقاع کیوں کہا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ غزوہ، غزوہ بنی نضیر کے بعد ظہور پذیر ہوا تھا۔ ہجرت کا چوتھا سال تھا۔ اس میں ماہ ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ کے کچھ ایام بسر ہوئے تھے۔ بعض سیرت نگاروں کے قول کے مطابق یہ پانچ ہجری میں ہوا تھا۔ امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف یہ ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا تھا۔ جبکہ غزوہ خیبر سات ہجری کو ہوا تھا۔ انہوں نے بطور دلیل لکھا ہے ''اس غزوہ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری نے شرکت کی اور وہ فتح خیبر کے بعد آئے تھے'' امام غزالی نے لکھا ہے ''یہ آخری غزوہ ہے'' مگر ابن صلاح کے مطابق ان کا یہ نقطہ نظر درست نہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ آخری غزوہ ہے جس میں صلوٰۃ الخوف پڑھی گئی۔

اس غزوہ کو ذات الرقاع کیوں کہا گیا ہے اس کے مختلف اسباب لکھے گئے ہیں

❶ کیونکہ اس میں صحابہ کرام نے اپنے جھنڈوں کو پیوند لگائے تھے ❷ اس جگہ ایک درخت تھا جسے ذات الرقاع کہا جاتا تھا ❸ اس جگہ جہاں مجاہدین اسلام فروکش ہوئے تھے وہاں کی زمین کے بعض ٹکڑے کالے اور بعض سفید تھے۔ اس لیے اسے ذات الرقاع کہا گیا ❹ مجاہدین کے گھوڑوں میں سے بعض کالے اور بعض سفید تھے ❺ کیونکہ اس غزوہ میں صلوٰۃ الخوف پڑھی گئی کیونکہ یہ نماز بلند آواز سے پڑھی گئی تھی۔ بعض صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علیحدہ اور بعض نے آپ کے ہمراہ نماز پڑھی تھی اسے اس کپڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جسے پیوند لگا کر رفو کر لیا گیا ہو۔ امام سہیلی رقمطراز ہیں:

''ان تمام سے صحیح ترین قول وہ ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عازم سفر ہوئے، ہم چھ اشعری افراد تھے۔ ہمارے پاس ایک اونٹ تھا۔ ہم اس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ ہمارے پاؤں گھس گئے۔ میرے بھی پاؤں گھس گئے۔ اور ناخن گرنے لگے۔ ہم نے اپنے پاؤں پر کپڑے لپیٹ لیے تھے۔ اس لیے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے''۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو محارب اور بنو ثعلبہ کا ارادہ فرمائے ہوئے مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ایک جم غفیر جمع کر لیا ہے۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو بتایا اور تیاری کا حکم دے دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد سات سو یا آٹھ سو تھی۔ مدینہ طیبہ پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے فرائض حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ادا کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ عازم سفر ہوئے حتیٰ کہ آپ وادی الشقرہ نامی بستی میں پہنچ گئے۔ آپ نے دشمن کی جستجو کے لیے مختلف صحابہ کرام بھیجے۔ وہ رات کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی کہ انہوں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر آپ آگے روانہ ہو گئے، حتیٰ کہ آپ نے نخل کے مقام پر نزول اجلال فرمایا۔ بنو غطفان کی زمین اسی جگہ تھی۔ اس جگہ آپ نے خواتین کے علاوہ اور کچھ نہ پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں گرفتار کر لیا۔ یہ خبر دشمن قوم تک پہنچ گئی، وہ بہت خوفزدہ ہو گیا۔ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں بکھر گئے پھر جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آئے۔ لوگ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ یہ دو لشکر ایک دوسرے کے اتنے قریب ہوئے کہ لوگ ایک دوسرے سے ڈرنے لگے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز عصر صلوٰۃ الخوف ادا کی۔ مگر آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے مابین جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے دلوں میں رعب ڈال

دیا۔ وہ آپ ﷺ سے خوفزدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔

حضرت عباد بن بشیر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی نگہبانی

ایک دن حضور ﷺ نے ایک گھاٹی میں نزول اجلال فرمایا۔ اس رات تیز آندھی تھی۔ فروکش ہونے کے بعد فرمایا ''آج ہماری نگہبانی کون کرے گا؟'' حضرت عباد بن بشیر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دونوں اٹھے اور عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! یہ فریضہ ہم سرانجام دیں گے'' وہ دونوں گھاٹی کے دہانے پر بیٹھ گئے۔ حضرت عباد بن بشیر نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے کہا ''میں رات کے پہلے حصہ میں نگہبانی کرتا ہوں آپ رات کے آخری حصہ میں نگرانی کرنا'' حضرت عمار بن یاسر سو گئے۔ جبکہ حضرت عباد رضی اللہ عنہ نگہبانی کرنے لگے۔ جن خواتین کو حضور ﷺ نے گرفتار کیا ان میں سے ایک کا خاوند غائب تھا۔ جب اسے یہ واقعہ معلوم ہوا اس نے لشکر کا تعاقب کیا اس نے قسم اٹھائی کہ وہ واپس نہیں آئے گا حتیٰ کہ یا تو وہ محمد عربی (ﷺ) کو شہید کر دے یا ان کے کسی صحابی کا خون بہا دے۔ جب وہ گھاٹی کے قریب آیا تو اس نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ کا سایہ دیکھا، اس نے کہا ''یہ قوم کا نگران ہے''۔ اس نے تیر چڑھایا اور حضرت عباد رضی اللہ عنہ کو دے مارا۔ وہ تیر حضرت عباد رضی اللہ عنہ کو لگا، اس نے دوسرا تیر چڑھایا اور وہ بھی پھینک دیا، وہ بھی انہیں لگ گیا۔ اس شخص نے تیسرا تیر چڑھایا۔ اسے پھینک دیا وہ بھی حضرت عباد رضی اللہ عنہ کے جا لگا۔ جب ان پر خون کا غلبہ ہو گیا تو انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''اٹھو!'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ جب مشرک نے عمار رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے ہیں تو وہ بھاگ گیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے حضرت عباد رضی اللہ عنہ سے کہا ''بھائی! جب اس نے آپ کو پہلا تیر مارا تو آپ نے مجھے بیدار کیوں نہ کر دیا؟ انہوں نے کہا ''میں کلام مجید کی تلاوت کر رہا تھا میں نے اسے قطع کرنا مناسب نہ سمجھا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو کو نگرانی کے لیے مختص فرمایا۔ انصار میں سے حضرت عباد بن بشیر اور مہاجرین میں سے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے۔ دشمن نے ایک تیر مارا وہ حضرت عباد رضی اللہ عنہ کو جا لگا۔ جس سے ان کا خون بہنے لگا، وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے نماز کو منقطع نہ کیا۔ اس نے دوسرا تیر مارا وہ نماز میں مصروف رہے۔ اسے منقطع نہ کیا۔ انہوں نے اپنے ساتھی کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میں اس نگرانی کو ضائع کر رہا ہوں جس کا مجھے حضور ﷺ نے حکم دیا ہے تو میں نماز نہ چھوڑتا خواہ وہ دشمن میرا کام تمام کر دیتا''۔

اسی غزوہ میں اس شخص کا واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا جس نے حضور ﷺ پر اپنی تلوار سونت لی تھی، جبکہ آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرما تھے۔ یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس شخص کا نام غورث تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام دعثور تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دو مختلف افراد کے بارے دو مختلف واقعات ہیں جو دو مختلف غزوات میں رونما ہوئے تھے۔ یہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ اس شخص نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کی قوم بھی اسلام لے آئی۔ پھر حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ اس مہم میں آپ کے پندرہ روز صرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت جعال بن سراقہ رضی اللہ عنہ کو اپنی اور مسلمانوں کی سلامتی کا جانفزا مژدہ

سنانے کے لیے پہلے مدینہ طیبہ بھیج دیا"۔

غزوہ بدر الآخیرہ

اس غزوہ کو غزوہ بدر الصغریٰ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں قتال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ یہ اس غزوہ بدر کے مقابلہ میں چھوٹا ہے جس میں قتال ہوا تھا۔ اسے بدر الموعد بھی کہا جاتا ہے۔ ابوسفیان نے غزوہ احد میں اس کا چیلنج دیا تھا۔ اسے بدر الثالثہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ غزوہ ماہ شعبان 4ہجری غزوہ ذات الرقاع کے بعد رونما ہوا تھا۔ ابن اسحاق لکھتے ہیں "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ ذات الرقاع کے بعد مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے تو جمادی الاولیٰ، جمادی الثانی اور رجب مدینہ طیبہ میں ہی گزارے۔ پھر شعبان میں ابوسفیان کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے مقام بدر کی طرف تشریف لے گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ غزوہ ذوالقعدہ میں رونما ہوا تھا۔ یہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ ابوسفیان نے غزوۂ احد کے دن کہا تھا "آئندہ سال بدر میں ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اسے کہو ٹھیک ہے۔ یہ ہمارے اور تمہارے مابین وعدہ ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے لیے عازم سفر ہوئے۔ آپ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہ کرام اور دس گھوڑے تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اس غزوہ کے علمبردار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ ابوسفیان بھی قریش کے ہمراہ نکلا۔ مشرکین کی تعداد دو ہزار تھی۔ ان کے ہمراہ پچاس گھوڑے تھے۔ وہ مر الظہر ان کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق عسفان اترے۔ پھر واپس لوٹنے میں ہی عافیت سمجھی۔ ابوسفیان مکہ مکرمہ میں ہی خوفزدہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا تھا۔

روایت ہے کہ نعیم بن مسعود اشجعی مکہ مکرمہ میں آیا۔ اس نے قریش مکہ کو مسلمانوں کی تیاری کے بارے بتایا۔ ابوسفیان نے نعیم کو مدینہ طیبہ جانے کے لیے کہا۔ اس کے لیے بیس اونٹ مقرر کیے تاکہ وہ وہاں جا کر مسلمانوں کو پست ہمت کر دے۔ سہیل بن عمرو ان اونٹوں کا ضامن بنا۔ ابوسفیان نے نعیم کو تیز رفتار اونٹ پر سوار کیا۔ نعیم مدینہ طیبہ پہنچا اور مسلمانوں کو دشمن کی کثیر تعداد سے ڈرانے لگا۔ حتیٰ کہ ان کے دلوں کو رعب نے آلیا اور انہوں نے خروج کا ارادہ ترک کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ لاحق ہوا کہ شاید آپ کے ہمراہ کوئی نہ نکلے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، انہوں نے عرض کی "رب تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا۔ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ دشمن قوم نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہے ہم پسند نہیں کرتے کہ ہم وعدہ خلافی کریں اور وہ اسے بزدلی شمار کریں" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت و شادمانی کی حد نہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میں ضرور نکلوں گا اگرچہ میرے ساتھ ایک شخص بھی نہ نکلے" اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے شیطان کے وسوسہ کو دور کر دیا۔ ابوسفیان نے قریش مکہ کو کہا "ہم نے نعیم کو بھیج دیا ہے وہ مسلمانوں کو پست ہمت کرنے میں بھرپور سعی کر رہا ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کو نکلنے سے روک دے گا۔ لیکن ہم نکلیں گے، ایک یا دو راتیں چلیں گے، پھر ہم واپس لوٹ آئیں گے، اگر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ نکلے انہیں یہ خبر مل گئی کہ ہم نکلے ہیں تو یہ ہماری ان پر فتح ہوگی۔ اگر وہ نکل آئے تو ہم ظاہر کریں

گے کہ یہ سال خشک سالی کا ہے۔ ہم کسی ہریالی کے سال نکلیں گے" قریش مکہ نے کہا "تمہاری رائے بہت عمدہ ہے" ابوسفیان نے واپس ہونے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا "گروہ قریش! تمہارے لیے شادابی کا سال ہی بہتر رہ سکتا ہے۔ جس میں تم اپنے اونٹوں کو درختوں کے پتے کھلا سکو گے اور اپنے مویشیوں کا دودھ پی سکو گے۔ یہ سال تو قحط کا سال ہے۔ میں واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس چلو" مشرکین مکہ واپس آ گئے۔ اہل مکہ نے اس لشکر کو جیش السویق کہا۔ انہوں نے کہا "یہ لوگ تو ستو پینے گئے تھے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اپنے وعدہ کے مطابق مقام بدر میں تشریف لائے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے متعلق سن لیا آپ کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا "اللہ کی قسم! اس روز میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس قوم کو چیلنج نہ کرو۔ وہ جرأت کر کے آ گئے ہیں ہم ان سے پیچھے رہ گئے ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ روز تک مقام بدر میں قیام فرما رہے۔ آپ ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ مسلمانوں نے اس جگہ خوب تجارت کی، انہوں نے ایک درہم کے عوض ایک درہم نفع کمایا۔ اللہ رب العزت نے یہ آیات طیبات اسی موقع پر نازل کیں:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ (آل عمران)

"وہ لوگ جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر بعد اس کے کہ لگ چکا تھا انہیں گہرا زخم۔ ان کے لیے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو جب کہا لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لیے (بڑا اسامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا کہ کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہتر کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے فضل اور انعام کے ساتھ۔ نہ چھوا کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے اللہ کی رضا کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے، پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو"۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا سے اَجْرٌ عَظِیْمٌ تک غزوہ حمراء الاسد کے بارے نازل ہوئی جبکہ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ... الخ غزوہ بدر الصغریٰ کے بارے نازل ہوئی۔ یہ مانع نہیں کہ آیت کا ابتدائی حصہ دونوں امور کی طرف اشارہ کر رہا ہو"۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

غزوہ دومۃ الجندل

دومۃ الجندل اور دمشق کے مابین پانچ روز کی مسافت ہے۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ تک کا سفر پندرہ روز کا ہے۔ یہ غزوہ

ربیع الاول 5ھ کو ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ وہاں ایک کثیر انبوہ جمع ہے جو وہاں سے گزرنے والے پر ظلم کرتے ہیں۔ وہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ ایک ہزار صحابہ کرام کو لے کر عازم سفر ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ آپ دن کے وقت آرام فرماتے اور رات کے وقت سفر کرتے تھے۔ جب آپ ان کے قریب ہوئے تو راستہ بتانے والے العذری نے کہا ''آپ یہیں قیام فرمائیں حتیٰ کہ میں اس قوم کے مویشیوں کو دیکھ لوں وہ یہاں ہی چرتے ہیں'' العذری باہر نکلا۔ اس نے جانوروں اور مویشیوں کے نشانات دیکھے۔ حضور ﷺ نے ان کے مویشیوں اور چرواہوں پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے جو گرفتار ہو گئے وہ ہو گئے۔ جو بچ نکلے وہ بچ نکلے۔ یہ خبر اہل دومۃ تک بھی پہنچ گئی۔ انہیں رعب نے آلیا۔ رعب کی وجہ سے وہ منتشر ہو گئے۔ آپ ان کے قریب گئے، مگر کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے وہاں کئی روز قیام کیا۔ متفرق صحابہ کرام کو تلاش میں بھیجا۔ وہ سب صحیح وسالم آ گئے۔ انہوں نے اس قوم کا ایک شخص گرفتار کر لیا۔ اسے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس قوم کے متعلق پوچھا۔ اس نے عرض کی ''جب انہیں یہ علم ہوا کہ آپ نے ان کے جانور پکڑ لیے ہیں تو وہ سب بھاگ نکلے'' آپ نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت ربیع الآخر کے بیس روز گزر چکے تھے۔

غزوۃ المریسیع

سبب

مریسیع بنوخزاعہ کے چشمہ کا نام ہے۔ اس کے اور الفرع کے مابین ایک دن کی مسافت ہے۔ اس غزوہ کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہا جاتا ہے۔ یہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ غزوہ 5ھ ماہ شعبان میں رونما ہوا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ تک یہ خبر پہنچی کہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنی قوم اور اہل عرب کے پاس گیا ہے اور انہیں حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی ہے۔ انہوں نے اس کی اس دعوت پر لبیک کہا ہے اور اس کے ہمراہ چلنے کے لیے تیاری شروع کر دی ہے۔ وہ الفرع کی ایک طرف خیمہ زن تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے حضور ﷺ سے اذن طلب کیا کہ وہ بنو مصطلق کو کچھ کہہ سکیں جس کی آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے، انہوں نے حارث بن ابی ضرار سے ملاقات کی۔ اس سے گفتگو کی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نے لشکر جرار جمع کر رکھا ہے۔ انہوں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ''میرا تعلق بھی تمہارے ساتھ ہی ہے۔ جب مجھے تمہارے اس جم غفیر کی خبر ملی ہے تو میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ میں اپنی قوم کے پاس واپس جاتا ہوں۔ اپنی قوم اور اطاعت گزاروں کو بلا کر لاتا ہوں۔ ہم اکٹھے ہو کر حضور ﷺ پر حملہ آور ہو جائیں گے اور انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکیں

گے" حارث نے کہا "جلدی سے ہمارے پاس آجاؤ" حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں ابھی سوار ہو کر جاتا ہوں اور اپنی قوم کا جم غفیر لے کر تمہارے پاس آجاتا ہوں" یہ سن کر وہ خوش ہو گئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور سارے حالات گوش گزار کیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی اور فتح یابی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم فرمایا۔ جلد ہی آپ بہت سے صحابہ کرام کو لے کر عازم سفر ہو گئے۔ اس غزوہ میں بہت سے منافق بھی نکلے، اس سے پہلے وہ کسی اور غزوہ میں اس طرح نہیں نکلے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بیس گھوڑے تھے۔ دس مہاجرین کے اور دس انصار کے۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ یا حضرت ابوذر غفاری یا حضرت غیلہ ابن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اس سفر میں حضرت ام المومنین عائشہ اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راستہ میں مشرکین کا جاسوس ملا۔ آپ نے اس سے مشرکین کے متعلق پوچھا تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اسے اسلام پیش کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اس کی گردن اڑا دی۔ حارث اور اس کے ساتھیوں تک آپ کی روانگی کی خبر پہنچ گئی۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جاسوس کو قتل کر دیا ہے۔ یہ جان کر انہیں بہت دکھ ہوا۔ حارث کے بہت سے ساتھی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریسیع جلوہ افروز ہو گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے خیمہ لگایا گیا۔ صحابہ کرام نے جہاد کی تیاری کر لی۔ انہوں نے صف بندی کر لی۔ آپ نے مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ سعادت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ انہوں نے لوگوں میں بآواز بلند پکارا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لو اور اپنے جانیں اور اپنے اموال محفوظ کر لو" مگر مشرکین نے یہ کلمہ حق کہنے سے انکار کر دیا۔ کچھ دیر تیراندازی ہوتی رہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو اکٹھا حملہ کرنے کا حکم دیا۔ تھوڑی سی دیر میں دشمن کے دس افراد مارے گئے۔ باقی کو قیدی بنا لیا گیا۔ ان کی تعداد سات سو سے زائد تھی۔ صحابہ کرام نے مردوں، عورتوں اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا۔ وہ جانور اور مویشی ہانک کر لے آئے۔ مسلمانوں کو دو ہزار اونٹ، سات ہزار بکریاں بطور مال غنیمت ملیں۔ صحابہ کرام میں سے صرف ایک صحابی حضرت ہشام بن صبابہ شہید ہوئے۔ حضرت عبادہ بن صامت کے قبیلہ کے ایک شخص نے غلطی سے انہیں شہید کر دیا"۔

حضرت ام المومنین جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

ان قیدیوں میں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے لیے مختص فرما لیا۔ انہیں آزاد کر کے ان کے ساتھ عقد نکاح فرما لیا۔ صحابہ کرام میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو کاشانہ نبوی میں داخل فرما لیا ہے۔ انہوں نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسرال" انہوں نے سارے قیدی چھوڑ دیے۔ حضرت ام المومنین عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر بابرکت ہو" ایک روایت یہ بھی ہے کہ شب زفاف کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قوم مانگ لی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی قوم بخش دی تھی۔ یہ روایت اس امر کے منافی نہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے عقد نکاح کرلیا ہے تو انہوں نے سارے قیدیوں کو چھوڑ دیا پھر رب تعالیٰ نے ان قیدیوں میں سے اکثریت کو اسلام کی طرف ہدایت دی۔

حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے تین روز قبل میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ ماہتاب مغرب سے آیا ہے حتیٰ کہ وہ میری آغوش میں گر پڑا ہے۔ میں نے یہ خواب لوگوں کو بتانا پسند نہ کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لے آئے۔ جب آپ نے ہمیں گرفتار کرلیا تو مجھے اس خواب کے پورا ہونے کی امید تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے آزاد فرمایا اور مجھے شرف زوجیت بخشا تو مجھے ایک چچازاد لڑکی نے قیدیوں کی آزادی کے بارے بتایا تو میں نے رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بعض قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کیا گیا۔ شاید یہ فدیہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح فرمالینے سے قبل لیا ہو۔ حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے ہم مریسیع کے مقام پر فروکش تھے۔ میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا "ہمارے پاس ایسا لشکر جرار آرہا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ہم میں سکت نہیں" میں نے لوگوں، گھوڑوں اور اسلحہ کا اتنا جم غفیر دیکھا کہ جس کی کثرت میں بیان نہیں کرسکتی۔ جب میں نے اسلام قبول کرلیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے شرف زوجیت بخشا ہم واپس آئے۔ اب میں نے مسلمانوں کو دیکھا، اب وہ اس طرح نہ تھے جس طرح میں نے انہیں پہلے دیکھا۔ میں نے جان لیا کہ یہ وہ رعب تھا جو رب تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں ڈال دیا تھا"۔

ان کے والد حارث مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اپنی نور نظر کا فدیہ دینے اور انہیں آزاد کرانے آئے تھے۔ جب وہ مقام عقیق پر تھے تو انہوں نے اپنے ان اونٹوں کو دیکھا جنہیں وہ اپنی لخت جگر کے لیے بطور فدیہ دینا چاہتے تھے۔ انہیں ان اونٹوں میں سے دو اونٹ بہت پسند آئے۔ انہوں نے انہیں عقیق کی وادیوں میں سے ایک وادی میں چھپا دیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ انہوں نے عرض کی "محمد عربی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کے ہاں میری نور نظر گرفتار ہے۔ یہ اس کا فدیہ ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تم نے فلاں فلاں گھاٹی میں چھپایا ہے" حارث نے کہا "اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله" بخدا! ان اونٹوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت حارث نے اس سے قبل ہی اسلام قبول کرلیا تھا، یہ ان کے اسلام کا اظہار تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنی نور نظر کو اپنے اسلام کے بارے بتاؤ" حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "آپ نے بہت عمدہ اور اچھا کیا ہے" ان کے والد گرامی نے کہا "نور نظر! اس غلامی کی وجہ سے اپنی قوم کو شرمندہ نہ کرو" انہوں نے فرمایا "میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار کرلیا ہے" ان کے والد گرامی ان کی اس بات پر راضی ہوگئے۔

آیت تیمم کا نزول

اسی غزوہ میں تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ صحیحین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوئے" ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یہ سفر غزوہ بنی مصطلق کا ہی تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب ہم "البیداء" یا "ذات الجیش" کے مقام پر پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا۔ اس کی تلاش میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک گئے۔ لوگ بھی رک گئے۔ وہ نہ تو کسی چشمہ پر فروکش ہوئے تھے نہ ہی ان کے پاس پانی تھا۔ لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا: کیا آپ کو علم نہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسے مقام پر ٹھہرایا ہے جہاں نہ تو پانی ہے اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ران پر سر اقدس رکھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت فرما تھے۔ حضرت ابوبکر نے مجھے فرمایا "تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور لوگوں کو روک لیا ہے۔ نہ ہی وہ چشمہ پر فروکش ہوئے ہیں نہ ہی ان کے پاس پانی ہے" انہوں نے مجھے جھڑکا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا انہوں نے مجھے کہا۔ وہ اپنے ہاتھ میرے پہلو میں مارنے لگے۔ میں نے حرکت تک نہ کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ران پر تشریف فرما تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح بیدار ہوئے پانی کسی کے پاس نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل کی۔ لوگوں نے تیمم کیا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آل ابی بکر! یہ تمہاری کوئی پہلی برکت تو نہیں" ہم نے اونٹ اٹھایا تو اس کے نیچے سے ہمیں ہار مل گیا۔ حضرت اسید نے ام المومنین سے عرض کی "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے جب بھی آپ کو کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑا اللہ تعالیٰ نے وہاں سے آپ کے نکلنے کا راستہ بنا دیا۔ اور اس میں مسلمانوں کے لیے خیر و بھلائی ہوئی" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے ہار کی برکت کتنی عظیم ہے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میری نور چشم! جیسا کہ آپ جانتی ہیں کہ آپ کتنی بابرکت ہیں"۔

قصہ افک

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو بار گم ہوا تھا۔ آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے "کیا یہ ہار دو بار ایک ہی غزوہ میں گم ہوا تھا یا دو مختلف غزوات میں" ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک ہی غزوہ میں دو بار گم ہوا تھا۔ وہ غزوہ بنی مصطلق تھا۔ اس موقف کے حامل حضرات میں اختلاف ہے کہ کیا آیت تیمم کا واقعہ پہلا رونما ہوا تھا یا قصہ افک۔ بعض سیرت نگاروں نے قصہ افک کو مقدم خیال کیا ہے کیونکہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا "آل ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں" یعنی اس کے علاوہ پہلے بھی برکات حاصل ہوئیں تھیں۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قصہ افک سے پہلے رونما ہوا تھا۔ جبکہ بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ واقعہ افک بعد میں پیش آیا تھا۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ہار دو مختلف غزوات میں گم ہوا تھا۔ ایک دفعہ غزوہ ذات الرقاع میں، دوسری بار غزوہ بنی مصطلق میں۔ ہر دو جانب سے دلائل کے انبار ہیں۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ واقعہ افک غزوہ بنی مصطلق میں رونما ہوا تھا۔ اختلاف اس میں ہے کہ واقعہ تیمم اس غزوہ میں رونما ہوا تھا۔ ابن عبدالبر اور ایک جماعت کا موقف

یہی ہے۔ یا یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع یا کسی اور غزوہ میں رونما ہوا تھا۔ دیگر سیرت نگاروں کا یہی نقطہ نظر ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں عازم سفر ہوئی۔ مجھے اپنے ہودج میں ہی اٹھایا اور رکھا جاتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور واپس تشریف لانے لگے۔ ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے۔ رات کے وقت کوچ کرنے کا حکم ملا۔ میں قضائے حاجت کے لیے گئی ہوئی تھی۔ قضائے حاجت کرنے کے بعد میں اپنے ہودج کی طرف آئی۔ میں نے اپنے سینہ کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ میرا ہار ٹوٹ کر گر چکا تھا۔ میں واپس آئی۔ میں ہار کی جستجو کرنے لگی۔ اس کی تلاش نے مجھے روک لیا۔ وہ لوگ آئے جو میرا ہودج اٹھایا کرتے تھے۔ انہوں نے وہ ہودج اسی اونٹ پر رکھ دیا جس پر میں سوار ہوتی تھی۔ انہوں نے سمجھا تھا کہ میں ہودج کے اندر ہی ہوں۔ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ ان پر چربی نہیں آئی تھی۔ کیونکہ وہ مرغن غذائیں نہیں کھاتی تھیں۔ جب ان لوگوں نے ہودج اٹھایا تو انہیں ہودج کا خالی ہونا محسوس نہ ہوا۔ میں اس وقت ویسے بھی کم عمر تھی۔ انہوں نے اونٹ اٹھایا اور عازم سفر ہو گئے۔ لشکر کی روانگی کے بعد میں نے ہار تلاش کر لیا۔ میں ان کی خیمہ گاہوں میں آئی، نہ وہاں پکارنے والا اور نہ ہی کوئی جواب دینے والا تھا۔ میں نے اس خیمہ گاہ کا عزم کیا جہاں میرا قیام تھا۔ میں نے گمان کیا کہ عنقریب وہ لوگ مجھے مفقود پائیں گے اور میری جانب لوٹ آئیں گے" اسی اثناء میں کہ میں اسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں سو گئی۔ حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے رہتے تھے۔ وہ وقت صبح میری قیام گاہ کے پاس پہنچے تو کسی انسان کو سوئے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو پہچان لیا۔ حجاب کے احکام نازل ہونے سے قبل انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے پہچان کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا، یہ سن کر میں بیدار ہو گئی۔ میں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ بخدا! ہم نے ایک بات بھی نہ کی اور نہ ہی میں نے ان سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کے علاوہ کچھ سنا حتیٰ کہ انہوں نے اپنی اونٹنی نیچے بٹھائی۔ اس پر ہاتھ پھیرا، میں اٹھ کر اس اونٹنی پر سوار ہو گئی، وہ اس اونٹنی کو ہانکنے لگے حتیٰ کہ دوپہر کے وقت ہم لشکر اسلامی میں پہنچ گئے۔ وہ ایک جگہ فروکش تھے۔ پھر ہلاک ہوا جو ہلاک ہوا۔ اس بہتان کا جس نے سب سے زیادہ شور مچایا وہ عبد اللہ بن ابی تھا۔ سب سے پہلے اس نے ہی یہ بات پھیلائی کیونکہ وہ اپنے منافق ساتھیوں سمیت صحابہ کرام سے کچھ دور خیمہ زن تھا۔ ہم اس کے پاس سے گزرے اس نے پوچھا یہ کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ حضرت عائشہ اور حضرت صفوان ہیں۔ پھر اس نے وہ داستان بنائی کہ الامان والحفیظ۔ نہ ہی میں بچ سکی اور نہ ہی حضرت صفوان بچ سکے۔ وہ تیرہ بخت کہنے لگا"۔۔۔۔"پھر اس نے یہ خبر مدینہ طیبہ میں خوب پھیلائی کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید عداوت رکھتا تھا۔۔۔۔" ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو میں بیمار ہو گئی حتیٰ کہ اس مرض میں پورا مہینہ گزر گیا۔ لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوتا رہا۔ مگر مجھے علم تک نہ تھا۔ ایک بات مجھے شک میں ڈال رہی تھی کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے وہ لطف اور عنایت حاصل نہیں ہو رہی تھی جو مجھے پہلے اس وقت ملتی تھی جب میں بیمار ہوتی تھی۔ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے۔ سلام فرماتے پھر پوچھتے "کیا حال ہے؟" پھر واپس تشریف لے

جاتے۔ یہ بات ضرور مجھے کھٹک رہی تھی مجھے اس شر کا کوئی علم نہ تھا۔ مجھے انتہائی نقاہت ہوگئی۔ میں ایک دن ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے نکلی۔ ہم رات کے وقت ہی قضائے حاجت کے لیے نکلتی تھیں۔ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء نہیں ہوتے تھے۔ ہم پہلے عربوں کے دستور کے مطابق قضائے حاجت کے لیے جنگل میں جایا کرتی تھیں۔ میں اور ام مسطح قضائے حاجت کے لیے گئیں۔ ام مسطح کا نام سلمی تھا۔ ان کی والدہ بنت صخر تھی جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ تھی۔ ان کے بیٹے کا نام مسطح تھا۔ ہم قضائے حاجت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف آ رہی تھیں ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا۔ انہوں نے کہا "مسطح ہلاک ہو" میں نے کہا "تم نے کتنی بری بات کہی ہے۔ تم نے اس شخص کو برا بھلا کہا ہے جس نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے" ام مسطح نے کہا: آپ نے سنا نہیں کہ وہ کیا کہتا ہے" میں نے پوچھا: وہ کیا کہتا ہے؟ اس کے جواب میں ام مسطح نے بہتان لگانے والوں کی ساری داستان مجھے سنادی، جسے سن کر میری مرض میں اور اضافہ ہو گیا جب میں کاشانۂ اقدس میں لوٹی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، آپ نے پوچھا "کیا حال ہے؟" میں نے عرض کی "کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے پاس چلی جاؤں" میں اپنے والدین سے اس واقعہ کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔ میں اپنے والدین کریمین کے گھر آ گئی۔ میں نے اپنی امی جان سے عرض کی "لوگ کیسی باتیں بنا رہے ہیں؟" انہوں نے فرمایا "لخت جگر! اتنا غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نور نظر! کم ہی ایسا ہوا ہے کہ ایک عورت پاکیزہ صورت ہو۔ اس کا شوہر اس سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور اس کی سوکنیں بھی ہوں اس پر ایسے الزامات نہ تراشے گئے ہوں"۔ میں نے کہا "سبحان اللہ! کیا لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے وہ ساری رات روتے ہوئے گزار دی۔ نہ آنسو رکنے کا نام لیتے تھے نہ ہی نیند آتی تھی۔ میں تا دم صبح روتی رہی"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا تاکہ آپ ان سے مشورہ کریں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے ایسا مشورہ دیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ کی برأت ہوتی تھی۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم وہ آپ کے اہل خانہ ہیں۔ ہم ان میں صرف بھلائی ہی جانتے ہیں" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "اتنا غمزدہ نہ ہوں، کیا ان کے بغیر خواتین کی کمی ہے؟ اس لونڈی سے پوچھ لیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی ہے۔ وہ آپ کو سچی بات بتادے گی" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا "بریرہ! کیا تم نے عائشہ میں کسی ایسی چیز کا مشاہدہ کیا ہے جو تمہیں شک میں ڈال دے" انہوں نے عرض کی "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے ان کا ایک بھی نازیبا امر نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ وہ کم عمر ہیں۔ وہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں۔ بکری آ کر وہ آٹا کھا لیتی ہے" اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور عبداللہ بن ابی کے بارے فرمایا "اے گروہ مسلمین! اس شخص کے متعلق مجھے کون معذور سمجھے گا جس کی اذیت میرے اہل خانہ تک پہنچ گئی ہے۔ بخدا! میں تو اپنے اہل خانہ کے بارے بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا" یہ بہتان تراش جس شخص (صفوان بن معطل) کا ذکر کرتے ہیں میں اس کے بارے بھی صرف بھلائی ہی جانتا ہوں۔ وہ صرف میرے ساتھ ہی میرے اہل خانہ کے پاس جاتا ہے"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ایسے سیاہ قسمت کے بارے میں آپ کو معذور سمجھتا ہوں اگر اس کا تعلق ہمارے قبیلہ اوس کے ساتھ ہے تو میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں اگر اس کا تعلق ہمارے بھائیوں خزرج کے ساتھ ہے پھر بھی آپ ہمیں حکم دیں ہم اس پر عمل پیرا ہوں گے" حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھے وہ خزرج کے سردار تھے۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے سچ نہیں کہا۔ آپ نہ تو اس شخص کو قتل کر سکیں گے نہ ہی اس کے قتل پر قادر ہو سکیں گے۔ اس کا تعلق آپ کے قبیلہ کے ساتھ ہوتا تو آپ اسے قتل کرنا پسند نہ کرتے" حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اٹھے۔ انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا "آپ نے سچ نہیں بولا، بخدا! اگر آپ نے ہمیں اس بدبخت کے قتل کا حکم دیا تو ہم اسے ضرور قتل کر دیں گے۔ اگرچہ اس کا تعلق خزرج سے ہی ہو" یہ تلخی اتنی بڑھی کہ قریب تھا دونوں قبائل میں لڑائی ہو جاتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے منبر پر ہی تشریف فرما تھے۔ آپ لوگوں کو پرسکون کرتے رہے حتیٰ کہ لوگ پرسکون ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خاموش ہو گئے"۔

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے وہ سارا دن بھی گریہ وزاری میں گزرا۔ نہ آنسو رکتے تھے نہ ہی نیند آتی تھی۔ وقت صبح میرے والدین میرے پاس تھے۔ دو راتیں اور ایک دن روتے ہوئے گزرے تھے۔ مجھے گمان تھا کہ یہ رونا میرا جگر چیر دے گا۔ اسی اثناء میں کہ میرے والدین کریمین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں زار زار رو رہی تھی، انصار کی ایک خاتون نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔ وہ بھی میرے ساتھ رونے لگی۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ اس شرانگیز طوفان سے لے کر آج تک آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک ماہ ہونے کو تھا۔ آپ پر میرے بارے کچھ بھی نازل نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو آپ نے کلمۂ شہادت پڑھا پھر فرمایا "عائشہ! مجھے تمہاری طرف سے یہ یہ بات پہنچی ہے، اگر تم پاکدامن ہو تو عن قریب رب تعالیٰ تمہیں بری کر دے گا۔ اگر گناہ کا صدور ہو گیا ہے تو رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ اس کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو رب تعالیٰ بھی اس پر نظر رحمت کر دیتا ہے" جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات مکمل کر لی تو میرے آنسو رک گئے حتیٰ کہ اب ایک قطرہ بھی نہ گرا۔ میں نے اپنی امی جان سے کہا "میری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں" انہوں نے کہا "بخدا! میں نہیں جانتی کہ میں آپ کو کیا جواب دوں" میں نے والد گرامی سے عرض کی "آپ میری طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں" انہوں نے فرمایا "بخدا! میں نہیں جانتا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا جواب دوں" میں کم عمر تھی۔ قرآن مجید بھی زیادہ پڑھی ہوئی نہ تھی۔ میں نے کہا "اللہ کی قسم! تم نے ایک بات سنی حتیٰ کہ وہ تمہارے نفسوں میں جاگزیں ہو گئی، تم نے اسی کی تصدیق کر دی۔ اگر میں تمہیں کہوں کہ میں پاکدامن ہوں تم میری تصدیق نہیں کرو گے۔ اگر میں تمہارے لیے اعتراف کروں حالانکہ رب تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس بہتان سے بری ہوں۔ تو تم میری تصدیق کر دو گے۔ بخدا! میں اس کے علاوہ کچھ نہیں پاتی کہ میری اور تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام کی سی ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۖ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۞ (یوسف)

''پس میں صبر جمیل کروں گا اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کرتے ہو''۔

پھر میں اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ بخدا! میں اس وقت جانتی تھی کہ میں اس تہمت سے بری ہوں۔ اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت کا اعلان فرمائے گا لیکن یہ میرا گمان بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے ایسی وحی نازل فرمائے گا جس کی تلاوت کی جائے گی۔ میں خود کو اس سے کم تر سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے کسی امر کے متعلق کلام کرے۔ میرا گمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا خواب دیکھیں گے جس میں رب تعالیٰ میری برأت ثابت کر دے گا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں عرب کے کسی گھرانہ کو نہیں جانتا جسے ایسی اذیت ناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ہو جیسی تکلیف دہ صورت حال سے ہم دو چار ہوئے ہیں۔ ایسا بہتان تو ہم پر زمانہ جاہلیت میں بھی نہیں لگایا گیا حالانکہ اس وقت رب تعالیٰ کی عبادت نہیں ہوتی تھی۔ جواب ہم پر لگایا گیا ہے''۔ انہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف غصیلی نظروں سے دیکھا۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''بخدا! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے تھے نہ ہی گھر سے کوئی فرد باہر نکلا تھا حتیٰ کہ آپ پر نزول وحی کے اثرات عیاں ہونے لگے۔ نزول وحی کے وقت سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی جبین اطہر سے پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ نزول وحی کی یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا کلام یہ فرمایا ''عائشہ! جو آیات قرآنیہ اب نازل ہوئی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برأت کا اعلان فرمایا ہے'' امی جان نے مجھے فرمایا ''اٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جاؤ'' میں نے کہا ''نہیں بخدا! میں اٹھ کر آپ کی طرف نہیں جاؤں گی۔ میں صرف رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے مجھے اس تہمت سے بری فرمایا ہے'' اللہ رب العزت نے سورۃ النور کی دس آیات حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی برأت کے بارے نازل فرمائیں۔ جن مومنین سے کچھ نازیبا گفتگو ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

امام سہیلی تحریر کرتے ہیں ''جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف بدکاری کی نسبت کی تو وہ کافر ہے۔ کیونکہ یہ قرآنی آیات کی تکذیب ہے۔ انہیں جھٹلانے والا کافر ہے'' خصائص الکبریٰ میں امام سیوطی لکھتے ہیں ''جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات پر بہتان باندھا تو اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا ہے۔ ایسے بدبخت کو قتل کر دیا جائے گا جس طرح کہ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ایک روایت کے مطابق جس شخص نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا اسے قتل کر دیا جائے گا''۔

حضرت حسن بن یزد الرفاعی کی محفل میں ایک شیعہ تھا۔ وہ اہل طبرستان کے عظماء میں سے تھا۔ اس شیعہ شخص نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا اور آپ کی طرف قبیح چیز منسوب کی۔ حضرت حسن نے اپنے غلام سے فرمایا ''اس کی گردن اڑا دو'' ان کے پاس بعض علوی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے انہیں اس شخص کے قتل سے روکنا چاہا انہوں نے کہا ''یہ شخص ہمارے ساتھیوں میں سے ہے'' حضرت حسن نے فرمایا ''اللہ کی پناہ! یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَ الطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (النور۔26)

''ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتیں کے لیے''۔

اگر ام المومنین رضی اللہ عنہا ناپاک تھیں تو پھر ان کے زوج محترم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہی نسبت کرنا پڑے گی (نعوذ باللہ منہ) بلکہ آپ کی ذات والا تو طیب وطاہر ہے اور حضرت ام المومنین طاہرہ اور مبراۂ ہیں۔غلام! اس شخص کی گردن اڑا دے''۔ غلام نے اس خبیث کا سرتن سے جدا کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسطح بن اثاثہ پر ان کی قرابت اور غربت کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے۔انہوں نے فرمایا ''بخدا! اب میں مسطح پر کچھ خرچ نہیں کروں گا کیونکہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو کچھ کہا وہ کہا۔اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور)

''اور نہ قسم اٹھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہیے کہ یہ لوگ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں! اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کر دے'' انہوں نے مسطح پر خرچ کرنا شروع کر دیا۔انہوں نے فرمایا ''اب میں یہ نفقہ کبھی بھی نہیں روکوں گا'' انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا۔الطبرانی اور النسائی کی روایت کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح کا خرچہ دوگنا کر دیا۔

ابن المقری کے بیٹے سے کوئی لغزش ہوگئی۔انہوں نے اسے تادیب سکھانے کے لیے اس کا خرچہ بند کر دیا۔بیٹے نے اپنے باپ کی طرف یہ اشعار لکھے:

لا تقطعن عادۃ برو لا　　تجعل عقاب المرء فی رزقہ

نیکی کی عادت کو ختم نہ کرو اور آدمی کی سزا اسے اس کے رزق میں نہ دو۔

فان امرالافك من مسطح　　یحط امرالنجم من افقہ

مسطح کی طرف سے افک کے معاملہ نے ستارے کو افق سے نیچے گرا دیا۔اس کے منہ سے جو کچھ نکلا وہ نکلا۔

وقد جریٰ منہ الذی قدجریٰ　　وعوتب الصدیق فی حقہ

مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اس کی وجہ سے عتاب کیا گیا۔

اس کے والدین نے اس کی طرف یہ اشعار لکھے

قد یمنع المضطر من میتۃ   اذا عصیٰ بالسیر فی طرقہ

کبھی کبھی مجبور شخص کو مردار کھانے سے روک دیا جاتا ہے جب وہ راستوں میں چلتے ہوئے لغزش کھائے۔

لانہ یقوی علی توبۃ   تکون ایصالا الی رزقہ

کیونکہ وہ ایسی توبہ پہ طاقت حاصل کرتا ہے جو اسے اس کے رزق تک پہنچا دیتی ہے۔

لولم یتب مسطح من ذنبہ   ماعوتب الصدیق فی حقہ

اگر مسطح اپنے گناہ سے توبہ نہ کرتے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ان کے حق میں عتاب نہ کیا جاتا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے میرے معاملہ کے بارے پوچھا۔ آپ نے ان سے پوچھا "تم ان کے متعلق کیا جانتی ہو یا تم نے کیا دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی سماعت اور بصارت کی حفاظت کرتی ہوں۔ بخدا! میں تو ان کے متعلق صرف بھلائی ہی جانتی ہوں" ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے ایک یہ ہی تھیں جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے میرے ساتھ فخر کرتی تھیں۔ ان کے تقویٰ کی وجہ سے رب تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔ مگر ان کی بہن حمنہ نے ان کے لیے یہ جنگ لڑی۔ جب حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا "سبحان اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میں نے کبھی کسی مؤنث کا پردہ نہیں اٹھایا" روایت ہے کہ وہ عنین تھے۔ اس واقعہ کے بعد انہیں شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ ان کے لیے شہادت کی نعمت عظمیٰ کافی ہوگئی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے لیے آیات قرآنیہ ہی کافی ہیں۔ ان آیات کے اختتام پر رب تعالیٰ نے فرمایا:

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (النور)

"یہ مبرا ہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں۔ اور ان کے لیے (اللہ تعالیٰ کی) بخشش اور عزت والی روزی ہے"۔

ابن ابی کا نفاق

اس غزوہ میں عبداللہ بن ابی نے کہا "اگر ہم مدینہ طیبہ واپس گئے تو معزز ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا" اس کا سبب یہ ہے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص جہجاہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اجیر تھے۔ وہ ان کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے پانی کا مشکیزہ لینے کے لیے گئے۔ چشمہ پر لوگوں کا اژدہام تھا۔ انہوں نے لوگوں کو رکنے کا حکم دیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دو رفیقوں کے لیے مشکیزہ بھر لیں۔ انصار کے ایک شخص نے ان کے ساتھ جھگڑا کیا۔ وہ شخص عبداللہ بن ابی کا اجیر تھا۔ یہ باہم جھگڑنے لگے۔ مہاجر صحابی نے انصاری کو مارا۔ انصاری نے پکارا: اے انصار! مہاجر صحابی نے بھی پکارا: اے مہاجرین! سارے صحابہ کرام آگئے۔ مہاجرین اور انصار نے تلواریں سونت لیں۔ قریب تھا کہ باہم جنگ ہونے لگتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شور و غل حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو سنا دیا۔ آپ نے فرمایا "یہ کیسا شور ہے؟ لوگوں نے آپ کو بتایا تو آپ نے فرمایا "اسے چھوڑ دو یہ جاہلیت کی پکار ہے" عبداللہ بن ابی نے کہا "بخدا! اگر ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو معزز ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا" اس نے اپنے منافق ساتھیوں سے کہا "تم نے انہیں پناہ دی۔ ان میں اپنے اموال تقسیم کیے، وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "اللہ کی قسم! میں نے آج کی طرح کی ذلت کبھی نہیں دیکھی۔ ان مہاجرین نے ہمارے شہر میں ہی ہم پر غلبہ کیا۔ ان کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے ہماری ملت کا انکار کر دیا۔ معشر انصار! تمہاری مثال اس طرح ہے جس طرح کہ قدیم لوگ بیان کرتے تھے "کتے کو خوب موٹا کرتا کہ وہ تجھے کھا جائے۔ کتے کو بھوکا رکھ وہ تیرے پیچھے پیچھے رہے گا" بخدا! میں محسوس کرتا ہوں کہ میں عن قریب مرجاؤں گا۔ میں ہاتف کی آواز نہ سن سکوں گا جو یہ کہہ رہا ہوگا" بخدا! اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو معزز ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اگر تم ان لوگوں سے اپنے اموال روک دو یہ تمہیں چھوڑ کر کسی اور شہر میں چلے جائیں گے۔ تم نے صرف اسی پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ خود کو موت کا نشانہ بنایا۔ اپنی جانیں ان پر نثار کیں۔ اپنے بچوں کو یتیم کیا۔ تم قلیل ہو گئے۔ وہ کثیر ہو گئے۔ تم ان پر کچھ بھی خرچ نہ کرو حتیٰ کہ وہ محمد عربی (ﷺ) کے اردگرد سے چلے جائیں" اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (المنافقون: 7)

"اور نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں"۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ابن ابی کی یہ بکواسات سن لیں۔ وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور ساری بات گوش گزار کی۔ ابن ابی کی یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔ بعض انصار نے ابن ابی سے کہا "حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ۔ معذرت پیش کرو حتیٰ کہ آپ ﷺ تمہارے لیے مغفرت طلب کریں" مگر اس نے انکار کر دیا۔ وہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔ ابن ابی انصار کے ہمراہ بارگاہ نبوت ﷺ میں گیا اور معذرت پیش کی۔ اس نے قسم اٹھائی کہ اس نے یہ بات نہیں کی۔ آپ ﷺ نے تالیف قلبی کے لیے اس کا عذر قبول کر لیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ منافقین کے ساتھ سلوک کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافق ابن ابی کی تکذیب اور حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ (المنافقون: 1)

"اے نبی مکرم! (ﷺ) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں"۔

حضور ﷺ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے غور سے سننے والے! اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کو سچ کر دکھایا ہے" پھر آپ نے ان آیات بینات کی تلاوت فرمائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "مجھے اجازت دیں میں ابن ابی کی گردن اڑا دوں۔ وہ منافقین کا سردار ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "نہیں! لوگ باتیں کریں گے کہ محمد عربی ﷺ اپنے

ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں" اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ آیات طیبات نازل کیں:

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝ (الجاثیہ)

"(اے محبوب) فرما دیجئے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تا کہ اللہ تعالیٰ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے اور جو برا کرتا ہے تو پس اس کا وبال اسی پر ہوگا پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹا یا جائے گا"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن ابی سے یہ بکواسات سنی گئیں تو میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ ایک درخت کے سایہ کے نیچے تھے۔ ایک سیاہ فام غلام آپ کی کمر انور کو مل رہا تھا" میں نے عرض کی" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی کمر انور میں درد ہے؟ آپ نے فرمایا" مجھے اونٹنی نے تکلیف دی ہے" میں نے عرض کی" یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیں میں ابن ابی کی گردن اڑا دوں" محمد بن مسلمہ یا عباد بن بشر کو حکم دیں تا کہ وہ اسے واصل جہنم کریں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا" عمر! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر لوگ باتیں کریں گے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں" دوسری روایت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" میں یہ حکم نہیں دوں گا بلکہ تم کوچ کا اعلان کر دو" عموماً اس وقت شدت گرمی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوچ کا اعلان نہیں فرماتے تھے۔ شاید آپ نے اس شرکی آگ کو بجھانے کی کوشش کی اور آپ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ شرکی آگ مہاجرین اور انصار کے مابین پھیل نہ جائے۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اس طرح سلام عرض کیا" السلام علیک یا نبی اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! پھر عرض کناں ہوئے" اے اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم! آپ نے اس وقت کوچ کا حکم فرمایا ہے جبکہ آپ عموماً اس وقت کوچ نہیں فرماتے" کیونکہ آپ ٹھنڈے وقت میں کوچ کا اعلان فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے صاحب نے کیا کہا ہے کیا تمہیں خبر نہیں؟ اس نے کہا ہے" مدینہ طیبہ پہنچ کر معزز ذلیل کو نکال دے گا" حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا! اگر آپ چاہیں گے تو اسے نکال دیں گے۔ بخدا! وہ ذلیل ہے اور آپ معزز ہیں" پھر عرض کی" آپ اس کے ساتھ نرمی فرمائیں۔ آپ جب یہاں تشریف لائے تو قوم اس کے لیے تاج بنانے کے لیے موتی پرو رہی تھی۔ وہ سمجھتا ہے کہ آپ نے اس کی سلطنت چھین لی ہے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیزی سے عازم سفر ہو گئے۔ آپ اپنی سواری کے پیٹ کے نیچے مار رہے تھے۔ آپ وہ سارا دن اور ساری رات عازم سفر رہے۔ دوسرے روز بھی عازم سفر رہے حتیٰ کہ صحابہ کرام کو دھوپ اذیت دینے لگی۔ پھر آپ نے" ثامن" کے مقام پر نزول فرمایا۔

عبداللہ بن ابی کا ایک فرزند ارجمند تھا۔ وہ پکا سچا مومن تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز اس کا نام عبداللہ رکھا تھا جب اس کا والد ابن ابی مرا تھا۔ پہلے اسے حباب کہتے تھے۔ وہ بارگاہ نبوت میں آئے، انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات پہنچ گئی۔ انہوں نے عرض کی" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے علم ہوا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں، کیونکہ اس نے

یہ بکواسات کی ہیں۔ اگر آپ اسے تہ تیغ کرنا ہی چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیں میں اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم! اخزرج جانتے ہیں کہ بنوخزرج میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے والدین سے حسن سلوک کرنے والا نہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے کسی اور کو اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اس نے اسے قتل کر دیا تو میں کافر کے بدلے مومن کو قتل کر دوں گا اور آگ میں داخل ہو جاؤں گا'' حضور ﷺ نے فرمایا'' بلکہ ہم اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے، ہم اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں گے'' دوسری روایت میں ہے'' آپ مجھے حکم فرمائیں بخدا! آپ کی یہ محفل ختم ہونے سے قبل میں اس کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ نے میرے علاوہ کسی اور کو ابن ابی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس نے اسے قتل کر دیا تو میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا نہیں دیکھ سکوں گا۔ میں اسے قتل کر دوں گا اور خود جہنم کا ایندھن بن جاؤں گا بلکہ آپ کا احسان افضل اور عفو و درگزر اعظم ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا'' میں ابن ابی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ نہ ہی میں نے کسی کو یہ حکم دیا ہے۔ جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے ہم اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہیں گے''۔

جب حضور ﷺ وادیٔ عقیق میں پہنچے تو حضرت حباب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ آگے بڑھے اور اپنے والد ابن ابی کی اونٹنی کو پکڑ لیا۔ انہوں نے کہا'' جب تک تجھے حضور ﷺ اذن نہ دیں تو مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ تو آج جان لے گا کہ معزز کون ہے اور ذلیل کون ہے؟ دوسری روایت ہے'' حتیٰ کہ تو کہے کہ حضور ﷺ معزز اور تو ذلیل ہے۔ ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا'' جب ابن ابی نے اپنے بیٹے کا یہ اصرار دیکھا تو اس نے کہا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ عزت اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے رسول مکرم اور اہل ایمان کے لیے ہے'' حضور ﷺ نے اس کے بیٹے سے فرمایا'' جزاك الله خيرًا''۔ اس غزوہ میں آپ کے 28 روز صرف ہوئے۔ آپ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

غزوۂ خندق

قریش کو یہود کی انگیخت

اس غزوہ کو غزوۂ احزاب بھی کہا جاتا ہے۔ مشہور سیرت نگار موسیٰ بن عقبہ کے قول کے مطابق یہ 4ھ کو ہوا تھا۔ جبکہ امام ابن اسحاق کے مطابق یہ غزوہ شوال 5ھ کو رونما ہوا تھا۔ اکثر اہل مغازی کا قول یہی ہے۔ البتہ امام بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کا قول اختیار کیا ہے۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ جب بنونضیر جلاوطن ہو گئے تو سلام بن مشکم، ابن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب وغیرہم یہودیوں کا ایک گروہ خیبر سے نکل کر مکہ مکرمہ گیا۔ انہوں نے قریش سے کہا'' ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم محمد عربی ﷺ کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتے ہیں'' امام ابن اسحاق کے قول کے مطابق قریش نے انہیں کہا'' تم صاحب کتاب ہو۔ پہلے علوم تمہارے پاس ہیں۔ ہم ان سے محروم ہیں۔ ذرا بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد عربی ﷺ کا دین؟ یہودیوں نے کہا'' تمہارا دین محمد مصطفیٰ ﷺ

کے دین سے بہتر ہے۔ تم ان سے زیادہ حق کے قریب ہو" اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیات بینات نازل کیں:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝ (النساء)

"کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہیں پائے گا تو اس کا کوئی مددگار۔ کیا ان کا کوئی حصہ ہے حکومت میں؟ اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے لوگوں کو تل برابر۔ کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت تو ان سے کوئی ایمان لایا اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے۔ کافی ہے (انہیں جلانے کے لیے جہنم کی دہکتی ہوئی) آگ"۔

یہودیوں کی یہ بات سن کر قریش کی مسرت و سرور کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہود کی اس گواہی سے ان کے دل کی کلی کھل اٹھی۔ ان کی دعوت پر انہوں نے بڑی خوشی سے لبیک کہا۔ حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے پر انہوں نے اتفاق کر لیا۔ وہ تیاری کرنے لگے اور وہ وقت متعین کر لیا جس میں انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف عازم سفر ہونا تھا۔ پھر یہ یہود بنو غطفان کے پاس آئے۔ انہیں بھی حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بھی ان کے ہمراہ ہیں۔ انہوں نے انہیں خیبر کی ایک سال کی کھجوریں دینے کا وعدہ کیا۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ انہوں نے قریش کی نصرت و تائید بھی حاصل کر لی ہے۔

قریش مکہ کے لشکر کی روانگی

بنو غطفان بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ قریش مکہ چار ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر نکلے۔ انہوں نے دارالندوہ میں جھنڈا باندھا۔ عثمان بن ابی طلحہ کو علمبردار بنایا۔ ابوسفیان قائد لشکر تھا۔ ان کے ہمراہ تین سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ تھے۔ مرالظہران کے مقام پر ان کے ساتھ بنو سلیم بھی مل گئے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔ ان کی قیادت سفیان بن حرب کر رہا تھا۔ ان کے ہمراہ بنو اسد بھی نکلے۔ ان کی قیادت کی زمام طلیحہ بن خویلد کے ہاتھ میں تھی۔ بنو غطفان بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کا قائد عیینہ بن حصن الفزاری تھا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر مرتد ہو گیا تھا۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

اسلام لے آیا تھا۔ حرث بن عوف مری بنو مرہ کو لے کر آ گیا۔ غزوۂ تبوک کے بعد اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ چار سو شہ سوار تھے۔ بنو اشجع بھی نکلے۔ یہ بھی چار سو تھے۔ ان کا قائد مسعود بن رخیلہ تھا، بعد میں اس نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ دیگر قبائل عرب بھی قریش کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان گروہوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ امام ابن اسحاق کے مطابق مسلمانوں کا لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ تعداد تین ہزار تھی۔ مسلمانوں کے پاس 36 گھوڑے تھے۔

خندق کی کھدائی

جب سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان گروہوں کے متعلق سنا نیز ان کا یہ ارادہ سماعت فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنا چاہتے ہیں تو آپ نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق کھودنے کا عرب میں رواج نہ تھا۔ بلکہ یہ جنگی چال تھی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم ایران میں ہوتے تھے جب دشمن ہمارا محاصرہ کر لیتا تھا تو ہم خندق کھود لیتے تھے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کو رغبت دلانے کے لیے آپ نے بنفس نفیس خندق کی کھدائی میں کام کیا۔ آپ نے صحابہ کرام کو سعی بلیغ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی نصرت الٰہیہ کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ انہوں نے صبر اور تقویٰ کا دامن تھامے رکھا۔ یہ خندق حرہ شرقیہ سے لے کر حرہ غربیہ تک کوہ سلع کے پاس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس صحابہ کرام کے لیے دس گز خندق کی کھدائی متعین فرمائی۔ وہ اس میں کام کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اکیلے دس افراد کا کام کرتے تھے۔ مہاجرین اور انصار ان کے بارے تنازع کرنے لگے۔ مہاجرین نے کہا ''سلمان ہم میں سے ہیں'' انصار نے کہا ''سلمان ہم میں سے ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں'' منافقین کام کرنے سے پہلوتہی کرنے لگے۔ ان میں سے بعض نکل گئے۔ بعض نے تھوڑا سا کام کیا۔ وہ کمزوری کا بہانہ کرنے لگے۔

امام بخاری نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم خندق کی کھدائی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم اپنے کندھے پر مٹی منتقل کر رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی:

اللھم لاعیش الا عیش الآخرۃ فاکرم الانصار والمھاجرۃ

''مولا! کوئی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی۔ انصار و مہاجرین پر کرم نوازی کر''۔

یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار تھے۔ اصل الفاظ ''لاھم ان العیش ۔۔۔۔ تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''اللھم'' کہا کیونکہ شعر پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مشکل ہوتا۔ خواہ وہ کلام کسی اور کا ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ صبح سویرے مہاجرین و انصار خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ ان کے غلام نہ تھے جو اس کام کو کرتے۔ جب آپ نے صحابہ کرام کی مشقت ملاحظہ فرمائی تو یہ کلام پڑھا:

اللھم ان العیش عیش الآخرۃ فاغفر للانصار والمھاجرۃ

آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے لیے تسلی کا سامان پیدا کیا۔ مشکل کام کو ان کے لیے آسان کرنے کی سعی جمیل کی۔ کیونکہ دائمی اور معتبر زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔ دنیاوی زندگی اپنی کدورتوں کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ اس کے مصائب ان گنت ہیں۔ خواہ یہ کتنی طویل ہو بالآخر فنا کے گھاٹ اترنے والی ہے۔ دنیاوی سامان قلیل ہے۔ مہاجرین اور انصار حضور ﷺ کے ساتھ عشق فراواں کا اظہار کرتے ہوئے یہ پڑھ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمداً علی الجھاد ما بقینا ابداً

''ہم وہ بلند اقبال لوگ ہیں جنہوں نے محمد عربی ﷺ کے دست حق نما پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ بیعت اس وعدہ پر ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے ہم مصروف جہاد رہیں گے''۔

ایک روایت کے مطابق حضور ﷺ صحابہ کرام کو یہ جواب مرحمت فرماتے تھے ''اللھم ان العیش۔۔۔'' ممکن ہے کہ حضور ﷺ صحابہ کرام کو اور صحابہ کرام حضور ﷺ کو جواب دیتے ہوں۔ اشعار پڑھنے سے عمل میں چستی آتی ہے۔ اسی لیے عرب جنگ میں اشعار کا استعمال برملا کرتے تھے۔ وہ اکثر رجز استعمال کرتے تھے۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''خندق کی کھدائی میں میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔ میں نے آپ کو دیکھا آپ خندق کی مٹی منتقل فرمارہے تھے حتیٰ کہ آپ کے بطن اقدس پر غبار مدینہ چھا گیا۔ آپ ﷺ کے مبارک بال بہت زیادہ تھے۔ آپ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ رجز پڑھ رہے تھے:

واللہ لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الالی قد رغبوا علینا اذا ارادوا فتنۃ ابینا

''مولا! اگر تیری رحمت شامل حال نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ ہم نہ تو صدقہ کرسکتے اور نہ ہی نماز پڑھتے۔ ہم پر ضرور سکون نازل فرما۔ اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ان دشمنوں نے ہمارے خلاف بغاوت کردی ہے۔ جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کردیا۔ ابینا ابینا، آپ ﷺ اپنی آواز مبارک بلند فرمالیتے تھے''۔

امام بیہقی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ خندق کی کھدائی کیلئے ضرب مارتے تو یوں فرماتے:

باسم الالہ وبہ ھدینا ولو عبدنا غیرہ شقینا

یاحبذا رباو یاحبذا دینا

''اللہ تعالیٰ کے مبارک اسم کے ساتھ۔ اسی کے ساتھ ہمیں ہدایت نصیب ہوئی اگر ہم اس ذات والا کے علاوہ کسی اور کی عبادت کریں تو ہم بدبخت ہیں۔ وہ کتنا عمدہ رب ہے اور دین اسلام کتنا عمدہ دین ہے''۔

یہ آپ ﷺ کے کسی صحابی کا کلام ہے۔ اگر یہ رجز ہو شعر نہ ہو تو پھر یہ آپ ﷺ کا ہی فرمان عالی شان ہے کیونکہ شعر کے لیے شرط ہے کہ وہ موزوں ہو اور شعر کہنا مقصود ہو اگر بلا ارادہ موزوں کلام نکلے تو اسے شعر نہیں کہتے۔

معجزات بینات

اس غزوہ میں بہت سے معجزات بینات کا ظہور ہوا۔ ان میں سے ایک وہ ہے جسے امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''خندق کے دن ہم کھدائی کر رہے تھے۔ اچانک ایک سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا۔ کدال اس میں بے بس ہوگئی۔ صحابہ کرام بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول صلی اللہ علیک وسلم! خندق کی کھدائی میں ایک بڑی چٹان آگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس پر پانی کا چھڑکاؤ کرو'' آپ اٹھے آپ نے بطن اقدس پر ایک پتھر باندھا ہوا تھا۔ تین ایام گزر گئے تھے کہ ہم نے کچھ چکھا بھی نہ تھا۔ حضور ﷺ نے کدال پکڑی۔ تین بار بسم اللہ پڑھی، پھر ضرب کوہ شگاف ماری تو وہ چٹان ریت کے سیل رواں کی طرح ہوگئی۔ دوسری روایت میں ہے ''آپ ﷺ نے پانی کا برتن منگوایا۔ اس میں لعاب دہن ملایا۔ پھر دعا فرمائی۔ پھر وہ پانی اس چٹان پر چھڑک دیا۔ وہاں موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ''ہمیں اس ذات والا کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ وہ چٹان ریت کے تودے کی مانند ہوگئی۔ جو نہ کلہاڑے کو اور نہ ہی کدال کو واپس لوٹاتی تھی''۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''خندق کی کھدائی میں ہمیں چٹان کا سامنا کرنا پڑا۔ اس میں کدال کارگر نہ تھی۔ ہم نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی۔ آپ تشریف لائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کدال لی۔ بسم اللہ پڑھی، پھر ضرب کاری لگائی تو اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ اس سے نور نکلا، جس سے مدینہ طیبہ کے دو سنگلاخ پہاڑ چمک گئے۔ آپ نے فرمایا ''اللہ اکبر! مجھے شام کی چابیاں دے دی گئیں۔ بخدا! میں اس جگہ سے اس کے محلات دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی، اس کا دوسرا تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ ایران کی طرف سے بجلی چمکی جس سے دو سنگلاخ چٹانیں چمک اٹھیں۔ آپ نے فرمایا ''اللہ اکبر! مجھے ایران کی چابیاں دے دی گئیں۔ میں مدائن کسریٰ میں سفید محل دیکھ رہا ہوں'' دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا ''میں حیرہ کے محلات اور مدائن کسریٰ دیکھ رہا ہوں۔ گویا کہ وہ کتے کے جبڑے ہیں۔ حضرت جبرائیل امین نے مجھے بتایا ہے میری امت ان پر غلبہ پائے گی۔ تم نصرت الٰہی پر خوش ہو جاؤ۔ یہ سن کر مسلمانوں کی مسرت وشادمانی کی حد نہ رہی۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی۔ بسم اللہ پڑھی تو چٹان کا بقیہ حصہ کٹ کر گر پڑا۔ یمن کی طرف سے نور نکلا جس سے مدینہ طیبہ کے دو بڑے پہاڑ جگمگا اٹھے، حتیٰ کہ وہ تاریک رات میں ضوفشاں چراغ تھا۔ آپ نے فرمایا ''اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں، قسم بخدا! میں اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں'' منافقین نے جب یہ باتیں سنیں تو انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں دھوکہ دہی کے لیے یہ وعدے کیے ہیں''۔

امام ابن اسحاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں یہ شہر فتح ہوئے تو وہ فرماتے تھے ''وہ شہر فتح کر لو جو تمہارے لیے عیاں کر دیے گئے ہیں۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی

قسم جس کے دست قدرت میں ابوہریرہ کی جان ہے تم نے یہ شہر مدینہ طیبہ سے فتح نہیں کیے نہ ہی روز حشر تک انہیں فتح کر سکتے تھے بلکہ اس سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی چابیاں عطا فرما دی تھیں"۔

اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کے پاس جَو کا ایک صاع اور بکری کا بچہ تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض صحابہ کرام کی دعوت کی سعادت حاصل کرنا چاہی۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے سارے اہل خندق کو بلا لیا۔ وہ کھانا سب کو کفایت کر گیا۔ حضرت نعمان کی خواہر محترمہ اور حضرت بشیر بن نعمان کی لخت جگر کھجوروں سے لبریز پیالہ لے کر آئیں تاکہ اسے ان کے والد گرامی اور ماموں ابن رواحہ رضی اللہ عنہما کھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ پیالہ ادھر لے آؤ" آپ نے ان کھجوروں کو اپنے دست اقدس پر رکھ لیا۔ پھر ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا پھر کسی صحابی کو حکم فرمایا "اہل خندق میں اعلان کر دو کہ کھانا کھالو" سارے صحابہ کرام اس دستر خوان کے پاس جمع ہو گئے، وہ کھجوروں کو تناول فرمانے لگے۔ کھجوریں بڑھنے لگیں حتیٰ کہ وہ سب شکم سیر ہو گئے۔ کھجوریں دستر خوان کے اطراف سے نیچے گر رہی تھیں۔

خندق کی کھدائی میں چھ دن لگ گئے۔ دوسری روایت میں بیس دن، چوبیس دن اور ایک ماہ کا بھی تذکرہ ہے۔

لشکر قریش کی آمد

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق کی کھدائی سے فارغ ہو گئے تو لشکر قریش پہنچ گیا۔ قریش میں بنو کنانہ اور اہل تہامہ نے جرف اور غابہ کے درمیان مجتمع السیول میں قیام کیا۔ عیینہ بن حصن، بنو غطفان اہل نجد کے ساتھ احد کے دامن میں ٹھہرا۔ یہ لشکر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر نکل آئے۔ مجاہدین کی تعداد تین ہزار تھی۔ انہوں نے کوہ سلع کو اپنے پس پشت رکھا۔ وہاں مجاہدین خیمہ زن ہو گئے۔ مجاہدین اور دشمن کے مابین خندق تھی۔ آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمہ بن اسلم کو دو سو شہ سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین اسلام کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ مدینہ طیبہ کی حفاظت کریں۔ وہ گاہے بگاہے نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے رہے کیونکہ بنو قریظہ کی طرف سے خواتین اور بچوں کو خطرہ تھا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی

اللہ کا دشمن حیی بن اخطب لشکر سے باہر نکلا۔ وہ کعب بن اسد القرظی کے پاس آیا، اس نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ کعب نے اسے دیکھا تو اپنے قلعے کا دروازہ بند کر لیا۔ اس نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ حیی نے اسے کہا "تیرے لیے ہلاکت! کعب! دروازہ کھولو میں تم سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں" کعب نے کہا "مجھ سے دور ہو جا تو بدبخت

اور منحوس آدمی ہے۔ میں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر رکھا ہے۔ انہوں نے وہ معاہدہ نہیں توڑا۔ میں نے ان کی طرف سے وفاء اور صدق ہی دیکھا ہے" حیی نے اسے بخیل ہونے کا طعنہ دیا۔ اس نے کہا "بخدا! تو اس لیے دروازہ نہیں کھول رہا تا کہ میں تیرے ساتھ بیٹھ کر حلوہ نہ کھاؤں" حیی برابر اصرار کرتا رہا حتیٰ کہ کعب نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ حیی نے کہا "تیرے لیے بربادی کعب! اگر تم میری موافقت کرلو تو میں تمہارے لیے زمانہ بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش کو تیرے پاس لے کر آیا ہوں۔ وہ مجتمع السیول میں خیمہ زن ہیں۔ ان کے علاوہ بنو غطفان بھی آئے ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے سے پہلے نہیں جائیں گے۔ کعب نے کہا: حیی تو میرے لیے زمانہ بھر کی رسوائی لے کر آیا ہے۔ تو پانی کے بغیر بادل لے کر آیا ہے جس کا پانی بہہ چکا ہے۔ جس میں گرج اور چمک تو ہے لیکن پانی نہیں ہے۔ تیرے لیے بربادی ہو۔ مجھے چھوڑ دے۔ میرا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ ہے۔ میں نے ان کی طرف سے وفا اور صدق کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا"۔ حیی لگاتار اسے عہد شکنی پر ابھارتا رہا حتیٰ کہ کعب نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے درمیان تھا۔ حیی نے اسے کہا "اگر قریش اور بنو غطفان بے نیل مراد واپس چلے گئے اور انہوں نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تو وہ کعب کے ساتھ اس کے قلعہ میں داخل ہو جائے گا۔ اسے بھی وہی کچھ پہنچے گا جو کچھ کعب کو ملے گا" پھر اس نے قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ ایک ہزار افراد بھیج دیں۔ اس نے بنو غطفان کی طرف بھی یہی پیغام بھیجا تا کہ وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کریں۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ آزمائش بڑی ہوگئی۔ آپ اہل خندق سے زیادہ خواتین اور بچوں کے بارے متفکر ہوئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ بنو قریظہ نے عہد شکنی کی ہے تو آپ نے فرمایا "کون ہے جو بنو قریظہ کے پاس جائے گا اور ان کی خبر لے کر آئے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! میں" انہوں نے فرمایا "میں بنو قریظہ کی طرف گیا میں جب واپس آیا تو آپ نے فرمایا "میرے والدین کریمین تم پر فدا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس خبر کی تصدیق کرنے کے لیے حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت خوات بن جبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "روانہ ہو جاؤ۔ دیکھو کہ کیا وہ خبر سچی ہے جو بنو قریظہ کی طرف سے ہمیں پہنچی ہے؟ اگر وہ خبر سچی ہوئی تو مجھے اشارہ و کنایہ سے بتانا تا کہ لوگوں کے بازو کمزور نہ ہوں۔ اگر وہ اپنے عہد کی پاسداری کر رہے ہوں تو باآواز بلند بتا دینا تا کہ سارے لوگ اسے سن لیں" یہ صحابہ کرام بنو قریظہ کے پاس آئے۔ وہ اس خبر سے بھی بڑھ کر خبیث ثابت ہوئے جو انہیں پہنچی تھی۔ انہوں نے نہ صرف عہد کو توڑ دیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی نازیبا کلمات کہے۔ انہوں نے کہا "کون ہے رسول؟ ان میں سے کچھ نے تو یوں کہا "ہمارے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی عہد و معاہدہ نہیں" صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اشارہ و کنایہ سے عرض کی۔ انہوں نے عرض کی "عضل و قارہ کی طرح جس طرح کہ انہوں نے اصحاب الرجیع کے ساتھ دھوکہ کیا تھا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اکبر! اے مسلمانوں کے گروہ! خوش ہو جاؤ تمہیں بشارت ہو"۔ اس امر میں کوئی منافات نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت زبیر یا ان صحابہ کرام کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا کیونکہ امکان ہے کہ آپ نے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پھر ان صحابہ کرام کو بھیجا ہو یا انہیں اکٹھے بھیجا ہو۔ مذکورہ بالا صحابہ کرام کو بنو قریظہ کی طرف بھیجنے میں یہ حکمت کارفرما تھی کیونکہ یہ ان کے حلیف تھے۔ امکان تھا کہ وہ اپنے حلیفوں کو دیکھ کر عہد شکنی سے باز آجائیں۔ مگر بنو قریظہ پر بد قسمتی چھا گئی۔ اس کے بعد آزمائش میں اضافہ ہو گیا۔ خوف شدید ہو گیا۔ دشمن مسلمانوں کے اوپر سے آ گیا۔ یعنی مشرق کی طرف سے وادی کے بلند کنارے سے آ گیا۔ وہاں بنو غطفان فروکش ہوئے تھے۔ دشمن مسلمانوں کی نچلی سمت سے آ گیا یعنی وادی کے نچلے کنارہ مغرب کی طرف سے وہاں قریش کا پڑاؤ تھا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ "اذ جاؤ کم من فوقکم" یعنی عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھی بلند جگہ سے اور "من اسفل منکم" تمہاری نچلی سمت سے ابو سفیان بن حرب اور اس کے ساتھی آ گئے۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

"اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے"۔ (احزاب)

نصرت اور مایوسی کے گونا گوں اندیشوں نے تمہارا گھیراؤ کر لیا۔ بعض منافقین کا نفاق عیاں ہو گیا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ (احزاب)

"اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اللہ اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لیے"۔

یہ بات معتب بن قشیر نے کی تھی۔ یہ منافق تھا۔ اس نے کہا تھا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان ہے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے کھائیں گے۔ حالانکہ اب خوف کی کیفیت یہ ہے کہ کوئی مطمئن ہو کر بیت الخلاء بھی نہیں جا سکتا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ بات کرنے والا عبداللہ بن ابی تھا۔ بعض منافقوں نے کہا:

یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (احزاب:13)

"اے اہل یثرب! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو)"۔

انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں، ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ہم اپنے گھروں میں چلے جائیں۔ وہ مدینہ طیبہ سے باہر ہیں"۔

نوفل بن عبداللہ کی جسارت

پھر نوفل بن عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے آیا۔ اس نے خندق عبور کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ خندق میں گر پڑا، اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ وہیں مر گیا۔ دوسری روایت کے مطابق مسلمانوں نے اس پر پتھر پھینکے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نیچے اتر کر اس کا کام تمام کر دیا۔ یہ بات مشرکین پر بڑی گراں گزری۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجا "اس کی دیت ہم دے دیں گے آپ ہمیں اس کو دفن کرنے کی اجازت دے دیں" دوسری روایت کے مطابق انہوں

نے اس شرط پر دس ہزار دراہم دینے کا وعدہ کیا کہ نوفل کی لاش انہیں دی جائے تاکہ وہ اسے دفن کر دیں۔ مگر حضور ﷺ نے دیت کے بغیر ہی اس کی لاش واپس کر دی کیونکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے خبیث تھا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آیا تھا۔ اس کی دیت بھی خبیث تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر اور اس کی دیت پر لعنت کرے۔ آپ نے فرمایا "ہم تمہیں منع نہیں کریں گے کہ تم اسے دفن کرو مگر اس کی دیت میں ہمارا کوئی حصہ نہیں"۔

حضور ﷺ خندق پر تشریف فرما تھے۔ دشمن آپ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ان کے مابین باضابطہ جنگ نہیں ہوئی تھی۔ البتہ رات کے وقت مشرکین مسلمانوں پر شب خون مارنے کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ ان کے مابین تیر اندازی ہوتی رہتی تھی۔ جب مشرکین نے خندق دیکھی تو انہوں نے کہا "یہ جنگی چال ایسی تو نہیں جسے اہل عرب اپناتے ہوں"۔ مشرکین یکے بعد دیگرے آتے رہے۔ ایک دن صبح سویرے ابوسفیان اور اس کے ساتھی آئے۔ دوسرے روز خالد بن ولید اور ان کے ساتھی آئے۔ پھر عمرو بن عاص، اس کے بعد ہبیرہ بن وہب پھر عکرمہ بن ابی جہل پھر ضرار بن خطاب آیا۔ انہوں نے اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھی۔ وہ اپنے گھوڑوں کو چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ اکٹھے ہو کر دوسری بار علیحدہ علیحدہ حملہ آور ہوتے۔ وہ جنگ کے لیے صحابہ کرام کے قریب ہو جاتے۔ حضور ﷺ مسلمانوں کو مژدہ ہائے جانفزا سناتے رہتے۔ انہیں ثابت قدم کرتے رہتے آپ انہیں بشارت دیتے ہوئے فرماتے "اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت پر خوش ہو جاؤ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میں بیت اللہ العتیق کا ضرور طواف کروں گا، میں کعبہ معظمہ کی چابیاں پکڑوں گا، قیصر و کسریٰ ضرور ہلاک ہوں گے، تم ان کے اموال کو ضرور راہ خدا میں خرچ کرو گے"۔

بنو غطفان سے مصالحت کی کوشش

پھر آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ عیینہ ابن حصن اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا ثلث اس شرط پر دیں کہ وہ واپس چلے جائیں، مگر سعدان رضی اللہ عنہما نے آپ کو روک دیا۔ انہوں نے عرض کی "جب ہم مشرک تھے تو ہماری جرأت و بسالت کی حالت یہ تھی یہ لوگ ہماری ایک کھجور کھانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے سوائے ان کھجوروں کے جو انہیں بطور ضیافت یا انہیں کے ہاتھوں فروخت کر دی گئی ہوں۔ اب اللہ رب العزت نے ہمیں اسلام کے ساتھ عزت دی ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے ہمیں ذوقدر کیا ہے۔ اس عزت افزائی کے باوجود ہم انہیں اپنے اموال دے دیں۔ ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بخدا! ہم انہیں تلوار کے علاوہ کچھ نہیں دیں گے، حتیٰ کہ رب تعالیٰ فیصلہ فرما دے" حضور ﷺ نے فرمایا "تم جانو یا وہ"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عیینہ بن حصن اور حرث بن عوف کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ انہیں مدینہ طیبہ کے پھلوں کا ایک تہائی حصہ دیں گے بشرطیکہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلے جائیں۔ یہ دونوں ابوسفیان سے چھپتے چھپاتے آپ کی خدمت میں آ گئے۔ حضور ﷺ سے ملاقات کی اور اس شرط پر موافقت ہو گئی۔ انہوں نے آپ سے نصف کا مطالبہ کیا مگر آپ نے ثلث پر ہی اصرار کیا۔ جس پر وہ راضی ہو گئے۔ آپ نے یہ صحیفہ لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ دوات پیش کی گئی تاکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یہ معاہدہ لکھیں۔ ایک اور روایت کے مطابق حضور ﷺ نے انہیں یہ معاہدہ لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں

نے یہ معاہدہ لکھا، پھر آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اس کے متعلق ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے عرض کی ''کیا یہ آپ کا پسندیدہ فیصلہ ہے یا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس پر عمل پیرا ہونا ہم سب کے لیے لازم ہے یا یہ آپ ہمارے لیے کر رہے ہیں'' دوسری روایت میں ہے ''اگر یہ آسمانی حکم ہے تو کر گزریے۔ اگر یہ ایسا امر ہے جس کا آپ کو حکم نہیں دیا گیا بلکہ آپ کی خواہش ہے پھر بھی سر تسلیم خم ہے اگر یہ رائے ہے تو پھر ہمارے ہاں ان کے لیے صرف تلوار ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر رب تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم دیا ہوتا تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا۔ بخدا! میں یہ معاہدہ صرف اس لیے کر رہا ہوں میں نے دیکھا ہے کہ سارے اہل عرب تمہارے خلاف متحد ہو گئے ہیں۔ وہ ہر طرف سے تم پر چڑھ دوڑے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں ان کی طاقت کو توڑ دوں''۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! جب ہم اور بنو غطفان مشرک تھے۔ صنم پرست تھے۔ ہم رب تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے تھے، ہم اسے جانتے بھی نہ تھے۔ بنو غطفان ہماری ایک کھجور کھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے تھے سوائے ان کھجوروں کے جو انہیں بطور ضیافت دی جاتیں یا فروخت کر دی جاتیں۔ اب تو رب تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ ہمیں عزت بخشی ہے۔ ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے۔ آپ کی تشریف آوری سے ہمیں ذوشرف کیا ہے۔ اب ہم انہیں اپنے اموال دے دیں۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں صرف تلوار دیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ کر دے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم جانو یا وہ'' حضرت سعد نے وہ صحیفہ لیا جو کچھ اس میں لکھا گیا تھا اسے مٹا دیا۔ اس سے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ وہ صحیفہ لکھا جا چکا تھا۔ دوسرے مؤقف کے مطابق انہوں نے یہ صحیفہ لکھنے سے منع کر دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ صحیفہ پھاڑ دو'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اسے پرزہ پرزہ کر دیا اور عیینہ اور حرث سے کہا ''واپس لوٹ جاؤ، ہمارے اور تمہارے مابین صرف تلوار ہے'' یہ بات انہوں نے باآواز بلند کی۔ بزاز اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حرث بن عوف بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا۔ اس نے عرض کی ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں مدینہ طیبہ کی آدھی کھجوریں دیں ورنہ ہم اسے گھڑ سواروں اور پیادہ دستوں سے بھر دیں گے'' آپ نے فرمایا ''میں سعود (حضرات سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، سعد بن ربیع، سعد بن خیثمہ اور سعد بن مسعود رضی اللہ عنہم) سے مشورہ کر لوں'' یہ بھی کہا گیا ہے حضرت سعد بن ربیع کا ذکر وہم ہے کیونکہ وہ تو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا ''ہرگز نہیں! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم زمانہ جاہلیت میں انہیں ایک گٹھلی بھی نہیں دیتے تھے۔ اب تو اسلام کا خورشید جہاں تاب طلوع ہو گیا ہے'' آپ نے حارث کو یہ بات بتائی۔ اس نے کہا ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دھوکہ دیا ہے (نعوذ باللہ منہ)۔

عمرو بن عبدود اور حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت

پھر قریش کی ایک جماعت نے تنگ جگہ سے خندق کو عبور کر لیا۔ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ اس کی عمر نوے سال تھی۔ وہ مشہور بہادروں میں سے تھا۔ ان گھڑ سواروں میں عکرمہ بن ابی جہل، ہبیرہ بن ابی وہب اور

ضرار بن خطاب بھی تھے۔ ضرار اور عکرمہ کو دولتِ اسلام نصیب ہوئی جبکہ ہبیرہ حالت کفر میں مر گیا۔ جب خندق اور سلع کے درمیان پہنچے تو عمرو بن عبدود نے مبارزت طلب کی۔ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں اسے کافی ہو جاتا ہوں" آپ نے انہیں فرمایا "بیٹھ جاؤ، یہ عمرو ہے" عمرو نے دوبارہ چیلنج کیا وہ مسلمانوں سے کہنے لگا "وہ تمہاری جنت کہاں ہے؟ جس کے بارے تمہارا گمان ہے کہ تمہارا مقتول اس میں جائے گا۔ میرے مقابلہ کے لیے کون آئے گا؟" حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں اس کا کام تمام کر دیتا ہوں" آپ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ، یہ عمرو ہے" انہوں نے عرض کی "ہاں وہ عمرو ہی ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ انہیں اپنی شمشیر ذوالفقار عطا فرمائی، اپنی لوہے کی زرہ پہنائی، اپنا عمامہ شریف پہنایا۔ یہ دعا مانگی "عمرو کے خلاف علی کی مدد فرمانا۔ مولا! یہ میرا بھائی ہے، یہ میرا چچازاد ہے، مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو بہترین وارث ہے"۔

دوسری روایت میں ہے "آپ نے اپنا مبارک عمامہ آسمان کی طرف بلند کیا پھر عرض کی "مولا! غزوۂ بدر میں تو نے مجھ سے عبیدہ لے لیے، غزوۂ احد میں حمزہ لے لیے، یہ میرا بھائی ہے، یہ میرا چچازاد علی ہے۔ مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو بہترین وارث ہے"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چل کر عمرو کی طرف گئے اور فرمایا: عمرو! تو نے رب تعالیٰ سے عہد کر رکھا ہے کہ اگر قریش میں سے کسی شخص نے تمہیں دو چیزوں کی طرف دعوت دی تو ان میں سے ایک ضرور قبول کر لے گا" عمرو نے کہا "ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں تجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام کی طرف بلاتا ہوں" عمرو نے کہا "مجھے اس کی ضرورت نہیں" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں تجھے مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں" ایک اور روایت کے مطابق حضرت شیر خدا نے اسے فرمایا "تو کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی بھی مجھے تین اشیاء کی طرف دعوت دے گا تو میں ان میں سے ایک کو قبول کر لوں گا" عمرو نے کہا "ہاں!" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ تو یہ گواہی دے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ رب العالمین کے لیے اسلام لے آ" اس نے کہا "میرے بھتیجے! یہ دعوت مجھ سے دور ہی رہنے دو" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "دوسری بات یہ ہے کہ تو اپنے وطن چلا جا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہوئے تو آپ پر ایمان لا کر سب لوگوں سے زیادہ سعادت مند ہو جانا۔ اگر آپ جھوٹے ہوں تو تیرا ارادہ بھی یہی ہے" عمرو نے کہا "اگر میں نے اس طرح کیا تو قریش کی عورتیں باتیں بنائیں گی اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اب جبکہ میں اپنی نذر پورا کرنے پر قادر ہوں" جب یہ غزوۂ بدر کے روز بھاگ نکلا تھا تو اس نے نذر مانی تھی کہ وہ اپنے سر پر تیل نہیں لگائے گا حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید نہ کر لے" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تیسری پیشکش یہ ہے کہ میرے ساتھ مقابلہ کرو" یہ سن کر عمرو ہنسنے لگا۔ اس نے کہا "میرا خیال یہ نہ تھا کہ کوئی عرب مجھے مقابلہ کی دعوت دے کر ڈرائے گا" پھر اس نے پوچھا "آپ کون ہیں؟ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ اس لیے وہ آپ کو نہ پہچان سکا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں علی ہوں" عمرو: ابن عبد مناف۔ حضرت علی نے فرمایا "میں علی بن ابی طالب ہوں۔ عمرو نے کہا "اپنے علاوہ کسی اور کو بھیجو جو آپ سے زیادہ بہادر ہو۔ میں آپ کا خون نہیں بہانا چاہتا" ایک اور روایت کے مطابق عمرو نے کہا "میرے بھتیجے! میں آپ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

''میں تو تجھے جہنم واصل کرنا چاہتا ہوں'' اس وقت عمرو کو حمیت نے آلیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تیرے ساتھ کیسے مقابلہ کروں، حالانکہ تو اپنے گھوڑے پر ہے، نیچے اتر'' وہ فوراً گھوڑے سے نیچے اترا۔ اس نے تلوار سونتی۔ گویا کہ وہ آگ کا شعلہ تھی۔ اس نے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ اس کے چہرے پر مارا تا کہ وہ خود راہ فرار اختیار نہ کرے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے، ان کے مابین گرد و غبار اٹھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی ڈھال سامنے کی۔ عمرو نے اس پر وار کیا۔ تلوار نے اسے دو حصوں میں کاٹ دیا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی، اس نے آپ کو زخمی کر دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو کے کندھے کی ہڈی پر وار کیا۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے ہنسلی کی ہڈی پر نیزہ مارا، جو اس کے گوشت سے نکل گیا۔ عمرو نیچے گر پڑا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ کی آواز سنی تو آپ جان گئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کا کام تمام کر دیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: علی! آپ نے اس کی زرہ کیوں نہ چھین لی۔ اہل عرب کی کوئی زرہ اس زرہ سے خوبصورت نہیں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب میں نے اس پر وار کیا تو اس نے اپنی شرم گاہ میرے سامنے کر دی جس سے مجھے حیاء آئی''۔

حضرت اصم نے کہا ہے کہ میں نے حضرت عطاردی کو فرماتے سنا انہوں نے فرمایا ''میں نے حضرت یحییٰ بن آدم کو سنا انہوں نے فرمایا'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمرو کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مشابہت رکھتا ہے:

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ (البقرۃ:251)

''پس انہوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو اللہ کے اذن سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو''۔

تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو کو تہ تیغ کر دیا تو ان سے پوچھا گیا ''عمرو کے ساتھ آپ نے خود کو کیسے پایا؟ انہوں نے فرمایا ''میں نے خود کو اس حالت میں پایا کہ اگر اہل مدینہ ایک طرف ہوتے اور میں دوسری طرف ہوتا تو میں ان پر غالب آجاتا''۔

ابن اسحاق کے مطابق مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرو کی لاش کو دس ہزار دراہم میں خریدنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کی منحوس لاش لے جاؤ ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے'' عمرو واصل جہنم ہو گیا تو خندق کو عبور کرنے والے مشرکین اپنے گھوڑوں کو بھگاتے ہوئے واپس آگئے۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا۔ نوفل بن عبداللہ کو تلوار سے دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ وہ تلوار اس کے گھوڑے کی گردن کے پٹھے تک پہنچ گئی۔ ان سے کہا گیا ''ابو عبداللہ! آپ کی تلوار کی طرح کی تلوار نہیں دیکھی۔ انہوں نے فرمایا ''بخدا! یہ تلوار نہیں بلکہ یہ تو سردار ہے''۔

ایک روایت کے مطابق نوفل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تہ تیغ کیا۔ دوسری روایت کے مطابق خندق کے روز ایک مشرک نے کہا ''مبارزت کے لیے کون آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زبیر! اٹھو'' ان کی امی حضرت صفیہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ!

میرا اکلوتا بیٹا ہے"۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا "زبیر اٹھو" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اٹھ کر گئے اور اسے واصل جہنم کر دیا۔ اس کا سامان لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے وہ سامان انہیں بخش دیا۔

ایک روایت کے مطابق جب نوفل خندق میں گرا تو لوگوں نے اس پر پتھر پھینکے۔ اس نے کہا "اے گروہ عرب! اچھے طریقے سے قتل کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نیچے اترے تو اسے تہ تیغ کر دیا۔ ممکن ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں نے مل کر اسے قتل کیا ہو" یہ گھڑسوار شکست خوردہ ہو کر واپس آ گئے۔ اس روز عکرمہ نے اپنا نیزہ پھینک دیا وہ عمرو کی وجہ سے شکستہ دل ہو گئے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اشعار کہہ کر انہیں عار دلایا۔ جب یہ سب ابوسفیان تک پہنچے تو عکرمہ نے کہا "آج کے دن ہمیں کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا واپس لوٹ چلو"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہبیرہ بن وہب پر حملہ کیا، یہ حضرت ام ہانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خواہر محترمہ کا شوہر تھا۔ انہوں نے گھوڑے کی ہنسلی کی ہڈی پر تلوار ماری اور اسے کاٹ کر رکھ دیا۔ وہ زرہ گر پڑی جو اس نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر رکھی ہوئی تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھا لیا پھر ضرار بن خطاب اور ہبیرہ بن وہب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی سمت آئے۔ ضرار تو پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ ہبیرہ کچھ دیر ثابت قدم رہا۔ پھر وہ بھی اپنی زرہ پھینک کر بھاگ گیا۔ یہ قریش کا شاہ سوار اور شاعر تھا۔ روایت ہے کہ جب ضرار بن خطاب بھاگا تو ان کے بھائی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کا تعاقب کیا۔ وہ ان کے پیچھے بھاگنے لگے۔ ضرار نے پلٹ کر حملہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر نیزہ سے حملہ کرنا چاہا۔ پھر رک گیا۔ اس نے کہا "عمر! یہ ایک بڑی نعمت ہے جو میں نے آپ پر کی ہے۔ یہ میرا آپ پر احسان ہے اسے یاد رکھنا۔ اسی طرح کی ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے غزوۂ احد میں بھی رونما ہو چکی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے اسے نیزہ مارنا چاہا پھر اسے اوپر اٹھا لیا پھر فرمایا "ابن خطاب! میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا" پھر ضرار پر رب تعالیٰ نے احسان فرمایا وہ اسلام لے آئے۔ اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ اس روز مسلمانوں کا شعار "حٰم لا ینصرون" تھا۔ ممکن ہے یہ شعار انصار کا ہو اس لیے یہ اس روایت کے مخالف نہیں جس میں ہے کہ اس روز مسلمانوں کا شعار "یا خیل اللہ" تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے تیر لگا، جس سے ان کے بازو کی رگ کٹ گئی۔ ابن عرقہ عامری نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تھا۔ عرقہ اس کی ماں تھی۔ اس کا پورا نام قلابہ بنت سعید تھا۔ اس کی کنیت ام فاطمہ تھی۔ عمدہ خوشبو کی وجہ سے اسے عرقہ کہا جاتا تھا۔ یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی دادی تھی۔ ابن عرقہ کا نام حبان بن عبد مناف تھا۔ جب اس نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارا تو اس نے کہا "لیجیے میں ابن عرقہ ہوں" حضرت سعد نے فرمایا "رب تعالیٰ تیرا چہرہ آگ میں غرق آلود کرے" دوسری روایت کے مطابق یہ فرمان حضور ﷺ کا ہے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی "مولا! اگر تو نے ہمارے اور قریش کے مابین جنگ کرانی ہے تو مجھے منصب شہادت عطا فرما اور مجھے موت نہ دے حتیٰ کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں" دوسری روایت میں ہے "حتیٰ کہ تو مجھے بنو قریظہ سے شفایاب کر دے" دوسرے الفاظ میں ہے "مولا! اگر تو نے مجھے قریش کے ساتھ

جنگ لڑنے کے لیے باقی رکھا ہے تو مجھے تھوڑی سی زندگی اور عطا فرما۔ ان سے بڑھ کر مجھے اور کوئی قوم پسندیدہ نہیں کہ میں اس کے ساتھ جہاد کروں۔ اس قوم نے تیرے رسول مکرم ﷺ کو اذیت دی ہے انہیں جھٹلایا ہے اور انہیں شہر مکہ سے باہر نکال دیا ہے۔ اگر تو نے ہمارے اور ان کے مابین جنگ کرائی ہے تو مجھے منصب شہادت عطا فرما اور مجھ پر موت طاری نہ فرما حتیٰ کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں"۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اس کے بعد قریش مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ لڑ سکے۔ اور جب تک بنو قریظہ کے بارے فیصلہ نہ ہوا ان کا وصال نہ ہوا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ابو سامہ جشمی نے تیر مارا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ تیر خفاجہ بن عاصم نے مارا تھا۔

جنگ کی شدت اور دعائے مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء

ایام خندق میں سے ایک روز خندق کی ساری اطراف میں رات گئے تک جنگ ہوتی رہی۔ نہ تو حضور ﷺ اور نہ ہی کسی اور صحابی نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی۔ مسلمان کہنے لگے "ہم نے تو نماز بھی نہیں پڑھی"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے بھی نہیں پڑھی" جب جنگ رکی تو حضور ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لائے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم صادر فرمایا۔ تو انہوں نے اذان دی۔ نماز ظہر کے لیے اقامت کہی تو آپ نے نماز ظہر پڑھائی۔ پھر ہر نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر نماز کے لیے اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی۔ امام نووی نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ یہ دو مختلف ایام میں اس طرح ہوا کیونکہ اس غزوہ میں پندرہ روز صرف ہوئے تھے۔ جن روایات میں نماز عصر کے رہ جانے کا ذکر ہے انہیں بھی اس پر محمول کیا جائے گا کہ بعض ایام میں نماز عصر رہ گئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ الوسطیٰ سے مشغول رکھا یعنی ہم نماز عصر نہ پڑھ سکے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو یا قبور کو آگ سے لبریز کرے"۔

انصار کے بعض افراد مدینہ طیبہ میں اپنی کسی میت کو دفن کرنے کے لیے گئے۔ انہوں نے بیس اونٹ پائے جن پر جو، کھجوریں اور انجیر لدے ہوئے تھے۔ یہ حیی بن اخطب لے کر آ رہا تھا تاکہ قریش کو تقویت مل جائے۔ انصار نے انہیں پکڑ لیا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لے آئے۔ ان سے اہل خندق کے کھانے میں وسعت ملی۔ جب ابو سفیان تک یہ خبر پہنچی تو اس نے کہا "حیی منحوس ہے" پھر خالد بن ولید نے مشرکین کے ایک گروہ کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو غافل سمجھا انہوں نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو دو سو مجاہدین کے ساتھ خندق پر پایا۔ مشرکین ان کے ساتھ لڑنے لگے۔ ان مشرکین میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل وحشی بھی تھا۔ اس وحشی نے حضرت طفیل بن نعمان رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ مشرکین رات بھر اپنے فوجی دستے بھیجتے رہے، وہ مسلمانوں پر غارت گری کرنا چاہتے تھے۔ اس رات خوف پورے عروج پر تھا۔

صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان گروہوں کے لیے یہ بددعا کی "پروردگار! اے کتاب حکیم نازل کرنے والے، اے جلد حساب لینے والے! گروہوں کو شکست سے دوچار کر۔ مولا! انہیں شکست دے۔ ان کے خلاف ہماری مدد کر۔ انہیں مغلوب فرما" آپ لوگوں میں کھڑے ہوئے فرمایا "اے لوگو! دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی تمنا نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے

عافیت کا سوال کیا کرو، اگر دشمن سے معرکہ آزما ہو جاؤ تو صبر کیا کرو۔ جان لو کہ جنت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے" پھر آپ نے یہ دعا مانگی "اے مصیبت زدہ لوگوں کی پکار سننے والے! پریشان حال لوگوں کی دعائیں قبول کرنے والے۔ میرا غم، مصیبت اور کرب دور فرما، تو دیکھ رہا ہے میں اور میرے صحابہ کرام کتنی تکلیف اور مصیبت سے دوچار ہیں" صحابہ کرام نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! روح حلقوم تک پہنچنے لگی ہے۔ کوئی ورد بتائیں تاکہ اطمینان خاطر رہے" آپ نے فرمایا "ہاں یوں کہو" اَللّٰھُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا "مولا! ہمارے پردے کی جگہوں پر پردہ ڈال دے اور ہمارے خوف کو امن سے بدل دے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرائیل امین حاضر ہوئے۔ آپ کو مژدہ سنایا کہ اللہ تعالیٰ آندھی اور لشکر بھیج رہا ہے۔ آپ نے یہ مژدۂ جانفزا اپنے صحابہ کرام کو بھی سنایا، اپنے دست اقدس بلند فرمائے اور عرض کی "مولا! تیرا شکر ہے، مولا تیرا شکر ہے"۔

روایت ہے کہ آپ نے سوموار، منگل اور بدھ کے روز یہ دعا فرمائی۔ بدھ کے روز نماز ظہر اور عصر کے درمیان آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ آپ کے چہرۂ اقدس سے فرحت وانبساط کے اثرات عیاں تھے۔ اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ اہم امور کے لیے اسی وقت دعا مانگتے تھے۔ اس روز کوشش اور سعی سے دعا مانگتے تھے۔ وہ احادیث جو بدھ کے روز کی مذمت کے متعلق ہیں وہ مہینہ کے آخری بدھ پر محمول کی جائیں گی۔ اس دن فرعون پیدا ہوا۔ اس نے اسی روز دعویٰ ربوبیت کیا۔ اسی دن وہ ہلاک ہوا۔ اسی روز حضرت ایوب علیہ السلام کو مرض لاحق ہوا۔

خندق میں ایک شگاف تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گاہے بگاہے اس کی طرف تشریف لاتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شگاف کی طرف تشریف لے جاتے جب آپ کو سردی لگتی تو میرے پاس تشریف لاتے۔ میں اپنی آغوش میں آپ کے جسم اطہر کو گرم کرتی، جب جسد اطہر گرم ہو جاتا تو اسی شگاف کی طرف چلے جاتے۔ فرماتے "مجھے خطرہ ہے کہ مسلمانوں پر اس شگاف سے حملہ نہ کر دیا جائے"۔ اسی اثناء میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری آغوش میں تھے آپ فرمانے لگے "کاش کوئی پاکباز شخص اس شگاف کی حفاظت کرتا۔ آج رات میں نے اسلحہ کی آواز سنی ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون ہو؟ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں آپ کی حفاظت کے لیے حاضر ہوا ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس شگاف کی نگہبانی کرو" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت فرما ہو گئے حتیٰ کہ آپ کے خراٹے لینے کی آواز آنے لگی۔ پھر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھنے لگے کیونکہ جب آپ غمزدہ ہوتے تو آپ نماز پڑھنے لگتے۔ پھر خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ فرمایا: یہ مشرکین کے گھوڑے ہیں جو خندق کے اردگرد سرگرداں ہیں۔ آپ نے صدا دی: عباد بن بشیر! انہوں نے عرض کی "لبیک! آپ نے فرمایا "کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے؟ انہوں نے عرض کی "ہاں! میں ایک گروہ کے ساتھ آپ کے خیمہ کے اردگرد ہوں۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم" حضرت عباد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کی سب سے زیادہ حفاظت کر رہے تھے۔ آپ نے انہیں خندق کے اردگرد چکر کاٹنے کے لیے بھیجا۔ آپ نے انہیں بتایا کہ مشرکین خندق

کے اردگرد سرگرداں ہیں'' پھر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی ''مولا! ان کے شر کو ہم سے دور فرما، ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔ تیرے علاوہ کوئی انہیں مغلوب نہیں کرسکتا'' ابوسفیان گھڑسوار دستہ میں خندق کی تنگی کی طرف گھوم رہا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر تیراندازی کی تو وہ واپس لوٹ گئے۔

حضرت نعیم بن مسعود کا خفیہ کردار

حضرت نعیم بن مسعود شجعی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ابھی تک وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں دولت اسلام سے مالا مال ہوگیا ہوں، مگر میری قوم ابھی تک میرے اسلام سے آگاہ نہیں۔ آپ جو چاہیں مجھے حکم فرمادیں''۔

ایک روایت میں ہے کہ جب مشرکین کے گروہ عازم سفر ہوئے تو حضرت نعیم اپنی قوم بنوغطفان کے ساتھ چلے، وہ اس وقت اپنے دین پر ہی تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ یہ اپنی قوم سے نکل کر مغرب اور عشاء کے مابین حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ ﷺ نماز پڑھنے میں مصروف تھے۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''نعیم! کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''میں آپ کی تصدیق کرنے اور یہ گواہی دینے کے لیے آیا ہوں کہ آپ جو حیات آفرین پیغام لے کر آئے ہیں وہ حق ہے'' انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ پھر عرض کی ''یارسول اللہ! میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں، آپ جو چاہیں مجھے حکم دیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم فرد واحد ہو، یہ جنگ ختم کرنے پر اکساؤ، بلاشبہ جنگ دھوکہ ہی ہوتی ہے'' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''کیا میں ایسی بات کرلوں جو خلاف واقع ہو حالات جس کا تقاضا کریں'' آپ نے فرمایا ''جو بات مناسب سمجھو کرلو تمہارے لیے حلال ہے''۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے بنوقریظہ کے پاس پہنچے، یہ ان کے پرانے دوست تھے۔ انہوں نے انہیں دیکھ کر انہیں مرحبا کہا۔ مشروب اور کھانا پیش کیا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا ''میں کھانے پینے کے لیے نہیں آیا، مجھے تو خدشہ لے کر آیا ہے جو مجھے تمہارے بارے ہے۔ تاکہ تمہیں کچھ مشورہ دے سکوں۔ بنوقریظہ! تم جانتے ہو کہ میں تم سے کتنی گہری محبت کرتا ہوں، میرے اور تمہارے تعلقات کتنے عمیق ہیں'' بنوقریظہ نے کہا ''تم نے سچ کہا ہے، ہماری طرف سے آپ پر کوئی الزام نہیں'' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''کیا یہ میری بات مخفی رکھو گے'' بنوقریظہ: ہاں۔ حضرت نعیم نے کہا ''بنوقینقاع اور بنونضیر کی جلاوطنی سے تم آگاہ ہو کہ کس طرح ان کے اموال چھین لیے گئے۔ قریش اور غطفان کی کیفیت تمہاری طرح نہیں۔ یہ شہر تمہارا شہر ہے۔ اس میں تمہاری خواتین، اموال اور اولاد ہے۔ تم یہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف جانے پر قادر نہیں۔ قریش اور بنوغطفان محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں، تم نے ان کی معاونت کی ہے، ان کی خواتین، اموال اور اولاد دوسرے شہروں میں ہیں۔ وہ تمہاری طرح نہیں ہیں۔ اگر انہیں موقعہ ملا تو وہ جنگ لڑیں گے ورنہ وہ اپنے شہروں میں چلے جائیں گے۔ وہ تمہیں یہیں چھوڑ جائیں گے۔ یہ شخص (حضور ختمی مرتبت ﷺ) تمہارے شہر میں ہے۔ اس کے ساتھ جنگ کرنے کی قوت تم میں نہیں ہے۔ تم قریش اور غطفان کے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہ کرو حتیٰ کہ ان میں سے ستر چیدہ افراد بطور رہن

اپنے پاس نہ رکھ لو، وہ تمہارے پاس اس چیز کی ضمانت ہوں گے کہ وہ تمہارے ساتھ مل کر محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کریں گے حتیٰ کہ وہ شہید ہو جائیں''۔

بنو قریظہ نے کہا ''تم نے بڑی عمدہ رائے دی ہے۔ خلوص کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے انہیں دعائیں دیں اور ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا ''ہم اسی طرح کریں گے'' حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ بات مخفی رکھنا'' بنو قریظہ نے کہا ''ہم اسی طرح کریں گے'' وہاں سے روانہ ہو کر حضرت نعیم قریش کے پاس آئے۔ ابوسفیان اور قریش کے سرداروں سے کہا ''تم جانتے ہو کہ میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں۔ یہ بھی جانتے ہو کہ مجھے محمد عربی ﷺ کے ساتھ کتنی عداوت ہے۔ مجھ تک ایک بات پہنچی ہے۔ میرے خلوص کا تقاضا ہے کہ وہ بات تم تک ضرور پہنچاؤں۔ لیکن میرا نام نہ بتانا'' انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ یہ بات مخفی رکھیں گے۔ حضرت نعیم نے فرمایا ''کیا تمہیں علم ہے کہ بنو قریظہ نے جو حضور ﷺ کے ساتھ عہد شکنی کی ہے اس پر انہیں بڑی ندامت ہے۔ انہوں نے محمد عربی ﷺ کی طرف پیغام بھیجا ہے۔ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اپنے کیے پر نادم ہیں، کیا آپ اس امر پر راضی ہو جائیں گے کہ ہم قریش اور غطفان میں سے چیدہ چیدہ ستر افراد آپ کو دیں، آپ ان کی گردنیں اڑا دیں۔ پھر آپ بنو نضیر کو واپس آنے کی اجازت دیں، پھر ہم آپ کے ساتھ رہیں حتیٰ کہ ہم قریش اور غطفان کو جڑ سے اکھیڑ پھینکیں'' حضور ﷺ نے انہیں مثبت جواب دیا ہے اگر یہود تمہیں ستر افراد رہن رکھنے کا پیغام بھیجیں تو ان کا یہ پیغام قبول نہ کرنا۔ ان کو ایک آدمی بھی نہ دینا، نہ ہی اپنے رازوں سے آگاہ کرنا۔ یہ بات میری طرف سے مخفی رکھنا، اس کا تذکرہ نہ کرنا'' انہوں نے راز افشاء نہ کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بنو غطفان کے پاس آئے، انہوں نے کہا ''گروہ غطفان! تم میرا قبیلہ ہو، میرے اہل ہو، مجھے سب لوگوں سے عزیز ہو، میں تمہیں نہیں سمجھتا کہ تم مجھے الزام لگاؤ گے'' بنو غطفان نے کہا ''تم نے سچ کہا ہے تم پر کوئی الزام نہیں ہے'' حضرت نعیم نے کہا ''کیا میرا یہ راز مخفی رکھو گے'' انہوں نے کہا ''ہاں! پھر حضرت نعیم نے انہیں وہی بات بتائی جو پہلے قریش کو بتا چکے تھے۔ انہیں محتاط رہنے کے لیے کہا۔ ہفتہ کی رات کو ابوسفیان اور بنو غطفان کے سرداروں نے عکرمہ بن ابی جہل کو قریش اور غطفان کے سواروں کے ہمراہ بنو قریظہ کے پاس بھیجا انہوں نے کہا ''اب ہمارا یہاں زیادہ ٹھہرنا ممکن نہیں جانور اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں دشمن کے ساتھ آخری معرکہ لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ تاکہ ہم محمد عربی ﷺ پر حملہ کر کے انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکیں اور اس مہم سے فارغ ہو جائیں'' بنو قریظہ نے کہا ''اس رات کے بعد ہفتہ کا دن ہے۔ تمہیں علم ہے کہ ہفتہ کے دن ظلم کرنے والے پر کیا گزری۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم تمہارے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے حتیٰ کہ تم ہمیں اپنے چیدہ افراد میں سے ستر افراد بطور رہن دو'' انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! نعیم نے سچ ہی کہا ہے''۔

ایک اور روایت کے مطابق بنو قریظہ نے قریش کے قاصد آنے سے قبل ہی اپنا قاصد ان کی طرف بھیج دیا۔ اس نے انہیں کہا ''یہ سستی اور کاہلی کس لیے ہے۔ ضرب کاری لگانے کے لیے ایک دن کا تعین کر لو، جس میں بنو قریظہ تمہارے ساتھ ہوں گے، لیکن تم جنگ کے لیے اس وقت تک نہیں نکلو گے حتیٰ کہ تم اپنے چیدہ افراد میں سے ستر افراد بنو قریظہ کے ہاں

بطور رہن رکھ دو۔ انہیں خدشہ ہے کہ اگر تمہیں کسی ناپسندیدہ امر کا سامنا کرنا پڑے تو تم انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے جاؤ" ۔لیکن قریش نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ ان کے پاس حضرت نعیم آ گئے۔ انہوں نے کہا "میں ابوسفیان کے پاس ہی تھا جب اس کے پاس تمہارا قاصد گیا۔ ابوسفیان نے کہا "اگر وہ مجھ سے بکری کا بچہ بھی مانگیں میں وہ بھی نہیں دوں گا" یوں ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا۔ حیی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا تو اس نے ان کی اپنے ساتھ موافقت نہ پائی۔ بنو قریظہ نے کہا "ہم ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے حتیٰ کہ وہ اپنے چیدہ افراد میں سے ستر آدمی ہمارے پاس بطور رہن رکھیں"۔

تیز آندھی

اللہ تعالیٰ نے مشرکین میں باہمی اختلاف پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شدید آندھی بھیجی۔ شدید سردی کی راتیں تھیں۔ آندھی نے مشرکین کی ہنڈیاں الٹ دیں۔ ان کے برتن اوندھے کر دیے۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ ان کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ آندھی لوگوں کو ان کے ساز و سامان کے اوپر پھینک رہی تھی۔ آدمی دب گئے۔ آگ بجھ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ بھیج دیے۔ انہوں نے مشرکین کو ہلا کر رکھ دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب:9)

"پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے"۔

شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری نصرت صبا کے ساتھ کی گئی۔ جبکہ عاد کو دبور کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ریح کے ساتھ اعانت فرمائی۔ وہ زرد رنگ کی آندھی تھی، جس نے مشرکین کی آنکھیں بھر دیں۔ یہ رات بھی انتہائی ٹھنڈی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ بجلیوں جیسی آوازیں بھی آتی تھیں۔ اس آندھی نے مشرکین کے لشکر کے آگے تجاوز نہ کیا۔ اس رات تاریکی اتنی شدید تھی کہ کوئی شخص اپنی انگلیوں کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ منافقین اذن طلب کرنے لگے وہ کہنے لگے۔ "ہمارے گھر دشمن سے محفوظ نہیں کیونکہ وہ مدینہ طیبہ سے باہر ہیں۔ اس کی دیواریں چھوٹی ہیں، چوری کا بھی اندیشہ ہے۔ آپ ہمیں اجازت دیں تاکہ ہم اپنے بچوں، خواتین اور اولاد کی طرف چلے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ کہا جاتا ہے کہ اس رات آپ کے ہمراہ صرف تین سو جانباز تھے۔ منافقین کا یہ لوٹنا دراصل فرار تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَقُولُونَ اِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيدُونَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ (الاحزاب)

"وہ کہتے ہیں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ) سے فرار کا تھا"۔

سچے مومنین میں سے جو گھروں کو گئے تھے، وہ سردی اور شدید بھوک کی وجہ سے گئے تھے۔ یا انہیں اپنے گھروں کے متعلق واقعی خدشات دامن گیر تھے۔ یا وہ سمجھتے تھے کہ جو اس وقت چلے جائیں گے، ان کی گرفت نہیں ہوگی۔ وہ اپنے گھروں

کی حالت دیکھنے گئے پھر واپس آ گئے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا "مشرکین کی خبر کون لے کر آئے گا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں! یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ نے تین بار یہی سوال پوچھا، تینوں بار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے لبیک کہا۔ آپ نے فرمایا "ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری (مددگار) زبیر ہے" آپ نے یہ فرمان اس وقت بھی کہا تھا جب آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کی خبر گیری کے لیے بھیجا تھا کہ انہوں نے عہد شکنی کی ہے یا نہیں۔ غزوۂ خیبر میں بھی آپ نے انہیں اسی طرح فرمایا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے "مردوں میں سے میرے حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں"۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا کارنامہ

دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا "ہمارے لیے کون جا کر دیکھے گا کہ مشرک قوم نے کیا کیا ہے؟ پھر وہ واپس آ جائے۔ میں رب تعالیٰ سے سوال کروں گا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ دوسرے الفاظ مبارکہ میں یوں ہے "وہ روز حشر میرے ساتھ ہوگا" یا "وہ روز حشر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ساتھی ہوگا" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ مگر سردی اور بھوک کی شدت کی وجہ سے کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ آپ نے انہیں مشرکین کی طرف بھیجا۔ آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نہیں بھیجا تھا۔ آئمہ سیر کی تحقیق یہی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے لیے بھیجا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ واقعہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، جو ان کو اشتباہ ہوا ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کی عہد شکنی کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا"۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مجھے حضور ﷺ نے یاد فرمایا۔ اب کھڑا ہونے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ میں آپ کی خدمت اقدس میں آیا۔ آپ نے پوچھا "تم نے میرا کلام بھی سنا، پھر بھی اٹھ کر نہیں آئے" میں نے کہا "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ بھوک، خوف اور سردی کی وجہ سے مجھ میں طاقت نہ تھی" آپ ﷺ نے فرمایا "تم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری تمہارے آگے سے پیچھے سے دائیں سے اور بائیں سے حفاظت کرے گا، حتیٰ کہ تم میرے پاس لوٹ آؤ" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "اب قوم مشرک کی طرف جانے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ میں آپ ﷺ کی وجہ سے خوش ہو کر اٹھا۔ اب ساری کلفتیں دور ہو گئی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "حذیفہ! جاؤ مشرک قوم میں گھس جاؤ"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے کئی بار فرمایا "جو شخص مشرک قوم کی خبر لے کر آئے گا وہ روز حشر میرے ساتھ ہوگا" کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! حذیفہ بن یمان کو حکم فرمائیں" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور ﷺ میرے پاس سے گزرے، میرے اوپر میری بیوی کی چادر تھی جو میرے گھٹنوں سے متجاوز نہ تھی۔ میں گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کون! میں نے عرض کی "حذیفہ ہوں" آپ نے فرمایا "حذیفہ" میں نے عرض کی "ہاں! حذیفہ ہوں" مجھے زمین تنگ ہوتی نظر آئی۔ میں نے عرض کی "ہاں! یارسول اللہ! صلی اللہ

علیک وسلم'' آپ نے فرمایا ''اٹھو'' میں اٹھا۔ آپ نے فرمایا ''مشرک قوم کے پاس جاؤ اور ان کے متعلق خبر لے کر آؤ'' میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! شدید سردی کی وجہ سے میں اٹھ نہیں رہا تھا۔ صرف حیاء کی وجہ سے اٹھا ہوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہیں نہ سردی لگے گی نہ ہی گرمی، حتیٰ کہ تم میری طرف لوٹ آؤ'' میں نے عرض کی ''مجھے یہ خدشہ نہیں کہ میں قتل کیا جاؤں گا مجھے خطرہ ہے کہ میں گرفتار کر لیا جاؤں گا'' آپ نے فرمایا ''تم گرفتار بھی نہیں ہو گے'' پھر آپ نے یہ دعا مانگی ''مولا! اس کی اس کے آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے حفاظت فرما'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں چلا گویا میں حمام میں تھا۔ اللہ تعالیٰ مجھ سے سردی، گھبراہٹ اور خوف کو دور لے گیا''۔

اور ایک روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''میرے دل میں جو بھی خوف اور گھبراہٹ تھی رب تعالیٰ نے اسے ختم کر دیا۔ اب ذرہ بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ میں روانہ ہوا گویا کہ میں حمام میں تھا۔ جب میں روانہ ہوا تو آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا ''کوئی واقعہ رونما نہ کرنا'' دوسری روایت میں ہے آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''نہ تیر چلانا، نہ پتھر پھینکنا، نہ ہی شمشیر زنی کرنا حتیٰ کہ میرے پاس آ جاؤ''۔

میں مشرک قوم کے پاس آیا۔ ہوا اور رب العزت کا لشکر ان کے ساتھ کر رہا تھا جو کچھ کر رہا تھا۔ نہ ان کی ہنڈیاں ٹھہرتی تھیں نہ آگ اور نہ خیمہ کو قرار تھا۔ میں ان کے اندر چلا گیا۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا ''اے گروہ قریش! ہر شخص اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ لے، جاسوس سے محتاط رہو'' میں نے اپنے بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کا ہاتھ پکڑا، میں نے اسے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا ''معاویہ بن ابی سفیان'' میں نے اپنا ہاتھ اپنی دائیں سمت کیا، اس سمت بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا ''تو کون ہے؟ اس نے کہا ''عمرو بن عاص'' میں نے یہ سب کچھ اس اندیشہ سے کیا کہ کہیں میرے بارے علم نہ ہو جائے۔ ابوسفیان نے کہا ''اے معشر قریش! بخدا! یہ مقام کوئی ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔ جانور اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں۔ بنو قریظہ نے وعدہ خلافی کی ہے۔ ان کی طرف سے ہمیں ناپسندیدہ پیغام پہنچا ہے۔ اس آندھی سے جس اذیت کا ہمیں سامنا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ کوچ کر جاؤ۔ میں روانہ ہونے لگا ہوں'' وہ اچھل کر اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اس نے اونٹ کی رسی کھڑے کھڑے ہی کھولی یعنی جب ابوسفیان اپنے اونٹ پر سوار ہوا تو وہ رسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ جب ابوسفیان نے اسے ضرب لگائی تو وہ تین پاؤں سے اچھلا۔ ابوسفیان نے اس کی رسی کاٹی۔ عکرمہ بن ابی جہل نے ابوسفیان سے کہا ''تو قوم کا سردار اور رئیس ہے۔ لوگوں کو اس طرح چھوڑے جا رہا ہے'' یہ سن کر ابوسفیان کو شرم آئی۔ اس نے اپنا اونٹ بٹھا لیا۔ اس نے اس کی زمام پکڑی۔ وہ یہ کہتے ہوئے اسے لے کر جا رہا تھا ''کوچ کر جاؤ'' وہ ادھر ہی کھڑا تھا کہ لوگ کوچ کرنے لگے۔ اس نے عمرو بن وعاص سے کہا ''ابو عبد اللہ'' گھڑسواروں کا دستہ لے کر حضرت محمد عربی ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ ہمارا تعاقب کریں گے'' عمرو نے کہا ''میں کھڑا ہوتا ہوں'' خالد بن ولید نے کہا ''ابوسفیان! کیا دیکھ رہے ہو؟ میں بھی عمرو کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہوں۔ عمرو اور خالد دو سو گھڑسواروں کے ساتھ کھڑے ہو گئے، باقی سارا لشکر روانہ ہو گیا۔ اگر مجھے حضور ﷺ کے اس فرمان ذی شان کی پاسداری نہ ہوتی جو آپ نے مجھے وقت روانگی فرمایا تھا کہ کوئی واقعہ

رونما نہ کرنا تو میں تیر مار کر ابوسفیان کو ہلاک کر دیتا" بنوغطفان کو بھی قریش کے کوچ کا علم ہو گیا، وہ بھی تیزی سے اپنے شہروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ لشکر میں باآواز بلند کہہ رہے تھے "کوچ کوچ" اب مزید قیام ممکن نہیں" آندھی ان کے سامان کو اوندھا کر رہی تھی، انہیں پتھر لگ رہے تھے۔ یہ آندھی ان کے لشکر سے متجاوز نہ تھی۔ جب میں نے نصف راستہ طے کر لیا تو مجھے بیس سوار نظر آئے جنہوں نے عمامے پہن رکھے تھے۔ دو شہ سوار میرے پاس آئے۔ انہوں نے کہا "اپنے صاحب کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے مشرک قوم کے لیے کافی ہو گیا ہے" پھر میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ میں نے دیکھا آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے قریش اور بنوغطفان کے کوچ کی خبر سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ رات کی تاریکی میں مبارک دانتوں کا نور نظر آنے لگا۔ مجھے دوبارہ سردی نے آلیا، میں سردی سے کانپنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دست اقدس سے اشارہ فرمایا۔ میں آپ کے قریب گیا۔ آپ نے اپنی مبارک چادر کا پلو میرے اوپر ڈال دیا۔ میں طلوع فجر تک سوتا رہا۔ صبح کی نماز کے وقت مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُمْ یَا نَوْمَانُ "بہت زیادہ سونے والے اٹھو!۔

واپس لوٹ آنے کے بعد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سردی اس لیے لگی تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا "تمہیں گرمی سردی کوئی نقصان نہ دے گی حتیٰ کہ تم میری طرف واپس لوٹ آؤ" اب وہ واپس آ چکے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب میں مشرک قوم میں داخل ہوا تو میں نے آگ کی روشنی میں دیکھا کہ ایک موٹا اور نشانات والا شخص اپنے پہلو پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ اس کے اردگرد اس کے جوان تھے۔ گروہ اس سے جدا ہو چکے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا "کوچ! کوچ" اس سے قبل میں نے ابوسفیان کو دیکھا ہوا نہیں تھا۔ میں نے اپنے ترکش سے سفید پروں والا تیر نکالا اسے کمان میں ڈالا تا کہ آگ کی روشنی میں دے ماروں۔ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا "تم نے کسی واقعہ کا ظہور نہیں کرنا حتیٰ کہ میرے پاس آ جاؤ" میں رک گیا۔ اپنا تیر ترکش میں ڈال لیا۔ جب میں ان میں بیٹھ گیا تو ابوسفیان نے محسوس کیا کہ ان میں کوئی اجنبی آ گیا ہے۔ اس نے کہا "تم میں سے ہر کوئی اپنے ہم نشین کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے اس شخص کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جو میرے دائیں طرف تھا۔ میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا "میں معاویہ بن سفیان ہوں" پھر میں نے اس شخص کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جو میرے بائیں طرف تھا۔ میں نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا "میں عمرو بن عاص ہوں" میں نے یہ عمل اس خطرہ کے پیش نظر کیا کہ کہیں پہچانا نہ جاؤں۔ میں نے انہیں پوچھنے میں جلدی کی۔ پھر میں نے کچھ دیر کے لیے توقف کیا، پھر قریش، کنانہ اور قیس کے بقیہ افراد کے پاس گیا۔ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جس کا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا تھا "اس مشرک قوم میں گھس جاؤ، حتیٰ کہ ان کے سامنے جانا۔ پہلے قریش کے پاس جاؤ، انہیں کہو "اے گروہ قریش! لوگوں کا ارادہ ہے کہ جب کل آئے تو یوں کہا جائے "ابن قریش کہاں ہے؟ لوگوں کے قائد کہاں ہیں؟ وہ تمہیں آگے کریں گے، تم جنگ تک پہنچ جاؤ گے، تم میں قتل عام ہو گا۔ پھر بنوکنانہ کے پاس جانا انہیں کہنا "کل کہا جائے گا تیر انداز کہاں

ہیں؟ لوگ تمہیں آگے کر دیں گے، تم جنگ کرو گے، قتلِ عام تم میں ہو گا"۔ پھر بنوقیس کے پاس جاؤ، انہیں کہو "اے گروہ قیس! لوگوں کا ارادہ ہے کہ کل آئے تو یوں کہا جائے "شہ سوار کہاں ہیں؟ گھڑ سوار کہاں ہیں؟ وہ تمہیں آگے کریں، تم جنگ کرو گے۔ تو تم میں بہت سے افراد قتل ہو جائیں گے"۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے لیے یہ بددعا کی:

"اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيْعَ الْحِسَابِ اَهْزِمِ الْاَحْزَابَ، اَللّٰهُمَّ اَهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ"۔ یعنی وہ جنگ میں قتال کے وقت ثابت قدم نہ رہ سکیں بلکہ ان کا طائر عقل پرواز کر جائے ان کے قدم لرز اٹھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ دشمنوں پر آندھی اور لشکر بھیج دیے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مغلوب کر دیا حتیٰ کہ طلیحہ بن خویلد الاسدی نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کا آغاز کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ) نجات! نجات! وہ جنگ کے بغیر ہی مغلوب ہو گئے۔ اپنے اس فرمان عالی شان سے رب تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (الاحزاب:9)

"اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر کفار کے لشکر۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے"۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ (الاحزاب)

"اور ناکام لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو اس حال میں کہ وہ غصہ سے (پیچ و تاب کھا رہے تھے) اس لشکر کشی سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اور اللہ بڑا طاقت ور اور ہر چیز پر غالب ہے"۔

یہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول اللہ! دل حلقوم تک پہنچ گئے ہیں۔ کیا کوئی ایسا ورد ہے جو ہمارے لیے باعث تسکین ہو" آپ نے فرمایا "یوں کہو "اللّٰھم استر عوراتنا و امن روعاتنا"۔

مشرکین کی واپسی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے ہوا کے ساتھ دشمنوں کے چہروں پر مارا۔ ہوا کے ساتھ انہیں مغلوب کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے کافی ہو گیا" کفار خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔ عمرو بن عاص اور خالد بن ولید دو سو سواروں کے ہمراہ لشکر کے پیچھے ٹھہرے رہے تاکہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوموار، منگل اور بدھ کے روز نماز ظہر اور نماز عصر کے مابین مسجد الاحزاب میں آئے۔ آپ نے ردائے مبارک رکھی۔ دست اقدس بلند کیے اور کھڑے ہو کر کفار کے لیے بددعا کرنے لگے۔ ہم نے بشارت کے اثرات آپ کے روئے تاباں پر دیکھ لیے تھے۔ یہ دعا پہلے گزر چکی ہے۔

رات کے وقت باد صبا چلی، اس نے طنابیں اکھیڑ کر رکھ دیں۔ آگ بجھادی، برتن اوندھے کر دیے، ہانڈیاں منہ کے بل نیچے گرادیں۔ مٹی مشرکین پر پڑی، کنکریاں انہیں لگنے لگیں۔ وہ لشکر گاہ کے اردگرد تکبیر اور اسلحہ کی آواز سننے لگے۔ وہ اس رات بھاگتے ہوئے چلے گئے۔ اپنا بھاری سامان وہیں چھوڑ گئے۔ وہ سامان مسلمانوں کو بطور مال غنیمت ملا۔ آپ غزوۂ خندق سے بدھ کے روز واپس آگئے۔ ذوالقعدہ کے سات ایام باقی تھے۔ آپ نے خندق کے اردگرد پندرہ روز قیام فرمایا۔ ایک قول میں چوبیس روز کا اور ایک اور روایت میں ایک ماہ کا بھی ذکر ہے۔ جب گروہ چلے گئے تو حضور ﷺ نے فرمایا "اب قریش تم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے" دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے فرمایا "اب ہم کفار مکہ پر حملہ آور ہوں گے۔ وہ ہم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے" پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا تھا" اس میں بھی آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

سیرت حلبیہ میں لکھا ہے "روانگی سے قبل ابوسفیان نے ایک خط لکھا، وہ حضور ﷺ کی طرف بھیجا۔ اس میں لکھا:

باسمك اللهم

میں لات و عزیٰ اور اساف و نائلہ اور ہبل کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں ایک لشکر جرار لے کر آرہا ہوں۔ میں نے ارادہ کر رکھا ہے کہ اس وقت تک واپس نہ لوٹوں گا جب تک آپ کو جڑ سے نہ اکھیڑ پھینکوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے یہ امر پسند نہیں کیا۔ خندق بنا کر اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کی ہے"۔

دوسری روایت میں ہے "آپ نے ایسی جنگی چال سے اپنا دفاع کیا ہے جو اہل عرب کی چال نہیں۔ عرب جس سے آشنا نہیں وہ تو صرف نیزوں کی چھاؤں اور تلوار کی دھاروں سے آشنا ہیں۔ یہ خندق آپ نے ہماری تلواروں سے ڈر کر کھودی ہے۔ آپ کو ہماری طرف سے احد کے دن کی طرح کے دن کا سامنا کرنا پڑے گا"

نبی رحمت، تاجدار عرب وعجم ﷺ نے اس کے جواب میں یہ مکتوب گرامی بھیجا:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صخر بن حرب کی طرف!

تیرا خط مجھے ملا ہے۔ مدت مدید سے تجھے رب تعالیٰ سے شیطان نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے۔ تو نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ تو ہماری طرف آرہا ہے اور تیرا عزم ہے کہ ہمیں جڑ سے اکھیڑ پھینکے۔ یہ وہ امر ہے جس کے اور تیرے مابین رب تعالیٰ کی ذات حائل ہے۔ وہ بالآخر فتح وظفر مندی ہمیں عطا فرمائے گا۔ تیرا ایک دن ایسا بھی آئے گا جب میں اساف، نائلہ، لات، عزیٰ اور ہبل کو ریزہ ریزہ کردوں گا۔ اے بنو غالب کے احمق! وہ دن میں تجھے یاد کراؤں گا"۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرمان ذی شان کو سچ کر دکھایا۔ آپ نے لات وعزیٰ اور سارے بتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ ان واقعات کے بارے پہلے ہی بتادینا آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے"۔

شہدائے خندق

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ غزوۂ خندق کے روز مسلمانوں کے چھ بلند اقبال افراد کے سروں پر تاج شہادت سجایا گیا۔
(۱) حضرت سعد بن معاذ (۲) حضرت انس بن اوس (۳) حضرت عبداللہ بن سہل۔ ان تینوں کا تعلق اوس سے تھا۔ خزرج میں سے
(۴) حضرت طفیل بن نعمان (۵) حضرت ثعلبہ بن غنمہ (۶) حضرت کعب بن زید۔

حافظ دمیاطی نے حضرت قیس بن زید کی شہادت کا اضافہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ''الکنی'' میں لکھا ہے کہ اس روز حضرت ابوسنان صیفی کو بھی قبائے شہادت نصیب ہوئی۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ خندق میں جام شہادت نوش کیا۔ مشرکین کے تین افراد مارے گئے۔ (۱) منبہ بن عبید عبدری (۲) نوفل بن عبداللہ (۳) عمرو بن عبدوُد۔

امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ جہاد، حج اور عمرہ سے واپس آتے آپ ابتداً تین تکبیریں کہتے، پھر یوں فرماتے:

''لا الہ الا اللہ وحدہٗ، لاشریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر، آیبون، تائبون، عابدون، ساجدون لربنا حامدون، صدق اللہ وعدہ نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہٗ''۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

غزوۂ بنوقریظہ

حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں

بنوقریظہ مدینہ طیبہ کی یہودی قوم تھی۔ یہ اوس کے حلفاء تھے۔ اس غزوہ کا خلاصہ یہ ہے:

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے واپس تشریف لائے اسی روز مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ ذوالقعدہ کے سات دن باقی تھے۔ آپ نے بھی اور آپ کے صحابہ کرام نے بھی ہتھیار اتار دیے تھے۔ آپ نے نماز ظہر ادا کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں تشریف لے گئے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ حجرہ مقدسہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا تھا۔ آپ نے پانی منگوایا اور غسل فرمانے لگے۔ آپ نے سراقدس کا ایک حصہ دھولیا تھا' دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گیسوئے پاک کو کنگھی کررہے تھے۔ آپ نے ایک طرف کنگھی کرلی تھی' ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے سراقدس بھی دھولیا تھا۔ غسل بھی فرمالیا تھا اور دھونی لینے کے لیے آپ نے عودسنور بھی منگوالیا تھا۔ حضرت جبرائیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے استبرق کا سیاہ عمامہ شریف باندھا ہوا تھا جسے اپنے کندھوں کے مابین لٹکا رکھا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ ان دونوں روایات میں تعارض نہیں۔ ممکن ہے انہوں نے زرہ کے اوپر عمامہ پہن رکھا ہو۔ وہ خچر پر سوار تھے۔ جس پر سرخ ریشم کی چادر ڈالی گئی تھی۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں'' حضرت جبرائیل امین نے

عرض کی ''ابھی تک فرشتوں نے ہتھیار نہیں اتارے'' دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ کیا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں حالانکہ ابھی تک ہم واپس نہیں لوٹے۔ ہم اس قوم کے تعاقب میں ہیں۔ ہم انہیں حمراء الاسد تک پہنچا آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ بنو قریظہ کی طرف جائیں۔ میں ملائکہ کے ہمراہ ان کی طرف جا رہا ہوں۔ میں ان کے قلعوں میں زلزلہ بپا کروں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے صحابہ کرام تھک گئے ہیں انہیں کچھ ایام کی مہلت دیں'' حضرت جبرائیل امین نے عرض کی ''بنو قریظہ کی طرف تشریف لے چلیں'' میں انہیں اس طرح توڑ دوں گا جس طرح صفا پر مار کر انڈا توڑا جاتا ہے۔ میں ان کے قلعوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ میں انہیں زمین میں دھنسا دوں گا'' حضرت جبرائیل امین اپنے ہمراہ فرشتوں کو لے کر چلے گئے حتیٰ کہ بنو غنم کی گلیوں میں غبار اڑنے لگا۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''گویا میں اب بھی بنو غنم کی گلیوں میں اڑنے والے غبار کو دیکھ رہا ہوں، یہ غبار حضرت جبرائیل امین کی سواری کی وجہ سے اس وقت اٹھا جب وہ بنو قریظہ کی طرف گئے''۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس تشریف لائے۔ آپ میرے پاس جلوہ افروز ہوئے تھے کہ اچانک دروازہ پر دستک ہوئی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اچانک آواز آئی جسے سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے باہر تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے پیچھے نکلی، میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی سواری پر سوار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری کے ایال کے بالوں کی جگہ سے ٹیک لگا کر اس کے ساتھ محوِ کلام تھے۔ میں واپس آ گئی۔ جب آپ کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے تو میں نے عرض کی ''وہ شخص کون تھا جس کے ساتھ آپ محوِ تکلم تھے'' آپ نے فرمایا ''کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی ''ہاں'' آپ نے فرمایا ''کس کے مشابہ تھا؟'' میں نے عرض کی ''دحیہ کلبی کے'' آپ نے فرمایا ''وہ حضرت جبرائیل امین تھے۔ انہوں نے کہا ہے'' میں بنو قریظہ کی طرف جاؤں'' یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندق سے واپس ہو کر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں تھے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''گویا کہ میں اب بھی دیکھ رہی ہوں کہ جبرائیل امین اپنے بالوں سے غبار جھاڑ رہے تھے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنو قریظہ کی طرف روانگی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشق صادق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کریں ''جو اطاعت شعار یہ اعلان سن رہا ہو وہ بنو قریظہ میں عصر کی نماز پڑھے'' دوسری روایت میں ہے ''وہ نماز ظہر بنو قریظہ میں پڑھے'' ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے نماز ظہر پڑھ لی تھی۔ بعض نے ابھی تک نماز ظہر نہیں پڑھی تھی۔ جنہوں نے ابھی تک نماز ظہر نہیں پڑھی تھی ان سے کہا گیا کہ نماز ظہر بنو قریظہ میں پڑھو، جنہوں نے نماز ظہر پڑھ لی تھی انہیں کہا گیا کہ وہ نماز عصر بنو قریظہ میں پڑھیں۔ منادی یہ اعلان بھی کر رہا ہے ''اے اللہ تعالیٰ کے شہ سوارو! گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلے بھیج دیا۔ اسلام کا علم انہیں عنائیت فرمایا۔ جھنڈا ابھی تک اسی

حالت پر تھا۔ خندق سے واپسی پر اسے ابھی تک کھولا نہیں گیا تھا۔ آپ نے مدینہ طیبہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ نے ہتھیار، خود اور زرہ پہن لی، اپنے دست اقدس میں نیزہ پکڑا، کمان لٹکائی اور اپنے ''اللحیف'' گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ اپنے گدھے پر سوار ہو گئے۔ ممکن ہے کہ آپ نے بعض راستہ گھوڑے پر اور بعض گدھے پر طے کیا ہو۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد تھے۔ انہوں نے بھی ہتھیار سجائے ہوئے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ جن میں گھوڑوں کی تعداد 36 تھی۔ آپ انصار کے ایک گروہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے ہتھیار پہن رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا ''کیا یہاں سے کوئی گزرا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''ہاں! حضرت دحیہ کلبی اپنی سفید خچر پر گزرے ہیں'' دوسری روایت میں ہے وہ سفید گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ انہوں نے ہمیں ہتھیار سجانے کا حکم بھی دیا ہے'' انہوں نے ہمیں مزید کہا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ابھی تمہارے ہاں جلوہ افروز ہونے ہی والے ہیں'' ہم نے ہتھیار سجا کر صف بندی کر لی ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ جبرائیل امین تھے۔ انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا گیا ہے تا کہ ان کے قلعوں میں زلزلہ بپا کریں اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں''۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنو قریظہ کے پاس تشریف آوری

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قلعے کے قریب ہوئے، ان کے ہمراہ مہاجرین وانصار بھی تھے تو انہوں نے قلعے کے نیچے جھنڈا گاڑھ دیا۔ انہوں نے بنو قریظہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بری باتیں سنیں۔ مسلمان پر سکون ہو گئے۔ انہوں نے کہا ''ہمارے اور تمہارے مابین تلوار فیصلہ کرے گی'' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو جھنڈا تھامنے کا حکم دیا۔ خود بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ان خبیثوں کے قریب نہ جائیں، کہیں آپ ان سے اذیت ناک باتیں نہ سنیں'' آپ نے فرمایا ''ہاں! جب وہ مجھے دیکھ لیں گے تو مجھے کچھ نہیں کہیں گے'' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قلعوں کے قریب ہوئے تو فرمایا ''اے بندروں کے بھائیو! کیا رب تعالیٰ نے تمہیں رسواء کر دیا ہے؟ کیا اس نے تم پر اپنا عذاب اتارا ہے؟ انہوں نے کہا ''ابوالقاسم! آپ جاہل نہیں ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنی بلند آواز سے ندا دی کہ ان کے سرداروں نے سن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے بندروں اور خنزیروں کے بھائیو! طاغوت کی پوجا کرنے والو! کیا رب تعالیٰ نے تمہیں رسواء کر دیا ہے، کیا اس نے تم پر اپنا عذاب نازل کیا ہے۔ کیا تم مجھے نازیبا کلمات کہتے ہو؟ یہودی قسمیں اٹھانے لگے کہ ہم نے ایسی باتیں نہیں کیں، وہ کہنے لگے ''ابوالقاسم! آپ جاہل نہیں ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے ''آپ فحش گو نہیں ہیں'' حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے اللہ کے دشمنو! اپنے قلعوں میں ہی رہو، حتیٰ کہ بھوکے مرجاؤ۔ تم اس لومڑی کی طرح ہو جو اپنے سوراخ میں ہو'' انہوں نے کہا ''ابن حضیر! ہم تمہارے موالی

ہیں'' انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ حضرت اسید بن حضیر نے فرمایا ''میرے اور تمہارے مابین کوئی عہد نہیں ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ''بندروں اور خنزیروں کی اولاد'' اس لیے کہا کیونکہ اس وقت ان کے جوان بندروں میں اور ان کے بوڑھے خنزیروں میں مسخ ہو گئے جب انہوں نے سرکشی کرتے ہوئے ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار کیا تھا۔ بعض صحابہ کرام نے ابھی تک نماز عصر نہیں پڑھی تھی، کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن لیا تھا ''وہ نماز عصر نہ پڑیں مگر بنو قریظہ میں'' وہ عشاء کے بعد آئے اور نماز عشاء کے بعد نماز عصر پڑھی۔ بعض صحابہ کرام نے فرمایا ''ہم نے تو نماز عصر پڑھ لی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم نماز عصر ترک کر دیں اور اسے وقت پر ادا نہ کریں، بلکہ آپ کا ارادہ تو یہ تھا کہ ہم جلدی جلدی آپ کی بارگاہ والا میں پیش ہو جائیں'' ان صحابہ کرام نے اپنے اپنے مسکن میں ہی نماز عصر پڑھ لی تھی۔ بعض صحابہ کرام نے نماز عصر اپنی سواریوں کی پشتوں پر ہی پڑھ لی تھی، پھر وہ بنو قریظہ کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ اللہ رب العزت اپنی کتاب حکیم میں کسی پر بھی عیب نہیں لگایا، نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عیب لگایا کیونکہ دونوں فریقوں کو اپنے ارادہ کا ثواب مل گیا تھا۔ کیونکہ دونوں فریق ہی سعی کرنے والے تھے۔ نہ ہی ان صحابہ کرام پر عتاب کیا گیا جنہوں نے ظاہری حکم سے استدلال کرتے ہوئے نماز عصر مؤخر کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس روز بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ ایک روایت میں پندرہ روز کا جبکہ ایک روایت میں ایک ماہ کا ذکر ہے۔ اس مدت میں صحابہ کرام کی خوراک کھجوریں ہوتی تھیں۔ یہ کھجوریں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھیجا کرتے تھے۔ اس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کھجور بہترین کھانا ہے'' یہ محاصرہ بنو قریظہ پر شدت اختیار کر گیا۔ ان کے دلوں میں رب تعالیٰ نے رعب ڈال دیا۔ حیی بن اخطب بھی ان کے ہمراہ ان کے قلعوں میں داخل ہو گیا، کیونکہ اب گروہ مشرکین واپس چلے گئے تھے۔ یہ حسب وعدہ کعب بن اسد کے ساتھ اس کے قلعہ میں تھا۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جنگ کیے بغیر واپس نہیں لوٹیں گے''۔

ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا ''اے گروہ یہود! جو مصیبت تم پر اتری ہے تم اس کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ میں تمہیں تین چیزیں پیش کرتا ہوں جو ان میں سے چاہو اختیار کر لو'' بنو قریظہ نے پوچھا ''وہ کون سی چیزیں ہیں؟ کعب نے کہا ''ہم اس شخص (رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لیتے ہیں، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اب تمہارے لیے عیاں ہو چکا ہے کہ یہ نبی مرسل ہیں، وہی بابرکات ذات ہیں جن کا ذکر تم اپنی کتاب میں پاتے ہو، اس طرح تم اپنے خون، اموال اور خواتین کو محفوظ کر لو گے۔ ہم صرف حسد کی وجہ سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لائے۔ ہم نے اہل عرب کے ساتھ حسد کیا کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بنو اسرائیل میں سے نہیں۔ میں تو یہ عہد توڑنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ یہ مصیبت اور نحوست صرف اسی حیی بن اخطب کی وجہ سے آئی ہے۔ کیا تمہیں کچھ علم ہے کہ ابن خراش نے تمہیں اس وقت کیا کہا تھا جب وہ تمہارے پاس آیا تھا۔ اس نے کہا تھا ''اس قریہ عظیمہ سے ایک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گا تم ان کی پیروی کرنا، ان کے انصار بن جانا، تم سابقہ کتب اور آخری کتاب پر ایمان لانے والے بن جاؤ گے۔ بنو قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر اپنی کتب میں پڑھتے تھے۔ اپنے بچوں کو

آپ کے اوصاف بتاتے تھے۔ مدینہ طیبہ کو آپ کی ہجرت گاہ بننے کا شرف ابدی ملے گا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "بنو قریظہ، بنو نضیر، فدک اور خیبر کے یہودی آپ کی بعثت مبارکہ سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اپنی کتب میں پاتے تھے۔ نیز یہ کہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہے"۔

جب کعب نے انہیں یہ کہا تو یہودیوں نے کہا "ہم تورات کا حکم تبدیل نہیں کریں گے، نہ ہی اس کا بدل لینا پسند کریں گے" کعب نے انہیں کہا "اگر اس تجویز سے متفق نہیں ہو تو پھر آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ پھر ہم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کرام پر حملہ آور ہو جائیں، اس طرح ہمارے پیچھے کوئی گرانی نہیں ہوگی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مابین فیصلہ کر دے۔ اگر ہم ہلاک ہو گئے تو ہلاک ہو گئے۔ ہمارے پیچھے کوئی اولاد نہیں ہوگی جس کے متعلق کوئی خطرہ ہوگا، اگر ہمیں کامیابی نصیب ہوگئی تو مجھے اپنی حیاتی کی قسم! ہمیں اولاد اور خواتین اور مل جائیں گی" یہودیوں نے کہا "اگر ہم ان مساکین کو قتل کر دیں تو ان کے بعد زندگی میں کیسی بھلائی رہ جائے گی"۔ کعب نے تیسری تجویز دیتے ہوئے کہا "اگر دوسری تجویز بھی مسترد کرتے ہو تو آج ہفتہ کی رات ہے، اس میں ممکن ہے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کرام ہم سے غافل ہوں، آؤ ہم ان پر حملہ کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے ہم ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر کامیاب ہو جائیں" یہودیوں نے کہا "ہم ہفتہ کے روز جنگ کریں؟ ہم وہ عمل کریں جسے ہم سے پہلے جس نے کیا وہ مسخ ہو گیا"۔

عمرو بن سعدی نے انہیں کہا "تم نے ہی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ عہد شکنی کی ہے۔ میں نے تمہاری اس دھوکہ دہی میں شرکت نہیں کی۔ اگر تم نے آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا ہے تو پھر یہودیت پر ہی ثابت قدم رہو اور جزیہ دے دو۔ بخدا! میں نہیں جانتا کہ تم میری بات قبول کرو گے یا نہیں" یہودیوں نے کہا "ہم اہل عرب کو کبھی بھی خراج اور جزیہ دینا پسند نہیں کریں گے" اس رسوائی سے تو قتل بہتر ہے" عمرو نے کہا: پھر میں تم سے بری ہوں" وہ اسی رات نکلا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نگرانوں کے پاس سے گزرا۔ وہاں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ متعین تھے۔ انہوں نے پوچھا: کون ہو؟ اس نے کہا: میں عمرو بن سعدی ہوں" حضرت ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا "جاؤ" پھر یہ دعا کی "مولا! مجھے شریف لوگوں کی غلطیاں معاف کرنے سے محروم نہ رکھ" انہوں نے اسے جانے دیا۔ پھر اس کے بعد اس کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں چلا گیا؟ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا "وہ ایسا شخص ہے جسے رب تعالیٰ نے اس کی وفاء کے بدلے نجات عطا کی ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق اس عمرو نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنو قریظہ کے پاس تشریف آوری سے پہلے کہا تھا "بنو قریظہ! میں نے عبرت انگیز چیز دیکھی ہے۔ میں نے اپنے بھائیوں بنو نضیر کے گھروں کو دیکھا ہے۔ وہ عزت و وقار کے بعد خالی ہو گئے ہیں۔ وہاں عیش و عشرت، عقل، دانائی اور دانشمندی میں سے کچھ بھی نہیں رہا۔ وہ اپنے اموال بھی چھوڑ گئے ہیں۔ دوسرے لوگ ان کے مالک بن گئے ہیں۔ اسی عہد شکنی نے بنو قینقاع کو بھی ذلت و خواری میں ڈال دیا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس افرادی قوت، اسلحہ اور قوت کی فراوانی تھی۔ ان سب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گرفتار کر لیا۔ آپ نے ان سب کو یثرب سے جلاوطن ہونے کا حکم دیا۔ اے میری قوم! تم نے جو مصیبت دیکھ لی ہے، دیکھ لی ہے۔ تم میری اطاعت کرو۔ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کر

لیتے ہیں۔ بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ آپ ﷺ نبی برحق ہیں۔ ہمارے علماء نے آپ کے بارے بشارات دیں ہیں" وہ انہیں لگاتار جنگ وجدل اور جلاوطنی سے ڈراتا رہا، پھر اس نے کعب بن اسد کی طرف توجہ کی اور کہا "مجھے اس تورات کی قسم! جو طور سیناء کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتری تھی۔ یہ دنیا میں ان یہودیوں کے لیے باعث عزت و وقار تھی، وہ اسی پر سکون حالت پر تھے۔ انہیں کسی نے نہ ڈرایا حتیٰ کہ حضور ﷺ کا لشکر ان پر حملہ آور ہوا۔ اب وہ ان کے ضمن میں جلوہ افروز ہو گئے ہیں" کعب نے کہا: میں بھی یہی بات تم سے کرتا تھا"۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ

محاصرہ کے بعد انہوں نے شاس بن قیس کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بھیجا کہ آپ بنوقریظہ کو بھی انہی شرائط پر جلاوطنی کی اجازت دے دیں جن شرائط پر بنونضیر کو اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ وہ اسلحہ کے علاوہ ایک اونٹ کا سامان لے جا سکتے ہیں۔ مگر حضور ﷺ نے انہیں تہ تیغ نہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اس بات سے بھی انکار کر دیا کہ ان کی خواتین اور اولاد ان کے سپرد کی جائے" انہوں نے پھر اپنا قاصد بھیجا کہ انہیں کسی مال و ثروت کی ضرورت نہیں، نہ ہی کسی اسلحہ کی احتیاج ہے، انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ مگر حضور ﷺ نے انکار کر دیا الا یہ کہ حضور ﷺ کا فیصلہ قبول کر لیں" شاس یہودیوں کے پاس آ گیا پھر یہودیوں نے حضور ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے ہاں بھیج دیں تاکہ ہم اپنے بارے ان سے مشاورت کریں کیونکہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ انہیں نصیحت کرتے رہتے تھے۔ ان کے اموال، اولاد اور اہل و عیال بنوقریظہ میں ہی تھے۔ یہ یہودی اوس کے حلیف تھے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اوس سے ہی تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا، جب بنوقریظہ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان کے مرد و خواتین اور بچے اٹھ کر ان کے پاس آئے۔ وہ محاصرہ کی شدت کی وجہ سے رونے لگے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کے لیے رقت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے کہا "ابولبابہ! تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم محمد عربی (ﷺ) کا فیصلہ قبول کر لیں" انہوں نے کہا "ہاں" ساتھ ہی انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا یعنی انہیں قتل کر دیا جائے گا"۔

دوسری روایت میں ہے ان یہودیوں نے کہا "حضور (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ ہم صرف آپ کا فیصلہ ہی تسلیم کریں" انہوں نے کہا "آپ کا حکم مان جاؤ" پھر انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا" حضرت ابولبابہ نے فرمایا "اللہ کی قسم! یونہی میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹے۔ میں نے سمجھ لیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے خیانت کی ہے کیونکہ اس طرح یہودیوں کو آپ کا حکم ماننے سے نفرت دلاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات طیبات نازل کیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ (انفال)

"اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب آزمائش ہیں اور بیشک اللہ اسی کے پاس اجرِ

عظیم ہے''۔

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾ (التوبۃ)

''کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا اپنے گناہوں کا، انہوں نے ملا جلا دیا کچھ اچھے اور برے عمل۔ امید ہے اللہ قبول فرمائے ان کی توبہ، بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

حق یہ ہے کہ دونوں آیات اسی موقعہ پر نازل ہوئیں تھیں۔ پہلی آیت ملامت کرنے کے لیے دوسری آیت مژدہ توبہ سنانے کے لیے نازل ہوئی۔

دوسری روایت میں ہے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ جب بنو قریظہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ مجھے ان کی طرف بھیجیں تو آپ نے مجھے یاد فرمایا اور فرمایا ''اپنے حلیفوں کے پاس جاؤ۔ سارے اوس قبیلہ کو چھوڑ کر انہوں نے تمہاری طرف پیغام بھیجا ہے'' میں اوس کی طرف گیا۔ کعب بن اسد کھڑا ہوا۔ اس نے کہا ''ابو بشر! ہماری اس مصیبت سے تم آگاہ ہو۔ محاصرہ انتہائی شدت اختیار کر گیا ہے۔ ہم ہلاک ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا محاصرہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں حتیٰ کہ ہم آپ کا فیصلہ تسلیم کر لیں۔ اگر آپ ہمارے لیے محاصرہ اٹھا دیں تو ہم شام کی طرف چلے جاتے ہیں۔ یا خیبر کو مسکن بنا لیتے ہیں۔ ہم کبھی بھی آپ سے جنگ کرنے کے لیے سفر نہیں کریں گے نہ ہی آپ کے خلاف کبھی لشکر کشی کریں گے۔ ہم نے سارے لوگوں کو چھوڑ کر تمہیں مشاورت کے لیے بلایا ہے۔ کیا ہم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا فیصلہ تسلیم کر لیں؟ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے انہیں کہا ''ہاں'' میں نے ذبح کا اشارہ کرتے ہوئے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ پھر میں انتہائی نادم ہوا۔ میں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ کعب نے پوچھا ''ابولبابہ! تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا ''میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے'' پھر میں ان کے قلعے سے نیچے اترا، آنکھوں سے لگاتار آنسو رواں تھے''۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سیدھے روانہ ہو گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہ کی، انہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھا، یہ ستون حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کے دروازہ کے پاس تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر نفل یہاں پڑھتے تھے۔ یہ آج بھی اسطوانہ ابی لبابہ کے نام سے معروف ہے۔ اسے اسطوانۃ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ موسم انتہائی گرم تھا۔ انہوں نے خود کو ایک بھاری زنجیر کے ساتھ باندھ لیا، انہوں نے کہا ''اللہ کی قسم! میں نہ کھاؤں گا نہ ہی پیوں گا حتیٰ کہ میں مر جاؤں یا رب تعالیٰ میرا یہ گناہ معاف کر دے'' انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ بنو قریظہ کے پاس کبھی نہیں جائیں گے۔ نہ ہی وہ اس جگہ جائیں گے جہاں انہوں نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے'' جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق علم ہوا تو آپ نے فرمایا ''اگر ابولبابہ میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لیے مغفرت طلب کرتا۔ اب انہوں نے کر دیا ہے جو کچھ کر دیا ہے۔ اب میں انہیں نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ اللہ رب العزت ان کی توبہ قبول

کرے"۔ بعض راویوں نے کہا ہے کہ حضرت ابولبابہ نے خود کو ستون کے ساتھ اس وقت باندھا جب وہ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اس وقت وہ کہیں دور گئے ہوئے تھے۔

چھ روز گزر گئے۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ ستون کے ساتھ بندھے رہے۔ نہ کچھ کھاتے تھے، نہ ہی کچھ پیتے تھے۔ ہر نماز کے وقت ان کی زوجہ محترمہ آتیں۔ انہیں نماز کے لیے کھولتیں، نماز کے بعد وہ اپنے آپ کو خود باندھ لیتے۔

دوسری روایت کے مطابق وہ دس روز تک اسی طرح بندھے رہے۔ صحابہ کرام نماز کے لیے انہیں کھول دیتے پھر وہ خود کو اسی طرح باندھ لیتے۔ پھر رب تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی توبہ کے بارے کلام مجید نازل کیا:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ)

جب ان کی توبہ کی آیت طیبہ نازل ہوئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے وقتِ سحر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ ان کی توبہ قبول ہو جانے کی فرحت وانبساط میں مسکرا رہے تھے، کیونکہ آپ مؤمنین پر رؤف ورحیم تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ صدا خوش وخرم رہیں آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا میں انہیں یہ جانفزاء مژدہ نہ سناؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر چاہتی ہو تو سناؤ" وہ اپنے حجرہ مقدسہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں۔ یہ واقعہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ابولبابہ! تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے" صحابہ کرام دوڑ کر ان کی طرف گئے، تا کہ وہ انہیں کھولیں۔ انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے، خود کو کھول لو" انہوں نے فرمایا "نہیں! اللہ کی قسم! میں نہیں کھولوں گا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خود اپنے دست اقدس سے کھولیں گے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح ادا کرنے کے لیے تشریف لائے تو آپ نے انہیں ستون سے کھولا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میری مکمل توبہ یہ ہے کہ میں اس قوم میں اپنا گھر چھوڑ دیتا ہوں جس میں خطا سرزد ہوئی ہے۔ میں اپنے مال سے دستبردار ہوتا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مال کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے"۔

بعض روایات میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں بہت بڑی مشکل سے دوچار تھا۔ کئی راتیں گزر چکی تھیں، شدید گرمی تھی۔ میں نے نہ کچھ کھایا تھا، نہ پیا تھا۔ میں نے کہا "میں اسی طرح رہوں گا حتیٰ کہ میں دنیا کو خیر آباد کہہ جاؤں یا رب تعالیٰ میری توبہ قبول فرما لے"۔ مجھے وہ خواب یاد آ گیا جو میں نے اس وقت دیکھا تھا جب ہم بنو قریظہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ میں نے خواب میں خود کو دیکھا کہ گویا کہ میں سیاہ کیچڑ میں ہوں۔ میں اس سے نکل نہیں سکتا حتیٰ کہ قریب تھا کہ میں اس کی بدبو سے مر جاتا۔ پھر میں نے رواں نہر دیکھی، میں نے خود کو اس میں غسل کرتے دیکھا، حتیٰ کہ میں صاف وشفاف ہو گیا۔ میں نے خود سے عمدہ خوشبو محسوس کی۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر کے بارے

پوچھا تو انہوں نے فرمایا ''تم ایک ایسے کام میں مشغول ہو گے جو تمہیں غمزدہ کر دے گا۔ پھر اللہ رب العزت تمہارے لیے کوئی سبیل پیدا فرمائے گا'' مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ بات بار بار یاد آ رہی تھی۔ میں بندھا ہوا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ کے متعلق وحی نازل کرے گا۔ میں اسی طرح رہا حتیٰ کہ میں آواز بھی نہیں سن سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف دیکھتے رہتے تھے حتیٰ کہ میری توبہ کے متعلق وحی آ گئی''۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

پھر بنو قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر راضی ہو گئے۔ آپ نے ان کے متعلق حکم دیا۔ ان کے کندھے باندھ دیے گئے۔ انہیں ایک کونہ میں کر دیا گیا، ان کی تعداد چھ سو تھی۔ ایک روایت کے مطابق یہ تعداد 750 تھی۔ حیی بن اخطب نے پہلے یہی تعداد بیان کی تھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد آٹھ سو اور سات سو کے مابین تھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چار سو تھی۔ قلعوں سے خواتین اور بچوں کو نکال لیا گیا۔ انہیں ایک طرف کر دیا گیا۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ ان پر حضرت عبداللہ بن سلام کو نگران مقرر کیا گیا۔ بنو اوس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! یہ بنو قریظہ ہمارے موالی اور حلیف ہیں، کل آپ نے ہمارے بھائیوں کے حلیفوں کے متعلق جو فیصلہ کیا تھا وہ کیا تھا۔ ان کی مراد بنو قینقاع تھی کیونکہ وہ خزرج کے حلیف تھے۔ عبداللہ بن ابی نے ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی تھی۔ آپ نے ان کے متعلق جلاوطنی کا فیصلہ کیا تھا۔ اوس نے بھی گمان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو قریظہ کے متعلق ان کی بات مان جائیں گے جس طرح بنو قینقاع کے بارے خزرج کی بات مان لی تھی۔ جب اوس نے آپ سے گزارش کی تو آپ نے انکار کر دیا کہ آپ بنو قریظہ کے ساتھ اسی طرح سلوک کریں جس طرح بنو قینقاع کے ساتھ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا ''کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم میں سے ہی ایک شخص ان کا فیصلہ کرے'' انہوں نے عرض کی ''ہم راضی ہیں'' آپ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر فرمایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''میرے صحابہ میں سے جسے چاہو اس فیصلہ کے لیے منتخب کر لو''۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔ اس وقت وہ اوس کے سردار تھے۔ تیسری روایت کے مطابق بنو قریظہ نے خود ہی کہا تھا کہ ہمیں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ قبول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر راضی ہو گئے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مجھے ایک قابل اعتماد شخص نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محاصرہ کے دوران فرمایا ''اے اہل ایمان کے لشکر'' پھر وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! میں وہی مزہ چکھوں گا جو حضرت حمزہ چکھ گئے ہیں یا میں ان کے قلعوں کو مغلوب کر دوں گا'' یہ نعرۂ حیدری سن کر بنو قریظہ ڈر گئے۔ انہوں نے کہا ''ہم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہیں''۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے ''گویا کہ پہلے بنو قریظہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ماننے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ جب انصار نے ان کے متعلق عرض کی تو انہوں نے یہ فیصلہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سپرد کر دیا''۔

طبرانی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ''جب بنو نضیر کے قلعوں کا محاصرہ

شدت اختیار کر گیا تو انہیں کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ مان لو، جب انہوں نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ''ہم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلہ پر راضی ہیں''۔ گویا کہ دو وجوہات کی بنا پر وہ حضرت سعد کا فیصلہ ماننے پر راضی ہو گئے۔ (i) بنو اوس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کرنا (ii) حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حلیف بھی تھے۔ ان ایام میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں تھے۔ جب غزوۂ خندق میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر لگا تو آپ نے ان کی قوم سے فرمایا ''انہیں رفیدہ کے خیمہ میں پہنچا دو تاکہ میں قریب سے ان کی عیادت کر سکوں'' حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا بنو اسلم کی ایک خاتون تھیں۔ ان کا خیمہ مسجد نبوی میں تھا، یہ ان صحابہ کرام کے زخموں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ جن کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قوم ان کے پاس آئی۔ انہیں گدھے پر سوار کروا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گئی۔ بنو قریظہ کہہ رہے تھے ''ابو عمرو! اپنے موالی پر احسان کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ تمہارے سپرد اس لیے کیا ہے تاکہ تم ان پر احسان کرو۔ ان پر احسان کرنا۔ تم نے ابن ابی کو دیکھا تھا کہ اس نے اپنے حلیفوں کے بارے کیسے فیصلہ کیا تھا''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مہر بلب تھے۔ جب انہوں نے بار بار اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا ''اب سعد کے لیے وہ وقت آ گیا ہے کہ اسے کسی ملامت کرنے والی کی ملامت کچھ نہ کہے'' بعض یہودیوں نے کہا ''ہائے ہلاکت! جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے پاس پہنچے۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ'' دوسری روایت میں ہے ''اپنے میں سے بہترین فرد کے لیے کھڑے ہو جاؤ'' صحابہ کرام کھڑے ہو گئے اور کہا ''ابو عمرو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے موالی کا فیصلہ آپ کے سپرد کیا ہے تاکہ آپ ان کے بارے فیصلہ کریں'' ایک اور روایت میں ہے۔ صحابہ کرام نے فرمایا ''ہم دو صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ہم میں سے ہر شخص انہیں سلام کر رہا تھا، حتیٰ کہ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سعد! ان کا فیصلہ کرو'' انہوں نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ کرنے کے زیادہ حق دار ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان کا فیصلہ کرو'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کی طرف منہ کر کے کہا جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تھے ''تمہیں اللہ تعالیٰ کے عہد اور میثاق کی قسم کہ فیصلہ وہی ہو گا جو میں ان کے بارے کر دوں گا'' انہوں نے کہا ''ہاں'' پھر انہوں نے اس گروہ کی طرف منہ کیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے اور ان صحابہ کرام سے بھی یہی کہا پھر بنو قریظہ سے پوچھا ''کیا تم میرے فیصلہ پر راضی ہو'' انہوں نے کہا ''ہاں'' ان سے بھی عہد اور میثاق لیا کہ فیصلہ وہی ہو گا جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں بنو قریظہ کے متعلق فیصلہ یہ کرتا ہوں کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے ان کے اموال تقسیم کر لیے جائیں، اولاد اور خواتین کو گرفتار کر لیا جائے۔ ان کے گھر انصار کو چھوڑ کر صرف مہاجرین میں تقسیم کیے جائیں'' انصار نے کہا ''ہم بھی مہاجرین کے ساتھ ہی ہوں گے'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں پسند کرتا ہوں کہ وہ تم سے مستغنی ہو جائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''سعد! تم نے رب تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''تم نے یہ فیصلہ سات آسمانوں کے اوپر ہونے والے فیصلہ کے مطابق کیا

ہے۔ سحری کے وقت مجھے فرشتہ نے یہی فیصلہ کرنے کے لیے کہا تھا"۔

فیصلے کا نفاذ

پھر حضور ﷺ نے بنو قریظہ کے قلعوں سے ہتھیار اور اسلحہ اکٹھا کرنے کا حکم دیا اور ہتھیار جمع کر لیے گئے۔ ان میں 1500 تلواریں، تین سو زرہیں، ایک ہزار نیزے، پانچ سو ڈھالیں۔ بہت زیادہ برتن، جانور اور مویشی پائے گئے۔ آپ نے کھجوروں اور قیدیوں سمیت ان کا خمس نکالا۔ باقی مال مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

دوسری روایت کے مطابق باقی سامان فروخت کرنے کا حکم دیا گیا۔ سامان فروخت کر دیا گیا، پھر وہ رقم مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی۔ مال غنیمت کے 3072 حصے کیے گئے کیونکہ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی۔ چھتیس گھوڑے تھے، گھوڑے کے لیے دو حصے اور گھڑ سوار کے لیے ایک حصہ مقرر کیا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے قیدی مردوں کو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں رکھنے کا حکم دیا جبکہ خواتین اور بچے بنت حارث تجاریہ کے گھر جمع کیے گئے۔ پھر حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ پھر سوق المدینہ کی طرف نکلے۔ وہاں آپ نے گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرام بیٹھ گئے، پھر آپ نے بنو قریظہ کے ہر بالغ مرد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ بنو قریظہ کے یہودیوں کی ٹولیاں بنا کر لائی جاتیں۔ ان کی گردنیں اڑا کر انہیں ان گڑھوں میں پھینک دیا جاتا۔ بنو قریظہ میں سے ایک شخص نے کعب بن اسد سے کہا "تمہارے خیال کے مطابق ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟ کعب نے کہا" ہر موقعہ پر تم احمق بن جاتے ہو۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ تم میں سے جسے لے جایا جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا۔ بخدا! ہمیں قتل کیا جا رہا ہے۔ میں نے تمہیں اس کے علاوہ ایک اور چیز کی طرف بلایا تھا۔ مگر تم نے انکار کر دیا تھا" بنو قریظہ نے کہا" اب یہ عتاب کا وقت نہیں" انہیں اسی طرح قتل کیا جاتا رہا حتیٰ حضور ﷺ ان سے فارغ ہو گئے۔ پھر ان گڑھوں کو مٹی سے بھر دیا گیا۔ بنو قریظہ کے قتل کے وقت ان کی عورتیں چیخ اٹھیں، انہوں نے گریبان چاک کر ڈالے، بال بکھیر دیے، رخسار پیٹ ڈالے، آہ و بکا سے مدینہ منورہ بھر گیا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن حیی بن اخطب کو لایا گیا اس کے ہاتھ اس کی گردن کے ساتھ باندھے گئے تھے۔ جب حضور ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا "اے اللہ کے دشمن! کیا آج رب تعالیٰ نے تجھ پر یہ قدرت نہیں دی؟ اس نے کہا" ہاں! اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجھ پر قدرت عطا کی ہے۔ بخدا! میرا نفس اب بھی آپ کے ساتھ اسی طرح عداوت رکھتا ہے لیکن جسے رب تعالیٰ رسوا کرے وہ رسوا ہو کر ہی رہتا ہے"۔

دوسری روایت میں ہے۔ حیی نے کہا" ہم نے پوری طرح تگ و دو کی ہے، لیکن جسے رب تعالیٰ رسوا کرے وہ ذلیل ہو کر رہتا ہے"۔ پھر حیی نے لوگوں کی طرف توجہ کی اور کہا" اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایک فیصلہ اور تقدیر الٰہی تھی جسے رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے مقرر کر دیا تھا"۔ پھر وہ بیٹھ گیا تو اس کی گردن اڑا دی گئی۔ جب بنو قریظہ کے سردار کعب کو بلایا گیا تو آپ نے فرمایا" کعب! اس نے کہا" ہاں! ابو القاسم!" حضور ﷺ نے فرمایا" تم نے ابن خراش کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس نے میری تصدیق کی تھی۔ کیا اس نے تمہیں میری اتباع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ کعب نے کہا" تورات کی قسم! ابو القاسم! ہاں" اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہود کہیں گے کہ میں نے تلوار کے خوف سے

آپ کی اتباع کی ہے تو میں ضرور آپ کی پیروی کرتا" لیکن وہ یہودیت پر ہی ہے۔ حضور ﷺ نے اسے آگے آنے کے لیے کہا، وہ آگے آیا تو اس کی گردن اڑا دی گئی۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما ان افراد کو تہ تیغ کرنے پر متعین تھے۔ ایک قول کے مطابق بعض افراد کو قتل کرنے کے لیے اوس کے سپرد بھی کیا گیا تھا کیونکہ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! حلیف ہونے کی وجہ سے اوس پر بنوقریظہ کا قتل گراں گزر رہا ہے" حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اوس کے جس شخص میں ذرہ سی بھلائی ہے اس پر بنوقریظہ کا قتل گراں نہیں۔ جو اسے ناپسند کرے اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو" حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اوس کا کوئی گھر نہ چھوڑیں مگر اس میں بنوقریظہ کے افراد قتل کے لیے بھیج دیں جو اس پر ناراضگی کا اظہار کرے رب تعالیٰ اسے رسواء کرے" آپ ان کے گھروں میں سے سب سے پہلے میرے گھر میں بھیج دیں" آپ نے بعض قیدی اوس کے گھروں میں بھیج دیے، انہیں وہاں قتل کر دیا جن لوگوں پر یہ قتل گراں گزر رہا تھا، انہوں نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی رضا کے لیے ان قیدیوں کو اپنے گھروں میں قتل کر دیا۔ اس طرح ان کے سینوں میں موجود کھٹک کا ازالہ ہو گیا۔ بقیہ قیدیوں کو حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے تہ تیغ کر دیا۔ آپ ﷺ ان گڑھوں کے پاس ہی رہے۔ غروب آفتاب کے وقت آپ ان سے فارغ ہو گئے۔ جن قیدیوں کو اٹھا کر اوس کے پاس لایا گیا تھا انہیں بھی قتل کرنے کے بعد اٹھا کر انہی گڑھوں کی طرف لے جایا گیا۔ بنوقریظہ کے مردوں کی تعداد چھ سو اور سات سو کے مابین تھی۔

مقتولہ عورت

ایک عورت کے علاوہ کسی اور عورت کو قتل نہیں کیا گیا۔ اس کا نام بیانہ یا مزنہ تھا۔ یہ عورتوں میں سے نکلی اور حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ گرا کر انہیں شہید کر دیا۔ اسے یہ حکم اس کے خاوند نے دیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد وہ کسی اور کی زوجیت میں جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کے لیے مال غنیمت میں سے حصہ نکالا اور فرمایا "ان کے لیے دو شہیدوں کا اجر ہے" آپ نے حضرت سنان بن محصن رضی اللہ عنہ کا بھی حصہ نکالا۔ یہ محاصرہ کے دوران وصال فرما گئے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "خواتین میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا۔ بخدا! وہ میرے پاس تھی۔ وہ گفتگو کرتی تھی۔ وہ ہشاش بشاش نظر آتی تھی۔ وہ ایک خوبرو عورت تھی۔ حضور ﷺ بنوقریظہ کے مردوں کو قتل کروا رہے تھے۔ اچانک کسی نے اسے باآواز بلند پکارا "بیانہ کہاں ہے؟ اس نے کہا "میں یہاں ہوں" میں نے اس سے پوچھا "تیرے لیے ہلاکت تجھے کیا ہے؟ اس نے کہا "مجھے قتل کر دیا جائے گا" میں نے پوچھا "کیوں؟" اس نے کہا "اس جرم کی وجہ سے جو مجھ سے سرزد ہوا ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق اس عورت نے کہا "مجھے میرے خاوند نے قتل کیا ہے" ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پوچھا "تیرے

خاوند نے تجھے کیسے قتل کیا ہے؟ اس عورت نے کہا "اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ چکی کا پاٹ حضور ﷺ کے ان صحابہ کرام کے اوپر پھینک دوں جو قلعہ کے سایہ کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کو پایا۔ میں نے ان کا سر کچل دیا۔ وہ شہید ہو گئے، ان کے عوض مجھے قتل کیا جا رہا ہے" ایک اور روایت کے مطابق اس نے عرض کی "میں بنو قریظہ کے ایک شخص کی بیوی تھی، اس کے اور میرے درمیان انتہائی محبت تھی۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا "وصال کے ایام پر حسرت! اب یہ فراق کی راتوں میں تبدیل ہونے والے ہیں۔ میں تیرے بعد زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ میرے خاوند نے مجھے کہا "اگر تو اپنے دعویٰ محبت میں سچی ہے تو پھر مسلمانوں کی ایک جماعت زبیر بن باطا کے قلعہ کے سایہ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ ان پر چکی کا پاٹ پھینک دے شاید ان میں سے کوئی مر جائے، اگر وہ ہم پر غالب آ گئے تو اس کے قصاص میں تجھے بھی قتل کر دیں گے۔ میں نے اسی طرح کیا" حضرت ام المومنین نے فرمایا "اس عورت کو لے جایا گیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی"۔ آپ فرماتی تھیں "میں نے اتنی خوش و خرم اور مسرور عورت کبھی نہیں دیکھی حالانکہ اسے علم تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے گا"۔

زبیر بن باطا کا قتل

بنو قریظہ میں زبیر بن باطا بھی تھا۔ یہ پیر فرتوت تھا۔ یوم بعاث میں اس نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ پر احسان کیا تھا۔ بعاث وہ جنگ تھی جو نبی کریم ﷺ کی مدینہ طیبہ میں جلوہ نمائی سے قبل اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی۔ اس میں اوس نے خزرج پر غلبہ پا لیا تھا۔ اس جنگ میں زبیر بن باطا نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا۔ ان کی پیشانی کے بال کاٹے، پھر ان کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب بنو قریظہ کو قتل کیا جا رہا تھا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زبیر کے پاس آئے، اسے کہا "ابو عبدالرحمٰن! کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے کہا "کیا مجھ جیسا انسان آپ جیسے انسان کو بھول سکتا ہے؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تیرے اس احسان کا بدلہ چکا دوں جو تو نے مجھ پر کیا تھا" اس نے کہا "ایک کریم شخص ہی دوسرے کریم کے احسان کا بدلہ چکا تا ہے۔ اب میں اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوں" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! زبیر کا مجھ پر احسان ہے۔ میں اسے چکانا چاہتا ہوں۔ آپ ان کا خون مجھے بخش دیں" حضور ﷺ نے فرمایا "وہ تمہارے لیے ہے" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زبیر کے پاس آئے اور اسے بتایا "حضور ﷺ نے مجھے تمہارا خون بخش دیا ہے۔ اب تیرا خون معاف کر دیا گیا ہے" اس بوڑھے نے کہا "نہ میرے اہل خانہ باقی ہیں نہ ہی اولاد، تو میں ایسی زندگی کو کیا کروں گا؟ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر فدا! اس کی بیوی اور اولاد کا خون بھی معاف فرما دیں" آپ نے فرمایا "وہ بھی معاف کر دیا" میں زبیر کے پاس آیا، اسے کہا "حضور ﷺ نے تیرے اہل اور اولاد کا خون بھی معاف کر دیا ہے" زبیر نے کہا "حجاز میں ایسا گھرانہ ہوتا جس میں مال و دولت نہ ہو۔ اس گھر کے مکینوں کی زندگی کیسی ہو گی؟ میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا، عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اس کا مال بھی اسے عنایت فرما دیں" آپ نے فرمایا "اس کا مال بھی اسے دے دیا جائے گا" میں زبیر کے پاس آیا اور کہا "حضور ﷺ نے تجھے تیرا مال بھی واپس کر دیا

ہے" زبیر نے کہا" ثابت! آپ نے میرے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔ ذرا بتائیں اس شخص کے ساتھ کیا ہوا جس کا چہرہ آئینہ تھا۔ جس میں قبیلہ کی کنواری لڑکیاں اپنے چہرے دیکھا کرتی تھیں۔ یعنی کعب بن اسد بنوقریظہ کا سردار! میں نے کہا" اسے قتل کر دیا گیا ہے" اس نے کہا" دیہاتوں اور شہروں کے سردار جو انہیں قحط سالی اور خوش حالی کے دور میں کھلاتا پلاتا تھا، اس کے ساتھ کیا کیا گیا؟ یعنی حیی بن اخطب؟ میں نے کہا" اسے بھی تہ تیغ کر دیا گیا ہے" اس نے کہا" اس شخص کا کیا بنا جو اس وقت ہمارے مقدمۃ الجیش میں ہوتا تھا جب ہم جنگ کرتے تھے۔ جب ہم راہ فرار اختیار کرتے تھے تو وہ اس وقت ہمارا دفاع کرتا تھا۔ یعنی عزال کا کیا بنا؟ میں نے کہا" اسے بھی قتل کر دیا گیا ہے" اس نے پوچھا" ان دو محفلوں یعنی بنوکعب بن قریظہ اور بنوعمرو بن قریظہ کا کیا بنا؟ میں نے کہا" انہیں بھی قتل کر دیا گیا ہے" اس نے کہا" ثابت میں آپ سے سوال کرتا ہوں، اس احسان کا واسطہ دیتا ہوں جو میرا تم پر ہے کہ تم مجھے بھی اسی قوم کے ساتھ ملا دو۔ بخدا! اس کے بعد کی زندگی میں کوئی شیرینی باقی نہیں رہی۔ میں اس گھر میں لوٹ کر جاؤں جہاں کبھی بنوقریظہ کا بسیرا تھا اور ان کے بعد اس میں رہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اب میں اتنی دیر بھی انتظار نہیں کر سکتا جتنی دیر میں پانی ڈول سے انڈیلا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اپنے پیاروں سے ملاقات کر لوں" حضرت ثابت نے فرمایا" میں تمہیں قتل نہیں کروں گا" اس نے کہا" مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ مجھے کون قتل کرتا ہے؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے تہ تیغ کر دیا۔ جب زبیر بن باطا کا یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا" بخدا! وہ اپنے پیاروں سے ملاقات آتش جہنم میں ہی کرے گا، وہ اس میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا" زبیر کے اہل اور مال تمہیں بخشے خواہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے" پھر اس شخص کو قتل کر دیا گیا جس کے زیر ناف بال تھے۔ جس کے بال نہیں اگے تھے۔ اسے قیدی بنا لیا گیا۔ حضرت عطیہ القرظی نے فرمایا ہے" میں ابھی بچہ تھا۔ صحابہ کرام نے دیکھا کہ ابھی تک میرے زیر ناف بال نہیں اگے تھے۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا" رفاعہ القرظی کے یہ بال اگے ہوئے تھے۔ یعنی وہ بالغ تھے مگر حضرت سلمی بنت قیس ام المنذر رضی اللہ عنہا نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگ لیا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا جان کی خالاؤں میں سے تھیں، کیونکہ ان کا تعلق بنونجار سے تھا۔ انہوں نے عرض کی" یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے والدین آپ پر نثار! مجھے رفاعہ عطا فرما دیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ انہیں عطا کر دیے۔ انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوقریظہ کی عورتوں میں سے حضرت ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے ان کے ساتھ عقد نکاح کر لیا، یہ خوبصورت اور حسین تھیں۔ ان کا حق مہر بارہ اوقیہ چاندی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ان سے ملکِ یمین کے اعتبار سے وطی فرماتے تھے۔ اللہ رب العزت نے بنوقریظہ کا قصہ اس آیت طیبہ میں بیان فرمایا ہے:

وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْهِمْ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (الاحزاب)

''اور اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں، ان کے مکانوں اور ان کے مال ومتاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''۔

صاحب الہمزیہ نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے اس عہد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو بنوقریظہ اور حضور ﷺ کے مابین تھا۔ نیز گروہوں کے ساتھ دھوکہ دہی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

وتعدوا الی النبی حدودا　　کان فیہا علیہم العدواء

''وہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے حضور ﷺ کی طرف بڑھے۔ مگر ہلاکت میں وہی گرے۔

واطمأنوا بقول الاحزاب　　اخوانہم اننا لکم اولیاء

وہ گروہوں کے اس قول کی وجہ سے مطمئن ہو گئے کہ ہم تمہارے مددگار ہیں۔

وبیوم الاحزاب اذا زاغت　　الابصار فیہ وضلت الاراء

غزوۂ خندق کے روز جب آنکھیں چندھیا گئیں اور آراء گمراہ ہو گئیں۔

وتعاطوا فی احمد منکر القول　　ونطق الاراذل العوراء

انہوں نے حضور ﷺ کی طرف قبیح گھٹیا اور احمقانہ بات منسوب کر کے سرکشی کی۔

کل رجس یزیدہ الخلق　　السؤ سفاہا والملۃ العوجاء

ہر ناپاکی میں برے اخلاق کا اضافہ کرتے ہیں اور وہ قوم بھی ٹیڑھی تھی۔

فانظروا کیف کان عاقبۃ　　القوم والماساق للبذی البذاء

ذرا دیکھو اس قوم کا انجام کیا تھا، فحش گو کے لیے فحش گوئی کتنا بھیانک انجام لے کر آئی۔

وجد السب فیہ سما وکم　　یدر اذا المیم فی مواضع باء

اس نے گالی (سب) کی جگہ زہر (سم) پایا اسے علم نہ تھا کہ جب میم کی جگہ باء آجائے تو کیا ہوتا ہے۔

کان من فتیہ قتلہ بیدیہ　　فہو فی سؤ فعلہ الزباء

اس کا قتل آپ کے دست اقدس سے ہی تھا۔ وہ اپنے برے کرتوت کی وجہ سے زباء کی مانند تھا۔

او ہو النحل قرصہا یجلب　　احتف رالیہا ومالہ انکاء

یا وہ شہد کی مکھیاں تھیں جو موت کو اس کی طرف کھینچ رہی تھیں۔ مگر وہ قوی تاثیر نہیں رکھتا تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قابلِ رشک وصال

بنو قریظہ کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اب قریش تم پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے، بلکہ تم ان پر حملہ آور ہو گے" اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے قتل کے ساتھ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ جب غزوۂ خندق میں انہیں تیر لگا تو انہوں نے کہا "مولا! اس وقت تک میرا وصال نہ فرمانا حتیٰ کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے یہ بات اس رات کو کی تھی جس کی صبح کو انہوں نے بنو قریظہ کا فیصلہ کیا تھا" ممکن ہے کہ آپ نے دو مرتبہ یہ دعا کی ہو" ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے یہ دعا کی "مولا! مجھ پر موت طاری نہ فرمانا حتیٰ کہ میرا سینہ بنو قریظہ سے شفاء پالے" اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا۔

ان کا زخم مندمل ہونے کے قریب تھا۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے یہ دعا کی "مولا! تو جانتا ہے کہ مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی امر محبوب نہیں کہ میں تیرے راستہ میں اس قوم سے جہاد کروں جس نے تیرے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی۔ انہیں ان کے وطن سے نکالا، میرا گمان ہے کہ تو نے اب ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کر دی ہے۔ اگر قریش کے ساتھ تھوڑی سی جنگ بھی باقی ہے تو مجھے باقی رکھ حتیٰ کہ میں ان کے ساتھ جہاد کروں اور اگر یہ جنگ اختتام پذیر ہوگئی ہے تو اس زخم کو جاری کر دے اور اسی میں مجھے شہادت عطا فرما" اسی رات ان کا یہ زخم پھٹ گیا، ان کا مبارک خون نکل کر مسجد نبوی کی طرف گیا۔ بنو غفار کے ایک شخص نے کہا یہ حضرت رفیدہ کا خاوند تھا۔ اس نے پوچھا "اہل خیمہ! یہ کیسا خون ہے جو تمہاری طرف سے ہماری طرف آرہا ہے"۔ دیکھا گیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون نکل رہا تھا۔ خون کے نکلنے کی آواز آرہی تھی۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق ایک بکری آپ کے پاس سے گزری۔ آپ لیٹے ہوئے تھے، اس کا سینگ آپ کے زخم کو لگا۔ وہ زخم پھٹ گیا۔ خون بہنے لگا، حتیٰ کہ آپ شہید ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود نہ تھے۔ حضرت جبرائیل امین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! یہ عبد صالح کون ہے؟ دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے عرض کی "یہ کس کی میت ہے جس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے گئے ہیں۔ جس کے آنے کی وجہ سے عرش الٰہی حرکت کرنے لگا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے پایا کہ ان کا وصال ہو چکا تھا۔ آپ کے جنازہ میں ستر ہزار ایسے ملائکہ نے شرکت کی جو اس دن ہی زمین پر آئے تھے۔

اس میں اختلاف ہے کہ عرش الٰہی کی حرکت سے کیا مراد ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مبارک روح کے آنے کی وجہ سے خوشی سے حرکت کرنا" دوسرے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عرش کی حرکت کو ملائکہ کے لیے ان کی موت پر علامت مقرر کیا تھا" ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد قبولیت کی بشارت دینا ہے" جو بھی کسی دوسرے کی آمد کے متعلق خوش ہو۔ اسے کہا جاتا ہے "اِهْتَزَّلَهٗ" اسی سے ہے "اِهْتَزَّتِ الْاَرْضُ بِالنَّبَاتِ" جب زمین سرسبز و شاداب اور حسین ہو جائے۔ اسی سے اہل عرب کا یہ قول ہے "فُلَانٌ يَهْتَزُّ لِلْمَكَارِمِ" اس سے مراد یہ نہیں کہ اس کے جسم میں حرکت اور

اضطراب پیدا ہوا تھا، بلکہ اس سے مراد مکارم اخلاق کو اپنا لینا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ان کے وصال کی عظمت اور رفعت کو بیان کرنا ہے۔ اہل عرب عظیم چیز کو سب سے بڑی چیز کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں "فلاں کی موت کی وجہ سے زمین تاریک ہوگئی، اس کے لیے قیامت آگئی وغیرہ"۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ درگاہ ایزدی میں ان کا مقام و منصب کیا ہے کہ عرش الٰہی بھی ان کے افسوس میں حرکت کرنے لگا۔ اسی لیے بہت سے محققین نے لکھا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ انصار میں اسی طرح تھے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہاجرین میں تھے۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو بعض منافقین نے کہا "ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے" جبکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جسیم انسان تھے۔ گویا کہ منافقین نے از روئے مذاق یہ بات کی تھی کہ ان کے جنازہ کا ہلکا پن ان کے اعمال نامہ کے ہلکا ہونے پر دلالت کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا "فرشتوں نے ان کی چارپائی کو اٹھایا ہوا ہے۔ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو ان کی والدہ ماجدہ نے روتے ہوئے کہا:

ویل ام سعد سعداً صرامة وحدا وسؤدداً ومجداً وفارساً سعداً سُدّ ابه مسدّا

"سعد کی امی کو سعد کی وفات کا افسوس ہے۔ وہ ایک قوت نافذہ اور تلوار کی دھار تھا۔ وہ سراپا سیادت اور سراپا مجد و شرف تھا۔ وہ ہر وقت ایک تیار شہ سوار تھا جس کے ذریعے دشمن کا راستہ بند تھا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہر نوحہ کرنے والی جھوٹ بولتی ہے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نوحہ کہنے والی نے سچ کہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "اس سے زائد نہ کہنا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے محتاط اور اس کے امر میں قوی تھے۔ ام سعد کے علاوہ ہر نوحہ کرنے والی جھوٹ بولتی ہے" آپ نے حضرت سعد کی امی جان سے فرمایا "اب آپ کے آنسو رک جانے چاہیے، آپ کا غم ختم ہو جانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے فرزند دلبند کے لیے مسکرا رہا ہے"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے روح و ایمان اور مغفرت و رضوان سے ان کا استقبال فرمایا ہے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ دوستوں کے درمیان حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کے آگے آگے چلے۔ پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی امی جان آگئیں۔ انہوں نے انہیں لحد میں دیکھا اور فرمایا "حصول ثواب کے لیے میں تم پر صبر کرتی ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ تعزیت کی۔ جب کہ حضور ان کی قبر انور پر کھڑے تھے۔ جب ان کی قبر انور کی مٹی برابر کر دی گئی، پانی اوپر چھڑک دیا گیا تو آپ نے وہاں کھڑے ہو کر دعا کی۔
حضرت ام سعد رضی اللہ عنہ کا نام کبشہ بنت رافع تھا۔ انصار کی خواتین میں سے سب سے پہلے انہوں نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ریشم کا حلہ پیش کیا۔ صحابہ کرام اسے چھو کر اس کی ملائمت پر تعجب کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اس حلے میں نرمی اور نزاکت پر تعجب کرتے ہو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے جنت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے زیادہ نرم اور بہتر ہوں گے"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ادنی کپڑے اس حلہ سے

بہتر ہوں گے کیونکہ رومال کا شمار سارے کپڑوں میں سے ادنی کپڑوں میں ہوتا ہے کیونکہ یہ میل کچیل صاف کرنے کے لیے ہوتا ہے جبکہ دیگر کپڑے اس سے مزید عمدہ ہوں گے"۔

ابن سعد اور ابونعیم نے حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر انور سے مٹھی بھر مٹی لی، وہ لے کر چلا گیا۔ پھر اس نے دیکھا تو مشک اذفر بن چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مٹی کے مشک میں تبدیل ہو جانے پر دوبار سبحان اللہ کہا۔ پھر قبر کے کشادہ ہو جانے پر رب تعالیٰ کی تعریف بیان کی اور فرمایا "اگر قبر کی تنگی سے کسی کو نجات مل سکتی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ ضرور نجات پا جاتے۔ ان کی قبر انور نے بھی انہیں بھینچا، پھر رب تعالیٰ نے اسے وسعت عطا کر دی" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ نے تسبیح کہی۔ ہم نے بھی تسبیح کہی۔ آپ نے تکبیر کہی تو ہم نے بھی تکبیر کہی۔ صحابہ کرام نے عرض کی "یارسول! اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ نے یہ تسبیح کیوں کہی ہے؟ آپ نے فرمایا "اس عبد صالح پر بھی قبر تنگ ہوگئی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اسے کشادہ کر دیا"۔

ابن سعد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "میں ان لوگوں کے ہمراہ تھا جنہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی، جب بھی ہم قبر کھودتے اندر سے مشک جیسی خوشبو آتی تھی"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن زید انصاری کو بنو قریظہ کے قیدی دے کر "نجد" کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اسلحہ اور گھوڑے خریدے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو شام کی طرف بھیجا، انہوں نے ان قیدیوں کے بدلہ میں بہت سے ہتھیار اور گھوڑے خریدے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری اشیاء مسلمانوں میں تقسیم کر دیں"۔

سریۃ القرطاء--ثمامہ کی داستان

یہ سریہ 6ھ کو رونما ہوا۔ جبکہ محرم الحرام کے دس روز گزر چکے تھے۔ قرطاء بنو بکر کی ایک وادی کا نام ہے۔ وہ لوگ ضریہ کی طرف فروکش تھے۔ یہ بنو کلاب کی بستی تھی۔ یہ بصرہ اور مکہ مکرمہ کی شاہراہ پر تھی۔ یہ مکہ مکرمہ کے قریب تر تھی۔ اس میں ایک پہاڑ ہے، جسے البکرات کہا جاتا ہے۔ ضریہ اور مدینہ طیبہ کے مابین سات روز کی مسافت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تیس اونٹ سواروں اور گھڑ سواروں کے ساتھ بھیجا۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ دن کو چھپ جائیں اور رات کو سفر کریں اور دشمن پر بکھر کر حملہ کریں۔ انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے دشمن پر حملہ کیا تو اس کے دس افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ دوسری روایت میں بیس افراد کا ذکر ہے۔ وہ 150 اونٹ تین ہزار بکریاں لے کر مدینہ طیبہ میں واپس آ گئے۔ محرم کی ایک رات باقی تھی، اس مہم میں انیس روز صرف ہوئے۔ انہوں نے راستہ میں ثمامہ بن اثال کو بھی گرفتار کر لیا۔

ابن اسحاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھڑ سوار دستہ نے راستہ میں ایک شخص کو گرفتار کر لیا، وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے کسے گرفتار کیا ہے؟ یہ ثمامہ بن اثال حنفی ہے۔ مجاہدین نے اسے مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، تاکہ وہ مسلمانوں کی نماز کے حسن و زیبائی کو دیکھے۔ ان کے اجتماع کو ملاحظہ کرے اور اس

کے دل میں رقت پیدا ہو جائے"۔

حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے پوچھا: ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا "محمد عربی ﷺ میرے پاس بھلائی ہے۔ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک نادم شخص کو قتل کریں گے۔ اگر آپ احسان فرمائیں گے تو ایک شکر گزار بندے پر احسان فرمائیں گے۔ اگر آپ مال و دولت کے خواہاں ہیں تو مانگیں آپ جتنا مانگیں گے آپ کو عطا کیا جائے گا" دوسرے روز پھر آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "ثمامہ! تمہارے پاس کیا ہے؟ ثمامہ نے وہی بات دہرائی۔ آپ تیسرے روز بھی اس کے پاس تشریف لے گئے اور یہی سوال کیا۔ اس نے یہی جواب دیا۔ آپ نے فرمایا "ثمامہ کو چھوڑ دو" ثمامہ قریبی نخلستان میں گئے، وہاں غسل کیا۔ پھر مسجد نبوی میں آئے، انہوں نے کہا "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ" پھر انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! پہلے روئے زمین پر کوئی ایسا چہرہ نہیں تھا جو مجھے آپ کے چہرہ سے مبغوض ہوتا۔ اب مجھے آپ کا چہرۂ انور سارے چہروں سے بڑھ کر محبوب ہو گیا ہے۔ واللہ! کوئی شہر ایسا نہیں تھا جو مجھے آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض ہوتا اب یہ شہر خوباں مجھے سارے شہروں سے پیارا ہو گیا ہے۔ جب آپ کے گھڑ سوار دستے نے مجھے گرفتار کیا تو میں عمرہ کے لیے نکلا تھا۔ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ حضور ﷺ نے انہیں دین و دنیا کی بھلائی کی خبر دی۔ یا جنت یا گناہوں کی معافی کی بشارت دی اور انہیں عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے تلبیہ کہا۔ اللہ تعالیٰ سے شرک کی نفی کی۔ ایک کہنے والے نے انہیں کہا "کیا تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟ انہوں نے کہا "نہیں بلکہ میں نے محمد عربی ﷺ کے ساتھ رب العالمین کے سامنے سر اطاعت جھکا دیا ہے۔ اب تمہارے لیے یمامہ کی طرف سے گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا، حتیٰ کہ حضور ﷺ اس کی اجازت دے دیں"۔ روایت ہے کہ ایک گروہ انہیں شہید کرنے کی جسارت کرنے لگا تو ایک شخص نے انہیں کہا "انہیں کچھ نہ کہو بخدا! تم یمامہ کے محتاج ہو وہ ان کے رستہ سے ہٹ گئے۔ انہی کے متعلق کہا گیا ہے:

ومنا الذی لبی بمکۃ معلنا   برغم ابی سفیان فی الاشھر الحرم

"اور ہم میں وہی عظیم ذات ہے جس نے ابوسفیان کی خواہش کے برعکس اشہر حرم میں مکہ مکرمہ میں اعلانیہ تلبیہ کہا تھا"۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ پھر یمامہ کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے روک دیا کہ مکہ مکرمہ کی طرف کوئی دانہ بھی نہ جانے پائے۔ قریش مکہ نے حضور ﷺ کی طرف لکھا "آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں پھر ہمارے ساتھ خود ہی قطع رحمی کر دی ہے" آپ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب گرامی لکھوایا کہ وہ مکہ مکرمہ کی طرف جانے والے غلہ کو نہ روکیں"۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے "حضرت ثمامہ بن اثال حنفی رضی اللہ عنہ جب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو وہ اسیر تھے، حضور ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ مکہ مکرمہ چلے گئے، پھر واپس لوٹ آئے وہ اہل مکہ اور یمامہ سے آنے والے غلہ کے مابین حائل ہو گئے، حتیٰ کہ قریش مکہ کو قحط سالی نے آلیا۔ ابوسفیان بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "کیا آپ ﷺ گمان نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ

للعالمین بنا کر بھیجا ہے" آپ نے فرمایا "ہاں" اس نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آباء کو تلوار کے ساتھ اور ابناء کو بھوک کے ساتھ مار ڈالا ہے" دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیتا ہوں ہم گندگی کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ مکہ مکرمہ میں غلہ کی ترسیل بند نہ کریں۔

ذرا اس عظیم حلم، وسیع رحمت اور عمیم رأفت کو تو دیکھو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عظیم خلق سے آشکارا ہو رہی ہے۔ آپ کو اپنے صحابہ کرام کے لیے غلہ کی شدید ضرورت ہے۔ غزوۂ خندق ابھی ابھی ہوا ہے، پھر اہل مکہ کے لیے غلہ کی ترسیل کو جاری فرما دیا۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)

"بیشک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں"۔

حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کی اس داستان میں کئی فوائد پنہاں ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) کافر کو مسجد میں باندھنا جائز ہے (۲) کافر اسیر پر احسان کرنا درست ہے (۳) اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا (۴) احسان بغض کو ختم کر دیتا ہے۔ محبت کو ثابت کرتا ہے (۵) جب کافر عمل خیر کا ارادہ کرے پھر اسلام لے آئے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس کار خیر پر عمل پیرا رہے (۶) جس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو اس پر نرمی کرنا، جبکہ اس میں کوئی اسلامی مصلحت کارفرما ہو۔ بالخصوص جبکہ اس کے اسلام لے آنے کی وجہ سے کثیر لوگوں کے اسلام لانے کی امید ہو (۷) سرایا کفار کے ممالک کی طرف بھیجنے کا جواز (۸) ان میں سے جو مل گیا اسے پابند سلاسل کرنا (۹) پھر اس کے قتل اور باقی رکھنے میں اختیار (۱۰) نیز یہ کہ گنہگار کو معاف کر دینا ایک عظیم امر ہے۔ کیونکہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی تھی کہ ایک لحہ میں ان کی نفرت محبت میں تبدیل ہو گئی جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر عفو و کرم فرمایا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لے آنے کے بعد صحابہ کرام نے انہیں کھانا پیش کیا تو انہوں نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور تھوڑا سا ہی دودھ پیا۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم تعجب کیوں کرتے ہو دن کے آغاز میں انہوں نے کافر کی آنت سے کھایا تھا۔ دن کے آخری حصہ میں انہوں نے مسلمان کی آنت سے کھایا۔ مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے جبکہ کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے"۔ پھر حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہونے لگا۔ ان کی قوم کے بیشمار لوگ ایمان لے آئے۔ جب اہل یمامہ مرتد ہوئے تو یہ ان کے ساتھ نہ مرتد ہوئے۔ نہ ہی اطاعت سے انحراف کیا، بلکہ قابل ستائش کردار ادا کیا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل یمامہ مسیلمہ کذاب کے ہمراہ مرتد ہو گئے تھے۔ انہوں نے کہا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (المومن:2-1)

"اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔ گناہ بخشنے والا اور

توبہ قبول فرمانے والا، سخت سزا دینے والا ہے"۔

ایسی لاریب کلام کا مسیلمہ کذاب کی بکواسات کے ساتھ مقابلہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تین ہزار لوگوں نے ان کی اطاعت کرلی اور دوبارہ مسلمانوں کی طرف لوٹ آئے۔

غزوۂ بنولحیان

یہ غزوہ 6ھ ماہ ربیع الاول میں ہوا تھا۔ بعض نے اس کا سال 5ھ اور بعض نے 4ھ لکھا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو حضرت عاصم بن ثابت اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا بہت غم ہوا۔ ان صحابہ کرام کو بئر معونہ کے مقام پر شہادت نصیب ہوئی تھی۔ یہ ستر قراء صحابہ کرام تھے۔ آپ نے اظہار کیا گویا کہ آپ شام جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تا کہ آپ اس قوم پر اچانک حملہ آور ہوں۔ آپ کے ہمراہ دو سو مجاہدین اسلام تھے۔ بیس گھوڑے بھی ہمراہ تھے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ مدینہ طیبہ کی ایک سمت غراب پر سے آپ عازم سفر ہوئے۔ پھر راہ شام پر رواں ہوئے۔ پھر بائیں طرف تشریف لے چلے حتیٰ کہ آپ مکہ مکرمہ کے راستے پر سے جحفہ کی طرف تشریف لے گئے۔ پھر آپ تیزی سے وادئ غراب میں تشریف لے گئے۔ بنولحیان کا مسکن یہیں تھا۔ انہوں نے ہی اہل رجیع کو شہید کیا تھا، جب بنولحیان نے آپ کے بارے سنا تو وہ آپ کے رعب کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ ان میں سے ایک شخص بھی گرفتار نہ ہوا۔ آپ نے ایک یا دو دن قیام فرمایا۔ ہر سمت فوجی دستے روانہ کیے، پھر آپ عسفان تشریف لے آئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دس شہ سواروں کو بھیجا، تا کہ قریش ان کے متعلق سن کر ڈر جائیں۔ وہ گھڑ سوار کراع الغمیم تک آئے یہ عسفان سے آگے ایک وادی کا نام ہے۔ یہ عسفان سے آٹھ میل دور ہے۔ حرہ کی سمت ایک سیاہ رنگ کا پہاڑ ہے پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرام واپس تشریف آئے۔ کسی سے جنگ کی نوبت نہ آئی۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب آپ کے اچانک حملہ سے بنولحیان بھاگ نکلے تو آپ نے فرمایا ''کاش! ہم عسفان پر فروکش ہوں'' پھر آپ نے دو شہ سوار بھیجے۔ وہ کراع الغمیم تک پہنچے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دس گھڑ سواروں کے ساتھ بھیجا''۔ پھر آپ مدینہ طیبہ واپس آ گئے آپ یوں ثناء گوئی کر رہے تھے:

آیبون تائبون لربنا حامدون، اعوذ باللہ من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر فی الاھل والمال اللّٰھم بلغنا بلاغا صالحا ینظر الی خیر مغفرتک و رضوانک

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''جب آپ ثنیہ پر جلوہ افروز ہوئے تو تین بار تکبیر کہی پھر فرمایا ''لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شی قدیر۔ آیبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ و نصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ''۔

غزوۃ الغابۃ

اسے غزوۂ ذی قرد بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ سے ایک برید دور پانی کا ایک چشمہ تھا۔ اسی طرف بنو غطفان کے شہر تھے۔ یہ غزوہ 6ھ میں ہوا۔ امام بخاری نے لکھا ہے "یہ غزوہ غزوۂ خیبر سے تین روز قبل اور صلح حدیبیہ سے بیس روز بعد میں ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس شیر دار اونٹنیاں تھیں یہ "الغابۃ" میں چرا کرتی تھیں۔ کبھی یہ ذو قرد میں بھی چرتی تھیں۔ کیونکہ یہ دونوں مقامات قریب قریب ہی تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کا فرزند اور ان کی بیوی اسی چراگاہ میں رہتے تھے۔ بدھ کی شب کو عیینہ بن حصن نے چالیس گھڑ سواروں کے ساتھ اس چراہ گاہ پر شب خون مارا۔ وہ اونٹنیاں ہانک کر لے گیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، یہ اونٹنیاں چرا رہے تھے۔ ان کی زوجہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنا کر لے گیا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اونٹنیاں چرانے کی اجازت لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے تمہارے بارے خطرہ ہے۔ ہم عیینہ بن حصن سے محفوظ نہیں" مگر انہوں نے اصرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے فرزند کو شہید کر دیا گیا ہے، تمہاری زوجہ گرفتار کر لی گئی ہے اور تم اپنے عصا پر ٹیک لگاتے آئے ہو" اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے خود پر تعجب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرمایا، مگر میں برابر اصرار کرتا رہا۔ بخدا! پھر وہی کچھ ہوا جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب رات چھا گئی تو عیینہ نے اپنے ساتھیوں سمیت ہم پر حملہ کر دیا، میرے فرزند نے انہیں دیکھا تو انہوں نے اسے شہید کر لیا۔ میری زوجہ کو گرفتار کرا لیا پھر وہ نجات پا گئی"۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہو گئی تھیں۔ کیونکہ عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں نے ان کو باندھ رکھا تھا۔ وہ اپنے گھروں کے سامنے نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ رات کے وقت حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا نے رسیاں توڑ ڈالیں اور ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ناقہ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ آ گئیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا کو رسیوں سے باندھ رکھا تھا انہوں نے رات کے وقت وہ رسیاں توڑ ڈالیں، اونٹوں کے پاس آئیں۔ وہ جس اونٹ کے پاس بھی جاتیں، وہ آواز نکالتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کے پاس آئیں، کیونکہ عیینہ اسے بھی ہانک کر لے آیا تھا جب حضرت لیلیٰ رضی اللہ عنہا اس کے پاس آئیں تو اس نے آواز نہ نکالی وہ اس پر سوار ہو کر عازم سفر ہوئیں۔ حضرت لیلیٰ نے نذر مانی تھی کہ اگر وہ دشمن سے نجات پا گئیں تو وہ اس اونٹنی کو ذبح کر دیں گی۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں تو انہوں نے آپ سے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میں نے نجات پالی تو اس اونٹنی کو ذبح کر دوں گی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو نے اس اونٹنی کو کتنی بری جزاء دی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات دے دی تو تم اسے ذبح کر دو گی۔ معصیت میں کسی کی نذر درست نہیں۔ نہ ہی کسی دوسرے کے مال میں نذر درست ہے۔ یہ اونٹنی میرے اونٹوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاؤ"۔

اس غزوہ کا لب لباب یہ ہے "جب عیینہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں پر حملہ کر دیا تو ایک پکارنے والا آیا۔ اس نے کہا

''مدد، مدد! یہ اعلان کر دیا گیا'' اے اللہ رب العزت کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ۔ حضور ﷺ بھی سوار ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ پانچ سو یا سات سو مجاہدین تھے۔ آپ نے حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو شہسوار پیچھے چھوڑ گئے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو علمبردار بنایا آپ نے انہیں فرمایا ''روانہ ہو جاؤ حتیٰ کہ دشمن کے ساتھ جا ملو۔ میں تمہارے پیچھے آ رہا ہوں''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں اس اعلان سے قبل ہی عازم سفر ہوا۔ حضور ﷺ کی اونٹنیاں ذو قرد کے مقام پر چر رہی تھیں۔ مجھے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا غلام ملا۔ اس نے کہا ''حضور ﷺ کی اونٹنیاں پکڑ لی گئیں ہیں'' میں نے پوچھا: کس نے پکڑی ہیں'' اس نے کہا ''فزارہ اور غطفان نے'' میں نے تین بار یہ صدا بلند کی ''یا صباحاہ، یا صباحاہ، میں نے مدینہ طیبہ کے مابین دو سنگلاخ چٹانوں کے درمیان سب کو اپنی آواز سنا دی۔

طبرانی اور ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے سلع پہاڑ سے نیچے جھانکا۔ پھر باآواز بلند چلایا ''یا صباحاہ، یا صباحاہ'' حضور ﷺ نے بھی میری یہ آواز سن لی۔ لوگوں میں صدا لگا دی گئی ''خطرہ! خطرہ! گھڑ سوار آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سب سے پہلے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ پھر حضرت عبادہ بن بشیر، پھر حضرت سعد بن زید انصاری، پھر حضرت اسید بن حضیر، پھر حضرت عکاشہ بن محصن، پھر حضرت محرز بن نصلہ، پھر حضرت ابو قتادہ اور حضرت ابو عیاش رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہو گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ''دشمن قوم کے تعاقب میں نکلو حتیٰ کہ میں لوگوں کو لے کر تمہارے پاس آ جاؤں'' ایک اور روایت کے مطابق آپ نے یہ حکم حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ دیا تھا۔ صحابہ کرام عازم سفر ہوئے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سب سے آگے نکل گئے۔ انہوں نے راستہ میں مسعدہ بن حکمہ کو پایا تو اسے تہ تیغ کر دیا۔ اس کے اوپر اپنی چادر ڈال دی، جب مسلمان وہاں پہنچے اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی چادر دیکھی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا انہوں نے سمجھا کہ شاید اس چادر کے نیچے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ''یہ ابو قتادہ نہیں، بلکہ ان کا مقتول ہے۔ انہوں نے اس پر اپنی چادر اس لیے ڈال دی ہے تا کہ تم اسے پہچان لو اور ان کے مقتول اور اس کے سامان سے کنارہ کش ہو جاؤ'' دوسری روایت کے مطابق یہ مقتول حبیب بن عیینہ الفزاری تھا۔ ممکن ہے کہ اس کے یہ دونوں نام ہوں۔ حضور ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو اس کا گھوڑا اور ہتھیار عطا فرما دیے۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ راستہ میں ابان بن عمرو اور اس کے بیٹے عمر کو ایک ہی اونٹ پر پایا۔ ایک نیزہ سے دونوں کا کام تمام کر دیا۔ انہوں نے کچھ اونٹنیاں واپس لے لیں۔ اس غزوہ میں حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے۔ یہ پہلے سوار تھے جو دشمن کے ساتھ جا ملے تھے۔ انہوں نے فرمایا ''اے بنو اللکعیہ! رکو'' ان

میں سے ایک شخص نے ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ وہ ان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اسے جا ملے۔ اسے قتل کر کے وہ گھوڑا اس سے چھین لیا۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے بھی دشمن قوم کو جا لیا۔

ابن اسحاق نے تحریر کیا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بآواز بلند چلائے "واصباحاہ" پھر دشمن کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ یہ درندوں کی طرح تیز رفتار تھے۔ یہ دوڑ میں گھوڑے سے بھی آگے نکل جاتے تھے۔ یہ بھاگتے گئے، حتیٰ کہ دشمن کو جا لیا۔ یہ پیدل ہی تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔

بخاری شریف میں ہے "حضرت سلمہ نے فرمایا" میں تیز رفتاری سے گیا۔ میں نے انہیں جا لیا، وہ چشمہ سے پانی بھر رہے تھے میں ان پر تیر اندازی کرنے لگا۔ میں جب بھی تیر پھینکتا تو میں کہتا:

خذها انا ابن الاكوع اليوم يوم الرضع

"یہ لو میں ابن الاکوع ہوں، آج کا دن کمینوں کی ہلاکت کا دن ہے"۔

میں یہی رجز پڑھتا رہا حتیٰ کہ میں نے ان سے اونٹنیاں اور تیس چادریں چھین لیں"

صحیح مسلم میں ہے "میں ان پر تیر اندازی کرتا رہا اور یہ رجز پڑھتا رہا۔ انہیں زخمی کرتا رہا، حتیٰ کہ ان کا کوئی گھڑ سوار میری طرف آتا تو کسی درخت کی طرف آتا۔ اس کے تنے کے ساتھ بیٹھ جاتا، پھر تیر مار کر اسے زخمی کر دیتا۔ جب گھاٹی تنگ ہو جاتی اور وہ اس گھاٹی میں داخل ہو جاتے تو میں پہاڑ پر چڑھ جاتا اور دشمن پر پتھروں کی بارش کر دیتا۔ میں اسی طرح کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اونٹنیاں واپس لے لیں۔ پھر بھی میں ان کے تعاقب میں رہا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے تیس نیزے اور تیس چادریں پھینک دی۔ وہ ایک تنگ گھاٹی میں پہنچے تو عیینہ ان کی مدد کے لیے آیا، وہ ناشتہ کے لیے بیٹھ گئے، میں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ گیا عیینہ نے پوچھا "یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا" ہم نے اس شخص سے بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔ یہ وقت سحر سے ہمارے تعاقب میں ہے، اس نے ہر چیز ہمارے ہاتھ سے چھین لی ہے اور اسے اپنے پیچھے پھینک دیا ہے۔" عیینہ نے کہا "اگر اسے علم ہوتا کہ اس کے پیچھے تمہارے تعاقب میں شہ سوار نہیں ہیں تو یہ تمہیں چھوڑ جاتا تم میں سے چار افراد اٹھیں اور اس کا کام تمام کر دیں" حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ان میں سے چار افراد اٹھے اور پہاڑ پر چڑھنے لگے، میں نے انہیں کہا" کیا تم مجھے جانتے ہو؟ انہوں نے پوچھا "تم کون ہو؟ میں نے کہا" میں ابن الاکوع ہوں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور کو معزز فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مجھے دوڑ کر پکڑ نہیں سکتا اور میں اگر تم میں سے کسی کے پیچھے بھاگوں تو اسے ضرور پکڑ لوں گا" ان میں سے ایک شخص نے کہا "یہ سچ کہتا ہے" وہ واپس چلے گئے۔ میں پہاڑ کی اس چوٹی پر رہا حتیٰ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہ سوار دیکھ لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے وقت گھڑ سواروں اور صحابہ کرام کے ساتھ آ ملے۔ آپ نے ذوقرد کے مقام پر نزول اجلال فرمایا۔ ایک دن اور ایک رات وہیں بسر فرمائے"۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بنو غطفان اور بنو فزارہ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر آپ مجھے ایک سو مجاہدین کے ساتھ بھیجیں تو میں ان کا سارا سامان چھین لوں اور انہیں بھی تہ تیغ کر دوں"۔

امام مسلم نے ان سے روایت کیا ہے "میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ عنہ میرے لیے پانی اور دودھ لے کر آئے۔ میں نے پانی سے وضوء کیا اور دودھ پی لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ چشمہ پر جلوہ افروز تھے۔ جہاں سے میں دشمن کے تعاقب میں آپ سے جدا ہوا تھا۔ میں نے جو سامان بھی دشمن سے چھینا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ اکٹھا کر رکھا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک اونٹنی ذبح کی تھی۔ انہوں نے آپ کے لیے اس کا جگر، کلیجہ اور کوہان بھونی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں، میں اپنی قوم کے چند افراد منتخب کر لوں۔ پھر اس دشمن کا تعاقب کروں تو ان میں سے کوئی مخبر بھی باقی نہ رہے" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے حتی کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔ آپ نے پوچھا "کیا تم واقعی اسی طرح کرو گے؟ میں نے عرض کی "ہاں" مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو معزز و مکرم فرمایا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابن الاکوع! اگر ان پر غلبہ پالو تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور نرمی اختیار کرو۔ اب دشمن کو سزا مل چکی ہے۔ انہیں شکست ہو چکی ہے۔ ان کے سردار قتل ہو چکے ہیں۔ ان سے نیزے اور چادریں چھینی جا چکی ہیں۔ ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے اسلام کی نصرت فرمائی" پھر فرمایا "ابھی وہ اپنی قوم میں ضیافت کھا رہے ہوں گے" یعنی وہ بنو غطفان تک پہنچ چکے ہوں گے۔ وہ ان کی ضیافت کر رہے ہوں گے۔ اب ان کے تعاقب کا فائدہ نہیں، وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل چکے ہوں گے"۔

امام مسلم نے یہ اضافہ بھی کیا ہے "بنو غطفان میں سے ایک شخص آیا۔ اس نے کہا "میرے پاس غطفان قبیلہ کا ایک شخص گزرا ہے۔ اس نے ان کے لیے ایک جانور ذبح کیا، جب وہ اس کی جلد اتارنے لگے تو وہ اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ انہوں نے کہا: تمہارے تعاقب میں مجاہدین اسلام آ گئے ہیں"۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صبح کے وقت آپ نے فرمایا "آج ہمارے بہترین گھڑ سوار ابو قتادہ ہیں اور پیادہ دستہ میں سے بہترین ابو سلمہ ہیں" آپ نے مجھے پیادہ اور سوار دونوں کا حصہ عطا فرمایا" ایک اور روایت کے مطابق منادی بنو عمرو بن عوف کے پاس گیا وہ بھی مدد کرنے کے لیے آ گئے، ان کے گھڑ سوار، اونٹ سوار اور پیادہ لوگ روانہ ہو گئے، حتی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ دس اونٹنیاں واپس لے لیں گئیں اور تقریباً دس ہی دشمن لے گیا۔ یہ روایت حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے منقول اس روایت کے مخالف ہے جسے صحیحین میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دشمن سے سارے اونٹوں کو ہانک کر لے آئے تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اپنے گمان کے متعلق کی تھی۔ حقیقت میں وہ آدمی اونٹنیاں واپس لے کر آئے تھے۔ پھر یہ قول اس امر کے منافی نہیں کہ وہ اونٹنیاں بیس سے زائد ہوں کیونکہ ایک روایت کے مطابق ابو جہل کا اونٹ بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان میں وہ اونٹنی بھی تھی جس پر حضرت ابوذر رضی اللہ کی زوجہ محترمہ سوار ہو کر واپس آئیں تھیں۔

ذو قرد کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوۃ الخوف ادا کی تھی۔ وہاں آپ نے ایک دن اور ایک رات قیام کیا۔ پھر آپ واپس تشریف لے آئے۔ اس مہم میں پانچ راتیں صرف ہوئیں۔ واپسی پر آپ نے اپنے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ہوا

تھا۔ آپ نے سو مجاہدین میں ایک اونٹ تقسیم کیا جسے وہ ذبح کر رہے تھے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کے لیے کھجوریں اور دس جانور بھیجے۔ ممکن ہے کہ یہ دس جانور وہ ذبح شدہ جانور ہوں جو آپ نے بھیجے ہوں یا ان میں سے ہوں جو آپ نے دشمن سے چھینے ہوں"۔

حضرت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "اس غزوہ میں کئی فوائد جلیلہ ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

❶ غزوہ میں شدت سے دوڑنا جائز ہے ❷ بلند آواز دے کر آگاہ کرنا درست ہے ❸ بہادر کی اپنی تعریف کرنا صحیح ہے تاکہ دشمن اس سے مرعوب ہو ❹ اگر کوئی بہادر کسی کارنامہ کو سرانجام دے تو اس کی بہادری اور جرأت کی تعریف کرنا درست ہے تاکہ اس وصف کا اس میں اضافہ ہو"۔

سیریۃ الغمر

اسے سریۃ عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں غمر مرزوق کی طرف بھیجا۔ یہ بنو اسد کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ فید سے دو راتوں کی مسافت پر ہے۔ فید شاہراہ مکہ مکرمہ پر ایک قلعہ کا نام ہے۔ یہ غزوہ 6ھ ماہ ربیع الاول میں رونما ہوا تھا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ چالیس مجاہدین کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ نے انہیں فوراً روانہ ہو جانے کا حکم دیا۔ دشمن انہیں دیکھ کر ڈر گیا، وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلا گیا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ان کے مساکن کو خالی پایا۔ انہوں نے بعض مسلمانوں کو تلاشی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے قریب ہی مویشیوں کے اثرات دیکھے۔ مسلمانوں نے ادھر کا قصد کیا۔ انہوں نے دشمن کا ایک شخص گرفتار کر لیا۔ مجاہدین نے اسے امان دی تو اس نے اپنے لوگوں کے جانوروں کی طرف ان کی راہ نمائی کی۔ مجاہدین نے جانوروں پر حملہ کر دیا۔ دشمن کے دو سو اونٹ پکڑ لیے۔ پھر اس شخص کو چھوڑ دیا گیا۔ انہوں نے یہ اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیے۔ اس سریہ میں جنگ کی نوبت نہ آئی۔

سریہ محمد بن مسلمہ الانصاری رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ذوالقعد کی طرف بھیجا۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے مابین ربذہ کے راستے سے چوبیس میل کی مسافت ہے۔ یہ سریہ بھی 6ھ ماہ ربیع الاول میں ہوا تھا۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ دس صحابہ کرام تھے۔ آپ نے انہیں بنو ثعلبہ کی طرف بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ان پر رات کے وقت حملہ کیا۔ جب مشرکین کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ فوراً چھپ گئے۔ انہوں نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ وہ سو گئے۔ پھر ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کو اس وقت علم ہوا جب نیزوں کی انیاں انہیں زخمی کر رہی تھیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی کمان سمیت اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی "ہتھیار! وہ سارے فوراً جاگ گئے۔ رات کا کچھ حصہ تیر اندازی کرتے رہے۔ پھر وہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے دشمن قوم کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ اب دشمن نے ان پر نیزوں سے حملہ کر دیا اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب کو شہید کر دیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گر

پڑے۔ وہ حرکت بھی نہیں کر رہے تھے۔ دشمن نے ان صحابہ کرام کے کپڑے اتارے اور چلے گئے۔ ایک مسلمان شخص حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس سے گزرا۔ اس نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حرکت کی تو اس نے انہیں اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ انہیں زخمی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔

ان صحابہ کرام کا بدلہ لینے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذات کو بھیجا جو اس امت کے امین ہیں۔ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں یعنی آپ نے حضرت ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو چالیس سواروں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے اس جگہ حملہ کیا، مگر دشمن وہاں سے راہ فرار اختیار کر چکا تھا۔ انہوں نے بہت سے جانور اور مویشی پائے۔ وہ انہیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس سریہ کا سبب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بدلہ لینے کے لیے انہیں بھیجا۔ اس سریہ کا دوسرا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ بنو انمار اور بنو ثعلبہ نے اتفاق کر لیا کہ وہ مدینہ طیبہ کی چراگاہ پر حملہ کریں۔ یہ چراگاہ ہیفاء کے مقام پر تھی۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے سات میل دور تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو چالیس شہ سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ آپ نے انہیں مغرب کے وقت بھیجا۔ وہ ساری رات عازم سفر رہے، حتیٰ کہ وہ صبح کے وقت ذوالقصہ پہنچ گئے۔ دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ دشمن بھاگ کر پہاڑوں پر چلا گیا۔ صرف ایک شخص گرفتار ہوا۔ اس نے اسلام قبول کیا تو اسے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مویشی اور کچھ سامان پایا تو اسے مدینہ طیبہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ آپ نے اس سے خمس نکالا۔ باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

یہ سریہ ماہ ربیع الآخر 6ھ کو رونما ہوا تھا۔ مجاہدین نے مزینہ کی ایک عورت کو گرفتار کر لیا۔ اس کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے مجاہدین کی راہ نمائی بنو سلیم کے گھروں کی طرف کی۔ مجاہدین اسلام نے وہاں کئی افراد پائے تو انہیں گرفتار کر لیا۔ ان میں حلیمہ مزینہ کا خاوند بھی تھا۔ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ مال غنیمت لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مزینہ اور اس کے خاوند کو معاف کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس عورت نے اسلام قبول کر لیا ہو گا۔ بعض سیرت نگاروں نے اس کے متعلق توقف اختیار فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا ہے "ہمیں اس کے اسلام اور صحابیہ ہونے کا علم نہیں۔ صحابیات میں اُس حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور کوئی اس نام کی خاتون نہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی تھی۔ یہ بھی تذکرہ نہیں کہ اس سریہ میں کتنے اونٹ، بکریاں اور قیدی بطور مال غنیمت ملے تھے۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ العیص کی طرف

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جس سریہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اس میں انہیں امیر ضرور بنایا۔ اگر وہ زندہ رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا جانشین بنا دیتے"۔ (ابن ابی شیبہ)

امام بخاری نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ میں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سرایا میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ ہر سریہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہمارا امیر بنایا۔

العیص مدینہ منورہ سے چار راتوں کی مسافت پر ہے۔ یہ سریہ جمادی الاولیٰ 6ھ کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک کارواں شام سے واپس آرہا ہے۔ آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ستر سواروں کے ساتھ بھیجا۔ دوسری روایت میں مجاہدین کی تعداد 170 بیان کی گئی ہے۔ تاکہ وہ اس کارواں اور اس کے سامان کو پکڑ کر لے آئیں۔ انہوں نے اس روز صفوان بن امیہ کی بہت سی چاندی پر قبضہ کر لیا۔ کافی لوگ گرفتار ہوئے، جن میں ابوالعاص بن ربیع بھی تھے۔ ان کا نام لقیط یا زبیر یا ہیثم یا یاسر تھا۔ ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد تھا۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ ابوالعاص کا شمار مکہ مکرمہ کے تاجر، مالدار اور امانت دار لوگوں میں ہوتا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ جب یہ گرفتار ہو کر مدینہ طیبہ آئے تو ان کی زوجہ محترمہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی۔ انہوں نے ان سے پناہ طلب کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز صبح ادا فرمائی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے صحابہ کرام میں یہ اعلان کیا:

دوسری روایت میں ہے "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے ہمراہ تکبیر کہی تو حضرت لخت جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صدا دی "اے لوگو! میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے" جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ نے لوگوں کی طرف توجہ کی اور فرمایا "کیا تم نے وہ آواز سنی ہے جسے میں نے سماعت کیا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کی "ہاں" پھر فرمایا "مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے! مجھے اس کے متعلق علم نہیں تھا حتیٰ کہ میں نے وہی آواز سنی جسے تم نے سنا۔ اہل ایمان ید واحد کی طرح ہیں۔ ان میں سے ادنیٰ شخص بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے جس کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پناہ دی۔ ہم بھی اسے پناہ دیتے ہیں" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ انہوں نے عرض کی کہ جو سامان ابوالعاص سے چھینا گیا ہے واپس کر دیا جائے۔ آپ نے ان کی یہ گزارش قبول کر لی۔ آپ نے انہیں فرمایا "اس کی عزت و تکریم کرو۔ لیکن وہ تمہاری خلوت میں نہ آئے، تم اس کے لیے حلال نہیں ہو"۔ دوسری روایت میں ہے کہ لخت جگر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی "میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "اس شخص کے ساتھ ہمارا کیا تعلق ہے؟ تم خوب جانتے ہو۔ تم نے اس کے کارواں کو گرفتار کر لیا ہے۔ مجھے پسند تو یہ ہے کہ تم اس پر احسان کرو اور اس کا مال واپس کر دو۔ اور اگر تم انکار کرو تو یہ مال فئے ہے جو رب تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ تم اس کے زیادہ مستحق ہو" صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم ان کا سارا مال واپس کر دیتے ہیں"۔ صحابہ کرام اس کا سارا مال لے کر آ گئے، حتیٰ کہ اگر کسی کے پاس ڈول تھا۔ وہ بھی لے آیا۔ کسی کے پاس کوئی برتن تھا، وہ بھی لے آیا۔ اس کا سارا مال اسے واپس کر دیا گیا کوئی چیز بھی مفقود نہ ہوئی"۔ پھر ابوالعاص مکہ مکرمہ چلا گیا ہر حصہ دار کو اس کا حصہ دیا، پھر کہا "کیا کسی کا حصہ رہ گیا ہے جو اس نے نہ لیا ہو؟ قریش مکہ نے کہا "نہیں"

ابوالعاص نے پوچھا "کیا میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے" انہوں نے کہا "بخدا! ہاں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں عمدہ جزا دے، ہم نے آپ کو وفادار اور کریم پایا ہے" ابوالعاص نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندۂ خاص اور رسول مکرم ہیں۔ اللہ کی قسم میں آپ کے پاس بھی اسلام قبول کر سکتا تھا، میں نے صرف اس خدشہ سے وہاں اسلام قبول نہیں کیا کہ تم یہ گمان نہ کرو کہ میں تمہارے اموال ہڑپ کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت نے اب تمہارے اموال تمہیں لوٹا دیے ہیں۔ میں اس کام سے فارغ ہو گیا ہوں۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے" پھر وہ روانہ ہو کر مدینہ طیبہ آ گئے۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب لخت جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت فرمائی تو ابوالعاص اپنے دین پر ہی تھے۔ وہ تجارتی کارواں کے ساتھ شام کی طرف گئے۔ جب وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو بعض مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں اور ان کا سامان لے لیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تک یہ خبر پہنچ گئی، انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا مسلمانوں کا عہد اور عقد ایک ہی نہیں ہوتا" آپ نے فرمایا "ہاں" انہوں نے عرض کی "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے"۔ جب صحابہ کرام نے یہ بات سنی تو وہ ابوالعاص کی طرف اسلحہ کے بغیر نکلے۔ انہوں نے انہیں کہا "تمہارا شمار قریش کے سرداروں میں ہوتا ہے۔ تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد ہو، کیا اسلام قبول کر لیتے ہو؟ تم اپنے اموال کے ساتھ مکہ مکرمہ چلے جاؤ" ابوالعاص نے کہا "تم نے مجھے کتنا برا حکم دیا ہے کہ میں اپنے دین کا آغاز دھوکہ سے کروں" وہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ ان کے اموال ان کے سپرد کر دیے۔ ان کے پاس ہی اسلام قبول کیا۔ پھر ہجرت کی۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہیں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ جب ان مسلمانوں نے ساحل سمندر کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ اس مدت کے دوران وہ قریش کے قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے قبل ہجرت کی تھی۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ابھی تک اپنے پہلے دین پر ہی تھے۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ہجرت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے نکاح پر ہی ان کے پاس بھیج دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ان کا نیا نکاح کیا تھا۔ البتہ معمول یہی ہے کیونکہ اسلام نے ان کے مابین تفریق ڈال دی تھی۔ ارشاد ربانی ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ (الممتحنہ: 10)

"نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لیے"۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت طیبہ اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ دونوں دینوں کا اختلاف اس آیت کے نزول کے بعد ہی حرمت کا تقاضا کرتا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ تعریف فرمائی۔ آپ نے فرمایا "انہوں نے میرے ساتھ گفتگو کی، میری تصدیق کی، میرے ساتھ وعدہ کیا، پھر وعدہ پورا کیا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی نور نظر حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھا کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے

12ھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وصال فرمایا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے پہلے ہی انتقال فرما گئیں تھیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑی نور نظر تھیں۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ الطرف کی سمت

''الطرف'' ایک چشمہ کا نام تھا، جو مدینہ طیبہ سے چھتیس میل دور عراق کے راستہ میں تھا۔ یہ سریہ جمادی الآخر 6ھ میں ہوا۔ حضرت زید پندرہ مجاہدین کے ہمراہ بنو ثعلبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ بہت سے جانور اور مویشی ان کے ہاتھ لگے۔ اعراب بھاگ گئے۔ کیونکہ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس خود تشریف لا رہے ہیں اور یہ آپ کا مقدمۃ الجیش ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ وہ مویشی مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس مہم میں چار روز صرف ہوئے۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حسمی کی طرف

حسمی وہ جگہ ہے جہاں جذام وغیرہ کے قبائل آباد تھے۔ یہ علاقہ شام کی طرف ہے۔ یہ سریہ جمادی الآخر 6ھ کو ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ 7ھ کو رونما ہوا۔ اس صورت میں یہ صلح حدیبیہ کے بعد ظہور پذیر ہوا ہوگا۔ کیونکہ یہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے قیصر سے واپسی تشریف لانے کے بعد ہوا تھا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو صلح حدیبیہ کے بعد 7ھ کے آخر میں بھیجا گیا تھا۔

اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ عطا کر کے قیصر کے پاس بھیجا تا کہ اسے اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ قیصر کے پاس سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ قیصر نے انہیں انعام اور پوشاک عطا کی تھی۔ کیونکہ قریب تھا کہ وہ اسلام لے آتا۔ مگر اس نے اپنی حکومت کے خوف سے اسلام قبول نہ کیا۔ ہنید بن عارض نے جذام کے لوگوں کے ساتھ حسمی کے پہاڑوں میں ان پر حملہ کر دیا، ان کی ہر چیز لوٹ لی۔ ان کے پاس صرف ایک بوسیدہ کپڑا چھوڑا۔ بنو ضبیب کا ایک گروہ ہنید کی اس کارستانی سے آگاہ ہو گیا۔ ان میں سے بعض لوگ اسلام لے آئے تھے۔ انہوں نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا سامان واپس لے کر دیا۔

دوسری روایت کے مطابق یہ ہنید اور اس کے ساتھیوں کی طرف گئے۔ ان کے ساتھ جنگ کی اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا سامان ان سے چھین کر انہیں واپس دے دیا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور سارے حالات گوش گزار کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پانچ سو سواروں کے ساتھ ہنید کی طرف بھیجا، ان کے ساتھ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو عازم سفر ہوتے تھے۔ بنو عذرہ کا ایک شخص ان کا راہ نما تھا۔ یہ شخص صحابہ کرام کو لے کر مطلوبہ مقام تک پہنچا۔ انہوں نے صبح سویرے دشمن پر حملہ کر دیا اور ان کا قتل عام کیا۔ ہنید اور اس کا لڑکا بھی قتل ہو گیا۔ صحابہ کرام نے ان کے جانور اور خواتین گرفتار کر لیں۔ انہوں نے ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور ایک سو خواتین، بچے گرفتار کیے۔ حضرت رفاعہ بن زید الجذامی رضی اللہ عنہ اپنے چیدہ افراد کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ مکتوب مبارک عطا کیا

جو آپ نے ان کی قوم کے لیے لکھوایا تھا، وہ مکتوب گرامی یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(جانِ عالم) محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے رفاعہ بن زید کی طرف!

''میں نے رفاعہ کو ان کی ساری قوم کی طرف بھیجا ہے۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعوت دیں گے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا اس کا شمار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گروہ میں ہوگا۔ جس نے روگردانی کی اسے دو ماہ کی مہلت ہے''۔

جب حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس پہنچے، انہیں اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف دعوت دی تو ساری قوم نے دولت اسلام سمیٹ لی۔ اس کے بعد حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ قیصر سے ہو کر واپس تشریف لائے۔ جب بنو ضبیب کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس مہم کا علم ہوا تو ان میں سے حسان بن ملہ اور ابو زید بن عمرو جیسے چیدہ افراد سوار ہو کر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف آئے۔ انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہو کر کہا ''ہم مسلمان ہیں'' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''قرآن پاک پڑھو'' انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لشکر اسلامی میں یہ اعلان کر دو ''اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو قتل کرنا ہمارے لیے حرام قرار دیا ہے مگر جو بے وفائی اور دھوکہ کرے''۔ حسان کی بہن بھی قیدیوں میں تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حسان سے فرمایا ''اسے لے جاؤ'' ایک عورت نے کہا ''تم اپنی بیٹیاں لے کر جا رہے ہو جبکہ اپنی ماؤں کو چھوڑے جا رہے ہو'' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حسان کی بہن سے کہا ''تم بھی اپنی چچازاد بہنوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مابین فیصلہ فرما دے۔ انہوں نے مجاہدین کو روک دیا کہ وہ اس وادی میں نہ جائیں جہاں سے وہ آئے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ میں رات بسر کی۔ وقت صبح وہ جلدی سے عازم سفر ہو کر حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ حسان بن ملہ نے ان سے کہا ''تم یہاں بیٹھ کر بکری کا دودھ نکال رہے ہو جبکہ جذام کی خواتین پابند سلاسل ہیں۔ جذام کو تمہارے اس خط نے دھوکہ دیا ہے جو تم لے کر آئے ہو'' حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ منگوایا، اس پر اپنا کجاوا رکھا۔ کچھ اور لوگ بھی ان کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ تین ایام کے بعد وہ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ وہ مسجد نبوی میں گئے۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرمایا تو انہیں لوگوں کے پیچھے سے آنے کا اشارہ کیا۔ آپ نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کے لیے فرمایا ''ایک شخص کھڑا ہوا، اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ قوم جادو بیان ہے۔ ان کے پاس زبان ہے اور بیان کی فصاحت ہے'' حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج ہمیں صرف بھلائی کے ساتھ یاد کرے'' پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ آپ کو پیش کیا اور عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ لیں'' آپ نے کسی کو فرمایا ''یہ خط باآواز بلند پڑھو'' اس نے مکتوب مبارک پڑھ کر سنایا۔ پھر آپ نے رفاعہ کی داستان سنی تو فرمایا ''میں ان مقتولوں کا کیا کروں'' آپ نے تین بار یہی فرمایا۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ خوب جانتے ہیں۔ ہم آپ کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتے'' حضرت ابو زید بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ!

ہمارے زندہ لوگ ہمارے لیے چھوڑ دیں جو قتل ہو گیا وہ میرے ان قدموں کے نیچے ہیں" آپ نے فرمایا "ابو زید نے سچ کہا ہے۔ علی! ان کے ہمراہ جاؤ" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "حضرت زید رضی اللہ عنہ میری بات نہیں مانیں گے" آپ نے فرمایا "میری یہ تلوار لے جاؤ" آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی تلوار عطا فرمائی۔ انہوں نے عرض کی "میرے پاس سواری کا جانور نہیں" آپ نے انہیں ایک اونٹ پر سوار کیا، وہ سب عازم سفر ہو گئے۔ انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا ایک قاصد دیکھا جو ان کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر سوار تھا۔ انہوں نے اسے نیچے اتارا۔ اس نے پوچھا "علی! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے فرمایا "انہوں نے انہیں پہچانا اور گرفتار کر لیا" پھر وہ کارواں روانہ ہوا۔ انہوں نے لشکر کو "فیضاء" کے مقام پر پالیا۔ انہوں نے وہ ساری چیزیں واپس لے لیں، جو ان کے پاس تھیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک شخص کی ران کے نیچے سے بھی عورت نکال لی۔ انہوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے اموال اور خواتین سے دستبردار ہو جائیں"۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ ان لوگوں کے قیدی اور اموال واپس کرو" حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ آپ کی شمشیر ہے" حضرت زید رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار پہچان لی۔ وہ نیچے اترے۔ لوگوں کو بلایا، لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا "جس شخص کے پاس بھی اس قبیلہ کا مال یا قیدی یا اور کچھ ہو وہ واپس کر دے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں"۔ مجاہدین نے ہر چیز واپس کر دی۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ: وادی القریٰ کی طرف

وادی القریٰ مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ جگہ شام کی طرف ہے۔ یہ سریہ رجب 6ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ وادی القریٰ کی طرف گئے۔ وہاں بنوفزارہ سے نبرد آزما ہوئے۔ ان کے ساتھ جہاد کیا۔ بعض مسلمان شہید ہو گئے۔ بنوفزارہ کے بعض لوگ بھی تہ تیغ ہو گئے۔ اسی دن حضرت ورد بن مرداس رضی اللہ عنہ کو جام شہادت نصیب ہوا۔

سریہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ: دومۃ الجندل کی طرف

دومۃ الجندل شام کی طرف ایک بستی اور قلعہ کا نام ہے۔ اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ روز کی مسافت ہے۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے مابین پندرہ یا سولہ روز کا سفر ہے۔ یہ سریہ شعبان 6ھ کو ہوا تھا۔ اس سریہ سے قبل حضرت ابن اسحاق نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ جس کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔ انہوں نے لکھا ہے:

"مجھے اس شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس پر میں تہمت نہیں لگاتا۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے دسواں تھا۔ حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، ابن مسعود، معاذ، حذیفہ اور ابوسعید رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک انصاری جوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے

سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہ! کون سا مومن افضل ہے؟" آپ نے فرمایا "جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے اچھا ہے" پھر اس نے عرض کی "کون سا مومن سب سے دانا ہے؟" آپ نے فرمایا "ان میں سے جو موت کو سب سے زیادہ یاد کرے۔ اس کے آنے سے قبل اس کی تیاری کرے۔ وہ سب سے بڑھ کر دانا ہے" پھر وہ جوان خاموش ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف توجہ فرما ہوئے اور فرمایا "مہاجرین کے گروہ! پانچ اشیاء کے متعلق میں رب تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ وہ تم پر نازل ہوں۔

کسی قوم میں بے حیائی ظاہر نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ اسے اعلانیہ کرنے لگتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اس میں طاعون اور ایسی امراض ظاہر کر دیتا ہے جو ان کے اسلاف کو نہیں پہنچیں ہوتیں۔ جو قوم ناپ اور تول میں کمی کرتی ہے تو رب تعالیٰ اسے قحط سالی، پیداوار میں کمی اور بادشاہ کے ظلم سے دوچار کر دیتا ہے۔ جو قوم زکوٰۃ دینے سے ہاتھ روک لیتی ہے اللہ تعالیٰ ابر کرم اس کے لیے روک لیتا ہے۔ اگر چوپائے نہ ہوتے تو ان پر کبھی بارش نہ ہوتی۔ جو قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد کو توڑتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔ وہ اس کے ہاتھوں سے سب کچھ چھین کر لے جاتا ہے۔ جس قوم کے آئمہ (حجز) کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کلام الٰہی کے برعکس جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے مابین آتشِ جہنم بھڑکا دیتا ہے"۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سریہ کی تیاری کا حکم دیا۔ صبح کے وقت وہ سیاہ سوتی کپڑے کا عمامہ باندھ کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قریب کیا، انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دستِ اقدس سے ان کا عمامہ باندھا۔ دوسری روایت میں ہے "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا عمامہ کھولا، پھر از سرِ نو اسے باندھا۔ ان کے پیچھے سے چار انگلیاں یا اس سے زائد لٹکایا، پھر فرمایا "ابن عوف! اس طرح عمامہ باندھا کرو۔ یہ بہت عمدہ اور معروف طریقہ ہے" پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو جھنڈا دیں۔ انہوں نے انہیں جھنڈا دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ اپنی ذات والا پر درود پاک پڑھا، پھر فرمایا "ابن عوف! یہ جھنڈا لو، سارے راہِ خدا میں نکل جاؤ، جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے، اس کے ساتھ جہاد کرو، خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ کرو۔ مثلہ نہ کرو، بچوں کو قتل نہ کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عہد اور تم میں اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ ہے" حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑ لیا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دومۃ الجندل کے مقام پر بنو کلب کی طرف بھیجا۔ آپ نے فرمایا "اگر وہ تمہاری اطاعت بجالائیں۔ اسلام لے آئیں تو ان کے بادشاہ کی نورِ نظر سے شادی کر لینا" حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ عازم سفر ہوئے، حتیٰ کہ دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ کچھ دن وہاں کے باشندوں کو اسلام کے چشمۂ صافی کی طرف دعوت دیتے رہے۔ پہلے وہ انکار کرتے رہے، تیسرے روز اصبغ بن عمرو کلبی نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ نصرانی تھا۔ یہ ان کا بادشاہ اور رئیس تھا۔ اس کے ہمراہ اس کی قوم کے بہت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کے بقیہ افراد پر جزیہ لاگو کیا اور ماضر بنت اصبغ سے شادی کر لی۔ انہیں لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ انہوں نے

صحابیت کا شرف پالیا''۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اور اس قوم کے ان لوگوں کے بارے بتایا جنہوں نے اسلام لانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ سے عرض کی کہ کیا وہ ان میں شادی کر لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا کہ وہ بنت الاصبغ سے شادی کر لیں۔ انہوں نے بنت اصبغ سے شادی کر لی۔ ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے فرمان پر اکتفاء نہیں کیا کہ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ان کے بادشاہ کی لخت جگر سے شادی کر لینا۔ کیونکہ احتمال یہ ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ اگر وہ سارے اسلام لے آئیں۔ جبکہ ان میں سے بعض نے جزیہ دینے پر اکتفاء کیا تھا۔ انہوں نے احتیاطاً آپ کی خدمت میں عریضہ بھیجا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں اسی زوجہ محترمہ سے ابوسلمہ پیدا ہوئے۔ یہ حافظ، ثقہ اور کثیر احادیث کے راوی ہیں۔ یہ امام العلماء تھے۔ ان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کا نام عبداللہ ہے۔ بعض نے ان کا نام اسماعیل بتایا ہے۔ انہوں نے 74ھ میں وصال فرمایا۔

سریہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

آپ ایک سو مجاہدین کے ساتھ بنو سعد کی طرف گئے۔ یہ سریہ شعبان 6ھ کو رونما ہوا۔ اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا کہ بنو سعد لوگوں کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ بنو سعد کے یہودیوں کی اعانت کرنے کے خواہاں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رات کو سفر فرماتے۔ دن کے وقت آرام فرماتے، حتیٰ کہ آپ ''غمج'' تک پہنچ گئے۔ یہ ایک چشمہ ہے جو فدک اور خیبر کے مابین ہے۔ انہوں نے وہاں ایک شخص کو پایا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا ''میں اپنے جانوروں کی تلاش میں ہوں'' صحابہ کرام نے پوچھا ''کیا تجھے اس لشکر کا کچھ علم ہے جسے بنو سعد جمع کر رہے ہیں؟ اس نے کہا ''مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں'' صحابہ کرام نے اس پر سختی کی تو اس نے اقرار کیا کہ وہ بنو سعد کا جاسوس ہے۔ انہوں نے اسے خیبر بھیجا ہے کہ وہ یہودیوں کو اس شرط پر اعانت کی پیش کش کرے کہ وہ ان کے لیے اسی طرح کھجوریں مقرر کریں جس طرح انہوں نے دیگر قبائل کے لیے متعین کیں ہیں'' صحابہ کرام نے پوچھا ''وہ لشکر کہاں ہے؟ اس نے کہا ''جب میں نے انہیں چھوڑا تو وہ دو سو افراد جمع کر چکے تھے'' صحابہ کرام نے کہا ''ہمارے ساتھ چلو تا کہ ان کی طرف ہماری راہ نمائی کرو'' اس شخص نے کہا ''اس شرط پر کہ تم مجھے امان دو'' صحابہ کرام نے فرمایا ''اگر تم ہماری راہ نمائی ان کی طرف یا ان کی چراگاہ کی طرف کرو تو تمہیں امان ہے، ورنہ نہیں'' اس شخص نے یہ وعدہ کیا، وہ انہیں لے کر نکلا، حتیٰ کہ صحابہ کرام کو اس کے متعلق سوء ظن ہونے لگا۔ وہ انہیں ایک میدان کی طرف لے آیا۔ وہاں بہت زیادہ بکریاں اور مویشی تھے۔ اس نے کہا ''یہ ان کے جانور اور مویشی ہیں'' صحابہ کرام نے وہ جانور ہانک لیے'' اس شخص نے کہا ''مجھے چھوڑ دو'' صحابہ کرام نے کہا ''حتیٰ کہ ہر تعاقب سے مطمئن ہو جائیں'' چرواہے دشمن کی طرف بھاگ گئے، انہیں مسلمانوں سے ڈرایا۔ ان کی باتیں سن کر دشمن منتشر ہو گیا۔ اس راہ نما شخص نے کہا ''اب لشکر

منتشر ہو چکا ہے۔ اب تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے؟ صحابہ کرام نے فرمایا "حتیٰ کہ ہم ان کی اقامت گاہ تک پہنچ جائیں" وہ انہیں دشمن کی قیام گاہ تک لے گیا۔ مگر وہاں کوئی شخص نظر نہ آیا۔ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ جانوروں کو اپنے ساتھ ہانک کر لے آئے۔ ان جانوروں میں پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں شامل تھیں۔ بنوسعد خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے مکروفریب کو تار تار کر دیا۔ وہ یہودیوں کی مدد نہ کر سکے۔

سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ: ام قرضہ کی طرف

ام قرضہ عورت کا نام ہے۔ یہ بنت ربیعہ بن بدر الفزاری ہے۔ اسی کے متعلق یہ ضرب المثل مشہور ہے "اَمْنَعُ مِنْ اُمِّ قُرْضَةَ" ام قرضہ سے زیادہ حفاظت کرنے والا۔ اس کے گھر میں پچاس تلواریں آویزاں رہتی تھیں۔ پچاس شمشیر زن ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ یہ سارے اس کے محرم تھے۔ اس نے اپنی کنیت اپنے بیٹے قرضہ کے نام پر رکھی تھی۔ اس کے دس بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ یہ وادی القریٰ کی ایک طرف مقیم تھی۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے شام کی طرف سات راتوں کی مسافت پر ہے۔

یہ سریہ رمضان المبارک 6ھ کو ہوا تھا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تجارت کی غرض سے شام کی طرف گئے۔ ان کے پاس دیگر صحابہ کرام کا سامان بھی تھا۔ جب وہ وادی القریٰ پہنچے تو بنوبدر میں سے فزارہ کے افراد نے ان پر حملہ کر دیا اور ان کا سامانِ تجارت چھین لیا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ وہ غسل نہیں کریں گے حتیٰ کہ وہ بنوفزارہ پر لشکرکشی کرلیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور داستان غم سنائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں لشکر دے کر بھیجا اور فرمایا "دن کے وقت چھپ جاؤ، رات کے وقت سفر کرو" حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دن کے وقت مخفی ہو جاتے اور رات کو عازم سفر رہتے۔ ان کے ہمراہ بنوفزارہ کا راہبر بھی تھا۔ بنوفزارہ کو اس مہم کے متعلق علم ہو گیا۔ صبح کے وقت انہوں نے ایک باریک بین شخص کی ڈیوٹی لگائی۔ وہ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ جاتا۔ وہ اس راستہ کی طرف دیکھتا جہاں سے انہیں مسلمانوں کی آمد کی توقع تھی۔ وہ ایک دن یا اس سے زائد کی مسافت سے دور سے دیکھ لیتا۔ وہ کہتا "اپنے جانور چرواہو، اپنے جانور چرواہو کوئی خطرہ نہیں۔ رات کے وقت وہ اسی پہاڑ پر چڑھ جاتا، وہ ایک رات کی مسافت کو دیکھ لیتا۔ اس نے کہا "سو جاؤ کوئی خطرہ نہیں" جب صحابہ کرام بنوفزارہ سے ایک رات کی مسافت پر تھے تو ان کا راستہ دکھانے والا راستہ بھول گیا۔ وہ رات گئے تک دوسری راہ پر چلتا رہا۔ بنوفزارہ کے لوگوں نے انہیں دیکھا کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں تو انہوں نے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ وقت صبح حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ان پر حملہ بول دیا۔ انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور بنوفزارہ کا محاصرہ کر لیا۔ انہیں قتل کیا۔ ام قرضہ کو قید کر لیا۔ یہ ان کی رئیسہ اور ملکہ تھی۔ یہ اپنی قوم میں معزز سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے اس کی بیٹی جاریہ بنت مالک کو بھی گرفتار کر لیا۔ قیس بن المسحر یا ابن المحل ام قرضہ کی طرف گئے۔ یہ عمر رسیدہ بڑھیا تھی، اسے اور اس کی بیٹی کو ذبح کر دیا۔

انہوں نے بڑھیا کی ٹانگیں رسیوں سے باندھیں۔ پھر وہ رسیاں دو اونٹوں سے باندھ دیں، حتیٰ کہ انہوں نے اسے چیر کر رکھ دیا۔ کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا میں گستاخی کیا کرتی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی اولاد میں سے تیس شہ سواروں کو تیار کر رکھا تھا۔ اس نے انہیں کہہ رکھا تھا کہ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہو کر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کر دو' حضرت زید رضی اللہ عنہ سرخرو ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجرہ مقدسہ میں تھے۔ در اقدس پر دستک دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی سے اٹھ کر آئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا، ان کا سر چوما اور حالات دریافت فرمائے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فتح و کامرانی کا مژدہ سنایا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے ام قرفہ کی بیٹی کو گرفتار کیا تھا۔ انہوں نے اس کے متعلق نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گزارش کی تو آپ نے اسے انہیں ہبہ کر دیا۔ پھر اسے ان کے ماموں حزن بن ابی وہب کو عنایت کر دیا۔ ان کے ہاں عبدالرحمٰن بن حزن پیدا ہوا۔

سریہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ

اسی سریہ میں ابو رافع عبداللہ یا سلام بن ابی الحقیق عبرت ناک انجام کو پہنچا تھا۔ اس نے ہی غزوۂ خندق میں گروہوں کو جمع ہونے کے لیے کہا تھا۔ اس نے کثیر رقم کے ساتھ مشرکین کی اعانت کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تہ تیغ کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عتیک الخزرجی الانصاری رضی اللہ عنہ کو رمضان المبارک 6ھ میں بھیجا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ سریہ ذوالحجہ 5ھ کو رونما ہوا تھا۔

بخاری شریف میں ہے۔ امام زہری نے فرمایا "یہ سریہ 3ھ کعب بن اشرف کے قتل کے بعد رونما ہوا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے "امام زہری نے یہ روایت حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے لی ہے۔ انہوں نے فرمایا" جب اوس نے کعب بن اشرف کو واصل جہنم کیا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید عداوت رکھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے واصل جہنم کرنے کا اذن دے دیا تو خزرج نے سلام بن ابی حقیق کو تہ تیغ کرنے کی اجازت مانگ لی۔ سلام اس وقت خیبر میں تھا"۔

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مجھے محمد بن مسلمہ بن شہاب نے حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "وہ کرامت وعزت جسے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نوازا ہے۔ اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اوس اور خزرج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ دونوں قبائل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ جب اوس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفاع کے لیے کوئی قدم اٹھاتے تو بنو خزرج کہتے "بخدا! اوس بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہم سے یہ فضیلت نہیں لے سکتے" جب اوس کوئی کارنامہ سرانجام دیتے تو خزرج بھی اسی طرح کہتے۔

جب اوس نے کعب بن اشرف کا کام تمام کیا تو خزرج نے کہا "بخدا! اوس ہم سے یہ فضیلت کبھی نہیں لے سکتے" انہوں نے اس شخص کو یاد کرنے کی کوشش کی جو عداوت میں ابن اشرف کی مانند ہو۔ انہیں سلام بن ابی الحقیق یاد آیا۔ انہوں نے حضور

صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تا کہ اسے داصل جہنم کریں۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ بنوخزرج میں سے پانچ شہ سوار اس کا کام تمام کرنے کے لیے نکلے۔

❶ حضرت عبداللہ بن عتیک ❷ حضرت عبداللہ بن انیس ❸ حضرت ابوقتادہ حرث بن ربعی ❹ حضرت اسود بن خزاعی

❺ حضرت مسعود بن سنان رضی اللہ عنہم۔

آپ نے انہیں ابن ابی الحقیق کو موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیا۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کسی عورت یا بچے کو قتل نہ کریں۔ وہ خیبر پہنچے۔ ایک جگہ چھپ گئے۔ جب لوگ پرسکون ہو گئے تو صحابہ کرام اس کے گھر کی طرف آئے۔ وہ ایک بلند قلعہ میں مقیم تھا۔ جب وہ اس کے گھر کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے مویشی لے کر آرہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا "تم اپنی جگہ پر ٹھہر جاؤ"۔ میں جاتا ہوں میں چوکیدار سے نرم بات کرتا ہوں، شاید میں قلعہ میں داخل ہو سکوں" وہ دروازہ کے قریب پہنچے تو خود کو اپنی چادر سے لپیٹ لیا تا کہ ان کی پہچان نہ ہو سکے، گویا کہ وہ قضائے حاجت کر رہے ہوں۔ کچھ لوگ قلعہ میں داخل ہوئے۔ ان کا گدھا گم ہوا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے تھے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ خود کو کپڑے میں لپیٹا اور بیٹھ گئے گویا کہ وہ قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ نگران نے انہیں آواز دی "فلاں! اگر قلعہ کے اندر آنا چاہتے ہو تو داخل ہو جاؤ، میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں" نگران کا گمان تھا کہ شاید یہ بھی ان لوگوں میں شامل ہوں۔ جو گدھے کی جستجو میں نکلے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اندر داخل ہو گیا۔ پھر میں دروازہ کے پاس گدھا باندھنے کی جگہ چھپ گیا۔ جب لوگ اندر داخل ہو گئے تو دروازہ بند کر دیا گیا۔ نگران نے قلعہ کی چابیاں کھونٹی پر لٹکا دیں۔ میں چابیوں کے پاس آیا، انہیں لیا اور ان سے دروازہ کھولا۔ ابورافع کے پاس لوگ رات کے وقت قصے کہانیاں سننے کے لیے جمع ہوتے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ لوگ ابورافع کے پاس جمع ہوتے اور رات گئے تک وہیں رہتے۔ ابورافع بلند کمرہ میں رہتا تھا۔ لکڑی کی سیڑھی سے وہاں جایا جاتا تھا۔ جب قصہ گو وہاں سے رخصت ہو گئے تو میں اوپر چڑھا، جب میں کسی کمرہ میں داخل ہوتا تو میں اندر سے دروازہ مقفل کر دیتا۔ میں کہتا "اگر لوگ مجھ سے چوکنے ہو گئے وہ پھر بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے حتیٰ کہ میں ابورافع کا کام تمام کر دوں گا۔ میں ابورافع تک جا پہنچا۔ وہ ایک تاریک کمرہ میں اپنے اہل خانہ کے درمیان میں تھا۔ اس نے چراغ گل کر رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا بستر کہاں ہے؟ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ یہودیوں کی زبان میں گفتگو کر سکتے تھے۔ ان کے ساتھیوں نے انہیں آگے کیا تا کہ وہ ابورافع کی سی گفتگو کریں۔ اسے یہی گمان ہو کہ وہ اس کی قوم کا شخص ہے۔ وہ خوفزدہ نہ ہو۔ انہوں نے کمرہ کا دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ اس کی بیوی نے پوچھا "کون؟ انہوں نے کہا" میں ابورافع کے لیے تحفہ لے کر آیا ہوں" عورت نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے کہا "تمہارا ساتھی وہ ہے" جب اس عورت نے اسلحہ دیکھا تو اس نے چلانا چاہا۔ انہوں نے اس کی طرف تلوار سے اشارہ کیا تو وہ خاموش ہو گئی۔ انہوں نے کہا "ابورافع! میں اس کی جگہ سے آشنا نہیں تھا۔ اس نے پوچھا" کون ہو؟ میں جلدی سے آواز کی طرف گیا اور اس پر تلوار سے کاری ضرب لگائی۔

مگر میں اسے قتل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ ابورافع بلند آواز سے چلایا، میں کمرہ سے باہر نکل آیا۔ میں قریب ہی چھپ گیا۔ اس کی بیوی نے کہا "ابورافع! یہ عبداللہ بن عتیک کی آواز ہے" ابورافع نے کہا "تیری ماں تجھ پر روئے! عبداللہ بن عتیک کہاں سے آگیا" میں دوبارہ اس کے پاس گیا گویا کہ میں اس کی مدد کے لیے آگیا ہوں۔ میں نے آواز تبدیل کی۔ میں نے پوچھا "ابورافع! یہ کیسی آواز ہے" اس نے کہا "تیری ماں تجھے کھوئے! گھر میں ایک شخص نے مجھ پر تلوار سے حملہ کیا ہے"۔ میں نے تلوار سے اس پر دوسرا وار کیا، مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ میں اسے قتل نہ کر سکا۔ وہ چیخ اٹھا۔ اس کے اہل خانہ جاگ گئے، اس کی بیوی چلانے لگی، پھر میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھ دی۔ اس پر زور ڈالا تو وہ اس کی کمر سے باہر نکل گئی۔ میں نے ہڈی کی آواز سنی تو سمجھ گیا کہ میں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ میں ایک ایک کر کے دروازے کھولنے لگا حتیٰ کہ میں سیڑھی تک پہنچ گیا۔ میں نے قدم آگے بڑھائے تو میں نیچے جا گرا۔ میں چاندنی رات میں گر پڑا۔ میری پنڈلی ٹوٹ گئی، میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھا۔ میں باہر نکل کر ایک جگہ چھپ گیا۔ یہودیوں نے آگ جلا دی۔ وہ تلاش کرتے کرتے ہر جگہ پھیل گئے۔ پھر مایوس ہو کر واپس آگئے۔ میں وہیں چھپ کر بیٹھا رہا۔ میں نے کہا "میں آج رات اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گا حتیٰ کہ مجھے یقین ہو جائے کہ میں نے ابورافع کا کام تمام کر دیا ہے۔ جب مرغ نے آذان دی تو منادی فصیل پر چڑھا۔ اس نے اعلان کیا "حجاز کا تاجر ابورافع قتل ہو گیا ہے" پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آگیا۔ میں نے انہیں کہا "جلدی کرو، میں نے ابورافع کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے"۔

دوسری روایت میں ہے "میں نے اپنی ٹانگ پر پٹی باندھ لی۔ میں ایک ٹانگ کے سہارے اپنے ساتھیوں کے پاس آگیا۔ میں نے انہیں کہا "روانہ ہو جاؤ۔ حضور ﷺ کو بشارت دو، میں اسی جگہ ہی رہوں گا حتیٰ کہ میں اس کی موت کا اعلان سن لوں" صبح سویرے منادی فصیل پر چڑھا۔ اس نے یہ اعلان کیا "ابورافع مر گیا ہے" میں چلنے لگا مجھے کوئی تکلیف محسوس نہ ہو رہی تھی۔ میں نے راستہ میں ہی اپنے ساتھیوں کو جالیا۔ وہ ابھی تک بارگاہ رسالت مآب ﷺ تک نہیں پہنچے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو مژدہ سنایا۔

دوسری روایت میں ہے "میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں گیا اور سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ آپ نے فرمایا "اپنی ٹانگ آگے کرو" میں نے اپنی ٹانگ آگے بڑھا دی۔ آپ نے اسے دست اقدس سے مس فرمایا پھر گویا کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف تھی ہی نہیں"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اسود بن خزاعی رضی اللہ عنہ بھی مذکورہ پانچ افراد میں تھے۔ وہ ابورافع کی موت کی تحقیق کے لیے رک گئے۔ انہوں نے کہا "میں یہ تحقیق کرنے لگا۔ میں لوگوں میں گھس گیا، میں نے ابورافع کی بیوی کو پایا، یہودی ابورافع کے اردگرد تھے۔ اس عورت کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ وہ ابورافع کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی "بخدا! میں نے ابن عتیک کی آواز سنی۔ پھر میں نے خود کو جھٹلا دیا، میں نے کہا "ان شہروں میں ابن عتیک کا کیا کام؟ پھر اس نے ابورافع کو دیکھا تو کہا "یہ تو مر گیا ہے" مجھے یہود کے معبود کی قسم! مجھے اس بات سے زیادہ لطف اندوز کرنے والی اور کوئی بات نہ تھی" وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے اور انہیں ساری صورت حال بتائی۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کے لیے چلنا دشوار ہو گیا انہیں اپنی ٹانگ کا درد محسوس ہوا، وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ عازم سفر تھے۔ تو ان کے ساتھیوں نے انہیں اٹھا لیا۔ جب وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ٹانگ پر اپنا دست اقدس پھیرا اور سارا درد کافور ہو گیا۔

امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن انیس سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا "ہم خیبر سے واپس لوٹے۔ ہم دن کے وقت چھپ جاتے، رات کو روانہ ہوتے تھے۔ جب ہم چھپتے تو ہم میں سے ایک نگرانی پر مامور ہوتا تھا، جب اس کو کسی قسم کا خطرہ محسوس ہوتا تو وہ ہمیں اشارہ کر دیتا۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو میری باری تھی۔ میں نے انہیں اشارہ کیا، وہ جلدی جلدی نکلے، میں ان کے ساتھ جا ملا۔ ہم مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا "تم نے کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا" میں نے کچھ نہیں دیکھا، مگر مجھے خدشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں تم تھک نہ جاؤ۔ میں نے تم پر فزع سوار کرنے کی کوشش کی' ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا" جب ہم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے۔ جب آپ نے ہمیں دیکھا تو فرمایا "چہرے سرخ رو ہوں"۔ اس عبرتناک داستان میں کئی فوائد جلیلہ ہیں:

❶ اس مشرک کی اچانک گرفت کر لینا جسے دعوت پہنچ چکی ہو ❷ جو مشرکین کی اعانت اپنے ہاتھ، مال یا زبان سے کرے اسے قید کرنا یا مار ڈالنا ❸ اہل حرب کے خلاف تجسس اور جنگ میں ان کی سخت گرفت کرنا (iv) مصلحت کے لیے بات چھپانا ❺ قلیل مسلمانوں کا کثیر دشمن سے نبرد آزما ہونا ❻ دلیل کے ساتھ فیصلہ کرنا۔ ❼ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے منادی کے اعلان کی وجہ سے ابو رافع کی موت کا یقین کر لیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ابو رافع کو حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے واصل جہنم کیا تھا۔ مگر درست وہی کچھ ہے جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ہی اسے واصل جہنم کیا تھا۔ ابو رافع اور کعب بن اشرف کے قتل کے بارے حضرت حسان رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

للہ در عصابۃ لاقیتھم یاابن الحقیق وانت یا بن الاشرف

اس جماعت کا کیا کہنا جس سے اے ابو الحقیق! تم دوچار ہوئے اور ابن اشرف تم بھی۔

یسرون بالبیض الخفاف الیکم مرحا کاسد فی عرین مغرف

جبکہ وہ ہلکی پھلکی تلواریں لیے تمہاری طرف اس طرح اکڑتے ہوئے چلے جس طرح جھاڑیوں والے کچھار میں شیر چلتا ہے۔

حتی اتوکم فی محل بلادکم فسقوکم حتفا ببیض دفف

یہاں تک کہ وہ تمہارے شہر میں تمہاری قیام گاہ میں تمہارے پاس پہنچے اور تیز چمکدار تلواروں سے تمہیں موت کا جام پلا دیا۔

مستبصرین لنصر دین نبیھم مستصغرین لکل امر مجحف

ان کے پیش نظر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی نصرت تھی، وہ ہر ہلاک کر دینے والی مصیبت کو حقیر سمجھ رہے تھے"۔

سریہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ: اسیر کی طرف

یہ سریہ شوال 6ھ کو ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابورافع سلام بن ابی الحقیق قتل ہو گیا تو یہودیوں نے اسیر کو اپنا سردار بنا لیا۔ اس نے کہا "اللہ کی قسم! محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس یہودی کی طرف بھی گئے یا اپنے صحابی کو بھی کسی مہم کی طرف روانہ کیا وہ اپنے مدعا میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن میں وہ کام کروں گا جو میرے ساتھیوں نے نہیں کیا" یہودیوں نے پوچھا "تم کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے کہا "میں بنو غطفان کی طرف جاؤں گا، انہیں جمع کروں گا۔ ہم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مسکن پر حملہ کر دیں گے جس دشمن نے بھی آپ کی اقامت گاہ پر حملہ کیا وہ اپنے مقصد میں کچھ نہ کچھ کامیاب ضرور رہا" یہودیوں نے کہا "تمہاری رائے بہت عمدہ ہے" وہ بنو غطفان وغیرہم میں گیا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ لڑنے پر اکسانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو تین ساتھیوں سمیت صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ خیبر پہنچے اور ان کے باغات میں داخل ہو گئے۔ بقیہ تین افراد تین قلعوں میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اسیر وغیرہ کی گفتگو انہماک سے سنی۔ وہ تین ایام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ابھی رمضان المبارک کے بعض ایام باقی تھے۔ انہوں نے جو کچھ سنا یا دیکھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش گزار کیا۔ حضرت خارجہ بن حسیل رضی اللہ عنہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے بھی حالات دریافت کیے۔ انہوں نے عرض کی "میں نے اسیر بن زرام کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ آپ کے لیے یہودیوں کے لشکر جمع کر رہا ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو دعوت جہاد دی۔ تیس افراد نے لبیک کہا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ وہ اسیر کے ہاں پہنچے، انہوں نے کہا "کیا ہمیں اس وقت تک امان ہے جب تک ہم وہ پیغام پہنچا لیں جو ہم لے کر آئے ہیں"۔ اسیر نے کہا "ہاں" صحابہ کرام نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے تاکہ تم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ ہے کہ تم کو خیبر کا گورنر بنا دیں۔ اور تم پر احسان فرمائیں" اسیر لالچ میں آ گیا۔ اس امر کے بارے یہودیوں سے مشاورت کی تو انہوں نے اسیر کی مخالفت کی۔ انہوں نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنی اسرائیل میں سے کسی شخص کو عامل نہیں بناتے" اس نے کہا "ہاں! پھر وہ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ ہو گیا"۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اسیر کے پاس پہنچے اور اس کے ساتھ گفتگو کی تو اسے کہا "اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ تو وہ تمہیں عامل بنا دیں گے اور تمہیں عزت سے نوازیں گے" وہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کے ہمراہ چلنے کے لیے رضامند ہو گیا۔ اس کے ساتھ یہودیوں کے تیس افراد بھی روانہ ہوئے۔ ہر مسلمان نے اپنے پیچھے ایک یہودی کو بٹھا لیا۔ اسیر کو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ جب وہ قرقرہ پہنچے تو اسیر کو ندامت ہوئی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کیوں جا رہا ہے؟ اس نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ساتھ دھوکہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ یہ تلوار لینا چاہتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے تلوار ماری

اور اس کی ٹانگ کاٹ کر رکھ دی۔ اسیر کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، اس نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو مارا اور زخمی کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ اسیر نے اپنا ہاتھ تلوار کی طرف بڑھایا۔ میں اس کی چال سمجھ گیا۔ میں نے اونٹ دور کیا۔ میں نے کہا ''اللہ کے دشمن! دھوکہ کرتا ہے'' میں اونٹ سے نیچے اترا، میں نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ران اور پنڈلی زخمی ہو گئی۔ وہ اپنے اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ دیگر صحابہ کرام اسیر کے ساتھیوں پر جھپٹ پڑے اور اس دھوکہ دہی اور فریب کی وجہ سے انہیں قتل کر دیا۔ صرف ایک شخص بچ سکا۔ جو تیزی سے بھاگ کر دور چلا گیا۔ مسلمانوں کا ایک شخص بھی شہید نہ ہوا۔ الحمد للہ۔

امان دینے کے بعد ان یہودیوں کو ان کے فریب اور دھوکہ کی وجہ سے قتل کیا گیا۔ پھر صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ''ہمارے ساتھ ثنیہ تک چلو تا کہ ہم اپنے ساتھیوں کے متعلق کچھ تلاش کر سکیں'' صحابہ کرام آپ کے ہمراہ باہر نکلے، جب انہوں نے ثنیہ سے جھانکا تو انہوں نے ہمیں تیزی سے آتے دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ہم آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اور سارے حالات گوش گزار کیے۔ آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے تمہیں ظالم قوم سے نجات دے دی'' آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے زخم پر لعاب دہن لگایا تو فوراً مندمل ہو گیا اور اس نے تا دم وصال انہیں اذیت نہ دی۔

دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ نے میرے چہرہ کو مس فرمایا، میرے لیے دعا کی اور اپنے عصا مبارک کا ٹکڑا کاٹ کر مجھے عطا فرمایا: پھر فرمایا ''اسے اپنے ساتھ بطور علامت رکھ لو یہ روز حشر میرے اور تمہارے مابین علامت ہو گی'' اسی کے ساتھ میں تمہیں روز حشر پہچان لوں گا۔ تم حشر کے دن لاٹھی کا سہارا لے کر آؤ گے''۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو عصا مبارک کا یہ ٹکڑا ان کے کفن کے نیچے رکھ دیا گیا'' ان کے متعلق اسی قسم کی روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ جب ہذلی کا سر لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ بعض راویوں کا وہم ہو۔ لیکن سچ یہ ہے کہ آپ نے دوبارہ عصا کا ٹکڑا انہیں عطا فرمایا۔ دونوں کو ہی ان کے کفن کے اندر رکھ دیا گیا۔ حضرت شارع علیہ السلام جب اپنے کسی صحابی کے ساتھ کسی چیز کو مختص فرما دیں تو ان سے یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ بقیہ صحابہ کرام کو اس سعادت سے کیوں نہ نوازا گیا۔

عکل اور عرینہ کا قصہ

اسے سریہ حضرت کرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قریش کے رؤساء میں سے تھے۔ یہ عام فتح کو شہید ہوئے۔ عکل قضاعہ کا قبیلہ تھا جبکہ عرینہ بجیلہ کا قبیلہ تھا۔ یہ سریہ جمادی الاولیٰ 6ھ کو ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ شوال 6ھ کو رونما ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عکل اور عرینہ کے سات یا آٹھ افراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسلام پر بیعت کی۔ کلمہ توحید یاد کر لیا اور اسلام کا اظہار کیا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو وہ مریض تھے۔ ان کے پیشاب کی رنگت زرد تھی۔ ان کے پیٹ پھولے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہم اونٹوں اور مویشیوں کے مالک ہیں۔ ہم شاداب علاقے کے باسی نہیں ہیں۔ مدینہ طیبہ میں قیام کرنا ہمیں پسند نہیں۔ آپ ہمیں اجازت دیں تا کہ ہم اونٹوں کے ساتھ

رہیں'' آپ نے ان کے لیے چند اونٹوں کا حکم دیا۔ ان کے ہمراہ ایک چرواہا بھی تھا۔ ان لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان اونٹوں کے پاس رہیں تا کہ ان کا دودھ اور پیشاب پئیں' وہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل گئے۔ الحرہ کی ایک سمت کو اپنا بسیرا بنالیا۔ جب ان کے جسم درست ہو گئے تو انہوں نے اسلام کے بعد کفر کا اظہار کر دیا۔ وہ مرتد ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ قتل کے بعد ان کا مثلہ کیا۔ ان کے ہاتھ اور ان کی ٹانگ کاٹ دی، ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھو دیے۔ وہ اونٹ ہانک کر لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق خبر مل گئی۔ آپ نے ان کے تعاقب میں بیس گھڑ سوار بھیجے۔ حضرت کرز بن جابر الفہری کو ان کا امیر مقرر کیا۔ گھڑ سواروں نے دشمن کو جالیا اور انہیں پکڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کا حکم دیا ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعاقب میں صحابہ کرام کو روانہ کیا تو یہ دعا مانگی ''مولا! انہیں اندھا بنا دے کہ وہ اپنا راستہ تلاش نہ کر سکیں'' اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طرح نابینا کر دیا کہ انہیں اپنا راستہ نظر نہ آیا۔

ایک اور روایت کے مطابق آقا علیہ السلام تک یہ خبر دن کے ابتدائی حصہ میں پہنچی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعاقب میں گھڑ سواروں کو بھیج دیا۔ جب سورج بلند ہوا تو وہ انہیں پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے تعاقب میں گھڑ سوار بھیجے انہوں نے ایک عورت دیکھی جو اونٹ کے کندھے کا گوشت اٹھائے ہوئی تھی۔ انہوں نے اس سے ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو اس عورت نے کہا ''میں ان لوگوں کے پاس سے گزری، انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر رکھا تھا۔ انہوں نے یہ گوشت مجھے دیا ہے۔ وہ اس جنگل میں ہیں'' صحابہ کرام اسی سمت گئے۔ وہ جفاجو وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ان میں سے ایک شخص بھی بھاگ نہ سکا۔ صحابہ کرام نے انہیں رسیوں سے باندھا اور اپنے گھوڑوں پر سوار کر لیا۔ انہیں مدینہ طیبہ لے کر آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کی ٹانگیں اور ہاتھ مختلف سمتوں سے کاٹ دیے گئے۔ ان کی آنکھوں میں سلاخیں پھیر دی گئیں۔ انہیں الحرہ کی ایک طرف دھوپ میں پھینک دیا گیا حتیٰ کہ وہ سارے مر گئے۔ ان کی آنکھوں میں سلاخیں اس لیے پھیری گئیں تھی کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چرواہے کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ یہ قصاص تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے انہیں دیکھا، وہ زمین چاٹ رہے تھے، حتیٰ کہ وہ مر گئے''۔ وہ پانی مانگتے تھے۔ مگر انہیں پانی نہیں دیا جاتا تھا، ان کے ارتداد کی وجہ سے ان کی کوئی عزت و حرمت نہ تھی۔ اللہ رب العزت نے اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی:

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ (المائدہ)

''بلا شبہ سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انہیں (چن چن کر) قتل کیا جائے یا سولی چڑھا دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور

ان کے پاؤں مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے"۔

اس داستان میں کئی فوائد ہیں: ❶ امام کے پاس وفود آنا ❷ امام کا وفود کی مصلحت میں غور و فکر کرنا ❸ اونٹوں کے دودھ اور پیشاب کے ساتھ علاج کرنا کیونکہ ہر جسم کا علاج اس کی فطرت کے مطابق ہوتا ہے ❹ ایک شخص کے قتل میں پوری جماعت کو بطور قصاص قتل کرنا، خواہ انہوں نے اسے دھوکہ سے قتل کیا ہو یا ویسے ہی۔

اگر ہم کہیں کہ ان کا قتل قصاصاً تھا اور قصاص میں مثلہ کی اہمیت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وہ مثلہ نہیں ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ ❺ صحراء میں جنگ کے حکم کا ثبوت۔ بستیوں کے متعلق اختلاف ہے۔ ❻ صدقہ کے اونٹوں کا دودھ پی لینے کے بارے جبکہ امام کا اذن بھی اس کے ساتھ ہو۔

سریہ عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ: ابوسفیان کی طرف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ کو ابوسفیان کی طرف بھیجا تا کہ وہ اسے قتل کر دیں۔ کیونکہ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی غرض سے ایک شخص بھیجا تھا۔ ابوسفیان نے قریش کی ایک جماعت سے کہا "کیا تم میں سے کوئی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دھوکہ سے قتل نہیں کر سکتا۔ وہ بازاروں میں چلتے رہتے ہیں" ابوسفیان کے گھر میں ایک اعرابی آیا۔ اس نے کہا "میں سارے لوگوں سے زیادہ قوی دل ہوں۔ میری گرفت سب سے سخت ہے۔ میں سب سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہوں، اگر تم مجھے تقویت دو تو میں مدینہ طیبہ جاتا ہوں اور دھوکہ سے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شہید کر دیتا ہوں۔ میرے پاس ایک خنجر ہے، جو چیل کے پر کی مانند باریک ہے۔ میں ان پر حملہ آور ہوں گا۔ پھر قافلہ کے ساتھ واپس آ جاؤں گا۔ میں ساری قوم سے زیادہ تیز رفتار ہوں۔ میں راستہ سے بھی خوب آشنا ہوں" ابوسفیان نے کہا "تو بھی ہمارا ساتھی ہے" ابوسفیان نے اس اعرابی کو اونٹ دیا۔ خرچہ دیا اور کہا "اپنا معاملہ سمیٹو" وہ اعرابی رات کے وقت نکلا، پانچ روز اپنی سواری کو ہانکتا رہا۔ چھٹے روز وہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے پوچھنے لگا۔ آپ کے متعلق اسے بتایا گیا۔ اس نے سواری باندھی، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو عبد الاشہل کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اعرابی آپ کے پاس آیا۔ اس کے پاس خنجر تھا۔ وہ آپ کو دھوکہ سے شہید کرنا چاہتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا "یہ شخص دھوکہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ اس کے اور اس کے ارادہ کے مابین حائل ہے" وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھکنے کے لیے آگے بڑھا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے ازار بندھ سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس نے کہا "میرا خون میرا خون (چھوڑ دو) حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے اسے حلق سے پکڑا اور زور سے گلا دبایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سچ سچ بتا تو کون ہے؟ اس شخص نے کہا "میں امن میں ہوں؟" آپ نے فرمایا "ہاں" اس نے سچ سچ بات بتا دی۔ آپ نے اسے معاف کر دیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے عرض کی "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیک وسلم! میں لوگوں سے ڈرتا نہیں تھا۔ جونہی میں نے آپ کو دیکھا تو میرا طائر عقل پرواز کر گیا۔ میرا نفس کمزور ہو گیا، پھر آپ میرے اس ارادہ سے بھی آگاہ ہو گئے جو میں کیے ہوئے تھا۔

حالانکہ کوئی اور اس سے آگاہ نہ تھا۔ مجھے علم ہو گیا کہ آپ حق پر ہیں اور ابوسفیان کا گروہ شیطانی گروہ ہے۔ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرانے لگے۔ وہ شخص کچھ ایام آپ ﷺ کی خدمت میں رہا، پھر حضور ﷺ سے اجازت مانگ لی۔ آپ ﷺ نے اسے جازت دے دی وہ چلا گیا، پھر اس شخص کے بارے کچھ علم نہ ہو سکا۔ نہ ہی کسی حافظ نے اس کا نام لکھا ہے۔

پھر حضور ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ کو حضرت سلمہ بن اسلم انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا۔ دوسری روایت میں حضرت جبار بن صخری رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ آپ نے انہیں ابوسفیان کی طرف بھیجا۔ آپ نے فرمایا ''اگر اسے پالو تو اسے قتل کر دینا'' یہ دونوں حضرات مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ رات کو بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے گئے تو معاویہ بن ابی سفیان نے انہیں دیکھ لیا۔

ایک اور روایت کے مطابق یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ پہنچے۔ پہلے ایک گھاٹی میں چھپ گئے۔ پھر رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت جبار رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا ''کاش کہ ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں اور دو رکعتیں نماز پڑھ لیں'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہ لوگ کھانے کے بعد اپنے صحنوں میں بیٹھ جاتے ہیں، اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو وہ مجھے پہچان لیں گے، میں ابلق گھوڑے سے بڑھ کر مکہ مکرمہ میں معروف ہوں'' حضرت جبار رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہرگز نہیں! ان شاء اللہ۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ''انہوں نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ نماز پڑھی۔ پھر ہم ابوسفیان کے ارادہ سے باہر نکلے۔ بخدا! ہم مکہ مکرمہ میں چل رہے تھے کہ ایک شخص نے مجھے دیکھ لیا۔ اس نے مجھے پہچان لیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ''بخدا! اس کے قدم کسی شر کی وجہ سے ہیں'' کہا جاتا ہے کہ یہ شخص حضرت امیر معاویہ تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ کوئی اور تھا، اس نے ابوسفیان اور قریش کو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے متعلق بتایا۔ قریش مکہ خوف کھانے لگے اور ان کی جستجو میں شروع ہو گئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں بھی بہت بہادر اور شجاع سمجھے جاتے تھے۔ سارے اہل مکہ اکٹھے ہو گئے اور ان کی تلاش کرنے لگے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ یا حضرت جبار رضی اللہ عنہ بھاگ نکلے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ قریش کے ایک سردار سے ملے۔ اس کا نام عبید اللہ بن مالک التیمی تھا۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ بنو دیل کا ایک اور شخص بھی انہوں نے تہ تیغ کر دیا وہ یہ شعر گنگنا رہا تھا:

ولست بمسلم مادمت حیا ولست ادین دین المسلمینا

''جب تک میں زندہ ہوں میں اسلام قبول کرنے والا نہیں۔ نہ ہی کسی صورت میں مسلمانوں کا دین اختیار کروں گا''۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے قریش کے دو قاصدوں سے ملاقات کی، جنہیں قریش نے مدینہ طیبہ میں جاسوسی کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے ایک کو قتل کر دیا۔ دوسرے کو قیدی بنا لیا۔ وہ اسے مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو سارے حالات بتائے۔ آپ مسکرانے لگے، پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

سیرت ابن ہشام میں ہے ''میں نے اپنے ساتھی سے کہا ''بچو بچو!'' ہم دوڑتے ہوئے بھاگ نکلے حتیٰ کہ ہم پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے۔ اہل مکہ ہماری تلاش میں نکلے۔ جب ہم پہاڑ پر چڑھ گئے تو وہ ہم سے مایوس ہو گئے۔ ہم واپس لوٹے، ہم نے وہ

رات ایک غار میں بسر کی۔ ہم نے اپنے سامنے پتھر جوڑ لیے تھے۔ دوسرے روز قریش کا ایک شخص آیا۔ وہ اپنے گھوڑے کو ہانک رہا تھا۔ میں نے کہا "اگر وہ ہمیں دیکھ کر چیخ اٹھا تو وہ ہمیں پکڑ لے گا۔ پھر قتل کر دے گا۔ میرے پاس خنجر تھا، جسے میں نے ابوسفیان کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ میں نے وہ خنجر باہر نکالا اور اس کے ساتھ اس کے سینہ پر وار کر دیا۔ اس نے بآواز بلند چیخ ماری۔ سارے اہل مکہ نے سنا۔ میں واپس آ گیا اور اپنی جگہ چھپ گیا۔ لوگ اس کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ اس کی آخری رمق باقی تھی۔ وہ ہمارے مسکن کے متعلق قریش مکہ کو نہ بتا سکا۔ قریش اسے اٹھا کر لے گئے۔ میں نے اپنے رفیق راہ سے کہا "بچو بچو! ہم رات کے وقت غار سے نکلے، ہم مدینہ طیبہ جانا چاہتے تھے۔ ہم چند نگرانوں کے پاس سے گزرے۔ وہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا "بخدا! میں نے آج رات ایسی چال کو دیکھا جو عمرو بن امیہ کی چال کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ اگر وہ مدینہ منورہ میں نہ ہوتے تو میں یہی کہتا کہ وہ عمرو ہی ہیں"۔ جب وہ شخص اس لکڑی کے پاس پہنچا جہاں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مبارک لاش لٹکی ہوئی تھی تو اس نے ان کی لاش کو اٹھا لیا اور تیزی سے دوڑنے لگا۔ نگران بھی اس کے پیچھے دوڑنے لگا جب وہ شخص جرف پہنچا تو اس نے وہ لاش مبارک نیچے رکھ دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش کو غائب کر دیا۔ وہ اس پر قدرت نہ پا سکے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا "بچو بچو! میں آگے چلا۔ ایک پہاڑ کی طرف بڑھا اس کے غار میں داخل ہو گیا۔ وہاں بنو دیل کا ایک شخص آیا۔ اس نے پوچھا "کون ہو؟ میں نے کہا "میرا تعلق بنو بکر کے ساتھ ہے۔ تم کون ہو؟ اس نے کہا "میں بھی بنو بکر سے ہی ہوں" میں نے کہا "خوش آمدید!" وہ لیٹ گیا وہ بلند آواز سے یہ شعر پڑھنے لگا:

ولست بمسلم مادمت حیا ولست ادین دین المسلمینا

میں نے دل میں کہا "عنقریب تجھے انجام معلوم ہو جائے گا"۔ میں نے اسے مہلت دی۔ میں نے اپنی قوس نکالی۔ اس کا ایک سرا اس شخص کی صحیح آنکھ پر رکھا، پھر اس پر زور ڈالا۔ وہ کمان کا سرا اس کی ہڈی تک پہنچ گیا۔ پھر میں غار سے نکلا۔ عرج پہنچا پھر چلتا ہوا نقیع پہنچا۔ وہاں مجھے قریش کے دو شخص ملے۔ قریش نے انہیں جاسوس بنا کر مدینہ طیبہ کی طرف بھیجا تھا۔ میں نے انہیں کہا "قیدی بن جاؤ" مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے ایک کو تیر مارا، دوسرے کو گرفتار کر لیا۔ اسے باندھ کر مدینہ طیبہ لے آیا"۔

یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کو بھیجا تا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مبارک لاش اتار لائیں۔ انہوں نے ان کی لاش مقدس اتاری۔ پھر انہیں تعاقب کا خطرہ نظر آیا تو انہوں نے ان کا جسم اطہر نیچے پھینک دیا۔ زمین اسے نگل گئی۔ ممکن ہے کہ اس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں سے ملاقات کر لی ہو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھیجا تھا۔ اس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ واپس آ رہے ہوں۔ انہوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نیچے اتارنے میں ان کی اعانت کی ہو۔ اس طرح اس واقعہ کی نسبت ان تینوں حضرات کی طرف درست ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جلد دوم

محمد ﷺ

السیرۃ النبویۃ

علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ

السیرۃ النبویہ

جلد دوم

مصنّف

علامہ سیّد احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ

مترجم

علامہ ذوالفقار علی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	السیرۃ النبویہ (جلد دوم)
مصنف	علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ
مترجم	علامہ ذوالفقار علی، فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ
زیر نگرانی	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	فروری 2014ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	ST61

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37247350۔فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

صلح حدیبیہ

سبب: حدیبیہ ایک کنویں کا نام تھا، جسے اس جگہ کے اعتبار سے حدیبیہ کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیبیہ درخت کا نام تھا۔ اس بستی کا اکثر حصہ حرم میں شامل تھا۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے 9 میل دور تھا۔ حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اور صحابہ کرام امن و آشتی کے ساتھ اپنے سروں کا حلق کرائے یا قصر کرائے بیت اللہ میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ ذوالقعدہ کے مہینہ میں عازم سفر ہوئے۔ ہجرت کا چھٹا سال تھا۔ آپ عمرہ کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ جنگ کا ارادہ نہیں تھا۔ آپ کے ارد گرد اعرابی بھی آپ کے ساتھ عمرہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے۔ آپ کو قریش کے متعلق خدشہ تھا کہ وہ کہیں آپ کے ساتھ جنگ نہ کرنے لگیں یا آپ کو بیت اللہ سے روک نہ دیں۔ بہت سے اعرابی رک گئے۔ مہاجرین وانصار آپ کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ دیگر اہل عرب بھی آپ کے ساتھ آملے۔ آپ نے اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لیے تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ آپ عمرہ کی نیت سے نکلے ہیں اور بیت اللہ کی تعظیم بجالانے کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو معیت کا شرف ملا۔ مدینہ طیبہ پر حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابورہم ام کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کو نیابت کے فرائض سونپے یا یہ فرائض دونوں کے سپرد کیے۔ آپ کے ہمراہ 1400 صحابہ کرام تھے۔ دوسری روایت کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد 1500 تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ تعداد 1300 تھی۔ اس اختلاف کو اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد 1400 سے زائد تھی۔ جس نے کہا ہے کہ یہ تعداد 1500 تھی اس نے ڈیڑھ ہزار کی تعداد کو پورا کرنے کے لیے کہا اور جس نے 1400 تعداد بیان کی ہے، اس نے 100 کم بتایا ہے۔ 1300 کی تعداد حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ اتنی ہی تعداد سے آگاہ ہوئے ہوں جبکہ دوسرا راوی اس سے مزید 200 کی تعداد سے آگاہ ہوا ہو۔ فقیہ کی زیادتی قبول کی جاتی ہے یا اس لیے ان صحابہ کرام کی تعداد 1300 ہو جو ابتداء میں آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے نکلے ہوں۔ پھر دیگر صحابہ کرام آپ سے مل گئے ہوں یا پھر یہ تعداد ان پیروکاروں خادموں، خواتین اور بچوں پر مشتمل ہو جو ابھی تک بالغ نہ ہوئے ہوں۔ کوئی مسافر بھی آپ کے ساتھ جنگ کے ہتھیار لے کر نہ نکلا۔ بلکہ وہ مسافر کے ہتھیار لے کر نکلا۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے تو جانوروں کو قلادے پہنائے وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا اور بنوخزاعہ کا ایک جاسوس آگے بھیجا۔ حضور ﷺ آگے عازم سفر ہو گئے۔ جب آپ غدیر الاشطاط پہنچے تو جاسوس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "قریش نے آپ کے لیے ایک عظیم لشکر جمع کر رکھا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ جنگ کریں گے۔ آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس جاسوس نے آپ کے ساتھ عسفان میں ملاقات کی۔ اس نے عرض کی "یہ قریش ہیں انہوں نے آپ کی تشریف آوری کے متعلق سن لیا ہے۔ وہ شیر دار اونٹوں اور بچوں والی ماؤں کے ہمراہ نکل آئے ہیں۔ انہوں نے کھجور کی جلد پہن رکھی ہے۔ وہ ذوطویٰ کے مقام پر فروکش ہیں۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں

کبھی بھی داخل نہیں ہوسکیں گے"، یعنی قریش مکہ شیر دار اونٹنیاں اور بچے والی ماؤوں کو اس لیے لے کر آئے ہیں کیونکہ ان کا ارادہ ہے کہ وہ طویل مدت قیام کریں گے اور راہ فرار اختیار نہیں کریں گے" دوسری روایت میں ہے، اس جاسوس نے گذارش کی "میں فلاں رات بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا، قریش مکہ اپنی اپنی مجالس میں تھے۔ جبکہ کوہ ابی قبیس کی بلندی سے ایک ہاتف نے یہ صدا دی:

هيوا لصاحبكم مثل صحابته   سيرا اليه وكونوا معشراً كرماً

"اپنے صاحب کے لیے اس طرح تیاری کرو جس طرح کہ ان کے ساتھیوں نے تیاری کی ہے۔ ان کی طرف چلو اور معزز قبیلہ بن جاؤ"۔

طواف اور سعی کے بعد وہ یہ کہہ کر اہل مکہ کو جمع کرنے لگا:

شاهت وجوههم من معشر ثكل   لا ينصرون اذ ماحاربوا صنماً

"ان کے چہرے برباد ہو جائیں، ان کا تعلق اس قبیلہ سے ہے جس میں مائیں اپنے بچوں پر روتی ہیں۔ جب وہ بت کے ساتھ جنگ کریں تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی"۔

یہ صدا سن کر مکہ مکرمہ لرز اٹھا۔ انہوں نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ اس سال آپ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے" تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" یہ ہاتف سلفعہ شیطان ہے، اسے عنقریب رب تعالیٰ برباد کر دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ" ابھی تک وہ اسی حالت میں تھے کہ انہوں نے پہاڑ کی بلند چوٹی سے یہ صدا سنی:

شاهت وجوه رجال حالفوا صنما   وخاب سعيهم ما اقصر اليهما

"ان لوگوں کے چہرے برباد ہوں جنہوں نے بت کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔ ان کی کوشش رائیگاں گئی ان کی ہمتیں کتنی کوتاہ ہیں"۔

انى قتلت عدوالله سلفعة   شيطان اصنامهم سحقاً لمن ظلم

"میں نے اللہ تعالیٰ کے دشمن سلفعہ کو قتل کر دیا ہے وہ ان کے بتوں کا شیطان تھا، جس نے ظلم کیا اس کیلئے ہلاکت ہو"۔

وقد اتاهم رسول الله فى نفر   وكلهم محرم لا يسفكون دما

"اللہ تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ ان کے ہاں جلوہ افروز ہو گئے ہیں، وہ سب حالت احرام میں ہیں۔ وہ خونریزی نہیں چاہتے"۔

مجلس مشاورت

آپ نے صحابہ کرام کو مشاورت کے لیے بلایا۔ آپ نے فرمایا "لوگو! مجھے مشورہ دو، تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا میں ان کفار کے اہل وعیال کا ارادہ کروں جو ہمیں بیت اللہ سے روکنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر وہ ہمارے سامنے آئیں تو رب تعالیٰ مشرکین کے سو رماؤں کو کاٹ کر رکھ دے گا، ورنہ ہم انہیں اس حالت میں چھوڑیں گے کہ ان سے سب کچھ چھین لیا جا چکا ہوگا"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "تمہاری کیا رائے ہے کہ ان مشرکین کی اس اولاد کی طرف رخ کریں جو ان کی مدد کرتے ہیں، ہم انہیں پالیں گے اگر مشرکین بیٹھے رہے تو ان کی حالت یہ ہوگی کہ وہ محروم ہو جائیں گے۔ ان سے سب کچھ چھین لیا جائے گا۔ اگر وہ آگئے تو وہ ایسی گردن ہوں گے جسے رب تعالیٰ کاٹ کر رکھ دے گا، یا تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کا ہی قصد کریں جو ہمیں روکے اس کے ساتھ جنگ کریں" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مقدس گھر کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے ہیں۔ آپ کسی کو قتل کرنے کے ارادہ سے نہیں نکلے۔ کسی سے جنگ کے ارادہ سے نہیں عازم سفر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کا ہی عزم فرمائیں، جو ہمیں اس سے روکے گا ہم اس کے ساتھ جنگ کریں گے"۔

سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لے کر عازم سفر ہو جاؤ" روایت ہے کہ حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کے جذبات عالیہ کا اظہار کیا جس طرح کے احساسات کا اظہار وہ مقام بدر پر کر چکے تھے۔ وہ عرض گذار ہوئے "بخدا! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنو اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ تم جاؤ تمہارا رب جائے۔ دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہماری گذارش تو یہ ہے کہ آپ اور آپ کا رب تعالیٰ جائیں، جہاد کریں۔ ہم بھی آپ کے ہمراہ جہاد کریں گے" آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ کا مبارک نام لے کر عازم سفر ہو جاؤ"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے ساتھیوں سے اس طرح مشاورت کرتا ہو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے مشاورت کرتے تھے کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران۔ 159) اور صلاح مشورہ کیجیے اُن سے اس کام میں۔

غیر معروف راستہ سے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام عازم سفر ہو گئے۔ جب کچھ راستہ طے ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خالد بن ولید غمیم کے مقام پر قریش کے گھڑ سوار دستہ کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے ساتھ دو سو گھڑ سوار ہیں۔ مقدمۃ الجیش میں عکرمہ بن ابی جہل ہے۔ تم ذرا دائیں طرف ہٹ جاؤ" دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "کون شخص ہمیں اس رستہ کے علاوہ کسی اور رستہ سے لے کر جائے گا جس پر قریش خیمہ زن ہیں۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں یہ سعادت حاصل کروں گا" وہ دشوار گزار رستہ سے لے چلے اور بڑی مشکل کے بعد انہیں اس گھاٹی سے لے کر باہر نکلے۔ پھر صحابہ کرام آسان رستہ پر آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یوں کہو" نستغفر واللہ ونتوب الیہ "صحابہ کرام نے اسی طرح کہا تو آپ نے فرمایا "یہی وہ پاکیزہ کلمہ ہے جسے بنی اسرائیل پر پیش کیا گیا مگر انہوں نے یہ پاکیزہ کلمہ نہ کہا"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "حمض کے سامنے دائیں طرف چلو۔ مجاہدین اسلام اسی راستہ سے چلے، جب قریش کے گھڑ سوار دستے نے مسلمانوں کو دوسرے راستہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ اس رستہ سے ہٹ کر قریش کے ساتھ آکر مل گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! خالد کو مسلمانوں کے بارے علم تک نہ ہوا حتیٰ

کہ انہیں لشکر کے گردوغبار نے آلیا۔ قریش کا نذیر (ڈرانے والا) بھاگ کر قریش کی طرف چلا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ خالد اپنا گھڑسوار دستہ لے کر آگے بڑھے حتیٰ کہ انہوں نے حضور ﷺ اور صحابہ کرام کو دیکھ لیا۔ ان کے دستہ نے مسلمانوں اور ان کے قبلہ کی سمت صف بندی کر لی۔ حضور ﷺ نے حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، وہ اپنے گھڑسوار دستے کے ساتھ خالد کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ صحابہ کرام نے صف بندی کر لی۔ نماز ظہر کا وقت قریب ہو گیا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو نماز ظہر پڑھائی۔ خالد نے کہا "مسلمان غفلت میں تھے۔ کاش کہ ہم ان پر حملہ کر دیتے اور کامران ہو جاتے۔ لیکن ابھی ایک اور نماز کا وقت ہو جائے گا، وہ نماز انہیں اپنی جانوں اور اولاد سے زیادہ پیاری ہے۔ حضرت جبرائیل امین نماز ظہر اور نماز عصر کے مابین یہ آیت طیبہ لے کر نازل ہوئے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ (النساء:102)

"(اے حبیب) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہوا ایک گروہ ان سے آپ کے ساتھ"۔

نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ دشمن قبلہ کی سمت تھا۔ حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو صلوٰۃ الخوف پڑھائی۔ صحابہ کرام نے دو صفیں بنالیں۔ آپ نے انہیں نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو ایک صف نے آپ کے ہمراہ سجدہ کیا، دوسری صف نے نگرانی کی۔ جب آپ اور دیگر سجدہ ریز صحابہ کرام اٹھے تو نگران صحابہ کرام نے سجدہ کیا۔ وہ آپ کے ساتھ مل گئے۔ دوسری رکعت میں پہلے نگران صحابہ کرام نے سجدہ کیا۔ دیگر صحابہ کرام نے نگرانی کی، جب آپ بیٹھ گئے تو نگران صحابہ کرام نے سجدہ کیا پھر دونوں صفوں نے تشہد پڑھا اور سلام پھیر دیا۔ عسفان کے مقام پر بھی اسی طرح نماز ادا کی گئی۔ پھر آپ عازم سفر ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ ثنیہ پہنچ گئے۔

اونٹنی بیٹھ گئی

جب آپ ثنیۃ المرار جلوہ افروز ہو گئے تو ناقہ قصواء بیٹھ گئی۔ لوگ کہنے لگے "قصواء! بیٹھ گئی ہے، قصواء! بیٹھ گئی ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "قصواء نہیں بیٹھی۔ نہ ہی اس کی یہ عادت ہے۔ بلکہ اسے اسی ذات والا نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا"۔

یہ تشبیہ اس اعتبار سے بہت مناسب ہے کہ اس کیفیت میں صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے اور قریش انہیں روک دیتے تو بہت زیادہ خونریزی ہوتی۔ اموال ہلاک ہو جاتے۔ جس طرح کہ اگر ہاتھی اور ہاتھی والوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو جانے کی اجازت دی جاتی تو جان و مال کی بربادی ہوتی۔ لیکن یہ بات علم الٰہی میں تھی کہ صحابہ کرام اس وقت مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ کیونکہ عنقریب بہت سی مخلوق اسلام میں داخل ہو گی۔ ان کی پشتوں سے ایسی نسل نکلے گی جو اسلام لے آئی گی اور وہ راہ خدا میں جہاد کرے گی۔ مکہ مکرمہ میں ایسے اہل ایمان کی کثیر تعداد تھی جو کمزور تھے۔ اگر اس طرح صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے تو ممکن ہے کہ ان اہل ایمان کو ارادہ کے بغیر اذیت پہنچ جاتی۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

''اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روندھ ڈالو گے انہیں، سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث''۔ (الفتح: 25)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج مجھ سے قریش جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں صلہ رحمی کا پہلو ہوگا تو میں انہیں ضرور عطا کروں گا۔ خواہ اس میں کتنی ہی مشقت ہو'' پھر آپ نے اونٹنی کو جھڑکا تو وہ حدیبیہ وادی کے دور کنارے پر بیٹھ گئی۔

آپ کے تیر کی برکت

آپ نے لوگوں کو نیچے اترنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اس وادی میں تو پانی کا نام و نشان نہیں'' اس میں ایک کنواں تھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ صحابہ کرام نے تھوڑا تھوڑا پانی نکالا۔ حتیٰ کہ انہوں نے سارا پانی نکال لیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا۔ آپ نے وہ تیر اس کنویں میں گاڑھنے کا حکم دیا۔ حضرت ناجیہ بن الجعم یا ناجیہ بن جندب یا عبادہ بن خالد یا خالد بن عبادہ یا حضرت براء بن عازب رضوان اللہ علیہم اجمعین کنویں کے نیچے اترے اور وہ تیر کنویں میں گاڑھ دیا۔ ممکن ہے ان سب نے تیر گاڑھنے میں تعاون کیا ہو۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ کی قسم! پانی ابل کر نکلتا رہا، حتیٰ کہ وہ سیراب ہو کر باہر نکلے۔ دوسری روایت میں ہے ''پانی جوش سے باہر نکلتا رہا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر برتن بھر لیے''۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے کنارے پر بیٹھے۔ پھر ایک برتن منگوایا۔ اس میں کلی کی، دعا مانگی۔ پھر وہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ پھر فرمایا ''اسے کچھ دیر کے لیے اسی طرح چھوڑ دو'' صحابہ کرام نے خود بھی سیر ہو کر پانی پیا، اپنے جانوروں کو بھی پلایا حتیٰ کہ وہ وہاں سے کوچ کر گئے''۔

امام بخاری کے علاوہ دیگر محدثین نے لکھا ہے ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈول میں وضوء کیا۔ پھر وہ پانی کنویں میں انڈیل دیا۔ ترکش سے تیر نکالا، وہ کنویں میں گاڑھ دیا۔ ان ساری روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ امکان ہے کہ شاید آپ نے یہ سارے افعال زیبا سرانجام دیے ہوں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حدیبیہ کے روز لوگوں کو سخت پیاس لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھاگل تھی، جس سے آپ وضوء فرماتے تھے۔ صحابہ کرام آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہمارے پاس اتنا پانی بھی نہیں جسے پی لیں یا وضو کریں، مگر وہی پانی ہے جو آپ کی چھاگل میں ہے'' آپ نے چھاگل پر اپنا دست اقدس رکھا۔ پانی آپ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند نکلنے لگا۔ ہم نے خوب پانی پیا اور وضوء بھی کیا'' ابن حبان نے ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ دو اوقات میں یہ دونوں معجزات رونما ہوئے۔ چھاگل والا معجزہ کنویں والے معجزہ سے قبل رونما ہوا تھا۔

امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ ''ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں کچھ پانی تھا۔ اس کے

علاوہ کسی اور کے پاس کوئی پانی نہ تھا۔ آپ ﷺ نے وہ پانی پیالہ میں ڈالا۔ پھر وضوء فرمایا۔ پھر پیالہ وہیں چھوڑ کر آپ واپس آ گئے۔ لوگوں نے پیالہ پر بھیڑ بنالی۔ آپ نے فرمایا "ٹھہرو" اپنا دست اقدس اس پیالے میں ڈالا، پھر فرمایا "وضوء کرو" میں نے پانی کے چشمے دیکھے جو آپ کی مقدس انگلیوں سے نکل رہے تھے" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں الفاظ کا اختلاف شاید راویوں کا تصرف ہو۔ بعض روایات میں ہے کہ صحابہ کرام نے وضو کیا، پانی پیا، اپنے جانوروں کو پانی پلایا، اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی "آپ کی تعداد کتنی تھی؟" انہوں نے فرمایا "اگر ہماری تعداد ایک لاکھ بھی ہوتی، پھر بھی وہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا۔ اس وقت ہماری تعداد 1400 تھی" حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں مقام حدیبیہ میں بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ واقعہ مذکورہ معجزات کے بعد رونما ہوا تھا۔ یہ آپ ﷺ کے واضح معجزات ہیں۔ اس سے آپ کے اسلحہ کی برکت عیاں ہوتی ہے۔ اس چیز کی برکت آشکارا ہوتی ہے جس کی آپ کی طرف نسبت ہو جائے۔

سفارت

مسلمان اسی حالت پر تھے کہ ان کے پاس بدیل بن ورقاء، بنو خزاعہ کے چند افراد کے ساتھ آیا۔ اس وقت اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عام فتح مکہ کو یہ مشرف باسلام ہوا۔ بنو خزاعہ حضور ﷺ کے لیے خلوص کا اظہار کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بنو ہاشم بنو خزاعہ کے حلیف تھے۔ اسلام میں بھی حضور ﷺ کے حلیف رہے۔ بدیل نے حضور ﷺ سے عرض کی "آپ مدینہ طیبہ سے دور آ گئے ہیں۔ آپ کے ہمراہ ہتھیار نہیں ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "ہم جنگ کے لیے نہیں آئے" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گفتگو فرمائی تو بدیل نے کہا "میں اور میری قوم قریش کے پاس سے نہیں آ رہے" پھر کہا "میں نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے چشموں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان کے پاس شیر دار اونٹنیاں اور بچوں والی مائیں ہیں" یعنی وہ شیر دار اونٹنیاں لے کر اس لیے نکلے ہیں تاکہ ان کے دودھ سے زادراہ حاصل کریں۔ وہ واپس نہیں جائیں گے حتی کہ آپ کو روک دیں اور قریش اپنی اولاد اور بیویوں سمیت آئے ہیں تاکہ وہ یہاں طویل مدت قیام کر سکیں اور جنگ کی صورت میں وہ راہ فرار اختیار نہ کر سکیں۔ اس نے کعب بن لوئی اور عامر بن لوئی کو اس لیے مختص کیا کیونکہ اہل مکہ میں سے اکثر قریش کا نسب ان دونوں پر جمع ہوتا تھا۔ بقیہ قریش بنو سامہ بن لوئی اور بنو عوف بن لوئی تھے۔ انہیں قریش البطاح کہا جاتا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی مکہ مکرمہ میں مقیم نہ تھا۔ اس طرح قریش الظواہر تھے۔ جو بنو تیم بن غالب اور محارب بن فہر تھے۔ بدیل کے اس قول "قریش نے سارے چشموں پر قبضہ کر لیا ہے" کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حدیبیہ میں بہت سے چشمے تھے۔ قریش نے پہلے پہنچ کر ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس لیے مسلمانوں کو پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کی وضاحت بھی منقول ہے۔ حضور ﷺ نے بدیل کو جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا "ہم کسی کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے۔ بلکہ ہم عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں۔ قریش کو جنگ نے کمزور کر دیا ہے۔ ان کی قوت ختم کر دی ہے۔ ان کے اموال ختم کر دیے ہیں، انہیں سخت نقصان دیا ہے۔

اگر وہ پسند کریں تو میں ان کے لیے ایک مدت متعین کر دیتا ہوں جس میں ہمارے مابین جنگ نہیں ہوگی۔ وہ میرے اور دیگر کفار کے راستے سے ہٹ جائیں گے۔ اگر رب تعالیٰ نے میرے دین کو غالب کر دیا۔ لوگ اس میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے میری اتباع کر لی تو قریش پسند کریں تو یہ دین اختیار کر لیں اور بصورت دیگر وہ مجھ سے نجات پا لیں گے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر لوگ مجھ پر غالب آ گئے تو قریش چاہتے بھی یہی ہیں" ایک اور روایت میں ہے کہ اگر انہوں نے اس طرح نہ کیا تو پھر اس وقت قریش کے پاس قوت ہوگی" آپ ﷺ کو یقین واثق تھا کہ رب تعالیٰ آپ کی نصرت فرمائے گا اور آپ کو غالب فرمائے گا، مگر آپ نے یہ بات دشمن کے ساتھ از طریق تنزل کی، پھر آپ نے فرمایا "اگر قریش انکار کر دیں تو مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے، میں ان کے ساتھ جہاد کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں وصال کر جاؤں یا تنہا رہ جاؤں" اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ آپ ان کے ساتھ جہاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ آپ تنہا بھی جہاد کریں گے۔ جب آپ تنہا بھی جہاد کریں گے تو اتنے کثیر مسلمانوں کی موجودگی میں آپ جہاد کو کیسے ترک کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ اللہ رب العزت اپنے دین کو غالب کر دے۔ اس فرمان سے یہ بھی تصریح ملتی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے نفاذ، اس کے حکم کی تبلیغ، صلہ رحمی اور قرابت داروں کے ساتھ خلوص کا اظہار کرنے میں کتنے قوی اور ثابت قدم تھے"

بدیل نے کہا "میں یہ بات قریش تک پہنچاؤں گا" آپ نے اسے اجازت دے دی۔

امام زرقانی نے شرح المواہب الدنیہ میں لکھا ہے "اس سے بعض معاہدہ کرنے والوں اور اہل ذمہ کو خیر خواہ سمجھنے کے جواز میں دلیل ملتی ہے۔ جب کہ قرائن ان کے خیر خواہ ہونے پر دلالت کریں۔ تجربہ اس امر کی گواہی دے کہ وہ اہل اسلام کو دیگر لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ ان کے دین میں وہ شامل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی جواز ملتا ہے کہ دشمنوں کے بعض سرداروں کو خیر خواہ سمجھنا جائز ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر مشرکین کے لیے قوت کا حصول مدعا ہو۔ اس کا تعلق کفار کے ساتھ دوستی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ پیار کرنے کے ساتھ نہیں، بلکہ یہ دشمن کو خادم بنانا" ان کی قوت کو کم کرنا اور ان کی باہم خونریزی کرانے کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مشرکین سے مطلق مدد طلب کی جائے" بدیل بن ورقاء اپنی قوم کے سربراہ تھے۔ یوم فتح مکہ کو انہوں نے مرالظہران کے مقام پر اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ غزوۂ طائف اور تبوک میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فتح مکہ سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ابن مندہ اور ابو نعیم کی روایت کے مطابق انہوں نے بہت عرصہ پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ شاید وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ مگر پہلا قول مشہور ہے۔ خزاعہ ازد کا ایک قبیلہ ہے۔

پھر حضرت بدیل اپنے ساتھیوں کے ساتھ عازم سفر ہوئے حتیٰ کہ قریش کے پاس پہنچے۔ قریش کے بعض افراد نے کہا "یہ بدیل اور ان کے ساتھی ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے خبریں لیں۔ ان سے ایک حرف بھی نہ پوچھنا"۔ جب حضرت بدیل نے دیکھا کہ وہ ان سے معلومات نہیں لے رہے تو انہوں نے کہا "ہم تمہارے اس شخص (حضور ﷺ) کے پاس سے ہو کر آئے ہیں۔ آپ ایسی بات کر رہے ہیں اگر تم پسند کرو تو ہم تمہیں وہ بات بتا دیتے ہیں" دوسری روایت میں ہے، انہوں نے کہا "ہم

محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ہم تمہیں ان کے متعلق کچھ بتائیں" ان کے بے وقوفوں نے کہا "ہمیں اس کی ضرورت نہیں کہ تم ہمیں ان کے متعلق بتاؤ، بلکہ ہماری طرف سے انہیں پیغام دے دو کہ وہ اس سال مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے حتیٰ کہ ہم میں سے ایک شخص بھی باقی نہ رہے"۔ ان میں سے صاحب رائے لوگوں نے کہا "بتاؤ تم نے ان سے کیا سنا ہے؟ صحیح قول کے مطابق ابوسفیان اس وقت وہاں موجود نہ تھا، بلکہ کسی تجارتی سفر میں تھا۔ جس نے یہ کہا کہ ابوسفیان قریش کے ہمراہ تھا، اس نے غلطی کی ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا "بدیل کی بات سنو۔ اگر تمہیں پسند آئے تو قبول کر لینا ورنہ چھوڑ دینا" صفوان بن امیہ اور حرث بن ہشام نے کہا "ہمیں بتاؤ کہ تم نے کیا سنا اور کیا دیکھا ہے؟ بدیل نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا وہ سب کچھ قریش کو بتا دیا۔ انہوں نے قریش کی طرف توجہ کی اور کہا "تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے جلدی کر رہے ہو، وہ جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں" قریش نے کہا "اگر وہ جنگ کے لیے نہیں آئے، بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ پھر بھی اس سال وہ زبردستی داخل نہیں ہو سکتے۔ ورنہ اہل عرب اس کے متعلق باتیں کریں گے۔ عروہ بن مسعود اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اس وقت اسلام قبول نہ کیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ یہ ان دو افراد میں سے ایک تھا جس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف)

"اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو دو شہروں میں بڑا ہے"۔

ان میں سے ایک شخص ولید بن مغیرہ تھا۔ وہ مکہ مکرمہ میں تھا۔ وہ حالت کفر میں مرا۔ دوسرا شخص عروہ بن مسعود ثقفی تھا، یہ طائف میں تھا۔ دو بستیوں سے مراد طائف اور مکہ مکرمہ کے شہر ہیں۔ عروہ بن مسعود نے قریش سے کہا "کیا تم والد کی طرح نہیں ہو جس طرح کہ باپ اپنے بیٹے پر شفقت کرتا ہے" قریش مکہ نے کہا "ہاں" عروہ نے کہا "کیا میں بچے کی مانند نہیں ہوں یعنی خیر خواہی اور خلوص میں" قریش مکہ نے کہا "ہاں" بلکہ روایت ہے کہ عروہ کی ماں سبیعہ بنت عبد شمس تھی۔ عروہ نے یہ ارادہ کیا کہ اس کی ماں کا تعلق ان کے ساتھ ہے۔ مختصر یہ کہ عروہ نے کہا "کیا تم مجھ پر تہمت لگا سکتے ہو؟ قریش مکہ نے کہا "نہیں" تم ہمارے نزدیک قابل تہمت نہیں ہو" عروہ نے کہا "کیا تم نہیں جانتے کہ اس نے اہل عکاظ کو تمہاری مدد کے لیے پکارا تھا جب انہوں نے جواب نہ دیا تو میں اپنے اہل خانہ، اولاد اور اطاعت گزاروں کے ہمراہ تمہارے پاس آ گیا تھا"۔ قریش مکہ نے کہا "ہاں" عروہ نے کہا "اگر یہ شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھلائی، اصلاح اور انصاف کی ایک بات بھی پیش کرے تو اسے فوراً قبول کر لینا۔ مجھے اجازت دو میں ان کے پاس جاؤں" قریش نے کہا "تم ضرور ان کے پاس جاؤ" عروہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ آپ سے بدیل بن ورقاء کی طرح بات کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وہی جواب دیا جو آپ نے بدیل کو دیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا "اگر قریش نے انکار کیا تو مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں ان کے ساتھ جہاد کروں گا" تو عروہ نے عرض کی "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ذرا مجھے بتائیں اگر آپ نے اپنی قوم کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا تو کیا آپ نے کسی ایک عربی سے بھی سنا ہے کہ اس نے آپ سے قبل اپنی قوم کو جڑ سے

اکھاڑ پھینکا ہو اور اگر غلبہ قریش کو ہوا تو میں ایسے مختلط چہرے دیکھ رہا ہوں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے" دوسری روایت میں ہے "میں انہیں دیکھ رہا ہوں اگر آپ قریش سے معرکہ آزما ہوئے تو یہ آپ کو ان کے سپرد کر دیں گے اور آپ اسیر بن جائیں گے۔ اس سے زیادہ اذیت ناک چیز کون سی ہو سکتی ہے؟ عروہ نے یہ بات اس لیے کی کیونکہ وہ لشکر جو متفرق قبائل سے بنایا گیا ہو۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ وہ راہ فرار اختیار نہ کرے۔ بخلاف اس لشکر کے جسے ایک قبیلہ سے تشکیل دیا جائے۔ ایسا لشکر راہ فرار اختیار نہیں کرتا۔ عروہ کو کیا علم تھا کہ اسلام کا رشتہ قرابت کے رشتے سے زیادہ مضبوط ہے۔ بعد میں اس نے دیکھا کہ مسلمان اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح تعظیم کرتے ہیں تو اس کے لیے یہ عظیم حقیقت واضح ہو گئی۔

جب عروہ نے صحابہ کرام کے متعلق فرمایا کہ وہ بھاگ جائیں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یارائے ضبط نہ رہا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "تولات کے چیتھڑے کو چوسے! کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو برا بھلا کہنے میں انتہائی مبالغہ کیا۔ انہوں نے عروہ کے معبود کو از روئے حقارت ایک عورت کا مقام دیا۔ عرب اس طرح سب وشتم کرتے تھے۔ عروہ نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کون ہے؟ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے وہ انہیں نہ پہچان سکا۔ ممکن ہے کہ اس نے پہچان لیا ہو، لیکن ان کا اس پر احسان ہو جس طرح کہ وہ خود عنقریب اقرار کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ ابوبکر بن قحافہ ہیں" عروہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اگر تمہارا مجھ پر وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں نے ابھی تک بدلہ نہیں چکایا تو میں ضرور تمہیں جواب دیتا، لیکن یہ سب وشتم اس کا بدلہ ہے"۔

امام زہری نے کہا "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احسان یہ تھا کہ عروہ نے دیت دینا تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی اعانت کی تھی۔ انہوں نے اسے دس جوان اونٹنیاں دی تھیں، جبکہ دوسرے لوگوں نے اسے صرف ایک یا دو اونٹنیاں دی تھیں۔ عروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محو گفتگو ہوا۔ جب بھی وہ کوئی بات کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک پکڑ لیتا، یہ اہل عرب کی عادت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ بن مسعود الثقفی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر تلوار لیے کھڑے تھے۔ آپ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ یہ عروہ بن مسعود کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے خود پہن رکھا تھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عروہ کو دیکھا تو اپنی زرہ پہنی، اپنے سر پر خود رکھا، تا کہ ان کے چچا عروہ کو پہچان نہ ہو سکے۔ اور نگرانی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "اس میں امیر کے سر پر تلوار لے کر کھڑے ہونے میں جواز ہے تا کہ نگرانی ہو سکے۔ جبکہ دشمن کی طرف سے خطرہ ہو۔ بیٹھے ہوئے شخص کے سر کے پاس کھڑے ہونے سے جو روکا گیا ہے اسے اس کے ساتھ کوئی معارضت نہیں۔ کیونکہ وہ ممانعت اس وقت ہے جب یہ قیام از روئے تعظیم و تکبر ہو" جب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عروہ کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی طرف بڑھتا ہوا دیکھا تو تلوار کے دستہ پر ہاتھ مارا اور عروہ سے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ریش سے اپنا ہاتھ پیچھے لے جا۔ مشرک کے لیے جائز نہیں کہ وہ آپ کی ریش مبارک کو مس کرے" عروہ نے کہا "تم کتنے سخت اور غصیلے ہو"

اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ گفتگو کرتے وقت ہاتھ دوسرے شخص کی داڑھی تک لے جاتے تھے۔ بالخصوص شفقت کرتے وقت وہ اس طرح کرتے تھے۔ وہ اس سے صلہ رحمی اور نرمی کا ارادہ کرتے تھے۔ عموماً یہ عمل اس وقت کیا جاتا تھا جب گفتگو کرنے والا ہم پلہ ہو۔ ممکن ہے عروہ نے اپنی قوم میں اپنی عظمت کی وجہ سے یہ سمجھ لیا ہو کہ وہ حضور ﷺ کی مثل ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آپ کی مثل اور نظیر ہے ہی نہیں۔ اسے منع کرنا ضروری تھا۔ اس لیے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اسے روکا۔ حضور ﷺ نے عروہ کو خود منع نہ کیا۔ اس کے اس فعل پر اس کا مواخذہ نہ کیا تا کہ اس کے ساتھ اور اس کی قوم کے ساتھ الفت کا اظہار ہو جائے''۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بار بار عروہ کو منع کرتے رہے، جب کئی بار روکا تو عروہ نے سر اٹھایا اور پوچھا ''یہ کون ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ جب عروہ نے بار بار ریش مبارک کو ہاتھ لگایا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عروہ کے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ عروہ نے کہا ''کاش مجھے علم ہو جاتا کہ یہ کون ہے۔ آپ کے صحابہ کرام میں سے جس نے مجھے اذیت دی ہے۔ بخدا! میں نہیں جانتا کہ تم میں اس سے بڑھ کر ملامت کرنے والا کوئی اور ہوگا'' حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ عروہ نے پوچھا ''محمد عربی (ﷺ) یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا ''یہ تمہارا بھتیجا مغیرہ ہے'' دوسری روایت میں ہے ''یہ مغیرہ بن شعبہ ہے'' جب عروہ کو معلوم ہوا کہ یہ مغیرہ ہے جو اس کا بھتیجا ہے تو اس نے کہا ''تمہاری غلاظت دور کرنے میں میں نے کون سی کوشش نہیں کی'' دوسری روایت کے مطابق عروہ نے کہا ''بخدا! تمہاری غلاظت دھو کر میں نے ابھی تک اپنے ہاتھ صاف نہیں کیے، تم نے بنو ثقیف میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی'' ایک اور روایت کے مطابق عروہ نے کہا ''میں نے کل ہی تیری شرم گاہ صاف کی ہے'' ممکن ہے یہ اختلاف راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہو یا عروہ نے یہ ساری باتیں کہی ہوں۔

اسلام سے پہلے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے جس واقعہ کی طرف عروہ نے اشارہ کیا تھا، وہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں ثقیف میں سے بنو مالک کے تیرہ افراد کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ وہ مصر کے بادشاہ مقوقس کی طرف گئے۔ وہ کئی تحائف لے کر گئے۔ بادشاہ نے ان پر احسان کیا۔ عطیات دیے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اس نے کم تحائف دیے کیونکہ یہ ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے۔ بلکہ ان کے حلیف تھے۔ ان میں سے کسی نے ان کے ساتھ ہمدردی بھی نہ کی۔ جس سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو بڑی غیرت آئی۔ راستہ میں ان لوگوں نے شراب پی اور سو گئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے ان سب کو قتل کر دیا اور ان کے اموال لیے۔ پھر مدینہ طیبہ آکر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''ان مالکیوں نے کیا کیا جو تمہارے ساتھ تھے'' حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے انہیں قتل کر دیا۔ ان کا سامان لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں تا کہ آپ احسان فرمائیں یا اپنی رائے کے مطابق تقسیم فرمائیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں تمہارا اسلام قبول کر لیتا ہوں، لیکن مال قبول نہیں کرتا کیونکہ یہ فریب سے چھینا گیا ہے، کیونکہ حالت امن میں کفار کا مال چھیننا درست نہیں کیونکہ کارواں کی رفاقت کا انحصار امانت پر ہوتا ہے جو اہل امانت کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، حالت جنگ میں کفار کے اموال حلال ہوتے ہیں۔ شاید آپ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہی وہ سامان رہنے دیا کیونکہ امکان تھا کہ ان کی قوم اسلام قبول کر لیتی اور ان کے اموال انہیں واپس دے دیے جاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ حربی کا

سا معاملہ کیا کیونکہ حربی کسی دوسرے کا مال تلف کر دے تو وہ ضامن نہیں ہوتا (یہ امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک ہے) جب بنو ثقیف تک یہ خبر پہنچی کہ مغیرہ نے ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے اور ان کے اموال لے لیے ہیں تو دونوں قبائل میں آتش جنگ شعلہ بار ہوگئی۔ عروہ بن مسعود نے کوشش کی حتیٰ کہ بنو مالک 13 افراد کی دیت لینے اور صلح پر راضی ہو گئے۔ یہ بھی قول ہے کہ عروہ بن مسعود حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا چچا نہ تھا بلکہ ان کے والد کا چچا تھا۔ اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اہل عرب باپ کے چچا کو چچا ہی سمجھتے تھے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حالت اسلام میں مختلف ادوار میں اسی یا تین سو یا ایک ہزار عورتوں سے شادیاں کیں۔

پھر عروہ بن مسعود بڑے غور سے صحابہ کرام کو دیکھنے لگا، اس نے داستان عشق بیان کرتے ہوئے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعاب دہن پھینکتے، کوئی صحابی آگے بڑھ کر وہ لعاب مبارک اپنے ہاتھ پر اٹھا لیتا۔ وہ تبرک کے حصول کے لیے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا۔ جب آپ کوئی حکم فرماتے تو ہر کوئی اسے بجالانے میں جلدی کرتا۔ جب آپ وضوء فرماتے تو ممکن ہے کہ وہ وضوء کا پانی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے لڑ پڑتے۔ جب آپ محو تکلم ہوتے تو صحابہ کرام اپنی آوازیں پست کر لیتے، وہ تعظیم کے لیے نظر اٹھا کر آپ کو دیکھتے نہیں تھے۔ صحابہ کرام کے ان افعال حسنہ میں عروہ کے اس نظریہ کا رد تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ گویا کہ انہوں نے بزبانِ حال سے کہا "جس ہستی والا سے ہم اس طرح پیار کریں جس کی اس طرح تعظیم بجالائیں تو ہمارے متعلق کیسے گمان ہو سکتا ہے کہ ہم اسے چھوڑ جائیں گے اور اسے دشمن کے حوالے کر دیں گے، بلکہ صحابہ کرام کا محبت و عشق کا یہ تعلق اس سے بھی گہرا تھا۔ وہ دین الٰہی کی نصرت میں ان قبائل سے کہیں بڑھ کر تھے جو صرف صلہ رحمی کے لیے باہم اکٹھے ہوتے ہیں۔ عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ اس نے کہا "اے میری قوم! بخدا! میں بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ میں قیصر، کسریٰ اور نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ بخدا! میں نے کسی کی عوام کو اپنے بادشاہ کی اس قدر تعظیم کرتے نہیں دیکھا جس طرح محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ کرام ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا! آپ لعاب دہن پھینکتے ہیں۔ کوئی صحابی آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں پر رکھ لیتا ہے، اسے اپنے چہرے اور جلد پر حصول برکت کے لیے مل لیتے ہیں۔ جب آپ کوئی حکم دیتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک اسے بجالانے میں جلدی کرتا ہے۔ جب آپ وضوء کرتے ہیں تو وضو کا پانی حاصل کرنے میں وہ اتنی تگ و دو کرتے ہیں کہ ممکن ہے ان میں لڑائی ہو جائے۔ جب آپ محو تکلم ہوتے ہیں تو سارے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں۔ جب صحابہ کرام کچھ عرض کرتے ہیں تو آپ کی تعظیم و توقیر کے لیے اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں۔ صحابہ کرام آپ کی تعظیم کے لیے نظریں گاڑھ کر آپ کو دیکھتے نہیں ہیں۔ انہوں نے تمہیں بھلائی کی طرف دعوت دی ہے تم قبول کر لو۔ بخدا! میں نے ایسی عظیم قوم دیکھی ہے جو کبھی بھی آپ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ یہ میری رائے ہے آگے تمہاری مرضی"۔

ایک اور روایت کے مطابق عروہ نے کہا "میری قوم! میں نے بادشاہوں کو دیکھا ہے، لیکن میں نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مانند کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ بادشاہ نہیں ہیں۔ میں نے قربانی کے جانور بندھے ہوئے دیکھے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ

عنقریب تمہیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا" اس سے عیاں ہوتا ہے کہ عروہ کو فہم وفراست کی کتنی صلاحیتیں دی گئیں تھیں۔ اس نے دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتوقیر میں صحابہ کرام کس قدر مبالغہ کرتے ہیں۔ آپ کے احکام بجالانے میں کتنی جلدی کرتے ہیں۔ جو شخص کسی قول یا فعل سے آپ پر جفا کرے وہ کتنی سختی سے اس کا رد کرتے ہیں اور آپ کے تبرک کے حصول میں کتنے حریص ہیں" عروہ اور اس کے ساتھی طائف آ گئے۔ بنو کنانہ کے ایک شخص حلیس بن علقمہ نے کہا یہ احابیش کا سردار تھا۔ احابیش سے مراد قریش کے علاوہ دیگر قبائل تھے جو باہم متحد ہو گئے تھے۔ اس نے کہا "مجھے اجازت دو، میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں جاتا ہوں" قریش نے کہا "تم جا کر دیکھ لو" جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے قریب پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا "یہ فلاں شخص ہے۔ یہ قوم قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرتی ہے۔ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزار و تاکہ انہیں دیکھ کر سبق سیکھے اور اسے علم ہو جائے کہ مسلمان جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے۔ تاکہ یہ مسلمانوں کی مکہ مکرمہ میں داخلہ کے لیے مدد کرے" صحابہ کرام نے قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارے۔ صحابہ کرام خود تلبیہ پڑھنے لگے۔ جب حلیس نے یہ منظر دیکھا تو متعجب ہو کر کہنے لگا "سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے نہیں روکنا چاہیے" دوسری روایت میں ہے، اس نے کہا "اگر رب تعالیٰ اللخم، جذام، کندہ اور حمیر کے قبائل کو حج کرنے سے روک دیتا تو عبدالمطلب کے فرزند دلبند کو ضرور روک دینا چاہیے تھا" جب اس نے قربانی کے جانور دیکھے۔ وادی کی وسعتوں میں قلادوں سمیت انہیں اس کے سامنے سے گزارا گیا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ آیا بلکہ وہ دور سے ہی پکار اٹھا "قریش ہلاک ہوں۔ رب کعبہ کی قسم! مسلمان قوم عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئی ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں" بنو کنانہ کے بھائی!۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دور سے ہی پکارا ہو، وہ قریب نہ آیا ہو۔ جب یہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو اس نے کہا "میں نے قربانی کے جانور دیکھے ہیں، انہیں قلادے پہنائے گئے تھے۔ انہیں شعار کیا گیا تھا۔ میری یہ رائے نہیں کہ انہیں بیت اللہ الحرام کی زیارت سے روک دیا جائے" قریش نے اسے کہا "بیٹھ جاؤ! تو بدو ہے، تجھے کچھ علم نہیں ہے" یہ سن کر حلیس کو غصہ آ گیا، اس نے کہا "اے گروہ قریش! ہم تمہارے حلیف اس شرط پر نہیں بنے تھے نہ ہی تمہارے ساتھ اس پر معاہدہ کیا تھا کہ اس شخص کو روکا جائے جو بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں حلیس کی جان ہے یا تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے صحابہ کرام کے رستے سے ہٹ جاؤ یا میں احابیش کو لے کر چلا جاتا ہوں" قریش نے کہا "حلیس! رک جا کہ ہم اپنے بارے کوئی فیصلہ کر لیں"۔

اس داستان میں یہ دلیل ہے کہ بہت سے مشرکین احرام اور حرم کی حرمات کی تعظیم کرتے تھے۔ اور جو بیت اللہ کی زیارت سے روکے اسے عجیب سمجھتے تھے۔ یہ دین ابراہیمی میں سے بقیہ چیزوں میں سے تھا۔ پھر قریش میں سے ایک شخص اٹھا، اسے مکرز بن حفص کہا جاتا تھا۔ مکرز کو ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے صحابہ کرام میں شمار نہیں کیا۔ اس نے کہا "مجھے اجازت دو، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہوں" جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ مکرز ہے، یہ ایک فاجر شخص ہے" دوسری روایت میں غادر کا لفظ ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "میں تعجب میں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فاجر

کیوں کہا تھا حالانکہ حدیبیہ کے واقعہ میں اس سے کوئی خطاء سرزد نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس میں ایسی چیز ہے جو اس کے برعکس ہے۔ میں متعجب رہا حتیٰ کہ میں نے مغازی واقدی میں غزوۂ بدر کو پڑھا کہ عتبہ بن ربیعہ نے قریش سے کہا ''یہ مکہ مکرمہ سے کیسے نکل کر جائیں گے حالانکہ بنو کنانہ ہمارے پیچھے ہیں۔ ہمیں اپنی اولاد کے متعلق ان سے خطرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حفص بن اخیف کا ایک خوبصورت بیٹا تھا، اسے بنو بکر بن کنانہ نے اپنے اس خون کے بدلہ میں مار دیا جوان کا قریش میں تھا۔ قریش نے گفت وشنید سے صلح کرادی۔ پھر اس نے بنو بکر کے سردار عامر بن یزید کو دھوکہ سے قتل کر دیا۔ بنو کنانہ اس سے خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اسی دوران غزوۂ بدر رونما ہو گیا۔ مکرز اپنے اس دھوکہ کی وجہ سے معروف تھا۔

امام واقدی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مکرز نے یہ بھی ارادہ کیا تھا کہ وہ حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں پر شب خون مارے۔ یہ پچاس افراد لے کر نکلا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نگرانی پر مامور تھے۔ انہوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا، مگر مکرز بچ نکلا۔ جب آپ نے فرمایا ''مکرز ایک فاجر یا غادر شخص ہے تو آپ نے یہی اشارہ فرمایا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کی جو بدیل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ کی تھی۔ دوران گفتگو سہیل بن عمرو عامری آ گیا۔ یہ قریش کا خطیب تھا۔ فتح مکہ کے دن اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ جہاد کے دھنی تھے۔ حتیٰ کہ یرموک کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے طاعون عمواس میں شام میں وصال کیا تھا۔ یہ کہا کرتے تھے ''اللہ کی قسم! میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑوں گا جہاں مشرکین کے ساتھ کھڑا ہوا تھا مگر وہاں مسلمانوں کے شانہ بشانہ بھی کھڑا ہوں گا۔ میں نے مشرکین کے ساتھ جس جگہ بھی خرچ کیا تھا اسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ بھی خرچ کروں گا۔ شاید یہ میرے ان گناہوں کا کفارہ بن سکے''۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ محمود الاسلام تھے۔ جب اہل مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو وہ مضطرب ہو گئے۔ قریب تھا کہ وہ مرتد ہو جاتے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور انہیں ثابت قدم کیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے دانت توڑنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ''شاید یہ اس جگہ کھڑا ہو جہاں یہ تمہیں خوش کر دے'' یہ جگہ وہی تھی جہاں حضرت سہیل رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے لیے خطبہ دیا تھا اور انہیں ثابت قدم کیا تھا۔ یہ آپ کی نبوت کی علامت ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق ابھی مکرز بارگاہ نبوت میں ہی تھا کہ سہیل بن عمرو آ گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ مکرز واپس آ گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات قریش کو بتائی اور اس کے بعد حلیس اور عروہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں گئے تھے۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ مکرز واپس آ گیا تھا اور قریش کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتائی تھی پھر سہیل کے ساتھ دوبارہ آ گیا تھا، جب سہیل آپ کی خدمت میں آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب رب تعالیٰ نے تمہارا معاملہ آسان کر دیا ہے'' سہیل کے ساتھ خویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا۔

امام ابن اسحاق نے لکھا ہے ''قریش مکہ نے سہیل بن عمرو سے کہا ''اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، صلح کرو، صلح میں یہ شرط ضرور شامل ہو کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں۔ بخدا! لوگ باتیں نہ کریں کہ آپ ہمارے ہاں زبردستی داخل

ہوئے ہیں"۔ سہیل حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں آتے دیکھا تو فرمایا "قریش نے اس شخص کو بھیج کر صلح کا ارادہ کیا ہے" حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر یہ دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ اس کے سامنے متربع حالت میں تشریف فرما ہو گئے۔ حضرات عباد بن بشر اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہما غرق آہن ہو کر آپ کے سر اقدس پر کھڑے تھے۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد حاضر خدمت تھے۔ گفتگو ہونے لگی۔ سہیل کی بات چیت طویل ہو گئی۔ حضرت عباد بن بشر نے اسے کہا "حضور ﷺ کی خدمت میں آواز پست رکھو" اس نے آواز پست کر لی۔ حتیٰ کہ صلح مکمل ہو گئی۔ یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ سہیل کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے سے قبل بھیجا گیا تھا۔ بہت سے اہل سیر کا یہ مؤقف بھی ہے۔ دیگر سیرت نگار کہتے ہیں "پہلے حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سفارت

دوسرے سیرت نگار کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے مقام حدیبیہ میں نزول اجلال فرمایا تو آپ نے چاہا کہ قریش کی طرف پیغام بھیجیں کہ آپ عمرہ کی نیت سے آئے ہیں۔ قتال کی نیت سے نہیں آئے۔ آپ نے حضرت خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ پر بھیجا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور انہیں قتل کرنا چاہا، مگر احابیش نے انہیں روک دیا۔ حضرت خراش رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری صورت حال عرض کی۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا تا کہ آپ انہیں قریش کے پاس بھیجیں اور سرداران قریش کو حضور ﷺ کا پیغام پہنچائیں۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اپنے بارے قریش سے خطرہ ہے۔ بنو عدی کا کوئی شخص مکہ مکرمہ میں نہیں جو میرا تحفظ کرے۔ قریش جانتے ہیں کہ مجھے ان سے کتنی عداوت ہے۔ لیکن میں آپ ﷺ کو اس شخص کے بارے بتا دیتا ہوں جو مجھ سے زیادہ معزز ہے۔ یعنی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان کے چچا زاد ان کا تحفظ کریں گے" حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے ایک مکتوب گرامی لکھوایا کہ قریش مکہ کو بتائیں کہ آپ ﷺ صرف بیت اللہ کی تعظیم اور اس کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں"۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ کے کمزور مسلمان مرد اور خواتین کے پاس جائیں اور انہیں فتح کی بشارت دیں۔ انہیں بتائیں کہ عنقریب رب تعالیٰ اپنے دین کو غالب کر دے گا حتیٰ کہ یہاں ایمان کو چھپانا نہیں پڑے گا" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دس صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے۔ ان صحابہ کرام کے نام نہیں لکھے گئے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے قبل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ابان بن سعید بن العاص سے ملاقات کی۔ یہ حضرت عثمان کا چچا زاد بھائی تھا۔ اس نے آپ کو پناہ دی حتیٰ کہ آپ حضور ﷺ کا پیغام پہنچا دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سرداران قریش کے پاس آئے، انہیں حضور ﷺ کا پیغام پہنچایا مگر سردار برابر تردید کرتے رہے۔ وہ کہتے رہے "محمد عربی (ﷺ) ہمارے ہاں کبھی نہیں آسکتے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس پیغام سے فارغ ہو گئے تو سرداروں نے انہیں کہا "اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں" انہوں نے فرمایا "میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا حتیٰ کہ حضور ﷺ طواف کر لیں" آپ ﷺ نے فرمایا "میرا گمان نہیں کہ عثمان بیت اللہ کا طواف کریں جبکہ ہم محصور ہیں"۔ صحابہ کرام نے عرض کی "یارسول

اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ بیت اللہ طواف کیوں نہیں کریں گے حالانکہ وہ یہ سعادت حاصل کر سکتے ہیں'' آپ نے فرمایا ''میرا گمان یہ ہے کہ وہ بیت اللہ کا طواف نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہم طواف کر لیں، خواہ ہم ایک سال ادھر ہی قیام پذیر رہیں'' جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو صحابہ کرام نے ان سے پوچھا ''کیا تم نے طواف کر لیا ہے؟ انہوں نے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر میں اسی حالت میں ایک سال بھی رہتا پھر بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرتا حتیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کر لیتے''۔

بیعت رضوان

قریش مکہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تین روز تک اپنے ہاں روکے رکھا۔ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا ''ہم عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بدلہ ضرور لیں گے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کی طرف بلایا۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیعت کے لیے بلائیں۔ حضرت مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم نے آپ کے دست اقدس پر اس بات پر بیعت کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کریں گے بلکہ یا فتح وکامرانی یا شہادت کا تاج زرنگار'' دوسری روایت میں ہے ''ہم نے موت پر آپ کی بیعت کی۔ درحقیقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف یہ خبر عام ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی بیعت کی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اشارہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اس خبر کے پھیل جانے کی وجہ سے بیعت لی تاکہ یہ بلند اقبال جماعت ثابت قدم اور قوی رہے۔ آپ نے دایاں دست اقدس بائیں دست اقدس پر رکھا اور یہ التجاء کی ''مولا! یہ عثمان کی طرف سے ہے۔ وہ تیرے اور تیرے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضروری کام کے لیے گئے ہیں'' دوسری روایت میں ہے ''عثمان اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضروری کام کے لیے گئے ہیں۔ میں ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں'' پھر آپ نے اپنا دایاں دست شفا بخش بائیں ہاتھ مبارک پر رکھ دیا۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ ان کے قتل کی افواہ غلط ہے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے یہ فضیلت حاصل کرنے کے لیے خود بھی بیعت کی۔ صاحب الھمزیہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے طواف نہ کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں:

وابی ان یطوف بالبیت اذلم یدن منه الی النبی فناء
فجزته منه ببیعة رضوان ید من نبیه بیضاء
ادب عنده تضاعفت الاعمال بالترک حبذا الادباءُ

''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف کرنے سے انکار کر دیا جب تک بیت اللہ کا صحن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نہ ہو جائے اور آپ طواف نہ کر لیں۔ ان کی طرف سے بیعت رضوان میں ان کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ید بیضاء ہی کافی ہو گیا۔ ان کے نزدیک ادب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تھا کہ بعض اوقات ترک کرنے سے اعمال دوچند ہو جاتے ہیں،

یہ کتنے اچھے صاحب ادب تھے"۔

روایت ہے کہ قریش نے عبداللہ بن ابی کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تم پسند کرو تو بیت اللہ کا طواف کر سکتے ہو۔ اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میرے باپ! میں تجھے یاد دلاتا ہوں کہ تو ہمیں ہر جگہ رسوا کرتا ہے۔ کیا تو طواف کرلے گا جبکہ ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف نہیں کیا ہوگا" اس وقت عبداللہ بن ابی نے انکار کردیا۔ اس نے کہا "میں طواف نہیں کروں گا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کرلیں"۔ یہ بیعت رضوان سمر (ببول) کے درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18)

"یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے اس مبارک درخت کے نیچے بیعت کرلی وہ آگ میں نہیں جائے گا" یہ سعادت 1400 صحابہ کرام نے حاصل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو معاف کردیا ہے"۔ جس ہستی نے سب سے قبل دست مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ وہ حضرت سنان بن سنان الاسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق یہ حضرت ابوسنان رضی اللہ عنہ تھے جو حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ جب انہوں نے بیعت کی تو عرض کی "میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں جو کچھ آپ کے دل میں ہے" آپ نے فرمایا "میرے قلب اطہر میں کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی "میں آپ کے سامنے اپنی تلوار سے شمشیر زنی کرتا ہوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کردے یا میں شہید ہو جاؤں" سارے صحابہ کرام عرض گزار ہوئے "ہم اس بات پر بیعت کرتے ہیں جس پر حضرت سنان رضی اللہ عنہ نے بیعت کی ہے"۔ دوسرے قول کے مطابق سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کی۔ تیسرے مؤقف کے مطابق سب سے پہلے یہ سعادت عظمیٰ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے حاصل کی۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے تین بار بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ (1) سب سے پہلے (2) صحابہ کرام کے وسط میں (3) صحابہ کرام کے بعد۔ جب انہوں نے دوسری اور تیسری بار بیعت کی تو عرض کی "میں نے بیعت کرلی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے بیعت کرلی ہے" آپ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور ثابت قدمی میں شہرت کی وجہ سے ان کی بیعت کو مؤکد کرنا چاہتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دوبار بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ لَا الْهَدْيَ وَ لَا الْقَلَآئِدَ وَ لَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رِضْوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (المائدہ:2)

"بے حرمتی نہ کرو اللہ (تعالیٰ) کی نشانیوں کی اور نہ عزت والے مہینے کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو قصد کیے ہوئے ہیں بیت حرام کا، طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا اور جب احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی

قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انہوں نے روکا تھا تمہیں مسجد حرام سے"۔

کے نزول کے متعلق روایت ہے کہ جب مسلمانوں کو بیت اللہ کا طواف کرنے سے حدیبیہ سے ہی روک دیا گیا تو ان کے پاس سے مشرکین کا ایک گروہ گزرا جو عمرہ کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ مسلمانوں نے کہا "ہم انہیں روک دیتے ہیں جس طرح کہ ان کے ساتھیوں نے ہمیں روک دیا ہے یعنی تم ان عمرہ کرنے والوں کو نہ روکو، اگرچہ ان کے ساتھیوں نے تمہیں روک دیا ہے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی پر مامور تھے۔ قریش نے چالیس یا پچاس افراد بھیجے، ان میں مکرز بھی شامل تھا جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ ایک فاجر یا غادر شخص ہے" تاکہ یہ افراد مسلمانوں کے ارد گرد چکر لگائیں۔ شاید وہ کسی کو گرفتار کرلیں یا مسلمانوں کو غافل دیکھ کر ان پر حملہ آور ہو جائیں۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مکرز کے علاوہ سب کو گرفتار کرلیا اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیا۔ انہیں محبوس کردیا گیا جب قریش کو اپنے ساتھیوں کے بارے علم ہوا تو ان میں سے کچھ افراد آئے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تیر اندازی اور سنگ باری شروع کردی۔ ایک تیر سے حضرت ابن رسیم رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان میں سے بھی بارہ افراد گرفتار کرلیے۔

صلح نامہ

جب قریش مکہ نے اس بیعت کے متعلق سنا تو بہت خوفزدہ ہو گئے۔ اہل رائے نے انہیں اس شرط پر صلح کرنے کا مشورہ دیا کہ آپ اس بار واپس چلے جائیں آئندہ سال آئیں۔ مکہ مکرمہ میں تین روز قیام کریں۔ آپ کے پاس صرف مسافر کا اسلحہ ہو۔ تلواریں نیام میں، تیر ترکش میں رہیں" قریش نے سہیل بن عمرو عامری کو بھیجا۔ اس کے ہمراہ خویطب بن عبدالعزیٰ بھی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کے ہمراہ قریش کی ایک جماعت تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سہیل کو دوبار بھیجا گیا، ایک دفعہ وہ آیا۔ پھر قریش کے پاس گیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب سہیل آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قریش نے اس شخص کو دوسری بار بھیجا ہے وہ صلح کا ارادہ کیے ہوئے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل کے مابین طویل گفتگو ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا "تم ہمارے اور بیت اللہ کے مابین ہٹ کیوں نہیں جاتے تاکہ ہم بیت اللہ کا طواف کرلیں" سہیل نے کہا "تاکہ اہل عرب باتیں نہ کریں کہ ہمیں شدت اور مجبوری نے آلیا ہے، بلکہ آپ آئندہ سال تشریف لائیں" پھر جنگ نہ کرنے پر صلح ہو گئی۔ "یہ کہ مسلمانوں اور قریش کے مابین دس سال تک جنگ نہیں ہوگی۔ وہ امن سے رہیں گے۔ آپ اس سال واپس چلے جائیں، آئندہ سال آئیں اہل مکہ آپ کے لیے تین ایام کے لیے مکہ مکرمہ خالی کردیں گے۔ مسلمان صرف تلواریں لے کر آئیں گے وہ بھی نیاموں میں ہوں گی۔ سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی شرائط طے کیں۔ ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی "ہماری طرف سے آپ کے پاس جو شخص بھی جائے گا خواہ وہ آپ کے دین پر ہی ہو آپ اسے واپس کردیں گے" دوسرا قول یہ ہے کہ اس نے یہ شرط اس وقت لگائی جب صلح نامہ لکھا جا رہا تھا، جب صلح مکمل ہو گئی صرف صلح نامہ لکھنا باقی رہ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے کہا "کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول برحق نہیں" انہوں نے فرمایا "ہاں! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "کیا ہم مسلمان نہیں ہیں" انہوں نے فرمایا "ہاں" حضرت

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "پھر ہم اپنے دین میں یہ مذموم شرط کیوں قبول کریں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "عمر! آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رکاب کو لازم پکڑ لو" دوسری روایت میں ہے، انہوں نے فرمایا "عمر! بلاشبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں۔ آپ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، وہی آپ کا مددگار ہے۔ آپ کی رکاب کو تھام لو"۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کی "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول (مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، میں اس کے حکم کی مخالفت نہیں کروں گا۔ وہ مجھے ضائع نہیں فرمائے گا" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اوس بن خوالہ رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور انہیں صلح نامہ لکھنے کا حکم دیا۔ سہیل بن عمرو نے کہا "یہ صلح نامہ صرف آپ کے چچازاد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لکھیں گے۔ بعض روایات کے مطابق اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آ چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ صلح نام لکھنے کا حکم فرمایا۔ آپ نے فرمایا "لکھو! بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا "میں رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتا بلکہ باسمك اللّٰهم لکھیں۔ کیونکہ قریش یہی لکھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا "باسمك اللّٰهم نہیں بلکہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہی لکھا جائے گا" مسلمان پرجوش ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خاموش کرایا۔ فرمایا "یہ لکھو باسمك اللّٰهم" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لکھو" یہ وہ شرائط ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا "اگر میں مان جاتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو پھر آپ کے ساتھ جنگ نہ کرتا۔ آپ کو بیت اللہ سے نہ روکتا، بلکہ آپ اپنا اور اپنے والد گرامی کا نام لکھیں گے۔ دوسری روایت میں ہے، سہیل نے کہا "اگر میں جان لیتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو آپ کی مخالفت نہ کرتا۔ آپ کی اتباع کرتا، کیا آپ اپنے اسم گرامی اور والد ماجد کے نام سے اعراض کر رہے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یہ الفاظ مٹانے کی جرأت مجھ میں نہیں" یا انہوں نے عرض کی "میں یہ الفاظ کبھی نہیں مٹاؤں گا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ کاغذ مجھے پکڑاؤ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسول اللہ کے الفاظ مٹا دیئے، پھر فرمایا "لکھو یہ وہ شرائط ہیں جن پر (جانِ عالم) محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے" آپ نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا رسول (مکرم) ہوں، خواہ تم مجھے جھٹلاؤ۔ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بھی ہوں" حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ انہوں نے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھنے پر ہی اصرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ لکھو" ایک وقت آئے گا تم بھی ایسے حالات سے ہی دوچار ہو گے۔ اس وقت آپ مجبور ہوں گے" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی ایک نشانی ہے۔ یہ اس صلح کی طرف اشارہ تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونا تھی۔ یہ صلح جنگ صفین کے بعد ہوئی۔ ایک سال تک کے لیے ان کے مابین مصالحت ہوئی جب کاتب نے لکھا کہ یہ وہ شرائط ہیں جن پر امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے مابین صلح ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص نے کہا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ انہوں نے کہا "امیر المومنین نہ لکھو"۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی طرف یہی پیغام بھیجا کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نہیں لکھنا۔ میں نے انہیں امیر المومنین تسلیم نہیں کیا۔ اگر میں اقرار کر

لوں کہ وہ امیر المومنین ہیں پھر ان کے ساتھ جنگ کروں تو میں بہت برا آدمی ہوں بلکہ یہ لکھو "علی بن ابی طالب" امیر المومنین کے الفاظ مٹادیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا "امیر المومنین! امارۃ المومنین کے الفاظ نہ مٹائیں۔ اگر آپ نے یہ الفاظ مٹادیے، پھر دوبارہ آپ کے پاس کبھی نہ آسکیں گے" مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ سنی، کاتب سے فرمایا "یہ الفاظ مٹادو" پھر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ الفاظ یاد آ گئے جو آپ نے انہیں فرمایا تھا "علی! تم بھی ایسے ہی حالات سے دو چار ہوں گے" اس وقت آپ مجبور ہوں گے" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ اکبر! یہ حالات بھی اسی طرح کے حالات ہیں۔ اللہ کی قسم! میں حدیبیہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے صلح نامہ لکھ رہا تھا۔ جب کفار نے کہا تھا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں نہ ہی ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔ اپنا نام محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی) لکھیں" حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا "سبحان اللہ! آپ ہمیں کفار کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں" ان کے مابین جھگڑا ہونے لگا حتیٰ کہ یہ صلح نامہ امیر المومنین کے الفاظ کے بغیر ہی لکھا گیا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سچ ثابت ہو گیا۔

جب حدیبیہ کے روز حضرت علی نے اصرار کیا کہ وہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی لکھیں گے تو بعض مسلمانوں نے بھی ان کی موافقت کی۔ ان میں حضرات اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ وہ صرف محمد رسول اللہ ہی لکھیں گے، ورنہ ان کے اور ہمارے مابین تلوار فیصلہ کرے گی۔ مسلمان شور کرنے لگے، ان کی آواز بلند ہو گئی۔ انہوں نے کہا "ہم دین میں یہ ذلت قبول نہیں کریں گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پرسکون کرنے لگے۔ اپنے دست اقدس سے خاموش رہنے کا ارشارہ کرنے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبد اللہ لکھیں۔ انہوں نے محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لکھ دیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے آپ کا اسم گرامی لکھ دیا۔ مگر تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اس صلح نامہ کا ایک اور نسخہ لکھا تھا۔ کیونکہ سہیل نے کہا تھا "اس صلح نامہ کی ایک کاپی میرے پاس بھی ہو" حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کا ایک صلح نامہ اور بھی لکھ دیا تا کہ ایک کاپی مسلمانوں کے پاس بھی رہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست اقدس سے صلح نامہ لیا۔ بعض علماء نے ظاہر قول سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح نامہ کو اپنے دست اقدس سے لکھا۔ یہ آپ کا معجزہ ہے کیونکہ آپ پڑھے لکھے ہوئے نہ تھے۔ یہ قول ابوالولید الباجی المالکی نے کیا ہے۔ مگر اس وقت کے علمائے اندلس نے ان کی سخت گرفت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ مؤقف قرآن مجید کے مخالف ہے۔ انہوں نے ان علماء کے ساتھ مناظرہ کیا اور ان پر غالب آ گئے۔ انہوں نے کہا "یہ نظریہ قرآن کے مخالف نہیں ہے۔ وہ نفی ورود قرآن سے پہلے کے ساتھ مقید ہے۔ اور آپ کے امی ثابت ہو جانے سے پہلے کے ساتھ مقید ہے۔ جب قرآن پاک کا نزول ہوا اور آپ کا اُمّی ہونا ثابت ہو گیا تو پھر یہ کتابت آپ کا معجزہ شمار ہو گی۔ کوئی مانع نہیں کہ آپ کی کتابت معلم کے بغیر ہو۔ یہ آپ کا ایک اور معجزہ ہے۔ اس طرح آپ امی ہونے سے بھی نہیں نکل سکیں گے" البتہ جمہور علماء کرام کا مؤقف یہ ہے کہ وہ روایات جن میں یہ ذکر ہے کہ آپ نے صلح نامہ

اپنے ہاتھ میں لیا اور لکھا۔ اسے مجاز پر محمول کیا جائے گا یعنی آپ نے کاتب سے لکھوایا۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے اس امر کے ساتھ موافقت کر لی کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کو نہ لکھا جائے بلکہ باسمك اللّٰهم لکھا جائے۔ اسی طرح آپ نے محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی) لکھنے پر موافقت کر لی۔ اس میں ایک اہم مصلحت پنہاں تھی جو اس صلح سے حاصل ہونے والی تھی۔ جس سے رب تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو آگاہ کر دیا تھا۔ مگر وہ مسلمانوں سے مخفی تھی، حتیٰ کہ وہ شور و غل کرنے لگے۔ پوری قوم میں سے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کوئی بھی اس پر راضی نہ تھا۔ اس سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بلند مقام کا بھی علم ہوتا ہے۔ ممکن ہے رب تعالیٰ نے ان کے دل پر کشف فرما دیا ہو۔ اس صلح پر مرتب ہونے والے بعض اسرار سے آگاہ کر دیا ہو۔ جس طرح رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آگاہ فرما دیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کے حقدار بھی تھے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جو چیز بھی رب تعالیٰ نے میرے قلب منیر میں ڈالی، میں نے اسے حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے دل میں ڈال دیا"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "فتح حدیبیہ سے بڑھ کر اور بڑی کوئی فتح نہ تھی۔ لیکن مسلمانوں کی رائے اس سے قاصر رہی کہ وہ حضور ﷺ اور آپ کے رب العالمین کے مابین اسرار کو سمجھ سکیں۔ بندے جلدی کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ بندوں کی طرح جلدی نہیں کرتا حتیٰ کہ امور اس طرح ہو جائیں جس طرح وہ چاہتا ہے۔ میں نے حضرت سہیل بن عمرو کو حجۃ الوداع میں دیکھا، وہ منحر کے پاس کھڑے تھے۔ حضور ﷺ کی قربانی آپ کے قریب کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اپنے دست مبارک سے قربانی کے جانور ذبح فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے نائی کو بلایا، سر اقدس کا حلق کرایا۔ میں حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ حضور ﷺ کے موئے مبارک اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا رہے تھے۔ اس وقت مجھے حدیبیہ کا روز یاد آ گیا جب یہی سہیل بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے سے اور محمد رسول اللہ لکھنے سے روک رہا تھا۔ اس وقت میں نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی جس نے سہیل کو اسلام کی طرف ہدایت دی۔ اس کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، نہ لکھنے میں حرج بھی کوئی نہ تھا۔ اسی طرح "رسول اللہ" نہ لکھنے میں بھی نقصان کوئی نہ تھا بلکہ اس میں بہت بڑی مصلحت تھی۔ برائی تو اس وقت ہوتی جب یہ مشرکین ایسی چیز لکھنے کے لیے کہتے جو حلال نہ ہوتی"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لکھا "اس پر محمد بن عبد اللہ (فداہ روحی) نے صلح کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اس شرط پر کہ یہ قریش ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ہم اس کا طواف کر لیں" اس سے حضور ﷺ یہ اظہار فرمانا چاہتے تھے کہ آپ نے پہلے سہیل کے ساتھ کیا گفتگو کی ہے، تاکہ مسلمانوں کو علم ہو جائے کہ آپ نے اس صلح میں مسلمانوں کے لیے انتہائی سعی فرمائی ہے۔ سہیل نے کہا "بخدا! ہم آپ کو بیت اللہ کا طواف نہیں کرنے دیں گے، ورنہ اہل عرب باتیں کریں گے کہ آپ زبردستی داخل ہو گئے ہیں۔ بلکہ آپ آئندہ سال طواف کریں گے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بھی لکھ دیا۔ سہیل نے کہا "یہ شرط بھی ہے کہ ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس جائے گا آپ اسے ہمیں لوٹا دیں گے، اگرچہ وہ آپ کے دین پر ہی ہو۔ آپ کے پیروکاروں میں سے جو قریش کے پاس آ گیا قریش اسے واپس نہیں کریں گے"۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس شرط پر صلح کی ہے کہ تمہارا جو شخص ہمارے پاس آ گیا، ہم اسے نہیں لوٹائیں گے۔ لیکن جو ہمارا شخص تمہارے پاس جائے گا تم اسے واپس بھیج دو گے" صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول اللہ! کیا یہ لکھ لیں؟" آپ نے فرمایا "ہاں! جو ہم میں سے قریش کی طرف جائے گا اللہ تعالیٰ اسے دور کر دے گا، جو ان میں سے ہماری طرف آئے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشائش اور آسودگی پیدا فرما دے گا"۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جو شرائط سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طے کیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص بھی ہم میں سے آپ کے پاس جائے گا خواہ آپ کے دین پر ہی ہو، آپ اس کے اور ہمارے راستہ سے ہٹ جائیں گے" مسلمانوں نے اس شرط کو پسند نہ کیا۔ وہ غصہ میں آ گئے۔ مگر سہیل نے یہ شرط تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی شرط لکھوائی۔ مسلمانوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا "سبحان اللہ! اس شخص کو کیسے لوٹایا جائے گا۔ حالانکہ وہ مسلمان ہو کر آئے گا۔ حضرات عمر فاروق، اسید بن حضیر، سعد بن عبادہ، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی یہی بات کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! کیا آپ اس بات پر راضی ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا "جو ہم میں سے ان کے پاس جائے گا رب تعالیٰ اسے دور کر دے گا، جو ان میں سے ہمارے پاس آئے گا ہم اسے واپس کر دیں گے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسودگی اور کوئی سبیل پیدا فرما دے گا"۔ اس صلح نامہ میں ایک شرط وہ بھی تھی جسے امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں صرف تلوار کے ساتھ آئیں گے، وہ بھی نیام میں ہوگی، نیز یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی آپ کی اتباع کرنا چاہے تو وہ مکہ مکرمہ سے نہیں جائے گا۔ اگر صحابہ کرام میں سے کوئی مکہ مکرمہ میں اقامت اختیار کرنا چاہے تو اسے روکا نہیں جائے گا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے "صلح میں یہ شرط بھی شامل تھی کہ پہلے جو اسباب حرب گزر چکے ہیں ان پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اب نہ تو شمشیر زنی ہوگی، نہ ہی زرہیں پہنی جائیں گی، نہ چوری اور نہ ہی خیانت ہو گی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر دو فریق سرًا اور اعلانیۃً نفوس اور اموال کے متعلق ایک دوسرے سے محفوظ ہوں گے۔ نیز یہ شرط بھی شامل تھی کہ جو قبیلہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معاہدہ کرنا چاہے وہ آپ سے معاہدہ کرے، جو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ بنو خزاعہ جلدی سے اٹھے، انہوں نے کہا "ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کریں گے"۔ اس طرح بنو بکر اٹھے اور انہوں نے کہا "ہم قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیتے ہیں" یہ شرط بھی شامل تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سال واپس چلے جائیں گے، مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوں گے، اگلے سال مسافر کا اسلحہ ہوگا۔ تلواریں نیام میں ہوں گی اور فریقین کے مابین دس سال تک جنگ نہ ہوگی۔ ایک اور روایت میں چار سال کا ذکر ہے۔ لوگ امن سے رہیں گے"۔

اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت کارفرما ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل کے ساتھ ان شرائط پر صلح کی جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص بھی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ جائے گا، مسلمان اسے واپس کر دیں گے؟ امام نووی نے علماء کرام سے اس کا جواب یہ نقل کیا ہے "اس صلح میں جو مصلحت مخفی تھی اس کے ان گنت ثمرات اور بے شمار فوائد تھے، جن سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی آگاہ تھے۔ صحابہ کرام سے وہ مخفی تھی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کی شرائط کے مطابق صلح کی۔ صلح سے قبل وہ

مسلمانوں کے ساتھ مل نہیں سکتے تھے۔ نہ ہی وہ حضور ﷺ کے امور سے آگاہ ہو سکتے تھے کہ وہ کیسے ہیں؟ نہ ہی وہ کسی ایسے فرد کے پاس آسکتے تھے جو آپ کے امور کو تفصیل سے جانتا ہو۔ جب یہ صلح مکمل ہو گئی تو مشرکین مسلمانوں کے ساتھ ملنے لگے۔ وہ مدینہ طیبہ آنے لگے۔ مسلمان مکہ مکرمہ جانے لگے۔ وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کرنے لگے۔ مشرکین نے ان سے آپ کے معجزات، احوال، علامات نبوت، حسن سیرت اور اخلاق کریمانہ کے متعلق سنا۔ خود بھی بہت سے امور کا مشاہدہ کیا۔ ان کے نفوس ایمان کی طرف راغب ہو گئے۔ حتیٰ کہ فتح مکہ سے قبل بہت سے لوگ ایمان لے آئے۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین جلیل القدر ہستیوں مثلاً حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کر لیا۔ جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا ان کا میلان اسلام کی طرف ہو گیا، فتح مکہ کے روز ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ میلان پہلے ہی رکھتے تھے۔ اہل عرب اپنے اسلام کو قریش کے اسلام کے ساتھ ملاتے تھے کیونکہ وہ انہیں قوی اور صاحب رائے سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے "کسی شخص کے بارے اس کی قوم سب سے بہتر جانتی ہے" جب قریش اسلام لے آئے تو سارے عرب نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ (النصر)

"جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج"۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جب اللہ رب العزت اپنے محبوب کریم ﷺ کی ان دشمنوں کے خلاف مدد کرے گا تو لوگ گروہ در گروہ دین متین میں شامل ہونے لگیں گے۔ پھر اسی طرح ہوا۔ فتح مکہ کے بعد لوگ اکناف عالم سے آنے لگے۔ یہ صلح ہی فتح مکہ کا سبب بنی۔ حکمت بالغہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ ہی آگاہ ہیں۔ مسلمانوں کو بیت اللہ سے روک دینا بظاہر مسلمانوں کی مغلوبیت نظر آتی ہے، لیکن در حقیقت یہی مسلمانوں کے لیے عزت اور غلبہ ہے۔ مشرکین نے اپنے لیے عزت کا ارادہ کیا مگر رب تعالیٰ نے انہیں ذلیل کر دیا۔ انہوں نے غلبہ کا عزم کیا لیکن رب تعالیٰ نے انہیں مغلوب کر دیا۔

"وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون وللہ الحمد والمنۃ علی ما انعم بہ وتفضل"۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی اسیری

امام بخاری نے لکھا ہے کہ شروط طے کرتے وقت جبکہ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابھی صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ آگئے۔ ان کا نام عاص بن سہیل بن عمرو تھا۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے باپ نے انہیں محبوس کر رکھا تھا اور ہجرت سے روک رکھا تھا۔ انہیں زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا۔ جب انہوں نے سنا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں ہیں تو یہ کسی نہ کسی طرح قید خانہ سے نکل آئے۔ پہاڑی رستہ اختیار کیا اور مسلمانوں کے پاس آکر گر پڑے۔ انہیں دیکھ کر مسلمانوں نے بڑی فرحت و انبساط کا اظہار کیا۔ سہیل نے اپنے فرزند دلبند کو دیکھا تو ان کی طرف گیا۔

ان کے چہرے پر شدید ضربیں لگانے لگا حتیٰ کہ مسلمانوں کے دل ان کے لیے نرم ہو گئے۔ مسلمان بھی رونے لگے۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے وہ کپڑے اکٹھے کیے جو وہ پہنے ہوئے تھے۔ انہیں اپنے سینہ پر رکھ دیا۔ سہیل نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ پہلی چیز ہے جس پر میں آپ کو حکم بناتا ہوں کہ آپ میرا بیٹا واپس کر دیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابھی تک ہم صلح نامہ کی کتابت سے فارغ نہیں ہوئے'' سہیل نے کہا ''پھر میں کسی چیز پر کبھی صلح نہیں کروں گا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسے اجازت دے دے'' سہیل نے کہا: ''میں کبھی بھی اسے اجازت نہیں دوں گا'' آپ نے فرمایا ''اسے اجازت دے دو'' اس نے کہا ''ہرگز نہیں'' مکرز اور حویطب نے کہا ''ہم اسے اجازت دیتے ہیں'' انہوں نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور انہیں خیمہ میں داخل کر دیا۔ مگر سہیل نے ان کی اجازت تسلیم نہ کی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان دونوں نے اس لیے اجازت دی تھی تا کہ ان کا باپ انہیں اذیت نہ دے، وہ اپنے باپ کی اطاعت کرنے لگیں۔ یہی مکرز کا وہ گناہ تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر کیا تھا، یہی اس کا نفاق تھا، اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف تھا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر سہیل نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے آنے سے قبل آپ کے اور میرے مابین صلح مکمل ہو چکی تھی'' آپ نے فرمایا ''تو نے سچ کہا ہے'' سہیل برابر اصرار کرنے لگا تا کہ آپ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیں۔ جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کا عزم مصمم دیکھا تو انہوں نے کہا ''اے گروہ مسلمین! کیا مجھے مشرکین کی طرف لوٹا دیا جائے گا، حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ مجھے کیسے حالات کا سامنا ہے؟ انہیں راہ خدا میں شدید اذیتیں دی گئیں۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند کہا ''اے مسلمانوں کے گروہ! کیا مجھے مشرکین کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا۔ وہ مجھے دین کے بارے فتنہ میں مبتلاء کر دیں گے'' یہ سن کر صحابہ کرام کے دلوں میں مزید رقت پیدا ہو گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''صبر کرو، حصول ثواب کی امید رکھو، ہم دھوکہ نہیں دیتے، تمہارے آنے سے قبل صلح مکمل ہو چکی تھی۔ میں نے تمہارے باپ سے کہا ہے کہ تم سے رویہ نرم رکھے۔ مگر اس نے انکار کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ دیگر کمزور مسلمانوں کے لیے آسائش اور کشادگی پیدا فرما دے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے پہلو میں گئے، انہوں نے کہا ''ابوجندل صبر کرو، یہ مشرک ہیں، ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے'' وہ ان کے قریب تلوار کرتے رہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے امید تھی کہ وہ تلوار پکڑ لیں گے اور اس کے ساتھ اپنے باپ کا کام تمام کر دیں گے'' وہ کہنے لگے ''ایک شخص اپنے باپ کو قتل کر سکتا ہے۔ بخدا! ہم نے اپنے آباء کو پایا، انہیں راہ خدا میں قتل کر دیا۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا ''آپ میرے باپ کو قتل کیوں نہیں کر دیتے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اور کسی اور کے قتل سے منع کیا ہے'' حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے کہا ''آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنے کے مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہیں'' شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے والد کو قتل کرنا جائز سمجھا۔ کیونکہ اس کا ارادہ تھا وہ انہیں دین سے برگشتہ کر دے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''ابوجندل! صبر کرو اور حصول ثواب کی امید رکھو'' پھر حضرت ابوجندل مکرز اور حویطب کی پناہ میں مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ اور ان کے والد کی

طرف سے ان کا دفاع کیا۔ اس داستان کے آخر میں آئے گا کہ صلح کے زمانہ میں حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ سے بھاگ گئے تھے۔ ان کے ہمراہ کمزور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تھی۔ وہ حضرت ابوبصیر کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے قریش کے تجارتی کارواں کا راستہ تنگ کر دیا، حتیٰ کہ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لکھا "ہم آپ کو صلہ رحمی کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ انہیں اپنے ہاں بلا لیں۔ سہیل بن عمرو کے ایک اور فرزند بھی تھے۔ جن کا نام حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ تھا۔ وہ اسلام کے آغاز میں ہی مسلمان ہو گئے تھے مگر اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں مشرکین کے ساتھ نکلے۔ میدان بدر میں پہنچ کر چپکے سے نکل کر صحابہ کرام میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے غزوۂ بدر اور سارے غزوات میں شرکت کی۔ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کا نام عاص تھا۔ انہوں نے فتح مکہ میں شرکت کی، پھر قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ اس سے اسی مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ بیعت رضوان صلح سے پہلے تھی۔ اسی وجہ سے قریش صلح کرنے پر راضی ہو گئے۔ مواہب میں ایسا تذکرہ ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ بیعت صلح کے بعد ہوئی تھی۔ وہ مکتوب گرامی جسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ لے کر آ گئے تھے۔ وہ اس صلح کو شامل تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل کے مابین ہوئی تھی۔ قریش نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کو محبوس کر دیا۔

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں "اس بات میں جو کچھ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے" جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صلح سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام میں سے بعض کو اس پر گواہ بنایا۔ آپ نے مسلمانوں کی طرف حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور محمد بن مسلمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گواہ بنایا جبکہ مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ، مکرز بن حفص کو بطور گواہ مقرر فرمایا۔ یہ صلح ہونے تک بہت سے مسلمانوں نے توقف کیا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے رہے اور عرض کرتے رہے کہ آپ یہ شرائط تسلیم نہ کریں۔ بالخصوص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی بار آئے اور گزارش کی۔ انہوں نے عرض کی "کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں" آپ نے فرمایا "ہاں" انہوں نے عرض کی "کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" انہوں نے عرض کی "کیا ہمارے مقتول (شہداء) جنت میں اور ان کے مقتول آگ میں نہیں ہیں" آپ نے فرمایا "ہاں" پھر اپنے دین میں ہم یہ کمزوری کیوں قبول کریں۔ واپس کیوں لوٹ چلیں۔ جبکہ ابھی تک رب تعالیٰ نے ہمارے مابین فیصلہ نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا، وہی میرا مددگار ہے" میں نے عرض کی "کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا نہیں تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے" یعنی وہ خواب جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں نے یہ بتایا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "نہیں" آپ نے فرمایا "تم بیت اللہ آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے" کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہے کہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ آپ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا جب صحابہ کرام نے یہ صلح دیکھی تو انہیں عظیم امر کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔ ان پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے اس کی وجہ سے عظیم امر کا

سامنا کرنا پڑا۔ میں نے حضور ﷺ سے اتنی بحث کی کہ پہلے اتنی بحث نہیں کی تھی۔ مجھے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا ''ابن خطاب! آپ سن نہیں رہے کہ حضور ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو'' میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے لگا۔

بزار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''دین پر اپنی رائے فدا کر دو۔ میں حضور ﷺ کے امر کو اپنی رائے سے رد کرتا رہا۔ آپ راضی تھے۔ مگر میں برابر انکار کرتا رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''عمر! تم دیکھ رہے ہو کہ میں راضی ہوں اور تم انکار کر رہے ہو'' دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ابن خطاب! میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حالت غصہ میں واپس آ گئے۔ ان سے صبر نہ ہو سکا حتیٰ کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان سے کہا ''ابوبکر! کیا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ''ہاں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے'' انہوں نے کہا ''ہاں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''پھر ہم دین میں یہ کمزوری کیوں قبول کریں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''ارے شخص! آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ آپ کی رکاب کو لازم پکڑ لو۔ آپ کا دامن نہ چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ ﷺ حق پر ہیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیا آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمایا کہ ہم عنقریب بیت اللہ جائیں گے۔ اس کا طواف کریں گے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہاں! کیا آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ہم اسی سال جائیں گے'' میں نے کہا ''نہیں'' حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم ضرور مکہ مکرمہ جاؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے'' انہوں نے وہی جواب دیا جو حضور ﷺ جواب ارشاد فرما چکے تھے۔

اس روایت سے یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پہلے حضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ جبکہ پہلے صحیح روایت گزر چکی ہے کہ وہ پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کرنا جائز ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بار بار آتے رہے۔ وہ پہلے اور بعد میں کئی بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بالکل وہی جواب دیا جو حضور ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا تھا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم کے اعتبار سے صحابہ کرام سے اکمل تھے۔ وہ سب سے زیادہ حضور ﷺ کے احوال کو جاننے والے تھے۔ امور دین سے سب سے زیادہ آشنا تھے۔ امر الٰہی کے ساتھ ان کی موافقت سب سے زیادہ شدید تھی۔ یہ ایسے عظیم دلائل ہیں جو آپ کے فضل، علم، عرفان، رسوخ اور ہر چیز میں دوسروں سے فزوں تر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ مسلمانوں نے اس صلح کو بہت عجیب سمجھا۔ ان کی رائے وہی تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے سے موافقت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قلب انور بالکل حضور ﷺ کے قلب اطہر پر تھا۔ پہلے ابن دغنہ کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہی

اوصاف بیان کیے تھے جو خوبیاں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کیں تھیں۔ مثلاً صلہ رحمی، مساکین کا بوجھ اٹھانا، حق کے امور کی مدد کرنا وغیرہ۔ جب ابتداء میں صفات کی مشابہت تھی تو یہ مشابہت انتہاء تک برقرار رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علمی جلالت اور قدر و شرف کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا پہلے صرف ان کے پاس ہی آئے۔ کسی اور کے پاس نہیں گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی ناراضگی دین کی نصرت میں قوت اور کافروں کی ذلت و رسوائی کی وجہ سے ظاہر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اور کلام دین میں کسی شک یا تردد کی وجہ سے نہ تھا۔ حاشا و کلا۔

ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب کو لازم پکڑو''۔ توانہوں نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کا سوال صرف اس لیے تھا کہ وہ مصلحت ان کے لیے آشکارا ہو جائے۔ آپ کافروں کو ذلیل کرنے اور اسلام کے غلبہ کے لیے ابھارتے تھے۔ ان کی عادت یہی تھی۔ دین کی نصرت میں ان کی قوت اور کفار کو ذلیل کرنے کے لیے ان کی طاقت سب پر عیاں تھی۔ اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ علم میں بحث کرنا جائز ہے حتیٰ کہ معنی ظاہر ہو جائے۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس گفتگو کی وجہ سے میں لگاتار اعمال حسنہ کرتا رہا'' ابن اسحاق نے لکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا ''میں لگاتار صدقہ دیتا رہا، روزہ رکھتا رہا، نماز پڑھتا رہا، غلام آزاد کرتا رہا۔ کیونکہ مجھے اس کلام کی وجہ سے خطرہ تھا جو میں نے اس روز کیا تھا حتیٰ کہ مجھے میں بھلائی کی امید پیدا ہوگئی''۔

علامہ واحدی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس کے لیے میں غلام آزاد کرتا رہا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھتا رہا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اعمال صالحہ اس لیے سرانجام دیے کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو ماننے میں جلدی کرنے میں توقف کیا۔ اگرچہ آپ سے جو کچھ صادر ہوا تھا آپ اس میں معذور تھے۔ بلکہ ماجور تھے۔ کیونکہ آپ مجتہد تھے۔ آپ نے توقف اس لیے کیا تھا تاکہ آپ کے لیے حکمت آشکارا ہو جائے۔ آپ کا شبہ زائل ہو جائے''۔

احرام سے فراغت

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح اور گواہ بنانے سے فارغ ہوئے۔ سہیل بن عمرو کی طرف سے فارغ ہوئے تو قربانی کے جانوروں کی طرف گئے۔ انہیں ذبح کیا۔ ان جانوروں میں ابوجہل کا وہ اونٹ بھی تھا جو مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں مال غنیمت میں ملا تھا۔ اس کی نکیل چاندی یا سونے کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قربانی کے جانوروں میں شامل کر لیا تھا۔ تاکہ یہ مشرکین کے لیے غیظ و غضب کا سبب بن سکے۔ یہ اونٹ حدیبیہ سے بھاگ گیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا تھا۔ یہ ابوجہل کے گھر کے پاس چلا گیا تھا۔ حضرت عمرو بن غنمہ انصاری رضی اللہ عنہ اس کے تعاقب میں نکلے۔ مکہ معظمہ کے بے وقوفوں نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ سہیل بن عمرو نے کہا ''یہ اونٹ واپس کر دو''۔ قریش مکہ نے گراں قدر کپڑے دے کر اس اونٹ کو بچانا چاہا۔ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر ہم نے قربانی کے جانوروں میں اسے شمار نہ کیا ہوتا تو ضرور واپس کر دیتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ سہیل بن عمرو نے قریش سے کہا "اگر اس اونٹ کو بچانا چاہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سو اونٹ پیش کرو۔ اگر وہ قبول کر لیں تو یہ اونٹ اپنے پاس رکھ لو ورنہ اسے چھوڑ دو۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سو اونٹ پیش کیے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ فرمایا "اگر اس اونٹ کو قربانی کے جانوروں میں شمار نہ کیا ہوتا تو میں ایک سو اونٹ قبول کر لیتا"۔ کفار مکہ نے وہ اونٹ واپس کر دیا۔ آپ نے اسے ذبح کر دیا۔ اس کا گوشت تقسیم کیا۔ دیگر جانوروں کا گوشت بھی ان فقراء میں تقسیم کر دیا جو حدیبیہ میں حاضر ہوئے تھے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے بنو اسلم کے ایک شخص کے ساتھ بیس اونٹ مکہ مکرمہ بھیجے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے صلح نامہ کی کتابت کے بعد صحابہ کرام کو تین بار نحر اور حلق کا حکم دیا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی نہ اٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدید غصہ کی حالت میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ لیٹ گئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ خیریت سے تو ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی اس حالت کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "مسلمان ہلاک ہو گئے۔ میں نے انہیں قربانی کرنے اور حلق کرانے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے نہ کیا" دوسری روایت کے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ام سلمہ! تعجب ہے کیا تم لوگوں کو نہیں دیکھ رہیں۔ میں انہیں ایک کام کا حکم دیتا ہوں۔ مگر وہ اسے بجا نہیں لاتے۔ میں نے انہیں کہا "قربانی کرو، حلق کرو اور احرام کھول دو۔ مگر ان میں سے کسی ایک نے بھی مجھے جواب نہ دیا۔ وہ میری بات سنتے ہیں مگر میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہیں" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ انہیں ملامت نہ فرمائیں۔ انہیں ایک عظیم امر کا سامنا ہے۔ اس صلح اور فتح کے بغیر انہیں واپس جانا گراں لگ رہا ہے" پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہوئے عرض کی "آپ خیمہ سے باہر تشریف لے جائیں، کسی سے ہم کلام نہ ہوں، اپنی قربانی ذبح کریں۔ سر اقدس کا حلق کرائیں" آپ نے اس طرح کیا۔ اپنا نیزہ لیا، قربانی کے جانور کی طرف گئے، اپنی آواز مبارک یوں بلند فرمائی۔ بسم اللہ واللہ اکبر" پھر وہ نیزہ اپنے جانور کو مار دیا۔ پھر حضرت خراش خزاعی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اپنے سر اقدس کا حلق کرایا اور اپنے موئے مبارک درخت پر رکھ دیے۔ لوگ ان گیسوئے پاک کے حصول کے لیے ان کے ارد گرد منڈلانے لگے۔ ان میں سے کچھ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے حاصل کر لیے، وہ ان زلفانِ معنبر کو دھو کر وہ پانی مریض کو پلاتیں تو وہ مریض شفایاب ہو جاتا۔ آپ نے مقام حدیبیہ میں ستر جانور ذبح فرمائے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے قربانی کر لی ہے۔ حلق کرا لیا ہے۔ وہ بھی اٹھے۔ انہوں نے قربانیاں کیں اور حلق کرائے۔ وہ ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے۔ قریب تھا کہ وہ اژدہام اور آپ کی اقتداء کرنے میں جلدی کی وجہ سے باہم لڑنے لگتے۔ انہوں نے یہ قربانیاں مقام حدیبیہ میں کیں تھیں۔ امام مالک کے موقف کے مطابق یہ جگہ حرم میں شامل ہے۔ جبکہ امام شافعی کے نظریہ کے مطابق اس کا کچھ حصہ حرم اور کچھ حصہ حل میں شامل ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کرنے کا حکم دیا۔ مسلمان قربانی کے جانور حرم کی طرف لے گئے۔ مشرکین مکہ ان کی طرف آئے اور انہیں وہیں روک دیا۔ آپ نے اسی جگہ قربانی

کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب قربانی کے جانوروں کو بیت اللہ سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح بیت اللہ کے مشتاق ہوئے جس طرح وہ اپنی اولاد کے مشتاق ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی جگہ قربانی کر دی اور یہ مقام حدیبیہ ہی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اکثر قربانیاں یہاں کیں۔ ابن سعد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو اسلم کے ایک شخص کے ہمراہ بیس اونٹ مکہ مکرمہ بھیجے تاکہ انہیں مروہ کے پاس ذبح کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آندھی بھیجی۔ اس نے ان کے بال اٹھائے اور انہیں حرم میں پھینک دیا، حالانکہ مشرکین انہیں حرم میں داخل ہونے سے روک رہے تھے۔ مسلمان اپنے عمرہ کی قبولیت کی وجہ سے ایک دوسرے کو مبارکیں دینے لگے۔

امام زرقانی نے تحریر کیا "اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک بال نہیں۔ کیونکہ وہ تو صحابہ کرام نے حاصل کر لیے تھے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے آپ کے اکثر موئے مبارک حاصل کر لیے ہوں۔ بقیہ ہوا نے حرم میں بکھیر دیے ہوں۔ بعض صحابہ کرام نے حلق کرایا۔ بعض نے قصر کرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ حلق کرانے والوں پر رحم کرے" صحابہ کرام نے عرض کی "قصر کرانے والوں پر بھی" آپ نے پھر فرمایا "رب تعالیٰ حلق کرانے والوں پر رحم کرے" صحابہ کرام نے عرض کی "قصر کرانے والوں پر بھی" آپ نے فرمایا "قصر کرانے والوں پر بھی وہ رحم کرے" ایک روایت کے مطابق آپ نے چوتھی بار اس طرح فرمایا۔ صحابہ کرام نے امر کے بعد توقف کیا۔ کیونکہ ان کا گمان تھا کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے یا انہیں امید تھی کہ صلح کو ختم کرنے کے لیے وحی کا نزول ہو یا انہوں نے سمجھا ہو کہ یہ ان کے لیے تخصیص ہے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال مکہ مکرمہ جانے کا اذن دیا تھا۔ تاکہ ان کی قربانیاں مکمل ہوں۔ یہ بات ان میں پھیل گئی۔ کیونکہ یہ نسخ کے وقوع کا زمانہ تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ صورت حال نے انہیں مبہوت کر دیا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ غور و فکر میں مستغرق ہوں۔ کیونکہ انہیں اپنی اہانت کا احساس ہو رہا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس اتنی قوت تھی کہ وہ طاقت کے ساتھ غلبہ پا سکتے تھے یا یہ کہ مطلق امر فوراً کام کرنے کا تقاضا نہیں کرتا۔ ان احتمالات کا جمع ہونا بھی بعید از امکان نہیں، یا انہوں نے سمجھا ہو کہ آپ نے انہیں احرام کھول دینے کا حکم ان کے حق میں رخصت پر عمل کرتے ہوئے دیا ہو اور آپ خود عزیمت پر عمل کرتے ہوئے حالت احرام میں ہی ہوں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حرام کھول دینے کی طرف اشارہ کیا ہو تاکہ یہ احتمال ختم ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کیا۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دیکھا تو آپ کے حکم پر عمل پیرا ہونے میں جلدی کی۔ جبکہ اب کوئی انتہاء باقی نہ رہی ہو جس کے وہ منتظر ہوں۔ اس کی مثال فتح مکہ میں موجود ہے۔ جب آپ نے انہیں روزہ افطار کرنے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آپ نے پانی نوش فرمایا تو انہوں نے بھی پانی پی لیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے مشاورت کی۔ اس سے مشاورت کی فضیلت عیاں ہوتی ہے۔ فاضلہ خاتون کے مشورہ کی فضیلت آشکارہ ہوتی ہے۔ اس سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور عقل و دانائی کی صلاحیتوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ امام الحرمین نے فرمایا "ہم کسی عورت کو نہیں جانتے جس نے کسی رائے کا اظہار کیا ہو اور وہ درست ہو سوائے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے"۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے حضرت شعیب علیہ السلام کی نورِ نظر کا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے بارے مشورہ کا ذکر کر کے حضرت امام الحرمین کے قول کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب انہوں نے والد گرامی سے کہا تھا "والد محترم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھ لیں جسے آپ اجرت پر رکھیں بہترین وہ ہے جو قوی اور امین ہو"۔

بیعت رضوان کی فضیلت

بیعت رضوان سے ان صحابہ کرام کی فضیلت بھی آشکارا ہوتی ہے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18)

"یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے"۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے روز فرمایا "تم روئے زمین میں سے بہترین ہو" امام مسلم وغیرہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے "وہ آگ میں نہیں جائے گا جس نے غزوۂ بدر اور بیعت رضوان میں شرکت کی" امام احمد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حدیبیہ کے مقام پر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رات کے وقت آگ نہ جلاؤ" اس کے بعد فرمایا "آگ جلاؤ اور کھانا تیار کرو۔ تمہارے بعد کوئی قوم تمہارے مد اور صاع کو نہیں پہنچ سکے گی" امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی ان میں کوئی بھی آگ میں نہیں جائے گا"۔

بعض رافضیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر قدح کی ہے کہ وہ اس بیعت میں شریک نہ ہوئے تھے۔ جس طرح انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی تھی۔ ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ بیعت ہوئی ہی ان کے لیے تھی۔ جب کہ ان کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ یہ بیعت اس لیے ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے بیعت کی تھی۔ آپ نے فرمایا "یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے" پھر ایک دست اقدس کو دوسرے دست اقدس پر رکھ دیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انہیں بیعت بھی کیا جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے۔ انہیں بیعت رضوان سے خارج کرنا فحش خطا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے۔ یہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ کیونکہ آپ کی لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اصحاب بدر میں شمار کیا۔ اور مال غنیمت میں سے ان کا حصہ بھی نکالا۔ آپ کو بدری صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہیں ان صحابہ کرام میں شمار نہ کرنا بڑی لغزش ہے۔ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی آتش جہنم میں نہیں جائے گا تو اس میں صحابہ کرام کے لیے جنت کی بشارت ہے۔ عشرہ مبشرہ سے مراد یہ ہے کہ ایک حدیث طیبہ میں ہی ان دس صحابہ کرام کے نام ذکر کیے گئے جنہیں جنت کی بشارت سنائی گئی۔ مثلاً "ابوبکر فی الجنۃ۔۔۔ الخ" ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ کوئی غزوہ بھی غزوۂ بدر کے ہم پلہ نہیں ہو سکتا سوائے حدیبیہ کے، کیونکہ اس میں بیعت رضوان ہوئی تھی۔ دیگر علماء نے

فرمایا ہے کہ غزوۂ احد حدیبیہ سے فاضل ہے۔ یہ غزوہ فضیلت میں غزوۂ بدر کے ساتھ ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے مقام حدیبیہ میں دس سے زائد روز قیام فرمایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے بیس روز قیام کیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سارے غزوہ میں 1\1/2 (ڈیڑھ ماہ) صرف ہوا۔ پھر آپ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام کے دلوں میں فتح نہ ہونے کی وجہ سے اضطراب تھا۔ اس فتح میں انہیں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ اللہ رب العزت نے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے مابین کراع الغمیم کے مقام پر سورۃ الفتح نازل فرمائی۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق یہ سورت ضجنان کے مقام پر نازل ہوئی۔

امام بخاری نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ''آج مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی جو مجھے ہر اس چیز سے پیاری ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے''۔ پھر آپ نے تلاوت فرمائی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝

فتح سے مراد کیا ہے؟ اس میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے۔ حضرات ابن عباس، انس، براء بن عازب رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد فتح حدیبیہ اور وقوع صلح ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ لغت میں فتح سے مراد بند چیز کو کھولنا ہے۔ صلح بند تھی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اسے کھول دیا۔ اس فتح کا سبب مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنا ہے۔ ظاہراً اس میں مسلمانوں کی مغلوبیت نظر آتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ان کے لیے عزت ہے۔ امن کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ مسلمانوں نے مشرکین کو قرآن پاک سنایا۔ مطمئن ہو کر ان کے ساتھ بحث ومباحثہ کیا۔ حالانکہ پہلے وہ مشرکین کے ساتھ صرف چھپ کر ہی گفتگو کر سکتے تھے۔ جو اسلام کو چھپاتا تھا وہ اس کا اظہار کرنے لگا۔ مشرکین نے عزت کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ رسوا ہو گئے۔ وہ غلبہ کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ لیکن وہ مغلوب ہو گئے۔ منافقین کا گمان تھا کہ اب حضور ﷺ اور اہل ایمان اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی بھی واپس نہ آسکیں گے۔ بلکہ سارے شہید کر دیے جائیں گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ حدیبیہ سے واپسی پر اس سورت کا نزول ہوا۔ اس کے وقوع کے تحقیق کی وجہ سے اسے ماضی سے تعبیر کیا۔ اس میں جو فتح مکہ کی عظمت اور رفعت ہے وہ سب پر آشکارا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے اہل مکہ کے متعلق آپ کے لیے ایک واضح فیصلہ کر دیا ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام فتح کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔ صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''تم فتح سے مراد فتح مکہ لیتے ہو۔ وہ بھی فتح ہے۔ مگر ہم اس فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے ہیں''۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''اس فتح سے کون سی فتح مراد ہے؟ اس میں قدیم زمانہ سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ اختلاف آیات کے معنی مراد میں ہے'' اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ ''میں فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے کیونکہ صلح کے بعد امن قائم ہو گیا۔ مشرکین کے ساتھ جنگ کا خاتمہ ہوا جو اسلام قبول کرتے ہوئے ڈرتا تھا اس کے لیے امن کا پیغام ملا۔ مدینہ طیبہ جانا اس کے لیے آسان ہو گیا۔ فتح کا یہ عمل تسلسل سے جاری رہا حتیٰ کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ سے مراد فتح خیبر ہے۔ اسی غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زیادہ مال غنیمت ملا تھا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً

یَّأْخُذُوْنَهَا۔

امام احمد، ابوداؤد اور امام حاکم نے حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "ہم نے حدیبیہ میں شرکت کی۔ جب ہم واپس لوٹے تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع الغمیم کے مقام پر کھڑے ہوئے دیکھا۔ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ آپ انہیں سورۃ الفتح پڑھ کر سنا رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کی "یارسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ یہ فتح ہے"۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے تو عرض کی "یارسول اللہ! ہم آپ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں" حضرت جبرائیل امین نے مبارک باد پیش کی تو دوسرے لوگ بھی مبارک باد عرض کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ، امام زہری اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "ہم صلح حدیبیہ سے واپس آرہے تھے۔ ایک شخص نے کہا "یہ فتح تو نہیں۔ ہمیں بیت اللہ سے روک دیا گیا"۔ ہمارے جانوروں کو روک دیا گیا۔ آپ اپنے دو صحابہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کی بات پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس نے کتنی بری بات کی ہے۔ بلکہ یہ اعظم الفتح ہے۔ مشرکین راضی ہو گئے ہیں کہ وہ تمہیں اپنی ہتھیلی کے ساتھ اپنے شہروں سے دور کر دیں۔ تمہارے ساتھ صلح کا ارادہ کریں۔ امان میں تمہاری طرف رغبت کریں۔ انہوں نے تمہاری طرف سے وہ چیز دیکھی جو انہیں سخت ناپسند تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان پر فتح دی۔ تمہیں صحیح وسالم اور اجر وثواب دے کر واپس لوٹایا۔ یہ سب فتوح سے بڑھ کر فتح ہے۔ کیا تمہیں غزوۂ احد کا روز بھول گیا ہے۔ جبکہ تم بھاگتے جا رہے تھے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔ میں تمہیں پیچھے سے بلا رہا تھا۔ کیا تم غزوۂ خندق کو بھول چکے ہو۔ جب دشمن تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے سے آ گئے۔ آنکھیں چندھیا گئیں تھیں۔ دل حلقوم تک پہنچ گئے تھے۔ تم رب تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے" مسلمانوں نے عرض کی "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ اللہ کی قسم! یا نبی اللہ! یہ سب فتحوں سے عظیم فتح ہے۔ جس طرح آپ نے غور و فکر کیا ہے۔ ہم نے اس طرح سوچ وبچار نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العزت کا سب سے زیادہ عرفان رکھتے ہیں اور اس کے امر کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

حضرت سعید بن منصور نے صحیح سند کے ساتھ امام شعبی سے روایت کیا ہے کہ اس سے پہلے ایسی کوئی فتح نہیں جو اس فتح سے عظیم ہو۔ جب بھی لوگ ملے، باہم قتال ہوا۔ جب یہ صلح ہوئی تو مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ ختم ہو گئی۔ لوگ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ وہ گفتگو میں ایک دوسرے سے شرکت کرنے لگے۔ ہر صاحب دانش اور ذو عقل شخص ان دو سالوں میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ ان دو سالوں میں اتنے زیادہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے جتنے اس سے قبل سارے عرصہ میں داخل ہوئے تھے یا اس سے زائد لوگوں نے اسلام کا اجالا پالیا۔ جب آپ صلح حدیبیہ کے لیے تشریف لائے تو آپ کے ہمراہ چودہ سو صحابہ کرام تھے۔ جب دو سال بعد فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر جرار تھا۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ کی پیش رو تھی۔ جس کے بعد لوگ فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ کا مقدمہ تھا۔ اس کو فتح اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ مقدمہ کا ظہور ظہور ہی ہوتا ہے۔

عجیب معجزہ

روایت ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر قیام کے دوران صحابہ کرام کو سخت بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں بھوک کی شدت نے آلیا ہے۔ آپ ہمارے لیے اونٹ ذبح فرمادیں تاکہ ہم اس کا گوشت کھائیں۔ اس کی چربی بطور تیل استعمال کریں اور اس کے چمڑے سے جوتے بنائیں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! اونٹ ذبح کرنے کی اجازت نہ دیں۔ لوگوں میں زائد سواریاں ہونا بہتر ہے۔ اگر کل ہم نے دشمن کے ساتھ ملاقات کی تو ہم پیادہ بھی ہوں گے اور بھوک بھی۔ لیکن میری رائے تو یہ ہے کہ آپ صحابہ کرام کو بقیہ زادِ راہ جمع کرنے کا حکم دیں۔ پھر آپ اس میں برکت کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے وہ کھانا انہیں کافی کردے گا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے دسترخوان اور چادریں بچھادو" صحابہ کرام نے اسی طرح کیا، پھر فرمایا "جس کے پاس بقیہ زادِ راہ یا کھانا ہو تو وہ ان پر ڈال دے"۔ آپ نے ان اشیاء پر دعا مانگی، پھر فرمایا "اپنے اپنے برتن لے آؤ" صحابہ کرام نے اپنے اپنے برتن بھر لیے۔ اتنا کھانا لیا جتنا رب تعالیٰ نے چاہا۔ انہوں نے جی بھر کر کھایا حتیٰ کہ سیر ہو گئے۔ وہ کھانا پھر بھی اتنا ہی باقی تھا۔

مسلم شریف میں ہے صحابہ نے فرمایا: "ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہمیں سخت بھوک نے آلیا۔ ہم نے ارادہ کرلیا کہ ہم اپنی سواریاں ذبح کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم دیا۔ ہم نے اپنے زادِ راہ کو جمع کیا۔ دسترخوان بچھائے، اس دسترخوان پر سارا زادِ راہ جمع کردیا۔ سارے صحابہ کرام اس دسترخوان کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ دسترخوان بکری کے بچے کے برابر تھا۔ ہماری تعداد 1400 تھی۔ ہم نے جی بھر کر کھایا۔ پھر ہم نے اپنے برتن بھی بھر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ برکتیں دیکھ کر مسکرانے لگے حتیٰ کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں رب تعالیٰ کا رسول برحق ہوں، جو شخص بھی ان دو گواہیوں کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا وہ اسے آتش جہنم سے روک لے گا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا "کیا پانی ہے؟ ایک شخص ایک چھاگل لے کر آیا۔ اس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اسے پیالہ میں انڈیلا۔ اس میں اپنی مبارک ہتھیلی رکھی تو ہم چودہ سو صحابہ کرام نے اس کے ساتھ وضو کرلیا۔

بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ (الفتح۔27)

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے، منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشوائے ہوئے تمہیں (کسی کا) خوف نہ ہوگا"۔

کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آپ نے حدیبیہ میں خواب دیکھا کہ آپ اور آپ کے صحابہ کرام حلق کرائے، قصر کرائے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب صحابہ کرام کو بتایا۔ جب انہیں روک دیا گیا تو انہوں نے عرض کی

"یارسول اللہ! آپ کا خواب؟ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

امام حلبی "السیرۃ النبویہ" میں رقمطراز ہیں "اس میں کوئی مخالفت نہیں کہ مذکورہ خواب مدینہ طیبہ میں آیا تھا اور عمرہ کا احرام باندھنے کی ترغیب اسی نے ہی دلائی تھی کیونکہ ممکن ہے یہ خواب کئی بار آیا ہو" بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جب عمرہ کی ادائیگی کے لیے آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور سر اقدس کا حلق کرایا تو فرمایا "اس کا میں نے تم سے وعدہ کیا تھا" جب فتح مکہ کے روز چابی لی تو فرمایا "عمر فاروق کو میری طرف بلاؤ" فرمایا "میں نے تمہیں یہی کہا تھا" جب حجۃ الوداع میں عرفہ میں قیام فرمایا تو فرمایا "میں نے تم سے یہی کہا تھا" اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے خواب میں یہ تو نہیں کہا تھا کہ آپ خانہ کعبہ کی چابی لیں گے اور عرفات میں قیام فرمائیں گے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ممکن ہے آپ نے خواب کے بعد یہ فرمایا ہو یا اس سے مراد صرف آپ کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا ہی ہو" وہ درخت جس کے پاس بیعت رضوان ہوئی تھی اس کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے دور خلافت میں خبر ملی کہ لوگ اس کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔ اس کا طواف کرتے ہیں تو آپ اس معاملہ کی وسعت اور بدعت ظاہر ہونے سے خوفزدہ ہو گئے کہ اس کی کہیں اس طرح عبادت نہ کی جائے جس طرح بتوں کی عبادت کی جاتی تھی۔ آپ نے اسے کاٹ دینے کا حکم دیا۔

خواتین کی ہجرت کا معاملہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہو گئے تو حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے آپ کے پاس آ گئیں۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہجرت کرنے سے پہلے بیعت بھی کی تھی۔ پھر صلح کی مدت میں ہجرت کرتے ہوئے پیادہ ہی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آ گئیں۔ ان کے ہمراہ بنو خزاعہ کا ایک شخص تھا۔ حتیٰ وہ مدینہ طیبہ آ گئیں۔ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف سے بہن تھیں۔ کیونکہ ان کی والدہ نے ان کے والد کی وفات کے بعد عقبہ بن ابی معیط سے شادی کر لی تھی۔ جس سے ولید بن عقبہ اور ام کلثوم بنت عقبہ پیدا ہوئے تھے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت کی۔ مگر اس مؤقف میں اعتراض کی گنجائش ہے، جب یہ مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہیں عرض کی کہ وہ ہجرت کر کے آ گئیں ہیں۔ انہیں خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں واپس نہ بھیج دیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے آپ کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے متعلق بتایا۔ آپ نے خوش آمدید کہا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے دو بھائی الولید اور عمارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدہ کے مطابق ام کلثوم کو واپس کر دیں" حضرت ام کلثوم نے عرض کی "یارسول اللہ اصلی اللہ علیک وسلم میں عورت ہوں۔ خواتین کمزور ہوتی ہیں کیا۔ آپ مجھے کفار کی طرف لوٹا دیں گے حتیٰ کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنہ میں ڈال دیں۔ مجھ سے صبر نہیں ہو سکے گا" اس وقت قرآن پاک نازل ہو گیا کہ اہل ایمان خواتین واپس نہ کی جائیں اور وہ شرط صرف مردوں کے بارے ہے۔ عورتوں کو خوب آزما لیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ (الممتحنۃ:10)

''اے ایمان والو! جب آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کرلو''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا کہ آپ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو واپس کریں۔ مسلمان خواتین جو ہجرت کر کے آتیں ان کی آزمائش کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خاتون قسم اٹھائے کہ وہ جھگڑا کر کے نہیں آئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہجرت کر کے آئی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب کوئی خاتون ہجرت کر کے آئے تو وہ رب تعالیٰ کی قسم اٹھائے کہ وہ کسی ایک زمین کو چھوڑ کر دوسری زمین میں رغبت رکھتے ہوئے نہیں آئی۔ وہ قسم اٹھائے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض رکھتے ہوئے نہیں آئی۔ وہ قسم اٹھائے کہ وہ دنیا کی جستجو میں نہیں آئی۔ نہ ہی کسی مسلمان شخص کے لیے آئی ہے۔ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آئی ہے'' جب وہ اس طرح قسم اٹھالے تو اسے نہیں لوٹایا جائے گا۔ بلکہ اس کے خاوند کو اس کا حق مہر واپس کر دیا جائے گا۔ جب عمارہ اور ولید مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے قریش مکہ کو یہ بات بتائی تو وہ اس پر راضی ہو گئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مکہ مکرمہ میں کوئی خاوند نہ تھا۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ شادی کر لی۔ صلح کی مدت میں مردوں کو تو واپس کر دیا جاتا تھا مگر خواتین کو واپس نہیں کیا جاتا تھا۔

حضرت ابوبصیر کا واقعہ

اسی طرح حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ بھی مکہ مکرمہ سے بھاگ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ قریش مکہ نے انہیں محبوس کر دیا۔ وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ چلے گئے۔ ازہر بن عبد عوف نے انہیں واپس بھیجنے کے لیے لکھا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا چچا تھا۔ بنوزہرہ کا حلیف اخنس بن شریق الثقفی نے بھی خط لکھا۔ اس نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے یہ خط بنو عامر کے ایک شخص خنیس اور اس کے غلام کے ہاتھوں بھیجا۔ یہ خط لے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خط پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا ہوا تھا: ''آپ جانتے ہیں جس شرط پر ہماری صلح ہوئی تھی کہ ہمارا جو شخص آپ کے پاس جائے گا آپ اسے واپس کر دیں گے۔ لہٰذا ہمارے ساتھی کو واپس بھیج دیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبصیر! جس شرط پر اس قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہوا ہے تم جانتے ہو۔ ہمارے دین میں دھوکہ اور فریب نہیں ہے''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ مجھے مشرکین کی طرف بھیج رہے ہیں کہ وہ مجھے دین کے متعلق فتنہ میں مبتلا کر دیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابوبصیر! چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ارد گرد کمزور مسلمانوں کے لیے ضرور کوئی سبیل پیدا فرما دے گا'' حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے ساتھ عازم سفر ہو گئے۔ مسلمان کہنے لگے ''یہ شخص ایک ہزار شخص سے بہتر ثابت ہوگا'' ان کا مقصد حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو برانگیختہ کرنا تھا۔ جب وہ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہ سایہ دیوار میں بیٹھ گئے۔ ان کے ساتھ دو رفیقان راہ بھی تھے۔ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک ساتھی سے کہا ''بھائی! تمہاری شمشیر کی دھار تیز ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں'' ''دیکھ لو اگر چاہتے ہو'' عامری نے اپنی تلوار سونتی، پھر اسے لہرایا اور کہا ''میں اوس اور خزرج میں اس تلوار کے ساتھ صبح سے لے کر شام تک شمشیر زنی کروں گا'' حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے پکڑاؤ، میں اسے دیکھوں''

انہوں نے وہ شمشیر بے نیام لی اور ایک ہی وار میں عامری کا سر قلم کر دیا۔ پھر اس غلام کو تلاش کیا جو عامر کا راہبر بن کر آیا تھا۔ وہ جلدی سے بھاگ نکلا، حتیٰ کہ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو اس کی تیز رفتاری کی وجہ سے سنگریزے اس کے پاؤں کے نیچے سے اڑ رہے تھے۔ حضرت ابو بصیر اس کے تعاقب میں تھے۔ اس نے انہیں عاجز کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا "یہ شخص گھبرایا ہوا آ رہا ہے" جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا "تجھے کیا ہوا ہے؟ اس نے عرض کی "آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو مار ڈالا ہے۔ میں بھاگ کر آیا ہوں۔ ورنہ وہ مجھے بھی موت کے گھاٹ اتار دیتا"۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی۔ آپ نے اسے پناہ دی۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ بھی عامر کے اونٹ پر آ گئے۔ انہوں نے مسجد کے دروازہ میں اونٹ بٹھایا اور تلوار سونتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ عامری کا سامان ہے جسے میں نے قتل کیا ہے۔ یہ اس کا کجاوہ ہے اور یہ اس کی تلوار ہے۔ اس کا خمس نکالیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں نے اس کا خمس لے لیا تو قریش مکہ مجھے کہیں گے کہ میں نے وہ عہد پورا نہیں کیا جو ان کے ساتھ کیا تھا۔ تم اپنے ساتھی کا سامان لے کر چلے جاؤ" حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ شام کی شاہراہ پر چلے گئے، جہاں سے قریش کے کارواں گزرتے تھے۔ ان کے پاس وہ مسلمان بھی جمع ہوتے گئے جو مکہ مکرمہ میں محبوس تھے۔ وہ چوری چھپے ان کے پاس جانے لگے۔ وہ حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر مل گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ آنا چاہا، کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں معاہدہ کی وجہ سے واپس کر دیں گے۔ ان کے ساتھ غفار، اسلم، جہینہ اور عرب کے قبائل کے دیگر وہ افراد بھی مل گئے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، حتیٰ کہ ان کی تعداد تین سو ہو گئی۔ وہ قریش کے قافلوں پر حملے کرنے لگے۔ وہ جس پر بھی غلبہ پالیتے اسے قتل کر لیتے۔ کارواں کا سامان لے لیتے، حتیٰ کہ قریش مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ وہ آپ کو صلہ رحمی کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ان کو پناہ دے دیں۔

دوسری روایت کے مطابق قریش نے اس کام کے لیے ابو سفیان بن حرب کو بھیجا۔ قریش نے یہ شرط ختم کر دی۔ انہوں نے کہا "اس کارواں نے ہمارے لیے مصائب کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس شرط کو برقرار رکھنا درست نہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بصیر اور حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہما کی طرف لکھا کہ یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ دیگر مسلمان اپنے قبائل اور اہل خانہ کے پاس چلے جائیں۔ وہ قریش کے کسی کارواں کے ساتھ تعرض نہ کریں"۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مکتوب گرامی ان تک پہنچا تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ پر تو نزع کا عالم تھا۔ پھر ان کا وصال ہو گیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اسے پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے انہیں اسی جگہ دفن کر دیا۔ ان کی قبر انور کے پاس مسجد بنا دی۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ اپنے بعض ساتھیوں سمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ باقی مسلمان اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ گئے۔ قریش کے کارواں امن و سلامتی سے آنے جانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سچ ثابت ہو گیا "عنقریب رب تعالیٰ ابو جندل اور ان کے ساتھیوں کے لیے کوئی سبیل پیدا فرما دے گا" ان صحابہ کرام کو بھی علم ہو گیا جن پر حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو سہیل بن عمرو کے ساتھ واپس لوٹانا گراں گزر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

اطاعت اس چیز سے بہتر ہے جسے وہ پسند کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی رائے ان کی رائے سے افضل تھی۔ انہیں علم ہو گیا کہ صلح کرنا ہی ان کے لیے بہتر تھا۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

غزوۂ خیبر

غزوۂ خیبر کی تاریخ

خیبر، جعفر کے وزن پر ہے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا جو کئی قلعوں، کھیتیوں اور نخلستانوں پر مشتمل تھا۔ یہ مدینہ طیبہ سے آٹھ برید دور شام کی طرف تھا۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو ذوالحجہ اور محرم کے کچھ ایام مدینہ طیبہ ہی جلوہ افروز رہے۔ پھر محرم 7 ھ کو خیبر کے لیے تشریف لے گئے۔ ابن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں بیس روز قیام فرمایا۔ ایک روایت دس دنوں کی جبکہ دوسری روایت پندرہ دنوں کی ہے۔ آپ نے اس سے زائد روز تک خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کیے رکھا، حتیٰ کہ صفر میں انہیں فتح کر لیا۔ امام مالک کے نزدیک غزوۂ خیبر 6 ھ کو رونما ہوا تھا۔ ابن حزم نے یہی قول کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "ابن اسحاق کا قول راجح ہے۔ جمہور کا موقف یہی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت غیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے فرائض حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے۔ ان دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کہ ان میں سے پہلے ایک کو اپنا نائب مقرر کیا پھر کسی اور اہم امر کی وجہ سے دوسرے کو بھی نیابت کے فرائض سونپ دیے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ چودہ سو مجاہدین تھے۔ دو سو شہ سوار تھے۔ آپ نے ان مجاہدین کو اس غزوہ میں شرکت کے لیے دعوت دی جو حدیبیہ کے مقام پر شریک ہوئے تھے۔ غزوۂ حدیبیہ میں سے پیچھے رہ جانے والے حاضر ہوئے تا کہ وہ بھی آپ کے ساتھ نکلیں، ان کا مقصد مال غنیمت کا حصول تھا۔ آپ نے فرمایا "میرے ساتھ صرف جہاد کی نیت سے نکلو۔ مال غنیمت کے حصول کے لیے نہ نکلو" پھر اعلان کرنے والے نے کوچ کا اعلان کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب حضور ﷺ خیبر کے لیے تشریف لے جانے لگے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میرے لیے ایک بچہ تلاش کرو جو میری خدمت کرے" حضرت ابوطلحہ مجھے اپنے پیچھے بٹھا کر لے آئے۔ میں اس وقت نابالغ بچہ تھا۔ جب حضور ﷺ نیچے اترتے تو میں آپ ﷺ کی خدمت کرتا۔ میں نے سنا آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعِجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْجُبْنِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَۃِ الرِّجَالِ

امام حلبی نے لکھا ہے "یہ سیاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ اس روایت کے مخالف ہے جس میں ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے انہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا اور عرض کی "یہ میرا بچہ ہے۔ یہ ایک دانا بچہ ہے" اس

وقت ان کی عمر آٹھ یا نو یا دس سال تھی۔ مسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے، انہوں نے فرمایا "میری امی جان مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئیں۔ انہوں نے اپنے دوپٹے کے نصف کو میرے لیے بطور ازار بند اور دوسرا نصف میرے اوپر ڈالا ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ انس میرا فرزند ہے۔ میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتی ہوں تاکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی "مولا! اس کے مال اور اولاد کو کثیر کر دے" امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین نے یہ دعا نقل کی ہے "مولا! اس کی عمر طویل کر دے اور اسے جنت میں داخل فرما" ان دونوں روایات میں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا ہو تاکہ وہ ایسا بچہ لے کر آئیں جو سفر کرنے میں حضرت انس سے قوی ہو۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ پر شفقت تھی۔ اللہ رب العزت نے حدیبیہ سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا (الفتح: 20)

"(اے غلامانِ مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے"۔

اس سے مراد خیبر کا مال غنیمت ہے۔ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں رفاقت کی سعادت ابدی نصیب ہوئی۔

حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کی بلند اقبالی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس سفر میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے فرمایا "نیچے اترو اور ہمیں اپنے رجز اور اشعار سناؤ" دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں "نیچے اترو اور ہماری سواریوں کو تیز چلاؤ"۔ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ بڑی پرسوز آواز میں حُدی خوانی کرتے تھے۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ ایک شاعرانسان تھے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! میں نے اشعار کہنا چھوڑ دیا ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نیچے اترو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنو اور اطاعت کرو" وہ نیچے اترے وہ یہ اشعار پڑھنے لگے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فاغفر فداءً لک ما ابقینا والقین سکینۃ علینا
وثبت الاقدام ان لاقینا انا اذ صیح بنااتینا
بالصیاح عولوا علینا ونحن عن فضلک ما استغنینا
ان الذین قد بغوا علینا اذا ارادو فتنۃ ابینا

"قسم بخدا! اگر رب تعالیٰ نہ ہوتا تو ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی۔ نہ صدقہ دینے کی توفیق ہوتی۔ نہ ہی نماز پڑھنے کی۔

تجھ پر نثار! جب تک ہم باقی ہیں ہمیں معاف کر دے اور ہم پر سکینہ نازل فرما۔ اگر ہم دشمن سے نبرد آزما ہوں تو ہمیں ثابت قدم فرما۔ جب ہمیں جہاد کے لیے پکارا جاتا ہے تو ہم حاضر ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے شور وغل کے ساتھ ہم پر حملہ کر دیا ہے اور ہم تیرے فضل وکرم سے مستغنی نہیں ہیں۔ بلاشبہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا"۔

جب انہوں نے یہ اشعار پڑھے تو حضور ﷺ نے فرمایا "تمہارا رب تعالیٰ تم پر رحم کرے" دوسری روایت میں ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ بخش دے" ایسے مقام پر جب بھی حضور ﷺ نے کسی کو یوں فرمایا تو اسے شہادت نصیب ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان کے لیے شہادت لازم ہو گئی۔ آپ ﷺ نے ہمیں ان سے تادیر لطف اندوز نہیں ہونے دیا"۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ اسی غزوہ میں شہید ہو گئے۔ انہی کی تلوار ان کے اوپر آ گری جس نے انہیں شہید کر دیا۔ وہ تلوار ایک یہودی کو مارنا چاہتے تھے اس کی دھار انہی کے گھٹنوں پر لگی۔ جس سے یہ وصال کر گئے۔ لوگ کہنے لگے "ان کو اپنے ہتھیار نے ہی قتل کر دیا۔ یہ شہید نہیں ہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "یہ شہید ہیں" دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم لوگ گمان کرتے ہیں کہ عامر کے اعمال اکارت گئے"۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت کا گمان ہے کہ عامر برباد ہو گئے کیونکہ وہ اپنی تلوار سے ہی قتل ہو گئے" حضور ﷺ نے فرمایا "جس نے یہ بات کی ہے اس نے غلطی کی ہے بلاشبہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لیے دو اجر ہیں۔ آپ نے دو انگلیوں کو ملا دیا، وہ ایک کوشش کرنے والا مجاہد تھا۔ جہاد کرنے والا، بذات خود کوشش کرنے والا۔ جب ان کے دو وصف ہوئے تو ان کے لیے دو اجر ہیں۔

خیبر میں جلوہ نمائی

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ شام کے وقت خیبر کے قریب پہنچ گئے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کرام اسی جگہ سو گئے۔ صبح ان یہودیوں کی طرف گئے اور جہاد کا آغاز کیا۔ آپ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ جب کسی قوم کے پاس رات کے وقت پہنچتے تو اس پر حملہ کرنے میں جلدی نہ کرتے۔ صبح کا انتظار فرماتے۔ اگر آذان کی آواز سنتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے۔ جب آپ خیبر پہنچے تو آپ نے انتظار فرمایا۔ صبح ہوئی تو آپ نے اذان کی آواز نہ سنی تو آپ سوار ہو گئے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق جب آپ نے خیبر کو دیکھا تو اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "رک جاؤ" پھر آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! اے آسمانوں کے رب اور ہر اس چیز کے پروردگار جس پر وہ سایہ فگن ہیں، اے زمینوں کے مالک اور ہر اس چیز کے مالک جسے وہ اٹھائے ہوئی ہیں، اے شیطانوں کے رب اور ہر اس چیز کے پروردگار جسے وہ گمراہ کرتے ہیں، اے ہواؤں کے رب اور جسے وہ بکھیرتی ہیں اس کے رب! ہم تجھ سے اس شہر کی بھلائی، اس کے اہل کی بھلائی اور جو کچھ بھی اس میں ہے اس کی بھلائی کا سوال کرتے ہیں۔ ہم اس کے شر سے اس کے اہل کے شر سے جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لے کر آگے بڑھو"۔ جب آپ کسی بستی میں داخل ہونا

چاہتے پہلے یہ دعا مانگتے۔ وقت صبح یہودی اپنی کسیوں اور ٹوکروں سمیت اپنے کھیتوں میں جانے کے لیے نکلے۔

امام واقدی نے لکھا ہے کہ اہل خیبر نے سن رکھا تھا کہ حضور ﷺ ان کے ارادہ سے عازم سفر ہو چکے ہیں۔ وہ ہر روز دس ہزار جنگ جوؤں کے ساتھ باہر نکلتے، وہ تلواریں سونت لیتے۔ صفیں بنا لیتے۔ پھر کہتے "محمد عربی (ﷺ) ہم پر حملہ آور ہوں گے ہائے! ہائے! حتیٰ کہ جس رات حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہوئے تو سارے جنگجو سو گئے۔ ان کی کسی سواری نے بھی حرکت نہ کی۔ نہ ہی ان کے کسی مرغ نے آواز نکالی، حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ وہ کسیاں لے کر کھیتوں کی طرف نکلے تو انہوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا۔ جب انہیں دیکھا تو کہا "محمد عربی (ﷺ) اور لشکر آ گیا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان کی صبح بری ہوتی ہے جنہیں ڈرایا جاتا ہے" آپ نے تین بار اسی طرح کہا۔ تنزیل میں ہے جب تم کسی گروہ سے جنگ آزما ہو تو ثابت قدم رہو، اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو۔ تین کا عدد کثرت کی ابتداء ہے۔ حضور ﷺ نے غلس میں نماز صبح ادا کی۔ پھر اپنا جھنڈا "العقاب" حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ایک جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ نے وادی الرجیع میں نزول اجلال فرمایا۔ یہ وادی یہودیوں اور غطفان کے مابین تھی۔ تا کہ بنو غطفان یہودیوں کی مدد نہ کر سکیں یہ ان کے حلیف تھے۔ بنو غطفان نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی۔ وہ خیبر آنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے سے آواز سنی، انہوں نے گمان کیا کہ مسلمان ان کے پیچھے ہیں۔ جو ان کی اولاد پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ بنو غطفان واپس لوٹ آئے۔ وہ اپنی جگہ پر ٹھہر گئے۔ اور یہودیوں کو چھوڑ دیا۔ روایت ہے کہ جب آپ نے خیبر کی طرف توجہ کی۔ وادی سے لوگوں کی طرف دیکھا تو انہوں نے "اللہ اکبر! لا الٰہ الا اللہ" باآواز بلند کہا۔ آپ نے فرمایا "اپنے نفوس کے ساتھ نرمی کرو۔ اپنی آواز اتنی بلند نہ کرو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں بلا رہے۔ تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو۔ وہ تمہارے ساتھ ہے"۔

نزول اجلال

عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہودیوں کی طرف یہ پیغام بھیجا "محمد عربی (ﷺ) تمہاری طرف آ رہے ہیں۔ اپنا بچاؤ کر لو۔ اپنے اموال قلعوں میں داخل کر لو۔ ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے باہر نکل آؤ۔ ان کا خوف نہ کھاؤ، تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے۔ حضور ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد بہت قلیل ہے۔ ان کے پاس اسلحہ بھی قلیل ہے" آپ نے یہ فرمایا "اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا" کیونکہ آپ نے گرانے کے آلات دیکھے۔ وہ کسیاں اور کدالیں تھیں۔ آپ نے اچھی فال لی کہ خیبر عنقریب برباد ہو جائے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ رب تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا ہو، یہی بات صحیح ہے۔ یہودیوں نے اپنے اموال اور عیال کتیبہ کے قلعوں میں داخل کر دیے۔ اسلحہ نطاۃ کے قلعوں میں رکھا۔ حضور ﷺ نطاۃ کے قلعوں کے قریب ہی خیمہ زن ہو گئے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اگر آپ اس جگہ امر الٰہی کی وجہ سے فروکش ہوئے ہیں تو پھر سر تسلیم خم ہے۔ اگر آپ کی رائے ہے تو ہمارا مشورہ ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "رائے ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اہل نطاۃ کو میں جانتا ہوں۔ کوئی ایسی قوم نہیں جو

ان سے دور تک تیر اندازی کر سکتی ہو۔ ان کے تیروں کا اندازہ بالکل صحیح ہوتا ہے۔ وہ ہم سے بلند جگہ پر بھی ہیں ہم ان کے گھروں سے محفوظ نہیں ہیں۔ ممکن ہے وہ کھجوروں کے جھنڈ سے ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کسی اور جگہ فروکش ہو جائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم نے بڑا صائب مشورہ دیا ہے۔ رات کے وقت ہم کسی دوسری جگہ منتقل ہو جائیں گے ان شاء اللہ''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے فرمایا ''ہمارے لیے ان سے دور کوئی معقول جگہ تلاش کرو''۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جگہ کی جستجو میں نکلے۔ پھر عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے آپ کے لیے ایک بہت ہی مناسب جگہ تلاش کر لی ہے'' آپ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ اٹھو۔ رات کے وقت آپ اس جگہ منتقل ہو گئے۔ صحابہ کرام کو بھی اسی جگہ خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ کی ناقہ مبارکہ اٹھی، وہ اپنی نکیل کو گھسیٹے جا رہی تھی۔ اسے واپس لانے کے لیے اسے پالیا گیا۔ آپ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو اسے حکم دیا گیا ہے'' جب وہ چٹان کی ایک طرف گئی تو وہاں بیٹھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس چٹان کے پاس جلوہ نما ہو گئے۔ صحابہ کرام بھی اسی جگہ منتقل ہو گئے۔ یہ جگہ اہل خیبر اور بنو غطفان کے مابین حائل تھی۔ آپ نے وہاں مسجد بنا دی اور جب تک خیبر میں تشریف فرما رہے، نماز وہی ادا فرماتے رہے۔ آپ نے نطاۃ کے قلعوں کی کھجوریں کاٹنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام انہیں کاٹنے میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ چار سو کھجوریں کاٹ دیں۔ پھر آپ نے منع کر دیا۔ خیبر کی ان کھجوروں کے علاوہ اور کھجوریں نہ کاٹی گئیں۔

آغاز جنگ

اس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شدید قتال کیا۔ آپ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ آپ نے خود اور خود کے نیچے ٹوپی پہن رکھی تھی۔ آپ اپنے الظرب گھوڑے پر جلوہ فرما تھے۔ دست اقدس میں ڈھال اور نیزہ پکڑا ہوا تھا جو یہ روایت ہے کہ آپ گدھے پر سوار تھے جس کی رسی کھجور کی چھال کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا پالان بھی کھجور کے پتوں سے بنایا گیا تھا یہ سواری شاید آپ نے رستہ میں کی ہو۔ حالت جنگ میں آپ نے اس گھوڑے پر سواری کی تھی۔ آپ نے قلعہ ناعم پر تیر اندازی شروع کی۔ یہ نطاۃ کے قلعوں میں سے ایک تھا۔ یہودیوں نے قتال کیا۔ آپ بھی اور صحابہ کرام بھی نبرد آزما ہو گئے۔ آپ نے جھنڈا ایک مہاجر صحابی کو عطا فرمایا وہ واپس آ گئے، کامرانی حاصل نہ ہوئی۔ دوسرے روز جھنڈا دوسرے مہاجر صحابی کو عطا کر دیا۔ وہ بھی لوٹے تو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ یہودی لشکر باہر نکل آئے، ان کے آگے آگے ناشر نامی شخص تھا۔ انصار واپس آ گئے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹ آ گئے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑی گراں گزری۔ آپ مغموم ہو گئے، اسی روز حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے بھائی شہید ہو گئے۔ اس قلعہ سے ان پر چکی پھینکی گئی تھی۔ مرحب یہودی نے ان پر یہ چکی گرائی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ کام کنانہ بن ربیع یہودی نے کیا تھا۔ ممکن ہے دونوں نے مل کر چکی گرائی ہو۔ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اتنی زیادہ جنگ آزمائی کی کہ وہ تھک گئے۔ انہیں اسلحہ بھاری لگنے لگا، گرمی بلا کی تھی۔ وہ اس قلعہ کے سایہ میں آ گئے تو ان پر چکی کا پاٹ گرا دیا گیا۔ زخم اتنا شدید تھا کہ سر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ ان کی پیشانی کی جلد چہرے پر بہہ پڑی۔ آنکھیں باہر نکل آئیں۔ صحابہ کرام انہیں اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ ان کی جلد برابر کی گئی۔ مرہم

پٹی کی گئی، لیکن زخم اتنا شدید تھا کہ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کناں ہوئے "یہود نے میرے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی تمنا نہ کیا کرو، ہمیشہ عافیت کا سوال کیا کرو، تمہیں علم نہیں کہ تمہیں کسی اذیت میں مبتلاء کر دیا جائے۔ جب تم دشمن سے ملاقات کرو تو یہ دعا مانگا کرو:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا وَرَبُّهُمْ وَنَوَاصِيْنَا وَنَوَاصِيْهِمْ بِيَدِكَ وَاِنَّمَا يَقْتُلُهُمْ اَنْتَ

"مولا! تو ہمارا پروردگار ہے۔ ان کا پروردگار تو ہی ہے، ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے دستِ تصرف میں ہیں۔ بلاشبہ انہیں تو ہی قتل کرتا ہے"۔

پھر زمین کو لازم پکڑلو۔ جب وہ تم پر چھانے لگیں تو اٹھ جاؤ اور تکبیر کہو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار سات روز نطاۃ کے قلعوں کے یہودیوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر جاتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لشکر گاہ میں اپنا نائب مقرر فرماتے۔ رات کے وقت آپ اسی جگہ لوٹ آتے۔ زخمی صحابہ کرام کی مرہم پٹی ہوتی۔ رات کی نگرانی باری باری صحابہ کرام کے لیے مقرر ہوتی۔ چھٹی رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لشکر گاہ کے اردگرد چکر لگا رہے تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مختلف مقامات پر متعین کر رکھا تھا۔ نصف رات کو ایک یہودی آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس نے کہا "میں تمہارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جارہا ہوں۔ میں ان سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رک گئے۔ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمہ کے پاس گیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودی سے پوچھا "تمہارے پیچھے کے حالت کیسے ہیں؟ اس نے عرض کی "ابوالقاسم! کیا آپ مجھے پناہ دیتے ہیں" آپ نے فرمایا "ہاں" اس نے عرض کی "میں نطاۃ کے قلعوں سے نکل کر آیا ہوں، وہ یہودی اس رات چوری چوری نکل کر جارہے ہیں" آپ نے پوچھا "وہ کہاں جارہے ہیں؟ اس نے عرض کی "قلعہ شق کی طرف، ان کی اولاد وہی ہے۔ وہ جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے اموال اور اہل و عیال کتیبہ کے قلعوں میں داخل کر لیے ہیں" اس نے یہ بھی بتایا کہ نطاۃ کے قلعوں میں سے قلعہ حصن میں زیر زمین ایک تہہ خانہ ہے جس میں منجنیق، دبابات، زریں اور تلواریں ہیں۔ کل آپ اس قلعہ میں داخل ہوں گے، اگر آپ داخل ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہوں گا" یہودی نے کہا "ان شاء اللہ! میں آپ کی ان اشیاء کی طرف راہ نمائی کروں گا۔ انہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "عنقریب منجنیق نکالی جائے گی، اسے قلعہ شق پر نصب کیا جائے گا۔ دبابات کے نیچے سے آدمی داخل ہوگا۔ وہ نیچے سے قلعوں کو کھودیں گے۔ ہم اسی روز قلعہ فتح کر لیں گے"۔ اسی طرح ہم کتیبہ کے قلعوں کو فتح کریں گے۔ اس یہودی نے عرض کی "ابوالقاسم! میرا خون محفوظ فرمائیں" آپ نے فرمایا "تو امن سے ہے" اس نے عرض کی "مجھے میری بیوی بھی بخش دیں" آپ نے فرمایا "وہ تمہارے لیے ہے" پھر آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے عرض کی "آپ مجھے مہلت دیں"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو قلعہ پر حملہ ہونے کے لیے بھیجتے رہے لیکن فتح نہیں ہوئی۔ پھر آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''میں کل جھنڈا اس شخص کو عطا فرماؤں گا جس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیار کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتا ہے۔ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگے گا۔ بلکہ رب تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ وہ تمہارے بھائی کے قاتل سے بدلہ لے گا'' جب آپ نے یہ فرمایا تو صحابہ کرام میں سے ہر شخص یہی آرزو کر رہا تھا کہ آپ کل یہ جھنڈا اسے عطا فرمائیں۔ دوسری روایت کے مطابق وہ رات صحابہ کرام نے یہ غور و فکر کرتے گزار دی کہ وہ کون بلند اقبال ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل وہ مبارک جھنڈا عطا فرمائیں گے۔ صبح صحابہ کرام یہ امید کرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے صرف اسی روز امارت کی تمنا کی تھی'' روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا تو انہوں نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ لَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا مَانِعَ لِمَ اَعْطَيْتَ

''مولا! جس کو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا جسے تو روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اس وقت انہیں آشوب چشم کی سخت تکلیف تھی۔ پہلے وہ مدینہ طیبہ میں ہی رہے۔ پھر صحابہ کرام کے ساتھ آ ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی ''ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے'' آپ نے فرمایا ''انہیں کون لے کر آئے گا؟ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اٹھ کر گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا۔ ابن اسحاق کے قول کے مطابق صرف غزوۂ خیبر میں کئی جھنڈے باندھے گئے تھے۔ اس روز آپ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت حباب بن منذر اور حضرت سعد بن عبادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو متفرق جھنڈے عطا کر رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا مبارک سیاہ تھا، جسے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ردائے مبارک سے بنایا گیا تھا۔

سیرت حافظ دمیاطی میں ہے کہ آپ کا جھنڈا سیاہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق جھنڈا سفید تھا، جس میں سیاہ رنگت بھی تھی۔ شاید کالے رنگ سے اس میں کچھ لکھا گیا تھا۔ شاید اس سے مراد وہ علم مبارک ہو جس کا تذکرہ بعض روایات میں کچھ یوں ہے ''آپ کا جھنڈا سفید تھا، جس میں کالے رنگ سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا گیا تھا۔ اس طرح روایات کا اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مجھے آشوب چشم ہے۔ میں اپنے قدم کی جگہ بھی نہیں دیکھ سکتا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر مبارک اپنی مبارک آغوش میں لیا۔ آپ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے اپنا لعاب دہن اپنے دست اقدس پر رکھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں کھولیں۔ ان میں مبارک لعاب ڈال دیا۔ انہیں فوراً شفا مل گئی گویا کہ وہاں درد نامی چیز تھی ہی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس کے بعد مجھے آشوب چشم نہیں ہوا'' دوسری روایت کے مطابق ''نہ ہی مجھے آشوب چشم

ہوا، نہ ہی سر درد ہوا"۔ دوسرے الفاظ میں ہے کہ آپ نے فرمایا "آج تک مجھے یہ دونوں امراض لاحق نہیں ہوئے"۔

اس ضمن میں ایک لطف اندوز بات بھی پڑھ لیں۔ وہ یہ کہ جو کسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے یا اس کی جستجو میں لگتا ہے وہ غالباً اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ جو کسی چیز کو طلب نہیں کرتا، نہ ہی اس کی جستجو میں مصروف ہوتا ہے۔ وہ اکثر اسے پا لیتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان مبارک سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف علیہ السلام پر رحم کرے اگر وہ یہ نہ کہتے "اجعلنی علی خزائن الارض" مجھے زمین کے خزانوں کا نگران بنا دے، تو انہیں اسی وقت نگہبان بنا دیا جاتا۔ لیکن ان کے اس سوال کی وجہ سے ایک سال تک یہ منصب ان سے روک دیا گیا۔ ایک سال کے بعد بادشاہ نے انہیں بلایا، انہیں چادر دی، اپنی تلوار دی۔ ان کے لیے موتیوں اور یاقوت سے آراستہ تخت کا حکم دیا اور معاملہ ان کے سپرد کر دیا" اسی لیے کہا جاتا ہے "اگر آسمان سے ٹوپی گرے تو وہ اس شخص کے سر پر گرے گی جو اس کا ارادہ نہیں کرے گا"۔

پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دست التجاء بلند کر دیے۔ عرض کی "مولا! ان کے لیے گرمی اور سردی کی کفایت فرما" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس کے بعد نہ مجھے سردی لگی نہ ہی گرمی" آپ رضی اللہ عنہ شدید گرمی میں موٹی قباء زیب تن فرما لیتے تھے۔ جبکہ شدید سردی میں دو ہلکے کپڑے پہن لیتے تھے۔ آپ نے فرمایا "مجھے ہلکے پھلکے کپڑوں میں سردی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی"۔ آپ اس معجزہ کے اظہار اور اس کی تحقیق کے لیے اس طرح کرتے تھے۔ بعض اوقات اس کیفیت کے برعکس بھی کرتے تھے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک پھٹا پرانا کپڑا پہنے کانپ رہے تھے۔ اس نے عرض کی "امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ مال بنایا ہے۔ آپ اپنے نفس سے اس طرح سلوک کر رہے ہیں" آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں نے اسے بھی تمہارے مال سے نہیں لیا۔ میں اسی کپڑے کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ مذکورہ بالا روایت کے مخالف نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت آپ پر لرزہ بخار کی وجہ سے ہو، نہ کسی شدید سردی کی وجہ سے۔ جس طرح کہ سائل نے گمان کیا ہے۔ صاحب الہمزیہ نے اپنے قصیدہ میں لعاب دہن کی برکت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں سے آشوب چشم کا ختم ہو جانا اس طرح بیان کیا ہے

وعلی لما تفلت بعینہ　وکلتاھما معا رمداء

فغدا ناظراً بعینی عُقاب　فی غُزاۃ لھا العقاب لواء

"جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چشمان مقدس میں آشوب چشم لاحق ہو گیا تو وہ حضور ﷺ کے لعاب دہن کی برکت سے جہاد میں عقاب کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ آپ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا"۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم عطا فرمایا تاکہ وہ جہاد کے لیے جائیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "کیا میں ان کے ساتھ جنگ کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ ہماری مثل ہو جائیں" آپ نے فرمایا "باوقار انداز سے آگے بڑھو، حتیٰ کہ ان کے سامنے جاؤ، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو۔ انہیں بتاؤ کہ اسلام کے متعلق ان پر کیا حق ہے؟ اگر وہ تمہاری اطاعت نہ کریں تو ان کے ساتھ جہاد کرو۔ بخدا! اگر تمہاری وجہ سے اللہ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے وہ سرخ اونٹوں سے بہتر ہے"

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں کس چیز پر ان کے ساتھ جہاد کروں؟ آپ نے فرمایا" وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اگر وہ اس طرح کرلیں تو انہوں نے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیے" ایک اور روایت کے مطابق جب آپ نے انہیں علم عطا فرمایا تو فرمایا "چلیں دائیں بائیں ملتفت نہ ہوں" وہ کچھ دیر چلے، پھر رکے مڑے بغیر انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں ان کے ساتھ کس چیز پر جہاد کروں" آپ نے فرمایا "ان کے ساتھ جہاد کرو حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اگر انہوں نے اس طرح کہہ دیا تو انہوں نے اپنے اموال اور خون محفوظ کر لیے۔ پھر ان کا حساب رب تعالیٰ پر ہے"۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روز خیبر حملہ کی تیاری کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی! مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے تمہارے ساتھ وہ ہستی والا ہے جو تمہیں رسوا نہیں ہونے دے گی۔ یہ تمہارے دائیں طرف جبرائیل امین ہیں۔ ان کے ہاتھ میں تلوار ہے، اگر وہ پہاڑ پر بھی ماریں وہ اسے بھی کاٹ کر رکھ دے۔ علی! رضا اور جنت کی تمہیں بشارت ہو۔ آپ عرب کے سردار ہیں۔ میں اولاد آدم کا سردار ہوں" ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز کسی صحابی کو جھنڈا عطا فرماتے اور اسے جہاد کے لیے بھیجتے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انہوں نے جہاد کیا، مگر فتح نہ ہوئی۔ دوسرے روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے جہاد کیا، مگر فتح نہ ہوئی۔ پھر ایک انصاری شخص کو بھیجا، انہوں نے جہاد کیا، مگر فتح نہ ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح یابی عطا فرمائے گا۔ وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے۔ راہ فرار اختیار کرنے والا نہیں"۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انہیں آشوب چشم تھا۔ آپ نے ان کی چشمان مقدس میں لعاب دہن لگایا پھر فرمایا "یہ جھنڈا لو، اس کے ساتھ چلو۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ آپ کو کامران کر دے" آپ نے ان کے لیے اور ان کے ساتھیوں کے لیے نصرت کی دعا کی"۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی لوہے کی زرہ پہنائی، ان کے وسط میں اپنی شمشیر ذوالفقار باندھی، انہیں جھنڈا عطا کیا۔ ان کا چہرہ قلعہ کی طرف کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے گئے حتیٰ کہ علم قلعہ کے نیچے گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے انہیں اوپر سے دیکھا۔ پوچھا "آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا "علی بن ابی طالب" یہودی نے کہا" آپ ان پر غالب آ گئے ہیں۔ مجھے اس تورات کی قسم! جو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر نازل کی ہے" پھر قلعہ والے ان کی طرف آنے لگے۔ سب سے پہلے مرحب کا بھائی حرث ان کی طرف آیا۔ یہ شجاعت و بہادری میں معروف تھا۔ مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹ پڑے۔ باہم شمشیر زنی ہوتی رہی، بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ یہودی قلعے میں داخل ہو گئے۔ پھر مرحب باہر نکلا، جب اسے علم ہوا کہ اس کا بھائی قتل ہو گیا ہے۔ وہ جلدی سے قلعہ سے باہر نکلا اس نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ دو تلواریں حمائل کر رکھی تھیں۔ دو عمامے پہن رکھے تھے۔ ان کے اوپر پتھر اور خود رکھا ہوا تھا

جس میں انڈے جتنا سوراخ تھا، اس کے پاس نیزہ تھا۔ جس کی زبان تین پھلوں کے برابر تھی۔ وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا:

قد علمت خیبر انی مرحب شاکی السلاح بطل مجرب

اذا اللیوث اقبلت تلھب

"خیبر کے در و دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ میں ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔ تجربہ کار شہسوار ہوں جب شیر مجھ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو میں جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا الذی سمتنی امی حیدرا کلیث غابات کریۃ المنظر

اکلیکم بالسیف کیل السندرۃ

"میں وہ ذات ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگل کے شیروں کی طرح بڑا خوفناک ہوں۔ میں انہیں تلوار کے ساتھ پورا پورا ماپ کر دوں گا"۔

پھر مرحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کیا۔ آپ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی، انہوں نے قلعہ کا دروازہ اکھیڑ، اسے اپنے لیے ڈھال بنالیا۔ وہ ڈھال کے طور پر ان کے ہاتھ میں ہی رہا۔ وہ برابر لڑتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح کرنے کی توفیق دے دی۔ پھر انہوں نے وہ دروازہ اپنے پیچھے پھینک دیا۔ وہ دروازہ اسی ہاتھ لمبا تھا۔ اس کے بعد اسے ستر افراد بمشکل حرکت دے سکتے تھے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمال قوت اور فرط شجاعت پر دلالت ہے۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم سات افراد نے کوشش کی کہ ہم اس دروازہ کو حرکت دے سکیں۔ مگر ہمارے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ ابن اسحاق، امام بیہقی اور امام حاکم نے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ دروازہ جسے یوم خیبر کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا بعد میں اسے چالیس افراد بھی نہ اٹھا سکے۔ امام بیہقی نے ہی روایت کیا ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قموص قلعہ کی طرف گئے تو آپ نے ایک دروازہ اکھیڑا اور زمین پر پھینک دیا۔ پھر بعد میں ہم ستر افراد جمع ہوئے تاکہ اس دروازہ کو اسی جگہ لگا دیں، مگر ہم کامیاب نہ ہو سکے"۔ یہ روایت اس روایت کے معارض نہیں جس میں چالیس افراد کا ذکر ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے چالیس افراد نے یہ کوشش کی ہو۔ پھر بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد ستر ہو گئی ہو۔ وہ روایت جس میں سات افراد کا ذکر ہے اس کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "اس روایت کو اس روایت کے ساتھ جمع کرنا اس طرح ممکن ہے کہ پہلے سات افراد نے وہ دروازہ لگانے کی کوشش کی، پھر چالیس افراد نے کوشش کی، ان دونوں امور میں فرق عیاں ہے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب پر وار کیا۔ اس نے ڈھال سامنے کی۔ تلوار ڈھال پر پڑی، اسے چیر دیا۔ اس نے خود اور پتھر کو بھی پھاڑ دیا۔ خود کے نیچے عمامے بھی کاٹ دیے، اس کی کھوپڑی بھی چیر دی، حتیٰ کہ تلوار مرحب کی داڑھوں تک جا پہنچی۔ ایک شاعر نے اپنے ان اشعار میں اسی طرح اشارہ کیا ہے:

وشادن البصرته مقبلا فقلت من وجدی به مرحبا

قد فوادی فی الھویٰ قدۃً قد علی فی الوغی مرحبا

''میں نے ہرن کے بچے کو آتے ہوئے دیکھا تو اسے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مرحبا کہا۔ محبت میں میرا دل اس طرح چر گیا جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے میدان جنگ میں مرحب کی کھوپڑی کو چیرا تھا''۔

صحیح روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت موجود ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کا کام تمام کیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مرحب نے مبارزت طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے کون جہنم واصل کرے گا'' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں۔ کل میرے بھائی شہید ہو گئے، ان کا بدلہ ابھی تک کسی نے نہیں لیا۔ ان کے بھائی کو مرحب نے ہی شہید کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا ''اٹھو! مرحب کی طرف جاؤ۔ مولا! ان کی مرحب کے خلاف مدد فرمانا''۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ مرحب کی طرف گئے۔ مرحب نے وار کیا۔ انہوں نے وہ وار اپنی ڈھال پر روک لیا۔ البتہ ڈھال تلوار کی وجہ سے پھٹ گئی۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں مرحب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دی۔ یہ بھی امکان ہے کہ مرحب کی دعوت مبارزت کا جواب حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہو۔ اس کی پنڈلی انہوں نے ہی کاٹی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتارا ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے مرحب کے بھائی حرث کو قتل کیا تھا۔ جس کی وجہ سے بعض راویوں کو مشابہت لگی۔ مرحب کی تلوار پر لکھا ہوا تھا ''ھذا سیف مرحب من یصیبه یعطب'' یہ مرحب کی تلوار ہے۔ جو اس تک پہنچے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''انا الذی سمتنی امی حیدر'' اس سے آپ نے مرحب کو وہ خواب یاد دلا دیا جو اس نے دیکھا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکاشفہ کے ذریعے اس کا علم ہوا۔ وہ خواب یہ تھا کہ مرحب نے اسی رات خواب دیکھا کہ ایک شیر نے اسے پھاڑ دیا ہے۔ آپ نے اپنے فرمان ''حیدرا'' سے اسی طرف اشارہ کیا۔ یہ شیر کے ناموں میں سے ہے۔ البتہ اس سے مراد ایسا شیر ہے جو کسی کو چیر پھاڑ دے۔ جب مرحب نے آپ کی یہ بات سنی تو وہ لرز اٹھا۔ اس کا نفس کمزور ہو گیا۔ آپ کا یہ نام آپ کی امی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم نے رکھا تھا۔ انہوں نے اپنے فرزند ارجمند کا نام اپنے باپ کے نام پر رکھنا چاہا۔ اس وقت ابو طالب گھر میں موجود نہ تھے۔ جب وہ گھر آئے تو انہوں نے یہ نام پسند نہ کیا۔ آپ کا نام انہوں نے علی رکھ دیا۔ دوسرے قول کے مطابق حیدر آپ کا لقب تھا۔ اس کا معنی زبردست اور قوی ہے۔ آپ کے پیٹ کی وجہ سے آپ کو اس لقب سے ملقب کیا گیا۔ کیونکہ آپ کے بطن اقدس پر گوشت تھا۔ مرحب کے بعد اس کا بھائی یاسر یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:

قد علمت خیبرانی یاسر شاکی السلاح بطل مغاور

''سارا خیبر جانتا ہے کہ میں یاسر ہوں۔ ہتھیاروں کو سونتنے والا، مرد میدان، جری، شجاع''۔

یہ بھی یہودیوں کے مشہور شہسواروں اور بہادروں میں سے تھا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس کا

مقابلہ کرنے کے لیے نکلے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اس لشکر میں موجود تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا وہ میرے بیٹے کو شہید کر دے گا؟ آپ نے فرمایا" بلکہ تمہارا بیٹا اسے جہنم واصل کرے گا ان شاء اللہ!۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" آپ پر چچا اور ماموں فدا! ہر نبی کا حواری ہوتا ہے میرا حواری زبیر (رضی اللہ عنہ) ہے"۔

علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بنی قریظہ میں ہوا تھا۔ اور سب سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ہی مقتول کا سامان ملا تھا۔ بنوقریظہ میں سے ایک شخص نے دعوت مبارزت دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" زبیر! اٹھو" ان کی امی جان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا بیٹا اکلوتا ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو دوسرے کے اوپر آ گیا وہ پہلے کو قتل کر دے گا" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اس شخص کے اوپر سوار ہو گئے۔ اور اس کا کام تمام کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مقتول کا سامان قاتل کے لیے ہے"۔

امام حلبی اس روایت پر تبصرہ لکھتے ہوئے تحریر کرتے ہیں" میں کسی ایک شخص کے قول سے بھی آگاہ نہیں ہوں جس نے کہا ہو کہ بنوقریظہ میں کوئی مبارزت ہوئی تھی" ایک اور روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی یاسر کو واصل جہنم کیا تھا۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کرنا ممکن ہے کہ اس کو تہ تیغ کرنے میں دونوں نے شرکت کی ہو۔

سیاہ فام چرواہا

مسلمانوں کے شہداء میں سے ایک سیاہ فام چرواہا بھی تھا۔ وہ اجرت پر ایک یہودی کی بکریاں چرواتا تھا۔ یہ اسود نامی حبشی غلام تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اس کا نام سیار تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھ پر اسلام پیش کریں"۔ آپ نے اس پر اسلام پیش کیا تو وہ اسلام لے آیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا" اگر میں اسلام لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا "جنت" اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر اس نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں بکریاں اجرت پر چرواتا ہوں، اب میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ دوسری روایت کے مطابق اس نے عرض کی "یہ لوگوں کی امانت ہیں، کسی کی ایک کسی کی دو بکریاں ہیں، کسی کی زیادہ ہیں" آپ نے فرمایا" یہ کنکریاں لے کر ان پر پھینکو، وہ اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی"۔

حضرت اسود رضی اللہ عنہ اٹھے، سنگریزوں کی ایک مٹھی لی اور اسے بکریوں کی طرف پھینک دیا۔ انہوں نے کہا" اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ۔ بخدا! اب میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا" وہ سارا ریوڑ آگے بڑھنے لگا، گویا کہ کوئی ہانکنے والا انہیں ہانک رہا تھا۔ حتیٰ کہ وہ قلعہ میں داخل ہو گئیں۔ پھر حضرت اسود رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے ہمراہ جہاد کیا۔ انہیں ایک پتھر لگا۔ دوسری روایت کے مطابق ایک تیر لگا۔ اس نے انہیں شہید کر دیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ابھی تک ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ انہیں اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے ان سے رخ انور پھیر لیا۔ آپ سے عرض کی گئی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے ان سے چہرہ انور کیوں پھیر لیا ہے؟ آپ نے فرمایا" اب ان کے ہمراہ حوران بہشتی میں سے ان کی

دو بیویاں آگئیں ہیں، وہ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے سے مٹی ہٹا رہی ہیں ''جس نے تمہارے چہرے پر مٹی ڈالی اللہ تعالیٰ اسے خاک آلود کرے۔ جس نے تمہیں قتل کیا اللہ تعالیٰ اسے قتل کرے''۔ دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے ''اس بندے پر رب تعالیٰ نے کرم نوازی کی ہے اور اسے بھلائی کی طرف لے آیا ہے۔ اس نے دین متین قبول کیا تھا'' پھر رب تعالیٰ نے قلعہ ناعم کو فتح فرما دیا۔ یہ نطاۃ کے قلعوں میں سے پہلا قلعہ تھا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ حضرت یزید بن ابی عبید سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر تلوار کا زخم دیکھا۔ میں نے پوچھا ''یہ کیسا زخم ہے؟ انہوں نے فرمایا ''یہ زخم مجھے غزوۂ خیبر میں لگا تھا'' صحابہ کرام نے فرمایا ''حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کو زخم لگا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے تین بار انہیں دم فرمایا تو ان کا زخم ٹھیک ہو گیا۔

ایک جہنمی شخص

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہے جو اسلام کا دعویٰ کرتا تھا۔ میدان جنگ میں اس نے شدید قتال کیا حتیٰ کہ اسے بہت زخم آگئے۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان میں شک ہونے لگا کہ وہ جہنمی ہے۔ اس شخص نے زخموں کا درد محسوس کیا۔ اپنا ہاتھ ترکش کی طرف لے گیا۔ اس سے ایک تیر نکالا اور خود کو زخمی کر لیا۔ ایک صحابی دوڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم رب تعالیٰ نے آپ کے فرمان کو سچ کر دکھایا ہے۔ فلاں شخص نے خودکشی کر لی ہے'' آپ نے فرمایا ''اٹھو لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی جائے گا اور اللہ تعالیٰ فاجر شخص سے اس دین متین کی تائید فرمائے گا'' حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین باہم جنگ آزما ہوئے۔ آپ اپنی لشکر گاہ اور مشرکین اپنی لشکر گاہ کی طرف چلے گئے۔ آپ کے صحابہ کرام میں سے ایک شخص تھا جس نے اس روز مشرکین کا قتل عام کیا۔ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی ''آج فلاں نے جتنی شمشیر زنی کی ہے کسی اور نے اتنی نہیں کی'' آپ نے فرمایا ''وہ جہنمی ہے'' صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے کہا ''میں اس آدمی کا ساتھی تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی نکلا۔ جب وہ رکتا تو میں بھی رک جاتا۔ جب وہ جلدی کرتا تو میں بھی اس کے ساتھ جلدی کرتا۔ وہ شخص شدید زخمی ہو گیا، اس نے چاہا کہ موت جلدی آجائے۔ اس نے زمین پر تلوار رکھی، اپنے سینے کے وسط میں اس کی دھار رکھی، پھر اپنی تلوار پر زور ڈالا اور اپنے آپ کو قتل کر لیا'' وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، اس نے عرض کی ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں'' آپ نے فرمایا ''کس وجہ سے؟ اس نے عرض کی ''آپ نے ابھی ابھی اس آدمی کے متعلق فرمایا کہ وہ جہنمی ہے لوگوں نے اس امر کو عظیم سمجھا۔ میں نے انہیں کہا ''میں ان کے لیے اس شخص کے ہمراہ رہتا ہوں۔ میں اس کے تعاقب میں نکلا۔ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ موت جلد آجائے۔ اس نے تلوار زمین پر رکھی، اس کی دھار اپنے سینے کے وسط میں رکھی، پھر تلوار پر زور ڈالا اور خود کو قتل کر دیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایک شخص لوگوں کے سامنے جنتیوں جیسے اعمال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اہل آتش میں سے ہوتا ہے۔ ایک شخص لوگوں کے سامنے اہل نار جیسے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ جنتیوں

میں سے ہوتا ہے۔ اس کی روح کے نکلتے وقت اسے شقاوت یا سعادت آلیتی ہے۔ اس پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اعمال کا اظہار خاتموں پر ہوتا ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کے متعلق یوں فرمانا کہ یہ جہنمی ہے۔ ممکن ہے اس کے دل میں نفاق کی وجہ سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع فرمادیا ہو یا وہ مرتد ہو گیا ہو۔ اس نے اپنے آپ کو قتل کرنا حلال سمجھا ہو۔ علماء نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو بھی اپنے آپ کو قتل کرے اس کے متعلق جہنمی ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جائے، بلکہ احتمال یہ ہے کہ اس شخص کو جب زخم آئے تو ایمان کے متعلق متردد ہو گیا، یا اس نے خود کو مار ڈالنا حلال سمجھا۔ یہ حالت کفر میں مرا۔ اس فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "صرف مسلمان نفس (روح) ہی جنت میں جائے گا"۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بلال دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر نے تیسری روایت کے مطابق حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اعلان کیا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "ممکن ہے ان تینوں حضرات نے متفرق سمتوں میں اعلان کیا ہو۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایات میں بعض الفاظ کا بھی اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ دو بار متفرق آدمیوں کے متعلق رونما ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک ہی قصہ ہے اور اختلاف راویوں کی طرف سے ہے۔ عنقریب یہ تذکرہ بھی آئے گا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ خیبر میں شرکت نہیں کی تھی۔ آپ اس وقت حاضر خدمت ہوئے جب مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا۔ شاید انہوں نے یہ واقعہ کسی اور صحابی سے سنا ہو۔

مزید فتوحات

مسلمان اور یہودی باہم جنگ آزما رہے۔ مسلمان یکے بعد دیگرے قلعے فتح کرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے سارے قلعے فتح کر لیے۔ یہودیوں کے 73 افراد مارے گئے۔ مسلمانوں میں سے 15 حضرات نے جام شہادت نوش کیا۔ دوسری روایت کے مطابق 34 افراد نے قبائے شہادت پہنی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں یہ قلعے فتح کرائے:

● حصن النطاۃ ● حصن الصعب ● حصن ناعم ● حصن قلعہ زبیر بن عوام (حصن قلعہ زبیر بن عوام کے حصہ میں آیا۔ بعد میں یہ انہی کی طرف منسوب ہونے لگا۔ یہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا) ● حصن الشق ● حصن القموص ● حصن البری ● حصن ابی والوطیح والسلالم۔ یہی ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا۔ آپ نے آل ابی حقیق کا خزانہ لے لیا، جو پہلے گدھے کی جلد میں تھا، جب یہ زیادہ ہو گیا تو انہوں نے بیل کی جلد میں ڈال دیا۔ جب مزید بڑھ گیا تو انہوں نے اونٹ کی جلد میں ڈال دیا۔ انہوں نے خزانہ ایک کھنڈر میں دفن کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ فرمادیا۔ یہ بنو نضیر کا وہ مال تھا جسے حیی بن اخطب اس وقت لے کر آیا تھا جب وہ مدینہ طیبہ سے جلاوطن ہوا تھا۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل خیبر نے شرط لگائی کہ وہ آپ سے کوئی چیز نہیں چھپائیں گے۔ اگر انہوں نے اس طرح کیا تو پھر ان کا کوئی ذمہ نہیں۔ آپ کنانہ اور ربیع کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "اس مال کا کیا

بنا جو حیی بن اخطب بنو نضیر کے پاس سے لے آیا" انہوں نے عرض کی "جنگ نے سارے اموال اور خزانے ختم کر دیے ہیں" آپ نے فرمایا "وعدہ قریب ہے اور مال زیادہ ہے" امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنانہ، ربیع اور ان کے چچازاد کے پاس آئے۔ فرمایا "تمہارے وہ برتن کہاں ہیں جو تم اہل مکہ کو ادھار دیتے تھے" انہوں نے کہا "ہم نے جنگ کی۔ ہم سامان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھتے رہے، حتیٰ کہ ہر چیز ختم ہوگئی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تم نے کوئی بات چھپائی اور پھر میں اس کے متعلق آگاہ ہوگیا تو پھر تمہارا خون اور تمہاری اولاد ہمارے لیے حلال ہوگی" انہوں نے کہا "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری صحابی کو بلایا اسے فرمایا "فلاں فلاں کھجور کے پاس جاؤ وہاں ایک بلند کھجور ہوگی جو کچھ اندر سے ملے وہ میرے پاس لے آؤ" وہ وہاں سے بہت سے برتن اور اموال لے کر آئے۔ جن کی قیمت دس ہزار دینار لگائی گئی۔ ان کی گردنیں اڑا دی گئیں اور اس وعدہ خلافی کی وجہ سے ان کی اولاد کو گرفتار کر لیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق کنانہ نے انکار کر دیا کہ اسے اس جگہ کا علم نہیں جہاں خزانہ مدفون ہے۔ آپ نے اسے حضرت زبیر کے حوالہ کیا۔ انہوں نے اسے مارا تو اس نے کہا "میں نے حیی کو دیکھا، وہ فلاں فلاں کھنڈر میں سرگرداں تھا۔ صحابہ کرام نے وہاں تلاش کیا تو انہیں وہاں سے وہ خزانہ مل گیا۔ ابن ابی الحقیق کو قتل کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو قلعہ فتح ہونے سے قبل بھوک لگی۔ بنو اسلم نے حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ آپ کو یہ پیغام دیں "بنو اسلم آپ کو سلام عرض کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں بھوک نے آلیا ہے" ایک شخص نے بنو اسلم کو برا بھلا کہا اور کہا "سارے اہل عرب میں سے صرف تم یہ کام کر رہے ہو" حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ پیغام بھیجنا بھلائی کی کلید ہے" حضرت اسماء رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بنو اسلم کا پیغام عرض کیا تو آپ نے ان کے لیے یہ دعا مانگی "مولا! تو ان کے حال سے خوب آگاہ ہے، ان کے پاس خوراک نہیں۔ میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں دوں۔ مولا! ایسا قلعہ فتح کرا دے جس میں زیادہ کھانا ہو"۔

آپ نے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ لوگوں کو جہاد کی طرف دعوت دی۔ اللہ رب العزت نے اس دن غروب آفتاب سے قبل حصن الصعب کو فتح فرما دیا۔ مسلمانوں نے دو دن سے اس کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اہل خیبر کا کوئی قلعہ جو، کھجور، گھی، زیتون، چربی، جانوروں اور سامان کے اعتبار سے اس سے زیادہ بھرا ہوا نہ تھا۔ اس قلعہ میں پانچ سو جنگجو تھے۔ اس قلعہ کے فتح ہونے سے پہلے یہودیوں کا ایک شخص باہر نکلا۔ اسے یوشع کہا جاتا تھا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ حضرت حباب رضی اللہ عنہ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔ ایک اور دیال نامی شخص نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دی تو حضرت عمارہ بن عقبہ الغفاری رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ انہوں نے کہا "یہ لو، میں غفاری شخص ہوں" صحابہ کرام نے کہا "ان کا جہاد بالکل باطل ہو گیا ہے"۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں اجر ملے گا اور ان کی تعریف کی جائے گی" پھر یہودیوں نے یکبارگی حملہ کیا۔ مسلمان پیچھے ہٹنے لگے حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئے۔ آپ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر کھڑے تھے۔ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے ثابت قدمی کا

مظاہرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جہاد کی ترغیب دی۔ مسلمانوں نے دوبارہ حملہ کیا تو یہودی پلٹ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ پھر مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے۔ وہ یہودیوں کو قتل کرنے لگے۔ کچھ کو قیدی بنانے لگے۔ انہوں نے اس قلعہ میں جو، کھجور اور تیل وغیرہ میں سے بہت کچھ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا "خود کھاؤ، جانوروں کو کھلاؤ لیکن یہ سامان اٹھا کر اپنے شہروں کی طرف نہ لے جاؤ" حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے غزوۂ خیبر میں ایک تھیلا ملا میں نے اسے کندھے پر اٹھالیا۔ مجھے مال غنیمت کا نگران ملا۔ وہ ابو بسیر کعب بن زائد الانصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے مجھے پیشانی سے پکڑا۔ انہوں نے کہا "یہ میرے پاس لے آؤ حتیٰ کہ ہم اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیں" میں نے کہا "نہیں بخدا! میں تمہیں یہ نہیں دوں گا" وہ میرا تھیلا کھینچنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھ لیا۔ ہم باہم اسی طرح جھگڑ رہے تھے۔ آپ مسکرانے لگے۔ پھر مال غنیمت کے نگران سے کہا "ارے فلاں! اسے اور اس کے تھیلے کو چھوڑ دے" انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں وہ سامان اپنے کجاوے کے پاس لے گیا۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے جی بھر کر کھایا" سارے قلعے بزور شمشیر فتح ہوئے سوائے قلعہ وطیح اور قلعہ سلالم کے۔ مسلمانوں نے چودہ روز تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ ان میں سے ایک شخص بھی باہر نہ نکلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان پر حملہ کریں اور ان پر منجنیق نصب کریں، جب انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے اپنے خون اور اولاد کے تحفظ پر صلح کی گزارش کی۔ وہ اپنی اولاد سمیت خیبر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ صرف ایک ایک کپڑا لے کر گئے۔ انہوں نے اس بات پر صلح کی وہ صرف ایک کپڑا لے کر جائیں گے اور اگر انہوں نے کچھ چھپایا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے عہد سے بری ہیں۔ وہ اپنی زمین، مال، سونا، چاندی، کھجور اور ریشم سب کچھ چھوڑ گئے۔ وہ صرف ایک کپڑے کے ساتھ خیبر سے چلے گئے۔ جس شخص نے کہا ہے کہ خیبر بزور شمشیر فتح ہوا اور اس نے ان دو قلعوں کے علاوہ دیگر قلعوں پر اسے محمول کیا۔ جس نے کہا ہے کہ صلح کے ساتھ فتح ہوا۔ اس نے اس کو ان دو قلعوں پر محمول کیا ہے۔ صحابہ کرام نے ان دو قلعوں میں سو زریں، چار سو تلواریں، ایک ہزار نیزے، پانچ سو عربی کمانیں پائیں۔ انہوں نے مال غنیمت میں تورات کے کئی صحیفے بھی پائے۔ یہود ان کا مطالبہ کرنے آئے تو آپ نے وہ صحیفے انہیں واپس کر دیے۔

حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا

آپ نے قیدیوں کو جمع کیا۔ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے ایک لونڈی عطا فرمائیں" آپ نے فرمایا "جاؤ اور ایک لونڈی لے لو" انہوں نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو حاصل کر لیا" آپ ایک باجمال خاتون تھیں۔ لوگ ان کے متعلق باہم جھگڑنے لگے۔ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا "ان کے علاوہ کسی اور لونڈی کو حاصل کر لو" انہوں نے کنانہ بن ربیع بن ابی ربیع بن ابی الحقیق کی بہن لے لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیا۔ پھر انہیں آزاد کر کے ان کے ساتھ شادی فرمائی۔ مواہب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس لیے عقد نکاح فرمایا کیونکہ ان کے

بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی لخت جگر تھیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی نسل میں ایک سو بادشاہ اور ایک سو نبی گزرے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حبالہ عقد میں داخل فرما لیا۔ کیونکہ بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جو فضیلت میں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے افضل یا ان کے برابر تھے۔ جبکہ نسب اور جمال میں قیدیوں میں اور کوئی عورت نہ تھی جو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کا ہم پلہ ہوتی۔ اگر آپ انہیں حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیتے تو دیگر صحابہ کرام رنجیدہ خاطر ہو جاتے۔ عام مصلحت اسی میں تھی کہ آپ انہیں اپنے لیے ہی مختص فرما لیتے۔ اس میں ہی سب کی رضا تھی۔ اس سے قبل حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں چاند کو دیکھا جو ان کی آغوش میں آ گرا۔ انہوں نے یہ خواب اپنے باپ کو بتایا تو اس نے ان کے چہرے پر تھپڑ مار دیا اور کہا "تمہاری تمنا ہے کہ تو عرب کے بادشاہ کے پاس جائے" اس تھپڑ کا نشان ان کے چہرہ پر رہا، حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ گئیں۔ آپ نے ان سے اس نشان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتا دیا۔

ابن ابی عاصم نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ خیبر تشریف لے گئے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دلہن تھیں، انہوں نے خواب دیکھا کہ گویا کہ سورج نیچے آ گیا ہے حتیٰ کہ وہ ان کے سینے پر گرا ہے۔ انہوں نے یہ خواب اپنے خاوند کو بتایا۔ اس نے کہا "تمہیں یہ خواب اس لیے آیا کیونکہ تو اس بادشاہ کی تمنا کرتی ہے جو ہمارے پاس آیا ہے"۔ ان دونوں روایات میں منافات نہیں۔ ممکن ہے، انہوں نے پہلے چاند خواب میں دیکھا ہو، پھر سورج کو دیکھا۔ پہلا خواب اپنے باپ کو جبکہ دوسرا خواب اپنے خاوند کو بتایا ہو۔

زہر آلود بکری

اس غزوہ میں ایک یہودی عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک بکری کو زہر آلود کیا، پھر اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس عورت کا نام زینب بنت حرث تھا۔ یہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت لکھی ہے، انہوں نے فرمایا "جب خیبر فتح ہو گیا۔ اس فتح کے بعد آپ مطمئن ہو گئے۔ اس عورت نے آپ کو زہر آلود بکری پیش کی۔ آپ نے اس سے ایک لقمہ لیا، جب ہڈی نے آپ کو بتا دیا کہ وہ زہر آلود ہے تو آپ نے اسے پھینک دیا۔ حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ نے ایک لقمہ کھا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "اپنے ہاتھ اٹھا لو" پھر فرمایا "میرے لیے یہاں کے یہودیوں کو جمع کریں" صحابہ کرام نے خیبر کے یہودیوں کو جمع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تم سے ایک چیز کے متعلق پوچھنے لگا ہوں کیا تم مجھے اس کے متعلق سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا "ہاں! ابو القاسم" آپ نے فرمایا "تمہارا باپ کون ہے؟ یہودیوں نے کہا "فلاں" انہوں نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے" یہودیوں نے کہا "آپ نے سچ بولا ہے" پھر آپ نے فرمایا "کیا میں تمہیں کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو مجھے سچ سچ بتاؤ گے" یہودیوں نے کہا "ہاں! ابو القاسم! اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ کو اسی طرح علم ہو جائے گا جس طرح ہمارے باپ کے متعلق علم ہو گیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا "اہل نار کون ہیں؟ انہوں نے کہا "کچھ دیر کے لیے ہم آتش جہنم میں جائیں گے پھر ہمارے بعد تم آؤ گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم ہی

ذلیل ورسواء ہوکراس میں رہوگے۔اللہ کی قسم! تمہارے بعد ہم اس میں کبھی نہیں آئیں گے" پھر آپ نے فرمایا" اگر میں تم سے کسی چیز کے متعلق پوچھوں تو کیا تم مجھے سچ سچ بتاؤ گے" انہوں نے عرض کی" ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا" انہوں نے کہا" ہاں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" تمہیں اس برے عمل پر کس نے ابھارا ہے؟ انہوں نے عرض کی" اگر آپ جھوٹے ہوں گے تو ہم آپ سے نجات پالیں گے۔ اگر آپ نبی ہوں گے تو یہ زہر آپ کو نقصان نہیں دے سکے گا" دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہودی عورت کی طرف پیغام بھیجا۔اس سے پوچھا" کیا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے" اس عورت نے کہا" آپ کو کس نے بتایا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" مجھے بکری کے اس بازو نے بتایا ہے" اس عورت نے کہا" ہاں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اس پر تجھے کس چیز نے ابھارا؟ عورت نے عرض کی" اگر آپ نبی برحق ہوئے تو اللہ تعالیٰ آپ کو بتادے گا۔اگر آپ جھوٹے ہوئے تو لوگ آپ سے نجات پالیں گے۔اب مجھے عیاں ہو گیا ہے کہ آپ سچے نبی ہیں۔میں آپ کو اور حاضرین محفل کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) آپ نے اس عورت سے درگزر فرمایا۔اس سے انتقام نہ لیا۔حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ اس لقمہ کی وجہ سے وصال کر گئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زہر کی وجہ سے اپنی گردن مبارک پر پچھنے لگوائے۔ایک اور روایت کے مطابق اس یہودی عورت نے بکری کو زہر آلود کرنے سے قبل لوگوں سے پوچھا" بکری کے گوشت کا کون سا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند ہے؟ انہوں نے کہا" بازو" وہ اپنی بکری کے پاس گئی۔اسے ذبح کیا۔یہودیوں سے متعدد زہروں کے بارے مشورہ کیا۔انہوں نے اس کے لیے وہ زہر منتخب کیا جو فوراً کام تمام کر دیتا تھا۔اس عورت نے ساری بکری زہر آلود کی۔بازو اور کندھوں میں زیادہ زہر ملا دیا۔حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ زہر آلود لقمہ کھانے کے ایک سال بعد وصال فرما گئے۔آپ نے وہ یہودی عورت حضرت بشر رضی اللہ عنہ کے وارثین کو دی۔انہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔اس طرح متفرق روایات کو جمع کرنا ممکن ہو گیا۔جن میں سے کسی میں تذکرہ ہے کہ آپ نے اس یہودی عورت سے انتقام نہ لیا۔بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اسے قتل کر دیا۔اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کے قصاص میں اسے قتل کر دیا۔ آپ اپنے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔بلکہ درگزر اور معاف کر دیتے تھے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کی آمد

خیبر کی فتح کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجرین حبشہ واپس آ گئے۔ان کی تعداد سولہ تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا۔ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ان کے ساتھ معانقہ کیا۔ان کے لیے قیام فرمایا۔جب صفوان بن امیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے لیے بھی آپ نے قیام کیا۔اسی طرح آپ نے عدی بن حاتم کے لیے بھی قیام کیا۔پھر آپ نے فرمایا" میں نہیں جانتا کہ میں کس چیز کی زیادہ خوشی کروں، فتح خیبر کی یا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد کی" آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا" تم خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو" اس سعادت مندی کی لذت میں آکر وہ رقص کرنے لگے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے رقص کا انکار نہ فرمایا۔اسی روایت کو صوفیاء کے لیے بطور اصل پیش کیا جاتا ہے۔

جب وہ ذکر وسماع کی محافل میں وجد کی لذت سے محو رقص ہوتے ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور آپ کی قوم کے بعض افراد بھی حاضر خدمت ہوئے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا ''ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر ملی۔ ہم یمن میں تھے۔ میں اور میرے بھائی ہجرت کی نیت سے عازم سفر ہوئے۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ ایک بھائی کا نام ابوبردہ دوسرے کا نام ابودہم تھا۔ ہمارے ساتھ ہماری قوم کے 52 یا 53 افراد تھے۔ ہم کشتی پر سوار ہوئے۔ ہم نے نجاشی سے ملاقات کی۔ ہم نے وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس جگہ بھیجا ہے اور ہمیں اس جگہ ٹھہرنے کا حکم دیا۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہی ٹھہر جاؤ'' ہم ان کے ساتھ ہی قیام پذیر رہے، حتیٰ کہ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ نے اس وقت خیبر فتح فرمالیا تھا۔ آپ نے مال غنیمت میں سے ہمارا حصہ بھی نکالا۔ آپ نے کسی ایسے شخص کے لیے اس مال غنیمت میں سے حصہ نہ نکالا جس نے اس غزوہ میں شرکت نہیں کی تھی۔ مگر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے لیے حصہ نکالا۔ آپ نے ان کے ساتھ ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا''۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ ان کے ہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حبشہ میں ہی پیدا ہوئے تھے۔ جب یہ مدینہ طیبہ آئیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا ''ہم ہجرت کرنے میں تم سے سبقت لے گئے ہیں۔ ہم تم سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مستحق ہیں'' یہ بات سن کر انہیں غصہ آگیا۔ انہوں نے اس بات کا تذکرہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''وہ تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں، انہیں ایک ہجرت کا ثواب ملے گا۔ جبکہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو دو ہجرتوں کا ثواب ملے گا''۔

امام بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے متعلق طویل روایت نقل کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اشعریوں کے کارواں کے قرآن پڑھنے کی آواز سنتا ہوں، جب وہ رات کے وقت داخل ہوتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ رات کے وقت ان کے ہاں قرآن پڑھنے کی آواز کہاں کہاں سے آتی ہے'' انہی ایام میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کے بعض افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم مدینہ طیبہ آئے۔ قبیلہ دوس کے اسی گھر تھے۔ ہم نے وہاں نماز صبح پڑھی۔ حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی۔ انہوں نے ہی ہمیں بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں جلوہ افروز ہیں۔ انہوں نے ہمیں زادراہ دیا۔ جب ہم خیبر پہنچے تو آپ نے قلعہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ہم بھی آپ کے ہمراہ ہی ٹھہر گئے حتیٰ کہ خیبر فتح ہوگیا۔

حضرت حجاج بن علاط السلمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ یہ بہت زیادہ دولت مند تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مکہ مکرمہ میں میری بیوی کے ہاں اور وہاں کے مختلف تاجروں کے پاس میرا بہت سامال ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں مکہ مکرمہ جاؤں اور ان کے میرے اسلام کے متعلق آگاہ ہونے سے پہلے اپنا مال ان سے لے لوں، ورنہ میں ان سے کچھ بھی نہ لے سکوں گا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ انہوں نے عرض

کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے اپنے مال کے حصول کے لیے کوئی بات خلاف واقعہ کہنے کی بھی اجازت دے دیں" آپ نے انہیں یہ بھی اجازت دے دی۔ انہوں نے فرمایا "میں عازم سفر ہوا۔ میں حرم کعبہ میں پہنچا، قریش کے افراد مختلف خبروں کی جستجو میں تھے۔ ان تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ حضور اکرم ﷺ خیبر تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی آپس میں ایک سواونٹ کی شرط بھی لگ چکی تھی کہ حضور (ﷺ) اہل خیبر پر غالب آتے ہیں یا نہیں۔ حویطب بن عبد العزیٰ نے کہا تھا کہ مسلمان غالب آئیں گے، جبکہ عباس بن مرادس نے کہا تھا کہ یہودی آپ پر غالب آجائیں گے۔ جب حضرت حجاج رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا "بخدا! حجاج آگئے ہیں۔ ان کے پاس وہاں کی کوئی خبر ہوگی۔ انہیں ان کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے کہا "حجاج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ محمد عربی (ﷺ) خیبر کی طرف گئے ہیں" میں نے کہا "میرے پاس ایسی خبر ہے جو تمہیں خوش کردے گی" انہوں نے بیک زبان کہا "وہ کیا؟" میں نے کہا "محمد عربی (ﷺ) کا خیبر جیسی جنگجو قوم سے بھی واسطہ نہیں پڑا۔ مسلمانوں کو بے مثل شکست ہوئی ہے۔ انہوں نے محمد عربی (ﷺ) کو گرفتار کرلیا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے "ہم انہیں قتل نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہم انہیں مکہ مکرمہ بھیجیں گے۔ ہم قریش مکہ کے سامنے انہیں قتل کریں گے یا قریش مکہ کے حوالے کریں گے۔ وہ اپنے مقتولوں کے عوض انہیں قتل کردیں گے" یہ سن کر قریش مکہ مسرت سے دیوانہ ہوگئے۔ انہوں نے چیخ کر کہا "اہل مکہ! تمہارے پاس مسرور کن خبر آگئی ہے۔ یہ محمد عربی (ﷺ) ہیں۔ انہیں تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا۔ انہیں تمہارے سامنے قتل کردیا جائے گا" حضرت حجاج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے انہیں کہا "میرے مقروضوں کے بارے میں میری مدد کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ میں خیبر جاؤں اور دوسرے تاجروں کے وہاں پہنچنے سے قبل محمد عربی (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا مال خریدلوں" انہوں نے میرے لیے مال جمع کیا، پھر مکہ مکرمہ میں یہ خبر پھیل گئی۔ مشرکین فرحت وسرور کا اظہار کرنے لگے۔ وہاں کے مسلمانوں پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اٹھنے کی سکت بھی نہ رہی۔ پھر انہوں نے حضرت حجاج رضی اللہ عنہ کی طرف اپنا غلام بھیجا اور اسے فرمایا "عباس تمہیں کہہ رہے ہیں کہ اللہ رب العزت اس سے بزرگ و برتر ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ حق ہو" حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے کہا "انہیں میرا اسلام دینا اور عرض کرنا کہ کسی کمرہ میں مجھ سے خلوت میں ملاقات کریں۔ تاکہ میں انہیں ایسی خبر سناؤں جو انہیں خوش کردے، بشرطیکہ آپ وہ خبر چھپا کر رکھیں" غلام ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے کہا "ابوالفضل! آپ کو بشارت ہو" حضرت عباس رضی اللہ عنہ خوشی ومسرت سے اچھل پڑے۔ گویا کہ انہیں کچھ ہوا ہی نہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے وہ غلام آزاد کردیا اور فرمایا "میں دس غلام آزاد کروں گا" وقت ظہر حضرت حجاج رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دیا کہ وہ تین ایام تک یہ خبر چھپائے رکھیں، مجھے اپنے تعاقب کا خوف ہے۔ تین ایام کے بعد یہ پھیلا دیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا تو انہوں نے کہا "میری بیوی کے پاس میرا مال تھا۔ لوگوں پر بھی میرا قرض تھا، اگر انہیں میرے اسلام کے متعلق علم ہوجاتا تو وہ مجھے کچھ بھی نہ دیتے۔ میں حضور ﷺ سے اس حالت میں جدا ہوا کہ آپ خیبر کو فتح کرچکے تھے۔ آپ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے۔ آپ نے یہودیوں کے بادشاہ حیی کی

نور نظر کو اپنے حبالۂ عقد میں داخل کر لیا ہے۔۔ ابن ابی الحقیق قتل ہو چکا ہے"۔ پھر حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے انہیں سارے حالات بتا دیئے۔ رات کے وقت حضرت حجاج رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے یہ تین دن گزارنا مشکل ہو گئے۔ تین دن گزر گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حلّہ پہنا۔ عمدہ خوشبو لگائی۔ ہاتھ میں چھڑی پکڑی۔ پھر چلتے ہوئے قریش کی محافل میں آئے۔ وہ کہہ رہے تھے "ابو الفضل! آپ کو بھلائی کا ہی سامنا کرنا پڑے۔ بخدا! اتنی عظیم مصیبت پر اتنا صبر آپ کو ہی زیبا ہے" انہوں نے فرمایا "اللہ کی قسم! ہرگز نہیں! مجھے اس ذات والا کی قسم جس کی تم قسمیں اٹھاتے ہو۔ مجھے بھلائی ہی پہنچی ہے۔ الحمدللہ! مجھے حضرت حجاج رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر خیبر فتح فرما دیا ہے۔ انہوں نے اس کا مال غنیمت تقسیم کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب کو اپنے کاشانۂ اقدس میں داخل کر لیا ہے۔ حجاج نے یہ باتیں تمہیں اس لیے نہیں بتائیں تا کہ تم ان کا مال واپس کر دو۔ ورنہ انہوں نے تو اسلام قبول کر لیا ہے" اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اذیت کو ختم کر دیا۔ مشرکین مکہ نے کہا "اے اللہ کے بندو! اللہ کے دشمن حجاج کو چھوڑ دو، اگر ہم حقیقت حال سے آگاہ ہو جاتے تو پھر ہم کسی اور طریقے سے ہی اس کے ساتھ ملتے"۔ کچھ ہی دنوں کے بعد مشرکین مکہ کو خیبر کے سارے حالات سے آگہی ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ہر پیادہ شخص کو ایک حصہ، شہ سوار کو تین حصے عطا فرمائے۔ خمس بھی نکالا۔ پھر خیبر کی زمین اہل خیبر کے حوالے کی۔ شرط یہ تھی کہ پھل اور غلہ کی کل پیداوار میں نصف آپ کو ملے گا۔ آپ نے ان سے فرمایا "جب ہم چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے" خیبر کے یہودی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک اسی شرط پر برقرار رہے۔ پھر یہودیوں نے مسلمانوں کے حق میں دھوکہ اور فریب کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد انہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔

غزوۂ وادی القریٰ

وادی القریٰ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام تھا۔ وہاں یہودیوں کی ایک جماعت رہتی تھی۔ ابن اسحاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں خیبر سے واپس آئے۔ ہم وادی القریٰ پہنچے۔ ہم وہاں غروب آفتاب کے وقت پہنچے۔ آپ نے چار ایام تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ صحابہ کرام نے جنگ کی تیاری کر لی۔ انہوں نے صف بندی کر لی۔ آپ نے ایک جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دوسرا حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور تیسرا حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو، چوتھا حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ پھر ان یہودیوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ انہیں فرمایا "اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے خون اور اموال محفوظ ہو جائیں گے۔ ان کا حساب رب تعالیٰ کے ذمہ ہوگا" یہودیوں کا ایک شخص دعوت مبارزت لے کر نکلا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا شخص مقابلہ کی دعوت لے کر نکلا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہی اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ تیسرا شخص "ھل من مبارز" پکارتے ہوئے آیا تو

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو واصل جہنم کر دیا۔ ایک اور یہودی نکلا تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اسے موت کی نیند سلا دیا، حتیٰ کہ یہودیوں کے گیارہ سورما موت کی وادی میں چلے گئے۔ جب بھی ان کا کوئی شخص قتل ہوتا انہیں اسلام کی طرف دعوت دی جاتی۔ بالآخر مسلمانوں نے ان پر فتح یابی حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال مسلمانوں کو بطور مال غنیمت عطا فرما دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیا۔ زمین اور کھجوریں یہودیوں کے پاس ہی رہنے دیں۔ اور ان پر ان کے ساتھ معاہدہ کیا۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر کیا۔ جب اہل قیماء کو وادی القریٰ کے فتح ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کو ان پر نگران مقرر کیا۔ انہوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ قیماء مدینہ طیبہ اور شام کے مابین ایک معروف شہر تھا۔ مدینہ طیبہ سے یہ سات مراحل پر تھا۔ اسی طرح اہل فدک نے بھی نصف پیداوار پر صلح کر لی تھی۔ یہ پیداوار آپ کے لیے مخصوص تھی کیونکہ یہ بزور شمشیر فتح نہیں ہوا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے اہل فدک کی صلح کو غزوہ وادی القریٰ سے مقدم کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے فتح خیبر کے بعد صلح کی تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ واپس تشریف لے آئے۔

سریہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف

تربہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں ایک وادی کا نام تھا۔ العبلاء اس سے دو راتوں کی مسافت پر جبکہ مکہ مکرمہ چار راتوں کی مسافت پر تھا۔ یہ سریہ شعبان 7ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو تیس افراد کے ساتھ بھیجا۔ یہ کارواں رات کو محو سفر ہوتا تھا۔ دن کو چھپ جاتا تھا۔ بنو ہوازن کے وہ لوگ جو مقام تربہ پر فروکش تھے۔ انہوں نے اس گروہ کے متعلق سن لیا تو وہ بھاگ گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی اقامت گاہ تک پہنچے تو وہ راہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ وہ اپنے سارے جانور بھی اپنے ساتھ لے جا چکے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ جب وہ ذوالجدر کے مقام پر پہنچے۔ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چھ میل دور تھی۔ بنو ہلال کے ایک شخص نے ان سے عرض کی ''کیا آپ بنو خثعم کے لشکر پر حملہ آور نہیں ہوں گے، انہیں قحط سالی نے آلیا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم نہیں دیا۔ آپ نے مجھے تربہ کے ہوازن پر حملہ کرنے کے لیے فرمایا''۔

سریہ ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

یہ سریہ نجد کے قبیلہ بنو کلاب کی طرف تھا۔ یہ قبیلہ ضریہ کے گرد و نواح میں آباد تھا۔ یہ سریہ بھی شعبان 7ھ کو رونما ہوا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ سریہ بنو فزارہ کی سرکوبی کے لیے تھا۔ آپ نے ان کی ایک جماعت کو گرفتار کر لیا۔ ایک جماعت کو تہ تیغ کر دیا۔ امام مسلم نے صحیح مسلم میں لکھا ہے ''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فزارہ کی طرف بھیجا۔ میں بھی ان کے ہمراہ نکلا۔ جب ہم نے صبح کی نماز پڑھ لی تو آپ نے ہمیں حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان میں سے کچھ افراد کو تہ تیغ کیا۔ میں نے بچوں اور خواتین کو دیکھا۔ مجھے خدشہ دامن گیر ہوا کہ وہ کہیں پہاڑ کی طرف نہ

چلے جائیں۔ میں نے سرعت سے انہیں جالیا۔ میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان تیر پھینک دیا۔ جب انہوں نے تیر دیکھا تو فوراً رک گئے۔ ان میں ایک عورت تھی جسے ام قرفہ کہا جاتا تھا۔ اس نے چمڑے کی پوستین پہن رکھی تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ وہ سارے عرب کی خواتین سے خوبصورت تھی۔ میں انہیں ہانک کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام قرفہ کی وہ بیٹی مجھے عطا فرمادی۔ لیکن میں نے اس کا کپڑا تک نہ اٹھایا۔ ہم مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ملے تو فرمایا "وہ لڑکی مجھے دے دو" میں نے عرض کی "میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں" آپ نے اسے مکہ مکرمہ بھیجا۔ اس کے عوض مسلمانوں کے بہت سے اسیروں کو آزاد کرالیا جو کفار مکہ کے ہاں پابند سلاسل تھے" بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سریہ میں ام قرفہ کا نام وہم ہے، کیونکہ وہ سریہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

سریہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

انہیں فدک کے مقام پر بنومرہ کی طرف بھیجا گیا۔ یہ سریہ بھی شعبان 7ھ کو ہوا تھا۔ ان کے ہمراہ تیس صحابہ کرام تھے۔ جب یہ ان لوگوں کی اقامت گاہ تک پہنچے تو انہیں قوم کے چرواہے ملے۔ انہوں نے ان سے بنومرہ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا "وہ اپنی اپنی وادیوں میں ہیں" وہ سب جدا جدا تھے۔ اس چشمہ پر موجود نہ تھے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے جانور اور مویشی ہانکے اور مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ دشمن کے ایک شخص نے باآواز بلند پکارا۔ جسے سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ رات کے وقت وہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ وہ ساری رات ان پر تیر اندازی کرتے رہے۔ ان کے ساتھیوں کو تیر لگے۔ ان کے بہت سے ساتھی بھاگ نکلے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ شدید زخمی ہو گئے۔ ان میں زندگی کی رمق باقی تھی۔ دشمن نے ان کی ایڑھی پر مارا تا کہ معلوم کرے کہ وہ زندہ ہیں یا وصال کر چکے ہیں۔ جب انہوں نے حرکت نہ کی تو انہوں نے کہا "یہ تو مر گیا ہے" وہ اپنے جانور اور مویشی ہانک کر لے آئے۔ حضرت عتبہ بن زید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور سارے حالات بتائے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ بھی آپ کی خدمت حاضر ہو گئے۔ وہ شام تک مقتولوں میں پڑے رہے۔ رات کو اٹھ کر کسی نہ کسی طرح فدک تک پہنچے۔ یہودیوں کے ہاں کچھ روز قیام کیا جب زخم مندمل ہو گئے تو مدینہ طیبہ آ گئے۔

سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ

یہ سریہ اہل میفعہ کی طرف تھا۔ یہ قبیلہ نجد کی ایک طرف مدینہ طیبہ سے آٹھ برید دور تھا۔ یہ سریہ رمضان المبارک 7ھ کو ہوا تھا۔ اس سریہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سو تیس دوسری روایت کے مطابق دو سو تیس صحابہ کرام بھیجے تھے۔ انہوں نے دشمنوں پر یلغار کر دی۔ ان کے سرداروں کو تہ تیغ کیا۔ جانور ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔ اسی سریہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نہیک بن مرداس اسمی کو قتل کیا تھا۔ حالانکہ اس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا تھا۔ دوسری روایت میں غطفانی کا

ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسامہ! تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتا تھا؟ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس نے قتل سے بچنے کے لیے یہ کلمہ پڑھا'' آپ نے فرمایا ''کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ وہ سچا تھا یا جھوٹا'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کسی بھی ایسے شخص کو تہ تیغ نہیں کریں گے جو یہ گواہی دیتا ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

دوسری روایت کے مطابق مرداس کی قوم جب شکست خوردہ ہوگئی تو وہ تنہا رہ گئے اور اپنی بکریاں لے کر پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ جب مسلمان اس کی طرف گئے تو اس نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، السلام علیکم'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا۔ جب واپس لوٹے تو یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (النساء:94)

''اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تم خوب تحقیق کرلو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دنیوی زندگی کا''۔

دوسری روایت کے مطابق یہ آیت ایک اور سریہ کے متعلق نازل ہوئی جو 8ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ان کے امیر تھے۔ جب وہ مدینہ طیبہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسامہ! تم نے اسے اس کے بعد قتل کر دیا کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دے رہا تھا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ بچنے کے لیے یہ کلمہ پڑھ رہا تھا۔ آپ بار بار یہی بات دہراتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے خواہش کی، کاش! میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہوتا۔ کیونکہ اسلام پہلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ورثاء کو دیت دی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

سریہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ

یہ سریہ بنو غطفان کی سرزمین یمن اور جبار کی طرف تھا۔ اسے فزارہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ سریہ شوال 7ھ کو رونما ہوا تھا۔ آپ نے حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کرام کے ساتھ اس لشکر کی گوشمالی کے لیے بھیجا جو غطفان کی زمین میں جمع تھا۔ انہیں عیینہ بن حصن نے مدینہ طیبہ پر غارت گری کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ یہ لشکر رات کو عازم سفر ہوتا، دن کے وقت چھپ جاتا۔ جب دشمن کو اس لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ بھاگ گیا۔ ان کے بہت سے مویشی مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ پھر وہ عیینہ کے لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہوگئے۔ پھر عیینہ کے لشکر کو شکست برداشت کرنا پڑی۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا دو افراد گرفتار کر لیے۔ انہیں مدینہ طیبہ لے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔

عمرۃ القضاء

روانگی

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن شہاب نے کہا" آپ ذوالقعدہ 7ھ کو عمرہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ ان حضرات میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے، جنہوں نے حدیبیہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی۔ بچوں اور خواتین کے علاوہ دو ہزار صحابہ کرام آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے حضرت ابورہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ کے ہمراہ ساٹھ قربانی کے جانور تھے۔ آپ نے ہتھیار، زرہیں، نیزے اور ایک سو گھڑ سوار بھی ساتھ لے لیے۔ آپ نے احتیاطاً یہ کام کیا تھا تاکہ اہل مکہ دھوکہ سے حملہ آور نہ ہو جائیں۔ جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ نے گھڑ سوار دستہ آگے بھیج دیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ ہتھیار بھی آگے بھیج دیئے۔ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو ان کا نگران مقرر کیا۔ آپ نے احرام باندھا۔ فیوع کے راستہ عازم سفر ہوئے۔ آپ نے تلبیہ پڑھا۔ صحابہ کرام نے بھی آپ کے ہمراہ تلبیہ پڑھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ گھڑ سوار دستے کو لے کر مرالظہر ان چلے گئے۔ انہیں وہاں قریش کے بعض افراد ملے۔ انہوں نے ان سے گھڑ سوار دستہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت یہاں تشریف فرما ہوں گے ان شاء اللہ"۔ وہ افراد قریش کے پاس پہنچے اور گھڑ سوار دستے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق بتایا۔ جسے سن کر قریش گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا" بخدا! ہم نے کسی واقعہ کا اظہار بھی نہیں کیا۔ ہم اپنے معاہدہ پر بھی برقرار ہیں۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر لشکر کشی کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے مکرز بن حفص کو قریش کے چند افراد کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپ اس وقت وادی یاجج میں جلوہ افروز تھے۔ اسلحہ اور قربانی کے جانور بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ان افراد نے عرض کی" ہمارے کسی چھوٹے یا بڑے شخص نے دھوکہ بھی نہیں کیا، فریب نہیں کیا۔ آپ حرم کعبہ میں اپنی قوم کی طرف اسلحہ لے کر آ گئے ہیں؟ حالانکہ آپ نے شرط لگائی تھی کہ آپ صرف مسافر کا اسلحہ لے کر ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے" آپ نے فرمایا" میں مشرکین مکہ کے پاس اسلحہ لے کر نہیں جاؤں گا" مکرز نے کہا" نیکی اور وفاء آپ کی معروف خصلت ہے" پھر مکرز قریش مکہ کے پاس آ گیا اور ان سے کہا" محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی تک اسی شرط پر قائم ہیں جو انہوں نے رکھی تھی" آپ نے مرالظہر ان کے مقام پر نزول اجلال فرمایا۔ اسلحہ وادی یاجج میں بھیج دیا۔ حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کو دو سو مجاہدین کے ساتھ اس پر نگران مقرر کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے عمرہ کے سارے مناسک ادا کر لیے۔ قریش مکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ انہیں آپ کو دیکھنے کی سکت نہ تھی۔ آپ نے اور آپ کے صحابہ کرام نے بیت اللہ کا طواف کیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

دوسری روایت کے مطابق آپ نے قربانی کے جانور آگے ذوطویٰ بھیج دیے۔ آپ اپنی ناقہ مبارکہ قصواء پر سوار تھے۔ مسلمان تلواریں سونت کر آپ کے اردگرد حلقہ زن تھے۔ آپ اس ثنیہ سے جلوہ افروز ہوئے جو حجون کے اوپر ہے۔ حضرت

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کی مبارک سواری کی نکیل پکڑے ہوئے آپ کے آگے آگے رواں تھے۔ ان کے لبوں پر یہ اشعار تھے۔

خلو بنی الکفار عن سبلیه اليوم نضربکم علی تنزیله

''اے کفر کے سورماؤ! میرے آقا کے رستے سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم تم سے قرآن مجید کی تنزیل پر جنگ کریں گے۔

ضربا یزیل الهام عن مقیله ویذهل الخلیل عن خلیله

ہم ایسی ضرب لگائیں گے جو تمہاری گردنوں کو کندھوں سے جدا کردے گی۔ جو جگری یار کو جگری یار سے غافل کردے گی۔

قد انزل الرحمن فی تنزیله بانّ خیرالقتل فی سبیله

اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ بہترین قتل وہ ہے جسے اس کی راہ میں شہید کیا جائے۔

نحن قتلنا کم علی تاویله کما قتلناکم علی تنزیله

ہم نے اس کی تاویل پر تمہیں اسی طرح قتل کیا جس طرح اس کی تنزیل پر تمہارے ساتھ قتال کیا۔

یا رب انی مومن بقیله انی رایت الحق فی قبوله

مولا! میں تیرے سارے ارشادات پر ایمان لاتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ حق اسی میں ہے کہ تیری ہر بات تسلیم کرلی جائے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ابن رواحہ! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور حرم الٰہی میں تم یہ اشعار پڑھ رہے ہو؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عمر! اسے چھوڑ دو۔ یہ اشعار کفار پر تیروں سے زیادہ اثر انداز ہو رہے ہیں'' حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ مصرعہ ''نحن ضربناکم علی تاویله '' حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یوم صفین کو بھی پڑھا تھا۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ اشعار پڑھے ہوں۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یوم صفین کو یہی پڑھ لیے ہوں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''یہ کہو'' لاالہ الااللہ وحدہ، نصر عبدہ، اعزجندہ وھزم الاحزاب وحدہ'' حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کہا۔ پھر صحابہ کرام نے بھی اسی طرح کہا۔ اس میں کفار کو آتش غیظ وغضب میں زیادہ جلانا مقصود تھا۔ کیونکہ انہیں اشعار سے زیادہ اذیت پہنچی تھی۔ تمام مسلمان بیک آواز یہ کلمات کہہ رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلبیہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ نے حجر اسود کو استلام کرلیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی پر ہی طواف مکمل فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے پیادہ ہی طواف کیا۔ پہلے تین چکروں میں رمل کیا۔ صحابہ کرام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ محوطواف تھے۔

رمل

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ پہنچے تو مشرکوں نے کہا ''تمہارے پاس ایسی قوم آئی ہے جسے یثرب کے بخار نے کمزور کردیا ہے۔ آپ نے پہلے تین چکروں میں صحابہ کرام کو رمل کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ مشرکین اہل ایمان کی قوت وسطوت کا اندازہ لگالیں۔ انہوں نے کہا

"ارے! جن لوگوں کے متعلق تم گمان کر رہے ہو کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ وہ ہرن کی چال کی مانند اچھل اچھل کر مصروف طواف ہیں۔ مشرکین جبل قعیقعان پر تھے۔ آپ نے صحابہ کرام کو دونوں رکنوں کے مابین چلنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس جگہ قریش انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ انہیں صرف دو شامی رکنوں کے مابین دیکھ سکتے تھے۔ پھر آپ نے اپنی سواری پر ہی صفا اور مروہ کی سعی کی۔ پھر مروہ کے پاس اپنے جانور ذبح کیے۔ وہیں حلق کرایا۔ پھر اپنے دو سو صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ وادی یاجج میں دوسرے صحابہ کرام کے پاس جائیں۔ وہ وہاں اسلحہ کی نگرانی کریں، وہاں متعین صحابہ کرام آ کر مناسک عمرہ ادا کرلیں۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔

واپسی

آپ تین روز مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے۔ جیسا کہ اہل مکہ نے یہ شرط رکھی تھی۔ چوتھے روز ظہر کے وقت سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "ہم آپ کو رب تعالیٰ اور معاہدہ کا واسطہ دیتے ہیں کہ آپ ہماری سرزمین سے نکل جائیں"۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دینے کی کوشش کی۔ مگر آپ نے انہیں خاموش کرادیا۔ اور کوچ کا حکم دے دیا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کے ابتدائی حصہ میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ چوتھے روز اسی وقت یہ تین ایام مکمل ہوئے تھے" امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہوگئے اور تین ایام گزر گئے تو قریش مکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا "اپنے صاحب سے عرض کریں کہ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ مدت معینہ گزر چکی ہے"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے باہر نکل آئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نور نظر جن کا نام نامی امامہ یا عمارہ یا سلمیٰ تھا۔ وہ آپ کے پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔ وہ باآواز بلند چچا جان! چچا جان! پکار رہی تھیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اٹھالیا۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے کہا "اپنی چچازاد کو اپنے ہودج میں رکھیں" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "ہم اپنی چچازاد یتیمہ کو مشرکین کے پاس کیوں چھوڑ کر جائیں"۔ آپ نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ وہ انہیں لے کر عازم سفر ہوئے۔ پھر ان کے متعلق حضرات علی المرتضیٰ، جعفر طیار اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے تکرار کیا کہ وہ فرخندہ فال بچی کس کے پاس رہے گی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے اسے حاصل کیا اور مشرکین کے پاس سے لے کر آیا"۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ میری چچازاد ہے اور اس کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا میرے عقد نکاح میں ہے۔ اس لیے میں اس کا زیادہ حقدار ہوں"۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کہا "یہ میرے بھائی کی نور نظر ہے لہٰذا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے مابین رشتہ مواخات قائم فرمایا تھا۔ اس بچی کے متعلق ہر ایک کو شبہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور فرمایا "خالہ والدہ کے قائم مقام ہوتی ہے"۔ آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو" حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم ہمارے بھائی اور ہمارے مددگار ہو" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بچی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس ہی رہنے دی۔ حالانکہ مشرکین کے ساتھ معاہدہ میں یہ شرط بھی تھی

کہ جو شخص آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اسے واپس لوٹا دیں گے۔ کیونکہ انہوں نے اس بچی کا مطالبہ بھی نہیں کیا تھا۔ نیز اہل ایمان خواتین اس شرط میں شامل نہ تھیں۔ واپسی پر آپ ﷺ نے مسرف کے مقام پر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی فرمائی۔ اس وقت آپ نے احرام کھول دیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے حالت احرام میں ان کے ساتھ نکاح فرمایا۔ احرام کھول کر ان کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا فرمایا۔ لیکن محققین نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے۔ پہلا قول ہی درست ہے۔ اس عمرہ کے نام کے بارے سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض نے اسے عمرۃ القضاء کہا ہے۔ کیونکہ آپ نے حدیبیہ کے سال قریش کے ساتھ معاہدہ کیا تھا۔ اس قضاء سے مراد وہ شرط ہے جس پر معاہدہ ہوا تھا۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء نے اسے یہی نام دیا ہے۔ اس سے مراد اس عمرہ کی قضاء نہیں ہے جس سے آپ کو روک دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ فاسد نہیں ہوا تھا کہ اس کی قضاء ہوتی۔ بلکہ وہ تو مکمل عمرہ تھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ جسے بیت اللہ سے روک دیا گیا تو اس پر عمرہ کی قضاء ہے۔ وہ اسے ظاہری معنیٰ کے اعتبار سے قضاء مراد لیتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سریہ اخرم بن ابی العوجاء السلمی رضی اللہ عنہ

ذوالحجہ 7ھ کو انہیں بنوسلیم کی طرف بھیجا گیا۔ ان کے ساتھ پچاس مجاہدین تھے۔ جب یہ بنوسلیم کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے متعلق بنوسلیم کے ایک جاسوس کو علم ہو گیا۔ اس نے بنوسلیم کو ان کی روانگی سے آگاہ کر دیا اور انہیں بچنے کی تلقین کی۔ انہوں نے حضرت ابوالعوجاء رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا۔ ان کے سردار کو حضرت ابوالعوجاء رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا ''ہمیں اس دین کی ضرورت نہیں جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں''۔ انہوں نے کچھ دیر تیر اندازی کی۔ کفار کو مزید کمک مل گئی۔ کفار نے ہمہ جہت سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں نے شدید جہاد کیا۔ حتیٰ کہ تمام مجاہد شہید ہو گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ امیر بھی شہید ہو گیا۔ ایک اور قول کے مطابق انہوں نے امیر لشکر کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا۔ پھر وہ کسی نہ کسی طرح یکم صفر کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق دو یا تین مجاہد بچ نکلے تھے جنہوں نے اپنے امیر کو مدینہ طیبہ تک پہنچا دیا۔

سریہ حضرت غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ

انہیں کدید کے مقام پر بنوملوح کی طرف بھیجا گیا۔ یہ قدید اور عسفان کے مابین چشمہ کا نام تھا۔ یہ سریہ صفر 8ھ کو رونما ہوا۔ ابن اسحاق وغیرہ نے حضرت جندب بن مکیث الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم ﷺ نے غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ میں بھی ان مجاہدین میں شامل تھا۔ آپ نے کدید کے مقام پر بنوملوح پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ہم عازم سفر ہوئے۔ جب ہم قدید کے مقام پر پہنچے تو ہمیں ابن برصاء حرث بن مالک اللیثی ملا۔ ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے کہا ''میں اسلام کا ارادہ کیے ہوئے ہوں۔ میں حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کے ارادہ سے نکلا ہوں'' ہم نے اسے کہا ''اگر تم مسلمان ہو تو ایک دن اور ایک رات کی گرفتاری تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔ اگر تم اس کے

علاوہ کچھ ہوتو ہم نے تم سے وثیقہ لے لیا ہوگا"۔ ہم نے اسے باندھ دیا۔ ہم نے اپنے ایک ساتھی کو اس پر نگران مقرر کیا اور اسے کہا "اگر یہ تمہارے ساتھ دھوکہ کرے تو اس کا سر کاٹ دینا" پھر ہم عازم سفر ہو کر غروب آفتاب کے وقت قدید پہنچے۔ ہم وادی کے ایک کنارے پر تھے۔ مجھے میرے ساتھیوں نے اپنا جاسوس بنا کر بھیجا۔ میں باہر نکلا۔ ایک بلند ٹیلے پر چھپ گیا۔ میں نے سر اٹھا کر نیچے دیکھا، بخدا! میں اس ٹیلے پر منہ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک ایک شخص اپنے خیمہ سے باہر نکلا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا "مجھے اس ٹیلے پر ایک سایہ نظر آرہا ہے۔ تو اپنے برتن دیکھ لے کہ کوئی چیز مفقود تو نہیں ہے۔ کتے ہی ایک دوسرے پر نہ چڑھ دوڑے ہوں" اس عورت نے غور سے برتن دیکھے اور کہا "بخدا! میری تو کوئی چیز بھی مفقود نہیں" اس شخص نے کہا "مجھے میری کمان اور تیر پکڑاؤ" اس عورت نے اسے دو تیر اور کمان پکڑائی۔ اس نے تیر پھینکا جو میری آنکھوں کے مابین لگا۔ میں نے وہ تیر نکالا۔ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہا۔ اس نے دوسرا تیر اپھینکا جو میرے کندھے پر لگا۔ میں نے وہ تیر نکالا اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ اس شخص نے اپنی عورت سے کہا "اگر یہ کسی قوم کا جاسوس ہوا تو میرے تیروں نے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ وقتِ صبح یہ تیر تلاش کر کے لے آنا تا کہ کتے انہیں چاٹتے ہی نہ رہیں"۔ پھر وہ اپنے خیمہ میں داخل ہو گیا۔ ہم نے انہیں مہلت دی۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو وقتِ سحر ہم نے ان پر حملہ کر دیا۔ ہم نے ان کے بہت سے افراد قتل کر دیے۔ مویشی ہانک لیے۔ اس قوم کو پکارنے والے نے صدا دی۔ اتنا لشکر جرار جمع ہو گیا جن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ہم میں قوت نہ تھی۔ ہم مویشی لے کر عازم سفر ہو گئے۔ ہم ابن برصاء اور اس کے ساتھی کے پاس سے گزرے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ دشمن قوم ہمارے قریب آگئی۔ ہمارے مابین صرف قدید کی وادی تھی۔ اللہ رب العزت نے سیلاب بھیج دیا۔ یہ سیلاب نہ جانے کہاں سے آگیا تھا۔ حالانکہ نہ بادل نظر آرہا تھا نہ ہی بارش۔ یہ سیلاب اتنا تیز تھا کہ اسے عبور کرنے کی قوت کسی میں نہ تھی۔ دشمن ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم ان کے جانور ہانک کر لے جارہے تھے۔ ان کا ایک شخص بھی ہمارے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ ہم جلدی جلدی جانور ہانکے لے جارہے تھے۔ حتیٰ کہ ہم نے انہیں مغلوب کر دیا۔ وہ ہمارا تعاقب نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ ہم بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں آگئے۔ حرث بن مالک ہی ابن برصاء ہیں۔ برصاء ان کی والدہ کا نام تھا۔ یا وادی کا نام تھا۔ یہ صحابی تھے۔ پہلے ان کی سکونت مکہ مکرمہ میں تھی۔ پھر وہ مدینہ طیبہ آگئے۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کے آخری سالوں میں وصال فرمایا۔ ان سے صرف ایک حدیث طیبہ ہی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے فتح مکہ کے روز حضور اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا "آج کے بعد تا روز حشر مکہ مکرمہ پر لشکر کشی نہیں ہوگی"۔

ابن حبان اور امام ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ اور اسے صحیح بھی کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرات خالد بن ولید، عثمان بن طلحہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کا قبول اسلام

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب اللہ رب العزت نے میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا تو اس نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا۔ مجھے رشد وہدایت عطا فرمائی۔ میں نے کہا "میں محمد عربی (ﷺ) کے ہمراہ نبرد آزما ہونے کے لیے ہر جگہ گیا۔ میں واپس آیا تو میں نے یہی سمجھا کہ میں وقت کا ضیاع کر رہا ہوں۔ محمد عربی (ﷺ) عنقریب غالب آجائیں گے۔

جب آپ عمرہ کی ادائیگی کے لیے تشریف لائے تو میں غائب ہو گیا۔ میں آپ کی تشریف آوری کا نظارہ نہ کر سکا۔ اس وقت میرے بھائی ولید بن ولید بھی آپ کے ساتھ ہی تھے۔ انہوں نے مجھے ڈھونڈا۔ مگر مجھے نہ پا سکے۔ انہوں نے مجھے یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اما بعد! میرے لیے سب سے زیادہ تعجب خیز یہ امر ہے کہ تمہاری رائے سے اسلام کی صداقت کیسے مخفی رہی۔ حالانکہ تمہاری عقل و دانش اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اسلام جیسا سچا مذہب تم سے کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بارے مجھ سے پوچھا کہ خالد کہاں ہے؟ میں نے عرض کی "اللہ رب العزت انہیں لے آئے گا"۔ آپ نے یہ بھی فرمایا "خالد جیسا زیرک انسان اسلام سے کیسے دور رہ سکتا ہے۔ اگر وہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتا تو اس کے لیے بہت بہتر ہوتا۔ ہم اسے دوسروں پر ترجیح دیتے"۔ میرے بھائی! تم نے زندگی کے جولحات ضائع کیے ہیں۔ ان کا فوراً تدارک کر لو"۔

جب مجھے میرے بھائی کا خط ملا تو مدینہ طیبہ کی طرف جانے کا شوق مزید بھڑک اٹھا۔ اسلام کی رغبت میں اضافہ ہو گیا۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے خوش ہو گیا۔ نیز میں نے خود کو خواب میں دیکھا کہ گویا کہ میں قحط زدہ تنگ زمین میں ہوں۔ پھر میں وہاں سے نکل کر وسیع اور شاداب زمین میں آ گیا ہوں۔ جب میں نے مدینہ طیبہ کی طرف جانے کا عزم کر لیا تو میں صفوان بن امیہ سے ملا۔ میں نے اسے کہا "ابو وہب! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) عرب و عجم پر غالب آ گئے ہیں۔ اگر ہم آگے بڑھیں اور آپ کی اطاعت بجا لائیں تو آپ کا ہر شرف ہمارا شرف بن جائے گا"۔ صفوان نے مجھے کہا "اگر میرے علاوہ اور کوئی بھی نہ رہا، میں پھر بھی ان کی اتباع نہیں کروں گا" میں نے کہا "یہ ایسا شخص ہے جس کا باپ اور بھائی بدر میں قتل ہو گئے تھے"۔ میں عکرمہ بن ابی جہل سے ملا۔ میں نے اس سے بھی اسی طرح گفتگو کی جس طرح صفوان سے کی تھی۔ اس نے مجھے اسی طرح جواب دیا جس طرح صفوان نے دیا تھا۔ میں نے اسے کہا "میری یہ بات مخفی رکھنا" اس نے اسے پوشیدہ رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر میں عثمان بن طلحہ سے ملا۔ میں نے کہا "یہ میرا جگری یار ہے" میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے اپنے عزم سے آگاہ کروں۔ پھر مجھے یاد آیا کہ اس کا باپ طلحہ، چچا عثمان اور چار بھائی مسافع، حلاس، حرث اور کلاب قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سارے احد کے روز قتل ہوئے تھے۔ میں نے اس سے یہ بات کرنا مناسب نہ سمجھی۔ پھر میں نے اسے کہا "ہم اس لومڑی کی طرح ہیں جو ایک سوراخ میں ہو۔ اگر اس میں پانی کے ڈول ڈالے جائیں تو وہ ضرور باہر نکل آئے"۔ میں نے اس کے ساتھ اسی طرح گفتگو کی جس طرح میں نے صفوان اور عکرمہ سے کی تھی۔ اس نے جلدی سے میری بات مان لی۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر وہ آگے نکل گیا تو فلاں جگہ میرا منتظر ہو گا۔ اگر میں وہاں پہلے پہنچ جاؤں تو اس کا انتظار کروں گا۔ ابھی فجر بھی طلوع نہیں ہوئی تھی کہ ہم ایک دوسرے سے مل گئے۔ ہم عازم سفر ہو کر "العدۃ" پہنچے۔ ہم نے وہاں عمرو بن العاص کو پایا۔ ہم نے اسے خوش آمدید اور اس نے ہمیں مرحبا کہا۔ اس نے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا "دائرہ اسلام میں داخل ہونے کا" انہوں نے کہا "میں بھی اسی لیے آیا ہوں" دوسری روایت کے مطابق عمرو نے خالد سے کہا "ابو سلیمان! کہاں کا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا "اللہ کی قسم! اب صراط مستقیم آشکارا ہو چکا ہے۔ امر واضح ہو چکا ہے۔ یہ شخص نبی برحق ہیں۔ میں وہاں جا کر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں"۔ حضرت عمرو نے کہا "میں بھی اسلام لانے کے لیے آیا ہوں" ان تمام نے ایک دوسرے کی رفاقت میں سفر کیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے "جب ہم غزوۂ خندق سے واپس آئے تو میں نے قریش سے ایسے افراد جمع کیے جو میری رائے کا احترام کرتے اور اسے غور سے سنتے تھے۔ میں نے انہیں کہا "تم جانتے ہو کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غالب آ گئے تو ان کے ماتحت ہونے سے نجاشی کے ماتحت ہونا زیادہ بہتر ہے۔ اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو ہم اپنی قوم سے خوب آشنا ہیں۔ ہمیں اس طرف سے صرف اچھائی ہی پہنچی ہے" ان لوگوں نے کہا "تمہاری رائے بہت اچھی ہے" میں نے کہا "ایسی چیز جمع کرو جسے ہم بطور تحفہ نجاشی کے دربار میں لے کر جائیں" نجاشی کو ہماری سرزمین کے چمڑے کی مصنوعات پسند تھیں۔ ہم نے اس کے لیے چمڑے کی بہت سی مصنوعات اکٹھی کیں۔ پھر روانہ ہو کر نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے۔ بخدا! ہم نجاشی کے پاس ہی تھے کہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصد حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے نجاشی کے پاس گئے۔ وہ اندر گئے۔ انہوں نے نجاشی سے ملاقات کی۔ پھر باہر نکل آئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ عمرو بن امیہ ہیں۔ اگر میں نجاشی کے پاس جاؤں اور وہ مجھے یہ شخص دے دے تو میں اس کی گردن اڑا کر رکھ دوں گا۔ قریش سمجھیں گے کہ میں نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصد کو قتل کر کے ان سے بدلہ لے لیا ہے" میں نجاشی کے پاس گیا۔ اور حسب سابق اسے سجدہ کیا۔ اس نے کہا "میرے دوست کو مرحبا! میرے لیے اپنے شہر سے کیا تحفہ لے کر آئے ہو؟ میں نے کہا "میں چمڑے کی بہت سی مصنوعات لے کر آیا ہوں" میں نے وہ اشیاء اس کی خدمت میں پیش کر دیں۔ جنہیں اس نے خوب پسند کیا۔ پھر میں نے اسے کہا "میں نے اپنے دشمن کا قاصد دیکھا ہے۔ جو آپ کے دربار سے ابھی ابھی نکلا ہے۔ آپ اسے مجھے عطا کر دیں تا کہ میں اسے قتل کر دوں، کیونکہ اس نے ہمارے بہت سے رئیسوں اور سرداروں کو تہ تیغ کیا ہے" یہ سن کر نجاشی کو سخت غصہ آیا۔ پھر اس نے میری ناک پر زور سے تھپڑ مارا۔ اور میری ناک توڑ دی۔ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں فرط ندامت سے اندر چلا جاتا۔ پھر میں نے کہا "شاہ والا! بخدا! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ یہ بات ناپسند کرتے ہیں تو میں اس طرح سوال نہ کرتا" نجاشی نے کہا "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اس ہستی والا کا قاصد تمہارے سپرد کر دوں جس کے پاس وہ ناموس اکبر آتا ہے جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پاس آتا تھا تا کہ تو اسے قتل کر دے۔ عمرو! تیرے لیے ہلاکت! اس ہستی والا کی اطاعت اور اتباع کر لے۔ اللہ کی قسم وہ حق پر ہے۔ وہ اپنے مخالفین پر اسی طرح غالب آ جائیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے"۔ میں نے پوچھا "کیا میں آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لوں" اس نے کہا "ہاں!" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ میں نے اسلام پر اس کی بیعت کر لی۔ پھر میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو گیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ اور ان کی رفاقت میں مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے ہاتھوں اسلام قبول کر لیا۔ اس میں

ایک لطیف نکتہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک صحابی نے تابعی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ اس طرح کی اور کوئی مثال نہیں ملتی''۔

جب یہ جلیل القدر ہستیاں مدینہ طیبہ پہنچیں تو انہوں نے ''حرۃ'' کے پاس اپنی سواریاں بٹھائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے متعلق بتایا گیا تو آپ نے فرمایا ''مکہ مکرمہ نے اپنے جگر پاروں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اپنے عمدہ کپڑے زیب تن کیے پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جانے کے لیے روانہ ہوا۔ مجھے میرا بھائی ملا۔ انہوں نے کہا ''جلدی کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری آمد کی وجہ سے بڑے خوش ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے منتظر ہیں'' ہم نے رفتار تیز کر دی۔ میں نے دور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار تبسم ریز رہے حتیٰ کہ میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔ میں نے اس طرح سلام عرض کیا ''السلام علیك یانبی اللہ! آپ نے خندہ پیشانی سے مجھے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ وانك رسول اللہ''۔ آپ نے فرمایا ''ساری تعریفیں اس رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ میں تمہیں صاحب دانش سمجھتا تھا۔ اور مجھے امید تھی کہ عقل ودانائی تمہیں بھلائی کی طرف لے آئے گی''۔ میں نے عرض کی ''یارسول اللہ! رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ میرا ان تمام مقامات پر کھڑا ہونا معاف کر دے جن میں میں آپ کے خلاف برسر پیکار رہا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اسلام سابقہ لغزشوں کو مٹا دیتا ہے'' پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور دولت اسلام سمیٹ لی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ہم مدینہ طیبہ پہنچے، ''حرۃ'' میں اپنی سواریاں بٹھائیں۔ عمدہ کپڑے زیب تن کیے۔ اذان عصر مسجد نبوی سے بلند ہو رہی تھی۔ ہم آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ چہرۂ والضحیٰ خوشی سے دمک رہا تھا۔ مسلمان بھی ہمارے اسلام لانے کی وجہ سے بہت مسرور تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انہوں نے بیعت کی، پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، انہوں نے بیعت کی۔ پھر میں آگے بڑھا۔ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ حیاء کی وجہ سے میں پلکیں بھی اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں نے اس شرط پر آپ کی بیعت کر لی کہ رب تعالیٰ میری سابقہ لغزشیں معاف کر دے''۔ مجھے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ میرے بعد کے گناہ بھی معاف کر دے'' آپ نے فرمایا ''اسلام اپنے سے پہلے کی خطائیں مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح ہجرت بھی پہلے کی غلطیاں ختم کر دیتی ہے''۔ بخدا! جب سے ہم نے اسلام قبول کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جنگی معاملہ میں مجھے اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو فوقیت دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی ہمیں یہ سعادت حاصل رہی۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی مجھے یہ مقام حاصل رہا''۔

حضرت زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ جب یہ تینوں حضرات بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں بقیہ دونوں حضرات سے عمر رسیدہ تھا۔ میں ان سے ایک چال چلنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں پہلے بیعت کرنے کے لیے کہا۔ انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ انہوں نے یہ شرط رکھی کہ ان کے سابقہ سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ میں اپنے دل میں یہ بات چھپائے بیٹھا تھا کہ میں اس شرط پر بیعت کروں گا کہ میرے اگلے اور پچھلے گناہ معاف

کردیئے جائیں۔ جب میں بیعت کرنے لگا تو میں نے سابقہ گناہوں کی معافی کی شرط تو عرض کردی لیکن آئندہ گناہوں کے متعلق میں عرض نہ کرسکا"۔ ابن بکار نے ہی روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عرض کی "آپ نے اسلام لانے میں تاخیر کیوں کی؟ حالانکہ آپ کو عقل و دانش کی صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا" انہوں نے فرمایا "ہم ایسی قوم کے ساتھ تھے۔ جنہیں ہم سے تقدم حاصل تھا۔ ہم ان کے ساتھ مل گئے۔ ان کی عقل و دانائی کہساروں کی طرح تھی۔ جب وہ چلے گئے۔ معاملہ ہمارے سپرد ہوا تو ہم نے غور و فکر کیا تو حق واضح ہوگیا۔ اسلام میرے دل میں جاگزین ہوگیا"۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر کے امیر رہے۔ وہ عرب کے مبلغین میں سے ایک تھے۔ صحیح روایت کے مطابق ان کا وصال 43ھ میں ہوا۔ ان کی عمر اس وقت تقریباً نوے سال تھی۔ حضرت خطیب نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آج تمہارے پاس ایک دانا شخص آئے گا"۔
اس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ہجرت کرکے آگئے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اشراف عرب میں سے ایک تھے۔ آپ زمانہ جاہلیت میں گھڑ سوار دستے کے امیر تھے۔ صلح حدیبیہ تک ہونے والی تمام جنگوں میں آپ نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ ان کے گھڑ سوار دستے کے امیر تھے۔ پھر "اللہ تعالیٰ کی تلوار" کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لشکر اسلامی کے گھڑ سواروں کا امیر بنا دیا۔ ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خالد کو اذیت نہ دیا کرو۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ جسے رب تعالیٰ نے کفار پر سونت رکھا ہے"۔ جنگ موتہ میں آپ نے اپنے جوہر ہائے نمایاں کا اظہار کیا۔ اہل ردۃ کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ عراق کی فتوحات کا آغاز کیا۔ شام کی ان گنت فتوحات آپ کی ہی مرہون منت ہیں۔ ابو زرعہ دمشقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خالد بن ولید اللہ تعالیٰ کے عمدہ بندے اور قبیلہ کے عمدہ بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔ جسے اس نے کفار پر سونتا ہے"۔ سعید بن منصور نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کیا۔ شاید اس سے عمرۃ الجعر انہ مراد ہو۔ اپنے سر اقدس کا حلق کرایا۔ لوگوں نے آپ کے بال مبارک حاصل کرنے میں جلدی کی۔ میں نے آپ کی طلعتِ زیبا کے بال حاصل کرلیے۔ میں نے انہیں اس ٹوپی میں رکھ لیا۔ میں اسے لے کر جس جنگ میں بھی شریک ہوا مجھے نصرت و اعانت نصیب ہوئی"۔ ابو یعلی کی روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا "میں نے جدھر کا بھی رخ کیا مجھے فتح نصیب ہوئی"۔ اکثر مؤرخین کے مطابق آپ نے 21ھ کو حمص کے مقام پر وصال فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر چالیس سال سے زائد تھی۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے مدینہ نبویہ میں وصال فرمایا۔ ابن مبارک نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا میں نے "میدانِ جنگ میں شہادت کی جستجو کی، مگر مجھے نصیب نہ ہوسکی۔ اب میں بستر پر اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کررہا ہوں"۔

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں بیت اللہ کے حاجب اور کلید بردار تھے۔ تفسیر ثعلبی میں ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کلید کعبہ پیش کرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا۔ حافظ ابن حجر نے

''اصابہ'' میں لکھا ہے: یہ روایت منکر ہے۔ مشہور یہی ہے کہ انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت عمرو اور حضرت خالد کے ساتھ ہجرت کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ پھر مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کر لی۔ وہیں 42ھ میں وصال فرمایا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے اجنادین کے مقام پر جام شہادت نوش کیا۔ مگر یہ بات درست نہیں۔

سریہ غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

جب حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سریہ کدید سے فتح منداور کامران ہو کر لوٹے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مقام فدک پر بھیج دیا۔ اسی جگہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہ سریہ ماہ صفر 8ھ کو پیش آیا تھا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو تیار فرمایا تھا۔ انہیں فرمایا ''اس جگہ جاؤ جس جگہ حضرت بشیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو اذیت ناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا''۔ آپ نے ان کے ساتھ دو سو مجاہدین اسلام تیار کیے۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ اتنے میں حضرت ابن عبداللہ بھی سریہ کدید سے منصور و موید واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم بیٹھ جاؤ''۔ آپ نے حضرت ابن عبداللہ کو دو سو سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ وقت صبح انہوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ قریب پہنچ کر حضرت ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کی طرف جاسوس بھیجے۔ ان کے ہمراہ حضرت علبہ بن حرث رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے اسی جگہ ایک جماعت دیکھی۔ واپس آ کر انہوں نے حضرت ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ ابن سعد نے حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سریہ میں بھیجا۔ ہم نے صبح کے وقت ان پر حملہ کر دیا۔ ہمارے امیر نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔ انہوں نے ہم کو باہم بھائی بھائی بنا دیا۔ انہوں نے فرمایا ''میری نافرمانی نہ کرنا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اگر تم نے میری نافرمانی کی تو گویا کہ تم نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی''۔ انہوں نے مجھے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھائی بھائی بنا دیا۔ ہم نے اس قوم پر حملہ کر دیا''۔

روایت ہے کہ جب وہ دشمن قوم کے قریب پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا ''اما بعد! میں تمہیں اس رب تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جو یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نیز یہ کہ تم میری اطاعت کرو۔ میری نافرمانی نہ کرو، نہ ہی کسی امر میں میری مخالفت کرو۔ بلا شبہ جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کی کوئی رائے نہیں''۔ پھر انہوں نے دو دو صحابہ کرام کو باہم بھائی بنا دیا۔ انہیں فرمایا ''تم میں سے کوئی ایک دوسرے سے جدا نہ ہو، جب میں تکبیر کہوں تو تم بھی تکبیر کہو''۔ جب انہوں نے قوم کا گھیراؤ کر لیا تو حضرت غالب رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی، صحابہ کرام نے بھی ان کے ساتھ تکبیر کہی۔ انہوں نے شمشیریں بے نیام کر لیں۔ دشمن باہر نکل آیا۔ کچھ دیر جنگ آزمائی ہوتی رہی۔ مسلمانوں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس روز ان کا

شعار "اَمِتْ" تھا۔ بہت سے افراد تہ تیغ کیے۔ ان کے بہت سے مویشی، اولاد اور جانور ہانک کر لے آئے۔ ہر مجاہد کو دس اونٹ ملے یا اس کے برابر بکریاں ملیں۔ ایک اونٹ کے بدلے دس بکریاں ملیں۔

سریہ شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ

یہ سریہ بنو ہوازن میں بنو عامر کی طرف تھا۔ یہ "السیٔ" کے مقام پر رونما ہوا تھا۔ یہ ذات عرق کے مقام پر ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین مراحل پر ہے۔ یہ سریہ ربیع الاول 8ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چوبیس شہ سوار تھے۔ آپ نے انہیں بنو عامر کی طرف بھیجا۔ مجاہد بن اسلام رات کو سفر کرتے تھے۔ دن کو چھپ جاتے تھے۔ انہوں نے وقت صبح ان پر حملہ کر دیا۔ انہیں بہت سے مویشی اور جانور ملے۔ وہ انہیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔ مجاہدین میں مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ ہر مجاہد کو پندرہ اونٹ ملے۔ یا ایک اونٹ کے عوض دس بکریاں ملیں۔

سریہ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شام کی طرف ذات اطلاح کی طرف بھیجا۔ یہ بستی ذات القریٰ کے بعد تھی۔ یہ سریہ ربیع الاول 8ھ کو رونما ہوا۔ اس میں پندرہ مجاہدین نے شرکت کی۔ یہ روانہ ہو کر ذات اطلاح پہنچے تو انہیں لشکر جرار کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ دن کو چھپتے تھے۔ رات کو سفر کرتے تھے۔ جب دشمن قوم کے قریب پہنچے تو انہیں دشمن کے جاسوس نے دیکھ لیا۔ اس نے صحابہ کرام کی قلیل تعداد کے متعلق قوم کو بتا دیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آ گئے۔ مسلمانوں نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے لبیک نہ کہا۔ بلکہ انہوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ صحابہ کرام نے شدت سے قتال کیا۔ حتیٰ کہ ایک صحابی کے علاوہ سارے مرتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ایک زخمی صحابی بچ نکلے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق وہ امیر تھے۔ جب رات پڑی تو وہ اٹھ کر عازم سفر ہوئے۔ اور درگاہ نبوت میں حاضر ہو کر سارے حالات عرض کیے۔ جنہیں سن کر آپ بہت غمزدہ ہوئے۔ آپ نے ان کی طرف صحابہ کرام کو بھیجنے کا ارادہ کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ وہ کسی دوسری جگہ چلے گئے ہیں تو آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔

سریہ موتہ

سبب اور روانگی

امام بخاری اور ابن اسحاق نے اسے غزوۂ موتہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی تھی۔ اگرچہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف نہیں لے گئے۔ موتہ شام کا معروف شہر تھا۔ یہ بیت المقدس سے دو مرحلہ کی مسافت پر تھا۔ یہ سریہ جمادی الاول 8ھ کو رونما ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر ہرقل کی طرف سے

بصرہ کے امیر حارث بن ابی شمر الغسانی کی طرف بھیجا۔ جب یہ موتہ پہنچے تو انہیں شرحبیل بن عمرو الغسانی ملا۔ اس نے ان سے پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے فرمایا "شام کا" اس نے کہا "کیا تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قاصدوں میں سے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" شرحبیل نے انہیں باندھنے کا حکم دیا۔ انہیں رسیوں سے باندھ دیا گیا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور ان کا سرتن سے جدا کر دیا۔ ان کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور قاصد کو شہید نہیں کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین ہزار مجاہدین پر امیر مقرر کیا۔ انہیں حکم دیا اور فرمایا "اگر زید مرتبہ شہادت پر فائز ہو جائیں تو امیر لشکر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر جائیں تو امیر حضرت عبد اللہ بن رواحہ ہوں گے، اگر حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی قبائے شہادت زیب تن کر لیں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں" اس جگہ نعمان نامی یہودی بھی تھا۔ اس نے عرض کی "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ نبی ہیں تو آپ نے جن جن حضرات کا نام لیا ہے وہ سارے منصب شہادت پر فائز ہو جائیں گے۔ کیونکہ انبیائے اسرائیل جب کسی شخص کو کسی قوم کا امیر مقرر کرتے پھر وہ کہتے "اگر فلاں شہید ہو جائے تو فلاں امیر ہوگا" اگر وہ ایک سو افراد کا بھی نام لیتے وہ سارے شہید ہو جاتے"۔ پھر نعمان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا "وصیت کرلو۔ اب تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ اگر وہ نبی ہیں" حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ پاکباز اور سچے نبی ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے سفید جھنڈا باندھا۔ جھنڈا انہیں عطا فرمایا اور فرمایا "وہ حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قتل گاہ تک جائیں۔ وہاں موجود لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ لبیک کہیں تو بہتر ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان پر حملہ کر دیں" صحابہ کرام نے عازم سفر ہونے میں جلدی کی۔ وہ جرف کے مقام پر جمع ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ثنیۃ الوداع تک تشریف لائے۔ آپ نے صحابہ کرام کو الوداع کہا۔ آپ نے فرمایا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ جو مسلمان ہیں ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے ساتھ روانہ ہو جاؤ جو رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جہاد کرو۔ نہ دھوکہ کرو۔ نہ بددیانتی کرو۔ نہ کسی بچے یا عورت کو تہ تیغ کرنا۔ نہ ہی پیر فرتوت کو مارنا۔ نہ ہی گرجا کے عزلت گزیں کو مارنا۔ نہ کھجور کے قریب جانا۔ نہ درخت کو کاٹنا۔ نہ ہی کسی عمارت کو گرانا"۔

جب حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں الوداع کہا تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ صحابہ کرام نے سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا "بخدا! نہ تو مجھے دنیا سے محبت ہے۔ نہ ہی تمہاری جدائی کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ لیکن میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ (مریم)

"اور تم میں کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا یہ آپ کے رب پر لازم ہوگا اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہے"۔

میں نہیں جانتا کہ میں جہنم تک پہنچنے کے بعد واپس کیسے آؤں گا۔ جب لشکر اسلامی روانہ ہوا تو مسلمانوں نے انہیں یہ دعا دی" اللہ تعالیٰ تم سے اذیت دور کرے۔ تمہیں سالم اور غانم واپس لے کر آئے"۔ تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے یہ اشعار پڑھے:

لكنني اسأل الرحمن مغفرة　　وضربة ذات فرغ تقذف الزبدا

او طعنة بيدى حران مجهزة　　بحربة تنفذ الاحشاء والكبدا

حتى يقال اذا مروا على جدثى　　ارشدہ الله من غاز وقد رشدا

''لیکن میں رب تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔ اور ایسی وسیع ضرب کا سوال کرتا ہوں جو جھاگ پھینک رہی ہو۔ یا نیزے کے ایسے وار کی التجاء کرتا ہوں جو خون کے پیاسے کافر کے دونوں ہاتھوں سے لگایا گیا ہو۔ جو نیزے پر پورا زور لگائے جو انتڑیوں اور جگر کو پار کر جائے۔ حتیٰ کہ اس وقت یہ بات کہی جائے جب میری قبر کے پاس سے لوگ گزریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی صحیح راستہ کی طرف کی اور وہ ہدایت یافتہ ہو گیا''۔

ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداع کرنا چاہا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہونے لگے تو آپ نے فرمایا ''ایسے اشعار پڑھو جو فی البدیہہ کہے گئے ہوں''۔ تو انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

انى تفرست فيك الخير نافلة　　فراسة خالفت فيك الذى نظروا

انت الرسول فمن تحرم نوافله　　والوجه منه فقد ازرى به القدر

میں نے فراست سے پہچان لیا ہے کہ آپ میں خیر و فلاح اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ تحفہ ہے۔ یہ ایسی فراست ہے جو اس نقطۂ نظر کے خلاف ہے جو کفار آپ کے بارے میں رکھتے ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ہیں جو شخص اللہ کی عنایتوں اور اس کی ہدایت سے محروم رہا تو اس کی قسمت نے اسے کوتاہ دست رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابن رواحہ! اللہ تعالیٰ تمہیں ثابت قدم رکھے۔ امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں نماز جمعہ پڑھی۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے انہیں دیکھا تو فرمایا ''تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ صبح صبح ہی کیوں نہ روانہ ہو گئے''۔ انہوں نے عرض کی ''میں نے چاہا کہ آپ کے ہمراہ نماز جمعہ ادا کر لوں پھر ان کے ساتھ مل جاؤں گا'' آپ نے فرمایا ''اگر تم سب کچھ خرچ کر ڈالو تو تم ان کی روانگی کا اجر نہیں پا سکتے''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا ''راہ خدا میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے''۔

پیش قدمی

جب صحابہ کرام مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہوئے تو دشمن نے بھی ان کی روانگی کے متعلق سن لیا۔ شرحبیل بن عمرو الغسانی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک لاکھ سے زائد افراد کا لشکر جمع کر لیا۔ اس نے ہراول دستہ پہلے بھیج دیا۔ مسلمان وادی القریٰ میں فروکش تھے۔ اس نے اپنے بھائی سدوس کو پچاس کافروں کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی۔ سدوس قتل ہو گیا۔ پھر مسلمان مقام معان پر فروکش ہو گئے۔ انہیں کفار کی کثیر تعداد کے متعلق علم ہو گیا۔ انہوں نے دو راتیں معان میں بسر کیں۔ مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ ہرقل بلقاء میں ہے۔ ان کے ساتھ اہل روم میں سے ایک لاکھ مشرکین ہیں۔ اس کے

ساتھ لخم، جذام، قیس، بہرام کے قبائل مل گئے ہیں۔ ان سب کو شرحبیل نے جمع کیا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ لشکر دو لاکھ اہل روم، پچاس ہزار اہل عرب اور بہت سی افواج پر مشتمل تھا۔ مسلمانوں نے کہا "ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خط لکھتے ہیں اور سارے حالات بتاتے ہیں۔ یا تو آپ مزید مجاہدین سے ہماری مدد فرمائیں گے۔ یا ہم کو کسی اور کام کا حکم دیں گے جو ہم کر گزریں گے"۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے انہیں پیش قدمی پر ابھارا۔ انہوں نے فرمایا "میری قوم! بخدا! جسے اب تم ناپسند کر رہے ہو اسی کے تم طلبگار تھے۔ یعنی شہادت۔ ہم لوگوں کے ساتھ تعداد، قوت اور کثرت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تو اس دین کی وجہ سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے ہمیں معزز فرمایا ہے۔ آگے بڑھو۔ دو بھلائیوں میں سے ایک نصیب ہو گی یا غلبہ یا شہادت"۔

صحابہ کرام نے کہا "بخدا! حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سچ کہہ رہے ہیں" وہ موتہ کی طرف بڑھے، کثیر تعداد مشرکین ان کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لیے آ گئے۔ جن کی تعداد دو لاکھ سے زائد تھی۔ قوت و شدت کا اظہار کرنے کے لیے وہ اپنے ساتھ اسلحہ، گھوڑے، دیباج، ریشم، کثیر اموال اور آلات حرب لے کر نکلے تھے۔ اس سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں جرأت و بہادری کا جوہر کس قدر تھا۔ ان کے دل کتنے مضبوط تھے۔ انہیں اپنے رب پر کتنا بھروسہ تھا۔ اور انہیں اپنی جانوں کی پرواہ نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے نفوس راہ خدا میں بیچ ڈالے تھے۔ صرف تین ہزار مجاہدین ایسے دو لاکھ سے زائد مشرکین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے جو آلات حرب سے لیس تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اپنے رب تعالیٰ پر پورا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (المومن: 51) "بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی"۔

وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الروم) "اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے۔ اہل ایمان کی امداد فرمانا"۔

مسلمان اور مشرکین باہم جنگ آزما ہو گئے۔ علم اسلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ انہوں نے خوب جہاد کیا۔ مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ جہاد کا حق ادا کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ ایک نیزہ لگنے کی وجہ سے شہید ہو گئے۔ حتیٰ کہ علم اسلام حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ پہلے آپ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ پھر نیچے اتر آئے۔ گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ بھرپور جہاد کیا، حتیٰ کہ شہید ہو گئے۔ عمر مبارک تینتیس برس تھی۔ یہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر چالیس یا اکتالیس برس تھی۔ جب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوئی اور دشمن نے آپ کا احاطہ کر لیا تو آپ نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے ان پر حملہ بول دیا۔

یا حبذا الجنۃ واقترابھا طیبۃ وباردا شرابھا

والروم روم قد دنا عذابھا کافرۃ بعیدۃ انسابھا

علی اذ لاقیتھا ضرابھا

"جنت اور اس کا قرب کتنا اچھا ہے۔ اس کا مشروب پاکیزہ اور ٹھنڈا ہے۔ یہ رومی وہ رومی ہیں جن کے لیے عذاب

قریب آ گیا ہے۔ یہ کافر ہیں اور ان کے نسب بھی ہم سے بہت دور ہیں۔ مجھ پر لازم ہے کہ جب ان کے ساتھ جنگ آزما ہوں تو خوب شمشیر زنی کروں"۔

آپ نے اس خدشہ سے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ ڈالیں کہ کہیں کفار اسے پکڑ نہ لیں۔ اس پر سوار ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کریں۔ نیز اس لیے کہ آپ جنگ کریں اور راہِ فرار اختیار نہ کریں۔ اس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی فرط شجاعت کی بھی دلیل ہے۔ جب انہوں نے جھنڈا اٹھایا تو انتہائی بہادری سے لڑے۔ ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے علم اسلام بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ حتیٰ کہ وہ بھی کٹ گیا تو جھنڈا سینے سے لگا لیا۔ اور بھرپور انداز سے لڑنے لگے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ انہیں ستر سے زائد زخم لگے۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں تلوار اور نیزے کے نوے زخم آئے تھے۔ آپ کی کمر اور پشت پر ایک زخم بھی نہیں لگا تھا۔ یہ بھی آپ کی شجاعت کی بین دلیل ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ نفس کچھ متردد ہوا تو انہوں نے کہا:

اقسمت یانفس لتنزلنہ او لتکرھنہ
ان اجلب الناس وشدوا الرنۃ مالی اراک تکرھین الجنۃ
قد طال ما قد کنتِ مطمئنۃ ھل انتِ الا نطفۃ فی شنۃ

"اے نفس! میں نے قسم اٹھا رکھی ہے تو ضرور میدان جنگ میں اترے گا۔ خواہ تو خوشی سے اترے یا تجھے مجبور کیا جائے۔ اگر لوگ شور کرتے ہیں اور شدت سے روتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو جنت میں جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ بہت طویل عرصہ گزر چکا ہے تو اس پر مطمئن تھا، تو صرف ایک نطفہ ہے جو کسی پرانے مشکیزہ میں پڑا ہو"۔ انہوں نے یہ بھی اشعار پڑھے۔

یا نفس الا تقتلی تموتی ھذا حمام الموت قد صلیت
وما تمنیت فقد اعطیت ان تفعلی فعلھما ھدیت

"اے نفس! اگر تو شہید نہ ہوا تو بستر پر سوئے گا یہ موت کی آنچ ہے جس میں تو بھونا جا رہا ہے۔ جو تو نے تمنا کی تھی وہ تجھے دے دی گئی۔ اب اگر ان دو حضرات (حضرت زید اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما) کی طرح کام کرے گا تو ہدایت پائے گا"۔

پھر حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ ان کا چچازاد ان کے پاس گوشت سے بھری ہوئی ہڈی لے آیا۔ اس نے کہا "اس سے اپنی کمر کو تقویت دے لیں۔ آپ کو ان ایام میں سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا ہے"۔ انہوں نے وہ ہڈی پکڑ لی۔ اسے اپنے دانتوں سے کاٹا۔ پھر لوگوں کی طرف سے شور وغل سنا تو فرمایا "تو بھی دنیا کے ساتھ ہی ہے" اسے اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔ اپنی تلوار پکڑی اور مصروف جہاد ہو گئے۔ حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر لیا۔ حضرت سعد بن منصور نے روایت کیا ہے کہ حضرات زید، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ صحیح کی روایت میں ہے "اس

چیز نے انہیں خوش نہ کیا کہ وہ ان کے پاس رہیں" یعنی جب انہوں نے شہادت کی فضیلت دیکھی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

پھر حضرت ثابت بن اقرام العجلانی البلوی رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اتھام لیا۔ یہ انصار کے حلیف اور بدری صحابی تھے۔ انہوں نے کہا "مسلمانوں کے گروہ! اپنے میں سے ایک شخص پر اتفاق کرلو" صحابہ کرام نے کہا "تم ہی علمبردار بنو! انہوں نے کہا "میں بننا نہیں چاہتا" صحابہ کرام نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کرلیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت ثابت رضی اللہ عنہ جھنڈا لے کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ اور کہا "آپ مجھ سے زیادہ میدان جنگ کے شہ سوار ہیں" مگر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ بات قبول نہ کی اور کہا "تم نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی، تم مجھ سے زیادہ اس کے مستحق ہو" حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے آواز دی "اے مسلمانوں کے گروہ! مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کرلیا۔ انہیں علم اسلام دیا تو انہوں نے پکڑ لیا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے جھنڈا اتھام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمادی۔ دشمن شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا۔ امام حاکم کی روایت کے مطابق اس روز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شدید قتال کیا۔ بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا۔ بہت زیادہ مال بطور غنیمت ملا۔ اس روز حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹیں۔ صرف ایک یمنی تلوار ٹھہر سکی۔ مشرکین کو بری طرح شکست ہوئی۔ حتیٰ کہ مسلمانوں نے انہیں گاجر اور مولی کی طرح کاٹا۔ ایک روایت کے مطابق جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مسلمان منتشر ہو گئے اور انہیں مغلوبیت کا سامنا کرنا پڑا۔ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے علم اسلام اٹھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست سے دوچار کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق وقت صبح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مقدمہ کو ساقہ اور میمنہ کو میسرہ بنا دیا۔ دشمن کو ان کی یہ حالت بڑی عجیب لگی۔ انہوں نے کہا "مسلمانوں کو نئی کمک آ پہنچی ہے" وہ مرعوب ہو گئے اور شکست کھا کر پلٹ گئے۔ بہت سا مال مسلمانوں کو بطور غنیمت ملا۔ صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ سب کچھ اسلام اور اہل اسلام پر رب تعالیٰ کی عنایت ہے۔ یہ اس کی نصرت اور تائید ہے کہ صرف تین ہزار مجاہدین دو لاکھ سے زائد مشرکین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے تو صرف بارہ آدمی شہید ہوئے۔ انہوں نے سات روز تک مشرکین کے ساتھ جہاد کیا۔ مشرکین کے مقتولین کی تعداد ان گنت تھی۔

علم مبارک کی خبریں

یہ سریہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم معجزات میں سے ایک ہے، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو معزز فرمایا۔ اس روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین اٹھالی گئی۔ حتیٰ کہ آپ نے یہ معرکہ اپنی چشمان مقدس سے ملاحظہ فرمایا۔ اور اپنے صحابہ کرام کو اس کی خبر دی۔ جب آپ کو اس معرکہ کی اطلاع ملی تو لوگوں میں یہ صدا لگائی گئی "الصلاۃ جامعۃ" پھر آپ منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کی چشمان مقدس سے آنسو بہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اے لوگو! خیر کا دروازہ، خیر کا دروازہ، خیر کا دروازہ۔ میں تمہیں اس لشکر کے متعلق بتاتا ہوں، وہ روانہ ہوئے۔ دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سر

اقدس پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے علم اسلام اٹھا لیا۔ انہوں نے دشمن کے ساتھ شدید قتال کیا۔حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔وہ بھی ثابت قدم رہے۔وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا۔وہ امراء میں سے نہیں تھے۔وہ بذات خود امیر ہیں۔ بلکہ وہ رب تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں۔انہیں اس کی مدد شامل حال ہو گئی ہے"۔ایک اور روایت کے مطابق "اب جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا ہے وہ اللہ کے عمدہ بندے، قبیلہ کے بھائی اور اللہ تعالیٰ کی وہ تلوار ہے جسے اس نے کفار اور مشرکین پر سونتا ہے۔حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی"۔ایک اور روایت کے مطابق آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! یہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، ان کی نصرت فرما" اسی روز سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جانے لگا" ایک اور روایت میں ہے "پھر جھنڈا اللہ تبارک وتعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے اٹھا لیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی"۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا "حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خالد! اہل بدر میں سے ایک شخص کو کیوں اذیت دیتے ہو۔اگر تم احد کے مثل سونا بھی خرچ کر ڈالو پھر بھی ان کے عمل تک نہیں پہنچ سکتے"۔انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ میرے متعلق باتیں کرتے ہیں تو میں انہیں جواب دیتا ہوں" آپ نے فرمایا "خالد! کو اذیت نہ دیا کرو۔یہ اللہ تعالیٰ کی تلوار ہیں جسے اس نے کفار پر لہرایا ہے"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یوم موتہ کو مسلمانوں کو واضح فتح اور نصرت نصیب نہ ہوئی تھی کیونکہ دشمن نے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا تھا۔دشمن کثیر تعداد میں تھا۔دشمن کی تعداد دو لاکھ سے زائد تھی۔صحابہ کرام صرف تین ہزار تھے۔تجربہ کا تقاضا یہ تھا کہ سارے صحابہ کرام جام شہادت نوش کر جاتے۔روایت میں ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا بہت سا قتل عام کیا۔انہیں مال غنیمت ملا۔یہ روایت اُس روایت کے مخالف نہیں جس میں ہے کہ بعض صحابہ کرام راہ فرار اختیار کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔جب انہوں نے رومیوں کی کثیر تعداد کا مشاہدہ کیا۔اہل مدینہ انہیں کہنے لگے "تم راہ فرار اختیار کرنے والے ہو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ راہ فرار اختیار کرنے والے نہیں، بلکہ کرّار (پلٹ کر حملے کرنے والے) ہیں۔یہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ (الانفال:16)

"بجز اس صورت کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف"۔

یعنی ان کا فرار اپنے گروہ کی طرف پلٹنا تھا۔دشمن کی تعداد مسلمانوں سے بھی زائد تھی بلکہ ان کے دس گناہ سے بھی زائد تھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ قتل ہو گئے تو مسلمانوں کو وقتی طور پر ہزیمت اٹھانا پڑی۔وہ منتشر ہو گئے۔ان کی ایک جماعت مدینہ طیبہ پہنچ گئی۔جب علم اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اٹھایا اور از سر نو صفوں کو

ترتیب دیا تو صحابہ کرام جمع ہو گئے۔ اسی پر حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی توصیف فرمائی۔ جب حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے بارے بتانے کے لیے بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں اگر چاہو تو تم مجھے بتا دو'' انہوں نے عرض کی ''حضور! مجھے آپ ہی بتا دیں تا کہ میرے یقین میں اضافہ ہو جائے'' حضور ﷺ نے وہاں کی ساری صورت حال بتا دی جسے سن کر انہوں نے کہا ''مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے آپ نے اس معرکہ کے حالات کا ایک لفظ بھی ترک نہیں کیا۔ ان کا معاملہ اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر فرمایا ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو بلند فرما دیا حتیٰ کہ میں نے ان کا معاملہ اپنی چشمان مقدس سے ملاحظہ کیا'' دوسری روایت کے مطابق پیغام لانے والے حضرت ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ تھے۔ ممکن ہے دونوں نے ہی حضور اکرم ﷺ تک یہ پیغام پہنچایا ہو''۔

خاندانِ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے تعزیت

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا تو آپ ﷺ نے مجھے فرمایا ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے دونوں فرزندانِ ارجمند میرے پاس لے کر آؤ'' میں انہیں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر آئی۔ آپ نے انہیں سونگھا تو آپ کی چشمانِ مقدس سے آنسو بہنے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کی مبارک داڑھی سے قطرات گرنے لگے۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والدین آپ پر فدا! آپ کیوں گریہ بار ہیں؟ کیا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق کوئی خبر ملی ہے؟ آپ نے فرمایا ''ہاں! آج انہوں نے جام شہادت نوش کر لیا ہے'' آپ اٹھ کر تشریف لے گئے۔ خواتین میرے اردگرد جمع ہو گئیں۔ حضور اکرم ﷺ مجھے فرمانے لگے ''اسماء! بے ہودہ بات نہ کرنا، رخسار نہ پیٹنا'' مولا! جعفر کو عمدہ ثواب کی طرف لے جا۔ ان کی اولاد میں ان کا اس طرح عمدہ جانشین بن جا جس طرح تو اپنے بندوں میں سے کسی کا جانشین بنا ہو'' حضور اکرم ﷺ اپنے اہل خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا ''آل جعفر سے غافل نہ ہو جانا۔ ان کے لیے کھانا تیار کرنا۔ ان کے ساتھی کی شہادت نے انہیں مصروف کر رکھا ہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ کہہ رہی تھیں ''ہائے چچا جان! آپ نے فرمایا ''حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جیسی ذات پر رونے والوں کو رونا چاہیے''۔ پھر فرمایا ''آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، آج انہیں اپنی بھی ہوش نہیں''۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی خادمہ نے جَو پیسے، آٹا گوندھا۔ انہوں نے زیتون کا سالن بنایا، اس پر کالی مرچیں چھڑکیں'' انہوں نے فرمایا ''میں نے وہ کھانا کھایا۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے میرے بھائیوں سمیت تین روز اپنے کاشانہ اقدس میں رکھا۔ آپ جس ام المومنین کے حجرہ مقدسہ میں بھی جاتے ہم آپ کے ہمراہ ہوتے۔ پھر ہم اپنے گھر آ گئے۔ یہ کھانا جو حضور ﷺ نے آل جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے بنایا تھا یہی تعزیہ کے طعام کی اصل ہے۔ اہل عرب اسے وضیمہ کہتے ہیں۔ جس طرح وہ شادی کے کھانے کو ولیمہ کہتے ہیں۔ سفر سے واپس آنے والے کے کھانے کو نقیعہ کہا جاتا

ہے۔عمارت کے کھانے کو دکیرہ کہا جاتا ہے۔

امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آل جعفر کو تین دن کی مہلت دی، پھر ان کے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔اور فرمایا ''آج کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔میرے چچازادوں کو میرے پاس لے کر آؤ۔ہمیں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔آپ نے نائی کو بلایا۔اس نے ہمارے سروں کا حلق کیا۔پھر فرمایا ''محمد ہمارے چچا ابوطالب کے مشابہ ہیں۔عبداللہ خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہیں'' پھر آپ نے ان کے لیے دعا کی۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''آپ نے میرے لیے یہ دعا کی ''مولا! ان کے مال میں برکت عطا فرما'' وہ جو چیز بھی فروخت کرتے یا بیچتے اس میں برکت ڈال دی جاتی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی فضیلت

روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں نے حضرات زید بن حارثہ، جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا، وہ موتیوں کے خیمہ میں تھے۔ ہر ایک تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔میں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ان کی گردنوں میں خم تھا۔لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی گردن میں خم نہ تھا۔میں نے اس کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ جب ان پر موت چھا گئی تو انہوں نے اس سے چہرے پھیر لیے۔لیکن حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے یوں نہ کیا''۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''جب حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو جھنڈا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔شیطان ان کے پاس آیا۔ان کے سامنے زندگی کو پسندیدہ بنایا۔موت کو ناپسند بنایا۔دنیا کو آراستہ کیا۔لیکن آپ آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ جام شہادت نوش کیا۔دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ''میں نے انہیں اسی طرح دیکھا جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے۔انہیں جنت میں سونے کے بلند تختوں پر بٹھایا گیا تھا۔لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تخت میں ان کے ساتھیوں کی نسبت ٹیڑھا پن تھا۔میں نے پوچھا: یہ کس لیے ہے؟ مجھے بتایا گیا ''ہم آگے چلتے گئے لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کچھ تردد ہوا۔پھر وہ بھی آگے بڑھتے گئے۔دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جنت میں روگرداں ہو کر داخل ہوئے۔آپ سے عرض کی گئی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا ''جب انہیں زخم آیا تو پیچھے ہٹے۔پھر اپنے نفس کو عتاب کیا تو جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا تو جام شہادت نوش کر گئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ان کے بازوؤں کے عوض دو پر عطا فرما دیے ہیں۔وہ ان کی مدد سے جہاں چاہتے ہیں جنت میں جاتے ہیں'' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا ''میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ دن کے آخری حصہ میں تھے۔میں نے انہیں پانی پیش کیا تو انہوں نے فرمایا ''میں روزہ سے ہوں، اسے میرے سر کے پاس رکھ دو۔اگر میں غروب آفتاب تک زندہ رہا تو روزہ افطار کر لوں گا''۔غروب آفتاب سے پہلے وہ روزہ کی حالت میں شہید ہو گئے۔ہم نے ان کے سینے اور کندھوں اور سامنے حصہ پر تلوار اور نیزے کے نوے زخم پائے''۔

ایک دن حضور اکرم ﷺ تشریف فرما تھے۔صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔آپ نے سر اقدس آسمان کی

طرف بلند فرمایا اور فرمایا "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول اللہ! پہلے تو آپ اس طرح نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا "حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ میرے پاس سے گزرے۔ انہوں نے مجھے سلام کیا"۔ دوسری روایت میں ہے "وہ میرے پاس سے گزرے تو ان کے پر خون سے رنگین تھے۔

جب لشکر اسلام مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اس کا استقبال کیا۔ بچے بھی ان کے ہمراہ تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بچے پکڑو اور انہیں اٹھالو۔ مجھے میرا فرزند عبداللہ بن جعفر دو"۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے انہیں اٹھالیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔ ان کے ہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت عمیس سے عقد نکاح کرلیا۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "تمہیں مبارک ہو تمہارے والد گرامی ملائکہ کے ساتھ آسمان میں محوِ پرواز ہیں"۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گزشتہ رات میں جنت میں داخل ہوا۔ میں نے وہاں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جو ملائکہ کے ساتھ محو پرواز تھے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ حضرت جبرائیل امین اور حضرت میکائیل کے ساتھ محو پرواز تھے۔ ان کے دو پر تھے جو رب تعالیٰ نے انہیں ان کے ہاتھوں کے عوض عطا کیے تھے"۔

امام سہیلی تحریر کرتے ہیں "ان دو پروں سے مراد صفت ملکیہ اور قوت روحانیہ ہے۔ جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو عطا کی گئی۔ جن کی وجہ سے وہ پرواز کرنے پر قادر ہو گئے۔ اس سے مراد ایسے پر نہیں جیسے پرندوں کے پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانی شکل تمام اشکال سے افضل ہے۔ ان کا یاقوت کے وصف سے متصف ہونا کوئی حرج پیدا نہیں کرتا۔ نہ ہی ان کا خون سے رنگین ہونا کوئی نقصان دیتا ہے" بعض علماء نے اسے حقیقی معنیٰ پر محمول کرنے کو ترجیح دی ہے۔ یعنی وہ دونوں حقیقی پر ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا مرثیہ لکھتے ہوئے یہ اشعار لکھے ہیں:

يؤرقني ليل بيثرب اعسر	وهم اذا مانوم الناس مسهر
لذكرى حبيب هيجت لي لوعة	سفوحا واسباب البكاء التذكر
بلى ان فقدان الحبيب بلية	وكم من كريم يبتلى ثم يصبر
رأيت خيار المومنين تواردوا	شعوب وخلفا بعدهم يتاخر
فلا يبعدن الله قتلى تتابعوا	بموتة منهم ذوالجناحين جعفر
غداة غدوا بالمومنين يقودهم	الى الموت ميمون النقيبة ازهر
اغر كضوء البدر من آل هاشم	ابى اذا سيم الظلامة يجسر

فطاعن حتیٰ مال غیرموسد	بمعترك فیه قنا متکسر
فصار مع المستشهدین ثوابه	جنان وملتف الحدائق اخضر
وکنا نریٰ فی جعفرمن محمد	وفاء وأمرًا حازمًا حین یامر
ومازال فی الاسلام من آلِ هاشم	دعائم وعزاً لایزلن ومفخر
هم جبلُ الاسلام والناس حولهم	رضام الی طود یروق ویبهر
بها لیل منهم جعفروابن امه	علی ومنهم احمد المتخیر
وحمزة والعباس منهم ومنهم	عقیل وماء العود من حیث یعصر
بهم تفرج اللاواء فی کل مازق	عماس اذا ماضاق بالناس مصدر
هم اولیاء الله انزل حکمه	علیهم وفیهم ذالکتاب المطهر

''یثرب میں مجھ پر بڑی مشکل رات اور بیدار رکھنے والی مصیبت گزری ہے۔ جبکہ لوگ پُرسکون نیند سو رہے تھے۔ میرے محبوب کے ذکر کی وجہ سے میرے آنسو شدت سے بہہ رہے تھے۔ صرف محبوب کی ذات ہی رونے کا سبب تھی۔ کیوں نہیں محبوب کا فراق بڑی آزمائش ہے۔ کتنے ہی کریم لوگ ہیں جنہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پھر وہ صبر کرتے ہیں۔ میں نے بہترین لوگوں کو دیکھا کہ موت کے گھاٹ پر یکے بعد دیگرے اترے اور ان کے بعد ان کے نائب دیر سے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مقتولوں کو دور نہ کرے جو مقام موتہ پر پے در پے شہید ہوتے رہے۔ اور ان میں حضرت جعفر ذوالجناحین رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اس صبح یہ مؤمنوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ خوش بخت اور سفید چہرے والا موت کی طرف ان کی قیادت کر رہا تھا۔ وہ ماہتاب کامل کی طرح روشن جبیں، ہاشمی خاندان کا چشم و چراغ ہر بڑائی سے انکار کرنے والا، جب ظلم کیا جائے تو بڑا غیور۔ انہوں نے نیزہ بازی میں مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ وہ جھک گئے۔ جبکہ وہ کسی چیز کو تکیہ بنانے والے نہ تھے۔ ایسے معرکہ میں نیزے ٹوٹ جاتے ہیں۔ پھر وہ شہیدوں میں سے ہو گئے۔ ان کا ثواب جنتیں اور شاداب گھنے باغات ہیں۔ ہم حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی وفاء دیکھتے تھے اور آپ کی طرح کے محتاط امر کا عکس نظر آتا تھا جب وہ حکم دیتے تھے۔ اسلام میں ہمیشہ آل ہاشم کے ایسے افراد رہے ہیں جو عزت و فخر کے ستون رہے اور ہمیشہ رہیں گے۔ آل ہاشم اسلام کا پہاڑ ہیں اور لوگ ان کے اردگرد بڑے بڑے پتھر ہیں۔ جو ٹیلے کے پاس پڑے ہیں۔ یقیناً پہاڑ ان پر غالب ہوتا ہے۔ یہ روشن چہرے والے طویل القامت ہیں۔ ان میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ان کے برادر محترم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان سب سے چیدہ اور برگزیدہ حضرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ عود کا پانی ہیں جس طرح بھی انہیں نچوڑا جائے۔ ہر سخت تاریک تنگی کی سختی ان ہی کے ذریعے دور کی جاتی ہے۔ جبکہ اس میں سے نکلنا لوگوں کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا حکم نازل کیا۔ ان

کے خاندان میں، ہی وہ مقدس ہستی ہے جو کتاب مقدس کی حامل ہے"۔

سریہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

یہ سریہ بلی اور عذرہ کے شہروں کی طرف تھا۔ یہ شہر وادی القریٰ سے پرے تھے۔ ان کے اور مدینہ طیبہ کے مابین دس ایام کی مسافت تھی۔ بلی ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ اسے بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسی طرح عذرہ بن سعد بن قضاعہ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ اسے سریہ ذات السلاسل کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ اس میں مشرکین نے خود کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا تا کہ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ مراد یہ ہے کہ مشرکین ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ ابتداء میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا تھا۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں کہ جب مسلمان ان کے قریب گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے راہ فرار میں عافیت سمجھی۔ دوسری روایت کے مطابق اس کو سریہ ذات السلاسل اس لیے بھی کہتے ہیں کیونکہ وہاں ایک چشمہ تھا جسے سلاسل کہا جاتا تھا۔ یہ سریہ جمادی الآخرہ 8ھ کو پیش آیا۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ بنو قضاعہ کا ایک لشکر غارت گری کے لیے جمع ہو رہا ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف پر لشکر کشی کا ارادہ کیے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ یہ لشکر مہاجرین اور انصار صحابہ کرام پر مشتمل تھا۔ ان کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف پیغام بھیجا۔ مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ میں اپنے کپڑے اور اسلحہ لے کر حاضر ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا "عمرو! میرا ارادہ ہے کہ میں تمہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت بھی عطا کرے اور سلامتی سے بھی نوازے" میں نے عرض کی "میں مال وثروت میں رغبت رکھتے ہوئے اسلام نہیں لایا" آپ نے فرمایا "مرد پاکباز کے لیے پاکیزہ مال" آپ نے ان کے لیے سفید جھنڈا اپنے دست اقدس سے باندھا۔ اس کے ساتھ ایک سیاہ جھنڈا بھی عطا فرمایا۔ حضرت عمرو اور ان کے ساتھی عازم سفر ہو گئے۔ وہ رات کو محو سفر ہوتے۔ دن کے وقت چھپ جاتے۔ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ دشمن نے لشکر جرار جمع کر رکھا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع بن مکیث الجہنی کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیجا تا کہ مزید کمک کے لیے التجاء کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ دو سو مجاہدین کو ان کے ساتھ بھیجا۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ یہ لشکر بھی مہاجرین وانصار پر مشتمل تھا۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی بلند پایہ شخصیات شامل تھیں۔ آپ نے انہیں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملنے کا حکم دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ باہم اتفاق سے رہیں۔ اور اختلاف نہ کریں۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو امامت کرانا چاہی تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ میرے معین اور مددگار بن کر آئے ہیں۔ امیر میں ہوں۔ آپ امیر نہیں کہ آپ صحابہ کرام کو امامت کرائیں"۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں! میں اسی پر (امیر) ہوں جس پر ہوں اور آپ اسی پر (امیر) ہیں جس پر ہیں" حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نرم

دل انسان تھے۔ دنیاوی معاملات ان پر آسان تھے۔ انہوں نے فرمایا ''عمرو! حضور تاجدار حرمین ﷺ نے مجھے فرمایا ہے ''تم دونوں باہم اختلاف نہیں کرنا۔ اگر تم میری نافرمانی کرتے ہو تو میں تمہاری اطاعت کر لیتا ہوں'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ان کی اطاعت کر لی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی صحابہ کرام کو امامت کراتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ بلی اور عذرہ کے قبائل تک پہنچ گئے۔ اہل اسلام نے ان پر بھرپور حملہ کیا۔ وہ اپنے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ساعت بھر لڑنے کے بعد منتشر ہو گئے۔ مسلمانوں نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ صحابہ کرام نے وہاں تین روز قیام کیا۔ گھڑسوار ہر طرف بھیجے جاتے جو مویشی اور جانور ہانک کر لے آتے۔ صحابہ کرام انہیں ذبح کرتے اور کھا لیتے۔ یہ مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ علامہ بلاذری نے لکھا ہے ''صحابہ کرام قضاعہ اور دیگر قبائل سے نبرد آزما ہوئے جو مختلف گروہوں کی شکل میں جمع تھے۔ ان کے بہت سے افراد کو تہ تیغ کیا۔ اور مال غنیمت حاصل کیا'' یہ قول حضور ﷺ کے اس فرمان عالی شان کی تائید کرتا ہے ''اللہ تعالیٰ تمہیں مال غنیمت سے نوازے گا اور سلامتی بھی عطا فرمائے گا'' ابن راھویہ اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں انہیں حکم دیا وہ آگ نہ جلائیں'' اس حکم کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عجیب سمجھا۔ حضرت ابو بکر صدیق نے انہیں کہا ''انہیں چھوڑ دو۔ حضور ﷺ نے انہیں ہم پر صرف اسی لیے امیر بنایا ہے کیونکہ آپ ﷺ کو علم تھا کہ یہ جنگی چالوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔

ابن حبان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے ان سے آگ جلانے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے انہیں منع کر دیا۔ صحابہ کرام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی تو انہوں نے کہا ''کسی کو آگ جلانے کی اجازت نہیں۔ ورنہ میں اسے اسی آگ میں پھینک دوں گا'' جب صحابہ دشمن سے معرکہ آزما ہوئے تو صحابہ کرام نے اسے ہزیمت سے دوچار کر دیا۔ انہوں نے دشمن کا تعاقب کرنا چاہا مگر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کر دیا۔ جب صحابہ کرام آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو یہ دونوں باتیں عرض کیں۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق استفسار فرمایا تو انہوں نے گذارش کی ''میں نے انہیں آگ جلانے سے اس لیے روکا تا کہ دشمن کہیں ان کی قلیل تعداد سے آگاہ نہ ہو جائے۔ میں نے مجاہدین کو تعاقب سے اس لیے روکا کہ کہیں دشمن چھپ کر نہ بیٹھا ہوا ہو'' حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی۔

شیخین نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں ذات السلاسل کے سریہ سے واپس آیا تو میں نے خود سے کہا کہ حضور ﷺ کے نزدیک مجھے خاص مقام حاصل ہے۔ اسی لیے آپ نے مجھے اس لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسی بلند پایہ شخصیات موجود تھیں۔ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو سب سے زیادہ کون پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا ''عائشہ رضی اللہ عنہا!'' میں نے عرض کی کہ میں عورتوں میں سے نہیں بلکہ مردوں میں سے پوچھ رہا ہوں'' آپ نے فرمایا ''ان کے والد گرامی!'' میں نے عرض کی ''پھر'' آپ نے فرمایا ''عمر بن خطاب'' میں اسی طرح پوچھتا رہا پھر اس

اندیشہ سے خاموش ہو گیا کہ کہیں آپ مجھے سب سے آخر میں نہ رکھ دیں۔ میں نے دل میں کہا ''پھر کبھی بھی میں آپ سے اس طرح کا سوال نہیں کروں گا''۔

فرائد

اس حدیث سے کئی امور آشکارا ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مفضول کو فاضل پر امیر بنانا جائز ہے۔ جبکہ مفضول میں ایسا وصف زیادہ ہو جو اس امارت سے تعلق رکھتا ہو۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کی نور نظر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے۔ اس سے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی عیاں ہوتی ہے کہ آپ کو ایسے لشکر کا امیر بنایا گیا جس میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی قدآور ہستیاں تھیں۔ اگرچہ اس سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر بھی فضیلت ضرور عیاں ہوتی ہے۔ حضرت رافع طائی نے لکھا ہے ''اہل شام اسی غزوہ پر فخر کرتے تھے اور اسے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے حجت سمجھتے تھے''۔

سریۃ الخبط

اس سریہ کے امیر حضرت ابوعبیدہ، عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال القرشی الفہری تھے۔ یہ ان دس بلند قسمت افراد میں سے تھے جنہیں جنت کی بشارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے ملی۔ امام بخاری نے اس سریہ کا نام غزوہ سیف البحر رکھا ہے۔ یہ سریۃ الخبط کے نام سے معروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو تین سو سے زائد مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ مجاہدین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جہینہ کی سرزمین کی طرف بھیجا تاکہ وہ قریش کے تجارتی کارواں سے ملیں اور جہینہ کے ایک قبیلہ کی سرکوبی کریں۔ یہ سریہ رجب 8ھ کو رونما ہوا تھا۔ قریش نے اس وقت صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تھا۔ یہ فتح مکہ سے قبل کا واقعہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو کھجوروں کا ایک تھیلا عطا فرمایا۔ ان کھجوروں کے علاوہ اور زادراہ نہ تھا۔ دوسری روایت کے مطابق اور زادراہ تو تھا لیکن وہ ختم ہو گیا تھا۔ پھر صحابہ کرام نے درختوں کے پتے کھانے شروع کیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم اپنی لاٹھیوں سے درختوں کے پتے اتارتے۔ ان میں پانی ملا کر کھا لیتے'' دوسری روایت کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہم میں سے ہر شخص صرف ایک کھجور کھاتا تھا'' صحابہ کرام نے پوچھا ''تم ایک کھجور سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''اسے اس طرح چوستے جس طرح شیر خوار بچہ ماں کا دودھ چوستا ہے'' پھر یہ کھجور بھی ختم ہو گئی۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے صحابہ کرام کے لیے اونٹ خریدے اور انہیں ذبح کیا۔ ایک روایت کے مطابق جب صحابہ کرام کو شدید بھوک کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے ان کھجوروں کے عوض اسی وقت اونٹ کون دے گا جو کھجوریں مدینہ طیبہ میں ہیں'' جہینہ کے ایک شخص نے کہا ''آپ کون ہیں؟ ذرا نسب بیان کریں'' انہوں نے جہنی کو تعارف کرایا تو اس نے کہا ''میں آپ کا نسب جان گیا ہوں'' انہوں نے اس شخص سے پانچ وسق کھجوروں کے عوض پانچ اونٹ خرید لیے۔ کچھ صحابہ کرام کو اس سودا کا گواہ بنا لیا۔ حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ نے منع کیا کیونکہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت مال نہ تھا۔ اعرابی نے کہا "حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے لخت جگر کو بے سہارا نہیں چھوڑیں گے۔ میں یہ چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ یہ کتنا حسین ہے۔ ان کا فعل کتنا شریف ہے" حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹ لے لیے۔ تین ایام تک ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتے رہے۔ چوتھے روز ان کے امیر نے انہیں منع کر دیا۔ انہوں نے کہا "میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم اونٹ ذبح نہ کرو۔ کیا تم اپنے ذمہ سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہو حالانکہ تمہارے پاس مال ہے ہی نہیں؟ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا "ابوعبیدہ! آپ کو علم ہے کہ ابوثابت لوگوں کے قرض اتار دیتا ہے۔ وہ لوگوں کے بوجھ اٹھا لیتا ہے۔ وہ لوگوں کو کھلاتا ہے۔ کیا وہ اس قوم کی کھجوریں بھی میری طرف سے ادا نہیں کرے گا جو راہ خدا میں جہاد کرنے کے لیے نکلی ہے" قریب تھا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نرم دل ہو جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے "اسی فیصلہ پر محکم رہو" وہ اپنے فیصلہ پر ثابت قدم رہے۔ دو اونٹ ابھی باقی تھے۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ہمراہ مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ تک بھی مجاہدین کے فاقہ اور بھوک کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے کہا "اگر حضرت قیس رضی اللہ عنہ واپس آئے جیسا کہ میں جانتا ہوں تو وہ صحابہ کرام کے لیے اونٹ ذبح کریں گے" جب انہوں نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا "اس فاقہ کشی کے عالم میں تم نے کیا کیا؟ انہوں نے کہا "میں نے ایک اونٹ ذبح کر دیا" حضرت سعد رضی اللہ عنہ: تم نے ٹھیک کیا۔ پھر؟ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے دوسرا اونٹ بھی ذبح کر دیا" حضرت سعد رضی اللہ عنہ: تم نے ٹھیک کام کیا۔ پھر؟ انہوں نے کہا "پھر مجھے یوں کرنے سے روک دیا گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تمہیں کس نے روکا؟ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میرے امیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا "کیوں" حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے کہا "ان کا گمان تھا کہ میرے پاس مال نہیں ہے اور مال تمہارے والد کا ہے" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے لخت جگر سے فرمایا "میں تمہیں چار باغ عطا کرتا ہوں۔ جن میں سے کم درجہ کے باغ میں سے تمہیں پچاس وسق کھجوریں ضرور حاصل ہوں گی" وہ جہنی شخص حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے اسے پانچ وسق کھجوریں دیں اور چادر بھی عطا کی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت قیس کے اس عمدہ فعل کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا "سخاوت تو اس گھر کی سرشت میں داخل ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے ان تین اونٹوں کے علاوہ چھ اونٹ ذبح کر دیے تھے جو وہ مدینہ طیبہ سے لے کر نکلے تھے۔ پھر وہ تین اونٹ بھی ذبح کر دیے جنہیں جہنی سے خریدا تھا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ عرب کے شہ سواروں میں سے تھے۔ اہل رائے اور جنگی چالوں سے خوب آشنا تھے۔ شرافت، شجاعت اور جرأت میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں ان کی عمدہ رائے اور وفور عقل کی وجہ سے مصر کا عامل مقرر کیا تھا۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ کریم النفس بھی تھے۔ ایک بڑھیا نے ایک دفعہ انہیں کہا "میں تمہارے پاس یہ شکوہ لے کر آئی ہوں کہ میرے گھر میں چوہے بہت کم ہیں" انہوں نے کہا "یہ سوال کتنا عمدہ ہے؟ پھر بڑھیا سے کہا "میں تمہارے گھر میں چوہوں کی کثرت کر دوں گا" انہوں نے اس کا گھر غلہ سے بھر دیا۔ اب بڑھیا نے کہا "اب میری لاٹھی پر بھی چوہے دوڑتے ہیں" انہوں نے کہا "میں چوہوں کو اس طرح کر دوں گا کہ شیر کی طرح حملہ آور ہوں گے" اس بڑھیا کا گھر دوبارہ غلہ سے بھر دیا۔

حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے چہرے پر بال نہیں تھے۔اس کے باوجود بہت خوبصورت تھے۔انصار کہا کرتے تھے "ہم تمنا کرتے ہیں کہ ہم سارے اموال خرچ کر کے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے لیے داڑھی خرید لیں"۔

اہل سیر نے کہا ہے "پھر اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کے لیے سمندر سے ایک مچھلی باہر پھینک دی جسے عنبر کہا جاتا تھا۔یہ بہت بڑی مچھلی تھی۔جس کی جلد سے ڈھال بنائی جاتی تھی۔یہ بھی روایت ہے کہ اس سے عنبر کی سی خوشبو آتی تھی۔علامہ ازہری نے لکھا ہے کہ عنبر سمندر کی سب سے بڑی مچھلی ہوتی ہے۔جس کی طوالت پچاس ذراع ہوتی ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا "سمندر نے ہمارے لیے بہت بڑی مچھلی باہر پھینک دی۔ہم نے آج تک اتنی بڑی مچھلی نہیں دیکھی تھی۔ہم اسے نصف ماہ تک کھاتے رہے۔دوسری روایت میں اٹھارہ دن کا تذکرہ ہے۔حتیٰ کہ ہمارے جسم فربہ ہو گئے اور اس کی چربی سے ہم تیل استعمال کرتے تھے۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لی۔اسے نصب کیا۔طویل اونٹ تلاش کیا جو اپنے سوار سمیت اس کے نیچے سے گزر گیا۔دوسری روایت میں ہے "پھر انہوں نے ہمیں بڑا اونٹ لانے کا حکم دیا۔اس پر سب سے بڑا شخص سوار کرایا گیا۔وہ اس پسلی کے نیچے سے گزر گیا۔اس کا سر مچھلی کی پسلی کے ساتھ نہ ٹکرایا۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اس مچھلی کی آنکھوں سے نکلنے والے تیل کو ٹینوں میں جمع کرتے تھے۔اور اس کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹ کر کھاتے تھے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا "میں اور فلاں، فلاں (انہوں نے پانچ افراد شمار کیے) اس مچھلی کی آنکھ کی جگہ داخل ہوئے۔ہمیں کسی نے نہ دیکھا حتیٰ کہ ہم باہر نکل آئے۔جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔تو اس مچھلی کے متعلق بھی عرض کی۔آپ نے فرمایا "یہ وہ رزق ہے جو رب تعالیٰ نے تمہارے لیے باہر نکالا تھا۔کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ ہے؟ ہمارے پاس کچھ گوشت تھا۔ہم نے وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا تو آپ نے اسے تناول فرمالیا"۔

سیرت نگاروں میں سے کسی نے بھی یہ تذکرہ نہیں کیا کہ اس سریہ میں صحابہ کرام نے کسی ایک شخص کو بھی قتل کیا ہو۔بلکہ وہ نصف ماہ یا اس سے زائد مدت ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہے۔پھر وہ واپس آ گئے۔جنگ کی نوبت نہ آئی۔

سریہ ابی قتادہ رضی اللہ عنہ نجد کی طرف

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی "حرث" تھا۔دوسری روایت کے مطابق عمرو یا نعمان بن ربعی انصاری سلمی تھا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "خضرۃ" نجد کی سرزمین کی طرف بھیجا۔یہ سریہ شعبان 8ھ کو رونما ہوا۔آپ نے ان کے ہمراہ پندرہ مجاہدین بھیجے۔آپ نے انہیں محارب کی زمین میں بنو غطفان پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔یہ مجاہدین رات کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔انہوں نے دشمن کی کثیر تعداد پر ہلہ بول دیا۔ان کے کئی افراد کو واصل جہنم کیا۔ان کے سردار بھی مارے۔حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے بہت سے قیدی بھی پکڑ لیے۔اور مویشی بھی ہانک کر لے آئے۔صرف اونٹوں کی تعداد دو سو تھی۔دو ہزار بکریاں تھیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا۔

میں بھی ان مجاہدین میں شامل تھا۔انہیں بہت سے اونٹ بطور مال غنیمت ملے۔بہت سی بکریاں ملیں۔بارہ بکریاں ہمارے حصہ میں آئیں۔ہم تیرہ اونٹ لے کر آئے"۔اس مہم میں پندرہ روز صرف ہوئے۔قیدیوں میں چار عورتیں بھی تھیں۔بچے اور بچیاں بھی تھیں۔ان قیدیوں میں ایک خوبصورت عورت بھی تھی۔گویا کہ وہ ہرنی تھی۔جو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔حضرت محمیہ بن جزء بیدی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ حسین لونڈی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی ہے۔حالانکہ آپ نے میرے ساتھ بھی ایک لونڈی کا وعدہ کیا تھا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔آپ نے انہیں فرمایا "یہ لونڈی مجھے دے دو"انہوں نے وہ آپ کی بارگاہ میں پیش کر دی۔آپ نے وہ حضرت محمیہ بن جز بیدی کو عطا کر دی۔

سریہ ابو قتادہ، اضم کی طرف

اضم مدینہ طیبہ سے تین برید دور ایک وادی کا نام ہے۔یہ سریہ 8ھ ماہ رمضان کے آغاز میں رونما ہوا تھا۔جب اہل مکہ نے عہد شکنی کی اور آپ نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو آٹھ افراد کے ہمراہ وادی اضم کی طرف بھیج دیا۔تا کہ گمان کرنے والا گمان کرے کہ آپ کی توجہ اس سمت ہے۔تا کہ یہ خبر قریش تک بھی پہنچ جائے۔وہ جنگ کے لیے تیاری نہ کریں۔اور ان کے پاس اس وقت تشریف لے جائیں جب وہ غفلت میں ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے "مولا! قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے۔قریش سے یہ خبریں مخفی کر دے حتیٰ کہ میں ان کے شہروں میں ان پر اچانک حملہ کر دوں" آپ کی یہ دعا قبول کر لی گئی۔قریش کو آپ کی خبر تک نہ ملی۔انہیں صرف اسی رات علم ہوا جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔

یہ تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء عازم سفر ہوئے۔انہوں نے عامر بن اضبط اشجعی سے ملاقات کی۔اس نے انہیں سلام کیا۔انتہائی عاجزی کا اظہار کیا۔مگر محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔اللہ رب العزت نے یہ فرمان نازل کیا:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:94)

"نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں"۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا "ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اضم کی طرف بھیجا۔مجاہدین میں حضرات ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ہم عازم سفر ہوئے، جب اضم کی وادی میں پہنچے تو عامر بن اضبط الاشجعی اپنی سواری پر ہمارے پاس سے گزرا۔اس کے ہمراہ غلام بھی تھا۔دودھ سے لبریز مشکیزہ بھی تھا۔اس نے ہمیں سلام کیا۔ہم اس سے رک گئے۔حضرت محلم رضی اللہ عنہ نے اس پر حملہ کر دیا۔اس عداوت کی وجہ سے اسے تہ تیغ کر دیا جو ان کے اور اس کے مابین تھی۔انہوں نے اس کا غلام اور اونٹ لے لیا۔جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اس حادثہ جانکاہ کے متعلق عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا نزول کیا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:94)

"اے اہل ایمان جب تم سفر پر نکلو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام کہ تم مومن نہیں"۔

یہ بات پہلے حضرت غالب اللیثی رضی اللہ عنہ کے سریہ میں گزر چکی ہے کہ اس آیت طیبہ کا نزول اس وقت ہوا جب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے حضرت مرداس بن نہیک کو شہید کر دیا تھا۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ دو بار رونما ہوا ہو۔ آیت طیبہ بھی دو بار ہی نازل ہوئی ہو۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دشمن سے نہ مل سکے۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ آپ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ "السقیا" کے مقام پر آپ ﷺ سے جا ملے۔ انہوں نے اس واقعہ کے بارے آپ سے گذارش کی تو آپ نے محلم سے کہا "اس شخص نے کہا میں رب تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا" دوسری روایت میں ہے "بعد اس کے کہ اس نے کہا "میں مسلمان ہوں" محلم حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے تا کہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔ عرض کی "اس شخص نے یہ کلمہ پناہ لیتے ہوئے پڑھا تھا" آپ نے فرمایا "تم نے اس کا دل کیوں نہ چیرا۔ تا کہ تمہیں علم ہو جاتا کہ وہ سچا ہے یا کہ جھوٹا" انہوں نے عرض کی "دل گوشت کا ایک پارہ ہی نہیں" آپ نے فرمایا "اس کی زبان نے تو اس کے متعلق بتا دیا تھا۔ اس کے دل میں کیا تھا تم نے نہ جانا، نہ ہی اس کی زبان کی تصدیق کی" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! میرے لیے مغفرت طلب کریں" آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ تمہیں معاف نہ کرے" اس سے آپ کا مقصود زجر و توبیخ تھا۔ تا کہ لوگ مومن شخص کے قتل کو آسان نہ سمجھیں۔ محلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے آنسو اپنے چہرے سے صاف کر رہے تھے۔ سات روز کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے انہیں دفنایا تو زمین نے انہیں باہر پھینک دیا۔ پھر دفنایا تو زمین نے دوسری بار باہر پھینک دیا۔ تیسری بار دفنایا تو زمین نے انہیں پھر باہر پھینک دیا۔ انہوں نے ان پر پتھر جوڑ کر انہیں چھپا دیا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "زمین تو اس سے بھی شریر لوگوں کو قبول کر لیتی ہے۔ یہ واقعہ اس لیے رونما ہوا تا کہ رب تعالیٰ تمہیں دکھائے کہ تمہارے مابین حرمت کا کیا مقام ہے"۔ بعض روایات میں ہے کہ عیینہ بن حصن، عامر بن اضبط کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ یہ غطفان کے رئیس تھے۔ اقرع بن حابس، محلم بن جثامہ کا دفاع کرنے لگے۔ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ان کا جھگڑا طوالت اختیار کر گیا۔ وہ محلم سے قصاص چاہتے تھے۔ پھر انہوں نے دیت قبول کر لی۔ پھر محلم نے حضور اکرم ﷺ سے التجاء کی کہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں۔ آپ نے یہ دعا کی "مولا! اسے معاف نہ کر" سات روز کے بعد وہ مر گئے۔

غزوۂ فتحِ اعظم فتح مکہ شرفہا اللہ تعالیٰ

غزوۂ فتح مکہ کے اسباب

فتح مکہ وہ عظیم الرتبت فتح ہے جس کی بشارت اہل سماء نے دی۔ اس کی عزت و آبرو کی طنابیں جوزاء ستارے کے پہلو کے ساتھ باندھی گئیں تھیں۔ اس کے سبب لوگ دین متین میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔ زمین نور و ضیاء سے بھر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے لشکروں اور رب رحمان کے جنود کو لے کر عازم سفر ہوئے تاکہ قریش سے اس عہد کو توڑنے کا بدلہ لیں جو حدیبیہ کے مقام پر ہوا تھا۔ اس صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل میں سے جو پسند کرے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کرے اسے بھی اجازت ہے۔ جو قریش کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہے وہ قریش کے ساتھ بھی معاہدہ کر سکتا ہے۔ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ جبکہ بنو خزاعہ نے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ بنو خزاعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے بھی حلیف تھے۔ جب ان کا ان کے چچا نوفل کے ساتھ سقایہ وغیرہ کے بارے تنازع ہوا۔ یہ منصب حضرت عبدالمطلب کے پاس تھا۔ نوفل نے ان سے لے لیا۔ حضرت عبدالمطلب نے اپنی قوم کو پکارا۔ مگر کسی نے ان کی صدا پر لبیک نہ کہا۔ انہوں نے کہا "ہم تمہارے اور تمہارے چچا کے مابین مداخلت نہیں چاہتے" پھر انہوں نے اپنے ماموں بنو نجار کی طرف مکتوب لکھا۔ ان میں سے ستر افراد نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ انہوں نے کہا "ہمیں اس مقدسہ اور پاکیزہ عمارت کی قسم! ہمارے بھانجے سے جو کچھ لیا ہے وہ واپس کر دے۔ ورنہ تجھے تلواروں سے بھر دیں گے" نوفل نے یہ مناصب واپس کر دیے۔ پھر نوفل اپنے بھتیجے عبد شمس کا حلیف بن گیا۔ حضرت عبدالمطلب بنو خزاعہ کے حلیف بن گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدہ کو جانتے تھے۔ روز حدیبیہ بنو خزاعہ حضرت عبدالمطلب کا مکتوب گرامی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھ کر سنایا۔ وہ مکتوب مبارک یہ تھا:

باسمک اللّٰھم

یہ عبدالمطلب کا بنو خزاعہ کے لیے عہد ہے۔ جبکہ بنو خزاعہ کے سردار اور اہل رائے ان کے پاس آئے۔ ان کا غائب اس عہد کی اسی طرح تائید کرے گا جس طرح ان کا حاضر شخص کرے گا۔ ہمارے اور تمہارے مابین اللہ تعالیٰ کے عہد اور وعدے ہیں جنہیں کبھی بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ایک ہاتھ کی طرح ہوں گے۔ باہم ایک دوسرے کی نصرت کریں گے جب تک کوہ ثبیر روشن رہے اور کوہ حراء اپنی جگہ پر ثابت رہے گا، جب تک سمندر صوف کو تر کرتا رہے گا، ہمارے اور تمہارے مابین ہمیشہ ہمیشہ اس عہد اور وعدہ کی تجدید ہی ہوتی رہے گی"۔

دوسری روایت میں ہے:

"یہ ایک جامع عہد ہے۔ جسے بزرگ بزرگ سے جدا نہیں کر سکتا، چھوٹا چھوٹے سے جدا نہیں کر سکتا، موجود غائب سے یہ عہد نہیں توڑ سکتا، پختہ اور محکم عہد کر لو، اتنا مضبوط معاہدہ جسے توڑا نہ جائے۔ جب تک سورج ثبیر پر تاباں

ہے۔ جب تک اونٹ چٹیل میدان میں آواز نکالتے ہیں، جب تک اخشبان قائم ہے۔ اور جب تک انسان مکہ مکرمہ کا عمرہ کرتے رہیں۔ اتنا طویل عہد! طلوع آفتاب اس کی شدت میں اضافہ ہی کرے گا۔ رات کی ظلمت اس کی طوالت کو طویل ہی کرے گی۔ حضرت عبدالمطلب، ان کی اولاد اور ان کے ساتھی اور بنوخزاعہ باہم مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور مدد کریں گے۔ بنوخزاعہ ہر حال میں حضرت عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کی مدد کریں گے، جبکہ حضرت عبدالمطلب بنوخزاعہ کی ہر حالت میں نصرت اور مدد کریں گے۔ یہ نصرت سارے اہل عرب کے خلاف ہوگی۔ خواہ مشرق کے مکین ہوں یا مغرب کے۔ خواہ نشیب کے باسی ہوں یا فراز کے" انہوں نے اس معاہدہ پر رب تعالیٰ کو گواہ بنایا"۔

جب بنوخزاعہ نے حدیبیہ کے روز اس معاہدہ کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں کیا تو آپ نے فرمایا "مجھے اس معاہدہ کا علم ہے۔ تم اسی عہد اور معاہدہ پر برقرار رہو جو معاہدہ جاہلیت میں ہوا۔ اسلام نے اس کی شدت میں ہی اضافہ کیا ہے" اسلام ایسے معاہدہ کی تردید کرتا ہے جس کا مقصد شرانگیزی اور قتل و غارت ہو۔ اسلام اس عہد اور وعدہ کو تقویت دیتا ہے جو مظلوم کی نصرت صلہ رحمی، بھلائی اور حق کی نصرت کے لیے ہو"۔

بنوبکر کی عہد شکنی

بنوبکر اور بنوخزاعہ میں زمانہ جاہلیت میں کئی جنگیں ہوئیں تھیں۔ قتل عام ہوا تھا۔ ظہور اسلام کی وجہ سے وہ کچھ مصروف ہو گئے۔ جب صلح حدیبیہ رونما ہوئی تو بنوبکر میں سے نوفل بن معاویہ قبیلہ بنوبدیل کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا۔ انہوں نے بنو خزاعہ کے قریب رات بسر کی۔ بنوخزاعہ اپنے چشمہ وتیر پر فروکش تھے۔ یہ چشمہ مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں تھا۔ ان کے ایک شخص کو تیر لگا۔ جس سے بنوخزاعہ جاگ گئے۔ بنوبکر انہیں تہ تیغ کرتے رہے حتیٰ کہ بنوخزاعہ حرم میں داخل ہو گئے۔ پھر بھی بنوبکر نے جنگ بند نہ کی۔ جب بنوبکر حرم تک پہنچے تو انہوں نے نوفل سے کہا "نوفل! ہم حرم میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب رب تعالیٰ سے ڈرو" اس نے بہت بری بات کی۔ اس نے کہا "بنوبکر اس کا کوئی رب نہیں۔ اپنا انتقام اپنی زندگانی کی قسم! تم حرم کی چیزیں بھی چرا لیتے ہو کیا تم اس میں اپنا انتقام نہیں لو گے"۔

بنوبکر اور بنوخزاعہ کے مابین اس جنگ کا ایک اور بھی سبب بیان کیا جاتا ہے کہ بنوبکر کے ایک شخص نے حضور ﷺ کی ہجو بیان کی۔ وہ اشعار گنگنانے لگا۔ بنوخزاعہ کے ایک غلام نے یہ اشعار سن لیے۔ اس نے اس شخص کو مار کر زخمی کر دیا۔ اس طرح یہ آگ دونوں قبائل میں پھیل گئی۔ عداوت تو پہلے ہی موجود تھی۔ بنوبکر نے قریش سے بنوخزاعہ کے خلاف مدد طلب کی۔ قریش نے بنوبکر کی مدد کی۔ بنوخزاعہ اپنے مساکن میں رات بسر کر رہے تھے کہ ان پر شب خون مارا گیا۔ بنوخزاعہ کے بیس یا تیئس افراد مارے گئے۔ بنوبکر کے ساتھ قریش میں صفوان بن امیہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، عکرمہ بن ابی جہل، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو نے خفیہ طور پر مدد کی۔ بعد میں ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے اس ضمن میں ابوسفیان سے مشاورت نہ کی۔ دوسرے قول کے مطابق ان قریشیوں نے اس کے ساتھ مشاورت تو کی مگر اس نے انکار کر دیا۔ انہوں نے یہی گمان کیا کہ ان

کی اس کارستانی کا کسی کو علم نہ ہوگا۔ نہ ہی یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچے گی۔ وہ بنوخزاعہ کو لگاتار قتل کرتے رہے حتیٰ کہ انہیں بدیل بن ورقاء خزاعی کے گھر مکہ مکرمہ میں داخل کر دیا۔ جب قریش نے بنوبکر کی مدد کی اور اس عہد اور میثاق کو توڑ دیا جو حضور اکرم ﷺ اور ان کے مابین تھا تو اس فعل پر نادم ہوئے۔ دوسری روایت کے مطابق جب بنوخزاعہ بدیل بن ورقاء اور غلام رافع کے گھر کی طرف پناہ گزیں ہوئے تو صبح کی پو پھوٹ رہی تھی۔ رؤسائے قریش اپنے اپنے گھر داخل ہو گئے۔ ان کا یہی گمان تھا کہ انہیں پہچانا نہیں گیا۔ وقت صبح بدیل اور رافع کے گھر کے سامنے بنوخزاعہ کے کشتوں کے پشتے لگے تھے۔ سہیل بن عمرو نے نوفل بن معاویہ سے کہا "تم نے ان کا محاصرہ کیا، تم بقیہ افراد کو بھی تہ تیغ کرنا چاہتے تھے۔ مگر ہم تمہاری یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اب انہیں چھوڑ دو" وہ چھوڑ کر چلا گیا۔ قریش اپنی اس حرکت پر نادم ہوئے۔ حرب بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ صفوان کے پاس آئے۔ انہوں نے قریش کو ملامت کی۔ انہوں نے کہا "تمہارے اور محمد عربی (ﷺ) کے مابین معاہدہ ہے۔ یہ اس عہد کی خلاف ورزی ہے۔ قریش نے کہا "اب محمد عربی (ﷺ) ہم پر حملہ آور ہوں گے" ابن ابی سرح نے کہا "وہ اس وقت تک تم پر حملہ آور نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ تمہیں اس چیز میں اختیار دے دیں جو جنگ سے آسان تر ہو۔ وہ تمہاری طرف یہ پیغام بھیجیں گے کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت دو۔ مقتولوں کی تعداد تئیس ہے یا بنوبکر کے عہد سے انکار کر دو۔ ورنہ ہم بھی عہد حدیبیہ توڑ دیتے ہیں" سہیل بن عمرو نے کہا "صلح حدیبیہ توڑنا سب سے آسان امر ہے" شیبہ بن عثمان نے کہا "میرے نزدیک مقتولوں کی دیت دینا آسان ہے" قرطبہ بن عمرو نے کہا "ہم نہ دیت دیں گے، نہ برأت کا اظہار کریں گے بلکہ اس عہد کو توڑ دیں گے جو مقام حدیبیہ میں رونما ہوا تھا" ابوسفیان نے کہا "یہ رائے اچھی نہیں ہے۔ رائے صرف یہ ہے کہ اس سارے معاملہ کا انکار کر دیا جائے کہ قریش نے کسی قسم کی عہد شکنی نہیں کی۔ بنوبکر نے ہمارے ساتھ مشاورت کیے بغیر اور ہماری مرضی کے خلاف بنوخزاعہ پر حملہ کیا ہے۔ ہم پر کچھ بھی نہیں" سرداران قریش نے کہا "محکم رائے یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی رائے نہیں"۔

حضور اکرم ﷺ کو اس اندوہ ناک واقعہ کی خبر

شعبان 8ھ کو قریش نے یہ معاہدہ توڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو اسی روز آگاہ فرما دیا تھا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس واقعہ کی صبح کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "عائشہ! بنوخزاعہ میں ایک واقعہ ظہور پذیر ہو گیا ہے" انہوں نے عرض کی "کیا قریش نے وہ عہد توڑ دیا ہے جو آپ کے اور ان کے مابین تھا۔ حالانکہ تلوار نے انہیں برباد کر دیا ہے" آپ نے فرمایا "انہوں نے وہ عہد توڑ دیا ہے۔ یہ اس امر کے لیے ہے جس کا رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے"۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم خیر ہے" آپ نے فرمایا "خیر ہے"۔

امام طبرانی نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں بسر فرمائی۔ آپ اٹھے اور نماز کے لیے وضو فرمایا۔ میں نے دوران وضو آپ کو فرماتے ہوئے سنا "لبیك لبیك لبیك، نصرت نصرت! تمہاری مدد کر دی گئی، تمہاری مدد کر دی گئی۔ انہوں نے عرض کی

''گویا کہ آپ کسی شخص کے ساتھ محو تکلم ہیں۔ کیا آپ کے ہمراہ کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا ''بنوخزاعہ کا رجز خواں تھا۔ وہ بنوخزاعہ کی وادی میں مجھ سے مدد طلب کر رہا تھا۔ اس کا گمان ہے کہ قریش نے بنوبکر کی مدد کی ہے'' یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے۔ خواہ اس کا علم آپ کو وحی کے ذریعے ہوا اور جو کچھ اس رجز خوان نے تصور کیا تھا آپ اسے جان گئے یا رجز خواں پڑھ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آواز اپنے محبوب ﷺ کو سنادی''۔

اہل سیرت نے لکھا ہے ''جب بنوبکر اور بنوخزاعہ کا قتال بند ہوا۔ عمرو بن سالم خزاعی بنوخزاعہ کے چالیس سواروں کے ہمراہ نکلا۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تا کہ اپنی اس مصیبت کا تذکرہ کریں اور آپ سے مدد طلب کریں۔ ان کے آنے سے تین روز قبل حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سامان سفر تیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے آپ کو قریش کے نقض عہد کی خبر دے دی تھی۔ آپ نے انہیں فرمایا ''اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کرنا''۔ حضرت ابوبکر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ابھی تک حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے آگاہ نہ کیا تھا۔ نہ ہی ان سے مشاورت کی تھی۔ انہوں نے کہا ''لخت جگر! یہ کیسی تیاری ہے؟ انہوں نے کہا ''بخدا! یہ بنواصفر کے ساتھ جہاد کرنے کا زمانہ نہیں۔ حضور ﷺ کہاں جانے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں'' انہوں نے فرمایا ''مجھے علم نہیں''۔ ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی کو بتا یا دیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس دو دفعہ آئے تھے۔ پہلی بار انہوں نے کہا ''مجھے علم نہیں'' پھر حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگاہ کر دیا اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ اپنے والد گرامی کو آگاہ کر دیں کیونکہ وہ رازداں تھے۔ جب دوسری بار ام المومنین رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے انہیں آگاہ کر دیا۔ انہوں نے کہا ''یہ معاہدہ نہیں توڑا گیا'' وہ باہر نکل کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''سب سے پہلے انہوں نے دھوکہ اور فریب سے کام لیا ہے'' حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''جب حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ بنوخزاعہ کا رجز خواں ہے'' اس فرمان کے تیسرے روز بعد آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی تو میں نے رجز خواں کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا۔ وہ رجز خواں عمرو بن سالم تھا۔ وہ اور اس کے ساتھی آئے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے۔ اس نے یہ اشعار پڑھے:

یارب انی ناشد محمداً حلف ابینا وابیه الاتلدا

ان قریشا اخلفوك الموعدا وانقضوا میثاقك المؤكدا

وزعموا ان لست تدعو احدا وجعلوا لی فی كداء رصدا

فانصر هداك الله نصرا ابدا وادع عباد الله یاتوا مددا

فیهم رسول الله قد تجردا ان سیم خسفاً وجهه تربدا

هم بیتونا بالوتیر هجدا وقتلونا ركعا وسجدا

''اے میرے مولا! میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دوستی کا وہ معاہدہ یاد دلانے لگا ہوں جو ہمارے اور ان کے آباء کے مابین قدیم زمانہ میں طے پایا تھا۔ قریش نے آپ کے ساتھ کیے گئے وعدہ کے خلاف کیا۔ وہ پختہ عہد توڑ دیا ہے جو انہوں نے آپ کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ تو اپنی مدد کے لیے کسی کو نہیں پکارے گا۔ وہ کداء کے مقام پر میرے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ آپ کو رب تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آپ ہمیشہ رہنے والی ہماری مدد فرمائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیں جو مدد کے لیے آ جائیں۔ ان میں رب تعالیٰ کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہوں جو جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔ جب ان کی توہین کی جاتی ہے تو ان کا چہرہ فرط غضب سے سرخ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اس وقت ہم پر شب خون مارا جب ہم وتیر نامی چشمہ کے پاس سو رہے تھے۔ اور انہوں نے ہمیں رکوع اور سجدہ کی حالت میں قتل کیا''۔

دوسری روایت میں ایک اور شعر کا اضافہ ہے

هم قتلونا بصعيد هجدا نتلوا القرآن ركعا وسجدا

وزعموا ان لست ادعوا احدا وهم اذلّ واقلّ عددا

''انہوں نے ہمیں چٹیل میدان میں رات کے وقت قتل کیا جبکہ ہم رکوع اور سجود کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے گمان کیا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا۔ وہ سب سے زیادہ ذلیل اور تعداد میں سب سے زیادہ قلیل ہیں''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی گئی ہے'' دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے ردائے پاک کو گھسیٹے جا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے ''اگر میں اس چیز سے تمہارا دفاع نہ کروں جس سے اپنے نفس کا دفاع کرتا ہوں تو میری نصرت نہ کی جائے'' دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے میں ان کا ہر اس چیز سے دفاع کروں گا جس سے میں اپنا اور اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں'' حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اتنے غصے کی حالت میں نہ دیکھا جتنا آپ اس وقت غصے میں تھے'' ایک اور روایت کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کے اشعار سنے تو چشمان مقدس سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ فرمایا ''خزاعہ مجھ سے اور میں خزاعہ سے ہوں'' پھر آپ نے عمرو بن سالم سے پوچھا ''یہ اذیت تمہیں کس نے پہنچائی ہے؟'' انہوں نے عرض کی ''بنو بکر نے'' آپ نے فرمایا ''سارے بنو بکر نے'' انہوں نے عرض کی ''نہیں! بنو نفاثہ نے۔ وہ بنو بکر کا ایک قبیلہ ہے'' پھر آپ نے عمرو اور اس کے ساتھیوں سے فرمایا ''واپس لوٹ جاؤ، وادیوں میں بکھر جاؤ'' وہ واپس لوٹ آئے، منتشر ہو گئے۔ ایک گروہ ساحل سمندر کی طرف چلا گیا۔ دوسرا گروہ راستہ پر عازم سفر ہو گیا۔ عمرو بن سالم کے جانے کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی اپنے ساتھیوں سمیت بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو داستان غم سنائی اور واپس چلے گئے۔ دوسری روایت کے مطابق بدیل مکہ

مکرمہ میں ہی ٹھہرا رہا حتیٰ کہ فتح مکہ کے روز آپ سے مرالظہران کے مقام پر جاملا۔

حضور ﷺ کا حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجنا

حضور اکرم ﷺ نے خزاعہ کے کارواں سے فرمایا "میں اہل مکہ کے پاس اپنا قاصد بھیجنے لگا ہوں۔ میں ان سے اس معاملہ کے متعلق پوچھنے لگا ہوں اور انہیں تین تجاویز دینے لگا ہوں"۔ آپ ﷺ نے حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ اہل مکہ کو اختیار دیا کہ یا تو وہ بنوخزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں یا بنونفاثہ کے ساتھ عہد توڑ دیں یا صلح حدیبیہ ختم کر دیں" حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور انہیں حضور ﷺ کا حکم سنایا۔ قرطہ بن عمرو نے کہا "ہم نہ تو مقتولین کی دیت ادا کریں گے نہ ہی بنونفاثہ کے ساتھ عہد شکنی کریں گے۔ بلکہ ہم صلح حدیبیہ کو توڑ دیتے ہیں" پھر قریش کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو بھیجا تا کہ وہ صلح کی تجدید کرے اور اس کی مدت میں توسیع کرے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان جلدی جلدی مدینہ طیبہ کی طرف نکلا تا کہ وہ مسلمانوں کو یہ خبر ملنے سے قبل ہی مدینہ منورہ پہنچ جائے۔ اسے علم نہ تھا کہ بنوخزاعہ اس سے قبل بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو چکے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق حرب بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ابوسفیان کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا "اگر اس امر کی اصلاح نہ ہوئی تو محمد عربی (ﷺ) اپنے صحابہ سمیت تم پر حملہ آور ہو جائیں گے" ابوسفیان نے کہا "ہند بن عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے۔ جسے اس نے ناپسند کیا ہے اور وہ اس کے شر سے ڈر گئی ہے" انہوں نے پوچھا "کیسا خواب؟ ابوسفیان نے کہا "اس نے خون دیکھا ہے جو الحجون کی طرف سے بہتا ہوا آیا ہے۔ پھر وہ الخندمہ میں آکر ٹھہر گیا ہے۔ پھر گویا کہ وہاں خون تھا ہی نہیں" انہوں نے بھی یہ خواب پسند نہ کیا۔ ابوسفیان نے کہا "میں نہ تو اس امر میں حاضر ہوا نہ ہی اس سے غائب ہوا۔ نہ ہی اسے صرف مجھ پر محمول کیا گیا۔ بخدا! نہ ہی اس کے متعلق مجھ سے مشاورت کی گئی۔ نہ ہی میں نے یہ پسند کیا حتیٰ کہ مجھے خبر پہنچی کہ حضور ﷺ ہم پر ضرور حملہ آور ہوں گے۔ اگر میرا گمان سچا ہے، بلکہ وہ سچا ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کہ میں محمد عربی (ﷺ) کے پاس جاؤں اور ان سے اس کے متعلق گفتگو کروں" قریش نے کہا "تمہاری رائے درست ہے"۔

ابوسفیان مدینہ طیبہ کی طرف

ابوسفیان اپنے غلام کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ ان کے پاس دو سواریاں تھیں۔ بنوخزاعہ کا کارواں مدینہ طیبہ سے واپس آ رہا تھا۔ وہ عسفان کے مقام پر ابوسفیان سے ملے۔ اس نے پوچھا "کیا تم مدینہ منورہ گئے تھے؟" انہوں نے کہا "نہیں" پھر وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد ابوسفیان ان کے اونٹ بٹھانے کی جگہ پر آیا۔ ایک اونٹ کا لید نا اٹھایا۔ اس میں کھجور کی گٹھلی دیکھی تو وہ سمجھ گیا کہ وہ مدینہ طیبہ ہی گئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان بدیل بن ورقاء سے ملا۔ اسے خدشہ لاحق ہوا کہ بدیل کہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہی نہ گیا ہو۔ اس نے اس کے ساتھیوں سے پوچھا "مجھے بتاؤ کہ تم یثرب کب گئے" انہوں نے کہا "ہمیں تو کچھ یاد نہیں ہم تو ساحل کی طرف گئے تھے تا کہ مقتول کے متعلق لوگوں میں فیصلہ

کریں" دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بدیل سے کہا "بدیل کہاں سے آرہے ہو؟ بدیل نے کہا "میں ساحل سمندر کی طرف گیا تھا" ابوسفیان! کیا تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں نہیں گئے" بدیل: "نہیں" جب بدیل نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا تو ابوسفیان نے کہا "اگر بدیل مدینہ طیبہ سے ہو کر آرہا ہے تو اس کی سواری کے گوبر میں کھجور کی گٹھلی ضرور ہو گی" ابوسفیان ان کے خیموں کی جگہ پر آیا اونٹ کا لید نا توڑ کر دیکھا تو اس میں کھجور کی گٹھلی دیکھی۔ ابوسفیان نے کہا "میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ لوگ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں" ابھی تک ابوسفیان مدینہ طیبہ نہیں پہنچا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "گویا کہ ابوسفیان تمہارے پاس آرہا ہے۔ وہ کہے گا "صلح کے معاہدہ کی تجدید کریں اور مدت میں توسیع کرو، مگر وہ ناراضگی لے جائے گا"۔

ابوسفیان مدینہ طیبہ پہنچا۔ پہلے حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔ اس نے کہا "لخت جگر! مجھے معلوم نہیں کہ تم نے مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا یا اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا" انہوں نے فرمایا "یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر مبارک ہے تو مشرک اور ناپاک ہے، میں پسند نہیں کرتی کہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر بیٹھے" ابوسفیان نے کہا "نور نظر! میرے بعد تمہیں شر نے آلیا ہے" انہوں نے فرمایا "نہیں بلکہ رب تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ ابو جان! تم قریش کے سردار ہو، ان کے رئیس ہو۔ تم اسلام میں داخل ہونے سے کیسے رہ سکتے ہو؟ تم پتھروں کی پوجا کرتے ہو، جو نہ سن سکتے ہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں" ابوسفیان وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا۔ عہد کی تجدید اور مدت میں توسیع کے لیے عرض کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا۔ امام ابواسحاق کی روایت کے مطابق ابوسفیان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کی۔ مگر آپ نے کوئی جواب ارشاد نہ فرمایا۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے کہا "محمد عربی! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں صلح حدیبیہ میں غائب تھا۔ عہد کی تجدید کریں۔ مدت میں توسیع کریں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "کیا کوئی حادثہ رونما ہوا ہے؟ اس نے عرض کی "اللہ کی پناہ! ہم اپنے عہد پر برقرار ہیں۔ اپنی صلح پر ہیں۔ ہم نے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا"۔ آپ نے فرمایا "ہم بھی اسی طرح ہیں" ابوسفیان نے اپنی بات دہرائی۔ مگر آپ نے کوئی جواب ارشاد نہیں فرمایا۔ ابوسفیان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تاکہ وہ اس کے لیے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سفارش کریں۔ انہوں نے فرمایا "مجھ میں اتنی جرأت نہیں" دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان نے انہیں کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت کریں یا لوگوں کو پناہ دیں" انہوں نے فرمایا "میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ میں ہے" ابوسفیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ ان سے یہی بات کی تو انہوں نے فرمایا "بخدا! اگر مجھے صرف چھوٹی چیونٹی بھی مل جائے۔ میں اس کے ساتھ بھی مل کر تمہارے خلاف جہاد کروں گا" ایک اور روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہمارے مابین جو نیا معاہدہ ہو اللہ تعالیٰ اسے بوسیدہ کر دے۔ جو پختہ معاہدہ طے پائے رب تعالیٰ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ جو معاہدہ ٹوٹ چکا ہے رب تعالیٰ اسے کبھی نہ جوڑے" ابوسفیان نے کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو اس قطع رحمی کی سزا دے" پھر ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاشانہ اقدس میں گیا۔ حضرت سیدہ نساء

العالمین رضی اللہ عنہا بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔ حضرت حسن ابھی ننھے سے بچے تھے۔ وہ اپنی والدہ ماجدہ کے سامنے گھٹنے گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا "علی! آپ صلہ رحمی کے اعتبار سے مجھ سے سب سے زیادہ قریبی ہیں۔ میں ایک ضروری کام کے لیے آیا ہوں۔ میں بے نیل مرام واپس نہیں جانا چاہتا۔ میرے لیے سفارش کریں" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تیرے لیے ہلاکت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کا عزم کر لیں تو ہم میں طاقت نہیں ہوتی کہ اس کے متعلق آپ سے گفتگو کریں" ابوسفیان نے حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا۔ کہا "اے نور نظر مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے لخت جگر کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے مابین امن وامان کا اعلان کر دے۔ یہ تا ابد عرب کا سردار بن جائے گا" انہوں نے فرمایا "بخدا! میرا نور نظر اس عمر کو نہیں پہنچا کہ لوگوں کے مابین امن وامان کا اعلان کرے۔ اور کوئی کسی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پناہ بھی نہیں دیتا" دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانے سے قبل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی فرمایا "میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے" پھر وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس نے کہا "ابو ثابت! آپ اس بحیرہ کے سردار ہیں۔ لوگوں میں امن وامان کا اعلان کریں اور صلح نامہ کی مدت میں توسیع کر دیں" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے۔ آپ کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا" ابوسفیان قریش کے سارے سرداروں کے پاس گیا۔ انصار کے سرداروں کے پاس گیا ان سب سے بات چیت کی، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ میری پناہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے اور آپ کے خلاف کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ ان سب سے مایوس ہو کر ابوسفیان حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ عرض کی "کیا آپ لوگوں میں امن وامان کا اعلان کر سکتی ہیں؟ انہوں نے انکار فرماتے ہوئے فرمایا "میں عورت ہوں" ابوسفیان نے کہا "اپنے نور نظر کو یہ حکم دیں" حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ابھی یہ اس عمر کو نہیں پہنچا" ابوسفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا "ابوالحسن! میں دیکھ رہا ہوں کہ امور مجھ پر شدت اختیار کر گئے ہیں۔ مجھے نصیحت کریں"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! میں کسی ایسی چیز کو نہیں جانتا جو تجھے کچھ فائدہ دے۔ لیکن تو بنو کنانہ کا سردار ہے۔ اٹھ اور لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دے۔ پھر واپس لوٹ جا" ابوسفیان نے کہا "یہ چیز مجھے فائدہ دے سکتی ہے" حضرت علی رضی اللہ عنہ: "نہیں" لیکن میں تمہارے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں پاتا" ابوسفیان مسجد میں کھڑا ہو گیا، اس نے کہا "اے لوگو! میں لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ تم میرے اس اعلان کی بے حرمتی نہیں کرو گے" پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا، عرض کی "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم میں نے لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دیا ہے" آپ نے فرمایا "ابوحنظلہ! تو ہی یہ کہتا ہے" پھر ابوسفیان اپنے اونٹ پر سوار ہوا۔ مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔ مدینہ منورہ میں اسے کافی مدت رکنا پڑا۔ قریش نے اس پر شدید تہمت لگائی۔ انہوں نے کہا "وہ صابی ہو گیا ہے۔ اس نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر لی ہے مگر وہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے ہے"۔

رات کے وقت ابوسفیان اپنی بیوی ہند کے پاس گیا تو اس نے پوچھا "تم طویل مدت غائب رہے حتیٰ کہ تمہاری قوم نے

تم پر تہمت لگادی۔ اگر اتنے طویل قیام کے بعد تم کامیابی لے کر آئے ہو تو تم مرد ہو" ہند نے پوچھا "تم نے کیا کیا؟ ابوسفیان نے سارے حالات بتائے اور کہا "جو کچھ مجھے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا" ہند نے ابوسفیان کے سینے پر ٹانگ ماری اور کہا "تم اپنی قوم کے بدبخت قاصد ہو۔ تم کبھی بھی بھلائی کے ساتھ نہیں آئے" صبح ہوئی تو ابوسفیان نے اساف اور نائلہ کے پاس جا کر حلق کرایا۔ ان کے لیے جانور ذبح کیے اور ان کے خون سے اساف اور نائلہ کو رنگین کیا پھر کہا "میں تادم مرگ تمہاری عبادت سے جدا نہیں ہوں گا" اس نے یہ کام اس لیے کیا تاکہ قریش اسے اس تہمت سے بری قرار دیں جو انہوں نے اس پر لگائی تھی کہ وہ صابی ہو گیا ہے" پھر قریش نے پوچھا "تم نے کیا کیا ہے؟ کیا تم محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کوئی خط لے کر آئے ہو یا مدت معاہدہ میں توسیع ہوئی ہے۔ ہم اس سے امن میں نہیں کہ آپ ہم پر حملہ آور ہو جائیں" ابوسفیان نے کہا "اللہ کی قسم! انہوں نے تو انکار ہی کیا ہے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر میں حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا۔ میں نے ان میں بھی بھلائی نہیں پائی۔ پھر میں حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا انہیں شدید ترین دشمن پایا۔ میں نے دیگر صحابہ کرام سے بھی گفتگو کی، مگر میں نے کوئی کامیابی نہ پائی۔ انہوں نے مجھے ایک ہی بات میں جواب دیا۔ میں نے آج تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کی قوم اس طرح اس کی پیروی کرتی ہو۔ جب امور مجھ پر تنگ ہو گئے تو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے مجھے فرمایا "تو بنو کنانہ کا سردار ہے۔ لوگوں کے مابین امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دے" میں نے لوگوں میں امن وامان قائم رکھنے کا اعلان کر دیا" قریش مکہ نے کہا "کیا محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسے جائز قرار دیا" ابوسفیان نے کہا "نہیں! آپ نے صرف یہ فرمایا ہے "ابوحنظلہ! یہ صرف تو ہی کہہ رہا ہے" قریش مکہ نے کہا "تو رضا کے بغیر ہی راضی ہو گیا۔ ایسی چیز لے کر آیا جو نہ ہمیں فائدہ دے سکتی ہے نہ ہی تجھے۔ بخدا! تمہارا یہ اعلان درست نہیں۔ تمہارے اعلان کی حقارت کرنا ان پر بہت آسان ہے۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے بھی تمہارے ساتھ چال ہی چلی ہے" ابوسفیان نے کہا "میں نے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ پایا۔ قریش نے کہا "نہ تو تو جنگ لے کر آیا ہے کہ ہم اپنا بچاؤ کر سکیں۔ نہ صلح کے ساتھ آیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو محفوظ سمجھیں"۔

باہم مشاورت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر حملہ آور ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! قریش کو ہمارے بارے بہرہ اور اندھا کر دے تاکہ ہم اچانک ان پر حملہ آور ہو جائیں"۔

ابن شیبہ نے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی حجرۂ مقدسہ سے باہر تشریف لائے۔ اس کے دروازہ کے پاس تشریف فرما ہو گئے۔ جب آپ تنہا تشریف فرما ہوتے تو کسی کو قریب آنے کی جرأت نہ ہوتی حتیٰ کہ آپ خود ہی کسی کو یاد فرما لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو میری طرف بلاؤ" وہ آئے اور آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ طویل مدت آپ ان سے سرگوشی فرماتے رہے۔ پھر انہیں اپنی دائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا "میرے لیے عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کو بلاؤ" وہ حاضر خدمت ہوئے تو ان کے ساتھ بھی آپ نے طویل سرگوشی کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند کہا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم وہ کفر کے سرغنہ ہیں۔ انہوں نے گمان کیا ہے کہ آپ جادوگر ہیں، آپ کاہن ہیں، آپ کذاب ہیں، آپ مفتری ہیں" کفار جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے تھے انہوں نے سب کچھ عرض کیا۔ پھر عرض کی "اللہ کی قسم! عرب ذلیل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ اہل مکہ ذلیل ہو جائیں گے" آپ نے انہیں اپنی بائیں طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر صحابہ کرام کو بلایا اور فرمایا "کیا میں تمہیں تمہارے ان دو ساتھیوں کی مثال نہ دوں" انہوں نے عرض کی "ضرور یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم"۔ آپ نے اپنا رخ انور حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی طرف کیا اور فرمایا "حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام رب تعالیٰ کے معاملہ میں مکھن سے بھی نرم تھے" پھر رخ انور حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کی طرف کیا اور فرمایا "حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے"۔ بات وہی ہے جو عمر نے کی ہے۔ تم جہاد کی تیاری کرو۔ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے گئے اور عرض کی "ہمیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھنا پسند نہیں۔ ذرا بتائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کیا سرگوشی کی ہے"۔ انہوں نے کہا: آپ نے مجھے فرمایا "مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہونے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے عرض کی "یارسول اللہ! وہ آپ کی قوم ہیں" حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ آپ میری بات مان لیں گے۔ پھر آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا: انہوں نے عرض کی "وہ کفر کے سرغنہ ہیں" انہوں نے وہ ساری برائیاں بیان کیں جنہیں قریش آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دے دیا ہے تاکہ تم مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہو جاؤ"۔

بعض روایات میں ہے کہ آپ کی تیاری کا کسی کو علم نہ ہوا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عوام الناس کو اس کا علم نہ ہوا۔ آپ نے کبار صحابہ کرام کو خود بتا دیا تھا۔ لوگوں نے تیاری شروع کر دی۔ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے اور بنوخزاعہ کی مصیبت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

عنانی ولم اشھد ببطحاء مکۃ رجال بنی کعب تحزّ رقابھا

بایدی رجال لم یسلوا سیوفھم وقتلیٰ کثیرۃ لم تجن ثیابھا

الالیت شعری ھل تنالن نصرتی سھیل ابن عمرو حرھا وعقابھا

وصفوان عود حن من شفراتیہ فھذا اوان الحرب شد عصابھا

فلا تامنن یابن ام مجالد اذا احتلبت صرفاواعصل نابھا

ولا تجزعوا منا فان سیوفنا لھا وقعۃ بالموت یفتح بابھا

"مجھے سخت اذیت دی اگرچہ میں مکہ کی وادی میں حاضر نہ تھا کہ بنوکعب کے افراد کی گردنیں کاٹی گئیں۔ ایسے آدمیوں کے ہاتھوں جنہوں نے اپنی تلواریں بھی سونتی ہوئی نہ تھیں اور بہت سے مقتولوں کو کفن بھی نہیں دیا گیا۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ سہیل بن عمرو کے خلاف چھوٹی بڑی مدد پہنچی ہے۔ صفوان ایک اونٹ ہے جو اپنی سرین کی باریک سی آواز سے رونے لگتا ہے۔ اب جنگ کا وقت آگیا ہے اس کی رسیاں باندھ دی گئیں ہیں۔ اے ام مجالد کے بیٹے! تو

ہم سے محفوظ نہیں رہ سکتا، جب جنگ سے خالص دودھ دوہا جائے گا اور اس کے دانت ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ اب ہم سے گھبرا کر بھاگ نہ جانا، کیونکہ ہماری تلواروں سے ایسا معرکہ ہوگا جس سے موت کا دروازہ کھل جائے گا"۔

ابن اسحاق نے کہا "بایدی رجال" سے مراد قریش اور ابن ام مجالد سے عکرمہ بن ابی جہل مراد ہے" حضور اکرم ﷺ نے دعا مانگی "مولا! اہل مکہ کے کانوں اور آنکھوں کو پکڑ لے۔ وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور ہمیں اچانک ہی سنیں"۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی سڑکوں پر نگران متعین فرمادیے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خود ان نگرانوں کی نگہبانی کرتے تھے۔ فرمایا "کسی بھی اجنبی کو گزرتے ہوئے دیکھو تو اسے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کردو" سارے رستے بند تھے۔ اہل مکہ کی طرف کسی قسم کی کوئی خبر نہیں پہنچ رہی تھی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط لکھا اور اسے اہل مکہ کی طرف بھیج دیا۔ انہیں حضور اکرم ﷺ کی تیاری کی خبر دی۔ انہوں نے یہ خط ایک عورت کے ہمراہ بھیجا جسے دس دینار بطور اجرت دیے۔ اسے کہا "اپنی طاقت کے مطابق اسے چھپائے رکھنا۔ عام شاہراہ سے نہ جانا۔ وہاں نگران مقرر ہیں" اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو اس سے آگاہ فرمادیا۔ آپ نے حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت مقداد بن اسود رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یاد فرمایا۔ انہیں حکم فرمایا "روانہ ہو جاؤ حتیٰ کہ روضہ خاخ پہنچ جاؤ۔ وہاں ایک جاسوسہ ملے گی۔ جس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہوگا جو انہوں نے مشرکین کی طرف لکھا ہے۔ وہ خط اس سے چھین لو" وہ فرماتے ہیں "ہم روانہ ہوئے۔ ہمارے گھوڑے ہمیں اڑائے جارہے تھے، حتیٰ کہ ہم روضہ پہنچے۔ وہاں ہمیں وہ جاسوسہ مل گئی، ہم نے اسے کہا "وہ خط باہر نکالو" اس نے کہا "میرے پاس کوئی خط نہیں ہے" ہم نے اس کی تلاشی لی، مگر خط نہ ملا۔ ہم نے اسے کہا "حضور اکرم ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا، وہ خط نکال دو، ورنہ تیرے کپڑے ہم اتار دیں گے یا تیری گردن اڑا دیں گے" جب اس نے یہ اصرار دیکھا تو اپنی مینڈھیاں کھولیں اور ان میں سے خط نکال کر دے دیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے وہ خط اپنے نیفہ سے نکال کر دیا۔ ہم وہ خط لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ اس خط میں لکھا تھا:

حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے سہیل بن عمرو، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ کی طرف

"اے گروہ قریش! حضور اکرم ﷺ ایک لشکر جرار لے کر تمہارے پاس آرہے ہیں۔ وہ سیلاب کی طرح لشکر ہے۔ بخدا! اگر آپ اکیلے بھی تمہاری طرف آجائیں تو رب تعالیٰ ضرور آپ کی نصرت کرے گا، وہ اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ تم اپنی جانوں کے بارے سوچ لو"۔ والسلام

دوسری روایت کے مطابق اس خط کے الفاظ یہ تھے: "حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام میں جہاد کا اعلان فرمادیا ہے۔ میری رائے میں آپ کا ارادہ صرف تم ہی ہو، میں نے پسند کیا ہے کہ یہ میرا تم پر احسان ہو جائے"۔

حضور نبی مکرم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ فرمایا "کیا اس خط کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ

نے پوچھا "اس چیز پر تمہیں کس نے ابھارا ہے؟ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے متعلق جلدی نہ کریں۔ بخدا! میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں تبدیل نہیں ہوا۔ جب سے اسلام لے کر آیا ہوں کبھی کفر نہیں کیا۔ جب سے خلوص کا اظہار کیا ہے کبھی فریب نہیں کیا۔ جب سے قریش مکہ سے جدا ہوا ہوں ان سے محبت نہیں کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں قریش کا حلیف تھا۔ میں ان میں سے نہ تھا۔ اس قوم میں نہ میری اصل ہے نہ وہ میرا قبیلہ ہے۔ وہاں میرے اہل وعیال ہیں۔ میں نے ان پر احسان کرنے کی کوشش کی ہے۔ دیگر مہاجرین کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا جب قریش کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تو ان پر احسان کر دوں تا کہ وہ میرے رشتہ داروں کا تحفظ کریں" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "بخدا! جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں شک میں مبتلا نہیں ہوا۔ لیکن میں اجنبی شخص ہوں، مکہ مکرمہ میں میرے بیٹے اور بھائی ہیں۔ میں نے ایسا خط لکھا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو کوئی نقصان نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے یہ کام نہ تو اپنے دین سے مرتد ہو کر کیا ہے نہ ہی اسلام کے بعد کفر سے راضی ہوتے ہوئے کیا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "انہوں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کرے! تم نے دیکھا نہیں تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے نگران متعین کیے تھے۔ تم نے قریش کی طرف خط لکھ دیا" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا "یارسول اللہ! یہ جانتے تھے کہ آپ نے راستوں پر نگران مقرر فرمائے ہیں۔ جب کہ ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ جس اجنبی کو بھی دیکھیں اسے آپ کی بارگاہ میں پیش کریں۔ یارسول اللہ اصلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیں۔ میں ان کی گردن اڑا دوں۔ یہ منافق ہو گئے ہیں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے"۔ تمہیں علم ہے رب تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق علم ہوتے ہوئے فرمایا "اب جو چاہو کرو میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے" دوسری روایت کے مطابق "تمہارے لیے جنت لازم ہو گئی ہے" پھر فرمایا "جس نے غزوۂ بدر میں شرکت کی وہ آگ میں داخل نہیں ہو سکتا" یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہوں نے عرض کی "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں" اللہ رب العزت نے اس وقت یہ آیت طیبہ نازل کی:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي (الممتحنہ:1)

"اے ایمان والو نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست۔ تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے، حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم کو) اور تمہیں بھی (مکہ سے)۔ محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے نکلو ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ)"۔

دوسرے قول کے مطابق قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيمَ تک آیات اس وقت نازل ہوئیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تصدیق کر دی۔ ان کا عذر قبول کر لیا، اس کے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کا سر قلم کر دوں۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں دینی قوت بہت زیادہ تھی۔ منافقین سے بہت زیادہ بغض تھا۔ ان کا گمان تھا کہ حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) قتل کے مستحق ہیں کیونکہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے حکم کے خلاف کیا تھا۔ آپ نے قریش کو خبر پہنچانے سے منع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے سارے راستوں پر پہرے دار بٹھا دیے تھے۔ تاکہ اہل مکہ تک آپ کی تیاری کی خبر نہ پہنچے۔ اس لیے انہوں نے حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) کو قتل کا مستحق سمجھا۔ البتہ انہیں یقین نہ تھا۔ اس لیے حضور اکرم ﷺ سے اذن طلب کیا اور حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) کو منافق کہا۔ کیونکہ اس کا اظہار کیا تھا جو ان کے اندر نہ تھا جبکہ حضرت حاطب (رضی اللہ عنہ) معذور تھے۔ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے:

حضور ﷺ نے بھی رب تعالیٰ کا فرمان سنایا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمایا "جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا ہے" اس فرمان میں اہل بدر کے لیے گناہوں کو مباح نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ شرف اور اکرام کا خطاب ہے۔ یہ اس امر کو متضمن ہے کہ ان کی یہ حالت ہے جس کی وجہ سے میں نے ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ غور کرو کہ وہ ان سے عنقریب وقوع ہونے والے گناہ بھی بخش دے گا۔ اگر گناہوں کا صدور ان سے فرض کر لیا جائے۔ کسی شخص نے کتنی پیاری بات کی ہے:

واذا الحبيب اتى بذنب واحد　　جاء ت محاسنه بالف شفيع

"اگر میرا محبوب ایک گناہ لے کر آئے تو اس کے محاسن ایک ہزار سفارشی لے کر آ جاتے ہیں"۔

حضور نبی مکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خبر بھی دی رب تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کی بات کو سچ کر دکھایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لگاتار اہل جنت کے اعمال کرتے رہے، حتیٰ کہ وہ دنیا کو الوداع کہہ گئے۔ اگر کسی سے نازیبا فعل سرزد ہو بھی گیا تو اس نے توبہ کرنے میں جلدی کی اور صراط مستقیم کو لازم پکڑ لیا۔ یہ وہ احوال ہیں جن سے ہر وہ شخص آگاہ ہے جو صحابہ کرام کی سیرت طیبہ سے آشنا ہے۔

روانگی

جب حضور سپہ سالار اعظم ﷺ نے مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہونے اور مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو مدینہ طیبہ کے اردگرد اپنے قاصد روانہ فرمائے۔ آپ نے بنو اسلم، بنو غفار، بنو اشجع اور بنو سلیم وغیرہ کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا "جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ رمضان المبارک میں مدینہ طیبہ حاضر ہو جائے" آپ ﷺ نے ہر سمت اپنے قاصد بھیجے۔ ان میں بعض قبائل مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ آ کر مل گئے۔ بعض راستہ میں ملتے رہے۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے بارہ ہزار تعداد لکھی ہے۔ اس میں بنو اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ، اشجع اور اسلم کے قبائل بھی شامل تھے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ سے دس ہزار

مجاہدین پر مشتمل لشکر روانہ ہوا۔ دو ہزار راستہ میں ان کے ساتھ مل گئے۔

امام حلبی نے اپنی "سیرت" میں لکھا ہے کہ مہاجرین کی تعداد 700 اور ان کے ساتھ تین سو گھوڑے تھے۔ انصار کی تعداد چار ہزار اور ان کے ہمراہ پانچ سو گھوڑے تھے۔ بنو مزینہ کی تعداد ایک ہزار اور ان کے پاس ایک سو گھوڑے تھے۔ بنو اسلم چار سو تھے۔ ان کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ بنو جہینہ آٹھ سو اور ان کے ہمراہ پچاس گھوڑے تھے۔ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو رفاقت کا شرف نصیب ہوا۔ آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے امور حضرت ابو رہم کلثوم بن حصین الغفاری کے سپرد فرمائے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت ابو رہم کو قضایا اور احکام کے لیے اور حضرت ام ابن مکتوم کو نماز کے سلسلہ میں نیابت کے فرائض سونپے۔ آپ 10 رمضان المبارک 8ھ کو نماز عصر کے بعد مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ایک قول کے مطابق رمضان المبارک کے دو ایام گزر چکے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق 16 رمضان المبارک کو آپ عازم سفر ہوئے۔ تیسرا قول یہ بھی ہے کہ آپ اٹھارہ رمضان المبارک کو روانہ ہوئے۔ امام نووی رقمطراز ہیں "اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ مبارک غزوہ رمضان المبارک میں ہی ظہور پذیر ہوا تھا۔ اختلاف اس میں ہے کہ آپ عازم سفر کس تاریخ کو ہوئے" کدید پہنچ کر آپ نے روزہ افطار کر دیا۔ کیونکہ آپ تک یہ خبر پہنچی کہ لوگوں پر روزہ رکھنا شاق گزر رہا ہے۔ آپ سے عرض کی گئی کہ لوگ منتظر ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ جب نماز عصر کے بعد آپ اپنی سواری پر تشریف فرما ہو گئے تو پانی کا برتن منگوایا، یا دودھ سے لبریز برتن منگوایا۔ اسے اپنی سواری پر رکھا، تا کہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ آپ نے وہ نوش فرما لیا۔ روزہ کھول دیا۔ پھر اپنے پہلو میں کھڑے شخص کو عطا فرمایا۔ انہوں نے بھی وہ پانی پی لیا۔ پھر آپ نے روزہ نہ رکھا حتیٰ کہ سارا مہینہ گزر گیا۔ یہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور رحم دلی کی وجہ سے تھا۔ اگرچہ آپ ماہ رمضان پورا ہونے سے قبل ہی مکہ مکرمہ پہنچ چکے تھے لیکن جنگی تیاریوں اور سرایا بھیجنے میں مصروف رہے۔ آپ نے اقامت کی نیت نہ کی۔ اسی لیے نماز قصر ادا فرماتے رہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ اور اموال کے ساتھ ہجرت مدینہ طیبہ کی نیت سے عازم سفر تھے۔ انہوں نے جحفہ کے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ حضرت عباس بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہرنے کا حکم دیا، تا کہ وہ آپ کو قریش کی خبریں پہنچاتے رہیں۔ مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت مسرور تھے۔ انہوں نے فتح مکہ کے روز ہی اہل مکہ کے لیے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ وہ مکہ مکرمہ میں منصب سقایہ پر فائز تھے۔ وہ مکہ مکرمہ کے کمزور مسلمانوں کے لیے بہت مفید تھے۔ انہی پر انہیں اعتماد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے راضی تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالحلیفہ کے مقام پر ملاقات کی۔ اپنا سامان مدینہ طیبہ بھیج دیا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں فتح مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

طبرانی نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی

اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "چچا جان! آپ اسی جگہ ٹھہرے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہجرت کو اس طرح ختم کیا ہے جس طرح اس نے مجھ پر نبوت کو ختم کیا ہے" جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے ملاقات کی تو آپ نے فرمایا "چچا جان! آپ کی ہجرت اسی طرح آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے"۔

راستہ میں آپ ﷺ نے اپنے چچازاد اور رضاعی بھائی ابوسفیان بن حرب سے بھی ملاقات کی، ان کے ہمراہ ان کے فرزند حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن ابی امیہ المخزومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ موخر الذکر آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے نور نظر تھے۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے باپ کی طرف سے بھائی بھی تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن قیس تھا۔ حضرت ابوسفیان اور ان کے ساتھی آپ کو نقب العقاب کے مقام پر ملے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ ملاقات ابواء کے مقام پر ہوئی تھی۔ یہ مہاجر مسلمان تھے۔ حضرت ابوسفیان کا نام مغیرہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل یہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ جب آپ مبعوث ہوئے تو انہوں نے آپ سے عداوت کی۔ آپ کی ہجو کی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے جواب دیا۔ حضرت عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی اسلام لانے سے قبل اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن تھے۔ یہ دونوں اپنے اسلام سے قبل حضور اکرم ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش تھے۔ جب آپ نے ان سے ملاقات کی تو ان سے اعراض فرمایا۔ کیونکہ آپ نے ان سے شدید اذیت اور ہجو برداشت کی تھی۔ انہوں نے حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کرتے ہوئے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ آپ کے چچازاد، پھوپھوزاد اور سسرال والے ہیں" آپ نے فرمایا "مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے چچازاد نے میری عزت و ناموس کا خیال نہیں کیا۔ میرے پھوپھوزاد اور سسرالی رشتہ دار نے مجھے مکہ مکرمہ میں وہ کچھ کہا تھا جو کہا تھا۔ اس نے کہا "بخدا! میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ آپ آسمان کی طرف سیڑھی لگائیں اور اس پر چڑھیں۔ میں دیکھتا رہوں پھر آپ ایک تحریر اور چار فرشتے لے کر آئیں جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا چچازاد اور پھوپھوزاد لوگوں میں سے سیاہ قسمت نہ رہیں" جب ان دونوں تک حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان پہنچا تو ابوسفیان نے کہا "بخدا! آپ مجھے اجازت دے دیں۔ ورنہ میں اپنے اس فرزند کا ہاتھ پکڑ لوں گا، پھر جنگل کی طرف نکل جاؤں گا حتیٰ کہ ہم بھوکے پیاسے مرجائیں" جب حضور اکرم ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ ان کے لیے نرم ہو گئے۔ وہ حاضر خدمت ہوئے اور دولت اسلام سمیٹ لی۔ حضرت ابوسفیان نے گذشتہ کوتاہیوں پر معذرت کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

لعمرك انی یوم احمل رایة — لتغلب خیل اللات خیل محمد

لکا لمدلج الحیران اظلم لیله — فهذا اوانی حین اهدی واهتدی

هدانی هاد غیر نفسی ونالنی — مع الله من طرّدت کل مطرّد

اصدّ وانای جاهدا عن محمد — وادعیٰ وان لم انتسب من محمد

''تیری زندگی کی قسم جس روز میں جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا تا کہ لات کے گھڑسوار محمد عربی (ﷺ) کے گھڑسواروں پر غالب آ جائیں۔ تو میں اس حیران و پریشان شخص کی طرح تھا جس کی شب ظلمت سے بھر جائے۔ اسی وقت مجھے ہدایت سے نوازا گیا اور میں ہدایت پا گیا۔ میرے نفس کے علاوہ مجھے ایک راہ نما نے ہدایت دی۔ اس نے مجھے اس پروردگار تک پہنچا دیا جس کے ساتھ میں ہر لحظہ مقابلہ کرتا تھا۔ میں آپ سے مقابلہ کرتا تھا اور کوشش کر کے محمد عربی (ﷺ) سے دور ہو جاتا تھا۔ آپ سے اگرچہ میری رشتہ داری بھی تھی لیکن میں اس کا اظہار نہیں کرتا تھا''۔

علامہ ابن اسحاق نے تحریر کیا ہے کہ جب انہوں نے کہا ''ونالنی مع اللہ من طردتہ کل مطرد'' تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے سینہ پر مارا اور فرمایا ''انت طردتنی کل مطرد''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان بن حرث رضی اللہ عنہ سے کہا ''حضور اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف سے جانا اور وہ بات عرض کرنا جو حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے کی تھی:

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـٕیْنَ ۝ (یوسف)

''خدا کی قسم بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی خطا کار تھے''۔

کیونکہ آپ یہ پسند نہیں فرماتے کہ کوئی شخص بات کے اعتبار سے آپ سے احسن ہو۔ حضرت ابوسفیان نے اسی طرح کیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ (یوسف) ''تم پر کوئی گرفت نہیں آج کے دن معاف فرما دے گا اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے''۔

جب سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا پھر حیاء کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی طرف چہرہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ حضور اکرم ﷺ ان سے محبت کرتے تھے اور انہیں جنت کی بشارت دیتے تھے۔ غزوہ حنین کے روز انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی رکاب تھامی رکھی۔ آپ ﷺ سے لحہ بھر کے لیے بھی جدا نہ ہوئے۔ آپ ﷺ انہی کے متعلق فرماتے تھے ''مجھے امید ہے یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جانشین ہوں گے'' انہی کے متعلق فرمایا تھا ''کل الصید فی جوف الفراء'' سارے شکار وحشی گدھے کے پیٹ میں ہوتے ہیں۔ دوسرے قول کے مطابق آپ نے یہ فرمان حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا۔ ممکن ہے کہ آپ نے کئی بار یہ فرمایا ہو۔ حضرت ابوسفیان بن حرث رضی اللہ عنہ نے پندرہ یا بیس ہجری کو وصال کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مدینہ طیبہ میں ان کی قبر انور معروف ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس پر گنبد بنا دیا گیا ہے۔ انہوں نے وقت وصال فرمایا تھا ''مجھ پر نہ روؤ۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے میں نے کوئی خطا نہیں کی''۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ بھی دولت اسلام سمیٹنے کے بعد حضور اکرم ﷺ سے بہت حیاء کرتے تھے۔ فرط حیاء کی وجہ سے آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ غزوہ طائف میں انہوں نے شہادت کی قبائے رنگین زیب بدن کی۔

مرالظہران میں نزولِ اجلال

قدید کے مقام پر آپ نے جھنڈے اور پرچم باندھے۔ وہ متفرق قبائل کو دیے۔ بنو سلیم کو ایک جھنڈا اور ایک پرچم دیا۔ بنو غفار کے لیے ایک پرچم باندھا۔ بنو اسلم کو دو جھنڈے عطا کیے۔ بنو کعب کو ایک پرچم دیا۔ بنو مزینہ کو تین جھنڈے بخشے۔ بنو جہینہ کو چار جھنڈے دیئے۔ بنو بکر میں سے بھی ایک گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ آپ کے ہمراہ ہی تھا۔ آپ نے انہیں ایک جھنڈا دیا۔ بنو اشجع کو دو جھنڈے دیے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جھنڈے باندھنے سے پہلے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ہم مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ ایک کتیا بھونکتی ہوئی ہماری طرف نکلی ہے۔ جب ہم اس کے قریب گئے ہیں تو وہ پیٹھ کے بل بیٹھ گئی ہے۔ اس سے دودھ نکلنے لگا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب ان کی قوت دم توڑ چکی ہے۔ وہ اب اپنے رشتہ دار کے ہاں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔ تم ان میں سے بعض افراد کو ابھی ملو گے۔ اگر ابو سفیان سے ملاقات کر لو تو اسے قتل نہ کرنا۔" "ذھب کلبھم" سے مراد ان کی شدت کا ختم ہو جانا ہے۔ "اقبل دَرُّھم" سے مراد ان کی بھلائی اور اسلام کے لیے سر تسلیم خم کرنا ہے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ کیا۔ صحابہ کرام کو دس ہزار جگہ پر آگ روشن کرنے کا حکم دیا۔ تا کہ اسے قریش دیکھیں یا اس کے متعلق سنیں تو وہ مرعوب ہو جائیں۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم کی التجاء کو قبول فرمالیا۔ اہل مکہ کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ مخبر خبر نہ پہنچا سکے۔ وہ غمگین و حزین اور متحیر و خائف تھے۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ واپس آ گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہران کے مقام پر نزول اجلال فرمایا تو میرے دل میں اہل مکہ کے لیے رقت پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا "ہائے قریش! بخدا! اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں زبردستی داخل ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ آپ کی خدمت میں آ کر پناہ طلب کریں تو پھر تو قریش ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہلاک اور برباد ہو گئے" میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک خچر البیضاء پر سوار ہو گیا۔ میں لشکر سے باہر نکلا۔ میں الاراک پہنچا کہ شاید میں کسی لکڑیاں اٹھا کر لے جانے والے کو پالوں یا گوالے کو پالوں یا کسی اور ضرورت مند کو پالوں جو مکہ معظمہ جائے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بتائے تا کہ وہ آپ کی خدمت میں آ کر پناہ طلب کر لیں۔ قبل اس کے کہ آپ مکہ مکرمہ میں زبردستی داخل ہوں۔ رب تعالیٰ کا فیصلہ یہی تھا کہ ابو سفیان بن حرب، حکیم بن حزام، بدیل بن ورقاء مختلف خبریں لینے کے لیے باہر نکلیں، تا کہ دیکھیں کہ خیر تو ہے۔ یا آپ کے متعلق کچھ سنیں۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں آپ کی تشریف آوری کی خبر مل گئی تھی۔ لیکن انہیں یہ علم نہیں تھا کہ آپ کس طرح آ گئے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق قریش نے ابو سفیان کو متفرق خبریں اکٹھی کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے کہا "اگر تمہاری ملاقات محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو جائے تو ہمارے لیے آپ سے پناہ طلب کرنا"۔ ابو سفیان، حکیم اور بدیل چلتے ہوئے آئے جب گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنی تو ڈر گئے۔ کثیر آگ نے بھی انہیں مبہوت کر دیا۔ ابو سفیان نے کہا "میں نے آج تک نہ تو

اتنی زیادہ آگ دیکھی ہے نہ ہی اتنا کثیر لشکر دیکھا ہے" بدیل نے کہا "یہ بنو خزاعہ کی آگ ہے" ابوسفیان نے کہا "ان کی تعداد قلیل ہے، وہ اتنی آگ نہیں جلا سکتے۔ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی لشکر میں داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نگرانوں نے انہیں پکڑ لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہیں ان گھڑ سواروں نے پکڑ لیا جو نگرانی پر مامور تھے۔ انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نگرانی کر رہے تھے۔ اس رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کی سرپرستی فرما رہے تھے۔ نگران انہیں پکڑ کر لے آئے۔ ابوسفیان نے پوچھا "تم کون ہو؟ انہوں نے کہا "یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کرام ہیں" ابوسفیان نے کہا "کیا تم نے کبھی اتنے عظیم لشکر کے متعلق سنا ہے کہ وہ قوم کے جگر میں خیمہ زن ہو۔ مگر اسے خبر تک نہ ہو"۔

امام طبرانی نے حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں مرالظہر ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے فرمایا "ابوسفیان اراک میں ہے، اسے پکڑ لو" ہم نے اسے پکڑ لیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے آگے گھڑ سوار بھیجے تھے تا کہ وہ راستہ میں جاسوسوں کو تلاش کریں۔ وہ کسی کو گزرنے نہیں دیتے تھے۔ جب انہوں نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا تو انہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کیونکہ اس رات نگرانوں کی سرپرستی وہی کر رہے تھے۔ نگرانوں نے عرض کی "ہم آپ کے پاس اہل مکہ کے چند افراد پکڑ کر لائے ہیں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "اگر تم میرے پاس ابوسفیان کو لے آؤ، تو میرے تعجب میں اضافہ نہیں کرو گے" انہوں نے کہا "ہم ابوسفیان کو ہی پکڑ کر لائے ہیں" انہوں نے فرمایا "اسے گرفتار کر لو" دوسری روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے دوست تھے۔ جب وہ اراک جانے کے لیے خچر پر سوار ہوئے کہ شاید انہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جسے وہ قریش کے پاس بھیج سکیں تا کہ وہ آپ سے امان طلب کر لیں۔ تو انہوں نے ابوسفیان کی آواز سنی۔ انہوں نے اسے پکڑا اور لے آئے۔ نگران نے ابوسفیان کو پکڑ لیا۔ مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل سے امان دے دی۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابوسفیان کو لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا "ابوسفیان! اللہ تعالیٰ کا دشمن! تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے بغیر کسی عہد اور عقد کے تجھ پر قدرت عطا کی ہے" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے اسے کہا "ابوحنظلہ! اس نے میری آواز سن لی۔ اس نے کہا "ابوالفضل ہو؟ میں نے کہا "ہاں" اس نے کہا "آپ پر میرے ماں اور باپ نثار! میں نے کہا "اللہ کی قسم! ان لوگوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ آپ اتنا کثیر لشکر لے کر آئے ہیں جس کے مقابلہ کی طاقت تجھ میں نہیں۔ آپ کے پاس دس ہزار کا لشکر جرار ہے"۔ ابوسفیان نے کہا "ہائے قریش کے لیے ہلاکت! میرے والدین آپ پر فدا! اب میں کیا حیلہ کروں؟ میں نے کہا "اگر آپ نے تجھ پر فتح پالی تو تیری گردن اڑا دی جائے گی۔ اس خچر کے پیچھے بیٹھ جا۔ میں تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے جاتا ہوں اور تیرے لیے آپ سے امان طلب کرتا ہوں"۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو چھوڑا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار ہو گیا۔ وہ جب بھی مسلمانوں کی روشن کردہ آگ کے پاس سے گزرتا تو پوچھتا "یہ کون ہے؟ جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک خچر دیکھی اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سوار دیکھا تو انہوں نے کہا "یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں جو آپ ہی کی خچر پر سوار ہیں"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ باہر نکلے، وہ حضور اکرم ﷺ کی طرف دوڑ پڑے۔ میں نے بھی خچر کو ایڑ لگائی۔ ان سے آگے نکل گیا۔ میں خچر سے نیچے اترا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی میرے پیچھے حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی عہد وعقد کے بغیر اس پر قدرت دی ہے۔ مجھے اجازت دیں، میں اس کی گردن اڑا دوں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اسے پناہ دی ہے۔ شاید حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک حضور نبی محترم ﷺ کا یہ فرمان نہ پہنچا ہو "تم بعض مشرکین سے ملاقات کرو گے۔ اگر ابوسفیان سے ملو تو اسے قتل نہ کرنا" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر میں حضور نبی مکرم ﷺ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "آج میرے علاوہ آپ سے اور کوئی سرگوشی نہیں کرے گا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق اصرار کیا تو میں نے کہا "عمر! ذرا ٹھہرو! اگر ابوسفیان کا تعلق بنو عدی سے ہوتا تو آپ اس طرح نہ کہتے۔ لیکن آپ کو علم ہے کہ اس کا تعلق بنو عبد مناف کے ساتھ ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "عباس! آپ بھی ٹھہریں! بخدا! جب آپ نے اسلام قبول کیا تو مجھے خطاب کے اسلام قبول کرنے سے زیادہ مسرت ہوئی اگر وہ اسلام لے آتا۔ اس کی وجہ فقط یہ تھی کہ آپ کا اسلام قبول کرنا حضور ﷺ کو خطاب کے اسلام لے آنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگر وہ اسلام لے آتا" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "عباس! اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ صبح اسے میرے پاس لے آنا" یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ اور دیگر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے ابوسفیان، حکیم اور بدیل کو پناہ دی ہے۔ وہ آپ کے پاس حاضر ہو رہے ہیں" آپ نے فرمایا "انہیں لے آؤ" یہ تینوں حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، رات کا اکثر حصہ آپ کے پاس گزارا۔ آپ ان سے خبریں پوچھتے رہے اور اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بدیل اور حکیم نے تو یہ گواہی دے دی۔ مگر ابوسفیان نے کہا "میں یہ نہیں جانتا۔ ابھی میرے نفس کو اس کے متعلق تردد ہے۔ اسے مؤخر کر دیں" دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے ابوسفیان سے کہا "اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا" اس نے کہا "میں لات اور عزیٰ کے بارے کیا کروں گا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "ان پر پاخانہ کر دے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خیمہ سے باہر تھے۔ انہوں نے کہا "اگر تو خیمہ سے باہر ہوتا، یہ بات نہ کرتا" ابوسفیان نے کہا "عمر! تم ایک فاحش آدمی ہو، مجھے اپنے چچازاد کے ساتھ چھوڑ دو۔ میں ان کے ساتھ محو گفتگو ہوں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "عباس! اسے لے جاؤ" وہ اسے لے گئے۔ دوسرے روز دن کے ابتدائی حصہ میں انہیں بارگاہ سالت مآب ﷺ میں حاضر کر دیا۔ وقت صبح ابوسفیان نے لوگوں کو دیکھا جو جلدی جلدی وضو کر رہے تھے۔ اس نے کہا "کیا لوگوں کو کوئی حکم مل گیا ہے؟ لوگوں نے کہا "نہیں! بلکہ وہ نماز کے لیے جا رہے ہیں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا۔ اس نے وضو کیا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے تکبیر کہی تو صحابہ کرام نے بھی تکبیر کہی۔ جب آپ نے رکوع کیا تو صحابہ کرام نے بھی رکوع کیا۔

جب آپ سجدہ ریز ہوئے تو وہ بھی سجدہ ریز ہو گئے" یہ دلکش منظر دیکھ کر ابوسفیان نے کہا "میں نے آج تک اس طرح کی اطاعت نہیں دیکھی۔ کہاں کہاں سے قوم ایک جگہ جمع ہے۔ میں نے یہ منظر قیصر و کسریٰ کے دربار میں بھی نہیں دیکھا۔ ابوالفضل! آپ کے بھتیجے کی بادشاہی کتنی عظیم ہو گئی ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ بادشاہی نہیں بلکہ نبوت ہے" ابوسفیان: کیا یہ نبوت ہے" جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نماز سے فارغ ہو کر ابوسفیان کو دیکھا تو کہا "ابوسفیان! کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے۔ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے کس طرح نرم انداز سے مخاطب فرما رہے ہیں۔ آپ کیسے پردہ پوشی فرما رہے ہیں اور اس کی عداوت اور دشمنی کو فراموش کر رہے ہیں۔ ابوسفیان نے عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! آپ کتنے حلیم، کریم اور صلہ رحم ہیں۔ میرا بھی گمان ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو وہ مجھے کوئی فائدہ دیتا۔ میں نے اپنے معبود کو مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے اپنے معبود برحق سے مدد طلب کی۔ بخدا! میں جب بھی آپ سے جنگ آزما ہوا آپ کی میرے خلاف مدد کی گئی۔ اگر میرا معبود حق اور آپ کا معبود باطل ہوتا تو میں آپ پر غالب آ جاتا۔ آپ نے پھر فرمایا "ابوسفیان! کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ تو جان لیتا میں رب تعالیٰ کا رسول برحق ہوں" ابوسفیان نے کہا "میرے والدین آپ پر نثار! آپ کتنے حلیم، کریم اور صلہ رحم ہیں۔ لیکن اس کے متعلق ابھی میرے نفس میں تردد ہے" حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خدشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں کوئی جانثار اٹھ کر ابوسفیان کا کام تمام نہ کر دے۔ مسلمان اس سے شدید مخالفت رکھتے تھے۔ انہوں نے ابوسفیان سے کہا "اسلام قبول کر لے اور یہ گواہی دے دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اس سے قبل کوئی تیری گردن اڑا دے"۔ حضرت ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا اور حق کی گواہی دے دی۔

حافظ ذہلی نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فتح مکہ کی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو صحابہ کرام صبح تک تکبیر و تہلیل اور بیت اللہ کے طواف میں مصروف رہے۔ ابوسفیان نے ہند سے کہا "کیا تو دیکھتی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے" وقت صبح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان سے فرمایا "تم نے ہند سے یوں کہا ہے کہ کیا تو دیکھتی ہے کہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے" ابوسفیان نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کی قسمیں اٹھائی جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ہند کے علاوہ میری یہ بات کسی اور نے نہیں سنی تھی"۔

ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ابوسفیان مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دل میں سوچا "میں نہیں جانتا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس چیز کی وجہ سے مجھ پر غالب آ گئے ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوسفیان کے پاس گئے۔ اس کے سینے پر مارا اور فرمایا "میں رب تعالیٰ کے ساتھ تجھ پر غالب آیا ہوں" انہوں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رب تعالیٰ کے رسول ہیں"۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رواں دواں

دیکھا۔ صحابہ کرام سے گھاٹی بھری ہوئی تھی۔ ابوسفیان نے دل میں کہا "کاش! میں اس شخص کے ساتھ دوبارہ جنگ کروں اور ایک لشکر جرار اس کے لیے جمع کروں" حضور اکرم ﷺ اس کی طرف تشریف لائے۔ اس کے سینے پر مارا اور فرمایا "پھر رب تعالیٰ تجھے رسواء کرے گا" ابوسفیان نے کہا "میں رب تعالیٰ کے ہاں توبہ کرتا ہوں، مغفرت طلب کرتا ہوں۔ مجھے اس ساعت یقین ہوا ہے کہ آپ رب تعالیٰ کے سچے نبی ہیں"۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ ابتداء میں اسلام کو ناپسند کرتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ نرمی فرماتے رہے۔ تالیف قلبی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسلام ان کے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غزوۂ طائف میں شرکت کی۔ ان کی آنکھ پھوٹ گئی، وہ اسے اپنے ہاتھ پر رکھ کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا "اگر پسند کرو تو یہ آنکھ رب تعالیٰ اپنی جگہ پر لوٹا دیتا ہے، یہ پہلے سے بھی خوبصورت ہو جائے گی۔ اگر چاہو تو اس کے عوض تمہیں جنت میں آنکھ ملے گی، جو اس سے بہترین ہوگی" انہوں نے وہ آنکھ پھینک دی۔ عرض کی "میں اس سے بہتر ہی لوں گا" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یرموک کے روز ان کی دوسری آنکھ بھی نکل گئی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ لوگوں کو جہاد پر ابھارتے تھے۔ وہ فرماتے "یہ دن اللہ تعالیٰ کے ایام میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کرو۔ وہ تمہاری مدد کرے گا" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ نابینا تھے۔ غلام آپ کو لے کر جا رہا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس وقت 34ھ یا 31ھ تھا۔ ان کی عمر 88 برس تھی۔

امام سیوطی نے تحفۃ الادب میں اور قزوینی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابوجہل نے حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارا۔ بعثت نبوی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "نور چشم! ابوسفیان کے پاس جاؤ" وہ ابوسفیان کے پاس تشریف لے گئیں اور اس واقعہ کے متعلق فرمایا۔ انہوں نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں ابوجہل کے پاس لے گئے۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے کہا "اسے اسی طرح مارو۔ جس طرح اس نے آپ کو مارا ہے" حضرت سیدہ نے ابوجہل کے تھپڑ رسید کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں اور سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا مانگی "مولا! ابوسفیان کا یہ عمل بھلا نہ دینا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "مجھے ذرا بھر شک نہیں ہے کہ حضرت ابوسفیان کا اسلام لانا حضور ﷺ کی اس دعا کی وجہ سے تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام، انصار اور اصہار کے لیے وصیت فرمائی۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی آپ کے سسرالی رشتہ داروں سے ہے۔ کیونکہ ان کی لخت جگر حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم ﷺ کے حبالۂ عقد میں جانے کا شرف ابدی نصیب ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی آگ میں داخل نہ ہو۔ جس نے میرے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کیا، یا میں نے اس کے ساتھ سسرالی رشتہ قائم کیا۔ بعض مؤرخین نے جو باتیں لکھی ہیں، انہیں سننے سے بچو۔ بعض اہل زیغ اور گمراہوں نے ان کے متعلق جو سوچے سمجھے بغیر طعن کیا ہے یا ان کے

فرزند کے بارے جو کچھ لکھا ہے یا کسی بھی صحابی کے متعلق جو کچھ کہا ہے اسے سننے سے بچو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ صحابہ کرام کے مابین ہونے والے اختلاف کو اجتہاد پر محمول کیا جائے گا۔ سب کو اجر ملے گا۔ ان شاء اللہ۔

ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں وہ ہمیں اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت میں زندہ رکھے اور اسی میں مارے۔ اور ہماری گردن پر کسی کے بارے بھی ظلم نہ رکھے (آمین ثم آمین)۔

حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ اوباش لوگوں کو جنہیں جانتے تھے یا جنہیں نہیں جانتے تھے، اپنے اہل اور قبیلہ کے پاس لے آئے ہیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم زیادہ ظالم اور فاجر ہو۔ حدیبیہ کی صلح کے بعد تم نے دھوکہ کیا۔ بنوخزاعہ کے خلاف تم نے اللہ تعالیٰ کے حرم اور امن کی جگہ میں گناہ اور ستم کے ساتھ مدد کی'' ان دونوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے''۔ حضرت بدیل رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! انہوں نے دھوکہ کیا ہے۔ اگر قریش ہمیں اور ہمارے دشمن بنوبکر کو چھوڑ دیتے تو پھر دیکھتے'' پھر دونوں نے عرض کی ''کاش! آپ یہ قوت اور طاقت بنوہوازن کے لیے استعمال کریں۔ وہ آپ کی عداوت اور دشمنی میں دور تک نکل گئے ہیں'' آپ نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ میرے لیے سب کچھ جمع فرما دے گا۔ فتح مکہ، وہاں اسلام کا اعزاز، بنوہوازن کی ہزیمت اور ان کا مال غنیمت اور اولاد۔ میں اس کے متعلق رب تعالیٰ کی درگاہ والا میں ہی رغبت رکھتا ہوں'' پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم لوگوں کو امان کی دعوت دیں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر قریش ایک طرف ہو جائیں اپنے ہاتھ روک لیں تو کیا وہ امان میں ہوں گے'' آپ نے فرمایا ''ہاں! جس نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ امان میں ہے'' پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ثابت قدم رہنے کا ارادہ کیا تاکہ کہیں شیطان پھر نہ ان میں داخل ہو جائے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان ایسا شخص ہے جو فخر کو پسند کرتا ہے، اس کے لیے کچھ قابل فخر بنا دیں'' پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اعانت میں یہی عرض کی۔ ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان وہ شخص ہے جو شرف پسند کرتا ہے۔ اس کے لیے کوئی چیز قابل شرف بنا دیں'' آپ نے فرمایا ''جو حکیم کے گھر میں داخل ہوگا۔ وہ بھی امن سے ہوگا'' ان کا گھر مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں جبکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا گھر بالائی حصہ میں تھا۔ آپ نے فرمایا ''جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا وہ امان میں ہوگا'' انہوں نے عرض کی ''مسجد حرام میں کتنی وسعت ہے؟ آپ نے فرمایا ''جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا وہ امان میں ہوگا''۔ ابوسفیان نے عرض کی ''اب بہت گنجائش ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کر دے سوائے ان کے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستثنیٰ قرار دیا تھا اور ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ یہ اعلان وہاں جا کر کریں۔ جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس آئے تو بآواز بلند کہا ''گروہ قریش! یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جو تمہارے پاس اتنا بڑا

لشکر جرار لے کر آئے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں سکت نہیں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامتی پا جاؤ گے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امان میں ہے" قریش نے کہا "اللہ تمہیں برباد کرے، تمہارا گھر ہمیں کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ انہوں نے کہا" جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے گا وہ امن میں ہوگا" ان کی زوجہ ہند کھڑی ہو گئی۔ اس نے ان کی مونچھیں پکڑ لیں اور کہنے لگی "اس گھی کے مٹکے کو قتل کردو۔ اس میں گھی بھرا ہے۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ یہ قوم کا بدبخت پیش رو ہے" دوسری روایت میں ہے کہ ہند نے ان کی داڑھی پکڑ لی اور باآواز بلند چلائی "آل غالب! اس احمق بوڑھے کو قتل کردو۔ کیا تم جنگ نہیں کرو گے، اپنی جانوں اور شہر کا دفاع نہیں کرو گے" ابوسفیان نے اسے کہا "تیرے لیے ہلاکت ہو خاموش ہو جا۔ اپنے گھر میں داخل ہو جا۔ بخدا! تو اسلام لے آ، ورنہ تیری گردن اڑا دی جائے گی" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ کے باشندوں سے کہا "یہ عورت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ حضور اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں جس کا مقابلہ تم نہیں کرسکتے" اپنے گھروں کی جانب یا مسجد حرام کی طرف چلے جاؤ"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے آنے سے پہلے فرمایا "مکہ مکرمہ میں چار ایسے اشخاص ہیں جن کی وجہ سے وہ شرک سے دور ہو جائیں گے اور اسلام میں رغبت رکھیں گے۔ ● عتاب بن اسید ● جبیر بن مطعم ● حکیم بن حزام ● سہیل بن عمرو۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ بعض سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ انہوں نے اس سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حزام بن خویلد تھا۔ یہ حضرت ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھائی کے بیٹے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ان کی پھوپھی تھیں۔ اسلام لائے تو ان کی عمر ساٹھ برس تھی۔ اسلام میں ساٹھ سال زندہ رہے۔ 120 سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ یہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں قریش کے سردار تھے۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک سو غلام آزاد کیے۔ اس طرح اسلام لانے کے بعد بھی ایک سو غلاموں کو آزادی کی نعمت بخشی۔ انہوں نے اسلام میں حج کیا۔ وقوف عرفہ کیا۔ وہاں ایک سو غلام آزاد کیے جن کی گردنوں میں چاندی کے طوق تھے۔ ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "یہ حکیم بن حزام کی طرف سے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے آزاد ہیں۔ انہوں نے ایک سو اونٹ ذبح کیے جنہیں جبرہ کے مقام سے قلادے پہنائے تھے۔ ایک سو بکریاں بھی راہ خدا میں قربان کیں۔

لشکر اسلام کی سطوت

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہر ان سے آگے جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میں اس سے امن میں نہیں ہوں کہ ابوسفیان واپس جا کر کفر کرے۔ اسے پہاڑ کی چوٹی کے پاس روک لو، حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکر دیکھ لے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! کاش! آپ ابوسفیان کو روک لینے کا حکم دیں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں اراک کے پاس تنگ گھاٹی میں روک لیا۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے ساتھ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوسفیان نے کہا "کیا یہ دھوکہ ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "نہیں! ضروری کام ہے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ کے

لشکروں اور اس چیز کو دیکھ لو جو رب تعالیٰ نے مشرکین کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ایک اور روایت کے مطابق حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اہل نبوت دھوکہ نہیں کرتے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قبیلہ کو حکم دیا کہ وہ علمبردار کے پاس جائے اور اپنی قوت وشوکت کا اظہار کرے" صحابہ کرام قوت وسطوت کا اظہار کرنے لگے۔قبائل اپنے قائدین کے ساتھ گزرنے لگے،لشکروں میں ان کے جھنڈے بھی بلند تھے۔ایک ایک لشکر گزرنے لگا۔حضرت ابوسفیان ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔اور ان کے متعلق پوچھ رہے تھے۔سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنوسلیم کے لشکر کے ساتھ گزرے۔ان کی تعداد ایک ہزار یا نوسو تھی۔ان کے پاس دو جھنڈے تھے۔ان دونوں کو حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ اور حضرت خفاف بن ندبہ اٹھائے ہوئے تھے۔جب یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے تین بار باآواز بلند تکبیر کہی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا "یہ کون ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ابوسفیان: نوجوان خالد رضی اللہ عنہ" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ان کے ہمراہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "بنوسلیم" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے بنوسلیم سے کیا واسطہ؟ پھر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ان کے ہمراہ مہاجرین اور عرب کے جوانوں کا دستہ تھا جو پانچ سو شہ سواروں پر مشتمل تھا۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا "یہ کون ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت زبیر بن عوام! حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: تمہارا بھانجا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: ہاں! پھر بنوغفار کا لشکر وہاں سے گزرا۔ان کی تعداد تین سو تھی۔ان کے علمبردار حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔جب وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے تین بار تکبیر کہی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنوغفار۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: مجھے بنوغفار سے کیا تعلق؟ پھر بنو اسلم وہاں سے گزرے۔ان کی تعداد چار سو تھی۔ان کے دو جھنڈے تھے۔جنہیں حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ اور حضرت ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔جب وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے تین بار اللہ اکبر کہا۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنو اسلم۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: مجھے بنو اسلم کے ساتھ کیا واسطہ؟ پھر بنوکعب گزرے یہی بنوخزاعہ تھے۔ان کی تعداد پانچ سو تھی۔ان کا جھنڈا حضرت بشر بن سفیان رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔جب وہ یہاں سے گزرے تو انہوں نے بھی تین بار تکبیر کہی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنوکعب۔اسلم کے بھائی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: ہاں! پھر بنومزینہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ان میں ایک سو گھوڑے اور تین جھنڈے تھے۔انہیں حضرت نعمان۔حضرت عبد بن عوف اور حضرت بلال بن حرث رضی اللہ عنہم اٹھائے ہوئے تھے۔اس گھاٹی کے قریب آکر انہوں نے بھی تکبیر کہی۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنومزینہ۔حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: مجھے ان کے ساتھ کیا تعلق؟ ان کے اسلحہ کی جھنکار سے پہاڑوں کی چوٹیاں گونج اٹھی ہیں" پھر بنوجہینہ کا گزر ہوا۔ان کی تعداد آٹھ سو تھی۔ان میں چار جھنڈے تھے۔جنہیں حضرت معبد بن خالد، حضرت سوید بن صخر، حضرت رافع بن مکیث اور حضرت عبداللہ بن بدر رضوان اللہ علیہم اجمعین اٹھائے ہوئے تھے۔جب وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو

انہوں نے تکبیر کہی۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنوجہینہ" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: میرا اور بنوجہینہ کا کیا تعلق؟ ان کے اور میرے مابین کبھی جنگ نہیں ہوئی" پھر بنوکنانہ، بنولیث، بنوضمرہ، بنوسعد بن ابی بکر کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان کے علمبردار حضرت ابوواقد اللیثی رضی اللہ عنہ تھے۔ جب وہ بھی اس جگہ سے گزرے تو انہوں نے بھی اللہ اکبر کے نعرے ہائے مستانہ کہے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنوبکر" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: منحوس! بخدا! ان ہی کی وجہ سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر حملہ آور ہوئے ہیں۔ پھر بنواشجع کا وہاں سے گزر ہوا۔ ان کی تعداد تین سو تھی۔ ان کے پاس دو جھنڈے تھے۔ جنہیں حضرت معقل بن سنان اور حضرت نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہما اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ: بنواشجع ہیں" ابوسفیان رضی اللہ عنہ: یہ تو سارے عرب سے بڑھ کر حضور اکرم کے دشمن تھے۔" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام داخل کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ پھر بنوتمیم، بنوفزارہ، سعد بن ہذیم اور بنوقضاعہ کا گزر ہوا۔ انہوں نے بھی اسی طرح کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ قبائل بنواشجع سے پہلے گزرے تھے۔ بنواشجع سب سے آخر میں گزرے تھے۔

پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا "کیا ابھی تک وہ لشکر نہیں گزرا جس میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب وہ دستہ آئے گا جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ نما ہوں گے تو تم گھوڑے، لوہا اور مرد دیکھ لو گے۔ جن کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی کسی میں طاقت نہیں" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ: ان لشکروں کے ساتھ جنگ کون کر سکتا ہے؟" پھر دیگر قبائل وہاں سے گزرنے لگے۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھنے لگے "کیا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک نہیں گزرے" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں" حتیٰ کہ ایک ایسا لشکر آیا جس کی مثل لشکر آج تک نہیں دیکھا گیا تھا۔ ہر قبیلہ میں جھنڈا تھا۔ وہ مجاہدین غرق آہن تھے۔ صرف ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز تھے۔ حضرت ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ انصار ہیں، ان میں حضرت سعد بن عبادہ ہیں۔ جن کے پاس انصار کا جھنڈا ہے" پہلے گزر چکا ہے کہ مہاجرین کے علمبردار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ کبار مہاجرین اور انصار صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے "ذرا آہستہ! تاکہ تمہارا پہلا حصہ آخری حصہ سے مل جائے"۔

ایک اور روایت کے مطابق سبز سا لشکر آیا۔ جس میں ایک ہزار زرہ پوش تھے۔ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مہاجر اور انصار صحابہ کرام جلوہ افروز تھے۔ ان میں جھنڈے اور پرچم تھے۔ مہاجرین اور انصار کے ہر قبیلہ کے پاس جھنڈا اور پرچم تھا۔ وہ غرق آہن تھے۔ ان پر صرف لوہا ہی نظر آ رہا تھا۔ ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ با آواز بلند پکار رہے تھے "آہستہ چلو! تاکہ تمہارا اگلا حصہ پچھلے حصہ سے مل جائے"۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابوسفیان نے کہا "عباس! سبحان اللہ! یہ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا "یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو انصار کے ہمراہ ہیں" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا "بخدا! ان کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت کس میں ہے؟

ابوالفضل! بخدا! تمہارے بھتیجے کی مملکت بڑی عظیم ہوگئی ہے" انہوں نے فرمایا "ابوسفیان! یہ نبوت ہے" ابوسفیان نے کہا "ہاں! حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا "ابوسفیان! آج جنگ کا دن ہے جس سے نجات ممکن نہیں۔ آج کعبہ معظمہ میں قتل کرنا حلال ہو جائے گا۔ اگرچہ کوئی کعبہ کے پردوں کے ساتھ بھی معلق ہوا" حضرت ابوسفیان نے کہا "عباس! یہ وہ دن ہے جس میں تم پر میری حفاظت ضروری ہے کیونکہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی بات توجہ سے سنتے ہیں"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات کسی مہاجر صحابی نے سن لی۔ کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق دو صحابہ کرام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم اس سے امن میں نہیں کہ قریش پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ہیبت طاری ہو جائے" آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا "حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے لو اور یہ جھنڈا ان کے فرزند ارجمند حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو دے دو" گویا کہ آپ نے دیکھا کہ اگر جھنڈا ان کے فرزند ارجمند کے پاس گیا تو گویا کہ جھنڈا ان سے لیا ہی نہیں گیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ جھنڈا اس وقت لیا گیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "آپ نے اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم دے دیا ہے" آپ نے فرمایا "نہیں" حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات بتائی۔ پھر آپ کو اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ عرض کی "میں آپ کی قوم کے متعلق آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ سارے لوگوں سے زیادہ پاکباز، رحم کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں" آپ نے فرمایا "ابوسفیان! آج رحمت کا دن ہے، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو دین اسلام دے کر اور ضلال مبین سے بچا کر نجات عطا کی ہے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلکہ اس دن تو رب تعالیٰ کعبہ معظمہ کو عظمت عطا فرمائے گا۔ اس روز کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھایا جائے گا" اس فرمان سے اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کعبہ مشرفہ پر غلاف چڑھایا تھا۔ پھر آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ ان سے جھنڈا لے کر ان کے لخت جگر حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔

ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی تو ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئی۔ اس نے کہا:

یا نبی الھدی الیک لجاحی　قریش ولات حین لجاء
حین ضاقت علیھم سعة الارض　وعادھم الہ السماء
والتقت حلقتا البطان علی القوم　ونودوا بالصیکم الصلعاء
ان سعدا یرید قاصمة الظھر　باھل الحجون والطھحاء
خزرجی لم یستطیع من الغیظ　رمانا بالنسر والعواء

وغیرالصدر　لایھم　بشی　غیر سفك الدماء وسبی النساء
قد تلظی علی البطحاء وجاء ت　عنه هند بالسؤ ۃ السواء
اذ ینادی بذل حی قریش　وابن حرب بذا من الشهداء
فلئن اقحم اللواء ونادی　یاحماۃ الادبار اهل اللواء
ثم ثابت الیه من بهم　الخزرج والاوس انجم الهیجاء
لتکونن　بالطبحاقریش　فقعة القاع فی اکف الاماء
فانهینه　فانه　اسدالاسد　لدی الغاب والغ فی الدماء
انه مطرق یرید لنا الامر　سکوتا　کالحیة　الصماء

''اے ہدایت کا نور عطا فرمانے والے نبی مکرم ﷺ قبیلہ قریش نے آپ کی پناہ لی جبکہ یہ پناہ لینے کا وقت نہیں تھا۔ جب ان پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی اور آسمان کے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ دوستی کی۔ قوم کے لیے معاملہ سخت ہوگیا اور انہیں تکلیف دہ مصیبت کے لیے بلایا گیا۔ بلاشبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہے کہ وہ اہل حجون اور اہل بطحاء کی کمر توڑ ڈالیں۔ ان کا تعلق بنوخزرج کے ساتھ ہے اگر وہ غصہ کی حالت میں طاقت رکھتے تو ہمیں گھوڑوں اور کتوں کا نشانہ بنا دیتے۔ ان کے سینے کی آتش خون ریزی اور خواتین کو قیدی بنانے کے بغیر کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ وہ وادی بطحاء میں بھی شعلہ بار ہوئے۔ ھند بنت عتبہ نے بھی ان کی طرف سے بہت بری خبر دی۔ جب انہوں نے قبیلہ قریش کو ذلیل کرنے کا اعلان کیا۔ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اس اعلان کے گواہ ہیں۔ اگر وہ جلدی سے جھنڈا لے کر آجاتے اور اعلان کر دیتے اے پشتوں کی حفاظت کرنے والو! اے جھنڈے والو! پھر ان کی طرف خزرج او راوس کے شہ سوار اور جنگ کے ستارے دوڑ کر جاتے تو قریش سنگریزوں والی زمین میں لونڈیوں کے ہاتھوں ذلیل و رسواہ ہو جاتے۔ وہ شیروں کے شیر ہیں۔ کچھار ان کا مسکن ہے۔ وہ خون ریزی چاہتے ہیں۔ آپ انہیں منع کریں۔ وہ سر جھکائے ہیں۔ وہ ہماری اذیت کا عزم کیے ہوئے ہیں۔ وہ بہرے سانپ کی طرح مہر بلب ہیں''۔

جب حضور اکرم ﷺ نے یہ اشعار سنے تو قلب منیر میں رأفت و رحمت زیادہ ہوگئی۔ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے نور نظر حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو دینے کا حکم دیا۔ روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس یہ پیغام لے کر آیا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جھنڈا اپنے لخت جگر کو عطا کر دیں۔ آپ نے یہ جھنڈا اس وقت تک اس کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا جب تک وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے کچھ نشانی نہ لے کر آئے۔ حضور ﷺ نے ان کی طرف اپنا عمامہ مبارک بھیجا۔ انہوں نے وہ علم اپنے نور نظر کو دے دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے وہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ جھنڈا حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دیا۔ وہ دو جھنڈے لے کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حافظ ابن حجر ان روایات پر اپنا تبصرہ یوں رقم کرتے ہیں:

''ان روایات کو جمع کرنے سے وہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ ان سے جھنڈا لے لیں'' پھر آپ نے فرمایا'' کہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ رنجیدہ خاطر نہ ہو جائیں تو یہ جھنڈا ان کے فرزند دلبند حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا۔ پھر یہ جھنڈا ان سے لے کر حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دیا''۔

جب سارے لشکر گزر گئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کہا'' اپنی قوم کے پاس جلدی جلدی جاؤ'' وہ اپنی قوم کے پاس جلدی جلدی پہنچے۔ دور سے ہی امان پکار رہے تھے۔ ان کی بیوی ہند نے انہیں روک دیا اس نے کہا: اسے قتل کر دو''۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ آپ کا علم مبارک حجوان کے مقام پر نصب کر دیا جائے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' مجھے حضرت نافع بن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' انہوں نے فرمایا'' میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سنا وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حج کے زمانہ میں فرما رہے تھے۔ انہوں نے یہ حج حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اکٹھا کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا'' ابو عبداللہ! کیا حضور اکرم ﷺ نے تمہیں یہاں علم نصب کرنے کا حکم دیا تھا'' انہوں نے فرمایا'' ہاں''۔

امام حلبی نے اپنی سیرت کی کتاب'' السیرۃ الحلبیہ'' میں لکھا ہے کہ اس جگہ مسجد بنا دی گئی ہے۔ جسے مسجد الرایۃ کہا جاتا ہے (یہ مسجد اب بھی موجود ہے)۔

حضور اکرم ﷺ الثنیۃ العلیا کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو الثنیہ السفلی کی طرف سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں بلند مقام سے داخل ہوئے۔ آپ ﷺ اپنی قصواء نامی اونٹنی پر سوار تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو پیچھے بٹھایا ہوا تھا۔ اس سے آپ کی تواضع اور اخلاق کریمانہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر اپنے پیچھے خادم اور اپنے خادم کے بیٹے کو سوار فرمایا تھا۔ جبکہ متکبر شخص بازار جاتے وقت اپنے بیٹے کو بھی پیچھے بٹھانا عار سمجھتا ہے۔ اس تکبر سے رب تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو پاک اور مطہر فرمایا تھا۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ جمعۃ المبارک کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے سرخ یمنی کپڑے کا عمامہ شریف باندھ رکھا تھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے تہ در تہ کپڑے کا سیاہ عمامہ مبارک باندھ رکھا تھا۔ تواضع اور عاجزی کی وجہ سے سر مبارک جھکا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ کجاوہ کی لکڑی کو چھو رہا تھا۔ جب آپ نے اللہ رب العزت کی طرف سے یہ عظیم فتح اور مسلمانوں کی کثیر تعداد ملاحظہ فرمائی تو عجز و انکساری کی حد نہ رہی۔ آپ زبان اقدس سے یہ ورد کر رہے تھے'' اللھم ان العیش عیش الآخرۃ'' دوسری روایت کے مطابق سر اقدس پر مغفر تھا۔ ان تمام روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز جب حضور اکرم ﷺ کا مکہ مکرمہ میں نزول اجلال ہوا تو عورتیں اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کے رخ موڑنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حضور اکرم ﷺ تبسم کناں ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرما ہوئے اور فرمایا "ابو بکر! حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کس طرح کہا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھ کر سنائے:

عدمت بنتی ان لم تروھا تثیر النقع من کتفی کداء

ینازعن الاعنۃ مسرجات یلطمھن بالخمر النساء

"میری لخت جگر مفقود ہو جائے اگر تم اس کو نہ دیکھو کہ گرد و غبار اڑ رہا تھا جبکہ وعدہ کی جگہ کداء تھی۔ خواتین ان گھوڑوں کی لگامیں چھین رہی تھیں جن پر زینیں کس دی گئیں تھیں۔ وہ اپنے دوپٹوں سے گھوڑوں کو مار رہی تھیں"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اسی طرح داخل ہو جاؤ جس طرح حضرت حسان نے کہا ہے"۔

امام طبرانی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی تو میں نے ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ سے کہا "ہمارے ساتھ ایمان لے آؤ" اس نے کہا "بخدا! ہرگز نہیں حتیٰ کہ میں گھوڑوں کو کداء سے نمودار ہوتے دیکھ لوں"۔ میں نے پوچھا "اس طرح کیوں" اس نے کہا "یہ چیز میرے دل کے ساتھ چپک گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی گھوڑوں کو وہاں سے نمودار نہیں کرے گا" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کداء سے جلوہ افروز ہوئے تو میں نے اس کا تذکرہ ابو سفیان سے کیا۔۔۔۔

ایک دفعہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ دونوں یمن کی طرف تجارت کے لیے گئے۔ یہ دونوں ایک یہودی عالم کے پاس گئے۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھا۔ ان کے اوصاف کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے آپ کے محاسن اور شمائل بیان کر دیے۔ اس یہودی عالم نے کہا "وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں" اس عالم نے وہاں جانور ذبح کیے۔ اور اٹھا اور اپنی چادر چھوڑ کر چلا گیا۔ ابو سفیان نے اس یہودی عالم کی تصدیق کو بڑا عجیب سمجھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا اب ہمارا اسلام قبول نہیں کرو گے" اس نے کہا "نہیں! قسم اللہ کی! حتیٰ کہ میں کداء سے گھوڑوں کو نمودار ہوتے دیکھ لوں"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے حضرت خالد بن ولید اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا اس طرح بیان کیا ہے جو صحیح احادیث کی موافقت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا "حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے گھڑ سوار دستے کا امیر مقرر کیا اور انہیں کداء سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ انہیں حکم دیا کہ وہ حجون میں اپنا علم نصب کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے تک اس جھنڈے کے پاس ہی رہیں۔ آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کئی قبائل مثلاً قضاعہ، سلیم، اسلم، غفار، مزینہ اور جہینہ کے ہمراہ بھیجا۔ اور انہیں مکہ مکرمہ کے زیریں حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ آپ نے انہیں اس ثنیہ کے قریب اپنا جھنڈا نصب کرنے کا حکم دیا جس کے راستہ سے آپ نے داخل ہونا تھا۔ اس جگہ مکہ مکرمہ کا سب سے آخری گھر تھا۔ اس روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا سفید اور پرچم سیاہ تھا۔ آپ کے پرچم کو عقاب کہا جاتا تھا۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ردائے مبارک سے بنایا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیادہ مجاہدین کا امیر مقرر کیا۔ آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو انصار کے لشکر کا علمبردار مقرر کیا۔ حتیٰ کہ ان سے جھنڈا لے لیا

گیا۔ پھر حضور ﷺ کے لشکر مقدمہ میں جھنڈے کے بغیر ہی رہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ کسی کے ساتھ جنگ نہ کریں سوائے اس کے جوان کے ساتھ جنگ کرے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روانہ ہو کر مکہ مکرمہ کے زیریں حصہ میں پہنچے۔ وہاں بنو بکر، بنو حرث اور بنو ہذیل کے وہ لوگ جمع تھے جنہوں نے قریش سے مدد مانگی تھی۔ انہوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ہتھیار سونت لیے اور تیر اندازی شروع کی۔ انہوں نے کہا "تم اس شہر میں زبردستی داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور انہوں نے دشمن کو قبیح ترین شکست سے دوچار کر دیا۔ بنو بکر کے چوبیس افراد کو تہ تیغ کر دیا۔ بنو ہذیل کے چار افراد مارے گئے۔ وہ جنگ کرتے کرتے الحزورہ تک پہنچے۔ یہ مکہ مکرمہ کا بازار تھا۔ پھر وہ گھروں میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ دوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ گیا۔ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ حضرات حکیم بن حزام اور ابو سفیان رضی اللہ عنہما پکار اٹھے "اے گروہ قریش! خود کو ہلاکت میں کیوں ڈال رہے ہو۔ جو اپنے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن سے ہے۔ جو اپنے ہتھیار رکھ دے وہ امن میں ہے" وہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں داخل ہونے لگے۔ گھروں کے دروازے بند کرنے لگے۔ وہ راستے میں ہتھیار پھینکتے جا رہے تھے۔ مسلمان انہیں اٹھاتے جا رہے تھے۔

امام ابن اسحاق نے رقم کیا ہے "حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھی قریش کے بعض لوگوں سے ملے۔ جن میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو بھی تھے۔ یہ خندمہ میں جمع تھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کریں۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ بھی کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے حضرت مسلمہ بن میلاء الجہنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ مشرکین کے بارہ تیرہ آدمی کام آئے۔ پھر انہیں شکست اٹھانا پڑی۔ جب حماش بن قیس کی بیوی نے اسے راہ فرار اختیار کرنے پر ملامت کی تو اس نے یہ اشعار کہے۔ یہ ہراول دستہ میں تھا، اس نے اپنی بیوی سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ مسلمانوں کے قیدی اس کے پاس لے کر آئے گا جو اس کی خدمت کریں گے۔ لیکن اس کی زوجہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر ابھی تک اپنا اسلام مخفی رکھے ہوئے تھی۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے اپنے خاوند کو دیکھا وہ تیر تیز کر رہا تھا۔ اس فرخندہ بخت خاتون نے پوچھا "یہ تیر کس لیے تیز کر رہے ہو؟ اس نے کہا "مجھے علم ہوا ہے کہ محمد عربی (ﷺ) مکہ مکرمہ کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس شہر پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ہم نے جن لوگوں کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک خادم تمہیں بھی دیں گے" اس کی زوجہ نے کہا "بخدا! میں تمہیں دیکھ رہی ہوں کہ تم بے نیل مرام واپس آ گئے ہو اور تم سے اس چیز کا مطالبہ کیا جا رہا ہے جسے میں تم سے چھپائے ہوئے تھی۔ کاش! تم محمد مصطفیٰ ﷺ کا لشکر جرار دیکھ لیتے" جب حضور ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو یہ خاوند اپنی زوجہ کے پاس واپس آیا: اس نے پوچھا "تم کیا چھپائے ہوئے ہو؟ اس کی زوجہ نے کہا "خادم کہاں ہے؟ اس کے شوہر نے کہا "اب مجھے چھوڑ دو۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

انك لوشهدت يوم الخندمة اذ فرّ صفوان وفرّ عكرمه
وابويزيد قائم كالموتمة واستقبلتهم بالسيوف المسلمه

یقطعن کل ساعد وجمجمة ضربا فلا تسمع الا غمغمة

لهم نهيت خلفنا وهمهمة لم تنطقی فی اللوم ادنی کلمة

''کاش! تو خندمہ کے روز جنگ کے وقت موجود ہوتی جب صفوان اور عکرمہ بھی راہ فرار اختیار کر رہے تھے۔ اس وقت ابو یزید بھی اس بیوہ کی طرح کھڑا تھا جس کے بچے یتیم ہوں۔ میں نے ان کا استقبال مسلم تلواروں کے ساتھ کیا۔ وہ تلواریں ہر کلائی اور کھوپڑی کو کاٹ رہی تھیں اور خلط ملط آوازوں کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دیتا تھا۔ ہمارے پیچھے ان کے سینے کی غیر واضح آوازیں تھیں تو تو ملامت کا ایک کلمہ بھی نہ کہتی''۔

فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں مہاجرین کا شعار ''یا بنی عبد الرحمن'' تھا۔ خزرج کا شعار ''یا بنی عبد اللہ'' تھا۔ اوس کا شعار ''یا بنی عبید اللہ'' تھا۔ اس روز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے دو اور ساتھی بھی شہید ہوئے۔ ایک حضرت حبیش بن الاشعر الخزاعی تھے۔ یہ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔ دوسرے حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے قبل یہ مشرکین کے رؤساء میں سے تھے۔ غزوۂ بدر الاولیٰ کے وقت انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چراگاہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امیر مقرر فرمایا اور انہیں عرنیین کے تعاقب میں بھیجا۔

جب مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقہ میں قتال ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کی چمک دیکھی تو پوچھا ''یہ کیا ہے؟ کیا میں نے جنگ سے منع نہیں کیا تھا'' صحابہ کرام نے عرض کی ''ہمارا گمان ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قتال کرنا پڑا ہے۔ جبکہ ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ خالد بن ولید ہیں جو جنگ کر رہے ہیں'' آپ نے فرمایا ''اے فلاں! اٹھو اور خالد کو کہو کہ وہ جنگ سے ہاتھ روک لے'' وہ شخص ان کے پاس آیا اور کہا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرما رہے ہیں کہ جس پر آپ کو غلبہ نصیب ہو جائے اسے قتل کر دو''۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی زبان پر یہ فقرہ جاری کر دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ستر افراد تہ تیغ کر دیئے'' وہ شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس امر کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ تو خالد کو روکو'' اس شخص نے عرض کی ''آپ نے ایک امر کا ارادہ کیا۔ رب تعالیٰ نے بھی ایک امر کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا امر آپ کے امر سے فائق تھا۔ میری استطاعت نہیں تھی مگر جو کچھ ہو گیا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس روایت میں ہے کہ اس حملہ میں ستر مشرکین کام آئے۔ یہ روایت دوسری اس روایت کے منافی نہیں جس میں چوبیس افراد کا ذکر ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور قلیل تعداد کثیر تعداد میں شامل ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''تم نے جنگ کر دی حالانکہ میں نے جنگ سے روکا تھا'' انہوں نے عرض کی ''مشرکین نے ہی جنگ کا آغاز کیا تھا۔ میں نے تو حتی الوسع اپنا ہاتھ روکے رکھا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی بہتر ہے''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قریش نے متفرق قبائل کے لوگوں کو جمع کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور فرمایا "صرف انصار کو میرے پاس بلاؤ" انہوں نے انصار کو بلایا۔ انصار آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "کیا تم قریش کے ان قبائل اور ان کے پیروکاروں کو دیکھ رہے ہو" پھر اپنا ایک دست اقدس دوسرے دست اقدس پر مار کر فرمایا "انہیں خوب قتل کرو حتیٰ کہ مجھے صفا پر آ کر مل جاؤ" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم ان لوگوں کی طرف گئے۔ ان میں سے جسے چاہتے تہ تیغ کر دیتے۔ وہ اپنا دفاع نہ کر سکتا"۔ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں آئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم قریش کے سرداروں کا خون مباح کر دیا گیا ہے۔ آج کے بعد قریش کا وجود باقی نہیں رہے گا" اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا وہ امان میں ہے" یہ اعلان کر دیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! مشرکین نے جنگ کا آغاز کیا تھا۔ میں نے توحتی الامکان ان سے ہاتھ روکے رکھا۔ میں نے انہیں اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ جب مجھے اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا تو میں نے ان کے ساتھ جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پر فتح عطا کی۔ وہ بھاگ نکلے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جنگ سے ہاتھ روکے رکھو، سوائے بنو خزاعہ سے۔ وہ بھی بنو بکر کی طرف سے۔ وہ بھی نماز عصر تک" یہی وہ ساعت تھی جس وقت تک آپ کے لیے حرم کعبہ میں خون بہانا مباح کر دیا گیا تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو رمضان المبارک کے بیس دن گزر چکے تھے۔ امہات المومنین میں سے حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو رفاقت کا ابدی شرف نصیب ہوا۔

وہ افراد جو امان میں داخل نہ تھے

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کچھ افراد کی استثناء فرمائی۔ وہ اس امان میں داخل نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ پندرہ افراد یہ تھے۔

(1) عبداللہ بن ابی سرح (2) عبداللہ بن خطل (3) اس کی دونوں لونڈیاں (وہ حضور اکرم ﷺ کے متعلق ہجویہ اشعار پڑھتی تھیں) (4) عکرمہ بن ابی جہل (5) حویرث بن نقید (6) مقیس بن صبابہ (7) ھبار بن اسود (8) کعب بن زہیر (9) حرث بن ہشام (10) زہیر بن ابی امیہ (11) بنو مطلب کی لونڈی سارہ (12) صفوان بن امیہ (13) ہند بنت عتبہ (14) وحشی۔ ان میں اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔

عبداللہ بن ابی سرح بن الحرث العامری

اس نے اسلام قبول کیا۔ پھر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضور ﷺ کی شان والا میں نازیبا کلمات کہنے لگا۔ فتح مکہ کے روز حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون مباح قرار دیا۔ جب اسے علم ہوا تو اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پناہ حاصل کر لی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ اس نے کہا "بھائی! مجھے حضور اکرم ﷺ سے پناہ لے دیں۔ اس سے قبل کہ آپ

میری گردن اڑا دیں" حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں غائب کر دیا، حتیٰ کہ لوگ پرسکون اور مطمئن ہو گئے۔ پھر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے انہیں پناہ دے دی ہے۔ آپ اسے بیعت کر لیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی دفعہ اس سے اعراض فرمایا۔ پھر فرمایا "ہاں! اپنا دست اقدس آگے بڑھا کر اسے بیعت کر لیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ چلے گئے تو آپ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا "میں نے اس سے کئی بار اعراض کیا تاکہ تم میں سے کوئی ایک اٹھ کر اس کی گردن جدا کر دے" حضرت عبادہ بن بشیر رضی اللہ عنہ نے نذر مان رکھی تھی کہ اگر انہوں نے عبداللہ بن سرح کو دیکھا تو اسے قتل کر دیں گے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی تلوار سونتے کھڑے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارہ کے منتظر تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہارا منتظر تھا کہ تم اپنی نذر پوری کر لو" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! میں آپ سے ڈر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اشارہ کیوں نہ کر دیا" آپ نے فرمایا "کسی نبی کے لیے آنکھ کی خیانت جائز نہیں"۔

امام زرقانی نے لکھا ہے "پھر حضرت عبداللہ کو ازلی سعادت اور ابدی عنایت نے آلیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ ان کی فضیلت اور جہاد سب پر آشکارا تھا۔ یہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کے میمنہ پر تھے۔ جب انہوں نے مصر فتح کیا۔ فتوحات میں ان کا کردار بڑا شاندار تھا۔ انہوں نے ہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں افریقہ کو فتح کیا تھا۔ یہ بہت بڑی فتح تھی۔ ہر گھڑ سوار کو تین ہزار دینار ملے۔ انہوں نے 31ھ کو اساود پر حملہ کیا۔ اس کے بعد ھادن پر لشکر کشی کی۔ 34ھ میں ذات الصواری پر حملہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں صعید مصر کا گورنر بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے انہیں سارے مصر کا گورنر بنا دیا۔ انہوں نے قابل ستائش فرائض سرانجام دیے۔ فتنہ کے دور میں علیحدہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے 57ھ یا 58ھ میں وصال فرمایا۔ امام بغوی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت یزید بن ابی حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب صبح ہوئی تو حضرت ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے عرض کی "مولا! نماز فجر کو میرا آخری عمل بنا دے" انہوں نے وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ پہلے دائیں طرف سلام پھیرا۔ پھر بائیں طرف سلام پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی۔

عبداللہ بن خطل

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بھی قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ کیونکہ یہ فتح مکہ سے قبل مدینہ طیبہ آیا تھا۔ اسلام قبول کیا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ پھر صدقہ لانے کے لیے بھیجا۔ ساتھ ایک انصاری شخص کو بھیجا۔ جو اس کی خدمت پر مامور تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خادم تھا۔ جو اس کی خدمت کرتا تھا۔ یہ مسلمان تھا۔ یہ ایک جگہ فروکش ہوا۔ اس نے خادم کو بکری ذبح کرنے اور اسے پکانے کا حکم دیا۔ جب بیدار ہوا تو کھانا تیار نہ تھا۔ خادم سویا ہوا تھا۔ اس نے خادم پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا۔ پھر مرتد ہو کر مکہ چلا گیا۔ یہ اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نازیبا کلمات سے یاد کرتا تھا۔ اس کی دو لونڈیاں بھی تھیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار پڑھتی تھیں۔ فتح مکہ کے روز یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنی زرہ پہنی، اپنے ہاتھ میں نیزہ لیا اور قسم اٹھانے لگا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج مکہ مکرمہ میں

زبردستی داخل نہیں ہو سکتے" جب اس نے رب تعالیٰ کے لشکر کو دیکھا تو اسے رعب نے آلیا۔ یہ کعبہ مشرفہ کے پاس گیا۔ اپنے گھوڑے سے اترا۔ اپنے ہتھیار پھینکے اور خانہ کعبہ کے پردوں کے نیچے چھپ گیا۔ ایک شخص نے اس کا اسلحہ لیا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ الحجون میں حضور اکرم ﷺ سے جاملا۔ آپ سے اس کے متعلق گذارش کی۔ آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ سے گذارش کی گئی "یہ ابن خطل ہے جو خانہ کعبہ کے پردوں کے ساتھ معلق ہے" آپ نے فرمایا "اسے قتل کر دو، کعبہ معظمہ گناہ گاروں کو پناہ نہیں دیتا اور واجب حد کو قائم کرنے سے نہیں روکتا" اسے حضرات سعید بن حریث اور ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے واصل جہنم کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت زبیر نے یا حضرت سعد بن ذؤیب نے یا حضرت سعد بن زید نے قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ اسے قتل کرنے میں یہ سارے حضرات شریک تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی لونڈیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا۔ ایک کو قتل کر دیا گیا جبکہ دوسری نے آپ سے امان طلب کی۔ آپ نے اسے امان دی تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

عکرمہ بن ابی جہل

یہ حضور اکرم ﷺ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتا تھا۔ اس لیے آپ نے اس کے قتل کا بھی حکم دیا تھا۔ یہ مسلمانوں کو بھی سخت تکالیف پہنچاتا تھا۔ جب اسے علم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون بھی مباح کر دیا ہے تو یہ بھاگ گیا، تاکہ خود کو سمندر میں گرا دے یا صحرا نوردی میں موت کو گلے لگالے۔ اس کی زوجہ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اس سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے عکرمہ کے لیے حضور اکرم ﷺ سے امان طلب کی۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ عکرمہ کشتی پر سوار ہوا۔ اسے تیز آندھی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے لات و عزیٰ کو آواز دی۔ اہل کشتی نے کہا "اخلاص اختیار کرو۔ تمہارے یہ معبودان باطلہ تمہیں یہاں بچا نہیں سکتے" عکرمہ نے کہا "اگر سمندر سے صرف اخلاص ہی بچا سکتا ہے تو پھر خشکی میں اس کے علاوہ کون بچا سکتا ہے۔ مولا! میں تیرے ساتھ یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی جس میں میں مبتلاء ہوں تو میں محمد عربی ﷺ کے پاس جاؤں گا۔ اپنا ہاتھ ان کے دست اقدس پر رکھوں گا۔ میں انہیں ضرور عفو، کریم اور غفور پاؤں گا" وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ اسلام قبول کر لیا، یعنی اس کے بعد کہ ان کی زوجہ ان کے پاس گئیں اور انہیں لے کر مکہ مکرمہ آگئیں۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت طیبہ ان کے متعلق نازل ہوئی:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ

"اور جب ڈھانپ لیتی ہیں انہیں پہاڑوں جیسی موجیں اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے عقیدہ کو۔ پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے (چند ہی) حق پر رہتے ہیں"۔ (لقمان: 32)

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ان کی زوجہ محترمہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن کی طرف بھاگ گئے ہیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ آپ انہیں قتل کر دیں گے۔ آپ انہیں پناہ دے دیں" آپ نے فرمایا "وہ امان

میں ہے" وہ ان کی جستجو میں نکلیں۔ انہیں اس وقت جالیا جب وہ کشتی پر سوار ہو چکے تھے۔ انہوں نے صدا دی "اخلاص اپناؤ، اخلاص اپناؤ" عکرمہ نے پوچھا "میں کیا کہوں؟ انہوں نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو" عکرمہ نے کہا "میں اسی سے ہی تو بھاگا ہوں۔ اس امر سے تو عرب و عجم آشنا ہیں حتیٰ کہ سمندر کے ملاح بھی جانتے ہیں کہ دین وہی ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں" اللہ تعالیٰ نے عکرمہ کا دل تبدیل کر دیا۔ حضرت ام حکیم نے کہا "میرے چچازاد! میں اس ہستی پاک کے پاس سے آئی ہوں جو سارے لوگوں سے زیادہ پاکباز اور سارے لوگوں سے بہتر ہے۔ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ میں نے تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پناہ حاصل کر لی ہے" عکرمہ ان کے ہمراہ لوٹ آئے۔ وہ حضرت ام حکیم سے حقوق زوجیت کا مطالبہ کرتے رہے۔ مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں۔ وہ کہتی رہیں "تم کافر ہو، میں مسلمان ہوں" عکرمہ نے کہا "وہ امر جس نے تمہیں مجھ سے روک دیا ہے۔ وہ ایک عظیم امر ہے" جب عکرمہ مکہ مکرمہ، یا مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس عکرمہ آ رہا ہے۔ اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہنا۔ میت کو گالی دینا زندہ کو اذیت دیتا ہے"۔

امام زہری اور ابن عقبہ نے لکھا ہے "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ اپنی رداء مبارک ان پر پھینک دی اور فرمایا "اسے خوش آمدید جو مومن اور مہاجر بن کر آیا ہے" عکرمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ہمراہ ان کی زوجہ حضرت ام حکیم بھی تھیں۔ وہ نقاب اوڑھے کھڑی تھیں۔ عکرمہ نے عرض کی "اس خاتون نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس نے سچ کہا ہے تجھے امان ہے" عکرمہ نے عرض کی "آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں یہ دعوت دیتا ہوں کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو۔۔۔ حتیٰ کہ آپ نے اسلام کے ارکان بیان فرما دیے۔ عکرمہ نے عرض کی "آپ بھلائی اور عمل خیر اور مستحسن امر کی طرف بلاتے ہیں۔ اس دعوت دینے سے قبل آپ ہم میں سے سب سے زیادہ سچے اور پاکباز تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" پھر عکرمہ نے عرض کی "مزید؟" آپ نے فرمایا "یوں کہو کہ میں رب تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مجاہد، مہاجر ہوں" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کہا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے یوں کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں" پھر انہوں نے فرط حیاء سے سر جھکا لیا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے جو کچھ بھی مانگو، میں جس چیز پر قادر ہوا تمہیں ضرور دوں گا" انہوں نے عرض کی "میری ہر اس عداوت کے لیے استغفار کریں جو میں نے آپ کے ساتھ رکھی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! عکرمہ کی ہر وہ عداوت معاف کر دے جو اس نے میرے ساتھ رکھی ہے یا میرے خلاف گفتگو کی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زوجہ محترمہ پہلے نکاح پر ہی انہیں لوٹا دی۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا شمار کبار صحابہ کرام میں ہونے لگا۔

ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم، شفیع معظم، رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب مین دیکھا کہ آپ جنت میں

تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے وہاں انگور کا خوشہ دیکھا جو آپ کو بڑا تعجب خیز لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''یہ کس کے لیے ہے؟ آپ سے عرض کی گئی ''یہ ابوجہل کے لیے ہے'' آپ پر یہ بات بڑی گراں گزری۔ آپ نے فرمایا ''جنت میں تو صرف مومن نفس ہی داخل ہوگا'' جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور انگور کے خوشے کی تاویل حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے کی۔ آپ نے یہ بھی استدلال فرمایا کہ کبھی کبھی خواب اس شخص کے لیے نہیں ہوتا جس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلام انتہائی شاندار کیا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام میں ان کے سر پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جام شہادت نوش کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل ردہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہوئے تو آپ نے اہل روم پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کیے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ پھر انہیں معزول کر کے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کر دیا۔ اس وقت اس لشکر کے ساتھ حضرت عکرمہ، حضرت حرث بن ہشام اور حضرت سہیل بن عمرو رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی روانہ ہوئے۔ انہوں نے خود کو جہاد کے لیے وقف کر دیا۔ نیز یہ وعدہ کیا کہ وہ لوٹ کر واپس نہیں آئیں گے۔ بہت سی جنگوں کے بعد انہوں نے شام کی فتوحات میں شرکت کی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ امیر لشکر بنا دیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت امیر مقرر کیا۔ مجاہدین شام کے دیگر شہروں کو فتح کرنے کے لیے نکلے۔ انہوں نے بعلبک اور بہت سے شہر فتح کر لیے۔ پھر حمص کو فتح کرنے کی طرف توجہ کی۔ انہیں رومیوں کے لشکر جرار کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ شدید قتال کیا۔ اس روز حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی نے زیادہ جہاد نہ کیا۔ وہ تیروں کے سامنے چلے جاتے۔ ان سے کہا گیا ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے آپ کیساتھ نرمی کرو'' انہوں نے کہا ''اے میری قوم! میں بتوں کی طرف سے لڑتا تھا۔ میری آج کیفیت کیا ہوگی۔ آج میں ملک علام رب تعالیٰ کی اطاعت میں لڑ رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ حور ان عین میری مشتاق ہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی اہل دنیا کے لیے ظاہر ہو جائے تو انہیں شمس و قمر کی ضرورت نہ رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ جو وعدے کیے ہیں وہ سارے سچ ثابت ہوئے ہیں'' پھر انہوں نے اپنی تلوار سونت لی اور اہل روم میں گھس گئے۔ وہ آگے آگے ہی بڑھتے رہے۔ اہل روم نے ان کے صبر اور قتال پر تعجب کیا۔ اسی اثناء میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پر بڑے پادری نے حملہ کر دیا۔ اس کا نام ہربیس تھا۔ اس کے ہاتھ میں بڑا سا نیزہ تھا جو روشن اور تاباں تھا۔ اس نے اسے اپنے ہاتھ میں لہرایا اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مار دیا۔ جو ان کے سینہ میں لگا اور کمر سے باہر نکل گیا۔ وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جلدی جلدی جنت کی طرف لے گیا۔ ان کے چچا زاد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ وہ زار زار رونے لگے پھر حضرت سعید بن زید نے اس پادری پر حملہ کیا جس نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر جہنم واصل کر دیا۔ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حمص فتح کرا دیا۔ اس روز پانچ ہزار کفار جہنم

واصل ہوئے۔ اس روز دوسو ترپن (253) مسلمانوں نے قبائے شہادت زیب تن کی۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں "تلاوت قرآن" کے باب میں لکھا ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب مصحف مبارک کھولتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ وہ فرماتے "یہ میرے رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ میرے رب تعالیٰ کا کلام ہے" جب ان کی زوجہ محترمہ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہوئی۔ یہ بھی ان کے ساتھ شام کی طرف گئیں تھیں تو حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔ انہوں نے ان کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا "کاش! آپ یہ وظیفہ زوجیت مؤخر کر دیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ رومیوں کے لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کر دے" حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے میرا نفس کہتا ہے کہ ان کے لشکروں میں مجھے جام شہادت نصیب ہو جائے گا" حضرت ام حکیم نے فرمایا "وظیفۂ زوجیت ادا کر لیں" انہوں نے اپنے خیمہ میں ان کے ساتھ حق زوجین ادا کیا۔ صبح کے وقت اہل روم نے صف بندی کر لی۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے خوب داد شجاعت دی اور جام شہادت نوش کر لیا۔ حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اپنا نقاب اوڑھا۔ خیمہ کی چوب لی اور اس کے ساتھ سات رومیوں کو مار ڈالا۔

روایت ہے کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شکوہ کیا کہ لوگ انہیں عکرمہ بن ابی جہل کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو منع فرمایا۔ فرمایا "زندوں کو مردوں کی وجہ سے اذیت نہ دیا کرو" دوسری روایت میں ہے "مردوں کو گالیاں نہ دیا کرو، ورنہ تم زندوں کو اذیت دو گے" ایک اور روایت میں ہے "اپنے مردوں کے محاسن بیان کیا کرو۔ ان کی برائیاں بیان کرنے سے رک جاؤ" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے سے قبل دعوت مبارزت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے۔ بعض انصار نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔ اس نے ہمارے ساتھی کو شہید کر کے ہمیں اذیت دی ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں اس لیے مسکرا رہا ہوں کہ یہ دونوں (قاتل و مقتول) جنت میں ایک ہی مقام پر فائز ہوں گے" حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جنگ یرموک میں شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ)۔

حویرث بن نقید

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا تھا کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بری باتیں کرتا تھا۔ آپ کی ہجو بیان کرتا تھا۔ بکثرت اذیتیں دیتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ لے جا رہے تھے۔ حویرث نے اس اونٹ کے پہلو میں لکڑی ماردی جس پر یہ دونوں نوران چشم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار تھیں۔ یہ دونوں نیچے گر پڑیں۔ حویرث نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پہلو میں لکڑی ماری۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق پوچھا یہ اپنے گھر میں تھا۔ اس نے دروازہ بند کر رکھا تھا۔ ان سے عرض کی گئی کہ وہ صحراء میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ دوسرے گھر میں جانے کے لیے باہر نکلا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

مقیس بن صبابہ

اس نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ پھر انصاری صحابی کے پاس گیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس انصاری صحابی نے غزوۂ ذی قرد میں اس کے بھائی ہشام بن صبابہ کو خطاءً قتل کیا تھا۔ انہوں نے انہیں دشمن سمجھا تھا۔ مقیس نے اپنے بھائی کی دیت لے لی۔ پھر انصاری کو شہید کر کے مرتد ہو گیا۔ یہ قریش کے پاس لوٹ آیا۔ آپ نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا۔ حضرت غیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم واصل کر دیا۔

ہبار بن اسود

یہ بھی مسلمانوں کو بہت زیادہ اذیتیں دیتا تھا۔ حضرت لخت جگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ اس نے اس وقت تعرض کیا تھا۔ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جا رہی تھی۔ اس نے ان کے اونٹ کو ڈنڈا مارا تھا۔ وہ ایک ٹیلے پر گر پڑیں حتیٰ کہ ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ پھر اس مرض میں ان کا وصال ہو گیا۔ یوم فتح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہبار بن اسود کا خون مباح قرار دیا۔ یہ بھاگ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چھپ گیا۔ پھر جعرانہ کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھا۔ آپ جعرانہ سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ ہبار بن اسود آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ ہبار بن اسود ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اسے دیکھ لیا ہے'' ایک شخص نے اس کی طرف جانے کا ارادہ کیا مگر آپ نے اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ ہبار بن اسود کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کی ''اے اللہ تعالیٰ کے نبی مکرم! میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول محترم ہیں۔ میں آپ سے بھاگ کر شہروں کی طرف چلا گیا تھا۔ میں عجمیوں کے ساتھ ملنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ پھر مجھے آپ کی کریمانہ عادت، صلہ رحمی اور اس شخص سے درگزر یاد آ گیا جو آپ کے ساتھ جاہلانہ رویہ اختیار کرے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم اہل شرک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت عطا کی۔ ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ میری جہالت اور اذیتوں سے درگزر فرمائیں۔ میں اپنے گزشتہ افعال اور گناہوں کا معترف ہوں۔ ان کا اقرار کرتا ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تمہیں معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ ہدایت کی توفیق دی۔ اسلام اپنے سے ماقبل لغزشیں مٹا دیتا ہے''۔ امام زہری نے لکھا ہے کہ جب حضرت ہبار رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے تو لوگ انہیں برا بھلا کہنے لگے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا ''جو تمہیں گالی دے۔ اسے برا بھلا کہہ لو'' لوگ اپنے اس رویہ سے رک گئے۔

کعب بن زہیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا تھا۔ کیونکہ یہ شاعر تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہتا تھا۔ جب اس کے بھائی نے اسلام قبول کیا تو یہ انہیں عار دلانے لگا۔ ان کی داستان بڑی عجیب ہے۔ بجیر نے اپنے بھائی کعب

سے کہا''تم میری بکریوں میں ٹھہرو حتیٰ کہ میں اس شخص (حضور ﷺ) کی خدمت میں جاؤں، ان کا کلام سنوں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اسے دیکھوں'' کعب ابرق العزاف کے مقام پر ٹھہرا رہا۔ یہ بنو اسد کا ایک چشمہ تھا۔ یہ مدینہ طیبہ اور زبذہ کے مابین تھا۔ بجیر روانہ ہوا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ آپ کا کلام مقدس سنا اور دولت ایمان سمیٹ لی۔ بجیر نے اپنے بھائی کعب کو اس لیے یہ کہا تھا کہ میری بکریوں میں ٹھہرو حتیٰ کہ میں اس شخص (آپ ﷺ) سے ملاقات کر لوں۔۔۔ کیونکہ ان کا باپ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھتا تھا۔ اس نے ان سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزمان کی بعثت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس نے اپنے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے ایک رسی لٹکی ہے۔ اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ اس نے یہ تعبیر کی کہ نبی آخر الزماں ﷺ جب تشریف لائیں گے تو یہ ان کا عہد ہمایوں نہیں پا سکے گا۔ اس نے اپنے خواب کا تذکرہ اپنے بیٹوں سے کیا۔ انہیں اہل کتاب کی باتیں بھی بتائیں۔ انہیں حکم دیا۔ انہیں وصیت کی کہ اگر وہ عہد مبارک پالیں تو ضرور اسلام لے آئیں۔ حضرت بجیر نے اپنے بھائی کعب کی طرف خط لکھا اسے بتایا کہ اس نبی محترم ﷺ کا امر غالب آ گیا ہے۔ ان کی نبوت حق ہے۔ نیز یہ کہ وہ ایمان لے آیا ہے اور ان کی اتباع کر لی ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی کو ابھارا تا کہ وہ بھی ایمان لے آئے۔ کعب نے اپنے بھائی کی طرف یہ اشعار لکھے:

ألا ابلغا عنی بجیراً رسالة　فهل لك فیماقلت ویحك هل لكا
فبین لنا ان لست بفاعل　علی ای شی غیر ذالك دلكا
علی خلق لم تلق اما ولاابا　علیه ولا تلقی علیه اخالكا
فان كنت لم تفعل فلست بآسف　ولا قائل اما عثرت لعالكا
سقاك بها المامون كاسا روية　فانهلك المامون منها وعلكا

''ارے! میری طرف سے بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کہ تیرے لیے ہلاکت ہو جو کچھ تو نے کہا ہے اس میں تیرا کیا کردار ہے۔ ہمیں وضاحت سے بیان کرو کہ اگر تم ہمارا مذہب اپنانے والے نہیں تو پھر اس کے علاوہ کس چیز نے تمہاری راہ نمائی کی۔ ایسے طریقہ پر جس پر نہ تو نے اپنی ماں کو پایا ہے نہ ہی اپنے باپ کو پایا ہے۔ نہ ہی کبھی اپنے بھائی کو پائے گا اگر تو یوں نہیں کرنا چاہتا تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہے اور اگر تو ٹھوکر کھائے تو میں تجھے اس طرح نہیں کہوں گا کہ رب تعالیٰ تیری لغزش معاف کرے۔ مامون (محمد عربی ﷺ) نے تجھے خوب لبریز پیالہ پلایا ہے اور انہوں نے اس کے ذریعے تجھے بار بار سیراب کیا ہے''۔

زمانہ جاہلیت میں حضور اکرم ﷺ کو امین اور مامون جیسے ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ پھر کعب نے یہ اشعار اپنے بھائی کی طرف بھیج دیے۔ جب حضرت بجیر رضی اللہ عنہ تک یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے انہیں حضور ﷺ سے چھپانا مناسب نہ سمجھا اور آپ کو ان کے بارے بتا دیا۔ جب آپ نے کعب کا یہ مصرعہ سنا ''سقاك بها المامون'' تو فرمایا ''اس نے سچ کہا ہے اگرچہ وہ جھوٹا ہے۔ میں مامون ہوں'' جب آپ نے یہ مصرعہ سماعت فرمایا ''علی خلق لم تلف اما ولا ابا علیه'' تو فرمایا ''ہاں!

اس پر اس کی ماں اور باپ کو نہیں پایا گیا" پھر فرمایا "تم میں سے جو کعب بن زہیر کو ملے تو اسے قتل کر دے" اس کے بھائی حضرت بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف لکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں جو آپ کی ہجو بیان کرتے ہیں یا آپ کو اذیت دیتے ہیں۔ اگر جان کی ضرورت ہے تو جلدی جلدی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ جو تائب ہو کر آپ کی خدمت میں آئے آپ اسے قتل نہیں کرتے۔ اگر یوں نہیں کر سکتے تو ایسی جگہ چلے جاؤ جو تمہیں نجات دے دے" انہوں نے یہ اشعار بھی لکھے:

فمن مبلغ کعبا فهل لك فی التی	تلوم علیها باطلا وهی احزم
الی الله لا العزیٰ ولا للات وحده	فتنجوا اذا كان النجاء وتسلم
لدی یوم لا ینجو ولیس بمفلت	من الناس الا طاهر القلب مسلم
فدین زهیر وهو لاشی دینه	ودین ابی سلمی علی محرم

"کیا کوئی ایسا شخص ہے جو کعب کو جا کر یہ پیغام دے کہ کیا اس میں کوئی غلط بات ہے جس میں تو ملامت کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ راستہ زیادہ محتاط ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف۔ نہ کہ عزیٰ اور لات کی طرف، اگر نجات کے متلاشی ہو تو نجات اور سلامتی اسی راستے سے ملے گی۔ اس روز لوگوں میں سے نجات پانے والا اور بچ نکلنے والا صرف وہی ہو گا جو پاکیزہ اور مسلمان ہو گا۔ زہیر کے دین میں دین جیسی کوئی بات نہیں اور ابو سلمی کا دین مجھ پر حرام ہے"۔

جب یہ اشعار کعب تک پہنچے اور اسے علم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا خون مباح قرار دیا ہے تو زمین اس پر تنگ ہو گئی۔ اسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے ڈرایا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نہ جائے۔ ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ مگر اسلام کے علاوہ اسے کوئی پناہ گاہ اور ٹھکانہ نظر نہ آیا۔ وہ عازم سفر ہوا۔ حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے واپس تشریف لے جا چکے تھے۔ وہ بنو جہینہ کے ایک شخص کے پاس ٹھہرا۔ اس کے اور اس کے مابین دوستی تھی۔ وقت صبح وہ اسے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اٹھو اور آپ کے پاس جا کر پناہ طلب کرو" وہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ اپنا ہاتھ آپ کے دست ہدایت بخش پر رکھ دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعب کو نہیں جانتے تھے۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! کعب توبہ کرتا ہے اور آپ سے پناہ مانگتا ہوا آپ کی بارگاہ میں آ رہا ہے۔ اگر میں اسے یہاں لے آؤں تو کیا آپ اسے معاف فرما دیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں" اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں کعب بن زہیر ہی ہوں"۔ پھر اس نے حق کی گواہی دی "اشهد ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله" پھر وہ معروف قصیدہ پیش کیا جس کی ابتداء "بانت سعاد فقلبی الیوم متبول" حتیٰ کہ انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

تمشی الوشاة بجنبیها وقولهم	انك یا ابن ابی سلمیٰ لمقتول
وقال كل صدیق كنت امله	لا الهینك انی عنك مشغول

فقلت خلوا سبیلی لاابا لکم   فکل ماقدر الرحمن مفعول

کل ابن انثی وان طالت سلامته   یوما علی آلة حدباء محمول

أنبئت ان رسول الله اوعدنی   والعفو عند رسول الله ما مول

مهلا هداك الذی اعطاك نافلة   القرآن فیه مواعیظ وتفصیل

لا تاخذ نی باقوال الوشاة ولم   اذنب وان کثرت فی الاقاویل

ان الرسول لنور یستضاء به   مهند من سیوف الله مسلول

''چغل خور ہر طرف چغل خوری کرتے ہوئے جارہے ہیں۔ انہوں نے کہا: ابن ابی سلمی! تجھے قتل کردیا جائے گا۔ ہر وہ دوست جس کے ساتھ میں امید لگائے ہوئے تھا۔ اس نے کہا ''میں تجھے فریب نہیں دینا چاہتا، میں تیری کوئی مدد نہیں کرسکتا''۔ میں نے کہا: تمہارا رب نہ رہے۔ میرا راستہ چھوڑ دو۔ جو کچھ رب رحمان نے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ہر ماں کا فرزند خواہ اس کی عمر کتنی ہی طویل ہوجائے اسے ایک نہ ایک دن چارپائی پر ضرور اٹھایا جائے گا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے دھمکی دی ہے حالانکہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں معافی کی زیادہ امید لگائی جاتی ہے۔ ذرا ٹھہریں! آپ کو اس ذات نے ہدایت دی ہے جس نے آپ کو قرآن مجید عطا فرمایا جس میں نصیحتیں اور احکام کی تفصیل ہے۔ آپ چغل خوروں کی وجہ سے میری گرفت نہ فرمائیں۔ میں نے گناہ نہیں کیا، اگرچہ میرے متعلق بہت سی باتیں کی گئی ہیں۔ بے شک رسول کریم ﷺ ایسا نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایسی تلوار ہیں جو کفر کے خلاف سونتی گئی ہے''۔

حضرت کعب ابن الانباری نے لکھا ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ اس شعر تک پہنچے:

ان رسول الله لنور یستضاء به   مهند منه سیوف الله مسلول

تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی وہ چادر مبارک ان کی طرف پھینک دی جو آپ کے اوپر تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد حکومت میں اس ردائے مبارک کو دس ہزار دراہم میں خریدنے کی کوشش کی تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں وہ مبارک چادر کسی قیمت پر بھی نہیں دوں گا جو مجھے رسول کریم ﷺ نے عطا فرمائی ہے'' جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء سے وہ چادر بیس ہزار دراہم سے خرید لی۔ آج تک (حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک) یہ چادر سلاطین کے پاس ہے۔ خلفاء اسے عید کے موقع پر اوڑھتے ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق یہ فتنہ تاتار میں کہیں گم ہوگئی تھی۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک انصاری شخص ان پر جھپٹا۔ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس دشمن کی گردن اڑا دوں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اسے چھوڑ دو۔ یہ توبہ کرتے ہوئے اور اسلام کی طرف میلان رکھتے ہوئے اور اسلام کی

طرف اشتیاق رکھتے ہوئے آیا ہے۔ یہ شرک کو ترک کرتے ہوئے آیا ہے" حضرت کعب رضی اللہ عنہ انصار کے اس قبیلہ سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے اپنے قصیدہ میں صرف مہاجرین کی تعریف کی، کیونکہ انہوں نے صرف انہیں ہی بھلائی سے یاد کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب سے پوچھا "تم نے انصار کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیوں نہ کیا۔ حالانکہ وہ اس کے مستحق ہیں" پھر انہوں نے انصار کی ستائش میں یہ اشعار کہے:

من سرہ کرم الحیاۃ فلایزل　　فی مقنب من صالحی الانصار

ورثوا المکارم کابرا عن کابر　　ان الخیارھم بنو الاخیار

والناظرون باعین محمرۃ　　کالجمر غیر کلیلۃ الابصار

والبائعون نفوسھم　　للموت یوم تعانق وکرار

یتطھرون یرونہ نسکالھم　　بدماء من علقوا من الکفار

"جسے زندگی کا کرم خوش کرتا ہو تو وہ انصار کی صالح اور پاکباز جماعت میں زندگی بسر کرے۔ یہ نسل در نسل مکارم اخلاق کے وارث آرہے ہیں۔ بہترین لوگ بہترین لوگوں کی اولاد ہی ہوتے ہیں۔ وہ سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ گویا کہ وہ آگ کے انگارے ہیں اور ان کی آنکھیں تھکی ماندی نہیں ہوتیں۔ یہ اپنے نفوس کو موت کے عوض فروخت کرنے والے ہیں۔ اس روز جب لشکروں کے ملنے کا دن ہو اور بار بار حملے کا دن ہو۔ یہ پاکیزگی کا خیال کرتے ہیں۔ اپنی عبادت ادا کرتے ہیں ان کے خونوں سے جو کفار میں سے لٹکے ہوئے ہیں"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نغز گو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا باپ زہیر اور بھائی حضرت بجیر رضی اللہ عنہ بھی عمدہ شاعر تھے۔ ان کے فرزند عقبہ بن کعب اور پوتے عوام بن عقبہ بھی اچھے شاعر تھے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے صحابہ کرام میں سے سب سے نرم دل شخص کے متعلق پوچھا انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق بتایا گیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی داستان سنائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے آگے چلنے لگے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے تھے حتیٰ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حاضر ہو گئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ایک شخص آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے"۔ آپ نے دست اقدس آگے بڑھایا اور انہیں بیعت کر لیا۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے "دونوں روایات کو جمع کرنا ممکن ہے کیونکہ امکان ہے کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے ہوں تو جہنی کے ہاں ٹھہرے ہوں۔ اس نے بتایا ہو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ کرام سے رقیق القلب ہیں۔ وہ ان کے پاس گئے ہوں۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے ہوں۔ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو امان کا یقین ہو گیا ہو تو انہوں نے اپنا تعارف کرایا ہو۔

حرث بن ہشام مخزومی

یہ ابوجہل کا سگا بھائی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا شدید دشمن تھا۔ زہیر بن امیہ مخزومی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا

بھائی بھی اسی طرح تھا۔ یہ بھی کفر میں شدید تھا۔ فتح مکہ کے روز حضور ﷺ نے ان کا خون مباح قرار دیا تھا۔ یہ دونوں بھاگ کر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر چھپ گئے۔ انہوں نے انہیں پناہ دے دی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی پناہ قبول فرمائی۔ پھر حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیا۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے اسلام کو عمدہ کیا۔ صحیح روایت کے مطابق حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضرت حرث بن ہشام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت زہیر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو پناہ دی تھی۔ دوسری روایت میں عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ ایک اور روایت میں ہبیرہ بن ابی وہب کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "یہ قول صحیح نہیں، کیونکہ ہبیرہ فتح مکہ کے روز نجران کی طرف بھاگ گیا تھا اور وہیں حالت کفر میں مرا"۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے خاوند کا نام ہبیرہ بن ابی وہب المخزومی تھا۔

امام احمد وغیرہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "فتح مکہ کے روز بنومخزوم میں سے دو افراد بھاگ کر میری طرف آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں دونوں کو قتل کر دوں گا" مگر میں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر میں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوگئی۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا "مرحبا! خوش آمدید! ام ہانی (رضی اللہ عنہا) کونسی چیز تمہیں یہاں لے آئی ہے؟ مشہور یہی ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اپنا اسلام مخفی رکھے ہوئے تھیں۔

حضرت حرث بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "جب مجھے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے پناہ دے دی اور حضور ﷺ نے ان کی پناہ قبول کر لی تو اس کے بعد کوئی مسلمان مجھ سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ مجھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ڈر لگتا تھا۔ وہ میرے پاس سے گزرے۔ میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ مگر انہوں نے بھی مجھے کچھ نہ کہا۔ میں نے ہر موقع پر حضور ﷺ سے عداوت کی تھی۔ اب مجھے شرم آرہی تھی کہ حضور اکرم ﷺ مجھے دیکھیں۔ آپ مسجد حرام میں داخل ہو رہے تھے تو میں نے آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کر لیا۔ آپ خندہ پیشانی سے مجھے ملے۔ آپ ٹھہر گئے حتیٰ کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ میں نے آپ کو سلام عرض کیا اور حق کی گواہی دی۔ آپ نے فرمایا "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ تم جیسا انسان اسلام سے دور نہیں رہ سکتا تھا" پھر ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہونے لگا۔ اسی طرح ان کے فرزند عبدالرحمٰن بن حرث فضلاء تابعین میں سے تھے۔ اسی طرح ان کے فرزند ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور ان کے بیٹے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمان بن حرث بھی عالم اور عابد تھے۔

سارہ

یہ بنومطلب کی لونڈی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا تھا کیونکہ یہ مکہ مکرمہ کی مغنیہ تھی۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے متعلق ہجویہ اشعار پڑھتی تھی۔ یہ ہی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا خط لے کر آئی تھی۔ یہ مدینہ طیبہ گئی۔ اپنی ضرورت بیان کی اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "کیا تمہیں گانے سے اتنا کچھ نہیں ملتا جو تمہارے لیے کافی ہو جاتا" اس نے عرض کی "جب سے قریش نے غزوۂ بدر میں شکست کھائی ہے انہوں نے گانا سننا چھوڑ دیا ہے"

حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ صلہ رحمی کی۔ اسے ایک اونٹ غلہ دیا۔ یہ مکہ مکرمہ لوٹ آئی۔ ابن خطل اسے حضور اکرم ﷺ کے متعلق ہجو یہ اشعار لکھ دیتا۔ یہ انہیں گاتی تھی۔ فتح مکہ کے روز یہ چھپ گئی۔ پھر حضور اکرم ﷺ سے اس کے لیے پناہ طلب کی گئی۔ یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔

صفوان بن امیہ

صفوان بن امیہ بن خلف جمحی بھی عداوت اور اذیت کے اعتبار سے بہت سخت تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون بھی مباح قرار دیا۔ یہ چھپ گیا اور خود کو سمندر میں پھینکنے کے لیے چلا گیا۔ حضرت عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم صفوان اپنی قوم کا سردار ہے۔ وہ خود کو سمندر میں پھینکنے کے لیے چلا گیا ہے۔ آپ نے ہر سرخ اور سیاہ کو پناہ دے دی ہے۔ اسے بھی پناہ دے دیں'' آپ نے فرمایا ''اپنے چچازاد کو جالو۔ اسے امان حاصل ہے'' انہوں نے عرض کی ''مجھے ایسی علامت عطا کریں جس سے وہ آپ کی امان کو جان لے۔ میں نے اسے واپس آنے کے لیے کہا تھا۔ اس نے کہا تھا'' میں تمہارے ساتھ واپس نہیں جاؤں گا، حتیٰ کہ تم کوئی ایسی علامت لے کر آؤ جس سے مجھے پناہ کا علم ہو جائے'' حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنا عمامہ مبارک عطا فرمایا۔ حضرت عمیر رضی اللہ عنہ اسے لے کر صفوان کے پاس گئے۔ وہ سمندر میں چھلانگ لگانا ہی چاہتا تھا۔ صفوان نے کہا ''مجھ سے دور ہو جاؤ، بات تک نہ کرو'' انہوں نے کہا ''صفوان! میرے والدین تم پر فدا! میں اس ہستی والا کے پاس سے آ رہا ہوں جو تمام لوگوں سے افضل، پاکباز، حلیم اور بہترین ہیں۔ وہ تمہارے چچازاد ہیں۔ ان کی عزت تمہاری عزت، ان کا شرف تمہارا شرف اور ان کا ملک تمہارا ملک ہے'' صفوان نے کہا ''مجھے اپنے متعلق خطرہ ہے'' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا ''وہ اس سے بڑھ کر حلیم اور کریم ہیں'' انہوں نے صفوان کو آپ ﷺ کا مبارک عمامہ دکھایا۔ اسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ صفوان نے عرض کی ''عمیر کا گمان ہے کہ آپ نے مجھے پناہ دی ہے'' آپ نے فرمایا ''اس نے سچ کہا ہے'' صفوان نے کہا ''آپ مجھے دو ماہ کی مہلت دیں'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''تجھے چار ماہ کی مہلت ہے'' جب حضور ﷺ نے بنو ہوازن کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے چالیس ہزار دراہم قرض لیے اور اس سے زرہیں مانگیں'' اس نے کہا ''محمد عربی! (ﷺ) کیا یہ غصب ہے؟ آپ نے فرمایا ''نہیں! ادھار ہیں۔ انہیں واپس لوٹایا جائے گا'' پھر بنو ہوازن کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے یہ بھی حضور ﷺ کے ساتھ نکلا۔ یہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ جب حنین کے مقام پر مال غنیمت تقسیم کیا گیا تو اسے ایک سو، پھر ایک سو، پھر ایک سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر ایک وادی دیکھی جو جانوروں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا ''کیا یہ جانور تجھے تعجب میں ڈال رہے ہیں؟ اس نے عرض کی ''ہاں!'' آپ نے فرمایا ''یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ صفوان حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ تھا تاکہ آپ مال غنیمت کو ملاحظہ کریں۔ آپ ایک گھاٹی میں سے گزرے جو اونٹوں اور بکریوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے صفوان کو متعجب کیا۔ وہ اس گھاٹی کی ایک طرف دیکھنے

لگا۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا "ابو وہب! کیا اس گھاٹی نے تمہیں تعجب میں ڈالا ہے" صفوان نے عرض کی "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ سب کچھ تمہارے لیے ہے" صفوان نے ان سب پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا "بادشاہ اتنی سخاوت اس طرح فراخ دلی سے نہیں کرتے۔ ایک نبی ہی اس طرح کی سخاوت کے دریا بہا سکتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام عمدہ کیا۔ انہوں نے کہا "حضور اکرم ﷺ مجھے ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض تھے۔ آپ مجھے مال عطا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے ساری مخلوق سے محبوب ہو گئے"۔

ہند بنت عتبہ

یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کا خون بھی مباح قرار دیا تھا کیونکہ انہوں نے غزوۂ احد کے روز حضور ﷺ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا۔ قلب انور نکلنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس پر قادر نہ ہو سکی تو اسے پھینک دیا۔ جب فتح مکہ کے روز اسلامی فوج دیکھی تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں چھپ گئی۔ پھر اسلام قبول کر لیا اور الابطح میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔ اس نے عرض کیا "تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے اس دین کو غالب کیا جو اس نے اپنے لیے پسند کیا۔ تاکہ اے محمد عربی ﷺ آپ کی رحمت میں سے مجھے بھی حصہ ملے۔ میں وہ عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئی ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہے" پھر کہا "میں ہند بنت عتبہ ہوں" حضور اکرم ﷺ نے انہیں خوش آمدید کہا، پھر حضرت ہند نے آپ ﷺ کے لیے دو بھونے ہوئے مینڈھے بھیجے۔ لونڈی نے عرض کی "ہند آپ سے معذرت کرتی ہیں اور عرض کرتی ہیں کہ آج ہماری بکریاں قلیل ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہاری بکریوں میں برکت ڈالے" حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ہم نے بکریوں کی اتنی کثیر تعداد دیکھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ یہ آپ کی دعا کی برکت تھی" انہوں نے کہا "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دھوپ میں کھڑی ہوں۔ سایہ پاس ہی ہے، مگر میں سایہ میں جانے پر قادر نہیں جب آپ ﷺ قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ گویا کہ میں سایہ میں داخل ہو گئی ہوں۔ یہ اسلام کی دولت کو سمیٹنا تھا" روایت ہے کہ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اس بت کے پاس گئیں جوان کے گھر میں تھا۔ اسے کلہاڑے سے ریزہ ریزہ کر دیا اور کہا "ہم نے تجھ سے بہت دھوکہ کھایا ہے"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم روئے زمین کا کوئی خیمہ مجھے آپ کے خیمہ سے مبغوض نہ تھا۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ روئے زمین کا کوئی خیمہ مجھے آپ کے خیمہ سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "مجھے اس ذات کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ابھی اس میں اضافہ ہو گا۔ ابھی تمہارے دل میں ایمان متمکن ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ کی محبت کو تقویت ملے گی۔ اور میرے بغض سے مزید واپس لوٹو گی" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس شخص ہیں۔ کیا میں ان کے مال میں سے اپنی اولاد کو کھلا سکتی ہوں" آپ نے فرمایا "بھلائی کے

ساتھ"۔ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں پہلے نکاح پر برقرار رکھا کیونکہ دونوں نے عدت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ بلکہ کہا گیا ہے کہ ان دونوں کے اسلام لانے میں صرف ایک رات کا فرق تھا۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا ایک دانا اور عقلمند خاتون تھیں۔

روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو خواتین کو بیعت کرنے لگے۔ ان میں حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف کی وجہ سے نقاب میں تھیں۔ جب خواتین آپ کے قریب ہوئیں۔ آپ نے ان سے فرمایا "اس شرط پر میری بیعت کرو کہ تم رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی، نہ چوری کرو گی، نہ بدکاری کرو گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کرو گی، نہ ایسا بہتان لگاؤ گی جو تم نے اپنے سامنے گھڑا ہوگا۔ اور بھلائی میں میری نافرمانی نہیں کرو گی" جب آپ نے فرمایا "تم چوری نہیں کرو گی" تو حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی "میں ابوسفیان کے مال میں سے تھوڑا تھوڑا لے لیتی تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ میرے لیے حلال تھا یا نہیں۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا "جو مال تم نے لیا ہے میں وہ تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کناں ہوئے۔ آپ نے حضرت ہند رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا۔ فرمایا "کیا تم ہند بنت عتبہ ہو؟ انہوں نے عرض کی "ہاں! اے اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم! گزشتہ خطائیں معاف کر دیں" جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم بدکاری نہیں کرو گی" حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ جب آپ نے فرمایا "تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی" حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے عرض کی "ہم نے بچپن میں انہیں پالا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا" دوسری روایت میں ہے انہوں نے عرض کی "آپ نے ہماری کون سی اولاد چھوڑی ہے۔ سب کو میدان بدر میں تہ تیغ کر دیا ہے" یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قہقہہ لگایا حتیٰ کہ زمین پر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تبسم فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم ایسا بہتان نہیں لگاؤ گی جو تم نے اپنے سامنے گھڑا ہوگا" حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے کہا "بہتان لگانا واقعی قبیح فعل ہے۔ آپ نے ہمیں مکارم اخلاق اور بھلائی کا حکم دیا ہے" جب آپ نے فرمایا "تم بھلائی میں میری نافرمانی نہیں کرو گی تو ہند رضی اللہ عنہا نے کہا "ہم بھی اس مجلس میں صرف اس لیے حاضر ہوئیں ہیں کہ بھلائی میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے"۔

حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ یرموک میں شرکت کی۔ یہ مسلمانوں کو جرأت دلاتی تھیں، دیگر خواتین کے ہمراہ انہیں جنگ پر ابھارتی تھیں۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس روز انتقال کیا جس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے وصال فرمایا تھا۔ ان کے فرزندان حضرت معاویہ اور حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے سال اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب صلح حدیبیہ رونما ہوئی تو اسلام میرے دل میں جاگزیں ہو گیا۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنی امی سے کیا۔ انہوں نے کہا "اپنے والد کی مخالفت سے بچو، ورنہ وہ رزق تم سے روک دیں گے" میں اسلام لے آیا۔ اپنا اسلام مخفی رکھا۔ ایک دن مجھے ابوسفیان نے کہا "گویا کہ وہ

میرے اسلام سے آگاہ ہو چکے تھے" "تمہارا بھائی تم سے بہتر ہے، وہ میرے دین پر ہے" فتح مکہ کے روز میں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خوش آمدید کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے میرے متعلق مشورہ کیا کہ میں وحی الٰہی لکھا کروں تو انہوں نے کہا "ان سے لکھوالیا کریں، وہ امین ہیں"۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ کریب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کی "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں" انہوں نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو، وہ فقیہ ہیں۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف نصیب ہوا ہے"۔ روایت ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ فرمایا "تمہارے جسم کا کون سا حصہ مجھے چھو رہا ہے؟ انہوں نے عرض کی "پیٹ" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا گو ہوئے "مولا! اسے علم اور حلم سے بھر دے" حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا مانگی "مولا! اسے حساب و کتاب سکھا دے۔ اسے عذاب سے بچا۔ اسے شہروں میں تسلط عطا فرما" بعض صحابہ کرام سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا۔ آپ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا مانگ رہے تھے "مولا! اسے ہادی اور مہدی بنا دے، اسے ہدایت عطا فرما اس کی راہ نمائی کرا اور اسے عذاب میں مبتلا نہ کر" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم مجھ سے ہو، میں تم سے ہوں، تم جنت کے دروازہ میں میرے ساتھ اس طرح داخل ہو گے پھر آپ نے اپنی وسطیٰ انگلی مبارک اور اس کے ساتھ متصل انگشت مبارک سے اشارہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو احسان کرنا"۔

دوسری روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میری امت کے کسی چیز کے والی بنو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور عدل کرنا" ایک اور روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "معاویہ! تم عنقریب میری امت کے معاملہ کے والی بنو گے۔ اس امت کے ساتھ نرمی کرنا" بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک قمیص، ازار، ردائے پاک اور کچھ گیسوئے معنبر تھے۔ وقت وصال انہوں نے فرمایا "اس پاکیزہ قمیص میں مجھے کفن دینا۔ اس مبارک چادر میں مجھے لپیٹ دینا۔ یہ ازار مجھے پہنا دینا۔ میری ناک اور آنکھوں پر یہ گیسوئے معنبر رکھ دینا۔ پھر میرے اور ارحم الراحمین کے درمیان سے ہٹ جانا۔ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے یہ دعا مانگی "مولا! اس شیخ عاصی پر رحم فرما جو بڑا سخت دل ہے۔ مولا! میری لغزشیں معاف فرما، میری خطائیں بخش دے۔ اس کے ساتھ حلم کا وعدہ فرما، جو تیرے علاوہ کسی کے ساتھ امید نہیں رکھتا، تیرے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں رکھتا" پھر وہ رونے لگے حتیٰ کہ ان کی آواز بلند ہو گئی۔ ان کی رنگت سفید تھی۔ یہ حلم کا مجسم تھے۔ ان کا وصال دمشق میں ہوا۔ ہجرت کا ساٹھواں سال تھا۔ عمر بیاسی سال تھی۔ دوسری روایت کے مطابق عمر 78 سال تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیس سال تک شام کے گورنر رہے۔ 40ھ کو امت کے معاملات کے والی بنے اور چھ ماہ کم بیس سال اس منصب پر فائز رہے۔ ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف کے متعلق اہل سنت کا مؤقف یہ ہے کہ یہ ان حضرات کا اجتہاد تھا۔ ان میں سے کسی ایک پر اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ حضور

ﷺ نے فرمایا "میرے صحابہ کرام، انصار اور سسرالی رشتہ داروں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ جو انہیں برا بھلا کہے ان پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہو"۔

وحشی بن حرب

اس نے ہی حضور ﷺ کے شیر دل چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خون مباح قرار دیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو یہ طائف کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی اپنی روایت ہے "میں طائف میں تھا۔ جب طائف کا وفد اسلام قبول کرنے کے لیے عازم سفر ہوا تو زمین مجھ پر تنگ ہو گئی۔ میں نے شام یا یمن یا کسی اور ملک میں جانے کا ارادہ کر لیا۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ مجھے ایک شخص نے کہا "تمہارے لیے ہلاکت! حضور اکرم ﷺ اس شخص کو قتل نہیں کرتے جو آپ کے دین میں داخل ہو جائے" میں روانہ ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے مجھے نہ دیکھا، میں آپ کے سر اقدس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حق کی گواہی دی۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو فرمایا "وحشی ہو؟" میں نے عرض کی "ہاں! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم" آپ نے فرمایا "بیٹھ جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کیسے قتل کیا تھا۔ میں نے ساری غم انگیز داستان بیان کر دی۔ جب میں فارغ ہوا تو فرمایا "اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لو"۔ میں حضور ﷺ سے کندھا پھیر کر بیٹھا کرتا تھا تاکہ آپ مجھے نہ دیکھ سکیں۔ حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا"۔ پھر حضرت وحشی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اہل ردہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے۔ اسی نیزہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا جس کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے "مجھے امید ہے کہ مسیلمہ کو قتل کرنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا کفارہ بن جائے گا"۔

عتبہ اور معتب

یہ دونوں ابولہب کے بیٹے تھے۔ یہ بھی فتح مکہ کے روز چھپ گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "آپ کے دو بھتیجے کہاں ہیں؟ میں انہیں نہیں دیکھ رہا" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "وہ بھی دوسرے اہل قریش کی طرح چھپ گئے ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "انہیں میرے پاس لے کر آؤ" حضرت عباس رضی اللہ عنہ سوار ہو کر گئے اور ان دونوں کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر کر دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے فوراً لبیک کہا۔ اس سے آپ کو بڑی مسرت ہوئی۔ آپ نے ان دونوں کے لیے دعا کی، پھر ان کے ہاتھ پکڑ کر انہیں ملتزم کے پاس لے آئے۔ ایک ساعت بھر ان کے لیے دعا مانگتے رہے۔ پھر واپس تشریف لائے تو مسرت و شادمانی کے اثرات روئے زیبا سے عیاں تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم فرحت و انبساط کے اثرات آپ کے روئے تاباں سے عیاں ہیں۔ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو مسرور کر دیا ہے؟" آپ نے فرمایا "میں نے اپنے رب تعالیٰ سے اپنے ان دو چچازادوں کو مانگا تو رب تعالیٰ نے مجھے عطا فرما دیئے" ان دونوں نے آپ کے ہمراہ غزوۂ حنین اور طائف میں شرکت کی۔ حنین کے روز یہ دونوں حضور ﷺ کے ہمراہ رہے۔ حضرت معتب رضی اللہ عنہ کی آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔

سہیل بن عمرو

اس کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنے باپ کے لیے امان حاصل کریں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی امان کے ساتھ اسے پناہ حاصل ہے" پھر آپ نے اپنے اردگرد موجود صحابہ کرام سے فرمایا "جو سہیل بن عمرو سے ملے اسے تیز نظروں سے نہ دیکھے، مجھے اپنی حیات طیبہ کی قسم! سہیل دانا اور عقلمند انسان ہے۔ سہیل جیسا زیرک انسان اسلام سے دور نہیں رہ سکتا" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سہیل کے پاس گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سنایا۔ سہیل نے کہا "بخدا! آپ چھوٹی عمر میں بھی پاکباز اور بڑی عمر میں بھی پاکباز ہیں" پھر سہیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف نکلا۔ وہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ پھر جعرانہ کے مقام پر اسلام قبول کرلیا۔ ان کا شمار بھی فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر اہل مکہ کو پہنچی تو ان ہی کی وجہ سے رب تعالیٰ نے اہل مکہ کو ثابت قدم فرمایا۔ قریب تھا کہ وہ مرتد ہو جاتے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اسی طرح کا خطبہ دیا تھا جس طرح مدینہ طیبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تھا۔ انہوں نے اپنے اس خطبہ میں فرمایا "جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اسے جان لینا چاہیے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ جو رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ذات زندہ ہے اسے موت نہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول"۔

جنگ یرموک میں ان کے سر اقدس پر شہادت کا تاج سجایا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے طاعون عمواس میں شام میں وصال فرمایا۔

حرم شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز دخول

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے روز مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے مابین تھے۔ اپنی ناقہ مبارکہ پر عاجزی وانکساری کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک لبوں پر سورۃ الفتح کی تلاوت رواں تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں مصروف تھے۔ مگر آپ کا سر اقدس تواضع وعاجزی سے جھکا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ وہ کجاوے کو چھو لیتا۔ کیونکہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار سورۃ الفتح کی تلاوت کر رہے تھے حتیٰ کہ بیت اللہ آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا طواف کیا۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے "آپ اپنے خیمہ میں کچھ دیر تشریف فرما رہے، پھر غسل کیا۔ ہتھیار اور خود پہنا۔ قصوا کو منگوایا۔ اسے خیمہ کے دروازہ کے پاس کھڑا کر دیا گیا۔ صحابہ کرام خیمہ کے اردگرد پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔ آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ وہ شرف گفتگو حاصل کر رہے تھے۔ آپ بطحاء سے ابو احیحہ کی

بچیوں کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے اپنے بال کھول رکھے تھے اور گھوڑوں کو اپنے دوپٹوں سے واپس لوٹا رہی تھیں۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور تبسم فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ مصرعہ پڑھا "یلطمهن بالخمر النساء" حتیٰ کہ آپ کعبہ مشرفہ تک پہنچ گئے۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ڈھال سے رکن کو استلام کیا۔ پھر تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی، وہ لگاتار اللہ اکبر کے نعرے لگاتے رہے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ تکبیروں سے گونج اٹھا۔ آپ نے اشارہ فرما کر انہیں خاموش ہو جانے کا حکم دیا۔ مشرکین پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ کی اونٹنی مبارک کی زمام پکڑے ہوئے تھے۔ آپ نے سات چکر مکمل کیے، ہر بار اپنی ڈھال کے ساتھ حجر اسود کو استلام کیا۔ سوموار کا دن تھا۔ رمضان المبارک کے دس دن باقی تھے۔ آپ نے احرام نہیں باندھا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ عرب کے ہر قبیلہ کا ایک بت تھا۔ انہوں نے انہیں قدموں کی طرف سے سیسہ کے ساتھ چپکا رکھا تھا۔ آپ تشریف لائے تو آپ کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ آپ اس کے ساتھ ہر بت کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ جس بت کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل گر پڑتا یا گدی کے بل گر جاتا۔ دوسری روایت کے مطابق جس بت کے منہ کی طرف اشارہ کرتے وہ گدی کے بل اور جس کی گدی کی طرف اشارہ کرتے وہ منہ کے بل نیچے گر پڑتا۔ آپ نے کسی بت کو اپنا دست اقدس نہیں لگایا۔ آپ اس آیت طیبہ کی تلاوت کر رہے تھے:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (بنی اسرائیل)

اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل۔ بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا

دوسری روایت کے مطابق آپ طواف کرتے کرتے اس بت کے پاس آئے جو بیت اللہ کے دروازہ کے ایک طرف تھا جسے ہبل کہا جاتا تھا۔ یہ سب سے بڑا بت تھا۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ نے وہ قوس اس کی آنکھ پر ماری اور فرمایا "حق آ گیا ہے" پھر اسے توڑنے کا حکم دیا تو اسے توڑ دیا گیا۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان سے کہا "ہبل کو توڑ دیا گیا ہے" غزوۂ احد کے روز تمہارا گمان تھا کہ اس نے تمہاری مدد کی ہے" حضرت ابوسفیان نے کہا "ابن عوام! یہ باتیں چھوڑ دیں اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو نتیجہ اس کے برعکس ہوتا"۔

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا "یہ وہ دن ہے جس کا میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا" پھر آپ نے "إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ" تلاوت فرمائی۔ قصیدہ ہمزیہ کے مصنف نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

واستجابت له بنصر وفتح بعد ذالك الخضراء والغبراء
توالت للمصطفی الآیة الکبریٰ علیهم والغارة الشعواء
فاذا ماتلا کتابا من الله تلته کتیبته الخضراء

''نصرت اور فتح کے ساتھ آپ کی دعا مقبول ہوگئی، اس کے بعد خوشحالی اور شادابی بھی مقدر ٹھہری۔ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بہت بڑی نشانی پے در پے آئی اور پھیلے ہوئے گھوڑے بھی تھے۔ جب بھی آپ کتاب زندہ میں سے کسی آیت کی تلاوت کرتے تو غرق آہن لشکر بھی اسے تلاوت کرتا''۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے تو اپنی سواری سے نیچے اتر آئے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کو بٹھانے کے لیے مسجد حرام میں جگہ نہ پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ہاتھوں پر اترے۔ قصواء کو مسجد حرام سے باہر لے جایا گیا۔ اسے وادی میں بٹھا دیا گیا۔ پھر آپ مقام ابراہیم پر تشریف لائے، دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر زمزم کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے فرمایا ''اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ بنو عبدالمطلب پر غلبہ پالیں گے تو میں زمزم کے کنویں سے پانی کا ڈول نکالتا'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے ماء زمزم کا ایک ڈول نکالا۔ آپ نے اس سے نوش فرمایا۔ اس سے وضو بھی فرمایا۔ صحابہ کرام جلدی جلدی آپ کے وضو کا پانی حاصل کرنے لگے۔ اور اپنے چہروں پر ملنے لگے۔ مشرک یہ سہانا منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ''ہم نے آج تک اتنا بڑا بادشاہ نہیں دیکھا، نہ ہی سنا ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام کے ایک کونے میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے سر پر تلوار سونتے کھڑے تھے۔ پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ حضرت بلال، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت عثمان بن طلحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ آپ نے دو یمنی عمودوں کے سامنے دو رکعتیں پڑھیں۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے دو عمود اپنے دائیں طرف ایک عمود بائیں طرف اور تین عمود اپنے پیچھے رکھے۔ خانہ کعبہ کی عمارت چھ ستونوں پر مشتمل تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ کے اور اس دیوار کے درمیان تین ذراع کا فاصلہ تھا جسے آپ نے قبلہ بنایا تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ فتح مکہ کے دوسرے روز خانہ کعبہ کے اندر جلوہ افروز ہوئے، پھر باب کعبہ پر کھڑے ہو گئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اپنے بندۂ خاص کی نصرت کی ہے۔ گروہوں کو تنہا شکست دی ہے''۔

پھر آپ نے طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں سارے احکام کا ذکر فرمایا۔ جن میں سے بعض یہ ہیں:

''کافر کے عوض مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ دو مختلف ملتوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔ عورت کے ساتھ اس کی چچی یا خالہ پر نکاح نہیں کیا جائے گا۔ مدعی پر گواہ اور انکار کرنے والے پر قسم ہے۔ عورت تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے مگر کسی محرم کے ساتھ۔ عصر اور فجر کے بعد کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے روز روزہ نہیں رکھا جائے گا۔ پھر فرمایا ''اے گروہ قریش! آج رب تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور اپنے آباء پر فخر کو ختم کر دیا ہے۔ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں'' پھر آپ نے یہ آیت طیبہ تلاوت کی:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات)

''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے''۔

مژدہ ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے گروہ قریش! تم کیا کہتے ہو؟ تمہارا کیا گمان ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے لگا ہوں'' انہوں نے عرض کی ''بھلائی کا، کریم بھائی اور کریم بھائی کے فرزند دلبند''۔ سب سے پہلے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اسی طرح کہتا ہوں جس طرح میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: 92) تم پر کوئی گرفت نہیں۔ ''فانتم الطلقاء'' (تم آزاد ہو) یعنی تم آزاد ہو نہ تمہیں غلام بنایا جائے گا، نہ ہی تمہیں قیدی بنایا جائے گا'' قریش اس طرح باہر نکلے گویا کہ وہ ابھی ابھی قبروں سے نکلے ہوں۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اللہ رب العزت نے مکہ مکرمہ کو اس روز حرم بنایا ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی، یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے کی وجہ سے روز حشر تک حرم ہے۔ اس شخص کے لیے روا نہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اس جگہ خونریزی کرے۔ یا اس جگہ کا درخت کاٹے۔ اس میں قتال کرنا ایک ساعت کے لیے میرے لیے حلال ہوا۔ اب اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ حاضر غائب کو یہ پیغام پہنچا دے'' پھر فرمایا ''اے گروہ قریش! اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے لگا ہوں؟''۔

کلید کعبہ

جب آپ نے بیت اللہ کے اندر جانے کا ارادہ فرمایا تو کلید کعبہ کو کیسے لایا گیا؟ اس میں روایات مختلف ہیں۔ صحیح روایت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا ''چابی لے کر آؤ'' پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کی مدت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اور حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے اکٹھی ہجرت کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سلافہ بنت سعید کے پاس گئے۔ بعد میں انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس گئے تو انہوں نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''امی! مجھے چابی دے دو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چابی طلب فرما رہے ہیں'' مگر اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا ''لات و عزیٰ کی قسم! انہیں دوں گی''۔ حضرت عثمان نے کہا ''اب لات و عزیٰ کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اب معاملہ اس کے برعکس ہو گیا ہے۔ جس میں ہم

پہلے تھے۔ بخدا! چابی دے دو، ورنہ میں اور میرا بھائی قتل کر دیے جائیں گے اور تم ہماری قاتلہ ہوگی۔ اللہ کی قسم! مجھے چابی دے دو ورنہ میرے علاوہ کوئی اور آ کر چابی لے جائے گا" اس نے یہ چابی اپنے نیفہ میں داخل کر لی اور کہا "اس جگہ اپنا ہاتھ کون داخل کرے گا؟۔ امام زہری نے لکھا ہے "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے میں دیر لگا دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا انتظار کر رہے تھے۔ پسینے کے بڑے بڑے قطرات جبین اطہر سے نیچے گر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا "اسے کس نے روک رکھا ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا "اگر انہوں نے تم سے یہ چابی لے لی تو پھر کبھی تمہیں نہیں دیں گے" وہ بیٹا اور ماں یہی تکرار کر رہے تھے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی آواز سنی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے باآواز بلند کہا "عثمان! باہر نکلو" سلافہ نے کہا "نور نظر! یہ چابی لے لو۔ تمہارا اسے لینا مجھے بنو عدی اور بنو تمیم کے لینے سے زیادہ پسندیدہ ہے"۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کلید کعبہ لی اور چلنے لگے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو پاؤں پھسلا تو چابی ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔ نیچے جھکے اور اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے لیے دروازہ کھولا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چابی لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ خود کھولا۔ ممکن ہے کہ دونوں نے مل کر دروازہ کھولا ہو۔ امام فاکہی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو ابی طلحہ کا گمان تھا کہ ان کے بغیر کوئی اور خانہ کعبہ کو کھول نہیں سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس میں چابی لی اور اپنے دست اقدس سے دروازہ کھول دیا۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "ان تمام روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ جب آپ نے چابی کے ساتھ تالہ کھول دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ معاونت کی۔ انہوں نے دروازہ کو زور لگا کر آپ کے لیے کھول دیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت خانہ کعبہ کے دروازہ پر تھے۔ وہ لوگوں کو روک رہے تھے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اندر تشریف فرما تھے۔ جب آپ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو مسجد حرام میں تشریف فرما ہو گئے۔ کلید کعبہ آپ کے دست اقدس میں تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! سقایہ کے ساتھ حجابہ بھی ہمارے لیے جمع فرما دیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے تمہیں وہ منصب عطا کیا ہے جس میں تم لوگوں کے لیے اپنے اموال خرچ کرو۔ وہ سقایہ ہے۔ میں ایسا منصب نہیں دوں گا جس میں تم لوگوں سے اموال لو۔ کیونکہ تمہارا مقام و منصب اس سے کہیں بالاتر ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ بنو ہاشم کے افراد میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کلید کعبہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ہاتھ بلند کیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عثمان بن ابی طلحہ کہاں ہیں؟" انہیں بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا "عثمان! یہ چابی لے لو۔ آج وفا اور نیکی کا دن ہے"۔ اللہ رب العزت نے حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (نسائی: 58)

"بیشک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمہیں کہ (ان کے) سپرد کرو امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں"۔

امام زرقانی نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت طیبہ حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل

ہوئی۔ فتح مکہ کے روز حضور ﷺ نے ان سے خانہ کعبہ کی چابی لی۔ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو مذکورہ بالا آیت طیبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں کلید کعبہ عطا فرما دی۔ آپ نے فرمایا ''بنوابی طلحہ! اسے لے لو، تم سے ظالم کے علاوہ اور کوئی نہیں چھینے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے تو آپ اس آیت طیبہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں نے اس سے قبل آپ کو یہ آیت طیبہ تلاوت کرتے ہوئے نہیں سنا''۔

امام سیوطی نے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ یہ آیت طیبہ خانہ کعبہ کے اندر نازل ہوئی۔ ازرقی نے حضرت ابن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ''یہ چابی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لو۔ یہ اب تم سے کوئی کافر ہی چھینے گا''۔

ابن شیبہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کلید کعبہ عطا کی۔ اور فرمایا ''یہ چابی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لے لو۔ یہ میں نے تمہیں نہیں دی، بلکہ رب تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ صرف ظالم ہی تم سے چھینے گا'' ابن سعد وغیرہ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں مجھے حضور ﷺ ملے۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔ آپ نے مجھے اسلام کی طرف بلایا۔ میں نے کہا ''محمد عربی (ﷺ)! عجیب بات ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی اتباع کروں گا، حالانکہ آپ نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین اپنا لیا ہے''۔ ہم زمانہ جاہلیت میں خانہ کعبہ کو صرف سوموار اور جمعرات کو کھولتے تھے۔ ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ یہ آپ کی بعثت سے بعد کی بات ہے۔ مگر میں نے شدت سے کام لیا۔ آپ کو اندر داخل ہونے سے روک دیا۔ مگر آپ نے درگزر سے کام لیا۔ آپ نے فرمایا ''عثمان! شاید تم عنقریب دیکھو کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا'' میں نے کہا ''اس روز قریش ذلیل اور ہلاک ہو چکے ہوں گے'' آپ نے فرمایا ''نہیں بلکہ اس روز قریش کو حقیقی عزت اور شہرت نصیب ہوگی'' آپ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کا وہ فرمان میرے دل میں بیٹھ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ معاملہ اسی طرح ہوگا جس طرح آپ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ آپ صدق اور امانت کی وجہ سے معروف تھے'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اسلام قبول کر لینے کا ارادہ کیا۔ مگر میری قوم نے مجھے سختی سے جھڑک دیا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''عثمان! چابی لے آؤ'' میں نے چابی حاضر خدمت کر دی۔ پھر مجھے عنایت فرما دی اور فرمایا ''یہ چابی لے لو، یہ تم سے کوئی ظالم ہی چھینے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے گھر کا امین مقرر فرمایا ہے۔ اس گھر سے جو کچھ تمہیں ملے اسے بھلائی کے ساتھ کھاؤ'' جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا ''یہ بات میں نے تمہیں پہلے بتا نہیں دی تھی'' مجھے ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں آپ کا یہ فرمان یاد آ گیا ''شاید تم دیکھ لو گے کہ ایک روز یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا'' میں نے کہا ''ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں''۔ تفسیر ثعالبی میں سند کے بغیر لکھا ہے۔ یہ آیت طیبہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (نساء:58)

حضرت عثمان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کلید کعبہ لانے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ گھر کا دروازہ بند کر کے چھت پر چڑھ گئے۔ کہا "اگر میں جان لیتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں آپ کو نہ روکتا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر ان سے چابی لے لی۔ خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا۔ آپ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ یہ چابی انہیں عطا فرما دیں۔ اور ان کے لیے سقایہ اور سدانہ جمع کر دیں۔ پھر یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ چابی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیں اور ان سے معذرت کریں" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا "آپ نے پہلے یہ بات ناپسند کی، اذیت دی، پھر نرمی کرتے ہوئے آگئے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے آپ کے متعلق قرآن پاک اتارا ہے" انہوں نے مذکورہ بالا آیت طیبہ پڑھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں" انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حافظ ابن حجر نے اس روایت کو منکر لکھا ہے۔ مزید لکھتے ہیں "معروف یہ ہے کہ آپ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بڑھا کر چابی لینا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا "میں جان لیتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں تو میں آپ کو منع نہ کرتا" یہ ساری روایت منکر ہے۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں "اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد حضرت شیبہ نے کی ہوگی کیونکہ انہوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا، کیونکہ اس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان سے ایسے الفاظ ادا ہونا ممکن نہیں، کیونکہ وہ پہلے اسلام لے آئے تھے۔ جیسا کہ صحیح روایات سے ثابت ہے۔ یہ حضرت عثمان، ابن طلحہ بن ابی طلحہ ہیں۔ ابو طلحہ کا نام عبداللہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی بن کلاب العبدری ہے۔ طلحہ ابو عثمان غزوۂ احد کے روز کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ الحجبی اور ان کے اہل خانہ کو الحجبہ کہا جاتا ہے۔ آج کل انہیں شیبیین کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ وہ حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے چچا زاد ہیں۔

حافظ ابن حجر تحریر کرتے ہیں "ابو طلحہ کے دو بیٹے تھے ● عثمان ● طلحہ۔ جب عثمان بن طلحہ کا انتقال ہو گیا تو کلید کعبہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کو ملی جو ان کا بھتیجا تھا۔ کیونکہ عثمان بن طلحہ کی اولاد نہیں تھی۔ پھر یہ چابی شیبہ کی اولاد میں رہی۔ انہیں شیبیین کہا جاتا ہے"۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں "ان روایات میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ان کی نسل آج تک باقی ہے۔ علامہ شمس الخطاب المالکی المکی نے لکھا ہے کہ بعض مورخین کے اس قول کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کہ ان کی نسل ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں ختم ہو گئی، یہ بات غلط ہے کیونکہ امام مالک نے کہا ہے کہ خزانہ کو حجبہ کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا ہے۔ جبکہ امام مالک ہشام بن عبدالملک سے تقریباً بیس سال بعد میں پیدا ہوئے۔ ابن حزم اور ابن

عبد البر نے لکھا ہے کہ ان کے زمانہ کی ایک جماعت نے بھی یہی رقم کیا ہے۔ یہ پانچویں صدی کے نصف تک زندہ رہے۔ علامہ قلقشندی نے بھی یہی لکھا ہے۔ وہ 821ھ تک زندہ رہے۔ بعض نے ان کی نسل کے اختتام کی دلیل یہ دی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی خدمت خدام کے سپرد کر دی، لیکن یہ دلیل درست نہیں، کیونکہ خدمت کرنا یہ دوسرا منصب ہے جبکہ حجبۃ الگ منصب ہے۔ جیسا کہ امام زرقانی اور امام فاکھی نے حجبۃ کا ذکر کیا۔ پھر الخدمہ کا ذکر کیا جو ان کے مابین تغایر پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ وہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں "بعض گمراہیاں جو ہمارے آباء میں شامل ہو چکی تھیں ان سے تعجب خیز اور کوئی چیز مجھے نظر نہ آئی۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پھر بنو ھوازن کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے کہا "میں قریش کے ہمراہ حنین کی طرف جاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ مجھے موقع مل جائے اور میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید کر سکوں۔ اس طرح میں سارے قریش کی طرف سے انتقام لے لوں گا۔ آج میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اپنا انتقام لے لوں گا"۔ کیونکہ ان کا باپ، چچا اور سارے چچازاد بھائی غزوۂ احد میں مارے گئے تھے۔ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جہنم واصل کیا تھا۔ حضرت شیبہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے کہا "اگر عرب و عجم میں ہر کوئی محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کر لے میں پھر بھی آپ کی پیروی نہیں کروں گا۔ میرے اس امر میں شدت آتی گئی۔ جب غزوۂ حنین میں لوگ باہم نبرد آزما ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خچر سے نیچے تشریف لے آئے۔ میں نے اپنی تلوار سونتی اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریب ہو گیا۔ میرا ارادہ تھا جو میں نے کیا تھا۔ میں نے تلوار بلند کی، آپ پر وار کرنے ہی لگا تھا کہ بجلی کی طرح آگ کا شعلہ میری طرف لپکا۔ قریب تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ میں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے۔ تا کہ وہ چندھیا نہ جائیں۔ دوسری روایت میں ہے "جب میں نے یہ ارادہ کیا تو میرے اور آپ کے مابین آگ کی خندق اور لوہے کی دیوار حائل ہو گئی" ممکن ہے یہ سب کچھ واقع ہوا ہو۔ انہوں نے کہا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری طرف توجہ کی اور تبسم فرمایا۔ آپ میرے ارادہ سے آگاہ ہو گئے۔ مجھے صدا دی "شیبہ! میرے قریب ہو جاؤ" میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہو گیا۔ آپ نے میرے سینہ پر دست اقدس پھیرا، پھر یہ دعا مانگی "مولا!! اسے شیطان سے پناہ عطا فرما" بخدا!! اسی لمحہ آپ میری آنکھوں اور کانوں سے بھی زیادہ میرے محبوب ہو گئے۔ میری ساری عداوتیں اور رنجشیں ناپید ہو گئیں" پھر آپ نے فرمایا "قریب ہو جاؤ اور جہاد کرو" میں آپ کے آگے گیا اور شمشیر زنی کرنے لگا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی جان اور ہر چیز کو نثار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کروں۔ اگر میرا باپ زندہ ہوتا، میں اس سے ملاقات کرتا تو اسے بھی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ میں ان افراد میں سے تھا جو غزوۂ حنین کے روز ثابت قدم رہے۔ حتیٰ کہ مسلمان واپس آ گئے اور اہل شرک پر یکبارگی حملہ آور ہو گئے۔ میں نے خچر آپ کے قریب کی تو آپ اس پر سوار ہو گئے"۔

دوسری روایت میں ہے، انہوں نے فرمایا "میں غزوۂ حنین کے روز حضور ﷺ کے ہمراہ نکلا۔ میں حضور ﷺ کے ہمراہ کھڑا تھا۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں ابلق گھوڑے دیکھ رہا ہوں" آپ نے فرمایا "شیبہ! انہیں صرف کافر دیکھ رہا ہے" آپ ﷺ نے میرے سینہ پر اپنا دست ہدایت بخش مارا، پھر یہ دعا مانگی "مولا! شیبہ کو ہدایت دے"۔ آپ ﷺ نے تین بار اسی طرح کیا۔ جب آپ ﷺ نے تیسری بار میرے سینہ سے اپنا دست اقدس اٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز مجھے آپ سے محبوب نہ رہی۔ جب جنگ ختم ہوئی تو آپ اپنے خیمہ کی طرف واپس تشریف لائے۔ میں آپ کے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہاں میرے علاوہ اور کوئی داخل نہ ہوا تھا۔ میں آپ کے چہرۂ انور کی زیارت اور دیدار کر کے مسرت ابدی کا خواہاں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "شیبہ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ جو ارادہ فرمایا ہے وہ اس ارادہ سے بہتر ہے جو تم نے اپنے متعلق کیا تھا" پھر آپ نے میرے وہ عزائم آشکارا کر دیے جنہیں میں اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے تھا۔ میں نے ان کا کسی سے تذکرہ نہیں کیا تھا۔ میں نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں" میں نے عرض کی "آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں" آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے"۔

اذان بے مثال

حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر آذان دیں تاکہ اس سے مشرکین غیظ و غضب کی آگ میں جلیں۔ ابوسفیان، عتاب بن اسید یا خالد بن اسید اور حرث بن ہشام صحن حرم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب بن اسید یا خالد بن اسید نے کہا "اللہ تعالیٰ نے اسید پر کرم کیا ہے کہ وہ یہ آواز سننے کے لیے زندہ نہیں رہا۔ حارث بن ہشام نے کہا "بخدا! اگر میں جان لیتا کہ یہ حق ہے تو میں اس کی اتباع ضرور کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ناپسند ہے وہ عنقریب اسے تبدیل کر دے گا" دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "محمد عربی (ﷺ) کو اس کالے کوّے کے علاوہ اور کوئی مؤذن نہیں ملا" بنوسعید بن العاص میں سے ایک نے کہا "سعید پر رب تعالیٰ نے کرم کیا ہے وہ اس سیاہ فام کو کعبہ معظمہ کی چھت پر دیکھنے سے قبل ہی مر گیا" حکم بن ابوالعاص نے کہا "بخدا! یہ بہت بڑا واقعہ ہے کہ بنو جمح کا غلام ابوطلحہ کی تعمیر کردہ عمارت پر چیخ رہا ہے"۔ ابوسفیان نے کہا "میں تو کوئی بات نہیں کروں گا۔ اگر میں نے کوئی گفتگو کی تو یہ سنگریزے آپ ﷺ کو بتا دیں گے" حضور ﷺ ان کے پاس جلوہ افروز ہوئے۔ انہیں فرمایا "جو باتیں تم نے کیں ہیں میں انہیں جان گیا ہوں" آپ نے فرمایا "فلاں! تو نے یہ بات کی ہے۔ فلاں تو نے یہ بات کی ہے۔ فلاں! تو نے یہ بات کی ہے۔ فلاں! تو نے یوں کہا ہے" ابوسفیان نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا"۔ یہ سن کر حضور ﷺ مسکرانے لگے۔ حارث بن ہشام، عتاب بن اسید اور خالد بن اسید نے عرض کی "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بخدا! آپ کو ہم میں سے کسی ایک نے بھی یہ باتیں نہیں بتائیں"۔

کچھ قریش آذان کی نقل اتارنے لگے۔ وہ غیظ کی وجہ سے آواز بلالی کی نقل اتار رہے تھے۔ ان میں حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کی آواز سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ جب انہوں نے نقل اتارتے ہوئے اپنی آواز بلند کی تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آواز سماعت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آذان کی نقل اتاری، ان کا گمان تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو مس فرمایا، اپنا دست حق نما ان کے سینہ پر پھیرا۔ انہوں نے فرمایا "بخدا! میرا دل ایمان اور یقین سے بھر گیا۔ میں جان گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں آذان دینے کی ڈیوٹی ان کے سپرد کی، پھر وہ اہل مکہ کے لیے آذان دیتے رہے۔ اس وقت ان کی عمر سولہ برس تھی۔ ان کے بعد ان کی اولاد نسل در نسل خانہ کعبہ کی مؤذن رہی۔ جب کعبہ معظمہ کی چھت پر اذان بلالی گونجی تو جویرہ بنت ابی جہل نے کہا "بخدا! ہم اپنے رشتہ داروں کے قتل کو پسند نہیں کرتے۔ میرے باپ کے پاس بھی وہی نبوت آئی جو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئی۔ اس نے اسے لوٹا دیا اور اپنی قوم سے اختلاف پسند نہ کیا"۔ پھر حضرت جویرہ رضی اللہ عنہا نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام عمدہ کیا۔

فتح مکہ کے روز آپ کے پاس سائب بن عبداللہ مخزومی یا عبداللہ بن سائب یا سائب بن عوام یا قیس بن سائب بن عوام آیا۔ بعثت سے قبل یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر گلہ بانی کرتا تھا۔ انہوں نے کہا "جب میں نے اسلام قبول کیا تو عثمان وغیرہ میری ستائش کرنے لگے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے ان کے متعلق نہ بتاؤ، یہ میرے ساتھی تھے" دوسری روایت میں ہے "جب میں آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا "میرے ساتھی اور میرے بھائی کو خوش آمدید! جو نہ شک کرتا تھا، نہ فریب کرتا تھا۔ تم زمانہ جاہلیت میں اعمال سرانجام دیتے تھے۔ جنہیں تم سے قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ اعمال آج تم سے قبول کر لیے جائیں گے"۔

حضرت فضالہ بن عمیر رضی اللہ عنہ

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا عزم کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف طواف تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب تشریف لے گئے تو فرمایا "فضالہ! انہوں نے عرض کی "ہاں! یارسول اللہ! فضالہ ہوں" آپ نے فرمایا "دل میں کیا عزم کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا "کچھ بھی نہیں۔ میں رب تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے، پھر فرمایا "اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو" پھر اپنا دست اقدس ان کے سینہ پر رکھا، ان کا دل پرسکون ہو گیا۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جونہی آپ نے اپنا دست اقدس میرے سینہ سے ہٹایا آپ مجھے رب تعالیٰ کی ساری مخلوق سے محبوب ہو گئے"۔

سیرت ابن ہشام میں ہے۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس کے بعد اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ آیا، میں اس عورت کے پاس سے گزرا جس کے ساتھ بیٹھ کر میں باتیں کیا کرتا تھا۔ اس عورت نے کہا "آؤ! بیٹھیں" میں نے کہا "ہرگز نہیں! ان کی زبان پر فی البدیہہ یہ اشعار رواں ہو گئے۔

قالت هلم الى الحديث فقلت لا ... يابى على الله والاسلام

لوما رأيت محمدا وقبيله ... بالفتح يوم تكثر الاصنام

لرأيت دين الله اضحى بينا ... والشرك يغشى وجهه الاظلام

''اس عورت نے کہا: فضالہ! آؤ باتیں کریں۔ میں نے کہا: ہرگز نہیں، اب اللہ رب العزت اور اسلام مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ کاش! تو فتح مکہ کے روز محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو دیکھ لیتی جس روز بتوں کو پاش پاش کر دیا گیا تھا۔ اس روز تو دیکھتی کہ دین الٰہی عیاں اور واضح ہو گیا۔ اور شرک کے منحوس چہرے کو ظلمتیں ڈھانپ رہی تھیں''۔

حضرت ابو قحافہ کا مشرف باسلام ہونا

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مشرفہ سے باہر تشریف لائے تو مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے اور اپنے والد گرامی حضرت عثمان کو لے آئے۔ ان کی کنیت ابو قحافہ تھی۔ ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لے آئے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا ''آپ نے بزرگ کو اپنے گھر ہی کیوں نہ چھوڑ دیا، حتیٰ کہ میں وہیں آ جاتا'' دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''آپ اس بزرگ کو اپنے گھر ہی رہنے دیتے تو ہم حضرت ابوبکر کی عزت و تکریم کے لیے ان کے گھر ضرور جاتے'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ بجائے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جائیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اپنا دست اقدس ان کے سینہ پر رکھا اور فرمایا ''اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے'' وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بیٹا زندہ نہ رہا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کے مشرف باسلام ہونے کی مبارک باد دی۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی ''مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ابو طالب کا اسلام لانا مجھے حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے زیادہ پسند اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتا۔ اس لیے کہ ابو طالب کے اسلام میں آپ کی چشمان مقدس کے لیے زیادہ ٹھنڈک تھی'' حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کی داڑھی اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ سفیدی تبدیل کر دو اور انہیں کالے کر دو'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے اس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا بھی اسلام لے آئیں تھیں۔ اسی طرح آپ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی اسلام لے آئے تھے۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام میں سے کوئی ایسی ہستی نہیں جس کے والدین، بہن، ساری اولاد نے اسلام قبول کیا ہو۔ آپ کے تین فرزند ● حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ سب سے بڑے تھے۔ یہ آپ کے عہد خلافت کے آغاز میں ہی وصال کر گئے ● حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ● حضرت محمد رضی اللہ عنہ۔ یہ حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تین نوران نظر تھیں ● حضرت اسماء رضی اللہ عنہا۔ یہ سب سے بڑی تھیں۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں ● حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں ● حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ جب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو یہ اپنی والدہ کے بطن میں تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی نور نظر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "تمہاری دو بہنیں اور دو بھائی ہیں" حضرت ام المومنین حضرت اسماء کے علاوہ کسی اور بہن کو نہیں جانتی تھیں۔ انہوں نے یہ سوال اپنے والد گرامی سے کیا تو انہوں نے مذکورہ حمل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا "میرا گمان ہے کہ وہ بچی ہے" یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی کرامت تھی۔ بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت طیبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی:

رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ (الاحقاف)

"اے میرے رب مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لیے میری اولاد میں راسخ فرمادے۔ بیشک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ پس وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے۔ یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے وہ گھرانہ جس میں لگاتار چار نسلوں کو صحابیت کا شرف نصیب ہوا ہو وہ صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کاشانہ اقدس ہے۔ حضرت ابوقحافہ، ان کے لخت جگر حضرت ابوبکر صدیق، ان کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن اور ان کے نور چشم حضرت محمد رضی اللہ عنہم کو صحابیت کا شرف ابدی نصیب ہوا۔ جس نے اس گھرانہ کے علاوہ کسی اور کی طرف یہ شرف منسوب کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ مثلاً حضرت زید بن حارثہ، ان کے والد حضرت حارثہ، ان کے فرزند اسامہ بن زید اور حضرت اسامہ کے لخت جگر رضی اللہ عنہم۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت اسامہ کے فرزند دلبند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی یا کہ نہیں۔ مگر کاشانہ صدیقیہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کی لگاتار چار نسلوں کو شرف صحابیت نصیب ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ دوشِ نبوت پر

ابھی تک وہ بت باقی تھے جو خانہ کعبہ کی چھت پر تھے۔ ان میں سے ایک بنوخزاعہ کا بت تھا جو کعبہ مشرفہ کی چھت پر تھا۔ جو تانبے یا پیتل کا تھا۔ اسے لوہے کے کیلوں کے ساتھ لگایا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ اسے نیچے گرادیں۔ انہوں نے نیچے گرا کر اسے ریزہ ریزہ کردیا۔ اہل مکہ اس پر تعجب کرنے لگے۔

امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے۔ کعبہ مشرفہ کے پاس پہنچے تو

فرمایا "نیچے بیٹھ جاؤ"۔ میں نیچے بیٹھ گیا۔ آپ میرے کندھے پر چڑھ گئے۔ پھر فرمایا "اوپر اٹھو" میں اوپر اٹھا۔ جب آپ ﷺ نے میری کمزوری ملاحظہ کی تو فرمایا "بیٹھ جاؤ" میں بیٹھ گیا۔ پھر فرمایا "علی! میرے شانۂ اقدس پر سوار ہو جاؤ" میں آپ کے شانۂ اقدس پر سوار ہو گیا۔ مجھے یوں لگا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کے افق کو چھولوں۔ میں کعبہ مشرفہ کے اوپر چڑھ گیا۔ آپ ﷺ نیچے سے ہٹ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "بڑے بت کو نیچے گرادو"۔ میں اسے اکھیڑتا رہا حتیٰ کہ اسے نیچے گرانے میں کامیاب ہو گیا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

یارب بالقدم الی اوطأتها　　من قاب قوسین المحل الاغطما

وبحرمة القدم التی جعلت لها　　کتف المؤید بالرسالة سلما

ثبت علی متن الصراط تکرما　　قدمی وکن لی منقذا او مسلما

واجعلها ذخری فمن کانا له　　ذخرا فلیس سخاف قط جهتما

"مولا! اس مبارک قدم کے طفیل جسے میں نے اپنے اوپر سوار کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جس کی شان قاب قوسین کی طرح بلند و برتر ہے۔ وہ مبارک قدم جسے میں نے رسالت کی تائید کے لیے سیڑھی بنایا تھا۔ پل صراط کے وسط میں یہ قدم ثابت فرما اور مجھے بچانے والا بن جا۔ میرے لیے انہیں ذخیرہ بنا جس کے لیے ذخیرہ ہو وہ کمزور اور ناتواں نہیں ہو سکتا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم ﷺ مکہ معظمہ تشریف لائے تو بیت اللہ کے اندر جانے سے انکار کر دیا۔ اس میں معبودان باطلہ تھے۔ انہیں متفرق شکلوں پر بنایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا تو سارے بتوں کو باہر نکال کر پھینک دیا گیا" دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ معظمہ میں آئیں اور کعبہ مقدسہ کے اندر ساری تصاویر مٹا دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس وقت وادیٔ بطحاء میں تھے۔ حضور ﷺ اس وقت تک خانہ کعبہ کے اندر تشریف نہ لے گئے حتیٰ کہ ساری تصاویر مٹا دی گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ساری تصاویر مٹا دیں۔ انہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصاویر باہر نکالیں۔ ان کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ جن کے ساتھ وہ فال گیری کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ ان مشرکین کو برباد کرے۔ بخدا! یہ جانتے تھے کہ ان حضرات قدسیہ نے کبھی بھی فال گیری نہیں کی" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ حضور اکرم ﷺ اندر تشریف لے گئے تو اسے دیکھا تو فرمایا "عمر! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ ایک تصویر بھی نہیں چھوڑنا۔ رب تعالیٰ ان مشرکین کو قتل کرے۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا بزرگ بنا دیا ہے جو تیروں سے فال گیری کرتا تھا" پھر آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر دیکھی تو فرمایا "ساری تصاویر مٹا دو۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جو ایسی اشیاء کی تصویر بنائے جسے وہ تخلیق نہ کر سکے" حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ وہاں تصاویر دیکھیں۔ آپ نے پانی منگوایا اور انہیں مٹانے

لگے" اس روایت کو اس مفہوم پر محمول کیا جائے گا کہ پہلے مٹائی گئی تصاویر کے کچھ اثرات باقی تھے جو آپ نے مٹا دیے۔

بعض سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی تصاویر باقی تھیں یا ان کے بعض اثرات باقی تھے۔ حتیٰ کہ انہیں غسان کے نصاریٰ میں سے کسی ایک نے دیکھ لیا۔ اس نے کہا "اب تم ان عربی شہروں میں آگئے ہو" جب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے خانہ کعبہ کو تعمیر نو کے لیے گرایا تو کسی تصویر کا اثر باقی نہ رہا۔

پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا "جو بھی رب تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ گھر میں کوئی بھی بت نہ چھوڑے۔ مگر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے" سارے لوگوں نے اپنے گھروں میں موجود سارے بت توڑ ڈالے۔ حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا اس بت کی طرف گئیں جو ان کے گھر میں موجود تھا۔ وہ اسے مارنے لگیں اور کہنے لگیں "ہم نے تجھ سے بہت دھوکے کھائے ہیں" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بتوں کو توڑنے کے لیے سرایا بھیجے۔ یہ بت مکہ مکرمہ کے اردگرد متفرق جگہوں پر تھے۔ مشرکین نے ان کے لیے گھر بنا رکھے تھے۔ وہ ان کی تعظیم بجالاتے۔ انہیں ہدیہ دیتے اور ان کے اردگرد طواف کرتے تھے۔ جس طرح کہ خانہ کعبہ کے اردگرد طواف کیا جاتا تھا۔ ہر قبیلہ کا ایک بت تھا۔ ان میں عزیٰ، مناۃ اور سواع بھی شامل تھے۔ ان کا تذکرہ سرایا میں آئے گا۔

فتح مکہ کے دوسرے روز بنو خزاعہ نے بنو ہذیل کے ایک شخص پر حملہ کر دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ مشرک تھا۔ نماز ظہر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ پشت انور خانہ کعبہ کے ساتھ لگائی۔ دوسری روایت کے مطابق اپنی مبارک سواری پر سوار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو اس روز سے حرم قرار دیا ہے۔ جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی۔ جس روز اس نے شمس وقمر کو بنایا۔ اس نے یہ دو پہاڑ تخلیق کیے۔ یہ روز حشر تک حرم ہے۔ اس شخص کے لیے اس میں خونریزی حلال نہیں۔ جو رب تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ نہ ہی اس کا درخت کاٹے، نہ کسی کے لیے پہلے جائز تھا اور نہ میرے بعد جائز ہوگا۔ یہ صرف ایک ساعت کے لیے میرے لیے حلال ہوا ہے۔ یعنی یوم فتح کی صبح سے لے کر عصر تک۔ پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ تم میں سے حاضر غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔ جو تم سے کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قتل کیا تھا تو اسے کہو کہ رب تعالیٰ نے اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اسے حلال کیا تھا، اس نے تمہارے لیے حلال نہیں کیا"۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے گروہ خزاعہ! مکہ مکرمہ میں اسلحہ اٹھا کر چلنا حلال نہیں۔ اب قتل سے ہاتھوں کو روک لو۔ بہت زیادہ قتل ہو چکا ہے۔ جس نے میرے یہاں قیام کے بعد اور قتل کیا تو اس کے وارثین کو اختیار ہے اگر چاہیں تو اس کے قاتل کو قتل کر دیں، اگر چاہیں دیت لے لیں" پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی دیت ادا کر دی جسے بنو خزاعہ نے قتل کیا تھا۔ وہ ابن الاقراع الہذلی تھا۔ یہ بنو بکر کے ساتھ تھا۔ یہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو یہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ بنو خزاعہ نے اسے پہچان لیا۔ انہوں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ ان میں سے خراش خزاعی نے نیزے کا پھل اس کے پیٹ میں مارا اور اسے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برا بھلا کہا، پھر فرمایا "اگر میں کسی مسلمان کو کافر کے عوض قتل کرتا تو خراش کو قتل کر دیتا" فتح

مکہ کے دن آپ ﷺ نے فرمایا "آج کے بعد روز حشر تک مکہ مکرمہ پر لشکر کشی نہیں ہوگی" یعنی یہ قتال اس لیے نہیں ہوگا کہ اہل مکہ اسلام لے آئیں۔

علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مکہ مکرمہ صلح کے ساتھ فتح ہوا یا بزور شمشیر؟ اکثر علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے بزور بازو فتح کیا گیا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ صلح کے ساتھ فتح ہوا۔ بعض علماء نے ان روایات کو جمع کرنے کی اس طرح سعی جمیل کی ہے کہ مکہ مکرمہ کا بالائی حصہ صلح کے ساتھ فتح ہوا۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں سے سپہ سالار اعظم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں نزول اجلال فرمایا اور اس کا زیریں حصہ بزور شمشیر فتح ہوا۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جس جگہ سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تھے۔

مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے ایک روز قبل حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کل آپ کس جگہ نزول اجلال فرمائیں گے۔ کیا آپ اپنے کاشانہ اقدس میں جلوہ افروز ہوں گے" حضور ﷺ نے فرمایا "کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے۔ عقیل، ابو طالب کے وارث بنے۔ طالب بھی ان کے وارث بنے، مگر حضرت علی اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہما ان کی کسی چیز کے وارث نہ بنے کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان پر فضل وکرم کرتے ہوئے اور تالیف قلب کرتے ہوئے اپنا حصہ ان کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ پھر حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ مگر طالب میدان بدر میں مفقود ہو گئے۔ یہ مشرکین کے ساتھ تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ایک جن نے انہیں اٹھا لیا تھا۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کو فتح کرائے گا تو ہمارا قیام الخیف میں ہوگا۔ دوسری روایت میں خیف بنی کنانہ کا ذکر ہے۔ جہاں انہوں نے کفر پر قسمیں اٹھائی تھیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قریش اور کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ ان میں نکاح کریں گے اور نہ ہی ان کے ساتھ خرید وفروخت کریں گے حتیٰ کہ وہ نبی کریم ﷺ کو ان کے سپرد کر دیں" حضور اکرم ﷺ نے اس جگہ قیام فرما ہونے کا اس لیے فیصلہ فرمایا تاکہ آپ کو وہ آزمائش یاد آجائے جس سے آپ کو گزرنا پڑا تھا اور اس فتح عظیم پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ نیز یہ کہ آپ ایک فاتح اور غالب کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ اس شخص کو ذلیل ورسوا کرتے ہوئے جس نے آپ کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔ نیز ان لوگوں کو معاف کرنے میں مبالغہ کریں جنہوں نے آپ کے ساتھ برائی کی تھی۔ اور احسان کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں۔ یہ رب تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ کے گھر ملاحظہ کیے تو آپ ٹھہر گئے۔ اللہ رب العزت کی حمد وثنا بیان کی، اپنے خیمہ کی طرف دیکھا تو فرمایا "جابر! یہ ہماری قیام گاہ ہے۔ اسی جگہ قریش نے ہمارے ساتھ معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مجھے وہ حدیث طیبہ یاد آگئی جسے میں نے آپ سے سننے کی سعادت حاصل کی تھی کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں مکہ مکرمہ پر فتح یابی عطا فرمائے گا تو ہمارا قیام خیف بنی کنانہ میں ہوگا۔ اس جگہ قریش مکہ نے ہمارا معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا" حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ نے اسی طرح فرمایا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم

ﷺ نے یوم النحر کو فرمایا، اس وقت آپ منیٰ میں تشریف فرما تھے "کل ہم خیف بنی کنانہ میں فروکش ہوں گے، جس جگہ قریش نے ہمارے ساتھ معاشرتی مقاطع کیا تھا"۔

انصار کے وسوسہ کا ازالہ

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کوہِ صفا پر جلوہ نما ہوئے۔ جہاں سے بیت اللہ نظر آتا تھا۔ اپنے ہاتھ مبارک بلند کیے اور کھڑے ہو کر دعا مانگنے لگے۔ انصار آپ کے اردگرد حاضر خدمت تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "کبھی کسی شخص کو اپنے شہر کی رغبت اور اپنے قبیلہ کی محبت آ ہی لیتی ہے" ان کی اس بات کے بارے حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اپنا سر اقدس بلند کیا: فرمایا "اے گروہ انصار! تم نے کہا ہے کہ آدمی کو اس کے شہر کی محبت اور قبیلہ کی الفت آ ہی لیتی ہے" انہوں نے عرض کی "ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم نے یہ بات کی ہے" آپ نے فرمایا "میں اگر اس طرح بے وفائی کروں تو میرا کوئی نام نہیں ہے۔ میرا نام کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میرا وصف بیان کیا جاتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس طرح کبھی نہیں کروں گا، میں اللہ رب العزت کا بندہ (خاص) اور اس کا رسول (مکرم) ہوں۔ میں نے رب تعالیٰ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی تمہاری زندگیوں کے ساتھ اور میرا وصال تمہارے انتقال کے ساتھ ہے" انصار حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ وہ زار وزار رو رہے تھے۔ وہ عرض کناں تھے "ہم نے یہ بات اللہ رب العزت اور اس کے رسول محترم ﷺ کی محبت کی وجہ سے کی ہے۔ ہم برداشت نہیں کر سکیں گے کہ حضور اکرم ﷺ ہمارے شہر کے علاوہ کسی اور جگہ جلوہ افروز ہوں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ نے تمہارا عذر قبول کر لیا ہے اور تمہاری تصدیق کی ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق انصار نے ایک دوسرے سے کہا "تمہارا کیا گمان ہے کہ اب رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان کا شہر فتح کرا دیا ہے، کیا اب آپ اپنے شہر میں ہی ٹھہریں گے" جب حضور ﷺ اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا "تم نے ابھی کیا کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی" کچھ نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ حضور ﷺ لگاتار اصرار فرماتے رہے حتیٰ کہ انصار نے وہ بات بتا دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ کی پناہ! حیات مطہرہ تمہاری زندگیوں کے ساتھ اور وصال تمہارے ساتھ ہے" بیعۃ العقبہ کے متعلق بھی اسی طرح گزر چکا ہے۔ اس وقت انصار نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ایسا نہ ہو کہ ہم آپ کی مدد کریں، جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا کرے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس آ جائیں" یہ سن کر حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے، پھر فرمایا "الدم الدم، الهدم الهدم"۔

مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت

حضور اکرم ﷺ نے قریش کے تین افراد سے قرض حاصل کیا۔ صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار دراہم قرض لیا۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ سے چالیس ہزار بطور قرض لیے۔ خویطب بن عبدالعزیٰ سے بھی

چالیس ہزار دراہم بطور قرض لیے۔ انہیں اپنے کمزور صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا۔ پھر بنو ہوازن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے یہ قرض ادا کر دیا۔ آپ نے مکہ مکرمہ میں انیس روز یا اٹھارہ روز قیام فرمایا۔ امام بخاری نے اٹھارہ روز کے قیام کا قول اعتماد کے ساتھ لکھا ہے۔ اس مدت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز قصر ادا کرتے رہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو ہوازن کی طرف تشریف لے جانا چاہتے تھے، کیونکہ آپ کو خبر مل چکی تھی کہ وہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ آپ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں اپنا عامل مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر اکیس برس تھی۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔ ان کے ہمراہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا۔ جو لوگوں کو فرائض اور سنن کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے لیے روزانہ کا ایک درہم مقرر فرمایا۔ وہ فرمایا کرتے تھے "ایک درہم سے جس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اللہ تعالیٰ اسے سیر شکم نہ کرے" دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا تو فرمایا "اے لوگو! جو شخص روزانہ ایک درہم وظیفہ کے باوجود بھوکا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا پیٹ نہ بھرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر روز میرا ایک درہم مقرر کیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں" یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک اپنے اس منصب پر رہے۔ اور اسی روز وصال فرمایا جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے داعی اجل کو لبیک کہا"۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں اس منصب پر برقرار رکھا۔ یہ اکیس ہجری تک زندہ رہے۔ ان کا وصال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو اس لیے عامل مقرر کیا کیونکہ آپ نے ان کے والد اسید کو خواب میں دیکھا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور آپ نے اسے مکہ مکرمہ کا عامل بنا دیا ہے۔ مگر اس کو حالت کفر میں موت آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ اس کے فرزند عتاب رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا عامل بنا دیا۔ ان کا شمار فضلاء اور عبادت گزار صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عامل بنایا تو فرمایا "جاؤ! میں نے تمہیں اہل اللہ پر عامل بنا دیا ہے" آپ نے تین بار اسی طرح فرمایا" دوسری روایت کے مطابق انہیں فرمایا "عتاب! جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کن لوگوں پر عامل بنایا ہے۔ میں نے اہل اللہ پر تمہیں عامل بنایا ہے۔ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار اسی طرح فرمایا۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کفار پر سخت تھے۔ جبکہ اہل ایمان پر بڑے نرم خو تھے۔ وہ فرماتے تھے "بخدا! میں نہیں جانتا کہ نماز کی جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کے ساتھ کیا کروں، سوائے اس کے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ کیونکہ جماعت سے پیچھے صرف منافق رہتا ہے" اہل مکہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے اہل مکہ پر حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر فرمایا ہے جو اعرابی ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ جنت کے دروازہ کے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے دروازہ کی دہلیز کو پکڑا اور اسے زور سے ہلایا، حتیٰ کہ باب جنت ان کے لیے کھول دیا گیا۔ وہ اس میں داخل ہو گئے" اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اسلام کی نصرت فرمائی۔ کیونکہ انہوں نے اس شخص کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی جو ان پر ظلم کرنے کا ارادہ رکھتا تھا"۔ حضرت ابن جوزی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو اس وقت عامل بنایا جب آپ ہوازن کے ساتھ جہاد کرنے

کیلئے جارہے تھے۔ دیگر علماء نے تحریر کیا ہے کہ آپ نے انہیں غزوۂ طائف کے بعد اور عمرۃ الجعرانہ کے بعد عامل بنایا۔ جب آپ نے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ان روایات میں اختلاف نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے جب آپ مدینہ طیبہ جانے لگے تو آپ نے انہیں اس منصب پر برقرار رکھا ہو۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند تھے۔ جن کا نام عبدالرحمن تھا، انہیں یعسوب قریش کہا جاتا تھا۔ یہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑے۔ اور شہید ہو گئے۔ گدھ نے ان کا ہاتھ اٹھایا اور مکہ مکرمہ میں پھینک دیا۔ وہاں کے مکینوں نے انہیں ان کی انگوٹھی سے پہچان لیا۔ انہوں نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کر دیا''۔

غزوہ فتح مکہ کے بارے شعراء کرام نے بہت سی طبع آزمائی کی ہے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

صرعت قومه حبائل بغی مدها المكر منهم والدهاء
فاتتهم خيل الى الحرب تختال وللخيل فى الوغى خيلاء
قصدت منهم القنا فتوالى الى طعن منها ما شانه الابطاء
واثارت بارض مكه نقعا ظن ان الغدو منها عشاء
احجمت عنده الحجون والكدى دون اعطائه القليل كداء
ودهت اوجها بها وبيوتا مل منها الاكفاء والاقواء
فدعوا احلم البريه والعفو جواب الحليم والاغضاء
ناشدوه القربى التى من قريش قطعتها الترات الشحناء
فعفا عفو قادر لم ينغصه عليهم بما مضى اعزاء
وسواء عليه فيما اتاه من سواء الملام والاطراء
قام لله فى الامور فارضى الله منه تباين ووفاء
وا ذا كان القطع والوصل لله تساوى التقريب الاقصاء
ولو ان انتقامه ليهوى النفس لدامت قطيعة وجفاء
فعله كله جميل وهل ينضح الا بماحواه الاناء

''ظلم کے جالوں نے اس کی قوم کو شکار کر لیا۔ مکر وفریب اور عمدہ رائے نے اسے طول دیا۔ تکبر کرتے ہوئے گھوڑے جنگ کی طرف آئے۔ میدان جنگ میں گھوڑے تکبر ہی کرتے ہیں۔ میں نے انہیں نیزہ مارا جوان کی گردن کے پیچھے لگا۔ لگاتار نیزہ بازی نے کوئی شکایت نہ کی۔ سرزمین مکہ میں گردوغبار اڑنے لگا۔ گمان ہونے لگا کہ اس کی صبح گویا کہ عشاء ہے۔ اس گردوغبار میں حجون کی وادی بھی چھپ گئی اور کداء کے تھوڑے سے لوگ بھی فرمانبردار بن گئے۔ ان گھوڑوں نے لوگوں کو اور گھروں کو برباد کر دیا، اس سے شکست خوردہ لوگ اکتا گئے۔ انہوں نے ساری

کائنات سے زیادہ حلیم ذات کو پکارا، عفو اور چشم پوشی ہی حلیم شخص کا جواب ہوتا ہے۔ انہوں نے اس رشتہ داری کا واسطہ دیا جو قریش کے ساتھ تھی۔ جسے قتل اور بغض نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ آپ نے انہیں قادر شخص کی مانند معاف کر دیا، ان کی گزشتہ اذیتوں نے آپ کو ان سے انتقام لینے پر نہ ابھارا۔ آپ نے ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس میں ملامت اور مدح میں مبالغہ آپ کے لیے برابر تھا۔ آپ نے سارے امور رب تعالیٰ کے لیے سرانجام دیے۔ آپ نے کفار کے ساتھ قطع تعلقی اور اہل ایمان کے ساتھ وفاء سے رب کی رضا ہی حاصل کی۔ جب یہ قطع تعلقی اور صلہ رحمی رب تعالیٰ کے لیے ہو تو اس میں قریب اور بعید برابر ہوتا ہے۔ اگر یہ انتقام خواہش نفس کے لیے ہوتا تو قطع رحمی اور جفاء ہمیشہ کے لیے ہوتی۔ آپ کے سارے افعال زیبا ہیں۔ برتن میں سے وہی کچھ نکلتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے"۔

علامہ ابو محمد عبداللہ بن ابی زکریا یحییٰ بن علی السقر اطی نے اپنے مشہور قصیدہ میں کیا خوب لکھا ہے۔ غزوۂ بدر پر لکھنے کے بعد انہوں نے فتح مکہ پر اٹھائیس اشعار لکھے ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں غزوات بہت عظیم تھے۔ غزوۂ بدر پہلا غزوہ تھا جس میں رب تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی۔ فتح مکہ کے روز رب تعالیٰ نے آپ کو مکہ مکرمہ کے باشندوں پر غلبہ عطا فرمایا۔ یہ ساری روئے زمین سے افضل قطعہ زمین ہے۔ اس دن آپ کو اس شہر میں غلبہ نصیب ہوا جس میں آپ کو بہت سی اذیتیں دی گئیں۔ اس کے بعد لوگ دین متین میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔ انہوں نے لکھا ہے:

ویوم مکۃ اذا شرفت فی امم	تضیق عنها فجاج الوعث والسهل
خوافق ضاق ذرع الخافقین بها	فی قاتم من عجاج الخلیل والابل
وجحفل قذف الأرجاء ذی لجب	عرمرم کنهاء السیل منسحل
وانت صلی علیك الله تقدمهم	فی بهو اشراق نور منك مکتمل
ینیر فوق أغر الوجه منتجب	متوج بعزیز النصر مقتبل
یسموا أمام جنودالله مرتدیا	ثوب الوقار لأمر الله ممتثل
خشعت تحت بها العزجین سمت	بلك المهابة فعل الخاضع الوجل
وقد تباشر أملاك السماء بما	ملکت اذ نلت منه غایة الأمل
والارض ترتجف من زهو ومن فرق	والجویزهر اشراقا من الجدل
والخیل تختال زهوا فی اعنتها	والعیش تنثال زهواً فی ثنی الجدل
لولا الذی خطت الأقلام من قدر	وسابق من قضاء غیرذی حول
أهل ثهلان بالتهلیل من طرب	وذاب یذبل تهلیلا من الذبل
الملك لله هذا عزمن عقدت	له النبوة فوق العرش فی الأزل
شعبت صدع قریش بعدما قذفت	بهم شعوب شعاب السهل والقلل

قالوا محمد قد زادت كتائبه كالاسد تزأر في أنيابها العصل

فوق مكة من آثار وطأته وويل أم قريش من جوى الهبل

فجدت عفوا بفضل العفو منك ولم تلمم ولا بأليم اللوم والعذل

أضربت بالصفح صفحا عن طوائلهم طولا أطال مقيل النوم في المقل

رحمت واشج أرحام أتيح لها تحت الوشيج نشيج الروع والوجل

عاذوا بظل كريم العفو ذي لطف مبارك الوجه بالتوفيق مشتمل

أزكى الخليقة أخلاقا وأطهرها وأكرم الناس صفحا عن ذوي الزلل

زان الخشوع وقارمنه في خفر أرق من خفر العذراء في الكلل

وطاف بالبيت محبورا وطاف به من كان عنه قبيل الفتح في شغل

والكفر في ظلمات الرجس مرتكس ثاو بمنزلة البهموت من زحل

حجزت بالأمن أقطار الحجاز معا وملت بالخوف عن حيف وعن ملل

وحل أمن ويمن منك في يمن لما أجابت الى الايمان عن عجل

وأصبح الدين قد حفت جوانبه بعزة النصر واستولى عن الملل

قد طاع منحرف منهم لمعترف وانقاد منعدل منهم لمعتدل

أحبب بخلة أهل الحق في الخلل وغز دولته الغراء في الدول

''فتح مکہ کے روز جب آپ ان اقوام پر غالب آئے جن کے لیے وسیع میدان اور کھلی وادیاں تنگ ہو گئیں تھیں۔ وہ جھنڈوں والی اقوام تھیں، اونٹوں اور گھوڑوں کی گردوغبار کی وجہ سے دونوں افق کی وسعت ان کے لیے تنگ ہو گئی تھی۔ وہ ایک لشکر جرار تھا، جس نے دور کے کنارے آواز سے بھر دیے تھے۔ وہ لشکر ایک سیلاب کی مانند تھا جو باہم مل کر چل رہا تھا۔ آپ ﷺ ان کے آگے آگے تھے۔ آپ ایک ایسا پیکر حسن تھے جس کے اردگرد نور مکمل چھایا ہوا تھا۔ یہ نور روشن چہرہ کے اوپر ضوفشاں تھا جو چہرہ پاک اور کریم تھا۔ اس نے ایسا غالب نصرت کا تاج پہن رکھا تھا جو لگاتار نصرت کی علامت تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کے سامنے اس حال میں بلند ہو رہا تھا جس نے اللہ کے حکم کے مطابق وقار کا لباس پہن رکھا تھا۔ آپ نے عزت کے حسن کے نیچے اس وقت عاجزی کی جب رعب آپ کو بلند کر رہا تھا۔ یہ جھکنے والی اور ڈرنے والی ذات کا فعل تھا۔ آسمان کے ملائکہ نے اس وجہ سے ایک دوسرے کو بشارت دی، جب آپ نے اپنی انتہائی آرزو پوری کر لی۔ زمین رعب ودبدبہ کی وجہ سے لرزہ براندام تھی۔ فضا فرحت وسرور کے نور سے معمور تھی۔ اگر وہ نوشتہ تقدیر نہ ہوتا جسے قلموں سے تحریر کر دیا ہے اور وہ قضاء نہ ہوتی جسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا تو ثہلان خوشی سے کلمہ طیبہ پڑھتا اور یذبل پہاڑ خوف وڈر کی وجہ سے پگھل جاتا۔ سلطنت اللہ رب العزت کے لیے

ہے۔ یہ صرف اس ہستی والا کے لیے ہے، ازل میں عرش معلی پر جس کے لیے نبوت کا تاج سجایا گیا۔ آپ نے قریش کی شیرازہ بندی کی، حالانکہ اسے قبائل نے گھاٹیوں اور چوٹیوں پر پھینک دیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لشکر جمع کیے ہیں جو شیروں کی طرح ہیں۔ جو اپنے جبڑوں سے سخت آواز نکالتے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری سے اہل مکہ کو اپنی ہلاکت کا خدشہ تھا۔ ام قریش کو اپنے غم زدوں کی وجہ سے بربادی کا یقین تھا۔ مگر آپ نے انتہائی درگزر کرتے ہوئے عفو سے کام لیا۔ مگر آپ نے نہ تو ان کے ساتھ مقابلہ کیا۔ نہ ہی رسواء کیا، بلکہ معاف کر دیا۔ آپ نے ان کے کبیرہ گناہوں سے بھی اعراض فرمایا۔ اسی درگزر کی وجہ سے انہوں نے بڑے آرام سے قیلولہ کیا۔ وہ لوگ جن پر آپ نے رحم فرمایا اور جنہیں امان دی وہ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ انہوں نے لطف و کرم والے درگزر کے سایہ میں پناہ لی۔ جن کا چہرہ مبارک اور توفیق الٰہی ان کے شامل حال تھی۔ وہ اخلاق کے اعتبار سے ساری دنیا سے پاکباز اور پاکیزہ ہیں اور حق سے منحرف ہونے والے کے لیے سارے لوگوں سے بڑھ کر راہ نما ہیں۔ مسرت اور حیاء کی وجہ سے وقار نے آپ کے خشوع کو مزین کیا۔ آپ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ آپ نے کثرت اور شادمانی کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ نے اس مقدس گھر کا طواف کیا جس سے فتح مکہ سے پہلے آپ کو روک دیا گیا تھا۔ کفر ناپاکی کی تاریکیوں میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ وہ زحل سے بہموت (مچھلی کا نام) پر آ گرا۔ وہیں مقیم ہو گیا۔ آپ نے حجاز کے اطراف کو امن کے ساتھ روک دیا۔ آپ نے خیف اور ملل سے کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ آپ کی وجہ سے یمن میں بھی یمن و برکت نازل ہوئی۔ جب وہاں کے باشندوں نے جلدی اسلام قبول کر لیا۔ دین متین نے اس کے اطراف کو گھیر لیا۔ عزت و نصرت کے ساتھ وہ دیگر ادیان پر غالب آ گیا۔ دین سے منحرف نے معترف کی اطاعت کر لی۔ راہ راست سے بھٹکے ہوئے نے صراط مستقیم پر چلنے والے کی اطاعت کر لی۔ اہل حق کے مابین دوستی کے ساتھ آپ محبت فرمائیں۔ اس کی روشن سلطنت کے دیگر سلطنتوں پر غلبہ سے محبت کریں"۔

معبودانِ باطلہ کی سرکوبی

سریہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا عزیٰ کو مسمار کرنا

جب فتح مکہ کو پانچ روز گزر گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کی طرف بھیجا تاکہ اسے مسمار کردیں۔ ان کے ہمراہ تیس گھوڑے تھے۔ عزیٰ سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے درخت کہا ہے۔ بعض نے اسے بت کہا ہے۔ جسے سعد بن ظالم الغطفانی نے اس وقت نصب کیا تھا جب وہ مکہ آیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لوگ صفا اور مروہ کے مابین سعی کررہے تھے۔ اس نے ان دونوں پہاڑیوں سے پتھر لیے اور انہیں نخلہ منتقل کردیا۔ نخلہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے۔ عزیٰ قریش اور سارے بنوکنانہ کا بت تھا۔ اس کے متولی بنوشیبان تھے۔ جو بنوسلیم میں سے تھے۔ یہ بنوہاشم کے حلیف تھے۔ یہ ان سب سے بڑا بت تھا۔ عمرو بن لحی (لعنہ اللہ) نے انہیں کہا "رب لات کے پاس موسم سرما اور عزیٰ کے پاس موسم گرما بسر کرتا ہے" لوگ اس کی تعظیم کرنے لگے۔ انہوں نے اس کے لیے گھر بھی بنادیا۔ وہ اس گھر کے لیے اس طرح تحائف بھیجتے جس طرح خانہ کعبہ کے لیے بھیجتے تھے۔ اس کی اسی طرح تعظیم کرتے جس طرح خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے تھے۔ وہ اس کا طواف کرتے اور اس کے پاس جانور ذبح کرتے تھے۔ اس کے باوجود خانہ کعبہ کو اس پر فضیلت دیتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کا تعمیر کردہ گھر اور ان کی مسجد تھی۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب عزیٰ کے پہرے دار نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی آمد کے متعلق سنا تو اس نے اپنی تلوار عزیٰ کی گردن میں آویزاں کی اور یہ کہتے ہوئے قریبی پہاڑ کی طرف بھاگ گیا:

أیا عزیٰ شدی شدۃ لا شویٰ لہا   علی خالد ألقی القناع وشمری

یاعز ان لم تقتلی المرء خالدا   وفبوئی باثم عاجل او تنصری

"عزیٰ! اس تلوار سے خالد پر ایسی ضرب کاری لگا جو خطا نہ جائے۔ آج چہرے سے نقاب الٹ دے اور آستین چڑھا دے۔ اے عزیٰ! اگر تو نے اس مرتبہ خالد کو قتل نہ کیا تو سارے گناہ کا بوجھ تمہاری گردن پر ہوگا"۔

جب صحابہ کرام اس تک پہنچے تو اس گھر کو گرادیا جس میں وہ بت تھا۔ وہ گھر تین درختوں پر مشتمل تھا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے گرادیا۔ اس گھر کو بھی گرادیا اور بت کو بھی ریزہ ریزہ کردیا۔ پھر مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم نے وہاں کوئی چیز دیکھی ہے؟ جب تم اسے گرارہے تھے۔ انہوں نے عرض کی "نہیں" آپ نے فرمایا "تم نے اسے صحیح طرح نہیں گرایا جس سے اس کی ابدی حقیقت زائل ہوجائے۔ تم نے اس کی ظاہری صورت کا ازالہ کیا ہے۔ امر خفی باقی ہے۔ یہ اس کے زوال سے ہی زائل ہوگی۔ تم اس کی طرف واپس جاؤ، اسے صحیح طرح گرا آؤ" حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں واپس آئے۔ انہوں نے تلوار سونت رکھی تھی۔ اندر سے ایک عریاں بڑھیا

نکلی جو سر پر گرد وغبار ڈال رہی تھی۔ اس کا سر اور چہرہ گرد آلود تھا۔ پہرہ دار اسے پکارنے لگا ''اے عزیٰ! اسے برباد کر دے۔ اسے اندھا کر دے تو ہر گز نہیں مرے گی'' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے ہوئے اس پر کاری ضرب لگا دی:

یاعز کفرانك لا سبحانك انی رائیت الله قد اهانك

''اے عزیٰ! میں تیرا انکار کرتا ہوں۔ تیری پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ رب تعالیٰ نے تجھے ذلیل کر دیا ہے''۔

اسے دو دفعہ کاٹ ڈالا۔ اس درخت کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔ اس میں سے شیطانہ باہر نکلی۔ جس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ہائے ہائے! پکار رہی تھی۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ آپ نے فرمایا ''وہ عزیٰ تھی۔ اب وہ مایوس ہو چکی ہے کہ اب تمہارے شہروں میں اس کی عبادت کی جائے''۔

سواع کا مسمار ہونا، سریہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

سواع بنو ہذیل کا بت تھا۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین میل دور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منہدم کرنے کے لیے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ سواع بن شیث بن آدم کا جب وصال ہوا تو ان کی تصویر بنالی گئی اور ان کے دینی مقام اور منصب کی وجہ سے ان کی تعظیم کی جانے لگی۔ کیونکہ ان کی دعا در اجابت پر مقبول ہو جاتی تھی۔ ان کی اولاد یغوث، یعوق اور نسر کا وصال ہوا تو ان کی بھی تصاویر بنالی گئیں۔ بعد میں آنے والے لوگوں نے کہا ''ہمارے ان آباء نے اس لیے عظمت حاصل کی ہے کیونکہ وہ رزق دیتے تھے۔ نفع اور نقصان دیتے تھے۔ انہیں اپنا معبود بنالو'' امام سہیلی نے لکھا ہے کہ مہلا ئیل بن قینان کے عہد میں ان کی پوجا ہونے لگی۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ بت جنہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بنا رکھا تھا۔ اہل عرب نے بھی انہیں اپنا معبود بنالیا۔ یہ پاکباز لوگوں کے نام تھے۔ جب وہ مر گئے تو شیطان نے انہیں کہا کہ اپنی مجالس میں ان کے ناموں کے پتھر نصب کر لیں اور انہیں ان صالحین کے نام دے دیں'' جب وہ لوگ مر گئے تو بعد والوں نے ان پتھروں کی عبادت شروع کر دی۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ سواع کے پاس گئے۔ اس کے پاس اس کا چوکیدار بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا ''کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا'' مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں سواع کو گرا دوں'' اس نے کہا ''تم اسے مسمار نہیں کر سکتے'' میں نے پوچھا ''کیوں؟ اس نے کہا ''یہ تمہیں روک دے گا'' میں نے کہا ''تیرے لیے ہلاکت! ابھی تک باطل پر ڈٹے ہوئے ہو۔ کیا یہ سنتا ہے۔ یا دیکھتا ہے جو مجھے روک دے گا'' میں اس بت کے قریب گیا اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا تو انہوں نے اس کے خزانے کا کمرہ گرا دیا۔ اس میں سے ہمیں کچھ بھی نہ ملا۔ میں نے پہرہ دار سے کہا'' تو نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا'' میں رب تعالیٰ کے لیے اسلام لے آیا'' حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتنے ساتھی اس مہم میں شریک ہوئے۔ کسی نے ان کی تعداد بیان نہیں کی''۔

مناۃ کا انہدام

یہ اوس اور خزرج کا بت تھا۔ دوسری روایت کے مطابق بنو ھذیل، بنو کعب، خزاعہ اور غسان بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔ یہ مشلل کے مقام پر تھا۔ مشلل ساحل سمندر پر ایک پہاڑ تھا۔ حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے بعد اسے مسمار کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ آپ کے ساتھ بیس گھڑ سوار تھے۔ یہ سب مناۃ تک پہنچے، وہاں اس کا چوکیدار بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا ''کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا ''میں مناۃ کو پیوند خاک کرنا چاہتا ہوں'' پہرے دار نے کہا ''تم جانو یا وہ'' اس کا گمان تھا کہ وہ اسے نہیں گرا سکیں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ چل کر اس کی طرف گئے۔ ان کی طرف ایک عریاں، سیاہ اور منتشر بالوں والی عورت باہر نکلی وہ اپنا سینہ پیٹ رہی تھی'' ہائے ہلاکت پکار رہی تھی'' پہرے دار نے کہا ''مناۃ! تیرے نافرمان تیرے پاس آرہے ہیں'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس پر وار کر کے اسے گرا دیا۔ پھر بت کے پاس گئے، ان کے ہمراہ ان کے ساتھی بھی تھے۔ انہوں نے اس کے خزانے کا کمرہ گرایا، مگر اس میں سے کچھ بھی نہ نکلا۔ پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ مناۃ کو گرا دیں۔ سیرت ابن ھشام میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مقصد کے لیے بھیجا۔ ممکن ہے یہ سارے حضرات قدسی مناۃ کو گرانے کے لیے گئے ہوں۔

غزوۂ حنین

سبب: حنین ایک جگہ کا نام ہے۔ جو طائف کے راستہ میں ذوالمجاز کی طرف ہے۔ ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کا بازار تھا۔ ایک اور قول کے مطابق مکہ مکرمہ اور طائف کے مابین وادی کا نام حنین تھا۔ اس غزوہ کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ اسی مقام پر یہ معرکہ حق و باطل ظہور پذیر ہوا۔ اس کو غزوۂ ہوازن کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ہوازن اہل عرب کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ یہ ہوازن بن منصور بن عکرمہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ اس غزوہ کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے سردار ایک دوسرے کے پاس گئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔ کیونکہ انہیں خطرہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب ہمارے لیے فارغ ہو چکے ہیں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں جو آپ کو ہم سے روک سکے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کے حملہ کرنے سے پہلے ہم آپ پر حملہ کر دیں''۔

بعض روایات میں ہے کہ بنو ہوازن فتح مکہ سے قبل آپ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت ابوالزناد سے روایت ہے کہ بنو ہوازن ایک سال تک لشکر جمع کرتے رہے۔ ان کے رؤساء نے اس مقصد کے لیے سارے عرب کا دورہ کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مشرفہ کو فتح کیا تو انہوں نے کہا ''اب آپ ہم پر ضرور حملہ آور ہو جائیں گے'' انہوں نے آپ پر حملہ آور ہو جانے کا فیصلہ کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ''محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابھی تک کسی ایسی قوم کے ساتھ نبرد آزما نہیں ہوئے جو فنون سپہ گری سے آشنا ہو۔ تم باہم اتفاق کر لو اور ان کے حملہ کرنے سے قبل ان پر ہلہ بول دو'' اسی بات پر انہوں نے اتفاق کر لیا۔ مالک بن عوف کے پاس لشکر جرار جمع ہونے لگا۔ بہت سے قبائل اس کے پاس جمع ہو گئے۔ جن میں بنو سعد بن بکر بھی تھا۔ اسی

قبیلہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کا شرف ابدی نصیب ہوا تھا۔

درید بن صمہ

ان میں درید بن صمہ بھی تھا۔ یہ ایک تجربہ کار اور جری انسان تھا لیکن یہ بہت عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ اس کی عمر ایک سو بیس سال یا ایک سو پچاس یا ایک سو ستر سال یا دو سو سال کے قریب تھی۔ یہ نابینا ہو چکا تھا۔ اب اس کی صرف رائے اور جنگی چالوں سے ہی فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا کیونکہ یہ صاحب رائے اور فنون حرب سے آگاہ تھا۔ بنو ثقیف کا قائد کنانہ بن عبد یا لیل تھا۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ بنو ثقیف اور بنو سعد کے چار ہزار جوان جمع ہو چکے تھے۔ دیگر اہل عرب کے بہت سے قبائل نے ان کے ساتھ شرکت کی۔ اس طرح ان کی مجموعی تعداد تیس ہزار بن گئی۔ قیادت کی زمام مالک بن عوف کے سپرد کی گئی۔ اس وقت اس کی عمر تیس سال تھی۔ انہوں نے شرط یہ رکھی کہ وہ درید بن صمہ سے رائے لے گا۔ مالک بن عوف نے اپنے لشکر کے ہمراہ ان کے جانور، اموال، خواتین اور اولاد کو لانے کا حکم دیا تاکہ وہ جنگ کے وقت ثابت قدم رہیں۔ وہ راہ فرار اختیار نہ کریں۔ یہ لشکر اوطاس کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ درید بن صمہ نے کہا "میں اونٹوں کے بلبلانے کی آواز، گدھے کی آواز، بچوں کے رونے کی آواز، بکریوں کے ممیانے کی آواز اور مویشیوں کی آواز کیوں سن رہا ہوں؟ لوگوں نے اسے بتایا کہ مالک بن عوف اپنے ساتھ لوگوں کے اموال، خواتین اور اولاد بھی ہانک لایا ہے۔ درید نے کہا "مالک کہاں ہے؟ مالک اس کے سامنے حاضر ہو گیا۔ درید نے کہا "تو ایک کریم شخص کے ساتھ جنگ کرنے جا رہا ہے۔ سارے عرب کو اس نے روندھ ڈالا ہے۔ عجم اس سے لرزہ براندام ہے۔ یہودیوں پر وہ غالب آ چکا ہے۔ اس نے انہیں یا قتل کر دیا ہے یا ذلت و رسوائی کیساتھ جلا وطن کر دیا ہے" مالک نے کہا "تمہاری رائے کی ہم مخالفت نہیں کریں گے" درید نے کہا "مالک! تو اپنی قوم کا سردار بن چکا ہے۔ آج کے دن پر بعد کے ایام کا انحصار ہے۔ میں جانوروں کی آوازیں کیوں سن رہا ہوں؟ اس نے کہا "میں لوگوں کے ہمراہ ان کے بیٹے، خواتین اور اموال ہانک لایا ہوں" درید نے کہا "وہ کیوں؟ مالک نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ میں ہر شخص کے پیچھے اس کا مال اور اہل رکھوں" یہ سن کر درید نے آواز نکالی، پھر کہا "اے بھیڑیں چروانے والے! ان کا اور جنگ کا آپس میں کیا تعلق؟ پھر اس نے اسے جانور اور اولاد واپس لے جانے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا "کیا شکست خوردہ کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ اگر یہ جنگ تمہارے حق میں ہوئی تو پھر تمہیں کوئی شخص اپنی تلوار اور نیزہ کے ساتھ ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ عورتیں، بچے اور جانور فائدہ نہیں دے سکتے۔ اگر جنگ تمہارے برعکس ہوئی تو تم اپنے اہل اور مال سمیت برباد ہو گئے"۔

مالک نے درید کی رائے قبول نہ کی، پھر درید نے پوچھا کہ کعب اور کلب نے کیا کیا؟ تو لوگوں نے بتایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ درید نے کہا "کوشش اور بہادری ختم ہو گئی۔ اگر اب رفعت اور غلبہ کا دن ہوتا تو وہ دونوں غائب نہ ہوتے" پھر اس نے کہا "بعد کے دنوں کا انحصار آج کے دن پر ہے" مالک نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آج تم ایسے کارنامے دیکھو جو تمہیں خوش کر دیں" پھر درید نے مالک کو چند مشورے دیے، لیکن مالک نے ان میں سے ایک کو بھی قبول نہ کیا۔ اس نے کہا "بخدا! اب میں تیری اطاعت ہرگز نہیں کروں گا۔ تو عمر رسیدہ ہو چکا ہے۔ تیری رائے کمزور ہو چکی ہے" درید نے بنو

ہوازن سے کہا " مالک نے شرط لگائی تھی کہ وہ میری مخالفت نہیں کرے گا۔ اس نے میری مخالفت کی ہے۔ اب میں اپنے اہل خانہ کے ہاں واپس جانے لگا ہوں" مگر بنو ہوازن نے اسے روک دیا۔ مالک نے کہا " بنو ہوازن! یا تو تم میری اطاعت کرو گے یا میں اس تلوار کے ذریعے خودکشی کرلوں گا" اس نے درید کی کسی رائے یا مشاورت کو سخت ناپسند کیا۔ بنو ہوازن نے کہا " ہم تمہاری اطاعت کریں گے"۔ درید نے کہا " معشر ہوازن! یہ شخص تمہیں تمہاری خواتین اور اولاد کو رسواء کرنا چاہتا ہے۔ یہ تمہیں تمہارے دشمن کے حوالے کر کے خود ثقیف کے قلعوں میں بھاگ جائے گا۔ تم اسے چھوڑ کر واپس چلے جاؤ" مگر اس کی قوم نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ جب درید نے اپنی قوم کی مخالفت دیکھی تو اس نے کہا:

یالیتنی فیھا جذع اخب فیھا واضع اقود وطفاء الزمع کأنھا شاۃ صدع

" کاش! اس جنگ میں میرا عہد شباب ہوتا اور میں اس میں دوڑ دھوپ کر سکتا۔ لمبے بالوں والے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرتا۔ وہ گھوڑا پہاڑی بکرے کی طرح ہوتا"۔

پھر مالک نے گھوڑوں کی صفیں بنانے کا حکم دیا۔ بکریوں کو ان کے پیچھے، خواتین کو اونٹوں پر بٹھایا۔ جنگجو افراد کو آگے کیا۔ اونٹوں، گائے اور بکریوں کو ان کے پیچھے کیا تا کہ وہ بھاگنے نہ پائیں۔ وہ اپنے اموال، اولاد اور خواتین کی وجہ سے جنگ کریں۔ پھر اس نے لوگوں سے کہا " جب تم دیکھو کہ میں نے ان پر حملہ کر دیا ہے تو ان پر یکبارگی حملہ آور ہو جاؤ"۔

اہل اسلام کی تیاری

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو ہوازن کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے ان کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہفتہ کے روز مکہ مکرمہ سے عازم سفر ہوئے۔ شوال کے چھ دن گزر چکے تھے۔ آپ کے ہمراہ بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ دس ہزار وہ تھے جو مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آئے تھے۔ دو ہزار وہ تھے جنہوں نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا تھا۔ جو مجاہدین مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ آئے تھے اور بنو ہوازن کو سبق سکھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ان کی طرف گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے ان کی الگ الگ تعداد رقم کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس لشکر میں انصار کی تعداد چار ہزار، مہاجرین ایک ہزار، بنو جہینہ ایک ہزار، مزینہ ایک ہزار، بنو اسلم ایک ہزار، بنو غفار ایک ہزار اور بنو اشجع ایک ہزار تھے۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ نے قریش کے تین افراد سے قرض لیا تھا۔ صفوان بن امیہ سے پچاس ہزار دراہم۔ عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار دراہم اور حویطب بن عبدالعزیٰ سے بھی چالیس ہزار دراہم قرض لیے۔ انہیں متفرق صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا تا کہ وہ ان سے تیاری میں مدد لیں سکیں۔ پھر بنو ہوازن سے جو مال غنیمت ملا۔ آپ نے اس سے سارا قرض اتار دیا۔ پھر فرمایا " قرض کی جزا احسن ادائیگی اور شکریہ ہے" صفوان ابھی تک اپنی قوم کے دین پر ہی تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان حاصل کر لی تھی۔ دو ماہ کی مہلت مانگی تھی۔ اگر اس نے چاہا تو آپ کی اتباع کر کے اسلام میں داخل ہو جائے گا ورنہ کہیں چلا جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے چار ماہ کی مہلت دی تھی۔ پھر صفوان نے اسلام قبول کر لیا۔

صفوان کے پاس بہت سا اسلحہ اور زرہیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف پیغام بھیجا: فرمایا " ابو امیہ! ہمیں اپنا اسلحہ

ادھار دے دو۔ جس کے ساتھ ہم دشمن سے مقابلہ کریں' صفوان نے کہا" محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ غصب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" نہیں! بلکہ ادھار ہے۔ یہ مضمونہ ہیں، حتیٰ کہ ہم انہیں واپس لوٹا دیں" صفوان نے کہا" پھر کوئی حرج نہیں"۔ صفوان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سو یا چار سو زرہیں پیش کیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اٹھا کر میدان جنگ میں لے جانے کا حکم دیا۔ روایت ہے کہ بعض زرہیں مفقود ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ صفوان کو دینے کا ارادہ فرمایا تو اس نے کہا "یا رسول اللہ! آج میں اسلام میں زیادہ راغب ہوں" آپ نے نوفل بن الحرث بن عبد المطلب سے تین ہزار نیزے ادھار لیے پھر فرمایا" گویا کہ میں ان نیزوں کو دیکھ رہا ہوں یہ مشرکین کی پشتیں توڑ رہے ہیں"۔

اسلامی لشکر کی روانگی

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم سفر ہوئے۔ صحابہ اور اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ ان میں سے بعض پیادہ اور بعض سوار تھے۔ حتیٰ کہ خواتین بھی پیدل روانہ ہو گئیں۔ کیونکہ انہیں مال غنیمت ملنے کی توقع تھی۔ بعض لوگ صرف تماشائی بن کر عازم سفر ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا عامل مقرر فرمایا۔ احکام اور شرائع کی تعلیم کے لیے وہاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا تقرر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ وہ مشرکین بھی عازم سفر ہوئے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امان حاصل کر لی تھی۔ انہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان کی تعداد اسی تھی۔ ان میں صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو بھی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے قریب گئے تو صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی۔ انہیں علم اور پرچم عطا کیے۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ہر قبیلے کو پرچم عطا کیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک پرچم عنایت فرمایا۔ بنو خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ بنو اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ ہر قبیلے کو ایک پرچم عطا فرمایا۔ جسے ان میں سے ایک شخص نے اٹھا رکھا تھا۔ پھر آپ نے دیگر قبائل کو ترتیب دی۔ ان میں جھنڈے اور پرچم تقسیم کیے۔ خود، زرہیں زیب بدن فرمائیں۔ خود پہنا اور اپنی خچر البیضاء پر سواری فرمائی۔ بعض نے "اشہباء" لکھا ہے۔ البتہ اس سے مراد ایک ہی خچر ہے۔ بعض نے اسے "بیضاء" اور بعض نے "شہبائی" لکھا ہے۔ اس خچر کا نام "دلدل" تھا۔ مالک بن عوف نے تین جاسوس بھیجے تا کہ وہ حضور اور صحابہ کرام کے بارے خبریں جمع کریں۔ جب وہ مالک کے پاس پہنچے تو ان کے اوسان خطا تھے۔ مالک نے پوچھا" ارے! تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا" ہم نے سفید آدمی دیکھے ہیں جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہیں دیکھ کر ہماری یہ حالت زار ہوئی ہے۔ ہماری مانو تو اپنی قوم لے کر واپس لوٹ جاؤ" مالک نے کہا" تم پر افسوس! بلکہ تم قوم میں سے سب سے زیادہ بزدل ہو" اس نے انہیں اپنے پاس بطور قیدی رکھ لیا تا کہ یہ خبر اس کے لشکر میں نہ پھیلنے پائے۔ وہ واپس نہ ہوا بلکہ اپنے عزم کے مطابق آگے بڑھتا رہا۔

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو بنو ہوازن کی خبر گیری کے لیے بھیجا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ ان کے اندر گھس جائیں اور ان کے سارے معاملات کا بنظر عمیق جائزہ لے کر آئیں۔ وہ بنو ہوازن میں داخل ہو گئے۔ وہ ایک یا دو دن ان میں ٹھہرے رہے اور ان کی باتیں غور سے سنیں۔ پھر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی ''وہ مالک بن عوف کے خیمہ تک گئے، اس کے پاس ہوازن کے رؤساء بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اسے سنا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا'' آج تک محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) در حقیقت کسی قوم کے ساتھ جنگ آزما ہوئے ہی نہیں۔ وہ ایسی قوم کے ساتھ معرکہ آزما ہوئے جو فنون سپہ گری سے آگاہ نہ تھی۔ اسی لیے وہ ان پر غالب آ گئے ہیں۔ وقت سحر اپنے پیچھے اپنے جانوروں، خواتین اور اپنی اولاد کی صفیں بنا لو۔ پھر اپنی صف بندی کر لو۔ پھر اپنی طرف سے حملہ کر دو۔ اپنی شمشیروں کے نیام پھاڑ دو۔ تم ان کے ساتھ بیس ہزار تلواروں کے ساتھ ملاقات کرو گے۔ پھر ان پر یکبارگی حملہ آور ہو جاؤ۔ جان لو اغلبہ اسے نصیب ہوتا ہے جو پہلے حملہ کرتا ہے''۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی ''میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رخصت لے کر عازم سفر ہوا۔ فلاں پہاڑ پر چڑھا تو سامنے بنو ہوازن کا لشکر موجود تھا۔ وہ اپنی خواتین، جانور اور بکریاں لے کر آئے ہیں۔ وہ حنین کے مقام پر جمع ہیں'' یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ فرمایا ''یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہے ان شاء اللہ! ایک مسلمان کی زبان سے یہ نازیبا جملہ نکل گیا'' آج ہم قلیل تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ جملہ بڑا گراں گزرا۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ مالک نے اپنے رئیسوں سے کہا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر بیس ہزار تلواروں کے ساتھ حملہ کر دو' راجح قول یہی ہے کہ ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ علامہ زرقانی نے مواہب میں یہی تحقیق پیش کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ البتہ یہ قول قابل قبول نہیں کہ بنو ہوازن کی تعداد چار ہزار تھی۔

کمین گاہوں سے تیر اندازی

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین کے قریب پہنچے۔ لشکر اسلامی گھاٹی میں پہنچا۔ صبح کا دھندلکا ابھی باقی تھا تو وہ لوگ ان پر حملہ آور ہو گئے۔ جو وادی کی گھاٹی اور تنگ دروں پر چھپے بیٹھے تھے۔ یہ سب کچھ درید بن صمہ کے اشارہ سے ہوا تھا۔ اس نے مالک بن عوف سے کہا ''کمین گاہوں میں اپنے تیر انداز بٹھا دو۔ اگر مسلمانوں نے تم پر حملہ کر دیا تو کمین گاہوں میں چھپے ہوئے لوگ تمہارے لیے مددگار ثابت ہوں گے۔ یہ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ آور ہو جائیں گے۔ یہ تمہارے دیگر ساتھیوں سمیت مسلمانوں پر یکجان ہو کر حملہ کر دیں گے۔ اگر حملہ تم نے کیا تو قوم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ مسلمانوں پر یکجان ہو کر حملہ کر دینا'' بنو ہوازن ماہر تیر انداز تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ گویا کہ وہ منتشر ٹڈیاں تھیں۔ جن کا ایک تیر

بھی نشانہ سے خطا نہیں جائے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "بنوہوازن تیراندازی میں ماہر تھے۔ جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ ہزیمت کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ ہم مال غنیمت حاصل کرنے لگے۔ انہوں نے ہم پر تیراندازی شروع کر دی۔ مسلمان پیچھے لوٹنے لگے۔ ان میں سے ایک دوسرے کی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا"۔

دوسری روایت ہے کہ مسلمانوں پر اتنے کثیر سپاہیوں نے حملہ کر دیا کہ انہوں نے اس سے قبل اتنی کثیر تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔ صبح کا دھندلکا تھا۔ وادی کی تنگ جگہ سے ایک لشکر جرار نکلا۔ انہوں نے یکبار مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ بنوسلیم کا گھڑسوار دستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے ہمراہ تھے۔ اہل مکہ اور دیگر لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے۔

ثابت قدم حضرات قدسی

ایک شخص نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا "یوم حنین کو تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا "مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوہِ استقامت بنے اپنی جگہ ہی تشریف فرما رہے" اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا دائیں سمت ہو کر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے پاس تھوڑے سے صحابہ کرام موجود تھے۔ ان حضرات قدسی میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل، حضرت ابوسفیان بن حرب، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ربیعہ بن حرث، حضرت عتبہ، حضرت معتب اور حضرت ایمن بن ام ایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل تھے۔ حضرت ایمن رضی اللہ عنہ نے اسی روز قبائے شہادت زیب تن کی۔ اس روز کتنے صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے۔ ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد ایک سو، دوسرے قول کے مطابق اسی، تیسرے قول کے مطابق بارہ، چوتھے قول کے مطابق دس، پانچویں قول کے مطابق تین سو تھے۔ ان اقوال میں اختلاف نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ تعداد مختلف رہی ہو۔ کبھی یہ تعداد کم اور کبھی زیادہ ہو گئی ہو۔ بعض اوقات زیادہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے اور بعض اوقات وہ آپ کے دائیں بائیں سمت قتال کرنے کے لیے چلے گئے ہوں"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "حنین کے روز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھا۔ لوگ بھاگ نکلے۔ انصار اور مہاجرین میں سے صرف اسی افراد آپ کے ہمراہ رہ گئے۔ ہم ثابت قدم رہے اور پیٹھ پھیر کر نہ بھاگے" انہی صحابہ کرام پر رب تعالیٰ نے سکینہ کا نزول فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خچر پر سوار تھے۔ ایک قدم بھی آگے پیچھے نہ ہوئے۔ آپ کے چچا محترم آپ کی خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ اور اسے دشمن کی طرف بڑھنے سے روکے ہوئے تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی تھی۔ ممکن ہے کہ ایک دفعہ یہ سعادت حضرت عباس جبکہ دوسری بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے حاصل کی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد حضرت ابوسفیان بن حرث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کی رکاب تھامے کھڑے تھے۔ انہوں نے فرمایا "جب ہم حنین کے مقام پر دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوئے۔ میں اپنے گھوڑے سے نیچے اتر کر دشمن سے جنگ آزما ہو گیا۔ میرے ہاتھ میں شمشیر بے نیام تھی۔ خدا جانتا ہے میں

خود کو حضور ﷺ پر نثار کر دینا چاہتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ میری سمت دیکھ رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ آپ کا بھائی اور چچازاد ہے۔ اس سے راضی ہو جائیں" آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس کی وہ ساری عداوتیں معاف فرمائے جو یہ میرے ساتھ رکھتا تھا" پھر میری طرف توجہ فرماتے ہوئے فرمایا "میرے بھائی! میں نے رکاب میں ہی آپ کی ٹانگ مبارک کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی" انہی کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ابوسفیان بن حرث جنتی جوانوں میں سے ہیں" دوسری روایت میں ہے "اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں"۔ حضور ﷺ نے بنو ہوازن کی طرف خچر کو ایڑی لگائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" میں نبی مکرم ﷺ ہوں۔ اس میں ذرہ بھر جھوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا فرزند ارجمند ہوں"۔

آپ نے مشتِ خاک لی اور بنو ہوازن کی طرف پھینک دی۔ اور فرمایا "شاهت الوجوه" چہرے برباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک شخص کی آنکھیں اس مٹی سے بھر دیں۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آپ نے مشت خاک لینے کا ارادہ فرمایا تو خچر خود بخود نیچے جھک گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے قریب ہی تھے۔ انہوں نے کہا "میں نے عرض کی "اوپر اٹھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو منصب رفیع پر فائز فرمائے" آپ نے مجھے فرمایا "مجھے مشت خاک دیں" میں نے آپ کو مٹھی بھر مٹی پیش کی" آپ نے اسے دشمن کی طرف پھینک دیا۔ جس سے ان کے چہرے مٹی سے بھر گئے" دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنی خچر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے دست اقدس سے مٹھی بھر خاک لی" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا "مجھے مٹھی بھر سنگریزے پکڑائیں" اللہ تعالیٰ نے خچر کو الہام فرمایا، وہ نیچے جھک گئی۔ قریب تھا کہ اس کا پیٹ زمین کو چھونے لگتا۔ آپ ﷺ نے سنگریزے لیے اور انہیں دشمن کی طرف پھینک دیا۔ فرمایا "شاهت الوجوه حم لا ینصرون"۔

حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے بہت سے ایسے افراد نے بیان کیا ہے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ اس وقت حضور ﷺ نے وہ سنگریزے پھینکے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یوں محسوس ہوا گویا کہ اس کی آنکھوں میں تنکے پڑ گئے ہیں۔ ہم نے اپنے دلوں میں دہشت محسوس کی۔ جس طرح سنگریزے کسی طشت میں گرے ہوں۔ ہمارا وہ خوف ختم نہ ہوا"۔

حضرت یزید بن عامر سوائی رضی اللہ عنہ بھی اسی روز وہیں تھے۔ ان سے اس رعب کے متعلق پوچھا جاتا وہ سنگریزے پکڑ لیتے۔ انہیں طشت میں پھینکتے جن سے آواز پیدا ہوتی۔ پھر فرمایا "ہم نے اپنے پیٹوں میں اس طرح کی آواز محسوس کی تھی"

حضرت عبد الرحمٰن الفہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمارے فرزندان ارجمند نے اپنے آباء سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا "ہم میں سے کوئی شخص بھی نہ بچا تھا، مگر اس کی آنکھیں اور منہ مٹی سے بھر گیا تھا۔ ہم نے آسمان سے خوفناک آواز سنی گویا کہ طشت پر کوئی لوہے کی چیز پھیری جارہی ہو۔ مشت خاک یا تو اس غزوہ میں یا غزوۂ بدر میں پھینکی گئی تھی۔ اسی کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:17)

''(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی''۔

صاحب الہمزیہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر کہا ہے:

ورمیٰ بالحصیٰ فاقصد جیشا ما الحصا عندہ وما الالقاء

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگریزے پھینک دیے۔ نہ تو یہ سنگریزے آپ کی طرف سے تھے۔ نہ ہی ان کا پھینکنا آپ کی طرف سے تھا''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مولیٰ رضی اللہ عنہ ایک مشرک سے روایت بیان کرتے ہیں جو غزوۂ حنین میں مشرکین سے لڑ رہا تھا۔ اس نے کہا ''جب ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام باہم نبرد آزما ہوئے تو وہ بکری کے دوہنے کے وقت کے برابر بھی ہمارے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ ہم ان کے تعاقب میں تھے۔ اچانک ہم ایک ہستیٔ پاک تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھی۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کریمانہ تھی۔ ہم نے آپ کے پاس خوبرو، سفید چہروں والے آدمی دیکھے۔ انہوں نے ہمیں کہا ''چہرے برباد ہو جائیں۔ واپس لوٹ چلو'' پھر ہمیں شکست ہو گئی۔ صحابہ کرام ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو یوں پیٹھ پھیر کر جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ''اے لوگو! میری طرف آؤ''۔ راوی کہتے ہیں ''میں نے لوگوں کو دیکھا وہ کسی چیز کی طرف واپس لوٹ نہیں رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''آپ بلند آواز سے یوں صدا دیں ''اے گروہ انصار! اے اصحاب سمرہ، اے وہ مہاجرین جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی، اے وہ انصار! جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دی'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ بلند آواز تھے۔ حتیٰ کہ روایت ہے کہ آپ کی آواز آٹھ میل سے سنی جا سکتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ یوں صدا دیں ''اے یوم حدیبیہ کو بیعت کرنے والو! اے اصحاب سورۃ البقرہ! اے انصار اللہ! اے اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار! اے بنو خزرج!۔ ان روایات میں اختلاف نہیں کیونکہ امکان ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کئی بار صدا دی ہو، اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی کئی بار انہیں پکارا ہو۔ انہوں نے مذکورہ بالا سارے الفاظ سے صدا دی ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی صدا کے بعد آپ نے خود انہیں بلایا۔ آپ نے دائیں طرف توجہ فرمائی تو فرمایا ''اے گروہ انصار! انہوں نے عرض کی ''لبیک! یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو مژدہ جانفزا ہو، ہم آپ کے ساتھ ہیں'' آپ نے بائیں طرف توجہ کی اور فرمایا ''اے گروہ انصار! انہوں نے عرض کی ''لبیک یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو بشارت ہو۔ ہم آپ کے ہمراہ ہیں'' اب حالت یہ تھی کہ جب کسی شخص کا اونٹ آسانی سے واپس نہ مڑتا وہ اس سے نیچے اترتا اور اسے چھوڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو جاتا۔ وہ اپنی تلوار اور ڈھال سمیت اس مبارک آواز کی طرف آتا حتیٰ کہ وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو جاتا۔ بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ انصار بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس طرح واپس آ گئے جس طرح اونٹ اپنے بچوں کے پاس یا گائے اپنے بچوں کے پاس واپس آتی ہے۔

دوسری روایت کے مطابق مہاجرین وانصار اپنے ہاتھوں میں تلواریں سونتے واپس آگئے۔ تلواریں آگ کے انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کفار پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام نے انتہائی شدید قتال کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس اندازِ قتال کو دیکھا تو فرمایا "اب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوئی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پاک فصیح کلام میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل یہ جملہ کسی اور نے استعمال نہیں کیا تھا۔ مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ مسلمان ان کا قتل عام کر رہے تھے۔ بعض کو قیدی بنا رہے تھے۔ جنگ کا میدان تیر، نیزہ اور تلواروں کی جگہ ہوتی ہے۔ ایسے خطرناک مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر پر سوار ہونا آپ کی شجاعت اور بے مثل قوت کی عکاسی کرتا ہے۔ کیونکہ عموماً اطمینان کے وقت خچر پر سوار ہوا جاتا ہے۔ ایسے مقامات پر عموماً گھوڑوں کو بطور سواری استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ گھوڑے یا تو حملہ کرنے کے لیے یا راہ فرار اختیار کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مگر خچر اور اونٹ امن وامان کی جگہ میں استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو بے نظیر شجاعت، قوت قلب، شجاعت نفس اور توکل سے نوازا تھا۔ صحابہ کرام کا اتفاق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی راہ فرار اختیار نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ دشمن کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ علماء کرام کا بھی اس بات پر اتفاق ہے۔

حضرت قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ جس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزیمت اٹھائی اسے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا، اگر اس نے توبہ کر لی تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جب اہل شرک کو شکست ہوگئی تو مسلمان ان کا قتل عام کرتے ہوئے اور انہیں قیدی بناتے ہوئے اس کے تعاقب میں لگ گئے۔ حتیٰ کہ بنو ہوازن میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کر لینے کے بعد کہا "ہمیں یوں محسوس ہوا کہ ہر پتھر، درخت ایک شہ سوار ہے جو ہمارے تعاقب میں ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار ملائکہ نازل فرمائے۔ دوسرے قول کے مطابق ان ملائکہ کی تعداد آٹھ ہزار۔ تیسری روایت کے مطابق یہ تعداد سولہ ہزار تھی۔ ایک قول کے مطابق اس روز ملائکہ نے قتال کیا۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق انہوں نے قتال نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں سکینہ نازل کرنے کیلئے اترے تھے۔ روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس بلند فرمائے اور یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اُنْشِدُكَ مَا وَعَدْتَنِيْ، اَللّٰهُمَّ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يَظْهَرُوْا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ كُنْتَ وَتَكُوْنُ وَاَنْتَ حَيٌّ لَا تَمُوْتُ، تَنَامُ الْعُيُوْنُ، وَتَنْكَدِرُ النُّجُوْمُ، وَاَنْتَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ، يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ، اَللّٰهُمَّ اِنْ تَشَاْ اَنْ لَا تُعْبَدَ بَعْدَ الْيَوْمِ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ

"الٰہی جس نصرت کا تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ الٰہی! یہ تیری شان کے شایاں نہیں کہ وہ مشرک ہم پر غالب آجائیں۔ الٰہی! تو ازل سے ہے۔ ابد تک رہے گا۔ تو زندۂ جاوید ہے۔ تجھے موت نہیں آسکتی۔ آنکھیں سوجاتی ہیں۔ ستارے اپنی چمک کھو بیٹھتے ہیں۔ لیکن تو حی وقیوم ہے۔ تجھے نہ اونگھ آتی ہے، نہ نیند، یاحی یاقیوم، الٰہی! کیا تیری یہ مرضی ہے کہ تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔ ہم تیری ہی جناب میں اپنے درد والم کا شکوہ کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد کی درخواست کرتے ہیں"۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ کلمات القاء کیے گئے جنہیں رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس روز القاء کیا تھا جس روز ان کے لیے سمندر پھاڑا تھا۔ سمندر ان کے آگے اور فرعون ان کے پیچھے تھا"۔

غزوہ حنین میں مشرکین کے آگے آگے وہ شخص جا رہا تھا۔ جو سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ جس کے ہاتھ میں کالا جھنڈا تھا جو بہت بڑے نیزہ کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ بنو ہوازن اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اگر وہ اس شخص کو جالیتا جو اس کے آگے آگے ہوتا تو وہ اسے نیزہ مارتا۔ وہ اسی حالت پر تھا کہ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انصاری صحابی نے حملہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ کر رکھ دیں۔ انصاری صحابی نے اس شخص پر حملہ کر دیا اور اس کی ٹانگ کو پنڈلی کے نصف سے کاٹ کر رکھ دیا۔ لوگ شمشیر زنی کرنے لگے۔ جو مسلمان بھی واپس لوٹ کر آتا وہ دیکھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی قیدی باندھے ہوئے تھے۔

مسلمانوں کی عارضی ہزیمت پر اہل مکہ کی مسرت وشادمانی

جب مسلمانوں میں عارضی ہزیمت کے آثار پیدا ہوئے تو بعض ایسے اہل مکہ نے گفتگو کرنا شروع کی جن کے دلوں میں ابھی کینہ تھا۔ ابھی اسلام ان کے دلوں میں متمکن نہیں ہوا تھا۔ ان میں سے بعض نے کہا "یہ ہزیمت سمندر سے پہلے ختم نہ ہوگی" بعض نے کہا "بخدا! بنو ہوازن غالب ہو گئے" صفوان بن امیہ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اگرچہ اس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے یہ بات کرنے والے سے کہا "تیرے منہ میں پتھر اور مٹی! ہشام بن کلدہ جو صفوان کا ماں کی طرف سے بھائی تھا نے کہا "آج محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جادو ٹوٹ گیا ہے" صفوان نے اسے کہا "خاموش ہو جا۔ رب تعالیٰ تیرا چہرہ برباد کرے۔ بخدا! مجھے یہ پسند ہے کہ قریش کا کوئی شخص میرا مالک بنے۔ بجائے اس کے کہ بنو ہوازن میں سے کوئی میرا مالک بنے"۔ ایک شخص صفوان کے پاس سے گزرا۔ اس نے اسے کہا "تمہیں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کی ہزیمت مبارک ہو۔ بخدا! اب یہ پہلی حالت پر واپس نہ آسکیں گے" یہ سن کر صفوان نے کہا "کیا تو مجھے اعرابیوں کے غلبہ کی بشارت دے رہا ہے؟ بخدا! قریش میں سے کسی ایک کا میرا مالک بننا اعرابیوں میں سے کسی ایک شخص کے مالک بننے سے مجھے پسندیدہ ہے" جس شخص نے بکواس کیا تھا کہ اب مسلمان پہلی حالت پر کبھی نہ آسکیں گے اسے حضرت عکرمہ نے یوں جواب دیا "یہ معاملہ تمہارے ہاتھ میں نہیں، یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے دست اقدس میں ہے۔ اگر آج مسلمان وقتی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں تو کل فتح ان شاء اللہ مسلمانوں ہی کی ہوگی" اس ہزیمت کی خبر مکہ مکرمہ تک پہنچ گئی۔ جسے سن کر اس قوم نے مسرت کا اظہار کیا جس کے دل میں اسلام ابھی تک متمکن نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے عداوت اور کینہ کا اظہار کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا "اہل عرب! اب اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ جائیں گے" اللہ تعالیٰ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ثابت قدم فرمایا۔ حتیٰ کہ ان کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی فتح و کامیابی کی خبر پہنچ گئی۔ بنو ہوازن اور ان کے ساتھیوں کی ہزیمت کی خبر بھی ان تک پہنچ گئی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے بعض شکست خوردہ لوگ مکہ مکرمہ تک پہنچے، انہوں نے بتایا کہ مسلمانوں کو شکست

اٹھانا پڑی ہے۔ یہ سن کر اہل مکہ خوش ہو گئے۔ انہوں نے اندرونی کینہ کا اظہار کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا "اب اہل عرب اپنے آباء کے دین کی طرف لوٹ آئیں گے۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ ان کے صحابہ منتشر ہو چکے ہیں" حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو چکے ہیں تو رب تعالیٰ کا دین متین قائم ہے۔ وہ ذات بے ہمتا جس کی عبادت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کرتے ہیں وہ زندہ ہے۔ اسے موت نہیں" رات کے وقت انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح مندی کا مژدۂ جانفزا مل گیا۔ جسے سن کر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مخالفین کو رسوا کر دیا" جب مسلمان واپس لوٹے تو انہوں نے بنو ہوازن کا قتل عام شروع کر دیا۔ وہ بنو ہوازن کے بچوں کو قتل کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی طرح کرنے سے منع فرما دیا۔

جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس نے کسی کافر کو قتل کیا تو مقتول کا سامان قاتل کو ملے گا" روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے تن تنہا بیس افراد کو واصل جہنم کیا اور ان کا سامان حاصل کر لیا۔ حضرت ربیعہ بن رفیع السلمی رضی اللہ عنہ نے درید بن صمہ کو جا لیا اس کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید یہ کوئی عورت ہو مگر وہ ایک عمر رسیدہ بوڑھا تھا۔ درید نے پوچھا "کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا "میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں" درید نے پوچھا "تم کون ہو؟ انہوں نے کہا "ربیعہ بن رفیع اسلمی" پھر درید پر شمشیر کا وار کیا، مگر تلوار کارگر ثابت نہ ہوئی۔ درید نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "تمہاری ماں نے تمہیں کتنا برا اسلحہ دیا ہے" یہ تلوار جو کجاوے کے سرے پر پڑی ہے اس کے ساتھ وار کرو۔ ہڈی تک پہنچنے سے پہلے اٹھا لینا۔ دماغ سے نرمی کرنا۔ میں لوگوں کی گردنیں اسی طرح اڑایا کرتا تھا۔ جب اپنی والدہ کے پاس جاؤ تو اسے بتا دینا کہ تم نے درید کو قتل کیا ہے۔ کتنے ہی ایام میں میں نے تمہاری خواتین کی حفاظت کی تھی" حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے درید کو قتل کر دیا۔ جب انہوں نے اپنی ماں کو بتایا تو ماں نے کہا "بخدا! اس نے ہمارے دو یا تین افراد کو آزاد کیا تھا۔ جب اس نے کہا کہ تم میرے ممنونِ احسان ہو تو تم اس کے قتل سے رک کیوں نہ گئے" حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا سے دور کیسے ہو سکتا تھا" دوسری روایت کے مطابق حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے درید کو واصل جہنم کیا تھا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی شجاعت

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار حضرت ابو طلحہ زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس غزوہ میں تشریف لے گئیں تھیں۔ آپ بہت ہی محتاط خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنی کمر کو اپنی چادر سے باندھ رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر تھا۔ ان کے شکم اطہر میں عبداللہ بن ابی طلحہ تھے۔ ان کے خاوند محترم نے انہیں کہا "ام سلیم! تم نے اپنے ہمراہ یہ خنجر کیوں اٹھا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا "تاکہ اگر کوئی مشرک میرے پاس آئے تو میں اسے چیر کر رکھ دوں" حضرت ابو طلحہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ سماعت نہیں فرما رہے کہ ام سلیم کیا کہہ رہی ہیں؟ انہوں نے حضرت ام سلیم کی بات دہرائی جسے سن کر حضور

اکرم ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ حضرت ام سلیم نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی "میرے والدین آپ پر فدا! ان لوگوں کو قتل کر دیں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ اسی کے مستحق ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ انہیں کافی ہو گیا ہے۔ اس نے ان پر احسان فرمایا۔ ان کی یہ لغزش معاف کر دی ہے" جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبۃ)

"اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی، پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد جس پر چاہے گا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بہت گہرے زخم آئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے حضور اکرم ﷺ کی اس روز زیارت کی۔ اس وقت کفار کو شکست ہو چکی تھی۔ مسلمان اپنے کجاووں کی طرف واپس آ چکے تھے۔ حضور اکرم ﷺ فرما رہے تھے "مجھے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کجاوے کے پاس کون لے کر جائے گا؟ ایک شخص آپ کو اس کی طرف لے کر گیا" آپ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے کجاوے کے آخری حصہ کے ساتھ ٹیک لگا رکھی تھی۔ کیونکہ انہیں گہرے زخم آئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے زخموں پر لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً مندمل ہو گئے۔

فتح یابی اور کامرانی

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ابھی فریقین باہم نبرد آزما تھے۔ ابھی بنو ہوازن کو ہزیمت نہیں ہوئی تھی کہ میں نے کسی سیاہ چیز کو آسمان سے گرتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہمارے اور دشمن قوم کے مابین اتری۔ وہ بکھری ہوئی چیونٹیوں کی مانند تھی۔ جس نے وادی بھری دی تھی۔ مجھے اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ ملائکہ تھے۔ اور قوم ہوازن کو شکست سے دو چار کرنے آئے تھے" بنو ہوازن کے بہت سے لوگوں سے روایت ہے، انہوں نے کہا "ہم نے حنین کے روز سفید انسان دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ انہوں نے زرد عمامے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے انہیں اپنے کندھوں کے مابین لٹکا رکھا تھا۔ وہ آسمان اور زمین کے مابین تھے۔ ان کے رعب کی وجہ سے ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے"۔

اس غزوہ میں صرف چار مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ جبکہ کفار کے ستر سے زیادہ افراد مارے گئے۔ ایک اور روایت میں مرنے والوں کی تعداد تین سو ہے۔ بہت سی مخلوق کو قیدی بنا لیا گیا۔ جن میں صرف خواتین کی تعداد چھ ہزار تھی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی بطور مال غنیمت ملی۔ مگر اس مال غنیمت میں گائیں کتنی تھیں۔ کہیں یہ تذکرہ نہیں کیونکہ ان کی تعداد دیگر مال غنیمت کی بہ نسبت بہت کم تھی۔

جب بنو ہوازن شکست سے دو چار ہوئے تو بہت سے اہل مکہ اسلام لے آئے۔ حضور اکرم ﷺ پر نصرت خداوندی کو دیکھ کر اور بھی بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''غزوۂ حنین کے روز میرے چہرے پر تیر لگا۔ خون میرے چہرے اور سینہ پر بہنے لگا۔ حضور اکرم ﷺ نے میرے چہرے اور سینہ پر دست اقدس پھیرا۔ پھر میرے لیے دعا کی تو وہ جگہ اس طرح تاباں ہوگئی جس جگہ آپ کا دست شفا بخش پھرا تھا گویا کہ وہ گھوڑے کا سفید نشان ہو'' جب بنو ہوازن شکست خوردہ ہو گئے تو ان میں سے بعض اوطاس چلے گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ کو ان کے تعاقب میں بھیجا۔

سریہ ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ اس سریہ کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ بنو ہوازن کے بھاگ جانے والے افراد کے تعاقب میں حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو عامر الاشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کے ہمراہ بہت سے صحابہ کرام بھی تھے۔ ان میں حضرت مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جیسی بلند پایہ شخصیت بھی تھی۔ اوطاس کے مقام پر فریقین باہم جنگ آزما ہوئے۔ دیار ہوازن کی ایک وادی کا نام اوطاس ہے۔ بنو ہوازن کے شکست خوردہ افراد تین حصوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ بھاگ کر طائف چلا گیا تھا۔ دوسرا نخلہ کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ایک گروہ اوطاس کی طرف چلا گیا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ انہی کی طرف گئے تھے۔ وہ اوطاس کے مقام پر جمع تھے۔ انہوں نے حضرت ابو عامر کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ ان میں نو بھائی یکے بعد دیگرے مبارزت کے لیے نکلے۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ہر ایک کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا، پھر آپ نے ان میں سے ہر ایک کو واصل جہنم کیا۔ آپ نے یہ التجاء کی ''مولا! گواہ رہنا، میں نے ان میں سے ہر ایک کو دعوت اسلام دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا'' جب ان کا دسواں بھائی مبارزت کے لیے نکلا تو آپ نے اسے بھی اسلام کی طرف دعوت دی۔ پھر درگاہ ربانیہ میں التجاء کی ''مولا! اس پر بھی میرا گواہ بن جا'' اس نے کہا ''مولا! میرے خلاف گواہی نہ دینا'' حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل سے خود کو روک لیا۔ انہیں گمان تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا۔ پھر اس شخص کو اسلام لے آنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس نے اپنے اسلام کو بہت عمدہ کیا۔ آپ ﷺ جب اس شخص کو دیکھتے تو فرماتے ''یہ ابو عامر کا چھوڑا ہوا ہے'' اس کے بعد حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ انہیں دو بھائیوں علاء اور اوفی نے شہید کیا۔ یہ دونوں حارث بن جشم کے بیٹے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انہوں نے اپنے چچا جان کے قاتل کو پا لیا۔ اسے واصل جہنم کیا۔ دوسرے قول کے مطابق حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنایا گیا۔ انہوں نے دشمن کے ساتھ جنگ کی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ مسلمانوں کو بہت سے قیدی اور مال غنیمت ملا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا مانگی ''مولا! ابو عامر کو معاف کر دے۔ جنت میں انہیں میری امت میں سے بلند ترین مقام عطا فرما'' دوسری روایت کے مطابق دعا کے الفاظ یہ تھے ''مولا! انہیں جنت میں عزت ٹھکانہ عطا فرما''۔

سریہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ذوالکفین کی طرف

یہ ایک لکڑی کا بت تھا۔اس کے پروہت کا نام عمرو بن حممہ دوسی تھا۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کے محاصرہ کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت طفیل کو اس بت کو نذر آتش کرنے کے لیے بھیجا۔آپ نے فرمایا کہ وہ طائف میں آپ کے ساتھ آکر مل جائیں۔وہ جلدی جلدی گئے۔اس بت کو نیچے گرایا اس کے منہ پر آگ پھینکی ان کی زبان پر یہ اشعار تھے۔

یاذالکفین لست من عبادك　　میلادنا اقدم من میلادك

انی خشوت النار فی فؤادك

''اے ذوالکفین! میں تیرے عبادت گزاروں میں سے نہیں ہوں۔ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔میں نے تیرے دل میں آگ لگادی ہے''۔

ان کے ساتھ ان کی قوم کے چار سو افراد بھی آگئے۔کیونکہ ان کی قوم ان کی بات رد نہیں کرتی تھی۔پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

غزوۂ طائف

سبب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین سے فارغ ہوئے۔مال غنیمت کو جعرانہ کے مقام پر ٹھہرایا اور خود طائف کی طرف تشریف لے گئے۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ہزار جانثاروں کے ساتھ مقدمہ پر متعین تھے۔بنوثقیف شکست کھا کر طائف میں اپنے قلعہ میں داخل ہو گئے۔انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر دیا۔انہوں نے اس قلعہ میں ایک سال کی خوراک کا بھی ذخیرہ کر لیا۔جنگ کی تیاری بھی کر لی۔ان کے ہمراہ مالک بن عوف اور ان کی قوم کے دیگر رؤسا بھی تھے۔راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مالک بن عوف کے قلعہ کے پاس سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے گرانے کا حکم دیا۔آپ بنوثقیف کے ایک باغ کے پاس سے گزرے وہ اس میں پناہ گزیں تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ یا تو باہر نکل آؤ یا ہم تمہارا باغ جلادیں گے۔انہوں نے انکار کر دیا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہوں کا باغ جلانے کا حکم دے دیا۔جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ طائف پہنچے تو وہ اور ان کے ساتھی قلعہ کے پاس ہی فروکش ہو گئے۔دشمن نے مسلمانوں پر بہت سخت تیراندازی کی۔حتیٰ کہ بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔بارہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ان میں حضرت عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔اس روز حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی آنکھ باہر نکل آئی۔وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔وہ اپنی آنکھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس آنکھ کو راہ خدا میں اذیت پہنچی ہے''۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو میں دعا کر دیتا ہوں تمہاری آنکھ تمہیں لوٹادی جائے گی،اگر پسند کرو تو یہ آنکھ تمہیں جنت میں عطا کر دی جائے گی'' انہوں نے عرض کی ''مجھے جنت میں آنکھ چاہیے'' انہوں نے اپنے ہاتھ سے آنکھ پھینک دی۔ان کی دوسری آنکھ جنگ یرموک کے دن نکل گئی۔

جب حضور اکرم ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ قلعہ کے قریب ہی نزول اجلال فرمایا۔ جب وہاں بارہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا تو آپ نے اس جگہ نزول فرمایا جس جگہ آج کل ایک مسجد بنادی گئی ہے۔ آپ نے اہل طائف کا اٹھارہ روز تک محاصرہ کیے رکھا۔ آپ نے ان پر منجنیق نصب فرمائی۔ یہ پہلی منجنیق تھی جسے اسلام میں نصب کیا گیا۔ اس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے یہ منجنیق اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اہل قلعہ کے پاس گئے اور مبارزت کی دعوت دی۔ مگر ان کے سامنے آنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ عبد یالیل نے انہیں یہ آواز دی "ہم میں سے کوئی ایک بھی تمہارے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نہیں آئے گا، بلکہ ہم اپنے قلعہ میں ہی ٹھہرے رہیں گے۔ یہاں اتنا زیادہ کھانا ہے جو ہمیں کئی سالوں کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اگر تم نے یہاں اتنی دیر قیام کیا تو ہمارا کھانا ختم ہو گیا تو ہم اپنی تلواریں لے کر تم پر حملہ آور ہو جائیں گے حتیٰ کہ ہمارا آخری فرد بھی مر جائے گا"۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت دو دبابوں میں داخل ہوئی تاکہ قلعہ کی دیواروں میں شگاف کر سکیں۔ بنو ثقیف یہ چال سمجھ گئے۔ انہوں نے ان دبابوں پر لوہے کی سلاخیں پھینکیں۔ جنہیں آگ میں تپایا گیا تھا۔ صحابہ کرام ان دبابوں سے باہر نکل آئے۔ بنو ثقیف نے ان پر تیراندازی شروع کر دی۔ متعدد صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ دبابہ ایک ایسا آلہ تھا جسے جنگ میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ گاڑی نما تھا جسے چمڑے سے بنایا جاتا تھا۔ اس میں آدمی داخل ہو جاتے تھے۔ وہ دیواروں کی طرف نقب زنی کے لیے جاتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے بنو ثقیف کے انگوروں کے باغات کاٹنے کا حکم دیا۔ مسلمان ان کے انگوروں کے باغات کاٹنے لگے۔ بنو ثقیف نے آپ ﷺ کو رب تعالیٰ اور صلہ رحمی کا واسطہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں انگوروں کے ان باغات کو اللہ تعالیٰ اور صلہ رحمی کے لیے ترک کر رہا ہوں"۔ حضور اکرم ﷺ کے منادی نے اعلان کیا "جو غلام قلعہ سے نیچے اتر آیا اور ہماری طرف آ گیا وہ آزاد ہے" دس سے زائد یا تیئس غلام قلعہ سے باہر نکل آئے۔ ان میں سے ایک ابو بکرہ بھی تھا۔ یہ حرث بن کلدہ کا غلام تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں آزاد فرما دیا۔ آپ نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک مسلمان کے سپرد کیا۔ اہل طائف پر یہ بات بڑی گراں گزری۔

عیینہ بن حصن

حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ بنو ثقیف کے قلعہ میں جائیں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمائی۔ وہ ان کے قلعہ کے اندر گئے اور ان سے کہا "اپنے قلعہ میں ٹھہرے رہو۔ بخدا! ہم غلاموں سے زیادہ رسواء ہو گئے ہیں۔ خود کو کبھی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ یہ درختوں کا کٹنا تم پر گراں نہ گزرے" پھر عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے پوچھا "عیینہ! تم نے ان سے کیا کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی "میں نے انہیں اسلام لانے کا حکم دیا۔ اسلام کی طرف دعوت دی۔ آگ سے ڈرایا۔ جنت کی طرف راہ نمائی کی" آپ ﷺ نے فرمایا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے انہیں یہ یہ بتایا ہے" آپ ﷺ نے ساری انہیں بتا دیں" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے۔ میں رب تعالیٰ اور آپ کی

بارگاہ میں رجوع کرتا ہوں"۔

اس غزوہ میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن ابی امیہ المخزومی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

طائف سے واپسی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف فتح کرنے کا اذن نہ دیا گیا۔ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! آپ اٹھ کر اہل طائف کی طرف تشریف کیوں نہیں لے جاتے" آپ نے فرمایا "ابھی مجھے طائف فتح کرنے کی اجازت نہیں ملی۔ میرے گمان کے مطابق اس وقت ہم اسے فتح نہیں کر سکتے"۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بتائی، وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! وہ کیا بات ہے جو خولہ نے مجھ سے کی ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ بات آپ نے ان سے کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں! میں نے اسے یہ بات بتائی ہے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "کیا ان کے متعلق رب تعالیٰ نے آپ کو اجازت نہیں دی" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوچ یا عدم کوچ کے متعلق حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کی "یہ اس لومڑی کی مانند ہیں کہ اگر آپ یہاں قیام فرمائیں گے تو اسے پکڑ لیں گے۔ اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں دے گی"۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے مکھن سے لبریز ایک پیالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مرغ نے چونچ ماری اور اسے نیچے گرا دیا۔ اس کا مکھن نیچے گر پڑا" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس وقت طائف فتح کر سکیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری رائے بھی یہی ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سال طائف فتح کرنے کا اذن نہ دیا گیا۔ اس میں کیا حکمت کارفرما تھی؟ اس میں یہ حکمت پنہاں نظر آتی ہے تاکہ اس قلعہ کو قتل و غارت کر کے جڑ سے نہ اکھیڑ پھینکا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا معاملہ مؤخر کر دیا حتیٰ کہ وہ اطاعت گزار اور مسلمان بن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کوچ کا اعلان کریں۔ یہ اعلان سن کر مسلمانوں نے شور کیا۔ انہوں نے فرمایا "ہم کوچ کر جائیں حالانکہ ابھی تک ہم نے طائف فتح نہیں کیا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "صبح جنگ کے لیے تیاری کرو" مسلمانوں نے صبح کے وقت دشمن پر حملہ کر دیا جس میں بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ان شاء اللہ! ہم واپس لوٹ جائیں گے" یہ فرمان سن کر مسلمان خوش ہو گئے۔ اور کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی رائے جلد تبدیل ہونے پر مسکرانے لگے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے ان کی رائے سے زیادہ بابرکت اور نفع بخش ہے۔ صحابہ کرام بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "یوں کہو "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ، صدق وعدہٗ، نصر عبدہٗ وھزم الاحزاب وحدہٗ" جب صحابہ کرام کوچ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا "یوں کہو" آیبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون" آپ سے عرض کی گئی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! اہل طائف میں سے بنوثقیف کے لیے بددعا کریں" آپ ﷺ نے یہ دعا کی "مولا! بنوثقیف کو ہدایت دے۔ اور انہیں مسلمان بنا کر لے آ"۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری پر رحم کرے انہوں نے کتنے عمدہ اشعار لکھے ہیں:

جهلت قومه عليه فاغضى واخوا الحلم دابة الاغضاء

وسع العالمين علما وحلما فهو بحر لم تعبه الاعباء

"آپ کی قوم نے آپ کو نہ پہچانا۔ وہ تغافل پیشہ رہی۔ آپ تو سراپا علم تھے۔ چشم پوشی ہی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ علم اور حلم کے اعتبار سے آپ کائنات سے بھی وسیع ہیں۔ آپ ایسے بحر بے کراں ہیں جسے بوجھ جھکا نہیں سکتے"۔

مال غنیمت کی تقسیم

حضور اکرم ﷺ جعرانہ واپس تشریف لائے۔ راستہ میں سراقہ بن مالک نے آپ کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے وہ رقعہ اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا جو ہجرت کرتے وقت حضور اکرم ﷺ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔ انہوں نے بآواز بلند کہا "میں سراقہ ہوں۔ یہ میرا رقعہ ہے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "آج دفاء اور مؤدت کا دن ہے۔ اسے میرے قریب کردو" انہیں حضور اکرم ﷺ کے قریب کیا گیا تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے آپ سے ان گم شدہ اونٹوں کو پانی پلانے کے متعلق پوچھا جو ان کے اس حوض پر آتے تھے جسے انہوں نے اپنے اونٹوں کے لیے بھرا ہوا ہوتا کہ کیا ان میں اجر و ثواب ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "ہاں! ہر کلیجہ والی چیز کو پانی پلانے میں اجر ہے" جب آپ ﷺ جعرانہ تشریف لے گئے تو آپ نے قیدیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زائد بکریاں، چار ہزار اوقیہ سے زائد چاندی اور دیگر سامان مال غنیمت میں شامل تھا۔ آپ نے بنوہوازن کے آنے کا انتظار کیا۔ آپ نے دس سے زائد روز تک ان کا انتظار کیا۔ پھر مال غنیمت کو تقسیم کردیا۔ پھر بنوہوازن مسلمان بن کر حاضر خدمت ہوگئے۔ آپ نے ان کے قیدی واپس کردیے۔ آپ نے ان کے رئیس مالک بن عوف نصری کے متعلق پوچھا۔ آپ سے عرض کی گئی "وہ طائف میں بنوثقیف کے ساتھ ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "اسے بتادو کہ وہ مسلمان ہوکر میرے پاس آجائے تو میں اس کا اہل و مال اسے واپس لوٹا دوں گا اور اسے ایک سو اونٹ مزید عطا فرماؤں گا" جب لوگوں نے مالک کو یہ بات بتائی تو وہ چھپ کر سوار ہوکر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوگیا۔ آپ اس وقت جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ آپ ﷺ نے اس کا اہل و مال واپس کردیے۔ اسے ایک سو اونٹ بھی عطا فرمائے۔ مالک نے اسلام قبول کرلیا۔ اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ جب انہوں نے دولت اسلام سمیٹ لی تو حضور ﷺ کی یوں مدح سرائی کی:

ما ان رأيت ولا سمعت بمثله في الناس كلهم بمثل محمد

اوفى واعطى للجزيل اذا احتدى ومتى تشا يخبرك عما في غد

فکأنہ لیث علی أشبالہ وسط الھباء ۃ جاذر فی مرصد

''میں نے تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل سارے لوگوں میں نہ تو دیکھا ہے نہ ہی سنا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عنایات وعطیات کا مطالبہ کیا جائے تو آپ بڑے بڑے اور پورے پورے عطیات سے نوازتے ہیں۔ جب تم چاہو گے وہ تمہیں بتا دیں گے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ وہ گویا کہ وہ شیر ہیں جو اپنے بچوں کی نگرانی کر رہا ہے۔ جو غبار کے درمیان موجود ہے اور کچھار میں دشمن کی تاڑ میں ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے مسلمان افراد پر عامل مقرر کیا۔ وہ ان کے ساتھ مل کر بنو ثقیف کے ساتھ جنگ کرتے۔ انہوں نے ان پر زندگی کی راہیں تنگ کر دیں حتیٰ کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے قادسیہ اور دمشق کی فتح میں شرکت کی۔

بنو ہوازن کا وفد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما چکے تھے تو ہوازن کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے آپ سے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قیدی اور اموال واپس کر دیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تمہارا انتظار کیا حتیٰ کہ مجھے گمان ہوا کہ تم اب نہیں آؤ گے۔ میں نے مال غنیمت تقسیم کر دیا ہے۔ اب یا قیدی لے لو یا مال غنیمت'' انہوں نے قیدی پسند کر لیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے گفتگو فرمائی کہ بنو ہوازن کے قیدی واپس کر دیں۔ عیینہ بن حصن کے علاوہ سارے مسلمانوں نے اپنے اپنے قیدی واپس کر دیے۔ اس نے ایک بڑھیا کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا ''قبیلے کی ماں ہے وہ اس کا گراں بہا فدیہ ادا کریں گے'' پھر اس نے چھ اونٹوں کے بدلے اسے بھی واپس کر دیا۔ ان قیدیوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی ان قیدیوں میں تھیں۔ جب حضرت شیماء رضی اللہ عنہا نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں آپ کی رضاعی بہن ہوں'' تو آپ نے فرمایا ''اس کی کیا علامت ہے؟ انہوں نے آپ کو وہ نشان دکھایا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بچپن میں اپنے دانت مبارک سے کاٹا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نشان سے انہیں پہچان لیا۔ آپ کو یہ واقعہ یاد آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے ان کے لیے اپنی مبارک رداء بچھا دی۔ یہی سلوک آپ نے اپنی رضاعی والدہ کے ساتھ اس وقت کیا جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ کی چشمان مقدس سے آنسوؤں کے موتی گرنے لگے۔ آپ نے حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کو پہچانا تو فرمایا ''مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی'' دوسری روایت کے مطابق حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کی قوم نے ان سے کہا ''یہ ہستی والا تمہارے بھائی ہیں۔ کاش! تم ان کی خدمت میں جاؤ اور ان سے اپنی قوم کے متعلق سوال کرو۔ ہمیں امید ہے کہ وہ آپ کا سوال رد نہیں کریں گے'' حضرت شیماء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ عرض کی ''کیا آپ نے مجھے پہچان لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی ''میں آپ کی رضاعی بہن بنت ابی ذؤیب ہوں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا۔ آپ نے مجھے میرے اس کندھے پر دانتوں سے کاٹ

لیا۔ یہ اس کا نشان ہے" آپ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ساری قیدی ان کے حوالے کر دیے۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ حضرت شیماء رضی اللہ عنہا کی طرح کی بابرکت اور یمن سے معمور کوئی خاتون نہ تھی۔ آپ نے انہیں اختیار دیا۔ آپ نے فرمایا "اگر پسند کرو تو میرے ہاں ہی قیام کرو۔ محبت و عزت ملے گی۔ اگر پسند کرو میں تمہیں ساز و سامان عطا کر دیتا ہوں تم اپنی قوم کے پاس لوٹ جاؤ" انہوں نے عرض کی "آپ مجھے مال و متاع عطا فرما دیں۔ میں اپنی قوم کے پاس لوٹ جاتی ہوں" آپ نے انہیں مویشی، جانور، غلام مکحول اور لونڈی عطا کی۔ دوسری روایت کے مطابق آپ نے انہیں تین غلام، لونڈی اور جانور اور مویشی عطا کیے" دوسری روایت کے مطابق اس وقت حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تھیں۔ شاید دونوں ہی حاضر خدمت ہوئی ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ابوصرد حاضر ہوا۔ اس کی کنیت ابو برقان تھی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رضاعی چچا تھا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہماری اصل ایک ہے۔ ہم ایک قبیلہ کے فرد ہیں۔ ہمیں جس آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ حضور! ان خواتین میں آپ کی رضاعی مائیں، خالائیں، پھوپھیاں اور رضاعی بہنیں ہیں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم اللہ رب العزت اور آپ کی طرف رغبت کرتے ہیں" ابوصرد نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ان قیدیوں میں آپ کی رضاعی پھوپھیاں، خالائیں اور دایاں بھی ہیں جو آپ کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو ہوازن کے ساتھ تھا۔ اگر ہم نے شام کے بادشاہ حارث بن ابی شمر یا عراق کے بادشاہ نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا پھر ہمیں اس طرح کی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا تو پھر بھی ہمیں اس کی شفقت اور مہربانی کی امید ہوتی۔ آپ تو بہترین کفالت کرنے والے ہیں" پھر اس نے آپ کی رحمت اور شفقت کا طلب گار بنتے ہوئے کچھ اشعار کہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

امنن علینا رسول الله فی کرم　　فانک المرء نرجوه وننتظر

امنن علی نسوة قد کنت ترضعها　　اذ فوک یملؤه من محضها الدرر

انا نؤمل عفوا منك تلبسه　　هذی البریة ان تعفوا وتنتصر

فالبس العفو من کنت ترضعه　　من امهاتك ان العفو مشتهر

"یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم پر کرم کرتے ہوئے احسان فرمائیں، آپ وہ بلند پایہ ہستی ہیں جس سے ہم رحمت کی امید وابستہ رکھتے ہیں اور ہم جس کے منتظر ہیں۔ ان خواتین پر رحم فرمائیں جن کا دودھ آپ نوش فرماتے تھے۔ اور آپ کا دہن مبارک ان کے دودھ سے بھر جاتا تھا۔ ہم آپ سے عفو و درگزر کی امید رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق کے ہادی ہیں۔ اگر ہمیں معاف کر دیں یا ہماری مدد فرمائیں تو بعید از کرم نہ ہوگا۔ آپ اپنی ان رضاعی ماؤں کو معاف فرمائیں جن کا آپ دودھ نوش فرماتے تھے۔ آپ کے عفو و کرم کی شہرت تو زبان زد عام ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تو نے بہت عمدہ بات کی ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔ کیا اپنے فرزند اور خواتین تمہیں پسند

ہیں۔ یا تمہیں اپنے اموال پسند ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو۔ میں نے تمہارا انتظار کیا حتیٰ کہ میں نے گمان کیا کہ تم نہیں آؤ گے" دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے انہیں فرمایا "مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہے۔ اب اپنے قیدیوں میں سے اور اپنے اموال میں سے تمہیں جو زیادہ پسند ہو وہ لے لو" ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "میرا مال اور بنو عبدالمطلب کے حصہ کا مال تمہارا ہے۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھا چکوں تو تم اٹھ کر یہ کہنا" ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے سامنے بطور سفارشی لے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مسلمانوں کو بطور سفارشی پیش کرتے ہیں۔ تم اپنے اسلام کا اظہار کر دینا۔ اور کہنا "ہم تمہارے دینی بھائی ہیں" میں لوگوں سے تمہارے متعلق سوال کروں گا" جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی تو بنو ہوازن کا وفد کھڑا ہو گیا اور اس نے اسی طرح کہا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا "تمہارے یہ بھائی ہمارے پاس توبہ کرتے ہوئے آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ میں ان کے قیدی واپس کر دوں۔ جو تم سے خوشدلی سے اس طرح کر سکتا ہے وہ یوں کر دے اور جو تم سے ان قیدیوں سے اپنا حق لینا چاہے تو اس کے لیے ہر فرد کے بدلے چھ حصے ہیں" دوسری روایت میں فرائض کا لفظ بھی ہے کیونکہ اونٹ کو فریضہ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے زکوٰۃ میں دیا جا سکتا ہے۔ جو شخص ان جنگی قیدیوں سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں تو وہ اپنے حصہ کے قیدی اپنے پاس رکھے۔ اللہ تعالیٰ جو مال فئے ہمیں سب سے پہلے عطا فرمائے گا اس میں سے ہر مجاہد کو جو حصہ ملے گا اس سے چھ گنا ئی قیدی ہم اس کو معاوضہ دیں گے" پھر فرمایا "جو کچھ میرے لیے اور بنو عبدالمطلب کے لیے ہے وہ تمہارا ہو گیا"۔ مہاجرین وانصار نے بیک زبان کہا "جو ہمارا حصہ ہے ہم وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں" اقرع بن حابس نے کہا "میں اور بنو تمیم اس طرح نہیں کر سکتے" عیینہ بن حصن الفزاری نے کہا "میں اور بنو فزارہ اس طرح نہیں کریں گے" عباس بن مرداس نے کہا "میں اور بنو سلیم اس طرح نہیں کریں گے" بنو سلیم نے کہا "ہاں، ہاں! جو ہمارا حصہ ہے وہ ہم اللہ رب العزت اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑتے ہیں" عباس بن مرداس نے کہا "تم نے مجھے کمزور کر دیا ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے مسلمان قوم کو اختیار دیا ہے۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں میں سے کچھ بھی باقی نہیں رکھا۔ جس کے پاس کوئی قیدی ہو وہ خوشدلی سے لوٹانا چاہے تو اسے واپس کر دے۔ جو انکار کرے وہ بھی واپس کر دے۔ یہ اس کا ہم پر قرض ہو گا۔ ہم اسے اس مال فئی میں سے چھ حصے فی قیدی دیں گے جو رب تعالیٰ سب سے پہلے ہمیں عطا فرمائے گا" صحابہ کرام نے عرض کی "ہم راضی ہیں۔ ہم نے قیدی واپس کر دیے ہیں" انہوں نے بنو ہوازن کی خواتین اور ان کے قیدی واپس کر دیے۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شاید تم میں سے کوئی ایسا بھی ہو جو برضا رغبت قیدی واپس نہ کر رہا ہو۔ تم اپنے سرداروں سے کہو کہ وہ یہ معاملہ ہمارے حضور پیش کریں" سرداروں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! یہ سب راضی ہیں" جب آپ نے مسلمانوں میں قیدی تقسیم فرمائے تو منادی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ کوئی حاملہ سے وطی نہ کرے حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو جائے۔ کوئی غیر حاملہ سے وطی نہ کرے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے۔ صاحب ہمزیہ نے

بنوہوازن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کا تذکرہ اپنے ان اشعار میں کیا ہے:

من فضلا علی ہوازن اذ کا ن لہ قبل ذالك فی رياء

فحبا ھا براء توھمت النا س بہ انما السباء ھداء

فغدت فیہ وھی سیدۃ النسا ء والسیدات فیہ اماء

وأتی السبی فی أخت رضاع وضع الکفر قدرھا والسباء

بسط المصطفی لھا من رداء أی فضل حواہ ذالك الرداء

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوہوازن پر فضل و احسان فرمایا کیونکہ اس سے قبل آپ نے ان میں شیر خوارگی کا عہد ہمایوں بسر فرمایا۔ آپ نے حسن سلوک کرتے ہوئے انہیں بچا لیا حالانکہ لوگوں کا گمان تھا کہ قیدی انہیں بطور تحفہ مل گئے ہیں۔ وہ حاضر خدمت ہوئی جو ساری خواتین کی سردار تھی اس میں سردار خواتین بھی لونڈی بنا دی گئی تھیں۔ اس میں آپ کی رضاعی بہن حضرت شیماء رضی اللہ عنہا بھی حاضر ہوئیں۔ کفر اور قید نے اس کی قدر کو کم کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک ان کے لیے بچھا دی۔ تمہیں پتہ ہے کہ کس قسم کے فضل و کرم نے اس مبارک چادر کو گھیر رکھا تھا''۔

صحیح روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوہوازن کے سارے قیدی واپس کر دیے۔ ان میں سے صرف ایک بڑھیا رہ گئی۔ جو عیینہ بن حصن کے پاس تھی۔ اس نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب اس نے اسے پکڑا تو اس نے کہا ''یہ بڑھیا ہے۔ قبیلہ میں اس کا نسب بہت بڑا ہوگا۔ اس کا فدیہ بھی بہت بڑا ہوگا'' اس بڑھیا کے پاس سے اس کا بیٹا زہیر بن صرد گزرا۔ اس نے عیینہ کے ساتھ سودا بازی شروع کی۔ اسے ایک سو اونٹ دینا چاہے مگر عیینہ نے انکار کر دیا۔ عیینہ نے اسے کہا ''اس بڑھیا کو ایک سو اونٹ کے عوض لے جاؤ'' مگر اس کے بیٹے نے انکار کرتے ہوئے کہا ''اب میں اسے صرف پچاس اونٹوں کے عوض لوں گا'' پھر وہ چلا گیا کچھ مدت غائب رہا، پھر عیینہ کے پاس سے گزرا۔ عیینہ نے اسے کہا ''اس بڑھیا کو اب پچاس اونٹوں کے عوض لے جاؤ'' اس کے بیٹے نے کہا ''اب میں صرف پچیس اونٹ دوں گا'' مگر عیینہ نے انکار کر دیا۔ وہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد وہ پھر عیینہ کے پاس سے گزرا۔ عیینہ نے کہا ''اب اسے پچیس اونٹوں کے عوض لے لو'' اس نے کہا ''نہیں! اب اس بڑھیا کو دس اونٹوں کے عوض لے لو'' اس نے کہا ''میں اسے صرف چھ اونٹوں ک عوض لوں گا۔ بخدا! نہ اس کا منہ ٹھنڈا ہے۔ نہ اس کا پستان اٹھا ہوا ہے، نہ اس کا پیٹ بچہ جننے والا ہے، نہ اس کا خاوند اسے تلاش کرنے والا ہے، نہ اس کا پستان زیادہ دودھ دینے والا ہے'' عیینہ نے کہا ''اسے لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے لیے بابرکت نہ کرے'' اس سودا میں خسارے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا تھی۔ آپ نے فرمایا ''جو کسی قیدی کو واپس کرنے سے انکار کر دے اسے اس کی قیمت میں خسارہ ہو'' جب اس کے بیٹے نے اسے حاصل کر لیا تو اس نے عیینہ سے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو قبطی کپڑے پہنائے'' اس نے کہا ''نہیں! اس کا کوئی کپڑا میرے پاس نہیں'' وہ اس سے جدا نہ ہوا حتیٰ کہ اس سے وہ کپڑا ابھی حاصل کر لیا۔

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ جائے اور قیدیوں کے لیے کپڑے خرید کر لائے۔ ان

میں سے ہر آزاد شخص وہ کپڑے پہن کر نکلے۔ حضور ﷺ نے مالک بن عوف نصری کے اہل خانہ کو اپنی پھوپھی حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرایا۔ حتیٰ کہ مالک آ گیا۔ آپ نے اس کے اہل خانہ اس کے سپرد کر دیے۔ جب وفد نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ اس کا مال دو حصوں میں بھی منقسم نہیں ہوگا'' حتیٰ کہ مالک خود حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کا مال واپس کر دیا۔ ایک سو اونٹ زائد بھی دیے۔

مال غنیمت کی تقسیم کے مختلف واقعات

جب حضور ﷺ جعرانہ تشریف لائے تو مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ مؤلفۃ القلوب سے آغاز فرمایا۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے روز کمزور اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نے ارادہ فرمایا کہ اسلام ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔ ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جیسا کہ صفوان بن امیہ۔ جب مال غنیمت جمع کر دیا گیا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ مال و دولت کی فراوانی دیکھ کر عرض کی ''محمد عربی! (ﷺ) آپ تو سارے قریش سے زیادہ دولت مند ہو گئے ہیں'' یہ سن کر حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کی' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا بیٹا یزید، انہیں یزید الخیر بھی کہا جاتا تھا۔ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔ آپ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا کر دی'' پھر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا فرزند، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ بھی ہے'' آپ نے انہیں بھی ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی'' حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والدین آپ پر فدا! آپ ﷺ حالت جنگ میں بھی کریم ہیں۔ آپ حالت صلح میں کتنے کریم ہیں۔ میں نے آپ سے جنگ کی۔ آپ کتنے بہترین جنگ لڑنے والے تھے۔ میں نے آپ سے صلح کی آپ کتنے عمدہ صلح کرنے والے ہیں۔ یہ کرم کی انتہاء ہے۔ اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے''۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ آئے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی۔ آپ نے انہیں ایک سو اونٹ عطا کیے۔ انہوں نے پھر التجاء کی تو آپ ﷺ نے ایک سو مزید عنایت کر دیے۔ انہوں نے سہ بار درخواست کی تو انہیں ایک سو مزید عطا فرما دیے۔ پھر انہیں فرمایا ''حکیم! یہ مال سرسبز و شاداب اور شیریں ہے جس نے اسے سخاوت نفس کے ساتھ لیا اسے اس میں برکت ڈال دی گئی۔ جس نے اسے حرص و لالچ سے لیا۔ اس کے لیے اس میں برکت نہ ڈالی گئی۔ وہ اس شخص کی طرح ہو گیا جو کھاتا ہے لیکن سیراب نہیں ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے'' حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے پہلے سو اونٹ تو قبول کر لیے۔ دوسرے چھوڑ دیے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں آپ کے بعد کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کروں گا حتیٰ کہ میں دنیا کو الوداع کہہ دوں'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو بلاتے، تاکہ انہیں عطیات دیں۔ مگر وہ قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں اپنے زمانہ خلافت میں بلاتے، تاکہ انہیں کچھ عطا کریں، مگر وہ انکار کر دیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے "اے مسلمانوں کے گروہ! میں نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو مال فئے میں سے ان کا وہ حصہ دیا جو انہیں ملتا تھا۔ مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے" آپ نے درج ذیل حضرات کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ حضرت ابوسفیان، ان کے فرزند یزید اور معاویہ، حکیم بن حزام، اخنس بن شریق، جبیر بن مطعم، جد بن قیس سہمی، حارث بن حارث، حارث بن ہشام، حاطب بن عبدالعزیٰ، حرملہ بن خودہ، حویطب بن عبدالعزیٰ، حکیم بن طلیق، خالد بن اسید، خلف بن ہشام، زہیر بن ابی اسید، زید الخیل، سائب بن ابی سائب، صیفی بن عائذ، سہل، سہیل بن عمرو کے فرزند، شیبہ بن عثمان، عبدالرحمٰن بن یعقوب، سفیان بن عبدالاسد، صفوان بن امیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ صفوان بن امیہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ حنین کے لیے نکلا تو ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک سو اونٹ، پھر ایک سو اونٹ، پھر ایک سو اونٹ عطا کیے۔ پھر اونٹوں اور بکریوں سے بھرپور وادی عطا کر دی۔ آپ انہیں عطا کرتے رہے حتیٰ کہ وہ اسلام لے آئے۔ آپ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو بھی سو سو اونٹ عطا فرمائے۔ عباس بن مرداس کو ایک سو سے کم اونٹ عنایت کیے۔ یہ بھی اسی طرح اپنی قوم کے سردار تھے۔ جس طرح اقرع اور عیینہ تھے۔ عباس بن مرداس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ اشعار کہے:

أتجعل نهبي ونهب العبيد بين عيينه والأقرع
فما كان حصن ولا حابس يفوقان مرداس في مجمع
وقد كنت في الحرب ذا تدرؤ فلم اعط شيئا ولم أمنع
وماكنت دون امرى منهما ومن تضع اليوم لم يرفع

"کیا آپ میرا اور عبید کا چھینا ہوا مال عیینہ اور اقرع میں تقسیم کر رہے ہیں۔ حصن اور حابس لوگوں کے اجتماع میں مرداس پر فوقیت نہیں رکھتے۔ میں جنگ میں شان و شوکت کا مالک نہ تھا، نہ مجھے کوئی چیز عطا کی گئی اور نہ مجھے روکا گیا۔ میں ان دونوں سے کم تر نہیں۔ آج جسے آپ پست کر دیں گے وہ بلند نہیں ہو سکے گا"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کا منہ میری طرف سے بند کر دو۔ اس کے ساتھیوں کی مانند اسے دے دو" دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر! میری طرف سے اس کی زبان بند کر دو۔ اسے بھی ایک سو اونٹ عطا کر دو" انہوں نے اسے بھی ایک سو اونٹ دے دیے۔ عبید اس کے گھوڑے کا نام تھا۔ بعض حضرات کی تالیف قلبی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پچاس پچاس اونٹ عطا کیے، ان میں حضرات عثمان بن وہب، عمیر بن ورقہ، عمیر بن وہب، عدی بن قیس، عمرو بن مرداس، مخرمہ بن نوفل، ہشام بن عمرو سعید بن یربوع رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کو بھی سو سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ ابوجہم بن حذیفہ، ابوسفیان بن حارث، عکرمہ بن عامر، علقمہ بن علاثہ، عمرو بن اہتم، علاء بن جاریہ، کعب بن اخنس، لبید بن ربیعہ، مالک بن عوف، مطیع بن اسود، نضیر بن حارث، نوفل بن معاویہ، ہشام بن ولید، بعض نے ان میں عکرمہ بن ابی جہل کا بھی ذکر کیا ہے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ اس وقت موجود نہ تھے۔ یہی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ یہ چھپ گئے تھے۔ پھر کشتی پر سوار ہو گئے تھے، حتیٰ کہ ان کی زوجہ محترمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

ان کے لیے امان لے کر ان کی خدمت میں گئی۔ یہ واپس آ گئے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقیہ مال بقیہ اعراب میں تقسیم کر دیا۔

اہل مغازی نے فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اور مال غنیمت کو حاضر کریں۔ پھر آپ نے وہ مال غنیمت لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر پیادہ کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں عطا کیں۔ ہر سوار کو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں عطا کیں۔ اگر اس کے پاس گھوڑے زائد تھے تو زائد گھوڑوں کا اسے حصہ نہ ملا۔ آپ نے انصار اور کبار مہاجرین صحابہ کرام کو کچھ بھی عطا نہ کیا۔ ایک منافق نے کہا "یہ ایسی تقسیم ہے جس میں عدل کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ نہ ہی اس سے رضائے الٰہی کے حصول کا ارادہ کیا گیا ہے" جب اس کی بکواس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ سخت ناراض ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ اللہ رب العزت میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے، انہیں اس سے بھی زیادہ ستایا گیا۔ مگر انہوں نے صبر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمیں اذن مرحمت فرمائیں ہم اس منافق کی گردن اڑا دیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسے چھوڑ دو۔ عنقریب اس کے ساتھی ایسے لوگ ہوں گے جو دین کے معاملہ میں بال کی کھال اتاریں گے، حتی کہ وہ دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ لوگ گفتگو نہ کریں کہ میں اپنے صحابہ کو قتل کر رہا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا تاکہ لوگوں کے لیے تالیف قلبی ہو جائے اور وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔

انصار کے خدشہ کا ازالہ

انصار میں سے بعض لوگوں نے کہا: یہ منافق نہ تھے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ معاف کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو عطا کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں چھوڑ رہے ہیں۔ حالانکہ ابھی تک ہماری تلواریں ان کے لہو سے آلودہ ہیں۔ بخدا! یہ عجیب بات ہے۔ جب شدت کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے لیے ہمیں بلایا جاتا ہے۔ مال غنیمت کا موقع آتا ہے تو دوسروں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ہماری تمنا ہے کہ ہم جان لیں کہ یہ معاملہ کس کی طرف سے ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو ہم صبر کریں گے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہو تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کر لیں گے" یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ نے انہیں چمڑے کے خیمہ میں جمع کیا۔ جب وہ اکٹھے ہو گئے تو آپ کھڑے ہو گئے، فرمایا "یہ کیسی بات ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے" زیرک مند انصار نے عرض کی "ہمارے دانا لوگوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ البتہ عام لوگوں نے بات کی ہے۔ انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف کرے۔ آپ قریش کو عطا کر رہے ہیں، حالانکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرات گر رہے ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے ان لوگوں کو مال عطا کیا ہے جو کفر سے نئے نئے تائب ہوئے ہیں۔ میں نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ کیا تم راضی نہیں ہو کہ لوگ مال لے کر جائیں، بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو لے جاؤ۔ بخدا! جو کچھ تم لے کر جا رہے ہو وہ اس چیز سے کہیں بہتر ہے جسے لوگ لے کر جا رہے ہیں" صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول

اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! ہم راضی ہیں" دوسری روایت میں ہے "مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک وادی میں چلتے تو میں اس وادی میں چلتا جس میں انصار چلتے۔ مولا! انصار پر رحم فرما۔ انصار کی اولاد پر رحم فرما" یہ تحسین آفرین کلمات سن کر انصار گریہ بار ہو گئے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ انہوں نے عرض کی "ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہیں"۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو خطبہ دیا۔ فرمایا "اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہ پایا تھا تو رب تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے ہدایت دی۔ تمہاری جمعیت منتشر تھی۔ رب تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے اکٹھا کر دیا۔ تم تنگدست تھے۔ رب تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے خوشحال کر دیا" جب بھی آپ دہن مبارک سے ایسے کلمات نکالتے۔ انصار عرض کرتے "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جواب کیوں نہیں دیتے۔ اگر تم اس طرح کہتے تو تم سچے ہوتے۔ تمہاری تصدیق کی جاتی "آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے تو آپ کی تکذیب کی جارہی تھی۔ ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ کا کوئی معاون نہیں تھا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ آپ کو شہر سے نکال دیا گیا تھا۔ ہم نے آپ کو پناہ دی۔ اس وقت آپ تنگدست تھے۔ ہم نے آپ کی مالی امداد کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوفزدہ تھے۔ ہم نے آپ کو پناہ دی" انصار نے عرض کی "نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر احسان فرمایا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرامین تواضع، انصاف اور انصار کے شرف وقدر کے اظہار کے لیے فرمائے۔ ورنہ حجت بالغہ اور احسان ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ نہ جاتے اور انصار کے ہاں قیام فرما نہ ہوتے تو ان میں اور دیگر قبائل میں فرق نہ ہوتا۔ حکمت الہیہ کا تقاضا تھا کہ جب مال غنیمت ملے تو اسے ان لوگوں میں تقسیم کیا جائے جن کے دلوں میں ایمان ابھی تک متمکن نہیں ہوا۔ فطرت بشریت کی وجہ سے مال کی محبت باقی تھی۔ یہ ایک اہم سبب تھا جس کی وجہ سے ان کے دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر جمع ہو گئے۔ کیونکہ دل اس ذات سے محبت کرتے ہیں جو ان پر احسان کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکابر مہاجرین اور انصار صحابہ کرام کو مال غنیمت میں سے کچھ بھی عطا نہ فرمایا حالانکہ وہ سارے اس کے مستحق تھے کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ انہیں قوت ایمانی نصیب ہو چکی تھی۔ آپ نے تالیف قلبی کے لیے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ ان کے دل اسلام اور بانی اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔ ان کے پیروکاروں کے دل بھی اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ ہو گئے، کیونکہ وہ اس وقت راضی ہو جاتے تھے جب ان کا رئیس راضی ہو جاتا تھا۔ یہی چیز ان کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ جو اسلام لے آئے تھے ان کے دل کی تقویت کا سبب بنی۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی ان کی اتباع کرنے لگے۔ اس میں یہی عظیم حکمت کارفرما تھی۔ اسی لیے آپ نے فتح مکہ سے ملنے والا مال تقسیم نہ فرمایا، حالانکہ اس وقت مجاہدین کو مال کی سخت ضرورت تھی۔ جس سے ان کی جنگی ضروریات پوری ہوتیں۔ جب آپ سے عرض کی گئی کہ آپ نے عیینہ اور اقرع کو مال عطا فرمایا جعیل بن سراقہ کو چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

جان ہے۔ جعیل ساری روئے زمین سے عمدہ ہے۔ اس میں عیینہ اور اقرع بھی شامل ہیں۔ مگر میں نے ان کے ساتھ تالیف قلبی کی ہے، تاکہ وہ اسلام لے آئیں۔ میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ دوسرا شخص مجھے اس سے پیارا ہوتا ہے۔ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں رب تعالیٰ اسے چہرہ کے بل آگ میں نہ گرادے" دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "میں ان لوگوں کو دیتا ہوں جن کی لالچ اور حرص سے مجھے اندیشہ ہے۔ ان لوگوں نے وہ مال غنیمت کھایا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور غنیٰ پیدا فرمادی۔ ایسے لوگوں میں سے عمرو بن تغلب بھی تھے۔ انہوں نے کہا "بخدا! مجھے یہ پسند نہیں کہ مجھے اس مال کے عوض سرخ اونٹ دیے جائیں" انصار کے متعلق بہت سی احادیث طیبہ وارد ہیں۔ جن میں ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا، ان کی بیٹوں اور پوتوں کے لیے دعا کا تذکرہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ انصار کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سماهم الله أنصارا بنصرهم　دين الهدى وعوان الحرب تستعر

وسارعوا في سبيل الله واعترفوا　للنائبات وماخافوا وما ضجروا

"اللہ تعالیٰ نے ان کا نام انصار رکھا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت کی، جبکہ جنگ کی آگ خوب بھڑک رہی تھی۔ انہوں نے راہ خدا میں جلدی کی۔ وہ مصائب پر ثابت قدم رہے، نہ انہوں نے کمزوری دکھائی نہ ہی تنگدل ہوئے"۔

امام بخاری نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "اسی اثناء میں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حنین سے واپس آرہا تھا۔ اعراب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے التجاء کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں مال غنیمت تقسیم کریں۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! مال غنیمت ہم میں تقسیم کریں" انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک درخت کے نیچے جانے پر مجبور کیا۔ آپ کی چادر تک اتارلی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رک گئے۔ آپ نے فرمایا "مجھے میری چادر تو واپس کردو۔ اگر میرے پاس ان درختوں جتنے جانور ہوتے" دوسری روایت کے مطابق تھامہ میں موجود درختوں کے برابر مویشی ہوتے۔ میں انہیں تم میں تقسیم کردیتا۔ تم مجھے نہ بخیل نہ کذوب اور نہ ہی بزدل پاتے" پھر آپ اٹھ کر ایک اونٹ کی طرف گئے۔ اس کی کوہان سے ایک بال لیا اسے بلند فرمایا، پھر لوگوں سے فرمایا "تمہارے مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ اس بال کے برابر بھی لینا میرے لیے روا نہیں۔ خمس بھی تمہاری طرف ہی لوٹا دیا جاتا ہے" کیونکہ خمس کا اکثر حصہ بھی مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کردیا جاتا تھا"۔

عمرہ کی ادائیگی

مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ ادا فرمایا۔ ذوالقعدہ کے پانچ روز گزر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ طواف کیا، سعی فرمائی، حلق کرایا، پھر اسی رات جعرانہ لوٹ آئے۔ گویا کہ وہ رات اسی جگہ بسر فرمانے کا ارادہ فرما چکے تھے۔ جعرانہ اور مکہ مکرمہ کے مابین اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔ جعرانہ ایک عورت کا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ تیرہ دن بسر فرمائے۔

روایت ہے کہ ستر انبیائے کرام نے جعرانہ سے عمرہ ادا کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف توجہ فرمائی۔ مکہ

مکرمہ میں حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو عامل مقرر کیا۔ ان کے ہمراہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو بھی وہیں متعین فرمایا۔ یہ لوگوں کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ جب آپ مدینہ طیبہ پہنچے تو ذوالقعدہ کے تین دن باقی تھے۔ دوسری روایت کے مطابق ابھی چھ دن باقی تھے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس مہم میں اسی روز سے زیادہ دن بسر ہوئے۔

غزوۂ حنین میں غیبی تائید

بہت سے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے کفر کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ عرب کے آلاؤ کو بجھا دیا۔ ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ دین الٰہی میں داخل ہونے کے علاوہ ان کے لیے اور کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ غزوۂ حنین کے ساتھ رب تعالیٰ نے اہل مکہ کے شکستہ دلوں کو جوڑ دیا۔ وہ نصرت اور مال غنیمت پا کر خوش ہو گئے۔ گویا یہ ان کے شکستہ قلوب کے لیے دوا تھی۔ اس کے ساتھ ہی رب تعالیٰ نے وہ وعدہ پورا کر دیا جو اس نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ اس نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا تو لوگ دین متین میں جوق در جوق داخل ہونے لگیں گے۔ سارا عرب دین الٰہی کو اختیار کر لے گا۔ جب فتح مکمل ہو گئی تو حکمت الٰہیہ کا تقاضا تھا کہ رب تعالیٰ ہوازن اور ان کے پیروکاروں کے دل اسلام لانے سے روک لے۔ وہ لشکر جرار جمع کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کی مکمل تیاری کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو غالب کرے۔ اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر سچی عزتوں کا تاج سجائے اور اپنے دین کی نصرت کرے، تا کہ ان کا مال غنیمت اہل فتح کو ملے، تا کہ رب تعالیٰ اپنے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے مؤمنین بندوں کو غالب کرے اور اپنے دین کو سارے ادیان پر غالب کر دے۔ اسی لیے اس نے اس عظیم شوکت و سطوت کا اظہار کیا کہ اس سے قبل مسلمانوں نے ایسے لشکر کے ساتھ جنگ نہیں کی تھی تا کہ اس کے بعد اہل عرب میں سے کوئی قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکر لینے کی جرأت نہ کر سکے۔

حکمت الٰہیہ کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ پہلے مسلمانوں کو ہزیمت کی تلخی چکھائے، حالانکہ ان کی تعداد بھی بے شمار تھی۔ تیاری بھی ٹھیک اور شوکت و قوت بھی ان کے پاس تھی، تا کہ وہ ان سروں کو پست کر دے جو فتح مکہ کی وجہ سے بلند ہو گئے تھے۔ رب تعالیٰ نے انہیں قصۂ حنین میں مبتلاء کر دیا تا کہ وہ ایسی حرکت سے رک جائیں، نیز انہیں یہ تنبیہ ہو جائے کہ تواضع اور اظہار شکر ان کا مطلوب ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے آشکارا ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ آپ کا سر اقدس اونٹنی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اپنے رب تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع کا اظہار فرما رہے تھے، تا کہ رب تعالیٰ اس شخص کے لیے بھی امر کو واضح کر دے جس نے کہا تھا "ہم آج قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے" کیونکہ نصرت صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور یہ کہ جسے رب تعالیٰ کی نصرت حاصل ہو اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، جسے وہ رسواء کرے اس کا کوئی مددگار نہیں۔ رب تعالیٰ نے ہی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت فرمائی۔ اس نے ہی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان پر سکینت نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل کیے جسے تم دیکھ نہ سکے۔ نیز حکمت الٰہیہ کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ نصرت اور اپنے ان انعامات کو روک لے جو صرف عاجزی اور انکساری کا تقاضا کرتے ہیں جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝

''اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا ملک (مصر) میں، اور بنا دیں انہیں پیشوا اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج وتخت کا) وارث''۔ (القصص)

عرب کو فتح کرنے کا آغاز غزوۂ بدر سے کیا۔ حنین پر اس کا اختتام کر دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم الشان غزوات ہیں۔ اس لیے رب تعالیٰ نے ان کا تذکرہ ''بدر وحنین'' اکٹھا کیا۔

غزوات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توکل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود، مغفر اور زرہیں بھی پہنیں۔ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اسباب کو استعمال کر لینے سے مقام توکل میں کمی نہیں آتی۔ تقدیر اور شرع کے اعتبار سے رب تعالیٰ نے ہی مسببات کے لیے ان اسباب کا تعین فرمایا ہے۔ آپ توکل اور قوت یقین کے اعتبار سے بھی بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر اقدس پر خود تھا۔ یوم حنین کو دو زرہیں زیب بدن فرمائیں۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے آپ سے فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: 67) ''اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے''۔

اسباب کو ان مسببات میں استعمال کرنے سے عبودیت کے کمال میں فرق نہیں آتا، جب کہ اعتقاد یہ ہو کہ تاثیر رب تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی پیدا کردہ ہے۔ اگر رب تعالیٰ اپنی قضاء کو مخفی نہ رکھتا۔ ظاہری اسباب کے ساتھ اسے مقدر نہ فرماتا تو لوگ مؤمن و کافر، شقی اور سعید میں منقسم نہ ہوتے۔ اگر تمام اشیاء کا ظہور خرق عادت کے اعتبار سے ہی ہوتا تو کوئی کافر بھی باقی نہ رکھتا، بلکہ ان خوارق کی وجہ سے لوگ اسلام کے دامن میں پناہ گزیں ہو جاتے۔ اگر ساری اشیاء اپنے ظواہر پر ہی باقی رہتیں۔ خوارق عادت کے بغیر کسی کا ظہور نہ ہوتا تو اسلام کے لیے کوئی نہ جھکتا کیونکہ اکثر اوقات سارے لوگ ایسے اسباب کی تاثیر کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض اشیاء کا ظہور، عادت کے مطابق اور بعض کا ظہور خرق عادت کے اعتبار سے کیا۔ پھر بعض لوگوں کے لیے یہ معاملہ منکشف کر دیا اور بعض کے لیے مخفی رکھا تا کہ جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت سے نواز دے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے نہیں پوچھا جائے گا، البتہ لوگوں نے جو کچھ کہا ان سے ضرور پوچھا جائے گا۔ مال غنیمت کو تقسیم کرتے وقت اعرابیوں نے آپ پر جفاء کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر فرمایا، اس میں آپ کے کرم، حسن خلق، صبر کی وسعت کی دلیل ہے۔ اس سے آپ کے کئی اور اوصاف حمیدہ آشکارہ ہوتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما صدا کی طرف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا۔ ان کے ہمراہ چار سو شہ سوار بھیجے۔ یہ مہم جعرانہ سے واپسی کے بعد پیش آئی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ قبیلہ صداء کے ساتھ جہاد کریں۔ نیز مدوھم کے ساتھ بھی نبرد آزما ہوں۔ زیاد بن حارث صدائی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مہم کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سارے حالات بتا دیے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! میں

انہیں وفد کی صورت میں آپ کے حضور پیش کردوں گا۔ میں اپنی قوم کی اطاعت اور ان کے اسلام کا کفیل ہوں" حضور ﷺ نے فرمایا "تم جاؤ اور ان مجاہدین کو واپس لے آؤ" انہوں نے عرض کی "میری سواری تھک چکی ہے" حضور ﷺ نے انہیں ان شہسواروں کے پیچھے بھیجا۔ یہ انہیں واپس لے آئے۔ حضرت صدائی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس گئے۔ اور پندرہ روز کے بعد انہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کردیا۔ وہ سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

سریہ عیینہ بن حصن بنو تمیم کی طرف

اس سریہ کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ نے حضرت بشر بن سفیان عدوی کلبی رضی اللہ عنہ کو خزاعہ کی شاخ بنو کعب کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان سے صدقات حاصل کریں۔ وہ بنو تمیم کے ساتھ ایک چشمہ پر فروکش تھے۔ حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے بنو کعب سے صدقات لیے۔ بنو تمیم نے ان سے کہا "تم نے اپنے اموال ان لوگوں کو کیوں دے دیے؟ انہوں نے اس مال و دولت کو کثیر سمجھا" بنو تمیم اکٹھے ہو گئے۔ وہ ہتھیار بند ہو گئے اور حضرت بشر رضی اللہ عنہ کو صدقات کا مال لینے سے روک دیا۔ بنو کعب نے انہیں کہا "ہم اسلام لے آئیں ہیں۔ ہمارے دین میں زکوٰۃ کی ادئیگی بہت ضروری ہے" بنو تمیم نے کہا "بخدا! ہم یہاں سے ایک اونٹ بھی نہیں جانے دیں گے" جب حضرت بشر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو مدینہ طیبہ حاضر خدمت ہو گئے۔ ساری صورت حال حضور ﷺ کو عرض کی۔ اس وقت حضور ﷺ نے عرب کے پچاس شہسواروں کو حضرت عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو تمیم کی طرف بھیجا۔ ان میں ایک بھی مہاجر یا انصاری صحابی نہ تھا۔ یہ دن کو چھپ جاتے رات کو عازم سفر ہو جاتے۔ انہوں نے اچانک بنو تمیم پر حملہ کردیا۔ ان کے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لیے۔ انہیں مدینہ طیبہ لے آئے۔ حضور ﷺ نے انہیں حضرت رملہ بنت حارثہ رضی اللہ عنہا کے گھر روکنے کا حکم دیا۔

بنو تمیم کے رؤسا کا کاشانہ اقدس پر حاضری کا انداز

ان قیدیوں کی خبر گیری کرنے کے لیے ان کے رؤساء کی پوری جماعت آئی۔ ان میں عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، اقرع بن حابس، قیس بن حارث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہیم اور رباج بن حارث شامل تھے۔ جب قیدیوں نے انہیں دیکھا تو بچے اور خواتین رونے لگیں۔ یہ وفد حضور ﷺ کے حجرۂ مقدسہ کے دروازہ کے پاس آیا۔ اس سے قبل یہ مسجد نبوی میں گئے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ ظہر کی آذان دے رہے تھے۔ صحابہ کرام حضور ﷺ کے باہر جلوہ افروز ہونے کے منتظر تھے۔ جب کافی دیر ہوگئی تو یہ وفد حجرات مقدسہ کے پاس آیا، باآواز بلند کہا "باہر نکلیں۔ ہم آپ کے ساتھ فخر میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا شاعر آپ کے شاعر کے ساتھ مقابلہ کرے گا۔ جس کی ہم مدح کرتے ہیں، وہ آراستہ ہو جاتا ہے۔ جس کی ہم مذمت کرتے ہیں وہ ذلیل و رسواہ ہو جاتا ہے۔ باہر نکلیں" حضور اکرم ﷺ کا شانہ اقدس سے باہر تشریف لائے، ان کی چیخ و پکار کی وجہ سے آپ کو اذیت ہوئی۔ یہ آیت طیبہ ان کے متعلق ہی نازل ہوئی:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ

اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات)

''بیشک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر نا سمجھ ہیں، اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی، وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توقف فرمایا۔ انہوں نے آپ سے عرض کی ''ہم بنو تمیم میں سے ہیں۔ ہم اپنا خطیب اور اپنا شاعر لے کر آئے ہیں تاکہ آپ کے ساتھ شعر و شاعری اور فخر و مباہات میں مقابلہ کریں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''نہ ہم شعر کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، نہ ہمیں فخر و مباہات کا حکم دیا گیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے۔ نماز ظہر ادا کی۔ پھر مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہو گئے۔ انہوں نے کہا ''ہماری مدح سے انسان مزین ہو جاتا ہے۔ ہماری مذمت سے رسواء ہو جاتا ہے۔ ہم سارے عرب سے معزز ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تم نے جھوٹ بولا ہے، بلکہ رب تعالیٰ کی مدح آراستہ کرتی ہے اس کی مذمت رسواء کرتی ہے۔ حضرت یوسف بن یعقوب (علیہما السلام) تم میں سے سب سے زیادہ معزز و مکرم ہیں'' پھر انہوں نے عرض کی ''ہمارے خطیب اور شاعر کو اذن دیں'' آپ نے فرمایا ''میں نے اذن دے دیا ہے'' وہ اٹھے۔ دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا ''نہ مجھے شعر کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، نہ ہی مجھے فخر کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ مگر لے آؤ جو کچھ تمہارے پاس ہے'' عطارد بن حاجب یا اقرع بن حابس نے ان میں سے ایک جوان کو آگے کیا اور کہا ''اے فلاں! اٹھو! اپنی اور اپنی قوم کی فضیلت بیان کرو'' اس نے گفتگو کی اور یہ خطبہ دیا:

''ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جسے ہم پر فضیلت حاصل ہے۔ وہی اس فضیلت کا اہل ہے۔ اسی نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ ہم کو کثیر رقم عطا کی ہے۔ جس کے ساتھ ہم بھلائی کے کام کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں تعداد کے اعتبار سے اہل مشرق سے زیادہ کیا ہے۔ لوگوں میں سے ہماری مثل کون ہے؟ کیا ہم لوگوں کے سردار نہیں ہیں۔ فضیلت میں ان سے بڑھ کر نہیں ہیں۔ جو ہمارے ساتھ فخر کرنا چاہے، وہ ہماری جتنی کثیر تعداد تو لے کر آئے۔ اگر ہم چاہیں تو تعداد میں اس سے بھی زیادہ ہو جائیں۔ میں نے یہ بات اس لیے کی ہے کہ وہ ہماری بات کی طرح کی بات لے کر آئیں۔ یا ایسا امر لے کر آئیں جو ہمارے امر سے افضل ہو''۔ پھر وہ خطیب بیٹھ گیا۔

دوسری روایت کے مطابق اس خطیب نے کہا:

''تمام تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے مخلوق میں سے ہمیں بہتر بنایا۔ ہمیں دولت و ثروت دی۔ جسے ہم اپنی منشاء کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ ہم اہل زمین سے بہترین ہیں۔ تعداد کے اعتبار سے ان سے زیادہ ہیں۔ اسلحہ کے اعتبار سے ان سے بڑھ کر ہیں۔ جو ہماری اس بات کا انکار کرے وہ ایسا قول لے کر آئے جو ہمارے قول سے احسن ہو۔ ایسا فعل لے کر آئے جو ہمارے فعل سے عمدہ ہو''۔

خطیب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جواب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس کا جواب دیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا ''ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق کیا۔ ان میں اپنے امر کا فیصلہ کیا۔ اس کا علم اس کی کرسی کو محیط ہے۔ کوئی چیز قطعاً رونما نہیں ہوتی مگر اس کے فضل سے۔ یہ اس کا فضل ہی ہے کہ اس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اپنی مخلوق میں سے بہترین کو رسول منتخب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نسب کے اعتبار سے سب سے زیادہ معزز ہیں۔ دل کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاکباز ہیں۔ حسب کے اعتبار سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب مقدس نازل کی۔ انہیں اپنی مخلوق کا امام بنایا۔ آپ سارے جہانوں سے بہترین ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو ایمان کی طرف بلایا۔ آپ کی قوم میں سے مہاجرین آپ پر ایمان لے آئے۔ یہ آپ کے ایسے رشتہ دار ہیں جو نسب کے اعتبار سے سب سے معزز ہیں۔ چہرے کے اعتبار سے سب سے حسین ہیں۔ گفتگو کے اعتبار سے سب سے بہترین ہیں۔ ان کے بعد رب تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس نے سب سے پہلے آپ کی دعوت پر لبیک کہا وہ ہم ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انصار ہیں۔ ہم لوگوں کے ساتھ جہاد کریں گے حتیٰ کہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا، اس نے اپنا مال اور خون محفوظ کر لیا۔ جس نے کفر کیا اس کے ساتھ ہم راہ خدا میں جہاد کریں گے۔ اسے قتل کرنا ہم پر آسان ہے۔ میں یہ بات کرتا ہوں، میں اپنے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ السلام علیك''۔

دوسری روایت کے مطابق انہوں نے کہا ''ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم اس کی ستائش کرتے ہیں۔ اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی پر توکل کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچازادوں میں سے مہاجرین کو دعوت دی جن کے چہرے بہت حسین اور اخلاق بہت عظیم ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔ ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جس نے ہمیں آپ کے انصار اور وزراء اور دین کی عزت بننے کی سعادت بخشی۔ ہم لوگوں سے جہاد کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ یہ گواہی دینے لگیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جس نے یہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اس نے اپنا نفس اور مال ہم سے محفوظ کر لیا۔ جس نے اس کا انکار کیا ہم اس کے ساتھ جہاد کریں گے۔ راہ خدا میں اسے ذلیل کرنا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔ میں یہی بات کہتا ہوں۔ مؤمنین اور مؤمنات کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں''۔

زبرقان نے اپنے وفد میں سے ایک شخص سے کہا ''فلاں! اٹھو! ایسے اشعار پڑھو جن میں اپنی اور اپنی قوم کی فضیلت بیان کرو'' ان کا شاعر اٹھا۔ اپنے اشعار پڑھے جن میں دو شعر یہ بھی تھے۔

نحن الكرام فلاحی يعادلنا نحن الرؤوس وفينا يقسم الربع

اذا أبينا فلا يأبى لنا احد انا كذلك عند الفخر نرتفع

''ہم وہ معزز لوگ ہیں کہ کوئی قبیلہ ہماری ہم سری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ہم میں مال غنیمت کا چوتھا حصہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جب ہم انکار کرتے ہیں تو ہمارے سامنے کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اس طرح ہم فخر کرتے وقت سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہوتے ہیں''۔

حضور ﷺ نے فرمایا ''حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو میرے پاس لے آؤ'' وہ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''اٹھو اور انہیں جواب دو'' حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں نے ان کے اشعار نہیں سنے'' انہوں نے ان کو اپنے اشعار سنائے۔ ان کے جواب میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ فی البدیہ اشعار کہے۔ جن میں سے دو یہ ہیں۔

نصرنا رسول الله والدين عنوة على رغم عات من بعيد وحاضر

واحياؤنا من خير من وطىء الحصا وأمواتنا من خير أهل المقابر

''ہم نے حضور ﷺ اور دین اسلام کی زبردست مدد کی اور دور ونزدیک کے سارے سرکشوں کو خاک آلود کر دیا۔ ہمارے زندہ لوگ ان لوگوں میں سے بہترین ہیں جو سنگریزوں پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں۔ اور ہمارے فوت ہونے والے ان سب سے بہتر ہیں جو قبروں میں مدفون ہیں''۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے خطیب کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ ایک دن حضور ﷺ نے انہیں مفقود پایا۔ آپ نے فرمایا ''مجھے ان کے بارے کون بتائے گا؟ ایک شخص نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم'' میں! وہ شخص ان کی جستجو میں نکلا۔ اس نے انہیں ان کے گھر میں پایا۔ وہ سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے عرض کی'' آپ کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا'' مجھے خدشہ ہے کہ میں اہل آگ میں سے ہو گیا ہوں، کیونکہ میں نے اپنی آواز کو حضور ﷺ کی آواز سے بلند کر دیا ہے۔ اب یہ آیت طیبہ اتر چکی ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات)

''اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم ﷺ کی آواز سے، اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ہو (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو''۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی آواز اس لیے بلند کرتے تھے کیونکہ ان کے کانوں میں گرانی تھی۔ ان کا گمان تھا کہ لوگ بھی ان کی بات اس وقت سنتے ہیں جب وہ آواز بلند کریں۔ وہ شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو'' تم اہل آتش میں سے نہیں ہو، بلکہ تم اہل جنت میں سے ہو''۔ آپ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا ''بہترین شخص حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ عنہ) ہیں'' حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اعمال صالحہ بجالاتے رہے۔ حسن استقامت پر قائم رہے، حتیٰ کہ جنگ یمامہ کے روز شہید ہو گئے۔ انہوں نے ایک نفیس زرہ

پہن رکھی تھی۔ ان کے پاس ایک مسلمان شخص گزرا۔ اس نے وہ زرہ اتار لی۔ اسی اثناء میں کہ ایک مسلمان شخص سویا ہوا تھا کہ اس نے خواب میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ انہوں نے فرمایا "میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں یہ نہ سمجھنا کہ یہ خواب ہے اور اسے ضائع کردو۔ جب میں شہید ہوا تو میرے پاس سے ایک مسلمان شخص گزرا۔ اس نے میری زرہ چھین لی۔ اس کی اقامت گاہ سارے لوگوں سے دور ہے۔ اس کے خیمہ کے پاس گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ اس نے زرہ کے اوپر ہنڈیا الٹی رکھی ہوئی ہے اور ہنڈیا کے اوپر کجاوہ رکھا ہوا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ انہیں کہو کہ وہ یہ زرہ لے لیں۔ جب مدینہ طیبہ جاؤ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جانا۔ انہیں عرض کرنا کہ مجھ پر اتنا اتنا قرض ہے۔ میرا فلاں غلام آزاد ہے" وہ شخص بیدار ہوا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس زرہ کے متعلق بتایا۔ انہوں نے ایک آدمی بھیج کر وہ زرہ منگوالی۔ وہ اسی طرح تھی جس طرح حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے خواب میں بتایا تھا۔ جب وہ شخص مدینہ طیبہ آیا تو اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خواب بتایا۔ انہوں نے ان کی وصیت کو جائز قرار دیا۔ ان کے علاوہ موت کے بعد کسی اور کی وصیت کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور زبرقان بن بدر کے مابین مفاخرت ہونے لگی۔ ہر ایک نے ایک ایک قصیدہ پڑھا جس میں فخر و مباہات کا ذکر تھا۔ زبرقان کے قصیدہ کا مطلع یہ تھا:

نحن الکرام فلاحی یعادلنا من الملوك دفینا تنصب البیع

"ہم معزز و مکرم ہیں، کوئی قبیلہ ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ہم میں سے ہی بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہاں ہی عبادت گاہیں بنائی جاتی ہیں"۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کا مطلع یہ تھا

انا أبینا ولن یأبی أحد انا کذلك عن الفخر نرتفع

"ہم لوگوں کی باتوں کا انکار کردیتے ہیں مگر کوئی اور ہماری بات کا انکار نہیں کرسکتا۔ اظہار فخر کے موقع پر ہم اسی طرح بلند رہتے ہیں"۔

اقرع بن حابس نے کہا "محمد عربی! صلی اللہ علیک وسلم! میں نے بھی اشعار کہے ہیں۔ آپ سماعت فرمائیں:

أتیناك کیما یعلم الناس فضلنا اذا خالفونا عند ذکر المکارم

وانا رؤوس الناس من کل معشر وأن لیس فی أرض الحجاز کدارم

"ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں تاکہ لوگ ہماری فضیلت سے آگاہ ہو جائیں، جب وہ مکارم کے وقت ہمارے ساتھ مقابلہ کریں۔ ہم ہر قبیلہ میں سے لوگوں کے سردار ہیں، سرزمین حجاز میں دارم جیسا اور کوئی نہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حسان! اٹھو اس کو جواب دو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بنی دارم لاتفخروا ان فخرکم یعود وبالا عند ذکر المکارم

هبلتم علینا تفخرون وانتم کناخول مابین ظئر وخادم

''بنودارم! فخر نہ کرو، بلاشبہ تمہارا یہ فخر مکارم اخلاق کے تذکرہ کے وقت تمہارے لیے وبال جان بن جائے گا۔ تمہاری مائیں تمہیں گم کریں تم ہم پر فخر کرتے ہو جب کہ تم ہمارے مابین غلام اور لونڈیوں کی طرح ہو، کوئی دودھ پلا رہا ہے۔ کوئی خدمت بجالا رہا ہے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اقرع سے فرمایا ''اے بنودارم کے بھائی! تو اس بات سے مستغنی تھا کہ تو اس بات کا ذکر کرے جسے لوگ فراموش کر چکے تھے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی باتوں سے بھی شدید تھا۔ اس وقت اقرع نے کہا ''آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑھ کر اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ قادر الکلام ہے۔ ان کی آوازیں ہمارے افراد کی آوازوں سے زیادہ شیریں ہیں'' پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوا اور یہ گواہی دی ''اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله'' اس سے قبل یہ پاکیزہ کلمہ کہنے سے تجھے کس چیز نے روکا؟ روایت ہے کہ حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دے رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے دس بچے ہیں۔ مگر میں نے ان میں کسی کو کبھی بھی نہیں بوسہ دیا'' آپ نے فرمایا ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔

حضرت اقرع رضی اللہ عنہ کا نام فراس تھا۔ لقب اقرع تھا، کیونکہ ان کے سر پر گنج تھا۔ یہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں شریف تھے۔ روایت ہے کہ عمرو بن اہیم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے زبرقان کی مدح کی۔ انہوں نے کہا ''اس محفل میں ان کی بات مانی جاتی ہے۔ وہ اپنے قبیلہ کے سردار ہیں'' زبرقان نے کہا ''یارسول اللہ! اس نے میرے شرف کی وجہ سے میرے ساتھ حسد کیا ہے۔ یہ میری ان سے عمدہ ترین خوبیوں سے آگاہ ہے جو اس نے بیان کیں ہیں'' عمرو نے کہا ''یہ کم مروت، چھوٹے صحن والا اور لئیم ماموں والا ہے'' دوسری روایت کے مطابق زبرقان نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں تمیم کا سردار ہوں۔ ان میں میری اطاعت کی جاتی ہے۔ میری بات کا جواب دیا جاتا ہے۔ میں انہیں ان کے حقوق دلوانے والا اور انہیں ظلم سے روکنے والا ہوں'' عمرو بن اہیم میرے یہ اوصاف جانتا ہے'' عمرو نے کہا ''یہ شدید عارضہ والا، اپنی جانب سے روکنے والا اور قریبی رشتہ داروں میں اس کی اطاعت کی جاتی ہے'' زبرقان نے کہا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس نے جھوٹ بولا ہے۔ حسد نے اسے صحیح گفتگو کرنے سے روک دیا ہے'' عمرو نے کہا ''کیا میں تم سے حسد کروں گا؟ بخدا! تو لئیم ماموں والا، کم مال والا، احمق بچے والا اور قبر میں مبغوض ہے'' عمرو نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر ناگواری کے اثرات دیکھ لیے۔ اس نے کہا ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے پہلی بات کی تصدیق کی۔ دوسری کی تکذیب نہیں کی۔ میں راضی ہوں'' اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ انداز بیان میں جادو وائی اثر ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قیدی واپس کر دیئے۔ جب وہ اسلام لے آئے تو انہیں عمدہ عطیات سے نوازا۔ ہر ایک کو بارہ اوقیہ چاندی عطا کی۔ یہ وفد کتنی تعداد پر مشتمل تھا۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے ان کی تعداد ستر، کچھ نے اسی اور بعض نے نوے بیان کی ہے۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے ''جب اس قوم نے اسلام قبول کر لیا تو کافی مدت مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہے۔ وہ قرآن مجید اور دین متین سیکھتے رہے۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس جانے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی خواتین اور اموال

واپس کر دیئے۔ فرمایا "کیا کوئی شخص عطیات سے رہ تو نہیں گیا"۔ عمرو بن اہیم ان کی سواریوں کے پاس تھا۔ قیس بن عاصم نے کہا: یہ ان کے ساتھ بغض رکھتے تھے "ہمارا یہ بچہ رہ گیا ہے جو ہماری سواریوں کے پاس ہے" انہوں نے ان پر عیب لگایا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی وہی کچھ عنایت فرمایا جو وفد کے دیگر ارکان کو عطا کیا تھا۔ دوسرے قول کے مطابق انہیں پچاس اوقیہ چاندی دی۔ جب عمرو بن اہیم تک قیس بن عاصم کی یہ بات پہنچی تو انہوں نے کئی اشعار کہے جو ان کی ملامت پر مشتمل تھے۔ عمرو بلیغ خطیب اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کے اشعار میں شیرینی اور رنگینی پائی جاتی تھی۔ یہ بہت خوبصورت تھے۔ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں "المکحل" کہا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ شعر بھی کہا

لعمرك ما ضاقت بلاد باهلها ولكن اخلاق الرجال تضيق

"تیری زندگی کی قسم شہر اپنے مکینوں کی وجہ سے تنگ نہیں۔ مگر آدمیوں کے اخلاق تنگ ہوتے ہیں"۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق کی طرف بھیجنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق سے صدقات لانے کے لیے بھیجا۔ بنو مصطلق بنوخزاعہ کی ایک شاخ تھے۔ ان کے اور ولید کے مابین زمانہ جاہلیت میں عداوت تھی۔ اب وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے کئی مساجد تعمیر کر رکھی تھیں۔ جب انہیں حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے قریب آنے کی خبر ملی تو ان کے بیس افراد اونٹ اور بکریاں لے کر نکلے۔ انہوں نے برضا و رغبت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرتے ہوئے یہ مال بطور زکوٰۃ ادا کرنا تھا۔ جب حضرت ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا اسلحہ دیکھا تو شیطان نے ان کے اندر وسوسہ سازی کی کہ یہ لوگ انہیں قتل کرنے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ صرف زیبائش و آرائش کے لیے اسلحہ لے کر نکلے تھے۔ وہ راستہ سے ہی واپس آ گئے۔ ان تک پہنچے ہی نہیں۔ اپنے گمان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ انہوں نے اسلحہ کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ ان کے اور صدقات کے مال کے مابین حائل ہو گئے۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے مرتد ہونے کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ایسا فرد بھیجیں جو ان کے ساتھ جہاد کرے۔ بنو مصطلق تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حقیقی صورت حال جاننے کے لیے بھیجا۔ ان کے ساتھ کچھ مجاہدین بھی بھیجے۔ انہیں حکم دیا کہ یہ ساری کارروائی مخفی رکھیں۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے رات کے وقت اپنے جاسوس بھیجے۔ وہ لوگ اذان دے رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو وہاں بھلائی اور اطاعت کے علاوہ اور کچھ نہ دیکھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واپس آ گئے اور سارے حالات گوش گزار کیے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف صحابہ کرام کو بھیجا۔ حارث بن ضرار الخزاعی نے ان کا استقبال کیا۔ وہ قوم کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا "تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا "تمہاری طرف" حارث نے پوچھا "کیوں؟ صحابہ کرام نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان کا گمان ہے کہ تم نے انہیں زکوٰۃ سے روکا اور تم نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے" حارث نے کہا "نہیں! مجھے اس ذات کی قسم جس نے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حق کے ساتھ

مبعوث کیا ہے۔ میں نے نہ ہی انہیں دیکھا نہ ہی وہ میرے پاس آئے" پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا "تو نے زکوٰۃ روک لی اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا" انہوں نے عرض کی "نہیں! یا رسول اللہ! (ﷺ) مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے" وہ کارواں بھی حاضر خدمت ہو گیا جس نے ولید رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تھی۔ اور حضور ﷺ کو سچی بات عرض کی۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو ان سے صدقات کے اموال لیں۔ اسلامی احکام اور قرآن پاک انہیں سکھائیں۔ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کوفہ کا گورنر بنایا۔ پھر انہیں معزول کر دیا۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت ولید رضی اللہ عنہ اس فتنہ سے جدا ہو گئے۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شرکت کی، نہ ہی کسی اور کی طرف سے۔ انہوں نے رقہ میں اقامت اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں وصال کر گئے۔

سریہ عبداللہ بن عوسجہ رضی اللہ عنہ

انہیں بنو عمرو بن حارثہ یا بنو حارثہ بن عمرو کی طرف بھیجا گیا۔ ربیع الاول کا چاند ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ ماہ صفر کے آخری ایام تھے۔ 9ھ تھی۔ انہوں نے انہیں اسلام کی طرف دعوت دی، مگر انہوں نے دعوت پر لبیک نہ کہا۔ انہوں نے حضور ﷺ کا صحیفہ مبارک چھپا دیا۔ انہوں نے اسے دھو کر ڈول میں پھینک دیا۔ حضور ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے ان کے عقل کی صلاحیتیں سلب ہونے کے لیے بددعا کی۔ آپ نے فرمایا "انہیں کیا ہے اگر رب تعالیٰ ان کی عقل ختم کر دے" آج تک ان کے جسموں میں اضطراب اور کلام میں عجلت ہے۔ وہ ایسی مختلط کلام کرتے ہیں جسے سمجھا نہیں جاسکتا۔ امام واقدی نے لکھا ہے "میں نے ان میں سے بعض کو دیکھا ہے، وہ مختلط کلام کرتے ہیں۔ وہ اچھی طرح گفتگو نہیں کر سکتے تھے"۔

سریہ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ نے ان کو خثعم کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ تربہ کے قریب مقیم تھے۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے دو یا اس سے کچھ زائد میل دور ہے۔ یہ سریہ ماہ صفر 9ھ کو رونما ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے ساتھ بیس مجاہدین روانہ فرمائے۔ آپ نے انہیں دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مجاہدین دشمن کے پاس آئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ فریقین کے بہت سے افراد زخمی ہوئے۔ پھر مسلمانوں نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ بہت سے جانور مویشی اور عورتیں ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے"۔

سریہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ نے انہیں بنو کلاب کی طرف بھیجا۔ یہ سریہ ربیع الاول 9ھ کو رونما ہوا۔ یہ دشمن کے پاس آئے۔ انہیں اسلام کی طرف دعوت دی، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سمیت ان پر حملہ کر دیا۔ دشمن کو شکست دے دی اور ان کا مال بطور مال غنیمت حاصل کر لیا۔

سریہ علقمہ بن مجزز

آپ ﷺ نے انہیں حبشہ کے کچھ افراد کی طرف بھیجا۔ وہ جدہ کے قریب ساحل سمندر پر آباد تھے۔ آپ نے انہیں تین سو شہ سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ وہ سمندر میں جزیرہ کے پاس گئے۔ یہ جب سمندر میں اترے تا کہ دشمن تک پہنچیں تو دشمن بھاگ گیا۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی واپس آ گئے۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ جب حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ واپس ہونے لگے تو بعض مجاہدین نے اپنے اہل خانہ کے پاس جانے کے لیے جلدی کی، ان میں حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اس لشکر کا امیر بنایا۔ حضرت حذافہ رضی اللہ عنہ میں ظرافت پائی جاتی تھی۔ صحابہ کرام ایک جگہ فروکش ہوئے۔ انہوں نے وہاں آگ جلائی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا ''میں عزم رکھتا ہوں کہ تم سب اس آگ میں کود پڑو'' جب ان میں سے بعض نے ارادہ کیا تو انہوں نے کہا ''ٹھہر جاؤ! میں تو مذاق کر رہا تھا''۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابہ کرام نے یہ بات بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں عرض کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''جو تمہیں معصیت کا حکم دے اس کی بات نہ مانو'' دوسری روایت میں ہے کہ جب انہوں نے آگ جلائی اور اس میں کود جانے کا ارادہ کیا تو ان میں سے بعض نے بعض کو روک لیا۔ انہوں نے کہا ''ہم نے آگ سے راہ فرار اختیار کیا ہے۔ ہم خود کو آگ میں کیوں پھینکیں'' ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے غصہ کی حالت میں یہ حکم دیا تا کہ ان کا اس حکم پر عمل پیرا ہونا دیکھیں۔ جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اس بات کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا ''اگر وہ اس میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی باہر نہ نکل سکتے'' بعض روایات میں مذکور امیر کے ساتھ انصاری بھی لکھا ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ''یہاں یہ لفظ شاید اعم معنی میں استعمال ہوا ہو۔ مذکور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا تعلق مہاجرین کے ساتھ ہی تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق انہیں اس لشکر کا امیر حضور ﷺ نے خود مقرر فرمایا تھا۔ ممکن ہے کہ اس روایت میں امیر بنانے کی نسبت آپ کی طرف کر دی ہو کیونکہ آپ ﷺ کے امیر کا کسی کو امیر بنانا آپ ہی کے امیر بنانے کی طرح تھا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ قدماء مہاجرین میں سے تھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر میں وصال فرمایا۔

امام بیہقی نے ان کے مناقب میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا۔ ان میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ روم کے بادشاہ نے کہا ''نصرانیت اختیار کر لو۔ میں تمہیں اپنی سلطنت میں شامل کر لوں گا'' انہوں نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا ''اگر یہ نصرانیت اختیار نہ کریں تو انہیں مصلوب کر دیا جائے'' جب انہیں پھانسی کے پھندے کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو یہ رونے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر بادشاہ نے تعجب کیا۔ اس نے پوچھا ''کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے فرمایا ''میری تمنا تھی کہ میری ایک سو جانیں ہوتیں جو راہ خدا میں اسی طرح فدا ہوتیں'' بادشاہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا ''میرا سر چوم لو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں'' انہوں نے فرمایا ''سارے مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دے گا'' بادشاہ نے کہا ''ہاں! حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سر چوم لیا اور اس بادشاہ نے سارے قیدی چھوڑ دیے۔

یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بھی ان کا سر چوما۔

سریہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ طے کے بت کو گرانے کے لیے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ماہ ربیع الاول 9ھ میں بھیجا۔ ان کے ہمراہ ایک سو پچاس سوار بھی بھیجے۔ دوسری روایت کے مطابق اس سریہ میں مجاہدین کی تعداد دو سو تھی۔ انہوں نے عرب کے ایک قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ طلوع فجر کے وقت آل حاتم کے محلہ پر حملہ آور ہو گئے۔ بت کو گرانے کے بعد اسے نذر آتش کر دیا۔ اس کے خزانہ سے انہیں تین تلواریں اور تین زرہیں ملیں۔ انہوں نے مال غنیمت میں مویشی، جانور اور چاندی حاصل کی۔ وہ یہ ساری اشیاء لے کر مدینہ طیبہ حاضر ہو گئے۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی نور نظر سفانہ بھی تھی۔ اس نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ آپ نے حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا پر احسان فرمایا۔ انہوں نے آپ کے لیے دعا کی، انہوں نے کہا "وہ ہاتھ آپ کا شکریہ ادا کرتا ہے جو غنی کے بعد فقر میں مبتلاء ہو گیا۔ وہ ہاتھ آپ پر غالب نہ آئے جو فقر کے بعد غنی ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کے احسانات کو احسان کی جگہ جانے کی توفیق دے۔ آپ کو کسی ضرورت کے لیے کسی کمینے کے پاس جانے کی ضرورت نہ پڑے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سفانہ پر احسان فرمایا تو اس احسان کی وجہ سے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن حاتم رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب بہت سے اہل عرب مرتد ہو گئے۔ تو یہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ یہ اپنی قوم کے صدقات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجتے تھے۔ انہوں نے عراق کی فتوحات میں شرکت کی۔ انہوں نے 68ھ میں وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال یا ایک سو اسی سال تھی۔ صحاح ستہ نے ان سے بہت سی احادیث روایت کیں ہیں۔

ابن اسحاق نے حضرت حاتم رضی اللہ عنہ کی بہن کے متعلق روایت بیان کی ہے کہ ان کی بہن بھی ان قیدیوں میں شامل تھی جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدین نے قید کیا تھا۔ انہیں مسجد کے چھپر میں ٹھہرایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، یہ اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ یہ بڑی تیز زبان تھیں۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) والد غائب ہو گیا۔ میرا خیال رکھنے والا بھاگ گیا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارا محافظ کون تھا؟ انہوں نے عرض کی "عدی بن حاتم" حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جانے والا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ دوسرے روز آپ دوبارہ میرے پاس سے گزرے۔ میں نے اسی طرح عرض کی۔ تیسرے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر میرے پاس سے گزرے۔ اب میں مایوس ہو چکی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے۔ انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ اٹھو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کرو۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حفاظت کرنے والا ہلاک ہو گیا۔ نگہبان بھاگ گیا۔ مجھ پر احسان فرمائیں۔ رب تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا" آپ نے فرمایا "میں نے تجھ پر احسان کر دیا ہے۔ اب جلدی نہ کرنا حتیٰ کہ تم کسی قابل اعتماد شخص کو پالو جو تمہیں تمہارے شہر پہنچا دے۔ بنو طے کا ایک

قبیلہ آیا۔ حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں نے آپ سے عرض کی کہ ان افراد میں ایک قابل بھروسہ شخص ہے۔ آپ نے مجھے لباس عطا فرمایا، مجھے سوار کیا، مجھے نفقہ عطا فرمایا۔ میں عازم سفر ہوئی۔ حتیٰ کہ شام میں اپنے بھائی کے پاس آ گئی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا "اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ تم جلدی جلدی ان کے ساتھ جا کر مل جاؤ، اگر وہ نبی ہیں تو سابقون اولون کی فضیلت حاصل کرلو۔ اگر وہ بادشاہ ہیں تو پھر بھی تم عزت وبرکت میں رہو گے۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا" سفانہ کے بھائی نے کہا "بخدا! یہ رائے درست ہے۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور اسلام لے آیا۔

ابن مبارک نے زہد میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا "جب بھی نماز کا وقت داخل ہوتا ہے تو میں پہلے ہی اس کا مشتاق ہوتا ہوں" دوسری روایت میں ہے "میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس وقت سے کبھی بھی نماز کے لیے اذان نہیں ہوئی مگر میں باوضوء ہوتا ہوں" یہ بھی بہت فیاض تھے۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے ایک سو درہم مانگے۔ انہوں نے فرمایا "تم نے مجھ سے ایک سو درہم مانگے ہیں حالانکہ میں ابن حاتم ہوں۔ بخدا! میں تمہیں نہیں دوں گا" ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عدی کی بہن کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا تھا۔ بعض سیرت نگاروں نے دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ لشکر تو سارے انصاری صحابہ کرام پر مشتمل تھا یا تو اس سے مراد یہ ہے لشکر کی اکثر تعداد انصار پر مشتمل تھی یا انصار کا معنی اعم ہے۔

سریہ عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ جباب کی طرف

جباب عذرہ اور بلی کی زمین تھی۔ یہ دو قبیلے تھے۔ جن کا تعلق بنو قضاعہ کے ساتھ تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جباب فزارہ اور کلب کی زمین تھی اور عذرہ کی اس میں شرکت تھی۔ یہ سریہ ربیع الآخر کے آخر میں 9ھ میں رونما ہوا تھا۔ البتہ نہ اس کا سبب مذکور ہے نہ مجاہدین کی تعداد کا کہیں تذکرہ ہے۔ نہ ہی اس کی تفصیلات کہیں رقم ہیں۔

غزوۂ تبوک

یہ ایک مشہور جگہ ہے جس کے اور مدینہ طیبہ کے مابین شام کی طرف سے چودہ مرحلہ کی مسافت ہے اس کے اور دمشق کے مابین گیارہ مرحلہ کی مسافت ہے۔ یا ان کے مابین بارہ مرحلہ کی مسافت ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ جگہ مدینہ طیبہ اور دمشق کے وسط میں واقع ہے۔ اسے غزوۃ العسرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ (التوبۃ:117)

"جنہوں نے پیروی کی تھی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مشکل گھڑی میں"۔

اسے غزوۃ الفاضحہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں منافقین کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ انہوں نے کہا:

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (التوبہ:81)۔

''اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی''۔

اللہ رب العزت نے سورۃ التوبہ میں بہت سی آیات میں ان کے نفاق کا پردہ چاک فرمایا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ (التوبہ:49)

''اور ان میں بعض کہتے ہیں کہ اجازت دیجیے۔۔۔''

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ (التوبہ:65) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے۔ بس ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔

یہ مبارک غزوہ ماہ رجب 9ھ کو رونما ہوا تھا۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس غزوہ کا ذکر حجۃ الوداع کے بعد کیا ہے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ شاید امام بخاری نے جان بوجھ کر اس غزوہ کا آخر میں ذکر کیا ہے تاکہ اشارہ مل جائے کہ یہ آپ کا آخری غزوہ ہے'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عازم سفر ہوئے تو گرمی شدید تھی اور قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ اس لیے آپ نے دیگر غزوات کی طرح اسے مخفی نہ رکھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوہ کے لیے تشریف لے جاتے تو واضح طور پر اس کا اظہار نہ فرماتے، مگر اس غزوہ کا واضح اظہار فرمایا کیونکہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ دور کا سفر تھا۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں پر اپنا عزم ظاہر فرمادیا، تاکہ مسلمان اس کی صحیح طرح تیاری کر لیں۔

سبب: امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد کثیر تھی۔ مگر سواریاں کم تھیں۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام ایک اونٹ ذبح کرتے اور اس کی اوجھری سے پانی نکال کر پی لیتے۔ اسی شدت اور تنگی کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرہ کہا جاتا ہے۔ اس کے سبب میں اختلاف ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے ''وہ تاجر جو شام سے مدینہ طیبہ کی طرف زیتون کا تیل لے کر آتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اہل روم قیصر کے ساتھ شام میں جمع ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ عرب کے عیسائی قبائل لخم، جذام، عاملہ اور غسان وغیرہ بھی مل چکے ہیں۔ ان کا مقدمۃ الجیش بلقاء تک پہنچ گیا ہے''۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے لوگوں کو جہاد کے لیے نکلنے کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ جگہ بھی بتادی جہاں کا آپ کا ارادہ تھا تاکہ وہ خوب تیاری کر لیں۔ کیونکہ مسافت بہت زیادہ تھی۔ طبرانی نے حضرت عمران بن حصین الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرب کے نصاریٰ نے ہرقل روم کی طرف لکھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کے حالات درست نہیں۔ انہیں قحط سالی نے آلیا ہے ان کے اموال ہلاک ہو گئے ہیں۔ اگر اپنے دین کی نصرت اور مدد کرنا چاہتے ہو تو ابھی ان پر حملہ آور ہو جاؤ'' اس نے اپنا عظیم جرنیل قباذ بھیجا، اس کے ہمراہ چالیس ہزار کا لشکر بھی بھیجا۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ لوگوں کے پاس سواری کے جانور بھی کم تھے۔ نفقہ کی بہت قلت تھی۔

انفاق فی سبیل اللہ کا بے مثال واقعہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے شام کی طرف جانے والا کارواں تیار کر رکھا تھا۔ جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ آپ راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ دوسو اونٹ اپنے پلانوں اور کجاؤں سمیت حاضر ہیں۔ یہ دوسو اوقیہ چاندی حاضر خدمت ہے" حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا "آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرلیں وہ انہیں نقصان نہیں دے گا" آپ کے اس فرمان میں اشارہ ہے کہ فی سبیل اللہ انفاق کی برکت سے رب تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی خطاء میں گرنے سے بچالیا تھا اور اگر کوئی لغزش رونما ہو بھی گئی تو رب تعالیٰ انہیں معاف کردے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کو سچ کر دکھایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہل جنت کے سے اعمال بجالاتے رہے حتیٰ کہ دنیا کو الوداع کہہ گئے۔

اس غزوہ کے وقوع کا ایک اور بھی سبب بیان کیا جاتا ہے کہ جب رب تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے روک دیا تو قریش نے کہا "ہماری منڈیاں اور اموال تو برباد ہوگئے، ان میں سے ہمارا حصہ ختم ہوگیا۔ اس کے عوض رب تعالیٰ نے انہیں اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾ (التوبۃ)

"اے ایمان والو! مشرکین تو نرے ناپاک ہیں۔ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام سے اس سال کے بعد، اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا تو غنی کردے گا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے اللہ نے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں"۔

مزید ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً (التوبۃ: 123)

"اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہیے کہ وہ پائیں تم میں سختی"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل روم کے ساتھ جہاد کرنے کا عزم کیا، کیونکہ وہ دیگر مشرکین سے زیادہ آپ کے قریب تر تھے۔ اسی قرب کی وجہ سے وہ اسلام کی دعوت کے زیادہ مستحق تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عازم سفر ہونے کا ارادہ کیا تو لوگوں کو راہ خدا میں خرچ کرنے پر ابھارا۔ صحابہ کرام کثیر صدقات لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر

خدمت ہو گئے۔ وہ اپنا سارا مال چار ہزار دراہم لے کر حاضر خدمت ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''کیا اہل خانہ کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''میں نے اہل خانہ کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو چھوڑا ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پوچھا ''اپنے اہل خانہ کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''اپنا نصف مال'' حضرت عبدالرحمن بن عوف نے دو سو اوقیہ چاندی پیش کی۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلام کے لیے تیسرا حصہ تیاری کا سامان فراہم کیا۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔ انہوں نے وہ مشکیزہ بھی دیا جس سے وہ پانی پیتے رہے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے ''اس لشکر پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دل کھول کر خرچ کیا۔ آپ کی طرح سخاوت و فیاضی کسی نے بھی نہ کی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جیش العسرۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے۔ امام بیہقی اور امام احمد نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں ڈال کر لے آئے۔ انہیں حضور ﷺ کی گود مبارک میں رکھ دیا۔ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا۔ آپ انہیں اپنی مبارک گود میں الٹ پلٹ فرما رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے ''آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کریں گے وہ انہیں نقصان نہیں دے گا'' حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار پیش کیے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک ہزار آپ خود لے کر حاضر خدمت ہوئے ہوں جبکہ دس ہزار دینار کسی اور کے ہاتھوں بھیجے ہوں۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے۔ یہ دنانیر حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیے گئے۔ آپ انہیں اپنے ہاتھوں سے الٹ پلٹ فرمانے لگے۔ پھر فرمایا ''عثمان! اللہ رب العزت آپ کی ظاہری و باطنی لغزشیں معاف کرے۔ اللہ رب العزت روز حشر تک تمہاری خطائیں بخش دے۔ اس کے بعد عثمان کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی''۔ اس دعا میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑی بشارت ہے کہ رب غفور نے ان کی ساری لغزشیں معاف کر دیں۔ ان کی پردہ پوشی فرمائی۔ آپ کی دعا کے طفیل انہیں گناہوں سے محفوظ فرما دیا۔ اب وہ جو عمل کریں انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوگی کیونکہ ان سے اب خیر کا صدور ہی ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا کی ''مولا! میں عثمان سے راضی ہو گیا ہوں تو بھی ان سے راضی ہو جا''۔ امام بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا ''حضور ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ لوگوں کو جیش العسرہ پر ابھارا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں ایک سو اونٹ پالانوں اور کجاؤوں سمیت دوں گا۔ پھر حضور ﷺ منبر شریف کی ایک سیڑھی اترے لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں ایک سو اونٹ کجاؤوں اور پالانوں سمیت دوں گا''۔ پھر نچلی سیڑھی پر تشریف لائے اور راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں ایک سو اونٹ پالانوں اور کجاؤوں سمیت دوں گا'' میں نے حضور ﷺ کو دیکھا، آپ متعجب شخص کی طرح اپنا دست اقدس ہلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''آج کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہ دے سکے گا''۔

گریہ بار صحابہ کرام کی حالت زار

حضور ﷺ نے اہل مکہ اور دیگر قبائل کی طرف بھی پیغام بھیجا۔ بعض صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ انہیں سواریوں پر سوار کرائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے پاس ایسی کوئی سواری نہیں جس پر تمہیں سوار کروں"۔ حاضر ہونے والے حضرات درج ذیل تھے۔

حضرت ابولیلیٰ، عبدالرحمٰن بن کعب انصاری، حضرت عمرو انصاری، حضرت عرباض بن ساریہ السلمی، حضرت ہرم بن عبداللہ بن رفاعہ انصاری، حضرت عبداللہ بن مغفل رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر حضرات۔ انہی کے متعلق رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿۹۲﴾ (التوبة)

"اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جو جب حاضر ہوئے آپ کے پاس تاکہ آپ (ﷺ) سوار کریں انہیں تو فرمایا آپ (ﷺ) نے میں نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں اور وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس! انہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں"۔

ان حضرات میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم بھی تھی۔ امام بخاری نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے ساتھیوں نے انہیں حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ سے سواری کی درخواست کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے پاس کوئی ایسا جانور نہیں جس پر تمہیں سوار کروں" میں غمزدہ ہو کر اپنی قوم کے پاس لوٹ آیا۔ پھر کچھ اونٹ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیے گئے تو آپ ﷺ نے انہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔

شان علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضور ﷺ نے مدینہ طیبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ نیز اپنے اہل وعیال پر بھی اپنا نائب مقرر فرمایا۔ منافقین ان کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔ انہوں نے کہا "حضور ﷺ نے انہیں بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ دیا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ لیا اور حضور ﷺ کے ساتھ جرف کے مقام پر آکر مل گئے۔ عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! منافقین کا گمان ہے کہ آپ نے مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑا ہے" آپ نے فرمایا "منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ میں نے تو تمہیں اپنا نائب بنا کر پیچھے چھوڑا ہے۔ میرے اور اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ جاؤ۔ علی! کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ اس طرح ہو جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں راضی ہوں، میں راضی ہوں، میں راضی ہوں"۔

اہل السنۃ کا مؤقف ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خلیفہ اور نائب تھے۔ جب وہ کوہِ طور پر ملاقات کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ نیابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک ہی ہوگی۔ اس میں اہل تشیع کے لیے کوئی دلیل نہیں کہ خلافت صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ وصیت کی تھی۔ روافض نے سارے صحابہ کرام کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک صحابہ کرام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر دوسرے صحابہ کرام کی بیعت کر لی۔ بعض نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، کیونکہ وہ اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوئے۔ لیکن اس روایت میں اہل تشیع کے لیے کوئی دلیل نہیں، نہ ہی اس سے ان کا یہ استدلال درست ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ اس وقت فرمایا جب اس غزوہ میں انہیں مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صرف اس وقت تک آپ کے نائب تھے جب تک آپ تبوک سے واپس نہیں آجاتے۔ جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صرف اتنی دیر تک خلیفہ تھے جب تک وہ کوہ طور سے واپس تشریف نہیں لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کئی دوسرے صحابہ کرام کو اپنا نائب مقرر فرمایا، ورنہ لازم آئے گا کہ وہ سب بھی خلافت کے مستحق تھے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ان کے عہد خلافت میں یہ سوال کیا گیا ''کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خلافت کی وصیت کی تھی؟ انہوں نے فرمایا ''نہیں! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی وصیت کی ہوتی تو میں اس پر جنگ کرتا حتیٰ کہ میرے پاس میری چادر اور تلوار کے علاوہ اور کچھ نہ رہ جاتا''۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خلافت کی وصیت کی ہوتی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرات ابوبکر، عمر فاروق اور عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیعت نہ کرتے۔ رافضہ کا یہ کہنا کہ یہ بیعت کرنا آپ کا تقیہ تھا۔ جھوٹ اور کذب پر مبنی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ قوت و شجاعت میں یکتائے روزگار تھے۔ بنو ہاشم بھی تعداد میں کافی تھے۔ وہ بھی قوی اور جری تھے۔ رافضہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بزدلی منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ! رضی اللہ عنہ! و کرم اللہ وجہہ الکریم۔

جھنڈے اور پرچم

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع سے تبوک کی طرف عازم سفر ہوئے تو جھنڈے اور پرچم باندھے۔ آپ نے سب سے بڑا جھنڈا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، سب سے بڑا پرچم حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ خزرج کا جھنڈا حضرت خباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انصار کے ہر خاندان اور عرب کے سارے قبائل کو جھنڈا یا پرچم ضرور عطا فرمایا۔ مجاہدین کی تعداد تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھی۔ گھوڑوں کی تعداد دس ہزار تھی۔ دوسری روایت کے مطابق گھوڑوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس غزوہ میں آپ کے بہت سے معجزات کا ظہور ہوا۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

منافقین کا طرز عمل

منافقین کی ایک جماعت پیچھے رہ گئی۔ ان میں عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ یہ پہلے اپنی قوم کو ساتھ لے کر تبوک کے لیے نکلا۔

اس نے ان کے ساتھ ثنیۃ الوداع کے نچلے حصہ پر قیام کیا۔ پھر کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنو اصفر (اہل روم) کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلے ہیں حالانکہ تنگدستی بھی ہے۔ گرمی بھی شدید ہے اور وہ مقام بھی بہت دور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گمان کرتے ہیں کہ بنو اصفر کے ساتھ جنگ کرنا کھیل ہے۔ بخدا! گویا کہ میں آپ کے ساتھیوں کو دیکھ رہا ہوں کہ انہیں زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے" اس نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے متعلق بری خبر پھیلانے کے لیے کہی۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں سمیت واپس آ گیا۔ منافقین پیچھے رہ گئے۔ کچھ منافقین سویم یہودی کے گھر جمع ہوئے۔ ان میں سے بعض نے کہا "تمہارا کیا گمان ہے کہ بنو اصفر کے ساتھ شمشیر زنی کرنا اسی طرح ہے جس طرح اہل عرب کی باہم شمشیر زنی ہوتی ہے۔ بخدا! ہم دیکھ رہے کہ دشمن حضور کے ساتھیوں کو زنجیروں میں کس رہے ہیں" انہوں نے یہ بات اہل ایمان کو ڈرانے اور ان کے متعلق بری خبر پھیلانے کے لیے کی تھی۔ اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے اس اجتماع اور ان کی اس بات سے آگاہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا "اس منافق قوم کو جا لو اور پوچھو کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ اگر وہ انکار کریں تو انہیں کہنا "ہاں! تم نے یوں یوں کہا ہے" حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور انہیں یہی بات بتائی، وہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معذرت کرنے آئے۔ انہوں نے کہا "ہم کھیل اور کود کر رہے تھے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جد بن قیس سے فرمایا "جد بنو اصفر کے ساتھ تلوار زنی کرنے جاؤ گے؟ اس نے کہا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے پیچھے چھوڑ دیں، مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا سب سے زیادہ دلدادہ ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر صبر نہ کر سکوں گا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اعراض فرمایا اور اسے اذن دے دیا، اسی کے متعلق رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا (التوبۃ:49)

"اور ان میں سے بعض کہتے ہیں اجازت دیجیے مجھے (کہ گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار! فتنہ میں تو وہ گر چکے"۔

اس کا فتنہ یہ تھا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے کی سعادت سے محروم رہا۔ ایک اور روایت کے مطابق جد بن قیس کے فرزند عبداللہ نے اس سے ملاقات کی۔ انہوں نے کہا "بخدا! تمہیں صرف نفاق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جانے سے روک رہا ہے۔ عنقریب تمہارے بارے قرآن پاک نازل ہوگا" اس نے اپنا جوتا لیا، اس کے ساتھ ان کے چہرے پر ضربیں لگانے لگا۔ جب اس آیت طیبہ کا نزول ہوا تو انہوں نے اسے کہا "کیا میں تجھے کہتا نہ تھا؟ اس نے کہا "خاموش ہو جا! تو تو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بڑھ کر مجھ پر شدید ہے" ایک اور روایت کے مطابق جب جد نے اپنی اس بات کی معذرت کی تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "میں آپ کی مالی امداد کروں گا" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ (التوبۃ:53)

''فرمایئے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے۔ ہر گز قبول نہ کیا جائے گا تم سے''۔

البتہ محققین سیرت نگار کہتے ہیں کہ جد بن قیس نے اپنے نفاق سے توبہ کر لی تھی اور اپنی توبہ کو بہت عمدہ کیا تھا، وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک زندہ رہے۔ بعض منافقین نے ایک دوسرے سے کہا ''گرمی میں نہ نکلو'' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ (التوبۃ)

''اور (دوسروں کو بھی) کہتے مت نکلو اس سخت گرمی میں، فرمایئے! دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے کاش وہ سمجھتے''۔

کمزور اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ ان کی تعداد بیاسی تھی۔ بہت سے منافقین بغیر کسی عذر اور مرض کے پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہی لوگ مراد ہیں۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (التوبۃ:90)

''اور بیٹھ رہے وہ جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے''۔

مسلمانوں میں سے عذر کے بغیر حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضوان اللہ علیہم اجمعین ٹھہرے رہے۔ ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ عنقریب آئے گا۔

حضرت ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عازم سفر ہوئے کافی دن گزر گئے تو حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ایک گرم دن میں اپنے اہل خانہ کے پاس آئے۔ انہوں نے اپنی دونوں بیویاں دیکھیں جو باغ میں اپنے اپنے عریش کے نیچے تھیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے عریش میں چھڑکاؤ کر رکھا تھا، وہاں پانی ٹھنڈا کر رکھا تھا۔ کھانا بھی تیار تھا۔ اس دن بہت شدید گرمی تھی۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو اپنی دونوں بیویوں اور ان کے اعمال کا جائزہ لیا۔ انہوں نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شدید گرمی میں ہوں جبکہ ابوخیثمہ ٹھنڈے سایہ میں، تازہ کھانے کے پاس اور خوبصورت بیویوں کے پاس ہو، یہ انصاف نہیں ہے'' پھر انہوں نے اپنی بیویوں کو مخاطب کر کے کہا ''بخدا! میں تم میں سے کسی ایک کے پاس بھی نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا کر مل جاؤں۔ میرے لیے زاد راہ تیار کرو'' انہوں نے سامان سفر باندھا۔ انہوں نے اپنا نیزہ اور تلوار لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے عازم سفر ہو گئے۔ حتیٰ کہ انہوں نے تبوک کے مقام پر جا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کر لی۔

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے راستے میں حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ کو جا لیا، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جستجو میں تھے۔ یہ ایک دوسرے کے رفیق راہ بن گئے۔ جب یہ تبوک کے قریب پہنچے تو حضرت ابوخیثمہ نے حضرت عمیر سے کہا ''مجھ پر گناہ ہے تم پر نہیں۔ تم ذرا میرے پیچھے ہو جاؤ، حتیٰ کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں'' انہوں نے اسی طرح کیا۔ جب حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تر پہنچے تو صحابہ کرام نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ایک سوار آرہا ہے'' حضور

ﷺ نے فرمایا "وہ ابو خیثمہ ہی ہو" وہ قریب پہنچے تو صحابہ کرام نے عرض کی "بخدا! وہ ابو خیثمہ ہی ہے" انہوں نے اونٹ بٹھایا اور حضور ﷺ کو سلام کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا "ابو خیثمہ! تمہیں مبارک ہو" پھر آپ ﷺ نے ان کی داستان سنادی۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

دیار ثمود

حضور ﷺ حجر دیار ثمود کے پاس سے گزرے تو آپ نے سر اقدس کو کپڑا سے ڈھانپ لیا اور اپنی سواری کو تیز چلایا۔ فرمایا "ظالموں کے گھروں میں داخل نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم اس خوف سے رو رہے ہو کہ کہیں تمہیں بھی ایسے عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑے جیسے عذاب کا سامنا انہیں کرنا پڑا تھا" حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا سر اقدس اس لیے ڈھانپ لیا تھا کیونکہ اس طرح غور و فکر کرنے اور عبرت حاصل کرنے میں آسانی رہتی ہے، گویا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ایسے احوال میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی تھی جس کی وجہ سے تقدیر الٰہی پر گریہ بار ہونے کی توفیق نصیب ہو جائے۔ اللہ رب العزت نے اہل ثمود کو زمین میں قوت و سطوت عطا کی۔ اس میں طویل مدت تک انہیں مہلت دی، پھر ان پر اس کا شدید عذاب آ گیا۔ وہ ذات باری تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔ مؤمن امن سے نہیں ہوسکتا کہ اس کا انجام بھی اسی طرح ہو۔ حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ نہ تو اس کا پانی پیا جائے۔ نہ ہی وہ اس سے وضوء کریں، نہ اس پانی کے ساتھ آٹا گوندھیں۔ پھر حضور ﷺ لشکر کو لے کر آگے عازم سفر ہوگئے، حتیٰ کہ آپ ﷺ اس کنویں پر تشریف لے گئے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ مبارکہ پانی پیتی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "آج شدید آندھی آئے گی جس کے پاس اونٹ ہو وہ اس کی رسی سختی کے ساتھ باندھ لے" آپ ﷺ نے اس رات کسی کو اکیلے باہر نکلنے سے منع فرمادیا۔ ایک شخص تنہا نکلا تو اس کا گلا دبوچ دیا گیا۔ دوسرا شخص اپنے اونٹ کی جستجو میں نکلا تو تیز آندھی نے اسے اٹھا کر طئے کی پہاڑیوں پر پھینک دیا۔ جب حضور ﷺ کو ان کے متعلق بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ تم میں سے کوئی اپنے ساتھی کے بغیر باہر نہ نکلے۔ جس شخص کا گلا دبوچا گیا تھا آپ نے اس کے لیے دعا مانگی تو وہ شفاء یاب ہوگیا۔ جس شخص کو تیز آندھی نے جبل طئے پر پھینک دیا تھا اسے بنو طئے نے اس وقت آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔

ابر کرم کا نزول

حضور ﷺ نے اپنے لشکر پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا، وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ لشکر کی نگہبانی کے فرائض حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ لشکر کے ارد گرد چکر لگاتے رہتے تھے۔ ایک دن صحابہ کرام نے اس حالت میں صبح کی کہ ان کے پاس پانی نہ تھا۔ انہیں شدید پیاس کا سامنا کرنا پڑا۔ قریب تھا کہ وہ اپنے اونٹ ذبح کر لیتے، ان کے معدہ کے پانی سے پیاس بجھا لیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا "ہم شدید موسم میں عازم سفر ہوئے۔ ہم ایک جگہ فروکش

ہوئے۔ وہاں ہمیں شدید پیاس کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ قریب تھا کہ ایک شخص اپنا اونٹ ذبح کر لیتا اور اس کے معدہ سے پانی نکال کر پی لیتا۔ صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں یہ داستان غم بیان کر دی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ رب العزت آپ کی التجاؤں کو قبول فرما لیتا ہے۔ آپ رب تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا مانگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم یہ پسند کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ نے دست اقدس بلند فرمائے۔ انہیں نیچے نہ کیا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ابر کرم بھیج دیا۔ خوب بارش ہوئی لوگ سیراب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ بعض صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ یہ بادل صرف اتنی جگہ پر ہی برساتھا جہاں لشکر اسلام کا پڑاؤ تھا۔ ایک انصاری صحابی نے ایک منافق سے کہا "تیرے لیے بربادی! ذرا حضور ﷺ کا معجزہ تو دیکھو" اس نے کہا "یہ بارش تو فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے ہوئی ہے" اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ (الواقعۃ)

"اور اس کی (بے پایاں برکتوں سے) تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے"۔

دوسری روایت کے مطابق اس انصاری صحابی نے اس منافق سے کہا "تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا اس معجزہ کے بعد بھی کسی دلیل کی ضرورت رہی ہے؟ اس نے کہا "یہ تو ایک گزرتا ہوا بادل تھا جو جاتے ہوئے برس گیا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ کرام نے شدید پیاس کا شکوہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا "میں تمہارے لیے بارش کی دعا مانگتا ہوں، تم پر سحاب رحمت نازل کر دیا جائے تو شاید تم کہنے لگو" یہ فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے" صحابہ کرام نے عرض کی "یہ ستاروں کا وقت نہیں" حضور اکرم ﷺ نے پانی منگوایا، پھر وضو فرمایا، پھر نماز پڑھی۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی، تیز ہوا چلی، بادل چھا گئے، بارش برسنے لگی، حتیٰ کہ ساری وادیاں بہہ پڑیں۔ حضور ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے پیالہ میں پانی جمع کر رہا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ یہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش برسی ہے۔ اس وقت مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی۔

ناقہ مبارکہ کی گمشدگی

ایک روز حضور ﷺ کی ناقہ مبارکہ گم ہو گئی۔ ایک منافق نے کہا "محمد عربی (ﷺ) یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ وہ آسمان کی خبریں تمہیں بتاتے ہیں مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "ایک شخص اس طرح کہتا ہے بخدا! میں وہی کچھ جانتا ہوں جو میرا رب مجھے سکھاتا ہے۔ اب رب تعالیٰ نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ اس کی زمام ایک درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ جاؤ اسے لے کر آؤ" صحابہ کرام اس کی طرف گئے تو اونٹنی بالکل اسی حالت میں تھی جس طرح حضور ﷺ نے بتایا تھا"

اسی طرح کا واقعہ غزوۂ بنو مصطلق میں بھی رونما ہوا تھا۔ یہ واقعہ متعدد بار ظہور پذیر ہوا۔ بعض سیرت نگاروں نے کہا ہے کہ یہ بعض راویوں کا اشتباہ ہے۔ جب حضور ﷺ نے فرمایا "فلاں فلاں شخص یہ یہ کہتا ہے" وہ صحابی اپنے خیمہ میں آئے۔

انہوں نے اپنے خیمہ میں موجود شخص سے کہا "حضور اکرم ﷺ نے آج اس شخص کے متعلق عجیب بات بتائی ہے جو اپنے نبی کریم ﷺ کے علم کے متعلق باتیں کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم ﷺ کو اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ خیمہ میں موجود ایک اور صحابی نے فرمایا "یہ بات تو اس شخص نے کی ہے جو ابھی ابھی تمہارے خیمہ میں آیا ہے۔ انہوں نے کہا "اللہ کے بندو! میرے خیمہ میں منافق؟ مجھے علم تک نہیں۔ اللہ کے دشمن! میرے خیمہ سے نکل جا۔ میرے ساتھ رفاقت ختم کر دے" یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے توبہ کر لی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اسی نفاق پر ہی رہا حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ تھک گیا، وہ لشکر سے پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے اپنا سامان لیا۔ اپنی کمر پر رکھا۔ پھر حضور ﷺ کے پیچھے پیدل ہی روانہ ہو گئے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے ایک جگہ نزول اجلال فرما رکھا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے صحابہ کرام نے آپ سے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ابوذر پیچھے رہ گئے ہیں۔ ان کا اونٹ سست رو ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو، اگر ان میں بھلائی ہوئی تو عنقریب رب تعالیٰ انہیں ملا دے گا۔ اگر وہ اس کے علاوہ کچھ ہوئے تو رب تعالیٰ تمہیں ان سے نجات دے دے گا۔

جب آپ ﷺ اس منزل میں قیام فرما ہوئے تو ایک آدمی نے انہیں دیکھ لیا، انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ شخص اکیلا ہی اپنے راستہ پر چلتا ہوا آ رہا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "خدا کرے ابوذر ہی ہوں" جب صحابہ کرام نے غور سے دیکھا تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بخدا! وہ ابوذر ہی ہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے۔ وہ تنہا عازم سفر ہوتا ہے۔ تنہا وصال کرے گا اور تنہا ہی اٹھے گا" پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے الربذہ کے مقام پر تنہا ہی وصال فرمایا۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی جگہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ ان کے اور بعض صحابہ کرام کے مابین قرآن پاک کے بعض الفاظ اور ان کے معانی میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خدشہ دامن گیر ہوا کہ کہیں معاملہ وسعت اختیار نہ کر جائے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ان سے اجازت لے لی کہ وہ الربذہ کو اپنا مسکن بنا لیں۔ انہوں نے اجازت دے دی، حتیٰ کہ وہ عالم تنہائی میں وصال کر گئے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "ہم حجر اور تبوک کے مابین تھے۔ طلوع فجر کے بعد حضور ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں پانی لے کر آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ حتیٰ کہ فجر خوب روشن ہو گئی۔ حضور ﷺ ابھی تک صحابہ کرام کے پاس نہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو مصلیٰ امامت پر کھڑا کیا۔ حضور ﷺ وضوء اور خفین پر مسح کرنے کے بعد تشریف لے آئے۔ وہ ایک رکعت پڑھ چکے تھے۔ حضور ﷺ نے

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی۔ پھر اپنی نماز مکمل کرنے کے بعد فرمایا "تم نے اچھا کیا ہے۔ کوئی نبی وصال نہیں کرتا حتیٰ کہ اس کی امت میں سے ایک صالح شخص اس کی امامت کرائے"۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز ادا نہیں کی" اس سے مراد مکمل نماز ہے یہ اس امر کے منافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک رکعت پڑھی ہو۔ یہ روایت نقل نہیں کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر پر اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ امر کچھ ایام کے لیے ہو اور یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اس امامت کے خلاف نہ ہو۔ لشکر کثیر تعداد پر مشتمل تھا۔ لہذا ممکن ہے کہ بعض لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاخیر سے آئے ہوں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کرام کو امامت کرا دی ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

چشمۂ تبوک

جب صحابہ کرام مقام تبوک پر خیمہ زن ہوئے تو انہوں نے وہاں ایک چشمہ دیکھا جس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے اس سے پانی لیا، اس سے کلی کی، اس میں لعاب دہن لگایا۔ اسے اس چشمہ پر پھینک دیا۔ اب اس چشمہ سے کثیر مقدار میں پانی نکلنے لگا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چشمہ تبوک پر پہنچے تو اس چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی صحابہ کرام سے فرمایا تھا "تم کل ان شاء اللہ چشمہ تبوک تک پہنچ جاؤ گے۔ تم وہاں چاشت کے وقت پہنچو گے۔ جو وہاں پہنچے وہ اس چشمہ کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے حتیٰ کہ میں وہاں آ جاؤں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے یہ اعلان کر دیا۔ ہم اس چشمہ کے پاس پہنچے تو وہ تسمہ کی مانند تھا۔ اس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ چار افراد اس تک پہنچ چکے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق دو منافق پہلے پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اس کے پانی کو ہاتھ بھی لگا دیے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے اس فعل کے متعلق علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہا۔ پھر صحابہ کرام نے اس چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر اسے ایک برتن میں جمع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ اپنا چہرۂ انور دھویا۔ دست اقدس دھوئے اور اس میں کلی کی۔ پھر وہ پانی اسی چشمہ میں پھینک دیا۔ اس چشمہ سے کثیر پانی رواں ہو گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو تیر عنایت فرمایا۔ انہوں نے وہ تیر اس چشمہ میں گاڑھ دیا جس سے پانی زور زور سے ابلنے لگا۔ حضور نبی حرمین شریفین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "معاذ! اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہ جگہ باغات سے بھر جائے گی" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان عالی شان کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے

کیا۔ ابن عبدالبر نے بعض صحابہ کرام سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے بعد میں وہ ساری جگہ دیکھی اس چشمہ کے اردگرد سرسبز وشاداب باغات اگ آئے تھے۔

تبوک پہنچنے سے ایک رات قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استراحت فرما ہوگئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہو چکا تھا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرما رکھا تھا کہ ہمیں نماز فجر کے لیے جگا لینا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگائی، ان پر بھی نیند غالب آ گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ ہمیں وقت فجر جگا دینا" دوسری روایت کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود صحابہ کرام سے فرمایا تھا "سو جاؤ، میں تمہیں جگا دوں گا" وہ سارے سو گئے۔ سورج کی تپش نے انہیں بیدار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بلال! میں نے تمہیں کیا کہا تھا؟ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے بھی اسی چیز نے آلیا جس نے آپ کو آلیا تھا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "شیطان حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نیند کے لیے اسی طرح پرسکون کرتا رہا جس طرح بچے کو لوری دی جاتی ہے حتیٰ کہ یہ سو گئے" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ ان سے اس نیند کا سبب پوچھا، پھر انہیں وہ بات بھی بتائی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بتائی تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑے سے آگے عازم سفر ہوئے۔ نماز صبح قضاء فرمائی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اسی اثناء میں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ واپس آ رہے تھے، مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کو اونگھ آئی۔ آپ اپنی سواری پر ہی تشریف فرما تھے۔ آپ ایک طرف جھک گئے۔ میں آگے بڑھا۔ آپ کو آپ کی سواری پر ہی سیدھا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا "ابوقتادہ! کیا ہم نیچے اتر کر کچھ دیر سو لیں؟ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! جیسے آپ کی مرضی" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پیچھے کون ہے؟ میں نے دیکھا تو میرے پیچھے دو یا تین صحابہ کرام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں بلاؤ" میں نے انہیں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدا پر لبیک کہو۔ وہ حاضر خدمت ہو گئے۔ ہم نے وہاں کچھ دیر آرام کیا۔

ایک اور روایت میں ہے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اسی اثناء میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عازم سفر تھے، حتیٰ کہ رات تاریک ہو گئی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پہلو کی طرف تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونگھ آنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر ہی ایک طرف جھک گئے۔ میں نے آپ کو بیدار کیے بغیر آپ کو سیدھا کر دیا۔ پھر آپ روانہ ہوئے۔ کچھ دیر بعد پھر سواری پر ہی آپ جھک گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر سواری پر ہی آپ کو سیدھا کر دیا۔ پھر آپ عازم سفر ہوئے تو وقت سحر آپ پھر سواری پر جھک گئے۔ یہ جھکاؤ پہلے کی بنسبت شدید تھا۔ قریب تھا کہ آپ گر پڑتے۔ میں نے آپ کو سیدھا کیا۔ آپ نے سر اقدس اٹھایا۔ استفسار فرمایا "کون ہو؟ میں نے عرض کی "ابوقتادہ!" آپ نے فرمایا "کب سے میرے ساتھ چل رہے ہو؟ میں نے

عرض کی "رات کے آغاز سے ہی آپ کی معیت میں عازم سفر ہونے کی سعادت مل رہی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا "جس طرح تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ تمہاری بھی حفاظت کرے" بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کی واپسی پر پیش آیا۔ ممکن ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار رونما ہوا ہو یا بعض راویوں کو اشتباہ ہوا ہو۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر حضور ﷺ نے مجھے فرمایا "کیا تمہیں لشکر میں کوئی نظر آ رہا ہے؟ میں نے عرض کی "ایک سوار یہ ہے" پھر عرض کی "ایک سوار اور آ گیا ہے" حتیٰ کہ ہم سات یا پانچ افراد جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ راستے سے ایک طرف ہو گئے۔ پھر فرمایا "نماز کے وقت کا خیال رکھنا" ہم سو گئے، حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا۔ سب سے پہلے حضور ﷺ بیدار ہوئے۔ سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ ہم گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا "سواریوں پر سوار ہو جاؤ" ہم سوار ہو کر آگے جانے لگے، حتیٰ کہ سورج مزید بلند ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا وضو فرمایا۔ مجھے فرمایا "اپنے اس برتن کی حفاظت کرو، عنقریب اس کے متعلق اہم بات رونما ہو گی۔ بعد میں حضور ﷺ نے ہمیں نماز صبح پڑھائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "آگے کوچ کرو۔ اس جگہ ہمارے ساتھ شیطان آ گیا تھا"۔

امام بخاری نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک سفر میں ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہم رات کے وقت رواں دواں تھے۔ رات کے آخری پہر ہمارے لیے ایسا واقعہ رونما ہوا کہ کسی مسافر کے لیے ایسا شیریں واقعہ رونما نہیں ہوا ہو گا۔ ہمیں سورج کی حرارت نے بیدار کیا۔ جب حضور ﷺ استراحت فرما ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی آپ ﷺ کو بیدار کرنے کی جسارت نہیں کرتا تھا، حتیٰ کہ آپ ﷺ خود ہی بیدار ہو جاتے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ شاید اس حالت میں بھی آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ آپ ﷺ کو جگانے سے وحی کا نزول منقطع نہ ہو جائے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور لوگوں کی نماز صبح کا رہ جانا دیکھا تو انہوں نے تکبیر کہی۔ وہ باآواز بلند تکبیریں کہتے رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ دوسری روایت کے مطابق سب سے پہلے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے، پھر وہ تکبیر و تسبیح کہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیدار ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لگاتار تسبیح و تکبیر پڑھتے رہے، حتیٰ کہ حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ صحابہ کرام نے نماز صبح کے رہ جانے کا شکوہ کیا۔ آپ نے فرمایا "کوئی حرج نہیں آگے عازم سفر ہو جاؤ" صحابہ کرام عازم سفر ہو گئے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد پانی منگوایا، وضو فرمایا۔ نماز کے لیے اذان دی گئی۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز صبح پڑھائی۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "نماز صبح ادا کر لینے کے بعد ہم سواریوں پر سوار ہوئے تو ہم باہم سرگوشیاں کرنے لگے کہ ہم نے نماز میں جو تفریط کی ہے اس کا کفارہ کیا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا "تم مجھے چھوڑ کر سرگوشیاں کیوں کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہم نماز میں اس زیادتی کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں جو ہم سے ہوئی" آپ نے فرمایا "کیا تمہارے لیے میری اس حیات طیبہ میں نمونہ نہیں۔ سونا نماز میں زیادتی نہیں۔ زیادتی اس شخص کی ہے جو نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت ہو جائے"۔

اس داستان کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔ بعض راویوں نے اسے غزوۂ خیبر میں روایت کیا ہے۔ بعض نے اسے صلح حدیبیہ میں روایت کیا ہے۔ بعض نے اسے غزوۂ تبوک میں لکھا ہے۔ علماء کا اس کی توجیہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار رونما ہوا۔ بعض نے اسے راویوں کا اشتباہ لکھا ہے۔ بعض نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں ہی رونما ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہم گروہِ انبیاء ہیں۔ ہماری آنکھیں سوجاتی ہیں، مگر ہمارے دل نہیں سوتے"۔ مذکورہ واقعہ کے متعلق اس حدیث طیبہ نے اشکال پیدا فرما دیا ہے۔ اس کے بارے کئی جوابات دیے گئے ہیں۔
❶ دل اپنے متعلقہ معانی کے بارے ادراک کرتا ہے۔ ان امور کا ادراک نہیں کرتا جن کا تعلق آنکھ کے ساتھ ہو جیسے سورج کا دیکھنا اور طلوع فجر ❷ آپ کی نیند کی دو قسمیں تھیں ❶ جس میں آپ کا قلب انور اور چشمانِ مقدس دونوں سو جاتے تھے ❷ جس میں آپ کی صرف آنکھ ہی محوِ استراحت ہوتی تھی۔ دوسری نیند عام حالت میں غالباً ظاہری ہوتی تھی۔

لشکر کا اکثر حصہ آگے گزر چکا تھا۔ آپ کے ہمراہ صرف پانچ یا سات صحابہ کرام ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام سے پوچھا "لوگوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے عرض کی "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں" آپ نے فرمایا "اگر وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اطاعت کر لیتے تو کامیاب ہو جاتے" اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ لشکر چشمہ پر فروکش ہو، مگر دیگر لوگوں نے انکار کر دیا۔ وہ زوالِ آفتاب کے بعد چٹیل میدان میں فروکش ہوئے۔ جہاں نہ چشمہ تھا نہ ہی ان کے پاس پانی تھا۔ قریب تھا کہ گھوڑوں اور اونٹوں کی گردنیں پیاس کی وجہ سے ٹوٹ جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ وضوء کے پانی کے برتن والا کہاں ہے؟ عرض کی گئی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! وہ یہ صاحب ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا "اپنا وہ برتن میرے پاس لے آؤ" انہوں نے وہ برتن پیش کر دیا جس میں کچھ پانی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پانی کسی بڑے سے برتن میں ڈال دیا۔ پھر اپنی مبارک انگلیاں اس پانی میں ڈالیں۔ پانی آپ کی مبارک انگلیوں میں سے نکلنے لگا۔ صحابہ کرام وہ پانی پینے لگے حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔ ان کے گھوڑے اور سواری کے جانوروں نے بھی خوب سیر ہو کر پانی پیا۔

معجزہ کا ظہور

ایک اور روایت کے مطابق جب صحابہ کرام کو شدید پیاس نے آلیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند صحابہ کرام کو بھیجا۔ جن میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ لیکن یہ وضاحت پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی۔ اگر یہ قول درست ہے تو شاید وہ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا ملے ہوں یا یہ معجزہ کسی اور غزوہ میں رونما ہوا ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرام کو پانی کی جستجو میں بھیجا، انہیں حکم دیا کہ وہ رستہ سے ہٹ جائیں۔ آپ نے انہیں بتایا کہ فلاں فلاں مقام پر ایک عورت گزر رہی ہے۔ وہ ایک اونٹ پر سوار ہے۔ اس کے پاس پانی کا مشکیزہ ہے۔ اس سے وہ پانی خرید لو یا اسے پانی کے ساتھ ہی میرے پاس لے آؤ" جب صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وہاں ایک عورت دیکھی، جس کے پاس پانی کا مشکیزہ تھا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اچانک ایک عورت دیکھی جو دو توشہ دانوں کے مابین اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئی تھی۔ انہوں نے اس سے پانی مانگا۔ اس عورت نے کہا "میں اور میرے اہل خانہ اس کے تم سے بڑھ کر محتاج ہیں" انہوں نے کہا "تم اس پانی کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ" مگر اس عورت نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا "وہ تو جادوگر ہیں"۔ دوسری روایت کے مطابق اس عورت نے کہا "وہ صابی ہیں۔ میں ان کے پاس ہرگز نہیں جاؤں گی" انہوں نے اس عورت کو رسی سے باندھا اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اسے کھول دو" پھر اسے فرمایا "کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ میں یہ پانی لے لوں۔ پھر اپنا پانی اسی طرح واپس لے جانا جس طرح لے کر آئی ہو؟ اس عورت نے عرض کی "آپ پانی لے لیں" حضور ﷺ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "وہ برتن لے آؤ" انہوں نے وہ برتن آپ کو پیش کیا۔ آپ نے وہ مشکیزہ کھولا اس میں لعاب دہن ڈالا۔ پھر تھوڑا سا پانی اس برتن میں انڈیل دیا۔ پھر اس میں اپنا دست اقدس رکھ دیا، پھر فرمایا "قریب ہو جاؤ، پانی لے جاؤ" پانی جوش مارنے لگا۔ اس میں اضافہ ہونے لگا۔ لوگ پانی حاصل کرنے لگے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی پانی پلا دیا۔ اس برتن کا تہائی حصہ ابھی تک پانی سے بھرا ہوا تھا" اس معجزہ کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ تیسرا معجزہ تھا کیونکہ دوسرے معجزہ میں آپ نے اپنا دست اقدس اس مشکیزہ میں رکھا تھا جس میں اس برتن سے پانی انڈیلا گیا تھا۔ جب کہ اس بار دست اقدس اس برتن میں رکھا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس عورت نے حضور ﷺ سے عرض کی "اس کے یتیم بچے ہیں" حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا "جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے۔ وہ لے آؤ" انہوں نے روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کیں۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا "لے جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ" وہ حضور ﷺ کے اس معجزہ پر تعجب کرنے لگی۔ جب اپنے اہل خانہ کے پاس گئی تو انہوں نے پوچھا "اتنی دیر کر دی ہے؟" اس عورت نے جواب دیا "مجھے آج عجیب چیز نے روک دیا تھا، کیا تم یہ میرے دو مشکیزے دیکھتے ہو؟ بخدا! صحابہ کرام کے ستر افراد نے اس سے سیراب ہو کر پانی پیا۔ انہوں نے اس سے اتنے برتن اور مشکیزے بھر لیے جنہیں میں شمار نہیں کر سکتی۔ مگر یہ ابھی اسی طرح لبریز ہیں۔ یا تو وہ شخص دنیا کا سب سے ماہر جادوگر ہے یا وہ نبی ہے"۔ حضور ﷺ کے صحابہ کرام اپنے اردگرد کے غیر مسلم قبائل پر حملہ آور ہوتے تھے۔ مگر اس عورت اور اس کے قبیلہ کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ کہتے "ہم نے آج تک اتنی بابرکت عورت نہیں دیکھی جتنی یہ عورت اپنے قبیلہ کے لیے بابرکت ثابت ہوئی ہے"۔

صحیح مسلم میں ہے "غزوۂ تبوک کے دن صحابہ کرام کو شدید بھوک لگی حتیٰ کہ زادراہ کم ہونے کی وجہ سے انہیں ایک ایک کھجور ملتی جسے وہ چوستے رہتے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی "کاش! آپ ﷺ ہمیں اپنی سواری کا جانور ذبح کرنے کی اجازت دیں۔ ہم اسے کھائیں اور اس کی چربی کو بطور تیل استعمال کریں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ انہیں سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت نہ دیں، بلکہ ان کا بچا ہوا زادراہ لیں اور اس میں رب تعالیٰ سے برکت کی دعا کریں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دے" حضور ﷺ نے فرمایا

''بہت اچھا'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دستر خوان منگوایا، اسے پھیلا دیا۔ پھر صحابہ کرام کو اپنا بچا ہوا زادِ راہ لانے کے لیے کہا۔ ایک آدمی مٹھی بھر جو لایا تھا۔ دوسرا شخص مٹھی بھر کھجوریں لا رہا تھا۔ کوئی روٹی کے ٹکڑے لا رہا تھا۔ حتیٰ کہ دستر خوان پر کچھ زادِ راہ جمع ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا ''اپنے اپنے برتن بھر لو'' صحابہ کرام نے اپنے اپنے برتن بھر لیے، حتیٰ کہ لشکر کا ایک برتن بھی خالی نہ رہا۔ خوب سیر شکم ہو کر کھایا۔ پھر بھی کھانا بچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول (محترم) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔ جو شخص بھی رب تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ اس مبارک کلمہ میں اسے کوئی شک نہ ہوگا۔ اسے جنت سے نہیں روکا جائے گا'' دوسری روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ اسے آگ سے بچا لے گا'' پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ اسی طرح کا معجزہ اس وقت بھی ظہور پذیر ہوا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ شاید یہ معجزہ کئی بار ظہور پذیر ہوا ہو یا بعض راویوں کو اشتباہ ہوا ہو۔ شاید یہ معجزہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے اونٹ ذبح کر کے بعد رونما ہوا ہو۔ انہوں نے صحابہ کرام کو کھلایا اور پلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''تم طلحہ الفیاض ہو'' آپ نے انہیں غزوۂ احد کے روز ''طلحۃ الخیر'' فرمایا تھا اور غزوۂ حنین میں ان کے جود و کرم کے بعد انہیں ''طلحۃ الجواد'' فرمایا۔

ایک صحابی بیان فرماتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میں غزوۂ تبوک میں گھی کی مشک کا نگران تھا۔ میں نے اس مشک کی طرف دیکھا۔ اس میں تھوڑا سا گھی باقی تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا۔ وہ مشکیزہ دھوپ میں رکھا اور خود سو گیا۔ میں گھی کے بہنے کی آواز سے جاگ پڑا۔ میں اٹھا اور مشکیزہ کا سرا اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ''اگر تم اسے چھوڑ دیتے تو یہ وادی گھی سے بہہ پڑتی''۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے غزوۂ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟ انہوں نے عرض کی ''مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ ہم نے اپنا توشہ دان جھاڑ دیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ذرا غور سے دیکھو، شاید تمہیں کچھ مل جائے'' انہوں نے توشہ دان لیا اور اسے جھاڑنے لگے۔ پہلے ایک پھر دو کھجوریں گریں۔ حتیٰ کہ میں نے ان کے ہاتھ میں سات کھجوریں دیکھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دستر خوان منگوایا کھجوریں اس پر رکھ دی گئیں۔ آپ نے اپنا دست اقدس ان کھجوروں پر رکھا۔ آپ نے فرمایا ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ'' ہم تین افراد تھے۔ میں نے چون (54) کھجوریں شمار کیں۔ ان کی گٹھلیاں میرے دوسرے ہاتھ میں تھیں۔ میرے دوسرے دو ساتھی بھی اسی طرح کر رہے تھے۔ ہم سیر شکم ہو گئے۔ ہم نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیے۔ سات کھجوریں ابھی اسی طرح باقی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''بلال! انہیں اٹھا لو۔ ان میں سے جو بھی کھائے گا وہ سیر شکم ہو جائے گا'' دوسرے روز پھر آپ نے وہی کھجوریں منگوائیں۔ آپ نے ان پر اپنا دست اقدس رکھا اور فرمایا ''رب تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ'' ہم نے کھائیں حتیٰ کہ ہمارے پیٹ بھر گئے۔ اب ہم تعداد میں دس تھے۔ پھر ہم نے ہاتھ اٹھا لیے۔ کھجوریں ابھی تک اسی طرح

پڑی ہوئیں تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اگر مجھے میرے رب کریم سے حیا نہ ہوتی تو ہم انہی کھجوروں سے کھاتے رہتے حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ جاتے" آپ ﷺ نے وہ کھجوریں ایک بچے کو دے دیں۔ وہ انہیں چبا کر کھا گیا۔

اکیدر بن عبدالملک

جب سپہ سالار اعظم ﷺ تبوک جلوہ افروز ہوئے تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو سواروں کے ساتھ اکیدر بن عبدالملک کی طرف بھیجا۔ یہ ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا۔ یہ ایک قلعہ تھا۔ اس کے اور شام کے مابین پانچ راتوں کی مسافت تھی۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم اسے اس حالت میں پاؤ گے کہ وہ گائے کا شکار کر رہا ہوگا" حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے۔ چاندنی رات تھی۔ اکیدر اور اس کا بھائی حسان گائے کے شکار کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے شہ سواروں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اکیدر کو قیدی بنالیا۔ حسان کو تہ تیغ کر دیا۔ اکیدر کے اوپر دیباج کی قباء تھی جس پر کام ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اسے اس سے چھین لیا اور اسے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بھیج دیا۔ مسلمان اس قباء کو اپنے ہاتھوں سے مس کرنے لگے اور اس پر تعجب کرنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تم کو اس پر تعجب ہے۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ جنت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رومال اس سے کہیں خوبصورت ہوں گے" اکیدر کے ساتھی بھاگ گئے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ دروازے مقفل کر لیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر کو پناہ دی، حتیٰ کہ وہ اسے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں پیش کر دیں۔ شرط یہ رکھی کہ وہ انہیں دومۃ الجندل فتح کرائے گا۔ انہوں نے اس کے ساتھ دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑوں، چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح کر لی۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس میں داخل ہو گئے۔ آپ نے شرائط کے مطابق اس سے مال لے لیا۔ اس کا خمس نکالا۔ پھر اکیدر کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لے گئے۔ حضور ﷺ نے اس کا خون محفوظ کر دیا۔ جزیہ پر اس کے ساتھ صلح کر لی اور اسے چھوڑ دیا۔ ہرقل حمص میں مقیم تھا۔ اس غزوہ میں آپ ﷺ نے اس کی طرف مکتوب گرامی لکھا۔ جس کا تذکرہ آپ ﷺ کے مکاتیب میں کیا جائے گا۔ اسی جگہ صاحب ایلہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اہل جرباء تھے۔ اہل اذرح بھی اس کے ہمراہ تھے۔ صاحب ایلہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں سفید خچر پیش کی۔ حضور ﷺ نے اسے چادر مبارک عنایت فرمائی۔ اس پر اسلام پیش کیا، مگر وہ اسلام نہ لایا۔ آپ ﷺ نے اس کے ساتھ جزیہ پر صلح کر لی۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے اور اہل ایلہ کے لیے ایک خط لکھوایا۔ وہ اس طرح تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"یہ اللہ رب العزت اور محمد عربی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یحنہ بن رؤبہ اور اہل ایلہ کے لیے امان نامہ ہے۔ ان کی سمندری کشتیوں اور بری کاروانوں کو نہیں روکا جائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کے ذمہ کرم پر ہے۔ یہ امان اہل شام، اہل یمن اور اہل بحر میں سے جو لوگ یحنہ بن رؤبہ کے ساتھ ہیں ان کے لیے بھی ہے۔ ان میں سے جس سے بھی کوئی واقعہ رونما کیا تو اس کا مال اس کے نفس کو نہیں بچا سکے گا۔ جو بھی اسے حاصل

کرے گا وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔ وہ بری یا بحری جس راستے پر بھی جانا چاہیں انہیں روکا نہیں جائے گا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اذرج اور جرباء کے لیے یہ امان نامہ لکھوایا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ہے جسے آپ نے اہل اذرج اور اہل جرباء کے لیے لکھوایا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی امان اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امان کے ساتھ امن کے ساتھ ہیں۔ یہ لوگ ہر رجب میں انہیں ایک سو دینار ادا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان پر احسان کرنے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کا کفیل ہے"۔

اہل مینا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے پھل کے چوتھائی حصہ پر صلح کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں دس سے زائد راتیں بسر فرمائیں۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس راتیں وہیں بسر فرمائیں۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا سن کر اہل کتاب آپ کے رعب کی وجہ سے بھاگ گئے۔ اس غزوہ کی حکمت یہ ہے کہ کفار آتش غیظ میں جل گئے۔ مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوا۔ منافقین ذلیل و رسواء ہو گئے۔

پیش قدمی کے بارے مشورہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے آگے بڑھنے کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے جانے کا حکم دیا گیا ہے تو ضرور تشریف لے چلیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر مجھے آگے بڑھنے کا حکم مل گیا ہوتا تو تم سے مشورہ نہ کرتا"۔ صحابہ کرام نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اہل روم تعداد میں زیادہ ہیں۔ وہاں اہل اسلام میں سے کوئی بھی نہیں۔ ہم ان کے قریب پہنچے تو آپ کے قریب آنے نے ہی انہیں ڈرایا۔ ہم اس سال واپس لوٹ جاتے ہیں۔ شاید اللہ رب العزت کوئی اور صورت حال پیدا فرما دے"۔

غزوۂ تبوک سے واپسی

امام بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی "ابوالقاسم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں تو شام تشریف لے جائیں۔ وہ سرزمین محشر ہے اور انبیاء کرام کی سرزمین ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کی۔ آپ تبوک کے لیے عازم سفر ہوئے۔ آپ کا ارادہ صرف اور صرف شام تھا۔ جب آپ تبوک پہنچے تو اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا (بنی اسرائیل:76)

"اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے"۔

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ آنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا "اسی شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ

بسر ہوگی۔ اسی میں آپ کا وصال ہوگا اور اسی شہر کی خاک پاک سے آپ کو اٹھایا جائے گا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "اپنے رب سے سوال کریں ہر نبی کو ایک سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "جبرائیل! میں کیا مانگوں؟ انہوں نے عرض کی: یوں کہیں رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ (بنی اسرائیل: 80) "اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ورد کرتے ہوئے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ راستہ میں بیس مساجد تعمیر فرمائیں۔ راستہ میں ایک چشمہ تھا۔ جس سے تھوڑا تھوڑا پانی رس رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم میں سے جو سب سے پہلے اس چشمہ پر پہنچے تو ہمارے آنے تک اس چشمہ سے پانی نہ لے، حتیٰ کہ ہم اس تک پہنچ جائیں" چند منافق آگے نکل گئے۔ انہوں نے پہلے چشمہ پر پہنچ کر وہاں سے پانی لے لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جلوہ افروز ہوئے تو وہاں پانی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "اس پانی تک پہلے کون پہنچا ہے" عرض کی "فلاں فلاں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میں نے انہیں منع نہیں کیا تھا کہ میرے آنے تک پانی کو ہاتھ نہ لگائیں" آپ نے انہیں برا بھلا کہا۔ پھر اس پانی کی طرف تشریف لے گئے۔ پانی کو دست اقدس لگایا۔ دعا مانگی۔ پانی رواں ہو گیا۔ اس میں بجلیوں جیسی کڑک تھی۔ صحابہ کرام نے سیر ہو کر پانی نوش فرمایا۔ اس سے اپنے برتن بھی بھر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم باقی رہے، یا تم میں سے کوئی ایک باقی رہا تو ضرور اس وادی کے متعلق سنو گے کہ اس چشمہ نے اس کا اگلا اور پچھلا حصہ سرسبز و شاداب کر دیا ہے"۔ یہ تبوک کے چشمہ کے بارے فرمان سے علیحدہ فرمان ہے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا "معاذ! اگر تمہیں زندگی نصیب ہوئی تو تم دیکھو گے یہ جگہ باغات سے بھر جائے گی" وہ چشمہ تبوک کا تھا۔ یہ تبوک سے واپسی پر معجزہ رونما ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بارہ منافقین تھے یا چودہ یا پندرہ تھے۔ انہوں نے اس گھاٹی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے پر اتفاق کیا جو تبوک اور مدینہ طیبہ کے مابین تھی۔ انہوں نے کہا "جب آپ گھاٹی میں چلیں گے تو ہم آپ کو سواری سے نیچے گرا دیں گے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے منافقین کی اس شرارت سے آگاہ فرما دیا۔ جب لشکر اس گھاٹی میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی میں چلنا چاہتے ہیں۔ اس میں کوئی نہ چلے۔ تم وادی کے دامن میں چلو۔ اس میں تمہارے لیے وسعت اور سہولت ہے۔ جب منافقین نے یہ اعلان سنا تو انہوں نے جلدی کی۔ انہوں نے نقاب اوڑھے اور گھاٹی میں چلنے لگے۔ دیگر لوگ وادی میں چلتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس گھاٹی میں چل رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کی مبارک ناقہ کی زمام پکڑ لیں اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ پیچھے سے ناقہ کو ہانکیں۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "عقبہ کی رات کبھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتا اور حضرت عمار پیچھے سے ہانکتے اور کبھی وہ نکیل تھام لیتے اور میں پیچھے سے ہانکتا۔ اسی اثناء میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھاٹی میں رواں دواں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افراد کی آہٹ سنی جسے سن کر ناقہ مبارکہ بھاگ

نکلی حتیٰ کہ اس کا کچھ سامان بھی گر گیا۔ اس نازیبا حرکت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو واپس لے کر آئیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کی طرف گئے۔ ان کے پاس ڈھال تھی۔ وہ اسی کے ساتھ ہی ان کی سواریوں کو مارنے لگے۔ ان سے کہنے لگے ''اللہ کے دشمنو! واپس آؤ، واپس آؤ'' وہ نقاب پوش افراد تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان منافقین کو باآواز بلند پکارا۔ انہیں علم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مکر وفریب سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ وہ جلدی سے گھاٹی سے نیچے اترے۔ وادی میں چلنے لگے۔ دیگر لوگوں میں مل گئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ واپس آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''کیا تم ان میں سے کسی ایک کو جان سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''نہیں! وہ نقاب پوش تھے۔ رات بھی تاریک تھی''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''میں نے فلاں فلاں سوار کو پہچان لیا ہے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم ان کے ارادہ سے بھی آگاہ ہوئے ہو؟ انہوں نے عرض کی ''نہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہوں نے مکر کیا۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ میرے ہمراہ گھاٹی میں چلیں۔ وہ میرے ساتھ مزاحمت کر کے مجھے نیچے وادی میں پھینک دیں۔ اللہ رب العزت نے مجھے ان کے بارے اور ان کے مکر کے متعلق آگاہ فرما دیا۔ میں عنقریب تمہیں ان کے متعلق بتاؤں گا۔ تم انہیں مخفی رکھنا'' وقت صبح حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم گزشتہ شب آپ وادی میں کیوں نہ چلے، حالانکہ وہاں چلنا گھاٹی میں چلنے سے زیادہ آرام دہ تھا'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تم جانتے ہو کہ منافقین نے کیا ارادہ کیا تھا؟ پھر آپ نے سارا واقعہ انہیں بتا دیا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! لوگ ایک جگہ فروکش ہو چکے ہیں۔ آپ ہر قبیلہ کو حکم دیں کہ وہ اس شخص کو قتل کر دے جس نے یہ ارادہ کیا تھا۔ اگر پسند فرمائیں تو آپ ان کے نام مجھے بتا دیں۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا حتیٰ کہ ان تمام کے سر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دوں'' آپ نے فرمایا ''میں ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک قوم کے ساتھ مل کر جہاد کیا حتیٰ کہ جب رب تعالیٰ نے انہیں غلبہ دے دیا تو وہ اس قوم کے افراد کو قتل کرنے لگے'' انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ آپ کے صحابہ کرام نہیں ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا یہ شہادت حق کا اظہار نہیں کرتے'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور انہیں بتایا کہ منافقین نے کس بات پر اتفاق کیا تھا اور ان کا ارادہ کیا تھا۔ مگر منافقین قسمیں اٹھانے لگے کہ انہوں نے نہ ایسی بات کی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا ارادہ کیا ہے۔ اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۗ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا

''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انہوں نے کہی تھی کفر کی بات اور انہوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انہوں نے ارادہ کیا اس چیز کا جسے وہ نہ پا سکے''۔ (التوبۃ: 74)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والہانہ استقبال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مدینہ طیبہ میں ایسے افراد بھی ہیں کہ تم کسی جگہ رواں نہیں ہوئے نہ ہی تم نے کسی وادی کو عبور کیا ہے مگر وہ تمہارے ساتھ تھے" صحابہ کرام نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا وہ مدینہ طیبہ میں ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں! انہیں کسی عذر نے روک رکھا تھا" جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو لوگ آپ کا استقبال کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ وہ منافقین جو مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے متعلق بری خبریں پھیلا رکھی تھیں۔ وہ کہتے تھے "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سفر میں مشقت کی وجہ سے شہید ہو چکے ہیں" جب ان تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سلامتی کی خبر پہنچی۔ ان کا جھوٹ عیاں ہوا تو انہیں بہت اذیت پہنچی۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (توبہ:50) "اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استقبال کے لیے مرد، بچے اور خواتین باہر نکل آئیں۔ پردہ نشین عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور وجد آفریں آواز میں یہ اشعار پڑھنے لگیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایها المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

"ثنیۃ الوداع سے ہم پر ماہ تمام طلوع ہوا، ہم پر اس وقت تک رب کا شکر ادا کرنا واجب ہے جب تک دعوت دینے والا رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا رہے۔ اے وہ ہستی والا! جسے ہم میں مبعوث کیا گیا ہے آپ ایسا امر لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کی جاتی ہے"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ اشعار اس وقت پڑھے گئے جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ ممکن ہے کہ یہ اشعار پڑھ کر آپ کا کئی بار استقبال کیا گیا ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ناز مدینہ طیبہ پر پڑی تو فرمایا "یہ طابہ ہے، یہ کوہ احد ہے، یہ ہم سے پیار کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں"۔ محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ یہ محبت اس میں اسی طرح پیدا کر دی گئی ہو جیسا کہ سنگریزوں کا تسبیح بیان کرنا اور ستنے کا آپ کے فراق میں گریہ بار ہونا ہو" دوسرے قول کے مطابق اس حدیث طیبہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے اہل ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی "کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی کروں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ تمہارے منہ کو سلامت رکھے، ضرور کرو" انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

من قبلها طبت فی الظلال وفی مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لابشر انت ولا مضغة ولا علق

بل نطفة تركب السفين وقد　　ألجم نسراً وأهله الغرق

تنقل من صالب الى رحم　　اذا مضى عالم بدا طبق

وردت نار الخليل مكتتما　　فى صلبه أنت كيف يحترق

حتى احتوى بيتك المهيمن من　　خندق علياء تحتها النطق

فنحن فى ذلك الضياء وفى　　النور وسبل الرشاد نخترق

''اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم سایہ میں عمدہ طریقے سے رہ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امانت رکھنے کی جگہ پر تھے جہاں پتے چپکائے جا رہے تھے پھر آپ شہروں میں تشریف لائے۔ اس وقت نہ آپ بشر تھے، نہ مضغہ تھے اور نہ ہی علق تھے۔ بلکہ آپ نطفہ تھے جو کشتی پر سوار ہوا جس نے نسر کا منہ بند کر دیا اور اس کے پجاری غرق ہو گئے۔ وہ نور ایک پشت سے دوسری رحم میں منتقل ہوتا رہا۔ جب ایک عالم گزر جاتا تو دوسری جماعت ظاہر ہو جاتی۔ آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے بھڑکائی ہوئی آگ میں تشریف لے گئے، ان کی صلب میں آپ کا نور تھا۔ آگ انہیں کیسے جلا سکتی تھی۔ حتیٰ کہ آپ کا کاشانۂ اقدس رفعتوں اور عظمتوں کی بلندیوں پر آشیان بند ہو گیا۔ اور قوت گویائی اس سے عاجز ہے۔ ہم آپ کے اس نور و ضیاء میں ہدایت کے رستوں کو طے کر رہے ہیں''۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی داستانِ عشق انگیز

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف فرما ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان عام لوگوں نے ملاقات کی، جو پیچھے رہ گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا ''ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بات چیت بھی نہ کرنا'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ان لوگوں سے اعراض فرمایا حتیٰ کہ ایک شخص اپنے بھائی اور والد سے اعراض کرتا۔ منافقین میں سے اسی سے زائد ایسے افراد تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے۔ ان کا تعلق بنو خزرج کے ساتھ تھا۔ انہی میں سے حضرت مرارۃ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں کا تعلق اوس کے ساتھ تھا یہ اہل نفاق میں سے نہ تھے۔ منافقین تو قسمیں اٹھانے لگے۔ وہ معذرت کرنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر اور اعلانیہ کو قبول فرمالیا۔ ان کے لیے مغفرت طلب کی۔ ان کے دل کی بات کو رب تعالیٰ کی سپرد کر دیا۔ البتہ ان تینوں حضرات کا معاملہ مؤخر کر دیا۔ ان کے متعلق رب تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَ اِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ (التوبۃ)

''اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم (آنے) تک، چاہے وہ عذاب دے انہیں اور چاہے تو بہ قبول کرے ان کی، اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے''۔

یہ آیت طیبہ ان کے ابتدائی امر کے متعلق نازل ہوئی۔ ان کے آخری امر ان کی توبہ کی قبولیت کے وقت اس آیت طیبہ کا نزول ہوا:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (توبہ:118) "اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا"۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے متعلق اور اپنے دونوں ساتھیوں کے متعلق یہ محبت آفریں داستان یوں بیان فرماتے ہیں "میں کسی غزوہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا سوائے غزوۂ تبوک کے۔ میں غزوۂ بدر میں بھی شرکت نہیں کر سکا تھا۔ مگر اس میں شرکت نہ کرنے والوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتاب نہیں فرمایا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاروان قریش کے ارادہ سے نکلے تھے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں اور ان کے دشمن کو وعدہ کے بغیر ہی جمع کر دیا تھا۔ میں عقبہ کی شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب ہمیں اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، مجھے اس سعادت کے مقابلہ میں غزوۂ بدر میں شرکت زیادہ عزیز نہ تھی۔ اگرچہ لوگوں میں غزوۂ بدر کی شرکت کا زیادہ تذکرہ کیا جاتا تھا۔ میں غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکا، حالانکہ میں اس سے قبل نہ اتنا قوی تھا نہ کبھی اتنا خوش حال تھا۔ بخدا! اس سے قبل میرے پاس کبھی بھی دو سواریاں جمع نہیں ہوئیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بھی غزوہ کا واضح الفاظ میں اعلان نہیں فرمایا تھا، مگر یہ غزوہ شدید گرمی میں رونما ہوا۔ سفر بھی طویل تھا۔ دشمن کی تعداد بھی کثیر تھی۔ راستے میں چٹیل میدان بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے اس غزوہ کا واضح اعلان فرما دیا تھا۔ تاکہ وہ تیاری کر لیں۔ مسلمان کثیر تعداد میں تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غزوہ کے لیے عازم سفر ہوئے تو پھل پک چکے تھے۔ درخت سایہ دار تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے سفر کی تیاری کر لی۔ میں صبح سویرے نکلا تاکہ ان کے ساتھ عازم سفر ہونے کی تیاری کر لوں۔ مگر میں واپس لوٹ آیا۔ تیاری نہ کر سکا۔ میں نے دل میں کہا "میں جب بھی ارادہ کروں میں اس بات پر قادر ہوں"۔ میرے دل میں یہی بات کھٹکتی رہی حتیٰ کہ مسلمانوں نے تیاری مکمل کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہو گئے۔ مگر میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں کوچ کر جاؤں اور آپ کے ساتھ مل جاؤں۔ کاش! میں یوں کر گزرتا۔ پھر مجھے اس سفر پر قدرت نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد میں باہر نکلتا تو مجھے یا تو وہ لوگ نظر آتے جو منافق ہوتے یا معذور۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یاد نہ فرمایا، حتیٰ کہ آپ تبوک تشریف لے گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا "کعب بن مالک نے کیا کیا؟ بنو سلمہ میں سے ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اسے اس کی دو خوبصورت چادروں نے روک رکھا ہے۔ وہ ان کی طرف ہی دیکھتا رہتا ہے" حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا "تو نے کتنی بری بات کی ہے؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ کی قسم! ہم ان کے متعلق بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے" حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب مجھے یہ خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے ہیں تو جھوٹ بولنے کے بارے سوچنے لگا۔ میں ایسا عذر تلاش کرنے لگا جس سے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نکل جاتا۔ میں نے اس کے متعلق خاندان کے صاحب رائے شخص سے مشاورت کی۔ حتیٰ کہ مجھے خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لانے ہی والے ہیں۔ مجھ سے باطل دور ہو گیا۔ حتیٰ کہ میں نے پہچان لیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھوٹ بول کر نجات نہیں پا سکتا۔ میں نے سچ بولنے کا عزم کر لیا۔ وقت صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ مسجد میں دو رکعتیں ادا فرماتے۔ لوگ مسجد نبوی میں ہی آپ کی خدمت

میں حاضر ہونے لگے۔ پیچھے رہ جانے والے آئے۔ آپ کی خدمت میں عذر پیش کرنے لگے۔ قسمیں اٹھانے لگے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی ظاہری بات کو قبول کر لیا۔ ان کے لیے مغفرت طلب کی۔ ان کے دل کی بات کو رب تعالیٰ کے سپرد کیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اس تبسم میں حضور ﷺ کی ناراضگی جھلک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا ''آگے آجاؤ'' میں آگے بڑھا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا ''تم پیچھے کیوں رہ گئے تھے؟ کیا تم نے اپنی سواری نہیں خرید لی تھی'' میں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اگر میں آپ کے علاوہ اور اہل دنیا میں سے کسی شخص کے پاس بیٹھا ہوتا تو میں چرب زبانی کے ساتھ اس کے غصہ سے نکل جاتا۔ مجھے مناظرہ کرنے کا طریقہ بھی خوب آتا ہے۔ لیکن بخدا! میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپ سے آج جھوٹی بات عرض کر دی تو شاید آپ تو مجھ سے راضی ہو جائیں لیکن رب تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا۔ لیکن اگر میں آپ سے سچی بات عرض کر دوں جس کی وجہ سے آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں تو مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ مجھے ضرور معاف کر دے گا۔ بخدا! میرا کوئی عذر نہیں۔ میں نہ کبھی اتنا خوش حال تھا نہ ہی اتنا پہلے قوی تھا۔ جب میں اس غزوہ سے پیچھے رہ گیا''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اس نے سچی بات کی ہے۔ اٹھو! چلے جاؤ حتیٰ کہ رب تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کر دے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بنوسلمہ کے بعض افراد میرے پیچھے آنے لگے۔ انہوں نے کہا ''ہم نہیں جانتے کہ تم نے اس سے قبل کوئی گناہ کیا ہو۔ کیا تم بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اس طرح عذر پیش کرنے سے عاجز آ گئے ہو۔ جس طرح دوسرے پیچھے رہ جانے والے لوگوں نے عذر پیش کیا ہے۔ تمہارے لیے حضور ﷺ کا استغفار ہی کافی تھا'' میرے قبیلہ کے لوگ مجھے سرزنش کرتے رہے حتیٰ کہ قریب تھا کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آتا اور کوئی عذر لنگ پیش کر دیتا۔ میں نے ان سے پوچھا ''کیا اس طرح کا معاملہ کسی اور شخص کے ساتھ بھی پیش آیا ہے'' انہوں نے کہا ''ہاں! دو صحابی اور بھی ہیں۔ انہوں نے بھی اسی طرح عذر پیش کیا ہے جس طرح تم نے پیش کیا ہے'' میں نے پوچھا ''وہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا ''وہ حضرت مرارۃ بن ربیع اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہما ہیں'' انہوں نے دو پاکباز افراد کا ذکر کیا۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ میں نے کہا ''ان میں میرے لیے نمونہ ہے'' میں ان کے ساتھ ملاقات کرنے چلا گیا۔ حضور ﷺ نے ہم تینوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے صحابہ کرام کو منع فرما دیا۔ لوگ بدل گئے حتیٰ کہ وہ زمین ہمیں عجیب لگنے لگی۔ ایسے لگتا تھا کہ یہ وہ زمین ہے ہی نہیں جسے ہم جانتے تھے۔ ہمیں اس اذیت ناک حالت پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے دونوں ساتھی تو اپنے گھر بیٹھ گئے۔ ان کا کام صرف رونا تھا۔ میں مضبوط اور توانا تھا۔ میں باہر نکلتا۔ نماز میں حاضر ہوتا۔ بازار جاتا، مگر مجھ سے کوئی ہمکلام نہ ہوتا۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ سلام عرض کرتا۔ آپ نماز کے بعد اپنی محفل میں تشریف فرما ہوتے۔ میں دل میں کہتا کہ کیا سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ کے لب مبارک نے حرکت کی ہے یا نہیں۔ میں آپ ﷺ کے قریب ہی نماز پڑھتا۔ نظر چرا کر دیکھتا۔ جب میں اپنی نماز میں مصروف ہو جاتا تو آپ اپنی نگاہ ناز سے مجھے ملاحظہ فرماتے۔ جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ ﷺ اعراض فرماتے۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کی طرف سے جفا آمیز سلوک طویل ہوتا گیا تو میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ میں گیا۔ وہ میرے چچازاد تھے۔

مجھے سارے لوگوں سے پیارے تھے۔ میں نے انہیں سلام کہا۔ مگر انہوں نے مجھے سلام کا جواب نہ دیا۔

میں نے کہا ''ابوقتادہ! میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ میں رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم (ﷺ) سے محبت کرتا ہوں'' وہ مہر بلب رہے۔ میں انہیں واسطے دیتا رہا۔ انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں'' یہ سن کر میری آنکھوں سے چھم چھم آنسو گرنے لگے۔ میں اٹھ کر چلا آیا۔ اسی اثناء میں کہ میں مدینہ طیبہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اہل شام کا ایک نبطی میرے متعلق پوچھ رہا تھا ''مجھے کعب بن مالک کے متعلق کون بتائے گا؟ لوگ اسے میری طرف اشارے کرنے لگے حتیٰ کہ وہ میرے پاس آ گیا۔ اس نے مجھے غسان بادشاہ کی طرف سے ایک خط دیا۔ میں نے اسے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:

''امابعد! ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل و رسواء نہ کرے۔ نہ ہی ضائع کرے، تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ اظہار ہمدردی کریں گے''۔

میں نے اسے پڑھا۔ میں نے کہا ''یہ ایک اور ناگہانی آفت ہے''۔ میں نے اسے تنور میں پھینک دیا۔ اسے جلا کر راکھ کر دیا۔ حتیٰ کہ پچاس میں سے چالیس راتیں بیت گئیں۔ ہمارے بارے وحی کا نزول نہ ہوا۔ حضور اکرم (ﷺ) کا قاصد میرے پاس آیا اس نے کہا ''حضور اکرم (ﷺ) تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی زوجہ سے جدا ہو جاؤ'' میں نے اپنی زوجہ سے کہا ''تم اپنے میکے چلی جاؤ، حتیٰ کہ یہ معاملہ اختتام پذیر ہو جائے''۔ حضرت ہلال بن امیہ (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ حضور اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ہلال بن امیہ عمر رسیدہ ہیں۔ ان کا خادم بھی نہیں۔ کیا آپ ناپسند فرماتے ہیں کہ میں ان کی خدمت کروں؟ آپ نے فرمایا ''ان کی خدمت کرو۔ مگر وہ تمہارے قریب نہ جائیں'' انہوں نے عرض کی ''انہیں اس امر کی ضرورت نہیں، بخدا! وہ اس وقت سے لے کر اب تک مسلسل آہ و بکا میں مصروف ہیں'' مجھے میرے بعض اہل خانہ نے کہا ''کاش! تم بھی اپنے اہل خانہ کے بارے حضور اکرم (ﷺ) سے اجازت مانگ لو'' میں نے کہا ''میں جوان ہوں۔ مجھے علم نہیں کہ اگر میں آپ سے یہ التجاء کروں تو آپ مجھے کیا جواب دیں'' اسی حالت پر ہمیں دس اور راتیں گزر گئیں۔ پچاس راتیں مکمل ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح کو میں نے اپنے گھر کی چھت پر نماز پڑھی۔ میں اسی حالت پر بیٹھا ہوا تھا جس طرح کہ رب تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی۔ مجھ پر میرا نفس بھی تنگ ہو گیا کہ اچانک میں نے سلع کی چوٹی سے کسی پکارنے والے کو سنا۔ وہ باآواز بلند کہہ رہا تھا ''کعب بن مالک تمہیں بشارت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے'' میں اسی وقت رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب کشادگی کا وقت آ گیا ہے۔ نماز صبح کے وقت حضور اکرم (ﷺ) نے صحابہ کرام کو ہماری توبہ کے متعلق بتایا تھا۔ لوگ ہمیں بشارتیں دینے لگے۔ میری طرف ایک شخص گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ بنو اسلم کا ایک شخص اس کے ہمراہ دوڑنے لگا۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی (رضی اللہ عنہ) پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ان کی آواز اس سوار سے بھی پہلے مجھ تک پہنچ گئی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر آنے والے حضرت زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہ) تھے۔ دوسری روایت میں ہے ''جب میں نے ان کی آواز سنی، وہ مجھے بشارت دے رہے تھے۔ میں نے اپنے

کپڑے اتارے اور انہیں دے دیے۔ بخدا! اس دن ان دو کپڑوں کے علاوہ میرے پاس اور کپڑے نہ تھے۔ میں نے دو کپڑے عاریۃً لیے۔ انہیں پہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑا۔ راستہ میں لوگ مجھ سے گروہ درگروہ ملاقات کرنے لگے۔ وہ مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ مجھ کہہ رہے تھے "تمہیں مبارک ہو۔ رب تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے" حتیٰ کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کے اردگرد پروانہ وار حاضر تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر جلدی سے میری طرف آئے اور انہوں نے میرے ساتھ مصافحہ کیا اور مبارک دی۔ بخدا! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی شخص نہ اٹھا۔ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ حسن سلوک فراموش نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا "اس روز سے سب سے بہترین دن آنے پر تمہیں مبارک ہو۔ جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنم دیا ہے" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا یہ کرم نوازی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے یا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ رب العزت کی طرف سے" جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور چاند کے ٹکڑے کی طرح تاباں ہوتا۔ ہم آپ کی مسرت آپ کے چہرۂ انور سے دیکھ لیتے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے رب تعالیٰ نے صرف سچائی کی وجہ سے نجات دی ہے۔ اب میری توبہ کا ثمرہ یہ ہے کہ میں عہد کرتا ہوں کہ میں ساری عمر سچ ہی بولوں گا۔" بخدا! جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ بات کی اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے امید ہے کہ بقیہ زندگی میں رب تعالیٰ مجھے جھوٹ سے بچائے گا"۔

ایک اور روایت میں ہے۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں اس توبہ کی خوشی میں اپنا سارا مال صدقہ کرتا ہوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھ لو۔ تمہارے لیے یہ بہتر ہے" اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۟ۙ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۟۠ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۟ (التوبۃ)

"یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر۔ نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر۔ بیشک وہ ان پر بہت بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور ان تینوں پر بھی (نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے

اور بوجھ بن گئی ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انہوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اس کی ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بہ کرم ہوا تا کہ وہ بھی رجوع کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ فرمانے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اسلام قبول کر لینے کے بعد رب تعالیٰ نے مجھ پر اتنی عظیم نعمت نہیں کی۔ اس کا فقط سبب یہ تھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سچ بولا تھا اور عہد کیا تھا کہ میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح وہ ہلاک ہوئے تھے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا"۔ اللہ رب العزت نے ان کے متعلق فرمایا:

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (توبہ)

"قسم کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم لوٹو گے ان کی طرف تا کہ تم معاف کر دو انہیں۔ سو منہ پھیر لو ان سے، یقیناً وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے وہ قسمیں کھاتے ہیں تمہارے لیے تا کہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو (یاد رکھو) اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہو گا نافرمانوں کی قوم سے"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "جب صحابہ کرام نے ہم سے گفتگو کرنا منقطع کر دیا کافی ایام اسی طرح گزر گئے تو مجھے سب سے زیادہ یہ بات غمزدہ کرتی تھی کہ کہیں اسی حالت میں میرا وصال نہ ہو جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نماز جنازہ نہ پڑھائیں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال نہ ہو جائے اور میں اس حالت پر رہوں اور مجھ سے کوئی نہ گفتگو کرتا ہو۔ نہ مجھے سلام کرتا ہو۔ جب رات کا آخری ثلث باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کے متعلق اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل فرما دی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تھے۔ اس معاملہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا میری انتہائی محسنہ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "ام سلمہ! کعب کی توبہ قبول ہو گئی ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا میں انہیں بشارت کا پیغام بھیج دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لوگ تمہیں روندھ دیں گے۔ وہ تمہیں ساری رات سونے نہیں دیں گے" حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز صبح ادا فرمائی اور پھر ہماری توبہ کی قبولیت کا تذکرہ فرمایا۔

بعض سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بھی اس غزوہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبۃ)

''کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کیا ہے اپنے گناہوں کا، انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

مگر صحیح روایت کے مطابق حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ غزوۂ بنی قریظہ میں پیش آیا تھا۔ جب بنوقریظہ نے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر عمل پیرا ہو جانے کے بارے مشورہ کیا تھا تو انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا تھا یعنی ذبح کر دیا جائے گا۔ انہوں نے فرمایا ''میرے قدم ابھی اس جگہ سے ہٹے نہیں تھے کہ میں نے جان لیا کہ میں نے رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خیانت کی ہے'' وہ سیدھے مدینہ طیبہ چلے گئے۔ خود کو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا۔ حتیٰ کہ ان کی توبہ کے متعلق آیت طیبہ نازل ہوگئی۔ ان کے متعلق یہ آیت طیبہ نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الانفال)

''اے ایمان والو نہ خیانت کرو اللہ اور اس کے رسول سے، اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو''۔

مسجد ضرار کا انہدام

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے۔ ابھی تک آپ مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہوئے تھے تو منافقین کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کی مسجد میں تشریف لائیں اور اس میں نماز ادا فرمائیں۔ یہ مسجد انہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی جمعیت کو منتشر کرنے کے لیے بنائی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قمیص مبارک منگوائی تاکہ اسے زیب تن کریں اور ان کی مسجد میں جائیں۔ اللہ رب العزت نے آپ پر یہ آیت طیبہ نازل کی:

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا (التوبۃ)

''اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کیلئے، کفر کرنے کے لیے اور پھوٹ ڈالنے کیلئے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کیلئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ کھڑے ہوں کبھی اس میں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات مالک بن دخشن، معن بن عدی بن عارم اور وحشی رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا ''اس مسجد کی طرف جاؤ جہاں ظالموں کا بسیرا ہے، اسے گرا دو اسے جلا دو'' یہ سب حضرات جلدی جلدی نکلے حتیٰ کہ بنوسالم بن عوف کے پاس آ گئے۔

حضرت مالک نے کہا "تم میرا انتظار کرو، حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آگ لے کر آجاؤں" وہ اپنے اہل خانہ کے پاس گئے، وہاں سے کھجور کی شاخ لی، اسے روشن کیا۔ پھر یہ سارے حضرات دوڑ کر گئے اور مسجد ضرار میں داخل ہو گئے۔ منافقین اس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس مسجد کو جلا دیا۔ اسے گرا دیا۔ منافقین وہاں سے تتر بتر ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس جگہ کو کوڑا کرکٹ پھینکنے والی جگہ بنا دو، وہاں مردار جانور اور بدبودار چیزیں پھینکیں جائیں"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 9 ھ رمضان المبارک کو تبوک سے واپس تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کے بعد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ کو حاملہ پایا۔ انہوں نے اپنی زوجہ کو شریک بن سمحاء کے ساتھ متہم کیا۔ ان کے مابین نماز عصر کے بعد مسجد نبوی میں لعان ہوا۔ ان کی داستان طویل ہے جو صحیحین میں مذکور ہے۔

سریہ ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک سے واپسی کے بعد یہ سریہ بھیجا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو بنو ثقیف کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوسفیان اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو طائف بھیجا تاکہ وہ "لات" کو ریزہ ریزہ کر دیں۔ وہ دس سے زائد مجاہدین لے کر گئے۔ انہوں نے لات کو گرا کر پیوند خاک کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو آگے کیا، تاکہ وہ لات کو گرائیں۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا "تم ہی اپنی قوم کے پاس جاؤ" حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ لات کے اوپر چڑھ گئے تاکہ کلہاڑے کے ساتھ اس پر ضرب کاری لگائیں۔ ان کی قوم ان سے دور کھڑی تھی۔ وہ ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں کوئی ان پر تیر نہ پھینک دے۔ بنو ثقیف کی عورتیں عریاں سر باہر نکل آئیں۔ وہ آہ و بکاء کر رہی تھیں۔ ان کا گمان تھا کہ لات کو گرانا ممکن نہیں، کیونکہ یہ خود کو گرانے سے روک سکتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بنو ثقیف کا تمسخر اڑانا چاہا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں بنو ثقیف کا مذاق اڑا کر تمہیں ہنسا دوں گا" جب وہ لات پر چڑھے تو انہوں نے خود کو گرا دیا۔ دوسری روایت کے الفاظ کے مطابق وہ مضطرب ہو گئے۔ یہ دیکھ کر لات کے پجاریوں نے بلند چیخیں ماریں۔ انہوں نے کہا "اللہ تعالیٰ نے مغیرہ کو دور کر دیا ہے۔ لات نے اسے برباد کر دیا ہے۔ بخدا! اسے گرانا ممکن نہیں" اس کے فوراً بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا "یہ تو پتھر کا ایک ٹکڑا ہے" لات کے پجاری فوراً تائب ہو گئے اور رب ذوالجلال کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ لات کو گرانے لگے حتیٰ کہ اس کا دروازہ توڑ دیا۔ اسے بنیادوں سے اکھیڑ پھینکا۔ مٹی باہر نکال دی" حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے وہاں سے ملنے والا سونا، چاندی اور ملبوسات لیے اور انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے رب تعالیٰ کی نصرت و تائید پر اس کی حمد و ثناء بیان کی۔

سریہ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ

حضور اکرم ﷺ نے انہیں ذوالخلصہ کی طرف بھیجا۔ ذوالخلصہ ایک گھر کا نام تھا۔ اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی قوم کا بت تھا۔ آپ ﷺ نے یہ سریہ اپنے وصال سے دو ماہ قبل بھیجا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا "کیا تم مجھے ذوالخلصہ کی طرف سے آرام نہیں پہنچا سکتے" میں نے عرض کی "کیوں نہیں" میں بنو احمس کے ایک سو پچاس شہ سواروں کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ وہ تو سارے شہ سوار تھے۔ مگر میں گھوڑے پر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ میں نے اس بات کا تذکرہ حضور اکرم ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے میرے سینے پر دست اقدس مارا اور یہ دعا مانگی "مولا! اسے ثابت قدم فرما۔ اسے ہادی اور مہدی بنا دے" اس کے بعد میں گھوڑے سے نہیں گرا"۔ ذوالخلصہ کے لیے ایک گھر یمن میں بھی تھا۔ جو خثعم اور بجیلہ کے لیے تھا۔ اس گھر کو کعبہ کہا جاتا تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے۔ اسے گرا کر نذر آتش کر دیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں قاصد بھیج دیا۔ اس قاصد نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے آتے وقت ذوالخلصہ کو اس طرح چھوڑا ہے گویا کہ وہ خارش زدہ اونٹ تھا"۔ حضور اکرم ﷺ نے احمس کے شہ سواروں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔

طبرانی نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "حضور اکرم ﷺ نے مجھے یمن بھیجا تا کہ میں انہیں دعوت توحید دوں اور اگر وہ انکار کریں تو ان کے ساتھ جہاد کروں" حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "واضح بات یہی ہے کہ یہ سریہ سریہ ذوالخصلہ کے علاوہ تھا۔ ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دو جہتوں میں بھیجا ہو۔ ابن حبان نے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے جریر! جاہلیت کے طواغیت میں سے صرف ذوالخلصہ ہی باقی رہ گیا ہے" اس فرمان سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بہت بعد میں پیش آیا تھا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع میں شرکت کی تھی۔ اس کے بعد انہیں ذوالخلصہ کو گرانے کے لیے بھیجا گیا۔ پھر انہوں نے یمن کا رخ کیا۔ جب واپس آنے لگے تو انہیں حضور اکرم ﷺ کے وصال کی خبر مل گئی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ذوالخلصہ کی جگہ ایک جامع مسجد بنائی گئی۔ وہاں سرزمین خثعم مین عبدات نامی شہر تھا۔

سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

حضور ﷺ نے انہیں ابنی کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ علاقہ سرزمین شام میں بلقاء کے پاس ہی تھا۔ یہ آخری سریہ تھا۔ جیسا کہ غزوہ تبوک آخری غزوہ تھا۔ جب 11ھ ماہ صفر کے آخری چار ایام باقی تھے۔ پیر کا مبارک دن تھا تو حضور ﷺ نے اہل روم پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے روز آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا۔ اور فرمایا "اس جگہ کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ جہاں تمہارے باپ کو شہید کیا گیا تھا۔ انہیں اپنے گھوڑوں سے روند ڈالو۔ میں تمہیں اس لشکر کا والی بناتا ہوں۔ صبح اہل ابنی پر حملہ آور ہونے کے لیے عازم سفر ہو جاؤ۔ سفر کرنے میں جلدی کرنا۔ اپنے جاسوس آگے آگے رکھنا۔ اگر

رب تعالیٰ تمہیں ظفر و فتح یابی عطا فرمادے، اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو لے جانا جو راستے کے خم و پیچ سے خوب آگاہوں" بدھ کے روز حضور ﷺ کو شدید بخار اور سخت درد شروع ہو گیا۔ اگلی صبح جمعرات کے روز آپ نے اپنے دست اقدس کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے جھنڈا باندھا۔ پھر فرمایا "اللہ کا نام لے کر راہ خدا میں عازم سفر ہو جاؤ۔ جو رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو" حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اپنا جھنڈا لے کر نکلے۔ انہیں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا اور لشکر سمیت جرف کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ مہاجرین اولین اور انصار میں سے کوئی شخص بھی لشکر سے پیچھے نہ رہا۔ سب نے روانگی کی تیاری کی۔ ان میں حضرات ابوبکر، عمر فاروق، ابو عبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی ہستیاں بھی شامل تھیں۔ لوگوں نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا "حضور ﷺ نے مہاجرین اولین اور انصار پر اس بچے کو امیر مقرر کر دیا ہے" اس وقت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عمر سترہ برس تھی۔ دوسرے قول کے مطابق انیس برس تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق بیس سال تھی۔ حضور اکرم ﷺ تک بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ جسے سن کر آپ کو بہت زیادہ غصہ آیا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ سر اقدس کپڑے سے باندھ رکھا تھا۔ چادر مبارک اوپر اوڑھ رکھی تھی۔ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر فرمایا:

"امابعد! میں نے اسامہ کو امیر لشکر مقرر کیا ہے۔ تم میں سے بعض کی طرف سے مجھے اس طرح کی خبر ملی ہے۔ اگر تمہیں اسامہ کے امیر لشکر بنانے پر اعتراض ہے تو تم ہی نے ان کے والد گرامی کو بھی امیر لشکر بنانے پر اعتراض کیا تھا۔ بخدا! زید بھی اس امارت کے مستحق تھے۔ ان کے بعد ان کے فرزند دلبند بھی اس امارت کے مستحق ہیں۔ یہ مجھے سارے لوگوں سے بڑھ کر پیارے ہیں۔ انہوں نے بھلائی کے بارے ہی سوچا ہے۔ ان کے متعلق عمدہ خیالات رکھو۔ وہ تم میں سے بہترین لوگوں میں سے ہیں"۔

پھر آپ منبر مبارک سے نیچے تشریف لائے۔ حجرۂ مقدسہ میں داخل ہو گئے۔ یہ واقعہ ہفتہ کے روز پیش آیا۔ ماہ ربیع الاول کے دس دن بیت چکے تھے۔ ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عازم سفر ہونے والے صحابہ کرام حضور ﷺ کی خدمت میں الوداعی سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ پھر وہ لشکر گاہ جرف چلے گئے۔ جب مرض شدت اختیار کر گئی تو آپ نے فرمایا "لشکر اسامہ کو بھیج دو" آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا اور انہیں لوگوں کو امامت کرانے کا حکم دیا۔ اب ان دونوں روایتوں میں اختلاف نہ رہا۔ جن میں سے ایک میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لشکر میں تھے۔ دوسری میں ہے کہ آپ اس لشکر کے ساتھ نہ گئے تھے۔ کیونکہ آپ پہلے اس لشکر میں شامل تھے۔ پھر حضور ﷺ نے انہیں مستثنیٰ قرار دیا اور انہیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اس سے رافضیوں کے اس قول کا رد بھی ہو جاتا ہے جس سے وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ آپ لشکر اسامہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اور آپ نے اس لشکر سے پیچھے رہ جانے والوں کو برا بھلا کہا ہے۔ کیونکہ آپ کا پیچھے رہ جانا حضور ﷺ کے حکم کی وجہ سے تھا، کیونکہ آپ نے لوگوں کو امامت کرانا تھی۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہوں گے۔ جس لعنت کا ذکر رافضی کرتے ہیں۔ وہ کسی حدیث طیبہ میں نہیں۔

اتوار کے روز حضور ﷺ کا درد شدت اختیار کر گیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سر جھکا کر چہرۂ انور کا بوسہ لیا۔ حضور ﷺ گفتگو نہیں فرما رہے تھے۔ پھر آپ نے اپنے دست اقدس آسمان کی طرف بلند کر دیئے۔ پھر انہیں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے اوپر رکھ دیا" اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "مجھے علم ہو گیا کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں" پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنی لشکر گاہ کی طرف لوٹ آئے۔ سوموار کے روز پھر حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے انہیں فرمایا "رب تعالیٰ کی برکت کے ساتھ عازم سفر ہو جاؤ" حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو الوداعی سلام عرض کیا۔ اپنے مجاہدین کے پاس آگئے اور لوگوں کو کوچ کا حکم دیا۔ وہ خود سوار ہونے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ جرف تک پہنچ چکے تھے تو ان کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ان کی طرف یہ پیغام بھیجا "جلدی نہ کریں، حضور ﷺ کا آخری وقت ہے" حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ حضرات عمر فاروق اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر آپ کا وصال تو سورج کے ڈھلنے کے وقت ہو چکا تھا۔ جرف میں خیمہ زن سارے مجاہدین مدینہ طیبہ واپس آگئے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ کا جھنڈا لے کر آئے اور آپ کے پاس وہ مبارک علم گاڑھ دیا۔ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تو انہوں نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ جھنڈا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے گھر لے جائیں اور جب وہ حکم فرمائیں تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عازم سفر ہو جائیں۔ جب حضور ﷺ کا وصال مشہور ہو گیا تو نفاق ظاہر ہو گیا۔ منافقین کو تقویت نصیب ہوئی۔ نصرانی اور یہودی بھی خود کو طاقتور سمجھنے لگے۔ مسلمانوں کی حالت سرد رات میں منتشر بھیڑوں کی طرح ہو گئی۔ عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے۔ انہوں نے کہا "ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے"۔ سارے فتنے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی سے قبل رونما ہو چکے تھے۔ ان حالات میں لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی کہ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانہ ہونے سے روک دیں۔ انہوں نے کہا "یہ لشکر اہل روم کی طرف کیسے جائے گا؟ حالانکہ مدینہ طیبہ کے ارد گرد کے عرب مرتد ہو چکے ہیں۔ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا "بخدا! اگر مجھے حضور ﷺ کے اس حکم کے نفاذ سے زیادہ کسی اور چیز کا نفاذ پسند ہو تو مجھے پرندے اچک لیں" دوسری روایت کے مطابق حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا ان سے کہا "حضور ﷺ کے خلیفہ کے پاس جائیں اور انہیں کہیں کہ وہ مجھے اجازت دے دیں کہ میں لوگوں سمیت واپس آ جاؤں۔ مجھے خطرہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں اور ان کے سامان پر نوٹ پڑیں گے" انصار نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا "اگر خلیفہ رسول ﷺ لشکر اسامہ کو بھیجنے پر ہی بضد ہوں تو انہیں ہماری طرف سلام عرض کرنا اور کہنا "وہ ہمارا معاملہ اس شخص کے سپرد کر دیں جو عمر میں ہم سے بڑھ کر ہو" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہ صدیقی میں گئے اور انہیں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا پیغام دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر مجھے بھیڑیے اور کتے بھی اٹھا کر لے جائیں۔ میں پھر بھی اس فیصلہ کو نہیں لوٹاؤں گا جسے حضور ﷺ نے کر دیا ہو" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انصار کا پیغام حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا ''تمہاری ماں تم پر روئے۔ تمہیں گم کرے۔ ابن خطاب! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا ہے۔ تم مجھے کہتے ہو کہ میں انہیں اس منصب سے ہٹا دوں''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لشکر کی طرف چلے گئے۔ فرمایا ''تمہاری مائیں تم پر روئیں۔ میں نے تمہاری وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ سے بھلائی حاصل نہیں کی'' شاید انصار نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان نہ پہنچا ہو۔ یا ان کا گمان ہو کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ اختیار ہو۔ آپ اس میں مصلحت دیکھ کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب سے ہٹا دیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ جائیں، تا کہ وہ ان کے ساتھ امور خلافت میں مشورہ کر سکیں'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت اسامہ سے اس طرح کہنا ان کی تسلی خاطر کے لیے تھا۔ ربیع الآخر 11ھ کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عازم سفر ہوئے۔ ان کے ہمراہ تین ہزار صحابہ کرام تھے۔ ایک ہزار گھوڑے بھی ہمراہ تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں الوداع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کچھ دیر چلتے رہے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سواری ہانک رہے تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ! یا آپ سوار ہو جائیں یا مجھے نیچے اترنے کی اجازت دیں'' انہوں نے فرمایا ''بخدا! نہ آپ نیچے اتریں گے، نہ میں سوار ہوں گا''۔ پھر انہوں نے فرمایا ''میں تمہارے دین اور امانت اور اعمال کے خاتموں کو رب تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں''۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اہل ابنی کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ ان پر شب خون مارا۔ ان کا شعار ''یا منصور امت'' تھا۔ جو قتل ہوئے انہیں قتل کیا۔ جو اسیر ہوئے انہیں اسیر کیا۔ ان کے گھر جلا دیے۔ ان کے میدانوں میں گھوڑے دوڑائے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی شہید نہ ہوا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے گھوڑے پر سوار تھے۔ اس پر اپنے والد گرامی کے قاتل کو واصل جہنم کیا۔ گھڑ سوار کو دو حصے پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ اپنے لیے بھی اتنا کچھ ہی لیا۔ جب واپس آنے لگے تو مدینہ طیبہ ایک شخص کو بشارت دے کر جلدی جلدی بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور وہ صحابہ کرام جو اس سریہ میں نہیں گئے تھے۔ وہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے۔ انہوں نے فرحت و انبساط کے ساتھ اس لشکر کا استقبال کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنا جھنڈا اپنے سامنے لے کر چلے حتیٰ کہ مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس پہنچ گئے۔ مسجد میں داخل ہوئے۔ دو رکعتیں ادا کیں، پھر اپنے گھر لوٹ آئے۔ اس لشکر کا روانہ ہونا ایک عظیم نعمت ثابت ہوا۔ اس کی وجہ سے عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہونے سے رک گئے۔ انہوں نے کہا ''اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں قوت نہ ہوتی تو وہ اس سطوت و شوکت کے ساتھ عازم سفر نہ ہوتے'' وہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے ''السلام علیك یا ایها الامیر'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ''امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی لغزشیں معاف کرے۔ آپ مجھے اس طرح کہہ رہے ہیں'' وہ کہتے! جب تک میں زندہ ہوں میں تمہیں امیر ہی کہتا رہوں

گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا تو تم امیر سپاہ تھے"۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب اور آپ کے محبوب کے فرزند کہا جاتا تھا۔ صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما کو پکڑ لیتے اور عرض کرتے مولا! "میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما"۔

اس مخزومیہ عورت کے متعلق روایت میں ہے جس نے چوری کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ فرمایا تھا "حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی سفارش کے بارے گفتگو نہ کر سکا" انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی تو آپ نے فرمایا "کیا تم رب تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے سفارش کرتے ہو"۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بے شمار ہیں۔ انہوں نے 54ھ یا 55ھ میں مدینہ طیبہ یا وادی القریٰ میں وصال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر 75 سال تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بطور امیر حج

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 9ھ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ 8ھ کو حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج کرائیں۔ وہ اہل مکہ کے امیر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے تین سو حضرات کے ساتھ عازم سفر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہمراہ بیس اونٹ بھیجے۔ انہیں اپنے ہاتھ سے قلادے پہنائے اور شعار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پانچ اونٹ لے کر گئے۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے عازم سفر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا "کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو امیر حج مقرر کیا ہے؟ انہوں نے کہا "نہیں! بلکہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو سورۃ برأت پڑھ کر سناؤں۔ یہ معاہدہ کرنے والے کا معاہدہ اس کی طرف لوٹا دوں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشرکین کے ساتھ دو قسم کے عہد تھے ❶ عام ❷ خاص۔ عام معاہدہ یہ تھا کہ بیت اللہ سے کسی کو روکا نہیں جائے گا۔ اشہر حرام میں کسی کو خوفزدہ نہیں کیا جائے گا۔ خاص معاہدے وہ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مشرکین کے مابین مدت مقررہ تک تھے۔ اہل عرب کی عادات میں سے تھا کہ معاہدہ کرنے والے کا قریبی رشتہ دار معاہدہ کو ختم کرنے کا اعلان کرتا تھا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کو بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ ایک روایت کے مطابق اس سال حج ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔ اس کا سبب وہ نسات تھا جو اہل عرب کیا کرتے تھے۔ مگر صحیح موقف یہی ہے کہ یہ حج ذوالحجہ میں ہی ہوا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے عازم سفر ہو چکے تھے تو سورۃ برأت کا نزول ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ کاش آپ یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک بھیج دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے اہل بیت سے کوئی فرد ہی اس کا صحیح حق ادا کر سکتا ہے" پھر آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا "سورۃ برأت لے کر مکہ مکرمہ کی طرف عازم سفر ہو جاؤ۔ جب لوگ یوم نحر کو منیٰ میں جمع ہوں تو یہ سورت پڑھ کر سنانا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سورت برأت یوم نحر کو پڑھ کر

سنائی۔ فرمایا "آج کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔ کوئی عریاں جسم طواف نہیں کرے گا" کیونکہ مشرکین مسلمانوں کے ہمراہ حج کرتے تھے۔ رات کے وقت عریاں جسم طواف کرتے تھے۔ وہ یہ کلمات بلند آواز سے کہتے تھے "لا شریك لك الا شریکا هولك تملکه و ماملك" نعوذ باللہ۔ وہ رات کے وقت عریاں ہو کر طواف کرتے تھے۔ ان پر ایک کپڑا بھی نہیں ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک کہتا "میں آج اس طرح طواف کر رہا ہوں جس طرح میری ماں نے مجھے جنم دیا تھا۔ مجھ پر ایسی کوئی چیز نہیں جس کے ساتھ ظلم ملا ہوا ہو" جو کپڑوں میں طواف کرنا چاہتا تو وہ صرف حمس کے کپڑوں میں طواف کر سکتا تھا" یہ وہ کپڑے ہوتے تھے جنہیں یا تو قریش ادھار دیتے تھے یا کرایہ پر دیتے تھے۔ اگر کوئی اپنے کپڑوں میں طواف کرتا تو وہ اپنے کپڑے پھینک دیتا تھا۔ اسے ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق عورتیں کھلی سی زرہ میں محو طواف ہوتی تھیں۔ ایک عورت عریاں مصروف طواف تھی اس کا ہاتھ اپنی شرم گاہ پر تھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔ شرم گاہ کو ڈھانپنے کے وجوب کے لیے رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی: "یابنی آدم خذوا زینتکم"۔

ایک اور روایت کے مطابق جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جا کر ملے تو انہوں نے کہا "امیر بن کر آئے ہیں یا مامور" انہوں نے کہا "مامور" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سارے سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ اس روایت میں ان رافضیوں کا رد بھی ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امارت حج سے معزول کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو متعین فرمایا تھا۔ حالانکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا گیا تھا بلکہ انہوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ اس سفر میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے حتیٰ کہ وہ مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے، انہیں حج کے مناسک کی تعلیم دی، جب وہ فارغ ہو گئے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سورۃ برأت پڑھ کر سنائی۔ روایت ہے کہ انہوں نے یہ سورت یوم ترویہ، یوم عرفہ، یوم نحر اور یوم نفر کو پڑھ کر سنائی۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی ہلاکت

یہ 9ھ ماہ ذوالقعدہ میں واصل جہنم ہوا۔ اس کے فرزند دلبند حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے باپ کا آخری وقت ہے۔ وہ پسند کرتا ہے کہ اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے چلیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی "حباب" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارا نام عبداللہ ہے۔ حباب شیطان کا نام ہے" ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔ یہ اپنے والد کے معاملہ کو ظاہری اسلام پر محمول کرتے تھے۔ یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آپ سے التجاء کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قمیص عنایت کریں تا کہ وہ اس میں اپنے باپ کو کفن دے سکیں۔ بلکہ طبرانی اور امام عبدالرزاق نے تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں آیا تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیا یہود کی محبت ختم ہوگئی ہے؟ اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! مجھے آپ کے پاس اس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ میرے لیے مغفرت طلب کریں نہ کہ مجھے جھڑکیں۔ پھر اس نے آپ سے قمیص طلب کی۔ جس میں اسے کفن پہنایا جا سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی مرضِ موت میں گرفتار ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بات چیت فرمائی۔ اس نے عرض کی ''میں آپ کی بات سمجھ چکا ہوں۔ اب آپ مجھ پر احسان فرمائیں۔ مجھے کفن کے لیے اپنی قمیص عطا فرمائیں۔ اور میری نماز جنازہ پڑھائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی قمیص عطا کی۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ اس نے فلاں فلاں روز یہ یہ بات کہی تھی'' انہوں نے عبداللہ بن ابی کے سارے بکواسات شمار کیے مثلاً اس کے یہ قبیح اقوال ذکر کیے:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (المنافقون:7) اور نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں۔

لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:۸) تو ضرور اس سے معزز ذلیل کو نکال دے گا۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک کپڑا پکڑا۔ عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ کو منع فرمایا ہے کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے یہ مفہوم سمجھا:

ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مجھے رب تعالیٰ نے ان کے لیے استغفار کرنے یا نہ کرنے کے بارے اختیار دیا ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ:80)

'' آپ ان کے لیے دعائے استغفار کریں یا دعائے استغفار نہ کریں اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی دعائے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی بخشش نہیں کرے گا''۔

میں اس کے لیے ستر سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''وہ منافق ہے'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی کیونکہ ابھی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کے متعلق صریح حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ظاہری اسلام پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات قبول نہ فرمائی۔ آپ نے اس طرح عبداللہ بن ابیؓ کے فرزند ارجمند کی دلداری بھی کی۔ جو پکے سچے مؤمن تھے۔ اس کا اثر منافقین کی جماعت پر بھی ہوا، کیونکہ اس روز بہت سے منافقین نے توبہ کر لی۔ جب انہوں نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قمیص مانگ رہا ہے تاکہ اس میں اسے کفن دیا جائے۔ اور یہ بھی عرض کر رہا تھا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ میں طوالت اختیار فرمائی۔ اور عبداللہ بن ابی کے لیے بہت زیادہ استغفار کیا۔ حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی طویل نماز جنازہ عبداللہ بن ابی کی پڑھائی تھی میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی اور کی نماز جنازہ میں اتنی طوالت اختیار فرمائی ہو"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی میت کے ساتھ گئے۔ اس کی قبر پر قیام فرمایا حتیٰ کہ لوگ اسے دفنانے سے فارغ ہو گئے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھانے میں اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال شفقت عیاں ہوتی ہے۔ جس کا دین متین کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہو۔ عبداللہ بن ابی کے فرزند دلبند ایک سچے پکے مؤمن تھے۔ آپ نے ان کی دلداری کے لیے اور بنو خزرج کی تالیف قلبی کے لیے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے فرزند کی بات نہ مانتے اور نہی سے قبل ہی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تو یہ اس کے فرزند دلبند اور اس کی قوم کے لیے باعث عار ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاست میں دونوں امور میں سے احسن پر عمل کیا حتیٰ کہ اس کے متعلق رب تعالیٰ نے واضح حکم نازل فرما دیا۔ آپ نے ابن ابی کا بدلہ چکانے کے لیے اسے قمیص بھی دی۔ کیونکہ اس نے اس روز حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قمیص دی تھی جب وہ غزوۂ بدر کے روز گرفتار ہو گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت طیبہ نازل فرما دی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (توبہ)

"ان میں جو آدمی فوت ہو جائے اس کی کبھی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی کسی کی قبر پر آپ کھڑے ہوں۔

• کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے یہ مرے جبکہ وہ فاسق تھے"۔

اس آیت طیبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کی تائید تھی۔ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق نازل ہوئیں۔ یہ آیت طیبہ اس وقت نازل ہوئی جب لوگ ابن ابی کو دفنانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق نماز جنازہ پڑھا لینے کے بعد نازل ہوئی۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی، پھر واپس تشریف لائے۔ کچھ ہی دیر بعد یہ آیت طیبہ نازل ہو گئی۔

امام طبرانی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں میری قمیص اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ مگر مجھے امید ہے کہ اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اس کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ بخاری کی شرح قسطلانی میں ہے کہ جب اس کی قوم نے دیکھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص سے شفاعت کی لو لگائے بیٹھا ہے اور اسے عذاب کے دور ہو جانے کی امید ہے تو ان میں سے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن کی طرف

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع سے قبل 10 ھ کو حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں 9 ھ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد یا عام الفتح کو 8 ھ کو وہاں بھیجا۔ یمن کے دو حصے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ایک حصہ کا والی مقرر فرمایا۔ یمن کی زبان میں حصہ کو مخلاف، الکورہ، اقلیم اور رستاق بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عدن کی طرف بلند حصے کے والی تھے۔ اسی طرف جندہ کا مشہور شہر تھا۔ وہیں ان کے نام پر مسجد بنائی گئی۔ جو آج تک مشہور ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نشیبی حصہ کے والی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا" آسانی پیدا کرنا۔ تنگی پیدا نہ کرنا۔ بشارت دینا۔ نفرت پیدا نہ کرنا"۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم عنقریب ایسی قوم کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب ہوگی۔ جب تم ان کے پاس جاؤ تو انہیں دعوت دو کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول مکرم ہیں۔ اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ رب تعالیٰ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں۔ اگر یہ بات بھی مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ رب تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو ان کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دی جائے گی۔ اگر وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے بہترین جانور نہ لینا۔ مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کی دعا اور رب تعالیٰ کے مابین کوئی حجاب نہیں۔

امام احمد نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو فرمایا" میں تمہیں اس قوم کی طرف بھیج رہا ہوں جس کے دل بڑے رقیق ہیں۔ اس میں سے جو تمہاری اطاعت کرلے اس کے ساتھ مل کر اس کے ساتھ جہاد کرو، جو تمہاری نافرمانی کرے" ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں وصیت کرنے کے لیے نکلے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی سواری کے سایہ میں چل رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصیت سے فارغ ہوئے تو فرمایا" معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے ملاقات نہ کرسکو، شاید تم میری مسجد اور میری قبر انور کے پاس سے گزرو" یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رونے لگے۔ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک میل تک چلتے رہے جبکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنی سواری پر سوار تھے۔ حافظ ابن حجر تحریر کرتے ہیں کہ سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں ہی رہے، پھر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ طیبہ آئے۔ پھر شام چلے گئے۔ وہیں وصال فرمایا۔ سیرت نگاروں کا اختلاف اس میں ہے کہ کیا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی اور قاضی تھے؟ ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ وہ صرف قاضی تھے۔ امام غسانی نے لکھا ہے کہ وہ مال پر نگران تھے۔ ابن میمون کی حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز پر بھی امیر تھے۔ اس سے اسی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی تھے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث طیبہ یہ بھی ہے" حضرت معاذ رضی اللہ عنہ میری

امت میں سے سب سے زیادہ حلال وحرام کو جاننے والے ہیں" ایک حدیث مبارک یہ بھی ان ہی شان میں ہے "حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روز حشر علماء کے امام ہوں گے"۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری کی سعادت حاصل کی، مکہ مکرمہ میں آپ سے ملاقات کی سعادت ازلی حاصل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا۔ اسی سے علماء کرام نے ان کے علم وفطانت اور ذہانت کا استدلال کیا ہے، اگر ان میں یہ صلاحیتیں نہ ہوتیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں امارت سپرد نہ کرتے۔ اسی لیے ان پر حضرات عمر فاروق، عثمان غنی اور علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اعتماد کیا۔ خوارج اور رافضی صفین میں تحکیم کو بنیاد بنا کر غفلت اور عدم فطانت کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر حق یہ ہے کہ ان سے کوئی ایسی لغزش صادر نہیں ہوئی تھی جس کی بناء پر انہیں غفلت اور کند ذہنی کی طرف منسوب کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد کیا کہ اس معاملہ کو بدری صحابہ کرام کی مشاورت کے ساتھ حل کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے صفین کے مقام پر دو گروہوں میں شدید اختلافات ملاحظہ کیے تھے۔ پھر معاملہ اسی طرح لوٹا جس طرح انہوں نے لوٹایا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجنا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع سے قبل ربیع الاول 11ھ یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ 10ھ بنو عبد المدان کی طرف بھیجا۔ عبد المدان اس قبیلہ کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ اس کا نام عمرو بن یزید بن قطن بن زیاد بن حارث، بن مالک بن ربیعہ بن کعب بن حارث تھا۔ اسی لیے ان کو بنو حارث بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ نجران کے مقام پر آباد تھا۔ نجران کو نجران بن زید بن سباء کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ کرنے سے قبل تین بار انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اس دعوت کو قبول کریں تو بہتر ورنہ ان کے ساتھ جنگ کریں۔ حضرت خالد عازم سفر ہو کر ان کے پاس پہنچے۔ ہر طرف اپنے کارواں بھیجے۔ جو انہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے۔ وہ کہتے تھے "اے لوگو! اسلام قبول کرلو، سلامتی پا جاؤ گے" انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ وہ انہیں کتاب وسنت کی تعلیم دینے لگے۔ پھر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خط لکھ کر اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی خط میں لکھوایا کہ وہ ان کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوں۔ بنو عبد المدان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے قیس بن حصین کو ان کا امیر بنایا۔ وہ شوال کے آخر یا ذوالقعدہ کی ابتداء میں اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی طرف

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 10ھ رمضان المبارک میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ ان کے لیے جھنڈا باندھا۔ انہیں اپنے ہاتھ سے عمامہ مبارک باندھا۔ انہیں فرمایا "روانہ ہو جاؤ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں کیا کروں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب ان کے میدان میں جاؤ تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرنا حتیٰ کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ کا آغاز کریں۔ انہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دو۔ اگر وہ ہاں کہہ دیں تو انہیں نماز کا حکم دو۔ اگر وہ اس دعوت پر لبیک کہیں تو ان سے اس کے علاوہ اور کچھ نہ چاہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے وسیلہ سے ان میں سے کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے یا غروب ہوتا ہے"۔

ابوداؤد نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا، میں نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے اس قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جس میں مجھ سے عمر رسیدہ افراد موجود ہیں۔ میں نوعمر ہوں، میں فیصلہ نہیں کرسکوں گا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر پھیرا۔ یہ دعا مانگی "مولا! ان کی زبان کو ثابت اور ان کے قلب کو ہدایت نصیب فرما" پھر فرمایا "علی! جب تمہارے سامنے دو فریق بیٹھیں تو اس وقت تک فیصلہ نہ کرنا حتیٰ کہ تم دوسرے کی بات بھی سن لو۔ جب تم اس طرح کرو گے تو تمہارے لیے فیصلہ واضح ہو جائے گا"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! اس کے بعد مجھے دو فریقوں کے مابین فیصلہ کرنے میں کبھی کسی تردد کا سامنا نہیں کرنا پڑا"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین سو سواروں کے ہمراہ عازم سفر ہوئے۔ جب اس علاقہ میں پہنچے تو اپنے ساتھیوں کو متفرق گروہوں میں منقسم کردیا۔ وہ مال غنیمت، عورتیں اور بچے لے آئے۔ مال غنیمت جانوروں اور مویشیوں پر مشتمل تھا۔ پھر ان کے لشکر کے ساتھ آمنا سامنا ہوگیا۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کردیا۔ مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کردی۔ ان میں سے مذحج کا ایک شخص نکلا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ حضرت اسود بن خزاعی نے اسے جواب دیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کا سامان حاصل کرلیا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ حضرت مسعود بن سنان اسلمی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا کیا۔ دشمن کے بیس افراد کو تہ تیغ کردیا۔ وہ شکست کھا کر منتشر ہوگئے۔ آپ نے ان کا تعاقب نہ کیا۔ پھر ان کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ دعوت تیزی سے قبول کرلی۔ ان کے کئی رؤساء نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اسلام پر بیعت کرلی۔ انہوں نے کہا "یہ ہمارے صدقات ہیں۔ ان میں سے رب تعالیٰ کا حق لے لیں" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جمع کیا۔ اس کے پانچ حصے کیے۔ ایک حصہ پر اللہ تعالیٰ کا نام لکھا۔ اس پر قرعہ اندازی کی۔ پہلا تیر خمس کا نکلا۔ باقی مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کردیا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ واپس لوٹ آئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ 10ھ کو حج کے لیے تشریف لے جاچکے تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا 10ھ تھی۔ سارے قبیلہ ہمدان نے ایک ہی دن میں اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا۔ اس میں اس نعمت کا ذکر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکتوب سنا تو فوراً سجدہ ریز ہوگئے۔ پھر فرمایا "سارے ہمدان پر سلامتی ہو" مگر اس روایت کی تاریخ جو لکھی گئی ہے جو وہم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمدان کی طرف 10ھ کو نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ 10ھ

کو بنو مذحج کی طرف بھیجا تھا۔ آپ نے ہمدان کی طرف آپ کو 8ھ فتح مکہ کے بعد بھیجا تھا۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف دو بار بھیجا۔

امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ یمن کی طرف بھیجا۔ پھر بعد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت خالد بن ولید کی جگہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا "حضرت خالد کے ساتھیوں کو حکم دو کہ جو ان میں سے آپ کے ساتھ واپس جانا چاہے، وہ واپس چلا جائے" میں بھی ان افراد میں سے تھا جو واپس چلے گئے۔ مجھے کئی اوقیہ چاندی بطور مال غنیمت ملی" بعض روایات میں یہ اضافہ ہے "جب ہم اس قوم کے قریب پہنچے تو وہ ہماری طرف نکلے، انہوں نے ہماری طرف صفیں بنا کر نماز پڑھی پھر وہ ہمارے سامنے آگئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا۔ جسے سن کر سارا قبیلہ ہمدان دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے اسلام کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط ارسال کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ خط سنا تو فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اقدس بلند فرمایا اور فرمایا "ہمدان پر سلامتی ہو" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ طائف سے واپسی اور جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم کرنے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہمدان کی طرف بھیجا۔ اس میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو پہلی بار 8ھ کے آخر میں ہمدان کی طرف بھیجا۔ دوسری بار رمضان المبارک 10ھ کو مذحج کی طرف بھیجا۔

حجۃ الوداع

10ھ کو تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو الوداع فرمایا۔ اس حج کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی مراد سمجھ گئے۔ اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو وصیت کے ساتھ الوداع کیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر اپنے اس وداع کو محکم فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہ بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب غفور کا پیغام کسی کم وکاست کے بغیر ان تک پہنچا دیا۔

اس حج کو حجۃ الاسلام کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ حج فرض ہو جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اس کے علاوہ اور کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔ اسے حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سال قول وفعل کے اعتبار سے احکام شرعیہ لوگوں تک پہنچائے۔ اس حج کو حجۃ التمام والکمال بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ:3)

"آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لیے اسلام کو بطور دین"۔

اس وقت حضور اکرم ﷺ میدان عرفہ میں جلوہ افروز تھے۔ مدینہ طیبہ ہجرت فرما ہو جانے کے بعد آپ مدینہ منورہ میں ہی قیام فرما رہے۔ آپ ﷺ وہیں ہر سال قربانی کرتے رہے۔ آپ جہاد کے لئے سفر فرماتے رہے۔ مختلف سرایا اور بعوث بھیجتے رہے۔ کیونکہ جہاد کا حکم مل چکا تھا۔ جب 10ھ ذوالقعدہ کا ماہ مبارک آیا تو آپ ﷺ نے حج ادا فرمانے کا عزم فرمایا۔ خود بھی تیاری فرمائی۔ صحابہ کرام کو بھی تیاری کا حکم دیا آپ ﷺ نے ہجرت فرمانے کے بعد اس کے علاوہ اور کوئی حج ادا نہیں فرمایا۔

حضرت ابو اسحاق السبیعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ایک اور حج بھی ادا فرمایا۔ لیکن اس روایت میں "ایک اور" ان الفاظ سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل صرف ایک ہی حج کیا۔ لیکن یہ قول درست نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ہجرت سے قبل کئی حج کیے۔ ایک اور قول کے مطابق آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے دو حج کیے۔ ایک اور روایت میں تین حجوں کا بھی ذکر ہے۔ لیکن وہ حقیقت جو ہر قسم کے گرد و غبار سے پاک ہے وہ یہ ہے۔ شرح زرقانی میں بھی اسی حقیقت کو عیاں کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ جب تک مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز رہے۔ آپ ﷺ نے ایک حج بھی ترک نہیں فرمایا۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں قریش حج ترک نہیں کرتے تھے۔ حج سے صرف وہی پیچھے رہتا تھا جو مکہ معظمہ میں موجود نہ ہوتا تھا۔ یا اسے کمزوری اور بڑھاپا آ جاتا۔ بلکہ وہ تو ان لوگوں کو بھی حج کی دعوت دیتے تھے جو ان کے دین پر نہیں ہوتا تھا۔ حج کرنا ان کے لئے باعث فخر ہوتا تھا۔ اسی لیے وہ دیگر اہل عرب پر امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے متعلق یہ ادنیٰ سا شائبہ بھی کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے حج ترک کر دیا ہو۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت بھی ہے کہ انہوں نے جاہلیت میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت بھی کی۔ اس وقت آپ ﷺ عرفہ میں جلوہ نما تھے۔ یہ صرف آپ ﷺ کے لئے توفیق ایزدی ہی تھی۔ قریش وقوف تو کرتے تھے۔ لیکن حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ مگر حضور ﷺ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ حضور ﷺ عرفہ تشریف لے جاتے۔ وہاں بقیہ عرب کے ساتھ وقوف فرماتے۔ صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ منیٰ میں لگاتار مختلف قبائل کو اسلام کے چشمہ صافی کی طرف دعوت بھی دیتے رہے۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "ابن سعد کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ حضور اکرم ﷺ نے بعثت کے بعد صرف حجۃ الوداع ہی ادا فرمایا۔ کیونکہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کے اثبات کی کوئی دلیل بھی ہو۔ اور نافی کے پاس اس کی نفی کی دلیل نہ ہو"

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں "آپ ﷺ نے بہت سے حج کیے جن کی صحیح تعداد کسی کو معلوم نہیں" علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "نہایہ" میں لکھا ہے "ہجرت سے قبل حضور ﷺ ہر سال حج ادا فرماتے تھے"۔

10ھ کو ابھی ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ ہفتہ کے روز آپ ﷺ نماز ظہر اور نماز عصر کے درمیان عازم سفر ہوئے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت ابو دجانہ الساعدی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق نیابت کے فرائض حضرت سباع بن عرفطہ الغفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائے۔ ساری امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو رفاقت کا ابدی شرف حاصل تھا۔ جب آپ ﷺ عازم سفر ہونے لگے تو اس رات اپنی ساری ازواج مطہرات سے وظیفۂ زوجیت ادا فرمایا۔ پہلے غسل

فرمایا پھر احرام کے لیے ایک اور غسل فرمایا۔ آپ ﷺ اتوار کے روز چار ذوالحجہ کو صبح سویرے مکہ مکرمہ میں رونق افزا ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ نوے ہزار مسلمانوں کا جم غفیر تھا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ کے ہمراہ ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان تھے۔ بعض روایات میں اس سے بھی زیادہ تعداد کا ذکر ہے۔ یہ ان مسلمانوں کی تعداد ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ عازم سفر ہوئے تھے۔ جن فرخندہ فال لوگوں کو آپ کے ہمراہ حج کرنے کی سعادت ازلی نصیب ہوئی ان کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ مثلاً مکہ مکرمہ کے باسی، حضرت علی المرتضی اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آنے والے حضرات۔

حدیث مبارک ہے کہ اللہ رب العزت نے اس مقدس گھر سے وعدہ کیا ہے کہ ہر سال چھ لاکھ افراد اس کا حج کریں گے۔ اگر آدمیوں کی تعداد اس سے کم ہوئی تو رب تعالیٰ اپنے فرشتے بھیج کر یہ تعداد پوری کر دے گا۔

حجۃ الوداع کے مباحث پر طویل گفتگو ہوئی ہے۔ جو سیرت کی کتب میں مرقوم ہے۔ اس کے تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

وفود کی بارگاہ رسالت پناہ میں حاضری

اس باب میں ان وفود کا تذکرہ کیا جائے گا جنہیں بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضری کا شرف سرمدی نصیب ہوا اور ان کا تذکرہ پہلے نہیں ہوا۔ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ بنو ہوازن کا وفد آپ کی خدمت اقدس میں جعرانہ کے مقام پر حاضر ہوا۔ اسی طرح مالک بن عوف نصری نے حاضری دی۔ یہ 8ھ کے آواخر کی بات ہے۔ اسی طرح سریہ حضرت عیینہ بن حصن میں بنو تمیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وفد ۹ھ میں حرم میں حاضر خدمت ہوا تھا۔

نصاریٰ نجران کا وفد

ہجرت کے بعد نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ تعداد میں ساٹھ تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ ﷺ سے مجادلہ کرنے آئے تھے۔ نجران ایک بہت بڑا شہر تھا۔ جو مکہ مکرمہ سے یمن کی سمت سات مراحل پر تھا۔ یہ تہتر (73) گاؤں پر مشتمل تھا۔ جب یہ وفد مدینہ طیبہ میں آیا اور مسجد نبوی میں حاضر ہوا تو صحابہ کرام نماز عصر ادا کر چکے تھے۔ یہ لوگ بھی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں منع کرنا چاہا۔ کیونکہ اس طرح ان کے باطل دین کا اظہار تھا۔ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ''انہیں چھوڑ دو'' یہ حسن سلوک ان کی تالیف قلبی، ان کے اسلام لانے کی امید اور ان کے امان میں داخل ہونے کی وجہ سے تھا۔ اس میں باطل کا اقرار مضمر نہیں۔ بلکہ حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے ایک وسیلہ مقرر کیا تاکہ وہ حق میں داخل ہو جائیں۔ نصاریٰ نے مشرق کی طرف منہ کیا۔ اور اپنی نماز پڑھی۔ جب وہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو انہوں نے عمدہ پوشاکیں پہن رکھی تھیں۔ ریشمی چادریں زیب بدن کر رکھی تھیں۔ سونے کی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ وہ تحائف بھی لے کر آئے تھے۔ ان تحائف اور ہدایا میں ریشمی چادریں شامل تھیں۔ جن پر تصاویر تھیں۔ وہ کچھ کمبل بھی لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے۔ لوگ وہ تصاویر دیکھنے لگے۔ حضور تاجدار حرمین ﷺ نے فرمایا ''ان چادروں کی تو مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ تم مجھے کمبل دو گے تو میں انہیں قبول کر لوں گا''۔ نصاریٰ نے عرض کیا

''ہاں! ہم یہ کمبل آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں'' جب فقراء مسلمانوں نے ان کی آرائش وزیبائش کو دیکھا تو ان کے نفوس دنیا کی طرف مائل ہونے لگے۔ اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران)

''آپ فرمایئے کیا بتاؤں میں تمہیں اس سے بہتر چیز ان کیلئے جو متقی ہیں ان کے رب کے ہاں باغات ہیں۔ رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور (ان کے لیے) پاکیزہ بیویاں ہونگی اور حاصل ہوگی انہیں خوشنودی اللہ کی اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو''۔

جب عیسائی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضور مبلغ اعظم ﷺ نے ان پر سلام پیش کیا۔ ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی۔ مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ انہوں نے کہا ''ہم آپ سے قبل ہی مسلمان ہیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''تم نے جھوٹ بولا ہے۔ تین چیزیں تمہیں اسلام سے روکتی ہیں۔ ❶ صلیب کی عبادت ❷ سور کا گوشت کھانا ❸ تمہارا یہ گمان کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

ابن ابی خاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نجران کا وفد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی ''آپ ﷺ ہمارے صاحب کا تذکرہ کس طرح کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہارے کس صاحب کا''؟ انہوں نے عرض کی ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ آپ ﷺ کا گمان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں'' انہوں نے عرض کی ''کیا آپ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل کسی کو دیکھا ہے۔ یا کسی ایسی ذات سے آگاہ ہیں؟ پھر وہ آپ کے پاس سے چلے گئے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی' جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں تو انہیں یوں فرمائیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (آل عمران)

دوسری روایت کے مطابق ان میں سے ایک شخص نے کہا ''مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے'' دوسرے شخص نے کہا ''مسیح اللہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے مردے زندہ کیے۔ غیب کے متعلق بتایا، ساری امراض سے شفایاب کیا، مٹی سے پرندہ بنایا''۔ ان کے افضل شخص نے کہا ''آپ انہیں برا بھلا کیوں کہتے ہیں۔ آپ کا گمان ہے کہ وہ بندے ہیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''وہ اللہ تعالیٰ کے بندۂ (خاص) ہیں اور وہ پاکیزہ کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھینکا تھا'' یہ فرمان حق ترجمان سن کر عیسائی غضبناک ہو گئے۔ انہوں نے کہا ''ہم صرف اس صورت میں آپ سے راضی ہوں گے جب آپ کہیں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں۔ اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بندہ دکھائیں جو مردہ کو زندہ کرتا ہو۔ مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو صحت یاب کرتا ہو۔ جو مٹی سے پرندہ بنائے پھر اس میں پھونک مارتا ہو تو وہ پرندہ بن کر محو

پرواز ہو جاتا ہو"۔ حضور ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا۔ پھر یہ آیت طیبہ تلاوت فرمائی۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ (آل عمران)

"بے شک مثل عیسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی مانند ہے۔ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (اے سننے والے) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے۔ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی پھر بڑی عاجزی سے اللہ کے حضور التجا کریں پھر بھیجیں اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر"۔ (جمال القرآن)

پھر آپ ﷺ نے انہیں فرمایا "اللہ رب العزت نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم اسلام کے لیے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو میں تمہارے ساتھ مباہلہ کروں یعنی ہم دعا کرتے ہیں۔ دعا میں انتہائی مبالغہ کرتے ہیں۔ جھوٹے پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ان عیسائیوں نے عرض کی "ابوالقاسم علیہ الصلوٰۃ والسلام! ہم واپس چلے جاتے ہیں اور اپنے معاملہ میں غور و فکر کرتے ہیں" انہوں نے باہم مشاورت کی۔ ان میں سے ایک نے کہا "بخدا! تم خوب جانتے ہو کہ یہ ہستی نبی مرسل ہے۔ کوئی قوم کسی بھی نبی پر لعنت نہیں کرتی مگر اسے جڑ سے اکھیڑ دیا جاتا ہے۔ اگر تم اپنے دین کو ہی اختیار کرنا چاہتے ہو تو انہیں چھوڑ دو۔ ان کے ساتھ صلح کر لو اور اپنے شہر لوٹ چلو"۔

دوسری روایت کے مطابق وہ عیسائی بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے پاس گئے۔ اور ان کے بقیہ افراد کے ساتھ مشاورت کی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ وہ آپ سے صلح کریں، مباہلہ نہ کریں۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے آئندہ کل کا وعدہ کیا۔ دوسرے روز حضور ﷺ اس طرح رونق افروز ہوئے کہ آپ کے ہمراہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء حضرت علی المرتضیٰ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم تھے۔ ان کے لارڈ پادری نے کہا "میں ایسے نورفشاں چہرے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اگر رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ ان کے لیے پہاڑ ہٹا دے تو وہ ضرور پہاڑ ہٹا دے گا، ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر ایک عیسائی بھی باقی نہیں رہے گا" انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی "ہم آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ نے ان کے ساتھ مباہلہ کیا تو آپ کے دست اقدس میں کس کس کا ہاتھ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میں علی، فاطمہ، حسن، حسین، عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پکڑ کر ان کے ساتھ مباہلہ کروں گا" روایت کی یہ زیادتی اللہ رب

العزت کے اس فرمان کے ساتھ موافقت رکھتی ہے" وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ (آل عمران: 61)

حضور تاجدار ختم النبوۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ اہل نجران پر عذاب نیچے لٹک چکا تھا۔ اگر وہ میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو وہ بندروں اور خنزیروں میں مسخ ہو جاتے۔ ان کے لیے آگ کی وادی شعلہ بار ہو جاتی۔ اللہ رب العزت نجران اور اس کے اہل کو جڑ سے اکھیڑ پھینکتا۔ حتیٰ کہ پرندے درختوں پر ہلاک ہو جاتے" ان عیسائیوں کو ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ وہ مر گئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جزیہ پر مصالحت کر لی کہ وہ ایک ہزار حلے صفر میں اور ایک ہزار حلے رجب میں پیش کیا کریں گے۔ ہر حلہ کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی بھی ہوگی" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے مکتوب گرامی لکھوایا۔ انہوں نے عرض کی کہ آپ ہمارے ہمراہ کوئی امین بھیجیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہمراہ حضرت ابو عبیدہ عامر بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان سے فرمایا "یہ اس امت کے امین ہیں" دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ قوی امین ہیں" اسی لیے صحابہ کرام میں انہیں امین کے نام ساتھ پکارا جاتا تھا۔ اہل نجران بھی انہیں امین کہتے تھے۔ اہل نجران کے رد میں اللہ رب العزت نے سورۂ آل عمران کی اکثر آیات طیبات نازل کیں۔ اس مبارک سورت کا آغاز توحید سے فرمایا۔ پھر فرمایا۔

هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (آل عمران: 6)

"وہی ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے"۔ (جمال القرآن)

وہ جیسے چاہے تمہاری تخلیق کرے۔ خواہ تمہیں ماں اور باپ سے پیدا کرے یا باپ کے بغیر ماں سے پیدا کرے۔

حضرت تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کا وفد

داریوں میں سے حضرت ابو تمیم داری، ان کے بھائی نعیم اور دیگر چار افراد حاضر خدمت ہوئے۔ یہ پہلے عیسائی تھے۔ پھر دولت اسلام سمیٹ لی۔ ان کا وفد دو بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ایک بار ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے۔ دوسری بار ہجرت کے بعد حاضر خدمت ہوئے۔ پہلی بار انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ آپ انہیں سر زمین شام سے زمین کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیں۔ حضور، پیکر جود و کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جہاں سے چاہو مانگ لو" اس وفد میں حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے فرمایا "ہم آپ کی بارگاہ سے اٹھے۔ تاکہ مشاورت کر لیں کہ کون سی زمین لیں" حضرت تمیم نے کہا "ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس اور اس کے ارد گرد کا علاقہ مانگ لیتے ہیں" حضرت ابو ھند نے انہیں کہا "یہ عجمی بادشاہوں کا علاقہ ہے۔ یہ عنقریب عرب بادشاہوں کا علاقہ بن جائے گا۔ مجھے خدشہ یہ کہ ہے مکمل علاقہ ہمیں نہیں مل پائے گا" حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا "ہم آپ سے بیت جیرون کا علاقہ طلب کرتے ہیں" ہم اٹھ کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے اور یہی عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چمڑے کا ایک ٹکڑا منگوایا اور ہمارے لیے یہ خط لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"یہ وہ مکتوب گرامی ہے جس میں اس عنایت کا تذکرہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داریوں کو عطا فرمائی ہے۔ اللہ

رب العزت نے آپ کو زمین عطا فرمادی۔ آپ نے داریوں کو بیت عینون، جیرون، مرطوم اور بیت ابراہیم کا علاقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عطا فرمادیا ہے"۔

حضرت عباس بن عبد المطلب، خزیمہ بن قیس اور شرحبیل بن حسنہ نے اس تحریر پر اپنے دستخط کیے۔ پھر آپ ﷺ نے وہ مکتوب گرامی ہمیں عطا فرمادیا۔ اور فرمایا "واپس لوٹ جاؤ حتی کہ سن لو کہ میں نے ہجرت کرلی ہے" حضرت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم واپس آگئے۔ جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو ہم دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ہم نے عرض کی کہ آپ ﷺ اس مکتوب گرامی کی تجدید کریں" آپ ﷺ نے ایک اور مکتوب گرامی لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ وہ عنایت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کو عطا فرمائی۔ میں نے تمہیں بیت عینون، جیرون، مرطوم، بیت ابراہیم کا علاقہ اور اس میں موجود سب کچھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخش دیا۔ میں نے انہیں اور ان کی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخش دیا۔ جو انہیں اذیت دے۔ اللہ تعالیٰ اسے اذیت سے دوچار کرے"۔

اس مکتوب گرامی پر حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے دستخط دیے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے روایت کیا۔ آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا "مجھے تمیم داری نے بیان کیا ہے" آپ نے بہترین جاسوس کا ذکر فرمایا۔ اس روایت میں حضور ﷺ نے فرمایا "حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی راستہ بھول گئی، وہ ایک جزیرے پر جا پہنچے۔ وہ پانی کی تلاش میں کشتی سے باہر نکلے۔ انہیں ایک انسان ملا جو اپنے بال کھینچ رہا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا "تو کون ہے؟ اس نے کہا "میں جاسوس ہوں" مسافروں نے پوچھا "ہمیں کچھ بتاؤ؟ اس جاسوس نے کہا "میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ لیکن تم اس جزیرے میں چلے جاؤ"۔ ہم اس جزیرے میں داخل ہوگئے۔ وہاں ایک شخص دیکھا جو پابند سلاسل تھا۔ اس نے پوچھا "تم کون ہو؟ ہم نے کہا "ہمارا تعلق عرب کے ساتھ ہے" اس نے کہا "اس نبی کریم ﷺ کا کیا بنا جن کا ظہور تم میں سے ہوا"۔ ہم نے کہا "لوگ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع کرلی ہے" اس شخص نے کہا "یہی ان کے لیے بہتر تھا۔ کیا تم مجھے اس مبہوت آنکھ کے متعلق نہیں بتاتے کہ اس نے کیا کیا ہے؟ ہم نے اسے اس کے متعلق بتایا تو وہ فوراً اچھلا۔ پھر اس نے کہا "بیسان کی کھجور نے کیا کیا؟ کیا اس نے بعد میں کھلایا" ہم نے اسے بتایا کہ اس نے کھلایا تو فوراً اچھلا پھر کہا "اگر مجھے خروج کا حکم دیا گیا تو میں طیبہ کے علاوہ سارے شہروں کو روندھ ڈالوں گا"۔

حضور ﷺ نے ان سے یہ روایت حاصل کی اور صحابہ کرام کے سامنے بیان کی پھر فرمایا "یہ شہر خوباں طیبہ ہے وہ دجال تھا۔ ابن عبد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "محدثین جو کبار کی صغار سے روایت لینے کے متعلق تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ان سب سے افضل ہے" اہل سیر نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔ قریش آپ کے قریب ہوئے تو اہل عرب جان گئے کہ ان کے پاس حضور نبی کریم کے ساتھ جنگ کرنے کی سکت نہیں۔ آپ کے ساتھ عداوت رکھنے کی طاقت نہیں۔ کیونکہ عرب کی زمام اقتدار قریش

کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو لوگ دین اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے۔ لگا تار وفود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہونے لگے۔

وفد ثقیف

جب حضور داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تبوک سے واپس تشریف لائے تو اسی ماہ مقدس میں ثقیف کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی داستان عشق انگیز یہ ہے۔ ''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنو ثقیف کے محاصرہ سے واپس تشریف لائے تو عروہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عازم سفر ہوئے۔ وہ آپ کے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ انہوں نے التجاء کی کہ وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ جائیں اور انہیں اسلام کے چشمہ صافی کی طرف دعوت دیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ تمہیں شہید کر دیں گے''۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں ان کی اولاد سے بڑھ کر محبوب ہوں'' دوسری روایت میں ہے ''میں انہیں ان کی آنکھوں سے زیادہ محبوب ہوں'' وہ اپنی قوم کو دین حق کی دعوت دینے کے لیے نکلے۔ انہیں اپنے مقام و منصب کی وجہ سے امید تھی کہ ان کی قوم ان کی مخالفت نہیں کرے گی۔ کیونکہ وہ ان کے پسندیدہ اور قابل اطاعت تھے۔ وہ یہ قول انہی کے متعلق کہتے تھے جسے رب تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (الزخرف)

''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے''۔

دو بستیوں سے مراد طائف اور مکہ مکرمہ کے شہر ہیں۔ دو آدمیوں سے مراد ولید بن مغیرہ اور حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ اپنی قوم کی طرف تشریف لے گئے۔ جب ان کے درمیان جلوہ نما ہوئے تو انہیں اسلام کی طرف دعوت دی۔ اپنے دین کا اظہار کر دیا۔ ان کی قوم نے ان پر ہر جہت سے تیر اندازی شروع کر دی۔ ایک تیر انہیں لگا اور وہ پیک اجل کو لبیک کہہ گئے۔ دوسری روایت کے مطابق وہ عشاء کے وقت طائف پہنچے بنو ثقیف انہیں سلام کرنے آئے۔ انہوں نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ان کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مگر قوم نے ان کی نافرمانی کی۔ انہیں اذیت ناک باتیں سنائیں۔ جن کی انہیں قوم سے امید نہ تھی۔ قوم اٹھ کر چلی آئی۔ وقت سحر طلوع فجر کے وقت یہ اپنے ایک کمرہ پر کھڑے ہوئے اور کلمہ شہادت پڑھا۔ بنو ثقیف کے ایک شخص نے انہیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ وصال سے قبل ان سے پوچھا ''تم اپنے خون میں کیا دیکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا مجھے اس میں وہ کرامت نظر آرہی ہے جس سے رب تعالیٰ نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ مجھے اس میں وہ شہادت بھی نظر آرہی ہے جسے رب تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے۔ مجھ میں وہی کچھ پنہاں ہے جو کچھ ان شہداء میں مخفی تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ یہاں شہید ہوئے تھے۔ مجھے ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کرنا'' قوم نے انہیں ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کر دیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا یہ اپنی قوم میں صاحب یٰسین کی طرح تھے۔ اس نے اپنی قوم سے کہا

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (یٰسین) ''مرسلین کا اتباع کرو''۔

مگر اس کی قوم نے اسے شہید کر دیا۔ اس سے مراد وہ مرد مومن ہے جس کا تذکرہ سورۃ یٰسین میں ہے۔
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمان ایک اور شخص کے متعلق بھی فرمایا۔ جسے قرہ بن حصن یا ابن الحرث کہا جاتا تھا۔ حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بنو ہلال بن عامر کی طرف بھیجا تا کہ وہ انہیں اسلام کی طرف دعوت دیں۔ مگر انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق بھی فرمایا ''اس کی مثال صاحب یٰسین کی مانند ہے''۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد بنو ثقیف کچھ مدت وہیں ٹھہرے رہے۔ پھر باہم مشاورت کی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے پاس طاقت نہیں کہ وہ اپنے اردگرد کے عربوں سے جنگ کر سکیں۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ بارگاہ رسالت پناہ میں ایک شخص بھیجیں۔ انہوں نے اس کی بابت عبد یالیل بن عمر سے بات کی۔ یہ حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہم عمر ہی تھا۔ مگر اس نے اس اندیشہ سے انکار کر دیا کہ اس کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک نہ کیا جائے جیسا سلوک حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے کیا گیا۔ ایک اور روایت کے مطابق بنو ثقیف نے مسعود بن عبد یالیل سے گفتگو کی۔ اس نے کہا ''میں اس طرح ہرگز نہیں کروں گا حتیٰ کہ تم میرے ہمراہ کچھ افراد بھیج دو''۔ انہوں نے اس کے ہمراہ پانچ افراد بھیجے جن میں بنو ثقیف کا رئیس شرحبیل بن غیلان بھی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق بنو ثقیف کے انیس افراد نے بارگاہ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ان میں کنانہ بن عبد یالیل بھی تھا۔ یہ اس وقت ان کا رئیس تھا۔ ان میں عثمان بن ابی العاص بھی شامل تھا۔ یہ سب سے کم عمر تھا۔ جب یہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو انہیں حضرت مغیرہ بن شعبہ الثقفی رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا۔ وہ جلدی سے گئے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے آنے کا مژدہ جانفزا سنائیں۔ انہیں راستہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے یہ بات حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گوش گزار کی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم مجھ سے پہلے بارگاہ نبوت میں حاضر نہیں ہو گے۔ حتیٰ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر لوں''۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بات مان لی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور بنو ثقیف کے آنے کا مژدہ جانفزا سنایا۔ پھر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے انہوں نے بنو ثقیف کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب سکھائے۔ مگر انہوں نے اس طرح سلام کرنے پر ہی اصرار کیا ''عَمْ صَبَاحًا'' پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ ان کے لیے مسجد نبوی کے ایک کونہ میں خیمہ لگا دیا گیا۔ تا کہ وہ قرآن پاک سماعت کر سکیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔ وہ ہر روز بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوتے۔ اپنے سامان کے پاس عثمان بن ابی العاص کو چھوڑ آتے۔ جب بنو ثقیف واپس جاتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دین متین کے مسائل سیکھتے۔ قرآن پاک کا علم حاصل کرتے۔ جب یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محو استراحت پاتے تو یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے۔ وہ یہ بات اپنے دیگر رفقاء سے مخفی رکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس زیبا فعل پر تعجب کا اظہار کیا اور ان سے شفقت فرمائی۔

حضرت ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے عامل مقرر کیا۔ حالانکہ میں ان بنو ثقیف میں سے سب سے چھوٹا تھا۔ جو وفد کی صورت میں آپ کی بارگاہ والا

میں حاضر ہوئے تھے۔ کیونکہ میں نے وہیں قیام کے دوران سورۃ البقرۃ پڑھ لی تھی"۔ انہی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے عرض کی" یا رسول اللہ! ﷺ قرآن مجید مجھ سے چھوٹ جاتا ہے"۔ آپ ﷺ نے اپنا دست حق نما میرے سینے پر رکھا اور فرمایا" اے شیطان! عثمان کے سینے سے نکل جا" اس کے بعد مجھے وہ چیز کبھی بھی فراموش نہ ہوئی جسے میں یاد کرنے کا ارادہ کرتا" ان ہی سے مرفوع روایت ہے میں نے عرض کی" یا رسول اللہ! ﷺ رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ مجھے دین حق کی سوجھ بوجھ سکھا دے اور مجھے نعمت علم سے آراستہ کردے" آپ نے فرمایا" تم نے کیا مانگا ہے؟ میں نے اپنی گذارش دوبارہ عرض کی تو فرمایا" تم نے مجھ سے وہ چیز مانگی ہے جو تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے نہیں مانگی۔ جاؤ تم ہی ان کے امیر ہو" صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا" میں نے عرض کی" یا رسول اللہ! ﷺ شیطان میرے اور میری نماز کے مابین حائل ہو جاتا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا" یہ شیطان ہے۔ اس کا نام خنزب ہے۔ جب اسے محسوس کرو تو رب تعالیٰ کی پناہ حاصل کرلیا کرو۔ اور اپنے بائیں طرف تھوک دیا کرو" میں نے اسی طرح کیا اللہ تعالیٰ اس لعین کو مجھ سے دور لے گیا"۔

اس وفد میں ایک مجذوم شخص بھی تھا۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے اس کی طرف یہ پیغام بھیجا" ہم نے تمہیں بیعت کرلیا ہے۔ واپس لوٹ چلو"۔ مرفوع روایت میں ہے کہ مجذوموں کی طرف نظر گاڑھ کر نہ دیکھو۔ ایک اور روایت میں ہے" مجذوم کے ساتھ اس حال میں گفتگو کرو کہ تمہارے اور اس کے درمیان ایک یا دو نیزوں کا فاصلہ ہو"۔ یہ روایت حضور ﷺ کے اس فرمان کے منافی ہے کہ لَا عَدْوٰی وَلَا طِيَرَةَ یعنی بیماری چھوت سے نہیں پھیلی۔

دیگر احادیث طیبہ میں ہے کہ حضور رحمت مجسم ﷺ نے مجذوم کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ اس کا ہاتھ پکڑا۔ اور اسے اپنے دست شفاء بخش کے ساتھ پیالہ میں ڈال دیا۔ اور فرمایا" رب تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے کھاؤ" اس اختلاف کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ امر میں مجذوم سے اجتناب کرنے کی ہدایت ہے اور آپ کا اس کے ساتھ کھانا تناول فرمالینا جواز کے بیان کے لیے ہے۔ یہ مخالفت اس شخص کے لیے جائز ہے۔ جس کا ایمان قوی ہے۔ عدم جواز اسی شخص کے لیے ہے جس کا ایمان کمزور ہو۔ تاکہ وہ تحفظ اور احتیاط کا طریقہ اختیار کرے۔ تاثیر کو صرف ذات والا ہی پیدا کرتی ہے اور عدویٰ وغیرہ سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے وہ ان اسباب کے متعلقہ ہے جو عاریہ ہے۔ جن کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ ان کے ہوتے ہوئے وہ چیز حاصل ہوتی ہے نہ کہ ان کے ساتھ۔ فعل تو صرف ذات باری تعالیٰ کے ہی ذمہ کرم پر ہے۔ جو وحدہ لاشریک ہے اور ہر چیز کا خالق ہے۔

جب بنو ثقیف واپس ہونے لگے تو انہوں نے عرض کی" یا رسول اللہ! ﷺ کسی مرد مومن کو ہمارا امیر مقرر کردیں" آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کردیا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ اسلام، قرآن مجید پڑھنے اور دین سیکھنے کے بڑے حریص تھے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی" یا رسول اللہ ﷺ میں اس بچے کو دیکھتا ہوں کہ یہ ان سب سے بڑھ کر اسلام اور قرآن مجید سیکھنے کا حریص ہے" ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی" یا رسول اللہ! ﷺ مجھے اپنی قوم کا امام بنادیں"

فرمایا "تم ان کے امام سفر ہو جب انہیں نماز پڑھاؤ تو اسے مختصر کرنا۔ ایسے شخص کو موذن بنانا جو اذان کی اجرت نہ لے"۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بنوثقیف کے مابین معاملات طے کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے بنوثقیف کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ گرامی نامہ لکھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(جان عالم) محمد النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اہل ایمان کی طرف

بلاشبہ وج (وادی طائف یا طائف) کا درخت کاٹنا اور وہاں شکار کرنا حرام ہے۔ جو اس طرح وہاں کرتا ہوا پایا گیا اس کی مدد نہیں کی جائے گی بلکہ اسے کوڑے مارے جائیں گے۔ اس کے کپڑے اتار دیے جائیں گے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ وج کا شکار اور اس کا درخت حرام محرم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی وادی میں شکار کرنے والے کا سامان سلب کر لیا جائے گا" وج اور مدینہ طیبہ کے حرم کے متعلق ان کا مشہور قول یہ ہے کہ ان کے شکار کے ساتھ تعرض کرنا حرام ہے۔ مگر شکار کر لینے والے پر کوئی جزاء نہیں ہوگی۔ جمہور علمائے کرام کا یہی نقطہ نظر ہے۔

جو کھانا بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آتا۔ یہ وفد اسے ہاتھ نہ لگاتا تھا حتیٰ کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اسے کھا لیتے۔ حتیٰ کہ وہ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی "انہیں نماز چھوڑنے کی اجازت دی جائے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں" انہوں نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں بدکاری، سودخوری، اور شراب نوشی کی اجازت مرحمت فرما دیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے عرض کی "ان کے بت طاغیہ کو تین سال تک نہ گرایا جائے" یہی لات تھا جسے وہ الربۃ کہا جاتا تھا۔ یہ ان کا بت تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی سختی سے انکار فرما دیا۔ انہوں نے عرض کی "اسے ایک سال تک نہ گرایا جائے۔ مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک ماہ تک کی مہلت مانگی ان کا مدعا یہ تھا تا کہ اسلام ان کی قوم کے دلوں میں گھر کر جائے اور ان کے بت کے گرنے کی وجہ سے ان کے بے وقوف، خواتین اور اولاد کسی خدشے کا شکار نہ ہو جائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی سختی سے انکار فرما دیا۔

جب یہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باہر نکلے تو حضرت کنانہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا "میں تم سب سے زیادہ بنوثقیف کو جانتا ہوں۔ تم اپنا اسلام مخفی رکھو۔ انہیں جنگ سے ڈراؤ۔ انہیں بتاؤ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے عظیم امور کا مطالبہ کیا۔ مگر ہم نے انکار کر دیا۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ ہم الطاغیہ کو گرا دیں۔ بدکاری، شراب نوشی اور سودخوری چھوڑ دیں"۔ جب یہ حضرات بنوثقیف کے پاس گئے اور انہوں نے اس سفر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا "ہم ایسے شخص کے پاس سے آ رہے ہیں جو بڑا غضبناک اور تندخو ہے۔ اس نے تلوار کے ساتھ غلبہ پایا ہے۔ لوگوں نے ان کا دین اختیار کر لیا ہے۔ انہوں نے ہمارے سامنے بڑے سخت امور رکھے ہیں"۔ انہوں نے وہ باتیں کہیں جو پہلے طے کر چکے تھے۔ بنوثقیف

نے کہا "بخدا! ہم انہیں کچھ بھی نہیں دیں گے۔ ہم یہ شرائط کبھی بھی قبول نہیں کریں گے" اس وفد نے کہا "پھر اپنے ہتھیار درست کرلو۔ جنگ کی تیاری کرلو۔ اپنے پیکان درست کرلو" دو یا تین ایام تک بنوثقیف کی یہی حالت رہی۔ پھر رب تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے کہا "محمد عربی ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اور وہ جو فرماتے ہیں انہیں پیش کردو"۔ اس وقت ان کے وفد نے کہا "ہم نے فیصلہ کرلیا ہے۔ ہم اسلام قبول کرچکے ہیں"۔ بنوثقیف نے کہا "پھر تم نے ہم سے اسلام مخفی کیوں رکھا؟ انہوں نے کہا "ہم نے چاہا کہ رب تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کی نخوت دور کردے"۔ وہ سارے دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ کچھ ایام کے بعد حضور ﷺ کے قاصد ان کے پاس پہنچ گئے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرات ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا تاکہ وہ طاغیہ کو منہدم کردیں۔ انہوں نے اسے پیوند خاک کردیا۔ اس کے اموال اور زیورات کے لیے۔ جب یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت عروہ اور ان کے بھائی اسود کے مابین طاغیہ کے مال کے متعلق فیصلہ کردیں۔ انہوں نے یہ فیصلہ کردیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوملیح ابن عروہ بن مسعود اور ان کے چچا زاد قارب بن اسود نے حضور ﷺ سے التجاء کی تھی۔ یہ حالت اسلام میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بنوثقیف نے حضرت عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔ ابھی بنوثقیف نے اسلام کا اجالا نہیں پایا تھا۔ حضور ﷺ نے ان دونوں کی بات کا حکم دے دیا۔

وفد بنی عامر بن صعصعہ

اس وفد میں اللہ رب العزت کا دشمن عامر بن طفیل، اربد بن قیس اور جبار بن سلمی بھی شامل تھے۔ یہ تینوں اپنی قوم کے رؤساء تھے عامر بن طفیل ان کا سردار تھا۔ اس کا منادی عکاظ کے میلے میں یہ صدا بلند کرتا تھا۔

"اگر کوئی پیادہ ہے تو آئے ہم اسے سواری عطا کریں گے۔ اگر کوئی بھوکا ہے تو آئے ہم اسے کھانا کھلائیں گے اگر کوئی خائف اور ہراساں ہے تو ہم اسے امان عطا کریں گے"۔

عامر بہت زیادہ باجمال تھا۔ یہ حضور تاجدار عرب وعجم ﷺ کو شہید کرنا چاہتا تھا۔ اس نے لبید شاعر کے بھائی اربد سے کہا تھا "جب ہم اس ہستی پاک کے پاس پہنچ جائیں گے تو میں انہیں گفتگو میں مصروف رکھوں گا۔ جب تم دیکھو کہ میں نے انہیں محو گفتگو کردیا ہے تو تلوار سے وار کرکے ان کا کام تمام کردینا"۔ اس کی قوم نے اسے کہا "عامر! لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں تم بھی اسلام لے آؤ" اس تیرہ بخت نے کہا "میں نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں ہرگز اسلام قبول نہیں کروں گا"۔ جب یہ وفد بارگاہ رسالت پناہ میں پہنچا تو عامر بن طفیل نے عرض کی "محمد عربی! ﷺ مجھے اپنا دوست اور صدیق بنالو" حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "بخدا! ہرگز نہیں حتیٰ کہ تو وحدہ لاشریک ذات پر ایمان لے آئے"۔ اس نے کہا "محمد مصطفیٰ ﷺ مجھے اپنا دوست بنالیں" وہ حضور ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ اربد کی طرف سے اس امر کا انتظار کرنے لگا جو ان کے مابین طے ہو چکا تھا۔ اربد اسے عملی جامہ نہیں پہنا رہا تھا۔ اس کا ہاتھ تلوار پر شل ہو چکا تھا۔ اسے سونتنے کی سکت اس میں نہ تھی۔

دوسری روایت کے مطابق عامر کو آپ ﷺ نے تکیہ عنایت فرمایا۔ تا کہ اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ جائے پھر فرمایا۔ ''عامر! اسلام قبول کر لے'' عامر نے عرض کی ''مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''قریب ہو جا'' وہ قریب ہو گیا۔ حتیٰ کہ وہ حضور ﷺ پر جھک گیا۔ اس نے کہا ''کیا آپ مجھے اپنے بعد جانشین بنائیں گے۔ اگر میں اسلام قبول کر لوں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اس میں تیرا اور تیری قوم کا کوئی عمل دخل نہیں۔ یہ الله تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے وہ جسے میرا جانشین بنا دے گا۔ البتہ میں تجھے گھڑسوار دستے کا امیر بنا دوں گا''۔ اس نے کہا ''میں اب بھی نجد کے گھڑسوار دستے کا امیر ہوں۔ آپ عرب کے صحراء نشین قبائل کا امیر مجھے بنا دیں اور بڑے بڑے شہروں کی امارت اپنے پاس رکھ لیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا'' دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''محمد عربی ﷺ اگر میں نے اسلام قبول کر لیا تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا ''تیرے وہی حقوق ہوں گے جو دیگر مسلمانوں کے ہوں گے اور تیرے وہی فرائض ہوں گے جو دیگر مسلمان سرانجام دیں گے''۔ اس نے بکواس کی ''بخدا! میں پیادہ اور گھڑسواروں سے وادی بھر دوں گا''۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''میں جوان گھوڑوں اور جوان مردوں سے وادی بھر دوں گا۔ ہر ہر کھجور کے ساتھ ایک ایک گھوڑا باندھ دوں گا''۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ تمہیں روک دے گا''۔ پھر آپ ﷺ کچھ ایام اس کے لیے یہ بد دعا مانگتے رہے''۔ مولا! تو جس طرح چاہے عامر بن طفیل کے لیے کافی ہو جا۔ اس پر ایسی مرض مسلط فرما دے جو اس مار ڈالے اور اس کی قوم کو ہدایت نصیب فرما'' پھر فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جن کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر عامر اسلام قبول کر لیتا تو بنو عامر سارے حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ یہ قریش سے ان کے منابر پر مزاحمت کرتے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا ''اے قوم! ایمان لے آ۔ پھر یہ دعا کی ''مولا! بنو عامر کو ہدایت نصیب فرما۔ عامر کو مجھ سے جس طرح چاہے جیسے چاہے دور فرما''۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق عامر بن طفیل نے حضور ﷺ سے عرض کی ''میں آپ کو تین اشیاء میں اختیار دیتا ہوں۔ یا تو صحرائی علاقہ آپ کے لیے اور شہری علاقہ میرے لیے یا میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ بنوں۔ یا میں بنو غطفان کے ایک ہزار گھوڑے لا کر آپ سے جنگ کروں گا''۔

جب یہ بارگاہ رسالت مآب سے رخصت ہوئے تو عامر نے اربد سے کہا ''تیرے لیے ہلاکت تو نے وہ کام کیوں نہ کیا جس کا میں نے تمہیں حکم دیا تھا۔ میں روئے زمین پر تیرے علاوہ کسی اور سے نہیں ڈرتا تھا۔ الله کی قسم! آج کے بعد میں تم سے بھی خوفزدہ نہیں ہوں گا''۔ اربد نے کہا ''تیرا باپ مرے! میرے متعلق فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کر۔ بخدا جب بھی میں نے تیرے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا تو تو میرے اور ان کے مابین داخل ہو گیا۔ مجھے تیرے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا تھا۔ کیا میں تجھے تلوار مار کر ختم کر دیتا'' دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا ''جب میں نے تلوار کے دستہ پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ شل ہو گیا۔ مجھ میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ میں اسے حرکت دے سکتا''۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے کہا ''جب میں نے تلوار کا وار کرنا چاہا تو میں نے اپنے سامنے اچانک ایک نر اونٹ دیکھا۔ جو میری طرف لپک کر آ رہا تھا۔ اگر میں اپنی تلوار سونت لیتا تو مجھے خدشہ تھا کہ وہ میرا سر نگل جاتا''۔

ممکن ہے اس سیاہ بخت نے بار بار آپ ﷺ کو شہید کرنے کی جسارت کی ہو اور ہر دفعہ اسے علیحدہ صورت حال کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ جس کا ابھی تذکرہ ہوا ہے۔

پھر عامر بن طفیل اور اس کے ساتھی اپنے وطن لوٹنے کے لیے عازم سفر ہوئے۔ ابھی انہوں نے کچھ رستہ ہی طے کیا تھا تو عامر کی گردن میں طاعون کی گلٹی نکل آئی۔ وہ بنو سلول کی ایک عورت کے گھر ٹھہرا۔ یہ ایک کمینہ خاندان تھا۔ عامر کو سب سے زیادہ افسوس یہ تھا کہ اسے اس خاندان کی ایک عورت کے گھر موت آ رہی تھی۔ وہ اپنی گلٹی کو چھوتا اور کہتا "بنو عامر! اونٹ کی گلٹی کی طرح کی ایک گلٹی نکل آئی ہے۔ میں بنو سلول کی ایک عورت کے گھر پڑا ہوں۔ میرے پاس میرا گھوڑا لے کر آؤ"۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنا نیزہ لیا اور اپنے گھوڑے پر جھولنے لگا حتیٰ کہ کہ مردہ حالت میں اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا "فرشتۂ اجل! سامنے آجا" دوسری روایت میں ہے "موت! میرے سامنے آجا۔ میں تمہارے ساتھ لڑائی کروں گا۔ یہ اس کی فرط حماقت کی دلیل ہے۔ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ عامر بن طفیل کی موت اسلام پر ہوئی۔ مگر وہ حضرت عامر بن طفیل الاسلمی رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں صحابیت کا شرف نصیب ہوا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ مجھے ایسے کلمات سکھائیں جن کا میں زندگی بھر ورد کرتا رہوں" آپ ﷺ نے فرمایا "عامر! اسلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ رب تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرو جس طرح اپنے اہل خانہ کے کسی فرد سے حیاء کرتے ہو۔ جب لغزش ہو جائے تو فوراً عمل صالح کرو۔ نیکیاں برائیوں کو مٹا کر رکھ دیتی ہیں"۔

البتہ عامر بن طفیل عامری کافر تھا۔ یہ اپنے کفر پر ہی مرا۔ اس کی موت کے بعد اس کے دونوں ساتھی اپنی قوم کے پاس آگئے۔ اس کی قوم نے اربد سے پوچھا "اربد! پیچھے کیا خبر ہے؟ اس نے کہا "کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے ہمیں ایک چیز کی طرف دعوت دی۔ میری تمنا ہے کہ کاش وہ اس وقت میرے پاس ہوتے تو میں نیزہ مار کر شہید کر دیتا"۔ وہ اپنی اس بکواس کے ایک یا دو دن کے بعد نکلا۔ اس کے پیچھے اس کا اونٹ بھی تھا۔ اللہ رب العزت نے اس پر اور اس کے اونٹ پر بجلی پھینکی جس نے انہیں جلا کر خاکستر بنا ڈالا۔ حالانکہ وہ دن سخت گرم تھا۔ بادل کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ (الرعد:13)

"اور اللہ تعالیٰ کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے پھر گراتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے"۔

جبار بن سلمی ان میں سے تیسرا شخص تھا۔ یہ اپنی قوم بنو عامر کے ہمراہ اسلام لے آئے اور اپنے اسلام کو بہت عمدہ کیا۔

حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا وفد

ایک روایت ہے کہ یہ ۳ھ کو بارگاہ رسالت مآب میں باریاب ہوئے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ ۹ھ کو درگاہ نبوت پر حاضر ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "ہم نے کسی وفد کے متعلق نہیں سنا جو ضمام بن ثعلبہ سے افضل ہو"۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین تکیہ لگا کر جلوہ افروز تھے تو ایک بدوی شخص اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ اس نے مسجد نبوی میں اونٹ بٹھایا۔ اس کا گھٹنا باندھا اور پوچھا "عبد المطلب کے فرزند ارجمند کہاں ہیں؟ دوسری روایت کے مطابق پوچھا "محمد

عربی صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ صحابہ کرام نے فرمایا "یہ تکیہ لگائے جلوہ افروز ہیں" اس نے عرض کی "میں آپ سے چند سوالات پوچھنے لگا ہوں۔ ممکن ہے ان میں شدت بھی ہو آپ ناراض نہ ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پوچھو" اس نے کہا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے پاس آپ کا قاصد گیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم: اس نے سچ کہا ہے" اعرابی: میں آپ کو اس ہستی کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جو آپ سے پہلے اور آپ سے بعد مخلوق کا رب ہے۔ جس نے آسمان اور زمین تخلیق کیے۔ یہ فلک بوس پہاڑ گاڑھے۔ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم اس وحدہ لاشریک ذات کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیں ہمارے آباء جن کی پوجا کرتے تھے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! اعرابی: میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنے اغنیاء کے اموال لیں اور اسے اپنے فقراء پر خرچ کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم: ہاں! اعرابی: میں آپ کو رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم بارہ مہینوں میں سے ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں" اعرابی: میں آپ کو رب غفور کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم میں سے وہ اس بیت اللہ کا حج کرے جس میں استطاعت ہو"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں!" اس اعرابی نے عرض کی "میں ایمان لے آیا۔ میں نے تصدیق کر دی۔ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں" جب یہ اپنی قوم کے پاس گئے۔ تو سب سے پہلے انہوں نے لات وعزی کو برا بھلا کہا ان کی قوم نے اس سے کہا "ضمام! کوڑھ کے مرض سے بچو۔ جذام سے بچو۔ جنون سے بچو" حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے فرمایا "تمہارے لیے ہلاکت! بخدا! یہ بت نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ ہی نقصان" اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمادیا ہے۔ اس نے ان پر کتاب مبین نازل فرمادی ہے۔ وہ تمہیں اس گندگی سے بچاتے ہیں جس میں تم لت پت نظر آتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں ان کی طرف سے ایسے امور لے کر آیا ہوں جن کا انہوں نے حکم دیا ہے اور ایسے امور بھی لے کر آیا ہوں جن سے آپ نے منع فرمایا ہے"۔ ان کی قوم کا کوئی مرد یا عورت نہ رہے مگر سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

وفد عبدالقیس

ان کے مساکن بحرین میں تھے۔ اس وفد میں جارود بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تھا۔ یہ پہلے عیسائی تھا۔ اس نے سابقہ کتب کا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کچھ اشعار پڑھے جن میں سے دو اشعار یہ ہیں۔

يَا نَبِيَّ الْهُدٰى اَتَاكَ رِجَالٌ قَطَعَتْ فَدْفَدًا وَ آلًا فَآلَا

اے رشد و ہدایت کے نبی! یہ لوگ وسیع جنگلات اور عریض سیرابوں کو طے کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔

لَا تَخَالِی وَقْعَ يَوْمٍ عَبُوسٍ اَوْجَلَ الْقَلْبَ ذِكْرُهُ ثُمَّ هَالَا

وہ اس ترش دن کے وقوع سے ڈرتے ہیں جس کا ذکر ہی دلوں کو خوفزدہ اور ہراساں کر دیتا ہے۔

یہ وفد ۱۰ھ کو بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ جارود نے یہ اشعار پڑھنے کے بعد عرض کی ''محمد عربی! ﷺ میں پہلے ایک دین پر تھا۔ میں اپنا دین آپ کے دین کے لیے چھوڑتا ہوں۔ آپ میرے گناہوں کے ضامن بن جائیں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''میں ضامن ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری راہ نمائی اس دین کی طرف کی ہے جو تمہارے دین سے بہتر ہے''۔ یہ سن کر جارود اور ان کے سارے ساتھی اسلام لے آئے۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت جارود کے ہمراہ سلمہ بن عیاض الاسدی بھی تھے۔ حضرت جارود نے سلمہ سے کہا ''ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ وہ نبی ہے۔ کیا ہم ان کے پاس نہ جائیں۔ اگر ہمیں ان کے دین میں بھلائی نظر آئی تو اسے اختیار کرلیں گے۔ مجھے امید ہے کہ وہ وہی نبی تاجدار ﷺ ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک اپنے تین مسائل سوچ لے۔ جو آپ سے پوچھے۔ جن کے بارے میں وہ اپنے ساتھی کو بھی نہ بتائے۔ مجھے اپنی حیاتی کی قسم! اگر انہوں نے ان مخفی رازوں سے ہمیں آگاہ کر دیا تو وہ نبی برحق ہوں گے'' جب یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تو سب سے پہلے جارود عرض پیرا ہوا ''محمد عربی ﷺ آپ کے پروردگار نے آپ ﷺ کو کس چیز کے ساتھ مبعوث کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے مجھے اس شہادت کیساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں اس کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں معبودان باطلہ سے اپنا تعلق ختم کرلوں۔ نماز کو اس کے وقت پر ادا کروں۔ مال کی زکوٰۃ ادا کروں۔ رمضان المبارک کے روزے رکھوں۔ الحاد کے بغیر حج کروں۔ جس نے نیک عمل کیا تو اس کا اجر اس کے اپنے ہی نفس کو ملے گا۔ جس نے برا فعل کیا اس کی سزا اسی پر ہے۔ آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

جارود پھر عرض گزار ہوا ''محمد مصطفیٰ ﷺ اگر آپ نبی برحق ہیں تو ہمیں ان امور کے متعلق بتائیں جنہیں ہم اپنے سینوں کے نہاں خانہ میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اس پیکر علم نے کچھ دیر توقف کیا گویا کہ آپ کو اونگھ آئی ہو۔ پھر سر اقدس بلند فرمایا۔ پسینے کے قطرات طلعتِ زیبا سے گر رہے تھے۔ پھر یوں گوہر افشانی کی'' جارود تمہارے نہاں خانہ دل میں یہ بات مخفی ہے کہ تم مجھ سے جاہلیت کے خون، جاہلیت کے معاہدوں اور جاہلیت کے عطیات کے متعلق پوچھنا چاہتے ہو۔ اسے کان کھول کر سنو جاہلیت کا خون رائیگاں ہے۔ جاہلیت کے معاہدے بھی مردود ہیں۔ بہترین صدقہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کو سواری کا جانور پیش کرے یا شیر دار بکری پیش کرے۔ اے سلمہ! تو مجھ سے یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ بتوں کی پرستش کے بارے کیا حکم ہے یوم سباسب اور عقل الهجین کی کیا حیثیت ہے؟ بتوں کی پوجا کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ (انبیاء)

''تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہونگے تم اس میں داخل ہونے والے ہو''۔ (جمال القرآن)

یوم سباسب کے عوض رب تعالیٰ نے وہ رات عطا فرمائی ہے جو ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اسے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ یہ ایسی رات ہوتی ہے جس کی صبح روشن ہوتی ہے۔ ہوا آہستہ چلتی ہے اس رات تیز ہوا نہیں چلتی۔ سورج اپنی شعاعیں بکھیرتا ہوا طلوع ہوتا ہے۔ عقل ہجین کے متعلق یہ ہے کہ تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ ان کا خون برابر ہے۔ ان کا دور کا شخص قریب کے شخص کے خلاف پناہ دے سکتا ہے بارگاہ ربوبیت میں معززوہ ہے جو ان سے بڑھ کر متقی ہے"
یہ حقیقت افزا کلمات سن کر ان دونوں نے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

بعض علمائے کرام نے وضاحت فرمائی ہے کہ وفد عبد القیس فتح مکہ سے قبل حاضر خدمت ہوا تھا۔ ممکن ہے یہ وفد دوبار حاضر ہوا ہو جیسا کہ مواھب میں مرقوم ہے۔ دوسری روایت کے مطابق اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ محو تکلم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مشرق سے ایک ایسا کارواں آرہا ہے۔ جنہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اپنی سواریاں تھکا دی ہیں۔ ان کا زاد راہ ختم ہو چکا ہے۔ مولا! وفد عبد القیس کو معاف کر دے" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اٹھے اور اس سمت چلے گئے جس طرف سے یہ وفد آرہا تھا۔ انہوں نے تیرہ سواروں سے ملاقات کی۔ دوسری روایت کے مطابق ان کی تعداد بیس تھی۔ تیسری روایت کے مطابق ان کی تعداد چالیس تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تمہارا تعلق کس قبیلہ کے ساتھ ہے" انہوں نے کہا "بنو عبد القیس کے ساتھ" انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان پر ابھی تمہارا ذکر تھا"۔ آپ نے انہیں بھلائی کے ساتھ یاد کیا ہے۔ پھر ان کے ہمراہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہی وہ ہستی والا ہیں جن کی زیارت کے تم مشتاق ہو"۔

وہ سوار مسجد نبوی کے دروازہ پر اپنی سواریوں سے نیچے اتر پڑے۔ سفر کے کپڑوں میں ہی بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے جلدی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس اور پاؤں مبارک کو چومنے لگے۔ ان میں عبد اللہ بن عوف الاشج بھی تھے۔ یہ ان کے رئیس تھے۔ یہ سب سے کمسن تھے۔ یہ سواریوں کے پیچھے ٹھہر گئے، انہوں نے سواریاں بٹھائیں۔ انہوں نے سامان اکٹھا کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کچھ ملاحظہ فرمارہے تھے۔ انہوں نے دو سفید کپڑے نکالے۔ انہیں پہنا، پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ آپ کا دست حق نما پکڑا اور بوسہ لینے کی سعادت حاصل کی۔ یہ حسین صورت نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی جلدوں میں کچھ پیا نہیں جاتا۔ انسان اس چیز کا محتاج ہوتا ہے جو اس سے چھوٹی ہوتی ہے یعنی اس کی زبان اور دل" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم میں دو خصلتیں ہیں" دوسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "دو ایسی خصلتیں ہیں جن سے رب تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیار کرتے ہیں۔ حلم اور وقار"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میں ان دو اوصاف سے متصف ہوں یا وہ رب تعالیٰ نے مجھ میں تخلیق کیے ہیں"۔ آپ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے وہ تم میں تخلیق کیے ہیں" انہوں نے کہا "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے دو ان خصلتوں پر تخلیق کیا جن سے اللہ رب العزت اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبت کرتے ہیں"۔

حدیث مبارک میں ہے "وقار، میانہ روی اور خاموشی نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جز ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق جب یہ وفد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ ﷺ نے پوچھا "تمہارا تعلق کس قوم کے ساتھ ہے؟ انہوں نے عرض کی "ربیعہ سے" آپ نے فرمایا "اس قوم کو خوش آمدید!" دوسری روایت کے مطابق انہیں یوں خوش آمدید کہا "اس وفد کو مرحبا جو نہ رسوا ہو نہ شرمندہ!" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ ہم بعید مسافت طے کر کے آپ کی خدمت میں پہنچے ہیں۔ آپ کے اور ہمارے مابین مضر کا کافر قبیلہ حائل ہے۔ ہم صرف حرمت والے مہینوں اشہر حرام میں ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ہم کو ان امور کا حکم فرمائیں جنہیں ہم مضبوطی سے تھام لیں۔ اپنے ساتھیوں کو بتائیں اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں" آپ ﷺ نے فرمایا "میں تمہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو ایمان باللہ کیا ہے؟ وہ یہ شہادت دینا ہے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، محمد عربی ﷺ اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان المبارک کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے پانچواں حصہ نکالنا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان امور میں حج کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے انہیں الدباء، الحنتم، النقیر سے منع فرمایا۔ دوسری روایت میں المقیر کا ذکر ہے۔ آپ نے انہیں ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا۔ کیونکہ ان برتنوں میں نبیذ جلد خمیر ہو جاتی تھی جو نشہ کا سبب تھا۔ الدباء، القرع، الحنتم یہ ایسے گھڑے تھے جنہیں سبز رنگ سے لیپ کر دیا جاتا۔ المقیر وہ برتن تھا جسے کھجور کے تنے سے بنایا جاتا تھا پھر اس میں نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ المقید وہ برتن تھا جس پر تارکول لیپ کر دیا جاتا تھا۔ الزفت بھی اسی کو کہتے ہیں۔ بعض روایات میں الزفت کا ذکر ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ چمڑے کے برتنوں میں نبیذ تیار کیا کریں" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہماری زمین میں بہت سے چوہے ہوتے ہیں۔ وہاں چمڑے کے برتن نہیں رہ سکتے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "خواہ انہیں چوہے بھی کھا جائیں" آپ ﷺ نے دو یا تین بار یہ فرمان عالی شان فرمایا" حضرت اشج نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہماری زمین ثقیل اور اس کی آب و ہوا مضر صحت ہے۔ اگر ہم نے یہ شراب نہ پی تو ہمارے پیٹ پھول جائیں گے، ہمیں اتنی شراب کی رخصت عنایت کریں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا" حضور ﷺ نے فرمایا "اشج! اگر میں تمہیں اتنی اتنی (دست اقدس سے اشارہ فرمایا) شراب کی اجازت دے دوں تو تم میں سے کوئی ایک شراب کے نشہ میں مخمور ہو کر اپنے چچا زاد پر تلوار لے کر چڑھ دوڑے گا۔ اور تلوار کے ساتھ اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دے گا"۔ اس قوم میں ایک شخص تھا جس کا نام جہم بن قثم تھا۔ اس نے کہا "جب میں نے حضور ﷺ کی زبان حق ترجمان سے یہ سنا تو میں اپنا کپڑا لٹکانے لگا۔ تاکہ میں اس زخم کا نشان چھپا سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی مکرم ﷺ کے لیے ظاہر کر دیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے نبیذ کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہماری سرزمین کی آب و ہوا مضر صحت ہے۔ نبیذ کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں" حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "پھر النقیر نہ پینا۔ گویا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ جب تم نے النقیر میں نبیذ پی تو تم ایک دوسرے کے خلاف تلواریں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تم میں

سے ایک شخص کو زخم آیا۔ وہ اس کی وجہ سے تا قیامت لنگڑا تا رہے گا"۔ آپ کا یہ فرمان سن کر وہ سب مسکرانے لگے" آپ نے ان کے اس مسکرانے کا سبب پوچھا تو انہیں نے عرض کی "بخدا! ہم نے النقیر میں شراب پی۔ ہم میں سے بعض بعض کے ساتھ شمشیر زنی کرنے لگے۔ اس شخص کو تلوار کا زخم آ گیا جس سے یہ لنگڑا کر چلنے لگا جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شہر کی کھجوروں کی اقسام بیان فرمائیں۔ فرمایا "تمہارے ہاں ایک کھجور پیدا ہوتی ہے جس کو اس نام سے پکارتے ہو۔ ایک اور قسم پیدا ہوتی ہے جسے تم فلاں نام سے موسوم کرتے ہو۔ وفد میں سے ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا! اگر آپ ہجر کے وسط میں پیدا ہوتے تو پھر بھی آپ ان کے متعلق اس سے زیادہ نہ جانتے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب سے تم میرے پاس بیٹھے ہو تمہاری زمین اٹھا کر میرے سامنے رکھ دی گئی ہیں۔ میں نے اسے نزدیک سے لے کر دور تک دیکھا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "بہترین کھجور البرنی ہے، یہ مرض ختم کر دیتی ہے۔ مگر اس میں کوئی مرض نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوعات میں سے صرف مذکورہ برتنوں میں نبیذ نہ بنانے پر اقتصار کیا حالانکہ ممنوعات میں سے ایسی اشیاء بھی ہیں جو حرام ہونے میں ان سے بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ وہ ان کے بہت زیادہ عادی تھے۔ ان برتنوں میں نبیذ نہ پینے کا حکم شراب کی حرمت کے آغاز میں تھا۔ جب کہ اس وقت ان کے نفوس شراب پینے کے عادی تھے اور اس میں رغبت رکھتے تھے۔ پھر جب حرام ہونے کا امر محکم ہو گیا ان کے نفوس اسے ترک کرنے کے عادی ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کرتا تھا۔ اب ہر برتن میں نبیذ بنا لیا کرو۔ نشہ سے بچو۔ اب ان برتنوں میں نبیذ بنانے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر نشہ آور چیز سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ اعلم

وفد بنی حنیفہ

یہ وفد بھی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ یہ سترہ افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے ہمراہ مسیلمہ کذاب بھی تھا۔ روایت ہے کہ بنو حنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ان کے ہمراہ مسیلمہ بھی تھا۔ وہ اس کی تعظیم کرتے ہوئے اسے کپڑوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ وہ اس شخص کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے جس کی تعظیم بجا لاتے تھے۔ اس کی قوم اسے عظیم سمجھتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے مابین تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی۔ جس پر چھوٹے چھوٹے پتے تھے۔ جب مسیلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ اس کی قوم اسے کپڑے میں چھپائے ہوئی تھی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی۔ اس نے کہا کہ آپ اسے نبوت کے معاملہ میں شریک کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم مجھ سے یہ شاخ خرما مانگو تو میں یہ بھی تمہیں نہیں دوں گا"۔ دوسری روایت کے مطابق بنو حنیفہ اسے کجاووں کے پاس رکھ آئے تھے۔ جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انہیں وہ یاد آیا۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا ایک ساتھی ہمارے کجاووں کے پاس ہے۔ وہ ہمارے سامان کی حفاظت کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھی اسی طرح حکم دیا جس طرح وفد کے کسی اور شخص کے لیے حکم دیا فرمایا "وہ مقام میں تم سے کم مرتبہ نہیں ہے" جب یہ وفد واپس آیا۔ یمامہ پہنچا مسیلمہ

نے دعویٰ کر دیا کہ حضور ﷺ نے اسے بھی نبوت میں شریک کر لیا ہے اس نے اپنے ساتھ جانے والوں میں سے ایک شخص سے کہا "جب تم نے مجھے آپ کے حضور یاد کیا تو آپ نے فرمایا تھا "وہ تم سے کم مرتبہ نہیں" آپ نے یہ صرف اس لیے فرمایا تھا۔ کیونکہ آپ نے مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیا تھا" حالانکہ آپ ﷺ کے اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامان کی حفاظت کر رہا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار حرم ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس بھی تھے۔ آپ کے دست اقدس میں کھجور کی شاخ تھی۔ حتیٰ کہ آپ مسیلمہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی کہ مسیلمہ نے کہا ہے کہ اگر آپ نے مجھے اپنا جانشین بنا لیا تو میں آپ کی اتباع کر لوں گا۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا "اگر تو مجھ سے یہ شاخ مانگے تو یہ بھی تجھے عطا نہیں کروں گا۔ میں نے تجھے اسی طرح دیکھا ہے جس طرح خواب میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ حضرت قیس ہیں جو میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے" پھر حضور ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

حضور صادق و امین ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے اپنے دست اقدس میں سونے کے دو کنگن پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے یہ امر بڑا عجیب لگا۔ خواب میں رب تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ میں انہیں پھونک ماروں۔ میں نے انہیں پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے ان کی تعبیر یہ کی ہے کہ دو کذاب پیدا ہوں گے" وہ اسود عنسی صاحب صنعاء اور مسیلمہ صاحب یمامہ تھا۔ ان دونوں نے حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اسود عنسی کہتا تھا "ذوالنون نامی ایک فرشتہ میرے پاس آتا ہے جس طرح جبرائیل محمد عربی ﷺ کے پاس آتا ہے" جب اس کی یہ بکواس حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا "اس نے ہمیں آسمان کے ایک عظیم فرشتے کی یاد دلا دی ہے جسے ذوالنون کہا جاتا ہے"۔

بعض سیرت نگاروں نے مذکورہ بالا دونوں روایات سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ممکن ہے مسیلمہ دو دفعہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہو۔ پہلی بار اس کی حیثیت ایک تابع کی سی تھی۔ اسی لیے بنو حنیفہ اسے چھپا کر لائے۔ حتیٰ کہ وہ حضور ﷺ تک پہنچ گیا۔ یا وہ کجاووں کی حفاظت کے لیے باہر ٹھہرا رہا۔ جب وہ دوسری بار حاضر خدمت ہوا تو اس کی حیثیت متبوع کی تھی۔ وہ تکبر اور غرور کی وجہ سے آپ کے خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ آپ نے تالیف قلب کرتے ہوئے اس کے ساتھ کریم لوگوں کا سا معاملہ کیا آپ اس کی قوم میں اس کے پاس تشریف لے گئے۔

اسود العنسی نے صنعاء میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے حضور ﷺ کے صنعاء کے گورنر حضرت مہاجر بن امیہ رضی اللہ عنہ پر غلبہ پا لیا۔ روایت ہے کہ وہ اس کے پاس سے گزرے۔ اس کے سامنے آئے تو ان کا گدھا پھسلا، اسود نے دعویٰ کر دیا کہ گدھے نے اسے سجدہ کیا ہے۔ گدھا نہ اٹھا حتیٰ کہ اسود نے اپنی زبان سے کچھ کہا۔ اسود کے ہمراہ دو شیطان تھے۔ ایک کا نام سحیق دوسرے کا نام شقیق تھا۔ وہ اسے لوگوں میں رونما ہونے والے ہر واقعہ کے متعلق بتا دیتے تھے۔ حضرت باذان رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کی طرف سے صنعاء کے عامل تھے۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ شیطان اسود کے پاس آیا اور اسے ان کے وصال

کی خبر دی۔ اسود اپنی قوم لے کر نکلا حتیٰ کہ وہ صنعاء کا مالک بن گیا۔ حضرت باذان کی زوجہ مرزبانہ سے شادی کر لی۔ اس عورت نے فیروز دیلمی وغیرہ کے ساتھ وقت طے کر لیا تھا۔ وہ رات کے وقت اسود کے پاس گئے۔ وہ شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا تھا۔ اس کے دروازہ پر ایک ہزار پہرے دار تھے۔ فیروز نے دیوار میں نقب زنی کی۔ اندر جا کر اسود کو قتل کر دیا اس کا سرتن سے جدا کیا۔ وہ اس کی عورت اور پسندیدہ سامان لے کر گھر سے باہر نکل آئے وہ اس کے ساتھ مدینہ طیبہ بھی پہنچ گئی۔ اسی روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ابوالاسود نے حضرت عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی حرمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے ایک دن اور ایک رات قبل اسود موت کے گھاٹ اترا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرمایا پھر یہ خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک بھی پہنچ گئی۔ دوسری روایت کے مطابق یہ خبر اس دن کی صبح کو مدینہ طیبہ پہنچ گئی جس روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کیا گیا۔

حضرت ابومسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کی اسود عنسی کے ساتھ داستان بڑی مشہور و معروف ہے۔ سارے محدثین نے اسے کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ حتیٰ کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ یہ روایت مشہور و مستفیض ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اس نے حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ جب حضرت ابومسلم رضی اللہ عنہ اسود کے پاس پہنچے تو اس نے کہا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں" انہوں نے فرمایا "میں نے یہ نہیں سنا" اسود نے کہا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" انہوں نے فرمایا "ہاں!" اسود نے کئی بار یہ سوال دہرایا۔ حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ہی جواب دیا۔ اسود نے آگ کا آلاؤ روشن کرنے کا حکم دیا۔ آگ بڑھکائی گئی۔ پھر حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو اس میں پھینک دیا گیا۔ مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا اسود سے کہا گیا "اسے خود سے دور کر دو۔ ورنہ یہ تیرے پیروکاروں کو خراب کر دے گا۔ اس نے انہیں چلے جانے کا حکم دیا۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہو چکے تھے حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے دروازہ پر اپنی سواری بٹھائی اور ستون کے پاس جا کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں ملاحظہ کر لیا۔ پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا "یمن سے" انہوں نے فرمایا "ہمارے اس دوست کا کیا بنا جسے کذاب نے نذر آتش کیا تھا" انہوں نے کہا "میں ہی وہ ذات ہوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا "میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم وہی ہو؟ انہوں نے کہا "بخدا ہاں" حضرت عمر فاروق نے انہیں گلے لگایا اور رونے لگے۔ وہ انہیں لے کر حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آ گئے۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور اپنے مابین بٹھالیا پھر یوں مدح خوانی کی "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے میرا وصال نہ کیا حتیٰ کہ مجھے امت محمدیہ میں سے ایسے شخص کی زیارت سے بہرہ ور کیا جس کے ساتھ اس طرح کیا گیا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے امداد خولان کو پایا۔ بنو عنس میں سے امداد کو کہا جاتا تھا" تمہارے کذاب ساتھی نے ہمارے صاحب کو آگ میں پھینکا مگر آگ نے انہیں کچھ نہ کہا"۔

مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تو ہذیان بکنے لگا۔ تاکہ اس سے قرآن مجید کی نقل کر سکے۔ ان بکواسات میں سے اس کا یہ قول بھی ہے "لَقَدْ انعم اللہ عَلَی الحبْلٰی، اخرج منھا نسمۃ تسعٰی مِن بین صفاق وحشی" اللہ تعالیٰ نے حاملہ پر انعام کیا اس سے جان نکالی جو دوڑتی پھرتی ہے۔ جو ایک جھلی اور رحم مادر کے درمیان ہوتی ہے۔ اس نے کئی مسجع عبارات بنائیں۔ اس نے سورۃ الکوثر کے پاکیزہ اور مقدس کلمات کی ان کلمات کے ساتھ نقل اتارنے کی کوشش کی۔

"انا اعطیناك الجواھر فصل لربك وھاجران مبغضك رجل فاجر"

دوسرے قول کے مطابق اس نے یہ نقل اتاری

"انا اعطیناك الکواثر فصل لربك وبادر فی اللیالی الغوادر" تیسرے قول کے مطابق اس نے یہ کوشش اس طرح کی "انا اعطیناك الجماھر فخذ لِنفسك وَبادر وَاحذَر ان تحرص اوتکاثر" اس رسوا اور لعین نے گمان کیا کہ جواھر کوثر کی مانند ہے۔ وہ لغت عربیہ سے کس قدر جاہل تھا کیونکہ کوثر تو خیر کثیر کو کہا جاتا تھا۔ کاش وہ سمجھ لیتا کہ اس کا کلام کتنا لغو ہے۔ اس نے قرآن مجید کا لفظ لیا اس کے کلمات تبدیل کیے۔ اس نے "شانئك" کی جگہ "مُبغضك" رکھ دیا۔ فاجر ہونے کی وجہ سے اس کی زبان پر فجور کا ہی تذکرہ رہا۔ وہ قرآن پاک جیسا مقدس اور بے مثل کلام نہ لا سکا۔ وہ نادان نہ سمجھ سکا کہ وہ اپنا مطلوب کس طرح حاصل کر سکتا ہے یہ کمزور سی تسجیع کتنی کمزور ہے یہ تو فصحاء کے کلام میں سے ادنیٰ کلام کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ اس کا مقابلہ رب العالمین کے لاریب کلام سے کیا جائے۔ پھر اس لعین نے نماز ساقط کر دی۔ ان کے لیے شراب اور زنا حلال کر دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کے حلقہ ارادت میں آسکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا تھا۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ حضور تاجدار ختم النبوۃ نے اسے اپنی رسالت میں شریک کر لیا ہے۔ یہ اس کی کم عقلی کی علامت تھی۔ کیونکہ نبی حرام کردہ اشیاء کو حلال نہیں کرتا۔ مسیلمہ کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس کی سطوت ظاہر ہوئی۔ ان ہی کے عہد خلافت میں اس کے ساتھ جنگ آزمائی ہوئی۔ بنوحنیفہ کی طرف سے فتنہ کے اسباب میں سے مسیلمہ سب سے قوی فتنہ تھا۔ اس نے بہت سی افواج جمع کر لیں۔ تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگ کرے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی لشکر تیار فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔ انہوں نے مسیلمہ کے لشکر کے ساتھ جہاد کیا۔ مسیلمہ کے قتل کے ساتھ یہ فتح مکمل ہوئی۔ اسے حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم انصاری المازنی یا حضرت عدی بن سہیل یا ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے تہ تیغ کیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت وحشی نے اسے جہنم واصل کیا۔ پہلا قول مشہور ہے۔ شاید حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اسے ضرب اولین لگائی ہو۔ دیگر حضرات نے بعد میں اس کا کام تمام کر دیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت وحشی سے اس طرح روایت ہے "جب مسیلمہ نکلا تو میں نے کہا" میں اس کی طرف ضرور جاؤں گا شاید میں اسے قتل کر سکوں اور اس سے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بدلہ چکا سکوں۔ میں لوگوں کے ہمراہ نکلا مجھے اچانک ایک کھڑا شخص نظر آیا۔ وہ ایک مست اونٹ کی طرح تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے اپنا نیزہ اس کی

طرف پھینک دیا جو اس کے سینے کے وسط میں لگا۔ کندھوں کے درمیان سے وہ باہر نکل گیا۔ ایک انصاری صحابی نے اس کی کھوپڑی پر تلوار سے ضرب کاری لگائی۔ اس وقت اس کی عمر 150 سال تھی۔

بنو حنیفہ کا ایک شخص اس کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتا ہے۔

لَهْفِي عَلَيْكَ أَبَا ثُمَامَه	لَهْفِي عَلَى رُكْنَيْ شَمَامَة

اے ابو ثمامہ! میرا تجھ پر افسوس! ثمامہ کے دو رکنوں پر میرا افسوس!

كَمْ آيَةٍ لَكَ فِيهِمْ	كَالشَّمْسِ تَطْلُعُ مِنْ غَمَامَة

ان میں کتنی ہی تیری نشانیاں ہیں جو اس سورج کی طرح ہیں جو بادل سے طلوع ہوتا ہے۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ اس مرثیہ گو کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس مرثیہ گو نے جھوٹ بولا ہے۔ بلکہ اس کی نشانیاں تو الٹ ہو جاتی تھیں۔ اس مسیلمہ نے ایک شخص کے دو بیٹوں کے لیے دعا کی۔ وہ شخص گھر گیا تو اس کا ایک بیٹا کنویں میں گر گیا۔ دوسرے کو بھیڑیا کھا گیا۔ ایک دفعہ اس نے ایک کنویں میں تھوک پھینکا تو اس کا پانی نمکین ہو گیا۔ ایک دفعہ اس نے ایک بچے کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح گنجا ہو گیا۔

وفد طئی

وفد طئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں قبیصہ بن اسود بھی تھے۔ ان کے سردار حضرت زید الخیل تھے۔ ان کے پانچ گھوڑے تھے اس لیے انہیں زید الخیل کہا جاتا تھا۔ یہ جود و سخا، خلق و عادات، حسن و زیبائی میں اپنی قوم میں سے فائق تھے۔ ان کے بال بہت خوبصورت تھے۔ وہ ایک طویل گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔ وہ اتنے بلند قامت تھے کہ ان کی ٹانگیں یوں زمین پر لٹک رہی ہوتیں تھیں گویا کہ وہ گدھے پر سوار ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا حالانکہ آپ کی ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جو تمہیں دشوار گزار گھاٹیوں اور ناہموار میدانوں سے گزار کر یہاں لایا۔ اور تمہارے دل کو ایمان کے لیے ہموار کر دیا" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "تم کون ہو؟ انہوں نے عرض کی "میں زید الخیل بن مہلہل ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ آپ اس کے بندے اور رسول ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "نہیں بلکہ تم زید الخیر ہو" آپ نے انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ وہ سارے اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ انہوں نے اپنا اسلام بہت عمدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا "مجھ سے عرب میں سے جس بھی شخص کی فضیلت بیان کی گئی پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اسے فضیلت کے اس درجہ سے کم تر پایا جو مجھ سے بیان کیا گیا تھا سوائے زید الخیل کے جو کچھ ان کے متعلق مجھے بتایا گیا وہ اس سے بڑھ کر تھے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زید الخیر کے لقب سے یاد فرمایا۔ آپ نے اس وفد کے ہر آدمی کو پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔ مگر حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ چاندی دی۔ آپ نے انہیں دو جاگیریں اور ایک سند بھی تحریر فرما دی۔ جب یہ باہر نکل کر

اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہوئے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا "زید مدینہ طیبہ کے بخار سے نجات پا گئے" انہیں راستہ میں بخار نے آلیا۔ دوسری روایت کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا "زید! ام ملام (بخار) تمہارے وصال کا سبب بنے گا"۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو حضرت قبیصہ بن اسود ایک سال تک ان کی نوحہ خوانی کرتے رہے۔ پھر ان کی سواری اور کجاوہ لے کر عازم سفر ہو گئے۔ اسی میں حضور ﷺ کی وہ تحریر بھی تھی جس میں حضور ﷺ نے انہیں دو جاگیریں عطا فرمائیں تھیں۔ جب حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے خالی کجاوہ دیکھا تو اسے آگ میں پھینک دیا وہ مکتوب گرامی بھی اسی آگ میں جل گیا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ حضرت زید الخیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک بحیات رہے۔ جب حضور ﷺ کے وصال کے وقت بہت سے اہل عرب مرتد ہو گئے تو یہ اسلام پر ثابت رہے۔ انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ دو اشعار لکھے۔

اَمَا تَخْشَيْنَ اللهَ بَيْتَ اَبِى نَصْرٍ		فَقَدْ قَامَ بِالْاَمْرِ الْجَلِيِّ اَبُوْبَكْرٍ

اے ابو نصر کے گھر! کیا تو اللہ رب العزت کا خوف نہیں کھاتا۔ اب روشن امر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد ہو چکا ہے۔

نَبِيُّ رَسُوْلِ اللهِ فِى الْغَارِ وَحْدَهٗ		وَصَاحِبُهُ الصِّدِّيْقُ فِى مُعْظَمِ الْاُمُوْرِ

جو کہ غار میں تنہا رسول اللہ ﷺ کے یار غار تھے اور تمام بڑے بڑے امور میں رسول کریم ﷺ کے ساتھی ہیں۔

وفد عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ خود ہی اپنے اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں "میں اپنی قوم کا سردار تھا۔ میں اس کے مال غنیمت کا چوتھا حصہ لیتا تھا جیسا کہ جاہلیت میں عرب سرداروں کی عادت ہوتی تھی۔ جب میں نے حضور ﷺ کے متعلق سنا تو مجھے سخت ناگواری محسوس ہوئی۔ عرب کے کسی آدمی کو اتنی ناگواری محسوس نہیں ہوئی ہو گی جتنی آپ کے ذکر کے وقت مجھے محسوس ہوتی تھی۔ میرا ایک غلام میرے اونٹ چراتا تھا۔ میں نے اسے کہا "تیرا باپ مرے۔ میرے لیے ایک موٹا اور مطیع اونٹ علیحدہ کر دے۔ اسے میرے قریب ہی رکھ۔ جب تجھے محمد عربی ﷺ کے لشکر کے متعلق خبر ملے کہ وہ ان شہروں کی طرف آ گئے ہیں تو مجھے بتا دینا"۔ پھر ایک دن میرا وہ غلام میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے کہا "عدی! جو کچھ تو اس وقت کرے گا جب محمد عربی ﷺ تیرے لشکر پر چھا جائیں گے وہ ابھی کر گزر۔ مجھے جھنڈے نظر آئے۔ میں نے ان کے متعلق پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ محمد عربی ﷺ کے لشکر ہیں"۔ میں نے اسے کہا "میرا اونٹ میرے قریب کر" اس نے اونٹ میرے قریب کیا۔ میں نے اپنی اولاد اور بیوی کو اس پر سوار کیا اور شام میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے ساتھ آ کر مل گیا۔ حاتم کی نور نظر وہیں رہی۔ اسے بھی وہی کچھ پہنچا جو وہاں کے باشندوں کو پہنچا تھا۔ یعنی اسے قیدی بنا لیا گیا۔ جب وہ قیدیوں میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی اور حضور ﷺ کو علم ہوا کہ میں شام کی طرف بھاگ گیا ہوں۔ تو حاتم کی نور نظر پر حضور ﷺ نے احسان فرمایا۔ آپ نے اسے چادر عطا فرمائی اسے سواری بخشی، زاد راہ دیا اور وہ عازم سفر ہو کر شام آ گئی۔ بخدا! میں اپنے اہل خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ایک ہوج دیکھا جو ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں نے کہا "شاید اس میں حاتم کی بیٹی ہو" میں نے دیکھا تو اس

میں وہی تھی۔ جب وہ میرے پاس آئی تو اس نے کہا "قطع تعلق کرنے والے ظالم! تو نے اپنے اہل و عیال کو سوار کیا۔ اپنے والدین کی یاد اور خاتون کو وہیں چھوڑ آیا" میں نے کہا "بہنا! میرے متعلق صرف بھلائی ہی کہو۔ بخدا! میرے لیے اور کوئی چارۂ کار نہ تھا"۔ میں نے اپنی داستان سنادی۔ وہ اپنی سواری سے نیچے اتری اور میرے ہاں قیام پذیر ہوگئی۔ میں نے اسے کہا۔ وہ ایک دانا عورت تھی۔ "اس شخص کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟" اس نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ تم جلد از جلد اس کے ساتھ جا ملو۔ اگر وہ نبی ہوئے تو ان کے ساتھ ملنے میں پہل کرنا ہی فضیلت ہے۔ اگر وہ بادشاہ ہوئے تو پھر بھی تمہیں نقصان نہ ہوگا" میں نے کہا "یہ رائے بہت عمدہ ہے" میں عازم سفر ہو کر مدینہ طیبہ پہنچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے استفسار فرمایا "کون ہو؟ میں نے عرض کی "عدی بن حاتم" حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجھے اپنے کاشانہ اقدس میں لے گئے۔ بخدا! آپ آگے آگے تھے آپ سے ایک کمزور سی بڑھیا ملی۔ اس نے آپ کو رکنے کے لیے کہا۔ آپ کافی دیر تک اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ میں نے کہا "بخدا! یہ بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہوگئے۔ آپ نے چمڑے کا تکیہ اٹھایا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ آپ نے اسے میری طرف بڑھایا اور فرمایا "اس پر بیٹھ جاؤ" میں نے کہا "نہیں! آپ اس پر تشریف رکھیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں! تم اس پر بیٹھ جاؤ" میں اس تکیہ پر بیٹھ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوگئے"۔ میں نے کہا "بادشاہ کا یہ رویہ نہیں ہو سکتا" پھر فرمایا "عدی! کیا تمہارا تعلق اس قوم کے ساتھ نہیں جو ایک دین رکھتی ہے" میں نے عرض کی "ہاں" آپ نے فرمایا "کیا تم اپنی قوم سے مال غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے تھے" میں نے عرض کی "ہاں!" آپ نے فرمایا "یہ تو تمہارے دین میں حلال نہیں" میں نے عرض کی "ہاں! میں نے جان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں۔ جنہیں علم و عرفان عطا کیا گیا ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عدی! شاید تم اس قوم کا افلاس دیکھ کر اس دین میں داخل نہیں ہو رہے۔ بخدا! عنقریب ان میں مال کی اتنی فراخی ہوگی کہ لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ شاید تم اس دین میں اس لیے داخل نہیں ہو رہے کہ ان کے دشمنوں کی تعداد کثیر اور یہ تعداد میں قلیل ہیں۔ بخدا! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت قادسیہ سے اپنے اونٹ پر عازم سفر ہوئی اور اس نے بیت اللہ کی زیارت کی۔ اسے کسی کا کوئی خوف و ڈر نہ تھا۔ عدی! شاید تم یہ دین اس لیے قبول نہیں کر رہے کہ سلطنت اور شاہی دوسرے ادیان میں ہے۔ بخدا! شاید کہ تم سنو کہ سرزمین بابل میں سفید محلات کو مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے" حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے ایک خاتون دیکھی جو قادسیہ سے اپنے اونٹ پر روانہ ہوئی حتیٰ کہ اس نے بیت اللہ کا حج کیا۔ بخدا! دوسرا فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحیح ثابت ہوگا۔ اس امت مرحومہ کے پاس اتنا مال ہوگا کہ لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وفد عروۃ المرادی

کندہ کے بادشاہ سے تعلق توڑ کر عروہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوگئے۔ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے قبل ان کے قبیلہ مراد اور ہمدان کے مابین خونریز جنگ ہوئی تھی۔ اس میں مراد کے قبیلہ کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ تاریخ میں اس دن کو "الردم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو اذیت تمہاری قوم کو پہنچی ہے کیا اس کی وجہ سے

تمہیں تکلیف پہنچی ہے'' انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ ایسا کون سا سنگدل ہے کہ اس کی قوم کو ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے جس کا سامنا میری قوم کو کرنا پڑا اور وہ مغموم نہ ہو'' حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ''اسلام لانے کے بعد اس کی وجہ سے تمہاری قوم کی بھلائی میں ہی اضافہ ہوگا'' آپ ﷺ نے انہیں مراد قبیلہ پر اپنا عامل مقرر کیا۔ ان کے ہمراہ حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ تاکہ وہ صدقہ کا مال جمع کرنے میں ان کی اعانت کریں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ہی رہے حتیٰ کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔

وفد بنی زبید

بنو زبید کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ ان میں عمرو بن معدی کرب الزبیدی بھی تھا۔ یہ نغز گو شاعر اور جری انسان تھا۔ اسے فارس العرب کہا جاتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے بھتیجے قیس المرادی سے کہا ''تم اپنی قوم کے سردار ہو۔ ہمیں علم ہوا ہے کہ قریش کے ایک شخص محمد عربی ﷺ نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ نبی مرسل ہیں۔ آؤ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق جانتے ہیں۔ اگر وہ نبی ہوئے جیسا کہ وہ کہتے ہیں یہ امر تم پر مخفی نہیں رہے گا تو ہم ان کے ساتھ مل کر ان کی اتباع کر لیں گے۔ اگر وہ کچھ اور ہوئے پھر بھی ہمیں ان کے متعلق علم ہو جائے گا'' قیس نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اسے بے وقوف کہا۔ عمرو اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور اپنی قوم کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ شمع اسلام سے اجالا پالیا جب یہ خبر قیس تک پہنچی تو اس نے حضرت عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی۔ حضرت عمرو نے بھی قیس کے بارے کچھ اشعار کہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

فمن ذا عاذری من ذی سفاہ   هر   دبنفسه   شذالمرادی

ارید   حیاته   ویرید   قتلی   عذیرك من خلیلك من مرادی

اس پاگل کے خلاف میری مدد کون کرے گا جو اپنے نفس سے بہت زیادہ شدید مقصد پورا کرنا چاہتا ہے۔ میں اس کی زندگی چاہتا ہوں۔ وہ میری موت کا ارادہ کیے ہوئے ہے۔ تیرے دوست سے مدد حاصل کرنا میرا مدعا ہے۔

قیس نے حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد اسلام قبول کر لیا اسے صحابیت کا شرف نصیب نہ ہو سکا دوسرا قول یہ ہے کہ اس نے حضور ﷺ کے وصال سے قبل اسلام قبول کر لیا اور اسے صحابیت کا شرف حاصل ہے۔

وفد کندہ

کندہ یمن کا قبیلہ تھا۔ یہ کندہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ کندہ ان کے دادا ثور بن عفیر کا لقب تھا۔ حضور ﷺ کی دادی کا تعلق انہی کے ساتھ تھا۔ یہ کلاب کی والدہ تھی۔ یہ وفد اسی یا ساٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں اشعث بن قیس بھی تھا۔ یہ خوبصورت تھا۔ اس کی قوم اس کی اطاعت بجالاتی تھی حالانکہ یہ ان سب سے کم عمر تھا۔ جب یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے لگے تو انہوں نے اپنے بالوں میں کنگھی کی۔ سرمہ ڈالا، حیرہ کے جبے زیب تن کیے جن کے کنارے پر ریشم لگی

ہوئی تھی۔ جب یہ بارگاہ رسالت مآب میں داخل ہوئے تو انہوں نے عرض کی ''اَبَیْتَ اللَّعْنَ'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ (فداہ روحی وابی وامی) ہوں''۔ انہوں نے عرض کی ''ہم آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب نہیں کر سکتے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں ابو القاسم ہوں'' انہوں نے عرض کی ''ابو القاسم! ہم نے ایک چیز چھپا رکھی ہے۔ بتائیں وہ کیا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''سبحان اللہ! اس طرح تو کاہنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کہانت اور کاہن آگ کا ایندھن بنیں گے'' انہوں نے عرض کی ''ہم کیسے جانیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مٹھی بھر سنگریزے اٹھائے'' فرمایا ''یہ گواہی دیں گے کہ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں'' ان سنگریزوں نے آپ کے دست حق نما پر تسبیح خوانی کی۔ یہ سن کر وہ سب بیک زبان بولے ''ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رب تعالیٰ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اس نے مجھ پر ایک ایسی کتاب منیر اتاری ہے کہ باطل نہ جس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے'' انہوں نے عرض کی ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس میں سے کچھ پڑھ کر سنائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیات طیبات کی تلاوت کی۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝ (الصافات)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔ حتیٰ کہ جسد اطہر میں سے کچھ بھی متحرک نہ تھا۔ آنسوؤں کے موتی ریش مبارک سے رواں تھے۔ یہ وفد عرض پیرا ہوا ''آپ گریہ بار ہیں۔ کیا یہ رونا اس ہستی کے خوف سے ہے جس نے آپ کو بھیجا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس کی خشیت نے مجھے رلا دیا ہے۔ اس نے مجھے صراط مستقیم پر بھیجا ہے یہ تلوار کی دھار کی مانند ہے۔ اگر میں اس سے تھوڑا سا بھی ٹیڑھا ہو گیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت طیبہ تلاوت فرمائی۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (بنی اسرائیل:86)

''اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف کی''۔

پھر فرمایا ''کیا تم نے دولت اسلام سمیٹ نہیں لی'' انہوں نے عرض کی ''ہاں!'' فرمایا ''پھر تمہارے جبوں پر یہ ریشم کیوں لگی ہے؟ یہ فرمان سماعت فرما کر انہوں نے جبوں کے کنارے اکھیڑ پھینکے۔ شاید یہ ریشم جائز شرعی حد سے متجاوز تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمنی جبہ زیب بدن فرما رکھا تھا۔ یہ ذی یزن کا حلہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کے حلے زیب تن فرما رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ عمدہ کپڑے زیب تن فرماتے اور اپنے صحابہ کرام کو بھی عمدہ کپڑے پہننے کا حکم دیتے۔ اشعث بن قیس نے کہا ''ہم بھی آکلہ مراد کی اولاد میں ہیں۔ آپ بھی آکلہ المراد کی اولاد میں ہیں'' اس سے اس نے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دادی ام کلاب لی تھی۔ کیونکہ اس کا تعلق بنو کندہ سے تھا۔ آکل المراد سے مراد حارث بن عمر ہے۔ جب اس نے ایک درخت کھایا جسے

مراد کہا جاتا تھا۔ تو اس کا یہ نام پڑ گیا۔ جب اشعث نے یہ بات کی تو حضور ﷺ نے فرمایا "ہم آکل المراد کی نسل سے نہیں۔ ہم نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہیں۔ ہم اپنے نسب باپوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اپنی ماؤں کی طرف منسوب نہیں کرتے" اشعث بن قیس نے کہا "اے گروہ کندہ! اب میں نے جسے بھی یوں کہتے ہوئے سنا اسے میں اسی کوڑے ماروں گا"۔ یہ اشعث حضور ﷺ کے وصال کے بعد مرتد ہو گیا تھا۔ پھر خلافت صدیقی میں دوبارہ اسلام لے آیا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا اور قیدی بنا کر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے کہا "مجھے جنگوں کے لیے باقی رکھیں۔ اپنی بہن کا عقد نکاح مجھ سے کر دیں"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی بہن حضرت ام فروہ کا نکاح اس سے کر دیا۔ اشعث نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ وہ مدینہ طیبہ کے اونٹوں کے بازار میں داخل ہو گئے۔ اپنی تلوار بے نیام کی اور جو اونٹ نظر آتا اس کی کونچیں کاٹ دیتے۔ لوگ چیخ پڑے مگر انہوں نے رکنے سے انکار کر دیا۔ جب فارغ ہوئے تو اپنی تلوار پھینک دی اور کہا "بخدا! میں نے اس کام سے رکنے سے انکار صرف اس لیے کیا ہے کیونکہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا عقد نکاح مجھ سے کر دیا ہے۔ اگر ہم اپنے شہر میں ہوتے تو ولیمہ کی شان کچھ اور ہی ہوتی۔ پھر کہا "اے اہل مدینہ ان اونٹوں کو ذبح کر لو اور کھاؤ" انہوں نے ہر اونٹ کے مالک کو اس کی قیمت دے دی۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اشعث سے پوچھا "کیا تمہاری اولاد ہے؟" اس نے عرض کی "میرا ایک بچہ ہے جو اسی وقت پیدا ہوا جس وقت میں آپ کی خدمت میں آنے کے لیے تیاری کر رہا تھا۔ میری خواہش ہے کہ اس کی بجائے سات بچے ہوتے۔ کیونکہ یہ باعث بخل اور باعث بزدلی ہوتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا ٹکڑا ہوتا ہے" حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے جنگ یرموک، قادسیہ اور عراق کی جنگوں میں شرکت کی۔ کوفہ کو اپنا مسکن بنایا جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شرکت کی۔ اس کے چالیس روز بعد وصال کر گئے حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسری روایت میں انہوں نے 42ھ میں وصال کیا۔

وفد ازدشنوءۃ

حضور ﷺ کی خدمت میں ازد کا وفد حاضر ہوا۔ ان میں حضرت صرد بن عبداللہ ازدی بھی تھے۔ یہ اس وفد میں موجود لوگوں سے افضل تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں ان کی قوم کے اہل ایمان کا امیر مقرر کیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے اردگرد بسنے والے اہل شرک سے جہاد کریں۔ ان کے اردگرد یمن کے قبائل آباد تھے۔ وہ عازم سفر ہوئے اور جرش کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ یہیں یمنی قبائل کا بسیرا تھا۔ مسلمانوں نے قریباً ایک ماہ تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ پھر واپس لوٹ آئے۔ جب مسلمان "شکر" نامی پہاڑ کے پاس پہنچے تو اہل جرش نے گمان کیا کہ مسلمان ہزیمت اٹھا کر واپس چلے گئے ہیں۔ وہ ان کے تعاقب میں نکلے۔ جب یہ مسلمانوں کے قریب پہنچے تو مسلمانوں نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا اور ان کا قتل عام کیا۔ اہل جرش نے دو جاسوس مدینہ طیبہ بھیج رکھے تھے تاکہ وہ مسلمانوں کے متعلق خبریں لے کر آئیں۔ یہ دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں تھے کہ آپ نے ان سے پوچھا "شکر پہاڑ کس جگہ ہے؟" انہوں نے عرض کی "ہمارے علاقے میں ایک پہاڑ ہے جسے کشر کہا جاتا ہے" حضور

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "وہ کشر نہیں شکر ہے" ان دونوں نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے بارے کیوں استفسار فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس وقت وہاں اللہ تعالیٰ کے اونٹ ذبح ہو رہے ہیں" یعنی ان کی قوم کا قتل عام ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے استعارہ یا تشبیہ بلیغ کے اعتبار سے انہیں اونٹ فرمایا۔ معنی یہ ہے کہ تمہاری وہ قوم جو عقل کے اعتبار سے اونٹوں کی طرح ہے۔ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ آزما ہوئے انہیں اونٹوں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے" یہ دونوں آدمی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہما کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا "تمہارے لیے ہلاکت! حضور ﷺ تمہیں تمہاری قوم کے قتل عام کی خبر دے رہے ہیں" آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ اور اپنی قوم کی سلامتی کے لیے دعا کراؤ"۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں یہ عرض کی تو حضور اکرم ﷺ نے یہ دعا کی "مولا! ان سے یہ قتل عام اٹھالے" پھر وہ اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ انہیں علم ہوا کہ جس دن اور جس وقت حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا تھا اسی روز ان کی قوم کو زخم کاری لگا۔ پھر جرش کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ حضور تاجدار حرم ﷺ نے انہیں فرمایا "اس قوم کو خوش آمدید! جس کے چہرے تمام لوگوں سے زیادہ حسین ترین ہیں۔ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں"

حارث بن کلال اور ان کے ساتھیوں کا قاصد حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں

اس کی وجہ یہ ہے کہ حارث بن کلال اور قبیلہ ہمدان نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک خط بھیجا جس میں اپنے اسلام کا تذکرہ کیا۔ حضور ﷺ نے ان کی طرف یہ مکتوب گرامی لکھوایا۔

محمد رسول اللہ کی طرف سے حارث بن کلال، نعمان، معافر اور ہمدان کی طرف!

میں رب ذوالجلال کی ستائش کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

امابعد! تمہارا قاصد ہمارے پاس اس وقت پہنچا جب ہم سرزمین روم (غزوہ تبوک) سے واپس آئے اس نے مدینہ طیبہ میں ہمارے ساتھ ملاقات کی۔ اس نے تمہارا پیغام ہمیں پہنچایا۔ جو کچھ تم نے قبول کر لیا اس کے بارے بتایا۔ تمہارا مشرکین کو قتل عام کرنے کے متعلق بھی ہمیں بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت سے نوازا ہے۔ تم اپنی اصلاح کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی اطاعت بجالاؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، مال غنیمت میں سے خمس نکالو۔

محمد عربی ﷺ نے زرعہ ذی یزن کی طرف یا ابی زرعہ بن سیف ذی یزن کی طرف اپنے قاصد بھیجے ہیں۔ جب میرے قاصد تمہارا ہاں جلوہ افروز ہوں تو ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ ان میں حضرات معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مرارہ اور ان کے ساتھی موجود ہیں۔ جو تم صدقہ یا جزیہ جمع کرو۔ وہ میرے قاصدین تک پہنچا دو۔ ان کے امیر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ راضی ہو کر ہی تمہاری طرف سے واپس لوٹیں۔ نہ خیانت کرو۔ نہ کمزوری دکھاؤ۔ بلاشبہ حضور ﷺ تمہارے اغنیاء اور فقراء کے آقا ہیں۔ بلاشبہ صدقہ محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کے لیے حلال نہیں۔ یہ وہ صدقہ ہے جسے مسلمانوں کے فقراء اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔

فروہ بن عمرو الجذامی کا قاصد

حضرت فروہ رضی اللہ عنہ نے بھی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اپنا قاصد بھیجا اور حضور ﷺ کو بتایا کہ وہ بھی دامن اسلام سے وابستہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کے لیے ایک خچر ''فضہ'' ایک دراز گوش ''یعفور'' ایک گھوڑا ''الظرب'' پارچہ جات اور ایسی قباء بھیجی جو سونے سے مرصع تھی۔ حضور ﷺ نے ان کے یہ تحائف قبول فرمائے اور ان کے قاصد کو بارہ اوقیہ چاندی عطا کی۔ حضرت فروہ رضی اللہ عنہ شاہ روم کی طرف سے ان کے علاقوں کے گورنر تھے جو عرب کے ساتھ ملحق تھے۔ ان کا مسکن معان تھا۔ جب شاہ روم تک ان کے اسلام کی خبر پہنچی تو اس نے انہیں پکڑا اور پابند سلاسل کر دیا اس نے انہیں کہا ''محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین متین سے رجوع کر لو ہم تمہیں تمہارا منصب واپس کر دیں گے''۔ اس عاشق صادق نے برملا جواب دیا ''میں کبھی بھی حضور اکرم ﷺ کے دین متین سے جدا نہیں ہوں گا تو خوب جانتا ہے کہ آپ وہی ہستی پاک ہیں جن کا مژدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنایا تھا۔ مگر تم صرف اپنا تخت بچانے کی فکر میں ہو''۔

وفد حارث بن کعب

یہ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ سپہ سالار اعظم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ واپس آئے تو ان کے ہمراہ ان کا وفد بھی تھا۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''زمانہ جاہلیت میں تم اپنے دشمن پر کیسے غالب آتے تھے؟ وہ عرض پیرا ہوئے'' ہم باہم متفق ہو جاتے تھے۔ نا اتفاقی نہیں کرتے تھے۔ ہم پہلے کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''تم سچ کہتے ہو''۔ آپ نے حضرت زید بن حصین کو ان کا امیر مقرر کیا۔ یہ اپنی قوم میں چار ماہ بھی قیام پذیر نہ ہوئے تھے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا۔

وفد رفاعہ بن زید الخزاعی

یہ بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک غلام پیش کیا۔ حضور ﷺ نے انہیں ان کی قوم کے لیے ایک مکتوب گرامی عطا فرمایا۔ وہ خط مبارک یہ تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے رفاعہ بن زید کے لیے!

میں نے انہیں ان کی عام قوم کی طرف امیر بنا کر بھیجا ہے۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم ﷺ کی طرف دعوت دیں گے ان میں سے جو ایمان لے آیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ کے زمرہ مبارکہ میں شامل ہو جائے گا جس نے روگردانی کی تو اسے دو ماہ کی امان ہے''۔

جب حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس گئے تو انہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

وفد ہمدان

ہمدان کا وفد بھی حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان میں مالک بن نمط بھی تھے جو بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے اس وقت ملاقات کی جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تھے۔ انہوں نے یمنی چادریں اور عدنی عمامے پہن رکھے تھے۔ وہ مسیس لکڑی کے کجاؤں اور مہری اور ارجسی اونٹوں پر سوار تھے۔ حضرت مالک بن نمط حضور ﷺ کے سامنے یہ رجز پڑھنے لگے

اِلَيْكَ جَاوَزْنَ سَوَادَ الرِّيْفِ فِي هَبَوَاتِ الصَّيْفِ وَالْخَرِيْفِ

مُخَطَّمَاتٍ بِحِبَالِ اللِّيْفِ

ان اونٹنیوں کو پکڑلو جو موسم گرما اور موسم خزاں کے اڑتے ہوئے غبار میں سے گزر گئیں ہیں جن کی مہاریں چھال کی بنی ہوئی رسیوں کی ہیں۔

انہوں نے یہ اشعار بھی پڑھے۔

حَلَفْتُ بِرَبِّ الرَّاقِصَاتِ اِلٰى مِنٰى صَوَادِرَ بِالرُّكْبَانِ مِنْ هَضْبِ قَرْدَدِ

مجھے ان اونٹنیوں کے رب کی قسم جو منی کی طرف سے رقصاں جاتی ہیں۔ جو اپنے شہ سواروں کو بلند جگہوں سے واپس لاتیں ہیں۔

بِاَنَّ رَسُوْلَ اللهِ فِيْنَا مُصَدَّقٌ رَسُوْلٌ اَتٰى مِنْ عِنْدِ ذِي الْعَرْشِ مُهْتَدِ

کہ حضور ﷺ کی ہم میں تصدیق کی جائے گی۔ یہ حضور ﷺ صاحب عرش کی طرف سے تشریف لائے ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں۔

فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا اَشَدَّ عَلٰى اَعْدَائِهٖ مِنْ مُحَمَّدِ

کسی اونٹنی نے اپنے کجاوے میں کسی ایسے شخص کو سوار نہیں کیا جو محمد عربی ﷺ سے بڑھ کر اپنے دشمنوں پر شدید ہو۔

حضور ﷺ نے حضرت مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کا امیر مقرر کیا۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا پھر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس آجانے کا حکم دیا۔ نیز آپ نے حکم دیا جو مجاہدین حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں وہ چاہیں تو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ٹھہرے رہیں اور اگر چاہیں تو واپس آجائیں۔ جب آپ کو اس قبیلہ کے اسلام لانے کی خبر ملی تو آپ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر فرمایا "ہمدان پر سلامتی ہو"۔ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "بہترین قبیلہ ہمدان ہے۔ انہوں نے نصرت کرنے میں کتنی جلدی کی ہے۔ کوشش وسعی پر ان کا صبر کتنا عظیم ہے۔ ان میں اسلام کے ابدال اور اوتاد ہیں"۔

وفد تجیب

تجیب کندہ کا ایک قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے تیرہ افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ زکوٰۃ اور صدقات کے اموال بھی تھے۔ انہیں دیکھ کر حضور ﷺ بڑے مسرور ہوئے۔ اور ان کے ٹھہرانے کا انتظام بہت عمدہ کیا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ کے پاس اپنے اموال میں سے رب تعالیٰ کا حق لے کر حاضر خدمت ہوئے ہیں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ اموال واپس لے جاؤ اور انہیں اپنے فقراء پر خرچ کرو وہ عرض پرداز ہوئے'' یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ کی بارگاہ میں وہ اموال لے کر حاضر ہوئے ہیں جو ہمارے فقراء سے بچ گئے تھے''۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ پورے عرب میں سے اس طرح کا کوئی وفد ہمارے پاس نہیں آیا''۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''ہدایت رب تعالیٰ کے دست تصرف میں ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ دین کے لیے کھول دیتا ہے'' یہ اہل وفد آپ سے قرآن مجید اور سنن مطہرہ کے بارے عرض کرنے لگے حضور ﷺ ان میں زیادہ رغبت لینے لگے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے اہل خانہ کے پاس جائیں'' ان سے کہا گیا ''اتنی سرعت کیوں؟ انہوں نے عرض کی ''ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بقیہ لوگوں کے پاس جائیں۔ انہیں کہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہوں۔ آپ سے ملاقات اور ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر لیں۔ آپ کے فرمان عالی شان سماعت کر لیں'' پھر وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ کو الوداعی سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور سب وفود سے بڑھ کر عطیات سے نوازا۔ پھر پوچھا ''کوئی فرد ان عنایات خسروانہ سے رہ تو نہیں گیا'' انہوں نے عرض کی ''ایک نوجوان ہے جو ہمارے سامان کی حفاظت پر مامور ہے۔ وہ ہم سب سے کم عمر ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اسے ہماری خدمت میں بھیج دو'' وہ نوجوان بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ میرا تعلق اس وفد کے ساتھ ہے جو ابھی ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ آپ نے ان کی ضروریات پوری کر دیں ہیں میری مراد بھی برلائیں'' حضور ﷺ نے پوچھا ''تمہاری احتیاج کیا ہے؟ وہ عرض پیرا ہوا ''یارسول اللہ! میری حاجت میرے ہمراہیوں کی حاجات سے جداگانہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اسلام میں رغبت رکھتے ہیں۔ آپ رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ میرے گناہ معاف کر دے۔ مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنا عطا کر دے'' حضور ﷺ یوں دعا گو ہوئے ''مولا! اسے معاف کر دے، اس پر رحم کر۔ اس کے دل کو غنا کی دولت عطا فرما'' حضور ﷺ نے فرمایا تھا ''جس کے ساتھ رب تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کے نفس میں اور اس کے دل میں تقویٰ ڈال دیتا ہے۔ جب وہ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سامنے افلاس رکھ دیتا ہے'' پھر آپ نے اسے بھی اسی طرح عطیہ سے نوازنے کا حکم دیا جس طرح اس وفد کے دیگر افراد کو عنایات بخشی گئیں تھیں۔ پھر اس نوجوان کے علاوہ دیگر افراد نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ حج کے ایام میں منیٰ میں ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا۔ حضور ﷺ نے ان سے اس نوجوان کے متعلق استفسار فرمایا۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! ﷺ ہم نے اس کی مثل آج تک کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔ اتنا قناعت پسند شخص کبھی نہیں

دیکھا۔ وہ اسی رزق پر قانع ہے جو رب تعالیٰ نے اسے عطا فرما رکھا ہے۔ اگر لوگ دنیا تقسیم کر لیں پھر بھی وہ اس کی طرف نہ دیکھے گا نہ توجہ کرے گا" حضور داعی اعظم ﷺ نے فرمایا "الحمد للہ! اسے مکمل موت آئے گی" اس وفد میں سے ایک شخص نے عرض کی "کیا آدمی پر مکمل موت طاری نہیں ہوتی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "انسان کی تمنائیں اور خواہشات دنیا کی متفرق وادیوں میں بکھری ہوتی ہیں۔ موت اسی کو ان وادیوں میں کسی ایک وادی میں آ جاتی ہے۔ رب تعالیٰ کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اسے کس وادی میں ہلاک کرتا ہے" وہ عرض گزار ہوئے "وہ شخص ہمارے مابین بہترین حالت پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے اور رب تعالیٰ کے عطا کردہ رزق پر قانع ہے" جب حضور ﷺ کے وصال کے بعد بہت سے اہل یمن اسلام سے منحرف ہو گئے تو یہ جوان اپنی قوم میں کھڑا ہو گیا۔ انہیں رب تعالیٰ اور دین حق کی یاد دلائی۔ مگر ان میں سے ایک بھی واپس نہ لوٹا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس جوان کا تذکرہ فرماتے۔ اس کے متعلق پوچھتے۔ حتیٰ کہ ان تک اس کی حالت اور قیام گاہ کی خبر پہنچ گئی۔ انہوں نے حضرت زیاد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ وہ اس جوان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ کیونکہ حضرت زیاد حضر موت کے والی تھے۔

وفد بنی ثعلبہ

جب حضور ﷺ جعرانہ سے واپس تشریف لائے تو بنو ثعلبہ کے چار افراد اسلام کا طوق آویزاں کیے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ ابھی ابھی غسل فرما کر اپنے کاشانہ اقدس سے باہر نکلے تھے۔ گیسوئے معنبر سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ اس وفد کے ایک شخص نے بیان کیا "جب آپ نے ہمیں ملاحظہ کیا۔ تو ہم جلدی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اقامت کہہ رہے تھے۔ ہم نے آپ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کیا اور عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہم اپنی قوم کے قاصد ہیں۔ ہم صدق دل و جان سے اسلام لے آئے ہیں۔ ہمیں کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے ہجرت نہ کی اس کا کوئی اسلام نہیں ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "جہاں کہیں بھی رہو، رب تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا"۔ پھر آپ نے ہمیں نماز ظہر پڑھائی۔ پھر اپنے کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ چند لمحات ہی گزرے تھے کہ ہمارے پاس جلوہ افروز ہوئے۔ ہمیں یاد فرمایا۔ فرمایا "تمہارے شہروں کی کیا حالت ہے؟ ہم نے عرض کی "وہ سرسبز و شاداب ہیں" آپ نے فرمایا "الحمد للہ! ہم نے کچھ ایام وہیں بسر کیے۔ آپ کی ضیافت سے لطف اٹھاتے رہے۔ جب آپ ﷺ کو الوداعی سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے عاشق صادق حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا "انہیں کچھ عطا کرو" انہوں نے اس وفد کے ہر ہر رکن کو پانچ اوقیہ چاندی عطا کی۔ ایک اوقیہ میں چالیس درہم ہوتے ہیں۔

وفد بنی سعد ہذیم بن قضاعہ

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اپنی قوم کا وفد لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ حضور ﷺ نے غلبہ وقہر سے سارے شہروں کو پائے مبارک سے روندھ ڈالا تھا۔ ان پر غلبہ پالیا تھا۔ لوگوں کی دو اقسام تھیں۔ ❶ وہ جو اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے اس میں داخل ہوئے تھے۔ ❷ جو تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوئے تھے۔ ہم مدینہ طیبہ کے ایک کونے میں خیمہ زن ہوئے۔ پھر مسجد نبوی کے دروازہ کے پاس آگئے۔ ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ مسجد میں نماز جنازہ ادا فرما رہے تھے۔ وہ حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کا جنازہ تھا۔ ہم آپ کے پیچھے کھڑے رہے۔ لوگوں کے ساتھ نماز جنازہ نہ پڑھی۔ ہم نے کہا کہ حضور ﷺ نماز جنازہ ادا فرمالیں تو ہم آپ کی بیعت کرلیں گے۔ حضور ﷺ نے اپنا روئے تاباں ہماری طرف کیا۔ ہمیں دیکھا تو ہمیں یاد فرمایا۔ ارشاد فرمایا "تمہارا تعلق کن لوگوں کے ساتھ ہے؟" ہم نے عرض کی "ہمارا تعلق بنو سعد ہذیم کے ساتھ ہے" آپ نے ارشاد فرمایا "کیا تم مسلمان ہو؟" ہم نے عرض کی "ہاں!" آپ نے فرمایا "تم نے اپنے بھائی کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہمارا گمان تھا کہ نماز جنازہ پڑھنا ہمارے لیے اس وقت تک جائز نہیں جب تک ہم آپ کی بیعت نہ کرلیں"۔ حضور نبی رحمت نے فرمایا "تم جہاں بھی دولت اسلام سمیٹ لو تم مسلمان ہو"۔ ہم نے اسلام قبول کرلیا۔ اسلام پر حضور ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ پھر اپنے خیموں میں واپس آگئے۔ ہم خود سے کم سن لڑکے کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے ہمارے پیچھے ایک شخص کو بھیجا۔ کمسن لڑکا بھی اب ہمارے ہمراہ تھا وہ آگے بڑھا اور بیعت سے مشرف ہوگیا۔ ہم عرض پیرا ہوئے "یہ ہم سے چھوٹا ہے اور ہماری خدمت گزاری کرتا ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "قوم میں سے چھوٹا اس کا خادم ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت اس میں برکت ڈالے"۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! وہ لڑکا ہم سب سے بہتر تھا۔ حضور ﷺ کی پاکیزہ دعا کے طفیل وہ ہم سب سے زیادہ قاری قرآن تھا۔ حضور ﷺ نے اسے ہمارا امیر مقرر فرمایا۔ وہ ہمیں امامت کراتا تھا۔ جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضور نبی رحمت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ہم میں سے ہر شخص کو ایک ایک اوقیہ چاندی عطا کریں ہم اپنی قوم کے پاس آگئے" اللہ تعالیٰ نے انہیں نعمت اسلام سے سرفراز فرمادیا۔

وفد بنی فزارہ

بنو فزارہ میں سے دس سے زائد افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ان میں عیینہ بن حصن کے بھائی حضرت خارجہ بن حصن اور ان کے بھتیجے حضرت حر بن قیس بن حصن بھی تھے۔ یہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے۔ یہ سب اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے شہر لگاتار قحط سالی کا شکار تھے۔ ان کے جانور بھی سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے ان کے شہروں کے متعلق پوچھا تو حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے شہر قحط سالی کا شکار ہیں۔ ہمارے مویشی ہلاک ہوگئے ہیں۔ ہمارا علاقہ بنجر ہوگیا ہے۔ اہل وعیال بھوک سے جان بلب ہیں۔ اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کریں کہ وہ ابر کرم نازل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے لیے سفارش کریں"، حضور ﷺ منبر پر تشریف لے گئے۔ دست حق نما بلند فرمائے حتیٰ کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ آپ نے دعا کی۔ اس دعا کے بعض پاکیزہ کلمات یہ تھے۔

اَللّٰھُمَّ اسْقِ بَلَدَكَ غَيْثًا مُغِيْثًا مُرْتِعًا طَبَقًا وَاسِعًا عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ اَللّٰھُمَّ سَقْيًا رَحْمَةٍ لَا سَقْيًا عَذَابٍ وَلَا غَرَقٍ وَمَحْقٍ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَنَصْرًا نَا عَلَى الْاَعْدَاءِ۔

مولا! اپنے شہر کو ایسی بارش سے سیراب فرما جو فریادرسی کرنے والی ہو۔ سرسبز وشاداب کرنے والی ہو۔ وسیع خطے پر محیط ہو جلدی ہو تاخیر سے نہ ہو۔ نفع دینے والی ہو ضرر دینے والی نہ ہو۔ مولا! یہ تیری رحمت کا باعث ہو۔ عذاب کا باعث نہ ہو۔ اس سے مکان نہ گریں، مویشی نہ ڈوبیں۔ کوئی چیز نہ جلے۔ مولا! ہمیں بارش سے سیراب فرما۔ اور دشمنوں پر ہماری نصرت فرما۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری کھجوریں ہمارے مربد میں ہیں"۔ انہوں نے تین بار یہی گذارش کی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کی "مولا! ہم پر ابر رحمت فرما" حتیٰ کہ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ عریاں پاؤں اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ مربد کا سوراخ اپنے ازار کے ساتھ بند کر دیں۔ انہوں نے فرمایا "بخدا! آسمان پر بادل کا نام ونشان نہ تھا۔ مسجد نبوی اور کوہ سلع کے مابین کوئی گھر یا عمارت بھی نہ تھی۔ کوہ سلع کے پیچھے سے ڈھال کی مانند بادل ابھرا۔ وہ آسمان کے وسط میں پہنچ کر پھیل گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ پرکیف منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ حضرت ابولبابہ عریاں پاؤں بھاگ کر نکل گئے تاکہ مربد کا سوراخ بند کر سکیں اس سے کھجوریں باہر نہ نکل سکیں۔ بخدا! سات روز تک آفتاب جہانتاب نظر نہ آیا۔ پھر وہ شخص کھڑا ہو گیا جس نے ابر کرم کے لیے التجا کی تھی۔ وہ عرض گزار ہوا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اموال برباد ہو گئے۔ راستے منقطع ہو گئے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پاک پر جلوہ افروز ہوئے۔ دعا فرمائی۔ دست ہدایت بخش بلند فرمائے حتیٰ کہ مبارک بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ عرض کی "پروردگار! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما نہ کہ ہمارے اوپر۔ چھوٹے بڑے ٹیلوں پر، وادیوں کے دامنوں میں اور درخت اگنے کی جگہوں پر بارش نازل فرما"۔ بادل درمیان سے اس طرح پھٹ گیا جس طرح کپڑا پھٹتا ہے"۔

"السیرۃ الحلبیہ" میں ہے "یہ ابر کرم مدینہ طیبہ اور اس شہر خوباں کے اردگرد کے لیے عام تھا۔ یہ اس وفد کے گھروں تک تھا۔ ابر کرم کے لیے دعا کی روایت بہت سی اور تکرار کے ساتھ ہیں۔ یہ روایت اس روایت کے علاوہ ہے جس میں ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اس وقت ابر رحمت کے لیے التجاء کی تھی جب آپ منبر پر رونق افروز تھے۔ صاحب الہمزیہ نے اس ایمان افروز معجزہ کی طرف یوں تحریر فرمایا ہے۔

وَدَعَا لِلْاَنَامِ اِذْ دَهَمَتْهُمْ سَنَةٌ مِنْ مُحُوْلِهَا شَهْبَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے لیے اس وقت ابر کرم کی دعا مانگی جب انہیں سخت قحط سالی نے آلیا تھا۔

فَاسْتَهَلَّتْ بِالْغَيْثِ سَبْعَةَ اَيَّامٍ عَلَيْهِمْ سَحَابَةٌ وَطْفَاءُ

ان پر مسلسل سات ایام تک ہر جانب سے کثیر ابر کرم برستا رہا۔

تَتَحَرّٰى مَوَاضِعَ الزَّرْعِ السَّقْيِ وَحَيْثُ الْعِطَاشُ تُوْهِي السِّقَاءُ

بادل نے سیراب کرنے کے لیے ایسی چراگاہیں اور زمینیں تلاش کرلیں جہاں پیاس نے مشکیزہ کو بھی جلا دیا تھا۔

وَاَتَی النَّاسُ یَشْتَکُوْنَ اَذَاھَا وَرَخَاءُ یُؤْذِیْ الْاَنَامَ غَلَاءُ

لوگ قحط سالی کی شکایت لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ اور زندگی کی فراخی کا بیش قیمت ہونا لوگوں کو اذیت دیتا ہے۔

فَدَعَا فَانْجَلَی الْغَمَامُ فَقُلْ فِی وَصْفِ غَیْثٍ اِقْلَاعُہٗ اسْتِسْقَاءُ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی تو بادل آ گیا اور تو بادل کے وصف میں کہہ دے کہ اس کا رکنا ہی ابر رحمت طلب کرنا ہے۔

ثُمَّ اَثْرَی الثَّرَی فَقَرَّتْ عُیُوْنٌ بِقُرَاھَا وَاُحْیِیَتْ اَحْیَاءُ

پھر مٹی بھی سیراب ہوگئی۔ آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوئی اور قبائل کو حیات نو نصیب ہوگئی۔

فَتَرَی الْاَرْضَ غِبَّہٗ کَسَمَاءٍ اَشْرَقَتْ مِنْ نُجُوْمِھَا الظَّلْمَاءُ

تو زمین کو دیکھے گا کہ اس کا پست حصہ بھی بلند و بالا آسمان کی طرح نظر آئے گا۔ جس کے ستاروں سے تاریکیاں کافور ہو گئیں۔

تُخْجِلُ الدُّرَّ وَالْیَوَاقِیْتَ مِنْ نُوْرِ رُبَاھَا الْبَیْضَاءُ وَالْحَمْرَاءُ

اس کے بلند و بالا سفید اور سرخ حصوں نے موتیوں اور یاقوتوں کو بھی ندامت سے بھر دیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور تاجدار عرب وعجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں لوگوں کو سخت قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر رونق افروز تھے۔ ایک اعرابی اٹھ کھڑا ہوا"۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال ہلاک ہو گیا۔ اہل و عیال بھوکے ہوگئے۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں ابر کرم سے نواز دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس بلند فرما دیئے۔ آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا۔ پہاڑوں کی طرح بادل گھومنے لگا۔ ابھی آپ اپنے منبر مبارک سے نیچے بھی نہیں اترے تھے کہ ہم نے آپ کی ریش مبارک کے بارش سے قطرات گرتے ہوئے دیکھے۔ پھر اگلے جمعۃ المبارک تک لگا تار ابر رحمت نازل ہوتا رہا۔ اگلے جمعۃ المبارک وہی اعرابی یا اس کے علاوہ کوئی اور کھڑا ہو گیا۔ وہ عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر گر گئے۔ مال غرق ہو گیا۔ ہمارے لیے رب تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست اقدس بلند فرمائے۔ یوں عرض کی "ہمارے اردگرد بارش برسا۔ ہم پر نہ برسا"۔ جونہی آپ نے اپنے دست حق نما سے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو فوراً بادل پھٹ گیا اور مدینہ طیبہ کی فضا بالکل صاف ہوگئی۔ حتیٰ کہ ایک ماہ تک وادیاں پانی سے بہتی رہیں۔ مدینہ طیبہ کے اطراف سے جو بھی آتا وہ کثیر بارش کا تذکرہ کرتا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے یہ دن صحابہ کرام کے لیے متعین فرما رکھا تھا کہ وہ اس روز باہر نکلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر پاک رکھ دیا گیا۔ آپ نے ابر کرم کے لیے دعا فرمائی جو در اجابت پر

فوراً قبول ہوئی۔ ابر رحمت برسنے لگا۔ ایک دفعہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارا کوئی اونٹ بلبلانے والا نہیں رہا۔ کوئی بچہ آواز نکالنے والا نہیں۔ سخت قحط سالی نے آلیا ہے"۔ پھر اس نے چند اشعار عرض کیے جن میں سے ایک شعر یہ بھی تھا۔

لَیْسَ لَنَا اِلَّا اِلَیْکَ فِرَارُنَا وَاَیْنَ فِرَارُ النَّاسِ اِلَّا اِلَی الرُّسُلِ

حضور! ہم نے بھاگ کر آپ کے دامن کرم میں ہی پناہ لی ہے۔ لوگوں کا فرار تو صرف رسل عظام کی طرف ہی ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے۔ ردائے پاک نیچے گھسٹ رہی تھی۔ آپ منبر مبارک پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابر کرم کی دعا مانگی تو رحمت کا مینہ برسنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔ ان کا وہ شعر مجھے کون سنائے گا؟ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اٹھے۔ عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! شاید آپ یہ شعر مراد لے رہے ہیں۔

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِہٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ

وہ سفید رنگ والے ہیں۔ جن کے چہرے کے طفیل بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں"

دوسری روایت میں ہے کہ جب یہ وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! بارش رک گئی، درخت خشک ہو گئے۔ جانور ہلاک ہو گئے۔ لوگ قحط سالی کا شکار ہو گئے۔ ہمارے لیے رب تعالیٰ سے ابر کرم کی دعا مانگیں" آپ باہر تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ سب وقار اور سکون کے ساتھ چل رہے تھے۔ آپ عیدگاہ تشریف لے آئے۔ آپ مصلی امامت پر تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کو دو رکعتیں نماز پڑھائی۔ ان میں بلند آواز سے قراءت فرمائی۔ آپ نماز عیدین اور نماز استسقاء میں پہلی رکعت سورۃ فاتحہ کے بعد سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی ۝ اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد ہَلْ اَتٰىکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَۃِ ۝ پڑھتے تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرۂ انور صحابہ کرام کی طرف کیا۔ اپنی چادر مبارک کو الٹ کر دیا۔ تا کہ قحط سالی خوش حالی میں تبدیل ہو جائے۔ پھر آپ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے دست اقدس بلند فرمائے۔ پھر یہ دعا مانگی۔

اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا واسعا طبقا مغدقا عاما ھنیئا مریئا مریعا مربعا وابلا شاملا مجللا دارا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اجل، اللّٰھم غیثا تحی بہ انبلاد وتغیث بہ العباد وتجعلہ بلاغا للحاضر منا والباد اللّٰھم انزل فی ارضنا زینتھا و انزل علینا سکینتھا، اللّٰھم انزل علینا من السماء ماء طھورا تحی بہ بلدۃ المیت وتسقیہ مما خلقت انعاما واناسی کثیرا

"مولا! ہم پر ایسی بارش برسا جو فریاد رسی کرنے والی ہو۔ جو وسیع ہو۔ جو عام ہو۔ جو خوشگوار ہو۔ کثیر ہو۔ وہ مشقت کے بغیر حاصل ہونے والی ہو۔ وہ موسم بہار کی بارش ہو۔ وہ راحت افزا ہو۔ وہ موسلا دھار اور لگاتار ہو۔

عام ہو وہ نفع رساں ہو۔ نقصان دینے والی نہ ہو۔ جلد آنے والی ہو دیر سے آنے والی نہ ہو۔ پروردگار! ہم پر ایسی بارش نازل کردے جس سے تو شہروں کو حیات نو عطا کرے۔ جس کے ساتھ تو اپنے بندوں کی مدد کرے۔ اسے ہمارے شہری اور دیہاتی کے لیے پیغام بنادے۔ مولا! ہماری زمین پر اس کی زینت اتار دے۔ ہم پر اس کی سکینت اتار دے۔ مولا! ہم پر پاکیزہ پانی نازل فرما۔ جس کیساتھ تو اپنے مردہ شہر کو نئی زندگی نصیب فرما۔ اس سے اپنے تخلیق کردہ جانوروں اور بہت سے لوگوں کو سیراب فرما"۔

صحابہ کرام وہیں موجود رہے۔ حتیٰ کہ آسمان سے بادل کے ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ پھر سات شب و روز تک لگاتار بارش برستی رہی مدینہ طیبہ نے بارش نہ رکی۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ اپنے منبر پر جلوہ افروز تھے۔ انہوں نے عرض کی "زمین ڈوب گئی۔ گھر برباد ہو گئے۔ راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ رب العزت سے دعا مانگیں کہ وہ یہ بادل ہم سے پھیر لے۔ ابن آدم کے جلد تنگ دل ہو جانے کی وجہ سے حضور ﷺ مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے مبارک دندان نظر آنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست اقدس بلند فرمادیے۔ یہ دعا مانگی "مولا! ہمارے اردگرد بارش نازل فرما۔ ہم پر نازل نہ کر۔ مولا! چھوٹے بڑے ٹیلوں پر، درخت اگنے کی جگہوں پر اور وادیوں کے دامنوں میں بارش نازل کر" پھر بادل مدینہ طیبہ سے چھٹ گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "خدا کی شان والا! اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی۔ ان کا وہ شعر ہمیں کون سنائے گا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! شاید آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ

آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" یہ تمام روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں آپ ﷺ سے کئی بار باران رحمت کے لیے دعا کی التجا کی گئی۔ ہر مرتبہ انہیں ابر رحمت سے نوازا گیا یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔

پھر آپ ﷺ نے بنو فزارہ کو اسی طرح اجازت دے دی جس طرح آپ نے دیگر وفود کو اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔

وفد بنی اسد

بنو اسد کے بعض افراد آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان میں حضرت حضرمی بن عامر تھے۔ یہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد نبوی میں جلوہ افروز تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ آپ اس کے بندے اور رسول مکرم ہیں"۔ پھر بقیہ افراد بھی مشرف باسلام ہو گئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے ہماری طرف کوئی پیغام بھی نہیں بھیجا جو لوگ ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ہم ان کے ذمہ دار ہیں"۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت حضرمی بن عامر نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہم تاریک رات کے پردہ میں قحط کے سال میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے ہماری طرف اپنا نمائندہ بھی نہیں بھیجا"۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ہم نے آپ کے ساتھ جنگ نہیں کی جس طرح اہل عرب نے آپ کے ساتھ جنگ کی ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کرم ﷺ پر یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ (الحجرات)

"وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے۔ فرمایئے مجھ پر احسان نہ جتلاؤ اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی اگر تم (اپنے ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہو"۔ (جمال القرآن)

اس وفد نے آپ ﷺ سے زمانہ جاہلیت کے امور عیافہ (پرندوں سے فال پکڑنے) کہانت اور کاہنوں کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے انہیں منع فرما دیا۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ایک خصلت باقی رہ گئی ہے۔ آپ نے استفسار فرمایا "کون سی؟ انہوں نے عرض کی "خط یعنی خط رمل اور اس کی پہچان۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اسے ایک نبی ﷺ جانتے تھے جو ان جیسا علم رکھتا ہو وہ اسے جان لے"۔ امام مسلم کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا "جن کا خط ان کے ساتھ موافق آ گیا تو یہ اس کے لیے مباح ہے مگر یہ اباحت موافقت کے عیاں ہو جانے کے ساتھ مشروط ہے" شرح صحیح مسلم میں ہے۔ علماء کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے خط کے ممنوع ہونے پر بھی اتفاق ہے کیونکہ کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس کے ذریعہ ہمیں موافقت کا یقینی علم ہو سکے۔ گویا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم وہ موافقت جان لو تو۔۔۔۔۔ لیکن اس موافقت کا تمہیں علم نہیں۔

یہ وفد کافی عرصہ مدینہ طیبہ میں ٹھہرا رہا وہ علم سیکھتا رہا۔ پھر یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو الوداعی سلام پیش کیا آپ نے انہیں چاندی عطا کرنے کا حکم دیا۔ پھر یہ وفد اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹ آیا۔

وفد بنی عذرہ

بنو عذرہ یمن کا قبیلہ تھا۔ بارہ افراد کا وفد بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت کا سلام عِمَّ صَبَاحًا عرض کیا۔ حضور نبی مکرم ﷺ نے پوچھا "تمہارا تعلق کس قوم کے ساتھ ہے؟ ان میں سے ایک شخص نے عرض کی "ہم وہ ہیں جنہوں نے قصی کی مدد کی تھی۔ خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ مکرمہ کی وادی سے نکال دیا تھا۔ ہمارے کئی قرابتیں اور رشتہ داریاں ہیں" حضور ﷺ نے انہیں فرمایا "تمہیں خوش آمدید! انس ومحبت محسوس کرو، وحشت محسوس نہ کرو" پھر فرمایا "تمہیں اسلام کے سلام سے کس چیز نے روکا؟ وہ عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ! ﷺ ہم اپنے آباء کے دین پر تھے۔ ہم اپنے رشتہ داروں اور قوم کے دین سے منہ موڑ کر آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ آپ کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ حضور داعی اعظم ﷺ نے فرمایا "میں رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز یہ گواہی دو کہ میں سارے لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کی "اس کے بعد کیا ہے؟" حضور ﷺ نے فرمایا "نمازیں! جنہیں پاک وصاف ہو کر ان کے

وقت پر ادا کیا جائے یہ افضل عمل ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے بقیہ فرائض روزہ، زکوٰۃ اور حج کا تذکرہ فرمایا۔ انہوں نے اسلام لانے کی سعادت ابدی حاصل کرلی۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے انہیں شام کی فتح کی بشارت دی۔ ہرقل کے بھاگ جانے کا مژدہ سنایا۔ انہیں کاہنوں سے سوال کرنے سے منع کیا کیونکہ انہوں نے عرض کی تھی "یارسول اللہ! ﷺ ہم میں ایک کاہنہ عورت موجود ہے۔ قریش اور دیگر عرب ان کے پاس فیصلے کرانے کے لیے جاتے ہیں۔ کیا ہم اس سے امور کے متعلق پوچھ لیا کریں؟" حضور ﷺ نے فرمایا "اس سے کسی چیز کے متعلق نہ پوچھو" حضور ﷺ نے انہیں بتوں کے ناموں پر جانوروں ذبح کرنے سے منع کردیا" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہم آپ کے انصار اور مددگار ہیں" حضور ﷺ نے انہیں انعامات سے نوازا۔ ان میں سے ہر ایک کو چادر عطا کی۔ وہ واپس لوٹ آئے۔

وفد بلی

بلی بنو قضاعہ کے ایک قبیلہ کا نام تھا۔ یہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہیں ان کے شیخ ابوالضبیب نے جمع کیا۔ یہ حضرت رویفع بن ثابت البلوی رضی اللہ عنہ کے ہاں بطور مہمان ٹھہرے۔ وہ انہیں لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گئے۔ عرض کناں ہوئے "یارسول اللہ! یہ میری قوم ہے" حضور نبی رحمت ﷺ نے انہیں فرمایا "تمہیں اور تمہاری قوم کو خوش آمدید!" اس وفد نے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا "تمام تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے تمہیں شرف اسلام سے مشرف فرمایا۔ تم میں سے جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مرے گا وہ آگ کا ایندھن بنے گا"۔

دوسری روایت میں حضرت رویفع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میرے ہاں میری قوم کا وفد آیا۔ میں نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا۔ پھر انہیں لے کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ آپ اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ ہم نے آپ کو سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "رویفع!" میں نے عرض کی "لبیک!" آپ نے فرمایا "یہ کون لوگ ہیں؟" میں نے عرض کی "یہ میری قوم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہیں اور تمہاری قوم کو خوش آمدید!" میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ یہ اسلام کا اقرار کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ اپنی قوم کے ذمہ دار ہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ رب العزت جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کی راہ نمائی اسلام کی طرف کرتا ہے" شیخ وفد حضرت ابوضبیب آگے بڑھے۔ وہ حضور ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ انہوں نے عرض کی "ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ تاکہ آپ ﷺ کی تصدیق کریں۔ ہم گواہی دیں کہ آپ ﷺ رب تعالیٰ کے نبی برحق ہیں۔ ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیں جن کی پوجا ہمارے آباء کرتے تھے"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے تمہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔ جو بھی اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مرے گا اس کا ٹھکانہ آتش جہنم ہو گا"۔ حضرت ابوضبیب نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ مجھے ضیافت کا بہت شوق ہے۔ کیا مجھے اس کا اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! کسی بھی غنی یا فقیر کے ساتھ تم جو بھلائی کرو گے وہ صدقہ ہے" انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ!

ضیافت کی مدت کتنی ہے؟ آپ نے فرمایا "تین دن" انہوں نے عرض کی "اس کے بعد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ صدقہ ہے۔ مہمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اس کے بعد بھی تمہارے ہاں ٹھہرا رہے اور تمہارے لیے تنگی پیدا کرے" دوسری روایت میں ہے "تمہیں گناہ پر مجبور کرے کہ تم اس کے متعلق بری بات کرو" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! نہیں۔ اس بکری کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو مجھے جنگل میں ملے؟ آپ نے فرمایا "وہ تمہارے لیے یا تمہارے بھائی کے لیے یا بھیڑیے کے لیے ہے" انہوں نے عرض کی "اونٹ کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "تمہیں اس کے ساتھ کیا سروکار! اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ اس کا مالک اسے پالے"۔

حضرت رویفع رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر وہ اہل وفد اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے گھر آ گئے۔ حضور ﷺ بھی میرے گھر میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے ہمراہ کھجوریں تھیں۔ آپ نے فرمایا "مہمانوں کی ضیافت میں انہیں استعمال کرو"۔ وہ ان میں سے اور دیگر کھجوروں میں سے کھاتے رہے۔ وہ تین دن تک میرے ہاں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر انہوں نے حضور ﷺ کو الوداعی سلام عرض کیا۔ آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ آئے"۔

وفد بنی مرۃ

بنو مرہ کے تیرہ افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ان کے سردار حارث بن عوف تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ کا خاندان اور آپ کی قوم ہیں۔ ہمارا تعلق بنو لوئی بن غالب سے ہے" یہ سن کر حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اہل وعیال کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟" انہوں نے عرض کی "اسلحہ اور ان کے مابین جو اس کے ساتھ محبت کرے" حضور ﷺ نے فرمایا "شہروں کی حالت کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی "بخدا! ہم قحط سالی کا شکار ہیں۔ آپ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں"۔ حضور ﷺ نے یہ دعا فرمائی "مولا! ان پر ابر کرم نازل فرما" وہ کچھ دیر مدینہ طیبہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ پھر اپنے شہر کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ وہ حضور ﷺ کو الوداعی سلام عرض کرنے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر شخص کو دس دس اوقیہ چاندی عنایت کریں اور حضرت حارث بن عوف رضی اللہ عنہ کو بارہ اوقیہ چاندی دیں"۔ وہ اپنے شہر واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں بارش برسی تھی۔ اپنی قوم سے اس بارش کے متعلق سوال کیا کہ تم پر کب بارش کرم نازل ہوئی؟ وہ وہی دن تھا جب حضور رحمت عالم ﷺ نے ان کے لیے ابر کرم کی دعا مانگی تھی۔ اس کے بعد وہ شہر سرسبز و شاداب ہو گئے۔

وفد خولان

یہ یمن کا وفد تھا۔ خولان کے دس افراد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہم اپنی بقیہ قوم کے ذمہ دار ہیں۔ ہم اللہ رب العزت پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ! ﷺ آپ کے پاس آنے کے اشتیاق میں ہم نے اپنی سواریوں کو کمزور کر دیا ہے۔ ہم

نے زمین کے نشیب و فراز کو روندھ ڈالا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ ہم آپ کی زیارت کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں"۔ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو تم نے میری طرف آنے کا ذکر کیا ہے تو تمہارے ہر اونٹ کے ہر قدم کے عوض تمہیں نیکی ملے گی۔ جو تم میری زیارت کی نیت سے آئے ہو تو جس نے مدینہ طیبہ میں میری زیارت کی وہ روز حشر میرے پڑوس میں ہوگا"۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بت خولان کے متعلق پوچھا۔ جس کا نام عم انس تھا خولان اس کی پوجا کرتے تھے۔ انہوں نے عرض کی "اس کے عوض رب تعالیٰ نے ہمیں وہ دین متین عطا کیا ہے جسے لے کر آپ رونق افروز ہوئے ہیں۔ ہمارے صرف چند بوڑھے اور بوڑھیاں اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ ہم واپس جا کر اسے نیچے گرا دیں گے۔ اس نے ہمیں بہت زیادہ دھوکہ اور فریب میں مبتلا رکھا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے اس کا سب سے بڑا فتنہ کیا دیکھا ہے؟" انہوں نے عرض کی "ایک دفعہ ہمیں سخت قحط سالی نے آلیا حتیٰ کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کے لیے کچھ روپیہ پیسہ جمع کیا اس سے ایک سو بیل خریدے۔ پھر ایک ہی وقت سارے اس بت کے لیے قربان کر دیے۔ ہم نے ان کا گوشت درندوں کے لیے چھوڑ دیا حالانکہ ہم درندوں سے زیادہ اس کے محتاج تھے۔ اسی وقت ہم پر بارش برسنے لگی۔ ہم نے سرسبز و شاداب گھاس دیکھی جو لوگوں کو چھپا رہی تھی۔ ہم میں سے کہنے والے نے کہا "عم انس نے ہم پر انعام کیا" انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے اموال، جانوروں اور کھیتوں میں سے جو کچھ اس بت کے لیے وقف کرتے تھے اس کا بھی تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا "ہم کھیتی کاشت کرتے۔ اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیتے۔ ایک حصہ بت کے لیے دوسرا حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے رکھ دیتے۔ اگر بت کے حصہ میں سے ہوا کچھ کھیتی برباد کر دیتی تو اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے لے کر اسے پورا کر دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں کمی ہو جاتی تو بت کے حصہ میں سے لے کر اس کمی کو پورا نہ کیا جاتا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ نے اسی قبیح حرکت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت طیبہ نازل کی ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ (الانعام)

"اور انہوں نے بنا رکھا ہے اللہ کے لیے اس سے جو وہ پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصے اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کیلئے تو وہ (حصہ) جو ہو ان کے شریکوں کے لیے تو وہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور جو (حصہ) ہو اللہ تعالیٰ کیلئے تو وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں"۔ (جمال القرآن)

انہوں نے عرض کی "جب ہم فیصلہ کرانے کے لیے اس بت کے پاس جاتے تو وہ ہمارے ساتھ باتیں بھی کرتا تھا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ شیاطین تھے جو تمہارے ساتھ باتیں کرتے تھے"۔

اس وفد نے آپ سے دین کے فرائض کے متعلق پوچھا آپ نے انہیں ان سے آگاہ فرمایا۔آپ نے انہیں وفائے عہد، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور کسی پر ظلم نہ کرنے کا حکم دیا۔روز حشر ظلم تہ در تہ تاریکیوں میں ظاہر ہوگا۔چند ایام کے بعد انہوں نے آپ کو الوداعی سلام کیا۔آپ نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی۔ہر فرد کو ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی عطا فرمائی۔یہ حضرات اپنی قوم کے پاس گئے انہوں نے اپنا سامان سفر نہ کھولا حتیٰ کہ بت ''عم انس'' کو پیوند خاک کر دیا۔

وفد بنی محارب

بنو محارب کا دس افراد کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ان میں حزیمہ بن سواد بھی تھے۔جب حضور مبلغ اعظم ﷺ مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے حج کے ایام میں متفرق قبائل کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو اس قبیلہ نے سب سے زیادہ درشت اور سخت جواب دیا تھا۔ایک روز حضور ﷺ نماز ظہر سے نماز عصر تک ان میں تشریف فرما رہے۔آپ نے ایک شخص کو بغور دیکھا۔آپ نے فرمایا ''میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟ اس شخص نے عرض کی ''بخدا! حضور آپ نے مجھے دیکھا ہے۔میں نے آپ کے ساتھ فحش کلامی کی تھی۔عکاظ کے میلہ میں آپ سے سخت لہجہ میں بات چیت کی تھی۔آپ اس وقت مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جا رہے تھے''۔حضور ﷺ نے فرمایا ''ہاں! اس شخص نے عرض کی ''اس روز میرے ساتھیوں میں سے کوئی ایسا شخص نہ تھا۔جس کا لہجہ مجھ سے زیادہ سخت تھا اور مجھ سے زیادہ اسلام سے دور تھا۔میں رب تعالیٰ کی ستائش کرتا ہوں جو مجھے آپ کی خدمت میں لے آیا۔حتیٰ کہ میں نے آپ کی تصدیق کر دی۔اس وقت کے میرے سارے ساتھی اپنے دین پر ہی مر گئے''۔حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''یہ دل رب تعالیٰ کے دست تصرف میں ہیں''۔وہ عرض گزار ہوا ''یا رسول اللہ! ﷺ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں'' حضور ﷺ نے فرمایا ''اسلام پہلے کی خطائیں مٹا دیتا ہے'' حضور ﷺ نے حضرت حزیمہ بن سواد کے چہرہ کو مس کیا تو ان کے چہرہ پر سفید نشان پڑ گیا۔دیگر وفود کی طرح اس وفد کو انعامات شاہانہ سے نوازا۔یہ وفد واپس آ گیا۔

وفد صداء

صداء یمن کے عربوں کا ایک قبیلہ تھا۔صداء کے پندرہ افراد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم ﷺ نے مسلمانوں میں سے چار سو مجاہدین کا لشکر تیار فرمایا۔حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔آپ نے انہیں سفید جھنڈا اور سیاہ پرچم عطا فرمایا۔آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یمن کے اس علاقہ میں لشکر کشی کریں جس جگہ صداء کا قبیلہ آباد ہے۔اس قبیلہ کا ایک فرد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔اسے اس لشکر کا علم ہو گیا۔وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو گیا۔عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ میں اپنی قوم کو وفد کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔آپ اس لشکر کو واپس بلا لیں''۔حضور ﷺ نے حضرت قیس رضی اللہ عنہ کو واپس آ جانے کا حکم دیا۔وہ صدائی اپنی قوم کے پاس گئے۔پھر اسے لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔حضرت سعد بن عبادہ

عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ! ﷺ انہیں میرے ہاں فروکش ہونے کی اجازت عطافرمائیں"۔ یہ وفدان کے ہاں بطور مہمان ٹھہرا۔ انہوں نے انہیں عطیات اور نوازشات عطا کیں۔ انہیں پوشاکیں زیب تن کیں۔ پھر انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے دست حق نما پر بیعت کی اور عرض کی "ہماری اس قوم کے ہم ذمہ دار ہیں جو پیچھے رہ گئی ہے" یہ حضرات اپنی قوم میں چلے گئے۔ اور اسلام کو پھیلانے کی سعی جمیل کرنے لگے۔ حجۃ الوداع میں اس قبیلہ کے ایک سو افراد نے آپ سے ملاقات کا شرف ابدی حاصل کیا وہ عظیم شخصیت جس نے لشکر لوٹانے اور اپنی قوم کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر کرنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ وہ حضرت زیاد بن حارث الصدائی تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا "اے صداء کے بھائی! تمہاری قوم میں تمہاری اطاعت کی جاتی ہے۔ انہوں نے عرض کی "بلکہ یہ اللہ رب العزت اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا احسان ہے" دوسری روایت کے مطابق انہوں نے عرض کی "بلکہ رب تعالیٰ نے انہیں اسلام کی طرف ہدایت دی۔ حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا "کیا میں تمہیں ان کا امیر نہ بنا دوں؟ میں نے عرض کی "ضرور یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان کے صدقات میں سے بھی میرے لیے حکم لکھوا دیں" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" آپ ﷺ نے ایک اور مکتوب میرے لیے لکھوا دیا۔ حضرت زیاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سفر میں مجھے حضور ﷺ کی معیت کا شرف حاصل تھا۔ میں ایک قوی شخص تھا۔ حضور ﷺ کی سواری کے جانور کی رکاب تھامنے کا شرف ابدی نصیب تھا۔ صحابہ کرام الگ الگ گروہوں میں رواں دواں تھے۔ وقت سحر آپ ﷺ نے فرمایا "صداء کے بھائی آذان دو" میں نے اپنی سواری پر ہی آذان دی۔ ہمارا سفر جاری رہا حتیٰ کہ ہم ایک جگہ فروکش ہو گئے۔ آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر واپس تشریف لائے تو فرمایا "صداء کے بھائی! کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی "میرے مشکیزے میں تھوڑا سا پانی ہے۔ وہ پانی تھوڑا ہے۔ ممکن ہے آپ کے لیے ناکافی ہو" آپ ﷺ نے فرمایا "اسے لے آؤ" میں نے وہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا"۔ آپ نے فرمایا "وہ پانی انڈیل دو" میں نے پانی بڑے پیالے میں انڈیل دیا۔ صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ آ کر ملنے لگے۔ پھر آپ نے اپنا وہ دست اقدس اس پانی میں رکھ دیا۔ مجھے آپ کی ہر دو انگلیوں کے مابین سے پانی اچھلتا ہوا نظر آیا۔ پھر آپ نے فرمایا "صداء کے بھائی! اگر مجھے رب تعالیٰ سے حیاء نہ آتی تو ہم پانی پیتے رہتے، پلاتے رہتے" پھر آپ نے وضو فرمایا اور فرمایا "میرے صحابہ کرام میں اعلان کر دو کہ جسے پانی کی ضرورت ہو وہ پانی لے جائے۔ آخری شخص تک پانی لینے آ گئے۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "صداء کے اس بھائی نے آذان دی ہے جو آذان دے وہی اقامت کہے" میں نے اقامت کہی۔ حضور ﷺ نے ہمیں امامت کرائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے حال کی شکایت کی۔ اس نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ وہ ہم سے ہر وہ چیز لے لینا چاہتا ہے جو ہمارے اور اس کے مابین زمانہ جاہلیت میں تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا "مسلمان شخص کے لیے امارت میں کوئی بھلائی نہیں" پھر ایک اور شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ عرض پیرا ہوا "یارسول اللہ! مجھے صدقہ عطا فرمائیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے صدقہ کی تقسیم کسی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کے سپرد نہیں کی۔ بلکہ اس کے آٹھ جزو بنا دیے

ہیں۔ اگر تمہارا حصہ بنتا ہو گا تو میں تمہیں وہ حصہ دے دوں گا۔ اگر تو اس سے مستغنی ہوا تو پھر یہ سر کا درد اور پیٹ کی بیماری ہے"
پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنی قوم کے اس شخص کے متعلق مجھے بتاؤ جسے میں عامل مقرر کروں"۔ میں نے آپ سے ان میں سے ایک شخص کے متعلق عرض کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عامل بنا دیا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارا ایک کنواں ہے۔ موسم سرما میں تو ہمیں اس کا پانی کافی مل جاتا ہے۔ البتہ موسم گرما میں وہ پانی قلیل ہو جاتا ہے ہم متفرق کنوؤں پر چلے جاتے ہیں مسلمانوں کی تعداد کم ہے۔ ہمیں دشمن سے خطرہ ہے۔ ہمارے کنویں کے متعلق رب تعالیٰ سے دعا مانگیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مجھے سات سنگریزے پکڑاؤ" میں نے سات کنکریاں پیش کیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے دست اقدس میں پھیرایا۔ پھر مجھے عنایت فرما دیں۔ فرمایا "جب اس کنویں پر پہنچو تو اس میں ایک ایک کر کے گراتے جانا اور بسم اللہ پڑھتے جانا" میں نے اسی طرح کیا۔ آج تک ہمیں اس کنویں کی تہہ معلوم نہیں ہو سکی۔

وفد غسان

غسان ایک چشمہ کا نام تھا۔ جہاں ازد قوم آباد تھی۔ وہ اسی چشمہ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ بنو حنیفہ انہی میں سے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق اس قبیلہ کا نام ہی غسان تھا۔ اس قبیلہ کے تین افراد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ دولت اسلام سے بہرہ مند ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نہیں جانتے کہ ہماری قوم ہماری پیروی کرے گی یا کہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی سلطنت کی بقاء اور قیصر کا قرب بہت پسند کرتے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عنایات خسروانہ سے نوازا وہ اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے۔ جب یہ تینوں حضرات اپنی قوم کے پاس گئے تو اسے دعوت اسلام دی جسے اس نے قبول نہ کیا۔ انہوں نے اپنا اسلام چھپا لیا۔

وفد سلامان

اہل عرب کے تین گروہ سلامان کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ازد کا گروہ، طئی کا گروہ، قضاعہ کا گروہ۔ سلامان کے سات افراد بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ ان میں حضرت خبیب بن عمرو السلامانی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے دولت اسلام سمیٹی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم نے مسجد نبوی سے باہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نماز جنازہ کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ ہم نے یوں سلام عرض کیا "السلام علیک یا رسول اللہ! آپ نے جواب مرحمت فرمایا اور فرمایا "تمہارا تعلق کس قوم کے ساتھ ہے؟" ہم نے عرض کی "سلامان سے ہم آپ کی خدمت میں بیعت کا شرف سرمدی حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم اپنی پیچھے رہ جانے والی قوم کے ذمہ دار ہیں"۔ آپ نے اپنے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں فرمایا "انہیں ٹھہراؤ"۔ حضرت خبیب فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم افضل عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وقت پر نماز!" انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز ظہر اور نماز عصر پڑھی اور اپنے علاقے میں قحط سالی کا شکوہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی "مولا! ان کے علاقہ میں ابر کرم برسا دے"۔

میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اپنے دست اقدس مزید بلند فرمائیں تاکہ زیادہ اور بابرکت بارش نازل ہو۔ حضور ﷺ تبسم ریز ہوئے۔ اپنے دست اقدس بلند فرما دیئے۔ حتیٰ کہ میں نے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ ہی اٹھے ہم نے مدینہ طیبہ میں تین روز ٹھہرنے کی سعادت حاصل کی۔ ضیافت کے خوب مزے لوٹے۔ پھر آپ کو الوداعی سلام پیش کیا۔ آپ نے ہمیں انعامات دینے کا حکم دیا۔ عاشق صادق حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہمیں پانچ پانچ اوقیہ چاندی عطا کی۔ پھر معذرت کرتے ہوئے فرمایا "آج ہمارے پاس اس سے زائد نہیں" ہم نے کہا "یہ بھی بہت زیادہ اور بہت بابرکت ہے۔ پھر اپنے وطن لوٹ آئے۔ ہم نے پایا کہ وہاں اسی روز ابر کرم برساتھا۔ جس دن حضور ﷺ نے دعا فرمائی تھی"۔

وفد بنی عبس

بنو عبس کے تین افراد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے قراء حضرات ہمارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جس نے ہجرت نہ کی ہو۔ ہمارے اموال اور جانور ہیں۔ ہماری معیشت کا انحصار انہی پر ہے۔ اگر حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جس کی کوئی ہجرت نہیں تو ہم انہیں فروخت کر دیتے ہیں۔ اور ہجرت کر کے ہمارا آخری فرد بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو وہ ذات باری تعالیٰ تمہارے اعمال میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں کرے گا" حضور ﷺ نے خالد بن سنان کے متعلق پوچھا کہ اس کی کوئی اولاد ہے؟ انہوں نے عرض کی "اس کی کوئی نسل نہیں۔ اس کی صرف ایک بیٹی تھی۔ جو مر گئی تھی"۔

وفد مزینہ

یہ قبیلہ عمرو بن اد بن طانجہ بن الیاس بن مضر کی بیوی کی طرف منسوب ہوتا تھا۔ امام بیہقی نے حضرت نعمان بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمارا چار سو افراد پر مشتمل وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا (دوسری روایت کے مطابق ان میں بنو جہینہ کے بھی بعض افراد شامل تھے) جب ہم نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو ہم میں سے بعض افراد نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہمیں کچھ عطا فرمائیں جسے ہم بطور زاد راہ استعمال کر سکیں"۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "عمر! انہیں زاد راہ دو" انہوں نے عرض کی "میرے پاس تو تھوڑی سی کھجوریں ہیں۔ جو اس قوم کے لیے ناکافی ہیں کچھ اور تو ہے ہی نہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جاؤ اور انہیں زاد راہ دو" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی بیان فرماتے ہیں "جب ہم اس کمرے میں داخل ہوئے تو وہاں کھجوروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا گویا کہ وہاں خاکستری رنگ کا اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ اس قوم نے بقدر حاجت کھجوریں لے لیں" حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں سب سے آخر میں اس کمرہ سے نکلا۔ میں نے اسی ڈھیر کی طرف دیکھا تو مجھے وہاں ایک کھجور کی کمی بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ حضور ﷺ

کا معجزہ تھا۔ کھجوریں اگرچہ قلیل تھیں وہ بڑھتی رہیں۔ حتیٰ کہ اس قوم نے اپنا زادِ راہ لے لیا۔ کھجوریں پھر بھی بچ گئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ چار سو افراد نے ان میں سے کھجوریں لیں۔ ان میں پھر بھی کمی نہ ہوئی۔

وفد اشعریین

یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قوم تھی۔ یہ اشعر بن ادد کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ان کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ کچھ یمن کے مکین بھی تھے۔ جن کا تعلق حمیر بن سباء کے ساتھ تھا۔ ان میں ایاس بن عمرو الحمیری بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ کی خدمت عالیہ میں دین سیکھنے آئے ہیں"۔ محققین سیرت نگاروں کا موقف یہ ہے کہ اشعری حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ۷ھ فتح خیبر کے وقت آئے تھے۔ جبکہ حمیر ۹ھ کو آئے تھے۔ اسی لیے یہ بنوتمیم کے ساتھ جمع تھے۔ حضرت حمید بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس ایسی قوم آرہی ہے۔ جن کے دل تمہارے دلوں سے نرم ہیں" کچھ دیر بعد اشعری آگئے۔۔۔۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

غَدًا نَلْقِی الْاَحِبَّه مُحَمَّدًا وَحِزْبَه

کل ہم اپنے محبوبوں یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وفا کیش دوستوں سے ملاقات کرلیں گے۔

امام احمد نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس اہل یمن آرہے ہیں گویا کہ وہ بادل ہیں۔ وہ اہل زمین میں سے بہترین ہیں"۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کی "سوائے ہمارے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے۔ انہوں نے دوبارہ عرض کی "سوائے ہمارے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ انہوں نے سہ بارہ عرض کی "یا رسول اللہ! سوائے ہمارے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سوائے تمہارے" جب اس فرخندہ فال وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو فوراً اسلام لے آئے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اشعری اس تھیلی کی مانند ہیں جس میں مشک ہو" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اہل یمن آئے ہیں۔ وہ دل کے اعتبار سے سب سے نرم ہیں۔ ایمان بھی یمنیوں کا ہے حکمت بھی یمنیوں کی ہے۔ بکریاں پالنے والوں میں طمانیت ہوتی ہے۔ اونٹ پالنے والوں میں فخر اور تکبر ہوتا ہے۔ ان کا مسکن مشرق کی سمت ہے"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کو اہل یمن کی طرف منسوب فرمایا کیونکہ دل کی پاکیزگی اور رقت و نرمی وہ گوہر آبدار ہے جو حق کے عرفان اور اس کی تصدیق کی طرف بلاتی ہے۔ یہ ایمان اور انقیاد ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے اس حدیث طیبہ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایمان کا نکتہ آغاز مکہ مکرمہ ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ تہامہ اور تہامہ یمن سے ہے" بعض علماء کرام نے اس سے مراد انصار لیے ہیں کیونکہ وہ اصل میں یمنی ہیں۔ کیونکہ وہ ایمان کے انصار تھے اسی لیے ایمان کو ان کی طرف منسوب کردیا گیا۔ اس حدیث پاک کی وضاحت میں اور بھی بہت کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث طیبہ میں ان لوگوں کا وصف بیان کیا گیا ہے جو قوت ایمان اور کمال ایمان کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے۔ یہ حدیث پاک اس امر پر دلالت نہیں

کرتی کہ وہ صحابہ کرام اس طرح نہ تھے جن کی طرف روئے خطاب تھا۔ پھر اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت مدینہ طیبہ میں موجود تھے۔ ہر زماں کے سارے اہل یمن مراد نہیں ہیں۔ اس حدیث پاک میں ہر وہ شخص شامل ہوگا۔ جو سکونت اور قبیلہ کے اعتبار سے یمن کی طرف منسوب ہوگا یعنی جو یمن کی طرف رہتے ہوں گے تو ان کی غالب اکثریت کے دل اور ابدان نرم ہوں گے۔ مگر اہل شمال اس کے برعکس ہیں۔ ان کے دل اور اجسام سخت ہوں۔

امام بخاری نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بنو تمیم تمہیں بشارت ہو'' انہوں نے عرض کی ''آپ ہمیں بشارت دے رہے ہیں۔ ہمیں کچھ عطا بھی کریں''۔ یہ سن کر آپ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہوگیا۔ پھر اہل یمن کا وفد آ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا ''تم یہ بشارت قبول کر لو بنو تمیم نے تو اسے قبول نہیں کیا''۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے اسے قبول کر لیا ہے۔ ہم آپ کی خدمت اقدس میں دین سیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ ہم آپ سے تخلیق کے آغاز کے متعلق سوال کرتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت صرف اللہ تعالیٰ تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس کا عرش پانی پر تھا اس نے ''الذکر'' میں ہر چیز کا تذکرہ کر دیا ہے۔

بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں موجود تھے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی نصرت اور فتح آ گئی۔ اہل یمن آ گئے۔ ان کے دل پاکیزہ ہیں۔ ان کی اطاعت عمدہ ہے۔ ایمان بھی یمنیوں کا اور حکمت بھی یمنیوں کی ہے''

الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیینہ بن حصن سے فرمایا ''کون سے لوگ بہتر ہیں''۔ انہوں نے عرض کی ''اہل نجد!'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم نے درست نہیں کہا۔ بلکہ وہ اہل یمن ہے۔ ایمان یمنیوں کا ہے۔

وفد دوس

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوم تھی۔ اس کا نسب ازد پر ختم ہوتا تھا۔ یہ ۷ھ کو خیبر کے مقام پر حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ میں حاضر ہوئی۔ اس وفد کی تفصیل رقم کرتے ہوئے حضرت امام ابن اسحاق تحریر کرتے ہیں۔

حضرت طفیل بن عمرو الدوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ گئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں ہی تشریف فرما تھے۔ قریش کے چیدہ چیدہ افراد چل کر ان کے پاس گئے۔ حضرت طفیل ایک شریف، نغز گو شاعر اور ذہین وفطین انسان تھے۔ اہل قریش نے کہا ''تم ہمارے شہر میں آئے ہو۔ ہمارے درمیان سے اس شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس نے ہماری جمعیت بکھیر دی ہے۔ ہماری آراء کو منتشر کر رہا ہے۔ اس کی باتیں جادو نما ہیں جو آدمی اور اس کے لخت جگر، آدمی اور اس کے بھائی، آدمی اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیتی ہیں۔ ہمیں تمہارے اور قوم کے متعلق خدشہ ہے۔ اس شخص سے نہ بات کرنا نہ ہی اس کی بات سننا''۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''بخدا! وہ برابر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے عزم کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی چیز نہ سنوں گا۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات چیت کروں گا حتیٰ کہ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جاتا تو میں اپنے

کانوں میں روئی ٹھوس لیتا تا کہ ان کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچنے پائے۔ ایک روز میں صبح سویرے مسجد حرام کی طرف گیا۔ حضور داعی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ مشرفہ کے پاس نماز ادا کر رہے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہی کھڑا ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے انکار کر دیا مگر یہ کہ وہ مجھے آپ کا کلام دلنشیں سنا دے۔ میں نے عمدہ کلام سنا۔ میں نے کہا "میری ماں مجھ پر روئے۔ میں ایک قادر الکلام شاعر ہوں۔ حسن و قبح مجھ پر عیاں ہے۔ مجھے کیا چیز روکتی ہے اگر میں اس ہستی پاک کا کلام سن لوں کہ وہ کیا کہتی ہے؟ اگر وہ کلام عمدہ ہوا تو اسے قبول کر لوں گا۔ اگر برا ہوا تو اسے چھوڑ دوں گا۔ میں وہیں منتظر رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لانے لگے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب آپ اپنے کاشانہ اقدس میں داخل ہوئے تو میں نے دروازہ پر دستک دی۔ آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کی "محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی قوم نے مجھے یوں یوں کہا ہے۔ بخدا! وہ مجھے برابر آپ کے اس امر سے ڈراتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی داخل کر لی۔ تا کہ میں آپ کا کلام نہ سن سکوں۔ پھر رب غفور نے مجھے آپ کا کلام سنا دیا۔ میں نے ایک عمدہ کلام سنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کا مکر ان کی طرف لوٹا دیا ہے۔ ان کا فریب ان کی طرف ہی لوٹ گیا ہے۔ مجھ پر اپنا امر پیش فرمائیں"۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ پر اسلام پیش فرمایا۔ قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ بخدا! میں نے آج تک اتنا شیریں کلام نہیں سنا تھا۔ اتنے عدل پر مبنی امر کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ میں نے اسلام قبول کر لیا حق کی گواہی دے دی۔ میں عرض گزار ہوا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میری قوم میری اطاعت کرتی ہے۔ میں ان کے پاس جانے لگا ہوں اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دینے لگا ہوں۔ دعا فرمائیں رب تعالیٰ میرے لیے ایک علامت مقرر کر دے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا فرمائی "مولا! ان کے لیے نشانی مقرر کر دے" دوسری روایت کے مطابق یہ دعا کی "مولا! ان کے لیے نور بنا دے" حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اپنی قوم کی طرف عازم سفر ہوا۔ جب میں اس گھاٹی میں پہنچا جس کے دامن میں میری قوم آباد تھی۔ تو میری آنکھوں کے مابین چراغ کی مانند نور چمکنے لگا۔ میں نے عرض کی "مولا! یہ نور میری آنکھوں کے وسط کے علاوہ کسی اور جگہ عیاں فرما۔ مجھے خطرہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ سمجھے گی۔ جو میرے چہرے پر میرے دین کو چھوڑنے کی پاداش میں ظاہر ہوا ہے"۔ وہ نور میرے عصا کے کنارے پر ضوفشاں ہو گیا۔ وہ اس طرح تاباں تھا جس طرح تاریک رات میں لالٹین چمکتی ہے۔ جب وہ اپنی قوم کی طرف جا رہے تھے وہ نور ان کی قوم نے دیکھ لیا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ فرمایا "وقت صبح والد گرامی میرے پاس آئے۔ وہ عمر رسیدہ تھے۔ میں نے کہا "میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی اتباع کر لی ہے"۔ انہوں نے کہا "فرزند دلبند! میرا دین وہی ہے جو تمہارا دین ہے" میں نے کہا "آپ جائیں۔ غسل کریں۔ پاکیزہ کپڑے پہنیں پھر میرے پاس تشریف لائیں۔ میں آپ کو وہ علم سکھاؤں گا۔ جو میں نے سیکھا ہے" وہ گئے غسل کیا۔ پاکیزہ کپڑے زیب بدن کیے۔ پھر میرے پاس آ گئے۔ میں نے انہیں اسلام پیش کیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر میری رفیقہ حیات میرے پاس آئی۔ میں نے اسے کہا "میرا اور تمہارا تعلق ختم۔ مجھ سے دور ہو جا"۔ اس نے کہا "کیوں؟" میں نے کہا "اسلام نے میرے اور تیرے مابین تفریق ڈال دی ہے۔ میں نے اسلام قبول کر لیا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر لی ہے" میری زوجہ نے کہا "میرا دین وہی ہے جو

تمہارا دین ہے" انہوں نے شریک حیات کو حکم دیا۔ وہ گئیں۔ غسل کر کے آگئیں۔ انہوں نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے فوراً دین متین قبول کر لیا۔ پھر حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے قبیلۂ دوس کو اسلام کی طرف بلایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کی صدا پر لبیک کہا۔ باقی قوم نے تردّد کا اظہار کیا۔ حضرت طفیل نے فرمایا" میں مکہ مکرمہ میں بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم دوس پر بدکاری کی محبت غالب آگئی ہے۔ ان کے لیے بددعا کریں۔ حضور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی" مولا! دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انہیں لے آ" پھر حضرت دوس رضی اللہ عنہ سے فرمایا" اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ انہیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دو۔ ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو"۔ میں اپنی قوم کے پاس لوٹ آیا۔ انہیں اللہ رب العزت کی طرف بلاتا رہا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خیبر میں جلوہ افروز تھے"۔

یہ وفد مدینہ طیبہ میں آیا۔ یہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں پر مشتمل وفد تھا۔ کیونکہ ان کی تعداد چار سو تھی۔ پھر یہ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا کر مل گئے۔ جب تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاحظہ فرمایا تو فرمایا" لوگوں میں سے حسین ترین چہروں کو خوش آمدید! لوگوں میں سے عمدہ کلام اور بہترین امینوں کو مرحبا"۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا" ہم مدینہ طیبہ آئے۔ ہم دوس کے اسی گھر تھے۔ ہم نے نماز صبح حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کے پیچھے ادا کی۔ انہوں نے پہلی رکعت میں سورۂ مریم اور دوسری رکعت میں وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۝ پڑھی۔ جب انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝ (مطففین)

"جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں"۔

تو مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنے چچا کو اس حال میں چھوڑا کہ اس کے دو پیمانے ہیں۔ جب وہ کوئی چیز لیتا ہے تو بڑے پیمانہ سے لیتا ہے اور جب کوئی چیز دیتا ہے تو چھوٹے پیمانے سے دیتا ہے۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہمیں خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خیبر میں تشریف فرما ہیں۔ آپ واپس تشریف لانے ہی والے ہیں۔ میں نے کہا" میں نے جس جگہ کے متعلق بھی سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں جلوہ افروز ہیں تو میں وہاں ضرور جاؤں گا"۔ حضرت سباع رضی اللہ عنہ نے ہمیں زاد راہ عطا کیا۔ ہم خیبر آگئے۔ "ہم نے دیکھا کہ آپ "النطاۃ" کا قلعہ فتح کر چکے تھے "الکتیبہ" کا محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ ہم آپ کی خدمت میں ہی رہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دیگر مسلمانوں کے ہمراہ ہمیں بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا"۔

روایت ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہی رہا۔ حتیٰ کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ میں نے عرض کی" یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے دوس کے بت کی طرف بھیجیں تاکہ میں اسے جلا دوں" حضور ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بت کی طرف بھیجا۔ انہوں نے انہیں گرایا اور اسے آگ میں جھونک دیا۔ اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

يَا ذَا الْكَفَّيْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِكَ　　مِيلَادُنَا أَقْدَمُ مِنْ مِيلَادِكَ
إِنِّي حَشَوْتُ النَّارَ فِي فُؤَادِكَ

اے ذوالکفین! میرا شمار تیرے بندوں میں نہیں ہوتا۔ ہماری پیدائش تیری پیدائش سے بہت پہلے کی ہے۔ میں نے تیرے دل میں آگ جھونک دی ہے۔

پھر وہ مدینہ طیبہ میں واپس آ گئے اور تادمِ واپسیں اسی شہر خوباں میں رہے۔ جب بہت سے اہل عرب مرتد ہو گئے تو حضرت طفیل رضی اللہ عنہ بھی مسلمانوں کے ہمراہ جنگ آزما ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ یمامہ وغیرہ کے مرتدین کے ساتھ جہاد کرنے سے فارغ ہو گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا لخت جگر عمرو بھی تھا۔ جب یہ یمامہ میں نبرد آزما تھے تو انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "میں نے ایک خواب دیکھا ہے تم مجھے اس کی تعبیر بتاؤ۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر کا حلق کر دیا گیا ہے۔ میرے منہ سے ایک پرندہ نکلا ہے مجھے ایک عورت ملی ہے اس نے مجھے اپنی شرم گاہ میں داخل کر لیا ہے۔ میرے فرزند دلبند نے میری بہت جستجو کی ہے۔ لیکن اسے مجھ سے روک دیا گیا ہے" ان کے دوستوں نے کہا "یہ عمدہ خواب ہے" انہوں نے فرمایا "میں نے اس کی تعبیر نکال لی ہے"۔ دوستوں نے پوچھا "وہ کیا؟" انہوں نے فرمایا "میرے سر کے حلق سے مراد اس کا جسم سے علیحدہ ہونا ہے۔ وہ پرندہ جو میرے منہ سے نکلا ہے وہ میری روح ہے۔ جس عورت نے مجھے اپنی شرم گاہ میں داخل کیا ہے۔ وہ زمین ہے۔ وہ جستجو جو میرے نور نظر نے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ بھی شہادت کے لیے اسی طرح تگ و دو کرے گا"۔

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کا لخت جگر شدید زخمی ہو گیا۔ پھر ان کے زخم مندمل ہو گئے۔ انہوں نے جنگ یرموک میں جام شہادت نوش کیا۔ ابن حبان نے اسی طرح یقین کے ساتھ لکھا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے لکھا ہے کہ یہ اجنادین کی جنگ میں شہید ہو گئے۔

امام بغوی نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مجھے قرآن مجید سنایا تو میں نے ایک گھوڑا بطور ہدیہ انہیں پیش کر دیا"۔

وفد طارق بن عبد اللہ المحاربی رضی اللہ عنہ

امام بیہقی نے جامع بن شداد المحاربی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے یہ روایت اس شخص نے بیان کی ہے جس کا نام طارق بن عبد اللہ محاربی تھا۔ انہوں نے کہا "میں ذوالمجاز کے بازار میں کھڑا تھا۔ (یہ بازار عرفہ سے ایک فرسخ دور کبکب کی سمت تھا۔ اچانک ایک شخص آیا۔ وہ یوں فرما رہا تھا "اے لوگو! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دو۔ دو جہانوں میں فلاح پا جاؤ گے۔ ایک اور شخص اس ہستیٔ پاک کے پیچھے پیچھے تھا۔ جو ان پر پتھر پھینک رہا تھا۔ ان کے دو ٹخنوں سے خون نکل رہا تھا۔ یہ بدنصیب شخص کہہ رہا تھا "لوگو! یہ جھوٹا ہے۔ اس کی تصدیق نہ کرنا" میں نے پوچھا "یہ من موہنا شخص کون ہے؟" مجھے بتایا گیا "یہ بنو ہاشم کا جوان ہے۔ یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے"۔ میں نے پوچھا "انہیں اذیتیں دینے والا کون ہے؟

لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ ان کا چچا ابولہب عبدالعزیٰ ہے"۔

"جب لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور ہجرت بھی کرلی تو ہم الربذۃ سے عازم سفر ہوئے۔ (الربذہ ایک معروف جگہ ہے۔ اسی جگہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی آخری آرام گاہ ہے) ہم مدینہ طیبہ جانا چاہتے تھے تاکہ کھجوریں خریدیں۔ جب ہم مدینہ منورہ کے نخلستانوں اور اس کی در و دیوار کے پاس پہنچے تو ہم نے کہا "کاش ہم نیچے اتریں اور یہ سفر کے کپڑے تبدیل کرلیں"۔ ہم نے ایک ہستی پاک کی زیارت کی۔ اس نے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس نے سلام کیا اور پوچھا "یہ قوم کہاں سے آئی ہے؟" ہم نے عرض کی "الربذۃ" سے انہوں نے فرمایا "کہاں کا ارادہ ہے؟" ہم نے عرض کی "مدینہ طیبہ کا" انہوں نے فرمایا "وہاں کیا کرنے جارہے ہو؟ ہم نے عرض کی "کھجوریں خریدنے"۔

حضرت طارق بن عبداللہ عنہ نے فرمایا "ہمارے ہمراہ ایک عورت بھی تھی اور ایک سرخ اونٹ بھی" اس پاکباز ہستی نے فرمایا "کیا تم یہ اونٹ فروخت کرو گے؟" ہم نے عرض کی "ہاں! اتنی اتنی کھجوروں کا" انہوں نے اس اونٹ کی نکیل پکڑی اور چل دیے وہ مدینہ طیبہ کے نخلستان اور در و دیوار میں اوجھل ہوگئے تو ہم نے ایک دوسرے سے کہا "ہم نے کیا کیا ہے؟ بخدا! ہم نے اس شخص کو اونٹ نہیں دیا جس سے ہماری جان پہچان ہو۔ نہ ہی اونٹ کی قیمت لی ہے۔ ہم نے وہ اونٹ ضائع کردیا ہے۔ جو عورت ہمارے ہمراہ تھی اس نے کہا "بخدا! میں نے ایسی پاکباز ہستی کی زیارت کی ہے جس کا روئے تاباں بدر تمام کی مانند درخشاں تھا۔ میں تمہاری قیمت کی ضامن ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا "ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو۔ میں نے اس ہستی صالح کی زیارت کی جو کسی سے دھوکہ نہیں کرتی۔ بخدا اس کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ رات کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہمارے پاس آیا۔ اس نے کہا یہ تمہارے اس اونٹ کی قیمت ہے جو تم نے آپ کے ہاتھوں فروخت کیا ہے۔ کھاؤ، سیر ہوجاؤ، ماپ لو اور پورا کرلو" ہم نے جی بھر کر کھایا۔ پھر ماپ کر کھجوریں پوری کرلیں۔ ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوگئے۔ جب ہم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پاک پر جلوہ افروز ہوکر صحابہ کرام کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپ فرمارہے تھے "صدقہ دیا کرو۔ صدقہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ ابتداء ان سے کرو جو تمہاری کفالت میں ہیں۔ مثلاً تمہاری ماں، باپ، بہن پھر رشتہ دار، پھر دور کے رشتہ دار" ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ بنوثعلبہ بن یربوع ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں فلاں شخص کو قتل کیا تھا۔ ان سے ہمارا انتقام لیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس بلند فرمادیے حتیٰ کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ماں اپنے بچے پر دوبارہ ظلم نہیں کرتی"۔

اس وفد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست ہدایت بخش پر اسلام قبول کیا۔ پھر اپنے اہل و عیال کے پاس واپس آگئے۔

وفد بہراء

یہ قضاعہ کا ایک قبیلہ تھا۔ امام واقدی نے حضرت کریمہ بنت مقداد سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے یوں فرماتے ہوئے سنا "بہراء کا وفد یمن سے حاضر خدمت ہوا۔ یہ وفد

تیرہ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ وفد اپنی سواریاں ہانکتا ہوا آیا اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آ کر رک گیا۔ ہم انصار کے گھروں میں مقیم تھے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں مرحبا کہا اور انہیں حلوہ کا بڑا پیالہ پیش کر دیا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر اس میں سے کھایا۔ حلوہ ابھی باقی تھا۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے وہ حلوہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیج دیا۔ یہ حلوہ حضرت ضباعہ کی خادمہ حضرت سدرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس وقت آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں جلوہ افروز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سارے اہل بیت نے جی بھر کر کھایا۔ وہ حلوہ پھر بھی باقی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "باقی کھانا اپنے مہمانوں کے پاس لے جاؤ"۔ حضرت سدرۃ وہ کھانا لے کر اپنے اہل خانہ کے پاس واپس آ گئیں۔ مہمان جب تک وہیں رہے اسی کھانا سے تناول کرتے رہے۔ مگر اس میں ذرہ بھر کمی نہ ہوئی۔ وہ کہنے لگے "مقداد! آپ لگاتار ہمیں پسندیدہ کھانا عطا کر رہے ہیں۔ جو ہمیں گھر میں کبھی کبھی ہی نصیب ہوتا ہے"۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس معجزہ نمائی کے متعلق بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کھانا تناول فرمایا۔ بقیہ واپس کر دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں کی برکت ہے" یہ معجزہ نمائی دیکھ کر وہ وفد کہنے لگا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں"۔ ان کے یقین میں اضافہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ بھی یہی تھا۔ اہل وفد نے اسلام کا اظہار کر دیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ فرائض سیکھنے لگے۔ کچھ مدت مدینہ طیبہ میں ہی قیام فرمایا پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الوداعی سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو انعام واکرام دینے کا حکم فرمایا۔ وہ یمن کی طرف واپس آ گئے۔

وفد غامد

ان کا تعلق بھی یمن کے قبیلہ ازد سے تھا۔ یہ ۱۰ ھ کو بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور بقیع الغرقد میں اپنے خیمے لگا دیے۔ اس وقت وہاں جھاڑیاں اور پودے تھے۔ پھر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ اپنے میں سے کمسن کو اپنے خیموں کے پاس ٹھہرایا۔ انہوں نے اسلام کا اقرار کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک دستاویز تحریر کرائی جس میں اسلام کے احکام لکھوائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "اپنے خیموں کے پاس کس کو چھوڑا ہے" انہوں نے عرض کی "جو ہم میں سے سب سے زیادہ کم عمر تھا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "وہ تمہارے سامان سے غافل ہو کر سو گیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک چور آیا اور تم میں سے کسی ایک کا تھیلا لے کر بھاگ نکلا" اس وفد کے ارکان میں سے ایک نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے علاوہ کسی اور کے پاس تھیلا تھا ہی نہیں" پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اب وہ تھیلا پکڑ لیا گیا اور اسے اس کی جگہ پر لوٹا دیا گیا ہے" وہ وفد وہاں سے اپنے سامان کے پاس آیا۔ اور اپنے اس کمسن محافظ سے پوچھا۔ اس نے کہا "میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے تھیلا غائب پایا۔ میں اس کی جستجو میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے ایک شخص دیکھا جو بیٹھا ہوا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر بھاگ نکلا۔ میں اس جگہ پہنچا جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ تو وہاں زمین کھودنے کے اثرات تھے۔ اس نے اس جگہ تھیلا دفن کر دیا تھا۔ میں نے اسے باہر نکال لیا"۔ یہ سن کر اس سارے وفد نے کہا "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے جس طرح ہمیں فرمایا واقعی اسی طرح ہوا۔ وہ سارے بارگاہ رسالت مآب

صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کی خبر دی۔ وہ کمسن غلام بھی حاضر خدمت ہوا اور دولت ایمان سے مالا مال ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انہیں قرآن پاک کی تعلیم دیں۔ پھر آپ نے اس وفد کو بھی انعام سے نوازا اور یہ اپنے وطن لوٹ آئے۔

وفد ازد

قوم ازد کا ایک وفد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جس کا نام ازد بن غوث بن نبت بن مالک بن ادد بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان تھا۔ ابو نعیم نے حضرت سوید بن حارث ازدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میری قوم کے سات افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ان کی شکل وصورت اور لباس دیکھ کر متعجب ہوئے۔ آپ نے فرمایا ''تم کون ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''ہم مومن ہیں''۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم ریز ہوئے۔ فرمایا ''ہر بات کی حقیقت ہوتی ہے۔ تمہاری اس بات کی حقیقت کیا ہے؟'' ہم نے عرض کی ''پندرہ خصائل اس کی حقیقت ہیں۔ ان میں سے پانچ کا آپ کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان پر ایمان لائیں۔ پانچ خصلتوں کا آپ نے حکم فرمایا ہے کہ ہم ان پر عمل پیرا ہوں۔ پانچ خصلتیں ایسی ہیں جو زمانہ جاہلیت سے ہم میں پائی جاتی ہیں۔ ہم ان پر عمل پیرا ہیں۔ جب ان میں سے کوئی چیز ہمیں ناپسند لگتی ہے تو ہم انہیں ترک کر دیتے ہیں''۔ حضور شفیع الامم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن کا حکم میرے قاصدوں نے تمہیں دیا ہے؟ ہم نے عرض کی ''انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسل عظام پر اور موت کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لائیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جو میں نے تمہیں سکھائی ہیں؟ ہم نے عرض کی ''آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھیں۔ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، رمضان المبارک کے روزے رکھیں، اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن پر تم زمانہ جاہلیت سے عمل پیرا ہو'' ہم نے عرض کی ''فراخی کے وقت شکر، مصیبت کے وقت صبر، قضا پر رضا، دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہوتے وقت ثابت قدمی اور دشمن کی مصیبت پر نہ ہنسنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ حکماء علماء ہیں۔ قریب تھا کہ یہ اپنی عقل و دانائی کی وجہ سے انبیاء بن جاتے''۔ پھر فرمایا ''میں تمہیں پانچ مزید خصلتوں کا تذکرہ کر دیتا ہوں۔ یہ تمہاری میں خصلتیں بن جائیں گی''۔ وہ چیز جمع نہ کرو جسے تم کھا نہ سکو۔ ایسی عمارات تعمیر نہ کرو جن میں رہائش نہ رکھ سکو۔ ایسی چیز میں مقابلہ نہ کرو جس سے کل تم نے دستبردار ہونا ہو۔ رب تعالیٰ سے ڈرو جس کی طرف تم نے لوٹ کر جانا ہے جس کے حضور تم نے پیش ہونا ہے اور اس اس چیز میں رغبت کرو۔ جہاں تم نے جانا ہے اور ہمیشہ وہیں رہنا ہے'' یہ اہل وفد واپس لوٹ گئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد کر لیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان پر عمل پیرا تھے۔

وفد بنی المنفق

یہ عامر بن صعصعۃ کا قبیلہ تھا۔ بنو منفق کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں حضرت لقیط بن عامر بن صبرہ بن عبد اللہ بن المنفق بھی شامل تھے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ملاقات کرنے کا شرف حاصل کیا۔ جب آپ صبح کی نماز ادا فرما کر تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟ آپ نے دست ہدایت بخش آگے بڑھایا۔ اور فرمایا "نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے پر اور اس بات پر کہ تم کسی کو رب تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے"۔ میں عرض گزار ہوا "یا رسول اللہ! مشرق و مغرب کے مابین جو کچھ ہے وہ ہمارا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جہاں چاہو خیمہ زن ہو جاؤ۔ صرف تمہارا نفس ہی تمہاری طرف گناہ منسوب کرے"۔ جب ہم واپس آ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ دنیا اور آخرت میں رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے لوگ ہیں"۔ ایک صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا "وہ بنو المنفق ہیں"۔

وفد النخع

یہ بھی یمن کا قبیلہ تھا۔ یہ سب سے آخر میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تھا۔ یہ لوگ ۱۱ھ محرم الحرام کے نصف میں حاضر ہوئے۔ یہ وفد دو سو افراد پر مشتمل تھا۔ سارے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ ان میں سے ایک شخص حضرت زرارہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اس سفر میں عجیب چیز دیکھی ہے" یا انہوں نے عرض کی "میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے" انہوں نے عرض کی "میں نے اپنی گدھی کو دیکھا ہے جس نے سیاہی مائل سرخ بچہ جنا ہے"۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا حاملہ لونڈی گھر چھوڑ آئے تھے"۔ انہوں نے عرض کی "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس نے ایک بچہ جنم دیا ہے جو تمہارا بچہ ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! وہ سیاہی مائل سرخ کیوں ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا "میرے قریب ہو جاؤ" وہ آپ کے قریب ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہارے جسم پر برص کا داغ ہے جسے لوگوں سے چھپائے رکھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میرے جسم پر ایک داغ ہے جس پر آپ کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں ہوا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس بچے کی وہ رنگت اسی وجہ سے ہے" انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں نعمان بن منذر کو دیکھا ہے۔ اس کے کانوں میں آویزے تھے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس سے مراد عرب کی سلطنت ہے جو اپنے حسن و جمال اور شوکت و سطوت کی طرف لوٹ آئے گی"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے ایک بوڑھی عورت خواب میں دیکھی ہے جس کے سر کے بال سفید تھے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ بقیہ عمر ہے"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زمین سے نکلتی ہوئی ایک آگ دیکھی ہے جو میرے اور

میرے فرزند کے مابین حائل ہوگئی ہے۔ وہ آگ کہہ رہی ہے" آگ! آگ! بینا، اندھی! مجھے کھلاؤ۔ میں تمہیں، تمہارے اہل وعیال اور اموال کو کھا جاؤں گی" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یہ فتنہ ہے جو آخری زمانہ میں ہوگا"۔ انہوں نے عرض کی" یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کون سا فتنہ؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" لوگ اپنے امام کو قتل کر دیں گے۔ لوگ آپس میں لڑنے لگیں گے۔ گناہ گار خود کو محسن سمجھے گا۔ مومن کا خون دوسرے مومن کے نزدیک پانی سے زیادہ ارزاں نہ ہوگا"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یہ میٹھے پانی سے زیادہ شیریں لگے گا اگر تمہارا فرزند مر گیا تو تم یہ فتنہ پالو گے اور اگر تمہارا وصال ہو گیا تو تمہارا بیٹا یہ فتنہ پالے گا"۔

انہوں نے عرض کی" یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگیں کہ میں یہ فتنہ نہ پاسکوں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی" مولا! اسے اس فتنہ کی آزمائش میں مبتلا نہ کرنا" حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ ان کے فرزند عمرو نے یہ فتنہ پالیا۔ حضرت عمرو نے شرف صحابیت نہ پایا۔ یہ تابعی تھے۔

ایک اور روایت کے مطابق نخع نے اپنے دو افراد ارطاۃ بن شرجی اور ارقم کو اپنے اسلام کی خبر دے کر بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھیجا۔ جب یہ دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں اسلام پیش کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نرالی شان اور حسن ہیبت کو عجیب سمجھا۔ فرمایا" کیا تم نے جو قوم پیچھے چھوڑی ہے وہ اسی طرح ہے"۔ انہوں نے عرض کی" یا رسول اللہ! ہم نے اپنی قوم کے ستر افراد ایسے چھوڑے ہیں جو سب کے سب ہم سے افضل ہیں۔ ہر ایک کا حکم قطعی ہے اور وہ جو چاہے نافذ کر سکتا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اور ان کی قوم کے لیے دعائے خیر کی۔ عرض کی" مولا! نخع میں برکت فرما" آپ نے حضرت ارطاۃ کے لیے ایک جھنڈا باندھا۔ یہ جھنڈا فتح مکہ کے روز بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے جنگ قادسیہ میں شرکت کی اور جام شہادت نوش کیا۔ البتہ راوی کا یہ قول کہ فتح مکہ کے روز یہ جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا درست معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ وفد فتح مکہ کے بعد ۱۱ھ محرم الحرام کو حاضر خدمت ہوا تھا۔ مگر یہ کہ یوں کہا جائے" یہ دونوں حضرات وفد نخع سے پہلے بھی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تھے۔

مکتوبات گرامی

اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مکتوبات گرامی کا تذکرہ کیا جائے گا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کو دین حق کی دعوت دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہان عالم کو خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بادشاہ ایسے خطوط پڑھتے ہیں جن پر مہر لگی ہو۔ کیونکہ اس طرح انہیں یہ شعور ملتا ہے کہ جن حالات سے انہیں آگاہ کیا جارہا ہے۔ وہ ایسے امور ہیں جن سے ان کے علاوہ کسی اور کو آگاہ نہیں ہونا چاہیے۔

اگر خطوط کو تہ کر کے ان پر مہر لگائی جائے تو یہ امر اور واضح ہو جاتا ہے۔ اگر موم وغیرہ لگا کر مہر لگائی جائے تو مہر اور زیادہ واضح لگتی ہے۔ لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت یہ چیز نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت چاندی کی انگوٹھی بنوالی۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔ آپ کو دیکھ کر اہل ثروت صحابہ کرام نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہنی تو ان صحابہ کرام نے بھی وہ انگوٹھیاں پہن لیں۔ وقت صبح حضرت جبرائیل امین علیہ السلام یہ وحی لے کر آگئے کہ سونا پہننا آپ کی امت کے مردوں پر حرام ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی پھینک دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کا نقش تین سطروں پر مشتمل تھا۔ ایک سطر میں "محمد" فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "اللہ" مرقوم تھا۔ تینوں سطور نیچے سے اوپر کی طرف پڑھی جاتی تھیں۔ لفظ "محمد" سب سے نچلی سطر میں، لفظ "رسول" درمیان میں اور لفظ "اللہ" سب سے اوپر مرقوم تھا۔ یہ مبارک انگوٹھی آپ کے دست اقدس میں رہتی تھی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پاس رہی۔ حتیٰ کہ یہ اس سال اریس کے کنویں میں گر پڑی جس سال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اس کو مسلسل تین روز تک تلاش کیا گیا مگر یہ نہ مل سکی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ انگوٹھی کس انگشت مبارک میں پہنتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق آپ بائیں دست اقدس کی خنصر (چھنگلیا) انگشت مبارک میں پہنتے تھے۔

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں دست اقدس کی خنصر میں پہنتے تھے۔ صحابہ کرام کے ایک گروہ جن میں حضرت ابن عباس اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں سے روایت ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے دائیں دست اقدس اور کبھی اپنے بائیں دست اقدس میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ لیکن بائیں دست اقدس میں انگوٹھی پہننا آپ کا آخری معمول تھا۔

اشعب الطائع نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائیں دست اقدس میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ امام نووی تحریر کرتے ہیں "دائیں یا بائیں دونوں دست اقدس میں انگوٹھی پہننے کی روایات صحیح ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے مروی ہیں۔ البتہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ زیبائش ہے۔ اور دایاں ہاتھ اس کا زیادہ مستحق ہے"۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوزرعہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے دائیں دست اقدس میں بائیں دست اقدس سے زیادہ انگوٹھی پہنتے تھے۔

جب آپ ﷺ نے شاہان عالم کو مکتوبات گرامی لکھنے کا عزم فرمایا تو اس کے متعلق اپنے صحابہ کرام سے بھی گفتگو فرمائی۔ آپ نے ایک دن انہیں خطبہ ارشاد فرمایا تو فرمایا۔

"اے لوگو! رب تعالیٰ نے مجھے سراپا رحمت اور سارے عالم کے لیے نبی اور رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ میری طرف سے فریضہ ادا کرو اور میرے بارے اختلاف نہ کرو جس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے اختلاف کیا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حواریوں نے ان کے بارے کیسے اختلاف کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "انہوں نے بھی اسی طرح دعوت دی جس طرح میں نے تمہیں دعوت حق دی۔ انہوں نے جس شخص کو دعوت دے کر قریب ہی بھیجا۔ وہ راضی ہو گیا اور اس نے سر تسلیم خم کیا۔ جس کو انہوں نے دور بھیجا اس نے ناپسند کیا اور انکار کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ربوبیت میں اس بات کی شکایت کر دی۔ تو ان میں سے ہر شخص اس قوم کی زبان میں گفتگو کرنے لگا جس کی طرف انہوں نے اسے بھیجا تھا"۔

قیصر روم کی طرف مکتوب گرامی

اس مبارک خط میں ہرقل کو دعوت دی گئی تھی۔ یہ روم کا بادشاہ تھا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ اس کا معنی ہے ایسا بچہ جسے اس کی ماں کا پیٹ چیر کر باہر نکالا جائے۔ کیونکہ قیصر کی ماں دردزہ میں مر گئی۔ اس کا پیٹ چیرا گیا اور یہ بچہ باہر نکالا گیا اس لیے اس کا نام قیصر رکھا گیا۔ قیصر کو اس بات پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہتا تھا "میں شرم گاہ سے نہیں نکلا"۔ پھر روم کے ہر بادشاہ کا لقب قیصر پڑ گیا۔

آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے واپس آ کر ۶ھ کو اسے مکتوب گرامی لکھا تھا۔ وہ مکتوب پاک اسے ۷ھ محرم الحرام کو ملا۔ آپ نے یہ مکتوب حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ روانہ فرمایا تھا۔ آپ نے وہ خط قیصر تک پہنچانے کا حکم دیا۔ اس سے قبل آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص میرا یہ مکتوب گرامی ہرقل تک پہنچائے گا اس کے لیے جنت ہے" حضرت دحیہ نے عرض کی "میں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم"۔ حضور ﷺ نے وہ مکتوب مبارک انہیں عطا فرمایا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہ خط عظیم بصریٰ کے سپرد کر دیں وہ اسے قیصر تک پہنچا دے گا۔ اس وقت بصریٰ کے بادشاہ کا نام حارث ملک غسان تھا۔ جب حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حارث تک پہنچے تو اس نے عدی بن حاتم کو ان کے ہمراہ بھیجا تاکہ انہیں قیصر کے دربار تک پہنچا دیں۔ ابھی تک عدی نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ عدی انہیں دربار قیصر تک لے گئے۔ حضرت دحیہ کی قوم نے ان سے کہا "جب تم بادشاہ کو دیکھو تو فوراً اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ۔ پھر اس وقت تک سر نہ اٹھانا جب تک وہ اٹھانے کا حکم نہ دے" حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس طرح تو کبھی نہیں کر سکتا۔ میں رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور

کو سجدہ نہیں کر سکتا"۔ قوم نے کہا "پھر وہ تمہارا مکتوب کبھی وصول نہیں کرے گا"۔ اس قوم کے ایک شخص نے کہا "میں آپ کو ایک ایسے امر سے آگاہ کرتا ہوں جس کی بناء پر وہ آپ سے خط بھی لے لے گا اور آپ کو سجدہ بھی نہیں کرنا پڑے گا" حضرت دحیہ نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" اس شخص نے کہا "اس کی ہر دہلیز پر ایک منبر ہے وہ اس پر بیٹھتا ہے منبر کے سامنے اس مقدس خط کو رکھ دینا۔ کوئی شخص اس خط کو نہیں چھیڑے گا حتیٰ کہ وہ اسے خود اٹھا لے گا۔ پھر وہ خط لے کر آنے والے کو بلالے گا"۔ جب قیصر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ لیا تو اس نے اس پر عربی میں کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ اس نے اپنے عربی ترجمان کو بلایا۔ پھر کہا "ذرا عرب قوم کا کوئی باشندہ دیکھو جس سے ہم اس ہستی کے بارے سوالات کر سکیں"۔ اس وقت ابوسفیان شام میں ہی تھے۔ ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ یہ قریش کے تجارتی کارواں کے ساتھ غزہ میں موجود تھے۔ یہ ان ایام کی بات ہے جب صلح حدیبیہ رونما ہوا تھا۔ ۶ھ ماہ ذوالقعدہ کی تاریخ تھی۔ دوسری روایت کے مطابق حضور شہنشاہ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۷ھ کو قیصر کو مبارک گرامی نامہ لکھوایا۔ ان روایات میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کو دوبار خط لکھوایا۔ ابوسفیان نے کہا "ہمارے پاس قیصر کا قاصد آیا۔ وہ ہمیں بیت المقدس میں قیصر کے پاس گیا۔ قیصر وہیں براجمان تھا۔ اس کے سر پر تاج تھا۔ روم کے بڑے بڑے سردار اس کے اردگرد جمع تھے۔ اس نے اپنے ترجمان سے کہا "اس ہستی کا قریبی رشتہ دار تم میں سے کون ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتی ہے؟" ابوسفیان نے کہا: میں نسب میں ان کا سب سے زیادہ قریبی ہوں۔ کیونکہ اس تجارتی کارواں میں بنو عبد مناف کا کوئی شخص موجود نہ تھا۔ عبد مناف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوسفیان کے چوتھے جداعلیٰ تھے۔

قیصر نے پوچھا "تمہاری ان کے ساتھ کیسی رشتہ داری ہے؟" میں نے کہا "وہ میرے چچا زاد ہیں"۔ قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا "اسے میرے قریب کر دو" پھر اس نے میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے ہو جانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا "ابوسفیان کے ساتھیوں کو بتادو کہ میں نے ابوسفیان کو آگے اس لیے کیا ہے تاکہ اس سے اس شخص کے متعلق سوال کر سکوں جو خود کو نبی گمان کرتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس کے پیچھے اس لیے کیا ہے تاکہ اگر وہ جھوٹ بولے تو اس کا رد کر سکو۔ ممکن ہے اس کے سامنے تم اس کے جھوٹ کو رد نہ کر سکو"۔ ابوسفیان نے کہا "بخدا! اگر اس روز مجھے یہ خوف دامن گیر نہ ہوتا کہ یہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں ضرور جھوٹ بول دیتا۔ لیکن مجھے حیاء آئی اور میں نے ناپسندیدگی کے باوجود سچ اگل دیا"۔

دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان نے کہا "اگر مجھے اپنے ساتھیوں سے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ میرا یہ جھوٹ میری قوم تک منتقل کر دیں گے اور میرے شہر میں میرے بارے باتیں کرتے پھیریں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا" اس قول سے عیاں ہوتا ہے جھوٹ بولنا زمانہ جاہلیت اور اسلام کے سنہری دور میں قبیح ترین تھا۔

پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا "ابوسفیان سے پوچھو کہ اس شخص کا نسب کیسا ہے؟" میں نے کہا "وہ نسب پاک میں ہم سب سے افضل و اعلیٰ ہیں"۔ قیصر نے کہا "اس سے پوچھو کہ کیا اس سے قبل ان کے خاندان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے"۔ میں نے کہا "نہیں!" قیصر نے کہا "اس سے پوچھو کہ کیا دعویٰ نبوت کرنے سے پہلے اس ہستی پاک نے کبھی تم سے جھوٹ بولا تھا"۔ میں نے کہا "نہیں" دوسری روایت کے مطابق قیصر نے پوچھا "کیا وہ پہلے بہت زیادہ قسمیں اٹھانے

والے، بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے اور دھوکہ باز تھے" میں نے کہا "نہیں" قیصر نے کہا "کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟" میں نے کہا "نہیں" قیصر نے پوچھا "ان کی عقل ورائے کیسی ہے؟" میں نے کہا "عقل ورائے کی وجہ سے ہم نے ان پر کبھی عیب نہیں لگایا"۔ قیصر نے پوچھا "کیا مالدار ان کی اتباع کر رہے ہیں یا کمزور؟ میں نے کہا "کمزور" (قیصر نے ثروت مندوں کے لیے اشراف الناس کا لفظ استعمال کیا اس سے اہل نخوت وتکبر مراد ہیں۔ اس سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسی بلند پایہ شخصیات مراد نہیں جو اس سوال سے قبل اسلام لا چکی تھیں۔ کیونکہ وہ پاک اور کریم انساب والی ہستیاں تھیں۔ وہ نخوت اور تکبر کرنے والے نہ تھے۔ اس نے اس اعتبار سے انہیں ضعفاء میں شمار کیا)

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے کہا "ہم میں سے کمزور، مسکین اور نوعمر ان کی پیروی کر رہے ہیں بلند نسب اور اشراف میں سے کسی ایک نے بھی ان کی پیروی نہیں کی" اس بات کو اکثر اور اغلب پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی ان کے اکثر پیروکار کمزور ہیں۔ قیصر نے پوچھا "کیا ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟" میں نے کہا "ان میں اضافہ ہو رہا ہے" قیصر نے پوچھا "کیا ان میں سے دین قبول کر لینے کے بعد کوئی مرتد بھی ہوا"۔ میں نے کہا "نہیں" قیصر نے کہا "کیا وعدہ کر لینے کے بعد وہ وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں؟" میں نے کہا "نہیں۔ ابھی ابھی ہمارے اور ان کے مابین ایک معاہدہ ہوا ہے۔ دیکھئے اب ان کا کردار کیسا ہوتا ہے"؟

قیصر نے پوچھا "کیا تم نے کبھی ان کے ساتھ جنگ کی ہے؟" میں نے کہا "ہاں" قیصر نے پوچھا "نتیجہ کیا نکلا؟" میں نے کہا "کبھی وہ غالب آ گئے اور کبھی ہم" دوسری روایت کے مطابق ابوسفیان نے قیصر سے کہا "ایک دفعہ یوم بدر کو وہ ہم پر غالب آ گئے۔ میں نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی۔ پھر میں نے ان کے گھروں کے پاس ان کے ساتھ جنگ کی ہم نے ان کے صحابہ کے پیٹ چاک کر دیے۔ ان کے کان، ناک اور شرم گاہیں کاٹ لیں"۔ اس سے ابوسفیان کا اشارہ غزوۂ احد کی طرف تھا۔ قیصر نے پوچھا "وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟" میں نے کہا "اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ وہ ان معبودان باطلہ کی عبادت سے ہمیں روکتے جن کی پوجا ہمارے آباء کرتے تھے۔ وہ ہمیں نماز پڑھنے، سچ بولنے اور پاکدامن رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ ہمیں مروت، وفائے عہد اور امانت ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں"۔

قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا "اسے کہو کہ میں نے تم سے اس ہستی کے نسب کے بارے سوال کیا۔ تم نے کہا کہ وہ نسب کے اعتبار سے افضل واعلیٰ ہے۔ رسل عظام کو اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں ہی مبعوث کیا جاتا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ ان سے قبل ان کے خاندان کے کسی فرد نے یہ دعویٰ کیا۔ تم نے کہا "نہیں" اگر کسی اور شخص نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص بھی اس کی پیروی کر رہا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کیا تم نے انہیں کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے" تم نے کہا "نہیں" میں سمجھ گیا کہ جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ رب تعالیٰ کے متعلق کیسے جھوٹ بول سکتا ہے" میں نے پوچھا "کیا اس کے آباء میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے تم نے کہا "نہیں" اگر کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اپنے آباء کا تاج وتخت ڈھونڈ رہا ہے"۔ میں نے پوچھا "کیا کمزور لوگ اس کی اتباع کر رہے ہیں یا کہ طاقتور" تم نے جواب دیا "کمزور" رسل عظام کی اتباع اکثر کمزور لوگ

ہی کرتے ہیں"۔ میں نے پوچھا "ان کے پیروکاروں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے" تم نے کہا "بڑھ رہی ہے ۔ایمان کی حالت یہی ہوتی ہے حتیٰ کہ مکمل ہو جائے"۔ میں نے پوچھا "کیا ان کے دین میں داخل ہو جانے کے بعد کوئی مرتد بھی ہوا" تم نے کہا "نہیں" ایمان کی حالت یہی ہوتی ہے حتیٰ کہ دل میں اس کی حلاوت اور مٹھاس سرایت کر جائے اور اس سے انشراح صدر حاصل ہو جائے"۔ میں نے تم سے پوچھا "کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی جنگ کی" تم نے کہا "ہاں" میں نے کہا "نتیجہ کیسا نکلا؟" تم نے کہا "کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم" رسل عظام کو اسی طرح آزمایا جاتا ہے بالآخر کامیابی ان کے قدم ہی چومتی ہے"۔ میں نے تم سے پوچھا "وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں" تم نے کہا "وہ تمہیں نماز، صدق، عفت، وفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں"۔ میں نے پوچھا "کیا انہوں نے کبھی دھوکا کیا ہے" تم نے کہا "نہیں" اسی طرح رسل عظام دھوکہ نہیں کرتے کیونکہ دنیا ان کا مطمع نظر نہیں ہوتی۔ جس کو طلب کرنے والا دھوکہ اور فریب کے بغیر اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ میں نے جان لیا ہے کہ وہ نبی برحق ہیں۔ مجھے علم تھا کہ ان کا ظہور ہونے والا ہے۔ لیکن میرا یہ گمان ہرگز نہ تھا کہ ان کا ظہور تم میں سے ہو گا۔ اگر جو باتیں تم نے مجھے بتائی ہیں وہ سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کے مالک بن جائیں گے جس جگہ میں کھڑا ہوں"۔

قیصر نے جو علامات ابوسفیان سے پوچھی تھیں وہ حضور نبی کریم ﷺ کی وہ علامات تھیں جو ان کے ہاں سابقہ کتب میں موجود تھیں۔ پھر قیصر نے کہا "اگر مجھے علم ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا تو میں مشقتیں اٹھا کر بھی ان کے پاس پہنچ جاتا"۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے کہا "میں اپنی قوم کو شکست دینے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اگر میں نے یوں کر دیا یعنی اسلام قبول کر لیا تو میری سلطنت ختم ہو جائے گی اور اہل روم مجھے قتل کر دیں گے"۔

قیصر کے اس قول پر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنا تبصرہ یوں رقم فرماتے ہیں "قیصر روم کا یہ عذر قابل قبول نہیں۔ کیونکہ وہ حضور تاجدار عرب و عجم ﷺ کی صداقت کو جان چکا تھا۔ مگر وہ ریاست و سلطنت کا حریص بنا رہا۔ اس نے اپنی مملکت کو اسلام پر ترجیح دی۔ اگر اللہ رب العزت ارادہ فرماتا تو اسے بھی اسی طرح ہدایت کی توفیق فرماتا جس طرح اس نے نجاشی کو اسلام لانے کی توفیق عطا کی تھی۔ کیونکہ جب نجاشی نے دولت اسلام سمیٹ لی تو دنیا کی سلطنت اس سے نہیں چھینی گئی تھی۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "اگر قیصر حضور ﷺ کے اس فرمان کو سمجھ لیتا" اسلم تسلم "اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا۔ تو اسے دنیا اور آخرت کی جزاء کی عمومیت پر محمول کرتا۔ یعنی اسے ہر اس چیز سے سلامتی کی نوید جانفزا تھی جس سے اسے اندیشہ یا خوف تھا۔ لیکن توفیق تو رب تعالیٰ کے دست اقدس میں ہے۔

پھر قیصر نے کہا "اگر میں حضور ﷺ کے پاس ہوتا تو آپ کے قدمین شریفین دھوتا۔ آپ سے کسی عہدہ یا منصب کا تقاضا نہ کرتا"۔ ابوسفیان نے کہا "پھر قیصر نے حضور نبی اکرم ﷺ کا گرامی نامہ منگوایا۔ اسے پڑھ کر سنایا گیا۔ وہ مبارک، مقدس اور مطہر مکتوب یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عربی ﷺ جو اللہ رب العزت کے بندے اور اس کے رسول مکرم ہیں کی طرف سے قیصر عظیم الروم کی طرف! سلامتی

ہو اس پر جو ہدایت کی اتباع کرے!

اما بعد! میں تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر لے سلامتی پا جائے گا۔ اللہ رب العزت تجھے دو گنا اجر عطا کرے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی تو تمہارے کسانوں کے انکار کا گناہ بھی تمہارے سر ہو گا۔ اے اہل کتاب! آ جاؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم رب تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو اپنا رب نہیں بنائیں گے۔ اگر اس دعوت کے باوجود وہ روگردانی کریں تو تم کہو "اے روگردانی کرنے والو! گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں"۔

دعایۃ السلام سے مراد کلمہ توحید ہے۔ قیصر کو دو گنا اجر ملنے سے مراد یہ ہے کہ اسے حضرت عیسیٰ روح اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسلام لانے کا اجر و ثواب ملے گا۔ کیونکہ کسان بھی قیصر کی رعایا تھے۔ جو اس کی اتباع کرتے تھے۔ انہی کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ اس لیے اگر وہ اسلام نہ لائے تو اس کا بار گراں بھی قیصر پر ہو گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسانوں کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ یہ دوسروں کی بنسبت جلدی سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان پر جہالت، جفاء اور قلت دین کا غلبہ ہوتا ہے۔

ابو سفیان نے کہا "جب قیصر کی بات ختم ہو گئی۔ وہ خط پڑھنے سے فارغ ہو گیا۔ تو ان لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ جو اس کے ارد گرد تھے۔ وہ شور و غوغا کرنے لگے۔ اس نے ہمیں چلے جانے کا حکم دیا۔ میں اور میرے ساتھی باہر نکل آئے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا "ابن ابی کبشہ (محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا امر اتنا عظیم ہو گیا ہے کہ بنو اصفر کا بادشاہ بھی ان سے ڈرنے لگا ہے۔ مجھے یہ یقین ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ جائیں گے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مجھے اسلام لے آنے کی توفیق عطا فرما دی"۔ دوسری روایت میں ہے "میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرعوب رہا۔ حتیٰ کہ میں نے اسلام قبول کر لیا"۔ ابو سفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ اس لیے کہا کیونکہ ابو کبشہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے آباء میں سے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جب قیصر نے ابو سفیان سے پوچھا "کیا تم نے اس ہستی پاک کو کبھی جھوٹ بولتے سنا ہے تو اس نے کہا "نہیں! البتہ شاہ والا! میں آپ کو اس کے متعلق ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے اس کا جھوٹ عیاں ہو جائے گا"۔ قیصر نے پوچھا "وہ کیا ہے؟" ابو سفیان نے کہا "وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ایک رات سرزمین حرم سے نکلے۔ وہ اسی رات کو تمہاری اس مسجد میں آئے اور صبح ہونے سے قبل واپس حرم شریف میں چلے گئے"۔

ایک پادری قیصر کے سر کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے کہا "شہنشاہ والا! اس ہستی پاک نے سچ فرمایا ہے۔ وہ ہماری اس مسجد میں تشریف لائے تھے"۔ قیصر نے اس پادری کی طرف دیکھا۔ اور پوچھا "تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا؟ اس پادری نے کہا "میں رات کو اس وقت تک نہ سوتا تھا جب تک میں مسجد اقصیٰ کے سارے دروازے مقفل نہ کر لیتا تھا۔ جب شب معراج آئی تو میں نے سارے دروازے مقفل کر دیے۔ مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے اپنے مزدوروں اور حاضرین سے مدد طلب کی۔ لیکن ہم سب مل کر اسے حرکت بھی نہ دے سکے۔ گویا کہ ہم کسی پہاڑ کو ہٹا رہے تھے۔ صبح کے وقت میں اس مسجد

میں آیا۔ تو اس کے کونہ میں پڑے ہوئے پتھر میں سوراخ تھا۔ وہاں جانور کے باندھے جانے کے نشانات بھی موجود تھے۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا "آج رات یہ دروازہ اسی لیے بند نہیں ہو سکا"۔

قیصر روم نے اپنی قوم سے کہا "اے میری قوم! کیا تم بیان نہیں کرتے تھے کہ قیامت سے پہلے ایک نبی مکرم کا ظہور ہوگا۔ جن کی بشارت تمہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ تمہیں امید تھی کہ رب تعالیٰ انہیں تم میں سے پیدا کرے گا"۔ حاضرین نے جواب دیا "ہاں!" قیصر نے کہا "اللہ تعالیٰ نے انہیں تم سے علاوہ کسی اور قوم میں ظاہر کر دیا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے وہ جہاں چاہتا ہے فرماتا ہے" پھر قیصر نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی اور عزت دینے کا حکم دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ قیصر کے بھتیجے نے شدید غصے کا اظہار کیا۔ اس نے اپنے چچا سے کہا "یہ خط لکھنے والے نے خط کی ابتداء اپنے آپ سے کی ہے۔ اس نے تمہیں صاحب الروم لکھا ہے۔ اس کا یہ خط پھینک دو" قیصر نے اسے کہا "اللہ کی قسم! تمہاری یہ رائے بہت کمزور ہے۔ تم کہتے ہو کہ میں اس عظیم ہستی کا مبارک نامہ پھینک دوں۔ جس کے پاس ناموس اکبر آتا ہے۔ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ وہ اپنے آپ سے ابتداء کرے۔ اس نے سچ کہا ہے۔ میں اہل روم کا ساتھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرا اور اس کا مالک ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق جب قیصر کے بھائی نے ترجمان کو یوں پڑھتے ہوئے سنا "من محمد رسول اللہ الی قیصر صاحب الروم" تو اس نے ترجمان کے سینہ میں ضرب کاری لگائی۔ اس کے ہاتھ سے خط چھین لیا۔ اس نے اس کو کاٹنا چاہا۔ قیصر نے اسے پوچھا "تجھے کیا ہوا ہے؟" اس نے کہا "تم اس شخص کا خط پڑھ رہے ہو جس نے ابتداء خود سے کی ہے۔ تمہیں قیصر صاحب الروم لکھا ہے۔ تمہیں ملک الروم نہیں لکھا ہے"۔ قیصر نے اسے کہا "تو چھوٹا احمق یا بڑا پاگل ہے۔ تو خط کو پڑھے بغیر اسے پھاڑنا چاہتا ہے۔ مجھے اپنی زندگانی کی قسم! اگر وہ ہستی اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ہی ہوں جس طرح کہ وہ کہتے ہیں تو اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ خود سے شروع کریں۔ اگر انہوں نے مجھے صاحب الروم لکھا ہے تو انہوں نے سچ ہی لکھا ہے۔ میں ان کا صاحب ہی ہوں۔ ان کا مالک نہیں ہوں۔ لیکن رب تعالیٰ نے انہیں میرے لیے مسخر فرما دیا ہے۔ اگر وہ چاہے تو انہیں مجھ پر مسلط کر دے۔ جس طرح اس نے اہل ایران کو کسریٰ پر مسلط کر دیا۔ انہوں نے اسے تہ تیغ کر دیا"۔ جب قیصر کی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کا ملک ثابت رہا" دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عنقریب ان کے لیے بقیہ ہوگا"۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ملک منصور قلاوون نے اپنے ایک امیر کو مغرب کے بادشاہ کے پاس تحفہ دے کر بھیجا۔ اس نے ملک مغرب کو افرنگی بادشاہ کے پاس سفارشی بنا کر بھیج دیا۔ اس نے اس تحفہ کو بوسہ دیا۔ اور اس کی انتہائی تکریم کی۔ اسے کہا کہ ہمیشہ کے لیے میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے ایک صندوق باہر نکالا جس پر سونا چڑھا ہوا تھا۔ اس کے اندر سے سونے کی شیشی نکالی۔ اس نے ایک خط باہر نکالا۔ اس کے اکثر حروف مٹ چکے تھے۔ اس نے اس پر ریشم کا لباس پہنا رکھا تھا۔ اس نے کہا "یہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ہے۔ جو آپ نے میرے دادا

قیصر کی طرف لکھا تھا۔ یہ ابھی تک نسل درنسل ہمارے پاس آرہا ہے۔ ہمارے آباء نے ان کے آباء سے روایت کیا ہے کہ جب تک یہ مکتوب مبارک ہمارے پاس رہے گا۔ یہ ملک ہمارے پاس رہے گا۔ ہم اس کی بہت زیادہ حفاظت کرتے ہیں اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسے نصاریٰ سے چھپاتے ہیں تاکہ سلطنت ہمیشہ ہمارے پاس ہی رہے"۔

حضور اکرم ﷺ سے مروی یہ حدیث پاک اس کے منافی نہیں "جب قیصر ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد قیصر نہ ہوگا"۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب شام سے اس کی سلطنت ختم ہوگئی تو پھر وہاں اس کا جانشین نہ بیٹھے گا۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس صادق وامین رسول ﷺ نے فرمایا تھا۔ سوائے روم کے چند شہروں سے اس کی سلطنت ختم ہوگئی۔

روایت ہے کہ جب قیصر نے "الفرس" پر غلبہ پالیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو ان کے شہر سے نکال دیا تو اس نے نذر مانی کہ وہ ربّ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے پیدل بیت المقدس جائے گا۔ جب اس نے پیدل بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے قالین بچھا دیے گئے۔ ان پر خوشبوئیں چھڑک دی گئیں۔ وہ ان پر چلتا چلتا بیت المقدس پہنچ گیا۔ جب حمص واپس آیا۔ اس جگہ اس کا ایک عظیم محل تھا۔ اس نے اس کے دروازے بند کر دیے۔ ایک منادی نے اعلان کیا کہ ہرقل محمد عربی ﷺ پر ایمان لے آیا ہے۔ ان کی اتباع کر لی ہے۔ یہ سنتے ہی فوجیں اسلحہ لے کر آگئیں۔ محل کا گھیراؤ کر لیا قیصر کو قتل کرنے کے درپے ہوگئیں۔ قیصر نے ان کی طرف پیغام بھیجا "میں تو دین میں تمہاری پختگی کو آزما رہا تھا۔ میں تمہارے دین پر راضی ہوں"۔ وہ افواج اس سے راضی ہوگئیں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب قیصر حمص واپس آیا تو وہاں کے امراء کو محل سرائے میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر اس محل کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے کہا "اہل روم! اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں رشد وفلاح نصیب ہو۔ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی کریم ﷺ کی اتباع کرلو"۔ یہ سن کر وہ امراء جنگلی گدھوں کی طرح دولتیاں مارنے لگے۔ وہ دروازوں کی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے دروازوں کو مقفل پایا۔ انہوں نے اسے کہا "کیا تو چاہتا ہے کہ ہم نصرانیت کو ترک کر دیں۔ ایک عربی کے غلام بن جائیں"۔

جب قیصر نے ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا تو اس نے کہا "ان امراء کو میرے پاس لے آؤ"۔ پھر اس نے کہا "میں نے تم سے بات اس لیے کی ہے تاکہ تمہارے دین میں تمہاری پختگی کو دیکھوں۔ میں نے وہ دیکھ لی ہے" اہل روم نے اسے سجدہ کیا اور اس سے راضی ہوگئے۔ اس وقت اس نے ایک خط لکھا۔ اور اسے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس نے اس میں لکھا۔

"میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ لیکن میں مغلوب ہوں"۔ اس نے آپ کی خدمت اقدس میں ایک تحفہ بھی بھیجا جب حضور ﷺ نے اس کا خط پڑھا تو فرمایا "اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا" اس کا تحفہ آپ نے قبول کرلیا اور اسے مسلمانوں کے مابین تقسیم کر دیا۔

صحیح ابن حبان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قیصر کو تبوک سے بھی ایک مکتوب گرامی لکھا۔

جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ قریب تھا کہ وہ اس دعوت پر لبیک کہتا مگر وہ یوں نہ کر سکا"۔

کسریٰ کی طرف گرامی نامہ

حضور ﷺ نے کسریٰ ایران کی طرف بھی اپنا مکتوب گرامی بھیجا۔ آپ ﷺ کا یہ گرامی نامہ حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ لے کر گئے۔ کیونکہ دربار کسریٰ میں ان کا آنا جانا بہت زیادہ تھا۔ اس مبارک نامہ کی عبارت یہ تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

من محمد رسول اللہ ﷺ الی کسریٰ عظیم فارس!

سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لے آیا۔ اس نے گواہی دی کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھے رب تعالیٰ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ میں سارے لوگوں کی طرف اللہ رب العزت کا رسول بن کر آیا ہوں۔ تاکہ اسے بروقت خبردار کروں جو زندہ ہو۔ اور کافرین پر حجت پوری ہو جائے۔ اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا۔ اگر تو نے انکار کر دیا تو مجوسیوں کا گناہ بھی تیرے کندھے پر ہو گا۔ جو تیرے ہی پیروکار ہیں۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں کسریٰ کے دروازہ کے پاس آیا۔ اجازت طلب کی اور اس تک پہنچ گیا۔ میں نے اسے حضور ﷺ کا گرامی نامہ دیا۔ جب اسے پڑھ کر سنایا گیا تو اس نے اسے لیا اور پھاڑ دیا"۔

دوسری روایت کے مطابق جب کسریٰ کو حضور ﷺ کے مبارک نامہ کا علم ہوا تو اس نے یہ مبارک خط لانے والے کو حاضر خدمت کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ تک کسریٰ کا یہ حکمنامہ پہنچا کہ وہ گرامی نامہ دے دیں تو انہوں نے فرمایا "میں یہ نامہ مبارک کسی اور کو ہرگز نہیں دوں گا۔ میں یہ بذات خود کسریٰ کو دوں گا جس طرح کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے" کسریٰ نے کہا "انہیں میرے پاس لے آؤ۔ اس نے گرامی نامہ پکڑا۔ اپنے ترجمان کو بلایا۔ اس نے یہ نامہ پاک پڑھ کر سنایا۔ اس نے پہلا مبارک فقرہ ہی پڑھا "من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس؟" تو وہ غصے میں ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پہلے اپنا ذکر خیر فرمایا تھا۔ وہ چلایا اور خط مبارک کو پڑھے بغیر ہی پھاڑ دیا اور یہ خط مبارک لانے والی ہستی کو دربار سے باہر نکال دینے کا حکم دیا۔ انہیں باہر نکال دیا گیا۔ وہ اپنی سواری پر بیٹھے اور واپس روانہ ہو گئے۔ جب کسریٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے نامہ پاک لانے والے کو تلاش کیا۔ مگر بے سود! جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں پہنچے اور کسریٰ کی بات بتائی تو حضور تاجدار حرم ﷺ نے فرمایا "کسریٰ کے ملک کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا ہے" دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا" تیسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی "مولا! اس کی سلطنت کو ریزہ ریزہ کر دے"۔

کسریٰ نے یمن کے امیر باذان کی طرف خط لکھا "مجھے خبر ملی ہے کہ مکہ مکرمہ میں خاندان قریش سے ایک شخص کا ظہور ہوا ہے۔ اس کا گمان ہے کہ وہ نبی ہے اس کے پاس جاؤ۔ اسے توبہ کے لیے کہو اگر وہ توبہ کر لے تو بہتر! ورنہ اس کا سر میرے

پاس بھیج دو" (نعوذ باللہ منہ) اس نے مجھے خط لکھا ہے جس میں پہلے اپنا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ میرا غلام ہے (نعوذ باللہ منہ)
دوسری روایت کے مطابق اس نے باذان کو لکھا "اگر تم اس شخص کے لیے کافی نہ ہو گئے جس کا ظہور تمہاری زمین سے ہوا ہے جس نے مجھے اپنے دین کی طرف دعوت دی ہے تو میں تمہیں بھی یوں یوں کر دوں گا۔ اس کے پاس دو مضبوط شخص بھیجو۔ جو اسے لے کر آئیں۔

باذان نے کسریٰ کا خط اپنے وکیل کو دے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس کے ہمراہ ایک اور ایرانی شخص کو بھیجا۔ ان کے ساتھ اپنا خط بھی بھیجا جس میں لکھا تھا کہ حضور ﷺ ان دونوں کے ہمراہ کسریٰ کے پاس جائیں۔ یہ دو اشخاص عازم سفر ہوئے۔ پہلے طائف پہنچے۔ طائف میں چند قریشیوں سے ملے ان سے حضور اکرم ﷺ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا "آپ تو مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہیں"۔ انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ شہنشاہ کسریٰ نے باذان کی طرف پیغام بھیجا ہے کہ وہ آپ کے پاس ایسے افراد بھیجے جو آپ کو گرفتار کر کے لے آئیں۔ ہمیں آپ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر آپ نے انکار کیا تو آپ کو، آپ کے اہل خانہ اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دیا جائے گا اور آپ کے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی"۔ یہ شخص ایرانیوں کے لباس میں تھا۔ داڑھی مونڈھی ہوئی اور مونچھیں لمبی لمبی۔

حضور ﷺ نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر پوچھا "تمہارے لیے ہلاکت! یہ حکم تمہیں کس نے دیا ہے؟" انہوں نے کہا "ہمیں یہ حکم ہمارے آقا کسریٰ نے دیا ہے" حضور ﷺ نے فرمایا "لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اس وقت تم چلے جاؤ صبح میرے پاس آنا"۔ حضور ﷺ کو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے بتایا کہ رب تعالیٰ نے کسریٰ پر اس کے بیٹے کو مسلط کر دیا ہے۔ اس نے اسے فلاں مہینہ اور فلاں رات کو مار ڈالا ہے (یعنی منگل کی رات جمادی الاول ۷ ھ کو) وقت صبح حضور ﷺ نے ان دونوں کو بلایا اور انہیں کسریٰ کے متعلق بتایا۔ پھر حضور ﷺ نے باذان کی طرف گرامی نامہ لکھا کہ رب تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے اور فلاں تاریخ کو قتل کر دیا جائے گا۔ جب یہ گرامی نامہ باذان کے پاس پہنچا تو اس نے توقف کیا۔ اس نے کہا "اگر یہ نبی برحق ہوئے تو عنقریب اسی طرح ہوگا جس طرح انہوں نے فرمایا ہے"۔ کسریٰ اسی روز قتل ہو گیا جس دن کے متعلق سرور عالم ﷺ نے فرمایا تھا۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ دوسری روایت کے مطابق اس نے اپنے باپ کو اس وقت قتل کیا جب رات کی سات ساعتیں بیت چکی تھیں۔ اس صورت میں روایت میں "یوم" سے مراد مطلق وقت ہوگا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور تاجدار عرب وعجم ﷺ نے باذان کے قاصد سے فرمایا "اپنے صاحب سے کہو کہ میرے رب تعالیٰ نے آج رات تمہارے آقا کو قتل کر دیا ہے"۔ پھر یہ خبر عام ہو گئی کہ کسریٰ اسی رات کو قتل ہو گیا جس کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ جب کسریٰ کی ہلاکت کی خبر آئی تو حضور تاجدار حرم ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ کسریٰ پر لعنت کرے۔ پہلے اہل فارس ہلاک ہوں گے پھر اہل عرب"۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "مسلمانوں یا مؤمنین کا ایک گروہ یا میری امت کا

ایک گروہ (راوی کو شک ہے) کسریٰ کے وہ خزانے ضرور فتح کرے گا۔ جو قصر ابیض میں ہیں"۔ مجھے اور میرے والد گرامی کو اس لشکر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہمیں اس سے ایک ہزار درہم بطور مال غنیمت ملے"۔ شیرویہ نے باذان کی طرف یہ خط لکھا۔

امابعد! میں نے کسریٰ کا کام تمام کر دیا ہے۔ میں نے اہل ایران کی وجہ سے غصہ میں آ کر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس نے ایرانی سرداروں کو مار کر ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا تھا۔ جونہی میرا خط تمہارے پاس پہنچے تو اس طرف کے لوگوں سے میرے حق میں بیعت لے لو۔ اس شخص پر بھی نظر رکھنا جس کے متعلق کسریٰ نے تمہیں لکھا تھا۔ اسے مزید نہیں ستانا حتیٰ کہ میرا نیا حکم تمہارے پاس پہنچ جائے"۔

باذان نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام لانے کی خبر بارگاہ رسالت مآب میں بھیج دی۔ پھر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو کسریٰ کی سلطنت، اس کے خزائن اور اموال کا مالک بنا دیا۔ یہ معجزہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رونما ہوا۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی قبولیت کا اظہار کرتے ہوئے کسریٰ کے ملک کو پارہ پارہ کر دیا۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف گرامی نامہ

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری رضی اللہ عنہ ۶ ھ کو گرامی نامہ دے کر نجاشی کی طرف بھیجا۔ اس گرامی نامہ کی عبارت یہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے نجاشی ملک حبشہ کی طرف!

تم سلامت رہو!

میں تمہارے سامنے اللہ رب العزت کی تعریف کرتا ہوں۔ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ہے۔ سلامت رکھنے والا ہے۔ امان دینے والا ہے۔ وہ نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔ وہ مریم جو رب تعالیٰ سے لو لگائے ہے۔ وہ پاک ہے۔ وہ مطہرہ ہے۔ وہ خوشبودار ہے۔ پاک دامن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گوہر بطن میں رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی روح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں۔ جس طرح کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست اقدس سے تخلیق فرمایا۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ جو وحدہ لاشریک ہے۔ ہمیشہ اس کی اطاعت کرو۔ اگر تم میری اتباع کرو گے اور اس پیغام حق پر ایمان لے آؤ گے۔ جو میرے پاس آتا ہے تو بلاشبہ میں رب تعالیٰ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ رب العزت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے پیغام حق پہنچا دیا۔ نصیحت کا فریضہ ادا کر دیا۔ میری نصیحت قبول کر لو۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے"۔

جب نجاشی شاہ حبشہ کے پاس گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا۔ اپنے تخت شاہی سے نیچے اتر آیا۔

زمین کے اوپر بیٹھ گیا۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے ہاتھی دانت کی ڈبیہ منگوائی۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ بڑے اہتمام کے ساتھ رکھا۔ اس نے کہا "جب تک یہ نامہ مبارک اہل حبشہ کے پاس رہے گا۔ اس وقت تک وہ خیر و عافیت سے رہیں گے"۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نجاشی کی طرف دو خطوط بھیجے۔ ایک میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ جبکہ دوسرے میں اسے حکم دیا کہ وہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے۔ اس نے دونوں مکتوبات لیے اور انہیں اپنے سر اور آنکھوں پر رکھا۔ عاجزی کرتے ہوئے اپنے تخت شاہی سے نیچے اتر آیا۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حق کی گواہی دی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کا یہ جواب دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نجاشی اصحمہ کی طرف سے!

السلام علیک یا نبی اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

رب تعالیٰ کی ذات نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔

اما بعد! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے آپ کا والا نامہ موصول ہوا۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امر کے بارے تذکرہ فرمایا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے رب کی قسم! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے کچھ بھی زائد نہیں جس کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ ہم نے اس پیغام حق کو پہچان لیا ہے۔ جس کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا گیا ہے۔ آپ کے چچا زاد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر مسلمان ہمارے قرب میں ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور برحق رسول ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے۔ میں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی کر لی ہے اور ان کے دست اقدس پر اسلام لے آیا ہوں"۔

دوسری روایت کے مطابق نجاشی نے لکھا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی طرف اپنا نور نظر بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو آپ کی خدمت اقدس میں خود بھی حاضر ہونے کے لیے تیار ہوں۔

السلام علیک یا نبی اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

پھر اس نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے کارواں کے پیچھے اپنے فرزند کو سات افراد کے ساتھ بھیجا۔ جب یہ قافلہ سمندر کے وسط میں پہنچا تو نجاشی کا بیٹا اور اس کے سات ساتھی ڈوب گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک نجاشی کا خط پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے تو حبشہ چھوڑ دیا مگر اہل حبشہ نے تمہیں نہ چھوڑا"

دوسری روایت کے مطابق جب حضرت عمرو بن امیہ نے نجاشی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ دیا تو کہا "اے اصحمہ! بات کرنا مجھ پر ہے۔ تم پر صرف سننا ہے۔ گویا کہ تم ہم سے ہو۔ ہم گویا کہ تم میں سے ہیں۔ کیونکہ ہم نے جب تمہارے ساتھ خیر کی امید وابستہ کی ہم نے اسے پا لیا۔ جب ہم نے معمولی سا شر بھی تمہاری طرف منسوب کیا تو ہم اس سے بھی محفوظ رہے۔ ہم نے انجیل میں سے ہی تمہارے خلاف دلیل حاصل کی۔ یہ ہمارے اور تمہارے مابین ایسا گواہ ہے جسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایسا

فیصلہ ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی میں سعی جمیل کے پورا ہونے کی توقع اور صحیح فیصلے کا یقین ہے۔ ورنہ تم اس نبی الامی ﷺ کے بارے اسی طرح ہو جس طرح یہودی حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ کے متعلق ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے قاصد دوسرے لوگوں کی طرف بھی بھیجے جب دیگر لوگوں سے آپ کو امید نہ رہی تو آپ نے اپنی امید تجھ سے وابستہ کی اور اس پر تجھے امین بنایا جس کے بارے آپ کو خدشہ تھا"۔ نجاشی نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ وہی نبی محترم ﷺ ہیں جن کا انتظار اہل کتاب کر رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت دراز گوش کے سوار کی حیثیت سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اونٹ کے شہ سوار کی حیثیت سے آپ کی بشارت دی ہے۔ لیکن خبر معاینہ کی طرح نہیں۔ لیکن حبشہ میں میرے ساتھی بہت قلیل ہیں۔ مجھے مہلت دو حتیٰ کہ میرے مددگار زیادہ ہو جائیں اور دل نرم ہو جائیں"۔

دوسری روایت میں ہے۔ نجاشی نے کہا "اگر مجھ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی استطاعت ہوتی تو حاضری کا شرف ضرور حاصل کرتا"۔ اس نجاشی نے ۹ ھ یا ۸ ھ میں وصال فرمایا۔ حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس نجاشی کو اسلام لانے کا شرف نصیب ہوا۔ اس نے حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی تکریم کی۔ البتہ اس کے بعد جو حبشہ کے امور کا والی بنا تو وہ کافر تھا۔ نہ ہی اس کے اسلام کا کچھ علم ہے نہ ہی اس کا نام معلوم ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب قیصر و کسریٰ کو خط لکھوائے تو اس دوسرے نجاشی کی طرف بھی خط لکھوایا اسے اسلام کی دعوت دی۔ امام بیہقی نے امام ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نجاشی عظیم الحبشہ کی طرف یہ خط لکھا

"اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لایا۔ اس نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کی بیوی ہے نہ ہی بچہ۔ محمد عربی ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اس کا رسول محترم ﷺ ہوں۔ اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا"۔

يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

"اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اسکے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب تعالیٰ کے سوا۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو۔ گواہ رہنا (اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں"۔ (آل عمران)

اگر تو نے انکار کر دیا تو تمہاری قوم کے عیسائیوں کا گناہ بھی تمہارے سر ہو گا۔

"مواہب" میں ہے "بعض سیرت نگاروں نے دونوں نجاشیوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ انہیں ایک ہی شمار کیا ہے۔ جبکہ صحیح

مسلم میں ایسی روایت موجود ہے جو اس بات پر صراحتہً دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ تھے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر جابر بادشاہ کی طرف گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ انہیں رب تعالیٰ کی طرف بلایا۔ یہ وہ نجاشی نہیں جس پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔

مقوقس کو گرامی نامہ

مقوقس ہر اس بادشاہ کا لقب تھا جو قبط کا والی بنتا۔ اس سے مراد اہل مصر اور اہل سکندریہ ہیں۔ ان کا تعلق بنو اسرائیل سے نہیں تھا۔ جب حضور حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو فرمایا "اے لوگو! تم میں سے کون شخص ہے جو میرا خط مصر کے بادشاہ کے پاس لے کر جائے گا۔ اس کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہوگا"۔ حضرت حاطب جلدی سے اٹھے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! یہ سعادت میں حاصل کروں گا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حاطب! اللہ تعالیٰ تم میں برکت ڈالے"۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے گرامی نامہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الوداعی سلام کیا۔ اپنے گھر گیا اپنی سواری کو تیار کیا۔ اہل خانہ کو الوداع کیا اور عازم سفر ہو گیا"۔

دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ابو رھم الغفاری رضی اللہ عنہ کے غلام جبر کو بھیجا۔ مگر یہ والا نامہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے پاس ہی تھا۔ خط کی عبارت یہ تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

من محمد رسول اللہ الی مقوقس عظیم القبط! اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی!

امابعد! میں تمہیں اسلام قبول کر لینے کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے۔ اللہ رب العزت تمہیں دوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ اگر تم نے روگردانی کی تو قبطیوں کے گناہوں کے بار گراں بھی تم پر ہی ہوگا۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (آل عمران)

"اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ کہ) ہم نہ عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کی اور نہ شریک ٹھہرائیں اسکے سوا کسی چیز کو اور نہ بنالے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں (اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں"۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ یہ مبارک خط لے کر عازم سفر ہوئے۔ پہلے مصر تشریف لے گئے مگر مقوقس وہاں نہ ملا۔ پھر اسکندریہ تشریف لے گئے۔ انہیں بتایا گیا کہ اس نے سمندر میں ایک محل بنا رکھا ہے۔ وہ وہیں ہے" حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کشتی پر سوار ہو کر اس کے محل کے قریب پہنچے۔ اسے خط کی طرف اشارہ کیا۔ جب اس نے مکتوب مبارک دیکھا تو انہیں اپنے پاس آنے کے لیے کہا۔ اس نے مکتوب گرامی کی طرف دیکھا اس کی مہر توڑی۔ اسے پڑھا پھر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے یوں مخاطب ہوا "اگر وہ نبی ہیں تو پھر انہیں کیا چیز روکتی ہے کہ اپنی مخالف قوم کے لیے بددعا کریں اور انہیں اپنے شہر سے نکال دیں"۔ حضرت

حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے ہو کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ رب العزت کے رسول ہیں۔ پھر انہیں کیا تھا کہ ان کی قوم نے انہیں اذیتیں بھی دیں۔ انہیں صلیب پر چڑھانے کا ارادہ بھی کیا۔ لیکن انہوں نے ان کے لیے بددعا نہ کی کہ رب تعالیٰ انہیں ہلاک کر دے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے انہیں اوپر اٹھا لیا"۔

یہ حکمت آموز بات سن کر مقوقس نے کہا "تم نے بہت اچھی بات کی ہے۔ ایک دانا شخص ایک دانا شخص کے پاس سے آیا ہے" پھر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا "تمہارے پہلے بھی ایک شخص گزرا ہے۔ اس کا گمان تھا کہ وہ رب اعلیٰ ہے یعنی فرعون۔ رب تعالیٰ نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ پھر اس سے انتقام لیا۔ تم دوسرے لوگوں سے عبرت حاصل کرو نہ کہ دوسرے لوگ تم سے عبرت حاصل کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حق کی طرف دعوت دی ہے تو قریش نے سب سے زیادہ آپ کو اذیتیں دیں۔ یہودی آپ سے عداوت کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھے۔ البتہ ان سب سے قریب عیسائی تھے۔ مجھے اپنی حیاتی کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اسی طرح ہے جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مژدہ سنایا تھا۔

قرآن مجید کی طرف ہمارا تمہیں بلانا اسی طرح ہے جس طرح اہل تورات نے تمہیں انجیل کی طرف دعوت دی۔ ہر نبی نے ایک قوم کو پایا وہی اس کی امت ہے۔ اس قوم کا فرض تھا کہ وہ اپنے نبی کی اطاعت بجا لائے۔ تم نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں کو پالینے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ہم تمہیں دین مسیح کو رد کرنے کا حکم نہیں دیں گے بلکہ اسے بھی ماننے کا حکم دیں گے"۔

مقوقس نے کہا "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غور و فکر کیا ہے۔ آپ پسندیدہ کام کا حکم دیتے ہیں ناپسندیدہ امر سے روکتے ہیں۔ ایسا حکم دیتے ہیں جسے روشن دل اور سلیم عقل فوراً قبول کر لیتی ہے۔ میں نے آپ کو نہ تو جادوگر پایا۔ نہ ہی جھوٹا کاہن پایا۔ میں نے آپ میں نبوت کی علامت پائی ہے۔ آپ مخفی امور کا اظہار کرتے ہیں اور غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ میں آپ کے معاملہ میں مزید غور و فکر کروں گا"۔

اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک لیا۔ اسے ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ دیا۔ اس پر مہر لگا دی اس نے اسے ایک لونڈی کے سپرد کر دیا۔ اپنے کاتب کو بلایا جو عربی زبان میں لکھ سکتا تھا۔ حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ خط لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد بن عبداللہ (فداہ روحی) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف المقوقس عظیم القبط کی طرف سے!

سلام علیک!

اما بعد! میں نے آپ کا مبارک خط پڑھا۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا تھا اسے سمجھا۔ آپ کی دعوت حق کے متعلق غور و فکر کیا۔ مجھے علم تھا کہ ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ابھی باقی تھی۔ میرا گمان تھا کہ ان کا ظہور شام سے ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کی

تعظیم کی ہے"۔

(اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو ایک سو دینار، پانچ کپڑے دیے) "میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں۔ جن کا قبطیوں میں بڑا مقام ہے۔ وہ لونڈیاں ماریہ اور سیرین ہیں۔ نیز مصر کے بیس کپڑے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیج رہا ہوں"۔

دوسری روایت کے مطابق اسی مقوقس نے آپ کی بارگاہ میں عمامے، کپڑے، خوشبو، عود، مشک اور ایک ہزار مثقال سونا بھیجا۔ ایک شیشے کا پیالہ بھی بھیجا جس میں حضور شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی نوش فرماتے تھے۔ پھر اس نے لکھا "میں ایک خچر بھی بطور تحفہ بھیج رہا ہوں"

السلام علیک!

اس نے مزید کچھ نہ لکھا۔ نہ ہی اسے اسلام قبول کرنے کی سعادت عظمیٰ ملی۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے ان دو لونڈیوں کے ہمراہ تیسری لونڈی بھی بھیجی جس کا نام قیس تھا۔ یہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ ایک اور روایت میں چوتھی لونڈی کا تذکرہ بھی ہے جس کا نام بریرہ تھا۔ یہ سیاہ فام تھی۔ ان لونڈیوں میں سے ایک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوجہم بن حذیفہ العدوی رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی۔ یہ ان کے فرزند زکریا کی والدہ تھی۔ یہ زکریا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مصر پر جانشین تھے۔ دوسری لونڈی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عنایت کر دی۔ یہ حضرت عبدالرحمن بن حسان رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔

ایک اور روایت کے مطابق مقوقس نے ان لونڈیوں کے ہمراہ ایک سیاہ فام غلام بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس کا نام مابور تھا۔ نیز یہ کہ اس نے خچر کے ساتھ ایک گدھا بھی بھیجا جسے یعفور کیا جاتا تھا۔ البتہ وہ خچر جسے دلدل کہا جاتا تھا۔ یہ سیاہی مائل سفید تھی۔ اس وقت پورے عرب میں اس طرح کی کوئی اور خچر نہ تھی۔ اس نے آپ کو ایک گھوڑا بھی بھیجا۔ اس کا نام "اللزاز" تھا۔ ایک روایت کے مطابق مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا "تمہارے صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سے گھوڑے پسند ہیں؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا "اشقر (سرخ زرد رنگ کا) میں نے آپ کے پاس ایک گھوڑا چھوڑا ہے جسے المرتجز کہا جاتا تھا"۔ مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک گھوڑا پسند کیا۔ اس پر زین کسی اسے لگام ڈالی۔ اس گھوڑے کو "المیمون" کہا جاتا تھا۔ اس نے "بنہا" (ایک مصری قصبہ) کی شہد بھی بطور تحفہ بھیجی۔ آپ نے وہ بہت پسند فرمائی اور بنہا کی شہد کے لیے دعا بھی کی۔ اسے تناول بھی فرمائی۔ آپ نے فرمایا "اگر یہ تمہاری شہد زیادہ شرف والی ہے تو یہ شیریں بہت ہے"۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک ڈبہ بھیجی جس میں سرمہ، تیل کی شیشی، کنگھی، قینچی اور مسواک رکھی جاتی تھی۔ اس نے عیدان کی سرمہ دانی، ایک آئینہ اور کنگھی بھی بھیجی۔

ایک اور روایت کے مطابق مقوقس نے ایک طبیب بھی بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ ہم ایسی قوم ہیں جو اس وقت تک نہیں کھاتی جب تک بھوک نہ لگے۔ جب ہم کھاتے ہیں تو خوب سیر ہو کر نہیں کھاتے"۔

پھر مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے کہا "اپنے صاحب (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس واپس چلے جاؤ۔ یہ قبطی تم سے ایک

حرف بھی نہ سنیں''۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں وہاں سے عازم سفر ہوا۔ اس نے میرے ہمراہ ایک لشکر بھیجا جو میری حفاظت کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں جزیرۂ عرب میں داخل ہو گیا۔ میں نے شام کا ایک قافلہ پایا جو مدینہ طیبہ جا رہا تھا۔ میں نے لشکر کو واپس کر دیا اور اس قافلہ کے ساتھ عازم سفر ہو گیا'' سیرت طیبہ کی بعض کتب میں ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، بنو ثقیف کے کچھ افراد کے ساتھ مقوقس کے پاس گئے۔ ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب یہ مقوقس کے پاس گئے تو اس نے پوچھا ''تم نے اس دعوت کا کیا کیا جس کی طرف تمہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں''۔ اس وفد نے کہا ''ہم میں سے ایک شخص نے بھی ان کی پیروی نہیں کی''۔ اس مقوقس نے پوچھا ''ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کیا؟'' انہوں نے جواب دیا ''اس کے نوجوانوں نے ان کا مذہب قبول کر لیا ہے۔ ان کی اپنے مخالفین کے ساتھ بہت سی جنگیں ہوئیں ہیں''۔ مقوقس نے کہا ''وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟'' وفد نے کہا ''یہ کہ ہم رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباء کرتے تھے۔ وہ نماز، زکوٰۃ، صلۂ رحمی، وفائے عہد، بدکاری کے حرام ہونے اور سود اور شراب کے حرام ہونے کی طرف دعوت دیتے ہیں''۔ یہ سن کر مقوقس نے کہا ''یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں جنہیں سارے لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر وہ قبط اور روم تک پہنچ جائیں تو یہ سارے ان کی پیروی کریں گے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یہی حکم دیا تھا۔ اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سابقہ انبیاء بیان کرتے رہے۔ بالآخر فتح انہی کو نصیب ہوگی۔ حتیٰ کہ ان کے ساتھ کوئی بھی جھگڑا نہیں کرے گا۔ ان کا دین متین ہر جگہ پھیل جائے گا''۔

بنو ثقیف نے کہا ''اگر سارے لوگ بھی ان کا دین اختیار کر لیں ہم پھر بھی ان کے دین میں داخل نہیں ہوں گے''۔ یہ سن کر مقوقس نے سر ہلایا۔ اور کہا ''تم کھیل اور کود میں ہو'' پھر اس نے اسی طرح کے سوالات کیے جس طرح کے سوالات ہرقل نے ابوسفیان سے کیے تھے۔ پھر کہا ''یثرب کے یہودیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا؟'' انہوں نے کہا ''انہوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے ان کے ساتھ سخت جنگ کی ہے''۔ یہ سن کر مقوقس نے کہا ''یہ سب کچھ حسد کی وجہ سے ہے۔ وہ بھی انہیں اسی طرح جانتے ہیں جس طرح ہم ان کو جانتے ہیں'' امام واقدی اور ابن ابی الحکم نے حضرت ابان بن صالح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''جب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ لے کر مقوقس کے پاس گئے۔ تو مقوقس نے انہیں اپنے دربار میں بلایا۔ اور کہا ''میں تم سے تین سوالات کرنے لگا ہوں''۔ انہوں نے کہا ''تم جو بھی مجھ سے پوچھو گے میں تم سے سچ بولوں گا''۔ مقوقس نے کہا ''وہ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ میں نے کہا ''اس امر کی طرف کہ صرف رب تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے، وہ پانچ نمازوں کا حکم دیتے ہیں۔ وہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے، بیت اللہ کا حج کرنے اور وعدہ پورا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ ہمیں مردار اور خون کھانے سے روکتے ہیں۔

مقوقس نے کہا ''مجھ سے ان کا مبارک حلیہ بیان کرو'' میں نے آپ کا مختصر سا حلیہ بیان کیا تو اس نے کہا ''تم نے چند اشیاء کا ذکر نہیں کیا۔ کیا ان کی چشمان مقدس میں سرخی ہے؟ میں نے کہا ''یہ سرخی ان کی چشمان مقدس سے کبھی جدا نہیں ہوئی۔ ان کے مبارک شانوں کے مابین مہر نبوت ہے۔ وہ گدھے پر سوار ہوتے ہیں۔ چادر زیب بدن فرماتے ہیں۔ آپ کھجوریں اور

روٹی کے ٹکڑے تناول فرماتے ہیں۔ وہ اپنے کسی چچا یا چچا زاد سے ملنے سے پرواہ نہیں کرتے" مقوقس نے کہا "میں جانتا تھا کہ ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ابھی باقی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ان کا ظہور ملک شام سے ہوگا۔ کیونکہ ان سے پہلے انبیائے کرام کا ظہور وہیں ہوتا رہا۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان کا ظہور سرزمین عرب سے ہوا جو شدت اور مشقت کی زمین ہے۔ قبطی ان کی اتباع کرنے کے لیے میرا حکم نہیں مانیں گے۔ میں بھی اپنا وطن و سلطنت چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ عنقریب شہروں پر ہوگا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے صحابہ کرام ہمارے ملک میں بھی آئیں گے۔ یہ بھی ان کے زیرنگیں ہو گا۔ میں اہل قبط سے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ نہ ہی میں پسند کرتا ہوں کہ تم کسی سے اس کے متعلق بات کرو"۔

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقوقس کے متعلق گذارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس خبیث نے اپنی سلطنت کی وجہ سے بخیلی کی ہے لیکن اس کی سلطنت باقی نہیں رہے گی"۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس صادق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ مقوقس نے نہ تو اس سے زیادہ کسی امر کا اضافہ کیا نہ ہی اسلام قبول کیا۔ بلکہ اپنی عیسائیت پر قائم رہا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمانوں نے اس سے ملک مصر فتح کر لیا۔

منذر بن ساوی التمیمی کی طرف نامہ مبارک

منذر بن ساوی بحرین کا والی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر اس کی طرف بھیجا۔ شرح المواہب میں ہے "ہم کسی سیرت نگار کو نہیں جانتے جس نے اس مکتوب گرامی کے الفاظ ذکر کیے ہوں۔ جب منذر کو آپ کا نامہ مبارک ملا تو فوراً اسلام لے آیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ خط بھیجا۔

اما بعد!

یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اہل بحرین کو آپ کا نامہ مبارکہ پڑھ کر سنایا ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا۔ اس سے محبت کی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ بعض نے اسے ناپسند کیا اور حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوئے۔ اس زمین میں یہودی اور مجوسی بھی رہتے ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف یہ والا نامہ لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منذر بن ساوی کی طرف!

سلام علیک! میں اس رب تعالیٰ کی ستائش بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

اما بعد! میں تمہیں رب تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ بلاشبہ جو خیر خواہی کرتا ہے۔ یہ خیر خواہی اس کے اپنے ہی نفس کے لیے ہے۔ جس نے میرے قاصدوں کی پیروی کی۔ ان کے حکم کی اتباع کی اس نے میری ہی اطاعت کی۔ جس نے ان کے لیے خیر خواہی کا اظہار کیا۔ اس نے میرے لیے خلوص کا اظہار کیا۔ میرے قاصدوں نے تمہاری بہت تعریف کی ہے۔ میں تمہاری قوم کے متعلق تم سے سفارش کرتا ہوں۔ مسلمانوں کو اسی پر چھوڑ دو جس پر انہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ یعنی مال۔ صرف چار عورتوں

کے ساتھ نکاح کرنا ان کے لیے جائز ہے۔ ان کی سابقہ ساری لغزشیں معاف ہو گئیں ہیں۔ جب تک تم امور کو درست بجالاتے رہے، ہم تمہیں اس منصب سے معزول نہیں کریں گے۔ جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر ہی برقرار رہے تو اس پر جزیہ ہے"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا "ان پر اسلام پیش کرو۔ اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ لو۔ البتہ تم نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو نہ ہی ان کے ذبائح کھاؤ"۔

امام سہیلی نے "الروض الانف" میں تحریر کیا ہے "جب حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ منذر کے پاس گئے تو انہوں نے اس سے کہا "منذر! دنیا کے متعلق تمہاری عقل و دانائی بہت عظیم ہے۔ تم آخرت کو سمجھنے سے عاجز نہ آ جانا۔ یہ مجوسیت بہت برا راستہ ہے۔ ان میں نہ عرب جیسی عزت و تکریم ہے نہ ہی اہل کتاب جیسا علم ہے۔ ایسی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں جن سے نکاح کرتے ہوئے حیاء آتی ہے۔ ایسی چیزیں کھاتے ہیں جنہیں کھانا قابل نفرت ہے۔ یہ دنیا میں آگ کی پوجا کرتے ہیں جو روز حشر انہیں کھائے گی۔ تمہیں عقل و دانائی کی فراوانی بخشی گئی ہے۔ کیا یہ روا ہے کہ جو ہستی جھوٹ نہ بولے ہم اس کی تصدیق نہ کریں۔ جو خیانت نہ کرے ہم اسے امین نہ سمجھیں۔ جو وعدہ خلافی نہ کرے ہم اس پر اعتماد نہ کریں۔ اگر یہ سارے حقائق ہیں تو بخدا یہ ہستی پاک ہی نبی امی ہیں جن کے متعلق کوئی صاحب یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا "کاش! وہ چیز جس کا آپ نے حکم دیا ہے اس سے منع کر دیتے یا جس سے منع کیا ہے اس کا حکم فرما دیتے یا عفو و درگزر میں اضافہ کر دیتے یا سزا میں کمی کر دیتے۔ آپ کی ہر ہر بات اور ہر ہر فرمان اہل عقل کی آرزو اور اہل نظر کی فکر کے مطابق ہے"۔

منذر نے کہا "میں نے اس امر میں غور و فکر کیا جو میرے سامنے ہے۔ میں نے اسے پایا کہ یہ دنیا کے لیے ہے۔ آخرت کے لیے نہیں۔ مجھے ایسے دین متین کو قبول کرنے سے کیا چیز روک سکتی ہے جس میں دنیا کی آرزوئیں بھی ہیں اور موت کی راحت بھی ہے۔ کل میری حالت یہ تھی کہ میں اس شخص پر تعجب کرتا تھا جو اسے قبول کرتا تھا۔ آج میری کیفیت یہ ہے کہ میں اس پر تعجب کر رہا ہوں جو اسے رد کرتا ہے۔ جو جانفزاء پیغام لے کر وہ آئے ہیں۔ اس کی تکریم کرنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان کے قاصد کی تعظیم کی جائے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ میں آپ کی خدمت میں خود پیش ہو جاؤں یا خط بھیج دوں"۔

طبرانی اور ابن قانع نے حضرت سلیمان بن نافع العبدی اور انہوں نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے کہ منذر بن ساوی کا وفد بحرین سے آیا۔ اس کے ہمراہ اور افراد بھی تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انہوں نے اپنے اونٹ ایک وادی میں روک لیے اور اپنے ہتھیار لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ حضرت منذر نے اپنے ہتھیار رکھے۔ خوبصورت کپڑے زیب بدن کیے۔ اپنی ڈاڑھی کو تیل لگایا۔ اور بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو رہا تھا۔ حضرت منذر نے کہا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تم میں ایسی چیز دیکھ رہا ہوں۔ جو مجھے تمہارے دیگر ساتھیوں میں نظر نہیں آ رہی"۔ میں نے عرض کی "کیا یہ ایسی چیز ہے جسے میری فطرت میں رکھ دیا گیا ہے یا میں نے بعد میں اسے بنایا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! بلکہ وہ تمہاری فطرت میں شامل ہے"۔ پھر اس سارے وفد نے دولت اسلام سمیٹ لی۔

بعض اہل سیر نے لکھا ہے "یہ اشتباہ ہے۔ یہ وفد شج کے نام سے معروف ہے۔ اس کا نام منذر بن عائذ تھا۔ حضرت منذر بن ساوی کا وفد لے کر آنا ثابت ہی نہیں۔

امام ابو جعفر الطبری نے روایت کیا ہے کہ حضرت منذر بن ساوی کی وفات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے قریب ہوئی۔ اس وقت حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے پاس تھے۔ ان پر نزع کا عالم طاری ہوا تو انہوں نے کہا "مرنے والے کے لیے کتنے مال میں وصیت کرنا جائز ہے؟" انہوں نے کہا "ایک تہائی میں" حضرت منذر نے کہا "آپ کی کیا رائے ہے کہ میں ایک تہائی مال کو کس مصرف میں خرچ کرنے کی وصیت کروں" انہوں نے فرمایا "اگر چاہو تو اسے بھلائی کے رستہ میں خرچ کرنے کی وصیت کرو یا پسند کرو تو اس کا غلہ اپنے بعد کسی کے لیے مختص کرو" حضرت منذر نے کہا "میں اپنے مال کو سائبہ کی مانند نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ اسے لوگوں میں تقسیم کروں گا"۔

عمان کے بادشاہوں کی طرف گرامی نامہ

عمان یمن کا شہر تھا۔ اسے عمان بن سباء کے نام سے بسایا گیا تھا۔ جبکہ عمان شام کا شہر ہے۔ یہاں اول الذکر مراد ہے۔

امام مسلم نے حضرت برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قوم کی طرف ایک شخص بھیجا۔ انہوں نے اسے برا بھلا بھی کہا اور مارا بھی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر تو اہل عمان کے پاس جاتا تو وہ نہ تو تمہیں برا بھلا کہتے نہ ہی تمہیں مارتے"۔

امام احمد نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا" میں ایک سرزمین سے آگاہ ہوں جسے عمان کہا جاتا ہے۔ جس کے ایک طرف سمندر ہے۔ اگر میرا قاصد ان کے پاس جائے تو وہ اسے نہ تو تیر ماریں نہ ہی پتھر"۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالقعدہ ۸ ھ کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر عمان بھیجا۔ آپ نے وہ خط اس طرح تحریر کر دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں کی طرف سے جیفر اور عبد کی طرف جو جلندی کے فرزند ہیں! اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کر لی۔

امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تم دونوں اسلام لے آؤ۔ سلامتی پا جاؤ گے۔ مجھے نوع انسان کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تاکہ میں اسے ڈراؤں جو زندہ ہے اور کفار پر حجت پوری ہو جائے۔ اگر تم نے اسلام کا اقرار کر لیا تو میں عمان کی زمام اقتدار تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو یہ سلطنت تم سے چلی جائے گی۔ میرے گھوڑے تمہارے صحن میں اتریں گے اور میری نبوت تمہاری سلطنت پر غالب آ جائے گی"۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ گرامی نامہ لکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مہر لگا دی۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں عازم سفر ہوا حتیٰ کہ میں عمان پہنچ گیا۔ پہلے میں "عبد" کے پاس گیا۔ یہ زیادہ حلیم اور خلیق تھا۔ میں نے اسے کہا "میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں۔ آپ نے مجھے تمہاری طرف یہ خط دے کر بھیجا ہے"۔ عبد نے کہا "میرا بھائی جیفر عمر اور مملکت کے اعتبار سے مجھ سے بڑا ہے۔ میں آپ کو اس تک پہنچا دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ آپ اسے یہ خط پڑھ کر سنا دیں"۔

پھر اس نے پوچھا "آپ کس کی طرف دعوت دیتے ہیں؟" میں نے کہا "میں رب تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کے علاوہ دیگر معبودان باطلہ کی پرستش چھوڑنے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز یہ کہ تم گواہی دو کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کے بندے اور اس کے رسول ہیں"۔ اس نے کہا "عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو۔ تمہارے باپ نے کیا کیا؟ بلاشبہ اس کے عمل میں ہمارے لیے نمونہ ہے" میں نے کہا "وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لایا۔ میری شدید خواہش تھی کہ وہ ایمان لے آتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتا۔ پہلے میری رائے بھی اپنے باپ کی رائے کی طرح کی تھی۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دے دی"۔ اس نے مجھ سے پوچھا "تم نے کہاں اسلام قبول کیا؟" میں نے کہا "نجاشی کے پاس" میں نے اسے بتایا کہ نجاشی نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے" اس نے پوچھا "نجاشی کی قوم نے اس کے اقتدار کے متعلق کیا فیصلہ کیا؟" میں نے کہا "انہوں نے اسے مسند اقتدار پر برقرار رکھا اور اس کی پیروی کی ہے"۔ اس نے پوچھا "کیا پادریوں اور راہبوں نے اس کی پیروی کی ہے؟" میں نے کہا "ہاں!" اس نے اس واقعہ کو بہت عظیم سمجھا۔ اس نے کہا "عمرو! ذرا دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ جھوٹ سے بڑھ کر اور کوئی ایسی خصلت نہیں جس سے انسان کو ندامت محسوس ہوتی ہے" میں نے کہا "میں نے جھوٹ نہیں بولا۔ جھوٹ بولنا ہمارے مذہب میں جائز بھی نہیں" پھر اس نے کہا "کیا ہرقل کو نجاشی کے اسلام کا علم ہو گیا ہے؟ میں نے کہا "ہاں!" اس نے پوچھا "اسے کس طرح یہ علم ہوا؟" میں نے اسے کہا "نجاشی ہرقل کو خراج دیتا تھا۔ جب نجاشی نے اسلام قبول کر لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر لی تو اس نے کہا "بخدا! اب اگر اس نے مجھ سے ایک درہم بھی مانگا تو میں اسے عطا نہیں کروں گا"۔ ہرقل تک بھی اس کی یہ بات پہنچ گئی۔ اس کے بھائی نے کہا "کیا تو اپنے غلام کو چھوڑ دے گا کہ وہ مجھے خراج نہ دے اور ایک نیا دین اختیار کر لے"۔ ہرقل نے کہا "ایک شخص نے ایک دین کو پسند کیا۔ اس نے اسے اپنے آپ کے لیے پسند کر لیا۔ میں اس کے ساتھ کیا کر سکتا ہوں؟ بخدا! اگر مجھ کو سلطنت کا بار گراں نہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح کرتا جس طرح نجاشی نے کیا ہے"۔

یہ سن کر عبد نے مجھے کہا "عمرو! دیکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟" میں نے کہا "بخدا! میں سچ کہہ رہا ہوں"۔ عبد نے کہا "مجھے بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟" میں نے کہا "وہ رب تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ وہ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ وہ ظلم وستم سے روکتے ہیں۔ وہ بدکاری، شراب نوشی، بتوں، اصنام اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں"۔ یہ سن کر عبد نے کہا "ان کی دعوت کتنی عمدہ ہے؟" اگر میرا بھائی میری پیروی کرے تو ہم سوار ہو جائیں۔ حتیٰ کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور ان کی تصدیق کر لیں۔ لیکن

میرے بھائی کو اپنی مملکت سے بڑا پیار ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر کسی کے تابع نہیں بننا چاہتا۔ کیونکہ اب وہ سردار اور مخدوم ہے''۔ میں نے عبد سے کہا ''اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو حضور ﷺ اسے اس کی قوم کا سردار بنا دیں گے۔ وہ اپنی قوم کے امراء سے صدقات لے گا اور انہیں اپنی قوم کے غرباء پر خرچ کرے گا''۔ یہ سن کر اس نے کہا ''یہ خلق تو کتنا حسین ہے۔ یہ صدقہ کیا ہے؟ میں نے اموال میں صدقات کے متعلق اسے بتایا حتیٰ کہ میں نے اونٹوں میں زکوٰۃ تک اسے بتا دیا۔ اس نے کہا ''عمرو! کیا یہ زکوٰۃ ہمارے چرنے والے جانوروں میں سے بھی لی جائے گی۔ جو درخت کھاتے ہیں اور مختلف جگہوں سے پانی پیتے ہیں''۔ میں نے کہا ''ہاں!'' اس نے کہا ''بخدا! میں نہیں دیکھتا کہ میری قوم اپنی کثیر تعداد اور گھروں کے دور ہونے کی وجہ سے اس امر کی اطاعت کریں''۔

میں کئی روز تک وہیں ٹھہرا رہا۔ وہ اپنے بھائی سے ملاقات کرتا اور میری ہر ہر بات اس تک پہنچاتا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے بلایا تا کہ میں اس کے ساتھ اس کے بھائی کے پاس جاؤں۔ میں اس کے پاس گیا۔ اس کے نگرانوں نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ اس نے کہا ''انہیں چھوڑ دو''۔ میں بیٹھنے کے لیے گیا۔ انہوں نے عجم کے بادشاہوں کی عادت کے مطابق مجھے بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے مجھے کہا ''اپنی ضرورت بیان کرو'' میں نے اسے گرامی نامہ دیا۔ اس نے مہر توڑی اور سارا پڑھا۔ پھر اپنے بھائی کو دیا اس نے بھی سارا پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ نرم دل تھا۔ جیفر نے مجھے کہا ''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ قریش نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟'' میں نے کہا ''انہوں نے آپ ﷺ کی اتباع کر لی ہے۔ یا تو اس دین متین میں رغبت کرتے ہوئے یا تلوار سے مجبور ہو کر'' اس نے پوچھا ''جو لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے کیا کیا؟'' میں نے کہا ''لوگ اسلام میں رغبت رکھتے ہیں۔ انہوں نے دوسرے ادیان کو چھوڑ کر اسے پسند کیا ہے انہوں نے رب تعالیٰ کی ہدایت کے ساتھ اپنی عقل سے یہ جان لیا ہے کہ وہ کھلی گمراہی میں تھے۔ اس جھنڈ میں صرف تم ہی باقی رہ گئے ہو۔ اگر آج تم نے ان کی اتباع نہ کی۔ اسلام قبول نہ کیا تو مجاہدین کے گھوڑے تمہیں روندھ ڈالیں گے۔ تیری قوم کو ہلاک کر دیں گے۔ اسلام قبول کر لو سلامتی پا جاؤ گے۔ آپ ﷺ تمہیں تمہاری قوم کا گورنر بنا دیں گے۔ اسلام کے ساتھ ساتھ تمہیں سلطنت بھی مل جائے گی۔ نہ گھوڑے تم پر حملہ آور ہوں گے نہ پیادہ فوج۔ اس کے ساتھ ساتھ دارین کی سعادت بھی اور قتل سے نجات بھی''۔

اس گفتگو میں واضح دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو کتنی قوت نفس عطا کر رکھی تھی۔ ان میں کتنی خودداری تھی۔ انہوں نے اس بادشاہ کو یوں مخاطب کیا۔ اسے اس کے محل میں اس کے معاونین کی موجودگی میں اسے جنگ اور ہلاکت سے ڈرایا۔ حالانکہ وہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اس نے انہیں بیٹھنے کی بھی اجازت نہیں دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی برکت سے آپ کے قاصد کو بچا لیا۔ جیفر نے انہیں کوئی اذیت نہ دی، سخت بات بھی نہ کی، بلکہ ان کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرتا رہا۔ اس نے کہا ''مجھے آج تنہا چھوڑ دو صبح میرے پاس آنا'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اس نے مجھے کہا ''عمرو! مجھے امید ہے کہ میرا بھائی اسلام قبول کر لے گا۔ اگر اس نے اپنی مملکت کے ساتھ بخل سے کام نہ لیا''

دوسرے دن میں اس کے پاس گیا۔ مگر اس نے مجھے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اسے بتایا کہ میں بادشاہ تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ اس نے مجھے اس کے محل تک پہنچا دیا۔ اس نے مجھے کہا "میں نے تمہاری دعوت میں غور و فکر کیا ہے۔ اگر میں ایسے شخص کا مالک بن جاؤں جو میرے ہاتھ میں نہیں تو میں سارے عرب سے کمزور ترین ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کے گھوڑے اس جگہ پہنچ ہی نہیں سکیں گے۔ اگر وہ پہنچ بھی گئے تو انہیں ایسی جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا کہ اس سے قبل انہوں نے ایسی جنگ نہیں کی ہوگی۔

حضرت عمرو نے فرمایا میں نے کہا "میں صبح واپس جانے لگا ہوں" جب اسے میرے جانے کا یقین ہوا تو اس کے بھائی نے اس کے ساتھ خلوت میں ملاقات کی۔ اسے کہا "ہم ان پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ جس شخص کی طرف بھی انہوں نے پیغام بھیجا ہے۔ اس نے ان کی دعوت پر لبیک کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ وہ میرے اور صدقات کو اکٹھا کرنے کے مابین سے ہٹ گئے۔ بلکہ جو میری مخالفت کرتا۔ اس کے خلاف یہ دونوں بھائی میری مدد کرتے۔ ان کے ساتھ بہت سی مخلوق دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ جس نے اسلام قبول نہ کیا اس پر جزیہ لاگو کیا گیا"۔ پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک عمان میں ہی رہے"۔

ابن سعد نے لکھا ہے "عمان میں ان کا قیام شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا اشارہ کے مطابق تھا۔ یا اپنے اجتہاد سے تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے صدقات جمع کر لیے۔

ہوذہ بن علی الحنفی کی طرف مکتوب گرامی

یہ یمامہ کا بادشاہ تھا۔ یہ مشرق کی طرف ایک شہر تھا۔ جہاں بہت زیادہ کھجوریں ہوتی تھیں۔ یہ مکہ مکرمہ سے سولہ مرحلہ دور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوذہ بن علی الحنفی کے نام مکتوب گرامی لکھوایا اور اسے حضرت سلیط بن عمرو العامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ارسال فرمایا۔ حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ پہلے انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ اہل ردہ سے جہاد کرتے ہوئے یمامہ کے مقام پر جام شہادت نوش کر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوذہ کی طرف یہ والا نامہ لکھوایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوذہ بن علی کی طرف!

اس پر سلام ہو جس نے ہدایت کی اتباع کر لی!

خوب جان لے کہ میرا دین حق عنقریب دنیا کی انتہائی وسعتوں تک پھیل جائے گا۔ اسلام لے آ۔ سلامتی پا جائے گا۔ میں اس علاقہ کی زمام اقتدار تمہیں سونپ دوں گا"۔

جب حضرت سلیط رضی اللہ عنہ ہوذہ بن علی کے پاس پہنچے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم کی اور دعوت حق کو سختی سے نہ ٹھکرایا۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "حضرت سلیط رضی اللہ عنہ نے ہوذہ سے فرمایا" ہوذہ! تمہاری یہ سیادت ختم ہو جائے گی ارواح آگ

کے سپرد ہو جائیں گے۔

بلاشبہ سردار وہ ہوتا ہے جو ایمان لانے سے لطف اندوز ہو۔ پھر تقویٰ کو زادراہ کے طور پر اختیار کر لے۔ بلاشبہ تمہاری قوم تمہاری رائے کا احترام کرتی ہے۔ اس کے لیے بدبختی اس کا مقدر نہ بن جائے۔ میں تمہیں بہترین چیز کا حکم دیتا ہوں۔ بدترین چیز سے روکتا ہوں۔ میں تمہیں رب تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ شیطان کی پوجا سے تمہیں روکتا ہوں۔ رب تعالیٰ کی عبادت کرنے والے جنت میں ہوں گے۔ جبکہ شیطان کے پجاری جہنم میں پھینکیں جائیں گے۔ اگر تم نے دعوت حق کو قبول کر لیا تو تمہیں اپنا مقصد زیست مل گیا۔ خوف سے امن میں ہو گیا۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو پھر ہمارے اور تمہارے مابین وہ دن بطور وعدہ ہے جس روز سارے پردے اٹھ جائیں گے اور انجام ہولناک ہو گا"۔ ہوذہ نے کہا "سلیط! مجھے اس شخص نے سردار بنایا ہے اگر وہ تجھے سردار بناتا تو تو تاباں ہو جاتا۔ کبھی میری ایک رائے ہوتی تھی جس سے میں امور آزماتا تھا۔ لیکن اب وہ رائے مفقود ہے۔ مجھے کچھ مدت کے لیے مہلت دیں۔ جس میں میری رائے لوٹ آئے۔ پھر میں اس رائے سے تمہیں جواب دوں گا۔ انشاء اللہ!

امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ کیا ہے کہ دمشق کے پادریوں کا رئیس اعظم ہوذہ کے پاس تھا۔ ہوذہ نے اسے کہا "مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ایک خط آیا ہے۔ انہوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے۔ مگر میں نے وہ دعوت قبول نہیں کی"۔ رئیس نے کہا "تم نے وہ دعوت قبول کیوں نہیں کی؟" ہوذہ نے کہا "میں نے اپنے دین پر بخل کا اظہار کیا۔ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں نے ان کی پیروی کر لی تو میری سلطنت ختم ہو جائے گی"۔ رئیس اعظم نے کہا "بخدا! اگر تم ان کی پیروی کر لیتے تو وہ تمہیں زمام اقتدار عطا فرما دیتے۔ تمہارے لیے بہتری اسی میں ہے کہ تم ان کی اتباع کرو۔ وہ وہی نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جن کا مژدہ جانفزاء حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے سنایا تھا۔ ہماری انجیل میں ان کا ذکر پاک یوں ہے "محمد رسول اللہ"۔

اس رئیس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد بن ولید کے دست اقدس پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر اسی ہوذہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوب گرامی کا جواب یوں لکھا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کتنی حسین اور زیبا ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر ہوں۔ ان کا خطیب ہوں۔ اہل عرب میرے مقام سے لرزہ براندام ہیں۔ مجھے اپنے امر میں شریک کر لیں۔ میں آپ کی پیروی کر لوں گا"۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نبوت میں شرکت یا آپ کے بعد خلافت حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے حضرت سلیط رضی اللہ عنہ کو انعامات دیے۔ انہیں کپڑے دیے۔ یہ ہوذہ کا خط لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوذہ کا خط پڑھا تو فرمایا "اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے۔ میں یہ بھی اسے دینے کے لیے تیار نہیں۔ وہ سب کچھ برباد ہو گیا جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے"۔

جب سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ سے واپس آئے تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ ہوذہ اپنے کفر پر مر گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عنقریب یمامہ میں ایک کذاب کا ظہور ہو گا۔ جو نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ میرے بعد اسے واصل جہنم کر دیا جائے گا۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح اس زبان حق ترجمان سے نکلا تھا۔ یمامہ سے مسیلمہ کا ظہور ہوا اور

وہیں جہنم واصل ہو گیا۔

ایک اور روایت میں ہے "ایک صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ اسے کون قتل کرے گا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا" تم اور تمہارے ساتھی"

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ مخاطب کو بھی مسیلمہ کو قتل کرنے والوں کے ساتھ شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہوگی۔ جس لشکر نے مسیلمہ کو واصل جہنم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے سپہ سالار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔

حارث بن ابی شمر الغسانی

یہ قیصر کی طرف سے دمشق کا امیر تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ کو اپنا گرامی نامہ دے کر اس کی طرف بھیجا۔ یہ اس وقت غوطہ دمشق میں تھا۔ غوطہ دمشق شام میں ایک جگہ ہے۔ وہاں پانی اور درختوں کی کثرت تھی۔ حضرت وہب اسدی رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ وہ جنگ یمامہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔ آپ ﷺ نے اسے یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ! ﷺ کی طرف حارث بن ابی شمر کی طرف!

اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی اتباع کی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کی!

میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم رب تعالیٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ تمہارا ملک تمہارے پاس ہی رہے گا"۔ آپ ﷺ نے اس خط پر مہر لگائی۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں حارث کے پاس پہنچا تو وہ قیصر کی ضیافت کی تیاری میں مصروف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ایران کے لشکر سے محفوظ رکھا تو وہ اس کا شکر ادا کرنے کے لیے حمص سے ایلیا آیا تھا۔ میں دو یا تین روز تک اس کے دروازہ پر ٹھہرا رہا۔ میں نے اس کے نگران سے کہا" میں اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ کا قاصد ہوں" اس کے حاجب نے کہا" تم اس تک نہیں پہنچ سکو گے۔ حتیٰ کہ وہ فلاں روز خود باہر نکلے"۔ وہ حاجب مجھ سے حضور ﷺ کے متعلق پوچھنے لگا۔ آپ کی دعوت حق کے بارے استفسار کرنے لگا۔ میں اسے حضور اکرم ﷺ کے بارے بتانے لگا۔ حتیٰ کہ اس پر رقت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس پر گریہ غالب آ گیا۔ اس نے کہا" میں نے خود انجیل پڑھی ہے۔ میں نے خود حضور ﷺ کے اوصاف اس میں پڑھے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ اس نبی مکرم ﷺ کا ظہور ملک شام سے ہوگا۔ مگر ان کا ظہور قدسی درخت سلم کی زمین سے ہوا ہے۔ میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے حارث سے خدشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دے گا"۔ یہ حاجب رومی تھا۔ اس کا نام مری تھا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا" یہ مری میری بہت تکریم کرتا تھا۔ انتہائی عمدہ ضیافت کرتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ حارث ایمان نہیں لائے گا کیونکہ وہ قیصر سے بہت زیادہ ڈرتا ہے"۔

ایک دن، حارث اپنے محل سے باہر نکلا۔ اس نے تاج پہنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے اذن باریابی دیا۔ میں نے اسے حضور اکرم ﷺ کا والا نامہ دیا۔ اس نے اسے پڑھا اور نیچے پھینک دیا۔ اس نے کہا" کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھینے گا۔ میں

اس کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر وہ یمن میں بھی ہوا۔ میں پھر بھی لوگوں کو لے کر اس پر حملہ آور ہو جاؤں گا۔ وہ رات گئے تک بیٹھا رہا۔ اس نے گھوڑوں کو نعل لگانے کا حکم دے دیا۔ اس نے مجھے کہا "جو تیاری کا سماں دیکھ رہے ہو۔ اس کے متعلق اپنے صاحب ﷺ کو بتا دینا"۔ پھر اس نے قیصر کو خط لکھا اور اس میں میری آمد کا تذکرہ کیا۔ اس وقت قیصر ایلیا میں تھا اور حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ وہیں تشریف فرما تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں قیصر کی طرف بھیجا تھا۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اس نے اسے لکھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی طرف نہ جائے۔ ان کا خیال دل سے نکال دے اور اسے ایلیا میں آ کر ملے۔ جب اسے قیصر کا یہ خط ملا تو میں اس وقت اس کے پاس ہی تھا۔ اس نے مجھے کہا "اپنے صاحب کے پاس کب روانہ ہونے کا ارادہ ہے؟" میں نے کہا "کل" اس نے مجھے ایک سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ اس کے حاجب حضرت مری نے مجھے خرچہ اور کپڑے دیئے گئے۔ اس نے کہا "حضور سید انبیاء ﷺ کو میرا اسلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں نے ان کے دین کی اتباع کر لی ہے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور حارث کے بارے بتایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اس کا ملک برباد ہو گیا" میں نے مری کی طرف سے سلام عرض کیا اور اس کی عرض گذارش کی تو فرمایا "اس نے سچ کہا ہے"

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حارث نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس نے کہا "اگر میں نے اسلام کا اظہار کر دیا تو مجھے خطرہ ہے کہ قیصر مجھے موت کے گھاٹ اتار دے گا"۔ ابن ہشام نے ذکر کیا ہے کہ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ جبلہ ابن الایہم کی طرف گئے۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں حارث اور جبلہ کی طرف بھیجا گیا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے جبلہ سے کہا "جبلہ! تمہاری قوم (انصار) نے حضور ﷺ کو اپنے گھر منتقل کیا۔ انہیں پناہ دی۔ ان کا دفاع کیا اور ان کی مدد کی۔ یہ دین جسے تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہ تمہارے آباء کا دین نہیں ہے۔ لیکن تم شام کے بادشاہ اور روم کے پڑوس میں ہو۔ اگر تم کسریٰ کے پڑوس میں ہوتے تو اہل ایران کا دین اختیار کر لیتے۔ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو اہل شام تمہاری اطاعت کریں گے۔ اہل روم تم سے خوف کھائیں گے۔ اگر انہوں نے اس طرح نہ بھی کیا تو پھر ان کے لیے دنیا اور تمہارے لیے آخرت ہوگی۔ تم نے مساجد کو گرجوں اذان کو ناقوس اور جمعہ کو شعانین میں بدلنا چاہا ہے۔ اللہ رب العزت کے ہاں جو اجر و ثواب ہے وہ بہترین اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے"۔ جبلہ نے کہا "بخدا! میری تمنا ہے کہ لوگ حضور ﷺ کے پاس اس طرح جمع ہوں جس طرح وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر جمع ہیں۔ مجھے اس چیز سے خوشی نصیب ہوئی ہے کہ میری قوم ان کے ارد گرد جمع ہو گئی ہے۔ قیصر نے یوم موتہ کو مجھے ان کے صحابہ کرام کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے کہا تھا۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا۔ البتہ میں اس میں نہ حق دیکھتا ہوں نہ باطل۔ میں مزید غور و فکر کروں گا"۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے "اس حارث نے خفیہ اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس نے حضور ﷺ کا نامہ مبارک کا جواب بھی لکھا۔ اور اپنے اسلام کے متعلق بھی تحریر کیا۔ ہدیہ بھی حاضر خدمت کیا۔ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک اپنے اسلام پر ثابت قدم رہا۔ اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور حاضر خدمت ہونے کی التجاء کی۔ خط پڑھ کر حضرت عمر فاروق بہت خوش ہوئے۔ اور اسے اجازت دے دی۔ وہ اپنے گھر کے دو سو پچاس افراد کے ساتھ عازم سفر ہوا۔ جب یہ

مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو گھوڑوں پر سوار کیا۔ انہیں سونے اور چاندی کے قلادے پہنائے۔ ریشم اور دیباج زیب تن کر دیا۔ اپنے سر پر تاج سجایا۔ سارے لوگ ان کی زیب وزینت دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے۔ جب یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب جگہ دی۔ یہ مدینہ طیبہ میں آپ کے پاس ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حج کے ارادہ سے عازم سفر ہوئے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہی عازم سفر ہوا۔ جب یہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ تو بنو فزارہ کے ایک شخص نے اس کے ازار پر پاؤں رکھ دیا۔ یہ غصہ میں ہو گیا اور فزاری کے ایسا تھپڑ مارا جس سے اس کا ناک اور دانت ٹوٹ گئے۔ دوسری روایت کے مطابق اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ فزاری نے دربار فاروقی میں شکایت کی اور مدد طلب کی۔ آپ نے حارث کو بلایا اور پوچھا ''تو نے اس کی ناک کیوں توڑی ہے۔ یا اس کی آنکھ کیوں پھوڑی ہے'' اس نے کہا ''امیر المومنین! اس نے میرا ازار روندھ ڈالا۔ اگر بیت اللہ کی حرمت کا لحاظ نہ ہوتا تو تلوار سے اس کی گردن جدا کر دیتا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تو نے زیادتی کی ہے۔ یا تو اس فزاری کو راضی کر لو۔ ورنہ میں تم سے قصاص لوں گا'' جبلہ نے کہا ''میرے ساتھ کیا کیا جائے گا؟'' حضرت عمر فاروق نے فرمایا ''اسی طرح جس طرح تم نے اس کے ساتھ کیا ہے'' حارث نے کہا ''کیا اس کے لیے مجھ سے برابر قصاص لیا جائے گا۔ میں بادشاہ ہوں اور یہ معمولی آدمی ہے'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اسلام نے تم دونوں کے مابین مساوات قائم کر دی ہے تمہاری اس پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے''۔

اس نے کہا ''اگر میں اور یہ معمولی شخص دین میں برابر ہیں تو پھر میں نصرانیت اختیار کر لیتا ہوں۔ امیر المومنین! میرا تو خیال تھا کہ اسلام میں مجھے زمانہ جاہلیت سے زیادہ عزت ملے گی''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر تو نے عیسائیت قبول کر لی تو میں تمہاری گردن اڑا کر رکھ دوں گا''۔ اس نے کہا ''آج کی رات مجھے مہلت دیں تاکہ میں اپنے معاملہ میں غور وفکر کر سکوں'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ اختیار تمہارے اس خصم کے پاس ہے'' اس شخص نے کہا ''امیر المومنین! میں نے اسے مہلت دی ہے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہلت دے دی۔ حارث نے اپنے چچا زادوں کو ساتھ لیا اور راتوں رات قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔ قیصر کے پاس جا کر نصرانیت اختیار کر لی۔ یہ مسلمانوں کے خلاف اہل روم کے ساتھ جنگ آزما رہا۔ حتیٰ کہ نصرانیت پر ہی ہلاک ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ اور حالت اسلام میں مرا۔ مگر یہ قول صحیح نہیں''۔

جبلہ ایک دراز قد انسان تھا۔ اس کا قد بارہ ہاتھ تھا۔ جب یہ سواری پر سوار ہوتا تو اس کے پاؤں زمین کو چھو رہے ہوتے۔ ہرقل اس سے خوش ہوا۔ اس نے اس کی شادی اپنی بہن سے کر دی۔ اپنی مملکت میں اسے بھی شریک کر لیا۔ طرابلس اور لاذقیہ کے مابین اس کیلئے ایک شہر تعمیر کیا گیا جس کا نام جبلہ رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم کی قبر انور بھی اسی جگہ ہے۔

بنو نہد کی طرف خط مبارک

بنو نہد یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ جو عجیب وغریب الفاظ میں گفتگو کرتا تھا۔ اکثر اہل عرب ان کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ حضور

ﷺ ہر قوم کے ساتھ اس کی زبان میں ہم کلام ہوتے تھے۔ یہ بھی آپ کی بلاغت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ آپ ہر اجنبی لغت والے کے ساتھ اس کی زبان میں ہی گفتگو فرماتے تھے۔ ہر بلیغ زبان والے کے ساتھ بھی اس کی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ یہ آپ کی فصاحت کی وسعت تھی۔ آپ کی الفت ومحبت کا اظہار تھا۔ آپ ﷺ اہل شہر سے گفتگو فرماتے تو وہ مضبوط گھوڑے سے زیادہ ثابت ہوتی۔ وہ تیز تلوار سے زیادہ تسلسل کے ساتھ ہوتی۔

ذرا اس دعا کو ملاحظہ کرو جو آپ نے اہل مدینہ کے لیے اس وقت کی تھی جب انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی تھی۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! ان کے پیمانہ میں برکت ڈال۔ ان کے صاع اور مد میں برکت ڈال"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی "مولا! ہمارے لیے ہماری کھجوروں میں برکت ڈال دے۔ ہمارے لیے شہر میں برکت ڈال دے۔ ہمارے صاع کو بابرکت کر دے۔ ہمارے مد کو بابرکت کر دے۔ مولا! میں مدینہ طیبہ کے لیے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لیے دعا مانگی تھی"۔

پھر حضور ﷺ کی وہ دعا بنظر غائر پڑھو جو آپ ﷺ نے بنی نہد کے لیے کی تھی۔ جب وہ وفد کی صورت میں آپ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ حضرت طہفہ بن رہم النہدی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے قحط سالی کی شکایت کرتے ہوئے التجاء کی "یا رسول اللہ! ﷺ ہم آپ کی خدمت میں تہامہ کی نشیبی زمین سے میس (درخت کا نام) کے کجاوؤں سمیت حاضر ہوئے ہیں۔ ہمیں اونٹنیاں لے کر آئیں۔ ہم نے صبر کرنے والی اونٹنیوں کا دودھ دوہا۔ ہم نے اونٹوں کے جسموں پر خراشیں لگائیں۔ درخت پیلو کے پھل چنے۔ ہم نے غیر شکاری پرندوں کے غول دیکھے۔ بے بارش بادل کو ہم لے گئے۔ دور کی تکلیف دہ زمین سے ہم آئے ہیں جس پر چلنا دشوار ہے۔ اس نے تالاب کو جذب کر لیا ہے۔ ہر چیز خشک ہو گئی ہے۔ املوج کے پتے گر پڑے ہیں۔ نرم شاخیں ختم ہو گئیں ہیں۔ جانور مر گئے ہیں۔ کھجور کے درخت بھی سوکھ گئے ہیں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم آپ کی بارگاہ میں ان بتوں اور اصنام سے برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم اسلام کی دعوت کو قبول کرنے اور شرائع اسلام پر عمل پیرا ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ جب تک سمندر بھرا رہے۔ جب تک چوپائے پھرتے رہیں۔ وہ تعداد میں کثیر ہیں۔ مگر آسودگی سے محروم ہو گئے ہیں۔ انہیں انتہائی قحط سالی اور تنگ دستی کا سامنا ہے۔ نہ پہلی بار پانی دستیاب ہوتا ہے نہ ہی دوسری بار"۔

حضور اکرم ﷺ نے ان کے لیے یہ دعا کی "مولا! ان کے خالص دودھ میں اضافہ فرما۔ اس دودھ میں بھی برکت فرما جس میں پانی ملایا گیا ہو۔ مولا! ان کے چرواہوں کی کثیر گھاس اور درختوں کی طرف راہ نمائی کر۔ ان کے قلیل پانی کو کثیر بنا دے۔ ان کے مال اور اولاد میں برکت فرما۔ جس نے نماز ادا کی وہ مسلمان ہے۔ جس نے زکوٰۃ ادا کی وہ محسن ہے جس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی گواہی دی وہ مخلص ہے۔ اے بنو نہد! تمہارے اور مشرکین کے مابین معاہدے ہیں ان کی پاسداری کرنا تم پر وہی صدقات لازم ہیں جو دیگر مسلمانوں پر لازم ہیں۔ وہ نہ تم سے ساقط ہوں گے اور نہ ہی ان میں تمہارے لیے اضافہ ہوگا۔ نہ تو زکوٰۃ تم سے ساقط ہوگی اور نہ ہی تادم واپسیں تم نے کفر کی طرف لوٹنا ہوگا۔ نہ ہی نماز کو اس کے وقت پر پڑھنے سے سستی کا

مظاہرہ کرنا ہوگا"۔

پھر آپ نے اس کے ساتھ ساتھ بنونہد کے لیے ایک تحریر بھی لکھوا دی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنونہد بن زید کی طرف!

سلامتی ہو اس پر جو اللہ رب العزت اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا!

اے بنونہد! تم پر واجب حق ہے۔ ہم تم سے زکوٰۃ میں انتہائی بوڑھی اونٹنی نہیں لیں گے۔ نہ ہی بیمار اور نہ ہی اونٹ کا بچہ قبول کریں گے۔ نہ ہی زکوٰۃ میں ایسا گھوڑا قبول کریں گے جو سواری کے لیے تیار ہو۔ نہ ہی چھوٹا بچھڑا قبول کریں گے۔ نہ ہی ایسا بچھڑا لیں گے جس پر سواری کرنا مشکل ہو۔ جانوروں کو چراگاہ سے چرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ تمہارے بے ثمر درخت کاٹے نہیں جائیں گے۔ تمہارے شیر آور جانوروں کو بھی دوسرے جانوروں کے ساتھ چرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ جب تک کہ تم دھوکہ اور بغض نہ کرو اور جب تک کہ تم اس عہد کو نہ توڑو۔ جس خوش بخت نے اس خط کے مشتملات کا اقرار کر لیا تو اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وعدہ اور ذمہ ہے۔ جس نے انکار کر دیا تو اس سے زائد لیا جائے گا"۔

العسکری نے حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمارے آباؤ اجداد ایک ہی ہیں۔ ہم نے ایک ہی شہر میں نشوونما پائی ہے۔ آپ ایسی عربی میں گفتگو فرماتے ہیں جس کا اکثر حصہ ہم نہیں سمجھ پاتے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ رب العزت نے مجھے ادب سکھایا ہے۔ اس نے مجھے بہترین ادب سکھایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ میں بنوسعد بن بکر میں پروان چڑھا ہوں"

"المواہب اللدنیہ" میں ہے کہ ذرا اس دعائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو دیکھو اور اس خط کو دیکھو جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونہد کی زبان میں ہی لکھا۔ بلکہ آپ نے حسن وزیبائی کے اعتبار سے اس میں اضافہ کیا۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ہر شخص سے اس کی زبان میں محو تکلم ہوتے تھے۔ جبکہ اہل عرب کی لغتیں بھی الگ الگ تھیں۔ ان کے الفاظ کی تراکیب اور گفتگو کرنے کے اسالیب بھی جدا جدا تھے۔ جب کلام پاک کی یہ حد ہے اور اس کے الفاظ کے برمحل استعمال کی یہ حد ہے کہ وہ نہ صرف فصاحت سے بھرپور ہیں۔ بلکہ فصاحت کے بلند درجہ پر ہیں۔ اگر اس میں کوئی غریب لفظ ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے اعتبار سے غریب ہے۔ جبکہ وہ ان لوگوں کے اعتبار سے فصیح ہے جن کی زبان کا وہ لفظ ہوتا ہے۔ حالانکہ عام آدمی اپنی زبان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اگر وہ کسی اور کی لغت سنتا ہو تو وہ اس کے لیے عجمی کی مانند ہوگی۔ یہ آپ پر صرف اور صرف انعام خداوندی اور عطائے ربانی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اس لیے رب تعالیٰ نے آپ کو ساری لغات سکھا دیں۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: 4)

"اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ"۔

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو سارے انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ کو سارے لوگوں کی زبانیں سکھادیں۔ یہ بھی آپ ﷺ کا معجزہ ہے۔ آپ ﷺ نے اہل حبشہ سے ان کی زبان میں، اہل فارس سے ان کی زبان میں گفتگو فرمائی۔ یہ ساری گفتگو سیرت کی کتب میں موجود ہے۔ شفاء کی شرح شہاب الخفاجی میں ہے کہ جب حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ ہوئی تو ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد مسجد حرام میں آیا۔ اس نے پہلے حضور ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی۔ یہ عربی سے بھی آشنا نہ تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنی زبان میں کہا ''من ابون اسران'' یعنی کیا حضور ﷺ کی ہستی پاک تم میں تشریف فرما ہے'' تمام حاضرین یہ کلام نہ سمجھ سکے۔ حضور سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا ''اشکد اور'' یہاں آجاؤ۔ حضور سید دو عالم ﷺ نے ان کی زبان میں جواب دیا۔ دیگر اہل عرب اسے نہ سمجھ سکے۔ اس وفد نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی بیعت کی اور اپنی قوم کے پاس لوٹ گیا۔ حضور تاجدار حرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان مغ آنے اور ان کی زبان کے بارے بتایا ہے۔

پاک ہے وہ ذات کریمانہ جس نے آپ کو اتنا وسیع علم عطا فرمایا، وہ منعم اور کریم ہے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت اور جوامع الکلم اور حکمت آموز گفتگو کے متعلق علمائے کرام نے کتابیں رقم کیں ہیں۔ جن میں فصاحت سے لبریز الفاظ اور ان کے معانی رقم کیے ہیں۔ نہ تو آپ کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ نہ ہی اس کی وضاحت! البتہ مواہب اور شفاء شریف اور ان کی شروح میں کافی کچھ کا تذکرہ ہے۔

مشعار ہمدانی کی طرف نامہ مبارکہ

مشعار یمن کی ایک جگہ کا نام تھا۔ یہ مالک بن نمط الہمدانی کا لقب تھا۔ ہمدان بہت بڑا قبیلہ تھا۔ مالک کی کنیت ابوثور تھی۔ جب حضور اکرم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ یہ وفد کی شکل میں حاضر ہوا۔ عرض گزار ہوا ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہمدان کے شہری اور دیہاتی سردار آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ تیز رفتار، جوان اونٹوں پر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ اسلام کے عہد اور مواثیق کے ساتھ متصل ہو گئے ہیں۔ خارف اور وہام کے کناروں تک انہیں رب تعالیٰ کے بارے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا کوئی خطرہ نہیں۔ کوئی چغل خور اور فسادی شخص ان کے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔ نہ ہی کوئی آفت انہیں اسلام سے پیچھے کر سکتی ہے۔ جب تک ''لعلع پہاڑ'' قائم ہے اور جب تک ہرن کا بچہ جلتا رہے گا۔ جب تک چٹیل میدان اپنی جگہ پر برقرار ہے''۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے یہ خط مبارک لکھوایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سلطنت خارف، جناب ہضب، خفاف الرمل، مشعار مالک بن نمط اور ان کی قوم کے مسلمانوں کی طرف!

ان کیلئے ہی بلند و بالا پہاڑ، وھط اور چٹیل میدان ہیں۔ جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے رہیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں۔ وہ ہی

ان کے چارہ کے مالک ہوں گے۔ میدانوں میں ان کے جانور چرتے رہیں گے۔ ان کے جانوروں اور کھجوروں میں سے ہمارا حصہ وہی ہوگا جسے وہ وعدہ اور امانت کے مطابق ادا کرتے رہیں گے۔ بوڑھا اونٹ، بوڑھی اونٹنی، اونٹ کا شیر خوار بچہ، پالتو جانور، اور جس جانور کی صوف میں سرخی ہوگی یہ ان کے لیے ہی ہوں گے۔ ان کو ان میں سے مکمل گائے اور جوان بکری دینا ہوگی"۔

قطن بن حارثہ العلیمی کی طرف گرامی نامہ

یہ اپنی قوم کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ اسلام کی دولت لازوال سمیٹ لی۔ اور بارگاہ رسالت مآب میں یہ ہدیہ عقیدت پیش کیا۔

رَائَيْتُكَ يَاخَيْرَ الْبَرِيَّةِ كُلِّهَا نَبَتَّ نَضَارًا فِي الْاَرُوْمَةِ مِنْ كَعْبِ

اے ساری نسل انسانی سے بہترین! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کعب کے کریم النسل قبیلہ سے عمدہ اور بہترین حالت میں پروان چڑھے۔

اَغَرَّ كَاَنَّ الْبَدْرَ سُنَّةُ وَجْهِهِ اِذْ لَصَايِدًا لِلنَّاسِ فِي خَلَلِ الْغَضَبِ

وہ روشن جبیں ہیں۔ گویا کہ ماہ تمام ان کے چہرے کی چمک ہے۔ وہ غصہ کی حالت میں بھی لوگوں کو شکار کر لیتے ہیں۔

اَقَمْتَ سَبِيْلَ الْحَقِّ بَعْدَ اِعْوِجَاجِهَا وَدَنَتِ الْيَتَامٰى فِي السَّقَايَةِ وَالْجُدْبِ

آپ نے حق کے رستہ کو سیدھا کر دیا۔ حالانکہ وہ ٹیڑھا ہو چکا تھا۔ بارش اور قحط سالی میں یتیم آپ کے قریب ہو گئے۔

حضور ﷺ نے انہیں دعاؤں سے نوازا۔ ان کے لیے آپ نے ایک مکتوب گرامی لکھوایا۔ اس میں ان کی قوم کو ان کی زبان میں ہی کچھ فرمایا۔

وہ مکتوب گرامی یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو کلب اور ان کے حلیفوں کی طرف اور دیگر ان قبائل کی طرف جنہیں اسلام نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو قطن بن حارثہ العلیمی کے قبیلہ سے ہیں۔ وہ نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہر معاہدہ یا وفائے عہد مسلمانوں کے گواہوں کی موجودگی میں کریں۔ پھر آپ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم کے نام لکھوائے۔ پھر فرمایا "چرنے والے، بچوں والے شیر دار پچاس اونٹوں میں سے ایک ایسی اونٹنی لی جائے گی جس میں کوئی عیب نہ ہوگا۔ وہ اونٹ جوان کے لیے کھانا لے کر آتے ہیں۔ ان سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ بکریوں میں سے دو سال کی بکری بطور زکوٰۃ لی جائے گی۔ وہ زمین جسے رواں پانی سیراب کرے گا اس میں عشر ہوگا اور وہ زمین جسے صرف بارش کا پانی سیراب کرتا ہوگا تو اس میں سے عدل کرنے والے کے اندازے کے مطابق عشر لیا جائے گا۔ ان پر یہ فریضہ زیادہ نہ کیا جائے گا"۔

ان مکتوب گرامی کو حضرت ثابت بن قیس بن شماس نے لکھا۔

وائل بن حجر کی طرف نامہ مبارکہ

ان کا نسب مالک بن مرہ بن حمیر بن زید الحضرمی پر ختم ہوتا ہے۔ ان کے والد کا شمار یمن کے سرداروں میں ہوتا تھا۔ یہ اپنے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جاگیر عطا کرنے کے لیے گذارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جاگیر عنایت کردی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ جاگیر ان کے حوالے کریں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عریاں پاؤں تھے۔ انہیں سورج کی گرمی محسوس ہوئی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ انہیں اپنے پیچھے سوار کر لیں مگر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ انہوں نے انہیں اپنا کفو نہ سمجھا کہ اپنے پیچھے سوار کریں۔ انہوں نے کہا ''تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جنہیں بادشاہ اپنے پیچھے سوار کریں''۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے پہننے کے لیے جوتے مانگے۔ مگر انہوں نے پھر انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ''تمہارے لیے میری اونٹنی کا سایہ ہی کافی ہے۔ اسی میں چلو'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت گرمی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ امر ان پر بڑا شاق گزرا۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت تک بحیات رہے۔ ان کے پاس وفد کی صورت میں گئے۔ انہوں نے ان سے ملاقات کی اور نہایت عزت و تکریم سے پیش آئے۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے آرزو کی تھی کہ کاش میں انہیں اپنے آگے بٹھالیتا''۔

دولت اسلام سے مالا مال ہونے سے قبل ان کے پاس عقیق کا ایک پتھر تھا۔ یہ اسی کی عبادت کرتے تھے۔ اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ ایک دن وقت دوپہر اس کے پاس سو رہے تھے کہ اچانک اس سے ایک ہولناک آواز سنی۔ وائل اس کے پاس آئے۔ اسے سجدہ کیا انہوں نے ہاتف غیبی کو یوں کہتے ہوئے سنا۔

وَاعَجَبًا لِوَائِلِ ابْنِ حَجَرٍ	تَخَيَّلُ يَدْرِي وَهُوَ لَيْسَ يَدْرِي

ہائے! وائل بن حجر پر تعجب! وہ خیال کرتا ہے کہ وہ اس بات سے آگاہ ہے حالانکہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

مَاذَا تَرْجِي مِنْ نَحْوِ صَخْرٍ	لَيْسَ بِذِي عَرْفٍ وَلَا ذِي نُكْرٍ

تو نے اس پتھر کی مورتی سے کیسی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں جسے نہ جان پہچان ہے نہ عقل و شعور۔

وَلَا بِذِي نَفْعٍ وَلَا ذِي ضَرٍّ	لَوْ كَانَ ذَا حَجَرٍ اَطَاعَ اَمْرِي

نہ وہ نفع دے سکتا ہے نہ ہی نقصان۔ کاش کہ ابن حجر میرے حکم کی اطاعت کرلے۔

انہوں نے اپنا سر بلند کیا اور کہا ''تو مجھے کس چیز کا حکم دیتا ہے''۔ ہاتف نے یہ اشعار پڑھے۔

اِرْحَلْ اِلَى يَثْرِبَ ذَاتَ النَّخْلِ	وَسِرْ اِلَيْهَا سَيْرَ مُسْتَقِلٍّ

تو یثرب (مدینہ طیبہ) چلا جا جو کھجوروں والی سرزمین ہے۔ تو اس شہر خوباں کی طرف سرعت کے ساتھ جا

فَدِنْ بِدِيْنِ الصَّائِمِ الْمُصَلِّي	محمد رسول خَيْرُ الرُّسُلِ

روزہ رکھنے والے اور نماز ادا کرنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین متین کو اختیار کرلے وہ سارے رسولوں میں سے

بہترین ہیں۔

پھر وہ پتھر گر پڑا۔ حضرت وائل رضی اللہ عنہ اس کی طرف گئے اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ پھر عازم سفر ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مسجد نبوی میں گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے قرب میں جگہ دی۔ ان کے لیے اپنی مبارک چادر پھیلا دی اور اس پر انہیں بٹھایا۔ پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا "اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہیں جو رئیسوں کے سردار ہیں۔ یہ دور دراز زمین سے اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے تمہارے پاس آئے ہیں"۔

وہ عرض کناں ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ کے ظہور قدسی کی خبر ملی۔ میں ایک عظیم سلطنت میں تھا۔ میں نے اسے چھوڑا اور رب تعالیٰ کے دین پاک کو اختیار کر لیا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے سچ کہا ہے۔ مولا! وائل بن حجر، ان کی اولاد، اولاد کی اولاد پھر اس کی اولاد میں برکت فرما"۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے عمر کے آخری حصہ میں کوفہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں ان کا وصال ہوا۔ ان کی اولاد کوفہ میں ہی رہی۔ "شفا شریف" میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں "الکندی" فرمایا۔ مگر یہ روایت درست نہیں۔ یہ حضرمی تھے۔ ابن جوزی نے الحضرمی یا الجوزی کہا ہے۔ ممکن ہے یہ حضرمی کندی ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے یہ نامہ مبارک لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محمد رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان رئیسوں کی طرف جو اپنے اپنے منصب پر فائز ہیں! جو حسن و زیبائی میں سب سے فائق ہیں!

چالیس بکریوں میں ایک بکری بطور زکوٰۃ دی جائے گی۔ اس سے کم نہیں۔ نہ ہی عمدہ مال بطور زکوٰۃ لیا جائے گا۔ اپنا درمیانہ مال بطور زکوٰۃ دو۔ رکاز اور کانوں میں سے پانچواں حصہ پیش کرنا ہوگا۔ جو غیر شادی شدہ بدکاری کرے تو اسے ایک سو کوڑے مارو۔ اور اسے ایک سال کے لیے جلاوطن کر دو۔ جو شادی شدہ بدکاری کا مرتکب ہو تو اسے سنگسار کر دو۔ حدود کو قائم کرنے میں کوئی عار نہیں۔ رب تعالیٰ کے فرائض کو مخفی نہیں رکھا جائے گا۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو تمام رؤساء کا سردار بنایا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات میں سے یہ چند خطوط مبارک بطور نمونہ پیش کیے گئے۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب و عجم کی ہر زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق سے زیادہ فصیح اور شیریں کلام تھے۔ آپ جلد ادائیگی فرماتے تھے اور آپ کی گفتگو مٹھاس میں سب سے بڑھ کر تھی۔ آپ کا کلام معجز دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا۔ گویا کہ وہ ارواح نکال رہا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان کی فصاحت کی انتہاؤں سے کوئی آگاہ نہیں۔ اس کے مقام و منصب سے کوئی آگاہ نہیں۔ اسی لیے بعض علمائے کرام نے فرمایا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام مبارک بھی معجزہ ہے"۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "بنو سلیم کے ایک شخص نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَيُدَالِكُ الرَّجُلُ اِمْرَاتَهُ" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اِذَا كَانَ مُلْفِجًا" اس وقت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شخص نے کیا عرض کی ہے اور آپ نے اسے کیا جواب ارشاد فرمایا ہے" حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس شخص نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ایک اپنی زوجہ سے ٹال مٹول کر سکتا ہے؟" میں نے کہا "ہاں! بشرطیکہ وہ شخص مفلس ہو"۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عرض گذار ہوئے "میں پورے عرب میں گھوما ہوں۔ میں نے اہل عرب کے فصحاء کی باتیں سنیں ہیں۔ میں نے آپ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں سنا" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے رب عظیم نے مجھے ادب سکھایا ہے۔ میں بنو سعد میں پروان چڑھا ہوں"۔

ایک اور روایت کے مطابق اس صحابی نے جو کچھ عرض کیا تھا اس کا معنی یہ ہے "کیا ایک شخص اپنی زوجہ کے ساتھ وظیفہ زوجیت کرنے سے قبل اس سے مداعبت کر سکتا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ہاں! جبکہ اس شخص کی شہوت کمزور ہوتا کہ یہ مداعبت اس کی شہوت کی محرک بنے"۔

ایک اور قول کے مطابق اس روایت کا مفہوم اس طرح ہے۔ اس صحابی نے عرض کی "کیا ایک شخص اپنی زوجہ کو حق مہر کی ادائیگی میں ٹال مٹول کر سکتا ہے! تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "ہاں! بشرطیکہ وہ شخص نادار ہو" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سائل کو اس طرح جواب ارشاد فرمایا جو ان سارے معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ جس طرح کہ اس صحابی کا سوال کئی احتمالات رکھتا تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا ہی کمال ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخصوص فرمایا ہے۔

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں وفد کی صورت میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ میرے ہمراہ میری قوم تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اگر رب تعالیٰ نے تجھے اپنے فضل و کرم سے غنی فرما دیا ہے تو لوگوں سے نہ مانگا کر۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ اگر رب تعالیٰ سے التجاء کی جائے تو وہ ضرور اسے شرف قبولیت سے نوازتا ہے"۔

شفاء شریف کی "شرح الشہاب" میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے کہ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اچانک بادل نمودار ہوا۔ صحابہ کرام عرض گذار ہوئے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم یہ بادل ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کی اساس کیسی ہے؟" وہ عرض گذار ہوئے "یہ کتنا عمدہ اور بلند مرتبہ ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اس کا وسط کیسا دیکھتے ہو؟" وہ عرض پیرا ہوئے "وہ بھی کتنا حسین ہے اور ان کا گھومنا کتنا تیز ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اس میں سے بلند بادل کو کیسے دیکھتے ہو؟" انہوں نے گذارش کی "وہ کتنا زیبا ہے اور اس کی استقامت کتنی شدید ہے" حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم اس کی بجلی کو کیسے دیکھتے ہو؟ کیا اس کی چمک ہلکی سی ہے یا تیز" انہوں نے کہا "اس کی چمک بہت تیز ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس کی سیاہی کیسی ہے؟" انہوں نے عرض کی "یہ کتنا خوبصورت ہے۔ یہ کتنا سیاہ بادل ہے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس سے کم بارش ہوگی" صحابہ کرام نے عرض کی

''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ سے بڑھ کر فصیح ہماری نگاہوں نے نہیں دیکھا'' حضور ﷺ نے فرمایا ''فصاحت و بلاغت کی ان رفعتوں سے مجھے کون روک سکتا ہے قرآن پاک واضح عربی زبان میں اترا ہے''۔

حضور اکرم ﷺ نے آفاق میں اپنے مکتوبات مبارکہ ارسال فرمائے۔ آپ نے شاہان عالم کو اپنی اطاعت کرنے اور شریعت بیضاء پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا۔ باذان بن ساسان نے آپ کی اس دعوت پر لبیک کہا۔ یہ پہلے کسریٰ کی طرف سے یمن کا بادشاہ تھا۔ جب حضور ﷺ کے فرمان عالی شان کے عین مطابق کسریٰ ہلاک ہو گیا تو اس خبر کی صداقت عیاں ہو جانے پر اس نے دل وجان سے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے حضور ﷺ کے کئی معجزات کے بارے بھی سن رکھا تھا۔ اس نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے اسلام کے متعلق بارگاہ رسالت مآب میں اطلاع بھیجی۔ حضور ﷺ نے اسے یمن کا والی برقرار رکھا۔ کیونکہ آپ نے باذان کے قاصد سے یہ وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے باذان کو پیغام بھیجا تھا ''اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو میں تمہیں اسی مسند اقتدار پر برقرار رہنے دوں گا''۔ حضرت باذان اسلام میں یمن کے پہلے امیر تھے۔ اور عجم کے بادشاہوں میں سے سب سے پہلے انہوں نے ہی دولت اسلام سمیٹی۔ جب ان کا وصال ہو گیا تو حضور ﷺ نے ان کے لخت جگر شہر بن باذان کو زمام اقتدار سونپ دی۔ روایت ہے کہ حضرت باذان رضی اللہ عنہ وفد لے کر عازم سفر ہوئے تا کہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کا شرف حاصل کریں۔ العنسی الکذاب نے انہیں راستہ میں شہید کر ڈالا۔ دوسری روایت کے مطابق اسود العنسی نے شہر بن باذان کو شہید کیا تھا۔ پھر ان کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔ وہ مسلمان تھی۔ اس نے فیروز دیلمی کی مدد کی تو انہوں نے اسود کا کام تمام کر دیا۔ یہ اس بلند اقبال عورت کی وساطت سے ہی رات کے وقت اس کے گھر داخل ہو سکے تھے۔ اور اسے موت کے گھاٹ اتار سکے تھے۔ حضور ﷺ نے حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو صنعاء کا، حضرت زیاد بن لبید الانصاری کو حضر موت کا، حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو زبید اور عدن کا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو الجند اور اس کے مضافات کا اور حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران کا والی بنا دیا۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب حضور سید الانبیاء ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ شاید اس امارت کی مدت طویل نہ تھی۔ آپ نے یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو تیماء کا والی بنا دیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شام کیلئے لشکر تیار کیے تو انہوں نے سب سے پہلے جس امیر کا جھنڈا باندھا وہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ شام کے والی بنے۔ ان سے پہلے حضرت ابوعبیدہ کے عامل تھے۔ حضرت یزید رضی اللہ عنہ کا شام میں ہی وصال ہوا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے۔ ان کا شمار فضلاء صحابہ کرام میں ہوتا تھا۔

آپ نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا والی بنایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یمن میں منصب قضاء عطا فرمایا۔ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان کا والی بنایا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

معجزات

سید المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بے شمار اور ان گنت ہیں۔ انہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور معجزات کا ہی تذکرہ کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض معجزات کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر بعثت تک کے حالات میں گزر چکا ہے۔ کچھ معجزات کا ذکر خیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات اور سرایا میں گزر چکا ہے۔ اگر ان معجزات میں سے بعض کا تذکرہ دوبارہ آجائے تو قارئین کو اکتاہٹ محسوس نہیں کرنی چاہیے کیونکہ معجزات کا بار بار تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

أَعِدْ ذِكْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِكْرَهُ هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهُ يَتَضَوَّعُ

ہمارے لیے نعمان کا تذکرہ کرو۔ بلاشبہ اس کا ذکر مشک (کی طرح) ہے۔ تم جتنا زیادہ اس کا تذکرہ کرتے ہو اس کی خوشبو اتنی زیادہ آتی ہے۔

معجزہ اس امر کو کہا جاتا ہے جو عادت کے خلاف وقوع پذیر ہو۔ معجزہ دکھانے والا اس کے ساتھ چیلنج کرے۔ جس طرح کہ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا اور مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہو جانا۔ اسے معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بشر اس جیسی چیز لانے سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ اسے ان کے کسب کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ عادت کے خلاف وقوع پذیر ہوتا ہے یہ اس ہستی پاک کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔ جس کے دست حق نما سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ اسے معجزہ کہنے کے لیے شرط یہ ہے کہ یہ اس ہستی والا کے دست اقدس سے رونما ہو جس نے رسالت کا دعویٰ کیا ہو۔ اور اس کا ظہور اس کے دعویٰ کے بالکل مطابق ہو۔ خلاف عادت امر کو معجزہ اور کرامت وغیرہ میں تقسیم کیا گیا ہے جو کتب کلام میں موجود ہیں۔ اس کے تذکرہ کی ضرورت نہیں۔ ہمارے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل کثیر ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شان والا کی رفعت کے متعلق بے شمار روایات منقول ہیں۔

ان میں وہ روایات بھی شامل ہیں جو تورات، انجیل اور دیگر الہامی کتب میں موجود ہیں۔ ان میں آپ کا ذکر خیر موجود ہے آپ کے ایسے اوصاف کا تذکرہ ہے جو آپ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔ ان کتب میں یہ تذکرہ بھی ہے کہ آپ کا ظہور قدسی سر زمین عرب سے ہوگا۔ آپ کی ولادت مبارکہ اور بعثت سے قبل فلاں فلاں عجیب و غریب امور رونما ہوں گے۔ جس طرح کہ اصحاب فیل کا قصہ۔ اس داستان سے اہل عرب کی شان بھی عیاں ہوتی ہے نیز یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عنقریب اہل عرب کے لیے ایک عظیم خبر ظاہر ہوگی۔ یہ خبر اس وقت ظاہر ہوگی جس وقت سرور سروراں سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوگا۔ جس طرح کہ آپ کی ولادت مبارکہ کے وقت ایران کی اس آگ کا بجھ جانا جس کی پوجا اہل ایران کرتے تھے۔ یہ آگ ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔ ایوان کسریٰ کے چودہ کنگروں کا زمین بوس ہو جانا۔ بحیرہ ساوہ کا پانی خشک ہو جانا۔ اس کی چوڑائی چھ

فرسخ سے زائد تھی۔ اس میں کشتیاں چلتی تھیں۔ جن پر سوار ہو کر اس کے ارد گرد کے شہروں میں جایا جاتا تھا۔ یہ میلاد النبی ﷺ کی شب کو یوں خشک ہو گیا گویا کہ اس میں کبھی پانی تھا ہی نہیں۔

اسی طرح ولادت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی شب مجوسیوں کے جج موبذان نے خواب میں دیکھا کہ سرکش اونٹ عربی گھوڑوں کو ہانک رہے ہیں۔ انہوں نے دریائے دجلہ عبور کر لیا ہے اور شہروں میں بکھر گئے ہیں۔ کسریٰ نے اس سے پوچھا ''اس خواب کی تعبیر کیا ہو سکتی ہے؟'' اس نے کہا ''عرب کی طرف کوئی واقعہ رونما ہو سکتا ہے'' اسی طرح ہواتف غیبیہ کو سنا گیا جو آپ ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اسی طرح اس مبارک شب کو بتوں کا اوندھے ہو کر گر جانا۔ اسی طرح اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات منقول ہیں۔ جن میں ایسے امور کا ذکر پاک ہے جو آپ ﷺ کی ولادت، رضاعت اور اس کے بعد بعثت تک جلوہ نما ہوئے۔ جو شخص بھی آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ، پاکیزہ سیرت، علم کی وسعت، عقل و حلم کی فراوانی اور آپ ﷺ کے دیگر شمائل حمیدہ میں غور و فکر کرے گا اسے آپ ﷺ کی نبوت میں کوئی شک نہیں رہے گا۔ آپ کے عہد ہمایوں میں بہت سے لوگوں نے ان اشیاء کا مشاہدہ کیا تو فوراً دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ اور سر اطاعت آپ کے سامنے خم کر دیا۔ انہیں علم ہو گیا کہ ایسے اوصاف حمیدیہ سے نبی کے علاوہ اور کوئی متصف نہیں ہو سکتا۔

امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ یہ یہودیوں کے جید عالم تھے۔ انہوں نے کہا ''جب سرور دو عالم ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو میں آپ ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر خدمت ہوا۔ جب میں چہرۂ والضحیٰ کی زیارت سے بہرہ ور ہوا تو میں نے بے ساختہ کہہ دیا ''یہ ضوفشاں چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا''۔ انہوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ پر ایمان لے آئے۔ اور یہودیوں سے کہا ''اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس حیات آفریں پیغام کو قبول کر لو جسے حضور ﷺ لے کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ اللہ کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ آپ وہی رسول مکرم ﷺ ہیں جن کا اسم مبارک اور اوصاف حمیدہ تم اپنے پاس لکھے ہوئے پاتے ہو۔ میں آپ پر ایمان لے آیا ہوں اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں''۔

حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ جب چہرۂ انور کی زیارت سے بہرہ یاب ہوا تو میں بے ساختہ پکار اٹھا ''یہ اللہ رب العزت کے سچے نبی ہیں''۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کی عظمت دیکھی۔ نور نبوت کی زیارت کی تو رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کی صداقت کا علم ضروری ان کے دل میں ڈال دیا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ضماد بن ثعلبہ بعثت سے قبل تاجدار عرب و عجم ﷺ کے دوست تھے۔ یہ اپنی قوم میں چلے گئے تھے۔ پھر ایک وفد کی صورت میں مکہ مکرمہ آئے۔ حضور ﷺ کو اعلان نبوت فرمائے تھوڑی سی مدت ہی گزری تھی۔ انہوں نے سنا کہ لوگ آپ ﷺ کو ساحر، کاہن اور مجنون کہہ رہے تھے (نعوذ باللہ) ضماد ایک حاذق طبیب بھی تھے اور زمانہ جاہلیت میں دم بھی کرتے تھے۔ جب انہوں نے اہل مکہ کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ محمد عربی ﷺ کو جنون

حق ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عرض کی "میں دم کر لیتا ہوں۔کیا آپ کو کوئی اذیت ہے تو میں آپ کو دم کر دوں"۔جب ان کی بات ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ پاکیزہ کلمات پڑھے۔

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

یہ نور فشاں اور پر جلال کلمات سن کر ضماد نے عرض کی "یہ پاکیزہ کلمات پھر پڑھیں۔میں بحر بے کراں کے وسط میں غوطہ زن ہو گیا ہوں"۔حضور اکرم ﷺ نے ان کلمات مقدسہ کو پھر دھرا دیا تو انہوں نے عرض کی "اپنا دست حق نما آگے بڑھائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں"۔وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔آپ کی تصدیق کی اور حلقہء اسلام میں داخل ہو گئے۔انہوں نے کسی تردد کے بغیر سر تسلیم خم کر دیا۔انہوں نے صرف ان کلمات پر ہی اکتفاء کیا جو آپ ﷺ کی صداقت پر دلالت کر رہے تھے۔ان سے آپ ﷺ کی انتہائی فصاحت و بلاغت بھی آشکارہ ہو رہی تھی۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے آپ کے چہرہ انور پر نور اور حسن و زیبائی کا بھی مشاہدہ کر لیا تھا۔

بعض سیرت نگار اللہ رب العزت کے اس فرمان عالی شان

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ (قد افلح۔نور:35)

"قریب ہے کہ اسکا تیل روشن ہو جائے اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے"۔

کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے یہ ضرب المثل اپنے نبی کریم ﷺ کے لیے بیان فرمائی ہے۔یعنی آپ کا چہرہ انور اور اس پر انوار و تجلیات کا پیہم نزول ہی آپ کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے۔اگر آپ کسی معجزہ کا اظہار نہ بھی فرمائیں۔جس طرح کہ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ ... لَكَانَ مَنْظَرُهُ يُنَبِّئُكَ الْخَبَرَ

اگر آپ ﷺ میں واضح معجزات کا ظہور نہ بھی ہوتا پھر بھی آپ کا حسن و جمال ہی آپ کی صداقت کی خبر تجھے دے دیتا۔

حضور ﷺ کے پاس مال و ثروت کے انبار نہیں تھے کہ لوگوں کے دل ان میں لالچ کرتے ہوئے آپ کی طرف مائل ہوتے۔قوت و سطوت نہ تھی جس سے طاقت کے ذریعے لوگوں کی گردنیں خم ہو جاتیں۔دین کی نصرت کرنے والے مددگار نہ تھے جو آپ کی دین حق کے لیے نصرت کرتے۔بلکہ وہ لوگ تو بتوں کی عبادت اور اصنام کی تعظیم پر جمع تھے۔وہ عصبیت، حمیت، سرکشی، تمرد، خونریزی اور فساد جیسی جاہلیت کی عادات میں منہمک تھے۔نہ انہیں دین کی الفت جمع کر سکتی تھی نہ ہی برے انجام میں غور و فکر انہیں افعال بد سے بچا سکتا تھا۔نہ انہیں کسی سزا کا خوف تھا کہ ملامت کرنے کا اندیشہ ہوتا مگر سرور کائنات ﷺ نے ان کے دل باہم جوڑ دیے۔ان کی گفتگو اکٹھا کر دی۔ان کی آراء متفق کر دیں۔ان کے دل ایک دوسرے کی تائید کرنے لگے۔ان کے ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے لگے۔حق کے اظہار کے لیے انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی۔وہ حضور ﷺ کی نصرت کرنے میں ایک جمعیت بن گئے۔ان کی نظریں چہرۂ والضحیٰ پر لگی رہتیں

تھیں۔ تاکہ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون سی چیز ناپسندیدہ ہے اسے دور کریں۔ اور جو آپ کا عزم ہے اس پر آپ کی اعانت کریں۔ انہوں نے آپ کی محبت میں اپنے شہر چھوڑے۔ اپنے وطنوں کو خیر آباد کہا۔ حتیٰ کہ اپنی قوم اور قبیلہ کو بھی چھوڑ آئے۔ انہوں نے آپ کی نصرت کے لیے اپنے جسموں کو بھی قربان کر دیا۔ اپنے چہروں پر زخم کھائے۔ سینوں کو گھائل کیا تاکہ آپ کے پاکیزہ کلمہ کو غلبہ ہو جائے۔ آپ کے دین متین کو رفعت و غلبہ نصیب ہو جائے۔ اس کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دنیا کی آسائشیں نہیں دیں۔ مال و دولت نہیں دیا۔ کوئی جلد ملنے والا مقصد سامنے نہ رکھا جسے حاصل کرنے کا انہیں لالچ دیا۔ جس کی وجہ سے صحابہ کرام علیہم الرضوان آپ میں رغبت رکھتے تھے۔ آپ نے انہیں سلطنت یا دنیا نصب العین نہیں دیا جس کے لیے وہ سر دھڑ کی بازی لگا دیتے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شان والا تھی کہ آپ نے غنی کو فقیر بنا دیا۔ کیونکہ آپ اغنیاء کو برانگیختہ کرتے تھے کہ وہ جہاد اور قرب الٰہی کے حصول کے لیے اپنے اموال خرچ کریں۔ آپ نے بلند مرتبہ شخص کے نفس کو مہذب بنا کر اور فخر و تکبر کے وصف کو مٹا کر عاجز کر دیا۔ ان میں تکبر جیسے گھٹیا اوصاف ختم کر دیے۔ کیا ایسے نازیبا امور کسی ایک شخص کے لیے اختیار عقلی اور تدبیر فکری سے مسخر ہو سکتے ہیں۔ نہیں! اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہرگز نہیں۔ رب تعالیٰ نے ہی آپ کے لیے یہ امور مسخر فرما دیئے تھے۔ کوئی دانا اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کر سکتا۔ یہ امر الٰہی ہے، یہ آسمانی امر ہے، یہ عادات کے خلاف ہے بشری اعضاء ان تک پہنچنے سے عاجز ہیں۔ وہی ذات پاک اس پر قدرت رکھتی ہے جس کے لیے خلق بھی ہے اور امر بھی۔ تبارك الله رب العالمين

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکثر معجزات متواتر روایت کیے گئے ہیں۔ انہیں کثیر لوگوں نے کثیر لوگوں سے نقل کیا ہے۔ یہ معجزات ایسے مقامات پر ظہور پذیر ہوتے تھے جہاں صحابہ کرام کا جم غفیر ہوتا تھا۔ جیسا کہ یوم خندق اور بقیہ غزوات میں رونما ہونے والے معجزات، مسلمانوں کی محافل اور لشکروں اور فوجوں کے جمع ہونے کی جگہوں پر معجزہ نمایاں! کسی ایک صحابی سے بھی انکار یا مخالفت روایت نہیں۔ ان میں سے خاموش رہنے والے کی خاموشی اسی طرح دلیل ہے جس طرح گفتگو کرنے والے کی گفتگو۔ کیونکہ باطل پر خاموش رہنا ان کی فطرت میں شامل ہی نہ تھا۔ جھوٹ میں چاپلوسی سے وہ پاک تھے۔ وہ مجسمۂ عدل تھے۔ اللہ تعالیٰ کے امور میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ جو کچھ انہوں نے سنا اگر وہ منکر ہوتا ان کے ہاں معروف نہ ہوتا تو وہ اس کا انکار کر دیتے۔ جس طرح کہ انہوں نے سنن اور سیر میں سے بعض امور کا انکار کیا تھا۔ پھر یہ روایات ان کے بعد نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔ ایک گروہ دوسرے گروہ سے اخذ کرتا رہا۔ ایک جماعت دوسری جماعت سے روایت کرتی رہی''۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''شفا'' میں لکھا ہے ''جو شخص روایات کی اسناد میں غور و فکر کرتا ہے تو اسے ان معجزات اور خوارق العادات کی صحت میں کوئی شک نہیں رہتا۔ جس طرح کہ آپ کا غیب کی خبریں دینا۔ یہ بات بعید از وقوع نہیں کہ ایک شخص کو تو کسی روایت کے متواتر ہونے کا علم ہو جبکہ دوسرے کو وہ علم نہ ہو۔ مثلاً اکثر لوگ خبر متواتر کے ساتھ جانتے ہیں کہ بغداد شہر موجود ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ ایک عظیم شہر ہے، وہ دار الخلافہ ہے۔ لیکن ایک شخص اس شہر کے نام سے بھی آگاہ نہیں تو

کے لیے اس کے اوصاف سے آگاہ ہونا دور کی بات ہے تو نہ جاننے والے کا علم نہ ہونا تواتر کی نفی نہیں کرتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل میں سے ایک عظیم دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امی تھے۔ اپنے دست اقدس سے لکھ نہیں سکتے تھے، نہ پڑھ سکتے تھے۔ آپ ایسی قوم میں جلوہ افروز ہوئے جو ان پڑھ تھی۔ آپ نے ایسے شہر میں نشوونما پائی جس میں ایک بھی ایسا عالم نہیں تھا جو ماضی کی سرگزشتوں کو جانتا ہو۔ آپ نے ساری زندگی علم حاصل کرنے کی نیت سے سفر بھی نہیں کیا تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پاس تورات، انجیل اور سابقہ اقوام کی داستانیں لے کر آئے۔ حالانکہ وہ داستانیں ان اصل کتب سے بھی محو کر دی گئیں تھیں۔ بعض میں تحریف کر دی گئی تھی۔ بہت ہی کم لوگ ان داستانوں کی صحت سے آگاہ تھے۔ ان میں سے کبھی بھی ایک بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر نہ ہوا تھا کہ یہ گمان کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے یہ علم حاصل کیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالف اقوام میں سے ہر ہر قوم کے ساتھ ایسے دلائل اور براہین کے ساتھ مجادلہ کیا کہ ان کے ماہر متکلمین اور ذہین دانشمند بھی رد نہ کر سکے۔ یہ اس امر کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ اس میں کسی انسان کا کوئی عمل دخل نہیں۔

قرآن پاک کا اعجاز

قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ دلائل نبوت میں سے سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس میں اتنا زیادہ اعجاز ہے کہ اس نے لوگوں کو چیلنج کیا۔ انہیں اپنے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ انہیں اپنے جیسی ایک ہی صورت پیش کرنے کے لیے کہا۔ لیکن مخالفین ایک چھوٹی سی سورت بھی پیش نہ کر سکے۔ یہ قرآن کریم ہی تھا جس نے ان لوگوں کو عاجز کر دیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت کی مردے زندہ کرنے، کوڑھیوں کو تندرست کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے سے بھی بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ قرآن پاک ان لوگوں کے پاس آیا جو فصاحت و بلاغت کے میدان کے شہ سوار تھے جو زبان اور بیان کے رئیس تھے۔ قرآن مجید کا ان لوگوں کو عاجز کر دینا یہ ان لوگوں کے عجز سے زیادہ تعجب خیز تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے مردوں کو زندہ کرتے وقت آپ کے پاس تھے۔ کیونکہ وہ لوگ مردوں کو زندہ کرنے، کوڑھیوں کو تندرست کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے۔

جبکہ عرب بالخصوص قریش فصاحت و بلاغت کی بلندیوں پر فائز تھے۔ وہ محافل میں فوراً فصیح و بلیغ کلام کرنے پر قادر تھے۔ اللہ رب العزت نے فصاحت اور بلاغت ان کی فطرت اور طبیعت میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً ایسا کلام کرتے تھے جو فصاحت و بلاغت سے مرقع ہوتا تھا۔ وہ ہر مجلس میں ایسی تقاریر کرتے تھے جو فصاحت و بلاغت سے لبریز ہوتیں تھیں۔ وہ شمشیر کی دھار اور نیزے کی نوک کے سامنے بھی رجزیہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ میدان جنگ میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ جس کی مدح خوانی کرتے تھے تعریف کی بنا پر رفعتوں پر آشیاں بند کر دیتے تھے۔ جس کی مذمت کرتے اسے ذلالت کے گڑھے میں پھینک دیتے۔ وہ اپنی بلاغت سے محفل پر سحر طاری کر دیتے۔ لوگوں کی عقل و دانش چھین لیتے۔ شیر دل بہادروں کو رسوائی کے گڑھے میں پھینک دیتے۔ دشمن کو ہوا کر دیتے۔ قبیح کو حسین اور حسین کو قبیح کر دیتے۔ بزدلوں کو جرات مند

بنا دیتے۔ بخیل کو سخی بنا دیتے ناقص کو کامل کر دیتے۔ معزز کو ذلیل بنا دیتے۔

ان فصحاء اور بلغاء میں سے کچھ صحرانشیں تھے۔ جو عظیم الشان الفاظ، بہترین اقوال اور عمدہ کلام کے مالک تھے۔ نظم و نثر دونوں پر ان کی گرفت مضبوط تھی۔ بعض شہروں کے ساکنین تھے۔ وہ بھی فصاحت و بلاغت کے دلدادہ تھے۔ عمدہ الفاظ اور جامع کلمات استعمال کرتے تھے۔ وہ سہل پسند تھے وہ الفاظ کم استعمال کرتے تھے۔ لیکن ان کا مفہوم بڑا وسیع ہوتا تھا۔ شہری اور بدوی دونوں قسم کے لوگوں کے پاس نفیس دلائل اور عمدہ براہین ہوتی تھیں۔ کسی شخص کو کوئی شبہ نہیں کہ فصاحت ان کے سامنے سرافگندہ تھی۔ بلاغت ان کے گھر کی لونڈی تھی۔ وہ اس کے سارے طریقوں سے آشنا تھے۔ وہ فصاحت و بلاغت کے چشمے رواں کر دیتے۔ وہ اس کے ہر دروازے سے داخل ہوتے۔ ان اہل عرب کو صرف اور صرف رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی خوفزدہ کیا۔ وہ ایک کتاب عزیز لے کر تشریف فرما ہوئے جس میں باطل کو نہ آگے سے داخل ہونے کی جرات نہ ہی پیچھے سے آنے کی ہمت ہے۔ ایک حکیم اور حمید ذات والا نے اسے نازل کیا۔ اس کی آیات بڑی مستحکم اور اس کے کلمات بڑے مفصل ہیں۔ اس کی بلاغت نے عقل پر تسلط جمالیا۔ اور اس کی فصاحت نے ہر قول پر غلبہ پالیا۔ اس کے ایجاد اور اعجاز نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا، حقیقت اور مجاز نے ایک دوسرے کی مدد کی، اس کی آیات بینات مطالعہ اور پختہ دلیل کے لحاظ سے سبقت لے گئیں۔ قرآن مجید میں فصاحت و بلاغت کی ہر نوع کے جملے شامل ہیں۔ قرآن پاک ان کے پاس اس وقت آیا جب وہ فصاحت اور بلاغت میں بڑے طاق تھے۔ خطابت میں یکتا تھے۔ خوبصورت اشعار فوراً کہہ لیتے تھے۔ قرآن پاک اسی زبان میں آیا جس میں وہ روزمرہ گفتگو کرتے تھے۔ قرآن حکیم پورے اکیس سال انہیں مقابلہ کی دعوت دیتا رہا۔ ان کے اجتماعات میں فصحاء اور بلغاء کے سامنے انہیں چیلنج کرتا رہا۔ انہیں زجر و توبیخ کرتا رہا۔ انہیں بے وقوف اور احمق کہتا رہا۔ ان کے نظام پر طعنہ زنی کرتا رہا۔ ان کے معبودان باطلہ اور ان کے آباؤ اجداد کی مذمت کرتا رہا۔ ان کی زمین، شہر اور اموال کو مباح قرار دیتا رہا۔ لیکن وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہی رہے۔ یہ چیلنج اور مقابلہ کی دعوت صرف اس لیے تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ قرآن پاک آپ کی رسالت کی صداقت اور نبوت کی صحت پر حجت قاطع ہے۔ یہ واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ابھی تک باقی ہے۔ تا قیامت باقی رہے گا۔ اس سے احکام شرعیہ نکالے جاتے ہیں۔ علوم عقلیہ بھی اسی سے مستنبط کیے جاتے ہیں۔ اتنے زیادہ علوم اور احکام کسی اور معجزہ سے اخذ نہیں کیے جا سکتے۔ دیگر انبیاء کرام کے معجزات ان کے وقت گزرنے کے ساتھ ختم ہو گئے۔ ان معجزات کا صرف ان لوگوں نے مشاہدہ کیا جو وہاں حاضر تھے لیکن قرآن مجید وہ معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بات قطعی طور پر جانتے تھے کہ قرآن مجید کے بار بار چیلنج کرنے کے باوجود وہ لوگ اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ۖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ (البقرة)

''تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکے اور ہرگز نہ

کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے"۔

• اگر آپ ﷺ کو علم نہ ہوتا کہ یہ کتاب زندہ علام الغیوب کی طرف سے ہے اور قریش کہ قرآن پاک کے اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ تو آپ ﷺ انہیں ہرگز یہ نہ فرماتے۔

لَنْ تَفْعَلُوْا (البقرہ:24) تم ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔

کیونکہ آپ ﷺ اپنے زمانہ کے سارے لوگوں سے زیادہ دانا تھے۔ بلکہ مطلق ساری مخلوق سے زیادہ دانشمند تھے۔ اسی کمال عقل کی وجہ سے ہی آپ ﷺ کو رب تعالیٰ کی خبر میں کبھی شک یا تردد نہیں ہوا۔ بلکہ اپنے رب کی طرف سے ملنے والی خبر کا قطعی علم ہو گیا کہ یہ لوگ اس جیسا کلام معجز نظام پیش نہیں کر سکیں گے۔ اس میدان میں آپ کا یہ فرمان عالی شان انتہائی حسین، بدیع اور واضع ہے کہ آپ ﷺ نے پہلے ہی اعلان کر دیا تھا کہ نہ تو اب لوگ اس کلام معجز نظام کا مقابلہ کر سکیں گے اور نہ ہی مستقبل میں ان سے ایسا ہو سکے گا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے یوں فرمایا لَنْ تَفْعَلُوْا (البقرہ:24)

اگر وہ ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہوتے تو وہ ضرور کر گزرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ان کا عجز طشت از بام ہو گیا۔ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا کلام پیش نہ کر سکا۔ حالانکہ انہیں اس امر کی بہت ضرورت تھی۔ وہ ہر وقت قرآن پاک کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔ وہ اسے جھٹلا کر یا افتراء کہہ کر اپنے آپ کو دھوکا دیتے رہے۔ وہ کبھی اس لاریب کلام کو جادو کہتے۔ کبھی کہتے کہ آپ نے خود اسے گھڑا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ وہ کمینگی پر راضی ہو گئے۔ جیسے کہ انہوں نے کہا تھا۔

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (سورۃ البقرہ:88)

"ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں"۔

• وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ (سورۃ حم سجدہ:5)

"اور ہمارے کانوں میں گرانی اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے"۔

وہ ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت کا دعویٰ کرتے رہے حالانکہ وہ ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز تھے۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ان کی حکایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (انفال:31)

"اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں"۔

یہ صرف ان کا بکواس تھا۔ عداوت کی زیادتی کی وجہ سے صرف ان کی بڑھتی۔ اگر وہ ایسا کلام پیش کرنے کی استطاعت رکھتے تھے تو انہیں ایسا کرنے سے کس چیز نے روکا۔ قرآن پاک تو انہیں چیلنج کرتا رہا۔ انہیں تقریباً اکیس سال مقابلہ کی دعوت دیتا رہا۔ پھر انہیں تلواروں کے ذریعے شکست دی گئی لیکن فصاحت و بلاغت میں متکبر اور مغرور ہونے کے باوجود وہ ایسا کلام پیش نہ کر سکے۔ اللہ رب العزت نے ان کے اس عجز کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ الخ (الاسراء:88)

یہ آیت طیبہ کفار کے اس قول کا رد ہے۔ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (انفال:31)

اللہ رب العزت نے اس آیت میں جنات کا تذکرہ اعجاز قرآن کی عظمت کے اظہار کے لیے کیا ہے۔ ورنہ چیلنج صرف انسانوں کو ہے۔ اس میں جن شامل نہیں ہیں۔ کیونکہ جنات کی زبان عربی نہیں ہے۔ نہ ہی ان کی زبان کا وہ اسلوب ہے۔ جو قرآن پاک کا اسلوب ہے لیکن اللہ رب العزت نے دونوں فریقوں کو اس جیسا کلام لانے کے لیے چیلنج کیا۔ اس چیلنج میں جن وانس شامل تھے۔ انہیں ایک دوسرے کی اعانت کرنے کی بھی اجازت تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس چیلنج کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب دو فریق (جن وانس) ایسا کلام لانے سے عاجز ہیں تو صرف ایک فریق (انسان) اس جیسا کلام لانے سے عاجز تر ہے۔

اسلام کے خلاف کفار نے کتنی ہی شمشیریں بے نیام کیں۔ کتنی ہی غارت گری کی۔ اگر وہ اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز نہ ہوتے تو وہ جنگ وجدل کرنے کی بجائے صرف ایسا کلام پیش کر دیتے۔ لیکن وہ ایسا کلام پیش نہ کر سکے۔ یہ ان کی عاجزی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ جو ان کے اس قول کا رد ہے۔

لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ (انفال:31) اس لیے ان کے قول کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ ان میں سے بہت اہل فصاحت وبلاغت نے اقرار کیا تھا کہ قرآن پاک کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا نیز یہ کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔

عتبہ بن ربیعہ کا اعتراف

ان سرداران قریش میں سے ایک عتبہ بھی تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں گیا۔ اس نے عرض کی "میرے بھتیجے! اگر آپ کو مال ودولت درکار ہے تو ہم آپ کے لیے اموال جمع کر لیتے ہیں۔ اگر آپ شرف کے طلب گار ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی جن آتا ہے تو پھر بھی آپ کا علاج کرانے کے لیے ہم اپنے اموال خرچ کر دیتے ہیں"۔ جب عتبہ اپنی گفتگو سے فارغ ہوا تو حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اب ذرا میرا کلام پاک سنو۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۚ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳﴾ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْۤا اِلَیْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۠﴿۸﴾ قُلْ اَىٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿۹﴾ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىٕلِیْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ

اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىٕعِیْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۝ (حم سجدہ)

عتبہ نے فوراً اپنا ہاتھ حضور اکرم ﷺ کے منہ مبارک پر رکھ لیا۔ عرض کی "آپ ہمارے لیے بددعا نہ کریں"۔ پھر عتبہ قریش کے پاس واپس آیا۔ قریش نے پوچھا "کیا خبر لائے ہو؟" اس نے کہا "بخدا! میں نے ایسا شیریں کلام سنا ہے جس طرح کا شیریں کلام پہلے کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ نہ تو شعر ہے، نہ جادو ہے، نہ ہی کہانت ہے۔ بخدا! میں نے ان کا جو فرمان سنا ہے وہ سچ ثابت ہوگا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا کلام پاک سن کر اسلام قبول کر لینا

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے بھائی انیس کو مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ حضور ﷺ کے معاملہ میں غور و فکر کریں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی انیس کی تعریف یوں کرتے تھے۔ "اللہ کی قسم! میں نے اپنے بھائی انیس سے عمدہ شاعر کوئی نہیں دیکھا۔ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں بارہ شعراء کے ساتھ مقابلہ کیا تھا"۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے۔ پھر حضور ﷺ کے متعلق آگہی لے کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آ گئے۔ انہوں نے کہا "میں نے مکہ معظمہ میں ایسی ذات بابرکات دیکھی ہے۔ وہ گمان کرتی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں رسول بنا کر بھیجا ہے"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "ان کے متعلق لوگوں کی رائے کیا ہے؟" حضرت انیس نے کہا "لوگ انہیں شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں۔ میں نے کاہنوں کا کلام بھی سنا ہے۔ مگر اس شیریں کلام کو ان کے کلام کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں۔ میں نے ان کے کلام کو شعر کی ساری اصناف پر پرکھ کر دیکھا ہے۔ لیکن اسے کسی بھی شعری صنف کے ساتھ مطابقت نہیں۔ وہ ذات پاک سچی ہے۔ لوگ بکواس کرتے ہیں"۔

ولید بن مغیرہ کی رائے

امام بیہقی نے ولید بن مغیرہ کے متعلق لکھا ہے "یہ فصاحت میں قریش کا سردار تھا۔ اس نے حضور ﷺ سے عرض کی "میرے سامنے قرآن پاک تلاوت کریں۔ تا کہ میں اس میں غور و فکر کروں"۔ حضور ﷺ نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَ یَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (نحل)

"بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملے میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور برے کاموں اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے

تمہیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو''۔

ولید نے کہا ''یہ پاکیزہ کلمات دوبارہ پڑھیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ تلاوت فرمایا۔ اس نے کہا ''اللہ کی قسم! اس میں شیرینی ہے۔ اس کے اوپر چمک ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ ثمر آور ہے۔ اس کا نچلا حصہ خوشگوار ہے۔ ایسا دلکش کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا''۔ پھر اس نے اپنی قوم سے کہا ''تم میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ اشعار سے آگاہ ہو۔ یا جنات کے اقوال سے زیادہ آشنا ہو۔ اللہ کی قسم! یہ کلام پاک اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ بلاشبہ اس کلام مقدس میں شیرینی ہے۔ اس کے اوپر چمک ہے۔ اس کا اوپر والا حصہ ثمر آور ہے۔ اس کا نچلا حصہ خوشگوار ہے۔ یہ غالب تو آجاتا ہے مگر اس پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا۔ جو اس کے نیچے آئے وہ اس کو چور چور کر دیتا ہے''۔

عمرو بن جموح کا قرآن سے محظوظ ہونا

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے بنوسلمہ کے ایک شخص سے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا ''جب بنوسلمہ نے اسلام قبول کرلیا تو عمرو بن جموح نے اپنے لخت جگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا ''اس ہستی پاک کے کلام میں سے مجھے بھی کچھ سناؤ''۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے قبل اسلام قبول کرلیا تھا۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کو سورۃ الفاتحہ کی ابتداء کی آیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ (سورۃ الفاتحہ)

سنائیں۔ انہوں نے اپنے فرزند دلبند سے کہا ''یہ کلام کتنا عمدہ ہے۔ یہ کتنا حسین اور جمیل ہے کیا ان کا سارا کلام اسی طرح ہے''۔ انہوں نے کہا ''میرے والد گرامی! ان کا بقیہ کلام اس سے بھی زیادہ حسین اور جمیل ہے''۔

''المواہب اللدنیہ'' میں کسی بزرگ کا یہ قول منقول ہے کہ اگر قرآن کریم کا کوئی نسخہ جنگل میں پڑا ہوا کسی کو مل جائے۔ اسے خبر نہ ہو کہ اسے کس نے رکھا ہے تو وہ صاحب عقل سلیم اسے پڑھ کر گواہی دے گا یہ اللہ رب العزت کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ وہ اس جیسا کلام بنا سکے۔ اب جبکہ یہ کلام پاک ایک ایسی ہستی لے کر آئی جو ساری مخلوق سے زیادہ سچی ہے۔ جو ساری مخلوق سے زیادہ متقی اور تقویٰ شعار ہے۔ اس نے فرمایا بھی ہے ''یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے۔ اس نے ساری مخلوق کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اس کلام معجز نظام کی مثل ایک سورت پیش کر دیں۔ مگر مخلوق اس سے عاجز آگئی''۔ پھر اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک کیسے ہوسکتا ہے''

اعجاز قرآن کی وجوہات

(۱) ایجاز

قرآن مجید کے اعجاز کی وجوہات اعداد و شمار سے ماوراء ہیں۔ ان میں سے ایک ایجاز بھی ہے۔ یعنی قلیل الفاظ، کثیر

معانی۔ ایسی بلاغت جو اہل عرب کی عادت کے خلاف ہے۔ یہ سب کچھ اس میں اعلیٰ صورت میں موجود ہے۔ مثلاً اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرہ: 179) اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

یہ چند کلمات ہیں۔ مگر معانی کا ایک سمندر ان میں موجزن ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی نے قرآن پاک کی یہ آیت طیبہ سنی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر: 94) ''سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا'' تو وہ سجدہ ریز ہو گیا۔ اس نے کہا ''اس کلام مجید کی فصاحت نے مجھے سجدہ ریز کر دیا ہے۔ ایک اور اعرابی نے کسی شخص کو یہ آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا (سورۃ یوسف: 80) ''پھر جب وہ مایوس ہو گئے یوسف سے تو الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے''۔ اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کلام پاک کی بلاغت کے اعجاز پر مخلوق قادر نہیں ہے۔ ایسا کلام مخلوق کے گلے سے نہیں نکل سکتا''۔

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ایک کمسن بچی دیکھی جس کی عمر پانچ یا چھ سال تھی وہ یہ ورد کر رہی تھی۔ استغفر اللہ من ذنوبی کلھا امام اصمعی کہتے ہیں میں نے اس سے کہا ''تو کس چیز سے مغفرت طلب کر رہی ہے حالانکہ تو کم سن ہے۔ نابالغ ہے''۔ اس نے کہا

اَسْتَغْفِرُ اللهَ لِذَنْبِي كُلِّهِ قَتَلْتُ اِنْسَانًا لِغَيْرِ حِلِّهِ

مِثْلَ غَزَالٍ نَاعِمٍ فِي دَلِّهِ اِنْتَصَفَ اللَّيْلُ وَلَمْ اُصَلِّهِ

میں اپنے سارے گناہوں کی رب تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتی ہوں۔ میں ایک بے گناہ انسان کی قاتل ہوں جو اپنے نخرہ میں نازک اندام ہرن کی طرح تھا۔ آدھی شب بیت گئی ہے۔ ابھی تک میں نے نماز عشاء نہیں پڑھی۔

یہ اشعار سن کر میں نے اسے کہا ''تم تو بلا کی بلیغ ہو'' اس نے مجھے کہا ''کیا رب تعالیٰ کا یہ فرمان عالی شان پڑھ لینے کے بعد بھی تم میری فصاحت و بلاغت پر حیران ہو۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (القصص)

''اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے (بے خطر) دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا نہ غمگین ہونا۔ یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے''۔

اللہ رب العزت نے اس ایک آیت طیبہ میں دو حکم، دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں جمع فرما دی ہیں۔ دو حکم اَرْضِعِيْهِ اور فَاَلْقِيْهِ ہیں۔ دو نہی وَلَا تَخَافِيْ، وَلَا تَحْزَنِيْ ہیں۔ دو خبریں اَوْحَيْنَآ اور فَاِذَا خِفْتِ ہیں۔ دو بشارتیں اِنَّا رَآدُّوْهُ

اِلَیۡكَ اور جَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ہیں۔ یہ ایک جہت سے خبر اور ایک جہت سے بشارت ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں محو استراحت تھے۔ اچانک ایک شخص آیا اور ان کے سر پر کھڑا ہو کر کلمہ حق کی گواہی دینے لگا۔ حضرت عمر فاروق نے اسے پوچھا تو اس نے عرض کی "وہ رومی پادریوں کا رئیس تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو عربی اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اس نے مسلمان قیدیوں کو قرآن پاک کی ایک آیت طیبہ پڑھتے ہوئے سنا وہ خود کہتا ہے "میں نے اس آیت طیبہ میں غور و فکر کیا تو اس میں رب تعالیٰ نے ان سب امور کو جمع کر دیا تھا جو اس نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر دنیا اور آخرت کے احوال میں سے اتارے تھے"۔ وہ قرآن پاک کی یہ آیت طیبہ تھی۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ۝ (سورۃ النور)

"اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اسکی نافرمانی سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں"۔

ان سرکش اور باغیوں میں سے بعض افراد نے اس لاریب کلام جیسا کلام لانے کی کوشش کی جنہیں کچھ بلاغت عطا کی گئی تھی اور بعض کو قوت بیان سے نوازا گیا تھا تاکہ یہ کلام مقدس لوگوں پر مشتبہ ہو جائے اور وہ گمان کریں کہ یہ قرآن مجید کے مشابہ ہے۔ مگر وہ اس سے عاجز آ گئے۔ انہیں یوں لگا گویا کہ وہ زمین پر کھڑے ہو کر آسمان سے تارے اتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نے سورۃ الکوثر کی نقل اتارنے کی سعی لاحاصل کی۔ تاکہ ان جاہلوں کو شبہ ہو جائے جن کی عقول حسن اور قبح کی پہچان سے عاجز ہیں۔ وہ ایسا کلام لے کر آیا جو اس کی عقل کی کمی، طبیعت کے جمود اور اس کے سوء فعل پر دلالت کرتا ہے۔ اہل تمیز فوراً پہچان گئے کہ اس کلام کا تعلق ان کی فصاحت کی نوع کے ساتھ نہیں اور نہ ہی اس کا تعلق بلاغت کی جنس کے ساتھ ہے۔ وہ اس قبیح کلام سے روگرداں ہو کر چلے گئے۔ انہوں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے قرآن پاک کی حقیقت کا اعتراف کر لیا۔ اسی قبیح کلام میں سے مسیلمہ کذاب کا یہ قول ہے۔

یا ضفدع کم تنقین اعلاك فی الماء و اسفلك فی الطین لا الماء تکدرین ولا الشارب تمنعین

اے مینڈک تو کب تک ٹراتا رہے گا۔ تیرا اوپر والا حصہ پانی میں ہے اور نچلا حصہ کیچڑ میں۔ نہ تو پانی کو گدلا کر سکتا ہے۔ نہ تو پانی پینے سے روک سکتا ہے۔

جب مسیلمہ کذاب نے رب تعالیٰ کا یہ فرمان سنا

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۝ (النازعات)

تو اس نے یہ قبیح کلام لکھی۔

والزارعات زرعا۔ والحاصدات حصدا۔ والذاریات قمحا والطاحنات طحنا والحافرات حفرا والثاردات ثردا۔ واللاقمات لقما لقد فضلتم علی اهل الوبر وما سبقکم اهل المدر۔

یہ بکواس نما کلام اس کے عقل کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ بلکہ اس کلام کو تو ادنی سی فصاحت سے بھی محروم کر دیا گیا ہے

تا کہ یہ اس کے خلاف ہی حجت بنے۔

اس نے سورۃ الفیل کا مقابلہ کرنے کے لیے اس طرح کوشش کی۔

الم تر کیف فعل ربك بالحبلى۔ خرج من بطنها نسمة تسعى۔ من بين شراسيف واحشاء

ایک احمق نے سورۃ الفیل کی نقل اتارنے کی یوں سعی لاحاصل کی ہے۔

الفيل ما الفيل وما ادرك ما الفيل له ذنب وثيل ومشفر طويل وان ذالك من خلق ربنا تمليل۔

اس کلام میں فصاحت و بلاغت کا جو استہزاء کیا گیا ہے وہ اس سے بھی مخفی نہیں جو علم سے آشنا نہیں۔ علماء کی کیفیت کیا ہو گی۔ اسے جو بھی سنتا ہے اسے ابکائیاں آنے لگتیں ہیں۔ اس پر اس کی لغویت عیاں ہو جاتی ہے۔

(2) نظم، نثر، خطبہ، رسالۃ اور سجع میں بے مثل

قرآن مجید کے اعجاز کی وجوہات میں سے ایک اس کا خاص وصف ہے جس کی وجہ سے یہ اہل عرب کے کلام کی تمام اجناس مثلاً نظم، نثر، خطبہ اور سجع وغیرہ سے خارج ہو گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ کلام مجید کی نظم، نثر، خطبہ اور سجع سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود کہ یہ لاریب کتاب انہی کے کلمات سے بنائی گئی ہے۔ بلاغت میں انہی کے اسالیب کے مطابق اتری ہے۔ لیکن کتاب زندہ فصاحت اور بلاغت میں ان کے کلام سے بہترین ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ عربوں کے عجیب وغریب اسالیب جو عموماً ان میں مروج تھے کے خلاف ہے۔ اس کا انداز بیان عجیب ہے۔ اس کا اسلوب انوکھا ہے۔ قرآن پاک کا یہ انداز کہ اس میں آیات بینات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں اور اس کے کلمات آپس میں ملتے ہیں بڑا انوکھا اور منفرد ہے۔ قرآن پاک سے پہلے یہ انداز موجود نہ تھا۔ اور نہ ہی اس کے بعد مروج ہوا۔ اس کی وجہ سے اہل عرب کی عقلیں متحیر ہو گئیں۔ ان کے اذہان مبہوت ہو گئے۔ وہ قرآن پاک جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ قرآن پاک کی یہ واضح دلیل اور بین حجت ہے کہ جس بد بخت نے بھی اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی وہ اس طرح گر پڑا جس طرح پروانے چراغ پر گر پڑتے ہیں۔ وہ اس طرح ذلیل و رسوا ہوا جس طرح بھیڑ تند خو اور غضبناک شیروں میں رسوا ہوتی ہے۔ کئی لوگوں کی داستانیں بیان کی گئیں ہیں جنہوں نے اس کلام مقدس کا مقابلہ کرنے کا قصد کیا۔ لیکن انہیں ایسی ہیبت اور گھبراہٹ نے آلیا جس کی وجہ سے وہ یوں نہ کر سکے۔ جس طرح کہ عیسیٰ بن حکیم اندلسی کے متعلق کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے زمانے میں اندلس کا ایک بلیغ انسان تھا۔ اس نے قرآن پاک کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سورت اخلاص کو سامنے رکھا۔ تا کہ اس جیسی سورت بنا سکے۔ لیکن جب وہ اس جیسی سورت بنانے لگا تو اس کے دل پر رب تعالیٰ کی خشیت اور رقت طاری ہو گئی۔ جس نے اسے توبہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انسان یہ طاقت نہیں رکھتا کہ اس جیسا کلام پیش کر سکے۔

ابن المقفع کے بارے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کا فصیح ترین شخص تھا۔ وہ زمانہ تابعین میں موجود تھا جب اس نے قرآن پاک کا چیلنج سنا تو اس نے قرآن مجید کا مقابلہ کرنے کے لیے مفصل کلام بنایا۔ اس کے مختلف حصوں کے نام رکھے۔

ایک دن وہ ایک بچے کے پاس سے گزرا جو قرآن مقدس کی یہ آیت طیبہ تلاوت کر رہا تھا۔

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ (ہود)

''اور حکم دیا گیا اے زمین نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا اور ٹھہر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم پر''۔

اتنا فصیح اور بلیغ کلام سن کر اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ اس کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا''۔ وہ گھبر گیا۔ اس نے جو کچھ لکھا تھا اسے مٹا دیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کلام کو رب تعالیٰ کے کلام پاک سے کوئی مناسبت نہیں۔

اگر انسان قرآن پاک میں غور و فکر کرے گا۔ تو اس کے لیے بے شمار اور ان گنت عجائب کا ظہور ہو گا۔ ذرا اللہ رب العزت کے اس فرمان عالی شان میں تو غور و فکر کرو۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ (البقرۃ:179) اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

اللہ رب العزت کے اس فرمان میں تذکر و تدبر کرو۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ (سبا:51) کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے۔ بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

اب ذرا اس آیت طیبہ میں غور و فکر کرو۔

يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ (ہود:44) اے زمین نگل لے اپنے پانی کو

اب ذرا اس آیت طیبہ کو اپنے غور و فکر کا مرکز بناؤ۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا (العنکبوت:40)

''پس ہر (سرکش) کو ہم نے پکڑا اس کے گناہ کے باعث۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آلیا شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں اور بعض کو ہم نے (دریا میں) ڈبو دیا''۔

اسی طرح قرآن پاک کی کثیر آیات بینات فصاحت و بلاغت سے بھرپور ہیں۔ بلکہ سارا قرآن پاک ہی فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ اگر انسان اس میں غور و فکر کرے گا تو اس کے لیے عیاں ہو گا کہ ہر لفظ کے نیچے بہت سے جملے پوشیدہ ہیں۔ وہ اس کلام پاک میں الفاظ کے ایجاز اور معانی کی کثرت کے ساتھ ساتھ رفعت و عظمت کا بھی مشاہدہ کرے گا۔ اگر انسان قرآن پاک میں تفکر کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ قرآن پاک کی عبارات کتنی لطیف ہیں۔ نیز اسے یہ بھی علم ہو گا کہ قرآن پاک نے توحید کی طرف دعوت دی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ حلال اور حرام اشیاء میں امتیاز کرنے کا حکم دیا ہے۔ وعظ و نصیحت کی ہے، عمدہ اخلاق اپنانے کی تلقین کی ہے۔ برائیوں سے کنارہ کشی کا حکم دیا ہے۔ ہر شے اپنی جگہ پر اس طرح مناسب اور موزوں ہے کہ اس سے بہتر کسی اور جگہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اگر انسان قرآن مجید میں تامل کرے گا تو اسے یہ علم بھی حاصل ہوگا کہ اس میں سابقہ امتوں کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مستقبل کی خبریں بھی دی گئیں ہیں۔ نفیس اور عمدہ دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اتنی زیادہ اشیاء کو اتنے عمدہ اور اچھے اسلوب اور انداز سے بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی اور کے لیے ممکن ہی نہیں۔

قرآن پاک میں غور وفکر کرنے سے قریش مکہ کا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنا لیتے تھے یقیناً غلط ثابت ہو جائے گا۔ انسان کو علم یقینی حاصل ہو جائے گا۔ کہ یہ وہ کلام مقدس ہے جو آقا علیہ الصلوٰۃ السلام کی زبان اقدس پر اللہ رب العزت کی طرف سے آیا ہے اور اہل عرب اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے۔ اسی طرح ایک انسان کو یہ یقینی علم بھی حاصل ہوگا اور قرآن پاک نے تمام لوگوں کو چیلنج کیا لیکن وہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ تمام منکرین اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے انہوں نے قرآن پاک کی بلاغت کو معجزہ مان لیا۔

اسی طرح طویل داستانیں بیان کرنے اور سابقہ امتوں کی خبریں دینے کے اعتبار سے بھی قرآن پاک معجزہ ہے۔ فصحاء کے نزدیک کسی قصہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے اس کلام کی فصاحت اور بلاغت میں ضعف آ جاتا ہے۔ لیکن لاریب کتاب نے کئی طویل داستانیں بیان کیں ہیں۔ لیکن ان میں کلام کا آپس میں صحیح ربط ہے۔ الفاظ اور معنی کا حسین امتزاج ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ملاحظہ کریں۔ یہ داستان کتنی طویل ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے اسے کتنی عجیب ترتیب اور احسن انداز سے بیان کیا ہے۔ اس کے اول اور آخر میں ربط ہے۔ اس میں کوئی کمی اور کجی نہیں ہے۔ پھر جب قرآن پاک ان داستانوں کو بار بار بیان کرتا ہے تو ہر دفعہ ان میں عبارت مختلف ہوتی ہے۔ ہر بار ان کا اسلوب جداگانہ ہوتا ہے ہر بار مختلف عبارات مختلف انداز اور مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان تمام عبارات کا معنی ایک ہی ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قصہ پہلی بار ہی بیان کیا گیا ہے۔ سننے والا یہی سمجھتا ہے کہ اس نے یہ داستان پہلی بار سنی ہے۔ اس کا ذکر پہلے نہیں گزرا۔ ان داستانوں کو بار بار دھرانے یا اعادہ کرنے سے دل میں کسی قسم کی نفرت یا کراہت پیدا نہیں ہوتی۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''شفاء'' میں لکھا ہے ''ہر وہ شخص جسے بلاغت کے علوم پر آگہی حاصل ہے۔ اس کا دل اور زبان اس سے آشنا ہے۔ قرآن پاک کو دیکھ کر اس پر یہ امر مخفی نہیں رہے گا کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن پاک کے اعجاز کی ساری وجوہات میں سے ہر وجہ بذات خود معجزہ ہے۔ وہ اسی طرح معجزہ ہے جس طرح مردوں کو زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا اور سنگریزوں کا تسبیح خواں ہونا معجزات ہیں۔ بلکہ وہ ان سے بھی عظیم الشان معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ معجزہ اس چیز (کلام) پر مشتمل ہے جس کے اہل عرب عادی تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس جیسا کلام پیش نہ کر سکے۔ انہوں نے جلاوطن ہونے اور قتل ہو جانے پر صبر کیا۔ انہوں نے ذلت و رسوائی اٹھائی۔ وہ لوگ بڑی عزت نفس کے مالک تھے۔ انہوں نے اس ذلت و رسوائی کو جان بوجھ کر برداشت نہیں کیا۔ اس شرمندگی کو مجبوراً برداشت نہیں کیا۔ بلکہ اگر وہ ایسا کلام پیش کرنے پر قادر ہوتے تو اسے پیش کرنا ان کے لیے کتنا آسان تھا۔ ان کے ہاتھوں میں اپنی کامیابی اور کامرانی کے لیے کتنی عمدہ دلیل تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہر دشمن کو خاموش کرا سکتے تھے۔ وہ کلام کی ہر صنف پر قادر تھے۔ اس کے ہر اسلوب سے آشنا تھے۔ وہ کلام کی تمام اقسام

کو سارے لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایک بھی نہ تھا جس نے اسلام کو مٹانے اور اس نور تاباں کو بجھانے کی پوری کوشش نہ کی ہو۔ اگر ان کے لیے ایسا کلام پیش کرنا ممکن ہوتا تو وہ ضرور کر دیتے۔ لیکن ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہوا۔ وہ ذلیل و رسواء ہوئے۔

(3) امور غیبیہ پر آگاہ کرنا

قرآن کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے غیب کے بارے خبریں دیں۔ گزشتہ اقوام کی خبریں دیں۔ وقت نزول کی خبروں سے آگاہ فرمایا اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق بتایا۔ جنہیں اللہ رب العزت کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ واقعہ بعینہا اسی طرح رونما ہوا جس طرح قرآن پاک نے بیان کر دیا تھا۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (الفتح: 27)

''تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن و امان سے''۔

حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا کہ آپ صحابہ کرام کے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔ صلح حدیبیہ سے پہلے کی بات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ شاید وہ اسی سال مسجد حرام میں داخل ہوں گے۔ جب مشرکین مکہ نے انہیں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو یہ بات ان پر بڑی شاق گزری۔ جب وہ صلح حدیبیہ سے واپس آئے تو اللہ رب العزت نے سورۃ الفتح نازل فرمائی۔ اس میں یہ آیت مبارکہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتا دیا کہ عنقریب ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح تمہیں خبر دی گئی ہے۔ جب مسلمان شوکت و سطوت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے تمہیں اسی واقعہ کی خبر دی تھی''۔

ارشاد ربانی ہے۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ (روم)

''ہرا دیئے گئے رومی پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے۔ چند برس کے اندر''۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے غیب کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ چند سالوں میں روم پھر ایران پر غالب آجائے گا۔ ''بضع سنین'' کا لفظ تین سے لے کر نو سال تک بولا جاتا ہے۔ کچھ ہی سال گزرے تھے کہ قرآن پاک کی یہ پیش گوئی بھی سچ ثابت ہوگئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رومی اہل کتاب تھے جبکہ ایرانی اہل کتاب نہ تھے۔ وہ مشرکین کی طرح تھے جب ایران اور روم باہم نبرد آزما ہوتے تو مشرکین مکہ ایران کی فتح کی آرزو کرتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو تنگ کرنے کے لیے اہل ایران کی فتح پر خوشیاں مناتے تھے۔ کسریٰ نے روم کی طرف ایک لشکر جرار بھیجا۔ باذرعات اور بصریٰ کے مقامات پر یہ دونوں لشکر جنگ آزما ہوئے۔ ایران نے روم کو شکست دے دی۔ جس سے مشرکین نے مسرت کا اظہار کیا۔ جبکہ مسلمانوں پر یہ بات بڑی گراں گزری۔

اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کو اس غیب کی خبر سے آگاہ

کیا۔ آپ نے فرمایا ''اتنی زیادہ مسرت وشادمانی کا اظہار نہ کرو۔ عنقریب روم ایران کو شکست فاش سے دوچار کر دے گا۔ اللہ رب العزت نے ہمارے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر دی ہے۔ امیہ بن خلف اور دوسری روایت کے مطابق ابی بن خلف نے آپ سے کہا ''آپ جھوٹ بول رہے ہیں''۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے دشمن خدا! دروغ گوئی تیرا کام ہے''۔ انہوں نے امیہ بن خلف سے کہا کہ اس پر دس اونٹنیوں کی شرط لگا لیتے ہیں ہم میں سے جس کا قول سچا ہوگا دوسرے سے اونٹنیاں لے گا (یہ واقعہ شرط اور جوئے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے) انہوں نے اپنے مابین تین سال کا عرصہ مقرر کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خبر کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس مدت میں توسیع کر دو اور شرط میں اضافہ کر دو۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے بضع سنین کہا ہے۔ اس کا اطلاق تین سے لے کر نو تک ہوتا ہے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ اونٹنیوں کی تعداد کو ایک سو اور مدت شرط کو نو سال کر دیا گیا۔ یہ خبر بھی اسی طرح سچ ثابت ہوئی جس طرح قرآن نے فرمایا تھا حدیبیہ کے سال اہل روم، اہل ایران پر غالب آ گئے۔ ابھی نو سال کی مدت نہیں گزری تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف کے ورثاء سے ایک سو اونٹنیاں وصول کر لیں۔ کیونکہ امیہ بن خلف غزوۂ بدر میں واصل جہنم ہو چکا تھا۔ اگر شرط لگانے والا ابی بن خلف ہو تو اسے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے دن اپنے دست اقدس سے واصل جہنم کیا تھا۔ یہ پیش گوئی ان دونوں کی موت کے بعد سچ ثابت ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ورثاء سے اونٹنیاں لے کر اللہ تعالیٰ کے رستہ میں صدقہ کر دیں۔ اگرچہ یہ اونٹنیاں شرط اور جوئے کی حرمت سے پہلے ملیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول کی تصدیق اور دشمن کے قول کی تکذیب ظاہر ہونے پر شکرانے کے طور پر ان اونٹنیوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الفتح:28)

''تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر''۔

اس آیت طیبہ میں اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین سارے ادیان پر غلبہ اور تسلط حاصل کر لے گا۔ آپ کی امت دیگر امم کو روح فرسا شکست سے دوچار کرے گی۔ یہ پیش گوئی بھی اسی طرح سچ ثابت ہوئی جس طرح اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں خبر دی تھی۔

اسی طرح غیب کی خبر دیتے ہوئے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــــًٔا (النور:55)

''وعدہ فرمایا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا

انہیں زمین میں۔ جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جوان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کیلئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کیلئے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے"۔

یعنی اللہ رب العزت انہیں اپنی زمین پر خلفاء مقرر کرے گا۔ انہیں اس کی ملکیت عطا فرمائے گا۔ انہیں اپنے اعداء پر فتح اور کامرانی حاصل ہوگی۔ یہ آیت طیبہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء راشدین کے بارے نازل ہوئی۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد زریں میں صحابہ کرام کو مرتدین پر غلبہ اور اور تسلط حاصل ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ایران جیسا عظیم ملک فتح ہوا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کو مختلف ممالک پر تسلط عطا فرمایا۔ ان کے خوف کو امن میں تبدیل کر دیا۔ قرآن پاک کی یہ پیش گوئی حق ثابت ہوئی۔ اللہ رب العزت نے دین اسلام کو زمین کے مشارق اور مغارب تک وسعت بخشی۔ مشرق و مغرب کو مسلمانوں کے زیر نگیں کر دیا۔ وہ اس زمین پر رب تعالیٰ کے خلفاء بن گئے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میں نے زمین کے مشارق و مغارب کا مشاہدہ کیا ہے۔ جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی عنقریب میری امت ان مقامات پر قبضہ کرے گی"۔

اسی طرح مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (النصر)

جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج درفوج تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اسکی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کیلئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے۔

اگرچہ ان آیات مبارکہ میں ہر قسم کی فتح کا مژدہ جانفزا سنایا گیا ہے لیکن یہ اپنے دامن میں فتح مکہ کی بشارت عظمیٰ لیے ہوئے تھیں۔ جب یہ آیات بینات نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے محترم چچا! آپ کس وجہ سے گریہ کناں ہیں"۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان آیات بینات میں آپ کے وصال کی خبر دی گئی ہیں۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے چچا! آپ نے سچ فرمایا ہے" مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین متین میں گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت داخل ہونے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور ثقلین میں اس کو شہرت دوام حاصل ہوئی جب بلاد عرب میں کوئی مقام ایسا نہ رہا جہاں اسلام کا اجالا داخل نہ ہوا ہو اور سارے لوگوں نے دین اسلام قبول کر لیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ قرآن پاک کی یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر)

"بے شک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔

اس آیت طیبہ میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن پاک کا محافظ وہ خود ہے۔ ہر زمان میں یہ کتاب لاریب تبدل وتغیر سے پاک رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے اس آیت مبارکہ کو رب تعالیٰ نے بطور جملہ اسمیہ ذکر کیا ہے۔ پھر اس میں کئی تاکیدیں لگائیں۔ قرآن پاک کی یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی۔ کسی کو بھی قرآن پاک کا ایک کلمہ تک بدلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جبکہ دیگر کتب میں تحریف وتبدل ہو چکا ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے ان کتب کی حفاظت ان امم کے سپرد کی جن پر ان کتب کا نزول ہوا تھا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ (المائدہ:44)

''اس واسطہ کہ محافظ ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے''۔

اس لیے ان کتب میں تغیر رونما ہو گیا۔ حتیٰ کہ اب ان کتب کی یہ کیفیت ہو چکی ہے کہ ان میں سے منقول کسی بھی بات پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا آیت طیبہ میں ذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔ بے دینوں نے قرآن پاک میں تبدیلی کرنے کی سعی پیہم کی۔ اپنے مکر وفریب اور تاب وطاقت سے کام لیا۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے اس نور تاباں کو بجھانے سے ناکام رہے۔ وہ لاریب کتاب میں ایک کلمہ کا بھی اضافہ نہ کر سکے۔ وہ مسلمانوں کے قلوب میں قرآن پاک کے حروف میں سے ایک حرف کے بارے بھی شک پیدا نہ کر سکے۔ اس کلام مقدس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جن امور غیبیہ کی خبر دی ہے ان میں سے ایک یہ خبر بھی ہے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ (القمر) ''عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے''۔

یہ آیت طیبہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس وقت مسلمان ضعیف ونزار تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون سا اجتماع ہو گا جو شکست سے دوچار ہو گا۔ وہ اس آیت کی مراد کو نہیں جانتے تھے۔ جب اس آیت طیبہ کے نزول کے بعد غزوۂ بدر رونما ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ زیب تن فرمائی اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر اسی آیت طیبہ کی تلاوت جاری تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس آیت کے مفہوم کا علم مجھے آج ہوا ہے'' یعنی کفار مکہ عنقریب شکست خوردہ ہو جائیں گے۔ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

شکست کو بلیغ ترین عبارت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں لفظاً اور معناً دونوں طرح کا اعجاز پایا جاتا ہے۔

وہ امور غیبیہ جن کے متعلق قرآن پاک نے خبر دی ہے ان میں اللہ رب العزت کا یہ فرمان بھی ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
(التوبہ)

''جنگ کرو ان سے۔ عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلہ میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہیں''۔

اس آیت طیبہ میں بھی غیب کی ایک خبر دی گئی ہے۔ بنوخزاعہ اور یمن کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ مکہ مکرمہ

میں ہی قیام پذیر رہے۔ جبکہ حضور پرنور ﷺ اور بہت سے صحابہ کرام مکہ مکرمہ کو خیرآباد کہہ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے مشرکین مکہ سے بہت سی تکالیف اور اذیتیں برداشت کیں۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں ان تکالیف کی شکایت کی۔ حضور ﷺ نے انہیں صبر کرنے کا حکم دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی کہ عنقریب یہ ظلم کے بادل چھٹ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا اور جہاد کے بارے بہت سی آیات اتار دیں۔ مذکورہ بالا آیت انہی آیات طیبات میں سے ایک ہے۔ اس آیت طیبہ کے بعد مشرکین کا قتل عام شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی مدد اور نصرت فرمائی جس سے مسلمانوں کے قلوب کو چین اور سکون نصیب ہوا۔ حتیٰ کہ مشرکین کی بستیاں اجڑ گئیں۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ بعض کو جلاوطن کر دیا گیا۔ ان سے نعمتیں چھین لیں گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ (آل عمران)

''کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پیٹھیں (اور بھاگ جائیں گے) پھر ان کی امداد نہ کی جائیگی''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے خبر دی ہے کہ وہ صرف تمہیں زبان سے ہی دھمکیاں دینے پر قادر ہیں۔ وہ کبھی اگر تم سے نبرد آزما ہوئے تو وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ صرف مومنین کی مدد کرتا ہے۔

قرآن پاک نے جو غیب کی خبریں دیں ہیں ان میں سے منافقین کے ان رازوں کو بھی افشا کرنا ہے۔ جنہیں وہ چھپایا کرتے تھے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسی طرح اہل یہود کے رازوں کو طشت از بام کرنا، ان کے جھوٹ کا اظہار کرنا جو وہ کلام آپس میں کیا کرتے تھے جسے ان کے خیال کے مطابق اور کوئی نہیں جانتا تھا انہیں بیان کرنا بھی امور غیبیہ میں سے ہے۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آکر قسمیں اٹھاتے تھے کہ وہ سچے مومن ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت نے ان کے اس قول کی تکذیب کی ارشاد فرمایا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (توبہ) اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (مجادلہ:8)

''اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا''۔

یہود کی یہ عادت تھی کہ جب وہ خلوت میں بیٹھتے تو کہتے ''ہم جو کچھ محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے کہتے ہیں اس کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اگر یہ سچے ہوتے تو ہمارے لیے بددعا کرتے اللہ تعالیٰ ہم پر عذاب نازل کرتا''۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس پوشیدہ قول کو ظاہر فرمایا۔ ان کی خلوت کی اس گفتگو کو عیاں کر دیا۔ ارشاد فرمایا۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (مجادلہ)

''کافی ہے انہیں جہنم۔ اس میں داخل ہونگے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے''۔

مزید ارشاد فرمایا:

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ (آل عمران: 154)

''چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر''۔

اس آیت طیبہ میں منافقین کی حالت اور ان کے مکروفریب کو ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ خلوت میں ایک دوسرے سے جو باتیں کرتے تھے ان کا اظہار کیا گیا ہے۔ مثلاً انہوں نے غزوہ احد کے روز ایک دوسرے سے کہا تھا۔

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (آل عمران: 154)

''اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کوئی دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے)''۔

اللہ رب العزت نے ان کے اس قول سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرمایا۔ ان کی خفیہ گفتگو کی خبر دینا غیب کے امور میں سے ہے۔

ارشاد ربانی ہے سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (المائدہ: 42)

''قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو''۔

اسی طرح اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ (النساء: 46)

''پھیر دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اس کی اصل جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی (اور کہتے ہیں) سنو تم نہ سنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) راعنا بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں''۔

یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلاتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ رب العزت نے یہ خبر دی کہ انہوں نے اپنی کتاب میں تحریف کر دی۔ ان کے اقوال سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ کو یہ بھی بتایا کہ اطاعت شعاری ان یہودیوں کی عادت نہیں۔ وہ اپنے قول (راعنا) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑانے کا جو قصد کرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے بھی آگاہ فرما دیا۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ

''اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ نے ایک کا ان گروہوں سے کہ تمہارے لیے۔ اور تم پسند کرتے تھے کہ نہتہ گروہ تمہارے حصہ میں آئے''۔ (انفال: 7)

اس آیت طیبہ میں مومنین کے دلوں میں پیدا ہونے والی ایک خواہش کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تکمیل کے وہ بڑے

خواہشمند تھے۔ جب آیت طیبہ نازل ہوئی تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے دو امور میں سے ایک امر کا وعدہ فرمایا ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس قافلہ پر فتح عطا فرمائے گا جو شام سے آ رہا ہے۔ جس میں قریش کا بہت سامال ہے۔ یا اللہ تعالیٰ آپ کو ان قریش مکہ پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ جو مکہ مکرمہ سے اس قافلہ کی حفاظت کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ صحابہ کرام کے دل میں اس قافلہ پر حملہ کرنے کی خواہش تھی۔ کیونکہ ان کے پاس ہتھیار اور افرادی قوت کی کمی تھی۔ قافلہ سے بہت سامال ملنے کی توقع تھی۔ اللہ رب العزت نے انہیں یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ دشمن سے جنگ آزما ہوں اور کافروں کی پشتوں کو کاٹ کر رکھ دیں۔ اس غزوہ میں بہت سے سردار واصل جہنم ہوئے۔ اللہ رب العزت نے اہل ایمان کی تائید فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔

اسی طرح ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ (الحجر) ہم کافی ہیں آپکو مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کیلئے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی رب تعالیٰ نے غیب کی خبر دی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے پانچ کافر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے تھے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمسخر اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی ہلاکت کی خبر دے دی۔ وہ اسی طرح ہلاک ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تھی۔ جب مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ان کی ہلاکت کی خبر دی۔ اس واقعہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

اسی طرح اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: 67) اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپکو لوگوں (کے شر) سے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے۔ جب یہ آیت طیبہ اتری تو آپ نے انہیں آپ کی نگہبانی سے روک دیا۔ اس آیت طیبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس طرح حفاظت کرے گا کہ کوئی دشمن آپ کو شہید نہیں کر سکے گا۔ بہت سے لوگوں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ ہمیشہ محفوظ رہے۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک دفعہ ہم جہاد میں شرکت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسی وادی میں فروکش ہوئے جہاں کانٹوں والے بڑے بڑے درخت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے۔ آپ نے اپنی تلوار مبارک اس درخت کی شاخ کے ساتھ لٹکا دی۔ صحابہ کرام سایہ کی تلاش میں اس وادی میں بکھر گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما ہو گئے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کی تلوار مبارک کو اتارا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے تو وہ آپ کے سر مبارک کے پاس شمشیر بے نیام لیے کھڑا تھا۔ اس نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا "آج مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ" اس شخص نے دوبارہ یہی کہا تو آپ نے یہی جواب ارشاد فرمایا۔ یہ سن کر اس شخص پر لرزہ طاری ہو گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھالی۔ اور فرمایا "تجھے مجھ سے آج کون بچائے گا؟ اس نے کہا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو نرم دل اور رحیم ہیں۔ میں آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کرتا ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا "میں اس قوم میں کبھی بھی شرکت نہیں کروں گا۔ جو آپ کے ساتھ نبرد آزما ہوگی"۔

گزشتہ اقوام، سابقہ امم اور ان کی شریعتوں کا تذکرہ

اسی طرح قرآن پاک نے گزشتہ اقوام، سابقہ امم اور ان کی شریعتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ تمام ایسی داستانیں ہیں جنہیں اہل کتاب کے اس عالم کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ جس نے ساری زندگی تحصیل علم میں گزاری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام حکایات اور داستانیں مکمل اور احسن انداز میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمادیں۔ اہل کتاب کے علماء نے بھی ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا ان کی تصدیق کی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ آپ امی تھے۔ لکھ اور پڑھ نہ سکتے تھے۔ نہ آپ نے کسی مدرسہ میں زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ نہ آپ اپنی قوم سے اتنا عرصہ غائب رہے جس میں یہ احتمال ہو کہ آپ نے علم حاصل کر لیا ہوگا۔ نہ آپ کی ولادت باسعادت سے لے کر وصال تک آپ کے حالات زندگی کسی سے پوشیدہ تھے۔ جس سے یہ گمان ہو سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب سے ان واقعات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بلکہ یہود اور نصاریٰ کے بہت سے علماء گزشتہ اقوام کے بارے آپ سے سوالات کرتے تھے۔ آپ پر قرآن پاک نازل ہوتا جو آپ ان علماء کو سناتے تھے۔ مثلاً انبیائے کرام کے قصص اور ان کی اقوام کی حکایات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے یہ تمام داستانیں بلیغ ترین عبارات اور لطیف ترین اشارات میں بیان فرماتے تھے۔ مثلاً حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ، حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی داستان، اصحاب کہف کا قصہ، ذوالقرنین، حضرت لقمان، اور ان کے بیٹے کی حکایات اور گزشتہ امم کے حالات قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ اسی طرح زمین و آسمان کی تخلیق، حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کی تخلیق، تورات اور انجیل میں مذکورہ احکام اور شریعتیں، توحید باری تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے صحف کی تعلیمات بھی قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اہل کتاب کے علماء ان کی تصدیق کیا کرتے تھے۔ وہ ان میں سے کسی ایک چیز پر بھی قادر نہ تھے۔ بلکہ ان کی تصدیق کا اعتراف کرتے تھے۔ ان پر یقین کامل رکھتے تھے۔ ان علماء میں سے بعض کو سعادت ابدی حاصل ہوئی۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بعض نے حسد اور عناد کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دیا اگرچہ یہود و نصاریٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ بغض اور عناد رکھتے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں پیش پیش تھے۔ وہ آپ کو جھٹلانے میں بڑے حریص تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کسی چیز کی بھی تکذیب نہ کر سکے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سوالات کیا کرتے تھے۔ وہ آپ سے انبیائے کرام کے حالات زندگی دریافت کیا کرتے تھے۔ وہ ان کے علوم کے اسرار آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ انبیائے کرام اور ان کی کتب کے بارے ان علماء کو بتایا کرتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق بھی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ "امر ربی" ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے"۔ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ یہ سزا تورات میں موجود ہے۔ حالانکہ یہودی انکار کیا کرتے تھے کہ رجم کی سزا ان کی شریعت میں

موجود نہیں۔ اسی طرح یہودیوں نے آپ ﷺ کو آزمانے کے لیے پوچھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر کیا حرام کیا ہوا تھا۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے فرمایا "انہوں نے اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا"۔ علمائے یہود نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر مانی "اگر میں تمام آفات اور امراض سے محفوظ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہو گیا تو میں اپنا آخری بچہ راہ خدا میں قربان کر دوں گا"۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے۔ وہ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اللہ رب العزت نے ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے آپ کی ران کو چھوا تو آپ عرق النساء کے مرض میں مبتلاء ہو گئے۔ آپ کو اس مرض کی وجہ سے شدید درد ہوا۔ اس مرض کا لاحق ہونا آپ پر رب تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے تھا۔ تاکہ آپ پر اپنے بچے کو ذبح کرنا لازم نہ آئے۔ کیونکہ آپ نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر آپ امراض اور آفات سے بچ کر بیت المقدس میں داخل ہوئے تو آپ اپنے آخری بچے کی قربانی دیں گے۔ آپ علیہ السلام کی یہ شرط پوری نہ ہوئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹوں کا گوشت اور دودھ حرام کر دیا کیونکہ یہ دونوں عرق النساء میں نقصان دہ ہوتے ہیں۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف سے اجتہاد تھا۔ اور انبیائے کرام کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے"۔

اسی طرح یہودیوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر وہ کون سی چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں؟ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾ (الانعام)

"اور ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے حرام کی ان پر دونوں (گائے، بکری) کی چربی۔ مگر جو اٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں یا آنتوں میں یا جو ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے سزا دی تھی انہیں بسبب ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم سچے ہیں"۔

اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل پر ہر اس چوپائے اور پرندے کو حرام کر دیا تھا جن کی انگلیاں کھلی نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ اونٹ، شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔ ایک قول کے مطابق ہر وہ پرندہ جس کا پنجہ تھا اور ہر وہ جانور جس کا کھر تھا ان پر حرام کر دیا گیا۔ اسی طرح ان پر گائے اور بھیڑ کی چربی اور ان کے گردے حرام تھے۔ مگر وہ چربی جو ان کی پشتوں یا پہلوؤں میں ہوتی تھی۔ وہ ان کے لیے حلال تھی۔ جیسا کہ مفسرین نے اس امر کی وضاحت بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان بِبَغْيِهِمْ سے مراد ان کی وہ سرکشی ہے جس کی وجہ سے وہ انبیائے کرام کو قتل کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کے اموال ناجائز طریقے سے حاصل کرتے تھے۔ وہ یہودی حضور ﷺ سے کہتے تھے "اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی چیز حرام نہیں کی اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی چیز حرام کی ہے۔ تو آپ اسے بیان کریں"۔ اللہ رب العزت نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے مذکورہ بالا آیت طیبہ نازل فرمائی۔

یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے "آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں حالانکہ آپ اونٹوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کا دودھ پیتے ہیں۔ جبکہ یہ چیزیں ان کی شریعت میں حرام تھیں۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَىٰةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَىٰةِ فَاتْلُوهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾ (آل عمران)

"سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں۔ بنی اسرائیل کیلئے مگر وہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر۔ اس سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات۔ آپ فرماؤ لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو"۔

لیکن جب انہوں نے ان اشیاء کو اپنی کتاب میں اپنے دعویٰ کے مطابق نہ پایا تو خود اپنے ہاتھ سے انہیں لکھ لیا۔

ان امور غیبیہ میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کا ذکر خیر تورات اور انجیل میں کیا پھر اس آیت طیبہ میں اس طرف اشارہ کیا۔

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ (الفتح:29) ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر نمایاں ہیں۔

ان اشیاء میں سے ایک چیز کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا نہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی اگرچہ انہوں نے آپ کی نبوت اور رسالت کا انکار کیا تو اس کی وجہ صرف اور صرف ان کا حسد اور بغض تھا۔ اس لیے جب نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور عذاب کے نازل ہونے سے ڈر گئے۔ انہوں نے آپ کی نبوت کا اعتراف تو کر لیا لیکن سرکشی اور عناد کی وجہ سے آپ کی اتباع کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے صلح کر لی اور واپس آ گئے۔ ام المومنین حضرت صفیہ بن حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میرا چچا ابو یاسر میرے باپ سے کہیں زیادہ صائب الرائے تھا۔ وہ میرے باپ سے کہا کرتا تھا "کیا وہ وہی ذات نہیں ہے جس کے اوصاف ہم اپنی کتب میں پاتے ہیں" میرا والد کہتا "ہاں! ہاں! بعینہ وہی ہیں" میرا چچا پوچھتا "پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟" میرا باپ کہتا "جب تک میں زندہ ہوں ان سے عداوت ہی کرتا رہوں گا"۔ وہ اہل کتاب جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر کام پر شرمندہ کیا۔ ایسی بہت سی اشیاء جن کو وہ چھپاتے تھے ان کا اظہار کیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا عَن كَثِيرٍ (المائدہ 15)

"اے اہل کتاب بیشک آ گیا تمہارے پاس ہمارا رسول۔ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنہیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے"۔

بیان کردہ واقعات کا سچ ثابت ہونا

قرآن پاک کے اعجاز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کے کسی فیصلہ کو نہ کرنے پر آگاہ فرمایا ہے۔ اور یہ

بتا دیا ہے کہ وہ قوم ایسا فیصلہ نہیں کر سکے گی۔ تو وہ قوم اس فیصلہ کو کرنے پر قادر نہ ہوئی۔ نہ ہی اس نے ایسا فیصلہ کیا۔ مثلاً جب یہودیوں نے یہ باطل دعویٰ کیا کہ ان کے علاوہ اور کوئی جنت میں نہیں جائے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کی اور ان کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ (البقرہ)

''آپ فرمایئے اگر تمہارے لیے ہی دار آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو''۔

یعنی اگر تم سچے ہو کہ تم ہی اہل جنت ہو۔ وہ تمہارے ساتھ مختص ہے تو پھر موت کی تمنا کرو۔ کیونکہ جسے یقین ہوتا ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ وہ تو موت کا بڑا مشتاق ہوتا ہے۔ وہ جنت کے حصول کا متمنی ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (البقرہ:95)

''اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں کے خوف سے''۔

اللہ رب العزت نے مستقبل کے تمام زمانہ میں ان کی ایسی خواہش کرنے کی نفی فرمادی۔ جو کچھ ان کے برے افعال تھے۔ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (البقرہ:95) سے مراد ان کے برے افعال تھے مثلاً اللہ رب العزت کے ساتھ کفر کرنا۔ تورات میں تحریف کرنا وغیرہ۔ حقیقت میں وہی ہوا جس کی خبر رب تعالیٰ نے دی تھی۔ انہوں نے موت کی خواہش نہ کی۔ اگر ان میں سے ایک بھی موت کی تمنا کرتا تو وہ ضرور مر جاتا۔ اگرچہ انہوں نے اس کتاب کے بارے بہت کچھ کہا ہے لیکن ان میں سے ایک نے بھی ایسی خواہش نہیں کی۔ اگر وہ کوئی ایسی تمنا کرتے تو ان کے ہاں بھی منقول ہوتا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمنا کا تعلق دل کے خفیہ اعمال کے ساتھ ہے۔ اس کا کیسے اظہار ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا اپنی زبان سے تو یہ کہنا ممکن تھا کہ ہم نے موت کی تمنا کی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اگر یہودی ایسی تمنا کرتے تو وہ مر جاتے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ان میں سے جو بھی موت کی تمنا کرتا وہ اسی وقت مر جاتا'' لیکن اللہ رب العزت نے انہیں ایسی تمنا کرنے سے پھیر دیا تا کہ اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صداقت عیاں ہو جائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی ہے اس کی سچائی کا اظہار ہو۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی موت سے ڈرتے ہوئے اس کی تمنا نہ کی۔ وہ زندگی کے زیادہ طالب تھے اس سے قرآن پاک کا معجزہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ (البقرہ)

''اور اگر تمہیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو آگ سے''۔

لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ایسا کلام پیش کرنے کی جسارت نہ کی۔

جلال اور وقار

قرآن پاک کے اعجاز کے اسباب میں سے ایک سبب اس کا وہ وقار اور جلال بھی ہے جو سامع کے دل پر اسے سنتے ہی طاری ہو جاتا ہے۔ اس کی وہ ہیبت ہے جو تلاوت کے وقت دل پر غالب آ جاتی ہے۔ اس میں ایسے مواعظ اور انذار ہیں جو قاری اور سامع کے دل پر جلال طاری کر دیتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: 21)

''اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اسکو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے''۔

جب اس کا جلال پہاڑوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے تو انسانوں کے متعلق تیرا خیال کیا ہے۔ اس کا جلال کفار پر مومنین کی بنسبت زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے سننا ہی پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے دل اسے برداشت نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک کی سماعت ان کے دلوں میں حق سے نفرت پیدا کرتی ہے۔ وہ اپنی طبیعتوں کی خباثت کی وجہ سے قرآن پاک سننا پسند نہیں کرتے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ (الاسراء)

''اور جب آپ ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ نفرت کرتے ہوئے''۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الزمر: 45)

''اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے''۔

اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا ''جو شخص قرآن مجید کو ناپسند کرتا ہے۔ اس پر اس کا سننا مشکل اور گراں گزرتا ہے۔ قرآن پاک حق اور باطل، نیک اور فاسق کے مابین فیصلہ کرنے والا ہے۔ مومن پر اس کے مواعظ، پند و نصائح اور وعیدوں کی وجہ سے جلال طاری ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس کی تصدیق کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

''اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن انکے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف''۔ (الزمر: 23)

یعنی جب کوئی شخص اس میں غور وفکر کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے تو قرآن پاک کی ہیبت کی وجہ سے اس پر کپکپاہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا دل اور اس کی جلد اس سے محبت کرتے ہیں۔ اسے قرآن پاک میں راحت وسکون ملتا ہے۔ اس لیے بعض صالحین اور اولیائے کرام ایسے بھی ہیں جن پر قرآن پاک پڑھتے ہوئے وجد طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔ لیکن جس نے قرآن مجید کی لذت کو چکھا ہی نہیں۔ اس پر یہ کیفیت کیسے طاری ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کی یہ ہیبت اور جلال اس شخص پر بھی طاری ہو جاتا ہے جو اس کے معانی اور تفسیر کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہ صرف امر ربانی اور اس راز کی وجہ سے ہے جو اس میں پنہاں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے سننے والے اور پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے۔ اگرچہ وہ اس کو سمجھنے کی طاقت نہ بھی رکھتے ہوں۔ جبکہ اور کسی کلام پر اس طرح ثواب نہیں ملتا۔

''الشفاء'' میں حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ ایک عیسائی ایک قاری کے پاس سے گزرا۔ جو باآواز بلند قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ وہ تلاوت سننے کے لیے رک گیا۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو کس وجہ سے گریہ بار ہوا ہے تو اس نے کہا ''قرآن پاک میں جو حسن ادائیگی اور رونق ہے۔ اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا''۔ قرآن مجید نے اس کے دل پر اتنا اثر کیا کہ اس عیسائی نے رونا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس نے اسے سمجھا ہی نہیں تھا۔ کئی لوگوں پر قرآن پاک کا جلال اور وقار طاری ہو جاتا تھا۔ وہ اسی وقار کی وجہ سے حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے تھے اور قرآن حکیم کی تصدیق کرتے تھے۔

امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ ''میں نے نماز مغرب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ طور کی تلاوت کرتے ہوئے سنا'' (اس وقت تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ وہ بدر کے قیدیوں کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے آئے تھے) وہ کہتے ہیں ''جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کی۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜیْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (الطور)

''کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے''۔

قریب تھا کہ میرا دل سینے کو چیر کر باہر نکل جاتا۔ وہ پہلا دن تھا جب میرے دل میں اسلام کی عزت پیدا ہو گئی۔

دوسری روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب میں نے یہ آیات سنیں۔

وَ الطُّوْرِ ﴿۱﴾ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾ (الطور)

''قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے کھلے ورق پر''۔

تو مجھ پر حیرت اور دہشت طاری ہوگئی۔ جب میں نے سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء کو یہ آیات تلاوت کرتے سنا۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ (الطور)

"یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا اسے کوئی ٹالنے والا نہیں"۔

تو مجھ میں کھڑا رہنے کی تاب نہ رہی۔ میں بیٹھ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ ابھی عذاب الٰہی کی بجلی کوندے گی اور مجھے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیات طیبات پڑھیں۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ (الطور)

"جس روز آسمان بری طرح تھرتھرائے گا اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے"۔

یہ سن کر مجھ پر شدید خوف طاری ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت بینات تلاوت کیں۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝ (الطور)

"کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے"۔

تو انہیں سن کر مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ میرا دل سینے کو چیر کر باہر نکلا جاتا ہے۔ یہی ہیبت و جلال ہی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا

قرآن پاک کے اعجاز میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قاری اس سے تھکتا نہیں۔ اگرچہ وہ اسے کتنی ہی مرتبہ دہرائے۔ جبکہ قلوب بار بار دہرانے والی چیز سے اکتا جاتے ہیں۔ اسی طرح سامع بھی اس سے عراض نہیں کرتا۔ نہ ہی اسے بار بار پڑھا جانا اس کی سماعت پر گراں گزرتا ہے۔ بلکہ اس کی تلاوت جتنی دفعہ زیادہ کی جائے اس کی شیرینی میں اتنا اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسے بار بار دہرانا اس کی محبت، رونق اور حسن کا سبب بنتا ہے۔ یہ ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔ اس کی رونق اور شادابی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جب بھی اس کی تلاوت کی جائے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نزول ابھی ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر جتنے بھی کلام ہیں خواہ وہ کتنے ہی حسن و بلاغت سے لبریز ہوں۔ ان کو بار بار دہرانے سے انسان اکتا جاتا ہے۔ خلوت میں قرآن پڑھنے سے لذت نصیب ہوتی ہے۔ مصائب کے وقت اسے پڑھنے سے اس کی محبت فزوں تر ہو جاتی ہے۔ جبکہ دیگر کتب میں یہ خوبیاں معدوم ہیں۔ قراء حضرات اس کی تلاوت مختلف آوازوں اور مختلف انداز سے کرتے ہیں۔ اس کے پڑھنے سے ان کے لطف و سرور میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قرآن مجید کو جتنی مرتبہ پڑھا جائے یہ پرانا نہیں ہوتا"۔ اس کے پند و مواعظ ختم نہیں ہوتے۔ اس کے عجائب فنا نہیں ہوتے۔ یہ کتاب زندہ حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی ہے۔ یہ مذاق نہیں۔ علماء اس سے سیر نہیں ہوتے۔ اس کی برکات سے خواہشات نفسانی میں کجی پیدا نہیں ہوتی۔ زبان سے تلفظ ادا کرتے وقت کسی اور کلام کے ساتھ التباس پیدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ کتاب ہے جسے جب جنات نے سنا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو

گئے کہ آج ہم نے عجیب وغریب کلام سنا ہے۔ جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ (الجن:13)

''اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے''۔

جس نے اس کے ساتھ گفتگو کی اس نے سچ کہا۔ جس نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا اس نے عدل کیا۔ جس نے اس کے مطابق عمل کیا اسے اجر وثواب ملا۔ جس نے اس کی طرف بلایا، اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت نصیب ہوئی۔

علوم ومعارف کا بحر بے کراں

قرآن مجید کے اعجاز کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ تمام علوم اور معارف کا جامع ہے۔ ایسے علوم اور معارف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے نہ ہی عرب میں موجود تھے نہ ہی دنیا کے کسی اور خطے میں پائے جاتے تھے۔ دیگر امم کے علماء بھی ان علوم سے آشنا نہ تھے۔ نہ ہی دیگر امم کی کتب ایسے علوم پر مشتمل تھیں۔ اس کتاب حکیم میں شریعت کا علم بھی ہے اور عقلی دلائل بھی ہیں۔ دیگر امم کا دلائل اور براہین سے رد بھی کیا گیا ہے۔ یہ دلائل آسان پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دشمنوں نے اس جیسے دلائل بنانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المومن:57)

''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے''۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یٰسین:81)

''کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے اس جیسی (چھوٹی سی) مخلوق''۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ (یٰسین:79)

''آپ فرمائیے (اے گستاخ سن) زندہ فرمائے گا انہیں وہی جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا''۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء:22)

''اگر ہوتے زمین وآسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے''۔

اس کتاب حکیم میں علم نجوم کے بھی کئی نکات ہیں۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾ (یٰسین)

''اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں آخر کار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند''۔

قرآن پاک میں علم الہندسہ بھی موجود ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ (المرسلات)

"چلو اس سایہ کی طرح جو تین شاخوں والا ہے۔ نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپیٹ سے"۔

اس آیت طیبہ میں ایک مثلث کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے متعلق ایسی باتیں بتائی گئیں ہیں جن کو صرف وہ لوگ ہی جان سکتے ہیں جو علم الہندسہ کے ماہر ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں علوم سیر، اخلاق حمیدہ، تزکیہ نفس، سابقہ امم کی خبریں، مواعظ، حکمت سے لبریز باتیں، جوامع الکلم، آخرت کے بارے معلومات ہیں۔ محاسن، آداب، ضرب الامثال، وہ اشیاء جو قیامت پر دلالت کرتی ہیں، ماضی اور مستقبل کی خبریں امر بالمعروف، نہی عن المنکر، قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور فساد نہ کرنے کے بارے حکم دیا گیا ہے۔ الغرض جس چیز کو انسان کی احتیاج تھی وہ اس میں بیان کر دی گئی ہے۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام:38)

"نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو"۔

وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (النحل:89)

"اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب اسمیں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا"۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (اسراء:89)

"اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے (بار بار) بیان کی ہیں لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تا کہ وہ ہدایت پائیں)"۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب مکرم ﷺ سے فرمایا۔ "میں آپ پر تورات کی طرح کی عظیم کتاب نازل کرنے لگا ہوں۔ اس کے ذریعے آپ اندھی آنکھوں کو بینا کر دیں گے۔ بہرے کانوں کو قابل سماعت بنا دیں گے۔ غفلت کے غلافوں میں لپٹے دلوں کو بیدار کر دیں گے۔ اس میں علم کے چشمے ابل رہے ہیں۔ یہ حکمت کا مفہوم بتاتی ہے۔ یہ دلوں کی بہار ہے"

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "قرآن مجید کو لازم پکڑو۔ بلاشبہ یہ عقل کی روشنی اور حکمت کا نور ہے"۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَقُصُّ عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَكْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾ (النمل)

"بلاشبہ یہ قرآن بیان کرتا ہے بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور (کی حقیقت) کو جن میں وہ جھگڑا کرتے ہیں"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۳۸﴾ (آل عمران)

"یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کیلئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے"۔

اگرچہ قرآن پاک کے کلمات کم ہیں۔ اس کے الفاظ تھوڑے ہیں اس کے باوجود اللہ رب العزت نے اس میں بہت سے علوم اور معارف جمع کیے ہیں۔ یہ علوم اور معارف سابقہ کتب سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ جبکہ ان کتب کے الفاظ قرآن حکیم سے کئی گنا زیادہ تھے۔

دلیل اور مدلول کی وضاحت

قرآن پاک کے اعجاز میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دلیل اور مدلول کو جمع فرمایا ہے۔ قرآن کریم کا انوکھا انداز بیان، نرالا اسلوب، حسن ادائیگی، حسن تالیف، اس کا اعجاز اور اس کی بلاغت اس کی دلیل ہے۔ اس میں موجود امر، نہی، وعدہ، وعید اور دیگر تمام بلند مقاصد اس کے مدلول ہیں۔ قرآن پاک کا قاری ایک ہی کلام پاک سے اور ایک ہی سورت سے دلیل کو بھی جان لیتا ہے۔ اور مدلول کو بھی۔

حفظ میں آسانی

قرآن حکیم کے معجزہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (القمر: 17) اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کیلئے۔

سابقہ امم کی عمریں اگرچہ بہت زیادہ ہوا کرتی تھیں لیکن ان کی کتابوں کو کوئی شاذ و نادر ہی یاد کر سکتا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "بنی اسرائیل میں سے کوئی شخص بھی تورات کو یاد نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے اوپر سے دیکھ کر پڑھتے تھے۔ تورات شریف صرف انبیائے کرام حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع اور حضرت عزیر علیہم السلام کو ہی یاد تھی۔ لیکن امت مسلمہ پر رب تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا ہے کہ قرآن پاک حفظ کرنا اس پر آسان کر دیا ہے۔ اس کے ان گنت حفاظ ہیں بچے اس کتاب حکیم کو بالکل تھوڑی سی مدت میں یاد کر لیتے ہیں۔

تمام اجزاء میں حسن تالیف

قرآن پاک کے اعجاز کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے اجزاء ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ اس کے تمام اجزاء میں حسن تالیف ہے۔ ایک واقعہ کا دوسرے واقعہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے۔ معانی کے اختلاف کے باوجود ایک قسم سے دوسری قسم کی طرف خروج کیا گیا ہے۔ ایک ہی سورت میں امر، نہی، وعدہ، وعید، توحید کے دلائل، اثبات نبوت کے دلائل، ترتیب و ترغیب اور شریعت کے کئی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں کئی ضرب الامثال بیان کی گئی ہیں۔ طویل داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کی طوالت کے باوجود ان میں کسی قسم کا کوئی ضعف نہیں۔ ایک فصیح کلام میں جب اتنی زیادہ چیزیں جمع ہو جائیں تو اس کی قوت میں ضعف، اس کی عظمت میں کمی، اس کی رونق اور سرور میں قلت آجاتی ہے۔ لیکن قرآن پاک ہر مقام پر فصاحت و بلاغت سے لبریز ہے۔ اسی طرح اس لاریب کتاب میں کفار کی خبریں بیان کی گئی

ہیں۔ انہیں ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے۔ سابقہ اقوام کی ہلاکت کی لرزہ خیز داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ کفار جو حضور ﷺ کو جھٹلاتے تھے ان کا حسد اور عاجزی، ان کی توہین دنیا اور آخرت میں ان کی رسوائی کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی طرح اس میں سابقہ امم کا اپنے اپنے انبیاء کرام کو جھٹلانا۔ اللہ تعالیٰ کا انہیں وادی ہلاکت میں پھینکنا، کفار کو عذاب سے ڈرانا نیز حضور ﷺ کو کفار کی اذیتوں پر تسلی اور تشفی دی گئی ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام، اور حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے قرآن پاک میں موجود ہیں۔ ان تمام اشیاء کے باوجود قرآن پاک کا اعجاز اور حسن تالیف اپنی جگہ برقرار ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں آیا۔ نہ ہی اس کی رونق کم ہوئی۔ نہ ہی اس کی فصاحت میں کوئی فرق پڑا۔

مشہور قراٰتوں میں پڑھنے کی اجازت

اس کے اعجاز کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کرم فرمایا ہے کہ اسے قرآن پاک کو مشہور قراٰتوں میں پڑھنے کی وسعت بخشی ہے۔ جس قراٰت سے بھی قرآن پاک کو پڑھا جائے اس کی فصاحت و بلاغت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ فصاحت و بلاغت کا معیار برقرار رہتا ہے۔ کسی بشر کے کلام میں ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اگر کوئی شاعر کتنا ہی بلیغ ہو۔ وہ اپنے قصیدے کی فصاحت و بلاغت کی کتنی ہی کوشش کرے۔ اگر اس کے قصیدے کے کلمات کو بدل دیا جائے تو اس کی فصاحت و بلاغت ختم ہو جاتی ہے یا اس کی فصاحت و بلاغت میں خلل آجاتا ہے۔ یہ قرآن حکیم کی شان ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت ہر حالت میں دائمی اور ابدی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (الاسراء:88)

"(بطور چیلنج) کہہ دو کہ اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ وہ لے آئیں اس قرآن کی مثل تو ہر گز نہیں لاسکیں گے اس کی مثل۔ اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے مددگار"۔

نہ تو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں کسی کو کلام پیش کرنے کی جسارت ہوئی۔ نہ ہی اس زمانہ میں کوئی اس جیسا کلام پیش کر سکا۔ یقیناً قیامت تک کوئی شخص ایسا کلام پیش نہیں کر سکے گا۔ جب عرب کے فصحاء اور بلغاء ایسا کلام پیش کرنے سے عاجز آ گئے تو پھر دوسرے لوگ ایسا کلام کیسے پیش کر سکتے ہیں۔

اہل عرب جانتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے بعثت سے قبل چالیس سال تک حساب و کتاب میں سے کوئی چیز نہیں سیکھی تھی آپ کا خود شاعر ہونا تو دور کی بات ہے آپ تو دوسرے شعراء کا کلام بھی نہیں پڑھتے تھے۔ آپ نے نہ تو کسی سے خبر روایت کی اور نہ ہی اثر نقل کیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل فرما دی۔ آپ کو لاریب کتاب سے نوازا۔ حضور ﷺ نے انہیں اس کتاب کے ساتھ دعوت دی اور اس کی تبلیغ فرمائی۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (یونس)

"آپ فرما دیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) اس سے پہلے کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ (العنکبوت)

"نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اسے اپنے دائیں ہاتھ سے (اگر آپ لکھ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل"۔

قرآن پاک کے اعجاز کے بے شمار اسباب ہیں۔ اس کے عجائب ان گنت ہیں۔ قرآن پاک کے معجزات کو ایک ہزار یا دو ہزار میں نہیں گنا جا سکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کو ایک سورت لانے کا چیلنج کیا لیکن وہ اس سے عاجز آ گئے، سب سے چھوٹی سورت "الکوثر" ہے۔ اس سورت کی ہر آیت معجزہ ہے۔ پھر اس سورت میں بذات خود کئی معجزات ہیں۔

حدیث قدسی ہے

"جس کو قرآن پاک نے مجھ سے التجاء کرنے اور مانگنے سے روکے رکھا تو میں اسے شاکرین سے افضل ثواب عطا کروں گا"۔

اَللّٰهُمَّ فَاجْعَلْهُ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَشِفَاءَ هُمُوْمِنَا وَغُمُوْمِنَا وَنُوْرَ اَبْصَارِنَا وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُنْتَفِعِيْنَ بِهٖ الْعَامِلِيْنَ بِمَا فِيْهِ وَالتَّالِيْنَ لَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (آمین ثم آمین)

چاند اشارے سے ہو چاک

معجزات کی تین اقسام ہیں (۱) وہ معجزات جو آپ کے دنیا میں جلوہ نما ہونے سے قبل رونما ہوئے (۲) وہ معجزات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ظہور پذیر ہوئے (۳) ایسے معجزات جن کا ظہور آپ کی ولادت سے لے کر تادم وصال ہوا۔ وہ معجزات جو آپ کے جلوہ افروز ہونے سے پہلے رونما ہوئے وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ جیسے قصہ فیل، انبیائے کرام علیہم السلام کا آپ کے بارے بشارات دینا۔ کاہنوں کا آپ کے بارے مژدہ جانفزا سنانا۔ یہ آپ کی نبوت کی تاسیس اور رسالت کے لیے ارہاص تھے۔ معجزات کی اس قسم کو بعض علماء نے ارہاص لکھا ہے۔ بعض نے انہیں معجزہ کہنا درست لکھا ہے۔ دوسری قسم ان معجزات کی ہے جو آپ کے وصال کے بعد رونما ہوئے۔ یہ بھی ان گنت ہیں کیونکہ ہر لحہ ہر آن آپ کی امت مرحومہ کے اولیائے عظام کے ہاتھوں ایسی کرامات کا ظہور ہو رہا ہے جو حد و شمار سے پرے ہے۔ اولیائے کرام کی کرامات آپ کے معجزات کے تتمات ہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

والکرامات منهم معجزات · حازها من نوالك الاولياء

اولیاء کرام کی کرامات درحقیقت آپ کے معجزات ہی ہیں جنہیں آپ کی نظر عنایت سے اولیائے کرام نے جمع کیا ہے۔

جہاں تک تیسری قسم کے معجزات کا تعلق ہے۔ وہ ایسے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے لے کر وصال تک رونما

ہوتے رہے۔ بعثت مبارکہ سے قبل رونما ہونے والے معجزات کو ارہاص بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ وہ نور مبارک جس کا ظہور آپ کی ولادت کے وقت ہوا حتیٰ کہ آپ کے لیے شام اور اس کے بازار روشن ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے بصریٰ کے محلات دیکھے۔

ابن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی تو آپ کے ہمراہ ایک نور نکلا جس سے مشرق و مغرب روشن ہو گئے"۔ اس طرح وہ معجزات بھی ہیں جو آپ کی رضاعت کی مدت میں ظہور پذیر ہوئے۔ جیسا کہ بادلوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ فگن ہونا۔ البتہ وہ معجزات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد رونما ہوئے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک چاند کا دو ٹکڑے ہونا بھی ہے۔ قرآن پاک نے بھی اس معجزہ کا تذکرہ کیا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر)

"قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ بڑا زبردست جادو ہے"۔

اس عظیم معجزہ کے متعلق روایات امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام بیہقی دیگر اہل السنن نے لکھیں۔ انہوں نے یہ روایات حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت جبیر بن مطعم، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام سے نقل کیں ہیں۔ پھر ان صحابہ کرام سے یہ روایات کثیر تعداد نے روایت کی ہیں۔ پھر ان سے ایک پوری جماعت نے نقل کیں ہیں۔ حتیٰ کہ یہ روایات حد تواتر تک پہنچ گئیں ہیں۔

علامہ عبدالوہاب ابن السبکی نے لکھا ہے کہ انشقاق قمر کی روایات متواتر ہیں۔ علاوہ ازیں قرآن پاک میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے۔ صحیحین میں بھی یہ روایات موجود ہیں۔ شق القمر ایسا عظیم معجزہ ہے جو ہمارے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کے لیے رونما نہیں ہوا اس کا شمار آپ کے عظیم معجزات میں ہوتا ہے۔

"المواہب" میں ہے "اہل السنۃ اور مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ بے مثال معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رونما ہوا۔ علامہ خطابی نے لکھا ہے "انشقاق قمر ایک عظیم معجزہ ہے۔ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات میں اس جیسی کوئی چیز نہیں ملتی۔ کیونکہ اس معجزہ کا تعلق ملکوت اعلیٰ کے ساتھ ہے۔ جہان رنگ و بو کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی شق قمر ان معجزات میں سے ہے جن کو ظاہر کرنے کے لیے کسی حیلہ کے ذریعے کوشش کی جا سکے۔ اسی لیے یہ رسالت مصطفویہ کی صداقت کی دلیل بن گیا۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "عہد رسالت مآب میں چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ پر جب کہ دوسرا دور جا گرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کا مشاہدہ کر لو"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ آپ انہیں کوئی نشانی دکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چاند کو دو ٹکڑوں منقسم کر دکھایا۔ یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال قبل رونما ہوا تھا۔ اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں تھے۔ ان کی عمر

بہت چھوٹی تھی۔ البتہ انہوں نے یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ اس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کسی اور صحابی سے سن کر ہی یہ معجزہ روایت کیا کیونکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اس آیت مبارکہ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (القمر) کے متعلق انہوں نے فرمایا "یہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں رونما ہوا تھا۔ چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک حصہ پہاڑی کے اوپر اور دوسرا پہاڑی سے پرے جا گرا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "گواہ بن جاؤ"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ایک حصہ اس پہاڑی پر دوسرا حصہ دوسرے پہاڑ پر جا گرا تھا۔ کفار مکہ نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جادو کر دیا ہے"۔ ابو جہل نے کہا تھا "اگر انہوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو پھر سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے"۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفار قریش نے کہا "ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے"۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا "اگر محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جادو کر دیا ہے تو ان کا سحر سارے زمین میں تو نہیں پھیل سکتا۔ ان مسافروں سے اس واقعہ کے متعلق پوچھ لو جو کسی دوسرے شہر سے آئے ہیں"۔ انہوں نے مسافروں سے پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ انہوں نے چاند کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ کفار مکہ نے کہا "یہ تو ابن ابی کبشہ کا جادو ہے" پھر انہوں نے کہا "کسی دور دراز کے علاقوں سے آنے والے مسافروں سے پوچھ لو۔ وہ سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے"۔ مسافر آئے تو انہوں نے بھی کہا کہ انہوں نے چاند کو دو حصوں میں تقسیم ہوتے دیکھا ہے۔

امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں چاند شق ہوا۔ کفار مکہ نے کہا "ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے۔ دیگر کفار سے اس واقعہ کے متعلق پوچھ لو۔ اگر انہوں نے بھی چاند کو دو حصوں میں بٹتے دیکھا ہو تو پھر یہ سچے ہیں۔ یہ سارے لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ اگر مسافروں نے اس واقعہ کا مشاہدہ نہ کیا جس کا تم نے مشاہدہ کیا ہے تو پھر یہ جادو ہے" اہل مکہ نے مسافروں سے پوچھا جو دور دراز کے علاقوں سے آئے تھے۔ انہوں نے کہا "ہم نے بھی چاند کو دو حصوں میں منقسم ہوتے دیکھا ہے"۔ یہ سن کر کفار نے کہا "یہ تو بڑا زبردست جادو ہے"۔

ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "مشرکین بارگاہ رسالت مآب میں جمع ہوئے۔ ان مشرکین میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، نضر بن حارث اور ان جیسے دیگر سردار بھی شامل تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں چاند دو حصوں میں منقسم کر کے دکھائیں"۔ آپ نے

چاند کو شق کر دیا۔

ایک اور روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا "اگر میں نے تمہارے لیے چاند کو دو حصوں میں منقسم کر دیا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ قریش نے کہا "ہاں"۔ حضور ﷺ نے اپنے رب تعالیٰ کے حضور اس معجزہ کی التجاء کر دی۔ چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے آواز دی "فلاں! فلاں! گواہ رہو!" امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ چاند حضور اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں شق ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اگرچہ یہ واقعہ دیکھا نہ تھا۔ مگر انہوں نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا تھا۔

امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے چاند کو دیکھا وہ دو حصوں میں منقسم ہو کر گر پڑا تھا۔ اس کا ایک حصہ کوہ ابی قبیس پر جب کہ دوسرا حصہ سویداء پر تھا"۔

المواہب کی شرح میں ہے کہ کوہ ابی قبیس سے تعبیر کرنا بعض راویوں کی اپنی تبدیلی ہے۔ کیونکہ روایت کا مدعا یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے چاند کو یوں دیکھا کہ اس کا ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر جب کہ اس کا دوسرا ٹکڑا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ دوسری روایت میں اس قول کے مخالف ہے جس میں تذکرہ ہے "میں نے ان دونوں ٹکڑوں کے مابین پہاڑ دیکھا" کیونکہ جب چاند کا ایک ٹکڑا پہاڑ کے دائیں طرف گر گیا تو اس راوی کی بات بھی سچ ہو گئی یعنی ان کے درمیان ایک اور پہاڑ تھا جو اس کے دائیں یا بائیں سمت تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں ہے کہ آپ اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے۔ ان دونوں روایات میں تعارض نہیں۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے "یہ معجزہ اس وقت رونما ہوا تھا جب کہ سرور کائنات ﷺ مکہ مکرمہ میں جلوہ نما تھے۔ ابھی تک آپ ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت نہیں فرمائی تھی"۔ منیٰ والی روایت بھی درست ہے کیونکہ منیٰ مکہ مکرمہ میں ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں تو یہ صراحت بھی موجود ہے انہوں نے فرمایا "جب حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں شق القمر ہوا تو اس وقت ہم مکہ مکرمہ میں تھے۔ ابھی تک ہجرت کر کے مدینہ طیبہ نہیں آئے تھے۔ اس سے یہی عیاں ہوتا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کا ذکر کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں ہے کہ یہ معجزہ ہجرت سے قبل رونما ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شق القمر کا معجزہ کئی بار ظہور پذیر ہوا تھا۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں، ایک دفعہ منیٰ میں۔ ایک روایت کے مطابق چاند عصر سے لے کر رات تک دو حصوں میں منقسم رہا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ وہ منیٰ میں ہوں۔ پھر مکہ مکرمہ آ گئے ہوں۔ ایک دفعہ انہوں نے حراء اور ایک دفعہ کوہ ابی قبیس کا ذکر کیا ہے۔

ابونعیم نے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ چودھویں کی شب چاند دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ اس کا نصف حصہ صفا اور نصف حصہ مروہ پر تھا۔ یہ عصر سے لے کر رات تک اسی طرح رہا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں حصے دور دور گرے تھے۔ حضور ﷺ نے کفار مکہ کو پہلے ایک حصہ دکھایا۔ فرمایا "گواہ رہو! پھر دوسرا حصہ دکھایا تو فرمایا "گواہ رہو!" اس لیے بعض روایات کو اس امر پر محمول کیا جائے گا کہ یہ معجزہ دو بار ظہور پذیر ہوا۔ بعض سیرت نگاروں نے یقین

کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ انشقاق قمر کا معجزہ دوبار رونما ہوا۔ اس لیے ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہ رہا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں لکھا ہے "تمام مفسرین اور اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ معجزہ رونما ہوا تھا۔ اس کے متعلق احادیث بھی متواترہ ہیں اس لیے کسی احمق کے اس اعتراض کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جائے گی کہ اگر یہ انشقاق قمر کا معجزہ ہوتا تو اہل ارض پر یہ مخفی نہ رہتا۔ کیونکہ چاند ایک ایسی چیز ہے جو سب کے لیے عیاں ہے۔ اسے جو جواب دیا جائے گا اس کا لب لباب یہ ہے کہ ہمیں سارے اہل زمین کے متعلق یہ خبر نہیں ملی کہ وہ اس رات چاند کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے مطلع کو بغور دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے چاند کو شق ہوتے نہ دیکھا۔ بلکہ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ لوگ چاند کو دیکھ رہے ہوں تو پھر بھی یہ ہمارے خلاف دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سارے روئے زمین کے لیے چاند ایک حصہ میں ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کے مطالع کے اختلاف کی بنا پر اس کے احوال میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک رات کسی ایک شہر میں تو یہ طلوع ہوتا ہے جب کہ دوسرے شہر میں نظر نہیں آتا کسی قوم پر پہلے اور کسی پر بعد میں نمودار ہوتا ہے۔ یا اس کے اور لوگوں کے مابین بادل حائل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے چاند گرہن بعض علاقوں میں ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا۔ بعض جگہ میں جزوی اور بعض مقامات پر کلی ہوتا ہے بعض مقامات پر اسے صرف صاحب علم ہی پہچان سکتے ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ (یٰسین: 38)

"یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس (خدا کا) جو عزیز (اور) علیم ہے"۔

شق قمر کا معجزہ رات کے وقت رونما ہوا تھا۔ رات کے وقت لوگ عموماً آرام کرتے ہیں۔ دروازے بند اور مصروفیت ختم ہوتی ہے آسمانی امور کو صرف وہی دیکھ پاتا ہے جس نے آسمان کی طرف نظریں گاڑیں ہوں اور انتہائی توجہ سے دیکھ رہا ہو۔ کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ شہروں میں چاند گرہن لگتا ہے لیکن لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ثقہ لوگ عجیب انوار، ستاروں کے طلوع ہونے اور عظیم امور کا تذکرہ کرتے ہیں جو رات کے وقت آسمانوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت انہیں نہیں جانتی۔ اس کے علاوہ قریش مکہ نے آفاق کے بہت سے لوگوں سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا۔ ان لوگوں نے انہیں بتایا تھا کہ انہوں نے یہ معجزہ نمائی دیکھی تھی۔ جسے سن کر قریش مکہ نے کہا تھا "زبردست جادو ہے" ان کو یہ بات مسافروں نے بتائی تھی۔ کیونکہ اکثر مسافر رات کو چاند کی چاندنی میں رات بسر کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر لوگوں پر نیند غالب ہوتی ہے لیکن اس واقعہ میں تواتر ہونا ہی کافی ثبوت ہے۔ اگرچہ اہل آفاق پر مخفی بھی رہا ہو۔

بعض ملحد فلسفی کہتے ہیں "اجرام فلکیہ میں پھٹن اور شگاف نہیں ہو سکتا۔ شب معراج میں آسمانوں کے دروازوں کے بارے بھی وہ یہی کہتے ہیں۔ وہ روز حشر سورج کو تہ کر دینے کے بارے بھی یہی کہتے ہیں۔

ان کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں عقل کو انکار کی گنجائش نہیں۔ چاند اللہ رب العزت کی مخلوق ہے۔ وہ اس کے ساتھ جس طرح چاہے کرے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر بن الطیب رحمۃ اللہ علیہ کو جب صاحب دولہ نے روم کے بادشاہ کے لیے قسطنطنیہ بھیجا اور روم کے

بادشاہ کو بتایا کہ یہ مسلمانوں کے جید علماء میں سے ہیں تو ایک پادری ان کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے کہا ''تمہارا گمان ہے کہ تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے چاند شق ہو گیا۔ کیا چاند کے ساتھ تمہاری رشتہ داری ہے حتیٰ کہ صرف تم نے ہی اسے دیکھا۔ کسی اور نے نہ دیکھا'' انہوں نے اسے کہا ''کیا تمہارے اور مائدہ کے مابین اخوت اور نسبی تعلق تھا کہ صرف اسے تم نے ہی دیکھا۔ اسے یہودی، یونانی اور مجوسی نہ دیکھ سکے جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ تمہارے پڑوس میں تھے''۔ یہ سن کر وہ پادری لاجواب ہو گیا اس سے جواب نہ بن پڑا۔

تنبیہ

یہ جو بعض قصہ گو لوگوں نے گھڑ لیا ہے کہ چاند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں داخل ہو گیا اور آپ کی آستین سے نکل آیا۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سے ان دو افراد کے متعلق سوال کیا گیا جو انشقاق قمر کے متعلق جھگڑا کریں۔ ان میں سے ایک کہے کہ چاند دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک ٹکڑا آپ کی ایک آستین سے داخل ہو کر دوسری آستین سے نکل گیا تھا۔ جب کہ دوسرا شخص کہے کہ نہیں۔ بلکہ دونوں حصے آپ کے سامنے نازل ہوئے تھے۔ آپ کی آستین میں کوئی بھی داخل نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے جواب دیا ''یہ دونوں غلط ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ چاند آسمان پر اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہی شق ہوا تھا۔ اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ پر جب کہ دوسرا اس سے دور جا گرا۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

سورج الٹے پاؤں پلٹے

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات حضرت اسماء بنت عمیس الخثعمیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ نکاح فرما لیا۔ پھر ان کے وصال کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔ ان سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت تھی۔ سر اقدس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آغوش میں تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا نہ کی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''علی! کیا آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟'' انہوں نے عرض کیا ''نہیں''۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''مولا! علی تیری اور تیرے رسول (مکرم) کی اطاعت میں تھے۔ ان پر سورج واپس لوٹا دے''۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''میں نے سورج کو دیکھا وہ غروب ہو چکا تھا۔ غروب کے بعد پھر میں نے اسے طلوع ہوتے دیکھا۔ یہ پہاڑ پر آ کر رک گیا۔ یہ واقعہ خیبر میں صہباء کے مقام پر رونما ہوا تھا''۔ اس روایت کو امام ابوجعفر الطحاوی نے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ''حضرت احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ''علم کے شیدائی کو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارک کو یاد کرنے میں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ علامات نبوت میں سے ہے''۔ حضرت احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ ثقہ اور کبار آئمہ احادیث میں سے ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کیا ہے۔ اگر ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی کتاب ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث بھی اس کتاب میں درج کر دیں ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "آپ حیران ہوں گے کہ امام ابن جوزی نے ایسی روایات کو بھی موضوع کہا ہے جنہیں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے"۔

المواہب میں ہے کہ رجعت شمس کی روایت کو امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے "تمہارے لیے یہی کافی ہے"۔ ابن مندہ اور ابن شاہین نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن مردویہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حسن سند سے روایت کیا ہے۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی معجم الکبیر میں حسن سند سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ امام شیخ الاسلام، قاضی القضاۃ ولی الدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح التقریب میں اسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صہباء کے مقام پر نماز ظہر ادا کی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی ضروری کام کے لیے بھیج دیا۔ جب وہ واپس آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرما چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اقدس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آغوش میں رکھا اور محو استراحت ہو گئے۔ انہوں نے حرکت نہ کی۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا "کیا آپ نے نماز پڑھ لی ہے؟"۔ انہوں نے عرض کی "نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست دعا بلند فرما دیئے۔ عرض کی "مولا! تیرے بندے علی نے اپنے آپ کو تیرے نبی کی خدمت میں محبوس کر دیا۔ اس پر سورج لوٹا دے تا کہ وہ نماز ادا کر سکے"۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "پھر سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ اس کی دھوپ پہاڑوں پر اور زمین پر پڑنے لگی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے وضو کیا اور نماز عصر ادا کی۔ پھر سورج غروب ہو گیا۔ یہ معجزہ صہباء کے مقام پر رونما ہوا تھا"۔

حضرت امام طبرانی نے یہ روایت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے دیگر الفاظ میں کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "خیبر کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مال غنیمت تقسیم کرنے میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی! کیا آپ نے نماز عصر پڑھ لی ہے؟"۔ انہوں نے عرض کی "نہیں یا رسول اللہ!"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے۔ زبان اقدس سے ایک بار کلمات ادا فرمائے۔ گویا کہ وہ اہل حبشہ کی زبان کے تھے۔ سورج واپس عصر کے وقت پر لوٹ آیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے۔ وضو کیا۔ نماز عصر ادا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پہلے جیسے الفاظ دہرائے۔ سورج مغرب کی طرف لوٹ گیا۔ میں نے اس کی اس طرح کی آواز سنی گویا کہ آری لکڑی چیر رہی ہے۔ پھر بعد میں ستارے نظر آنے لگے"۔

امام الطبرانی نے معجم الکبیر میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت بڑی گراں گزرتی تھی۔ ایک دن نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ جب نزول وحی کی کیفیت اختتام پذیر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علی! کیا نماز پڑھ لی ہے؟"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان اقدس سے دو یا تین کلمات کہے۔ سورج واپس لوٹ آیا۔ حتیٰ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے آفتاب جہانتاب کو دیکھا کہ وہ غروب ہونے کے بعد طلوع ہو گیا۔ حتیٰ کہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کر لی"۔

احادیث طیبہ کے قواعد میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ متعدد اسناد سے حدیث کی صحت میں اضافہ ہوتا ہے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے المواہب کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ عجیب حسین اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت ابو مظفر واعظ رحمۃ اللہ علیہ ایک دن غروب آفتاب کے قریب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کر رہے تھے۔ ان کے لیے رونما ہونے والے اس معجزہ رجعت شمس کا بھی ذکر کیا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ لوگوں نے گمان کیا کہ سورج غروب ہو گیا ہے۔ وہ واپس جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اچانک مطلع صاف ہو گیا۔ سورج آب و تاب سے چمکنے لگے۔ انہوں نے لوگوں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور فی البدیہ یہ اشعار کہے۔

لا تغربی یا شمس حتی تنتھی　مدحی لآل المصطفی ولنجله

اے سورج نہ ڈوب۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک اور آپ کے فرزند دلبند کی مدح ختم ہو جائے۔

و اثنی عنك ان اردت ثناءھم　نسیت اذ کان الوقوف لاجله

اگر میں نے ان کی تعریف کا ارادہ کیا ہے تو تیری ہی تعریف کروں گا اور اگر توقف اسی سبب سے ہو تو وہیں بھول جاؤں گا۔

ان کان للمولی وقوفك فلیکن　ھذا الوقوف لخیله و لرجله

اگر تو ایک روز میرے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے رکا تھا تو اب ان کے ان غلاموں کے لیے رک جا جو سوار اور پیادہ ہیں۔

امام طبرانی نے اپنی معجم الاوسط میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کو حکم دیا کہ وہ غروب نہ ہو۔ حتیٰ کہ قریش کا وہ کارواں آجائے جسے آپ نے شب معراج ملاحظہ فرمایا تھا۔ پھر قریش کو فرمایا کہ وہ کارواں فلاں دن آجائے گا۔ دن ڈھل گیا۔ لیکن کارواں نہ آیا۔ سورج ایک ساعت تاخیر سے غروب ہوا حتیٰ کہ وہ قافلہ آ گیا۔

امام المغازی حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا شرف نصیب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم قریش کو کارواں اور ان کے اونٹ کی علامت بتائی تو انہوں نے عرض کی "وہ کارواں کب پہنچے گا؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بدھ کے روز"۔ جب بدھ کا دن آیا تو قریش دور دور تک اس کارواں کو تاڑنے لگے، دن ختم ہونے کے قریب تھا۔ رات چھانے والی تھی۔ لیکن ابھی تک کارواں نہیں پہنچا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو دن میں ایک ساعت کا اضافہ کر دیا گیا۔ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ سورج کو روکے رکھا۔ حتیٰ کہ وہ کارواں غروب آفتاب سے پہلے پہنچ گیا۔ وہ روایت جس میں تذکرہ ہے "حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے سورج نہیں روکا گیا"۔ اس معنی پر محمول ہوگی کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے میرے علاوہ کسی اور کیلئے سورج نہیں روکا گیا۔ سوائے یوشع بن نون علیہ السلام کے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "یہ حصر ان انبیائے کرام کے لیے ہے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے۔ اس روایت میں یہ تذکرہ نہیں کہ بعد میں اسے نہیں روکا جائے گا۔ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج روک لینا یہ حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے روک لینے کے منافی نہیں۔ کیونکہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے غروب سے پہلے سورج روک لیا گیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے غروب کے بعد سورج واپس لوٹایا گیا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج اس وقت روکا گیا جب حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے وصال کے بعد انہوں نے جبارین کے ساتھ جہاد کیا۔ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی وہ انہیں ارض مقدسہ کے پتھر پھینکنے کے فاصلہ کے برابر قریب کر دے۔ جمعۃ المبارک کے روز انہوں نے جبارین کے ساتھ جہاد کیا۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوا تو انہیں اندیشہ لاحق ہوا کہ ان سے فارغ ہونے سے قبل سورج غروب نہ ہو جائے اور ہفتہ کا دن شروع نہ ہو جائے اور اس روز ان کے ساتھ قتال جائز نہ رہے۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے التجاء کی۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو ایک ساعت روکے رکھا۔ حتیٰ کہ وہ ان کے قتل سے فارغ ہو گئے۔

ایک روایت ہے کہ پہلے علم نجم صحیح تھا۔ جب حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج روک دیا گیا تو اس کا اکثر حصہ باطل ہو گیا۔ جب اسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے لوٹایا گیا تو یہ سارا باطل ہو گیا۔

دیں گواہی شجر

درختوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کلام کرنا، ان کا اطاعت بجالانا اور آپ کی رسالت کی گواہی دینے کی روایات کثیر اور شہیر ہیں۔ اہل سنن نے انہیں کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ جن میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت اسامہ بن زید، حضرت انس بن مالک اور حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہم جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔ پھر ان سے کثیر تابعین نے یہ روایات نقل کی ہیں۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں لکھا ہے "اتنی شہرت ہوتے ہوئے یہ روایات بہت قوی ہو گئی ہیں"۔ حضرت علامہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے "یعنی کثیر صحابہ کرام نے انہیں روایت کیا ہے ان سے کثیر تابعین نے انہیں روایت کیا ہے۔ حتی کہ یہ تواتر معنوی تک جا پہنچی ہیں۔ یہ قوت کے اس مرتبہ پر ہیں کہ ان میں کوئی دانا شخص شک نہیں کر سکتا"۔

امام بیہقی، امام بزار، امام دارمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمیں ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ایک اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا "اعرابی کہاں جا رہے ہو؟" اس نے عرض کی "اپنے اہل خانہ کے پاس"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تمہاری راہ نمائی خیر کی طرف کی جائے؟" اعرابی نے عرض کی "وہ کیا ہے؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم یہ گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں"۔ اس اعرابی نے عرض کی "آپ کے اس فرمان کی گواہی کون دے گا؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ سمرہ (درخت) جو وادی کے کنارے واقع ہے"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو اشارہ کیا تو درخت اپنی جڑوں سے زمین چیرتا ہوا آیا۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑا ہو

گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین بار گواہی دینے کا حکم دیا۔ اس درخت نے گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔ پھر درخت اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اعرابی اپنی قوم کے پاس چلا گیا۔ جانے سے پہلے اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگر میری قوم نے میری اتباع کر لی تو اسے لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا۔ ورنہ اکیلے ہی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں گا اور آپ کے ساتھ ہی رہوں گا''۔

امام بزار نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اعرابی نے ایسی نشانی مانگی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''اس درخت سے کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بلا رہے ہیں۔ اس اعرابی نے اس درخت کو بلایا۔ وہ درخت دائیں بائیں آگے اور پیچھے جھکا۔ اس کی جڑیں کٹ گئیں۔ پھر اپنی جڑوں سے زمین چیرتے ہوئے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ اس نے یوں سلام عرض کیا ''السلام علیک یا رسول اللہ''۔ اعرابی نے عرض کی ''اب اسے حکم دیں کہ اپنی پہلی جگہ پر چلا جائے۔ وہ درخت اپنی پہلی جگہ پر چلا گیا۔ اس کی جڑیں پہلی جگہ پر چلی گئیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس اعرابی نے عرض کی ''مجھے اذن مرحمت فرمائیں کہ میں آپ کو سجدہ کروں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؟؟ اگر میں مخلوق میں سے کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے''۔ اعرابی نے عرض کی ''مجھے اذن عطا فرمائیں کہ میں آپ کے دست اقدس اور پاؤں مبارک پر بوسہ دوں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ الجن میں جنات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ کون چیز گواہی دے گی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ درخت'' پھر آپ نے اس درخت کو گواہی دینے کے لیے بلایا۔ وہ درخت جڑیں کھینچتا ہوا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گیا۔

رکانہ پہلوان کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''اسلام لے آؤ'' اس نے کہا ''ہرگز نہیں۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو علامت دکھا دیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں نے تجھے کوئی نشانی دکھا دی تو کیا تو اسلام قبول کر لے گا؟ اس نے کہا ''ہاں''۔ اس کے پاس ہی سمرہ کا درخت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے آ جا'' وہ درخت دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ اس کا نصف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور رکانہ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ رکانہ نے عرض کی ''آپ نے مجھے عظیم امر دکھایا ہے۔ اس درخت کو حکم دیں کہ وہ واپس چلا جائے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں نے اسے حکم دیا اور یہ واپس چلا گیا تو کیا تو اسلام لے آئے گا؟ اس نے کہا ''ہاں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو حکم دیا وہ درخت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ اس کا تنا اور شاخیں دوسرے نصف کے ساتھ مل گئیں۔ آپ نے رکانہ سے فرمایا ''اسلام لے آ''۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ وہ عام الفتح تک اپنے کفر پر اڑا رہا۔ پھر اسی سال اسلام کی دولت لازوال سمیٹ لی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں 42ھ کو وفات پائی۔

امام بیہقی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے قبل اور اسلام کے قوی ہو جانے سے پہلے بارگاہ ربوبیت میں عرض کی کہ قریش مکہ آپ کو خوفزدہ کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ آپ

کو ایسی نشانی دکھائے جس کی وجہ سے مخالفین کی مخالفت آپ پر گراں نہ گزرے۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں وادی میں تشریف لے چلیں۔ اس میں فلاں درخت ہے۔ اس میں سے ایک شاخ کو اپنی طرف بلائیں۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔ حضور مالک کون و مکان نے اس طرح کیا۔ وہ شاخ بریدہ زمین پر چلتی ہوئی آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ آپ نے اسے کچھ دیر اپنے سامنے ٹھہرنے کی اجازت دی۔ پھر فرمایا "اسی طرح واپس چلی جا جس طرح آئی تھی"۔ وہ شاخ واپس چلی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے علم ہو گیا کہ اب ان کی مخالفت کا مجھے کوئی اندیشہ نہیں"۔ امام بزار، امام ابو یعلی اور امام بیہقی نے بھی اس قسم کی روایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ ربوبیت میں عرض کی "مجھے ایسی نشانی دکھا جس کے بعد جھٹلانے والوں کی پرواہ نہ ہو"۔ پھر انہوں نے یہ روایت بیان کی۔

امام بخاری نے تاریخ میں، امام ترمذی، امام بیہقی اور امام دارمی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا "میں کس طرح جان لوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں کھجور کے اس خوشے کو اپنے پاس بلالوں تو تو ایمان لے آئے گا"۔ اس نے عرض کی "ہاں"۔ آپ نے کھجور کے خوشے کو اپنے پاس بلایا تو وہ چھلانگیں مارتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اسے فرمایا "واپس لوٹ جا"۔ وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ یہ معجزہ نمائی دیکھ کر وہ اعرابی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے۔ وہ خوشہ کھجور کے درخت سے آہستہ آہستہ اترا۔ زمین پر آیا۔ کبھی سر جھکاتے، کبھی سر اٹھاتے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "واپس چلا جا" وہ خوشہ واپس چلا گیا۔ وہ اعرابی اسلام لے آیا۔ اس نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن جبرائیل امین علیہ السلام بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جسم اقدس سے خون مبارک رواں تھا۔ بعض اہل مکہ نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو مارا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم چہرۂ انور سے غم کی کیفیت عیاں ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے ساتھ اہل مکہ نے یہ سلوک کیا ہے" حضرت جبرئیل امین نے عرض کی "کیا میں آپ کو ایسی نشانی نہ دکھاؤں جس سے آپ کا یہ سارا غم ختم ہو جائے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ضرور" حضرت جبرائیل امین نے اس وادی میں دیکھا۔ انہوں نے اس میں ایک درخت دیکھا۔ انہوں نے عرض کی "آپ اس درخت کو بلائیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا وہ چلتا ہوا آیا۔ آپ کی خدمت میں آکر کھڑا ہو گیا۔ پھر انہوں نے عرض کی کہ اب آپ اسے حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ پر چلا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب مجھے پرواہ نہیں کہ مجھے کون جھٹلاتا ہے"۔ جب جمادات نے آپ کی اطاعت کر لی تو یہ اس امر پر دلالت تھی کہ لوگ بھی آپ کی اطاعت کر لیں گے۔ لیکن اس تاخیر میں کوئی حکمت کارفرما ہے۔ اس روایت کو امام

دارمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام احمد، امام الطبرانی اور امام بیہقی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہمیں ایک سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا۔ ہم عازم سفر رہے۔ پھر ایک جگہ خیمہ زن ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو استراحت ہو گئے۔ ایک درخت زمین چیرتا ہوا آیا۔ حتیٰ کہ اس نے آپ کو ڈھانپ لیا۔ دوسری روایت میں ہے اس نے آپ کا طواف کیا۔ پھر اپنی جگہ لوٹ گیا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے اس واقعہ کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ ایک درخت ہے جس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ وہ مجھے سلام عرض کرے۔ اللہ رب العزت نے اسے اجازت مرحمت فرما دی''۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عازم سفر تھے۔ حتیٰ کہ ہم ایک وسیع وادی میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ میں نے بھی پانی کا برتن لیا اور آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نظر فرمائی تو آپ کو ایسی چیز نظر نہ آئی جس کے پیچھے آپ قضائے حاجت فرما سکیں۔

وادی کے دور کنارے پر دو درخت تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں سے ایک کی طرف تشریف لے گئے۔ اس کی ایک شاخ کو پکڑا۔ اور فرمایا ''اللہ کے حکم کے ساتھ میرے ساتھ چلنے لگ جا'' وہ ایک فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ پھر آپ دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے۔ اسے بھی اسی طرح فرمایا۔ پھر ان دونوں کو فرمایا ''اللہ کے حکم سے اکٹھے ہو جاؤ'' وہ درخت باہم مل گئے۔

دوسری روایت کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان درختوں میں ایک کی شاخ کو پکڑا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اس درخت سے کہو کہ تجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم فرما رہے ہیں کہ اپنے ساتھی سے مل جا حتیٰ کہ میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں'' وہ درخت چلتا ہوا دوسرے درخت کے ساتھ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پیچھے تشریف فرما ہو گئے۔ میں واپس آ گیا۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا اور اس عجیب و غریب امر پر غور و فکر کرنے لگا۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا وہ دونوں درخت اب علیحدہ علیحدہ ہو چکے تھے۔ ہر ایک اپنے تنے پر کھڑا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر توقف فرمایا۔ پھر اپنے سر اقدس کو دائیں بائیں اشارہ فرمایا'' یہ ایک طویل روایت ہے جسے بعض راویوں نے مکمل طور پر اور بعض نے مختصر روایت کیا ہے۔

امام بیہقی اور امام ابو یعلی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ کسی غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا ''کوئی جگہ تلاش کرو جہاں میں قضائے حاجت کر سکوں'' وہ فرماتے ہیں ''میں نے عرض کی ''یہ وادی تو لوگوں سے لبریز ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا تمہیں کھجور کے درخت یا پتھر نظر آ رہے ہیں؟'' میں نے عرض کی ''مجھے جدا جدا کھجور کے درخت نظر آ رہے ہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان کی طرف جاؤ۔ انہیں کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ باہم قریب ہو جاؤ۔ یہی حکم پتھروں کو بھی دو''۔ میں نے درختوں اور پتھروں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم سنایا مجھے

اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں نے کھجور کے درختوں کو دیکھا وہ ایک جگہ جمع ہو گئے۔ پتھر بھی ایک جگہ جمع ہو کر تہ بہ تہ ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے قضائے حاجت فرمائی۔ پھر مجھے حکم فرمایا ''اب انہیں کہو کہ یہ سب جدا جدا ہو جائیں''۔ مجھے اس ذات بے ہمتا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ میں نے انہیں دیکھا۔ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے۔

امام احمد، امام بیہقی اور امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت یعلی بن سبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا'' پھر اس طرح کی روایت بیان کی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے دو چھوٹی کھجوروں کو حکم دیا وہ باہم مل گئیں حضرت غیلان بن سلمہ الثقفی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة تمشی الیه علی ساق بلا قدم

حضور ﷺ کے بلانے پر درخت سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنی پنڈلیوں کے سہارے چلتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

کانما سطرت سطرا لما کتبت فروعها من بدیع الخط فی اللقم

جب ان کی شاخوں نے عجیب وغریب خط سے لکھا تو گویا کہ انہوں نے ایک سطر رقم کی ہے۔

حجر و شجر کا سلام

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''اب بھی میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھ پر سلام بھیجا کرتا تھا میں اب بھی اسے جانتا ہوں''۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ وہ پتھر حجر اسود ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ایک گلی میں تھا جو بعد میں ''زقاق الحجر'' کے نام سے معروف ہوئی۔ لوگ اسے چھو کر برکت حاصل کرتے۔ وہ کہتے تھے ''یہ پتھر حضور ﷺ کو سلام عرض کرتا تھا۔ جب حضور ﷺ اس کے پاس سے گزرتے تھے''۔ یہ بات المواہب میں مذکور ہے۔ پھر حضرت ابن رشید اور مالکیہ آئمہ کی ایک پوری جماعت سے روایت ہے۔ جن میں حضرت امام حفص المیانشی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میں مکہ معظمہ میں جس شخص سے بھی ملا اس نے مجھے یہی بتایا کہ اس پتھر نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہم کلام ہونے کی سعادت حاصل کی جو اس دیوار میں نصب ہے۔ جو دار ابی بکر رضی اللہ عنہ کے بالمقابل ہے''۔

امام ترمذی، امام دارمی اور امام حاکم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں مکہ مکرمہ میں حضور ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں چل رہا تھا۔ ہم مکہ مکرمہ کی ایک سمت باہر نکلے حضور ﷺ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ یوں سلام عرض کرتا: السلام علیک یا رسول اللہ''۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ یوں آپ کی بعثت کی ابتدا میں ہوتا تھا تا کہ آپ کو اطمینان قلب نصیب رہے اور آپ کو مژدہ جانفزا مل جائے کہ اس کے بعد ساری مخلوق آپ کے سامنے سر تسلیم خم کردے گی اور آپ کی دعوت پر لبیک کہے گی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب حضرت جبرائیل امین وحی لے کر آئے تو میں جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتا وہ مجھے یوں سلام کہتا: السلام علیک یا رسول اللہ''۔

ابونعیم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب اللہ رب العزت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر کرامت وعزت کا تاج سجانا چاہا تو جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادیوں کے دامنوں کی طرف جاتے تو آپ جس درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو یوں سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل کرتا: السلام علیک یا رسول اللہ!''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس طرح سلام کا جواب ارشاد فرماتے ''وعلیکم السلام'' بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس امر سے عیاں ہوتا ہے کہ پتھر کس طرح آپ کے قرب کے خواہاں تھے۔ لیکن انسان کس طرح اس کا انکار کرتا ہے (البزار، ابونعیم)

امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعثت کی ابتداء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے وہ آپ کے لیے سجدہ ریز ہو جاتا۔

دروازہ کی دہلیز اور گھر کی در و دیوار نے آپ کی دعا پر آمین کہی۔ اس معجزہ کا تعلق بھی اس موضوع کے ساتھ ہے۔ امام بیہقی اور ابن ماجہ نے حضرت ابواسد مالک بن ربیعہ الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ابوالفضل! میرے آنے تک نہ آپ اور نہ ہی آپ کی اولاد گھر سے نکلے مجھے تم میں سے ہر ایک سے ضروری کام ہے'' وہ انتظار کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ نے انہیں اس طرح سلام فرمایا ''السلام علیکم'' انہوں نے یوں سلام کا جواب دیا ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''تمہاری صبح کیسی ہوئی؟'' انہوں نے عرض کی ''الحمد للہ! ہم نے بخیر و عافیت صبح کی''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک دوسرے کے قریب ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ قریب ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ لگنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اپنی ردائے پاک پھیلا دی، پھر درگاہ ربانیہ میں عرض کی ''مولا! یہ میرے چچا ہیں جو مجھے میرے والد گرامی کی مانند ہیں۔ یہ میرے اہل بیت ہیں، انہیں آگ سے اس طرح بچالے جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر سے ڈھانپ رکھا ہے''۔ آپ کی اس دعائے پاک پر گھر کے در و دیوار اور دہلیز نے بھی آمین، آمین، آمین کہا۔ ان بلند اقبال حضرات میں یہ ہستیاں شامل تھیں۔ حضرت فضل، حضرت عبداللہ، حضرت عبیداللہ، حضرت قثم، حضرت معبد، حضرت عبدالرحمن، حضرت سعید اور ان کی بہن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ حضرت عبداللہ الہلالی نے ان کے متعلق ہی یہ اشعار کہے ہیں۔

ما ولدت نجیبة من فحل بجبل نعلمه او سهل

کسی پہاڑ یا میدان میں ہم کسی مونث کو نہیں جانتے جس نے ایسے مذکر فرخندہ فال بچے جنم دیے ہوں۔

کسبعة من بطن ام الفضل اکرم بها من کهلة او کهل

عم النبی المصطفی ذی الفضل و خاتم الرسل و خیر الرسل

جیسے کہ سات بچے حضرت ام الفضل کے صدف شکم سے پیدا ہوئے۔ تمام عمر رسیدہ مردوں اور عورتوں میں سے افضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا محترم ہیں۔ وہ حضور مصطفیٰ (پاک) خاتم الرسل اور خیر الرسل کے چچا ہیں۔

امام احمد، امام بخاری، امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کوہ احد پر تشریف لے گئے۔ وہ ان حضرات کی وجہ سے لرزنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوہ احد پرسکون ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید جلوہ افروز ہیں''۔ امام مسلم نے اسی طرح کی روایت حراء کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے''۔ ایک اور روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی تذکرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما علیک نبی او صدیق او شھید۔ اوْ تقسیم کے لیے ہے۔

امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عشرہ مبشرہ تھے'' ان میں حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعید بن زبیر رضی اللہ عنہما کا اضافہ ہے''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اسی طرح کا واقعہ کوہ ثبیر پر بھی رونما ہوا تھا۔ ان سب روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ ایسا معجزہ کئی بار رونما ہوا تھا۔ کیونکہ کوئی مانع نہیں۔ پہاڑ کا یوں حرکت کرنا یا تو طرب میں آ کر اس کا جھومنا تھا۔ کیونکہ اس پر مبارک ہستیاں جلوہ نما ہوئی تھیں یا وہ خوف، ہیبت اور جلال کی وجہ سے لرز گیا تھا۔ یہ غضب کی وجہ سے زلزلہ نہیں تھا۔ جس طرح کہ بنی اسرائیل پر اس وقت زلزلہ آیا تھا جب انہوں نے حکم الٰہی کو تبدیل کر دیا تھا۔

حضرت امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر یہ آیت طیبہ تلاوت کی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام:91)

''اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر پہچاننے کا''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جبار اپنی تعریف یوں بیان کرتا ہے ''میں جبار ہوں، میں کبیر ہوں، میں متعال ہوں''۔ منبر مبارک پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ہمیں خدشہ لاحق ہوا کہ وہ آپ کو نیچے نہ گرا دے''۔

امام بخاری، امام مسلم، امام بزار اور امام طبرانی اور امام ابویعلی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے۔ یہی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ جن کی ٹانگیں سیسہ سے پتھروں کے ساتھ جوڑی گئیں تھیں۔ جب فتح مکہ کے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عصا مبارک سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ انہیں چھو نہیں رہے تھے۔ زبان اقدس پر یہ آیت طیبہ جاری تھی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ (بنی اسرائیل:81)

''آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل''۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے وہ گدی کے بل نیچے گر پڑتا۔ جس کی گدی کی طرف اشارہ فرماتے وہ منہ کے بل نیچے جا پڑتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ آپ انہیں اپنا مبارک نیزہ مارتے جاتے۔ آپ کی زبان حق ترجمان پر یہ آیت طیبہ تھی:

جَآءَ الْحَقُّ وَ مَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَ مَا يُعِيدُ ﴿۴۹﴾ (سبا:49)

''حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا''۔

ان دونوں روایات میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ آپ نیزہ مارتے جاتے تھے کی تفسیر میں احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مس کیے بغیر ان کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ یا یہ احتمال بھی ہے کہ وہ بت کثیر التعداد تھے۔ بعض کی طرف آپ نے مس کیے بغیر اشارہ فرمایا اور بعض کو اپنے نیزہ کے ساتھ ہلکا سا مس کیا۔ جس سے عموماً بت گرتا نہ تھا۔ ان دونوں حالتوں میں ان بتوں کا زمین بوس ہونا آپ کا معجزہ ہے۔

امام ترمذی اور امام بیہقی نے بحیرہ راہب کے متعلق روایت نقل کی ہے۔ بچپن میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر پر تشریف لے گئے۔ یہ راہب کسی کے استقبال کے لیے نہیں نکلا کرتا تھا۔ اس مرتبہ وہ اپنے گرجا سے باہر نکلا اور جستجو کرنے لگا۔ بالآخر اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس پکڑا اور کہا ''یہ عالمین کے سردار ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمائے گا''۔ قریش کے سرداروں نے کہا ''تجھے یہ کیسے علم ہو گیا؟'' اس نے کہا ''میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کے لیے سجدہ ریز تھا۔ یہ صرف اور صرف نبی کو ہی سجدہ کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ جب آپ تشریف لا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بادل سایہ فگن تھا''۔ جب قریش قریب ہوئے۔ تو آپ کی قوم جلدی سے درخت کے سایہ کے نیچے چلی گئی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے تو سایہ خود بخود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھک گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ مبارک یہ بھی ہے کہ سخت پتھر پر آپ کے قدمین شریفین کے نشانات پڑ جاتے۔ چٹان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نرم ہو جاتی۔ حضرت شہاب الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معجزہ کی خبر اکناف عالم میں پھیل چکی ہے۔ شعراء نے اسے اپنے اشعار میں نظم کیا ہے۔ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو قدم مبارک پتھر کے اندر تک چلا جاتا۔ حتیٰ کہ قدمین شریفین کے نشانات اب بھی ان پتھروں پر باقی ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ ان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور ان کی تعظیم بجا لاتے ہیں۔ مصر میں کئی مقامات پر ایسے متبرک پتھر موجود ہیں۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ سلطان قائیتبائی نے ایک ایسا مقدس پتھر بیس ہزار دینار میں خریدا۔ اس نے وصیت کی کہ اس مبارک پتھر کو اس کی قبر کے پاس رکھ دیا جائے۔ وہ پتھر اب تک وہیں موجود ہیں۔ نیز یہ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ریت پر چلتے تو آپ کے قدمین شریفین کے نشانات نہ پڑتے۔

امام قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے "جب حضور اکرم ﷺ کسی سخت چٹان پر تشریف لے جاتے تو آپ کے قدموں کے نشانات اس پر پڑ جاتے۔ آپ ﷺ کا یہ معجزہ مبارکہ زبان زد عام ہے۔ شعراء نے اپنے قصائد میں اسے نظم کیا ہے۔ بلغاء نے اپنے نثر پاروں میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس روایت کو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قدمین شریفین کے نشانات سے بھی تقویت ملتی ہے جو مقام ابراہیم میں اب بھی موجود ہیں۔ جن کے متعلق اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ (آل عمران: 97)

"اس میں روشن نشانیاں ہیں"۔

ابوطالب نے یہ شعر اس کے متعلق ہی فرمایا ہے

موطئ ابراهيم في الصخر وطوه   على قدميه حافيا غير ناعل

اور اس پتھر کی پناہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم چومنے کا شرف ملا۔ اس وقت آپ عریاں پاؤں تھے آپ کے مبارک قدم کے نشانات وہیں پڑ گئے۔

امام بخاری نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے معجزہ کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ غسل فرما رہے تھے تو ایک پتھر آپ کے کپڑے لے کر چل پڑا تو آپ نے اسے چھ یا سات ضربیں لگائیں۔ جن کے نشانات اس پر پڑ گئے۔ جس طرح کا بھی معجزہ دیگر انبیائے کرام کے لیے رونما ہوا وہ ہمارے محبوب کریم ﷺ کے لیے ضرور ظہور پذیر ہوا۔ اس کی تائید اس معجزہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مسجد میں بھی آپ ﷺ کی خچر مبارک کے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ آج تک وہ مسجد "مسجد البغلۃ" کے نام سے معروف ہے۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ آپ ﷺ کے قدمین شریفین اور مبارک انگلیوں کے نشانات آج تک صخرہ بیت المقدس پر موجود ہیں۔ امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں تحریر کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ جس چٹان کو بھی قدوم میمنت لزوم سے نوازا اس میں آپ کے قدموں کے نشانات لگ گئے۔ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے یہ معجزہ بعثت سے قبل رونما ہوا تھا۔ مختصر یہ کہ یہ معجزہ ثابت ہے۔ آئمہ کرام کے نزدیک محقق ہے۔ بعض لوگوں کے انکار کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں ہے۔ ان سوالات کے متعلق جن کے جوابات میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ باطل ہیں۔ ایک دفعہ ابوجہل نے کہا "محمد عربی (ﷺ) اگر آپ چٹان سے مور نکال کر دکھائیں جو میرے گھر میں ہے تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا"۔ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ وہ چٹان اس طرح کراہنے لگی جس طرح حاملہ کراہتی ہے۔ پھر اس کے سینے سے مور نکل آیا جس کا سینہ سونے کا، سر زبرجد کا، پیر یاقوت کے اور ٹانگیں موتیوں کی بنی ہوئیں تھیں۔ ابوجہل نے یہ معجزہ دیکھا تو اس نے اعراض کیا ایمان نہ لایا۔

بعض محققین نے لکھا ہے "ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات اتنے عظیم ہیں کہ انہیں اس جیسے قصے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس کے متعلق نہ ہی صحیح حدیث وارد ہے نہ ہی ضعیف۔ یہ قصہ باطل ہے جس طرح کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے

اس کی وضاحت کی ہے۔

کنکریوں کا دست اقدس میں تسبیح خواں ہونا

اس معجزہ کے متعلق روایات بھی کثیر ہیں۔ بہت سے اہل سنن مثلاً امام بیہقی، امام بزار، امام طبرانی اور امام ابن عساکر نے انہیں حضرت ابوذر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلوت میں ملاقات کا متمنی رہتا تھا، ایک دن میں نے آپ کو تنہا بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے یہ قیمتی لمحات غنیمت جانے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ اکیلے ہی تشریف فرما تھے۔ آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ مجھے گمان ہوا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ میں نے آپ کو سلام عرض کیا آپ نے مجھے سلام کا جواب ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا ''تمہیں یہاں کیا چیز لے کر آئی'' میں نے عرض کی ''اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت! آپ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ نہ تو میں نے آپ سے کوئی التجا کی نہ ہی آپ سے کسی چیز کا تذکرہ کیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہو گئے۔ انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے انہیں سلام کا جواب مرحمت فرمایا پھر فرمایا ''تمہیں کون سی چیز یہاں لے کر آئی'' انہوں نے عرض کی ''اللہ رب العزت اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت'' آپ نے انہیں اپنے دست اقدس سے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح فرمایا جس طرح ہمیں فرما چکے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات یا نو سنگریزے اٹھائے۔ انہوں نے آپ کے دست حق نما میں تسبیح خوانی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس میں ان کی یوں آواز آ رہی تھی جس طرح مکھیاں آواز نکالتی ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں زمین پر رکھ دیا۔ پھر انہیں اٹھایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پکڑا دیا۔ ان کنکریوں نے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بھی تسبیح خوانی کی۔ پھر آپ نے ان سے وہ لیں اور زمین پر رکھ دی۔ وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر انہیں اٹھایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو عطا کر دیں۔ سنگریزے اسی طرح تسبیح خوانی کرنے لگے جس طرح انہوں نے پہلے کی تھی۔ پھر آپ نے ان سے یہ سنگریزے لیے اور انہیں زمین پر رکھ دیا وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر انہیں اٹھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے اسی طرح تسبیح بیان کی جس طرح سے حضرات قدسیہ کے ہاتھوں میں کر چکے تھے۔ پھر آپ نے وہ سنگریزے ہمیں عنایت کر دیے۔ مگر انہوں نے ہمارے ہاتھوں میں تسبیح بیان نہ کی''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پھر آپ نے وہ سنگریزے ہمیں فرداً فرداً عطا فرمائے۔ لیکن انہوں نے ہم میں سے کسی ایک کے ہاتھوں میں بھی تسبیح خوانی نہیں کی''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشکل پیدا کر رہا ہے ''پھر آپ نے وہ سنگریزے ہمارے ہاتھوں پر رکھ دیئے'' کیونکہ سابقہ روایت میں ہے کہ اس جگہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم ہی تھے''۔ اس اشکال جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید معجزہ کئی بار رونما ہوا ہو یا حضرت ابوذر کی روایت معجزہ کی ابتدا کے متعلق ہو۔ پھر اور صحابہ

کرام آ گئے ہوں جن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ہوں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہی جدا ہوتے تھے۔ اس روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں۔ کیونکہ وہ اس موقع پر موجود نہیں تھے اس عدم موجودگی کی وجہ سے آپ کے بلند مقام اور رفیع منصب کو عیب نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ آپ کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔ اگر آپ اس محفل میں موجود ہوتے تو یہ کنکریاں ان کے ہاتھوں میں یقیناً تسبیح خوانی کرتیں۔

کھانے کا تسبیح خواں ہونا

امام بخاری اور امام ترمذی علیہما الرحمۃ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ہوتے تھے۔ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے"۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الشفاء" میں حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ علیل ہو گئے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ایک طبق لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ اس میں انار اور انگور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تناول فرمایا تو وہ رب تعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو شیخ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ثرید پیش کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ کھانا تسبیح بیان کر رہا ہے"۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے "کیا آپ اس کی تسبیح کو سمجھ رہے ہیں؟"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں"۔ پھر آپ نے ایک صحابی سے فرمایا "یہ پیالہ اس شخص کے قریب کرو" انہوں نے اس شخص کے قریب کیا اس نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کھانا تسبیح خوانی کر رہا ہے" پھر آپ نے اسے وہ پیالہ واپس لے آنے کا حکم دیا۔ وہ اسے واپس لے آئے۔ ظاہر یہی ہے کہ وہ کھانا اسی برتن میں ہی تسبیح خوانی کر رہا تھا۔

امام بخاری کی روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ کھانا اس وقت تسبیح کر رہا تھا جب آپ نے اسے اپنے منہ مبارک میں رکھا تھا۔ یہ دونوں احتمالات درست ہیں، کوئی مانع نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ کئی بار رونما ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہمراہ پہاڑوں کی تسبیح خوانی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھنے سے زیادہ عظیم معجزہ ہے۔ اس طرح کنکریوں کا آپ کے دست اقدس میں تسبیح خواں ہونا بھی عظیم معجزہ ہے۔ کیونکہ پہاڑ حضرت داؤد علیہ السلام کے دست اقدس میں تسبیح خوانی نہیں کرتے تھے جب کہ سنگریزوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست ہدایت بخش میں تسبیح خوانی کی۔ بلکہ ان صحابہ کرام کے ہاتھوں میں بھی انہوں نے تسبیح خوانی کی جس کا آپ نے ارادہ فرمایا۔ کھانے کا تسبیح خواں ہونے کا معجزہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے رونما ہی نہیں ہوا۔ جب کہ پہاڑوں کے لیے خشوع و خضوع کا وصف بھی بیان کیا گیا ہے۔ یہ معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھ لینے سے بھی عظیم تر ہے کیونکہ پرندے بولتے ہیں لیکن کھانا بولتا نہیں"۔

امام بیہقی نے حضرت ابو درداء اور حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو خط لکھتا تو کہتا "پیالے کی نشانی" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو حضرات ایک ہی پیالہ سے کھانا کھاتے تھے۔ وہ پیالہ اور اس میں

جو دکھانا تسبیح خوانی کرتے تھے۔

ستون حنانہ کا فراق رسول اللہ ﷺ میں گریہ بار ہونا

''حنین الجذع'' سے مراد اس تنے کا حضور سید المرسلین ﷺ سے محبت اور آپ کی طرف اس کا میلان ہے۔ اس سے کسی آواز بھی پیدا ہو رہی تھی جو اس کے شوق فراواں پر دلالت کر رہی تھی۔ اس روایت کو بہت سے صحابہ کرام نے روایت کیا ہے جس سے اس کا واقعہ ہونا قطعی ثابت ہو جاتا ہے حتیٰ کہ یہ معجزہ متواتر ہو گیا ہے۔

علامہ قاضی عیاض اور امام تاج سبکی اور امام حافظ ابن حجر علیہم الرحمۃ نے لکھا ہے ''ستون حنانہ کا گریہ بار ہونا اور چاند کا شق ہونا متواتر روایات ہیں۔ انہیں اتنے کثیر راویوں نے روایت کیا ہے جس سے قطعی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ ان معجزات میں سے ہیں جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''جو کچھ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کو عطا کیا وہ کسی اور کو عطا نہیں کیا۔ ان سے عرض کی گئی ''رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احیائے موتی کا معجزہ عطا فرمایا۔ انہوں نے فرمایا'' اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کو ستون حنانہ کے رونے کا معجزہ عطا فرمایا۔ حتیٰ کہ اس کے رونے کی آواز آتی تھی یہ اس معجزہ سے عظیم تر ہے''۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں لکھا ہے کہ ستون حنانہ کے بارے روایت مشہور اور منتشر ہے۔ یہ خبر متواتر ہے۔ اس روایت میں صحیح اسناد بہت زیادہ ہیں۔ ایک جماعت نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے۔ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہے۔ اس روایت کو اہل الصحیح نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کتب میں صرف صحیح احادیث کا ہی التزام کیا ہے جیسے کہ امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، ابن خزیمہ، ابن حبان، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی، امام حاکم اور امام دارمی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اسے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جن میں حضرت ابی بن کعب، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت سہل بن سعد، حضرت ابو سعید خدری، حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی، حضرت ام سلمہ اور حضرت مطلب بن ابی راعۃ السہمی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی تو اس وقت کھجور کے تنے ستونوں کا کام دیتے تھے۔ ستون حنانہ کو یہ شرف ابدی حاصل تھا کہ حضور ﷺ اس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایک صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''کیا آپ ﷺ کے لیے منبر نہ بنا دیا جائے جس پر کھڑے ہو کر آپ جمعۃ المبارک کے روز خطبہ ارشاد فرمایا کریں''۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ انہوں نے آپ کے لیے تین سیڑھیوں والا منبر بنا دیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت تک یہ منبر اسی طرح رہا۔ پھر مروان نے اس کی چھ سیڑھیاں بنا دیں۔ اس نے کہا ''میں نے یہ اس لیے کیا ہے کیونکہ لوگوں کا ہجوم زیادہ ہو گیا ہے۔ پھر یہ اسی طرح رہا حتیٰ کہ 654ھ میں مسجد نبوی کو آگ لگی تو یہ بھی اس آگ میں جل گیا۔ جب منبر رسول ﷺ تیار ہو گیا اور اسے مسجد نبوی میں رکھ دیا گیا حضور ﷺ اس پر خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے آگے تشریف لے گئے۔ جب اس ستون

کے پاس سے گزرے جس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے تو اس تنے نے اس طرح رونا شروع کر دیا جس طرح اونٹنی بلبلاتی ہے۔ ستون کی آواز سن کر حضور ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ اس پر اپنا دست اقدس پھیرا پھر منبر پر جلوہ افروز ہو گئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے لیے منبر تیار کروایا۔ جب جمعۃ المبارک کے روز حضور اکرم ﷺ منبر کی طرف تشریف لے گئے تو وہ ستون چیخ پڑا۔ حضور ﷺ نے اسے اپنے سینہ اقدس کے ساتھ چمٹا لیا۔ وہ اس طرح سسکیاں لینے لگا جس طرح بچہ سسکیاں لیتے لیتے پر سکون ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ اس لیے روتا ہے کیونکہ یہ اپنے پاس ذکر خیر سنا کرتا تھا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر قائم تھی۔ حضور اکرم ﷺ ان میں سے ایک تنے کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب آپ ﷺ کے لیے منبر تیار کر دیا گیا تو ہم نے اس تنے کی اس طرح آواز سنی جس طرح اونٹنی بلبلاتی ہے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے۔ اس پر اپنا دست اقدس رکھا تو وہ پر سکون ہو گیا۔

امام نسائی نے سنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وہ ستون اس طرح مضطرب ہو گیا جس طرح وہ اونٹنی مضطرب ہوتی ہے جس کا بچہ اس سے چھین لیا جائے''۔ ابن خزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ وہ ستون غمزدہ بچے کی طرح رونے لگا۔

امام احمد، امام دارمی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ جب حضور ﷺ اس تنے کو چھوڑ کر آگے جانے لگے تو وہ تنا اتنا رویا کہ قریب تھا کہ وہ پھٹ جاتا''۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے وہ تنا اس وقت لے لیا جب مسجد نبوی کو گرایا گیا وہ انہی کے پاس رہا حتی کہ وہ بوسیدہ ہو گیا'' یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں کہ حضور ﷺ نے اس تنے کو منبر پاک کے نیچے دفن کرنے کا حکم دیا کیونکہ احتمال ہے کہ دفن کرنے کے بعد مسجد گراتے وقت یہ ظاہر ہو گیا ہو۔ اسے حضرت ابی رضی اللہ عنہ اپنے گھر لے گئے ہوں۔

حضرت ابو یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی مروی روایت میں ہے کہ تنے نے اس طرح آواز نکالی جس طرح بیل آواز نکالتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے فراق میں اس نے جو آواز نکالی مسجد نبوی اس سے گونج اٹھی''۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اسے دیکھ کر رونے لگے۔ حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے، اس پر اپنا ہاتھ پھیرا تو وہ تنا پر سکون ہو گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے! اگر میں اسے اپنے ساتھ نہ چمٹاتا تو یہ تا حشر اسی طرح روتا رہتا''۔

امام دارمی نے حضرت بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب وہ تنا رونے لگا تو حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر تو پسند کرے تو میں تجھے اسی باغ میں لوٹا دیتا ہوں جس میں تو پیدا ہوا تھا۔ پہلے کی طرح تیری جڑیں اگ آئیں گی۔

تیرے پتے اور پھل پہلے کی طرح ہی ہوگا۔ اگر تو پسند کرے تو میں تجھے جنت میں لگا دیتا ہوں۔ تیرا پھل اولیاء اللہ کھائیں گے"۔ پھر حضور ﷺ بڑے غور سے اس کی بات سننے لگے۔ اس تنے نے عرض کیا "آپ ﷺ مجھے جنت میں لگا دیں۔ اولیاء اللہ مجھ سے کھائیں گے میں وہاں کبھی بوسیدہ نہیں ہوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں نے اس طرح کر دیا ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "اس تنے نے دار البقاء کو دار الفناء پر ترجیح دی ہے"۔

حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں لکھا ہے "حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب یہ روایت بیان کرتے تو رونے لگتے پھر فرماتے "اے اللہ کے بندو! وہ لکڑی حضور اکرم ﷺ کے عشق میں گریہ بار تھی۔ تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ حضور ﷺ سے ملاقات کا شوق رکھو"۔ المواہب میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اس تنے میں حیات اور علم پیدا کر دیا حتیٰ کہ اس میں آواز پیدا ہوگئی اور وہ مشتاق ہوگیا۔ حضور ﷺ نے اس کے ساتھ زندہ شخص جیسا معاملہ کیا۔ آپ نے اسے اس طرح اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لیا جس طرح ایک سفر سے واپس آنے والا شخص اپنے اہل و عیال کو اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔

شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔

و حن الیه الجذع شوقا ورقة　　و رجع صوتا کالعشار مرددا

فبادر ضما فقر لوقته　　لکل امرئ من دهره ما تعودا

عشق اور محبت کی وجہ سے تنا بھی آپ کے لیے گریہ بار ہوا۔ اور وہ بار بار اونٹنی کی طرح درد انگیز آواز نکالتا رہا۔ آپ نے جلدی سے اسے اپنے سینۂ اقدس کے ساتھ لگا لیا۔ اسی وقت اسے سکون نصیب ہوگیا۔ ہر چیز کے لیے زمانہ میں وہی ہوتا ہے جس کی وہ عادی بن جاتی ہے۔

اس تنے نے حضور اکرم ﷺ کے فراق کا درد محسوس کیا اور غمزدہ ہوگیا۔ جب حضور سرور عالم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے تو وہ مسرور اور مطمئن ہوگیا۔ یہ ایک کھجور کے تنے کی کیفیت ہے کہ جب وہ حضور ﷺ کی محبت سے سرشار ہوگیا تو اس پر آپ کی جدائی گراں گزری۔ اس نے اس طرح دکھ محسوس کیا جس طرح کوئی اپنے محبوب سے جدا ہو کر دکھ محسوس کرتا ہے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اسے اپنے سینۂ اقدس کے ساتھ ملا لیا تو وہ پرسکون اور مطمئن ہوگیا۔ یہ اس مقیم کی طرح ہے جس کے پاس مسافر طویل سفر کے بعد آ جائیں خصوصاً اس وقت جب کہ مقیم کو مسافروں کے آنے کی امید نہ ہو۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

والقی حتی فی الجمادات حبه　　فکانت لاهداء السلام له تهدی

جمادات میں بھی آپ کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اسلام کی ہدایت ڈالی تو انہیں ہدایت نصیب ہوگئی۔

و فارق جذعا کان یخطب عنده　　فان انین الام اذ تجد الفقدا

جب آپ اس تنے سے جدا ہوئے جس کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو وہ اس ماں کی طرح رونے لگا جسے اپنا گم شدہ بچہ مل جائے۔

یحن الیه الجذع یاقوم هکذا اما نحن اولی ان نحن له وجدا

اے میری قوم! آپ کے لیے وہ تنا اس طرح رویا۔ ہم اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ سے محبت کرتے ہوئے روئیں۔

اذا کان جذع لم یطق فقد ساعة فلیس وفاء ان نطیق له بعدا

جب تنے نے ایک لحہ کی مفارقت بھی برداشت نہ کی تو ہم آپ سے دوری برداشت کرلیں تو یہ وفا نہیں ہے۔

اونٹ کا سجدہ ریز ہونا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ یہ بھی ہے کہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سجدہ ریز ہوا۔ اس نے شکایت کی کہ اس کا مالک اس سے زیادہ کام لیتا ہے اور اسے چارہ تھوڑا ڈالتا ہے۔

امام احمد اور امام نسائی نے جید سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''انصار کے ایک گھرانہ کا ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ پانی لایا کرتا تھا۔ اس اونٹ نے سرکشی شروع کر دی۔ وہ کسی کو اپنے اوپر سوار نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا ایک اونٹ ہے جس پر ہم پانی لاتے تھے۔ لیکن اب وہ سرکش ہو گیا ہے۔ وہ ہمیں سوار بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہمارے نخلستان اور کھیت خشک ہو گئے ہیں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''اٹھو'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے۔ انصار نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ باؤلے کتے کی طرح ہو گیا ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ آپ کو اذیت نہ دے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں''۔ جب اس اونٹ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی تو آپ کی سمت بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ وہ آپ کے سامنے سجدہ ریزہ ہو گیا اپنا منہ زمین پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ لیا۔ وہ تابع فرمان ہو گیا۔ اسے اس کے کام پر مامور کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کی ''یہ انجان مخلوق آپ کو سجدہ کر رہی ہے۔ ہم تو اہل عقل ہیں۔ ہم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کسی بشر کے لیے روا اور جائز نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے۔ اگر کسی انسان کے لیے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ اس پر اس کے خاوند کا حق بہت زیادہ ہوتا ہے''۔

امام احمد، امام حاکم اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت یعلیٰ بن مرۃ الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رواں دواں تھے۔ حتیٰ کہ ہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ جس پر پانی لایا جاتا تھا۔ جب وہ اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوا تو بلند آواز سے بلبلایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ رک گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟'' وہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اونٹ مجھے فروخت کر دو''۔ اس نے عرض کی ''میں اسے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ یہ اس گھرانے کے افراد کے لیے جن کی معیشت کا انحصار صرف اس پر ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر یہ بات ہے تو یہ اونٹ زیادہ کام اور کم چارے کی شکایت کر رہا ہے۔ تم اس پر احسان کیا کرو'' یعنی اس سے کم کام لیا کرو اور اسے زیادہ چارہ

ڈالا کرو۔

دارمی، بزار اور امام بیہقی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جید سند سے روایت کیا ہے کہ ایک اونٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا میں حاضر ہوا۔ جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو فوراً سجدہ ریز ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''اے لوگو! اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری جوان نے عرض کیا ''یہ ہمارا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ کیا کرتا رہا''۔ اس نے عرض کی ''ہم بیس سال اس پر پانی لاد کر لاتے رہے ہیں۔ جب یہ بوڑھا ہو گیا تو ہم نے اسے قربان کرنے کا ارادہ کر لیا ہے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کیا اسے فروخت کرو گے؟'' اس نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آپ ہی کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس کے ساتھ احسان کرو۔ حتیٰ کہ اسے موت آجائے''۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم ان چوپاؤں سے زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کسی بشر کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بشر کو سجدہ کرے۔ اگر بشر کے لیے سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اونٹ کے مالک سے فرمایا ''تمہارا یہ اونٹ شکوہ کناں ہے۔ اس کا شکوہ ہے کہ جب یہ بوڑھا ہو گیا ہے تو تم اسے ذبح کرنے کا ارادہ کر رہے ہو''۔ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے سچ فرمایا ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ اب میں اسے ہرگز ذبح نہیں کروں گا''۔

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کے دو اونٹ تھے۔ وہ دونوں مست ہو گئے۔ اس نے انہیں حویلی میں داخل کر دیا۔ حویلی کا دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے دعا فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس شخص نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک ضروری کام کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میرے دو اونٹ ہیں۔ دونوں مست ہو گئے ہیں۔ میں نے انہیں حویلی میں داخل کیا ہے۔ پھر دروازہ بند کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ان دونوں کو میرا فرمانبردار بنا دے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا ''ہمارے ہمراہ اٹھو'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دروازہ کے پاس تشریف لائے حکم فرمایا ''اسے کھولو''۔ وہ شخص جھجکا کہ کہیں اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان نہ پہنچائیں۔ آپ نے اسے دوبارہ فرمایا ''دروازہ کھولو'' اس نے دروازہ کھول دیا۔ ایک اونٹ دروازہ کے پاس ہی تھا۔ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوا تو اس نے آپ کو سجدہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس ایسی کوئی چیز لے آؤ۔ جس کے ساتھ میں اس کا سر باندھ دوں اور اسے تیرے حوالے کر دوں''۔ وہ ایک رسی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ اس اونٹ کا سر باندھا اور اسے مالک کے سپرد کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حویلی کے دوسرے کونے کی طرف تشریف لے گئے۔ جب دوسرے اونٹ نے آپ کو دیکھا تو وہ بھی فوراً سجدہ ریز ہو گیا آپ نے اس کے مالک سے فرمایا ''میرے لیے کوئی چیز لے کر آؤ تا کہ میں اس کو باندھ کر تیرے حوالے کر دوں''۔ وہ شخص ایک رسی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ اس اونٹ کو باندھا اور اسے مالک کے حوالے کر دیا۔ اسے فرمایا ''اب انہیں لے

جاؤ یہ کبھی بھی تمہاری نافرمانی نہیں کریں گے"۔

امام احمد اور ابو داؤد بن شاہین نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا۔ مجھے راز کی بات بتائی کہ میں اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کروں۔ جب قضائے حاجت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پردے کی ضرورت ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرماتے کہ کوئی مٹی کا ٹیلہ ہو یا کھجوروں کا جھنڈ ہو جس کی اوٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کر سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضائے حاجت کے لیے ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے۔ جب اس اونٹ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو اس نے آواز نکالی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اس کی گردن پر اپنا دست شفقت پھیرا۔ وہ اونٹ پر سکون ہو گیا۔ پھر فرمایا "اس اونٹ کا مالک کون ہے؟"۔ ایک انصاری جوان حاضر خدمت ہوا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس اونٹ کا مالک ہوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم اس جانور کے متعلق رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔ یہ شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت زیادہ کام لیتے ہو"۔

دوسری روایت کے مطابق جو شخص بھی اس باغ میں جاتا، اونٹ اس پر حملہ آور ہو جاتا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں جلوہ نما ہوئے اور اس اونٹ کو اپنی طرف بلایا تو اس نے اپنا منہ زمین پر رکھ دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "آسمان اور زمین کے مابین ہر چیز جانتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ سوائے نافرمان جنات اور انسانوں کے"۔

بکریوں کی سجدہ ریزی

امام احمد، امام بزار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انصاری شخص کے باغ میں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ایک اور انصاری صحابی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ اس باغ میں بکریاں تھیں جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور نبوت کو دیکھا تو از روئے تعظیم سجدہ ریزہ ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان کرا دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم بکریوں سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کسی انسان کے لیے جائز نہیں وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے"۔

امام بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دولت ایمان سمیٹ لی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے قلعوں میں سے کسی ایک کے پاس تشریف فرما تھے۔ وہ شخص اہل خیبر کی بکریاں چراتا تھا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان بکریوں کا کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہیں کنکریاں مار کر ہانک دو۔ عنقریب رب تعالیٰ تمہاری طرف سے تمہاری امانت ادا فرما دے گا۔ انہیں ان کے مالک کے پاس پہنچا دے گا"۔ اس شخص نے اس طرح کیا۔ حتیٰ کہ یہ بکریاں اپنے اپنے مالک کے پاس چلی گئی۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اس سے

عیاں ہوتا ہے کہ حیوانات کس طرح آپ کی اطاعت کرتے تھے۔

بھیڑیئے کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرنا

امام احمد نے جید سند کے ساتھ، امام ترمذی اور امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک بھیڑیئے نے بکری پر حملہ کر دیا اور اسے پکڑ لیا۔ چرواہے نے بھیڑیئے کا تعاقب کیا اور بکری اس سے چھین لی۔ وہ بھیڑیا دم کے بل بیٹھ گیا۔ اس نے کہا "کیا تو رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا تو مجھ سے وہ رزق چھین رہا ہے جسے رب تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے"۔ اس چرواہے نے کہا "تعجب ہے کہ ایک بھیڑیا دم کے بل بیٹھ کر انسانوں جیسی گفتگو کر رہا ہے"۔ اس بھیڑیئے نے کہا "کیا میں تجھے اس سے بھی تعجب خیز بات نہ بتاؤں۔ مدینہ منورہ میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہو گئے ہیں۔ وہ لوگوں کو گزشتہ اقوام کی خبریں بتا رہے ہیں"۔ دوسری روایت کے مطابق اس بھیڑیئے نے کہا "دو سنگلاخ چٹانوں کے مابین نخلستان میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ نما ہیں۔ وہ لوگوں کو گزشتہ اور آئندہ زمانے کی خبریں بتا رہے ہیں"۔ ایک اور روایت کے مطابق اس نے کہا "وہ لوگوں کو شاہراہ ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں، حق کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ جب کہ لوگ انہیں جھٹلا رہے ہیں"۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "وہ چرواہا اپنی بکریاں ہانکتے ہوئے آیا حتیٰ کہ مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ پھر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ آپ کو اس حیرت انگیز واقعہ کے بارے بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مسجد نبوی میں جمع ہو جانے کا حکم دیا۔ پھر اس اعرابی سے فرمایا "جس واقعہ کا تم نے مشاہدہ کیا اس کے متعلق انہیں بتاؤ تاکہ یہ خوش ہو جائیں اور ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے"۔ اس چرواہے نے سارا حیرت افروز واقعہ دوبارہ سنا دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ شخص یہودی تھا۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور دولت اسلام سے مالا مال ہو گیا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کی خبر دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "یہ قیامت کی علامات میں سے ہے۔ یہ بھی قیامت کی علامت ہے کہ ایک شخص گھر سے باہر نکلے گا۔ جب واپس آئے گا تو اس کے جوتے اور اس کی لاٹھی اسے بتائے گی کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے اہل خانہ نے کیا کیا"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس بھیڑیئے نے اس چرواہے سے کہا "تیری حالت مجھ سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ تو کھڑا اپنی بھیڑیں چرا رہا ہے۔ تو نے اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ رکھا ہے جس سے بلند تر شان و قدر والا نبی رب تعالیٰ نے کبھی مبعوث نہیں فرمایا۔ ان کے لے جنت کے دروازوں کو کھول دیا گیا ہے۔ اہل جنت ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھ رہے ہیں۔ ان کے جنگی کارناموں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور تیرے مابین صرف یہ گھاٹی ہے۔ تو بھی اللہ تعالیٰ کے لشکر میں داخل ہو جائے گا"۔ اس چرواہے نے کہا "میری بھیڑوں کی حفاظت کون کرے گا؟ بھیڑیئے نے کہا "تمہارے آنے تک میں ان کی حفاظت کروں گا"۔ اس شخص نے بھیڑیئے کو بھیڑوں کا محافظ بنایا اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گیا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اس وقت کی جب آپ دشمن کے ساتھ معرکہ آزما تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اسے فرمایا "اپنی بھیڑوں کے پاس چلے جاؤ۔ تم پاؤ گے کہ ان میں ذرہ بھی کمی واقع نہیں ہوئی"۔ وہ واپس آیا تو اس نے بھیڑوں کو اسی طرح صحیح سالم پایا۔ اس نے ان میں سے ایک بھیڑ اس بھیڑیے کے لیے ذبح کر دی۔

امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن منصور نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک بھیڑیا آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ اپنی دم ہلانے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ تمہارے بھیڑیوں کا قاصد ہے۔ یہ تم سے کہہ رہا ہے کہ اپنے اموال میں سے اس کا حصہ مقرر کر دو۔ صحابہ کرام نے عرض کی "اللہ ہم اس طرح نہیں کریں گے"۔ ایک شخص نے پتھر اٹھایا اور بھیڑیے کو دے مارا۔ وہ بھیڑیا آواز نکالتا ہوا بھاگ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ بھیڑیا کتنا بڑا بھیڑیا تھا"۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں لکھا ہے۔ ابن وہب نے بھی روایت کیا ہے کہ ایک بھیڑیے نے ابو سفیان بن حرب اور صفوان ابن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے پہلے گفتگو کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک بھیڑیے نے ہرن کا تعاقب کیا۔ ہرن حرم میں داخل ہو گیا۔ بھیڑیا واپس چلا گیا۔ ان دونوں نے بھیڑیے کی اس حرکت پر تعجب کیا۔ جب بھیڑیے نے ان کا یہ تعجب دیکھا۔ تو اس نے کہا: اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہیں۔ وہ تمہیں جنت کی طرف بلا رہے ہیں۔ جب کہ تم انہیں آتش جہنم کی طرف بلا رہے ہو"۔ ابو سفیان نے صفوان سے کہا "لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں یہ واقعہ اہل مکہ کو بتا دوں تو ان میں انقلاب برپا ہو جائے۔ وہ سارے اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جائیں"۔

گدھے کا آپ سے گفتگو کرنا

ابن عساکر نے حضرت ابن منظور رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب اللہ رب العزت نے خیبر فتح فرمایا تو مال غنیمت میں ایک سیاہ گدھا بھی ملا۔ اس گدھے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے کا شرف حاصل کیا اور آپ نے اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا "تیرا نام کیا ہے؟" اس نے عرض کی "یزید بن شہاب! اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کیے۔ ان میں سے ہر ایک پر کسی نہ کسی نبی نے سواری کی۔ مجھے امید تھی کہ اب آپ کی سواری بننے کا شرف مجھے حاصل ہو گا۔ کیونکہ اپنے دادا کی نسل میں سے صرف میں رہ گیا ہوں۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے صرف آپ باقی رہ گئے ہیں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل ایک یہودی کی ملکیت میں تھا۔ میں جان بوجھ کر پھسل جاتا تھا۔ وہ مجھے بھوکا رکھتا تھا۔ میری پشت پر مارا کرتا تھا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تو یعفور ہے" ہرنی کے بچے کو یعفور کہا جاتا ہے۔ آپ نے اس کی سرعت رفتاری کی وجہ سے اسے یہ نام دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے صحابہ کرام کو بلانے کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ یہ کسی شخص کے دروازے پر آتا۔ اپنے سر سے دروازے کو کھٹکھٹاتا۔ جب گھر کا مالک باہر نکلتا تو سر سے اشارہ کرتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو یہ اتنا غمزدہ ہوا کہ ابو الہیثم کے کنواں پر آیا اور وہاں گر کر زندگی کا خاتمہ کر لیا۔

امام واقدی نے لکھا ہے "یعفور اس وقت مر گیا تھا جب حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔ اس صورت میں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے قبل مر گیا تھا۔ گدھے کے بارے میں یہ روایت ابو نعیم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ ابن حبان وغیرہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس روایت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے "یہ روایت موضوع ہے" بعض علماء نے لکھا ہے "یہ روایت ضعیف ہے۔ البتہ اس کی اسناد کئی ہیں"۔ علامہ زرقانی نے لکھا ہے "اس میں شرعی طور پر کوئی بات قابل انکار نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ موضوع نہیں"۔

گوہ کی گفتگو

یہ خشکی پر رہنے والا جانور ہے۔ ابن خالویہ نے لکھا ہے یہ پانی نہیں پیتا۔ اس کی عمر سات سو سال سے زائد ہوتی ہے۔ ہر چالیس دن کے بعد ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے۔ اس کے دانت نہیں ہوتے۔ اس کے دانت اکٹھے ہوتے ہیں وہ جدا جدا نہیں ہوتے۔

امام بیہقی، امام طبرانی، امام حاکم، امام ابن عربی اور امام دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ موجود تھے۔ بنو سلیم کا ایک اعرابی حاضر خدمت ہوا۔ اس نے گوہ شکار کر رکھی تھی۔ اسے اپنی آستین میں چھپا رکھا تھا۔ تاکہ اسے اپنے گھر لے جائے اور بھون کر خوب کھائے۔ جب اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو پوچھا "یہ کون ہے؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا "اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں"۔ امام دارقطنی کی روایت میں ہے کہ اس اعرابی نے پوچھا "ان لوگوں کے پاس کون شخص ہے؟" اسے بتایا گیا کہ وہ نبی پاک ہیں جو گمان کرتے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ وہ اعرابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا "محمد عربی (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آج تک عورتوں نے جتنے بچے جنے۔ ان میں سے آپ سے زیادہ کذب بیانی کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر اہل عرب مجھے جلد باز نہ کہتے تو میں آپ کو قتل کر دیتا اور پھر سارے لوگوں کو مسرور کر دیتا (نعوذ باللہ منہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اذن مرحمت فرمائیں میں اس اعرابی کا کام تمام کر دوں۔ اس حکیم اور حلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عمر! جانتے نہیں ہو کہ حلیم شخص کا مرتبہ کتنا بلند ہے کہ قریب ہے کہ وہ نبی بن جائے"۔ پھر اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف توجہ کی اور اپنی آستین سے گوہ باہر نکال پھینکی۔ اس نے کہا "مجھے لات وعزیٰ کی قسم! میں آپ پر ایمان ہر گز نہیں لاؤں گا حتی کہ یہ گوہ آپ پر ایمان لے آئے"۔ اس نے وہ گوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پھینک دی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے گوہ! اس گوہ نے آپ کو فصیح اور واضح عربی میں گزارش کی۔ جسے سارے لوگ سن سکتے تھے۔ میں حاضر ہوں ساری سعادتیں اور ارجمندیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ہیں۔ اے ان لوگوں کی زیب و زیبائش جو قیامت کے قریب آئے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "تو کس کی عبادت کرتی ہے؟ اس نے عرض کی میں اس ذات بے ہمتا کی عبادت کرتی ہوں۔ جس کا عرش آسمان میں ہے۔ جس کی سلطنت زمین میں ہے۔ جس کا راستہ سمندر میں ہے۔ جس کی رحمت جنت میں ہے۔ جس

کا عذاب آگ میں ہے"۔ پھر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "میں کون ہوں"؟ اس نے عرض کی "آپ رسول رب العالمین اور خاتم النبیین ہیں۔ جس نے آپ کی تصدیق کی وہ فلاح پا گیا جس نے آپ کو جھٹلایا وہ گھاٹے میں رہا"۔ یہ فصیح و بلیغ جواب سن کر اعرابی دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔

امام دارقطنی اور ابن عدی نے یہ اضافہ کیا ہے "اعرابی نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو روئے زمین کا کوئی شخص مجھے آپ سے بڑھ کر مبغوض نہیں تھا۔ بخدا! اس لمحہ آپ مجھے میرے نفس اور اولاد سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔ میرے جسم کا لولو آپ پر ایمان لے آیا ہے۔ میری جلد، میرا اندر اور باہر میرا ظاہر اور میرا باطن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آیا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ساری تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے تجھے اس دین کی طرف ہدایت دی جو غالب آتا ہے۔ اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ اسے نماز کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ نماز کو قرآن حکیم کے بغیر قبول نہیں کرتا"۔ اس نے عرض کی "مجھے قرآن پاک سنائیں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص سنائی۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایسا کلام مبارک سنا ہے جو نہ طویل اور نہ ہی مختصر کلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ رب العالمین کا کلام ہے، شعر نہیں ہے۔ جب تم سورۃ الاخلاص ایک بار پڑھو گے گویا تم نے ایک تہائی قرآن پاک پڑھ لیا۔ اگر تم نے اسے دو مرتبہ پڑھا تو گویا کہ تم نے دو تہائی قرآن مجید پڑھ لیا اگر تم نے اسے تین بار پڑھا تو گویا کہ سارا قرآن پاک پڑھ لیا"۔

یہ فضیلت سن کر اس اعرابی نے عرض کی "ہمارا رب بہترین رب ہے۔ وہ تھوڑی سی چیز قبول کر لیتا ہے۔ وہ کثیر اجر و ثواب سے نوازتا ہے"۔ پھر حضور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اعرابی سے پوچھا "کیا تمہارے پاس مال ہے؟"۔ اس نے عرض کی "بنو سلیم کا کوئی رہائشی مجھ سے بڑھ کر مفلس نہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "اسے عطا کرو اسے عنایت کرو"۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مال و دولت کی بارش کر کے اسے دولت مند کر دیا"۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسے دس ماہ کی گابھن اونٹنی دیتا ہوں۔ وہ اونٹنی مجھے حضور نے غزوۂ تبوک میں عطا فرمائی تھی۔ جو پیچھے سے آ کر آگے نکل جاتی ہے۔ لیکن کوئی اس سے آگے نہیں نکل سکتا۔ میں اسے وہ اونٹنی دے کر رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بختی اونٹ سے کم اور عربی اونٹ سے زیادہ ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے اس اونٹنی کا وصف بیان کر دیا ہے جو تم نے اس اعرابی کو دی ہے۔ اب میں تمہیں اس اونٹنی کا بھی وصف بیان کرنے لگا ہوں۔ جو رب تعالیٰ تمہیں عطا کرے گا"۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے عرض کی "ضرور!۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ رب العزت تمہیں ایسی اونٹنی عطا فرمائے گا جو موتی سے بنی ہوگی۔ جس کے پاؤں زرد زمرد کے ہوں گے اس کی گردن زرد زبرجد کی ہوگی۔ اس پر ہودج ہوگا۔ ہودج پر سندس اور استبرق ہوگا۔ وہ تمہیں پل صراط پر سے بجلی کی تیزی سے لے کر گزر جائے گی"۔

جب وہ اعرابی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روانہ ہوا۔ تو اسے راستہ میں بنو سلیم کے ایک ہزار اعرابی ملے وہ ایک ہزار

سواریوں پر سوار تھے۔ ان کے پاس ایک ہزار نیزے اور ایک ہزار تلواریں تھیں۔ اس اعرابی نے ان سے پوچھا ''کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے بتایا ''ہم اس شخص کا کام تمام کرنے جارہے ہیں جو جھوٹا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ نبی ہے''۔ اعرابی نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے رسول ﷺ ہیں''۔ یہ سن کر ان اعرابیوں نے کہا ''تو بھی صابی ہو گیا ہے''۔ اس کے جواب میں اعرابی نے اپنی ساری داستان عشق و مستی انہیں سنادی۔ وہ سارے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ پھر وہ سارے بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے بڑے شوق سے ان کا استقبال کیا وہ اپنی سواریوں سے نیچے اتر آئے۔ وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ ہمیں کوئی حکم فرمائیں''۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاؤ''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں بنو سلیم کے علاوہ عرب و عجم میں سے کسی قبیلہ کے ایک ہزار افراد نے یکبارگی اسلام قبول نہیں کیا۔ اس روایت کو بعض علماء نے ضعیف لکھا ہے۔ بعض نے اسے موضوع کہا ہے۔ لیکن یہ ضعیف یا موضوع کیسے ہو سکتی ہے۔ جب اسے آئمہ کبار مثلاً امام ابن عدی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ وہ موضوع احادیث روایت نہیں کرتے۔ امام دارقطنی کا اسے روایت کرنا ہی تمہارے لیے کافی ہے۔ نیز یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے کئی طرق بھی ہیں۔

ابو نعیم اور ابن عساکر نے یہی روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اگرچہ بعض اسناد ضعیف ہیں۔ مگر ان میں سے بعض بعض کو تقویت دیتی ہیں۔

ہرنی کا شرف ہمکلامی

امام بیہقی نے اس روایت کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے کئی اسناد سے روایت کیا ہے جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ یہ روایت حسن لغیرہ ہے۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سند کے بغیر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جس سے اسے مزید تقویت ملی ہے۔ ابو نعیم نے اسے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے۔ انہوں نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

''اسی اثناء میں کہ حضور ﷺ صحراء میں تشریف فرما تھے۔ اچانک کسی غیبی صدا نے آواز دی۔ یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! یا رسول اللہ! ﷺ۔ آپ نے توجہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے ایک ہرنی دیکھی جو رسی سے بندھی ہوئی تھی۔ قریب ہی ایک اعرابی چادر اوڑھے دھوپ میں سو رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس ہرنی سے پوچھا ''تجھے کیا ہے؟ اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ اس اعرابی نے مجھے شکار کیا۔ اس پہاڑ میں میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں۔ آپ مجھے آزاد فرمائیں۔ میں انہیں دودھ پلا کر واپس آجاتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تو نے ایسا نہ کیا تو''؟ اس نے عرض کی ''اگر میں یوں نہ کروں تو اللہ

تعالیٰ مجھے لگان وصول کرنے والوں کے عذاب میں مبتلا کرے"۔ حضور ﷺ نے اس کی رسی کھول دی۔ اس نے بچوں کو دودھ پلایا پھر جلدی واپس آگئی۔ حضور ﷺ نے اسے پہلے کی طرح رسی سے باندھ دیا۔ اعرابی نیند سے بیدار ہوا۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ! ﷺ کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہاں" اس ہرنی کو آزاد کردے"۔ اس نے وہ ہرنی آزاد کردی۔ وہ فرحت وشادمانی سے صحراء میں بھاگتی جارہی تھی وہ زمین پر اپنے پاؤں مارتی جارہی تھی۔ اور یہ کہتی جارہی تھی اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بخدا! میں نے اس ہرنی کو دیکھا وہ یوں کہتی ہوئی جنگل کی طرف جارہی تھی۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ امام طبرانی نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ امام منذری نے اسے الترغیب والترہیب میں لکھا ہے۔ امام بخاری نے اس روایت کا انکار کیا۔ پھر فرمایا "یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے جن میں سے بعض بعض کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "مجلس نمبر 61 مختصر الکبیر فی الاصول میں احادیث کی تخریج کے زمرے میں لکھا ہے۔ امام ابن سبکی نے اس روایت کی شرح میں لکھا ہے "سنگریزوں کا تسبیح خواں ہونا اور ہرنی کا محو تکلم ہونا شاید اس دور میں متواتر تھا۔ اگرچہ اب یہ روایات متواتر نہیں"۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "جو بات میں کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ روایت لوگوں میں مشہور ہے"۔

پالتو جانوروں کا عشق مصطفوی ﷺ

امام احمد، امام بزار، قاسم بن ثابت، سرقسطی اندلسی علیہم الرحمہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہمارے ہاں ایک پالتو جانور تھا۔ جب حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف فرما ہوتے تو وہ جانور پر سکون اور آرام سے بیٹھ جاتا، نہ اچھلتا، نہ کودتا۔ جب حضور ﷺ باہر تشریف لے جاتے تو وہ اچھلنا کودنا شروع کردیتا۔ کیونکہ اب گھر میں ایسا کوئی فرد نہ ہوتا جس سے وہ خوفزدہ ہوتا"۔ اس کی اس بے چینی کا ایک اور سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ حضور ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور نہیں ہوتا تھا اس لیے اسے قرار نہیں آتا تھا۔ مذکورہ بالا دونوں اسباب درست ہیں۔ کیونکہ یہ جانور آپ سے از حد عشق بھی کرتے تھے اور آپ کے خوف سے لرزاں اور ترساں بھی رہتے تھے۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں حضرت قاسم ثابت اور حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عید کے روز پانچ چھ یا سات اونٹ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوجاتے۔ ان میں سے ہر ایک کی تمنا ہوتی کہ حضور ﷺ اسے پہلے ذبح کریں۔ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر الہام ہوتا تھا۔

امام طبرانی نے حضرت زید بن ثابت اور امام حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک غزوہ میں ہمیں حضور اکرم ﷺ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ طیبہ کی راہ پر ہم نے ایک اعرابی دیکھا جو اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے تھا۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے اس طرح سلام عرض کیا "السلام علیک یا نبی اللہ! حضور اکرم ﷺ نے اسے سلام کا جواب دیا۔ ایک اور شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "یارسول

اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اعرابی نے یہ اونٹ چوری کیا ہے۔ وہ اونٹ بلبلانے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموشی سے اس کی آواز سماعت فرماتے رہے۔ پھر اس شخص سے فرمایا تو چلا جا۔ یہ اونٹ گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔ ''الشفاء'' کی عبارت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اونٹنی نے اپنے مالک کے لیے گواہی دی کہ اس نے اسے چرایا نہیں۔ بلکہ وہ اس کا مالک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر میں تھے۔ آپ کے پاس گھوڑا تھا۔ آپ نے اسے کھلا چھوڑا اور اسے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت ڈالے۔ یہاں سے حرکت نہیں کرنا حتیٰ کہ ہم نماز سے فارغ ہو جائیں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے قبلہ کی سمت چھوڑ دیا۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مکمل نہ کر لی۔ اس کے ایک عضو نے بھی حرکت نہ کی۔ اس میں بھی آپ کا معجزہ ہے۔ کیونکہ ایک حیوان نے آپ کی بات سمجھی۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں بہت سی ایسی روایات درج کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا۔ راستے میں انہیں شیر ملا۔ انہوں نے اسے کہا ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں۔ میرے پاس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گرامی نامہ بھی ہے'' اللہ رب العزت نے ہی شیر کو الہام فرمایا۔ اس نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی کلام کو سمجھا اور راستے سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یمن سے واپسی پر بھی اس طرح کا واقعہ پیش آیا۔

امام بزار، امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ امام سیوطی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کشتی میں سوار تھے۔ کشتی سمندر کی موجوں پر رواں دواں تھی اچانک وہ ٹوٹ گئی۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک جزیرے کی طرف چلے گئے۔ وہاں اچانک ایک شیر دیکھا وہ فرماتے ہیں ''میں نے اسے کہا'' میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں۔ وہ شیر اپنے کندھے سے مجھے اشارہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس نے مجھے راستہ پر ڈال دیا''۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکری کا کان پکڑا پھر اسے چھوڑ دیا۔ بکری کے اس کان پر نشان پڑ گیا وہ نشان اس کی نسل میں بھی تھا۔

ان دو روایات کے ساتھ اس بحث کو بھی ملایا جا سکتا ہے جسے امام واقدی نے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاہان عالم کی طرف اپنے قاصد روانہ کیے تو ان میں سے چھ ایک روز ہی روانہ ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک اس زبان میں گفتگو کرنے لگا جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے روانہ فرمایا تھا۔ امام واقدی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ وہ ثقہ ہیں۔ شہاب الخفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اس روایت کی صحت کے لیے یہی کافی ہے کہ اسے امام شافعی نے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی اور ابن سید الناس نے اس طرح کی روایت بیان کی ہے۔ اس باب میں بہت سی روایات مذکور ہیں۔ میں نے صرف مشہور کا ہی تذکرہ کیا۔

مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونا

امام قرطبی نے لکھا ہے ''مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونے کا معجزہ کئی بار رونما ہوا۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

موجودگی میں رونما ہوا۔ یہ معجزہ کئی طرق سے مروی ہے جن کا مجموعہ اس علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے جو تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے''۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے''یہ روایت ثقہ راویوں نے کثیر تعداد سے روایت کی ہے یہ صحابہ کرام تک متصل روایات ہیں یہ معجزہ اس جگہ رونما ہوا جہاں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع تھے یا پورا لشکر اکٹھا تھا۔ اس روایت کا ان میں سے کسی ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ آپ کے معجزات میں سے یہ قسم علم قطعی کا فائدہ دیتی ہے۔

مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونے کی روایت شیخین اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پانچ طرق سے روایت کی ہے۔ انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے چار طرق سے یہ روایت نقل کی ہے۔ امام بخاری اور امام ترمذی علیہما الرحمۃ نے اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دو اسناد سے امام احمد اور امام طبرانی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو اسناد سے روایت کیا ہے۔ ابن بطال کا یہ قول کہ اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے مردود ہے۔ یہ روایت نہیں کہ کسی اور نبی سے اس طرح کا عظیم معجزہ رونما ہوا ہو۔ یہ معجزہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پتھر سے پانی جاری ہونے والے معجزہ سے عظیم تر ہے۔ جب انہوں نے پتھر پر اپنا عصا مبارک مارا تو اس سے بارہ چشمے رواں ہو گئے۔ کیونکہ پتھر سے پانی رواں ہوتا رہتا ہے۔ جب کہ پانی اور گوشت کے مابین سے پانی جاری نہیں ہوتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب لکھا ہے۔

ان کان موسیٰ سقی الاسباط من حجر　　فان فی الکف معنی لیس فی الحجر

اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسباط کو چٹان سے سیراب کیا لیکن دست اقدس کی کیفیت وہ ہے جو پتھر کی نہیں۔

المواہب میں ہے۔ مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہونے کا معجزہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جن میں حضرت انس، حضرت جابر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت ابولیلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ شامل ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث پاک صحیحین میں موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ نماز عصر کا وقت قریب تھا۔ آپ زوراء کے مقام پر تشریف فرما ہوئے۔ صحابہ کرام نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا۔ مگر وہ پانی نہ پا سکے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا آپ نے اپنا دست حق نما اس برتن میں رکھا۔ صحابہ کرام کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے پانی نکلتا ہوا دیکھا۔ سارے صحابہ کرام نے اس پانی سے وضو کر لیا۔ وہاں ستر یا اسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے''ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا'' آپ اس وقت وہاں کتنی تعداد میں موجود تھے؟ انہوں نے فرمایا''ہم وہاں تین سو سے زائد افراد موجود تھے۔ کیونکہ یہ معجزہ کئی بار ظہور پذیر ہوا۔ اس لیے صحابہ کرام کی مختلف تعداد مختلف مقامات پر محمول کی جائے گی۔ یعنی ایک دفعہ ان کی تعداد ستر یا اسی تھی۔ دوسری بار تین سو تھی۔ جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ یہ واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں دو بار رونما ہوا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ''حتیٰ کہ آخری شخص نے بھی وضو کر لیا''۔ یہ پانی کی عمومیت میں مبالغہ کے لیے ہے۔ حتیٰ کہ آخری شخص وہ ہو جائے جس نے سب سے پہلے وضو کیا تھا۔ گویا کہ وہ وضو کرنے والا پہلا شخص تھا۔

ابن شاہین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے اونٹ اور سواری کے جانور پیاسے ہو گئے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "کیا کسی کے پاس پانی ہے؟ ایک شخص اپنے مشکیزے میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پیالہ لانے کا حکم دیا۔ پانی اس میں انڈیل دیا گیا۔ آپ نے اپنا دست اقدس پانی میں رکھ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے انگلیوں کے نیچے سے چشموں کو ابلتے دیکھا۔ ہم نے اپنے اونٹ اور سواری کے جانوروں کو سیراب کر لیا اور اپنے مشکیزے بھی بھر لیے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ پانی اب تمہارے لیے کافی ہے؟ ہم نے عرض کی "ہاں۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک پیالے سے اٹھالیا۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قباء کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک چھوٹا سا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اپنا دست اقدس اس میں ڈالا۔ مگر پیالہ تنگ تھا۔ آپ نے اپنی چار مبارک انگلیاں اس میں داخل کیں۔ انگوٹھا مبارک اندر داخل نہ ہوا پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "آؤ پانی پی لو"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میری آنکھوں نے دیکھا کہ پانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکل رہا تھا۔ صحابہ کرام اس پیالہ سے پانی نوش کرتے رہے۔ حتیٰ کہ سارے صحابہ کرام نے پانی پی لیا"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے شیخین نے اس طرح یہ معجزہ روایت کیا ہے۔ حدیبیہ کے روز صحابہ کرام کو پیاس لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن تھا۔ جس سے آپ وضو فرماتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی سے اس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس نہ وضو کے لیے پانی ہے نہ پینے کے لیے۔ یہی پانی ہے جو آپ کے پاس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس برتن میں رکھ دیا۔ پانی مبارک انگلیوں سے چشموں کی طرح نکلنے لگا۔ ہم نے پانی پی لیا اور وضو بھی کیا۔ حضرت انس سے حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے پوچھا "تم تعداد میں کتنے تھے؟ انہوں نے فرمایا "اگر ہم ایک لاکھ افراد بھی موجود ہوتے تو یہ پانی ہمیں کافی ہو جاتا ہم اس وقت تعداد میں پندرہ سو تھے"۔

امام بخاری نے یہی معجزہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہماری تعداد چودہ سو تھی"۔ ان دونوں روایات کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ صحابہ کرام کی تعداد چودہ سے زائد تھی۔ بعض نے چودہ سو سے زائد افراد کو شمار کیا ہے اور بعض نے شمار نہیں کیا۔ امام بخاری نے ہی روایت کیا ہے۔ "ہماری تعداد چودہ سو یا اس سے زائد تھی"۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف روایات کے مابین اس طرح تطبیق دی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اس طرح اس لیے کیا ہے کیونکہ اس کے متعلق ساری روایات صحیح ہیں"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس طرح کا معجزہ غزوۂ بواط میں بھی رونما ہوا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا "لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دو"۔ میں نے تین بار یہ صدا لگائی "وضو کر لو"۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کارواں کے پاس تو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں"۔ ایک انصاری صحابی حضور

اکرم ﷺ کے لیے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ وہ ڈول میں پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا ''فلاں انصاری صحابی کے پاس جاؤ اور دیکھو اس کے ڈول میں کچھ پانی ہے''۔ میں اس صحابی کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ڈول میں تھوڑا سا پانی تھا۔ اگر میں اسے پینے کے لیے انڈیلتا تو پانی خشک ہو جاتا۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ کو بتایا۔ آپ نے فرمایا ''جاؤ وہی پانی لے آؤ''۔ میں نے وہ پانی آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے زبان اقدس سے کچھ پڑھا جس کا مجھے علم نہ ہو سکا۔ ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ برتن مجھے عطا فرما دیا۔ فرمایا ''جابر! کوئی بڑا سا پیالہ لے کر آؤ''۔ ایک بڑا سا پیالہ لایا گیا جسے آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے اپنے دست اقدس سے اشارہ کیا اس طرح۔ آپ نے اپنی مبارک انگلیاں پھیلائیں۔ پھر اس پیالہ کے پیندہ میں رکھ دیں۔ پھر فرمایا ''پانی اوپر سے انڈیلو اور اپنی زبان سے بسم اللہ کہو''۔ میں نے پانی انڈیلا اور بسم اللہ پڑھی۔ میں نے پانی کو حضور اکرم ﷺ کی انگلیوں کے مابین سے نکلتا ہوئے دیکھا۔ حتیٰ کہ وہ پیالہ بھر گیا۔ پھر فرمایا ''جابر! آواز دو۔ جسے پانی کی ضرورت ہو وہ آ کر پانی لے جائے''۔ صحابہ کرام حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے سیراب ہو کر پانی پیا۔ پانی پھر بھی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا ''پانی کی اور ضرورت ہے؟ آپ نے اس پیالے سے ہاتھ اٹھا لیا۔ وہ لبالب بھرا ہوا تھا۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''یہ واقعہ دیگر اس قسم کے واقعات میں سے سب سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اس میں پانی انتہائی قلیل تھا اور پینے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی''۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ایک بہت بڑا پیالہ منگوایا۔ اس میں کچھ پانی ڈالا گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس میں اپنا دست اقدس رکھ دیا۔ فرمایا ''پانی پیو''۔ سارے صحابہ کرام نے پانی پیا۔ میں دیکھ رہا تھا۔ آپ کی مبارک انگلیوں کے مابین سے پانی کے چشمے رواں تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے اپنا ہاتھ برتن میں رکھا۔ پھر فرمایا بسم اللہ، پھر فرمایا وضو کرو''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے مجھے بصارت کی آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ (کیونکہ یہ اپنی عمر کے اواخر میں نابینا ہو گئے تھے) میں نے پانی کے چشموں کو دیکھا جو آپ ﷺ کی انگلیوں سے رواں تھے۔ آپ نے دست اقدس نہ اٹھایا حتیٰ کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کر لیا۔ امام بیہقی نے دلائل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں حضور ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ ہمیں شدید پیاس نے آ لیا۔ ہم جلدی سے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے پتھر یا پیتل کے برتن میں اپنا دست اقدس رکھا۔ پانی آپ کی مبارک انگلیوں سے چشموں کی طرح ابلنے لگا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے لے جاؤ''۔ ہم نے وہ پانی لیا۔ اسے پیا، وہ پانی ہمیں کافی ہو گیا۔ اگر ہماری تعداد ایک لاکھ ہوتی تو وہ پانی پھر بھی ہمیں کافی ہو جاتا۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اس سفر سے مراد حدیبیہ کا سفر ہے۔ ابو نعیم نے اسے غزوہ خیبر کا سفر قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسی قول کو ترجیح دی

ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہمارے پاس پانی نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”دیکھو کسی کے پاس پانی ہو تو لے آؤ“۔ آپ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق صحابہ کرام ایک برتن لے آئے۔ جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اپنا دست اقدس اس پانی میں رکھ دیا۔ پانی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے نکلنے لگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میں جلدی جلدی اس پانی کی طرف گیا۔ حصول برکت کے لیے اسے اپنے پیٹ میں داخل کرنے لگا“۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایسی نشانیوں کو برکت سمجھتے تھے۔ تم انہیں باعث خوف سمجھتے ہو۔ ایک سفر میں ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ پانی کم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”کسی سے تھوڑا سا پانی تلاش کرو“۔ صحابہ کرام نے آپ کی خدمت میں پیالہ یا برتن پیش کیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس اس برتن میں داخل کر دیا اور فرمایا ”مبارک اللہ کی طرف سے برکت اور پاکیزہ پانی کی طرف آؤ“۔ میں نے دیکھا پانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے نکل رہا تھا۔ ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے تناول فرما رہے ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کا ادب کرتے ہوئے تھوڑا سا پانی صحابہ کرام سے طلب فرمایا۔ پھر اس میں اپنا ہاتھ رکھا۔ آپ نے اسے مس کیے بغیر پانی نہ نکالا۔ نہ ہی برتن رکھے بغیر پانی نکالا۔ وہ ذات پاک معدوم چیز کو بنانے اور اصل کے بغیر اسے ایجاد کرنے میں منفرد ہے۔ نیز اس لیے کہ بعض ناقص العقل یہ نہ سمجھیں کہ آپ نے پانی خود ایجاد کیا ہے۔ یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ دنیا میں سبب کے ساتھ کسی چیز کو پیدا فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پانی لانے کا حکم دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی ”بخدا! مجھے پانی نہیں ملا“۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مشکیزہ منگوایا۔ آپ نے اس میں اپنا دست اقدس رکھ دیا۔ آپ کے دست اقدس کے نیچے سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اس روایت کو دارمی اور ابونعیم نے ذکر کیا ہے۔ ابونعیم اور طبرانی نے اسے حضرت ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابونعیم نے اسے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی نقل کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا، مس اور برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہو جانا

اس معجزہ کا تذکرہ غزوۂ تبوک میں ہو چکا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تھے۔ وہ چشمہ تبوک تک پہنچے۔ اس چشمہ سے جوتے کے تسمے کے مانند پانی رس رہا تھا۔ اس معجزہ کے راوی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ”ہم نے اس چشمہ سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی سے اپنا چہرہ انور اور اپنے دست شفا بخش دھوئے۔ پھر پانی اس چشمہ میں پھینک دیا۔ پھر اس سے بہت زیادہ پانی نکلنے لگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ چشمہ پانی سے پھٹ گیا۔ اس سے بجلی کی سی آواز نکلتی تھی۔ صحابہ کرام نے جی بھر کر پانی پیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اے معاذ! اگر تمہیں طویل زندگی نصیب ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہ جگہ باغوں اور آبادی سے بھر جائے گی“۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

امام بخاری نے غزوۂ حدیبیہ میں حضرت مسعود بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مقام حدیبیہ کے ایک گڑھے کے پاس اترے جس میں پانی بہت کم تھا۔ صحابہ کرام نے جلدی جلدی اس کا پانی نکال لیا۔ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں پیاس کی التجاء کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکش سے تیر نکالا۔ آپ نے اسے اس پانی کے گڑھے میں گاڑھنے کا حکم دیا۔ بخدا! وہ گڑھا پانی سے ابلتا رہا حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا، کلی کی، دعا فرمائی۔ پھر وہ پانی حدیبیہ کے کنویں میں پھینک دیا۔ جس سے وہ کنواں پانی سے بھر گیا۔ مغازی ابو الاسود محمد بن عبدالرحمن اسدی مدنی میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ڈول سے وضو فرمایا۔ کلی کی۔ پھر وہ پانی ڈول میں پھینک دیا۔ پھر وہ پانی کنویں میں انڈیلنے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا۔ اسے بھی کنویں میں پھینک دیا۔ پھر رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پانی لگاتار بلند ہونے لگا حتیٰ کہ کنویں کی دیواروں کے کنارے تک آ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کناروں پر بیٹھ کر پانی کے چلو بھرنے لگے۔

امام بخاری کی اس روایت میں اختصار ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپ کے اسلحہ کی برکت عیاں ہے۔ ہر اس چیز کی برکت آشکارا ہو رہی ہے جس کی آپ کی طرف نسبت ہو۔ یہ معجزہ اس معجزہ کے علاوہ ہے جس کا تذکرہ ابھی گزرا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے مغازی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پانی آپ کی مبارک انگلیوں سے نکلنے لگا''۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے وضو کا پانی کنویں میں پھینک دیا' لہٰذا یہ دونوں معجزات جدا جدا ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک میں ہے کہ پانی مبارک انگلیوں سے اس وقت رواں ہوا جب نماز عصر کا وقت تھا اور وضو کے لیے پانی نہ تھا، جب کہ حضرت مسعود اور حضرت براء رضی اللہ عنہما کی حدیث پاک میں ہے کہ آپ کی برکت سے کنویں کا پانی کثیر ہو گیا۔ یہ معجزہ پہلے معجزے سے زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ اس سے صحابہ کرام نے نوش بھی فرمایا تھا اور جانوروں نے بھی پانی پیا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی رواں ہوا جب کہ آپ کا دست اقدس اس برتن میں تھا سارے صحابہ کرام نے وضو بھی کر لیا اور پی بھی لیا تو آپ نے بقیہ پانی کنویں میں پھینکنے کا حکم دیا ہو۔ جس سے پانی کثیر ہو گیا ہو۔

فتح الباری میں ہے حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر ان پر ابر کرم برسا۔ یہ بارش مذکورہ دونوں معجزات کے بعد ہوئی تھی۔ حضرت براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہاں پر چودہ سو صحابہ کرام موجود تھے۔ پہلے اس کنویں میں صرف اتنا پانی تھا جو پچاس بکریوں کو بھی سیراب نہیں کر سکتا تھا۔ ہم نے اس کا سارا پانی نکال لیا۔ ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے کنارے پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ڈول پیش کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں لعاب دہن ملایا۔ رب تعالیٰ سے دعا مانگی۔ پھر پانی اس کنویں میں پھینک دیا۔ پھر فرمایا ''اسے کچھ دیر کے لیے چھوڑ دو''۔ ہم نے اسے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اس نے ہمیں اور ہماری سواریوں

کو سیراب کر دیا"۔ ایک اور روایت میں ہے۔ صحابہ کرام نے خود بھی سیر ہو کر پیا اور اپنی سواریوں کو بھی پانی پلایا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک سفر میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے۔ (شاید یہ سفر حدیبیہ کی طرف، تبوک کی طرف یا کسی اور سمت ہو) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب میں پیاس کی شکایت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے نیچے تشریف لائے۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور فرمایا "تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں حضرات پانی کی جستجو میں نکلے۔ انہوں نے ایک اونٹ پر ایک عورت دیکھی جو اپنے پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے دو توشہ دان تھے۔ وہ اسے بارگاہ رسالت مآب میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا۔ ان دونوں مشکیزوں سے پانی انڈیلا۔ پھر ان کا منہ بند کر دیا۔ پھر اس پانی میں اپنا دست اقدس رکھ دیا۔ پانی کے چشمے نکلنے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ اعلان کر دیا گیا "پانی پی لو۔ پانی لے جاؤ"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح کیا۔ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا "اس عورت کی تسلی خاطر کے لیے کچھ جمع کرو"۔ کیونکہ اسے کافی دیر رکنا پڑا تھا۔ اور اسے یہ خدشہ بھی لاحق ہو گیا تھا کہ اس سے پانی لیا جائے گا۔

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے "صحابہ کرام نے اس عورت سے پانی اس لیے لیا اور اس کا پانی جائز سمجھا کیونکہ وہ حربیہ تھی۔ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ اس کی قوم کے ساتھ عہد تھا پھر بھی پیاس کی ضرورت مسلمان کے لیے عوض دے کر وہ پانی مباح کر دیتی ہے جو کسی غیر کی ملکیت میں ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عورت کے لیے عجوہ، آٹا اور ستو جمع کیے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے بہت سا غلہ جمع ہو گیا۔ انہوں نے یہ ساری چیزیں ایک کپڑے میں باندھیں اور انہیں اس کے اونٹ پر رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم نے تمہارے پانی سے کچھ کم نہیں کیا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے ہمیں پانی پلایا ہے"۔ وہ عورت اپنے اہل خانہ کے پاس گئی۔ اسے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس کے اہل خانہ نے کہا: فلانہ! تجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ اس نے کہا "تعجب نے۔ مجھے دو شخص ملے جو مجھے اس ذات کے پاس لے گئے جسے صابی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے یوں یوں کیا"۔ اس عورت نے سارا ایمان افروز معجزہ بیان کر دیا۔ پھر اس عورت نے کہا "یا تو انہوں نے سارے لوگوں پر جادو کر دیا یا وہ رب تعالیٰ کے رسول برحق تھے"۔ صحابہ کرام اس عورت کے قبیلہ کے ارد گرد مشرکین پر حملہ آور ہوتے تھے۔ لیکن اس قبیلہ کے ساتھ کسی قسم کا تعارض نہیں کرتے تھے۔ ایک دن اس عورت نے اپنی قوم سے کہا "میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ تمہیں جان بوجھ کر چھوڑ رہے ہیں۔ کیا اب تمہیں اسلام میں کچھ رغبت ہے"۔ اس کی قوم نے اس کی بات مان لی اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

یہ معجزہ غزوہ تبوک میں گزر چکا ہے۔ وہاں یہ بھی تذکرہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے برتن سے وضو کیا۔ اس میں کچھ پانی بچ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس برتن کی حفاظت کرنا۔ اس سے عنقریب عظیم خبر رونما ہو گی"۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید پیاس نے آلیا۔ انہوں نے یہ تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی برتن منگوایا۔ اس سے اپنے پیالہ میں انڈیلا۔ اور صحابہ کرام کو سیراب کر دیا۔ امام احمد نے یہ اضافہ کیا

ہے" سارے صحابہ نے پانی پی لیا۔ اپنے اونٹوں اور جانوروں کو بھی سیراب کر لیا۔ اپنے مشکیزے اور برتن بھی بھر لیے۔ حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے علاوہ سب نے پانی پی لیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی انڈیلا مجھے فرمایا "پانی پی"۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا حتیٰ کہ آپ پانی پی لیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیتا ہے"۔ میں نے پانی پیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی نوش کیا۔

بنوفزارہ کے وفد کے سلسلے میں پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب میں قحط سالی کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دست التجاء بلند کیے۔ سات ایام تک ان پر ابر کرم برستا رہا۔ حتیٰ کہ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمارات گرنے لگی ہیں۔ مال غرق ہونے لگا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا بلند فرمائے اور عرض کی "مولا! ہمارے اردگرد برسا۔ ہمارے اوپر نہ برسا"۔ آپ نے یونہی بادل کی طرف اشارہ فرمایا۔ بادل فوراً پھٹ گیا۔ وادیٔ قناۃ ایک ماہ تک بہتی رہی۔ اطراف واکناف سے جو بھی آتا وہ یہی کہتا "کثیر بارش ہوئی ہے"۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ غزوۂ تبوک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید پیاس لگی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ آپ کی دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ہمارے لیے سحاب رحمت نازل فرما دے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کیا تم یہ پسند کرتے ہو"۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند فرمائے۔ پھر انہیں واپس نہ لوٹایا۔ حتیٰ کہ آسمان ابر آلود ہو گیا، خوب ابر کرم برسا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے سارے برتن بھر لیے۔ پھر ہم بارش دیکھنے کے لیے گئے تو ہم نے دیکھا کہ بارش نے لشکر گاہ کے آگے تجاوز نہیں کیا تھا۔

ابن اسحاق نے اپنے مغازی میں حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوطالب نے کہا "میں ذوالمجاز میں تھا۔ (یہ عرفہ کے قریب ایک بازار کا نام تھا۔ جس میں لوگ زمانہ جاہلیت میں جمع ہوتے تھے) مجھے وہاں پیاس نے آلیا۔ میں نے اپنے بھتیجے (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کی اے میرے بھتیجے! مجھے پیاس لگی ہے"۔ میں نے یہ بات تو آپ سے کر دی۔ مگر مجھے علم تھا کہ آپ کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری سے نیچے اترے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چچا جان! آپ کو پیاس لگی ہے؟ میں نے کہا ہاں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پاؤں زمین پر مارا۔ وہاں پانی کا چشمہ رواں ہو گیا۔ فرمایا "چچا جان! پانی پیو"۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ اس روایت کو ابن مسعود اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت اور دعا سے قلیل کھانے کا کثیر ہو جانا

امام بخاری اور امام مسلم علیہما الرحمۃ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے خندق کی کھدائی کے متعلق روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ بھوک کی شدت کی وجہ سے آپ نے شکم اقدس پر پتھر باندھ رکھے تھے۔ میں نے ایک توشہ دان باہر نکالا۔ جس میں ایک صاع جو تھے۔ میرے پاس ایک بکری کا بچہ تھا۔ میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ جو پیسے یا اپنی زوجہ کو حکم دیا انہوں نے جو پیسے"۔

دوسری روایت میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم خندق کھود رہے تھے۔ اسی دوران ہمیں سخت چٹان کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ والا میں حاضر ہوئے۔ عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ایک سخت چٹان کا سامنا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں"۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے تو مجھے آپ کے شکم اطہر پر ایک بندھا ہوا پتھر نظر آیا۔ تین روز سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال لے کر چٹان پر ایک ضرب لگائی جس سے وہ چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں" آپ نے مجھے گھر جانے کا اذن عطا کر دیا۔ میں گھر آیا اپنی زوجہ سے کہا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کیفیت دیکھی ہے جسے برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا "میرے پاس جو اور بکری کا ایک بچہ ہے۔ میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا۔ میری زوجہ نے آٹا گوندھا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو میں نے اسے بڑے پیالے میں رکھا۔ میری بیوی نے مجھ سے کہا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے سامنے شرمندہ نہ کرنا" میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور سرگوشی کے انداز میں کہا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا ہے اور ایک صاع جو کے آٹے کی روٹیاں پکائی ہیں۔ آپ اپنے چند صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں"۔

ایک اور روایت میں ہے۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ اپنے ایک یا دو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لائیں" میری خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا تشریف لائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا "کھانا کتنا ہے؟ میں نے کھانے کی مقدار بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بہت ہے، عمدہ ہے"۔ اپنی زوجہ سے کہو کہ جب تک میں نہ آجاؤں وہ ہنڈیا کو آگ سے نہ اتارے اور روٹی کو تندور سے نہ نکالے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلند آواز سے پکارا، "اے اہل خندق! جابر نے تمہارے لیے ضیافت کا بندوست کیا ہے۔ تم جلدی جلدی ان کے گھر پہنچو"۔ دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اٹھو، مہاجرین وانصار کھڑے ہو گئے۔ جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی زوجہ کے پاس آئے تو کہنے لگے "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین اور انصار کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں"۔ زوجہ محترمہ نے کہا "کیا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے کی مقدار کے متعلق بتا دیا تھا؟ میں نے کہا "ہاں۔ میں نے یہ عرض کی تھی"۔

ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مہاجرین وانصار کو دعوت کے لیے بلایا تو مجھے بہت حیاء آئی۔ میں نے سوچا کہ ایک صاع جو ایک بکری کے بچے کو کھانے کے لیے اتنی زیادہ مخلوق آرہی ہے۔ میں اپنی زوجہ کے پاس آیا۔ میں نے کہا "آج بہت ندامت ہو گی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین سمیت تشریف لا رہے ہیں۔ اس نے پوچھا "کیا آپ نے کھانے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا تھا"۔ میں نے کہا ہاں۔ اس عظیم خاتون نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو اس کھانے کے متعلق بتا دیا ہے جو ہمارے پاس موجود ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان سے کہا "جب آپ کو تمام حالات کا علم تھا تو آپ نے حضور

اکرم ﷺ سے عرض کیوں نہیں کی"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضور ﷺ کو سارے حالات بتا دیئے ہیں"۔ اس وقت اس عظیم خاتون نے کہا "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محترم ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کا یہ جملہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ انہیں حضور ﷺ کے معجزہ کے ظہور کا امکان نظر آ رہا تھا۔ یہ چیز ان کی ذہانت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ ان کا نام مبارک سہیلہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "میرے آنے سے پہلے ہنڈیا بھی نہ اتارنا، نہ ہی آٹے کی روٹیاں پکانا"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور ﷺ میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ میری زوجہ نے آپ کے سامنے آٹا رکھا آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک اس میں ملایا اور برکت کی دعا کی اور حضور ﷺ ہنڈیا کی طرف تشریف لے گئے۔ اس میں بھی اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا "روٹی پکانے والی کو بلا لو تاکہ وہ تمہاری زوجہ کے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے"۔ پھر ان کی زوجہ سے فرمایا "تم ہنڈیا آگ کے اوپر ہی رہنے دو۔ اس سے سالن نکالتی رہو"۔ وہ صحابہ کرام جو حضور ﷺ کے ساتھ تشریف لائے تھے ان کی تعداد ایک ہزار تھی۔ حضور ﷺ انہیں دس دس کے گروہ میں بٹھاتے رہے۔ وہ کھانا کھاتے رہے۔ اللہ کی قسم! وہ جی بھر کر کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ خوب سیر ہو گئے۔ ہماری ہنڈیا اسی طرح لبریز رہی ہمارا آٹا اسی طرح رہا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا "اندر داخل ہو جاؤ لیکن بھیڑ نہ بنانا"۔ حضور اکرم ﷺ روٹیاں توڑ توڑ کر صحابہ کرام کو عطا فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ تمام صحابہ کرام خوب سیر ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ سے فرمایا "خود بھی کھاؤ اور دیگر افراد کو بھی ہدیہ دو"۔ تمام لوگ کھانا کھاتے رہے۔ لیکن ہنڈیا اور تندور اسی طرح بھرے رہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم نے خود بھی خوب کھانا کھایا، اہل محلہ کو بھی دیا۔ جب حضور ﷺ ہمارے گھر سے تشریف لے گئے تو ساتھ ہی کھانے کی یہ برکت بھی ختم ہو گئی"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت انس کی والدہ ماجدہ سے کہا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت ام انس رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند تھے۔ یہ ام سلیم کے نام سے معروف تھیں۔ اس کے شوہر نامدار نے انہیں کہا "میں نے حضور اکرم ﷺ کی آواز میں نقاہت محسوس کی ہے۔ مجھے اس میں بھوک نظر آئی ہے"۔ امام مسلم کی روایت کے مطابق حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنے پیٹ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا "بھوک کی وجہ سے"۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کو کپڑے لپیٹے ہوئے دیکھا۔ وہ حضرت ام سلیم کے پاس گئے۔ ان سے پوچھا "کیا تمہارے پاس کچھ ہے جسے حضور اکرم ﷺ تناول فرما سکیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ انہوں نے جو کی روٹی کے چند ٹکڑے نکالے۔ پھر اپنی چادر لی۔ کچھ میں وہ روٹی کے ٹکڑے لپیٹ دیئے، انہیں میری بغل کے نیچے دبا دیا اور بعض چادر میرے سر پر ڈال دی۔ پھر مجھے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں بھیجا۔ میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ میں

وہیں کھڑا ہو گیا۔ مجھے حضور ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے فرمایا ''کھانے کے لیے''۔ میں نے عرض کی ہاں۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ہمراہ صحابہ کرام سے فرمایا ''اٹھو''۔ حضور ﷺ روانہ ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ہی روانہ ہوئے۔ ان کی تعداد ستر یا اسی تھی'' میں آگے آگے تھا ابونعیم کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے میرا ہاتھ زور سے تھام لیا۔ پھر صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ جب ہمارے گھر کے قریب پہنچے تو میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ میں گھر کے اندر چلا گیا میں غمزدہ تھا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے ہمراہ بہت سے صحابہ کرام تشریف لے آئے تھے۔ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہیں حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی تشریف آوری کے متعلق بتایا انہوں نے فرمایا ''انس! تم نے ہمیں رسوا کر دیا''۔

طبرانی میں ہے ''حضرت ابوطلحہ مجھے پتھر مارنے لگے''۔ پھر فرمایا ''ام سلیم! حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں جو ان سب کو پورا ہو سکے''۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ گویا کہ انہیں علم ہو گیا تھا کہ حضور ﷺ نے عمداً اس طرح کیا ہے تا کہ کھانا کثیر بن جانے کا معجزہ رونما ہو سکے۔ اس سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کی فضیلت اور عقل و دانائی کی خصوصیات عیاں ہو رہی ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کا استقبال کیا عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! میں نے انس کو بھیجا تھا کہ تنہا آپ کو بلا لائے۔ ہمارے پاس اتنے زیادہ افراد کا کھانا نہیں ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈالے گا''۔ حضور ﷺ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''ام سلیم! جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے۔ اسے میرے سامنے لے آؤ''۔ انہوں نے وہ روٹی حاضر خدمت کر دی جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ بھیجی تھی۔ حضور تاجدار عرب و عجم ﷺ نے اس روٹی کو توڑنے کا حکم دیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس پر سرکہ ڈال دیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا ''کیا تمہارے پاس گھی ہے؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ہماری ڈبیہ میں تھوڑا سا گھی تھا'' یہ دونوں اسے نچوڑنے لگے تھے کہ وہ گھی نکل آیا۔ حضور ﷺ نے اسے اپنی مبارک انگلی سے مس کیا پھر روٹی کو مس کیا اور اس پر پھونک ماری پھر فرمایا ''بسم اللہ''۔ آپ ﷺ اسی طرح کرتے رہے۔ وہ روٹی بڑھ رہی۔ حتیٰ کہ میں نے پیالے میں گھی کو پھیلتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ نے اس پر کچھ پڑھا۔ امام احمد کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھی۔ امام مسلم نے لکھا ہے کہ آپ نے اسے مس کیا اور اس میں برکت کی دعا کی۔ امام احمد کی روایت ہے وہ روٹی حاضر خدمت کی گئی۔ آپ نے اسے کھولا اور یہ پڑھا بسم اللہ اللھم اعظم البرکۃ فیھا پھر فرمایا ''دس دس صحابہ کرام کو اندر آنے کی اجازت دو''۔ دس صحابہ کرام اندر آئے انہوں نے جی بھر کر کھایا۔ صحابہ کرام کی تعداد ستر یا اسی تھی۔ پھر حضور ﷺ اور اہل خانہ نے کھانا کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ امام مسلم کی روایت میں ہے وہ کھانا پھر بھی بچ گیا حتیٰ کہ ہم نے اسے اپنے پڑوسیوں کو بطور ہدیہ دے دیا۔

یہ معجزہ خندق کی کھدائی سے قبل رونما ہوا تھا۔ مسجد سے مراد وہ جگہ ہوگی جسے نماز کے لیے ان ایام میں بنایا گیا تھا جب غزوۂ

خندق میں احزاب نے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ یہ واقعہ متفرق روایات میں مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عصیدہ (ایک کھانا) تیار کیا تھا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ظہور پذیر ہوا تھا۔ غزوۂ حدیبیہ میں بھی اسی قسم کا واقعہ گزر چکا ہے۔

غزوۂ تبوک میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک نے آلیا۔ انہوں نے اپنی کچھ سواریوں کو ذبح کرنے کا اذن مانگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کاش آپ انہیں حکم فرمائیں کہ وہ اپنا بقیہ زادِ راہ جمع کریں۔ پھر آپ ان کے لیے برکت کی دعا کریں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ٹھیک ہے"۔ صحابہ کرام کو اپنا اپنا زادِ راہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا۔ "اپنے اپنے توشہ دان لے آؤ"۔ صحابہ کرام نے وہ کھانا لے لیا اپنے سارے برتن بھر لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول (مکرم) ہوں جو شخص بھی رب تعالیٰ کے ساتھ ان کلمات کے ساتھ ملاقات کرے گا بشرطیکہ اسے ان میں کسی قسم کا شک نہ ہو تو وہ اسے جنت سے نہیں روکے گا"۔

امام بخاری اور امام مسلم وغیرہما نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو مجھے میری امی جان حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا "کاش! آج ہم بارگاہ رسالت مآب میں کوئی چیز بطور تحفہ بھیج سکیں"۔ میں نے عرض کی "آپ کچھ بھیج دیں" آپ کھجور اور گھی کے پاس گئیں۔ اس سے حیس بنایا اسے برتن میں ڈالا۔

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے وہ کھانا ہنڈیا میں ڈالا۔ پھر فرمایا "انس! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر آؤ۔ عرض کرو۔ یہ کھانا میری امی جان نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے وہ آپ کو سلام پیش کر رہی ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ برتن نیچے رکھ دو"۔ پھر فرمایا "میرے لیے فلاں فلاں صحابی کو بلا لاؤ۔ جو بھی تمہیں ملے اسے بلا لاؤ"۔ جن حضرات کا آپ نے نام لیا تھا میں انہیں بلا لایا نیز جو مجھے راستہ میں ملتا گیا میں اسے بھی بلاتا گیا۔ جب میں کاشانہ اقدس میں پہنچا تو وہ صحابہ کرام سے بھر چکا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا "اس وقت کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے؟ انہوں نے فرمایا "ہاں تین سو سے زائد صحابہ کرام موجود تھے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حیس پر ہاتھ رکھا۔ پھر کچھ پڑھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ آپ نے انہیں فرمایا "اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ"۔ ہر شخص اپنے آگے سے کھائے۔ ان سارے صحابہ کرام نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا پھر مجھے فرمایا "انس! یہ برتن اٹھا لو" مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کھانا اس وقت زیادہ تھا جب میں نے اسے رکھا تھا یا اس وقت زیادہ تھا جب میں نے اسے اٹھایا تھا"۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا ایک ڈبیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھی بھیجا کرتی تھی۔ ان کے پاس ان کے بچے آتے۔ ان سے سالن کا مطالبہ کرتے ان کے پاس کچھ نہ ہوتا۔ وہ اس ڈبیہ کی طرف جاتیں جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھی بھیجا کرتی تھیں۔ انہیں اس میں سے گھی مل جاتا۔ وہ گھی ان کے بیٹوں

کے لیے بطور سالن کام آتا رہا۔ حتیٰ ایک دن انہوں نے اسے نچوڑ لیا۔ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور اس بات کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے اسے نچوڑ لیا تھا۔ انہوں نے عرض کی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے چھوڑے دیتے تو اس سے اسی طرح گھی نکلتا رہتا''۔

ابن ابی عاصم اور ابن ابی خیثمہ نے حضرت ام مالک انصاری رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک ڈبیہ میں گھی لے کر بارگاہ رسالت مآب حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس میں سے گھی نکال لیں۔ پھر وہ ڈبیہ حضرت ام مالک رضی اللہ عنہا کو دی تو وہ گھی سے لبریز تھی۔ وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے میرا ہدیہ قبول کیوں نہیں فرمایا۔ اسے واپس لوٹا دیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کی ''مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اس سے اتنا زیادہ گھی نکالا حتیٰ کہ مجھے شرم آنے لگی''۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ام مالک! تمہیں مبارک ہو۔ یہ تمہارے لیے برکت ہے۔ یہ تمہارے لیے برکت ہے اس کا ثواب تمہیں رب تعالیٰ نے بہت جلدی دے دیا ہے۔ پھر فرمایا ''ہر نماز کے بعد یہ ذکر کیا کرو۔ دس دفعہ سبحان اللہ!، دس دفعہ الحمد للہ! دس دفعہ اللہ اکبر!''۔

امام طبرانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ اپنی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''میرے پاس ایک بکری تھی۔ میں نے اس کا گھی ایک ڈبیہ میں ڈالا۔ اسے حضرت زینب کے ہمراہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس ڈبیہ کو نچوڑ دو''۔ حضرت زینب نے اسے نچوڑ دیا۔ دوبارہ ڈبیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس لے آئیں۔ انہوں نے دیکھا کہ ڈبیہ بھری ہوئی تھی جس سے گھی کے قطرات گر رہے تھے۔ انہوں نے کہا ''زینب! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ یہ ڈبیہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کر دو۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس گھی کو بطور سالن استعمال فرمائیں۔ انہوں نے کہا ''میں نے اسی طرح کیا ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو میرے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں چلو''۔ وہ ان کے ساتھ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ کیا حضرت زینب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ یہ گھی کی ڈبیہ لے کر آئی تھیں۔ میں نے عرض کی ''مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے یہ تو گھی سے لبریز ہے اس سے گھی کے قطرے گر رہے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اے ام سلیم! کیا تم تعجب کر رہی ہو! یہ رزق تمہیں رب غفور نے عطا کیا ہے''۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صحراء کا ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور غلہ مانگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نصف صاع جو عطا فرمائے۔ وہ، اس کی بیوی اور ان کے مہمان اس جو سے کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے انہیں ناپ لیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے نہ ناپتے تو اسے ہمیشہ کھاتے رہتے لیکن اس میں کمی نہ آتی''۔ اس شخص کے متعلق بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت سعید بن حارث رضی اللہ عنہ کے دادا تھے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے نکاح کے متعلق مدد طلب کی۔ جو انہوں نے مانگا

آپ نے اس کی جستجو کی۔ مگر وہ نہ مل سکا آپ ﷺ نے حضرت ابورافع اور حضرت ابوایوب کو اپنی زرہ دے کر بھیجا۔ انہوں نے وہ زرہ ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی۔ اور اس سے نصف صاع جو لے گئے۔ حضور تاجدار حرم ﷺ نے وہ جو اس شخص کو عطا فرما دیئے۔ اس آدمی کا اپنا ہی بیان ہے۔ "ہم نے ڈیڑھ سال تک ان جو میں سے خود بھی کھایا اور مہمانوں کو بھی کھلایا۔ پھر انہیں ناپا تو وہ اتنے ہی تھے جتنے ہم نے ڈالے تھے"۔ وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ اور اس واقعہ کی خبر دی۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا "اگر تم انہیں نہ ناپتے تو تم ساری زندگی انہیں کھاتے رہتے مگر یہ ختم نہ ہوتے۔

جب حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس ڈبیہ کو نچوڑ لیا تو اس میں سے گھی ختم ہو گیا اور جب اس شخص نے جو ناپ لیے تو وہ بھی ختم ہو گئے۔ ان افعال میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے ان کا نچوڑنا اور اس شخص کا جو ناپ لینا رب تعالیٰ پر توکل اور تسلیم و رضا کے خلاف ہے۔ طاقت، تدبیر اور قوت سے لینے کو متضمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فضل کے اسرار کو جاننے کا تکلف ہے۔ لہٰذا یہ کام کرنے والے کو بطور تنبیہ یہ سزا دی گئی کہ ان سے یہ نعمت ختم کر دی گئی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے "اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ اس لیے ہوا کیونکہ انہوں نے رب تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر افشاء کرنے کی کوشش کی تھی جس کا مخفی رہنا ہی بہتر تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان کے منافی نہیں "اپنے غلہ کو ناپا کرو اس میں تمہارے لیے برکت ڈال دی جائے گی"۔ کیونکہ یہ اس شخص کے متعلق ہے جسے خیانت کا خدشہ ہو یا اس سے مراد یہ ہے جو غلہ خرچہ کے لیے نکال لو اسے ناپ لیا کرو تا کہ ضرورت سے زیادہ یا کم نہ نکل آئے۔ نیز بقیہ غلہ کا بھی علم ہو سکے یا اس سے مراد یہ ہے کہ خرید و فروخت کے وقت ناپ لیا کرو۔ یا گھر داخل کرتے وقت ناپ لیا کرو۔

امام ترمذی اور ان کے شیخ حضرت امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ہمارے پاس ایک پیالہ میں گوشت تھا جسے ہم صبح سے لے کر رات تک کھاتے رہے۔ دس افراد اس میں سے کھا کر اٹھتے تو دس اور بیٹھ جاتے"۔ ہم نے کہا "کس چیز سے اس میں اضافہ ہو رہا ہے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "تم کس چیز پر تعجب کر رہے ہو۔ یہ کھانا تو وہاں سے آ رہا ہے"۔ آپ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے احسان کے ساتھ آپ کے لیے بطور معجزہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

دوسری روایت میں ہے جسے امام ترمذی، امام دارمی، امام ابن شیبہ، امام حاکم، امام بیہقی اور امام ابونعیم نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں گوشت تھا۔ اس میں سے دس صحابہ کرام کے بعد دس صحابہ کرام کھاتے رہے۔ وہ صبح و شام تک کھاتے رہے۔ ایک گروہ اٹھتا تو دوسرا آ جاتا۔ ایک شخص نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا "کیا اس کھانے میں اضافہ ہوتا رہا؟ انہوں نے فرمایا اس میں وہاں سے اضافہ ہوتا رہا"۔ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی علیہم الرحمۃ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

امام بخاری، امام مسلم نے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم ایک سو تیس افراد حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کیا تم میں سے کسی شخص کے پاس کھانا ہے؟ ایک شخص کے

پاس ایک صاع کھانا تھا۔ اسے گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک آیا۔ اس کے بال لمبے اور بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنی بکریاں ہانک رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ فروخت کرو گے یا بطور ہدیہ دو گے"۔ اس نے کہا "میں فروخت کروں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ایک بکری خرید لی اسے ذبح کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔ بخدا! ایک سوتیس افراد میں سے ہر فرد کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حصہ نکالا۔ جو وہاں حاضر تھا اسے اس کا حصہ دے دیا یا جو غائب تھا اس کا حصہ رکھ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا گوشت دو پیالوں میں رکھنے کا حکم دیا۔ ہم نے وہ کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ پھر بھی گوشت بچ گیا جسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا"۔

اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عیاں معجزہ اور واضح نشانی ہے کہ تھوڑا سا غلہ اور گوشت ایک سوتیس افراد کے لیے کافی ہو گیا۔ بلکہ زائد بچ گیا۔

امام احمد اور امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اس آیت طیبہ کا نزول ہوا۔

وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء)

"اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو"۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبد المطلب کو جمع کیا۔ چالیس افراد حاضر ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک مد کھانا تیار کرایا۔ اس کھانے کو ان چالیس افراد نے سیر ہو کر کھایا۔ کھانا پھر بھی اسی طرح بچ گیا کہ گویا کہ اس میں سے کچھ کھایا ہی نہیں گیا۔ پھر آپ نے دودھ سے لبریز پیالہ منگوایا۔ سب نے خوب جی بھر کر پیا۔ مگر پیالے کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ اس سے کچھ پیا ہی نہیں گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب نے کہا "محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے"۔ یہ سن کر بنو عبد المطلب اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان سے کلام نہ فرمائی۔ دوسرے روز بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبد المطلب کی اسی طرح دعوت کی۔ ابولہب نے اسی طرح کیا۔ تیسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اسی طرح دعوت کی۔ انہیں اللہ رب العزت کی طرف بلایا۔ ابولہب نے کہا "تمہارے لیے ہلاکت ہو کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا" (نعوذ باللہ منہ)

اس وقت سورت تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ.......... نازل ہوئی۔

ابن ابی شیبہ، امام طبرانی اور امام ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اہل صفہ کو بلاؤں۔ تاکہ وہ کھانا کھائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میں نے اہل صفہ کی جستجو کی۔ انہیں جمع کیا۔ ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھ دیا گیا جس میں کھانا تھا۔ ہم نے اس میں سے جی بھر کر کھایا۔ مگر وہ اسی طرح لبالب بھرا رہا۔ ان میں کچھ بھی کم نہ ہوا تھا۔ مگر اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔ ابو نعیم نے "الحلیہ" میں لکھا ہے کہ اہل صفہ کی تعداد ایک سو اور کچھ تھی۔ عوارف المعارف میں ہے کہ ان کی تعداد تقریباً چار سو تھی۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہوں نے ان کے لیے اتنا کھانا پکوایا جو صرف دو افراد کے لیے کافی تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا "انصار کے تیس اشراف کو بلاؤ"۔ انہوں نے انہیں بلایا۔ ان سب نے جی بھر کر کھایا، کھانا پھر بھی بچ گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا "اب ساٹھ افراد بلاؤ"۔ انہوں نے بھی وہ کھانا سیر ہو کر کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ پھر فرمایا "اب ستر افراد بلاؤ"۔ اس کھانے کو اب ستر افراد نے بھی کھایا۔ کھانا پھر بھی بچ گیا۔ جو بھی کھانا کھا کر نکلا۔ وہ نعمت اسلام سے مالا مال ہو کر ضرور نکلا۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کا یہ معجزہ دیکھا۔ یہ لطف و عنایت دیکھی۔ انہوں نے آپ کے ساتھ جہاد کرنے اور آپ کی نصرت کرنے پر آپ کی بیعت کی۔

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اسی افراد نے وہ کھانا کھایا۔ گویا کہ یہ کھانا ان افراد نے بھی کھایا جنہیں پہلے دعوت نہ دی گئی تھی۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد ایک سو اسی ہو گئی۔ ورنہ انہوں نے تو ایک سو ساٹھ کو دعوت دی تھی۔ حضور ﷺ نے انصار کے سرداروں کو منتخب فرمایا تا کہ ان کی تالیف قلبی ہو سکے۔ وہ اس معجزہ کو دیکھ کر اسلام قبول کر لیں اور آپ کی نصرت کریں۔ آپ نے انہیں انصار کہا۔ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ یہ عنقریب آپ ﷺ کی نصرت کریں گے۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خاتون جنت، جگر گوشہ مصطفیٰ ﷺ نے اپنے کھانے کے لیے ہنڈیا پکائی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا تا کہ آپ بھی ان کے ہمراہ کھانا تناول فرمائیں۔ حضور ﷺ نے سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ اس کھانے کا ایک ایک پیالہ ازواج مطہرات کے حجرات مقدسہ میں بھی بھیج دیں۔ پھر انہوں نے ایک پیالہ حضور اکرم ﷺ کے لیے نکالا۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے پھر اپنے لیے ایک پیالہ نکالا۔ پھر ہنڈیا کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا تو کھانے سے کناروں تک بھری ہوئی تھی۔ بلکہ آپ ﷺ کی برکت سے وہ کناروں سے بہہ رہی تھی۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس سے تناول فرمایا۔

حضرت امام ابوداؤد نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ احمس کے چار سو سواروں کو ان کھجوروں میں سے بطور زاد راہ دیں جو بالا خانے میں ہیں"۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! وہ کھجوریں کم ہیں۔ وہ اس قوم کو پوری نہیں ہو سکیں گی"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "جو میں حکم دیتا ہوں وہ کر گزرو اور کھجوروں کے کم ہو جانے کا اندیشہ نہ کرو"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہیں تشریف لے گئے۔ ان سواروں کو ان کھجوروں سے زاد راہ دیا۔ وہ کھجوروں کا ڈھیر اس طرح تھا گویا کہ وہ اونٹنی کا بچہ بیٹھا ہو۔ ان سواروں کو عطا کرنے کے بعد کھجوریں اسی طرح تھیں ان میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں ہوئی تھی۔

امام بیہقی نے صحیح سند سے حضرت نعمان بن مقرن سے بھی روایت لکھی ہے۔ البتہ انہوں نے فرمایا "یہ مدینہ کے چار سو افراد تھے"۔ ممکن ہے کہ واقعہ دوبارہ رونما ہوا ہو یا بعض افراد احمس سے اور بعض مدینہ سے ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے قرض کی ادائیگی کا واقعہ رقم کیا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں جام شہادت نوش کر گئے۔ انہوں نے اپنے والد کے قرض خواہوں سے وہ باغ دے کر صلح کرنے کی کوشش کی جس سے انہیں رزق حاصل ہوتا تھا۔ مگر قرض خواہ ان کی اس بات پر راضی نہ ہوئے۔ اگر اس باغ کا پھل کئی سال تک حاصل ہوتا رہتا

پھر بھی ان کا قرض ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے متعلق حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کی۔ آپ نے ان کے قرض خواہوں سے بات کی وہ یہودی تھے۔ اس لیے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو جلد از جلد کھجوریں اتار کر انہیں درختوں کے تنوں کے ساتھ رکھنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے باغ میں چلنے لگے۔ ان میں برکت کی دعا کی۔ کھجوریں بڑھنے لگیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سارے قرض خواہوں کا قرض ادا کیا۔ پھر بھی ابھی تک ان کے سال بھر کا خرچہ باقی تھا۔ دوسری روایت کے مطابق ابھی اتنی کھجوریں باقی تھیں جتنی انہوں نے قرض خواہوں کو ادا کیں تھیں۔ یہ معجزہ نمائی دیکھ کر یہودی تعجب کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ ''حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بلا لاؤ۔ انہیں بھی اس معجزہ نمائی کے متعلق بتاؤ کہ وہ شاداں فرحاں ہو جائیں ان کی قوت ایمانی میں اضافہ ہو جائے''۔

امام بیہقی اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''کسی غزوہ (غزوۂ تبوک) میں صحابہ کرام کو بھوک نے آلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا ''کیا تمہارے پاس کچھ ہے'' میں نے عرض کی ''ہاں! توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں''۔ پیکر جود و سخا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''انہیں میرے پاس لے آؤ''۔ آپ نے ان میں سے مٹھی بھر لی۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان کی تعداد دس سے کچھ زائد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پھیلایا برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا ''میرے لیے دس صحابہ کرام کو بلاؤ''۔ میں نے انہیں بلایا۔ انہوں نے جی بھر کر کھایا۔ پھر مجھے دس مزید افراد کو بلانے کا حکم دیا۔ میں نے انہیں بلایا۔ انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر مزید دس افراد بلانے کا حکم دیا۔ میں نے انہیں بلایا۔ انہوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا۔ حتیٰ کہ سارے لشکر نے خوب جی بھر کر کھایا۔ پھر مجھے فرمایا ''اتنی کھجوریں لے لو جتنی لے کر آئے تھے۔ اپنا ہاتھ داخل کرو اور انہیں حاصل کر لو''۔ میں نے ان کھجوروں سے زیادہ لے لیں جتنی پیش کی تھیں۔ ان میں سے خود بھی کھائیں۔ اپنے اہل خانہ کو بھی کھلاتا رہا۔ اس توشہ دان کی یہ برکات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت تک رہی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک میں اسی توشہ دان سے کھجوریں کھاتا رہا۔ پھر وہ توشہ دان گم ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا ''اتنی کھجوریں لے لو جتنی پیش کیں تھیں'' کیونکہ وہ کھجوریں ابھی تک اسی حالت میں تھیں۔ آپ نے انہیں اسی طرح توشہ دان میں ڈال لینے کا حکم دیا۔ نیز یہ کہ وہ حسب ضرورت اس سے کھجوریں نکالتے رہیں۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب میں راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلتا تو میں ان میں سے اتنی اتنی کھجوریں اپنے ہمراہ لے جاتا''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھوک نے آ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پیچھے آنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کاشانہ اقدس میں دودھ کا پیالہ پایا۔ کسی نے آپ کے لیے بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اہل صفہ کو بلائیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے دل میں سوچا، یہ تھوڑا سا دودھ ان کے لیے کیسے کافی ہوگا۔ میں اس کا ان سے زیادہ مستحق ہوں۔ کیونکہ مجھے شدید بھوک نے آلیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ میں نے اہل صفہ کو بلایا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں اس میں سے دودھ پلاؤں میں ان میں سے ایک ایک صحابی کے پاس دودھ کا پیالہ لے کر جاتا رہا۔ وہ خوب سیر ہو کر پیتا رہا۔ پھر وہ پیالہ دوسرا صحابی پکڑ لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں فرمایا "اب میں اور تم رہ گئے ہیں۔ بیٹھ جاؤ یہ دودھ پیو"۔ میں نے دودھ پیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مزید پیو"۔ آپ مجھے بار بار یہی حکم دیتے رہے۔ حتیٰ کہ میں عرض پیرا ہوا "مجھے اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اب مزید کوئی گنجائش نہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ پکڑا۔ رب تعالیٰ کی ستائش بیان کی اور بقیہ دودھ نوش فرما گئے۔

امام بیہقی نے حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ ابتدا میں ہی دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے تھے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ راستہ میں ہی ان کا وصال ہو گیا۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کی رہائش جعرانہ کے پاس تھی۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیافت کے لیے ایک بکری ذبح کی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کثیر تھے۔ اگر وہ ایک بکری ذبح کرتے تو ان کی کثرت کی وجہ سے انہیں ایک ایک ہڈی بھی نہیں آتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری کا گوشت تناول فرمایا۔ باقی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ڈول میں ڈال دیا۔ اس میں برکت کی دعا کی۔

ایک اور روایت میں ہے آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! ابوخناش کے لیے برکت فرما۔ انہوں نے یہ گوشت اپنے اہل خانہ کے سامنے رکھ دیا انہوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ گوشت پھر بھی بچ گیا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں لکھا ہے مذکورہ بالا منقول معجزات صحیح روایات سے ثابت ہیں۔ ان روایات کو دس سے زائد صحابہ کرام نے نقل کیا ہے۔ پھر ان سے دوگنا تابعین نے ان روایات کو نقل کیا ہے۔ پھر ان گنت اور بے شمار راویوں نے انہیں بیان کیا ہے۔ مگر مشہور قصص میں موجود ہیں۔ ان کے متعلق حق کے ساتھ ہی گفتگو کرنا ممکن ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی شخص ان روایات کا انکار کرتا ہو۔ پھر وہ خاموش رہا ہو۔ ان روایات کے ساتھ وہ روایت بھی ملا لو جسے امام بیہقی، ابن سعد، ابن عدی نے حضرت سعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام سے روایت کیا ہے کہ وہ کسی غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھے۔ ان کی تعداد تین سے زائد تھی۔ جہاں وہ خیمہ زن ہوئے وہاں چشمہ نہ تھا۔ انہیں پیاس نے آلیا ایک بکری نمودار ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا دودھ نکالنے کا حکم دیا، پھر اس کا دودھ سارے لشکر کو پلایا۔ حتیٰ کہ ان کی پیاس ختم ہوگئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس کے مالک بن جاؤ۔ اگرچہ میں تمہیں اس کا مالک دیکھتا نہیں ہوں"۔ انہوں نے اسے باندھ دیا۔ پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بکری رسی کھول کر غائب ہو چکی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت رافع نے فرمایا "رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد میں نے دیکھا تو وہ بکری غائب تھی۔ میں نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کے متعلق عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "رافع اسے وہی ذات لے گئی ہے جو اسے لے کر آئی تھی"۔

مردوں کو حیات نو عطا کرنا اور ان کا ہم کلام ہونا

حضرت امام بیہقی نے "الدلائل" میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ اس نے کہا "میں اس وقت تک آپ ﷺ ایمان پر نہیں لاؤں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے اس کی قبر دکھا" اس نے آپ کو اپنی نور نظر کی قبر دکھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "فلانہ!" اس نے عرض کی "لبیک و سعدیک"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تو پسند کرتی ہے کہ اس دنیا میں واپس آ جائے"۔ اس نے عرض کی "نہیں یا رسول اللہ! بخدا! میں نے رحمن و رحیم رب کو اپنے والدین سے بہترین پایا ہے"۔ میں نے آخرت کو دنیا سے بہتر پایا ہے۔ مذکورہ بالا روایت کے یہ الفاظ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفاء میں تحریر کیے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب ﷺ حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی "میں نے اپنی لخت جگر فلاں وادی میں پھینک دی تھی"۔ حضور ﷺ اس کے ساتھ اس وادی میں تشریف لے گئے۔ اس بچی کا نام لے کر فرمایا "فلانہ! اللہ کے اذن سے زندہ ہو جا"۔ وہ یہ عرض کرتی ہوئی قبر سے باہر نکل آئی "لبیک وسعدیک" حضور ﷺ نے فرمایا "تمہارے والدین اسلام قبول کر چکے ہیں اگر تو پسند کرے تو میں تمہیں ان کی طرف لوٹا دوں"۔ اس نے عرض کی "اب مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ میں نے رب غفور کو ان دونوں سے بہترین پایا ہے"۔

ابن عدی، ابن ابی الدنیا، امام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم صفہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ ایک نابینا بڑھیا ہجرت کر کے آئی۔ اس کے ہمراہ اس کا لڑکا بھی تھا جو بالغ ہو چکا تھا۔ اس لڑکے کو مدینہ طیبہ میں بخار ہو گیا۔ کچھ دن بیمار رہا۔ پھر اس کی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ حضور ﷺ نے اسے ڈھانپ دیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کی تکفین کی تیاری کا حکم دیا۔ جب ہم نے اسے غسل دینے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا "انس! اس کی والدہ کے پاس جاؤ۔ اسے اس کی موت کے متعلق بتاؤ"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں اس کی والدہ کے پاس گیا۔ اسے بتایا۔ وہ بڑھیا آئی اپنے بچے کے قدموں کی طرف بیٹھ گئی۔ دونوں قدم پکڑ لیے۔ پھر کہا "میرا نور نظر مر گیا"۔ ہم نے کہا "ہاں"۔ اس نے یہ التجا کی "مولا! تو خوب جانتا ہے کہ میں برضا و رغبت تجھ پر ایمان لائی۔ بتوں کو چھوڑا۔ تیری طرف رغبت رکھتے ہوئے ہجرت کی۔ مولا! بتوں کے پجاریوں کو مجھ پر مت ہنسانا۔ مجھ پر وہ گراں مصیبت نہ ڈال جسے برداشت کرنے کی مجھ میں سکت نہیں"۔ بخدا! اس بڑھیا کی یہ التجا ابھی ختم ہوئی ہی تھی کہ اس لڑکے نے اپنے قدموں کو حرکت دی۔ اپنے چہرے سے کپڑا اتار پھینکا اس نے کھانا کھایا۔ ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا پھر وہ زندہ رہا حتیٰ کہ حضور سرور کائنات ﷺ کا وصال ہو گیا۔ اس کی ماں انتقال کر گئی۔ یہ اگرچہ حضور حامی بے کساں ﷺ کی امت کی ایک عورت کی کرامت ہے۔ مگر اسے آپ ہی کی برکت سے یہ نصیب ہوئی۔ کیونکہ وہ آپ کے دین متین میں داخل ہو گئی۔ ہر ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔

امام طبری، خطیب بغدادی، ابن عساکر اور ابن شاہین نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

انہوں نے فرمایا ''حضور سرور عالم ﷺ الحجون تشریف لے گئے تو آپ غمزدہ اور افسردہ خاطر تھے۔ آپ وہیں کافی دیر ٹھہرے رہے۔ پھر مسرور و شاداں واپس تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا ''میں نے اپنے رب تعالیٰ سے التجا کی۔ اس نے میری امی جان کو زندہ کیا۔ وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ پھر قبر انور میں تشریف لے گئیں۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کریمین کو زندہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ ایمان لائے۔ اس امر کا تفصیلی تذکرہ پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔

ابن ابی الدنیا، ابن مندہ، طبرانی اور ابو نعیم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ انصار کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ ظہر اور عصر کے مابین مدینہ طیبہ کی گلیوں میں سے گزر رہے تھے کہ اچانک وصال فرما گئے۔ انصار کو علم ہوا تو وہاں گئے اور انہیں اٹھا کر ان کے گھر لے آئے۔ انہیں دو چادروں سے ڈھانپ دیا۔ گھر میں انصار کی خواتین اور مرد رو رہے تھے۔ حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں ڈھانپے ہوئے تھے کیونکہ ان کی اچانک موت کا انصار کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس غمناک صورت حال میں کفن دفن میں تاخیر ہو گئی۔ نماز مغرب اور عشاء کے مابین انہوں نے اچانک آواز سنی۔ کوئی کہہ رہا تھا ''خاموش ہو جاؤ! خاموش ہو جاؤ''۔ انہوں نے غور کیا کہ یہ آواز اس کپڑے کے نیچے سے آ رہی تھی جس سے انہیں ڈھانپا گیا تھا۔ انہوں نے ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا وہ یوں کہہ رہے محمد رسول اللہ، النبی الامی، خاتم النبیین لا نبی بعد، کان ذالك فی الکتاب الاول۔ محمد عربی ﷺ رب تعالیٰ کے رسول مکرم ﷺ ہیں وہ نبی امی اور خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں یہ پہلی کتاب میں مرقوم ہے۔ پھر انہوں نے کہا ''یہ سچ ہے۔ یہ سچ ہے''۔ پھر کہا ''یہ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم ﷺ ہیں۔ السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ وبرکاتہ پھر وہ پہلے کی طرح وصال فرما ہو گئے۔ گویا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی روح مبارک دیکھی جو ان کے پاس تشریف لائی تھی۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی بھی تعریف کی۔ وصال کے بعد اس طرح کی گفتگو کرامت ہے۔ آپ ﷺ کی امت کی کرامات آپ ﷺ کے معجزات ہی ہیں۔ یا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ کی امت میں ایسے عظیم الشان ہستیاں موجود ہیں جن سے ایسی کرامات کا ظہور ہو سکتا ہے تو ایسا معجزہ آپ سے رونما کیوں نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں ان حضرات میں موجود تھا جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تھا۔ یہ یمامہ کے روز شہید ہوئے تھے۔ یہ انصار کے خطیب تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے جنت کی بشارت دی تھی۔ جب ہم نے انہیں قبر میں اتارا تو وہ اس طرح کہہ رہے تھے ''محمد رسول اللہ! ابو بکر الصدیق، عمر الشہید، عثمان البر الرحیم''، جب ہم نے انہیں دیکھا تو وہ وصال کی حالت میں تھے۔

غزوۂ خیبر کے واقعات میں زہر آلود بکری کا واقعہ گزر چکا ہے۔ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو ایک زہر آلود بھونی ہوئی بکری پیش کی۔ آپ نے اس سے تناول فرمایا۔ صحابہ کرام بھی کھانے لگے۔ آپ نے فرمایا ''اپنے ہاتھ اٹھا لو اس نے مجھے

بتایا ہے کہ یہ زہر آلود ہے"۔
المواہب میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص کا وصال ہو گیا جب اسے کفن دیا جا چکا اور صحابہ کرام اسے اٹھانے کے لیے آئے تو اس نے یوں کہا، "محمد رسول اللہ"۔
اس روایت کو ابو بکر الضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے ایک بکری ذبح کی۔ اسے پکایا۔ اسے پیالے میں ڈالا۔ پھر اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ صحابہ کرام نے بھی اسے کھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا "اسے کھاؤ لیکن اس کی ہڈیاں نہ توڑنا"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ہڈیاں جمع کیں۔ ان پر اپنا دست اقدس رکھا۔ پھر دہن مبارک سے کچھ پڑھا۔ اچانک وہ بکری بن کر کان جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جابر! لو اپنی بکری لے لو۔ اللہ تعالیٰ اسے تمہارے لیے بابرکت کرے"۔ میں نے اسے پکڑا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ اپنے کان مجھ سے چھڑاتی رہی۔ میں اسے اپنے گھر لے آیا۔ زوجہ نے پوچھا "جابر! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا "بخدا! یہ وہی بکری ہے جسے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ذبح کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی تو رب تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا" اس بلند اقبال زوجہ نے کہا "میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں"۔
اس روایت کو حافظ محمد بن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب "العجائب والغرائب" میں بیان کیا ہے۔

شیر خوار بچوں کا شرف ہمکلامی اور آپ کی نبوت کی شہادت

امام بیہقی، دارقطنی، حاکم اور خطیب بغدادی علیہم الرحمۃ نے حضرت معرض معیقیب یمانی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شرکت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں مکہ مکرمہ کے ایک گھر میں گیا۔ میں نے وہاں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرۂ انور کی زیارت کی۔ وہ ماہ تمام کی طرح تاباں تھا۔ حضرت ابن قانع کی روایت ہے آپ کا چہرۂ انور چاند کی طرح تھا۔ میں نے آپ کی موجودگی میں ایک عجیب امر کا مشاہدہ کیا۔ اہل یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں اپنا وہ بچہ لے کر آیا جو اسی روز پیدا ہوا تھا۔ اس نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ رکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پوچھا "بچے! میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ رب العزت کے مکرم و معظم رسول ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت ڈالے تو نے سچ کہا ہے"۔ پھر اس بچے نے بات نہ کی حتیٰ کہ وہ باتیں کرنے کی عمر کو پہنچ گیا۔
ہم اسے مبارک الیمامہ کہا کرتے تھے۔ کیونکہ حضور تاجدار حرم شہریار ارم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا بارک اللہ فیک۔
امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص الکبریٰ میں لکھا ہے۔ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔ یہ درجہ حسن تک پہنچ گئی ہے۔ امام سیوطی نے ان بچوں کو ان اشعار میں نظم کیا ہے جنہوں نے کم عمر میں بات کی۔ انہوں نے اس میں مبارک یمامہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

تکلم فی المهد النبی محمد ویحیی وعیسی والخلیل ومریم

پنگھوڑے میں حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت خلیل اور حضرت مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام

نے گفتگو کی۔

و مبری جریج ثم شاهد یوسف و طفل لدی الاخدود یریه مسلم

جریج کو بری الذمہ قرار دینے والا، پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والا، وہ بچہ جو خندق کے قریب بیٹھا تھا اور مسلمان جسے دیکھ رہے تھے۔

وطفل علیه مربالامة التی یقال لها تزنی ولا تتکلم

پھر وہ بچہ جو لونڈی کے پاس سے گزرا جسے لوگ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے مگر وہ بول نہیں رہی تھی۔

ما شطة فی عهد فرعون طفلها وفی زمن الهادی المبارك یختم

فرعون کے عہد میں کنگھی کرنے والی کا بچہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں مبارک یمامہ نے کمسنی میں گفتگو کی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے معصوم بچپن میں کس طرح گفتگو فرمائی۔ یہ تذکرہ سیرت طیبہ کی پہلی جلد میں ہو چکا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک سے باہر رونق افروز ہوئے تو آپ نے اللہ رب العزت کی حمد و ثناء بیان کی۔ آپ چاند سے گفتگو اور وہ آپ سے شرف ہمکلامی کرتا تھا۔ وہ بقیہ افراد جن کا ذکر خیر مذکورہ بالا اشعار میں ہے تو ان کی داستانیں مشہور ہیں۔ جن کے تذکرہ سے موضوع طویل ہو جائے گا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور سرور مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک ایسا بچہ پیش کیا گیا جو جوان تھا۔ مگر گفتگو نہیں کرتا تھا۔ یعنی وہ گونگا ہی پیدا ہوا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا "میں کون ہوں؟ اس نے عرض کی "آپ اللہ تعالیٰ کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں"۔ اس جوان کا محو تکلم ہونا بھی آپ کا معجزہ ہے کیونکہ پہلے وہ گونگا تھا۔ وہ میت اور جمادات کی طرح تھا۔ وہ بولنے پر قادر نہ تھا۔

امام احمد، امام بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک خاتون اپنا بچہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! میرے اس بچے کو مرض جنون لاحق ہے۔ ہمارے صبح و شام کے کھانے کے وقت اسے جنوں کا دورہ پڑتا ہے"۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے سینے پر اپنا دست اقدس پھیرا۔ اس نے قئے کی۔ اس کے سینے سے گندا مواد نکلا۔ رب تعالیٰ نے اسے شفایاب کر دیا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ام جندب رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ بنو خثعم کی عورت اپنے ہمراہ ایسا بچہ لے کر آئی جو گفتگو نہیں کرتا تھا۔ حضور شافع محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی منگوایا۔ اس سے کلی کی۔ اپنے دست اقدس اس میں دھوئے۔ وہ بچے کو دیا اس عورت کو حکم دیا۔ کہ اسے پلاؤ اور اس کے جسم پر ملو بھی۔ چشم زدن میں وہ بچہ شفاء یاب ہو گیا۔ اسے ایسی عقل و دانائی نصیب ہوئی کہ اپنے زمانہ کے بڑے زیرک اور داناؤں سے گوئے سبقت لے گیا۔

شفاء ملتی ہے پل بھر میں

غزوۂ احد کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل آئی تو انہوں نے اسے اپنے ہاتھ پر رکھ لیا

اور اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اگر پسند کرو تو صبر کرو تمہیں جنت ملے گی۔ اگر پسند کرو تو میں واپس لوٹا دیتا ہوں''۔ وہ عرض گزار ہوئے۔ ''یا رسول اللہ! ﷺ جنت ایک جلیل عطا اور جمیل جزا ہے۔ لیکن میں وہ شخص ہوں جو عورت کی محبت کی آزمائش میں مبتلا ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ مجھے کانا کہے گی۔ آپ اس آنکھ کو بھی لوٹا دیں اور رب تعالیٰ سے میرے لیے جنت کی بھی التجاء کریں''۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کی آنکھ اپنے دست اقدس پر اٹھائی اور اسے اس کی جگہ پر لگا دیا۔ پھر یہ دعا مانگی ''مولا! اسے حسن و زیبائی عطا فرما''۔ وہ آنکھ دوسری آنکھ سے حسین تر تھی۔ وہ نظر میں بھی تیز تر تھی۔ جب دوسری آنکھ خراب ہوتی تو وہ خراب نہیں ہوتی تھی۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے حضرت ابو قتادہ حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر تیر لگا۔ حضور ﷺ نے اس جگہ پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ حضرت ابو قتادہ نے فرمایا ''لعاب دہن لگنے کی دیر تھی کہ نہ وہاں زخم تھا نہ درد اور نہ ہی اس سے پیپ یا خون نکلا''۔

امام نسائی، امام ترمذی، امام حاکم اور امام بیہقی نے یہ روایت لکھی بھی ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی ''یا رسول اللہ! ﷺ میرے لیے التجاء کریں کہ مجھے میری بصارت مل جائے''۔ حضور ﷺ نے اسے فرمایا جاؤ، وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا مانگو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ اَنْ یَّكْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْهُ فِیَّ

''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی کریم ﷺ کے واسطہ سے جن کا نام نامی محمد ﷺ ہے جو نبی رحمت ہیں۔ تیری جناب میں متوجہ ہوتا ہوں۔ یا رسول اللہ! آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی جناب میں متوجہ ہوتا ہوں کہ میری آنکھوں کو بینا کر دے۔ اے مولا کریم! حضور ﷺ کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما''۔

صحابہ کرام ابھی تک اس محفل میں تھے کہ وہ شخص واپس آیا اسے بینائی مل چکی تھی۔ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندان جمند یہ دعا لوگوں کو سکھاتے تھے۔ حاجات و ضروریات کے وقت لوگ اسے پڑھتے تھے تو ان کی حاجت روائی فوراً ہو جاتی، مرادیں بر آتیں۔ علامہ برہان الدین حلبی نے اس روایت کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ علامہ شہاب الخفاجی نے شرح الشفاء میں لکھا ہے اس روایت میں شبہ نہیں اسے خوب یاد کر لو۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ملاعب الاسنہ عامر بن مالک رضی اللہ عنہ کو مرض استسقاء لاحق ہو گیا۔ انہوں نے حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجا تاکہ وہ آپ سے دعا کی التجا کرے۔ آپ کی دعا کے طفیل رب تعالیٰ انہیں شفاء یاب کرے۔ حضور سید مرسلاں ﷺ نے اپنے دست اقدس سے زمین سے مٹی اٹھائی اس پر لعاب دہن لگایا۔ پھر وہ ان کے قاصد کو عطا فرما دی۔ اس نے تعجب کرتے ہوئے اسے پکڑ لیا کہ شاید آپ اس سے مذاق کر رہے تھے۔ جب قاصد حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ جاں بلب تھے۔ انہوں نے وہ مٹی پانی میں ڈالی اور اسے نوش جاں کیا۔ اللہ رب العزت نے

انہیں اس کی برکت سے شفاء یاب کر دیا۔

امام ابن ابی شیبہ، امام بیہقی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت فدیک بن عمرو السلامی رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیا گیا تو وہ آنکھوں سے نابینا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عدم بصارت کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کی ''میں اپنے اونٹوں کو ہانکے جا رہا تھا۔ اچانک میرا پاؤں سانپ کے انڈے پر پڑ گیا فوراً میری آنکھوں کی بینائی ختم ہو گئی۔ حضور طبیب رحمانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی آنکھوں میں پھونک ماری تو انہیں قوت بصارت فوراً مل گئی پھر وہ اتنے باریک بیں ہو گئے کہ اسی سال کی عمر میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیا کرتے تھے۔

محبوب خدا و محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفایابی

غزوۂ خیبر کے تذکرہ میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کل میں علم اسلام اس شخص کو عطا کروں گا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتا ہو گا۔ اللہ رب العزت اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ اس وقت انہیں آشوب چشم تھا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سر اپنی مبارک آغوش میں رکھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگا دیا۔ دوسری روایت کے مطابق مبارک دست اقدس پر لعاب دہن رکھا۔ پھر ان کی آنکھوں میں لگا دیا۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گئے گویا کہ انہیں کوئی درد نہ تھا۔

دست شفا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر واقعات

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا ''ابو مسلم! یہ کیسا نشان ہے؟ انہوں نے فرمایا ''یہ تلوار کا زخم ہے جو مجھے غزوۂ خیبر میں لگا۔ یہ ضرب کاری دیکھ کر لوگوں نے کہا ''سلمہ جانبر نہ ہو سکے گا''۔ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار پھونک ماری آج تک مجھے اس زخم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی''۔

الشفاء میں ہے غزوۂ احد میں حضرت کلثوم بن الحصین رضی اللہ عنہ کے گلے پر تیر لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جگہ اپنا لعاب مبارک لگایا۔ وہ اسی وقت صحت یاب ہو گئے۔ امام طبرانی نے روایت کیا ہے حضور طبیب قلوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم پر لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً مندمل ہو گیا۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''غزوۂ خندق میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں تھے۔ میرے بھائی حضرت علی بن حکم رضی اللہ عنہ نے خندق کو اپنے گھوڑے پر عبور کرنا چاہا۔ ان کی پنڈلی پر خندق کی دیوار لگی جس نے اسے توڑ کر رکھ دیا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنے گھوڑے سے نہیں اترے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بسم اللہ'' انہیں کسی چیز نے اذیت نہ دی اور وہ فوراً ٹھیک ہو گئے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے روز ان کا ہاتھ کٹ گیا۔ وہ اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اسے چھوڑ دیا۔ وہ بازو پہلے کی طرح جڑ گیا۔

ابن اسحاق نے ہی روایت کیا ہے کہ حضرت خبیب بن اساف رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے روز ان کی گردن پر ضرب کاری لگی۔ حتیٰ کہ ان کا ایک حصہ ایک طرف ڈھلک گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سیدھا فرمایا ''اسے دم فرمایا تو وہ بالکل تندرست ہو گئے''۔

امام بیہقی، امام نسائی اور امام طیالسی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت محمد بن حاطب الجمحی رضی اللہ عنہ کے بازوؤں پر ہنڈیا الٹ گئی۔ وہ بچے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس جگہ پر دست اقدس پھیرا۔ اس پر لعاب دہن لگایا تو فوراً صحت یاب ہو گئے۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت شرحبیل الجعفی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر گلٹی سی تھی جس کی وجہ سے وہ نہ تو تلوار مضبوطی سے پکڑ سکتے تھے اور نہ ہی گھوڑے کی لگام۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زور سے اس پر اپنی مبارک ہتھیلی ملنے لگے جس طرح چکی چلائی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ گلٹی نما چیز ختم ہو گئی اس کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

امام طبرانی نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک لونڈی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھانا مانگا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تناول فرما رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اس کھانے میں سے عطا فرمایا جو آپ کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ وہ لونڈی کم حیاء تھی۔ اس نے عرض کی ''مجھے وہ کھانا چاہیے جو آپ کے منہ مبارک میں ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہن مبارک سے نکال کر اسے عطا فرما دیا۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے کچھ مانگا ہو اور آپ نے عطا نہ کیا ہو۔ جب وہ پاکیزہ لقمہ اس عورت کے پیٹ میں چلا گیا تو رب تعالیٰ نے اسے حیاء کی دولت ارزانی فرما دی۔ مدینہ طیبہ کی کوئی خاتون بھی حیاء میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مس کرنے سے امراض ختم، بیماریاں کافور اور صفات ذمیمہ کا صفات حمیدہ میں بدل جانا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ طیبہ گھبرا گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ گھوڑا پہلے سست رو تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''ہم نے تمہارے گھوڑے کو سمندر پایا ہے''۔ اب کوئی گھوڑا بھی اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اونٹ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑی کی ہلکی سی ضرب لگائی۔ وہ اونٹ پہلے تھک چکا تھا۔ اچانک اس میں اتنی برق رفتاری آ گئی کہ اس کی نکیل تھامنا مشکل تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ان کا اونٹ سست رو ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو پوچھا کیا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی ''میرا اونٹ سست رو ہو گیا ہے۔ وہ تھک گیا ہے۔ اس لیے میں

پیچھے رہ گیا ہوں"۔ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے تشریف لائے۔ اپنے مبارک عصا سے ہلکی سی ضرب لگائی۔ پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اس پر سوار ہو جاؤ"۔ پھر وہ اونٹ اتنا تیز رفتار ہو گیا کہ انہوں نے بڑی مشکل سے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ سے آگے نکلنے سے روکا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہ اونٹ خرید لیا۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر آپ نے انہیں اس کی قیمت ادا کی۔ پھر اونٹ بھی انہیں واپس کر دیا"۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعیل بن زیاد الاشجعی رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے ساتھ بھی اسی طرح کیا۔ انہوں نے فرمایا "ایک غزوہ میں میں کمزور اور لاغر سی گھوڑی پر سوار تھا۔ جو لوگوں میں سے سب سے پیچھے تھی"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا "تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی "میری گھوڑی کمزور اور لاغر ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں عصا تھا۔ آپ نے اسی کے ساتھ اسے ایک ہلکی سی ضرب لگائی۔ پھر فرمایا "رب تعالیٰ اسے بابرکت کرے"۔ اب میں سارے لوگوں سے آگے نکل گیا۔ میرے لیے اس گھوڑی کو تھامنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے اس گھوڑی میں سے بہت سے بچھیڑے فروخت کیے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اس گھوڑی کی اولاد پھر اولاد کی اولاد میں سے بارہ ہزار درہم کے بچھیڑے فروخت کیے۔

ابن اسحاق اور ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دراز گوش پر سوار ہوئے۔ وہ بہت سست رو تھا۔ بعد میں وہ اتنا سریع رفتار ہو گیا کہ کوئی دراز گوش اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ کی ٹوپی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے پاک میں سے چند بال مبارک تھے۔ وہ جس معرکہ میں بھی شرکت کرتے کامیابی ان کے قدم چوم لیتی۔

امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ علیہم الرحمۃ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک جبہ مبارک نکالا جس پر سبز نشانات تھے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے زیب بدن فرماتے تھے۔ ہم اسے دھو کر اس کا دھون پیتے تو ہمیں شفاء نصیب ہوتی"۔

امام بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو سے بچا ہوا پانی بئر قبا میں پھینک دیا۔ پھر اس کا پانی کبھی ختم نہ ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن پھینکا تھا۔

ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن پھینکا مدینہ منورہ کا کوئی کنواں اس سے زیادہ شیریں نہ تھا۔

ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنویں کے پاس سے گزرے آپ سے عرض کی گئی "اس کا نام بیسان ہے اور اس کا پانی نمکین ہے"۔ حضور نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں! بلکہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کا پانی عمدہ ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس کا پانی شیریں ہو گیا۔

امام ابن ماجہ اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آب زمزم کا ایک ڈول پیش کیا۔

حضور ﷺ نے اس میں کلی کی تو اس کی خوشبو مشک اذفر سے بھی زیادہ عمدہ ہو گئی۔

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے شہزادگان حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی زبان مبارک عطا فرمائی۔ وہ رو رہے تھے انہوں نے زبان وحی ترجمان کو چوسا تو پر سکون ہو گئے۔

امام بیہقی نے روایت کیا کہ حضور ﷺ شیر خوار بچوں کے منہ میں لعاب دہن ڈالتے تھے جو شب بھر کے لیے انہیں کافی ہو جاتا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ عاشورہ کے روز شیر خوار بچوں کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالتے تھے۔

پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مرغی کے انڈے کے برابر سونا عطا فرمایا۔ فرمایا "اس سے اپنا قرض اتار لو"۔ ان پر چالیس اوقیہ قرض تھا۔ انہوں نے عرض کی "اس سونے کے انڈے کے ساتھ اتنا کثیر قرض کیسے ادا ہو گا؟ حضور ﷺ نے اسے لیا۔ اسے اپنی زبان مبارک پر رکھا۔ پھر فرمایا "اسے لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس سے تمہارا سارا قرض اتار دے گا"۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے اس انڈے سے ان کے لیے چالیس اوقیہ وزن کیا۔ ابھی تک میرے پاس اتنا ہی سونا تھا جتنا حضور ﷺ نے عطا کیا تھا۔

امام قاسم بن ثابت نے الدلائل میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضرت حنش بن عقیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھے حضور ساقی کوثر ﷺ نے ستو کا شربت پلایا۔ پہلے خود نوش فرمایا میں نے آخر میں پیا۔ یعنی حضور ﷺ نے اسے پہلے پیا تاکہ اس میں برکت شامل ہو جائے۔ پھر حضرت حنش رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تو بقیہ انہوں نے پی لیا۔ انہوں نے فرمایا "بعد میں جب بھی مجھے پیاس لگتی تو اس شربت سے سیرابی محسوس ہوتی جب بھوک لگتی تو اس سے بھوک مٹ جاتی"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہمراہ نماز عشاء ادا کی۔ وہ رات تیرہ و تار تھی۔ حضور ﷺ نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ فرمایا "اسے لے جاؤ۔ یہ دس گز تمہارے آگے اور دس گز تمہارے پیچھے نور فشاں ہو گی۔ گھر جاؤ گے تو تمہیں وہاں ایک تاریکی نظر آئے گی۔ اس کو مارنا حتیٰ کہ وہ نکل جائے۔ وہ شیطان ہے"۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہوئے۔ شاخ خرما ان کے لیے نور فشاں ہو گئی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر داخل ہو گئے۔ انہوں نے سیاہ چیز دیکھی۔ اسے مارا۔ حتیٰ کہ وہ گھر سے نکل گئی جس طرح کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر کے روز ایک لکڑی عطا فرمائی۔ کیونکہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی۔ آپ نے فرمایا "اسی کے ساتھ شمشیر زنی کرو"۔ وہ ان کے ہاتھ میں جا کر لمبی شمشیر براں بن گئی۔ اس کی رنگت سفید تھی۔ اس کا لوہا سخت تھا۔ انہوں نے اسی کے ساتھ جہاد کیا پھر وہ تلوار انہی کے پاس رہی۔ وہ اسے لے کر جہاد میں شرکت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مرتدین کے خلاف معرکہ آرائی میں وہ جام شہادت نوش کر گئے۔ اس تلوار کو "العون" کہا جاتا تھا۔

اہل سیر، امام بیہقی اور امام عبد البر نے الاستیعاب میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ احد کے روز حضرت عبد اللہ بن

جحش رضی اللہ عنہ کو کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ ان کی تلوار ٹوٹ چکی تھی۔ وہ شاخ فوراً تلوار بن گئی۔ حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا قصہ بہت مشہور ہے اسے ''اصحاب السیر'' نے تحریر کیا ہے۔ حضرت حافظ علائی نے اسے علیحدہ تالیف کی صورت میں لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ ہجرت فرما ہوتے وقت اس کے خیمہ کے پاس سے گزرے۔ وہیں فروکش ہو گئے۔ اس سے زادِ راہ طلب فرمایا۔ اس نے عرض کی ''اس کمزور و ناتواں بکری کے علاوہ میرے پاس اور تو کچھ نہیں یہ بھی دودھ نہیں دیتی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کھیری کو دست اقدس لگایا تو وہ فوراً دودھ اتار آئی۔ اتنا کثیر دودھ نکلا کہ جو آپ کے لیے، آپ کے ساتھیوں کے لیے کافی ہو گیا اس کے خیمہ کے سارے برتن بھی دودھ سے لبریز ہو گئے۔ جب ام معبد کا شوہر آیا تو اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ کے متعلق بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک حلیہ بیان کیا۔ اس نے فوراً پہچان لیا۔ پھر حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا اپنے ننھے سے بچے کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئیں اور اسلام قبول کر لیا۔

رضاعت مبارکہ میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ جب حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا آپ کو رضاعت کے لیے لے گئیں ان کے خاوند اپنی اونٹنی کو لینے کے لیے گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی کھیری دودھ سے لبالب بھری ہوئی تھی۔ اس سے اس قدر دودھ نکلا جوان کے سارے خاندان کے لیے کافی ہو گیا۔ انہوں نے وہ شب خیر و برکت کے ساتھ گزاری۔ انہوں نے اپنی زوجہ سے کہا ''حلیمہ! یہ مبارک بچہ ہے۔ بخدا! مجھے اس سے برکت کی امید ہے''۔

امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بکری کا قصہ بھی رقم کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی عمر ابھی چھوٹی تھی۔ وہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے۔ ان کے پاس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا ''کیا تمہارے پاس دودھ ہے؟ انہوں نے عرض کی ''ہاں۔ لیکن میں امین ہوں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میرے پاس ایک بکری لے کر آؤ جس کے ساتھ نر نے جفتی نہ کی ہو''۔ میں نے آپ کی خدمت میں ایسی بکری پیش کر دی۔ آپ نے اس کی کھیری کو دست اقدس لگایا۔ رب تعالیٰ سے دعا کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک پیالہ لے کر آئے۔ آپ نے اس میں دودھ نکالا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا اسے پی لو''۔ پھر کھیری سے فرمایا ''سکڑ جا'' وہ پہلے کی مانند ہو گئی۔ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

امام مسلم اور امام بیہقی نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی بکری کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے اور میرے ساتھیوں کو بہت زیادہ بھوک نے آ لیا۔ ہم نے اپنا آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پیش کر دیا۔ لیکن انہوں نے ہمیں قبول نہ کیا۔ ہم بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ ہمیں اہل بیت کے پاس لے گئے۔ وہاں تین بکریاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ان کا دودھ دوھ لو''۔ ہم ان کا دودھ نکالتے۔ خود پی لیتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ رکھ لیتے۔ رات کے وقت آپ جلوہ افروز ہوتے تو وہ دودھ نوش فرما لیتے۔ ایک رات میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ انصار آپ کی خدمت میں دودھ پیش کرتے ہیں۔ آپ کو اس دودھ کی کیا ضرورت ہے۔ میں وہ دودھ بھی پی گیا۔ پھر میں اس خدشہ سے نادم ہوا کہ آپ نے دودھ نہ پایا تو آپ میرے لیے بددعا کریں گے۔ میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اس اندیشہ کے پیش نظر میں سو بھی نہ سکا۔ میرے دونوں ساتھی سو

گئے۔ حضور ﷺ حسب معمول تشریف لائے۔ برتن دیکھا تو وہ خالی تھا۔ نظر مبارک آسمان کی طرف بلند ہوئی۔ میں نے کہا "آپ میرے لیے بددعا کر رہے ہیں"۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! جو مجھے کھلائے اسے کھلا جو مجھے پلائے اسے پلا"۔ میں نے چھری لی اور بکری کو ذبح کرنے کے لیے اس کی طرف گیا اچانک دیکھا تو ان سب کی کھیریاں دودھ سے لبالب بھری ہوئیں تھیں۔ میں نے برتن میں دودھ نکالا حتی کہ وہ بھر گیا۔ آپ کی خدمت میں برتن پیش کر دیا۔ آپ نے اسے نوش فرمایا۔ بقیہ مجھے عطا فرمایا۔ جب میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے جی بھر کر دودھ نوش کر لیا ہے آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے تو میں بہت زیادہ ہنسا۔ آپ نے فرمایا سواد! اتنی زیادہ ہنسی؟ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ میری طرف سے اس واقعہ کا ظہور ہوا"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ صرف رحمت خداوندی ہے۔ اگر تم اپنے دو ساتھیوں کو بھی جگا لیتے تو یہ دودھ انہیں بھی کافی ہو جاتا"۔ میں نے عرض کی "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔ پھر آپ نے وہ دودھ نوش کر لیا اور آپ کا بقیہ مجھے پینے کی سعادت ابدی نصیب ہوگئی"۔

ابن سعد نے تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ کے چند صحابہ کرام سفر پر جانا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مشکیزہ انہیں عنایت کیا اس کا منہ بند کیا اور برکت کی دعا کی۔ جب نماز کا وقت ہوا تو وہ صحابہ کرام ایک جگہ اترے۔ مشکیزہ کا منہ کھولا تو وہ دودھ سے لبریز تھا۔ اس کے منہ پر مکھن کی تہ جمی ہوئی تھی۔

الشفاء میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمیر بن سعد یا عمر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دست اقدس پھیرا ان کی عمر کے لیے دعا کی۔ انہوں نے اسی برس کی عمر میں وصال کیا۔ آپ کے دست شفا بخش کی برکت سے انہیں بڑھاپا نہیں پہنچا تھا۔ نہ ان کے سر کے بال سفید ہوئے تھے نہ ہی وہ کمزور ہوئے تھے۔

ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت مدلوک فزاری رضی اللہ عنہ کے سر کو مس کیا ان کا باقی سارا سر سفید ہو گیا لیکن جس جگہ دست حق نما پھرا تھا۔ وہ کالا ہی رہا۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ سے ایسی خوشبو آتی تھی جو ان کی بیویوں سے آنے والی خوشبوؤں پر غالب آجاتی تھی۔ حتی کہ ان کی زوجہ حضرت ام عاصم رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ہم ان کی تین بیویاں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی ساتھی سے عمدہ خوشبو لگانے کی کوشش کرتی۔ مگر حضرت عتبہ خوشبو بھی نہیں لگاتے تھے۔ لیکن پھر بھی سب سے بہترین خوشبو ان سے آتی تھی۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ "حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں مجھے پھنسیاں نکل آئیں تھیں۔ حضور ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ میرے کپڑے اتارے۔ اپنے ایک دست اقدس پر اپنا لعاب دہن ڈالا دوسرے سے اسے میرے جسم پر ملا۔ جس سے فوراً ساری پھنسیاں ختم ہوگئیں"۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ حنین میں حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ کا چہرہ زخمی ہو گیا اور اس سے خون بہنے لگا۔ حضور ﷺ نے ان کے چہرہ کو دست اقدس سے مس کیا۔ ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ دست اقدس کی برکت سے ان کے چہرے پر روشن نشان پڑ گیا۔ جس طرح کہ گھوڑے کے چہرے پر نشان ہوتا ہے۔

ابن کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس بن زید الجذامی رضی اللہ عنہ کے سر اقدس کو مس کیا ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ جب حضرت قیس رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی عمر ایک سو سال تھی ان کا سارا سر سفید تھا۔ مگر جس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست عطا پھیرا تھا وہ کالی سیاہ تھی۔ وہ آپ کی برکت سے سفید نہیں ہوئی تھی۔ ان کی نور فشاں طلعت زیبا کی وجہ سے انہیں روشن جبیں کہا جاتا تھا۔

امام بیہقی نے اسی طرح کا معجزہ حضرت عمرو بن ثعلبہ الجہنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی تحریر کیا ہے۔ ممکن ہے یہ اعجاز نمائی کئی بار ہوئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن سواد رضی اللہ عنہ کے چہرہ کو مس کیا۔ ان کے چہرہ پر بھی نور فشاں نشان پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ بن ام سلیم رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو مس کیا۔ ان کے چہرہ پر بھی سفید نشان پڑ گیا۔ آپ کے انوار و تجلیات کے آثار میں سے ایک نوران کے چہرہ پر بھی رہتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر مس کیا تو ان کے چہرے کو اتنی چمک دمک نصیب ہوگئی کہ ان کے چہرے میں یوں دیکھا جا سکتا تھا جس طرح انسان آئینہ میں دیکھتا ہے۔ بالمقابل شخص ان کے چہرہ میں اپنا چہرہ دیکھ لیتا تھا۔ امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ کے سر پر اپنا دست اقدس رکھا۔ ان کے لیے برکت کی دعا کی۔

ایک شخص آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا جس کا چہرہ متورم ہوتا یا ایسی بکری پیش کی جاتی جس کی کھیری سوجھ گئی ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متورم چہرہ یا متورم کھیری پر دست شفا بخش پھیرتے تو وہ بالکل درست ہو جاتے۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں رقم کیا ہے کہ حضور تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پر پانی کا چھینٹا پھینکا۔ رب تعالیٰ نے انہیں اتنا جمال عطا فرما دیا کہ کوئی خاتون زیبائی میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ اس وقت غسل فرما رہے تھے آپ نے پانی کا چھینٹا ان پر پھینکا۔ جوانی کی رونق و زیبائی ان کے چہرے پر رہی حتیٰ کہ عمر رسیدہ ہوگئیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ ان کے ہاں اولاد بھی ہوئی۔ یہ اپنے زمانہ کی خواتین میں سے سب سے زیادہ فقیہ اور دانا تھیں۔

''الشفاء'' میں ہے کہ ایک بچہ کسی وباء میں مبتلا تھا۔ آپ نے اس کے سر پر دست شفقت پھیرا تو وہ فوراً شفاء یاب ہو گیا اس کے بال اگ آئے۔ آپ نے کئی بیمار بچوں اور مجنونوں کو مس کیا تو وہ فوراً صحت یاب ہو گئے۔ الشفاء میں ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جسے پیشاب کی مرض لاحق تھی۔ آپ نے اس کو اس چشمہ سے غسل کرنے کا حکم دیا جس میں آپ نے اپنا لعاب دہن پھینکا تھا تو وہ فوراً شفاء یاب ہو گیا۔

امام طبری نے روایت کیا ہے کہ حضرت مہلب بن یزید الطائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے۔ ان کے سر پر بال نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر کو مس کیا تو بال اگ آئے۔ طاؤس بن کیسان الیمانی نے لکھا ہے ''جو بھی مجنون حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے اسے اس کے سینہ پر مارا تو جنون فوراً ختم ہو گیا''۔

امام احمد نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈول میں لعاب دہن پھینکا جسے کنوئیں

سے نکالا گیا تھا۔ پھر وہ پانی اسی کنویں میں پھینک دیا گیا تو اس سے مشک اذفر کی مہک آنے لگی۔ یہ بھی روایت صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ الجہنی کے سینہ پر مارا۔ ان کے لیے دعا کی۔ انہوں نے عرض کی تھی کہ وہ گھوڑے پر نہیں ٹھہر سکتے وہ سارے عرب سے بہترین شاہ سوار بن گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ کم سن تھے۔ وہ صورت کے اچھے نہ تھے۔ آپ نے ان کے لیے انسانی خلقت اور سارے امور کے لیے دعا کی وہ سارے اعضاء میں دیگر انسانوں سے طویل ہو گئے آپ کی دعائے پاک کے طفیل رب تعالیٰ نے ان کی خلقت کی تکمیل فرما دی۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں نسیان کا تذکرہ کیا۔ آپ نے انہیں چادر پھیلانے کا حکم دیا۔ حضور ﷺ نے یوں کیا کہ گویا کہ آپ کہیں سے کچھ اٹھا کر اس چادر پر ڈال رہے ہیں۔ پھر آپ نے انہیں وہ چادر اٹھا لینے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسی طرح کیا اس کے بعد انہیں کبھی کچھ بھولا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''مجھ سے بڑھ کر کسی اور کو حضور ﷺ کی احادیث یاد نہ تھیں سوائے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے۔ کیونکہ انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ نیز وہ لکھا کرتے تھے میں لکھا نہیں کرتا تھا''۔

اجابت نے بڑھ کر گلے سے لگایا

اس باب میں دعاؤں یا بددعاؤں کا تذکرہ کیا جائے گا جو آپ نے لوگوں کے لیے کیں۔ یہ باب بہت وسیع ہے حضرت قاضی عیاض نے الشفاء میں تحریر کیا ہے کسی گروہ کے لیے حضور ﷺ کی دعا یا بددعا کی قبولیت متواتر اور علم ضروری سے ثابت ہے۔

امام احمد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کسی شخص کے لیے دعا فرماتے تو اس کا اثر اور برکات اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک ہوتیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی "میری امی جان نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ یہ انس آپ کا خادم ہے۔ اس کے لیے رب غفور سے دعا مانگیں"۔ حضور اکرم شفیع معظم ﷺ نے یہ دعا مانگی "مولا! اس کے مال اور اولاد کو کثیر فرما۔ جو کچھ تو اسے عطا کرے اسے بابرکت بنا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس کثیر مال ہے، میری اولاد اور اولاد کی اولاد آج تک سو سے متجاوز ہے"۔ دوسری روایت میں ہے "میں کسی انسان کو نہیں جانتا جسے مجھ جیسی زندگی کی آسائشیں حاصل ہوئی ہوں۔ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے ایک سو بچے دفن کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ان کے بارے دعا قبول کر لی۔ روایت ہے کہ طاعون جارف میں ان کی اولاد میں سے ستر افراد نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ دوسری روایت میں ان کی زندگی کی طوالت کا بھی ذکر ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے مجھے کثیر مال سے نوازا۔ میرا انگور کا ایک باغ ہے جو سال میں دوبار پھل لاتا ہے میری صلب سے ایک سو چھ بچے پیدا ہوئے"۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ ہمارے گھر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت گھر میں میں، امی جان اور میری خالہ ام حرام رضی اللہ عنہم موجود تھیں۔ امی جان نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ یہ آپ کا خویدم انس ہے۔ رب تعالیٰ سے اس کے لیے دعا مانگیں"۔ حضور ﷺ نے میرے لیے ہر قسم کی بھلائی کی دعا مانگی۔ آپ نے دعا کے آخر میں عرض کی۔ "مولا! اس کا مال اور اولاد کثیر فرما۔ اس کے لیے اس میں برکت فرما"۔ دوسری روایت میں ہے "اس کی عمر طویل فرما، اسے جنت میں میرا رفیق بنا"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو طویل عمر کثیر مال اور اولاد ملی۔ وہ فرماتے "مجھے آخری سعادت کی بھی قوی امید ہے"۔ یعنی وہ جنت میں حضور اکرم ﷺ کی رفاقت ابدی میں ہوں گے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے بھی آپ ﷺ نے دعا کی۔ یعنی رب تعالیٰ ان کے رزق میں برکت ڈالے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اگر میں پتھر کو بھی اپنے ہاتھ سے اٹھاؤں تو آپ کی دعا کی برکت سے مجھے امید ہے کہ نیچے سے مجھے سونا مل جائے گا۔ رب تعالیٰ نے ان کے لیے خیرات اور بھلائیوں کے دروازے کھول دیے۔ جب وہ

مدینہ طیبہ آئے تو غریب تھے۔ پاس کچھ بھی نہ تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو رشتہ اخوت میں پرو دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی ایک زوجہ کو طلاق دے دیں تاکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان سے نکاح کر لیں نیز اپنے مال میں بھی انہیں شریک کر لیں۔ انہوں نے فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں، رب تعالیٰ تمہاری بیویاں اور تمہارے مال میں برکت ڈالے۔ صرف میری راہ نمائی بازار کی طرف کر دو"۔ وہ تجارت میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑی سی مدت میں رب تعالیٰ نے انہیں وافر مال عطا فرما دیا۔ یہ حضور ﷺ کی دعائے خیر کی برکت ہی تھی۔ جب 31ھ یا 32ھ میں آپ نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا تو آپ کی وراثت کے سونا کو کلہاڑے کے ذریعے تقسیم کیا گیا۔ حتیٰ کہ زیادہ کام کی وجہ سے لوگوں کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ آپ کی ازواج میں سے ہر زوجہ کو اسی ہزار دینار ملے۔ دوسری روایت میں ہر زوجہ کا حصہ ایک لاکھ دینار تھا۔ ایک اور روایت کے مطابق ان میں سے ایک کو اسی ہزار سے زائد دینار ملے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار راہ خدا میں بطور صدقہ دیئے جائیں۔ انہوں نے ایک باغ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لیے بھی وقف کیا۔ جسے بعد میں چار لاکھ میں فروخت کیا گیا۔ آپ نے ان تمام خوش نصیب بدری صحابہ کرام کو چار چار ہزار دینار دینے کا حکم دیا جو ابھی تک بقید حیات تھے ان کی تعداد ایک سو تھی۔ انہوں نے یہ دینار لے لیے۔ یہ دینار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھی ملے۔ یہ صدقات ان صدقات کے علاوہ ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں دیئے تھے۔ ایک روز انہوں نے تیس غلام آزاد کر دیئے۔ ایک سامان بھرا پورا کارواں صدقہ کر دیا۔ اس کارواں میں سات سو اونٹ تھے۔ انہوں نے یہ کارواں تجارت کے لیے بھیجا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کا سارا سامان صدقہ کر دیا اس کا کھانا، کجاوے اور دیگر سارا سامان راہ خدا میں صدقہ کر دیا۔ ایک دفعہ نصف مال راہ خدا میں صدقہ کر دیا وہ نصف چار سو دینار تھے۔ پھر ہزار دینار پھر چالیس ہزار دینار بطور صدقہ دیئے۔ پھر پانچ سو گھوڑے راہ خدا میں بطور صدقہ دیئے پھر پانچ سو سواریاں صدقہ کیں۔

روایت ہے کہ حضور ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیئے۔ عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے پاس آٹھ ہزار دراہم تھے میں نے چار ہزار اپنے رب کو بطور قرض حسنہ پیش کیے ہیں۔ اپنے اہل و عیال کے لیے چار ہزار رکھے ہیں"۔ حضور ہادی اعظم ﷺ نے فرمایا "جو کچھ تم نے دیا ہے اللہ تعالیٰ اس میں بھی برکت ڈالے اور جو کچھ تم نے روکا ہے رب تعالیٰ اسے بھی بابرکت کرے"۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال کو بابرکت کر دیا۔

حضور ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی شہروں میں تسلط کی دعا فرمائی۔ انہیں خلافت نصیب ہوئی۔ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "معاویہ پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا"۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک یہ روایت پہنچی تو انہوں نے فرمایا "اگر مجھے اس روایت کا علم ہوتا تو میں ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا"۔ (شرح شفاء از ملا علی قاری)

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کی۔ "مولا! انہیں علم کتاب عطا کر، انہیں شہروں میں تسلط عطا فرما، انہیں عذاب سے بچا"۔ آپ ﷺ نے ایک دفعہ ان کے لیے یہ دعا فرمائی "مولا! انہیں

ہادی اور مہدی بنا دے"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہاد کے بارے عقیدہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اور بھی بہت سی روایات مروی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں امیر بنایا۔ پھر حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما نے انہیں منصب امارت پر برقرار رکھا۔ یہ بیس سال تک شام کے امیر رہے۔ جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے تو ساری مملکت اسلامیہ ان کے زیر نگیں ہو گئی۔ لوگوں نے ان کی بیعت کر لی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو واقعات رونما ہوئے۔ ان سے رک جانا چاہیے کیونکہ مجتہد اگر کسی رائے کی صحت تک پہنچ جاتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔ اگر اس سے لغزش ہو جاتی ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ احادیث طیبہ میں ان لوگوں کے متعلق شدید وعید ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو برے الفاظ سے یاد کیا یا اس کی شان میں تنقیص کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبہ)

"اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے۔ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے۔ اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات۔ بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (الحشر)

"(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے۔ یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور ہر وقت مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں"۔

اللہ رب العزت نے ان کے صدق کی خبر دی اس نے بتایا کہ وہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد کسی مومن کے لیے روا نہیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تعرض کرے۔ بلکہ ان کے مابین ہونے واقعات کو اللہ رب العزت کے سپرد کرے۔ ان میں غور و فکر ترک کر دے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ مجتہد تھے اور انہیں اجر ملے گا۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید:10)

''تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا''۔

مزید ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ (الانبیاء)

''بلاشبہ وہ لوگ جن کیلئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے''۔

مذکورہ بالا آیات بینات سے یہ امر آشکارا ہو جاتا ہے کہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میرے صحابہ کرام کے متعلق خدا سے ڈرو، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنا لینا۔ جس نے انہیں برا بھلا کہا اس پر رب تعالیٰ، اس کے ملائکہ اور سارے لوگوں کی لعنت ہو''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے متعلق اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

دعا سلامتی ایمان بطفیل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

نَسْئَلُ اللّٰهَ اَنْ يُّحْيِيَنَا وَ يُمِيْتَنَا عَلٰى مَحَبَّتِهِمْ وَاَنْ لَّا يَجْعَلَ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ فِىْ عُنُقِنَا ظَلَامَةً وَّاَنْ يَّجْعَلَهُمْ شُفَعَاءَ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ..........آمین

دعا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ میری دعاؤں کو شرف قبولیت دے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سعد! اللہ رب العزت کسی شخص کی التجاؤں کو قبول نہیں فرماتا حتیٰ کہ اس کا کھانا پاکیزہ ہو جائے''۔ انہوں نے عرض کی ''رب تعالیٰ سے التجا کریں کہ وہ میرا کھانا پاکیزہ فرما دے۔ کیونکہ آپ کی کریمانہ دعا کے بغیر میرے لیے اور کوئی چارہ کار نہیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی ''یا اللہ! حضرت سعد کا کھانا پاکیزہ بنا دے اور ان کی دعائیں قبول کر لے''۔

اہل صحیح نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بہت سے مستجاب دعاؤں کا ذکر کیا ہے۔ وہ مشہور ہیں ان روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ابوسعدہ کے لیے یہ بد دعا کی ''مولا! اس کی زندگی طویل کر، اس کی غربت لمبی کر، اسے فتنوں کی آماجگاہ بنا دے''۔

راوی کہتے ہیں ''میں نے اس شخص کو دیکھا۔ وہ انتہائی عمر رسیدہ تھا، اس کی بھنویں اس کی آنکھوں پر گر چکی تھیں۔ وہ لڑکیوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا تھا، اسے دیکھ کر کہا جاتا تھا ''یہ فتنہ میں مبتلا وہ بوڑھا ہے جسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بد دعا لگی ہے''۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین ﷺ نے یہ دعا مانگی، ''مولا! اسلام کو ان دو افراد میں سے کسی ایک کے ذریعہ تقویت عطا فرما۔ عمر بن خطاب یا ابوجہل''۔ آپ کی یہ دعا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل مسلمان مشرکین کے خوف سے خانہ کعبہ کے پاس نماز نہیں پڑھتے تھے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دولت اسلام سے مالا مال ہوئے تو انہوں نے اس کے ساتھ کعبہ معظمہ کے پاس نماز پڑھی۔ یہ روایت کئی اسناد سے مروی ہے۔ بعض میں آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کو اس دعا کے لیے مختص فرمایا۔ آپ نے عرض کی ''مولا! اسلام کو عمر بن خطاب سے عزت عطا فرما۔ مولا! عمر کے ساتھ اسلام کی تائید فرما''۔ ان سب روایات کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ پہلے آپ ﷺ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اسلام کی تقویت کے لیے دعا کی۔ جب اللہ رب العزت کے بتانے اور الہام سے علم ہو گیا کہ اس دعا کے مستحق صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں تو پھر صرف انہیں ہی اس دعا کے ساتھ مختص فرمالیا۔ پھر بار بار دعا کرتے رہے کہ وہ دراجابت پر قبول ہو گئی۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا فرمائی ''پروردگار! تمہارے چہرے کو کامیاب کرے۔ مولا! ان کے بالوں اور جلد میں برکت ڈال''۔ جب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو ان کی عمر ستر سال تھی وہ اپنی قوت و طاقت سے پندرہ سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ ان کے جسم میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔ ان کے بال بھی سفید نہیں ہوئے تھے۔

حضرت نابغہ جعدی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی شان میں قصیدہ پڑھا جب وہ ان اشعار پر پہنچے

لا خیر فی حلم اذ لم یکن لہ بوادر تحمی صفوہ ان یکدرا

اس حلم میں کوئی خیر نہیں جب تک اس میں غصہ کی آمیزش نہ ہوتا کہ وہ اپنے صاف تالاب کو گندا کرنے والوں سے بچا سکے۔

ولا خیر فی جھل اذا لم یکن لہ حلم اذا ما اوردہ الامر اصدرا

ایسے غضب میں بھی کوئی بھلائی نہیں جب تک کہ اس میں حلم نہ ہو جو اسے اس چیز سے نکال سکے جو اس میں داخل ہوا ہے۔

تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ تمہارا منہ شاداب رکھے''۔ ان کا ایک دانت بھی نہ گرا۔ دوسری روایت کے مطابق ان کے دانت سارے لوگوں سے بڑھ کر خوبصورت تھے۔ جب ان کا ایک دانت گر جاتا تو دوسرا اگ آتا۔ انہوں نے متفرق روایات کے مطابق 120 یا 140 یا 180 سال زندگی بسر کی۔

امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے ان الفاظ میں دعا کی ''مولا! اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرما، اسے معانی قرآن کا علم عطا فرما، اسے تاویل کا علم عطا فرما''۔ حضور ﷺ کی دعائے پاک کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ''البحر'' اور ترجمان القرآن کہا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کی دعائے پاک کی برکت سے وہ تفسیر، فقہ، فرائض، اشعار عرب اور ان کے ایام کے متعلق سارے لوگوں سے زیادہ عالم تھے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی کہ رب

تعالیٰ ان کے سودے میں برکت ڈالے۔ وہ جو چیز بھی فروخت کرتے رب تعالیٰ انہیں نفع عطا فرماتا۔

ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضور ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا کی۔ ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی تھی۔ حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں۔ ''ایک دن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے وہ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک چوہا اپنی بل سے ایک دینار لے کر نکلا۔ اس نے اسے ان کے سامنے رکھ دیا۔ پھر وہ ایک ایک دینار نکالتا رہا حتیٰ کہ اس نے سترہ دینار باہر نکال دیئے۔ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وہ دینار لے کر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا'' کیا تم نے اس کی بل میں ہاتھ ڈالا تھا'' انہوں نے عرض کی'' مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! انہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ وہ پاکیزہ رزق ہے جو رب تعالیٰ نے تمہیں عنایت کیا ہے۔ رب تعالیٰ اس میں تمہارے لیے برکت ڈالے''۔ حضرت ضباعہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا'' وہ آخری دینار ختم نہ ہوا حتیٰ کہ میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے گھر چاندی کی بوریاں دیکھیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت ہی تو تھی''۔

امام بخاری اور امام احمد کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ بن ابی جعد البارقی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اسی طرح برکت کی دعا کی تھی جس طرح آپ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی تھی۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' میں کوفہ کے بازار کفالہ میں جاتا جب تک مجھے چالیس ہزار کا نفع نہ مل جاتا میں واپس نہ آتا''۔ امام بخاری کی روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا'' اگر میں مٹی بھی خریدلوں مجھے اس میں بھی نفع ہوگا''۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کے لیے دعا کی کہ رب تعالیٰ انہیں اسلام قبول کرنے کا شرف عطا فرمادے۔ وہ اسلام لے آئیں اور صحابیت سے شرف کے بہرہ ور ہوئیں۔ اس سے قبل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے اسلام کے متعلق بڑے حریص تھے۔ انہوں نے انہیں اسلام کے چشمہ شیریں کی طرف بلایا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ بلکہ حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات کہے۔ وہ گریہ بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض گزار ہوئے'' یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں جب بھی انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں وہ انکار کر دیتی ہیں۔ آج میں نے انہیں دعوت اسلام دی تو مجھے نازیبا کلمات سننے پڑے۔ رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی'' مولا! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما''۔ اس دعا کے بعد حضرت ابو ہریرہ شاداں و فرحاں باہر نکلے۔ جب اپنے گھر کی دہلیز تک پہنچے تو ان کی والدہ ماجدہ نے قدموں کی چاپ سنی تو کہا'' ابو ہریرہ! اسی جگہ ٹھہر جاؤ''۔ انہوں نے پانی انڈیلنے کی آواز سنی۔ ان کی والدہ نے غسل کیا اپنا لباس پہنا پھر ان کے لیے دروازہ کھولا۔ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے کہا'' ابو ہریرہ! میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ رب العزت کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں''۔ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خوشی و مسرت کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گئے۔ عرض کی'' یارسول اللہ! آپ کو بشارت ہو۔ آپ کی دعا در اجابت پر قبول ہو گئی ہے۔ میری امی جان کو

رب تعالیٰ نے ہدایت عطا کی ہے"۔ آپ نے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم رب تعالیٰ سے دعا کریں کہ رب تعالیٰ مجھے اور میری امی جان کو صالحین کے نزدیک اور ان صالحین کو ہمارے نزدیک محبوب بنا دے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی۔ "مولا! اپنے اس بندے کو اس کی امی جی کو صالحین کے نزدیک اور اپنے پاکباز بندوں کو ان کے نزدیک محبوب بنادے"۔ یہ اس دعائے پاک کی برکت تھی کہ جو بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے سنتا یا انہیں ایک نظر دیکھ لیتا وہ ان سے پیار کرنے لگتا۔ (امام بیہقی فی الدلائل)

امام بیہقی نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھا جگر گوشہ رسول، سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور آپ کے سامنے بیٹھ گئیں۔ آپ نے ان کی طرف دیکھا ان کا چہرہ مبارک بھوک کی وجہ سے زرد ہو چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ اقدس پر اپنا دست اقدس رکھا۔ پھر یہ دعا کی "مولا اس جماعت کو سیر شکم فرما۔ اے سرنگوں کو سر بلند کرنے والے! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رفعتوں پر گامزن فرما"۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا چہرہ انور دیکھا۔ وہ سرخ ہو گیا تھا۔ ساری زردی کافور ہو گئی تھی۔ میں بعد میں آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "عمران! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ دعا کے بعد مجھے کبھی بھی بھوک نہیں لگی"۔ امام بیہقی نے فرمایا ہے۔ یہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔

امام ابن اسحاق، امام بیہقی اور امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی قوم کے لیے نشانی بنا دے۔ آپ نے یہ دعا مانگی "مولا! انہیں نور عطا فرما"۔ ان کی آنکھوں کے مابین نور ضوفشاں ہو گیا۔ انہوں نے عرض کی "مولا! مجھے اندیشہ ہے کہ میری قوم اسے مثلہ کہے گی۔ وہ نور ان کے عصا کے کنارے پر چلا گیا۔ یہ شب تاریک میں ضوفشاں ہوتا تھا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ کو "ذوالنور" کہا جاتا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب مضر نے اسلام قبول کرنے سے لیت ولعل سے کام لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے یہ بددعا کی، "مولا! ان پر اس طرح کا قحط مسلط فرما دے جس طرح کا قحط حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے زمانہ میں آیا تھا"۔ اس کے بعد انہیں قحط سالی نے آلیا حتیٰ کہ وہ لوگ چمڑے، خون اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ابو سفیان نے عرض کی "آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ آپ کی قوم ہلاکت کے گرداب میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ ان کے لیے رب تعالیٰ سے دعا مانگیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی: پروردگار! ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو تر و تازہ کرنے والی ہو، سارے علاقے پر برسنے والی ہو، بڑی کثیر ہو، جلدی ہو تاخیر سے نہ ہو، نفع بخش ہو، نقصان دہ نہ ہو۔ جمعۃ المبارک آنے سے پہلے ہی ان پر کثیر ابر کرم برسا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت تحریر کی ہے کہ جب کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پھاڑا تو آپ نے رب تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دے۔ کسریٰ کی سلطنت ختم ہو گئی۔ دنیا کی اطراف میں کسی جگہ بھی اس کی حکومت برقرار نہ رہی۔

امام بیہقی نے روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لڑکے کے لیے بددعا کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور آپ کے سترہ کے درمیان سے گزرا کہ رب تعالیٰ اسے چلنے پھرنے سے معذور کر دے۔ ابن مہران کہتے ہیں میں نے تبوک میں معذور دیکھا اس کا نام یزید بن بہرام تھا۔ میں نے اس سے اس معذوری کے متعلق پوچھا اس نے کہا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گزرا۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے آپ نے میرے لیے یہ بددعا کی "مولا! اسے معذور کر دے"۔ اس کے بعد میں کبھی نہ چل سکا۔

امام مسلم نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنے بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا "اپنے دائیں ہاتھ سے کھا" اس نے کہا "میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تو دائیں ہاتھ سے کھانے کی طاقت نہ رکھے"۔ اس کے بعد وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ تک نہ لے جا سکا۔

امام حاکم، امام بیہقی اور امام ابن اسحاق نے صحیح اسناد سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب کے لیے یہ بددعا کی "مولا! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرما دے"۔ پھر اسے ایک شیر نے چیر دیا تھا۔

باب "مراتب الوحی" میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ قریش مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دیں تو آپ نے ابوجہل، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ کے لیے بددعا کی تھی۔ جب انہوں نے آپ پر اوجھڑی رکھ دی تھی جب کہ آپ حالت سجدہ میں تھے۔ اللہ رب العزت نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور غزوہ بدر میں یہ سارے جہنم واصل ہو گئے۔

امام بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروان کے باپ حکم بن ابی العاص بن امیہ کے لیے بددعا کی کیونکہ وہ اپنے چہرے، ابرو اور ہونٹوں کو حرکت دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقلیں اتارتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اسی طرح ہو جا۔ تو وہ اسی طرح اپنا منہ بناتا رہا حتیٰ کہ مر گیا"۔ آپ کا مذاق اڑانے والوں کا انجام پہلے بیان ہو چکا ہے۔

امام بیہقی اور امام ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محلم بن جثامہ کنانی اللیثی کے لیے بددعا کی۔ آپ کی اس بددعا کے سات روز بعد وہ جہنم واصل ہو گیا۔ جب لوگوں نے اسے دفن کیا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا۔ انہوں نے دوبارہ اسے دفن کیا۔ لیکن زمین نے پھر اسے پھینک دیا۔ کئی روز اسی طرح ہوا۔ لوگوں نے اسے ایک گھاٹی میں پھینک دیا اور اسے پتھروں سے ڈھانپ دیا۔ اس بددعا کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ بھیجا حضرت عامر بن الاضبط کو اس کا امیر مقرر کیا۔ جب یہ مجاہدین وادی کے دامن میں پہنچے محلم نے حضرت عامر کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے محلم کے لیے بددعا کی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ زمین نے اسے باہر پھینک دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "زمین تو اس سے بھی شریر لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن رب تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے عبرت بنایا ہے"۔

یہ باب بہت وسیع ہے کیونکہ آپ کی مستجاب دعائیں حد وشمار سے ماوراء ہیں۔ جن کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔

غیب کی خبریں

غیب کے متعلق آپ ﷺ کی خبریں ان گنت اور بے شمار ہیں "الشفاء" میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے "یہ وہ بحر بے کراں ہے نہ جس کی گہرائیاں معلوم کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی اس کا پانی نکالا جاسکتا ہے"۔ یہ معجزہ آپ ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے جو علم قطعی سے ہم تک پہنچا ہے کثیر راویوں کی وجہ سے یہ خبر متواتر ہے۔ غیب پر مطلع ہونے پر ان کے معانی کا اتفاق ہے۔ یہ صرف اور صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ پہلے ایسے کثیر معجزات گزر چکے ہیں۔

امام ابو داؤد نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے تھے۔ خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے قیامت تک رونما ہونے والی ہر چیز کا تذکرہ کر دیا جس نے اسے یاد رکھا اس نے یاد رکھا جس نے بھلا دیا اس نے بھلا دیا"۔

امام بخاری نے بھی اس روایت کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن امام ابو داؤد نے اسے تفصیل سے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے "ان چیزوں میں سے جن کا تذکرہ آپ ﷺ نے ہم سے کیا تھا جسے میں فراموش کر چکا تھا۔ جب کوئی چیز رونما ہوتی ہے تو وہ چیز مجھے اس طرح یاد آ جاتی ہے جس طرح آدمی کو اس شخص کا چہرہ یاد آتا ہے جو کہیں چلا گیا ہو پھر وہ اچانک سامنے آ جائے" پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی اسے بھول چکے ہیں یا فتنے کے خوف سے نسیان کا اظہار کرتے ہیں۔ بخدا! حضور اکرم ﷺ نے اختتام دنیا تک کسی ایسے قائد کا تذکرہ ترک نہیں فرمایا جس کے ہمراہ تین سو یا زائد افراد ہوں بلکہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام بتا دیا حتیٰ کہ اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ ﷺ نے ہمیں یہ بھی بتایا تھا کہ ایک پرندہ اپنے پروں سے کیسے حرکت کرتا ہے اس کے علاوہ دیگر علوم کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے؟"

امام بخاری اور امام مسلم اور دیگر اصحاب السنن نے ایسی روایات نقل کیں ہیں جن میں ایسی خبروں کا ذکر ہے جن سے صحابہ کرام کو معلوم ہو جاتا تھا کہ انہیں کس طرح اپنے دشمن پر غلبہ نصیب ہوگا۔ دشمن کی قوت ٹوٹ جائے گی جیسے کہ فتح مکہ کے بارے فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو پہلے ہی بتا دیا تھا جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو فرمایا "میں تمہیں اس واقعہ کے متعلق بتاتا تھا"۔ آپ نے صحابہ کرام کو بیت المقدس فتح ہونے کے متعلق بتا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بتا دیا تھا جب وہ دولت ایمان سے مالا مال ہوئے کہ عنقریب بیت المقدس فتح ہو جائے گا۔ آپ نے انہیں وہاں ایک جاگیر بھی عطا کر دی تھی۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المقدس فتح ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا وعدہ ایفاء کرتے ہوئے حضرت تمیم داری کو وہ جاگیر عطا کر دی۔ یہ واقعہ 16ھ کو رونما ہوا۔ حضور سپہ سالار اعظم ﷺ نے

شام، یمن اور عراق کی فتح کی بشارت دے دی تھی۔ آپ نے اسلامی ممالک میں اس طرح امن قائم ہونے کی بشارت دی تھی کہ ایک عورت حیرہ سے مکہ مکرمہ تک کا سفر تنہا کرے گی اسے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا خوف نہیں ہوگا۔ آپ کا یہ فرمان بھی حق ثابت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا کہ عنقریب مدینہ طیبہ پر لشکر کشی ہوگی۔ یہ خبر واقعہ حرہ کے متعلق تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ خیبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دست اقدس سے فتح ہوگا۔ پھر اسی طرح ہوا جیسا کہ تذکرہ ہو چکا ہے۔ آپ نے بتا دیا تھا کہ کون کون سے شہر آپ کی امت فتح کرے گی ان کے لیے رب تعالیٰ دنیا کس طرح وسیع فرما دے گا۔ مسلمان دنیا میں مگن ہو جائیں گے۔ آپ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ عنقریب صحابہ کرام کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کو تقسیم کریں گے۔ یہ بشارتیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء کے عہد میں پوری ہوئیں۔ آپ نے امت مصطفویہ میں رونما ہونے والے فتنوں اور اختلاف کے بارے میں بتایا تھا کہ آپ کی امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں سے نجات پانے والا گروہ صرف ایک ہوگا۔ نجات یافتہ صرف وہ ہوگا جو اس راہ راست پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ کرام گامزن ہیں۔ یہ خبر بھی اسی طرح حق ثابت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا تھا کہ آپ کی امت بھی سابقہ امتوں کی راہوں پر پورا پورا چلے گی۔ حتیٰ کہ وہ اگر گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو یہ بھی اس میں ضرور داخل ہوں گے۔ آپ سے عرض کی گئی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ان اقوام سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کے علاوہ دوسرا کون مراد ہو سکتا ہے''۔

امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ عنقریب آپ کی امت قالین بچھائے گی۔ یعنی آپ کی امت کو دنیا میں اتنی آسائش ملے گی کہ وہ خوبصورت قالین بچھائیں گے۔ فقر اور تنگ دستی کے بعد رب تعالیٰ انہیں خوشحالی عطا فرمائے گا۔ وہ وقت صبح ایک پوشاک پہنیں گے جب کہ شام کے وقت دوسرا حلہ زیب بدن کریں گے۔ ان میں سے ایک کے سامنے کھانے کا ایک برتن رکھ کر دوسرا اٹھا لیا جائے گا۔ وہ اپنے گھروں کی دیواروں کو اس طرح ڈھانپیں گے جس طرح خانہ کعبہ کو ڈھانپا گیا ہے۔ امام ترمذی سے منقول روایت کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لیکن آج تم اس روز سے بہتر ہو''۔ کیونکہ وہ رزق جو کافی ہو جائے وہ اس کثیر دولت سے کہیں بہتر ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت سے روک دے۔ دل اور جسم کو تھکا دے۔ جس طرح کہ وہ شخص اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے جسے اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نخوت سے چلے گی۔ فارس اور روم کی بیٹیاں ان کی خدمت کریں گی۔ اس وقت رب تعالیٰ ان میں باہمی انتشار پیدا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے شریر لوگوں کو نیکوں پر مسلط فرما دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل روم کی مملکت انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ آخری زمانہ تک ان کی حکومت کسی نہ کسی کی صورت میں قائم رہے گی۔ مگر فارس کا معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ رب تعالیٰ نے ان کی سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارکہ چاک کیا تھا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عمدہ عمدہ لوگ چلے جائیں گے۔ کھجور یا جو کی تلچھٹ کی طرح کی تلچھٹ باقی رہ جائے گی درگاہ ربانیہ میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی''۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ زمانہ قریب ہو جائے

گا۔ سال مہینہ کی طرح لگے گا۔ مہینہ جمعہ کی طرح جلد گزر جائے گا۔ جمعۃ المبارک ایک دن کی طرح ہوگا۔ دن ایک لمحہ کی طرح گزرے گا۔ ایک گھڑی آگ کے شعلہ کی مانند گزر جائے گی۔ یعنی سالوں اور دنوں میں برکت اٹھ جائے گی۔ علم ختم ہو جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ہلاکت ہو اہل عرب کے لیے اس فتنہ سے جو قریب آچکا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے لیے زمین کو سمیٹ دیا گیا۔ آپ نے زمین کے مشارق اور مغارب دیکھے۔ جہاں تک آپ کے لیے زمین سمیٹی گئی وہاں تک آپ کی امت کی حکومت ہوگی۔ آپ کی یہ خبر بھی سچ ثابت ہوئی کہ مسلمانوں کی سلطنت کس طرح مشارق و مغارب میں پھیل گئے۔ مشرق میں ہندوستان سے لے کر مغرب میں بحر طنجہ تک مسلمانوں کی حکومت تھی۔

امام مسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اہل مغرب حق پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ قیامت آجائے گی''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت اور بنو امیہ کی حکومت کی خبر دی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عدل اور نرمی کی وصیت کی۔ فرمایا ''جب تمہیں حکومت ملے تو نرمی اختیار کرنا''۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرمان سنا۔ میں خلافت میں امید رکھتا تھا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''معاویہ! جب مسند اقتدار پر بیٹھ جاؤ تو احسان کرنا''۔

امام ترمذی، امام بیہقی اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب بنو ابی العاص چالیس یا تیس سال حکومت کر لیں گے تو وہ دین متین میں فتنہ پیدا کریں گے۔ لوگوں کے حقوق پامال کریں گے اور رب تعالیٰ کے اموال میں اسراف کریں گے''۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسی طرح ہوا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

امام بیہقی اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد کے متعلق فرمایا کہ وہ سیاہ جھنڈے لے کر نکلیں گے۔ وہ شام میں اتریں گے۔ رب تعالیٰ ان کے ہاتھوں جابر کو ہلاک کرے گا۔

دوسری روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''خراسان سے سیاہ جھنڈے نکلیں گے۔ انہیں کوئی چیز واپس نہ کر سکے گی حتیٰ کہ انہیں بیت المقدس میں گاڑھ دیا جائے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ خلافت ان کی اولاد میں ہوگی۔ بنو عباس اس کی توقع رکھتے تھے۔

امام حاکم نے روایت رقم کی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب میرے بعد میرے اہل بیت کو میری امت کی طرف سے قتل و غارت کا سامنا کرنا پڑے گا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ جیسا کہ امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس امت کا بدبخت ترین انسان وہ ہوگا جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مبارک ریش کو خون آلود کرے گا''۔ آپ نے اشارہ فرما دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر اقدس پر تلوار لگے

گی۔ اس سے خون نکلے گا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کو تر کر دے گا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں شہید کیا جائے گا کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہوں گے''۔ امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنہ وفساد کا تذکرہ فرمایا۔ پھر فرمایا ''اس فتنہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مظلومی کی حالت میں قتل کیا جائے گا۔ رب تعالیٰ انہیں ایک قمیص عطا فرمائے گا۔ باغی وہ قمیص اتارنے کی کوشش کریں گے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''وہ قمیص ہرگز نہ اتارنا''۔

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون قرآن کریم کی اس آیت طیبہ پر گرے گا''۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ (البقرہ: 137) تو کافی ہو جائے گا آپ کو ان کے مقابلے میں اللہ۔

بعض آئمہ حدیث نے اس روایت کے متعلق گفتگو کی ہے۔ لیکن امام طبری نے لکھا ہے کہ ان کی اکثریت نے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا ایک قطرہ یا کئی قطرات رب تعالیٰ کے اسی فرمان پر گرے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پہلا فتنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور آخری فتنہ دجال کا خروج ہے۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے ہر وہ شخص جس کے دل میں قاتلین عثمان کے لیے ذرہ بھر بھی محبت ہو گی وہ دجال کی ضرور اتباع کرے گا۔ اگر وہ اسے اس زندگی میں نہ پا سکا تو وہ اپنی قبر میں اس پر ایمان لے آئے گا''۔ اس روایت کو حافظ سلفی نے نقل کیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ اس وقت تک میرے صحابہ کرام میں فتنہ کا ظہور نہیں ہوگا۔ ایک دن حضرت عمر فاروق، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے ملے۔ انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خوب دبایا۔ انہوں نے کہا ''اے فتنہ کے تالے! میرے ہاتھ چھوڑ دیں''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ ''ابوذر! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ''ایک دن آپ آئے۔ ہم بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر تھے۔ آپ نے لوگوں کی گردنیں پھلانگنا پسند نہ کیا۔ محفل کے پچھلے حصہ میں بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب تک عمر تم میں موجود ہیں۔ تمہیں کوئی فتنہ نہیں پہنچ سکتا''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''تم میں سے کسے وہ بات یاد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتنہ کے متعلق کہی تھی جو سمندر کی لہروں کی طرح موجزن ہوگا''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''امیر المومنین اس کے متعلق آپ کو خدشہ نہیں ہونا چاہیے اس کے اور آپ کے مابین ایک مقفل دروازہ ہے''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''کیا اسے کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اسے توڑ دیا جائے گا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''پھر وہ کبھی بھی بند نہ ہو سکے گا''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا ''وہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے فرمایا ''عمر فاروق رضی اللہ عنہ''۔ ان سے پوچھا گیا ''کیا عمر فاروق اس حقیقت سے آشنا ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''ہاں۔ وہ اس سے اس طرح

آگاہ ہیں جس طرح ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ کل کے بعد رات آئے گی"۔

ایک دفعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شام میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ ایک شخص نے کہا، "اے امیر محترم! ذرا صبر کریں۔ فتنے کا ظہور ہو چکا ہے"۔ انہوں نے فرمایا "ابھی تو ابن خطاب زندہ ہیں اس فتنے کا ظہور ان کے بعد ہوگا"۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے متعلق بتا دیا تھا جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حق پر نہ ہوں گے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو دیکھا۔ ان میں سے ہر ایک مسکرا رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کیا تم زبیر سے پیار کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "میں انہیں کیسے پیار نہ کروں، وہ میری پھوپھو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر اور میرے دین پر ہیں"۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا "کیا تم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی "میں ان سے کیسے پیار نہیں کروں گا وہ میرے ماموں کے نور نظر ہیں اور میرے دین پر ہیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عنقریب تم ان سے جنگ کرو گے۔ حالانکہ اس وقت حق کا دامن تمہارے ہاتھ میں نہ ہوگا"۔ جنگ جمل کے روز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے سامنے آئے اور فرمایا "میں تمہیں رب تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا کہ تم مجھ سے جنگ کرو گے۔ اس وقت تم مجھ پر ظلم کرنے والے ہو گے"۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہاں! میں نے آپ کا یہ فرمان عالی شان سنا تھا۔ لیکن میں بھول گیا تھا۔ اب مجھے یہ فرمان یاد آ گیا ہے۔ اب میں آپ سے جنگ نہیں کروں گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ صفیں چیرتے ہوئے میدان کارزار سے باہر نکل آئے۔ راستہ میں لخت جگر حضرت عبداللہ ملے۔ انہوں نے پوچھا "آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے فرمایا "مجھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث طیبہ یاد کرا دی ہے جسے میں فراموش کر چکا تھا۔ میں نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا تھا آپ نے مجھے فرمایا تھا "تم علی المرتضیٰ سے جنگ کرو گے۔ حالانکہ حق تمہاری طرف نہ ہوگا"۔ لخت جگر نے عرض کی "آپ جنگ کرنے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کے مابین صلح کرانے کے لیے آئے ہیں"۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے قسم اٹھائی ہے کہ اب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کروں گا"۔ ان کے نور نظر نے عرض کی "اپنا غلام آزاد کر دیں اور ٹھہر جائیں حتیٰ کہ ان میں صلح ہو جائے"۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ جب معاملہ میں اختلاف نے سر اٹھایا تو وہ چلے گئے۔ جب وہ ایک وادی میں پہنچے تو ابن جرموز نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ سو رہے تھے۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل آتش جہنم میں جائے گا"۔

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین نے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جب لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کی بیعت سے راضی نہ تھے لیکن انہیں ان کی کثرت اور غلبہ کی وجہ سے خطرہ محسوس ہوا۔ آپ نے لوگوں کی تالیف کا ارادہ کیا۔ اس بیعت کی وجہ سے لوگوں کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا حتیٰ کہ آپ قاتلین عثمان کو حوالے کر دیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارادہ فرمایا کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ میں صلح کرا دیں۔ حتیٰ کہ خارجیوں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لیا جا سکے۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اپنے ہودج میں ہی روانہ ہوئیں۔ ان کے ہمراہ کئی صحابہ کرام بھی تھے۔ جن میں حضرت طلحہ بن عبداللہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نمایاں شخصیات تھیں۔ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح کرانے کا ارادہ کیا۔ یہ معاملہ مکمل ہوا ان کے مابین کسی قصد کے بغیر ہی جنگ ہوگئی۔ یہ سارے صحابہ کرام مجتہدین تھے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے عیاں ہو گیا کہ حق کا دامن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے قاتلین عثمان کی کثرت اور غلبہ کی وجہ سے انہیں حوالے نہیں کیا۔ انہوں نے اس معاملہ کو موخر کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ سارے مسلمان جمع ہو جائیں پھر قاتلین کا تعاقب کر کے ان سے قصاص لیا جائے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور عزت و اکرام کے ساتھ مدینہ طیبہ لوٹ آئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کی طرف بھی اشارہ فرمایا تھا اور اس کے متعلق خبر دی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دن حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہمراہ تھیں۔ وہ محو گفتگو تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا ''تم میں سے کس پر ''الحواب'' کے کتے بھونکیں گے؟''۔ دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کے اردگرد قتل عام ہوگا۔ وہ بڑی مشکل سے نجات پا سکے گی''۔ جب جنگ جمل ہوئی تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس جگہ سے گزریں۔ وہاں کے کتے آپ پر بھونکے۔ آپ نے اس جگہ کا نام پوچھا تو بتایا گیا ''الحواب''۔ انہوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ الحواب نہیں ہے۔ جب ان کے لیے معاملہ عیاں ہو گیا تو وہ صلح کے بعد واپس آ گئیں۔

امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے خروج کا تذکرہ کیا تو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تعجب کرتے ہوئے مسکرانے لگیں یعنی عورت خلیفہ کے خلاف خروج کیسے کر سکتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حمیراء! ذرا دیکھنا یہ کہیں تم ہی نہ ہو''۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نظر التفات فرمائی۔ اور فرمایا ''اگر تم اس کے کسی امر کا والی بنو تو اس کے ساتھ نرمی کرنا''۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بجا لائے۔ انہوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی حضرت محمد رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ طیبہ بھیجا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنفس نفیس کئی میلوں تک ان کے ہمراہ گئے۔ ایک دن کے لیے اپنے بیٹوں کو ان کے ہمراہ کیا۔

حضور، نبی غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ انہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے شہید کر دیا۔ یہ جنگ صفین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی رائے درست تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین کا معاملہ موخر کیا جائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی رائے میں خطا پر تھے۔ ان کا

موقف یہ تھا کہ مسلمانوں کے جمع ہونے اور ان کے استقرار سے قبل ان سے قصاص لیا جائے۔ کیونکہ یہ خطاء اجتہادی تھی لہٰذا ان پر ملامت نہیں کی جائے گی۔

کیونکہ مشہور حدیث پاک ہے کہ جب مجتہد کسی صحیح رائے تک پہنچتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اگر اس سے لغزش ہو جاتی ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ ان دونوں صحابہ کرام میں سے کسی ایک کی تنقیص شان درست نہیں۔ یہی اہل السنت والجماعت کا موقف ہے۔ اس کے علاوہ ضلالت و گمراہی ہے۔ ہم رب تعالیٰ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔

آپ کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''آپ کے لیے لوگوں کی طرف سے حسرت و تاسف ہے اور لوگوں کے لیے آپ کی طرف سے حسرت و تاسف ہے''۔ اس فرمان کا سبب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے پچھنے لگوائے۔ خون مبارک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تا کہ وہ اسے دفن کر دیں۔ وہ ابھی کمسن تھے۔ انہوں نے خون پی لیا۔ جب حضور ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہیں آگ نہیں چھوئے گی''۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبدالملک بن مروان کے مابین اختلاف ہوا تو عبدالملک نے حجاج کو ان کی طرف بھیجا۔ اس نے ان کے ساتھ جنگ کی اور انہیں شہید کر دیا۔ حضرت عبداللہ تنہا ہی حجاج کے لشکر کی صفوں پر حملہ آور ہوتے اور انہیں درہم و برہم کر دیتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ان کی یہ ساری قوت و شجاعت اس خون مبارک کی وجہ سے تھی۔

اسی طرح حضور ﷺ نے قزمان کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے۔ اس قزمان نے کسی غزوہ میں شدید قتال کیا۔ صحابہ کرام اس کی شجاعت پر تعجب کرنے لگے۔ یہ بہت جری تھا اور بعض انصار کا حلیف تھا۔ صحابہ کرام نے اس کی جرات و بہادری کے متعلق حضور ﷺ سے عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ جہنمی ہے''۔ پھر یہ لگاتار قتال کرتا رہا حتیٰ کہ زخمی ہو گیا۔ اس نے اپنی تلوار اپنے سینے کے مابین رکھی۔ اس پر وزن ڈال کر خودکشی کر لی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنے ترکش سے تیر نکالا اور اس کے ساتھ خودکشی کر لی۔ جب حضور ﷺ کو اس کے متعلق بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''رب تعالیٰ فاجر شخص کے ذریعے اس دین کی نصرت فرمائے گا''۔ آپ نے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دے کہ جنت میں صرف مومن ہی جائے گا وہ مرنے سے پہلے مرتد ہو گیا تھا۔ یا اس نے خودکشی کو حلال سمجھا تھا۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ ''کسی شخص کی خودکشی اس کے کفر کا تقاضا نہیں کرتی''۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حاضر تھے۔ ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا ''تم میں سے سب سے آخر میں انتقال کرنے والا آگ سے مرے گا''۔ صحابہ کرام ایک دوسرے سے دریافت کرتے رہے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا وصال سب سے آخر میں ہوا۔ ان کی عمر زیادہ ہوئی۔ آخری عمر میں انہیں سردی کی وجہ سے کپکپی کا مرض لاحق ہو گیا۔ ان کے تاپنے کے لیے آگ جلائی گئی۔ اہل خانہ کے غفلت اور اپنی کمزوری کی وجہ سے اسی آگ میں جل گئے۔ اس سے آپ کی اس خبر کی تصدیق ہو گئی۔ حضور ﷺ نے ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے آگ کو مبہم رکھا اس کی وضاحت نہ

فرمائی کہ اس سے مراد دنیا کی آگ ہے تاکہ وہ اپنے اعمال میں خوب سعی کریں۔ خوف اور نگرانی کا راستہ اختیار کریں یا اس کا آپ ﷺ کو اذن ہی نہیں دیا گیا تھا اس میں کوئی حکمت کارفرما تھی۔

حضرت ابن حکیم الضبی نے کہا ہے "میں جب بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کرتا تو وہ مجھے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھتے۔ جب میں ان کی صحت کے بارے انہیں بتاتا تو وہ مسرور ہو جاتے میں نے اس کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا "ہم دس صحابہ کرام کسی کے گھر میں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے سب سے آخر میں مرنے والا آگ میں ہوگا"۔ ان میں سے آٹھ صحابہ کرام کا وصال ہو چکا ہے۔ میرے اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بحیات نہیں ہے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو ان پر غشی طاری ہو جاتی۔ حتیٰ کہ یہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے پہلے وصال کر گئے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غصہ دلانا چاہتا تو وہ کہتا "سمرہ کا وصال ہو گیا ہے"۔ یہ سن کر فوراً حضرت ابو ہریرہ کو کمزوری آلیتی اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے قبل وصال فرما گئے۔

ابن اسحاق نے عاصم بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری غسیل ملائکہ کے متعلق فرمایا "میں نے دیکھا ملائکہ انہیں غسل دے رہے تھے۔ ان کی زوجہ سے ان کے متعلق پوچھو"۔ جب صحابہ کرام نے پوچھا تو ان کی زوجہ محترمہ نے فرمایا "یہ حالت جنابت میں باہر نکل گئے تھے۔ جلدی کی وجہ سے غسل نہ کر سکے تھے"۔ ان کی زوجہ محترمہ کا نام جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تھا، یہ ایک پاکباز خاتون تھیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "ہم نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سر سے پانی کے قطرات گرتے ہوئے دیکھے"۔

آپ کی بتائی ہوئی خبروں میں سے ایک خبر وہ بھی ہے جسے امام احمد، امام ترمذی اور صحاح ستہ کے مصنفین نے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی۔ پھر کاٹنے والی ملوکیت آجائے گی"۔ اگر حضرت امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی مدت خلافت شامل کی جائے تو یہ مدت تیس سال بن جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا خلافت قریش میں رہے گی۔ یہ معاملہ قریش میں ہی رہے گا۔ جب تک وہ دین پر قائم رہیں گے۔ پھر اسی طرح ہوا جس طرح حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔

امام مسلم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک قتل عام کرنے والا ہوگا"۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان سے مراد حجاج اور مختار بن ابی عبید ہے۔ امام نووی رقمطراز ہیں "علماء کرام کا اتفاق ہے کہ قتل عام کرنے والا الحجاج اور کذاب سے مراد مختار بن ابی عبید الثقفی ہے۔ یہ گمان کرتا تھا کہ اس کے پاس جبرئیل امین آتے ہیں یہ کہانت کرتا تھا اور گمان کرتا تھا کہ اس پر وحی نازل ہوئی ہے۔ اس کے پاس ایک کرسی تھی جس سے یہ تابوت بنی اسرائیل کی نقل اتارتا تھا۔ یہ خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا تھا۔ سب سے پہلے اس نے صلاح اور تقویٰ کا اظہار کیا۔ اس نے اظہار کیا کہ

یہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینا چاہتا ہے حتیٰ کہ یہ کوفہ پر غالب آگیا بہت سی مخلوق کا قتل عام کیا۔ کافی مدت اس کا یہی وطیرہ رہا حتیٰ کہ حضرت مصعب بن زبیر نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حجاج کا معاملہ انتہائی شہرت کا حامل ہے۔ ذکر کی ضرورت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دیں ہیں ان میں سے ایک خبر وہ بھی ہے جسے شیخان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ مسیلمہ کذاب کی کونچیں کاٹ دے گا"۔ دوسری روایت کے مطابق رب تعالیٰ اسے قتل کر دے گا۔ اس تیرہ بخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخر میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے ایک لشکر تیار فرمایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔ انہوں نے مسیلمہ اور اس کی قوم کے ساتھ جہاد کیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے مسیلمہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وحشی نے اپنے نیزے کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ دیگر صحابہ کرام نے بھی اس کے قتل میں شرکت کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اس کی کونچیں رب تعالیٰ کاٹ دے گا"۔ آپ نے اشارہ دیا کہ وہ چوپاؤں میں سے ایک چوپایہ ہے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت امیر المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کی نور نظر لخت جگر حضرت سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء آپ کے وصال کے بعد سب سے پہلے آپ سے ملاقات کریں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کا بھی وصال ہو گیا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتا دیا کہ بہت سے اہل عرب آپ کے وصال کے بعد مرتد ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ جنگ بھی ہوگی۔ یہ خبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سچ ثابت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔ اہل حرمین اور اہل بحرین کے سوا۔ اللہ رب العزت نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد فرمائی تو وہ مرتدین کی سرکوبی کے لیے کافی ہو گئے۔ ان کے وصال سے پہلے سارے اہل عرب اسلام کی طرف لوٹ آئے۔

اسی طرح امام بزار نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور امام بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ امر (دین اسلام) نبوت و رحمت سے شروع ہوا۔ پھر رحمت و خلافت ہوگی۔ پھر کاٹنے والی ملوکیت ہوگی پھر سرکشی اور فساد ہوگا"۔

امام مسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی عظمت و رفعت عیاں کرتے ہوئے روایت لکھی ہے۔ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہو سکے۔ ورنہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ پا لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے مطابق وہ خیر التابعین ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے پاس اویس بن عامر یمن کے لوگوں کے ساتھ آئیں گے۔ ان کا تعلق قرن کے مراد قبیلہ کے ساتھ ہوگا۔ ان کا سارا جسم برص کی وجہ سے سفید ہو گیا۔ تھا پھر انہیں شفاء نصیب ہوگئی۔ انہوں نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی "مولا! مجھے اس مرض سے نجات عطا فرما۔ لیکن ایک درہم کے برابر نشان

باقی رہنے دے تا کہ اسے دیکھ کر تیری مہربانی کا شکر ادا کر سکوں"۔ جسے اس شخص کی زیارت نصیب ہو اور وہ اس سے اپنی مغفرت کی دعا کرا سکے وہ ضرور ایسا کرے"۔

حضور اکرم ﷺ نے ان کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا "ان کی آنکھیں سرخی مائل ہوں گی۔ ان کا چہرہ بھی سرخی سیاہی مائل ہوگا ان کا رنگ گندم گوں ہوگا۔ ان کی تھوڑی سینے کے ساتھ لگی ہوگی۔ ان کی آنکھیں سجدہ گاہ پر مرکوز ہوں گی۔ وہ ہر وقت گریہ کناں نظر آئیں گے ان پر دو پرانی چادریں ہوں گی۔ ان کے علاقہ میں انہیں کوئی نہ جانتا ہوگا۔ البتہ آسمان پر فرشتے انہیں خوب جانتے ہوں گے۔ اگر وہ رب تعالیٰ کی ذات والا پر قسم اٹھالیں تو رب تعالیٰ ان کی قسم کو ضرور پورا کر دے گا۔ ان کے بائیں کندھے کے نیچے ایک درہم کی برابر سفید نشان ہوگا۔ قیامت کے روز جب لوگوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ مگر اویس قرنی کو کہا جائے گا "یہاں ٹھہرو گناہ گاروں کی شفاعت کرو۔ چنانچہ وہ عرب کے قبیلوں مضر اور ربیعہ کی شفاعت کریں گے۔

آپ نے فرمایا "اے عمر، اے علی! اگر تم ان سے ملاقات کرو تو ان سے کہنا کہ وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ یہ دونوں حضرات لگا تار دس سال حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتے رہے۔ مگر ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ جس سال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا اس سال وہ کوہ ابی قبیس پر کھڑے ہوئے۔ باآواز بلند کہا۔ "اے اہل یمن! کیا تم میں اویس نامی شخص ہے؟ ایک عمر رسیدہ شخص نے کہا "ہم نہیں جانتے کہ اویس کون ہے؟ البتہ میرا ایک گم نام سا بھائی ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس کا تذکرہ آپ کے ہاں کیا جائے وہ ہمارے اونٹ چرا رہا ہے"۔ حضرت عمر فاروق نے لاپرواہی سے کہا گویا کہ آپ اس اویس کا ارادہ نہیں کر رہے "وہ کہاں ہے؟ اس بزرگ نے کہا "عرفات میں"۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں سوار ہو کر ان کی طرف گئے۔ وہ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے سلام کیا اور پوچھا "کون ہو؟ حضرت اویس نے کہا "اجرت پر اونٹ چرانے والا"۔ ان دونوں حضرات نے کہا "ہم تم سے اس کے متعلق سوال نہیں کر رہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟ حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے کہا عبد اللہ! یہ دونوں حضرات بولے "ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ تمہارا وہ نام کیا ہے جو تمہاری امی نے رکھا ہے"۔ حضرت اویس قرنی نے کہا "تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ پھر حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جو حضور اکرم ﷺ نے ان کے متعلق بتایا تھا۔ انہوں نے انہیں کہا کہ وہ اپنے بائیں کندھے کے نیچے وہ نشان دکھائیں تا کہ نشانی پوری ہو سکے۔ انہوں نے کپڑا اٹھایا تو وہاں برص کا داغ موجود تھا۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا تھا۔ حضرت اویس قرنی نے ان دونوں حضرات سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ ان کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ان کی تکریم کی۔ انہیں سلام کیا۔ انہیں کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو امت محمدیہ کی طرف سے بہترین جزائے خیر دے"۔ انہوں نے ان دونوں حضرات کے لیے مغفرت طلب کی۔ جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا "رب تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ حتیٰ کہ میں تمہارے پاس نفقہ اور کپڑے لے کر آ جاؤں"۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کہا "میرا کوئی وعدہ نہیں۔ آج کے بعد

آپ مجھے دیکھ بھی نہیں سکیں گے میں خرچہ اور کپڑوں کا کیا کروں گا؟ پھر وہ اپنی عبادت میں مصروف ہو گئے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ خیر التابعین وہ شخص ہے جسے اویس قرنی کہا جاتا ہے۔ امام احمد نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب افضل التابعین ہیں۔ علامہ قرانی نے لکھا ہے کہ شاید امام احمد اس حدیث سے آگاہ نہیں ہوئے۔ یا ان کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ان کے زہد کی شدت اور خشیت الٰہیہ کی وجہ سے ہے اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی افضیلت ان کے علم اور یادداشت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا ان دونوں اقوال میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ حضرت حسن بصری افضل التابعین ہیں۔ ایک اور قول کے مطابق حضرت حفصہ بنت سیرین رضی اللہ عنہا اس منصب رفیع پر فائز ہیں۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ علی الاطلاق افضل ہیں۔ علم نافع کے اعتبار سے حضرت سعید بن مسیب افضل ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب ایسے امراء آئیں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھیں گے''۔ میں نے عرض کی ''آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرو۔ اگر انہیں پالو تو ان کے ساتھ ہی نماز پڑھو یہ تمہارے لیے نفل بن جائیں گے''۔

امام بزار اور امام طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب تم میں عجمی بہ کثرت ہو جائیں گے وہ تمہارا مال فئے کھا جائیں گے تمہاری گردنیں اڑائیں گے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میری امت کا بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر اس کے ساتھ جو ملا ہو گا۔ پھر اس کے ساتھ جو ملا ہو گا۔ پھر ان کے بعد ایسی قوم آئے گی وہ گواہی دے گی۔ لیکن گواہی دینے کے لیے نہیں کہی گی۔ وہ امین نہیں ہو گی بلکہ بددیانت ہو گی۔ وہ نذر مانیں گے لیکن اسے پورا نہیں کریں گے۔ ان میں موٹاپا ظاہر ہو گا یعنی زیادہ کھانے پینے اور آسودگی کی وجہ سے اس کے جسم موٹے ہوں گے۔ انہیں رب تعالیٰ کا خوف نہ ہونے اور امور کے انجام میں غور و خوض نہ کرنے کی وجہ سے موٹاپا آلے گا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قریش کے نااہل لڑکوں کے ہاتھوں میری امت ہلاک ہو گی''۔ اس حدیث مبارک کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اگر میں چاہوں تو تمہیں نام بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ بنوں فلاں بنو فلاں ہیں''۔ اس سے ان کی مراد یزید بنو مروان تھے۔ مگر انہوں نے فتنہ کے خوف سے ان کے نام نہ لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے ''میں 60ھ کی ابتداء اور لڑکوں کی امارت سے پناہ مانگتا ہوں''۔ اس سے قبل ہی ان کا وصال ہو گیا۔ 60ھ کو ہی یزید تخت نشین ہوا۔ لوگوں کو علم ہو گیا کہ حضرت ابوہریرہ کی مراد یہی بدبخت تھا۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدریہ فرقہ کے ظہور کی خبر دی۔ اس روایت کو امام ترمذی، ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس امت کے مجوسی ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافضیوں کے ظہور کی خبر دی۔ ان کے متعلق

بہت سی روایات امام بیہقی نے متعدد طرق سے نقل کیں ہیں۔ ان میں سے آپ ﷺ کا ایک فرمان یہ بھی ہے "میری امت میں ایک گروہ ہوگا جنہیں رافضہ کہا جائے گا۔ تم ان کا انکار کر دو۔ دوسری روایت میں ہے "انہیں قتل کر دو وہ مشرک ہیں"۔

امام بغوی نے روایت کیا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہ ہوگی حتیٰ کہ اس کے آخری لوگ اس کے پہلے لوگوں پر لعنت کریں گے۔ بہت سے اہل بدعت کا یہ وطیرہ ہے وہ صحابہ کرام اور اہل بیت پاک رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برے الفاظ کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ بہت سے احمق بہت سے اولیاء کرام کو گندے الفاظ سے یاد کرتے ہیں جیسے کہ بعض احمق سیدی محی الدین ابن عربی اور سیدی عمر بن فارض رحمۃ اللہ علیہما کو برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ہم اس طرح کے رویوں سے رب تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ برے خاتمہ کے اسباب میں سے ہے ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت کی برکات سے نفع مند کرے اور ان کے زمرہ میں ہمارا حشر کرے (آمین ثم آمین)

حضور نبی غیب دان ﷺ نے فرمایا "انصار قلیل ہوتے جائیں گے۔ حتیٰ کہ وہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ اگر تم میں سے کوئی ایسے امر کا والی بنے جس میں وہ ایک قوم کو نفع اور دوسری قوم کو نقصان دے سکتا ہو تو انصار کے پاک باز سے قبول کرلے اور ان کے گنا ہگار سے تجاوز کرے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میرے بعد تم اقرباء پروری دیکھو گے تو صبر کرنا حتیٰ کہ میرے ساتھ حوض پر ملاقات کرلو"۔ یہ سارے واقعات بعینہ اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جس طرح اس صادق و مصدوق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے ان خارجیوں کے بارے بھی بتا دیا تھا جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔

اس شخص کا تذکرہ ایسی احادیث میں ہے جنہیں شیخین نے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "ان کے پاس ایک سیاہ شخص آئے گا جس کا ایک پستان عورت کے پستان کی طرح ہوگا"۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خوارج کے ساتھ قتال کیا۔ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا تو اس حدیث پاک کا بھی تذکرہ کیا۔ پھر فرمایا "اس پستان والے کو تلاش کرو"۔ لوگوں نے اسے تلاش کیا تو وہ مقتولوں میں سے مل گیا۔ وہ اسے آپ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا "اس کی قمیص پھاڑ ڈالو"۔ جب آپ نے اس کا ایک پستان عورت کے پستان کی مانند دیکھا جس پر بال تھے تو آپ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے جس نے اپنے نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی۔ آپ کے یقین میں اضافہ ہو گیا آپ حق پر اور خوارج باطل پر ہیں۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے ان کی ایک اور نشانی بیان فرمائی کہ یہ لوگ سر منڈوائیں گے۔ حالانکہ زمانہ اول حضور نبی کریم ﷺ کے عہد ہمایوں میں صرف نسک میں ہی سر منڈوایا جاتا تھا۔

حضور تاجدار عرب وعجم ﷺ نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ تم دیکھو گے کہ بکریاں چرانے والے لوگوں کے سردار بن جائیں گے۔ عریاں پاؤں اور ننگے جسم والے بلند عمارات بنائیں گے۔ یعنی دنیا اس شخص کے لیے بھی وسیع ہو جائے گی جس کے پاس پہلے طاقت وقدرت نہ ہوگی۔ دوسرے افراد پر اس کا غلبہ ہو جائے گا حتیٰ کہ وہ اپنے فقر اور ذلت کے بعد اس کا رئیس بن جائے گا۔

اسی طرح امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ سپہ سالار اعظم ﷺ نے فرمایا ''قریش غزوۂ خندق کے بعد مسلمانوں پر لشکر کشی نہیں کر سکیں گے بلکہ مسلمان ہی ان پر حملہ آور ہوں گے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''فتح بیت المقدس کے بعد دو دفعہ کثیر اموات ہوں گی''۔ یہ واقعات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بیت المقدس فتح ہونے کے بعد رونما ہوئے۔ ایک دفعہ طاعون کی وباء پھیلی۔ جسے طاعون عمواس کہا جاتا ہے۔ عمواس بیت المقدس کے قریب ہی ایک بستی تھی۔ اسی جگہ مسلمانوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔ یہ اسلام میں پہلی طاعون تھی۔ اس وباء میں تین دنوں میں ستر ہزار مسلمانوں نے انتقال کیا۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا غزوۂ تبوک میں حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چمڑے کے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا ''قیامت سے قبل پانچ اشیاء کو شمار کر لو (۱) میرا وصال (۲) فتح بیت المقدس (۳) دو دفعہ کثیر اموات۔ لوگ ان میں اس طرح مریں گے جس طرح بکریاں قعاص (وباء) سے مرتی ہیں (۴) مال و دولت کی فروانی اور اس کا فتنہ (۵) تمہارے اور بنو اصفر کے مابین مصالحت۔

امام ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''انس! لوگ شہر بسائیں گے۔ ایک شہر بسایا جائے گا جس کا نام بصرہ ہوگا۔ اگر اس کے پاس سے گزر و یا اس میں داخل ہو جاؤ تو اس کی بندرگاہوں، بازاروں اور امراء کے دروازوں کی طرف نہ جانا بلکہ اس کے گردو نواح میں جو بستیاں ہوں وہاں ٹھہرنا، وہاں کے لوگوں کے فسق و فجور کی وجہ سے زمین دھنس جائے گی، اوپر سے پتھر پڑیں گے لوگوں کے چہرے مسخ ہو جائیں گے''۔ آپ کے دہن پاک سے نکلی ہوئی یہ خبر کسی پر بھی مخفی نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 17ھ کو بصرہ شہر بسایا گیا حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اس کی بنیاد رکھی۔ 18ھ کو لوگوں نے اس شہر میں سکونت اختیار کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی وہاں سکونت اختیار کی۔ اس شہر کا شرف یہ ہے کہ اس میں کبھی بھی کسی بت کی پوجا نہیں کی گئی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آپ کی امت سمندر میں جہاد کے لیے عازم سفر ہوگی۔ وہ کشتیوں پر اسی طرح بیٹھی ہوگی جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر بیٹھتے ہیں۔

امام ابن عدی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت زید بن صوحان العبدی رضی اللہ عنہ کے بارے فرمایا کہ ان کا ایک عضو دیگر اعضاء سے پہلے جنت میں چلا جائے گا۔ جہاد میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے چند صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذوالنورین، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کے ہمراہ کوہ حراء پر تشریف لے گئے۔ وہ پہاڑ ان کی وجہ سے لرزنے لگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ٹھہر جا، تیرے اوپر یا نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے''۔ حضرات علی المرتضیٰ، عمر فاروق، عثمان غنی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم نے قبائے شہادت پہنی۔ بعض سیرت نگاروں نے ان صحابہ کرام میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا ہے۔ انہوں نے طاعون کی وجہ سے وصال فرمایا۔ یہ بھی تو شہادت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

امام بیہقی نے روائیت کیا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ کی راہ پر تھے اور سراقہ بن مالک نے آپ سے تعرض کیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا ''اس وقت تمہاری کیفیت کیا ہوگی جب تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے''۔ یہ واقعہ اپنی پوری تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے سال اسلام لے آئے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کسریٰ سے اس کی سلطنت چھین لی گئی تو اس کے کنگن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ انہوں نے وہ کنگن حضرت سراقہ کو پہنا دیئے تاکہ حضور ﷺ کے فرمان کی صداقت عیاں ہو جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یوں ستائش ربانی کی ''ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے یہ کنگن کسریٰ سے لے کر سراقہ کو پہنا دیئے''۔ یہ دونوں کنگن سونے کے تھے۔ یہ سونے کا وہ استعمال نہیں جو حرام ہو۔ کیونکہ انہوں نے یہ کنگن اس لیے پہنے تاکہ حضور سرور عالمیاں ﷺ کے فرمان حق ترجمان کی تحقیق اور تصدیق ہو سکے۔ انہوں نے یہ کنگن بعد میں اتار دیئے تھے۔ اس طرح کا استعمال حرام کے زمرہ میں نہیں آتا۔

امام ابونعیم نے الدلائل میں اور حضرت خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں یہ روایت لکھی ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ''دجلہ اور فرات کے مابین ایک شہر بسایا جائے گا جس کی طرف زمین کے خزانے لائے جائیں گے''۔ یہ شہر بغداد ہے۔ اسے عباسی دور حکومت میں بنایا گیا۔ اطراف عالم سے اموال یہاں لائے گئے۔

امام احمد اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار انبیاء ﷺ نے فرمایا اس امت مرحومہ میں ایک شخص ہوگا جسے ولید کہا جائے گا وہ میری امت کے لیے اس سے کہیں بڑھ کر شریر ہوگا جتنا کہ فرعون اپنی قوم کے لیے تھا۔ امام اوزاعی نے فرمایا لوگ اس سے مراد ولید بن عبدالملک لیتے تھے پھر ان کے لیے عیاں ہو گیا کہ اس سے مراد اس کا بھتیجا ولید بن یزید ہے وہ اس امت کے لیے فتنوں کے دروازوں کی چابی تھا۔ وہ احمق تھا ہمہ وقت شراب میں دھت رہتا تھا ایک دن اس نے قرآن حکیم سے فال نکالی تو یہ آیت نکلی۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (ابراہیم:15)

''اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے التجا کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق''۔

اس نے صحیفہ رشد و ہدایت پر تیر پھینکا اور اسے پھاڑ ڈالا اور یہ شعر پڑھنے لگا۔

اتو عد کل جبار عنید ہا انا ذالک جبار عنید

اے قرآن تو ہر جبار اور سرکش کو ڈرا رہا ہے ارے دیکھو میں ہی جبار اور باغی ہوں۔

اذا ما جئت ربک یوم حشر فقل یا رب مزقنی الولید

جب تو روز قیامت اپنے رب تعالیٰ کے پاس جائے تو اسے کہنا مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا تھا۔

جب فتح مکہ کے روز حضور سید عالم ﷺ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا تو حارث اور عتاب نے کہا کہ محمد عربی (ﷺ) کو اس سیاہ کوے (نعوذ باللہ منہ) کے علاوہ اور کوئی موذن نہ ملا۔ ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہوں

گا۔ اگر میں نے بات کر دی تو یہ سنگریزے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے فرمایا میں ان باتوں کو جان گیا ہوں جو تم نے کہیں ہیں۔ پھر آپ نے وہ سب کچھ بیان کر دیا جو کچھ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا تھا۔ حارث اور عتاب علم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی یہ بے کرانیاں دیکھ کر پکار اٹھے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں ہماری ان باتوں سے اور کوئی آگاہ ہی نہیں ہوا جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جادو کے بارے بالکل اسی طرح بتا دیا جس طرح لبید بن اعصم یہودی نے آپ پر جادو کیا تھا۔ یہ جادو کنگھی اور بالوں سے کیا گیا تھا۔ وہ جادو کنگھی اور بالوں سے کیا گیا تھا۔ اسے کھجور کے خشک تنے کے اندر رکھا گیا تھا۔ اسے ذروان کے کنویں میں رکھ دیا گیا تھا۔ یہ سارا واقعہ اسی طرح تھا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کنویں پر بھیجا۔ انہوں نے یہ ساری اشیاء کنویں سے باہر نکال لیں۔ کنویں کے پانی کی رنگت مہندی کے پانی کی طرح ہو گئی۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جب قریش مکہ نے بنو ہاشم کے ساتھ معاشرتی مقاطع کیا اور انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا۔ اسے ایک صندوقچہ میں رکھا اور خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو یاد فرمایا اور فرمایا "اس عہد نامہ میں رب تعالیٰ کے نام کے علاوہ باقی سب کچھ دیمک کھا گئی ہے"۔ جب قریش مکہ نے وہ عہد نامہ دیکھا تو اس کی حالت بالکل اسی طرح تھی جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے۔

قرب قیامت کی نشانیاں اور علم غیب مصطفیٰ

مذکورہ بالا واقعات وہ تھے جو پہلے اسی طرح گزر چکے ہیں جس طرح زبان حق ترجمان سے نکلا تھا۔ اب ان واقعات کا تذکرہ ہو گا جو ابھی تک رونما نہیں ہوئے بلکہ وہ عنقریب ظہور پذیر ہوں گے۔ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی حتیٰ کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس میں بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی"۔

ابن عدی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی حتیٰ کہ حجاز کی وادیوں میں سے ایک وادی آگ سے بہہ پڑے گی۔ جس سے بصرہ کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے اسی طرح امام قسطلانی نے بھی لکھا ہے اس آگ کا انطباق اس آگ پر ہو گا جو 700ھ میں مدینہ طیبہ میں ظاہر ہوئی۔ یہ زلزلہ سے شروع ہوئی اس کا آغاز بروز اتوار جمادی الآخر 659ھ میں ہوا۔ دوسرے قول کے مطابق اس کی ابتداء منگل سے ہوئی۔ دونوں روایتوں کی تطبیق یوں ممکن ہے کہ اس کی ابتداء آہستگی سے ہوئی جس کا علم بعض خاص لوگوں کو ہو سکا۔ پھر یہ خاص و عام کے لیے ظاہر ہو گئی۔ اس کی حرکت شدید اور لرزہ تیز ہو گیا زمین اپنے مکینوں سمیت لرز اٹھی۔ صدائیں بلند ہوئیں۔ چیخ و پکار ہونے لگی۔ ایک زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ آیا اہل مدینہ کو اپنی ہلاکت کا

یقین ہو گیا۔ جمعۃ المبارک کے روز دوپہر کے وقت وسیع وعریض دھواں بلند ہوا۔ پھر آگ کی شعاع نکلی جس سے آنکھیں چندھیا گئیں۔

علامہ قسطلانی نے امام قرطبی سے نقل کیا ہے کہ 659ھ بروز بدھ ماہ جمادی الآخر کو بہت بڑا زلزلہ آیا۔ جمعۃ المبارک کے دن چاشت تک زلزلے کے جھٹکے برابر محسوس کیے جاتے رہے۔ پھر آگ کا ظہور ہوا۔ یہ آگ اس عظیم شہر کی مانند دکھائی دیتی تھی جس کو فصیل نے گھیر رکھا ہو جس کے کنگرے برج اور مینار دور سے نظر آتے ہوں۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ کچھ آدمی اس آگ کو کھینچ رہے ہیں۔ وہ جس پہاڑ پر سے گزرتی اسے پیس کر رکھ دیتی۔ وہ پہاڑ اس کے سامنے پگھل جاتا۔ اس آگ سے نیلے اور سرخ انگارے نکلتے تھے۔ وہ بجلی کی طرح کڑکتی تھی۔ وہ چٹانوں کو نگلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ ایک عظیم پہاڑ کی مانند ہوگئی۔ جب وہ آگ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچی تو وہ رک گئی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی طرف ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ حالانکہ یہ آگ سمندر کی طرح موجزن تھی۔ یہ یمن کی بستیوں میں سے ایک بستی کے پاس جا کر اسے راکھ کر کے ختم ہو گئی۔

امام قرطبی نے لکھا ہے مجھے ایک دوست نے بتایا ہے کہ میں نے اس آگ کو دیکھا ہے۔ یہ آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھی۔ حالانکہ میں مدینہ طیبہ سے پانچ روز کی مسافت پر تھا۔ میں نے سنا ہے کہ اسے مکہ مکرمہ اور بصرہ کے پہاڑوں سے بھی دیکھا گیا۔

ابو شامہ نے لکھا ہے "بعض کتب میں مرقوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں آگ کا ظہور ہوا۔ یہ زمین سے نکلی حتیٰ کہ اس سے آگ کی وادی بہہ نکلی۔ یہ احد پہاڑ کے سامنے آگئی۔ بالآخر یہ ایسی وادی میں چلی گئی جس کی طوالت چار فرسخ اور عرض چار میل تھا۔ یہ سطح زمین پر چلتی تھی۔ اس سے پست زمین اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ نکلتے تھے"۔

حضرت علامہ سید سمہودی نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے "نفوس یہ آگ دیکھ کر خوف وخطرہ سے بے ہوش ہونے لگے۔ وہ موت کے نزول کی وجہ سے دہشت زدہ ہو گئے۔ وہ دوڑ کر روضہ انور کے پڑوس میں آنے لگے۔ اپنی لغزشوں سے توبہ و استغفار کرنے لگے۔ انہوں نے راہ خدا میں مال صدقہ کیے۔ اتنے خوف اور خدشہ نے آلیا جس کا تذکرہ حد بیان سے ماوراء ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے اس آگ کو دائیں بائیں پھیر دیا۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی اپنی امت میں برکت عیاں ہو گئی۔ فراق کے بعد بھی اپنی امت کے لیے طلعت زیبا کی برکت ظاہر و باہر ہو گئی۔ المواہب میں ہے "یہ آگ باون روز تک رہی۔ یہ شب معراج 27 رجب کو بجھی"۔

شرح بخاری میں علامہ قسطلانی رقم طراز ہیں "اس مذکورہ آگ سے مراد وہ آگ ہے جو مدینہ منورہ کے گردونواح میں ظاہر ہوئی تھی جیسا کہ امام قرطبی نے اسے سمجھا ہے۔ اسی طرح امام نووی نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا ہے یہ انہی کے ایام میں ظاہر ہوئی تھی اس حدیث پاک میں تین اشیاء کا تذکرہ ہے ● اس کا سرزمین حجاز سے ظہور ● پوری وادی کا آگ سے بہہ پڑنا۔ یہ دونوں علامات تو پوری ہو چکی ہیں ● بصرہ میں موجود اونٹوں کی گردنیں نظر آنا۔ علامہ قسطلانی نے لکھا ہے بعض راویوں نے اس کا بھی تذکرہ کیا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو ساری علامات اور نشانیاں مکمل ہو گئیں۔ بعض روایوں نے کہا ہے کہ

انہوں نے تیماء اور بصرہ سے اس آگ کو اس طرح دیکھا جس طرح لوگوں نے اسے مدینہ طیبہ سے دیکھا اس سے یہ امر متعین ہو گیا کہ اس سے مراد یہی آگ ہے شک وشبہ نہ رہا البتہ وہ آگ جو لوگوں کو سرزمین محشر کی طرف لے جائے گی وہ دوسری آگ ہے۔ وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ قعر عدن سے ظاہر ہوگی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خالہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر استراحت فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبسم ریز تھے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا عرض پیرا ہوئیں، ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس لیے تبسم کناں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی میری امت کے بعض افراد مجھ پر پیش کیے گئے۔ وہ سمندر کے وسط میں اس طرح سوار تھے جس طرح بادشاہ اپنے تختوں پر براجمان ہوتے ہیں''۔ انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں رب تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کردے'' آپ نے دعا فرمائی۔ پھر آرام فرما ہو گئے۔ پھر آپ نے یہی خواب دیکھا۔ حضرت ام حرام نے اپنا پہلا سوال دہرایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہی جواب ارشاد فرمایا۔ انہوں نے عرض کی دعا فرمائیں رب تعالیٰ مجھے ان مجاہدین میں سے کردے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم بھی ان مجاہدین میں شامل ہو''۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر نامدار حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جہاد کے لیے نکلیں۔ یہ مسلمان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تھے۔ یہ کشتیوں میں سوار ہوئے۔ جب یہ واپس آئے ساحل سمندر کے قریب انہوں نے ایک سواری حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے قریب کی تاکہ اس پر سوار ہو جائیں۔ مگر وہ نیچے گر پڑیں اور شہید ہو گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو سمندری سفر سے منع کرتے تھے۔ انہوں نے جب یہ حدیث طیبہ سنی تو لوگوں کو اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کی قبر انور قبرص میں ہے۔ ان کی قبر انور معروف ومشہور ہے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر دین ثریا ستارے کے پاس بھی ہوگا تو فارس کے بیٹے اسے جالیں گے''۔ اللہ رب العزت نے یہ بات حضرت سلمان فارسی، امام ابو حنیفہ اور امام بخاری رضی اللہ عنہم اور دیگر اہل علم حضرات کے حق میں ثابت کر دکھائی۔ ان میں ایسے بلند پایہ اولیاء کرام، جید علمائے عظام اور ایسی مایہ ناز تصانیف منصۂ شہود پر آئیں جو حد وشمار سے پرے ہیں۔

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''تیز آندھی چلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ (غزوۂ تبوک یا غزوہ بنی مصطلق) میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ آندھی کسی منافق کی موت کی وجہ سے آئی ہے''۔ اس وقت رفاعہ بن زید بن تابوت مرا تھا۔ یہ یہودیوں کا سردار اور منافقین کی پناہ گاہ تھا۔ یہ مدینہ منورہ میں تھا۔ جب صحابہ کرام سفر سے واپس آئے تو انہوں نے اسی طرح پایا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یہ اسی وقت مرا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہ فرمان عالی شان سنایا تھا۔

امام طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے فرمایا جو آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ "تم میں سے کسی ایک کی داڑھ آگ میں کوہ احد کی طرح ہوگی"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس موقع پر موجود سارے صحابہ کرام وفات پا گئے۔ میں اور ایک شخص رہ گیا۔ پھر وہ شخص مرتد ہو گیا۔ یمامہ کے روز اسے قتل کر دیا گیا۔ حضور نے ستر پوشی اور ناپسندیدگی کی وجہ سے کسی شخص کو متعین نہیں فرمایا۔

امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کے متعلق بتا دیا جس نے خیبر کے یہودیوں کے چند موتی چرا لیے تھے۔ وہ مر گیا۔ آپ کو اطلاع دی گئی تا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو" یہ جلال دیکھ کر صحابہ کرام کے چہرے متغیر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تمہارے اس ساتھی نے راہ خدا میں خیانت کی ہے۔ جب صحابہ کرام نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو انہیں چند موتی مل گئے" جو اس نے مال غنیمت سے لیے تھے۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اونٹنی گم ہو گئی۔ صحابہ کرام اس کی جستجو میں لگ گئے۔ ایک منافق نے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیسے گمان کرتے ہیں کہ وہ غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اپنی اونٹنی کا بھی علم نہیں"۔ حضرت جبرائیل امین آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے آپ کو اس منافق کی بات اور اس اونٹنی کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں گمان نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں۔ مگر رب تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ منافق نے یہ کہا ہے اور وہ اونٹنی فلاں جگہ ہے۔ وہ فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی زمام فلاں درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ صحابہ کرام دوڑ کر اس گھاٹی کی طرف گئے۔ انہوں نے اونٹنی کو اسی طرح پایا جس طرح مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ وہ اونٹنی لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اس زید بن لصیت کو بھی دولت ایمان نصیب ہو گئی۔

جب حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کی تیاری فرمائی تو پہلے کسی صحابی کو بھی اس کے متعلق نہ بتایا۔ آپ اپنا یہ معاملہ مخفی رکھنا چاہتے تھے حتیٰ کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھا۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روانگی کے متعلق بتایا وہ خط مخفی رکھا۔ وہ خط ایک عورت کے ہمراہ مکہ معظمہ بھیج دیا۔ اس عورت سے کہا "حتی الاستطاعت اسے مخفی رکھنا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات علی المرتضیٰ، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم سے فرمایا "روضہ خاخ کی طرف جاؤ۔ وہاں ایک جاسوسہ ہوگی۔ اس کے پاس خط ہوگا۔ وہ خط میرے پاس لے آؤ" یہ صحابہ کرام عازم سفر ہو گئے۔ وہ خط لے آئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا "ان سے یہ فعل نفاق کی وجہ سے سرزد نہیں ہوا۔ نہ ہی وہ مرتد ہوئے ہیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا عذر قبول فرما لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو غیب کی خبریں دیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عمیر بن وہب بن خلف مدینہ طیبہ آیا۔ اس نے ظاہر کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو قید سے چھڑانے کے لیے آیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب نے حجر میں ملاقات کی۔ صفوان نے کہا "وہ عمیر بن وہب کا سارا قرضہ اتار دے گا۔ وہ مدینہ منورہ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دے" نعوذ باللہ منہ۔ یہ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا "کس لیے آئے ہو؟ اس نے کہا "میں اس

قیدی کے لیے آیا ہوں۔ اسے آزادی دے کر مجھ پر احسان کرو"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نہیں! تو اور صفوان حجر میں بیٹھے۔ تم نے مقتولان بدر کا تذکرہ کیا۔ تو نے کہا "اگر مجھ پر قرض اور اہل وعیال کا بار گراں نہ ہوتا تو میں محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جا کر ان کا کام تمام کر دیتا۔ صفوان نے تیرے قرض اور اہل وعیال کی ذمہ داری اٹھائی اور تم مجھے قتل کرنے آئے ہو"۔ علم کی یہ کرانیاں اور وسعتیں دیکھ کر عمیر نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ہم آپ کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ اس معاملہ سے میں یا صفوان ہی آگاہ تھا۔ بخدا! اس واقعہ سے صرف اور صرف رب تعالیٰ نے آپ کو آگاہ کیا ہے۔ ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی طرف ہدایت دی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے رسول برحق ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے اس بھائی کو دین سکھاؤ"۔

اسی طرح حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابی بن خلف کو اس وقت یہ فرمایا "میں تمہیں قتل کر دوں گا ان شاء اللہ"۔ جب ابی نے آپ سے کہا تھا "میرے پاس ایک گھوڑا ہے جسے میں ہر روز ایک سیر دانے کھلاتا ہوں۔ میں اس پر چڑھ کر آپ کو قتل کروں گا"۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کو سچ کر دکھایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد میں ابی کو واصل جہنم کر دیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر میں قتال شروع ہونے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے۔ اپنا دست اقدس زمین پر رکھا اور فرمایا "یہ فلاں کی قتل گاہ ہے"۔ پھر فرمایا "فلاں اس جگہ قتل ہوگا"۔ پھر دست اقدس اس جگہ رکھ دیا۔ پھر ہر ایک کی قتل گاہ کے بارے بتا دیا۔ ان میں سے ہر مقتول بالکل اسی جگہ قتل ہوا جس کی سمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا۔

امام مسلم اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن المجتبیٰ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا۔ میرا یہ نور نظر سردار ہے۔ یہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کرائے گا ان شاء اللہ"۔ آپ کا یہ فرمان بھی سچ ثابت ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو لوگوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر موت پر بیعت کر لی۔ چالیس ہزار سے زائد لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ یہ سب آپ کے اطاعت گزار اور آپ کے والد گرامی سے محبت کرنے والے تھے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تقریباً سات ماہ تک عراق، خراسان اور ماوراء النہر کے خلیفہ رہے۔ پھر یہ حضرت معاویہ کی طرف اور حضرت امیر معاویہ ان کی طرف چل پڑے۔ جب الانبار کے گرد ونواح میں لشکر جرار دیکھے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا ابھی اتنا خونریز قتال ہوگا جس میں بہت سے مسلمان شہید ہو جائیں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سوچا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے صلح کی کوشش کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سفید کاغذ بھیجا۔ اور کہا "اس پر جو چاہیں شرائط رقم کر دیں۔ میں انہیں ماننے کے لیے تیار ہوں۔ اس شرط پر فریقین میں صلح ہو گئی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ امر خلافت حضرت امیر معاویہ کو تفویض کرتے ہیں۔ بشرطیکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ، حجاز مقدس اور عراق کے لوگوں کو کچھ نہ کہیں"۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط قبول کر لی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صلح میں یہ شرط بھی رکھی کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ وہ ہوں گے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط بھی قبول کر

لی۔ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو خون ریزی سے بچالیا۔ اپنے نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت عیاں کردی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "میرا یہ فرزند دلبند سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کرائے گا"۔

اس طرح آپ کی غیب کی خبروں میں سے ایک خبر وہ بھی ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ بعض لوگ تم سے نفع اور بعض نقصان اٹھائیں گے"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں بیمار ہو گئے انہیں ناپسند تھا کہ اس زمین پر ان کا وصال ہو جہاں سے ہجرت کر کے آچکے تھے۔ آپ کی بیماری شدت اختیار کرتی گئی حتیٰ کہ انہیں موت قریب نظر آنے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس وقت صرف ایک نور نظر تھی۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنے سارے مال کو راہ خدا میں صدقہ کرنے کی وصیت کر جاؤں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں ثلث کی وصیت کرو، ثلث بھی کثیر ہے ...... یہ روایت مشہور ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم زندہ رہو گے حتیٰ کہ بعض لوگوں کو تم سے فائدہ ہوگا اور بعض لوگ نقصان اٹھائیں گے"۔ رب تعالیٰ نے انہیں اس مرض سے شفاء یاب کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں عراق فتح فرمایا۔ ان کی وجہ سے رب غفور نے بہت سے لوگوں کو دولت ہدایت نصیب فرمائی۔ انہوں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا۔ مسلمانوں کو بہت سا مال غنیمت بھی ملا۔ کفار کو بہت زیادہ نقصان برداشت کرنا پڑا۔ بہت سے قتل ہوئے۔ بہت سے پابند سلاسل ہوئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس مرض کے بعد پچاس سال زندگی پائی۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مبارک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے۔ آپ کا فرمان سچ ثابت ہوا۔

اسی طرح امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ کے شہداء کے متعلق اس روز بتا دیا تھا جس روز وہ شہید ہوئے تھے۔ حالانکہ ان کے مابین ایک ماہ یا اس سے زائد مدت کی مسافت تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجا آپ نے وقت روانگی فرمایا "تمہارے امیر زید بن حارثہ ہوں گے۔ اگر انہیں شہادت نصیب ہو جائے تو امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے۔ اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر جائیں تو امیر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔ اگر وہ بھی قبائے شہادت زیب تن کر جائیں تو مسلمان جسے چاہیں اپنا امیر بنالیں"۔ جب معرکہ شروع ہوا تو رب تعالیٰ نے میدان جنگ سے سارے پردے اٹھا دیئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رب تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو بلند فرمایا حتیٰ کہ میں نے ان کی معرکہ آزمائی کا مشاہدہ کرلیا۔ آپ نے اپنے صحابہ کرام کو ان کی جرأت و بسالت کی داستان سناتے ہوئے فرمایا "اب حضرت زید نے علم اسلام اٹھالیا ہے۔ اب انہوں نے جام شہادت نوش کرلیا ہے۔ اب حضرت جعفر نے اسلام کا جھنڈا تھام لیا ہے۔ انہوں نے بھی شہادت کا جام رنگین پی لیا ہے۔ اب حضرت ابن رواحہ نے اسلام کا علم بلند کیا ہے۔ انہوں نے بھی شہادت پالی ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مقدس سے چھم چھم آنسوؤں کے گوہر ہائے آبدار گر رہے تھے۔ پھر فرمایا "اب علم اسلام اللہ تعالیٰ کی تلواروں میں سے ایک تلوار حضرت خالد بن ولید نے اٹھالیا

ہے۔اب رب تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب فرمائی ہے"۔جب حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ لشکر کے قاصد بن کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگر پسند کرو تو میدان کارزار کے حالات تم مجھے بتا دو۔اگر چاہو تو وہاں کے حالات میں تمہیں بتا دیتا ہوں"۔انہوں نے عرض کی "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بتا دیں"۔آپ نے انہیں میدان وغا کے سارے حالات بتا دیئے۔سننے کے بعد حضرت یعلیٰ نے عرض کی مجھے اس ذات والا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔آپ نے اس داستان عزیمت کا ایک لفظ بھی نہیں چھوڑا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کی موت کے متعلق اسی روز بتا دیا تھا جب انہوں نے جہان رنگ و بو کو الوداع کیا تھا۔حالانکہ نجاشی اپنی سرزمین میں ہی تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو لے کر عیدگاہ کی طرف نکلے۔ان کی صف بندی فرمائی اور چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسریٰ کے قاصد کو کسریٰ کی موت کے متعلق اسی دن بتا دیا تھا جس دن وہ مرا تھا۔جب اس کے نزدیک آپ کا فرمان پایہ تحقیق کو پہنچ گیا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔

علامہ ماوردی نے "اعلام النبوۃ" میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا دیا تھا کہ فیروز دیلمی اسود عنسی کو قتل کر دیں گے۔اس اسود نے صنعاء کے مقام پر نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ مدینہ طیبہ سے باہر نکل جائیں گے۔وہ تنہا زندگی بسر کریں گے اور تنہا ہی وصال کریں گے انہوں نے اپنی عمر کے آخری سالوں میں الربذہ کو اپنا مسکن بنا لیا تھا وہیں ان کا وصال ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے وصال کے بعد سب سے پہلے ازواج مطہرات میں سے اس زوجہ محترمہ کا وصال ہوگا جس کے ہاتھ طویل ہوں گے یعنی وہ جود و سخاوت کی دھنی ہوگی۔حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ساری امہات المومنین سے زیادہ صدقہ دیتی تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے سب سے پہلے ان کا ہی وصال ہوا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مقام طف میں شہید ہوں گے۔یہ جگہ کوفہ کے نواح میں تھی جو کربلاء کے نام سے معروف ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس پر مٹی اٹھائی اور فرمایا "اس میں ان کی شہادت گاہ ہے"۔دوسری روایت کے مطابق حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے وہ مٹی لا کر دی تھی۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو گروہ باہم قتال کریں گے ان کا دعویٰ ایک ہی ہوگا"۔یہ واقعہ جنگ صفین کی صورت میں رونما ہو چکا ہے یہ جنگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہوئی تھی۔ان کا دعویٰ، دین ایک ہی تھا ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا۔

امام بیہقی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت سہیل بن عمرو العامری رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا "عمر ممکن ہے یہ کسی روز اس جگہ کھڑا ہو جہاں تمہیں خوش کرے"۔پھر ہوا بھی اسی طرح۔جب اہل مکہ معظمہ کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ملی تو یہی حضرت سہیل رضی اللہ عنہ ان میں کھڑے ہو گئے۔ انہیں خطبہ دیا اور انہیں ثابت قدم کیا۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے لوگوں کو اس روز خطبہ دے کر ثابت قدم کیا تھا۔

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انہیں اکیدر کی طرف بھیجا ''تم اسے اس حالت میں پاؤ گے کہ وہ گائے کا شکار کر رہا ہو گا''۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ عازم سفر ہوئے۔ ان کے ساتھ چار سو بیس مجاہدین تھے۔ چاندنی رات تھی۔ انہوں نے پایا کہ اکیدر اپنے بھائی حسان کے ساتھ جنگلی گائے کا شکار کر رہا تھا۔ صحابہ کرام نے ان دونوں کو باندھ دیا۔ حسان کو قتل کر دیا۔ اکیدر کو قیدی بنا لیا۔ اسے بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ اس نے جزیہ دینا منظور کر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ یہ عیسائیت پر ہی مرا۔ دوسرے قول کے مطابق اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت ابن مندہ اور حضرت ابو نعیم نے اسے صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیاں، امام مہدی کا ظہور، دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق بھی اپنی امت کو خبر دی۔ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے، دابۃ کا خروج، حشر و نشر کے بارے، ابرار اور فجار، جنت و دوزخ اور قیامت کے متعلق آگاہ فرمایا۔ اس فصل میں تمہارے لیے یہی کافی ہے۔ واللہ اعلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضائے مبارکہ کے کمالات

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کمالات کا ذکر خیر ہوگا جن سے رب تعالیٰ نے آپ کو دیگر انبیائے کرام پر فضیلت بخشی ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق کا کمال، صورت پاک کا جمال، قوت و طاقت کی انتہا، فرط شجاعت، علم کی بے کرانیاں اور علم کی عظمت و رفعت نیز ہر وہ وصف جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اخلاق حسنہ اور اوصاف پاکیزہ میں آپ کو دیگر لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔ ان سارے شمائل اور کمالات کی معرفت ایمان ہے۔ اس امر کی تصدیق بھی ایمان ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کو ایسی ہیئت پر تخلیق کیا ہے کہ نہ آپ سے قبل اور نہ ہی بعد میں آپ جیسی ہستی تخلیق ہوئی۔ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پاک کا مشاہدہ کرے گا اس کو اس میں نشانیوں اور معجزات کا ایک انبار نظر آئے گا۔ ظاہری حسن و جمال معنوی جمال و زیبائی پر دلالت کرتا ہے باطن کی زیبائی اور خوبصورتی دل میں علوم و معارف کے سمندر کو آشکار کر رہی ہوتی ہے۔ امام بوصیری نے کتنی عمدہ بات کی ہے۔

فھو الذی تم معناہ وصورتہ ثم اصطفاہ حبیبا باری النسم

وہ وہی ذات بابرکات ہے جو صوری اور معنوی لحاظ سے درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ پھر تمام ارواح کو پیدا کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا محبوب بنانے کے لیے چن لیا۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محاسن اور کمالات میں شریک سے پاک ہیں۔ آپ کے حسن کا جوہر منقسم نہیں ہے۔

یعنی حسن کامل کی حقیقت آپ میں پوری طرح موجود ہے۔ یہ آپ اور کسی اور کے مابین منقسم نہیں ہے۔ کیونکہ صرف اور صرف آپ ہی کی ذات معنی اور صورت کے اعتبار سے مکمل ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ اعلیٰ صفات دی گئیں ہیں جو ایک بشر کے مناسب ہیں جو صفات دیگر انبیاء کرام میں اس طرح پورے کمال کے ساتھ جلوہ نمانہ تھیں وہ بعض صفات میں شریک ہیں۔ بعض ان میں مشترک ہیں لیکن اس ذات پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا کو ان صفات عالیہ سے ممتاز فرمایا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو عطا نہیں کی گئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو حسن کا نصف عطا کیا گیا" اس فرمان عالی شان سے مراد یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس حسن و جمال سے نوازا گیا ہے اس کا نصف حضرت یوسف علیہ السلام کو عطا کیا گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کسی جگہ جہاد کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک قبیلے میں گئے اس قبیلے کے سردار نے آپ سے پوچھا "ہمارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ بیان کریں"۔ انہوں نے فرمایا "مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا"۔ کیونکہ آپ کی صفات عالیہ تو حد و شمار سے ماوراء ہیں۔ اس شخص نے پوچھا "کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باجمال ہیں؟"۔ انہوں نے جواب دیا "رسول (قاصد)

مرسل (بھیجنے والے) کی قدر و منزلت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ تو رب اعلیٰ و برتر کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہے۔ لازماً رب تعالیٰ نے انہیں ہر کمال پر فائز فرمایا ہے۔ ہر وہ چیز جس میں کمال متصور ہے۔ وہ کمال طریقہ سے آپ کو عنایت کی۔ بادشاہ جب اپنے قاصد کو کسی کام کے لیے بھیجتا ہے تو وہ اس شخص کو بھیجتا ہے جو اس کام کو نمٹانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جسے مکمل تصرف حاصل ہو۔ وہ منصب رفیع پر فائز ہو۔ اس سے آپ کی دیگر رسل عظام علیہم السلام کے ساتھ مساوات لازم نہیں آتی کیونکہ آپ کی رسالت خاص و عام کو شامل ہے اور آپ نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا یہ دونوں امور اس چیز کے متقاضی ہیں کہ آپ منزلت و قدر میں دیگر رسل عظام علیہم السلام سے بڑھ کر ہوں وہ کون ہے جس میں ایسی قدرت و طاقت ہے جو اس کی پہچان کر سکے جو رب تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔

المواہب میں امام قرطبی سے علماء کرام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "ہمارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں افروز کی ساری تابانیاں آشکارا نہیں کیں گئیں۔ اگر آپ کے حسن و جمال کی ساری جلوہ آرائیاں عیاں کر دی جاتیں تو ہماری آنکھوں کو کیسے تاب ہوتی کہ آپ کے جمال وزیبائی کا مشاہدہ کر سکیں۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

اعیا الوریٰ فهم معناه فليس يرى   فی القرب والبعد منه غير منفحم

اس کے معنی کی سمجھ نے مخلوق کو تھکا دیا ہے اس کے قرب اور بعد میں عاجز ساکت کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا۔

كالشمس تظهر للعينين من بعد   صغيرة و تكل الطرف من امم

جس طرح کہ سورج آنکھوں کے لیے دور سے چھوٹا نظر آتا ہے مگر قریب سے یہ نگاہوں کو تھکا دیتا ہے۔

اسی طرح حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ الہمزیہ میں کیا خوب فرمایا ہے۔

انما مثلوا صفاتك للنا   س كما مثل النجوم الماء

انہوں نے آپ کی صفات کی جلوہ گری کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اس طرح ہے جس طرح ستاروں میں پانی کا عکس ہے جو ستاروں کی حقیقت ظاہر کرنے سے عاجز ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ وہ ان کا احاطہ نہیں کرتے۔ وہ انتہائی چیز جہاں تک پہنچ سکتے ہیں وہ ایک تصویر ہے جو کسی نے بنائی ہے جس طرح پانی صرف ستاروں کا عکس دیتا ہے ان کی حقیقت آشکارا نہیں کر سکتا۔ اب ہم حضور اکرم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد اطہر کی تابانیوں میں کچھ کا ذکر جمیل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

چہرۂ والضحیٰ

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے تاباں کے متعلق امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور سارے لوگوں سے زیادہ حسین تھا۔ آپ خلق کے اعتبار سے بھی سارے لوگوں سے

جمیل تھے۔

امام ترمذی، امام احمد اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ زیبا تر ہو گویا کہ آفتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور میں رواں تھا"۔

اس روایت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ آفتاب کا اپنے فلک میں رواں ہونا آپ کے چہرہ والضحیٰ میں حسن کے رواں ہونے کی مانند ہے۔ نور، اجالا، روشنی اور تابانی آپ کے چہرۂ انور پر چھائی رہتی تھی۔ یہ زیبائی و جمال سارے چہرۂ پاک کو شامل تھا۔ بعض کو چھوڑ کر بعض کے ساتھ مختص نہیں تھا۔

کسی شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے۔

لم لا يفيئ بك الوجود وليله فيه صباح من جمالك مسعر

آپ کے انوار جمالیہ سے سارے عالم اور اسی کی رات کیوں نہ چمک اٹھے۔ کیونکہ اس میں آپ کے جمال دلنواز کی روشن صبح ہے۔

ولشمس حسنك كل يوم مشرق و ببدر وجهك كل ليل مزهر

آپ کے حسن کے آفتاب جہانتاب کے ساتھ ہر دن روشن ہوتا ہے اور آپ کے چہرۂ نور فشاں کے ماہ کامل کے ساتھ ہر رات کو حسن و زیبائی مل رہی ہے۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور تلوار کی مانند تھا۔ انہوں نے فرمایا "نہیں۔ بلکہ ماہ تمام کی طرح تھا"۔ گویا کہ سائل نے پوچھا کہ آپ کا رخ انور طوالت میں تلوار کی طرح تھا۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کا بلیغ رد کرتے ہوئے فرمایا "نہیں ماہ چہاردہم کی مانند تھا۔ یعنی گول ہونے میں۔ یا سائل نے پوچھا کہ کیا رخ زیبا چمک دمک میں تلوار کی طرح تھا تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا "نہیں بلکہ اس روئے زیبا کی تابانیاں کہیں زیادہ تھیں"۔ انہوں نے چاند کے ساتھ تشبیہ دینے کی طرف عدول کیا۔ کیونکہ اس میں دو اوصاف تھے درخشانی بھی اور گولائی بھی۔ یہ سائل کا اس وہم کا رد تھا کہ روئے انور کی تابانیاں تلوار کی طرح تھیں۔ کیونکہ اگرچہ وہ چمک و دمک تو رکھتی ہے لیکن یہ روئے مبارک کی جلوہ آرائیوں کو کیسے پہنچ سکتی ہے۔ بعض علماء کرام نے فرمایا ہے "ممکن ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس تشبیہ کو ناپسند فرمایا ہو۔ کیونکہ سائل نے چہرۂ انور کو تلوار سے تشبیہ دی تھی۔ اگر وہ ماہ کامل سے تشبیہ دیتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اسی طرح حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کا رد فرمایا اور فرمایا "نہیں، بلکہ روئے پاک بدر کامل کی طرح تھا۔ انہوں نے تشبیہ میں انتہائی خوش اسلوبی سے کام لیا۔ کیونکہ چاند روئے زمین کو اپنے نور سے بھر دیتا ہے۔ جو اسے دیکھتا ہے اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ اس کی نورانیت میں نہ تو گھبرا دینے والی گرمی ہوتی ہے۔ نہ ہی آنکھ میں کسی قسم کی گرانی محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ ماہ کامل کی طرف دیکھنا ممکن ہوتا ہے۔ لیکن سورج کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے اس کو دیکھنے سے نگاہوں کو تھکاوٹ اور کمزوری محسوس ہوتی ہے۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا "کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور تلوار کی مانند تھا؟ انہوں نے فرمایا "نہیں۔ بلکہ وہ شمس وقمر کی طرح تھا"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ روئے تاباں رونق وتابانی میں آفتاب کی طرح گولائی اور نورانیت میں ماہتاب کی طرح تھا۔ وہ گول تھا، لمبا نہ تھا، یعنی گول اور چوڑا تھا۔ جس طرح کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کے رخسار مبارک چوڑے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے چہرہ انور میں تھوڑی سی گولائی تھی یعنی بالکل گول نہ تھا بلکہ تھوڑی سی گولائی تھی نہ بہت زیادہ موٹا اور نہ کمزور ونحیف یعنی چہرۂ انور بالکل گول نہ تھا اس میں گوشت کم تھا۔ اہل عرب ہر ذوق سلیم اور طبع قویم کے نزدیک ایسا چہرہ بہت دلآویز، دلربا اور دلکش ہوتا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے چاندنی رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرخ حلہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ میں کبھی آپ کی طرف اور کبھی ماہ کامل کی طرف دیکھتا۔ مجھے آپ چاند سے زیادہ حسین لگے"۔ دوسری روایت میں ہے۔ آپ نے سرخ حلہ زیب بدن کیا ہوا تھا۔ میں آپ کے حسن و جمال اور چاند کی خوبصورتی میں موازنہ کرنے لگا۔ آپ مجھے چاند سے زیادہ دلکش اور حسین نظر آئے"۔

امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسرور ہوتے تو آپ کا چہرۂ انور یوں چمک اٹھتا گویا کہ وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم آپ کے چہرہ انور سے آپ کی مسرت وشادمانی پہچان لیتے تھے"۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش خوش کاشانۂ اقدس میں تشریف لائے تو آپ کے چہرے کے سارے خدوخال بجلی کی طرح چمک رہے تھے"۔

اس لیے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا "چہرۂ انور گویا کہ چاند کا ٹکڑا تھا"۔ یہ آپ کی طلعت زیبا کی طرف اشارہ تھا۔ مسرت وشادمانی کے وقت اس جگہ سے نور نکلتا تھا۔ یہ پہلے سے موجود نور وشگفتگی سے زائد ہوتا تھا۔ اسی لیے اسے مہر منیر کی چمک اور چاند کی نورانیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

امام طبرانی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف ایسے چہرہ انور کے ساتھ نظر التفات کی جو چاند کا ٹکڑا تھا"۔ یہ وصف اس وقت پر محمول کیا جائے گا جب آپ کسی طرف توجہ فرما ہوں۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جس میں ہے کہ پورا چہرہ انور ہی ضوفشاں تھا۔ امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے کئی اسناد سے روایت کیا ہے کہ چہرہ انور گویا کہ چاند کا ہالہ تھا۔

ابو نعیم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "حضور شفیع الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ پاک چاند کے ہالہ کی طرح تھا"۔

امام بیہقی نے بنو ہمدان کی ایک عورت سے روایت کیا ہے بعض راوی جس کا نام بھول گئے ہیں۔ اس نے کہا "میں نے

حضور ﷺ کی معیت میں حج کرنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ آپ کے دست اقدس میں عصا تھا۔ آپ کے اوپر دو چادریں تھیں۔ آپ کے گیسوئے پاک کندھوں کو چھونے کے قریب تر تھے۔ جب آپ حجر اسود کے پاس سے گزرے تو عصا مبارک سے استلام کیا۔ پھر اپنے منہ مبارک کو اس کے پاس لے جا کر اس کا بوسہ لیا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں "میں نے اس عورت سے کہا "ذرا سرور کائنات، فخر موجودات ﷺ کے خدوخال تو بیان کرو"۔ اس نے کہا "گویا کہ آپ چودھویں رات کے چاند تھے۔ میں نے آپ جیسا خوبرو نہ پہلے دیکھا نہ ہی بعد میں دیکھا"۔

امام دارمی، امام بیہقی، امام ابونعیم اور امام طبرانی نے حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے کہا "ذرا ہمارے لیے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک تو بیان کریں"۔ انہوں نے فرمایا "اگر تم محبوب مصطفیٰ ﷺ کی زیارت سے بہرہ ور ہو جاتے تو تم کہہ اٹھتے کہ آفتاب جہانتاب طلوع ہے"۔

امام مسلم نے حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخر میں ان کا وصال ہوا تھا۔ یہ ہجرت کے سال پیدا ہوئے اور 100ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ ایک روز اپنی عمر کے اواخر میں انہوں نے کہا "میں نے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ روئے زمین پر اب میرے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جو آپ کے دیدار سے بہرہ ور ہوا ہو"۔ ان سے عرض کی گئی "آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرو"۔ انہوں نے فرمایا "آپ کا چہرۂ انور روشن تھا۔ اس میں ملاحت تھی"۔

امام ترمذی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے کہا (یہ حضرت سیدۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے والدۂ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی طرف سے بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام ابوہالہ نباش تھا۔ دوسری روایت کے مطابق مالک یا زرارہ تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ سے نکاح مبارک ہونے سے قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک تھیں پھر یہ شوہر مر گیا۔ اس کے فرزند دلبند کو صحابی بننے کا شرف سرمدی نصیب ہوا۔ اسلام کی دولت سمیٹی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ جنگ جمل میں 36ھ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے) میرے ماموں حضور نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ میرے لیے بھی حضور اکرم ﷺ کا حلیہ بیان کریں۔ ایک دن انہوں نے کہا "حضور ﷺ لوگوں کی نگاہوں میں عظیم الشان اور جلیل القدر دکھائی دیتے تھے۔ روئے تاباں اس طرح چمکتا تھا جس طرح چاند چودھویں رات کو چمکتا ہے"۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند سے حضور ﷺ کا مبارک سراپا بیان کرتے ہوئے کہا "آپ کا چہرۂ انور روشن اور نور فشاں تھا۔ جب صبح روشن ہوتی تو وہ اپنی تابانیاں اسی منور چہرہ سے ہی لیتی تھی"۔

المواہب میں ہے سید علی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کتنا حسین اور دلربا ہے۔

الا یا صاحب الوجه المليح سالتك لا تغيب فانت روحی

اے دلربا چہرے والے! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے غائب نہ ہوں۔ آپ تو میری روح ہیں۔

متى ما غاب شخصك عن عيانى جمعت فلا ترى الا ضريحی

جب آپ کی ہستی والا میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی جب آپ واپس آئیں گے تو آپ میری قبر ہی دیکھیں گے۔

بحقك جد لرقك يا حبيبى فداو لوعة القلب الجريح

اے محبوب کریم! آپ کو اپنے حق کی قسم اپنے اس غلام پر کرم فرمائیں میرے زخمی دل کے سوز محبت کا علاج کریں۔

ورق لمغرم فی الحب امسی واصبح فی الهوى دنفا طريح

اس محب پر رحم فرمائیں جس کا دل آپ کی محبت میں جل رہا ہے وہ صبح و شام اس مرض کا دائمی مریض بن گیا ہے اور بے سدھ پڑا ہے۔

محب ضاق بالاشواق ذرعا و اوى منك للكرم الفسيح

وہ ایسا محب ہے کہ شوق سے اس کا سینہ تنگ ہو گیا ہے اور وسیع کرم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔

المواہب میں النہایہ از ابن الاثیر سے منقول ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوتے تو آپ کا چہرۂ تاباں آئینہ کی طرح چمکتا کہ دیواریں آپ کے چہرۂ انور کی نورانیت میں نظر آتی تھیں۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ یہ تشبیہ قمر کے ساتھ تشبیہ دینے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ماہ تمام کو بدر کہا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بھی سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوتے تو یہ شعر پڑھتے۔

لقد كنت من شئ سوى بشر كنت المنور ليلة البدر

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر کے علاوہ کچھ اور ہوتے تو چودھویں کی رات کا بدر کامل ہوتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہ تمام "بدر" کے ساتھ تشبیہ حقیقی معنی کو بھی شامل ہے کیونکہ "البدر" آپ کے اسمائے گرامی میں سے بھی ہے۔ روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے فرمایا "محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تاباں بدر، درخشاں ستارہ اور موجزن سمندر ہیں"۔ اسی طرح انصار کی فرخندہ فال خواتین نے اس وقت یہ اشعار پڑھ کر آپ کا والہانہ استقبال کیا تھا جب آپ نے مدینہ طیبہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا اور غزوۂ تبوک سے واپس آئے۔

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا لله داعی

حضرت ابن حلاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے اوصاف حمیدہ میں کتنے خوبصورت اشعار کہے ہیں۔

يقولون يحكى البدر فی الحسن وجهه و بدر الدجى عن ذالك الحسن ينحط

کما شبھوا غصن النقا بقوامه　لقد بالغوا فی المدح للغصن واشتطعوا

لوگ کہتے ہیں کہ ماہ تمام حسن میں آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے مطابق بننے کی کوشش کرتا ہے مگر ماہ کامل اس حسن و زیبائی تک پہنچنے سے عاجز ہے۔ لیکن انہوں نے انصاف نہیں کیا جس طرح کہ انہوں نے آپ کی اقامت کو نقا کی شاخ سے تشبیہ دی ہے انہوں نے اس شاخ کی تعریف میں بہت زیادہ مبالغہ کیا ہے اور انہوں نے انصاف نہیں کیا بدر اور شاخ کو اس تشبیہ کے ساتھ بہت زیادہ فخر حاصل ہو گیا۔ کیونکہ تشبیہات حضور سراپا کرم ﷺ کی صفات جمیلہ بیان کرنے کے لیے استعمال ہوئیں ہیں۔ یہ شعراء اور اہل عرب کی عادت کے مطابق ہے۔ ورنہ ان تشبیہات میں کوئی ایسی چیز نہیں جو حضور اکرم ﷺ کے خلقی اور خلقی اوصاف کا مقابلہ کر سکے۔

سیدی محمد وفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا

کم فیه للابصار حسن مدهش　کم فیه للارواح راح مسکر

کثیر نگاہوں کو آپ کے حسن و جمال نے مدہوش کر دیا ہے اور کثیر لوگوں کی ارواح کے لیے آپ میں سکون اور راحت ہے۔

سبحان من انشاه من سبحاته　بشرا باسرار الغیوب یبشر

پاک ہے وہ ذات جس نے آپ کی تخلیق اپنے نور سے کی آپ غیوب کے اسرار کی بشارت دیتے ہیں۔

قاسوه جهلا بالغزال تغزلا　هیهات یشبهه الغزال الاحور

لوگ نادانی کی وجہ سے آپ کو ہرن سے تشبیہ دیتے ہیں افسوس! خوبصورت آنکھوں والے ہرن سے آپ کو کیسے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

هذا و حقك ماله من مشبه　واری المشبه بالغزالة یکفر

لو! مجھے آپ کے حق کی قسم یہ تشبیہ درست نہیں۔ میرے نزدیک تو آپ کو سورج کے ساتھ تشبیہ دینا بھی کفران نعمت ہے۔

یاتی عظیم الذنب فی تشبیه　لولا لرب جماله یستغفر

وہ شخص یہ تشبیہ دے کر بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے وہ آپ کے جمال کو پیدا کرنے والے سے مغفرت طلب کیوں نہیں کرتا۔

فخر الملاح بحسنه و جماله　و بحسنه کل المحاسن تفخر

حسین لوگ اپنے حسن و جمال پر فخر کرتے ہیں مگر ہر ہر خوبی آپ کے جمال و زیبائی پر فخر کرتی ہے۔

فجماله مجلی لکل جمیله　وله منارکل وجه نیر

آپ کا حسن و جمال ہر بھلائی کا مظہر ہے آپ کے نور کے ظہور سے ہر چہرے کو حسن نصیب ہوا ہے۔

جنات عدن فی جنی و جناته　و دلیله ان المراشف کوثر

جنت کی نعمتیں آپ کے علوم و معارف سے ہی فیض یافتہ ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پیاس حوض کوثر کے جام سے ہی

بجھے گی۔

هيهات الهو عن هواه بغيرة . والغير فی حشه الاجانب يحشه

میرے لیے افسوس ہے اگر میں آپ کے علاوہ کسی اور سے محبت کروں کیونکہ غیر تو غیر نافرمانوں کی جماعت سے اٹھایا جائے گا۔

كتب الغرام على فی استفاره كتب تولی بالهوی و تفسه

اہل محبت نے عشق و محبت پر بہت سی کتب رقم کیں ہیں جو محبت و میلان کی تفسیر و تشریح بیان کرتی ہے۔

فدع الدعی وما ادعاه فی الهوی فدعیه بالهجر فيه تهجر

محبت کے داعی کو چھوڑ۔ محبت میں اس کے دعویٰ کو ترک کر۔ اس کے اس ہذیان کو چھوڑ جو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

چشم مبارک

اللہ رب العزت نے کتاب عزیز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مبارک کی تعریف میں فرمایا ہے

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم)

"نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی"۔

یعنی جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج ملاحظہ فرمایا اس سے آپ کی چشم مازاغ نہ جھکی اور نہ ہی تجاوز کیا۔ بلکہ اس چیز کا صحیح اثبات کیا اس نے ان عجائب کو دیکھنے میں عدول نہ کیا جسے دیکھنے کا آپ نے حکم دیا اور نہ ہی اس نے تجاوز کیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (بنی اسرائیل:1)

"تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں"۔

اللہ رب العزت کا یہ فرمان مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس قدر قوت بصارت عطا فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی چیز کے متعلق یہ خیال نہیں آیا تھا جسے آپ نے دیکھا ہو کہ وہ خلاف واقعی ہو گی۔ بلکہ جب نگاہ ناز کسی چیز پر پڑتی تو اس کا ادراک اسی طرح کر لیتی جس طرح وہ چیز حقیقت میں ہوتی تھی خواہ وہ چیز کتنی ہی مخفی ہوتی۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی ظلمت میں بھی اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح دن کے اجالے میں مشاہدہ فرماتے تھے۔ یعنی روز روشن اور شب تار میں دیکھنا آپ کے لیے برابر ہوتا تھا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باطن کے علم سے نوازا تھا۔ قلوب کے مدرکات کے ادراک کا احاطہ بھی عنایت کیا تھا جس طرح کہ آپ کو اجسام کے مدرکات کا علم عطا فرمایا تھا۔

امام بیہقی اور امام ابن عدی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاریکی

میں بھی اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے یہ روایت بھی صحیح ہے کہ آپ ﷺ اپنے پیچھے سے بھی محسوس چیزیں اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح اپنے سامنے سے مشاہدہ فرما سکتے تھے۔

امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''کیا تم دیکھتے ہو کہ میرا قبلہ ادھر ہے، بخدا! مجھ سے تمہارے رکوع اور تمہارے سجود مخفی نہیں ہیں''۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''مجھ پر تمہارے رکوع اور خشوع مخفی نہیں ہیں۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں''۔ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ''اے لوگو! میں مصلیٰ امامت پر ہوتا ہوں مجھ سے قبل رکوع اور سجود نہ کیا کرو۔ میں تمہیں اپنے آگے سے اور اپنے پیچھے سے دیکھ لیتا ہوں''۔

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے پیچھے صفیں اسی طرح دیکھ لیتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ یہ دیکھنا اور ادراک کرنا حقیقی ہوتا تھا۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی جو کہ خلاف عادت تھی اور یہ آپ کا معجزہ تھا۔ اہل السنۃ کے نزدیک رؤیت کے لیے بالمقابل ہونا شرط نہیں، نہ ہی رائی سے ایسی شعاعیں جدا ہونا لازم ہیں جو مرئی کے ساتھ متصل ہوں۔ ہاں عادت میں تو یہ چیزیں شرط ہیں لیکن رب تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کے لیے یہ عادی چیز ختم کر دی جس طرح وہ اہل ایمان کے لیے روز حشر ختم کر دے گا۔ وہ دیکھیں گے ان میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی نہ ہوگی۔

اس بات کی ایک اور دلیل بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ثریا میں بارہ ستارے دیکھے۔ حالانکہ لوگوں کو اس میں صرف چھ یا سات ستارے نظر آتے ہیں۔ وہ سب کے سب ستارے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بصارت کی اس قوت کی وجہ سے ہے جو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔ یہ آپ ﷺ کی بصارت کی قوت ہی تھی کہ آپ ملائکہ اور شیاطین دیکھ لیتے تھے۔ آپ نے نجاشی کو دیکھا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ بیت المقدس کو دیکھا تاکہ قریش کے لیے اس کے اوصاف بیان کر سکیں مسجد نبوی کی بنیاد رکھی تو مدینہ طیبہ سے کعبہ مقدسہ کو دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور تاجدار عرب وعجم ﷺ جب کسی کی طرف توجہ فرما ہوتے تو پوری طرح توجہ فرما ہوتے۔ آپ کی نظر مبارک اکثر زمین کی طرف جھکی رہتی۔ بہت کم آسمان کی طرف بلند ہوتی۔ آپ ﷺ کسی بھی چیز کو پوری طرح ملاحظہ فرماتے تھے۔

''جب آپ توجہ فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے'' اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نظر چرا کر نہیں دیکھتے تھے۔ مبارک گردن کو دائیں بائیں نہیں لے جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرح کرنا خفت عقل کی علامت ہے۔ بلکہ آپ آگے اور پیچھے پوری طرح توجہ فرماتے۔ آپ کی نگاہ ناز جھکی رہتی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کسی چیز کو ملاحظہ فرما لیتے تو نگاہ ناز جھکا لیتے بلاوجہ اطراف اور جوانب میں نہ دیکھتے۔ ہمیشہ سر اقدس جھکا رہتا عالم غیب کی طرف مصروف رہتے۔ اپنے حال میں مشغول رہ کر آخرت کے امور میں غور و فکر کرتے۔ یہ ایسی متواضع ہستی کی شان والا ہے جو غور و فکر کر رہی ہو اپنے رب تعالیٰ کے

ساتھ مشغول ہو۔ بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ آپ کے نرم گوشہ اور شدت حیاء کی طرف اشارہ ہے یا کثرت سے سوال نہ کرنے اور کسی مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی وجہ سے ہے۔

''آپ کی نظر مبارک زیادہ تر زمین پر رہتی آسمان کی سمت کم ہی بلند ہوتی تھی''۔ اس کا مفہوم یہ ہے آپ سکوت کی حالت میں رہتے۔ زیادہ گفتگو نہ کرتے کیونکہ یہ حالت غور وفکر کے اعتبار سے زیادہ جامع اور باطن کے ساتھ مشغول ہونے کے اعتبار سے زیادہ وسیع ہے۔ یا اس کی وجہ اپنے رب تعالیٰ سے حیاء اور ادب کی کثرت تھی یا اس لیے کہ آپ اہل زمین کی تربیت کے لیے تشریف لائے تھے نہ کہ اہل آسمان کی تربیت کے لیے۔ البتہ پہلا قول زیادہ عمدہ ہے۔

''آپ کی نظر مشاہدہ ہوتی تھی'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ ملاحظہ سے مراد مراقبہ ہے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اشیاء کو اہل حرص کی طرح نہیں دیکھتے تھے جس طرح کہ اہل حرص دنیا کی آرائش اور زیبائش کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے آپ سے فرمایا تھا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ (طٰہٰ: 131)

''اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیں''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمان مبارک کشادہ اور بڑی تھیں۔ ان کے سفید حصے میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔ مژگان مبارک لمبی تھی۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی سفیدی میں باریک باریک سرخ دوڑے تھے۔ یہ آنکھوں کے لیے دلکشی اور دلربائی کا ساماں ہے یہ آپ کی نبوت کی علامت بھی ہے۔ کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میسرہ کے ساتھ شام کا سفر کیا تو وہاں راہب نے میسرہ سے پوچھا ''کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے''۔ میسرہ نے جواب دیا ''وہ سرخی تو کبھی آپ سے جدا نہیں ہوئی''۔ راہب نے کہا ''یہ وہی (نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھیں کشادہ تھیں۔ ان میں باریک باریک سرخ ڈورے تھے۔ ابرو مبارک باریک تھے اور باہم ملے ہوئے نہ تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابرو ملے ہوئے تھے۔ کہ ابرو طویل تھے۔ قریب تھا کہ مل جاتے۔ مگر ملے ہوئے نہ تھے۔ لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ ایک روایت ہے کہ دو ابرو کے مابین ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت حرکت کرتی اور پھول جاتی تھی۔

المواہب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور مبلغ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا۔ ایک دن میں اہل یمن کو خطبہ دینے کے لیے اٹھا تاکہ مومن کا ایمان متمکن ہو اور جو ابھی تک ایمان نہیں لایا وہ ایمان لے آئے۔ میں نے خطبہ دیا۔ یہودیوں کا بہت بڑا عالم کھڑا ہو گیا اس کے ہاتھ میں بہت بڑی کتاب تھی۔ وہ اس میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تو کہا ''میرے لیے ابوالقاسم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا حلیہ بیان کرو''۔ میں نے کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو بلند قامت نہ ہی کوتاہ قد ہیں.......... ۔ پھر میں خاموش ہو گیا۔ اس نے پوچھا ''اور کچھ'' میں نے کہا ''اس وقت تو مجھے یہی کچھ

یاد ہے۔ اس عالم نے پوچھا "کیا ان کی آنکھوں میں سرخی ہے اور ان کی داڑھی بہت خوبصورت ہے"۔ میں نے کہا "ہاں! اللہ کی قسم! اس عالم نے کہا "جو حلیہ آپ نے بیان کیا ہے وہ بھی اور جو میں نے بیان کیا ہے وہ بھی میں اپنے آباء کی اس کتاب میں پاتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ رب تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ جن کو اس نے سارے لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے"۔

سماعت مبارک

قوت سماعت کے متعلق تمہارے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی شان ہی کافی ہے۔ "میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جسے تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ کچھ سنتا ہوں جسے تم نہیں سن سکتے"۔ آسمان چیں چیں کر رہا ہے اور وہ اس امر کا مستحق ہے کہ چڑچڑائے۔ کیونکہ وہاں چار انگلیوں کی جگہ بھی نہیں مگر وہاں فرشتے اپنا سر رکھ کر رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہیں"۔ اس روایت کو امام ترمذی، امام احمد، امام ابن ماجہ، امام حاکم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور سارے محدثین نے اسے صحیح کہا ہے۔

ابونعیم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا "کیا تم وہ کچھ سنتے ہو جو میں سن رہا ہوں"۔ صحابہ کرام عرض گزار ہوئے "آپ کیا سن رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں آسمان کے چیں چیں کرنے کی آواز سن رہا ہوں۔ اگر وہ یوں کر رہا ہے تو اس کا کوئی قصور نہیں" کیونکہ اس میں بالشت بھر بھی جگہ نہیں مگر یہ کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ ریز ہے اور کوئی قیام کر رہا ہے"۔

طلعت زیبا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلعت زیبا کشادہ تھی۔ جبیں مبارک دونوں اطراف سے کشادہ اور وسیع تھی۔ ایسی طلعت زیبا ہر صاحب ذوق سلیم کو پسند ہوتی ہے۔ حضرت ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روشن جبیں تھے۔ جب آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جلوہ فگن ہوتے تو یوں لگتا گویا کہ مہر عالمتاب طلوع ہو گیا ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا

متى يبد فى الليل البهيم جبينه بلح مثل مصباح الدجا المتوقد

فمن كان او من قد يكون كاحمد نظام لحق او نكال لملحد

جب تاریک رات میں آپ کی طلعت زیبا عیاں ہوتی، وہ تاریکی میں ضوفشاں چراغ کی طرح ہوتی۔ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کون تھا یا کون ہوگا۔ حق کے لیے موتیوں کی لڑی کا دھاگہ اور ملحد کے لیے عذاب۔

امام بیہقی نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے صحابی کے ابہام میں کوئی حرج نہیں کیونکہ سارے صحابہ کرام عدول تھے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ ایک ایسی ہستی پاک تھے جس کا جسد اطہر بہت حسین تھا۔ جبین زیبا کشادہ تھی۔ ابرو باریک تھے"۔

سیدی محمد وفی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے

جبينه مشرف من فوق طرته يتلوا الضحى لتله والليل كافرة

آپ کی طلعت زیبا سے نور نکل کر جسم اطہر سے اوپر جاتا تھا چہرۂ والضحیٰ کے بعد زلف معنبر ہوتی یہ زلف معنبر چہرہ اقدس پر گری رہتی تھی۔

بالمسك خطت على كافور جبهته من فوق نوناتها سينا ضفائره

آپ کے گیسوئے پاک نے آپ کی طلعت زیبا کے کافور پر مشک کے ساتھ نونوں پر سین بنا رکھی تھی۔

مكمل الخلق ما تحصى خصائصه منفرد الحسن قد قلت نظائره

آپ کی تخلیق مکمل تھی۔ آپ کے خصائص کو شمار کرنا ممکن ہی نہیں۔ آپ بہت زیادہ حسین تھے۔ آپ کی مثال لانا ممکن ہی نہیں۔

امام مقاتل سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی ''اے طاہرہ بتول کے فرزند دلبند! میں نے باپ کے بغیر تمہیں پیدا کیا۔ تمہیں سارے لوگوں کے لیے نشانی بنا دیا۔ صرف میری عبادت کرو۔ صرف مجھ پر توکل کرو۔ ان لوگوں کو بتا دو کہ معبود برحق میں ہی ہوں۔ میں حی و قیوم ہوں۔ مجھے زوال نہیں۔ وہ اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں جو اونٹ والے، زرہ والے اور عمامہ والے، نعلین والے، عصا والے اور گھنگھریالے بالوں والے، عمدہ رخساروں والے اور حسین کثیر داڑھی والے ہوں گے ان کے چہرۂ انور پر پسینے کے قطرات موتی لگیں گے۔ ان کی خوشبو مشک اذفر کی مانند ہوگی۔ ان کی گردن چاندی کی صراحی کی طرح ہوگی''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک چاندی کی صراحی کی طرح تھی۔ حضرت ہند بن ہالہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک اس طرح تھی جس طرح کسی چاندی کی گڑیا کی صاف گردن ہو۔ یعنی چمک، اعتدال، خوبصورتی، حسن ہیبت اور کمال میں وہ اس طرح تھی۔ وہ چمک اور دمک اور رنگت میں چاندی کی طرح تھی۔ ناک مبارک اونچی تھی۔ اس پر نور برس رہا ہوتا دیکھنے والا گمان کرتا یہ بہت اونچی ہے۔

سر اقدس

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس بڑا تھا۔ امام بیہقی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس بڑا یعنی افراط کے بغیر بڑا تھا۔ اس طرح کا سر محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے کیونکہ یہ ادراک اور کمالات کو پا لینے میں معاون و مددگار ہوتا ہے۔ جب کہ افراط کے ساتھ سر کا بڑا ہونا کند ذہنی کی علامت ہوتا ہے۔

دہن مبارک

امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک کشادہ تھا۔ یعنی افراط کے بغیر کشادہ تھا۔ اہل عرب ایسے منہ کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ چھوٹے منہ کی مذمت کرتے ہیں۔ کیونکہ کشادہ منہ فصاحت و بلاغت کی علامت ہوتا ہے۔ جب کہ چھوٹا منہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ مولدون شعراء چھوٹے منہ کی تعریف کرتے تھے یہ ان کی

خطاتھی یا انہوں نے اس مفہوم کی طرف توجہ نہ کی تھی یا وہ عورتوں کے اعتبار سے ایسے منہ کی تعریف کرتے تھے۔

امام بزار اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک وسیع تھا۔ دانت مبارک موتیوں کی طرح چمکتے تھے۔ دندان مبارک آپس میں بھینچے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ درمیان میں تھوڑا تھوڑا فاصلہ تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے والے دانت بڑے چمک دار تھے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک بھینچے ہوئے نہ تھے۔ بلکہ ان کے درمیان تھوڑا تھوڑا فاصلہ تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو یوں محسوس ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سے نور نکل رہا ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب لعلیں سارے لوگوں سے حسین ترین تھے۔ آپ کے ٹخنوں اور کلائیوں کی ہڈیاں بڑی تھیں یہ وفور مادہ، قوت حواس، کثرت حرارت اور کمال تقویٰ کی علامت ہے۔

المواہب میں حضرت ابو قرصافہ جندرہ بن خیشنہ الکنانی اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے امی جان اور خالہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ جب ہم واپس گئے تو مجھے میری امی جان اور خالہ نے کہا "نور نظر! ہم نے آج تک خلق اور خلق میں ایسی ہستی نہیں دیکھی۔ نہ کسی میں اتنا حسن و جمال دیکھا ہے۔ نہ ہی کسی کے کپڑے اتنے صاف دیکھے ہیں۔ نہ ہی اتنا نرم گفتار کسی کو دیکھا ہے۔ ہم نے آپ کے منہ مبارک سے نکلتا ہوا نور دیکھا"۔

لعاب دہن

غزوہ خیبر میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آشوب چشم تھا۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔ آپ نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا تو گویا کہ انہیں درد نامی کوئی چیز نہ تھی۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمیر بنت مسعود انصاریہ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہنیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوئیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدید (سوکھا گوشت) تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے قدید کے کچھ ٹکڑے دندان مبارک میں چبائے اور ان بلند اقبال خواتین کو عطا فرمائے۔ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک ٹکڑا کھایا تو ان کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آنے لگی۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو شدید پیاس لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زبان حق ترجمان عطا فرمادی وہ اسے چوسنے لگے حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ ایک فحش گو عورت بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قدید تناول فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کی "کیا آپ مجھے عنایت نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے اسے اپنے سامنے پڑے قدید میں سے کچھ عطا کرنا چاہا تو اس نے عرض کی "نہیں، میں وہ قدید لوں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک میں ہے"۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ مبارک سے وہ قدید نکالا جسے آپ تناول فرما رہے تھے اور اس خاتون کو عنایت کر دیا۔ اس نے اسے کھالیا اس کے طفیل اس کی ساری فحش گوئی ختم ہو گئی۔

فصاحت و بلاغت

حضور ﷺ کی زبان اقدس کی بلاغت، جوامع کلمات، بدیع بیان اور حکمت آموز باتیں نرالی شان رکھتی تھیں۔ آپ کلام پاک کے اعتبار سے ساری مخلوق سے زیادہ فصیح، نظام کے اعتبار سے سب سے عظیم اور ادائیگی کے اعتبار سے سب سے زیادہ سریع تھے۔ آپ کا کلام مقدس دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر جاتا۔ آپ کے کلام مقدس کی انتہاؤں کو پالینا ناممکن ہے۔ بلکہ اس کی انتہا ہے ہی نہیں۔ اس طرح کیوں نہ ہو جب کہ رب تعالیٰ نے آپ کی زبان حق ترجمان کو اپنی تلواروں میں سے ایک تلوار بنایا ہے جو اس کی طرف سے اس کی مراد بیان کرتی اور اس کے بندوں کو اس کی طرف بلاتی تھی اس کا ذکر حقیقت کو بیان کر کے اس کی مراد کو عیاں کرتی تھی جب آپ محو کلام ہوتے تو ساری مخلوق سے زیادہ فصیح ہوتے۔ جب وعظ ارشاد فرماتے تو سب سے زیادہ نصیحت کرتے۔ آپ فحش گوئی اور بیہودہ کلام نہ فرماتے۔ آپ ایسی گفتگو ہرگز نہ فرماتے جسے آپ خود پسند نہ کرتے۔ کیونکہ آپ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی بڑھ کر باحیاء تھے۔ آپ کا کلام پاک علم، شرع اور حکمت کے اعتبار سے ثمر آور تھا، کسی بشر کی زبان سے ایسا کلام نہ نکلتا جو آپ کے کلام معجز نظام سے زیادہ محکم یا زیادہ شیریں ہوتا۔ آپ نے اپنی زبان اقدس سے مراد حق تعالیٰ کو عیاں فرمایا۔ اپنے بیان کے ساتھ رب تعالیٰ کے بندوں پر اس کی حجت قائم کی۔ اس کے فرائض، اوامر، نواہی، زواجر، وعدہ، وعید اور ارشاد کے متعلق بیان فرمایا۔ آپ دل کے اعتبار سے ساری مخلوق سے زیادہ محکم، زبان کے اعتبار سے فصیح اور بیان کے اعتبار سے واضح تھے۔ جب حضور اکرم ﷺ محو کلام ہوتے تو بیہودہ کلام نہ فرماتے۔ بلکہ آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے جسے شمار کرنے والا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔ آپ اتنی تیزی سے گفتگو نہ فرماتے جسے یاد نہ کیا جا سکے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ گفتگو کو اچھی طرح بیان فرماتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی گفتگو عام فہم ہوتی تھی۔ آپ کی گفتگو جدا جدا ہوتی تھی۔ اگر اسے شمار کرنے والا گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ایک بات کو تین بار فرماتے حتیٰ کہ وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتی۔

ابن عساکر اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح کیوں ہیں؟ حالانکہ آپ سفر کر کے کہیں (اس مقصد کے لیے) تشریف نہیں لے گئے"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت مٹ چکی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام اسے لے کر آئے اور مجھے یاد کرادی"۔

عسکری نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب بنو نہد کا وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا...... اس روایت کا ذکر خیر پہلے ہو چکا ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کے خطبہ کا ذکر ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی معروف لغت میں ان کے ساتھ کلام فرمایا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی "یارسول اللہ! ﷺ ہمارے آباء ایک ہیں، ہم نے ایک ہی شہر میں نشوونما پائی ہے۔ آپ اہل عرب سے ایسی گفتگو فرماتے ہیں جس کا اکثر

حصہ ہم سمجھ نہیں پاتے''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے میرے رب نے ادب سکھایا۔اور عمدہ ادب سکھایا میں نے بنوسعد بن بکر میں نشوونما پائی''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتوبات گرامی میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ نے عرب کے قبائل کو ان کی لغت میں مکتوبات لکھوائے۔ ہر قبیلہ کے ساتھ اسی زبان میں گفتگو فرمائی۔آپ کی فصاحت، بلاغت، معرفت اور لغات عرب کے علم کی وسعت کی دلیل ہے۔

المواہب میں ہے آپ کی فصاحت و بلاغت کسی دلیل کی محتاج نہیں۔ کسی دوست اور دشمن نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔ علماء کرام نے آپ کے بدیع اور ایسے معجز کلام کے دواوین مرتب فرمائے ہیں جو پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلا۔ المواہب کے مصنف نے ان میں سے بعض کا تذکرہ بھی کیا ہے مثلاً

المرء مع من احب

''آدمی اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرے''۔

الذنب لاینسی و البر لایبلی والدیان لایموت فکن کما شئت

''گناہ فراموش نہیں ہوتا، نیکی بوسیدہ نہیں ہوتی اور حساب لینے والے کو موت نہیں اس طرح ہو جا جس طرح چاہتا ہے''۔

جمال الرجل فصاحۃ لسانہ

''ایک شخص کا جمال اس کی زبان کی فصاحت ہے''۔

انکم لا تسعوا الناس باموالکم فسعوھم باخلاقکم

''تم لوگوں کو اپنے اموال دینے پر قادر نہیں ہو۔ انہیں اپنے اخلاق حسنہ پیش کر دو''۔

دوسری روایت میں ہے تم میں سے کوئی ایک لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسن خلق کے ساتھ ملاقات کرے۔

الخلق الحسن یذیب الخطایا کما یذیب الماء الجلید و الخلق السیئ یفسد العمل کما یفسد الخل العسل

''عمدہ اخلاق لغزشوں کو اس طرح پگھلا دیتا ہے جس طرح پانی برف کو پگھلا دیتا ہے۔ برا اخلاق عمل کو اس طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے''۔

الشتاء ربیع المومن قصر نہارہ فصامہ و طال لیلہ فقامہ

''موسم سرما مومن کے لیے بہار ہے۔ اس میں دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ جن میں وہ روزے رکھتا ہے۔ راتیں طویل ہوتی ہیں جن میں وہ قیام کرتا ہے''۔

القناعۃ مال لاینفد و کنز لایفنی

''قناعت ایسا مال ہے جو ختم نہیں ہوتا اور ایسا خزانہ ہے جو فنا نہیں ہوتا''۔

الاقتصار فی النفقة نصف المعیشة والتودد الی الناس نصف العقل و حسن السوال نصف العلم وحسن الخلق نصف الدین

''خرچ کرنے میں میانہ روی نصف معیشت ہے۔لوگوں کی دوستی چاہنا نصف عقل، عمدہ سوال کرنا نصف علم اور حسن خلق نصف دین ہے''۔

لا عقل کالتدبیر ولا ورع کالکف عن الحرام ولا حسب کحسن الخلق

''تدبیر کی مانند کوئی عقل نہیں۔حرام سے بچ جانے کی طرح کوئی تقویٰ نہیں اور حسن خلق کی طرح کوئی شرافت نہیں''۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده والمهاجر من هجر ما حرم الله

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا جسے رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا''۔

التجاوز عن الذنب لا یزید العبد الا عزا وصنائع المعروف تقی مصارع السؤ والتواضع لا یزید العبد الا رفعة وما نقص مال من صدقة

''گناہ سے دوری بندے کی عزت میں اضافہ کرتی ہے۔نیکی کے کام برائی کی راہوں سے دور کرتے ہیں اور عاجزی انسان کی رفعت میں ہی اضافہ کرتی ہے اور صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا''۔

اخسر الناس صفقة من اذهب آخرته بدنیا غیره

''لوگوں میں سے سودا بازی کے اعتبار سے سب سے گھاٹے میں وہ شخص ہے جس نے دوسرے شخص کی دنیا کے لیے اپنی آخرت برباد کر دی''۔

ان من کنوز کتمان المصائب

''مصیبتیں چھپانا نیکی کے خزانوں میں سے ہے''۔

لا تظهر الشماتة باخیك فیعافیه الله ویبتلیك وعیرا خا بذنب لم یمت حتی یعمله

''اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر۔ورنہ رب تعالیٰ اسے عافیت دے دے گا اور تجھے آزمائش میں مبتلا کر دے گا۔جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی عار دلائی وہ اس وقت تک نہ مرے گا جب تک خود اس میں مبتلا نہ ہو جائے گا''۔

من ضمن لی ما بین لحییه و رجلیة ضمنت له علی الله الجنة

''جو مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے جبڑوں کے درمیان اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے رب تعالیٰ کی طرف سے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔

لایکمل ایمان المرء حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ

''آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہو''۔

السعید من وعظ بغیرہ

''سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے''۔

انما الاعمال بالنیات

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔

نیت المومن خیر من عملہ و نیت الفاجر شر من عملہ

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور فاجر کی نیت اس کے عمل سے بری ہے''۔

یہ ایسی احادیث جوامع ہیں جن کے معانی اور احکام بیان کرنے کے لیے علماء نے ان کی طویل تشریح کی ہے۔

امام ترمذی نے حضرت عطیہ بن عروہ السعدی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تجھے غنی کر دے تو لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے ساتھ ہماری زبان میں ہی گفتگو کی''۔

یہ امر حضور تاجدار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور خصائص میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کے ساتھ اس کی زبان میں گفتگو فرماتے۔ حالانکہ اہل عرب کی باہمی زبان میں بھی کافی اختلاف تھا۔ ان کے الفاظ کی ترکیب اور کلمات کے اسالیب بھی مختلف تھے۔ ایک عام شخص تو اپنی زبان پر عبور حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسرے شخص کی زبان اس کے لیے ایسی اجنبی ہوتی ہے جیسے کوئی عربی سن رہا ہو یہ صرف قوت الٰہیہ اور عنایات ربانیہ تھیں۔ کیونکہ آپ کو سارے لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ سیاہ اور سرخ کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری زبانوں کا علم عطا فرما دیا۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم: 4)

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ''۔

جب رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے لوگوں کی زبانیں سکھا دیں۔ آپ جس لغت میں بھی گفتگو فرماتے انتہائی بلیغ گفتگو فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کوئی شخص دوسری زبان میں گفتگو کرتے وقت اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہی رہتا ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عزت و شرف سے مشرف فرمایا کہ آپ جس زبان میں بھی گفتگو فرماتے اس میں اہل زبان سے فصیح ترین گفتگو فرماتے کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سارے کے سارے قوائے بشریہ میں دیگر انسانوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی۔ اس میں قیاس اور اندازہ کا کوئی

عمل دخل نہیں۔ اس کی تحقیق میں کوئی حرج نہیں۔

حضور تاجدار عرب وعجم ﷺ نے حبشہ کی زبان میں گفتگو فرمائی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام خالد بنت خالد بن سعید سے فرمایا "سناہ سناہ، یا سنہ ہسنہ"۔ حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئیں۔ وہیں نشوونما پائی۔

وہ اہل حبشہ کی زبان سے آگاہ تھیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا یکثر الہرج۔ حبشہ کی لغت کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ قتل عام ہوگا۔ اسی طرح جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ آپ کے لیے کھانا تیار کروایا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ان جابرا قد صنع لکم سودا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ سور فارسی کا لفظ ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دوپہر میں سفر کیا میں نے بھی سفر کیا، میں نے نماز پڑھی پھر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے میری طرف توجہ فرمائی اور فرمایا "شکم درد (پیٹ کا درد ہے)" میں نے عرض کی "ہاں یارسول اللہ! ﷺ" آپ ﷺ نے فرمایا "اٹھو نماز پڑھو بلاشبہ نماز میں شفاء ہے"۔

بعض راویوں نے یہ اضافہ بھی کیا ہے "دردم" علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح کیوں فرمایا؟ میرے لیے اس کی اور کوئی وجہ عیاں نہیں ہوئی سوائے اس کے آپ اظہار محبت اور مزاح کے لیے انہیں یوں فرمایا۔ جس طرح کہ تم کسی انسان کو دیکھو جو کسی چیز کا شکوہ کر رہا ہو تم بھی اسی طرح کا اظہار کرو جس طرح وہ کر رہا ہے یہ مخاطب سے محبت اور مزاح کے لیے ہوتا ہے۔ بعض علماء نے شکم درد کو اشکنب درد پڑھا ہے۔ انہوں نے الکرش کا معنی پیٹ کیا ہے۔ بعض اوقات اس کے بعد ھاء کا اضافہ کردیتے ہیں مگر اس سے پیٹ کے درد کا معنی نکال لینا درست نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "حدیث پاک ہے۔ الغب دودو۔ التمریک یک" یعنی انگور دو دو اور کھجور ایک ایک۔ مگر خواص کے نزدیک اس روایت کی اصل نہیں ہے

آواز مبارک

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جو بھی پیغمبر مبعوث فرمایا اس کا چہرہ حسین اور آواز شیریں تھی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے حبیب لبیب ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ بھی حسن و جمال کا پیکر اور آواز دلکش اور دلآویز تھی"۔ یہی روایت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

صحیحین میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ نے نماز عشاء میں والتین والزیتون سورت تلاوت کی میں نے کوئی آواز نہ سنی جو آپ کی آواز سے زیادہ خوبصورت ہو"۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم ﷺ کی آواز مبارک بہت خوبصورت تھی"۔

امام طبرانی اور امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم ﷺ

محو تکلم ہوتے تو دندان مبارک سے نور نکلتا ہوا دکھائی دیتا۔ آپ کی آواز مبارک اس جگہ پہنچ جاتی جہاں کسی دوسرے کی آواز نہیں پہنچ پاتی تھی"۔

امام بیہقی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا جسے پردہ نشین عورتوں نے پردہ میں سنا"۔

ابونعیم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعۃ المبارک کے روز منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ لوگوں سے فرمایا "بیٹھ جاؤ"۔ آپ کی یہ آواز مبارک حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بنو غنم میں سنی۔ وہ اسی جگہ بیٹھ گئے"۔

ابن سعد نے حضرت عبدالرحمن بن معاذ التیمی سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں منیٰ میں خطبہ دیا۔ ہم نے وہ خطبہ ہمہ تن گوش ہو کر سنا حتیٰ کہ ہم نے اپنے اپنے خیموں میں آپ کا خطبہ سن لیا"۔

ابن ماجہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "ہم نصف رات کے قریب خانہ کعبہ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت سن لیتے تھے حالانکہ میں اپنی چارپائی پر ہوتی تھی"۔

علامہ زرقانی نے کہا ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کا اپنی چارپائی پر گھر کے اندر دور سے آپ کی آواز سن لینا آپ کی قوت کی دلیل بھی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تبسم

امام بخاری نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا منہ مبارک کھل جائے اور حلق کا گوشت نظر آنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف تبسم فرماتے تھے۔

البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول حدیث مبارک میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ دندان مبارک نظر آنے لگے۔ یہ نادر ہی ہوا کرتا تھا۔ اس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نہیں دیکھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تھا۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا تبسم ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ان روایات کو جمع کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ اکثر اوقات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم ہی فرمایا کرتے تھے بعض اوقات ہنستے بھی تھے لیکن قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ کثرت اور افراط سے ہنسنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے وقار ختم ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان افعال کی اقتداء کرنی چاہیے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مداومت فرمائی ہے وہ تبسم ہو جس میں قہقہہ نہ ہو۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے"۔

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تو در و دیوار روشن ہو جاتے۔ آپ کا نور مبارک ان پر اس طرح پڑتا جس طرح سورج کی دھوپ پڑتی۔

جب حضرت جبرائیل امین علیہ السلام وحی لے کر آئے تو آپ مسکرائے بھی نہ تھے حتیٰ کہ وہ چلے جاتے۔ اس میں ایک تو ان کی تعظیم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری طرف مشغول نہ ہوتے تھے اور دوسرا جو وحی وہ لے کر حاضر خدمت ہوتے تھے آپ اس میں غور و فکر فرماتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کا غصہ شدید ہو جاتا۔ آواز مبارک بلند ہو جاتی۔ گویا کہ آپ ''تمہاری صبح، تمہاری شام'' فرما کر پورے لشکر کو ڈرا رہے ہیں۔

گریہ و فغاں

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی قہقہہ لگا کر ہنسے نہیں تھے اسی طرح روتے وقت بھی آپ اپنی آواز بلند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ چشمان مقدس سے آنسو بہتے اور لگاتار بہتے رہتے سینہ اقدس سے آواز آتی، کبھی میت پر از روئے رحمت روتے۔ کبھی اپنی امت کے خوف سے روتے۔ جب خشیت الٰہیہ سے روتے۔ کبھی قرآن مجید سماعت کرتے وقت گریہ فرماتے، کبھی نماز میں آنسو گرنے لگتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے جمائی سے محفوظ رکھا تھا۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت یزید بن ام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آئی۔

بخاری شریف میں مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ رب العزت کو چھینک پسند اور جمائی ناپسند ہے۔

دست حق نما

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک حلیہ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں اور مبارک انگلیاں موٹی تھیں۔ انگلیاں نہ چھوٹی تھیں نہ کھردری۔ یہ وصف مردوں میں حسن و جمال اور عورت میں قابل مذمت ہے۔ آپ کی کلائیاں مضبوط تھیں، ہتھیلیاں مبارک وسیع تھیں جو آپ کے جود و سخاء سے کنایہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از روئے شفقت وانس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے رخساروں کو چھوا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا کہ وہ ابھی عطار کی صندوقچی سے نکلا ہے''۔

ٹھنڈک سے مراد آپ کے دست شفاء بخش کی گدازی اور نرمی تھی۔ یا اس سے مراد راحت، لذت اور پاکیزگی ہے۔ ابن اثیر نے لکھا ہے اہل العرب ہر چیز کو ٹھنڈا کہتے تھے۔ ٹھنڈے سایہ سے مراد زندگی کی آسودگی ہوتی تھی۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حقیقت میں ہی ہاتھوں کی ٹھنڈک اہل عرب پسند کرتے تھے خصوصاً گرمی کے ایام میں انہیں یہ چیز از حد مرغوب تھی۔ یہ آپ کی خاصیت تھی۔ امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا کرتا یا آپ کی پاکیزہ جلد میری جلد کو مس کرتی تو اس کے کئی روز تک اس کا اثر باقی

رہتا۔ مجھے مشک و عنبر سے بڑھ کر خوشبو آتی رہتی"۔

حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنا دست اقدس پکڑایا وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبو آور تھا"۔

امام طبرانی نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ آپ کا دست اقدس پکڑا۔ وہ ریشم سے نرم تر اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا"۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری پیشانی پر اپنا دست اقدس رکھا۔ میرے چہرے اور سینے کو مس کیا میرا پیٹ چھوا۔ میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ آج تک آپ کے دست اقدس کی ٹھنڈک میرے سینے میں موجود ہے"۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے کسی ریشم یا دیباج کو نہیں چھوا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آنے والی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہو"۔

یہ نرمی اور گدازی اس وصف کے منافی نہیں جسے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ آپ کی ہتھیلیاں پر از گوشت تھیں۔ کیونکہ اس سے مراد ان کی قوت و طاقت ہے مگر اس کے باوجود نرم تھیں۔

امام طبرانی اور امام بزار نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "کسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا۔ میں نے کسی ایسی چیز کو نہ مس کیا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد سے زیادہ نرم ہو"۔

غزوۂ حنین میں حضرت عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم آیا۔ ان کے چہرے اور سینے پر خون بہنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ان چہرے اور سینے سے خون صاف کیا پھر ان کے لیے دعا کی۔ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست عطا پھرا تھا وہاں تک سفید نشان پڑ گیا۔ جس طرح گھوڑے کا نشان ہوتا ہے۔ (حاکم، ابونعیم)

آپ کے دست اقدس کے معجزات اور برکات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

مبارک بغلیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سی روایات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں کے بارے مروی ہیں۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں مفہوم میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلوں کا رنگ سارے جسم اطہر کے رنگ کی طرح تھا۔ آپ کی بغلوں میں بال نہ تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ بغلوں میں بال رہنے ہی نہیں دیتے تھے۔ امام مسلم کی روایت میں ہے "حتیٰ کہ ہم نے آپ کی بغلیں دیکھیں (جو خاکستری تھیں) ان روایات میں تناقض نہیں کیونکہ "اعفر" اس سفیدی کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ روشن نہ ہو۔ ممکن ہے بغلیں اسی طرح ہوں کہ ان کی سفیدی دوسرے جسم کی سفیدی سے ذرا کم ہو۔ امام طبری نے روایت کیا ہے کہ ہر آدمی کی بغلوں کی رنگت متغیر ہوتی ہے۔ سوائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

بغلوں کی رنگت کے۔

الولی العراقی لکھتے ہیں ''احتمال کے ساتھ خصائص ثابت نہیں ہوتے۔ کئی اسباب سے یہ چیز ثابت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی روایت ''کہ آپ کی بغلیں سفید تھیں'' سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی بغلوں میں بال نہ ہوں۔ ممکن ہے آپ بال اکھیڑ دیتے ہوں۔ بعد میں وہ جگہ سفید نظر آتی ہو اگرچہ اس میں بالوں کے آثار باقی رہیں۔ حضرت عبداللہ بن ارقم الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں آپ کی بغلوں کی عفرہ رنگت کو دیکھتا تھا۔ عفرہ سے مراد ایسی سفیدی ہے جو روشن نہ ہو۔ اس سے عیاں ہے کہ بالوں کے اثرات وہاں باقی رہتے تھے۔ اگر اس جگہ بال نہ ہوتے تو اسے اعفر نہیں کہا جا سکتا تھا۔ البتہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلوں سے ناپسندیدہ بو نہیں آتی تھی۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے ''کبھی کبھی حافظ ابن حجر کے اس قول کی دلالت بھی درست نہیں ہوتی کہ بغلوں کی سفیدی جسم کی سفیدی سے کم ہوتی ہے''۔

امام بزار نے بنو حریش کے ایک شخص سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے ساتھ چمٹا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک بغلوں کا پسینہ مجھ پر گرا۔ جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی''۔

بطن اقدس، کمر مبارک

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بطن اقدس سینۂ اقدس کے ساتھ برابر تھا۔ کندھوں کی ہڈیاں موٹی اور مضبوط تھیں۔ ایک صحابی بیان کرتے ہیں ''ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ ادا کیا۔ میں نے کمر انور دیکھی تو مجھے چاندی کی ڈھلی لگی''۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کے کندھوں کے درمیان سینہ وسیع تھا۔ حضرت ابن سعد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینۂ اقدس کشادہ تھا۔

قلب مبارک

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک کمال کے اس عروج پر ہے جو کسی اور کے لیے ثابت نہیں۔ اللہ رب العزت نے دلوں کو اس راز اور اخلاص کا مقام بنایا ہے جو رب تعالیٰ کا سر نہاں ہے جسے وہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہے ڈال دیتا ہے سب سے پہلا قلب مبارک رب تعالیٰ نے راز جس کے سپرد کیے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی قلب مبارک ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے آپ ہی کی ذات تھی۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسین صورت سارے انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں ظاہر ہوئی۔ آپ اس نوری صورت کے اعتبار سے سب سے اول ہیں جسے رب تعالیٰ نے سارے انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے بنایا اور اس عالم میں سب سے آخر میں ظاہر کیا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اللہ رب العزت نے دلوں کے اخلاق کو دلوں کے اسرار کی علامت بنایا ہے۔ جس کے دل میں راز الٰہی پایا گیا اس کے اخلاق بھی وسیع ہو گئے۔ وہ ساری مخلوق کے ساتھ اس کے

حسب حال نرمی اور گدازی سے پیش آتا ہے حتیٰ کہ وہ ہر انسان کے ساتھ اسی حالت کے ساتھ ملتا ہے جو اس کے موافق ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ عصیاں شعاروں کو معصیت سے اس چیز کی وضاحت کر کے روکتا ہے کہ اس میں ان کے لیے کیا فائدہ اور کیا نقصان ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:159)

''اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے''۔

اگر گناہ کو صرف شدید جھڑک سے فائدہ ہو یا سختی سے فائدہ ہو تو وہ اس پر سختی بھی کرتا ہے حتیٰ کہ وہ گناہ گاروں پر حدود بھی قائم کرتا ہے۔ تاکہ وہ گناہوں سے باز آجائیں۔ یہ بھی آپ کے اخلاق کی وسعت ہے۔ کیونکہ گناہ گاروں کے لیے نفع رساں چیز یہی ہے بلکہ کفار کے ساتھ آپ کا جہاد بھی وسعت خلق کی دلیل ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسمانی خصوصیت کے ساتھ مختص فرمایا تاکہ یہ آپ کے نفس مبارک اور عظیم خلق کی دلیل بن جائیں اور یہ عظیم احوال اور اخلاق آپ کے مقدس اور مطہر دل کے راز پر دلالت کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک سارے دلوں سے زیادہ وسیع تھا۔ اسی عبد کامل کے دل کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا ''میں نہ زمین میں نہ آسمان میں سما سکتا ہوں۔ میں صرف اپنے مومن بندے کے دل میں سما سکتا ہوں''۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے دل میں مجھ پر ایمان لانے کی وجہ سے میری محبت اور معرفت سما گئی۔ جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں حلول کر گیا تو یہ تو ان عیسائیوں سے بھی زیادہ کفر ہے جو اس کے ساتھ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مختص کرتے ہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابو عتبہ الخولانی سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ساکنان زمین میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں۔ تمہارے رب تعالیٰ کے برتن اس کے پاکباز بندوں کے قلوب ہیں۔ اسے ان میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو سب سے زیادہ رقیق اور نرم ہو''۔

معراج سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح لوگوں کے شرک، قرآن پاک کے متعلق کفار کے طعنوں اور ان کے مذاق سے تنگ دل ہوتے تھے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ (الحجر:97)

''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں''۔

جب رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لامکان کی سیر کرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے پایاں قوت عطا کی۔ دل مبارک وسعت اختیار کر گیا۔ سینۂ اقدس کشادہ ہو گیا۔ یہ روایت بھی صحیح ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آپ کے قلب انور کو شق کیا۔ اس سے علقہ (گوشت کا ٹکڑا) باہر نکالا۔ پھر کہا ''یہ شیطان کا حصہ ہے'' یعنی اس جگہ سے شیطان لوگوں سے وسوسہ سازی کرتا ہے۔ پھر قلب انور کو ایک طشت میں دھو دیا۔ اس علقہ کو اس لیے آپ کی ذات کریمہ میں تخلیق کیا گیا کیونکہ یہ ان انسانی اجزاء میں سے تھا حکمت جس کا تقاضا کرتی تھی کہ انسان میں یہ موجود ہو۔ پھر اسے باہر نکال دیا گیا۔ خلق انسانی کے تکملہ کے طور پر

اسے تخلیق کیا گیا۔ پھر امر ربانی سے اسے نکال دیا گیا۔ تخلیق کے بعد اس کا نکالنا آپ کی شان والا اور منزل وقدر پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اگر آپ کو اس کے بغیر پیدا کیا جاتا تو لوگ اس کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت جبرائیل کے ہاتھوں ظاہر کیا تا کہ آپ کے باطن کا کمال متحقق ہو سکے۔ جس طرح کہ آپ کا ظاہر مکمل تھا۔ شق صدر چار بار ہوا (۱) بنوسعد میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک چار سال تھی (۲) دس سال کی عمر مبارک میں (۳) بعثت کے وقت (۴) معراج کے وقت۔ بعض سیرت نگاروں نے پانچویں بار بھی شق صدر کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر یہ ثابت نہیں ہے۔ پہلی اور دوسری بار شق صدر اس لیے ہوا تھا تا کہ آپ کو قوت نصیب ہو جائے۔ آپ ایمان اور رحمت کی قوت پر پروان چڑھیں۔ تیسری بار شق صدر کا مقصد یہ تھا کہ وحی الٰہی کا بارگراں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھا سکیں۔ جب کہ چوتھی بار شق صدر کا مدعا یہ تھا کہ رب العزت شب معراج آسمان اور زمین کے جن عجائب کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشاہدہ کرائے آپ ان امور کا مشاہدہ کر سکیں۔ اللہ رب العزت کے اس فرمان میں شق صدر کی ان تمام اقسام کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الانشراح:1)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا''۔

اگر آپ کا شرح صدر نہ ہوتا تو آپ تنگ سینہ ہوتے۔ اس حالت میں دل کو نہ اطاعت کی لذت اور نہ ہی اسلام کی حلاوت نصیب ہو سکتی ہے۔ ابتداء میں آپ کو دشمن جتنا بھی ستاتا آپ امن کی حالت میں رہتے۔ تنگی دور ہو گئی۔ انشراح صدر ہو گیا۔ سینۂ اقدس وسیع ہو گیا۔ ادائیگی عبودیت کا قیام آپ کے لیے آسان ہو گیا۔ اطاعت میں لذت اور ایمان کی حلاوت بھی ملی۔

اس جگہ ایک اور دقیق اور لطیف نکتہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ (طٰہٰ:25)

''اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ''۔

جب کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الانشرح:1)

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا''۔

آپ کو یہ نعمت سوال کے بغیر عطا کی گئی۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مرید تھے۔ اسی لیے انہوں نے عرض کی رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد تھے۔ اس لیے رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝، مرید اور مراد کے مابین فرق عیاں ہے۔

وظیفۂ زوجیت کی قوت

حضور اکرم ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ آپ دن یا رات کی ایک ہی ساعت میں ان سب کے ساتھ وظیفہ زوجیت ادا فرماتے۔ حضرت قتادہ بن دعامۃ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا "کیا حضور ﷺ کو اتنی طاقت دی گئی تھی؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم بیان کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو تیس مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے یا چالیس مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے"۔ ابو نعیم نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ان مردوں سے مراد جنتی مرد ہیں۔ ابو نعیم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "مجھے (اہل جنت کے) چالیس مردوں کے مطابق گرفت اور مجامعت کی قوت دی گئی ہے"۔

امام احمد اور امام حاکم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ایک جنتی شخص کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت کی قوت سو افراد کے قوت کے برابر عطا کی جائے گی"۔ اگر ہم چالیس کو ایک سو سے ضرب دیں تو یہ چار ہزار بنتے ہیں۔ اس سے یہ اشکال بھی ختم ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو صرف چالیس افراد کی قوت و طاقت عطا کی گئی جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک سو یا ایک ہزار افراد کی قوت و طاقت عطا کی گئی۔ یہ اشکال اس وقت ہے جب کہ اس سے مراد دنیاوی مرد ہوں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے جو کچھ وارد ہے اسے دنیاوی مردوں کی طاقت اور قوت سمجھا جائے گا۔ کیونکہ روایت میں کسی ایسی چیز کا تذکرہ نہیں جو اس کی مخالفت کرے اور حضور ﷺ کی قوت و طاقت چالیس جنتی آدمیوں کی طاقت وقوت کے برابر سمجھا جائے گا۔ جس طرح کہ اس کی وضاحت موجود ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طاقت و قوت سے بہت زیادہ ہے اس طرح یہ اشکال دور ہو گیا۔

ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ میں ازواج مطہرات کے ساتھ وظیفہ زوجیت کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ حالانکہ کھانے میں قناعت تھی۔ آپ ﷺ اکثر اوقات بہت کم کھاتے تھے۔ تاکہ رب تعالیٰ آپ میں دونوں فضیلتیں امور عادیہ کے مطابق جمع کر دے۔ جس طرح کہ امور شرعیہ میں آپ کے لیے دونوں فضیلتیں جمع ہیں۔ بعض ایسے امور ہیں جن میں امت مرحومہ بھی آپ کے ساتھ مشارکت رکھتی ہے۔ بعض امور شرعیہ صرف آپ کے ساتھ مختص ہیں۔ ان دونوں سے آپ کے قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ ایک ہی رات میں نو ازواج مطہرات سے وظیفہ زوجیت ادا فرماتے تھے۔ مرسل روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "حضرت جبرائیل امین علیہ السلام میرے پاس ایک ہنڈیا لے کر آئے۔ میں نے اس میں سے کھایا تو مجھے چالیس جنتی مردوں کی قوت عطا کر دی گئی"۔ اس روایت کو ابو نعیم اور امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ تذکرہ نہیں کہ اس ہنڈیا میں کیا تھا۔

ابن سعد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جبرائیل امین علیہ السلام سے قلت جماع کا تذکرہ کیا۔ جسے سن کر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تبسم کناں ہوئے۔ حتی کہ ان کے دانتوں کی روشنی سے حضور ﷺ کی محفل جگمگا اٹھی۔ انہوں

نے عرض کی "آپ ہریسہ کیوں نہیں کھاتے اس میں چالیس مردوں کی قوت ہے"۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہریسہ تناول فرمایا۔ کیونکہ آپ کے نکاح میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تعداد میں کافی تھیں۔ اگر آپ انہیں طلاق دے دیتے یا آپ کا وصال ہو جاتا تو کسی دوسرے مرد کے ساتھ ان کا نکاح حرام تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلب قوت اس مفہوم کے اعتبار سے ہے نہ کہ تمتع اور تلذذ کے لیے۔ آپ کا قلب انور تو ایک لمحہ کے لیے بھی رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول نہیں ہوتا تھا۔ جو شخص اپنی شہوت کو زائد کرنے کے حیلے بہانے کرتا ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح کہ کسی شخص کو خونخوار درندوں اور چیرنے والے جانوروں کی آزمائش میں مبتلا ہونا پڑے۔ وہ جانور کچھ دیر کے لیے سو جائیں۔ پھر اس شخص پر یکبارگی حملہ آور ہو جائیں۔ پھر ان کے علاج اور اصلاح میں مشغول ہو جائے۔ کھانے اور جماع کی شہوت ایسے مصائب ہیں جن سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔

امام دارقطنی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے مجھے ہریسہ کھلایا جس سے مجھے قوت ملی اور پشت مبارک مضبوط ہو گئی"۔

اس طرح کی روایات حضرت جابر بن سمرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں مگر وہ درست نہیں ہیں۔ ابن جوزی نے انہیں موضوعات میں شامل کیا ہے۔ بلکہ حافظ ابن ناصر الدین نے صراحت کی ہے کہ یہ روایات موضوع ہیں۔ انہوں نے ان کے متعلق باقاعدہ ایک جزء لکھا ہے جس کا نام "رفع الدسیسہ بوضع حدیث الھریسہ" رکھا ہے۔ اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احتلام سے بھی محفوظ فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کبھی بھی کسی نبی کو احتلام نہیں ہوا کیونکہ احتلام شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام پر شیطان کو تسلط نہیں ہوتا۔

قدم مبارک

حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ہند بن ابی ہالہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین کی انگلیوں پر گوشت تھا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک ایڑیوں پر گوشت کم تھا۔ حضرت میمونہ بنت کردم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوئی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سبابہ انگلی کی دیگر انگلیوں پر طوالت بھولی نہیں۔ اس روایت کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جو لوگوں میں مشہور ہے کہ آپ کی سبابہ انگلی مبارک وسطی سے طویل تھی۔ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ آپ کے ہاتھوں کی مبارک انگلیوں کی یہ کیفیت تھی۔ حافظ ابن حجر سے جب یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "یہ غلط مشہور ہے۔ یہ صورت حال آپ کے پاؤں مبارک کی پاکیزہ انگلیوں میں تھی"۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین شریفین نوع انسانی کے قدموں سے خوبصورت ترین تھے"۔

قد مبارک

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سراپا جمال و کرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ طویل قامت تھے نہ ہی دراز قد بلکہ طول قامت کے قریب تر تھے۔ امام بیہقی اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ طویل قامت تھے نہ ہی کوتاہ قد۔

حضرت عبد اللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طویل القامت نہ تھے۔ درمیانہ قد سے قدرے طویل تھے۔ جب آپ کسی قوم کے ہمراہ تشریف لاتے تو طوالت میں ہر ایک سے بلند نظر آتے۔

امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک میانہ تھا، طوالت کے قریب تر تھا"۔ امام ترمذی نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ قد مبارک نہ بہت طویل اور نہ ہی کوتاہ تھا بلکہ درمیانہ تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دراز قد کے ساتھ چل رہے ہوتے تو آپ کا قد مبارک اس سے دراز نظر آتا۔ اگر آپ دو طویل قامت افراد کے ساتھ ہوتے تو آپ کی قامت زیبا دونوں سے طویل نظر آتی"۔ یہ رب تعالیٰ کا آپ پر کرم و فضل تھا۔ تا کہ ظاہری صورت میں بھی کوئی آپ سے زائد نہ ہو سکے جب وہ افراد جدا ہوتے قامت مبارکہ پھر میانہ ہو جاتی۔ اس طوالت کے بارے اختلاف ہے کہ کیا اس وقت رب تعالیٰ حقیقت میں طول پیدا فرما دیتا تھا۔ اس کا بھی کوئی مانع نہیں یا صرف دیکھنے والوں کو قد کی درازی نظر آتی تھی۔ جب کہ جسد اطہر اپنی اصل تخلیق میں رہتا تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ (الانفال: 44)

"اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار۔ جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں"۔

امام زرقانی نے لکھا ہے۔ دوسرا موقف صحیح ہے۔ تا کہ کوئی شخص آپ سے صورت کے اعتبار سے بڑھ کر نہ ہو سکے۔ جس طرح کوئی معنی کے اعتبار سے آپ سے بڑھ کر نہیں۔ یہ دیکھنے والے کے لیے ارتفاع معنوی کی مثل تھا۔ وہ اسے رفعت حسیہ کی طرح دیکھتا یہ بھی آپ کے معجزات میں سے ہے۔

ابن سبع نے خصائص میں لکھا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے شانے مبارک پوری محفل سے بلند ہوتے۔ اس میں یہی حکمت کارفرما ہے تا کہ کوئی صورت میں بھی آپ سے نہ بڑھ سکے۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ آپ کی تخلیق معتدل تھی۔ اعضاء مبارکہ ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ پیوست تھے جسم اطہر ڈھیلا نہ تھا۔

گیسوئے پاک

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا "میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

گیسوئے پاک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''زلف معنبر نہ گھنگھریالی تھیں۔ نہ بالکل سیدھی۔ بلکہ ان کے مابین تھیں''۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے ''اہل عرب کے بال غالباً گھنگھریالے اور اہل عجم کے بال غالباً سیدھے ہوتے تھے۔ رب تعالیٰ نے مختلف لوگوں کے مختلف شمائل اور فضائل اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع کر دیئے۔ سر اقدس کی زلفیں مبارک شانوں تک ہوتی تھیں۔ دوسری روایت کے مطابق کانوں کے نصف تک ہوتی تھیں۔ دونوں روایتوں کو یوں جمع کرنا ممکن ہے کہ کبھی گیسوئے معنبر نصف کانوں تک اور کبھی مبارک شانوں تک ہوتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کبھی بال مبارک کندھوں تک اور کبھی کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گیسوئے پاک کو لٹکاتے تھے جب کہ مشرکین اپنے بالوں کی مانگ نکالتے تھے۔ اہل کتاب بھی اپنے بال لٹکاتے تھے۔ جس معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم الٰہی نہ ہوتا تو آپ تالیف قلبی کے لیے اس میں اہل کتاب کی موافقت کرتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانگ نکالنے لگے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''ابتدائے اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے امر میں اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ بیت المقدس کی طرف رخ انور کر کے نماز پڑھتے تھے۔ تاکہ ان کی تالیف قلبی ہو اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو ہمہ تن گوش ہو کر سنیں۔ جب ان پر بدبختی غالب آ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سے امور میں ان کی مخالفت کرنے لگے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہود اور نصاریٰ (بالوں کو) رنگتے نہیں تم ان کی مخالفت کرو''۔

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوئے معنبر میں کنگھی کیا کرتی تھی۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے ''مانگ نکالنا سنت ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف رجوع فرمایا تھا''۔ صحیح موقف یہ ہے کہ بال لٹکانا اور مانگ نکالنا دونوں جائز ہیں۔ لیکن مانگ نکالنا افضل ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کے گیسوئے پاک کی چار مینڈیاں تھیں۔

شرح المصابیح میں ہے کہ ہجرت کے سالوں میں سوائے عام الحدیبیہ کے آپ نے اپنے بال منڈوائے نہیں۔ پھر قضائے عمرہ میں، پھر حجۃ الوداع میں اپنے بال مبارک منڈوائے۔ ان اوقات کے اعتبار سے ہی آپ کی مبارک زلفوں کے چھوٹے یا بڑے ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ سب سے چھوٹے بال حجۃ الوداع کے بعد تھے کیونکہ اس کے تین ماہ بعد آپ وصال فرما گئے۔

داڑھی مبارک کے بال سیاہ اور بہت حسین تھے۔ امام مسلم نے حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خضاب استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا ''ابھی خضاب لگانے کی نوبت آئی ہی نہیں تھی۔ آپ کی داڑھی مبارک میں چند بال مبارک ہی سفید تھے''۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک زلفوں میں سے سفید بال بہت کم تھے۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں گن کر بتا

سکتا ہوں"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک اور سر اقدس میں صرف سترہ یا اٹھارہ یا بیس بال مبارک سفید تھے۔

اللہ رب العزت نے آپ کی زلفوں کو سفید نہ ہونے دیا۔ کیونکہ عورتیں بڑھاپے کو ناپسند کرتی ہیں۔ جو نبی کریم ﷺ کی کسی چیز کو ناپسند کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ان پر رحم فرمایا اور آپ ﷺ کے گیسوئے پاک کو سفید نہ ہونے دیا نیز اس میں عہد شباب کی رونق کا اختتام بھی ہوتا ہے۔ آدمی کو ان عمر رسیدہ افراد کے ساتھ ملانا جن میں بڑھاپا عیاں ہو اس کی قوت کی کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے عہد جوانی کی قوت اور چستی کے اختتام پر بھی اشارہ ملتا ہے۔ بڑھاپے پر عیب جوئی کا اطلاق انہیں اعتبارات پر محمول کیا جائے گا۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ یہ وقار اور نور ہے۔

ابن عساکر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بڑھاپا نورانی پوشاک ہے۔ یہ پوشاک نور اسلام نے پہنائی ہے۔ امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے جو شخص جان بوجھ کر سفید بال اکھیڑے گا وہ روز حشر نیزہ بن کر اسے زخم لگائے گا۔

ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ ایک نائی آپ ﷺ کی مبارک مونچھیں کاٹنے لگا تو اسے ریش مبارک میں سفید بال نظر آئے۔ اس نے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ہاتھ کو روک لیا۔ آپ نے فرمایا "جو اسلام میں بڑھاپے کو پہنچا تو یہ روز حشر ان کے لیے نور ہوگا"۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے "کہ بڑھاپا مومن کے لیے نور ہے۔ جو شخص بھی اسلام میں بوڑھا ہوگا اسے ہر سفید بال کے عوض نیکی ملے گی اس کا ایک درجہ بلند ہوگا"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کہ ابھی حضور اکرم ﷺ کو گیسوئے پاک پر خضاب لگانے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ریش مبارک کو بھی خضاب نہیں لگایا۔ صحیحین نے جو روایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لخت جگر حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ اس کے معارض نہیں۔ کہ انہوں نے حضور ﷺ کو زرد رنگ میں رنگتے دیکھا۔ اسے کپڑوں کو رنگنے پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضور ﷺ ورس اور زعفران سے رنگتے تھے حتیٰ کہ اپنے مبارک عمامہ پر بھی رنگ چڑھاتے تھے۔ بعض علماء کرام نے اس روایت کو اپنے محمول پر رکھا ہے۔ اور کہا کہ آپ اپنے بالوں کو بھی خضاب لگاتے تھے انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو سنن میں ہے کہ حضور ﷺ مذکورہ دونوں چیزوں سے اپنی ریش مبارک بھی رنگتے تھے۔ اس روایت کا جواب دیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ خوشبو کے لیے انہیں استعمال فرماتے ہوں نہ کہ رنگنے کے لیے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا آپ نے اپنے سفید بالوں کو خضاب لگایا یا نہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے جس طرح کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت کو کپڑے رنگنے پر محمول کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ پسندیدہ موقف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقت میں زلف پاک کو خضاب لگایا۔ کیونکہ تاویل کرنا اصل کے خلاف ہے۔ لیکن شاید آپ نے ایسا کبھی کبھار ہی کیا ہو۔ اکثر اوقات اسے ترک فرما دیا ہو۔ ہر صحابی نے وہی کچھ بتایا جو اس نے دیکھا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تیل استعمال فرماتے تو آپ کے سفید بال نظر نہیں آتے تھے کیونکہ وہ جدا جدا تھے۔ آپ کی ریش مبارک کے بال کثیرہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سر اقدس میں تیل استعمال فرماتے تھے اور ریش مبارک کو پانی لگا کر کنگھی کرتے تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس اور ناف کے مابین بالوں کا خط ملا ہوا تھا۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ اس کے علاوہ کلائیوں، مبارک شانوں اور سینہ اقدس کے اوپر والے حصہ پر بال تھے۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ حجام آپ کے بال کاٹ رہا تھا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد سرگرداں تھے۔ وہ یمن و برکت حاصل کرنے کے لیے بال مبارک لے رہے تھے''۔ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نسک کے علاوہ اپنے بال نہیں منڈھوائے۔ آپ کی اقتداء میں سر پر بال رکھنا اور انہیں نہ منڈوانا سنت ہے۔ المواہب میں ہے جو علم کے باوجود اس کا انکار کرے۔ اس کو تادیب سکھانا ضروری ہے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت عبیدہ سلمانی سے کہا ''ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔ جو ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملے ہیں''۔ انہوں نے فرمایا ''اگر میرے پاس موئے مبارک ہوتا تو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے محبوب ہوتا''۔

چال مبارک

حضرت علی المرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تو آگے کی طرف ذرا جھک کر چلتے گویا کہ آپ بلند جگہ سے نیچے اتر رہے ہوں۔ یعنی آپ کی چال مبارک میں نہ تکبر تھا نہ تصنع۔ (ترمذی)

امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم مبارک رکھتے تو پورا قدم مبارک رکھتے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ''میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین ہو۔ گویا کہ آفتاب آپ کے چہرۂ انور میں رواں تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا کہ زمین آپ کے لیے لپٹی جا رہی ہوتی۔ ہم بڑی کوشش سے چل رہے ہوتے۔ مگر آپ بغیر جد و جہد کے رواں ہوتے۔ آرام وسکون سے چل رہے ہوتے۔ آپ وہ مسافت بڑے سکون واطمینان سے طے کر لیتے جو ہم بڑی مشکل سے طے کر سکتے''۔

ابن سعد نے حضرت یزید بن مرثد سے روایت کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو تیز رفتاری سے چلتے۔ اگر آدمی پیچھے سے دوڑ کر جاتا پھر بھی آپ کو پکڑ نہیں سکتا تھا۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ رب العزت کے اس فرمان پر عمل کیا۔

وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ (لقمان:19)

''اور درمیانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں''۔

یعنی نہ تو کمزوروں اور ناتواں کی مانند آہستہ آہستہ چلتے اور نہ ہی متکبرین کی مانند چھلانگیں لگاتے۔ روایت ہے کہ جب آپ چلتے تو اعضاء کی قوت اور مضبوطی کے ساتھ چلتے۔ چال میں ڈھیلا پن یا لڑکھڑاہٹ نہ ہوتی تھی۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی چال چلتے جس سے علم ہو جاتا کہ آپ عاجز اور سست نہیں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے آگے آگے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ''میرے پیچھے ملائکہ کے لیے جگہ چھوڑ دو''۔

سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں آپ کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ نور تھے۔ یہ روایت حکیم ترمذی نے حضرت زکوان رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

ابن مبارک اور ابن جوزی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اگر آپ سورج کی دھوپ میں کھڑے ہوتے تو آپ کی نورانیت دھوپ سے زیادہ ہوتی۔ اگر چراغ کی روشنی میں کھڑے ہوتے تو آپ کی نورانیت چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی۔

ابن سبع نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ اپنی دعا میں عرض کرتے ''اللھم اجعلنی نورا''، مولا! مجھے سراپا نور بنا دے۔

چہرۂ اقدس کی رنگت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے والے جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی رنگت سفید تھی۔ ان میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن عمر، ابن عباس، ابن ابی ہالہ، امام حسن بن علی، طفیل بن واثلہ، ابن مسعود، براء بن عازب، ام المومنین عائشہ صدیقہ اور انس رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ ان سے مروی روایات صحیحین میں مذکور ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت سفید تھی اور اس میں ملاحت تھی۔ بعض میں ہے کہ چہرۂ انور سفید اور اس میں ملاحت تھی۔ حضرت ابوالطفیل کی روایت میں ہے۔ انہوں نے کہا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی سفید رنگت اور گیسوئے پاک کی شدید سیاہی بھولا تو نہیں''۔ حضرت ابو طالب کا شعر ہے

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للا رامل

یہ سفید رنگت والے ہیں۔ ان کے چہرۂ انور کے طفیل بادل طلب کیے جاتے ہیں۔ یہ یتیموں کے نگہبان اور بیواؤں کی عصمت کے محافظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت سفید تھی۔ جس میں سرخی کی آمیزش

تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت سفید تھی۔ گویا کہ آپ کو چاندی سے ڈھالا گیا ہے۔ رنگت کی سفیدی انوار و تجلیات اور اجالے کی وجہ سے رنگت کو چاندی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ سفیدی میں سرخی کی آمیزش ہو۔

حضرت انس سے مروی روایت میں ہے "ازھر اللون"، اس کا معنی بھی یہی ہے کہ سفید رنگ میں سرخی کی آمیزش تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ "ازھر اللون" تھے۔ چونے کی مانند سفید رنگت نہ تھی نہ ہی گندم گو تھے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "متفرق احادیث کو جمع کرنے سے عیاں ہوتا ہے کہ رنگت نہ تو بہت زیادہ سفید تھی نہ ہی بہت زیادہ گندم گو، بلکہ سفیدی میں سرخی کی آمیزش تھی۔ اہل عرب گندم گو شخص پر بھی اس کا اطلاق کرتے تھے۔ اس لیے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی بعض روایات میں ہے کہ آپ کی رنگت گندم گو تھی۔ اس سے بھی یہی مراد ہے کہ ایسی سفیدی جس میں تھوڑی سی سرخی کی آمیزش ہو۔

شفاء شریف میں ہے کہ جس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رنگت کالی تھی۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔

آپ کا پسینہ، خون اور فضلات کی پاکیزہ خوشبو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمہ وقت پاکیزہ اور عمدہ خوشبو آتی رہتی تھی۔ اگرچہ آپ نے خوشبو نہ لگائی ہوتی۔ ابن مردویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپ سے اس طرح خوشبو آتی تھی جس طرح دلہنوں سے خوشبو آتی ہے۔ بلکہ وہ خوشبو دلہنوں کی خوشبو سے بھی عمدہ تر اور بہتر تھی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کے بعد آپ کی اس خوشبو میں اضافہ ہو گیا۔ یہ اس روایت کے منافی نہیں کہ آپ سے ولادت کے وقت سے لے کر ہی عمدہ خوشبو آتی تھی۔ جس طرح کہ ابو نعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو میں نے آپ کو دیکھا تو آپ ماہ کامل کی طرح تھے آپ سے مشک اذفر کی خوشبو آ رہی تھی"۔

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے آج تک کوئی ایسا مشک اور عنبر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے زیادہ خوشگوار اور بہتر ہو۔

امام بخاری اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے آج تک ایسا مشک اور عنبر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو سے عمدہ خوشبو رکھتا ہو۔ اللہ رب العزت نے بعض حیوانات کو بھی کچھ محاسن عطا فرمائے ہیں۔ جن میں سے بعض کا تعلق سونگھنے کے ساتھ ہے جس طرح ہرن میں مشک اور زباد کی خوشبو۔ لازم تھا کہ رب تعالیٰ اشرف الخلق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی ایسی خوشبو تخلیق کر دیتا جو ان خوشبوؤں سے فزوں تر ہوتی۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے کوئی مشک اور عطر نہیں سونگھا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک پسینہ سے عمدہ خوشبو رکھتا ہو۔

ابویعلی اور طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے اپنی نور نظر کی شادی کرنی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی کسی چیز کے ساتھ میری مدد کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں۔ البتہ کل میرے پاس کھلے منہ والی شیشی لے کر آجانا اور درخت کی ٹہنی بھی لے کر آنا۔ میرے اور تیرے مابین نشانی یہ ہے کہ میں اس دروازہ کے پاس اپنے صحابہ کرام میں گھرا ہوا ہوں گا''۔ دوسرا روز آیا تو وہ شخص حاضر خدمت ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک کلائیوں سے پسینہ نکال نکال کر اس شیشی میں ڈالنے لگے۔ حتی کہ وہ شیشی بھر گئی۔ پھر اسے فرمایا ''یہ لے جاؤ۔ اپنی نور نظر سے کہنا کہ اس تنکے کو اس شیشی میں ڈال کر یہ پاکیزہ خوشبو استعمال کرے''۔ جب وہ بچی یہ مبارک خوشبو استعمال کرتی تو سارے اہل مدینہ اس خوشبو کو سونگھ لیتے۔ انہوں نے اس گھرانے کا نام بیت المطیبین رکھ دیا۔

امام دارمی، امام بیہقی اور امام ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کئی خصوصیات تھیں۔ ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس راستہ سے گزرتے تو بعد میں آنے والے آپ کی خوشبو سے جان لیتا تھا کہ اس رستہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے ہیں۔ آپ جس پتھر کے پاس سے گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرتا۔ کسی شاعر نے کیا عمدہ کہا ہے۔

ولو ان رکبا یمموک لعادھم نسیمک حتی یستدل بہ الرکب

اگر کوئی قافلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشبو ہی اس کی قیادت کرے وہ کارواں اسی کو اپنا راہ نما بنا لے۔

ابویعلی اور بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کی کسی گلی سے گزرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس گلی سے آپ کی خوشبو سونگھ لیتے۔ وہ کہتے ''حضور پاک اس راستے سے گزرے ہیں'' بعض عارفین نے کہا ''زندہ پاکیزہ دل سے عمدہ خوشبو آتی ہے۔ جس طرح کہ مردہ اور خبیث دل سے بدبو آتی ہے۔ کیونکہ قلب و روح کا تعلق جسم سے ظاہری حصہ سے زیادہ اس کے باطنی حصہ سے ہوتا ہے۔ پسینہ جسم کے اندر سے نکلتا ہے۔ پاکیزہ نفس اپنی خوشبو کو تقویت دیتا ہے۔ اپنے پسینے کی خوشبو پھیلاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ سارے جسم پر پھیل جاتی ہے۔ خبیث نفس اس کے برعکس ہے''۔ شاعر کتنی عمدہ غمازی کی ہے۔

یروح علی غیر الطریق التی غدا علیھا فلا ینھی علاہ نھاتہ
تنفسہ فی الوقت انفاس عطرہ فمن طیبہ طابت لہ طرقاتہ
تروح لہ الارواح حیث تنسمت لہ سحر من حبہ نسماتہ

آپ شام کے وقت اس رستہ کے علاوہ کسی اور راہ پر تشریف لے گئے جہاں صبح تشریف لے گئے تھے۔ آپ کی رفعتوں کی تو کوئی حد ہے ہی نہیں۔ آپ کی مبارک سانسیں ہمہ وقت عطر بیز ہیں۔ آپ کی وجہ سے راستوں کے مشام جاں بھی معطر

ہیں۔ ارواح کو آپ کی وجہ سے سکون نصیب ہوتا ہے۔ آپ کی سانسیں آپ کی محبت کا اثر طاری کر دیتی ہیں۔

ابن عساکر، ابونعیم اور خطیب نے حسن سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا میں بیٹھی سوت کات رہی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعلین مبارک درست فرما رہے تھے۔ آپ کی جبین انور سے پسینے کے قطرات نکلنے لگے۔ پھر ان قطرات سے نور نکلنے لگا۔ جسے دیکھ کر میں ششدر رہ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ششدر کیوں ہوگئی ہو؟ میں نے عرض کی ''آپ کی طلعت زیبا سے پسینے کے قطرات بہنے لگے۔ پھر ان سے نور نکلنے لگا۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو بکر الہذلی دیکھ لیتا تو اسے یقین ہو جاتا کہ اس کے ان اشعار کے مستحق صرف آپ ہی ہیں۔

و مبرا من كل غبر حيضة　و فساد مرضعة وداء مغيل

وہ حیض کے گرد و غبار والے کپڑے سے، دودھ پلانے والی کے فساد سے اور حاسد کی مرض سے پاک ہے۔

اذا نظرت الى اسرة وجهه　برقت بروق العارض المتهلل

تو آپ کے چہرہ انور کی طرف دیکھے گا تو تجھے وہاں موسلا دھار برسنے والے بادل کی بجلیاں نظر آئیں گی۔

علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اتنا ہی تحریر کیا ہے۔ لیکن شفاء کی شرح الشہاب الخفاجی میں ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ساعت فرما کر کھڑے ہو گئے اور میری آنکھوں کے مابین بوسہ دیا اور فرمایا ''میں اتنا کبھی مسرور نہیں ہوا جتنا اس سے مسرور ہوا ہوں''۔

ابونعیم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سارے لوگوں سے حسین تھا۔ نور و تجلیات کا عالم یہ تھا کہ ہر واصف اسے ماہ تمام کے ساتھ تشبیہ دیتا۔ روئے زیبا پر پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح ہوتے اور ان سے مشک اذفر سے عمدہ تر خوشبو آتی''۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوئے۔ دوپہر کے وقت آپ استراحت فرما ہو گئے اور آپ کو پسینہ آنے لگا۔ میری امی جان حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا ایک شیشی لے کر حاضر خدمت ہوئیں۔ وہ پسینہ اکٹھا کر کے اس شیشی میں ڈالنے لگیں''۔ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رضاعت کے اعتبار سے محرم تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ام سلیم! کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی ''یہ آپ کا مبارک پسینہ ہے۔ جسے ہم اپنی خوشبو میں ملا لیں گے۔ وہ ساری خوشبوؤں سے بہترین خوشبو بن جائے گی''۔

دوسری روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر جلوہ افروز ہوتے تھے۔ ایک دفعہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ مگر وہ گھر میں موجود نہ تھیں۔ آپ ان کی چٹائی پر محو استراحت ہو گئے۔ جب وہ گھر آئیں تو انہیں بتایا گیا کہ تمہارے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں۔ آپ چٹائی پر محو استراحت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک چٹائی پر جمع ہو چکا تھا۔ انہوں نے وہ پسینہ جمع کر کے ایک شیشی میں ڈالنا شروع کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ''ام سلیم کیا

رہی ہو؟ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اسے اپنے بچوں کے حصول برکت کے لیے استعمال کریں گے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم نے عمدہ کام کیا ہے"۔ دوسری روایت کے مطابق وہ عرض گزار ہوئیں "میں اس مبارک پسینہ کو اپنی خوشبو میں ملاؤں گی"۔

امام ابونعیم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست اقدس ریشم سے بھی زیادہ نرم تھا۔ دست ہدایت بخش کسی عطار کا ہاتھ لگتا تھا۔ جس نے ہمہ وقت خوشبو آتی رہتی تھی۔ خواہ آپ خوشبو استعمال کرتے یا نہ کرتے۔ اگر کوئی مصافحہ کرنے والا آپ سے مصافحہ کرتا تو اسے سارا دن اپنے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی۔ یہ آپ کا معجزہ ہے۔ رب تعالیٰ نے جس کے ساتھ آپ کو مختص فرمایا ہے۔ اگر آپ کسی بچے کے سر پر دست اقدس رکھ دیتے وہ اپنی خوشبو کی وجہ سے دوسرے بچوں سے ممتاز ہو جاتا۔

امام طبرانی نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "اگر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مصافحہ کرتا یا میری جلد آپ کی مبارک جلد کے ساتھ مس کرتی تو اس کے بعد میرے ہاتھوں سے خوشبو آتی رہتی۔ یہ خوشبو مشک اذفر سے زیادہ عمدہ ہوتی تھی"۔

الشفاء اور المواہب میں ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرنے کا ارادہ فرماتے تو زمین پھٹ جاتی۔ وہ آپ کے پیشاب اور براز کو نگل جاتی۔ اس جگہ سے عمدہ خوشبو آنے لگتی۔ کوئی اس پر کبھی بھی آگاہ نہیں ہو سکا کہ آپ سے کیا نکلتا تھا۔ یہ روایت اس روایت کے منافی نہیں جسے حاکم، دارقطنی، طبرانی اور ابونعیم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت اٹھے۔ اس برتن کی طرف گئے جسے کاشانہ اقدس کی ایک سمت رکھا ہوا تھا اس میں پیشاب کیا۔ میں رات کے وقت اٹھی۔ مجھے بہت پیاس لگی تھی۔ میں اس برتن میں جو کچھ تھا پی گئی۔ اس کی عمدہ خوشبو کی وجہ سے مجھے یہ محسوس نہ ہوا کہ یہ پیشاب ہے۔ صبح کے وقت ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام ایمن! اٹھو اور اس برتن میں جو کچھ ہے باہر انڈیل دو"۔ میں نے عرض کیا "بخدا! جو کچھ اس برتن میں تھا۔ میں نے وہ پی لیا ہے"۔ یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرانے لگے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک نظر آئے۔ پھر فرمایا "بخدا! آج کے بعد تمہیں پیٹ کا مرض لاحق نہ ہوگا"۔

عبدالرزاق، ابوداؤد نے حضرت امیمہ بنت بجاد بن عبداللہ التمیمی سے روایت کیا ہے ان کی والدہ کا نام رقیہ تھا یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا کا شمار صحابیات میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لکڑی کا ایک پیالہ ہوتا تھا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چارپائی کے نیچے رکھا جاتا تھا۔ ایک دن آپ آئے تو پیالہ خالی تھا آپ نے حضرت برکتہ سے پوچھا۔ حضرت برکتہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کرتی تھیں۔ یہ حبشہ سے ان کے ساتھ آئیں تھیں۔ آپ نے ان سے پوچھا "وہ پیشاب کہاں ہے جو اس پیالے میں تھا؟ انہوں نے عرض کی "میں نے اسے پی لیا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ام یوسف! رب تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے صحت بنا دیا ہے" اس کے بعد انہیں کوئی مرض لاحق نہ ہوا۔ انہیں

صرف وہی بیماری لگی جس میں ان کا وصال ہو گیا۔

حضرت ابن دحیہ نے فرمایا ہے یہ دونوں علیحدہ علیحدہ واقعات ہیں۔ایک واقعہ حضرت ام ایمن کے ساتھ اور دوسرا واقعہ حضرت ام یوسف کے ساتھ پیش آیا۔المواہب میں ہے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ام یوسف اور تھیں اور حضرت ام ایمن اور تھیں۔کیونکہ حضرت ام یوسف حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت پر مامور تھیں۔ان کے ہمراہ حبشہ سے آئیں تھیں۔جب کہ حضرت ام ایمن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لونڈی تھیں۔

علامہ قاضی عیاض اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے ''عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب پی لیا تھا'' یہ روایت صحیح ہے۔ اس میں اس امر پر دلالت ہے کہ آپ کا پیشاب پاک ہے۔اس طرح آپ کے سارے فضلات پاک ہیں۔یہ حدیث پاک اس قیاس کے لیے کافی ہے کہ آپ کے سارے فضلات پاک ہیں۔اسی طرح وہ روایت بھی ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے آپ کا خون مبارک نوش جاں کیا تھا۔

ابن سعد نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں۔ہمیں آپ کے اثرات (بول و براز) نظر نہیں آتے''۔آپ نے فرمایا: عائشہ! کیا تمہیں علم نہیں کہ جو کچھ انبیائے کرام علیہم السلام کے اندر سے نکلتا ہے۔زمین اسے نگل جاتی ہے۔اس میں کسی کو کچھ نظر نہیں آتا۔

ابن سبع نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''میں نے سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت اختیار کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے حاجت فرمائی۔میں نے جستجو کی۔میں اس جگہ داخل ہوا جس جگہ آپ نے قضائے حاجت فرمائی تھی۔میں نے وہاں پیشاب اور براز کے اثرات نہ دیکھے میں نے اس جگہ تین پتھر دیکھے۔میں نے انہیں پکڑا ان سے عمدہ اور خوشگوار خوشبو مشام جاں کو معطر کر رہی تھی۔

بزار، الطبرانی، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچھنے لگوائے۔پھر خون عطا فرمایا اور فرمایا ''عبداللہ! یہ لے جاؤ اور اسے کہیں غائب کر دو''۔دوسری روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ خون لے جاؤ اور اسے اس جگہ چھپا دو جس جگہ اسے کوئی نہ دیکھے''۔میں چلا گیا۔لہو مبارک نوش جاں کر لیا۔پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا ''خون مبارک کا کیا کیا؟ میں نے عرض کی ''میں نے اسے غائب کر دیا ہے''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''شاید تو نے اسے پی لیا ہے''۔میں نے عرض کی ''میں نے پی لیا ہے''۔

دوسری روایت میں ہے ''میں نے عرض کی ''میں نے اسے پوشیدہ ترین جگہ پر رکھا ہے'' میرا گمان ہے کہ یہ لوگوں سے مخفی رہے گا''۔آپ نے فرمایا ''شاید تو نے اسے پی لیا ہے''۔میں نے عرض کی ''ہاں، میں نے پی لیا ہے''۔آپ نے فرمایا ''لوگوں سے تمہارے لیے حسرت اور تم سے لوگوں کے لیے حسرت ہے''۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اشارہ اس محاصرہ، اذیت، قتل اور پھانسی کی طرف فرمایا تھا۔یہ ساری تکالیف حجاج کے ہاتھوں انہیں برداشت کرنی پڑیں۔لوگوں کے لیے تم سے حسرت ہے۔اس ... سے آپ ان جنگوں، مکہ مکرمہ کا محاصرہ اور وہاں قتل عام کی طرف اشارہ کیا۔جو اذیتیں ان کی والدہ ماجدہ اور اہل خانہ کو

برداشت کرنی پڑیں۔ پھر ان کے قاتلوں کو جو گناہ عظیم ملا اور کعبہ مقدسہ کا جو نقصان ہوا یہ ان سارے امور کی طرف اشارہ تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون مبارک ہی تھا جس نے ان کے دل کو تقویت دی حتیٰ کہ ان کی شجاعت میں اضافہ ہو گیا اور ہمت اتنی بلند ہوئی کہ غیر کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا جو امارت کا بھی مستحق نہ تھا چہ جائیکہ خلافت کا مستحق ہو۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''تم نے خون کیوں پیا؟ انہوں نے عرض کی ''مجھے علم تھا کہ آپ کے خون مبارک کو آتش جہنم نہیں چھو سکتی۔ اس لیے میں نے خون مبارک پی لیا تھا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سر پر دست اقدس پھیرا اور فرمایا ''اب تمہیں جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی''۔

روایت ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خون مبارک پی لیا تو ان کے منہ سے مشک کی خوشبو آنے لگی۔ وہ خوشبو ان کے منہ سے لگاتار آتی رہی۔ حتیٰ کہ انہیں شہید کرنے کے بعد تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ 73ھ کا واقعہ ہے۔ وہ مکہ مکرمہ کی مسند خلافت پر نو سال تشریف فرما رہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ عبدالملک اور مروان سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے''۔

زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ کی ولادت باسعادت ہوئی تو انہوں نے فرمایا ھوھو۔ ان کی آواز آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی سن لی وہ شیر مبارک پلانے سے رک گئیں۔ آواز آئی انہیں اپنا شیر مبارک پلاؤ۔ خواہ اپنی آنکھوں کے پانی کے ساتھ، یہ دانا ہیں، زیرک ہیں، کپڑوں میں پوشیدہ بھیڑیے کے سامنے، یہ بیت اللہ سے روکیں گے اور اس کے پاس قتل کریں گے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ غیب کی خبر دی تھی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد 65ھ میں ان کی بیعت کی گئی۔ اہل حجاز، اہل یمن اور اہل عراق اور اہل خراسان نے ان کی اطاعت کی۔ یہ لوگوں کو آٹھ سال تک حج کراتے رہے حتیٰ کہ ان کے اور عبدالملک مروان کے مابین فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے حجاج کو ان کی طرف بھیجا۔ اس نے چھ ماہ اور سترہ ایام ان کا محاصرہ کیے رکھا حتیٰ کہ ان کے ساتھ کوئی بھی باقی نہ رہا۔ یہ تنہا ہی لڑنے لگے حتیٰ کہ 73ھ میں شہید کر دیئے گئے اس وقت ان کی عمر بہتر سال اور کچھ دن تھی۔

امام شعبی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا۔ ''آپ نے خون مبارک کا ذائقہ کیسا پایا۔ انہوں نے فرمایا ''ذائقہ شہد کے ذائقہ کی طرح اور خوشبو مشک کی خوشبو کی طرح تھی''۔ اس کا تعلق اجسام کی تبدیلی کے ساتھ ہے۔ یہ بھی آپ کا معجزہ ہے۔

ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش کے کسی غلام نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگائے جب وہ پچھنے لگانے سے فارغ ہوا تو اس نے خون مبارک لیا۔ پس وہ دیوار کے پیچھے چلا گیا، دائیں بائیں دیکھا، کسی کو نہ پایا تو خون مبارک پی گیا۔ پھر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر فرمایا: تو نے کیا کیا ہے؟ اس نے عرض کی میں نے خون مبارک کو اپنے پیٹ میں غائب کر دیا ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''چلا جا تو نے اپنے

نفس کو آگ سے بچالیا ہے''۔ ممکن ہے کہ اس طرح کا واقعہ کئی دفعہ ظہور پذیر ہوا ہو۔

سنن سعید بن منصور میں ہے۔ حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ جو حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کے والد ماجد تھے۔ جب غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور زخمی ہوا تو انہوں نے زخم پر لب رکھ کر خون مبارک چوس لیا۔ پھر اسے نگل گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو کسی جنتی شخص کو دیکھنا چاہے تو اس بلند اقبال آدمی کو دیکھ لے''۔ یہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی صداقت عیاں ہوگئی کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جسے اس شخص کی طرف دیکھنا خوش کردے جس کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا ہو تو وہ مالک بن سنان کی طرف دیکھ لے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیشاب کرتے وقت پردہ کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ یہ آپ کی پردہ پوشی اور حسن ادب ہے۔ جس پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے ''میں نے کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم گاہ نہیں دیکھی''۔

(ابن ماجہ، ترمذی)

حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میرے علاوہ کوئی اور آپ کو غسل نہ دے۔ کیونکہ جو بھی آپ کی شرم گاہ دیکھے گا اس کی نظر جاتی رہے گی''۔

امام حاکم اور ابو عوانہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا اس وقت سے آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا''۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے فرمایا ''جو شخص تم سے یہ کہے کہ حضور اکرم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کی تصدیق نہ کرو''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف بیٹھ کر پیشاب کرتے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے منقول صحیح روایت اس کے منافی نہیں۔ انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے کوڑا کرکٹ پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا''۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان جواز کے لیے تھا۔ یا اس کوڑا کرکٹ میں ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر پیشاب کرتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حالت کا مشاہدہ نہیں کیا''۔ میں نے وہی بیان کیا ہے جو آپ کے پوشیدہ احوال اور دائمی عادت کے متعلق جانتی تھی۔ امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا سبب بھی لکھا ہے کہ اہل عرب کھڑے ہو کر پیشاب اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کی کمر کا درد ختم ہو جائے۔ شاید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس جگہ درد ہو۔

امام بیہقی اور امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے کھڑے ہو کر پیشاب کیا کیونکہ آپ کے زانو کے اندرونی حصہ میں درد تھا۔ اس درد کی وجہ سے آپ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ جب آپ بیت الخلاء جانے کا ارادہ کرتے تو یہ دعا مانگتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

''مولا! میں مذکر شیاطین اور مونث شیاطین کی تجھ سے پناہ مانگتا ہوں''۔

حضور ﷺ اظہار بندگی کے لیے یہ پناہ مانگتے تھے ورنہ آپ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح شیاطین سے محفوظ تھے۔ آپ امت کو سکھانے کے لیے یہ دعا باآواز بلند پڑھتے تھے۔ جب آپ قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے۔ تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے حتیٰ کہ آپ زمین کے قریب ہو جاتے۔ جب بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو یہ دعا مانگتے۔

غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ مِنْهُ

''مولا! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھ سے اذیت دور کی اور مجھے اس سے عافیت بخشی''۔

آپ فرماتے تھے: جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔ نہ ہی اس کی طرف پشت کرے بیت الخلاء جانے کے دیگر آداب معروف و مشہور ہیں۔ ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں۔

اخلاق حسنہ، اوصاف زکیہ

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جن اخلاق زکیہ اور اوصاف مرضیہ سے نوازا ہے وہ بھی آپ کے معجزات ہی ہیں۔ مثلاً خلقت کا کمال، صورت طیبہ کا جمال، قوت عقل، صحت فہم، زبان کی فصاحت، حواس اور اعضاء کی قوت اور حرکات وسکنات کا اعتدال۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے حبیب لبیب ﷺ کو کمال علم، حلم، صبر، شکر، زہد، عدل، تواضع، عفو، عفت، جود، شجاعت، حیا، مروت، خاموشی، محبت اور وقار سے آراستہ فرمایا۔ اسی طرح رحمت، حسن ادب اور معاشرت وغیرہ ان اخلاق حمیدہ سے مزین فرمایا جن کے مجموعہ کو حسن خلق کہا جاتا ہے۔ آپ کی ذات والا ان تمام اخلاق کریمانہ سے متصف تھی جب ہم کسی ایسے شخص کو پاتے ہیں جو ان میں سے کسی ایک یا دو صفتوں سے متصف ہو تو ہم پاتے ہیں کہ اس شخص کی قدر کی جاتی ہے۔ اس کی ضرب الامثال دی جاتی ہیں۔ وہ وصف دل میں عزت واحترام پیدا کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ حاتم کی سخاوت، کسریٰ کا عدل، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی فصاحت، عنتر کی شجاعت۔ لوگوں نے کہا ''حاتم سے زیادہ سخی، کسریٰ سے زیادہ انصاف کرنے والا، حضرت حسان سے زیادہ فصیح، عنتر سے زیادہ شجاع۔ اس عظیم ہستی پاک کے بارے تمہارا کیا گمان ہے جس میں یہ ساری صفات حمیدہ جمع ہوں۔ جن کا حد وشمار نہ ہو۔ جن کی تہ تک رسائی کسی کی ممکن نہ ہوا نہیں نہ کسب سے اور نہ ہی کسی حیلہ سے حاصل کیا جا سکے۔ وہ صرف اور صرف کبیر متعال رب تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہو جس نے بھی آپ کے اخلاق حمیدہ اور صفات زکیہ میں غور وفکر کیا اس کو اس حقیقت کا علم ہو گیا کہ آپ ساری صفات کمال کو محیط ہیں۔ سارے محاسن کا آپ نے گھیراؤ کر رکھا ہے۔ اس کے متعلق یہ اندیشہ نہیں کہ ان روایات کو ثقہ افراد نے ہی نقل کیا ہو بلکہ وہ روایات تو حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں۔ جن میں وہی نامراد ہی شک کر سکتا ہے جو گمراہی اور ضلالت کے سمندر میں غرق ہو۔ تمہارے لیے رب تعالیٰ کے یہ فرامین کافی ہیں۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم:4)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء:113)

''اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے''۔

عقل، حلم اور ذکاء کی فراوانی

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ دانا، زیرک اور عقل مند تھے۔ جو شخص اس امر میں غور وفکر کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخلوق کے باطن اور ظاہر کو کس طرح مزین فرمایا تو اسے آپ کی عقل و دانش کی قوت میں ذرہ بھر بھی شک نہیں رہے گا۔ اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح مخلوق کے ظاہری احوال پر مطلع فرمایا تھا اس طرح اس کے مخفی حالات سے بھی آگاہ فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ظاہر و باطن کی اصلاح کر دی۔ بہترین چیز کی طرف ان کی راہ نمائی فرمائی۔ آپ سارے انسانوں کو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ یہ ان کی ظاہری اور باطنی اصلاح سے ہی ممکن تھا۔ اس کا انحصار ان کے ظاہری اور باطنی احوال کے جاننے پر موقوف ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اپنی امت کے ظاہری احکام دیکھتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے امر کے باطن کا علم عطا فرمایا تھا۔ وہ اسے دیکھتے تھے جب کہ ہمارے نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب عظیم نے ظاہر اور باطن کا علم عطا فرما دیا۔ آپ مخلوق کے ظاہر اور باطن کو یکساں طور پر دیکھ لیتے۔ ہر شخص کے ظاہر یا باطن کی رعایت کرتے ہوئے اس کے حال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرماتے۔ آپ مخلوق کے احوال کے اختلاف کی بناء پر امور کی تدبیر فرماتے۔ اگر اکھڑ اور اجڈ اعرابی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ بھی نرمی فرماتے۔ اس کے امور کی بھی تدبیر فرماتے حتیٰ کہ وہ تھوڑے عرصہ میں حکمت سے لبریز گفتگو کرنے لگتا۔ اہل عرب منتشر جانوروں کی طرح تھے۔ آپ نے ان کے امور کی تدبیر فرمائی۔ ان کے ستم برداشت کیے۔ ان کی اذیتوں پر صبر کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ آپ کے پاس جمع ہو گئے آپ کے ساتھ مل کر اپنے اہل خانہ، آباء اور فرزندوں سے جنگ کی۔ آپ کو اپنے نفسوں پر ترجیح دی۔ آپ کی رضا کے حصول کے لیے انہوں نے اپنے وطن کو خیر آباد کہا۔ محبوب ہستیوں کو چھوڑا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر انسان کو اس کی عقل کے مطابق مخاطب فرماتے۔ اور اس کے حال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتے۔ یہ ساری دانشمندی اور دانائی اس لیے نہیں تھی کہ آپ نے کسی سے کچھ پڑھا تھا۔ یہ کسی مطالعہ یا کتب بینی کی وجہ سے نہیں تھا جو شخص ان سارے امور میں غور وخوض کرے گا اس کے لیے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے جہانوں سے زیادہ دانا اور زیرک تھے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''میں نے بہتر الہامی کتب کو پڑھا۔ ان سب میں میں نے یہی پڑھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقل، دانائی میں سب سے بڑھ کر رائے و مشورہ میں سب سے افضل تھے''۔

دوسری روایت میں ہے میں نے ان سب کتب میں یہی پایا ہے کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے اس وقت سے لے کر اختتام

دنیا تک رب تعالیٰ نے مخلوق کو جو بھی عقل و دانش دی وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح دنیا کے سارے ریگستانوں کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل و دانائی کا یہ عالم تھا تو اخلاق کریمہ کی وسعت کا عالم کیا ہوگا۔ اسی لیے حلم، قدرت کے باوجود عفو اور ناپسندہ امور پر آپ کا صبر آپ کے اخلاق کریمانہ سے ہی ہے۔

پیکر صبر جمیل

کفار حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معرکہ آزما رہے۔ مگر آپ انہیں بھی معاف فرماتے رہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے بہت زیادہ اذیتیں برداشت کرنا پڑی تھیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید کیے۔ غزوۂ احد میں چہرۂ انور زخمی کیا۔ حتیٰ کہ خون مبارک روئے زیبا پر بہنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خون مبارک کو کپڑے سے جذب کرتے رہے اور فرمایا ''اگر خون مبارک زمین پر گر گیا تو مشرکین پر آسمان سے عذاب نازل ہو جائے گا۔ یہ منظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑا شاق گزرا۔ انہوں نے عرض کی ''کاش! آپ ان کے لیے بددعا کریں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے داعی اور سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے''۔ آپ نے یہ دعا مانگی۔

''مولا! میری قوم کو معاف کر دے وہ کچھ نہیں جانتے''۔ دوسری روایت کے مطابق یہ دعا کی ''مولا! میری قوم کو ہدایات عطا فرما'' پہلی دعا سے بھی مراد یہی ہے کیونکہ مغفرت ہدایت کے بعد ہی ہوتی ہے۔ مغفرت کے لیے دعا ان کے لیے ہدایت کی دعا کو متضمن ہے۔

''الشفاء'' میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے ماں باپ آپ پر فدا! حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح) اے میرے رب نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔

اگر آپ بھی ہمارے لیے بددعا فرما دیتے تو ہمارا آخری شخص بھی ہلاک ہو جاتا۔ آپ کی کمر انور کو روندھا گیا۔ آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا گیا۔ دندان مبارک زخمی کیے گئے۔ مگر آپ نے منہ مبارک سے بھلائی کا کلمہ ہی نکالا۔ آپ نے عرض کی ''مولا! میری قوم کو ہدایت نصیب فرما۔ یہ کچھ نہیں جانتے''۔

یہاں ایک نکتہ کی بات بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلم اور عفو صرف ان امور میں اس طرح تھا جن کا تعلق آپ کی ذات کریمانہ کے ساتھ تھا۔ جب رب تعالیٰ کی حرمات کو چاک کیا جاتا تو آپ انتہائی غصہ میں آ جاتے۔ اس لیے جب مشرکین نے خندق کے روز آپ کو نماز پڑھنے سے روک دیا تو آپ نے یہ بددعا کی ''مولا! ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے''۔ دوسری روایت میں ہے ''مولا! ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے''۔ نماز دین کا ستون ہے۔ آپ نے اسے مخلوق پر ترجیح دی جس نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اس کے لیے بددعا کی۔ لیکن چہرۂ انور کے زخمی ہونے کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ آپ کا حق تھا اس لیے آپ نے معاف کر دیا۔ مصیبتوں پر صبر نفس کا جہاد اکبر ہے۔ اللہ رب العزت نے نفس کو تخلیق فرمایا۔ اس نے اس میں یہ خاصیت بھی تخلیق فرمائی کہ مصیبت میں اسے دکھ ہوتا ہے۔ کفار اور مشرکین آپ کو بہت زیادہ اذیتیں دیتے

تھے۔ مگر آپ صبر فرماتے، عفو ودرگزر سے کام لیتے۔ جب کہ یہ آپ کی ذات کریمانہ کے متعلق ہوتا۔ کیونکہ آپ صبر کرنے والوں اور درگزر کرنے والوں کو ملنے والے ثواب سے آگاہ تھے۔ اگر یہ معاملہ رب تعالیٰ کے متعلق ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں شدت فرماتے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (التحریم:9)

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو''۔

حلم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قدرت ہوتے ہوئے معاف کر دینا۔ امام طبرانی، ابن حبان، حاکم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ زید بن سعنہ ان یہودی علماء میں سے ایک تھے جنہیں اسلام کے آفتاب جہانتاب سے اجالا نصیب ہوا۔ زید نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے تاباں دیکھ کر میں وہ ساری علامات جان گیا جن کا تذکرہ تورات میں تھا سوائے دو صفات کے۔ مجھے ان پر آگہی نہ ہو سکی۔ ان اوصاف میں سے ایک یہ صفت تھی۔ ان کا حلم جہل سے سبقت لے جائے گا (۲) جہل کی شدت ان کے حلم میں اضافہ کرے گی۔ میں حیلہ کر کے یہ بھید معلوم کرنے کے لیے کوشاں ہو گیا۔ میں نے چاہا کہ آپ کے ساتھ ملوں اور آپ کے حلم اور جہل کا پتہ لگاؤں۔ میں نے مدت مقررہ تک آپ سے ادھار کھجوریں خریدیں۔ ابو نعیم کی روایت میں ہے کہ زید نے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی مثقال سونا دے کر مقررہ مقدار میں کھجوریں مقررہ مدت تک خرید لیں۔ زید نے کہا ''مقررہ مدت سے ایک یا دو دن قبل ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں نے قمیص اور ردائے مبارک کو زور سے پکڑا اور غصیلے چہرے سے آپ کی طرف دیکھا'' پھر کہا ''محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا آپ مجھے میرا حق ادا نہیں کریں گے۔ بنو عبد المطلب! بخدا! تم لین دین میں ٹال مٹول سے کام لیتے ہو''۔

ابو نعیم کی روایت ہے ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زید کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آپ کے چہرۂ انور پر اس طرح گھوم رہی تھیں جس طرح فلک گھومتا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اے دشمن خدا! کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس طرح گستاخانہ باتیں کرتا ہے اور یہ سفاکانہ سلوک کرتا ہے۔ اگر مجھے مسلمانوں اور تمہاری قوم کے مابین صلح کا پاس نہ ہوتا تو تمہارا سر اس تلوار سے قلم کر دیتا''۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر فاروق کی طرف سکون اور محبت سے دیکھ رہے تھے۔ آپ تبسم ریز ہوئے۔ پھر فرمایا ''عمر! میں اور زید تم سے کسی اور سلوک کے مستحق تھے۔ تم مجھے حسن ادائیگی کے لیے کہتے اور اسے حسن تقاضا کے لیے کہتے''۔ پھر فرمایا ''مدت مقررہ میں تین ایام باقی ہیں''۔ فرمایا ''عمر! اسے لے جاؤ اس کا حق اسے دو۔ اور تم نے جو اسے ڈرایا ہے اس کے عوض بیس صاع کھجوریں مزید دے دینا''۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ زید نے کہا ''عمر! میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے تاباں کو دیکھ کر آپ کی نبوت کی ساری علامات جان چکا تھا۔ سوائے دو کے۔ مجھے ان سے آگاہی نہ ہو سکی۔ وہ دونوں صفات یہ تھیں (۱) ان کا حلم جہل سے سبقت لے جائے گا (۲) جہل کی شدت ان کے حلم میں اضافہ ہی کرے گی۔ میں نے یہ دونوں صفات دیکھ لیں ہیں۔ عمر! گواہ بن جاؤ۔ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اسلام کے دین برحق ہونے اور محمد مصطفیٰ

علیہ التحیۃ والثناء کے نبی برحق ہونے پر راضی ہوں"۔

دوسری روایت میں ہے حضرت زید نے کہا "عمر! جورویہ تم نے میری طرف سے دیکھا ہے مجھے صرف اس امر نے ابھارا کہ میں آپ کی حلم کی صفت کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا جس کا تذکرہ تورات میں ہے۔ میں نے آج اس کا مشاہدہ کرلیا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح تورات میں مذکور ہے۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ یہ کھجوریں اور میرے مال کا نصف فقراء مسلمانوں کے لیے وقف ہے"۔ حضرت زید اور ان کے سارے اہل خانہ ایمان لے آئے سوائے ایک بوڑھے کے جس پر بدبختی غالب تھی۔

امام ابوداؤد اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ محو گفتگو تھے۔ پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ اٹھے۔ ہم نے ایک بدو دیکھا۔ اس نے آپ کو پکڑ لیا۔ چادر مبارک اتنی کھینچی کہ مبارک گردن سرخ ہوگئی۔ وہ چادر کھردری تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اعرابی کی طرف توجہ فرما ہوئے۔ اس نے کہا "جو مال آپ کے پاس ہے۔ اس میں سے کچھ میرے ان دو اونٹوں پر لاد دو۔ آپ نہ اپنا مال مجھے دے رہے ہیں نہ اپنے والد کا مال" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں! استغفر اللہ۔ نہیں استغفر اللہ! نہیں استغفر اللہ!"۔

دوسری روایت میں ہے "یہ مال اللہ تعالیٰ کا مال ہے۔ میں اس کا بندہ ہوں۔ میں اس کے حکم کے مطابق اس میں تصرف کرتا ہوں۔ وہ مجھے جسے دینے کا حکم دیتا ہے میں اسے دے دیتا ہوں"۔ پھر فرمایا "میں یہ مال اس وقت تک تمہیں نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اس تکلیف کا بدلہ نہ دو جو مجھے پہنچائی ہے"۔ اعرابی نے کہا "نہیں! بخدا ہرگز نہیں۔ میں اس کا بدلہ نہیں دوں گا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "کیوں؟ اس بدو نے عرض کی "اس لیے کہ آپ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیتے"۔ یہ جواب سن کر آپ مسکرانے لگے۔

آپ اس کے اطمینان قلب کے لیے اور اس کا حسن ظن دیکھ کر مسکرائے تھے۔ اس کی تنقیص شان کے لیے نہیں مسکرائے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص مسلمان تھا منافق نہیں تھا۔ مگر اس میں جنگلی جفاء تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بلایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور فرمایا "اس شخص کے ایک اونٹ پر کھجور اور دوسرے پر جو لاد دو"۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رواں دواں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نجرانی چادر زیب بدن کر رکھی تھی۔ جس کا حاشیہ بڑا سخت تھا۔ ایک اعرابی نے وہ چادر پکڑی اور اسے زور سے کھینچا۔ میں نے آپ کی گردن مبارک کی جلد کو دیکھا اس میں چادر کے حاشیہ کے نشانات پڑ چکے تھے۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ وہ ردائے مبارک پھٹ گئی۔ اس کا کنارہ گردن مبارک میں لگ گیا۔ اس نے کہا "محمد (عربی فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) جو مال آپ کے پاس ہے اس میں میرے لیے بھی حکم دیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدو کی طرف توجہ کی۔ تبسم فرمایا۔ پھر اسے کچھ عطا کرنے کا حکم دے دیا۔ ممکن یہ واقعہ وہی ہو جو اوپر مذکور ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور واقعہ ہو۔

امام ترمذی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا ''آپ نہ طبعاً فحش گو تھے نہ تکلفاً فحش گوئی کرتے تھے برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔ بلکہ معاف اور درگزر فرماتے''۔ اسی طرح کی روایت حضرت انس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

امام حاکم وغیرہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مسلمان کا نام لے کر لعنت نہیں کی۔ اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارا۔ سوائے جہاد کرنے کے۔ کسی سوال کے جواب میں ''نہیں'' نہیں فرمایا۔ مگر یہ کہ وہ سوال کسی گناہ کے متعلق ہو۔ اپنے نفس کے لیے کسی سے کبھی انتقام نہیں لیا۔ مگر جب حرمات الٰہیہ کی خلاف ورزی کی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور انتقام لیتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حرمات الٰہیہ کی خلاف ورزی کی جاتی تو غصہ میں سارے لوگوں سے زیادہ شدید ہو جاتے اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ)

''مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے''۔

لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:159)

''اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے آپ کے آس پاس سے''۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (حم السجدہ:34)

''برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے''۔

ایک اعرابی بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ وہ فصاحت کا دھنی تھا دل کا بھی قوی تھا۔ اس نے حکمت آموز اشعار کہے تھے۔ اس کا گمان تھا کہ اس طرح کی حکمت سے بھرپور اشعار اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی، غور سے سنیں میں آپ کو وصیت کرتا ہوں پھر یہ اشعار پڑھے:

فحی ذوی الاضغان تسل نفوسھم تحیتك الحسنی فقد ترفع الثقل

فان ھتفوا بالقول فاعف تکرما وان خنسوا عنك الکلام فلا تسل

فان الذی یوذیك منه استماعه کان الذی قالوا وراءك لم یقل

جو تم سے کینہ رکھتے ہیں انہیں سلام کہو۔ ان کے نفوس مطمئن ہو جائیں گے۔ تمہارا مبارک سلام ان کا بوجھ اٹھا دے گا اگر وہ طعنہ زنی کریں تو کرم کرتے ہوئے انہیں معاف کر دو۔ اگر وہ تم سے نازیبا بات کریں تو انہیں نہ پوچھو۔ بلاشبہ وہ بات جس کا سننا تجھے ناگوار گزرتا ہے گویا کہ وہ بات جو انہوں نے تمہارے پیچھے کی ہے وہ کی ہی نہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے جواب میں یہ آیت طیبہ پڑھی:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ (حم السجدہ)

''برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے۔ پس ناگہاں وہ شخص تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے یوں بن جائے گا گویا تمہارا انجانی دوست ہے اور نہیں توفیق دی جاتی (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو''۔

یہ دلنشین کلام سن کر اعرابی نے کہا ''یہ کسی بشر کا کلام تو نہیں''۔ یہی آیت طیبہ اس کے اسلام لانے کا سبب بن گئی۔ اس سے آپ کے حلم، عفو اور صبر کا کمال عیاں ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ منافق مرد تعداد میں تین سو اور منافق عورتیں ایک سو ستر تھیں۔ وہ آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں اذیت ناک باتیں کرتے اور جب آپ موجود ہوتے تو وہ چاپلوسی کرتے۔ نفوس بشریہ اس چیز سے نفرت کرتے ہیں حتیٰ کہ عنایت ربانیہ اس کی نصرت فرمادے۔ جب بھی منافقین پر سختی کرنے کی اجازت مانگی گئی تو آپ ﷺ نے ان کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین تھے۔ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کرتے۔ ان کے لیے دعائیں مانگتے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا نزول فرمایا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ (التوبہ:80)

''آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے یا نہ کریں''۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''مجھے میرے رب نے اختیار دیا ہے۔ اس نے مجھے فرمایا ہے کہ میں اگر ستر دفعہ بھی ان کے لیے استغفار کروں گا وہ پھر بھی انہیں معاف نہیں کرے گا۔ میں ان کے لیے ستر سے زائد مرتبہ مغفرت طلب کروں گا''۔ دوسری روایت میں ہے میں ان کے لیے ستر، ستر اور ستر دفعہ مغفرت طلب کروں گا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کر دی۔

سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (المنافقون:6)

''یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں''۔

پھر آپ نے منافقین کے لیے استغفار ترک فرما دیا۔

ابن مندہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت حباب بن عبد اللہ بن ابی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے تا کہ آپ سے اپنے والد کو قتل کرنے کی اجازت طلب کریں۔ کیونکہ اس نے اپنے نفاق کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کی شان میں نازیبا باتیں کیں تھیں۔ یہ پاکباز صحابی تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ عمدہ اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے "جب ابن ابی بیمار ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سے گفتگو فرمائی اس نے کہا "اب میں سمجھ گیا جو کچھ آپ کہتے ہیں۔ آپ مجھ پر احسان کریں۔ مجھے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک عطا کریں اور میرا نماز جنازہ پڑھیں"۔ اس نے یہ درخواست از روئے نفاق کی۔ نہ کہ حقیقی ایمان کی وجہ سے۔ جب ابن ابی مر گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک دی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی تا کہ اس کے فرزند دلبند کا دل خوش ہو جائے اور بقیہ منافقوں کی تالیف قلبی ہو جائے۔ جب اس کے متعلق آپ سے التجاء کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری قمیص اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ جب ابن ابی کی قوم کے افراد نے دیکھا کہ یہ تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قمیص مبارک لے کر شفاعت کا طلب گار ہے اور اس کے طفیل عذاب نہ ہونے کی توقع رکھتا ہے تو اس کی قوم کے ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کر لیا۔

روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کو روکنے لگے اور قمیص مبارک سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ ایک منافق کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے قمیص مبارک چھڑائی اور فرمایا "عمر! دور ہو جاؤ"۔ آپ نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ نے ایک منافق کے حق میں ایک پکے سچے مومن کی مخالفت کی۔ یہ آپ کی امت پر شفقت ہی تو تھی۔ تا کہ اس کے بیٹے پاکباز صحابی کی دلداری بھی ہو جائے اور بنوخزرج کی تالیف قلبی بھی تھی اگر آپ ابن ابی کے نور نظر کی درخواست قبول نہ کرتے اور نہی صریح کے نزول سے قبل ان کے والد کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تو یہ اس کے نور نظر کے لیے اور اس کی قوم کے لیے عار ہوتا آپ نے امور کی تدبیر کے لیے دو امروں میں سے احسن پر عمل فرمایا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اس آیت طیبہ کا نزول کر دیا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبہ:84)

"اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی۔ اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر"۔

اس آیت طیبہ کے نزول کے بعد آپ نے نہ تو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھی نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

یہ آیت طیبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے کفن کے لیے قمیص مبارک اس لیے عطا فرمائی کیونکہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس وقت قمیص دی تھی جب غزوہ بدر میں وہ قیدی بن کر آئے تھے۔ تا کہ آپ کے چچا جان پر کسی کا احسان نہ رہے۔ یہ بھی آپ کے مکارم اخلاق میں سے ہے۔

آپ جانتے تھے کہ یہ منافق کیا کہتا تھا مثلاً یہ اس نے ہی کہا تھا۔

لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنافقون:8)

"تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو"۔

یہ بھی اسی نے کہا تھا:

لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا (المنافقون: 7)

''نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں''۔

اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔ اپنی قمیص مبارک اس کے کفن کے لیے عطا کی۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی کی اتنی طویل نماز جنازہ پڑھائی ہو جتنی لمبی ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ آپ اس کی میت کے ساتھ چلے۔ اس کی قبر پر کھڑے رہے۔ حتیٰ کہ لوگ اس کو دفن کرنے سے فارغ ہو گئے۔ امام بخاری نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا جب حضور رحمت دو عالم ﷺ نے ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھی تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ ابونعیم نے لکھا ہے اس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے ترک کر دی اور حضور سید عالم ﷺ کی اتباع کی۔

یہ بھی آپ ﷺ کے مکارم اخلاق میں سے ہی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لبید بن اعصم یہودی کو اس وقت معاف کر دیا تھا جب اس نے آپ پر جادو کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس جادو سے آگاہ کر دیا تھا۔ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجا۔ انہوں نے بئر ذروان سے وہ ساری اشیاء باہر نکال لیں جن پر جادو ہوا تھا۔ آپ نے لبید کو سزا نہ دی۔ آپ نے فرمایا ''مجھے رب تعالیٰ نے شفاء دی ہے۔ میں اس شر کو مزید پھیلانا ناپسند کرتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف کر دیا جس نے آپ کے لیے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا۔ اگرچہ جب حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ زہر کی وجہ سے شہید ہو گئے تو آپ نے اس عورت کو بھی قصاص میں قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ غزوہ خیبر میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

کس شاعر نے یہ شعر کہا ہے رب تعالیٰ اس پر رحم کرے۔

وما الفضل الا خاتم انت فصه	و عفوك نقش الفص فاختم به عذری

فضل کچھ بھی نہیں مگر انگوٹھی ہے جس کا نگینہ آپ کی ذات ہے۔ آپ کا درگزر اس نگینہ کا نقش و نگار ہے۔ اس کے ساتھ میرا عذر ختم فرمائیں۔

تمہارے لیے وہ روایات کافی ہیں جو سیرت کی کتب میں متواتر نقل ہیں اور علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں کہ آپ ﷺ نے قریش کے ظلم و ستم اور مصائب اور اذیتوں پر کس طرح صبر کیا۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ان پر فتح عطا فرما دی۔ فتح مکہ کے روز مشرکین مکہ کو کوئی شک نہ رہا تھا کہ آپ انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ ان کی پشتوں کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ مگر آپ کے عفو و درگزر میں اضافہ ہی ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا ''تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے کیسا سلوک کرنے لگا ہوں''۔ ان سب

نے بیک زبان کہا "کریم بھائی اور کریم بھائی کے فرزند دلبند! بھلائی کا! آپ نے فرمایا میں تمہیں اس طرح کہتا ہوں جس طرح میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہا تھا۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف:92)

"نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن"۔

سارے مشرکین مکہ اس طرح چلے گئے کہ گویا وہ ابھی قبروں سے باہر نکلے ہوں۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا "صلح حدیبیہ کے سال نماز صبح کے وقت بنو تنعیم کے اسی افراد پہاڑ سے نیچے اترے۔ وہ اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں گرفتار کر لیا اور انہیں بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔ خالق کائنات نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ

"اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں۔ باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا"۔ (الفتح:26)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے ساتھ انتہائی لطف و کرم فرمایا۔ آپ نے اسے فرمایا "ابوسفیان! تیرے لیے ہلاکت ہو کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ تو جان لے اور یہ گواہی دے کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں"۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرے والدین آپ پر نثار آپ کتنے حلیم ہیں؟ آپ کتنی صلہ رحمی کرنے والے ہیں؟ ابوسفیان نے جنگ و جدل کرنے میں کون سی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ لطف و کرم دیکھو۔ ان سے درگزر کیا قول و فعل کے ساتھ ان سے عمدہ سلوک کیا۔

محبوب کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ایک اور جلوہ دیکھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلی کے لیے برتن جھکاتے وہ پانی پی لیتی۔ پھر اس کے بقیہ پانی سے وضو فرما لیتے آپ نے اپنی امت کے اہل کبائر کے ساتھ شفقت فرمائی۔ ان کی پردہ پوشی کا حکم دیا۔ فرمایا "جو ایسی گندگیوں میں مبتلا ہو جائے اسے پردہ پوشی کرنا چاہیے"۔ آپ نے امت مرحومہ کو ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرنے کا حکم دیا جن پر حد جاری کی گئی۔ ان پر رحم کھایا آپ نے انہیں یہ حکم اس وقت فرمایا "جب صحابہ کرام ایسے شخص کو دیکھ کر غصہ سے لبریز ہو کر اسے برے الفاظ سے یاد کرنے لگتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یوں کہو مولا! اسے بخش دے، مولا! اس پر رحم فرما"۔

تواضع اور حسن معاشرت

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفیع مقام اور بلند منصب پر فائز فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود آپ اپنے اہل خانہ، خدام اور صحابہ کرام سے تواضع اور حسن معاشرت سے پیش آتے تھے۔ یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی انتہا معلوم نہیں ہو سکتی۔ ایک عارف کامل نے لکھا ہے۔ "بندہ تواضع کی حقیقت تک صرف اس وقت پہنچ سکتا ہے جب اس کے دل میں مشاہدہ کا نور

ہو۔ یہ مقام نفس کے ساتھ ریاضت اور مجاہدہ کرنے رب تعالیٰ کے احکام بجالانے اور مناہی سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت نفس پگھل جاتا ہے۔ شہوات کی طرف اس کا میلان ختم ہو جاتا ہے۔ ہمہ وقت قوی اور اعضاء کو اطاعت الٰہی میں استعمال کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ وہ تکبر کی گندگی سے صاف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر پاک سے اطمینان پاتا ہے۔ پوری طرح اس کی طرف توجہ کرتا ہے۔ کسی اور چیز کے ساتھ اس کا تعلق باقی نہیں رہتا۔ وہ اس کے آثار محسوس کرنے کے لیے حق اور خلق کے لیے نرم ہو جاتا ہے۔ وہ اس آگ اور تپش سے سکون حاصل کرنے کے لیے خالق اور مخلوق کے لیے نرم ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تواضع سے بہت زیادہ حصہ ملا تھا۔ جوں جوں قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا جاتا توں توں تواضع اور عاجزی بھی بڑھتی جاتی۔ تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عاجزی ہی کافی ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو بادشاہ نبی اور عبد نبی بننے کا اختیار دیا آپ نے رب تعالیٰ سے عاجزی کرتے ہوئے عبد نبی بننا پسند کیا۔ اگر آپ بادشاہ نبی بن جاتے تو آپ کو کوئی نقصان نہ ہوتا۔ لیکن آپ نے عاجزی دیکھی کہ اس سے قرب خداوندی میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کی تواضع کی وجہ سے رب تعالیٰ نے آپ کو اس مقام پر فائز کر دیا کہ روز حشر سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی۔ سب سے پہلے آپ شفاعت کریں گے۔ سب سے پہلے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس اختیار کے بعد آپ نے ٹیک لگا کر کبھی نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ آپ فرماتے تھے "میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے۔ میں اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے"۔

امام بخاری اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرا رتبہ اس طرح نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا رتبہ بڑھا دیا ہے۔ میں بندہ ہوں۔ یوں کہنا عبداللہ و رسولہ"۔ یہ بھی آپ کی تواضع اور عاجزی ہی تھی کہ اپنے خادم کو کبھی نہیں جھڑکا۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی آپ نے مجھے کبھی بھی اف تک نہیں کہا"۔

ابو نعیم کی روایت میں ہے "آپ نے نہ مجھے کبھی گالی دی، نہ مجھے کبھی مارا۔ نہ مجھے کبھی جھڑکا۔ نہ کبھی ترش روئی سے پیش آئے۔ اگر مجھے کسی کام کا حکم فرماتے اس میں مجھ سے سستی ہو جاتی تو آپ مجھے ہرگز نہ جھڑکتے۔ اگر کوئی دوسرا مجھے جھڑکنے لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے اسے چھوڑ دو۔ اگر مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا"۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو میں کام کر دیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا "تو نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ اگر کسی کام کو چھوڑ دیتا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں چھوڑا ہے؟ بلکہ آپ فرماتے "جو مقدر میں ہوا وہ ہو جائے گا۔ اگر رب تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو ضرور ہوگا"۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے غلاموں اور لونڈیوں سے بھی یہی سلوک تھا۔ آپ نے کبھی کسی غلام یا لونڈی کو نہیں مارا۔ جب تک تائید ربانیہ نہ ہو یہ امر کسی بشری طبیعت میں نہیں ہو سکتا۔ نہ اس میں اتنی طاقت اور قدرت ہو سکتی ہے۔ یہ آپ کے کمال

عرفان کی وجہ سے تھا کہ رب تعالیٰ کے علاوہ کوئی حقیقی فاعل و معطی اور مانع نہیں ہے۔ مخلوق تو آلات اور اسباب ہے مخلوق پر کسی شی کے لیے ناراضگی شرک کی طرح ہے۔ جو توحید کے منافی ہے۔ ایک اور قول یہ بھی ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ اس چیز میں اپنے محبوب کا تصرف دیکھتے تھے۔ محبوب کے محب میں تصرف کی علت اور سبب بیان نہیں کیا جاتا۔ بلکہ سر تسلیم خم کیا جاتا ہے۔ محبوب حبیب کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ اس سے لذت اٹھاتا ہے۔

امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے اہل خانہ پر رحم کرنے والا ہو"۔

امام مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کو نہیں مارا، کسی عورت یا خادم کو کبھی نہیں مارا۔ سوائے راہ خدا میں جہاد کے۔ آپ سے کوئی چیز نہیں لی گئی اور آپ نے اس سے انتقام لیا ہو۔ مگر جب محارم الٰہیہ کی حدود توڑی جاتیں تو آپ انتقام لیتے۔ البتہ اس سے وہ واقعات مستثنیٰ ہیں جنہیں امام نسائی نے حضرت طفیل الاشجعی سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس گھوڑی کو مارا جو لوگوں سے پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر عرض کی "مولا! اس میں برکت فرما" حضرت طفیل فرماتے ہیں "وہ گھوڑی اتنی صبا رفتار ہو گئی کہ میں اس کی لگام نہیں تھام سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا "مولا اس میں برکت ڈال"۔ کی وجہ سے میں نے اس کے پیٹ سے بارہ ہزار کے بچے فروخت کیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ بھی پیچھے رہ گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچوکہ لگایا جس کی برکت سے وہ سارے لوگوں سے آگے نکل گیا۔ یہ معجزات ہیں اور یہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا فرمان کے منافی نہیں ہیں۔

ابن سعد نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تھے تو آپ کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا "آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ نرم، تبسم ریز اور تبسم کناں ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کبھی ٹانگیں نہیں پھیلائیں"۔

ابو نعیم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسن خلق رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کسی بھی صحابی نے آپ کو پکارا تو آپ نے جواب میں لبیک ہی کہا"۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام بزار نے حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے لگتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اقدس پیچھے نہ ہٹاتے۔ حتیٰ کہ وہ شخص اپنا سر خود ہی پیچھے ہٹا لیتا۔ اگر کسی کا ہاتھ تھام لیتے تو اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے حتیٰ کہ وہ شخص ہی ہاتھ چھڑا لیتا۔

امام احمد اور ابن حبان نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنے کپڑے سی لیتے، آپ اپنے جوتے خود ہی گانٹھ لیتے، خود ہی اپنا ڈول درست کر لیتے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنی خدمت خود ہی کیا کرتے تھے، گھر کے امور بجا لاتے، اپنا اونٹ رسی سے باندھتے، اپنے جانور کو چارہ ڈالتے، خادم کے ساتھ کھا لیتے، اس کے ساتھ آٹا گوندھ لیتے، اپنا سامان بازار سے اٹھا کر لے آتے، آپ سب کچھ تواضع اور ترک تکبر کے لیے

کرتے تھے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا تھا، تاجدار انبیاء تھے۔ رسالت اور معجزات کے ساتھ مشرف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنی خدمت کرنا یہ آپ کے کمال تواضع کی علامت ہے۔ یہ اس امر کے منافی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام تھے جو آپ کی خدمت کرتے تھے۔ آپ کبھی خود اپنی خدمت کرتے۔ کبھی خادم خدمت بجالاتا اور کبھی آپ خود بھی اور خادم بھی اس کام میں شریک ہو جاتے۔ یہ سب کچھ ملت بیضاء کی تعلیم کے لیے تھا۔ یہ بتانا مقصود تھا کہ آدمی کا اپنے آپ کی خدمت کرنا مستحب ہے اس سے منصب میں فرق نہیں پڑتا۔ خواہ مقام و منصب کتنا ہی بلند ہو۔ آپ دراز گوش پر سوار ہو جاتے۔ کبھی اس پر پالان ہوتا کبھی پالان نہ ہوتا۔ یہ آپ کی انتہائی عاجزی کے لیے اور امت کے لیے ایک درس تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرد اور عورت (زوجہ محترمہ) کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ غزوۂ خیبر سے واپس آتے وقت سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا ہوا تھا۔ بچے اور بڑے آپ کے پیچھے سوار ہو جاتے۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ سے واپس آتے تو بچے آپ کا استقبال کرتے۔ آپ انہیں اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ جو رہ جاتا اپنے صحابہ کرام کو حکم فرماتے کہ وہ انہیں اپنے پیچھے بٹھالیں۔

غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ خیبر کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دراز گوش پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پتوں کو بٹ کر بنائی گئی تھی۔ یہ عاجزی کی انتہا ہے۔ اس سے بڑی تواضع اور کیا ہو سکتی ہے حالانکہ ان پر نصرت و فتحیابی کے بعد جو مال غنیمت ملا تھا وہ مشہور ہے۔

امام ابوداؤد نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر رونق افروز ہوئے۔ جب واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دراز گوش پیش کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو جائیں۔ اس پر ایک کپڑا بھی ڈالا گیا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو گئے۔ حضرت سعد نے اپنے نور نظر حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا قیس! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہو جاؤ"۔ حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا سوار ہو جاؤ۔ مگر میں نے انکار کر دیا (ادب کی وجہ سے نہ کہ آپ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یا تو سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ، میرے ہمراہ نہ چلو"۔ وہ سوار ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے آگے بیٹھو۔ سواری کا مالک اس کے آگے بیٹھنے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے"۔

ابن مندہ کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا فرزند دلبند بھیجا۔ تاکہ وہ گدھا واپس لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے آگے سوار ہو جاؤ"۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی "کیا یہ آپ کے آگے سوار ہو جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں وہ گدھے کے سینہ کا زیادہ حق دار ہے"۔ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کے لیے ہے"۔ آپ نے فرمایا "پھر اسے میرے پیچھے سوار کردو"۔

بعض روایات میں ہے کہ اس گدھے پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ اس اعتبار سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا گدھا اس لیے پیش کیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اس پر بیٹھ کر واپس تشریف لے چلیں اور حضرت اسامہ اس

گدھے پر سوار رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جس پر سوار تھے۔

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں خیبر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں۔ اونٹنی کا پاؤں پھسلا تو وہ نیچے گر گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ تمہاری ماں ہیں"۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی تعظیم و توقیر یاد کرائی۔ سواری باندھی گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔ پھر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا آپ کے پیچھے سوار ہو گئیں"۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ کے مابین کجاوے کا پچھلا حصہ ہی تھا"۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ آپ نے حضرت قثم کو اپنے سامنے اور حضرت فضل کو اپنے پیچھے سوار کر لیا یا حضرت قثم کو پیچھے اور حضرت فضل کو آگے سوار کر لیا"۔ راوی کو شک گزرا ہے۔

حضرت محب الطبری نے "مختصر السیرۃ النبویہ" میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگی پشت والے گدھے پر سوار ہو کر قباء کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں سوار کر لوں؟ انہوں نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جیسے آپ کی مرضی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سوار ہو جاؤ"۔ حضرت ابو ہریرہ سوار ہونے کے لیے اچھلے مگر سوار نہ ہو سکے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا۔ حتیٰ کہ دونوں زمین پر آ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ فرمایا "ابو ہریرہ! کیا میں تمہیں سوار نہ کر لوں"۔ انہوں نے عرض کی "جیسے حضور کی منشاء یارسول اللہ!"۔ آپ نے فرمایا "سوار ہو جاؤ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بار بھی سوار نہ ہو سکے"۔ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا۔ دونوں زمین پر آ گئے۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے۔ فرمایا "ابو ہریرہ! میں تمہیں سوار کر لوں"۔ انہوں نے عرض کی "نہیں! اب میں آپ کو تیسری بار نیچے نہیں گراؤں گا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے"۔

حضرت محب الطبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اسی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایک بکری بھوننے کا حکم دیا۔ ایک صحابی نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اسے ذبح کروں گا" دوسرے نے عرض کیا "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اس کی کھال اتاروں گا" تیسرے نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں اسے پکاؤں گا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں ایندھن کے لئے لکڑیاں جمع کروں گا" صحابہ کرام عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کام کے لئے کافی ہیں" حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں جانتا ہوں کہ تم کافی ہو لیکن مجھے تم سے ممتاز ہو کر بیٹھنا ناپسند ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو ناپسند کرتا ہے جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز ہو کر بیٹھ جائے"۔

ابن اسحاق اور امام بیہقی نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت تحریر کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "نجاشی کا وفد بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا۔ حضور ان کی خدمت کرنے کے لئے بنفس نفیس اٹھ کر کھڑے ہوئے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم کافی ہیں" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "انہوں نے میرے صحابہ کی عزت افزائی کی۔ میں چاہتا ہوں کہ میں ان کا بدلہ چکا دوں"۔

حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں ابھی بچہ تھا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مقام جعرانہ پر بہرہ ور ہوا۔ ایک خاتون آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ جب وہ قریب پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے چادر مبارک بچھادی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے اپنے قریبی ساتھی سے پوچھا "یہ عظیم خاتون کون ہیں؟" اس نے بتایا "یہ حضور شفیع عاصیاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی امی جان ہیں" (امام ابوداؤد)۔

روایت ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن تشریف فرما تھے۔ آپ کے رضاعی باپ حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے ان کے لئے اپنی ردائے پاک کا کچھ حصہ بچھادیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ کی رضاعی امی حاضر خدمت ہوئیں آپ نے چادر مبارک کا دوسرا حصہ بھی بچھادیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر رضاعی بھائی حاضر خدمت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اسے اپنے سامنے بیٹھادیا۔

صحیحین میں روایت ہے کہ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس کا دماغی توازن درست نہ تھا۔ اس نے عرض کی "مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے" حضور سید مرسلاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مدینہ طیبہ کی جس گلی میں چاہے بیٹھ جا۔ میں تیرے ساتھ بیٹھوں گا" امام مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے "حتیٰ کہ میں تیری حاجت پوری کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک راستے میں ہی اس کے ساتھ تشریف فرما ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیواؤں اور مساکین کے ساتھ چلنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ ان کی ضروریات آپ پوری فرماتے تھے۔

امام بخاری کی روایت میں ہے کہ لونڈی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دست اقدس تھام لیتی اور جہاں چاہتی لے جاتی۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی ایک لونڈی حاضر خدمت ہوئی۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست شفقت تھام لیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ضروری کام کے لئے لے گئی۔ آپ نے اپنا دست ہدایت بخش نہ کھینچا حتیٰ کہ وہ جہاں چاہتی تھی آپ کو لے گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع اور عاجزی کے ان گنت ایسے واقعات ہیں جو مردو خواتین اور آزاد اور غلام دونوں کو محیط ہیں۔ آپ کے دست حق نما تھام لینے سے مراد انتہائی تصرف کی طرف اشارہ ہے حتیٰ کہ اگر اس لونڈی کا کام مدینہ طیبہ سے باہر بھی ہوتا اور اس حالت میں وہ آپ سے مدد کی طلب گار ہوتی تو آپ اس کے کام کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر جانے کے لئے بھی تیار تھے۔ اس سے آپ کی مزید تواضع عیاں ہوتی ہے نیز یہ کہ آپ تکبر کی جملہ اقسام سے بری تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنی اطراف سے کچھ نہیں نکالتے تھے۔ مثلاً ناخن کاٹنا وغیرہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خاموش رہتے تھے۔ضرورت کے علاوہ محوِ تکلم نہ ہوتے تھے۔جسے ملتے پہلے آپ سلام کرتے۔اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مصافحہ کی ابتداء آپ ہی کرتے۔جو بھی حاضر خدمت ہوتا آپ اس کی تکریم کرتے۔بعض اوقات اس کے لئے اپنی ردائے مبارک بھی بچھادیتے۔اپنے نیچے سے تکیہ نکال کر اسے عطا فرمادیتے۔اگر وہ کسی ہچکچاہٹ کا اظہار کرتا تو آپ اصرار فرماتے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی کنیتوں سے یاد فرماتے۔انہیں ان کے پسندیدہ ناموں سے پکارتے۔کسی کی بات نہ کاٹتے۔اگر دوران نماز کوئی سائل حاضر خدمت ہوجاتا تو اپنی نماز مختصر فرمادیتے۔اس کی ضرورت کے بارے پوچھتے۔فارغ ہوکر دوبارہ نماز پڑھنے لگ جاتے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔آپ مصروف نماز تھے۔اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز تھے۔وہ آپ کی کمر انور پر سوار ہوگئے۔آپ نے سجدہ طویل کردیا حتیٰ کہ وہ نیچے اتر آئے۔جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک صحابی نے عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ نے سجدہ طویل کیوں کردیا تھا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرا یہ فرزند دلبند مجھ پر سوار ہوگیا تھا۔اس لئے میں نے جلدی کرنا پسند نہ کیا"۔ایک دفعہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما حاضر خدمت ہوئے۔اس وقت حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما آپ کی کمر انور پر سوار تھے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا "تمہاری سواری بہترین سواری ہے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سوار بھی تو کتنے بہترین ہیں" یہ تذکرہ بھی پہلے ہوچکا ہے کہ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی کو آپ نماز میں اٹھالیتے تھے۔

اس قسم کے حالات صاحبان کمال کو ان کیف آور حالات سے منحرف نہیں کرتے۔کیونکہ وہ جمع الجمع کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔فراق ان کے اردگرد نہیں آسکتا۔انہیں وحدت کثرت سے اور کثرت وحدت سے نہیں روک سکتی۔یہ متحد بھی ہوتے ہیں اور جدا بھی، قریب بھی ہوتے ہیں اور دور بھی۔ارواح لطیفہ اور اشباح شریفہ کے اعتبار سے عرشی بھی ہوتے ہیں اور فرشی بھی۔آپ کی ذات والا تو وہ ہستی پاک ہے جس کی نگاہیں اپنے رب تعالیٰ کی آیت کبریٰ کا مشاہدہ کرتے وقت نہ چندھائیں اور نہ حد ادب سے آگے بڑھیں یہ معمولی اشیاء آپ کو اپنے رب کریم سے کیسے دور کرسکتی ہیں۔

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور تواضع کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ مریضوں کی عیادت فرماتے۔خواہ مریض شریف ہوتا یا وضیع ہوتا۔آزاد ہوتا یا غلام۔ایک یہودی لڑکا آپ کی خدمت کرتا تھا۔وہ بیمار ہوگیا آپ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔اس کے سر کے پاس جلوہ افروز ہوئے۔اسے فرمایا "اسلام قبول کرلے" اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا "ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو" اس نوجوان نے دولت اسلام سمیٹ لی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ کے لب لعلیں پر یہ حمدیہ کلمات تھے "ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں۔جس نے اسے آگ سے بچالیا"

(امام بخاری عن انس رضی اللہ عنہ)

عیادت کرنے میں بہت زیادہ تواضع، رب تعالیٰ کی رضا اور اجر وثواب ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ جو شخص کسی مریض کی عیادت کرتا ہے تو ایک اعلان کرنے والا اسے صدا دیتا ہے "تو

پاک ہو گیا۔ تیرا چلنا بھی پاک ہو گیا۔ تجھے جنت میں ایک بلند منزل پر فائز کر دیا گیا"۔

امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے "جس شخص نے عمدہ وضوء کیا اور حصول ثواب کے لئے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اسے جہنم سے ستر سال کی مسافت سے دور کر دیا جائے گا" یہ مقام ومنصب صرف تواضع کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کو اپنے بلند مقام ومنصب کے نیچے آنا پڑتا ہے۔ آپ نماز جنازہ میں شرکت فرماتے۔

امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر کجاوے پر اتنا جھکائے ہوئے تھے کہ قریب تھا کہ سر اقدس کجاوے کو چھو لیتا۔ یہ سب کچھ تواضع کے لئے تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوسیدہ کجاوے پر حج فرمایا۔ جس پر ایک چادر تھی۔ جس کی قیمت چار دراہم کے برابر بھی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حج تواضع کے اظہار کے لئے سب سے بڑی جگہ ہے۔ کیونکہ حج کوشش وسعی کی جگہ ہے۔ یہ اپنے وطنوں کو خیر آباد کہہ کر رب تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ہے۔ کیا تم اس میں احرام کے متعلق غور وفکر نہیں کرتے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان نفیس اور عمدہ ملبوسات کو ترک کر دے۔ تاکہ اسے رب تعالیٰ کی طرف بھاگنے والوں کے ساتھ تنبیہ ہو جائے۔ اور اسے حقیقت میں رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا یاد آجائے۔ حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تلبیہ میں عرض کیا "مولا! اسے ایسا حج بنا دے جس میں نہ ریاء ہو اور نہ شہرت ہو" آپ نے یہ خشوع وخضوع اور عاجزی اور انکساری کے لئے فرمایا۔ خود کو ان میں سے ایک شمار فرمایا۔ یہ آپ کی عظیم تواضع پر دلالت کر رہا ہے کیونکہ جو بوسیدہ کجاوے پر حج کرے اس میں ریاء نہیں ہو سکتی۔ ریاء تو اس میں ہوتی ہے جو نفیس سواریوں پر سوار ہو۔ جس نے عمدہ لباس پہنے ہوں، نقش ونگار والی چادریں پہن رکھی ہوں۔ اس مبارک حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو اونٹ بھی راہ خدا میں قربان کئے۔ اپنے صحابہ کرام کو مال ودولت عطا کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ پیش کیا جس کی قیمت تین سو دینار تھی مگر آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح ادا فرما لیتے تو مدینہ طیبہ کے بچے پانی کے برتن لے کر حاضر خدمت ہو جاتے۔ وہ چاہتے کہ آپ ان میں اپنا دست اقدس ڈالیں تاکہ انہیں برکت نصیب ہو جائے۔ پانی کا جو برتن بھی پیش کیا جاتا۔ آپ اس میں اپنا دست اقدس ڈالتے۔ کبھی وہ سخت ٹھنڈی صبح میں برتن لے کر حاضر ہوتے آپ سخت سردی میں بھی اپنا دست شفا بخش اس میں ڈالتے۔ یہ آپ کا لطف وکرم، حسن خلق اور کمال تواضع ہی تو تھی۔

اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر کتنے شفیق، رحیم اور قریب تھے تاکہ ہر حق دار کو اس کا حق ملے۔ تاکہ جاہل کو بھی کچھ علم ہو جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامان امت کو بھی اس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

امام ابونعیم نے دلائل میں روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر بہت

زیادہ لطیف تھے۔ جو غلام یا لونڈی ٹھنڈی صبح میں پانی کا برتن لے کر حاضر خدمت ہوتی۔ آپ اسے منع نہ کرتے۔ بلکہ اس پانی میں چہرۂ انور اور مبارک کہنیاں دھو لیتے۔ جو بھی آپ سے بات چیت کرنا چاہتا آپ اس کی طرف سر اقدس جھکا لیتے۔ جب تک وہ خود پیچھے نہ ہٹتا آپ اسے پیچھے نہ کرتے۔ اگر کوئی آپ کا دست حق نما تھام لیتا تو اسے اس وقت تک نہ چھڑاتے حتیٰ کہ وہ ہاتھ چھڑا لیتا۔

آپ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی انتہائی عمدہ سلوک کرتے۔ آپ ان کے ایک ہی بستر میں محو استراحت ہو جاتے۔ اگرچہ وہ حالت حیض میں ہوتیں۔ اس کے باوجود آپ ہمیشہ رات کا قیام فرماتے۔ آپ کسی زوجہ محترمہ کے ساتھ آرام فرما ہوتے جب آپ قیام فرمانے کا ارادہ فرماتے تو اسے وہیں چھوڑ کر بارگاہ ربوبیت میں کھڑے ہو جاتے۔ آپ نہ تو کسی زوجہ محترمہ کو اس کے حق سے محروم کرتے۔ نہ ہی رات کا قیام ترک فرماتے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاوند کا اپنی زوجہ کے ساتھ ایک ہی بستر میں سونا ان کے علیحدہ علیحدہ بستر پر سونے سے افضل ہے۔ جبکہ مقصد انس و محبت ہو۔ جماع نہ ہو۔ خصوصاً جبکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی زوجہ اس کے ساتھ سونے میں رغبت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ سونا مستحب اور اسے ترک کرنا مکروہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ حضور سید عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی بچیوں کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کے ساتھ کھیلیں۔ کیونکہ رخصتی کے وقت ان کی عمر چھوٹی تھی۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ اگر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی برتن میں پانی پی لیتیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ برتن لیتے اور اس جگہ سے پانی نوش فرماتے جہاں سے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے پانی پیا تھا۔ یہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ام المومنین رضی اللہ عنہا سے محبت کی طرف اشارہ ہے بلکہ اس سے آپ کی تواضع بھی عیاں ہوتی ہے۔ جب حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا ہڈی سے گوشت اتارتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس ہڈی کو پکڑ لیتے تو اپنا منہ مبارک اس جگہ رکھ دیتے جہاں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اپنا منہ رکھا ہوتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مبارک گود میں سر اقدس رکھ لیتے اور ان کا بوسہ لے لیتے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں ہوتے تھے۔

محدثین نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا بوسہ لے لیتے تھے حالانکہ آپ روزہ کی حالت میں ہوتے تھے۔ یہ سب کچھ ان کے ساتھ لطف و مہربانی کا اظہار کرنے اور حسن معاشرت کے لئے تھا۔ یہ وہ ہستی کر سکتی ہے جس کے اخلاق عالیہ عمدہ ہوں اور وہ تواضع کی رفعتوں پر فائز ہو۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کر کے کھڑے ہو گئے اور حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حبشیوں کو نیزوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ آپ کے شانہ اقدس کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھیں"۔ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا "کیا جی بھر گیا ہے۔ کیا سیر ہو گئی ہو" میں نے عرض کی "ابھی نہیں ابھی نہیں"۔

امام احمد نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھی۔ میں اس وقت نو عمر اور دبلی پتلی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا "آگے نکل چلو" پھر مجھے فرمایا

''آؤ دوڑ لگائیں'' ہم نے دوڑ لگائی تو میں آگے نکل گئی۔ آپ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ میں موٹی ہو گئی۔ ایک سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''آگے چلے جاؤ'' پھر مجھے فرمایا ''آؤ دوڑ لگائیں'' اس بار حضور اکرم ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے''۔ حضور اکرم ﷺ مسکرانے لگے۔ فرمایا ''یہ اس کا بدلہ ہے'' یہ آپ نے ان کی تسلی خاطر اور لطف و کرم کرتے ہوئے فرمایا۔

امام طبرانی نے ''الصغیر اور الاوسط'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مقدسہ تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں سے ایک پیالہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا وہ پیالہ حضور کریم ﷺ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا ''ہاتھ آگے بڑھاؤ اور کھاؤ'' حضور ﷺ نے دست اقدس آگے بڑھایا۔ ہم نے بھی ہاتھ آگے کیے اور کھانے لگے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی کھانا تیار کر رہی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ سے پیالہ آتے دیکھا تو انہوں نے جلدی کی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو وہ کھانا اٹھا کر لے آئیں۔ اسے حضور اکرم ﷺ کے سامنے رکھا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پیالہ اٹھا کر اسے توڑ دیا۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کا نام لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے برتن سے کھاؤ۔ تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے''۔ پھر ان کا پیالہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمایا اور فرمایا ''کھانے کے بدلے کھانا اور برتن کے بدلے برتن''۔

امام بخاری نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے ''حضور ﷺ کسی زوجہ محترمہ کے ہاں رونق افروز تھے کسی دوسری زوجہ محترمہ نے کھانے سے بھرا ہوا پیالہ بھیج دیا۔ جس زوجہ محترمہ کے ہاں آپ جلوہ افروز تھے انہوں نے ہاتھ مار کر خادم کے ہاتھ سے وہ پیالہ گرا دیا۔ وہ پیالہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کے ٹکڑے جمع کیے پھر اس میں وہ کھانا ڈالنے لگے جو اس میں موجود تھا۔ پھر فرمایا ''تمہاری ماں کو غیرت آگئی ہے'' پھر اس خادم کو روکے رکھا حتیٰ کہ وہ زوجہ محترمہ بھی کھانے سے بھرا پیالہ لے کر حاضر خدمت ہو گئیں۔ جس کے گھر آپ تشریف فرما تھے۔ آپ نے وہ پیالہ اس پیالہ کے عوض دے دیا جو ٹوٹا تھا'' علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ جس زوجہ محترمہ کے حجرہ مقدسہ میں آپ تشریف فرما تھے وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں البتہ دوسری زوجہ مکرمہ جن کے حجرہ مقدسہ سے پیالہ آیا تھا اس میں اختلاف ہے بعض نے انہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بتایا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ دو دفعہ ظہور پذیر ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا ''پھر مجھے ندامت نے آلیا''۔ میں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس کا کفارہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا''۔

بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے وہ برتن توڑ دیا تو آپ نے نہ تو انہیں ملامت کی نہ ان پر عیب لگایا۔ آپ نے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ فرمایا۔ اپنی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ایسے فعل پر انہیں سرزنش بھی نہ فرمائی بلکہ حلم اور علم کے ساتھ رب تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان دونوں کے مابین فیصلہ بھی کر دیا کہ ٹوٹا ہوا پیالہ انہی کے پاس اور

دوسرا پیالہ دوسری زوجہ محترمہ کو بھیج دیا۔ حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کرتے تھے۔ آپ ان کا مؤاخذہ نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ان کا عذر قبول فرما لیتے تھے۔ انہیں کسی قسم کی ملامت نہیں فرماتے تھے۔ اگر آپ ان کے درمیان میزان عدل بغیر کسی غصہ اور غضب کے قائم فرماتے تو آپ ان کے لئے بھی اسی طرح رؤف رحیم تھے جس طرح دوسروں کے لئے تھے۔ اس حدیث پاک میں یہ ارشارہ بھی ہے کہ اگر عورت سے کسی غیرت کی وجہ سے کسی فعل کا صدور ہو جائے تو اس کا مؤاخذہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس حالت میں اس کا عقل شدت غضب کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

ابو یعلی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور شاہ والا ﷺ نے فرمایا ''غیرت کھانے والی عورت وادی کے اوپر سے وادی کے نچلے حصہ کو نہیں دیکھ سکتی''۔

اخلاقِ کریمانہ میں مزاح کا پہلو

''المواہب'' میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ''خزیرہ'' (ایک کھانا) لے کر حاضر ہوئی۔ میرے اور حضرت ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کے مابین حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔ میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''کھاؤ'' مگر انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں دوسری بار کھانے کے لئے کہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے انہیں کہا ''کھاؤ ورنہ میں یہ کھانا تمہارے چہرے پر مل دوں گی'' مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے خزیرہ لیا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے چہرے پر مل دیا۔ یہ دیکھ کر حضور سید مرسلاں ﷺ مسکرانے لگے۔ آپ نے میرا سرا اپنی ران پر رکھا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ''بدلہ لیتے ہوئے ان کے چہرے پر بھی یہ کھانا مل دو'' انہوں نے وہ کھانا میرے چہرے پر مل دیا۔ حضور ﷺ یہ دیکھ کر مسکرانے لگے۔

المختصر جو شخص بھی آپ کا اپنے اہل خانہ، صحابہ کرام، فقراء، یتامیٰ، بیواؤں، مہمانوں اور مساکین کے ساتھ آپ کا روح پرور سلوک دیکھے گا تو اسے علم ہو جائے گا کہ آپ نرمی اور رقت کی ان انتہاؤں پر فائز تھے جس کے بعد تک جانا مخلوق کے لئے متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ حدود اللہ کے متعلق بڑے شدید تھے۔ اس کے حقوق اور دین متین کے بارے بڑے شدید تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے چور کے ہاتھ بھی کاٹے۔ زانی پر حد بھی جاری کی۔ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ بڑے لطف و کرم سے پیش آتے تھے۔ فعل اور قول کے ساتھ ان سے عمدہ سلوک کرتے۔ جس سے انہیں اطمینان قلبی نصیب ہوتا۔ ان کے ایمان کو تقویت ملتی۔ انہیں یہ تعلیم بھی ملتی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ کیونکہ جب انہوں نے آپ کا اکمل اور افضل خلق دیکھا تو رب تعالیٰ کے اس فرمان کا یقین ہو گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)

''بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں خوب صورت نمونہ ہے''۔

ان کے دل بھی مطمئن ہو گئے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک سے پیش آئیں گے۔

امام عبدالرزاق اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی شخص تھا جسے زہیر کہا جاتا تھا۔

دوسری روایت میں اس کا نام زاہر بن حرام الاشجعی تھا۔ یہ دیہات کے تحائف بارگاہ رسالت مآب میں پیش کرتے تھے۔ حضور ﷺ انہیں شہر کے تحائف سے نوازتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے "زہیر ہمارے لئے گاؤں اور ہم اس کے لئے شہر ہیں" حضور اکرم ﷺ اس صحابی سے محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضور کریم ﷺ بازار تشریف لے گئے۔ آپ نے حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جو کھڑے ہو کر کچھ بیچ رہے تھے۔ حضور ﷺ ان کے پیچھے سے آئے اور انہیں پیچھے سے اپنے سینہ اقدس کے ساتھ لگا لیا۔ حضرت زہیر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ ذات گرامی حضور اکرم ﷺ کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں اپنی کمر حضور اکرم ﷺ کے سینہ اقدس کے ساتھ ملانے لگا تاکہ مجھے برکت حاصل ہو جائے"۔

دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے انہیں پیچھے سے پکڑ لیا۔ حضرت زہیر پیچھے دیکھ نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے کہا "کون ہے مجھے چھوڑ دو" انہیں پتہ چل گیا کہ یہ تو حضور اکرم ﷺ کی ہستی والا ہے وہ اپنی کمر حضور ﷺ کے سینہ اقدس کے ساتھ ملانے لگے۔ تاکہ برکت اور لذت حاصل ہو جائے۔ حضور اکرم ﷺ ان کے بارے فرمانے لگے "اس غلام کو کون خریدے گا؟" حضرت زہیر نے عرض کی "یا رسول اللہ! پھر تو آپ مجھے کھوٹا (ارزاں) پائیں گے" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی جناب میں تم بڑے گراں قدر ہو" دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "لیکن بارگاہ ربوبیت میں تم کھوٹے نہیں ہو" یہ سب آپ ﷺ کی تواضع اور صحابہ کرام کے ساتھ لطف و کرم ہی تو تھا۔

ابو یعلی نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص تھا جو عبد اللہ الحمار کے لقب سے معروف تھا۔ وہ بارگاہ رسالت میں کبھی گھی کی پیالی اور کبھی شہد کی پیالی پیش کرتا تھا۔ جب اس کا مالک رقم کا تقاضا کرنے کے لئے آتا تو وہ اسے لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتا اور کہتا "میں نے وہ چیز انہیں بطور تحفہ پیش کی تھی" پھر عرض کرتا "اسے اس چیز کی قیمت ادا فرما دیں"۔ اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ صرف تبسم فرماتے اور اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم دے دیتے"۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ شخص جب بھی مدینہ طیبہ میں آتا تو کچھ چیز خرید کر بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر دیتا۔ جب اس کی قیمت مانگنے والا آتا تو اسے لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جاتا اور عرض کرتا "یا رسول اللہ! اسے اس چیز کی قیمت ادا فرما دیں" حضور اکرم ﷺ فرماتے "کیا وہ چیز تم نے مجھے بطور تحفہ نہیں دی تھی؟" وہ عرض کرتا "میرے پاس کچھ نہیں جو میں اسے دوں" حضور اکرم تبسم ریز ہوتے اور صحابہ کرام کو وہ رقم ادا کرنے کا حکم دے دیتے۔ حضرت نعیمان بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی اسی طرح کا واقعہ روایت ہے۔ زبیر بن بکار نے اپنی کتاب "الفکاھۃ و المزاح" میں لکھا ہے کہ یہ جب بھی مدینہ طیبہ آتے کچھ نہ کچھ خرید کر بارگاہ رسالت مآب میں ضرور پیش کرتے۔ عرض کرتے "میں نے یہ بطور تحفہ پیش کیا ہے۔ جب اس چیز کا مالک رقم مانگنے کے لئے آتا تو حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ اسے بارگاہ رسالت مآب میں لے آتے اور عرض کرتے "اسے اس کے سامان کی قیمت ادا کریں" حضور ﷺ فرماتے "کیا وہ چیز تم نے مجھے بطور تحفہ نہیں دی تھی" وہ عرض کرتے "اللہ کی قسم! میرے پاس اس کی قیمت کے پیسے نہ تھے۔ لیکن میں نے پسند کیا کہ آپ وہ چیز تناول فرمائیں" اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ مسکرا پڑتے اور صحابہ کرام کو اس کی قیمت ادا کرنے کا حکم دے دیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف حق بات ہی کہتے تھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔اگر آپ خندہ پیشانی اور بشاشت کو ترک فرما دیتے تو ترش روئی آجاتی۔لوگ اس پر عمل پیرا ہونے لگتے۔آپ نے مزاح کیا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مزاح کرتے تھے۔ایک عارف کامل نے لکھا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ پر جلال تھے اگر آپ صحابہ کرام کے ساتھ مزاح نہ کرتے تو ان میں آپ کے ساتھ بات کرنے کا بھی حوصلہ نہ ہوتا۔شدت ہیبت اور جلال کی وجہ سے وہ آپ کے ساتھ کھڑے بھی نہ ہو پاتے''۔امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ ہمارے ساتھ مزاح بھی تو کرتے ہیں'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں صرف حق کہتا ہوں''۔

امام ترمذی اور امام داؤد وغیر ہما نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص تھا۔جو امور دنیا سے غافل رہتا تھا۔اس نے عرض کی ''یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اونٹ پر سوار کرائیں تاکہ میں بھی آپ کے ساتھ جہاد کر سکوں'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا''۔اس کے دل میں آیا کہ اونٹنی کا بچہ تو چھوٹا ہوتا ہے اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اونٹنی کا بچہ کیا فائدہ دے گا؟'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تجھ پر حسرت! اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے'' ایک اور خاتون بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔عرض گزار ہوئی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے اونٹ پر سوار کریں'' آپ نے فرمایا ''اسے اونٹ کے بچے پر سوار کر دو'' اس خاتون نے عرض کی ''میں اسے کیا کروں گی۔وہ مجھے کیسے اٹھا سکے گا؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر اونٹ، اونٹ کا ہی تو بچہ ہوتا ہے''۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا سے بھی خوش کلامی فرمائی۔انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم دعا کریں رب تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے'' آپ نے فرمایا ''ام فلاں! جنت میں کوئی بوڑھی نہیں جائے گی'' یہ سن کر وہ گھبرا گئیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہیں جنت میں عہد شباب نصیب ہوگا''۔ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ (الواقعہ)

''ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طور سے۔پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شفقت کرتے ہوئے خوش کلامی فرماتے تھے۔ان کے ساتھ مل بیٹھتے تھے۔ان کے ساتھ انس ومحبت کرتے تھے اور ان کی دلداری کے لئے ان کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔آپ ان کے بچوں کے ساتھ کھیلتے۔انہیں اپنی گود میں بٹھا لیتے۔حضرت ام قیس رضی اللہ عنہا اپنے چھوٹے بچے کو لے کر حاضر خدمت ہوئیں جو کھانا نہیں کھاتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔آپ نے پانی منگوایا اور اس جگہ چھڑک دیا اور اسے کچھ نہ کہا۔آپ اپنے قلب انور کے ساتھ ملکوت میں گھومتے رہتے جہاں اللہ رب العزت چاہتا تھا۔

جو روایات ایسی ہیں جن میں آپ نے مزاح سے منع فرمایا ہے انہیں افراط مزاح پر محمول کیا جائے گا۔کیونکہ کثرت

مزاح سے دل ذکر الٰہی اور دینی امور میں غور وفکر کرنے سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کثرت مزاح سے دل کی قسوت، زیادہ ہنسی، چہرے کی شادابی ختم ہو جانے جیسے امراض لگ جاتے ہیں۔ اس سے ایذاء، کینہ، عداوت اور چھوٹے کی بڑے پر جرأت کرنا جنم لیتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے۔ جو مزاح کرتا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے"۔ یہ ساری روایات افراط پر محمول کی جائیں گی۔ اس لئے کہا گیا ہے۔

فَاِیَّاکَ اِیَّاکَ الْمِزَاحَ فَاِنَّهٗ یُجْرِیْ عَلَیْكَ الطِّفْلَ وَ الرَّجُلَ النَّذلَا

وَ یُذْهِبُ مَاءَ الْوَجْهِ مِنْ كُلِّ سَیِّدٍ وَیُوْرِثُهٗ مِنْ بَعْدِ عِزَّتِهٖ ذُلًّا

بچو! مزاح کرنے سے بچو! یہ ہر بچے اور خسیس شخص کو تم پر طاری کر دے گا۔ یہ ہر سردار کی ہیبت کو ختم کر دیتا ہے عزت کی رفعتوں کے بعد اسے ذلت کی گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے۔

اس بحث سے جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ مباح مذاق وہ ہے جو حرام اور مکروہ کی طرف نہ لے جائے۔ اگر اس میں کوئی مصلحت کارگر ہو جیسے مخاطب کی دلداری جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے تو مستحب ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اخلاق حسنہ کے مالک تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جسے ابو عمیر کہتے تھے۔ اس کی ایک چڑیا تھی جس کے ساتھ وہ کھیلتا تھا۔ وہ چڑیا مرگئی۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں غمزدہ ہو کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "اسے کیا ہوا ہے؟" صحابہ کرام نے عرض کی "اس کی چڑیا مرگئی ہے۔ آپ نے اس پر شفقت و ملاطفت کرتے ہوئے فرمایا "یَا اَبَا عُمَیْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ" ابو عمیر، نغیر نے کیا کیا۔ آپ نے چڑیا کو نغیر فرمایا یہ آپ کا حسن خلق، کرم الشمائل اور تواضع ہی تھی۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں گھل مل کر بیٹھتے تھے"۔ آپ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے "یا عمیر ما فعل النغیر" اس کے باوجود رب تعالیٰ نے بعثت سے قبل اور بعد میں بھی لوگوں کے دلوں میں آپ کا جلال، رعب، ہیبت اور دبدبہ پیدا فرما دیا تھا۔ حتیٰ کہ بعثت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قوم جو آپ کو جھٹلاتی تھی وہ جب آپ سے ملتی تو آپ کی تعظیم بجالاتی۔ جلال اور ہیبت کی وجہ سے وہ آپ کا کام بھی کر دیتی۔ وہ جلال اور رعب جو دلوں کو مرعوب کر دیتا تھا۔ جو آپ کو دیکھتا تھا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا تھا۔

امام بوصیری نے خوب فرمایا ہے۔

كَاَنَّهٗ وَ هُوَ فَرْدٌ مِنْ جَلَالَتِهٖ فِیْ عَسْكَرٍ حِیْنَ تَلْقَاهُ وَ فِیْ حَشَمٍ

آپ کو دیکھتے وقت آپ کا رعب اور جلال منفرد تھا۔ یہ ہیبت وحشمت اس بادشاہ کو دیکھنے سے بھی زیادہ تھی جو اپنے لشکر اور جاہ وجلال میں ہو۔

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضروری کام کے لئے آیا۔ وہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا تو اسے شدید لرزہ اور رعب

نے آلیا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا ''پرواہ نہ کر میں نہ تو بادشاہ ہوں اور نہ ہی سرکش ہوں۔ میں تو قریش کی ایک خاتون (محترمہ) کا فرزند دلبند ہوں۔ جو مکہ مکرمہ میں گوشت کے خشک ٹکڑے کھاتی تھی''۔ اس شخص نے اپنا ضروری کام عرض کیا۔ آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ''اے لوگو! مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تواضع کروں۔ تم بھی عاجزی کرو۔ کوئی کسی کے خلاف سرکشی نہ کرے کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ''۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ تواضع اس شخص کی تسکین کا باعث بنا ہے تو لوگوں کو بھی عاجزی اور انکساری کی ترغیب دی۔ تاکہ لوگوں کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ تواضع دل کی انکساری اور مخلوق کے لئے نرمی اور رحمت کے پروں کو نیچا کرنے کا نام ہے تاکہ کوئی نہ دیکھے کہ حق اس کے پاس ہے۔ بلکہ یہی سمجھے کہ حق اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں بادشاہ نہیں ہوں''، اس سے آپ نے ظاہر کرنا چاہا کہ آپ میں بادشاہوں کا وصف نہیں جس سے جبر، تکبر اور فخر پیدا ہوتے ہیں''۔ آپ نے فرمایا ''میں اس (عظیم) خاتون کا نُورِ نظر ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھیں'' کیونکہ قدید (خشک گوشت) یہ مساکین کا کھانا ہے گویا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ایک مسکینہ خاتون کا فرزند دلبند ہوں۔ جو وہ کھانا کھاتیں تھیں جو بچ جاتا تھا۔ مجھ سے کیسے ڈرا جا سکتا ہے''۔

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت قیلہ بنت مخرمہ التمیمیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو مسجد نبوی میں جلوہ افروز دیکھا۔ ان پر خوف کی وجہ سے لرزی طاری ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ''مسکینہ! پرسکون ہو جا'' آپ کا اتنا ہی فرمانا تھا کہ اس کا سارا خوف و ڈر ختم ہو گیا۔

حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''مجھے حضور اکرم ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی۔ میں نے از روئے حیاء اور تعظیم آپ ﷺ کو نظر بھر کر کبھی نہیں دیکھا۔ اگر مجھے آپ کا مکمل مبارک حلیہ بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا''۔

یہ اس ہستی کا قول ہے جسے عظیم صحابہ کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔ دیگر لوگوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ اس کی وضاحت اور صراحت اس روایت میں مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ جب آپ عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے تو حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اگر جاگ رہی ہوتیں تو ان سے محو تکلم ہوتے۔ ورنہ زمین پر ہی لیٹ جاتے۔ پھر نماز تہجد میں مصروف ہو جاتے۔ یہ صرف اس لئے تھا کہ آپ رات کو نماز تہجد ادا فرماتے۔ اور ایسے ذکر و اوراد میں مشغول رہتے جس سے آپ کے قرب الٰہی میں اضافہ ہوتا۔ حال کی کیفیت یوں طاری ہو جاتی کہ گمان ہونے لگتا کہ آپ بشر نہیں ہیں۔ اگر آپ قرب الٰہی، مناجات اور اپنے رب تعالیٰ کا کلام سننے کی کیفیت سے باہر تشریف لاتے جس کا وصف بیان کرنے سے زبانیں قاصر ہیں تو کوئی بشر بھی آپ سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ حضور ﷺ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ محو تکلم ہو جاتے۔ زمین پر لیٹ جاتے۔ تاکہ ان کی جنس سے آپ کو انس حاصل ہو جائے۔ یعنی یا تو ام المؤمنین سے انس حاصل ہو جائے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا تو بشر ہی تھیں یا اصل خلقت زمین سے انس حاصل ہو جائے۔ پھر لوگوں کے ساتھ

ملاقات کرنے اور گفتگو کرنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ آپ یہ صرف اور صرف صحابہ کرام کے ساتھ شفقت اور رقت کے لئے کرتے کیونکہ آپ مؤمنین کے ساتھ رؤف رحیم تھے۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو اختیار دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بادشاہ نبی یا عبد نبی بنیں۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف دیکھا گویا کہ مشورہ طلب فرما رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل نے تواضع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زمین کی طرف دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار فرمائیں آپ نے فرمایا ''میں نے کہا'' میں عبد نبی بننا چاہتا ہوں'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تواضع اور عاجزی کرتے ہوئے عبودیت کو پسند فرمایا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے آپ کو اتنی رفعت عطا فرمائی کہ آسمان کی سیر کرائی اور ملکوت اعلیٰ سے آگاہ فرمایا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزاح کرتے ہوئے ان کے گھر میں موجود کنویں سے پانی لیا اور ان پر کلی کر دی۔ یہ کلی بھی یمن و برکت سے لبریز تھی۔ جب وہ بڑے ہوئے تو ان کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار کا ذکر باقی نہ رہا سوائے اس کلی کے۔ اسی وجہ سے انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں شامل کیا جاتا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام، اہل خانہ، قریب و بعید کے ساتھ انتہائی شفقت، خندہ پیشانی، حسن خلق اور نرمی سے پیش آتے کہ ہر صحابی یہی سمجھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر شفقت کرتے ہیں۔ آپ سے جو ملتا آپ اسے سلام کرنے میں پہل کرتے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کسی حاجت کے لیے کھڑا ہونے کے لیے عرض کرتا تو آپ اس کے لئے قیام فرما ہو جاتے اور مقام و محل کے مطابق چھوٹے اور بڑے کے ساتھ مزاح بھی فرمالیتے۔ دعوت دینے والے کی دعوت بھی قبول فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کی دلداری بھی فرماتے تھے۔ ان کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ پیش آتے تھے تاکہ جہالت کے دبیز پردوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے وہ آپ کے نور ہدایت سے اجالا حاصل کر سکیں۔ آپ کی ہدایت کی اقتداء کریں۔ عام طور پر جب آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو رب تعالیٰ کے ذکر کا تذکرہ ہوتا۔ آپ ترغیب و ترہیب فرماتے یا تو قرآن مجید کی تلاوت فرما کر یا حکمت اور مواعظہ حسنہ سے صحابہ کرام کو تلقین فرماتے۔ ایسی تعلیم دیتے جو ان کے دین حق میں انہیں نفع دیتی۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ آپ ذکر فرمائیں۔ وعظ و تلقین کریں اور سبق آموز قصص بیان فرمائیں۔ اپنے رب کی طرف حکمت اور مواعظ حسنہ سے بلائیں۔ آپ بشارت بھی دیں۔ انہیں ڈرائیں بھی۔ ان مجالس کا اثر یہ ہوتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں رقت پیدا ہو جاتی۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت پیدا ہو جاتی۔ حتیٰ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں گمان بھی نہیں کرتا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی دنیا کا ارادہ رکھتا ہے حتیٰ کہ یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (آل عمران: 152)

''بعض تم میں سے طلب گار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے''۔

حضور امام الانبیاء ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ اگر پسند فرمایا تو کھالیا ورنہ اسے چھوڑ دیا اور معذرت کردی۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے جب گوہ کھانے سے معذرت کی تو فرمایا کہ یہ آپ کی قوم کی زمین میں نہیں ہوتی۔ اس فرمان میں کتنا حسن ادب ہے۔ کیونکہ بعض اوقات ایسے ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک چیز کو پسند نہیں کرتا دوسرا اسے پسند کرتا ہے جبکہ شریعت بیضاء نے اسے حلال قرار دیا ہو۔ اس میں عیب بھی نہ ہو۔ اگر وہ چیز حرام ہوتی تو آپ ﷺ اس میں عیب نکالتے۔ اس کی مذمت بیان فرماتے اور از روئے شرع اسے کھانے سے منع فرماتے۔ نہ کہ از روئے اس کی ذات کے۔ بعض اوقات کوئی چیز عمدہ ذوق اور کاریگری کا مظہر ہوتی ہے۔ اگر عیب لوگوں کی کاریگری کی طرف سے ہو تو اسے بیان کرنا ضروری ہے اور اگر وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اسے بیان کرنا جائز نہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "کھانے کے مؤکدہ آداب میں سے ہے کہ اس کا عیب نہ نکالا جائے۔ جیسا کہ نمکین ہے کڑوا ہے۔ نمک کم ہے۔ گندا ہے۔ صحیح پکا ہوا نہیں ہے"۔

حضور اکرم ﷺ کی عاجزی اور انکساری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نئے اور پرانے زمانہ میں لوگ اس دنیا کو گالی دیتے رہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "دنیا کو گالی نہ دو۔ یہ مؤمن کی سواری ہے۔ وہ اس پر سوار ہو کر بھلائی تک پہنچتا ہے۔ اور اس سے شر سے نجات پاتا ہے"۔ وہ لوگ جو اس دنیا کو گالی دیتے تھے۔ وہ اس سے استغناء کا اظہار کرتے تھے۔ اس پر اعتبار نہیں کرتے تھے۔ مگر یہ بات حقیقت کے برعکس ہے۔ کیونکہ اسے رب تعالیٰ نے بھلائی کے حصول کا وسیلہ بنایا ہے۔ حضور ﷺ کا اس کی ستائش فرمانا اور اسے گالی دینے سے روکنا اس میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اس میں جو ہے وہ اس کا محتاج ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا "دہر (زمانہ) کو گالی نہ دو" دوسری روایت میں ہے کہ زمانہ کے نقصانات کے متعلق بات نہ کرو اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔ یعنی جو کچھ زمانہ میں رونما ہوتا ہے وہی اس کا فاعل ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ جب تم زمانہ کو گالی دیتے ہو تو وہ رب تعالیٰ کی طرف جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے نہ کہ زمانہ۔ حوادثات کو پیدا کرنے والا زمانہ نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی ذات والا ہے۔

دوسری روایت میں ہے "میں زمانہ ہوں۔ لیل ونہار میرے دست اقدس میں ہیں۔ میں انہیں جیسے چاہتا ہوں بدل دیتا ہوں۔ جیسے چاہتا ہوں ان میں تدبیر کرتا ہوں"۔ گویا کہ یہ اس فرمان کی تفسیر ہے "زمانہ میں ہوں"

آپ ﷺ کا حسن خلق اور تواضع یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ کو دو امور کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو منتخب فرمایا۔ بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سارے لوگوں سے دور ہوتے ہیں۔ یہ بھی آپ کی تواضع ہے کہ آپ کے در اقدس پر دربان نہ تھا۔

امام مسلم اور امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک دفعہ حضور ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے۔ وہ ایک قبر کے پاس بیٹھے رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا "اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور صبر کرو" اس عورت نے کہا "آپ مجھ سے دور ہو جائیں۔ آپ کو تو کسی مصیبت سے واسطہ نہیں پڑا"۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس عورت نے کہا "آپ کو مجھ جیسی گراں مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا"۔ اس عورت نے آپ سے اسی طرح گفتگو کی۔ اس نے آپ ﷺ کو پہچانا نہ تھا۔ آپ نے اس سے درگزر کیا اور آگے تشریف لے گئے۔ اس عورت کے پاس سے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما گزرے۔ اسے پوچھا "تمہیں حضور اکرم ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ اس عورت نے جواب دیا "میں نے تو آپ کو پہچانا ہی نہیں" یہ بھی آپ کی تواضع تھی کہ آپ ﷺ لوگوں کی ٹوہ میں نہیں لگ جاتے تھے جس طرح سرداروں اور بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے۔ وہ عورت بہت زیادہ افسردہ اور غمناک تھی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا "وہ تو حضور ﷺ تھے"۔

امام مسلم نے یہ اضافہ فرمایا "جب اسے پتہ چلا کہ وہ تو حضور ﷺ تھے تو وہ کرب وغم سے گویا کہ مرنے لگی۔ وہ کاشانہ اقدس کے دروازہ پر آئی۔ اس نے وہاں دربان نہ دیکھا۔ تو اس نے تعجب کیا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ ہیں تو وہ خوف اور ہیبت سے کپکپا اٹھی۔ اس نے آپ ﷺ کو بادشاہوں کی مانند سمجھا جن کے دروازوں پر حاجب اور دربان ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اس بادشاہ تک جانے سے روکتے ہیں۔ اس نے یہاں سب کچھ اپنے تصور کے برعکس پایا۔ معذرت کرتے ہوئے آپ سے عرض کی "میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا" آپ ﷺ نے اسے فرمایا "پہلے صدمہ کے وقت صبر ہوتا ہے"۔ "آپ ﷺ کا دربان نہ تھا"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اکثر اوقات دربان نہیں رکھتے تھے۔ یہ بات اس روایت کے منافی نہیں کہ جب آپ اریس کے کنوئیں پر تشریف فرما ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ باغ کے دروازہ پر دربان کی طرح بیٹھ گئے۔ تاکہ آپ کے پاس کوئی بغیر اجازت نہ جاسکے۔ بعض علماء نے ان روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ جب آپ ﷺ اہل خانہ کے کسی کام کاج میں مصروف نہ ہوتے یا اپنے کسی معاملہ میں خلوت میں نہ ہوتے تو اپنے اور لوگوں کے درمیان سے دربان اٹھا دیتے۔ صحابہ کرام آپ کے پاس اپنی معروضات پیش کر لیتے۔ جب آپ ﷺ اپنے کسی کام میں مصروف ہوتے تو دربان مقرر فرما دیتے۔

حیاء، شرم

آپ کے شرم وحیاء کو عیاں کرنے کے لئے وہی روایت کافی ہے جسے امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "حضور نبی کریم ﷺ پردہ نشین کنواری دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ جب آپ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو اس کے اثرات رخ زیبا سے عیاں ہو جاتے"۔

اس روایت میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ﷺ اگر کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ فرماتے بلکہ چہرہ انور کی رنگت تبدیل ہو جاتی۔ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی ناپسندیدگی کو سمجھ جاتے۔ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ حجرات مقدسہ کے پیچھے غسل فرماتے تھے اور کسی نے کبھی بھی آپ کی شرم گاہ نہیں دیکھی تھی۔ نیز آپ کی شدت حیاء کی وجہ سے تھا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کسی کے سامنے ناپسندیدہ چیز کا تذکرہ کر کے

اسے شرمندہ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ناپسندیدگی کے اثرات چہرۂ انور سے عیاں ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس پر زردی کے نشانات تھے۔ جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''یہ رنگ بدل دے یا اپنا وصف تبدیل کر دے'' دوسری روایت میں ہے ''کاش! تم اسے حکم دو کہ وہ اس زردی کو ختم کر دے''۔

کسی دل میں حیاء کی قوت اس میں زندگی، بیداری اور اس چیز کی معرفت کے مطابق ہوگی کہ کون سی چیز اس کے لئے نفع اور کون سی چیز اس کے لئے نقصان کا سبب بنتی ہے۔ حیاء کا کم ہونا دل کی موت کی علامت ہے یعنی دل میں وہ صفات مفقود ہوتی ہیں جو کمال کا تقاضا کرتی ہیں دل جتنا زندہ ہوگا اتنا حیاء زیادہ ہوگا۔ اسی لئے حضور ﷺ کا حیاء سب سے اکمل تھا کیونکہ کوئی دل آپ ﷺ کے قلب انور سے بڑھ کر زندہ نہیں ہے۔ شرع میں حیاء اس خلق کو کہتے ہیں جو قبیح چیز سے اجتناب کرنے پر ابھارے اور کسی حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے منع کرے۔ اس لئے احادیث طیبہ میں آیا ہے۔ ''حیاء ایمان میں سے ہے'' حیاء سارے کا سارا بھلائی ہے'' ''اگر حیاء نہیں تو جو چاہے کر''۔

حیاء کی کئی اقسام ہیں۔ ① حیاء کرم۔ جس طرح کہ حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں سے حیاء فرمایا تھا جنہیں آپ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ولیمہ پر دعوت دی تھی۔ کھانے کے بعد وہ کافی دیر وہیں رکے رہے۔ حضور ﷺ کو حیاء آئی کہ آپ ﷺ انہیں جانے کے لئے کہیں۔ آپ ﷺ اٹھے۔ آپ کے ہمراہ دو یا تین افراد کے علاوہ باقی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ ٹھہرے رہے حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں سلام فرمایا۔ وہ لوگ پھر بھی ٹھہرے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو ان کے قیام سے متعلق بتایا حضور اکرم ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت اللہ رب العزت نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ (الاحزاب:53)

''اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں بجز اس (صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لئے آنے کی اجازت دی جائے (اور) نہ کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو اندر چلے آؤ۔ پس جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے کے لئے باتیں شروع کر دیا کرو۔ تمہاری یہ حرکتیں (میرے) نبی کے لئے تکلیف کا باعث بنتی ہیں۔ پس وہ تم سے حیاء کرتے ہیں (اور چپ رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کسی کی شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں''۔

② حیاء العبودیت۔ یہ وہ حیاء ہے جس میں محبت، خوف، مشاہدہ اور عبادت کو کما حقہ ادا نہ کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ کیونکہ معبود برحق کی شان اعلیٰ اور برتر ہے۔ اس کی بندگی لازماً اس سے حیاء کا سبب بنتی ہے۔

● اپنے آپ سے حیاء۔ یہ اس پاکیزہ اور بلند نفس کی حیاء ہے جو نقص اور کمی کی وجہ سے اپنے آپ سے حیاء کرتا ہے۔ اس کا نفس ہی اس کے نفس سے حیاء کرتا ہے گویا کہ اس کے دو نفس ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے حیاء کرتا ہے۔ یا حیاء کی اکمل صورت ہے جب بندہ اپنے نفس سے حیاء کرتا ہے تو وہ دوسرے سے زیادہ حیاء کرے گا۔ حیاء صرف بھلائی لے کر آتا ہے جو شخص لوگوں کے سامنے حیاء کی وجہ سے کسی کام سے رک جاتا ہے تو وہ اپنے رب سے کہیں بڑھ کر حیاء کرتا ہے۔ وہ کسی فریضہ کو ضائع نہیں کرتا کسی خطاء کا ارتکاب نہیں کرتا۔ یہ ایمان سے ہے کیونکہ یہ اپنے صاحب کو گناہوں کے ارتکاب سے روک لیتا ہے۔ رب تعالیٰ سے حیاء کرنے کا اکمل اور اتم درجہ یہ ہے کہ وہ تجھے اس جگہ نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے اور اس جگہ سے تجھے غائب نہ پائے جہاں کا اس نے حکم دیا ہے۔ اس میں کمال معرفت اور دائمی مراقبہ سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک طبعی حیاء ہوتا ہے۔ دوسرا بعد میں حاصل کیا ہوا۔ اس حاصل کئے ہوئے کو ہی حضرت شارع علیہ السلام نے ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ انسان اسی کا مکلف ہے۔ البتہ طبعی حیاء انسان کے اس حیاء پر اعانت کرتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی طبعی بن جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ دونوں اقسام پائی جاتی تھیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم وحیاء کا عالم یہ تھا کہ کسی شخص کے چہرہ کی طرف لگاتار نہیں دیکھتے تھے نہ اس کے بارے غور وفکر کرتے تھے۔

خوف، خشیت الٰہیہ

آپ خوف خدا اور خشیت الٰہیہ کے اس رفیع مقام پر تھے کہ کوئی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ متقی اور رب تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھتے تو سینۂ اقدس سے غلبۂ خشیت کی وجہ سے ہنڈیا کے ابلنے کی سی آواز آتی تھی۔ آپ نماز ادا کرتے۔ گریہ بار ہوتے اور بغیر آواز کے لگاتار آنسوؤں کے موتی گرتے رہتے۔ آپ کے شکم مبارک سے ہلکی ہلکی آواز آتی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس طرح آواز آتی تھی جس طرح چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے "اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خوف ہیبت، تعظیم اور اجلال کا خوف تھا۔ یہ معرفت اور محبت کے کمال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یہ وہ تعظیم ہے جو محبت کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔

بعض علماء کرام نے فرمایا ہے "خوف عام مؤمنین، خشیت باعمل علماء کرام، ہیبت اہل محبت کے لئے اور اجلال مقربین کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے محبین اور مقربین سے اکمل تھے۔ آپ کا خوف ہیبت اور جلال کا خوف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کو جمع کر دیا تھا۔ آپ قلبی خشیت کے ساتھ ہر چیز کا عیاں مشاہدہ فرماتے تھے۔ عظمت الٰہیہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اس طرح آشکارا ہو جاتی کہ کسی اور کے لئے عیاں نہ ہوتی۔ اسی لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "تم میں سے سب سے زیادہ متقی اور سب سے زیادہ رب تعالیٰ کا عرفان رکھنے والا میں ہوں"۔

شجاعت

آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ جری اور بہادر تھے۔ اس کے بارے روایات اور احادیث تواتر سے منقول ہیں۔
امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی وغیرہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ سارے لوگوں سے حسین، سارے لوگوں سے سخی اور سارے لوگوں سے بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ گھبرا گئے۔ لوگ آواز کی سمت جانے لگے۔ انہوں نے پایا کہ حضور رحمت عالم ﷺ وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ گھوڑے پر بیٹھ کر اس آواز کی جانب سب سے پہلے تشریف لے گئے تھے۔ یہ گھوڑا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ آپ نے گردن اقدس کے ساتھ تلوار حمائل کی ہوتی تھی۔ آپ فرما رہے تھے "نہ ڈرو"۔

دوسری روایت میں ہے کہ یہ گھبراہٹ دشمن کی وجہ سے تھی۔ حضور پیکر جرأت و بسالت ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے گھوڑا لیا۔ جسے "المندوب" کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر گئے۔ جب واپس تشریف لائے تو فرمایا "ہم نے کچھ نہیں دیکھا۔ اور ہم نے اس گھوڑے کو سمندر پایا ہے"۔

راوی کہتے ہیں "وہ گھوڑا سست رو تھا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ ڈر گئے۔ رات کا سماں تھا۔ حضور اکرم ﷺ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ وہ سست رو تھا۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو سمندر پایا ہے" بعد میں کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری روایت میں ہے "بعد میں کوئی گھوڑا اس سے آگے نہ بڑھ سکا" اس حدیث مبارک میں آپ کی شجاعت کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ سارے لوگوں سے پہلے تشریف لے گئے۔ صورت حال معلوم فرمائی اور لوگوں سے پہنچنے سے قبل واپس بھی تشریف لے آئے۔ اس روایت میں آپ کے معجزہ اور عظیم برکت کا بھی ذکر ہے کہ وہ گھوڑا سست روی سے صبا رفتار ہو گیا۔

علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے کا نام "مندوب" تھا۔ شاید بعد میں یہ گھوڑا آپ ﷺ کے پاس چلا گیا ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے "ممکن ہے دو گھوڑے ہوں جن میں سے ہر ایک کا نام "مندوب" ہو۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ توجیہہ بہتر ہے"۔

امام احمد، امام نسائی وغیرہما نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور اکرم ﷺ سے زیادہ بہادر اور شجاع نہیں دیکھا" دوسری روایت میں ہے "آپ سے زیادہ سخی اور جلد راضی ہو جانے والا نہیں دیکھا"۔

امام ابن اسحاق اور امام حاکم وغیرہما نے روایت کیا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص تھا جسے "رکانہ" کہا جاتا تھا۔ وہ پہلوان تھا۔ کشتی کرنے کا ماہر تھا۔ لوگ اس کے ساتھ زور آزمائی کے لئے آتے وہ انہیں پچھاڑ دیتا تھا۔ ایک دن وہ مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں تھا کہ حضور داعی اعظم ﷺ نے اس کے ساتھ ملاقات کی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "رکانہ! کیا تو رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور میں جو دعوت دیتا ہوں اسے قبول نہیں کر لیتا اور رب تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان نہیں لے

آتا"۔ رکانہ نے کہا "محمد (مصطفیٰ ﷺ) کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جو آپ کی صداقت پر دلالت کرے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو کیا تو رب تعالیٰ اور اس کے رسول محترم پر ایمان لے آئے گا"۔ اس نے کہا "ہاں" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "پھر تیاری کرلو" اس نے کہا "میں نے تیاری کر لی ہے"۔ حضور ﷺ اس کے قریب گئے اسے پکڑا اور زمین پر پٹخ دیا۔ اس قوت و طاقت پر رکانہ نے تعجب کا اظہار کیا۔ اس نے دوبارہ کشتی لڑنے کے لئے کہا۔ حضور ﷺ نے اسے دوسری اور پھر تیسری بار بھی پچھاڑ دیا۔ رکانہ پیکر تعجب بنا دیکھتا رہا۔ اس نے کہا "آپ کی یہ شان و قدر بڑی عجیب ہے"۔

حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں رکانہ کا نسب اس طرح لکھا ہے "رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف۔ علامہ بلاذری نے روایت کیا ہے کہ رکانہ سفر سے واپس آیا۔ اسے حضور اکرم ﷺ کے دعویٰ نبوت کے بارے بتایا گیا۔ رکانہ بہت طاقتور تھا۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عرض کی "محمد! (ﷺ) اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا"۔ حضور ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا۔ رکانہ نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جادوگر ہو" پھر بعد میں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضور ﷺ نے اسے پچاس وسق عطا فرمائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رکانہ آپ سے مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں ملا۔ اس نے کہا "میرے بھتیجے! مجھے آپ کی طرف سے ایک چیز پہنچی ہے۔ اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں جان جاؤں گا کہ آپ سچے ہیں"۔ اس نے آپ کے ساتھ زور آزمائی کی آپ نے اسے زمین پر پٹخ دیا۔ رکانہ نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ دوسری روایت کے بعد زور آزمائی میں ناکام ہونے کے فوراً بعد اسلام لے آئے۔ رکانہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یا 41ھ کو انتقال کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ زور آزمائی کا یہ واقعہ یزید بن رکانہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ شاید یہ زور آزمائی کئی بار ہوئی ہو۔ ایک دفعہ رکانہ اور دوسری دفعہ اس کے بیٹے یزید کے ساتھ۔ ان دونوں کو صحابیت کا شرف نصیب ہوا۔

خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا ہے۔ یزید بن رکانہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس تین سو بکریاں تھیں۔ اس نے کہا "محمد (عربی ﷺ) کیا آپ مجھے پچھاڑ سکتے ہیں؟" حضور ﷺ نے فرمایا "اگر میں نے تمہیں پچھاڑ دیا تو تم مجھے کیا دو گے؟" یزید نے کہا "ایک سو بکریاں" حضور ﷺ نے اس کے ساتھ کشتی فرمائی اور اسے زمین پر پٹخ دیا"۔ یزید نے کہا "کیا دوبارہ آپ مجھے پچھاڑ سکتے ہیں؟" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "تم مجھے کیا دو گے؟" اس نے کہا "ایک سو بکریاں" آپ نے اسے زمین پر گرا دیا" اس نے تیسری بار کہا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے تیسری مرتبہ بھی پچھاڑ دیا"۔ اس نے کہا "محمد عربی! ﷺ آپ سے پہلے آج تک کسی نے میرا پہلو زمین پر نہیں لگایا۔ پہلے میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر اور کوئی مبغوض نہ تھا۔ اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں"۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کی بکریاں واپس کر دیں"۔ اس روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے رکانہ اور اس کے بیٹے یزید کو پچھاڑ دیا تھا۔ ان دونوں کے علاوہ ابو الاسود الجمحی کو بھی آپ نے پچھاڑا تھا۔ جیسا کہ

امام سہیلی نے لکھا ہے۔ اس روایت کو امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔ ابوالاسود بہت طاقتور تھا۔ یہ گائے کی جلد پر کھڑا ہوتا۔ دس افراد مل کر اسے کھینچنے کی کوشش کرتے۔ گائے کی جلد تو پارہ پارہ ہو جاتی مگر وہ اپنی جگہ سے ذرہ بھر بھی نہ ہلتا۔ ابوالاسود نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کشتی کی دعوت دی۔ اس نے کہا ''اگر آپ نے مجھے پچھاڑ دیا تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کئی دفعہ پچھاڑا لیکن وہ ایمان نہ لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے بڑے زہرہ گداز حالات اور مقامات مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں ثابت قدم رہے کسی جگہ بھی پسپائی اختیار نہ کی۔ ہر بہادر اور شجاع شخص کو کہیں نہ کہیں ضرور شکست ہوتی ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی پسپائی اختیار نہ کی۔

امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے سوال کیا ''کیا تم غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے'' انہوں نے فرمایا ''لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ فرار اختیار نہ کی۔ بنو ہوازن ماہر تیر انداز تھے۔ ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے''۔ دوسری روایت میں ہے ''وہ ہزیمت اٹھا کر پیچھے بھاگ گئے تو ہم مال غنیمت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے تو بنو ہوازن نے اچانک ہم پر تیروں سے حملہ کر دیا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید خچر پر سوار تھے۔ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے''۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں اللہ تعالیٰ کا نبی برحق ہوں۔ اس میں ذرہ بھر شک نہیں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند دلبند ہوں''۔

اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شجاعت کاملہ عیاں ہو رہی ہے۔ کیونکہ آپ میدان کارزار میں تھے۔ لشکر اسلامی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور جا چکا تھا۔ مگر آپ خچر پر سوار تھے۔ جو نہ دشمن پر تیزی سے حملہ کر سکتی ہے اور نہ تیز رفتاری سے بھاگ سکتی ہے۔ یہ جنگ کی سواریوں میں سے نہیں۔ بلکہ اسے اطمینان و تسلی کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں۔ ایسے مقام پر اس پر سوار ہونا انتہائی شجاعت اور ثبات کی دلیل ہے۔ جنگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک امن کی طرح تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر کو دشمن کی طرف لے گئے۔ اپنا نام مبارک بلند آواز پکارا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ بھی پہچان لے جو نہیں جانتا۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شجاعت میں کس بلند مقام پر تھے۔ نیز یہ کہ آپ کو دشمن کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب میدان کارزار خوب گرم ہوتا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامنِ کرم میں آکر پناہ لیتے تھے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہوتا تھا ہم اسے زیادہ بہادر کہتے تھے۔

امام احمد، امام نسائی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہو جاتی تو آنکھیں غضب سے سرخ ہو جاتیں اور ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کرم میں پناہ کے خواہاں ہوتے۔ کوئی بھی آپ سے زیادہ دشمن کے قریب نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے غزوۂ بدر میں دیکھا ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن پناہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔ آپ سب سے زیادہ جنگ آزما ہوتے تھے۔ ابوالشیخ نے ''اخلاق'' میں حضرت

عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی لشکر سے نبرد آزما ہوئے تو سب سے پہلے دشمن کی طرف جاتے" مختصر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ (التحریم:9)

"اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو"۔

اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا فرمائی تھی۔ بلکہ آپ کو ایسی قوت الٰہیہ عطا کی گئی تھی جس سے بشریہ اور ملکیہ قوی عاجز تھے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شاہ بطحا تیرا

اس وصف میں بھی آپ بے مثل اور یکتا تھے۔ یہ وصف اتنا مشہور ہو گیا ہے کہ حتی کہ تواتر کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ سخی اور جواد تھے" اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفس نفیس سارے لوگوں سے افضل تھا۔ مزاج مبارک سارے لوگوں کے مزاجوں سے اعدل تھا۔ صورت مبارکہ سارے لوگوں سے حسین تھی۔ خلق، اخلاق حسنہ ہی تھا بلکہ آپ کا ہر فعل مبارک بھی احسن الافعال تھا۔ بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ سخی اور فیاض تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باقیات صالحات کے ساتھ فانی اشیاء سے مستغنی تھے۔ حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس چیز کے بارے سوال کیا گیا۔ آپ نے وہ چیز ضرور عطا فرمائی۔ ایک شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بکریوں سے بھری ہوئی وادی اسے عطا فرما دی۔ وہ اپنی قوم کے پاس گیا اس نے کہا "اے میری قوم! ایمان لے آؤ۔ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے زیادہ عطا کرتے ہیں کہ فقر و فاقہ کا خدشہ نہیں رہتا" یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی علامت ہے۔ وہ شخص جسے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بکریوں سے بھری ہوئی وادی عطا کر دی تھی وہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔ امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور سراپا جود و سخا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جو عنایت کرنا تھا عطا فرمایا۔ آپ میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تھے۔ آپ مجھے لگاتار عطا فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ مجھے سارے لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے"۔

علامہ ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ غزوۂ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک سو، پھر ایک سو، پھر ایک سو بکریاں عطا فرمائیں۔ روایت ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ مال غنیمت دیکھ رہے تھے۔ یہ ابھی تک اپنے پہلے دین پر ہی تھے۔ وہ ایک وادی سے گزرے جو اونٹوں اور بکریوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اسے تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا "ابو وہب! کیا اس وادی نے تجھے تعجب میں ڈالا ہے"۔ انہوں نے عرض کی "ہاں!" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ اس وادی میں ہے وہ سب کچھ تیرا ہے" حضرت صفوان نے عرض کی "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اتنی فیاضی اور سخاوت ایک نبی ہی کر سکتا ہے"۔ پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنا اسلام عمدہ کیا۔

وہ 42ھ تک زندہ رہے۔ دوسری روایت کے مطابق انہوں نے 35ھ میں وصال کیا۔

حضور ﷺ نے حضرت صفوان کو یکبار عطا نہیں فرمایا، بلکہ تدریجاً عطا فرمایا۔ کیونکہ یہ عطا ان کے مرض کا علاج تھا۔ حکیم دوا ایک بار نہیں دے دیتا۔ بلکہ وہ تدریجاً دوا دیتا ہے۔ تا کہ مریض شفاء کے قریب ہو جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو علم تھا کہ یہ مرض صرف احسان سے ختم ہوگا۔ آپ ﷺ نے اس کا علاج فرمایا حتیٰ کہ وہ کفر کی مرض سے شفایاب ہو گئے اور دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ یہ آپ ﷺ کی کمال شفقت، رحمت اور رأفت تھی کہ ان پر کمال احسان فرمایا اور انہیں آتش جہنم کی گرمی سے بچا کر جنت کی سردی بہاروں میں پہنچا دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضور ﷺ سارے لوگوں سے زیادہ سخی اور سارے لوگوں سے زیادہ سچے تھے''۔

ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں سب سے زیادہ فیاض کے بارے نہ بتاؤں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات والا سب سے زیادہ اجود ہے۔ پھر اولاد آدم میں سے میں سب سے زیادہ سخی ہوں۔ میرے بعد وہ شخص سب سے زیادہ سخی ہے جس نے علم سیکھا پھر اپنے علم کو پھیلایا وہ روز حشر پوری ایک امت کے طور پر اٹھے گا۔ جس شخص نے راہ خدا میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ وہ بلاشبہ بنو آدم سے علی الاطلاق سخی ہے''۔ جس طرح حضور ﷺ کی ذات والا سب انسانوں سے افضل، عالم، بہادر اور اکمل تھی۔ اسی طرح آپ سارے اوصاف حمیدہ میں اکمل تھے۔ آپ سخاوت کی ساری اقسام کے فیاض تھے۔ آپ علم پھیلا کر، مال خرچ فرما کر۔ اللہ رب العزت کے دین اور اس کے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنی ذات والا پیش فرما کر اور بھوکے کو کھانا کھلا کر، جاہل کو وعظ فرما کر، ان کی ضروریات کو پورا فرما کر اور ان کے بوجھ اٹھا کر آپ سخاوت کی ساری اقسام پر عمل پیرا تھے۔

''المواہب'' میں ہے ''اللہ رب العزت ابن جابر پر رحم کرے انہوں نے آپ کے جود و کرم کے بارے کیا خوب فرمایا ہے''۔

هٰذَا الَّذِیْ لَا یَتَّقِیْ فَقْرًا اِذَا اَعْطٰی وَلَوْ کَثُرَ الْاَنَامُ وَ دَامُوْا

یہ وہ ذات بابرکات ہیں جنہیں فقر و غربت کا کوئی اندیشہ نہیں۔ جب آپ عطا کرتے ہیں خواہ فقراء کی کتنی ہی بھیڑ ہو اور وہ ہمیشہ دامن طلب پھیلائے رکھیں۔

وَادٍ مِّنَ الْاَنْعَامِ اَعْطٰی آمِلاً فَتَحَیَّرَتْ لِعَطَائِهِ الْاَوْهَامُ

آپ امید رکھے ہوئے کو جانوروں سے بھری ہوئی وادی عطا کر دیتے، آپ کی عطاء کی وجہ سے عقل ششدر ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن جابر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کے متعلق مزید فرمایا:

یُرْوٰی حَدِیْثُ النَّدٰی وَ الْبِشْرُ عَنْ یَدِهٖ وَ وَجْهُهٗ بَیْنَ مُنْهَلٍ وَ مُنْسَجِمٍ

روایت ہے کہ آپ اپنے دست اقدس سے بہت زیادہ سخاوت کرتے ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے آپ ہر وقت

سخاوت کرتے اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

وَ مِنْ وَجْهِ اَحْمَدِلِ بَدْرٌ وَمِنْ يَدِهٖ بَحْرٌ وَ مِنْ فِيهِ دُرُّ الْمُنْتَظِم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور میرے لئے ماہ تمام بن کر چمکا۔ آپ کے دست اقدس سے سمندر کی سی عطا ظاہر ہوئی اور آپ کے منہ مبارک سے موتیوں کی لڑی ظاہر ہوئی۔

يَمِّم نَبِيًّا تَبَارِى الرِّيحُ اَنْمُلَهٗ وَالْمُزْنَ مِنْ كُلِّ هَامِى الْوَدْقِ مُرْتَكِمِ

اس نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرو، ہوا جن کے مبارک پوروں کا مقابلہ کرتی ہے اور بادل اس حال میں مقابلہ کرتا ہے کہ بارش سے بھر جاتا ہے۔

لَوْ عَامَتِ الْفُلْكُ فِيهَا فَاضَ مِنْ يَدِهٖ لَمْ تَلْقَ اَعْظَمَ بَحْرًا مِنْهُ اِنْ تَعُمِ

اگر کشتیاں اس محیط بے کراں میں رواں ہوں جو آپ کے دست اقدس سے جاری ہیں تو وہ اس سے بڑا سمندر کبھی نہ پا سکیں۔

تُحِيطُ كَفَّاهُ بِالْبَحْرِ الْمُحِيطِ فَلُذْ بِهٖ وَدَعْ كل طَامِى الْمَوْجِ مُلْتَطِم

آپ کا دست اقدس بحر بے کراں کو بھی محیط ہے تم اس پیچ در پیچ سمندر کو چھوڑ کر اس بحر ناپیدا کنار کی پناہ لو۔

لَوْ لَمْ تَحُطْ كَفُّهُ بِالْبَحْرِ مَا شَمِلَتْ كُلُّ الْاَنَامِ وروت قَلْبَ كُلِّ ظَمِى

اگر آپ کا دست اقدس سمندر کو محیط نہ ہوتا تو پھر نہ تو سارے لوگ اس سے فیض یاب ہو سکتے اور نہ ہی ساروں کے دل اس سے سیراب ہو سکتے۔

فَسُبْحَانَ مَنْ اَطْلَعَ انوار الجمال مِنَ افق جَبِينِهٖ
وَاَنْشَأَ اَمْطَارَ السَّحَائِبِ مِنْ غَمَائِمِ جَبِينِهٖ

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نوے ہزار دراہم پیش کئے گئے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ دراہم بحرین سے آئے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ ان کے علاوہ کچھ اور تھے۔ ان دراہم کو چٹائی پر رکھ دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دراہم کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں تقسیم فرمانے لگے۔ آپ نے کسی سائل کو بھی واپس نہ لوٹایا حتیٰ کہ ان سے فارغ ہو گئے۔

امام ترمذی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور عطا کا سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب میرے پاس تو کچھ نہیں۔ جاؤ میرے نام پر کسی سے ادھار لے لو۔ جب ہمارے پاس درہم و دینار آئے تو ہم وہ قرض ادا کر دیں گے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "جس چیز پر آپ قادر نہیں رب تعالیٰ نے اس کا آپ کو مکلف نہیں بنایا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس گزارش کو ناپسند فرمایا۔ کیونکہ اس سے سائل محروم ہو جاتا تھا۔ چہرۂ انور پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھ کر ایک انصاری صحابی نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم خرچ

فرمائیں اور عرش معلی کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کریں" یہ سن کر چہرۂ تاباں کھل اٹھا اور تبسم ریز ہو کر فرمایا " مجھے یہی حکم دیا گیا ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ عرض شفقت کے جذبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی تھی۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ در مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر سائلین کا اژدہام رہتا ہے اور وہ آپ پر جمگھٹا بنائے رہتے ہیں۔ اور اس انصاری صحابی نے آپ کے حال کی رعایت کرتے ہوئے وہ گزارش کی تھی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عرض سے بہت مسرور ہوئے۔ " مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے" اس فرمان عالی شان میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کے ساتھ بھی مخصوص ہے جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلے۔

ابن فالیس نے لکھا ہے کہ غزوۂ حنین کے روز ایک خاتون بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئی۔ اس نے ایسے اشعار پڑھے جن میں بنوہوازن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت کا ذکر پاک تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے قیدی واپس فرما دیئے۔ یہ کثیر عطا تھی۔ حتیٰ کہ اس روز دی جانے والی عطاء کی قیمت لگائی جائے تو یہ پانچ لاکھ بنتی ہے۔ اس لئے ابن دحیہ نے لکھا ہے " یہ جود و سخا کی انتہاء ہے اس طرح کی سخاوت و فیاضی آج تک سننے میں نہیں آئی۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بحرین کے خراج کا مال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ مال مسجد نبوی میں ڈھیر کر دیا۔ یہ دراہم یا خراج کے اعتبار سے سب سے زیادہ مال تھا۔ یہ روایت اس کے منافی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوہوازن سے اس سے زیادہ مال بطور غنیمت لیا۔ جسے تقسیم فرمایا لیکن ان کے قیدی واپس کر دیئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا " حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں جلوہ افروز ہوئے۔ مال کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ نماز ادا فرمانے کے بعد اس مال کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو آدمی بھی نظر آتا اسے عطا فرما دیتے" آپ کے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ عرض پیرا ہوئے " یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے بھی عنایت فرمائیں۔ میں نے یوم بدر میں اپنا فدیہ بھی ادا کیا عقیل کا فدیہ بھی ادا کیا"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " لے لو" انہوں نے اپنا کپڑا بچھایا اور اسے مال سے بھر لیا مگر اسے اٹھانے سے عاجز آ گئے۔ عرض کی " یا رسول اللہ! کسی کو حکم فرمائیں کہ وہ یہ مال اٹھانے میں میری مدد کرے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " نہیں" انہوں نے عرض کی " آپ ہی میری مدد کریں" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " ہرگز نہیں" یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انہیں تنبیہ تھی کہ وہ میانہ روی اختیار کریں اور کثیر مال جمع نہ کریں"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کچھ مال نکال دیا۔ پھر اٹھانے لگے تو اسے نہ اٹھا سکے۔ عرض کی " یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کسی صحابی کو حکم فرمائیں کہ وہ یہ مال اٹھانے میں میری مدد کرے"۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا " نہیں" انہوں نے عرض کی " آپ مدد فرمائیں" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " نہیں" پھر انہوں نے مزید مال باہر نکالا اور بقیہ اپنے کندھے پر اٹھا کر لے گئے۔

حضرت علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے " حضرت عباس رضی اللہ عنہ طویل القامت اور طاقتور شخصیت تھے۔ انہوں نے

تقریباً چالیس ہزار دراہم کے لگ بھگ اٹھائے۔ جب وہ چلنے لگے تو ان کی زبان پر یہ تھا "میں نے وہ لیا ہے جو رب تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا ہے"۔ وہ اللہ رب العزت کے اس فرمان کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

اِنۡ یَّعۡلَمِ اللّٰہُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ خَیۡرًا یُّؤۡتِکُمۡ خَیۡرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنۡکُمۡ (الانفال: 70)

"اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا ہے تم سے"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب تک اس جگہ ایک درہم بھی پڑا رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے نہیں اٹھے"۔ حضور پیکر جود و کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا۔ پھر اس کی قیمت انہیں ادا کی بلکہ کچھ زائد بھی عطا فرمایا۔ پھر فرمایا "یہ اونٹ بھی اور اس کی قیمت بھی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ان میں تمہارے لئے برکت ڈالے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری جود و سخا رضائے الٰہی کے لئے تھی۔ کبھی فقیر اور محتاج کے لئے رقم خرچ فرماتے تھے اور کبھی راہ خدا میں خرچ فرماتے تھے۔ کبھی تالیف قلبی کے لئے نومسلموں کے اسلام کو قوی کرنے کے لئے رقم خرچ فرماتے۔ کبھی فقیر کو اپنے اہل بیت کرام پر ترجیح دیتے تھے اور سب کچھ محتاجوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ آپ خود بنفس نفیس اور اہل بیت کرام مشقت اٹھاتے۔ ایک ایک دو دو ماہ گزر جاتے لیکن کاشانہ اقدس میں آگ نہ جلتی تھی۔ بعض اوقات شدت بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر بھی باندھ لیتے۔ حتیٰ کہ سیدۂ نساء العالمین لخت جگر مصطفی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئیں۔ چکی چلانے اور گھر کی خدمت بجالانے سے جو اذیت اور تکلیف ہو رہی تھی وہ عرض کی۔ انہوں نے سنا تھا کہ کچھ قیدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خادم کے لئے عرض کی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تمہیں خادم نہیں دوں گا۔ جبکہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے سکڑ گئے ہیں"۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ تسبیح، تکبیر اور تحمید سے مدد لیں۔

اس واقعہ کی تفصیلات حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ذکر کیں ہیں۔ انہوں نے حضرت سیدہ نساء العالمین رضی اللہ عنہا سے کہا "میں نے اتنا پانی بھرا ہے کہ اب میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے آپ کے والد گرامی کے پاس قیدی آئے ہیں۔ آپ حضور کی بارگاہ میں جائیں اور عرض کریں"۔ انہوں نے فرمایا "بخدا! میں نے اتنی چکی چلائی ہے کہ میرے ہاتھوں پر آبلے پڑ گئے ہیں" وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نور نظر! کس لئے آئی ہو؟ انہوں نے عرض کی "صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرنے آئی ہوں" انہیں سوال کرنے سے شرم آئی۔ وہ واپس آ گئیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے پوچھا "آپ نے کیا کیا ہے؟" انہوں نے فرمایا "مجھے تو مانگتے ہوئے شرم آئی ہے"۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میں نے اتنا پانی بھرا ہے کہ میرے سینے میں درد ہونے لگا ہے" حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا عرض گزار ہوئیں "میں نے اتنی چکی چلائی ہے کہ میرے ہاتھوں پر آبلے نکل آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگی قیدی اور گنجائش آ گئی ہے۔ آپ ہمیں خادم عطا فرمائیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخدا! میں تمہیں نہیں دوں گا۔ میں اہل صفہ کو کیسے چھوڑ دوں۔ ان کے پیٹ بھوک کی وجہ سے سکڑ گئے

ہیں۔ میرے پاس ان پر خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں میں ان قیدیوں کو فروخت کروں گا۔ اور ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا"۔ یہ دونوں پاکیزہ ہستیاں واپس آ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ یہ دونوں ہستیاں ایک چادر میں تھیں۔ جب چہروں کو ڈھانپتے تو مبارک قدم ننگے ہو جاتے اور جب پاؤں مبارک کو ڈھانپتے تو سر اقدس ننگے ہو جاتے تھے۔ یہ دونوں اٹھنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسی جگہ ٹھہرے رہو۔ کیا میں تمہیں اس کے متعلق کچھ بتا نہ دوں جو تم نے ابھی ابھی مجھ سے مانگا ہے"۔ انہوں نے عرض کی "ضرور! یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم"۔ آپ نے فرمایا "یہ ایسے دلآویز کلمات ہیں جو مجھے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے سکھائے ہیں۔ تم ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ، دس بار الحمدللہ اور دس بار اللہ اکبر کہا کرو۔ جب اپنے بستر پر جانے لگو تو تینتیس بار سبحان اللہ، تینتیس بار الحمدللہ اور تینتیس بار اللہ اکبر کہا کرو" امام بخاری اور امام مسلم نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے۔

"شرح زرقانی علی المواہب" میں ہے "جو سوتے وقت اس ذکر پاک پر مداومت اختیار کرے گا اسے تھکاوٹ نہیں ہو گی کیونکہ حضرت سیدہ نساء العالمین نے کام سے تھکاوٹ کے متعلق عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ وظیفہ عطا فرمایا"۔ صحیحین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے میں نے یہ وظیفہ ترک نہیں کیا" ان سے عرض کی گئی "یہ وظیفہ یوم صفین کو بھی ترک نہیں کیا؟" انہوں نے فرمایا "جنگ صفین میں بھی اسے ترک نہیں کیا"۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک خاتون ایک چادر لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے بنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول فرمائیں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرف قبولیت سے نوازا اور اسے اپنے اوپر اوڑھ لیا۔ ایک صحابی نے وہ ردائے مبارک دیکھ لی۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ چادر کتنی خوبصورت ہے۔ یہ مجھے عطا فرما دیں" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ٹھیک ہے" کچھ دیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس محفل میں رونق افروز رہے پھر کاشانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔ ردائے پاک تہ کی اور اسے اس صحابی کی طرف بھیج دیا۔ صحابہ کرام نے اس صحابی سے کہا "تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم نے دیکھ لیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چادر قبول فرما کر زیب بدن فرمالی ہے تم نے پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مانگ لی۔ تمہیں معلوم تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مانگا جائے آپ ضرور عطا فرماتے ہیں۔ آپ کسی سائل کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے"۔ اس صحابی نے جواب دیا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زیب تن فرما لیا ہے۔ اب یہ سراپا برکت بن گئی ہے۔ میں اسے اپنے کفن کے طور پر استعمال کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں نے اس ردائے پاک کے لئے صرف اس لئے گزارش کی کہ یہ اس روز میرا کفن بنے جب میرا انتقال ہو جائے" حضور سہل بن سعد الساعدی نے فرمایا ہے "وہ چادر مبارک اس بلند اقبال شخص کا کفن بنی"۔

امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس شخص کے لئے کسی اور کفن کا انتظام کیا جائے جو شخص دوسرے کفن کی تیاری سے قبل ہی عالم بالا کو سدھار گیا۔ وہ صحابی جنہوں نے یہ ردائے مبارک مانگی اسے ان کے

لئے بطور کفن استعمال کیا گیا۔ وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف یا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات ہوں۔ اور یہ واقعہ کئی بار رونما ہوا ہو۔ بعض سیرت نگاروں نے کئی بار اس واقعہ کے ظہور کو بعید از وقوع سمجھا ہے۔ اس واقعہ سے صوفیاء کرام نے استدلال کیا ہے کہ مرید مشائخ سے خرقہ تصوف حصول برکت کے لئے حاصل کر سکتا ہے۔ جس طرح کہ انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ شیخ مرید کو لباس پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام خالد بنت سعید بن العاص رضی اللہ عنہا کو ایسی سیاہ قمیص عطا فرمائی تھی جس پر نقش و نگاری کی گئی تھی۔

''الشفاء'' میں ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہ اوصاف حمیدہ اور شمائل ذکیہ بعثت سے قبل بھی موجود تھے۔ یہ چیزیں آپ کی طبیعت مبارکہ اور فطرت سلیمہ میں رکھ دی گئی تھیں۔ بلکہ یہ اوصاف پاکیزہ تو آپ کو ولادت سے قبل بھی حاصل تھے۔ جیسا کہ روایت میں ہے ''میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے مابین تھے''۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ورقہ بن نوفل نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا ''آپ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور غریبوں اور محتاجوں کو عطا کرتے ہیں''۔

امام ترمذی نے حضرت مسعود بن عفراء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میں ایک بڑے طشت میں کھجوریں لے کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مٹھی بھر کر سونا اور چاندی عطا فرمائی'' مسند امام احمد میں حضرت بنت ربیع رضی اللہ عنہا سے روایت کیا گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت مسعود بن عفراء رضی اللہ عنہ نے کھجوروں کا طشت بھر کر اور اوپر ککڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈال کر مجھے بارگاہ رسالت مآب میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ککڑی بہت پسند تھی۔ آپ نے مجھے مٹھی بھر کر سونا عطا فرمایا''۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل کے لئے چیز ذخیرہ نہیں کرتے تھے'' یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفس پاک کی سخاوت، دست اقدس کی فیاضی اور اپنے رب تعالیٰ پر اعتماد تھا یہ ذخیرہ نہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی ذات والا کے اعتبار سے تھا۔ یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ اپنے اہل بیت کرام کے لئے ایک سال کی خوراک جمع فرما لیتے تھے۔ یہ خوراک بھی بعض سالوں کو چھوڑ کر بعض سالوں میں جمع فرمائی۔ ''الشفاء'' میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوا اور کچھ مانگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نصف وسق غلہ ادھار لے کر دیا۔ جب ادھار دینے والا حاضر خدمت ہوا اور اس نے اپنے غلہ کی قیمت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پورا وسق عطا فرمایا۔ نصف اس کے قرض کی ادائیگی اور نصف بطور ہدیہ عطا کیا۔

شیخ ابو علی دقاق کہتے ہیں ''لطف و کرم اور جود و ایثار کی ان رفعتوں پر مخلوق میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اور کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔ روز حشر ہر کوئی ''نفسی نفسی'' کہے گا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''امتی امتی'' فرمائیں گے''۔

امانت، عدل، عفت اور سچائی

حضور صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے لوگوں سے زیادہ امین عادل، عفیف اور راست باز تھے۔ آپ کے دشمنوں نے بھی یہ اعتراف کیا ہے۔ وہ بعثت سے قبل بھی آپ کو الامین کہتے تھے۔ امام احمد، امام حاکم اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے

کہ جب خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود رکھتے وقت اکابر قریش میں اختلاف ہو گیا تو انہوں نے اس ہستی کو اپنا ثالث بنانے کی شرط رکھی جو سب سے پہلے کعبہ معظمہ میں داخل ہو گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ قریش پکار اٹھے "یہ محمد الامین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔ ہم ان کے فیصلہ پر راضی ہیں"۔ حضور اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک چادر بچھائی۔ حجر اسود کو اس پر رکھا۔ ہر سردار کو چادر مبارک کا ایک کونہ پکڑنے کا حکم دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کو نیچے سے اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پکڑ کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا۔ بعثت سے قبل اہل مکہ بہت سے امور میں آپ سے فیصلے کراتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی قسم! میں آسمان میں بھی امین ہوں۔ زمین پر بھی امین ہوں"۔

امام ترمذی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا "ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جھٹلاتے۔ بلکہ اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے کر آئے ہیں" اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ۝ (الانعام)

"تو وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں"۔

امام بیہقی اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اخنس بن شریق یوم بدر کو ابو جہل سے ملا۔ اس نے کہا "ابوالحکم! اس جگہ میرے اور تیرے علاوہ کوئی تیسرا فرد موجود نہیں جو ہماری اس گفتگو کو سن رہا ہو۔ مجھے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق بتائیں کیا وہ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابو جہل نے کہا "بخدا! محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سچے ہیں۔ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ لیکن اگر بنو قصی لواء، سقایہ، حجابہ، ندوہ اور نبوت لے گئے تو باقی قریش کے لئے کیا بچے گا" اس روایت سے یہ بھی عیاں ہو رہا ہے کہ ابو جہل نے طلب جاہ کی وجہ سے توحید کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جاہ و منصب کی حرص بہت بڑا حجاب بن جاتی ہے۔ اخنس بن شریق کے بارے اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور صحابیت کا شرف بھی پایا تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ غزوۂ بدر کے روز حالت کفر میں قتل ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس روز شریق قتل ہوا تھا اخنس نہیں۔

روایت ہے کہ ہرقل روم نے ابو سفیان سے پوچھا "کیا تم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہو" انہوں نے کہا "نہیں"۔

امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نضر بن حارث نے قریش مکہ سے کہا "محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں نوخیز جوان تھے۔ وہ ایسے افعال بجالاتے تھے جن سے تم خوش ہوتے تھے۔ وہ گفتگو کے اعتبار سے سب سے زیادہ سچے تھے۔ سب سے بڑھ کر امین تھے۔ جب تم نے ان کی کنپٹیوں کی سفیدی دیکھی اور تمہارے پاس روح پرور پیغام لے کر آئے تو تم نے کہا کہ وہ جادوگر ہیں۔ خدا کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہیں" نضر نے یہ بات اس لئے کی تھی کیونکہ ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اقدس پتھر سے کچلنے کی نازیبا حرکت کی تھی۔ آپ کعبہ معظمہ کے سایہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نر اونٹ کی شکل میں اس کے سامنے آ گئے۔ جسے دیکھ کر ابو جہل بھاگ گیا۔ اس پتھر پر ہی اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ جب نضر نے یہ سنا تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اوصاف بیان کئے جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے۔ نضر نے کہا "بخدا! ہم نے جادوگروں ان کی پھونکوں اور گرہوں کا مشاہدہ کیا ہے" تم نے کہا "یہ کاہن ہیں" اللہ کی قسم! یہ کاہن بھی نہیں ہیں۔ ہم نے کہانت کو بھی دیکھا ہے اور ان کی مسجع و مقفع عبارات بھی سنی ہیں۔ تم نے کہا "یہ شاعر ہیں" اللہ کی قسم! یہ شاعر بھی نہیں ہیں۔ ہم شعر کو جانتے ہیں۔ ہم اس کی ساری اقسام ہزج اور رجز سے آگاہ ہیں"۔ تم نے کہا "یہ مجنون ہیں" بخدا! یہ مجنون بھی نہیں ہیں۔ نہ تو پاگلوں کی طرح گلا گھٹتا ہے۔ نہ تخلیط ہے اور نہ ہی وسوسہ ہے۔ تم اپنے معاملہ میں خوب غور وفکر کرلو۔ اللہ رب العزت نے تم پر ایک امر عظیم نازل فرمایا ہے"۔

نضر نے انتہائی انصاف کی بات کی ہے۔ یہ شیاطین میں سے تھا۔ حضور سید عالم ﷺ سے شدید عداوت رکھتا تھا۔ یہ قرآن مجید کو اساطیر الاولین (اگلے لوگوں کے افسانے) کہتا تھا۔ یہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہوا۔ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے صفراء کے مقام پر جہنم واصل کر دیا۔ البتہ اس کے بھائی نضیر نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے فتح مکہ کے سال اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے اس کی تالیف قلبی بھی فرمائی تھی۔ یوم حنین اسے بھی ایک سو اونٹ عطا فرمائے تھے۔ یہ دونوں بھائی تھے اور نام بھی ملتے جلتے تھے۔ لہٰذا خوب ذہن میں بٹھالو۔ یہ امر تم پر ملتبس نہ ہو جائے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سید ابرار ﷺ نے کسی ایسی عورت کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا جو آپ ﷺ کے نکاح یا ملکیت میں نہ تھی۔ یہ فرمان عالی شان بھی آپ ﷺ کے عدل گستر ہونے پر شاہد عادل ہے "جو شخص مجھ تک اپنی ضروریات نہیں پہنچا سکتا تم اس کی ضرورت مجھ تک پہنچاؤ۔ جس نے ایسے شخص کی ضروریات مجھ تک پہنچائیں جو خود نہیں پہنچا سکتا تھا تو بڑے گھبراہٹ والے دن (روز حشر) کو رب تعالیٰ اسے امن عطا فرمائے گا" دوسری روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ روز قیامت اس کے قدموں کو پل صراط پر محکم فرمائے گا۔

جب بھی شہنشاہ عالم ﷺ کو دو امور میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا حکم دیا جاتا تو آپ ان میں سے آسان کو منتخب فرماتے بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپ اس سے سارے لوگوں سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے۔ حضور ﷺ کسی اور کے گناہ پر کسی دوسرے کی گرفت نہیں فرماتے تھے نہ ہی کسی کی کسی پر تصدیق کرتے تھے۔

آپ ﷺ کی عفت کے بارے امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جاہلیت کے امور میں سے میں نے کسی امر کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ سوائے دو بار کے۔ ان دو بار بھی رب تعالیٰ میرے اور اس کے مابین حائل ہو گیا جو میں ارادہ رکھتا تھا۔ پھر کبھی ایسی چیز کا ارادہ بھی نہیں فرمایا حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے میرے سر پر رسالت کا تاج زرنگار سجا دیا۔ ایک دفعہ میں نے اس غلام سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چراتا تھا "تم میری بکریوں کی بھی دیکھ بھال کرو تا کہ میں مکہ معظمہ جاؤں اور داستانیں سنوں جس طرح جوان داستانیں سنتے ہیں" میں اس مقصد کے لئے نکلا جب مکہ مکرمہ کے پہلے گھر کے قریب پہنچا تو میں نے موسیقی کی آواز سنی۔ کسی کی شادی تھی۔ میں دیکھنے لگا۔ رب تعالیٰ نے مجھ پر نیند طاری کر دی۔ مجھے سورج کی حرارت نے بیدار کیا میں واپس آ گیا میں کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔ پھر دوسری بار بھی اسی طرح کا ارادہ کیا دوسری بار بھی رب تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا، اس کے بعد کبھی ایسا ارادہ ہی نہیں کیا۔

جو بھی نازیبا گفتگو کرتا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اعراض فرماتے۔ آپ کی محفل حکمت، علم، حیاء، بھلائی اور امانت کی محفل ہوتی تھی۔ نہ تو اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ نہ ہی ردائے حرمت چاک ہوتی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو کلام ہوتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس طرح سر جھکائے ہوتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہوں۔

زہد و قناعت

وہ واقعات جو پہلے گزر چکے ہیں آپ کی شان زہد کو عیاں کرنے کے لئے کافی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ناز میں یہ دنیا کس طرح قلیل تھی آپ نے کس طرح اس کی زیبائش وآرائش سے اعراض فرمایا تھا۔ دنیا تمام تر آسائشوں کے ساتھ آپ کے در اقدس پر حاضر ہوئی۔ مگر آپ نے اس سے اعراض فرمایا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ اہل بیت کے نفقہ کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن رکھی گئی تھی۔ اس سے امت مرحومہ کو سبق دینا مقصود تھا تا کہ وہ دنیا میں رغبت نہ رکھیں اور وہ چیز انہیں ذکر الٰہی سے روک نہ دے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی التجاء میں عرض کرتے ''مولا! آل محمد کو دنیا میں بقدر کفایت رزق عطا فرما''۔

امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی تین ایام لگا تار سیر ہو کر نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے لگا تار دو روز جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔ ایک اور روایت میں ہے ''آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال فرما گئے''۔ امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترکہ میں دینار و دراہم، بکری اور اونٹ نہیں چھوڑا''۔ امام بخاری نے ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہتھیار، خچر اور زمین ترکہ میں چھوڑی جسے صدقہ کر دیا گیا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو کاشانہ اقدس میں کچھ بھی نہ تھا جسے ہم کھا سکتے۔ سوائے ان جو کے جو میری انگری میں تھے۔ میں اسی میں سے ہی کھاتی رہی حتیٰ کہ طویل مدت گزر گئی۔ ایک روز میں نے انہیں ماپ لیا تو وہ ختم ہو گئے۔ کاش! میں انہیں نہ ماپتی'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' مجھے کہا گیا کہ میرے لئے وادی بطحاء کو سونے کا بنا دیا جائے۔ مگر میں نے کہا'' مولا! ایک دن میں بھوکا رہوں تا کہ صبر کروں ایک دن سیر شکم ہوں تا کہ تیرا شکر ادا کروں۔ جس روز میں بھوکا ہوں گا اس روز میں تیرے دربار میں آہ و زاری کروں گا۔ اور جس روز میں نے کھایا ہو گا اس روز میں تیری حمد و ثناء بیان کروں گا''۔

دوسری روایت میں ہے حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے کہا'' اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے فرماتا ہے کہ اگر آپ پسند کریں تو یہ پہاڑ سونے کے بنا دیے جائیں۔ یہ جہاں آپ چاہیں گے وہیں ہوں گے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی دیر کے لئے سر اقدس کو جھکایا پھر فرمایا'' اے جبرائیل! دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ یہ اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو۔ اسے وہ جمع کرتا ہے جس کی عقل نہ ہو''۔ یعنی جو دنیا کی حقیقت کی پہچان نہ کر سکتا ہو کہ اس نے جلد

فنا ہو جاتا ہے۔ اس کی غناء قلیل ہے۔ اس کے شرکاء خسیس ہیں۔ یہ آخرت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں تو حضرت جبرائیل امین نے عرض کی ''محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب تعالیٰ نے آپ کو ثابت قول کے ساتھ محکم فرمایا ہے''۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضرت جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا ''آج رات کے لئے آل محمد کے پاس مٹھی بھر آٹا یا جو میں سے بھی نہیں ہیں، حضرت اسرافیل آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ عرض گزار ہوئے کہ رب تعالیٰ نے آپ کی بات سن لی ہے۔ مجھے آپ کے پاس زمین کی چابیاں دے کر بھیجا ہے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو تہامہ کے پہاڑ زمرد، یاقوت اور سونے اور چاندی کے بن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلیں''۔ امام احمد کی روایت میں ہے ''اگر میں پسند فرماؤں تو رب تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کو رواں فرما دے''۔ ابن عساکر کی روایت میں یوں ہے ''اگر میں پسند کروں تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں''۔ الطبرانی کی روایت میں ہے ''اگر میں رب تعالیٰ سے سوال کروں کہ وہ میرے لیے سارے تہامہ کو سونے کا بنا دے تو وہ اس طرح ضرور کر دے گا''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پورا مہینہ گزر جاتا لیکن چولہے میں آگ نہ جلتی صرف کھجور اور پانی پر گزرا ہوتا''۔

امام ترمذی نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال فرمایا تو آپ نے اور آپ کے اہل بیت نے جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی تھی''۔

امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ، حضرت ابو امامہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت لگاتار کئی راتیں کچھ کھائے بغیر گزار دیتے تھے۔ ان کے پاس رات کا کھانا نہیں ہوتا تھا۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوان (کرسی نما چیز) پر بیٹھ کر کبھی بھی کھانا تناول نہیں فرمایا تھا۔ نہ ہی کبھی پیالی میں کھایا تھا۔ نہ سفید نرم روٹی کھائی تھی۔ اور نہ ہی جلد سمیت بھونا ہوا بکری کا بچہ کھایا تھا۔

امام بخاری اور امام مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ''وہ بستر جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہوتے تھے وہ (رنگی ہوئی) چمڑے کا تھا''۔

امام ترمذی نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''میرے حجرہ مقدسہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر بالوں کا کمبل تھا۔ جسے ہم دوہرا کر کے بچھاتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر استراحت فرما ہو جاتے تھے ایک دفعہ ہم نے اسے چار تہیں لگا کر بچھایا۔ وقت صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''آج رات تم نے میرے لئے کیا بچھایا تھا؟ ہم نے عرض کی تو فرمایا ''یہ بستر پہلے کی طرح ہی بچھایا کرو۔ اس بستر نے مجھے (اطاعت میں کمال حضور یا رات کے قیام اور نماز) سے روک دیا تھا''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کے آغاز کے وقت یہ سوال اس لئے نہیں کیا تھا کیونکہ اس وقت آپ نور و حضور کے

مشاہدہ میں مستغرق تھے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی پوست خرما کی بٹی ہوئی رسی کی بنی ہوئی چارپائی پر آرام فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سیر شکم ہو کر نہیں کھایا تھا۔ کبھی کسی سے شکوہ بھی نہیں کیا تھا۔ فاقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غنا سے زیادہ پسند تھا۔ اگر آپ ساری رات بھی کچھ کھائے بغیر گزار دیتے پھر بھی آپ دن کے وقت روزہ رکھ لیتے۔ یہ امر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد کے کمال پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک رب تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ تھا۔ اگر آپ چاہتے تو رب تعالیٰ سے التجاء کرتے تو وہ آپ کے لئے زمین کے سارے خزانے جمع کر دیتا۔ زمین کے پھل اکٹھے کر دیتا۔ اور آپ امیرانہ زندگی بسر فرماتے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "میں آپ کی بھوک دیکھ کر رونے لگتی۔ آپ کے بطن اقدس کو ہاتھ لگاتی" اور عرض کرتی "میری جان آپ پر فدا! کاش! آپ دنیا سے اتنا تو لے لیتے جو آپ کے لئے اس فاقہ کشی کی نوبت نہ آنے دیتا"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے "عائشہ! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائیوں اولوالعزم رسل عظام نے اس سے سخت مصائب پر صبر کیا۔ اسی حالت میں انہوں نے اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کر لی۔ رب تعالیٰ نے انہیں عزت واکرام سے نوازا۔ ان کے ثواب کو عظیم کیا۔ مجھے حیاء آتی ہے کہ میں اس زندگی کی عیش وعشرت میں کھو جاؤں اور کل ان سے پیچھے رہ جاؤں۔ مجھے اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملاقات کروں"۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "اس فرمان عالی شان کے بعد ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ خالق حقیقی سے جا ملے"۔

ابن ابی حاتم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دن کو روزہ رکھا۔ رات کو کچھ نہ کھایا۔ دوسرے روز پھر روزہ رکھا اور رات کو کچھ نہ کھایا۔ تیسرے روز بھی آپ نے روزہ رکھا اور رات کو کچھ بھی تناول نہ فرمایا۔ پھر فرمایا "عائشہ! اللہ رب العزت اولوالعزم رسل عظام علیہم السلام پر راضی نہیں ہوا مگر جبکہ انہوں نے ناپسندیدہ اور پسندیدہ امور پر صبر کیا۔ وہ مجھ سے بھی اس وقت تک راضی نہ ہوا جب تک اس نے مجھے بھی اس طرح مکلف نہ بنا لیا جس طرح انہیں مکلف بنایا تھا۔ اس نے ارشاد فرمایا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف:35)

بخدا! میں اس طرح صبر کروں گا جس طرح انہوں نے صبر کیا وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔

علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرا مال لوگوں میں سے سب سے زیادہ عقلمندوں کو دیا جائے تو وہ زاہدوں کو دیا جائے گا کیونکہ دانا وہ ہوتا ہے جو دنیا کو طلاق دے دے جیسے کہ کہا گیا ہے۔

طَلِّقِ الدُّنْيَا ثَلَاثًا وَ اطْلُبَنْ زَوْجًا سِوَاهَا اِنَّهَا زَوْجَةُ سُوْءٍ لَا تُبَالِي مَنْ اَتَاهَا

دنیا کو تین طلاقیں دے دے اور اس کے علاوہ کسی اور زوجہ کو تلاش کر۔ یہ بہت بری بیوی ہے یہ پرواہ نہیں کرتی کہ اس کے پاس کون آیا ہے۔

اَنْتَ تُعْطِيهَا مَنَاهَا وهى تُعْطِيكَ قَفَاهَا   فَإِذَا نَالَتْ مَنَاهَا مِنْكَ وَلَّتْكَ وَرَاهَا

تم اس کی آرزو پورا کرتے ہو اور یہ اپنی گدی تمہیں دے جاتی ہے۔ جب تم سے اس کی تمنا بر آتی ہے تو یہ پیٹھ پھیر کر چلی جاتی ہے۔

امام الطبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دنیا میں پیٹ بھر کر کھانے والے کل یعنی آخرت میں بھوکے ہوں گے"۔ کیونکہ جو شخص پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس میں رغبت رکھتا ہے تو بعض اوقات ایسی چیز کھا جاتا ہے جو اس کے لئے روا نہیں ہوتی۔ آخرت میں اسے بھوکا رکھ کر اسے سزا دی جائے گی۔ یہ سزا یا تو موقف میں ہوگی یا آگ میں۔ اسے تطہیر کے لئے اس میں داخل کیا جائے گا۔ دخول جنت کے بعد اسے کوئی عذاب نہیں ہوگا کیونکہ جنت میں کوئی عذاب نہیں جبکہ بھوک عذاب ہے۔

ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "دنیا میں زیادہ کھانے والے آخرت میں زیادہ بھوکے ہوں گے"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن کامل کی شان یہ ہے کہ اس کا خوف شدید ہو۔ اس کا غور وفکر کثیر ہو۔ وہ اپنی شہوت کو کم کر کے اپنے نفس پر شفقت کرے۔ اس طرح اس کا کھانا کم ہوگا۔ جس طرح کہ روایت میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس کا غور وفکر زیادہ ہو گیا اس کا کھانا کم ہو گیا۔ جس کا غور وفکر کم ہو گیا اس کا کھانا زیادہ ہو گیا۔ اور اس کا دل سخت ہو گیا"۔ کیونکہ کثرت طعام سے دل کی سختی پیدا ہوتی ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی ہیں نے فرمایا ہے "پیٹ بھر کر کھانا فطانت ختم کر دیتا ہے جس نے کم کھایا اس کا شر اس کے لئے کم ہو گیا اس کی نیند کم ہو گئی جس کی نیند کم ہو گئی۔ اس کی عمر کی برکت عیاں ہو گئی۔ جس نے پیٹ بھر کر کھایا اس نے زیادہ پانی پیا جس نے زیادہ پانی پیا اس کی نیند زیادہ ہو گئی۔ جس کی نیند زیادہ ہو گئی اس کی عمر کی برکت ختم ہو گئی۔ حکمت ایسے معدے میں داخل نہیں ہوتی جو کھانے سے بھرا ہوا ہو۔ جس نے پیٹ بھر کر کھانے سے کم پر اکتفاء کر لیا اس کا جسم عمدہ ہو گیا اس کے نفس کی حالت درست ہو گئی۔ جس نے پیٹ بھر کر کھایا اس کا جسم بیمار ہو گیا۔ اس کا نفس سرکش ہو گیا۔ اس کا دل سخت ہو گیا۔ نہ اسے نصیحت کوئی فائدہ دیتی ہے نہ اس میں حکمت داخل ہو سکتی ہے"۔

ابو نعیم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی سیر شکم ہو کر نہیں کھایا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کھا لیتے تو شام کو نہ کھاتے۔ جب شام کو کھا لیتے تو صبح نہ کھاتے۔ آپ اپنے اہل بیت سے نہ کھانا مانگتے اور نہ ہی مطالبہ کرتے۔ اگر وہ پیش کر دیتے تو تناول فرما لیتے۔ اگر کھانے سے قبل دودھ وغیرہ پیش کیا جاتا تو وہ بھی نوش فرما لیتے"۔ اس طرح کی روایت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ جی بھر کر کھانے سے مراد ایسی سیر شکمی ہے جو معدہ کو ثقیل کر دے۔ عبادت کے لئے قیام کرنے سے پست ہمت کر دے۔ جو نیند، سستی، کاہلی، تکبر اور رعونت کی طرف لے جائے۔ اس پر رونما ہونے والے مفسدات کے پیش نظر کبھی یہ کراہت سے حرمت کی طرف بھی چلی جاتی ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے

فرماتیں ''میرے بھانجے! ہم ہلال نو کو دیکھتے تھے۔ پھر نیا چاند اور پھر نیا چاند دیکھ لیتے تھے دو ماہ میں تین چاند دیکھتے تھے مگر حضور اکرم ﷺ کے حجرات مقدسہ میں آگ نہیں جلتی تھی''۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی ''خالہ! پھر گزر اوقات کس پر تھی؟'' انہوں نے فرمایا ''کھجور اور پانی پر''۔

امام مسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور ﷺ نے تادم وصال ایک دن میں دو بار روٹی اور تیل سیر ہو کر نہیں کھایا تھا''۔ انہوں نے زیتون کا تیل اس لئے مختص کیا کیونکہ اس وقت اسے اکثر بطور سالن استعمال کیا جاتا تھا۔ دنیا سے زہد اختیار کرتے ہوئے آپ اسے بھی ایک مرتبہ تناول فرماتے تھے۔

حضرت ابو حازم سلمہ بن دینار رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ''کیا تم نے حضور ﷺ کے عہد ہمایوں میں سفید روٹی دیکھی؟'' انہوں نے فرمایا ''نہیں'' میں نے پوچھا ''کیا تم جو کے آٹے کو چھانتے تھے؟'' انہوں نے فرمایا ''نہیں! بلکہ ہم اسے پھونک مار لیتے تھے'' دوسری روایت میں ہے ''کیا حضور سید موجودات ﷺ نے سفید روٹی کھائی؟'' انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم ﷺ نے بعثت سے لے کر تادم وصال سفید روٹی نہیں دیکھی''۔ میں نے پوچھا ''کیا حضور ﷺ کے عہد مبارک میں چھاننی ہوتی تھی؟'' انہوں نے فرمایا ''حضور ﷺ نے بعثت مبارکہ سے لے کر تادم وصال چھاننی نہیں دیکھی'' میں نے پوچھا ''تم جو کو چھانے بغیر کیسے کھا لیتے تھے؟'' انہوں نے فرمایا ''ہم انہیں پیستے۔ ان میں پھونک مارتے جو کچھ اڑنا ہوتا وہ اڑ جاتا جو باقی بچ جاتا ہم اسے بھگوتے، گوندھتے اور روٹیاں پکا کر کھا لیتے''۔

امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک روز حضور اکرم ﷺ اس وقت کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے جس وقت عموماً کوئی نہیں باہر نکلتا۔ اچانک حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہو گئی۔ ان سے فرمایا ''اس وقت گھر سے باہر کیوں نکلے ہو؟'' انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہمیں بھوک باہر نکال لائی ہے'' حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے مجھے بھی اسی چیز نے باہر نکالا ہے جس نے تمہیں باہر نکالا ہے'' یہ بات آپ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے اور ان سے محبت کرتے ہوئے فرمائی۔ یہ تینوں حضرات قدسیہ حضرت ابوالہیثم بن التیہان انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف گئے۔ یہ بہت زیادہ باغات اور بکریوں کے مالک تھے۔ وہ گھر میں موجود نہیں تھے۔ جب ان کی زوجہ محترمہ نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی تو اس نے ''مَرْحَبًا وَ اَهْلًا'' کہا۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس فرخندہ فال خاتون نے اس طرح استقبال کیا ''اللہ تعالیٰ کے نبی کریم ﷺ اور جو ان کے ساتھ ہیں انہیں خوش آمدید! حضور سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء نے پوچھا ''فلاں (ابوالہیثم) کہاں ہیں؟ خاتون خانہ نے عرض کی ''وہ فلاں کنویں سے ہمارے لئے ٹھنڈا اور میٹھا پانی لینے گئے ہیں''۔ کیونکہ مدینہ طیبہ کے اکثر کنویں نمکین تھے۔ آپ ﷺ ابھی اسی حالت میں تھے کہ حضرت ابوالہیثم آ گئے۔ انہوں نے مشکیزہ رکھا اور حضور اکرم ﷺ کے ساتھ چمٹ گئے۔ آپ پر اپنے والدین نثار کرنے لگے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور سید عالم اور آپ کے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو الحمد للہ کہا۔ گویا انہوں نے اس نعمت کبریٰ پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ

جیسے معزز ومکرم مہمانان ذیشان کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے باغ کی طرف گئے اور وہاں سے عمدہ اور تازہ کھجوریں پیش کیں۔ عرض کی "انہیں کھائیں" پھر چھری لی اور بکری ذبح کرنے کے لئے جانے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "شیر دار بکری سے دور رہنا" یعنی اسے ذبح نہ کرنا۔ انہوں نے ایک بکری ذبح کی آدھا گوشت بھون لیا۔ آدھا پکا لیا۔ پھر وہ بارگاہ رسالت پناہ میں پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ گوشت لیا۔ اسے روٹی میں لپیٹا اور ایک صحابی سے فرمایا "یہ میری نور نظر، لخت جگر سیدہ نساء العالمین فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تک پہنچا دو۔ انہوں نے اتنے دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔ وہ صحابی وہ روٹی لے کر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ حضور ﷺ اور رفیقان باوفا نے وہ گوشت کھایا۔ وہ شیریں پانی نوش جان فرمایا۔ جب وہ سیر ہو گئے تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم! جس کے دست تصرف میں میری جان ہے! روز حشر تم سے ان نعمتوں کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا۔ گھر سے تمہیں بھوک نے نکالا۔ پھر تم واپس نہ لوٹے حتیٰ کہ یہ نعمتیں تمہیں مل گئیں"۔

دوسری روایت میں ہے حضور سید الانبیاء ﷺ نے فرمایا "مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ تم سے روز حشر ان نعمتوں ٹھنڈے سائے، عمدہ کھجوروں اور شیریں پانی کے متعلق پوچھا جائے گا"۔ پھر حضرت ابوالہیثم نے ان حضرات قدسیہ کے لئے کھانا تیار کروایا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمان انہیں کھانا کھانے سے پہلے فرمایا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے "اس فرمان حق ترجمان پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تکبیر کہی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جب اس طرح کی نعمتیں تمہارے پاس پہنچیں تو بسم اللہ پڑھا کرو۔ جب پیٹ بھر کر کھا لو تو یوں رب تعالیٰ کی تعریف بیان کیا کرو "الحمد للہ الذی اَشْبَعَنَا وَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا وَ اَفْضَلَ" ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہیں جس نے ہمیں سیر کیا ہم پر انعام فرمایا اور ہم پر مہربانی کی۔ یہ کافی ہو جائے گا"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا ہم سے روز حشر ان نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! مگر ایسا ٹکڑا جس سے آدمی اپنی بھوک مٹائے" یا ایسا کپڑا جس سے انسان اپنی شرم گاہ ڈھانپے یا ایسا کمرہ (حجرہ) جس میں وہ گرمی یا سردی میں پناہ حاصل کرے۔

فوائد

اس واقعہ سے کئی فوائد سمجھے جا سکتے ہیں (۱) حضور ﷺ اور شیخین کریمین کا حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لانا ان کے شرف کے منافی نہیں۔ ان سے قبل حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام نے بھی کھانا مانگا تھا۔ تاکہ مخلوق کو ان سے سکون ملے۔ انہوں نے یہ فعل امت کے لئے سنت قائم کرنے کے لئے کیا تھا۔ حضرت ابوالہیثم کی زوجہ محترمہ نے عرض کی تھی "وہ ہمارے لئے شیریں پانی لینے گئے ہیں" اس میں یہ دلیل ہے کہ میٹھا پانی طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ زہد کے منافی بھی نہیں۔ سبب توکل کے منافی نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل کا رب تعالیٰ پر اعتماد توکل کہلاتا ہے۔ نیز یہ کہ بندے کو اپنے رب تعالیٰ کے علاوہ کسی اور پر وثوق نہ ہو۔

امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور کاشانہ اقدس کی طرف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں نصف روٹی پیش کی گئی"۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استفسار فرمایا "کیا سالن ہے؟" اہل خانہ نے عرض کی "کچھ سرکہ ہے" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "سرکہ بہترین سالن ہے" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سنا ہے اس وقت سے میں سرکہ پسند کرتا ہوں"۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن بجیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک لگی۔ آپ ایک پتھر کے پاس گئے اور اسے اپنے شکم اطہر پر باندھ لیا پھر فرمایا "ارے! کتنے نرم اور گداز نفس روز حشر بھوکے اور عریاں ہوں گے۔ کتنے نفس کو عزت دینے والے اس روز اسے ذلت دیں گے۔ کتنے نفس کو ذلت دینے والے اس روز اسے سچی عزت دیں گے"۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم نے بارگاہ رسالت مآب میں بھوک کا شکوہ کیا۔ ہم نے اپنے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شکم اطہر پر دو پتھر باندھ رکھے تھے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں یہ پتھر اس لئے دکھائے تا کہ انہیں علم ہو جائے کہ آپ کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں جس پر آپ انہیں ترجیح دیں، نیز ان کی تسلی خاطر کے لئے آپ نے یوں کیا کہ آپ کی بھوک ان سے زیادہ ہے اسی لئے آپ نے دو پتھر باندھے ہیں۔

خندق کی کھدائی والی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چٹان کی طرف تشریف لے گئے آپ کے بطن اقدس پر ایک پتھر باندھا ہوا تھا۔ امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا ہے۔

وَ شَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَائَهُ وَ طَوٰى ۔ تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُتْرَفَ الْاَدَمِ

اور باندھا بھوک کی وجہ سے اس نفس قدسی نے اپنے شکم مبارک کو اپنے ناز پروردہ پہلوؤں کو پتھر سے کسا۔

بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک لگنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے صوم وصال (لگاتار روزے رکھنے) کے متعلق عرض کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔" مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور وہ ہی مجھے پلاتا ہے" کیونکہ یہ دونوں کیفیات مختلف اوقات میں آپ کو حاصل تھیں۔ یوم وصال کی روایت سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ بعض اوقات کھانے پینے سے مستغنی ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کھانے اور پینے والے کی قوت عطا فرما دیتا تھا۔ بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک بھی لگتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام کے لئے اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا۔ اس اظہار میں حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرام کو اجر وثواب ملے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کریں اور صبر کا مظاہرہ کریں تا کہ وہ اور ان کے بعد میں آنے والے دنیا میں زہد اور بے رغبتی اختیار کریں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بطن اقدس پر پتھر باندھنا یہ بھوک کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ اس طرح کرتے تھے۔ جبکہ ان کے پیٹ خالی ہوتے تھے۔ آپ نے ان سے تطبیق کرتے ہوئے اس طرح کیا۔ تا کہ صحابہ کرام جان لیں آپ کے پاس کھلانے کے لئے اس وقت کچھ نہیں جس کی بناء پر

آپ انہیں ترجیح دیں۔

حضور اکرم، شاہ والا صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے اعراض فرمایا۔ حیات طیبہ میں ہی بہت سے شہر فتح ہو گئے تھے۔ ان کے اموال مدینہ طیبہ آ گئے تھے۔ مگر آپ نے انہیں اپنے صحابہ کرام کے مابین تقسیم فرما دیا۔ آپ نے اس میں سے کسی چیز کو بھی اپنے لئے منتخب نہ فرمایا۔ نہ دینار لیا نہ درہم۔ بلکہ انہیں ان کے مصارف میں خرچ کر دیا۔ مختصر یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر خلق کریم کے بلند اور اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔

''الشفاء'' میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی سنت (طریقہ) کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی معرفت، میرا اصل سرمایہ ہے۔ عقل میرے دین کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت میری اساس ہے۔ شوق میری سواری ہے۔ ذکر الٰہی میرا انس ہے۔ رب تعالیٰ پر بھروسہ میرا خزانہ ہے۔ غم واندوہ میرا رفیق راہ ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضائے الٰہی میرے لئے غنیمت ہے۔ بارگاہ الٰہیہ میں میرا عجز میرا فخر ہے۔ زہد میرا پیشہ ہے۔ یقین میری قوت ہے۔ صدق میری سفارش کرنے والا ہے۔ اطاعت الٰہیہ میرا سرمایہ ہے۔ جہاد میرا خلق ہے۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ میرے دل کا ثمر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ میرا غم واندوہ اپنی امت کے لئے ہے۔ میرا شوق میرے رب کی طرف ہے''۔

ملائکہ کی حاضری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ملائکہ کے ساتھ آپ کی مدد کی گئی۔ آپ کے صحابہ کرام نے ملائکہ دیکھے۔ انہوں نے غزوۂ بدر میں آپ کے ساتھ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے ساتھ قتال کیا، حتیٰ کہ مشرکین کو شکست ہو گئی۔ ان کی تعداد ایک ہزار تھی جبکہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ملائکہ کو سنا وہ اپنے گھوڑوں کو جھڑک رہے تھے۔ بعض نے مشرکین کے سروں کو اڑتے ہوئے دیکھا جبکہ انہیں شمشیر زن نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابوسفیان بن حارث نے دیکھا۔ یہ ابھی تک اپنے شرک پر ہی تھے۔ انہوں نے سفید مرد دیکھے جو زمین اور آسمان کے مابین ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو حضرت جبرائیل دکھائے۔ وہ ان کی عظمت اور ہیبت دیکھ کر بے ہوش ہو گئے (امام بیہقی)۔ امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کو ملائکہ سلام کرتے تھے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق ملائکہ ان سے مصافحہ کرتے تھے۔

علماء اہل کتاب، راہبوں، کاہنوں اور جنات کی زبانوں سے بشارت

اہل کتاب کے علماء سے آپ کا حلیہ مبارک آپ کی امت کی علامات اور آپ کا اسم گرامی اور نشانیاں روایت ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں گزر چکا ہے حضرت کعب الاحبار نے فرمایا ''ہم تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اس طرح پاتے ہیں ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پسندیدہ بندے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ان کی ولادت ہو گی۔ مدینہ طیبہ کی طرف وہ

ہجرت کریں گے۔ شام ان کا ملک ہوگا۔ ان کی امت مرحومہ رب تعالیٰ کی حمد کرنے والی ہوگی۔ وہ ہر آسائش اور تنگ حالات میں رب تعالیٰ کی حمد بیان کریں گے"۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ زبور شریف میں یوں مرقوم ہے "اے داؤد! تمہارے بعد ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئیں گے۔ ان کا نام نامی احمد اور محمد (فداہ روحی وابی وامی) ہوگا، وہ سچے اور سردار ہوں گے، میں ان پر کبھی بھی ناراض نہیں ہوگا، میں نے ان کے طفیل اگلے پچھلے لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ان کی امت مرحومہ ہوگی، میں نوافل کا انہیں اس طرح ثواب دوں گا جس طرح انبیائے کرام کو دیا ہے میں ان پر وہ فرائض فرض کروں گا جو میں نے انبیاء اور رسل پر فرض کئے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ روز حشر اس طرح آئیں گے کہ ان کا نور انبیائے کرام کے نور کی طرح ہوگا۔

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ جلارود بن علاء عیسائیوں کے پادری تھے۔ یہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ آپ کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے اور آپ کی ساری نشانیاں آپ میں پالیں، انہوں نے عرض کی "اللہ کی قسم! آپ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ سچ کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے آپ کے اوصاف حمیدہ انجیل میں پائے ہیں۔ حضرت عیسیٰ بن مریم (ابن بتول) علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی ہے آپ کے لئے طویل سلام بھیجا ہے۔ جو آپ کی تعظیم بجالائے اسے شکرادا کرنا چاہئے۔ معاینہ کے بعد کوئی اثر اور یقین کے بعد کوئی شک نہیں ہوتا۔ اپنا دست اقدس آگے بڑھائیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

دلائل النبوۃ از امام البیہقی میں ہے کہ خیبر کے مقام پر تین یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام قبول کیا۔ انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "شام کے یہودیوں کا ایک بہت بڑا عالم جسے ابن الہیبان کہا جاتا تھا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے دو سال قبل مدینہ طیبہ آیا وہ یہودیوں کے پاس ٹھہرا۔ یہود اس کے وسیلہ سے بادل مانگتے تھے۔ اس کی وفات کا وقت آگیا۔ یہودی اس کے پاس آئے تو اس نے کہا "اے گروہ یہود! کیا تم جانتے ہو میں شادابی و آسائش کی زمین سے نکل کر اس سنگلاخ زمین کی طرف کیوں آیا ہوں"۔ یہودیوں نے کہا "تو سب سے بہتر جانتا ہے" اس عالم نے کہا "میں اس لئے یہاں آیا ہوں کیونکہ مجھے ایک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت کی توقع تھی۔ ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ ان کا اتباع ضرور کرنا۔ ان کی پیروی کرنے میں تم سے کوئی سبقت نہ لے جائے۔ وہ ان لوگوں کا خون بہانے کے لئے مبعوث ہوں گے جو ان کی مخالفت کرے گا۔ وہ ان کی اولادوں کو قیدی بنا لیں گے"۔ پھر وہ مر گیا جب خیبر فتح ہو گیا تو ان تین نوخیز جوانوں نے کہا "اے گروہ یہود! یہ وہی ہستی پاک ہیں جن کا تذکرہ ابن الہیبان تم سے کرتا تھا"۔ یہودیوں نے کہا "یہ وہ نہیں ہیں"۔ ان نوجوانوں نے کہا "یہ وہی ہیں" وہ اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ اسلام قبول کر لیا۔ اپنے اموال، اولاد اور اہل خانہ کو قلعوں میں ہی چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اموال، اولاد انہیں لوٹا دیئے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مرحومہ کے اوصاف مرقوم تھے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی "مولا! میں نے تورات میں ایسی امت کا تذکرہ پایا ہے جو ساری امم سے بہترین ہے۔ جسے لوگوں کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے گی۔ برائی سے انہیں روکے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گی۔ مولا! اسے میری امت بنا دے" اللہ رب العزت نے فرمایا "وہ امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے" حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی "میں نے اس مقدس کتاب میں ایسی امت کا ذکر خیر پایا ہے جو سب سے آخر میں آئے گی۔ لیکن روز حشر سب سے آگے ہوگی۔ مولا! اسے میری امت بنا دے" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے"۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی "مولا! میں نے ایسی امت کا تذکرہ پڑھا ہے جن کے صحیفے ان کے دلوں میں ہوں گے۔ وہ انہیں پڑھیں گے۔ اسے میری امت بنا دے" رب تعالیٰ نے فرمایا "وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے"۔

زبور شریف میں ہے "اے داؤد! تمہارے بعد ایک نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوں گے جو احمد، محمد اور صادق ہوں گے۔ ان کی امت مرحومہ ہوگی۔ میں ان پر فرض کروں گا کہ وہ ہر نماز کے لئے طہارت (وضو) کیا کریں جس طرح کہ میں نے انبیاء علیہم السلام پر فرض کیا ہے۔ میں انہیں جنابت سے غسل کرنے کا حکم دوں گا جس طرح کہ میں نے انبیائے کرام علیہم السلام کو حکم دیا ہے۔ میں انہیں حج اور جہاد کا حکم دوں گا۔ داؤد! میں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت بخشی ہے۔ آپ کی امت کو ساری امم پر فضیلت دی ہے۔ میں انہیں وہ فضیلت دوں گا جو ان کے علاوہ کسی اور کو نہ دوں گا۔ میں خطاء اور نسیان پر ان کا مؤاخذہ نہیں کروں گا۔ اگر وہ عمداً گناہ کر کے مجھ سے مغفرت طلب کریں گے تو میں انہیں معاف کر دوں گا۔ جو کچھ وہ اپنے نفوس کے لئے آگے بھیجیں گے وہ ان کے لئے عمدہ ہوگا۔ میں انہیں دوگنا چوگنا عطا کروں گا۔ جب وہ مصائب پر صبر کریں گے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھیں گے تو میں انہیں رحمت، برکت اور جنات النعیم کی طرف ہدایت دوں گا۔ اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں گے تو میں ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت عطا کروں گا۔ یا تو میں ان کی دعاؤں کو جلدی قبول کر کے برائیوں کو ان سے پھیر دوں گا یا آخرت میں ان کے لئے ذخیرہ کر دوں گا"۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ تورات اور انجیل میں موجود تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ١ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ١ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠ (الاعراف)

"(یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات میں اور انجیل میں۔ وہ نبی حکم دیتا ہے انہیں نیکی کا اور روکتا ہے انہیں برائی سے اور حلال کرتا ہے ان کے

لئے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کا بوجھ اور (کاٹتا ہے) وہ زنجیریں جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ وہی (خوش نصیب) کامیاب وکامران ہیں"۔

اگر یہ ذکر خیر تورات میں موجود نہ ہوتا تو پھر خلاف واقع خبر یہود ونصاریٰ کے لئے بہت بڑی دلیل ہوتیں۔ کیونکہ کذب اور بہتان بہت بڑے قابل نفرت امور میں سے ہیں عاقل کو ایسے امور کے لئے کوشاں نہیں ہونا چاہئے جو اس کے حال میں نقصان کا سبب بنے یا لوگ اس کی بات قبول کرنے سے نفرت کریں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس طرح فرمایا تو امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ تعریف تورات اور انجیل میں موجود تھی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ لیکن اہل کتاب اس طرح ہیں جس طرح رب تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (البقرہ)

"اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر"۔

امام بخاری نے حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہا "عبداللہ آپ رضی اللہ عنہ تورات پڑھتے تھے" مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بتائیں" انہوں نے فرمایا ہاں! تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اوصاف یوں تھے"۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا (الاحزاب)

"اے نبی (مکرم!) ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر اور خوش خبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا"۔

آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ فحش گو ہیں۔ نہ غلیظ ہیں۔ نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے ہیں۔ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیں گے بلکہ معاف کر دیں گے اور درگزر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کا وصال نہیں فرمائے گا حتیٰ کہ رب تعالیٰ ان کے ذریعہ ٹیڑھی ملت کو سیدھا فرمائے وہ یہ کہنے لگیں لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اندھی آنکھوں کو بینا، بہرے کانوں کو سننے والا اور غلاف میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دے گا"۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے "وہ بازار میں شور وغل کرنے والے نہیں ہوں گے۔ وہ فحش گوئی نہیں کریں گے وہ نازیبا باتیں نہیں کریں گے۔ میں ہر نیکی کی طرف ان کی راہ نمائی کروں گا۔ ہر خلق کریم انہیں عطا کروں گا۔ پھر میں سکینہ کو ان کا لباس، نیکی کو ان کا شعار، تقویٰ کو ان کا ضمیر، حکمت کو ان کی دانشمندی، صدق ووفا کو ان کی فطرت، عفو ودرگزر کو ان کا خلق، عدل کو ان کی سیرت، حق کو ان کی شریعت، ہدایت کو ان کا پیشرو، اسلام کو ان کی ملت بنا دوں گا۔ ان کا اسم گرامی احمد ہوگا۔ میں ضلالت کے بعد ان کے ذریعے ہدایت دوں گا۔ ان کے ذریعے جہالت کے بعد علم دوں گا۔ گمنامی کے بعد ان کے ذریعے بلند نامی دوں گا۔ غربت کے بعد ان کے ذریعے غناء دوں گا۔ تفرقہ کے بعد ان کے ذریعہ شیرازہ بندی کروں گا۔ ان کے

ذریعے مختلف دلوں کو جوڑ دوں گا۔ متفرق خواہشات جمع اور متفرق گروہ اکٹھے ہو جائیں گے۔ میں ان کی امت کو بہترین امت بنا دوں گا جسے لوگوں کے لئے ظاہر کیا جائے گا۔

ابن سعد نے تحریر کیا ہے کہ بعض الہامی کتب میں ہے "جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تو انہیں براق پر سوار کرایا گیا۔ وہ جس بھی شاداب، سرسبز اور ہموار میدان میں سے گزرتے تو فرماتے "جبرائیل! یہاں اترو"۔ وہ کہتے "نہیں" حتیٰ کہ مکہ مکرمہ آ گیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا "خلیل اللہ! نیچے تشریف لائیں" انہوں نے کہا "اس جگہ جہاں نہ دودھ ہے نہ کھیتی" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا "ہاں! اس مبارک مقام سے اس نبی مکرم علیہ السلام کا ظہور ہوگا جو آپ کے بیٹے کی نسل سے ہوں گے ان کے ذریعے رب تعالیٰ کلمۂ علیا کو مکمل فرمائے گا"۔

تورات میں اتنی تحریف اور تبدیلی کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر ابھی باقی ہے۔ ابن ظفر اور ابن قتیبہ نے "اعلام النبوۃ" میں تحریر کیا ہے "اللہ رب العزت سیناء سے تجلی فرمائے گا ساعیر سے چمکے گا وہ فاران کے پہاڑوں سے آشکارا ہوگا"۔ سیناء وہ پہاڑ ہے جس پر رب دو جہاں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ ساعیر وہ پہاڑ ہے جس پر رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ اس میں آپ کی نبوت کو ظاہر کیا تھا۔ فاران کے پہاڑ مکہ مکرمہ میں بنو ہاشم کے پہاڑ ہیں۔ ان میں سے ہی ایک پہاڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلوت گزیں ہوئے تھے۔ اسی میں غار حراء ہے جہاں وحی الٰہی کا آغاز ہوا تھا۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے "اس عبارت میں کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ "سینا میں رب تعالیٰ کی تجلی" سے مراد طور سیناء پر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر تورات نازل کرنا ہے۔ ساعیر سے "ان کا چمکنا" اس سے مراد حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر انجیل نازل کرنا ہے۔ فاران کے پہاڑوں سے عیاں ہونے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک نازل کرنا ہے۔ فاران مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کا نام ہے۔ اس میں اہل کتاب اور مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر ان میں سے کوئی اعتراض کرے کہ فاران کے پہاڑ مکہ مکرمہ میں نہیں ہیں تو ہم اسے کہیں گے کہ کیا تورات میں یہ عبارت موجود نہیں "اللہ تعالیٰ نے ہاجرہ اور اسماعیل علیہما السلام کو فاران میں سکونت دی" ذرا ہمیں اس پہاڑ کے بارے بتاؤ جس سے رب تعالیٰ کی ذات آشکارا ہوئی ہو اور اس کا نام فاران ہو۔ اور نبی جس پر کتاب نازل ہوئی ہو وہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کے بعد ہوں"۔ کیا تم کسی ایسے دین کو جانتے ہو جو اسلام کی طرح ظاہر ہوا ہو اور پھر وہ زمین کے مشارق و مغارب میں جا پہنچا ہو۔

"المواہب" میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس افراد کو منتخب کیا تو رب تعالیٰ نے فرمایا "میں تمہاری مثل ان کے لئے نبی بھیجوں گا۔ جو ان کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ میں اسے جس چیز کا حکم دوں گا وہ انہیں کہے گا۔ جو شخص بھی اس کی بات نہیں مانے گا جس نے مجھے میرے نام سے یاد کیا ہوگا میں اس سے انتقام لوں گا"۔

اس عبارت میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر واضح دلیل ہے "ان کے بھائیوں میں سے وہ نبی ہوگا" حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا تعلق بنو اسحاق کے ساتھ ہے جبکہ ان کے بھائیوں کا تعلق بنو اسماعیل کے ساتھ ہے۔ اگر وہ نبی جن کا وعدہ کیا ہے بنو اسحاق میں سے ہوتا تو وہ ان کے نفوس میں سے ہوتے نہ کہ بھائیوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "تمہاری مثل

ایک نبی بھیجوں گا'' تورات میں ہے ''بنو اسرائیل میں سے موسیٰ کی طرح اور کوئی نہیں آئے گا'' دوسری جگہ ہے ''موسیٰ کی طرح کا کوئی اور نبی اسرائیل میں کبھی کھڑا نہیں ہوگا'' یہودی کہتے ہیں کہ اس نبی موعود سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے کیونکہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کفو نہیں تھے بلکہ ان کی حیات طیبہ میں ان کے خادم تھے اور ان کے وصال کے بعد ان کی دعوت کے مؤکد تھے۔ تو یہ خود بخود تعین ہو گیا کہ اس سے مراد محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کفو ہیں۔ کیونکہ آپ کی دعوت، معجزہ کے ساتھ چیلنج اور احکام کی شرح اور سابقہ شرائع کو منسوخ کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہی تھے۔ ''میں اپنا کلام ان کے منہ میں ڈالوں گا'' یہ بات بڑی عیاں ہے کہ اس سے مراد حضرت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے ''میں ان پر اپنا کلام وحی کروں گا''۔ جو کچھ وہ سنیں گے اس کے مطابق کلام فرمائیں گے۔ اللہ رب العزت نے آپ پر نہ صحف نازل کئے نہ الواح اتاریں کیونکہ آپ امی تھے مکتوب کو پڑھ نہیں سکتے تھے۔

انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ سے التجاء کروں گا کہ وہ فارقلیط کو بھیجے وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا'' اس میں ہے ''فارقلیط وہ روح القدس ہیں جنہیں رب تعالیٰ میرے اسم (نبوت) کے ساتھ مبعوث فرمائے گا۔ وہ تمہیں ساری اشیاء کا علم سکھائے گا۔ میں جو کچھ تمہیں کہتا ہوں وہ یہ بھی تمہیں یاد کرائے گا۔ میں نے ان کے آنے سے قبل ہی تمہیں ان کے متعلق بتا دیا ہے۔ تا کہ جب وہ تشریف لائیں تو تم سب ان پر ایمان لے آؤ۔

اس کتاب مقدس میں ہے ''میں تمہیں کہتا ہوں کہ اب میرا چلے جانا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر میں تمہاری طرف سے تمہارے رب تعالیٰ کی طرف نہ گیا تو تمہارے پاس فارقلیط نہ آسکے گا۔ اگر میں چلا گیا تو میں انہیں تمہاری طرف بھیج دوں گا۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو پورے عالم کو فائدہ ہوگا۔ وہ انہیں جھڑکیں گے۔ انہیں ڈانٹیں گے۔ وہ انہیں غلطی اور نیکی سے روح الیقین کے ساتھ آگاہ کریں گے۔ وہ تمہاری راہ نمائی کریں گے۔ تمہیں تعلیم دیں گے۔ ساری مخلوق کی تدبیر کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنی طرف سے گفتگو نہیں کریں گے۔

اس کتاب مقدس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام نے فرمایا ''میں رب تعالیٰ سے التجاء کروں گا کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ وہ حق کی روح ہوگا۔ عالم انہیں شہید کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا''۔ اس میں یہ امر بڑی وضاحت سے موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان میں ایسی ہستی بھیجے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قائم مقام ہوگی۔ اپنے رب کے پیغامات پہنچانے میں ان کی نائب ہوگی۔ ان کی شریعت مطہرہ ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی۔ یہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں۔

عیسائیوں نے فارقلیط کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس کی تفسیر ''احمد'' سے اور بعض نے ''مخلص'' سے کی ہے۔ اگر ہم ان کے ساتھ موافقت کریں کہ اس سے مراد ''مخلص'' ہے تو اس سے یہ عیاں ہوگا کہ مخلص سے مراد وہ رسول ہوگا جو عالم کو نجات دینے والا ہوگا۔ ہمارا مدعا یہی ہے کیونکہ ہر نبی اپنی امت کو کفر سے رستگاری دینے کے لئے آتا ہے۔ انجیل میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی اس کی تائید کرتا ہے "میں دنیا کو نجات دینے کے لئے آیا ہوں" جب یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تعریف اس طرح کر رہے ہیں کہ وہ عالم کو نجات دلانے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے ہی التجاء کی ہے کہ وہ تمہیں ایک اور فارقلیط عطا کرے۔ الفاظ کی دلالت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک فارقلیط پہلے گزر چکا ہے پھر دوسرا فارقلیط آئے گا۔ اگر ہم ان کی اس تفسیر سے موافقت کر لیں کہ اس سے مراد "حامد" ہے تو پھر کون سا اور لفظ ہے جو اس لفظ سے بڑھ کر احمد اور محمد کے قریب ہو گا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔

انجیل کی ایک تفسیر میں ہے "فارقلیط وہ رسول ہو گا جسے رب تعالیٰ مبعوث کرے گا۔ وہ روح القدس ہو گا۔ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تصدیق کریگا۔ مخلوق کو ہر چیز سکھائے گا اور انہیں یاد دلائے گا" انجیل میں ہے "جب فارقلیط آئے گا تو عالم کو اس کی خطاء پر سرزنش کرے گا۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں بولے گا جو سنے گا وہ منہ سے کہے گا۔ وہ حق کے ساتھ امور کی تدبیر کرے گا اور حوادثات زمانہ کی لوگوں کو خبر دے گا" اس میں یہ عبارت بھی موجود ہے "جب روح القدس آئے گا تو وہ اپنی طرف سے کلام نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ اس ذات کا کلام سماعت کر کے گفتگو کرے گا جس نے اسے بھیجا ہو گا"۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ۝ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ۝ (النجم)

"اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے"۔

ابن ظفر رقم کرتے ہیں "حق کو چھپانے کی وجہ سے کلمات کو ردوبدل کرنے اور دین کو حقیر پونجی کے عوض فروخت کرنے پر کس نے عالم کو جھڑکا۔ حوادثات زمانہ سے کس نے ڈرایا اور محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے علاوہ غیوب کی خبریں کس نے دیں۔

تَوۡرَاةُ مُوۡسٰى اَتَتۡ عَنۡهُ فَصَدَّقَهَا　اِنۡجِيۡلُ عِيۡسٰى بِحَقٍّ غَيۡرَ مُفۡتَعِلِ

اَخۡبَارُ اَحۡبَارِ اَهۡلِ الۡكِتَابِ قَدۡ وُرِدَتۡ　عَمَّا رَاَوۡا وَرَوَوۡا فِى الۡاَعۡصُرِ الۡاُوَلِ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات میں آپ کا تذکرہ جمیل آیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل نے بھی حق کے ساتھ آپ کی تصدیق کی پہلے زمانہ کے علماء کی وہ بشارت بھی ان کتب میں موجود ہیں جو انہوں نے دیکھیں یا روایت کیں۔

حضرت عارف ربانی ابو عبداللہ بن نعمان رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار کتنے تعجب خیز ہیں۔

هٰذَا النَّبِىُّ مُحَمَّدٌ جَاءَتۡ بِهٖ　تَوۡرَاةُ مُوۡسٰى لِلۡاَمَامِ تُبَشِّرُ

وَكَذَالِكَ اِنۡجِيۡلُ المسيح مُوَافِقٌ　ذِكۡرٌ لِاَحۡمَدَ مُعۡرِبٌ وَ مُذَكِّرٌ

یہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات لوگوں کے لئے بشارت دینے کے لئے آئی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل بھی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کو سمیٹے ہوئے آئی۔

دلائل بیہقی میں امام حاکم نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے حضرت ہشام بن العاص الاموی سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا "مجھے اور ایک اور شخص کو ہرقل صاحب الروم کی طرف بھیجا گیا تا کہ ہم اسے اسلام کی طرف دعوت دیں..........

ہرقل روم نے رات کے وقت ان کی طرف پیغام بھیجا۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہم اس کے پاس گئے۔ اس نے ڈبے کی طرح کا صندوق باہر نکالا۔ جس پر سونے کا کام ہوا تھا۔ اس کے اندر چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے گئے تھے۔ جن کے دروازے تھے۔ اس نے ایک دروازہ کھولا۔ اور ریشم کا سیاہ کپڑا باہر نکالا۔ اسے کھولا۔ اس پر ایک سرخ تصویر بنی ہوئی تھی۔ وہ ایسے شخص کی تصویر تھی جس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور گردن طویل تھی۔ اس کی دو مینڈھیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بہت حسین شکل تھی۔ ہرقل نے کہا "کیا تم اسے جانتے ہو؟ ہم نے کہا "نہیں!" ہرقل نے کہا "یہ حضرت آدم علیہ السلام کی تصویر ہے"۔ پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا اس نے سیاہ ریشم کا ایک ٹکڑا نکالا۔ وہاں ایک سفید تصویر تھی۔ وہ ایک ایسے شخص کی تصویر تھی جس کی آنکھیں سرخ اور سر بڑا تھا۔ داڑھی بہت خوبصورت تھی۔ ہرقل نے کہا "کیا تم اسے جانتے ہو؟" ہم نے کہا "نہیں" ہرقل نے کہا "یہ حضرت نوح علیہ السلام کی تصویر ہے" پھر اس نے ایک اور دروازہ کھولا۔ ریشم کا ٹکڑا باہر نکالا۔ اس پر بھی سفید تصویر بنی ہوئی تھی۔ اللہ کی قسم! وہ حضور سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی تصویر تھی۔ ہرقل نے پوچھا "کیا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا "ہاں! یہ ہمارے رسول محترم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر ہے"۔ ہرقل نے کہا "بخدا! یہ انہی کی تصویر ہے۔ وہ کھڑا ہوا۔ پھر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا "کیا یہ ان کی تصویر ہے؟" ہم نے کہا "ہاں" وہ کچھ دیر اس تصویر کو دیکھتا رہا۔ پھر کہا "بخدا! یہ تصویر آخری خانہ میں تھی۔ لیکن میں نے اسے جلدی نکال لیا تاکہ دیکھوں کہ تمہارے پاس اس کے متعلق کیا معلومات ہیں۔ ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت سلیمان وغیرھم کی تصاویر ہیں" ہم نے ہرقل سے پوچھا "یہ تصاویر تمہیں کیسے ملیں؟ اس نے کہا "حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے التجاء کی کہ وہ انہیں ان کی اولاد میں سے انبیائے کرام دکھائے تو رب تعالیٰ نے ان کی تصاویر نازل کیں۔ یہ مغرب الشمس کے پاس حضرت آدم علیہ السلام کے خزانہ میں تھیں۔ ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے نکالا اور انہیں حضرت دانیال علیہ السلام کے پاس رکھ دیا۔

زبور شریف کے مزبور نمبر 44 میں ہے "اسی وجہ سے اس کے لبوں سے نعمت رواں ہوئی۔ رب تعالیٰ تا ابد تجھے بابرکت کرے۔ اے جبار! تلوار اپنے گلے میں حمائل کر لو بلاشبہ تمہاری شریعت اور سنت تمہارے دائیں ہاتھ کی ہیبت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ تمہارا حصہ مسنونہ ہے۔ ساری امم تمہاری محبت کی خبر دیں گیں"۔

اس مزبور میں واضح اور صراحۃً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر ہے۔ وہ نعمت جو آپ کے لبوں سے روانہ ہونا تھی وہ آپ کا فرمان عالی شان ہے۔ وہ کتاب زندہ ہے جسے رب تعالیٰ نے آپ پر نازل کیا۔ "اے جبار! اپنی تلوار لٹکا لے" یہ امر پر واضح دلالت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی ہوں گے۔ کیونکہ عربوں کے علاوہ دیگر اقوام اس طرح تلواریں حمائل نہیں کرتی تھیں۔ دیگر اقوام انہیں اپنے کندھے پر رکھتے تھے۔ "شرائع اور سنن" کا اس طرح واضح اشارہ ہے کہ وہ صاحب شریعت و سنت نبی ہوں گے۔ اور تلوار کے ساتھ جہاد کریں گے۔ جبار سے مراد وہ ذات ہے جو لوگوں کو تلوار کے ساتھ حق کی راہ پر گامزن کرے اور انہیں کفر سے روکے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے "میں نے بعض کتب قدیمہ میں پڑھا ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا

''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! میں عرب کے پہاڑوں پر نور اتاروں گا جو مشرق و مغرب کو بھر دے گا۔ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے نبی عربی امی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر کروں گا جن پر آسمان کے ستاروں کے برابر اور زمین کی نباتات کے برابر لوگ ایمان لائیں گے۔ سارے اللہ تعالیٰ پر رب ہونے اور ان کے رسول ہونے کے لحاظ سے راضی ہوں گے۔ وہ اپنے آباء کی ملتوں سے انکار کریں گے اور ان سے راہ فرار اختیار کریں گے''۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عرض کی ''مولا! تو پاک ہے تیرے نام پاکیزہ ہیں تو نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر کرامت و شرافت کا تاج سجایا ہے'' رب تعالیٰ نے فرمایا ''موسیٰ! میں دنیا اور آخرت میں ان کے دشمنوں سے انتقام لوں گا۔ ہر دعوت پر ان کی دعوت کو غلبہ دوں گا۔ ان کی شریعت بیضاء کی مخالفت کرنے والے کو ذلیل کروں گا۔ میں عدل کے ساتھ اس کی تربیت کروں گا۔ انصاف کے لئے ان کا ظہور کروں گا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ان کے ذریعہ کئی اقوام کو آگ سے بچا لوں گا۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دنیا کھولی اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسے اختتام پذیر کر دوں گا۔ جس نے ان کا عہد ہمایوں پالیا اور ان پر ایمان لانے کی سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہوا اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

ورقہ بن نوفل کی محبت

حضرت ورقہ نے راہبوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے آگاہی حاصل کی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انہیں علامات نبوت میں سے ان کے بارے بتایا جو انہوں نے دیکھی تھیں راہب کا وہ قول بھی بتایا جو ان کے غلام میسرہ نے سنا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دو فرشتے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سایہ فگن تھے۔ حضرت ورقہ نے کہا ''اگر یہ ساری باتیں سچی ہیں تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے نبی ہیں مجھے علم ہے کہ اس امت کا نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) باقی ہے۔ اس کا انتظار ہے یہ زمانہ اسی کا ہے''۔ جب اس معاملہ میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے یہ اشعار کہے۔

تبکر ام أنت العشية رَائِحٌ وَ فِي الصَّدْرِ مِنْ اضْمَارِكَ الحُزْنَ قَادِحُ

کیا تو صبح کے وقت عازم سفر ہونے والا ہے یا وقت شام سفر پر روانہ ہونے والا ہے تیرا سینہ غم چھپانے کی وجہ سے زخمی نظر آ رہا ہے۔

لفرقة قوم لَا احب فراقهم كانك عَنْهُمْ بعد يومين نازح

یہ غم واندوہ اس قوم کے فراق میں ہے جس کا فراق میں پسند نہیں کرتا ایسے لگتا ہے کہ دو روز بعد تو ان سے جدا ہونے والا ہے۔

فاخبار صدق خبرت عن محمد يخبرها عند اِذَا غاب ناصح

حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ان سچی خبروں کے متعلق بتایا ہے جن کے متعلق ناصح نے اس وقت بتایا جب حضور ابھی کائنات میں جلوہ گر نہ ہوئے تھے۔

فَذَاكَ الَّذِیْ يَعْتَامَرَ يا خَيْرَ حُرَّةٍ بغور بِالنَّجْدَيْنَ حيث المسامع

اے بہترین آزاد خاتون! وہ بہادر جسے آپ نے غور اور نجدین کی طرف اس مقام پر بھیجا تھا جہاں بے آب و گیاہ میدان ہیں۔

الی سوق بصری و الرکاب التی غدت وهن من الاحمال قعص ذوابح

آپ نے اس جوان کو ان اونٹوں کے قافلہ کے ہمراہ بصریٰ کی طرف بھیجا تھا جو زیادہ بوجھ کی وجہ سے گردن توڑ بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے۔

فخبرنا عن کل خیر یعلمه و للحق ابواب لهن مفاتح

اس نے اپنے علم سے ہمیں ہر بھلائی کی خبر دی اور حق کے لئے ایسے دروازے ہیں جن کی چابیاں بھی ہیں۔

بان ابن عبدالله احمد مرسل الی کل من ضمت علیه الاباطح

اس نے ہمیں بتایا کہ ابن عبداللہ حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ ہر اس شخص کی طرف مبعوث ہوں گے جس کو وادیوں نے گھیر رکھا ہے۔

وظنی به ان سوف یبعث صادقا کما بعث العبدان هو د صالح

میرا آپ کے متعلق گمان یہ ہے کہ آپ عنقریب سچائی کے ساتھ اس طرح مبعوث ہوں گے جس طرح اللہ کے دو بندے حضرت داؤد اور حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

موسی و ابراهیم حتی یری له بهاء و میسور من الذکر واضح

جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے حتیٰ کہ آپ کے لئے حسن و جمال عیاں ہوگا آپ ذکر کی رفعتوں پر فائز ہو جائیں گے۔

و تتبعها حیا لؤی جماعة شبابهم والاشیبون والحجاجح

بنو لؤی آپ کی اتباع کریں گے۔ ان کے بوڑھے اور عظیم سردار آپ کی پیروی کریں گے۔

فان ابق حتی یدرك الناس دهره فانی به مستبشر الود فارح

اگر میں اس وقت زندہ رہا حتیٰ کہ اس زمانہ کے لوگوں کو پالیا تو میں آپ کی بعثت کی وجہ سے خوش و خرم ہوں گا۔

وَ الاَّ فانی یا خدیجه فاعلمی من ارضك فی الارضِ العریضه سائح

ورنہ اے خدیجہ! جان لیں میں تمہاری سرزمین سے کسی اور جگہ چلا جاؤں گا یہ زمین بڑی وسیع ہے۔

یہ سارے شواہد ورقہ کے ایمان کی گواہی دے رہے ہیں۔ بعض علماء نے انہیں صحابہ کرام میں شمار کیا ہے بلکہ انہیں اول الصحابہ کہا ہے اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے پہلی دفعہ وحی لے کر آنے کے بعد آپ ورقہ کے پاس آئے۔ جبرائیل امین کے متعلق بتایا ورقہ نے کہا ”آپ اس امت کے رسول ہیں“ اس وقت آپ ﷺ پر یہ آیات بینات نازل ہوئیں تھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (الاقراء)

ورقہ نے آپ ﷺ سے عرض کی تھی "آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ آپ ناموس عیسیٰ پر ہیں۔ آپ نبی مرسل ہیں۔ روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ورقہ کو جنت میں دیکھا اس نے سبز کپڑے زیب تن کر رکھے تھے۔

مستدرک الحاکم میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "ورقہ کو گالی نہ دیا کرو۔ میں نے اسے جنت میں دیکھا ہے اس نے ایک یا دو جبے پہن رکھے تھے"۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الشفاء" میں لکھا ہے کہ امام ذہبی نے جو ابن مندہ سے روایت کیا ہے کہ ظاہر بات یہی ہے کہ ورقہ نبوت کے بعد رسالت سے پہلے وفات پا گئے"۔ لیکن اسے وہ روایت رد کر دیتی ہے جسے امام بخاری نے صراحۃً روایت کیا ہے۔

مختصر یہ کہ علمائے یہود اور راہبوں کی آپ ﷺ کے بارے بشارت اور ان کی یہ شہادت کہ آپ ﷺ نبی موعود ہیں ان گنت اور بے شمار ہیں۔ لیکن ان کے باوجود ان میں سے جو اسلام میں داخل نہ ہوا اس کی وجہ صرف حسد، عناد اور بدبختی ہے۔ انہیں جھنجوڑا گیا کہ آپ کا ذکر خیر ان کی کتب میں موجود ہے۔ آپ کے یہ اوصاف حمیدہ ان کے ہاں مکتوب ہیں۔ آپ کے صحابہ کرام کے یہ اوصاف حمیدہ مرقوم ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ (الفتح: 29)

"(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں۔ آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے۔ طلبگار ہیں اللہ کے فضل کے ان (کے ایمان و عبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں۔ نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔ (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں"۔

ان کے صحف میں جو کچھ مذکور تھا اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ نے ان کے خلاف حجت دی۔ انہوں نے جو تحریف کی تھی۔ کتمان حق کیا تھا۔ آپ کے محاسن کو بیان کرنے سے ان کی زبانیں جو رک رک جاتی تھیں اس پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی مذمت فرمائی۔ آپ ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ ان میں سے ہر ایک نے راہ فرار اختیار کی۔ انہوں نے اپنی کتب کی بعض آیات چھپانے کی کوشش بھی کی جیسا کہ "آیۃ الرجم" وغیرھا۔ اگر وہ آپ ﷺ کے فرامین حق ترجمان اپنی کتب کے خلاف پاتے تو اس کا اظہار قتل ہونے، شہر غیر آباد کرنے اور جانیں لوٹانے سے آسان تھا۔

پتھر کے بتوں سے سننے والی شہادتیں

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے دلائل میں سے وہ گواہیاں اور شہادتیں بھی ہیں جو بتوں کے پیٹوں سے سنی گئیں۔ پتھروں، قبروں میں خط قدیم کے ساتھ لکھی ہوئی آپ کی رسالت کی گواہی اور شہادت ملی۔ ایسے واقعات کی کثیر تعداد مشہور و معروف ہے جن کا تذکرہ اس کتاب کی پہلی جلد میں ہو گیا ہے۔ اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے وقت رونما ہونے والے واقعات اور رضاعت مبارکہ کے عہد ہمایوں میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک حمل اور ولادت مبارکہ کے وقت رونما ہونے والے واقعات بھی آپ کی نبوت کے دلائل ہیں جیسا کہ اس تصنیف کی پہلی جلد میں گزر چکا ہے۔ سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ آپ نور تھے۔ آپ کے جسد اطہر اور ملبوسات پاکیزہ پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔ حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے "ہم نے اس تصنیف لطیف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ معجزات اور نبوت کی علامات تحریر کیں ہیں۔ بہت سے معجزات کو ہم نے جان کر نہیں لکھا۔ اگر ہم سارے معجزات کا ذکر کرتے تو یہ ایک بہت بڑی کتاب بن جاتی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہوتی۔ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے دو اعتبار سے واضح ہیں۔ (1) ان کی تعداد کثیر ہے، (2) کوئی نبی بھی جو معجزہ بھی لے کر آیا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے معجزہ جیسا معجزہ یا اس سے بلیغ معجزہ لے کر آئے۔

جہاں تک معجزات کی کثرت کا ذکر ہے تو یہ قرآن کریم سارے کا سارا معجزہ ہے۔ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت معجزہ ہے۔ اس کی ہر ہر آیت طیبہ معجزہ ہے۔ اس کا ہر ہر جملہ معجزہ ہے۔ یہ اپنی بلاغت، الفاظ اور نظم کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ اس طرح ہر ہر جزو میں معجزے ہوئے۔ یہ تعداد دو گنا ہو گئی۔ پھر اس میں اعجاز کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ مثلاً غیب کی خبریں دینا۔ ایک ہی سورت میں بعض اوقات غیب کی کئی خبریں بیان کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ہر خبر معجزہ ہے۔ اس طرح یہ تعداد کئی گنا ہو گئی۔ اگر اعجاز کے دیگر اسباب کو دیکھو جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے تو معجزات کی تعداد بے حد و بے شمار ہو جائے گی۔ اس طرح آپ کے معجزات کی تعداد نہ کوئی گن سکتا ہے نہ شمار کر سکتا ہے۔

سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر انبیاء علیہم السلام پر فضیلت

پھر خوارق العادات اور غیب کی خبروں کے متعلق آپ سے کثیر احادیث اور روایات منقول ہیں۔ اس طرح معجزات کی تعداد کئی گنا ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کے معجزات واضح اور شہرت کے حامل ہیں۔ پھر رسل عظام کے معجزات ان کے زمانہ کے حسب حال ہوتے تھے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا۔ آپ علیہ السلام ایسا معجزہ لے کر آئے جو اس کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا۔ اس کا توڑ ان کے بس کی بات نہ تھا۔ آپ نے ان کے جادو کو باطل کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد ہمایوں میں طب کا دور دورہ تھا۔ آپ علیہ السلام ایسا امر لے کر آئے جس پر وہ قادر نہ تھے۔ آپ ایسے معجزات لے کر آئے

جن کے متعلق وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مثلاً مردے زندہ کرنا اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو طب کے علاج کے بغیر ہی تندرست کر دینا۔ اسی طرح سارے انبیاء کرام کے معجزات ان کے زمانہ کے لوگوں کے حسب حال ہوتے تھے۔ جب امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہ وعلی اصحابہ اجمعین اس عالم رنگ و بو میں جلوہ نما ہوئے تو اہل عرب کے پاس چار قسم کے علوم تھے ❶ فصاحت و بلاغت ❷ شعر ❸ کہانت ❹ عرب کے انساب، ایام اور واقعات کے بارے خبریں۔ اللہ رب العزت نے ان چاروں کے لئے مقتضائے عادت کے خلاف قرآن پاک اتارا۔ اس میں وہ فصاحت اور بلاغت ہے جو اس کے کلام کی روش سے باہر ہے۔ اس میں وہ عجیب و غریب اسلوب ہے جس کے طریق تک اہل عرب نہ پہنچ سکے۔ وہ اوزان کے اسالیب میں اس کا منہج معلوم نہ کر سکے۔ پھر وہ حوادثات اسرار اور پوشیدہ چیزوں کے متعلق وہ خبریں جو بالکل اسی طرح تھیں جس طرح کہ قرآن پاک نے بتایا۔ اس نے کہانت کو باطل کر دیا۔ جو ایک بار سچ بتاتی تو دس بار غلط بتاتی۔ پھر شیاطین کو انگارے اور شہاب مار کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جڑ سے اکھیڑ پھینکا۔

اس میں سابقہ انبیاء کرام اور ان کی امتوں کا تذکرہ ہے۔ ان گزشتہ واقعات کا تذکرہ ہے جن سے وہ شخص بھی عاجز ہے جو دوسروں سے فائق ہے۔ پھر یہ کتاب حکیم اس اعتبار سے بھی معجزہ ہے کہ جو کچھ اس میں ہے وہ قیام قیامت تک ثابت ہے ہر آنے والی نسل کے لئے اس کے دلائل عیاں ہیں۔ کسی پر مخفی نہیں۔ جس نے بھی اس میں غور و فکر کیا اس کے لئے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ قرآن پاک کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں کی ہر زمانہ اور ہر عصر میں اسی طرح صداقت عیاں ہوتی ہے جس طرح اس نے بیان کیا ہے جنہیں دیکھ کر ایمان کو تازگی نصیب ہوتی ہے دلیل اور برہان کا غلبہ ہوتا ہے۔ صرف خبر معاینہ کی طرح نہیں ہے۔ مشاہدہ سے یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔ نفس کو علم الیقین سے عین الیقین کی طرف طمانیت نصیب ہوتی ہے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات ان کے تشریف لے جانے کے بعد ختم ہو گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مبارک معجزہ نہ ختم ہوگا۔ نہ منقطع ہو گا۔ بلکہ آیات بینات کو ہر زمان نئی جدت نصیب ہوگی یہ کبھی بھی نیست و نابود نہ ہوگا۔

اسی چیز کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان سے اشارہ فرمایا ہے جسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انبیاء کرام میں سے ہر نبی کو معجزات عطا کئے گئے انسان ان ہی پر ایمان لائے۔ مگر مجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے وہ وحی ہے جو رب تعالیٰ نے مجھ پر کی ہے مجھے امید ہے کہ روز حشر میرے پیرو کاران سب سے زیادہ ہوں گے"۔

اس حدیث پاک کا مفہوم یہ ہے کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے معجزات میں سے کچھ معجزات ضرور عطا فرمائے جس نے ان میں سے کوئی معجزہ دیکھا تو ایمان لے آیا۔ ہر نبی کو وہ معجزہ دیا گیا جس نے اس کے دعویٰ کی صداقت کو عیاں کر دیا۔ وہ معجزہ اس نبی کے عہد مبارک کے ساتھ ہی مختص تھا وہ وقت گزرنے کے بعد ختم ہو گیا۔ جس طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے عصا مبارک کا سانپ بن جانا۔ لیکن جو کچھ مجھے عنایت کیا گیا ہے وہ وحی ہے جو بلاغت کے اعلیٰ طبقات اور فصاحت کی انتہائی بلندیوں پر ہے جس کا فائدہ اس امت کے اگلے پچھلے لوگوں کو یکساں ہوگا۔ نسل در نسل لوگ گزرتے جائیں گے لیکن اس کی نفع رسانی میں فرق

نہیں آئے گا۔ اس کی بقاء اور اس کی روشنی کے ظہور کی وجہ سے میں امید کرتا ہوں کہ میرے تابعین دیگر انبیائے کرام سے زیادہ ہوں گے۔

دوسرے قول کے مطابق اس مبارک حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے "اس سے مراد یہ ہے کہ یہ وحی اور کلام ہے۔ اس میں کمزوری اور ناتوانی کا عمل دخل نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے اس معجزہ کے علاوہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات کو دشمن نے ایسی چیزوں کے ساتھ باطل کرنے کی سعی لا حاصل کی جس سے کمزور لوگوں کو کچھ شبہ سا ہوسکتا تھا۔ جس طرح جادوگروں کا اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکنا۔

لیکن قرآن پاک میں حیلہ اور تخیل کا عمل دخل نہیں۔ اس اعتبار سے یہ معجزہ ان کے نزدیک دیگر معجزات سے زیادہ ظاہر ہے جس طرح کہ کوئی شاعر جھوٹ اور حیلے سے مکمل شاعر نہیں ہوسکتا۔ اہل عرب کا اس جیسا کلام لانے سے عاجز ہونا اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ مصائب، تکالیف، قید، ذلت، انسانوں اور اموال کی بربادی، زجر وتوبیخ اور تہدید و وعید، برداشت کرنے پر تو راضی ہو گئے لیکن اس کلام معجز نظام جیسا کلام پیش نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ لوگ بہت زیادہ فصیح و بلیغ تھے اس طرح قرآن پاک ایک بین معجزہ اور علامت ظاہرہ بن گیا۔ یہ ان معجزات سے بھی عظیم معجزہ ہو گیا جن کا تعلق افعال بدیعہ کے ساتھ ہے۔ مثلاً عصا کا سانپ بن جانا۔ بعض اوقات مناظر غور وفکر سے قبل جلد ہی یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ امر اس شخص کے ساتھ مختص ہے جو اس فن کا سب سے زیادہ ماہر ہے۔ جیسا کہ فرعون نے وہم کیا تھا اور کہا تھا۔

اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (الشعراء:49)

"یہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے"۔

لیکن وہ معجزہ جس کا اعجاز غور وفکر کے بعد عیاں ہو وہ اس کے برعکس ہے۔ یہ فہم وادراک اور اس شخص کے لئے عیاں ہوتا ہے کہ عصاء کا سانپ بن جانا یہ بشری طاقت کے دائرہ سے باہر ہے اسے کسی قوی، قادر ذات والا نے صادر کیا ہے۔ کئی صدیوں سے قرآن پاک نے لوگوں کو چیلنج کر رکھا ہے کہ وہ اس جیسا کلام پیش کریں۔ معارضہ کے بہت زیادہ دواعی ہونے کے باوجود اس جیسا مقدس کلام نہ لا سکے اس طرح یہ دیگر معجزات سے زیادہ اظہر اور بلیغ معجزہ بن گیا۔ جب اہل عرب نے گہری نظروں سے اور وفور عقل سے اس کا مشاہدہ کیا تو انہیں وہ ادراک نصیب ہوا جو کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا ان کے پاس ایسی آیات بینات آئیں جو دقت نظر اور حسن معرفت کی محتاج تھیں۔ اہل عرب کے علاوہ دیگر اقوام مثلاً قبطی اور بنی اسرائیل کا طریقہ یہ نہ تھا۔ بلکہ وہ پرلے درجے کے احمق اور غبی لوگ تھے حتیٰ کہ فرعون ان کے سامنے ان کا رب بن گیا۔ اس نے اپنی قوم کو جاہل بنایا۔ اس کی قوم نے اس کی اطاعت کر لی۔

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰی ﴿۷۹﴾ (طٰہٰ)

"اور گمراہ کر دیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انہیں سیدھی راہ"۔

سامری نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پوجا کی طرف بلایا تو وہ ایمان لانے کے بعد اس کی پرستش میں مگن ہو گئے۔ بنی

اسرائیل میں سے ایک گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پوجا کی۔ ان کے پاس بین اور واضح نشانیاں آئیں جو ان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھیں۔ اس کے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ:55)

''ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر''۔

وہ من و سلویٰ پر صبر نہ کر سکے۔ انہوں نے خیر کے مقابلہ میں ادنیٰ چیز قبول کر لی۔ اہل عرب شریعت کے امور اور دریافت سے ناآشنا ہوتے ہوئے بھی ان کی اکثریت صانع کے وجود کی معترف تھی۔ وہ دوسروں کو اس کا شریک بناتے تھے۔ ان میں سے بعض حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی رب تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان لے آئے تھے۔ جیسا کہ زید بن عمرو اور قیس بن ساعدہ۔ ان میں سے بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو پا لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب الٰہی لے کر تشریف لائے تو وہ اپنی فطانت کی وجہ سے اس کی حکمت سمجھ گئے۔ وہ اس کلام مجید کو پہلی بار سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے وہ اس پر ایمان لے آئے۔ ہر روز ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا۔ انہیں ایمان و یقین حاصل ہو گیا۔ انہوں نے آپ کی صحبت اور برکت کی وجہ سے دنیا کو خیر آباد کہہ دیا۔ آپ کی نصرت کرتے ہوئے انہوں نے وطن چھوڑے۔ اموال ترک کئے اپنے آباء اور فرزندوں کو تہ تیغ کیا۔

یہ ساری اشیاء قرآن پاک کے علاوہ آپ کے دیگر معجزات میں نہیں پائی جاتیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی کو ایسا معجزہ عطا نہیں کیا گیا۔ البتہ جو معجزات دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو دیئے گئے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا تو ان جیسا معجزہ دیا گیا یا ان سے بلیغ معجزہ دیا گیا۔ علماء کرام نے یہ فصاحت بیان فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ معجزات عطا کئے گئے جو دیگر انبیائے کرام کو عنایت کیے گئے البتہ کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات بھی ہیں۔ بعض ایسے معجزات بھی ہیں جو آپ کی ذات کریمانہ کے ساتھ ہی مختص ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جوامع الکلم عطا کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام روح اور جسم کے مابین تھے۔ جبکہ دیگر انبیائے کرام میں سے ہر نبی اپنی بعثت کے بعد اور زمانہ رسالت میں نبی تھا۔ جب آپ اس منصب رفیع پر فائز ہیں تو عیاں ہوا کہ آپ نے ہر اس انسان کامل کی مدد فرمائی جسے مبعوث کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے آپ کو نہ صرف وہ کمالات عطا فرمائے جو سابقہ انبیاء میں تھے بلکہ ان سے بڑھ کر کثیر فضائل بھی بخشے۔ اللہ تعالیٰ امام بوصیری پر رحم فرمائے انہوں نے کیا خوب فرمایا ہے۔

و کل آی اتی الرسل الکرام بہا فانما اتصلت من نورہ بہم

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

یعنی ہر وہ معجزہ جسے رسل عظام میں سے جو بھی لے کر آیا وہ معجزہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک سے ہی فیض یافتہ تھا۔ جنہیں رب تعالیٰ نے اس عالم کے وجود سے قبل تخلیق فرمایا۔ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مصرعہ کتنا حسین ہے ''فانما اتصلت من نورہ بہم'' یعنی آپ عطا فرماتے رہے مگر آپ کا نور مبارک اسی طرح قائم رہا۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوئی۔ اگر وہ اس

طرح کہتے "فانما هي من نوره" تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ تقسیم فرمادیا ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہیں رہا۔ بلکہ ہر ایک کا ہر معجزہ آپ کے نور مبارک سے تھا۔ کیونکہ آپ آفتاب فضل ہیں اور انبیاء کرام اس سورج کے ستارے ہیں۔ یہ ستارے اس سورج کے انوار سے تاریکی میں لوگوں کے لئے عیاں ہورہے ہیں۔ ستارے بذات خود روشن نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ سورج کی وجہ سے روشن ہوتے ہیں۔ سورج موجود نہ ہو تو یہ ستارے شمس کے نور کو عیاں کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام آپ کے انوار تقسیم فرماتے رہے۔ وہ ان اوصاف کے ساتھ آپ کا فضل آشکارہ کرتے رہے جو انہیں دیئے گئے تھے۔ وہ اوصاف حمیدہ انہوں نے اپنی امتوں تک پہنچائے۔ یہ اوصاف زکیہ آپ کے نور کے طفیل سے ہی انہیں حاصل ہوئے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام سے جن انوار کا بھی ظہور ہوا۔ انہوں نے آپ کے نور مبارک سے ہی فیضان لیا تھا۔ جو مشارق و مغارب کو شامل ہے۔ وہ آپ کی مدد سے ہی مستفید ہوئے تھے۔ اس کے باوجود آپ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی تھی۔ آپ چراغ کے نور کی مانند ہیں۔ جب اس سے شمع روشن کی جاتی ہے تو چراغ کے نور میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس چراغ کا نور بھی اپنی جگہ پر برقرار رہتا ہے۔ سب سے پہلے یہ نور حضرت آدم علیہ السلام میں ظاہر ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ ان جوامع الکلام سے ان اسماء کے ساتھ ان کی مدد کی گئی تھی جو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے تھے۔ انہوں نے ان اسماء کے علم کے ساتھ ملائکہ کو خاموش کرادیا جنہوں نے کہا تھا۔

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (البقرہ:30)

"کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خون ریزیاں کرے گا اس میں"۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک لگاتار انبیائے کرام آتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو ظاہر کرے تا کہ درگاہ ربانیہ میں آپ کی عزت اور مقام و منصب عیاں ہوسکے اور یہ آشکارہ ہوسکے کہ ہر نور آپ کے نور سے ہی مستفیض ہے۔ آپ کے معجزات بینات میں ہر وہ معجزہ شامل کیا گیا جو دیگر انبیائے کرام کو فرداً فرداً عطا کئے گئے۔ آپ کی نبوت عظمیٰ کے تحت ساری رسالت اور آپ کی رسالت کے جھنڈے کے نیچے ساری نبوات آگئیں۔ دیگر انبیائے کرام کو جو کرامت اور فضیلت ملی اس کی مثل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کی گئی۔ جو کمالات ان میں متفرق طور پر جمع تھے وہ سب آپ میں جمع کردیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست اقدس سے بنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرح صدر عطا فرمایا۔ خود ذات باری تعالیٰ نے آپ کا شرح صدر فرمایا۔ اس میں ایمان اور حکمت کو بھرا۔ یہ وہی خلق نبوی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ (الانشراح)

"کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کردیا"۔

حضرت آدم علیہ السلام کو خلق وجودی جبکہ حضور سید آدم و اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلق نبوی عطا کیا گیا۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان کی پشت مبارک میں آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور مبارک رکھا جائے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مقصود ہیں جبکہ

حضرت آدم علیہ السلام وسیلہ ہیں۔ مقصود وسیلہ سے افضل ہوتا ہے۔ جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے مسجود ملائکہ ہونے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے اس لئے سجدہ کیا کیونکہ ہمارے نبی کریم کا نور مبارک ان کی طلعت زیبا میں ظاہر تھا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تجلیت جل اللہ فی وجه آدم فصلی له الاملاك حین توسل

"اللہ کی شان! آپ حضرت آدم علیہ السلام کے چہرہ پر عیاں تھے۔ جب انہوں نے آپ کے وسیلہ سے دعا مانگی تو ملائکہ نے بھی ان کے لیے دعا کی"۔

المواہب میں امام سہل بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا، جس شرف کا تذکرہ اس آیت طیبہ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ[1] .... الخ۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس شرف سے زیادہ اتم و اکمل ہے کہ وہ مسجود ملائکہ تھے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات حضرت آدم کو سجدہ کرنے میں ملائکہ کے ساتھ شامل نہیں تھی کیونکہ سجدہ کرنا اجسام کی صفات میں ہے۔ لیکن درود شریف ایسی فضیلت ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات اقدس بھی پڑھ رہی ہے، ملائکہ بھی اور اہل ایمان بھی درود شریف کا ہدیہ بارگاہ رسالت مآب میں بھیج رہے ہیں۔ یہ مسجود ملائکہ ہونے سے زیادہ شرف ہے۔

جہاں تک اس شرف کا تعلق ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کا علم سکھا دیا تو امام دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت ابو رافع سے اور امام حاکم نے حضرت ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے حضور میری امت کو اس وقت پیش کیا گیا جب وہ پانی اور مٹی کے درمیان تھی۔ مجھے بھی اسی طرح اسماء کا علم سکھایا گیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی تعلیم دی گئی"۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا کو اسماء، مسمیات، ان کے حقائق، خواص، اسرار، منافع اور نقصانات کی بھی تعلیم دے دی گئی۔ علوم کی ذات اور حقائق آپ کے لئے تھے۔ جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے تو فقط اسماء ہی تھے۔ جیسا کہ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

لَكَ ذَاتُ الْعُلُوْمِ مِنْ عَالِمِ الْغَيْبِ مِنْهَا لِاٰدَمَ الْاَسْمَاءُ وَ لَا رَيْبُ

عالم غیب کے علوم کی ذات آپ کے لئے ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے صرف اسماء تھے۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

مسمیات اسماء سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسماء اس لئے ہوتے ہیں تاکہ مسمیات کو بیان کیا جا سکے۔ مسمیات ہی مقصود بالذات ہوتے ہیں۔ عالم کی فضیلت معلوم کی فضیلت کے اعتبار سے ہوتی ہے اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے مقام رفیع کی طرف بلند فرمایا۔ جبکہ اس ذات بے ہمتا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی۔ اس بلند مقام تک لے گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی رسول یا فرشتہ اس مقام پر فائز نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو طوفان سے نجات عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فضیلت دی کہ آپ کی ملت مرحومہ

آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوگی۔ارشادربانی ہے۔

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال:33)

''اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ تشریف فرما ہیں ان میں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود گلزار بن گئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی مثل معجزہ عطا فرمایا۔آپ کے لئے رب تعالیٰ نے جنگ کی آگ کو بجھا دیا۔وہ آگ جسے کفار جلاتے تھے۔تلواریں جس کا ایندھن اور نیزے جس کی گرمی ہوتے تھے۔وہ جسم پر جلتی تھی روح اور جسم جس کا مدعا ہوتا تھا۔ارشاد ربانی ہے۔

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ:64)

''جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ''۔

انہوں نے رب تعالیٰ کے نور کو آگ سے بجھانے کی کتنی بار کوشش کی مگر اس ذات والا نے انکار کر دیا الا یہ کہ وہ اپنے نور کو مکمل کرے گا۔ان کے شرارے بجھا دے گا۔وہ حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرے گا۔''المواہب'' میں ہے کہ شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگ کے اس سمندر میں سے گزرے جو آسمان دنیا کے نیچے ہے۔آپ سلامتی کے ساتھ اس میں سے گزر گئے۔

دیگر معجزات وکمالات

امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں ابھی بچہ تھا۔مجھ پر ہنڈیا الٹ گئی۔اس نے میری ساری جلد جلا ڈالی۔مجھے میرے والد یا والدہ اٹھا کر بارگاہ رسالت مآب میں لے گئے۔آپ نے میری جلد پر لعاب دہن لگایا۔جلے ہوئے حصہ پر دست اقدس پھیرا۔یہ دعا مانگی۔

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ۔اے لوگوں کے پروردگار اس تکلیف کو ختم فرما۔

میں بالکل تندرست ہو گیا گویا کہ مجھے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں''۔

امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے ''حضور سید الانبیاء علیہ السلام کے لئے ایران کی آگ بجھ گئی حالانکہ وہ ایک ہزار سال سے نہیں بجھی تھی۔

ابن سعد نے حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آگ سے اذیت دے رہے تھے۔حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے۔ان کے سر پر دست اقدس پھیرا۔اور فرمایا ''اے آگ! عمار پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی''۔

ابونعیم نے حضرت عباد بن عبد الصمد سے روایت کیا ہے۔انہوں نے فرمایا ''ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔انہوں نے فرمایا ''لونڈی! دستر خوان لے کر آؤ ہم کھانا کھائیں'' وہ دستر خوان لے کر آئی۔حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میرے پاس رومال بھی لے کر آؤ''۔وہ ایک گندا رومال لے کر آئی۔انہوں نے فرمایا ''اس رومال کو تنور میں پھینک

دو"۔ لونڈی نے وہ رومال تنور میں پھینک دیا۔ جب باہر نکالا تو وہ دودھ کی طرح سفید تھا۔ ہم نے پوچھا "یہ کیا؟" انہوں نے فرمایا "یہ وہ مبارک رومال ہے جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا چہرۂ انور صاف کرتے تھے۔ جب یہ گندا ہو جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کیونکہ آگ اس چیز کو نہیں جلاتی جو انبیائے کرام کے چہروں پر پھری ہو"۔ آپ کی امت کے کئی افراد کو آگ میں پھینکا گیا لیکن آگ نے ان پر کوئی اثر نہ کیا۔

ابن وہب نے حضرت ابن لہیعہ سے روایت کیا ہے کہ جب اسود العنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور وہ صنعاء پر غالب آ گیا تو اس نے حضرت ذؤیب بن کلیب کو پکڑا اور انہیں آگ میں پھینک دیا۔ مگر آگ نے انہیں کوئی نقصان نہ دیا۔ حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے پروردگار کی یوں ستائش بیان کی "ساری تعریفیں رب تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہماری امت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثل پیدا کیا"۔

ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ اسود نے حضرت ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہ اس کے پاس آئے تو اس نے ان سے پوچھا "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں"۔ انہوں نے فرمایا "میں نے نہیں سنا" اسود نے کہا "کیا گواہی دیتے ہو کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" انہوں نے کہا "ہاں" اسود نے بہت بڑی آگ روشن کی۔ حضرت ابو مسلم الخولانی رضی اللہ عنہ کو اس میں پھینک دیا۔ مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکا نہ کیا۔ اسود سے کہا گیا "اگر تو نے اس شخص کو جلاوطن نہ کیا تو یہ تیرے پیروکاروں کو خراب کر دے گا"۔ اس نے انہیں چلے جانے کا حکم دیا۔ وہ مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر رب تعالیٰ کی یوں تعریف بیان کی "ساری تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے زندگی دی مجھے امت محمدیہ میں سے ایسا شخص دیکھنے کی سعادت بخشی جس کے ساتھ اس طرح کیا گیا جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام خلت عطا کیا گیا۔ یہ مقام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا کیا گیا۔ بلکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مقام محبت پر بھی فائز تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زمین میں عبادت الٰہیہ توحید اور بت شکنی میں منفرد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے روز بتوں کو منہ کے بل اوندھا گرا دیا تھا۔ مشرکین مکہ ذلیل و رسواء تھے۔ وہ اپنے بتوں کی نصرت کرنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان بتوں کو صرف ایک شاخ سے گرا دیا۔ اس میں صرف قوت ربانیہ ہی کارفرما تھی۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کلہاڑا استعمال فرمایا نہ ہی کدال۔ بلکہ بآواز بلند یہ آیت طیبہ پڑھی۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ (بنی اسرائیل)

"آ گیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل بے شک باطل تھا ہی مٹنے والا"۔

حضور سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ میں رونق افروز ہوئے۔ بیت اللہ الحرام کے اردگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق نما میں شاخ تھی۔ آپ اس سے ان بتوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ آپ اس آیت طیبہ کی تلاوت کر رہے تھے حتیٰ کہ بت منہ کے بل اوندھے گر پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیت اللہ الحرام بنوایا۔ اس میں کوئی اخفاء نہیں ہے کہ بیت اللہ جسم ہے اور حجر اسود اس کی روح ہے بلکہ یہ دل کا سیاہ نکتہ ہے۔ روایت ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا دایاں (ہاتھ) ہے۔ یہ تمثیل کے اعتبار سے ہے بلند و برتر مثال رب تعالیٰ کے لئے ہی ہے۔ امام دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''حجر اسود رب تعالیٰ کا دایاں (ہاتھ) ہے۔ جس نے اسے مس کیا اس نے رب تعالیٰ کی بیعت کر لی''۔ اسے مس کرنے سے مراد اسے استلام کرنا ہے۔ جس طرح کہ معاہدہ کرتے وقت ایک دوسرے سے دایاں ہاتھ ملایا جاتا ہے۔ اہل عرب اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب فرمایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ ان کا عصا سانپ بن گیا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق اور فراق میں کھجور کا تنا رویا۔ درخت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چلے۔ آپ سے گفتگو کی۔ یہ عصا کے معجزہ سے زیادہ تعجب خیز معجزات ہیں۔ جب ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارنے کی جسارت کی تو اس نے آپ کے کندھے کے پاس دو سانپ دیکھے تو وہ اس طرح مرعوب ہو کر واپس پلٹا جس طرح فرعون عصا سے مرعوب ہو کر واپس لوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کو ید بیضا کا معجزہ عطا فرمایا تھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان والا یہ ہے کہ آپ سراپا نور تھے۔ آپ لگاتار پاکیزہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ اپنے والد گرامی قدر کی پشت مبارک سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی صدف شکم میں جلوہ افروز ہو گئے۔ آپ کا نور مبارک ان کی زیبا طلعتوں میں واضح اور آشکارا تھا۔ یہ تفصیلات پہلے گزر چکی ہیں۔ ایک دفعہ تیرہ و تار شب تھی۔ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ کے ساتھ نماز عشاء پڑھنے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ مطلع ابر آلود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ پھر فرمایا ''یہ شاخ خرما لے جاؤ یہ تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے دس دس گز روشنی کرے گی۔ جب اپنے گھر جاؤ تو تم تاریکی دیکھو گے۔ اسے مارنا حتیٰ کہ وہ گھر سے نکل جائے وہ شیطان ہے''۔

امام بیہقی اور امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضرت عباد بن بشر اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بارگاہ رسالت مآب میں تھے انہیں کوئی ضروری کام تھا وہ آپ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل کرتے رہے۔ حتیٰ کہ کافی رات گزر گئی۔ رات تاریک تھی۔ پھر وہ کاشانہ نبوی سے باہر نکلے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس عصا تھا۔ ان کے لئے ایک عصا روشن ہو گیا۔ وہ اس کی نورانیت میں چلتے رہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت ہی تھی۔ جب ان کے راستے جدا ہونے لگے تو دوسرا عصا بھی روشن ہو گیا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے عصا کے اجالے میں چلتا ہوا اپنے گھر پہنچ گیا''۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، امام بیہقی اور ابو نعیم نے حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''ایک سفر میں ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ تاریک رات تھی۔ اچانک میری انگلی ضوفشاں ہو گئی۔ اس کے اجالے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا سامان اکٹھا کر لیا۔ اسی دوران میری انگلی نورفشاں رہی''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ بھی عطا کیا کہ ان کے عصا کی ضرب سے سمندر شق ہو گیا۔ جبکہ حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انشقاق قمر کا معجزہ عنایت کیا گیا۔ یہ سمندر کے شق ہونے کی طرح کا ہی معجزہ ہے بلکہ اس میں زیادہ عظیم معجزہ نمائی

ہے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے عصا مار کر زمین پر تصرف فرمایا۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم آسمان میں تصرف فرمایا۔ جب مشرکین مکہ نے یہ معجزہ طلب کیا تو آپ نے رب تعالیٰ سے یہ التجاء کی۔ ان دونوں معجزات کے مابین فرق واضح ہے اگر دونوں معجزات میں از روئے عقل موازنہ کیا جائے تو آسمانی معجزہ زمینی معجزہ سے فائق ہوگا۔

حضرت ابن حبیب نے ذکر کیا ہے کہ آسمان اور زمین کے مابین ایک سمندر ہے جسے مکفوف کہا جاتا ہے۔ روئے زمین کے سارے سمندر اس کی نسبت سے قطرہ کی طرح ہیں۔ یہ سمندر شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شق ہوا حتیٰ کہ آپ نے اسے عبور کیا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ سے عظیم تر معجزہ ہے کیونکہ زمین کے سمندر سے کبھی کبھی خشکی نظر آجاتی ہے۔ لیکن وہ سمندر جو آسمان اور زمین کے مابین ہے اس میں چلنا ناممکن ہے۔ اس کے اوصاف سے رب تعالیٰ ہی واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم اللہ علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ انہوں نے التجاء کی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾

"اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لئے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لئے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات"۔ (طٰہٰ)

اللہ رب العزت نے فرمایا:

قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ (طٰہٰ)

"منظور کر لی گئی آپ کی درخواست اے موسیٰ"۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام عرض گزار ہوئے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (سورۃ یونس:88)

"اے ہمارے پروردگار! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو"۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (یونس:89)

"قبول کر لی گئی تمہاری دعا"۔

اللہ تعالیٰ نے ان گنت اور بے شمار بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی التجائیں قبول فرمائیں۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے چٹان پر ضرب لگائی تو وہاں سے چشمے رواں ہو گئے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًاؕ

"اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ چشمے"۔ (بقرہ:60)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معجزہ عطا کیا گیا کہ پانی آپ کی مبارک انگلیوں سے رواں ہو گیا۔ یہ بلیغ معجزہ نمائی ہے کیونکہ پتھر

زمین کی جنس میں سے ہے جس سے پانی رواں ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ (بقرہ:74)

"(کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے"۔

لیکن گوشت سے پانی رواں نہیں ہوتا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا معجزہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ شاعر نے کیا عمدہ بات کی ہے۔

وَ كُلُّ مُعْجِزَةٍ لِلرُّسُلِ قَدْ سَلَفَتْ وَاَتٰى بِاَعْجَبَ مِنْهَا عِنْدَ اِظْهَارِ

رسل عظام علیہم السلام کا ہر ہر معجزہ جو گزر چکا ہے وہ معجزہ آپ کو بھی ملا مگر وہ اظہار کے وقت زیادہ تعجب خیز تھا۔

فَمَا الْعَصَا حَيَّةٌ تَسْعٰى بِاَعْجَبَ مِنْ شِكْوٰى الْبَعِيْرِ وَلَا مِنْ مَشْيِ الْاَشْجَارِ

عصا کا سانپ بن کر دوڑنے لگنا۔ یہ معجزہ اونٹ کے شکایت کرنے یا درختوں کے چل کر بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہ تھا۔

وَلَا انْفِجَارُ مَعِيْنِ الْمَاءِ مِنْ حَجَرٍ اَشَدُّ مِنْ سَلْسَلٍ مِنْ كَفٍّ جَارِ

چٹان سے پانی رواں ہونا (یہ معجزہ) انگلیوں سے پانی جاری ہونے سے زیادہ تعجب خیز تو نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کا شرف بخشا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ وہ ذات کریمانہ شب معراج بھی ہم کلام ہوئی۔ اس کے ساتھ اپنا خاص قرب اور نور عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دیدار بھی تھا جس سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو روک دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو زبان کی فصاحت بھی عطا فرمائی تھی۔ جبکہ حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فصاحت و بلاغت کے اس بلند اور رفیع مقام پر فائز فرمایا جو کسی پر مخفی نہیں۔ یہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو حسن کا حصہ عطا فرمایا جب کہ حضور شاہ حسینان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن کامل عطا کیا۔ جو شخص بھی آپ کے محامد اور شمائل میں غور و فکر کرے گا اس پر عیاں ہوگا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے حسن پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمایا۔ مگر یہ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم بے کراں کی نسبت سے بہت کم ہے کیونکہ آپ کے علم کا کنارہ کسی کو معلوم نہیں ہے جو شخص احادیث کو دیکھے اور روایات پر کھے اس کے لئے عجیب و غریب امور ظاہر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا کیا کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ لوہا ان کے ہاتھوں میں آتے ہی موم کی طرح ہو جاتا تھا۔ وہ اسے گرم کئے بغیر، آلہ اور قوت کے بغیر جیسے چاہتے مروڑ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ آپ کے دست حق نما میں خشک لکڑی سبز ہوگئی۔ اس پر پتے بھی لگ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام معبد کی کمزور اور ناتواں بکری پر دست اقدس پھیرا تو وہ دودھ اتار آئی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ وہ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ شیاطین، ہوا اور سلطنت ان کے لئے مسخر تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی مثل بلکہ کچھ زیادہ ہی دیا گیا جہاں تک پرندوں سلطنت اور وحشی جانوروں کا آپ کے ساتھ کلام کرنے کا تعلق ہے تو آپ کے ساتھ پتھر نے کلام کیا۔ دست اقدس میں سنگریزوں نے تسبیح بیان کی۔ حتیٰ کہ اسے حاضرین نے سنا۔ جمادات کا کلام کرنا حیوانات کے کلام کرنے سے زیادہ عجیب بات ہے۔ زہر آلود بکری کے بازو نے آپ کے ساتھ کلام کیا۔ یہ اعجاز میں زیادہ قوی اور انسان کو زندہ کرنے سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ حیوان کا جزء ہے جو اس کے باقی حصہ سے کٹا ہوا ہے۔ یہ معجزہ ہے۔ اگر یہ بازو بقیہ جسم کے ساتھ ملا ہوتا تو کیفیت کیا ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بقیہ جسم سے الگ زندہ کر دیا حالانکہ باقی جسم الگ پڑا ہوا تھا۔ وہ حصہ زندہ اور گفتگو پر قادر ہو گیا جبکہ وہ حیوان گفتگو نہیں کر رہا تھا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنے سے بھی بلیغ معجزہ ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لئے پرندے زندہ کرنے سے بھی قوی معجزہ ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرن اور گوہ نے گفتگو کی۔ اونٹ نے آپ کے حضور شکایت کی۔ روایت ہے کہ ایک پرندے کو اس کا بچہ اٹھا کر تکلیف دی گئی وہ آپ کے سر اقدس پر پھڑ پھڑانے لگا۔ وہ آپ کے ساتھ ہم کلام ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''اس پرندے کا بچہ اٹھا کر اسے کس نے تکلیف دی ہے؟ ایک شخص عرض گزار ہوا ''میں نے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کا بچہ اسے لوٹا دو'' (ابوداؤد)۔ آپ کے ساتھ بھیڑیئے کا ہم کلام ہونے کا قصہ بہت معروف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر فرما دی تھی۔ وہ صبح کے وقت ایک ماہ کی مسافت اور رات کے وقت ایک ماہ کی مسافت طے کرتی تھی۔ وہ آپ کو اٹھا کر زمین کے دور دراز اطراف تک پہنچا دیتی تھی۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے براق عطا کر دی جو ہوا سے بھی تیز تر تھی۔ بلکہ وہ بجلی سے بھی تیز رفتار تھی۔ وہ آپ کو فرش سے عرش تک لے گیا۔ اس کی کم از کم مسافت سات ہزار سال کا سفر ہے۔ یہ آسمان کی مسافت ہے البتہ مستوی اور رفرف کی مسافت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ آپ کا آسمانوں کی طرف سفر براق پر ہو۔ وہ مؤقف جسے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے کہ یہ سفر اس سیڑھی (معراج) کے ذریعے تھا جس پر بنو آدم کی ارواح چڑھتی ہیں۔ صرف اسراء براق پر تھا اسراء سے مراد بیت المقدس تک کا سفر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی گئی تھی تا کہ وہ آپ کو اطراف عالم میں پہنچا دے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین سمیٹ دی گئی حتیٰ کہ آپ نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ ایک ہستی جو زمین کی طرف چلے اور دوسری ہستی زمین جس کی طرف چلے ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ تسخیر الشیاطین کے حوالے سے عرض ہے کہ روایت ہے کہ ابو الشیطان ابلیس لعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آیا جبکہ آپ نماز ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کو تسلط عطا فرمایا۔ آپ نے اس کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت یہ بھی ہے کہ جنات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں خدمت پر مامور کر دیا لیکن وہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو بھی دولت اسلام بخشی۔ اسلام سے بڑھ کر گراں قدر دولت کون سی ہے۔ جنات اور پرندے حضرت

سلیمان علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ حُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الطَّيْرِ (النمل:17)

''اور فراہم کئے گئے سلیمان کے لئے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے غزوۂ بدر میں حضرت جبرائیل امین علیہ السلام اور دیگر ملائکہ نے جہاد میں شرکت کی۔ دیگر غزوات میں دشمن کو مرعوب و مرجوب کرنے کے لئے شرکت کی۔ غار ثور کے دھانے پر ایک لمحہ میں کبوتر نے گھونسلہ بنا دیا دشمن سے آپ کا دفاع کیا۔ کثرت لشکر کا مقصد بھی دشمن سے دفاع ہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ مقصد ایک گھونسلا سے مل گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلطنت عطا فرمادی تھی۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ آپ بادشاہ نبی یا عبد نبی بن جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد نبی بننا پسند فرمایا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

يَا خَيْرَ عَبْدٍ عَلٰى كُلِّ الْمُلُوْكِ وُلِي۔

''اے وہ انسانوں میں سے بہترین ذات جسے سارے بادشاہوں کا والی بنا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزات عطا کئے۔ آپ اذن الٰہی سے مادر زاد اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو شفاء یاب اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ معجزات حضور سید موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا کئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ اس کی جگہ پر لوٹا دی وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہوگئی۔

روایت ہے کہ حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ نے بارگاہ رسالت مآب میں برص کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں عصا سے مس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں برص سے شفاء یاب فرمایا۔ آپ نے انہیں دست اقدس نہ لگایا کیونکہ وہ اجنبیہ تھیں۔ پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ آپ کے دست اقدس میں کنکریوں نے تسبیح بیان کی۔ پتھر نے آپ کو سلام عرض کیا۔ کھجور کا خشک تنا آپ کے فراق میں رویا۔ یہ معجزہ مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے تھا جو کلام نہیں کرتیں۔ اس پتھر میں زندگی، ادراک اور عقل آ جانا جو آپ سے شرف ہمکلامی کرتا تھا وہ حیوان کی زندگی سے زیادہ بلیغ معجزہ تھا۔ کیونکہ حیوان میں کسی وقت تو زندگی موجود تھی۔ لیکن پتھر اس کے برعکس ہے کیونکہ اس سے قبل اس میں زندگی بالکل مفقود تھی۔

ابونعیم نے لکھا ہے ''کھجور کی شاخ کا تلوار بن جانا مٹی سے پرندہ بن جانے کی مثل ہے۔'' ''دلائل النبوۃ'' از امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی ''میں آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا حتیٰ کہ آپ میری بچی کو زندہ کر دیں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے فرمایا ''مجھے اس کی قبر دکھاؤ'' اس نے آپ کو اس کی قبر دکھائی۔ آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمایا ''اے فلانۃ!'' اس نے عرض کی ''لبیک وسعدیک'' خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے، کوڑھیوں کو تندرست کرنے اور مردوں کو زندہ کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شریک ہیں۔ البتہ اضافہ یہ ہے کہ جمادات نے آپ کے لئے گفتگو کی۔ بکری کا ایک حصہ اس کے جسم سے علیحدہ ہو کر آپ کے ساتھ ہمکلام ہوا۔ ایسے معجزات کسی اور نبی کے لئے ظہور پذیر نہیں ہوئے۔ البتہ مائدہ کا نزول بنی اسرائیل کے لئے آزمائش تھا۔ وہ نعمت نہیں تھا۔ اس

لئے اس سے کفر کرنے پر وہ ملعون ہوئے۔ اگر اسے کرامت وعزت سمجھا بھی جائے تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں اس کی نظیر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زادراہ ختم ہوگیا۔ کچھ زادراہ جمع کیا گیا جو بکری سے کم وزن تھا۔ دس سے کم آدمی اسے بآسانی کھا سکتے تھے۔ آپ نے اس میں برکت کی دعا کی لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔ کھانا ابھی اسی طرح پڑا ہوا تھا۔ صحابہ کرام کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی۔ یہ مائدہ آسمان سے نازل ہوا تھا۔ یہ مبارک کھانا تھا جسے رب تعالیٰ نے کلمہ ''کن'' سے پیدا کیا تھا۔ اس میں نہ جھڑک نہ وعید، نہ شدت، نہ آزمائش، نہ فتنہ اور نہ ہی اس سے توبہ کا دروازہ بند کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ سراپا نعمت تھا۔

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اپنے اہل خانہ کے پاس گیا۔ اس نے ان کی ضروریات دیکھیں پھر کسی چیز کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ اس کی زوجہ نے درگاہ ربوبیت میں التجاء کی ''مولا! ہمیں وہ روزق عطا فرما ہم جسے گوندھیں اور روٹیاں پکائیں''۔ اچانک بڑا پیالہ خمیرے آٹے سے بھر گیا۔ چکی چلنے لگی اور تنور بھونے ہوئے گوشت سے بھر گیا۔ اس کا خاوند آیا۔ اس نے چکی چلنے کی آواز سنی۔ وہ عورت اس کے لئے دروازہ کھولنے کے لئے اٹھی اس آدمی نے پوچھا ''تو کیا پیس رہی تھی؟ اس عورت نے سارا تعجب خیز واقعہ بیان کر دیا۔ ان کی چکی چلتی رہتی۔ آٹا پستی رہی گھر کے سارے برتن آٹے سے لبریز ہوگئے۔ انہوں نے چکی کو اٹھا دیا اور اس کے اردگرد جھاڑو دے دیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ بارگاہ رسالت مآب میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''تم نے اس چکی کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی ''ہم نے اسے اٹھا دیا اور اس کے اردگرد صفائی کر دی''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے اس طرح چھوڑ دیتے تو یہ تمہاری ساری زندگی تک اسی طرح چلتی رہتی''۔ دوسری روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم اسے چھوڑ دیتے تو یہ روز حشر تک اسی طرح گھومتی رہتی''۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ انہیں علم ہو جاتا تھا کہ لوگوں نے اپنے گھروں میں کیا چھپایا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِىْ بُيُوْتِكُمْ (آل عمران: 49)

''اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کرتے ہو اپنے گھروں میں''۔

وہ لوگوں کو بتا دیتے تھے کہ انہوں نے کیا کھایا ہے اور وہ کیا کھائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم بالمغیبات اتنا زیادہ تھا کہ وہ بحر بےکراں تھا۔ ان میں سے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھالیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شب معراج آسمان کی سیر کرائی گئی۔ بلکہ درجات کی رفعت کے لئے آپ نے عرش معلی تک سیر کی۔ رب تعالیٰ سے مناجات کیں حریم قدس میں مشاہدات کر کے محبت اور مقام ومنصب میں رفعت پائی۔ یہ ان معجزات کی تفصیل تھی جو رب تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا کئے اور ان کی نظیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے خصائص سے بھی نوازا ہے جو دیگر انبیاء کرام میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائے ان کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے۔

امام احمد اور امام بخاری وغیرہما نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے پانچ اشیاء ایسی دی گئی ہیں جو میرے سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔ ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی طرف ہی مبعوث کیا گیا۔ مجھے ہر سرخ اور سیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا۔ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ مجھ سے پہلے یہ کسی پر بھی حلال نہ تھا۔ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا۔ میری امت میں سے جو شخص بھی نماز کا وقت پالے وہ جہاں چاہے نماز پڑھ لے۔ مجھ سے پہلے لوگ صرف اپنے کنائس میں ہی نماز پڑھتے تھے"۔ ایک اور روایت میں ہے "مجھ سے پہلے انبیاء کرام میں سے کوئی نماز نہ پڑھتا حتیٰ کہ وہ اپنے محراب میں پہنچ جاتا۔ ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے"۔ (یہ خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلقاً حاصل تھی خواہ آپ تنہا لشکر کے بغیر ہی ہوتے) مجھے شفاعت عظمیٰ عطا کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں ہے "مجھے شفاعت عطا کی گئی۔ میں نے اسے اپنی امت کے لئے پسند کر لیا ہے یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے کسی کو رب تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرایا"۔ اس روایت سے مراد یہ نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص صرف یہ پانچ ہی ہیں۔ بلکہ بعض روایات میں پانچ سے زائد کا بھی تذکرہ ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مجھے چھ اعتبار سے انبیاء کرام پر فضیلت دی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم دیا گیا ہے۔ رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی ہے۔ زمین کو میرے لئے مسجد اور پاکیزہ بنا دیا گیا ہے۔ مجھے ساری مخلوق کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ مجھ پر نبوت ختم کی گئی ہے"۔ ایک اور روایت میں ہے "مجھے "سورۃ البقرہ" عرش کے نیچے خزانے سے دی گئی ہے۔ مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ میری امت کو بہترین امت بنایا گیا ہے۔ میرے لئے میرے اگلے اور پچھلوں کی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ مجھے کوثر عطا کی گئی ہے"۔ ایک اور روایت میں ہے "تمہارے یہ ساتھی (فداہ روحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روز حشر لواء حمد کے مالک ہوں گے۔ حضرت آدم اور بنی آدم سارے اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص بہت سے ہیں۔ جب بھی رب تعالیٰ نے آپ کو ان میں سے کسی کے بارے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو اس کے متعلق بتا دیا۔ میں نے خصائص مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایک علیحدہ تالیف لکھی ہے جس میں میں نے کافی خصائص کا تذکرہ کیا ہے۔

عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اور اس کے تقاضے

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ (الانفال:20)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی"۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ (آل عمران)

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝ (النساء)

''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان کا پاسبان بنا کر''۔

یعنی جس نے رسول معظم ﷺ کی اس لئے اطاعت کی کہ آپ ﷺ رسول برحق ہیں اور آپ نے مخلوق کی طرف احکام الٰہیہ پہنچائے ہیں۔ حقیقت میں اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ درحقیقت یہ سعادت توفیق الٰہی سے ہی مل سکتی ہے جسے رب تعالیٰ ہدایت سے نابینا کر دے اور صراط مستقیم سے بھٹکا دے تو کوئی شخص اسے راہ راست پر گامزن نہیں کر سکتا۔ یہ آیت طیبہ اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ رسول ہر امر اور نہی میں معصوم ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے پہنچانے والے ہر حکم میں وہ معصوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی طرف سے اگر غلطی کا امکان ہو تو اس کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت نہیں بن سکتی۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69)

''اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین''۔

اس آیت طیبہ میں اطاعت شعاروں کے لئے عام انعام کا تذکرہ ہے خواہ ان کا تعلق صحابہ کرام کے فرخندہ فال گروہ کے ساتھ ہو یا وہ ان کے بعد آنے والے ہوں۔ وہ دار آخرت میں ایک دوسرے کی معیت میں ہوں گے۔ اگرچہ وہ دار دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات نہ بھی کر سکے ہوں۔ اس آیت طیبہ کا شان نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ جدائی اور فراق کا ایک لمحہ بھی صبر آزما ہوتا تھا۔ ایک روز بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے چہرہ کا رنگ متغیر تھا۔ جسم کمزور و ناتواں تھا۔ چہرہ سے رنج والم کے تاثرات عیاں تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اس حالت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھے کوئی درد و الم اس کے علاوہ نہیں اگر میں آپ کو چند گھڑیاں نہ دیکھ سکوں تو یہ لمحات مجھ پر بڑے شاق گزرتے ہیں۔ مجھے درد جدائی آلیتا ہے۔ حتیٰ کہ میں آپ سے ملاقات کرلوں۔ پھر مجھے دار آخرت یاد آگیا۔ وہاں مجھے آپ کی زیارت کب نصیب ہو سکے گی۔ اگر میں جنت میں داخل ہو بھی گیا تو آپ ﷺ تو انبیائے کرام کے درجات عالیہ پر فائز ہوں گے''۔ اس وقت اس آیت طیبہ کا نزول ہوا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت ہے کہ ایک نوجوان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس عالم رنگ و بو میں تو ہم آپ کی زیارت سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں۔ روز حشر ہم آپ کا دیدار کیسے کر سکیں گے۔ آپ جنت میں بلند درجات پر فائز ہوں گے''۔ اس وقت رب تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔ حضور اکرم ﷺ

نے اس نوجوان سے فرمایا "جنت میں تم میرے ساتھ ہو گے"۔

اس آیت طیبہ میں الفاظ کی عمومیت کا اعتبار ہے نہ کہ اس کا تعلق مخصوص سبب کے ساتھ ہے۔ اس آیت طیبہ میں اطاعت پر ابھارنا اور ترغیب دلانا بھی مقصود ہے۔ اس کا حکم سارے مکلفین کے لئے عام ہے۔ یعنی جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وہ رسول مکرم ﷺ کی اطاعت بجالایا۔ وہ بلند درجات اور ذو شرف مراتب پر فائز ہوگا۔ اس اطاعت سے مراد صرف ایک یا دو چیزوں میں اطاعت نہیں ہے۔ ورنہ فاسق اور کفار بھی اس میں شامل ہو جائیں گے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ امور جن کا حکم دیا گیا ہے "ان پر عمل پیرا ہوا جائے اور جن امور سے روکا گیا ہے ان کو ترک کر دیا جائے۔ اس آیت طیبہ سے مراد یہ بھی نہیں کہ یہ سب ایک ہی درجہ میں ہوں گے۔ کیونکہ فاضل اور مفضول کے مابین مساوات درست نہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ جنت میں اس طرح ہوں گے کہ ان کے لئے دیدار اور زیارت ممکن ہوگی۔ اگرچہ مقام ومنصب بلند بھی ہو گا۔ کیونکہ جب حجاب زائل ہو جائے گا تو بعض بعض کا مشاہدہ کر سکیں گے۔ جب وہ دیدار کرنے اور ملاقات کرنے کا ارادہ کریں گے تو وہ اس پر قادر ہوں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی ہوگی۔

معیت اور حقیقی صحبت روح کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ صرف اجسام کے ساتھ۔ یہ قلب کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ قالب کے ساتھ۔ اسی لئے حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کو آپ کی معیت حاصل تھی۔ لوگوں میں سے قریب ترین تھے۔ حالانکہ وہ سرزمین حبشہ میں تھے۔ لیکن عبداللہ بن ابی لوگوں میں سے آپ سے دور ترین تھا۔ حالانکہ وہ مدینہ طیبہ میں تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندہ اطاعت یا معصیت کا یا کسی شخص کا اپنے دل کے ساتھ ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے ارادہ اور محبت کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوتا ہے دور نہیں ہوتا۔ ارواح حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوتی ہیں۔ خواہ ان کے مابین مسافت زمانیہ اور مکانیہ بہت زیادہ ہو۔

بعض اسلاف نے فرمایا ہے "ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: 31)

"(اے محبوب!) آپ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت اپنے لئے اور اپنی محبت ان کے لئے اتباع رسول ﷺ کے ساتھ مشروط کر دی۔ اگر شرط کا وجود نہ ہو تو مشروط کا وجود بھی ممتنع ہو جاتا ہے۔ اتباع نہ رہی تو محبت بھی نہ رہی۔ اگر ان کی رب تعالیٰ کے ساتھ محبت کی نفی ہوگئی تو ان کے لئے بھی رب تعالیٰ کی محبت کی نفی ہوگئی۔ عبودیت میں اصل محبت کا وجود کافی نہیں ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ ہر چیز سے محبوب ہو جائیں اگر کوئی چیز بھی کسی کو اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ سے پیاری ہوگئی تو یہ وہ شرک ہے۔

محبت کے اسباب

اس تعریف میں اسباب محبت کا تذکرہ ہے۔ دل اس ذات سے محبت کرتا ہے جس نے اس پر احسان کیا ہو۔ جب انسان اس شخص سے محبت کرتا ہے جس نے اسے اس فانی دنیا میں سے کوئی ایک یا دو چیزیں دی ہو یا عارضی ہلاکت یا نقصان سے بچایا ہو۔ اس ذات والا کے ساتھ محبت کرنے کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جس نے ابدی اور سرمدی نعمتوں سے نوازا ہے۔ انسان کو عذاب الیم سے بچایا ہو۔ وہ عذاب جو نہ فنا ہونے والا تھا اور نہ ختم ہونے والا تھا۔ بعض اوقات انسان کسی حسن صورت اور حسین سیرت سے محبت کرتا ہے۔ اس نبی کریم اور رسول عظیم ﷺ کے بارے تمہارا کیا خیال ہے جو سارے محاسن اخلاق کو جامع ہے جو جوامع المکارم اور فضل عمیم کی شان والا سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے طفیل ہمیں کفر کی ظلمتوں سے نکال کر نور ایمان تک پہنچا دیا۔ ہمیں جہالت کی آگ سے نکال کر معارف اور ایقان کے باغات تک پہنچا دیا۔ وہی بقاء ابدی کے لئے نعمت سرمدی میں رہنے کا سبب بنے۔ اس احسان سے بڑھ کر اور فزوں تر کیا احسان ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اس طرح کسی اور کا کوئی احسان نہیں۔ جس طرح آپ کا احسان ہے۔ کسی بشر کا اتنا فضل نہیں جتنا فضل آپ نے ہم پر فرمایا ہے۔ ہم آپ کا کچھ شکریہ بھی کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ آپ کے حق کے دسویں کا دسویں حصہ بھی کیسے ادا کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کے طفیل رب تعالیٰ نے ہمیں دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے نوازا۔ ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل کیں۔ آپ ﷺ اس امر کے مستحق ہیں کہ ہم آپ سے اپنے نفوس، اولاد، اہل، اموال اور سارے لوگوں سے بڑھ کر محبت کریں۔ بلکہ اگر ہمارے ہر ہر بال کے نیچے آپ کی محبت کا سرچشمہ پھوٹ نکلے پھر بھی آپ کی محبت کا کچھ حق ہی ادا ہو گا۔

حضور اکرم ﷺ کے فرامین

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی ایمان دار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اسے اس کے والدین اور اولاد سے محبوب ہو جاؤں" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "اور سارے لوگوں سے بڑھ کر محبوب بن جاؤں" ایک اور روایت میں ہے "تم میں سے کوئی بھی ایمان دار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نفس سے بڑھ کر محبوب ہو جاؤں"۔

امام قرطبی نے لکھا ہے "جو شخص بھی حضور ﷺ پر صحیح ایمان لایا۔ وہ آپ کی محبت میں کچھ نہ کچھ پا لینے سے رہ نہیں سکتا۔ البتہ اہل محبت کے درجات متفرق ہیں۔ بعض محبت میں بلند درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ بعض ایسے فرخندہ فال ہوتے ہیں کہ جب بھی حضور ﷺ کا ذکر خیر ہو وہ آپ کے دیدار کے مشتاق ہوتے ہیں۔ وہ اسے اپنے اہل خانہ، اولاد اور مال پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ امور عظیمہ میں اپنے نفوس خرچ کر ڈالتے ہیں۔ وہ اپنے نفس میں ایسا وجدان پاتے ہیں جس میں انہیں کوئی تردد نہیں ہوتا۔ اس مرتبہ کے بعض لوگ آپ ﷺ کے روضہ انور کی زیارت کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ آپ کے آثار کے مقامات مقدسہ کی زیارت سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں۔ البتہ غفلت کی وجہ سے یہ درجہ سریع الزوال ہوتا ہے۔ دونوں عالم کی

بھلائی کے لئے جو فائدہ آپ کی بارگاہ والا سے ملتا ہے اس کے اعتبار سے محبت کے درجات میں بھی فرق ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اتم اور اکمل حصہ ملا۔ کیونکہ یہ معرفت کا ثمرہ ہے اس لئے ان میں یہ اتم پایا جاتا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری خاتون کا والد، بھائی اور خاوند غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ اسے ان سب کے بارے بتایا گیا۔ اس نے پوچھا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس حالت میں ہیں"۔ اسے بتایا کہ آپ الحمدللہ بخیر و عافیت ہیں۔ اس خاتون نے کہا "میں آپ کی زیارت کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کا دیدار کراؤ"۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو عرض گزار ہوئی "آپ کی زیارت کے بعد ہر مصیبت چھوٹی ہے"۔

دوسری روایت میں ہے "جب مدینہ طیبہ میں آہ و بکا زیادہ ہو گئی تو ایک انصاری خاتون باہر نکل آئی۔ اس کے سامنے سے شہداء گزارے جانے لگے۔ جب بھی اس کے سامنے سے کسی شہید کو گزارا جاتا تو وہ پوچھتی یہ کون ہے۔ جس کے سر پر شہادت کا تاج سجایا گیا ہے؟ صحابہ کرام نے بتایا "یہ تمہارا بھائی، یہ تمہارا والد یہ تمہارا بیٹا اور یہ تمہارا خاوند ہے" اس نے پوچھا "حضور سیدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟" صحابہ کرام نے فرمایا "وہ تمہارے آگے ہیں" وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب چلی گئی۔ آپ کے دامن کرم کو تھاما۔ پھر کہا "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے والدین آپ پر فدا! آپ کو سلامت دیکھ کر مجھے کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں رہی"۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "کوئی ذات مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے" حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اپنے اموال، اولاد، آباء، ماؤں اور ٹھنڈے پانی سے بڑھ کر محبوب ہیں"۔

جب اہل مکہ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لئے حرم شریف سے باہر لے گئے تو ابوسفیان نے ان سے پوچھا "زید! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تمہیں پسند ہے کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت تمہاری جگہ ہوتے۔ ہم ان کا سرتن سے جدا کر رہے ہوتے اور تم اپنے اہل خانہ میں ہوتے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جگہ تشریف فرما ہیں جہاں جلوہ افروز ہیں اور آپ کے پاؤں مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔ جبکہ میں اپنے اہل خانہ کے پاس رہوں" عشق سے لبریز یہ جواب سن کر ابوسفیان نے کہا "میں نے کسی کو کسی کے ساتھ اس طرح محبت کرتے نہیں دیکھا جس طرح محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ آپ سے محبت کرتے ہیں"۔

"المواہب" میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے۔ ان کا لخت جگر ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر لے کر آیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا مانگی "مولا! میری بینائی چھین لے تاکہ میں اپنے محبوب کریم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کو نہ دیکھ سکوں" اس کے بعد ان کی بینائی ختم ہو گئی۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جن میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی

حلاوت پالے گا۔ ❶ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم ﷺ اسے ہر چیز سے محبوب ہوں۔ ❷ وہ جس شخص سے بھی پیار کرے اللہ تعالیٰ کے لئے پیار کرے۔ ❸ وہ کفر میں لوٹنا اس طرح ناپسند کرے جس طرح کہ وہ آگ میں پھینکا جانا ناپسند کرتا ہے۔

حضور سید موجودات ﷺ نے فرمایا ''اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو اللہ تعالیٰ پر رب ہونے، اسلام پر دین ہونے اور محمد عربی ﷺ پر رسول ہونے سے راضی ہو گیا''۔

حضور ﷺ نے ایمان کے ذوق کو اللہ تعالیٰ سے رب ہونے پر راضی ہونے سے معلق فرمایا۔ اس کی حلاوت کے وجدان کو اس کے ساتھ معلق کیا جس پر یہ موقوف ہے اور جس کے ساتھ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ یعنی بندے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ ساری چیزوں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ ایمان کی حلاوت کا معنی اطاعات سے لذت پانا، دین میں مشقتیں برداشت کرنا اور اسے دنیاوی اغراض سے مقدم کرنا ہے۔ بندے کی اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ اس کی اطاعت بجالائے اور اس کی مخالفت ترک کر دے۔ حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان عالی شان میں حلاوۃ الایمان استعارہ تخیلیہ ہے۔ ایمان میں مؤمن کی رغبت کو شیریں چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اسے اس کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عارف باللہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''اس مذکورہ حلاوت میں اختلاف ہے کہ کیا یہ محسوسہ ہے یا معنویہ۔ فقہاء نے اسے معنی پر محمول کیا ہے جبکہ صوفیاء نے اسے اس کے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے اس کی تاویل کئے بغیر اسے محسوس قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اسلاف صالحین اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات کرنے والوں کے حالات صوفیاء کرام کے مؤقف کی تائید کرتے ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ انہوں نے اس حلاوت کو محسوس کیا تھا۔ ان میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حکایت دلنشین بھی ہے۔ جب مکہ مکرمہ کی دہکتی ریت پر انہیں لٹایا جاتا تو وہ ''احد احد'' کے نعرے لگاتے۔ وہ تکلیف کی سختی کو ایمان کی حلاوت کے ساتھ ملاتے تھے۔ اس طرح جب ان کے وصال کا وقت قریب آیا تو ان کے اہل خانہ ''واکرباہ'' ہائے مصیبت پکار رہے تھے تو وہ ''واطرباہ'' کا نعرہ لگا رہے تھے۔ ہائے مژدہ! میں محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ ملاقات کروں گا'' انہوں نے موت کی تلخی کو ملاقات کی حلاوت کے ساتھ ملایا۔

اسی طرح اس صحابی کا واقعہ بھی ہے جن کا رات کے وقت گھوڑا چوری کر لیا گیا۔ جبکہ وہ نماز ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے چور کو دیکھا وہ گھوڑا کھول رہا تھا۔ مگر انہوں نے اس کے لئے اپنی نماز منقطع نہ کی۔ جب ان سے اس کے متعلق عرض کی گئی تو انہوں نے فرمایا ''میں جس کام میں مصروف تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر لذیذ تھا'' اس سے مراد ایمان کی وہ حلاوت ہے جس کو انہوں نے اس وقت محسوس کیا تھا۔ اس طرح کی اور کئی امثال ہیں۔

عارف باللہ حضرت تاج الدین بن عطاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ''وہ دل جو غفلت کی امراض سے سلامت ہوں۔ جو خواہشات سے پاکیزہ ہوں وہ معنوی لذتوں سے بھی اسی طرح شاد کام ہوتے ہیں جس طرح ہم کھانے کی اشیاء سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا جو رب تعالیٰ سے اپنا رب ہونے پر راضی ہو گیا۔ اس نے اس کے سامنے سر

اطاعت خم کیا۔ اپنا اختیار اسی کے سپرد کیا۔ وہ زندگی کی لذت اور خودسپردگی کی راحت پالے گا۔ جب وہ رب تعالیٰ سے راضی ہوگیا تو رب تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوگیا۔ رب تعالیٰ نے اسے اس کی حلاوت بھی چکھادی تا کہ وہ اس احسان کو جان لے جو رب تعالیٰ نے اس پر کیا ہے جس بندے پر یہ عنایت ربانی ہوجاتی ہے وہ دل کی مرض سے عافیت پا جاتا ہے۔ وہ دل کے ادراک کی صحت اور اس کے ذوق کی سلامتی کی وجہ سے ایمان کی لذت اور حلاوت کو پا جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی شان "وہ شخص اسلام پر دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہو" کا مفہوم یہ ہے کہ جب آدمی اس امر پر راضی ہوجائے جس پر اس کا اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے تو اسلام کے بطور دین ہونے پر بھی راضی ہوجاتا ہے یہ امر ناگزیر ہے۔ کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا نبی ہونے کے حوالہ سے راضی ہوجاتا ہے آپ اس کے لئے مددگار ہوں۔ وہ آپ کے آداب اپنائے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ سے خود کو آراستہ کرے۔ دنیا کو ترک کرے۔ اسے خیرآباد کہے۔ جو اس پر زیادتی کرے اسے معاف کردے۔ جو اس سے برا کرے اس سے درگزر سے کام لے۔ قول، فعل، اخذ، ترک، محبت اور بغض الغرض ہر اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ جو رب تعالیٰ پر اپنے رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہوگیا اس نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرلیا جو اس پر اپنا دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہوگیا اس نے اس پر عمل کیا جو حضور فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی ہونے کے اعتبار سے راضی ہوگیا۔ اس نے آپ کی اتباع کرلی۔ ان امور میں سے ایک کا ہونا اور بقیہ کا نہ ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ پر تو رب ہونے کے اعتبار سے راضی ہو لیکن اسلام پر دین ہونے کے اعتبار سے راضی نہ ہو۔ یا وہ اسلام پر تو دین ہونے کے اعتبار سے راضی ہو لیکن حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی ہونے کے اعتبار سے راضی نہ ہو۔ یہ تینوں امور آپس میں اس طرح لازم وملزوم ہیں کہ کوئی اخفاء نہیں ہے۔

اللہ رب العزت کی محبت کی دو اقسام ہیں۔ (۱) فرض (۲) مستحب۔

فرض محبت وہ ہے جو اوامر پر ابھارتی ہے اور گناہوں سے کنارہ کشی پر برانگیختہ کرتی ہے۔ جو کسی حرام فعل میں مشغول ہو کر یا واجب کو ترک کر کے معصیت میں گر پڑا تو اس کی محبت الٰہیہ میں کمی ہے۔ اس نے اپنے نفس کی خواہش کو مقدم کیا۔ اگر یہ کوتاہی لگاتار اور کثیر ہو تو یہ غفلت کا سبب بن جاتی ہے۔ مستحب محبت وہ ہے کہ آدمی نوافل ادا کرنے پر مداومت اختیار کرے، شبہات سے بچے۔ عمومی اوقات اور احوال میں ایسے اوصاف سے متصف لوگ بہت کم ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث قدسی روایت کی ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا "جس طرح بندہ فرائض کی ادائیگی کر کے میرا قرب حاصل کرتا ہے اس طرح وہ کسی اور طریقہ سے میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا۔ بندہ نوافل ادا کرتے کرتے میرے اتنے قریب ہوجاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ سنتا ہے۔ میں اس کی قوت بصارت بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ پکڑتا ہے۔ اس کی وہ ٹانگ بن جاتا ہوں جس کے ذریعے وہ چلتا ہے۔ مجھ سے سنتا ہے۔ مجھ سے دیکھتا ہے۔ مجھ سے پکڑتا ہے۔ مجھ سے چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں

اسے ضرور عطا کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔ مجھے جتنا تردد اپنے مومن بندے کی روح قبض کرتے ہوئے ہوتا ہے اتنا تردد کبھی نہیں ہوتا وہ موت کو ناپسند کرتا ہے۔

حدیث پاک میں اس بات پر دلالت ہے کہ جب بندہ فرائض کی ادائیگی کرتا ہے۔ وہ نوافل ادا کرتا ہے۔ روزہ رکھتا ہے تو یہ عبادت اسے محبت الٰہیہ تک پہنچا دیتی ہے۔ البتہ اس فرمان عالی شان کو سمجھنا مشکل ہے"۔ میں اس کی قوت سماعت بن جاتا ہوں ...... یعنی رب تعالیٰ کی ذات والا کس طرح بندے کی قوت سماعت اور قوت بصارت بن جاتی ہے۔ اس مشکل کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔ ● یہ از روئے تمثیل بیان کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے کہ میں اس طرح ہو جاتا ہوں جس طرح اس کی قوت سماعت اور قوت بصارت میرے امر پر عمل کرنے میں تھی۔ وہ میری خدمت سے محبت کرتا ہے اور میری اطاعت کو اس طرح ترجیح دیتا ہے جس طرح وہ ان اعضاء سے محبت کرتا ہے۔ ● اس حدیث پاک کا دوسرا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس شخص کے سارے اعضاء میرے ساتھ مشغول ہوتے ہیں وہ قوت سماعت سے وہی کچھ سنتا ہے جو مجھے راضی کردے۔ وہ اپنی آنکھوں سے وہی کچھ دیکھتا ہے جن کا میں نے حکم دیا ہے۔ ● یا میں نصرت میں اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور ٹانگوں کی طرح ہو جاتا ہوں جس طرح اس کے یہ اعضاء دشمن کے خلاف اس کی معاونت کرتے ہیں۔ ● ایک معنی یہ بھی ہے کہ اس مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی اس کی سماعت کا محافظ بن جاتا ہوں۔ وہ صرف وہی بات سنتا ہے جس کا سننا حلال ہے۔ اسی طرح میں اس کی بصارت کی حفاظت کرتا ہوں۔ ● میں اس کا مسموع (جسے سنا جائے) بن جاتا ہوں۔ ● یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بندہ صرف میرا ذکر سنتا ہے۔ صرف میری کتاب حکیم کی تلاوت سے لذت پاتا ہے۔ میرے ساتھ مناجات کرنے سے انس رکھتا ہے۔ وہ صرف میرے ملکوت کے عجائب میں دیکھتا ہے وہ اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس میں میری رضا ہوتی ہے۔ وہ اس چیز کی طرف چلتا ہے جس میں میری رحمت ہوتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مبارک روایت رب تعالیٰ کی بندے کی نصرت، تائید اور اعانت سے کنایہ ہے حتیٰ کہ وہ ذات باری تعالیٰ ان آلات کی جگہ آ جاتی ہے جن کے ساتھ وہ بندہ مدد لیتا ہے۔ وہ اس کی التجاء کو جلد قبول کر لیتا ہے اور اسے مقصد جلد عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابو عثمان الحریری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "اس حدیث مبارک کا معنی یہ ہے کہ میں اس بندے کی ضروریات کو پورا کرنے میں اس کے کانوں کی قوت سماعت، آنکھوں کی قوت بصارت، ہاتھوں کے لمس، پاؤں کے چلنے سے بھی زیادہ تیز ہو جاتا ہوں۔

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ سے محبت کے دو اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ ● فرائض کی ادائیگی۔ ● نوافل سے قرب الٰہی۔ محبت کرنے والا نوافل کثرت سے پڑھتا ہے حتیٰ کہ وہ رب تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے جب وہ محبوب خدا کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو یہ مقام اسے ایک اور محبت کا شیدائی بنا دیتی ہے جو مرتبہ میں پہلی محبت سے فائق ہوتی ہے۔ یہ محبت اسکے سارے دل پر غلبہ پالیتی ہے وہ اپنے محبوب کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچتا بھی نہیں۔ اس کی روح اس پر غلبہ پالیتی ہے۔ دل میں محبوب کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ محبوب کا ذکر پاک اس کے دل کی زمام بن جاتا ہے۔ اس کی روح پر غالب آ جاتا ہے جس طرح کہ محبوب اپنے محب صادق پر غالب آ جاتا ہے۔ اس کے دل کی ساری توانائیاں اس کے لئے وقف

ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ ایسا محب اگر سنتا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی سنتا ہے۔ اگر دیکھتا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی دیکھتا ہے۔ اگر چلتا ہے تو اپنے محبوب کے ساتھ ہی چلتا ہے۔ وہ اس کا دل، نفس، انیس اور ساتھی بن جاتا ہے"بِیْ یَسْمَعُ" میں باء مصاحبت کے لئے ہے اس مصاحبت کی کوئی مثال نہیں۔ صرف علم اور اخبار سے اس کا ادراک ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا تعلق حال کے ساتھ ہے۔ یہ صرف علمی مسئلہ نہیں۔ جب بندہ اپنے مولیٰ سے محبت کرنے لگتا ہے تو رب تعالیٰ بھی اس کی احتیاجات اور ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا "اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور عطا کروں گا۔ اگر اس نے مجھ سے پناہ طلب کی تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔ یعنی جس طرح میرا حکم بجالا کر میری محبت میں میرا قرب حاصل کرتا ہے میں بھی اس کی رغبت کے ساتھ موافقت کرتا ہوں۔ اس موافقت کا یہ امر اتنا قوی ہو جاتا ہے کہ یہ اس بندے کی موت میں رب تعالیٰ کے تردد کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ وہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے رب تعالیٰ بھی اس چیز کو ناپسند کرتا ہے جسے اس کا بندہ ناپسند کرتا ہے۔ اس جہت سے اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اس پر موت طاری نہ کرے۔ لیکن مصلحت اس کی موت میں ہی پنہاں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس پر موت صرف اس لئے طاری کرتا ہے تاکہ اسے نئی زندگی عطا کرے۔ وہ اسے مرض میں صرف اس لئے مبتلا کرتا ہے تاکہ اس کی اصلاح کرے۔ اس نے اسے اس کے باپ کی صلب میں اسے جنت سے صرف اس لئے نکالا تھا تاکہ اسے اس کے احسن احوال کے ساتھ دوبارہ جنت میں داخل کر دے۔ حقیقت میں وہی ذات اس کی حبیب ہے اور کوئی نہیں۔ اس جملہ میں رب تعالیٰ کی بندے پر شفقت، لطف اور رحمت کا تذکرہ ہے۔

مختصر یہ کہ دلوں کو زندگی صرف محبت الٰہیہ اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ زندگی صرف اور صرف ان محبین کی ہے جنہوں نے محبت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لیں۔ ان کے نفوس کو محبت میں سکون نصیب ہوا۔ دلوں کو محبت میں طمانیت ملی۔ اللہ تعالیٰ کے قرب سے انس نصیب ہوا۔ اس کی محبت کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔ دل میں ایک ایسی طاقت ہے جسے محبت الٰہیہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی روکا جا سکتا ہے۔ جو شخص اس پر فتحیابی نہیں پا سکتا اس کی ساری زندگی غموں، ہموں، دردوں اور حسرتوں سے لبریز ہوتی ہے۔ بندہ اس بلند مقام اور رفیع منصب پر اس وقت ہی پہنچتا ہے جب وہ رب تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔ اس راستہ پر گامزن ہوتا ہے جو اسے اس تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ بصیرت کی شعاعوں سے ظلمات کے دبیز پردے چاک کر دیتا ہے۔ اس کے دل میں آخرت کے شواہد میں سے ایک شاہد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اسے پوری طرح قبول کر لیتا ہے۔ وہ پکی توبہ کرنے اور ظاہری اور باطنی طور پر سارے احکام الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے لگتا ہے۔ پھر اپنے دل پر ایک نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔ وہ اسے ایک فعل پر بھی معاف نہیں کرتا۔ جسے رب تعالیٰ ناپسند کرتا ہو۔ اس طرح ذکر الٰہی، اس کی محبت اور اس کی طرف میلان کی وجہ سے اس کا دل پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی طبیعت اور نفس کے گھروں سے نکلتا ہے اپنے رب کے ساتھ اور اس کے ذکر کے ساتھ خلوت گزیں ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کا دل، خاطر اور حدیث نفس اس کے رب تعالیٰ کے ارادہ، اس کی جستجو اور اس کی طرف شوق کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ اس بات میں سچا ہو تو اسے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لازوال نعمت سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔ روحانیت اس کے دل پر غلبہ پا لیتی ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ذات والا کو اپنا پیشوا، استاذ، معلم اور شیخ بنالیتا ہے۔ جس طرح کہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس کا نبی، رسول اور ہادی بنایا تھا۔ وہ امور کے مبادی اور نزول وحی کی کیفیت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ وہ آپ کی صفات حمیدہ، اخلاق عالیہ، آداب اور آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ کی معاشرت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ جب یہ امر اس کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو اس پر اس وحی الٰہی کو سمجھنے کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جو آپ کی ذات والا پر رب تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ جب وہ کسی سورت کو پڑھتا ہے تو اس کا دل مشاہدہ کرتا ہے کہ آپ پر کیا نازل ہوا۔ یا اس کا ارادہ کیا ہے۔ وہ گندی صفات، برے اخلاق اور مذموم اخلاق سے اس طرح نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس طرح وہ امراض سے شفاء حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علامات (تقاضے)

آپ کی اقتداء اور اتباع

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور عشق کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ بندہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، اقتداء، آپ کی ہدایت، سیرت اور سنن پر عمل پیرا ہونے لگتا ہے۔ وہ شریعت مطہرہ کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 31)

"(اے محبوب!) آپ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ"۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کو بندے کے لئے اپنے مولیٰ کی محبت کی نشانی قرار دیا ہے اور اس کی اس اتباع کی جزاء اللہ تعالیٰ کی محبت کی صورت میں دی ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

تَعْصِی الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تَظْهَرُ حُبَّهٗ　هٰذَا لَعَمْرِیْ فِی الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ

تو رب تعالیٰ کی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے پھر اس کی نافرمانی بھی کرتا ہے۔ یہ امر (زندگی کی قسم) قیاس میں بہت عجیب و غریب ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاَطَعْتَهٗ　اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت بھی ضرور کرتا۔ کیونکہ محب اس کی اطاعت کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

یہ محبت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بندہ رب تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس آگہی کے لحاظ سے محبت کو تقویت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے بندے پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے اپنی محبت اور معرفت کا اہل بنایا ہے۔ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا اہل بنایا ہے۔ یہ در حقیقت وہ نور ہے جو رب تعالیٰ

اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ جب یہ نور مداومت اختیار کر لیتا ہے تو اس کی ذات ضوفشاں ہو جاتی ہے۔ اسے وہ کمالات اور محاسن نظر آنے لگتے ہیں جن کا اسے اہل بنایا گیا ہے۔ اس کی ہمت کو رفعت نصیب ہوتی ہے۔ عزیمت قوی ہوتی ہے۔ اس کے دل اور نفس سے ظلمات کافور ہونے لگتیں ہیں۔ کیونکہ نور اور تاریکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک دوسرے کو بھگا دیتے ہیں۔ اس وقت روح ہیبت اور پہلے حبیب کے ساتھ انس کے مابین ہوتی ہے۔

نَقِّلْ فُؤَادَكَ حَيْثُ شِئْتَ مِنَ الْهَوٰى مَا الْحُبُّ اِلَّا لِلْحَبِيْبِ الْاَوَّلِ

كَمْ مَنْزِلٍ لِيْ الْاَرْضِ يَاْلِفُهٗ الْفَتٰى وَحَنِيْنُهٗ اَبَدًا لِاَوَّلِ مَنْزِلِ

محبت کے اعتبار سے اپنے دل کو کہیں بھی لے جاؤ۔ محبت تو صرف پہلے محبوب کے ساتھ ہوتی ہے۔ زمین میں کتنے ہی گھروں میں جوان رہتا ہے لیکن اس کا دل ہمیشہ پہلے گھر کے لئے مچلتا رہتا ہے۔

اس اتباع کے اعتبار سے ہی محبت اور محبوبیت پائی جاتی ہے۔ امر محبت اور محبوبیت کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے۔ شان یہ نہیں کہ تو رب تعالیٰ سے محبت کرے بلکہ شان یہ ہے کہ وہ ذات تجھ سے محبت کرے۔ وہ صرف اس وقت تجھ سے محبت کرے گی جب تو ظاہری اور باطنی طور پر اس کے حبیب کی اتباع کرے گا۔ جب ان کی تصدیق کرے گا۔ ان کے امر کی اطاعت کرے گا اور برضا و رغبت ان کی دعوت کو قبول کرے گا۔ ان کے حکم کی وجہ سے ہر ایک حکم اور ان کی محبت میں ہر ایک کی محبت سے اور ان کی اطاعت میں ہر ایک کی اطاعت سے فنا حاصل کرلے گا۔

علامہ محاسبی نے کہا ہے "اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے محبوب کریم ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ جب بندہ ایمان کی حلاوت کو چکھتا ہے اور اس کا ذائقہ پا لیتا ہے تو اس کے اثرات اس کے اعضاء اور زبان پر بھی ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس کی زبان ذکر الٰہی کو شیریں سمجھتی ہے۔ اس کے اعضاء اطاعت الٰہیہ میں جلدی کرتے ہیں۔ اس وقت ایمان کی محبت اس کے دل میں اس طرح داخل ہو جاتی ہے جس طرح پانی کی محبت شدید پیاسے شخص کی رگ و پے میں سما جاتی ہے۔ اطاعت سے اسے لذت نصیب ہوتی ہے۔ اطاعت کی تھکاوٹ ختم ہو جاتی ہے بلکہ یہ اطاعت اس کے دل کی غذا، سرور اور اس کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ اس کی روح کے لئے نعمت بن جاتی ہے۔ اسے سب سے بڑی جسمانی لذت نصیب ہوتی ہے۔ وہ اوراد، اذکار اور باقی اعمال میں تکلیف محسوس نہیں کرتا۔

امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جس نے میری سنت مطہرہ کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی۔ جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا"۔ حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "جو شخص اپنے آپ کو سنت مطہرہ کا پابند بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت کے ساتھ منور فرما دیتا ہے۔ اس سے بلند تر اور کوئی مقام نہیں کہ ایک شخص اوامر، افعال اور اخلاق میں اپنے حبیب لبیب ﷺ کی اتباع کرے"۔

حضرت ابو اسحاق الرقی نے کہا ہے "اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس کی اطاعت اور اس کے محبوب کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنے لگتا ہے" کسی اور عارف باللہ نے کہا ہے کہ کسی شخص پر نور ایمان کا اظہار ہو نہیں سکتا جب تک کہ وہ سنت مطہرہ کی اتباع نہ کرے اور بدعت سے کنارہ کشی نہ کرے۔ البتہ جو قرآن و سنت سے اعراض کرتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس سے علم کا فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ اگرچہ وہ علم لدنی کا دعویٰ بھی کرے۔ وہ علم نفس اور شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ علم لدنی روحانی اس وقت ہوتا ہے جب اس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روح پرور پیغام کے ساتھ مکمل موافقت ہو۔ ورنہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے علم ہوتا ہے۔ اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع دلوں کی زندگی، نگاہوں کی رونق، سینوں کی شفاء، نفوس کے لئے سدابہار چمن، ارواح کی لذت وحشت زدوں کے لئے انس اور حیرت زدوں کے لئے دلیل ہوتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو شرعی احکام عطا فرمائے ہیں ان سے ذرہ بھر بھی تنگدل نہ ہو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾ (النساء)

"پس (اے مصطفیٰ) تیرے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے"۔

جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ سے تنگدل ہو اور اسے قبول نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایمان کا اسم بھی چھین لیا ہے۔ عارف باللہ تاج الدین بن عطاء اللہ الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "اس آیت طیبہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ایمان حقیقی صرف اس شخص کو عطا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود پر قول، فعل، اخذ، ترک، محبت اور بغض کے اعتبار سے اپنا حاکم تصور کر لے۔ یہ حکم تکلیف، تعریف، تسلیم اور انقیاد ہر اعتبار سے ہو۔ احکام التکلیف سے مراد وہ اوامر اور نواہی ہیں جو بندے کے اکتساب سے تعلق رکھتے ہیں۔ احکام التعریف وہ ہیں جو معنی مراد کی سمجھ بوجھ کے لئے رب تعالیٰ نے تجھ پر وارد کئے ہیں اس سے یہ امر تمہارے لئے عیاں ہو گیا کہ تجھ پر صرف دو چیزوں سے حقیقت ایمان عیاں ہو گی۔ ● اس کا حکم بجا لانے اور اس کے قہر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ پھر رب تعالیٰ نے اس شخص کے لئے صرف ایمان کی نفی نہیں کی جو آپ کا فیصلہ تسلیم نہ کرے یا آپ کے فیصلہ سے تنگدل ہو جائے۔ حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے اس پر اپنی اس خاص ربوبیت کی قسم اٹھائی جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے یہ صرف رأفت، عنایت، تخصیص اور رعایت ہے کہ رب تعالیٰ نے "فَلَا الرَّبِّ" نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا "فَلَا وَرَبِّكَ" اس میں ایک تو قسم کے ساتھ مؤکد کرنا مقصود ہے۔ دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شفقت و عنایت کا اظہار بھی مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا حکم اپنا حکم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اپنا فیصلہ بنایا ہے۔ بندوں پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ آپ کے امر کے سامنے جھک جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایمان قبول نہیں کیا حتیٰ کہ وہ اس کے رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں۔ پھر صرف ظاہری طور پر حکم مان لینے پر

اکتفاء نہیں کیا بلکہ شرط عائد کی ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ سے تنگدل نہ ہوں۔ خواہ حکم ان کی خواہشات کے موافق ہو یا مخالف ہو۔ انوار کے فقدان اور اغیار کے وجود کی وجہ سے نفوس تنگدل ہوتے ہیں۔ لیکن اہل ایمان اس طرح نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایمان کے نور نے ان کے دلوں کو بھر دیا ہوتا ہے۔ وہ وسیع ہو جاتے ہیں انہیں انشراح صدر نصیب ہوتا ہے یہ واسع اور علیم کے نور کے ساتھ وسیع ہوتے ہیں۔ اس کے فضل عظیم کی مدد انہیں شامل حال ہوتی ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جو سارے احوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت (ملکیت) نہ دیکھے۔ اور اپنے نفس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں نہ سمجھے۔ اس نے سنت مطہرہ کی حلاوت کو نہیں چکھا'' کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کوئی آدمی وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے نفس سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں''۔

عارف باللہ حضرت ابو عبداللہ القرشی نے فرمایا ''محبت کی حقیقت یہ کہ تیرا سب کچھ اس ہستی کے لئے جل اٹھے جس سے تو محبت کرتا ہے۔ تجھ میں تیرے لئے کچھ بھی باقی نہ بچے''۔ جس بلند اقبال شخص نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس پر ترجیح دی اس کے لئے رب تعالیٰ نے آپ کے حریم ناز سے پردے اٹھا دیئے۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل ہو گئی اس کے لئے انس کے اسرار کے پوشیدہ حقائق عیاں ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کی نصرت

آپ کی محبت کا دم بھرنے والے کے لئے لازم ہے وہ قول و فعل کے ساتھ آپ کے دین متین کی نصرت کرے۔ آپ کی شریعت مطہرہ کی حمایت کرے، جود و کرم، ایثار، حلم اور صبر اور تواضع جیسے اخلاق عالیہ اپنائے۔ جس نے اس اعتبار سے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا اس نے ایمان کی حلاوت پالی۔ جس نے ایمان کی حلاوت پالی اسے اطاعت میں لذت ملنے لگی۔ وہ دین میں مصائب برداشت کرنے لگا۔ اس نے اسے دنیاوی مقاصد پر ترجیح دی۔

مصائب پر صبر

مصائب پر دامن صبر نہ چھوڑنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامات میں سے ہے۔ حتیٰ کہ صبر اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے۔ محبت کا سلطان اس کی اس فطرت کو تقویت دیتا ہے حتیٰ کہ اسے اپنی خواہشات پورا ہونے سے مصائب پر صبر کرنے میں زیادہ راحت نصیب ہوتی ہے۔ محبت کی مصیبت حلاوت کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ جب اس کے لئے وہ حلاوت مفقود ہوتی ہے وہ اس مصیبت کا مشتاق ہوتا ہے۔

تَشْكِي الْمُحِبُّوْنَ الْمَصَائِبَ لَيْتَنِي نُحِلْتُ بِمَا يَلْقَوْنَ مِنْ بَيْنِهِمْ وَحْدِي

فَكَانَتْ لِقَلْبِي لَذَّةُ الْحُبِّ كُلُّهَا فَلَمْ يَلْقِهَا قَبْلِي مُحِبٌّ وَلَا بَعْدِي

محبت کرنے والے مصائب کا شکوہ کرتے ہیں۔ کاش! مجھے تنہا سارے وہ مصائب دے دیئے جاتے جن میں وہ مبتلا ہیں۔ میرے دل کو محبت کی ساری لذت نصیب ہو جاتی۔ جو مجھ سے پہلے یا مجھ سے بعد کسی محب کو نصیب نہ ہوتی۔

کثیر ذکر، کثیر درود شریف

آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ محب آپ کا ذکر خیر کثرت سے کرے۔ آپ کی ذات والا پر کثرت سے درود پڑھے۔ کیونکہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ بعض محبین نے فرمایا ہے "ہمیشہ محبوب کو یاد کرنے کا نام محبت ہے"۔ ایک عاشق صادق نے کہا "محبوب کا ذکر سانسوں کی تعداد کے برابر ہو" ایک اور محب صادق نے کہا "محبت کی تین علامات ہوتی ہیں۔ (۱) اس کی گفتگو ذکر محبوب پر مشتمل ہوتی ہے۔ (۲) اس کی خاموشی اپنے محبوب میں غور و فکر ہوتی ہے۔ (۳) اس کا عمل اپنے محبوب کی اطاعت ہوتا ہے"۔

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے "محبت کرنے والوں کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے محبوب کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ نہ اسے منقطع کرتے ہیں۔ نہ اس سے اکتاتے ہیں اور نہ ہی سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حکماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ محبوب کا ذکر محبین کے دلوں پر غالب ہوتا ہے۔ وہ نہ اس کے عوض مانگتے ہیں۔ نہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اگر وہ ذکر محبوب کو منقطع کر دیں۔ ان کی زندگی مکدر ہو کر رہ جاتی ہے۔ انہیں ذکر محبوب کے علاوہ کسی اور چیز میں لذت نصیب نہیں ہوتی۔ لذت حاصل کرنے والوں کو سب سے زیادہ لذت ذکر محبوب میں نصیب ہوتی ہے۔ محبین کے دل ذکر محبوب کو لازم پکڑ کر لذتوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ ان کے اوہام شہوات کے دواعی سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ وہ ذخائر کے معادن اور تمنائے دل کے حصول کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ بعض اوقات محب کا وجد بڑھ جاتا ہے۔ آہ و فغاں اور گریہ وزاری شروع ہو جاتی ہے۔ رنگت متغیر ہو جاتی ہے۔ جسم نزم پڑ جاتا ہے۔ جلد پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات محب چیختا ہے۔ کبھی روتا ہے، کبھی زار وزار چلاتا ہے۔ کبھی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی گرتا ہے کبھی اٹھتا ہے۔ بعض اوقات وجد محب پر غالب آجاتا ہے اور اسے شہید محبت کے مقام رفیع پر فائز کر دیتا ہے۔

تعظیم و توقیر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر پاک کے وقت تعظیم کا اظہار کرنا اور نام مبارک سنتے وقت خضوع و خشوع کا اظہار کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی علامت ہے۔ آدمی کی فطرت ہے کہ وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کے لئے عاجزی کا اظہار کرتا ہے جیسا کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جونہی ذکر پاک مصطفیٰ علیہ التحیہ والثناء سنتے تو خشوع کا اظہار کرتے۔ ان کی جلدوں پر کپکپی طاری ہو جاتی وہ رونے لگتے۔ اکثر تابعین کی بھی یہی حالت تھی۔ پھر بعد والے لوگ آپ کی محبت وشوق اور ہیبت اور توقیر کی وجہ سے اس طرح کرنے لگے۔

بعض اسلاف نے فرمایا ہے کہ ہر مؤمن پر واجب ہے کہ وہ جب بھی حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک کرے یا سنے تو عاجزی، انکساری کا اظہار کرے۔ عظمت و توقیر کا مظاہرہ کرے۔ حرکت کرنے سے رک جائے۔ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت اور جلال آلے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا اس کے سامنے تشریف فرما ہے۔ آپ کا اس طرح ادب کرے جس

طرح رب تعالیٰ نے ہمیں آپ کا ادب سکھایا ہے۔ حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کرتے تو اتنا روتے کہ ہمیں ان پر رحم آنے لگتا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ بہت مزاح فرماتے تھے۔ ان کے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو ان کی رنگت زرد ہو جاتی۔ حضرت عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے سامنے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو ان کا رنگ یوں لگتا گویا کہ اس سے خون نچوڑ لیا گیا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے ان کے منہ میں ان کی زبان خشک ہو جاتی۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو اتنا روتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے۔ جب امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ گویا تم انہیں نہیں جانتے اور وہ تمہیں نہیں جانتے۔ حضرت صفوان بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ عبادت گزار تھے جب ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر کیا جاتا تو وہ روتے رہتے حتیٰ کہ لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور انہیں یونہی چھوڑ جاتے۔

آپ سے ملاقات کا شوق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کا شوق رکھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ کیونکہ ہر محب اپنے محبوب سے ملنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ بعض اہل محبت نے فرمایا ہے "محبوب سے ملاقات کرنے کا شوق رکھنا ہی محبت ہے" حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "محبت محبوب کی صفات کا مشاہدہ کرنے اور ان صفات کے اسرار کو دیکھنے کا نام ہے۔ پھر نعمتوں کے حصول کا مشاہدہ کیا جائے۔ خواہ یہ زیارت حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہو۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شوق زیارت زیادہ ہو جاتا اور آتش محبت تیز تر ہو جاتی تو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو جاتے آپ کے مشاہدہ سے سکون پاتے۔ آپ کی محفل میں بیٹھ کر لذت حاصل کرتے۔ آپ کی زیارت سے روح کو تسکین دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برکت حاصل کرتے۔ حضرت عبیدہ بن خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بستر پر نہیں جاتے تھے۔ بلکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملنے کا اشتیاق آلیتا وہ کہتے "وہ سب سے زیادہ نمازیں پڑھتے تھے" وہ نماز میں مصروف ہو جاتے۔ پھر کہتے "میرا دل ان کی طرف مشتاق ہوتا ہے۔ ان سے ملاقات کرنے کا شوق طویل ہو گیا ہے۔ مولا! مجھے جلدی اپنی طرف اٹھا لے"۔ جب محبت کا ذائقہ دل چکھ لیتا ہے تو وہ مشتاق ہو جاتا ہے۔ اس میں محبت اور طلب کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ وہ محبوب پر صبر اپنے کبائر میں سے سب سے بڑا سمجھتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا۔

اَلصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَوَاطِنِ كُلِّهَا ۔۔۔ اِلَّا عَلَيْكَ فَاِنَّهُ لَا يُحْمَدُ

صبر ہر مقام پر قابل ستائش ہے مگر (اے محبوب) تجھ پر یہ قابل تعریف نہیں ہے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کو گشت کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے کسی خیمہ میں چراغ جلتا ہوا دیکھا۔ ایک بڑھیا اون دھن رہی تھی۔ ساتھ ساتھ یہ اشعار پڑھ رہی تھی۔

عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَاةُ الْاَبْرَارِ ۔۔۔ صَلّٰى عَلَيْهِ الطَّيِّبُوْنَ الْاَخْيَارِ

قَدْ کُنْتُ قَوَّامًا بَکَّاءً بِالْاَسْحَارِ یَا لَیْتَ شِعْرِی وَالْمَنَایَا اَطْوَارُ

هَلْ تَجْمَعُنِی وَ حَبِیْبِی الدَّارِ

پاکباز افراد کے درود وسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں۔ پاک طینت اور صالحین آپ پر درود وسلام کے گلدستے بھیجتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات قیام کرنے والے اور وقت سحر گریہ فرمانے والے تھے۔ کاش! مجھے معلوم ہو جائے جبکہ اموات تو کئی طرح سے آتی ہیں۔ کیا تو مجھے اور میرے محبوب کو ایک گھر میں جمع کرے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ کر رونے لگے۔ پھر خیمہ کے دروازہ کے پاس تشریف لے گئے اور تین بار فرمایا ''السلام علیکم'' پھر اس بڑھیا سے فرمایا ''یہ اشعار دوبارہ پڑھو'' اس نے غمزدہ اور حزین آواز میں یہ اشعار پڑھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا ''عمر کو فراموش نہ کرو'' اس بڑھیا نے کہا ''وَعُمَرُ فَاغْفِرْ لَهُ یَا غَفَّارُ'' اے مغفرت کرنے والے! عمر کی خطائیں بھی بخش دے۔

روایت ہے کہ ایک عورت کو بعد از وصال دیکھا گیا۔ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والی تھی۔ اس سے پوچھا گیا ''رب تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا ''اس نے مجھے بخش دیا ہے'' پوچھا گیا ''کس لئے؟'' اس نے کہا ''میری محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زیارت کی شوق کی وجہ سے'' آواز دی گئی ''جو ہمارے محبوب کی زیارت کا مشتاق ہو ہمیں اپنے عذاب سے اسے ذلیل کرنے سے شرم آتی ہے۔ بلکہ ہم اسے اور اس کے محبوب کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں''۔

محبت قرآن

اس کتاب زندہ سے محبت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے۔ جسے لے کر آپ تشریف لائے جس کے بیان کردہ اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ سے خود کو آراستہ کیا۔ اگر تم یہ دیکھنا چاہو کہ تم میں اور کسی دوسرے میں محبت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس میں زیادہ ہے تو اس کے دل میں محبت قرآن حکیم دیکھ لو۔ کیونکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جو کسی سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کا کلام اور باتیں اسے ساری چیزوں سے محبوب ہوتی ہیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اگر ہمارے دل پاک ہو جائیں تو کلام الٰہی سے کبھی بھی نہ بھریں'' ایک محب کا دل اپنے محبوب کے کلام سے کیسے بھر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کا انتہائی مطلوب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''مجھے قرآن حکیم پڑھ کر سناؤ'' انہوں نے عرض کی ''کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پڑھ کر سناؤں۔ جبکہ یہ کتاب لاریب آپ پر نازل ہوئی ہے''۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں۔ تم مجھے سناؤ'' انہوں نے سورۃ النساء پڑھنا شروع کی۔ جب وہ اس آیت طیبہ پر پہنچے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ (النساء)

''تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ''۔

تو حضور ﷺ نے فرمایا "کافی ہے" انہوں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضور ﷺ کی چشمان مقدس سے لگاتار آنسوؤں کے گوہر ہائے آبدار گر رہے تھے۔

یہ نایاب لذت اس شخص کو نصیب ہوتی ہے جس کا دل نور الٰہی سے منور ہو گیا ہو اور کتاب عزیز کو سنتے وقت اس کے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ

"اور جب سنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں آنسوؤں سے اس لئے کہ پہچان لیا انہوں نے حق کو"۔ (المائدہ:83)

عوارف المعارف کے عظیم مصنف رحمۃ اللہ علیہ (رب تعالیٰ ہمیں ان کے مشرب کی حلاوت چکھائے) نے لکھا ہے "یہ سماع، وہ سماع حق ہے جس میں اہل ایمان کے دو افراد کے مابین بھی اختلاف نہیں ہے۔ ایسی سماعت کرنے والے کو سب نے ہدایت یافتہ ہی کہا ہے یہ سماع اپنی حرارت یقین کی ٹھنڈک پر اتارتی ہے تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ کیونکہ یہ سماع کبھی غم کے اعتبار سے طوفان لاتا ہے۔ غم کی تاثیر گرم ہوتی ہے۔ کبھی شوق ومحبت کے اعتبار سے سیلاب امڈتا ہے۔ شوق ومحبت کی تاثیر بھی گرم ہوتی ہے۔ کبھی ندامت وخجالت کی وجہ سے سیل بے پناہ آتا ہے ندامت کی تاثیر بھی گرم ہوتی ہے۔ جب سماع اس شخص کے دل سے ان صفات کو ہیجان بخشتی ہے جس کا دل برد یقین سے لبریز ہوتا ہے تو وہ رونے لگتا ہے۔ آنسو بہاتا ہے کیونکہ حرارت اور برودت جب سماع کے وقت دل میں جمع ہونے لگتی ہیں تو ان کا اثر جسم پر ظاہر ہوتا ہے اور جلد لرز جاتی ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (الزمر:23)

"اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے"۔

بعض اوقات اس کا وقوع عظیم ہوتا ہے۔ اس کا اثر دماغ تک جاتا ہے۔ آنکھ سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔ بعض اوقات اس کا اثر روح تک جاتا ہے۔ روح اس میں موجزن ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے وہ تنگ سینہ ہو جائے اور سننے والا مضطرب اور چیخ وپکار کرنے لگے۔ یہ سارے وہ احوال ہیں جنہیں اصحاب احوال پاتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تلاوت کے وقت کوئی آیت طیبہ پڑھتے تو رونے کی وجہ سے ان کا گلا بند ہو جاتا تو وہ گر پڑتے۔ اس کی وجہ سے ایک یا دو روز تک گھر ہی رہتے۔ حتیٰ کہ لوگ انہیں مریض سمجھ کر ان کی عیادت کرنے آتے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوتے تو وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے "ہمیں اپنے رب کی یاد دلائیں" وہ کتاب زندہ کی تلاوت کرتے۔ صحابہ کرام اسے سنتے۔ وہ سماع قرآنی میں اتنا وجد، لذت، حلاوت اور سرور پاتے جو شیطانی سماع سننے والوں سے کئی گنا زائد ہوتا۔ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جسے اشعار سن کر تو ذوق وطرب آتا ہو لیکن آیات طیبہ کے وقت اس پر یہ کیفیت طاری نہ ہوتی ہو۔ دیگر آواز سن کر تو اسے ذوق آتا ہو لیکن قرآن پاک سنتے وقت اس پر یہ کیفیت طاری نہ ہوتی ہو اور جب اس

کے سامنے اشعار پڑھے جائیں تو وہ مخمور شخص کی طرح جھکنے لگے تو جان لو کہ یہ اس امر کی قوی دلیل ہے کہ اس کا دل محبت الٰہی اور عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے خالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی حلاوت عطا فرمائے۔ آپ کی سنت مطہرہ اور رحمت کے علاوہ کسی اور رستے پر نہ چلائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ اور حدیث پاک سے محبت

جس شخص کے دل میں ایمان کی حلاوت اتر جاتی ہے جب وہ کلام الٰہی میں سے ایک کلمہ یا حدیث پاک سنتا ہے تو اس سے اس کی روح، اس کا دل اور نفس خوش ہو جاتے ہیں۔ اسے اس کلمہ سے راحت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا ہر موئے تن سراپا گوش بن جاتا ہے۔ ذرہ ذرہ سراپا چشم بن جاتا ہے۔ وہ کل کو کل کے ساتھ سماعت کرتا ہے۔ کل کو کل کے ساتھ دیکھتا ہے۔ وہ یوں پکارتا ہے۔

لِیْ حَبِیْبٌ خَیَالُہٗ نَصْبُ عَیْنِیْ وَ سِرُّہٗ فِیْ ضَمَائِرِیْ مَدْفُوْنٌ

میرا ایک محبوب ہے جس کا تصور ہمہ وقت میری نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔ اس کا راز میرے جسم کی گہرائیوں میں مدفون ہے۔

اِنْ تَذَکَّرْتُہٗ فَکُلِّیْ قُلُوْبٌ اَوْ تَاَمَّلْتُہٗ فَکُلِّیْ عُیُوْنٌ

اگر میں اس کا ذکر کرتا ہوں تو سارے دل کے ساتھ اور اگر اس میں غور وفکر کرتا ہوں تو ساری آنکھوں کے ساتھ کرتا ہوں۔

اس وقت اس کے دل کو نورانیت حاصل ہوتی ہے۔ دلائل کے ظہور کے وقت تحقیق کی امواج اس پر موجزن ہوتی ہیں۔ محبوب کی شفقت وعنایت اسے سیراب کر جاتی ہے۔ محبوب کی عنایت سے بڑھ کر اس کے دل کے لئے اور کوئی چیز زیادہ سیراب کرنے والی نہیں ہوتی۔ محبوب کے اعراض سے بڑھ کر اس کے لئے کوئی عذاب اور مصیبت تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ اہل نار کو جسمانی عذاب سے اتنی تکلیف نہیں ہوگی جتنی اذیت انہیں اس وقت ہوگی جب انہیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے روک دیا جائے گا جس طرح کہ اہل جنت کے لئے اللہ تعالیٰ کا دیدار اس کے خطاب کی سماعت اور رضا اور اس کی توجہ جسمانی نعمتوں سے فزوں تر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مشرب کی حلاوت کے ذوق سے محروم نہ کرے۔ آمین

محب محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر شریف اور اسم منیف کے وقت لذت محسوس کرے

محب کے لئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک ایسے نشے کی مانند ہو جس میں اس کا دل، سماعت اور بصارت مستغرق ہو جائے۔ اس ذوق وشوق اور گدازی کا سبب وہ لذت ہوتی ہے جو عقل پر غالب ہوتی ہے۔ جبکہ اس لذت کا سبب محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک ہے۔ جب محبت قوی ہوتی ہے محبوب کا ادراک قوی ہوتا ہے تو آپ کے ادراک کی لذت ان دونوں امور کی قوت کے تابع ہوگی۔ ذرا دل میں اس کنگال اور مفلس کا تصور کرو جو دنیا سے بہت زیادہ محبت کرتا ہو۔ اسے ایک عظیم خزانہ مل جائے۔ وہ امن وآشتی کے ساتھ اس پر غلبہ پالے۔ خوشی سے اس کی حالت کیا ہوگی۔ یا اس شخص کو ذہن میں لاؤ جس کا غلام

کثیر رقم لے کر مدت مدید تک غائب رہے۔ اسے اس کی موت کا یقین ہو چکا ہو کہ اچانک غلام سارا مال لے کر اس کے پاس آ جائے۔ اسے کئی گناہ نفع بھی ملا ہو۔ اگر کسی دلکش اور دلربا آواز سے یہ سماع سنی جائے جو آواز صفات نبویہ سے متصف ہو تو یہ لذت اور قوی ہو جاتی ہے۔ اگر اسے مناسب موقع اور مقام نصیب ہو جائے تو پھر سامع کی لذت کے متعلق نہ پوچھو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الحان کی لذت اور غم واندوہ کی لذت جمع ہو جاتی ہے۔ پھر روح کو ایک عجیب سی لذت اور ذوق نصیب ہوتا ہے جو شراب کے نشے سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

حدیث پاک میں ہے کہ روز حشر حضرت داؤد علیہ السلام عرش کے پایہ کے پاس کھڑے ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ جب اہل جنت ان کی شیریں آواز سنیں گے تو ان کی نعمتوں کی لذت سماع کی لذت میں مستغرق ہو جائے گی۔ اس سے بھی بڑی نعمت انہیں اس وقت نصیب ہو گی۔ جب وہ رب تعالیٰ کا کلام اور خطاب سنیں گے۔ مگر جب وہ رب تعالیٰ کے دیدار کی لذت سے شاد کام ہوں گے تو پھر وہ جنت کی نعمتوں سے مستغنی ہو جائیں گے۔ اس وقت کا منظر نہ الفاظ بیان کرنے کی قوت رکھتے ہیں۔ نہ ہی اشارات اس روح پرور منظر کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ یہ وصف ہر کان کے نصیب میں نہیں۔ اس ابر کرم سے ہر زمین اور چشمہ کو حیات نو نصیب نہیں ہو سکتی۔ ہر ایرے غیرے کو اس سے سیراب نہیں کیا جا سکتا۔ ہر سننے والا اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ دستر خوان ہے جس پر کوئی طفیلی نہیں بیٹھ سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پاک، صحابہ کرام، اولاد اطہار اور قرابت داروں سے محبت

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق سے ممتاز فرمایا ہے۔ فضائل اور شمائل میں بے مثال بنایا ہے۔ آپ کے ساتھ کسی کی اگر نسبت ہو گئی یا نسب پاک کا تعلق قائم ہو گیا اسے بھی رفعت عطا فرما دی۔ جس بلند اقبال شخص نے آپ کی اطاعت کی، آپ کی نصرت کی یا شرف صحابیت حاصل ہو گیا اللہ تعالیٰ نے اس کی محبت کو بھی لازم قرار دے دیا۔ اس ذات کریمانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اطہار اور اہل بیت پاک کی محبت کو فرض قرار دیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (الشوریٰ: 23)

''آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے''۔

ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ (الاحزاب)

''اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو۔ اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے''۔

یہ آیت طیبہ اپنے ماقبل اور مابعد کے سیاق کے حوالے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے متعلق نازل ہوئی۔ مگر یہ سارے اہل بیت کی تطہیر پر بھی دلالت کر رہی ہے۔ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم تھے۔ آپ ان میں سے ہر ایک

کو اپنے دست حق نما سے پکڑے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپ کاشانہ اقدس میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب کیا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھالیا۔ حضرات حسنین کریمین کو اپنی مبارک ران پر بٹھالیا۔ پھر ان پر اپنی چادر مبارک پھیلادی۔ پھر مذکورہ بالا آیت طیبہ کی تلاوت کی۔ پھر یہ دعا مانگی۔

''پروردگار! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ میرے اہل بیت سب سے زیادہ مستحق ہیں''۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا میں بھی آپ کے اہل بیت میں سے ہوں'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم بھی میرے اہل بیت میں سے ہو'' حضرت واثلہ فرماتے ہیں ''مجھے سب سے زیادہ امید افزاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی فرمان ہے''۔

امام احمد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس میں موجود تھے کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ایک ہنڈیا لے کر حاضر خدمت ہوئیں جس میں خزیرہ تھا۔ انہوں نے یہ کھانا پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اپنے شوہر نامدار اور نوران نظر کو بلا لاؤ'' حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضی اللہ عنہم حاضر خدمت ہوئے۔ یہ سارے حضرات قدسیہ بیٹھ کر وہ کھانا تناول فرمانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چادر مبارک تھی۔ حضرت فاطمۃ الزہراء فرماتی ہیں کہ میں میں اپنے حجرہ مقدسہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا کچھ حصہ اٹھایا اور اسے ان حضرات قدسیہ پر پھیلا دیا۔ پھر اپنا دست حق نما باہر نکالا اور اس کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یہ دعا مانگی ''یہ میرے اہل بیت اور خاصان میں سے ہیں۔ پروردگار ان سے ناپاکی دور فرما اور انہیں خوب پاک صاف فرما''۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں ''میں نے اپنا سر حجرہ مقدسہ سے باہر نکالا اور عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی آپ کے ساتھ ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم بھلائی کی طرف ہو۔ تم بھلائی کی طرف ہو''۔

امام مسلم نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے اٹھے۔ پہلے آپ نے رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا ''امابعد! اے لوگو! میں تمہاری مثل بشر ہوں۔ ممکن ہے کہ عنقریب میرے پاس میرے رب کا قاصد آجائے۔ میں اسے لبیک کہہ دوں۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ اس کتاب زندہ کو مضبوطی سے تھام لو۔ اسے مضبوطی سے پکڑ لو''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ابھارا اور ترغیب دی۔ پھر فرمایا ''دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ ان کے متعلق میں تمہیں رب تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار اسی طرح فرمایا''۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی ''کیا آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کے اہل بیت میں شامل نہیں ہیں''۔ انہوں نے فرمایا ''کیوں نہیں؟ آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔ البتہ آپ کے اہل بیت میں وہ خاندان شامل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، ان سے پوچھا گیا ''وہ کون سے خاندان ہیں؟ انہوں نے فرمایا ''وہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں''۔ ان سے عرض کی گئی ''کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟'' انہوں نے فرمایا ''ہاں!'' حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مفہوم یہ کہ یہ آیت طیبہ صرف

امہات المومنین رضی اللہ عنہن تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ بھی آپ کی آل کے ساتھ شامل ہیں۔ جو شخص قرآن کریم میں غور و فکر کرتا ہے اس پر یہ امر مخفی نہیں رہتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اس آیت کریمہ میں شامل ہیں کیونکہ سیاق کلام میں ان کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب:34)

''اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں''۔

امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب مجھے بلایا جائے گا۔ میں پیک اجل کو لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو نفیس چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ وہ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں۔ کتاب اللہ وہ رسی ہے جو آسمان سے زمین کی سمت لٹکائی گئی ہے۔ اور میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ اس لطیف و خبیر ذات نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے حتیٰ کہ وہ میرے ساتھ حوض پر ملاقات کرلیں گے''۔

امام بخاری نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اے لوگو! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے متعلق آپ کا خیال رکھو اور انہیں اذیت نہ دو''۔

امام بخاری نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ صبح و شام اس کی طرف سے تم پر نعمتوں کا ابر کرم برستا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے میرے ساتھ محبت کرو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اہل بیت سے محبت کی اس نے ان کے ساتھ میری وجہ سے محبت کی۔ جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا۔ اس نے میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا''۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اہل بیت سے بغض رکھا وہ منافق ہے'' ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اہل بیت میں سے کسی کے ساتھ نیکی کی وہ دنیا میں اس کا بدلہ چکانے سے عاجز آگیا۔ میں روز حشر اس کا بدلہ چکا دوں گا''۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

یا آل بیت رسول اللہ حبکمو　　فرض من اللہ فی القرآن انزلہ
یکفیکم من عظیم الفخر انکمو　　من لم یصل علیکم لا صلاۃ لہ

اے اہل بیت اطہار! آپ کی محبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قرآن پاک میں فرض ہے جو اس نے اتارا۔ تمہارے لئے یہی فخر کافی ہے کہ جس نے تم پر درود و سلام نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ایک اور شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رائیت ولائی آل طٰہ فریضتہ　　علی رغم اھل البعد یورثنی القربا

فما طلب المبعوث اجرا علی الھدی　　بتبلیغہ الا المودۃ فی القربی

میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ محبت کرنا فرض ہے۔ اہل بعد کی ذلت کے باوجود وہ محبت قرب عطا کرتی ہے ہدایت کی تبلیغ کرنے پر آپ نے اہل بیت کی محبت کے علاوہ اور کوئی اجر طلب نہیں کیا۔

امام ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ دعا مانگی ''مولا! میں ان شہزادوں سے پیار کرتا ہوں تو بھی ان سے پیار کر اور ان کے ساتھ پیار کرنے والے کے ساتھ بھی پیار کر''۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو شہزادوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''جس نے میرے ساتھ محبت کی۔ ان دو شہزادوں کے ساتھ محبت کی۔ ان کے والد گرامی اور والدہ محترمہ کے ساتھ محبت کی وہ روز حشر میرے ساتھ میرے درجہ پر ہوگا''۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اذیت دی۔ اس نے مجھے اذیت دی''۔

امام ذہبی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے حضرت علی المرتضیٰ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی''۔ آپ نے فرمایا ''عباس بن عبد المطلب مجھ سے اور میں ان سے ہوں۔ تم حضرت عباس کو اذیت نہ دیا کرو ورنہ تم مجھے اذیت دو گے۔ جس نے حضرت عباس کو برا بھلا کہا اس نے مجھے برا بھلا کہا'' امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے کہ ایمان کسی شخص کے دل میں داخل نہیں ہوتا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرے''۔

امام بغوی نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ''میں تم سے دو اعتبار سے محبت کرتا ہوں۔ ایک تو قرابت داری کی محبت اور دوسری محبت اس لئے کرتا ہوں کیونکہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا تم سے محبت کرتے تھے''۔

امام دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ابو سفیان بن حارث میرے اہل میں سے بہترین ہیں'' امام حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اہل بیت کے ساتھ جو شخص بھی بغض رکھتا ہے رب تعالیٰ اسے آگ میں داخل فرمائے گا''۔

جہاں تک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کا تعلق ہے تو ان سے محبت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کی توقیر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر کی عکاس اور ان کی عزت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کی غماز ہوتی ہے۔ کامل مومن وہی ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہے۔ ان کی عزت وتکریم کرتا ہے۔ ان کے اقوال اور افعال کی اقتداء کرتا ہے۔ ان کی عمدہ تعریف کرتا ہے۔ وہ اس اختلاف سے رک جاتا ہے جو ان کے مابین رونما ہوتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ عداوت رکھنے والے

کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے۔ وہ مؤرخین جاہل راویوں کی روایات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ نہ ہی ان روایات کی طرف التفات کرتا ہے جسے رافضیوں اور بدعتیوں نے نقل کیا ہو، جس میں کسی بھی صحابی کی شان والا کے متعلق گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ بلکہ چاہئے کہ وہ ان کے مابین ہونے والے اختلافات کی عمدہ تاویل کرے۔ اور اس کو حسن نیت پر محمول کرے۔ کیونکہ وہ اسی کے متعلق تھے۔ کسی صحابی کا ذکر خیر بھی برائی کے ساتھ نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات طیبات میں ان کی توصیف بیان کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (سورۃ الفتح 29:)

"(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادتمند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں آپس میں بڑے رحمدل ہیں"۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ نصاریٰ جب ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتے تھے جنہوں نے شام فتح کیا تھا تو وہ کہتے تھے "بخدا! یہ حواریوں سے بہتر ہیں"۔ امام مالک نے رب تعالیٰ کے اس فرمان

لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح 29:)

"تاکہ (آتش) غیض میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار"۔ سے یہ استدلال کیا ہے کہ رافضی کافر ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کیونکہ وہ انہیں غیظ دلاتے ہیں اور جسے صحابہ کرام غیظ دلائیں وہ کافر ہوتا ہے" امام مالک کے اس موقف پر اسلاف کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

"اور سب سے آگے آگے سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے۔ راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے۔ اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کیلئے باغات۔ بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ)

ارشاد ربانی ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَ لَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّاۤ اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ۫ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر)

"(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے

رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں۔ مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں"۔

ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف ہی کافی ہے۔ وہ ان سے راضی ہوگیا ہے اس نے ان کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ وہ اپنے وعدہ کی خلاف نہیں کرتا۔ نہ ہی کوئی اس کے کلمات کو بدلنے والا ہے۔ وہ سمیع وعلیم ہے۔ ارشاد پاک ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:18)

"یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے"۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب)

"اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں۔ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی"۔

عبد بن حمید نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس کی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے" امام ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے رویت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرنا" امام حاکم نے یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

امام بزار اور امام ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رویت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے۔ کھانے کا ذائقہ تو نمک سے ہی بنتا ہے" آپ نے فرمایا "میرے صحابہ کے بارے رب تعالیٰ سے ڈرنا۔ میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنالینا۔ جو ان سے محبت کرتا ہے تو وہ میری محبت کی وجہ سے ہی ان سے محبت کرتا ہے۔ جو ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے تو میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھتا ہے۔ جس نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے اذیت دی جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ رب العزت کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی تو عنقریب رب تعالیٰ اس کی گرفت فرمائے گا"۔

امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ کرام کو برا بھلا نہ کہا کرو۔ اگر تم میں

سے کوئی ایک احد کے برابر سونا بھی صدقہ کر دے تو پھر بھی ان میں سے کسی ایک کے مد یا اس کے نصف تک نہیں پہنچ سکتا''۔

ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی معاوضہ یا بدل قبول نہیں فرمائے گا''۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو ٹھہر جایا کرو''۔ امام دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے سارے عالمین میں سے انبیاء و مرسلین کو چھوڑ کر میرے صحابہ کو منتخب فرمایا۔ ان میں سے خصوصاً یہ چار حضرات میرے لئے منتخب کئے۔ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم''۔

امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''جس نے صحابہ کرام سے بغض رکھا انہیں برا بھلا کہا اس کا مسلمانوں کے مال فئے میں کوئی حصہ نہیں''۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ''جس میں دو خصلتیں ہوں گی وہ نجات پا جائے گا۔ صدق اور حضور رضی اللہ عنہم کے صحابہ کرام سے محبت''۔

حضرت ایوب السختیانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کو قائم کیا۔ جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے راستہ کو واضح کیا۔ جس نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ کے نور سے اجالا پا لیا۔ جس نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے عروۃ الوثقیٰ کو پکڑ لیا۔ جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعریف کی وہ نفاق سے بری ہو گیا۔ جس نے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض رکھا وہ بدعتی، سنت مطہرہ اور سلف صالحین کا مخالف ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا عمل آسمان کی طرف بلند نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرنے لگے اور اس کا قلب سلیم بن جائے''۔

امام طبرانی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے حضرت سہل بن یوسف بن سہل سے وہ اپنے والد گرامی سے اور وہ اپنے پدر بزرگوار سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کی ادائیگی کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا ''اے لوگو! میں ابو بکر سے راضی ہوں۔ ان کا حق پہچانو۔ اے لوگو! میں عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ (رضی اللہ عنہم) سے راضی ہوں۔ ان کے حقوق کی پاسداری کرو۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کو معاف کر دیا ہے۔ میرے صحابہ، سسرالی رشتہ داروں اور میرے دامادوں کے بارے میرے حقوق کی پاسداری کرو۔ تم میں سے کوئی ان سے اپنے حق کا مطالبہ نہ کرے۔ ورنہ روز حشر یہ اس کے لئے تاریکی بن جائے گی''۔ آپ کے سسرالی رشتہ داروں سے مراد آپ کی ازواج مطہرات کے والد حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور آپ کے دامادوں سے مراد آپ

کی نوران نظر کے خاوند جیسے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں۔

ابونعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ''میرے صحابہ کرام اور سسرالی رشتہ داروں کے متعلق میرے حقوق کی حفاظت کرو۔ جس نے میرے حقوق کی پاسداری کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت کرے گا جس نے ان کے متعلق میرے حقوق کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دے گا اور جسے اس نے چھوڑ دیا تو عنقریب وہ اس کی گرفت کرے گا۔

سعید بن منصور نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ''جس نے میرے صحابہ کرام کے بارے میرے حقوق کی نگہبانی کی میں روز حشر اس کی حفاظت کروں گا''۔

الطبرانی نے روایت کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے صحابہ کرام کے بارے میرے حقوق کی نگرانی کی وہ میرے حوض کوثر پر میرے پاس آئے گا۔ جس نے ان کے بارے میرے حقوق کی نگرانی نہ کی وہ میرے حوض پر میرے پاس نہ آسکے گا۔ وہ صرف دور سے ہی میری زیارت کر سکے گا''۔

حضرت کعب الاحبار سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے ہر ہر صحابی کو روز حشر شفاعت کرنے کا اختیار ملے گا۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا ''جس نے حضور کے صحابہ کرام کی توقیر نہ کی وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لایا۔ ہم رب تعالیٰ سے التجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صحابہ کرام کی محبت میں دوام عطا فرمائے۔ ان کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے اور ان کی شفاعت کے ساتھ کامیاب ہونے کی توفیق دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وصال مبارک

یہ ایک ایسا باب ہے جس کا مضمون آنکھوں سے آنسو رواں کر دیتا ہے۔ غم واندوہ کی وجہ سے مصائب دوچند ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کے جگروں پر دکھوں کی آگ شعلہ بار ہو جاتی ہے۔ موت اپنی شدت اور سختی کی وجہ سے بالطبع ناپسند کی جاتی ہے۔ انبیاء کرام میں سے کسی نبی کا بھی وصال نہیں ہوا مگر انہیں اختیار دیا جاتا۔ جب سورۃ النصر کا نزول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس سورت سے مراد یہ ہے ''اے محمد عربی! جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر شہروں کی فتوحات کے دروازے کھول دیئے ہیں لوگ گروہ در گروہ آپ کے دین حق میں داخل ہونے لگیں تو آپ کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے۔ حمد اور استغفار کے ساتھ ہماری ملاقات کی تیاری کریں۔ فریضۂ رسالت و تبلیغ جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے جو کچھ ہمارے پاس آپ کے لئے ہے وہ دنیا سے بہتر ہے۔ آپ ہمارے پاس آنے کی تیاری کریں۔ امام طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت طیبہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل امین سے فرمایا ''تم نے مجھے وصال کا پیغام سنایا ہے'' حضرت جبرائیل امین نے کہا۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ (الضحیٰ)

''اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے''۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ فرمایا ''بندۂ (خاص) کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ یا تو اس کے پاس دنیا کی زیب و زینت آجائے یا وہ پسند کرے جو اس کے لئے حریم ناز میں ہے۔ اس بندۂ (خاص) نے وہ پسند کر لیا ہے جو اس کے لئے درگاہ ربوبیت میں ہے'' یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ انہوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ! ہمارے باپ اور ہماری مائیں آپ پر نثار!'' ہم نے تعجب کیا۔ لوگوں نے کہا ''اس بوڑھے کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو اختیار دیا ہے کہ یا تو وہ دنیا کی زیب و آرائش پسند کر لیں یا وہ کچھ اختیار کر لیں جو ان کے لئے حریم ناز میں ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں ''ہمارے باپ اور مائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا! راوی کہتے ہیں ''اس وقت حضور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا تھا اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس کا سب سے زیادہ علم تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رفاقت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو اپنا خلیل بنا لیتا۔ لیکن اسلامی اخوت ہی کافی ہے۔ مسجد میں کھلنے والے سارے روشن دان بند کر دیئے جائیں سوائے حضرت ابو بکر کے روشن دان کے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے متعلق بتاتے رہے حتیٰ کہ آپ علیل ہو گئے۔ مرض کا آغاز ماہ صفر کے آواخر میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ روز علیل رہے۔ ہفتہ کے روز مرض کا آغاز ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق سوموار یا منگل کے روز مرض کا آغاز ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تھے۔ دوسرے قول کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نوبت کے مطابق ہر ام المومنین رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدسہ میں تشریف لے جاتے رہے۔ جس طرح کہ آپ کا صحت کی حالت میں معمول تھا۔ جب درد شدت اختیار کر گیا تو آپ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تمام امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ میں آگئے۔

امام بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''جب آپ میرے حجرہ مبارکہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ کا درد شدت اختیار کر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھ پر سات کنوؤں کا پانی انڈیلو۔ جن کے مشکیزوں کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں۔ تاکہ میں لوگوں سے کچھ عہد لے سکوں۔ ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے آنگن میں بٹھایا پھر ان مشکیزوں کا پانی آپ پر انڈیلا۔ حتیٰ کہ آپ نے دست اقدس کا اشارہ کیا کہ کیا تم نے یہ کام مکمل کر لیا ہے......... اس روایت میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اس کھانے کا درد محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب اس زہر نے میری گردن کی شہ رگ کاٹ دی ہے پھر آپ کو شدید بخار نے آلیا۔

ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک چادر تھی۔ اس چادر پر جو

ہاتھ رکھتا تھا اس کے نیچے سے بخار محسوس ہوتا تھا۔ جب آپ ﷺ سے گزارش کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "ہم گروہ انبیاء پر مصائب اسی طرح شدت سے آتے ہیں پھر ہمارے لئے اجر و ثواب کئی گناہ کر دیا جاتا ہے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ کو تیز بخار تھا۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو شدید بخار ہے"۔ آپ نے فرمایا "ہاں! مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں سے دو افراد کو ہوتا ہے" میں نے عرض کی "آپ کے لئے اجر بھی دوگنا ہوگا"۔ آپ نے فرمایا "ہاں! اسی طرح ہے" امام بخاری نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور اکرم ﷺ نے مرض وصال میں حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کو یاد فرمایا۔ ان سے کچھ سرگوشی کی وہ گریہ بار ہو گئیں پھر اپنے پاس بلایا اور سرگوشی کی تو وہ مسرور ہو گئیں۔ جب بعد میں ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا "پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس مرض میں آپ کا وصال ہو جائے گا" میں یہ سن کر رونے لگی۔ پھر آپ نے مجھے بتایا کہ آپ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے میں آپ سے ملاقات کروں گی تو میں مسکرانے لگی"۔

جب آپ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو نماز کے لئے تشریف لے جانا آپ کے لئے مشکل ہو گیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا "حضرت ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ابوبکر نرم دل انسان ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو گریہ کی شدت کی وجہ سے کچھ نہ سنا سکیں گے"۔ آپ نے فرمایا "حضرت ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس طرح عرض کی۔ آپ نے فرمایا "تم حضرت یوسف علیہ السلام کی ساتھی عورتوں کی طرح ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق کو حکم دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں"۔ بعض روایات میں ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے عرض کی "میں نے بار بار اپنی بات عرض کی۔ میں نے اپنی بات بار بار اس لئے عرض کی کیونکہ میرے دل میں خیال آیا تھا کہ لوگ آپ کے بعد جسے پسند کریں آپ کا خلیفہ بنا دیں"۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی ظاہری حیات طیبہ میں صحابہ کرام کو سترہ نمازیں پڑھائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مصلی امامت پر کھڑا کرنے میں یہ اشارہ تھا کہ آپ کے بعد خلیفہ وہی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "آپ نے انہیں ہمارے دین کے لئے پسند کیا۔ کیا ہم اپنی دنیا کے لئے انہیں منتخب نہ کریں؟"

جب انصار رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کے درد کی شدت دیکھی تو پروانہ وار مسجد نبوی کے گرد چکر لگانے لگے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے انصار کی فریفتگی اور محبت کا ذکر کیا پھر حضرت فضل رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بھی انصار کے عشق و عقیدت کے متعلق عرض کی۔ پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے بھی انصار کی محبت اور عقیدت کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم ﷺ حضرت علی اور حضرت فضل رضی اللہ عنہما کے ساتھ ٹیک لگا کر باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آگے آگے تھے۔ حضور ﷺ نے سر اقدس پر کپڑا باندھا ہوا تھا۔ مبارک ٹانگیں زمین پر لگ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ آپ منبر کی نچلی سیڑھی پر تشریف فرما ہو گئے۔ لوگ پروانہ وار اٹھ کر آپ کی طرف

تشریف لے گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا "اے لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارے نبی کریم ﷺ کے وصال نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے کیا مجھ سے قبل مبعوث ہونے والے انبیاء روئے زمین پر باقی رہے ہیں کہ میں تم میں ہمیشہ رہوں گا۔ میں اپنے رب تعالیٰ سے ملنے والا ہوں تم مجھ سے ملوگے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم مہاجرین اولین کے ساتھ بھلائی کرو۔ میں مہاجرین کو آپس میں صلح وصفائی کے ساتھ رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر)

"قسم ہے زمانہ کی یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے"۔

امور اللہ تعالیٰ کے اذن سے جاری ہوتے ہیں کسی امر کی سست روی تمہیں اس کے جلدی آجانے پر نہ ابھارے۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کی عجلت کی وجہ سے عجلت نہیں کرتا۔ جو اللہ تعالیٰ سے لڑتا ہے۔ رب تعالیٰ اس پر غالب آجاتا ہے جو رب تعالیٰ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اس کے مکر کی سزا دیتا ہے۔ اگر تم نے روگردانی کی تو تم زمین میں فساد برپا کرنے لگو گے۔ اور قطع رحمی کرو گے۔ میں تمہیں انصار کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔ انہوں نے ہی تمہیں اپنے گھروں میں پناہ دی۔ تم ان پر احسان کرو۔ کیا انہوں نے تمہیں پھلوں میں شامل نہیں کیا؟ کیا انہوں نے تمہارے لئے اپنے گھروں کے دروازے کھول نہیں دیئے۔ کیا انہوں نے تمہیں اپنی ذات پر ترجیح نہیں دی۔ تم میں سے جو ان کے دو افراد کے مابین فیصلہ کرنے کا والی بنے تو وہ ان کے محسن سے قبول کرلے اور ان کے گناہ گار سے درگزر کرے۔ ارے! ارے! انہیں چھوڑ کر کسی اور کو مخصوص نہ کرو۔ ارے! میں تمہارا پیش رو ہوں اور مجھ سے بعد میں ملوگے تمہارے ساتھ ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ جو مجھ سے کل ملاقات کرنے کا خواہاں ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان روک لے سوائے لازمی امر کے۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ انصار کی ایک محفل کے متعلق بیان کرتے ہیں "ایک محفل میں انصار گریہ بار تھے۔ جب عرض کی گئی کہ وہ کیوں رو رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا "ہمیں حضور اکرم ﷺ کی محفل پاک یاد آ گئی" ان میں سے ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے متعلق بتایا۔ حضور اکرم ﷺ حجرہ مقدسہ سے باہر تشریف لائے۔ سر اقدس چادر مبارک سے باندھ رکھا تھا۔ منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس کے بعد منبر پر جلوہ افروز نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا "میں تمہیں انصار کے بارے وصیت کرتا ہوں۔ وہ میری جماعت اور صحابی ہیں۔ انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے ہیں۔ ان کے حقوق ابھی باقی ہیں۔ ان کے نیکوکار سے قبول کرلو۔ ان کے خطا کار سے درگزر کرو"۔

"المواہب" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ نے ہمیں ایک ماہ قبل ہی اپنے وصال سے آگاہ فرما دیا تھا۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو ہم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کے حجرہ مقدسہ میں جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "رب تعالیٰ نے تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشی۔ اس نے تم پر رحم فرمایا۔ اس نے تمہیں درست کیا۔ تمہیں رزق عطا فرمایا۔ تمہاری مدد کی۔ تمہیں رفعت بخشی اور تمہیں پناہ دی۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اسے ہی تم پر جانشین بناتا ہوں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتا ہوں۔ میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے شہروں اور اس کے بندوں پر سرکشی نہ کرو۔ اسی نے مجھے اور تمہیں فرمایا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص)

"یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو ان لوگوں کے لیے جو خواہش نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی اور نہ فساد برپا کرنے کی اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے"۔

ارشاد ربانی ہے۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ (الزمر:60)

"کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا؟"۔

ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا وصال مبارک کب ہوگا؟" حضور ﷺ نے فرمایا "فراق کی گھڑیاں قریب آگئیں ہیں۔ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہے۔ جنت الماویٰ کی طرف جانا ہے" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! ﷺ آپ کو غسل کون دے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "میرے اہل بیت کے افراد درجہ بدرجہ" ہم نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہم آپ کو کن کپڑوں میں کفن دیں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "انہی کپڑوں میں اگر پسند کرو تو مصر کپڑوں میں یا یمنی حلہ میں" ہم عرض پیرا ہوئے "یا رسول اللہ! ﷺ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم مجھے غسل دے چکو۔ مجھے کفن پہنا چکو تو میری یہ چارپائی میری قبر انور کے کنارے پر رکھ دینا۔ پھر باہر نکل جانا۔ پہلے حضرت جبرائیل امین پھر حضرت میکائیل، پھر حضرت اسرافیل پھر حضرت ملک الموت میری نماز جنازہ پڑھیں گے۔ ان کے ہمراہ ملائکہ کے لشکر ہوں گے۔ پھر گروہ در گروہ میرے پاس آنا۔ مجھ پر صلوۃ و سلام پڑھنا۔ پہلے میرے اہل بیت کے مرد حضرات پھر ان کی پاکدامن خواتین نماز جنازہ پڑھیں۔ پھر تم میری نماز جنازہ پڑھنا۔ میرے جو صحابہ یہاں موجود نہ ہوں۔ انہیں میرا اسلام دینا اور آج کے بعد جو بھی روز حشر تک میرے دین پر میری اتباع کرے اسے میرا اسلام دینا"۔ ہم عرض گزار ہوئے "یا رسول اللہ! آپ کو قبر انور میں کون داخل کرے گا؟" آپ نے فرمایا "میرے اہل بیت میرے رب کے ملائکہ کے ہمراہ"۔ (الطبرانی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے علالت سے قبل فرمایا "کبھی بھی کسی نبی نے وصال نہیں فرمایا حتیٰ کہ وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لیتا ہے۔ پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے"۔ جب آپ کو مرض لاحق ہوا اور وصال کا وقت قریب آیا تو آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور یہ دعا مانگی "اللھم الرفیق الاعلیٰ" میں نے کہا "اب آپ ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے" میں سمجھ

گئی کہ جو حدیث مبارک آپ ہم سے بیان فرماتے تھے وہ بالکل صحیح ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے وصال سے قبل آپ کو غور سے سنا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ یہ دعا مانگ رہے تھے اللھم اغفرلی و ارحمنی والحقنی بالرفیق الاعلی۔

امام عبدالرزاق نے حضرت طاؤس سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اختیار دیا گیا کہ میں اس دنیا میں رہوں حتیٰ کہ میں دیکھ لوں کہ میری امت کے ہاتھوں کیا کچھ فتح ہوتا ہے یا میں جلدی بارگاہ والا میں چلا جاؤں۔ میں نے جلدی جانا پسند کیا''۔

حضرت ابن حبان نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ اسعد حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کے ہمراہ مانگا'' ظاہر ہے کہ رفیق اعلیٰ سے مراد وہ مقام ہے جہاں مذکورہ ملائکہ کی موافقت نصیب ہو''۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ آپ نے انبیائے کرام کی وہ جماعت مراد لی جن کی سکونت اعلیٰ علیین میں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا رفیق (رحیم) ہے۔ اس وقت اس سے مراد رحمت و رأفت ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد ''حضرۃ القدس'' ہے۔

''المواہب'' میں ہے '' آپ کے لئے جب حق تعالیٰ کی تجلیات اور انوار ظہور پذیر ہوئے تو آپ کے اور محسوسات اور حظوظ ضروریہ کے مابین تعلق کمزور ہوتا گیا۔ آپ کے احوال مبارکہ میں رفعت پیدا ہوئی۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا ''ہر وہ دن جس میں قرب الٰہی میں اضافہ نہ ہو تو اس روز کے طلوع آفتاب میں میرے لئے برکت نہ ڈالی گئی ہو''۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے جدا ہوئے اور اس سے بلند تر منصب پر فائز ہوئے تو پہلے مقام کو آپ ناقص سمجھتے۔ آپ محبت کے مرکب پر سوار ہو جاتے۔ یہ مراحل اور مقامات و احوال کو طے کرنے کے لئے اور حضرت ذی جلال میں جانے کے لئے یہ کتنی عمدہ سواری ہے جس ذات والا کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے''۔

امام سہیلی رقمطراز ہیں '' آپ کا وصال ان کلمات طیبات پر ہوا۔ اس میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ یہ کلمات طیبات توحید اور ذکر بالقلب کو شامل ہیں حتیٰ کہ اس سے آپ کے علاوہ دیگر افراد کے لئے رخصت بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس وقت زبان سے ذکر کرنا شرط نہیں کیونکہ بعض افراد اس وقت بولنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اگر دل ذکر الٰہی سے آباد ہو تو کوئی حرج نہیں''۔

حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''ایک روایت اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی۔ آپ نے جنت میں اپنا مقام ملاحظہ فرمایا۔ پھر آپ کی روح واپس لوٹا دی گئی پھر آپ کو اختیار دیا گیا''۔ مسند میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ''ہر نبی کی روح قبض کر لی جاتی ہے وہ اپنا ثواب ملاحظہ کرتا ہے پھر اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے اور اسے اختیار دیا جاتا ہے'' مجھے آپ کا یہ فرمان حق یاد تھا۔ میں نے حضو

اکرم ﷺ کو اپنے سینہ سے لگا رکھا تھا جب آپ نے اوپر دیکھا تو میں نے کہا "بخدا! آپ اب ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے"۔ پھر آپ نے فرمایا "مع الرفیق الاعلیٰ فی الجنتہ"

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

"تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں ساتھی"۔

صحیح ابن حبان میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "حضور ﷺ پر غشی طاری ہوگئی۔ آپ کا سر اقدس میری گود میں تھا۔ میں اسے چھونے لگی اور آپ کے لئے شفاء کی دعا مانگنے لگی۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو فرمایا "میں اللہ تعالیٰ سے حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل کے ہمراہ رفیق الاعلیٰ کا سوال کرتا ہوں۔ جب آخری لحات آئے اور درد شدت اختیار کر گیا۔ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "میں نے اتنا شدید درد کسی کو ہوتے نہ دیکھا تھا جتنا شدید درد حضور ﷺ کو تھا۔ حضور ﷺ کے پاس ایک پیالہ پڑا ہوا تھا۔ آپ اپنا دست اقدس اس میں ڈالتے پھر وہ ہاتھ اپنے چہرۂ انور پر مل لیتے۔ آپ یہ دعا مانگتے۔

"اللھم اعنی علی سکرات الموت"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ اس وقت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے لگے۔ بلاشبہ موت کے لئے سکرات ہیں۔ علماء کرام نے فرمایا ہے "یہ سکرات درد کی وجہ سے تھے اور یہ آپ کے بلند مقام و منصب کی وجہ سے تھے۔ تاکہ صبر میں امت مرحومہ آپ کی اقتداء کرے"۔

حافظ ابن رجب نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "مولا! تو ہڈیوں، پٹھوں اور پورے کے درمیان سے روح نکالتا ہے۔ اس پر میری اعانت فرما اور اسے مجھ پر آسان فرما"۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ جب آپ ﷺ کا درد شدت اختیار کر گیا تو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے کہا "والد گرامی مرتبت! آپ کا درد کتنا شدید ہو گیا ہے" تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "آج کے بعد آپ کے والد گرامی مرتبت کو درد نہ ہوگا"۔

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "سوموار کے روز صحابہ کرام نماز فجر میں مصروف تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہیں امامت کرا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے اچانک ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مقدسہ کا پردہ سرکایا اور صحابہ کرام کو دیکھا۔ وہ نماز کے لئے صف باندھے کھڑے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹے تاکہ حضور صف تک پہنچ سکیں۔ انہوں نے گمان کیا کہ شاید حضور ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں حضرت انس نے فرمایا "قریب تھا کہ مسلمانوں کو حضور ﷺ کی وجہ سے یارائے ضبط نہ رہتا اور فرحت و انبساط کی وجہ سے نماز توڑ دیتے"۔ حضور اکرم نے انہیں ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی نماز

مکمل کرو۔ پھر آپ حجرہ مقدسہ کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ لٹکا دیا"۔ دوسری روایت میں ہے کہ اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ ایک اور روایت میں ہے "تین روز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف نہ لائے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت کراتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ اٹھانے کا حکم دیا۔ حجرہ مقدسہ کا پردہ اٹھا دیا گیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ والضحیٰ باہر نکلا تو ہم نے اس قدر دلآویز اور دلکش منظر پہلے نہیں دیکھا تھا۔ آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت کروانے کا اشارہ کیا اور پردہ دوبارہ نیچے لٹکا دیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درد شدت اختیار کر گیا تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی صحابہ کرام کو امامت کراتے رہے۔ حتیٰ کہ پیر کے روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کی صفوں میں موجود تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ مبارکہ کا پردہ اٹھایا۔ ہم نے آپ کی سمت دیکھا۔ آپ کھڑے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک گویا کہ مصحف کا ورق تھا پھر آپ تبسم ریز ہوئے"۔

امام بیہقی نے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کو تین دن رہ گئے تو حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! آپ کی عزت و فضیلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے کہ آپ کیسے ہیں؟ آپ نے فرمایا "جبرائیل! مجھے درد کی سخت تکلیف ہے" پھر دوسرے اور پھر تیسرے روز حضرت جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور یہی عرض کی۔ پھر ملک الموت نے اجازت طلب کی۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیک وسلم یہ موت کا فرشتہ ہے۔ اس نے نہ تو آپ سے قبل کسی سے اجازت طلب کی ہے۔ نہ ہی آپ کے بعد کسی سے اجازت طلب کرے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے اجازت دو" فرشتۂ اجل اندر حاضر ہوا وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کی "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں۔ اگر آپ مجھے حکم دیتے ہیں تو آپ کی روح کو قبض کرتا ہوں۔ اگر آپ مجھے اسے چھوڑنے کا حکم دیں گے تو میں روح مبارک کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بڑا مشتاق ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ملک الموت! جس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے کرو"۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی "یا رسول اللہ! آج میں آخری بار دنیا میں آیا ہوں۔ میں یہاں صرف آپ کے لئے آتا تھا۔ فرشتۂ اجل نے آپ کی پاکیزہ روح نکال لی"۔

جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اہل بیت نے گھر کے ایک کونے سے ایک صدا سنی کسی نے کہا "السلام علیکم اهل البیت و رحمة الله و برکاته!"

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران:185)

"ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور پوری مل کر رہے گی تمہیں تمہاری مزدوری قیامت کے دن"۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر تلف ہونے والے کا عوض ہے۔ ہر ہلاک ہونے والے کا نائب ہے، ہر مصیبت سے صبر ہے اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد کرو۔ اسی کے ساتھ ہی امید وابستہ رکھو۔ مصیبت زدہ وہ ہوتا ہے جو ثواب سے محروم ہوتا ہے"۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہے؟ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں"۔

امام بیہقی نے علاوہ دیگر ائمہ مثلاً امام حاکم اور ابن ابی الدنیا سے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام آپ کے اردگرد جمع ہو گئے۔ وہ گریہ بار تھے۔ ان کے پاس ایک ایسا شخص آیا جس کا قد طویل تھا۔ کندھے کے بال کثیر تھے۔ وہ ازار اور چادر میں تھا۔ وہ صحابہ کرام میں سے گزرتا ہوا آیا۔ اس نے کاشانہ اقدس کے دروازہ کو پکڑا اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زار و زار رونے لگا۔ پھر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف توجہ کی اور کہا "اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر مصیبت کا صبر ہے اور ہر ہلاک ہونے والی چیز کا عوض ہے......" پھر وہ شخص چلا گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ" صحابہ کرام نے دائیں بائیں دیکھا۔ مگر انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "شاید یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے" ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے حجرہ مقدسہ میں، میری نوبت میں وصال فرمایا اس وقت آپ کا سر اقدس میرے سینہ پر تھا"۔

امام سہیلی نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جلوہ افروز تھے تو سب سے پہلے آپ نے "اللہ اکبر" کہا تھا۔ اور آخری مبارک کلمات "الرفیق الاعلیٰ" تھے۔ دوسری روایت میں ہے "جلال ربی الرفیع" فرمایا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو اس وقت سیدنا صدیق اکبر "السنح" کے مقام پر تھے۔ یہیں بنو حارث بن خزرج آباد تھے۔ آپ اپنی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہاں چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلوار سونت لی اور اس شخص کو دھمکانے لگے جو کہتا "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے" انہوں نے کہا "آپ کی طرف اسی طرح پیغام بھیجا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا اور وہ اپنی قوم سے چالیس روز تک جدا رہے۔ بخدا! مجھے امید ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے"۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک بھی آپ کے وصال کی خبر پہنچ گئی۔ وہ حجرہ مقدسہ میں آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا اور چومنے لگے۔ وہ زار و زار رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ مجھے اس ذات والا کی قسم جس کے دست تصرف میں میری جان ہے۔ آپ حالت حیات اور حالت وصال میں کتنے پاکیزہ ہیں۔ میرے والدین آپ پر فدا! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا"۔

انہوں نے اپنے اس قول سے ان لوگوں کا رد کیا تھا جو یہ گمان کرتے تھے کہ عنقریب آپ آجائیں گے اور لوگوں کے ہاتھوں کو کاٹیں گے۔ کیونکہ اگر اس طرح ہوتا تو لازم آتا کہ آپ کا ایک اور وصال ہوتا۔ انہوں نے بتادیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام و منصب اس سے بالاتر ہے کہ آپ پر دو موتیں جمع ہوں۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ آپ کے وصال کو اور آپ کی شریعت کی موت (اختتام) کو جمع نہیں کرے گا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے "اللہ تعالیٰ کی قسم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا" سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا۔ اسے بوسہ دیا پھر عرض کی "میرے والدین آپ پر نثار! آپ حالت حیات اور حالت وصال میں کتنے پاکیزہ ہیں۔ مجھے اس ذات کریمانہ کی قسم جس کے تصرف میں میری جان ہے کہ وہ آپ کو دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائے گا۔ پھر وہ کاشانہ اقدس سے باہر نکل آئے انہوں نے فرمایا "اے قسم اٹھانے والے! ذرا ٹھہر جا! جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محو گفتگو ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا "ارے! جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ آپ کا تو وصال ہو گیا ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ ہستی پاک زندہ وجاوید ہے۔ اسے موت نہیں۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ ﷺ) مگر (اللہ کے) رسول۔ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے بھی رسول"۔

یہ سن کر صحابہ کرام پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

حضرت سالم بن عبید الاشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سارے لوگوں سے زیادہ گھبرائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تلوار کو دستہ سے پکڑ لیا اور کہا "میں کسی کو یوں کہتے ہوئے نہ سنوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ ورنہ میں اس تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا" لوگوں نے مجھے کہا "اے سالم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار کو تلاش کرو"۔ میں مسجد کی طرف نکلا تو میں نے وہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ زار و زار رو رہے تھے۔ انہوں نے فرمایا "سالم! کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے؟ میں نے کہا "حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے جسے یوں کہتے ہوئے سن لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے میں اس کا سر قلم کر دوں گا"۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر وہاں سے آئے۔ حتیٰ کہ حجرہ مقدسہ میں داخل ہو گئے آپ کو کپڑے میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ چہرۂ پاک سے کپڑا ہٹایا۔ آپ کے منہ مبارک پر اپنا منہ رکھا۔ ہوا واپس آ گئی۔ پھر آپ کو ڈھانپ دیا۔ انہوں نے ہماری طرف توجہ کی اور یہ آیت طیبہ پڑھی

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے الٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا

اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو"۔ (آل عمران)

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

اے لوگوں جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سن لے کہ آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسے جان لینا چاہئے کہ وہ زندہ و جاوید ہے اسے موت نہیں"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بخدا! گویا کہ میں نے اس آیت طیبہ کی تلاوت کبھی کی ہی نہیں تھی"۔

امام احمد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما آئے۔ انہوں نے اجازت طلب کی۔ میں نے انہیں اجازت دے دی۔ خود پردہ میں چلی گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کی زیارت کی"۔ پھر دونوں چلے گئے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "عمر! حضور کا وصال ہو چکا ہے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہو گا حتیٰ کہ آپ منافقوں کو ہلاک کر دیں گے" پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے کپڑا اٹھایا انہوں نے آپ کی زیارت کی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہا پھر کہا "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا ہے"۔

امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حجرہ مقدسہ سے باہر نکلے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا "عمر! بیٹھ جاؤ" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ صحابہ کرام سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو گئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اما بعد! جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو ان کا وصال ہو چکا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو وہ زندہ و جاوید ہے اسے موت نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: 144)

"اور نہیں محمد (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے بھی رسول"۔

بخدا! یوں لگتا تھا کہ ان لوگوں کو علم ہی نہیں تھا کہ یہ آیت طیبہ بھی نازل ہوئی تھی حتیٰ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تلاوت فرمایا۔ سارے لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ اور اسے پڑھنے لگے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ کہہ رہے تھے "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا آپ کا وصال ہرگز نہ ہو گا حتیٰ کہ آپ سارے منافقین کو قتل کر دیں گے۔ منافقین خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے سر بلند کر لئے ہیں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ارے شخص! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿ (الزمر)

''بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے''۔
آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (انبیاء:34)
''اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لئے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا''۔
پھر وہ منبر کی طرف آگئے۔

امام الطبرانی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یوں کہتے ہوئے سنا ''جس نے کہا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے میں تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا'' حضرت عباس نے پوچھا ''کیا تمہارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد ہے؟ انہوں نے کہا ''نہیں'' انہوں نے کہا ''تو پھر آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ آپ کا وصال نہیں ہوا حتیٰ کہ آپ نے جنگ کی۔ صلح کی، نکاح کیے۔ اور تمہیں چھوڑ دیا''۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی رائے یکساں تھی۔

''المواہب'' میں ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام حیران و ششدر ہو گئے۔ یوں لگتا تھا کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئیں۔ ان میں بعض ایسے تھے کہ جو بیٹھے ہوئے تھے مگر ان میں اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ بعض کی قوت گویائی سلب ہو گئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عقل کی صلاحیتیں بھی سلب ہوتی نظر آتی تھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ بات کرنے پر قادر نہ تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے تھے جو بیٹھ گئے تھے مگر ان میں حرکت کرنے کی طاقت نہ تھی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ کرام سے زیادہ ثابت قدم تھے۔ جب وہ آگئے تو دونوں آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوئے۔ آپ پر جھکے۔ چہرۂ انور سے کپڑا اٹھایا اور کہا'' آپ کی حیات طیبہ اور وصال مبارک کتنا پاکیزہ ہے! آپ کے وصال سے وہ چیز (وحی الٰہی) منقطع ہو گئی جو آپ سے پہلے انبیاء کرام کے وصال سے منقطع نہ ہوئی آپ کے اوصاف عیب تناہی سے بری ہیں۔ آپ رونے اور آہ و فغاں سے بالاتر ہیں۔ اگر آپ کا وصال ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم اپنی جانیں قربان کر دیتے۔ اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلم! ہمیں اپنے رب کے حضور یاد کرنا''۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے حضور کے چہرۂ انور کو بوسہ دیا اور یوں کہا ''اے میری جان سے پیارے محبوب! اے میرے خلیل'' ایک اور روایت کے مطابق وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار بوسہ لینے لگے اور ساتھ ہی زار و زار رونے لگے۔ انہوں نے عرض کی ''میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی حیات طیبہ اور وصال مبارک کتنا پاکیزہ ہے'' پھر وہ باہر لوگوں کی طرف نکل آئے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں ''یہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمال شجاعت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ مصائب کے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قلب انور کتنا محکم رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے بڑھ کر بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس

وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شجاعت پوری طرح عیاں ہوئی"۔

الوائلی ابو عبد نے کتاب الانابۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سنا۔ اس وقت مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو رہی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور کلمۂ شہادت پڑھا پھر فرمایا۔

اما بعد! میں نے کل تم سے ایسی بات کی تھی وہ اس طرح نہ تھی جس طرح میں نے کہی تھی۔ بخدا! میں نے وہ بات نہ تو کتاب الٰہی میں پائی ہے نہ ہی اس کے بارے میرے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد تھا۔ لیکن مجھے امید تو یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال اس وقت ہوگا جب ہم سب دار فانی کو الوداع کہہ جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ کچھ پسند کیا جو اس کے پاس تھا۔ یہ وہ کتاب زندہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت دی۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو ہدایت پا جاؤ گے"۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بات پہلے کی تھی۔ وہ یہ تھی "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال نہیں ہوا۔ آپ کا وصال نہیں ہوگا حتیٰ کہ آپ منافقین کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں گے"۔ پھر انہوں نے رجوع کر لیا۔ یہ اس مصیبت کی گرانی کی وجہ سے تھا جس کا انہیں سامنا کرنا پڑا انہیں فتنہ کا اندیشہ اور منافقین کے ظہور کا خدشہ تھا۔ جب انہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت ملاحظہ کی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمان عالی شان سنے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:185)

"ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے"۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر)

"بے شک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اس آیت طیبہ کی تلاوت کرنے لگے۔ گویا کہ یہ آیت طیبہ اسی دن ہی اتری تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ جب حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو سیدہ کائنات خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے کہا "میرے پیارے ابا جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلایا تو آپ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔ والد گرامی مرتبت! آپ نے جنت الفردوس میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا۔ والد ذی قدر! جبرائیل کو آپ کے وصال کی خبر کون دے گا"۔ امام الطبری نے یہ اضافہ کیا ہے "والد محترم! آپ نے اپنے رب تعالیٰ کا کتنا قرب حاصل کر لیا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا صرف چھ ماہ بحیات رہیں۔ ان چھ ماہ میں کبھی ان کے چہرۂ انور پر مسکراہٹ نہیں آئی۔ ان کا حق بھی یہی تھا۔

ابو نعیم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو فرشتۂ اجل روتا ہوا آسمان کی طرف چلا گیا۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں نے آسمان کی

طرف سے آواز سنی "وا محمداہ" یہ مصیبت جو مسلمانوں کو پہنچی۔ اس جیسی مصیبت کبھی کسی کو نہیں پہنچی۔ اس کے سامنے ہر مصیبت ہیچ نظر آتی ہے۔

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مرض وصال میں فرمایا "اگر کسی شخص (یا کسی مؤمن) کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اس مصیبت کو یاد کرے جس کا میرے وصال کے بعد میری امت کو سامنا کرنا پڑا۔ میرے کسی امتی کو بھی میرے بعد کسی ایسی بڑی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جس کا سامنا اس نے میرے وصال کے وقت کیا"۔

ابن جوزی لکھتے ہیں "جب اہل مدینہ میں سے کسی شخص کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تو اس کا بھائی اس کے پاس آتا۔ اس کے ساتھ مصافحہ کرتا اسے کہتا "عبداللہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں بہترین نمونہ ہے" اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جس نے یہ اشعار کہے ہیں۔

و اصبر لکل مصیبة و تجلد　و اعلم بأن المرء غیر مخلد

و اصبر کما صبر الکرام فانها　نوب تنوب الیوم و تکشف فی غد

واذا اتتك مصیبة تشجی بها　فا ذکر مصابك بالنبی محمد

ہر مصیبت کے لئے صبر کر اور استقلال کا مظاہرہ کر۔ جان لے کہ انسان نے ہمیشہ نہیں رہنا۔ اس طرح صبر کر جس طرح کریم لوگوں نے صبر کیا ہے۔ یہ ایک مصیبت ہے۔ آج آگئی ہے تو کل ختم ہو جائے گی۔ اگر تم پر ایسی مصیبت آجائے جو تمہیں غمزدہ کر دے تو اس مصیبت کو یاد کر لو جو تمہیں حضور ﷺ کے وصال سے پہنچی۔

دوسرے شاعر نے کہا ہے۔

تذکرت لما فرق الدهر بیننا　فعزیت نفسی بالنبی محمد

وقلت لها ان المنایا سبیلنا　فمن لم یمت فی الیوم مات فی غد

جب زمانہ نے ہمارے مابین جدائی ڈالی تو مجھے حضور ﷺ کا وصال یاد آ گیا۔ میں نے حضور ﷺ سے ہی اپنے نفس کو تسلی دی۔ میں نے نفس سے کہا "بلاشبہ ہمارا راستہ اموات کی طرف ہی ہے۔ جو آج نہیں مرا وہ کل مر جائے گا"۔

قریب تھا کہ حضور ﷺ کے فراق کے غم میں جمادات بھی پھٹ جاتیں۔ اہل ایمان کے دلوں کی حالت کیا ہوئی ہو گی۔ جب اس تنے نے آپ کو نہ پایا جس پر ٹیک لگا کر آپ منبر بننے سے قبل خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو وہ بھی آپ کے فراق میں زار زار رونے لگا۔ جب حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ حدیث مبارک بیان کرتے تو رونے لگ جاتے اور فرماتے "یہ خشک لکڑی تھی جو حضور ﷺ کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے تو تم اس بات کے زیادہ مستحق ہو کہ آپ سے عشق کرو"۔

روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد اور دفن سے قبل اذان دیتے۔ جب ان کلمات تک پہنچتے "اشهد ان محمد رسول الله" تو مسجد آہ و فغاں سے لرز جاتی۔ جب آپ کو دفن کر دیا گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہنا چھوڑ دی۔

ما امر عیش من فارق الاحباب خصوصا من کانت رؤیتہٗ حیاۃ الالباب

لوذاق طعم الفراق رضوی لکان من وجدہ یمید

قد جملونی عذاب شوق یعجز عن حملہ الحدید

اس شخص کی زندگی کتنی تلخ ہو جاتی ہے جو اپنے دوستوں سے جدا ہو جائے بالخصوص ایسے شخص کی جدائی جس کا دیدار دلوں کے لئے زندگی ہو۔ اگر رضوی پہاڑ فراق کا ذائقہ چکھ لیتا ہے تو وہ درد سے حرکت کرنے لگتا۔ انہوں نے مجھ پر شوق کا ایسا درد مسلط کیا ہے جس کو برداشت کرنے سے لوہا بھی عاجز ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو سورج ڈھل چکا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تھے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اس روز پیر کا دن تھا۔ آپ کو منگل کے روز یا بدھ کی رات کو دفن کیا گیا۔ دوسری روایت کے مطابق آپ کو بدھ کے روز دفن کیا گیا آپ کی پھوپھو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے بہت سے مرثیے لکھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

الا یا رسول اللہ کنت رجاء نا و کنت بنا برا ولم تک جافیا

یا رسول اللہ ﷺ آپ تو ہماری امید تھے۔ آپ ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے۔ آپ ہم سے اعراض نہیں کرتے تھے۔

و کنت رحیما ھادیا و معلما لیبک علیک الیوم من کان باکیا

آپ مخلوق کے ساتھ رحیم اس کے ہادی اور معلم تھے۔ جو بھی رونے والا ہو وہ آج آپ پر رو لے۔

لعمرک ما ابکی النبی لفقدہ و لکننی اخشی من الھجر آتیا

مجھے تیری زندگی کی قسم میں آپ کے وصال پر نہیں رو رہی۔ بلکہ مجھے تو آنے والے فراق سے خوف آ رہا ہے۔

کان علی قلبی لذکر محمد علی حدث امسی بیثرب ثاویا

حضور ﷺ کو یاد کرتے ہوئے میرے دل کو لو ہے کے داغ لگ رہے ہیں وہ حضور جو مدینہ طیبہ میں آرام فرما ہو گئے ہیں۔

فدی لرسول اللہ امی و خالتی و عمی و خالی ثم نفس و ما لیا

میری امی، خالہ، چچا اور ماموں، میرا نفس اور میرا مال حضور ﷺ پر فدا۔

فلوان رب الناس ابقی نبینا سعدنا لکن امرہ کان ما فیا

اگر اللہ تعالیٰ ہمارے لئے حضور ﷺ کو باقی رکھتا تو یہ ہمارے لئے سعادت تھی لیکن رب کا امر پورا ہو کر رہتا ہے۔

علیک من اللہ السلام تحیۃ و ادخلت جنات من العدن راضیا

آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام ہو آپ کو جنات العدن میں رضا کے ساتھ داخل کر دیا جائے۔

اری حسنا ایتمته و ترکته یبکی و دعو جده الیوم و نائیا

میں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔ آپ نے انہیں یتیم کر دیا ہے۔ وہ رو رہے ہیں اور اپنے جدامجد کو پکار رہے ہیں۔

حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ کا مرثیہ یوں لکھا۔

ارقت فبت لیلی لا یزول و لیل اخی المصیبة فی طول

میں بیدار رہا۔ میری رات ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ مصیبت زدہ کی رات بڑی طویل تھی۔

واسعدنی البکاء و ذاک فیما اصیب المسلمون به قلیل

رونے نے میری مدد کی مسلمانوں کو اس وجہ سے جو مصیبت پہنچی تھی اس کے مقابلہ میں یہ کم تھی۔

لقد عظمت مصیبتنا و جلت عشیة قیل قد قبض الرسول

ہماری مصیبت بہت بڑی ہوگئی۔ وہ رات ہمارے لئے بہت بھاری ہوگئی۔ جب یہ کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرما گئے ہیں۔

واضحت ارضنا مما عراها تکاد بنا جوانبها تمیل

ہماری یہ زمین اس کے سبب جس سے یہ محروم ہوگئی تھی قریب تھا کہ اس کی اطراف ہمارے ساتھ ایک طرف جھک جاتیں۔

فقدنا الوحی والتنزیل فینا یروح به و یغدو جبرائیل

ہم وحی اور قرآن کے نزول کو گم کر بیٹھے جسے صبح و شام حضرت جبرائیل امین علیہ السلام لاتے تھے۔

و ذاک احق ما سالت علیه نفوس الناس او کادت تسیل

آپ اس کے حق دار تھے جس کا لوگوں کے نفوس نے سوال کیا یا قریب تھا کہ وہ بہہ پڑتے۔

نبی کان یجلو الشك عنا بما یوحی الیه و ما یقول

آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہم سے شک دور کرتے تھے۔ اس چیز کے ساتھ جو آپ پر وحی کی جاتی اور اس کے ساتھ جو آپ خود ارشاد فرماتے تھے۔

و یهدینا فلا نخشی ضلالاً علینا والرسول لنا دلیل

آپ ہمیں ہدایت دیتے تھے۔ اب ہمیں گمراہی کا کوئی ڈر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے راہ نما ہیں۔

افاطم ان جزعت فذاك عذر وان لم تجزعی ذاك السبیل

اے خاتون جنت! اگر آپ جزع کریں تو یہ آپ کا عذر ہے اور آپ جزع و فزع نہ کریں تو وہ بھی ایک رستہ ہے۔

فقبر ابیك سید کل قبر وفیه سید الناس الرسول

آپ کے والد گرامی کی قبر انور تمام قبروں کی سردار ہے اور اس میں سارے لوگوں کے سردار حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف

فرما ہیں۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کا مرثیہ اس طرح لکھا۔

ودعنا الوحی اذا ولیت عنا فود عنا من اللہ الکلام

جب آپ تشریف لے گئے تو وحی آنا بھی رک گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام آنا بھی رک گیا۔

سوی ما قد ترکت لنا رھینا تضمنہ القراطیس الکرام

سوائے اس کلام مجید کے جو آپ نے ہمارے لئے قرآن پاک کی صورت میں چھوڑا ہے جسے مبارک اوراق اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

انہوں نے دوسرا مرثیہ اس طرح لکھا۔

لما رائیت نبینا متجندلاً ضاقت علی بعرضھن الدور

جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں لیٹے ہوئے دیکھا تو گھر اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئے۔

فارتاع قلبی عند ذاک لھلکہ والعظم منی ما حییت کسیر

آپ کے وصال کی وجہ سے میرا دل گھبرا اٹھا۔ جب تک میں زندہ رہوں گا میری ہڈیاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہی رہیں گی۔

اعتیق و یحك ان حبك قد ثوی فالصبر عنك لما نعیت یسیر

اے عتیق! تمہارے لئے ہلاکت! تمہارا محبوب تم سے جدا ہو گیا ہے۔ تیرے محبوب کے وصال کی وجہ سے تیرا صبر کم ہو گیا ہے۔

یالیتنی من قبل یھلك صاحبی غیبت فی جدث علی صخور

کاش! میں اپنے محبوب کے وصال سے پہلے ہی چٹانوں پر کسی قبر میں مدفون ہو جاتا۔

فتلحدثن بدائع من بعدہ تعیی بھن جوانح و صدور

ہم ان بدعتوں کے بارے ضرور گفتگو کریں گے جو آپ کے بعد سر اٹھائیں گی جن سے سینے اور پہلو تھک جائیں گے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کیا۔

کنت السواد لناظری فعمی علیك الناظر

من شاء بعدك فلیمت فعلیك کنت احاذر

آپ ہی میری آنکھ کا سیاہ حصہ تھے۔ آپ کے چلے جانے سے دیکھنے والا اندھا ہو گیا آپ کے وصال کے بعد جو چاہے مر جائے مجھے آپ کے وصال کا ہی ڈر تھا۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے بعد حضور کا وصال پایہ تحقیق کو پہنچ گیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس واپس آ گئے۔ وہ روتے ہوئے عرض کر رہے تھے "یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے

والدین آپ پر فدا! آپ کے لئے ایک کھجور کا خشک تنا تھا۔ جس کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ لوگوں کو خطبہ دیتے تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت ہو گئی تو آپ کے لئے منبر بنا دیا گیا۔ تنا آپ کے فراق میں رونے لگا۔ حتیٰ کہ آپ نے اپنا دست اقدس اس پر رکھا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ آپ کی امت مرحومہ آپ پر اس تنے سے زیادہ رونے کی مستحق ہے۔ میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ اس نے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

''جس نے اطاعت کی رسول کی تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی''۔

میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے انبیاء کے بعد مبعوث کیا۔ مگر آپ کا ذکر سب سے پہلے کیا۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب:7)

''اور (اے حبیب) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح سے بھی''۔

میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی فضیلت یہ ہے کہ اہل آتش خواہش کریں گے کہ کاش انہوں نے آپ کی اطاعت کر لی ہوتی حالانکہ وہ درجہ بہ درجہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ (الاحزاب)

''اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول اکرم کی''۔

میرے والدین آپ پر فدا! آپ کی قلیل عمر میں آپ کے پیروکاروں کی تعداد اتنی کثیر ہو گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر کی طوالت کے بعد ان کے متبعین کی تعداد اتنی کثیر نہ ہو سکی۔ آپ پر کثیر لوگ ایمان لے کر آئے جبکہ ان پر قلیل سی تعداد ایمان لائی۔

ابن عساکر نے حضرت ابو ذویب الہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیل تھے۔ قبیلہ کو خدشہ لاحق ہونے لگا۔ میں ساری رات بیدار رہا۔ وقت سحر مجھے نیند نے آلیا۔ مجھے کسی ہاتف کی آواز اس طرح سنائی دی۔

خطب اجل اناخ بالاسلام بین النخیل و مقعد الآطام

قبض النبی محمد فعیوننا تذری الدموع علیه بالسحام

اسلام پر گراں مصیبت آ پڑی ہے۔ کھجوروں اور قلعوں کے درمیان یعنی مدینہ طیبہ میں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے جبکہ ہماری آنکھیں آپ کے وصال پر لگاتار آنسو بہا رہی ہیں۔

میں فوراً بیدار ہوا۔ آسمان کی سمت دیکھا۔ میں نے صرف سعد الذابح کو دیکھا۔ مجھے علم ہو گیا کہ یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے یا آپ قریب الوصال ہیں۔ میں مدینہ طیبہ حاضر ہو گیا میں نے اہل مدینہ کی طرف سے آہ و بکا سنی۔ گویا کہ حاجی حالت احرام میں تلبیہ کہہ رہے ہوں۔ میں نے کہا'' مجھے بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے''۔

عجیب امر یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا'' ہمیں علم نہیں

کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح کپڑے اتاریں جس طرح ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیں''۔ صحابہ کرام کا باہم اختلاف ہوا تو رب تعالیٰ نے ان سب پر نیند طاری کر دی۔ ان میں سے ہر شخص اپنے سینے پر سر جھکائے ہوئے تھا۔ پھر کسی نے کاشانہ اقدس کے گوشہ سے آواز دی۔ صحابہ کرام کو علم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ اس نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کے ملبوسات مبارکہ سمیت غسل دو''۔ صحابہ کرام بیدار ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح غسل دیا۔ آپ کی مبارک قمیص کے اوپر سے ہی انہوں نے غسل دیا۔ وہ اس پر ہی پانی ڈالتے جاتے اور اوپر سے ہی ملتے رہے۔

امام بیہقی نے اس روایت کو ''دلائل النبوۃ'' میں جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کو غسل دینے کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ حضرت عباس اور ان کے لخت جگر حضرت فضل رضی اللہ عنہما حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کر رہے تھے۔ حضرات قثم بن عباس، اسامہ بن زید اور شقران مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی ڈال رہے تھے۔ ان سب نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ رکھی تھیں تا کہ وہ آپ کے جسد اطہر کو نہ دیکھ سکیں انہیں خدشہ تھا کہ آپ کا کوئی ایسا عضو پاک ظاہر نہ ہو جائے جسے دیکھنے کی اجازت نہ ہو۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی چشم مبارک پر پٹی نہ تھی۔ وہ آپ کو غسل دیتے ہوئے یوں عرض کر رہے تھے ''میرے والدین آپ پر فدا! آپ حالت حیات اور حالت وصال میں کتنے پاکیزہ ہیں''۔

روایت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس وقت صدائے غیبی سنی جب وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دے رہے تھے۔ ''آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی'' تا کہ وہ کہیں لگا تار آپ کو نہ دیکھتے رہیں۔

امام بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ''میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دے رہا تھا اور میں وہ چیزیں (فضلات وغیرہ) دیکھنے لگا جو میت کے اندر سے عموماً نکلتی ہیں۔ مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ آپ حالت حیات اور حالت وصال میں پاکیزہ تھے۔ آپ سے عمدہ مہک اٹھ رہی تھی۔ لوگوں نے آج تک اتنی عمدہ خوشبو نہیں سونگھی۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک پلکوں پر پانی جمع تھا اور وہ مبارک پانی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نوش جان کیا تھا'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جن میں نہ قمیص تھی نہ ہی عمامہ'' اس روایت کے مفہوم میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ کفن میں قمیص اور عمامہ بالکل نہ تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ آپ کو قمیص اور عمامہ کے علاوہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جب صحابہ کرام غسل اور کفن دینے سے فارغ ہوئے تو آپ کی چارپائی آپ کے کاشانہ اقدس میں رکھ دی گئی۔ صحابہ کرام گروہ در گروہ کاشانہ اقدس میں داخل ہونے لگے۔ وہ آپ کے حضور صلوۃ وسلام کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ آپ کی نماز جنازہ کی امامت کسی نے نہیں کرائی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سب سے پہلے ملائکہ نے گروہ در گروہ صلوۃ وسلام عرض کیا۔ پھر آپ کے اہل بیت حاضر ہوئے۔ پھر لوگ گروہ در گروہ صلوۃ وسلام عرض کرنے لگے۔ پھر خواتین حاضر خدمت ہوئیں۔

اس بات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہو گیا ہے کہ آپ کو کس جگہ دفن کیا جائے۔ قبر انور کہاں بنائی جائے۔ بعض صحابہ کرام نے کہا "منبر کے پاس" بعض نے کہا "جنت البقیع میں" حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا" آپ نے فرمایا "کسی نبی کا وصال نہیں ہوا مگر اسے اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں اس کا وصال ہوا" حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے بھی یہ فرمان عالی شان سنا ہے (ترمذی، ابن ماجہ)

"الموطا" کی روایت ہے "کسی بھی نبی کو صرف اور صرف اس جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا وصال ہوتا ہے" اس جگہ آپ کی قبر انور کھودی گئی جہاں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ نے قبر انور کھودنے کی سعادت ابدی حاصل کی۔ صحابہ کرام میں اختلاف ہو گیا کہ آپ کو قبر انور میں کون داخل کرے۔ صحیح روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت فضل اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم قبر انور میں اترے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ قبر انور میں اترے۔ حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما سب سے بعد میں قبر انور سے نکلے کیونکہ وہ وہیں ٹھہرے رہے حتیٰ کہ سارے حضرات باہر نکل آئے۔

روایت ہے کہ آپ کی قبر انور میں سات پکی اینٹیں بنائی گئیں۔ آپ کے نیچے نجرانی کپڑا بچھایا گیا۔ آپ یہی مبارک کپڑا اوڑھتے بھی تھے۔ حضرت شقران رضی اللہ عنہ نے اسے آپ کے نیچے بچھایا۔ پھر کہا "بخدا! آپ کے بعد اسے کوئی اور استعمال نہیں کرے گا" آپ کے نیچے اس طرح کپڑا بچھانا آپ کی خصوصیت ہے۔ دوسرے افراد کے متعلق جمہور علماء کرام نے مکروہ لکھا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے فرمایا "کیا تمہارے دلوں نے قبول کر لیا کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو"۔ انہوں نے قبر انور کی مبارک مٹی لی اور اپنی چشمان مقدس پر رکھ لی۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

مَاذَا علی من شم تربت احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لوانها صب علی الایام عدن لیا لیا

جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی خوشبو سونگھ لی اگر وہ تادیر خوشبو نہ سونگھے تو اسے کوئی حرج نہیں۔

مجھ پر اتنے مصائب آئے ہیں اگر وہ مصائب دنوں پر آتے تو وہ رات بن جاتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق انہوں نے یہ اشعار بھی کہے۔

اغبر آفاق السماء و کورت شمس النهار و اظلم العصران

والارض من بعد النبی کئیبة اسفا علیه کثیرة الرجفان

فلیبکه مشرق البلاد وغربها و لیبکیه مصر و کل یمان

آسمان کے آفاق غبار آلود ہو گئے ہیں۔ دن کا سورج بے نور ہو گیا ہے اور دن اور رات تاریک ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما ہو جانے کے بعد زمین دکھی ہے۔ افسوس کی وجہ سے اس پر سخت زلزلہ بپا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ مشرق و

مغرب کے شہر آپ پر روئیں اور مصر اور یمن والے روئیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر انور پر پانی چھڑکنے کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے سر اقدس کی طرف سے پانی چھڑکنا شروع کیا۔ سرخ و سفید سنگریزے اوپر ڈال دیئے۔ آپ کی قبر انور کو زمین سے بالشت بھر اونچا رکھا گیا۔ جب آپ کی روح مبارک کو قبض کیا گیا تو روح مقدسہ کے استقبال کے لئے جنتیں سج گئیں۔ دنیا تاریک ہوگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہوئے میں نے اس سے زیادہ حسین اور روشن دن کبھی نہ دیکھا اور جس روز آپ کا وصال ہوا اس سے تاریک ترین دن کبھی نہ دیکھا''۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس مبارک دن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رونق افروز ہوئے تو وہاں کی ہر چیز نور فشاں ہوگئی۔ جس روز آپ کا وصال ہوا تو وہاں کی ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ ہم نے ابھی تک اپنے ہاتھوں سے مٹی بھی نہ جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو متغیر پایا''۔ یعنی ان کے دل اس حالت سے متغیر ہو چکے تھے جو حالت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں تھی۔ مثلاً الفت، صفا، رقت وغیرہ کیونکہ ان کو آپ کی تعلیم اور تائید سے مدد نصیب ہوتی تھی۔

عجیب معجزات

آپ کے وصال کے بعد آپ کے یعفور نامی دراز گوش پر غم و حزن کا کوہ گراں ٹوٹ پڑا۔ حتیٰ کہ اس نے اپنے آپ کو کنویں میں گرا لیا۔ آپ کی مبارک ناقہ کی بھی یہی غمناک حالت تھی اس نے نہ کھایا۔ نہ پیا۔ حتیٰ کہ دار فانی سے سدھار گئی۔ ان کے علاوہ وہ کثیر معجزات ظاہر ہوئے جن کے بارے آپ نے فرمایا تھا کہ وہ آپ کے وصال کے بعد ظاہر ہوں گے۔ وہ ان گنت اور بے شمار ہیں۔

امام مسلم نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ جب کسی امت کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس سے پہلے اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے۔ وہ اسے اس کے لئے پیش رو بنا دیتا ہے۔ جب وہ کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے وہ اسے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جب کہ اس کا نبی ابھی تک بحیات ہوتا ہے وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ ان کی ہلاکت سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی تکذیب کرتی ہے۔ اس کے حکم کی نافرمانی کرتی ہے۔ جس طرح کہ حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت لوط علیہم السلام کی امتوں کے ساتھ ہوا۔ کسی بھی امت کے نبی کا اس سے قبل وصال ہو جانا اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر امتی پہلے مر جائیں تو ان کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو انہیں باقی رکھ کر ان کی بھلائی کو باقی رکھتا ہے۔ وہ نسل در نسل ان عبادات اور حسن معاملات کی حفاظت کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

هذا ما يسره الله من سير النبي و نسأل الله ان يجعلنا من التابعين له المتمسكين بشريعته المقتفين لآثره المقتدين به وان يحشرنا في زمرته و زمرة اصحابه و اهل بيته و ان يمنحنا من المدد المحمدي ما منحه عباده الصالحين وان يمتعنا بلذة النظر الى وجهه الكريم من غير عذاب يسبق و صلى الله على سيدنا محمد و على آله و صحبه و سلم۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ناز کے طفیل آج میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عظیم تالیف ''السیرۃ النبویہ'' از حضرت علامہ سید احمد بن زینی دحلان رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ مکمل کرنے کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے میرے لئے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین

غبار راہ طیبہ
ذوالفقار علی ساقی
مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ
03-12-2009

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد رسول اللہ

لاہور ضیاء القرآن پبلی کیشنز پاکستان